بسم اللہ الرحمن الرحیم

القرآن العظیم

تفسیر ماجدی مکمل

مع

ترجمہ و تفسیر:

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی

پاک کمپنی (رجسٹرڈ)
۱۷-اردو بازار لاہور

سورۃ الفاتحۃ ف۱ سورۃ کے لفظی معنی بلندی یا بلند منزل کے ہیں۔ السورة الرفعة (راغب) السورة المنزلة الرفيعة (لسان) جس طرح دُنیا کی دُوسری کتابیں مختلف بابوں میں تقسیم ہوتی ہیں، قرآن کے ہر باب کو سورۃ کہتے ہیں۔ گویا ہر سورۃ ایک بلند منزل کا نام ہے۔ و بها سمیت السورة من القران ای رافعته (لسان) به سمیت سورة القران لا جلال و رفعته (تاج) سورۃ کے دوسرے معنی شہر پناہ کی دیوار کے بھی ہیں سور المدينة حائطها (راغب) سورۂ قرآنی کو سورہ اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ گویا وہ فصیل شہر کی طرح اپنے مضامین کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ قرآن مجید کو مختلف سورتوں میں تقسیم و ترتیب رسول اللہ ﷺ خود فرما گئے تھے۔ آنحضورؐ ہی کے ارشاد کے مطابق ایک سورۃ شروع کی جاتی تھی اور دوسری ختم۔ کل قرآنی سورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے۔ ف۲ **فاتحہ** کے لفظی معنی ہیں ابتدا کرنے والی کے۔ قرآن مجید کی اس ابتدائی سورت کو بھی اسی لیے الفاتحہ کہتے ہیں۔ یہ گویا دیباچہ قرآن ہے۔ سورتوں کے نام بھی رسول اللہ ﷺ ہی کے رکھے ہوئے ہیں۔ اکثر ایک ایک سورت کے کئی کئی نام روایت ہوئے ہیں۔ اس فاتحۃ الکتاب کے بھی متعدد نام احادیث میں آئے ہیں۔ سورۃ الشفاء، سورۂ وافیہ، اُم القرآن وغیرہ قرطبی نے ۱۲ نام گنائے ہیں۔ مشہور ترین نام یہی الفاتحہ ہے۔ سورۃ کے فضائل سے احادیث لبریز ہیں۔ اہمیت خاص اسی سے ظاہر ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا واجب ہے۔ بلکہ شافعیہ کی تحقیق میں فرض ہے۔ کوئی نماز بغیر قرآن کے اس جزو کے مکمل نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ شیطان چار مرتبہ خاص طور پر رویا چلایا ہے، اور ان چار میں سے ایک موقع نزول سورۂ فاتحہ کا ہے۔ سورۂ فاتحہ گو صورۃً مختصر ہے، لیکن بلحاظ معنویت و جامعیت گویا دریا کوزہ میں بند ہے۔ منکرین و مخالفین تک اس کے ایجاز کے اعجاز کے قائل ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے۔ ”حمد باری کی یہ زبردست مناجات...... سلیس اتنی کہ مزید تشریح سے بے نیاز۔ اس پر معنویت سے لبریز“۔ (جلد ۱۵ صفحہ ۹۰۳ طبع یازدہم) ف۳ قرآنی سورتوں کی ایک اہم تقسیم بہ لحاظ زمانہ نزول کی گئی ہے۔ جو سورتیں قبل ہجرت نبوی یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ قیام مکہ میں نازل ہوئیں، خواہ ان کا نزول حدودِ شہر مکہ سے باہر ہی ہوا ہو مکی کہلاتی ہیں۔ اور جو سورتیں بعد ہجرت نبوی، یعنی زمانہ قیام مدینہ میں نازل ہوئیں، وہ مدنی کہلاتی ہیں، خواہ ان کا نزول حدودِ شہر مدینہ سے باہر ہی ہوا ہو۔ لیکن یہ تقسیم صرف عمومی حیثیت سے ہے۔ ورنہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدنی سورت کے اندر مکی آیتیں رکھا دی ہیں، یا اس کے برعکس۔ ربط مضمون و مناسبت مقام کا صحیح تر و لطیف تر احساس رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اور کس کو ہو سکتا تھا؟ اس لیے کسی متعین آیت کے باب میں اس کے مکی یا مدنی ہونے کا فیصلہ جزم کے ساتھ کرنا دشوار ہے۔ روایتیں جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں، کوئی درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی نہیں ہیں۔ محض مفید ظن ہیں۔ مفید یقین نہیں۔ اور اس قسم کے عقلی و قیاسی معیار کی مثلاً یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے شروع ہونے والی آیتیں لازمی طور پر مدنی ہوں گی اور یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ سے شروع ہونے والی لازمی طور پر مکی، محض اکثری و تخمینی ہیں۔ کلی اور قطعی نہیں۔ اور محض ان روایات و نظریات کے ماتحت کسی آیت پر جزم و وثوق کے ساتھ کوئی حکم لگا دینا، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ قرآن مجید کی کسی جدید ترتیب پر اُسے ترتیب نزولی کا نام دے کر آمادہ ہو جانا بڑی ہی جسارت کا کام ہے۔ اصل میں یہ بلا مسیحیوں کے ہاں سے آئی ہے کہ انہیں نے اپنے ہاں کے قدیم و جدید دونوں صحیفوں کو اس قسم کی سرتا سر ظنی بلکہ وہمی ”تحقیقات“ کا تختۂ مشق بنا رکھا ہے۔ ف۴ سورۃ کے اندر کی ایک بڑی تقسیم کا نام رکوع ہے۔ بڑی سورتوں میں اکثر رکوع دس دس آیتوں پر رکھے گئے ہیں۔ اور یہ اتنی مقدار ہے جو ایک رکعت میں بہ آسانی پڑھی جا سکتی ہے۔ سورۂ فاتحہ کے علاوہ پارہ ۳۰ کی ۳۴ چھوٹی سورتوں میں بھی کل ایک ہی ایک رکوع ہے۔ ف۵ ایة کے لفظی معنی نشان کے ہیں۔ اصطلاح میں سورت کے اندر کی سب سے چھوٹی تقسیم کا نام ہے۔ ہر فقرہ جس میں کوئی حکم ہو، یا وہ ایک مستقل عبارت ہو، ایک آیت ہے۔ وقيل لكل جملة من القران دالة على حكم اية (راغب) و قد يقال لكل كلام منه منفصل بفصل لفظی اية (راغب) قرآن مجید کی کل آیتیں شمار کر لی گئی ہیں اور ان کی میزان بقولِ اصح ۶۰۲۱۶ ہے (اتقان) ف۶ قرآن مجید کی کل الفاظ بھی شمار کر لیے گئے ہیں۔ اور ان کی میزان بقول اصح ۷۷۰۹۳۴ ہے (اتقان) ف۷ کل حروفِ قرآنی بھی شمار کر لیے گئے ہیں، اور ان کی میزان بقول اصح ۳۲۳۰۶۷۰ ہے (اتقان) اللہ اللہ کلام الٰہی کے عاشق و شیدائی کیسی کیسی دیدہ ریزیاں اس کے واسطے کر گئے ہیں! ف۸ قرآن مجید کا یہ افتتاحی فقرہ بجز ایک سورت کے، ہر سورت کی ابتدا میں دُہرایا گیا ہے، یعنی ۱۱۳ بار اور سورہ النمل کے اندر عبارت میں بہ طور آیت قرآنی بھی آیا ہے۔ اور اس لیے اس کے جزوِ قرآن ہونے نہ ہونے کی بابت تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ آیا ہر سورت کی ابتدا میں بھی اس کی حیثیت بطور ایک مستقل آیت کے ہے؟ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے کہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سورتوں کے درمیان محض بطور علامت فرق و تمیز کے اور شروع میں بطور افتتاحی فقرہ کے ہے۔ امام مالکؒ بھی اسی مسلک سے متفق ہیں۔ قال مالک و ابو حنيفة ليست فی اوائل السورة باية و انما هی استفتاح ليعلم بها مبدءها (ابن العربی) مفصل بحث جصاص رازیؒ حنفی کی احکام القرآن میں موجود ہے۔ ہر جائز کام کی ابتدا بسم اللہ سے کرنے کی بڑی فضیلتیں حدیث میں وارد ہوئی ہیں۔ اور خود رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک یہی تھی کہ کھانا کھاتے، پانی پیتے، وضو کرتے، جانور ذبح کرتے، غرض اس قسم کے سارے کاموں کی ابتدا بسم اللہ ہی سے کرتے۔ اور ہے بھی یہی کہ جو شخص کسی کام کو خدائے رحمٰن و رحیم کا نام لے کر شروع کرتا ہے، وہ عملاً اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ میرا ضمیر پاک ہے، میری نیت مخلصانہ ہے، میرا مقصد اعلیٰ ہے اور میں توحید کا پرستار ہوں۔ ایک طرف شرک سے اور

۱ سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ۵

سورۂ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی

اٰیاتها ۷ — اس میں ۷ آیتیں
رکوعها ۱ — اور ایک رکوع ہے

۲۵ لفظ ۱۲۳ حروف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے ف۸

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ

(ساری) تعریف ف۹ اللہ کے لئے ہے ف۱۰ (وہ) سارے جہان کا مربی ف۱۱ (وہ) رحمٰن ف۱۲

الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اِیَّاكَ

(وہ) رحیم ف۱۳ (وہ) مالک روزِ جزا کا ف۱۴ ہم بس

نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ

تیری ہی عبادت کرتے ہیں ف۱۵ اور بس تجھی سے مدد چاہتے ہیں ف۱۶ چلا ہم کو سیدھا

الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ

راستہ ف۱۷ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام

عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ۝ ع

کیا ہے ف۱۸ نہ ان لوگوں کا (راستہ) جو زیر غضب آ چکے ہیں ف۱۹ اور نہ بھٹکے ہوؤں کا ف۲۰

٢ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ٨٧

سورۂ بقرہ مدنی ہے

اٰیاتھا ٢٨٦	رکوعاتھا ٤٠
اس میں ٢٨٦ آیتیں ہیں	اور ٤٠ رکوع ہیں

٦٠٢١ لفظ ٣٠ ہزار حروف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے وٚ٣

الٓمّٓ ۝١ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى

الف لام میم وٚ٤ یہ کتاب وٚ٥ (کہ) کوئی شبہ اس میں نہیں وٚ٦ ہدایت ہے (اللہ سے)

لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٢ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

ڈر رکھنے والوں کے لئے وٚ٧ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں وٚ٨

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣

اور نماز کی پابندی کرتے ہیں وٚ٩ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں وٚ١٠

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ

اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو آپ پر اتارا گیا ہے وٚ١١

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٤

اور (اس پر) جو آپ سے قبل اتارا گیا ہے وٚ١٢ اور آخرت پر بھی (وہ) پورا یقین رکھتے ہیں وٚ١٣

دوسری طرف الحاد سے بیزار۔غرض بسم اللہ سے بڑھ کر قوت بخش اور اس سے زیادہ رُوح واخلاق کو بلند کرنے والا ذکر کوئی اور نہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ کی ب نحویوں کی اصطلاح میں باء الاستعانت کہلاتی ہے، پڑھنے والا گویا یوں کہتا ہے کہ میں شروع کرتا ہوں اس کلام کو اللہ کے نام سے مدد چاہتے ہوئے۔اور یہ کہہ کر بسم اللہ خواں اپنی اور سب کی طرف سے قطع نظر کر کے تکیہ کر لیتا ہے اللہ کی ذات اور اس کی صفات رحمانیت و رحیمیت پر۔ وٚ٩ اللہ اللہ کے لیے اسم ذات ہے۔ کسی اور ہستی پر اس کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔فارسی کے خدا یا انگریزی کے گاڈ کی طرح اسم نکرہ نہیں کہ معبود واحد کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی بولا جا سکے۔اس کی نہ جمع آئی ہے، نہ یہ کسی لفظ سے مشتق ہے اور نہ اس کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں ممکن ہے۔ عَلَمٌ للذات واجب الوجود المستجمع بجميع صفات الكمال غير مشتق (تاج) لم يُسَمَّ به غيره تبارک و تعالٰی و لهٰذا الا يعرف فی كلام العرب له اشتقاق من فعل يفعل (ابن کثیر) رحمٰن کا صحیح ترجمہ دشوار ہے۔مصدر رحمة سے صیغہ مبالغہ ہے فعلان کے وزن پر، زیادتی صفت کے لیے۔جس کے بعد زیادتی کا کوئی درجہ نہ ہو۔ معناه عند اهل اللغة ذو الرحمة التی لا غاية بعدها فی الرحمة (تاج) مبالغة فعلان مثل غضبان و سكران من حيث الاستيلاء والغلبة (بحر) اسم ذات ''اللہ'' کی طرح اسم صفت، رحمٰن کا اطلاق بھی صرف ذاتِ باری ہی پر ہوتا ہے۔ ولا يطلق الرحمٰن الا علی الله تعالٰی (راغب) اسم مخصص بالله لا يجوز ان يسمّٰی به غيرهٗ (تاج) یہ بات اتفاقی نہیں بہت پر معنی ہے کہ قرآن مجید میں اسم ذات کے بعد جو سب سے پہلا اسم صفاتی ارشاد ہوا ہے وہ صف رحمانیت کا مظہر ہے۔لین پول (Lane Poole) انگریز اسی لیے اپنے ہم قوموں کو سنا کر کہتا ہے کہ ''لوگ یہ بات برابر بھول جاتے ہیں کہ قرآن کے اندر وصف رحمت پر کتنا زور دیا گیا ہے''۔ رحیم بھی اسم صفت صیغہ مبالغہ ہے۔ فعیل کے وزن پر۔تکرار و تواتر کے اظہار کے لیے۔ مبالغة الفعيل من حيث التكرار (بحر) گویا صفت رحمت و شفقت کی انتہائی قوت کا اظہار رحمٰن سے ہو رہا ہے اور انتہائی کثرت کا رحیم سے۔اس فرق کے اظہار کے لیے رحمٰن کا ترجمہ ''نہایت رحم کرنے والے'' اور رحیم کا ترجمہ ''بار بار رحم کرنے والے'' سے کیا گیا ہے۔ رحمٰن میں شانِ کرم کا عموم ہے مومن و کافر سب کے لیے۔اور اسی لیے اس کا ظہور اسی دنیا میں بھی ہو رہا ہے۔رحیم میں تجلّی مرحمت و مغفرت کا خصوص ہے اہل ایمان کے ساتھ۔اس لیے اس کا پورا ظہور آخرت ہی میں ہوگا۔اور اسی معنی میں یہ حدیث صحیح مسلم میں صحابی ابن مسعودؓ کے واسطہ سے آئی ہے کہ الرحمٰن رحمٰن الدنيا و الرحيم و رحيم الأخرة۔اور اسی معنی میں جعفر صادقؒ کا بھی یہ قول نقل ہوا ہے۔ الرحمٰن اسم خاص لصفة عامة والرحيم اسم عام لصفة الخاصة (تاج) صوفیانہ مذاق پر ایک تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ رحمانیت وہ تربیت ہے جو ذرائع و وسائط کے ساتھ ہو، اور رحیمیت وہ تربیت ہے جو براہ راست و بلا واسطہ ہو۔ رحمانیت وہ شفقت ہے جو طبیب مریض کے ساتھ رکھتا ہے۔اور رحیمیت شفقت محض ہے (روح) اسلام کے اس خالص توحیدی کلام کے مقابلہ میں اب مسیحیت کا فقرۂ افتتاحیہ ملاحظہ ہو:۔ ''شروع باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے'' کوئی نسبت اس شرک جلی کو اسلام کی توحید خالص سے ہے؟ راقم آثم کے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ عجب نہیں جو خالق اکبر کی یہی صفاتِ رحمانیت و رحیمیت ہی مسخ ہو کر مسیحیت میں بیٹا اور رُوح القدس بن گئی ہوں۔ وٚ١٠ الحمد میں ال کلمہ استغراق ہے۔ یعنی جمیع حمد۔کوئی سی بھی ہو، کسی قسم کی بھی ہو، بہ ظاہر کسی کے لیے بھی ہو۔ حمد کا درجہ لغوی اعتبار سے، مدح اور شکر دونوں سے بلند تر ہے۔ شکر تو کسی متعین ہی نعمت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور مدح میں ممدوح کی خوبیوں کا ارادی و اختیاری ہونا ضروری نہیں۔ صرف حمد ہی ایسی چیز ہے، جو محمود کی عام اختیاری خوبیوں اور فضیلتوں کی بنا پر کی جاتی ہے (راغب) فی كلام العرب معناه الثناء الكامل (قرطبی) گویا قرآن مجید کی سب سے پہلی تعلیم توحید کے جملہ اصناف کی جامع ہے۔ مدح اور تعریف کسی کی بھی ہو، کسی کے نام سے بھی ہو، درحقیقت صرف اللہ ہی کی ہوتی ہے، اور اسی کو پہنچتی ہے۔ الالف واللام فی الحمد لاستغراق جميع اجناس الحمدلله تعالٰی (ابن کثیر) اور یہی معنی ہیں اس حدیث نبوی کے بھی کہ اللهم لک الحمد كلهٗ و لک الملک كله و بيدک الخير كلهٗ و اليک يرجع الامر كلهٗ حاکم اگر عادل ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے صفت عدل اس کے اندر رکھ دی ہے۔ طبیب اگر حاذق ہے تو اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اللہ نے اسے یہ کمال عطا کر دیا ہے۔ کسی کی شکل جمیل ہے اور کسی کی سیرت پاکیزہ ہے تو، ہر موقع پر مدح و ثنا، تعریف و ستائش کی اصل مستحق صرف ذات باری تعالٰی ہے۔ ؏ ہر جا کنیم سجدہ بآں آستاں رسد۔ وٚ١١ رب، جو یہاں بہ طور اسم استعمال ہوا ہے، مصدر ہے، تربیت کے معنی میں۔اور تربیت کے معنی ہیں کسی شے کو ایک حال سے دوسری حالت کی طرف نشوونما دیتے رہنا۔ تا آنکہ وہ حد کمال تک پہنچ جائے۔ هو انشاء الشیء حالًا فحالًا الی حد التمام (راغب) وهی تبليغ الشیٔ الی كماله شيئًا فشيئًا (بیضاوی) الرب المصلح و المدبر و الجابر و القائم يقال لمن قام باصلاح شیٔ و اتمامه (قرطبی) اُردو میں اس کا ترجمہ پروردگار سے بھی صحیح ہے۔ لیکن قریب ترین لفظ اس مفہوم کے لیے ''مربّی'' کا ہے، اور یہی مترجم تھانوی مدظلہٗ نے اختیار کیا ہے۔ عربی میں اس کا اطلاق مطلق اور بلا اضافت صورت میں صرف حق تعالٰی پر ہوتا ہے۔ ولا يقال الرب مطلقًا الا لله تعالٰی (راغب) ولا يستعمل الرب لغير الله بل بالاضافة (ابن کثیر) صفاتِ رحمانیت و رحیمیت کے معاً بعد اب اللہ کی صفت ربوبیت کا اظہار ہے۔ مسیحیوں کے ''آسمانی باپ'' سے کہیں زیادہ شفقت، کہیں زیادہ قدرت، کہیں زیادہ حکمت لفظ ربّ سے عیاں

ہے۔ عالمین عالم کا لفظ خود اسم جمع ہے کوئی اس کا واحد نہیں آتا۔ اور مرادف ہے خلقت یا موجودات کے۔ العالم الخلق کلّه (لسان) عالمون بہ صیغۂ جمع کے معنٰی ہوئے ہر ہر صنفِ موجودات اور سارے سلسلۂ کائنات کے۔ والعالمون اصناف الخلق (لسان) رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا لفظ لا کر قرآن مجید نے گویا بتا دیا کہ ہر صنفِ موجودات کا ایک مستقل نظامِ تربیت ہے۔ اور سب کا آخری سرا اسی قادر مطلق واحد و یکتا کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی بھی صنفِ موجودات اس کے ہمہ گیر نظامِ ربوبیت و تربیت سے آزاد و مستثنٰی نہیں۔ یہ تعلیم بھی اسی ایک لفظ سے مل گئی کہ اسلام کا خدا کسی مخصوص نسل، مخصوص قوم، مخصوص قبیلہ کا خدا نہیں۔ یہ حقیقت تاریخ مذاہب میں نہایت درجہ اہمیت رکھتی ہے۔ اسلام سے قبل مذاہب جس صورت میں موجود تھے وہ اس وسیع تخیل ہی سے آشنا نہیں رہے تھے۔ ہر قوم خدا کو صرف اپنا خدا تسلیم کرتی تھی۔ گویا خدا کی حیثیت محض قومی خدا کی رہ گئی تھی۔ بابل، مصر، ہند، یونان، روم، عرب وغیرہ کی مشرک قوموں کا ذکر نہیں، بنی اسرائیل جیسی موحد قوم بھی خدا کے خدائے کائنات ہونے کی پوری طرح قائل نہیں رہی تھی۔ قرآن نے ایک لفظ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لا کر ان سارے مشرکانہ و گمراہانہ عقائد کی تردید کر دی۔ مشرک قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکر صفت ربوبیت ہی کے سمجھنے میں لگی ہے۔ اسی لیے قرآن نے تصحیح میں بھی اسی کو مقدم رکھا۔ علماء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ کلمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تمام کلموں سے افضل و اشرف ہے۔ یہاں تک کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے بھی۔ اس لیے کہ اس میں صرف توحید ہے، اور اس میں توحید کے ساتھ حمد بھی (قرطبی) ف۱۲ (جو دنیا میں سب کو رزق دے رہا ہے، سب کو راحت پہنچا رہا ہے۔ نفع رسانی کا دروازہ سب کے لیے کھولے ہوئے ہے) الرحمٰن العاطف علی البرّ و الفاجر بالرزق لهم ودفع الأفات عنهم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۔ ف۱۳ (جو آخرت میں مومنین کو اجر ان کے استحقاق سے بہت زاید دے گا) الرحیم خاصّة علی المؤمنین بالمغفرة وادخالهم بالجنة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۔ صفات کے بیان میں صفتِ ربوبیت کو سب سے پہلے لانا اور اس کے معاً بعد صفات رحمانیت و رحیمیت پر زور دینا خود اس امر کی ایک واضح شہادت ہے کہ عقائد اسلام میں ان صفات کا مرتبہ کتنا بلند اور ان کا درجہ کیسا اہم ہے۔ ان تصریحات کی موجودگی میں اور ان کی تکرار کے باوجود مسیحی پادریوں کا یہ کہے جانا کہ اسلام کا خدا صرف قوت اور قہرمانی کا خدا ہے، حقیقت پر کیسا ظلم کرنا ہے۔ ف۱۴ مٰلِكِ۔ حاکم یا قاضی خواہ کیسے ہی وسیع اختیارات رکھتا ہو، بہرحال اس کے اختیارات محدود ہی ہوتے ہیں، اور وہ مجرم کو حسب ضابطہ سزا دینے پر مجبور ہوتا ہے۔ گویا خود حاکم پر حکومت ضابطہ یا قانون کی ہوتی ہے۔ بہ خلاف اس کے مالک وہ ہوتا ہے جسے پورے اختیارات حاصل ہوں۔ مجرم کو چاہے وہ بخش دے، چاہے سزا دے۔ کوئی اس سے بازپرس کرنے والا اور کوئی اس پر حاکم نہیں۔ حدیث مسلم میں آچکا ہے کہ لا مالک الا اللّٰہ عزوجل (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مالک نہیں) اور محققین کا قول بھی ایسا ہی ہے کہ بجز اللہ کے اور کسی کو مالک کہنا یا پکارنا جائز نہیں لا یجوز ان یتسمّی احدٌ بهذا الاسم ولا یدعی به الّا اللّٰه تعالٰی (قرطبی) لفظ کا فارسی ترجمہ بھی اسی لیے سفیان تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے "شہنشاہ" مروی ہے قال سفیان مثل شاهان شاه (قرطبی) اور مفسرین نے بھی معنٰی مطلق الاختیار کے لیے ہیں۔ المالک هو المتصرف فی الاعیان المملوكة كيف يشآء من الملك (بیضاوی) ہندوستان کی بعض مشہور مشرک قوموں کا عقیدہ ہے کہ قانون مکافاتِ عمل (ہندی اصطلاح میں "کرم") کے خلاف خدا بھی نہیں جا سکتا۔ اور کسی خطاوار کو معاف نہیں کر سکتا مسیحیوں کا بھی عقیدہ ہے کہ خدا انصاف کرنے پر مجبور ہے۔ اور اسی لیے صفت عفو و رحم کے اظہار کے لیے اُسے اپنے اکلوتے "بیٹے" کو بطور کفارہ کے سب گنہگار مخلوق کی طرف سے پیش کرنا پڑا۔ قرآن مجید کے ایک لفظ مالک میں ان سب باطل عقاید کی تردید آگئی۔ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ دین کے لفظی معنٰی جزا یا بدلہ کے ہیں۔ الدین الجزآء۔ اور قیامت کو بھی روزِ جزا اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ پورے حساب اور ہر عمل کے بدلہ کا دن ہوگا۔ یہاں بھی یوم الدین سے مراد روزِ حشر ہے۔ ای یوم حساب الخلائق و هو یوم القیمة یدینهم باعمالهم (ابن جریر۔ عن ابن عباس) ای یوم البعث و الجزاء (کبیر) اللہ تعالیٰ مالک تو آج بھی ہے۔ روزِ جزا کے ساتھ تخصیص کا مطلب یہ ہے کہ اس روز اس کی صفتِ مالکیت کا مشاہدہ و تحقق بڑے سے بڑے منکر کو بھی ہو کر رہے گا ف۱۵ (نہ کہ کسی اور کی، اے اللہ!) اِيَّاكَ لفظ اِيَّا خود ہی حصر اور تخصیص کے لیے آتا ہے۔ اور پھر بحیثیت مفعول اس کی تقدیم فعل نَعْبُدُ پر اس حصر و تخصیص کو اور زیادہ مؤکد کر رہی ہے۔ یعنی ہم تیری عبادت میں شائبہ بھی کسی کی شرکت کا نہیں رکھتے۔ معناه نعبدک ولا نعبد غیرک (ابن عباس) و قدم المفعول للتعظيم والا هتمام به والدلالة على الحصر (بیضاوی) اب یہاں سے دعا کی تعلیم ہے گویا بندے اپنی زبان سے دعا کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے صرف تمہید دُعا تھی۔ صیغۂ غائب سے صیغۂ مخاطب، یا مخاطب سے غائب کی طرف دفعۃً انتقال کا نام صنعت التفات ہے۔ اور عربی ادب و انشا میں یہ عیب نہیں۔ اس کا شمار بہترین صنعتوں میں سے ہے۔ صاحب کشاف نے اس موقع پر امرء القیس جاہلی کے تین شعر شہادۃً نقل کیے ہیں، تینوں میں یہ صنعت موجود ہے۔ بزرگوں سے منقول ہے کہ قرآنِ مجید کا لب لباب سورۂ فاتحہ ہے، اور سورۂ فاتحہ کا لب لباب یہ آیت ہے۔ قال بعض السلف الفاتحة سر القراٰن و سرها هٰذه الكلمة (ابن کثیر) نَعْبُدُ۔ عبادت نام ہے تذلل، انکسار و افتقار کے آخری مرتبہ کا۔ انها غاية التذلل (راغب) العبادة اقصٰى غاية الخضوع و التذلل (کشاف) اور اسی لیے اس کا مستحق بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ لم تستعمل الافی الخضوع لله تعالٰی (کشاف) وَلا یستحقها الامن له غاية الافضال وهو الله تعالٰی (راغب) مشرک قومیں خدا معلوم چھوٹے بڑے کتنے دیوی دیوتاؤں کو عبادت میں شریک کرتی رہتی ہیں۔ بلکہ ان کی عبادتوں میں تو خدا کی شرکت رہنے بھی نہیں پاتی۔ معبود تمام تر اگنی دیوتا اور سورج دیوتا اور کالی مائی اور کبھی جی وغیرہا بن جاتی ہیں۔ مسیحیوں کے ہاں بھی نماز جیسی اور جب کبھی بھی ہوتی ہے، اس میں برابر خدا کے ساتھ فرزندِ خدا کی شرکت رہتی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ آیت کے ایک لفظ اِيَّاكَ سے تردید ہو گئی سارے مذہبوں کے مشرکانہ طرزِ عبادت کی۔ نَعْبُدُ کا صیغہ جمع بھی قابلِ لحاظ ہے۔ دُعاء تنہا ایک ایک فرد نہیں کر رہا ہے۔ ساری ملتِ اسلامیہ مل کر اجتماعی رنگ میں کر رہی ہے۔ اور یہ اجتماعیت کی اہمیت قرآن و حدیث دونوں کی دعاؤں میں کثرت سے جلوہ گر ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ یہ نسبت عبودیت سالک کے مقام کی انتہا ہے۔ کوئی مقام اس سے مافوق نہیں ف۱۶ (نہ کہ کسی اور سے، اسے حاجت روا سمجھ کر، اے اللہ) آیت کے جزو اول میں بیزاری اور تبرّی ہے شرک سے۔ اس آخری جزو میں بندہ کی زبان سے اقرار ہے اپنی بے بساطی، بے قدرتی کا۔ اور اقرار ہے اپنے کو حفاظت اور نصرت کے لیے ہر طرح اللہ کے ہاتھ میں سپرد کر دینے کا۔ فالاول تبرّء من الشرک و الثانی تبرّء من الحول والقوة و تفويض الى الله عزوجل (ابن کثیر) نَعْبُدُ کے معاً بعد نَسْتَعِيْنُ لانا گویا بندوں کی زبان سے یہ کہلانا ہے کہ ہم عبادت تک میں تیری ہی توفیق، تیری ہی اعانت، تیری ہی دستگیری کے محتاج ہیں۔ اِيَّاكَ کی تکرار توحید اور ردِ شرک کی اہمیت کو اور دوبالا کر رہی ہے۔ کرر للاهتمام والحصر (ابن کثیر) کرر الضمير للتنصيص على انه المستعان به لا غير (بیضاوی) آیت نے جڑ کاٹ دی ہے ہر قسم کی مظہر پرستی اور مخلوق پرستی کی۔ شرک کی خفی سے خفی بھی راہیں بند کر دی ہیں، اور کوئی خفیف سی بھی گنجائش پیر پرستی، پیمبر پرستی، فرشتہ پرستی وغیرہ کی باقی نہیں چھوڑی ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ سالک کا مقام اِيَّاكَ نَعْبُدُ پر تمام ہو جاتا ہے۔ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے وہ طالب تمکین و رسوخ کا ہوتا ہے۔ ف۱۷ یعنی وہ راہ جس میں کوئی کجی نہیں، کوئی اونچ نیچ نہیں، کہیں ٹھوکر لگنے کا احتمال نہیں۔ مراد اس سے جادۂ شریعت ہے کہ یہی زندگی کا مکمل نظام ہے۔ زندگی کے ہر گوشہ اور ہر شعبہ کے باب میں ایک مکمل دستورِ ہدایت ہے۔ اور اسی پر چلتے رہنا فرد و جماعت دونوں کے حق میں، دنیوی و اخروی اعتبار سے فلاح ہی فلاح ہے۔ صحابہ، تابعین سب سے یہی معنٰی مروی ہیں۔ هو دين الله الذى لا عوج له (ابن جریر۔ عن ابن عباس) قال ابن عباس و جابر هو الاسلام و هو قول مقاتل (معالم) یہ گویا بندوں کی زبان سے درخواست ہے کہ اے ہمارے ہادیٔ برحق و رہنمائے حقیقی، اپنا سیدھا راستہ ہم پر کھول دے۔ اس پر چلنے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ اور اپنے فضل و کرم کو ہمارا دستگیر رکھ! طلب ہدایت کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ راہرو بھٹکا ہوا ہے اور وہ راستہ دریافت کر رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ راہ تو مل چکی ہے، درخواست اسی پر قائم رہنے کی ہے۔ یہاں مراد یہی دوسری قسم کی دستگیری ہے۔ ای وفقنا الثبات علیه (ابن جریر۔ عن ابن عباس) اهدنا ای ثبتنا (کشاف۔ عن علی وابی رضی اللہ عنہما) جو پہلے ہی سے ہدایت یاب ہیں، ان کی طرف سے یہ درخواست ہدایت پر ثبات و استقامت اور مزید ہدایت کی ہے۔ اور چونکہ رُوحانی ترقیوں کی انتہا نہیں اس لیے جو جس مرتبہ پر ہے، اس کی دُعا اس سے بھی بلند تر مرتبہ کی رہتی ہے۔ اور مومن کی ہوسِ ہدایت طلبی کبھی نہیں بجھتی۔ یہ اعتراض محض طفلانہ ہے کہ ہدایت یاب کو درخواست ہدایت کی ضرورت نہیں۔ نَعْبُدُ، نَسْتَعِيْنُ، اِهْدِنَا سب میں ضمیر متکلم کا صیغہ جمع میں آنا بہت ہی پُرمعنٰی ہے۔ ظاہر ہے کہ اظہار عبودیت کرنے والا اپنی اپنی جگہ پر فرد واحد ہی ہوگا۔ اس پر بھی یہ التزام ہے کہ فرد کا ربط امت سے کسی

حال میں بھی نہ چھوٹنے پائے۔ عبادت کرتے ہیں تو ایک "میں" نہیں بلکہ "ہم سب" طلب اعانت کرتے ہیں تو "ہم سب"۔ درخواستِ ہدایت کرتے ہیں تو "ہم سب"۔ امت وملت کی یہ زبردست وہمہ وقتی شیرازہ بندی اسلام ہی کا حصہ ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ مطلوب ومقصود صراطِ مستقیم تشریعی ہے نہ کہ تکوینی جو ساری مخلوق کے لیے خود بخود عام ہے **و١٨** (بابِ ہدایت میں) یہ مزید شرح وتفسیر ہے اسی سیدھے راستہ یا صراطِ مستقیم کی۔ تعلیمات وہدایات تو ساری کی ساری قرآن مجید کے لفظ وعبارت میں آگئیں۔ لیکن مشیتِ الٰہی نے مزید شفقت وکرم سے ان تعلیمات وہدایات کے عملی نمونے بھی انسانی رُوح وقالب میں بشری صورت وسیرت میں بہ کثرت بھیج دیے کہ اس صراطِ مستقیم پر چلنا اور زیادہ آسان ہوجاوے۔ یہ انعام پائے ہوئے لوگ انبیاء ومرسلین ہیں۔ ان کی زندگی کے واقعات وحالات قرآن مجید میں بکثرت نقل ہوئے ہیں۔ اور ان میں بھی علی الخصوص اس پاکیزہ جماعت کے پاکیزہ ترین سردار محمد رسول اللہ ﷺ۔ آپ کی سیرتِ مبارکہ کا ایک ایک جزئیہ تک محفوظ ہے۔ پھر اس کے بعد آپ کے جو صحیح نائب وجانشین آپ کے مابعد ہوئے ہیں، اور پھر ہر دور میں ہوتے آئے ہیں۔ یعنی اولیائے امت یا صدیقین، یا پھر شہیدانِ راہِ حق اور عام صالحین، کہ یہ بھی اپنے اپنے درجہ میں نمونہ کا کام اپنے بعد آنے والوں کے لیے دے سکتے ہیں۔ خود قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ ان انعام پائے ہوؤں کی فہرست کے خاص خاص عنوانات گنادیے ہیں۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (سورۃ النساء) اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے لفظ سے امام ابن جریر نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جن لوگوں کو یہ مرتبہ نصیب ہوا ہے اس کی تہ میں اصل شے محض انعامِ الٰہی وفضلِ خداوندی ہے۔ **و فی هذه الأية دليل واضح على ان طاعة الله جل ثناء ه لا ينا لها المطيعون الاّ بانعام الله بها عليهم و توفيقه اياهم لها**۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے اشارہ اس طرف ہو گیا کہ صراطِ مستقیم میسر نہیں ہوتا بغیر اس کے کہ پیروی اہلِ صراطِ مستقیم کی کی جائے۔ اور اس کے لیے محض اوراق وکتب کافی نہیں۔ **و١٩** (اپنی دانستہ وارادی کج روی کی بدولت) غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی تقدیرِ کلام غَيْرِ صِرَاطِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہے۔ صرف مضاف الیہ بیان کیا گیا، اور مضاف محذوف ہے۔ عربی ادب وانشا میں حذفِ موصوف، حذفِ مضاف کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ صرف صفت یا صرف مضاف الیہ بول کر کام چلا لیا جاتا ہے، اور ایسا حذف قرینۂ مقام سے بے تکلف سمجھ لیا جاتا ہے۔ **اكتفى بالمضاف اليه عن ذكر المضاف وقد دلّ عليه سياق الكلام** (ابن کثیر) "زیرِ غضب" سے مراد زیرِ غضبِ الٰہی ہے۔ انعامِ الٰہی کا ذکر ابھی اُوپر آچکا ہے۔ وہاں صیغۂ معروف استعمال ہوا تھا اور ضمیر فاعلی صریح تھی۔ یہاں غضب کے موقع پر صیغۂ مجہول کر دیا گیا ہے۔ اور فاعل کی کوئی صراحت نہیں۔ یہ اثر ہے غلبۂ رحمتِ الٰہی کا۔ غضبِ الٰہی کا ذکر اگلے آسمانی نوشتوں میں صراحت کے ساتھ ہے۔ توریت میں بھی اور انجیل میں بھی۔ توریت میں ہے کہ:۔ "اب تو مجھ کو چھوڑ کہ میرا غضب ان پر بھڑکے اور میں انہیں بھسم کردوں"۔ (خروج۔ ٣٢:١١) نیز خروج ٣٢۔ ١٢ و ١٣۔ استثناء ٩: ٢٠ و ٢١ وغیرہ۔ انجیل کو عام طور پر سرتاسر حلم ورأفت وشفقت کا صحیفہ سمجھا گیا ہے، وہ بھی اس ذکر سے خالی نہیں۔ ملاحظہ ہو متی ٣: ٨ و ١٠۔ مکاشفہ ١٩۔ ١٥ وغیرہ۔ حیرت ہے کہ بعض جدید اہلِ قلم نے مسیحی پادریوں کے دجل وتلبیس سے متاثر بلکہ مرعوب ہوکر اسلام میں غضبِ الٰہی کے وجود ہی سے انکار کردینا چاہا ہے۔ گویا حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کم فہموں کے خیال میں ایک بڑے پیمانہ پر کوئی سادھو، سنیاسی مہاتما ہیں کہ جو بدبخت چاہے، اُن کے بنائے اور اتارے ہوئے قوانین کو، جو سرتاسر بندوں ہی کے نفع ومصلحت۔ فلاح وبہبود کے لیے ہیں، آزادی وبے تکلفی سے توڑتا پھوڑتا، چیرتا پھاڑتا رہے، اور وہ اہنسا اور شانتی کے ساتھ، صبر وخاموشی کے ساتھ، جمود وتعطل کے ساتھ سارا تماشا دیکھتا رہے۔ اور اصلاحِ حال کے لیے نہ اپنی غیر محدود قوت اور نامتناہی توانائی کو حرکت میں لائے، اور نہ دفعِ فساد کے لیے کوئی عملی اقدام کرے! پادریوں کے اعتراض کی اصل وبنیاد ہی غلط ہے۔ انہوں نے غضبِ الٰہی کو بھی قیاس کیا انسانی غصہ اور طیش پر، جو نتیجہ ہوتا ہے نفس کی ایک انفعالی کیفیت کا۔ حق تعالیٰ پاک ہے ہر قسم کے انفعال وتاثر سے۔ وہ صرف فاعل ہے۔ تمامتر مؤثر ہے۔ اس کے اصلاحی اقدامِ عمل، اس کی تعزیری حرکتِ ارادی کا نام بندوں کی زبان میں غضبِ الٰہی ہے۔ اس کی حاکمانہ قوت، مربیانہ شفقت دونوں کا عین مقتضٰی یہی ہے کہ وہ گنہ گاروں، باغیوں، مجرموں کو ان کے جرم وبغاوت کے آخری عملی نتائج تک پہنچائے۔ اس کا غیظ وغضب درحقیقت تتمہ اور ضمیمہ ہے اُس کی رحمتِ بے حساب کا، اور لازمی نتیجہ ہے اس کی شفقتِ بے کراں کا۔ اہلِ تفسیر عموماً اس طرف گئے ہیں کہ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود ہیں۔ احادیث وآثار بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ اور آیۂ کریمہ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ کے لفظ سے بھی یہی استنباط کیا گیا ہے۔ لیکن ایک گروہ نے مشرکین مراد لی ہے۔ عجب نہیں کہ آیت ان سب کے حق میں عام ہو جو ازراہِ شرارت وخبثِ نفس حق کی مخالفت دیدہ ودانستہ کرتے رہتے ہیں **و٢٠** یعنی ان کی راہ بھی نہیں جو اپنی غفلت، بے التفاتی، نادانی کی بنا پر حق کی طرف رُخ بھی نہیں کرتے۔ اہلِ تفسیر عموماً اس طرف گئے ہیں کہ الضَّآلِّيْنَ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ حدیث وآثار بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ اور آیۂ کریمہ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا کے لفظ سے بھی یہی استنباط کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ **مغضوب عليهم** اور **ضآلين** کے مصداقوں کا حصر انہیں دو مذہب والوں کے ساتھ کردینا مشکل ہے۔ جو کھلے ہوئے مشرکین وملحدین ہیں، ظاہر ہے کہ وہ ضلالت میں ان سے بھی بڑھے ہوئے اور غضبِ الٰہی کے ان سے مستحق تر ہیں۔ محقق رازی کی رائے میں بہتر یہ ہے کہ کل عملی غلطیوں والوں کو زمرۂ **مغضوب عليهم** میں رکھا جائے اور کل اعتقادی غلطیوں والوں کا شمار طبقۂ ضالین میں کیا جائے۔ **فالاولى ان يحمل المغضوب عليهم على كل من اخطأ فى الاعمال الظاهرة وهم الفساق و يحمل الضآلّون على كلّ من اخطأ فى الاعتقاد لان اللفظ العام و التقييد خلاف الاصل** (کبیر) سورت کے خاتمہ پر اٰمین کہنا مستحب ہے۔ آمین خود ایک دعا ہے۔ اس کے معنٰی ہیں استجب۔ یعنی اے رب قبول فرما! **يعنى اٰمين عند اكثر اهل العلم اللّٰهم استجب لنا** (قرطبی)

تذئیل یہ خوش عقیدگی نہیں اظہارِ حقیقت ہے کہ جس حیرت انگیز ایجاز وجامعیت کے ساتھ سورۂ فاتحہ کی سات مختصر آیتوں میں توحیدِ الٰہی اور صفاتِ کمالیہ کا بیان آگیا ہے، اس کی نظیر سے مذاہبِ عالم کے دفتر خالی ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر تو کیا اس کے برابر کی بھی مثال پیش کرنے سے دنیائے مذاہب عاجز ہے۔ مسیحی دُنیا کو بڑا ناز اپنی انجیلی دُعا Lord's Prayer پر ہے۔ لیکن اوّل تو اس کا ضعفِ اسناد بھی خود مسیحی فاضلوں کو مسلّم ہے۔ یعنی اسی کی تحقیق نہیں کہ الفاظ خود حضرت مسیح علیہ السلام کے ہیں بھی۔ پھر چیز جہاں سے بھی آئی ہو یہاں اس کے الفاظ سورۂ فاتحہ کے بالمقابل درج کیے جاتے ہیں۔ ہر منصف مزاج خود فیصلہ کرسکتا ہے کہ قرآن کی فاتحۃ الکتاب اور اس انجیلی دعا کے درمیان کیا نسبت ہے!

سورۃ الفاتحہ

١۔ ساری تعریف اللہ کے لیے ہے (وہ) سارے جہانوں کا مربی۔ ٢۔ (وہ) نہایت رحم کرنے والا (وہ) باربار رحم کرنے والا۔ ٣۔ (وہ) مالک روزِ جزا کا۔ ٤۔ ہم بس تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور بس تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ٥۔ چلا ہم کو سیدھا راستہ۔ ٦۔ ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ ٧۔ نہ ان کا (راستہ) جو زیرِ غضب ہیں اور نہ بھٹکے ہوؤں کا۔

انجیلی دُعا (متی ٦: ٩۔ ١٤)

١۔ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے، تیرا نام پاک مانا جائے ٢۔ تیری بادشاہت آئے۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔ ٣۔ ہماری روز کی روٹی ہمیں آج دے۔ اور ٤۔ جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو معاف کیا ہے تو ہمارے قرض ہم کو معاف کر۔ ٥۔ اور ہمیں آزمائش میں نہ لا بلکہ برائی سے بچا۔

(١) کہاں رب العالمین کی لامحدود وسعت وہمہ گیری اور کہاں آسمان پر بیٹھے رہنے والی بعید اور محدود، اور پھر باپ جیسی محض مادّی تعلق رکھنے والی ہستی! (٢) ایک طرف اعلان ہورہا ہے ہمہ گیر صفات ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت ومالکیت کا۔ اور دوسری طرف ان کی بجائے ذکر ہے صرف زمین پر آسمانی بادشاہت کے آنے کا! (٣) توحیدِ خالص پر جو زور قرآنی عبارت میں، منعِ عبادت غیر ومنعِ استعانت بالغیر میں ہے۔ انجیلی دُعا میں کہیں اس کا پتہ تک نہیں (٤) انجیلی دعا کی آیت نمبر ٣ میں روٹی کی اس درجہ اہمیت مادیت کی انتہا ہے۔ (٥) محض برائی سے بچنے کی دُعا، صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کی نسبت سے کہیں زیادہ ہلکی ہے۔

سورۃ البقرۃ و١ سورت کے اور بھی متعدد نام ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور نام یہی ہے۔ بقرۃ کے لفظی معنٰی گائے کے ہیں اور بیل کے بھی۔ لفظ بقرۃ سورۃ کے آٹھویں رکوع میں آیا ہے، اور وہیں ایک قصہ بھی اس سے متعلق درج ہے۔ سورت کا یہ نام بھی اسی مناسبت سے پڑا۔ بزرگ ومعظم تو ہر سورت قرآن کی ہے۔ لیکن اس سورت کا شمار بزرگ ترین سورتوں میں ہے۔ عقائد واعمال دونوں کے باب میں اسلام کی اہم ترین تعلیمات کہنا چاہیے کہ سب کی سب اس کے اندر آگئی ہیں۔ اور یہ

جو بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فلاں فلاں صحابی کو اس کے سیکھنے اور حاصل کرنے میں کئی کئی سال لگ گئے، تو یہاں سیکھنے سے مراد محض تلاوت یا اس کے الفاظ کا حفظ نہیں، بلکہ اس کے احکام و مسائل پر عبور ہے۔ احادیث میں اس سورت کی بڑی بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔ ایک یہ کہ شیطان اور سورۂ بقرہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ شیطان مصدرِ ظلمت و ضلالت ہے، ظاہر ہے کہ وہ مرکز نور و ہدایت کے ساتھ کیونکر اکٹھا ہو سکتا ہے۔ ان الشیطٰن یفرّ من البیت الذی تقرأ فیها سورة البقرة (مسلم۔ ترمذی۔ عن ابی ہریرہ) اقرؤا سورة البقرة فان اخذها برکة و ترکها حسرة وَلا تستطیعها البطلة و هی فسطاط القراٰن (دارمی۔ عن خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ) بالفرض یہ روایتیں نہ موجود ہوتیں، جب بھی سورت کے مضامین کی بلندی، معنویت و جامعیت سورت کو بجائے خود اس مرتبۂ فضیلت کا مستحق بنانے کو کافی تھیں ف ۲ یعنی اس سورت کی بیشتر بلکہ تقریباً تمامتر آیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیامِ مدینہ کے زمانہ میں بعد ہجرت نازل ہوئی ہیں۔ کہیں کہیں کسی مکی آیت کا شامل ہو جانا سورت کے مدنی ہونے کے منافی نہیں ف ۳ اللہ اور رحمٰن اور رحیم سب پر حاشیے گزر چکے ف ۴ الٓمّٓ یہ حروف پڑھنے میں پوری پوری آواز کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ اُردو رسم الخط میں ظاہر بھی کر دیا گیا ہے۔ اور یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور بعض تابعین کا قول ہے کہ الٓمّٓ مخفف اور قائمقام ہے پورے فقرہ انا اللہ اعلم کا (ابن جریر) زجاج لغوی نے یہی قول اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ حروف مقطعات میں سے ہر حرف کسی متعین معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ”عربی شاعری“ سے اس کی مثالیں پیش کی ہیں (قرطبی) بعض نے کہا ہے کہ یہ سورت کا نام ہے۔ اکثر متکلمین اور خلیل نحوی اور سیبویہ نحوی اسی طرف گئے ہیں۔ انها اسماء السور و هو قول اکثر المتکلمین و اختیار الخلیل و سیبویه (کبیر) بعض کا قول ہے کہ یہ قرآن ہی کا ایک نام ہے۔ اور اور قول بھی نقل ہوئے ہیں۔ بعض صوفیہ نے انہیں عارفانہ اشارات و مرموزات قرار دیا ہے، اور ان سے طرح طرح کے نکتے اور لطیفے پیدا کیے ہیں۔ ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ خطباتِ عرب کے دستور کے مطابق یہ حروف محض افتتاحِ کلام کے لیے لائے گئے ہیں۔ اور یہ بات اس لیے دل کو زیادہ لگتی ہے کہ عرب اگر اس طرزِ خطاب و خطابت سے آشنا و مانوس نہ ہوتے تو اس پر اعتراض ضرور ہی کرتے۔ اعتراض کے لیے تو مخالفین بہانے ہی ڈھونڈتے رہتے تھے۔ لیکن اس قسم کا کوئی بھی اعتراض اہلِ زبان سے منقول نہیں۔ لیکن مشاہیر صحابہ و تابعین میں سے اکثر کا اور جمہور مفسرین کا مسلک یہ ہے کہ یہ حروف اُن متشابہاتِ قرآنی میں سے ہیں جن کا علم کسی مصلحت سے عام بندوں کو نہیں دیا گیا ہے۔ ان هذا علم مستور و سر محجوب استاثر اللہ تعالٰی و تبارک به (کبیر) حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور شعبی، سفیان ثوری، ربیع بن خثیم و ابو حاتم وغیرہ سب کا یہی مذہب ہے (قرطبی و ابن کثیر) یہ اعتراض کہ قرآن کے مخاطب جب ہم ہیں تو ان حروف کو بھی ہمارے لیے قابلِ فہم ہونا لازمی ہے، کچھ زیادہ باوقعت و باوزن نہیں۔ قرآن مجید کے اندر اور جتنے مضامین و مطالب ہیں، کیا وہ سب ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آ گئے ہیں؟ یا کائناتِ خارجی میں جو کچھ موجود ہے، کیا ان موجودات میں سے سب کا مصرف بڑے بڑے فاضلوں اور ماہروں کی بھی سمجھ میں آ گیا ہے؟ ف ۵ الْكِتٰبُ۔ محض زبانی یادداشتوں یا روایتوں کا مجموعہ نہیں، بلکہ باضابطہ و مستند نوشتہ۔ ایک صحیفۂ مکتوب۔ قرآن مجید اپنا پہلا تعارف اسی حیثیت سے کراتا ہے کہ وہ ضبطِ تحریر میں آیا ہوا، ایک کتابی شکل میں مرتب، صحیفۂ آسمانی ہے۔ وہ دُوسرے مذہبوں کی کتبِ الہامی کی طرح نہیں کہ صاحبِ مذہب کے دماغ میں ان کے صرف معانی و مطالب ہوں، اور کوئی راوی ان سے کوئی ٹکڑا نقل کرے اور کوئی کچھ اور۔ یہاں تک کہ صدیوں بعد جب نوبت جمع و کتابت کی آئے، تو صحت لفظی اور استناد حرفی تو خیر بہت دُور کی چیز ہے نفسِ مفہوم و معنی تک مسخ ہو کر رہے۔ اور نام تو ایک کتاب کا ہو، لیکن اس کی ترتیب و تالیف میں خدا معلوم کتنے انسانی دماغ اور کتنے بشری قلم شریک ہو جائیں! دلائل و شواہد کو چھوڑیے، محض دعوٰی کی حد تک بھی تو اس باب میں قرآن کی حریف و مقابل دنیا کی کوئی بھی الہامی کتاب نہیں۔ توریت، انجیل، وید، کسی کا بھی یہ دعوٰی نہیں کہ وہ لفظ بہ لفظ، حرف بہ حرف نازل شدہ کتاب ہے۔ اور نہ ان کے پیرو انہیں اس حیثیت سے پیش ہی کر رہے ہیں۔ یہ دعوٰی تنزیلِ لفظی کا تو صرف قرآن مجید ہی کا ہے۔ آج دنیا میں، اس کاغذ اور قلم کے دَور میں ”کتابیں“ (بہ صیغۂ جمع و عموم) جتنی بھی چاہیں تیار کر ڈالی جائیں الْكِتٰبُ (بہ صیغۂ واحد و بہ تخصیص الف ولام) یا ”کتابِ واحد کا مصداق صرف قرآن ہی نکلے گا۔ زمخشری معتزلی کا

مرتبہ اللہ بلند کرے، کیا خوب بات کہہ گیا ہے:۔ معناه ان ذٰلک الکتب هو الکتب الکامل کان ما عداه من الکتب فی مقابلته ناقص (کشاف) مطلب یہ ہے کہ کتاب تو بس یہی ایک کتاب کامل ہے۔ اور اس کے سامنے کتابیں جتنی بھی لائی جائیں گی سب ناقص ہی ہوں گی۔ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ ۲۷ رجب ۴۶۷ھ تا ۹ ذی الحجہ ۵۱۸ھ (۸ مارچ ۱۰۷۵ء تا ۱۴ جون ۱۱۴۴ء) بہرحال مومن تھے، اور آج سے آٹھ، ساڑھے آٹھ سو سال قبل کے مومن۔ وہ اگر یہ کہہ گئے تھے تو انہیں کہنا ہی چاہیے تھا۔ یہ دیکھیے، کہ قرآن کا منکر اور مادیت و عقلیت کا پرستار، وہ بھی اس بیسویں صدی کا کیا کہہ رہا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم کی شہادت ہے کہ قرآن The most widely-read book in the world وہ کتاب ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے“ (جلد ۱۵ صفحہ ۸۹۸) اور پرنسٹن یونیورسٹی (امریکہ) کے پروفیسر ہٹی (Hitti) کا بیان ہے کہ قرآن ”گو دورِ آخر کی کتابوں میں سب سے کم سن ہے لیکن دنیا میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی یہی ہے“۔ (تاریخ اہلِ عرب، صفحہ ۱۲۶ مطبوعہ ۱۹۳۷ء) ذٰلِكَ۔ اسم اشارہ ہے۔ اور اشارۂ بعید کا ترجمہ اردو میں ”وہ“ سے کیا جاتا ہے۔ لیکن بعد ہمیشہ بُعدِ مکان یا بُعدِ زمان ہی نہیں ہوتا۔ بُعدِ منزلت و علوئے مرتبت بھی بُعد ہی کی قسمیں ہیں۔ اور هٰذَا کے مقابلہ میں ذٰلِكَ اسی بلندیٔ منزلت کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ یقال بازاء هذا فی المستبعد بالشخص او بالمنزلة ذٰلک و ذاک (راغب) انما قال ذٰلک لبعد منزلة فی الشرف و التعظیم (تاج) اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں بھی اشارۂ بعید ”آں“ بارہا اظہارِ تکریم و علوئے منزلت کے موقع پر آتا ہے۔ آنحضرت، آنمحترم، آنجناب، آنعزیز وغیرہ۔ صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تابعین کی ایک جماعت کثیر مجاہد، عکرمہ، سعید، ابن جبیر، سدی، مقاتل، زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ سے ذٰلِكَ، هٰذَا کے معنی میں مروی ہوا ہے، (ابن کثیر) لیکن خود ذٰلِكَ اور هٰذَا دونوں اسموں کے درمیان تبادلہ محاورۂ عرب میں بالکل جائز ہے۔ یستعملون کلا منهما مکان الاٰخر وهذا معروف فی کلامهم (ابن کثیر) اشارہ کا مشارٌ الیه اس کے معا بعد کا اسم یعنی الْكِتٰبُ ہے۔ گویا فقرہ کا صحیح اُردو ترجمہ یہ ہوا۔ ”یہ مکرم و معظم کتاب“ ف ۶ (کہ یہ کتاب الٰہی ہے۔ اس کا مضمون برحق اور اس کا ہر لفظ صدق ہے) ای لا شک فیه انه من عنداللہ وانه الحق والصدق (معالم) یہ معنی تابعین کو، صحابہ رضی اللہ عنہم کو، سب کو مسلم ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ قال ابن ابی حاتم لا اعلم فی هذا خلافاً (ابن کثیر) اس حقیقت کو ایک اور پہلو سے دیکھیے۔ قرآن بجائے خود ایک عالم ہے۔ اس عالمِ قدس کے اندر گزر نہ کسی شک و تردّد کا ہے نہ خلجان و اضطراب کا۔ یہاں تو جو کچھ ہے تسکین و اطمینان ہے، علم و ایقان ہے، یکسوئی و اذعان ہے۔ ہر دعوٰی مدلل ہے، اور ہر حقیقت ثابت شدہ۔ اب اگر کسی بدنصیب کو اس کے خلاف نظر آتا ہے، تو گناہ چشمۂ آفتاب کا نہیں، قصور شپرہ چشمی کا ہے۔ اسی لیے ارشاد یہ نہیں ہوا ہے کہ اس کے باب میں کسی کو شک و تردد لاحق ہو ہی گا نہیں، بلکہ ارشاد صرف یہ ہوا ہے کہ خود یہ کتاب، اس کے مضامین شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔ ما نفی ان احدًا لا یرتاب فیه و انما المنفی کونه متعلقًا للریب و مظنة له (کشاف) المراد انه بلغ فی الوضوح الی حیث لاینبغی لمرتاب ان یرتاب فیه (کبیر) لَا رَیْبَ فِیْهِ۔ مقصود چونکہ نفی ریب کی تاکید ہے۔ اس لیے ترکیب کلام بجائے لافیه ریب کے لَا رَیْبَ فِیْهِ رکھی گئی، کہ اس میں زور اس سے زیادہ ہے (کبیر) ف ۷ هُدًى۔ قرآن مجید کے مطالعہ کے وقت اُس کا یہ اپنا بتایا ہوا وصف اوّل ہی سے خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ وہ کوئی تاریخ کا دفتر نہیں کہ اس میں سنہ وار ترتیب کے ساتھ پچھلے زمانہ کے واقعات درج ہوں۔ کوئی سائنس کی کتاب نہیں کہ علوم طبیعی و ریاضی کے مسائل کا حل اس کے اوراق میں ڈھونڈھا جائے۔ کوئی فلسفہ کا مقالہ نہیں کہ اس کے پڑھنے والے اشراقیوں اور مشائیوں، یونانیوں اور ہندیوں کے ظنون اور نظریات میں الجھے رہیں۔ افسانہ و محاضرات کی کتاب نہیں کہ پڑھنے والے اُسے تفریح اور دل بہلانے کے لیے پڑھیں۔ اس کی اصلی اور بنیادی حیثیت صرف یہ ہے کہ وہ ہدایت نامہ ہے، دستورِ حیات ہے، مکمل و مفصل نقشۂ زندگی ہے۔ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ یہ قید لگا کر صاف بتا دیا کہ اس قانون عام و ہدایت تام سے فائدہ اٹھانے والے صرف وہ لوگ ہوں گے جن کے اندر خوفِ خدا موجود ہو۔ کتابِ ہدایت نازل تو ساری دنیا کے لیے ہوئی ہے۔ خطاب سارے عالم سے کر رہی ہے۔ لیکن عملاً اس سے نفع صرف وہی لوگ حاصل کریں گے جن کے اندر حق کی طلب اور تلاش ہے، اور جن کا ضمیر زندہ ہے۔ آفتاب اپنی جگہ عالمتاب سہی، لیکن جن کی بصارت ہی ضائع ہو چکی۔ ان کے لیے تیز سے تیز شعاع بے کار ہے۔ زمین اگر مُردہ ہے تو اس کے حق میں

أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَ أُولَٰٓئِكَ

یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں ف۱۴ اور یہی

هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَآءٌ

(پورے) بامراد ہیں ف۱۵ بیشک جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں ف۱۶ ان کے حق میں

عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۶﴾

یکساں ہے، خواہ آپ انہیں ڈرائیں، یا آپ انہیں نہ ڈرائیں ف۱۷ وہ ایمان نہ لائیں گے ف۱۸

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَ عَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَ عَلَىٰٓ

مہر لگا دی ہے اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کی شنوائی پر ف۱۹ اور

أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۷﴾

ان کی آنکھوں پر پردہ ہے ف۲۰ اور ان کے لئے بڑا (ہی) عذاب ہے ف۲۱

وَ مِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَ بِالْيَوْمِ

اور کچھ لوگ ایسے (بھی) ہیں جو کہتے ہیں ف۲۲ کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ اور

الْآخِرِ وَ مَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ﴿۸﴾ يُخَادِعُونَ

روز آخرت پر حالانکہ وہ (بالکل ہی) ایمان والے نہیں ف۲۳ دھوکا دینا چاہتے ہیں

اللَّهَ وَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ وَ مَا يَخْدَعُونَ إِلَّآ

اللہ کو اور ایمان والوں کو ف۲۴ حالانکہ (فی الواقع) دھوکا کسی کو بھی نہیں دیتے بجز

أَنفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُونَ ﴿۹﴾ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

اپنی ذات کے ف۲۵ اور اس کا بھی احساس نہیں رکھتے ف۲۶ ان کے دلوں میں بیماری ہے ف۲۷

فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

سو اللہ نے بڑھا دی ان کی بیماری ف۲۸ اور ان کے لئے عذاب دردناک (ہوتا) ہے

بڑی سے بڑی بارش بے اثر ہے۔ غذا بہتر سے بہتر بھی ہیضہ کے مریض کے لیے لاحاصل بلکہ مضر ہے۔ قرآن مجید سے استفادہ کے لیے اوّلین شرط دل کے اندر کا تقویٰ ہے۔ هو فی نفسه هُدًی ولكن لا يناله الا الابرار (ابن کثیر) ف۸ (رسول ﷺ کی تعلیمات وتصریحات کے مطابق نہ کہ اپنے ظن وتخمین، وہم وگمان سے) يُؤْمِنُونَ۔ ایمانیات کے دائرہ کے اندر کی جتنی چیزیں بھی ہیں سب کو تصریحات نبوی کے مطابق و ماتحت ہونا ضروری ہے۔ کسی اور راہ سے آیا ہوا علم اس دائرہ میں نامقبول ہے۔ ایمان کی کیفیت نفسی شک، ریب، تردد وتذبذب کی بالکل ضد ہے۔ ایمان سے اس کے برعکس دماغ کو سکون، دل کو اطمینان، روح کو تسلی نصیب ہوتی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں آج تک کسی صاحب ایمان کو خودکشی کرتے نہیں پایا گیا۔ ایمان کے بغیر دل میں بےکلی اور بےچینی ہی رہا کرتی ہے۔ لیکن ایمان والے کو سخت سے سخت مصیبت کے وقت بھی ڈھارس بندھی رہتی ہے کہ وہ بڑا اسہارا اور مضبوط آسرا رکھتا ہے۔ بِالْغَيْبِ۔ یعنی ایمان ایسے عالم پر رکھتے ہیں جو محسوسات اور معقولات سے ماوراء ہے۔ اور جس کی بابت خبریں صرف نبی کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ غیب لغت میں شہود کی ضد ہے۔ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو نظر سے چھپی ہوئی ہو یا مشاہدہ تجربہ سے باہر ہو۔ الغيب كل ما غاب عنك (لسان) استعمل فی كل غائب عن الحاسّة (راغب) یہ لغوی تشریح تھی۔ آیت میں الْغَيْبِ سے مراد ائمہ تفسیر نے وہ عالم لیا ہے، جو حواس وعقل سے ماوراء ہے، اور جس کی بابت جو کچھ بھی علم ہوتا ہے وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے توسط سے، مثلاً احوال حشر ونشر، حور وملائک، جنت ودوزخ وغیرہا۔ اور یہ تفسیر خود جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اما الغيب فما غاب عن العباد من امر الجنة وامر النار ماذكر الله تعالىٰ و تبارك فی القراٰن (ابن جریر۔ عن ابن مسعود وناس من اصحاب النبی ﷺ) و هو قول جمهور المفسرين ان الغيب هو الذی يكون غائبًا عن الحاسّة (کبیر) غیب کی تفسیر منقول اسی قدر ہے۔ لیکن اسے ذرا سی وسعت دینے سے اس کے اندر پیمبر کے سارے علوم داخل ہو جاتے ہیں۔ اور پیمبر جن جن امور سے وحی جلی یا وحی خفی کی روشنی میں لوگوں کو روکتا ہے، ان کی باریک باریک برائیوں کا امت کے نقطۂ نظر سے داخل غیب ہونا صاف معلوم ہو جاتا ہے وحی الٰہی کی خوردبین سود، شراب، زنا وغیرہ کی خرابیوں اور مفسدوں کو جس طرح اپنی گرفت میں لے آتی ہے، وہ انسان کے لیے غیب ہی کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن جب غیب کی حقیقت یہ معلوم ہوگئی کہ وہ شہود یا علم کے مقابلہ کی چیز ہے تو ظاہر ہے کہ جس طرح ہر شخص کا علم ومشاہدہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے اسی نسبت سے ہر ایک کا غیب بھی دوسرے سے جداگانہ ہوتا ہے۔ طبیب کے لیے مرض ومریض سے متعلق بہت سے امور شہود میں ہوتے ہیں جو دوسروں کے لیے غیب کے حکم میں داخل ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر فن کا ماہر ایسی چیزیں جانتا ہے جو عامی کے لیے غیب یا خفا میں ہوتی ہیں۔ گویا جس شخص کا دائرۂ علم جس قدر وسیع ہوگا، اسی نسبت سے اس کا دائرۂ غیب چھوٹا ہو گا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ پر چونکہ ہر چیز روشن وعیاں ہے، اس لیے کوئی شے اس کے لیے غیب میں داخل ہی نہیں۔ اور اس لیے اسے جب عالم الغیب کہا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف یہ ہوتے ہیں کہ وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے، جو سب بندوں کے لیے غیب میں ہوتی ہیں۔ "غیب" کی اضافت یہاں صرف بندوں کی جانب ہوتی ہے، ورنہ حق تعالیٰ کے لیے تو جس طرح دُور ونزدیک، آسان ودشوار، بڑا اور چھوٹا سب یکساں ہیں، اور ان کے باہمی فرق بےمعنیٰ ہیں، اسی طرح غیب وشہود بھی بالکل ایک ہیں۔ ويقال للشیٔ غيبٌ و غائب باعتباره بالناس لا بالله تعالیٰ فانه لا يغيب عنه شیءٌ (راغب) یہیں سے یہ بھی ظاہر ہے کہ پیمبر چونکہ تمام دُوسرے انسانوں سے داناتر و عالم تر ہوتے ہیں اور ان کا دائرۂ ادراک ومعرفت ساری دوسری مخلوق سے وسیع تر ہوتا ہے اس لیے قدرۃً انہیں بےشمار ایسی مخفیات کا علم ہوتا ہے جو غیر انبیاء کے لیے تمام تر مجہول ہوتی ہیں۔ لیکن اس ساری وسعت کے باوجود کہیں نہ کہیں، کسی منزل پر پہنچ کر ان کے علم کی بھی انتہا ہو جاتی ہے۔ اور دائرۂ غیب ان کا بھی شروع ہو جاتا ہے۔ غیب پر ایمان لانا تو آیت میں متقین کی سب سے پہلی علامت بیان کیا گیا ہے۔ اب اگر خدانخواستہ کسی کا غیب ہے ہی نہیں، تو وہ ایمان کس چیز پر لائے گا؟ انبیاء کرام تو متقی ہی نہیں، متقیوں کے سردار وپیشوا ہوتے ہیں۔ ان کا ایمان بھی اگر مغیبات ومخفیات پر نہ ہوگا تو اور کس کا ہوگا؟ ہاں البتہ ان کا غیب، انہیں کے ظرف ومرتبہ وبساط کے موافق ہوتا ہے۔ ہمہ شما کا سا غیب ان کا نہیں۔ دین کا مغز کہیے یا ایمان کی روح یہی عالم غیب کا عقیدہ ہے۔ یعنی یہ اعتقاد کہ اس عالم مادّی سے ماوراء اس کائنات حسی سے اُوپر، کچھ اور، ایک عالم ہے ضرور۔ اور جو اس عالم کے وجود کا قائل نہیں وہ سرے سے مذہب ہی کا قائل نہیں۔ اور سب سے بڑا غیب تو خود وجود باری ہے سب سے بڑھ کر روشن وعیاں، مگر سب سے زیادہ مخفی ونہاں۔ بڑے سے بڑے عالم وعارف کے لیے بھی اس کے مرتبہ علم ومعرفت کے بعد پھر غیب کے حدود شروع ہوتے ہیں ف۹ (وقت کے، خشوع کے، تعدیل ارکان کے، غرض جملہ لوازم باطنی وشرائط ظاہری کے ساتھ) صَلٰوۃ کے لفظی معنیٰ دعا کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں ایک مخصوص ہیئت کی معروف عبادت کا نام ہے۔ اور یہ نام بھی اسی سے پڑا کہ دعا ہی اس عبادت کا جزو اعظم ہے۔ الصلٰوة التی هی العبادة المخصوصة اصلها الدعاء (راغب) محققین نے کہا ہے کہ نماز تو یکسر دعا ہے۔ دعا زبان سے بھی، دل سے بھی، اعضائے ظاہری سے بھی۔ یعنی دعاء قولی، دعاء قلبی، دعاء فعلی کا مجموعہ۔ اقامت صلٰوۃ اور محض ادائے صلٰوۃ میں فرق ہے۔ اقامت صلٰوۃ میں نماز کی تکمیل صوری ومعنوی ہر طرح کی آگئی۔ کسی شے کی اقامت کرنے کے معنی ہی عربی میں یہ ہوتے ہیں کہ اسے اس طرح ادا کیا جائے جو اس کا حق ہے۔ اقامة الشیٔ توفية حقه (راغب) اور اقامت صلٰوۃ کی تعبیریں مداومت سے، تعدیل ارکان سے، اور اور مختلف طریقوں سے کی گئی ہیں (ابن جریر۔ کبیر وغیرہ) سب سے زیادہ جامع تشریح يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ کی صاحب جلالین نے اپنے دو مختصر لفظوں میں کر دی

ای یاتون بھا بحقوقھا۔ اُن دیکھے خدا کے آگے جھکنے، سر عبودیت خم کرنے، اس سے گہرا ربط و تعلق پیدا کرنے، اور خود افرادِ امت میں باہم نظم پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ اور بدنی عبادتوں میں یہی فریضہ سب سے اعلیٰ اور ایمان، توحید کا سب سے بڑا عملی مظہر ہے۔ فرد کے لیے اسلامی نماز باجماعت کے جو اخلاقی، طبعی، مادی فائدے ہیں، نیز ملت کے لیے جو معاشری اجتماعی مصلحتیں ہیں ان کی جھلک کہیں دُور سے دیکھ کر، یہود، مسیحی اور منکرین تک اس کے دلدادہ ہوگئے ہیں۔ اور ان کے اہل علم اپنی تحریروں میں بار بار اس کا ذکر داد و مدح کے لہجہ میں کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ متقین کی پہلی علامت یہ ارشاد ہوئی ہے کہ وہ عقیدۂ غیب کے قائل ہیں۔ دُوسری علامت یہ بیان ہورہی ہے کہ عملی زندگی میں وہ نماز کے پابند ہیں **ف۱۰** (مناسب و ضروری موقعوں پر، جائز اور مفید کاموں میں) رِزْقٌ کا لفظ کلام عرب میں بڑے وسیع معنیٰ رکھتا ہے۔ اس کے اندر ہر قسم کی نعمتیں آجاتی ہیں، خواہ ظاہری و مادی ہوں، مثلاً مال و صحت، اولاد۔ یا معنوی و روحانی ہوں۔ مثلاً علم و حکمت، فہم سلیم وغیرہ۔ **یقال للعطاء الجاری تارةً دنیویاً کان ام اُخرویًا و للنصیب تارةً** (راغب) **الرزق فی کلام العرب هو الحظ** (کبیر) **اسم لکل ما ینتفع به** (معالم) رَزَقْنٰهُمْ میں ہر رزق کو اپنی جانب منسوب کرکے بتادیا کہ جو نعمت، جتنی اور جس قسم کی بھی انسان کو ملتی ہے، سب اللہ ہی کے فیض و عطا کا ثمرہ ہوتی ہے۔ انسان کی اپنی کوئی چیز بھی نہیں ہوتی۔ یُنْفِقُوْنَ۔ متقین کی تیسری صفت یہ ارشاد ہوئی کہ اللہ کے ہاں سے انہیں جو بھی ظاہری و معنوی نعمتیں عطا ہوئی ہیں، انہیں وہ اللہ ہی کے دین پر، حق کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔ اللہ کی مخالفت، عدوان و عصیان میں صرف نہیں کرتے۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ اس عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ ہم نے انہیں جو انوارِ معرفت عطا کیے ہیں ان کا وہ طالبین پر افاضہ کرتے رہتے ہیں **ف۱۱** (اے ہمارے رسول) یعنی ان متقین کا چوتھا وصف یہ ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں رسول کے لائے ہوئے ہر پیغام پر، خواہ قرآن ہو یا اس کے علاوہ۔ آیت کی عبارت سے یہ مسئلہ صاف ہوجاتا ہے کہ تین چیزیں الگ الگ ہیں۔ (۱) ایک کلام کا نازل کرنے والا۔ یعنی اللہ تعالیٰ۔ (۲) دوسرے وہ شخص جس پر کلام نازل ہوا ہے۔ یعنی اللہ کا رسول برحق۔ (۳) تیسرے، خود کلام --- بروز تمثل، حلول اور وحدت الوجود (اپنے عوامی مفہوم میں)، ان سب مشرکانہ و نیم مشرکانہ عقائد کی جڑ اس آیت سے کٹ جاتی ہے۔ نہ کلام متمثل ہوا ہے، اور نہ رسول (نعوذ باللہ) اللہ کے اوتار، انسانی قالب میں خدا ہیں۔ بلکہ ایک مستقل انسانی شخصیت رکھتے ہیں **ف۱۲** (دوسرے پیغمبروں پر خواہ وہ کسی ملک، کسی قوم، کسی زمانہ کے ہوں) قرآن مجید نے اس امر کو صاف کردیا ہے کہ سلسلۂ ارشاد و ہدایت کوئی نو پیدا چیز نہیں بلکہ اُس وقت سے قائم ہے جب سے انسان دنیا میں آئے۔ سلسلۂ وحی کی عمر اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ انسانیت کی۔ اور مومن کے لیے تصدیق صرف ختم المرسلین کی کافی نہیں، بلکہ سارے انبیاء و رسل کی کرنا ضروری ہے، خواہ وہ درجۂ اجمال ہی میں ہو۔ انہیں متقین کا یہ پانچواں وصف ارشاد ہوا، کہ وہ بخلاف یہود و نصاریٰ کے دوسرے انبیاء کی تعلیمات پر بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ طالب کو اعتقاد تو تمام شیوخ اہل حق کے ساتھ ایسا ہی رکھنا چاہیے جیسا اپنے شیخ کے ساتھ۔ لیکن اتباع صرف اپنے شیخ کا کرنا چاہیے۔ جیسا بعینہٖ یہی حکم انبیاء علیہم السلام کے باب میں ہے **ف۱۳** یہ چھٹا اور آخری وصف ان متقین اہل ضمیر کا بیان ہوا، جو قرآن سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ الْاٰخِرَةُ سے مراد ہے دار الآخرت یا عالم آخرت۔ یعنی وہ عالم جو موجودہ سلسلۂ زندگی کے بعد شروع ہوگا۔ اسے آخرة کہا ہی اسی لحاظ سے جاتا ہے کہ وہ اس ناسوتی زندگی کے خاتمہ کے بعد پیش آئے گا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر کہیں دار الآخرة سے آیا ہے اور کہیں صرف آخرة سے۔ **ویعبر بالدار الاٰخرة عن النشاة الثانیة و رُبَّمَا تُرِکَ ذکر الدار** (راغب) **انما وصفت بذلک لمصیرها اٰخرة لاولی کانت قبلها** (ابن جریر) جزا و سزا کے لیے ایک مستقل آئندہ عالم پر یقین رکھنا دین صحیح کے لوازم میں سے ہے۔ یہیں سے تردید ہوگئی ان باطل مذہبوں کی جو کہنے کو تو مذہب ہیں، لیکن یا تو سرے سے جزاء اعمال ہی کے قائل نہیں، یا قائل تو ہیں لیکن اس جزا کا محل و مکان اسی عالم ناسوت کو سمجھتے ہیں۔ خواہ ایک ہی قالب میں یا کئی کئی قالبوں میں۔ بعض جدید اہل باطل نے الْاٰخِرَةُ کا ترجمہ کیا ہے "زمانۂ آخر کی وحی"۔ تا کہ اس سے ان کی خود ساختہ نبوت کا اجرا قرآن سے ثابت ہو۔ لیکن یہ نہ ترجمہ ہے نہ تفسیر۔ یہ صرف تمسخر و تلعب ہے، قرآن مجید اور لغت عربی دونوں کے ساتھ۔ یُوْقِنُوْنَ۔ ایقان یا یقین کے معنیٰ یہ نہیں کہ محض عقل کسی عقیدہ کو استدلالاً مان لے۔ یا منطق بادلِ ناخواستہ سکوت پر مجبور ہوجائے۔ یا دماغ اس کے مان لینے کا محض سرسری، رسمی، سطحی طور پر لفظی اقرار کرلے۔ جیسا کہ اکثر فلسفیانہ نظریوں کے ساتھ معاملہ رہتا ہے۔ بلکہ یقین یہ ہے کہ اس مسئلہ پر دل و جان سے اعتقاد جم جائے، اور عقل، جذبات، ارادہ سب پر وہی چھا جائے۔ یقین کی راہ شک، گمان، خیال سب سے الگ ہے۔ **الیقین ازاحة الشک** (تاج) **الیقین من صفة العلم فوق المعرفة والدرایة واخواتها** (راغب) **الایقان اتقان العلم بانتفاء الشک والشبهة عنه** (کشاف) **الیقین العلم دون الشک** (قرطبی) وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ۔ یقین کا مرتبہ یوں بھی محض علم سے قوی تر تھا، پھر فقرہ کی ترکیب یعنی فعل یُوْقِنُوْنَ کے تاخر اور بِالْاٰخِرَةِ کے تقدم اور هُمْ کے اضافہ نے قوت کئی درجہ اور بڑھادی مطلب یہ ہوا کہ مومنین متقین کے نزدیک آخرت اس درجہ اہم ہے کہ گویا وہ بس اسی پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی عقیدہ ان کی زندگی میں رچا بسا رہتا ہے **ف۱۴** سورۂ فاتحہ میں دعا بندوں کی زبان سے طلب ہدایت کی تھی، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ دعا معاً قبول ہوئی کتاب ہدایت نازل ہوگئی۔ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ، اب ارشاد ہوا کہ فلاں فلاں علامتیں جن میں موجود ہوں، وہی ہدایت یاب لوگ ہیں، اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ اُولٰٓئِکَ۔ ان ہدایت یاب لوگوں کے خصوصیات ذیل قرآن مجید ہی سے معلوم ہوچکے ہیں۔ (۱) ان کا ضمیر زندہ ہوتا ہے۔ اُن کے دلوں میں خوفِ خدا کی جگہ ہوتی ہے (الْمُتَّقِیْنَ) (۲) ان کا اعتقاد اس مادی دنیا سے پرے ایک عالم غیب پر ہوتا ہے (یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ) (۳) ان کے تعلق مع اللہ کا عملاً اظہار یوں ہوتا ہے کہ یہ نماز پڑھتے رہتے ہیں، اور نماز کا حق ادا کرتے رہتے ہیں (یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ) (۴) اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو یہ اللہ کی مخلوق پر صرف کرتے رہتے ہیں (وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ) (۵) یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رسولِ برحق اور بہترین معلم و ہادی ہونے اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ (یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ) (۶) پورے سلسلۂ وحی و نظام نبوت کی تصدیق کرتے رہتے ہیں (وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ) (۷) ان کا کامل اعتقاد یوم آخرت یا روز جزا پر رہتا ہے (وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ) **ف۱۵** (دنیا اور آخرت دونوں میں) دنیا کی فلاح تو یہ کہ انہیں راہ ہدایت نصیب ہوگئی، اور انفرادی و اجتماعی، شخصی و قومی ہر حیثیت سے جامع ترین و بہترین دستورِ حیات منازلِ زندگی کے طے کرنے کا ہاتھ آگیا۔ اور آخرت کی فلاح یہ کہ وہاں پورا پورا اصل کر رہے گا۔ **ای الذین ادرکوا ووجدوا ما طلبوا ونجوا من شر ما منه هربوا** (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) فلاح عربی میں بڑے ہی وسیع معنیٰ میں آتا ہے۔ دنیا و آخرت کی ساری خوبیوں کا جامع ہے۔ اس لیے الْمُفْلِحُوْنَ کا پورا ترجمہ "کامیاب" "بامراد" وغیرہ کسی اُردو لفظ سے ہونا دشوار ہی ہے۔ امام لغت زبیدی کا قول ہے کہ ائمۂ لسان کا اس پر اتفاق ہے کہ کلام عرب میں جامعیت خیر کے لیے فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ موجود نہیں۔ **لیس فی کلام العرب کله اجمع من لفظة الفلاح لخیری الدنیا والاٰخرة کما قال ائمة اللسان** (تاج) اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کی ترکیب نے معنیٰ میں حصر و تاکید پیدا کردی۔ اور هُم بطور کلمۂ فصل کے تاکید نسبت و تخصیص کے لیے ہے۔ **وهم فصل یفصل الخبر عن الصفة و یؤکد النسبة ویفید اختصاص المسند بالمسند الیه** (بیضاوی) **و ادخال هو فی مثل هذا الترکیب احسن لانه محل تاکید ورفع توهم** (بحر) مفسر تھانوی مدظلہٗ نے یہ بات خوب لکھی ہے کہ حصر کا تعلق فلاح کامل سے ہے نہ کہ فلاح مطلق سے، اور الْمُفْلِحُوْنَ سے مراد الکاملون فی الفلاح ہے۔ اور معتزلہ و خوارج جنہوں نے آیت سے یہ نکالنا چاہا ہے کہ کبائر کا مرتکب فلاحِ مطلق یعنی نجات سے محروم رہے گا، انہوں نے فلاحِ مطلق (نجاتِ کاملہ) کے اور مطلق فلاح کے درمیان خلط کردیا ہے۔ **المراد به الفلاح الکامل المستفاد من الاطلاق فالحصر للفلاح المطلق لا مطلق الفلاح** (تھانوی) **ف۱۶** (اور قیام دلائل کے باوجود اس پر اڑے ہوئے ہیں) **ای البتوا علی الکفر** (ابنِ عباس رضی اللہ عنہما) ایسے لوگ ظاہر ہے کہ علم الٰہی میں کفر ہی پر مرنے والے ہیں۔ جو لوگ دلائل حق میں غور نہیں کرتے اور باطل پر جمے رہتے ہیں، ان کی استعداد قبولِ حق کے باب میں روز بروز کمزور ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بالکل مردہ ہوجاتی ہے۔ آیت میں خصوصی اشارہ یہودِ مدینہ کی جانب ہے۔ ان کا کفر کفرِ جحود کی قسم کا تھا۔ یعنی یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخر الزمان کی بابت پیشگوئیوں اور ان کی علامتوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور پھر دانستہ اغماض و اخفا کرتے رہتے تھے کہ اپنی دینی ریاست اور دنیوی سیادت میں فرق نہ پڑنے پائے۔ **واما معنی الکفر فانه الجحود ذلک ان الاحبار من یهود المدینة جحدوا نبوة محمد صلی اللہ علیہ وسلم و ستروه عن الناس و کتموا امرهٗ** (ابن جریر) **ف۱۷** (لیکن آپ کی دعوت و تبلیغ برابر جاری

رہے۔ آپ کا اجر اس سے ثابت ہوتا رہے گا) آج معمولی مبلغ بھی اپنی دھن کے پکے ہوتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ تو دنیا کے لیے "مبلغ اعظم" تھے۔ دینِ الٰہی کی اشاعت کے لیے آپؐ کی تڑپ کا کیا کہنا۔ آپ کو حرص اگر تھی تو اسی کی کہ کافر سب کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ یہاں یہ حقیقت آپ کو بتلائی گئی ہے کہ آپ کچھ بھی کر ڈالیے ان کے حق میں سب یکساں ہے۔ یہ بدبخت اپنی صلاحیت حق شناسی کو ضائع کر چکے ہیں۔ لیکن آپ کا اجر تبلیغ بہر حال ثابت ہے۔ فلا تذھب نفسک علیھم حسرت فمن استجاب لک فلہ الحظ الاوفر و من تولّٰی فلا تحزن علیھم (ابن کثیر) ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک خبر ہے جو خبیر مطلق اپنے بندہ کو دے رہا ہے۔ ایک اطلاع ہے جو علیم کل اپنے رسول کو پہنچا رہا ہے۔ مرضی الٰہی سے اسے شائبۂ تعلق بھی نہیں۔ "علم" و "مرضی" کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ عوام کے ذہن ان دو بالکل مختلف قانونوں کے درمیان خلط مبحث کر کے اپنے کو عجیب الجھنوں میں ڈال لیتے ہیں --- طبیب حاذق اپنے علم کی رُو سے مدتوں پیشتر خبر دے دیتا ہے کہ فلاں بدپرہیز، خودرائے مریض اچھا نہ ہوگا۔ کیا اس پیش گوئی اس اخبار غیب میں اُس شفیق طبیب کی خواہش و مرضی کو بھی کچھ دخل ہوتا ہے؟ بقول مفسر تھانوی مدظلہٗ اس کافر کا ناقابل ایمان ہونا اللہ کے اس خبر دینے کی وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ خود اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا اس کافر کے ناقابل ایمان ہونے کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔ اور ناقابل ایمان ہونے کی صفت خود اس کی شرارت و عناد و مخالفت حق کے سبب سے پیدا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص میں اس کی پیدائش کے ساتھ استعدادِ قبولِ حق کی رکھی ہے، جیسا حدیث میں آ گیا ہے۔ مگر یہ شخص خود اپنی ہوائے نفسانی اور خود غرضی کی وجہ سے حق کی مخالفت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک روز وہ استعداد فنا ہو جاتی ہے **ف۱۸** (اس لیے کہ وہ ایمان لانے کا قصد ہی نہیں کرتے، اور نہ خلوئے ذہن کے ساتھ تعلیماتِ اسلامی پر غور کرتے ہیں) ای لا یریدون ان یؤمنوا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اس سے پہلے فقرہ کی مزید تاکید اور توثیق ہو گئی۔ اور اہل عناد کے حق میں ان کی بے التفاتی اور عدم احساس کی بنا پر انذار اور عدم انذار کا یکساں ہونا اور روشن ہو گیا۔ اکثر ائمۂ تفسیر نے آیت کی ترکیب نحوی یوں ہی سمجھی ہے اور لَا يُؤْمِنُوْنَ کو جملۂ مؤکدہ و مفسرہ فقرۂ ماقبل کا سمجھا ہے۔ جملة مؤكدة للتى قبلها (ابن کثیر) جملة مفسرة لاجمال ما قبلها او حال مؤكدة (بیضاوی) لیکن ایک دوسری ترکیب بھی انہیں بزرگوں سے یہ منقول ہے، کہ لَا يُؤْمِنُوْنَ خبر ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کی اور پورا فقرہ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے آ گیا ہے۔ خبرًا لانّ والجملة قبلها الاعتراض (کشاف) خبر انّ والجملة قبلها الاعتراض (بیضاوی) خبر لانّ والجملة قبلها الاعتراض (مدارک) و يحتمل ان يكون لا يؤمنون خبرًا (ابن کثیر) اصل مقصود دونوں ترکیبوں کی صورت میں ایک ہی رہتا ہے۔

ف۱۹ قُلُوْبٌ۔ دل سے مراد سینہ کے اندر کا وہ مضغۂ گوشت نہیں جو طبی اصطلاح میں دل کہلاتا ہے۔ بلکہ وہ دل مراد ہے جو محاورۂ زبان میں احساس، عقل، ارادہ سب کا مرکز ہے۔ انسانی بول چال میں دل اسی کو کہا جاتا ہے اور افعال ارادی کا صدور اسی سے ہوتا ہے۔ توریت، انجیل اور دوسرے صحیفے سب میں یہی محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔ خَتَمَ اللّٰهُ۔ اللہ کی طرف سے مہر لگ جانے کا یہ فعل بندہ کے کفر اختیاری کے بعد ہوتا ہے نہ کہ اس کے قبل۔ اس کا نتیجہ ہوتا ہے نہ کہ اس کا سبب۔ فطرتِ سلیم ہر انسان کو عطا ہوئی ہے، اور اس میں دلائل حق پر غور و فکر کی استعداد بھی شامل ہے۔ لیکن انسان جب اپنے ارادہ و عقل کا غلط استعمال کرنے لگتا ہے، اور آسمانی ہدایتوں اور خداوندی نشانیوں سے مسلسل منہ موڑے ہوئے قانونِ شیطانی پر چلنے کی ٹھان لیتا ہے تو سلسلۂ غضبی کے تحت میں آ جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے سلسلۂ رحمت سے خارج ہو جاتا ہے، اور نصرتِ الٰہی اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اب ہر روشنی اسے تاریک اور ہر تاریکی اسے روشن نظر آنے لگتی ہے۔ اس نے اپنے لیے جو کچھ اختیار کیا، وہی اللہ تعالیٰ اسے بحیثیت علت العلل و مسبب الاسباب اپنے قانونِ تکوینی (نہ کہ قانونِ رضا) کے ماتحت دینے لگتا ہے۔ اور یہی معنی ہیں انسان کے عقل و حواس پر مہر لگ جانے کے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ یہ مہر خداوندی کوئی مادّی چیز نہیں **ف۲۰** (چنانچہ کھلے ہوئے دلائل حق اور روشن آیاتِ الٰہی بھی انہیں نظر نہیں آتے) یہ سب ثمرہ ہے ان کافروں کے ارادی اعراض عن الحق اور دانستہ کج روی کا۔ حق تعالیٰ کی جانب ان افعال کی انتساب جو کچھ ہے وہ محض تکوینی حیثیت سے ہے، یعنی بطور علت العلل و مسبب الاسباب کے --- ارادۂ حق جس طرح بندہ کے زہر کھا لینے پر موت کا ثمرۂ طبعی مرتب کر دیتا ہے، اسی طرح بندہ کی ارادی کج روی پر موتِ روحانی کا ثمرہ بھی مرتب کر دیتا ہے۔ مرضی حق کا تعلق نہ اول الذکر سے ہے نہ آخر الذکر سے۔ اس طرز بیان کی، اور فہم، سماعت و بصارت کی قوتوں سے سزا کے طور پر محرومی کی مثالیں قدیم صحیفوں میں بھی کثرت سے ملتی ہیں:۔ "خدا نے تم کو وہ دل جو سمجھے اور وہ آنکھیں جو دیکھیں اور وہ کان جو سنیں آج تک نہیں دیئے" (استثناء ۲۹:۴) "تم سنا کرو پر سمجھو نہیں۔ تم دیکھا کرو پر بوجھو نہیں۔ تو ان لوگوں کے دلوں کو چربا دے اور ان کے کانوں کو بھاری کر" (اسعیاہ ۶:۹،۱۰) "وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کہ آنکھیں لیپی گئیں سو وہ دیکھتے نہیں اور ان کے دل بھی سو وہ سمجھتے نہیں" (اسعیاہ ۴۴:۱۸) "تمہاری آنکھیں جو کہ نبی ہیں موندی ہیں اور تمہارے سروں پر جو کہ غیب میں ہیں حجاب ڈالا ہے" (اسعیاہ ۲۹:۱۰) "میں نے انہیں ان کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا" (زبور ۱:۱۱،۱۲) انجیل میں اس قسم کی مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو رومیون ۱۱:۷،۸ اور ۲ تھسلنیکیوں ۲:۱۱۔ **ف۲۱** (آخرت میں) اسلام مسلسل حیات کا قائل ہے۔ یہ ناسوتی، مادی زندگی صرف ایک حصہ ہے کل زندگی کا۔ باقی اس کا پورا ظہور و بروز حیاتِ اُخروی ہی میں ہوگا۔ اخروی زندگی لازمی تتمہ و نتیجہ ہے اس دنیوی زندگی کا۔ اور یہاں کی مسلسل قانون شکنی و نافرمانی وہاں عذاب الیم کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ گویا جو تخم آج ڈالے گئے ہیں، کل وہی تناور درختوں کی صورت میں نمودار ہوں گے۔ عذاب کے شدید و عظیم ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ اور قرآن مجید میں اسے مختلف پیرایوں میں سمجھایا اور بتایا گیا ہے۔ پھر بھی اس کی تفصیلی کیفیت اور نوعیت ادراکِ بشری سے بالاتر اور مافوق ہے۔ اور بعض نے عَظِيْمٌ کے کلمۂ نکرہ ہونے سے بھی یہی استنباط کیا ہے کہ وہ کسی خاص و غیر متعارف ہی نوعیت کا ہوگا۔ من الآلام العظام نوع عظیم لا یعلم کنھه الا الله (مدارک۔ بیضاوی) والتنکیر فیه للنوعیة ای لھم فی الأخرة نوع من العذاب غیر متعارف فی عذاب الدنیا (روح) **ف۲۲** (محض زبان سے، شرکتِ قلب کے بغیر) مَنْ۔ واحد، تثنیہ، جمع، تینوں موقعوں پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ حالتِ افراد میں لحاظ اس کی لفظی حیثیت کا کیا جاتا ہے، اور جمع میں نظر اس کے معنی و مفہوم پر رکھی جاتی ہے۔ اب تک قرآن مجید نے ذکر دو قسم کے انسانوں کا کیا ہے۔ ایک مومن، فرمانبردار، قانونِ الٰہی کے مطیع۔ دوسرے کافر، نافرمان، قانونِ الٰہی کے منکر و باغی۔ اب ذکر ایک تیسری صنف کا شروع ہو رہا ہے۔ ہوتے یہ بھی کافر و منکر ہی ہیں، لیکن اپنے کفر و انکار پر پردہ مکر و فریب کا ڈالے رکھتے ہیں۔ یعنی زبان پر دعوئ اسلام رکھتے ہیں لیکن دل میں کفر خالص۔ زبان سے اقرار ایسا کہ جس میں قلب کی تصدیق کسی درجہ میں بھی شامل نہیں۔ ان ننگ انسانیت انسانوں کو شریعت کی اصطلاح میں منافق کہتے ہیں۔ نفاق کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اعلان و اظہار بھلائی کا کرتا پھرے، اور شر کو اندر ہی اندر چھپائے رکھے۔ النفاق ھو اظھار الخیر واسرار الشر (ابن کثیر) پھر نفاق کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک نفاق حقیقی یا اعتقادی۔ جس میں ایمان سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ اور اس کی سزا ابدی خلود جہنم ہے۔ دوسرا نفاق عملی یا مجازی۔ اس میں ایمان کا استحضار نہیں رہتا، اور انسان گناہ پر بے دریغ جری ہو جاتا ہے۔ ھو انواع اعتقادیٌ وھو الذی یخلد صاحبه فی النار و عملیٌ ھو من اکبر الذنوب (ابن کثیر) سورۂ بقر مدنی ہے۔ اور مدینہ میں منافقین کثرت سے تھے۔ اسلام سے عداوت میں اور رسولِ اسلام سے عناد میں، یہ لوگ کھلے ہوئے کافروں سے کچھ کم نہ تھے۔ شاید کچھ بڑھے ہی ہوئے ہوں۔ نفاق یعنی جھوٹا اظہارِ اسلام مکہ میں نہ تھا۔ بلکہ مکہ میں تو اس کے برعکس صورتِ حال یہ تھی کہ لوگ مومن ہو کر بھی اپنے ایمان کو چھپائے رکھتے، اور بظاہر کافروں ہی میں شامل رہتے۔ نفاق کی بنیاد مدینہ میں پڑی، وہ بھی غزوۂ بدر کے بعد، جب اسلام کو روز بروز دنیوی عظمت و شوکت حاصل ہونی شروع ہو گئی۔ اس وقت بعض لوگوں نے اپنے کو محض تقیۃً بلا شائبۂ ایمان و صداقت مومن و مسلم کہنا شروع کر دیا۔ اس پارٹی کا سرغنہ یا سرخیل بنو خزرج کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ اس کا اثر و اقتدار حریف قبیلہ بنو اوس پر بھی تھا۔ یہ اپنے وقت کا کامیاب ترین لیڈر تھا۔ یہاں تک کہ ساری آبادی اس کی سرداری پر متفق ہو چکی تھی۔ اور قریب تھا کہ اس کی بادشاہی کا اعلان ہو جائے، کہ یک بیک اسلام کے قدم مدینہ میں جم گئے۔ اُس نے اپنی دوکان اجڑتے دیکھی تو اپنے پیروؤں کے کان میں یہ افسوں پھونک دیا کہ زبان سے کلمہ اسلام کا پڑھتے جاؤ لیکن دل میں اپنے ہی عقائد پر جمے رہو۔ اوس و خزرج کے علاوہ یہود کی بھی ایک غدار و ضمیر فروش جماعت نے خوشی سے اس تحریک پر لبیک کہا۔ البتہ مکہ کا کوئی مہاجر اس میں شریک نہیں ہوا۔ ابن کثیر نے تفصیل سے لکھا ہے اور یہاں بھی زیادہ تر اس کی تلخیص ہے۔ **ف۲۳** یعنی ان کے دل میں ایمان کا گزر ذرہ برابر بھی نہیں، ایمان انہیں چھو بھی نہیں گیا۔ یقولون ذٰلک قولًا لیس وراءہٗ شیٔ اٰخر (ابن کثیر) انھم لیسوا من الایمان فی شیٔ (بیضاوی) بِمُؤْمِنِيْنَ۔ حرف باء تاکید کے لیے ہے۔ اکد النفی بالباء (بیضاوی) ظاہر سیاق کا تقاضا تھا کہ فعل ماقبل قَالُوْٓا اٰمَنَّا کی

تردید و تغلیط میں ما امنوا یا اسی قسم کا کوئی اور فعل ماضی ہی لایا جاتا۔ لیکن یہاں تاکید اور زور کے لیے بجائے فعل کے اسم فاعل لایا گیا، کہ ان لوگوں سے نفی ایمان کی، ماضی، حال، مستقبل ہر زمانہ سے متعلق نکل آئے۔ و فیه من التوکید والمبالغة مالیس فی غیرہٖ (کشاف) تاکیدًا او مبالغةً فی التکذیب لان اخراج ذواتهم من عداد المومنین ابلغ من نفی الایمان عنهم فی ماضی الزمان (بیضاوی) کان ذٰلک مبالغة فی تکذیبهم (کبیر) ف۲۴ یعنی محض مسلمانوں سے نفع حاصل کرنے کے لیے اُن کی گرفت سے اپنے کو بچانے کے لیے اپنے تئیں مسلمان کہہ رہے ہیں۔ اور جرم کفر پر اضافہ جرم خدع کا کر رہے ہیں۔ یُخٰدِعُوْنَ باب مفاعلہ سے ہے اور اس کا خاصہ طرفین سے مشارکت ہے۔ لیکن یہاں یَخْدَعُوْنَ کے معنی میں ہے۔ اور باب مفاعلہ محض زور اور تاکید کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ المفاعلة لا فادة المبالغة فی الکیفیة (ابو سعود) اخرج فی زنة فَاعَلْتُ للمبالغة (بیضاوی) یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ۔ حق کی مخالفت اور تکذیب کرتے کرتے جسارت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اپنے خیال و پندار میں خدا کو بھی دھوکا دے چلے تھے۔ اجتر‌ء وا علی الله حتّٰی ظنوا انهم یخدعون الله (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں اپنے خیال کے مطابق۔ معناه یخادعون الله فی زعمهم (مدارک) اسی مفہوم کے پیشِ نظر ترجمہ کیا گیا ہے کہ ”اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں“ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دھوکا دینے کی کوشش کو قرآن مجید نے عین اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے سے تعبیر کیا ہو۔ اس کی اور بھی نظیریں قرآن مجید میں ملتی ہیں۔ ذکر نفسه واراد به رسوله علی عادته فی تفخیم امرہٖ (کبیر) ای رسول الله (مدارک) مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ اہل اللہ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا مثلاً عداوت یا فریب کا ایسا ہی ہے جیسے حق تعالیٰ کے ساتھ کرنا ف۲۵ یعنی ان کے اس نفاق سے نقصان کسی اور کا نہیں۔ خود انہیں کا ہوتا ہے اور ہوگا۔ آخرت میں عذاب اور دنیا میں رسوائی، فضیحت اور منافقت کی پردہ دری۔ ضررها یلحقهم و مکرها یحیق بهم (کشاف) یفتضحون فی الدنیا و یستوجبون العقاب فی العقبٰی (معالم) ف۲۶ (کہ اس منافقت کا وبال خود انہیں پر ہو کر رہے گا) لا یعلمون انّ وبال خداعهم یعود علیهم (معالم) یَشْعُرُوْنَ۔ بجائے یَعْلَمُوْنَ کے یہاں یَشْعُرُوْنَ وارد ہوا ہے۔ شعور عربی میں علم حسی کو کہتے ہیں۔ اور اسی کا نام اُردو میں احساس ہے۔ اور مشاعر انسان کے آلاتِ حواس کو کہتے ہیں۔ المشاعر الحواس (راغب) الشعور علم الشئ علم حس من الشعار و مشاعر الانسان حواسهٗ (کشاف) اس لفظ کے لانے میں نکتہ بلاغت یہ ہے کہ منافقوں کو اس مکر و فریب سے جو نقصان پہنچ رہا ہے اور پہنچے گا وہ بالکل مادی ہونے کی طرح صاف اور صریح ہے۔ لیکن یہ احمق فرطِ غفلت سے اس کا بھی احساس نہیں رکھتے۔ والمعنٰی ان لحوق ضرر ذٰلک بهم کالمحسوس وهم لتمادی غفلتهم کالذی لا حس له (کشاف) ای لا تدرکونه بالحواس (راغب) ف۲۷ (کفر کی اور نفاق کی اور شک کی، جو انہوں نے اپنے ہاتھوں پیدا کر رکھی ہے) شک و نفاق و خلاف و ظلمة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) دوسرا پہلو ان کم اعتقادوں کے مرض کا یہ تھا کہ جوں جوں مسلمانوں کو ترقیاں اور کامیابیاں حاصل ہوتی جاتی تھیں، ان کے رشک و حسد میں بھی ترقی ہوتی جاتی تھی۔ چنانچہ ہمارے ائمہ تفسیر کی نظر سے یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں ہونے پایا ہے والمعنٰی ان المنافقین مرضت قلوبهم لها۔ او اثبات امر النبی صلی الله علیه وسلم واستعلاء شانه یومًا فیومًا (کبیر) والمراد به هنا ما فی قلوبهم ...... من الغل والحسد والبغضاء لان صدورهم کانت تغلی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم والمؤمنین (کشاف) مَرَضٌ لغوی اعتبار سے نام ہے انسان کے حالتِ طبعی سے خروج کا۔ المرض الخروج عن الاعتدال الخاص بالانسان (راغب) رذائلِ نفسانی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور مجازاً نفاق و کفر کو بھی مرض سے تعبیر کیا جاتا ہے، کہ وہ انسان کے لیے ادراک فضائل اور تحصیل حیات اُخروی کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں (راغب) مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ امراض قلب کا معاصی کے معنی میں اثبات خود قرآن مجید سے ہو گیا ف۲۸ (رسول، اسلام اور جماعت مومنین کو مزید ترقیاں اور فتحمندیاں دے دے کر۔ یا اپنے کلام کے مسلسل نزول سے) منافقوں کے دل کے روگ کو ترقی دو طریقوں سے ہوتی رہی۔ یا تو یوں کہ جوں جوں اسلام کو مزید غلبہ و اقتدار حاصل ہوتا گیا، ان لوگوں کے دل کی کڑھن اور جلن بڑھتی گئی۔ اور یا یوں کہ کلامِ الٰہی کی ہر ہر آیت کے نزول کے ساتھ اُن کے غیظ و بغض میں اور اضافہ ہوتا گیا۔ اہل تفسیر نے یہ دونوں پہلو اختیار کیے ہیں۔ کلما زاد رسوله نصرةً و تبسطًا فی البلاد و نقصًا من اطراف الارض ازدادوا حسدًا و غلاً و بغضًا (کشاف) کلما انزل علٰی رسوله الوحی کفروا به فازدادوا کفرًا الٰی کفرهم (کشاف) فَزَادَهُمْ میں حرف ف بہت اہم ہے۔ یہ گویا اس کا اعلان ہے کہ آگے جس فعل کا ذکر آ رہا ہے، وہ محض بطور ثمرہ یا نتیجہ کے پیدا ہوا ہے۔ والفاء للدلالة علی ترتب مضمونها علیه (ابو سعود) حق تعالیٰ کی جانب اس قسم کے افعال کا انتساب صرف مجازی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی یہ نہیں کہ اللہ نے خواہ مخواہ ان سے یہ افعال کرا چھوڑے۔ اس نے تو صرف وہ حالات و اسباب پیدا کر دیئے، جن سے ان بدنصیبوں نے اپنے مرض کے بڑھانے کا کام لیا، ورنہ اگر وہ اپنی عقل و ارادہ کا صحیح استعمال کرتے، تو انہیں اسباب و حالات سے ہدایت بھی پا سکتے تھے۔ و کان اسناد الزیادة الی الله تعالٰی من حیث انه مسبِّبٌ من فعله (بیضاوی) یہ سزا بھی جو کچھ ملی ٹھیک جرم کے مناسب حال ہی ملی۔ وهو الجزاء من جنس العمل (ابن کثیر) اس قسم کے افعال کا حق تعالیٰ کی جانب انتساب، قدیم صحیفوں کا بھی ایک محاورۂ عام ہے۔ ”اسرائیل نے مجھے نہ چاہا تب میں نے انہیں ان کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا“۔ (زبور ۸۱: ۱۱،۱۰) ”بس خدا نے منہ موڑ کر انہیں چھوڑ دیا کہ آسمانی فوج کو پوجیں“ (اعمال ۷: ۴۲) ”خدا نے ان کے دلوں کی

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا

اس لئے کہ وہ جھوٹ کہتے تھے ف۲۹ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر

فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

فساد مت پھیلاؤ ف۳۰ تو کہتے ہیں کہ ارے! ہم تو اصلاح کر رہے ہیں ف۳۱

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

سن رکھو حقیقۃً یہی لوگ فسادی ہیں اور یہ اس کا بھی احساس نہیں رکھتے ف۳۲

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے ہیں ف۳۳ تو کہتے ہیں ف۳۴

اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ

کہ کیا ہم (ایسا) ایمان لے آئیں جیسا کہ بیوقوف ایمان لائے ہیں؟ ف۳۵ سن رکھو کہ بیوقوف تو خود یہی لوگ ہیں

وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور اس کا بھی علم نہیں رکھتے ف۳۶ اور جب ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں ف۳۷

قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا

تو کہتے ہیں کہ ہم بھی تو ایمان لا چکے ہیں ف۳۸ اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں ف۳۹ تو کہتے ہیں

مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ

کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ف۴۰ ہم تو محض بنا رہے تھے ف۴۱ انہیں اللہ بنا رہا

بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ

ہے ف۴۲ اور وہ انہیں ڈھیل دے رہا ہے ف۴۳ (تو) وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں ہو رہے ہیں ف۴۴ یہ وہ

الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ

لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی خرید کر لی ہدایت کے بدلے ف۴۵ سو نہ ان کی تجارت ہی

خواہشوں کے مطابق انہیں ناپاکی میں چھوڑ دیا کہ ان کے بدن آپس میں بے حرمت کیے جائیں"
(رومیون ۱: ۲۴) ف۲۹ یعنی اپنے مومن ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے۔ یہ عذاب الیم جس کا یہاں ذکر
ہے منافقوں پر مطلق کفر پر نہیں، بلکہ ان کی منافقت پر یا جھوٹے دعویٔ ایمان پر ہوگا۔ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔
کافروں کے لیے جس عذاب کی خبر اوپر دی جا چکی ہے (آیت ۷ میں) اس کی صفت عَظِيْمٌ آئی ہے، اور
یہاں منافقوں کے لیے جس عذاب کی وعید ہے، وہ اَلِيْمٌ ہوگا۔ اور اَلِيْمٌ کے معنی ہیں مؤلم یعنی دکھ
پہنچانے والا۔ گویا تکلیف واذیت کا پہلو اس میں زیادہ نمایاں ہوگا۔ وصف بہ العذاب للمبالغة
(بیضاوی) خوب سمجھ لیا جائے کہ جو منافق تھے، وہ کافر تو تھے ہی، لیکن کافر کے علاوہ بھی کچھ اور تھے، یعنی
خادع وکاذب۔ تو عَذَابٌ عَظِيْمٌ کے مستحق تو وہ اپنے کفر کی بنا پر ہو ہی چکے، یہ منافقت کا عذاب الیم
اس پر مستزاد۔ گویا منافقوں پر دونوں عذابوں کا مجموعہ ہوگا۔ قد حصل للمنافقین مجموع العذابین
فصار المنافقون اشد عذابًا من غیرهم من الکفار (بحر) بِمَا میں ب سببیہ ہے اور ما مصدری۔
الباء للسببیة وما مصدریة (ابوسعود) منافقوں اور ریاکاروں سے انجیل کا طرز خطاب حسب ذیل
ہے:۔ "تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری قبروں کی مانند ہو، جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر
اندر مُردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں"۔ (متی۔ ۲۳: ۲۷) اور شیوخ واکابر
یہود کے الفاظ ان کی جیوش انسائیکلوپیڈیا میں یوں منقول ہیں:۔ "جو اولیاء کی صحبت میں منافقت کے
ساتھ رہتے ہیں، خدا انہیں غارت کر کے رہے...... جو کوئی منافقت برتے خدا کرے چیل کوے اس کی
آنکھیں نکال کر رہیں"۔ (جلد ۶ صفحہ ۵۱۴) اور انہیں کے تالمود میں ہے:۔ "جو کوئی منافقت برتتا ہے
وہ غضب (خداوندی) دنیا پر لاتا ہے۔ اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اور جو بچے ابھی رحم مادر میں ہیں،
وہ تک اس پر لعنت کرتے ہیں، اور اس کی جگہ جہنم ہے"۔ (ایوری مینس تالمود صفحہ ۱۰۷) ف۳۰ اس سے
معلوم ہوا کہ قانونِ شریعت کے علاوہ کسی دینِ جاہلی پر قائم رہنا، اس کے طور طریقوں کی اشاعت کرنا
فساد فی الارض کے مرادف ہے۔ امن عالم ونظام اقوام قائم جب ہی رہ سکتا ہے جب عملدرآمد
قانونِ شریعت پر رہے۔ اس راہ سے انحراف، بلکہ سر مو تجاوز کرنا بھی دنیا کو بدنظمی، ابتری، کشت وخون اور
ہر قسم کی طبقاتی جنگ وکشمکش کو دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ دنیا عملاً اس کا تجربہ بارہا کر چکی ہے، اور اس وقت
بھی کر رہی ہے۔ اسلام کے اس پہلو پر کہ وہ نظام عالم کا بہترین ضامن ہے، اللہ مراتب میں اضافہ
کرے، ہمارے زمانہ میں اقبال نے شاعرانہ زبان میں خوب ہی لکھ دیا ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ۔ اس قول کا
قائل کون تھا؟ بعض نے اس کا قائل رسول اللہ ﷺ کو قرار دیا ہے اور بعض نے عام مومنین کو، اور کسی
نے اللہ تعالیٰ کو بھی۔ الفاظ میں گنجائش ان سب کی ہے۔ وکل ذلک محتمل (کبیر) ف۳۱ (اور
الٹا ہم ہی پر الزام فساد وتخریب کا لگ رہا ہے!) جواب بعینہ وہ ہے جو آج بھی خدا معلوم امت کے اندر کے
کتنے منافقوں کی زبان پر ہے۔ دین میں رخنے قدم قدم پر ڈالتے جاتے ہیں، اور زبان پر دعوے وہی تجدد
کے تجدید کے، اصلاح کے، تعمیر کے ہیں۔ نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ کے معروف معنی تو یہی ہیں کہ یہ لوگ زبانی
دعویٰ اپنے دین حق پر قائم ہونے کا رکھتے تھے۔ قالوا انما نحن علی الهدی مصلحون (ابن جریر۔
عن مجاہد) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم تم لوگوں کے درمیان صلح کرانے والے ہیں۔ محمدی اور غیر
محمدی کے درمیان جو کشمکش ہے، اس کے مٹانے والے ہیں۔ قالوا انما نرید الاصلاح بین الفریقین
من المؤمنین واهل الکتٰب (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے۔ اُردو میں زور کا یہ
مفہوم لفظ "ارے" سے ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ف۳۲ (کہ فساد تو تمام تر انہی کی ذات سے پھیل رہا
ہے) کیا ٹھکانا ہے اُن کی غباوت کا، مسخ شدہ ذہنیت کا! سیاہ کو سفید کہہ رہے ہیں، تاریکی کا نام کا نور رکھ
رہے ہیں، اور احساس اپنے اس جہل کا بھی نہیں رکھتے! اَلَآ کلمۂ تنبیہ ہے، عربی میں "خبردار ہو جاؤ"
"آگاہ رہو" کے معنی میں۔ لفظ "اجی" میں اگر متانت کی کمی نہ ہوتی تو اُردو میں اس مفہوم کے لیے یہی
بہترین لفظ ہوتا ف۳۳ (اسلام اور رسولِ اسلام ﷺ پر صدق واخلاص کے ساتھ) دعویٰ ایمان کا تو
اب بھی ان لوگوں کو تھا۔ سمجھانے والوں کا مطلب یہ تھا کہ ایمان دل سے لاؤ۔ دیانت اور راستی کے ساتھ
رسول کی رسالت کو تسلیم کرو۔ ای ایمانًا مقرونًا بالاخلاص بعیدًا عن النفاق (کبیر) اخلصوا
فی ایمانکم (خازن) اَلنَّاسُ، ناس، ال کے داخلہ کے بعد معرفہ ہو گیا۔ اب مراد ساری نوع انسان نہ
رہی، بلکہ وہ متعین ومخصوص افراد رہ گئے جو مخاطبین کے لیے معلوم ومعروف تھے۔ روایتوں میں عبد اللہ بن
سلام وغیرہ حق شناس یہود کے نام آئے ہیں، جنہوں نے اسلام کی صداقت کو قبول کر لیا تھا۔ هم بعض
الناس لا جمیعهم (ابن جریر) کما صدق المهاجرون والمحققون من اهل یثرب (قرطبی)
هم ناس معهودون کعبد اللہ بن سلام واشیاعه (کشاف) یہ بھی جائز ہے کہ اَلنَّاسُ کو انسان

کامل کے معنی میں لیا جائے۔ اور اس صورت میں مراد ہوگی کہ ایمان ان کی طرح لاؤ جو صفت
انسانیت میں کامل ہیں۔ اور واقعی انسان کہلانے کے مستحق ہیں۔ الکاملون فی الانسانیة
(کشاف) واللام فی الناس للجنس والمراد به الکاملون فی الانسانیة (بیضاوی) اس سے
اشارہ یہ نکلا کہ جو منکرین ہیں وہ صورۃً انسان ہیں لیکن حقیقۃً اپنی نافہمی کے لحاظ سے چوپائے ہیں۔ ومن
عداهم کالبهائم فی فقد التمییز بین الحق والباطل (کشاف) ف۳۴ (اس کے جواب اور اپنی
صفائی میں) ف۳۵ یہ طنز ہے اس وقت کے پکے اور سچے مسلمانوں پر، رسول ﷺ کے صحابیوں پر۔
یعنون اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم (ابن جریر۔ عن ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم) یہی
سنت آج تک چلی آ رہی ہے "ترقی پسندوں" "روشن خیالوں" اور "اہل تجدد" کے دربار سے آج بھی جمود
پسند، رجعت پسند، تاریک خیال وغیرہ کیسے کیسے خطابات خالص ومخلص اہل ایمان کو عطا ہوتے رہتے ہیں!
ف۳۶ کیا ٹھکانا ہے ان کے حمق اور نافہمی کا؟ پہلے افساد کو اصلاح کہہ رہے تھے۔ اب حمق بالائے حمق یہ
ہے کہ عقل، دُور اندیشی، حکمت کو بے عقلی ٹھہرا رہے ہیں! سفیه کہتے ہیں اس کم عقل کو جسے اپنے نفع و
نقصان کی پوری تمیز نہ ہو۔ السفیه الجاهل ضعیف الرأی القلیل المعرفة بمواضع المنافع
والمضار (ابن جریر) ف۳۷ (اور صاحب وجاہت وصاحب اثر بھی ہیں) ای ابابکر و اصحابه
(ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۳۸ (اور آپ ہی جیسے مسلمان ہیں) اٰمنا کایمانکم (معالم) یہ بات یہ لوگ
ذی اثر مسلمانوں کی رضاجوئی اور خوشنودی کے لیے کہتے۔ غرورًا منهم للمؤمنین و مصانعةً و تقیةً
(ابن کثیر) منافقین کی ایک ذہنیت یہ بھی تھی کہ غریب عوام مسلمانوں کے مقابلہ میں تو اکڑتے رہتے۔
لیکن مسلمانوں میں جو صاحب اثر واقتدار ہوتے ان کے آگے خود جھک جاتے اور ان سے بہ تملق پیش
آتے۔ ف۳۹ یعنی اپنے شریر رفیقوں یا سرداروں کے پاس۔ شَيٰطِيْنِهِمْ۔ شیطان کا لفظ عربی میں بڑا وسیع
مفہوم رکھتا ہے۔ ہر سرکش اور ہر بگڑ کانے والے کو شیطان کہتے ہیں۔ انسان، جنات، حیوانات سب پر
اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ الشیطان کل عارمٍ متمردٍ من انسٍ او جنٍ او من دابةٍ (تاج)
الشیطان اسم لکل عارمٍ من الجنس والانس والحیوانات (راغب) یہاں شیاطین سے مراد
رؤساء یہود ومنافقین لیے گئے ہیں جو اپنی سرکشی وطغیان کے لحاظ سے خود ہی شیطان بنے ہوئے تھے۔ نیز
ان کے کاہن جن کے یہ لوگ بہت معتقد تھے۔ کهنتهم ورؤساء هم (ابن عباس) رؤسهم فی
الکفر (ابن جریر۔ عن ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم) خَلَوْا اِلٰى۔ خلیٰ کا صلہ جب الیٰ آتا ہے تو معنی
ہوتے ہیں تنہا ہونے کے، تنہائی میں ملنے کے۔ خلا الیه اجتمع معه فی خلوة (لسان) خلا الیه
ای انتهی الیه فی خلوةٍ (راغب) ف۴۰ (اپنے اصلی عقائد وخیالات میں) یعنی ہم مسلمانوں کے
ساتھ تو محض ظاہرداری کے طور پر ہیں، اور مصلحۃً اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں، ورنہ حقیقۃً تو ہم تمہارے
ہی ہم عقیدہ وہم مذہب ہیں۔ اِنَّا مَعَكُمْ ما انتم علیه من التکذیب بمحمدٍ (ابن جریر) ف۴۱ (ان
مسلمانوں کو ان کے پیغمبر ﷺ اور ان کے صحابیوں کو) بمحمدٍ و اصحابه (ابن عباس رضی اللہ عنہما)
مطلب یہ ہوا کہ عوام منافقین جب تنہائی میں اپنے سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم دل وجان سے
تو آپ ہی کے ساتھ ہیں۔ باقی مسلمانوں کے بنانے کے لیے ان کی سی کہہ دیتے ہیں۔ استهزاء کے معنی
تمسخر کرنے ہنسی اڑانے بنانے کے ہیں ف۴۲ یعنی ان کے تمسخر کو انہیں پر پلٹے دیتا ہے۔ مجازات، سزا،
معاوضہ کے موقع پر لغتِ عرب میں یہ محاورہ عام ہے، کہ جزائے فعل کو اصل فعل ہی کا نام دے دیا جاتا ہے۔
ای یجازیهم جزاء الهزؤ (راغب) مثل قول نسوا اللہ فنسیهم ای جازاهم جزاء النسیان
(ابن تیمیہ) جزاء الاستهزاء باسمه کما جزاء السیئة سیئة (بیضاوی) ہنسی اور تمسخر کا انتساب
ذاتِ باری تعالیٰ کی جانب قدیم صحیفوں میں برابر موجود ہے۔ "تو اے خداوند ان پر ہنسے گا۔ تو ساری
قوموں کو مسخرہ بنا دے گا"۔ (زبور ۵۹: ۸) "...... میں تمہاری پریشانی پر ہنسوں گا، اور جب تم پر دہشت
غالب ہوگی تو میں ٹھٹھے ماروں گا" (امثال ۱: ۲۶) ف۴۳ (اپنے قانونِ تکوینی کے مطابق) خالق کائنات
نے بندوں کو جو آزادی واختیار دے رکھا ہے، اس میں وہ خواہ مخواہ دست اندازی کبھی نہیں کرتا۔ سانپ
کو کاٹنے کی، زہر کو ہلاک کرنے کی، آگ کو جلانے کی، یہ ساری اجازتیں اور آزادیاں اسی کے قانونِ
تکوینی کے مطابق ہیں ف۴۴ یہ خود ایک تفسیر ہوگئی اللہ کے "استہزاء" کی۔ عمه اُس کیفیت کو کہتے
ہیں کہ انسان کو راستہ سجھائی نہ دے، اور وہ ادھر اُدھر اندھوں کی طرح ٹٹولتا اور ہاتھ پاؤں مارتا پھرے۔
هو التردد فی الضلال والتحیر فی منازعة (تاج) العمی فی العین و العمه فی القلب
(قرطبی) وحی الٰہی کی روشنی سے محرومی کے بعد انسان کی واقعی یہی حالت ہو جاتی ہے۔ اپنی محدود وناقص
"عقل" کے سہارے وہ چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ طرح طرح کے "نظریئے" قائم کرتا

تِجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ⑯ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ

سود مند ہوئی اور نہ وہ راہ یاب ہوئے ف۴۶ ان کی (عجیب) مثال تو ان کی سی (عجیب) مثال ہے ف۴۷

الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ

جنہوں نے آگ جلائی، پھر جب آگ نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا ف۴۸

ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ

تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کر لی، اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ

لَّا يُبْصِرُوْنَ ⑰ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ⑱ۙ

دیکھتے بھالتے نہیں ف۴۹ (وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں ف۵۰ تو اب وہ واپس نہ ہوں گے ف۵۱

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ

یا پھر جیسے آسمان سے زور کا مینہ برس رہا ہو ف۵۲ اس میں اندھیرے ہیں اور گرج

وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ

اور بجلی ف۵۳ وہ ٹھونسے ہوئے ہیں اپنے کانوں میں انگلیاں،

الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ⑲

کڑک کے سبب موت کے اندیشہ سے ف۵۴ حالانکہ اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو ف۵۵

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ

قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی ہی اچک لے جائے ف۵۶ وہ جب ان پر چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں

مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ

یہ چلتے ہیں، اور جہاں ان پر اندھیرا ہوا (تو بس) کھڑے رہ جاتے ہیں ف۵۷ اللہ اگر

شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ

چاہتا تو ان کے کان اور ان کی بینائی سلب کر لیتا ف۵۸ بیشک

ہے۔ "اصول" و "کلیات" بناتا ہے۔ ہر طرف ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑاتا ہے۔ کھلا ہوا راستہ کوئی نہیں سجھائی دیتا ہے۔ شک، ارتیاب، بے اطمینانی کے دلدل میں اور زیادہ پھنستا جاتا ہے ف۴۵ ان کی بدبختی کی انتہا ہے کہ انہوں نے ہدایت وایمان جیسی جنس بے بہا قیمت میں دے کر خریدی بھی تو کیسی نکمی اور بے حقیقت چیز، گمراہی وکفر! اشْتَرَوُا۔ اشتروا یا خریداری کے معنی کسی چیز کا معاوضہ میں لینا۔ ایمان کا قبول کر لینا ان منافقین کے بالکل اختیار کے اندر تھا۔ لیکن اس کے بجائے انہوں نے روش کفر اختیار کر لی۔ اہل عرب ہر استبدال کے موقع پر اشتراء بولتے ہیں۔ اختاروا الکفر علی الایمان (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای استبدلوا الکفر بالایمان (معالم) و العرب تستعمل ذلک کل من استبدل شیئاً بشیءٍ (قرطبی) و یجوز الشراء والاشتراء فی کل ما یحصل به شیٔ (راغب) بِالْهُدٰى میں ب کے معنی ہیں بعوض۔ ای بَدَلاً منه (ابوسعود) عرب کے باشندوں کا تجارتی کاروبار خوب پھیلا ہوا تھا، اور تجارت کی اصطلاحیں ان کی زبان وادب کا ایک جزو بن گئی تھیں۔ جیسا کہ آج کل انگریزوں کا کاروبار خوب پھیلا ہوا ہے، اور کاروباری اصطلاحیں انگریزی زبان وادب کا جزو بن چکی ہیں ف۴۶ (اور ہوتے بھی کیسے، جب کہ اپنی قوت ارادہ وفیصلہ سے صحیح کام نہ لے کر خود گمراہی خرید رہے تھے) تجارت سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اصل سرمایہ محفوظ رہے اور نفع اس پر بڑھتا رہے۔ یہاں منافق کافروں نے نفع کا کیا ذکر عقل سلیم کے اصل سرمایہ ہی کو الٹا برباد کر ڈالا (کبیر) ربح بھی تجارتی اصطلاح ہے، اردو کے لفظ منافع کے معنی ہیں ف۴۷ (محرومی وخسران کے لحاظ سے) الَّذِی لفظاً واحد ہے۔ لیکن یہاں معنی بطور جمع کے استعمال ہوا ہے۔ یقع للواحد والجمع (قرطبی) وضع الذی موضع الذین (کشاف) عربی میں متعدد نظائر اس طریق استعمال کے کہ لفظ واحد لا کر مراد جمع لی گئی ہے، خود قرآن مجید ہی میں مل جاتے ہیں۔ مثلاً خُضْتُمْ كَالَّذِیْ خَاضُوْا۔ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔ وغیرها مَثَل کے مفہوم میں ایک پہلو ندرت وغرابت کا بھی شامل رہتا ہے۔ یعنی ایسا حال جو عجیب وغریب ہو۔ ولم یضربوا مثلاً الا قولا فیه غرابة من بعض الوجوه (کشاف) ف۴۸ یعنی مسائل وحقائق خوب واضح وروشن ہو گئے ف۴۹ (اور طرح طرح سے ٹھوکریں کھا رہے ہیں) مطلب صرف اس قدر ہے کہ منافقین کا اندرونی نور بصارت سلب ہو گیا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں طلب حق مطلق نہ تھی۔ اور قانون اسلام کے مقابلہ میں وہ راہ تمام تر انکار و بغاوت کی اختیار کیے ہوئے تھے۔ لیکن ادنیٰ وحقیر مصلحت کوشیوں کی بنا پر زبان سے اظہار اسلام کیے جاتے تھے۔ یہاں ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جب حقانیت کی آگ خوب روشن ہو گئی اور ہدایت کا نور ہر طرف پھیل گیا، تو بجائے اس کے کہ اس سے مستفید ہوتے، منافقین نے خود اپنے اندرونی حاسۂ بصارت کو ضائع کر دیا۔ اور اس روشنی سے محروم ہو گئے۔ سلب بصارت اور گمراہی میں چھوڑ دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب محض تکوینی حیثیت سے ہے۔ یعنی جب منافقوں نے گمراہ رہنا چاہا اور دعوت حق کو قبول وتوجہ کے کانوں سے سنا ہی نہیں، تو مشیت الٰہی نے بحیثیت علت العلل کے اس پر نتیجہ بھی وہی مرتب کر دیا۔ رضائے الٰہی کو اس میں مطلق دخل نہیں ف۵۰ یعنی صدائے حق گویا سنتے ہی نہیں، اور کلمۂ حق وایمان کے ادا کرنے سے ان کی زبان گنگ ہے۔ اور دید حق کی طرف سے ان کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں۔ اور یہ سب کچھ اپنی اختیاری گمراہی کے نتیجہ کے طور پر ف۵۱ (باطل سے حق کی طرف، کفر سے ایمان کی طرف) عن کفرهم وضلالتهم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) الی الهدی ولا الی خیرٍ (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۵۲ منافقین مدینہ کے بھی دو طبقے تھے۔ ایک تو وہ تھے جن کے دلوں میں سر تا پا کفر تھا۔ ایمان کا گزر ہی نہ تھا۔ اس طبقہ کے منافقین کی مثال ابھی اوپر گزر چکی ہے۔ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ۔ دوسرا طبقہ ان منافقین کا تھا جو یکسر منکر نہ تھے بلکہ آج کل کے بعض انتہائی روشن خیالوں کی طرح متشککین ومذبذبین میں تھے۔ اسلام کی ظاہری قوت وشوکت اور مادی اقتدار وفتح مندی کو دیکھ کر کبھی چند قدم اس کی طرف بڑھتے۔ اور جب مسلسل یہ کامیابی نہ پاتے، تو پھر پیچھے ہٹ جاتے۔ آیت میں مثال اس طبقہ کے منافقین کی بیان ہو رہی ہے۔ هذا مثل اٰخر ضربه الله تعالیٰ لضربٍ اٰخر من المنافقین و هم قوم یظهر لهم الحق تارةً و یشکون تارةً اخری (ابن کثیر) هذا هو المثل الثانی للمنافقین (کبیر) صَيِّب اس باران رحمت سے اشارہ ہے طلوع اسلام کی جانب۔ المراد من الصیّب هو الایمان والقراٰن (کبیر) السمآء۔ یہاں کثرت سے اس کے معنی بادل یا سحاب کے نقل ہوئے ہیں۔ ای من السحاب (معالم) قیل المراد بالسماء السحاب (بیضاوی) سماء کے خود لفظی معنی میں بھی اس مفہوم کی پوری گنجائش موجود ہے کہ ہر چیز جو انسان سے اوپر کی طرف ہو لغت میں سماء ہی ہے۔ السماء کل ما علاک فاظلک (قرطبی) اَوْ کو بعض نے یہاں بل کے معنی میں لیا ہے اور بعض نے و کے معنی میں (کبیر) ف۵۳ اشارہ ہے ان شدائد کی طرف جو آغاز اسلام میں امت کو برداشت کرنے پڑتے تھے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شرعی پابندیاں مراد ہوں جو اظہار اسلام کے بعد بہر حال منافقین پر بھی عائد ہو جاتی تھیں۔ مثلاً ادائے نماز، فریضۂ جہاد، ترک امارت قدیم، اطاعت رسول وغیرہا (کبیر) فِیْهِ میں ضمیر کا مرجع صَيِّب بھی ہو سکتا ہے اور السَّمَآءِ بھی۔ ظُلُمٰتٌ کا تعلق فِیْ صَيِّبٍ سے بھی ہو سکتا ہے اور فی السمآء سے بھی۔ ماحصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے ف۵۴ یہ کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے والے وہی اندھیروں میں راہ چلنے والے ہیں، یعنی منافقین ومذبذبین۔ مطلب یہ کہ منافقین اپنی بزدلی، پست ہمتی، دون فطرتی کی بنا پر اسلام لانے میں ہر وقت خطرے ہی دیکھ رہے ہیں۔ ایک معنی یہ بھی نقل ہوئے ہیں کہ منافقین قرآن مجید کے بیانات اور احکام ومواعید کی تصریحات سننے ہی سے بچنا چاہتے تھے اور کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں یہ کلام اثر نہ کر جائے اور انہیں اسلام

اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ ع يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

اللہ ہر چیز پر قادر ہے و۵۹ اے انسانو! و۶۰

اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ

عبادت (اختیار) کرو اپنے پروردگار کی و۶۱ جس نے تمہیں پیدا کیا و۶۲ اور تم سے

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ لا الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ

قبل والوں کو (بھی) و۶۳ عجب نہیں کہ تم پرہیزگار بن جاؤ و۶۴ (وہ) وہی (پروردگار) ہے جس نے تمہارے لئے

الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً صلے وَّاَنْزَلَ مِنَ

زمین کو ایک فرش اور آسمان کو ایک چھت بنا دیا ہے و۶۵ اور آسمان سے

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا

پانی اتارا و۶۶ پھر تمہارے لئے غذا کو پھل پیدا

لَّكُمْ ج فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

کئے و۶۷ سو تم اللہ کے ہمسر نہ ٹھہراؤ و۶۸ اور تم جانتے (بوجھتے) بھی ہو و۶۹

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا

اور اگر تم اس کتاب ہی کے بارہ میں شک میں ہو و۷۰ جو ہم نے اپنے بندہ پر اتاری ہے و۷۱

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ صلے وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ

تو کوئی ایک سورت اس جیسی تم بھی بنا لاؤ و۷۲ اور اپنے حمایتیوں کو بھی

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ

اللہ کے مقابلے میں بلا لو و۷۳ اگر تم سچے ہو و۷۴ اور اگر تم (یہ)

لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ

نہ کر سکو، اور ہرگز نہ کر سکو گے و۷۵ تو پھر اس آگ سے ڈرو و۷۶ جس کا

ع ۲

لاتے ہی نہ بن پڑے۔ مِنَ الصَّوَاعِقِ اے من بیان القرآن ووعده ووعیده (ابن عباس رضی اللہ عنہما) حَذَرَ الْمَوْتِ اے مخافة میل القلب الیه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) و۵۵ (اپنے علم سے، قدرت سے، ہر لحاظ سے) سو کافر اس کی گرفت سے بچ کر جا کہاں سکتے ہیں اور اس کے سامنے ان کی ساری تدبیریں اور حیلے بے اثر رہیں گے۔ جیسے محیط سے وہ چیز نہیں بچ سکتی جو اس کے احاطہ میں ہو۔ اے عالم بهم و جامعهم فی النار (ابن عباس رضی اللہ عنہما) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر محض علم ہی کے لحاظ سے محیط نہیں بلکہ ذاتاً بھی محیط ہے، بلا کسی کیفیت کے۔ اور عارف رُومی نے کہا ہے۔ اتصالے بے تکیف بے قیاس + ہست ربّ الناس را با جان ناس و۵۶ (اور ان کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جائیں) تشبیہ مرکب کے سلسلہ میں بیان ہو رہا ہے آثار غلبۂ اسلام کی قوت وشدت کا، کہ یہ منافقین کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے کے لیے اور انہیں مرعوب کرنے کے لیے کافی ہے۔ وهذا تمثیل لشدة الامر علی المنافقین (کشاف) و۵۷ یعنی جب اسلام کی مادی فتحمندیاں اور کامیابیاں دیکھتے ہیں تو ان منافقین و مذبذبین کے قدم گویا [illegible] اسلام کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔ طلب حق تو ان کے دل میں ہوتی ہی نہیں، البتہ مرعوبیت کچھ دیر کے لیے آمادہ کر دیتی ہے۔ لیکن جب اہل ایمان کو ابتلاء پیش آنے لگتے ہیں، تو یہ منافقین و مذبذبین انکار اور بے یقینی کے مقام پر پھر ٹھٹک جاتے ہیں۔ اور اسلام کی طرف ان کے بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں۔ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ کلما اصاب المنافقین من عز الاسلام اطمانوا الیه (ابن کثیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا۔ واذا اصاب الاسلام نكبة قاموا ليرجعوا الى الكفر (ابن کثیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ ایسا ہی حال اس سالک کا ہے جو حالت بسط میں طاعات میں لگا رہتا ہے اور قبض میں چھوڑ بیٹھتا ہے و۵۸ (جیسا معاملہ کہ بعض اگلی قوموں کے ساتھ پیش بھی آچکا ہے) توریت میں ہے:۔ "جب وہ اس کی طرف کو اترے تو الیسع نے خداوند سے دُعا مانگی اور کہا کہ مہربانی کر کے ان لوگوں کو اندھا کر دیجئے۔ سو اس نے جیسا کہ الیسع نے کہا تھا ان کو اندھا کر دیا۔" (۲۔ سلاطین۔ ۶:۱۸) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی مشیت الٰہی اگر یہی ہوتی، قانونِ تکوینی اگر اب بھی یہی ہوتا۔ اس سے اشارہ یہ بھی نکل آیا کہ مؤثرِ حقیقی صرف ارادۂ الٰہی ہے۔ اور اسباب ظاہری میں تاثیر جو کچھ بھی پیدا ہوتی ہے، مشیت الٰہی سے پیدا ہوتی ہے۔ بذاتِ خود موجود نہیں ہے۔ والتنبیه علی ان تاثیر الاسباب فی مسبّباتها مشروط بمشیة الله تعالیٰ (بیضاوی) و۵۹ (چنانچہ اس پر قادر ہے، اور اب بھی یہی کر سکتا ہے) قَدِيْرٌ صیغۂ مبالغہ ہے، زور و قوت میں قادر سے زیادہ۔ اسلام کا خدا قادرِ مطلق ہے، ہمہ تواں ہے۔ مصری، ہندی، یونانی خداؤں کی طرح ناقص اور محدود القویٰ نہیں و۶۰ قرآن مجید کا مخاطب سارا عالم انسانیت ہے۔ کوئی مخصوص نسل مثلاً بنی اسرائیل اور کوئی مخصوص قوم مثلاً اہل عرب نہیں۔ خطاب لجمیع من یعقل (بحر) یہ طرز خطاب خود ایک دلیل ہے تخاطب کے عام ہونے پر۔ پچھلے دو رکوعوں میں موجودات انسانی کی سہ گانہ تقسیم از روئے اعتقاد بیان ہو چکی ہے۔ یعنی مومن، کافر، منافق۔ اب خطاب سارے عالم انسانی کو مجموعی طور پر شروع ہو رہا ہے و۶۱ قرآن مجید کے اصل پیام کا آغاز گویا اب ہو رہا ہے۔ اور اس کا عنوان اول ہے مسئلہ توحید، کہ وہی اصل و اساس ہے سارے عقائد و مسائل اسلامی کی و۶۲ (تن تنہا، بلا کسی کی شرکت و اعانت کے) عمل تخلیق خالص خدائی عمل ہے۔ ہمسر و مساوی ہونا تو خیر الگ رہا، ماتحت و معاون کی بھی حیثیت سے کوئی شریکِ تخلیق نہیں۔ پھر خَلَقَكُمْ سے اس پر بھی زور دینا مقصود ہے کہ کائنات "خلق" ہوئی ہے، نیست سے ہست ہوئی ہے، عدم سے وجود میں آئی ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے سے کوئی غیر مخلوق مادہ موجود تھا۔ اللہ نے اس کی صورت میں کوئی خاص صفت و ترتیب پیدا کر دی۔ بہت سے باطل مذہبوں کا رد اسی سے نکل آیا و۶۳ (پس الوہیت و معبودیت کا سزاوار وہی ایک خالق بے ہمتا ہے) الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے پچھلی انسانی نسلوں کا مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ خلقتِ انسانی سے قبل رُوئے زمین پر کوئی اور مخلوق بھی آباد ہو، جیسا کہ توریت میں درج بھی ہے۔ قرآنی لفظ ان سب ممکن مخلوقات پر حاوی ہے۔ "تم کو" (یعنی موجودین بصیغۂ حال) اور "تم سے قبل والوں کو" (یعنی موجودین بصیغۂ ماضی) یہ دو لفظ لا کر قرآن مجید نے اشارہ ادھر بھی کر دیا کہ توحید کا درس ماضی و حال، تاریخ و مشاہدہ دونوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے

و۶۴ (کہ توحید ہی مرتبۂ تقویٰ تک پہنچانے کا بے خطا نسخہ ہے) تکونوا من المتقین الذین رضی الله عنهم ربهم (ابن جریر) لَعَلَّ ہے تو اظہارِ شک اور امید و آرزو کے لیے۔ لیکن قرآن مجید میں جہاں حق تعالیٰ کی طرف سے ادا ہوا ہے، تو کسی فعل کی آرزو کی جگہ اُس کے وقوع کا اور شک و احتمال کی جگہ یقین کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔ اور اُردو ترجمہ "تا کہ" سے بھی جائز ہو گیا ہے۔ هی كلمة رجاء و طمع و شک و قد جاءت فی القرآن بمعنی کَیْ (لسان) وقد جاءت فی القرآن بمعنی کَیْ (تاج) و۶۵ آیت کے اس ٹکڑے کی جان یا اصل رُوح جَعَلَ لَكُمْ ہے۔ مقصود زمین یا آسمان کی ہیئت بیان کرنا، یا ان کی ارضیاتی یا فلکیاتی ماہیت بیان کرنا کسی درجہ میں بھی نہیں۔ بیان صرف یہ کرنا ہے کہ زمین ہو یا آسمان، کوئی بھی از خود نہیں بن گئے ہیں، بلکہ جو کچھ اور جیسے بھی کچھ ہیں، اللہ کے بنائے ہوئے، اور اسی قادر مطلق کے زیر فرمان ہیں۔ رَبَّكُمُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الخ۔ دوسری تعلیم ساتھ ہی ساتھ یہ ملی، کہ زمین و آسمان انسان کے لیے خلق ہوئے ہیں۔ انسان زمین و آسمان کے لیے خلق نہیں ہوا ہے۔ مقصود و مطلوب انسان ہے۔ زمین و آسمان دونوں، باذنِ الٰہی، اسی خلیفۃ اللہ کے خادم ہیں۔ پھر یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ انسان اپنے ان خدائی خادموں کے آگے جھکنے لگے۔ اور اُلٹا انہیں کو معبود قرار دے کر اُن کی پرستش کرنے لگے! ارض ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے قدموں کے نیچے ہو۔ وکل ما سفل فهو ارض (تاج) اسی طرح سماء ہر اُس بلند چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے سر کے اُوپر ہو۔ السماء کل ما علاک (تاج) کل ما علا فاظل قيل له سماء (قرطبی)

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

ایندھن آدمی اور پتھر ہیں ف۷۷ (اور) وہ کافروں کے لئے تیار کی ہوئی ہے ف۷۸

وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ

اور ان لوگوں کو خوشخبری سنا دیجیے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ف۷۹ کہ ان کے لئے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا

(بہشت کے) باغ ہیں کہ ان کے نیچے دریا بہ رہے ہوں گے ف۸۰ انہیں جب کوئی

مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا

پھل کھانے کو دیا جائے گا تو وہ بول اٹھیں گے ف۸۱ کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں (اس کے)

مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ

قبل مل چکا ہے ف۸۲ اور انہیں وہ (واقعی) دیا ہی جائے گا ملتا جلتا ہوا ف۸۳ اور ان کے لئے پاکیزہ بیویاں

مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ

ہوں گی ف۸۴ اور وہ ان (بہشتوں) میں ہمیشہ کے لئے ہوں گے ف۸۵ اللہ اس سے ذرا نہیں شرماتا ف۸۶

اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا

کہ کوئی مثال بیان کرے مچھر کی یا اس سے بھی بڑھ کر (کسی اور چیز کی) ف۸۷ سو جو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ

لوگ ایمان لاچکے ہیں وہ تو یہی سمجھیں گے کہ وہ (مثال) یقیناً حق ہے ان کے پروردگار کی جانب سے ف۸۸

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ

البتہ جو لوگ کفر اختیار کیے ہوئے ہیں وہ یہی کہتے رہیں گے ف۸۹ کہ اللہ کا اس مثال سے

بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ

مطلب کیا تھا؟ ف۹۰ گمراہ بھی کرتا ہے بہتوں کو اسی سے ف۹۱ اور راہ بھی دکھاتا ہے بہتوں کو اسی سے ف۹۲

(وقف لازم)

ارض میں اصل تخیل پستی کا ہے۔ اور انسان کے تعلق میں اس کا اصلی وصف فراش یا ما یفرش کا ہے۔ یعنی وہ ایسی چیز ہے جو بچھا دی گئی ہے، یا بچھی ہوئی ہے۔ ہمارے لیے فرش ہے یا ایسی ٹھوس اور ہموار چیز ہے جس پر ہم قدم رکھ سکتے ہیں، چل سکتے ہیں، بیٹھ سکتے ہیں، لیٹ سکتے ہیں، نہ کہ کوئی ایسی کھردری یا پلپلی چیز ہے جس پر بیٹھنا، چلنا، قدم رکھنا ناممکن ہو۔ یہ زمین اپنی ہیئت کے لحاظ سے گول ثابت ہو یا چپٹی، بہر حال و بہر صورت اس کا تعارف انسان وانسانیت کے سلسلہ میں اس سے بہتر ممکن نہیں کہ وہ انسان کے لیے فرش کا کام دے رہی ہے، اور اس کام پر اسے اللہ ہی نے لگایا ہے چنانچہ قرآن نے یہاں اُس کا یہی وصف بیان کر دیا۔ اسی طرح سماء میں اصل تخیل بلندی کا ہے۔ زمین جس طرح بطور فرش ہمیں نیچے سے سنبھالے ہوئے ہے، آسمان اسی طرح ہمیں اوپر سے ڈھانپے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے کہ جو محسوس ومرئی چیز اس قدر بلند ہے کہ بڑے بڑے بلند سیاروں کی بلندیاں، اُونچے سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں، پرندوں اور طیاروں کی بڑی سے بڑی بلند پروازیاں، سب اس کے اندر سما جائیں، اور سب اُس سے پست ہی رہیں، تو چھت کا اطلاق اس پر بھی نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا؟ زمین کی طرح آسمان کی ہیئت سے قرآن مجید یعنی دنیا کے اس اخلاقی اور روحانی نظام نامہ کو کوئی تعلق نہیں۔ آسمان کوئی ٹھوس مادی جسم رکھتا ہے، یا محض خلا، منتہائے نظر ہے، اس قسم کے مسائل کا تعلق تمام تر دنیوی تجربی علوم سے ہے۔ قرآن کو تو آسمان کا صرف وہی وصف بیان کرنا تھا، جو سلسلۂ الٰہی وخلافت الٰہی سے تعلق رکھتا ہے، اور یہی اُس نے کر دیا۔ زمین وآسمان کی پوجا ہر مشرک، جاہل، ''متمدن'' قوم نے کی ہے۔ اور آسمان کو تو بہت بڑا دیوتا یونانیوں سے لے کر ہندیوں تک سب نے مانا ہے۔ قرآن کی اصلی زد انہیں مشرکانہ تخیلات اور جاہلی اوہام پر آ کر پڑتی ہے ف۷۶ (اسی معبودِ واحد وبرحق اور اسی خالقِ یکتا و مطلق نے، نہ کہ کسی دیوی دیوتا نے) مقصود اس حقیقت کی تعلیم ہے کہ آسمان اور بارش سب خدائے واحد ہی کی مخلوق ومصنوع ہیں۔ نہ کوئی آکاش دیوتا ہیں، نہ کوئی اندر دیوتا اور نہ کوئی Father-Zeus بلکہ یہ کلدانیوں، مصریوں، ایرانیوں، ہندیوں، یونانیوں، رومیوں کے سب گڑھے ہوئے خرافات ہیں۔ آسمان اور بارش کی پرستش دنیا سے بالکل ختم اب بھی نہیں ہوئی ہے۔ ایشیا، افریقہ، امریکہ تینوں براعظموں کے خدا معلوم کتنے گوشوں میں اب بھی یہ شرک جاری ہے۔ لفظ سماء کے معنی اُوپر کے حاشیہ میں ابھی گزر چکا ہے کہ بہت وسیع ہیں۔ اس لیے سماء سے پانی کا اُترنا، بادل سے پانی کے اترنے، بخارات کے منجمد ہونے اور پھر گرمی پا کر برس پڑنے، یا اور اسی طرح کے درمیانی واسطوں کے ہرگز منافی نہیں ف۷۷ (اسی معبودِ واحد اور خالق یکتا نے، نہ کہ کسی اور دیوی دیوتا نے) خدا جانے کتنی مشرک قومیں الگ الگ دیوی دیوتا، زراعت کے، نباتات کے، پھل پھلاریوں کے مان چکی ہیں۔ قرآن مجید کا کام مسائل طبعیات، فلکیات، جغرافیہ طبعی وغیرہ کی تعلیم دینا نہیں، بلکہ اُن عالمگیر مشرکانہ عقائد اور جاہلی تخیلات کی تردید ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہے یا جو کچھ ہو رہا ہے وہ نہ از خود اور بے سبب ہے، اور نہ کسی اور کی قوت سے ہو رہا ہے۔ تمام تر قادرِ مطلق ہی کی کارفرمائی کا ثمرہ ہے۔ بہ یعنی پانی کے واسطہ یا ذریعہ سے المعنی انه جعل الماء سبباً فی خروجها ومادة لها (کشاف) پانی کو جو دخل عظیم ہر قسم کی زمینی پیداوار اور نباتات میں ہے محتاج بیان نہیں ف۷۸ (کسی کو کسی حیثیت سے بھی) خلیفۃ اللہ جب کبھی اپنے مقام ومرتبہ کو بھول کر پستی میں گرا ہے تو اُس نے اپنا سر جھکایا اور ماتھا ٹیکا ہے درختوں کے آگے، ان کے پھلوں کے آگے، بارش کے دیوتا کے آگے، زمین کے آگے، آسمان کے آگے۔ قرآن مجید اسی حماقت وسخافت پر اُسے تنبیہ کر رہا ہے۔ فَلَا تَجْعَلُوْا میں ف سببیہ ہے، یعنی جس نے تمہیں ان نعمتوں کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ اسی لائق ہے کہ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اَنْدَادًا۔ نِد عربی میں کہتے ہیں مثل ومشابہ کو بھی، اور مخالف وضد مقابل کو بھی۔ الند المثل والنظیر وقال الاخفش الند الضد والشبه (تاج) چنانچہ انداد کے معنی اضداد اور اشباہ دونوں کیے گئے ہیں۔ (تاج) لفظ کی جامعیت میں نکتہ یہ ہے کہ شرک دنیا میں دونوں قسموں کا مروّج رہا ہے۔ بہت سی قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو محض ایک خدائے اصغر یا ماتحت خدا تسلیم کیا ہے، اور مجوس نے اہرمن کو یزدان کے حریف وضدِ مقابل کی حیثیت سے پیش کیا ہے ف۷۹ (اپنے الہامِ فطری اور عام فہم بشری کی بنا پر، کہ سب کا حاکم، سب کا خالق بس وہی ایک ہے) اتنی بصیرت، جو توحید تک پہنچا دے، ہر قلب بشری میں ودیعت رکھ دی گئی ہے۔ بشرطیکہ غلط تعلیم وتربیت اور ناقص ماحول اس فطرت ہی کو مسخ نہ کر ڈالے۔ وانتم تعلمون انی صانع هذه الا شیاء (ابن عباس رضی اللہ عنہما) انکم لکمال عقولکم تعلمون ان هذه الا شیاء لا یصح جعلها اندادًا لله تعالٰی (کبیر) ف۸۰ (یعنی اس کے کلامِ الٰہی ہونے کے باب میں اے کافرو اور منکرو!) خطاب یہاں یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ کے تحت میں ساری دنیا سے ہو رہا ہے، صرف اہل عرب یا قریش سے نہیں۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر تمہارے خیال میں یہ کلامِ الٰہی نہیں، تو یقیناً ایک انسانی تصنیف ہوگی۔ اور جب ایک انسان ایسی تصنیف پر قادر ہے تو دُوسرا بھی ہوسکتا ہے، چہ جائیکہ لائق وفائق انسانوں کا ایک پورا مجمع! کلمۂ اسلام کے اجزائے ترکیبی دو ہیں۔ ایک توحید باری، دوسرے رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ توحید کا بیان اوپر کی دو آیتوں میں ہو چکا، اب دعوت تصدیق رسالت کی دی جا رہی ہے ف۸۱ (جن کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے) سیاق وموقع ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص قرب واختصاص کے اظہار کا ہے۔ نیز آیت میں ایک نہایت پرزور اور دائمی چیلنج منکرین کو دیا جا رہا ہے۔ لیکن اس انتہائی زور اور اہمیت کے موقع پر بھی جو سردار انبیاء اور سردار رسل تھے، وہ قرآن کی زبان میں محض ایک ''عبد''، بندہ یا چاکر ہیں! — نہ خدا کے بیٹے اور اکلوتے بیٹے، نہ خدا کے مثل، نہ خدا کے بروز یا اوتار، نہ خدا کے وزیر یا مشیر، بلکہ محض عبد! محض بندے! توریت میں ''خداوند کے خادموں'' کا لقب ایسے ہی اعزاز واکرام کے موقع پر آیا ہے، اور ابراہیم نبی، اسحٰق نبی اور یعقوب علیہم السلام نبی کو خداوند کا خادم ہی ٹھہرایا ہے۔ نَزَّلْنَا یعنی جس کلام کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے بہ تدریج حسب ضرورت ومصلحت اُتارا ہے۔ شک وتردد کا ایک بڑا

سبب یہی نزول تدریجی تھا۔ منکرین کہتے تھے کہ جس طرح اور شاعر سوچ سوچ کر شعر کہتے ہیں، یہ "رسول ﷺ" بھی وقفوں کے ساتھ اسے گڑھتے رہتے ہیں۔ خدائی کلام ہوتا تو ایک بارگی سب کا سب نہ آجاتا (مظہری) عَبْدِنَا سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ آپ عبدیت میں کامل اور احکام الٰہی کے پورے پورے مطیع وفرمانبردار تھے (مظہری) ف۷۲ (معانی کی بلندی، مطالب کی جامعیت، مضامین کی ندرت کے لحاظ سے) قرآن مجید اپنی زبان کی فصاحت اور حسن انشاء کے لحاظ سے بھی یقیناً بے نظیر ہے، جیسا کہ عرب کے بڑے بڑے ماہرین ادب تسلیم کرچکے ہیں۔ لیکن یہاں جو تحدی کی جا رہی ہے اس کا مخاطب يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ کے ماتحت سارا عالم ہے، صرف قریش یا اہل عرب نہیں۔ اس لیے قرآن مجید کو یہاں صرف انشاء وفصاحت تک محدود رکھنا اُس کے عام وعالمگیر چیلنج کو محدود کردینا ہے۔ قرآن نے اپنی حقیقت خود یہ بیان کردی ہے کہ وہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کتاب ہُدٰی ہے۔ یعنی انفرادی و اجتماعی دونوں زندگیوں کا جامع نظام نامہ، مکمل، ہمہ گیر وہر جہتی دستور العمل، اس کے علاوہ اُس کی اور جتنی حیثیتیں ہیں، تبعی وضمنی ہیں۔ وہ یہاں پیش اپنے اسی سب سے بڑے وصف کو کررہا ہے، اور پکار کے کہہ رہا ہے کہ جو ہدایتیں اور بصیرتیں میرے ایک ایک سورہ کے اندر موجود ہیں، اب اگر تم اپنی متحدہ کوشش اور جدوجہد سے بھی اس کے مقابلہ کی کوئی چیز پیش کرسکتے ہو تو لاؤ دکھاؤ۔ مِنْ مِّثْلِهٖ میں مثلیت کی تفسیر پر بہترین روشنی خود قرآن مجید ہی سے پڑتی ہے۔ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (قصص۔ آیت ۴۹) هُوَ اَهْدٰى کے ایجاز میں سب کچھ آگیا۔ مِنْ مِّثْلِهٖ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال کثرت سے مثله فى البلاغة اور حسن نظم کے منقول ہوئے ہیں۔ لیکن اعجاز من جہۃ المعنٰی کا پہلو بھی اہل تحقیق سے چھوٹنے نہیں پایا ہے۔ یعنی مثل هذا القراٰن حقًا و صادقًا لا باطل فيه و لا كذب (ابن جریر۔ عن قتادۃ) اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں متعدد پہلو اختیار کیے ہیں۔ مِنْ مِّثْلِهٖ میں مِنْ بعض نے کہا ہے تبعیض کے لیے ہے بعض نے کہا ہے تبیین کے لیے ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ زائد ہے۔ من للتبعيض او للتبيين و زائدة عند الاخفش (بیضاوی) بِسُوْرَةٍ۔ یعنی پورا قرآن نہ سہی، اس کا نصف یا ثلث بھی نہیں۔ اس کی کسی ایک سورۃ ہی کے برابر تم تصنیف کردیکھو۔ لفظ سورۃ پر حاشیہ شروع میں گزرچکا ہے۔ ف۷۳ شُهَدَآءَكُمْ میں شُهَدَآءَ سے عموماً مراد حامیوں اور ناصروں سے لی گئی ہے۔ يعنى اعوانكم ما انتم عليه (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) معناه اعوانكم و نصراء كم (قرطبی) المراد من الشهدآء اكابرهم او من يوافقهم فى انكار امر محمد عليه السلام (کبیر) لیکن اگر شُهَدَآءَ کے وہی لفظی معنٰی گواہ کے رکھے جائیں جب بھی مراد یہ ہوگی کہ ان لوگوں کو بھی بلا دیکھو، جو تمہارے اس دعوٰی کی کہ تم نے کسی قرآنی سورت کا جواب لکھ لیا ہے تصدیق کردیں۔ اى قوم يشهدون لكم (ابن جریر۔ عن مجاہد) ف۷۴ (اپنے اس زعم وگمان میں کہ قرآن انسانی دماغ کی پیداوار ہے) قرآن کا سیدھا سادہ دعوٰی یہ ہے کہ وہ انسان کا نہیں، خدا کا کلام ہے۔ اور اپنے اس دعوٰی پر دلیل اس نے کیسی قطعی، اور عوام وخواص دونوں کی سمجھ میں آجانے والی یہ پیش کردی ہے کہ اگر کوئی اسے امکانِ بشری کے اندر سمجھتا ہے، تو ذرا اس کا ادنٰی اور ہلکا نمونہ بھی سب کی متحدہ کوشش سے پیش کردکھائے! قرآن کے چیلنج کو ساڑھے تیرہ سو سال سے اوپر ہی ہوچکے ہیں۔ اور دنیا کے کتب خانے اس کتاب سازی کے عہد میں، قرآن کے برابر کیا معنٰی تقریباً برابر کتاب سے بھی یکسر خالی ہیں! ف۷۵ (قیامت تک) اللہ اکبر! کس زور کی تحدی ہے اور وہ بھی ایک اُمی کی زبان سے! اپنی عقل وحکمت، اپنے علوم وفنون پر ناز رکھنے والوں کو کیسا کیسا جوش اُس وقت بھی آیا ہو گا، اور آج بھی آرہا ہے۔ ع لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی! کتنے نئے نئے مسلک روز پیدا ہو رہے ہیں، کیسی کیسی "isms" ہر روز اُبھر رہی ہیں، اور دنیا کو راہِ نجات دکھانے میں سب کی سب بیکار ہی ثابت ہورہی ہیں۔ یہ سب گویا قرآن کے جوابات ہی ہیں۔ ہر جواب ناکام، اور شرمناک حد تک ناکام! ف۷۶ یہ دنیا کی نہیں دوزخ کی آگ ہوگی، وہ دنیا کی آگ سے کہیں زیادہ تیز اور جلانے والی ہے۔ یہاں تک کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ اس سے ستر حصہ زیادہ تیز ہوگی۔ آخرت کے عذاب آتشیں کا ذکر توریت میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو یسعیاہ ۳۳: ۱۴ نیز ۶۶: ۲۴۔ انجیل کی تعلیم تمام تر رافت وحلم، عفو ودرگزر کی سمجھی جاتی ہے۔ لیکن آگ کے جہنم کا ذکر حضرت مسیح علیہ السلام کے ٹھنڈے مواعظ میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو متی ۱۸: ۸، ۹۔ فَاتَّقُوْا جواب شرط ہے۔ اور ف نتیجہ کو بتلا رہا ہے۔ یعنی جب قرآن کی پیش کی ہوئی دلیل کے جواب سے عاجز آچکے ہو، اور اپنے انکار پر کوئی دلیل خود رکھتے نہیں ہو تو اب انکار حق کیے چلے جانا بجز عناد وخبثِ نفس کے اور کس چیز کا نتیجہ ہوسکتا ہے؟ اور جہنم کا عذاب آتشیں اسی معاندانہ انکارِ حق کا لازمی اور قدرتی نتیجہ ہے ف۷۷ جہنم کی اصل غذا تو خود اہل کفر وشرک ہوں گے۔ سزا انہیں کو ملے گی۔ لیکن اس سزا میں اشتداد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کی مورتیوں، ان کے ٹھاکروں کو بھی ان کے پہلو میں رکھ دیا جائے گا۔ اور گویا ان سے کہا جائے گا کہ لو، اب اپنے انہیں معبودوں سے کام لو، جنہیں دنیا میں پوجتے رہے تھے۔ شرک اور مورتی پوجا میں تعلق بہت قدیم، بہت وسیع، بہت گہرا ہے۔ دنیا کی تقریباً ہر مشرک قوم نے بت پرستی بھی ضرور کی ہے۔ کلدانیہ، مصر، عرب، یونان، رومہ سب بت پرست رہ چکے ہیں، اور ہندوستان کی بت پرستی تو مشہور ہی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ والمراد بها حجارة الاصنام والانداد التى كانت تعبد من دون الله (ابن کثیر) ارادبها الاصنام (معالم) جدید جاہلی متمدن ومہذب قوموں کا ذوقِ سنگ تراشی ومجسمہ سازی بھی بت پرستی سے کچھ بہت زیادہ دُور نہیں ف۷۸ یہیں سے اہل سنت نے یہ استنباط کیا ہے کہ جہنم کی اصل غایت کافروں کی تعذیب ہے۔ نہ کہ محض اہل فسق وعصیان کی۔ عارضی طور پر یہ بھی تادیب کے لیے اس میں داخل کردیئے جائیں تو یہ ایک الگ چیز ہے ف۷۹ (اے ہمارے پیغمبر!) بَشِّرِ۔ گویا مومنین صالحین اس کے مستحق ہیں کہ مخاطب انہیں مبارکباد پہنچائے۔ اور اس میں ان لوگوں کی تکریم زائد ہے۔ بمقابلہ اس کے کہ انہیں براہِ راست خود ہی بشارت دے دی جاتی۔ اٰمَنُوْا۔ یعنی توحید ورسالت پر ایمان لے آئے۔ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یعنی عمل مطابق شریعت اسلام کیے۔ نیک عمل کے سمجھنے میں بہتوں کو دھوکا ہوا ہے، اور یہ مغالطہ آج کل بہت عام ہوگیا ہے۔ سمجھا یہ جانے لگا ہے کہ نیکی اور ایمان ایک دوسرے سے بالکل الگ اور بے تعلق چیزیں ہیں۔ اور پھر اس مفروضہ کی ایک فرع یہ قائم کی گئی ہے کہ کوئی شخص ممکن ہے کہ بہت صالح اعمال کا ہو، لیکن ایمان سے یکلخت محروم ہے ـــ حالانکہ یہ تخیل ہی سرتاسر غلط ہے۔ نیکی ایمان سے الگ نہیں، ایمان ہی کی عملی شکل کا نام ہے۔ ایمان جب تک قلبی ہے، ایمان ہے۔ اگر قولی ولسانی ہے تو اسلام ہے۔ اور وہی ایمان جب عمل سے ظاہر ہونے لگتا ہے تو اس کا نام حسن عمل، حسن کردار یا عمل صالح پڑجاتا ہے۔ اور حسن عمل کے معنی ہی یہی ہیں کہ وہ عمل رضائے الٰہی کے مطابق ہو۔ کوئی نیکی اگر ایسی پیش کی جاتی ہے جس کی تہ میں جذبہ ایمانی خفیف سا بھی موجود نہیں، تو وہ نیکی نہیں، نیکی کی صرف صورت ہے۔ نیکی کی صرف نقل ہے۔ اور جس طرح نماز کی نقل محض، نماز نہیں۔ اسی طرح کسی نیکی کی نقل پر اطلاق نیکی کا نہیں ہوسکتا۔ عمل نیک کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ وہ عمل ضابطۂ شریعت کے موافق ہو۔ فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ ایمان واعمال دو الگ الگ چیزیں ہیں، اور اعمال ایمان کے علاوہ ہیں ف۸۰ یہ عالم آخرت کے انعام کا بیان ہے۔ جنت کے انعامات اس قسم کے جتنے بھی بیان کیے گئے ہیں، سب عمومی اور اکثری کے حکم میں داخل ہیں۔ حصر اور کلیہ کی صورت میں نہیں۔ چنانچہ عموماً چونکہ انسان کو لطف دریا اور باغ میں ملتا ہے، اس لیے اُس کے لیے یہ سامان آخرت میں موجود ہوگا۔ لیکن بالفرض کوئی شخص ایسا ہے جسے بجائے سبزہ وگلزار کے دشت وریگستان پسند ہے تو جنت میں یہ سامان مہیا ہوتے بھی دیر نہ لگے گی۔ آیت سے معلوم ہوا کہ بشارتِ جنت کے استحقاق کے پورے سبب ایمان اور عمل دونوں وصف ہیں۔ ف۸۱ (فرطِ مسرت وانبساط سے) ف۸۲ (دنیا میں یا جنت میں) یعنی جنتیوں کو جب کوئی پھل پھلاری کھانے میں آئے گا تو انہیں پچھلا مزہ بھی تازہ ہوجائے گا اور اس کی شکل دیکھتے ہی وہ بول اٹھیں گے کہ ارے یہ تو وہی لذیذ میوہ ہے، جس کا مزہ ہمیں خوب یاد ہے۔ مِنْ قَبْلُ۔ یہ قبل والے پھل دنیا کے باغوں کے بھی ہوسکتے ہیں اور جنت کے باغوں کے بھی۔ اہل تفسیر سے دونوں منقول ہیں۔ ماحصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے، یعنی اہل جنت میں شوق آفرینی و رغبت افزائی۔ يعنى فى الدنيا و قيل يعنى فى الجنة (قرطبی) فيها و جهان۔ الاول انه من ارزاق الدنيا والثانى ان المشبه به رزق الجنة ايضًا (کبیر) اى من قبل هذا فى الدنيا جعل ثمر الجنة من جنس ثمر الدنيا لتميل النفس اليه او فى الجنة لان طعامها متشابه فى الصورة كما حكى ابن كثير عن الحسنؒ (بیضاوی) ف۸۳ یعنی یہ تشابہ محض اہل جنت کے خیال کے مطابق نہ ہوگا۔ واقعہ اور نفس الامر بھی یہی ہے۔ یہ تشابہ کس سے ہوگا؟ بعض نے کہا کہ دنیا کے پھل پھلاریوں سے۔ اور بعض کا قول ہے کہ جنت ہی کے میوے ایک دوسرے سے مشابہ ہوں گے۔ لیکن اگر دنیا ہی کے پھلوں سے تشابہ مراد لی جائے تو یہ لحاظ رکھنا ضروری ہوگا، کہ یہ مشابہت صرف صوری اور ظاہری ہی ہوگی۔ ورنہ اصل لذت، ذائقہ، خوشبو وغیرہ کے لحاظ سے جنت اور دنیا کی نعمتوں میں آسمان وزمین کی نسبت ہے۔ چنانچہ محققین نے کہہ دیا ہے کہ دونوں میں اشتراک صرف نام کا ہو گا۔ ليس فى الدنيا مما فى الجنة الا الاسماء (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) بعض اہل لطائف واسرار نے آیت سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ اسی دنیا کے اعمالِ حسنہ جنت میں طرح طرح کی نعمتوں کی شکل وتمثل اختیار کرلیں گے اور اہل جنت کو اپنے حسناتِ دُنیوی اور ان کے ثمراتِ

وَ مَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ

ہاں وہ گمراہ کسی کو (بھی) اس سے نہیں کرتا بجز بے حکمی کرنے والوں کے ف۹۲ جو اللہ سے اپنے

عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ

معاہدہ کو اس کے استحکام کے بعد توڑتے ہیں ف۹۳ اور جس چیز کو

اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ

اللہ نے حکم دیا تھا جوڑے رکھنے کا اسے کاٹتے ہیں ف۹۵ اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ف۹۶

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٧﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ

تو بس یہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے ف۹۷ تم لوگ کس طرح کفر کر سکتے ہو اللہ سے ف۹۸

وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ

درآنحالیکہ تم بے جان تھے ف۹۹ سو اس نے تمہیں جاندار کیا ف۱۰۰ پھر وہی تمہیں موت دے گا ف۱۰۱

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٨﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي

پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا ف۱۰۲ پھر اسی کی طرف تم واپس کیے جاؤ گے ف۱۰۳ وہ وہی (خدا) ہے، جس نے پیدا کیا

الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ

تمہارے لئے جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب ف۱۰۴ پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ کی ف۱۰۵ اور انہیں سات

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٩﴾ ع وَ اِذْ قَالَ

آسمان درست کر کے بنا دیے ف۱۰۶ اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ف۱۰۷ اور (وہ وقت یاد کرو) ف۱۰۸ جب

رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ

تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا ف۱۰۹ میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں ف۱۱۰

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ

وہ بولے کیا تو اس میں ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون

اُخروی کے درمیان ایک خاص تشابہ وتناسب محسوس ہوگا۔ ف۸۴ مُطَهَّرَةٌ۔ پاک صاف ہر طرح اور ہر اعتبار سے، جسم کی، رُوح کی، ہر ممکن گندگی اور آلودگی سے ستھری، پاکیزہ مطهرة من القذر والاذى (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قیل مطهرة من مساوی الاخلاق (معالم) فالمراد طهارة ابدانهن و طهارة ازواجهن من جميع الخصال الذميمة (کبیر) بعض ”روشن خیالوں“ کو پاکیزہ بیویوں کے نام سے خدا معلوم کیوں اتنی شرم آئی کہ انہوں نے اس معنی ہی سے انکار کردیا۔ اور اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کی تفسیر عجب طرح توڑ مروڑ کر کی ہے۔ گویا بہشت میں رضائے الٰہی کے مقام میں، ہر قسم کی انتہائی لذت، مسرت اور راحت کے موقع پر، بیویوں اور پھر پاکیزہ بیویوں کا ملنا کوئی بڑی ہی شرم وغیرت کی بات ہے! جنت کے نفس وجود ہی سے اگر کسی کو انکار ہے، جب تو خیر بات ہی اور ہے۔ ایسے مخاطب کے سامنے پہلے جنت کا اثبات کیا جائے گا۔ لیکن اگر جنت کا اقرار ہے، تو پھر وہاں کی کسی لذت، کسی نعمت، کسی راحت سے انکار کے کوئی معنی نہ نقل کے لحاظ سے صحیح ہیں نہ عقل کے اعتبار سے۔ جنت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ وہ مادی اور روحانی ہر قسم کی لذتوں، مسرتوں، راحتوں کا گھر ہوگا ـــ یا پھر یہ کہ بیوی کے نعمت اور اعلیٰ نعمت ہونے ہی سے انکار ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس عقیدہ کا رشتہ اسلام سے کہیں زیادہ رہبانیت، اور مسیح علیہ السلام کی لائی ہوئی نہیں، پولوس کی پھیلائی ہوئی ”مسیحیت“ سے وابستہ ہے۔ زوجیت جب دنیا میں اللہ کا ایک اعلیٰ انعام ہے تو آخر جنت میں کس جرم میں اس سے محرومی ہوجائے گی؟ حقیقت یہ ہے کہ جسمانی، مادی، حسی خصوصاً ازدواجی نعمتوں کو حقیر سمجھنا، یا اُن سے شرمانا، تمامتر جاہلی مذہبوں خصوصاً پولوسی مسیحیت سے دماغی مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ اسلام تو حسی اور معنوی، مادی اور رُوحانی، جسمانی اور عقلی ہر قسم کی نعمت کی قدر کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ایسی خشک لذت جس میں کوئی شائبہ نہ لامسہ کا ہو نہ باصرہ کا نہ ذائقہ کا نہ سامعہ کا، اور صرف اسی پر قانع رہنا کمال نہیں، نقص ہے ہنر نہیں عیب ہے۔ اور معلوم ہے کہ نقص وعیب جنت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتے ف۸۵ سب سے بڑی اور آخری بات جنت کے سلسلہ میں یہ فرمادی گئی کہ اس کی لذتیں اور مسرتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں، اور داخلہ جنت کے بعد زوالِ عیش کا امکان ہی نہیں۔ دنیا کی بڑی سے بڑی، لیکن کیسی فانی اور عارضی، نعمتیں اس کے سامنے تصور میں بھی لائی جاسکتی ہیں؟ خٰلِدُوْنَ۔ خلود کے معنی ایسی حالت میں رہنے کے ہیں، جس میں کبھی تغیر اور خرابی نہ پیدا ہو۔ الخلود هو تبرى الشئ من اعتراض الفساد و بقاءه على الحالة التى هو عليها (راغب) فلا اخرله ولا انقضاء بل فى نعيم سرمدى ابدى على الدوام (ابن کثیر) ف۸۶ (جیسا کہ بعض کج فہم اور معاند معترضین کے خیال میں شرمانا چاہیے) قرآن مجید میں اپنے اپنے موقع اور محل پر تذکرہ بڑی سے بڑی مخلوق کا بھی آیا ہے اور چھوٹی سے چھوٹی کا بھی۔ جانوروں میں ایک طرف ہاتھی، اونٹ، شیر کا۔ اور دُوسری طرف چیونٹی مکھی اور مچھر کا۔ اسی تذکرہ پر بعض نافہموں نے کہنا شروع کیا کہ واہ دعویٰ تو کلام الٰہی ہونے کا، اور مضامین اس کے اندر ایسے حقیر! یہ نافہم اور کم عقل معترضین بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہود تھے، بعض میں کہ مشرکین تھے، بعض میں کہ منافقین۔ عجب نہیں کہ تینوں ہوں۔ نزلت فى اليهود (روح۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) نزلت فى المنفقين (روح۔ عن مجاہد) والقول الثالث ان هذا الطعن كان من المشركين قال القفال الكل محتمل ههنا (کبیر) ف۸۷ (کسی دینی حقیقت کی توضیح کے لیے) مثال کی غایت ہی یہ ہے کہ وہ مسئلہ کو ذہن کے سامنے زیادہ کھول کر اور زیادہ وضاحت کے ساتھ لے آئے۔ اب یہ مقصد جس مثال سے پورا ہوسکے، اسی کو بہترین کہا جائے گا، خواہ وہ چیز جو مثال میں پیش کی گئی ہے، بجائے خود کیسی ہی ہو۔ مچھر بظاہر ایک بہت حقیر اور بے حقیقت سی مخلوق ہے۔ اب جہاں مخلوق کی بے حقیقتی بیان کرنا ہوگی وہاں موزوں مثال ظاہر ہے کہ مچھر ہی کی ہوگی۔ پھر اس پر اعتراض کرنا کیسی سفاہت کی دلیل تھی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات بھی خوب لکھی ہے کہ صانع عالم اور خلاق علیم کی بنائی ہوئی کوئی شے بھی درحقیقت حقیر وبے حقیقت نہیں۔ بلکہ جو چیز بظاہر جتنی زیادہ چھوٹی اور حقیر ہوگی، اسی قدر اس کا بیان کمال علم، کمال اطلاع اور کمال حکمت پر اور زیادہ دلالت کرے گا (کبیر) مَثَلًا مَّا۔ مَثَلًا کا لفظ خود نکرہ تھا مَا کے اضافہ نے اس کے وصفِ تنکیر کو اور بڑھا دیا۔ فَمَا فَوْقَهَا۔ یعنی مچھر سے بھی بڑھ کر ہو، اپنے جثہ کے صغر یا ظاہری بے حقیقتی کے اعتبار سے۔ فما فوقها فى الصغر (راغب) ارادبما فوقها فى الصغر والمحققون مالوا الى هذا القول (کبیر) مادونها فى الصغر و الحقارة وهذا قول الكسائى و ابى عبيد قاله الرازى و اكثر المحققين (ابن کثیر) اے فما تجاوزها وزادعليها فى المعنى الذى ضربت فيه مثلاً وهو القلّة والحقارة (کشاف) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں اصل ہے عادت صوفیہ کی کہ مثال لانے میں حیاء عرفی کی پروا نہیں کرتے ف۸۸ (اور اپنے مقصود وغایت اور توضیح مراد میں بالکل کافی ووافی) اَنَّهُ میں ضمیر مَثَل کی طرف راجع ہے۔ هذا المثل (ابن کثیر۔ عن ابی العالیہ) المثل هو (معالم) دُوسرا قول یہ ہے کہ ضمیر خود قرآن کی طرف راجع ہے۔ اے يعلمون انه كلام الرحمٰن وانّه من عندالله (ابن کثیر۔ عن قتادۃ) اَمَّا۔ صرف اَمَّا آغاز کلام میں لے آنے سے فقرہ میں قوت اور زور کی زیادتی ہوگئی ہے۔ تو كيد ما صدربه (ابو سعود) يوكد ما به صدر (بیضاوی) ف۸۹ (استفساراً نہیں، طنز وتعریض کی راہ سے) ف۹۰ یعنی وہ اسی میں الجھے رہیں گے کہ ایسی مثالوں سے حاصل کچھ بھی نہیں۔ هذا کے لفظ میں ایک پہلو تحقیر واہانت کا ہے۔ و فى قولهم مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا استحقار (کبیر) و فى هذا استحقار و استرذال (بیضاوی) اُردو روزمرہ کے مطابق هذا مَثَلًا کا ترجمہ ہوگا۔ ”ایسی ایسی مثال سے“۔ ف۹۱ (اور اپنے قانونِ تکوینی کے مطابق) اللہ کو خالق شر ماننے میں دُنیا کے مذہبوں کو بڑی بڑی دقتیں پیش آئی ہیں۔ چنانچہ انہیں سے بچنے کے لیے ایک دوسرا خالق شر بھی فرض

کرلیا گیا ہے۔ لیکن اس دُشواری کی اصل یہ ہے کہ خیر کی طرح شر کا بھی کوئی وجود فرض کرلیا گیا ہے۔ حالانکہ شر تو اشیائے کائنات کے، موجوداتِ عالم کے، اور اپنے قوٰی کے صرف غلط و ناجائز طریق استعمال کا نام ہے۔ خالقِ کائنات نے انسان کو آزادی دے رکھی ہے مختلف راہوں میں سے ایک کے انتخاب کی، اور اسی کا نام ارادہ ہے۔ چنانچہ انسان جب اپنے اسی ارادہ واختیار سے غلط کام لے کر غلط راہ کا انتخاب کرتا ہے تو اسی کو شر میں مبتلا ہوجانا کہتے ہیں۔ اللہ علاوہ احکم الحاکمین ہونے، مالک الملک ہونے، آخری اور اصلی قانون ساز ہونے کے تکوینی حیثیت سے ہر شے کا آخری مسبب الاسباب بھی تو ہے۔ وہ بدی کا خالق صرف اسی معنٰی میں ہے، جس معنٰی میں زہر کا، زہریلے جانوروں کا، خونخوار درندوں کا۔ یُضِلُّ بِہٖ کے معنٰی صرف اس قدر ہیں کہ بندہ جب اپنی رائے اور ارادہ سے گمراہی اختیار کرنے لگتا ہے، تو حق تعالیٰ اس کا بھی سامان بہم پہنچادیتا ہے۔ یہ نہیں کرتا کہ سامان تو اکٹھے ہوجائیں، اور نتیجہ نہ برآمد ہونے دے۔ بِہٖ یعنی اس سے اور اسی طرح دوسری قرآنی تمثیلات سے۔ ضمیر کا مرجع مَثَلًا ہے۔ کَثِیْرًا۔ بہتوں کو، یہ ''بہت'' وہی ہیں جو اپنی قوتِ فکر ونظر سے صحیح کام نہیں لیتے۔ اور اس لیے اپنے ارادہ سے کفر وضلالت اختیار کیے رہتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی رضا کو ان کے کفر میں ذرا بھی دخل نہیں **ف۹۲** (اللہ اپنے اسی قانونِ تکوینی کے مطابق) بِہٖ۔ ضمیر کا مرجع یہاں بھی مَثَلًا ہے۔ کَثِیْرًا۔ بہتوں کو، یہ ''بہت'' وہ ہیں جو اپنی قوتِ فکر ونظر سے صحیح کام لیتے رہتے ہیں۔ مومنین مہتدین کا شمار گو کافرین مضلین کے مقابلہ میں کمتر ہو، پھر بھی بجائے خود ایک بہت بڑی تعداد میں ہے۔ اور اسی لیے کثیر کا لفظ اس کے لیے بھی آیا ہے **ف۹۳** آیت نے خود اس مضمون کو صاف کردیا کہ گمراہی تو بس انہیں کے حصہ میں آتی ہے جو خود گمراہ رہنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ہرگز چپک نہیں دیتا۔ بار بار کی ارادی نافرمانیوں اور عدول حکمیوں سے اندر کا نور بجھ کر رہ جاتا ہے، اور طبیعت میں حق کی طلب اور صداقت کی تلاش باقی نہیں رہ جاتی، بلکہ اس کے برعکس باطل اور ناحق پر جمود پیدا ہوجاتا ہے، اور اس سلسلہ کا خاتمہ کفر و انکار پر ہوتا ہے۔ فسق کہتے ہیں احکام سے تجاوز کرجانے کو۔ اور فاسق وہ ہے جو دائرۂ اطاعت سے بار بار نکل جائے۔ الفسق العصیان والترک لامر اللّٰہ عزوجلّ والخروج عن طریق الحق (لسان) المنافق و الکافر سُمِّیا فاسقین لخروجھما عن طاعۃ ربھما (ابن جریر) ائمہ لغت نے کہا ہے کہ فاسق کے استعمال کی مثال عربی میں اسلام سے قبل، عہد جاہلی میں نہیں ملتی۔ فیروز آبادی کا قول ہے لیس فی کلامھم ولا شعرھم فاسق علی انہ عربی (قاموس) اور ابن الاعرابی نے کہا ہے لم یسمع فی کلام الجاھلیۃ ولا فی شعرھم فاسق ھذا عجب و ھو کلام عربی (لسان) فسق بہ حیثیت فعل، بے جان چیزوں کے سلسلہ میں ضرور استعمال میں تھا۔ لیکن بحیثیت اسم، فاسق کا استعمال انسان کے لیے کلامِ عرب میں نہیں ملتا۔ لم یسمع الفاسق فی وصف الانسان فی کلام العرب (راغب۔ عن ابن الاعرابی) اس اصطلاحی معنٰی میں جس میں اس کا استعمال اب عربی بلکہ اردو میں عام ہے، یہ تمامتر ایک اسلامی لفظ ہے۔ اور ان چند لفظوں میں سے ہے، جو قرآن نے آکر عربی زبان کو دیے۔ لا یعرف اطلاقھا علٰی ھذا المعنٰی قبل الاسلام (تاج) آج انگریزی زبان بھی باوجود اپنی وسعت کے حلت، حرمت، طہارت، تقوٰی کے مفہوم کے بہت سے الفاظ سے محروم ہے۔ ایں حدیث رایانِ دیگر است **ف۹۴** عَھْدَ اللّٰہِ۔ یعنی معاہدۂ طاعت کو۔ عہد ایمان کو، توحید کے حاسۂ فطری کو۔ اقرار توحید ربوبیت تو ایسا سیدھا سادہ صاف مسئلہ ہے کہ ہر انسان کی فطرت سلیم اس عقیدہ پر گواہ ہے۔ نافرمان وفاسق خود اپنی اس فطرتِ سلیم سے، اقرارِ فطری سے بغاوت کرتا رہتا ہے۔ اور اس لیے یہاں فاسقین کے تحت میں ہر قسم کے اہل کفر آگئے۔ عنی بھٰذہ الآیۃ جمیع اھل الکفر والشرک والنفاق وعھدہ الی جمیعھم فی توحیدہ ما وضع لھم من الادلّۃ الدالۃ علٰی ربوبیتہٖ (ابن کثیر) مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ۔ اس عہد فطرت کی توثیق ہر دور اور ہر زمانہ میں پیغمبروں کی تعلیمات کے ذریعہ سے ہوتی رہی ہے۔ والمراد بہ ماوثق اللّٰہ بہ عھدہ من الاٰیات والکتب (بیضاوی) **ف۹۵** آیت کے وسعتِ مفہوم میں سارے حقوق اللہ اور حقوق العباد داخل ہیں۔ یعنی وہ سارے فرائض جو ہر انسان پر خالق ومخلوق دونوں سے متعلق عائد رہتے ہیں۔ ان یوصل من الایمان والارحام (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) صلۃ الارحام والقرابات وقیل المراد اعمّ من ذٰلک (ابن کثیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک معنٰی یہ بھی کیے ہیں کہ حکم الٰہی مومنین کے ساتھ رشتہ جوڑے رکھنے کا ہے۔ یہ اہل فسق اسے چھوڑ کر

اپنا رشتہ کافروں سے جوڑ لیتے ہیں **ف۹۶** (اپنے عقائد کفریہ باطلہ سے) اس 'فساد' کے اندر، روحانی، مادّی ہر قسم کے مفسدے شامل ہیں۔ اسلام کی حقیقت ہی چونکہ یہ ہے کہ وہ زندگی کا ایک مکمل دستور العمل ہے اور ایک ہمہ گیر نظامِ حیات۔ اس لیے اس سے اعراض وانحراف کے کھلے ہوئے معنٰی یہ ہیں کہ کسی ناقص دستور زندگی اور چھوٹے نصب العین کو قبول کرلیا گیا ہے اور اس ناقص پروگرام کا لازمی نتیجہ ہے انفرادی انتشار اور اجتماعی اختلال۔ والاظھر ان المراد منہ الصدّ عن طاعۃ الرسول علیہ الصلٰوۃ والسلام لانّ تمام الصلاح فی الارض بالطاعۃ (کبیر) یہ عقیدہ نہیں مشاہدہ ہے کہ آج دنیا اتنی ترقیوں اور علمی کمالات کے باوجود کیسی کیسی مصیبتوں میں بھٹک رہی ہے، انفرادی واجتماعی دونوں حیثیتوں سے۔ اور یہ صلاح وفلاح سے محرومی نتیجہ ہے اسلامی زندگی کو گم کردینے کا **ف۹۷** اس نقصان میں خسارۂ عاجل بھی شامل ہے اور خسارۂ آجل بھی۔ عاجل اس لحاظ سے کہ عدمِ ایمان سے دلوں سے سکون واطمینان رخصت ہوجاتا ہے۔ اور قوم وافراد قوم طرح طرح کی بداخلاقیوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اور آجل اس اعتبار سے کہ آخرت میں ہر نعمت سے محرومی رہے گی۔ مغبونون بذھاب الدنیا والاخرۃ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) **ف۹۸** (اے کافرو اور منکرو!) یعنی کفر وانکار کی جرأت وہمت کس طرح رکھتے ہو؟ سوال سے مقصود ان کی جسارت پر استعجاب ہے۔ علٰی وجہ التعجب (ابن عباس رضی اللہ عنہما) فالمراد بہ التکبیت والتعنیف (کبیر) لفظ کَیْفَ کا استعمال قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی حق تعالیٰ کے سلسلہ میں آیا ہے، سیاق ہمیشہ تنبیہ یا توبیخ ہی کا رہا ہے۔ وکل ما اخبر اللّٰہ تعالٰی بلفظۃ کیف عن نفسہٖ فھو استخبارٌ علٰی طریق التنبیہ للمخاطب او توبیخا (راغب) **ف۹۹** (صلب پدر میں) یعنی ابھی تمہاری تشکیل ہوئی بھی نہ تھی **ف۱۰۰** (رحم مادر میں) نعمتوں میں سب سے مقدم صفت حیات ہے کہ دوسری ساری نعمتوں سے استفادہ اسی کے بعد ممکن ہے۔ اس لیے ذکر میں بھی اسے یہاں سب سے مقدم رکھا **ف۱۰۱** (اس دنیوی مدت زندگی کے خاتمہ پر) بیان توحید کامل کا ہو رہا ہے، کہ خلق احیاء و افناسب قوتیں باری تعالیٰ ہی کی ہیں۔ یہ نہیں جیسا کہ بعض مشرک قوموں کا عقیدہ ہے کہ موجد وخالق برہما جی ہیں، اور قائم وباقی رکھنے والے وشنوجی، اور موت وہلاکت لانے والے شیوجی **ف۱۰۲** (حشر میں) حشر کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں ہے، بغیر اس کے اس محدود، مختصر زندگی میں نظامِ عدل کا قیام ممکن ہی نہیں **ف۱۰۳** (حساب وکتاب کے لیے) انسان کو جزا وسزا اعمال کی جوابدہی کے لیے براہ راست اللہ ہی کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ اس میں ردّ آگیا مسیحی مشرکوں کے اس عقیدہ کا کہ حشر میں پیشی مسیح کے حضور میں ہوگی **ف۱۰۴** خطاب عام نوعِ انسانی سے ہے۔ ان سے ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ تم تو خود ہی ساری کائناتِ ارضی کے مقصود ومطاع ہو۔ پھر یہ کیسی حماقت ہوگی کہ تم کسی اور مخلوق کو مقصود ومطاع بنالو۔ آیت ہر قسم کے شرک، ہر قسم کی مخلوق پرستی کی جڑ کاٹ دینے کے لیے کافی ہے۔ اس فرشِ زمینی پر جو کچھ بھی ہے سب انسان ہی کے لیے ہے، نہ یہ کہ انسان کسی اور مخلوق کے لیے ہو۔ اور مشرک انسان اس فطری اور قدرتی ترتیب کو الٹ دیتا ہے۔ حدیث نبوی کا یہ ٹکڑا جو مسلمان ہر جمعہ کو خطیب کی زبان سے سنتا ہے، کہ اِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَ اِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ (دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے اور تم پیدا کیے گئے ہو آخرت کے لیے) اسی مفہوم کا ترجمان ہے۔ اور خلیفۃ اللہ کی بیشک یہی شان ہونا چاہیے۔ سب کچھ اس کے لیے ہو اور وہ خود خدا کے لیے ہو۔ وہ جس چیز کو جس طرح بھی چاہے اپنے تصرف میں لائے۔ اور اس کا جواب دہ صرف اپنے مالک وخالق کے سامنے ہو۔ مرتبہ انسانی کا یہ شرف واحترام اسلام ہی کا قائم کیا ہوا ہے۔۔۔ ڈارون کے ''ترقی یافتہ بندر'' غریب کو اس رتبہ ومقام سے کیا واسطہ! لکم۔ ای لا جلکم ولا نتفاعکم بہ فی دنیاکم ودینکم (کشاف) ھو یدل علی ان المذکور بعد قولہ خلق لاجل انتفاعنا فی الدین والدنیا (کبیر) جَمِیْعًا۔ اس ''سب'' میں گنگا مائی بھی شامل ہیں اور ننگا پربت بھی، گئو ماتا بھی اور ہنومان جی بھی۔ حجر پرستی، شجر پرستی، دریا پرستی، کوہ پرستی، ناگ پوجا وغیرہ مخلوق پرستی اور مظاہر پرستی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب بے معنٰی اور ننگِ انسانیت ہیں **ف۱۰۵** سماء واحد اور جمع دونوں طرح آتا ہے۔ یُستعمل للواحد والجمع (راغب) یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ یہاں لفظاً واحد ہے، لیکن معنًی جمع ہے کہ جنس سماء کے معنٰی میں ہے فانھا فی معنی الجنس (ابوسعود) بہر صورت ضمیر جمع ھُنَّ سے کوئی خلجان نہ ہونا چاہیے۔ سماء کی وسعتِ مفہوم پر حاشیہ

پہلے گزر چکا ہے (۶۵) یہاں مراد اجرام علوی سے بھی لی گئی ہے اور سمت علوی سے بھی۔ المراد بالسماء هذه الاجرام العلوية او جهات العلوّ (بیضاوی) گویا مفہوم یہ ہوا کہ وہ بلندی کی طرف متوجہ ہوا۔ والمراد بالسماء جهات العلوّ كانّهٗ قيل ثم استوى الى فوق (کشاف) استوٰی کا صلہ جب اِلٰی کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں قصد کیا، توجہ کی، التفات کیا۔ چنانچہ یہاں ائمۂ تفسیر عموماً اسی طرف گئے ہیں۔ عمد الى خلق السماء (ابنِ عباس رضی اللہ عنہما) قال بعضهم اقبل عليها وقال بعضهم عمداليها (ابنِ جریر) قصداليها اى بخلقه واختراعه (قرطبی۔ عن سفیان وابن کیسان) اقبل و عمدالى خلق السّمٰوٰت (مدارک) ف۱۰۶ آسمانوں کا تعداد میں سات ہونا توریت وانجیل دونوں کو مسلم ہے۔ ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائبل میں ہے۔ ’’عہد عتیق وعہد جدید دونوں میں آسمانوں کا جو تخیل ہے...... وہ سات آسمانوں کا ہے‘‘ (جلد ۲ صفحہ ۳۲۲) سَوّٰىهُنَّ۔ تسویہ کے معنی ہیں تکمیل تک پہنچا دینے اور ہر طرح درست کر دینے کے۔ ضمیر۔ هُنَّ السَّمَآءِ کی طرف راجع ہے۔ خواہ اس کی تفسیر اجرام سے کی جائے یا خود اس کو معنًی جمع قرار دیا جائے (بیضاوی) ومعنى تسويتهن تعديل خلقهن واخلاؤه من العوج والقطور واتمام خلقهن (کبیر) اس لیے فَسَوّٰىهُنَّ کا ترجمہ ٹھیٹھ اردو میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ’’انہیں ٹھیک ٹھاک کر دیا‘‘۔ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ۔ قدیم اہل ہیئت نے سات آسمانوں سے مراد سات مشہور سیاروں کے مدار لیے ہیں۔ یعنی

الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ
بہائے گا، درآنحالیکہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے رہتے ہیں ف۱۱۱ اور تیری پاکی پکارتے

لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ
رہتے ہیں؟ (اللہ نے) فرمایا یقیناً میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ف۱۱۲ اور اللہ نے آدم کو

الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ
نام سکھلا دیئے کل کے کل ف۱۱۳ پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا ف۱۱۴ پھر فرمایا

اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا
بتلاؤ تو ان کے نام اگر تم سچے ہو ف۱۱۵ وہ بولے

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ
تو پاک ذات ہے ف۱۱۶ ہمیں تو کچھ علم نہیں مگر ہاں وہی جو تو نے ہمیں علم دے دیا ف۱۱۷ بے شک تو ہی ہے

الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ
بڑا علم والا، ف۱۱۸ حکمت والا ف۱۱۹ (اللہ نے) فرمایا اے آدم، بتلا دو انہیں ان کے نام ف۱۲۰

فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ
پھر جب انہوں نے انہیں ان کے نام بتلا دیئے ف۱۲۱ تو فرمایا ف۱۲۲ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں

اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ
آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں، اور جو کہ تم ظاہر کرتے ہو،

وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا
اور جو کچھ تم چھپاتے ہو وہ سب جانتا ہوں ف۱۲۳ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا ف۱۲۴ کہ آدم کے

لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫
آگے جھکو ف۱۲۵ تو (وہ سب) جھکے مگر ابلیس (نہ جھکا) ف۱۲۶ اس نے انکار کیا اور تکبر میں آ گیا ف۱۲۷

کرۂ قمر، کرۂ عطارد، کرۂ زہرہ کرۂ شمس، کرۂ مریخ، کرۂ مشتری، کرۂ زحل (کبیر) صاحب تفسیر مظہری نے ایک حدیث سے استنباط کر کے لکھا ہے کہ عرش اور اس کے اندر جتنے سماوات ہیں سب کروی ہیں اور عرش زمین کے اطراف کو محیط ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہر کوکب اپنے فلک میں ایک خاص چال سے چلتا ہے اور آسمان کو حرکت نہیں ف۱۰۷ (چنانچہ اپنے بندوں کی ساری ضرورتوں کا بھی اسے پورا علم ہے، اور اس نے اپنے بندوں کو محض پیدا ہی نہیں کیا، بلکہ از راہِ بندہ پروری اس نے ان کی ہر ضرورت کے پورا کرنے کا بھی سامان کر دیا) صفت خلق کے بعد صفت علم کا اثبات بھی ضروری تھا۔ جاہلی قوموں نے کثرت سے اپنے دیوی دیوتاؤں کو ان کے معبود تسلیم کر لینے کے باوجود ان کے علم کو ناقص مانا ہے ف۱۰۸ اِذْ ظرفِ زمان ہے، کسی گزشتہ واقعہ کی یاد دلانے کے موقع پر آتا ہے۔ جس طرح اِذَا کسی واقعہ مستقبل پر آتا ہے۔ اذ ظرف موضوع لزمان نسبة ماضية وقع فيها نسبة اُخرٰى مثلها (ابوسعود) بعض نے اذكر اس کے قبل مقدر مانا ہے۔ هو نصب باضمار الذكر والمعنى اذكر لهم (کبیر) واذكروا فعلى بابيكم (کبیر) ابوعبیدہ لغوی نے کہیں کہہ دیا تھا کہ اذ یہاں زائد ہے۔ اس کی شد ومد سے تردید اہل لغت وائمہ تفسیر دونوں نے کی ہے۔ قال ابن اسحٰق هذا اقدام عن ابى عبيده (لسان) قال الزجاج هذا اجتراءٌ عن ابى عبيدة (ابن کثیر) ردّه ابن جرير قال القرطبى وكذاردّه جميع المفسرين (ابن کثیر) ف۱۰۹ (آفرینش آدم علیہ السلام کے وقت) سورہ کے رکوع اوّل میں بیان فطرتِ انسانی کا تھا کہ قرآن کے مخاطبین میں دو طرح کے لوگ ہیں، ایک اس کے پیام کو قبول کرنے والے، صالح وسلیم فطرت رکھنے والے۔ دُوسرے بدفطرت، پیامِ الٰہی سے انکار کرنے والے۔ دوسرے رکوع میں مخاطبین کی ایک تیسری نوع کا بیان تھا۔ تیسرے رکوع میں اصل پیام کا لبِ لباب سنا دیا گیا۔ یعنی توحید ورسالت کی تبلیغ کر دی گئی۔ اب اس چوتھے رکوع میں اس تبلیغ کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ یعنی یہ پیام ابتداءً نسلِ انسانی کے بانی ومورث حضرت آدم علیہ السلام کو دیا گیا، اور ان سے نسل بہ نسل منتقل ہوتا آیا ہے۔ ملٰٓئكة۔ جمع ہے مَلَک کی۔ اور وہ الوک سے ہے، جس کے معنی پیامبری یا پیام رسانی کے ہیں۔ الالوک الرسالة و منه الكنى اى ابلغه رسالتى (راغب) من الالوكة و هى الرسالة (روح) ملائکہ کو ملائکہ کہتے ہی اس لیے ہیں کہ ان کا اصل کام پیام رسانی ہوتا ہے۔ اور یہ خالق کے پیامات مخلوق تک لایا کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے ایجنٹ یا واسطے ہیں۔ لانهم وسائط بين الله تعالٰى و بين الناس فهم رُسل الله او كالرسل اليهم (بیضاوی) اُردو میں انہیں کو فرشتہ کہتے ہیں۔ فرشتے نوری مخلوق ہوتے ہیں۔ وجود خارجی رکھتے ہیں۔ محض صفاتِ الٰہی یا قوائے طبعی کے مرادف نہیں۔ عادۃً انسان کے لیے غیر مرئی رہتے ہیں۔ حسب ضرورت مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں۔ اجسام لطيفة هوائية تقدر على التشكل باشكال مختلفة مسكنها السمٰوٰت وهذا قول اكثر المسلمين (کبیر) ذهب اكثر المسلمين الى انها اجسام لطيفة قادرة على التشكل باشكال مختلفة مستدلين بانّ الرُسُلَ كانوا يرونهم كذٰلك (بیضاوی) ان کی لاانتہا تعداد اللہ ہی کے علم میں ہے۔ وجود میں انسان پر تقدم زمانی رکھتے ہیں۔ سرشت معصومانہ ہوتی ہے۔ یعنی بدی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ خالق کے خالص فرمانبردار خادم ہوتے ہیں۔ مخلوق، محکوم، بندے ہونے میں بالکل انسان ہی جیسے ہیں۔ خود کوئی معبودانہ یا نیم معبودانہ حیثیت دیوی دیوتا کی قسم کی مطلق نہیں رکھتے۔ اور یہیں سے رد ہو جاتا ہے ان باطل مذہبوں کا جنہوں نے ملائکہ کو خواہ اسی نام کے ساتھ، خواہ انہیں دیوی دیوتا قرار دے کر خالق ومخلوق کے درمیان ایک برزخی درجہ دے رکھا ہے۔ لِلْمَلٰٓئِكَةِ میں لام تبلیغ کا ہے۔ اللام الجارّة للتبليغ (روح) ف۱۱۰ (عنقریب اپنی حکومت کی تنفیذ کے لیے) اللہ اللہ! خاک کے پتلے کا یہ شرف ومرتبہ! اللہ کی مخلوق تو اُس وقت تک بھی بے شمار تھی۔ اب ان میں انسان نامی محض ایک نئی صنف کا اضافہ نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ اللہ کا نائب زمین پر پیدا کیا جا رہا ہے! بعض اہل تحقیق نے یہیں سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ تخلیق تو ساری ہی موجودات کی ہوئی ہے جنات کی بھی اور ملائکہ کی بھی، جنت کی بھی

اورعرش کی بھی۔ لیکن اور کسی کے بھی قصد تخلیق کے ذکر کا اہتمام قرآن مجید نے نہیں کیا ہے۔ یہ فخر صرف خلقت آدم علیہ السلام کے حصہ میں آیا۔ اور یہ دلیل ہے آدم علیہ السلام کی افضلیت واشرفیت کی۔ ولم یقل انی خالق عرشا او جنۃ او ملکا وان قال ذلک تشریفًا و تخصیصًا لادم (بحر) خَلِیْفَۃ اسے کہتے ہیں جو کسی کی نیابت کرے، خواہ اس لیے کہ وہ موجود نہیں، یا اس لیے کہ فوت ہو چکا، یا اس لیے کہ معذور ہے اور خواہ اس لیے کہ اس سے مستخلف کی تعظیم ظاہر ہو۔ الخلافۃ النیابۃ من الغیر امّا لغیبۃ المنوب عنہ وامّا لموتہ وامّا لعجزہ وامّا لتشریف المستخلف (راغب) اور خلیفۃ اللہ وہ ہے جو زمین پر اللہ کی شریعت کی حکومت قائم کرے۔ یخلفنی فی الحکم بین خلقی و ذلک الخلیفۃ ھو اٰدم و من قام مقامہ فی طاعۃ اللہ والحکم بالعدل بین خلقہ (ابن جریر۔ عن ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم) خلیفۃ اللہ فی ارضہ لاقامۃ احکامہ و تنفیذ قضایاہ (معالم) یہیں سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ انسان کو جو قوی ملیں گے وہ اس غایت ومقصود یعنی منصبِ خلافت الٰہی کے متناسب ملیں گے۔ نسل انسانی خود اپنی صلاح وفلاح کے لیے اس کی محتاج تھی اور محتاج ہے کہ اپنے کسی ہم جنس کے واسطہ سے شریعت الٰہی سے استفادہ کرے۔ اور سلسلۂ نبوت اسی غرض سے قائم ہوا ہے۔ والمراد بہ اٰدم و کذلک کل نبیّ استخلفھم اللہ فی عمارۃ الارض و سیاسۃ الناس و تکمیل نفوسھم و تنفیذ امرہٖ فیھم (بیضاوی) واضح رہے کہ دنیا کے کسی مذہب نے بھی انسان، نوع انسان کو اس بلند مرتبہ یعنی خلافت ونیابت الٰہی پر نہیں رکھا ہے۔ اور خیر جاہلی مذہبوں کا تو ذکر ہی نہیں، خود یہودیت اور اس کا مسخ شدہ ضمیمہ مسیحیت دونوں اس باب میں اسلام سے کہیں پیچھے ہیں۔ بائبل میں اس موقع پر ذکر اس قدر ہے:۔ ’’خداوند خدا نے زمین پر پانی نہ برسایا تھا اور آدم نہ تھا کہ زمین کی کھیتی کرے اور زمین سے بخار اُٹھتا تھا اور تمام روئے زمین کو سیراب کرتا تھا، اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا سو آدم جیتی جان ہوا‘‘ (پیدائش ۲:۵۔۷) گویا جس طرح اور سب حیوانات پیدا ہو رہے تھے، ایک ’’جاندار‘‘ آدم بھی پیدا ہو گیا۔ اس کا کام زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ ’’زمین کی کھیتی‘‘ کرے! کہاں یہ اتنا طویل لیکن بے مغز، انسان کو کاشتکاری تک محدود رکھنے والا بیان، اور کہاں قرآن مجید کا باوجود شدتِ اختصار انسان کو مرتبہ خلافت الٰہی پر پہنچا دینے والا، بلند وجامع اعلان! بعض صوفیہ نے یہیں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ جوہر خاک کو شرفِ خلافت اس لیے عطا ہوا کہ کثافت ہی فیضانِ اتم کے قابل اور تحمل نورانیت کے لائق ہے۔ اور بعض عارفین کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ نورِ آفتاب کا فیض کامل وذاتی زمین ہی پر ہے بہ سبب اس کے کمالِ کثافت کے۔ اور پانی اور ہوا اور آگ پر یہ فیضان صرف صفاتی ہے، اس لیے کہ کثافت ان میں کم ہے۔ اور اجرامِ علویہ تو اس نورانیت کے صرف سایہ وعکس ہی سے مستفیض ہو سکتے ہیں بہ سبب کمال لطافت کے۔ اور آدم علیہ السلام کی ترکیب جسمی چونکہ خاکی عنصر سے ہوئی ہے، اور ان کے اخلاق کی عالم ملکوت سے اور ان کی روح کی عالم امر ونور سے، اس لیے ان میں صلاحیت فیضان بھی غایت کمال کی قرار پائی و۱۱۱ اللہ معاف کرے، یہاں کلام کے سمجھنے میں بعض اکابر سے تسامحات ہو گئے ہیں۔ فرشتوں کا یہ قول بہ اعتراض یا گستاخی کے نہ تھا۔ فرشتے تو گستاخی کر ہی نہیں سکتے۔ ’’باغی فرشتوں‘‘ کا تخیل تمامتر مسیحی ہے۔ اور عجب نہیں کہ مسیحیوں ہی کے ساتھ تعلقات قائم ہو جانے سے یہ خیال مسلمان علماء میں سرایت کر گیا ہو۔ فرشتوں کا یہ قول تمامتر وفورِ نیازمندی، اقرار وفاداری اور جوشِ جاں نثاری کا نتیجہ تھا۔ جیسا کہ ہمارے محققین نے صراحۃً سمجھا ہے۔ لیس علی وجہ الاعتراض علی اللہ و لا علی وجہ الحسد لبنی اٰدم کما قد تیوھمہ بعض المفسرین (ابن کثیر) و لیس باعتراض علی اللہ تعالٰی ولا طعن فی بنی اٰدم علٰی وجہ الغیبۃ فانھم اعلٰی من ان تظن بھم ذٰلک (بیضاوی) لیس المقصود الا الاستفسار عن المرجّح لا العجب و التفاخر (روح) علی طریقۃ قول من یجد فی خدمۃ مولاہ وھو یامر بھا غیرہٗ اتستخدم العصاۃ وانا مجتھد فیھا (ابو سعود) بہترین تقریر اس سلسلہ میں وہ ہے، جو ہمارے شیخِ وقت مفسر تھانوی مدظلہٗ نے کی ہے۔ وہ ذیل میں بجنسہٖ نقل ہے:۔ ’’مطلب یہ ہے کہ ہم تو سب کے سب آپ کے فرمانبردار ہیں، اور اُن میں کوئی کوئی مفسد وسفاک بھی ہوگا۔ سو اگر یہ کام ہمارے سپرد کیا جائے تو ہم سب لگ لپٹ کر اس کو انجام دیں گے۔ اور وہ لوگ سب اس کام کے نہ ہوں گے۔ البتہ جو مطیع ہوں گے وہ تو جان ودل سے اس میں لگ جائیں گے مگر جو مفسد وظالم ہوں گے ان سے کیا امید ہے کہ وہ اس کام کو انجام دیں۔ خلاصہ یہ کہ جب کام کرنے والوں کا ایک گروہ موجود ہے تو ایک نئی مخلوق کو جن میں کوئی کام کا ہوگا کوئی نہ ہوگا، اس خدمت کے لیے تجویز فرمانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ بہ طور اعتراض کے نہیں کہا۔ نہ اپنا استحقاق جتلایا، جو ان مقدس خدمتگاروں پر شبہات پیدا ہوں، بلکہ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی حاکم نیا کام تجویز کر کے اس کے لیے ایک مستقل عملہ بڑھانا چاہے، اور اپنے قدیمی عملہ سے اس کا اظہار کرے۔ وہ لوگ اپنی جاں نثاری کی راہ سے عرض کریں کہ حضور جو لوگ اس کام کے لیے تجویز ہوئے ہیں ہم کو کسی طرح تحقیق ہوا ہے کہ بعض بعض تو اس کو بخوبی انجام دے سکیں گے اور بعض بالکل ہی کام بگاڑ دیں گے۔ جن سے حضور کا مزاج ناخوش ہوگا۔ آخر ہم کس مرض کی دوا ہیں۔ ہر وقت حضور پر جان قربان کرنے کو تیار ہیں۔ اور حضور کی جان ومال کو دعا دیتے رہتے ہیں۔ کیسا ہی کام کیوں نہ ہو حضور کے اقبال سے اس کو انجام دے نکلتے ہیں۔ کبھی کسی خدمت میں ہم غلاموں نے عذر نہیں کیا۔ اگر وہ نئی خدمت بھی ہم کو عنایت ہوگی تو ہم کو کوئی عذر وانکار نہ ہوگا۔ اسی طرح فرشتوں کی عرض ومعروض اظہار نیازمندی کے واسطہ تھی۔ اور یہ بات کسی طرح ان کو اللہ تعالٰی نے معلوم کرا دی ہوگی کہ بنی آدم میں برے بھلے سب ہی طرح کے ہوں گے۔‘‘ تَجْعَلُ فِيْهَا۔ يُفْسِدُ فِيْهَا۔ ضمیر ھا دونوں جگہ ارض (روئے زمین) کے لیے ہے۔ فِيْهَا کی تکرار شدتِ فساد کے اظہار کے لیے ہے۔ و تکرار الظرف للدلالۃ علی الافراط فی الفساد (روح) اَتَجْعَلُ فِيْهَا الخ مطلب یہ ہے کہ یہ جدید مخلوق اور اس کی ذریات آپ کے قوانین کی نافرمانی بھی کرے گی۔ اور نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ روئے زمین پر مادّی ومعنوی دونوں حیثیتوں سے فساد برپا ہو کر رہے گا۔ فرشتوں کی یہ ساری عرض ومعروض ان کی کسی غیب دانی کی بنا پر نہیں، بلکہ نیابت الٰہی وخلافت ربانی کا نام سن کر خود ہی انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا قوائے بشری کی ترکیب کا بھی اور زمینی مخلوق کی ضرورتوں اور طبیعی تقاضوں کا بھی۔ اور اس سے یہ نتیجہ خود بخود ان کے سامنے آ گیا تھا کہ زمین پر شر وفساد بھی ہو گا اور انسانوں میں سے باغی ونافرمان بھی پیدا ہوں گے۔ بِحَمْدِكَ میں بِ تسبیح کے ساتھ حمد کے دوام معیت کے اظہار کے لیے ہے۔ الباء لاستدامۃ الصحبۃ والمعیۃ (روح) لَكَ میں ل اظہارِ تخصیص کے لیے ہے۔ یعنی تقدیس خاص تیری رضا ہی کے لیے ہے۔ اشعارًا بان ایقاع الفعل لاجل اللہ تعالٰی و خالصًا لوجھہ سبحانہٗ (روح) تسبیح اور تقدیس کے درمیان یہ فرق کیا گیا ہے کہ تسبیح کا اطلاق باعتبار طاعات کے ہوتا ہے اور تقدیس کا بلحاظ اعتقادات کے (روح) و نحن میں و حالیہ ہے والواء للحال (کبیر) بما فھموہ من الطبیعۃ البشریۃ (ابن کثیر) انھم عرفوا خلقتہ و عرفوا انّہٗ مُرَکَّبٌ من ھذہ والاخلاط الاربعۃ (کبیر) والاحتیاج الی الحاکم والقاضی انما یکون عند التنازع والتظالم فکان الاخبار عن وجود الخلیفۃ اخبارًا عن وقوع الفساد بطریق الالتزام (کبیر) علموا ذلک من تسمیتہ خلیفۃ لان الخلافۃ تقتضی الاصلاح و قھر المستخلف علیہ وھو یستلزم ان یصدر منہ فسادٌ (روح) بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ انسانی آبادی سے قبل روئے زمین پر جو جنات آباد تھے، ان کی سرشت وفطرت پر قیاس کر کے فرشتے یہ سمجھے۔ کما فعل بنو الجانّ فقاسوا الشاھد علی الغائب (معالم) توریت میں اس مخلوق کا ذکر بصراحت موجود ہے۔ دنیا میں دیوتا پرستی کی بیماری فرشتوں ہی کے فرائض کی غلط تشخیص سے پیدا ہوئی ہے۔ آگ کے فرشتوں کو جاہلی قوموں نے اگنی دیوتا مان لیا۔ بارش کے فرشتہ کو اندر دیوتا وقس علٰی ہذا۔ قرآن نے نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ فرشتوں کی زبان سے کہلا کر ان کی عبدیت محض پر انھیں کی زبان سے، ایک اور مہر لگا دی۔ فرشتے یہاں صاف صاف عرض کر رہے ہیں کہ ہم خدام تو اپنی سرشت کے لحاظ سے بجز حضور والا کی تحمید وتقدیس کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ و۱۱۲ (مصالح کائنات ومخلوقی حاجات کے سلسلہ میں) مطلب یہ ہوا کہ تمہیں اس کی کیا خبر کہ عبدیت کے علاوہ نیا کام خلافت الٰہی کا جو اس نئی مخلوق سے لیا جانے والا ہے، اور اس کے لیے جن صلاحیتوں اور جس قسم کی استعداد کی ضرورت ہے، وہ تمہارے اندر کہاں تک موجود ہیں۔ انی اعلم من المصلحۃ الراجحۃ فی خلق ھذا الصنف علی المفاسد التی ذکرتموھا ما لا تعلمون (ابن کثیر) دیوتا پرستی پر ایک اور ضرب لگی۔ ملائکہ پرستوں کو ان کے جہل پر ایک اور تنبیہ کی گئی، کہ صفات خلق، قدرت وغیرہ الگ رہیں۔ محض ان مصالح کے علم

کے لحاظ سے بھی فرشتوں کو اللہ تعالیٰ سے کیا نسبت؟ کہاں علم محدود، کہاں علم نامحدود؟ **ف۱۱۳** یعنی آدم کو اشیاء کائنات کے اسماء اور آثار و خواص کا علم دے دیا۔ اٰدَمَ۔ یہی سب سے پہلے بشر تھے، اسی لیے ابوالبشر کہلاتے ہیں۔ اور خلیفۃ اللہ کے اولین مصداق۔ جنت سے جب زمین پر آئے، تو غالبًا دجلہ و فرات کے دوآبہ میں آباد ہوئے، جو اَب ملک عراق کہلاتا ہے۔ توریت میں تین صاحبزادوں کا نام آتا ہے۔ ہابیل، قابیل، شیث علیہ السلام۔ توریت ہی کی حسب روایت عمر ۹۳۰ سال کی پائی۔ عربی میں ان کا یہ نام کس مناسبت سے پڑا؟ کسی نے کہا کہ زمین کی جلد (ادیم) سے پیدا ہوئے، اس لیے آدم کہلائے۔ کسی نے کہا کہ اپنی جلد کی سرخی کی بنا پر۔ خُلِق اٰدم من ادیم الارض فسُمّی اٰدم (ابن جریر۔ عن سعید بن جبیر) قیل سُمّی بذٰلک لکونہ جسدہ من ادیم الارض وقیل بسمرۃ فی لونہ (راغب) اسماء۔ اسم کا مفہوم عربی میں اردو کے نام سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اسم وہ ہے جس کے ذریعہ سے کوئی چیز جانی جائے، پہچانی جائے۔ اسم الشئ علامتہ (قاموس) الاسم ما یعرف بہ ذات الشئ (راغب) اور یہ شناخت ممکن نہیں جب تک اعراض، خواص، آثار کا علم بھی ساتھ ساتھ نہ ہو۔ اسی طرح اہل لغت نے بھی تشریح میں اس کا لحاظ رکھ لیا ہے۔ قال ابن سیدہ الاسم ھو اللفظ الموضوع علی الجوھر او العرض للتمییز ای لیفصل بہ بعضہ عن بعض (تاج) اسم کے ساتھ اگر مسمّٰی کا علم نہ ہوا، تو اسم محض ایک آواز کانوں تک رہے گی۔ اور ذہن کے سامنے کوئی مفہوم نہ پیدا ہوگا۔ علامہ راغب نے اسی لیے اس پر شرح و بسط سے کلام کر کے آخر میں کہا ہے، ان معرفۃ الاسماء لاتحصل الا بمعرفۃ المسمّٰی و حصول صورتہ فی الضمیر (کہ اسم کی معرفت بغیر مسمّٰی کی معرفت اور ذہن میں اس کی تصویر کے ہو نہیں سکتی) اور ایک دوسرے امام لغت نے اس کی داد ان الفاظ میں دی ہے۔ ھو کلامٌ نفیسٌ (تاج) اور بعضوں نے کہا ہے کہ اسم مرادف ہے ذات شے اور عین شے کے۔ یقال ذات و نفس و عین و اسم بمعنًی (قرطبی) یہ تو لفظی معنی ہوئے۔ آیت کی تفسیر میں محققین نے مراد معلوماتِ اشیا سے لی ہے۔ اور اسما کے ساتھ مسمیات اور ذوات و خواص اشیاء کو شامل کیا ہے۔ اور اشیاء کے اسماء سے مراد ان کے آثار و خواص کا علم لیا ہے۔ فالمراد الانواع الثلاثۃ من الکلام و صورۃ المسمیات فی ذواتھا (راغب) علّم اٰدم مسمّیات الاسماء (کشاف) اَلْھَمَہٗ معرفۃ ذوات الاشیاء و خواصھا واسمائھا واصول العلوم و قوانین الصناعات و کیفیۃ اٰلاتھا (بیضاوی) عَلَّمَہٗ صفات الاشیاء و نعوتھا و خواصھا (کبیر) صاحب تفسیر مظہری نے کہا کہ مراد اسماء سے اسماء الٰہی ہیں۔ انہیں کا علم اجمالی کامل آپ کو مل گیا تھا، اور ہر اسم و صفت کے ساتھ ایسی مناسبت تامہ آپ کو پیدا ہو گئی تھی کہ آپ جس کسی اسم یا صفت کی طرف توجہ کرتے وہ اسم یا صفت فوراً آپ پر متجلی ہو جاتی۔ مثلاً جب اسم پاک الاوّل کی تجلی آپ پر ہوئی تو ہر گزری ہوئی چیز آپ پر منکشف ہو گئی۔ اسی طرح جب اسم پاک الاٰخر کی تجلی ہوئی تو ہر آنے والی چیز معلوم ہو گئی۔ اور اسی پر قیاس سارے اسماء الٰہی کا کیا جا سکتا ہے۔ اللہ اکبر! یہ مقام ہے انسان کی فضیلت کبریٰ کا۔ حیف ہے کہ یہ خلیفۃ اللہ دیوتا پرستی، ملائکہ پرستی میں مبتلا ہو جائے! **ف۱۱۴** (تا کہ انسان کی اعلیٰ صلاحیت اور منصب خلافت الٰہی سے اس کی مناسبت فرشتوں پر بھی ظاہر ہو جائے) عَرَضَھُمْ۔ سوال یہ ہے کہ کیا چیز اب فرشتوں کے سامنے پیش کی جا رہی ہے؟ اگر چیزوں کے محض نام مراد ہوتے تو لفظ قرآنی عرضھا ہوتا۔ ضمیر ھُمْ ذوی العقول کے لیے ہے اور غیر ذوی العقول ضمنًا و تبعًا اس میں شامل ہو جائیں گے۔ یہ دلیل ہے اس پر کہ پیش صرف نام نہیں ہو رہے تھے بلکہ اصل موجودات۔ گویا پہلے صورت مثالی سے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے نام اور خواص سے اطلاع بخشی گئی، پھر خود ان مخلوقات و موجودات کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ عرض الخلق علی الملٰئکۃ (ابن جریر۔ عن ابن عباس و ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم) عرض تلک الاشیاء علی الملٰئکۃ (ابن جریر۔ عن قتادۃ) ای عرض المسمّیات۔ (کشاف) المراد بہ ذوات الاشیاء او مدلولات الالفاظ (بیضاوی) تقدیرِ کلام یوں تھی۔ اسماء المسمیات۔ مضاف الیہ حذف کر دیا گیا، کہ مضاف اس کی وضاحت کے لیے کافی ہے (بیضاوی) **ف۱۱۵** (اپنے اس گمان میں کہ تم ہر منصب کی اہلیت اور ہر خدمت کے ساتھ مناسبت رکھتے ہو) خطاب فرشتوں سے ہو رہا ہے۔ اسمآء پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔ مراد یہاں بھی محض نام نہیں۔ خواص و آثار بھی مراد ہیں۔ صٰدِقِیْنَ۔ صدق سے مراد یہاں ارادی سچائی اور راست گفتاری نہیں کہ اس کے خلاف کا تو فرشتوں میں احتمال ہی نہیں۔ بلکہ مراد محض ان کے دعوٰی کا صحیح ہونا یا ان کے خیال کا مطابق واقعہ ہونا ہے۔ صدق کا اطلاق لغت عربی میں اردو کی ''سچائی'' سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ وہ جس طرح ارادی راست گفتاری کے لیے آیا ہے اسی طرح اصابت رائے و صحت خیال کے لیے بھی۔ وقد یستعمل الصدق والکذب فی کل ما یحق و یحصل فی الاعتقاد (راغب) والصدق ھو الصواب (بحر) صدق و کذب۔ عربی کے ان دو لفظوں کے صحیح مفہوم پر نظر نہ ہونے سے اردو خوان طبقہ قرآن و حدیث سے متعلق کتنی ہی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ مدارِ خلافت مجاہدۂ اعمال نہیں بلکہ علم و فہم ہے، بشرطیکہ بدعملی نہ ہو اور اسی لیے مشائخ طریقت عطائے خلافت کے وقت اُسی کی زیادہ رعایت کرتے ہیں **ف۱۱۶** (اور اس سے برتر اور منزہ کہ تیرا کوئی سا بھی فعل حکمت سے خالی اور مصلحت سے عاری ہو) ملائکہ کی زبان سے بار بار توحید پرستی کے کلمات ادا کرنا دُنیا میں پھیلی ہوئی ملائکہ پرستی (دیوی دیوتا پوجا) پر ضرب شدید لگاتا ہے **ف۱۱۷** (اور ہم ناچیز بندوں کے علم کی تیرے نامتناہی اور لامحدود علم کے سامنے بساط ہی کیا؟) صفت خلق، صفت قدرت وغیرہ دوسری صفات کا ذکر ہی نہیں، خود صفت علم کے بھی معیار سے کہاں فرشتوں کا علم جزئی اور کہاں حق تعالیٰ کا علم کُلی! **ف۱۱۸** (جس کے علم کے لیے حاضر و غائب، قریب و بعید، حال و مستقبل سب یکساں! اور جو بحیثیت ہمہ دان و ہمہ بین کے ہر مخلوق کے ظرف سے، استعداد سے، ملکاتِ طبع سے یکساں واقف!) **ف۱۱۹** (اور اسی قانونِ حکمت کے ماتحت بشر و ملک ہر مخلوق میں اس کی استعداد کے مطابق، اس کے ظرف کے متناسب، علم کا تقسیم کرنے والا، کام لینے والا) **ف۱۲۰** (یعنی فرشتوں کو اشیاء کائنات کے آثار و خواص) اسماء پر حاشیہ اُوپر گزر چکا۔ جب فرشتے اظہار عجز کر چکے، تو اب آدم علیہ السلام سے ارشاد ہوا کہ تم اپنے معلومات کا اظہار کرو۔ آدم علیہ السلام کی فضیلت اس علم تکوینی ہی کی بنا پر تو تھی **ف۱۲۱** یعنی حضرت آدم علیہ السلام جب امتحان میں پورے اُتر چکے، اپنے معلوماتِ تکوینی کا اظہار سارے خلائق پر کر دیا۔ اور اس طرح ان کا شرف عیانًا ساری کائنات پر ثابت ہو گیا **ف۱۲۲** خطاب کا یہاں براہ راست ملائکہ سے ہونا تو ظاہر ہی ہے، لیکن عجب نہیں کہ بالواسطہ ساری مخلوق سے ہو **ف۱۲۳** گویا آیت نمبر ۳۰ میں اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کی جو اجمالی حقیقت بیان ہوئی تھی، اب اس کی تفصیل ہو گئی۔ اور ضمنًا ان مسائل کی تعلیم آ گئی کہ علم کل صرف ذات باری کا خاصہ ہے۔ اور خالق کے لامحدود و نامتناہی علم سے مخلوق، اعلیٰ سے اعلیٰ مخلوق کے بھی علم کو کوئی نسبت نہیں۔ مفسرین نے یہاں ایک روایت نقل کی ہے کہ آدم کا ابھی جسد خاکی ہی تیار ہوا تھا اور رُوح ابھی اس میں نہیں پڑی تھی کہ اُدھر سے ابلیس کا گزر فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ ہوا۔ ہمراہیوں سے پوچھا کہ یہ نئی مخلوق اگر ہم سب پر حاکم بنا دی گئی تو کیا کرو گے؟ فرشتے بولے کہ جان و دل سے اطاعت کریں گے اور کیا کریں گے۔ اس پر ابلیس نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ سے تو اطاعت نہ ہو گی، میں تو خود ہی اس پر غلبہ حاصل کروں گا۔ اور مفسرین کا خیال ہے کہ آیت میں مَا تُبْدُوْنَ کا تعلق فرشتوں کے اعلانِ اطاعت اور اظہارِ طاعت سے ہے، اور مَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ کا تعلق ابلیس کے اخفاء بغاوت سے۔ لیکن خطاب کو اگر شروع ہی سے ساری مخلوق کے لیے عام لے لیا جائے (جیسا کہ ابھی اُوپر کے حاشیہ میں گزر چکا) تو پھر اس روایت سے استناد کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی **ف۱۲۴** یہاں صراحت صرف فرشتوں کی ہے۔ لیکن جب یہ حکم فرشتوں کو مل رہا تھا تو جنات وغیرہ جو نسبۃً ادنیٰ مخلوق تھے، وہ اس حکم کے مخاطب بدرجۂ اولیٰ ٹھہرے۔ بادشاہ کا حکم وزیر یا نائب السلطنت کو ملتا ہے تو ادنیٰ عہدہ دار بدرجۂ اولیٰ اس کے مخاطب ہوتے ہیں۔ **ف۱۲۵** (بہ طور اظہار عجز و نیاز، بہ حیثیت علامت تسلیم و اطاعات) اُسْجُدُوْا۔ سجدہ سے مراد سجدۂ اصطلاحی و سجدۂ نماز نہیں، مطلق سجدہ مراد ہے۔ سجود اور سجدہ کے لفظی معنی محض تواضع و تذلل کے ہیں۔ سجد ای خضع (قاموس) کل من ذلّ و خضع لما امر بہ فقد سَجَدَہٗ (لسان، عن الفراء) السجود اصلہ التطامن والتذلّل (راغب) سجدۂ نماز کو بھی سجدہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ تذلل و تواضع کا بہترین مظہر ہے۔ ویکون السجود علی جھۃ الخضوع والتواضع (لسان) خود محاورۂ قرآن میں سجود کا استعمال اس عام معنی میں عام ہے۔ مثلاً اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ (اے مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ آسمان و زمین میں جو بھی مخلوق ہے، سب اللہ کے آگے جھکی ہوئی ہے) اور یہاں بھی قول اصح یہی ہے کہ یہ سجدہ اپنی ہیئت معروف کے ساتھ زمین پر پیشانی رکھنے کے معنی میں تھا ہی نہیں بلکہ صرف جھکنے کے معنی میں تھا۔ کان ذٰلک انحناء ولم یکن خرورًا علی الذقن (مدارک۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قیل المعنی اللغوی ولم یکن

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَ قُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ

اور کافروں میں سے ہو گیا ف۱۲۸ اور ہم نے کہا اے آدم، تم

وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪

اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو، اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ ف۱۲۹

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

اور اس درخت کے پاس نہ جانا ف۱۳۰ ورنہ تم گنہ گاروں میں سے ہو جاؤ گے ف۱۳۱

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا

پھر شیطان نے دونوں کو پھسلایا اسی درخت کے باعث ف۱۳۲ اور جس میں تھے اس سے انہیں

فِيْهِ ۪ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ

نکلوا دیا ف۱۳۳ اور ہم نے کہا (اب) تم سب نیچے اتر جاؤ ف۱۳۴ ایک دوسرے کے دشمن ہو کر ف۱۳۵

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

اور تمہارے لئے زمین ہی پر ٹھکانا اور ایک میعاد تک نفع اٹھانا ہے ف۱۳۶

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ

پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ الفاظ سیکھ لئے ف۱۳۷ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی ف۱۳۸ وہ تو

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ

ہے ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا ف۱۳۹ بڑا مہربان ف۱۴۰ (اور) ہم نے حکم دیا کہ تم سب اس سے نیچے اتر جاؤ ف۱۴۱

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ

پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے ف۱۴۲ تو جو جو کوئی پیروی میری ہدایت کی کرے گا،

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِيْنَ

سو ان کے لئے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے ف۱۴۳ اور جو لوگ

فيه وضع الجباه بل كان مجرد تذلل و انقياد (روح) قال قوم لم يكن هذا السجود المعتاد اليوم ولكنه يبقى على اصل اللغة فهو من التذلل والانقياد (قرطبی) قيل امروا بالتذلل له والقيام بمصالحه و مصالح اولاده (راغب) لیکن جن لوگوں نے اسے سجدۂ متعارف کے معنی میں لیا ہے، انہوں نے بھی تصریح کردی ہے کہ یہ سجدۂ تعظیمی تھا جو اگلی شریعتوں میں جائز تھا۔ سجدۂ عبادت ہرگز نہ تھا۔ تكرمةً لادم لاعبادةً لادم (ابن جریر) كان ذٰلک سجود تعظيمٍ و تحيةٍ لا سجود عبادةٍ (معالم) كان السجود تحيةً لادم (مدارک) اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ عالم ارواح کا ہے، عالم ناسوت کا ہے ہی نہیں۔ اور تکلیفات شرعیہ کا تعلق اسی عالم ناسوت سے ہے۔ لِاٰدَمَ۔ یعنی خلیفۃ اللہ کے آگے۔ نائبِ سلطانِ حقیقی کی طرف رُخ کر کے، نہ یہ کہ اس کو۔ لِ یہاں اِلٰی کا مرادف ہے۔ یعنی سمت اور طرف کے معنی میں ہے۔ سجدہ صرف سمتِ آدم میں تھا، جیسے آج بھی سمتِ کعبہ میں ہوتا ہے۔ مسجود جس طرح آج بھی کعبہ نہیں، ربِ کعبہ ہے۔ اسی طرح اُس وقت بھی ذاتِ باری ہی تھی۔ قرآن مجید ہی کی ایک اور آیت میں لِ عند کے معنی میں آیا ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ۔ نصبه الله قبلة لسجودهم كالكعبة (بحر۔ عن الشعبی) اے الٰی ادم فكان ادم قبلة والسجود لله تعالٰی (معالم) اے اسجدوا الیّ مستقبلين وجه ادم (قرطبی) ف۱۲۶ اِبْلِيْسَ۔ لفظی معنی ہیں یاس زدہ کے۔ قرآن مجید میں مصدر ابلاس مختلف موقعوں پر اسی مفہوم میں آیا ہے۔ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ۔ فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۔ وغیرہا۔ اِبْلِيْسَ اسی سے مشتق ہے۔ اور یہاں بطور عَلَم کے شیطان کے لیے آیا ہے۔ الابلاس الحزن المعترض من شدة اياس منه اشتق ابليس (راغب) ابليس اِفْعِيْل من الابلاس وهو الاياس من الخير والندم والحزن (ابن جریر) یہ ابلیس کوئی فرشتہ نہ تھا، جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے تتبع میں ایک عام خیال پھیل گیا ہے۔ بلکہ جنّی تھا جیسا کہ قرآن مجید میں مصرح ہے۔ كَانَ مِنَ الْجِنِّ (کہف۔ آیت ۵۰) نور کا بنا ہوا فرشتہ نہیں جو نافرمانی پر قادر ہی نہیں۔ بلکہ آگ کا بنا ہوا جن تھا۔ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ (اعراف۔ آیت ۱۲) ان صریح نصوص کے مقابلہ میں قول کسی کا بھی ہو قابل اعتنا نہیں ف۱۲۷ اَبٰى۔ انکار کیا حکم کی تعمیل سے۔ وَاسْتَكْبَرَ۔ اس نے صاف کر دیا کہ تعمیلِ ارشاد سے انکار کسی اشتباہ یا غلط فہمی کی بنا پر نہیں، محض پندار تفوق کی بنا پر تھا۔ انکار اس نے اپنی بڑائی کی راہ سے کیا ف۱۲۸ یعنی اس نافرمانی نے اسے کافروں میں داخل کر دیا۔ یہ معنی نہیں کہ وہ پہلے سے کافروں میں تھا ہی۔ اے صار من الكفرين (ابن عباس رضی اللہ عنہما) صار من الكفرين بابائه و استكباره (مدارک) ومن اقسام كان الناقصة ان تاتى بمعنى صار كقوله تعالٰى كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (تاج) جن اہل تفسیر نے كَانَ کو "ہو گیا" کے بجائے "تھا" کے معنی میں لیا ہے، انہوں نے فی علم الله (اللہ کے علم میں) محذوف مانا ہے۔ ابلیس پر کفر کا اطلاق حکم کے رد و انکار کی بنا پر ہوا، محض ترکِ عمل (سجدہ) کی بنا پر نہیں۔ ترکِ عمل گو گناہ کیسا ہی ہو ایمان سے خارج کر دینے اور کفر تک پہنچا دینے کے لیے اہل سنت کے مذہب میں کافی نہیں (مدارک) ف۱۲۹ جنة۔ لفظی معنی ہر اس باغ کے ہیں جس کے درخت زمین کو چھپا لیں۔ كل بستان ذی شجر يستر باشجاره الارض (راغب) اَلْجَنَّةُ سے اصطلاحِ شرعی میں مراد وہ عظیم الشان باغ ہے جو بے شمار نعمتیں لیے ہوئے عالمِ آخرت میں نیک کاروں کے لیے مخصوص ہے اور آج نظروں سے مستور ہے۔ اس کا نام جنت یا تو اس لیے پڑا کہ وہ دنیا کے باغوں سے مشابہ ہے۔ گو مشابہت بہت دور کی سہی۔ اور یا اس لیے کہ اس کی نعمتیں ابھی مستور ہیں۔ سميت الجنة اما تشبيهًا بالجنة فی الارض وان كان بينهما بونٌ واما لستره نعمها عنا (راغب) اَنْتَ۔ اس صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطبِ اصلی حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ حضرت حوا کی حیثیت تابع کی سی تھی۔ زَوْجُكَ۔ مراد حضرت حوا ہیں۔ اس وقت تک پیدا ہو چکی تھیں۔ حَيْثُ شِئْتُمَا۔ اس سے اشارۃً جنت کی وسعتِ عظیم بھی معلوم ہو گئی۔ ف۱۳۰ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔ ظاہر ہے کہ یہ درخت جنت کے درختوں میں سے کوئی متعین اور حضرت آدم کے لیے معلوم و معروف درخت تھا۔ لیکن اب اس کی تعیین سے کوئی نتیجہ نہ تھا۔ اس لیے قرآنِ حکیم جو کبھی بے نتیجہ بات نہیں کہتا، اس سے خاموش ہے۔ اور حدیثِ صحیح میں بھی اس باب میں کچھ وارد نہیں ہوا ہے لم يضع لعباده دليلًا على ذٰلک فی القران ولا فی السنة الصحيحة (ابن جریر) اس لیے محققین کا مسلک بھی اس باب میں خاموشی کا ہے۔ اقوال و آراء بکثرت مروی ہیں۔ توریت میں ایک بڑی طویل عبارت میں اس کا بیان آیا ہے۔ اس کے آخر میں ہے:۔ "اور خداوند خدا نے آدم کو حکم دے کر کہا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل کھایا کر لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت سے نہ کھانا، کیونکہ جس دن تو اس سے کھائے گا ضرور مرے گا"۔ (پیدائش۔ ۲: ۱۶ و ۱۷) بات یہاں بھی اسی قدر مجمل رہی۔ مادّی درختوں میں سے گیہوں، خرما، کافور، انجیر، حنظل وغیرہ سے لے کر شجرِ محبت، شجرِ علم وغیرہ معنوی درختوں تک کے نام لیے گئے ہیں۔ قيل الحنطة وقيل النخلة و قيل التين، قيل الحنظل و قيل شجرة المحبة و قيل شجرة الطبيعة والهوٰی و قيل و قيل (روح) لیکن اہل تحقیق کا فیصلہ وہی خاموشی کا ہے۔ ولا علم عندنا باية شجرة كانت على التعيين فلا حاجة ايضًا الى بيانه (کبیر) والاولٰی عدم القطع والتعيين (روح) ف۱۳۱ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی ان لوگوں میں سے جو اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ کی نافرمانی سے بڑھ کر کون سا ظلم اپنے آپ پر ہو گا۔ اس تصریح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنت اس وقت تک دار الجزاء یا دار الخلد نہ تھی، جیسا کہ اب ہے۔ بلکہ اس وقت وہاں تکلیفات شرعی تھیں۔ احکام تھے، نواہی تھے، اور جب جنت کی ماہیت اس وقت یہ تھی، تو کوئی

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے سو وہی دوزخی ہیں ف۱۴۴

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور وہ اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ف۱۴۵ اے بنی اسرائیل ف۱۴۶

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا

میرا وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیا ف۱۴۷ اور مجھ سے

بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

وعدہ پورا کرو تو میں تم سے وعدہ پورا کروں ف۱۴۸ اور تم صرف مجھی سے ڈرتے رہو ف۱۴۹

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا

اور اس (کتاب) پر ایمان لاؤ جو میں نے (اب) نازل کی ہے تصدیق کرتی ہوئی اس (کتاب) کی جو

اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ

تمہارے پاس ہے اور مت بنو اس کے ساتھ اولین کفر کرنے والے ف۱۵۰ اور میری آیتوں کو فروخت مت کر ڈالو

وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

تھوڑی سی قیمت پر ف۱۵۱، اور صرف مجھی سے ڈرو ف۱۵۲ اور حق کو ناحق کے ساتھ خلط ملط مت کرو ف۱۵۳

وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا

اور حق کو مت چھپاؤ ف۱۵۴ درآنحالیکہ تم جان بھی رہے ہو ف۱۵۵ اور نماز

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (نماز میں) جھکنے والوں کے ساتھ جھکتے رہو ف۱۵۶

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ

کیا تم دوسرے لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے کو بھول جاتے ہو؟ ف۱۵۷

اشکال نہیں رہتا وہاں وسوسۂ شیطانی کے پہنچ جانے پر یا کسی تنفس کے وہاں سے نکالے جانے پر۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے لَاتَقْرَبَا سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا کہ اصلاً صرف اکل ممنوع تھا لیکن ممانعت قرب شجر سے بھی کردی گئی۔ اسی طرح مشائخ محققین بعض دفعہ مباحات سے روک دیتے ہیں کہیں غیر مباح کی طرف منجر نہ ہوجائے۔ ف۱۳۲ الشَّيْطٰنُ شیطان وہ ہے جو خیر اور رحمتِ الٰہی سے دُور ہوگیا۔ شطن ای تباعد (راغب) الشيطن فيعال من شطن اے بعد ما سمي به لبعده عن الخير و عن الرحمة (معالم) ابلیس کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔ وہی اب یہاں اپنے وصفی نام شیطان سے یاد کیا جارہا ہے۔ نافرمانی کی پاداش میں وہ جنت سے نکالا جاچکا ہے۔ اور بنی آدم علیہ السلام سے شدید حسد رکھے ہوئے ہے۔ اب اس کا نام شیطان ہے۔ اس کے پاس اور کوئی قوت نہیں۔ انسان کو مجبور ذرا بھی نہیں کرسکتا۔ البتہ پروپیگنڈے کے فن کا وہ امام ہے۔ ترغیب خوب دے سکتا ہے۔ سیاہ کو سفید کرکے خوب دکھا سکتا ہے۔ اور وسوسہ اندازی کی طاقت غضب کی رکھتا ہے۔ نزدیک اور دُور اپنا عمل سب کہیں سے کرسکتا ہے۔ فاصلہ اس کے لیے کوئی معنٰی نہیں رکھتا۔ اور مادی رکاوٹیں کسی قسم کی بھی اس کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتیں۔ جنت کی حیثیت اس وقت تک دارالجزاء کی متعین نہیں ہوئی تھی، اس لیے وہاں بھی اس کا عمل بے تکلف اثر کرسکتا تھا۔ اَزَلَّ، زلّہ سے ہے۔ اور اس کے معنٰی ہیں، جگہ سے ہٹا دیا، ڈگا دیا، پھسلا دیا۔ بغاوت، سرکشی یا ارادی نافرمانی کا کوئی مفہوم اس میں شامل نہیں۔ الزلة في الاصل استرسال الرجل من غير قصد (راغب) انه اسم لفعل يقع على خلاف الامر من غير قصد الى الخلاف كزلة الماشي في الطين (مدارک) قرآن مجید نے پیغمبروں کی غلطیوں، لغزشوں، فروگزاشتوں کا ذکر بارہا کیا ہے۔ لیکن بائبل کے برخلاف، کوئی اخلاقی جرم، کوئی دانستہ نافرمانی، کوئی حقیقی معصیت کبھی بھی ان کی جانب منسوب نہیں کی ہے۔ نہ صراحۃً نہ کنایۃً۔ عَنْهَا میں ضمیر ھا شجرۃ کی جانب۔ اور عن تعلیلیہ ہے۔ معنٰی ''اس کے سبب سے''۔ اکثر اہل تفسیر اسی طرف گئے ہیں۔ عنها اے بسببها (ابن کثیر) والضمير في عنها للشجرة اے فحملهما الشيطان على الزلة بسببها (کشاف) اے حملهما على الزلة بسببها (روح) قرآن مجید میں عن کثرت سے اسی معنٰی میں آیا ہے۔ مثلاً اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ (توبہ) وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ (ہود) وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ (کہف) ضمیر ھا سے اشارہ جنت کی طرف بھی سمجھا گیا ہے۔ اس قول پر مراد یہ ہوگی کہ شیطان انہیں دُور لے گیا جنت سے۔ روایاتِ احادیث میں آتا ہے کہ شیطان نے پہلے تو قسم کھا کر آدم وحوّا کو اپنی دوستی، ہوا خواہی و اخلاص کا یقین دلایا۔ ان بیچاروں کے خیال میں بھی یہ نہ تھا کہ خدا کی قسم جھوٹی بھی کھائی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد کہا کہ ''اس درخت کا پھل اگر کھالوگے تو جنت میں قیام مستقل ہوجائے گا۔ اس میں تاثیر یہ ہے کہ پھر یہاں سے ہٹائے نہیں جا سکوگے۔ اور وہ ممانعت جو ہوئی تھی وہ تو ایک عارضی حکم تھا کہ اُس وقت تک تمہاری استعداد پختہ نہیں ہوئی تھی۔'' حضرت آدم علیہ السلام قرب الٰہی کے اس محل (جنت) سے بڑھ کر اور کس نعمت کے حریص ہوسکتے تھے، مکار کے فریب میں آگئے۔ دانستہ نافرمانی کا سایہ بھی پڑنا الگ رہا، وہ تو درخت کے پھل کو بعد کے بجائے قرب کا ذریعہ سمجھے۔ یہ فہم، اجتہادی غلطی جیسی اور جس درجہ کی بھی ہو، بہرحال فسق ومعصیت سے تو اسے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ اور روایتوں سے قطع نظر، قرآن مجید میں بھی جابجا جو تصریحات ملتی ہیں، اُن سے بھی تائید اسی صورتِ واقعہ کی نکلتی ہے۔ بائبل میں ہے کہ یہ بہکانے والا سانپ کی صورت میں گیا۔ اُس نے آکر پہلے حوا کو بہکایا اور پھر انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو ترغیب کی۔ ہمارے مفسرین نے بھی ایک طویل قصہ نقل کیا ہے۔ جس میں شیطان، سانپ، طاؤس سب کا ذکر آتا ہے۔ یہ قصہ بجائے خود کہاں تک صحیح ہے، اس سے یہاں بحث نہیں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ یہ اسلامی عقائد میں بہرحال داخل نہیں۔ اور اس کا ماخذ قرآن وسنت نہیں، بلکہ اسرائیلی روایات ہیں۔ اسی لیے جو اہل تفسیر زیادہ محتاط، محقق ہوئے ہیں، وہ اس سے الگ ہی رہے ہیں۔ بلکہ اس سے احتیاط ہی کی تنبیہ کرگئے ہیں۔ اعلم ان هذا و امثاله مما يجب ان لا يلتفت اليه (کبیر) وقد اكثر المفسرون في نقل قصص كثيرة في قصة ادم و حوّا والجنة والله اعلم بذلك (بحر) و قد ذكر المفسرون ههنا اخبارًا اسرائيلية (ابن کثیر) فقہاء نے یہیں سے استنباط کیا ہے کہ زلّت کے لفظ تک کا (بہ خلافِ معصیت واثم وغیرہ) اطلاق حضرات انبیاء پر جائز ہے۔ هذا دليل على انه يجوز اطلاق اسم الزلة على الانبياء عليهم السلام كما قال مشائخ بخاري (مدارک) و قد كانت منهم اے من بعض الانبياء قبل ظهور مراتب النبوة او بعد ثبوت مناقب الرسالة زلات اے تقصيرات (شرح الفقه الاكبر للقاری علیہ الرحمہ) اور مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ کاملین بھی شیطان کے مکر سے محفوظ نہیں، کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اُس وقت بھی کامل ہونے میں شک نہیں ف۱۳۳ مِمَّا كَانَا فِيْهِ۔ ترجمہ دو ہوسکتے ہیں۔ ''اُس حالت سے جس میں وہ تھے۔'' یا ''اُس مقام سے جس میں وہ تھے''۔ منقول دونوں قول ہیں۔ اے من النعيم والكرامة او من الجنة (کشاف) اور حاصل بھی دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے ف۱۳۴ (زمین پر) یہ جنت زمین کے کسی حصہ میں نہیں آسمان پر تھی۔ قول محقق یہی ہے۔ اور خود لفظ اهبطوا کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ جب تک کوئی اور قرینہ موجود نہ ہوگا هبوط کے معنٰی بلندی سے پستی میں اترنے ہی کے لیے جائیں گے۔ اے انزلوا الى الارض (معالم) الهبوط النزول الى الارض (مدارک) اِهْبِطُوْا۔ خطاب اب بجائے صیغۂ تثنیہ (تم دونوں) کے صیغۂ جمع (تم سب) میں ہو رہا ہے۔ گویا مخاطب اب

تنہا آدم وحوا علیہما السلام ہی نہیں، بلکہ ان کی ساری نسل بھی ہے۔ المراد ھما و ذریتھما (مدارک) اجمع الضمیر لانھما اصلا الجنس (بیضاوی) و۱۳۵ یہ مختصر لفظوں میں کل زمینی زندگی کا نقشہ آگیا۔ یعنی یہاں کشمکش، بغض، حسد، نفسانیت، خود غرضی کا زور رہا کرے گا و۱۳۶ فِی الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ۔ آیت کا یہ جزو خود اس امر پر دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام زمین پر اب پہلی بار بھیجے جا رہے ہیں۔ اور اب تک جس جنت میں وہ تھے وہ زمین پر نہیں آسمان پر تھی۔ اس وقت سے ان کی زندگی کا نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ نئی زندگی اور نیا ماحول۔ اور اب یہیں انہیں رہنا سہنا ہے۔ اِلٰی حِیۡنٍ۔ یعنی قیام یہاں بھی دائمی نہ ہوگا۔ صرف ایک مدتِ موعود تک رہنا ہوگا۔ مَتَاعٌ اور اِلٰی حِیۡنٍ دونوں سے زمینی زندگی کا عارضی اور بے ثبات ہونا بالکل ظاہر ہو رہا ہے و۱۳۷ (توبہ وانابت کے) خطاوار کو توبہ و انابت کے الفاظ اپنی طرف سے تلقین کر دینا خود ایک بڑی فردِ رحمت خداوندی اور مرحمت الٰہی کی ہے۔ اور پھر اس سے بڑھ کر بندہ نوازی کا کمال یہ ہے کہ اس تعلیم و تلقین کی نسبت تک اپنی جانب نہیں فرمائی گئی، بلکہ اُسے حضرت آدم علیہ السلام کی جانب منسوب کر دیا گیا کہ انہیں نے وہ الفاظ سیکھ لیے! کیا حد ہے شفقت و بندہ پروری کی! یہ کلمات والفاظ کیا تھے؟ روایتیں جو اس باب میں نقل ہوئی ہیں مختلف ہیں۔ لیکن خود قرآن مجید میں تو یہ الفاظ حضرت آدمؑ وحواؑ کی زبان سے نقل ہوئے ہیں رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ۚ وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ۔ و۱۳۸ (اور ان کی خطا سے درگزر کر دی) تاب علیه۔ تاب کا صلہ جب علٰی کے ساتھ آتا ہے، تو معنی ہوتے ہیں، کہ رحمت کے ساتھ رجوع و توجہ کی۔ یا توبہ کی توفیق دی۔ یا توبہ کے اسباب آسان کر دیئے رزقه التوبة من خطیئته (ابن جریر) رجع الیه بالرحمة والقبول (کشاف) عبارة عن قبول التوبة والعفو عن الذنب التوفیق لها والتیسیر لاسبابها (روح) و۱۳۹ صیغہ مبالغہ کی اہمیت ملحوظ رہے۔ اسلام کا خدا یہی نہیں کہ توبہ قبول فرماتا ہے بلکہ توبہ کے سامان واسباب بھی بہم پہنچاتا رہتا ہے۔ یقال لِلّٰہِ ذٰلک لکثرة قبوله توبة العباد حالاً بعد حالٍ (راغب) الرجاع علی عباده بالمغفرة اوالذی یکثر اعانتھم علی التوبة (بیضاوی) و۱۴۰ یعنی وہ صرف خطاؤں سے درگزر کرنے والا ہی نہیں بلکہ اپنی طرف سے اور بھی فضل و کرم کرنے والا ہے۔ المبالغ فی الرحمة۔ یہی وہ رحیم اور غفور اور توّاب (تینوں صفات کا بہ صیغہ مبالغہ ہونا خیال رہے) خدا ہے۔ جس کے لیے معاند مسیحیوں اور ان کے پادریوں نے بار بار لکھا ہے کہ اسلام کا خدا ایک غضبناک سخت گیر خدا ہے! و۱۴۱ (اے اولادِ آدم) اهۡبِطُوۡا۔ جَمِيۡعًا مراد ذریتِ آدم علیہ السلام ہے۔ والمراد الذرّیّة (ابن کثیر) عَنۡهَا میں ضمیر جنت کی طرف ہے۔ یعنی جنت سے نیچے اترو۔ یہ حکم بہ طور سزا و عتاب نہیں مل رہا ہے، اس لیے کہ خطا تو اب معاف ہی ہو چکی ہے۔ بلکہ یہ محض نتیجہ طبعی کا ظہور ہے۔ شجرِ ممنوع کا پھل کھا لینے سے جو طبعی اثرات مرتب ہو رہے تھے، ان کے لحاظ سے اب جنت میں قیام کی گنجائش نہ تھی۔ رُوح کے داغ دُھل جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جسم و مادہ سے بھی غلط کاری کے نقش مٹ جائیں۔ کوئی شخص خودکشی کے ارادہ سے اگر زہر کھا لے، اور معاً اُسے اپنی عصیان کاری پر متنبہ ہو جائے، اور وہ روئے، گڑگڑائے، دل سے توبہ کرے، اُس سے گناہ تو عجب نہیں کہ معاف ہو جائے لیکن زہر کے طبعی اثرات جو نظامِ جسم پر مرتب ہوتے ہیں وہ تو بہر حال ہو کر رہیں گے۔ خشوع، خضوع، انابتِ قلب ان مادی اثرات کو مٹانے کے لیے کافی نہیں و۱۴۲ (اور وہ یقیناً پہنچے گی، پیمبروں یا ان کے نائبوں کے ذریعہ سے) اس ناسوتی دنیا میں رہنے سہنے کا قانون بتایا جا رہا ہے و۱۴۳ (روزِ جزا میں) هُدَایَ جو پیامِ ہدایت رسُولوں کے ذریعہ سے آتا ہے، اُسے براہ راست حق تعالیٰ کی جانب بھی منسوب کیا جا سکتا ہے۔ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ۔ اُن کے اُوپر کوئی خوفناک واقعہ پیش نہ آئے گا، یعنی اُن کے لیے فی نفسہٖ کوئی بات خطرہ یا تشویش کی نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ صالحین طبعی طور پر بھی اپنے انجام کی طرف سے اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ فکر و اندیشہ تو صالحین کو دوسروں سے کہیں زیادہ لگا رہتا ہے۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور حُزن کا تعلق ماضی سے۔ مطلب یہ ہوا کہ حشر میں مومنین صالحین کو نہ کوئی سزا پیش آنے والی ہے اور نہ وہ لوگ اپنی ناسوتی زندگی پر حسرت و تاسف کریں گے۔ مَنۡ۔ من موصولہ کا استعمال واحد و جمع دونوں کے لیے آتا ہے۔ و۱۴۴ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَآ۔ اہل جنت کے ذکر میں ذاتِ حق کے لیے ضمیر متکلم صیغہ واحد کی ابھی گزر چکی ہے۔ تَبِعَ هُدَایَ اور اہل جہنم کے سلسلہ میں وہی ضمیر متکلم صیغہ جمع میں ہو گئی ہے۔ بِاٰيٰتِنَآ اہل لطائف نے لکھا ہے کہ وہ موقع اظہارِ خصوصیت و شفقت کا تھا۔ اس لیے ''میری'' ہی مناسب تھا۔ اب محل حاکمانہ جلالت و اقتدار کا ہے، اس لیے یہاں ''ہماری'' ہی موزوں ہے۔ اَصۡحٰبُ النَّارِ۔ یعنی دوزخ والے۔ وہ لوگ جو دوزخ کے ہو چکے۔ گویا وہ دوزخ ہی کی آبادی ہیں۔ الصاحب الملازم (راغب) و معنی الصحبة اقتران بالشیٔ والغالب فی العرف ان تطلق علی الملازمة (روح) گویا جو لوگ ضابطۂ شریعت سے انکار اور قانونِ الٰہی کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں انہوں نے اپنا مستقل تعلق دوزخ اور آتشِ دوزخ سے پیدا کر لیا ہے۔ آخرت میں یہی تعلق جو ابھی خفی اور غیر مرئی ہے، مجسم و متشکل ہو جائے گا۔ عذابِ آخرت سے ڈرانا صرف اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں، گو جتنا زور اس پر قرآن مجید نے دیا ہے، اس کی نظیر بیشک کہیں نہیں ملتی۔ جہنم کے عذابِ آتشیں بلکہ اس کے دوام و خلود کے ذکر سے بائبل کے صفحات بھی خالی نہیں۔ ''خداوند سلطنت کرتا ہے...... ایک آگ اُس کے آگے آگے جاتی ہے، اور اُس کے دشمنوں کو ہر طرف جلاتی ہے'' (زبور۔ ۹۷:۱و۳) ''فرشتے نکلیں گے اور شریروں کو راستبازوں سے جدا کریں گے۔ اور انہیں آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے، وہاں رونا اور دانتوں کا پیسنا ہوگا'' (متی۔ ۱۳:۴۹و۵۰) ''اے ملعونو! میرے سامنے سے اس ہمیشہ کی آگ میں چلے جاؤ، جو ابلیس اور اس کے فرشتوں کے لیے تیار کی گئی ہے...... اور یہ ہمیشہ کی سزا پائیں گے'' (متی۔ ۲۵:۴۱و۴۶) ''...... جہنم میں ڈالا جائے جہاں اس کا کیڑا نہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی'' (مرقس۔ ۹:۴۸) و۱۴۵ خلود کے اصل معنی ہیں کسی چیز کا ایک حال پر قائم و برقرار رہنا اور اس کے اندر کوئی تغیر، کوئی خرابی نہ پیدا ہونا۔ الخلود هو تبری الشیٔ من اعتراض الفساد و بقاؤه علی الحالة التی هو علیها (راغب) اس سے ثانوی مفہوم دوام و ہمیشگی کا پیدا ہو گیا۔ ثم استعیر للمبقی دائمًا (راغب) الخلد البقاء و الدوام فی دارٍ لا یُخرَج منها کالخلود و دار الخلد الأخرةُ لبقاء اهلها (تاج) خود قرآن مجید میں اس معنی میں بہت صاف طور پر آیا ہے، جہاں خالد کو باقی کے معنی میں لے کر فانی سے اس کا تقابل کیا ہے۔ وَمَا جَعَلۡنَا لِبَشَرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ الۡخُلۡدَ ؕ اَفَا۟ئِنۡ مِّتَّ فَهُمُ الۡخٰلِدُوۡنَ (انبیاء۔ ۳۴) اور خلود فی الجنة اور خلود فی النار سے مراد ہے جنت کی نعمتوں یا جہنم کے عذاب کا دوام اور اہل جنت اور اہل جہنم کا کبھی اپنے اپنے مقام سے باہر نہ نکلنا۔ اہل جنت کے تنعم اور اہل جہنم کے عذاب کا دائم و غیر منقطع ہونا امت کے اجماعی مسلمات میں سے ہے۔ ای مخلّدون فیها لا محید لهم عنها ولا محیص (ابن کثیر) فهم اصحاب العذاب الدائم (کبیر) والخلود ههنا الدوام علی ما انعقد علیه الاجماع (روح) و۱۴۶ يٰبَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ۔ مشہور و نامور پیمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام عراقی ثم شامی ثم حجازی (۲۱۶۰ تا ۱۹۸۵ ق۔م) سے مشہور و نامور دو نسلیں چلیں۔ ایک بی بی ہاجرہ علیہا السلام مصری کے بطن کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے۔ یہ نسل بنی اسمٰعیل کہلائی۔ اور آگے چل کر قریش اسی کی ایک شاخ پیدا ہوئی۔ ان کا وطن عرب رہا۔ دوسری، بی بی سارہ علیہا السلام عراقی کے بطن کے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام کے فرزند حضرت یعقوب عرف حضرت اسرائیل علیہ السلام سے۔ یہ نسل بنی اسرائیل کہلائی۔ اس کا وطن شام رہا۔ قدیم جغرافیہ میں فلسطین کوئی الگ ملک نہ تھا، شام ہی کا جزو تھا۔ ایک تیسری نسل، تیسری بیوی حضرت قطورہ سے چلی، اور بنی قطورہ کہلائی۔ لیکن اسے تاریخ میں اس درجہ کی اہمیت حاصل نہیں۔ بنی اسرائیل کا عروج صدیوں تک رہا۔ توحید کی علمبردار دنیا میں یہی قوم رہی۔ انبیاء و مرسلین ان کے درمیان ہوتے رہے۔ بڑے بڑے عابد و زاہد ان میں پیدا ہوا کیے۔ حکمران، سلاطین اور فوجی جنرل بھی ان میں بڑے بڑے پیدا ہوتے رہے۔ نزولِ قرآن کے وقت ان کا دنیوی اقتدار مدت ہوئی رخصت ہو چکا تھا۔ اپنے وطن سے نکل کر عراق، مصر وغیرہ اطراف و جوانب میں پھیل چکے تھے۔ اور ان کے بعض قبیلے حجاز و اطرافِ حجاز خصوصاً یثرب (اسی کا نام بعد کو مدینة النبی پڑا) اور حوالیٔ یثرب میں آباد ہو چکے تھے۔ ''بنی اسرائیل'' تو ایک قومی و نسلی اصطلاح ہے۔ مذہبی حیثیت سے یہ لوگ یہود تھے۔ اہل کتاب تھے۔ توریت محرف و مسخ شدہ ہو کر، لیکن بہرحال موجود ان کے درمیان تھی۔ سلسلۂ وحی و نبوت اور عقیدۂ جزا و سزا کے کسی نہ کسی صورت میں قائل تھے۔ علوم انبیاء و معارفِ اولیاء کے حامل تھے۔ مالدار تھے، ساہوکار تھے۔ ساتھ ہی سفلی عملیات، سحر و کہانت نیز تجارت کے بھی بڑے ماہر تھے۔ حجاز کی آبادی میں اس دینی و دنیوی تفوق کی بنا پر اہمیت انہیں اس وقت اچھی خاصی حاصل تھی۔ ملک کی عام آبادی مشرکوں اور بت پرستوں کی تھی۔ وہ لوگ ایک طرف تو یہود کے علم و فضل کے قائل اور اُن کی دینی واقفیت سے مرعوب تھے۔ اور دوسری طرف اکثر ان کے قرضدار بھی رہا کرتے تھے۔ گویا دینی و دنیوی اکثر حاجتوں میں انہیں کو مشکل کشا جانتے تھے اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ منظم و قاہر قوموں کے تمدن سے کمزور اور غیر منظم قومیں مرعوب و متاثر

ہوجاتی ہیں، مشرکین عرب بھی اسرائیلی اخلاق، اسرائیلی روایات، بلکہ اسرائیلی عقائد سے بہت کچھ متاثر ہوچکے تھے۔ اور بہت سے مسائل میں یہود کو اپنا اُستاد جانتے تھے۔ ان سب چیزوں کے علاوہ، یہود کے مذہبی نوشتوں اور اسرائیلیوں کی مقدس زبانی روایتوں، دونوں میں ایک آنے والے نبی کی بشارت موجود تھی اور یہ لوگ اُس نبی موعود کے ظہور کے منتظر رہتے تھے۔ ان اسباب عام وخاص دونوں کی بنا پر یہ بالکل قدرتی تھا کہ قرآن مجید میں تخاطب اس قوم کے ساتھ ہو اور خوب مفصل ہو۔ اس منزل پر پہنچ کر بہتر ہوگا کہ ایک نظر قرآن مجید کی ترتیب بیان پر بھی کرلی جائے۔ قرآن مجید کا اصل تخاطب ساری کائناتِ انسانی سے ہے۔ اسی مناسبت سے رکوع اوّل میں بیان اس کا ہوا کہ نوع انسان کی حقیقی تقسیمیں کل دو ہیں۔ ایک اچھے یا مومن، دوسرے برے یا کافر، مومن یا نیک وہ جو قرآن مجید کے دستورِ حیات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کافر یا بد وہ جو اس سے انکار کرتے ہیں۔ دوسرے رکوع میں بیان کافروں ہی کی ایک خاص قسم مخفی کافروں کا ہوا۔ اور یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ بھی ایمان و نجات سے محروم ہی رہیں گے۔ تیسرے رکوع میں تخاطب ساری نسل انسانی کو کیا گیا، اور قرآن مجید کا اصل پیام یعنی توحید و رسالت بیان کردیا گیا۔ چوتھا رکوع تاریخ نسل انسانی پر ہے۔ اس میں یہ بیان ہوا کہ انسان کی اصلی غرض آفرینش دنیا میں قانونِ الٰہی کی تنفیذ ہے۔ اور حاکمیت الٰہی کی نیابت۔ ذرا سی غفلت میں نسل انسانی کا دیرینہ دشمن شیطان اس کو پچھاڑ سکتا، اور حق سے باطل کی طرف، نور سے ظلمت کی جانب اسے موڑ سکتا ہے۔ لیکن انسان اگر ذرا بھی ہمت اور توجہ صرف کرتا رہے، اور انبیاء کی بتائی ہوئی اور دکھائی ہوئی صراطِ مستقیم پر قائم رہے تو وہی غالب و منصور رہے گا۔ اب پانچویں رکوع میں بیان اس کا شروع ہوتا ہے (اور اس کی تفصیل متعدد رکوعوں تک چلتی رہے گی) کہ مدت دراز ہوئی ایک بڑے مقبول، برگزیدہ بندہ کی اولاد میں ایک خاص نسل کو توحید کی نعمت خاص سے سرفراز کیا گیا تھا مگر وہ قوم اس کی نااہل ثابت ہوئی۔ موقعے اسے بار بار دیئے گئے، رعایت اس کے ساتھ بار بار کی گئی، لیکن ہر بار اُس نے اس نعمت کو اپنے ہاتھوں ضائع کیا، یہاں تک کہ اپنی نسل کے آخری پیغمبر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی مخالفت میں تو حد ہی سے گزر گئی۔ طویل و مسلسل مراعات کے بعد اب حکومت الٰہی کا دستور ایک نیا ضابطہ اختیار کرتا ہے۔ اس ناشکر گزار، نافرمان، عصیان پیشہ قوم کو اس منصب سے معزول کیا جاتا ہے اور یہ نعمت اس سے چھین کر ایک اسمٰعیلی پیغمبر کے واسطہ سے دُنیا کی تمام قوموں اور ساری نسلوں کے واسطے عام کی جارہی ہے ف۱۴۷ اس انعام خداوندی کی تصریح کے لیے ملاحظہ ہوں حواشی ۱۴۶ و ۱۶۲ بہرحال کوئی ایسا انعام تھا جو نسل اسرائیل پر نسل اسرائیل کی حیثیت سے تھا ف۱۴۸ توریت نسل اسرائیل پر احسانات الٰہی اور خداوندی نعمتوں کی یاد دہانیوں سے بھری پڑی ہے۔ عھدی یعنی تمہارا وہ عہد جو میرے ساتھ ہے۔ طاعت الٰہی واطاعت انبیاء کا عہد۔ بما عاھدتمونی من الایمان لی والطاعۃ لی (کشاف) توریت میں بھی اسی عہد کا ذکر جابجا ہے۔ مثلاً "تو نے آج کے دن اقرار کیا ہے کہ خداوند میرا خدا ہے...... اور میں اسی کی راہوں پر چلوں گا۔ اور اس کی شرطوں اور اس کے حقوق اور اس کے حکموں کی محافظت کروں گا۔ اور اس کی آواز کا شنوا ہوں گا" (استثناء ۲۶:۱۷) عھدکم۔ یعنی جو عہد میں نے تم سے تمہارے ایمان وطاعت پر بہ طور انعام کر رکھا ہے۔ امی ارضی عنکم و ادخلکم الجنۃ (کبیر۔ عن ابن عباس) توریت میں اس کا ذکر بھی جابجا ہے۔ مثلاً "اور خداوند نے بھی آج کے دن تجھ سے اقرار فرمایا ہے" (استثناء ۲۶:۱۷) "اگر تم میری آواز کے فی الحقیقت سننے والے ہوگے اور میرے عہد کو حفظ کروگے تو تم ساری قوموں سے زیادہ میرے ایک خزانہ خاص ہوگے"۔ (خروج۔ ۱۹:۵) اَوْفُوْا۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا، کہ وفائے عہد جس کا یہاں ذکر ہے، اس کے مراتب میں بہت وسعت ہے۔ ادنیٰ مرتبہ بندہ کی طرف سے ادائے کلمہ شہادت ہے، اور حق تعالیٰ کی طرف سے حفاظت جان و مال ف۱۴۹ (نہ کہ اپنی ہی جیسی مخلوق سے) توحید کے لیے خطاب عام جملہ عالم انسانیت سے رکوع ۳ میں ہوچکا ہے۔ اب خطاب خاص اسی مخصوص حامل توحید قوم، بنی اسرائیل سے ہے۔ لیکن یہاں اشارہ شرک جلی اور بت پرستی سے زیادہ شرک خفی اور ضعف ایمان کی جانب ہے۔ یہ اخلاقی بیماری اسرائیلیوں کی ساری قوم میں پھیل چکی تھی۔ اور خالق کی رضا اور عدم رضا کے بجائے انسانوں کو راضی رکھنے کی پروا اور ان کی ناخوشی سے بچنے کی اہمیت اچھے اچھے علماء و مشائخ یہود کے دلوں میں گھر کرچکی تھی۔ انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ میں اس قسم کی ہدایتیں اور تنبیہیں کثرت سے ملتی ہیں ف۱۵۰ بِمَآ اَنْزَلْتُ۔ اشارہ ہے قرآن کی طرف۔ لِمَا مَعَکُمْ۔ اشارہ ہے توریت کی طرف۔ کَافِرٍ۔ صورۃً واحد ہے۔ معنیً جمع ہے۔ یعنی یا تو تقدیر کلام یہ ہے۔ ولا تکونوا اول فریق کافر (قرطبی) اور یا بقول اخفش نحوی وفراء نحوی اعتبار معنیٰ فعل کا کیا گیا ہے۔ لان المعنیٰ اول من کفر بہ (قرطبی) بِہٖ ضمیر قرآن کی طرف ہے۔ اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ۔ قرآن کا اوّلین منکر بنی اسرائیل کو اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ مشرکین عرب یہود کے تسلیم واقرار کے بعد جس طرح اس باب میں اُن کی تقلید کرتے، اُسی طرح یہود کے انکار ومخالفت کے بعد اسے بھی سند میں پیش کرتے اور خود بھی انہیں کی راہ پر چلتے، یہود بہرحال اہل کتاب تھے۔ کتاب آسمانی کی قدر انہیں کو ہونا چاہیے تھی، اور بطور مقتدائے عرب انہیں کی ذمہ داری سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۴۷۔ وعندکم فیہ من العلم ما لیس عند غیرکم (ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) فان وظیفتکم ان تکونوا اوّل من آمن بہ لما انکم تعرفون حقیقۃ الامر (روح) ف۱۵۱ ثَمَنًا قَلِیْلًا۔ حق کو کسی دنیوی مادّی مصلحت کی بنا پر چھوڑ دینا، آخرت کی ابدی دولت کو دُنیا کے ثمن قلیل (تھوڑی سی قیمت پر) فروخت کر ڈالنا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ عقبیٰ کو تھوڑے دام پر نہ بیچا جائے، اور زیادہ دام پر بیچ ڈالا جائے۔ دُنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی آخرت کے مقابلہ میں بہرحال قلیل ہی ہے۔ کل کثیر الیہ قلیل و کل کبیر الیہ حقیر (کشاف) یہود کی حق فروشیوں کے کاروبار کا ذکر انجیل میں بھی ہے۔ مثلاً "یہ لوگ ناجائز نفع کی خاطر ناشائستہ باتیں سکھا کر گھر تباہ کردیتے ہیں۔" (طیطس۔ ۱:۱۱)
ف۱۵۲ خوف خداوندی کی تاکید سے توریت اور انجیل دونوں بھرے پڑے ہیں ف۱۵۳ (کلام الٰہی میں لفظی یا معنوی تحریف کرکے) لَا تَلْبِسُوْا۔ تلبیس کے اصلی معنیٰ ہیں کسی چیز کو ڈھانپ لینا، چھپالینا۔ و اصل اللبس ستر الشیٔ (راغب) ادھوری بات کہنا کہ مطلب کچھ کا کچھ ہوجائے، یا جھوٹ کو لفظی اور ظاہری سچائی کا رنگ دے دینا، بعض اوقات بالکل گھڑے ہوئے جھوٹ سے کہیں بڑھ کر دھوکے اور مغالطہ کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی سے ملتی جلتی ہوئی شے کا نام آج کی اصطلاح میں پروپیگنڈہ ہے۔ موجودہ فرنگیوں کی طرح یہود بھی اس فن میں اُستاد رہ چکے ہیں ف۱۵۴ احکام الٰہی کو بدل دینے کی ممکن صورتیں دو ہیں۔ ایک ان میں اندرونی تحریف، تلبیس وتخلیط۔ دوسرے ان کا سرے سے اخفاء وکتمان۔ یہود نے اپنے دینی صحیفوں میں دونوں طرح کے عمل جاری کر رکھے تھے۔ توریت کے مکرر تلف ہوجانے سے اوّل تو یوں ہی کتنے احکام سرے سے غائب اور گم ہوگئے تھے۔ پھر جو باقی رہ گئے تھے، انہیں حاملانِ توریت نے اپنے اپنے اغراض ومصالح کے ماتحت خدا معلوم کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا ف۱۵۵ (کہ تم تلبیس وکتمان کے مرتکب ہورہے ہو) یعنی تحریف تمہارے ارادہ واختیار سے باہر نہیں۔ دیدہ ودانستہ تمہارے علم کے اندر ہورہی ہے۔ فی حال علمکم انکم لابسون کاتمون (کشاف) یہ معنیٰ بھی ہوسکتے ہیں کہ تم اپنے ان اعمال تلبیس وکتمان کی شناعت سے بھی خوب واقف ہو ف۱۵۶ یعنی ایمان کے بعد عملاً بھی ارکان اسلام کی پابندی کرو۔ ایمان لانے کا حکم ابھی ایک آیت قبل وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ میں مل چکا ہے۔ اب تعلیم اہم جزئیات احکام کی ہورہی ہے۔ اقیموا الصلٰوۃ نماز کے پابند ہوجاؤ کہ اس سے مرض حب جاہ کا علاج ہوجائے گا (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اٰتوا الزکٰوۃ۔ زکوٰۃ دیتے رہو کہ اس سے مرض حب مال کی اصلاح ہوجائے گی۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اِرْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ جھکنے والوں کے ساتھ جھکو کہ تواضع باطنی کے حصول میں بڑا دخل اہل تواضع کی معیت کو ہوتا ہے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اِرْکَعُوْا۔ رکوع اسلامی نماز کے ایک معروف رکن کا نام ہے۔ مقصد ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ نماز جماعت میں شریک رہو۔ فقہاء میں ایک بحث یہ پیدا ہوئی ہے کہ آیا کافروں کو فروع کا مخاطب بنانا درست ہے؟ ایک گروہ نے اسی آیت سے استدلال کرکے جواب اثبات میں دیا ہے۔ لیکن دوسرے گروہ کی طرف سے معقول جواب یہ ہے کہ آیت کے یہ سارے احکام ایک آیت قبل کے حکم ایمان وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ کے ماتحت ہیں۔ یعنی پہلے ایمان لاؤ اور پھر ان احکام پر عمل کرو۔ ف۱۵۷ یعنی کیسے غضب کی بات ہے کہ دُوسروں کو تو ایمان لانے کا مشورہ دے دیتے ہو اور خود ایمان نہیں لاتے۔ خطاب یہود سے چلا آرہا ہے۔ اُوپر کسی حاشیہ میں یہ آچکا ہے کہ یہود اپنے صاحب علم وکتاب ہونے کی بنا پر مشرکین عرب کی نظر میں بھی محترم اور قابل وقعت تھے۔ اہل یثرب اکثر اُن کے پاس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کے باب میں استفادۃً مشورے کیا کرتے کہ اس مدعی نبوت کے دعووں میں کہاں تک صداقت ہے؟ ہم اس کی تصدیق کریں یا نہ کریں؟ وغیرہا۔ احبار یہود ایسے موقعوں پر بارہا یہ مشورہ دے اٹھتے کہ بیشک ان میں علامتیں تو ہمارے ہاں کی پیشگوئیوں کے مطابق پائی جاتی ہیں۔ قالوا ھو صادق و امرہ حق فاتبعوہ (کبیر) نزلت فی احبار المدینۃ کانوا یامرون سرًّا من نصحوہ باتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم (روح۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ضمیر و دیانت کے لحاظ سے تو ان کا مشورہ یہ تھا۔ لیکن اپنے

وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا

درآنحالیکہ تم کتاب (الٰہی) پڑھتے رہتے ہو ۱۵۸ سو کیا تم عقل سے کام (ہی) نہیں لیتے؟ اور صبر

بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى

اور نماز سے مدد چاہو ۱۵۹ اور وہ بیشک گراں

الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ لا الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ

ہے، بجز خشوع رکھنے والوں پر (نہیں) جنہیں اس کا خیال رہتا ہے کہ انہیں اپنے پروردگار سے ملنا (بھی) ہے

وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ ع يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور اس کا کہ انہیں اس کی طرف واپس ہونا ہے ۱۶۰ اے بنی اسرائیل،

اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ

میرا وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیا ۱۶۱ اور

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ

تمہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دی ۱۶۲ اور اس دن سے ڈرتے رہو جب نہ

نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ

کوئی کسی کے حق میں بدلہ بن سکے گا اور نہ کسی کے حق میں سفارش قبول ہو گی

وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور نہ کسی سے معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ انہیں مدد ہی پہنچ سکے گی ۱۶۳

وَ اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی تھی جو تمہارے اوپر

سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ

بڑا عذاب توڑ رہے تھے ۱۶۴ تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے ۱۶۵ اور تمہاری عورتوں کو

عمل کے وقت ہوائے نفس حائل ہوجاتی، اور خیال یہ گزرنے لگتا کہ اسلام لانے کے بعد ماتحتی اور پابندی کی زندگی بسر کرنا ہوگی۔ سیادت کے یہ مالی اور جاہی مزے کہاں حاصل رہیں گے۔ وهم كانوا لا يتبعونه لطمعهم والصلات التی كانت تصل اليهم من اتباعهم (کبیر) ولا يتبعونه (روح۔ عن ابن عباسؓ) اَلْبِرّ۔ بِرّ کے لفظی معنی نیکی کے ہیں، اور یہ اپنے اطلاق میں عام ہے یعنی ہر قسم کی نیکی پر شامل۔ البرّ ای التوسع فی الخیر الكامل (راغب) هو اسم جامع لاعمال الخير (کبیر) يتناول جميع اصناف الخيرات (ابن مسعود) یہاں مراد قبولِ اسلام وتصدیق رسالت محمدی ﷺ سے ہے۔ اَتَاْمُرُوْنَ۔ ہمزہ یہاں اظہار حیرت اور ملامت کے لیے ہے۔ والهمزة للتقرير مع التقريع والتعجب (کبیر) الهمزة للتقرير مع التوبيخ والتعجب من حالهم (کشاف) ۱۵۸ یعنی کتاب توریت، جس میں علامتیں اور شہادتیں ان خاتم النبیین ﷺ کی درج ہیں۔ يعنى بالكتب التورٰة (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) ۱۵۹ (ایمان کی ثابت قدمی اور شعائرِ کفر کے ترک پر) ۱۶۰ اِنَّهَا۔ ضمیر نماز کی طرف ہے۔ نماز کا حکم ابھی ابھی ملا ہے۔ اب بیان اُن طریقوں کا ہورہا ہے، جن سے نماز آسان ہوجائے اور نماز کی پابندی میں سہولتیں پیدا ہوجائیں۔ خاشعین۔ خشوع کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ اب یہاں آیت میں خشوعِ قلب کے دو خاص اثرات کا بیان ہورہا ہے۔ پہلا اثر یہ ہے کہ خاشعین کو اس کا دھیان لگا رہتا ہے کہ یہ عبادتیں رائگاں جانے والی نہیں۔ اپنے شفیق وکریم پروردگار کے حضور میں بہرحال حاضر ہونا ہے۔ اس وقت یہ ساری محنت وصول ہوجائے گی۔ اور استحقاق سے کہیں بڑھ کر اجر ملے گا۔ شوقِ نماز اس مراقبہ سے پیدا ہوجانا یقینی ہے۔ دوسرا اثر خشوعِ قلب کا یہ ہے کہ خاشعین کے دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ آخر تو واپسی مالک حقیقی کے روبرو ہوگی۔ حساب ہر ہر عمل اور ترکِ عمل کا ہوگا۔ ترکِ نماز کی عادت اس سے خود بخود ترک ہوجائے گی۔ عمل میں ساری سہولتیں یقین ہی کی مضبوطی اور قوت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور یقین کے ایجابی و سلبی دونوں پہلو یہاں بیان میں آگئے۔ نفسیات جدید میں محرک عمل دو ہی چیزیں مانی گئی ہیں۔ ترغیب و ترہیب۔ ترغیب کا جزو اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ میں جزا و اجر کے استحضار سے آگیا۔ اور ترہیب کا جزو اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ میں مراقبۂ مواخذہ سے آگیا۔ يَظُنُّوْنَ۔ ظن، لغت میں شک اور یقین دونوں کے معنی میں آیا ہے۔ العرب تسمی اليقين ظنا و الشک ظنا (ابن جریر) الظن من الاضداد يكون شكا و يقينا (معالم) اور کلام عرب میں ظن بہ معنی یقین کے استعمال کے نظائر بے انتہا ہیں۔ والشواهد من اشعار العرب و كلامها على ان الظن فی معنى اليقين اكثر من ان تحصى (ابن جریر) الظن بمعنى اليقين او الترجيح مشهور عن العرب (نہر) یہاں اکثر ائمہ تفسیر نے یقین ہی کے معنی میں لیا ہے۔ ای يعلمون ويستيقنون (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) الظن ههنا اليقين (ابن جریر۔ عن ابی العالیہ) ای يستيقنون (معالم) وروى عن مجاهد و السدى و الربيع بن انس و قتاده نحو قول ابى العالية (ابن کثیر) معناه يوقنون قاله الجمهور (بحر) بعض نے یہاں بھی مراد توقع وامید سے لی ہے۔ اور اس قدر بھی کافی ہے۔ يَظُنُّوْنَ ای يتوقعون (کشاف) ۱۶۱ ملاحظہ ہوں حواشی نمبر ۱۴۶ و نمبر ۱۶۲ ۱۶۲ خوب خیال رہے کہ یہاں ذکر مذہب یہود کا نہیں ایک مخصوص قوم ونسل کا ہے۔ بنی اسرائیل نام کسی مذہب یا فرقہ یا عقیدہ کا نہیں۔ ایک خاص نسل کا ہے۔ افضلیت یہاں مذہب یہودیت کی نہیں نسل اسرائیل کی بیان ہورہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس نسل کی افضلیت سارے عالم پر، کس معنی میں ارشاد ہورہی ہے؟ اور وہ کونسی ایسی نعمت تھی جو بہ حیثیت نسل بنی اسرائیل کے ساتھ بلا شرکت غیرے، مدتوں مخصوص رہی؟ اگر کہیے کہ دولت یا حکومت یا تجارت یا کثرت آبادی۔ تو اول تو یہ انعامات اللہ کے خود اس درجہ کے نہیں کہ ان کا ذکر اس شان واہتمام کے ساتھ کیا جائے، اور انہیں کو معیارِ فضیلت وافضلیت بنایا جائے۔ اور پھر یہ نعمتیں تو بہت سی قوموں کو اپنے اپنے وقت میں نصیب رہ چکی ہیں۔ کلدانیہ، مصر، ہندوستان، ان سب ملکوں کا تمدن اپنے زمانہ میں، اسرائیلیوں سے قبل، عروج پر رہ چکا ہے۔ اور تاریخ کا بیان ہے کہ ان قوموں کا دنیوی جاہ وحشم اسرائیلیوں سے کچھ بڑھ ہی چڑھ کر رہا ہے۔ پھر آخر قوم اسرائیل کی وہ مخصوص فضیلت کیا تھی؟ تاریخ کی زبان سے جواب ایک ہی ملتا ہے کہ وہ دولت یا اللہ کی اعلیٰ ترین نعمت، **مسلک توحید** کی تھی۔ دُنیا کی تاریخ کے جس دور میں ساری قومیں اور ساری نسلیں کم وبیش شرک میں مبتلا تھیں، یا اس کی طرف بہی چلی جارہی تھیں یہ نسل اسرائیل ہی ایک ایسی قوم تھی جو من حیث القوم توحید کی علمبردار رہی۔ عقیدۂ توحید اور عقیدۂ رسالت میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ رسالت کی قائل صرف وہی قوم ہوگی، جس کا عقیدۂ توحید واضح وپختہ ہوگا۔ اور انبیاء ورسل، جہاں تک کسی نسل کا تعلق ہے، نسل اسرائیل ہی میں مسلسل پیدا ہوتے رہے۔ ہاں متفرق طور پر کسی دوسری نسل میں بھی کبھی کبھی پیدا ہوگئے ہوں، تو وہ اس کے منافی نہیں۔ ذکر یہاں افراد کا نہیں، نسل وقوم کا ہورہا ہے۔ دنیا کی ساری دوسری قوموں میں جس وقت ظہور "اوتاروں" کا ہورہا تھا، اور وہ قومیں عناصر پرستی، مظاہر پرستی، دیوتا پرستی، بت پرستی، غرض شرک ہی کی کسی نہ کسی شکل میں گرفتار تھیں، انبیاء ورسل اور ان کی تعلیمات کا چرچا صرف بنی اسرائیل میں تھا۔ ہندوستان کی آریہ نسل میں فلسفہ، ہندسہ، ریاضیات، معقولات کے ماہرین وعلماء، جیسے بھی پیدا ہوتے رہے ہوں، بہرحال حلولیت کا شرک اُس میں حلول ہی کیے ہوئے تھا۔ اور توحید ورسالت کی دعوت صرف سامی نسل کی شاخ اسرائیلی کے حصہ میں آئی تھی۔ موجودہ یہود کو بھی اپنے اسلاف کی یہ امتیازی حیثیت یاد ہے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ "بنی اسرائیل پر خاص فرض عائد ہوا تھا کہ توحید باری کی دعوت دیتے رہیں۔ اور آفتاب پرستی، ماہتاب پرستی، کواکب پرستی کے خلاف جہاد کرتے رہیں"۔ (جلد ۶۔ صفحہ ۵) "بنی اسرائیل کا واحد فریضہ دنیا میں خدا کا گواہ بننا تھا"۔ (جلد نمبر ۶ صفحہ ۲) "مخلوقات کے مراتب مختلف ہیں ذی

شعور مخلوق، غیر ذی شعور سے فائق و برتر ہے۔ انسان فائق ترین ہے۔ انسانوں میں بنی اسرائیل بحیثیت موحد پرستاران حق کے مشرکوں سے افضل وبالاتر ہیں"۔ (جلد نمبر ۶ صفحہ ۱۱) "سیاسی قوموں میں سب سے پہلے عبرانیوں ہی کی رسائی اپنے انبیاء کی تعلیم سے توحید باری تک ہوئی"۔ (جلد ۸۔ صفحہ ۶۵۹) مسیحی فرنگی مؤرخین نے بھی اسی تاریخی حقیقت کا اعادہ کیا ہے ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے:۔ "دین توحید کی بنیاد بنی اسرائیل ہی میں پڑی"۔ (جلد ۲۔ صفحہ ۳) "انسانیت کی موجودہ روحانی کائنات، عام اس سے کہ مسیحی ہو یا اسلامی، سب کی تہ میں اسی عقیدۂ توحید کی بازگشت ہے، جس کی دعوت سب سے پہلے اسرائیلیوں نے دی تھی"۔ (جلد ۲۔ صفحہ ۳) خود توریت کی تصریحات بھی اس سلسلہ میں نظر انداز کرنے کے قابل نہیں:۔ "تو خداوند اپنے خدا کے لیے ایک پاک قوم ہے۔ خداوند تیرے خدا نے چن لیا کہ تو سب گروہوں کی نسبت جو زمین پر ہیں اس کے خاص گروہ ہو۔ خداوند نے تم سے محبت رکھی اور تمہیں برگزیدہ کیا، نہ اس لیے کہ تم اور گروہوں سے گنتی میں زیادہ تھے۔ کیونکہ تم سب گروہوں سے کمتر تھے بلکہ اس لیے کہ خداوند عالم نے تم سے محبت رکھی"۔ (استثناء ۷:۶ و ۷) "خداوند کو خوش آیا کہ تمہارے باپ داداؤں سے محبت رکھے۔ اس لیے ان کے بعد ان کی اولاد کو یعنی تم کو سارے گروہوں کی بہ نسبت پہلے برگزیدہ کیا۔ جیسا کہ آج ہے"۔ (استثناء ۱۰:۱۵) "تم میرے گواہ ہو۔ خداوند فرماتا ہے اور میرا بندہ بھی جسے میں نے برگزیدہ کیا...... سو تم میرے گواہ ہو"۔ (یسعیاہ۔ ۴۳:۱۰ و ۱۱) قوم بنی اسرائیل اور اُمتِ موسوی دو بالکل اور قطعاً علیحدہ چیزیں ہیں۔ اور آیت کی تفسیر

نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

زندہ رہنے دیتے تھے و۱۶۶ اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی

عَظِيْمٌ ﴿٤٩﴾ وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ

آزمائش تھی و۱۶۷ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا تھا و۱۶۸ پھر ہم نے تمہیں نجات

وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٠﴾

دے دی اور فرعون والوں کو غرق کر دیا، درآنحالیکہ تم دیکھ رہے تھے و۱۶۹

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کر لیا تھا و۱۷۰ پھر

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٥١﴾

تم نے ان کے پیچھے گوسالہ کو اختیار کر لیا و۱۷۱ اور تم (سخت) ظالم تھے و۱۷۲

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ

پھر ہم نے تم کو اس کے بعد بھی معاف کر دیا و۱۷۳۔ کہ شاید تم

تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَ اِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ

شکر گزار بن جاؤ و۱۷۴ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان دیے

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿٥٣﴾ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ

تاکہ تم راہ یاب ہو جاؤ و۱۷۵ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا و۱۷۶

يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ

کہ اے میری قوم، یقیناً! تم لوگوں نے اپنے اوپر (بڑا) ظلم کیا اپنی گوسالہ گیری

الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ

سے و۱۷۷ سو اب اپنے خدا سے توبہ کرو و۱۷۸ پھر اپنے اشخاص کو قتل کرو و۱۷۹

میں اُمتِ موسوی اور اُمتِ محمدی کے تقابل وتفاضل کا کوئی سوال ہی سرے سے نہیں پیدا ہوتا۔ اس سوال کا یہاں اُٹھانا قطعاً بے ضرورت بلکہ بے محل ہے۔ افضلیت بنی اسرائیل کو کسی خاص زمانہ کے اندر محدود ومقید کرنے کی ضرورت ہمارے قدیم مفسرین کو محض اس لیے پیش آئی کہ "اُمتِ موسوی" اور "قوم اسرائیل" کے درمیان خلط ہو گیا، اور دونوں کا عظیم الشان فرق نظر میں نہ رہا۔ **اُمتِ محمدی ﷺ کی افضلیت بلحاظ دین وعقیدہ ہے**، نہ کہ کسی نسلی یا قومی اعتبار سے، اور آیت میں ذکر ایک خاص نسل کی افضلیت کا ہے۔ یہ کوئی نظریہ یا اجتہادی مسئلہ نہیں۔ ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے کہ جس وقت دُنیائے تہذیب طرح طرح کی مشرکانہ وہم پرستیوں میں مبتلا تھی۔ موحد اعظم ابراہیم علیہ السلام ہی کی نسل کی ایک شاخ توحید کا علم بلند کیے ہوئے تھی۔ ہمارے مفسرین میں سے بھی کسی کسی کے ذہن کی رسائی اس حقیقت تک ہو گئی ہے۔ اور وہ صاف لکھ گئے ہیں کہ نسلِ اسرائیلی کی افضلیت اس میں سلسلۂ نبوت وانبیاء کے لحاظ سے تھی۔ **بما جعل فیهم من الانبیاء وهذا خاصة لهم ولیست لغیرهم** (قرطبی) و۱۶۳ يَوْمًا "اس دن" سے مراد ظاہر ہے کہ یوم قیامت ہے۔ قیامت کی یاد بڑے حکیمانہ موقع پر دلائی گئی۔ حشر ونشر، جزا وسزا کا عقیدہ جو انسان کے دل میں مسئولیت اور ذمہ داری کی رُوح ہے، اسرائیلیوں کے دلوں ہی سے نہیں، کہنا چاہیے کہ ان کی مقدس کتابوں اور نوشتوں تک سے مٹ چکا تھا۔ آگے روزِ قیامت کے جو اوصاف بیان ہو رہے ہیں، سب میں رد ہی ہے کسی نہ کسی اسرائیلی عقیدہ کا لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ۔ اس سے مقصود اُس اسرائیلی عقیدہ کی تردید ہے، جو آج تک جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ان الفاظ میں لکھا چلا آتا ہے "بہت سے لوگ اپنے اسلاف کے اور بہت سے لوگ اپنے اخلاف کے اعمالِ حسنہ کی بنا پر بخش دیے جائیں گے"۔ (جلد ۲۔ صفحہ ۶۱) وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ (جس صورت میں کہ موت حالت کفر پر اور عدم ایمان میں ہوئی ہو) یہاں بھی تردید ہے اس اسرائیلی عقیدہ کی کہ عمل اور عقیدے کیسے ہی ہوں، بہر حال اپنے اسلافِ کرام شفاعت کر کے بخشوا ہی لیں گے۔ شفاعت اور ایک شفیع مستقل کا یہی وہ مبالغہ آمیز تخیل ہے، جس نے مسیحیت میں آ کر انتہائی شکل اختیار کر لی۔ اور کفارہ ہی کی طرح شفاعت پر مسیحیت کی بنیاد ہے۔ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ۔ اس میں اصلی ضرب یہودی اور مسیحی عقیدۂ کفارہ پر ہے۔ مسیحیوں کے ہاں عقیدۂ کفارہ کی اہمیت تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن خود یہود بھی ایک بڑی تعداد میں، اسی عقیدۂ کفارہ سے متاثر ہو کر اس کے قائل ہو گئے تھے (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)۔ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۔ ایمان نہ رکھنے والوں کو کسی طرف سے مدد ونصرت بھی نہ پہنچے گی، کہ سزا میں کچھ تخفیف ہی ہو سکے، چہ جائے کہ نجاتِ کامل ہو سکے و۱۶۴ آل لغت میں اہل کا مرادف ہے۔ اور مراد اس سے اہل وعیال، اتباع، ہم مذہب اور ہم نسب ہوتے ہیں **اهل الرجل عیاله واتباعه واولیاءه** (تاج) فرق یہ ہے کہ اہل کا استعمال عام ہے، اور آل صرف خصوصیت اور اہمیت رکھنے والوں کے لیے آتا ہے۔ **لا یستعمل الآل الا ما فیه شرف غالباً** (تاج)۔ فِرْعَوْنَ۔ یہ کسی متعین بادشاہ کا ذاتی نام یا علم نہیں۔ قدیم شاہانِ مصر کا عام لقب تھا۔ جیسے ہمارے زمانہ میں ابھی کل تک جرمنی کے بادشاہ کو قیصر، روس کے تاجدار کو زار، اور ترکی کے فرمانروا کو سلطان کہتے تھے یا آج بھی والئی مصر کو خدیو اور والئی دکن کو نظام کہتے ہیں۔ فرنگی مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمعصر کوئی ایک بادشاہ نہیں ہوا ہے، یکے بعد دیگرے دو بادشاہ ہوئے ہیں۔ یہ اگر صحیح ہے تو اسے بھی قرآن کا اعجاز ہی کہنا چاہیے، کہ وہ بجائے شخصی نام کے عمومی لفظ لایا جس کے بعد شخصیتوں کے ایک یا دو یا چند ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ۔ یعنی ظالم وجابر حکمرانوں کی طرح تمہیں رعایا بنائے ہوئے تمہارے اُوپر طرح طرح کی سختیاں کر رہے تھے۔ توریت میں ہے:۔ "مصریوں نے خدمت کروانے میں بنی اسرائیل پر سختی کی اور انہوں نے سخت محنت سے گارا اور اینٹ کا کام اور سب خدمت کھیت کی کروا کے ان کی زندگی تلخ کی۔ ان کی ساری خدمتیں جو وہ اُن سے کراتے تھے مشقت کی تھیں۔" (خروج۔ ۱:۱۳ و ۱۴) قدیم ترین اسرائیلی مؤرخ جوزیفس کی تاریخ آثار یہود (History of Jewish Antiquities) میں تفصیلات اور زیادہ موجود ہیں۔ قرآن مجید اور توریت کے بیان کا یہ فرق بھی قابل لحاظ ہے کہ توریت نے حاکمانہ سخت گیریوں کو سارے "مصریوں" کی جانب منسوب کر دیا۔ اور قرآن نے اپنے حسب معمول محتاط اور انتہائی صادقانہ لہجہ میں نام

صرف ”فرعونیوں“ کا لیا۔۔ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے ایسی ہی الگ ہیں جیسے انگریزی قوم اور انگریزی حکومت۔ نجینا۔ باب تفعیل سے ہے۔ اور اس باب کی ایک خاصیت فعل کی تدریج ظاہر کرنا بھی ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ سارے اسرائیلی مصر سے دفعۃً نہیں نکلے تھے۔ بلکہ رفتہ رفتہ اور مختلف ٹولیوں میں نکلتے رہے۔ اور ان کا سب سے بڑا اور آخری دستہ وہ تھا جو حضرت موسٰی کی قیادت میں روانہ ہوا، اور راہ بھٹک کر پھر سمندر پار ہوا۔ ہیسٹنگز کی ”ڈکشنری آف دی بائبل“ میں ہے:۔ ”ممکن ہے کہ مصری اسرائیلیوں کے گروہ وقتاً فوقتاً مصر سے نکل کر اپنے اجداد کے مقبروں کے گرد آباد ہوتے رہے ہوں“۔ (جلد ۳ صفحہ ۸۶۰) اگر تاریخ نے کبھی مؤرخین کے اس خیال کی تصدیق کر دی، تو قرآن مجید کے لفظ نجینا کے باب تفعیل سے آنے کی اعجازی قدر اُس وقت ہوگی و۱۶۵ توریت میں ہے:۔ ”اگر بیٹا ہو تو اسے ہلاک کر دو......اور فرعون نے اپنے سب لوگوں کو تاکید کر کے کہا، کہ ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اُسے دریا میں ڈال دو“۔ (خروج۔ ۱: ۵ و ۲۲) و۱۶۶ یہ لڑکیوں کا قتل نہ کرنا اور انہیں عورت بننے کے لیے زندہ رکھنا غالباً اس لیے تھا کہ انہیں آئندہ فرعونی امراء اپنے حرم میں داخل کریں۔ (ملمین کی ”ہسٹری آف دی جیوز“ جلد اول صفحہ ۷۷)۔ توریت میں ذکر قرآن کی طرح صرف اُن کے زندہ رکھنے کا ہے۔ وجہ و مصلحت درج نہیں:۔ ”اگر بیٹا ہو تو اسے ہلاک کر دو۔ اور اگر بیٹی ہو تو اسے جینے دو......ان میں جو بیٹا پیدا ہو تم اُسے دریا میں ڈال دو، اور جو بیٹی ہو، جیتی رہنے دو“۔ (خروج۔ ۱: ۵ و ۲۲) و۱۶۷ مشہور و قدیم یہودی مؤرخ جوزیفس کے الفاظ بھی تقریباً بالکل یہی ہیں:۔ ”یہ ایک بہت سخت ابتلا تھا“۔ (تاریخ آثار یہود۔ باب ۲۔ فصل ۹) و۱۶۸ فرعون اور مصری گورنمنٹ کے مظالم سالہا سال تک برداشت کرنے کے بعد بالآخر حضرت موسٰی علیہ السلام کی قیادت میں ساری قوم اسرائیل نے مصر کی سکونت ترک کر کے اپنے آبائی وطن شام و فلسطین کو چلا جانا طے کر لیا۔ سفر مصری حکومت سے چھپ چھپا کر رات کے وقت شروع کیا۔ زمانہ وہ تھا کہ نہ آج کل کی سی باقاعدہ سڑکیں تھیں، نہ راستوں میں لمپ لالٹین۔ شب کی تاریکی میں اسرائیلی راستہ بھول گئے۔ اور بجائے اس کے کہ شمال کی طرف کچھ اور آگے بڑھ کر اپنے داہنے پر مشرق کی طرف مڑتے، پہلے ہی اِدھر گھوم پڑے۔ اُدھر فرعون کو خبر ہو گئی، اور وہ اپنے لشکر کی کمان خود کرتا ہوا تیزی سے تعاقب میں آ پہنچا۔ اب اسرائیلیوں کے سامنے یعنی مشرق کی جانب سمندر تھا۔ اور داہنے بائیں شمال و جنوب میں پہاڑیاں تھیں، اور پشت پر یعنی مغرب کی جانب مصری لشکر۔ قرآن مجید میں اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ توریت میں اس کو خروج بنی اسرائیل سے موسوم کیا ہے۔ زمانہ کی تعیین جزم کے ساتھ مشکل ہے۔ جدید ترین تحقیقات کے مطابق پندرھویں صدی قبل مسیح علیہ السلام کا وسط قرار پایا ہے۔ بلکہ بعض نے جرأت کر کے سنہ بھی متعین کر دیا ہے۔ ۱۴۴۷ ق۔ م۔ بِكُمْ۔ تمہارے لیے، یعنی تمہیں بچانے کے لیے۔ تمہیں راستہ دینے کے لیے۔ اے فرقنا لکم (معالم) اے فرقنا بسببکم و بسبب انجائکم (کشاف) فرقنا البحر۔ بشر کے محدود نقطۂ نظر اور انسان کے ناقص علم کے اعتبار سے جو مستبعد، خلافِ معمول اور حیرت انگیز واقعہ کسی نبی کی تائید میں، ظاہری مادّی اسباب سے بے تعلق، ظہور میں آئے، اُسے اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں۔ ایسے کسی واقعہ کو جس کا ثبوت رؤیت یا روایت، مشاہدہ یا نقل صحیح سے مل جائے، ”خلافِ عقل“ کہہ کر اس کے امکان سے انکار کر بیٹھنا خود ایک انتہائی نادانی اور بے عقلی ہے۔ تاریخی عجائب سے آخر تاریخ لبریز ہی ہے۔ اور خوارق، نوادر، حوادثِ عجیبہ سے دنیا کا کون سا گوشہ، زمانہ کا کون سا دور خالی رہا ہے؟ یا آج کس دن، کس تاریخ کے اخبارات خالی رہتے ہیں؟ زیادہ سے زیادہ ایسے واقعات کو خلافِ معمول، خلافِ عادت عامہ کہا جا سکتا ہے۔ اور ان کے روایتی ثبوت کا مطالبہ یقیناً کرنا چاہیے۔ راویوں پر جرح بھی خوب کر لینا چاہیے۔ لیکن اس سے تجاوز کر کے اُن کے نفسِ امکان میں شک کرنا یا انہیں خلافِ عقل یا محال قرار دینا خود اپنی کم عقلی کا اظہار کرنا ہے۔ استبعاد جو کچھ بھی ہے، وہ تو صرف انسانی معیار سے ہے، انسان کے بہت ہی محدود و مختصر رقبۂ علم و تجربہ کے اعتبار سے ہے، ورنہ جو قادرِ مطلق ہے، اُس کے لیے تو ”حسبِ معمول“ اور ”خلافِ معمول“ سب ایک ہے۔ اور ”غریب“ و ”مانوس“ کا فرق اس کے لیے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ ”وقوع“ اور ”امکان“ دو بالکل الگ چیزیں ہیں۔ اور انہیں کے خلط مبحث نے معجزہ کے مسئلہ میں اتنی الجھن پیدا کر دی ہے۔ امکان تو ہر چیز کا ہے۔ اللہ کے دائرہ قدرت کے اندر ہر بڑی سے بڑی چیز ہے۔ ناممکن تو اس کے لیے کوئی سی بھی چیز نہیں۔ لیکن وقوع پر یقین کرنے کے لیے ضرورت شاہدوں کی ہوتی ہے۔ اور جو واقعہ جس قدر عجیب اور معمول عام سے ہٹا ہوگا، اسی نسبت سے اُس پر یقین لانے کے لیے شہادت بھی زبردست ہونی چاہیے۔ یہ تو معجزات پر اُصولی گفتگو تھی۔ باقی یہاں جس فرق البحر کا ذکر ہے، تو یہ سمندر کا پھٹ جانا اور درمیان میں خشکی کی راہ بن جانا کچھ ایسا زیادہ خارق عادت ہے بھی نہیں، کہ اس کی نظیر کہیں ملتی ہی نہ ہو۔ بحری زلزلہ کے وقت ایسی صورتیں پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ چنانچہ جنوری ۱۹۳۴ء (رمضان ۱۳۵۲ھ) میں جو عظیم الشان زلزلہ بہار اور اطراف بہار میں آیا، اس موقع پر صوبہ کے صدر مقام، شہر پٹنہ میں دن دہاڑے کوئی ڈھائی بجے کے وقت، ایک مجمع کثیر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ گنگا جیسے وسیع و عریض دریا کا پانی چشم زدن میں غائب ہو گیا۔ اور اتنے چوڑے پاٹ میں بجائے دریا کے دھارے کے خشک زمین نکل آئی اور یہ حیرت انگیز اور دہشت ناک منظر چند سیکنڈ نہیں، چار پانچ منٹ تک قائم رہا، یہاں تک کہ دریا اسی برق رفتاری کے ساتھ یک بیک زمین سے اُبل کر پھر جاری ہو گیا!۔۔واقعہ کی مفصل رُوداد ایک وقائع نگار کے قلم سے، انگریزی روزنامہ پانیر (لکھنو) کی ۲۰ جنوری ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں درج ہے! اَلْبَحْرَ۔ بحر سے مراد یہاں دریائے نیل نہیں، جیسا کہ بعض ثقات کو دھوکا ہو گیا ہے۔ بلکہ بحر قلزم (یا بحر احمر) مراد ہے۔ دریائے نیل تو بنی اسرائیل کے مسکن اور محلہ سے مغرب کی طرف واقع تھا۔ اور اسرائیلیوں کا راستہ شام کے لیے مشرق کی طرف تھا۔ نیل سے اس راستہ کو دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ مصر سے شام کی راہ کے قریب بحر قلزم تھا۔ اسی کے تنگ شمالی سرے کی جانب یہاں اشارہ ہے۔ مصر کے مشرق میں جہاں اب نہر سویز کھدگئی ہے، اس سے متصل جنوب میں، نقشہ میں سمندر دو مثلثوں کی شکل میں تقسیم نظر آئے گا۔ یہاں ان میں سے مغربی مثلث مراد ہے۔ اسرائیلیوں نے اسی کو عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا میں قدم رکھا تھا و۱۶۹ اسرائیلی اپنے کو ہر طرف سے محصور پا کر قدرۃً سخت پریشان ہوئے۔ لیکن رہنمائی اللہ کے ایک پیمبر کر رہے تھے۔ آپ نے وحی الٰہی کے اشارہ سے فرمایا کہ بلا توقف سمندر میں چل پڑو۔ سمندر کا پانی سمٹ کر دونوں طرف پہاڑ جیسی دیواروں کی طرح کھڑا ہو گیا۔ درمیان میں خشک راستہ پیدا ہو گیا۔ اسرائیلیوں کا قافلہ عبور کر گیا۔ اتنے میں فرعونی بھی لب ساحل پہنچ گئے۔ اور یہ منظر دیکھ کر وہ بھی پیدل اور سوار خشک سمندر میں در آئے۔ لیکن ابھی درمیان ہی میں تھے کہ پانی کی وہ کھڑی ہوئی دیواریں آناً فاناً آپس میں مل گئیں۔ اور سمندر کا پانی حسب سابق رواں ہو گیا۔ اور دیکھتے دیکھتے فرعون مع اپنے لاؤ لشکر کے غرق ہو کر رہ گیا۔ توریت میں تصریحات ذیل ملتی ہیں:۔ ”پھر موسٰی نے دو بار ہاتھ بڑھایا اور خداوند نے بہ سبب بڑی پوربی آندھی کے تمام رات میں دریا کو چلایا۔ اور دریا کو سکھا دیا۔ اور پانی کو دو حصہ کیا۔ اور بنی اسرائیل دریا کے بیچ میں سے سوکھی زمین پر ہو کر گزر گئے۔ اور پانی کی اُن کے داہنے اور بائیں دیوار تھی۔“ (خروج۔ ۱۴۔ ۲۱۔ ۲۲) ”بنی اسرائیل خشک زمین پر دریا کے بیچ میں چلے گئے اور پانی کی ان کے داہنے اور بائیں دیوار تھی۔ سو خداوند نے اُس دن اسرائیلیوں کو مصریوں کے ہاتھ سے یوں بچایا۔“ (خروج۔ ۱۴: ۲۹۔ ۳۰) ”اور مصریوں نے پیچھا کیا اور ان کا پیچھا کیے ہوئے وہ اور فرعون کے سب گھوڑے اور اُس کی گاڑیاں اور اُس کے سوار دریا کے بیچوں بیچ تک آئے......اور موسٰی نے اپنا ہاتھ دریا پر بڑھایا۔ اور دریا صبح ہوتے ہی اپنی اصلی قوت پر لوٹا اور مصری اس کے آگے بھاگے اور خداوند نے مصریوں کو دریا میں ہلاک کیا۔ اور پانی پھرا۔ اور گاڑیوں اور سواروں اور فرعون کے سب لشکر کو جو اُن کے پیچھے دریا میں آئے تھے چھپا لیا۔ اور ایک بھی ان میں سے باقی نہ چھوٹا۔“ (خروج۔ ۱۴: ۲۴۔ ۲۸) واقعہ کا زمانہ جدید ترین اثری تحقیق کے مطابق ۱۴۴۷ ق۔ م یا اس کے لگ بھگ قرار پاتا ہے۔ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ فقرہ غیر ضروری یا برائے بیت نہیں بنی اسرائیل پر اس حقیقت کا پرزور طریقہ پر اعلان مقصود ہے کہ اپنے ایسے پُرقوت دشمن کی ہلاکت و بربادی کا نظارہ محض تائید خداوندی سے تم نے اپنی آنکھوں سے کر لیا۔ توریت میں ہے:۔ ”اسرائیلیوں نے مصریوں کی لاشیں دریا کے کنارہ پر دیکھیں“ (خروج۔ ۱۴۔ ۳۱) و۱۷۰ جب حضرت موسٰی اپنی قوم کو مصری حکومت کے پنجہ غضب سے نکال لائے۔ تو اب مشیت خداوندی یہ ہوئی کہ اس قوم کو ایک پورا انظام شریعت اور دستور زندگی عطا ہو۔ چنانچہ حضرت موسٰی جزیرہ نمائے سینا کے ایک پہاڑ کی چوٹی کوہ طور پر نوشتہ غیبی لینے کے لیے ایک چلہ کے لیے طلب کیے گئے۔ موسٰی۔ موسٰی بن عمران سلسلۂ اسرائیلی کے سب سے زیادہ مشہور و جلیل القدر پیمبر کا نام ہے۔ توریت میں ہے کہ عمر ایک سو بیس سال کی پائی (استثناء۔ ۳۴: ۷) آپ کا زمانہ مؤرخین اور

اثریین کا تخمینہ ہے کہ پندرھویں اور سولہویں صدی قبل مسیح علیہ السلام کا تھا۔ سالِ ولادت غالباً **و۱۵۲۰** ق،م۔ سالِ وفات غالباً **۱۴۰۰** ق،م۔ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً۔ چالیس رات دن مراد ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ''اور موسیٰ پہاڑ پر چالیس دن رات خداوند کے پاس رہا''۔ (خروج ۳۴:۲۸) اسلامی روایتوں میں آتا ہے کہ یہ زمانہ ذی قعدہ کے پورے مہینہ اور ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کا تھا۔ **قیل انہا ذوالقعدۃ بکمالہ وعشر من ذی الحجۃ** (ابن کثیر) مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ اہل سلوک کے یہاں جو چلہ کی میعاد متعارف ہے، اس کی اصل یہیں سے ہے۔ **و۱۷۱** (بہ طور اپنے معبود کے) مِنْۢ بَعْدِہٖ۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عارضی غیر حاضری کے زمانہ میں۔ اُدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر تشریف لے گئے اِدھر ان کی موحد قوم نے گردوپیش کی مشرک قوموں کی دیکھا دیکھی ایک گوسالہ کی مورت سونے کی بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی۔ توریت میں خروج کا باب ۳۲، پورا اسی گوسالہ پرستی کی تفصیلات کی نذر ہے۔ **و۱۷۲** (اپنے حق میں) قرآن مجید نے اس قسم کے فسق شدید بلکہ شرک کو اکثر 'ظلم' ہی سے تعبیر کیا ہے۔ اور واقعی اس سے بڑھ کر ظلم انسان کا اپنے حق میں اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ اسرائیلیوں میں یہ گمراہی آئی کہاں سے؟ اس سوال کے جوابات مختلف دیئے گئے ہیں۔ ایک قول ہے کہ یہ مصریوں کی گاؤپرستی کا عکس تھا۔ دُوسرا قول ہے کہ مشرک کنعانیوں (فلسطینیوں) کے ہم جوار ہونے کا اثر تھا۔ تیسرا قول ہے کہ گوسالہ مورت تھی چندرماں دیوتا کی۔ اور گوسالہ پرستی مرادف تھی ماہتاب پرستی کی۔ بہرحال یہ شرک جس راہ سے بھی آیا ہو، قرآن نے اسے شرک ہی قرار دیا، خواہ وہ مورتی (نعوذ باللہ) خدائے واحد ہی کی کیوں نہ بنائی گئی ہو۔ مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ حلول باری تعالیٰ کی جناب میں محال ہے ورنہ اگر محض غلطی ہوتی تو اسرائیلی اس میں معذور سمجھے جاتے۔ **و۱۷۳** (تمہارے توبہ واستغفار اور تم میں سے ایک خاص گروہ کی سزایابی کے بعد) گوسالہ پرستی اور شرک جیسے انتہائی جرم کی سزا چاہیے تو یہ تھا کہ ساری قوم کو ملتی، شرک کرنے والوں کو شرک کی، اور باقی تماشہ دیکھتے رہنے والوں کو سکوت عن الحق اور اعانت جرم کی۔ لیکن واقعۃً سزا صرف ایک مخصوص گروہ کو ملی۔ جیسا کہ ابھی آتا ہے، اور باقی ساری قوم توبہ واستغفار کے بعد بچ گئی **و۱۷۴** (کہ شکر گزاری اور منت پذیری تو جوہرِ شرافت اور لازمۂ انسانیت ہے) اس موقع پر عملی شکر گزاری توحید وطاعت پر ثابت قدمی تھی **و۱۷۵** (اور جزئیات تک کے لیے زندگی کا ایک دستور العمل ہاتھ آجائے) اجمالاً راہ ہدایت یعنی توحید کی تعلیم تو اسرائیلیوں کو پہلے سے ملی ہوئی تھی، اور پیمبر اُن کے درمیان موجود ہی تھے۔ اب کتاب اس لیے نازل فرمادی گئی کہ ایک مستقل ومرتب دستور العمل جزئیات زندگی کا اُن کے ہاتھ میں آجائے، اور آئندہ یہ راہ سے بھٹکنے نہ پائیں۔ اَلْکِتٰبَ۔ یعنی توریت۔ قرآن مجید میں مطلق اَلْکِتٰبَ کا لفظ، علاوہ قرآن کے توریت کے لیے بھی آیا ہے۔ اَلْفُرْقَانَ۔ فرقان اپنے لفظی معنی میں ہر وہ چیز ہے جس سے حق وباطل کے درمیان فرق کیا جاسکے۔ **کل ما فرق بہ بین الحق و الباطل فھو فرقان** (لسان) اَلْفُرْقَانَ۔ قرآن کا بھی ایک نام ہے، اس مناسبت سے کہ قرآن حق وباطل، حرام وحلال کے درمیان فارق ہے۔ اور اسی مناسبت سے اس کا اطلاق علاوہ قرآن کے توریت وانجیل پر بھی ہوسکتا ہے، کہ یہ کتابیں بھی فارق ہیں بہ لحاظ عقائد حق وباطل کے درمیان۔ بہ لحاظ اقوال صدق وکذب کے درمیان۔ اور بہ لحاظ اعمال نیک وبد کے درمیان (راغب)۔ اس مقام پر اَلْفُرْقَانَ کی متعدد تفسیریں نقل ہوئی ہیں۔ ۱۔ اَلْکِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ کے درمیان عطف تفسیری ہے۔ اور مراد دونوں سے ایک ہی ہے یعنی توریت۔ توریت ہی کی دو صفتیں ہیں۔ ایک صفت کتابت، دُوسری صفت فرقانیت۔ اوّل کے لحاظ سے وہ اَلْکِتٰبَ ہے، اور دُوسری کے لحاظ سے اَلْفُرْقَانَ۔ **یعنی الجامع بین کونہ کتاباً منزلاً و فرقاناً یفرق بین الحق والباطل یعنی التوراۃ** (کشاف) **الفرقان نعت والواو زائدۃ یعنی الکتٰب الفرقان** (معالم۔ عن الکسائی)۔ ۲۔ دُوسرے یہ کہ اس سے مراد یہاں توریت اپنے احکام وشرائع کے لحاظ سے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے۔ یہ قول قولِ اوّل سے معنیً بالکل ملتا ہوا ہے۔ ۳۔ مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ کو عطا ہوئے تھے۔ مثلاً معجزۂ عصا، معجزۂ ید بیضا، وغیرہما۔ یہ مذہب مجاہد تابعی کا ہے۔ **انہ معجزات الفارقۃ بین الحق والباطل** (روح)۔ ۴۔ مراد وہ فتح وغلبہ ہے جو بنی اسرائیل کو حکومت فرعونی کے مقابلہ میں عطا ہوا تھا۔ **النصر والفرج الذی اتاہ اللہ بنی اسرائیل علٰی قوم فرعون** (کبیر) **الفرقان الفرج من الکرب لانھم کانوا مستعبدین مع القبط** (قرطبی)۔ یہود کا عقیدہ ہے کہ لکھی ہوئی کتاب توریت کے علاوہ زبانی بھی بہت سے اسرار ومسائل کی تعلیم حضرت موسیٰ کو ہوئی تھی۔ اور وہ ان کے بعد سے سینہ بہ سینہ نسلاً بعد نسلٍ ان کی قوم میں منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ سو یہود کے نقطۂ خیال سے فرقان سے مراد اُس علم سفینہ کے علاوہ یہ علم سینہ ہے **و۱۷۶** (بعد اس کے کہ بنی اسرائیل شرک اور گوسالہ پرستی کے مرتکب ہو چکے تھے) **و۱۷۷** (کہ توحید جیسی دولت بے بہا پا کر پھر شرک اور مخلوق پرستی کی سفلیت پر اتر آئے) **و۱۷۸** فَتُوْبُوْٓا میں فاسببیہ ہے کہ نہ انہوں نے ظلم کیا ہوتا نہ آج توبہ کی نوبت آتی **والفاء للتسبیب** (بیضاوی) **لان الظلم سبب للتوبۃ** (بحر) توریت میں ہے:۔ ''اور موسیٰ نے کہا کہ آج خداوند کے لیے اپنے تئیں مخصوص کرو۔ ہر ایک مرد اپنے بیٹے اور بھائی پر حملہ کرے تاکہ وہ تمہیں برکت دیوے۔'' (خروج۔ ۳۲:۲۹) **و۱۷۹** (اپنے ہاتھ سے، یعنی غیر مجرمین مجرمین کو قتل کریں) **فلیقتل الذی لم یعبد العجل الذی عبدہ** (ابن عباس رضی اللہ عنہما)۔ شرک شریعت موسوی اور آئین اسرائیلی میں علاوہ معصیت مذہبی کے فوجداری کا بھی ایک سنگین جرم تھا، مستوجب قتل۔ توریت کی قانونی آیتوں میں مشرک ومشرکہ کے لیے یہ تصریح ہے کہ ''اس مرد یا اُس عورت پر یہاں تک پتھراؤ کیجیو کہ وہ مرجائیں...... گواہوں کے ہاتھ اُس پر پہلے اٹھیں تاکہ اس کو قتل کریں اور ان کے بعد باقی سب لوگوں کے ساتھ، تم یونہی اپنے بیچ سے شرارت کو نیست ونابود کیجیو''۔ (استثناء۔ ۱۷:۵۔ ۷) اور ظاہر ہے کہ شریعت کا نفاذ صاحب شریعت کے سامنے بھی نہ ہوتا تو اور کب ہوتا۔ شرک کے مجرمین پکڑ پکڑ کر سامنے لائے گئے اور اپنے ہی بھائی بندوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُترے۔ توریت میں ہے:۔ ''تم میں سے ہر مرد اپنی کمر پر تلوار باندھے اور ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ تک تمام لشکر گاہ میں گزرتا پھرے۔ اور ہر مرد تم میں سے اپنے بھائی کو اور ہر ایک آدمی اپنے دوست کو اور ہر ایک آدمی اپنے قریب کو قتل کرے۔ اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہے کے موافق کیا۔ چنانچہ اس دن لوگوں میں سے تقریباً تین ہزار آدمی مارے پڑے''۔ (خروج۔ ۳۲:۲۷و۲۸) فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ۔ میں قتل سے مراد یہی اہلاک ہے جسے سب جانتے ہیں۔ اور محققین کا گروہ اسی معروف معنی میں قتل کا قائل ہے **والمتبادر من القتل القتل المعروف من ازھاق الروح** (روح) **ظاھر ھذا انہ ھو القتل المعروف من ازھاق الروح** (بحر) **والصحیح انہ قتل علی الحقیقۃ ھنا** (قرطبی)۔ اس کھلے ہوئے معنی کو چھوڑ کر، بلاوجہ بلاضرورت قتل کے مجازی معنی مجاہدہ یا ریاضت یا نفس کشی کے کرنا نہ کسی نقلی سند کے مطابق ہے نہ کسی عقلی دلیل کے ماتحت۔ یہ واقعہ قتل تاریخ اسرائیل کا ایک مشہور ومسلم واقعہ ہے۔ توریت کی سند ابھی گزر چکی، تاریخ کی سب کتابیں اس کو دہرا رہی ہیں۔ سارے دفترِ نقل وروایت میں کوئی لفظ اس کے خلاف موجود نہیں۔ رہی ''عقل'' سو خدا معلوم دنیا کے پردہ پر وہ کون سی پاگل گورنمنٹ ہے، جو اپنے قانونِ فوجداری کے شدید مجرموں، لٹیروں، ڈاکوؤں، نقب زنوں کو محض معافی طلب کرنے پر چھوڑ دیتی ہے؟ آج کے ''روشن خیال'' تفسیر نویسوں کی تاویلات بھی عجیب عجیب ہوتی ہیں! **و۱۸۰** (اور اس خیریت اور بہتری کا ظہور آخرت میں ہوگا) خَیْرٌ سے اشارہ یہاں نجات، مغفرت اور گناہ کی گندگی سے پاک صاف ہونے سے ہے۔ یہاں ذکر تو ایک اسرائیلی ضابطہ شریعت کا ہے۔ لیکن خود اسلامی شریعت کا ضابطہ بھی اسی سے ملتا جلتا ہے۔ رہزنی، سرقہ، زناکاری وغیرہ جن جن جرائم کے لیے حدود مقرر ہیں، وہ دُنیا میں معاف نہیں ہوسکتے، خواہ مجرم صدق دل سے تائب ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اجرائے حد کے بعد یہ امید ضرور قائم ہو جاتی ہے کہ وہ نادم وتائب حشر میں دُھلا دُھلایا، پاک صاف حاضر ہوگا **و۱۸۱** **تاب علیکم**۔ یعنی تمہاری توبہ من حیث القوم قبول کرلی۔ سزا صرف انہیں افراد کو ملی جو شرک کے مجرم واقعۃً اور عملاً تھے۔ آبادی کا بڑا حصہ جو صرف اپنی خاموشی سے شریک جرم رہا اس کی خطا معاف ہوگی **و۱۸۲** دُنیا کی بہت سی گمراہ قوموں کا یہ عقیدہ رہ چکا ہے اور اب بھی ہے (مثلاً بدھ مذہب والوں کا) کہ خدا کو معاف کر دینے کا کوئی اختیار ہی نہیں، کیونکہ وہ خود قانون مکافات عمل کا پابند ہے۔ مسیحیت بھی اسی اساسی گمراہی میں مبتلا ہے۔ خدا چونکہ از خود کسی کو معاف نہیں کرسکتا، اور معاف کرنا چاہتا ہے، اس لیے اس نے اپنے بیٹے کو سب کی طرف سے بہ طور کفارہ سزا دے کر دوسروں کو معاف کر دیا۔ یہودیت نے بھی خدا کی قہاریت پر اتنا زور دیا کہ اس کی رحمت ورحمانیت کی تصویر بالکل ہی دُھندلی پڑ گئی۔ قرآن مجید نے توبہ وقبولِ توبہ اور رحمتِ الٰہی کی وسعت پر بار بار زور دے کر ان ساری گمراہیوں کی تردید کر دی **و۱۸۳** (کہ جو مخاطبہ تم سے ہوا وہ مخاطبہ الٰہی

ہی تھا، اور جو کلام تم ہمیں سنا رہے ہو وہ کلام الٰہی ہی ہے) قُلْتُمْ ”تم نے کہا تھا“ یعنی تمہاری قوم کے ستر بڑے بوڑھے نمائندوں نے۔ والقائلون هم السبعون الذين اختارهم موسٰى للميقات (بیضاوی) لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ۔ اے لاجل قولک (بیضاوی) تاریخ اسرائیل کے اہم ترین واقعات دُہرائے جا رہے ہیں، اور اسرائیلیوں پر اُن کی قومی تاریخ سے 'حجت' قائم کی جا رہی ہے۔ اب ذکر اس وقت کا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر بزرگانِ قوم کو ہمراہ لے کر لشکر گاہ سے کوہِ طور پر گئے ہیں۔ دامنِ کوہ میں انہیں چھوڑ کر خود آگے بڑھ گئے ہیں اور مکالمہ ومخاطبۂ الٰہی سے مشرف ہونے کے بعد اس کی اطلاع اور خوشخبری ان بزرگانِ قوم کو پہنچائی ہے ف۱۸۴ (اپنی انہیں مادّی اور ظاہری آنکھوں سے) گویا اللہ تعالیٰ بھی کوئی مادی جسم رکھتا ہے! اور گویا رسول کے حواس عام بشری حواس سے کچھ ممتاز ہی نہیں ہوتے! ف۱۸۵ (اس گستاخانہ مطالبہ کی پاداش میں) لفرط العناد والتعنت وطلب المستحيل (بیضاوی) اَخَذَتْكُمْ۔ ”پکڑ لیا تم کو“ یعنی انہیں ستر بزرگانِ قوم کی جماعت کو۔ معتزلہ نے آیت سے استدلال یہ کیا ہے کہ رویت باری جائز ہی نہیں۔ ورنہ اگر جائز ہوتی تو اس سوال پر سردارانِ اسرائیل کو اتنی سخت سزا نہ ملتی۔ لیکن اہل سنت کا مذہب ہے کہ رویت باری جنت میں تو مومنین کو ہوہی کر رہے گی، باقی دنیا میں بھی مخصوص افراد کو بہ طور فضل خاص ممکن ہے۔ البتہ ہر جہت، جسم اور مادّی کم وکیف سے پاک۔ وقد اختلف فی جواز رویة الله تعالٰى فاكثر المبتدعة على انكارها فی الدنيا والآخرة واهل السنة والسلف على جوازها فيهما و وقوعها فی الآخرة (قرطبی) الممكن ان يرى روية منزّهة عن الكيفية وذٰلك للمومنين فی الآخرة و لافراد من الانبياء فی بعض الاحوال فی الدنيا (بیضاوی) رہی ان کی یہ سزا تو اس کے اسباب بالکل دوسرے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ پیمبر علیہ السلام کی بات کو جھٹلا رہے تھے (حالانکہ ظہور معجزات ودلائل کے بعد پیمبر علیہ السلام پر ایمان لانا فرض ہو جاتا ہے) یا یہ کہ وہ سوال اپنے رفع جہل کے لیے نہیں، بلکہ بطور انکار، ازراہِ عناد کر رہے تھے۔ انما عوتبوا بكفرهم لانهم امتنعوا عن الايمان بموسٰى بعد ظهور معجزاته والايمان بالانبياء واجب بعد ظهور معجزاتهم ولانهم لم يسألوا سوال استرشاد بل سوال تعنت وعناد (مدارک) ف۱۸۶ توریت میں ہے:۔ ”اور یوں ہوا کہ تیسرے دن صبح کو بادل گرجے اور بجلیاں چمکیں اور پہاڑ پر کالی گھٹا اُمڈی اور قرنائی کی آواز بہت بلند ہوئی، چنانچہ سب لوگ ڈیروں میں کانپ کانپ گئے“۔ (خروج۔ ۱۹:۱۶) وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ مفسر ابن حیان نے کہا ہے کہ ینظرون عربی میں ینتظرون کے معنی میں بھی آتا ہے اس لیے اگر کوئی یہ مراد لے کہ ”تم سوال رویت کے مقبول ہونے کا انتظار کر رہے تھے“۔ تو اس معنی کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اگرچہ کسی سے یہ مفہوم منقول نہیں۔ ولكن هذا الوجه ليس بمنقول فلا اجسر على القول به وان كان اللفظ يحتمله (بحر) ف۱۸۷ یہ احیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش پر ہوا تھا۔ اسرائیلی روایات اس باب میں خاموش ہیں بَعَثْنٰكُمْ ”جلا اٹھایا تم کو“ یعنی انہیں ستر بزرگانِ قوم کو۔ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ۔ موت اور بعث دونوں کے کھلے ہوئے معنی مرنے اور جی اُٹھانے کے ہیں۔ اور ایسا ہی مفسرین نے عموماً سمجھا ہے۔ بلکہ یہ کہہ دیا ہے کہ بعد موت کے قید لگائی ہی اس لیے گئی ہے کہ بعث کو کوئی غشی یا نیند کے بعد نہ سمجھے۔ اے احییناکم (قرطبی) ماتوا وذهبت ارواحهم ثم رد والاستيفاء آجالهم (قرطبی) وقيد البعث لانه قديكون عن اغماء او نوم (بیضاوی) والموت هنا ظاهره مفارقة الروح الجسد وهذا هو الحقيقة (بحر) بحر، روح وغیرہ میں ایک دوسرا قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ موت حقیقی نہ تھی، بلکہ بیہوشی کی قسم سے مجازی موت تھی ف۱۸۸ (اور آئندہ توحید اور ایمان پر پوری طرح قائم رہو) بعض تفسیروں میں یہاں یہ قصہ نقل ہوا ہے کہ یہ ستر اشخاص بعد کو حضرت موسیٰ کی دعا سے نبی ہو گئے۔ لیکن یہ قصہ بے اصل ہے۔ هذا غريب جدًا (ابن کثیر) و هو بعيد (روح) ف۱۸۹ (تمہیں آفتاب کی تپش سے بچانے کے لیے جب کہ تم صحرائے سینا میں بھٹک رہے تھے) جزیرہ نمائے سینا جیسے ریگستانی ملک اور چٹیل میدان کی دُھوپ میں سایہ میسر آ جانا واقعی سایۂ رحمت سے کم نہیں۔ توریت میں ستونِ ابر اور ستونِ زر دونوں کا ذکر بہ طور معجزہ کے ہے۔ سیاقِ قرآنی سے معجزہ کا پہلو لازم نہیں آتا۔ ذکر عام نعمتوں کا ہو رہا ہے جو بنی اسرائیل پر ان کی تاریخ کے اہم ترین دَور میں برابر نازل ہوتی رہیں۔ اور قرآن مجید نے عام مستقل اور بہ ظاہر طبیعی اسباب سے پیدا شدہ نعمتوں کو کہیں بھی معجزانہ وخارقانہ نعمتوں سے کم اہمیت نہیں دی ہے۔ توریت میں ہے:۔ ”اور خداوند دن کو بدلی کے ستون میں ہو کے تا کہ انہیں راہ بتائے اور رات کو آگ کے ستون میں ہو کے تا کہ انہیں روشنی بخشے اُن کے آگے چلا جاتا تھا تا کہ دن رات چلے جائیں اور بدلی کا ستون دن کو اور آگ کا ستون رات کو اُن کے آگے سے ہرگز نہ اُٹھاتا تھا۔“ (خروج۔ ۱۳:۲۱و۲۲) روایاتِ یہود میں حسب بیان جیوش انسائیکلوپیڈیا (جلد ۴ صفحہ ۱۲۳) یہ تصریح بھی موجود ہے کہ بنی اسرائیل جب کثرتِ معاصی میں مبتلا ہو جاتے تھے تو یہ ابر اُن پر سایہ کرنا چھوڑ دیتا تھا۔ اَلْغَمَامَ۔ قرآن مجید نے اسے محض ابر بتایا ہے۔ یہود اسے تختِ خداوندی سمجھتے تھے ف۱۹۰ (اُسی دشتِ سینا میں انزل۔ ”اتارا“ سے یہ مراد لازمی طور پر نہیں ہوتی کہ وہ چیز کسی غیر طبیعی، معجزانہ طریق پر اُتری ہو۔ پانی، لوہا، کھانے کے سامان وغیرہ جو اپنے معمولی اور طبیعی طریقوں پر انسان کے کام کے لیے پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان سب کے لیے قرآن مجید کی زبان میں 'اتارنے' ہی کا لفظ آیا ہے۔ مَنّ اہلِ لغت کی تحقیق میں یہ ایک میٹھی میٹھی رطوبت تھی

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ

یہی بہتر ہے تمہارے حق میں تمہارے خدا کے نزدیک ف۱۸۰ پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کرلی ف۱۸۱

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَ اِذْ قُلْتُمْ

بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے ف۱۸۲، اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا تھا

يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً

کہ اے موسیٰ ہم ہرگز نہ باور کریں گے تمہارے (کہنے سے) ف۱۸۳ جب تک کہ ہم خدا کو دیکھ نہ لیں علانیہ، ف۱۸۴

فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ

سو (اس پر) تم کو آ لیا کڑک نے، ف۱۸۵ اور تم (اس کا آنا) دیکھ رہے تھے ف۱۸۶۔ پھر

بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ہم نے تم کو جلا اٹھایا تمہارے مرے پیچھے، ف۱۸۷ کہ شاید تم شکر گزار بنو ف۱۸۸

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ

اور ہم نے تمہارے اوپر ابر کا سایہ کر دیا، ف۱۸۹ اور ہم نے تمہارے اوپر مَنّ و سلویٰ

وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ

اتارا ف۱۹۰ کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دے رکھی ہیں ف۱۹۱

وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور انہوں نے زیادتی ہم پر نہیں کی بلکہ زیادتی اپنی ہی جانوں پر کرتے رہے ف۱۹۲

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا ف۱۹۳ کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ ف۱۹۴ اور اس میں

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ

جہاں سے چاہو خوب کھاؤ پیو ف۱۹۵ اور دروازہ (شہر) میں عاجزی سے

جو درختوں پر گرا کرتی تھی۔ المنّ شیٌ کالطّلّ فیه حلاوة یسقط علی الشجر (راغب)۔ عربی میں اسم جنس ہے، خیر وشر کی طرح، جس کا واحد نہیں آتا۔ اسم جنس لا واحدله من لفظه مثل الخیر والشر قاله الاخفش (قرطبی)۔ معنی اس کے متعدد بیان کیے گئے ہیں، میٹھا گوند، شہد، شربت وغیرہ۔ لیکن اکثر کا خیال ہے کہ یہ ترنجبین کے مرادف ہے۔ الترنجبین وعلی هذا اکثر المفسرین (قرطبی) الاکثرون علی ان المنّ هو الترنجبین (معالم) اور ترنجبین سے متعلق قدیم طب کی کتابوں میں یہ درج ہے کہ شہد کی طرح جمی ہوئی اور لذیذ، آسمان سے گرنے والی شبنم کی قسم کی چیز ہے۔ الترنجبین طل یقع من السماء وهو ندیٌّ شبیه بالعسل جامد متحبّبٌ (مفردات ابن البیطار)۔ بہر حال اتنا یقینی ہے کہ کوئی لذیذ قدرتی غذا تھی جو بنی اسرائیل کو مسلسل مسافرت کے زمانہ میں، بلا مشقت وتعب مل جاتی تھی۔ توریت کی تصریحات اس بارہ میں حسب ذیل ہیں:۔ ’’صبح کو لشکر کے پاس اوس پڑی۔ اور جب اوس پڑ چکی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیابان میں ایک چھوٹی چھوٹی گول چیز ایسی سفید جیسے برف کا چھوٹا ٹکڑا زمین پر پڑی ہے، اور بنی اسرائیل نے دیکھ کر آپس میں کہا کہ مَن ہے۔ کیونکہ انہوں نے نہ جانا کہ وہ کیا ہے۔ تب موسیٰ نے انہیں کہا کہ یہ روٹی ہے جو خداوند نے کھانے کو تمہیں دی ہے۔‘‘ (خروج۔ ۱۶: ۱۴ و ۱۵) ’’اسرائیل کے گھرانے نے اس کا نام مَن رکھا اور وہ دھنیے کے بیج کی طرح سفید تھی، اور مزہ اس کا شہد میں ملی ہوئی چپلوری کا تھا۔‘‘ (خروج۔ ۱۶: ۳۱) ’’اور مَن سوکھے دھنیے کی مانند تھا۔ اور اس کا رنگ موتی کے دانہ کا سا تھا۔ لوگ اِدھر اُدھر جا کر اُسے جمع کرتے تھے۔ اور چکی میں پیستے تھے۔ یا اوکھلی میں کوٹتے تھے، اور توؤں پر پکاتے تھے اور پھلکیاں بناتے تھے۔ اس کا مزہ تازہ تیل کا سا تھا اور رات کو جب خیموں پر اوس پڑتی تھی تو مَن بھی اُن پر پڑتا تھا۔‘‘ (گنتی۔ ۱۱: ۸۔ ۱۱) سلوی۔ ایک قسم کا بٹیر ہے۔ بٹیر جزیرہ نمائے سینا کا خاص جانور ہے۔ بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ گرمی میں شمال کی طرف چلا جاتا ہے۔ جاڑے میں جنوب کی طرف پھر آجاتا ہے۔ اُڑتا اونچا نہیں۔ بہت نیچے رہتا ہے۔ تھک بہت جلد جاتا ہے اور شکار بڑی آسانی سے ہو جاتا ہے۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۵)۔ اس کا شمالی سفر مصر سے فلسطین کی جانب عموماً مارچ میں ہوتا ہے۔ اور جنوبی فلسطین سے مصر کی طرف عموماً نومبر میں۔ یہ اسرائیلی بٹیر وہ تھے جو مارچ اپریل میں رات کے وقت اپنی شمالی پرواز میں ہوتے ہیں۔ بحر قلزم شمال میں جہاں دو حصوں میں تقسیم ہوا ہے، وہاں تک یہ اپنے سالانہ اُڑان میں آتے ہیں۔ اور وہاں سے جزیرہ نمائے سینا کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ سمندری ہوا ان کی بے شمار تعداد بہ آسانی اسرائیلیوں کے ڈیروں تک لے آتی تھی (ڈکشنری آف دی بائبل۔ از ڈاکٹر ہیسٹنگز۔ جلد ۴ صفحہ ۱۷۹) ان کا گوشت چربی دار ہوتا ہے، رکھنے سے بہت جلد خراب ہو جاتا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا ببلیکا، کالم ۳۶۹۹)۔ واضح رہے کہ سارے رکوع میں اور اس کے بعد بھی ذکر بنی اسرائیل کے ساتھ حق تعالیٰ کے معاملات کا ہے۔ اور ان معاملات کو حق تعالیٰ نے بہ طور اپنے احسانات وانعامات کے گنایا ہے۔ ضرور نہیں کہ یہ سارے واقعات اپنے عام طبیعی اسباب سے ہٹ کر بہ صورتِ معجزات ہی پیش آئے ہوں۔ اصل مقصود یہاں احسانات والطاف خداوندی کی یاد دہی ہے۔ خواہ وہ حسب عادت ہوں، خواہ بہ طور خارق عادت۔ یعنی قانونِ تکوینی کی عام دفعات کے ماتحت، یا کسی خصوصی دفعہ کے مطابق۔ اہل تفسیر نے عموماً ابر کی سایہ افگنی، مَن وسلویٰ کے نزول، اور چٹان سے چشمہ کی روانی، سب کو معجزات میں شمار کیا ہے۔ لیکن کسی کی تحقیق میں اگر یہ سب امور عام واقعاتِ طبیعیہ میں داخل ہوں اور ان کی توجیہ عام اور معمولی قوانین تکوینی کے ماتحت ہو جائے، یا آج کل کی اصطلاح میں ان کے سائینٹفک اسباب دریافت ہو جائیں، تو اس کا اثر ارشادات قرآنی پر مطلق نہیں پڑے گا۔ اُن کی احسانی اور انعامی حیثیت بہر صورت قائم رہتی ہے۔ اور اسی کی تذکیر قرآن کا مقصود ہے۔ توریت میں البتہ اس کے برعکس، سارا زور ان واقعات کی معجزانہ حیثیت پر ہے **ف۱۹۱** (اور ان چیزوں کا ذخیرہ نہ کرو۔ روز کی روز خرچ کرتے رہو) حکم اسرائیلیوں کو یہ ملا تھا کہ بلا ضرورت ان غذاؤں کا ذخیرہ نہ کرتے جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ’’ذخیرہ اندوزی‘‘ Hoarding کی عادت یہودیوں کی آج کی نہیں، بہت قدیم ہے **ف۱۹۲** (اس حکم کی خلاف ورزی کر کے) مرشد تھانوی مدظلہٗ نے فرمایا کہ باوجود معاصی کے نعمتوں کا جاری رہنا استدراج اور سخت خطرناک ہے۔ اور اس میں جاہل صوفیوں کو سخت دھوکا ہوا ہے، چنانچہ وہ کثرتِ جاہ ومال کو علامت مقبولیت کی سمجھتے ہیں۔ حرص میں مبتلا، توکل سے ناآشنا، اور نافرمانی کے عادی بنی اسرائیل سے تعمیل اتنے معمولی حکم کی بھی نہ ہونے پائی۔ لگے ان غذاؤں کا ذخیرہ فراہم کرنے، اور لطیف غذائیں باسی ہو ہو کر سڑنے لگیں۔ توریت میں ہے:۔ ’’اور باوجودیکہ موسیٰ نے کہا کہ کوئی اس میں سے صبح تک باقی نہ چھوڑے۔ وہ اس کے سننے والے نہ ہوئے۔ اور بعضوں نے صبح تک کچھ رہنے دیا۔ سو اس میں کیڑے پڑ گئے اور سڑ گیا۔‘‘ (خروج۔ ۱۶: ۲۰) یہود جو مشرک قوموں کے اثر سے عقیدۂ تجسیم کے قائل تھے۔ یعنی خدا تعالیٰ کو بھی بشری اوصاف سے متصف جانتے تھے، اور اس کے تاثر وانفعال کے معتقد تھے، انہیں یہ بار بار بتانے اور یاد دلانے کی ضرورت تھی کہ خدا تعالیٰ کسی نفع ونقصان سے متاثر نہیں ہوا کرتا۔ یہ انسان ہی ہے جو احکامِ الٰہی کی نافرمانی کر کے نقصان اُٹھاتا ہے دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی **ف۱۹۳** (بنی اسرائیل سے اُن کے پیمبر علیہ السلام کی وساطت سے) یہ واقعہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا ہے تو وہی مراد ہیں، اور اگر ان کے بعد کا ہے تو ان کے جانشین حضرت یوشع علیہ السلام۔ قرآن مجید، جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے، توریت کے بعض حصوں کی طرح تاریخ کی کوئی کتاب نہیں۔ اس لیے اس کے بیانات میں تسلسل زمانی اور ترتیب تاریخی ہرگز ضروری نہیں۔ اس کا مقصود صرف نتائج وعبر ہیں، اخلاقی ورُوحانی سبق، نہ کہ واقعات کی رُوداد، اس ایک حقیقت کو پیش نظر نہ رکھنے سے یہود ونصاریٰ آج قرآن فہمی میں طرح طرح کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، یہ واقعہ جس کا ذکر اب شروع ہو رہا ہے۔ تاریخ اسرائیل ہی کا ایک مسلّم واقعہ ہے۔ زمانہ تاریخی اس کا جو کچھ بھی ہو۔ **ف۱۹۴** یہ بستی کون سی تھی؟ ممکن ہے کہ فلسطین کا مشہور شہر اریحا ہو۔ جو موجودہ نقشوں میں Jericho کے نام سے ملے گا۔ یہ بحر مُردہ کے شمالی ساحل سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اسے اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں فتح کیا تھا۔ قدیم ائمہ تفسیر کا رُخ، بیت المقدس کے بعد پھر اسی شہر کی جانب ہے قریة اریحا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) هی اریحا قریة من بیت المقدس (ابن جریر۔ عن ابن زید) اس کے علاوہ بھی متعدد شہروں اور مقامات کے نام لیے گئے ہیں۔ بعض شہروں کے نام تک اب بدل گئے ہیں۔ مثلاً ایلہ کہ اب اُسے عقبہ کہتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مراد شہر سطیم ہو۔ یہ علاقہ موآب میں واقع ہے، جو بحر مُردہ کے مشرق میں ہے۔ شہر دریائے یردن کے مشرق (بائیں) کنارہ پر ہے۔ بحر مُردہ کے شمال ومشرق میں۔ بنی اسرائیل کی دشت پیمائی کے زمانہ میں یہ شہر گویا اُن کا سرحدی ناکہ تھا، عربی میں اُسے وادی النار بھی کہتے ہیں اور وادی ستی مریم بھی۔ بعض مفسرین نے جوردون کا نام لیا ہے، اُس سے بھی یہی مراد معلوم ہوتا ہے **ف۱۹۵** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر خوب وسیع اور خوب آباد و پر رونق تھا۔ **ف۱۹۶** (بہ طور اظہار عجز ونیاز وعبودیت کے) کہ یہی شان مومنین مخلصین کی ہے۔ البٰاب۔ دروازہ سے مراد شہر کا پھاٹک ہے۔ قدیم شہروں کے اردگرد ایک بلند چہار دیواری شہر پناہ کے نام سے مشہور ہوتی تھی شہر میں داخل ہوتے وقت اسی شہر پناہ کے پھاٹک سے گزرنا ہوتا تھا سُجَّدًا یہاں اپنے لغوی معنی میں ہے یعنی عاجزی سے فروتنی کے ساتھ۔ سجدۂ نماز کی ہیئت مخصوص مراد نہیں سجدًا ای متذللین منقادین (راغب) خاشعةً خاضعةً (ابن جریر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما) اراد به الخضوع وهو الاقرب (کبیر) قیل متواضعین خضوعًا لاعلی هیئة متعینة (قرطبی) توریت اس اہم جزو کے تذکرہ سے خالی ہے۔ **ف۱۹۷** گویا زبان بھی قلب واعضاء کی طرح اظہار تذلل کرتی رہے۔ یہ فرق ہے اللہ والوں کے لشکر اور دنیا دار بادشاہوں کے لشکروں کے داخلہ میں، ایک کے ہاں قومی بینڈ اور ترانے بجتے ہوتے ہیں۔ وطنی نعرے لگتے ہوتے ہیں۔ یعنی قدم قدم پر قومی شیخی اور وطنی بڑائی کا اظہار دُوسرے کے ہاں قلب خشوع سے لبریز اور زبان پر تسبیح قُوْلُوْا حِطَّةٌ سے یہ مراد نہیں کہ بعینہٖ لفظ حِطَّةٌ کا تلفظ ادا کرتے جاؤ۔ یہ لفظ تو عربی ہے، اور اسرائیلیوں کی زبان عربی نہیں۔ عبری یا عبرانی تھی۔ مراد یہ ہے کہ انہیں زبان سے بھی کلمات توبہ واستغفار ادا کرتے رہنے کا حکم ملا تھا۔ وقد روی عن ابن عباس انهم اُمِرُوا بهذا اللفظة بعینها وهذا محتمل ولکن الاقرب خلافه بوجهین احدهما ان هذه اللفظة عربیة وهم ما کانوا یتکلّمون بالعربیة وثانیهما وهو الاقرب انهم اُمِروا بان یقولوا قولًا دالًّا علی التوبة والندم والخضوع (کبیر) ولا تتوقف التوبة علی ذکر لفظة بعینها (روح) اور ایسا ہی صاحب بحر نے بھی کہا ہے۔ تفسیر قرطبی اور ابن العربی مالکی کی احکام القرآن میں یہاں طویل بحث اس کی موجود ہے کہ آیا شریعت کے الفاظ میں تبدیلی جائز ہے؟ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ جہاں الفاظ ہی تعبّد کے ہوں، یعنی

سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ

جھکے ہوئے داخل ہونا ف۱۹۶ ۔ اور کہتے جانا توبہ ہے ف۱۹۷ ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے

وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

اور ہم نیک کاروں کو زیادہ ہی دیتے ہیں ف۱۹۸ مگر ان زیادتی کرنے والوں نے

قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى

جو انہیں بتایا گیا تھا اس کے خلاف ایک اور کلمہ بدل ڈالا ف۱۹۹ سو ہم نے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا

ان زیادتی کرنے والوں پر ایک بلا آسمان سے نازل کی ف۲۰۰ اس سبب سے کہ وہ نافرمانی

يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا

کرتے رہے تھے ف۲۰۱ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا مانگی ف۲۰۲ سو ہم نے کہا

اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

(اے موسیٰ) اپنا عصا (فلاں) پتھر پر مارو ف۲۰۳ تو اس میں سے بارہ چشمے

عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ

پھوٹ نکلے ف۲۰۴ (اور) ہر گروہ نے اپنا (اپنا) گھاٹ معلوم کر لیا ف۲۰۵

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي

کھاؤ پیو اللہ کے (دیئے ہوئے) رزق میں سے، اور زمین پر فسادی بن کر

الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى

مت پھرو ف۲۰۶ اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم

لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا

ہرگز ایک کھانے پر بس نہیں کر سکتے ف۲۰۷ سو اپنے پروردگار سے ہمارے لئے

ع ۶ / ۲

لم انہی الفاظ ہی کا ہو، وہاں تبدیلی جائز نہیں، لیکن جہاں اصل مقصود معانی ہوں، وہاں لفظی تبدیلی جائز ہے بشرطیکہ معنوی تغیر تک نہ پہنچ جائے **ف۱۹۸** یعنی ان لوگوں کو جو نیک کاری میں اخلاص کامل سے لگے ئے ہیں۔ عفو ومغفرت کا وعدہ تو سب ہی توبہ کرنے والوں سے ہو چکا۔ اس کے بعد یہ ذکر مزید فضل وکرم کا ہے **ف۱۹۹** یعنی جو الفاظ انہیں تلقین کیے گئے تھے انہیں چھوڑ چھاڑ کچھ اور کلمے ہزل اور تمسخر کے بان پر لانے لگے۔ یہ کلمے کیا تھے، اس میں روایتیں مختلف ہیں مگر ماحصل سب کا ایک ہی ہے کہ بجائے توبہ وانابت کے اب وہ کام تمسخر واستہزاء سے لے رہے تھے و معنی الاٰیة انهم وضعوا مکان ما مروا به من التوبة والاستغفار قولاً مغائرًا له مُشعرًا باستهزاء هم بما اُمروا به کل ذٰلک عدم مبالاة باوامر الله (بحر) **ف۲۰۰** رِجْزًا۔ رجز عام ہے ہر عذاب کے لیے خواہ وہ کسی صورت میں ہو الرجز هو العذاب (لسان) لفظ کی تنوین عذاب کی شدت وہیبت کے اظہار کے لیے ہے والتنوین للتهويل والتفخيم (ابوسعود) مِنَ السَّمَآءِ سے مراد یہ نہیں کہ وہ عذاب، برف، بارش غیرہ کی طرح آسمان سے نازل ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ بلکہ یہ فقرہ اس حقیقت کے نمایاں کرنے کے لیے ہے کہ وہ عذاب آسمانی حاکم کی طرف سے نازل ہوا تھا۔ ارضی اسباب سے خود بخود پیدا نہیں ہو گیا تھا۔ اے مقدرٌ من السماء (بیضاوی) الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا کی تکرار آیت میں، ان ظالموں کے ظلم نمایاں کرنے کے لیے ہے فی تکریر الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا زيادة في تقبيح امرهم وايذانًا بان انزال الرجز عليهم لظلمهم (کبیر) ولم يضمره تعظيمًا للامر (قرطبی) یہ عذاب تھا کس صورت میں؟ ہمارے ہاں روایتیں طاعون کی نقل ہوئی ہیں بعث الله عليهم الطاعون (کبیر۔ عن ابن زید) الطاعون (کبیر۔ عن وہب) والمراد به الطاعون (بیضاوی) تاریخ بنی اسرائیل میں آتا ہے کہ طاعون اس قوم پر بار بار آیا۔ اور بائبل میں اس کا ذکر متعدد مقامات پر ہے۔ آیت ماقبل میں اگر قریہ سے مراد شہر سطیم ہی لیا جائے جو موآب کے علاقہ میں ہے تو اس کے طاعون کا تو مفصل ذکر بائبل میں موجود ہے:۔ ”سو اسرائیل سطیم میں مقیم ہوئے اور اُن لوگوں نے موآبیوں کی بیٹیوں سے حرامکاری شروع کی۔ انہوں نے اپنے معبودوں کی قربانیوں پر لوگوں کی دعوت کی۔ لوگوں نے کھایا اور ان کے معبودوں کو سجدہ کیا۔ اور اسرائیلی بعل فغور سے ملے تب خداوند کا قہر بنی اسرائیل پر بھڑکا“ (گنتی۔ ۲۵:۲۔۴) ”وہ جو اس وبا میں مرے چوبیس ہزار تھے۔ (گنتی۔ ۲۵:۹)

ف۲۰۱ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۔ اے بسبب فسقهم المستمر (ابوسعود) كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ کا صیغہ دوام، عادت واستمرار پر دلالت کر رہا ہے۔ یہاں یہ صاف کر دیا کہ طاعون کا اصل سبب طبی یا طبعی نہ تھا، روحانی یا اخلاقی بد پرہیزیاں یا نافرمانیاں تھیں۔ قوانین تکوینی کی خلاف ورزی نہیں، اصل باعث شریعت موسوی کی خلاف ورزی تھی۔ شریعت کی خوردبین نگاہ امراض اور معاصی کے اُن خفی ومخفی تعلقات تک بہ آسانی پہنچ جاتی ہے، جو دنیا کے بڑے بڑے حاذق طبیبوں کی نظروں سے پوشیدہ رہ جاتے ہیں۔ عارف رُومی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ کہا ہے ؎ ابر ناید از پے منع زکات وز زنا خیزد وبا اندر جہات فقہاء نے آیت سے اہلِ بدعت کا ظالم اور سزاوارِ غضب ہونا نکالا ہے۔ بدعت کہتے ہیں دین میں ایسے نئے امر کے پیدا کرنے کو جس کا نشان اصل شریعت میں نہ موجود ہو۔ اور قرطبی نے کہا ہے کہ جب لفظی تبدیلی یہ نوبت پہنچا دیتی ہے تو عملی تحریف کی شناعت کا کیا ٹھکانا! والقول انقص من العمل فكيف بالتبديل والتغيير في الفعل (قرطبی) **ف۲۰۲** اب قوم اسرائیل فلسطین سے دُور اور مصر سے الگ، دونوں کے درمیان معلق، جزیرہ نمائے سینا کے لق ودق بیابان وریگستان میں اپنے خیمہ وخرگاہ کے ساتھ کوچ درکوچ ایک مقام سے دوسرے مقام اور ایک منزل سے دُوسری منزل کو منتقل ہو رہی ہے۔ قدیم گلہ بان قوموں میں یہ دستور عام تھا اور آج بھی بہت سی خانہ بدوش قوموں میں عام ہے، خشک ملک اور پھر مقامی جغرافیہ سے ناواقفیت، چلتے چلتے یہ لوگ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی نایاب تھا اور ساتھ کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ صورت حال کا ذرا تصور کیجئے۔ پیاس سے بے حال اور بیدم تو ہو ہی رہے تھے، مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے اور لگے اپنی جھنجھلاہٹ اور غصہ اپنے رہبر اور سردار حضرت موسیٰ پر تارنے۔ توریت میں ہے:۔ ”تب سارے بنی اسرائیل کی جماعت نے اپنے سفروں میں خداوند کے فرمان کے مطابق سین کے بیابان سے کوچ کیا۔ اور رفیدیم میں ڈیرا کیا، وہاں لوگوں کے پینے کو پانی نہ تھا۔ سو لوگ موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑنے لگے۔ اور کہا کہ ہم کو پانی دے کہ پیویں...... موسیٰ نے خداوند سے فریاد کر کے کہا کہ میں ان لوگوں سے کیا کروں۔ وہ سب تو مجھے ابھی سنگسار کرنے کو تیار ہیں“۔ (خروج۔ ۱۷:۱۔۴) اور قدیم ترین یہودی مؤرخ جوزیفس کی تاریخ آثار یہود میں ہے:۔ ”وہ مقام رفیدیم میں پہنچے جہاں پیاس کی شدت سے بیتاب ہو رہے تھے...... یہاں کی سرزمین میں پانی کا یک قطرہ نہ پایا۔ اس پر یہ لوگ غصہ میں بھر کر پھر موسیٰ پر ٹوٹ پڑے...... لیکن وہ خدا کے آگے دُعا میں زاری کے ساتھ مشغول ہو گیا“۔ (باب ۳۔ فصل ۲) پیمبر بھی غیب داں، ہمہ بین نہیں ہوتے۔ جب تلاش کے بعد مایوسی ہو چکی تھی تو بجز دُعا اور مناجات کے اور کیا کرتے؟ البتہ خود توریت ہی میں ایک دوسری جگہ مقام کا نام بجائے رفیدیم کے قادس (قدیش) درج ہے اور تفصیلات تقریباً سب وہی:۔ ”بعد اس کے بنی اسرائیل کی ساری جماعت پہلے دشت صین کو آئی اور قادس میں رہنے لگی...... وہاں جماعت کے لیے پانی نہ تھا۔ سو وہ جمع ہو کے موسیٰ وہارون کے برخلاف ہوئے اور اُن لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑا کیا اور کہا...... یہاں تو پینے کو پانی ہی نہیں، تب موسیٰ وہارون علیہما السلام جماعت کے سامنے سے جماعت کے خیمہ کے دروازہ پر گئے اور مونہہ کے بل گرے (گنتی۔ ۲۰:۱۔۲)

اس بناپر علماء اہل کتاب میں باہم سخت اختلاف پڑ گیا ہے کہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا، وہ مقام کون سا تھا۔ لیکن بہر حال وہ مقام کوئی سا بھی ہو، اور ایک ہو یا دو ہوں۔ نفس اس واقعہ کا وقوع کوئی اختلافی ونزاعی مسئلہ نہیں اور یہ تاریخ بنی اسرائیل کے مسلمات میں سے ہے اِسْتَسْقٰی لفظی معنٰی ہیں کہ پانی طلب کیا۔ پانی کی تلاش کی۔ اور مراد یہ ہے کہ پانی کے لیے دُعا کی ای دعا لھم موسٰی بالسقیا (کشاف) مشہور ماہر اثریات سر فلنڈرز پٹری (Petrie) ۳۰ آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ ۵۔۱۹۰۴ء میں اسی جزیرہ نمائے سینا کی تحقیقی مہم پر روانہ ہوئے، اُن کے مشاہدات کا خلاصہ ایک دوسرے ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن کی زبان سے سنیے:۔ ''یہ وسیع بیابانی علاقہ سیاہ اور سرخ رنگ کی پہاڑیوں سے لبریز ہے۔ جس میں کہیں کہیں سبزہ زار بھی ہیں اور گہری گہری وادیاں اور شگاف جابجا نخلستان کے ساتھ فاصلے جو نقشہ پر قریب قریب معلوم ہوتے ہیں، ان ہمواریوں کے باعث عملاً بڑے لمبے لمبے ہیں۔ پینے والے پانی کے کافی ذخیرہ کی فراہمی کی مشکلات جو اسرائیلیوں کو اپنی صحرانوردی کے زمانہ میں پیش آئی تھیں، آج بھی ان کا تجربہ ہو رہا ہے'' و۲۰۳ (تاکہ اسی چٹان سے پانی کا چشمہ جاری ہو جائے۔ پہاڑی چشمہ، پہاڑوں کے اندر سے پانی کے اُبلتے ہوئے دھارے ہر ایک کے مشاہدہ میں آچکے ہیں۔ حضرت موسٰی نے جب پانی کے لیے بارگاہ الٰہی میں عرض کی تو انہیں ہدایت ہوئی کہ فلاں پہاڑی تک چلے جاؤ، چٹان پر اپنا عصا مارو، پانی اُبلنے لگے گا۔ توریت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ

دعا کر دیجیے ان چیزوں کی جنہیں زمین اگاتی ہے و۲۰۸

بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ

ساگ ہوا، ککڑی ہوئی، گیہوں ہوا، مسور ہوئی، پیاز ہوا و۲۰۹

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ

(موسٰی نے) کہا تو کیا جو چیز ادنٰی ہے تم اسے لینا چاہتے ہو اس چیز کے مقابلہ میں جو

خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ

بہتر ہے (تو خیر) کسی شہر میں اتر پڑو (وہیں) مل جائے گا جو کچھ تم مانگتے ہو و۲۱۰

وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَ بَآءُوْ

اور ان پر جما دی گئی ذلت اور محتاجی و۲۱۱ اور وہ

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے و۲۱۲ یہ (سب) اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی نشانیوں سے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ

انکار کرتے رہتے تھے، و۲۱۳ اور انبیاء کو ناحق قتل (تک) کر ڈالتے تھے و۲۱۴

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ

یہ (سب) اس لئے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ بڑھ جاتے تھے و۲۱۵ بے شک

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى

جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، و۲۱۶ اور جو لوگ یہودی ہوئے و۲۱۷ اور نصاریٰ و۲۱۸

وَ الصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور صابی و۲۱۹ (غرض) جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے و۲۲۰

ع ۷

پہاڑی جس سے چشمہ اُبلا، حورب یا حرب میں واقع تھی:۔ ''خداوند نے موسٰی علیہ السلام کو فرمایا کہ لوگوں کے آگے جا اور بنی اسرائیل کے بزرگوں کو اپنے ساتھ لے اور اپنا عصا جو تو نے دریا پر مارا تھا اپنے ہاتھ میں لے اور جا۔ دیکھ کہ میں وہاں قرب کے چٹان پر تیرے آگے کھڑا ہوں گا۔ تو اس چٹان کو ماریو، اس سے پانی نکلے گا تاکہ لوگ پیویں۔ چنانچہ موسٰی نے بنی اسرائیل کے بزرگوں کے سامنے یہی کیا۔'' (خروج۔۱۷:۵و۶) عصا۔ معروف ومتعارف معنٰی لاٹھی یا ڈنڈے کے ہیں۔ موسٰی کے اس عصا کا ذکر قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے۔ اس کے یہ کھلے ہوئے معنٰی چھوڑ کر ایک مجازی معنٰی (جو صرف عصا المسلمین وغیرہ کی ترکیب میں جائز ہے) ''جماعت، یا گروہ'' کے کرنا لغت پر ظلم کرنا ہے۔ اَلْحَجَرَ سے مراد کوئی خاص چٹان ہے جو حضرت موسٰی کے علم میں تھی۔ الاشارة الٰی حجرٍ معلومٍ (کبیر) اللام فیه للعهد (بیضاوی) کان حجرًا معینًا بدلیل انه عرفه بالالف واللام (معالم) فَاضْرِبْ۔ ضرب۔ کے عام ومعروف معنٰی مارنے کے ہیں۔ چلنے کے معنٰی اسی صورت میں ہوتے ہیں جب فعل ضرب کا صلہ ''فی'' کے ساتھ آئے۔ مثلاً ضَرَبَ فِی الْاَرْضِ۔ ''روشن خیالی'' کے مرض میں مبتلا معاصرین نے جو آیت کا ترجمہ ''اے موسٰی اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چلے جاؤ'' کیا ہے، یہ جس طرح لغت وقواعدِ زبان کے خلاف ہے۔ اسی طرح تاریخ کے بھی بالکل مخالف، اور اپنی تائید میں کوئی دلیل کسی قسم کی نہیں رکھتا، نہ عقلی نہ نقلی۔ و۲۰۴ یعنی اس پہاڑی چشمہ سے بارہ دھارے یا بارہ ٹونٹیاں الگ الگ جاری ہو گئیں۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کی تعداد کے عین مطابق۔ بعض نادان مسیحیوں نے اس تعداد پر اعتراض کر دیا کہ یہ تو بائبل میں موجود نہیں، قرآن نے کہاں سے گڑھ کر کہہ دیا؟ قدرت نے سوال کا جواب بھی مسیحیوں کی زبان سے دلوا دیا۔ جارج سیل، انگریزی میں قرآن کریم کا قدیم ترین مترجم ہے۔ آیت کے حاشیہ پر لکھتا ہے:۔ ''ایک مسیحی سیاح جو وہاں ہو آیا ہے۔ بتصریح بیان کرتا ہے کہ چٹان سے پانی بارہ مقامات سے نکلتا تھا۔'' اور ایک دُوسرے مسیحی سیاح کا مشاہدہ بیان کرتا ہے:۔ ''چٹان میں اس وقت ۲۴ سوراخ موجود ہیں، جو بہ آسانی شمار کیے جا سکتے ہیں۔ ۱۲ ایک طرف ہیں اور ۱۲ اُن کے مقابل جانب۔'' پادری ڈین اسٹینلی (Dean Stanley) نے جو انیسویں صدی میں مسیحیت کے ایک ممتاز رکن ہوئے ہیں، صدی کے وسط میں بائبل کے مقاماتِ مقدسہ کی جغرافی تحقیق کے لیے بہ نفس نفیس فلسطین اور اس کے ملحقات کا سفر کیا۔ اور اپنے مشاہدات وتحقیقات پر ایک مستقل تصنیف Sinai and Palestine کے نام سے شائع کی۔ اُس میں اس چٹان کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:۔ ''یہ چٹان دس اور پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے آگے کی طرف ذرا خمیدہ ہے اور راس سفصفہ کے قریب لیجا کی وسیع وادی میں واقع ہے۔ شگاف اور دراز جابجا پڑے ہوئے ہیں، کچھ مٹے ہوئے ہیں، کچھ بڑے ہیں، کچھ چھوٹے، گنتی میں اگر سب کو لیا جائے تو بیس ہوتے ہیں، اگر بعض کو چھوڑ دیا جائے تو دس۔ سب سے پہلے قرآن ہی نے حتمی طور پر بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لیے بارہ چشموں کی تعداد بیان کی ہے۔ یہ اشارہ انہیں شگافوں کی طرف ہے۔'' (صفحہ ۳۷۔۳۶) عرب کے اُمی کی لائی ہوئی کتاب کے اعجاز کے قربان جائیے، صدیاں گزر جانے پر اُس کے بیان کی جزئیات تک کی تصدیق ہو رہی ہے منکرین ومعاندین کی زبان سے! و۲۰۵ اُناسٍ۔ یعنی اسرائیل کے بارہ گروہوں میں سے ہر گروہ نے۔ ای من کل سبط (بیضاوی) ای من قومه الذین استسقٰی لھم (بحر) صیغۂ جمع ہے لفظاً اس کا کوئی واحد نظر نہیں آتا۔ جمع لا واحد له من لفظه (روح) مَشْرَبَھُمْ۔ یعنی اپنے اپنے لیے پانی لینے کی جگہ۔ ای عینھم التی یشربون منھا (کشاف) و۲۰۶ جب قوم کی قوم قانونِ الٰہی کو چھوڑ کر اپنے ہوائے نفس کے مطابق کوئی روش اختیار کر لیتی ہے تو اس کا نتیجہ دنیا میں لازمی طور پر فتنہ وفساد، حرب وضرب اور کثرتِ جرائم کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور امن انفرادی واجتماعی دونوں طرح پر اُٹھ کر رہتا ہے۔ فضل وانعام سے سیراب کر کے بنی اسرائیل کو ہدایت یہ ہوئی کہ جو فارغ البالی نصیب ہے اس کو غنیمت سمجھو، قانونِ الٰہی کی پابندی کرو، اس قانون کو توڑ کر امن ونظم

عالم میں اختلال کے باعث نہ بنو۔ رِّزْقِ اللّٰهِ میں رزق کی نسبت اپنی جانب کر کے گویا ایک بار پھر انہیں جتا دیا کہ جو کچھ مل رہا ہے وہ سب خدا ہی کے فضل وعطا سے ہے تمہارے زور بازو کا نتیجہ نہیں۔ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ عثی کے معنی خود ہی فساد میں حد سے گزر جانے کے ہیں۔ العيث شدة الفساد (قرطبی) العثى اشد من الفساد (معالم) مُفْسِدِيْنَ۔ جو ترکیب میں حال واقع ہوا ہے۔ ہر پہلو سے فساد کی تاکید کے لیے ہے۔ تكرر المعنى تاكيدًا لاختلاف اللفظ (قرطبی) عیث و عثی کے معنی ایک ہی ہیں عثی لغت قرآنی ہے (قرطبی) ایک باریک فرق دونوں میں یہ ہے کہ عیث کا تعلق فسادِ حسی سے ہے اور عثی کا فسادِ معنوی سے (راغب) **و۲۰۷** (اور اسے کھاتے کھاتے اکتا گئے ہیں) یہ ذکر بھی اسی دشتِ سینا کے زمانہ خانہ بدوشی کے کسی اور موقع کا ہے، قرآن مجید بیان واقعات میں ان کی تاریخی ترتیب کے تسلسل کا ہرگز پابند نہیں۔ بنی اسرائیل عرصہ دراز تک ایک ہی قسم کی غذا کھاتے کھاتے اکتا گئے تھے اور اب اپنے پیمبر علیہ السلام سے فرمائش کر رہے تھے کہ اس بیابان سے نکال کر کہیں دُوسری جگہ لے چلیے، جہاں قسم قسم کے شہری اور دیہاتی کھانے موجود ہوں۔ طَعَامٍ وَّاحِدٍ یعنی ایک ہی قسم کا کھانا، بٹیر اور ترنجبین جو ہمیں ہر روز ملے چلا جاتا ہے **و۲۰۸** (اور جن کے خوگر ہم مصر میں رہ چکے ہیں) مصریوں کی مرغوب غذا اکثر زراعت پیشہ قوموں کی طرح یہی زمینی پیداوار تھی۔ ”مصر میں آج کی طرح اُس وقت بھی بڑی مانگ سبزی، پیاز، ہلدی وغیرہ کی تھی“۔ (انسائیکلوپیڈیا بلیکا، کالم ۱۲۰۹)۔ اور یہی چیزیں اسرائیلیوں کی بھی اصل غذا بن چکی تھیں:۔ ”اسرائیلیوں کی اصل غذا سبزی تھی، خصوصاً غلہ کی اقسام“۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۵ صفحہ ۴۳۰) ”قدیم اسرائیلی سبز ترکاریوں اور پھلوں پر بسر کرتے تھے“۔ جلد ۵ صفحہ ۵۹۶۔ **و۲۰۹** توریت کی روایت اس سے ملتی جلتی، مگر کسی قدر مختلف حسب ذیل ہے:۔ ”اور بنی اسرائیل بھی پھرے اور روتے ہوئے بولے۔ کون ہے جو ہمیں گوشت کھانے کو دے گا۔ ہم کو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو ہم مفت مصر میں کھاتے تھے۔ اور وہ کھیرے اور وہ خربوزے اور وہ گندنا اور وہ پیاز اور وہ لہسن۔ پر اب تو ہماری جان خشک ہو چلی، یہاں تو ہماری آنکھوں کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے مگر یہ من“۔ (گنتی۔ ۱۱: ۴۔ ۶) فوم کے معنی گیہوں کے علاوہ لہسن کے بھی آتے ہیں۔ **و۲۱۰** (کہ بڑے شہروں میں سبزیاں اور پھل علاوہ فصل اور موسم کے، بے فصل اور خلافِ موسم بھی مل جایا کرتے ہیں، مِصْرًا۔ کوئی شہر۔ یہاں مراد جزیرہ نمائے سینا یا اس کے مضافات کا کوئی آباد شہر ہے۔ مصر کے لفظی معنی شہر کے ہیں جس کی حد بندی ہو چکی ہو۔ اسم لكل بلد محصور اے محدود۔ اور یہاں تو تنوین کے ساتھ کھلا ہوا اسم نکرہ ہے لیکن بڑے بڑے فاضل انگریز مترجمین نے بے کھٹکے اس کا ترجمہ ”ملک مصر“ کر ڈالا ہے! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو انہیں سمجھایا کہ تمہاری فرمائش بیجا ہے، نامعقول ہے، جب دیکھا کہ اصرار جاری ہے تو پھر یہ کہا کہ اچھا، اگر یہ منظور ہے تو شہری تمدن اختیار کر لو۔ ساری گفتگو سمجھنے کے لیے قوم اسرائیل کے اس وقت کے طرزِ معاشرت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ صورتِ حال یہ ہے کہ مصر جیسے متمدن و مہذب ملک سے لاکھوں کی تعداد میں یہ نکل تو آئے ہیں لیکن ابھی دُوسرے مہذب و متمدن ملک اور اپنے قدیم وطن یعنی فلسطین (یا کنعان) تک نہیں پہنچ پائے ہیں، بلکہ دونوں کے درمیان اور فلسطین کے جنوب میں جزیرہ نمائے سینا کے بیابان میں معلق ہیں۔ یہ علاقہ اس وقت تک غیر متمدن ہے، مکان، باغ، عمارتیں کھیت وغیرہ جو لوازم تمدن ہیں، اس لق ودق بیابان میں کہیں موجود نہیں، اسرائیلی اس وقت مکانوں میں سکونت پذیر نہیں۔ بلکہ اپنے خیموں ڈیروں کے ساتھ، کہ آج یہاں سے کوچ ہے تو کل وہاں مقام، خانہ بدوش قبیلوں کی طرح ایک مستقل سفر اور مستر نقل وحرکت اس بیابان میں کر رہے ہیں، البتہ بیابان کے خاتمہ کے بعد ملک سرے سے ویران اور بے آب وگیاہ نہیں، غیر بیابانی علاقے اچھے خاصے آباد تھے اور شہری اور حضری تمدن کے نمونے جا بجا موجود تھے۔ یہ علاقہ مصر کے زیر حکومت تھا گو برائے نام۔ مِصْرًا میں اشارہ اسی قسم کے کسی شہر کی طرف ہے **و۲۱۱** ضُرِبَتْ کے معنی ہیں لیس دی گئی، چپکا دی گئی، مسلط کر دی گئی۔ ذِلَّةُ کے معنی ہیں خواری ورسوائی اور مسکنة سے مراد ہے فقر اور محتاجی۔ الذلة الذل والصغار (قرطبی) المسكنة الفقر والفاقة و تشديد المحنة (کبیر) عَلَيْهِمُ میں ضمیر ھم کے مرجع کو خوب سمجھ لینا چاہیے یہ ہیں کون لوگ جن کے اُوپر ذلت اور تنگ حالی مسلط کر دی گئی؟ ضمیر کا مرجع اليهود یا الذين هادوا نہیں بلکہ بنی اسرائیل ہے۔ یعنی اس وعید کے مورد فلاں فلاں عقیدے رکھنے والے فلاں مسلک کے ماننے والے نہیں، بلکہ اسرائیلی نامی ایک متعین قوم ونسل ہے۔ سبحان اللہ! ایک ذرا سا لفظ جانِ بلاغت ہے۔ اس نے اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیا کہ جو ذلت، نکبت، افلاس، مقہوریت تقریباً ۱۴۰۰ سال گزر جانے پر بھی آج تک چپکی، لپٹی چلی آرہی ہے اُس کی مورد وحامل ایک مخصوص قوم ہے، نہ کہ کسی مخصوص مذہب وملت کے پیرو۔۔۔ خود لفظ Arti Semitism بتا رہا ہے کہ یہود سے جو مستقل عداوت نازی جرمنی کو خصوصاً اور اٹلی ہنگری، رومانیہ وغیرہ، یورپ اور امریکہ کی اکثر ولایتوں کو عموماً ہے، اس کی بنا نسلی یا قومی ہے، نہ کہ دینی یا اعتقادی۔ لیکن سیاسی محکومی اور ذلت تک تو خیر، باقی مفلسی، محتاجی، تنگدستی کے انتساب پر عجب نہیں کہ ناظرین کو حیرت ہو، اور سوال دل میں پیدا ہو کہ تمول تو یہود کا ضرب المثل ہے، پھر اس قوم کو محتاج وتنگدست کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ محض دھوکا، اور عام طور سے چلا ہوا مغالطہ ہے۔ دولت وثروت جتنی بھی ہے، وہ قوم یہود کے صرف اکابر ومشاہیر تک محدود ہے، ورنہ عوام یہود کا شمار دُنیا کی مفلس ترین قوموں میں ہے، یہ بیان خود محققین یہود کا ہے۔

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ

اور نیک عمل کرے، **و۲۲۱** سو ان (سب) کے لئے ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر ہے

وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور نہ کوئی اندیشہ ان کے لئے ہے اور نہ وہ کوئی غم کریں گے **و۲۲۲**

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا **و۲۲۳** اور ہم نے تمہارے اوپر (کوہ) طور کو بلند کیا **و۲۲۴**

خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

مضبوطی کے ساتھ اس (کتاب) کو پکڑ رکھو جو ہم نے تم کو دی ہے **و۲۲۵** اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تا کہ

تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْ لَا

تم متقی بن جاؤ **و۲۲۶** پھر تم اس (عہد) سے اس کے بعد (بھی) پھر گئے **و۲۲۷** سو اگر

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ

تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور تباہ ہونے والوں میں

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا

ہوتے **و۲۲۸** اور تم خوب جان چکے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے

مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً

سبت کے بارہ میں تجاوز کیا تھا **و۲۲۹** تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل بندر

خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾ ۚ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ

ہو جاؤ **و۲۳۰** ہم نے اسے (موجب) عبرت بنا دیا اس زمانہ کے اور اس کے

يَدَيْهَا وَ مَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

بعد کے لوگوں کے لئے **و۲۳۱** اور ایک (موجب) نصیحت (بنا دیا) خوفِ خدا کے رکھنے والوں کے لئے **و۲۳۲**

جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ ”گو یہود کا تمول ضرب المثل کی حد تک شہرت پاچکا ہے، لیکن اہل تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس جس ملک میں آباد ہیں، وہاں کی آبادی میں انہیں کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے“۔ (جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۱) ”عوام یہود دوسری قوموں سے کہیں زیادہ غریب ہیں یہ اور بات ہے کہ اُن کے چند افراد بہت زائد دولتمند ہیں“۔ (جلد ۱ صفحہ ۶۱) **و۲۱۲** (اسی دنیا میں اپنی ہی جیسی مخلوق کے ہاتھوں) بَآءُوْ کے معنی اور بھی کیے گئے ہیں۔ لیکن اکثر محققین اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد استحقاق ہے۔ای استوجبوا اللعنة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای استحقوا (کبیر) ای استحقوا غضبا (بحر) نسل اسرائیلی پر اس قدرتی غضب کا ظہور برابر انسانوں ہی کے ہاتھوں ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس آخر زمانہ میں ہٹلر جیسے چنگیزی فرمانروا کی یہود دشمنی و یہود بیزاری اخبار بین و تاریخ خواں طبقوں سے پوشیدہ نہیں۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ عارف کے لیے اس قصہ میں بڑا سبق ہے۔ ان لوگوں کے حال سے عبرت پکڑنا چاہیے۔ جنہوں نے نہ بلا پر صبر کیا نہ نعمت پر شکر ادا کیا، اور نہ قضاء الٰہی پر راضی رہے۔ ایسوں پر ذلت طغیان لگا دی گئی، حُبِّ دنیا ان کے قلب میں جما دی گئی۔ اور انہیں درجاتِ عالیہ سے گرا دیا گیا۔ **و۲۱۳** لفظ یہاں کفروا نہیں کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ استعمال ہوا ہے۔ ذکر کسی خاص موقع کا نہیں کہ اس وقت وہ منکر ہو بیٹھے تھے بلکہ ذکر ان کی مستقل قومی خصلت کا ہو رہا ہے کہ انکار کرتے ہی رہتے تھے۔ انکار کو شعار ہی بنا لیا تھا۔ ایٰات اللہ کا لفظ عام ہے۔ معجزات و خوارق بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ اور کتب آسمانی بھی، ای المعجزات مطلقًا.....اوا لکتب المتلوة مطلقًا (روح) المعجزات التسع وغیرھا......اوالقران اوجمیع ایٰات اللہ المنزلة علی الرسل (بحر) بِاَنَّهُمْ میں باء سببیہ ہے یعنی یہ سزا انہیں کفر عادی اور مسلسل قتل انبیاء کی پاداش میں ملی۔ **و۲۱۴** ”قتل تک“ یعنی دوسری بیہودگیاں، شرارتیں، سفلہ پردازیاں تو تھیں ہی، حد یہ ہے کہ قتل تک سے بھی نہ چوکے۔ یسعیاہ نبی کا قتل، یرمیاہ نبی کا قتل، زکریا نبی کا قتل، یحییٰ نبی کا قتل اور عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا اقدام قتل (بلکہ اپنے خیال میں قتل ہی) یہ اسرائیل کی تاریخ جرائم کے چند جلی عنوانات ہیں ـــ یہ قوم اس قابل رہ گئی تھی کہ اس کے ساتھ کچھ بھی رعایتیں روا رکھی جائیں؟ اسے زندہ رہنے کی بھی کچھ مہلت دی جاتی؟ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔ لیکن نبی کا قتل تو ہمیشہ ناحق ہی ہوگا۔ نبی کے قتل جائز کی کوئی صورت ہی نہیں۔ پر قرآن جس میں ایک لفظ بھی بیکار یا بطور حشو نہیں اسے کیوں لایا؟ قرآن کا مقصود اس اضافہ سے یہ ہے کہ خود ان قاتلوں کے معیار سے بھی یہ قتل ناحق و ناجائز تھے۔ یعنی خلاف عدل تو خیر ہوتے ہی، قانونِ وقت کے لحاظ سے خلاف قانون اور بے ضابطہ بھی تھے! ای عندھم ایضًا (مدارک) قتلوھم من غیر ان کان ذلک القتل حقًا فی اعتقادھم و خیالھم (کبیر) ای لم یدعوا فی قتلھم وجھًا یستحقون به القتل عندھم (بحر) بعض نے کہا ہے کہ اس تصریح سے مقصود قتل کے ناحق ہونے پر زور اور تاکید ہے۔ کان ھذا تعظیمًا للشنعة علیھم (قرطبی) تعظیم للشنعة والذنب الذی اتوہ (قرطبی) سلسلۂ اسرائیلی کے خاتم نبوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے زمانہ بھی آپ کا نسبۃً بہت قریب کا ہے۔ یعنی عہد تاریخی کے اندر کا۔ اُس وقت کی تاریخ ایک اچھی خاصی حد تک محفوظ ہے۔ حال میں اٹلی کے ایک ایڈووکیٹ روزیڈی (Rosedi) اور انگلستان کے ایک بیرسٹر اینس (Innes) نے قدیم کاغذات کی چھان بین کر کے، آپ کے مقدمہ کی رُودادیں الگ الگ شائع کی ہیں۔ یہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ آپؑ کے مقدمہ میں یہ نہیں ہوا کہ رُومی حاکم عدالت سے سزائے صلیب کا فیصلہ سنانے میں کوئی اجتہادی غلطی ہو گئی۔ بلکہ ہوا یہ کہ یہود نے ایک بالکل جھوٹا استغاثہ گڑھا۔ اور پہلے اپنی مذہبی عدالت میں، اور پھر ملک کی عام فوجداری عدالت میں بالکل ہی بے ضابطہ کارروائیاں کر کے حکم سزا دلا دینے میں کامیاب ہو گئے ـــ رُومی اور جیسے بھی کچھ ہوں، آئین دوستی اور قانون پرستی تو ان کی مشہور ہے۔ جب اُن تک کے عہد میں یہ اندھیر ہوا، تو پھر قدیم ترین انبیاء کی مظلومیت کا کیا ٹھکانا۔ جن کے قتل میں غالبًا ضابطہ کی ظاہری اور رسمی صورت بھی نہیں برتی گئی! **و۲۱۵** اسرائیلیوں کے مسلسل تمرد، سرکشی نافرمانی کے تذکروں سے توریت و انجیل دونوں کے صفحات لبریز ہیں۔ سب کے نقل کرنے کی نہ گنجائش نہ ضرورت۔ مشتے نمونہ از خروارے دو چار نمونے دیکھتے چلیے:۔ ”انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھے میں اُڑا دیا۔ اور اس کی باتوں کو ناچیز جانا۔ اور اس کے نبیوں سے بدسلوکی کی۔ یہاں تک کہ خدا کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا۔“ (۲ تواریخ ۳۶: ۱۷) ”تمہاری ہی تلوار پھاڑنے والے شیر ببر کی مانند تمہارے نبیوں کو کھا گئی ہے۔“ (یرمیاہ۔ ۲: ۳۰) ”اے اہل یعقوب علیہ السلام اور اہل اسرائیل کے سب خاندانو! خداوند کا کلام سنو۔ خداوند یوں فرماتا ہے کہ تمہارے باپ دادوں نے مجھ میں کونسی ناانصافی پائی جو وہ مجھ سے دُور بھاگے اور بطلان کے پیرو ہوئے اور آپ باطل ہو گئے“ (یرمیاہ۔ ۲: ۴ و ۵) ”وہ نافرمان نکلے اور تجھ سے پھر گئے اور اُنہوں نے تیری شریعت کو اپنی پشت کے پیچھے پھینکا اور تیرے نبیوں کو جو نصیحت دیتے تھے کہ انہیں تیری طرف پھرا لائیں، قتل کیا۔ اور انہوں نے کاموں سے تجھے غصہ دلایا“۔ (نحمیاہ۔ ۹: ۲۶) یہ مختصر، بہت ہی مختصر، اقتباسات عہد قدیم کے نوشتوں سے تھے۔ اب عہد جدید کے نوشتوں کے ایسے ہی مختصر نمونے ملاحظہ ہوں:۔ ”اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو......نبیوں میں سے کس کو تمہارے باپ دادوں نے نہیں ستایا؟“ (اعمال۔ ۷: ۵۱ و ۵۲) تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ ہم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہیں......دیکھو میں نبیوں، داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں اُن میں سے بعض کو قتل کرو گے اور صلیب پر چڑھاؤ گے۔ اور بعض کو اپنے عبادتخانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے۔ تاکہ سب راستبازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا ہے، تم پر آئے......اے یروشلم، اے یروشلم تو نبیوں کو قتل کرتی ہے اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ہیں، انہیں سنگسار کرتی ہے“۔ (متی۔ ۲۳: ۲۹، ۷۔ ۳۔ لوقا۔ ۱۲: ۳۴، ۳۵)۔ غرض توہین انبیاء اور پیمبر کشی کا الزام یہود پر قرآن مجید نے دُنیا میں پہلی بار نہیں لگایا ہے۔ ان کی فرد جرم کا یہ عنوان تو قدیم نوشتوں میں موجود چلا ہی آتا تھا۔ قرآن مجید نے محض اس کی تصدیق و توثیق کر دی۔ بِمَا عَصَوْا میں باء سببیہ ہے۔ ذٰلِکَ۔ اس اسم اشارہ کا مشارٌ الیہ کفر اور قتل انبیاء ہے۔ الاشارة الی الکفر والقتل (بیضاوی) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ کسی گناہ کو بھی خفیف نہ سمجھنا چاہیے، ایک گناہ برابر دوسرے گناہ کا سبب بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کفر کا۔ چنانچہ یہاں بھی عصیان اور تجاوز حدود تھا جو ان لوگوں کو کفر آیات الٰہی اور قتل انبیاء تک لایا۔ مفسر بیضاوی نے بھی یہاں یہی کہا ہے کہ جس طرح چھوٹی طاعت بڑی طاعت کی طرف لے جاتی ہے، چھوٹی معصیت بھی بڑی معصیت تک نوبت پہنچا دیتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی خوئے عصیاں نے رفتہ رفتہ کفر و قتل انبیاء تک پہنچا دیا۔ جرّھم العصیان والتمادی والاعتداء فیه الی الکفر بالایٰت و قتل النبیین فان صغار الذنوب سبب یؤدی الی ارتکاب کبارھا **و۲۱۶** (آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آخری کتاب پر، یعنی مسلمان ہو چکے ہیں) ایمان لانے کے معنی کل عقائد ضروری کے تسلیم کر لینے کے ہیں، توحید پر ایمان، رسالت پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، سب کچھ اس میں شامل ہے اور الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مطلق صورت میں قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آیا ہے، مراد اس سے مسلمان ہی ہیں۔ یہاں بھی مراد مومنین ہی ہیں۔ ای من اٰمن بمحمد صلی اللہ علیه وسلم (بحر۔ عن عباس رضی اللہ عنہما) ھم المصدقون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ما اتاھم من الحق من عند اللہ (ابن جریر) اور رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی متکلمین سے یہی معنی نقل کیے ہیں کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور پھر دین پر ثابت و قائم رہے۔ الذین اٰمنوا فی الماضی و ثبتوا علیٰ ذلک واستمرّوا علیه فی المستقبل و ھو قول المتکلمین (کبیر) **و۲۱۷** یعنی جو لوگ دین یہودیت کے پیرو ہیں یقال ھادوا تھود اذا دخل فی الیھودیة (بیضاوی) خواہ پہلے سے یہودی چلے آرہے ہوں۔ نسلاً یہودی ہوں یا پہلے مشرک وغیرہ کچھ اور ہوں اور اب یہود کے عقیدے اور شعار اختیار کر لیے ہوں۔ اب تک ذکر بنی اسرائیل نام ایک خاص نسل و خاندان کا چلا آرہا تھا اور ان کی تاریخ کے اہم ترین منظر سامنے لائے جا رہے تھے۔ اب ذکر ان کے مسلک اور عقیدوں کا شروع ہوتا ہے اور پہلی بار لفظ الَّذِیْنَ هَادُوْا آیا ہے۔ بنی اسرائیل ایک نسلی نام تھا ایک کنبہ، قبیلہ یا قوم کا نام تھا جسے اپنی عالی نسبی پر فخر تھا، اپنے آباؤ اجداد کی مقبولیت پر ناز تھا۔ تاریخ کے دُہراتے وقت ضروری تھا کہ اس نسلی نام کو لیا جائے۔ اب بیان ایک دینی مسلک کا، ایک اعتقادی نظام کا شروع ہو رہا ہے۔ ضروری ہوا کہ اب نام ایسا لیا جائے، کوئی وصف ایسا بیان کیا جائے، جو بجائے نسل، نسب و خاندان کے مسلک و عقیدہ کی جانب رہنمائی کرے۔ الَّذِیْنَ هَادُوْا اسی ضرورت کو پورا کرنے والا ہے قرآن مجید کی بلاغت کے وجوہ اعجاز بے شمار ہیں۔ انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ متقارب، لیکن متمائز معانی کے لیے لفظ بھی وہ مختلف لاتا ہے، اور ان کے دقیق باہمی فرق کا لحاظ رکھ لیتا ہے۔ مذہب یہود ایک نسلی مذہب ہے۔ تبلیغی مذہب نہیں۔ کسی غیر اسرائیلی کو باضابطہ یہودی بنانے کا طریقہ ان کے ہاں نہیں لیکن

عرب میں متعدد قبیلے ایسے آباد تھے جو نہ پیدائشی یہودی تھے اور نہ نسلاً اسرائیلی۔ بلکہ عرب یا بنی اسمٰعیل تھے۔ لیکن یہود کی صحبت سے متاثر، اوران کے علوم سے مرعوب ہو کر انہوں نے پہلے یہود کے طور طریقے اور پھر اُن کے عقیدے اختیار کر لیے اور رفتہ رفتہ اُن کا شمار بھی یہودی آبادی میں ہونے لگا۔ بجائے الیھود کے الَّذِیۡنَ ھَادُوۡا لانے میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کے عقائد اختیاری کی جانب دلالت خوب واضح ہو جائے۔ بنی اسرائیل کی قومی حکومت و وجاہت کا خاتمہ تو ظہورِ اسلام سے مدتوں پہلے بلکہ کہنا چاہیے کہ ۷۰ء میں مشرک رُومیوں کے ہاتھوں بیت المقدس کی بربادی کے بعد ہی ہو گیا تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے معاصرین یہود کی حیثیت صرف ایک مذہبی اور دینی فرقہ کی رہ گئی تھی، اسی لیے خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کا لفظ جہاں جہاں استعمال کیا ہے، سیاقِ عبارت ہر جگہ تاریخی ہے **ف۲۱۸** النَّصٰرٰی۔ نصارٰی جمع ہے نصرانی کی۔ ملک شام (حال فلسطین) میں ایک قصبہ ناصرہ ہے (Nazareth) علاقہ گلیلی میں۔ بیت المقدس سے ستر میل شمال میں، اور بحرِ رُوم سے مشرق میں ۲۰ میل کے فاصلہ پر۔ موجودہ آبادی آٹھ اور نو ہزار کے درمیان ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا آبائی وطن یہی قصبہ ہے۔ اور آپ یسوع ناصری اسی مناسبت سے کہلاتے ہیں۔ ناصرہ ہی کو عربی تلفظ میں نصران بھی کہتے ہیں۔ نصرانی کا انتساب اسی قصبہ کی جانب ہے۔ سمّوا بذٰلک انتساباً الی قریۃ یقال لھا نصران (راغب) نصران قریۃ بالشام ینسب الیہ النصارٰی (جوہری) یہی اشتقاق ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے آیا ہے۔ سمیت النصاری نصارٰی لان قریۃ عیسی ابن مریم کانت تسمّٰی ناصرۃ و کان اصحابہ یسمون الناصریین (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اور یہی قول قتادہ و ابن جریج تابعین کا ہے۔ نیز بعد کے محقق مفسرین کا وھو قول ابن عباس و قتادۃ و ابن جریج (کبیر) سمّوا بذٰلک لقریۃ تسمّٰی ناصرۃ کان ینزلھا عیسٰی فلما ینسب اصحابہ الیہ قیل النصارٰی (قرطبی) بعض نے اسے عربی کا لفظ فرض کر کے نصرت سے مشتق سمجھا ہے۔ لیکن قول صحیح وہی ہے جو ابھی گزر چکا۔ خوب خیال کر لیا جائے قرآن یہاں ذکر مسیحیوں کا نہیں، نصارٰی کا کر رہا ہے۔ اور قرآن حکیم کا ہر ہر لفظ پُرحکمت ہوتا ہے۔ مسیحی وہ ہیں جو اناجیل اربعہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسیح علیہ السلام کو خدا کا نبی نہیں، خدا کا بیٹا مانتے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ خدا اُن کے قالب میں حلول کر آیا تھا۔ آخرت میں نجات دینے والا (Saviour) خدا کو نہیں، مسیح "ابن اللہ" کو یقین کرتے ہیں۔ اور خدائی کو تین اقنوموں میں تقسیم کر کے ایک ناقابل فہم فلسفہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہر اقنوم بجائے خود بھی خدا ہے، اور تینوں اقنوم مل کر بھی ایک ہی خدا بنتے ہیں --- اس کھلے ہوئے شرک کے قائلوں کا ذکر ہرگز اس مقام پر مقصود نہیں، اسی لیے نام بھی جو مشہور اور چلا ہوا تھا، اُسے ترک کر کے نصارٰی لایا گیا۔ نصرانی معرب ہے Nazarene کا حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے پیرو، نبی کو نبی ماننے والے، ابتدائی زمانہ میں Nazarenes کہلاتے تھے۔ یہ توحید کے قائل تھے اور بجائے اناجیل اربعہ کے صرف انجیل متی کو مانتے تھے، آگے چل کر یہی لوگ ایبونیہ (Ebonites) بھی کہلائے۔ لیکن جب مشرکانہ عقائد کا زور بندھا اور اصل مسیحیت، حلولیت اور تثلیث ہی قرار پا گئی، تو قدرۃً نصرانیت کا ستارہ بھی گردش میں آیا۔ اور نصرانی و نصرانیت کے الفاظ بجائے عزت و تکریم کے، تحقیر کے موقع اور ذم کے محل میں استعمال ہونے لگے۔ موجودہ مسیحیت سرتاسر پولوسیت ہے۔ اور تمامتر پولوس (Paul) طرسوی کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کچھ ہی روز بعد شروع ہو گئی تھی۔ اور نصرانی اس کے بالکل منکر تھے۔ قرآن مجید نے محلِ مدح میں ایک موقع پر بھی تثلیثی مسیحیت کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ذکر جب بھی آیا ہے تو ہمیشہ ملامت، بیزاری کے ساتھ۔ ان آیتوں میں:۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلٰثۃ. لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم۔ وقس علٰی ہذا۔ **ف۲۱۹** الصابئون۔ صابی کے لفظی معنی ہیں جو کوئی بھی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں آجائے یا اُس کی طرف مائل ہو جائے۔ من خرج اومال عن دین الی دین (قرطبی) قیل لکل خارج من الدین الی دین اٰخر صابیءٌ (راغب) اصطلاح میں صابیون (Sabians) کے نام کا ایک مذہبی فرقہ تھا جو عرب کے شمال و مشرق میں شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا۔ یہ لوگ دین توحید اور عقیدۂ رسالت کے قائل تھے اور اس لیے اصلاً اہل کتاب تھے، اپنے کو "نصارائے یحیٰی" کہتے تھے۔ گویا حضرت یحیٰی علیہ السلام کی اُمت تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے مبصرو نکتہ رس خلیفۂ راشد اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے محقق صحابی نے صابیوں کا شمار اہل کتاب میں کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا ذبیحہ بھی حلال مانا ہے۔ قال عمر ابن الخطاب و ابن عباس ھم قوم من اھل الکتاب و قال عمر تحل ذبائحھم مثل ذبائح اھل الکتاب (معالم) تابعین میں سے متعدد اکابر ان کے اہل کتاب یا موحد ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔ ھم طائفۃ من اھل الکتب (ابن جریر۔ عن السدی) فرقۃ من اھل الکتاب (ابن کثیر۔ عن ابی العالیۃ والربیع بن انس والضحاک والسدی واسحٰق بن راھویہ) ابن زیدان کے موحد ہونے کے قائل تھے، اور قتادہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہما سے تو یہاں تک منقول ہے کہ اہل قبلہ تھے اور نماز پانچ وقت کی پڑھتے تھے (ابن جریر) اور ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو خود بھی عراقی تھے اور اس لیے صابیوں سے براہِ راست واقفیت کا موقع رکھتے تھے، ان کا فتویٰ ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور ان کے ہاں کی عورتوں سے نکاح بھی جائز۔ قال ابو حنیفۃ لا باس بذبائحھم و نکاح نسائھم (قرطبی) تاریخ ایران پر ایک مستند مستشرق کی کتاب کا اُردو ترجمہ ابھی حال ہی میں نکلا ہے (انجمن ترقی اُردو، دہلی) اس کے صفحہ ۴۷ پر فاضل مترجم، ڈاکٹر شیخ محمد اقبال اورینٹل کالج لاہور، لفظ مینڈین Mandean پر حاشیہ دیتے ہیں:۔ "مینڈین بہ زبان آرامی بمعنی اولوالعلم۔ اس فرقہ کے لوگ عراق میں اب بھی موجود ہیں اور صابیون کہلاتے ہیں۔ وہ لوگ اگرچہ عیسائی نہیں ہیں، تاہم جان دی بپٹسٹ کو مانتے ہیں۔ عراق میں عوام الناس ان کو حضرت یحیٰیؑ کی اُمت کہتے ہیں۔" (ایران بہ عہد ساسانیاں) **ف۲۲۰** مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ۔ یعنی اللہ کی ذات و صفت پر ایمان لائے، جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے۔ اور وہ ایمان ہر قسم کی شرکت آمیزی سے پاک ہو۔ اس ایمان باللہ کے تحت میں اس کے سارے لوازم و تضمنات بھی داخل ہیں، ورنہ خدا پر مطلق ایمان تو کسی نہ کسی صورت میں تقریباً ہر انسان کا ہے۔ اور ان لوازمِ توحید میں سب سے اُونچے نمبر پر ایمان بالرسل ہے کہ بندوں کا صحیح تعلق اللہ کے ساتھ قائم کرنے والی، اس کا سیدھا راستہ بتانے والی ذات رسول ہی کی ہوتی ہے۔ قد دخل فی الایمان باللہ الایمان بما اوجبہ اعنی الایمان برسلہ (کبیر) وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ۔ یومِ آخرت پر ایمان لانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ سارے احکامِ آخرت پر ایمان لایا جائے۔ دخل فی الایمان بالیوم الاٰخر جمیع احکام الاٰخرۃ (کبیر) تناسخ، حلول وغیرہ کے گمراہانہ عقائد کی بنیاد صرف یہی ہے کہ دُوسرے مذہبوں میں یومِ حشر کا ایمان صحیح باقی نہیں رہا۔ اور انہوں نے جزا و سزا کی اَور اَور صورتیں تجویز کر لیں۔ **ف۲۲۱** (اور عملِ صالح کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ عمل وحیِ الٰہی یعنی شریعت اسلامی کے ماتحت ہو) دَورِ حاضر کی چلتی ہوئی گمراہیوں میں سے ایک سوال جو بار بار پیش ہوتا رہتا ہے، یہ ہے کہ ایک شخص صاحب ایمان ہے مگر بدعمل، اور دُوسرا خوش عمل ہے مگر ایمان سے خالی، تو ان دو میں نجات کس کی ہوگی؟ علماء اس کے جوابات مختلف دیتے رہتے ہیں، لیکن سب سے سیدھا اور بے تکلف جواب یہ ہے کہ حسنِ عمل کا ایک لازمی عنصر تو خود ایمان ہی ہے، بغیر تصحیح ایمان کے، بغیر حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے خیال کے، کوئی عمل، عملِ صالح کی تعریف میں آہی کب سکتا ہے؟ ایمان سے خالی شخص کا "حسنِ عمل" تو صرف صورۃً عمل ہوگا، ورنہ اس کی حقیقت (یعنی خالق کونین کی رضا طلبی) تو اس سے خارج ہی ہوگی۔ **ف۲۲۲** اعتقادِ صحیح اور عملِ صحیح بس یہی دو شرائطِ نجات ہیں۔ گویا مذہبی دنیا کو یہ بشارت پہلی بار کھلے لفظوں میں پہنچی کہ اصل شے عقیدہ اور عمل ہیں۔ اور ان دو کی تصحیح کے بعد قوم، نسل وغیرہ کی ساری نسبتیں ہیچ ہیں۔ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ میں عِنۡدَ سے مراد عندیت مکانی نہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے حق میں جو مکان و جہت سے پاک و منزہ ہے، محال ہے۔ بلکہ مراد اجر کا یقینی اور قطعی ہونا ہے۔ لیس المراد العندیۃ المکانیۃ فان ذٰلک محال فی حق اللہ تعالٰی بل المراد ان اجرھم متیقن جارمجرٰی (کبیر) قرآن مجید کا ایک بلیغ و حکیمانہ اسلوب یہ بھی ہے کہ جزئیات کے ضمن میں بڑے بڑے اہم کلیات بیان کر جاتا ہے۔ ذکر بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانی اور پشتہا پشت کی سرکشی کا چلا آرہا تھا، مخاطبین پر یہ اثر پڑنا بالکل طبعی تھا کہ ایسے مجرموں کے لیے اب نجات کی کوئی گنجائش ہو ہی کیا سکتی ہے؟ معاً درمیان میں یہ آیت لا کر اس مایوسی کو رفع کر دیا گیا کہ جو کوئی بھی اپنا عقیدہ اور عمل درست رکھے گا، خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی یا نصرانی یا صابی، غرض کوئی بھی ہو، رحمت و مغفرت کی راہیں سب کے لیے کھلی ہوئی ہیں، کام کی چیزیں صرف ایمانِ صحیح اور عملِ صحیح ہیں۔ لیعرف انّ جمیع ارباب الضلال اذا رجعوا عن ضلالھم و اٰمنوا بالدین الحق فان اللہ سبحانہ و تعالٰی یقبل ایمانھم و طاعتھم ولا یردھم عن حضرتہ

البتۃ (کبیر) لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ بیان آخرت کا ہو رہا ہے۔ یعنی قیامت کے دن جو کشف حقائق کا دن ہوگا اہل ایمان کو نہ اپنے ماضی پر حسرت ہوگی نہ اپنے مستقبل کی طرف سے تشویش۔ خوف واندیشہ کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور غم وحزن کا ماضی سے۔ ف۲۲۳ (اے بنی اسرائیل تمہارے پیغمبر کے واسطہ سے اس مضمون کا کہ تم توریت پر عمل کرو گے۔ ف۲۲۴ الطُّوْرَ۔ طور، مطلق پہاڑ کو بھی کہتے ہیں اور جزیرہ نمائے سینا کے ایک مخصوص ومتعین پہاڑ کا بھی نام ہے۔ الطور اسم جبل مخصوص و قیل اسم لکل جبل (راغب) جدید جغرافیہ نویس کہتے ہیں کہ طور کا اطلاق جزیرہ نمائے سینا کے متعدد پہاڑوں پر ہوتا ہے۔ لیکن حضرت موسٰی علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے سلسلہ میں جبل طور سے مراد جبل سینا ہوتا ہے۔ لیکن خود جبل سینا کی کوئی ایک چوٹی نہیں، متعدد چوٹیاں ہیں۔ انہیں میں سے کسی کا نام طور ہوگا۔ قوم کے اُوپر پہاڑ بلند کرنے سے کیا مراد ہے؟ توریت میں اس کی کچھ مجمل سی کیفیت درج ہے:۔ ”وہ پہاڑ کے نیچے آ کھڑے ہوئے اور کوہ سینا پر زیر وبالا دھواں تھا، کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اس پر اُترا، اور شور کا سا دھواں اس پر اُٹھا اور پہاڑ سراسر ہل گیا“۔ (خروج۔۱۹: ۱۷و۱۸) اور تالمود جو توریت کی مشہور ومستند اور نہایت ضخیم شرح یہود کے ہاں موجود ہے، اس میں اس اجمال کی تفصیل میں اقوال ذیل درج ہیں۔ ”حق تبارک وتعالیٰ نے ان کے اُوپر کوہ سینا کو اُلٹ دیا۔ جس طرح کوئی بڑا ظرف اُلٹ دیا جاتا ہے، اور کہا کہ اگر تم توریت کو قبول کرتے ہو جب تو خیر، ورنہ سب یہیں دفن ہو کر رہ جاؤ گے“۔ (جیوش انسائیکلو پیڈیا، جلد ۴ صفحہ ۳۲۱) ”خدا نے پہاڑ کو ان لوگوں پر اُلٹ کر اوندھا کر دیا اور اُن سے کہا کہ توریت کو اگر قبول کرتے ہو جب تو خیر ورنہ یہیں تمہارا مدفن بن کر رہے گا“۔ (ایضا) ہمارے مفسرین نے جو آثار صحابہ وتابعین کی زبان سے نقل کیے ہیں، ان میں بھی روایتیں اسی سے ملتی جلتی ہیں۔ واللّٰہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ ف۲۲۵ یہ پورا مقولہ اسی وقت کا ہے جب کتاب نازل ہوئی تھی۔ کتاب ہدایت کے نزول اور رفع طور کے ساتھ ساتھ ہدایت اس کی بھی ہوئی تھی کہ اس کتاب کی محافظت کرنا اور اس کے احکام پر مداومت۔ اعملوا بما اعطیتکم من الکتٰب (ابن عباس) مَآ اٰتَیْنٰکُمْ سے مراد کتاب توریت ہے۔ احکام توریت کے اس اخذ وتمسک کی تاکید اور اس کے ترک پر وعید خود توریت میں بھی جا بجا مذکور ہے:۔ ”جو کوئی اس شریعت کی سب باتوں پر قائم نہ رہے کہ ان پر عمل کرے اُس پر لعنت، سب جماعت کہے آمین“۔ (استثناء۔ ۲۷: ۲۶) ”اگر تو کوشش کر کے خداوند اپنے خدا کی آواز سنے تا کہ ان سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ سے فرماتا ہوں، دھیان رکھ کے عمل کرے تو خداوند تیرا خدا زمین کی قوموں کی بہ نسبت تجھے سرافراز کرے گا“۔ (استثناء ۲۸: ۱) ”لیکن اگر تو خداوند اپنے خدا کی آواز کا شنوا نہ ہوگا کہ اس کے سارے شرعوں اور حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ کو بتاتا ہوں، دھیان رکھ کے عمل کرے تو ایسا ہوگا کہ یہ ساری لعنتیں تجھ پر اُتریں گی، اور تجھ تک پہنچیں گی۔“ (استثناء۔ ۲۸: ۱۵) ف۲۲۶ (اور تقویٰ کی راہ یہی ہے کہ کتاب الٰہی پر عمل کیا جائے) وَاذْكُرُوْا مَا فِیْہِ۔ یاد رکھو اس کے مضامین کو تا کہ ان پر عمل کر سکو۔ احکام الٰہی کا یاد رکھنا اصلاً اسی غرض سے ہوتا ہے کہ اُن پر عمل کیا جا سکے، حکم کے تحت میں حفظ، قرأت وغیرہ بھی داخل ہیں، لیکن مقصود اصلی وہی عمل ہے۔ اقرؤا ما فی التورٰۃ واعملوا بہ (ابن کثیر۔ عن ابی العالیۃ) ای تدبروہ و احفظوا اوامرہ ووعیدہ ولا تنسوہ ولا تضیعوہ ھذا ھو المقصود من الکتٰب العمل بمقتضاھا لا تلاوتھا باللسان و ترتیلھا (قرطبی) لَعَلَّ کے لیے پوری تصریح اُوپر گزر چکی ہے کہ یہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے استعمال ہوتا ہے تو مفہوم شک واحتمال کا نہیں رہتا، بلکہ معنٰی یقین کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ف۲۲۷ (اور حسب سابق پھر نافرمانی کرنے لگے) مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ۔ یعنی اس قول واقرار کے بعد۔ کتاب ہدایت واحکام مل جانے کے بعد۔ ای من بعد البرھان (قرطبی) ف۲۲۸ یعنی فی الفور ہلاک کر دیئے گئے ہوتے، اور ساری قوم کی قوم دُنیا سے اسی طرح بے نشان ہو گئی ہوتی، جیسے اَور پرانی متعدد قومیں ہو چکی ہیں۔ فضل ورحمتِ خداوندی بنی اسرائیل کے حق میں یہی تھی کہ ان کی خطاؤں اور جرائم سے مزید چشم پوشی کی گئی۔ اور انہیں اور مہلت سنبھلنے اور اپنے کو درست کرنے کی دی گئی۔ ف۲۲۹ لَقَدْ عَلِمْتُمْ۔ علم کا لفظ خود ہی تحقیق کے معنٰی میں قرآن مجید میں بارہا استعمال ہوا ہے۔ پھر ل حرف تاکید۔ قد حرفِ تاکید۔ لَقَدْ جس فعل پر داخل ہوتا ہے، اس میں معنٰی شدتِ تاکید کے پیدا کرتا ہے۔ گویا قرآن بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کا کوئی واقعہ ان کے لیے خوب اچھی طرح سے جانا بوجھا ہوا یاد دلا رہا ہے۔ اور ان سے کہہ رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل جس واقعہ کا ذکر آگے آ رہا ہے، وہ تمہاری تاریخ کا ایک مسلم ومتعارف واقعہ ہے اور تم اُس سے بلا شک واشتباہ خوب واقفیت رکھتے ہو۔ مِنْكُمْ۔ یعنی تمہارے اسلاف واجداد میں سے۔ فِی السَّبْتِ۔ یعنی احکام سبت کے بارہ میں۔ سبت کے لفظی معنٰی ہیں ہفتہ کا ساتواں دن، یعنی شنبہ یا سنیچر۔ السَّبْتِ شریعت یہود کی اصطلاح میں ایک مقدس دن، مسیحیوں کے اتوار کی طرح ہے۔ یہ دن صرف یادِ خدا اور عبادت کے لیے مخصوص ہے۔ اور اس روز تجارت، زراعت، شکار وغیرہ ہر قسم کے دنیوی کام سب ممنوع تھے۔ اور ممانعت بھی اس شد ومد کے ساتھ کہ جو اس حکم کو توڑے اس کی سزا قتل۔ توریت کے الفاظ ہیں:۔ ”پس سبت کو مانو اس لیے کہ وہ تمہارے لیے مقدس ہے۔ جو کوئی اس کو پاک نہ جانے وہ ضرور مار ڈالا جائے ...... پس جو کوئی روز سبت کو کام کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے“۔ (خروج۔۳۱: ۱۴و۱۵) اِعْتَدَوْا۔ تجاوز کر جاتے تھے شریعت موسوی کے حدود سے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کی ایک بڑی آبادی مقام ایلہ میں تھی۔ یہ ذکر انہیں کا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ حکومت ۱۰۱۳ق،م تا ۹۷۳ق،م کا ہے۔ مقام ایلہ اگر وہی ہے جس کا ذکر توریت میں ایلات (Elath) کے نام سے آتا ہے۔ (استثنا ۲: ۸) تو یہ فلسطین کے جنوب میں، عرب کی عین شمالی سرحد پر (قدیم علاقہ اِدوم میں) بحر قلزم کی مشرقی خلیج میں لب ساحل واقع ہے۔ موجودہ جغرافیہ اس کو عقبہ کے نام سے پہچانتا ہے۔ اور عقبہ خلیج عقبہ کا مشہور بندرگاہ ہے۔ ایلہ کے یہودی اپنی شریعت کے قانون کی مسلسل خلاف ورزی کرتے۔ مچھلی کا شکار ایک خاص چالاکی کے ساتھ اور اسے ظاہری صورتِ جواز دے کر سبت کے دن کیا کرتے۔ ف۲۳۰ اس مسلسل نافرمانی پر سزا تو ان مجرموں کو یقیناً ملی۔ باقی کیا ملی، اس کی تفصیلات اس درجہ قطعی نہیں۔ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ سزا اسی طرح واقع ہوئی جیسی قرآن کے ظاہر الفاظ سے ظاہر ہو رہی ہے۔ یعنی وہ انسان بندر بنے اور پھر تین دن کے بعد ہلاک ہو گئے۔ اس تفسیر پر عقلاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ جو لوگ اللّٰہ کے قانون تشریعی کے توڑنے میں اتنے جری وبیباک ہوں، ان کے حق میں خالق کائنات اپنے قانونِ تکوینی کو کسی حد تک اگر بدل دے، اور بجائے ”ارتقاء“ کے کبھی اگر ”ارتقاء معکوس“ ہو جائے تو اس میں عدم امکان تو خیر کیا ہوگا، استبعاد بھی کچھ ایسا زائد تو نہیں لیکن روایتیں خود اس نتیجہ پر تمامتر متفق نہیں۔ بلکہ یہ قول تابعین ہی کے زمانہ سے تفسیروں میں لکھا چلا آ رہا ہے کہ مسخ صرف معنوی ہوا تھا، صوری نہیں۔ یعنی ان کے عادات واخلاق بندروں کے سے کر دیئے گئے تھے۔ اور بندر کا اطلاق ان پر مجازاً ہونے لگا تھا۔ ورنہ حقیقۃً وہ بندروں کے جسم وقالب میں تبدیل نہیں کیے گئے تھے۔ لم یمسخوا قردۃ انما ھو مثل ضربہ اللّٰہ لھم (ابن جریر۔ عن مجاہد) مسخت قلوبھم ولم یمسخوا قردۃ (ابن جریر۔ عن مجاہد) روی عن مجاھد فی تفسیر ھذہ الایۃ انہ انما مسخت قلوبھم وردت افھامھم کا فھام القردۃ (قرطبی) مفردات میں بھی ایک قول اسی معنٰی میں نقل ہوا ہے۔ قیل بل جعل اخلاقھم کا خلاقھا و ان لم تکن صورتھم کصورتھا (راغب) لیکن جمہور مفسرین کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ قول غریب اور ظاہر سیاق قرآنی کے خلاف ہے۔ قول غریب خلاف الظاھر من السیاق فی ھذا المقام و فی غیرہٖ (ابن کثیر) و ظاھر القراٰن انھم مسخوا قردۃ علی الحقیقۃ وعلٰی ذٰلک جمھور المفسرین و ھو الصحیح (روح) ف۲۳۱ سزا کی تفصیلی نوعیت کچھ بھی ہو، بہرحال تھی وہ کوئی بہت سخت اور عبرتناک سزا۔ قرآن مجید کا مقصود اس سزا کی تفصیل بیان کرنا نہیں، بلکہ اس کی عبرت انگیزی اور موعظۃ آموزی کے پہلو کو واضح کرنا ہے۔۔۔ واقعہ جو کچھ بھی ہو، یہود کا جانا بوجھا ہوا تھا، قرآن اُسے صرف یاد دلا رہا ہے۔ جعلنھا میں ھا کی ضمیر عقوبت کی طرف بھی ہو سکتی ہے، اور اُس مسخ شدہ اُمت کی طرف بھی۔ ماحصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ ای جعلنا تلک العقوبۃ (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما) یعنی بہ فجعلنا الامۃ التی اعتدت فی السبت (ابن جریر) نَكَالًا۔ نکال وہ سخت سزا ہے جو دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو۔ ای عبرۃ تنکل المعتبر بھا (بیضاوی) عبرۃ تنکل من اعتبر بھا (کشاف) مَا بَیْنَ یَدَیْھَا وَمَا خَلْفَھَا۔ ما دونوں جگہ مَنْ کے معنٰی میں آیا ہے یعنی ما کا استعمال جاندار، صاحب عقل مخلوق کے لیے ہوا ہے۔ مَا بَیْنَ یَدَیْھَا معاصرین کے معنٰی میں ہے اور مَا خَلْفَھَا بعد کے آنے والوں کے معنٰی میں۔ ما بین یدیھا ای معاصریھم (ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما) ما خلفھا ای مَنْ خلفھم (ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما) بما

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہیں اللہ حکم دیتا ہے

اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ

کہ ایک گائے ذبح کرو ۲۳۳ وہ بولے آپ ہم سے ہنسی کر رہے ہیں کیا؟ ۲۳۴

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

موسیٰ نے کہا خدا مجھے اس سے پناہ میں رکھے کہ میں جاہلوں میں ہو جاؤں ۲۳۵

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ

وہ بولے ہماری طرف سے اپنے پروردگار سے درخواست کیجیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ کیسی ہو ۲۳۶ کہا کہ وہ

يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ

فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ بن بیائی (بلکہ) دونوں عمروں کے

بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ

درمیان ہو ۲۳۷ سو (اب) کر ڈالو جو کچھ تمہیں حکم ملا ہے وہ بولے ہماری طرف

لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ

سے اپنے پروردگار سے درخواست کیجیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہے ۲۳۸۔ کہا کہ وہ

يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ

فرماتا ہے کہ گائے خوب گہرے زرد رنگ کی ہو ۲۳۹ دیکھنے والوں کو اچھی معلوم

النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا

ہوتی ہو ۲۴۰ وہ بولے اپنے پروردگار سے ہماری طرف سے درخواست کیجیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ

مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَ اِنَّاۤ اِنْ شَآءَ

وہ (اور) کیسی ہو؟ اس لئے کہ گائے میں ہمیں اشتباہ پڑ گیا ہے ۲۴۱ اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور

قبلها و بما بعدها من الامم والقرون (کشاف) بَيْنَ يَدَيْهَا اور خَلْفَهَا دونوں میں ضمیر ھا عقوبت کی طرف ہے۔ والضمير ان للعقوبة (قرطبی) گویا سزا ایسی تھی کہ مدتوں تک نسلاً بعد نسلٍ اس کا چرچا رہے، اور لوگ اس کا تذکرہ سن سن کر ڈرتے اور لرزتے رہیں ۲۳۲ یعنی تا کہ متقین کو اس واقعہ کی حکایت سے راہِ تقویٰ کی طرف ترغیب اور زیادہ ہو۔ یا یہ مراد لی جائے کہ نصیحت کو قبول کرنے والے اور اس سے فائدہ اٹھانے والے متقین ہی ہوں گے۔ صاحب روح المعانی نے یہاں یہ نکتہ اہل عرفان کے لیے لکھا ہے کہ اللہ نے عبادتوں کو خاص خاص ہیئت کے ساتھ خاص اوقات میں متعین کیا ہے۔ تا کہ طبعی ظلمتیں دُور ہوں سو جو شخص ان ہیئتوں کی رعایت نہیں کرتا اس کا نورِ استعداد ضائع ہو جاتا ہے اور وہ اصحاب سبت کی طرح مسخ کر دیا جاتا ہے۔ یعنی جس جانور کے اوصاف اس میں راسخ ہیں، انہیں کی طبیعت اس میں پیدا کر دی جاتی ہے۔ اگر چہ اس امت کے لیے مسخ صورت نہیں۔ پس انسان کو چاہیے کہ ادویہ شرعیہ کے ذریعہ سے اپنی انسانیت کو محفوظ رکھنے کی کوشش میں لگا رہے۔ چنانچہ بعض اہل کشف اس زمانہ میں ایسے بھی پائے گئے ہیں، جو انسان کو اسی حیوان کی شکل میں دیکھتے ہیں، جس کی صفت حیوانی اس پر غالب ہوتی ہے۔ مثلاً جس میں ظلم وشقاوت غالب ہوتی ہے، اُسے آتا ہوا دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں کہ بھیڑیا آرہا ہے۔ یا جس پر حرام خوری کی گندگی غالب ہوتی ہے اُسے دیکھ کر یوں بول اُٹھتے ہیں کہ سؤر چلا آرہا ہے۔ اور اس قسم کا کشف تکوینی صرف اہل حق ومقبولین کے ساتھ مخصوص نہیں ۲۳۳ اسرائیلیوں میں ایک واقعہ قتل کا ہو گیا تھا اور قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ ذبح گاؤ کا حکم اسی سلسلہ میں ملا۔ اس کی کچھ تصریح اگلے رکوع میں آرہی ہے۔ یہ زمانہ وہ ہے کہ صدیوں تک مصر میں اور مصر والوں کے درمیان رہتے رہتے، بہت سے مشرکانہ رسوم توحید کے علمبردار اسرائیلیوں میں پھیل چکے ہیں۔ اور گائے کی عظمت بلکہ تقدیس ان کے دلوں میں رچ چکی ہے۔ ہندوستان کی طرح مصر میں بھی گائے کی تقدیس مشرکانہ مذہب کا ایک جزو تھی۔ توریت میں اسرائیلیوں کو ذبح گاؤ کا حکم خاص خاص قیدوں اور شرطوں کے ساتھ بار بار ملا ہے۔ مثلاً ”بنی اسرائیل کو کہو کہ ایک لال گائے جو بے داغ اور بے عیب ہو اور جس پر کبھی جوا نہ رکھا گیا ہو، تجھ پاس لائیں۔ تم اسے الیعزر کاہن کو دو کہ اسے خیمہ گاہ سے باہر لے جائے اور وہ اس کے حضور ذبح کی جائے“۔ (گنتی۔ ۱۹: ۲) ”جو شہر مقتول سے زیادہ نزدیک ہے، اسی شہر کے بزرگ سے ایک بچھیا لیں جس سے ہنوز کچھ خدمت نہ لی گئی ہو اور جوئے تلے نہ آئی ہو اور اس شہر کے بزرگ اس بچھیا کو ایک بیہڑ وادی میں جو نہ جوتی گئی ہو نہ اس میں کچھ بویا گیا ہو، لے جائیں اور اس وادی میں اس بچھیا کی گردن کاٹیں۔“ (استثناء ۲۱: ۳ و ۴) بقرة۔ اصلاً صرف گائے کے لیے ہے، اور ثور کا مؤنث ہے۔ قيل للذكر ثور (راغب) البقرة اسم للانثى والثور اسم للذكر (قرطبی) لیکن بعض مفسرین نے اسے گائے اور بیل دونوں کے لیے عام رکھا ہے اور یہاں اس سے بیل مراد لی ہے ۲۳۴ بنی اسرائیل ”گئو ماتا“ کے احترام وتقدیس کے جذبہ سے سرشار تھے۔ یقین ہی نہ آیا کہ ایسے مقدس ومحترم جانور کے ذبح کر ڈالنے کا حکم ملا ہوگا۔ بس یہی سمجھے کہ حضرت موسیٰ ہنسی اور تفنن طبع کی راہ سے کہہ رہے ہیں ۲۳۵ (اور احکام خداوندی کی پیام رسانی میں ہنسی دل لگی سے کام لینے لگوں) جاهلين۔ جہل کے لغوی معنی ہیں کسی کام کو اس کے برخلاف ادا کرنا جو اس کے ادا کرنے کا حق ہے۔ الجهل فعل الشئ بخلاف ما حقه ان يفعل (راغب) اللہ کی طرف سے پیام گڑھ لینے کی جسارت وہی کر سکتا ہے جو خود اللہ تعالیٰ سے غافل وجاہل ہو۔ انما يكون ذلك من الجهل بالله تعالىٰ (بحر) یا وہ کر سکتا ہے جو امور دینی میں استہزاء کے نتائج وعواقب سے بے خبر ہو۔ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ بما في الاستهزاء في امر الدين من العقاب الشديد (کبیر) فقہاء و مفسرین نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ دین ومعظمات دین کے ساتھ استہزاء حکم جہل اور گناہِ عظیم میں داخل ہے اور اس کا مرتکب مستحق وعید ہے۔ و في الأية دليل على منع الاستهزاء بدين الله و دين المسلمين و من يجب تعظيمه وان ذلك جهل و صاحبه مستحق للوعيد (قرطبی) يدل على ان الاستهزاء من الكبائر العظام (کبیر) لیکن ساتھ ہی یہ ضروری تصریح بھی کر دی ہے کہ مزاح یا خوش طبعی کو استہزاء یا تمسخر سے کوئی مناسبت نہیں۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ خوش طبعی تو خود رسول اللہ ﷺ اور ائمہ دین میں برابر رائج رہی ہے۔ وليس المزاح من الاستهزاء بسبيل الا ترى ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يمزح والائمة بعده (قرطبی) والفرق بين الهزء والمزاح ظاهر فلاينا في و قوعه من الانبياء (روح) اور مفسر قرطبی نے اس سلسلہ میں ابن خویز منداد کے حوالہ سے شہر کوفہ کے قاضی (جج) کی ایک دلچسپ حکایت بھی نقل کی ہے ۲۳۶ (بہ لحاظِ عمر) مَا هِيَ سے مراد بیان حقیقت نہیں۔ مقصود توضیح مزید ہے ۲۳۷ یعنی نہ ایسی بوڑھی ہو نہ بالکل بچہ۔ فَارِضٌ وہ ہے، جس کے بچہ جننے کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہو۔ بِكْرٌ وہ ہے، جس نے ابھی بچہ جنا ہی نہ ہو۔ الفارض المسنة التي لا تلد والبكر الفتية التي لم تلد قط (معالم) یہیں سے خیال ہوتا ہے کہ بقرہ سے مراد بیل نہیں گائے ہی ہے۔ عَوَانٌ کے معنی درمیانی سن رکھنے والی۔ العوان المتوسط بين السنين (راغب) ۲۳۸ اہل مصر بیل کی تقدیس کے باوجود اسے قربانی میں بھی چڑھایا کرتے تھے۔ مگر قربانی کے بیل میں بڑی بال کی کھال نکالا کرتے تھے۔ اس کا رنگ یکسر سفید ہو، اس کے جسم بھر پر بال ایک بھی سیاہ نہ ہو، دُم بالکل صحیح اور طبعی حالت میں ہو، کوئی داغ دھبہ نہ ہو۔ غرض طرح طرح کی قیدیں اور شرطیں تھیں۔ یہ سب پوری ہو لیتیں جب کہیں جا کر قربانی

کی نوبت آتی۔ اسرائیلیوں نے جو اتنی موشگافیاں کیں، عجب نہیں کہ مصریوں ہی کی صحبت کا اثر ہو ف۲۳۹ یعنی رنگ خوب شوخ کھلتا ہوا ہو۔ فلسطین وسینا کی بعض گائیں یقیناً اس رنگ کی ہوتی ہوں گی۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اہل کشف خودنفس کو بھی زرد ہی رنگ کا بتاتے ہیں۔ اور صوفیہ نے جونفس کو اس گائے سے تشبیہ دی ہے تو اس سے وہ مشابہت اور بڑھ جاتی ہے ف۲۴۰ یعنی وہ گائے خوش نما، خوش منظر، خوش رنگ ہو۔ بدرنگ، بدنما، بدمنظر نہ ہو ف۲۴۱ یعنی ذرا اور متعین ومحدود کیجئے، اور اس کی اور خصوصیات بیان کیجئے۔ اس حلیہ اور اس رنگ کی گائیں تو بہت سی ہیں ف۲۴۲ (گائے تک اور اسے ضرور ذبح کر کے رہیں گے) ای الی عین البقرة المامور بذبحها (بحر) ف۲۴۳ ہندوستان میں عام رواج صرف بیل سے کاشتکاری کا کام لینے کا ہے، گائے سے نہیں۔ لیکن دوسرے ملکوں میں یہ کام گائے سے بھی لیا جاتا ہے ف۲۴۴ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۳۸۔ ف۲۴۵ یعنی مفصل وپورا پتہ تو اب بتایا ہے ف۲۴۶ یعنی ان کی مسلسل موشگافیوں سے تعمیل حکم بعید ہی معلوم ہوتی تھی ف۲۴۷ (اپنے ہی میں سے) "تم نے" یعنی تم میں سے کچھ لوگوں نے۔ ذکر بنی اسرائیل ہی کا بدستور چل رہا ہے۔ یہاں بھی اشارہ ان کی قومی تاریخ ہی کے کسی واقعہ کی طرف ہے لیکن اس خاص واقعہ کی تعیین کے لیے یہود کے ذخیرۂ تاریخ وروایات میں بہت زیادہ گھسنے اور کرید کرنے کی ضرورت ہے۔ انشاء اللہ کوئی آئندہ مفسر ہمت کر کے اس فرض کو ادا کرے گا۔ ف۲۴۸ (اور ایک دوسرے پر الزام رکھنے لگے) یعنی اصل قاتل کا پتہ نہیں لگ رہا تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ قاتل فلاں ہے اور کوئی کہتا کہ فلاں۔ ایک دوسرے پر الزام لگا رہے تھے۔ فَادّٰرَءْتُمْ۔ دره کے معنی جھگڑنے کے بھی ہیں اور دفع کرنے کے بھی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دفع کرنے ہی کے معنی میں آیا ہے۔ مثلاً فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ۔ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ۔ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ، یہاں اداراتم (بروزن اِفَّا عَلْتُم) سے مراد آپس میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر الزام ڈالنے سے ہے۔ ای ینفی کل واحد منکم القتل عن نفسه ویضیفه الی غیره (کبیر) اختلفتم واختصمتم فی شانها (کبیر) ف۲۴۹ یعنی اصل قاتل کا پتہ۔ رکوع سابق میں جو حکم ذبح گاؤ کا ملا ہے، وہ جیسا کہ مفسرین کا خیال ہے، شاید اسی موقع کے لیے تھا۔ ف۲۵۰ تفصیلات کا علم تو عالم الغیب کو ہے۔ البتہ اتنا پتہ تو یہود کے قانونِ شریعت (توریت) کے مطالعہ سے بہر حال چلتا ہے کہ قتل کے موقع پر جب قاتل کی تحقیق ہو رہی ہو، چند خاص شرائط کی پابندی کے ساتھ ایک جوان گائے کو جس سے کوئی خدمت نہ لی گئی ہو، ذبح کیا جاتا تھا۔ اور اس کے لاشہ پر بزرگانِ قوم ایک خاص طریق پر دعا کر کے خون کے گناہ سے اپنی بخشائش چاہتے تھے۔ کتاب استثناء کے باب ۲۱ میں آیات ۱۔۹ میں تفصیلات درج ہیں۔ یہاں صرف چند سطریں نقل کی جاتی ہیں:۔ "اگر اس سرزمین میں جس کا خداوند تیرا خدا تجھے ارشاد کرتا ہے، کسی کی لاش کھیت میں پڑی ہوئی ملے اور معلوم نہ ہو کہ اس کا قاتل کون ہے، تب تیرے بزرگ اور تیرے قاضی باہر نکلیں اور ان بستیوں تک جو مقتول کے گرداگرد ہیں، درمیان کو ناپیں۔ اور یوں ہوگا کہ جو شہر مقتول سے زیادہ نزدیک ہے اسی شہر کے بزرگ ایک بچھیا لیں جس سے ہنوز کچھ خدمت نہ لی گئی ہو، اور جوئے تلے نہ آئی ہو...... اور وہاں اس وادی میں اس بچھیا کی گردن کاٹیں...... پھر اس شہر کے سارے بزرگ جو مقتول سے نزدیک ہیں اس بچھیا کے اوپر جو اس وادی میں گردن ماری گئی ہے اپنے ہاتھ دھوئیں اور جواب دے کے کہیں کہ ہمارے ہاتھوں نے یہ خون نہیں کیا۔ نہ ہماری آنکھوں نے دیکھا"۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ مقتول زندہ ہو گیا تھا اور قاتل کا نام اور پتہ بتا کر پھر مر گیا۔ واللہ اعلم ف۲۵۱ (قیامت کے دن) جعل تبارک و تعالٰی ذلک الصنیع حجة لهم علي المعاد (ابن کثیر) قرآن مجید نے اپنی عام خصوصیت یعنی خاص سے عام کی تعلیم کی یہاں بھی نہ چھوڑی۔ اور ایک جزئی واقعہ سے اپنی قدرت اور امکانِ بعث ہی کا پہلو نمایاں کیا ف۲۵۲ (اور نمونے اپنی قدرتِ کاملہ اور اختیارِ مطلق کے) ف۲۵۳ (اور کم از کم، اس نظیر کے مشاہدہ کے بعد امکانِ بعث اور وقوعِ قیامت کے انکار سے تو باز آجاؤ) ف۲۵۴ یعنی قبول کی طرف ذرا نہ مائل ہوئے۔ ثُمَّ۔ یہاں استبعاد کے لیے ہے، یعنی جو نتیجہ نکلنا چاہیے تھا وہ نہ نکلا۔ ثم لاستبعاد القسوة بعد مشاهدة ما یزیلها (ابوسعود) مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ۔ اس تصریح نے اس استبعاد کو اور زیادہ قوی وشدید کر دیا۔ مؤكد للاستبعاد اشد تاکیدًا (جمل) ف۲۵۵ (عدم قبول حق کے باب میں) اسرائیلی صحیفوں میں بھی یہ مضمون بار بار آیا ہے۔ مثلاً "وہ تربیت پذیر نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے چہرہ کو چٹان سے سخت تر بنایا۔ انہوں نے پھرنے سے انکار کیا ہے" (یرمیاہ۔ ۳:۵) "سارے اہل اسرائیل بے حیائی کی پیشانی رکھتے اور سنگدل ہیں"۔ (حزقیل ۷:۳) اَوْ۔ یہاں "یا" کے معنی میں نہیں، بلکہ "بلکہ" کے معنی میں ہے۔ کلمة او بمعنی بل (کبیر) او بمعنی بل (جمل) یہ بھی کہا گیا ہے کہ او یہاں بطور کلمۂ اباحت آیا ہے۔ یعنی خواہ انہیں پتھر سمجھو یا پتھر سے بھی بڑھ کر سخت دونوں باتیں صحیح ہیں۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ اَوْ کو کلمۂ تنویع قرار دیا جائے اور آیت کے معنی یہ کیے جائیں کہ ان کے قلوب دو قسم کے ہیں۔ کچھ تو پتھر جیسے سخت، اور کچھ اس سے بھی زیادہ سخت۔ فالمعنی هم فرقتان فیهم من قلبه کالحجر، فیهم من قلبه اشد من الحجر (قرطبی) کان قلوبهم علی قسمین قلوب کالحجارة قسوة و قلوب اشد قسوة من الحجارة (بحر) او للتنویع ای بعض کالحجارة و بعض اشدّ (روح) ف۲۵۶ (اور ان سے ایک عالم سیراب ہوتا ہے) اس قسم کے پتھروں کی مثال انسانی آبادی میں حضرات انبیا و رسل ہیں۔ ان کے چشمۂ فیض سے ایک عالم اپنی رُوحانی پیاس بجھاتا اور سیراب ہوتا رہتا ہے

اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ

راہ پا جائیں گے ف۲۴۲ کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے

لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ

محنت کرنے والی نہ ہو جو زمین کو جوتتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو ف۲۴۳

مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ

اس میں (کوئی) داغ (دھبہ) نہ ہو ف۲۴۴ وہ بولے اب آپ ٹھیک

بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا وَ مَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاِذْ

پتہ لائے ف۲۴۵ پھر انہوں نے اسے ذبح کیا، اور وہ ایسا کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے ف۲۴۶ اور (وہ وقت یاد کرو) جب

قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا

تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا، ف۲۴۷ پھر تم آپس میں اس باب میں جھگڑنے لگے، ف۲۴۸ اور اللہ کو وہ ظاہر کر دینا تھا

كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ ۚ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ

جسے تم چھپا رہے تھے ف۲۴۹ تو ہم نے کہا کہ اس (میت) پر اس (گائے) کا کوئی ٹکڑا مارو ف۲۵۰

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

یوں ہی اللہ مُردوں کو زندہ کرے گا، ف۲۵۱ اور وہ تم کو اپنی نشانیاں ف۲۵۲ دکھاتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ

تاکہ تم عقل سے کام لو ف۲۵۳ اس پر بھی تمہارے دل اس کے

بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ

بعد بھی سخت ہی رہے، ف۲۵۴ چنانچہ وہ مثل پتھر کے ہیں، بلکہ سختی میں ان سے بھی بڑھ کر ف۲۵۵ اور

مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ

پتھر تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس سے دریا پھوٹ نکلتے ہیں ف۲۵۶ اور

ع ۸

مِنۡهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخۡرُجُ مِنۡهُ الۡمَآءُ ؕ وَ اِنَّ

کوئی ان میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے پانی نکلتا ہے ف۲۵۷ اور کوئی

مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

ان میں سے ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کی ہیبت سے نیچے آ گرتا ہے ف۲۵۸ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو، اللہ اس سے

عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷۴﴾ اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا لَكُمۡ

بے خبر نہیں ف۲۵۹ تو کیا تم اس کی توقع رکھتے ہو ف۲۶۰ کہ وہ لوگ تمہارے (کہنے سے) ایمان لے آئیں گے ف۲۶۱

وَ قَدۡ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ

درآنحالیکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اللہ کا کلام سنتے ہیں،

ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَ هُمۡ

پھر اسے کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں، بعد اس کے کہ اسے سمجھ چکے ہیں، اور وہ اسے (خوب) جانتے

يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ

بھی ہیں ف۲۶۲ اور جب وہ ان سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں ف۲۶۳

وَ اِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ قَالُوۡۤا اَتُحَدِّثُوۡنَهُمۡ

اور جب آپس میں تنہا ہوتے ہیں ف۲۶۴ تو کہتے ہیں کہ ارے کیا تم انہیں وہ بتا دیتے ہو

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ لِيُحَآجُّوۡكُمۡ بِهٖ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ

جو خدا نے تم پر منکشف کیا ہے ف۲۶۵ جس سے وہ تمہیں تمہارے پروردگار کے حضور میں قائل کر دیں گے ف۲۶۶

اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۷۶﴾ اَوَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ

سو کیا تم نہیں سمجھتے؟ ف۲۶۷ کیا یہ (اتنا بھی) نہیں جانتے کہ اللہ کو اس کی بھی خبر ہے

مَا يُسِرُّوۡنَ وَ مَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۷﴾ وَ مِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ

جسے یہ چھپاتے ہیں، اور اس کی بھی جسے یہ جتلاتے ہیں؟ ف۲۶۸ اور ان میں اَن پڑھ (بھی) ہیں

ف۲۵۷ (اوران سے بھی کسی درجہ میں اللہ کی مخلوق سیراب ہوتی رہتی ہے) اس نوعیت کے پتھروں کی مثالیں اولیاء امت اور ابرار و متقین ہیں کہ ان سے بنی انسانوں کا ایک بڑا طبقہ فیضیاب ہوتا رہتا ہے ف۲۵۸ (اور اس طرح خود اپنے تاثر کا ثبوت بہم پہنچاتا رہتا ہے) اس طرح کے پتھروں کی مثال عام مومنین صالحین ہیں کہ دوسروں کی اصلاح و ہدایت اگرنہ کرسکیں جب بھی اپنا ایمان تو سلامت لے ہی جاتے ہیں اور اپنے قبول حق کا ثبوت تو دے ہی جاتے ہیں۔ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ۔ اُوپر سے ذکر پتھروں ہی کا چلا آرہا ہے پتھروں کا جمود تو مسلم اور اُن کی قساوت تو مشاہد ہے۔ پھر اُن میں خشیت اللہ کا گزر کیسے اور ہیبت الٰہی کا اثر کیونکر؟ اہل سنت کا ایک گروہ کہتا ہے کہ خشیت الٰہی کا یہ اثر پتھروں میں اپنے حقیقی اور لفظی معنوں میں ہے۔ یعنی بعض پتھروں میں گداز کا جزو ہوتا ہے۔ گو ان کے مرتبہ جمادی کے مطابق۔ اور ان میں فہم وادراک کی قوتیں ہوتی ہیں گو ان کی سطح حجری کے متناسب۔ جیسے طور کہ آخر پہاڑ ہی تھا لیکن تجلی الٰہی کے وقت جلالتِ ربانی سے چور چور ہوگیا۔ ذٰلک بان الله جل ذکره اعطٰی بعض الحجارة المعرفة والفهم (ابن جریر) قیل المرادبه حقیقة الخشیة (مدارک) مذهب قوم وهو المروی عن مجاهد وغیره انها هنا حقیقة (روح) مذهب اهل السنة والجماعة انّ لِلّٰه تعالٰی علما فی الجمادات وسائر الحیوانات سوی العقلاء لا یقف علیه غیر الله فلها صلٰوة و تسبیح و خشیة (معالم) لیکن ایک دوسرا گروہ کہ وہ بھی اہل سنت ہی کا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ خشیت سے یہاں مراد محض خشیت مجازی یا انقیادِ تکوینی ہے۔ عقل، فہم، شعور وارادہ سے اس کا تعلق نہیں۔ لیکن بہرحال طبعی واضطراری طور پر تو موجودات کا ایک ایک ذرّہ قوانینِ الٰہی کے تابع ہی ہے۔ اسی کو یہاں مجازاً خشیت الٰہی سے تعبیر کردیا گیا ہے۔ جیسے خود محاورۂ قرآنی ہی میں ایک دوسری جگہ ارادہ کو بے جان و بے روح دیوار کی طرف منسوب کردیا گیا ہے۔ جِدَارًا يُّرِيۡدُ اَنۡ يَّنۡقَضَّ (کہف) حالانکہ سب جانتے ہیں کہ دیوار میں کوئی قوت نہ ارادہ کی ہوتی ہے نہ خواہش کی۔ انما ارید بذٰلک انه من عظم امر الله یرٰی کانه هابط خاشع من ذلّ خشیة الله (ابن جریر) قیل هو مجاز عن انقیادها لامرالله (مدارک) والخشیة مجاز عن الانقیاد (بیضاوی) قال قوم ان الخشیة مجاز عن انقیاد لامرالله (روح) دونوں گروہ اہل حق ہی کے ہیں اور دونوں تفسیریں اپنی اپنی جگہ درست ہیں ف۲۵۹ خدائے تعالیٰ نہ بے علم و بے خبر ہے، نہ بے طاقت و بے اختیار ہے۔ اور اس کے علم وطاقت دونوں کا حال عنقریب منکشف اور مشاہد ہو کر رہے گا ف۲۶۰ (اے مسلمانو! اسرائیلیوں کی ان ساری بدکرداریوں کی رُوداد سننے کے بعد بھی) خطاب اس آیت میں اسرائیلیوں سے نہیں مسلمانوں سے ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعی کا قول ہے کہ اس کے مخاطب رسول ﷺ اور مومنین ہیں (کبیر) قال القاضی و هٰذا التی بالظاهر (کبیر) یرید محمدًا و اصحابه (معالم) اَفَتَطۡمَعُوۡنَ میں جو ہمزۂ استفہامی ہے، اس کا مقصود استبعاد ہے یعنی بھلا ایسا بھی کہیں ہوسکتا ہے؟ الهمزة لانکار الواقع استبعاده (ابو سعود) الاستفهام لاستبعاد او للانکار التوبیخی (روح) تطمعون۔ طمع کے عام معنٰی لالچ کرنے، حرص رکھنے کے ہیں۔ لیکن دوسرے معنٰی امید و توقع کے بھی ہیں۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ طمع فیه و به ای حرص علیه ورجاه (لسان) اَفَتَرجوا یا محمدً (ابن عباس رضی اللہ عنہما) مترجم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ فارسی میں "امید" سے اور مفسر تھانوی نے اُردو میں "توقع" سے کیا ہے ف۲۶۱ "وہ لوگ" یعنی عہد رسول ﷺ کے معاصر یہود جن کی قساوت قلب کی اتنی مفصل و مسلسل سرگزشت ابھی بیان ہوچکی۔ هم الیهود الذین کانوا فی زمن رسول علیه السلام (کبیر) لَكُمۡ۔ یعنی تمہاری خاطر سے، تمہارے کہنے سے، تمہاری دعوت پر۔ ای لاجل دعوتکم و یستجیبوا لکم (کشاف) لام السبب ای یؤمنوا لاجل دعوتکم لهم (بحر) ف۲۶۲ (کہ کیسی سخت جسارت کررہے ہیں) وَقَدۡ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ۔ كَانَ کے دو مفہوم ہوسکتے ہیں، اور لغت ونحو دونوں اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک ایسا فریق تھا اسرائیلیوں کے درمیان۔ گویا ذکر ماضی کا اور یہود معاصرین کے اسلاف کا ہورہا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک ایسا فریق رہا ہے اُن کے درمیان۔ یعنی ذکر حال کا اور ہمعصر یہود کا ہورہا ہے۔ ائمہ تفسیر سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔ لیکن سیاق دوسرے معنٰی کے زیادہ موافق ہے۔ کہ حجت معاصرین ہی پر قائم کی جارہی ہے، اور ملزم انہیں کو قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ المراد بالفریق من کان فی زمان محمد علیه الصلٰوة والسلام و هٰذا اقرب (کبیر) كَلٰمَ اللّٰهِ۔ یعنی یہود کے آسمانی صحیفے۔ اپنے ہاں کے صحیفوں کی تحریف یہود کو خود مسلم رہی ہے۔ یرمیاہ نبی اپنی قوم کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:۔ "تم نے زندہ خدا، رب الافواج، ہمارے خدا کی باتوں کو بگاڑ ڈالا ہے۔" (یرمیاہ۔ ۲۳: ۳۷) قرآن مجید کی اعجازی کامیابیوں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اب خود یہود بھی اپنے آسمانی صحیفوں کی تنزیل لفظی کے قائل نہیں رہے ہیں۔ اور ان کے علماء واکابر اب صاف اقرار کررہے ہیں کہ صرف مضامین ومطلب کا القاء ہمارے انبیاء واصفیاء کے قلب صافی پر ہوتا تھا، اور وہ حضرت انہیں الہاماتِ معنوی کی روشنی میں اپنے لفظ وعبارت میں نوشتے تیار کردیتے تھے۔ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ۔ یعنی نادانستگی میں نہیں۔ دیدہ دانستہ، سب کچھ جان لینے، سمجھ لینے کے بعد۔ ف۲۶۳ اب ذکر منافقین یہود کا شروع ہورہا ہے۔ یہود کی ایک تعداد تو مدینہ میں علانیہ دشمن اسلام تھی ہی۔ لیکن کچھ ان کے علاوہ اس قماش کے بھی تھے کہ مسلمانوں کے سامنے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے تھے۔ یہ ذکر انہیں منافقین کا ہے۔ یعنی المنافقین من الیهود (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۲۶۴ یعنی یہ دیکھ لیتے

ہیں کہ آس پاس کوئی مسلمان تو نہیں سن رہا ہے۔ **و۲۶۵** یعنی وہ اسرار و تعلیمات جو تمہاری مقدس کتابوں اور آسمانی صحیفوں میں محفوظ ہیں۔ مثلاً آخری نبی کی بشارتیں اور علامتیں۔ یہود جب آپس میں ملتے، تو ایک دُوسرے کو قائل کرتے کہ تم اپنے ہاں کی پیشگوئیاں اور خاص تعلیمات مسلمانوں پر کیوں ظاہر کر کے خواہ مخواہ ان کے ہاتھ میں ہتھیار اپنے خلاف دے دیتے ہو۔ انہیں معلومات سے وہ ہمیں قائل کرتے ہیں۔ یہی دلائل وہ ہمارے تمہارے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ --- گویا یہ احمق یہ سمجھ رہے تھے کہ رسول ﷺ اسلام اور پیروانِ اسلام کو جو کچھ بھی علم ہو گا محض انہیں کے بتانے ہی سے ہو سکتا ہے، اور بس اس کے سوا اُن پر علم و معلومات کے کل دروازے بند ہیں! یہ جہل مرکب بالکل اسی طرح کا تھا، جس میں آج سارا فرنگستان مبتلا ہے۔ یہ لوگ قرآن مجید پر جب تبصرہ کرنے بیٹھتے ہیں۔ تو اس مفروضہ کو بنیاد کار بنا لیتے ہیں، کہ اس میں جو کچھ بھی مذکور ہے وہ یہود کی توریت مروّجہ، مسیحیوں کی انجیل مروّجہ، اور اسی طرح کے دُوسرے انسانی ہی ذرائع سے ماخوذ و منقول ہے۔ اور اس کا تو کوئی امکان دُور کا بھی نہیں کہ اس میں کوئی غیبی امداد، وحی والہام کے قسم کی شامل ہو! لفظ اللہ اب تو ایک اسلامی اصطلاح ہے۔ لیکن پہلے بھی اس کا استعمال صرف اہل عرب کی زبان پر تھا، یہاں ایسے لوگوں کی زبان سے نقل ہوا ہے جو نہ مسلم تھے نہ عرب۔ اس لیے بجائے اسی کو بجنسہٖ لے آنے کے اس کا ترجمہ "خدا" درج کیا گیا **و۲۶۶** عِنْدَ رَبِّكُمْ کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اور آخرت میں تمہیں قائل کریں گے۔ چنانچہ ایک گروہ نے یہی معنٰی لیے ہیں۔ المراد یحاجوکم یوم القیٰمۃ (کبیر۔ عن الاصم) ای عندربکم یوم القیٰمۃ (جلالین) لیکن زیادہ لگتے ہوئے معنٰی یہ ہیں کہ اسی دُنیا میں تم پر حجت قوی قائم کر دیں گے۔ اور عِنْدَ رَبِّكُمْ یہاں عِنْدَ اللهِ کی طرح حجت قوی و معروف کے معنٰی میں ہے۔ اس لیے کہ اوّل تو یہود عالم آخرت کے پوری طرح قائل نہ تھے۔ دُوسرے وہاں حجت قائم کرنے کے لیے کسی ایسے ظاہری سہارے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہاں تو کشف حقائق از خود ہو کر رہے گا، اس لیے یہاں گویا احتجاج بہ کتاب اللہ کو عند اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ امر قدیم ائمہ تفسیر کی عظمت پر بس کرتا ہے، کہ انہوں نے یہود کے عقائد متعلق بہ آخرت کا پورا علم رکھے بغیر بھی یہی پہلو اختیار کر لیا ہے۔ هو فی کتاب الله هکذا و هو عندالله هکذا بمعنی واحد (کشاف) ای فی حکم الله (کبیر۔ عن القفال) قیل هذا علی اضمار المضاف ای عند کتاب ربکم (مدارک) لیحتجوا علیکم بما انزل ربکم فی کتابه (بیضاوی) ای فی کتابه و حکمه (روح) **و۲۶۷** (جو مسلمانوں کو اپنے رازوں سے اپنی زبان سے واقف کیے دیتے، اور ان کے ہاتھوں میں اپنے خلاف ہتھیار دیے دیتے ہو) اب جا کر اکابر یہود کی تقریر اپنے ہم قوموں سے ختم ہوئی **و۲۶۸** (اور وہی اللہ جب چاہے رسول ﷺ اور مومنین کو اطلاع دے سکتا ہے) موٹی سی بات ہے کہ اللہ کے لیے ایسے امور کی اطلاع اپنے پیمبر کو دے دینا مشکل ہی کیا تھا۔ لیکن بے مغز یہود اس امکان ہی کی طرف اپنا ذہن نہیں لے جاتے تھے کہ شاید اس مدعی نبوت کا تعلق خدائے تعالیٰ کے ساتھ واقعی کچھ ہو! ٹھیک اسی طرح جیسے آج بے مغز فرنگی اس امکان ہی کی طرف ذہن نہیں لے جاتے کہ کہیں قرآن انسانی تصنیف کے بجائے واقعی خدا ہی کی کتاب نہ ہو **و۲۶۹** (کہ "ہمارے بزرگ ہمیں بخشوا لیں گے"۔ "ہم خدا کے خاص محبوبوں کی اولاد ہیں ہمیں کیا غم"۔ وغیرہ) اشارہ اسی قسم کے خرافات عقائد کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ یہ ذکر عوام یہود کا ہے۔ یہ عوام کالانعام، پڑھے نہ لکھے، باپ دادا کی لکیر کے فقیر، اپنی دل کی گڑھی ہوئی آرزوؤں اور دل خوش کن روایتوں میں پڑے مست رہتے تھے۔ انجیل میں کہیں تو مسیح علیہ السلام کی زبان سے اور اس سے بڑھ کر پولوس کی زبان سے یہود کی انہیں باطل پرستیوں اور حماقت نوازیوں کا ذکر بار بار آیا ہے۔ اَمَانِیَّ۔ اُمنیۃ کی جمع ہے۔ ایک معنٰی تو یہ ہیں کہ محض اپنی آرزوؤں کو پالتے رہتے ہیں، جنہیں واقعیت و حقیقت سے اصلاً تعلق نہیں۔ اُمنیۃ ماتخیّله الانسان (کبیر) التمنی فی هذا الموقع هو تخلق الکذب و تخرصه (ابن جریر) دُوسرے معنٰی یہ کیے گئے ہیں کہ یہ جھوٹی روایتوں، بے ثبوت و بے سند خرافات میں پڑے رہتے ہیں۔ اور یہ معنٰی اکثر اکابر سے منقول ہیں۔ اکاذیب مختلفة سمعوها من علمائهم فنقلوها علی التقلید (بحر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما و مجاهد و القراء) **و۲۷۰** پچھلی آیت میں ذکر عوام یہود کا تھا، اب ذکر خواص اکابر یہود کا ہے۔ توریت کی تحریف اب کوئی اختلافی یا نزاعی مسئلہ نہیں۔ دوست دشمن سب ہی کو اب تسلیم ہو چکا ہے کہ یہ کلامِ الٰہی نہیں اور اس کے دوست زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا رسیدہ انسانوں کی تصنیف ہے۔ کسی جامد سے جامد یہودی میں بھی اب یہ ہمت باقی نہیں کہ توریت کو قرآن مجید کی طرح تنزیل لفظی قرار دے۔ اب زیادہ سے زیادہ جو کہا جاتا ہے وہ یہ کہ خاصانِ خدا نے الہام خداوندی سے مشرف ہو کر اسے اپنے طور پر اور اپنی عبارت میں ترتیب و تالیف دیا۔ اور خدائے تعالیٰ کی جانب اس کا انتساب صرف مجازاً یا بالواسطہ ہے، حقیقی اور براہ راست کے مفہوم میں نہیں۔ پھر وقتاً فوقتاً جو تصحیفات ہوتی رہی ہیں، وہ بالفرض کسی مصلحت یا ضرورت ہی سے ہوئی ہوں، بہرحال نفس ان کے وقوع کا اعتراف کھلے خزانے سب کو ہے۔ اور بائبل کی تنقید Higher Criticism ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ جرمن، فرنچ، انگریزی وغیرہ میں چھوٹی بڑی صدہا بلکہ ہزارہا کتابیں اس موضوع پر تیار ہو چکی ہیں، اور مقالات و مضامین کا تو شمار ہی نہیں۔ پھر فن بھی مختلف شاخوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ انتقادِ متن Textual Criticism انتقادِ تاریخی Historical Criticism وغیرہ اور ہر شاخ کے الگ الگ ماہرین پیدا ہو رہے ہیں --- کاش سید احمد خان مرحوم (اللہ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے) آج زندہ

لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا

جو کتاب (الٰہی) کا کوئی علم نہیں رکھتے بجز جھوٹی آرزوؤں کے، اور یہ محض تخیلات میں

يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ق

پڑے رہتے ہیں **و۲۶۹** سو (بڑی) خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو کتاب (الٰہی) کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں،

ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ

پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے **و۲۷۰** تاکہ اس سے قدرے قلیل

ثَمَنًا قَلِيْلًا ط فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ

معاوضہ حاصل کریں **و۲۷۱** سو خرابی ہے ان کے لئے اس کی بدولت جو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں **و۲۷۲**

وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا

اور خرابی ہے ان کے لئے اس کی بدولت جو وہ حاصل کرتے ہیں **و۲۷۳** اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو تو دوزخ کی آگ

النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ط قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ

چھوئے گی بھی نہیں بجز چند گنے چنے دنوں کے **و۲۷۴** آپ کہیے کیا تم

اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ

اللہ کے ہاں سے کوئی وعدہ پا چکے ہو، جو اللہ اب اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا؟ یا (یوں ہی) اللہ پر وہ جوڑ

عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً

رہے ہو جس کا علم تم نہیں رکھتے **و۲۷۵** (نہیں) بلکہ اصل یہ ہے کہ جو کوئی بھی بدی اختیار کرے گا

وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور اس کا گناہ اس کو گھیر لے گا سو یہی لوگ اہل دوزخ

النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ہیں، **و۲۷۶** اس میں ہمیشہ پڑے رہنے والے **و۲۷۷** اور جو لوگ ایمان لائیں

النصف

ہوتے، اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے، کہ یہود و نصاریٰ کی طرف سے جس الزام کی صفائی خواہ مخواہ انہوں نے اپنے سر لے رکھی تھی، اس جرم کا اقبال اب کھلے لفظوں میں وہی لوگ کس کثرت سے کر رہے ہیں! یورپ اب جا کر چونکا ہے، اور یہ فن ابھی پچھلی صدی، انیسویں صدی سے پیدا ہوا ہے۔ عرب کے اُمی ﷺ کے لائے ہوئے کلام کا یہ اعجاز ہے کہ اُس نے تیرہ صدی پیشتر ہی اہل کتاب کی ''کتاب'' (جو لفظی ترجمہ ہے بائبل کا) کو تمام تر محرف و ناقابل اعتماد قرار دے دیا تھا! اللہ کا لفظ یہاں بھی یہود کی زبان سے ادا ہوا ہے، اس لیے ترجمہ یہاں 'خدا' سے کیا گیا و۲۷۱ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آیت کے اندر دو حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک یہود کی انتہائی شقاوتِ قلب کی جانب کہ کلامِ ربانی تک میں تحریف سے نہ چوکے۔ دُوسرے اس امر کی طرف کہ اس تحریف سے بھی مقصود کوئی خدمتِ دین نہ تھی، تمام تر تحصیل جاہ و مال ہی تھی۔ ثَمَنًا۔ ثمن کے معنی صرف نقد یا زر قیمت کے نہیں، بلکہ جو چیز بھی کسی چیز کے معاوضہ میں حاصل ہو وہ اس کی ثمن ہے۔ کل ما یحصل عوضا عن شیٔ فھو ثمنہ (راغب) مفسرین نے بھی اسے یہاں اسی وسیع مفہوم، یعنی مطلق دنیوی معاوضہ کے معنی میں لیا ہے۔ الثمن ھنا ھو عرض الدنیا (بحر) قَلِيلًا۔ کلامِ ربانی کی تصحیف و تحریف جیسے شدید و عظیم جرم سے جو بھی مادّی نفع، کسی قسم کا بھی حاصل ہوگا، ظاہر ہے کہ وہ حقیر و بے وقعت ہی ہوگا۔ بعض خشک اہل ظاہر نے آیت کے ظاہر الفاظ پر جا کر یہ فتویٰ دے دیا ہے کہ قرآن مجید کی خرید و فروخت دونوں ناجائز ہیں۔ لیکن مذہب صحیح یہ ہے کہ دونوں بالکل جائز ہیں۔ بیع و شرا یہاں جو کچھ بھی ہوتی ہے، وہ کاغذ، کتابت وغیرہ کی ہوتی ہے، نہ کہ ''اٰیات اللہ'' کی۔ آیت سے اگر کوئی وعید لازم آتی ہے تو وہ جھوٹے مسئلہ بتانے والے اور موضوع حدیثیں بیان کرنے والوں کے حق میں ہے و۲۷۲ قرآنی اور اسلامی معیارِ صداقت و دیانت سے ہر تحریف اور ہر تصحیف موجب لعنت ہے اور حد سے بڑھی ہوئی جسارت۔ اور اسی لیے یہ بات مسلمانوں کی سمجھ میں آتی نہیں کہ کوئی شخص کسی کلام کو کلامِ الٰہی مان کر اس میں دخل و تصرف کی نیت کر کیسے سکتا ہے۔ لیکن دُوسری قومیں اس معیار ہی سے ناآشنا ہیں۔ بلکہ بعض اہل کتاب کے ہاں تو بھلائی کے لیے ہر برائی درست، اور ''خدا کی سچائی'' اور ''خداوند کے جلال'' کے اظہار کے لیے ہر جھوٹ جائز۔ آج دُنیا میں مسیحیت کے نام سے جو تثلیثی شرک پھیلا ہوا ہے، اس مذہب کے بانی پولوس صاحب Paul اسرائیلی ہوئے ہیں۔ آپ کا یہ مقولہ آج تک انجیل مروج میں لکھا چلا آ رہا ہے:۔ ''اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اُس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے؟ اور ہم کیوں نہ برائی کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو؟'' (رومیون۔ ۳: ۷) و۲۷۳ (اپنی تحریفی جسارتوں سے) مِّمَّا يَكْسِبُونَ سے مراد کیا ہے؟ یعنی وہ کیا چیز ہے جو وہ اپنی ان حرکتوں سے حاصل کرتے رہتے ہیں؟ اس کے دو جوابات دیے گئے ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے گناہوں کا ذخیرہ مراد ہے۔ یعنی وہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے اپنے معاصی ہی کا انبار بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ یقال من المعاصی (معالم) والمراد بذلک سائر معاصیھم (کبیر) دوسرے یہ کہ جو مالی نفع وہ اپنی غرضمندانہ تحریف اور (بہ قول خود) دروغِ مصلحت آمیز سے حاصل کرتے ہیں وہ یہاں مراد ہے۔ یصیبون من الحرام والرشوۃ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای مما اکلوا بہ من السحت (ابن کثیر) المال الماخوذ علی ھذا الوجہ (کبیر) یرید بہ الرشی (بیضاوی) و۲۷۴ اور یہ چند دن وہی ہیں، جیسا کہ پادری راڈول نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں اکابر یہود کے حوالہ سے لکھا ہے، جن میں قوم اسرائیل گوسالہ پرستی میں مبتلا رہی تھی۔ یعنی کوئی ۴۰ دن۔ اور یہی بات ہمارے بعض ائمہ تفسیر نے بھی نقل کی ہے:۔ قد زار بعین یومًا التی عبد فیھا اٰباؤنا العجل (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اور ایک دُوسرے مسیحی مترجم قرآن 'سیل' نے یہ مدت گیارہ مہینہ یا ایک سال نقل کی ہے۔ اسی طرح ایک میعاد سات دن کی بھی نقل ہوئی ہے۔ بہرحال وہ تھی کوئی محدود و متعین مختصر ہی سی مدت۔ بلکہ بعض یہودی ماخذوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اسرائیل اپنے کو آتش دوزخ کی زد سے بالکل ہی باہر اور محفوظ سمجھ رہے تھے۔ چنانچہ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں یہ عقیدہ یوں نقل ہوا ہے:۔ ''آتش دوزخ گنہگاران قوم یہود کو چھوئے گی بھی نہیں۔ اس لیے کہ وہ درِ جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے اور خدا کے پاس واپس آ جائیں گے''۔ (جلد ۵ صفحہ ۵۸۳) اور یہود کے بڑے مقدس نوشتہ تالمود کے انتخابات کا جو مجموعہ انگریزی میں ڈاکٹر کوہن Kohen کا مرتب کیا ہوا Everyman's Library Series میں شائع ہوا ہے۔ اُس میں یوں آیا ہے:۔ ''قیامت کے دن ابراہیم درِ دوزخ پر تشریف رکھتے ہوں گے اور کسی مختون اسرائیلی کو اس میں نہ گرنے دیں گے۔'' (صفحہ ۴۰۴) ''جہنم کی آگ اسرائیلی گنہگاروں پر کوئی قدرت نہیں رکھتی۔'' (صفحہ ۴۰۵) حاصل یہ کہ بنی اسرائیل اپنی قوم کو خدا کی لاڈلی اور دُلاری سمجھے ہوئے تھے اور اس پر حد سے زیادہ نازاں تھے۔ یہود کی زبان سے اس سلسلہ میں ''ہم'' صیغۂ جمع متکلم جہاں جہاں بھی آیا ہے، اجتماعی معنی رکھتا ہے۔ یعنی مراد قوم اسرائیل ہے و۲۷۵ یہود سے بطور حجت الزامی سوال ہو رہا ہے کہ یہ جو اپنی قوم کی محبوبیت خاصہ کا عذاب آخرت سے محفوظیت کا، عدم مسئولیت کا عقیدہ تم نے اپنے دل میں جما رکھا ہے۔ تو آخر یہ یوں ہی اپنے دل سے گڑھ لیا ہے، یا اس کی کوئی سند بھی اپنے مقدس نوشتوں میں دکھا سکتے ہو؟ آخر یہ اعتبار کہاں سے قائم کر لیا ہے؟ تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ۔ قال کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے، تو معنی ہوتے ہیں کسی پر کوئی بات جوڑ لی، کسی پر بہتان باندھ دیا۔ قال علیہ ای افتری (تاج) و۲۷۶ نجات و عدم نجات کا اصل قانون اب بیان ہو رہا ہے کہ اسے نسل و قوم سے کوئی واسطہ ہی نہیں اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ۔ قصد اً بدی کی راہ اختیار کرنا اور معصیت سے پوری طرح گھر جانا کہ خود ایمان کے لیے گنجائش ہی باقی نہ رہ جائے، صرف انہیں کے لیے ممکن ہے جو سرے سے اہل باطل ہوں۔ اور ان کی موت کفر اور بے دینی ہی پر آئے۔ مومن کیسا ہی بدعمل ہو بہرحال اس آیت کا مصداق تو نہ ہوگا۔ کم از کم زبان سے اقرار اور قلب سے تصدیق کا درجہ تو اسے حاصل ہی ہوگا۔ تمام اکابر اہل سنت نے یہاں مراد کفر ہی سے لی ہے۔ ای اشرک باللہ ومات علیہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) السیئۃ الکفر و الشرک قال ابن عباسؓ و مجاھد (بحر) المومنون لا یدخلون فی حکم ھذہ الاٰیۃ (معالم۔ عن الواحدی) فامّا اذا مات مؤمنًا فاعظم الطاعات و ھو الایمان معہ فلا یکون الذنب محیطًا بہ فلا یتناولہ النصّ (مدارک)۔ بعض اہل باطل (معتزلہ و خوارج وغیرہ) نے آیت سے جو مومن عاصی کی عدمِ مغفوریت پر استدلال کرنا چاہا ہے، وہ صریحًا باطل ہے و۲۷۷ خلود کے معنی اگرچہ مدتِ طویل کے بھی ہیں۔ لیکن اہل دوزخ اور اہل جنت کے سلسلہ میں جہاں جہاں اس لفظ کا استعمال قرآن مجید میں ہوا ہے، اہل سنت کا اجماع ہے کہ اس سے مراد دوام یا ہمیشگی ہے، اور اس کی تاکید و تائید میں قرآن مجید میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ کے ساتھ ساتھ جابجا اَبَدًا بھی آیا ہے۔ والمراد بالخلود الدوام (روح) ومن الناس من حمل الخلود علی اصل الوضع وھو اللبث الطویل لیس بشیٔ لان فیہ تھوین الخطب فی مقام التھویل مع عدم ملائمتہ حمل الخلود فی الجنۃ علی الدوام (روح) و۲۷۸ دونوں آیتوں میں نجات کا پورا قانون ایجاز و اختصار کے ساتھ آ گیا کہ نجات کو نسل و قوم سے کوئی تعلق نہیں۔ جو کوئی اپنے قصد و اختیار سے بدعقیدگی و بدکرداری کی راہ پر چلے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور جو کوئی اپنے قصد و اختیار سے ایمان و عمل صالح کی روش کا انتخاب کرے گا، اس کی منزل جنت ہے۔ اُولٰٓئِكَ۔ فَاُولٰٓئِكَ۔ اُوپر کی آیت کے الفاظ تھے فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ اور اس آیت میں ہیں اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ گویا ایک ہی قسم کا حکم لگانے میں ایک جگہ اُولٰٓئِكَ۔ ف کے ساتھ ہے۔ اور ایک جگہ بغیر ف کے۔ یہ فرق گو خفیف سا ہے اور لفظی بھی نہیں محض حرفی ہے، لیکن اتنا فرق بھی آخر کیوں؟ اہل تحقیق نے جواب میں کہا ہے کہ پہلا موقع وعید کا تھا اہل جہنم کے لیے اور وعید میں امکان خُلف وعید کا ہے، اس لیے اُس پر زور دیا گیا ہے۔ اور دوسرے موقع پر صرف وعدہ تھا اہل جنت سے، جس کے خُلف کا کوئی امکان ہی نہیں، اس لیے محض اُولٰٓئِكَ بغیر ف کے بالکل کافی تھا۔ اور دُوسرا جواب اس کے برعکس یہ بھی دیا گیا ہے کہ اہل نحو کہتے ہیں کہ اس فقرہ من دخل داری فاکرمہ میں اس کا امکان رہ جاتا ہے کہ گھر میں داخل ہونے والے کا اکرام نہ بھی کیا جائے۔ لیکن دُوسرے فقرہ من دخل داری اکرمہ میں اکرام کرنا یقینی ہو جاتا ہے۔ عدم اکرام کا احتمال نہیں باقی رہتا۔ اسی نمونہ پر قرآنی فقرے میں نیک کاروں کو جنت ملنا بالکل یقینی ہے (روح) الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی جو ترتیب یہاں ہے، یہ قرآن نے ہر جگہ اور بڑی کثرت سے ملحوظ رکھی ہے۔ اور اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ گو عمل صالح اپنی جگہ پر نہایت اہم اور ضروری ہے، لیکن ایمان اس سے بھی اہم تر ہے، اور بغیر ایمان کے مجرد عمل صالح کے کوئی معنی ہی نہیں۔ ایمان کی حقیقت نیت عمل اور فکر کی تصحیح ہے۔ اور قرآن مجید نے بالکل فطری ترتیب کے مطابق تصحیح فکر کو تصحیح عمل پر مقدم رکھا ہے۔ محض عمل، اگر نیت سے قطع نظر کر لی جائے، تو صرف صورتِ عمل رہ جاتا ہے۔ حقیقت عمل نہیں۔

وا۲۷ (ان کے پیغمبروں کے واسطہ سے) عہد، جب اس کا تعلق خدائے تعالیٰ سے ہوتا ہے، محاورۂ توریت میں حکم کے معنیٰ میں آتا ہے۔ مثلاً "اور اُس نے اپنا عہد تمہارے آگے بیان کیا جس پر عمل کرنے کا حکم بھی اُس نے تمہیں دیا۔ یعنی دس احکام"۔ (استثناء ۴: ۱۳) بعض شارحین قرآن نے بھی یہاں 'عہد لینے' کو 'حکم دینے' کے معنیٰ میں لیا ہے۔ ای امرنا بذٰلک (ابن قتیبہ) وا۲۸۰ توریت اثباتِ توحید وممانعت شرک سے بھری پڑی ہے۔ صرف دو ایک مقام بہ طور نمونہ ملاحظہ ہوں:۔ "میرے حضور تیرے لیے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لیے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر"۔ (خروج۔ ۲۰: ۲۔ ۵) "میرے آگے تیرا دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لیے تراشی ہوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے مت بنا۔ تو انہیں سجدہ نہ کر نہ ان کی بندگی کر"۔ (استثناء۔ ۵: ۷ و ۸) "سن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے"۔ (استثناء۔ ۶: ۴) "تم اور معبودوں کی قوموں کے معبودوں میں سے جو تمہارے آس پاس ہیں پیروی نہ کرو، کیونکہ خداوند تیرا خدا جو تمہارے درمیان ہے غیور خدا ہے۔ نہ ہو کہ خداوند تیرے خدا کے قہر کی آگ تجھ پر بھڑکے اور تمہیں روئے زمین سے فنا کردے"۔ (استثناء۔ ۶: ۱۴ و ۱۵) تَعْبُدُوْنَ۔ صورۃً صیغۂ مضارع ہے، لیکن معنیً امر ہے۔ ھو اخبار فی معنی النھی (کشاف) بلکہ امر صریح سے بلیغ تر ہے۔ یعنی اس سے یہ نکلتا ہے کہ گویا اس حکم کی تعمیل ہو بھی چکی۔ و ھو ابلغ من صریح الامر والنھی لانہ کانہ سورع الی الامتثال (کشاف) ھوا بلغ من صریح النھی لما فیہ من ابھام انّ المنھٰی سارع الی الانتھاء فھو یخبر عنہ (بیضاوی) وا۲۸۱ اس سے ملتے جلتے احکام توریت موجودہ میں اب بھی موجود ہیں:۔ "تو اپنے ماں باپ کو عزت دے"۔ (خروج۔ ۲۰: ۱۲) "اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے۔ جیسا خداوند تیرے خدا نے فرمایا ہے"۔ (استثناء ۵: ۱۶) "اور اپنے مفلس بھائی کی طرف سے اپنے ہاتھ مت بند کیجیو۔ بلکہ تو اس پر اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو۔ اور کسی کام میں جو وہ چاہے بہ قدر اس کی احتیاج کے ضرور اس کو قرض دیجیو"۔ (استثناء۔ ۱۵: ۸ و ۹) "اور مسافر اور یتیم اور بیوہ جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہیں۔ آویں اور کھاویں اور سیر ہوویں"۔ (استثناء۔ ۱۴: ۲۹) "مسکین زمین پر سے کبھی جاتے نہ رہیں گے۔ اس لیے یہ کہہ کے میں تجھے حکم کرتا ہوں کہ تو اپنے بھائی کے واسطے اور اپنے مسکین کے لیے اور اپنے محتاج کے واسطے جو تیری زمین پر ہے اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو"۔ (استثناء۔ ۱۵: ۱۱) وا۲۸۲ یعنی عام طور پر لوگوں سے حسن گفتار کو قائم رکھو۔ ای قُوْلُوْا لِلنَّاسِ مقالۃ حسنۃ (بحر) قولوا لھم القول الطیب (بحر۔ عن ابی العالیہ) بات چیت میں اچھی طرح پیش آتے رہنا سہل ترین اور ادنیٰ فریضۂ انسانیت ہے۔ اس لیے یہ حکم عام ہے۔ یعنی خوش خلقی سے سب ہی کے ساتھ پیش آتے رہنا چاہیے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس حکم کی تعمیم آیاتِ قتال سے منسوخ ہوگئی۔ لیکن حضرت ابو جعفر باقر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ حکم اب بھی عام ہے، تحدید و تخصیص پر کوئی دلیل نہیں، اور یہی مذہب قوی ہے۔ زعم ابو جعفر محمد بن علی الباقر ان ھٰذا العموم باقٍ علی ظاھرہ وانّہ لا حاجۃ الی التخصیص وھٰذا ھو الاقوٰی (کبیر) توریت موجودہ میں اب حسن سلوک کے جتنے بھی احکام ملتے ہیں ان کا دائرہ محدود ہے بنی اسرائیل کے ساتھ۔ اس لیے یا تو اس حکم کو اہل توریت نے بدل ڈالا۔ اور یا حکم ہے ہی خاص شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم، جیسا کہ متعدد اہل تفسیر کا گمان ہے وا۲۸۳ صلوٰۃ، اقامت صلوٰۃ، زکوٰۃ۔ اب یہ سب مخصوص اسلامی اصطلاحیں ہیں۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ اسرائیلیوں کو یہ سب احکام انہیں مخصوص ہستیوں اور انہیں متعین قیود کے ساتھ ملے تھے۔ انہیں جو احکام ملے تھے، وہ تھے انہیں عبادتوں سے متعلق، لیکن اُن کی مخصوص بولی میں اور ان کے حالات و ماحول کے مطابق۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے اور دعا اور عبادت کی تاکید اب بھی توریت میں مختلف عنوانات سے موجود ہے۔ وا۲۸۴ چند شہادتیں اسی مضمون کی خود توریت سے ملاحظہ ہوں:۔ "وہ اس راہ سے جو میں نے انہیں فرمائی جلد پھر گئے"۔ (خروج۔ ۳۲: ۸) "میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ ایک گردن کش قوم ہے"۔ (خروج، ۳۲: ۹) "اس لیے کہ تم گردن کش لوگ ہو"۔ (خروج۔ ۳۳: ۳) "بنی اسرائیل کو کہہ دو کہ تم گردن کش لوگ ہو"۔ (خروج۔ ۳۳: ۵) یہ چند حوالے صرف نمونہ کے طور پر دیے گئے۔ ورنہ توریت کا تو یہ ایک خاص موضوع ہے۔ وا۲۸۵ "عہد لیا" یہاں بھی "حکم دیا" کے معنیٰ میں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۷۹ خونریزی کی ممانعت توریت مروجہ میں بھی متعدد مقامات پر ملتی ہے۔ مثلاً:۔ "تو خون مت کر" (خروج۔ ۲۰: ۱۳) "بے گناہ کا لہو تیری زمین پر جسے خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے، بہایا نہ جائے کہ خون تجھ پر ہو"۔ (استثناء۔ ۱۹: ۱۰) وا۲۸۶ یعنی ان احکام کی اطاعت کا اقرار تم نے صاف صاف کیا، جو آج تک تمہارے نوشتوں میں لکھا چلا آتا ہے، اور تمہیں اس سے مجالِ انکار نہیں۔ توریت میں ہے:۔ "وہ بولے کہ سب کچھ جو خداوند نے فرمایا ہے ہم کریں گے اور تابع رہیں گے"۔ (خروج۔ ۲۴: ۷) وا۲۸۷ یہود کے جو قبیلے عہد نبوی میں مدینہ اور جوار مدینہ میں آباد تھے، ان کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ باہم خانہ جنگیوں میں مصروف رہا کرتے تھے۔ مشرکین مدینہ دو بڑی ٹکڑیوں میں، آج کل کی "مہذب" فرنگی قوموں کی طرح بٹے ہوئے تھے۔ ایک اتحاد اوس کا تھا دوسرا خزرج کا۔ اسرائیلیوں کے بھی بڑے قبیلے بنی نضیر اور بنی قریظہ یکجا کیا کرتے تھے کہ ان میں سے ایک مشرکوں

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ

اور نیک عمل کریں تو یہی لوگ اہل جنت ہیں اس میں

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ

ہمیشہ رہنے والے وا۲۷۸ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل

اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۫ وَبِالْوَالِدَيْنِ

سے عہد لیا وا۲۷۹ کہ عبادت نہ کرنا (کسی کی) بجز اللہ کے وا۲۸۰ اور حسن سلوک سے پیش آنا

اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

(اپنے) ماں باپ سے اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے بھی) وا۲۸۱

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

اور لوگوں سے (بالعموم) بھلی بات کہنا، وا۲۸۲ اور نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ

الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ

دیتے رہنا وا۲۸۳ پھر تم (سب ان احکام سے) پھر گئے بجز تم میں سے (معدودے) چند کے، اور تم ہی ہو

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ

گردن کش وا۲۸۴ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا

دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

خون نہ بہانا وا۲۸۵ اور اپنے لوگوں کو اپنے وطن سے مت نکالنا

ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ

پھر تم نے اس کا اقرار کر لیا اور تم (اس کے) گواہ ہو وا۲۸۶ پھر تم ہی

هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا

وہ ہو کہ اپنوں کو قتل بھی کرتے ہو، اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کے وطن سے

ع ۹/۱۱

مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ

نکال بھی دیتے ہو (اور) ان کے مقابلہ میں گناہ وظلم کے ساتھ (ان کے مخالفین کی) مدد بھی

وَالْعُدْوَانِ ؕ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ

کرتے ہو و۲۸۷ اور اگر وہ تم تک اسیر ہوکر پہنچ جاتے ہیں تو تم انہیں فدیہ دیکر چھڑا لیتے ہو و۲۸۸ حالانکہ ان کا

مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ

(وطن سے) نکالنا ہی تم پر حرام تھا، و۲۸۹ تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ کو

الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ

مانتے ہو اور ایک حصہ سے انکار کرتے ہو؟ و۲۹۰ پس تم میں سے جو ایسا کرے

يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

اس کی سزا کیا ہے بجز دنیوی زندگی میں رسوائی کے؟ و۲۹۱

وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ

اور قیامت کے دن یہ سخت ترین عذاب میں ڈالے بھی

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

جائیں گے و۲۹۲ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں و۲۹۳ یہی لوگ ہیں جنہوں نے

اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ

دنیوی زندگی خرید لی ہے آخرت کے معاوضہ میں و۲۹۴ سو ان پر سے نہ عذاب

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع وَ لَقَدْ

ہلکا کیا جائے گا و۲۹۵ اور نہ انہیں مدد ہی پہنچے گی و۲۹۶ اور ہم نے

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ

موسٰی کو کتاب عطا کی و۲۹۷ اور ان کے پیچھے ہم نے پے در پے پیغمبر بھیجے و۲۹۸

ع ۱۰

ساتھ۔ اور پھر جنگ جب شروع ہوجاتی تو ظاہر ہے کہ وہ سب ہی کچھ ہوتا جو جنگ میں ہوا کرتا ہے۔ جلاوطنی اسرائیلی کا قتل اسرائیلی کے ہاتھ سے، وغیرہا۔۔۔ یہاں عہد نبوی کے معاصر اسرائیلیوں کے یہی خصوصیات بے نقاب کیے جارہے ہیں۔ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ یہ ٹکڑا بڑھا کر قرآن نے بتلا دیا کہ پھر یہ نہیں کہ اس خانہ جنگی اور مشرک نوازی کی بنیاد کسی جذبہ صادق وصحیح اور حسن نیت واخلاص پر ہو۔ بلکہ تمام تر جن اخلاقی گندگیوں میں دنیوی اہل سیاست عموماً مبتلا رہتے ہیں، اور مشرکین خاص طور پر مبتلا تھے، وہی ان محاربات کا باعث تھیں۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں آج بھی یہ درج ہے کہ جنگ بعاث مشرکین کی باہمی جنگ تھی۔ یہود اس میں فریقین کی جانب سے شریک ہوگئے اور نمایاں حصہ لیا۔ بنی نضیر اور بنی قریظہ نے اوس کا ساتھ دیا، اور بنی قینقاع خزرج کی حمایت میں نکل پڑے۔ جنگ نے طول کھینچا اور بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ بالآخر شکست خزرج کے فریق کو ہوئی (جلد ۸۔ صفحہ ۴۲۳) اسی انسائیکلوپیڈیا میں یہ تصریح بھی موجود ہے، کہ یہودی قبیلے مشرکین مدینہ کے ساتھ شادی بیاہ کرتے تھے۔ اور جنگ میں دونوں فریقوں کے شریک ہوجاتے تھے"۔ و۲۸۸ (اور اس کو اپنے نزدیک دینداری کا بڑا کارنامہ سمجھ کر اس پر فخر کرتے اور احسان جتاتے ہو) و۲۸۹ توریت محرف میں بھی آج تک اسی قسم کے احکام لکھے چلے آتے ہیں:۔ "تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر" (خروج۔ ۲۰:۱۷) لیکن بالفرض کوئی صراحت اس قسم کی نہ ملے جب بھی کسی کو بلا عذر شرعی وطن سے بے وطن کرنا شقاوت کی انتہائی صورت ہے۔ و۲۹۰ الْكِتٰبِ سے اس سیاق میں مراد ظاہر ہے کہ اسرائیلیوں ہی کی آسمانی کتاب توریت ہے۔ حجت الزامی یہود پر قائم ہورہی ہے کہ قرآن پر ایمان لانا تو الگ رہا تم خود توریت ہی کے کب پابند ہو؟ بلکہ جس بے باکی سے تمہارے اکابر اس کے بعض احکام کی خلاف ورزی کررہے ہیں۔ اس سے تو صاف یہی معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے اُوپر حجت اور اپنے لیے واجب العمل توریت کے صرف بعض ہی اجزاء کو سمجھتے ہو، اور بعض اجزا پر تمہارا ایمان ہی نہیں۔ و۲۹۱ پیشگوئی چند ہی روز میں لفظ بہ لفظ پوری ہوکر رہی۔ حجاز میں یہود کے تین زبردست قبیلے رہتے تھے بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع۔ تینوں دولت، وجاہت، قوت، علم وہنر میں ممتاز تھے۔ تینوں چند سال کی مختصر مدت میں رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارک ہی میں تہس نہس ہوکر رہے و۲۹۲ اسرائیلیوں کے لیے جہنم کی وعید خود ایک اسرائیلی نبی اور سلسلہ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم، حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے بھی منقول ہے۔ انجیل موجودہ میں ہے:۔ "تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ ہم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہیں۔ غرض اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھر دو۔ اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیوں کر بچو گے؟" (متی ۲۳:۲۴) و۲۹۳ (اور وہ سب کو سزا مناسب وقت پر دیتا ہے یا آخرت میں ضرور دے گا) آیت میں اشارہ ہے یہود کے خفیہ طریق کار اور سازشی کارروائیوں اور ریشہ دوانیوں سے متعلق و۲۹۴ حالانکہ آخرت کا سودا بھی بہت ارزاں تھا۔ ایمان وطاعت سے اُسے بہ آسانی خرید سکتے تھے) یہود کی مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں فکرِ اُخروی باقی ہی نہیں رہ گئی تھی۔ ان کے مقدس مذہبی نوشتوں تک کی تعلیمات کا خلاصہ صرف یہ رہ گیا تھا کہ مذہب کی راہ پر چلو تا کہ دنیوی فلاح حاصل ہو، قوم کو آزادی ملے، اور تم ایک اقبال مند قوم بن جاؤ۔ آخرت کی جزا وسزا، جس سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے، اُس سے حد یہ ہے کہ توریت تک تقریباً خالی ہے۔ و۲۹۵ (آخرت میں) شدید ترین عذاب الٰہی ابھی اُوپر ہی والی آیت میں آچکا ہے۔ اب تاکید اً ارشاد ہو رہا ہے کہ اس بے پناہ عذاب سے رہائی پانے کا کیا ذکر ہے، تخفیف تک کی صورت اس میں ممکن نہ ہوگی۔ فَلَا کی ف کا ترجمہ "سو" سے کیا گیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ یہ عذاب تکذیب انبیاء کے جرم میں اس کے نتیجہ کے طور پر اور ایمان نہ لانے کی پاداش میں ہوگا۔ و۲۹۶ (کہ ان کے اکابر واجداد ہی آکر سفارش کردیں) یہود کو بڑا غرہ اسی کا تھا کہ ہم انبیاء مقبولین کی اولاد ہیں۔ ہمیں کیا غم ہے۔ ہماری نصرت وشفاعت کے لیے ہمارے یہ اسلاف کافی ہیں۔ قرآن کو اسی لیے اس عقیدہ کی تردید بار بار کرنی پڑی۔ اور مختلف پیرایوں میں انہیں تنبیہ کی گئی کہ قانونِ الٰہی کے باغیوں کا ہمدرد وسفارشی کوئی بھی نبی یا ولی نہیں ہوسکتا۔ اور جو ایمان سے خالی ہیں ان کی امداد ونصرت کسی سمت وجہت سے بھی نہ ہوگی۔ و۲۹۷ (اور ایک مستقل دستور شریعت سے قوم اسرائیل کو بہ طور انعام خاص مشرف وممتاز کیا) الْكِتٰبَ سے مراد وہی توریت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کون تھے کس زمانہ میں تھے، یہ سب ذکر پہلے حاشیوں میں آچکا ہے۔ و۲۹۸ (تمہاری ہی نسل اسرائیل میں) اسرائیلیوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی انبیاء کا متواتر اور بہ کثرت آتے رہنا تاریخ کا ایک مشہور ومسلّم واقعہ ہے۔ حضرت یوشع نبی، حضرت داؤد نبی، حضرت زکریا نبی، حضرت یحییٰ علیہ السلام نبی کے نام سے اُردو خواں طبقہ بھی واقف ہے۔ متعدد انبیاء کے صحیفے کیسے ہی محرف سہی، "عہد نامہ عتیق" کے موجودہ مجموعہ میں شامل ہیں۔ و۲۹۹ (ان کی پیمبری وصداقت کے) الْبَيِّنٰتِ۔ اس میں دلائل، خوارق، معجزات سب آگئے۔ عِيْسَى۔ آپ سلسلہ انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم ہیں۔ سنہ عیسوی آپ ہی کے نام سے جاری ہے۔ آپ کے بعد صرف نبوتِ محمدی ہوئی۔ ملک شام کے علاقہ ارض گلیل میں ایک قصبہ ناصرہ نامی ہے وہی آبائی وطن تھا۔ ولادت بیت المقدس کے ایک گوشہ میں ہوئی۔ خاندان یوسف بن یعقوب بن ماشان نامی ایک حکیم کا تھا۔ جناب یوسف لکڑی کی صنعت سے خوب واقف تھے اسی لیے یوسف نجار کے نام سے مشہور تھے، شام اُس وقت رُومی مملکت کا ایک نیم خود

وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ

اور عیسٰیؑ بن مریم کو ہم نے روشن نشانات عطا کیے ۲۹۹ اور ہم نے روح القدس (کے ذریعہ) سے

بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا

ان کی تائید کی ۳۰۰ تو کیا جب کبھی کوئی پیمبر تمہارے پاس ان (احکام) کے ساتھ آیا جو

لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫

تمہارے نفس کو نہ بھائے ۳۰۱ تو تم اکڑنے لگے ۳۰۲ پھر بعض کو تم نے جھٹلایا ۳۰۳

وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ

اور بعض کو تم قتل ہی کرنے لگے ۳۰۴ اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں ۳۰۵

بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

(نہیں) بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کر رکھی ہے ان کے کفر کے باعث ۳۰۶ اور وہ ایمان بہت ہی تھوڑا رکھتے ہیں ۳۰۷

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ

اور جب ان کے پاس ایک کتاب اللہ کے پاس سے پہنچ گئی تصدیق کرنے والی

لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ

اس کی جو ان کے پاس (پہلے سے) موجود ہے ۳۰۸ اور اس کے قبل یہ (خود ہی) کافروں سے

عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا

بیان کیا کرتے تھے ۳۰۹ پھر جب ان کے پاس وہ آ گیا جس کو (خوب) پہچانتے تھے

كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا

تو اسی سے کفر کر بیٹھے ۳۱۰ سو اللہ کی لعنت ہو کافروں پر ۳۱۱ بری ہے وہ چیز

اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ

جس کے عوض میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا ہے ۳۱۲ کہ انکار کرتے ہیں اس (کلام) کا جو

بلکہ اس سے تین سال بعد کا ہے۔ اس لحاظ سے کہنا یہ چاہیے کہ آپ کی ولادت ۳ ق م میں ہوئی۔ ۳۳ سال کی عمر میں آپ زندہ جمہور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق (اور مسیحی عقیدہ کے مطابق تین دن کے لیے وفات پاکر) آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ مَرْيَمَ۔ مریم بنت عمران بن ماشان۔ قوم اسرائیل کے ایک بڑے معزز خاندان سے تھیں اور خود بھی بڑی باعصمت اور خوبصورت تھیں۔ سالِ وفات مسیحی روایتوں کے مطابق ۴۸ء ہے۔ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ۔ ابن مریم کے لفظ میں اشارہ ہے کہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام اپنی پیمبرانہ عظمت کے باوجود محض بشر ہی تھے۔ ایک عورت کے بطن سے پیدا۔ خدا یا مثیلِ خدا یا فرزند خدا وغیرہ کچھ بھی نہ تھے۔ ۳۰۰ روح القدس۔ اسلامی اصطلاح میں مشہور، ممتاز و مقرب فرشتہ حضرت جبرئیل کو کہتے ہیں۔ اے بجبریل علیه السلام واطلاق روح القدس علیه شائع (روح) الروح الامین مسمی به جبریل و سماه بروح القدس (راغب) مسیحی اصطلاح میں روح القدس "تثلیث مقدس" کے اقنوم ثالث کو کہتے ہیں، اُس سے یہاں کوئی دُور کا واسطہ بھی نہیں۔ اصطلاح کے مشترک ہونے سے بعض دفعہ بڑے بڑے مغالطے اور غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش چونکہ خداوندی مصالح کے مطابق، عام بشری طریقہ سے الگ، ایک نئے قانون کے ماتحت محض مسِ ملکوتی سے ہوئی تھی، اس لیے عجب کیا جو بعد میں بھی آپ کو مناسبت عالم ملائکہ سے زیادہ رہی ہو۔ اور اسی مناسبت سے استفاضہ بھی ملائکہ سے زیادہ ہوتا رہتا ہو۔ اَيَّدْنٰهُ میں اشارہ ادھر بھی نکلتا ہے کہ آپ اپنی بشریت کی بنا پر اعانت خداوندی کے محتاج تھے اور وہ اعانت ایک فرشتہ کے ذریعہ سے کرائی جاتی تھی۔ ۳۰۱ (اور اسی طرح کے احکام تو کم و بیش سب ہی پیمبر لائے) مخاطبت انھیں بنی اسرائیل سے ہے۔ روئے سخن دفعۃً صیغہ غائب سے صیغہ مخاطب کی طرف (یا کسی ایک صیغہ سے دوسرے کی طرف) پلٹ دینا صنعِ التفات کہلاتا ہے اور عربی ادب و انشاء میں یہ عیب نہیں، حسن ہے۔ قرآن مجید میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ ۳۰۲ (اور اس پیمبر کی اطاعت و اتباع سے عار محسوس کرنے لگے) انسان کی یہ شامت شروع سے رہی ہے کہ وحیٔ الٰہی کے مقابلہ میں حاکم و قاضی وہ اپنے ہوائے نفس ہی کو رکھنا چاہتا ہے۔ اور جو احکام اُسے اپنی خواہشوں یا اپنی محدود و ناقص اور جذبات زدہ عقل کے منافی نظر آتے ہیں۔ جھٹ اُن سے انکار اور اُن کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کر دیتا ہے۔۔۔ آج جس چیز کا نام "روشن خیالی" ہے۔ تحلیل کر کے اور خوب غور کر کے دیکھا جائے تو اس کی تہ میں بھی اصلاً صرف یہی ملے گا۔ استکبارِ نفس اور پیمبر کے اقتدا و اتباع سے عار۔ ۳۰۳ (اور ہر طرح اُن کی ایذا کے درپے ہو گئے) ۳۰۴ جیسے زکریا نبی، یحییٰ نبی علیہما السلام وغیرہما۔ تفصیلی حاشیہ رکوع ۷ کے ذیل میں گزر چکا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ کبر ہی اکثر معاصی کی بنیاد ہے۔ چنانچہ یہاں قرآن نے تکذیب انبیاء و قتل انبیاء کو کبر ہی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ۳۰۵ (اور دعوتِ اسلام ہمارے اوپر کچھ اثر نہیں کر سکتی۔ "یہود فخریہ اور علانیہ کہتے تھے کہ یہ "نئے پیغمبر" کچھ بھی کر ڈالیں، ہم اُن کے کہے میں نہیں آنے کے۔ غُلْفٌ ممکن ہے کہ جمع غلاف کی ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ہمارے قلوب گنجینۂ علوم ہیں، معارف موسوی سے لبریز ہیں۔ ہمیں ضرورت کسی نئی تعلیم کے قبول کرنے کی نہیں۔ ھی جمع غلاف (راغب) اے ھی اوعیة للعلم تنبیھًا انّا لانحتاج ان نتعلّم منک فلنا غُنیۃ بما عندنا (راغب) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اغلف کی جمع ہو۔ اور اغلف کہتے ہیں غیر مختون کو، اس کو جس کا ختنہ نہ ہوا ہو۔ قیل ھو جمع اغلف (راغب) مستعارًا عن الاغلف الّذی لم یختن (کشاف) قیل واصله ذوالقلفة الذی لم یختن (روح) "مختون" و "نامختون" کہنے کا محاورہ یہود کی زبان پر عام طور سے چڑھا ہوا تھا۔ کبھی اپنے کو "نامختون" کہتے، کبھی اپنے دل و جسم کو یا کبھی اپنے اعضاء و جوارح کو۔ توریت میں بار بار اس کا استعمال ہوا ہے مثلاً "بس میں جو نامختون ہونٹ رکھتا ہوں، فرعون میری کیوں کرنے گا"، (خروج۔ ۶:۱۲) "تب دل کے نامختون اور جسم کے نامختون اجنبی زادوں کو میرے مقدس میں لائے۔" (حزقی ایل۔ ۴۴:۷) بلکہ کہیں کہیں انجیل میں بھی آیا ہے۔ مثلاً "اے گردن کشو، اور دل اور کان کے نامختونو! تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو"۔ (اعمال۔ ۷:۵۱) قرآن کا یہ انداز بیان بھی ایک اعجازی پہلو رکھتا ہے کہ جب یہود کا قول نقل کیا، تو زبان بھی انہیں کی اختیار کی۔ ۳۰۶ قرآن مجید یہود کے فخریہ کے جواب میں کہتا ہے کہ جس "محفوظیت" پر انہیں اس قدر غرہ ہے یہ کوئی فخر و ناز کی چیز نہیں، یہ تو ایک نشان ہے صداقت سے اُن کے دُور ہو جانے اور حق سے ان کے بُعد پیدا ہو جانے کا۔ اور یہی حقیقت ہے لعنت کی۔ لعنت پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ نام ہے رحمت الٰہی سے بُعد و ہجران کا۔ بِكُفْرِهِمْ۔ اس میں یہ بتا دیا کہ یہ ملعونیت اور مغضوبیت جو اُن پر طاری ہوگی اُن کے کفر اختیاری کے باعث ہوگی۔ اللہ کے پیمبر سے مخالفت و عناد پر اصرار رکھنے کے باعث ہوگی۔ ب سببیہ ہے۔ اے بسبب کفرھم (ابوسعود) لعنت کا محاورہ توریت میں بہت عام ہے۔ صرف ایک مقام کا اقتباس بہ طور نمونہ ملاحظہ ہو: "یہ ساری لعنتیں تجھ پر اُتریں گی اور تجھ تک پہنچیں گی۔ تو شہر میں لعنتی ہوگا اور تو کھیت میں بھی لعنتی ہوگا۔ تیرا ٹوکرا اور تیرا اکٹھرا لعنتی ہوگا۔ تیرے بدن کا پھل اور تیری زمین کا پھل تیری گائے بیل کی بڑھتی اور تیرے بھیڑ بکری کے گلّے لعنتی ہو جائیں گے تو بھیتر آنے کے وقت لعنتی ہوگا اور تو باہر جانے کے وقت لعنتی ہوگا۔ خداوند ان سارے کاموں میں جن میں تو کرنے کے لیے ہاتھ لگا دے تجھ پر لعنت اور حیرت اور ملامت نازل کرے گا"۔ (استثناء ۲۸:۱۵۔ ۲۰)۔ لعنت انجیل میں بھی منقول ہے حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے، نہ صرف کاہنوں اور فریسیوں کے لیے بلکہ انجیر کے خشک درخت کے لیے

بھی ف۳۰۷ (اور یہ تھوڑا یا برائے نام ایمان نجات کے لیے کافی نہیں) قَلِيْلًا۔ قلیل یہاں ایمان کی صفت ہے جو ایمان نجات کے لیے ضروری ہے اور جس کا حکم ہر مکلف کو ہے۔ اس کے متعدد اجزاء ہیں۔ یہود کا ایمان جو کچھ بھی تھا، صرف ان میں سے بعض پر تھا۔ اے لایؤمنون الا بقلیل ممّا کلّفوا به (کبیر) قلیلا صفة مصدر محذوف اے فایمانًا قلیلاً یؤمنون (مدارک) مَّا يُؤْمِنُوْنَ میں ما مزیدہ ایمان کی قلت پر زور دینے کے لیے ہے۔ یعنی بہت ہی تھوڑا ایمان۔ ما مزیدة للمبالغة فی التقلیل (بیضاوی) ما مزیدة للمبالغة (ابوسعود) قَلِيْلًا۔ صفت مومن کی بھی ہو سکتی ہے۔ مفہوم اس صورت میں یہ ہوگا کہ ان میں سے بہت ہی تھوڑے ایمان لاتے ہیں۔ چنانچہ بعض اکابر ادھر بھی گئے ہیں۔ اے لا یومن منھم الّا قلیل (ابن جریر۔ عن قتادۃ) قال بعضھم فقلیل من یؤمن منھم (ابن کثیر) اور امام رازی علیہ الرحمہ نے ترجیح اسی آخری ترکیب کو دی ہے۔ لیکن محاورہ میں قلیل کا استعمال نفی مطلق کے موقع پر بھی ہوتا ہے بجوزان تکون القلة بمعنی العدم (کشاف) معنی اس صورت میں یہ ہوں گے کہ یہ ایمان سے بالکل خالی ہیں۔ والمعنی فیه نفی جمیعه (ابن جریر) معناه لا یومنون اصلًا لا قلیلًا ولا کثیرًا ف۳۰۸ (کبیر) كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ یعنی قرآن۔ لِمَا مَعَهُمْ۔ یعنی توریت۔ قرآن مجید نے اپنی یہ صفت جا بجا بیان کی ہے اور اس پر زور دیا ہے کہ بجائے خود صادق ہونے کے ساتھ ساتھ وہ پچھلی آسمانی کتابوں کا مصدق بھی ہے اور ان پچھلی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور توریت ہے۔ ف۳۰۹

بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ

اللہ نے نازل کیا ہے (محض) اس ضد پر کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا

مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ

اپنا فضل (خاص) نازل کیا ف۳۱۳ سو وہ مستحق ہو گئے غضب بالائے غضب کے ف۳۱۴

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا

اور کافروں کے لئے عذاب ذلت والا ہے ف۳۱۵ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اس (کلام) پر جو

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

اللہ نے نازل کیا ہے ف۳۱۶ تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر تو ایمان رکھتے ہیں جو ہمارے اوپر نازل ہوا ہے ف۳۱۷ اور جو کچھ

وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا

اس کے علاوہ ہے اس سے یہ کفر کرتے ہیں ف۳۱۸ حالانکہ وہ (خود بھی) حق ہے اور اس کی (بھی) تصدیق کرنے والا

مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ

ہے جو ان کے پاس ہے ف۳۱۹ آپ کہیے کہ اچھا تو تم اس کے قبل انبیاء کو کیوں قتل کرتے رہے ہو،

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى

اگر تم واقعی ایمان والے تھے؟ ف۳۲۰ اور موسیٰ تمہارے پاس

بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

کھلے ہوئے نشان لے کر آئے ف۳۲۱ اس پر بھی تو تم نے ان کے پیچھے گوسالہ کو اختیار کر لیا ف۳۲۲

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ

اور تم تو ہو ہی ظالم ف۳۲۳ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا تھا

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ

اور تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا تھا ف۳۲۴ (کہ) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے ف۳۲۵ اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑو

(کہ عنقریب آخری نبی نجات دہندہ کا ظہور ہونے والا ہے) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے مراد اس سیاق میں مشرکین عرب ہیں۔ ایک تو مسلم انصاری صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ قبل اسلام میں جب ہم یہود کو شکست دیتے تھے تو وہ کہا کرتے کہ اچھا ٹھیر جاؤ عنقریب ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے۔ ہم اس کے ساتھ ہو کر تمہیں قتل کر کے رکھ دیں گے۔ (سیرۃ ابن ہشام باب خبر انذار یہود بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسیح ماننے سے تو انکار کر دیا تھا۔ لیکن اس کے بعد سے برابر ایک مسیح (نجات دہندہ) کے ظہور کے منتظر رہا کرتے تھے اور اس کا ذکر مشرکین مکہ سے اکثر کرتے رہتے۔ يَسْتَفْتِحُوْنَ۔ یہاں یفتحون کے مرادف قرار دیا گیا ہے اور فتح کے معنی عربی میں خبر دینے اور بیان کرنے کے ہیں۔ اے یعرفون المشرکین انّ نبیًا یبعث منھم (روح) اے یفتحون علیھم ویعرّفونھم (کشاف) لیکن يَسْتَفْتِحُوْنَ اپنے عام اور مشہور معنی کے لحاظ سے مفہوم طلب فتح و نصرت کا رکھتا ہے۔ اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ اس کے قبل یہود اس پیمبر منجی کا واسطہ دلا دلا کر خدا سے مدد چاہا کرتے تھے اور ائمہ تفسیر کی اکثریت نے یہی مراد لی ہے اے یستنصرون اللہ ببعثة محمد علیه السلام (راغب) یستنصرون بمحمد والقراٰن (ابن عباس رضی اللہ عنہما) و معنی الاستفتاح الاستنصار (ابن جریر) یسالون الفتح والنصرة (کبیر) ف۳۱۰ (اور اسی سے انکار کرنے لگے کہ یہ کلام کلامِ الٰہی ہے یا یہ شخص اللہ کا پیمبر ہے) مَّا عَرَفُوْا سے مراد قرآن بھی ہو سکتا ہے، اور ذاتِ رسالت بھی۔ حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ کنٰی عن الکتٰب و یحتمل ان یرادبه النبی صلی اللہ علیہ وسلم (روح) مقصد یہ ہے کہ یہود اس آخری نبی اور اس کی نبوت کی علامتوں سے اپنے ہی دینی نوشتوں کے ذریعہ سے خوب واقف ہو چکے تھے۔ نبی کا ظہور بالکل اچانک اور اُن کے علم و واقفیت سابق کے بغیر نہیں ہوا۔ انجیل یوحنا میں حضرت یحییٰ نبی علیہ السلام (انجیلی زبان میں ان کا نام یہی یوحنا ہی ہے) کے ظہور کا حال یوں درج ہے کہ:۔ ”جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لیوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ اُنہوں نے اس سے پوچھا کہ پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اُس نے کہا میں نہیں ہوں، کیا تو وہ نبی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا، پھر تو ہے کون؟“ (یوحنا۔ ۱:۱۹۔ ۲۲) اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہود صدیوں قبل سے ایک جانے بوجھے ہوئے نبی (”وہ نبی“) کے انتظار میں تھے۔ ف۳۱۱ یعنی اُن پر جو جان بوجھ کر عناد و تعصب کی راہ سے کفر و انکار کر بیٹھیں۔ لعنت پر ایک حاشیہ ابھی اُوپر گزر چکا ہے۔ ف۳۱۲ یعنی کیسی بری وہ حالت ہے، جسے اختیار کر کے وہ بزعم خود اپنی جانوں کو عقوبتِ آخرت سے چھڑانا چاہتے ہیں بئس ما باعوا به حظ انفسھم اے اختاروا الکفر و بذلوا انفسھم للنار (معالم) اشتراء لغات اضداد میں سے ہے۔ خریدنے اور فروخت کرنے دونوں کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں بیچنے کے معنی میں ہے۔ الاشتراء ھٰھنا بمعنی البیع (معالم) معناه باعوا (بیضاوی) ف۳۱۳ قرآن نے اس حقیقت کو بار بار صاف کیا ہے کہ یہود کا یہ کفر و انکار کسی اجتہادی غلطی کی بنا پر، فکر و نظر کے کسی دھوکے یا مغالطہ کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ اس غصہ و عناد کا نتیجہ تھا کہ نبوت خاندان اسرائیل سے نکل کر بنی اسمٰعیل علیہ السلام کے ایک فرد کو کیوں مل رہی ہے؟ —— وہی نسلیت یا قومیت کی ملعون عصبیت جو آج تک دُنیا پر مسلط ہے۔ امام رازی علیہ الرحمہ کی خداداد نظر قرآن حکیم کے عجب عجب نکتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس مقام پر لکھا ہے کہ یہود تو نبوت کو اپنا موروثی حق سمجھنے لگے تھے۔ ایک عرب کو اس کا مدعی پا کر اُلٹے اس کے رشک و حسد پر اُسے محمول کرنے لگے۔ ظنوا ان ھٰذا الفضل العظیم بالنبوة المنتظرة یحصل فی قومھم فلمّا وجدوه فی العرب حملھم ذٰلک علی البغی والحسد (کبیر) کیا حد ہے اس ضد اور نفسانیت کی کہ نسلی و خاندانی عصبیت کی بنا پر تصدیق نبوت تک سے انکار کر دیا! مِنْ فَضْلِهٖ سے مراد فضل وحی ہے۔ یعنی الوحی (بیضاوی) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ احوال موہوبہ محض فضل و مشیت کے تابع ہوتے ہیں۔ کسب و اکتساب کو دخل نہیں۔ ف۳۱۴ غَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ کی تفسیر میں بہت سے قول نقل ہوئے ہیں، ان میں سے ایک قول تابعی حضرات سے منقول یہ ہے

کہ یہود کی پہلی مغضوبیت کی بنیاد رسالت عیسوی سے انکار ہے۔ اور دُوسری مغضوبیت کی بنیاد رسالت محمدی سے انکار۔ و هو قول الحسن و الشعبی و عکرمة و ابی العالیه و قتادة (کبیر) یہ تفسیر بھی اپنی جگہ پر بہت خوب ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ دلنشین اور بے تکلف قول یہ ہے کہ پہلا عتاب اُن کے بالکل بلاوجہ اور دلیل واضح وصریح کی موجودگی میں انکار تکذیب رسالت پر ہے۔ اور دوسرا عتاب ان کے جذبات حسد وعناد پر۔ لانهم کفروا بنبیّ الحق و بغوا علیه (کشاف) للکفر والحسد (بیضاوی) بما اقترفوا من الکفر والحسد (روح) یہ معنٰی بھی کیے گئے ہیں کہ مقصود کلام، غضب کی تکرار نہیں بلکہ اس کی تاکید اور اشدیت ہے۔ المراد به تاکید الغضب و تکثیره (کبیر) و یحتمل ان یراد الترادف والتکاثر لا غضبان (روح) **ف۳۱۵** عذاب الٰہی کا نہایت شدید والیم ہونا تو ظاہر ہی ہے، پھر اس عذاب کی بنا چونکہ یہود کی قومی منافرت ونسلی عصبیت ہے، اس مناسبت سے یہ سزا اُن کے غرور کو توڑنے والی، ان کی توہین، ذلت ورسوائی کو بڑھانے والی بھی ہوگی۔ **ف۳۱۶** (اپنے بندہ اور آخری رسول محمد ﷺ پر)۔ ذکر وہی بنی اسرائیل کا چل رہا ہے۔ انہیں سے کہا جاتا تھا کہ آخری کتاب الٰہی قرآن پر ایمان لاؤ **ف۳۱۷** (اور وہ ہمارے لیے بالکل کافی ہے) اُنْزِلَ عَلَیْنَا۔ ہمارے اُوپر، یعنی ہماری قوم ونسل کے اُوپر نازل ہوا ہے۔ یہود کا کہنا یہ تھا کہ ہم کوئی سلسلۂ وحی یا مسئلہ رسالت کے منکر تھوڑے ہی ہیں، ہم بھی تو مومن ہی ہیں اور اپنی نسل اسرائیل کے انبیاء کے قائل ہیں۔ **ف۳۱۸** یہ یہود کے قول کا تتمہ ہے۔ قرآن مجید نے یہ اضافہ کردیا کہ یہ لوگ اپنے اسرائیلی سلسلہ کے باہر کسی اور نبوت کے قائل نہیں، ایک عرصہ تک الطافِ الٰہی وعنایاتِ خداوندی کے مورد خاص بنے رہنے، اور اسی نسل کے اندر انبیاء کے مسلسل پیدا ہوتے رہنے سے بنی اسرائیل کے دل میں یہ جم گیا تھا کہ نبوت خاندانِ اسرائیل کے باہر جا ہی نہیں سکتی۔ **ف۳۱۹** هُوَ الْحَقُّ ضمیر هو قرآن کی جانب ہے۔ اس کی حقانیت دلائل سے ثابت اور شواہد سے روشن ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ۔ یعنی وہ تصدیق کرتا ہے توریت اور انبیاء بنی اسرائیل کے دُوسرے صحیفوں کی۔ قرآن یہاں یہود کے مقابلہ میں اپنے دو وصف بیان کررہا ہے۔ (۱) ایک یہ کہ وہ فی نفسہٖ حق ہے۔ اس کی حقانیت دلائل سے ثابت ہے۔ اس لیے اس پر ایمان لانا بجائے خود واجب ہے۔ (۲) توریت اور دوسرے اسرائیلی صحیفوں کے ساتھ اس کا تعلق منافات کا نہیں۔ اس کا رشتہ اتحاد وتصدیق کا ہے۔ **ف۳۲۰** تیسرا جواب قرآن مجید نے یہود کو یہ دیا کہ خود یہی دعوٰی تمہارا کب صحیح ہے کہ تم اپنی قوم کے انبیاء پر ایمان رکھتے ہو؟ ایمان وتصدیق الگ رہی، تم نے خود اس زور وشور سے ان کی تکذیب کی اور ان کی مخالفت وعداوت پر اس حد تک اُتر آئے کہ انہیں قتل تک کر ڈالا۔ اور تمہاری قومی تاریخ کے تو صفحات رنگین ہیں انبیاء کے خون سے۔ اسرائیل اور قتل انبیاء پر مفصل حاشیے رکوع (۷) کے ذیل میں گزر چکے۔ بائبل کے اُن حوالوں کے علاوہ ایک حوالہ اور ملاحظہ ہو۔ نحمیاہ نبی علیہ السلام کے زمانہ میں خود اکابر بنی اسرائیل اپنے باپ دادوں سے متعلق، مناجات میں کہتے ہیں:۔
"وہ نافرمانبردار نکلے اور تجھ سے پھر گئے۔ اور انہوں نے تیری شریعت کو اپنی پشت کے پیچھے پھینکا اور تیرے نبیوں کو جو اُن کو نصیحت دیتے تھے کہ انہیں تیری طرف پھرا لائیں قتل کیا اور انہوں نے اپنے کاموں سے تجھے غصہ دلایا"۔ (نحمیاہ۔ ۹: ۲۵و۲۶) **ف۳۲۱** (اور اُن کھلے ہوئے نشانوں کا اثر طبعی طور پر یہ ہونا چاہیے تھا کہ تم خدا کی طاعت اور نبی کی اطاعت میں دل سے لگ جاتے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کھلے ہوئے نشانات اور معجزات جو فرعون کے مقابلہ میں تھے، عصا، ید بیضا وغیرہ، وہ تو مشہور ہی ہیں لیکن جَآءَكُمْ سے اشارہ یہ نکلتا ہے کہ کچھ معجزات موسوی خود بنی اسرائیل کے لیے بھی تھے۔ **ف۳۲۲** (پرستش کے لیے) یہ ہے تمہارے دعوٰئ توحید کی حقیقت! گوسالہ پرستی پر حاشیے (رکوع ۶) کے ذیل میں گزر چکے۔ ثُمَّ یہاں محض تاخر زمانی کے لیے نہیں، بلکہ یہ بھی ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ تم کیسی پستی میں اُتر گئے۔ اور یہ کہ تم نے یہ اس وقت کیا جب تمہارے پاس دلائل وشواہد اس کے خلاف پہنچ چکے تھے۔ ثم للتراخی فی الرتبة والدلالة علی نهایة قبح ماصنعوا (ابوسعود) کلمة ثم للاستبعاد (روح) مِنْ بَعْدِهٖ۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عارضی غیر حاضری کے زمانہ میں، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت اپنی قوم کو میدان میں چھوڑ کر ستر منتخب افراد کے ہمراہ کوہ طور پر گئے ہوئے تھے۔ تفصیلات رکوع (۶) کے ذیل میں گزر چکیں۔ **ف۳۲۳** (اپنے حق میں) یعنی تمہاری تاریخ گواہ ہے کہ تم اپنی جانوں پر، اپنی روحوں پر ظلم کرنے کے کیسے عادی ہو! یہ گویا جواباتِ سابقہ کا تتمہ ہے۔ اسرائیلیوں سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اور زمانوں میں تو خیر تم نے جو کچھ کیا، خیر وہ تو کیا ہی، شرک تو تم نے خود حضرت موسیٰ ہی کے زمانہ میں شروع کردیا۔ اور شرک بھی کیسا جلی۔ گوسالہ پرستی! اور وہ بھی پیمبر علیہ السلام کی صرف چند روزہ غیر حاضری کے زمانہ میں! تمہارے لیے مانع نہ اُن کے لائے ہوئے نشانات اور دلائل ہوسکے۔ اور نہ یہ امر کہ وہ تو ابھی زندہ سلامت موجود ہیں۔ غرض کہ نافرمانیوں میں دلیر تم آج سے نہیں، مدت درازسے ہو۔ **ف۳۲۴** (تمہارے اُوپر نزول شریعت کے وقت) اس پر حاشیہ رکوع (۷) میں گزر چکا۔ **ف۳۲۵** یعنی یہ احکام وشرائع جو ابھی تم پر نازل کیے ہیں۔ **ف۳۲۶** (ان احکام وشرائع کو گوشِ دل سے سنو، اور ان پر عمل کرو) ای اقبلوا ما سمعتم (بحر) قال الماتریدی معنٰی اسمعوا اقیموا (بحر) و قیل اعملوا (بحر) **ف۳۲۷** آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ عَصَيْنَا (ہم نے نہیں مانا) ان لوگوں نے زبان سے بھی کہا ہو۔ قال ابو مسلم و جائز ان یکون المعنٰی سمعوه و تلقوه بالعصیان فیعبّر عن ذٰلک بالقول وان لم یقولوه (کبیر) یہ بھی کہا گیا

وَاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا ۗ وَ اُشْرِبُوْا

اور سنو **ف۳۲۶** یہ (اس وقت) بولے تھے کہ (ہاں) ہم نے سن تو لیا مگر ہم نے مانا نہیں **ف۳۲۷** اور ان کے دلوں میں

فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا

گوسالہ ان کے کفر سابق کے سبب سے پیوست ہوگیا تھا **ف۳۲۸** آپ کہہ دیجیے (کیسی) بری ہے

يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

وہ بات جس کا حکم تمہارا ایمان تمہیں دے رہا ہے، اگر تم (واقعی) ایمان والے ہو **ف۳۲۹**

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ

آپ کہہ دیجیے کہ اگر عالم آخرت خاص تمہارے ہی لئے

خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

ہے دوسروں کو چھوڑ کر، **ف۳۳۰** تو موت کی آرزو کر دیکھو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَ لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا

اگر تم سچے ہو **ف۳۳۱** لیکن وہ اس کی آرزو ہرگز کبھی بھی نہ کریں گے

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾

بہ سبب ان (اعمال بد) کے جو یہ اپنے ہاتھوں سمیٹ چکے ہیں **ف۳۳۲** اور اللہ ظالموں سے (خوب) واقف ہے **ف۳۳۳**

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ

اور آپ انہیں زندگی پر حریص سب لوگوں کے بڑھ کر پائیں گے **ف۳۳۴**

وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ

(یہاں تک کہ) مشرکوں سے بھی بڑھ کر **ف۳۳۵** ان میں سے ایک ایک یہ چاہتا ہے

يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَ مَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ

کہ ہزار (ہزار) برس کی عمر پائے **ف۳۳۶** حالانکہ اگر اتنی عمر وہ پا بھی جائے تو یہ (امر) اسے

ہے، کہ قول یہاں بطورِ مجاز، زبانِ حال کے معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔ نطقِ لسانی مراد نہیں۔ قیل یعبّر بالقول للشئ عما یفهم به من حاله و ان لم یکن نطق (بحر) و قیل المعنٰی قالوا بلسان القال سمعنا و بلسان الحال عصیان (روح) چونکہ واقع میں یہ بات دل سے نہ تھی، اس لیے گویا زبانِ حال سے یہ بھی کہہ رہے تھے (تھانوی) قول کا لفظ یوں بھی عربی میں نہایت وسیع معنٰی رکھتا ہے۔ زبان سے ادا کرنا ہرگز اس کے لیے لازمی نہیں۔ راغب نے اپنے مفردات میں خود قرآن ہی سے اس کے متعدد معنٰی نقل کیے ہیں۔ اور چوتھے نمبر پر اس کے معنٰی دلالتِ حالی لکھے ہیں، اور ایک شاعر کا مصرعہ بھی سند میں پیش کیا ہے۔ یقال للدلالة علی الشئ نحو قول الشاعر۔ امتلأ الحوض و قال قطنی اور تاج العروس میں سیبویہ وغیرہ ائمہ لغت کے حوالہ سے اس سے بھی زیادہ وسیع معنٰی بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن اگر ان سرکشوں اور گستاخوں نے یہ لفظ زبان سے بھی نکالا ہو، تو اُن کی عادی اور مسلسل نافرمانیوں کو دیکھتے ہوئے تعجب ذرا سا بھی نہیں۔ یرمیاہ نبی علیہ السلام کے صحیفہ میں ایک تصریح بالکل اس سے ملتی جلتی، گو ایک دوسرے موقع کے لیے موجود ہی ہے:۔ ’’خداوند یوں کہتا ہے کہ راہوں پر کھڑے ہو اور دیکھو اور پرانے رستوں کی بابت پوچھو کہ پہلی راہ کہاں ہے۔ اُسی میں چلو کہ تم اپنے جیوں میں آرام پاؤ گے۔ پر انہوں نے کہا، کہ ہم اس میں نہ چلیں گے، اور میں نے تمہارے اُوپر نگہبان بھی ٹھیرائے، اور کہا کہ نرسنگے کی آواز سنو۔ پر انہوں نے کہا کہ ہم نہ سنیں گے‘‘۔ (یرمیاہ۔ ۶: ۱۶ و ۱۷) ف۳۲۸ چنانچہ بیل کے تقدس کا اعتقاد اسرائیل قوم میں مدت دراز تک قائم رہا (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۹، صفحہ ۳۵۲) اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ۔ مراد یہ ہے کہ گوسالہ کی محبت ان کی رگ رگ میں رچ گئی تھی، جیسے پانی رگ رگ میں پہنچ کر جزو بدن بن جاتا ہے۔ مشروب سے یہ استعارہ شدید محبت اور شدید نفرت دونوں موقعوں پر اہل عرب کی زبان میں عام ہے۔ وانّ من عادتهم اذا ارادوا العبارة عن مخامرة حب او بغض استعاروا الی اسم الشراب لانه هو ابلغ انجاع فی البدن (راغب) یا یہ استعارہ رنگ سے ہو، کہ وہ بھی کپڑے کے ریشہ ریشہ میں پیوست ہو جاتا ہے۔ کما یداخل الثوب الصبغ (کشاف) کما یتداخل الصبغ الثوب و الشراب اعماق البدن (بیضاوی) بِكُفْرِهِمْ۔ ب سببیہ ہے، یعنی ان کے کفر کے باعث، نتیجۂ کفر کے طور پر۔ الباء للسبب ای الحامل لهم علی عبادة العجل هو کفرهم السابق (بحر) ف۳۲۹ حجت الزامی ہے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں۔ گویا قرآن کا کہنا یہ ہے کہ دعوٰی تو یہ کہ ہم صاحب ایمان و توحید ہیں، اور عمل یہ کہ گوسالہ کی تنزیہ و تقدیس میں لگے ہوئے ہو! کیا اچھا تمہارا ایمان ہے! ف۳۳۰ (جیسا کہ تم اپنے زعم و پندار میں سمجھ رہے ہو) بنی اسرائیل کے اس بنیادی عقیدہ کا ابتدائی خاکہ تو خود موجودہ توریت میں موجود ہے۔ مثلاً ’’تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو‘‘۔ (استثناء۔ ۱۴: ۱) ’’تو خداوند اپنے خدا کے لیے مقدس قوم ہے۔ اور خداوند نے تجھ کو چن لیا، تاکہ سب قوموں کی بہ نسبت جو زمین پر ہیں، تو اس کے لیے خاص قوم ہو‘‘۔ (استثناء۔ ۱۴: ۲) رفتہ رفتہ یہ عقیدہ ترقی کر کے اس درجہ تک پہنچ گیا کہ یہود اپنے سوا کسی اور کو جنت کا مستحق ہی نہیں سمجھتے تھے، اور نجاتِ اُخروی کو اپنا مخصوص حق سمجھنے لگے تھے۔ اپنے کو خدا کا محبوب اور خدا کا لاڈلا اور چہیتا فرزند قرار دینے لگے تھے اور خیال یہ جما لیا تھا کہ خداوند خدا کا جو معاملہ ہماری قوم و نسل کے ساتھ ایک ناقابل تبدیل طور پر ہے وہ دنیا جہان میں کسی اور کے ساتھ نہیں۔ --- نسلی تقدیس کی یہی وبا ہے جو ہندوستان میں برہمنیت کے نام سے جلوہ گر ہے۔ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ مراد ہے جنت اور نجات کا حاصل ہونا۔ دُوْنِ النَّاسِ۔ ناس سے مراد نوعِ انسانی ہے۔ اور دُوْنِ النَّاسِ سے مراد اپنی قوم و نسل کی خصوصیت کا اظہار اور اس میں دوسروں کی شرکت سے انکار ہے۔ دون هنا لفظ۔ یستعمل للاختصاص و قطع الشرکة (بحر) ف۳۳۱ (اپنے اس دعوٰی میں کہ ہماری نجات یقینی اور قطعی ہے) قدیم مفسرین نے یہاں یہ سوال اٹھایا ہے کہ یہی مطالبہ یہود بھی تو اُلٹ کر مسلمانوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر سکتے تھے اور پھر اپنے اپنے مذاق پر اس کے جوابات دیے ہیں۔ لیکن حقیقۃً یہ سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا، کوئی مسلمان کب اپنی نجات کو محض مسلمان گھرانے میں پیدا ہو جانے سے یقینی سمجھتا ہے؟ مسلمان تو خود ہی ایمان اور عمل صالح کے دُہرے دُہرے اختیاری معیار سے ڈرتا، لرزتا رہتا ہے، کہ دیکھنا چاہیے، حشر میں اس امتحان میں پورا اُترتا بھی ہے یا نہیں؟ یہ اطمینان اور یہ زعم کہ چونکہ ہم فلاں گھرانے، فلاں خاندان میں پیدا ہو گئے ہیں، اس لیے بغیر کسی جہد و اکتساب کے ہماری نجات تو یقینی ہو چکی، یہ عقیدہ اسرائیلیوں کے ساتھ مخصوص تھا، مسلمان اس کے قریب ہی کب گیا، جو یہ سوال اس پر عائد ہو سکے؟ اسلام تو اس نسلی تقدیس اور اس اضطراری نجات کے عین مٹانے کے لیے ہے۔ مسلمان تو خود ہی کہتا ہے کہ مجھے اپنا انجام نہیں معلوم۔ میں ایمان اور طاعت کی راہ اپنی طرف سے اختیار کر کے آگے فضل خداوندی کا منتظر ہوں۔ مسلمان کے سامنے اس سوال کو پیش کرنے کا کوئی محل ہی نہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ یہ مطالبہ ہر اسرائیلی سے، ہر زمانہ کے لیے ہے بھی نہیں۔ اس کا دائرہ صرف انہیں معاند یہود کے ساتھ مخصوص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر تھے اور سارے شواہد کے بعد بھی آپؐ کے منکر تھے۔ وهذا خاص بالمعاصرین له صلی الله علیه وسلم (روح) یہ تفسیر خود صحابی حضرات سے مروی ہے، بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تو اپنے زمانہ کے ایک گستاخ یہودی کے جواب میں یہ مضمون بڑی حدت و شدت کے ساتھ ادا کیا ہے۔ توهم هذا الکلب اللعین الجاهل ان هذا لکل یهودی او للیهود فی کل وقت لا انما هو لاولئک الذین کانوا یعاندون و یجحدون نبوة النبی صلی الله علیه وسلم بعد ان عرفوا (روح) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ موت کی محبت، خواہ طبعی ہو یا عقلی، ولایت کی علامتوں میں سے ہے۔ ف۳۳۲ یعنی ان کا دل خود چور ہے۔ ان کا ضمیر ان پر ملامت کر رہا ہے۔ لقاء رب کا کوئی ولولہ کوئی جذبہ ان میں باقی ہی کہاں ہے، جو یہ عالم آخرت کی تمنا کر سکیں۔ اَبَدًا۔ احتجاج بالا جب صرف یہود معاصرین رُسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو گیا، تو اَبَدًا کے معنٰی بھی لازمی طور پر یہ ہوں گے کہ یہ اپنی زندگی بھر ایسا نہ کریں گے۔ و یعنی بالابد هنا ما یستقبل من زمان اعمارهم (بحر) ای لن یتمنوه ما عاشوا (روح) ف۳۳۳ یعنی اُن لوگوں سے، جو اپنے ہتھکنڈوں سے خود اپنے حق میں ظلم کرتے ہیں۔ الظلم هو تجاوز ما حدّ الله (بحر) ف۳۳۴ یعنی اس زندگی پر حریص جو پلیدی اور گندگی سے لبریز ہے۔ زندگی سے محبت اور موت سے وحشت تو ایک حد تک طبعی ہے، اور ان طبعی حدود کے اندر ہرگز اسلام میں کوئی ملامت نہیں، لیکن یہود کا جذبہ حُبِّ دنیا طبعی حدود سے تجاوز کر گیا تھا۔ دنیا پرستی مقصود بالذات بن گئی تھی۔ اور رُوحانیت کا ذوق بالکل مردہ ہو چکا تھا۔ ہندوستان میں بھی جن قوموں نے جنتر منتر وغیرہ ظاہری رسوم میں غلو اور اُن پر تکیہ کر رکھا ہے۔ اُن کے دل بھی ذوقِ آخرت سے یکسر محروم ہو چکے ہیں، اور یہود کی حُبِّ دُنیا و حُبِّ مال آج بھی ضرب المثل ہے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں تالمود وغیرہ کے حوالہ سے اس مضمون کے متعدد قول نقل ہوئے ہیں کہ دنیوی زندگی بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے، معصیت گوارا کر لینا چاہیے لیکن موت نہ گوارا کرنا چاہیے۔ وقس علی هذا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی ف۳۳۵ (جو بیچارے کتاب آسمانی اور پیام انبیاء کی دولتوں سے محروم ہیں) مطلب یہ ہے کہ مشرکین تو سرے سے اُخروی نعمتوں کے لذت شناس ہی نہیں، وہ اگر اُدھر سے غیر ملتفت ہو کر اپنا مرکزِ توجہ و محورِ زندگی اسی مادّی زندگی کو بنائے رکھیں، تو کچھ ایسا حیرت انگیز نہیں۔ غضب تو یہ یہود کر رہے ہیں جو اپنے آسمانی صحیفوں اور پیمبرانہ ہدایتوں کے باوجود بھی مشرکوں سے بڑھ کر دنیا سے لپٹے ہوئے ہیں۔ ایک عجیب بات اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ تطویل عمر کے جو عجب عجب نظریے آج یورپ میں قائم ہو رہے ہیں اور طرح طرح کی تدبیریں اور نسخے اس کے لیے ایجاد ہو رہے ہیں، ان میں سب سے زیادہ پیش پیش یہودی ہی ڈاکٹر اور اہل سائنس ہیں۔ ف۳۳۶ اَحَدُهُمْ ضمیر هم کا مرجع یہود ہیں ای یود احد الیهود (ابن کثیر عن السدّی) بعض نے مرجع الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا کو ٹھہرایا ہے۔ لیکن سیاق قولِ اوّل کو صاف ترجیح دے رہا ہے۔ کما یدل علیه نظم السیاق (ابن کثیر) ف۳۳۷ بالفرض اس قدر طویل زندگی حاصل بھی ہو گئی تو آخر کیا نتیجہ؟ بہر حال خاتمہ تو ایک روز اس طویل سے طویل زندگی کا بھی ہونا ہے۔ اور پھر اُسی مؤاخذۂ اخروی کا سامنا۔ سوا ایسی لایعنی اور لغو تمناؤں کے پھیر میں پڑے رہنا کسی دیندار شخص کے لیے ممکن ہی کیونکر ہے۔ ف۳۳۸ (اور ہر طرح کی جزا و سزا پر قادر ہے) خدا تعالٰی کی ہمہ بینی، ہمہ توانی کا استحضار انسان کو راہِ راست پر قائم رکھنے کے باب میں اکسیر ہے۔ انسان غفلت و معصیت کی طرف قدم اسی وقت رکھتا ہے جب ذہن سے ایک حاضر و ناظر حاکم کا تصور غائب ہوتا ہے۔ یہی راز ہے اس کا کہ قرآن مجید میں اللہ کی صفاتِ ہمہ بینی و ہمہ دانی کی یاد دہانی اس کثرت و تکرار کے ساتھ ہوئی ہے۔ ف۳۳۹ جِبْرِیْلَ۔ اسلامی اصطلاح میں ایک فرشتۂ اعظم کا نام ہے۔ ان کے سپرد ایک

اہم خدمت انبیاء کرام تک وحی الٰہی کے پہنچانے کی ہے۔ انسان، بڑے سے بڑا مقبول انسان بھی بہرحال بشر ہی ہوتا ہے، اور جسم خاکی ہی رکھتا ہے۔ اس کے محدود اور کثیف خاکی قویٰ علی العموم اتنا تحمل نہیں رکھتے کہ براہِ راست تجلیاتِ لاہوتی کی شعاعوں کو قبول کرسکیں۔ اس غرض کے لیے عموماً لطیف الجسم، نور کے بنے ہوئے فرشتوں سے، سفارت و توسط کا کام لیا جاتا ہے۔ یہود بھی وجودِ ملائکہ کے قائل تھے، بلکہ خود حضرت جبرئیل کو بھی ایک فرشتہ اعظم مانتے تھے، اور ان کا ذکر توریت میں آج تک موجود ہے۔ لیکن اپنی نادانی سے خیال یہ جمالیا تھا کہ وہ ایک فرشتۂ عذاب ہیں۔ اُن کا کام وحی لانا نہیں، عذاب لانا ہے۔ اور وحی لانا تو کام ایک دُوسرے فرشتہ حضرت میکائیل کا ہے۔ اپنے ان مفروضہ مقدمات و مسلمات کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ پر معترض ہوتے تھے کہ یہ نئے مدعیٔ نبوت اپنی وحی کے سلسلہ میں نام حضرت جبرئیل کا کیوں لاتے ہیں۔ یہاں تعرض یہود کی اسی غلط اندیشی سے کیا جارہا ہے۔ موجودہ توریت میں بار بار ذکر ایک ایسے فرشتہ کا آتا ہے جو لوگوں کو مارتا تھا۔" (۲۔ سموئیل۔ ۲۴:۱۶ و ۱۷) اور علمائے یہود نے اس سے مراد فرشتہ جبرئیل ہی سے رکھی تھی۔ آج بھی یہود حضرت جبرئیل کو حضرت میکائیل کا ہمسر و ہم پلہ نہیں، ان سے کمتر ہی سمجھتے ہیں۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۵ صفحہ ۵۴۱)
ف ۳۴۰ (پھر اُن سے مخالفت و عداوت و بدگمانی کے کیا معنی؟) یہاں یہود کے جہل کو رفع کیا گیا، اور بتایا گیا کہ حضرت جبرئیل کے نام سے چڑنا کیا معنی، وہ تو خدا کے ایک معتمد سفیر ہیں، اور خدمت

ع ۱۰ ۱۱

الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ ع

عذاب سے تو نہیں بچا سکتا ف ۳۳۷ اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے (خوب) دیکھ رہا ہے ف ۳۳۸

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى

آپ کہہ دیجیے جو کوئی جبریلؑ کا مخالف ہے ف ۳۳۹ تو انہوں نے تو اس (قرآن) کو

قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

آپ کے قلب پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے ف ۳۴۰ (وہ) تصدیق کرنے والا ہے اس (کلام) کا جو اس کے قبل سے

وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا

ہے اور ہدایت ہے اور ایمان والوں کے لئے خوشخبری ہے ف ۳۴۱ جو کوئی مخالف ہو

لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰىلَ

اللہ کا یا اس کے فرشتوں کا یا اس کے پیغمبروں کا یا جبریلؑ کا یا میکائیلؑ کا ف ۳۴۲

فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

تو اللہ (بھی) بالیقین مخالف ہے (ایسے) کافروں کا ف ۳۴۳ اور بالیقین ہم نے آپ پر روشن نشان

اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَ مَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

اتارے ہیں ف ۳۴۴ اور ان سے کوئی (بھی) انکار نہیں کرتا بجز نافرمانوں کے ف ۳۴۵

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ

کیا یہ ہے کہ انہوں نے جب کبھی بھی کوئی عہد کیا ہے ف ۳۴۶ تو انہیں میں سے کسی (نہ کسی) جماعت نے توڑ پھینکا

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَ لَمَّا جَآءَهُمْ

ہے ف ۳۴۷ اصل یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر تو اعتقاد ہی نہیں رکھتے ف ۳۴۸ اور جب ان کے پاس

رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ

پیمبر اللہ کی طرف سے آئے تصدیق کرتے ہوئے اس (کتاب) کی جو ان کے پاس موجود تھی ف ۳۴۹

سفارت پر مامور۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اِذن کے معنی لغت میں علاوہ اجازت کے، حکم یا ارشاد کے بھی ہیں ویکون باذنه ای بامرہ (لسان) و یکون الامر اذناً (تاج) چنانچہ یہاں بھی اِذْنِ اللّٰهِ سے مراد اللہ کا حکم یا ارشاد ہی ہے۔ ای باذن الله (معالم) فالاظهر بامر الله (کبیر) ای بامرہ (بیضاوی) ف ۳۴۱ یہاں کلام مجید نے اپنے تین وصف متعین طور پر بیان کیے:۔ ایک یہ کہ وہ گزشتہ انبیاء اور سابق صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کا پیام کوئی نرالا اور انوکھا نہیں، وہی توحید کا پرانا سبق ہے جو سارے سلسلۂ وحی میں مشترک رہا ہے۔ دُوسرے یہ کہ وہ فی نفسہٖ ایک ہدایت نامہ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ اہل ایمان کے حق میں مایۂ بشارت ہے۔ ف ۳۴۲ یعنی جو شخص بھی اللہ یا اس کے پیمبروں یا اس کے فرشتوں، خصوصاً جبرئیل و میکائیل جیسے مقرب فرشتوں سے وہ رشتہ و تعلق قائم رکھتا ہے جو ان کے مرتبۂ واجب کے منافی ہے۔ عدوٌ۔ عربی میں بطور مصدر بھی آتا ہے، اور اس معنی میں یہ ضد ہے دوستی و محبت کا۔ منافاة الالتيام (راغب) دُوسرا استعمال اس کا بحیثیت اسم کے ہے، جیسا کہ یہاں ہے۔ اور اس معنی میں یہ مقابل ہے دوست کے۔ العدو للشخص ضد الصديق (روح) اور اس کے مفہوم میں محض عداوت نہیں، بلکہ انکار، نافرمانی، حق ناشناسی، غرض دوستی و محبت کے منافی جو کچھ ہے سب داخل ہے۔ میکال یا میکائیل بھی جبرئیل کی طرح ایک فرشتہ مقرب کا نام ہے۔ مشہور روایتوں میں آیا ہے کہ ان کے ذمہ مخلوق کی رزق رسانی اور بارش ہے گویا جس طرح احکام تشریعی کے لیے واسطہ خاص حضرت جبرئیل ہیں، احکام تکوینی کے لیے واسطہ خاص میکائیل ہیں، پہلے کا تعلق خاص بارگاہِ الوہیت سے ہے۔ دُوسرے کا کارگاہِ ربوبیت سے۔ توریت میں ان کا ذکر بڑے تعظیمی لہجہ میں موجود ہے۔ یہود نے اپنے سارے تعلقات انہیں سے جوڑ رکھے تھے، اور انہیں اپنا قومی محافظ سمجھتے تھے۔ یہود نے جب حضرت جبرئیل کے حامل وحی ہونے سے انکار کیا تھا (ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳۳۹) تو اپنی عداوت و رغبت کا اظہار انہیں دو فرشتوں کا نام لے کر کیا تھا۔ اسی مناسبت سے قرآنی جواب میں بھی تصریح انہیں دونوں کے نام کی ہے۔ اور ساتھ ہی جیسا کہ قرآن مجید کا عمومی دستور کسی واقعۂ خاص سے ایک ہدایت عام بیان کر دینے کا ہے، ایک عام قاعدہ تمام معصوموں (یعنی انبیاء و ملائکہ) سے متعلق بیان کر دیا گیا۔ وَ۔ اہل لغت نے لکھا ہے کہ حرف واؤ ہمیشہ عطف و جمع ہی کے لیے نہیں آتا، بلکہ "یا" کے معنی بھی کبھی دیتا ہے۔ تکون بمعنی اَوْ (قاموس) چنانچہ یہاں چاروں جگہ اسی معنی میں ہے۔ یعنی ان اسماء کا مجموعہ مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ جو کوئی ان میں سے کسی ایک کا بھی مخالف ہے۔ یعنی من كان عدوًا لاحد هؤلآء انه عدو للكل (معالم) یعنی من كان عدوًا لاحد من هؤلآء (کبیر) ف ۳۴۳ یعنی ایسا ہر شخص کافر سمجھا جائے گا اور اس کے ساتھ معاملہ وہ کیا جائے گا، جو دشمن کے ساتھ دشمن کرتا ہے۔ فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ معصوموں کی اطاعت عین اطاعت الٰہی، اور معصوموں کی مخالفت عین مخالفت حق ہے۔ فرشتہ کی اطاعت توریت میں بھی عین اطاعت رب بتائی گئی ہے:۔ "دیکھ میں ایک فرشتہ تیرے آگے بھیجتا ہوں کہ راہ میں تیرا نگہبان ہو۔ اور تجھے اس جگہ جو میں نے تیار کی ہے لے آوے۔ اس کے آگے ہوشیار رہ اور اس کا کہا مان۔ اُسے مت چڑا۔ کیونکہ وہ تیری خطا نہ بخشے گا کہ میرا نام اُس میں ہے۔ پر اگر تو سچ اُس کا کہا مانے اور سب جو میں کہتا ہوں کرے تو میں تیرے دشمنوں کا دشمن اور تیرے بیریوں کا بیری ہوں گا"۔ (خروج۔ ۲۳: ۲۰۔ ۲۱) یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلفائے راشدین و اصحاب رسول ﷺ جن کے فضائل گویا تواتر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں، ان کی مخالفت و عداوت بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اہل اللہ سے عداوت رکھنا خود اللہ تعالیٰ کی عداوت کا سبب بن جاتا ہے۔
ف ۳۴۴ (آپ کی صداقت اور نبوت کے) یعنی ایک تو قرآن خود ایک معجزہ ہے، پھر دوسرے تائیدی شواہد و دلائل، بشارات و معجزات۔ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ سے مراد آیات قرآنی بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ جن بےنظیر تعلیمات کی حامل ہیں، ان پر نظر کر کے بعض محققین نے یہی پہلو اختیار کیا ہے الاظهر ان المراد ايات الفرقان الذى لاياتى بمثله الجن والانس (کبیر) لیکن لفظ ایات ہے عام و وسیع۔

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

تو (ان) اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کتاب اللہ کو اپنی پشت کے پیچھے پھینک مارا ف۳۵۰ گویا وہ جانتے ہی (بوجھتے) نہیں ف۳۵۱

وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ

اور (یہ لوگ) پیچھے لگ لئے ف۳۵۲ اس (علم) کے جو سلیمانؑ کی بادشاہت میں شیطان پڑھا کرتے تھے ف۳۵۳

وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا

اور سلیمانؑ نے (تو کبھی) کفر نہیں کیا، ف۳۵۴ البتہ شیطان (ہی) کفر کیا کرتے تھے ف۳۵۵

يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ

لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے ف۳۵۶ اور (وہ پیچھے لگ لئے) ف۳۵۷ اس (علم) کے بھی جو بابل میں دو فرشتوں

بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَ مَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ

ہاروت و ماروت پر اتارا گیا تھا ف۳۵۸ اور وہ دونوں کسی کو بھی (اس فن کی باتیں) نہیں

اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ

بتاتے تھے، ف۳۵۹ جب تک یہ نہ کہہ دیتے ف۳۶۰ کہ ہم تو بس ایک (ذریعہ) امتحان ہیں ف۳۶۱ سو تم (کہیں) کفر نہ اختیار

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ

کر لینا ف۳۶۲ مگر (لوگ) ان دونوں سے وہ (سحر) سیکھ ہی لیتے ف۳۶۳ جس سے وہ جدائی ڈال دیتے درمیان مرد

وَزَوْجِهٖ ؕ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ

اور اس کی زوجہ کے ف۳۶۴ حالانکہ وہ (فی الواقع) کسی کو بھی اس کے ذریعہ سے نقصان نہ پہنچا سکتے

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا

مگر ہاں ارادۂ الٰہی سے ف۳۶۵ اور یہ وہ چیز سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہے اور انہیں

اس لیے دوسرے بزرگوں نے سارے اقوال کو جمع کر کے لکھا ہے کہ اس سے مراد بھی کچھ ہے، قرآن بھی، معجزات بھی، کتب سابقہ پر اطلاع بھی، معجزاتِ سابقہ پر اطلاع بھی، قرآن کا قانونی نظام بھی، وقس علیٰ ہذا۔ ای القرآن والمعجزات المقرونۃ بالتحدی عما خفی واخفی فی الکتب السابقۃ او الشرائع او الفرائض او مجموع کل ماتقدم (بحر) یہود جو اپنے پیمبروں کے معجزات کی روایتوں کے خوب عادی ہو چکے تھے بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں، نبی ہیں تو کوئی نشانی تو دکھلائیں۔ جواب ملا کہ تم ایک نشانی کو کہتے ہو، ہم تو انہیں متعدد نشانات (بہ صیغۂ جمع) دیئے چکے ہیں اور وہ بھی دقیق و خفی نہیں، نمایاں و روشن۔ سب کو نظر آ جانے والے۔ ف۳۴۵ یعنی ان شواہد صریح اور دلائل روشن سے انکار کوئی فطرتِ سلیم والا تو کرتا نہیں۔ بس وہی لوگ کرتے ہیں جو قانونِ الٰہی کے توڑتے رہنے اور شرائع ربانی سے بغاوت کرنے کے خوگر ہو چکے ہیں۔ انجیل میں یہود کی قساوتِ قلب کے سلسلہ میں ہے کہ مسیح علیہ السلام نے ”اگرچہ اُن کے سامنے اتنے معجزے دکھائے تو بھی وہ اُس پر ایمان نہ لائے“ (یوحنا۔ ۱۲:۳۷) ف۳۴۶ (خدایا اس کے کسی نبی کی اطاعت کا) ذکر انہیں عصیان پیشہ یہود کا چل رہا ہے۔ ف۳۴۷ بنی اسرائیل کی تاریخ، غداری، عہد شکنی، نافرمانی، سرکشی کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ توریت کے صفحے، انجیل کے ورق، قدیم مؤرخین یہود جوزیفس وغیرہ کے دفتر سب اسی سرگزشت سے لبریز ہیں اور یہاں اشارہ ان کی اسی قومی خصوصیت کی جانب ہے۔ ف۳۴۸ (اپنے کسی عہد و پیمان اطاعت کا) یعنی ایفائے عہد تو الگ رہا ان میں سے بہت سے اسی کے قائل نہیں ملتے کہ کبھی اطاعت کا عہد و پیمان کیا بھی تھا۔ گویا ایمان لَا یُؤْمِنُوْنَ میں اپنے اصطلاحی معنی میں نہیں لفظی معنی میں ہے۔ لَا یُؤْمِنُوْنَ کے دُوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ایمان کو ایمان اصطلاحی کے مفہوم میں لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ لوگ خود اپنی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان کب رکھتے ہیں۔ لا یصدقون بکتابھم (کبیر) لایؤمنون بالتوراۃ (مدارک) ماحصل دونوں صورتوں کا یہی ہے، کہ وہ پاس عہد خصوصاً آخری نبی کی تصدیق کرنے کے عہد کا اپنے کو پابند ہی کب سمجھتے ہیں۔ ف۳۴۹ یعنی کتاب توریت کی۔ یہود کو بتایا یہی جا رہا ہے کہ نئے نبی جو آئے ہیں یہ تمہاری کتاب اور اس کے دین کو مٹانے کے لیے نہیں۔ یہ تو عین اسے تازگی بخشنے، اسے حیاتِ تازہ دینے کے لیے آئے ہیں۔ رَسُوْلٌ۔ یہ کس پیمبر کے آنے کا ذکر ہے؟ جائز ہے کہ رَسُوْلٌ کو مطلق رسول کے معنی میں لیا جائے، اور مراد اس سے کوئی بھی پیمبر سمجھا جائے۔ یہ معنی بھی یہود کی عام عادتِ تکذیبِ انبیاء و رسل کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ لیکن ترجیح اس پہلو کو ہے کہ یہاں مراد رسول موعود، نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور رَسُوْلٌ۔ کا صیغہ نکرہ میں ہونا اس کے منافی نہیں۔ صیغۂ نکرہ جس طرح تعمیم کے لیے آتا ہے، عظمت و تکریم کے لیے بھی آتا ہے، اور وہی یہاں مقصود ہے۔ والتنکیر للتعظیم (ابوسعود) ف۳۵۰ نبذوہ وراء ظھور ھم۔ کتاب کے پس پشت پھینک دینے سے محاورہ میں مراد اس کی طرف سے بے التفاتی برتنے اور اس کی عملی مخالفت کرنے سے ہے۔ ای طرحوہ بقلۃ اعتدادھم بہ (راغب) مثل بمایرمی بہ وراء الظھر استغناءً عنہ و قلۃ التفات الیہ (کشاف) کتاب اللہ سے یہاں کیا مراد ہے۔ یہود کی بے التفاتی اور بے تعلقی قرآن سے تو ظاہر ہی تھی، اور یہ کوئی بات ایسی ذکر کرنے اور توجہ دلانے کی نہ تھی۔ غضب یہ تھا کہ قرآن و صاحب قرآن سے مخالفت کی دُھن میں خود اپنی کتابِ آسمانی کی طرف سے بھی وہ بے پرواہ اور بے تعلق ہو گئے تھے۔ کہ آخر توریت میں بھی تو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت پیشگوئیاں، ان کی علامتیں اور ان پر ایمان لانے کی تاکید درج تھی۔ اس لیے محققین نے ترجیح اس کو دی ہے کہ کتاب اللہ سے یہاں مراد توریت ہے۔ یعنی التوراۃ (کشاف) قیل انہ القراٰن و قیل انہ التوراۃ وھذا ھو الاقرب (کبیر) و یعنی بقولہ کتاب اللہ التوراۃ (ابن جریر۔ عن السدی) ف۳۵۱ (کہ اس کتاب کے اندر بھی کوئی مضمون اس قسم کا موجود ہے) لا یعلمون ما فی التوراۃ من الامر باتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم و تصدیقہ (ابن جریر)

ف۳۵۲ ذکر اسرائیلیوں کا چل رہا ہے۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ خصوصاً یہود عرب ف۳۵۳ یعنی بجائے اس کے کہ وحی الٰہی کا اتباع کرتے اور رسولِ برحق کی تصدیق کرتے، یہ یہود تو ایک اور ہی علم کے پیچھے لگ گئے، اور وہ علم بھی کس کا؟ شیطان کا۔ قرآن مجید وقت کی اہم ترین قوم یہود کے پترے تو کھول ہی رہا ہے۔ اب اُس نے ان کی فردِ جرم میں ایک اس عنوان کا بھی اضافہ کیا کہ یہ لوگ وحی الٰہی کی اتباع کے بجائے ایک دوسرے ہی سفلی علم میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس ضمن میں قرآن مجید بعض اور اہم تاریخی اور دینی حقیقتوں کو زبردست روشنی میں لے آیا ہے۔ اس علم سے مراد فنِ سحر ہے۔ فنونِ سحر و کہانت میں یہود کی مہارت تاریخ میں مسلم چلی آ رہی ہے۔ ان کے اکابر و مشاہیر اس کا برابر اعتراف کرتے آئے ہیں بلکہ اکثر فخر کے ساتھ۔ قرآن مجید نے اکثر تاریخی حقائق کی طرح ان کی تفصیلات میں گئے بغیر، یہاں بھی صرف اشارہ کر دینا کافی سمجھا ہے۔ یہود کا یہ شوق ان کی قدیم تاریخ سے قطع نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی قائم تھا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کا یہودی النسل و یہود خصلت پروفیسر مارگولیس آنجہانی، جس کی اسلام دشمنی ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہوئی ہے، اپنی انگریزی سیرتِ رسول میں معاصر یہود عرب کے سلسلہ میں لکھتا ہے:۔ ”یہ لوگ فن سحر کے ماہر تھے اور بجائے میدانِ جنگ میں آنے کے سفلی عملیات کو ترجیح دیتے تھے“۔ صفحہ ۱۸۹ اصل عبارت اور مزید حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اور ہمارے مفسرین نے بھی اس سحر پرستی میں یہود عہد سلیمانی اور یہود

عہد محمدی کو شریک سمجھا ہے۔ قیل یھود زمان سلیمان و قیل یھود زماننا و اللفظ فیھم عام و لجمیعھم محتمل وقد کان الکل منھم متبعًا لھذا الباطل (ابن عربی)۔ شیاطین ۔ جب صیغہ جمع میں ہے، تو ظاہر ہے کہ ابلیس تو یہاں مراد ہو نہیں سکتا۔ اہل لغت اور اکابر اہل تفسیر دونوں کی رائے ہے کہ شیطانوں سے مراد یہاں خبیث و سرکش قسم کے جنات ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے۔ اے مردة الجن (راغب) المراد شیاطین الجن و ھو قول الاکثرین (کبیر) والمتبادر من الشیاطین مردة الجن و ھو قول الاکثرین (روح) وھم المتمردون من الجن (ابوسعود) لیکن خود جنات کیا ہیں؟ جنات سے مراد وہ صاحب شعور و ادراک ہستیاں ہیں جن کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے اور جو انسانی آنکھ کو عموماً اور عادۃً نظر نہیں آتے۔ انسان کی طرح وہ بھی مکلف ہیں گو یہ ضرور نہیں کہ ان کی شریعت بھی جزئیات و تفصیلات کے لحاظ سے شریعت انسانی ہو --- اس آتشیں مخلوق کا وجود دلائل نقلی و شواہد سے پوری طرح ثابت ہے۔ اور اس وجود سے انکار پر کوئی ایک دلیل بھی قائم نہیں، نہ عقلی نہ نقلی۔ بعض کا قول ہے کہ مراد شیاطین انس ہیں، یعنی وہ سرکش و خبیث انسان جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے خلاف بغاوت میں پیش پیش تھے۔ اور آپ پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے، اور سحر و کہانت کے بھی ماہر تھے۔ فرقہ معتزلہ کے متکلمین کا رجحان اسی معنی کی طرف ہے۔ قیل شیاطین الانس وھو قول المتکلمین من المعتزلة (کبیر) راغب لغوی نے بھی معنی جس طرح سرکش جنات کے جائز رکھے ہیں اسی طرح سرکش انسانوں کے بھی۔ فھم مردة الجن و یصح ان یکونوا ھم و مردة الانس ایضًا (راغب) اور مفسرین اہل سنت نے بھی گنجائش دونوں کے لیے رکھی ہے۔ الشیاطین من الجن و الانس او منھما (بیضاوی) و ھو یرید شیاطین الجن والانس (جصاص) اگر انسان ہی مراد لیے جائیں، یعنی دربار سلیمانی کے باغی سردار و سرغنہ، تو ان کا مفصل ذکر عہد عتیق کے بعض صحیفوں میں ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو ۱۔ سلاطین باب ۱۱ و ۱۲ علیٰ ملک سلیمٰن ۔ یعنی آپ کے عہد حکومت میں۔ علیٰ۔ صرف استعلاء کے لیے نہیں، بلکہ مصاحبت تعلیل وغیرہ کی طرح ظرفیت کے لیے بھی آتا ہے۔ اور فی کے معنی میں اس کا استعمال عام ہے۔ ابن جریر جو عربیت کے بھی امام ہیں لکھتے ہیں:۔ والعرب تضع فی فی موضع علیٰ و علیٰ فی موضع فی اور عرب فی کا استعمال علیٰ کی جگہ پر کرتے ہیں اور علیٰ کا استعمال فی کے موقع پر۔ اور اتقان (سیوطی) میں اس معنی کی تصریح ہے اور اہل لغت لکھتے ہیں:۔ کان ذٰلک علیٰ عھد فلان اے فی عھد فلان (تاج) فلاں واقعہ علیٰ عہد فلاں ہوا، اس کے معنی ہوتے ہیں ''فی عہد فلاں'' ہوا۔ خود قرآن مجید میں بھی علیٰ ایک دوسری جگہ صاف فی کے معنی میں آیا ہے۔ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰی حِيْنِ غَفْلَةٍ (قصص، ع ۲) اے فی حین غفلة۔ چنانچہ یہاں بھی اہل تحقیق نے یہی معنی لیے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں۔ اے علیٰ عھد سلیمان (ابن کثیر) اے فی عھد ملکه (ابوسعود) اے فی عھد سلیمان (ابن جریر) اے فی ملکه و عھده (معالم) سُلَیْمٰنَ ۔ سلیمان بن داؤد (۹۹۰ ق،م تا ۹۳۰ ق،م غالبًا) اسرائیلی سلسلہ کے ایک نامور پیمبر گزرے ہیں، اور اپنے والد ماجد ہی کی طرح، لیکن ان سے بڑے تاجدار بھی۔ شام و فلسطین کے علاوہ آپ کے حدود حکومت مشرق کی سمت میں عراق کے دریائے فرات کے ساحل تک اور مغرب میں سرحد مصر تک وسیع تھے۔ آپ کی سلطنت کی عظمت و شوکت پر دوست دشمن سب کو اتفاق ہے اسلام میں اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی و اخلاقی مرتبہ، یعنی نبوت و رسالت کے ساتھ جس طرح فقر و مسکنت جمع ہو سکتے ہیں اسی طرح دولت و امارت، حکومت و ریاست بھی۔ اسلام کا خدا غریبوں اور امیروں، ناداروں اور زرداروں سب کا یکساں خدا ہے۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح ان یہود کے آباؤ اجداد عہد سلیمانی میں شیطانی مشغلوں (سحر و کہانت) میں لگے رہے اسی طرح آج خود بھی بجائے نبی کی ہدایتوں پر چلنے کے انہیں سفلی مشغلوں میں پڑے ہوئے ہیں ف۳۵۴ (جیسا کہ ناپاسوں، کافروں، افترا پردازوں نے مشہور کر رکھا ہے) آیت کے اس مقام پر پہنچ کر مومن کے قلب میں ذرا کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ یہ کہنے والی کون سی بات تھی جو قرآن نے فرما دی؟ جب حضرت سلیمان علیہ السلام پیمبر برحق تھے، تو یہ تو کھلی ہوئی اور موٹی سی بات ہے کہ آپ شائبہ کفر و شبہ کفر سے بہ مراحل دور تھے۔ پیمبر کے حق میں یہ نازل ہونا کہ وہ کفر سے بری تھے، یہ تو کچھ ایسی ہی بات ہوئی، جیسے کسی ملک کا بادشاہ یہ فرمان جاری کر کے رعایا کو بتائے کہ ہمارا نائب السلطنت باغی و غدار نہیں ہے۔ کھٹک بجا ہے۔ قرآن مجید کبھی کوئی چھوٹا سا بیان بھی بے ضرورت نہیں دیتا۔ مگر یہاں قرآن کو اس اعلان و اعلام کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کا علم سادہ دل مسلمان کو کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا علم تو اس کے ہمہ بین و ہمہ دان پروردگار ہی کو ہو سکتا تھا۔ سلیمان علیہ السلام کو پیغمبر ماننے والی دو قومیں مسلمانوں سے پہلے بھی ہو چکی ہیں۔ یہ دونوں وہی ہیں جو اہل کتاب کہلاتی ہیں۔ یعنی یہود و نصاریٰ۔ ان دونوں کے اکابر نے ستم ظریفی کا کمال یہ دکھایا ہے کہ ایک طرف تو ان کی عظمت و پیمبری کے قائل ہیں، اور دوسری طرف ان کے نامۂ اعمال میں گندے سے گندے جرائم بھی ڈال دیئے ہیں! یہاں تک کہ کفر و شرک بھی! کہ اللہ کی عدالت میں کوئی جرم اس سے بڑھ کر یا اس کے برابر بھی سنگین تصور میں نہیں آ سکتا۔ یہودی قصص و حکایات اور مسیحی آثار و روایات کی کتابوں کو چھوڑیے۔ خاص الخاص بائبل یعنی عہد عتیق کے صحائف، جن پر یہود و نصاریٰ دونوں کا ایمان ہے، انہیں ملاحظہ فرما لیجیے کہ اس مجموعہ میں آج تک کیا تصریحات لکھی چلی آ رہی ہیں:۔ ''جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اس کی جوروؤں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کیا، اور اس کا دل اپنے خدا کی طرف سے کامل نہ تھا۔'' (۱۔ سلاطین۔ ۱۱: ۴، ۹، ۱۰) یعنی محض غفلت یا عدم اعتناء کی بنا پر عملی کوتاہی یا عصیان نہیں، صریح بدعقیدگی۔ توحید ہی کی طرف سے بے یقینی!۔ آگے اور ملاحظہ ہو:۔ ''سو از بس کہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے برگشتہ ہوا، اس لیے خداوند سلیمان پر غضبناک ہوا کہ اُس نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ اجنبی معبودوں کی پیروی نہ کرے۔ پر اُس نے اپنے خداوند کے حکم کو یاد نہ رکھا۔'' (۱۔ سلاطین۔ ۱۱: ۹، ۱۰) معاذ اللہ۔ خدا کا پیمبر اور کفر و شرک میں مبتلا! کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی! دنیا سینکڑوں سال تک، ہزار ڈیڑھ ہزار سال تک، انہیں یہودیانہ تحریفات و اختراعات کا شکار ہو کر اس موحد اعظم کو نعوذ باللہ کافر و مشرک سمجھتی رہی۔ یہاں تک کہ قرآن آیا، جو ہر قوم ہر زمانہ کے سچے پیمبروں کی عزت و ناموس کا محافظ ہے۔ اور اس نے آ کر، یقین نہ کرنے والی دنیا کے سامنے آ کر، اعلان کیا کہ سلیمان کو معاذ اللہ کافر کہتے ہو! وہ تو کفر کے قریب تک نہیں گئے تھے! قرآن کی صدائے حق فضا میں بلند ہو کر خاموش ہو گئی۔ جن کے کان تھے انہوں نے سنا۔ دنیا اپنے کاروبار میں لگی رہی، پھنسی رہی۔ بائبل والوں نے بائبل کی پرستاری نہ چھوڑی۔ یہاں تک کہ تیرہ، ساڑھے تیرہ صدیاں اور گزر گئیں۔ اور اب قدرت حق کا اعجاز دیکھیے کہ اب جو محققانہ و فاضلانہ کتب جوامع و حاویات بائبل ہی کے پرستاروں کے قلم سے نکل رہی اور شائع ہو رہی ہیں وہ تائید اور تصدیق بائبل کی الزام دہی کی نہیں، قرآن کے جواب صفائی کی کر رہی ہیں! انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، برطانوی کاوش و تحقیق کا لب لباب ہوتا ہے، اس کے سب سے آخری ایڈیشن میں مقالہ زیر عنوان سلیمان نکال کر دیکھیے، صاف یہ مضمون ملے گا۔ ''سلیمان خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے''۔ (جلد ۲۔ صفحہ ۹۵۲ طبع چہاردہم) انسائیکلوپیڈیا ببلیکا، خاص مسیحی ہی فضلاء اور پرستاران بائبل کی تحقیق و تدقیق کا ثمرہ ہے۔ اس میں تو یہاں تک ہے کہ بائبل کی جو آیتیں ابھی اُوپر نقل ہو چکی ہیں، ان کا حوالہ دے کر یہ لکھ دیا ہے کہ یہ عبارتیں بعد کو بڑھائی گئی ہیں، اور الحاقی ہیں! اور پھر لکھا ہے:۔ ''یہ تو غالبًا صحیح ہے کہ سلیمان کی بیویاں متعدد تھیں، اسرائیلی بھی غیر اسرائیلی بھی۔ لیکن انہوں نے نہ تو سب کے لیے قربان گاہیں ہی تیار کرائیں، اور نہ خود خدائے واحد کی پرستش کے ساتھ ساتھ اپنی بیویوں کے دیوتاؤں کی پرستش کا تجربہ ہونے دیا''۔ (کالم ۸۹۔ ۴۶) خیر، یہ اعجاز تو کلام الٰہی کا تھا۔ اس سے بڑھ کر بھی ہوتا تو ہو سکتا تھا۔ لیکن محدود و ناقص عقل اور زمان و مکان سے مقید علم رکھنے والے بندوں نے اپنی ایمانی فراست و اشراقیت سے جو کام کر دکھایا ہے، وہ بھی اعجاز سے کچھ کم نہیں۔ رئیس المفسرین امام ابن جریر، آج کے نہیں، آج سے ایک ہزار سال قبل کے شخص ہیں، اور یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے شاید زیادہ واقف بھی نہ ہوں۔ آج نہیں، اس وقت اپنی تفسیر میں یہ روایات بصراحت درج کر گئے ہیں کہ آیت بالا یہودی کے گندے عقائد اور افتراء کے رد میں نازل ہوئی ہے جو آپس میں کہتے تھے کہ ان نئے مدعی نبوت کی نادانی تو دیکھو، کہ ابن داؤد علیہ السلام کو قال بعض احبار الیھود الا تعجبون من محمد یزعم ابن داؤد کان نبیًا واللہ ما کان الا ساحرًا فانزل اللہ فی ذٰلک من قولھم وما کفر سلیمٰن الخ نبی اللہ کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ بخدا وہ تو بس ایک ساحر تھا۔ اللہ نے انہیں کے قول کے رد میں یہ آیت نازل کی ہے۔ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ الخ ف۳۵۵ (اور اُسے منسوب حضرت علیہ السلام کی جانب کر دیتے تھے) ان شیطانوں کی (خواہ وہ جن ہوں یا انس) ایک شیطنت یہ بھی تھی کہ اپنی

کافرانہ، ساحرانہ حرکتوں کی نسبت حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب کردیتے تھے، اور شہرت یہ دے دیتے تھے کہ ہم تو یہ جو کچھ کررہے ہیں، ان کی رضامندی بلکہ ان کے اشارہ ہی سے کررہے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ کے نبی برحق علیہ السلام کو ان گندگیوں سے کیا واسطہ ہوسکتا تھا۔ قرآن کریم نے کس کس طرح دوسری امتوں کے انبیاء کی طرف سے صفائی پیش کی ہے، انہیں کے امتیوں کے لگائے ہوئے داغ دھبے ان کی پاک سیرتوں سے دُور کیے ہیں۔ اور یہ ناشکر گزار قومیں ہیں کہ الٹی قرآن ہی کی دشمنی پر تلی ہوئی ہیں! **و۳۵۶** سحر نام ہے اسبابِ خفی (مثلاً تاثیر کواکب، استعانت شیاطین الجن وغیرہ) سے کام لے کر تصرفاتِ عجیب کرنے کا۔ خاص خاص مشقتوں اور ریاضتوں سے یہ فن حاصل ہوجاتا ہے۔ مشرک جاہل قوموں میں اس کا رواج پہلے بھی زور شور سے رہ چکا ہے۔ اب بھی ہے۔ شریعت اسلام نے اسے حرام قرار دیا۔ يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ۔ يُعَلِّمُوْنَ کا فاعل شیاطین ہونا ظاہر ہی ہے۔ اکثر مفسرین نے اسی ایک ترکیب کو اختیار کیا ہے اور یہاں بھی ترجمہ اسی لحاظ سے کیا گیا۔ لیکن اس کی بھی گنجائش ہے کہ فاعل بجائے شیاطین کے یہود ہی کو قرار دیا جائے، یعنی فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ کو۔ معنٰی اس صورت میں بجائے ماضی کے حال کے ہوجائیں گے۔ یعنی یہ یہود، لوگوں کو تعلیم دیتے رہتے ہیں سحر کی۔ سحر و کہانت تاریخ بنی اسرائیل کا ایک مسلم و ناقابل انکار جزو ہے۔ خود عہد عتیق کے صحیفوں میں اس کی شہادت موجود ہے:۔ "انہوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو آگ کے درمیان گزارا اور فال گیری اور جادوگری کی...... ان باتوں سے خداوند بنی اسرائیل پر نپٹ غصہ ہوا۔ اور اپنی نظر سے انہیں گرا کر دور کردیا"۔ (۲۔ سلاطین۔ ۱۷: ۱۷۔۱۸) **و۳۵۷** بیان انہیں یہود عرب کا چل رہا ہے۔ واوٗ عاطفہ کبھی فقرہ کو فقرہ سے جوڑتا ہے، کبھی کبھی لفظ کو لفظ سے، اور کبھی فقرہ کو لفظ سے۔ یہاں فقرہ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ کا عطف ہے فقرہ ماقبل مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ پر اور دونوں فقرے تابع ہیں فعل اتَّبَعُوْا کے۔ گویا تقدیر کلام یوں ہے وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ الخ واتبعوا ما انزل علی الملکین۔ بعض نے مَاۤ اُنْزِلَ الخ کا عطف السحر پر مانا ہے۔ عطف علی السحر و قیل هو عطف علی ما تتلوا ای واتبعوا ما انزل (کشاف) معنٰی میں کوئی بڑا فرق اس سے بھی نہیں پڑتا۔ اور حاصل دونوں صورتوں میں ایک ہی رہتا ہے۔ قرآن جو کچھ بھی کہتا ہے حق مطلق کی شانِ بے نیازی کے ساتھ بالکل بے خوف اور بے دھڑک کہتا ہے۔ اُسے کسی خارجی سہارے کی تلاش نہیں ہوتی۔ خارجی سہارے از خود اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ اُسے اپنی جگہ پر اطمینان کامل ہے کہ اس کے کسی بیان میں تردید کی گنجائش تو کجا، شک و تردد کا احتمال بھی کسی طالب حق کو نہیں ملے گا۔ یہود عرب کی طرف طویل فرد جرم اُوپر سے مسلسل چلی آرہی ہے۔ ابھی ابھی ذکر ان کے فلسطینی سحر کا آچکا ہے، (سلیمان نبی علیہ السلام بادشاہ فلسطین کے تھے، ان کے عہد کا سحر فلسطینی ہی کہا جائے گا) اب وہ یہ بھی کہے ڈالتا ہے کہ یہ توحید کے پرانے امانت دار اور کتاب و سنت کے قدیم قدر شناس، یہی نہیں کہ عہد سلیمانی کے شیاطین جن و انس کی روایات سحر و کہانت کا حق ادا کررہے ہیں، بلکہ اس فلسطینی سحر کے علاوہ بابل یا عراق کے بھی سحر کے وارث بنے ہوئے ہیں! مدعی ہیں علم و فضل، دین و روحانیت کے، لیکن عملاً غرق ہیں فنونِ سحر کے انواع و اقسام میں! تاریخ قدیم کے جاننے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ عہدِ رسالت و طلوعِ اسلام سے صدیوں قبل قوم بنی اسرائیل دو مستقل حصوں میں بٹ چکی تھی۔ ایک ٹکڑا وہ جو بخت نصر کے ہاتھوں جلاوطنی یا جبری ہجرت کے بعد کلدانیہ یا بابل (موجودہ عراق) میں رہ پڑا تھا اور وہیں بس گیا تھا۔ دوسری شاخ وہ جو ایک مدتِ دراز کے بعد وہاں سے واپس آکر پھر فلسطین میں آباد ہوئی --- آیت اس تاریخی حقیقت کو فاش کررہی ہے کہ عہد رسالت کے معاصر یہودِ عرب جامع ہیں فلسطینی اور بابلی دونوں قسم کے رذائل و خبائث کے۔ تاریخ قدیم کے یہ نازک دقائق، اور اپنی جگہ پر بالکل مسلّم و مستند حقائق، جو عام طور پر اچھے اچھے اہل علم کے علم میں بھی نہیں، ادا کرائے جارہے ہیں۔ کسی مؤرّخ اعظم کی زبان سے نہیں، عرب کے ایک اُمّی کی زبان سے! اللہ اللہ! **و۳۵۸** (کسی خاص حکمت و مصلحت کے ماتحت) دو باتوں کا اس سلسلہ میں استحضار رہے تو ان شاء اللہ آیت کی تفسیر میں کوئی الجھن ذہن میں پیدا نہیں ہونے پائے گی:۔ ایک یہ کہ نزل و انزال کا اطلاق صرف احکام تشریعی میں نہیں ہوتا، امور تکوینی میں بھی برابر ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ تکوینیات کے سلسلہ میں جو کام جیسا بھی لیا جاتا ہے، اس کے لیے واسطہ اور وسیلہ بہرحال فرشتے ہی ہوتے ہیں۔ اور یہ امر ان کی نزاہت و معصومیت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ مَاۤ اُنْزِلَ میں ما موصولہ ہے الذی کے معنٰی میں۔ بعض نے ما کو نافیہ قرار دے کر مَاۤ اُنْزِلَ کا عطف مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ پر کیا ہے۔ لیکن محققین نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا ہے اور ابن جریر میں اس پر مفصل گفتگو موجود ہے۔ ثم شرع ابن جریر فی رد هٰذا القول وانّ ما بمعنی الذی و اطال القول فی ذٰلک (ابن کثیر) ظاهره ان ما موصولة (بحر) عطف علی السحر ای یعلمونهم ما انزل علیهما (ابوسعود) الجمهور علیٰ انّ ما بمعنی الّذی (مدارک) اُنْزِلَ۔ اللہ کی طرف سے "نازل" صرف کتاب و حکمت، وحی و الہام ہی نہیں ہوتا۔ قحط، بیماری، موت سب کا نزول و انزال بہ حیثیت مسبب الاسباب اللہ ہی کی طرف سے ہوتا رہتا ہے۔ محاورۂ قرآنی میں انزال کا لفظ رزق (روزی) ماء (پانی) لباس (پوشاک) حدید (لوہے) انعام (چوپائے) کے سلسلہ میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ یہاں تک کہ رجز (عذاب یا بلا) کے لیے بھی یہی لفظ صراحۃً مستعمل ہوا ہے۔ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ (عنکبوت۔ آیت ۳۴) سو جن لوگوں نے نزولِ سحر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب کرنا اس کی قدوسیت کے منافی سمجھا وہ خود ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے۔ ایک سحر ہی پر کیا موقوف ہے، کائنات میں تمام اچھا برا، حق و باطل، ایمان و کفر، طاعت و معصیت جو کچھ بھی موجود ہے سب کا وجود تکوینی حیثیت سے مسبب الاسباب ہی کے نازل کرنے سے تو ہوا ہے۔ انزال یہاں اپنے اسی وسیع معنٰی میں ہے۔ یعنی انہیں یہ بات بتادی گئی، ان کے دل میں یہ ڈال دیا گیا۔ کوئی اظہارِ شرف و تکریم مقصود نہیں۔ الانزال بمعنی التعلیم والالهام (معالم) الانزال اما علیٰ ظاهره او بمعنی القذف فی قلوبهما (روح) قلنا کل خیرٍ او شرٍ او طاعةٍ او معصیةٍ او ایمانٍ او کفرٍ منزّلٌ من عندالله تعالیٰ (ابن عربی) انزل ای قذف فی قلوبهما مع النهی عن العمل (مدارک) الانزال بمعنی الخلق لا بمعنی الایحاء (ابن کثیر) الْمَلَكَيْنِ۔ لفظ کی قرأتِ مشہور مَلَک (بہ فتح لام) ہے۔ القراءة المشهورة بفتح اللام (کبیر) لیکن دوسری قرأت مَلِک (بہ کسر لام) کی بھی صحابہ و تابعین ہی کے زمانہ سے چلی آرہی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ ضحاک، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے۔ قرأ الحسن بکسر اللام و هو مروی ایضا عن الضحاک و ابن عباسؓ (کبیر) چنانچہ اسی دُوسری قرأت کی بنا پر مفسرین اسی طرف چلے گئے ہیں کہ یہ دونوں اصلاً فرشتے نہ تھے۔ بشر تھے اور بادشاہ، اور انہیں جو دوسری روایتوں میں فرشتے کہا گیا ہے، تو وہ محض مجازاً ہے، یعنی ان کے صفات ملکوتی کی بنا پر۔ قیل رجلان سُمّیا ملکین باعتبار صلاحهما (بیضاوی) لیکن جمہور کا قول وہی قرأتِ مشہور کی بنا پر ان کے فرشتہ ہونے کا ہے۔ ذهب کثیر من السلف الی انهما کان ملکین من السماء و انهما انزلا الی الارض (ابن کثیر) اور نظام تکوینی میں فرشتوں کے اُوپر حقیقت سحر کا نزول ان کی نزاہت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ خصوصاً جب کہ ان پر اس فن کے الہام کیے جانے سے مقصود ہی تمام تر اصلاح خلق تھا۔ یعنی لوگوں کو سحر و کہانت سے بچانا، نہ کہ اس پر آمادہ کرنا --- مجسٹریٹوں کو، پولیس کے افسروں کو، جرائم سے عملی واقفیت حاصل کرتے کس نے نہیں دیکھا ہے؟ ظاہر ہے یہ اس لیے نہیں ہوتا کہ وہ خود کوئی جرم کریں، بلکہ اس لیے کہ اپنی عملی واقفیت کو مجرموں کے ارتکاب جرم سے باز رکھنے میں کام میں لائیں۔ بابل۔ بابل جس قدیم ملک کا نام ہے۔ وہ موجودہ نقشہ اور جغرافیہ میں عراق عرب کہلاتا ہے۔ ملک کے پایۂ تخت کا بھی یہی نام تھا۔ شہر بابل دریائے فرات کے کنارے واقع تھا۔ موجودہ بغداد سے کوئی ۶۰ میل سمت جنوب میں۔ تقریباً وہیں جہاں آج حِلّہ کی آبادی ہے۔ شہر بہت بڑا تھا۔ رقبہ میلوں کا تھا۔ ملک اپنے عروج کے زمانہ میں بڑا سرسبز، شاداب، خوشحال، مہذب و متمدن رہ چکا ہے۔ نہروں، پانی کے نلوں، شاہی قصر و ایوان، زبردست قلعوں کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ ان سے اتنا تو بہرحال ثابت ہوجاتا ہے کہ ملک میں ماہر فن انجینئروں کی کمی نہ تھی۔ دجلہ و فرات دو دو مشہور دریا اس کے علاقہ کو سیراب کررہے تھے۔ سلطنت کے عروج کا زمانہ تخمینی طور پر ۳۰۰۰ ق،م سمجھا گیا ہے۔ ملک کی ایک خاص شہرت علومِ سحر، عملیات سفلی اور جنتر منتر کے لحاظ سے تھی۔ جنہیں آج انگریزی میں Occult Sciences (علم نیرنجات) کہتے ہیں۔ اسی ملک کا ایک دوسرا قدیم نام کالڈیا (کلدانیہ) ہے۔ اور انگریزی میں آج تک لفظ کالڈین (کلدانی) ساحر کا مرادف چلا آرہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے صحیفوں میں اس ملک کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ ذکر اس ملک کی عظمت کا بھی اور اس کی بدعملیوں، تباہ کاریوں کا بھی۔ ملاحظہ ہو صحیفہ دانی ایل ۴: ۳۔ مکاشفہ ۱۰: ۵ و ۱۸: ۳۰ وغیرہا۔ لیکن اس فہرست جرائم کا عنوان اول سحر کاری تھا۔ بائبل کی شہادت ملاحظہ ہو:۔ "تیرے سوداگر زمین کے امیر تھے۔ تیری جادوگری سے زمین کی ساری قومیں گمراہ ہوگئیں۔ اور نبیوں اور مقدسوں اور زمین کے اور سب مقتولوں کا خون اس میں بہایا گیا"۔ (مکاشفہ۔ ۱۸: ۲۳ و ۲۴) پرانے کتبے اور نوشتے آج جو کچھ

دریافت ہوئے ہیں، ان کی متفقہ شہادت ہے کہ دین بابلی کا جزوِ اعظم سحر و کہانت، جنتر منتر، ٹونے ٹوٹکے تھے۔ "بابلی مذہب کا جزوِ اعظم سحر و کہانت کے انواع و اقسام ہیں...... بابلی مذہب کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھئے تو ہر طرف کہانت کے منتر ہی منتر نظر آئیں گے"۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد ۲ صفحہ ۱۱۶) ایک اور فاضل کی تحقیق ہے:۔ "مذہب بابل و نینوا کا جزوِ اعظم بھوت پریت کا اُتارنا جھاڑنا تھا"۔ (راجرس کی ریلیجن آف بابیلونیا اینڈ اسیریا، صفحہ ۱۴۵) یہ سحر پیشہ و کہانت دوست قوم جب ۵۳۸ ق م میں تاجدار ایران کے ہاتھوں برباد و منتشر ہوئی، تو جہاں جہاں گئی اپنے ساتھ اپنے فنونِ سحر و کہانت کو بھی لیتی گئی۔ تاریخ کا بیان ہے:۔ "یہ لوگ جہاں جہاں گئے اپنے ان علوم کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ ان کی تعلیم دیتے رہے۔ اور ضعیف العقیدہ خلقت انہیں ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیتی رہی۔ (ریگوزین کی کالڈیا صفحہ ۲۵۵) یہود ان استادوں کے شاگرد رشید ثابت ہوئے:۔ "بابل کے میل جول نے اسرائیلیوں کے عقائد متعلق ملائکہ و شیاطین کو متاثر کرنا شروع کیا"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد ۱۳۔ صفحہ ۱۸۷، طبع یازدہم) خود یہود کے اکابر کا اعتراف ہے کہ:۔ "بابل کا مذہبی احترام ہر خطہ کے یہود میں قائم رہا"۔ (جیوش انسائیکلو پیڈیا۔ جلد ۶۔ صفحہ ۴۱۳) ہمارے قدیم مفسرین کی تربتیں اللہ ٹھنڈی رکھے۔ بغیر اس کے کہ ان کے کان میں بھنک بھی آوازوں کی پڑے کہ انیسویں صدی کے آخر میں سر ہنری رالنسن کو، اور بیسویں صدی میں سر لیونارڈ وولی اور دوسرے ماہرین اثریات کو بابل کے کھنڈروں میں کیسے کیسے کتبے عملیات اور نقوش سے لبریز مل گئے۔ محض اپنی قوتِ ایمانی کی بخشی ہوئی جلاء و اشراقیت سے کام لے کر، مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ کا عطف مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ پر کرکے اس تاریخی حقیقت کو صاف اور بے نقاب کر گئے کہ یہود کی فردِ جرم دونوں جرموں سے سیاہ ہے۔ اتباعِ سحرِ فلسطین سے بھی، اور اتباعِ سحرِ بابل سے بھی! خود قرآن کا اعجاز تو خیر بہت بڑی چیز ہے، حق یہ ہے کہ قرآن والوں کا اعجاز بھی اپنی جگہ دلوں کو ہلا دینے کے لیے بالکل کافی ہے۔ بابل کی اسی سحر پرور و کہانت خیز سرزمین میں جب عملیاتِ سفلیہ اور علومِ سحریہ کا زور حد سے بڑھ گیا، اور عوام کے ذہن میں ہادیانِ حق انبیاء کرام اور اولیائے صالحین کی حیثیت خلط ملط اور ملتبس ہو کر کاہنوں، ساحروں، عاملوں، شعبدہ بازوں کی ہو کر رہ گئی، تو مشیتِ الٰہی اور حکمتِ ربانی نے حق و باطل کے ان دو علمبردار گروہوں کے درمیان نمایاں فصل و امتیاز کرانے اور لوگوں کی اصلاحِ خیال کے لیے دو فرشتوں کو انسانی صورت و قالب میں بھیجا۔ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ۔ یہ نام ہیں ان دونوں فرشتوں کے۔ دونوں اپنی اصلی حقیقت کے لحاظ سے فرشتے تھے۔ لیکن جب ایک غرضِ خاص کے ساتھ انسانوں کے درمیان رہنے بسنے کے لیے بھیجے گئے تھے، تو ظاہر ہے کہ ان کی شکل و شباہت، رنگ و روپ، جسم و قالب انسانوں ہی کا ہوگا۔ اور ان کی عادتیں اور ان کے جذبات بھی بالکل بشری ہوں گے۔ بعض اہلِ تفسیر نے یہاں ایک قصہ یہود کا بیان کیا ہوا، ملک عراق کی مشہور رقاصہ اور بیسوا زہرہ کا نقل کیا ہے۔ لیکن اوّل تو آیت کی تفسیر اس قصہ پر موقوف کسی درجہ میں بھی نہیں۔ دوسرے خود محدثین اور محققین تفسیر نے اس کی صحت سے بالکل انکار کر دیا ہے۔ اور صاف لکھ دیا ہے کہ قصہ بالکل گڑھا ہوا اور لغو و مردود ہے۔ اور اس گروہ میں قاضی عیاض، امام رازی، شہاب الدین عراقی وغیرہم شامل ہیں۔ اعلم ان هٰذه الرواية فاسدة مردودة غير مقبولة (کبیر) وهذا كله لا يصح منه شئ (بحر) و نص الشهاب العراقي على ان من اعتقد في هاروت و ماروت انهما ملكان يعذبان على خطيئهما مع الزهرة فهو كافر بالله تعالىٰ (روح) لیکن بالفرض صحیح ہو بھی، تو جب کسی خاص حکمت و مصلحت سے کسی فرشتہ کو پیکرِ انسانی اور جذباتِ بشری دے دیئے گئے، تو اگر کسی وقت وہ ملکوتی الاصل انسان بشری جذبات سے مغلوب بھی ہو جائے، تو اس میں کوئی استحالہ نہ شرعی ہے نہ عقلی۔

و۳۵۹ يُعَلِّمٰنِ۔ تعلیم کے متعارف مفہوم کی بنا پر اس لفظ سے یہ شبہ نہ ہو کہ ملائکہ سحر کا درس یا سبق دیا کرتے تھے۔ استغفر اللہ۔ تعلیم کے معنی علاوہ سکھانے اور سبق دینے کے، اعلام یعنی جتلانے، بتلانے، آگاہ کرنے کے بھی آتے ہیں۔ والتعليم ربما يستعمل في معنى الاعلام (راغب) چنانچہ ماہرینِ قرآن کی ایک جماعت نے یہاں بھی یہی معنی لیے ہیں۔ والتعليم بمعنى الاعلام (معالم) فكان المعنى في يُعَلِّمٰنِ يُعْلِمَانِ (بحر) التعليم انما هو تعريف يسير بمبادئه (بحر) اور خود ایک قرأۃ بھی مصدرِ اعلام کے ساتھ منقول ہے۔ و قرأ طلحة من مصرف يعلمان بالتخفيف من الاعلام (روح) من احدٍ میں

من زائد ہے، تاکید استغراق کے لیے۔ معنی ہوں گے "کسی کو بھی" یا "کسی ایک کو بھی" من زائد لتاكيد استغراق الجنس (بحر) **و۳۶۰** (بہ نظرِ احتیاطِ مزید) ملائکہ اس باب میں اتنی احتیاط رکھتے کہ خیر خود سے تو کسی کو کیا بتلاتے، سکھلاتے، جو لوگ پوچھنے آتے، انہیں بھی پہلے متنبہ کر دیتے۔ حتّٰى ينصحاه اوّلاً (معالم) حتى يتنبهاه و ينصحاه (مدارک) لا يعلماه حتى يبالغا في نهيه (جصاص) **و۳۶۱** امتحان یعنی وہ چیز جس سے کھل جائے کہ سحر و کہانت سے بچا کون کون رہا اور مبتلا ان میں کون کون ہو گیا۔ فِتْنَةٌ کے معنی امتحان، آزمائش جانچ پڑتال کے ہیں۔ تارة يستعمل في الاختبار (راغب) اور یہاں بھی آزمائش ہی مراد ہے۔ ومعناها في هٰذا الموضع الاختبار والابتلاء (ابن جریر۔ عن ابن جریج) اے ابتلاء و اختبار من الله (کشاف) مطلب یہ ہوا کہ یہ انسان نما ملائکہ کسی پر بھی حقیقت سحر کو نہ کھولتے، کسی کو بھی کلماتِ سحر پر مطلع نہ کرتے جب تک کہ اُسے متنبہ نہ کر دیتے۔ ہوتا یہ تھا کہ فسق پیشہ لوگ آ کر ہاروت و ماروت کو گھیرتے اور ان سے اصرار کر کے دریافت کرتے، کہ آپ ہمیں سحر سے روک تو رہے ہیں، لیکن یہ تو بتائیے کہ سحر کہتے کسے ہیں۔ وہ ہیں کون سے اعمال و اقوال جن پر سحر کا اطلاق ہوتا ہے؟ فرشتے انہیں اس تنبیہ و یاد دہانی کے بعد کہ اس فن سے کام لینا کفر ہے، جب انہیں آگاہ و خبردار کرنے کے لیے ان اعمال و اقوال کی نقل و حکایت ان کے سامنے کرتے تو وہ فسق پیشہ لوگ اس سے فائدہ یہ اُٹھاتے کہ خود اس فن ہی کے سیکھ جانے کا کام لینے لگتے۔۔۔ بالکل ایسی ہی بات جیسے آج کوئی کسی فقیہ عالم سے یہ دریافت کرے کہ رشوت اور سود کا اطلاق کن کن آمدنیوں پر ہوتا ہے، اور پھر ان سے بچنے کے بجائے الٹا انہیں طریقوں پر عمل شروع کر دے! یہ مفہوم طبع زاد نہیں۔ حضرت علی علیہ السلام سے ایک اثر ٹھیک اسی معنی میں مروی ہے۔ قال علي كانا يعلمان تعليم انذار لا تعليم دعاء اليه كانهما يقولان لا تفعل كذا كما لو سأل سائل عن صفة الزنا او القتل فاخبر بصفته ليجتنبه (بحر) **و۳۶۲** (ان اعمال و اقوالِ سحر کو اختیار کر کے) اے لا تجعل ما تسمع منّا سببا للكفر (ابن عربی) فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اعمال و اقوالِ سحریہ کا اعتقاداً اختیار کر لینا کفر کے مرادف ہے۔ اے لا تكفر بعمل هٰذا السحر و اعتقاده فثبت ان ذٰلك كفرٌ اذا عمل به و اعتقده (جصاص) اس میں فقہائے امت کا اختلاف شروع سے چلا آ رہا ہے، کہ آیا مطلق سحر یعنی اس کا سیکھنا بھی حرام ہے یا محض اس پر عمل۔ شروع سے قول دونوں قسم کے ملتے ہیں۔ بعض نے تعلّم کو بالکل جائز رکھا ہے اور صرف عمل کو حرام قرار دیا ہے اور بعض نے نفسِ تعلّم کو بھی۔ قيل فلا تفعله لتعمل به و هٰذا على قول من قال تعلمه جائز والعمل به كفر و قيل لا تكفر بتعليم السحر و هٰذا على قول من قال ان تعلمه كفر (بحر) بعض نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ سحر کا سیکھنا بہر صورت حرام ہے یہاں تک کہ کافر ساحروں کے رَدّ کے لیے سیکھا جائے جب بھی حرام ہے۔ اس لیے کہ کلامِ الٰہی فَلَا تَكْفُرْ دلالت کرتا ہے مفہوم کی علی الاطلاق حرمت پر، اور وہ سحر ہے (رد المحتار) لیکن یہ تحقیق خود حنفیہ کے ہاں بھی متفق علیہ نہیں، اور شافعیہ کو تو اس سے بالکل اختلاف ہے۔ فلا تكفر باعتقاد جوازه والعمل به وفيه دليل على ان تعلم السحر وما لا يجوز اتباعه غير محظور وانما المنع من اتباعه والعمل به (بیضاوی) اے لا تتعلم السحر فتعمل به فتكفر (معالم) فلا تكفر بتعلمه والعمل به على وجه يكون كفرًا (مدارک) مفسر تھانوی کی تحقیق اس موقع پر بھی قابلِ قدر ہے:۔ "سحر کے فسق یا کفر وغیرہ ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس میں کلماتِ کفریہ ہوں مثل استعانت شیاطین و کواکب وغیرہ۔ تب تو کفر ہے خواہ اس سے کسی کو ضرر پہنچایا جائے، یا نفع پہنچایا جائے، اور اگر کلماتِ مباحہ ہوں تو اگر کسی کو خلاف اذنِ شرعی کسی قسم کا ضرر پہنچایا جائے، یا کسی اور غرضِ ناجائز میں استعمال کیا جائے تو وہ فسق و معصیت ہے۔ اور اگر ضرر نہ پہنچایا جائے۔ نہ کسی اور غرضِ ناجائز میں استعمال کیا جائے تو اُسے عرف میں سحر نہیں کہتے بلکہ عمل یا عزیمت یا تعویذ گنڈہ کہتے ہیں اور وہ مباح ہے۔ اور اگر کلمات مفہوم نہ ہوں تو بروجہ احتمالِ کفر ہونے کے واجب الاحتراز ہے۔ اور کفرِ عملی کا اطلاق ہر ناجائز پر صحیح ہے"۔ **و۳۶۳** یعنی وہ فسق پیشہ اور معصیت دوست لوگ سحر سیکھ ہی جاتے۔ ملائکہ کی نیت کا بخیر ہونا بالکل ظاہر ہے۔ وہ تو نفسِ مسئلہ سمجھاتے، سحر کی حقیقت بیان کرتے، اس کی حرمت کا حکم صادر کرتے، لیکن فاسد الطبع لوگ اس سے فن سیکھ جاتے۔ اور اسے کام میں لانے لگتے **و۳۶۴** ذکر،

يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ

نفع نہیں پہنچا سکتی و۳۶۶ اور (یہ بھی) یہ خوب جانتے ہیں و۳۶۷ کہ جس نے اسے اختیار کر لیا اس کے لئے

فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۫ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا

آخرت میں کوئی حصہ نہیں و۳۶۸ اور بہت ہی بری وہ چیز ہے جس کے عوض میں انہوں نے

بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ

اپنے آپ کو بیچ ڈالا ہے و۳۶۹ کاش وہ (اتنا ہی) جانتے و۳۷۰ اور اگر وہ

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ

ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے، تو اس کا ثواب اللہ کے ہاں کہیں بہتر ہوتا کاش وہ

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا

(اتنا) جانتے و۳۷۱ اے ایمان والو

تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ

"رَاعِنَا" مت کہا کرو و۳۷۲ اور "اُنْظُرْنَا" کہا کرو اور سنتے رہا کرو و۳۷۳

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور کافروں کے لئے عذاب دردناک ہے و۳۷۴ جو لوگ کافر ہیں (خواہ)

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ

اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے و۳۷۵ وہ اسے (ذرا بھی) پسند نہیں کرتے کہ

عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ

تمہارے اوپر کوئی بھی بھلائی تمہارے پروردگار کی طرف سے اتر کرے و۳۷۶ حالانکہ اللہ اپنی رحمت سے جسے

بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

چاہے مخصوص کر لے و۳۷۷ اور وہ بڑے ہی فضل والا ہے و۳۷۸

ع ۱۲ / ۱۲

ایک بار پھر حافظ کو تازہ کر لیجیے، یہود کا چل رہا ہے۔ یہود عہد سلیمانی کا، نیز ان کی اولاد در اولاد کا۔ قرآن، ایک اُمّی کا لایا ہوا قرآن، ان کی فرد جرم سناتے سناتے یک بیک یہ بھی کہہ ڈالتا ہے کہ یہود سحر اور عملیات سفلی میں تو مشغول رہتے ہی تھے، لیکن ان میں بھی خصوصاً ان عملیات میں جن کا تعلق میاں بیوی کے افتراق سے تھا۔ قرآن نے تو ضمناً اور گویا بالکل لپیٹ میں ایک بات کہہ دی۔ اب دیکھیے بیسویں صدی کے علمائے یہود اور محققین اسرائیلی اپنے اسلاف کے مشغلۂ سحر و ساحری کی نوعیت سے متعلق کیا شہادت دیتے ہیں:۔ ''سحر کی سب سے زیادہ عام متداول صورت اُس نقش کی تھی جو عشق و محبت کے لیے دیا جاتا تھا۔ خاص کر وہ نقش جو ناجائز آشنائیوں کے لیے لکھا جاتا تھا۔ اس قسم کے سحر کی ماہر عورتیں ہی زیادہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ ذکر بھی سحر اور حرامکاری کا عموماً ساتھ ہی ساتھ آیا ہے'' (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۸ صفحہ ۲۵۵) و۳۶۵ یعنی بجز مشیت تکوینی کے۔ اسلام نے شرک کی جڑ جس جس طرح کاٹی ہے، اس کے لحاظ سے یہ صراحت ضروری بھی تھی۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ کہیں مؤثر حقیقی ان عملیات سحریہ کو، اس منتر جنتر کو، ان ٹونے ٹوٹکوں کو ہرگز نہ سمجھ لینا۔ ان میں قوت ذرا سی بھی نہ تھی۔ مؤثر و فاعل حقیقی جس طرح ہر حال میں ہماری مشیت، صرف ہماری تجلی ارادی تکوینی رہتی ہے۔ اس موقع پر بھی صرف وہی رہی۔ اذن اللہ کے معنی یہاں تقدیر الٰہی، مشیت تکوینی، قضا و قدر کے ہیں۔ معناه الا بقضائه و قدرته و مشيّته (معالم۔ عن سفیان ثوری) اے بعلمه تكوينية فالساحر يسحر والله يكوّن (معالم) اے بعلمه و مشيته (مدارک) يعني بحكمه و قضائه لا بامره (ابن عربی) بس اتنا یاد رہے کہ یہ اللہ کی قدرت، مشیت، حکمت تکوینی ہرگز ہرگز اللہ کے حکم یا رضا کے مرادف نہیں ——— زہر کے اثر سے بے گناہوں کی ہلاکت، کافروں کے ہاتھوں اولیاء و انبیاء کی اہانت و اذیت، مشرکوں کا مسلمانوں پر غلبہ و تسلط، جس قانون حکمت تکوینی کے مطابق یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے، اسی کے ماتحت سحر بھی اپنا اثر دکھاتا ہے اور رضائے الٰہی سے بُعد جس قدر غلبۂ کفر وغیرہ کو ہے، اسی قدر تاثیر سحر کو۔ ہر ہر ارادۂ الٰہی کے اندر کتنی کتنی تکوینی حکمتیں اور کائناتی مصلحتیں ہوتی ہیں، اس کا علم بھی بجز اسی دانا و بینا، علیم و خبیر کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ و۳۶۶ (جیسا کہ ہر معصیت کا قاعدہ ہے کہ اس کی تحصیل مضر اور غیر مفید ہی ہوا کرتی ہے) یعنی یہ بدبخت یہود اپنا وقت اور اپنی قوتیں کیسی ضائع کر رہے ہیں، ان علوم و فنون کی تحصیل میں جو ان کے حق میں نافع تو ذرا سے بھی نہیں اور مضر ہی ہیں۔ ضمناً اس سے علوم سحریہ کے سیکھنے کی ممانعت بھی نکل آئی، جیسے ان علوم عقلیہ و فلسفیہ سے جو گمراہی کی طرف لے جائیں۔ فيه دليل على انه واجب الاجتناب كتعلم الفلسفة التي تجرّ على الغواية (مدارک) و۳۶۷ (خود اپنے مذہبی نوشتوں کی تصریحات سے) اشارہ عہد رسالت کے یہود کی جانب ہے۔ یہ کلام متعلق ہے آیہ ماقبل لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ الخ سے۔ یہود عہد سلیمانی اور ان کی ساحری کا قصہ درمیان میں آ گیا تھا۔ اب رجوع پھر اسی پہلے تذکرہ کی جانب ہے۔ یعنی یہود معاصرین عہد رسول سے متعلق۔ متعلق بقوله تعالىٰ وَلَمَّا جَآءَهُمْ و قصة السحر مستطردة في البين فالضمير لأولٰئك اليهود (روح) قرآن نے کس دعویٰ سے کہہ دیا، کہ (لَقَدْ عَلِمُوْا) یہ یہود ہی خوب جانتے ہیں کہ سحر و ساحری کیسی گندی چیز ہے۔ یہود کہہ سکتے تھے کہ ہم کہاں جانتے ہیں؟ کس نے ہمیں یہ خبر دی ہے؟ ہمارے مقدس نوشتوں میں کہاں یہ موجود ہے؟ مگر نہ کہہ سکے۔ اس لیے کہ آج کی تحریف شدہ، مسخ شدہ توریت تک میں یہ تصریحات باقی ہیں:۔ ''تو جادوگری کو جینے مت دے''۔ (خروج۔ ۲۲:۱۸) ''اور جادو نہ کرو، اور ساعتوں پر لحاظ مت کرو۔'' (احبار ۱۹:۲۶) ''اور نہ رمال و ساحر ہو کیوں کہ وہ سب جو ایسے کام کرتے ہیں، خداوند کی نفرت کے باعث ہیں۔'' (استثناء۔ ۱۸:۱۲) و۳۶۸ اشْتَرٰىهُ۔ ضمیر سحر کی طرف ہے۔ اے اختار السحر (معالم) اے استبدل ما تتلوا الشيٰطين بكتاب الله و استبدل السحر بدين الله (جصاص) یہود کو دعوت حق دی جا رہی تھی۔ پیام ان کے پاس مذہب توحید کا پہنچ رہا تھا۔ اور وہ تھے کہ اُدھر سے غافل و بے پروا، فارغ و غیر متوجہ، اپنے انہیں علومِ سحر و کہانت میں لگے ہوئے اور انہیں خرافات کو کمال کے درجہ میں رکھے ہوئے تھے۔ اشارہ ان کی اسی محرومی و بدنصیبی کی جانب ہے و۳۶۹ ''اپنے آپ کو بیچ ڈالا'' یعنی اپنی جان کو عذاب و ہلاکت میں ڈالا۔ بئسما شروا به۔ وہ بری چیز کفر و اعمال سحریہ ہیں جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ بندوں کے حال پر کمال شفقت سے تاسف و حسرت کے لہجہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ دین برحق جیسی نعمت سے منہ موڑے ہوئے یہ کفر و سحر اختیار کیے ہوئے ہیں۔ گویا دوزخ کی خریداری کر چکے ہیں۔ حيث اختاروا السحر والكفر على الدين والحق (معالم) و۳۷۰ یعنی افسوس کہ اس حد تک بھی انہوں نے اللہ کی دی ہوئی عقل سلیم سے کام نہ لیا! و۳۷۱ (اور اپنی موجودہ روش کفر و فسق سے تائب ہو جاتے) گنہگار بلکہ سرکش و نافرمان و غدار بندوں کے حق میں اس قدر تاسف اسی مالک حقیقی ہی کا حصہ ہے! کیا حد ہے اس شفقت و کرم بے حساب کی! و۳۷۲ (مجمع میں رسول اللہ کو مخاطب و متوجہ کرتے وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مجمع میں قرآن مجید سناتے یا تبلیغ کرتے ہوتے اور لوگ کوئی بات سن نہ پاتے تو قدرۃً دوبارہ آپ کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتے۔ یہود نے ایسے موقع کے لیے از راہ شرارت لفظ رَاعِنَا استعمال کرنا شروع کیا تھا۔ اس کے اصل معنی تو صرف اس قدر ہیں کہ ''ہماری رعایت کیجیے''۔ لیکن رَاعِنَا کے ''ع'' کو ذرا کھینچ کر پڑھنے سے اس کے معنی میں ایک گستاخانہ مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ مسلمان اس شرارت سے غافل، بے خبر، خالی الذہن، خود بھی بعض

اوقات یہ لفظ بولنے لگتے۔ یہاں انہیں کو یہ ممانعت ہو رہی ہے۔ اُنْظُرْنَا کے معنی ہیں "ہمارے اُوپر نظر کیجیے"۔ اور یہ پہلوئے ذم سے خالی ہے۔ آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مرتبہ رسالت کا ادب صرف معنوی ہی حیثیت سے نہیں، لفظی حیثیت سے بھی ضروری ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جن الفاظ سے احتمال بھی اہانت کا نکلتا ہے، ان سے احتیاط لازم ہے۔ وهذا دليل علی تجنب الالفاظ المحتملة التی فيها التعرض للتنقيص (ابن عربی) بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تو ایسے الفاظ پر حد واجب ہو جاتی ہے۔ فقہاء حنفیہ نے جو اپنی باریک بینی کے لیے سب سے ممتاز ہیں، یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اس بحث کا فیصلہ کہ فلاں مقام پر مراد امر خیر ہے یا شر، واضع کی نیت کے لحاظ سے ہوگا، تابع کی رائے سے نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ظاہر ہے کہ سوءِ ادب کے قصد سے بالکل بری تھے۔ ممانعت جو کی گئی، وہ یہود کی نیت پر حکم کر کے۔ ف۳۷۳ (رسول ﷺ کے ارشادات، ادب وتعظیم کے ساتھ) حال کے بعض گمراہ فرقوں نے ایمان واسلام کے لیے رسول ﷺ کی شخصیت سے بالکل قطع نظر کر کے محض قرآن کی اتباع کو کافی سمجھ لیا ہے، ان کی گمراہی آیت سے ظاہر ہے۔ ف۳۷۴ (پیمبر برحق کی توہین اور اپنی دناءتِ اخلاق کی پاداش میں) خصوصاً ان کافروں کے لیے جو رسول ﷺ کے ساتھ شدت بغض وعداوت میں اس حد تک پہنچ جائیں، اور عام انسانیت وتہذیب کے بھی حدود کا لحاظ نہ رکھیں ---- ایسے بدتمیز معاندین کی اصلاح کی توقع بھی کیا ہو سکتی تھی۔ ف۳۷۵ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ کافروں یعنی طریق اسلام کے منکروں کی

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ

ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں ف۳۷۹ تو (کوئی) اس سے بہتر ہی ف۳۸۰

اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

یا مثل اس کے لے آتے ہیں کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

قادر ہے ف۳۸۱ کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کے لئے سلطنت آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ

اور زمین کی ہے ف۳۸۲ اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا

وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ

یار و مددگار نہیں ف۳۸۳ تم تو شاید یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کر ڈالو ف۳۸۴

كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ

جیسا کہ (اس کے) قبل موسیٰ سے سوال کئے جا چکے ف۳۸۵ اور جو کوئی ایمان کے بدلہ میں

الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

کفر اختیار کر لے گا ف۳۸۶ سو وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ

بہت سے اہل کتاب تو دل ہی سے چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان (لے آنے) کے بعد

بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ

پھر سے کافر بنا لیں ف۳۸۷ حسد کی راہ سے جو ان کے

اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا

نفسوں میں ہے ف۳۸۸ (اور یہ بھی) بعد اس کے کہ ان پر حق واضح ہو چکا ف۳۸۹ سو معاف کرتے رہو ف۳۹۰

بڑی قسمیں دو ہیں۔ ایک مشرک جو سرے سے توحید، رسالت، ملائکہ وجنات ہی کے قائل نہیں۔ بلکہ ان کے بجائے عجب عجب تخیلات اور اوہام گڑھ رکھے ہیں۔ دوسرے اہل کتاب جو ان بنیادی حقائق پر لفظاً ایمان رکھتے ہیں، لیکن عملاً ومعناً ان میں سے ہر حقیقت کو مسخ کر چکے ہیں۔ یہاں جملہ میں آگے جو خبر نکلے گی، اس کا مبتدا بھی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ہے۔ مزید صراحت کے لیے اس کی دونوں قسموں کو بھی کھول کر بیان کر دیا جائے۔ اَھْلِ الْکِتٰبِ۔ یہ لفظ قرآن مجید میں پہلی بار آیا ہے۔ قرآنی اصطلاح میں یہ لفظ مومنین اور مشرکین کا درمیانی درجہ رکھتا ہے۔ اور اس کا اطلاق یہود ونصاریٰ پر ہوتا ہے۔ جو اصلاً توحید ونبوت ومعاد کے قائل تھے، اور آسمانی صحیفے بھی اپنے پاس رکھتے تھے، گو معنوی اور لفظی تحریفات کے لحاظ سے بالکل مسخ شدہ اور قرآن اور صاحب قرآن کے منکر تھے۔ اَلْمُشْرِکِیْنَ۔ مشرک وہ تھے، جو سرے سے توحید ونبوت ہی کے قائل نہ تھے، بجائے ایک خدائے واحد کے مختلف فرشتوں کو مختلف قویٰ کا مستقل مالک ومتصرف سمجھتے تھے۔ ان کو دیویوں، دیوتاؤں کے نام سے پکارتے، اور انہیں کی پرستش کرتے۔ اور مختلف عناصر اور مظاہر فطرت کی بھی الوہیت کے قائل رہتے۔ حیرت اور افسوس ہے کہ انگریزی کے تقریباً کل مترجمین قرآن اور اردو کے بھی متعدد شارحین نے شاید افراط "روشن خیالی" کے اثر سے ترکیب عبارت کو بالکل نظر انداز کر کے ترجمہ یوں کر دیا ہے:۔ اہل کتاب میں سے جو کافر ہیں وہ اور مشرکین (ذرا بھی) پسند نہیں کرتے" حالانکہ یہ ترجمہ کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ اول تو اَھْلِ الْکِتٰبِ کا مفہوم ہی کافر اہل کتاب کا ہے۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو اہل کتاب کہے ہی کیوں جائیں؟ مومن ہی نہ کہلانے لگیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ ان میں سے جو کافر ہیں، خود ہی بے معنی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر صریح اور قاطع اَلْمُشْرِکِیْنَ کا اعراب ہے۔ اَلْمُشْرِکِیْنَ حالت جری میں ہے۔ اور مِنْ حرف جار کا مجرور۔ اس کا عطف صریحاً اَھْلِ الْکِتٰبِ پر ہے۔ اگر الَّذِیْنَ کَفَرُوْا پر ہوتا تو حالت رفعی میں ہوتا۔ اور بجائے اَلْمُشْرِکِیْنَ کے المشرکون ہوتا۔ ایک حدیث میں کافروں کی یہ دوگونہ تقسیم اہل کتاب و مشرکین میں صراحت کر کے دونوں کے حق میں عذاب کی دعا آئی ہے:۔ اللّٰھم عذب الکفرة اهل الکتب والمشرکین الذین یجحدون اٰیاتک و یکذّبون رسلک ویصدّون عن سبیلک و یعتدون حدودک و یدعون معک الٰھا اٰخر لا اله الا انت تبارک و تعالیت عما یقول الظّٰلمون علوًا کبیرًا۔ ف۳۷۶ (اے مسلمانو!) مطلب یہ ہے کہ کافروں کو تو چاہے وہ اہل کتاب ہوں یا مشرک، یہ کسی طرح گوارا ہی نہیں، بلکہ دل سے شاق گزر رہا ہے کہ خیر ورحمت کا نزول مسلمانوں پر ہو۔ الْخَیْرِ۔ خیر سے مراد عموماً وحی ونبوت لی گئی ہے۔ الخير الوحی (کبیر) فُسِّرَ الخير بالوحی (بیضاوی) لیکن بہتر یہ ہے کہ اسے ہر قسم کی فلاح دنیوی واُخروی کا جامع سمجھا جائے اور اس کے تحت میں علم، نصرتِ غیبی، فتوحاتِ ملکی وغیرہ سب کو شامل کر لیا جائے۔ ای بالعلم و بالنصرة ولعل المراد به ما یعمّ ذلک (بیضاوی) هنا عام فی جمیع انواع الخیر (بحر) عام فی انواع الخیر کلها (روح) ف۳۷۷ (اپنے قانونِ حکمت ومصالح تکوینی کے ماتحت) یہود کو اصل حسد اس کا تھا کہ نعمت نبوت کے حقدار تو ہم ہیں یعنی اولاد اسرائیل۔ یہ اہل عرب کو کہ بنی اسماعیل ہیں، یہ دولت نبوت کہاں سے مل جاتی ہے اور کیسے مل سکتی ہے؟ اور اَھْلِ الْکِتٰبِ سے اشارہ زیادہ تر انہیں کی طرف ہے، اور الحمد للہ کہ ہمارے قدیم مفسرین نے بھی آیت کو اسی مفہوم میں لیا ہے۔ معنی الأية ان الله تعالٰی بعث الانبياء من ولد اسحاق فلما بعث النبی صلی الله علیه وسلم من ولد اسمٰعیل، لم یقع ذلک بودّ الیهود (معالم) ف۳۷۸ (وہ جس فرد، جس نسل، جماعت کو چاہے اپنے فضل وکرم سے نواز دے) اور اب اگر کسی قوم یا نسل کو محروم کیا جا رہا ہے تو اس کی بنا یہ نہیں کہ ادھر سے فضل وکرم میں کچھ کمی ہو گئی ہے بلکہ یہ اس لیے ہے کہ خود اس قوم نے اپنی مسلسل نالائق روش سے اپنے کو اس فضل وکرم کا نااہل ثابت کر دیا۔ اور اب اسے اس نعمت سے نوازے جانا آئین حکمت کے منافی ہے ف۳۷۹ (لوگوں کے دماغ یا حافظہ سے) انساءها ای حذف

ذکرھا عن القلوب (راغب) انساء اٰیۃ ای اذھابھا عن القلوب (بیضاوی) اٰیۃ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کا اطلاق آیت مکتوبی پر بھی ہوتا ہے اور نشان، دلیل، معجزہ پر بھی۔ یہاں مراد اگر دلائل و معجزات سے لی جائے جب تو آگے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک کے بجائے دوسرا نشان حقانیت قرآن کا وجود میں اب بھی آتا ہی رہتا ہے۔ اور زمانہ نزول قرآن میں تو خارقِ عادت نشانوں کی بھی کمی نہ تھی۔ البتہ اگر آیت مکتوبی ہی مراد لی جائے جب بھی دو شقیں ممکن ہیں۔ آیتیں یا قرآن مجید کی ہوں یا کتب سابق کی۔ اگر کتب سابق کی آیتیں مراد ہیں جیسا کہ ابومسلم اصفہانی کا مذہب ہے جب بھی بحث آگے نہیں بڑھتی۔ پرانی کتابوں کی آیتوں کا قرآنی آیتوں سے منسوخ ہونا تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس میں نہ کوئی اختلاف ہے نہ نزاع، اب اگر آیاتِ قرآنی ہی مراد ہوں جیسا کہ جمہور مفسرین کا خیال ہے تو سوال یہ رہ جاتا ہے کہ نسخ سے مفہوم کیا ہے؟ نسخ سے مراد کسی نے آج تک یہ تو لی نہیں کہ فلاں عقیدہ کسی زمانہ میں واجب تھا اب وہ منافی ایمان قرار پایا۔ یا جھوٹ، چوری، زنا، قتل پہلے حرام تھے پھر حلال قرار پا گئے یا فلاں حکایت پہلے جس طرح قرآن میں بیان ہوئی تھی بعد کو اس کی تردید ہوگئی۔ غرض نسخ کی گنجائش کا عقائد میں، کلیات اخلاق میں،، امور حسی میں، قصص گزشتہ اور حکایاتِ ماضی میں،، اخبار غیب میں یعنی قرآن مجید کے بیشتر حصہ میں تو کوئی بھی قائل نہیں۔ نسخ کی گنجائش جو کچھ بھی ہے لے دے کے بابِ احکام میں ہے اور احکام کی مثال طبیب کے نسخے کی ہے۔ طبیب کی تشخیص اپنی جگہ پر بدستور رہتی ہے لیکن مریض کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ اور پھر موسم اور آب و ہوا میں بھی فرق ہوتے رہتے ہیں۔ ان حالات میں کوئی حاذق سے حاذق طبیب بھی اپنے نسخہ کے اجزاء میں ان بدلے ہوئے حالات کے مطابق ترمیم کرنے میں تامل نہ کرے گا۔ قرآن کے بعض احکام قانون کے نسخ کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ خود قانون ساز و قانون آفریں کے قلم سے عین وضع قانون کے دوران میں بعض قانون جو عارضی و ہنگامی حیثیت رکھتے ہیں بدل دیئے گئے اور ان کی جگہ مستقل و دوامی قوانین نے لے لی۔ انسان کے دانت اور جبڑے مستقل طور پر غذاؤں کے چبانے، پیسنے، چرنے، کاٹنے اور پھاڑنے ہی کے کام کے لیے ہیں۔ لیکن ابتدائی شیر خوارگی میں دانت نکلنے سے قبل دوسری قسم کی شربتی یا نیم شربتی غذائیں اس کے لیے موزوں ہیں، اس موٹی اور سیدھی سی بات میں خدا معلوم اتنا گھبرانے کا کونسا پہلو ہے جو آج بعض مفسرین جدید خود مسئلۂ نسخ ہی سے انکار پر تل گئے ہیں۔ یہ بھی خوب واضح رہے کہ یہ نسخ جو کچھ بھی ہوگا محض علم بشری ناقص و محدود کے اعتبار سے ہوگا۔ ورنہ علم الٰہی میں تو ہر حکم ازل سے وقت معین کے لیے مقرر و ثابت ہی ہے۔ جمہور کا مذہب اسی وقوعِ نسخ کا ہے۔ گو ایک گروہ عدم نسخ کا بھی قائل رہا ہے۔ ویروی عن بعض المسلمین انکار النسخ واحتج الجمھور من المسلمین علی جواز النسخ و وقوعہ (کبیر) اور فقیہ جصاص نے ایک غیر فقیہ کا قول بھی اس معنی میں نقل کیا ہے کہ شریعت محمدی کے اندر کوئی نسخ نہیں، ناسخ خود یہ شریعت ساری سابق شریعتوں کی ہے۔ زعم بعض المتاخرین من غیر اھل الفقہ انہ لا نسخ فی شریعۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وان جمیع ما ذکر فیھا من النسخ فانما المراد بہ نسخ شرائع الانبیاء المتقدمین (احکام القرآن) اور نسخ کے معنی شریعت میں ازالہ یا تبدیلی کے ہیں بھی نہیں۔ اصلی مغالطہ یہیں سے شروع ہوتا ہے کہ نسخ کو اردو کی منسوخی کے مرادف سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ اصطلاحِ شریعت میں نسخ کے معنی کسی مطلق و غیر مقید حکم کو صرف محدود و مقید کر دینے کے ہیں۔ و تفسیر النسخ لغۃً التبدیل و شریعۃً بیان انتھاء الحکم الشرعی المطلق الذی تقرر فی اوھامنا استمرارہ بطریق التراخی فکان تبدیلاً فی حقنا بیاناً محضًا فی حق صاحب الشرع (مدارک) و۳۸۰ (یعنی وقت و موسم، بدلے ہوئے حالات کے زیادہ مطابق) ای بما ھو انفع لکم واسھل علیکم (معالم) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ جو حال یا وارد، بلا اختیارِ عبد زائل یا مغلوب ہو جائے حق تعالیٰ اس سے بہتر یا اس کے مثل ہی دوسرا عطا کر دیتا ہے۔ سو اس پر افسوس و حسرت نہ کرنا چاہیے۔ و۳۸۱ (سو ایسے قادرِ مطلق کے لیے کیا مشکل ہے کہ احوال و مصالح کی رعایت برابر کرتا رہے) خطاب یہاں معترض، معاند منکرِ نسخ سے ہے۔ قیل لمنکر النسخ (روح) اور بعض نے مطلق سامع کو مخاطب قرار دیا ہے۔ والاولی ان یکون المخاطب السامع (بحر) و۳۸۲ (اور اسی کو ہر طرح کا اختیارِ کامل و تصرفِ مطلق حاصل ہے) خطاب یہاں عام ہے ہر سامع اور مخاطب کے لیے۔ اور ام کا مفہوم ایجابی ہے یعنی اے مخاطب تجھے خوب

معلوم ہے معناہ الایجاب ای قد علمت ایھا المخاطب (بحر) یہ بھی کہا گیا ہے کہ خطاب رسول ﷺ اور پھر آپ کے واسطے سے امت سے ہے۔ الخطاب للنبی والمراد ھو وامتہ (بیضاوی) و۳۸۳ (اے بنی آدم) آیت بجائے خود ایک درس توحید کامل کا ہے۔ ملک، ولایت، نصرت سب اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ و۳۸۴ (از راہِ عناد و اعتراض) مخاطب یہاں غالباً یہود ہیں۔ نزلت فی الیھود (معالم) اور اور قول بھی نقل ہوئے ہیں لیکن ترجیح اسی قول کو ہے۔ اختلفوا فی المخاطب بہ علی وجوہ احدھا انھم المسلمون والقول الثانی انہ خطاب لاھل مکۃ والقول الثالث المراد الیھود وھذا القول اصح (کبیر) ورجح انھم الیھود (بحر) رَسُوْلَكُمْ سے مراد اس صورت میں رسولِ وقت سے ہوگی۔ تمہارے زمانہ کے رسول سے، لیکن مسلمان ہی اگر مخاطب سمجھے جائیں تو یہ بھی تہدیداً جائز ہوگا۔ اَمْ یہاں ہمزہ کا مرادف اور سوالیہ نہیں منقطعہ ہے۔ بل کا مرادف ام ای بل (جلالین) ام منقطعۃ التقدیر بل تریدون (مدارک) ام ھھنا منقطعۃ والتقدیر بل تریدون (عکبری) فیھا الاضراب والانتقال عن حملھم علی العمل بموجب علمھم (ابوسعود) و۳۸۵ سوال اگر کسی مسئلہ کی سنجیدہ تحقیق و دریافت کے لیے ہوں تو باعث رحمت ہیں۔ لیکن جب ضد اور نفسانیت اور شرارت سے ہوں اور اعتراض محض اعتراض کی غرض سے ہو تو وہی سوالات ایک لعنت بن جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ سے جیسے جیسے گستاخانہ سوالات اور بیہودہ فرمائشوں کی بھرمار بنی اسرائیل کرتے رہے، ان کے تذکرہ سے تاریخ اسرائیل اور خود بائبل کے صفحات لبریز ہیں، قرآن کا اس کو اتنی کھلی ہوئی تلمیح کے طور پر لے آنا بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ قرآن بھیجنے والا اس سے خوب واقف تھا۔ اور یہ کلام عرب کے ایک ان پڑھ انسان کی تصنیف ہو نہیں سکتا۔ و۳۸۶ (جس کی ایک شکل یہی رسول سے معاندانہ اور گستاخانہ سوال و جواب ہے) یبدل الکفر بالایمان کے معنی ہی یہ ہیں کہ ایمان کے بدلہ اور مقابلہ میں راہِ کفر کو اختیار کیا۔ مَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ ای یختارہٗ و یاخذہ لنفسہ (ابوسعود) بالایمان ای بمقابلتہ بدلا منہ (ابوسعود) سیاق میں ذکر یہود کا ہے اس لیے انہیں کے ایک نبی کے صحیفہ کا اقتباس بے محل نہ ہوگا۔ ”سنو اے آسمانو! اور کان لگا اے زمین کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ لڑکوں کو میں نے پالا پوسا پھر انہوں نے مجھ سے سرکشی کی۔ بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی کو۔ بنی اسرائیل نہیں جانتے۔ میرے لوگ کچھ نہیں سوچتے۔ آہ خطا کار گروہ، ایک قوم جو گناہ سے لدی ہوئی ہے۔ بدکاروں کی نسل خراب اولاد کہ انہوں نے خداوند کو ترک کیا۔ اسرائیل کے خدا ہی کو حقیر جانا، اس سے بالکل پھر گئے“ (یسعیاہ ۱: ۳۔۴) و۳۸۷ (اے ایمان والو) شانِ نزول کے ایک مخصوص واقعہ کی بنا پر عموماً مفسرین نے یہاں اہل کتاب سے مراد یہود یا احبار یہود لی ہے۔ لیکن لفظِ قرآنی عام ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں اس کے عموم میں یکساں داخل ہیں۔ مسیحیوں کی طرف سے جو کھلا ہوا زبردست اور منظم اور علماء یہود کی طرف سے نسبۃً ہلکا اور مخفی پروپیگنڈا عقائد اسلام کے خلاف سیاسی، معاشرتی، تاریخی، جغرافی تحریروں کے ذریعہ سے اسلامی آبادیوں کے درمیان جاری رہتا ہے، وہ سب اسی کے مظاہر ہیں۔ غایت ان ساری سرگرمیوں اور کوششوں کی یہی رہتی ہے کہ مسلمان اگر یہودیت و مسیحیت کو نہ بھی قبول کریں جب بھی کم از کم اپنے دین کی طرف سے تو ضرور بدگمان و برگشتہ ہو کر رہیں۔ و۳۸۸ یعنی یہ کوششیں اور سرگرمیاں بھی اخلاص و ہوا خواہی کی راہ سے نہیں۔ رشک و حسد سے پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ یہود کا حسد تو خود اپنے پیغمبر و ہادی تک سے رہا ہے اور اس پر خود عہد عتیق ناطق ہے:۔ ”انہوں نے خیمہ گاہ میں موسیٰ کے برادر و خداوند کے مقدس مرد ہارون پر حسد کیا“ (زبور۔ ۱۰۶: ۱۶) اور عہد جدید کی شہادتیں بھی حسد کے باب میں کچھ کم واضح و صریح نہیں:۔ ”یہودیوں نے حسد میں آ کر بازاری آدمیوں میں سے کئی بدمعاشوں کو اپنے ساتھ لیا اور بھیڑ لگا کر شہر میں فساد کرنے لگے“۔ (اعمال ۱۷: ۵) ”یہودی اتنی بھیڑ دیکھ کر حسد میں بھر گئے“۔ (اعمال ۱۳: ۴۵) و۳۸۹ یعنی اہل کتاب کے اس انکار و مخالفت کی بنیاد کوئی اشتباہ یا مغالطہ عقلی نہیں۔ محض ضد اور عناد اور استکبار ہے۔ وضوحِ حق ان پر پوری طرح ہو چکا ہے و۳۹۰ (سردست اے مسلمانو! ان سے کسی طرح کا انتقام نہ لو) یہود کی مغویانہ کوششوں پر مسلمانوں کا اشتعال ایک امر طبعی تھا۔ ان کو ہدایت ہو رہی ہے کہ سردست عفو و درگزر ہی سے کام لیتے رہو اور انتقامی تعزیری کارروائیاں فوراً ہی نہ شروع کر بیٹھو۔ و۳۹۱ (جہاد و قتال کے لیے) اکثر صحابہ و تابعین سے حکم کی تفسیر جہاد و قتال کے ساتھ منقول ہے۔

انه الامر بالقتال و هو قول اكثر الصحابة (کبیر) الذی هو الاذن فی قتالهم (بغوی) المراد به الامر بالقتال (روح) حکم قتال اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا آیت سے صاف اشارہ اس طرف نکل آیا کہ عنقریب ہونے والا ہے۔ **ف۳۹۲** (پس ایسے قادر مطلق کے لیے کیا مشکل ہے کہ سرکش اور زور آور کافروں سے پورا بدلہ لے لے اور ان کا زور توڑ دے۔ اور مظلوم و مغلوب مسلمانوں کو دیکھتے دیکھتے مظفر و منصور، حاکم و غالب بنا دے) **ف۳۹۳** (اس درمیان میں اے مسلمانو) مطلب یہ ہے کہ زمانۂ جہاد کے احکام دوسرے ہیں جب تک وہ نافذ نہ ہوں ان کے انتظار میں عام احکام اسلامی کی پابندی میں غفلت و تساہل کو راہ نہ دو۔ یہ مالی اور بدنی عبادتیں تو ہر حال و صورت میں واجب العمل ہیں۔ **ف۳۹۴** نیکی کچھ جہاد و قتال ہی پر موقوف نہیں۔ اعمال صالحہ جو کچھ بھی میسر آ جائیں سب یکساں مقبولیت رکھتے ہیں۔ برابر انہیں میں لگے رہو۔ لِاَنْفُسِكُمْ۔ حذف مضاف ہے یعنی اپنے نفع اپنی نجات و مغفرت کے واسطے و هو علی حذف مضاف ای لنجاة انفسکم (بحر) تَجِدُوْهُ۔ اسے پالوگے، یعنی اس کے اجر و ثواب کو پالو گے۔ یہ مراد نہیں کہ بعینہٖ وہ عمل موجود ملے گا۔ تَجِدُوْهُ ای ثوابه (بیضاوی) المراد وجدان ثوابه و جزائه (کبیر) **ف۳۹۵** (سو اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی نیکی ضائع ہو جائے گی، اجر ہر نیکی کا پورا پورا ملے گا) **ف۳۹٦** یہ کہنے والے یہود و نصاریٰ تھے۔ قرآن مجید نے انہیں کی ترجمانی کی ہے۔ یہود کا یہ عقیدہ شروع سے چلا آ رہا ہے کہ

وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تا آنکہ اللہ اپنا حکم بھیج دے **ف۳۹۱** یقیناً اللہ

عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

ہر چیز پر قادر ہے **ف۳۹۲** اور نماز کی پابندی رکھو

وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ

اور زکوۃ دیتے رہو **ف۳۹۳** اور جو کچھ بھلائی تم اپنے واسطے آگے بھیج دو گے

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

اسے اللہ کے پاس پالوگے **ف۳۹۴** یقیناً تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس کا خوب دیکھنے والا ہے **ف۳۹۵**

وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ

اور یہ کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی ہرگز داخل نہ ہو گا مگر ہاں وہی جو

هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا

یہودی یا نصرانی ہوں **ف۳۹٦** یہ ان کی (نری) آرزوئیں ہیں **ف۳۹۷** آپ کہ دیجیے کہ اپنی

بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ

سند لاؤ اگر تم سچے ہو **ف۳۹۸** ہاں البتہ **ف۳۹۹** جو کوئی بھی

اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ

اپنی ذات کو اللہ کے آگے جھکائے اور وہ مخلص بھی ہو **ف۴۰۰** تو ایسے کے لئے اس کے پروردگار کے

عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

پاس اس کا اجر ہے اور ایسوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے **ف۴۰۱**

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ ۪

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں **ف۴۰۲**

النصف ۔ ع ۱۳/۹

نجات انہیں کی قوم اور وابستگانِ قوم کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ انجیل میں بھی ان کا یہ مقولہ نقل ہوا ہے کہ:۔ ''نجات یہود میں ہے'' (یوحنا۔ ۴: ۲۲) یہود و نصاریٰ دونوں کے ہاں کے مزید حوالوں کے لیے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ ظہور اسلام کے وقت یہود و نصاریٰ کا کہنا یہ تھا کہ اس نئے دین کے قبول کرنے کی ضرورت کیا، نجات تو ہمارے دینوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ **ف۳۹۷** (جو کبھی پوری ہونے والی نہیں اور جن کی تائید میں نہ کوئی دلیل معقول ہے اور نہ سند منقول) محض بزرگ زادگی اور نسلی و نسبی شرافت جب پیغمبروں کی اولاد کے کام نہ آ سکی تو ہمارے زمانہ کے پیرزادوں اور مشائخ زادوں کا اپنے شرفِ نسلی پر قناعت کیے رہنا کس درجہ بے عقلی ہے۔ امنیة واحد ہے امانی کا من سے مشتق۔ انحوکہ اور اعجوبہ کے وزن پر۔ **ف۳۹۸** (اپنے اس دعویٰ میں کہ نجات یہودیت یا نصرانیت کے ساتھ وابستہ ہے) پیغمبر ﷺ کو ہدایت ہوتی ہے کہ اہل کتاب سے کہیے کہ خالی زبانی دعووں اور خالی آرزوؤں سے کیا ہوتا ہے، اگر حقانیت کے مدعی ہو تو اپنی تائید میں کوئی دلیل عقلی یا نقلی لاؤ۔ **ف۳۹۹** یعنی نجات کا صحیح قانون یہ ہے جواب بیان ہو رہا ہے بلٰی۔ اپنے ماسبق کی نفی و تردید کے لیے ہے۔ یعنی تمہارا دعویٰ غلط محض ہے۔ صحیح قاعدہ یہ ہے جو آگے آ رہا ہے۔ **ف۴۰۰** (اپنے اس ایمان و اعتقاد میں) یعنی اس کا عمل بھی اس کے عقیدۂ توحید کے مطابق ہو۔ گویا ایمان و حسن عمل دونوں جمع ہوں۔ وجہ کے لفظی معنی چہرہ کے ہیں۔ لیکن محاورہ میں اکثر مراد ذات سے یا عین شے سے ہوتی ہے اور وہی یہاں مراد ہے ربما عبّر عن الذات بالوجه (راغب) فالوجه اما مستعار للذات وامّا مجاز عن القصد (روح) اسلم وجههٗ لله یعنی توحید کا پوری طرح قائل ہو جائے بلا آمیزشِ شرک۔ ای اخلص نفسه له لا يشرک به غیره (کشاف) لم يقصد سواه (روح) **ف۴۰۱** خوف و اندیشہ کا تعلق مستقبل سے ہے اور حزن و غم ماضی کے واقعات پر ہوتا ہے۔ ذکر قیامت کا ہے کہ اس روز اہل ایمان نہ اپنے ماضی پر حسرت و تاسف کریں گے نہ آئندہ کے لیے دہشت زدہ ہوں گے۔ **ف۴۰۲** یعنی ان کا دین تمام تر باطل ہے۔ یہودی قوم عقیدۂ بہر حال موحد تھی۔ نصرانیت کا شرک اور الوہیت کی تثلیث وہ برداشت ہی نہ کر سکتی تھی اور نہ اس کی قائل ہو سکتی تھی کہ ایسے گڑھے ہوئے دین میں کچھ بھی صداقت ہو سکتی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ **ف۴۰۳** یعنی ان کا دین تمام تر باطل ہے۔ شریعت موسوی سے متعلق موجودہ انجیلوں میں تذکرہ الفاظ ذیل میں ملتا ہے:۔ ''آدمی شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ صرف یسوع مسیح پر ایمان لانے سے راستباز ٹھہرتا ہے''۔ (گلتیون ۲: ۱٦)

''شریعت کے اعمال سے کوئی بشر راستباز نہ ٹھہرے گا'' (ایضاً ۲: ۱۷) ''راستبازی اگر شریعت کے وسیلہ سے ملتی تو مسیح کا مرنا عبث ہوتا''۔ (ایضاً ۲: ۲۰) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ (اصطلاح انجیل میں مطلق شریعت (Law) سے مراد شریعت موسوی ہی ہوتی ہے) **ف۴۰۴** الكِتٰبَ۔ یعنی مجموعہ صحائف انبیاء بنی اسرائیل اسی کو آج عہد نامہ عتیق کہتے ہیں۔ یہود و مسیحی دونوں ان صحیفوں کے الہامی اور مقدس ہونے کے قائل ہیں۔ وَهُمْ میں و حالیہ ہے، عطف کے لیے نہیں۔ الواو للحال (کشاف) افسوس ہے کہ انہیں گمراہ قوموں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی باوجود اپنی مشترک کتاب قرآن کے گروہ در گروہ ہو کر ایک دوسرے کی تحقیر بلکہ تفسیق و تضلیل شروع کر دی۔ اور نوبت تکفیر کی آ آجاتی ہے۔ حد یہ ہے کہ شافعیہ حنفیہ کو ذلیل سمجھنے لگے اور اشعریہ اور ماتریدیہ کے نزدیک ہدایت انہیں کے اپنے اپنے حلقوں میں محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ **ف۴۰۵** (وحی اور نبوت کا) وہ کہنے لگے کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی حق پر نہیں۔ علم سے آیت میں مراد کتاب آسمانی کا علم ہے۔ یہ کہنے والے کون تھے عموماً ان سے مراد مشرکین عرب لیے گئے ہیں اور ہر ایسے مذہب کے پیرو جس کی بنیاد کسی کتاب آسمانی پر نہ ہو۔ یعنی ہر دین جاہلی کے پیرو اس کے تحت میں آ جاتے ہیں۔ عنی بذٰلک مشرکی العرب لانهم لم يکونوا اهل الکتب و نفی عنهم من اجل ذٰلک العلم (ابن جریر) ای الذین لا علم عندهم ولا کتاب کعبدة الاصنام والمعطلة و نحوهم (کشاف) و هم مشرکوا العرب فی قول

الجمهور (روح) قرآن مجید نے علم اور اس کے مختلف صیغوں یَعْلَمُوْنَ وغیرہ کو جہاں جہاں استعمال کیا ہے عموماً علم حقیقی، علم وحی ونبوت ہی کے معنیٰ میں کیا ہے۔ ان آیتوں سے آج کل کے رواجی ''علوم و فنون'' اور اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کی ''تعلیم'' پر استدلال کرنا کس قدر شدید ظلم قرآن مجید اور فہم سلیم دونوں پر ہے۔ و۴۰۶ فیصلہ سے عملی حسی فیصلہ مراد ہے۔ ورنہ جہاں تک دلائل وشواہد کا تعلق ہے، حق وباطل، کفر وایمان کے درمیان یقینی فیصلہ تو اس دنیا میں بھی موجود ہے۔ بَیْنَهُمْ سے مراد ہے ایک فریق اہل حق وایمان کا۔ اور دوسرا گروہ اہل باطل وکفر کا۔ یقضی بین المحق و المبطل (معالم) یحکم بین المحق والمبطل (کبیر) و۴۰۷ (جیسا کہ مشرکین مکہ نے بین حرم کعبہ میں ذکر وعبادت الٰہی سے مسلمانوں کو روک دیا تھا۔ خصوصاً واقعہ حدیبیہ میں) هؤلاء المشركون حين حالوا بين رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الحديبية و بين ان يدخل مكة (ابن جریر عن ابن زید) بعض نے مراد بیت المقدس سے لی ہے کہ وہاں ٹائیٹس Titus رُومی کے عہد میں رُومی مشرکین نے یہود اہلِ توحید کو ذکر الٰہی سے روک دیا تھا۔ بہرحال حکم عام ہے۔ قریبی سبب نزول جو کچھ بھی رہا ہو۔ اور حکم کو کسی خاص مسجد یا خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں۔ انه كل مسجد و هو الصحيح لان اللفظ عام اراد بصيغة الجمع فتخصيصه ببعض المساجد اوفى بعض الازمنة محال (ابن عربی) مسجد کے لفظی معنیٰ جائے سجدہ کے ہیں۔ مراد

وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ

اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں و۴۰۳

وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا

درآنحالیکہ وہ سب (ایک ہی) کتاب (آسمانی) پڑھتے ہیں و۴۰۴ اسی طرح وہ لوگ بھی کہنے لگے انھیں کا سا قول

يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

جو (کچھ بھی) علم نہیں رکھتے و۴۰۵ سو اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ

اس باب میں فیصلہ کر دے گا جس میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں و۴۰۶ اور اس سے بڑھ کر ظالم

مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ

اور کون ہو گا جو اللہ کی مسجدوں کو اس سے روک دے کہ ان میں اس کا نام لیا جائے و۴۰۷

وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ

اور ان کی بربادی کی کوشش کرے و۴۰۸ یہ لوگ اس لائق ہی نہیں

اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا

کہ ان میں (داخل) ہوں مگر ہاں یہ کہ ڈرتے ہوئے و۴۰۹ ان کے لئے دنیا میں (بھی بڑی)

خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

رسوائی ہے اور آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے و۴۱۰

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ

اور اللہ ہی کا ہے مشرق (بھی) اور مغرب (بھی) و۴۱۱ سو تم جدھر کو بھی منہ پھیرو و۴۱۲

وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اللہ ہی کی ذات ہے و۴۱۳ اللہ بڑا وسعت والا ہے و۴۱۴ بڑا علم والا ہے و۴۱۵

اس سے مسلمانوں کی عبادت گاہ ہوتی ہے۔ مسجد کے حسن وتاثر، کشش ودلآویزی صفائی وسادگی کی شہادت غیر مسلموں کی زبان سے بھی منقول ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اَظْلَمُ۔ یعنی ظالم تر، خبیث تر، مجرم تر۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ منع ذکر و داخلہ مسجد اگر کسی ضرورتِ دینی اور مصلحت شرعی سے ہو تو بالکل درست ہے کہ ایسے موقع پر یہ اُمور مسجد کی بربادی وویرانی میں نہیں، عین اصلاح و آبادی میں داخل ہیں۔ مسائل ذیل بھی فقہاء نے آیت کے تحت میں ذکر کیے ہیں۔ (۱) مسجد میں اذنِ عام ہونا شرط ہے (۲) مسجد کا دروازہ کسی مملوک زمین پر نہ ہو۔ بعض عارفوں نے لکھا ہے کہ جب اینٹ اور چونے کی بنی ہوئی عمارت میں ذکرِ حق روک دینے والوں کے حق میں قرآن نے یہ وعید اور پھٹکار رکھی ہے تو اُس قوم یا شخص کے جرم کی اہمیت یا عظمت کا کیا ٹھکانا ہے جو قلوبِ انسانی کو کہ وہ معنوی سجدہ گاہِ حق ہیں، ذکرِ حق سے روکے۔ اسلامی تعلیم کی روک تھام میں سعی کرنا، اشاعت مذہب حق میں روڑے اٹکانا سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔

و۴۰۸ فقہاء نے کہا ہے کہ جس طرح اللہ کے ذکر سے مسجد آباد ہوتی ہے۔ ممنوعات وبدعات کے ارتکاب سے مسجد کی بربادی بھی سمجھی جائے گی۔ نیز وہ تمام امور جو نمازیوں کی کمی اور مسجد کی ویرانی کے باعث ہوں آیت کے تحت میں داخل ہو جاتے ہیں و۴۰۹ (مسلمانوں کے رُعب ودبدبہ سے) یعنی داخلہ کی اجازت غیر مسلم کو صرف اس حال میں دی جاسکتی ہے کہ وہ مسلمانوں کا محکوم ہو، اور اس کا داخلہ سرکشانہ نہیں مطیعانہ ہو۔ قرآن مجید میں لفظ مَسٰجِدَ بہ صیغہ جمع ہے۔ لیکن ایک قول ہے کہ مساجد سے یہاں مراد مسجد حرام یا حرم کعبہ ہی ہے۔ المراد بالمساجد المسجد الحرام (معالم عن ابن زید) اور اس شبہ کا کہ لفظ جمع سے مراد واحد کیونکر ہوگی، جواب یہ دیا گیا ہے کہ محاورۂ زبان میں یہ جائز ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایک ہی مرد نیک کو ایذا پہنچائے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ نیکوں کو ستانے والا بڑا ظالم ہے۔ کما نقول لمن اذى صالحاً واحدًا و من اظلم ممن اذى الصالحين (کشاف) ایک قول یہ بھی ہے کہ آیت سارے کافروں کے حق میں ہے کہ عبادت سے روکنے والے تو سارے ہی کافر ہیں۔ اور مساجد سے مراد کل روئے زمین ہے۔ چنانچہ کافروں کو دارالاسلام میں داخلہ کا کوئی حق نہیں۔ بجز اُس کے مسلمانوں ہی کے شرائط پر ہو۔ اور یہ قول امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے (احمدی) مراد اگر مسجد حرام لی جائے تو قانونی وتشریعی حیثیت سے قطع نظر، واقعاتی رنگ میں بات بالکل صحیح نظر آئے گی۔ چنانچہ مسجد حرام اس وقت سے آج تک بحمد اللہ! مسلمانوں ہی کے قبضہ میں چلی آرہی ہے۔ مَسٰجِدَ اللّٰهِ کی ترکیب سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ جو جگہ عبادت کے لیے مخصوص کر دی جائے اور اس کے لیے اذن عام دے دیا جائے وہ شخصی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے البتہ اگر کسی نے اپنے گھر کا کوئی حصہ عبادت کے لیے مخصوص کر دیا، اور اس کے لیے اذن عام نہیں رکھا تو اس پر مسجد کا اطلاق ہی نہ ہوگا اور وہ اس شخص کی ذاتی ملک باقی رہے گی (ابن عربی) و۴۱۰ عذاب آخرت کا تجربہ تو آخرت ہی میں ہوگا۔ باقی دنیا میں ان لوگوں کی ذلت ورسوائی کا مشاہدہ تو چند روز میں سب کو ہو گیا۔ یہود، مشرکین، منافقین، سارے اعدائے اسلام جزیرۂ عرب میں اور اس کی سرحدوں میں دیکھتے دیکھتے نیست ونابود ہو کر رہے اور قرآن مجید کی پیشگوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی۔ و۴۱۱ (بہ حیثیت مخلوق و بہ حیثیت مملوک بھی) یعنی انهماله ملكًا و خلقًا (ابن جریر) لِلّٰهِ میں لام اختصاص کا ہے۔ نحو میں لام جارہ کی کئی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک لام اختصاص بھی ہے۔ یعنی مشرق ومغرب سب اُسی کے ہیں۔ اللام لام الاختصاص ای هو خالقهما و ما لكهما (کبیر) اُمت محمدی جواب ساری دنیا کے لیے اُمت عادلہ بنا کر بھیجی جا رہی تھی، لازمی تھا کہ اس کی مرکزیت و یکجہتی کے لیے ایک قبلہ بھی ہو۔ اور وہ قبلہ اب خانۂ کعبہ مقرر ہو رہا تھا، اہل کتاب نے اس پر اعتراضات شروع کیے۔ یہ نقل اعتراض وجواب اعتراض کی تمہید ہے۔ اَلْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ دونوں سمتیں اور انہیں دو پر کیا موقوف ہے ہر سمت اور ہر جہت اللہ کے لیے یکساں ہے۔ وہ سب کا یکساں خالق ہے، حاکم ہے، مالک ہے۔ کسی خاص سمت میں کوئی بھی خاص تقدیس کوئی شائبۂ الوہیت، کوئی شانِ حق نمائی موجود

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بیٹا بنالیا ہے ف۴۱۶ پاک ہے وہ! ف۴۱۷ اصل یہی ہے کہ اسی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے ف۴۱۸ سب اسی کے حکم بردار ہیں ف۴۱۹ (وہ) موجد ہے آسمانوں اور زمین کا ف۴۲۰ اور جب کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیتا ہے ف۴۲۱ تو بس اتنا ہی اس سے کہتا ہے (کہ) ہو جا ف۴۲۲ بس وہ ہو جاتا ہے ف۴۲۳ اور جنہیں علم سے بہرہ نہیں ف۴۲۴ وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا؟ ف۴۲۵ یا ہمارے پاس کوئی نشان (عظیم) کیوں نہیں آجاتا؟ ف۴۲۶ اسی طرح وہ لوگ کہہ چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہیں کا سا کہنا ف۴۲۷ ان کے قلوب متشابہ ہوگئے ف۴۲۸ ہم نے اپنے نشان تو کھول کھول دیے ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں ف۴۲۹ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر ف۴۳۰ اور آپ سے اہل دوزخ کی بابت کچھ بھی پوچھ نہ ہو گی ف۴۳۱ اور آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز خوش نہ ہوں گے ف۴۳۲ جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہو جائیں ف۴۳۳ آپ کہہ دیجیے

نہیں، مذاہب جاہلی کی تاریخ انسانی حماقتوں، جہالتوں، وہم پرستیوں کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ ایک مشترک گمراہی مشرک قوموں میں یہ رہی ہے کہ خدا چونکہ متمکن ہے اور مجسم ہے، اس لیے لازمی ہے کہ اس کی ہستی کسی نہ کسی متعین سمت یا جہت میں ہو اور اس تلبس کی بنا پر خود وہ سمت یا جہت مقدس ہے، مصری، ہندی، رُومی تمام مشرک قوموں نے خدا کو کسی نہ کسی جہت میں فرض کر کے خود اسی جہت کو مقدس مانا ہے اور چونکہ سورج دیوتا کا مرتبہ مذاہب شرکیہ میں عموماً اہم و مقدم رہا، اس لیے شاہِ خاور کے طفیل میں سمت مشرق ہی عموماً مقدس سمجھی گئی اور دُنیا کے اکثر علاقوں میں پجتی رہی --- مسلمان جس کی آنکھیں ہی توحید کے آغوش میں کھلی ہیں، اس کے خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ سمت و جہت جیسی خیالی چیز بھی قوموں کی معبود ہو سکتی ہے! مشرکوں ہی کے اثر سے یہ سمت پرستی کا شرک اہل کتاب میں بھی سرایت کر گیا۔ اور مسیحی مذہب چونکہ عقائد و عبادات دونوں میں اپنے وقت کے رائج و شائع رُومی مذہب ہی کی مثنیٰ یا پرتو ہے، اس لیے وہ تو کھلم کھلا مشرق پرستی میں مبتلا ہو گیا! یہود جنہیں اپنی توحید پر ناز تھا وہ بھی تمامتر محفوظ نہ رہ سکے۔ بلکہ اُن کے بعض فرقے تو پوری طرح اس صف میں آگئے۔ بعض قوموں نے مشرق کے جوڑ پر مغرب کے تقدس کا کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ مشرق اگر خطہ حیات ہونے کی بنا پر مقدس ہے تو مغرب بھی خطہ موت و دیارِ ہلاکت ہے شاہِ خاور طلوع اگر اِدھر سے ہوتا ہے تو روزانہ غروب اور فنا تو اُدھر ہی ہوتا ہے، پھر اس کے تقدس کا بھی کیوں نہ قائل ہو لیا جائے۔ چنانچہ یہ دونوں سمتیں خوب پجتی رہیں۔ مشرق زیادہ اور مغرب اس سے کچھ کم، اصل انگریزی حوالوں کے لیے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ دُنیا کی دُنیا اس سمت پرستی کے شرک، مشرق پرستی اور مغرب پرستی کی ضلالت میں مبتلا تھی کہ توحید قرآنی نے ساری دنیا کے عقائد کو چیلنج کر کے اس مشرکانہ عقیدہ پر ضرب لگا کے ایک عالم کو چونکا دیا۔ قدیم مذاہب یہ آواز سن کر بھوچکے سے رہ گئے۔ ف۴۱۲ (دُعا کے لیے، نماز کے لیے، یا کسی عبادت کی بھی غرض سے، اے مسلمانو!) خطاب اس اُمت سے ہو رہا ہے جس کا کام ہی دنیا میں خدائے واحد کی پرستاری تھی، اور شرک اور ہر شائبۂ شرک سے بیزاری۔ ف۴۱۳ یعنی وہ خدائے واحد جو ہر مکان، ہر ظرف کی قید سے پاک، ہر سمت و جہت سے منزہ ہے۔ اِس کی ذات پاک کی تجلیات ہر طرف ہیں۔ سب کہیں ہیں۔ جدھر بھی رُخ کرو گے جلوہ اسی کا پاؤ گے۔ اس کی تجلیات کو کسی خاص جہت کے ساتھ محدود و مخصوص کر لینا عین جہل ہے۔ وَجۡہ لفظی معنیٰ چہرہ کے ہیں، ثانوی معنیٰ ذات کے ہیں۔ وَجۡہُ اللّٰہِ کی ترکیب جب آئے گی، مراد ذات ہی سے ہوگی، اور وہی یہاں بھی مراد ہے۔ ربما عبر عن الذات بالوجه (راغب) فثم ذاته (بیضاوی) قیل الوجه بمعنی الذات جعل هنا کنایه عن علمه و اطلاعه بما یفعل هناک (روح)۔ آیت میں پوری تردید آگئی عقیدۂ تجسیم کی جس کے لیے انگریزی میں ایک لمبا سا نام Anthropomorphism ہے، ہمارے اکابر نے بھی آیت کو اسی معنیٰ میں لیا ہے۔ الاٰیة من اقوی الدلائل علی نفی التجسیم و اثبات التنزیه (کبیر) هٰذا یدل علی نفی الجهة والمکان عنه تعالیٰ لاستحالة ذٰلک علیه (ابن العربی) مسیحیوں کے ہاں آج تک ایک مذہبی اصطلاح Orientation شرق روی کی چلی آرہی ہے اور گرجے وغیرہ شرق رویہ ہی بنائے جاتے ہیں۔ فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ۔ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ ہم بھی اسی طرح کائنات میں جس چیز پر بھی نظر ڈالتے ہیں انوارِ حق ہی کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ ف۴۱۴ وہ تو خود ہی بے پایاں وسعتوں والا ہے، بڑی سی بڑی وسعت خود اس کے اندر شامل ہے۔ اسے بھلا کون اپنے اندر لے سکتا ہے؟ اس کی سمائی کس بڑے سے بڑے ظرف و مکان میں ہو سکتی ہے؟ ہر سمت اور ہر جہت تو خود ہی اس کی مخلوق ہے، مملوک ہے۔ وہ لامحدود بھلا کسی محدود سمت و جہت میں گھر سکتا ہے۔ واسع باحاطته بالاشیاء (بیضاوی) ف۴۱۵ وہ اپنے اس علم کامل اور حکمت بالغہ کے لحاظ سے جو قبلہ چاہے مقرر کر دے۔ اس کے مصالح و حکم کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟ وہ وحدتِ اُمت کے لیے تعیین قبلہ جب کرے گا مناسب ہی کرے گا۔ اس میں کسی جہت کی قدوسیت کو اصلاً دخل نہیں۔

ف۴۱۶ یہ کہنے والے کون تھے؟ مراد بہت سے اہل باطل لیے جاسکتے ہیں۔ لیکن خاص طور پر اشارہ اس گڑھے ہوئے مذہب تثلیث کی جانب ہے۔ جس کا نام ایک پیغمبر برحق کی جانب منسوب کر کے مسیحیت رکھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کے عقائد باطلہ سے (نعوذ باللہ) حضرت مسیح علیہ السلام کو کوئی نسبت نہیں۔ اتخذ ولدًا کا صحیح ترجمہ ہے۔ ”لے رکھا ہے ایک بیٹا“۔ ”بنا رکھا ہے ایک بیٹا“ یہاں مسیحیوں کا یہ قول نہیں نقل ہو رہا ہے کہ خدا کے ایک بیٹا ہے۔ بلکہ یہ کہ خدا نے ایک بیٹا بنا لیا ہے۔ اتخاذ ولد کا صاف مفہوم یہ ہے کہ خدا نے گویا کسی کو متبنیٰ کر لیا ہے --- قرآن مجید کی تلمیحات کو پوری طرح سمجھنے کے لیے قرآن کے صدہا مقامات کی طرح یہاں بھی اس کی ضرورت ہے کہ نظر اہل باطل کے عقائد و خیالات پر ذرا گہری ہو۔ مسیحیوں کے ہاں ایک زبردست فرقہ Adoptionists کے نام سے گزرا ہے۔ ان کے مرکزی عقیدہ کے لیے اصطلاحی لفظ تبنیت Adoptionism کا ہے۔ عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام خلقۃً خدا نہیں۔ وہ خدا پیدا نہیں ہوئے، وہ خدا شروع سے بنے بنائے اور خود بخود نہیں ہیں۔ بلکہ اصلاً و خلقۃً وہ انسان ہی تھے۔ البتہ اقنوم ثالثہ یعنی روح القدس کا فیضان ان پر شروع ہی سے ہونے لگا تھا۔ اس لیے وہ قدوسیت کے ایسے اَوجِ کمال پر پہنچ گئے اور رُوحِ الٰہی ان کے اندر ایسی حلول کر گئی کہ اقنومِ اوّل یعنی خدائے برتر و اعظم نے انہیں اپنا بیٹا قرار دے کر اپنا متبنیٰ بنا کر، شریک الوہیت کر لیا۔ اور اب وہ ربوبیت، مالکیت وغیرہ جملہ صفاتِ الٰہی میں شریک و سہیم ہیں، اس عقیدہ کے وجود کی شہادت تاریخ میں ۱۸۵ء میں ملتی ہے

آٹھویں صدی عیسوی میں پاپائے رُوم نے اسے الحاد و زندقہ قرار دیا۔ بارھویں صدی عیسوی میں اس نے پھر زور پکڑا اور پھر یہ لوگ زندیق قرار پائے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ آیت میں صاف اشارہ مسیحیت کی اُس شاخ کی جانب ہے۔ بڑے سے بڑا محقق مفسر بھی بہرحال بندہ اور بشر ہی ہوتا ہے۔ کسی کی نظر سے کوئی پہلو رہ جاتا ہے کسی کی نظر سے کوئی۔ مسیحیت کے سلسلہ میں یہ خوب یاد رہے کہ مسیحی مذہب میں عقیدۂ ابنیت کوئی ثانوی درجہ یا فرعی حیثیت نہیں رکھتا۔ مسیحیت کی رُوح اور جان یہی عقیدہ ہے۔ **ف۴۱۷** (ہر قسم کی بشری رشتہ داریوں سے جو اس کے لیے ہر حال میں پست اور باعث توہین ہیں) تنبیہ ہے مسیحیوں کو کہ معاذ اللہ، خدا کو خدا بھی کہے جاتے ہو اور پھر اُس کے لیے یہ بشری سطح والی رشتہ داریاں بھی مانے جاتے ہو! الوہیت کے باب میں کتنا گھٹیا تخیل اور کیسا کریہہ نظریہ رکھتے ہو! **ف۴۱۸** مخلوق کا رشتہ اپنے خالق کے ساتھ صرف ملکیت و مملوکیت مطلقہ کا ہے۔ نہ کہ فرزندی و دلبندی وغیرہ خرافات کا۔ توحید کی صاف و سادہ تعلیم یہی ہے کہ حق تعالیٰ ان سارے امتیازات و تعینات سے پاک ہے جو اہل شرک نے اس کے لیے گڑھ رکھے ہیں۔ ضمناً آیت شرک کی دُوسری قسموں پر بھی ضرب لگاتی جاتی ہے۔ ہر ہستی اللہ کی مملوک ہے، کوئی ہستی اس کی مملوکیت سے خارج نہیں اور ہر ہستی صرف اللہ ہی کی مملوک ہے، یہ نہیں کہ کچھ ہستیاں اس کی مملوک ہوں اور کچھ کسی اور کی۔ **ف۴۱۹** (اگر ارادۃً نہیں تو جبلۃً و اضطراراً) اللہ کی تکوینی محکومی اور فرمانبرداری سے چارہ کسی کو بھی نہیں۔ کُلٌّ۔ یعنی جمیع مخلوق، مومن و کافر، بلند و پست، کبیر و صغیر، زندہ و بیجان، قٰنِتُوْنَ، سب اس کے آگے جھکے ہوئے، سب کی تقدیر اس کی مشیت سے وابستہ۔ اے منقادون لا یمتنع شئ منهم علی تکوینه و تقدیرہ و مشیته (کشاف) منقادون لا یمتنعون عن مشیته و تکوینه (بیضاوی) قنوت کے بہترین معنی یہی کیے گئے ہیں کہ اپنے جسم کی شہادت سے اور زبانِ حال سے اللہ کی عبودیت و طاعت کا اقرار کیا جائے۔ واولی معانی القنوت والطاعة والاقرار لله عزو جل بالعبودیة بشهادة اجسامهم بما فیها من أثار الصنعة (ابن جریر) بڑی یا چھوٹی، وحشی یا ترقی یافتہ کسی مخلوق کی مجال ہے جو اللہ کے بنائے ہوئے دن اور اللہ کی بنائی ہوئی رات کے چوبیس گھنٹوں کے علاوہ کوئی گھنٹہ، کوئی منٹ، کوئی لمحہ اپنے لیے پیدا کر سکے۔ بڑے سے بڑے ماہرین سائنس میں سے کس کے امکان میں ہے کہ اللہ کی مقرر کی ہوئی فضائے کائنات سے باہر، ایک گز، ایک فٹ، ایک انچ جگہ اپنے لیے تلاش کر سکے؟ کون ایسا ہے جو اس کے خلق کیے قانونِ حرارت، برودت، رطوبت سے بے نیاز رہ سکے؟ کون ایسا ہے جو اس کے باندھے ہوئے قانون کشش اجسام سے بغاوت کر سکے! عدد، وزن، مقدار کے جو ضابطے خدا نے مقرر کر رکھے ہیں۔ کس میں اتنی ہمت ہے کہ گنجائش ان سے عدول و انحراف کی پا سکے؟ —— بڑے سے بڑے موجد، بڑے سے بڑے صناع کا کمال بجز اس کے کیا ہے کہ اُس نے نظامِ تکوینی کے ضابطوں اور قاعدوں کی مزاج شناسی میں کمال پیدا کر لیا ہے۔ اور مسبب الاسباب کے حضور میں وہ دوسروں سے بڑھ کر بندۂ قانت ہے؟ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ۔ اس میں رَدّ آ گیا ہر مشرک قوم کا کہ جن جن کو تم ابن اللہ یا دیوی یا دیوتا مانتے ہو، وہ اللہ کے شریک و سہیم و ہمسر تو کسی حیثیت سے بھی کیا ہوتے سب کے سب اس کے محکوم، اس کے مخلوق، اس کے قوائے تکوینی کے تابع و مسخر ہیں۔ **ف۴۲۰** (اور اسی طرح ساری مخلوق کا نیز ان سب سے سابق و متقدم بھی ہے) بصیر یہاں مبصر کے معنی میں اور بدیع یہاں مبدع کے معنی میں ہے۔ جیسے الیم مولم کے معنی میں اور سمیع مسمع کے معنی میں آتا ہے۔ البدیع یقال للمبدع (راغب) اے مبدعها وانما هو مفعل صرّف الی فعیل کما صرّف المؤلم الی الیم (ابن جریر) اور مصدر ابداع کے معنی ہیں نیست سے ہست کرنا۔ عدمِ محض سے وجود میں لانا بغیر کسی مثال یا نمونہ کے اور بغیر کسی سابق مادّہ یا ہیولیٰ کے الابداع انشاء صنعة بلا احتذاءٍ واقتداءٍ (راغب) واذا استعمل فی اللہ تعالیٰ فهو ایجاد الشئ بغیر اٰلةٍ و مادةٍ ولا زمان ولا مکان (راغب) بَدِیْعٌ وہ ہے جو نہ کسی آلہ کا محتاج ہو نہ کسی مال مسالہ کا۔ نہ مقام و مکان کا پابند نہ زمان و وقت سے مقید محتاج نہ کسی نمونہ کا، نہ اُستاد کا، وہ صناع ہے، کاریگر نہیں۔ اصلی اور حقیقی معنی میں خالق اور موجد ہے۔ بغیر کسی کی اعانت و شرکت کے وجود میں لانے والا۔ معنی المبدع المنشئ و المحدث مالم یسبقه الی انشاء مثله واحداثه احد (ابن جریر) هو بارئها و خالقها و موجدها من غیر اصل ولا مثال احتذاها علیه (ابن جریر) بَدِیْعٌ کا لفظ ان مشرک قوموں کے رَد میں ہے جو خدا کو محض صانع کی حیثیت دیتے ہیں اور رُوح یا مادہ یا دونوں کو کسی نہ کسی درجہ میں اس کا شریک و سہیم رکھتے ہیں گویا مادہ پہلے سے موجود ہی تھا وہ قدیم و غیر حادث ہے، یا رُوح بھی اس کے ساتھ ساتھ قدیم و غیر حادث ہے۔ اب خدا نے صرف اتنا کیا کہ ایک اعلیٰ درجہ کے کیمسٹ کی طرح ان میں باہمی ترکیب و ترتیب سے نئی نئی صورتیں نمودار کر دیں۔ ابداع کا لفظ ان سارے مشرکانہ تخیلات کی تردید کے لیے کافی ہے۔ تقدم ذاتی کے علاوہ تقدم زمانی بھی تمام صفاتِ کمال کی طرح اس کی ذات کے لیے ثابت ہے وہ سب پر زمانۂ بھی مقدم ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ صرف وہ تھا اور کچھ بھی نہ تھا۔ نہ جہات نہ اعیان۔ انه تعالیٰ خالق الجهات کلّها والخالق متقدم علی المخلوق لا محالة (کبیر) فقد کان الباریٔ تعالیٰ قبل خلق العالم منزهًا عن الجهات والا عیان (کبیر) **ف۴۲۱** (محض اپنے ارادہ و مشیت سے اور محض اپنی حکمت مطلقہ کے مقتضی کی حیثیت سے) و معنی قضٰی هنا اراد (بحر) حکم بانه یفعل شیئًا (کبیر) اے حکم...... (مدارک) قرآن کا خدا صاحب ارادہ ذی حیات، صاحب اقتدار خدا ہے۔ یونان کے فلسفیوں اور بعض دُوسرے مشرکوں کے خدا کی طرح صرف ایک بیجان، مسلوب الارادہ علت العلل یا آخری سبب نہیں۔ **ف۴۲۲** یعنی عدمِ محض سے وجود میں آ جا، نیست سے ہست ہو جا، "یَقُوْلُ کہتا ہے" کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری آپ کی طرح یہ دوحرفی لفظ کُنْ بولتا ہے۔ لفظ و حروف تو خود ہی حادث ہیں اور نہ حق تعالیٰ کا تلفظ زبان، ہونٹ یا اعصاب کا محتاج ہے۔ بندوں کی سمجھ کے لائق آخر اس کے سوا قریب سے قریب پیرایۂ بیان اور اسلوب تعبیر اور کیا اختیار کیا جائے

اے بروں از وہم و قال و قیل من خاک بر فرقِ من و تمثیل من

مقصود صرف اس قدر ہے کہ اُدھر حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا اور اِدھر معاً اور بلا توسط و توقف اس کا ظہور عملاً ہو گیا۔ وهذا مجاز عن سرعة التکوین و التمثیل اذلا قول ثم (مدارک) قلنا ان کن لیس بامر حقیقةً اذلا فرق بین ان یقال و اذا قضٰی امرًا فانما یکونه فیکون و بین ان یقال فانما یقول له کُن فیکون (مدارک) لیس المراد به حقیقة امر وامتثال بل تمثیل حصول ما تعلقت به ارادته بلا مهلة لطاعة المامور المطیع بلا توقف (بیضاوی) لَهٗ میں ضمیر اس چیز کی جانب ہے جس کا وجود ابھی خارج میں نہیں ہوا، لیکن علم الٰہی میں تو بہرحال موجود ہی ہے۔ اور امر الٰہی کے اعتبار سے مامور و موجود میں کوئی فرق ہی زمانی حیثیت سے نہیں۔ ہر مامور کے معنی موجود ہونے کے ہیں۔ اور ہر موجود کے معنی مامور ہونے کے ہیں امره للشئ بکن لا یتقدم الوجود ولا یتاخر عنه فلایکون الشئ مامورًا بالوجود الاوهو موجود بالامرو لا موجودًا بالا مر الاوهو ما مور بالوجود (ابن جریر) اطلق علی تعلق الارادة الالٰهیة بوجود الشئ من حیث انه یوجبه (بیضاوی) هو بمنزلة الموجود اذهو عندهٗ معلوم (بحر) المخاطب هو ذٰلک الشئ الموجود فی علم الله تعالیٰ المامور به الدخول فی الوجود الخارجی (گازرونی)۔ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ کان یہاں تامہ ہے، ناقصہ نہیں۔ یعنی "ہو جا" وجود میں آ جانے کے مرادف ہے۔ فلاں چیز ہو جا یا بن جا کے مرادف نہیں مِنْ کان التامة بمعنٰی اُحْدُثْ فیحدث (بیضاوی) **ف۴۲۳** یعنی بس وہ شے معاً وجود میں آ جاتی ہے۔ اس کے ہونے میں نہ کچھ دیر لگتی ہے نہ اس کے لیے کسی اعانت، وساطت، شرکت کی ضرورت ہوتی ہے۔ المراد من هٰذه الکلمة سرعة نفاذ قدرة الله تعالیٰ فی تکوین الاشیاء (کبیر) یہ بھی گویا مشرکین ہی سے خطاب ہے کہ تم عمل تخلیق خداوندی کو سمجھے کیا ہو؟ اس میں تو بجز ارادۂ الٰہی کے اور کسی چیز کی شرکت کا گزر ہی نہیں اور اس سے تمہارے شرک کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے۔ **ف۴۲۴** یعنی علم حقیقی سے، علوم آسمانی سے۔ مراد مشرکین ہیں۔ وهم کفار العرب (ابن جریر عن قتادة والربیع) والمراد جهلة المشرکین و قدروی ذٰلک عن قتادة والسدی والحسن جماعة و علیه اکثر المفسرین (روح) **ف۴۲۵** (براہِ راست اور بلا واسطۂ انبیاء و رسل) کما یتکلّم رسله و انبیاءه (ابن جریر) لَوْلَا یہاں هلّا کے معنی میں ہے اور هلّا کا اُردو ترجمہ "کیوں نہیں" ہی ہو سکتا ہے اور محاورۂ قرآنی میں لولا عموماً اسی معنی میں آتا ہے۔ یعنی هلا یکلمنا الله (ابن جریر) و کل مافی القراٰن لولا فهو بمعنٰی هلا الاواحدًا (معالم) اور سیوطی نے بھی اتقان (نوع ۴۰) میں یہ قول خلیل نحوی اور مالک سے نقل کیے ہیں۔ مشرکین کا ایک اعتراض یہ تھا کہ خدا اگر اپنے فلاں فلاں بندہ سے بقول

اُنہیں کے کلام کرسکتا ہے اور کرتا ہے تو آخر ہم سے کیوں نہیں کرتا۔ ہم بھی تو انسان ہی ہیں ——احمقوں کے نزدیک مکالمہ الٰہی کے لیے گویا صرف بشریت کافی تھی۔ ف۴۲۶ (جس سے ہم چارو ناچار ان پیمبر کے دعوٰی کی تصدیق کر ہی دیں) اٰیَۃٌ کے لفظی معنٰی نشان کے ہیں۔ قرآن مجید میں بہ کثرت معجزہ کے معنٰی میں آیا ہے اور یہاں بھی یہی مراد ہے۔ اور معجزہ سے مراد وہ واقعہ ہے جو معمولِ عام سے ہٹا ہوا ہو اور بلا اسبابِ ظاہری اس کا ظہور تائید رسول کے لیے ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر معنوی دلائل و شواہد تو کثرت سے موجود تھے لیکن مشرکین کی طرف سے پیہم فرمائشیں یہ جاری رہیں کہ کوئی عظیم الشان، حیرت انگیز، حسی معجزہ دکھایا جائے جس کے بعد گنجائش ہی چون و چرا کی نہ رہے۔ جن لوگوں کی عقلی، روحانی، اخلاقی سطح پست ہے۔ ان کی طرف سے اولیاء ربانی سے فرمائشیں آج بھی اس قسم کی خارقِ عادت کرامات ہی کے ظہور کی ہوتی رہتی ہیں۔ اٰیَۃٌ کی تنوین اظہارِ عظمت کے لیے ہے۔ یعنی کوئی عظیم الشان لرزہ انگیز معجزہ ف۴۲۷ (اپنے اپنے زمانہ کے پیغمبروں اور داعیانِ حق سے) یعنی ان کی یہ فرمائشیں کوئی انوکھی اور ان کا یہ مطالبہ کوئی نرالا نہیں۔ جاہلوں نے ہر دور اور ہر ملک میں اس قسم کی فرمائشیں پیش کی ہیں۔ رسالت محمدی ﷺ سے حضرات انبیاء میں قریب ترین زمانہ حضرت عیسٰیؑ کا گزرا ہے۔ آپ عرب میں نہیں شام میں تھے۔ آپ سے بھی تعلیمات اور اصل پیام کو چھوڑ کر تقاضے انہیں آسمانی نشانوں کے ہوتے رہتے تھے۔ ”فریسیوں اور صدوقیوں نے پاس آکر آزمانے کے لیے اس سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی آسمانی نشان دکھا۔“ (متی ۱۶:۱) یہاں تک کہ خود حق تعالٰی کو لا دکھانے کی فرمائش شروع ہوگئی تھی، ”فلپس نے اُس سے کہا کہ اے خداوند ہمیں باپ کو دکھا بس ہمیں کافی ہے“۔ (یوحنا ۱۴:۸) ف۴۲۸ یعنی اگلوں اور پچھلوں کے قلب بالکل ایک سے ہیں بے بصیرتی اور ناحق شناسی میں۔ انجیل میں غضبنا کی کے لہجہ میں:۔ ”اُس زمانہ کے برے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔ مگر یونس کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔“ (متی ۱۶:۴) ”اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو، تم ہر وقت رُوح القدس کی مخالفت کرتے ہو جیسے تمہارے باپ دادا کرتے تھے، ویسے ہی تم بھی کرتے ہو۔ نبیوں میں کس کو تم نے نہیں ستایا؟“ (اعمال، ۷:۵۱و۵۲) ف۴۲۹ مطالبہ ایک نشان (آیت بہ صیغۂ واحد) کا تھا جواب یہ ملا کہ یہاں تو نشان پر نشان (الآیات بہ صیغۂ جمع) پیش کیے جاچکے ہیں۔ تاریخ اور سیرت میں جن معجزوں کا ذکر آتا ہے اُن سے قطع نظر دو معجزے تو بالکل بین و نمایاں تھے۔ ۱۔ رسول اللہ ﷺ کا سچائی، امانت، پاکبازی، عقل و فہم کے لحاظ سے بے نظیر ہونا۔ آپ کی سیرت مبارک کے ایک ایک جز کا بجائے خود معجز ہونا۔ ۲۔ قرآن مجید کا لفظی، معنوی، ظاہری، باطنی، تعلیمی و ادبی اعتبار سے بے مثل ہونا۔ بَیَّنَّا۔ یعنی یہ نشانات کچھ ان سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ ہم نے انہیں بالکل واضح و آشکار کر رکھا ہے۔ ان میں کسی طرح کا خفا نہیں۔ قَدْ بَیَّنَّا۔ قَدْ کی تاکید نے بَیَّنَّا کی صراحت کو اور زیادہ زوردار بنا دیا۔ اور اسی کے اظہار کے لیے اُردو ترجمہ میں ”کھول کھول“ لایا گیا ہے۔ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ۔ یعنی یہ کھلے ہوئے نشان بھی نظر انہیں لوگوں کو آتے ہیں جن کے قلب جہل و عناد کی گندگی اور شک و ارتیاب کی آلودگیوں سے پاک ہیں۔ شواہد و دلائل مادّی قسم کے ہوں یا معنوی، بہرحال ان سے نفع حاصل کرنے کے لیے دیدۂ بصیرت و چشم بینا ضروری ہے۔ آنکھ رکھنے والے کے لیے پیمبر کی کتابِ زندگی کی ایک ایک سطر معجزہ ہے۔ عارف رُومی نے اسی حقیقت کی ترجمانی کی ہے۔ دردلِ ہر کس کہ از دانش مزاست رُوئے و آواز پیمبر معجز واست اما من کان فی ارتیاب او شکٍ او تغافلٍ او جھلٍ فلا ینفع فیہ الاٰیٰت ولو کانت فی غایۃ الوضوح (بحر)۔ یقین شک کی ضد ہے اور علم و تحقیق کے مرادف ہے۔ الیقین ازاحۃ الشک والعلم و تحقیق الامر و نقیضہ الشک (تاج) لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ کے معنٰی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے لیے ہیں جو یقین کی طلب اور پیاس اپنے اندر رکھتے ہیں ای طالبون معرفۃ حقایق الاشیاء علی یقین و صحۃ (ابن جریر) ای یطلبون الیقین (بیضاوی) ف۴۳۰ (سارے عالم کے لیے اے ہمارے پیغمبر) بِالْحَقِّ۔ حق کے ساتھ، دینِ حق کے ساتھ یا راہ حق کا ہادی بنا کر یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ حقانیت و صداقت کے ساتھ مع اس کی ساری قوتوں اور دلائل کے۔ بَشِیْرًا۔ مومنین مطیعین کے حق میں کہ جو آپ کے پیغام کو مان لیں گے ان سے دنیا و آخرت دونوں کی فلاح کا وعدہ ہے۔ نَذِیْرًا۔ منکروں اور سرکشوں کے حق میں کہ جو آپ کے پیام سے بغاوت کریں گے اُن کی آخرت تو یقیناً اور دنیا اکثر تباہ ہو کر رہے گی۔

اقبال۔ لطف و قہر او سراپا رحمتے آں بہ یاراں ایں بہ اعدا رحمتے ف۴۳۱ (اور اہل دوزخ وہی ہوں گے جو آپ کے منکر ہیں) تو مطلب یہ ہوا کہ منکرین کے انجام کی ذمہ داری آپ پر کیا ہے؟ آپ کیوں ان کے لیے اس قدر فکر و تشویش میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپ کا فرض تو پیام پہنچادینے پر ختم ہوجاتا ہے۔ آگے کی ذمہ داری آپ پر ذرا بھی نہیں۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ جو کوئی خود اپنی اصلاح نہ چاہے مرشد کو اس کے زیادہ درپے نہ رہنا چاہیے ف۴۳۲ (خواہ آپ ان کی کتنی ہی رعایت ملحوظ رکھیں اور ان کے ساتھ برتاؤ کتنی ہی غمخواری اور دلسوزی کا رکھیں) یہ حکم ——نصرانیوں سے متعلق ہے جو بہرحال اہل کتاب تھے اور مسلمانوں کے ساتھ مشترک ایمان سلسلۂ وحی و نبوت پر رکھتے تھے۔ تو جو کھلے ہوئے اہل شرک ہیں، اور اسلامی عقائد سے اشتراک کسی درجہ کا بھی نہیں رکھتے، ان کی رضا جوئی اور ان سے توقع صلح رکھنے کا جو حکم ہوگا ظاہر ہی ہے ف۴۳۳ (یعنی اس مذہب کے جو انہوں نے گڑھ رکھا ہے۔ اور اپنے دین حق سے دستبردار نہ ہو جائیں) مِلَّۃ کے معنٰی مذہب اور طریقہ کے ہیں۔ الملۃ الشریعۃ او الدین (قاموس) قال ابو اسحق الملۃ السنۃ والطریقۃ (تاج) دین اور ملت میں فرق یہ ہے کہ دین کا استعمال اللہ اور افراد امت کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔ مثلاً دین اللہ یا دین زید اور ملۃ کا استعمال نبی اور جماعت کے سیاق میں ہوتا ہے۔ مثلاً ملت ابراہیم علیہ السلام یا ملت یہود (راغب) لفظ ملۃ کے صیغہ واحد سے فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کفر جس قسم کا بھی ہو بہرحال ایک ہی ملت کے حکم میں ہے۔ و قد استدل کثیر من الفقھاء علی ان الکفر کلہ ملۃ واحدۃ (ابن کثیر) اور اسی اصل کی بنا پر وراثت کافروں اور مسلموں کے درمیان جائز نہیں رکھی ہے۔ لیکن کافروں کافروں کے درمیان جائز رکھی ہے۔ خواہ اُن کا کفر آپس میں مختلف ہی ہو۔ وھذا مذھب الشافعی و ابی حنیفۃ واحمد فی روایۃ عنہ (ابن کثیر) ف۴۳۴ (حق و صواب کی) اسی پر عقل و نقل کے دلائل کا اتفاق ہے اور اسی اللہ کی بتلائی ہوئی راہ کا نام طریق اسلام ہے ف۴۳۵ (مسائل دین میں۔ اور یہ پیروی ان کے لیے محال ہے) لَئِنْ میں لام قسم کا ہے تاکید و قطعیت کے لیے ہے۔ لام قسم (جلالین) قرآن ہے خدا کا کلام لیکن ہے، بہرحال محاورۂ انسانی ہی میں، انسانی کلام میں جہاں جہاں قسم کا موقع آتا ہے قرآن میں بھی اس کی رعایت کی جائے گی۔ اھواء سے مراد وہ رائیں اور خیالات ہیں جو علم و حقیقت کے بجائے نفسانی خواہشوں پر مبنی ہوں۔ ای آراء ھم الزائغۃ (بیضاوی) والھوٰی رأی یتبع الشھوۃ (بیضاوی) العلم سے مراد علم وحی ہے۔ ہر طرح پر قطعی و یقینی اور ہر اشتباہ سے بالاتر۔ العلم الوحی (بیضاوی) ای من بعد الذی اقتصصت علیک من نبئھم (ابن جریر) گویا ایک سرے پر العلم ہے، حقیقت سے تمامتر لبریز۔ اور دوسرے سرے پر اھواء، حقیقت سے تمامتر خالی۔ استدلال قرآنی کی منطقی شکل گویا اب یہ ہوئی:۔ ۱۔ یہود و نصارٰی کی رضا طلبی کے لیے لازمی ہے کہ آپ ان کا دین اختیار کریں۔ لیکن ان کا دین سرتاسر محرف و باطل ہے۔ اس لیے اُن کی رضا طلبی کے لیے لازم ہوا کہ آپ دین محرف و باطل اختیار کریں۔ ۲۔ جو رحمت خداوندی سے مالا مال اور توفیق الٰہی سے سرافراز ہو اُس کے لیے باطل کی پیروی محال ہے۔ آپ رحمت خداوندی سے مالا مال اور توفیق الٰہی سے سرافراز ہیں۔ اس لیے آپ کے لیے پیروی باطل محال ہے۔ ۳۔ اور جب آپ کے لیے پیروی باطل محال ہے۔ تو ملت یہود و نصارٰی کی پیروی جو خود ایک شکل زیغ و باطل ہی کی ہے، اس کی پیروی بھی محال ہے۔ اور اس لیے ان باطل پرستوں کی حصول رضا کی بھی کوئی شکل آپ کے لیے نہیں۔ آگے جو وعید اتباعِ باطل پر آئی ہے اور اس کے ساتھ قید بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ کی لگی ہوئی ہے۔ اس قید سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے استنباط کیا ہے کہ وعید ہمیشہ دلائل صریح کے بعد ہی ہوگی۔ یدل علی انہ لا یجوز الوعید الا بعد نصب الادلۃ (کبیر) ف۴۳۶ وَلِیٍّ (یار) اس دنیا میں اور نَصِیْرٍ (مددگار) عالم آخرت میں۔ خوب خیال رہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرکے یہ بات محض بطور فرض کے کہی گئی ہے۔ اور فرض جب محالاتِ عقلی تک کیے جاسکتے ہیں تو محالاتِ عادی یا منفیاتِ شرعی کے فرض کرلینے میں تو اور بھی کوئی اشکال نہیں۔ اور اس طرز مخاطبت سے مقصود بھی غالباً مسئلہ کی اہمیت پر زور دینا ہے۔ منکروں کی طرف میلان پر اتنا تشدد جب خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے تو دُوسروں کا کیا ذکر ہے۔ فیہ تھدید و وعید شدید للامۃ عن اتباع طرائق الیھود و النصارٰی (ابن کثیر) اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں خطاب رسول اللہ ﷺ سے صرف لفظاً ہے ورنہ مراد امت ہی ہے اور اصل حکم اسی کو ہے۔

هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ
کہ اللہ کی (بتلائی ہوئی) تو راہ بس وہی ہے ف۴۳۴ اور اگر آپ بعد اس علم کے جو آپ کو پہنچ چکا ہے

بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ
ان کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگے ف۴۳۵ تو آپ کے لئے اللہ (کی گرفت) کے مقابلہ میں

مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار ف۴۳۶ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے

یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ
اور وہ اسے اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح اس کے پڑھنے کا حق ہے ف۴۳۷ وہ لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے ف۴۳۸

وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع
اور جو کوئی اس سے کفر (اختیار) کرے گا تو یہی لوگ (پورا) نقصان اٹھانے والے ہیں ف۴۳۹

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ
اے بنی اسرائیل میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے

عَلَیْكُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾
تم کو بخشیں ف۴۴۰ اور یہ کہ میں نے تمہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دی ف۴۴۱

وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ
اور اس روز سے ڈرو جب نہ کوئی کسی کے بھی کام

شَیْئًا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا
آئے گا اور نہ اس کی طرف سے معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ اسے سفارش نفع

شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓی
پہنچا سکے گی اور نہ انہیں مدد ہی پہنچ سکے گی ف۴۴۲ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ابراہیم کو ف۴۴۳

نصف منزل ع ۱۴ ۹ ۱۴

الخطاب مع الرسول والامر لامته (ابن کثیر) قیل الخطاب مع النبی والمراد به الامة (معالم) قیل المقصود منه امته (روح) ف۴۳۷ یعنی دل سے اس کی تعظیم واحترام کرتے ہیں۔ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اس میں تحریف وتغیر کو راہ نہیں دیتے۔ حق تلاوت ادا کرنے میں یہ سب کچھ آ گیا۔ یتبعونه حق اتباعه (ابن عباس) لا یحرفون الکلم عن مواضعه ولا یتاوّلونه علٰی غیر الحق (کبیر) الْكِتٰبَ سے مراد توریت ہے۔ یعنی التوراة (ابن عباس) اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ هم الیهود والنصٰری وهو قول عبدالرحمٰن بن زید واختاره ابن جریر (ابن کثیر) ف۴۳۸ (اور اسلام قبول کرلیں گے) مطلب یہ ہے کہ جو اہل کتاب ضد، نفسانیت، ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیتے، وہ خود اپنی کتاب کے مطالعہ سے قرآن کی حقانیت و صداقت کے قائل ہو جائیں گے، اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ میں ضمیر رسول اللہ ﷺ کی جانب بھی پھیری جا سکتی ہے۔ اس تاویل سے کہ اوپر آپ کا ذکر اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ میں مضمر ہے۔ قیل یعود علی النبی صلی الله علیه وسلم و قد تقدم ذکره فی قوله اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ (بحر) اکثر نے الْكِتٰبَ کی طرف پھیری ہے۔ ظاهره ای الضمیر فی به یعود الی ما یعود الضمیر فی یتلونه ای الکتب (بحر) لیکن سب سے انسب یہ ہے کہ ضمیر میں مرجع الحق (آیت ۱۱۹) اور العلم (آیت ۱۲۰) کو مانا جائے اور معنی یہ کیے جائیں کہ یہ لوگ اس دین حق اور علم وحی پر ایمان لے آئیں گے۔ مفسر تھانوی اور مفسر دہلوی (شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ) دونوں نے یہی ترکیب اختیار کی ہے۔ یہ اختلافات صرف ترکیب نحوی کے لحاظ سے ہیں۔ مآل و مقصودِ کلام ہر صورت میں تقریباً ایک ہی ہے ف۴۳۹ (دنیا و آخرت میں) منکرین اسلام یہود کی ہلاکت آخرت میں تو یقینی ہے۔ دنیا میں بھی ان کی بربادی سب کے مشاہدہ میں آ چکی ہے۔ یَكْفُرْ بِهٖ میں بھی ضمیر کے مرجع کے بارہ میں اختلافات ہیں اور انسب یہاں بھی یہی ہے کہ الحق والعلم کو مانا جائے ف۴۴۰ قوم بنی اسرائیل اور اُن پر جو احسانات خداوندی تھے ان کا تعارف رکوع ۵ میں مفصل کرایا جا چکا ہے۔ وہیں کے حاشیے ملاحظہ فرما لیے جائیں شروع میں تاریخ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے زمانہ سے بیان ہوئی۔ یعنی اس کے اس عہد کی جب وہ مستقل صاحب کتاب و شریعت ہو کر آزاد و خود مختار رہے اور ہر طرح کی نافرمانی و سرکشی میں بھی مبتلا۔ اب اسے اس کے قدیم ترین دور یعنی عہد ابراہیمی کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے بعد سے تو آپ کی نسل کی دو شاخیں ہوئیں اور ایک کا نام دو پشتوں کے بعد بنی اسرائیل پڑا ف۴۴۱ (توحید کی علمبرداراور مبلغ کی حیثیت سے) قرآن مجید جو دعویٰ کرتا ہے کہ کسی کی پروا کیے بغیر، بے تکان اور بے دھڑک کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کو اس نے مطلق صورت میں بلا کسی قید و شرط کے، اس وقت تک کی تمام قوموں کے مقابلہ میں افضل قرار دیا ہے۔ یہ افضلیت اسی نعمت توحید کی بنا پر تھی۔ دُنیا کی دنیا شرک کی لعنت میں مبتلا تھی۔ توحید پر قائم صرف یہی قوم تھی۔ اور سلسلۂ نبوت کی قائل صرف یہی نسل تھی۔ تفصیل کے لیے رکوع ۶ کے حاشیے ملاحظہ فرمائے جائیں۔ بنی اسرائیل کو ان کے عروج اور ان کی گمراہیوں کی سرگزشت سنا کر یاد یہ دلایا جا رہا ہے کہ ان کی افضلیت و اشرفیت کا راز تھا کیا؟ یہی تھا کہ وہ موحد اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں تھے۔ اور توحید و نبوت کی امانت انہیں کی نسل کے سپرد کی گئی تھی۔ انہیں اگر پھر استفادہ انہیں انعامات سے منظور ہے تو چاہیے کہ اسی دین ابراہیمی کی طرف رجوع کریں ف۴۴۲ (کسی طرف سے بھی۔ اور نہ اُن کی فریادرسی کسی سے بھی ہو سکے گی) یہ آیت بھی رکوع ۶ میں گزر چکی۔ اور وہیں اس پر متعدد حاشیے دیے جا چکے ہیں۔ بنی اسرائیل نے اس وقت ایک تو عقیدۂ قیامت کو بالکل بھلا دیا تھا اور جزا و سزا کی ساری صورتیں اسی دنیا میں محدود سمجھ لی تھیں۔ چنانچہ موجودہ توریت میں بھی جہاں جہاں سعادت و شقاوت کے ثمرات مذکور ہیں، اسی دنیا کی خوشحالی و بدحالی کا بیان ہے۔ اس لیے پہلے تو انہیں یوم آخرت کی یاد دلائی گئی۔ اور پھر ان کی گمراہی کے ایک ایک مرکزی عقیدہ، شفاعت، کفارہ و فدیہ پر ضرب لگائی گئی۔ آیت کے الفاظ اتنے جامع ہیں کہ یہودیت کے ساتھ نصرانیت کی بھی جڑ کٹ جاتی ہے۔ نصرانیت کی بنیاد ہی شفاعت، کفارہ و فدیہ ہی کے عقائد باطلہ پر ہے ف۴۴۳ یہ نام پہلی بار قرآن میں آیا ہے۔ قرآن کے مخاطب اوّل اہل عرب تھے۔ جو شخصیتیں ان کے لیے معلوم و معروف تھیں، قرآن ان کے نام ان کے سامنے بے تکلف بغیر کسی مزید تعارف کے لے آتا ہے۔ اور پھر ابراہیم علیہ السلام تو وہ بزرگ تھے جن سے علاوہ مشرکین عرب کے یہود و نصاریٰ بھی خوب ہی واقف تھے۔ ان کا تعارف اور بھی غیر ضروری تھا۔ یہ ابراہیم علیہ السلام وہی ہیں جو اسلامی عقیدہ کے علاوہ یہودی و نصرانی عقیدہ میں بھی ایک بڑے جلیل القدر پیغمبر گزرے ہیں۔ توریت میں آپ کا نام ابرام اور ابراہم دونوں طرح سے آیا ہے۔ توریت کی روایت ہے کہ آپ کے اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس پشتوں کا فرق ہوا ہے۔ یعنی آپ ان کی گیارہویں پشت میں تھے۔ لیکن خود توریت ہی کے شارحین کا خیال بعض قوی قرائن کی بنا پر یہ ہے کہ توریت...... میں نسب نامہ کی کچھ پشتیں چھوٹ گئی ہیں۔ سالِ ولادت سر چارلس مارسٹن محقق اثریات کی جدید ترین تحقیق کے مطابق ۲۱۶۰ ق،م اور عمر شریف توریت میں ۱۷۵ سال درج ہے۔ سالِ وفات اس حساب سے ۱۹۸۵ ق،م ٹھہرتا ہے۔ والد کا نام تارح تھا۔ یا عربی تلفظ میں آزر نام کا تلفظ قدیم زبانوں میں کئی طرح آیا ہے۔ مسلمانوں کے لیے قرآنی لفظ آزر کافی ہے۔ وطن آبائی ملک بابل کے کلدانیہ (انگریزی تلفظ میں کالڈیا) تھا۔ جدید جغرافیہ میں اسی کو ملک عراق کہتے ہیں۔ جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام توریت

میں اُور (UR) آیا ہے۔ مدتوں یہ شہر نقشہ سے غائب رہا۔ اب از سر نو نمودار ہو گیا ہے۔ کھدائی کے کام کی داغ بیل ۱۸۹۴ء ہی میں پڑ گئی تھی۔ ۱۹۲۲ء میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرین اثریات کی ایک مشترک تحقیقی مہم برٹش میوزیم اور پنسیلو بینیا یونیورسٹی کے زیر اہتمام عراق کو روانہ ہوئی۔ اور کھدائی کا کام پورے سات سال تک جاری رہا۔ رفتہ رفتہ پورا شہر نمودار ہو گیا ہے۔ اور عراق گورنمنٹ کے محکمۂ آثارِ قدیمہ نے عجائب خانہ کے حکم میں لا کر ان کھنڈروں کو محفوظ کر دیا ہے۔ یہ شہر خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے پایۂ تخت بغداد کے تقریباً درمیانی مسافت پر ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی اور نبوت چونکہ مسلمانوں کے علاوہ یہود اور نصرانیوں کو بھی مسلم ہے۔ اس لیے ان قوموں کے علماء نے بھی آپ کے حالات کی تحقیق و جستجو میں کوئی درجہ کاوش کا اٹھا نہیں رکھا ہے۔ موجودہ محرف بائبل میں تاریخی غلطیوں کی کثرت سے اکتا کر بعض ”روشن خیال“ محققین نے انیسویں صدی کے ربع آخر میں کہنا شروع کر دیا تھا کہ ابراہیم نامی کوئی تاریخی شخصیت گزری ہی نہیں۔ بلکہ یہ محض ایک نوعی نام تھا یا ہر شیخ قبیلہ کا لقب، لیکن اب پھر تحقیق کا رخ بدلا اور بیسویں صدی کے ربع اوّل کے ختم ہوتے ہوتے پھر آپ کی تاریخی شخصیت کا پوری طرح قائل ہو جانا پڑا۔ نسل اسرائیلی اور نسل اسمٰعیلی دونوں میں ایک طرح کی رقابت اور چشمک مدتوں سے چلی آ رہی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں سلسلوں کے مورثِ اعلیٰ تھے۔ اللہ کی نعمت خاص الخاص یعنی توحید کی علمبرداری اب نسل اسرائیل سے اس کی مسلسل نافرمانیوں کی پاداش میں چھن کر ایک اسمٰعیلی پیغمبر کے واسطہ سے اب ساری دنیا کے لیے عام ہو رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ ابراہیمی شخصیت (اور ان کے ضمن میں اسمٰعیلی شخصیت) کی مرکزیت اور اہمیت سے دنیا کو روشناس کر دیا جائے۔ چنانچہ یہاں یہی ہو رہا ہے

ف۴۴۴ (اور وہ چند امور، احکام تھے اوامر و نواہی کی قسم کے) ابتلیٰ۔ آزمایا اپنی واقفیت کے لیے نہیں کہ وہ تو خود علیم کل ہے، بلکہ علی الاعلان تاکہ دوسروں کو ان کے ایمان کامل کا مشاہدہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں آزمانے کا لفظ جب بھی استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد یہی ہوتی ہے۔ وابتلاء اللہ العباد لیس لیعلم احوالھم بالابتلاء فانہ عالم بھم ولکن لیعلم العباد احوالھم (معالم) کلمات۔ یہ کلمات کیا تھے۔ ان کی تعیین میں بڑا اختلاف ہے۔ قد اختلف العلماء فیھا اختلافا کثیرا (ابن عربی) لیکن تفصیل ان کی جو کچھ بھی ہو، بہرحال تھے وہ احکامِ شرائع ہی۔ ای شرائع الاسلام (معالم عن ابن عباس) ای اختبارہ لہ بما کلفہ من الاوامر و النواھی (ابن کثیر) ف۴۴۵ یعنی آپ ان امتحانوں میں پورے اترے اور ان احکام کی تعمیل کر دی۔ ای فاداھن (ابن جریر عن ابن عباس) ای عمل بھن (ابن جریر عن قتادۃ) روایاتِ یہود میں بھی یہ ذکر آیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی

ف۴۴۶ (کہ امور دین و شریعت میں تمہاری اقتدا کریں۔ ای یاتمون بک فی دینک (کبیر) ای یاتمون بک فی دینھم (مدارک) اِمَامًا۔ امام کہتے ہی اسے ہیں جس کی پیروی کی جائے۔ لغت میں بھی اور اصطلاح شریعت میں بھی۔ ھو اسم من یؤتم بہ (مدارک) اسم الامامۃ مستحق لمن یلزم اتباعہ والاقتداء بہ فی امور الدین او فی شئ منھا (جصاص) توریت میں بھی یہ وعدۂ امامت ان الفاظ میں ملتا ہے:۔ ”اور میں تجھ کو ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا۔ اور تو ایک برکت ہوگا، اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا، اور ان کو جو تجھ پر لعنت کرتے ہیں لعنتی کروں گا۔ اور دُنیا کے سارے گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے“۔ (پیدائش۔ ۱۲:۱و۲) یہ دینی سرداری اور امامت پورے ایک عالم کی آج تک آپ کے حصہ میں چلی آ رہی ہے۔ اور اسلام کے علاوہ بھی جو مذاہب توحید سے کچھ بھی لگاؤ رکھتے ہیں یعنی یہودیت و نصرانیت وہ آپ کی امامت پر متفق و متحد ہیں۔ ایک نامور فرنگی فاضل، بیسویں صدی کے ثلث اوّل کے ختم پر آپ کا تعارف ان الفاظ میں کراتا ہے:۔ ”ابراہیم علیہ السلام کی ہستی کسی بدوی سرداری کی نہ تھی کہ وہ لوٹ مار کرتے اور ملک گیری کرتے رہتے۔ ان کی اصلی اہمیت مذہب کے دائرہ میں ہے۔ وہ حقیقۃً مورثِ اعلیٰ کسی نسل کے نہیں، بانی و امام وہ مذہبی تحریک کے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح جو ان کے دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے، وہ سامی قوموں اور قبیلوں کے رہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور توریت کے حسب روایت وہ اسرائیلی مذہب کے بانی تھے“۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد اوّل صفحہ ۶۰ طبع چہاردہم) جن لفظوں کو یہاں ترجمہ میں جلی کر دیا گیا ہے، انہیں ایک بار پھر پڑھ لیا جائے یورپ کی زبان سے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے خلیل علیہ السلام کے درمیان مماثلت کا یہ اعتراف! بس اللہ ہی کی شان ہے! آیت سے ایک نتیجہ فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ احکام کی تعمیل اور امتحانِ الٰہی میں کامیابی انسان کو دینی پیشوائی و سرداری کا مستحق بنا دیتی ہے۔ اور انبیائے کرام کے بعد اولیاء امت اور علماء امت کی امامت، اپنے اپنے ظرف و حیثیت کے مطابق، اسی قانون کی مظہر ہے۔ فقیہ جصاص رازی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ فالانبیاء علیھم السلام فی اعلیٰ مرتبۃ الامامۃ ثم الخلفاء الراشدون بعد ذٰلک ثم العلماء و القضاۃ العدول و من الزم اللہ تعالیٰ باقتداء ھم ثم الامامۃ فی الصلوٰۃ و نحوھا (احکام القرآن) (امامت کے جو معنی بیان ہوئے اس کے لحاظ سے امامت کے اعلیٰ مرتبہ پر تو حضرات انبیاء فائز ہوتے ہیں۔ ان سے اتر کر خلفائے راشدین ہیں۔ پھر نمبر علماء اور عادل ججوں کا آتا ہے اور اُن کا جن کی پیروی خدا نے لازم کر دی ہے، پھر امامت نماز ہے وغیرہا)

ف۴۴۷ (امام ہوتے رہیں گے) عالم کی پیشوائی، سرداری و امامت کی بشارت پا کر ابراہیم علیہ السلام کا دل قدرتی طور پر باغ باغ ہو گیا اور اس جوشِ مسرت میں سوال کر بیٹھے کہ

اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ

ان کے پروردگار نے چند امور میں آزمایا ف۴۴۴ اور انہوں نے وہ انجام دے دیئے، ف۴۴۵ ارشاد ہوا کہ میں یقیناً

لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ

تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں، ف۴۴۶ بولے اور میری نسل سے بھی ف۴۴۷؟ ارشاد ہوا کہ میرا وعدہ

عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً

نافرمانوں کو نہیں پہنچتا ف۴۴۸ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے خانہ (کعبہ) ف۴۴۹ کو لوگوں کے لئے ایک مقام رجوع

لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ

اور مقام امن مقرر کیا ف۴۵۰ اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ

مُصَلًّی ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ

بنا لو ف۴۵۱ اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی طرف حکم بھیجا ف۴۵۲ کہ تم دونوں

طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ

میرے گھر کو پاک صاف رکھو ف۴۵۳ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور

السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا

سجدہ کرنے والوں کے لئے ف۴۵۴ اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب ابراہیمؑ نے عرض کی کہ اے

بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ

میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا دے اور اس میں رہنے بسنے والوں کو روزی دے پھلوں ف۴۵۵ سے (یعنی)

اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ

ان رہنے والوں کو جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائیں ف۴۵۶ (اللہ نے) ارشاد فرمایا کہ جو

كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ

کفر کرے گا میں اُسے بھی کچھ دن مزہ اٹھانے دوں گا پھر اسے کشاں کشاں عذاب جہنم

اس انعام میں میری نسل اور میری اولاد بھی شریک ہے نا؟ ذُرِّيَّةٌ کے معنٰی ہیں اولاد اور اولاد در اولاد۔ اس میں سارا سلسلۂ نسل آ گیا۔ اور یہ سلسلۂ ابراہیمی شاخ اسرائیلی اور شاخ اسمٰعیلی دونوں کو شامل ہے۔ اسرائیلیوں کو جو دعویٰ تخصیص تھا اس کی جڑ یہیں سے کٹ گئی۔ مِنْ ذُرِّيَّةٍ میں مِنْ تبعیضیہ ہے اور فقرہ کی ترکیب نے اسے صاف کر دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا سوال کے رنگ میں اپنی ساری نسل سے متعلق نہیں اس کے ایک جزو سے متعلق تھی۔ من تبعيضية اى وجاعل بعض ذريتى (ابوسعود) و من ذريتى۔ يدل انه عليه السلام طلب ان يكون بعض ذريته ائمة للناس (کبیر) مِنْ ذُرِّيَّتِيْ کا عطف جاعلک کے ک پر ہے۔ گویا تقدیر کلام یوں ہے۔ و جاعلک بعض ذريتى۔ محاورۂ عرب میں جب ساکرمک بولا جاتا ہے تو جواب استفہامی میں بجائے پورے فقرہ ساکرم زيدًا کے صرف وزيدًا کافی ہے (کشاف) گو صاحب بحر کے نزدیک یہ عطف یہاں صحیح نہیں۔ آیت سے معلوم ہوا کہ مسرت و نعمت میں اپنی اولاد کو شریک کرنا نہ صرف امر طبعی ہے بلکہ سنت انبیاء بھی ہے **و۴۴۸** یعنی برکت و فضل کا سلسلہ تمہاری نسل میں بھی ضرور رہے گا۔ لیکن اس کے تحقق کے لیے محض ارث، نسب، نسل کافی نہیں۔ بلکہ ایمان و عمل صالح بھی حاصل کرنا ہوگا۔ گویا دعائے ابراہیمی اولاد صالح کے حق میں قبول ہوگئی۔ دل على انه يناله غير الظالم (جلالین) اور حضرت کو خبر دے دی گئی کہ آپ کی نسل میں دونوں طرح کے لوگ ہوں گے۔ کچھ صالح و مطیع اور کچھ ظالم و نافرمان۔ صالحین کو امامت کی بشارت مل گئی اور ظالم اس سے محروم کر دیئے گئے۔ تنبيه على انه قديكون من ذريته ظلمة وانهم لا ينالون الامامة و انماينالها البررة الاتقياء منهم (بیضاوی) عهدى میرا وعدہ یعنی دینی منصب امامت و پیشوائی کا وعدہ۔ معنى العهد عهد الامامة (ابن جریر عن مجاہد) هذا العهد هو الامامة المذكورة فى ماقبل (کبیر) الظّٰلِمِيْنَ۔ ظلم سے یہاں مراد کفر بھی لی گئی ہے اور فسق بھی۔ کافر کو امامت دینی نہ ملنا بالکل ظاہر اور متفق علیہ ہے۔ بعض نے اس منصب سے محرومی کے لیے فسق بھی کافی سمجھا ہے۔ قد فسر الظلم ههنا بالكفر وهو قول ابن جبير و بظلم العاصى غير الكفر وهو قول عطاء والسدى (بحر) اى اهل الكفر (مدارک) اخبر ان امامة المسلمين لا يثبت لاهل الكفر (مدارک) المراد بالظالم الكافر ههنا اذهو الظالم المطلق (مدارک) المتبادر من الظلم الكفر لانه الفرد الكامل من افراده (روح) فقہاء امت نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ فاسق کی امامت کا انعقاد جائز نہیں۔ واحتج الجمهور على ان الفاسق لا يصلح ان تعقدله الامالة بهذا الأية (کبیر) مرشد تھانوی نے آیت سے استنباط کیا کہ اختیاری بدعملی کے ساتھ فضل الٰہی و انعام خداوندی جمع نہیں ہوتے **و۴۴۹** بَيْتٌ کے لفظی معنٰی گھر کے ہیں (جہاں رات بسر کی جائے) اَلْبَيْتَ سے متفقہ طور پر مراد بیت الحرام یا خانہ کعبہ ہے۔ شہر مکہ معظمہ کے اندر کی یہ عمارت رُوئے زمین پر خدائے واحد کی عبادت کا قدیم ترین مکان ہے۔ اور قرآن نے اس حقیقت کا اعلان کھلے لفظوں میں ادا کر دیا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا۔ مسیحیت کو کعبہ کی تقدیس و برکت کے ساتھ ساتھ کعبہ کی یہ قدامت بھی نہایت شاق ہے لیکن انکار قدامت پر کوئی دلیل ہر ممکن کوشش کے بعد آج تک قائم نہیں ہو سکی ہے۔ بلکہ انیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں انگریز مصنف باسورتھ اسمتھ کو لکھنا پڑا:۔ ”یہ وہ معبد ہے جس کی قدامت عہد تاریخ سے پرے ہے“۔ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اینڈ محمڈنزم صفحہ ۱۲۶) پھر آگے مشہور و قدیم رومی مؤرخ ڈایوڈورس سکولس (Diodorus Seculus) جس کا نام خود حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک صدی قبل کا ہے کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اُس وقت بھی یہ معبد قدیم ترین تھا اور ساری نسل عرب کا نہایت مقدس مرجع تھا (صفحہ ۱۲۶) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ **و۴۵۰** مَثَابَةً مصدر ثوب کے معنٰی ہیں کسی شے کا اپنی حالت اصلی یا حالت مقصودہ کی طرف لوٹنا رجوع الشئ الى الحالة الاولى التى كان عليها الى الحالة المقدرة المقصودة (راغب) اور جب کچھ لوگ کسی مقام کی طرف لوٹتے ہیں تو کہا جاتا ہے ثاب القوم اور اسی سے مَثَابَةً اسم ظرف ہے المثابة مفعلة من ثاب القوم الى الموضع اذا رجعوا اليه فهم يثوبون اليه مثابا و مثابةً (ابن جریر) مَثَابَةً میں ۃ مبالغہ کی ہے۔ اس میں زور و تاکید مثاب سے زائد ہے۔ والتاء فى مثابة للمبالغة قاله الاخفش (بحر) گویا مَثَابَةً کے معنٰی ہیں وہ مقام جس کی طرف انسان بار بار رجوع کرے اور پھر جی نہ بھرے۔

مرجعًا للناس و معاذًا ياتونه كل عام و يرجعون اليه فلا يقضون منه و طرًا۔ یہ معنٰی امام ابن جریر نے خود بھی لیے ہیں۔ اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور مجاہد، سدی، عطاء وغیرہ تابعین سے بھی نقل کیے ہیں۔ اور بیت الحرام کا یہ وصف تو مشاہد ہی ہے۔ لوگ حج پر حج اور عمرہ پر عمرہ کرتے چلے جاتے ہیں، اور اس سے اکتاتے نہیں۔ پھر چونکہ اَلْبَيْتَ مرجع ارباب حج و عمرہ کا ہے اس لیے اجتماع و رجوع کے ساتھ عبادت کا مفہوم بھی لازمًا اس لفظ میں شامل ہو گیا ہے۔ مباءةً و مرجعًا للحاج و العمّار يتفرقون عنه ثم يثوبون اليه (کشاف) لِّلنَّاسِ۔ عام زائرین کا جوتانتا کعبۃ اللہ کی زیارت اور عمرہ کا سال کے ہر موسم، ہر فصل، ہر زمانہ میں لگا رہتا ہے۔ اس سے قطع نظر تصور میں نقشہ ان لاکھوں انسانوں کا جمائیے جو صرف حج کے موقع پر کھنچے چلے آتے ہیں، صرف حجاز یا ملک عرب ہی کے ہر حصہ سے نہیں، بلکہ روئے زمین کے ہر خطہ، ہر علاقہ ہر ملک سے۔ اور پھر یہ بھی ذہن میں رکھ لیجیے کہ یہ سلسلہ دس بیس سال سے نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ یعنی تقریبًا چار ہزار سال سے قائم ہے! جب جا کر لِّلنَّاسِ کی جامعیت کی تفسیر ذہن میں آسکے گی۔ اَمْنًا مامونیت اس سے ظاہر ہے۔ کہ صرف عمارت کعبہ یا مسجد الحرام ہی نہیں بلکہ اردگرد کی سرزمین میلوں تک داخل حرم ہے اور حرم وہ علاقہ ہے جہاں انسان کی جان لینا الگ رہا جانور تک کا شکار جائز نہیں! اور یہ حکم تو خیر شریعت اسلامی کا ہے، ارض حرم کا مامن ہونا جاہلیوں کو بھی مسلم رہا ہے۔ بڑے بڑے مجرم مشرکوں کے دَور حکومت میں بھی جرم کر کر کے خانہ کعبہ کی دیواروں کے درمیان آ کر پناہ پا جاتے تھے۔ فرنگی قاموس علم و دانش میں ہے:۔ اتنا تو بہرحال ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور سے بہت قبل مکہ کی دو حیثیتیں ہم مسلم پاتے ہیں۔ ایک تجارتی مرکز کی، ایک مقدس معبد کی جس کے اردگرد کی زمین بھی حرم ہے (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۵ صفحہ ۱۵۰ طبع چہاردہم) غرضکہ قرآن نے اَلْبَيْتَ کے جو دو وصف یہاں ذکر کیے ہیں وہ اعتقاد سے زیادہ تو مشاہدۂ ماضی و حال کی چیزیں ہیں۔ **و۴۵۱** (اے مسلمانو!) اتَّخِذُوْا صیغۂ امر ہے اور یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اُمت اسلامیہ سے ہے۔ الخطاب لامة محمد صلى الله عليه وسلم (بیضاوی) المامور به الناس كما هو ظاهر (روح) والخطاب على هذين الوجهين لامة محمد صلى الله عليه وسلم وهو صلى الله عليه وسلم رأس المخاطبين (روح) مقام ابراھم کے معنٰی اس پتھر ہی کے لیے گئے ہیں جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے تھے اور یہ پتھر خانہ کعبہ سے چند ہی فٹ کے فاصلے پر اب بھی ایک حجرہ میں محفوظ ہے۔ یہ اصطلاح اگرچہ نزول قرآن سے بعد کی ہے لیکن ایک بہت بڑے گروہ نے یہی معنٰی لیے ہیں۔ حج کے موقع پر اس حجرہ کے سامنے طواف کے سات چکروں کے بعد دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے، حنفیہ و مالکیہ کے ہاں یہ نماز واجب ہے، اور شافعیہ کے ہاں محض سنت۔ محققین کے دُوسرے گروہ نے جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی، مجاہد و عطاء تابعین اور امام فقہ نخعی وغیرہ شامل ہے، اس کے معنٰی سارے حرم یا کل مشاہد حج کے لیے ہیں۔ قال ابن عباس الحرم كله (ابن کثیر) و روى عن مجاهدو عطاء مثل ذٰلك (ابن کثیر) و ذهب النخعى و مجاهد الى ان المراد من مقام ابراهيم الحرم كله و ابن عباس و عطاء الى انه مواقف الحج كلها (روح) مِنْ مَّقَامِ میں مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی ایک حصہ ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ بعض نے فی کے معنٰی میں لیا ہے۔ ومن اما للتبعيض او بمعنى فى اوزائدة والاظهر الاول (روح) مُصَلًّى۔ نماز کی جگہ یا دُعا کی جگہ۔ صليتُ دعوتُ کے معنٰی میں بھی آیا ہے۔ اصلی مصدر کے اعتبار سے جائے نماز اور جائے دُعا میں کچھ زیادہ فرق بھی نہیں۔ یہ بات پہلے بھی کہی جا چکی ہے۔ اور اب اسے اور زیادہ صاف ہو جانا چاہیے کہ قرآن مجید اپنے مخاطبات میں تاریخ انسانی کی ترتیب کا پابند نہیں۔ بار ہا پاس پاس کی آیتوں میں بلکہ کبھی خود ایک ہی آیت کے اندر معنوی مناسبت کی بنا پر دو ایسے واقعات جمع کر دیئے جاتے ہیں۔ جن کے درمیان زمانی حیثیت سے صدیوں کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اور اسی میں یہ بھی شامل ہے کہ واقعات ماضی کے بیان سے متصل ہی اور گویا انہیں کے ضمن میں کوئی مستقل حکم حال و مستقبل کے لیے دے دیا جائے اور صیغۂ امر لا کر اس کا عطف صیغۂ ماضی پر کر دیا جائے۔ --- قرآن اصلًا صرف کتاب ہدایت ہے اور وہ اپنے اس مقصد و اصل کے آگے پروا کسی انسانی حد بندی اور کسی مصنوعی و اختراعی تکلف کی نہیں کرتا۔ **و۴۵۲** عَهِدْنَا یہاں امرنا کے معنٰی میں ہے۔ اى امرنا (ابن جریر عن ابن زید) امرنا هما (کشاف) عهد بہ معنٰی اَمَرَ پر حاشیہ عہد بنی اسرائیل کے سلسلہ میں اُوپر گزر چکا

ہے۔ اِبْرٰهٖمَ پر حاشیہ اُوپر گزر چکا۔ اسمٰعیل ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اکبر تھے۔ آپ کی مصری بیوی حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے۔ سالِ ولادت غالباً ۲۰۷۴ ق، م سالِ وفات غالباً ۱۹۳۷ ق، م۔ توریت میں ہے کہ عمر ۱۳۷ سال کی پائی۔ آپ کے بارہ فرزند ہوئے اور ان سے بارہ نسلیں چلیں۔ توریت میں ان بارہ فرزندوں کے نام درج ہیں اور یہ تصریح ہے کہ ”یہ اپنی اُمتوں کے بارہ رئیس تھے“ (پیدائش ۲۵:۱۲) عرب کا مشہور و عالی نسب قبیلہ قریش آپ ہی کی نسل سے ہے۔ اس لیے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی مورثِ اعلیٰ ہوئے۔ اہل کتاب کہلانے والوں نے آپ کے خلاف زہر اگلنے اور اپنے خبث و عناد کا مظاہرہ کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی ہے۔ تاہم اپنی کتاب کی تصریحات کو کیا کریں گے جو تحریف و تلبیس کی ہر ممکن کوشش کے بعد بھی نہ مٹ سکیں۔ ان میں ابراہیم خلیل علیہ السلام کی دُعا بھی شامل ہے۔ اور خداوند کریم کے وعدے بھی اور تاریخ کا بیان بھی:۔ اور ”ابراہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے“۔ (پیدائش ۱۷:۱۸) ”اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا۔ اور اسے آبرومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا۔ (پیدائش ۱۷:۲۰) ”اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا“۔ (پیدائش ۲۱:۱۸) ”اور خدا اُس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیر انداز ہو گیا“۔ (پیدائش ۲۱:۲۱) یہاں حکم جو کچھ مل رہا ہے وہ آپؑ کو اور آپ کے والد ماجد کو مشترک مل رہا ہے۔ گویا خدمت کعبہ میں آپ اپنے والد ماجد کے برابر کے شریک تھے۔

ف ۴۵۳ (ہر طرح کے شرک و بت پرستی کی گندگی سے) طَهِّرَا۔ طہارت سے اصلاً یہاں مراد یہ ہے کہ نجاست معنوی و اعتقادی سے دُور اور ذکر توحید و عبادت الٰہی سے معمور رکھو۔ ضمناً ظاہری صفائی کا حکم بھی آ جاتا ہے۔ **هو تطهيره من الاصنام وعبادة الاوثان فيه و من الشرك بالله** (ابن جریر عن مجاہد وقتادہ وابن زید) **من الاوثان الخبائث والانجاس كلها** (مدارک) **والتطهير المامور به هو التنظيف من كل مالا يليق به**۔ طَهِّرَا تثنیہ کا صیغہ ہے۔ حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بھی مل رہا ہے اور اقامت توحید میں برابر کے شریک بنائے جا رہے ہیں۔ فقہاء نے خطاب کے اس صیغہ سے مفہوم عموم کا لیا ہے یعنی تطہیر کی ذمہ داری ہر فرد پر ہے۔ خواہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح متبوع و مقتدا ہو یا اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح تابع و مقتدی ہو۔ طَهِّرَا بالتشدید مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی خوب اچھی طرح پاک و صاف رکھو۔ فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ مسجد کی صفائی فرض ہے۔ بَيْتِيَ اضافت تشریفی ہے ”میرے گھر کی“ ترکیب کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔ اسلام کا خدا نعوذ باللہ! کوئی مرئی و مجسم دیوی دیوتا تو ہے نہیں جو اسے رہنے سہنے، اُٹھنے، بیٹھنے کے لیے کسی گھر یا مکان کی ضرورت ہو۔ اس لیے ”میرے گھر“ سے مراد ”میرے رہنے کا گھر“ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ مراد صرف یہ ہے کہ وہ گھر جو میری یاد و عبادت کے لیے مخصوص و نامزد ہو چکا ہے۔ اضافت سے مقصود محض اظہار شرف و عظمت ہے۔ **هذا اضافة تشريف لا ان مكانا محل لله** (بحر) **الاضافة للتشريف كناقة الله** (روح) **اضافة البيت الى ضمير الجلالة للتشريف** (ابوسعود) آیت میں کوئی اشارہ مخصوص کعبہ کے لیے نہیں۔ ذکر صرف وصف یعنی بیت کے ساتھ فرما دیا ہے۔ اس سے فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہی حکم ہر عبادت خانہ الٰہی یعنی ہر مسجد کے لیے رہے گا۔

ف ۴۵۴ لِلطَّآئِفِيْنَ میں لام تخصیص کے لیے ہے۔ یعنی کعبہ (اور اسی طرح ہر مسجد) پر حق انہیں لوگوں کا ہے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ عمارت بن کر تیار ہو چکی تو اب غایت تعمیر بیان ہو رہی ہے کہ مقصود اس عمارت سے قیامِ توحید و استیصالِ شرک ہے۔ لِلطَّآئِفِيْنَ۔ خانہ کعبہ کا طواف کرنے والے۔ طواف کے معنی پر حاشیہ ابھی اُوپر گزر چکا۔ حج وغیرہ کے سلسلہ میں تو طواف کعبہ فرض ہی ہے۔ لیکن یوں بھی بجائے خود بڑے اجر کی چیز ہے اور ساتھ ہی بڑے لطف کی بھی۔ جیسا کہ ہر صاحب ذوق کا تجربہ شاہد ہے۔ اس نامہ سیاہ نے اس کا بیان اپنے سفر حجاز میں کسی قدر تفصیل سے کیا ہے۔ خانہ کعبہ کو تمام دنیائے اسلام کی مسجدوں بلکہ نمازوں سے جو مرکزی نسبت حاصل ہے، اسی مناسبت سے اہمیت طوافِ کعبہ کو بھی حاصل ہے۔ کعبہ مظہرِ اعظم ہے دینِ توحید کا۔ اس کے گرد چکر لگانا گویا زبانِ حال سے اقرار کرنا ہے کہ ہماری ساری عبادتوں کا، سارے اعمال کا، ساری زندگی کا مرکزی نقطہ ہی توحید الٰہی ہے۔ عاکفین۔ عکوف کے لفظی معنی ہیں کسی جگہ کے رہنے کو تعظیماً لازم کر لینا۔ **العكوف الاقبال على الشئ وملازمته على سبيل التعظيم له** (راغب) اور اعتکاف اصطلاح شریعت میں نام ہے مسجد کے اندر بہ نیت عبادت قیام کو کسی مدت کے لیے لازم کر لینے کا، کہ بجز بشری ضرورتوں کے اور کسی حال میں باہر نہ نکلا جائے۔ **هو الاحتباس فى المسجد على سبيل القربة** (راغب) رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف سنت کفایہ مؤکدہ ہے۔ اس میں روزہ بھی شرط ہے۔ نفس اعتکاف ہر حال میں موجب اجر و قربت ہے۔ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ رکوع اور سجدہ نماز کی دو مشہور و متعارف ہیئتیں ہیں۔ طائفین اور عاکفین اور رکوع اور سجود چار لفظوں کے لانے کے بجائے یہ بھی ممکن تھا کہ صرف عابدین یا ذاکرین کہہ دیا جاتا۔ لیکن تفصیل و تصریح سے ایک ایک عبادت کی تخصیص اور بزرگی کا الگ الگ اظہار ہو گیا۔

ف ۴۵۵ ابراہیم خلیل اللہ کی یہ دعائیں جس حیرت انگیز طریقہ پر پوری ہوئیں وہ خود ایک معجزہ ہے۔ پہلی دعا یہ تھی کہ شہر مکہ کو امن والا بنا دیا جائے۔ آس پاس کے رہنے والے لٹیرے اور خونخوار، لوٹ مار، قتل و خون کا بازار گرم، وسائل سفر محدود و خطرناک، راستہ غیر محفوظ۔ اس پر بھی حج و زیارت کے لیے حاجیوں اور زائروں کا تانتا صدیوں سے بندھا ہوا۔ اور اب امن و امان کے لحاظ سے مکہ اور حوالی مکہ آپ اپنی نظیر ہیں۔ نہ ڈاکے پڑتے ہیں، نہ قافلے لٹتے ہیں۔ نہ لاشے تڑپتے نظر آتے ہیں۔ اور شریعت اسلامی نے تو شہر و مضافات شہر کو ”حرم“ ہی قرار دے دیا۔ یعنی ان حدود کے اندر جانور تک کا شکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور خونی بھی اگر آ کر خانہ کعبہ کے اندر پناہ گزین ہو جائے تو اُسے وہاں قتل نہیں کیا جا سکتا۔ شہر اور خانہ کعبہ کا اتنا احترام جاہلیتوں نے بھی اپنے زمانہ میں ملحوظ رکھا۔ دُوسری دُعا یہ تھی کہ مکہ والوں کو پھل پھلاری کھانے کو ملتے رہیں۔ مکہ واقع ایسی جگہ ہے کہ ساری زمین یا سخت ریتلی ہے یا سخت پتھریلی، بارش بھی بہت ہی قلیل مقدار میں ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ تازے پھلوں اور میوے دار درختوں کا ذکر ہی نہیں۔ معمولی سے پھل پھول کے درخت بلکہ تازہ و سبز گھاس تک نہیں پیدا ہوتی۔ اور کاشتکاری و باغبانی کو تو کوئی جانتا بھی نہیں، ایک بے آب و گیاہ سرزمین، کہیں ریگستان، کہیں گرم و خشک پہاڑیوں کے چٹان۔ لیکن ان سب کے باوجود جتنے تازہ تازہ پھل، میوے، ترکاریاں، غلے چاہیے شہر تک میں خرید لیجیے۔ اس باب میں کچھ تفصیلات اس عاجز کے سفرنامہ حجاز میں بھی ملیں گی۔

ف ۴۵۶ ابھی ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا جا چکا تھا کہ فضل و برکت کے خاصہ وعدے ایمان و عمل صالح کے ساتھ مشروط ہیں۔ ان کے بغیر نہیں لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (آیت ۱۲۴) اللہ کے پیغمبر نے اللہ کے اس ارشاد کو گرہ بندھ لیا۔ اور اب جو دُعا کی، اس میں خود ہی یہ قید لگا دی کہ پر امن شہر اور رزق ثمرات کی برکتیں صرف اہل ایمان و طاعت کے لیے مقصود و مطلوب ہیں **دعاء للمؤمنين خاصة** (معالم) **الرزق على الامامة فخص المؤمنين** (مدارک) **خصص دعائه بالمؤمنين دون الكافرين** (کبیر) حضرات انبیاء کی ادب شناسی کا کیا کہنا۔ حق تعالیٰ نے تو صرف یہ فرمایا تھا کہ امامت یا دینی سرداری مخصوص ہے اہل ایمان و طاعت کے ساتھ۔ خلیل جلیل علیہ السلام نے یہ اشارہ پا کر دنیوی منفعت و تمتع کو بھی اہل ایمان و طاعت کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ حالانکہ اس کا تعلق ربوبیت سے ہے جو مومن و کافر سب کے لیے اس عالم میں عام ہے۔ **فنبه سبحانه على ان الرزق رحمة دنيوية فعم المؤمن والكافر بخلاف الامامة والتقدم فى الدين** (بیضاوی) مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ ایمان کے اجزا یہاں دو ہی بیان کیے گئے ہیں۔ اللہ پر ایمان اور روز آخرت پر ایمان۔ انہیں کے ضمن میں ایمان کے دُوسرے ضروری اجزا بھی آ گئے اس کی ضرورت مطلق نہیں کہ ایمان کا ذکر جہاں کہیں بھی آئے ہر جگہ اس کے سب ہی اجزا کی تصریح ہو۔ **لما كان الايمان بالله واليوم الأخر يتضمن الايمان بجميع مايجب ان يؤمن به اقتصر على ذلك** (بحر)

ف ۴۵۷ قَلِيْلًا۔ کچھ دن۔ یہاں مراد ہے زندگی بھر سے کہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں قلیل ہی ہوتی ہے۔ **متاعا يتمتع به الى وقت مماته** (ابن جریر) **الى منتهى اجله** (معالم) مطلب یہ ہوا کہ وہ جو فضل خداوندی اہل ایمان و اہل ہدایت کے ساتھ مخصوص ہے اور جس سے اہل ضلالت و کفر محروم رہیں گے، اس کا تعلق نفع آخرت سے ہے امامت دین سے ہے، رہے اس دنیوی زندگی کے انعامات اور منافع، غذا اور مسکن وغیرہ تو ان سے محروم کافروں اور منکروں تک کو نہ کیا جائے گا۔ کہ یہ قانونِ ربوبیت کا عین اقتضا ہے۔ دوزخ جیسی جگہ میں کوئی شخص خوشی سے تو جائے گا نہیں، ہر ایک کشاں کشاں ہی لے جایا جائے گا۔ قرآن نے یہاں جو اس کی تصریح کر دی ہے وہ جہنم کی ہولناکی کا نقش واضح کرنے کے لیے

ف ۴۵۸ الْبَيْتِ سے مراد خانہ کعبہ ہے اور اس میں کوئی اختلاف رائے نہیں۔ الْكِتٰبُ جس طرح قرآن کریم ہے النبی جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، الْبَيْتِ اسی طرح کعبۃ اللہ ہے۔

النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ

تک پہنچادوں گا اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے ف۴۵۷ اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب ابراہیمؑ

الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ

اور اسمٰعیلؑ خانہ (کعبہ) کی بنیادیں بلند کر رہے تھے ف۴۵۸ اے ہمارے پروردگار ہم سے (یہ)

مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا

قبول کر ف۴۵۹ یقیناً تو ہی (سب کچھ) سننے والا ہے (سب کچھ) جاننے والا ہے ف۴۶۰ اے پروردگار ہم دونوں کو

مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً

اپنا فرمانبردار بنا دے ف۴۶۱ اور ہماری نسل سے ایک فرمانبردار امت

لَّكَ ۠ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ

پیدا کر ف۴۶۲ اور ہم کو ہمارے دینی قاعدے بتلا دے ف۴۶۳ اور ہمارے حال پر توجہ رکھ ف۴۶۴ یقیناً تو تو

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

بڑا توجہ فرمانے والا ہے، بڑا مہربان ہے ف۴۶۵ اے ہمارے پروردگار ان میں ایک پیغمبر انہیں میں سے

مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

بھیج ف۴۶۶ (جو) انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں، کتاب (الٰہی)

وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع

اور دانائی کی تعلیم دے اور انہیں پاک (وصاف) کرے ف۴۶۷ یقیناً تُو تو بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۴۶۸

وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ

اور ابراہیمؑ کے مذہب سے کون پھرے گا مگر وہی جس نے اپنے کو احمق

نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِي

بنا لیا ہو ف۴۶۹ اور ہم نے تو انہیں دنیا میں بھی برگزیدہ کر لیا تھا ف۴۷۰ اور آخرت میں بھی وہ زمرۂ صالحین میں

يَرْفَعُ کا لفظ قابل غور ہے۔ بنیادیں اوّل بار رکھی نہیں جا رہی تھیں وہ تو حضرت آدم علیہ السلام اپنے عہد ہی میں رکھ گئے تھے۔ عمارت کے منہدم ہو جانے کے بعد اب انہیں از سرِنو اٹھایا جا رہا تھا، بلند کیا جا رہا تھا، مسیحیوں کو خانۂ کعبہ سے جو ضد اور اس کی قدامت سے جو کد ہے بالکل ظاہر ہے۔ ہر امکانی کوشش اپنے قلم سے اس کی مخالفت میں کر چکے ہیں۔ لیکن حقیقت اس کے باوجود حقیقت ہی ہے۔ آفتاب کے وجود سے روزِ روشن میں انکار کہاں تک کیا جا سکتا ہے؟ مترجم قرآن جارج سیل (Sale) اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں لکھتا ہے:۔ ”مکہ جسے بکہ بھی کہا گیا ہے۔ اور یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں اور ان کے معنی مقامِ اجتماعِ عظیم کے ہیں۔ یقیناً دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے۔ اور بعض کی رائے میں توریت کے (شہر) میسا سے بھی مراد ہے“۔ اور پھر وہی آگے کہتا ہے:۔ ”مکہ کا معبد اہل عرب کے درمیان مقدس اور ایک عبادت گاہ کی حیثیت سے بہت ہی قدیم زمانہ سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی صدیوں قبل سے چلا آتا تھا“۔ باسورتھ اسمتھ جو لیکچرز آن محمد اینڈ محمدن ازم کے مصنف ہیں وہ لکھتے ہیں:۔ ”بناء کعبہ کا سلسلہ حسب روایات، اسمٰعیل اور ابراہیم تک پہنچتا ہے، بلکہ شیث و آدم تک، اور اس کا نام بیت ایل خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسے ابتدائی شکل میں کسی ایسے ہی بزرگ قبیلہ نے تعمیر کیا ہے“۔ (صفحہ ۱۶۶) سب سے بڑھ کر قابل لحاظ شہادت سر ولیم میور کے قلم سے ہے:۔ مکہ کے مذہب کی تاریخ بہت ہی قدیم ماننی پڑتی ہے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ ایک نامعلوم زمانہ سے ملک عرب کا مرکز چلا آتا ہے۔ جس مقام کا تقدس اتنے وسیع رقبہ میں مُسلّم ہو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کی بنیاد قدیم ترین زمانہ سے چلی آتی ہے“ (لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ مقدمہ صفحہ ۱۰۲ و صفحہ ۱۰۳)۔ یہ شہادتیں مخالفوں کی تھیں۔ باقی ہمارے ہاں کی روایتوں میں خانۂ کعبہ کی قدامت کی جو روایتیں ہیں اُن سے تو تفسیر، حدیث، سیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اِسْمٰعِيْلُ۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر اور زمانہ وغیرہ پر حاشیہ اُوپر گزر چکا ہے۔ ایک پیغمبر برحق کی حیثیت سے اسلام میں آپ کا جو مرتبہ ہے، ظاہر ہے۔ لیکن آپ کا ایک مستقل معجزہ یہ ہے کہ جن قوموں نے آپ کی اور آپ کی والدہ ماجدہ کی ہجو اور بدگوئی کو اپنا شعار بنا لیا ہے اُن تک کے نوشتوں میں آپ کی تعظیم منقول چلی آتی ہے۔ چنانچہ بعض احبارِ یہود کا یہ قول آج تک یہودی کی دائرۃ المعارف میں لکھا چلا آتا ہے کہ ”جو کوئی خواب میں اسمٰعیل کو دیکھ لے حق تعالیٰ کے ہاں اس کی دُعا قبول ہو جائے گی“۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۶ صفحہ ۴۶۸) آپ کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ شاہِ مصر کی صاحبزادی تھیں۔ اور مصر کا شاہی خاندان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کی ایک شاخ تھا۔ عراق سے منتقل ہو کر مصر میں آباد ہو گیا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے سفر میں ادھر سے گزرے تو بحیثیت ایک شیخ قبیلہ کے، آپ کو شاہِ مصر نے اپنا مہمان بنایا اور رخصت کے وقت آپ کے اعزاز و اکرام میں اپنی صاحبزادی کو بطور تحفہ کے پیش کیا۔ اور تواضع و انکسار کی راہ سے کہ مشرقی میزبانی کا خاصہ ہے، کہا کہ یہ آپ کی کنیزی کے لیے ہدیہ ہے۔ اُردو زبان میں یہ محاورہ آج تک چلا ہوا ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر بڑے سے بڑا معزز شخص بھی اپنی لڑکی کو کنیز ہی کہہ کر داماد اور سمدھی کے سامنے پیش کرتا ہے۔ مشرقی تواضع کے اس عام پیرایہ بیان سے معاندین کو گویا ایک بڑی معتمد اور مستند دستاویز ہاتھ آ گئی۔ اور اُمِ اسمٰعیل علیہ السلام ان کے ہاں آج تک کنیز ہی چلی آ رہی ہیں۔ واقعات بہرحال واقعات ہیں۔ انہیں کوئی کہاں تک جھٹلا سکتا ہے؟ اسی جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اکابر احبارِ یہود کے حوالہ سے ہے:۔ ”ہاجرہ فرشتہ ہی کو دیکھ کر ہیبت زدہ ہوئیں۔ ان کی عصمت مآبی اس سے ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اپنے پاس سے الگ کر دیا۔ جب بھی ان کی وفاداری میں فرق نہ آیا...... ان کے نام ایک معنی ”آراستہ“ بھی بیان ہوئے ہیں۔ اور یہ اس بنا پر کہ وہ زیورِ اخلاق و حسنِ عمل سے آراستہ تھیں“۔ (جلد ۶ صفحہ ۱۳۸)۔ اور اسی میں ایک دوسری جگہ یہ روایت بھی درج ہے کہ ”بادشاہ نے خود اپنی صاحبزادی بطور کنیز ہدیہ کر دی“۔ (جلد ۱۱ صفحہ ۵۵) اور قصص یہود کا جو مجموعہ گنزبرگ (Ginzberg) نے چار جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ اس میں ہے:۔ ”بادشاہِ مصر نے عہد کر لیا کہ وہ ابراہیم کو ہر طرح پر قوت و شوکت بنا کر رہے گا۔ چنانچہ اپنی بیٹی تک ہدیہ دے دی سارہ کی تعلیم و تربیت میں رہ کر وہ بھی ویسی ہی باخدا بن گئیں اور ہر طرح ابراہیم کی رفاقت کے قابل“ (جلد ۱، صفحہ ۲۲۸ و صفحہ ۲۳۷)۔ ف۴۵۹ (محض اپنے فضل و رحمت سے) کیا ٹھکانا ہے اس خشیتِ قلب کا! اخلاق کے مجسمے ہیں۔ صداقت کے پتلے ہیں۔ اس پر بھی ڈرتے جاتے ہیں کہ دیکھئے نذر قبول بھی ہوتی ہے یا نہیں! باب تفعّل کا ایک خاصہ تکلف ہے۔ اس لیے بعض نکتہ سنجوں نے لفظ تقبّل سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ عمل بذاتِ خود ہرگز قابل قبول نہیں۔ تمام تر ناقص ہے۔ اور مقبولیت محض لطف و کرم سے ہو رہی ہے نہ کہ کسی استحقاق کی بنا پر۔ ان التقبل عبارة عن ان يتكلف الانسان فى قبوله (کبیر) فى اختيار صيغة التفعّل اعتراف بالقصور لما فيه من الاشعار بالتكلف فى القبول (روح) مزدور اور معمار جب کام کرتے ہیں تو عموماً عادۃً کچھ گنگناتے بھی جاتے ہیں۔ اللہ کے گھر کے یہ معمار بھی اللہ کے گھر کی دیواریں اٹھاتے وقت خاموش نہ تھے۔ یہاں ان کی مناجات بیان ہو رہی ہے۔ فقہاء کا استنباط ہے کہ ہر عمل صالح کے بعد دعا کرنا مستحب ہے۔ چنانچہ ختمِ نماز پر دُعا اور افطارِ صوم کے وقت دعا، اسی قبیل سے ہیں۔ ف۴۶۰ سمیع۔ سننے والا زبان سے نکلے ہوئے لفظ و قول کا۔ علیم۔ جاننے والا دل کے اندر کے اخلاص کا۔ مشرک قوموں کے حکماء و فلاسفہ نے سب سے زیادہ ٹھوکر حق تعالیٰ کی صفت علم ہی کے باب میں کھائی ہے۔ اور باری تعالیٰ کا علم (نعوذ باللہ) ناقص و محدود فرض کیا ہے۔ قرآن جو علم باری کے کامل و محیط ہونے کا شد و مد سے اثبات کرتا ہے، اور اللہ کے علیم، سمیع، بصیر ہونے کو بار بار پیش کرتا ہے، اس کا ایک مقصد فلاسفہ کے اس وہم باطل کی تردید کرنا ہے ف۴۶۱ (اور زیادہ) مُسْلِمَيْنِ کے معنی یہاں دو طرح کیے گئے ہیں۔ ایک

اللہ کی توحید کے ماننے والے بلاشائبۂ شرک وشرکت۔ اے موحدین مخلصین لا نعبد الا ایاک (کبیر) دوسرے اسلام کے عام احکام کے پابند۔ اے قائمین بجمیع شرائع الاسلام (کبیر) لیکن دونوں معنی ایک دوسرے کے منافی بالکل نہیں۔ مسلم کے ترجمہ فرمانبردار میں نہ وہ وسعت ہے، نہ وہ لطف جو خود لفظ مسلم میں ہے۔ مسلمون اے منقادون للحق مذعنون له (راغب) فرمانبردار بندے یا مسلم تو وہ اُس وقت ہی تھے جب دُعا کر رہے تھے۔ دعا کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہماری فرمانبرداری میں مزید ترقی دے۔ والمعنى زدنا اخلاصاً واذ عانًا لک (کشاف) والمراد طلب الزيادة فى الاخلاص والاذعان او الثبات عليه (بیضاوی) ف ۴۶۲ اُمَّةً مُّسْلِمَةً کے ترجمہ "فرمانبردار امت" میں وہ بلاغت ومعنویت کہاں جو قرآنی لفظ اُمت مسلمہ میں ہے دعا کی مقبولیت اسی سے ظاہر ہے کہ وہ امت آج تک اسی نام سے مشہور چلی آتی ہے، دوست دشمن سب کی زبان پر۔ ایک امریکی یہودی ٹوری ییل یونیورسٹی کا استاد اپنی اسلام دشمنی میں آکسفورڈ والے مارگولس آنجہانی کا پورا جانشین ہے۔ لیکن ایک بات بڑے پتے کی اس کی زبان سے بھی نکل گئی ہے۔ کہتا ہے:۔ ("اسلام کی بنیاد تو حضرت) اسمٰعیل کے ہاتھوں پڑی جو اہل عرب کے مورثِ اعلیٰ ہیں"۔ (جیوش فاؤنڈیشن آف اسلام صفحہ ۶ دیباچہ) مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ یعنی ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کی مشترک نسل سے۔ دُعا دونوں بزرگوار مل کر کر رہے تھے، اس لیے ذرّیت سے مراد بنی اسمٰعیل ہی ہو سکتے تھے۔ برنابا نامی، حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک بلند پایہ حواری (صحابی) ہوئے ہیں، ان کی انجیل کو مسیحیوں نے اپنے مذاق و مسلک کے بالکل ناموافق پا کر اس کی اصلیت ہی سے انکار کر دیا ہے۔ اس انجیل کے نسخے انگریزی، عربی، اُردو تینوں زبانوں میں موجود ہیں۔ اس میں صراحت کے ساتھ ہے کہ عہد الٰہی اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا نہ کہ اسحٰق علیہ السلام کے ساتھ۔ وقولى لانى اقول لكم الحق ان العهد صنع باسمعيل لا باسحق (۴۳:۳۱) میری بات کا یقین کرو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وعدہ اسمٰعیل سے کیا گیا تھا نہ کہ اسحٰق سے۔ اور پھر ہے۔ وان الموعد صنع باسمعيل لا باسحق (۱۴۲:۱۸) وعدہ اسمٰعیل علیہ السلام سے کیا گیا تھا نہ کہ اسحٰق علیہ السلام سے ف ۴۶۳ مَنَاسِكَنَا۔ یعنی عام دینی قاعدے خصوصاً بیت اللہ کے حج وزیارت کے آداب وشعائر۔ اے شرائع ديننا واعلام حجنا (معالم) اَرِنَا۔ اراءة کے معنی یہاں آنکھ سے دکھلا دینے کے نہیں بلکہ سکھلا دینے بتلا دینے کے ہیں۔ اے علمنا و عرفنا (معالم) فعل رأى کا تعدیہ جب دو مفعولوں کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی رویت کے نہیں علم کے ہو جاتے ہیں۔ ارانى اذا عدى الى مفعولين اقتضى من العلم (راغب) الرؤية ههنا بمعنى العلم (ابن قتیبہ) ابن حاجب نحوی اور ابوحیان مفسر نے اس معنی کے قبول کرنے سے انکار بھی کیا ہے لیکن جب تائید میں راغب اور زمخشری جیسے مستند امامانِ ادب ولغت کی شہادتیں موجود ہیں تو کسی کا انکار چل نہیں سکتا۔ وانكر ابن الحاجب واتبعه ابو حيان ثبوت رأى بمعنى عرف وذكره الزمخشرى فى المفصل والراغب فى مفرداته وهما من الثقات فلا عبرة بانكار هما (روح) ف ۴۶۴ (رحمت وشفقت ومغفرت کے ساتھ) وتوبة الرب على عبده عوده عليه بالعفوله عن جرمه والصفح له عن عقوبت ذنبه مغفرة له منه و تفضلاً عليه (ابن جریر) ف ۴۶۵ (تو تیرے لیے ہماری اس دُعا کو شرف قبول بخش دینا کچھ بھی دشوار نہیں) ف ۴۶۶ مِنْهُمْ۔ یہ قید خوب خیال میں رہے۔ دعائے ابراہیمی ابھی چل رہی ہے۔ ابھی ابھی آپ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام دونوں مل کر عرض کر چکے ہیں۔ کہ اے پروردگار ہم دونوں کی نسل میں سے ایک اُمت مسلمہ ایک اپنی فرمانبردار اُمت پیدا کر۔ اور اس کے معاً بعد مِنْهُمْ کا لفظ لاتے ہیں۔ کھلی ہوئی مراد نسل اسمٰعیلی سے ہے۔ لفظ هُم کا مرجع ذرّيّة کو بھی سمجھا گیا ہے اور اُمتِ مسلمہ کو بھی۔ والضمير فى منهم يحتمل ان يعود على الذرية ويحتمل ان يعود على امت مسلمة (بحر) ماحصل دونوں کا ایک ہی ہے یعنی نسل اسمٰعیلی۔ اور یہ جزو تاریخ سے اپنی جگہ ثابت ہے کہ صحیح النسب نسل اسمٰعیل علیہ السلام قوم عرب ہی رہ گئی تھی۔ اس لیے لازمی تھا کہ یہ پیغمبر عرب ہی میں پیدا ہو۔ رَسُوْلًا۔ اس کا ایک تو صیغہ واحد اور پھر اعراب کی تنوین۔ گویا یہ اشارہ قریب بہ صراحت پہنچ گیا کہ وہ رسول ایک ہی ہوگا۔ متعدد نہ ہوں گے۔ یہود کا دعویٰ ہے۔ اور (نصاریٰ بھی انہیں کا ساتھ دیتے رہے ہیں) کہ نبوت ورسالت تو بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی۔ یہ نیا پیغمبر بنی اسمٰعیل میں کیسے پیدا ہو گیا؟ لیکن انہیں کی توریت باوجود ان کی ساری تحریفات کے اب تک شہادت کچھ اور ہی دے رہی ہے ایک جگہ حضرت موسیٰ اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:۔ "خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھرو"۔ (استثنا۔ ۱۸:۱۵) قطع نظر اس سے کہ بنی اسرائیل میں تو ایک نبی نہیں خدا معلوم کتنے انبیاء حضرت موسیٰ کے بعد پیدا ہوتے رہے۔ خود "تیرے ہی بھائیوں میں سے" کی تصریح بتا رہی ہے کہ مراد بنی اسرائیل نہیں، بلکہ ان کے ہم جد بھائی بنی اسمٰعیل ہیں۔ اگر خبر اسرائیلی ہی نبی کی دینا ہوتی تو بجائے "تیرے ہی بھائیوں میں سے" کے عبارت "تجھ ہی میں سے" ہوتی۔ یہ الفاظ تو صرف مخاطبین کی وحشت دُور کرنے اور ان میں جذبۂ انس وموانست پیدا کرنے کے لیے ہیں کہ اے ہم قوم جب وہ نبی آئے تو اس کی اطاعت کرنا۔ وہ بھی تمہارا کوئی غیر نہیں تمہارے ہی بھائیوں میں سے ہوگا۔ اور پھر دو ہی آیتوں کے بعد توریت میں بعینہٖ یہی مضمون براہ راست حق تعالیٰ کی جانب سے ادا کیا گیا ہے:۔ "خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں ان کے لیے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا"۔ (استثناء ۱۸:۱۸) اس سے قطع نظر اگر ممکن ہو تو کر لیجئے کہ "اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" یعنی لفظی کلام الٰہی ہونے کا مصداق بجز قرآن کے ساری آسمانی کتابوں میں اور ہے ہی کون؟ لفظی کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ کس دوسری کتاب کا ہے؟ اور اس سے بھی قطع نظر اگر ممکن ہو تو کر لیجئے کہ "تجھ سا" یعنی "موسیٰ کا سا" مثیل موسیٰ ہونے کا مصداق تاریخ کی دُنیا میں بجز ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ہوا کون ہے؟ اور کیا اس سے بھی قطع نظر ممکن ہو گی کہ یہاں بھی بجائے "ان میں سے" کے یا "اسرائیلیوں میں سے" کے "ان کے بھائیوں میں سے" ہونے کی صراحت یہاں بھی موجود ہے اور پھر یہی پیشگوئی انہیں لفظوں میں موسیٰ نبی کی زبان سے نکلی ہوئی، نصاریٰ کی انجیل میں بھی دُہرائی ہوئی موجود ہے:۔ "موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے مجھ سا نبی پیدا کرے گا، جو کچھ وہ تم سے کہے تم اس کی سننا"۔ (اعمال ۳:۲۲) ف ۴۶۷ ذرا غور کرنے سے نظر آ جائے گا کہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ فرائض کمال ایجاز کے ساتھ ان چند فقروں میں آ گئے ہیں۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ۔ رسول کا پہلا کام اپنی امت کے سامنے تلاوت آیات ہوتا ہے۔ یعنی اللہ کا کلام پہنچانا۔ گویا رسول کی پہلی حیثیت مبلغ اعظم کی ہوتی ہے۔ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ۔ رسول کا کام محض تبلیغ وپیام رسانی پر ختم نہیں ہو جاتا، اس کا کام کتاب الٰہی کی تبلیغ کے بعد اس کی تعلیم کا بھی ہے۔ اس تعلیم کے اندر کتاب کی شرح، ترجمانی، تعمیم میں تخصیص، تخصیص میں تعمیم سب کچھ آ گئی۔ اور یہیں سے ان کج فہموں کی بھی تردید ہو گئی جو رسول کا منصب (معاذ اللہ) صرف ڈاکیہ یا قاصد کا سمجھے ہوئے ہیں! گویا رسول کی دوسری حیثیت معلم اعظم کی ہوئی۔ وَالْحِكْمَةَ۔ پھر رسول تعلیم محض کتاب ہی کی نہ دیں گے بلکہ حکمت ودانائی کی تلقین بھی امت کو کریں گے۔ احکام ومسائل، دین کے قاعدے اور آداب، عوام وخواص سب کو سکھائیں گے اور خواص کی رہنمائی اسرار ورموز میں بھی کریں گے، گویا رسول کی تیسری حیثیت مرشد اعظم کی ہوئی۔ يُزَكِّيْهِمْ۔ تزکیہ سے مراد دلوں کی صفائی ہے۔ رسول کا کام محض الفاظ اور احکام ظاہر کی تشریح تک محدود نہیں رہے گا، بلکہ وہ اخلاق کی پاکیزگی اور نیتوں کے اخلاص کے بھی فرائض انجام دیں گے، رسول کی یہ چوتھی حیثیت مصلح اعظم کی ہوئی ف ۴۶۸ اِنَّكَ اَنْتَ۔ عربی کے اس دُہرے فقرۂ مخاطبت کا مفہوم اُردو میں "یقیناً تُو تو" (پہلا "تُو" واوٗ معروف اور دوسرا "تو" واوٗ مجہول کے ساتھ) سے ادا ہوتا ہے۔ الْعَزِيْزُ۔ ہر دعا کے قبول کرنے پر، ہر آرزو کے پورا کرنے پر قادر۔ اس کی مشیت پر مانع اور غالب کوئی چیز نہیں آ سکتی۔ الْحَكِيْمُ۔ قادر مطلق ہونے کے ساتھ حکیم مطلق بھی۔ قبول وہی دعائیں کرتا ہے بندوں کی آرزوئیں وہی پوری کرتا ہے، جو قانونِ حکمت کے مطابق وماتحت ہوتی ہیں۔ اللہ اکبر! خلیل و ذبیح علیہما السلام کی ادب شناسیوں کا کیا کہنا! دعا میں بھی کیسے کیسے نکتے ملحوظ رکھ لیے ہیں—— حضرات انبیاء سے بڑھ کر ادب شناس اور ہو بھی کون سکتا ہے؟ ف ۴۶۹ یعنی ملت ابراہیمی تو عین دینِ فطرت ہے، اس کی تعلیمات عین طبع سلیم کی ترجمان ہیں۔ اس سے کنارہ کشی تو صرف وہی اختیار کر سکتا ہے جس کی فطرت ہی سلیم نہ باقی رہی ہو، بلکہ مسخ ہو چکی ہو۔ اس مقدمہ کی تصدیق انسان جب چاہے اعتقاد سے نہیں، آزمائش سے کر لے، اسلام نے جماعت (سوسائٹی) کا جو نظام قائم کیا ہے، وہی بہترین نظام اجتماعی ہے۔ ہر فرد کے لیے جو ضابطہ عمل بنا دیا وہی بہترین ضابطہ شخصی ہے۔ عقل و جذبات، فرد و جماعت، دل و دماغ،

الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ

ہوں گے ۷۱ف ۴ اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے) جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ حکم بردار ہو

قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَاۤ

جاؤ، ف۷۲ ۴ وہ بولے میں حکم بردار ہوں سارے جہان کے پروردگار کا ف۷۳ ۴ اور ابراہیمؑ اس کی ہدایت کر گئے اپنے

اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى

بیٹوں کو ف۷۴ ۴ اور اسی طرح یعقوبؑ بھی ف۷۵ ۴ (اپنے بیٹوں کو) ف۷۶ ۴ کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے تمہارے

لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ؕ

لئے دین کا انتخاب فرمالیا ہے ف۷۷ ۴ سو ایسا ہرگز نہ ہونے پائے کہ تم مرتے وقت بجز مسلم کے کچھ اور ہو ف۷۸ ۴

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ

بھلا اس وقت تم کیا موجود تھے جب یعقوبؑ کو موت آ پہنچی ف۷۹ ۴ اور اس وقت

قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ

انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ ف۸۰ ۴ وہ بولے ہم عبادت کریں گے

اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ

آپ کے اور آپ کے باپ دادوں ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ کے معبود کی

اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ

(اس) معبود واحد کی اور ہم تو اس کے حکم بردار ہیں ف۸۱ ۴ یہ ایک جماعت ہے

قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا

جو گزر چکی ف۸۲ ۴ ان کے آگے ان کا کیا ہوا آئے گا، اور تمہارے آگے تمہارا کیا ہوا اور وہ

تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا

جو کچھ کرتے رہے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہ ہوگی ف۸۳ ۴ اور یہ (لوگ) کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ

جسم ورُوح، حریت واطاعت، حیاتِ بشری کے متضاد ومتناقض عنصروں کی جتنی باہمی رعایت شریعتِ اسلام نے ملحوظ رکھی ہے، دُنیا کے کسی قانون میں کہیں اس کی نظیر نہ ملے گی۔ دُعائے ابراہیمی ختم ہوئی، اب بیان ملت ابراہیمی کا شروع ہورہا ہے۔ کہ یہ تو وہی دین توحید ہے جس کی دعوت آج اسلام ہی دے رہا ہے اور جسے تم سب باوجود اپنے مشترک بزرگ ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کے دعوٰی کے چھوڑے بیٹھے ہو۔ مِلَّةِ اِبْرٰهٖمَ۔ قرآن مجید نے عجب بلاغت ونکتہ سنجی سے کام لے کر یہاں اپنے دین اسلام کی نسبت نہ حق تعالٰی کی جانب کی نہ رسولِ وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب، بلکہ صرف ابراہیم خلیل علیہ السلام کی جانب کی۔ یہاں مخاطب اصلاً یہود ونصارٰی اور مشرکین عرب ہیں اور یہ تینوں قومیں مسلمانوں ہی کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مقدس پیشوا مانتی تھیں۔ اس اسلوب بیان کو اختیار کر کے گویا یہ کہا جارہا ہے کہ قرآن تمہیں کسی نئے دین کی دعوت نہیں دیتا۔ عین تمہارے ہی بزرگ ومحترم پیشوا ابراہیم علیہ السلام ہی کے دین کی جانب تمہیں بلا رہا ہے!۔۔۔ تلطف اور حسن تبلیغ کا پیرایہ اس سے بہتر اور کیا ہوسکتا تھا؟ مشرکین عرب کے پاس آسمانی کتاب کی قسم سے کوئی کتاب تو نام کے لیے بھی موجود نہ تھی۔ البتہ یہود ونصارٰی کے نوشتوں میں ابراہیم علیہ السلام کے فضائل اس وقت بھی درج تھے اور آج تک لکھے چلے آتے ہیں توریت مروجہ میں ہے:۔ ”اپنے باپ ابراہام پر اور سرہ پر جو تمہیں جنی نگاہ کرو کہ جب میں نے اُسے بلایا وہ اکیلا تھا پھر اس کو برکت دی اور اس کو بہت بنایا“۔ (یسعیاہ۔ ۵۱: ۲) ”اے ابراہام تو مت ڈر۔ میں تیری سپر اور تیرا بہت بڑا اجر ہوں“۔ (پیدائش ۱۵: ۱) ”اور وہ خدا پر ایمان لایا اور یہ اس کے لیے صداقت محسوب ہوا“۔ (پیدائش ۱۵: ۶) اور مسیحیوں کی انجیل مروجہ میں ہے:۔ ”ابراہیم خدا پر ایمان لایا، اور یہ اس کے لیے راستبازی گنا گیا، بس جان لو کہ جو ایمان والے ہیں وہی ابراہیم کے فرزند ہیں“۔ (گلتیون۔ ۳: ۶) نیز (رومیون۔ ۴: ۳) ف۷۰ ۴ (ان کی اسی توحید پرستی اور ایمان باللہ کے صلہ میں ہر قسم کی نعمتوں اور سرفرازیوں کے لیے۔ یہاں تک کہ منصب نبوت ورسالت کے لیے) ایک مسیحی مؤرخ ریونڈ رولیم ڈین ایم، اے نے ایک مستقل سیرت ابراہیم انگریزی میں لکھی ہے، اس سے آپ کے دنیوی عروج واقبال پر بھی خوب روشنی پڑتی ہے۔ ان ”روشن خیال“ لامذہبوں کی تردید کے لیے یہی کافی ہے، جنہوں نے ابھی انیسویں صدی کے آخر میں آپ کے وجود کو فرضی قرار دیا تھا ف۷۱ ۴ (ایک پیغمبر جلیل القدر کے شایانِ شان) یہود ونصارٰی نے اہل کتاب ہونے اور نبوت وسلسلہ وحی پر ایمان رکھنے کے باوجود اپنے اپنے نوشتوں میں کوئی کسر عصمت انبیاء کے داغدار بنانے میں اُٹھا نہیں رکھی۔ اس لیے قرآن مجید جہاں جہاں انبیاء سابق کا ذکر کرتا ہے اکثر ان حضرات کی اخلاقی وروحانی عظمت پر بھی زور دیتا جاتا ہے اور اس طرح انبیاء برحق کی نصرت وحمایت کا فرض، توریت وانجیل کی عائد کی ہوئی فرد جرم کے مقابلہ میں ادا کرتا جاتا ہے۔ یہ عجیب وغریب اہل کتاب، نبی اور نبوت کے قائل گویا ان کے صرف لفظی معنٰی میں تھے۔ یعنی نبی وہ ہے جو کاہنوں جوتشیوں کی طرح غیب کی خبریں دے سکے۔ اور اس سے انہیں کوئی بحث ہی نہ تھی کہ اس کے اخلاق کا کیا عالم تھا۔ اس کے رُوحانی کمالات کس درجہ کے تھے، اس کی تعلیمات کیا تھیں۔ وقس علٰی ہذا۔ ابراہیم خلیل علیہ السلام تو اکثر انبیاء کے ابوالآباء ہیں۔ آپ کی عصمت کے تحفظ کا تو قرآن نے اور زیادہ اہتمام رکھا ہے ف۷۲ ۴ اسلموا کا دوسرا ترجمہ ”اسلام لے آؤ“ یا ”مسلم ہو جاؤ“ بھی ہوسکتا ہے۔ پہلے بھی ذکر آچکا ہے اور یہاں اسے پھر یاد کر لیا جائے کہ قرآن مجید میں واقعات کا بیان ہمیشہ ترتیب تاریخی کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔ اسلام لانے کے معنٰی ہیں اپنے آپ کو تمامتر خدائے واحد کے سپرد کر دینا، اس کا پرستار بن جانا۔ عقیدہ، معاشرت، معاملت غرض کہ زندگی کے ہر بڑے چھوٹے شعبہ میں اسی کے قانون کو قبول کرنا۔ اور اُس کے احکام کی اطاعت کرنا، اصطلاح میں اسلام وایمان گویا مترادف ہے، اور یہی دین اسلام ہمیشہ انبیاء کا رہا ہے ف۷۳ ۴ یعنی میں خدائے پروردگار عالم پر اسلام لے آیا۔ یہاں گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اشارۃً اپنے ایمان لانے کی وجہ بھی بیان کر دی۔ یعنی اسلام میں کیوں نہ لاتا۔ ایک ہی پروردگار، ایک ہی حاکم مطلق، ایک ہی مالک، ایک ہی ربوبیت کے سارے شعبوں کا ناظم وہی ہے۔ میں اس پر ایمان کیسے نہ لاتا؟ اس کے قانون سے باغی کیسے رہ سکتا! ف۷۴ ۴ بِهَا (یعنی اس دین توحید کی، ملت اسلام کی) ضمیر خواہ ملّت کی جانب ہو خواہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی طرف، ماحصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ والضمیر فی بها لقوله اسلمت لرب العلمین (کشاف) والضمیر للملّة او لقوله اسلمت (بیضاوی) وَصّٰى۔ عربی کا لفظ وصیة، اردو کے وصیت سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ بستر مرگ کی خواہشوں اور مرنے والوں کی آخری ہدایتوں تک محدود نہیں۔ ہر حکم، ہر ہدایت پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے وَصَّیْتُهٗ هکذا کے معنٰی ہیں ”میں نے اس کو حکم دیا“۔ ”میں نے اس سے یہ کرنے کو کہا“۔ بَنِیْهِ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے آٹھ تھے۔ (۱) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا مصری کے بطن سے (۲) حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت سارہ رضی اللہ عنہا عراقی کے بطن سے۔ (۳) زمران (۴) یقسان (۵) مدان (۶) مدیان (۷) سیاق (۸) سوخ یہ سب حضرت قتورہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے (پیدائش ۲۵: ۱ و ۲) ف۷۵ ۴ یَعْقُوْبُ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے پوتے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام نبی کے صاحبزادہ تھے۔ اور نبی زادہ ہونے کے علاوہ خود بھی نبی تھے۔ اسرائیل آپ ہی کا دوسرا نام ہے۔ توریت میں ہے:۔ ”اور خدا نے اسے کہا کہ تیرا نام یعقوب ہے۔ تیرا نام آگے کو یعقوب نہ کہلائے گا بلکہ تیرا نام اسرائیل ہوگا۔ سو اس نے اس کا نام اسرائیل رکھا“۔ (پیدائش ۳۵: ۱۰ و ۱۱) عمر حسب روایت توریت ۱۴۷ سال کی پائی۔ زمانہ غالباً ۲۰۰۰ ق، م تا ۱۸۵۳ ق، م

ولادت کنعان (فلسطین) میں ہوئی، و۱۸۷۷ ق، م میں اپنے نامور فرزند یوسف علیہ السلام نبی کے پاس مصر میں منتقل ہو گئے۔ وفات یہیں ہوئی۔ ۴۷۶ چار ازواج طاہرات سے آپ کے بارہ فرزند تھے ان کے نام حسب تصریح توریت حسب ذیل ہیں:۔ روبن، شمعون، لاوی، یہوداہ، اشکار، زبلون، یوسف، بنیامین، دان، نفتالی، جد، آشر (پیدائش ۳۵: ۲۴-۲۶) (انہیں صاحبزادوں میں سے جہاں تک خاندانی شجرہ اور نسب نامہ سے پتہ چلا ہے، حضرت لاوی کی نسل سے ان سطور کا راقم نامہ سیاہ بھی ہے) ۴۷۷ الدین۔ یعنی اس دین توحید کا، ملت اسلام کا۔ اصْطَفٰی۔ اصطفا کے معنی ہیں چن لینا اور ملاوٹ یا آمیزش سے پاک کردینا۔ لَکُمْ میں ل تخصیص کا ہے۔ یعنی یہ دین تمہارے لیے ہے اور تم اس دین کے لیے ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو قوم عرب اور نسلِ یہود دونوں کے مورثِ اعلیٰ ہوئے ہیں۔ اور نصاریٰ کے بھی مقتدا۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام جو نسل اسرائیلی کے جد امجد ہوئے ہیں۔ یہ دونوں تو اپنی اولاد کو خود اپنے اختیار کیے ہوئے اور خدا کے پسند کیے ہوئے دین کو منتقل ہی کر گئے اور فرما گئے کہ تمہیں کسی مزید تلاش میں حیران و سرگردان ہونے کی ضرورت ہی نہیں۔ تمہارے لیے تو یہ اللہ کا بنایا ہوا اور بتایا ہوا دین توحید موجود ہی ہے۔۔۔ قرآن کے مخاطبین اول سب کے سب اسلاف پرستی کے مرض میں گرفتار تھے۔ ان سے خطاب کا یہ بہترین اسلوب ہے کہ اچھا اگر دین کے بارے میں اپنے اسلاف ہی کو حکم بنا رہے ہو تو دیکھو وہی کیا کہہ گئے ہیں؟ ۴۷۸ (اور چونکہ موت کا وقت انسان کے علم میں نہیں۔ اس لیے تیار اس کے لیے ہر وقت اور ہمیشہ رہو) مطلب یہ ہوا کہ مسلم ہمہ وقت بنے رہو۔ ایمان کو ہر لحظہ دل میں جگہ دیے رہو۔ دین کے مطالبات میں بس ایمان کا مطالبہ ایسا ہے جو ہمہ وقتی اور ہمہ حالی ہے ورنہ اعمال جتنے بھی ہیں سب حالات کے تابع ہیں اور حالات خود تغیر پذیر ہیں۔ ضمناً اہلِ کتاب کو بھی فہمائش ہو رہی ہے کہ تم جس دین کو نیا اجنبی اور انوکھا سمجھ کر اس سے بدکتے اور بھڑکتے ہو وہ تو پیدا نہیں۔ وہ تو عین تمہارے ہی بزرگوں کا تعلیم کیا ہوا دین و آئین ہے [راقم سطور نامہ سیاہ سے اگر فرمائش کی جائے کہ سارے قرآن مجید سے کسی ایک آیت کا اپنے لیے انتخاب کرلے تو اس کی نظر انتخاب اسی آیت بلکہ جز آیت پر پڑے گی اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ جی میں ہے کہ زندگی کی ہر ساعت میں یہی آیت ورد زبان رہے۔ اور دل میں اسی کے معنی کا استحضار رہے۔ موت کے وقت یہی دل و زبان پر بھی ہو۔ اور بعد موت یہی کفن پر بھی لکھ دی جائے، اور قبر کے کتبہ پر بھی کندہ کردی جائے۔ بارہا اس آیت پر وجد کر چکا ہوں۔ بارہا اس آیت پر آنسوؤں سے رو چکا ہوں۔ اور دل یہ کہتا ہے کہ سارے قرآن مجید کا لب لباب یہی آیت ہے۔] ۴۷۹ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ۔ یعنی وقت موعود قریب آ گیا۔ اور آپ کو علامات و آثار اس کے محسوس ہونے لگے۔ یہ مراد نہیں کہ خود موت ہی آپ پر طاری ہو گئی۔ کنی بالموت عن مقدماته لانه اذا حضر الموت نفسه لا يقول المحتضر شيئا (بحر) قرآن مجید ہی میں ایک اور دوسری جگہ ہے وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ۔ یہاں بھی موت سے مراد موت کے دواعی و اسباب ہی لیے گئے ہیں۔ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ۔ خطاب اہل کتاب سے ہے اور استفہام میں لہجہ زجر شامل ہے۔ معنى الاستفهام ههنا الزجر والتوبيخ وهو فى معنى المنفى (بحر) یعنی تم جو واہیات خرافات حضرت یعقوب علیہ السلام کی جانب منسوب کر رہے ہو تو تمہارا اس وقت وجود ہی کہاں تھا؟ صحیح واقعات وہ ہیں جو قرآن بیان کر رہا ہے۔ ۴۸۰ مِنْۢ بَعْدِيْ۔ یعنی میری وفات کے بعد۔ مضاف محذوف ہے۔ من بعدى اى من بعد موتى (ابو سعود) حضرات انبیاء کو زندگی کی طرح اپنے آخر وقت میں بھی سب سے مقدم فکر دین ہی کی ہوتی ہے ۴۸۱ یعنی ہم سب اس پر اسلام لا چکے ہیں" توریت موجودہ کے اوراق تو اس اہم اور ضروری تذکرہ سے کسی مصلحت سے خاموش ہیں۔ البتہ احبارِ یہود کا یہ قول نقل ہو کر پہنچا ہے کہ ---"یعقوب نے اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹوں کو یہ تین احکام دیے (۱) بت پرستی نہ کرنا (۲) خدا کی بے حرمتی نہ کرنا (۳) میرے جنازے کو کوئی کافر ہاتھ نہ لگانے پائے"۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۷ صفحہ ۲۴) روایات و حکایات کی جو دوسری کتابیں ہیں ان میں صراحت اس سے بڑھ کر ملتی ہے:--- "یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا...... مجھے اندیشہ ہے کہ تم میں سے کوئی بت پرستی کا میلان رکھتا ہے۔ اس کے جواب میں بارہ بیٹوں نے کہا۔" سن اے اسرائیل، اے ہمارے باپ، ہمارا خدا وہی خدائے لم یزل ہے۔ جس طرح تیرا دلی ایمان ایک خدا پر ہے اسی طرح ہم سب کا دلی ایمان اسی ایک خدا پر ہے۔ (گنز برگ کی قصص یہود جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

اٰبَآئِكَ۔ اسمٰعیل علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام کے بڑے چچا (یا بابا) تھے۔ فرزندانِ یعقوب نے کمال سعادت مندی سے ان کا شمار بھی آبائے یعقوب علیہ السلام میں کیا، جیسا کہ اردو محاورہ میں بھی باپ چچا کو ایک ہی حکم میں رکھا جاتا ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے یہی لفظ اب آیا ہے۔ هذا بقية ابائى یعنی میرے بڑوں یا بزرگوں میں اب یہی باقی ہیں۔ اسْحٰقَ۔ یہ نام پہلی بار آیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادہ تھے، حرم اول حضرت سارہ کے بطن سے۔ سالِ ولادت غالباً ۲۰۶۰ ق م۔ سالِ وفات غالباً ۱۸۸۰ ق م۔ عمر شریف توریت میں ۱۸۰ سال درج ہے۔ یہ بھی درج ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۰۰ سال تھی۔ آپ کے بستر مرگ کا منظر قصص الیہود میں یوں دکھایا گیا ہے:۔ "جب اسحٰق نے دیکھا کہ ان کا وقت موعود آ پہنچا، تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا، اور کہا کہ میں تمہیں خدائے تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں، جس کی صفات علی، عظیم، قیوم، عزیز ہیں۔ اور جو آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر شے کا خالق ہے کہ تم خوف اسی کا رکھنا اور عبادت اسی کی کرنا"۔ (جلد اول صفحہ ۴۱۶) ۴۸۲ (اور ان کے فضائل و کمالات بھی ان کے ساتھ گزر چکے۔ تمہیں آخر ان کے نام گنانے سے کیا حاصل؟) تِلْكَ اُمَّةٌ سے مراد یہی اجداد یہود ہیں جن کا شمار جماعت انبیاء میں ہے۔ خطاب یہاں یہود سے ہے جو آبائی مفاخرت، نسلی عظمت، پیمبر زادگی کے نشہ میں چور تھے۔ اس میں بڑا سبق آج کل کے پیرزادوں، رسمی مشائخ زادوں، اور بہت سے بدعتی فرقوں کے لیے موجود ہے۔ بلا سعی عمل محض بزرگوں کی نسبت سے فائدہ اٹھانے کی جڑ ہی اسلام نے کاٹ دی ہے۔ ۴۸۳ اسلام کے طفیل اب یہ بات معمولی سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن قرآن نے جب اس حقیقت کا اعلان کیا ہے اس وقت بہت ہی اہم اور گویا ایک نادر سی بات تھی۔ شخصی و ذاتی ذمہ داری اور انفرادی مسئولیت کی تعلیم اسلام کے خصوصیات امتیازی میں سے ہے۔ ورنہ مشرک تو مشرک، یہود اہل توحید تک اس سفاہت میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ذاتی عمل کی ضرورت ہی کیا ہے، مقبولانِ الٰہی کی جانب انتسابِ نسلی اور بزرگوں کی طرف نسبت نسبی بالکل کافی ہے۔ مسیحیوں کا گڑھا ہوا مسئلہ "معصیت متوارث" سب کو معلوم ہے۔ یعنی جو معصیت ابو البشر سے سرزد ہو گئی تھی، وہ ہر نسل آدم میں منتقل ہوتی چلی آ رہی ہے۔ یہود نے اس کے مقابل ایک عقیدہ "نجاتِ متوارث" کا وضع کر لیا تھا۔ اور یہ سمجھ لیا تھا کہ "خدائے تعالیٰ اپنے اسم پاک کے طفیل میں اور بہ طور اپنے افضال کے، باپ کے حسنات اولاد کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے"۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۱۲ صفحہ ۴۴۷) توریت مروجہ میں ایک آیت اس مضمون کی ملتی ہے:۔ "میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں، جو باپ دادوں کی بدکاری کا بدلہ ان کی اولاد سے تیسری اور چوتھی پشت تک جو میرا کینہ رکھنے والے ہیں، لیتا ہوں"۔ (استثناء۔ ۵:۹) بس اس تنکے کی اوٹ پہاڑ یہ کھڑا کر لیا گیا کہ ہر نسل کو انتقالِ ثواب اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی یعنی اسلاف و اخلاف دونوں کی طرف سے ہوتا رہے گا۔ اور پھر اولادِ ابراہیم علیہ السلام کو تو کوئی ڈر ہی نہیں:۔ "بعض کو ثواب اپنے اسلاف کے اعمال کا ملے گا، اور بعض کو ثواب اپنے اخلاف کے اعمال کا"۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۶ صفحہ ۶۰) "افراد یہود کی امیدیں سب اسلاف کے تقدس پر قائم ہو گئی تھیں (یعنی اس پر کہ) ہم ابراہیم کی اولاد ہیں"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۳ صفحہ ۱۸۴ طبع یازدہم) ۴۸۴ قرآن مجید کی صاف اور سیدھی تعلیمات اور اس کے واضح دلائل کو سن کر چاہیے تو یہ تھا کہ اہل کتاب ان سے متاثر ہوتے، اور قبول حق پر آمادہ ہو جاتے۔ لیکن بجائے اس کے ضد اور ہٹ سے کام لے کر الٹی مسلمانوں کو یہودیت اور نصرانیت کی دعوت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا دین قبول کر لو، تو تمہیں دنیا کی فلاح اور آخرت میں نجات حاصل ہو جائے۔ ۴۸۵ (ساری امت اسلامیہ کی طرف سے ان لوگوں کے جواب میں، اے ہمارے پیغمبر) ۴۸۶ (اس کی اصلی اور غیر محرف شکل میں) مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ۔ یہود اور نصاریٰ دونوں، نو مسلموں اور نیم مسلموں کو اپنی اپنی طرف کھینچتے تھے کہ "فلاح و نجات منظور ہو تو ہمارے مذہب میں آؤ، اس نئے مذہب میں کیا رکھا ہے"؟ مسلمانوں کو تعلیم اس جواب کی مل رہی ہے، کہ "تمہارے ہاں کیا رکھا ہے بجز تحریفات کے؟ رہا ہمارا دین تو وہ نو پیدا ذرا بھی نہیں۔ وہ تو بس قدیم دین توحید ابراہیم علیہ السلام کا ہے اور ہم اسی کی اصلی اور غیر محرف شکل پر قائم ہیں۔ حَنِيْفًا۔ ترکیب میں حال واقع ہوا ہے مضاف الیہ ابراہیم کا۔ اکثر اکابر تفسیر اسی طرف گئے ہیں۔ حال من المضاف اليه (کشاف) هو حال من المضاف اليه (ابو سعود)۔ دوسرا قول یہ ہے

کہ حَنِیۡفًا صفت اِبۡرٰھٖمَ کی نہیں بلکہ مِلَّۃَ کی ہے۔ اور حال مضاف الیہ کا نہیں، بلکہ مضاف کا واقع ہوا ہے۔ وھو حال من المضاف بتاویل الدّین او تشبیھًا لہ بفعیل بمعنی مفعول (روح) اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا "ہم نے پالیا ہے مذہب ابراہیم علیہ السلام کا جو سیدھی راہ ہے"۔ حَنِیۡفًا کے معنی بہرصورت مستقیمًا و مائلًا الی الحق کے ہیں۔ اس جملہ کی تقدیر یوں ہے۔ بل تکون علی ملۃ علیہ السلام یا بل نتبع ملۃ علیہ السلام و۴۸۷ یہ تعریض ہے اہل کتاب پر کہ تم کس منہ سے اپنے کو دین ابراہیم علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہو، وہ تو شرک کے قریب ہو کر بھی نہیں گزرے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کی توحید خالص پر یہود، نصاریٰ سب ہی متفق تھے، گو عملاً ان کی روش چھوڑے ہوئے تھے۔ بلکہ مسیحی تو صریح شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔ و۴۸۸ (اللہ کے ہاں سے ہمارے پیمبر کے واسطہ سے) خطاب عام مسلمانوں سے ہے۔ یعنی ہمیں تو نسلی یا قومی تعصب کسی سے بھی نہیں۔ ہمارا رشتہ اسمٰعیلی، اسرائیلی ہر شریعت الٰہی سے بس اعتقاد و انقیاد ہی کا ہے۔ اَلۡاَسۡبَاطِ جمع ہے سبط کی۔ اور معنی ہیں اولاد کی اولاد یا پوتے اور نواسے۔ الاسباط اولاد اولاد و قیل اولاد البنات (تاج) عوام میں صرف نواسوں کے معنی میں مشہور ہے۔ لیکن ائمہ لغت کی تصریح ہے کہ پوتوں اور نواسوں دونوں کے لیے عام ہے۔ کلام الائمۃ صریح فی انہ یشتمل ولد الابن او الابنۃ کما صرح بہ ابن سیدہ (تاج) بنی اسمٰعیل کی شاخیں جس طرح قبائل میں تقسیم ہوتی گئیں۔ بنی اسرائیل کی شاخیں اسی طرح اسباط کہلائیں۔ قال الازھری الاسباط فی بنی اسحٰق بمنزلۃ القبائل فی بنی اسمٰعیل (تاج) نسل اسرائیل پر رسالت بہت وسیع پیمانہ پر پھیلی رہی۔ فقرہ کا مطلب یہ ہوا کہ ہم مسلمان کسی پیمبر کے بھی منکر نہیں۔ و۴۸۹ (اللہ کے ہاں سے) اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ۔ یہ دو نام اس سیاق اور اس سلسلہ میں خاص طور سے قابل توجہ ہیں۔ اسمٰعیل علیہ السلام کا نام لانا تو اس لیے بہت ضروری تھا کہ اہل کتاب انہیں سے تو بغض رکھتے تھے۔ بغیر ان کا نام لائے اسلام کے دعویٰ کا اثبات ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اسحٰق علیہ السلام کا نام لانا خود ایک دلیل روشن ہے۔ اسلام کے طریق عدل اور بے تعصبی کی۔ قرآن اگر بشری کلام ہوتا، تو بشری فطرت تو یہ تھی، کہ اہل کتاب کے شدید اور مسلسل اشتعال انگیز تعصب کے جواب میں اسمٰعیل کی نصرت و حمیت میں اسحاق علیہ السلام کا نام نظر انداز ہی کر دیا جاتا۔ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق علیہم السلام تینوں کی تاریخی شخصیتوں پر حاشیے اوپر گزر چکے۔ و۴۹۰ (کلام الٰہی یا کتاب آسمانی میں سے) مُوۡسٰی۔ آپ کی تاریخی شخصیت پر حاشیہ گزر چکا۔ عِیۡسٰی۔ ابن مریم۔ بجائے والد کے اپنی والدہ کی جانب منسوب ہیں۔ بنی اسرائیل کے آخری اور مشہور نبی ہوئے ہیں۔ آپ پر سلسلہ اسرائیلی رسالت کا بلکہ قومی و نسلی رسالت کا ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ ولادت صوبہ یہودیہ (ملک شام) کے قصبہ بیت اللحم میں یا بیت المقدس میں، حاکم شام ہیرود کے زمانہ میں ہوئی۔ شام اس وقت روم کی شہنشاہی کا ایک نیم آزاد علاقہ تھا۔ سال ولادت اغلبًا ۴ ق م۔ یہ بات سننے میں بہت ہی عجیب معلوم ہوگی۔ لیکن اس پر اتنی حیرت نہ کیجیے۔ سنہ عیسوی جو اس وقت رائج ہے، خود اسی تقویم کے قائم کرنے میں شروع ہی سے غلطی رہ گئی، اور اس کا پتہ بعد کو چلا۔ چنانچہ سن عیسوی کا پہلا سال آپ کا سال ولادت نہیں۔ آپ کی ولادت کے چوتھے سال سے یہ سنہ جاری ہوا ہے۔ آپ کی عمر غالبًا ۳۳ سال کی تھی، اور ۳۰ء تھا کہ اسرائیلیوں نے آپ کی تعلیم و تبلیغ سے نہایت درجہ آزردہ ہو کر آپ پر مقدمہ پہلے تو اپنی آزاد و خود مختار مذہبی عدالت میں چلایا۔ اور پھر سرکاری قانون کا بھی مجرم بنا کر رومیوں کی ملکی عدالت میں پیش کیا۔ وہاں سے سزائے موت (بذریعہ صلیب) کا حکم صادر ہوا، اس کے بعد کیا گزری، اس کا ذکر سورۂ مائدہ کی آیت وَمَا قَتَلُوۡهُ وَ مَا صَلَبُوۡهُ کے تحت میں انشاء اللہ آئے گا۔ و۴۹۱ (خواہ وہ کسی ملک، کسی نسل، کسی زمانہ کے ہوں، کہ اُن میں سے کسی کو نبی مرسل مانیں کسی کو نہ مانیں) اسلام کے ایک جدید و نو پید مذہب ہونے کی یہ تردید ایک بار پھر کی جا رہی ہے۔ عالمگیر مذہب، آج ہر شخص بجائے خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ ہو سکتا ہے جو ہر ملک، ہر قوم، ہر نسل، ہر زمانہ کے پیغمبروں اور سچے ہادیوں کی علانیہ اور پرزور تصدیق کر رہا ہے۔ یا وہ مذہب ہو سکتے ہیں، جو آسمانی ہدایت کو فلاں ملک، فلاں قوم، فلاں نسل کے ساتھ مخصوص و مقید کیے ہوئے ہیں۔ و۴۹۲ (وہ ہم کو جس کسی کی بھی اطاعت کا حکم دے دے گا، ہم اسی کے پیرو ہو جائیں گے۔ ہمیں کسی سے نہ تعصب نہ عناد، ہم تو بس امر الٰہی کے فرمان بردار ہیں) اسلامی تعلیمات کا عطر یا لب لباب بس یہی مسئلہ توحید ہے۔ و۴۹۳ (اور اپنے ایمان کی بنا پر نجات کے مستحق ہو گئے) خطاب مسلمانوں سے ہے، اور "یہ لوگ" سے مراد وہی منکر و کافر اہل کتاب ہیں جن کا سلسلہ اُوپر سے چلا آ رہا ہے۔ اس میں بشارت ہے کہ اتنی ضد و عناد کے باوجود اگر اب بھی وہ ایمان لے آئیں تو ان کا پچھلا کفر و عناد ان کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ فَاِنۡ کی ف سے اشارہ اس طرف ہے کہ اب جب کہ تعلیمات اسلامی کا مغز ان پر پوری طرح واضح ہو گیا۔ و۴۹۴ (حق و راہِ راست سے) یعنی اتنی واضح ہدایت پہنچ جانے کے بعد اگر اب بھی ایمان نہ لائیں، تو اب جو انہیں مخالفت ہے وہ مخالفت ہی کی غرض سے، ضد اور عداوت ہی کی بنا پر ہے۔ اس لیے نہیں کہ وضوح حق میں کوئی خفا یا ابہام باقی رہ گیا ہے۔ اب جو وہ دین کو نہیں سمجھتے، تو محض اس لیے کہ سمجھنا چاہتے نہیں۔ ای علمنا اللہ لیس غرضھم طلب الدین والانقیاد للحق و انما غرضھم المنازعۃ واظھار العداوۃ (کبیر) و۴۹۵ یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسکین اور تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ہجوم اعداء اور قوت و کثرت مخالفین سے ذرا بھی تشویش و فکر نہ کریں۔ یہ حق کے معاندین آپ کو اور آپ کے دین کو گزند پہنچانے میں ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔ اب اللہ آپ کا نگہبان ہے۔ و۴۹۶ سمیع۔ سننے والا اُن کے الفاظ و اقوال، ان کے

اَوۡ نَصٰرٰی تَهۡتَدُوۡا ؕ قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ

یا نصرانی ہو جاؤ تو راہ یاب ہو جاؤ گے و۴۸۴ آپ کہہ و۴۸۵ دیجیے کہ نہیں بلکہ (ہم نے تو) ابراہیم سیدھی راہ

حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوۡلُوۡٓا اٰمَنَّا

والے کا مذہب پالیا و۴۸۶ اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے و۴۸۷ کہہ دو کہ ہم تو ایمان رکھتے ہیں

بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَآ اُنۡزِلَ اِلٰٓى

اللہ پر اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا و۴۸۸ اور جو

اِبۡرٰهٖمَ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ يَعۡقُوۡبَ

ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ

وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَآ اُوۡتِىَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى وَمَآ

اور اولاد (یعقوبؑ) پر اتارا گیا و۴۸۹ اور جو موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو دیا گیا

اُوۡتِىَ النَّبِيُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ

اور اس پر جو دوسرے انبیاء کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا و۴۹۰ اور ہم ان میں سے کسی کے درمیان

مِّنۡهُمۡ ۖ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنۡ اٰمَنُوۡا

بھی فرق نہیں کرتے و۴۹۱ اور ہم اللہ ہی کے حکم بردار ہیں و۴۹۲ تو اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں

بِمِثۡلِ مَآ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ فَقَدِ اهۡتَدَوْا ۚ وَاِنۡ

جس طرح تم ایمان رکھتے ہو تو بے شک وہ بھی راہ پا گئے و۴۹۳ اور اگر

تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا هُمۡ فِىۡ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكۡفِيۡكَهُمُ

منہ موڑے رہیں، تو بس (بڑی) مخالفت میں پڑے ہیں و۴۹۴ سو اب اللہ آپ کی طرف سے ان کے مقابلہ میں

اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ

و۴۹۵ ہے، اور وہ (بڑا) سننے والا (بڑا) جاننے والا ہے و۴۹۶ (ہمارے اوپر) اللہ کا رنگ ہے و۴۹۷ اور اللہ سے

حرف وعبارت کا۔ یعنی جو کچھ ان کی زبانوں پر ہے، ان کی گفتگوئیں اور تقریریں سب اللہ پر روشن ہیں۔ علیمٌ۔ جاننے والا ان کے دلوں کے احوال واسرار کا، یعنی ان کے ظاہر کی طرح ان کا باطن بھی اُس عالم کل پر روشن ہے، اور ان کی اندرونی کارروائیاں اور سازشیں سب اس کے سامنے بے نقاب موجود ہیں۔ **ف۴۹۷** تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے **صبغنا اللہ صبغة** (بیضاوی) **کانه قیل صبغنا اللہ صبغة** (ابوسعود) یعنی ہمیں اللہ نے اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ اور اللہ کے رنگ سے مراد اس کے دین فطری یعنی اسلام سے ہے۔ **ای دین اللہ** (مدارک) **والمراد بھا دینه الذی فطر الناس علیه** (جلالین) یہی دین اللہ کے معنی ابن عباس صحابی اور مجاہد، ابو العالیہ، قتادہ وغیرہ متعدد تابعین سے مروی ہیں (ابن کثیر) رُوئے سخن اُوپر سے یہود ونصاریٰ کی طرف چلا آرہا ہے۔ ان دونوں کے ہاں بڑی اہمیت ایک خاص قسم کے رسمی تطہیری غسل کی تھی، جسے بپتسمہ یا اصطباغ کہا جاتا تھا۔ انہیں کی اصطلاح میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اس رسمی اصطباغ میں کیا رکھا ہے، لازم پکڑنے کی چیز دین توحید ہے۔ **یعنی الزموا دین اللہ** (معالم) **ف۴۹۸** (جس کا دین ایمان کے رنگ کو نکھار دیتا ہے، اور کفر وضلالت کی نجاستوں کو دُور کر دیتا ہے) **فالمراد انه یصبغ عبادہ بالایمان و یطھرھم به من او ساخ الکفر فلا صبغة احسن من صبغته** (کشاف۔ کبیر) **ف۴۹۹** (اور سارے عقاید باطل، شعائر باطل، معبودانِ باطل کے منکر ہیں) نَحْنُ۔ ہم، یعنی مسلمان یا اُمت مسلمہ۔ **ف۵۰۰** خطاب اگرچہ سارے اہل باطل کے لیے عام ہے، لیکن سیاق میں خاص طور پر مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔ **ذکروا فیه وجوھًا احدھا انه خطاب للیھود و النصرٰی وھو الیق بنظم الاٰیة** (کبیر) **ف۵۰۱** (تو کم از کم اس کی ذات وصفات کے باب میں تو تمہیں کوئی مغالطہ یا غلط فہمی نہ رہنا چاہیے) یعنی اے اہل کتاب جب ہمارے تمہارے درمیان کوئی اختلاف پروردگار کے تعین میں نہیں۔ تو اوّل تو اس کی توحید پر قائم رہنا چاہیے۔ اور تثلیث فی التوحید یا توحید فی التثلیث اور خدا کے فرزند، بروز ومظہر وغیرہ قسم کے خرافات سے بالکل بچنا چاہیے۔ دوسرے جب اس کی صفاتِ کمالیہ پر ایمان ہے، تو وہ اپنی حکمت وربوبیت کے تقاضاسے جس نسل کے جس فرد کو بھی چاہے نبوت ورسالت سے سرافراز کر دے۔ وہ ہر طرح مالک ومختار ہے۔ اسرائیلی غیر اسرائیلی خاص نسل کا اجارہ نہیں۔ **ف۵۰۲** (اپنے عقائد اور اپنی عبادات میں ہر شرک، ہر ضلالت سے پاک صاف ہو کر) رہے اعمال تو ہمارے اور اپنے اعمال کے فرق کا اثر آخرت میں تو تمہیں بھی نظر آجائے گا۔ آج جتنا چاہو اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرلو۔ **ف۵۰۳** یعنی کیا تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ ان پیمبروں، بزرگوں اور تمہارے مورثوں کے عقائد ذات وصفاتِ باری کے باب میں بجائے دین توحید واسلام کے، یہودیت ونصرانیت کے تھے؟ اَمْ تَقُوْلُوْنَ۔ خطاب اہل کتاب خصوصاً یہود سے ہے۔ اور لہجۂ خطاب میں زجر کا پہلو شامل ہے۔ **صیغة استفھام و معناہ التوبیخ** (معالم) جتنے اسماء واعلام یہاں آئے ہیں، ان سب پر حاشیے آیت ۱۳۶ کے ذیل میں اور اس کے قبل گزر چکے۔ **ف۵۰۴** (ان حضرات کے دین وعقائد کے باب میں) اور اللہ کی شہادت یہ ہے کہ یہ سب توحید خالص کے پیرو تھے۔ نزولِ قرآن کے وقت یہود میں بڑے بڑے عالم وفاضل موجود تھے۔ ان سب کو چیلنج دے کر ایک اُمی کی زبان سے کہلایا جارہا ہے کہ تم واقعات کو توڑ مروڑ کر، صداقتوں کا گلا گھونٹ کر جو کچھ بھی کہے جاؤ، واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب حضرات خالص موحد اور توحید کے مبلغ ہوئے ہیں۔۔۔ آج یورپ کے بڑے بڑے ماہرین تاریخ اور محققین اثریات جو کچھ ان حضرات کے دین کی بابت کہہ رہے ہیں، وہ اسی قرآنی متن کی شرح اور اسی اُمی کے لائے ہوئے کلام کے اجمال کی تفصیل ہے! **ف۵۰۵** (اور وہ شہادت ہے دین اسلام کے برحق ہونے کی، ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب علیہم السلام کے مومن کامل ومبلغ توحید ہونے کی۔ اور آخر زمانہ میں ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم برحق کے ظہور کی) اس شہادت کو چھپانے والے ظاہر ہے کہ اہل کتاب خصوصاً یہود کے علماء تھے۔ اور یہ شہادت محفوظ تھی ان کی مُسلّم آسمانی کتابوں اور الہامی نوشتوں میں۔ **شھادة فی کتمانھم امر محمد صلی اللہ علیه وسلم و نبوته** (ابن جریر) **و ھی شھادة اللہ لابراھیم بالحنیفیة** (مدارک) **وفیه تعریض بکتمانھم شھادة اللہ لمحمد علیه السلام بالنبوة فی کتبھم وسائر شھاداته** (مدارک) **ف۵۰۶** (وہ وقت آنے پر انہیں کے مطابق تم سے معاملہ کرے گا) مطمئن اور بے فکر نہ ہو جاؤ۔ وہاں رتی رتی کی خبر ہے۔ اور ویسا ہی معاملہ پیش آئے گا۔ وہاں بزرگوں کے ساتھ نسبی ونسلی انتساب ہرگز کام نہ دے گا۔ منکروں کے ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے اس سے بہتر اور موثر کوئی ذریعہ نہیں کہ اللہ کے عالم الغیب ہونے کا استحضار ذہن کے سامنے بار بار ہوتا رہے۔ اور قرآن مجید یہی کراتا رہتا ہے۔ **ف۵۰۷** (اور محض ان کے نام کا انتساب بغیر ان کے سے اعمال وعقائد کے ہرگز کافی نہیں) تِلْكَ اُمَّةٌ سے مراد ہیں قوم اسرائیل کے اکابر سلف، خصوصاً اجداد ثلٰثہ ابراہیم واسحٰق ویعقوب علیہم السلام جن کی اولاد ہونے پر اسرائیلیوں کو حد سے زیادہ ناز تھا۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵۰۳۔ **ف۵۰۸** (آخرت میں) یعنی نہ ان کے ایمان واعمالِ صالحہ سے تمہیں کچھ نفع پہنچے گا، اور نہ تمہارے کفر واعمالِ سیئہ سے انہیں کوئی ضرر ہو گا **ف۵۰۹** یہود کی کتابوں میں آج تک یہ تعلیمات موجود ہیں کہ "جس طرح انگور کی زندہ وشاداب بیل ایک بے جان ستون کے سہارے بڑھتی اور پھیلتی رہتی ہے، اسی طرح زندہ یہودی اپنے آنجہانی اور مرحوم مورثوں اور بزرگوں کے بل بوتے پر پروان چڑھتا رہتا ہے۔ اور تینوں اجداد اسرائیل نیز دوسرے صالحین واخیار نے اعمالِ صالحہ کا جو انبارِ عظیم لگا دیا ہے، اسی سے ان کی اولاد کو مجموعاً ومنفرداً برابر حصہ ملتا رہتا ہے، اور اس طرح کسی فرد میں خواہ کتنی ہی کمزوریاں ہوں اس کی نجات یقینی ہے"۔ قرآن حکیم اس "نجاتِ متوارث" کے عقیدہ پر برابر ضرب شدید لگاتا جاتا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵۰۴۔

اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

بہتر کون رنگ (دینے والا) ہے؟ ف۴۹۸ ہم تو اس کی بندگی کرنے والے ہیں ف۴۹۹

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ

آپ کہیے کہ کیا تم ہم سے اللہ کے باب میں حجت کیے جاتے ہو ف۵۰۰ درآنحالیکہ وہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا

وَ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ نَحْنُ

بھی پروردگار ہے ف۵۰۱ اور ہمارے عمل ہمارے لئے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ اور ہم تو

لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ

اسی کے لئے خالص ہیں ف۵۰۲ کیا تم (یہ) کہتے ہو کہ ابراہیمؑ

وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ

اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اولاد (یعقوبؑ)

كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ

یہودی یا نصرانی تھے؟ ف۵۰۳ آپ کہیے تم واقف تر ہو یا اللہ؟ ف۵۰۴

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اس شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس

مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

اللہ کے ہاں سے پہنچ چکی ہے؟ ف۵۰۵ ورنہ اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر تو ہے نہیں ف۵۰۶

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ

یہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی ف۵۰۷ ان کا کیا ہوا ان کے آگے آئے گا اور تمہارا کیا ہوا تمہارے

مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع

آگے آئے گا ف۵۰۸ اور جو کچھ وہ کرتے رہے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہ ہو گی ف۵۰۹

ع ۱۶ ۱۶

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ

اب بیوقوف لوگ (ضرور) کہیں گے ف۵۱۰ کہ کس چیز نے ان (مسلمانوں) کو ان کے (اس)

قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ

قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے ف۵۱۱ ہٹا دیا آپ کہہ دیجیے ف۵۱۲ کہ مشرق و مغرب سب اللہ

وَ الْمَغْرِبُ ؕ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ

ہی کی ملک ہیں ف۵۱۳ وہ جسے چاہے ف۵۱۴ سیدھی راہ چلا دیتا

مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

ہے ف۵۱۵ اور اسی طرح ہم نے تمہیں ف۵۱۶ ایک امت عادل بنا دیا ہے ف۵۱۷

لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ یَكُوْنَ الرَّسُوْلُ

تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر ف۵۱۸ اور رسولؐ

عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ

گواہ رہیں تم پر ف۵۱۹ اور جس قبلہ پر آپ (اب تک) تھے ف۵۲۰ اسے تو ہم نے اسی لئے

عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ

رکھا تھا کہ ہم پہچان لیں رسول کا اتباع کرنے والوں کو الٹے پاؤں

یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ ؕ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةً اِلَّا

واپس چلے جانے والوں سے ف۵۲۱ اور یہ (حکم) بہت گراں ہے، مگر

عَلَى الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ

ان لوگوں کو نہیں جنہیں اللہ نے راہ دکھا دی ہے ف۵۲۲ اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع ہو جانے دے

اِیْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۳﴾

تمہارے ف۵۲۳ ایمان کو، اور اللہ تو لوگوں پر بڑا شفیق ہے، بڑا مہربان ہے ف۵۲۴

ف۵۱۰ (بہ طور استفہام واستفسار کے نہیں، بلکہ بہ طور طنز وتعریض) سَیَقُوْلُ میں سِ ہوسکتا ہے کہ مستقبل کے لیے ہو، اور اس کے معنی عنقریب کے ہوں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مطلق تاکید کے لیے ہو، اور معنی صیغۂ ماضی کے دے۔ اور چونکہ آیت کا نزول، ایک قول کے مطابق حکم تحویل قبلہ سے قبل نہیں، اس کے بعد ہوا ہے، اس لیے مفسرین کی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے، کہ یہاں ماضی مراد ہے، اور اردو محاورہ میں اس کی مثال ایسی ہوگی، جیسے کسی گزرے ہوئے واقعہ سے متعلق کہا جائے، کہ ہاں ہم تو جانتے ہی تھے کہ یہ لوگ ضرور اس پر اعتراض کریں گے۔ قال القفال ان الأیة نزلت بعد تحویل القبلة وان لفظ سیقول مراد منه الماضی (روح) قیل ان سیقول بمعنی قال (فتح) اور اسی سے ملتا ہوا یہ قول بھی ہے، کہ صیغۂ ماضی یہاں اس اعتراض کے استمرار کو ظاہر کرنے کو لایا گیا ہے۔ یعنی یہ لوگ برابر اس طرح کہتے رہیں گے۔ انما عبّر عن الماضی بلفظ المستقبل للدلالة علی استدامة والاستمرار علیه (فتح) لیکن جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ یہاں مستقبل ہی مراد ہے۔ اور آیت کا نزول حکم تحویل قبلہ سے قبل ہی ہوا ہے۔ وسیقول ظاهر من الاستقبال (بحر) اس صورت میں بالکل درست ہوگا اگر آیت کو ایک سچی پیشگوئی یا اخبار بالغیب کی مثال میں بھی پیش کیا جائے۔ ان الله تعالٰی اخبر عنهم قبل ان ذکروا هذا الکلام انهم سیذکرونه (کبیر) ان اخبار من الله تعالٰی لنبیه صلی الله علیه وسلم انه یصدر منهم هذا القول فی المستقبل (بحر) انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی قیام مکہ کے زمانہ میں اسی رُخ پر نماز جاری رکھی۔ بلکہ جب مدینہ ہجرت فرمائی، جب بھی اسی قبلہ کو برقرار رکھا۔ بیت المقدس مدینہ سے سمت شمال میں واقع ہے۔ آپؐ کا دل بار بار یہ چاہتا تھا، کہ اپنے جد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے خانہ کعبہ کو قبلہ بنائیں لیکن حکم الٰہی سے مجبوری تھی۔ آخر ورودِ مدینہ کے ۱۶ مہینے بعد تحویل قبلہ کا حکم ملا کہ اب نماز بجائے بیت المقدس کے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی جائے اور حکم کی معاً تعمیل ہوئی۔ خانۂ کعبہ مکہ میں مدینہ سے ٹھیک جنوب میں واقع ہے۔ اور اس طرح مدینہ کے نمازیوں کے رُخ دفعۃً شمال سے جنوب کی جانب پھر گئے۔ بیت المقدس یہود کا قبلہ تھا۔ اس کی منسوخی کا اعلان رسول اللہ ﷺ کی زبان سے یہود کو بہت ہی ناگوار گزرا۔ وہ یوں بھی رسول اللہ ﷺ کو اپنا دشمن اور اپنے دین کا بیخ کن سمجھنے لگے تھے۔ تحویل قبلہ کے اس تازہ اعلان کو وہ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی سمجھے، اور اس پر طرح طرح کے اعتراضات وارد کرنے لگے۔ ان کے ہمنوا کچھ اور لوگ بھی منافقوں اور بددینوں میں سے ہو گئے۔ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ سے یہی لوگ مراد ہیں۔ سفهاء جمع ہے سفیه کی، اور سفیه کے معنی کم عقل یا بدعقل کے ہیں۔ السفیه الخفیف العقل (تاج) واستعمل فی خفة النفس لنقصان العقل (راغب) یہاں سفاہت کا صاف اطلاق احکام الٰہی میں قیل وقال کرنے والوں کے حق میں ہے۔ السُّفَهَآءُ سے مراد یہود کا ہونا خود صحیح بخاری میں آچکا ہے۔ السفهآء هم الیهود (بخاری عن البراء رضی اللہ عنہ) صحابہ وتابعین کثرت سے اسی طرف گئے ہیں۔ بعض روایتیں منافقین سے متعلق بھی ملتی ہیں۔ نزلت فی المنافقین (ابن جریر عن السدی) راجح یہ ہے کہ آیت عام رکھی جائے تمام معترضین کے لیے۔ والأیة عامة فی هؤلآء کلهم (ابن کثیر) یدخل فیه الکل لان لفظ السفهاء لفظ عموم (کبیر) الاقرب ان یکون الکل (کبیر)

ف۵۱۱ یعنی بیت المقدس سے۔ قبلة۔ وہ مکان ہے جس کے مقابل رُخ کر کے نماز پڑھی جائے۔ صار اسمًا للمکان المقابل المتوجه الیه للصلٰوة (راغب) یہ حکم سب سے زیادہ ناگوار یہودیوں کو گزرا۔ اب تک وہ یہ سمجھ کر خوش ہو رہے تھے کہ مسلمان کم از کم ان کے ہم قبلہ تو ہیں۔ اب یہ مسرت بھی ان سے چھن گئی

ف۵۱۲ (ان کے جواب میں اے ہمارے پیغمبر) **ف۵۱۳** (اور کسی خاص سمت وجہت میں کوئی تقدس رکھا ہوا نہیں ہے، اُس کے لیے سب برابر ہیں، وہ جدھر اور جس چیز کو بھی چاہے، نماز کے لیے رُخ مقرر کر دے۔ سوال اصلاً یہ ہو ہی نہیں سکتا) لِلّٰهِ میں لام ملکیت کا ہے۔ مشرق و مغرب سب اللہ کی ملک ہیں، مخلوق ہیں، ہر دوسری مخلوق کی طرح تابع ومحکوم ہیں۔ یہ ضرب ہے مشرق پرستی، مغرب پرستی، اور ہر قسم کی سمت پرستی پر، جو مختلف مشرک، جاہلی قوموں کا مذہب رہی ہے۔ شرک کی اس خاص قسم سمت پرستی، یا جہت پرستی پر حاشیہ اوپر گزر چکا۔ پارۂ اول، رکوع ۱۴۔ آیت ۱۱۵ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ کے تحت میں **ف۵۱۴** (اور اس کا چاہنا ہمیشہ قانون حکمت کے مطابق ہی ہوتا ہے) **ف۵۱۵** (اور بے چون وچرا، رسول یا وقت کے سب سے بڑے حکیم وعالم کے اتباع کی توفیق دے دیتا ہے) **ف۵۱۶** (اے مسلمانو!) اسی طرح ایک اسی مسئلہ پر موقوف نہیں، ہر معاملہ میں **ف۵۱۷** یعنی ایسی امت جو ہر اعتبار اور ہر معیار سے غایت اعتدال پر ہو۔ ہر کجی اور ہر افراط وتفریط سے پاک۔ وَسَطًا۔ عربی زبان میں یہ لفظ خاص مدح کے موقع پر آتا ہے۔ واما الوسط فانه فی کلام العرب الخیار (ابن جریر) اسعیر للخصال المحمودة بوقوعها بین طرفی افراط و تفریط (بیضاوی) حدیث نبوی میں وسط کی تفسیر عدل سے آئی ہے۔ عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ امة وسطًا قال عدلًا (ابن کثیر عن احمد) اور ائمۂ لغت سے بھی یہی معنی منقول ہیں۔ قال الجوهری فی الصحاح امةً وسطًا ای عدلًا وهو الذی قاله الاخفش والخلیل و قطرب (کبیر) آیت سے یہ استنباط بھی کیا گیا ہے کہ اجماع امت حجت ہے۔ احتج جمهور الاصحاب و جمهور المعتزلة علی ان اجماع الامة حجة (کبیر) **ف۵۱۸** ملت اسلامی، انفرادی واجتماعی دونوں حیثیتوں سے، ساری دنیا کے لیے بہ طور نمونہ کے تیار کی گئی ہے،

فسق وفجور کی ہرصورت سے بچے رہنا چاہیے۔ ورنہ پھر ادائے شہادت کے قابل نہ رہیں گے **ف۵۱۹** جس طرح دنیا کی ہر اُمت کے لیے نمونہ اور معیار کا کام دینے کے لیے امت اسلامیہ ہے خود اس امت کے لیے معیار کا کام دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے **ف۵۲۰** (اور اس پر بھی حکم الٰہی ہی سے تھے) یعنی بیت المقدس۔ اس سلسلہ میں یہ خوب ملحوظ رہے کہ اسلام میں قبلہ خواہ بیت المقدس یا خانہ کعبہ، بہرحال ایک متعین ومخصوص مکان کا نام ہے، خواہ وہ کسی مقام سے کسی طرف پڑے۔ نہ کہ کسی متعین سمت وجہت کا، جیسا کہ مشرکوں کے ہاں اور مسیحیوں کے ہاں ہے **ف۵۲۱** (اور فرمانبرداروں کا امتیاز نافرمانوں سے کرلیں) لِنَعْلَمَ۔ علم کے معنی یہاں تمیز وشناخت کے ہیں۔ ای لیتمیز به الثابت علی دینه من المرتد (بحر) علی اطلاق العلم علی معنی التمیز لان بالعلم یقع التمیز (بحر) الا لنمیز هٰؤلآء من هٰؤلآء ...... فسمی التمییز علمًا (کبیر) علم الٰہی کلی میں تو ہر واقعہ شروع ہی سے موجود ہے، لیکن کائنات میں جب تک کوئی واقعہ واقع نہ ہولے، اس پر واقعہ کا اطلاق ہی نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی یہ مضمون آیا ہے، مراد اس کے وقوع ظاہری، عملی سے ہوتی ہے۔ **ف۵۲۲** (اور وہ اطاعت رسول کے ذوقِ سلیم سے بہرہ ور ہیں) بعض علماء نے یہیں سے یہ استنباط کیا ہے، کہ اہل قبلہ جتنے بھی ہیں، بدرجہ ضروری تک راہ ہدایت پر ہیں۔ قبلہ پر قائم رہنا ایک بڑے سنگین امتحان سے گزرنا ہوا۔ اور اہل قبلہ کی عدم تکفیر کی ایک بنیاد بن گیا **ف۵۲۳** (اور اعمال ایمانی کو) بعض مسلمانوں کو یہود کے ورغلانے سے یا از خود یہ وہم ہوگیا تھا کہ جب

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ

بے شک ہم نے دیکھ لیا آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا **ف۵۲۵** سو ہم ضرور آپ کو متوجہ کردیں گے

قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

اس قبلہ کی طرف جسے آپ چاہتے ہیں **ف۵۲۶** اچھا اب کر لیجیے اپنا چہرہ مسجد الحرام

الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

کی طرف **ف۵۲۷** اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے کر لیا کرو

شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ

اسی کی طرف **ف۵۲۸** اور جن لوگوں کو کتاب مل چکی ہے وہ یقیناً جانتے ہیں

اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

کہ وہ (حکم) واقعی ہے ان کے پروردگار کی طرف سے **ف۵۲۹** اور اللہ بے خبر نہیں ان کی

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

کارروائیوں سے **ف۵۳۰** اور اگر آپ ان لوگوں کے سامنے جنہیں کتاب مل چکی ہے،

بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ

ساری ہی نشانیاں لے آئیں **ف۵۳۱** (جب بھی) یہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے **ف۵۳۲** اور نہ آپ ان کے قبلہ کی

قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ

پیروی کرنے والے ہیں **ف۵۳۳** اور نہ وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں **ف۵۳۴**

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا

اور اگر (کہیں) آپ ان کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگیں **ف۵۳۵** بعد اس کے کہ

جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

آپ کے پاس علم آچکا ہے **ف۵۳۶** تو یقیناً آپ (بھی) ظالموں میں (شمار) ہوں گے **ف۵۳۷**

وقف لازم

اصل قبلہ خانۂ کعبہ ہے اور بیت المقدس محض ایک عارضی قبلہ تھا، تو اس رُخ پر جتنی نمازیں پڑھی گئیں وہ بیکار گئیں۔ اور جو مسلمان اس حکم جدید سے قبل وفات پاچکے، وہ تو سرتاسر گھاٹے میں رہے۔ جواب اُنہی کو مل رہا ہے، کہ یہ وہم کیسا۔ قبلہ کوئی سا بھی ہو، اجر تو تعمیل احکام کرنے والوں کا ہے۔ جنہوں نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی، انہوں نے بھی بہرحال حکم ہی کی تعمیل کی تھی۔ اجر اُن کا تمام وکمال ثابت رہا۔ **ف۵۲۴** چنانچہ دوسرے احکام کی طرح یہ حکم تحویل قبلہ بھی تمام تر اس کی شفقت و مہربانی، رافت ورحمت ہی کا نتیجہ ہے۔ **ف۵۲۵** (انتظار وحی میں اے پیغمبر!) رسول اللہ ﷺ کو صحیح جذبۂ دینی کے ماتحت اس کا یقین تھا کہ اب جب کہ امامت بنی اسرائیل سے چھن چکی ہے، تو ان کا قبلہ بھی قبلۂ اُمت نہیں رہ سکتا، تحویل قبلہ کا حکم اب آ کر رہے گا۔ اور فرشتۂ وحی کے انتظار میں آپ کی نظر بار بار آسمان کی طرف بھی اٹھ جاتی تھی۔ یہاں اسی کیفیت کا بیان ہے۔ حق تعالیٰ اگرچہ ہرگز کسی جہت کا پابند، کسی مکان سے محدود نہیں، تاہم تجلیات خاصہ کو قرآن میں آسمان کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ اسی لیے محققین نے لکھا ہے کہ بوقت اضطرار ودعا آسمان کی طرف منہ کرنا موجبات قبول میں سے ہے، بلکہ اس نسبت علوی سے کمال یقین اور تصفیہ قلب میں اور مدد ملتی ہے۔ قَدْ نَرٰى گو صیغہ مضارع ہے، لیکن مراد ماضی ہے۔ لفظه مستقبل والمراد به الماضی (عکبری) نَرٰى سے اشارہ یہ بھی ہوگیا کہ آپ حیران ومضطر کیوں ہوتے ہیں۔ ہم نے خوب دیکھ لیا ہے آپ کے تعلق خاطر کو۔ اور اس میں کمال تسکین ہے رسول اللہ ﷺ کی۔ فِي السَّمَآءِ میں فی الی کے معنی میں ہے۔ فی جهة السماء (کشاف) نحو السماء و قبلها (ابن جریر) **ف۵۲۶** یعنی خانۂ خدا وقبلۂ ابراہیمی کی جانب۔ یہ وعدہ ہے تحویل قبلہ کا۔ یہاں بجائے براہ راست یہ ارشاد فرمانے کے کہ ہم کعبہ کی طرف آپ کو پھیر دیں گے، ارشاد یہ ہوا ہے کہ ہم اسے آپ کا قبلہ قرار دے دیں گے جسے آپ خود قبلہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کی کمال رفعت مراتب اور کمال درجہ فنا وقبولیت ظاہر ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل طریقت کے ہاں جو اصطلاح مقام مرادیت ومحبوبیت کی آئی ہے، اس کی اصل یہی آیت ہے۔ کیا ٹھکانا ہے اس بلندی مرتبہ کا کہ مولیٰ خود طالب رضائے عبد ہوجائے! اس کے آگے کوئی مرتبہ تصور میں بھی نہیں آسکتا ہے۔ اقبال نے اسی مقام کی تشریح کی ہے۔ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندہ سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟ فلنولینك کے دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ ہم آپ کو اس کا والی وحاکم اور اس پر متصرف بنادیں گے۔ ای لنمکننک من استقبالها (مدارک۔ روح) ابھی وعدہ ہوا تھا تحویل قبلہ کا۔ اب حکم صادر ہوگیا تحویل قبلہ کا۔ الوجه لفظی معنی چہرہ کے ہیں۔ لیکن حکم میں کل جسم کے ہے۔ المراد من الوجه ههنا جملة بدن الانسان (کبیر) و قد یعبر عن کل الذات بالوجه (کبیر) **ف۵۲۷** الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ عزت وحرمت والی مسجد سے مراد مکہ معظمہ کی وہ مسجد اعظم ہے جس کے اندر خانۂ کعبہ واقع ہے۔ خانہ کعبہ بہت ہی مختصر عمارت کا نام ہے۔ مدینہ والوں یا اور کہیں کے بھی لوگوں کو اس کی جہت کی تعیین بہت دشوار تھی۔ اس لیے امت کی سہولت کے لیے نام نسبۃً ایک بہت بڑی عمارت کا لے دیا گیا (مدارک۔ بیضاوی) محققین کے نزدیک یہاں مسجد حرام سے مراد کعبہ ہی ہے۔ و مراده البیت نفسه (جصاص) والمراد به البیت لانه تعالی خاطبنا بلغة العرب وهی تعبر عن الشیٔ بما یجاوره او بما یشتمل علیه (ابن العربی) و ذکر المسجد الحرام دون الکعبة دلیل علی ان الواجب مراعاة الجهة دون العین (مدارک) اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول منقول ہے کہ مسجد حرام قبلہ ساری دنیا کی ہے اور خانہ کعبہ قبلہ ہے اس مسجد کا۔ مسجد حرام یا حرم شریف کی موجودہ عمارت کا نقش اول خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ کا ہے۔ بعد کے خلفاء وسلاطین برابر اس میں اضافہ کرتے رہے، خصوصاً ترک سلاطین۔ موجودہ ہیئت سلطان سلیم ثانی (متوفی ۱۵۷۷ء) کے عہد سے تقریباً قائم ہے۔ صحن کی وسعت ۶۰۰ فٹ بیان کی گئی ہے۔ متعدد بڑے بڑے عالی شان اور فراخ دالان چاروں طرف اس کے علاوہ ہیں داخلہ کے ۴۱ دروازے ہیں۔ منارے چھ ہیں۔ اور گنبد گمزیوں کی تعداد ۱۵۰ سے متجاوز ہے۔ ایک دوسرے بیان کے مطابق شمالی غربی وسعت ۵۴۵ فٹ ہے۔ جنوبی ومشرقی ۵۵۳ فٹ، شمالی مشرقی ۳۶۰ فٹ اور جنوبی و

غربی ۳۶۴ فٹ۔ شَطْرَ سے مراد ہے مسجد حرام کی سمت میں یا اُس کے رُخ پر۔ نہ کہ عین اس کے مقابل، کہ اس کی تعمیل دور دراز کے علاقوں میں ممکن ہی نہیں۔ **شطرہ ای نحوہ و تلقاءہ قالہ ابن عباس وابو العالیۃ و مجاھد والربیع بن انس** (جصاص) فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز میں جو استقبال قبلہ فرض ہے وہ سینہ کا ہے۔ چہرہ کا استقبال صرف مسنون ہے۔ نماز سے باہر ہونا صرف اُس وقت ممکن ہے جب چہرہ کے ساتھ سینہ بھی کعبہ کی طرف سے پھر جائے۔ صرف گردن پھر جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی **ف۵۲۸** (حالتِ نماز میں) خطاب سارے مسلمانوں یا امتِ محمدی سے ہے۔ ابھی ابھی رسول اللہ ﷺ کو حکم ملا تھا کہ اپنے پسندیدہ قبلہ کی طرف نماز پڑھا کیجئے۔ اب عام حکم صراحت کے ساتھ ساری امت کو مل رہا ہے۔ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ نماز، انسان کہیں بھی ہو، درست ہے۔ کچھ مسجد ہی کی قید نہیں **ف۵۲۹** علماء واکابر یہود کو اپنے ہاں کی روایتوں اور نوشتوں کی بنا پر یہ خوب علم تھا کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا قبلہ وہی ہوگا جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا تھا کہ وہی قبلہ اصلی اور حقیقی ہے۔ بیت المقدس کا قبلہ ہونا عارضی تھا۔ اَنَّہُ میں ضمیر سے مراد یہی حکم تحویل قبلہ ہے۔ **ای التحویل الی الکعبۃ** (کشاف) **والضمیر للتحویل او للتوقیۃ** (بیضاوی) مِنْ رَّبِّھِمْ کی قید نے اس حقیقت کو اور واضح کر دیا کہ استقبال کعبہ رسول اللہ ﷺ کا امر اجتہادی نہیں، تمام تر حکم ربانی ہے **ف۵۳۰** (جو وہ اخفاءِ حق وصداقت کی کرتے رہتے ہیں) **ف۵۳۱** یعنی اپنی پیغمبری کے سارے ممکن دلائل و معجزات بھی۔ اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ سے مراد یہود ہیں

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ

جن لوگوں کو ہم کتاب دے چکے ہیں ف۵۳۸ وہ آپ کو پہچانتے ہیں اس طرح جیسے کہ اپنی نسل والوں کو

اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ

پہچانتے ہیں ف۵۳۹ اور بے شک ان میں کے کچھ لوگ خوب چھپاتے ہیں حق کو،

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ

حالانکہ جانتے ہوتے ہیں ف۵۴۰ یہ امر حق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے، پس تو کہیں شک کرنے والوں میں

مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا

ہرگز نہ ہو جانا ف۵۴۱ اور ہر ایک کے لیے کوئی رخ ہوتا ہے جدھر وہ متوجہ رہتا ہے ف۵۴۲

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ

سو تم نیکیوں کی طرف بڑھو ف۵۴۳ تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب کو پا لے

جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ

گا ف۵۴۴ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۵۴۵ اور آپ

حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف موڑ لیا

الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

کریں ف۵۴۶ اور یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے امر حق ہے ف۵۴۷ اور اللہ اس سے بے خبر نہیں،

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

جو تم کر رہے ہو ف۵۴۸ اور آپ جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں، اپنا منہ

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا

مسجد حرام کی طرف موڑ لیا کریں ف۵۴۹ اور تم لوگ (بھی) جہاں کہیں ہو،

ف۵۳۲ (یہ حد ہے ان کے ضد، عناد و تعصب کی، اس لیے آپ کا ان کے اعتراضات کی طرف اعتناء کرنا ہی بے کار ہے) **ف۵۳۳** اس لیے کہ اسرائیل کی امامت کے خاتمہ پر آپ کو ایک مستقل، امتیازی، عالمگیر قبلہ عطا ہو چکا ہے، اور یہود و نصاریٰ کو آپ کی طرف سے اب ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جانا چاہیے) **ف۵۳۴** چنانچہ یہود کا قبلہ آج تک ہیکل بیت المقدس ہے۔ اور نصاریٰ کسی عمارت یا مکان کو نہیں، بلکہ سمت مشرق کو قبلہ بنائے ہوئے ہیں اور عجب نہیں کہ اندرونی اختلافات اس سے بھی زائد ہوں۔ بحمد اللہ کہ ہمارے قدیم مفسرین بھی یہود و نصاریٰ کے قبلوں کے فرق سے صحیح طور پر واقف تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔ **فالیھود مستقبل بیت المقدس والنصارٰی مطلع الشمس** (مدارک) اور خیر نسفی تو بعد کے شخص ہیں۔ ابن جریر تو متقدمین میں ہیں، وہ تک اس سے باخبر تھے۔ **و ذٰلک ان الیھود تستقبل بیت المقدس بصلا تھا و من النصارٰی تستقبل المشرق** (ابن جریر) **ف۵۳۵** تحویل قبلہ کے باب میں، حالانکہ عصمت نبوت خود ہی اس مفروضہ کے منافی ہے) اہل کتاب کی اتباع واسترضا تو مطلقاً ممنوع ہے، لیکن قبلہ جیسے بنیادی دینی مسئلہ میں ان کی اتباع معصیت ہی نہیں، کفر ہے **ف۵۳۶** یعنی علم ثابت بالوحی۔ قرآنی اصطلاح میں العِلْم سے مراد یہی علم حقیقی ہوتا ہے، دنیوی ''علوم'' کی کوئی صنف نہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت میں تہدید ہے اُن لوگوں کے لیے جو علم صحیح کے باوجود بجائے اس کے اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں۔ **و فی ذٰلک تحذیر لمن یترک الدلیل بعد انارۃ ویتبع الھوٰی** (مدارک) **ف۵۳۷** اللہ کے قانون میں رو رعایت کی گنجائش کسی کے لیے نہیں۔ یہاں تک کہ انبیاء کے لیے بھی نہیں۔ اور نفس فطرت بشری کے لحاظ سے گناہوں کی صلاحیت اُن میں بھی ویسی ہی ہوتی ہے، جیسی دوسرے انسانوں میں۔ یہ اور بات ہے کہ توفیق الٰہی ان کا تعلق ہر وقت اور ہر حال میں اپنے سے قائم رکھتی ہے، اور انہیں خطا سے محفوظ اور معصیت سے معصوم بنائے رکھتی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت سے یہ نکتہ بھی پیدا کیا ہے کہ عالم کے حق میں وعید شدید تر ہے غیر عالم کے مقابلہ میں۔ **دلت الاٰیۃ علی انہ توجہ الوعید علی العلماء اشد من توجہ علٰی غیرھم** (کبیر) **ف۵۳۸** عموم لفظ کے تحت میں مسیحی بھی داخل ہیں۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ مراد یہود ہیں۔ توریت و صحف قدیم کو مسیحی بھی مانتے ہیں۔ علماء بلاغت نے اشارہ کیا ہے کہ اس موقع پر صیغۂ معروف اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ ضمیر متکلم کی تصریح کے ساتھ صیغۂ مجہول اُوْتُوا الْکِتٰبَ سے کہیں زیادہ بلیغ و پر معنی ہے **ف۵۳۹** یعنی خوب اچھی طرح بغیر کسی اشتباہ والتباس کے۔ مطلب یوں ہوا کہ پچھلے نوشتوں میں ایک نبی آخر الزمان کی آمد کی بابت پیش گوئیاں اس صراحت سے مذکور ہیں کہ یہود کو آپ کی شناخت میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی۔ وہ جس طرح اسرائیلی انبیاء کو پہچان لیتے تھے، ٹھیک اسی طرح آپ کو بھی پہچان سکتے ہیں۔ اَبْنَآءَھُمْ کے لفظی معنی اپنے لڑکوں کے ہیں۔ لیکن ضمیر ھُمْ سے مراد افراد واشخاص نہیں، بلکہ قوم یہود و نسلِ اسرائیل مجموعاً ہے۔ یعنی ابناء اسرائیل اَبْنَآءَ کا لفظ عربی میں اولاد سے زیادہ وسیع معنی رکھتا ہے۔ اور ہمیشہ صلبی بیٹوں ہی کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ جن جن پر فرزندی کا اطلاق مجازاً ہو سکتا ہے اُن سب پر حاوی ہے۔ یَعْرِفُوْنَہٗ میں ضمیر ہٗ سے کیا مراد ہے؟ قدماء عموماً اور اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد بیت الحرام کو بہ حیثیت قبلۃ الانبیاء کے پہچاننا ہے۔ چنانچہ تفسیر ابن جریر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے لے کر قتادہ، ابن زید، سدی، ابن جریج تابعین کے اقوال اسی معنی میں منقول ہیں۔ لیکن متوسطین اور متاخرین میں تقریباً سب کا اس پر اتفاق ہو گیا ہے کہ مراد ذات رسالت سے ہے۔ اور دلائل اسی کے زیادہ مؤید ہیں۔ اور سند اس کی بھی تابعین سے مل جاتی ہے۔ **یعنی یعرفون محمداً** ﷺ (معالم) **ای یعرفون رسول اللہ** ﷺ (کشاف) **ذکروا فیہ وجوھا احدھا انہ عائد الی رسول اللہ** ﷺ ...... **والقول الثانی** ...... **واعلم ان القول الاوّل اظھر** (کبیر) **والضمیر لرسول اللہ** ﷺ **وان لم یسبق ذکرہٗ بدلالۃ الکلام علیہ** (بیضاوی) **والضمیر عائد علی النبی** ﷺ **قال مجاھد و قتادۃ وغیرھما** (بحر) ہٗ ظاہر ہے کہ ضمیر غائب ہے۔ لیکن اُردو میں نہایت تعظیم کے موقع پر غائب ''وہ'' کے بجائے حاضر ''آپ'' لاتے ہیں۔ **ف۵۴۰** یہود اور دوسرے معاندین کا یہ اخفاءِ حق دانستہ اور بہ ارادہ ہے۔ کسی معذوری، دانستہ

غلط فہمی، یا دلائل میں خفاء کا نتیجہ نہیں۔ اَلْحَقَّ۔ حق سے مراد یہاں رسول اللہ ﷺ کا وہ مفصل و مکمل تعارف ہے، جو توریت اور دوسرے الہامی نوشتوں میں موجود ہے۔ ما فی کتبھم من صفة النبی ﷺ (ابن کثیر) ای یکتمون محمدًا ﷺ (ابن جریر۔ عن مجاہد) والحق المکتوم ھنا ھو رسول اللہ ﷺ قال قتادۃ و مجاھد (بحر) دوسرے معنی امر تحویل قبلہ کے بھی لیے گئے ہیں۔ قیل امر القبلۃ (کبیر) وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ اس ٹکڑے سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ یہ انکار کرنے والے عوام و جہلاء یہود نہیں، اُن کے علماء و اکابر تھے۔ ف ۵۴۱ (اے مخاطب) آیت کا یہ جزو تاکید کلام کے لیے ہے۔ یعنی یہاں جو کچھ بھی بیان ہو رہا ہے، خواہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے متعلق ہو، یا امر تحویل قبلہ سے متعلق۔ بہر حال و بہر صورت یہ اللہ ہی کا کلام ہے، اور ہرگز بے التفاتی یا کم التفاتی کے قابل نہیں۔ ف ۵۴۲ ع ہر قوم راست راہے، دینے و قبلہ گاہے! یعنی ہر قوم ہر اُمت نماز و عبادت کے لیے ایک مرکزی رُخ مقرر رکھتی ہے، سو اُمت اسلامیہ کے لیے بھی ایک متعین قبلہ ناگزیر ہے۔ لِكُلٍّ۔ "ہر ایک" سے مراد ہر قوم یا ہر اُمت ہے اور حذف مضاف کی طرح حذف مضاف الیہ کی مثالیں عربی میں عام ہیں۔ ولم یقل لکل قوم اوامة لانه معروف المعنی عندھم (کبیر) یعنی بذلک اھل الادیان (ابن کثیر) لکل طائفة من اھل الادیان (بحر) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ بعض صوفیہ عارفین نے آیت کو حدیث نبوی کل مُیَسّرٌ لما خلق له (ہر ایک کے لیے وہی آسان ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے) سے مؤید کرکے اس کی شرح میں کہا ہے کہ تکوینی و تشریعی دونوں حیثیتوں سے اللہ نے انسانوں کے حالات مختلف رکھے ہیں، اور متعدد طبقے ان کے پیدا کر دیے ہیں۔ کوئی کاشتکاری میں لگا ہے، کوئی تجارت میں، اور کوئی صنعت و حرفت میں۔ اسی طرح دینی حیثیت سے بھی، کوئی احادیث نبوی جمع کر رہا ہے، کوئی حفظ قرآن کر رہا ہے، کوئی مسائل فقہ کا استنباط کر رہا ہے، کوئی قرآن کی تفسیر و ترجمانی میں لگا ہوا ہے۔ یہ سب مختلف طریقے، راستے ہیں اللہ کی طرف کے۔ اللہ ان سارے طریقوں کو اپنے بندوں کے ذریعہ سے آباد رکھنا چاہتا ہے۔ تو جو شخص جس طریق پر بھی اللہ کی رضا کے قصد سے چلے گا، اللہ اُس کے لیے قبول و وصول آسان کر دے گا۔ هُوَ اخفش نحوی اور زجاج لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ یہ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہی رُخوں کا پھیرنے والا ہے۔ قیل ھو عائد علی اللہ تعالیٰ قال الاخفش والزجاج (بحر) ف ۵۴۳ (اے مسلمانو!) خطاب اُمت اسلامیہ کو ہے کہ حسن عمل کی طرف بڑھو، اور جملہ مذاہب و ادیان کے اتحاد قبلہ کے خیال خام میں نہ پڑے رہو۔ خیرات۔ خیر کی جمع وسیع و عام مفہوم ہے۔ رضا الٰہی کے لیے موافق شرع جملہ امور کو شامل۔ وصول الی اللہ کے بے شمار راستوں پر حاوی۔ فَاسْتَبِقُوا۔ عارفین نے کہا ہے کہ ہر وقت جو چیز اُس وقت کے لحاظ سے خیر و مصلحت ہو، اُس کی طرف بڑھنا ہی "استباق خیر" ہے ف ۵۴۴ (اور تمہاری نمازوں میں وحدت پیدا کر دے گا) ساری اُمت کا قبلہ ایک خاص مکان کو مقرر کر دینے سے ایک خیال یہ پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ تو ایک صورت انتشار کی سی پیدا ہوگئی، کوئی شمال کی طرف رُخ کرے گا، کوئی جنوب کی طرف۔ وقس علیٰ ہذا۔ شبہ کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ نہیں ایسا نہیں ہے۔ شبہ محض سطحی ہے۔ مقصود تو نماز اور نمازیوں میں وحدت پیدا کرنا ہے۔ تم شمال، جنوب، شرق، غرب، دنیا کے کسی خطہ، کسی علاقہ میں بھی متفرق و منتشر ہو۔ عالم الغیب والشہادۃ کو تو بہر حال علم ہے کہ تم رُخ ایک ہی طرف کیے ہوئے ہو۔ وہ کعبہ کی طرف پڑھی ہوئی ساری نمازوں کو ایک حکم میں رکھے گا۔ یجعل اللہ تعالیٰ صلاتکم مع اختلاف جھاتھا فی حکم صلاۃ متحدۃ الجھت (روح) ای یجمعکم و یجعل صلاتکم کلھا الی جھة واحدۃ قالہ الزمخشری (بحر) دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ اشارہ یہاں موت و قیامت کی طرف ہے۔ یعنی تم دفن جہاں کہیں بھی ہوگے۔ اللہ تعالیٰ سب کو حشر میں یکجا کر دے گا۔ ف ۵۴۵ (اور اُس کے احاطۂ قدرت سے کوئی چیز بھی خارج نہیں) یہ ایک اصولی جواب بہت سے شبہات کا ہے۔ اللہ کے بتائے ہوئے مسائل میں انسان کو جہاں کہیں بھی استبعاد عقلی معلوم ہوتا ہے اُس کی بنیاد ہمیشہ اسی مغالطہ پر ہوتی ہے کہ اپنے اوپر قیاس کرکے اللہ کے قویٰ کو بھی محدود، اور اُس کی قدرت کو بھی زمان، مکان وغیرہ کی قیود کا پابند سمجھ لیا جائے۔ قرآن مجید نے اس بشری ذہنیت (سائیکالوجی) کو پوری طرح سمجھ کر بار بار اسی حقیقت کی طرف تنبیہ کی ہے، کہ خدائی فعلیت پر حکم لگاتے وقت خدائی قدرت کی بھی وسعت بے پایاں کو تو یاد رکھا کرو۔ ف ۵۴۶ مطلب یہ کہ یہ حکم استقبال کعبہ، سفر و حضر کہیں سب کے لیے ہے۔ محض قیام مدینہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بیّن بھذا تساوی الحالین اقامةً و سفرًا فی انه مامور باستقبال البیت الحرام (بحر) ف ۵۴۷ یعنی امر ثابت شدہ جس میں اب کسی نسخ و تبدیلی کا امکان نہیں۔ هُوَ الْحَقُّ ای ثابت الذی لا یعرض له نسخ ولا تبدیل (بحر) اِنَّهٗ۔ میں ضمیر حکم استقبال کعبہ کی طرف ہے۔ ف ۵۴۸ ایک جزئی حکم کے بعد کلی تنبیہ اسلوب قرآنی کے خصائص میں سے ہے۔ اور صیغۂ واحد سے صیغۂ جمع کی طرف منتقل ہو جانا عربی اسلوب بلاغت میں عام ہے۔ ف ۵۴۹ الفاظ کی تکرار غالبًا تاکید معنی کے لیے ہے۔ اور یہ اہل عرب کا عام دستور ہے۔ کررت توکیدًا (بحر) ھو الاکثر المعھود فی لسان العرب وھو ان تعاد الجملة مرۃ واحدۃ (بحر) بعض نے لکھا ہے کہ پہلا حکم تعمیم حال کے لیے ہے۔ یعنی سفر حضر میں جس حال میں بھی ہوں، توجہ کعبہ کی طرف کرلی جائے۔ اور دوسرا حکم تعمیم مکان کے لیے ہے۔ یعنی دور و نزدیک، حاضر غائب، جہاں کہیں بھی ہوں، توجہ کعبہ کی طرف کرلی جائے۔ مفسرین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق دوسری حکمتیں بھی اس تکرار حکم کی لکھی ہیں۔
ف ۵۵۰ (اے مسلمانو!) یعنی یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ساری اُمت پر اس کی تعمیل فرض ہے۔ ...

كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ

اپنا منہ اس کی طرف موڑ لیا کرو ف ۵۵۰ تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں

لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ

حجت نہ رہ جائے ف ۵۵۱ سوا ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں ف ۵۵۲

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ

سو تم ان سے نہ ڈرو ف ۵۵۳ بلکہ (صرف) مجھ سے ڈرو ف ۵۵۴ تاکہ میں اپنا انعام تم پر پورا کروں ف ۵۵۵

وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا

اور تاکہ تم راہ پر (قائم) رہو ف ۵۵۶ (اسی طرح) جیسے ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول تم ہی میں

مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ

سے بھیجا، ف ۵۵۷ جو تمہارے روبرو ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے ف ۵۵۸ اور تمہیں

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں اس کی تعلیم دیتا ہے ف ۵۵۹ جو تم نہیں جانتے تھے ف ۵۶۰

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

سو تم مجھے یاد کرتے رہو، ف ۵۶۱ میں بھی تمہیں یاد کرتا رہوں گا، ف ۵۶۲ اور میری شکر گزاری کرتے رہو، اور میری ناشکری نہ کرو ف ۵۶۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو ف ۵۶۴

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ

بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ رہے ف ۵۶۵ اور جو اللہ کی راہ میں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا

قتل ہو جائیں، انہیں مردہ نہ کہو (نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں ف ۵۶۶ البتہ

اسرار نے لکھا ہے کہ ہر بار کے حکم سے ایک ایک خاص اشارہ مقصود ہے، مثلاً (۱) پہلی بار سے مطلق حکم وجوب (۲) دوسری بار سے تعمیم احوال۔ یعنی سفر ہو یا حضر (۳) تیسری بار سے تعمیم مکان۔ یعنی نزدیک ہو یا دور، حاضر ہو یا غائب (۴) چوتھی بار سے تعلیم ادب یعنی قبلہ رُو رہنے کا استحباب (۵) پانچویں بار سے توجہ قلبی۔ یعنی دل اُسی طرف لگا رہے جدھر پروردگار کی خاص توجہ ہے۔ (۶) چھٹی بار سے تاکید۔ یعنی رفع احتمال نسخ۔ **و۵۵۱** (مثلاً اہل کتاب کو اس اعتراض کی گنجائش، کہ ہمارے نوشتوں کے بموجب تو آخری نبی ﷺ کا قبلہ، قبلہ ابراہیمی ہونا تھا۔ یا مشرکین عرب کو اس اعتراض کا موقع کہ یہ نبی ﷺ دین ابراہیمی کے مدعی ہو کر قبلہ ابراہیمی کیوں ترک کیے ہوئے ہیں) لِلنَّاسِ میں النَّاس سے مراد جملہ مخالفین ومعترضین ہیں **و۵۵۲** (یعنی رہے وہ کج فطرت معاندین جو اس کے بعد بھی اعتراضات پر اڑے رہیں گے سو اُن کی کچھ پرواہی نہ کرو۔ **الاّ للمعاندين منهم** (کشاف) **لا حجة لاحدٍ عليكم الا الحجة الداحضة للذين من اليهود وغيرهم** (بحر) اِلَّا کو یہاں ابو عبیدہ لغوی نے واؤ کے مرادف قرار دیا ہے۔ لیکن فراء اور دوسرے اہل لغت نے اس سے انکار کیا ہے۔ (جصاص) **و۵۵۳** (اور نہ اُن کی بکواس کی کچھ پروا کرو) **فلا تخافوا مطاعنهم في قبلتكم** (بحر) **و۵۵۴** (کہ میری ہی نافرمانی تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے) **و۵۵۵** اتمامِ نعمت کے مفہوم اور بھی ہو سکتے ہیں، لیکن اس سیاق میں کھلی ہوئی مراد تعیین قبلہ ہے۔ **بهدايتي ايّاكم الى قبلة ابراهيم** (معالم) **واتمام النعمة بماهداهم اليه من القبلة** (بحر) اُتِمَّ کا عطف لِئَلَّا يَكُونَ پر ہے (جلالین)۔ خانہ کعبہ کا محل نزول رحمت، مرکز تجلیات ہونا مسلم ہے۔ ساتھ ہی نماز کا افضل عبادات ہونا مسلم۔ ان دونوں حقیقتوں کے استحضار کے بعد ظاہر ہو جاتا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعیین قبلہ سے بڑھ کر عنایت اور تکمیل نعمت اور کیا ہوگی **و۵۵۶** (اور اپنے درجات ہدایت میں مزید ترقی کرتے رہو) شریعت اسلامی دنیا کا مکمل ترین ممکن نظام ہے۔ اور اس مکمل ترین ممکن نظام کا ایک اہم جزو تعیین قبلہ واستقبال کعبہ بھی ہے۔ لَعَلَّكُمْ میں لعلّ کَیْ کا مرادف ہے۔ شک کے لیے نہیں "تاکہ" کے معنی میں ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو لوگ پہلے ہی سے ہدایت پر ہیں، ان کو ہدایت یابی سے سرفراز کرنا دلیل اس امر کی ہے کہ مدارج قرب میں ترقی کی کوئی حد ونہایت نہیں ہے **و۵۵۷** كَمَا کا تعلق آیت ماقبل سے ہے۔ یعنی یہ اتمام نعمت اب استقبال کعبہ کے واسطے سے اسی طرح ہوگا، جیسے بعثت رسول کے ذریعہ سے اس کے قبل ہو چکا ہے۔ كَمَا أَرْسَلْنَا **متعلق باتمّ اي اتمامًا كاتمامها بارسالنا الرّسول** (جلالین) **و۵۵۸** (ہر طرح کے فسق وعصیان اور اخلاقی آلودگیوں سے) رسول کی حیثیت محض پیام رساں اور مبلغ کی نہیں ہوتی، مزکی (پاک کرنے والے) کی بھی ہوتی ہے۔ رسول کی گونا گوں حیثیتوں پر حاشیے آیت نمبر ۱۲۷ کے ذیل میں گزر چکے ہیں **و۵۵۹** رسول کی حیثیت معلم اور شارح کی بھی ہوتی ہے۔ يُعَلِّمُكُمْ۔ لفظ تعلیم سے اشارہ ادھر بھی ہو گیا کہ پیمبر کے ارشادات محض لفظ وعبارت تک محدود نہیں رہتے۔ وہ حکمت و دانائی کے سبق، روحانیت کے اصول ومسائل کی تعلیم بھی دیتا رہتا ہے۔ یعنی انہیں اپنے سامعین کے رگ وریشہ میں اتارتا رہتا ہے **و۵۶۰** وحی الٰہی کو عقل بشری سے وہی نسبت ہے جو خدا کو بندہ سے ہے اور رسول چونکہ وحی سے مؤید رہتا ہے، اس لیے قدرۃً اُس کی باریک بین، دُور رس اور دقیقہ سنج نگاہ اُن دقیق حقائق تک پہنچ جاتی ہے، جو بڑے بڑے عقلاء و مفکرین سے بھی مخفی رہتے ہیں۔ اور رسول کی رسائی، عالم حقیقت کی اُن گہرائیوں تک ہو جاتی ہے، جو علم وعقل، کشف واشراق سب سے ماوراء ہیں۔ **ليكون ارساله صلى الله عليه وسلم نعمة عظيمة ولولاه لكان الخلق متحيرين في امر دينهم لايدرون ماذا يصنعون** (روح) **مالا سبيل الى معرفته الّا بالوحي** (مدارک) **و۵۶۱** (طاعت وعبادت کے ذریعہ سے) بندہ کا اپنے مالک کو یاد کرنا یہی ہے کہ اس کی بتلائی ہوئی راہ پر ہمت اور شوق سے چلتا رہے۔ اور یہ یاد الٰہی کسی خاص وقت کے ساتھ محدود ومقید نہیں۔ لکھتے پڑھتے، بولتے چالتے، ملتے جلتے، سوتے جاگتے، سب میں رضاء الٰہی کو مقدم رکھنا یہ بندہ کی طرف سے یاد الٰہی ہے۔ فَاذْكُرُونِي۔ ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر سے مراد لی ہے آیات الٰہی اور اُن کی عظمت وقدرت کا تفکر۔ **وذكروا بالفكر في دلائله واياته وقدرته وعظمته** (احکام القرآن) اور اسی کو سارے اذکار سے افضل اور ان کی اصل قرار دیا ہے۔ **وهو افضل الذكر، سائر وجوه الذكر مبنيّة عليه وتابعة له** (احکام القرآن) **و۵۶۲** (اپنے لطف وعنایت خاص سے) اللہ کا اپنے بندوں کو یاد کرنا یہی ہے کہ، اُن پر دنیا وآخرت دونوں میں اپنے خصوصی فضل وکرم کی بارش کرتا رہے۔ فَاذْكُرُونِي اور أَذْكُرْكُمْ میں ضمیر متکلم کو صیغۂ واحد میں لانا علامت تخصیص کی ہے۔

مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بندہ ادھر سے یاد میں لگا ہے تو اُدھر سے بھی سرافرازی ہوتی رہے گی۔ اور یہی اصلی ثمرہ اور انعام ہے بندہ کے ذکر الٰہی کا۔ سو اگر ذہن کے سامنے ان کا استحضار رہے تو بندۂ ذاکر وشاغل کو نہ کبھی تشویش ہو اور نہ بے حاصلی کی شکایت پیدا ہو **و۵۶۳** وَاشْكُرُوا لِي۔ توحید، ایمان واسلام کے حقوق اداء کرتے رہنا ہی اللہ کی شکر گزاری کرتے رہنا ہے۔ اور شکر کی بہترین تعریف یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ ہی کے کاموں میں لگایا جائے۔ وَلَا تَكْفُرُونِ۔ کفر و شرک، الحاد وارتیاب، فسق وبدعت میں لگے رہنا یہی اللہ کی ناشکری اور اس کی نعمتوں سے کفران کرنا ہے۔ اور ناشکری کا اصلی مفہوم یہی ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے قویٰ کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کیا جائے **و۵۶۴** یعنی ہجوم مشکلات کے وقت بھی مشکل کشائے حقیقی سے تعلق برابر جوڑے رہو۔ اُس پر بھروسہ رکھو۔ اُس کے آگے جھکتے رہو، گرتے رہو ---- روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کسی بڑی اور پر قوت ہستی سے تعلق قائم ہو جانے سے دل کو کتنی تقویت حاصل ہوتی ہے۔ خطرہ کے وقت پولیس کے پہنچ جانے سے، کسی بڑے حاکم کے آ جانے سے دل کو کیسی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ شدید بیماری کے وقت کسی نامور طبیب کے آ جانے سے ٹوٹی ہوئی آس کیسی جڑ جاتی ہے۔ پھر جب دل کا ربط ہمہ بین وہمہ داں، ناصر حقیقی ومحافظ حقیقی سے قائم ہو جائے، تو انسان بے بنیان کی تسکین خاطر وتقویت قلب کا کیا پوچھنا! دُنیا میں رہ کر، زندگی کی کشمکش میں پڑ کر، مشکلات ومصائب کا پیش آتے رہنا ناگزیر ہے۔ افراد کو بھی، اور اُمت وجماعت کو بھی۔ اور وہ دستور العمل ناقص ہے جو مشکلات کے دفاع اور مصائب سے مقابلہ کا طریقہ نہ بتائے۔ قرآن مجید نے بجائے غیر ضروری اور نامتناہی تفصیلات میں جانے کے یہاں اشارہ اصل اصول کی طرف کر دیا۔ بِالصَّبْرِ۔ صبر کے لفظی معنی تنگی اور ناخوشگواری کی حالت میں اپنے کو روکے رہنے کے ہیں۔ **الصبر الامساك في ضيق** (راغب) اور اصطلاح شریعت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے، اور قدم دائرہ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے۔ **الصبر حبس النفس على مايقتضيه العقل والشرع** (راغب) صبر کے یہ معنی نہیں کہ جو امور طبعی اور بشری ہیں، اُن کے آثار کو بھی اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیا جائے۔ بھوک کے وقت مضمحل اور نڈھال ہو جانا، درد کی تکلیف سے کراہنا، رنج کے وقت آہ سرد بھرنا، عزیزوں قریبوں کی موت پر آنسوؤں سے رونا، ان میں سے کوئی شے بھی صبر کے منافی اور بے صبری میں داخل نہیں۔ قرآنی فرمان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ہجوم مشکلات کے وقت گھبرا نہ جاؤ، ثابت قدم رہو۔ دل قابو میں رکھو، خود دل کے بس میں نہ آ جاؤ۔ الصبر والصلٰوۃ صبر ایک سلبی کیفیت اور صلٰوۃ ایک ایجابی عمل ہے۔ ان دو کلیدی لفظوں سے اشارہ ادھر ہو گیا کہ انفرادی اصلاح اور اجتماعی فلاح دونوں کا راز صرف ان دو چیزوں میں ہے۔ ایک معاصی سے حفظ واحتیاط، دُوسرے اوامر کا اتباع **و۵۶۵** اللہ کی معیت عام تو کافر ومومن، فاسق وصالح، اپنے ہر بندہ کے ساتھ ہے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ یہاں یہ معیت عام مراد نہیں۔ بلکہ معیت خصوصی مراد ہے، جس کے آثار حفاظت، اعانت وتوجہ خاص ہیں۔ یہ اسی معیت الٰہی کا احساس واستحضار تھا، جس نے رسول کریم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بے پناہ قوت، جرأت، بے خوفی کا مالک بنا دیا تھا۔ اور حق یہ ہے کہ اس کے مراقبہ سے بڑھ کر نہ رُوح کے لیے کوئی لذیذ غذا ہے اور نہ جراحت قلب کے لیے کوئی مرہم تسکین، یہی ایک تصور ہے اہل ایمان کے لیے جو ہر ناگوار کو خوشگوار ہر تلخ کو شیریں ہر زہر کو قند بنا دینے کو کافی ہے۔ دور حاضر کے مغربی مفکرین اور نفسیین نے بھی اس تعلق باللہ پر روشنی ڈالی ہے، اور تسلیم کیا ہے کہ قلب کی اُداسی، غمگینی، افسردگی کے وقت تعلق باللہ سے بڑھ کر مونس، رفیق ودمساز کوئی نہیں۔ ملاحظہ ہوں Psychology of Religions صفحہ ۶۶ و ۶۷ نیز James. کی Varieties of Religious Experiences کے مختلف مقامات۔ صبر۔ اپنے وسیع مفہوم میں ایک جامع لفظ ہے۔ صلٰوۃ اسی کی ایک ممتاز صورت ہے۔ معیت الٰہی کی یہ نعمت جب صابرین کو ملے گی، تو نمازیوں کو بدرجۂ اولیٰ ملے گی۔ اور اسی لیے اس کی صراحت کی ضرورت نہ رہی۔ **ولم يقل مع المصلين لانه اذا كان مع الصابرين كان مع المصلين من باب اولى لاشتمال الصلٰوة على الصبر** (روح) **و۵۶۶** (عالم برزخ میں ایک خاص حیات کے ساتھ، اور عام انسانوں کی طرح مُردہ نہیں) فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ یعنی دین حق کی راہ میں۔ مذہب صحیح کی خاطر۔ **اي في طاعته واعلاء كلمته** (روح) غزوۂ بدر میں جب کچھ صحابی شہید ہو گئے تو نافہم کافروں نے کہنا شروع کیا کہ انہوں نے خواہ مخواہ اپنی زندگی گنوا دی، اور زندگی کے لطف سے محروم ہو گئے، انہیں جواب مل رہا ہے کہ تم جس معنی میں انہیں مُردہ سمجھ رہے ہو، اُس میں وہ سرے سے مُردہ ہی نہیں بلکہ، زندوں سے کہیں بڑھ کر ہر لذت سے لذت یاب ہو رہے ہیں۔ اصطلاح

میں ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں۔ برزخی زندگی اپنی عام صورت میں تو سب ہی کے لیے ہے، لیکن شہیدوں کو اُس عالم میں ایک خصوصی اور امتیازی زندگی نصیب ہوگی، آثارِ حیات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قوی۔ بقول مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر اُس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچتا ہے کہ اس کا جسد باوجود گوشت پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا۔ اور مثل جسد زندہ کے صحیح و سالم رہتا ہے۔ جیسا کہ احادیث و مشاہدات شاہد ہیں۔ اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء شہیدوں سے بھی زیادہ قوت و امتیاز رکھتے ہیں۔ تخصيص الشهداء لاختصاصهم بالقرب من الله تعالى و مزيدالبهجة والكرامة (بیضاوی) ایک گروہ نے کہا ہے کہ حیات صرف روحانی ہوتی ہے۔ لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ جسمانی و روحانی دونوں ہوتی ہے۔ ذهب كثير من اهل السلف الى انها حقيقية بالروح والجسد و ذهب البعض الى انها روحانية والمشهور ترجيح القول الاول (روح) آیت سے بہ قاعدۂ دلالۃ النص یہ بھی استنباط کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جان و مال کو صرف کرنے والے اور انہیں ہوائے نفس میں لٹانے والے یکساں نہیں ہوتے۔ حیات شہداء کے معتقد یہود کے بھی بعض فرقے ہوئے ہیں۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ٦ صفحہ ٥٦٦) ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اسی آیت سے تمسک کر کے بعض ائمہ نے شہید کے لیے غسل و نماز جنازہ دونوں غیر ضروری بتائے ہیں، کہ اُن کی تطہیر تو شہادت سے ہو چکی ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ کو ضروری برقرار رکھا ہے (احکام القرآن) ف٥٦٧ (اس لیے کہ برزخ حواسِ ناسوتی سے مدرک نہیں ہوتا اور انسان اُسی حیات عالی و لطیف کا ادراک اپنے حواسِ ظاہری کے ذریعہ سے نہیں کر سکتے) انما هي امرٌ لا يدرك بالعقل بل بالوحي (بیضاوی) لانها من احوال البرزخ التي لا يطلع عليها ولا طريق للعلم بها الاّ بالوحي (روح) لان حياتها لشهيد لا نظم حسًا (مدارک) ابن کثیر نے ایک حدیث نبوی نقل کر کے اور اس سے استنباط کر کے لکھ دیا ہے کہ ایسی حیات عام مومنین کو بھی حاصل رہی ہے، البتہ شہداء کا ذکر خاص طور پر اُن کی عظمت و اکرام کے لیے قرآن مجید میں کر دیا گیا ہے۔ ففيه دلالة لعموم المؤمنين ايضاً و ان كان الشهداء قد خصصوا بالذكر في القرآن تشريفًا لهم و تكريمًا و تعظيمًا ف٥٦٨ (بہ تقاضائے حکمت) خطاب مومنین صادقین سے چلا آ رہا ہے۔ اُنہیں بتایا ہے کہ مصیبتیں اور بلائیں اُن پر بھی یقیناً آئیں گی، لیکن بہ طور سزا و عذاب نہیں، بلکہ ابتلاء و امتحان کے رنگ میں۔ اور اس ارشاد سے ان کی تسلی و تسکین کا بہترین سامان بہم پہنچا دیا۔ آزمائش خداوندی سے مقصود نتائج کو دنیا پر ظاہر کر دینا ہوتا ہے۔ ورنہ حق تعالیٰ کو تو یہ علم ظاہر ہے کہ ہمیشہ سے حاصل ہے۔ بِشَيْءٍ سے یہ بتا دیا کہ امتحان بہت سخت نہیں ہوگا۔ ہر ملک کے جزو قلیل ہی سے متعلق ہوگا۔ کل سے متعلق نہیں۔ الْخَوْفِ۔ خوف کا لفظ جامع ہے۔ جان، مال، عزت ہر چیز سے متعلق اندیشہ و ہراس اس کے اندر آ گیا۔ الْجُوعِ۔ بھوک کا امتحان یہ ہے کہ کسی حاجت کے باوجود ہر مال حرام سے بچے۔ اور نہ روزہ سے ہچکچائے۔ نہ فقر و فاقہ سے ڈرے۔ الْأَمْوَالِ۔ رشوت، سود، خیانت، بیع فاسد، ہر غیر شرعی معاملات سے دستبردار ہو جائے، اور جو مالی نقصانات تکوینی طور پر واقع ہوں۔ چوری ہو جائے، آگ لگ جائے، ان سب پر صبر سے کام لے۔ الْأَنْفُسِ۔ موت، بیماری، جہاد کے حادثوں میں صبر سے کام لے۔ وَالثَّمَرٰتِ۔ اولاد سے بھی مراد ہو سکتی ہے اور تجارت، زراعت، وغیرہ کے منافع بھی۔ ہر قسم کی نیک نامی، ناموری کے موقع بھی اس میں شامل ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ بندہ کا ہر امتحان شرک و توحید کے درمیان فارق ہوتا ہے۔ عوام کا امتحان شرکِ جلی سے متعلق ہوتا ہے، اور خواص کا شرکِ خفی سے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت نص ہے اس باب میں کہ مجاہدہ اضطراری بھی نافع ہوتا ہے۔ ف٥٦٩ صبر کرنے والوں کو، یعنی ان بندوں کو جو حالت غم میں بھی حدود شریعت سے قدم باہر نہیں نکالتے، صبر کرنے کے معنی یہ نہیں کہ بندہ بالکل بے حس ہو جائے۔ اور غم کو غم محسوس ہی نہ کرے۔ اس کا نام صبر نہیں، بے حسی ہے۔ صبر یہ ہے کہ انتہائی غمناک و درد انگیز واقعہ پر بندہ عقل کو نفس پر غالب رکھے، زبان کو شکوہ اور ناشکری سے نہ آلودہ ہونے دے اور نظر مسبب الاسباب پر، اُس کی مصلحت و حکمت پر اُس کی شفقت و رحمت پر رکھے۔

غم میں بھی قانونِ فطرت سے میں کچھ بدظن نہیں!
یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے، دشمن نہیں! (اکبر رحمۃ اللہ علیہ)

ف٥٧٠ (حضور قلب کے ساتھ) تحصیل صبر میں عقیدۂ قلب، تلفظ زبانی پر مقدم ہے۔ مُصِيْبَةٌ کے لغوی معنی افتاد کے ہیں۔ اور حدیث میں اس کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ كل شئ سام المؤمن فهو مصيبة (جو شے بھی مسلمان کو ناگوار گزرے، بس وہی اس کے حق میں مصیبت ہے) گویا اس کا اطلاق نہایت وسیع اور عام ہے، اور اس کے تحت میں چھوٹا بڑا ہر ناخوشگوار واقعہ تکوینی آ گیا۔ بیماری ہو، مالی نقصان ہو، دوستوں عزیزوں کی مفارقت کا صدمہ ہو، موت کا غم ہو، لاولدی ہو، توہین اور بے عزتی ہو۔ وقس علیٰ ہذا۔ المصيبة كل ماأذى المؤمن فى نفس اومالٍ او اهلٍ صغرت او كبرت (بحر)۔ زبان سے اس آیت کی تلاوت کا دستور بحمد اللہ اب بھی اکثر مسلمان گھروں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن تحصیل صبر کے لیے محض زبانی اعادہ ہرگز کافی نہیں۔ قلب کے سامنے بھی استحضار پوری طرح ہونا چاہیے۔ الاسترجاع تسليم واذعان (مدارک) وَليس الصبر با لاسترجاع باللسان بل به و بالقلب (بیضاوی) قَالُوْٓا۔ صورۃً صیغہ ماضی کا ہے۔ لیکن مقصود مومنین صابرین کی عادت کا بیان ہے۔ اذا۔ بیان کسی ایک اور اتفاقی واقعہ کے لیے نہیں۔ عام عادت کے اظہار کے لیے آیا ہے۔ یعنی جب جب، یا جب کبھی بھی کوئی ناخوشگواری پیش آتی ہے۔ والمعنى فى اذاهنا على التكرار و العموم (بحر) ف٥٧١ (خواہ آج خواہ چند روز بعد) آیت کے اندر تعلیم تین چیزوں کی ملی۔ ایک یہ کہ ہم سب عبد محض ہیں، اور تمام تر اُسی کی ملک۔ ہم خود بھی اور ہماری ہر چیز بھی۔ اپنی کوئی شے ہی نہیں، نہ بیوی نہ بچے، نہ مال نہ جائیداد، نہ وطن نہ خاندان، نہ جسم نہ جان! ع جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم و گماں ہمارا! (اکبر رحمۃ اللہ علیہ) انسان کے سارے رنج و غم، درد و حسرت کی بنیاد صرف اس قدر ہوتی ہے کہ وہ اپنی محبوب چیزوں کو اپنی سمجھتا ہے۔ لیکن جب ذہن اس عام مغالطہ سے خالی ہو گیا، اور کوئی سی بھی شے ہو، سرے سے اپنی رہی ہی نہیں، تو اب گلہ و شکوہ، رنج و ملال کا موقع ہی کیا؟ دوسری بات یہ کہ بڑے بڑے رنج اور صدمے اور دل کے داغ بھی عارضی اور فانی ہیں، رہ جانے والے کوئی بھی نہیں۔ عنقریب انہیں چھوڑ چھاڑ مالک کی خدمت میں حاضری دینا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہاں پہنچتے ہی سارے قرضے بیباق ہو جائیں گے۔ ہر کھوئی ہوئی چیز وصول ہو کر رہے گی۔ یہ تینوں عقیدے جس کے جتنے زیادہ مضبوط ہوں گے اُسی قدر اس کے دل کو دنیا میں امن و سکون حاصل رہے گا۔ غم و حزن کے بار کو ہلکا کرنے کا جو عارفانہ اور تیر بہدف نسخہ یہاں بتا دیا گیا ہے، یہ صحائف کائنات میں بے نظیر ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ قرآن مجید میں اگر صرف یہی ایک آیت ہوتی، تو یہی اُسے حکیم مطلق کا کلام ثابت کرنے کے لیے واللہ کافی تھی۔ صبر ایک کیفیت نفسی کا نام ہے۔ اور اصلاً اُس کا تعلق قلب سے ہے۔ زبان سے کلمۂ صبر دوہرانے کا حکم اسی کیفیت کو قوی اور مؤکد بنانے کے لیے ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ آیت میں جو حکم ہے اُس کی تعمیل کے تین مرتبے ہیں (١) درجۂ اعلیٰ۔ دل میں آیت کے معنی منقش ہوں، اور زبان پر بھی اس کے الفاظ جاری ہوں (٢) درجۂ اوسط۔ دل میں معنی کا خیال کر لے، اور زبان سے ادا نہ کرے (٣) درجۂ ادنیٰ۔ دل میں استحضار نہ ہو مگر زبان سے دہرا دے۔ چوتھی ممکن صورت یہ ہے کہ دل میں اعتقاد کسی درجہ میں بھی موجود نہ ہو محض زبان سے دہرا دے۔ اس مقام کا نام منافقت ہے، اور یہ ایمان والوں کی دنیا سے خارج ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت تاریخ کا بیان ہے کہ آپ ادنیٰ ادنیٰ تکلیف یا ناگواری کے موقع پر بھی یہ کلمہ زبان پر لاتے رہتے تھے۔ اور یہی معمول آپ کے صحابیوں کا رہا ہے۔ رٰجِعُوْنَ سے یہ مراد نہیں کہ انسان ابھی کہیں اور ہے، اور پھر کسی ایسے مقام یا جہت میں آ جائے گا جہاں خدا ہے۔ خدا کے پاس تو وہ اب بھی ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم آخرت میں جس طرح اللہ کی ملکیت و ربوبیت اور سارے ظاہری اسباب کے ٹوٹ جانے سے بالکل واضح و نمایاں ہو جائے گی، اُسی طرح یہ خدا ہی کی طرف رجوع بالکل آشکار ہو کر رہے گا۔ درمیانی واسطے سب غائب ہو کر رہیں گے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ کلمہ استرجاع تمام مصیبتوں کا علاج ہے اور انہی میں قبض بھی داخل ہے، جو سالکوں کو اکثر پیش آتا رہتا ہے ف٥٧٢ (دنیا اور آخرت دونوں میں) اُوپر کی آیت میں صابرین کے حق میں جس خوشخبری کا ذکر تھا، یہ سب اسی کا بیان ہو رہا ہے۔ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ یعنی لوگ عنایت خاصہ کے مورد ہوں گے۔ ہر شخص اپنے اپنے درجہ کے متناسب۔ وَرَحْمَةٌ۔ یعنی یہ لوگ رحمت عام کے مورد رہیں گے۔ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ دنیا میں ان کی رسائی اس حقیقت تک ہو چکی تھی کہ کوئی چیز بھی اپنی نہیں۔ یہاں تک کہ خود ان کے جسم و جان، نفس و رُوح کا مالک حق تعالیٰ ہی ہے۔ چنانچہ جب یہ اُس کے پاس پہونچیں گے تو سب ہی کچھ پا لیں گے۔ جس نے اللہ کی رحمت عامہ و خاصہ کو پا لیا، اُس سے دنیا اور آخرت کی بچی ہی کونسی نعمت؟ اولٰئک هم الفائزون بمطالبهم الدينية والدنيوية فان من نال تزكية الله تعالى و رحمته لم يفته مطلب (روح) ف٥٧٣ (نہ کہ دیوی دیوتاؤں کی یادگاروں میں سے) صفا و مروہ کسی زمانہ میں مسجد الحرام کے پاس دو پہاڑیاں تھیں۔ اب معمولی بلندیاں محض چٹان کی سی رہ گئی ہیں۔ صفا حرم شریف کی داہنی جانب ہے اور مروہ بائیں جانب۔ دونوں کے درمیان فاصلہ ٤٩٣ قدم کا ہے، یا تقریباً ے فرلانگ۔ صفا کے لغوی معنی صاف پتھر یا خالص چٹان کے ہیں، اور مروہ

تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ

تم ادراک نہیں کر سکتے ۵۶۷ اور ہم تمہاری آزمائش کر کے رہیں گے کچھ خوف

وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ

اور بھوک سے اور مال اور جان اور پھلوں کے کچھ نقصان

وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ

سے ۵۶۸ اور آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے ۵۶۹ کہ جب ان پر کوئی

اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ

مصیبت آپڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں ۵۷۰ کہ بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف

رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

واپس ہونے والے ہیں ۵۷۱ یہ لوگ وہ ہیں کہ ان پر نوازشیں ہوں گی ان کے پروردگار کی طرف سے

وَرَحْمَةٌ ۟ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا

اور رحمت (بھی) یہی لوگ راہ یاب ہیں ۵۷۲ صفا و مروہ

وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ

بے شک اللہ کی یادگاروں میں سے ہیں ۵۷۳ سو جو کوئی بیت (اللہ) کا حج کرے

اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ

یا عمرہ کرے ۵۷۴ اس پر (ذرا بھی) گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان آمدورفت کرے ۵۷۵

وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

اور جو کوئی خوشی سے کوئی امر خیر کرے، سو اللہ تو بڑا قدردان ہے، بڑا علم رکھنے والا ہے ۵۷۶

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جو ہم کھلی ہوئی نشانیوں اور ہدایت میں سے

کے بھی لفظی معنیٰ سفید نرم پتھر کے ہیں۔ الصفا الحجارة الصافية (راغب) قال المبرد و هو كل حجر لا يخالطهٗ غيره من طين او تراب (روح) المروة فى الاصل الحجر الابيض (روح) حدیث صحیح میں یہ مضمون آیا ہے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو شیر خوارگی کے زمانہ میں خانۂ کعبہ کے پاس پیاسا اور تنہا چھوڑ کر اس تلاش میں نکلی تھیں کہ کہیں کوئی قافلہ آتا جاتا نظر آجائے، تو اس سے پانی ہاتھ آئے، اور اس وقت اضطراب میں دوڑ کر اس پہاڑی سے اُس پہاڑی پر جاتی تھیں کہ شاید بلندی سے کسی قافلہ پر نظر پڑ جائے۔ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے دین کی نشانیاں یا علامتیں، دین الٰہی کے وہ شعائر جو طاعتوں میں بہ طور علم کام دیں۔ شَعَآئِر جمع ہے شعیرہ کی اور اس کے معنیٰ ہیں علامت کے۔ جمع شعيرة و هى العلامة (مدارک) اے اعلام طاعة و كل شئ جعل علمًا من اعلام طاعة الله فهو من شعائر الله (کبیر) هى العلائم التى ندب الله اليها و امر بالقيام بها (بحر عن الزہری) اصطلاح میں مراد مناسک حج کی علامتیں ہیں۔ اے من اعلام مناسكه و متعبداته (مدارک) من معالم الله فى الحج (ابن عربی) ۵۷۴ حج۔ عبادات اسلامی کا چوتھا رکن، یا نماز، روزہ، زکوٰۃ کے بعد چوتھا فریضہ۔ امت کے ہر فرد پر خواہ وہ دنیا کے کسی علاقہ کا باشندہ ہو بہ شرط استطاعت وصحت وامن راہ، عمر میں ایک بار فرض ہے۔ گویا دنیائے اسلام کی بین الاقوامی سالانہ کانگرس۔ ارکان حج۔ یعنی جو چیزیں فرض ہیں، وہ تین ہیں:۔ (۱) پوشش احرام۔ یعنی حدود حرم میں داخلہ سے پہلے عام لباس اُتار کر احرام یا بے سلا ہوا لباس پہن لینا (۲) میدانِ عرفات میں ۹ رذی الحجہ کو حاضری۔ اصطلاح میں اسے وقوف کہتے ہیں (۳) طواف زیارت۔ یعنی وقوف کے بعد خانہ کعبہ کا طواف۔ اور واجباتِ حج چار ہیں:۔ (۱) ۹ و ۱۰ ر ذی الحجہ کی درمیانی شب میں مزدلفہ میں قیام (۲) صفا و مروہ کے درمیان آمد و رفت۔ اصطلاحی نام سعی ہے (۳) مزدلفہ میں قیام کے بعد منیٰ میں کنکریاں پھینکنا۔ اصطلاحی نام رمی جمرات ہے (۴) طوافِ کعبہ۔ (یہ طواف فرض کے علاوہ ہے اور طوافِ صدر کہلاتا ہے)۔ قربانی کرنا، سر کے بال اُتروانا، وغیرہا بہت سے سنن و مستحبات ان کے علاوہ ہیں۔ عمرہ۔ اس کا دوسرا نام حج اصغر ہے۔ اس میں حج کی طرح مہینہ اور تاریخ کی قید نہیں۔ اور نہ اس میں وقوف عرفات ہے، اور قیام مزدلفہ ومنیٰ، سال کے ہر موسم میں اور ہر وقت ہوسکتا ہے۔ عمرہ کی نیت سے احرام حدود حرم سے باہر باندھے۔ طوافِ کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر کے بال اُتروائے، بس عمرہ ہوگیا۔ احرام کھول دے ۵۷۵ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ۔ صفا و مروہ کو نسبت تو توحید کے خاص الخاص گھرانے سے حاصل تھی۔ یعنی ہاجرہ اور اسمٰعیل اور ابراہیم علیہم السلام سے۔ لیکن زمانۂ جاہلیت میں قبضہ ان پر بھی مشرکوں کا ہوگیا تھا۔ اور ایک ایک پہاڑی پر ایک ایک دیوی کی مورتی نصب ہوگئی تھی۔ مشرک تیرتھ کرنے جاتے تو انہیں بھی دوڑ دوڑ کر چھوتے اور چومتے۔ قرن اوّل کے مسلمانوں، صحابیوں کی توحید پرستی اور شرک بیزاری کا کیا پوچھنا۔ قدرۃً خیال گزرا کہ کہیں ان پہاڑیوں کے درمیان آمد و رفت شعائر شرک میں نہ قرار پائے۔ آیت میں اُنہی کا شبہ دُور کیا گیا ہے، اور ارشاد ہوا ہے کہ یہ جاہلیت کی نہیں عین توحید کی یادگاریں ہیں۔ اس لیے اگر ان کے درمیان آمد و رفت اسلامی و توحیدی حج کا جزو رکھی جائیں، تو اس میں مطلق مضائقہ نہیں۔ يَطَّوَّفَ بِهِمَا۔ طوف کے اصلی معنیٰ کسی چیز کے گرد گھومنے یا چکر کاٹنے کے ہیں۔ لیکن وسعت دے کر اس کے معنیٰ مطلق آس پاس جانے کے بھی کیے گئے ہیں۔ اور یہاں مراد دو مقاموں کے درمیان آمد و رفت سے ہے۔ الطوف المشى حول الشئ (راغب) والمراد هنا السعى بينهما (مدارک) یہ سعی صفا و مروہ کے درمیان، حنفیہ کے ہاں واجب ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سنت ہے۔ اور مالکیہ و شافعیہ کے ہاں فرض ہے۔ یہ آمد و رفت سات بار ہوتی ہے۔ درمیان کا کچھ فاصلہ، تقریباً دو فرلانگ دوڑ کر چلنا ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کا نام سعی (دوڑ) ہے۔ اس فاصلہ کی علامت کے طور پر سڑک کے کنارے دو پتھر سبز رنگ کے نصب کر دیئے گئے ہیں۔ کسی زمانہ میں یہاں بالکل ویرانہ تھا۔ لیکن اب تو عین بازار ہے، اور صفا و مروہ کے درمیان خوب آبادی اور چہل پہل رہتی ہے ۵۷۶ (اس لیے اس کے ہاں نہ اعزاز و اکرام کی کمی کسی نیک کار کے لیے ہوگی، اور نہ وہ کسی کے اخلاص عمل سے ناواقف ہے) تَطَوَّعَ۔ تطوع ہر وہ چیز ہے فرض کے علاوہ جو انسان اپنی خوشی سے انجام دے۔ خَيْرًا۔ خیر عام معنیٰ میں ہے، ہر عمل خیر کو شامل۔ المراد منه جميع الطاعات (کبیر عن الحسن) و هذا اولى لانهٗ اوفق لعموم اللفظ (کبیر) مطلب یہ ہے کہ کوئی سا بھی نیک کام ہو، کسی نوعیت اور کسی درجہ کا، جو بھی انسان خوشی سے انجام دے گا، اُس کا اجر اسے مل کر رہے گا۔ شَاكِرٌ۔ شکر کا لفظ جب اللہ کے لیے آتا ہے تو اُس کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ وہ بندہ کی تھوڑی سی اطاعت پر معاوضہ، بہت زائد دیتا ہے۔ الشكر من الله تعالىٰ ان يعطى لعبده فوق مايستحقه بشكر اليسير و يعطى الكثير (معالم) عَلِيْمٌ۔ یعنی نیتوں تک سے واقف۔ عليم بنيته (معالم) ابھی ایک ہی آیت اُوپر ذکر فضائل صبر کا ہو رہا تھا، اُس کے معاً بعد ذکر حج کا شروع ہو جانا، علاوہ اور بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے ایک خاص مناسبت بھی صبر سے رکھتا ہے۔ ان سطور کے راقم نامۂ سیاہ کا ذاتی تجربہ ہے کہ موسم حج کے ہجوم و چپقلش اور مسلسل کوچ اور مقام میں فرائض تک کی پابندی مشکل پڑ جاتی ہے۔ سنن و مستحبات کا کیا ذکر ہے۔ اشتعال کے باوجود زبان پر قابو رکھے، ہاتھ پیر پر قابو رکھے، کان اور آنکھ پر قابو رکھے۔ غرض صبر کا پورا امتحان ہر طرح ہو جاتا ہے۔ ۵۷۷ یعنی کتب سابق کے مضامین اور پیشین گوئیوں کو دانستہ چھپاتے ہیں۔ مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور مشاہیر تابعین سب کا اتفاق ہے۔ نزلت فى اهل الكتب من اليهود و النصارٰى (کبیر۔ عن ابن عباس ومجاہد والحسن وقتادۃ والربیع والسدی والاصم) الاقرب انها نزلت فى اليهود والحكم عام (روح) يَكْتُمُوْنَ۔ اور حق پوشی بھی اس غضب کی کہ محض سکوت پر

کفایت نہیں کرتے، بلکہ اُلٹی حق کی مخالف شہادت دے گزرتے ہیں۔ کتمان کا اطلاق اُس اخفاء پر ہوتا ہے جو قصداً کیا جائے، اور اس موقع پر جہاں اظہار ضروری ہو۔ الکتمان ترک اظہار الشئ قصدًا مع مساس الحاجة الیه (روح) الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى۔ بینات وہ نشانیاں ہیں جو بجائے خود واضح و صریح ہیں۔ الھُدٰی وہ ہے جو دُوسروں کے لیے ذریعۂ ہدایت بن سکے۔ یہاں بیّنات سے مراد رسالت محمدیؐ کے دلائل و شواہد ہیں۔ اور ھُدٰی سے مراد احکام شریعت ہیں۔ بیّناہ میں ہ کی ضمیر مَآ اَنْزَلْنَا کی طرف ہے۔ یعنی اُس مضمون کو اُس مفہوم کو۔ الْكِتٰبِ سے مراد ہے جنس کتاب، یعنی قدیم کتب آسمانی۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت میں ایسے شخص کی مذمت ہے جو اپنے مریدوں کے سوا دوسروں سے علوم شریعت کو چھپاتا ہے، کہ یہ علوم مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے عموم میں داخل ہیں۔ البتہ علوم مکاشفہ کا حکم دوسرا ہے وہ منزل نہیں۔ بلکہ بعض اوقات ان کے اظہار میں خوف فتنہ بھی ہے **و۵۷۸** (خواہ وہ لعنت کرنے والے جنس آدم سے ہوں یا جنات ہوں یا ملائکہ ہوں یا اور کوئی مخلوق ہوں) لعنة پر حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ اللہ کی لعنت یہ ہے کہ وہ اُن لوگوں کو اپنے سے دُور اور اپنے فضل و کرم سے مہجور کر دیتا ہے۔ ای یبعدھم عن رحمته (روح) و ذٰلک من اللہ تعالٰی فی الاٰخرة عقوبته و فی الدنیا انقطاع من قبول رحمته و توفیقه (راغب) مخلوق کی لعنت یہ ہے کہ ان بدکاروں کے لیے بددُعا کی جائے، ان کے لیے حق تعالیٰ کی رحمت سے دُوری اور اس کے فضل و کرم سے مہجوری طلب کی جائے۔ ومن الانسان دعاء علٰی غیرہ (راغب) بمعنی الدعاء علیھم بالابعاد عن رحمة اللہ تعالٰی (روح) لفظ لعنت، قدیم صحیفوں کا بھی چلا ہوا محاورہ ہے۔ ملاحظہ ہوں توریت میں استثنا ۱۱: ۲۶ و ۲۷ و ۲۸ نیز ۸: ۱۵۔ ۲۱ وغیرہ اور انجیل میں، مرقس، ۱۱: ۲۱۔ یوحنا ۷: ۴۹ وغیرہ۔ فقہاء نے آیت ماقبل سے استدلال کیا ہے کہ عالم پر تبلیغ حق اور اپنے علم کا بیان واجب ہے۔ استدل بھا علماء نا علٰی وجوب تبلیغ الحق و بیان العلم علی الجملة (ابن العربی) **و۵۷۹** (اپنے پچھلے جرائم سے) توبہ کرنے سے مراد ہے باز آنا، نادم ہونا، اور عزم ترک کے ساتھ عذرخواہی کرنا **و۵۸۰** یعنی آئندہ کے لیے اپنی اصلاح حال کر لیں **و۵۸۱** (اپنی آسمانی کتابوں کے اُن مضامین کو جنہیں وہ اب تک چھپاتے رہے ہیں) یہاں مراد ہیں اسلام و پیمبر اسلام سے متعلق پچھلے صحیفوں میں پیش خبریاں۔ خلاصہ یہ کہ یہ مجرم اگر ماضی پر نادم ہو کر اب بھی ایمان لے آئیں، اور تلافیٔ مافات پر آمادہ ہو جائیں **و۵۸۲** یعنی یہ تائبین نہ صرف لعنت کی زد سے باہر ہو جاتے ہیں، بلکہ رحمت و مغفرت الٰہی کے ماتحت بھی آجاتے ہیں۔ البتہ جو لوگ اپنی اُنہی بدکرداریوں پر اصرار رکھتے ہیں، اُن پر سزا بھی قائم رہتی ہے۔ واما الذین ماتوا علی الکتمان و لم یتوبوا عنه فقد استقرت علیھم اللعنة ولم تزل عنھم (روح) اَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا۔ توبہ اور قبول توبہ کا مضمون قرآن مجید میں بار بار آیا ہے، یہاں توبہ کے ساتھ قید اصلاح اور تبیین کی لگی ہوئی ہے۔ یعنی جو فساد پھیلایا تھا اس کی اصلاح اور جو چھپایا تھا اس کا اظہار۔ محققین نے لکھا ہے کہ جن گناہوں سے صرف حقوق اللہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ مثلاً نماز یا روزہ کا ترک۔ اُن کے لیے محض توبہ و استغفار کافی ہے، کہ اس کا تعلق صفات رحمانیت و رحیمیت سے ہے۔ لیکن جن گناہوں سے بندوں کی حق تلفی لازم آتی ہے۔ مثلاً قتل، چوری، رشوت، غصب، فساد، بدامنی، سودخوری، عقائد باطلہ کا اعلان، ان کے لیے ضروری ہے کہ ہر متعین معصیت کے ضرر کا عملی تدارک بھی بقدر امکان کر لے۔ جب جا کر توبہ قبول ہوگی، کہ یہاں واسطہ حق تعالیٰ کی صفت عدل سے ہے۔ **و۵۸۳** قرآن مجید کا بار بار صفتِ رحیمی اور قبولِ توبہ پر زور دینا ایک طرف اُن گمراہ قوموں (مثلاً بودھ مت والوں) کے مقابلہ میں ہے جو سمجھتے ہیں کہ قانون مکافات عمل (ہندی اصطلاح میں "کرم") ہر حال اور ہر صورت میں اپنا عمل کر کے رہتا ہے، اور کوئی خدائی قوت اس پر غالب نہیں آسکتی۔ اور دوسری طرف اُن گمراہ قوموں (مثلاً مسیحیوں) کے مقابلہ میں ہے جو سمجھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ صفتِ رحیمی کا اظہار پوری طرح کر ہی نہیں سکتا، اور اس کی صفت عدل کے تقاضہ کو پورا کرنے اور گناہگاروں کو معافی دلوانے کے لیے کسی کفارہ کا وجود لازمی ہے **و۵۸۴** اَجْمَعِيْنَ کا لفظ تاکید کے لیے آیا ہے، اور اس کا تعلق اللہ اور ملائکہ اور الناس تینوں سے ہے۔ محض الناس سے نہیں۔ واجمعین تاکید بالنسبة الی الکل لا للناس فقط (روح) لَعْنَةُ اللّٰهِ۔ اہل سنت کے ہاں کسی متعین گنہگار پر لعنت کرنا ہرگز جائز نہیں، البتہ بغیر کسی کو متعین کیے ہوئے مبہم و مطلق صورت میں جائز ہے۔ مثلاً یہ کہ چور پر لعنت ہو۔ فاما العاصی المعین فلا یجوز لعنهٗ اتفاقًا و اما لعن العاصی مطلقًا یجوز اجماعًا (ابن العربی) بلکہ حدیث صحیح میں تو مومن پر لعنت اُس کے قتل کے مثل بتائی گئی ہے۔ و فی صحیح مسلم لعن المؤمن کقتله (ابن العربی) وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ۔ بلکہ زندگی میں تو کافر متعین تک پر بھی لعنت کی اجازت نہیں۔ وَمَاتُوْا کی قید نے صاف کر دیا کہ یہاں جن پر لعنت آئی ہے ان کی موت ہی کفر پر ہو چکی تھی۔ اور اصل مدار ختم اعمال یا وفات پر ہے۔ قال لی کثیر من اشیاخی ان الکافر المعیّن لایجوز لعنه لان حاله عند الموافاة لا تعلم (ابن العربی) و قد شرط اللہ تعالٰی فی ھٰذہ الاٰیة فی اطلاق اللعنة الموافاة علی الکفر (ابن العربی) عبرت حاصل کرنا چاہیے اُن مسلمانوں کو جو اپنے کسی بھائی کو لغزش میں مبتلا دیکھ کر جھٹ اس پر لعنت بھیجنے لگتے ہیں **و۵۸۵** (ہمیشہ ہمیش کے لیے) خٰلِدِيْنَ۔ خلود کے معنٰی ہیں لازم پکڑ لینے کے۔ یعنی اسی لعنت و عذاب میں جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ الخلود اللزوم الطویل ومنه یقال اخلد الی کذا ای لزمه و رکن الیه (کبیر)۔ فِيْهَا۔ ضمیر دوزخ کی طرف ہے۔ اور بعض نے لعنت کی طرف راجع کی ہے۔ ای فی اللعنة او النار (بیضاوی) اور بجائے اسم کے ضمیر لانے سے مقصود اظہار عظمت و اہمیت ہے۔ انما اضمرت تفخیمًا لشانھا و تھویلاً (کشاف) **و۵۸۶** تخفف کا تعلق بعد عذاب سے ہے

وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ

نازل کر چکے ہیں، بعد اس کے کہ ہم اسے لوگوں کے لئے کتاب (الٰہی) میں کھول چکے ہیں **و۵۷۷**

اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۙ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا

یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے اور ان پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں **و۵۷۸** البتہ جو

الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ

لوگ توبہ کر لیں **و۵۷۹** اور درست ہو جائیں **و۵۸۰** اور ظاہر کر دیں **و۵۸۱** یہ وہ لوگ ہیں کہ میں ان پر متوجہ ہو

عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

جاؤں گا رحمت سے، **و۵۸۲** اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا ہوں بڑا رحمت والا ہوں، **و۵۸۳** بے شک جو لوگ کفر

وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ

کرتے ہیں اور مر جائیں اسی حال میں کہ وہ کافر ہیں، سو یہ وہی لوگ ہیں کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی،

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی **و۵۸۴** وہ اس میں پڑے رہنے والے ہیں، **و۵۸۵**

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

کہ نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہونے پائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی **و۵۸۶**

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ

اور تمہارا خدا ایک خدا ہے۔ بجز اس کے کوئی خدا نہیں، **و۵۸۷** بے انتہا رحم و کرم کرنے والا،

الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ ع اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بار بار رحم کرنے والا **و۵۸۸** یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ

اور رات اور دن کے ادل بدل میں اور جہازوں کے چلنے میں جو

ع ۱۹ / ۱۱ / ۲

فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

سمندر میں ان چیزوں کے ساتھ چلتے ہیں جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں، اور (اس) پانی میں جسے

السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

اللہ نے اتارا پھر اس سے زمین کو اس کے مُردہ ہونے کے بعد جلا اٹھایا

وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ

اور اس میں ہر طرح کے حیوانات پھیلا دیے، اور ہواؤں کے بدلنے میں،

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ

اور بادل میں (جو) آسمان اور زمین کے درمیان مقید ہے (ان سب میں) ان لوگوں کے لئے

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ

جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں (موجود) ہیں، ف۵۸۹ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اللہ کے علاوہ دوسروں کو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ

بھی شریک بنائے ہوئے ہیں ف۵۹۰ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے (رکھنا چاہیے) ف۵۹۱

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ

اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں ف۵۹۲ اور کاش ظالم جب عذاب کو

ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ

دیکھ لیتے ف۵۹۳ تو سمجھ لیتے کہ قوت اللہ ہی کی ہے ساری کی ساری ف۵۹۴،

وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ

اور یہ کہ اللہ کا عذاب بہت ہی سخت ہے ف۵۹۵ (اس وقت کا خیال کرو) جب

اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ

مقتدا (یا متبوع) اپنے مقتدیوں (یا پیروؤں) سے الگ ہو جائیں گے ف۵۹۶ اور ان کے

اور مہلت کا تعلق قبل عذاب سے۔ یعنی دوزخ میں پڑنے کے بعد نہ کسی قسم کی تخفیف اُن کے عذاب میں ہوگی اور نہ عذاب میں پڑنے سے قبل ہی کوئی مہلت انھیں ملے گی ف۵۸۷ (نہ بڑا نہ چھوٹا۔ نہ ملکی نہ غیر ملکی) یہاں خطاب ساری نوعِ انسانی سے ہے۔ نفس وجودِ باری تو مشرکین عرب کو بھی تسلیم تھا، جس طرح آج بھی ساری مشرک قوموں کو تسلیم ہے۔ لیکن مشرکین علاوہ اس خدائے اعظم یا خدائے برتر کے اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے خدا یا دیوتا تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ مشرکین قدیم تو اپنی قوم کے علاوہ دوسری قوموں کے، یہاں تک کہ اپنی دشمن قوموں کے بھی دیوتاؤں کے وجود کے قائل تھے۔ اُن کی قوت کے قائل تھے، اُن کی خدائی کے قائل تھے۔ بس صرف اُن کی عبادت کے منکر تھے۔ اور اس کی توجیہ یہ کرتے تھے کہ دشمن کا دیوتا بھی دشمن ہی ہوگا! --- گویا خدا بھی جذبات واحساسات کے لحاظ سے انسان کا مثنیٰ ہوتا تھا۔ قرآن نے آکر اس عقیدہ پر بھی ضرب کاری لگائی۔ اور دعوے سے بار بار اعلان کیا کہ قابلِ پرستش ہونا کیسا، کسی دوسرے خدا یا دیوتا کا وجود ہی سرے سے نہیں، نہ بڑے کا نہ چھوٹے کا، کسی ملکی کا نہ غیر ملکی کا! اور اللہ کے ساتھ شریک کا وجود محض وہم انسانی کی ایک اختراع ہے! ہمارے قدیم مفسرین بھی بغیر جدید علم الاقوام (اتھنالوجی) کی کسی تحقیق کے اس نکتہ تک پہنچ گئے تھے۔ ازاحۃ لان یتوھم ان فی الوجود الٰھا ولکن لا یستحق منھم العبادۃ (بیضاوی) ف۵۸۸ یعنی مظہرِ کامل رحمانیت کا بھی اور رحیمیت کا بھی۔ دونوں صفتیں اُسی پر ختم ہیں۔ کوئی اس کا شریک نہ اِس صفت میں، نہ اُس صفت میں ف۵۸۹ (اللہ کی حکمت وربوبیت، قدرت، صناعی، اور اُس کی فردیت کی) زمین وآسمان کے یہ سارے کارخانے، جو دنیا کے ہر طلسم سے بڑھ کر حیرت انگیز اور انسانی سائنس کے ہر شعبہ سے عجیب تر ہیں، بجائے خود اس کی دلیل ہیں کہ نہ یہ اپنے آپ وجود میں آسکتے ہیں، نہ باقی رہ سکتے ہیں، جب تک کوئی صاحبِ شعور، صاحبِ ارادہ، قادرِ مطلق ہستی اُن کی صانع وخالق نہ ہو۔ ان سارے مظاہرِ فطرت کا تسلسل و استمرار، اُن کی یکرنگی و باقاعدگی، ان کا نظم وانضباط، ہر عقلِ سلیم کو مجبور کر رہے ہیں کہ اُن کے عقب میں ایک ذی اختیار فعّال کا ہاتھ تسلیم کیا جائے --- اسی عقلِ سلیم کو جو ایک معمولی سی گھڑی کو بھی بغیر کسی ماہرِ فن اور صناع گھڑی ساز کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتی ہے! اور یہ خلاق ہستیاں اگر بہ صیغۂ جمع، یعنی ایک سے زائد فرض کی جائیں، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک خالق اِن سارے امور کے لیے کافی نہ تھا۔ اس سے اُس کا عجز ثابت ہوا۔ اور جو عاجز یا کسی بات میں ناقص ہے، وہ خالق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اگر کسی کی ربوبیت اور خالقیت پر اعتقاد ہے تو اُسے لامحالہ واحد یکتا بھی ماننا پڑے گا۔ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمان ہوں یا زمین، سب مخلوق ہی ہیں، غیر مخلوق یا خود آفریدہ کوئی نہیں۔ مشرک قوموں نے انھیں معبود مانا ہے، اور صاحبِ تصرف وحاجت روا دیوی دیوتاؤں کی حیثیت سے ان کی پرستش کی ہے۔ قرآن مجید نے لفظ 'خلق' سے ادھر اشارہ کر دیا کہ یہ عظیم الشان موجودات بھی کائنات کے ادنیٰ سے ادنیٰ ذرہ کی طرح مخلوق ہی ہیں۔ اور آکاش دیوتا، دھرتی ماتا، وغیرہ قسم کے الفاظ نرے بے معنی اور مہمل ہیں۔ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ دنیا ایسی مشرک قوموں سے بھی خالی نہیں رہی ہے، جنھوں نے رات اور دن کو ذی حیات اور صاحبِ ارادہ وتصرف مان کر انھیں دیوی دیوتا کا درجہ دیا ہے، اور اُن کی پوجا کی ہے۔ یہاں اُن کے اختلاف (اَدل بدل) کا ذکر کر کے یہ بتا دیا ہے کہ ان کا غیر مخلوق یا خود آفریدہ ہونا الگ رہا، یہ وقت وزمان کے بے حس بے جان اجزاء تو خود اپنی حرکت تک پر قادر نہیں۔ قادرِ مطلق ہی ان میں رات دن اُلٹ پھیر کرتا رہتا ہے۔ الْفُلْكِ۔ ہندوستان میں جب شروع شروع ریل نکلی ہے، تو دیہات میں خود اس کی پوجا شروع ہو گئی تھی، اور بہت سے "خوش عقیدہ" مشرکوں نے اپنے معبودوں کی فہرست میں ایک "انجن دیوتا" کا بھی اضافہ کر لیا تھا۔ ایسی ہی وہم پرست قوموں نے اگر کبھی بادبانی جہازوں اور دُخانی کشتیوں کی بھی پوجا کی ہو، تو کچھ عجب نہیں۔ فُلک کے عموم کے تحت میں اسٹیمر، لائنر، ڈریڈناٹ، ہر قسم کے چھوٹے بڑے جہاز اور آبدوز، تباہ کن، ہر قسم کی چھوٹی بڑی کشتیاں، غرض اور کل بحری سواریاں آگئیں، جو اس وقت موجود ہیں، یا قیامت تک ایجاد ہو سکیں، سامانِ جنگ کے لیے یا سامانِ تجارت کے لیے، یا بہ غرض تفریح، مَا يَنْفَعُ النَّاسَ (انسان کو فائدہ پہنچانے والی چیز) کا وصف سب میں عام ومشترک ہے۔ مَا يَنْفَعُ النَّاسَ کے عموم کی وسعت لحاظ رکھنے کے قابل ہے۔ انسانی نفع ومنفعت کی ہر ممکن شے اس میں آگئی۔ ای بالذی ینفعھم من التجارات وسائر المآرب التی تصلح بھا اموالھم (قرطبی) امام قرطبی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ایک معترض نے سوال کیا کہ قرآن کی جامعیت کا دعویٰ ہے تو اس میں نمک، مرچ، وغیرہ کھانے کے مسالوں کا ذکر کہاں ہے؟ جواب یہ ہے کہ مَا يَنْفَعُ النَّاسَ کا عموم ان سب کو شامل ہے۔ السَّمَآءِ کا لفظ، جیسا کہ اوپر تشریح ہو چکی ہے، بادل، آسمان، وغیرہ ہر اوپر والی چیز کے لیے عام ہے۔ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لا کر یہ یاد دلا دیا کہ بارش میں حیات بخشی کی جو قوت ہے، یہ اُسی خدائے واحد وحیات آفریں کی ودیعت کی ہوئی ہے۔ دَآبَّةٍ عام ہے ہر حیوان کے لیے۔ حیوان پرستی شرک کا ایک جزوِ اعظم تاریخ کے ہر دَور میں رہی ہے۔ بابل، مصر، ہندوستان وغیرہ میں گائے، بیل، بندر، لنگور، بلی، سانپ، کچھوے وغیرہ کی پوجا برابر ہوا کی ہے۔ زمین اگر ۲۵ ہزار میل کے محیط کا کوئی گولا ہے تو، یا اگر غیر پیمائش شدہ وسعت کی کوئی چپٹی چیز ہے تو بھی، اگر تیزی اور پھرتی کے ساتھ گردش کر رہی ہے، یا اگر اپنی جگہ پر ساکن ہے تو بھی، ہر حال میں اور ہر صورت فرض کرنے کے بعد بھی کیسی عظیم الشان کاریگری، کیسی بے مثال صناعی کا نمونہ ہے! فضا کی خلا میں کس کی قوت اسے تھامے ہوئے، سنبھالے ہوئے ہے؟ اس کے اور چاند، سورج اور ستاروں، سیاروں کے درمیان فاصلہ کا ایک خاص تناسب کس نے قائم کر رکھا ہے؟ اس کی رفتار کی ایک خاص شرح کس نے متعین کر دی

ہے؟ آفتاب سے اِسے ایک خاص مقدار میں روشنی اور گرمی کون پہنچا رہا ہے؟ چاند سے روشنی اور خنکی ایک متعین حساب کے ساتھ کس کا دستِ قدرت اس تک لا رہا ہے؟ آسمان اگر ٹھوس، مادّی اجسام ہیں تو، یا اگر خلا میں محض حدِ نظر ہیں تو بھی ہر صورت میں اُن کی وضع، ساخت، ترکیب ہیئت، انسانی دسترس سے کتنی بالاتر ہے! گنتی شمار سے باہر ثوابت وسیارے کے سکون وحرکت کا انتظام کون قائم کیے ہوئے ہے؟ ستاروں کی یہ روشنی، اور ان کے طلوع وغروب میں یہ باقاعدگی کس کے حکم سے قائم ہے؟ نظامِ فلکی کے بے شمار اجزاء وعناصر میں یہ ترتیب اور باہمی تناسب کس کی حکمت وصنعت کے دم سے زندہ ہے؟ رات اور دن کس طرح ایک برتر قانون کے اندر جکڑے نظر آ رہے ہیں؟ گرمی اور سردی اور برسات، ہر موسم میں اُن کے اندر مناسب وقت تبدیلیاں کون کرتا رہتا ہے؟ مختلف ملکوں میں اُن کے طلوع وظہور کے وقت کیسے بندھے ہوئے ہیں؟ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ جس وقت کلکتہ میں دن نکلتا ہے، دمشق میں بھی دن نکل آئے۔ نہ یہ ہوتا ہے کہ امریکہ کی شام کبھی ایران کی شام بن جائے، جنوری میں جو اوقات اندھیرا چھا جانے کے ہوتے ہیں، یہ نہیں ہوتا کہ جون میں وہی باقی رہ جائیں۔ آخر یہ رات دن کے بندھے ہوئے اور قانون کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تغیرات کس کی حکومت قاہرہ اور حکمت کاملہ کی شہادت دے رہے ہیں؟ بحرِ ذخار، سارے برِاعظموں کو اپنی گرفت میں لیے رہنے والا، رقبہ میں خشکی سے چہار چند، اپنی اس ساری عظمت وہیبت کے باوجود، کس طرح مشت خاک انسان کے قبضہ میں آ گیا ہے! کس طرح لکڑی کے تختوں کو جوڑ جاڑ کر، اُن میں لوہے کی کیلیں ٹھونک ٹھانک کر، اُن پر لوہے کی چادریں چڑھا کر انسان سمندر کے بڑے سے بڑے مہیب فاصلوں اور مسافتوں کو طے کر کے رکھ دیتا ہے! اُس میں مد وجزر جب ہوگا، قمری مہینہ کی فلاں فلاں ہی تاریخوں پر ہوگا، اپنی ساری غضبناک تندی کے باوجود ایک خاص رقبہ کے حدود سے آگے نہ بڑھ سکے گا، ایک مخصوص ومتعین ہی وزن کی چیزوں کو وہ اپنے اُوپر تیرائے گا، اور اس کے علاوہ وزن والیوں کو ڈبو دے گا۔ اس کے پانی کا ایک مخصوص مزاج، خاص رنگ، خاص مزہ ہوگا، کنوؤں کے پانی سے مختلف، دریاؤں کے پانی سے مختلف، اس طرح کے سیکڑوں دوسرے قانونوں کا پابند اسے کس کی مشیت، کس کی قدرت، کس کی حکومت نے رکھا ہے؟ بارش کا خاص خاص فصلوں میں، خاص خاص موسموں میں یہ خاص خاص فضائی تغیرات کے ماتحت ہونا بخارات کا ایک خاص گرمی پاکر سمندری ذخیرۂ آب سے اُٹھنا، ایک خاص فاصلہ تک اُوپر جانا، ایک خاص درجہ کی سردی پاکر اُن دُخانی وہوائی اجزاء کا منجمد ہو جانا، اُن کا بادل کی شکل اختیار کر لینا۔ ایک خاص درجۂ ثقل تک بڑے بڑے بھاری اور بوجھل بادلوں کا فضا میں سنبھلے رہنا، پھر فلاں فلاں فضائی تغیرات کے ماتحت فلاں علاقہ تک جانا، پھر ایک بندھی ہوئی مقدار میں، ایک متعین مدت کے اندر برس پڑنا، اس سے ازسرِنو خشک زمین میں جان پڑ جانا، یہ سارے ردوبدل کسی حکیم کی حکمت، کسی آمر کی حکومت، کسی قادر کی قدرت کی کیسی کھلی ہوئی شہادت دے رہے ہیں! پھر حیاتِ نباتی کے علاوہ خود حیاتِ حیوانی جن عجائب کا مجموعہ ہے۔ ہر زندہ جسم میں بے شمار ذرّوں اور خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ان کی جو ایک مخصوص ترتیب، اور متعین ترکیب ہوتی ہے۔ ایک خاص درجہ کی حرارت جو حیات کو قائم رکھتی ہے، ایک خاص مقدار سے بڑھی ہوئی سردی جو اس لف میں نشر، اس اجتماع میں انتشار پیدا کر دیتی ہے، نظامِ تغذیہ، نظامِ تنفس، نظامِ تناسل، نظامِ عصبی وغیرہ جسم کے اندر کے متعدد نظامات، پھر ہر نظام کے ماتحت بیشمار قاعدے اور ضابطے، اس سارے نظامِ اعظم کی تکوین وقیام پر کس کی قدرت، کس کی مشیت، کس کی حکومت کارفرما ہے؟ اس قسم کے سیکڑوں ہزاروں سوالات پر انسان جتنا زیادہ غور اور نکتہ سنجی سے کام لے گا، توحید اور توحیدی حکمتوں کا نقش دل پر اور زیادہ ہوتا جائے گا۔ جاہلی اور غیر مومن قوموں کے فلسفہ اور سائنس کا صرف نقطۂ نظر غلط ہوتا ہے، اُس کی اگر تصحیح ہو جائے اور ان علومِ مادّی کا مطالعہ اگر ایمانی نقطۂ نظر سے شروع کر دیا جائے، تو بجائے الحاد، ارتیاب وتشکک کے عرفان وایقان ہی کی راہیں روز بروز روشن تر ہوتی جائیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، کہ آیت میں مصنوعات سے صانع پر استدلال ہے، اور یہی اصل ہے مراقبہ صوفیہ کی **ف۵۹۰** اَنْدَادًا۔ نِدّ کے لفظی معنی کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۶۸ پارہ ا۔ اَنْدَادًا سے مراد عموماً مورتیوں، بتوں، دیوتاؤں سے لی گئی ہے۔ **المراد الاوثان والاصنام التی کانوا یعبدونها** (قرطبی) **المراد بها الاصنام کما هو الشایع فی القراٰن والمروی عن قتادة و مجاهد و اکثر المفسرین** (روح) رؤسا، سردار، اور مقتدایانِ قوم بھی مراد لیے گئے ہیں۔ **قیل الرؤساء الذی یطیعونهم طاعة الارباب من الرجال** (روح) **انها السادة الذین کانوا یطیعونهم** (کبیر۔عن السدی) تیسرا قول یہ ہے کہ مفہوم ان سب سے وسیع تر ہے اور لفظ کا عموم ہر ایسی چیز کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا قلب پر مسلط ہو جائے، اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو صوفیہ اور عارفین کی جانب منسوب کیا ہے۔ **القول الثالث قول الصوفیة والعارفین و هوان کل شئ شغلت قلبک سوی الله تعالیٰ فقد جعله فی تلک ندًا لله تعالیٰ** (کبیر) **قیل المراد اعمّ منها و هو ما یشغل عن الله تعالیٰ** (روح) **ف۵۹۱** چنانچہ مشاہدہ ہے کہ آج بھی مسیحیوں کو محبت اور تعلق خاطر خدا سے کہیں زیادہ "خدا کے بیٹے" اور "پھر روح القدس" اور "مقدس کنواری" سے ہے۔ اور ہندوؤں کی محبت اور تعلق خاطر اپنے ایشور اور پرماتما سے کہیں زیادہ دُرگا مائی، لکشمی مائی، اگنی دیوتا وغیرہ دیویوں دیوتاؤں کے ساتھ، اور رشیوں، منیوں، سادھوؤں کے ساتھ ہے۔ كَحُبِّ اللّٰهِ۔ اس فقرہ نے اسے بالکل صاف کر دیا کہ غیر اللہ سے نفس محبت ممنوع نہیں۔ بلکہ ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹے، بیٹی، عزیزوں، دوستوں، رفیقوں سے تو محبت درجۂ طبعی میں رکھ ہی دی گئی ہے۔ ائمہ شریعت وطریقت سے بھی محبت رکھنا مستحب، بلکہ کسی حد تک تو واجب بھی ہے۔ البتہ جو محبت حرام ہے، وہ محبوب کو درجۂ ربوبیت پر جا پہنچانے والی محبت ہے ـــــ "یا علی" "یا حسین" "یا خواجہ" "یا غوث" "یا وارث" کے نعرے لگانے والے ذرا اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں کہ محبت کا کتنا حصہ اللہ کے لیے باقی رہ گیا، اور کتنا دوسروں کی نذر ہو چکا ہے **ف۵۹۲** یعنی مومن کی محبت عقلی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کی تمام دُوسری محبتوں پر غالب وحاکم رہتی ہے۔ آیت نے ضمناً اس مسئلہ کو بھی واضح کر دیا کہ مومن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اصلاً اُنس ومحبت ہی کا ہوتا ہے ـــــ کاش اس آیت کو وہ مسیحی مشنری آنکھ کھول کر پڑھیں جن کے نزدیک اسلام کا خدا ایک دہشت ناک قسم کا معبود ہے! **ف۵۹۳** (دیکھ لیتے) یرٰی یہاں یعلم کے معنی میں ہے۔ **و یرٰی بمعنی یعلم** (قرطبی) لَوْ کا جواب محذوف ہے۔ **وجواب لو محذوف والمعنی لوعلموا فی الدنیا شدة عذاب الله** (جلالین) اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا۔ اپنے حق میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والے، یعنی مشرکین **ف۵۹۴** (اور کوئی شخص اس عذاب کے دُور کرنے پر قادر نہیں) "اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم مشرکین جب دُنیا میں کسی مصیبت کو دیکھتے تو اس کے وقوع میں غور کر کے یہ سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت حق تعالیٰ ہی کو ہے، اور دوسرے سب اُس کے سامنے عاجز ہیں۔ اور اسی مصیبت کی شدت میں غور کر کے یہ سمجھ لیا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آخرت میں کہ دارالجزاء ہے اور بھی سخت ہوگا تو اس طرح غور کرنے سے تراشے ہوئے معبودین کا عجز اور حق تعالیٰ کی قدرت وعظمت منکشف ہو کر توحید وایمان اختیار کر لیتے"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) **ف۵۹۵** (آخرت میں) اس شدتِ عذاب کا پورا ظہور عالم آخرت ہی میں ہوگا **ف۵۹۶** (قیامت میں) یہاں اُس منظر کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جب قیامت میں مشرکین کے خواص، علماء وامراء اپنے عوام اور اپنے مقلدین اور رعایا سے علیحدگی کا اعلان کر دیں گے، اور انہیں بے یار ومددگار چھوڑ دیں گے **ف۵۹۷** اہل باطل کے جتنے بھی باہمی تعلقات اور رابطے ہیں، اُستادی شاگردی کے، ہم نسبی وقرابت کے، ہم وطنی اور دوستی کے، یہ سب اسی دُنیا تک محدود ہیں۔ آخرت میں جو حقائق کے مشاہدہ ومعائنہ کا وقت ہوگا، سب ایک دُوسرے سے بے تعلق بلکہ آپس میں مخالف نظر آئیں گے۔ یہ قرآن ہی کی نص ہے۔ **الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدوا لا المتقین**۔ بِهِمْ میں بـ۔ عن کے معنی میں بھی لی گئی ہے۔ **بهم ای عنهم** (معالم) **قیل بهم بمعنی عنهم** (عکبری) اور ب سببیہ بھی مانی گئی ہے۔ یعنی یہ قطع تعلق بہ سبب کفر کے ہوگا۔ **الباء هنا للسببیة والتقدیر و تقطعت بسبب کفرهم** (عکبری) **الباء للسببیة ای تقطعت بسبب کفرهم الاسباب التی کانوا یرجون منها النجاة** (روح) **ف۵۹۸** (غم وغصہ اور جذبات انتقام کے ساتھ) **ف۵۹۹** (دنیا میں) کافروں کی زبان سے آخرت میں، دُنیا میں ایک بار پھر جانے کی تمنا وحسرت کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے **ف۶۰۰** یعنی یہ حسرت بھی پوری نہ ہوگی، اور یہ خلش کانٹا بن کر ہمیشہ کھٹکتی ہی رہے گی **ف۶۰۱** سزائے دوزخ کے دوام وخلود پر یہ ایک نص صریح ہے۔ بِخٰرِجِيْنَ میں ب خبر کی تاکید اور تائید کا کام دے رہی ہے۔ اُردو ترجمہ بھی بھی کیا جاسکتا ہے۔ **دلیل علیٰ خلود الکفار فیها وانهم لا یخرجون منها** (قرطبی) **بل هم فیها دائمون** (مدارک) **افادة للمبالغة فی الخلود و الاقناط عن الخلاص و زیادة الباء لتاکید النفی** (روح) **ف۶۰۲** یعنی کھا سکتے ہو۔ بالکل جائز ہے کہ کھاؤ پیو۔ کھانے کی اجازت مل رہی ہے نہ کہ حکم۔ مراد یہ نہیں کہ لازمی طور پر کھاؤ۔ خطاب عام نسلِ انسانی سے ہے۔ دینِ حنیف ابراہیمی کو چھوڑ کر یہود، نصاریٰ، مشرکین، سب ہی کھانے پینے کے باب میں طرح طرح کی غلط روی اور کج راہی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور خلط کر کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کے حکم میں رکھ رہے تھے۔ وَمَا فِي الْاَرْضِ میں من تبعیضیہ ہے۔ **من للتبعیض**

اذلا یو کل کل ما فی الارض (بیضاوی) حَلٰلًا۔ جو غذائیں بجائے خود جائز ہیں، اور حرام نہیں کی گئی ہیں۔ فالحلال ما احله الشرع (معالم) المراد منه ما یکون جنسهٗ حلالاً (کبیر) طَیِّبًا۔ یعنی جو غذائیں حاصل بھی جائز ذرائع سے ہوئی ہوں۔ اور جن میں غیر کا حق نہ ہو۔ مثلاً بیع فاسد نہ ہو، اجرت فاسد نہ ہو، وغیرہا۔ المراد منه ان لایکون متعلقًا به حق الغیر (کبیر) الطیب الطاهر (معالم) ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صحابی نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ دُعا فرمائیں کہ اللہ مجھے مستجاب الدعوات بنادے۔ حضور ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ لقمۂ حلال کا التزام کرلو، خود بخود مستجاب الدعوات ہوجاؤ گے۔۔۔ یہ ہے اسلام میں اکلِ حلال کی اہمیت! **و۶۰۳** (اللہ کی جائز کی ہوئی چیزوں کو حرام، اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال ٹھیرا کر) حکم تو عام ہے ہر شیطانی روش کے لیے۔ لیکن یہاں خصوصیت کے ساتھ تعلق، حرام وحلال غذاؤں سے ہے۔ والصحیح ان اللفظ عام فی کل ماعدا السنن والشرائع من البدع والمعاصی (قرطبی) **و۶۰۴** (اور اسی دشمنی کے تقاضہ سے انسان کو الٹی صلاحیں اور قانون الٰہی توڑنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے اس سے کسی نفع کی، خیر خواہی کی توقع ہی نہ رکھو **و۶۰۵** اِنَّمَا کلمہ حصر کا ہے۔ اس کے صاف معنٰی یہ ہوئے کہ شیطان سے ہمیشہ شیطنت ہی کا ظہور ہوگا۔ کسی نیکی کے صدور کا اس سے امکان ہی نہیں۔ دلت الاٰیة علی ان الشیطان لایامر الا بالقبائح لانه تعالٰی ذکره بکلمة انما و هی للحصر (الکبیر) سوء وفحشاء دو لفظ متقارب المعنٰی ہیں، لیکن متحد المعنٰی نہیں۔ سوء تو وہ چیز ہے جو عقلاً بھی ناپسندیدہ ہو، اور فحشاء وہ ہے جسے شریعت نے برا ٹھیرا لیا ہے۔ السوء والفحشاء ما انکره العقل واستقبحه الشرع والعطف لاختلاف الوصفین (بیضاوی) یہ فرق بھی کیا گیا ہے کہ سوء میں کوئی حد شرعی مقرر نہیں اور فحشاء میں حد شرعی معین ہوتی ہے۔ اور یہ معنٰی ابن عباس سے منسوب ہیں۔ السوء مالاحد فیه والفحشاء ما فیه حد حکی عن ابن عباس وغیره (قرطبی) **و۶۰۶** یعنی اپنی طرف سے نکالی ہوئی چیزوں کو احکام خداوندی کی طرح سمجھنے لگو۔ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ۔ قول کا صلہ جب علٰی کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنٰی ہوتے ہیں کسی کے خلاف گڑھ لینا، کسی پر بہتان لگانا۔ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ علم سے یہاں مراد علم یقینی یا علم ثابت بالوحی ہے۔ پس اس وعید کے تحت میں صرف کفر ہی کے نہیں، بلکہ بدعت کے اقوال بھی داخل ہو جاتے ہیں۔ فید خل فی هذا کل کافر و کل مبدع ایضاً (ابن کثیر) ویدخل فیه کل مایضاف الی اللّٰه تعالٰی ممالا یجوز علیه (مدارک) **و۶۰۷** مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ نے جو کچھ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے اُتارا ہے۔ مُراد یہ کہ جب ان سے عالمگیر شریعت الٰہی کی ماتحتی میں آنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ **و۶۰۸** گویا طریق آبائی میں خطا و غلطی کا امکان ہی اُن کے نزدیک نہیں۔ اور یہی جمود عین جہالت و ضلالت ہے۔ آج مشرک قوموں اور مبتدع فرقوں کا بھی یہی حال ہے۔ جب انہیں اتباعِ حق کی دعوت دی جاتی ہے، تو وہ جواب میں اپنے آباؤ اجداد کے رسوم کو پیش کر دیتے ہیں۔ **و۶۰۹** یعنی نہ فہم دین اور اس کے حقائق ومعارف کی رکھتے ہوں، اور نہ ہدایت کسی کتاب آسمانی کے ماتحت رکھتے ہوں۔ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا۔ المراد انهم لا یعلمون شیئًا من الدین (کبیر) لَا یَهْتَدُوْنَ۔ اے لایهتدون الی الحق (روح) بعض کج رائے فرقوں نے آیت سے تقلید فقہی کا عدم جواز ثابت کرنا چاہا ہے۔ حالانکہ قاعدۂ اقتضاء النص اس کا مقتضی ہے کہ آیت سے تقلید کے عدم جواز پر نہیں، عین جواز پر استدلال کیا جائے۔ آیت میں جس امر کی مذمت وارد ہوئی ہے وہ نفس تقلید نہیں، بلکہ گمراہ و نادان اسلاف کی تقلید ہے۔ اور یہ قید خود اس امر کی دلیل ہے کہ محققین اہل علم کی تقلید جائز ہی نہیں بلکہ عین مطلوب ہے! کسی مریض سے اگر یہ کہا جائے، کہ تم نے بھی کیا حماقت کی کہ ایک اناڑی اور اَن پڑھ کا علاج شروع کر دیا، تو ظاہر ہے کہ اس فقرہ سے مذمت نفس علاج کی ہرگز نہیں نکلی، بلکہ اناڑی اور اَن پڑھ سے علاج کی نکلی، اور نفس علاج کی مقصودیت یا مطلوبیت ہی ظاہر ہوئی! **و۶۱۰** (بے حسی اور ناسمجھی میں) ذکر داعیٔ حق کی دعوتِ حق کا ہو رہا ہے۔ ایک تشبیہ رسول ﷺ اور اس کی اُمت دعوت، کے رویہ سے متعلق پیش کی جارہی ہے۔ مضاف "داعی" محذوف ہے۔ علی حذف مضاف تقدیره مثل داعی الذین کفروا (بیضاوی) اے مثل داعیهم الی الایمان (کشاف) فیها مضاف محذوف اِما من جانب المشبه او المشبه به (روح) **و۶۱۱** یعنی اُس جانور کی طرح جس کے کان میں پکارنے والے کی آواز اور الفاظ تو آرہے ہیں باقی وہ معنٰی و مفہوم کچھ نہیں سمجھتا، بس وہی معاملہ یہ منکرین دعوتِ حق کے ساتھ کر رہے ہیں۔ داعی کے الفاظ تو سن لیتے ہیں، لیکن اُس کے معنٰی و مفہوم پر غور ہی نہیں کرتے۔ مثل الدابة تنادی فتسمع ولا تعقل ما یقال لها کذٰلک الکافر یسمع الصوت ولا یعقل (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) صُمٌّ۔ یعنی بہرے ہیں، آوازِ حق کی طرف سے۔ صُمٌّ عن الحق فلا یسمعونهٗ ولا ینتفعون به (ابن جریر۔ عن قتادة) بُكْمٌ۔ یعنی اقرارِ حق کے لیے اُن کی زبان گونگی ہے۔ بُكْمٌ عن الحق فلا ینطقون به (ابن جریر۔ عن قتادة) عُمْیٌ۔ یعنی اندھے ہیں خود اپنے نفع و نقصان کے باب میں۔ عمی عن الهدٰی فلا یبصرونه (ابن جریر۔ عن قتادة) اس سے ملتا جلتا ایک فقرہ توریت میں بھی موجود ہے:۔ "وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کہ اُن کی آنکھیں لیپی گئیں، سو وہ دیکھتے نہیں، اور اُن کے دل بھی، سو وہ سمجھتے نہیں۔" (یسعیاہ۔ ۴۴:۱۸) **و۶۱۲** یعنی کھا پی سکتے ہو، کھانے پینے کی اجازت ہے۔ صیغۂ امر یہاں بمعنٰی اجازت ہے، بہ معنٰی حکم نہیں۔ کلوا فی هذا الموضع لا یفید الایجاب ولا الندب بل الاباحة (کبیر) كُلُوْا۔ یہاں لفظی معنٰی میں صرف کھانے تک محدود نہیں، بلکہ ہر قسم کا جائز انتفاع اس میں آگیا۔ المراد بالاکل الانتفاع من جمیع الوجوہ

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ

باہمی تعلقات ٹوٹ کر رہ جائیں گے **و۵۹۷** اور پیرو کہنے لگیں گے، **و۵۹۸**

اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا

کاش ہم کو پھر ایک دفعہ (جانا) مل جاتا **و۵۹۹** تو ہم بھی ان سے الگ ہو جائیں، جیسے یہ ہم سے

مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ

الگ ہو گئے، بس اسی طرح اللہ ان کے اعمال کو انہیں (خالی) ارمان (کر کے)

عَلَیْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ یٰۤاَیُّهَا

دکھائے گا، **و۶۰۰** اور وہ دوزخ سے کبھی بھی نہ نکل پائیں گے **و۶۰۱** اے

النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ٘ وَّلَا

انسانو! زمین پر جو کچھ حلال اور پاکیزہ موجود ہے اس میں سے کھاؤ (پیو) **و۶۰۲** اور

تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ

شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو **و۶۰۳** وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن

مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ

ہے **و۶۰۴** وہ تو تمہیں بس برائی اور گندگی ہی کا حکم دیتا ہے **و۶۰۵** اور اس کا کہ تم

تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَاِذَا قِیْلَ

اللہ پر ایسی باتیں گڑھ لو جس کا تم علم نہیں رکھتے ہو **و۶۰۶** اور جب ان سے کہا

لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ

جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو **و۶۰۷** تو کہتے ہیں کہ نہیں، ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس

اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا

پر ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو پایا ہے، **و۶۰۸** خواہ ان کے باپ (دادا) نہ ذرا

ع ۲۰

يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ

عقل بھی رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں، ف۶۰۹ اور جو لوگ کافر ہیں ان کا حال تو

كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا

اس شخص جیسا ہے ف۶۱۰ جو ایسے (جانور) کے پیچھے چلّا رہا ہے جو کچھ سنتا ہی نہیں بجز

دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

بلانے اور پکارنے کے (یہ) لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو (کچھ بھی) نہیں سمجھتے ف۶۱۱

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

اے ایمان والو، پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں، کھاؤ پیو ف۶۱۲

وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا

اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو ف۶۱۳ اگر تم خاص اسی کی بندگی کرنے والے ہو ف۶۱۴ اس نے تو

حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ

تم پر بس مُردار اور خون اور سوّر کا گوشت، اور جو

وَ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ

(جانور) غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو، حرام کیا ہے، ف۶۱۵ لیکن (اس میں بھی) جو شخص مضطر ہو جائے ف۶۱۶ اور نہ بے حکمی

وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

کرنے والا ہو اور نہ حد سے نکل جانے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ف۶۱۷ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا رحمت والا ہے، ف۶۱۸

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ

بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں

وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ

اور اس کے معاوضہ میں قلیل قیمت حاصل کرتے ہیں ف۶۱۹ سو ایسے لوگ تو اپنے سینوں میں

(قرطبی) و کلوا العموم جمیع وجوہ الانتفاع دلالۃً و عبارۃً (روح) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ خطاب ابتک عامۃ الناس سے تھا۔ حلال وحرام کے باب میں مشرکین کی غلطی کے اظہار کے لیے اب خطاب صرف مومنین سے ہے۔ اُن سے ارشاد ہو رہا ہے کہ حلال وحرام کے باب میں منکرین کی پیروی نہ کریں۔ طَيِّبٰتِ۔ یعنی وہ چیزیں جنہیں شریعت خداوندی نے پاکیزہ قرار دیا ہے۔ ف۶۱۳ (زبان سے بھی اور عمل سے بھی) اُشْكُرُوْا۔ شکر اس امر کا ہے کہ اُس نے یہ رزق عطا کیا، اور رزق بھی حلال وطیب۔ یہاں صیغۂ امر وجوب کے لیے ہے نہ کہ صرف اجازت کے لیے۔ اشکروا اللہ امرًا ولیس باباحۃ (کبیر) ف۶۱۴ یعنی اگر اپنے دعوٰی ایمان واخلاص میں سچے ہو تو اللہ کے حکم پر عمل کرو اور اُس کے مقرر کیے ہوئے حق ادا کرتے رہو۔ ف۶۱۵ یعنی حیوانات کے سلسلہ میں تو شریعت الٰہی کی حرام کی ہوئی بس یہ چیزیں ہیں، نہ وہ چیزیں جو تم نے اپنی تجویز سے گڑھ رکھی ہیں۔ یہاں تردید تمامتر مشرکوں کے خود تراشیدہ محرمات کی ہو رہی ہے۔ باقی جو چیزیں حدیث صحیح کی بنا پر، یا کسی اور دلیل شرعی سے حرام ہیں، اُن سے آیت کو کوئی بحث نہیں۔ لیس المراد من الاٰیۃ قصر الحرمۃ علٰی ما ذکر مطلقًا بل مقید بما اعتقدوہ حلا لًا (روح) الْمَيْتَةَ۔ میتہ یا مُردار وہ جانور ہے جو بغیر کسی کے ہلاک کیے از خود مر جائے، یا ہلاک تو کیا جائے لیکن ذبح شرعی کے مطابق نہ ہو۔ ھو غیر المزکی امّا لانہ لم یذبح او انہ ذبح و لکن لم یکن ذبحہ ذکاۃ (کبیر) وھی کل ما فارقہ الروح میں غیر ذکاۃ مما یذبح (مدارک) زندہ جانور کے اگر گوشت کا کچھ حصہ کاٹ لیا جائے۔ تو وہ بھی مُردار ہی کے حکم میں داخل ہوگا۔ حنفیہ کے ہاں مُردار سے کسی قسم کا بھی نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ مُردار گوشت کتوں اور شکاری پرندوں کو کھلانا بھی درست نہیں کہ یہ بھی تو اُس سے نفع اُٹھانا ہی ہوا۔ درآنحالیکہ قرآن میں مُردار کی حرمت مطلق صورت میں ہے۔ قال اصحابنا لا یجوز الانتفاع بالمیتۃ علٰی وجہ ولا یطعمھا الکلاب والجوارح لان ذٰلک ضرب من الانتفاع بھا و قد حرم اللہ المیتۃ تحریمًا مطلقًا معلقًا بعینھا (جصاص) لیکن عمل دباغت کے بعد، مُردار کی ہڈی، کھال وغیرہ پاک ہو جاتی ہے اور مُردار کے حکم میں رہتی ہی نہیں۔ یہ مسئلہ احادیث وآثار سے ثابت ہے، اور حنفیہ اور بعض دُوسرے ائمہ فقہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ قال ابوحنیفۃ واصحابہ والحسن بن صالح و سفیان الثوری و عبداللہ بن الحسن العنبری والاوزاعی والشافعی یجوز بیعہ بعد الدباغ والانتفاع بہ (جصاص) والحجۃ لمن طھرھا وجعلھا زکاۃ ماورد عن النبی ﷺ من الاٰثار المتواترۃ من الوجوہ المختلفۃ بالفاظ مختلفۃ کلھا یوجب طھارتھا والحکم برکاتھا (جصاص) اور احادیث اس قسم کی وارد ہوئی ہیں:۔ ایما اھاب دبغ فقد طھر (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) دباغ جلود المیتۃ طھورھا (عن زید بن ثابت) زکاۃ الادیم دباغتہٗ (عن سلمہ بن المحبق) دو جانور ایسے ہیں جو حدیث صحیح کی رُو سے بغیر ذبح بھی جائز ہیں، ایک مچھلی دُوسرے ٹڈی۔ وقد احلت المیتان بالحدیث السمک والجراد (مدارک) ھٰذہ الاٰیۃ فلھا التخصیص بقولہ علیہ السلام احلت لنا میتتا الحوت والجراد اخرجہ الدار قطنی (قرطبی) فقیہ مفسرین نے اسی سلسلہ میں اس مسئلہ کو بھی بیان کر دیا ہے کہ جن غذاؤں میں ذبیحہ کا سوال نہ پیدا ہو، وہ مجوس اور مشرکوں اور سب غیر کتابیوں کے ہاں کی بھی جائز ہیں۔ وقال ابو عمر و لا باس باکل طعام عبدۃ الاوثان والمجوس و سائر من لا کتاب لہ من الکفار مالم یکن من ذبائحھم (قرطبی) وَالدَّمَ۔ یعنی خون جاری یا سیال۔ المراد بالدم الجاری (معالم) یعنی السائل (مدارک) اور سورۂ انعام میں دم مسفوح کی قید خود موجود ہے اور فقہا کا متفقہ فیصلہ ہے کہ دم جو یہاں مطلق صورت میں ہے وہ اسی قید مسفوحیت کے ساتھ حرام ہے۔ وحمل العلماء ھٰھنا المطلق علی المقید اجماعًا (ابن العربی) اس پر فقہاء اُمت کا اجماع ہے کہ خون جاری حرام بھی ہے اور نجس بھی۔ نہ اس کا کھانا جائز ہے نہ اس سے اور کوئی نفع اُٹھانا جائز ہے۔ اتفق العلماء علٰی ان الدم حرامٌ نجسٌ لا یوکل ولا ینتفع بہ (ابن العربی) حدیث صحیح کی رُو سے دو منجمد خون حلال ہیں، ایک جگر، دوسرے تلی، اور ان کی حلت پر فقہائے اُمت کا اجماع ہے۔ احلّت لنادمان الکبد والطحال اخرجہ الدار قطنی (قرطبی) گو علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ جگر وطحال خون کی تعریف میں آتے ہی کب ہیں، وہ تو گوشت کی قسم کی چیزیں ہیں، نہ کہ خون کی قسم کی، اور اس تخصیص واستثناء کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ والصحیح انہ لم یخصص وان الکبد والطحال لحم یشھد بذٰلک العیان الذی لایعارضہ بیان ولا یفتقر الٰی برھان (ابن العربی) وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ۔ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ حرمت لحم خنزیر کی آئی ہے لیکن فقہاء اُمت کا اجماع ہے کہ سؤر کا صرف گوشت ہی نہیں، بلکہ اس کی چربی، ہڈی، کھال، بال سب ہی حرام ہیں۔ اور لحم کی تصریح تو اس لیے ہے کہ گوشت ہی ہر جانور کے جسم کا اہم ترین حصہ ہوتا ہے اور جب گوشت کہہ دیا تو اس کے تحت وتابعیت میں جانور کے دُوسرے اجزاء بھی آگئے۔ یعنی الخنزیر بجمیع اجزائہ و خص اللحم لانہ المقصود بالاکل (مدارک) اتفقت الامۃ علٰی ان الخنزیر حرام بجمیع اجزائہ (ابن العربی) بعض مبتدع فرقوں کے اس قول کے جواب میں کہ گوشت کی حرمت سے چربی کی حرمت کہاں لازم آتی ہے۔ فقیہ ابن العربی مالکی کہتے ہیں، کہ یہ اعتراض اہل عجم کی طرف سے ہوا ہے، جو یہی نہیں جانتے کہ لفظ لحم میں شحم شامل ہے، البتہ شحم میں لحم شامل نہیں جس طرح ہر حمد شکر ہے، لیکن ہر شکر حمد نہیں۔ وھم اعاجم لا یعلمون انہ من قال لحمًا فقد قال شحمًا ومن قال شحمًا فلم یقل لحمًا ان کل شحم لحم ولیس کل لحم شحم (ابن العربی) رہی اس کے جسم کی نجاست،

تو جمہور فقہاء اس کے بھی قائل ہیں۔قال الجمہور العلماء انه نجس (ابن العربی) البتہ امام مالک علیہ الرحمۃ کا اصول چونکہ یہ ہے کہ زندگی خود دلیل طہارت ہے، اور ہر زندہ جانور پاک ہے، اس لیے وہ سؤر کی نجاست کے بھی قائل نہیں۔قال مالک انه طاهر و كذلك كل حيوان عنده لان علة الطهارة عنده هى الحياة (ابن العربی) سؤر کا اور سارا جسم تو ناپاک ہوتا ہی ہے، البتہ اس کے بالوں سے نفع اُٹھانے کی گنجائش ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں اس کا جواز مذکور ہے۔ لا خلاف ان جملة الخنزير محرمة الا الشعر فانه يجوز الخرازة به و قد روى ان رجلاً سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الخرازة بشعر الخنزير فقال لا باس بذلك (قرطبی) امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ ومحمد علیہ الرحمۃ واوزاعی علیہ الرحمۃ سؤر کے بالوں سے انتفاع کے جواز کے قائل ہیں، اور امام شافعی علیہ الرحمۃ عدم جواز کے، اور امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ سے جواز وکراہت دونوں کی روایتیں منقول ہیں۔ وقد اختلف الفقهاء فى جواز الانتفاع بشعر الخنزير فقال ابو حنيفة و محمد يجوز الانتفاع به للخرز وقال الشافعى لا يجوز الانتفاع بشعر الخنزير (جصاص) فقہی احکام اور شرعی حرمت سے قطع نظر، خنزیر ہے ہی ایسی نجس چیز کہ خود فطرت سلیم اسے گندہ سمجھتی ہے اور نظافت طبع کو اُس کی جانب رغبت کرنے سے کراہت آتی ہے۔ یہاں تک کہ لفظ خنزیر بھی عربی فیلالوجی (لسانیات) کے بعض ماہروں کا خیال ہے کہ قذر الشئ ("وہ چیز گندی ہوگئی") سے بنا ہے۔ انگریزی زبان میں بھی جتنے نام اس جانور کے مثلاً Hog, Swine, Pig, یا اس جانور کے گوشت کے لیے ہیں مثلاً Ham, Pork, Bacon ہیں وہ بھی سب کے سب دلالت ثانوی گندگی وغلاظت پر کرتے ہیں۔ اور اس کے گوشت کے جو طبی نقصانات ہیں، خصوصاً امراض غدودی میں یہ جس طرح معین ہوتا ہے، اُس پر تو آج کل کے ڈاکٹر بھی بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ سؤر کی گندگی اور ناپاکی اتنی روشن و عیاں ہے کہ بعض پرانی قومیں مثلاً اہل مصر بھی اسے نجس سمجھتی رہی ہیں، بلکہ خود یہود کے ہاں بھی یہ حرام تھا۔ آج "مسیحی" قومیں جس ذوق وشوق سے یہ گندہ گوشت، تازہ اور خشک دونوں صورتوں میں کھایا کرتی ہیں، اور اُس کی چربی سے جو طرح طرح کے کام لیتی رہتی ہیں، بلکہ اس کی نسل کی پرورش کا انتظام جس بڑے پیمانہ پر جابجا کئے ہوئے ہیں، اُسے دیکھ کر تو قیاس یہی ہوتا ہے کہ کراہت کیسی، عجب نہیں کہ کچھ فضائل اس جانور کے، مسیحیت میں وارد ہوئے ہوں! حالانکہ اس کی حرمت اور نجاست دونوں، صراحت کے ساتھ بائبل میں موجود ہیں:۔ "اور سؤر کہ کھر اُس کا دوحصہ ہوتا ہے اور اس کا پاؤں چرا ہے، پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لیے ناپاک ہے" (احبار ۱۱:۷) "اور سؤر بھی کہ اس کے کھر چرے ہوئے ہیں۔ یہ جگالی نہیں کرتا، اور یہی تمہارے لیے ناپاک ہے۔ تم اس کا گوشت نہ کھائیو، نہ اُس کی لاش کو ہاتھ لگائیو۔" (استثناء۔ ۱۴:۸) وَمَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ اہلال کے اصلی معنی آواز بلند کرنے، پکار کردینے، شہرت دے دینے کے ہیں۔ هو رفع الصوت عند رؤية الهلال ثم يستعمل لكل صوت (راغب) الاهلال رفع الصوت (قرطبی) مراد یہ ہے کہ جس جانور کو بہ طریق تعظیم وعبادت یا بہ قصد تقرب کسی مخلوق کے لیے نامزد کردیا جائے، اور نیت کسی مخلوق کی نذر ونیاز یا بھینٹ کی کرلی جائے، وہ حرام ہوجاتا ہے، خواہ اس کے ذبح کے وقت بسم اللہ بھی کیوں نہ پڑھ لی جائے۔ شیخ سدو کے نام کے بکرے اور اس قبیل کی تمام چیزیں اسی حکم کے تحت میں آجاتی ہیں۔ ولا خلاف بين المسلمين ان المراد به الذبيحة اذا أُهِلَّ بها لغير الله عند الذبح (جصاص) "در حدیث صحیح وارد است کہ ملعون من ذبح لغير الله یعنی ہر کہ بہ ذبح جانور تقرب غیر خدا نماید ملعون است خواہ در وقت ذبح نام خدا گیرد زیرا کہ چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلانے ست ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نہ کرد۔" (تفسیر فتح العزیز) جس جانور کو غیر اللہ کے نامزد اس نیت سے کیا ہو کہ وہ ہم سے خوش ہوں گے اور ہماری کارروائی کرائیں گے، جیسا کہ اکثر عام جاہلوں کی عادت ہوتی ہے، کہ اس نیت سے بکرا، مرغا وغیرہ مقرر کردیتے ہیں، وہ حرام ہوجاتا ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت اُس پر اللہ کا نام لیا ہو، البتہ اگر اس طرح نامزد کرنے کے بعد اس سے توبہ کرلے پھر حلال ہوجاتا ہے۔" (تھانوی)۔ بعض فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی حاکم یا سردار کے آنے پر بہ طور بھینٹ کے ذبح کرے گا، تو بھی وہ حرام ہوجائے گا۔ اگرچہ اُس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو۔ ذبح لقدوم الامير و نحوه كواحد من العظماء يحرم لانه اهل به لغير الله ولو اصلية ذكر اسم الله تعالٰى (درمختار) بلکہ فقہاء نے تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ کوئی مسلمان اگر جانور کو تقرب غیر اللہ کے قصد سے ذبح کرے گا، تو مرتد ہوجائے گا، اور اُس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ سمجھا جائے گا۔ قال العلماء لو ان مسلمًا ذبح ذبيحة و قصد بذبحها التقرب الى غير الله صار مرتدًا وذبيحته ذبيحة مرتد (کبیر) ف۶۱۶ یعنی مجبور ہوکر حرام غذا کے استعمال پر۔ اے فمن اضطر الى شئ من هذه المحرمات اے احوج اليها (قرطبی) اِضْطُرَّ اضطرارًا۔ ضرورت سے مشتق ہے، اور اس کے باب افتعال سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شدید ضرورت کے وقت ان حرام غذاؤں کو بھی بہ قدرت کفایت کھایا جاسکتا ہے۔ شدید ضرورت کی صورتیں دو ہوسکتی ہیں:۔ (۱) یہ کہ بھوک کی شدت سے معلوم ہوتا ہو کہ دم نکلا جارہا ہے۔ اور حلال غذا سرے سے دستیاب ہی نہیں ہورہی ہے، یا افلاس کی بنا پر اس تک دسترس نہ ہو اور یا پھر کسی مرض کی بنا پر وہ حلال غذا ناقابل استعمال ہو۔ (۲) یہ کہ کوئی حاکم اُس حرام غذا کے استعمال پر مجبور کررہا ہو۔ وهذه الضرورة لها سببان احدهما الجوع الشديد و الثانى اذا اكرهه على تناول مكره (کبیر) الاضطرار لا يخلو ان يكون باكراه من ظالم او بجوع فى مخمصة والذى عليه الجمهور من الفقهاء والعلماء فى معنى الأية هو من صيره العدم والغرث وهو الجوع الى ذلك (قرطبی) ف۶۱۷ (ان حرام چیزوں کے کھالینے میں) بلکہ اکثر تو ایسے موقع پر نہ کھانا گناہ ہے۔ بل ربما يأثم بترك التناول (روح) اس لیے کہ حفظ نفس تو اولین فرائض میں سے ہے، اور ایسے موقع پر غذا نہ کھانا خودکشی کے مترادف ہے، جو حرام خوری سے شدید تر ہے۔ ولا خلاف انه لا يجوز له قتل نفسه بالامساك عن الاكل وانه مامور بالاكل على وجه الوجوب (قرطبی) لو ترك الاكل تلف نفسه وتلك اكبر المعاصى (قرطبی) وقال الطبرى ليس الاكل عند الضرورة رخصة بل ذلك عزيمة واجبة ولو امتنع من الاكل كان عاصيا (بحر) وقال مسروق بلغنى انه من اضطر الى الميتة فلم ياكل حتى مات دخل النار كانه اشار الى انه قاتل نفسه بتركه ما اباح الله له (بحر) غَيْرَ بَاغٍ۔ یعنی اس کی نیت اور ارادہ نافرمانی اور قانون شکنی کا نہ ہو، اور وہ محض طالب لذت نہ ہو۔ ضرورتِ واقعی ہو، یہ ہرگز نہ ہو کہ کسی شخص کے دل میں قانونِ الٰہی کا احترام ہی ہلکا ہو یا وہ حرام چیزوں سے لذت ہی حاصل کرنا چاہتا ہو۔ بَاغٍ کے معنی دو ہوسکتے ہیں۔ ایک، دُوسرے پر ظلم کرنے والا، دوسرے طالب لذت۔ وَّلَا عَادٍ۔ اور نہ حدود شرعی سے تجاوز کرنے والا۔ یعنی مقدار میں بھی بس محض بہ قدر ضرورت کھائے، یہ نہ ہو کہ خوب سیر ہوکر کھانے لگے۔ قال الشافعى و ابو حنيفة و اصحابه لا ياكل المضطر من الميتة الا قدر ما يمسك رمقه (کبیر) ف۶۱۸ غَفُوْرٌ۔ ایسا مغفرت والا کہ بعض حالات میں جرائم پر بھی مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ انہیں جرائم باقی بھی نہیں رہنے دیتا۔ رَّحِيْمٌ۔ ایسا شفقت والا کہ تنگی کے موقعوں پر آسانی بہم پہنچا دیتا ہے ف۶۱۹ یہود کی جانب اشارہ ہے جو اپنے ہاں کی اصل آسمانی تعلیمات کو چھپاتے تھے، اور اس اخفا وکتمان سے ان کا مقصود کچھ نفع دنیوی حاصل کرنا ہوتا تھا۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا سے یہ مراد نہیں کہ زیادہ قیمت اور بڑے معاوضہ پر دین فروشی جائز ہے۔ مراد اس سے محض دنیوی معاوضہ ہے۔ اور دنیوی معاوضہ نفع آخرت کے مقابلہ میں ہمیشہ قلیل ہی ہوگا ف۶۲۰ یہود کا جرم اخفائے حق اور کتمان وحی آسمانی ان کی معصیت اکل حرام سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ اس لیے اس جرم کی سزا بھی اس سے سخت تر مذکور ہوئی ف۶۲۱ (بہ طریق لطف وملاطفت) جو خطاب بہ طریق عتاب ہوگا، وہ ظاہر ہے کہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ قیامت کے دن اللہ کی اپنے بندوں سے گفتگو ان کی انتہائی خوش قسمتی ہوگی۔ اور اس سے محرومی ان کی انتہائی بدنصیبی ف۶۲۲ (گناہوں سے) برزخ کے بعد حشر میں بھی جو لوگ اپنے ایمان اور دوسری نیکیوں کی بنا پر اپنے کو گناہوں سے دُھلا دھلایا اور اپنے کو گرفت سے پاک پائیں گے، وہ بھی گویا بڑے سستے چھوٹ جائیں گے۔ بڑی اور اصلی مصیبت اُن کی ہے، جن میں قیامت کے دن بھی کوئی شائبہ ایمان نہ پایا جائے گا ف۶۲۳ (کہ اس کے لیے تیار ہوگئے، اور یہاں دُنیا میں ایمان وطاعت پر آمادہ نہ ہوئے!) فَمَآ۔ کلمہ تعجب ہے، کہ اپنی ان حرکتوں کے ہولناک ثمرے اور دہشت ناک نتیجے معلوم ہیں، اور اس پر بھی یہ شوخ چشمی! مذهب الجمهور منهم الحسن و مجاهد ان ما معناه التعجب (قرطبی) اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى۔ اس کا تعلق اسی دنیا سے ہے۔ یعنی ہدایت کے بدلے گمراہی کو لے لیا اسی دُنیا میں۔ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ۔ اس کا تعلق عالم آخرت سے ہے۔ یعنی لازمی نتیجہ عدم ایمان کا یہ ہوگا کہ آخرت میں مغفرت کے بجائے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا ف۶۲۴ (اور نا ہنجار بندوں نے اُس میں خواہ مخواہ خلط وتلبیس کردیا) الْكِتٰبَ، یہاں بہ طور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ مراد ہیں تمام کتب آسمانی۔ بِالْحَقِّ۔ یعنی بالکل صحیح یا دلائل وشواہد کے ساتھ۔ اے بالصدق وقيل بالحجة (قرطبی) ذٰلِكَ، یہ اشارہ عذاب کی طرف ہے، اے ذلك العذاب (بیضاوی)

و۶۲۵ (اوراس کے نتائج بھگت کر رہیں گے) اِخۡتَلَفُوۡا فِی الۡکِتٰبِ۔ یعنی خواہ مخواہ اوراپنے اغراض کے لیے اپنی کتاب آسمانی میں جھگڑے نکال کھڑے کیے۔ ورنہ تعلیماتِ الٰہی میں کمال وضوح کی بنا پر اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ فِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ۔ یعنی بھٹک کر حق وصداقت سے بہت ہی دُور جا پڑے ہیں۔ یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ یہ غفلت اُن میں اس سے پیدا ہوگئی ہے کہ اللہ کے سچے کلام میں انہوں نے ازراہِ نفسانیت خواہ مخواہ اختلاف کیا اوراس لیے اورزیادہ بھٹک گئے و۶۲۶ (جیسا کہ گمراہ ومشرک قومیں سمجھ رہی ہیں) قرآن مجید کے متعدد مقامات کی طرح یہ آیت بھی اصلاً گمراہ ومشرک قوموں کے رد میں ہے اور اس کا مفہوم پوری طرح جبھی روشن ہوگا، جب اُن کے عقائد باطل کو پیش نظر رکھا جائے۔ اَلۡبِرَّ۔ بر کے معنٰی لغت عربی میں بہت وسیع ہیں، نیکی کے جملہ اقسام پر شامل ہے۔ اُردو میں اس کا صحیح مفہوم لفظ طاعت ہی سے ادا ہوسکتا ہے۔ البر التوسع فی فعل الخیر فمن اللہ تعالٰی الثواب و من العبد الطاعة (راغب) البر الطاعة (تاج) قال بعضهم البر الخیر قال ولا اعلم تفسیرًا جمع منه لانه یحیط بجمیع ماقالوا (تاج) اہل لغت ہی کو نہیں اہل تفسیر کو بھی بِرّ کے مفہوم کی بھی وسعت مسلم ہے۔ البر اسم جامع للطاعات واعمال الخیر المقربة الی اللہ تعالٰی (کبیر) اسم عام لجمیع مایوجر علیه الانسان (کبیر) اسم جامع لانواع الخیر والطاعات المقربة الی اللہ تعالٰی (روح) البر کل فعل مرضی (بیضاوی) و۶۲۷ (حالت نماز میں یا عبادت کے وقت) ظہور

فِیۡ بُطُوۡنِهِمۡ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوۡمَ

بس آگ ہی (آگ) بھرتے ہیں و۶۲۰ اور اللہ قیامت کے دن ان سے

الۡقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَکِّیۡهِمۡ ۚۖ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۷۴﴾

نہ کلام کرے گا و۶۲۱ اور نہ انہیں پاک کرے گا و۶۲۲ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالۡهُدٰی

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو خرید لیا ہے ہدایت کے بدلہ میں،

وَ الۡعَذَابَ بِالۡمَغۡفِرَةِ ۚ فَمَاۤ اَصۡبَرَهُمۡ عَلَی النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

اور عذاب کو نجات کے بدلہ میں، اور یہ لوگ کیسی جیوٹ رکھتے ہیں دوزخ کے لئے و۶۲۳

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ ؕ وَ اِنَّ الَّذِیۡنَ

اور یہ (سزا) اس لئے ہوگی کہ اللہ نے تو کتاب کو (بالکل) ٹھیک ٹھیک اتارا تھا و۶۲۴ اور بے شک جو لوگ

اخۡتَلَفُوۡا فِی الۡکِتٰبِ لَفِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع لَیۡسَ

کتاب کے بارے میں اختلاف ڈال رہے ہیں، وہ (بڑے) دور دراز کے خلاف میں پڑے ہوئے ہیں و۶۲۵

الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ

طاعت یہ نہیں ہے و۶۲۶ کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لیا کرو و۶۲۷

وَ لٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ

بلکہ طاعت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ اور قیامت کے دن

وَ الۡمَلٰٓئِکَةِ وَ الۡکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ ۚ وَ اٰتَی الۡمَالَ

اور فرشتوں اور کتاب اور پیمبروں پر ایمان لائے و۶۲۸ اور اس کی محبت میں

عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنَ

مال صرف کرے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں

اسلام سے قبل دنیا کی بے شمار گمراہیوں میں سے ایک اہم گمراہی سمت پرستی تھی یعنی بے جان دیوتاؤں، دیویوں، مورتیوں، پتھروں، درختوں، پہاڑوں، دریاؤں کے علاوہ خود سمتوں یا جہتوں کی بھی پرستش جاری ہوگئی تھی اور مختلف جاہلی قوموں نے یہ اعتقاد جما لیا تھا کہ فلاں مخصوص سمت، مثلاً مشرق، مقدس ہے، اور فلاں متعین جہت مثلاً مغرب قابل پرستش ہے۔ قرآن مجید یہاں شرک کی اسی صورتِ خاص کی تردید کررہا ہے، اور ارشاد کر رہا ہے کہ کسی جہت میں کیا تقدس رکھا ہوا ہے، اور کوئی سمت، بہ حیثیت سمت ہرگز قابل تقدیس نہیں۔ طاعت (البر) سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ ہمارے حضرات مفسرین کو اس آیت میں جو اشکال نظر آیا، وہ محض اس لیے کہ اُن کی نظر مذاہب غیر کی اس گمراہی پر نہ تھی۔ اسلام نے ظاہر ہے کہ نماز کے لیے کوئی سمت، بہ حیثیت سمت ہرگز متعین نہیں کی ہے، اُس نے صرف ایک متعین مکان یعنی خانۂ کعبہ کو ایک مرکزی حیثیت دی ہے، اور اُسے قبلۂ توجہ ٹھیرایا ہے خواہ وہ کسی سمت میں پڑ جائے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ کعبہ مصر وطرابلس وحبشہ سے مشرق میں پڑتا ہے۔ ہندوستان، افغانستان اور چین سے مغرب میں، شام وفلسطین ومدینہ سے جنوب میں، اور یمن اور بحرقلزم کے جنوبی ساحلوں سے شمال میں، اور بہت سے مقامات سے اِن مختلف سمتوں کے مختلف گوشوں میں۔ اَلۡمَشۡرِقِ۔ سورج دیوتا دنیائے شرک کا معبودِ اعظم رہا ہے۔ مشرک قوموں نے اس کی پرستش بڑی کثرت سے کی ہے۔ اور یہ چونکہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے، اس لیے عموماً جاہلی قوموں نے مشرق کو بھی مقدس سمجھ لیا، اور عبادت کے لیے مشرق رُخی اختیار کرلی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے چند ہی سال بعد جب مسیحیوں میں ایک شخص پولوس نامی آ گھسا (جسے ایک دُنیا آج سینٹ پال کے نام سے یاد کرتی ہے) اور اُس نے مسیحیت کا رُخ بجائے تجدید موسویت کے ایک مستقل تثلیثی شرک کی طرف پھیر دیا۔ رُومی اُس وقت حاکم قوم تھی۔ اور جیسے آج ہندوستان کے ہر شعبۂ زندگی میں انگریزیت اور ”صاحبیت“ کا بول بالا ہے، اُس وقت بھی محکوموں کے دلوں میں رومی مشرکوں ہی کے علوم وفنون، تہذیب ومعاشرت، دین وعقائد کا تسلط چھایا ہوا تھا۔ اور رومی مذہب کا ایک جزو آفتاب پرستی بھی تھا۔ پولوسی مسیحیوں نے جہاں اور بہت سے مشرکانہ مراسم رومیوں سے دھڑا دھڑ اخذ کرلیے، وہیں اس مشرق پرستی کو بھی ان سے لے لیا، اور عبادت مشرق کی طرف رُخ کر کے کرنے لگے۔ چنانچہ مسیحیوں کے گرجے آج تک مشرق رویہ چلے آتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس مشرق رُخی پر زبردست ضرب لگائی، اور بتا دیا کہ یہ سمت وار تقدس تو کسی درجہ میں بھی طاعت یا عبادت نہیں، بلکہ طاعتیں وہ ہیں جن کی تفصیل یہی آیت آگے کر رہی ہے۔ وَالۡمَغۡرِبِ۔ مشرق پرستی سے تو بہرحال کم اور بہت کم، لیکن پھر بھی بہت کچھ عام اور وسیع وبا مغرب پرستی کی بھی شرک کی دُنیا میں رہ چکی ہے۔ آفتاب کے طلوع وغروب پر قیاس کرکے مشرک ذہنیت نے یہ نتیجہ نکالا کہ مصدر حیات جس طرح سمتِ مشرق ہے، اُسی طرح مستقر موت واجل سمتِ مغرب ہے اور یہ بھی مستحق تعظیم وتقدیس ہے۔ نیز ملاحظہ ہوں حواشی نمبر ۴۵۱ و ۴۵۳ پ۔ اَلۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ۔ یہ دونام صراحت کے ساتھ صرف مثال کے طور پر لے لیے گئے۔ مقصود تمام سمتوں کی تعمیم ہے، انہی دوسمتوں کی تحدید یا تخصیص نہیں۔ والمراد من ذکر المشرق والمغرب التعمیم لا تعیین السمتین (روح) و۶۲۸ مشرکانہ ذہنیت کی تردید کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اصلی طاعت یہ ہے، جس کا بیان اب ہو رہا ہے، آیت کے اس جزو میں عقائد کی تصحیح آ گئی۔ وَلٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ ولکن البر بر مَن۔ طاعت تو اُس کی ہے، جو اللہ پر ایمان لایا الخ والتقدیر لکن البر بر من (قرطبی) فحذف المضاف وهو کثیر فی الکلام و هذا اختیار الفراء والزجاج و قطرب (کبیر) اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔ اس میں دہریت والحاد کی جلی وخفی ہر صورت کی تردید آ گئی۔ ایمان وطاعت میں داخلہ کا یہی دروازہ ہے، کوئی ایسا نظام یا مسلک (خواہ اس کی بنیادیں نقلی ہوں یا اخلاقی یا معاشی یا سیاسی) جس میں اللہ کی آیات وصفات پر ایمانِ کامل داخل نہ ہو، طاعت سے کوئی علاقہ بھی نہیں رکھتا۔ مادیت وعقلیت (ریشنلزم) لاادریت (ایگناسٹی سزم) بالشویت وغیرہ سب اسی حکم کے تحت میں آ جاتی ہیں۔ اور بودھ مذہب اور جین مت بھی، اگر اُن کی بابت یہ بیان صحیح ہے کہ اُن میں توحید باری موجود نہیں۔ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ۔ اس میں تردید اُن تمام گمراہ قوموں کی آ گئی جو وجود باری کی تو قائل تھیں، لیکن اس

وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ ۙ وَالسَّآئِلِیۡنَ وَ فِی الرِّقَابِ ۚ

اور راہ گیروں اور سائلوں پر ف۶۲۹ اور گردنوں کے آزاد کر دینے میں ف۶۳۰

وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ۚ وَ الۡمُوۡفُوۡنَ بِعَہۡدِہِمۡ

اور نماز کی پابندی کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ف۶۳۱ اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے والے

اِذَا عٰہَدُوۡا ۚ وَالصّٰبِرِیۡنَ فِی الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

جبکہ وعدہ کر چکے ہوں، اور تنگی میں اور بیماری میں، اور لڑائی کے وقت

وَحِیۡنَ الۡبَاۡسِ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَاُولٰٓئِکَ

صبر کرنے والے ف۶۳۲ یہی لوگ ہیں جو سچے اترے، اور یہی لوگ تو

ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۷﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ

متقی ہیں ف۶۳۳ اے ایمان والو، تم پر مقتولوں کے باب میں

الۡقِصَاصُ فِی الۡقَتۡلٰی ؕ اَلۡحُرُّ بِالۡحُرِّ وَ الۡعَبۡدُ

قصاص فرض کر دیا گیا ہے ف۶۳۴ آزاد کے بدلہ میں آزاد، اور غلام کے بدلہ

بِالۡعَبۡدِ وَالۡاُنۡثٰی بِالۡاُنۡثٰی ؕ فَمَنۡ عُفِیَ لَہٗ مِنۡ

میں غلام، اور عورت کے بدلہ میں عورت ف۶۳۵، ہاں جس کسی کو اس کے فریق مقابل کی طرف سے

اَخِیۡہِ شَیۡءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیۡہِ

کچھ معافی حاصل ہو جائے ف۶۳۶ سو مطالبہ معقول (اور نرم) طریق پر کرنا چاہیے، ف۶۳۷ اور مطالبہ کو اس (فریق)

بِاِحۡسَانٍ ؕ ذٰلِکَ تَخۡفِیۡفٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ رَحۡمَۃٌ ؕ

کے پاس خوبی سے پہنچا دینا چاہیے، ف۶۳۸ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے رعایت اور مہربانی ہے ف۶۳۹

فَمَنِ اعۡتَدٰی بَعۡدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۷۸﴾

سو جو کوئی اس کے بعد بھی زیادتی کرے گا اس کے لئے (آخرت میں) عذاب دردناک ہے ف۶۴۰

عقیدہ سے خالی ہیں کہ ایک عالم آخرت بھی ہے، جہاں ایک روز، جزائے اعمال کا سامنا کرنا اور زندگی کے ایک ایک معاملہ کا حساب دینا ہے۔ اور تو اور یہود نے اپنی زبردست توحید کے باوجود، عالم آخرت سے اپنا تعلق نہایت درجہ ضعیف کر رکھا تھا۔ جزا و سزا اسی دُنیا میں سمجھنا خواہ قومی و اجتماعی عروج و زوال سے، خواہ بہ قاعدۂ تناسخ مختلف قالبوں میں رُوح کے الٹ پھیر سے، یہ سب انکار آخرت ہی کی شکلیں ہیں۔ وَالۡمَلٰٓئِکَۃِ۔ فرشتوں پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ اُن نورانی اور مجرد مخلوقات کا وجود اللہ کے بندوں اور کارساز مطلق کے قاصدوں، خادموں اور کارندوں کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے، نہ یہ کہ خود اُنہی کو مستقل قوتوں کی طرح فاعل، عامل، متصرف مان کر اُن سے دُعائیں مانگی جائیں، اور اُنہی کو ایک چھوٹے پیمانہ پر حاجت روا قرار دے لیا جائے۔ اس ایمان بالملائکہ سے یونان، رومہ، ہندوستان، ایران کی ان تمام مشرک قوموں کی تردید ہو گئی، جنہوں نے فرشتوں ہی کے تخیل کو مسخ کر کے کائنات کے مختلف شعبوں کے لیے دیویاں اور دیوتے تجویز کر لیے ہیں۔ وَالۡکِتٰبِ۔ کتاب یہاں بہ طور اسم جنس آیا ہے اس کا اطلاق صحیفۂ آسمانی کے نفس تخیل پر ہو گا۔ کتاب آسمانی کا عقیدہ بھی ایک تمام تر اسلامی عقیدہ ہے۔ مشرک قومیں تو خیر اس تخیل ہی سے نا آشنا ہیں، کہ اللہ کے ہاں سے کوئی کتاب کسی بندہ پر نازل ہوتی ہے۔ ''اہل کتاب'' تک اب اسلامی اصطلاح کے مطابق کسی ''کتاب الٰہی'' کے قائل نہیں۔ اُن کے ہاں ''کتاب'' کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ خدا نے ہدایت کے لیے بعض اشخاص کو چن لیا، اور اُن کے قلوب میں کچھ مضامین بہ طور الہام القاء کر دیئے۔ اور ایسا الہام ہر عارف کو ہو سکتا ہے، نبوت اس کی کوئی لازمی شرط نہیں۔ پھر بعد کو ان بزرگوں اور عارفوں نے انہی مضامین و معانی کو اپنے لفظ و عبارت میں مرتب کر کے اپنے شاگردوں اور مریدوں کو سنا دیا، پھر اُن سامعین نے انہیں اپنے طور پر لکھ لکھا لیا۔ (بجز توریت کی ابتدائی پانچ سورتوں کے کہ وہ یہودی عقیدہ کے مطابق خود حضرت موسٰی کی نوشتہ ہیں) ـــ گویا ان الہامی کتابوں کی حیثیت کل وہ ہے جو ہمارے ہاں بزرگوں کے جمع کیے ہوئے ملفوظات کی ہوتی ہے! اور کہاں مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف تک وحی شدہ ہے، جس میں خلط اور خطا کا امکان ہی نہیں! اور مسیحی تو جب حضرت مسیح علیہ السلام کی رسالت و نبوت ہی کے سرے سے قائل نہیں بلکہ اُن کی الوہیت کے مدعی ہیں تو حضرت ﷺ کا صاحب کتاب رسول ہونا اُن کے ہاں کوئی معنی ہی نہیں رکھتا ـــ کوئی آپ اپنے اوپر بھی بھلا کتاب نازل کیا کرتا ہے؟ وَالنَّبِیّٖنَ۔ یعنی عقیدہ یہ ہو کہ اللہ انسانوں کو پیمبر بنا کر بھیجتا ہے۔ یہ نہ ہو کہ خود حق تعالٰی مجسم ہو کر اس دنیا میں آ جاتا ہے۔ یا کسی قالب میں حلول کر آتا ہے۔ اسی عقیدہ میں صاف تردید ہو گئی اُوتار پرستی کی، مظہر پرستی کی، حلول کی، تجسم باری تعالٰی کی۔ ''اوتار'' ٹھیک ضد اور مقابل ہے ''پیمبر'' کے۔ اُوتار کا مفہوم یہ ہے کہ خالق کائنات خود کوئی مادی پیکر اختیار کر کے دُنیا میں آ جاتا ہے اور یہ بھی ضرور نہیں کہ وہ قالب انسان ہی کا ہو۔ شیو جی یا بشن جی جس طرح رام چندر جی بن کر یا سری کرشن بن کر آ سکتے ہیں، اسی طرح سانپ بن کر، شیر بن کر یا مچھلی یا کچھوے کا قالب اختیار کر کے بھی آ سکتے ہیں۔ غرض یہ کہ اوتار، معنی و حقیقت کے اعتبار سے خدا ہوتا ہے، اور صورت اور ظاہر کے اعتبار سے انسان یا جانور۔ پیمبر اس کے برعکس صرف بشر ہوتا ہے اور ہمیشہ بشر ہی۔ نہ کبھی فوق البشر، نہ کبھی تحت البشر اور بجز اُس کے کہ صاحب وحی ہوتا ہے (اور اس لیے اخلاق کی پاکیزگی میں بے نظیر، اور جرم و عصیان سے پاک) اور کسی حیثیت سے شکل و صورت میں، چلنے پھرنے میں، بولنے چالنے میں، بھوک پیاس میں، غم و مسرت میں، صفات بشری سے ممتاز نہیں ہوتا۔ آیت کے اتنے جزو میں قرآن مجید نے اپنی معجزانہ بلاغت و ایجاز سے تمام اعتقادی گمراہیوں کی جڑ کاٹ دی، اور سارے مذاہب باطلہ کی تردید کر دی۔ اعتقادی گمراہی جب کبھی بھی انسانوں کو گھیر لے گی، ہمیشہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرت، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب اور ایمان بالانبیاء ہی کی کسی نہ کسی غلطی یا غلط فہمی کی راہ سے آئے گی ف۶۲۹ عقائد کی تصحیح ہو چکی، تو اب اعمال کی تصحیح شروع ہوئی اور اعمال میں بھی ابتداء شعبۂ معاملات سے ہوئی۔ آیت کے اسی جزو میں اس کا بیان ہے۔ عَلٰی حُبِّہٖ۔ اس کی محبت میں۔ ضمیر اللہ کی طرف ہے۔ اس کی محبت سے مراد اللہ تعالٰی کی محبت۔ یعنی یعطون المال علی حب اللہ ای علی طلب مرضاتہ (کبیر) قیل علی حُبّ اللہ (کشاف) قیل الضمیر للہ تعالٰی (بیضاوی) گویا یہ بتا دیا کہ صَرفِ مال فی نفسہٖ ہرگز محمود و مطلوب نہیں، مطلوب و مقصود صرف وہ صرفِ مال ہے، جو اللہ کی راہ میں، اللہ تعالٰی کی رضا جوئی کے لیے، اللہ کے دین کے فروغ کے لیے ہو۔ دُوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ صَرفِ مال، مال کی محبت کے باوجود ہو۔ یعنی ضمیر غائب کا مرجع بجائے اللہ کے، لفظ قریب مال کو قرار دیا گیا ہے۔ وھو قول الاکثرین انہ راجع الی المال (کبیر) ای مع حب المال والشح بہ کما قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ (کشاف) اس میں بھی ایک پختہ مومن کی تصویر آ گئی ہے۔ مال و زر کی محبت اور قدر اُس کے دل میں ہے، خواہشیں اُس کی زندہ ہیں، اپنی ذات پر، اپنے محبوبات و مرغوبات پر وہ خرچ کرنا چاہتا ہے، لیکن امر الٰہی کے آگے اپنی گردن جھکا دیتا ہے۔ اپنی خواہشوں کو دبا دیتا ہے۔ اپنے شوق کو حکم خداوندی پر قربان کر دیتا ہے۔ وہ عمل اُسی پر کرے گا، جو حکم ربانی ہے۔ اور خرچ وہیں کرے گا، جہاں شریعت حکم دیتی ہے۔ ذَوِی الۡقُرۡبٰی الخ۔ مصارفِ خیر کی اسلام نے یہ کتنی مناسب اور حکیمانہ ترتیب قرار دے دی ہے۔ آیت کے اس جزو میں اُمت کا پورا نظامِ معاشی ایک خلاصہ کی شکل میں آ گیا ہے۔ مالی اعانت سب سے پہلے اپنے عزیزوں قریبوں کی کرنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ بھائی کی کوٹھیاں تیار ہو رہی ہیں اور بہن جھونپڑے کو ترس رہی ہو۔ چچا کے پاس موٹریں ہوں، اور بھتیجے کو اِکّے کے پیسے بھی میسر نہ ہوں۔ ہر زردار کو سب سے پہلے خبر گیری اپنے نادار عزیزوں، کنبہ والوں، بھائیوں، بہنوں، بھتیجوں، بھانجوں اور دُوسرے

قریبیوں کی کرنا چاہیے۔اس کے بعد نمبر محلّہ کے،بستی کے،شہر کے یتیم بچوں،بچیوں کا آتا ہے،جن کا کوئی والی،وارث،سرپرست باقی نہیں رہا ہے۔اس کے بعد درجہ بدرجہ نمبر اُمت کے عام مفلسوں،محتاجوں،اور پھر اُن مسافروں،راہ گیروں کا آتا ہے جو زادِراہ سے محروم ہیں۔اور اس لیے اپنے ضروری سفروں سے محروم رہے جاتے ہیں۔یا بستی میں کہیں باہر سے وارد ہو گئے ہیں،اور کوئی اُن کے ٹھیرانے،کھلانے پلانے کا روادار نہیں ہو رہا ہے۔اور پھر آخر میں اہلِ حاجت سوالی رہ جاتے ہیں۔اس پورے معاشی پروگرام پر اگر قاعدہ سے عمل ہونے لگے،تو اُمت میں کہیں مفلسی،تنگدستی،بے معاشی،بے روزگاری کا وجود باقی رہ سکتا ہے؟

ف۶۳۰ (قیدیوں اور غلاموں کی) فِي الرِّقَابِ رقاب، رَقَبَةٌ کی جمع ہے۔لفظی معنٰی گردن کے ہیں۔محاورہ میں اس سے مراد وہ ہوتے ہیں،جن کی گردنیں آزاد نہیں،یا جو بندھے ہوئے ہیں۔یعنی غلام جو دوسروں کی رعایا ہیں۔یا قیدی،جو کسی جرم فوجداری یا دیوانی کی علت میں گرفتار ہو کر محبوس ہیں۔الرقبة جعل فی التعارف اسمًا للمما لیک کما عبر بالرأس و بالظهر من المركوب (راغب) والرقبة مجاز عن الشخص (روح) تقدیرِ کلام یوں ہے،فی تخلیص الرقاب۔گویا مضاف محذوف ہے،اور یہ ترکیب قرآن مجید میں عام ہے۔یا فی فکاک الرقاب۔مراد وہی زرِ معاوضہ دے کر قیدیوں کو قید سے اور غلاموں کو غلامی سے آزادی دِلانا ہے۔یعنی المکاتبین قاله اكثر المفسرين (معالم) وقيل فداء الاسارٰی (معالم) وهم المکاتبون (ابن کثیر) ای فی تخلیصها بمعاونة المکاتبین اوفک الاسارٰی (بیضاوی) ای فی تخلیصها الرقاب و فکاکها (روح) مصارف خیر و اعانت کی ایک ضروری مد رہی جاتی تھی۔قرآن مجید نے آخر میں اُس کا بھی اضافہ کر دیا۔اور اب یہ فہرست اُمت کے اجتماعی نقطہ نظر سے ہر طرح مکمل ہو گئی

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ

اور تمہارے لئے اے اہلِ فہم (قانون) قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم پرہیزگار

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

بن جاؤ ف۶۳۱ تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی معلوم ہو،

اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ

بشرطیکہ کچھ مال بھی چھوڑ رہا ہو، تو وہ والدین اور عزیزوں کے حق میں

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ

معقول طریقہ سے وصیت کر جائے یہ لازم ہے پرہیزگاروں پر ف۶۳۲ پھر جو کوئی اسے اس کے سننے کے بعد

بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ

بدل ڈالے، سو اس کا گناہ بس انہی پر ہو گا جو اسے بدل ڈالیں ف۶۳۳ بے شک

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ؕ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ

اللہ بڑا سننے والا ہے، بڑا جاننے والا ہے ف۶۳۴ البتہ جس کسی کو وصیت کرنے والے سے متعلق کسی بے عنوانی یا گناہ

جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ

کا علم ہو جائے، ف۶۳۵ پھر وہ ان لوگوں کے آپس میں صلح کرا دے، ف۶۳۶ تو اس پر کوئی گناہ نہیں ف۶۳۷

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ؑ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بے شک اللہ تعالیٰ بڑا مغفرت کرنے والا ہے، بڑا رحم کرنے والا ہے ف۶۳۸ اے ایمان والو،

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ

تم پر روزے فرض کئے گئے ف۶۳۹ جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے

مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ۙ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ

قبل ہوئے ہیں ف۶۵۰ عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ ف۶۵۱ (یہ روزے) گنتی کے چند روز کے (ہیں) ف۶۵۲

ع ۲۲ ۶

ف۶۳۱ تصحیح عقائد کی ہو چکی۔تصحیح معاملات کی ہو چکی۔اب نمبر عبادات کا آتا ہے۔عبادات بے شمار ہیں،بنیادی اور بڑی تقسیم عبادت بدنی اور عبادت مالی کی ہے۔یہاں الصلوٰة والزکوٰة لا کر دونوں کی جنس کی طرف اشارہ کر دیا۔نماز ساری بدنی عبادتوں کی قائم مقام ہو گئی۔زکوٰة ساری مالی عبادتوں کی۔ اَقَامَ الصَّلٰوةَ یعنی نمازیں وقت مقرر پر،شرائط و قواعد معلوم کے ساتھ ادا کرتے رہتے ہیں۔ اٰتَى الزَّكٰوةَ۔یعنی زکوٰة،حسب آداب و شرائط شریعت باقاعدہ ادا کرتے رہتے ہیں ف۶۳۲ عقائد ہو چکے،معاملات ہو چکے،عبادتیں ہو چکیں،اب ذکر اخلاق کا شروع ہوا۔ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ۔فقرہ ہر قسم کے معاہدات کا جامع ہے۔خواہ وہ معاہدہ بندہ کا اپنے خالق کے ساتھ ہو،یا معاہدہ بندوں کا بندوں کے درمیان ہو۔مومن جھوٹا وعدہ کرنا یا جھوٹا عہد لینا جانتا ہی نہیں۔ای فی مابینهم و بین الله تعالٰی و فی ما بینهم و بین الناس (قرطبی) الْبَاْسَآءِ۔مصیبت اور تنگدستی میں۔باساء کا اصل تعلق مالی پریشانیوں سے ہے۔ای الشدة والفقر (قرطبی) الْبَاْسَآءِ فی الاموال كالفقر (بیضاوی عن الازہری) الضَّرَّآءِ بیماری کی تکلیفوں میں۔ضراء کا اصل تعلق جسمانی آزار سے ہے۔ای المرض والزمانة (قرطبی) الضرآء فی الانفس كالمرض (بیضاوی۔عن الازہری) حِيْنَ الْبَاْسِ۔یعنی جنگ کے وقت دشمنانِ دین کے مقابلہ میں۔ای وقت مجاهدة العدو (بیضاوی) ای وقت الحرب (قرطبی) ثبات و صبر کے ظاہر کرنے اور جوہرِ سیرت و مردانگی کی چمک دکھانے کے یہی تین خاص مواقع ایک مومن کے لیے ہوتے ہیں ف۶۳۳ یعنی کمالاتِ حقیقی کے ساتھ موصوف،اور طاعت و پرہیزگاری (بر و تقویٰ) میں پورے اُترنے والوں کی علامتیں یہی ہیں جو اوپر بیان ہو چکیں۔اس معیار سے جس کو چاہو،جانچ لو،پرکھ لو۔ای صدقوا فی الدین و اتباع الحق و طلب البر (بیضاوی) قرآن مجید کی ہر آیت بجائے خود معظم،محترم و واجب العمل ہے۔لیکن اس آیت کے باب میں تو حدیث نبوی ﷺ میں یہاں تک صراحت موجود ہے،کہ من عمل بهذه الاٰية فقد استكمل الايمان (جس نے اس آیت پر عمل کر لیا،اُس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا) اور محققین کا قول نقل ہوا ہے،کہ یہ آیت اہم ترین آیتوں میں سے ہے اور اس کے اندر دین و شریعت کے سولہ احکام آگئے ہیں۔قال علماؤنا هذه اٰية عظيمة من امهات الاحكام لانها تضمنت ست عشرة قاعدة الايمان بالله و باسمه و صفاته والنشر والحشر و الميزان والحوض والشفاعة والجنة والنار والملٰئكة والكتب المنزله وانها حق من عند الله والنبيين و انفاق المال فی مايعنّ من الواجب والمندوب وايصال القرابة وترك قطعهم وتفقد اليتيم وعلم اهماله والمساكين كذٰلك ومراعاة ابن السبيل والسوال و فك الرقاب (قرطبی) اور بعض صوفیوں نے آیت کے اجزاء کی جامعیت پر نظر کر کے کہا کہ آیت اصل و مدار ہے شریعت و طریقت کی۔آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن کے لیے کافی نہ صرف باطنی اعتقاد ہے اور نہ صرف ظاہری،بلکہ دل میں ایمان ہونا بھی لازمی ہے اور ظاہر میں احکام کی اطاعت بھی۔اور خیر یہ باتیں تو سب اپنوں کی تھیں۔فرنگیوں میں سے ایک ذات شریف پادری وہیری (Wherry) نامی ہوئے ہیں۔مسلمانوں اور اسلام کے بڑے "عنایت فرما"۔سن سفید ڈاڑھی کے بال اسلام کی عداوت ہی میں سفید کیے۔سیل (Sale) کے انگریزی ترجمۂ قرآن پر تفسیر کا اضافہ اُنہی کے قلم سے ہے۔اس آیت پر پہنچ کر قدرت اُن کے قلم سے یوں لکھواتی ہے:۔ "یہ (آیت) قرآن کی بلند ترین آیتوں میں سے ہے......ذات باری پر ایمان،اور نوعِ انسانی کے ساتھ حسنِ سلوک،اس کو اس میں واضح طور پر مذہب کا جوہرِ اصلی بتایا گیا ہے۔اس میں لب لباب عقائد اور اعمال کا آگیا"۔ خیر یہی بہت غنیمت ہے کہ پادری صاحب کو کچھ تو آیتیں قرآن مجید میں "بلند" نظر آگئیں ف۶۳۴ (اس حال میں کہ جب تم اپنی حکومت رکھتے ہو،اور سزاؤں کے نفاذ پر باقاعدہ قدرت رکھتے ہو) اسلام اپنے پیروں سے توقع دنیوی سربلندی ہی کی رکھتا ہے،اور اسے بہ طور ایک

مسلمہ کے فرض کیے رہتا ہے کہ امت دنیوی اقتدار کی بھی مالک ہوگی۔ مسلمانوں کا صدیوں تک مسلسل کافروں کے تسلط واقتدار میں رہنا اسلام کے مفروضاتِ اولین میں گویا داخل ہی نہیں۔ قانون فوجداری اور قانون دیوانی دونوں کی اکثر دفعات کا نفاذ نظامِ حکومت کے اسلامی ہونے پر معلق ہے یعنی اُمت کو ان قوانین الٰہی کی تنفیذ کی باقاعدہ قدرت بھی تو ہو۔ لا خلاف ان القصاص فی القتل لایقیمہ الا اولوا الامر فرض علیھم النھوض بالقصاص واقامۃ الحدود وغیر ذٰلک (قرطبی) اتفق ائمۃ الفتوٰی علی انہ لایجوز لاحد ان یقتصّ من احد حقّہ دون السلطان ولیس للناس ان یقتصّ بعضھم من بعض (قرطبی) قصاص۔ یہ انتقام محض کا مرادف نہیں کہ ہر فرد دوسرے فرد سے از خود لینا شروع کردے۔ بلکہ قانون فوجداری کے ماتحت سزا کی منظم، مہذب ومنضبط ترین شکل کا نام ہے۔ اُمت کا ایک قانونی واجتماعی حق ہے۔ اس کے اجراء کی ذمہ داری حکومت یا اہل حل وعقد پر عائد ہوتی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں مومنین سے خطاب اجتماعی حیثیت سے ہے، انفرادی حیثیت سے نہیں۔ قتلی۔ قتل عمد کی سزا دنیا کے ہر قانون میں عموماً قتل ہی ہے۔ البتہ خود قتل عمد کی تعریف میں بہت کچھ اختلافات ہیں۔ شریعت اسلامی کی اصطلاح میں قتل عمد وہ ہے کہ کوئی کسی کو ارادہ کرکے کسی آہنی سلاخ سے یا کسی اور حربہ سے جس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہ سکے قتل کرے۔ اما العمد فما تعمد ضربہ بسلاح اوما یجری مجری السلاح فی تفریق الاجزآء (کافی) السلاح مایکون اٰلۃ قاتلۃ اُعِدّت للقتال (نہایہ) اور فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ قصاص یعنی سزائے قتل اسی قتل کے ساتھ خاص ہے و۶۳۵ مراد یہ ہے کہ قصاص میں مساوات ملحوظ رہے گی، اور خون خون سب کا برابر سمجھا جائے گا۔ یہ نہیں کہ اونچے شخص کی جان کی قیمت معمولی شخص کی جان سے زیادہ سمجھی جائے۔ عرب جاہلی میں ایک دستور یہ پڑ گیا تھا کہ آزادوں میں سے کوئی اگر کسی غلام کو مار ڈالتا، تو قصاص میں جان اُس آزاد کی لینے کے بجائے کسی غلام کی لی جاتی۔ دُنیا کی تاریخ دوسرے ملکوں میں بھی ایسی مثالوں سے خالی نہیں۔ اور امریکہ میں تو آج تک ایک گورے (White) کا خون ایک کالے (Negro) کے خون سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہے۔ اور فرنگی حکومتیں اپنے ایک ایک مقتول کے عوض، قاتل قوم کے کئی کئی شخصوں کی جانیں بے تکلف لیتی رہتی ہیں۔ یہاں پہونچ کر داد اُن فقہاء ومفسرین کی نکتہ سنجی کی دینا پڑتی ہے جنہوں نے آیت کی تفسیر میں صاف لکھ دیا ہے۔ ای المساواۃ بینھم لا الزیادۃ۔ اسلام نے ان ظالمانہ دستوروں کو مٹایا، اور اعلان کردیا کہ زندگی ہر مومن کی، اُمت کے ہر فرد کی، یکساں قابل احترام ہے۔ اور مرد ہو، عورت ہو، آزاد ہو، غلام ہو، کوئی ہو، جس کا جو قاتل ہوگا، وہی سزا پائے گا۔ القصاص عبارۃ عن المساواۃ۔ والمعنی فرض علیکم اعتبار المماثلۃ والمساواۃ من القتلٰی (مدارک) فقہ حنفی کے دو مسئلے اس سلسلہ میں قابل خیال رکھنے کے ہیں:۔ (۱) مقتول اگر کافر ہے لیکن ذمی، تو اس کا بھی قصاص قاتل ہی سے لیا جائے گا، اگرچہ وہ مسلم ہو۔ ہاں کافر حربی چونکہ کھلا ہوا باغی اور دشمن ہوتا ہے، اسلامی "اسٹیٹ" کا بھی اور اسی لیے تو اُسے حربی کہا ہی جاتا ہے، سو اُس کے قتل میں ظاہر ہے کہ قصاص نہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ قتل عمد میں آزاد کے عوض میں تو آزاد قتل کیا ہی جائے گا، غلام کے عوض میں بھی آزاد قتل کیا جائے گا اگر وہ قاتل ہے اور عورت کے عوض میں عورت تو ماری جائے گی، لیکن مرد بھی قتل کیا جائے گا، اگر وہ قاتل ہے۔ آیت میں ایک پہلو ایسا بھی ہے، جس سے معتزلہ کا رد نکل آیا۔ معتزلہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو خارج از ایمان سمجھتے ہیں حالانکہ آیت میں اکبر الکبائر یعنی قتل مسلم کا بیان ہے، اور قاتل کو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کیا ہے، مسلمان ہی شمار کیا ہے۔ شریعت موسوی کی جو تصریحات اس باب میں درج ہیں وہ قابل ملاحظہ ہیں:۔ "اور وہ جو انسان کو مار ڈالے گا وہ مار ڈالا جائے گا"۔ (احبار۔ ۲۴: ۱۷) "اور جو انسان کو مار ڈالے، جان سے مارا جائے۔" (احبار۔ ۲۴: ۲۱) "توڑنے کے بدلہ توڑنا۔ آنکھ کے بدلہ آنکھ، دانت کے بدلہ دانت، جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے، اس سے ویسا ہی کیا جائے"۔ (احبار۔ ۲۴: ۲۰)۔ و۶۳۶ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد قاتل یا قاتلین ہی ہوسکتے ہیں۔ یراد بھا القاتل ھٰذا قول ابن عباس و قتادۃ و مجاھد و جماعۃ من العلماء (قرطبی) من ھو قاتل معفولہٗ (مدارک) مِنْ اَخِيْهِ۔ یعنی مقتول کے فریق کی طرف سے۔ مدعی یا مستغیث کی طرف سے۔ لفظ اخیہ کی بلاغت ومعنویت اس سیاق میں سر دھننے کے قابل ہے، شدید ہیجانِ جذبات انتقام واشتعال پذیری کا موقع قتل سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے۔ اس انتہائی موقع پر بھی یہ لفظ لا کر بتا دیا کہ قاتل باوجود اتنے سنگین جرم کے کافر نہیں ہوجاتا، اخوت اسلامی کے دائرہ سے خارج نہیں ہوجاتا۔ مقتول کا ولی ووارث، قاتل کا دینی بھائی اس وقت بھی رہتا ہے۔ والمراد بالاخ ولی الدم (روح) سمّاہ اخًا استعطافًا بتذکیر اخوۃ البشریۃ والدین (روح) یعنی ولی الدم وذکرہ بلفظ الاخوۃ الثابتۃ بینھما من الجنسیۃ والاسلام لیرق لہ و یعطف علیہ (بیضاوی) والاخ ولی المقتول وذکر بلفظ الاخوۃ بعثًالہ علی العطف لما بینھما من الجنسیۃ والاسلام (مدارک) شَيْءٌ۔ لفظ اہم ہے یعنی سزائے واجب کا کچھ حصہ چھوڑ دیا جائے۔ نہ ہو کہ تمامتر معاف کردیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ مقتول کے عزیز اور وارث اگر قاتل کو سزائے قتل نہ دینا چاہیں، بلکہ اُسے ہلکی کوئی سزا دے کر، یا خونبہا کی پوری رقم میں سے کچھ حصہ اُسے معاف کرکے اُسے چھوڑ دینے پر آمادہ ہوں۔ رُومیوں کی مشرک قوم میں قتل تمامتر ایک جرم قانون فوجداری کا تھا۔ قانون دیوانی سے اُسے کوئی علاقہ ہی نہ تھا۔ موجودہ فرنگی قانون چونکہ تمامتر رُومیوں ہی کے قانون (رومن لا) پر مبنی ہے۔ اس لیے اس میں بھی قتل محض ایک فوجداری کا جرم ہے۔ شریعت اسلامی کی نظر فطرتِ بشری کی گہرائیوں اور مصالح اجتماعی کی باریکیوں پر اس سے کہیں زائد ہے۔ اُس نے اپنے اصول قانون میں یہ بات رکھی کہ قتل جس طرح فوجداری کا جرم ہے، دیوانی کا بھی ہے۔ اس جرم سے محض (اسٹیٹ) حکومت، اور (سوسائٹی) ہیئت اجتماعیہ ہی کے ایک قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، بلکہ یہ فرد پر بھی اُس کی شخصی حیثیت میں ایک حملہ ہے گویا یہ جرم ایک پبلک حیثیت رکھتا ہے اور ایک پرائیویٹ۔ اور جب اس کی یہ دوگونہ حیثیت ہے تو مقتول کے وارثوں یا خون کے مدعیوں کو یہ اختیار ہونا چاہیے کہ وہ چاہیں تو مجرم کو پوری سزا اسٹیٹ (حکومت) سے دلائیں، اور چاہیں تو خود مالی معاوضہ لے کر انتہائی سزا سے دستبردار ہوجائیں۔ اسی مالی معاوضہ کو اصطلاح شریعت میں دیۃ یا خونبہا کہتے ہیں۔ اور اس میں گھٹ بڑھ برابر ہوسکتی ہے (دیت کا ذکر خود قرآن مجید میں آگے آرہا ہے) آج بھی انٹرنیشنل (بین الاقوامی) قانون میں یہ بالکل جائز ہے کہ جب ایک (اسٹیٹ) ملک کی رعایا کا خون دوسرے ملک (اسٹیٹ) کے باشندوں کے ہاتھوں ہوجائے، اور غیر ملک میں فوجداری کا مقدمہ چلانے میں دقتیں اور دشواریاں محسوس ہوں، تو بجائے فوجداری استغاثہ اور اُس کی پیروی کے صرف "ہرجانہ" (Damages) کی رقم پر کفایت کرلی جائے۔ یہ "ہرجانہ" اُسی خونبہا کے لیے ایک خوشنما اور جدید اصطلاح ہے۔ و۶۳۷ (اور خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ شر وفساد کا موقع نہ نکالنا چاہیے) یعنی مقتول کا فریق، کہ وہی اب مدعی یا مستغیث ہوگا۔ خونبہا کی مطلوبہ رقم کا مطالبہ معقولیت، آدمیت سے کرے، خواہ مخواہ ضد اور اشتعال سے فریق مقابل کو تنگ نہ کرے، اور اس کے جوش کو نہ بڑھائے کہ اس سے فساد کو مزید تحریک ہوگی۔ عین حدت واشتعال طبع کے نازک موقعوں پر یہ رکھ رکھاؤ، اتنی احتیاط اور حسن معاشرت کو سنبھالے رکھنے کا اہتمام شریعت اسلامی کا مخصوص حصہ ہے۔ و۶۳۸ اب یہ تاکید قاتل یا اُس کے فریق کو ہورہی ہے۔ اُن ملزموں یا مدعا علیہم کو بھی اپنی طرف سے بھی چاہیے کہ جتنی رقم کی قرارداد ہوچکی ہو، اُسے بغیر مزید طوالت یا پیچیدگی وبدمزگی کے، فریق مقتول یعنی مدعیوں یا مستغیثوں تک خوبصورتی اور خوش اسلوبی سے پہنچا دیں۔ اِلَيْهِ میں ضمیر فریق مقتول کی جانب ہے۔ والضمیر فی الیہ للاخ (مدارک) فطرتِ بشری کی ان نزاکتوں کا لحاظ، اور قاتل ومقتول ہر ممکن فریق کے مصالح وجذبات کی رعایت کون انسانی قانون رکھ سکتا ہے؟ قانون ساز انسان تو ایک محض خشک انسان ہوتا ہے۔ اتنے متعدد اور باریک پہلوؤں کی رعایت تو صرف خدائی قانون ہی کی شان ہوسکتی ہے۔ و۶۳۹ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی حکم جو اُوپر فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ کے اندر مذکور ہوچکا۔ یعنی الحکم المذکور من العفو واخذ الدیۃ (مدارک) ایک طرف قصاص کی بظاہر سختی، دوسری طرف دیت اور عفو کی نرمی، یہ حسن امتزاج اور اعتدال وتوازن کا یہ مکمل قوام اُسی قانون کا حصہ ہوسکتا ہے جو بشری دماغ سے نہیں، حکمت مطلق سے نکلا ہو۔ و۶۴۰ (آخرت میں) اعتداد۔ یعنی زیادتی کی صورتیں بہت سی ہوسکتی ہیں۔ مثلاً ایک یہی کہ کسی بے گناہ پر قتل کا جھوٹا دعویٰ کردیا۔ یا یہ کہ قاتل کو پہلے تو معاف کردیا، اور پھر معافی کے بعد پورے قصاص کے درپے ہوگئے۔ وقس علیٰ ہذا۔ ایسے بیدردوں اور خدا ناترسوں کو صرف خوفِ آخرت ہی بیجا جسارتوں سے روک سکتا ہے۔ و۶۴۱ قانونِ قصاص عین عدل ومساوات کا قانون ہے اور ہیئت اجتماعی کے نظم وقیام راستی کا بہترین ضامن وکفیل، کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرنے پائے اور قوی وضعیف سب کے حقوق کا تحفظ ہوجائے۔ یہ نہ ہو کہ جو زبردست ہوں وہ زیردستوں پر ستم ڈھا کر رہیں۔ اُمت کے مختلف طبقوں میں ایک دوسرے کی طرف سے اطمینان ودلجمعی پیدا کرنے والا درحقیقت یہی قانون ہے۔ اور جب اس قانون پر عملدرآمد ایک عرصہ تک رہے گا، اس قانون کی رُوح اُمت میں سرایت کر جائے گی تو

ساری قوم کا مزاج صالح ہو جائے گا، اور آئین پسندی، باہم صلح و سازگاری، خدمت و معاونت جزوِ زندگی بن جائے گی، اور اُمت دیکھتے ہی دیکھتے اُمت صالحین و ابرار، اُمت عادلہ کہلانے کی مصداق بن جائے گی۔ و۶۴۲ یہ حکم وصیت، آیت میراث کے نزول سے (جس میں حقداروں کے حصے معین کر کے بتا دیئے گئے ہیں) بہت قبل کا ہے۔ نزلت قبل نزول الفرائض والمواریث (قرطبی) اس لیے قدرۃً اب اس پر عملدر آمد اُس آیت متاخر وما بعد ہی کے ماتحت ہوگا۔ اور اسی کو مفسرین اپنی اصطلاح میں ایک آیت کا دوسری آیت سے منسوخ ہو جانا کہتے ہیں۔ جائیداد کی تقسیم اب آیت میراث کے بموجب ہوگی۔ اور وصیت کا اب کوئی محل ہی نہ رہا، بجز جائیداد کے ایک ثلث کے، کہ اتنے میں وصیت چل سکتی ہے۔ اور اس کی تصریح بھی اُسی سورۃ النساء کی آیت میراث میں موجود ہے۔ وصیۃ کے لفظی معنی نصیحت کے ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں اس سے مراد وہ ہدایتیں ہوتی ہیں جو وصیت کر جانے والے کی موت کے بعد قابل عملدر آمد ہوتی ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ وصیت کی بھی کئی قسمیں ہیں:۔ (۱) بعض وصیتوں کی تعمیل درجہ واجب میں ہے مثلاً ادائے زکوٰۃ و کفارہ کی وصیت، یا ادائے امانت یا ادائے قرض کی وصیت۔ (۲) بعض مستحب کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثلاً کسی کار خیر کے لیے وصیت کر جانا، یا کسی ایسے عزیز کو میراث دے جانا جسے حصہ نہ پہنچ رہا ہو۔ (۳) بعض صرف مباح ہوتی ہیں۔ جیسے کسی امر جائز کے لیے وصیت کر جانا۔ (۴) اُن کے علاوہ بعض ایسی بھی ہوتی ہیں۔ جن کی تعمیل ممنوع ہے۔ وہ وصیتیں کالعدم سمجھی جائیں گی۔ مثلاً کسی کافر حربی کے حق میں، یا کسی فعل حرام کے لیے وصیت کر جانا۔ (۵) اور بعض وصیتیں موقوف کہلاتی ہیں۔ ان کی تعمیل شرط کے ساتھ معلق ہوتی ہے۔ مثلاً ترکہ کے ایک ثلث سے زائد میں وصیت کر جانا۔ اس کی تعمیل دُوسرے ورثاء کی رضامندی پر موقوف رہے گی۔ الْوَصِيَّةُ یہاں الایصاء کے معنی میں ہے اور اسی معنی کا لحاظ کر کے اس کے لیے فعل مذکر (كُتِبَ) لایا گیا ہے۔ ورنہ اصل قاعدہ کے لحاظ سے فعل مؤنث (كُتِبَتْ) آنا چاہیے تھا۔ اور تاءِ تانیث کے حذف کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اسم وصیت اپنے فعل سے بہت فاصلہ پر ہے اور اتنا فاصلہ حائل ہو جانے پر محاورۂ زبان میں فعل کی تاءِ تانیث حذف ہو جاتی ہے (قرطبی) خَيْرًا۔ خیر کے ایک معنی علاوہ مشہور معنی کے، مال طیب کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس استعمال کی مثالیں جا بجا ملتی ہیں۔ مثلاً قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ (سورۂ بقر) یا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ (سورۂ بقرہ) وقس علیٰ ہذا بہر حال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں خیر مال ہی کے معنی میں ہے۔ الخير ههنا المال من غير خلاف (قرطبی) قال بعض العلماء انما سمى المال ههنا خيرا تنبيها على معنى لطيف وهو ان الذى يحسن الوصية به ماكان مجموعا من المال من وجه المحمود (راغب) اے مالاً کما قاله ابن عباس و مجاهد (روح) ایک گروہ نے لفظ وجوب سے استناد کر کے کہا ہے کہ کچھ نہ کچھ وصیت بہر حال کر جانا چاہیے۔ دُوسرے گروہ نے آیت میراث کی موجودگی میں اسے بالکل غیر ضروری ٹھیرایا ہے۔ امام نخعی علیہ رحمۃ اللہ کا قول اس باب میں قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے سامنے دونوں قسم کے اُسوۂ حسنہ موجود ہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وصیت کر گئے تھے۔ لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی وصیت نہیں فرمائی۔ وقال النخعى مات رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و لم يوص وقد اوصى ابو بكر فان اوصى فحسن وان لم يوص فلا عليه شیء (قرطبی) بِالْمَعْرُوْفِ۔ یعنی پسندیدہ طریقہ پر، عقل کی رعایت سے، حاجت کا لحاظ کر کے۔ حسن معاشرت و حسن معاملت دونوں قسم کے احکام کے موقع پر قرآن مجید میں یہ لفظ کثرت سے آیا ہے۔ عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔ متقین سے یہاں مراد مومنین ہیں۔ اُن کے وصف تقویٰ کا ذکر کر کے مراد خود اُنہی سے لی گئی ہے۔ مراد بالمتقين المومنين وهم الذين اتقوا الكفر (بحر) والمراد بالمتقين المؤمنون (روح) و۶۴۳ (نہ کہ حاکموں پر جو عالم الغیب نہیں ہوتے، بلکہ گواہوں کے بیانات ہی پر فیصلہ کی بنیاد رکھتے ہیں) بَدَّلَهٗ اور سَمِعَهٗ دونوں میں ضمیر وصیت کی طرف ہے۔ والضمير فى بدّله يرجع الى الايصاء وكذلك الضمير فى سمعه (قرطبی) یعنی جن گواہوں کے سامنے وصیت کی گئی کہ فلاں فلاں عزیز کو اتنا اتنا حصہ ملے، اور وہ گواہ اُس میں اپنی طرف سے کچھ قطع و برید کر دیں، جس سے بعض کی حق تلفی لازم آتی ہے۔ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ۔ یہ حاکموں، قاضیوں کو اطمینان دلایا ہے کہ تمہارا اس غلط اجراء میں کیا قصور۔ قصور تو بس اُنہی جھوٹے گواہوں کا ہے۔ و۶۴۴ سَمِيْعٌ۔ اُس پر خوب روشن ہے کہ گواہ نے کس کس طرح جھوٹ سے کام لیا، اور اصل وصیت میں کیا کیا کتر بیونت کی۔ عَلِيْمٌ۔ اُس پر خوب روشن ہے کہ قاضی یا ثالث ایسے موقع پر کیسا معذور و بے بس ہوتا ہے۔

و۶۴۵ (اور وہ اس بنا پر از راہِ اخلاص و خیر خواہی وصیت میں تبدیلی کر دے۔ جس سے اُس بے ضابطگی یا معصیت کی اِصلاح ہو جائے) خَافَ۔ خوف عربی میں ہمیشہ اندیشہ اور ڈر ہی کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ کبھی علم کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ اے فمن توقع و علم وهذا فى كلامهم شائع (کشاف) والخوف والخشية العلم (کبیر) و معنى خاف توقع و علم (روح) اے قد ظهرله من احوال الموصى ما يقلب معه على ظنه انه يريد الجور و صرف الميراث عن الوارث (جصاص) جَنَفًا۔ جنف کہتے ہیں نادانستہ غلطی، یا بے ضابطگی کو۔ مراد ہے سہو یا خطائے فہم سے گونہ زیادتی۔ الجنف الخطاء (ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) الجنف الخطاء من حيث لا يعلم به (کبیر) ميلاً عن الحق بالخطاء (کشاف) اِثْمًا۔ یعنی دانستہ غلطی۔ کھلی ہوئی حق تلفی جس پر گناہ کا اِطلاق ہو سکے۔ الاثم العمد (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) الاثم هو العمد (کبیر) و۶۴۶ (مضمون وصیت میں ترمیم کر کے، اور وارثوں کی حق تلفیوں کو دُور کر کے) بَيْنَهُمْ میں ضمیر جمع غائب وارثوں کی جانب ہے۔ اے بين الموصى لهم (روح) الكناية عن الورثة (قرطبی) یعنی وصیت اگر بے ضابطہ ہے یا خلاف قاعدۂ شرعی ہے، اور کوئی شخص وارثوں کے درمیان وقوعِ نزاع یا احتمالِ نزاع ہی دیکھ کر مضمون وصیت میں ایسی ترمیم کر دے، جس سے حق تلفیوں کی اصلاح ہو جائے اور وارثوں میں باہم مصالحت ہو جائے۔ بعض فقہاء نے اس حکم کے ماتحت وسعت دے کر کہا ہے کہ حکم صرف وصی اور گواہانِ وصیت اور حاکم کے ساتھ مخصوص نہیں، اُمت کا ہر فرد اس پر عمل کر سکتا ہے۔ فمن خاف من سائر الناس من موص ميلا عن الحق و عدولاً الى الجور فالواجب عليه ارشاده الى العدل والصلاح (جصاص) الخطاب لجميع المسلمين (ابن العربی) اس لیے کہ اس حکم کا تعلق باب امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے ہے اور وہ ساری اُمت پر فرض ہے۔ ولا يختص بذلك الشاهد والوصى والحاكم دون سائر الناس لان ذٰلك من باب الامر بالمعروف و النهى عن المنكر (جصاص) لان اصلاح الفساد فرض على الكفاية (ابن العربی) فقہاء نے اس آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ غلبۂ ظن کے بعد رائے و عمل کا اجتہاد جائز ہو جاتا ہے اس لیے کہ وصیت کرنے والے کی طرف سے ظلم و زیادتی کا اندیشہ تو ظن غالب ہی کے حکم میں رہے گا۔ و فيها الدلالة على جواز اجتهاد و الراى والعمل على غالب الظن لان الخوف من الميل يكون فى غالب ظن الخائف (جصاص) و فى هذا دليل على الحكم بالظن (ابن العربی) و۶۴۷ (اس تبدیل و ترمیم مضمون وصیت کے باب میں) بلکہ وہ تو اور مستحق اجر و ثواب کا ہوگا۔ لانه تبديل باطل الى حق (مدارک) و۶۴۸ اللہ تو گنہگاروں تک کے حق میں غفور و رحیم ہے۔ چہ جائیکہ یہ شخص جو گنہگار ہے بھی نہیں بلکہ اپنی سعی اصلاح میں تو مطیع حکم اور مستحق اجر ہے۔ غَفُوْرٌ۔ یعنی گناہوں کا بخشنے والا۔ رَحِيْمٌ۔ یعنی خطا کاروں کے حال پر رحم کرنے والا۔ و۶۴۹ صیام جمع ہے صوم کی۔ صوم یا روزہ اصطلاح شریعت میں اسے کہتے ہیں کہ انسان طلوع فجر سے غروب آفتاب تک اپنے کو کھانے، پینے اور عمل زوجیت سے روکے رہے۔ جو روزے فرض ہیں وہ ماہِ رمضان کے ہیں۔ غیبت، فحش، بدزبانی وغیرہ زبان کے تمام گناہوں سے روزہ میں بچے رہنے کی سخت تاکیدیں حدیث میں آئی ہیں۔ جدید و قدیم سب طبیب اس پر متفق ہیں کہ روزہ جسمانی بیماریوں کے دُور کرنے کا بہترین علاج اور جسم انسانی کے لیے ایک بہترین مصلح ہے۔ پھر اس سے سپاہیانہ ہمت اور ضبط نفس کی رُوح جو ساری امت میں تازہ ہو جاتی ہے، اس کے لحاظ سے بھی مہینہ بھر کی یہ سالانہ مشق ایک بہترین نسخہ ہے۔ و۶۵۰ روزہ کسی نہ کسی صورت میں تو دُنیا کے تقریباً ہر مذہب اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، طبع چہاردہم کی جلد ۹ صفحہ ۱۰۶ اور جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۳ سے ظاہر ہے لیکن قرآن کو مشرکانہ مذہبوں سے بحث نہیں۔ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے اس کی اصل مراد اہل کتاب ہی سے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ روزہ شریعت موسوی کا ایک اہم اور مشہور جزو ہے۔ مذاہب عالم سے اتنی گہری واقفیت، کہ صاف صاف اُن میں روزہ کے جزو مذہب ہونے کی خبر دے دی، ڈاک اور ریل کے زمانہ سے صدیوں قبل اور اخبارات اور کتب خانوں کے دور سے ہزار بارہ سو سال پیشتر عرب جیسے دُور اُفتادہ اور دنیا کے ہر ملک سے بے تعلق جزیرہ نما میں ایک اُمی کے لیے کسی طرح ممکن نہیں ۔۔۔۔ بجز وحی الٰہی کے توسط کے۔ و۶۵۱ روزہ تعمیل ارشاد خداوندی میں تزکیۂ نفس، تربیت جسم دونوں کا ایک بہترین دستور العمل ہے، اشخاص کے انفرادی اور اُمت کے اجتماعی ہر دو نقطۂ نظر سے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کے ارشاد سے اسلامی روزہ کی اصل غرض و غایت کی تصریح ہوگئی کہ اس

سے مقصود تقویٰ کی عادت ڈالنا اور اُمت و افراد کو متقی بنانا ہے۔ تقویٰ نفس کی ایک مستقل کیفیت کا نام ہے۔ جس طرح مضر غذاؤں اور مضر عادتوں سے احتیاط رکھنے سے جسمانی صحت درست ہوجاتی ہے اور مادّی لذتوں سے لطف و انبساط کی صلاحیت زیادہ پیدا ہوجاتی ہے۔ بھوک خوب کھل کر لگنے لگتی ہے خون صالح پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح اس عالم میں تقویٰ اختیار کرلینے سے (یعنی جتنی عادتیں صحت رُوحانی و حیاتِ اخلاقی کے حق میں مضر ہیں، اُن سے بچے رہنے سے) عالم آخرت کی لذتوں اور نعمتوں سے لطف اُٹھانے کی صلاحیت و استعداد انسان میں پوری طرح پیدا ہوکر رہتی ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں اسلامی روزہ کی افضلیت تمام دُوسری قوموں کے گرے پڑے روزوں پر علانیہ ثابت ہوتی ہے اور غیر مشرک قوموں کے ناقص، ادھورے اور برائے نام روزوں کا تو ذکر ہی نہیں، خود مسیحی اور یہودی روزوں کی حقیقت بس اتنی ہے کہ وہ یا تو کسی بلا کو دفع کرنے کے لیے رکھے جاتے ہیں، یا کسی فوری اور مخصوص روحانی کیفیت کے حاصل کرنے کو۔ یہود کی قاموسِ اعظم جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ ’’قدیم زمانہ میں روزہ یا تو بطور علامت ماتم کے رکھا جاتا تھا، اور یا جب کوئی خطرہ درپیش ہوتا تھا، اور یا پھر جب سالک اپنے میں قبولِ الہام کی استعداد پیدا کرنا چاہتا تھا۔‘‘ (جلد ۵۔ صفحہ ۳۴۷) اسلام میں روزہ نام ہے اپنے قصد و ارادہ سے، ایک مدت معین تک کے لیے اپنی جائز اور طبعی خواہشوں کی تکمیل سے دستبرداری کا۔ اور اس سے ایک طرف طبی اور جسمانی، دُوسری طرف رُوحانی اور اخلاقی جو فائدے حاصل ہوتے ہیں، فرد اور اُمت دونوں کو، ان کی تفصیل کی گنجائش تو یہاں بہرحال نہیں۔ البتہ سورۃ کے آخر میں بطور ضمیمہ اس نامہ سیاہ کی بعض اور تحریریں پرچہ صدق اور سچ سے نقل کرکے درج کی جاتی ہیں۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ

پھر تم میں سے جو شخص بیمار ہو و۶۵۳ یا سفر میں ہو و۶۵۴ اس پر دوسرے دنوں کا

مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ

شمار رکھنا (لازم ہے) و۶۵۵ اور جو لوگ اسے مشکل سے برداشت کرسکیں و۶۵۶ ان کے ذمہ

فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ

فدیہ ہے (کہ وہ) ایک مسکین کا کھانا ہے و۶۵۷ اور جو کوئی خوشی خوشی نیکی کرے و۶۵۸ اس کے

خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

حق میں بہتر ہے، اور اگر تم علم رکھتے ہو و۶۵۹ تو بہتر تمہارے حق میں یہی ہے کہ تم روزے

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ فِيْهِ

رکھو و۶۶۰ ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن

الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى

اتارا گیا ہے، و۶۶۱ وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے و۶۶۲ اور (اس میں) کھلے ہوئے (دلائل ہیں) ہدایت

وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ

اور (حق و باطل میں) امتیاز کے و۶۶۳ سو تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے، لازم ہے کہ وہ (مہینہ بھر) روزہ

وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ

رکھے و۶۶۴ اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو، تو (اس پر) دوسرے دنوں کا شمار

اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ

رکھنا (لازم ہے) و۶۶۵ اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمہارے حق میں

بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا

دشواری نہیں چاہتا و۶۶۶ اور یہ (چاہتا ہے) کہ تم شمار کی تکمیل کرلیا کرو، و۶۶۷ اور یہ کہ تم

و۶۵۲ یعنی ان فرض روزوں کی ایک متعین تعداد ہے جیسا کہ ڈسپلن (تنظیم یا باقاعدگی) کا اقتضا ہے۔ یہ نہیں کہ جب جس کا جی چاہے جتنے دنوں کے لیے رکھ ڈالے۔ وحدت اُمت کے لحاظ سے لازمی تھا کہ ایک متعین زمانہ، متعین حدود کے ساتھ ساری اُمت کے لیے مقرر ہو۔ ضمناً یہ پہلو بھی نکل آیا کہ ان فرض روزوں کی تعداد کچھ بہت بڑی نہیں۔ یہ نہیں کہ سال سال بھر روزے رکھتے ہی جاؤ۔ چھ مہینے بلکہ تین مہینے بھی نہیں۔ سال بھر میں کل ۲۹ یا ۳۰ دن و۶۵۳ (اور بیماری کے باعث روزہ اس پر شاق ہو)۔ بیماری کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بیماری بہت شدید بھی ہوسکتی ہے اور بہت خفیف برائے نام بھی ہوسکتی ہے اور پھر موسم، عمر، جثہ وغیرہ کے اختلافات بھی اثر انداز ہوا کرتے ہیں۔ یہاں مراد ایسی بیماری ہے، جو روزہ رکھنے میں خلل انداز ہو۔ محض مریض کسی درجہ میں ہونا اجازت ترک صوم کے لیے کافی نہیں۔ اے مریضا یعسر علیه الصوم معه (روح) قال جمهور من العلماء اذا كان به مرض یؤلمهٗ اویخاف تماديه اويخاف تزيّده صحّ له الفطر (قرطبی) يخاف من الصوم زيادة مرض (مدارک) قال ابو حنيفةؒ و ابو يوسفؒ و محمدؒ اذا خاف ان تزداد عينه وجعًا او حماء شدة الفطر (جصاص) فثبت اتفاق الفقهاء ان الرخصة فی الافطار للمريض موقوفة علٰى زيادة المرض بالصوم. وانه ما لم يخش الضرر فعليه ان يصوم (جصاص) بیماری کی کوئی معین حد شریعت نے نہیں بتائی۔ ہر شخص اپنے حالات کے لحاظ سے اپنے ضمیر کی روشنی میں اس کا فیصلہ کرسکتا ہے و۶۵۴ سفر کے اندازے شریعت نے مقرر کردیئے ہیں۔ یعنی سفر کی اتنی مقدار کہ جس میں ترک صوم جائز ہو۔ وقد اتفقوا علٰى ان للسفر المبيح للافطار مقدارًا معلومًا فی الشرع (جصاص)۔ لیکن خود ان اندازوں میں اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے اجتک چلا آرہا ہے۔ ابن عمرو، ابن عباس صحابیوں رضی اللہ عنہم اور فقیہ ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ سفر شرعی کا اطلاق تین دن کے مسافت والے سفر پر ہوتا ہے۔ قال ابن عمر و ابن عباس والثوری الفطر فی سفر ثلثه ايام (قرطبی) حنفیہ کے ہاں بھی فتویٰ تین ہی دن کی مقدار سفر پر ہے۔ گو دُوسرے ائمہ کے یہاں دو روز بلکہ ایک روز کے سفر پر بھی افطار جائز ہے۔ فقال اصحابنا مسيرة ثلثة ايام و لياليها و قال آخرون يومين وقال آخرون مسيرة يوم (جصاص) فقال مالک والشافعی اقل السفر يوم وليلة وقال ابو حنيفة اقله ثلاثة ايام (ابن العربی) و۶۵۵ (اگر اس بیماری یا سفر کے دوران میں روزے چھوٹ گئے ہوں) یہ حکم نہیں، اجازت ہے۔ اور مقصود معذوروں کے لیے گنجائش ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسی بیماری یا ایسا سفر ہو، جس میں روزہ رکھنے سے ہلاکت کی نوبت آئی جاتی ہو، تو اس حالت میں ترک صوم جائز ہی نہیں، واجب ہوجاتا ہے اور زیادہ تکلیف کی حالت میں ترکِ صوم ہی بہتر سمجھا گیا ہے۔ و۶۵۶ يُطِيْقُوْنَهٗ میں ضمیر صوم کی طرف ہے۔ یعنی روزہ رکھنے کو رکھ تو ڈالیں لیکن روزہ کا تحمل انہیں مشکل ہی سے ہوسکے۔ مشقت بہت زائد اُٹھانی پڑے۔ مثلاً زیادہ بوڑھے اشخاص، یا حاملہ اور مرضعہ عورتیں۔ طاقة اور وسعة اِن دو لفظوں میں اہل لغت نے فرق کیا ہے۔ وسعت تو گویا امکان کے مرادف ہے، اور طاقت میں یہ مفہوم شامل ہے کہ وہ کام، کرنے والے کی قدرت میں تو ہو، لیکن اُس کے کرنے میں مشقت بہت زائد پڑے۔ کام تو ہوجائے، لیکن بہ مشکل ہو۔ هو اسم لمقدار ما يمكن ان يفعله بمشقة منه (تاج) الطاقة اسم لمقدار ما يمكن للانسان ان يفعله بمشقة (راغب) الوسع فوق الطاقة فالوسع اسم لمن كان قادرًا على الشئ على وجه السهولة واما الطاقة فهو اسم لمن كان قادرًا على الشئ مع الشدة والمشقة (كبير) اور یہاں طاقة کا مادہ استعمال ہوا ہے جس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ ’’وہ لوگ جو تکلیف کے ساتھ روزے رکھ سکیں‘‘ مثلاً بوڑھے اور بوڑھیاں، حاملہ اور مرضعہ۔ اے يصومونهم جهدهم و طاقتهم و مبلغ وسعهم (كشاف) اے الذين يقدرون على الصوم مع الشدة والمشقة (كبير) فيصير المعنى و على الذين يصومونه مع الشدة والمشقة فيشمل نحو الحبلٰى والمرضع (روح)

يكلفونه او يتكلفونه على جهدٍ منهم و عسرٍ و هم الشيوخ والعجائز (کشاف) اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں تو یطوقونہٗ ہے، جو صاف مرادف یکلفونہٗ کا ہے۔ و مشهور قراة ابن عباس يطوّقونه بفتح الطاء و تشديد الواو بمعنى يكلفونه (قرطبی) تابعین بلکہ صحابیوں رضی اللہ عنہم کی متعدد روایتوں میں اس سے مراد بوڑھے اور بوڑھیاں ہی لی گئی ہیں، اور متعدد مفسروں نے بھی یہی سمجھا ہے اور آیت کے منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ هو الشيخ والشيخة (ابن جریر۔عن علی) نزلت هٰذه الأية فى حق الشيخ الهرم (کبیر) قال ابن عباسؓ ليست منسوخة هو الشيخ الكبير و المرأة الكبيرة لا يستطيعان ان يصوما (ابن کثیر۔عن عطاء) ففسر ابن عباس ان كان الاسناد عنه صحيحًا يطيقونه بيطيقونه و يتكلفونه (قرطبی) روى ابوداؤد عن ابن عباس وعلى اللذين يطيقونهٗ قال البتت للحبلى والمراضع (قرطبی) وخرج الدار قطنى عنه ايضاً قال رخص للشيخ الكبير ان يفطر و يطعم عن كل يوم مسكينًا ولا قضاء عليه۔ هٰذا اسناد صحيح (قرطبی) وروى عنه ايضًا انه قال و على اللذين يطيقونه فدية طعام ليست بمنسوخة هو الشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لا يستطيعان ان يصوما فيطعما مكان كل يوم مسكينًا و هٰذا صحيح (قرطبی) و حكم هٰؤلآء الافطار والفدية و هو على هٰذا الوجه ثابت غير منسوخة (کشاف) مفسر قرطبی کا فیصلہ اس باب میں قول فیصل ہے:۔ فقد ثبت بالاسانيد الصحاح عن ابن عباسؓ ان الأية ليست بمنسوخة وانها محكمة فى حق من ذكر۔ **ف۶۵۷** یعنی جن بوڑھوں، بوڑھیوں، ناتوانوں کے لیے روزہ رکھنا بہت تعب کا باعث ہو، انہیں اختیار ہے کہ بجائے روزہ رکھنے کے ایک غریب کو روزانہ کھانا کھلا دیا کریں۔ اور کھانے کا معیار وہ ہو جو خود ان کا اوسط رہتا ہے۔ مختلف فقہاء سے مختلف مقداریں منقول ہیں۔ **ف۶۵۸** (اسی ادائے فدیہ کے باب میں) یعنی اس قدر مقدار تو بہرحال واجب ہے اب اگر اس میں کوئی اور زیادتی کرنا چاہے، یعنی ایک شخص کے بجائے دو شخصوں کو کھلا دے، کھانے کی تعداد بڑھا دے، کھانے کی قسم بہتر کر دے، فدیہ کے ساتھ روزہ کو بھی جمع کرلے تو اور بہتر ہے۔ خیر، خیرات، فیاضی، وسیر چشمی، حسن سلوک و حسن معاشرت کی تاکید تو اسلام میں ہمیشہ اور ہر حال کے لیے موجود ہے۔ لیکن رمضان کے ماہ مبارک میں اس کی اہمیت اور زیادہ ہے۔ چنانچہ ماہ مبارک کے ختم پر، یا ختم سے ذرا قبل جو صدقۂ فطر واجب بتایا گیا ہے، کہ آس پاس کا کوئی کلمہ گو بھوکا نہ رہنے پائے وہ اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فیاضی، سخاوت، جود و کرم میں اپنی نظیر آپ تھے، تاہم متعدد حدیثوں میں آتا ہے کہ اس ماہ مبارک میں آپ کا جوش کرم اور بڑھ جاتا تھا، اور آپؐ فیاض سے فیاض تر ہو جاتے تھے۔ **ف۶۵۹** (کہ صوم رمضان کی کیا کیا برکتیں اور فضیلتیں ہیں اور اس کے کیا کیا منافع و مصالح ہیں) **ف۶۶۰** (اگرچہ معقول عذر روزہ کو قضا کر دینے اور اس کے بجائے فدیہ دینے کے موجود ہوں) اس میں ترغیب اور تشویق ہے کہ روزہ رکھنے کے جو منافع و مصالح ہیں، وہ تو روزہ رکھنے ہی سے حاصل ہوں گے، ہاں معذوروں کے لیے گنجائش فدیہ کی بھی رکھ دی گئی ہے **ف۶۶۱** یعنی اترنا شروع ہوا۔ اے ابتدى فيه انزاله (مدارک۔بیضاوی۔روح) بدى بانزاله فيه على رسول الله (بحر) کل قرآن مجید کا نزول تو بڑی تدریج کے ساتھ کوئی ۲۱۔۲۲ سال کی مدت میں ہوا ہے، یہاں مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر نزول قرآن کی ابتداء ماہ رمضان میں ہوئی۔ وحی قرآنی کی سب سے پہلی آیتیں سورۃ العلق کا ابتدائی حصہ ہے، اور وہ غار حرا میں رسول اللہ ﷺ پر اسی مہینہ میں نازل ہوئی تھیں۔ (۱ نبوی) بہت سے مفسر اس جانب بھی گئے ہیں کہ قرآن مجید کا نزول آسمان دنیا پر اسی مہینہ میں ہوا اور پھر وہاں سے فرشتۂ وحی حضرت جبرئیل کے توسط سے بتدریج رسول اللہ ﷺ پر ہوتا رہا۔ القران۔ جس طرح ارض کا اطلاق سارے روئے زمین پر بھی ہوتا ہے اور زمین کے ہر ہر ٹکڑے پر بھی۔ اسی طرح قران کا اطلاق ۳۰ پاروں والی مکمل کتاب پر بھی ہوتا ہے اور اس کے ہر ہر جزو پر بھی۔ رمضان۔ سنہ قمری اسلامی کے نویں مہینہ کا نام ہے۔ شریعت نے اعتبار قمری مہینوں کا کیا ہے اور اپنے حسابات میں اسی تقویم سے کام لیا ہے۔ قمری مہینے چونکہ مختلف موسموں میں ادل بدل کرتے رہتے ہیں۔ مسلمان روزہ دار بھی رمضان کی اس گردش سے ہلکی گرمی اور ہلکی سردی، شدید گرمی اور شدید سردی، خشک و تر، ہر ہر موسم میں بھوک اور پیاس کے ضبط و تحمل کا خوگر ہو جاتا ہے۔ روزوں کی تعداد تو شریعت نے مقرر کر ہی دی ہے، زمانہ بھی ایک متعین و مقرر ہے۔ یہ نہیں کہ محض تعداد جس کا جب جی چاہے پوری کر لے۔ انفرادی اصلاح تو شاید ان حسب مرضی روزوں سے ہو بھی جاتی لیکن اجتماعی منافع و مصالح کے لیے تعداد کی طرح تعیین بھی ناگزیر تھی۔ وحدت امت کے لیے لازمی تھا کہ عرب و چین، مصر و ہندوستان طرابلس و جاپان، حبش و آسٹریلیا، افغانستان اور کناڈا، سائبیریا اور میکسیکو، برطانیہ اور آسٹریا، غرض سارے روئے زمین پر اسلامی آبادی جہاں کہیں بھی ہو، سب ایک ہی وقت میں روحانیت کی اس سالانہ پریڈ میں شریک ہو --- علم الاجتماع کے مبصرین جانتے ہیں کہ وحدتِ امت و تنظیم ملت میں کتنا زیادہ دخل اس ہم وقتی یا وقت کی ہم آہنگی کو ہوتا ہے۔ قرآن کی مناسبت رمضان کے ساتھ ہر صاحب نظر پر بالکل روشن ہے، اہل سنت اسی لیے قرآن مجید کے اس نزول کی سالانہ یادگار اس مہینہ بھر راتوں کو اپنی مسجدوں میں مناتے ہیں اور تراویح کی رکعتوں میں سارے قرآن کو اپنے حافظہ میں تازہ کر لیتے ہیں۔ **ف۶۶۲** یعنی اس میں خفا و التباس کسی قسم کا نہیں، اور اس کے سارے ہدایات و احکام لوگوں ہی کے نفع کے لیے ہیں۔ للنَّاس سے اس پر بھی روشنی پڑ گئی کہ قرآن کی مخاطب ساری دنیا ہے۔ محض قریش یا عرب نہیں۔ **ف۶۶۳** قرآن مجید ایک کتاب محکم ہے نہ صرف دلالت احکام میں وضاحت کامل کی بنا پر، بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ اس کے دلائل حق کو باطل سے واضح اور نمایاں طور پر ممتاز کر دینے والے ہیں، **ف۶۶۴** فَلْيَصُمْهُ۔ یعنی کج فہموں نے خدا معلوم کس قاعدۂ زبان سے اس لفظ کے یہ معنی نکال کر کہ رمضان "میں" یا رمضان کے "اندر" روزے رکھے جائیں۔ یہ حکم لگا دیا ہے کہ صرف تین دن کے روزے بھی کافی ہیں۔ یہ ایجاد بندہ تمامتر گندہ ہے۔ آیت کے صاف و صریح معنی اس مہینہ کو روزہ میں گزارنے کے ہیں اور اردو میں اس مفہوم کو "مہینہ بھر" میں ہی سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ فيصير تقديرهٗ من شهد جزءً ا من اجزاء الشهر فليصم كل الشهر (کبیر) اے الشهر كله (معالم) شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ۔ قمری مہینہ کا آغاز ہر ۲۹ یا ۳۰ دن کے بعد چاند دیکھنے سے ہوتا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور یہ رنگ اس کی اخلاقی، معاشرتی، تعبدی، جزئی، کلی، ہر تعلیم میں نمایاں ہے۔ طاعتوں اور عبادتوں کے باب میں جہاں اس نے ایک طرف یہ تاکید رکھی ہے کہ وقت مقرر پر، اور زمانہ معین ہی میں ادا ہوں، وہاں یہ نہیں کیا کہ خود اوقات کو یا زمان کی مقداروں کو ماہرین ہیئت و حساب کا محتاج و پابند بنا دیا ہو۔ شمسی تقویم رکھنے والے بیچارے اپنی گھڑی گھنٹہ کے لیے تمامتر دست نگر رہتے ہیں۔ ہیئت دانوں اور فلکیات کا حساب کتاب رکھنے والوں کے۔ اور اگر کسی ملک یا قوم کا تمدن ابھی اس درجہ تک نہ پہنچا ہو کہ رصد خانے بن سکے ہوں، دور بینیں ایجاد ہو چکی ہوں، طرح طرح کے آلات سے کام لیا جانے لگا ہو۔ ریاضیات کا طویل و عریض نظام وجود میں آچکا ہو۔ تو وہاں کے لوگ بیچارے منہ دیکھتے رہ جائیں۔ اسلام تو اس سیدھے سادے فطری حساب کا قائل ہے کہ بغیر کسی آلہ کی مدد کے بغیر ریاضیات اعلیٰ کے توسط کے، بس آنکھ سے جب چاند دیکھ لو، روزہ رکھنا شروع کر دو۔ شَهِدَ۔ وسیع معنی میں ہے۔ یعنی جب ماہ رمضان کے شروع ہونے کا علم ہو جائے۔ خواہ چاند کو براہ راست دیکھ کر، خواہ دوسروں سے رویت کی خبر سن کر، تو بیماروں، مسافروں، معذوروں کو چھوڑ کر، اور سب لوگ روزہ رکھنا شروع کر دیں۔ وشهد من الشهود والتركيب يدلّ على الحضور امّا ذاتًا او علمًا (روح) انما بالروية وامّا بالسماع (کبیر) رویت ہلال معتبر کہاں کی ہوگی؟ فقہاء نے اس کے جواب میں بڑی بڑی موشگافیاں کی ہیں، لیکن صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ اسی شہر یا بستی کی یا قرب و جوار کی بستیوں کی۔ سینکڑوں ہزاروں میل دور سے رویت ہلال کی خبریں منگانے کا تار، ٹیلیفون، ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ سے انتظام کرنا، یا کلکتہ کی رویت کو ۱۹۰۰ میل دور بمبئی پر حجت گرداننا شریعت اسلامی کی اصل روح پر ظلم کرنا ہے اختلاف مطالع ایک صریح مشاہدہ کی چیز ہے۔ اسے کیونکر جھٹلایا جا سکتا ہے۔ وحدت یقیناً ایک بڑی اہم چیز ہے لیکن اس کے لیے یہ زبردستی کی کوششیں کرنا طبعی کو غیر طبعی کی حد تک پہنچا دینا ہے۔ واختلفوا اذا اخبر مخبر عن روية بلدة فلا يخلوا انه يقرب اويبعد فان قرب فالحكم واحد وان بعد فَلِاهل كُلِّ بلدٍ رؤيتهم روى هٰذا عن عكرمه والقاسم و سالم و روى عن ابن عباس وبه قال اسحٰق واليه اشار البخارى حيث بوّب لاهل كل بلدرويتهم (قرطبی) اسی تفسیر قرطبی میں ایک روایت صحیح مسلم کے حوالہ سے اس مضمون کی درج ہے کہ ایک بار رمضان کے سلسلہ میں شام کی رویت کی خبر مدینہ میں پہنچی۔ دونوں جگہ کی تاریخوں میں فرق نکلا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صحابی نے حدیث نبوی کا حوالہ دے کر فتویٰ دیا کہ ہم تو یہیں کی رویت کا اعتبار کریں گے۔ اس کے بعد امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ قال علماؤنا قول ابن عباس هكذا امرنا رسول الله ﷺ كلمة تصريح برفع ذٰلك الى النبى ﷺ و بامره فهو حجة على ان البلاد اذا تباعدت كتباعدت الشام من الحجاز فالواجب

علی اھل کل بلدان تعمل علی رؤیته دون رؤیة غیرہ امام مسلم کا شمار فقہاء محدثین میں ہے۔انہوں نے اپنی صحیح کی کتاب الصیام کے ایک باب کا عنوان یہی قرار دیا ہے۔ باب بیان ان لکل بلدٍ رؤیتھم و انھم اذا راوْا الھلال ببلدٍ لا یثبت حکمه لما بَعُد عنھم۔ یعنی باب اس بیان میں کہ ہر شہر کے لیے رؤیت وہیں کی معتبر ہے۔اور اس میں کہ جس بستی میں چاند دکھائی دے، وہاں سے دُور کی بستیوں پر وہاں کا حکم عائد نہ ہوگا۔اور باب کے تحت میں وہی حدیث لائے ہیں جو قرطبی کے حوالہ سے اُوپر گزر چکی۔اور اس حدیث کو محدث ابن منذر اور امام ترمذی نے بھی نقل کیا ہے۔وحکاہ ابن المنذر عن عکرمة والقاسم وسالم واسحٰق و حکاہ الترمذی (فتح الباری) اور نووی شارح مسلم نے لکھا ہے کہ

والصحیح عنداصحابنا ان الرؤیة لاتعم الناس بل تختص بمن قرب علی مسافة لا تقصر فیھا الصّلوٰۃ و قیل ان اتفق المطلع لزمھم وقیل ان اتفق الاقلیم والافلا۔

صحیح مسئلہ ہمارے علماء کے یہاں یہ ہے کہ رؤیت سارے انسانوں پر حجت نہیں بلکہ صرف اتنی مسافت والوں پر ہے جہاں تک نماز قصر نہ کی جائے۔اور ایک قول ہے کہ جہاں تک مطلع متحد ہو، اور ایک قول ہے کہ ایک اقلیم کے حدود کے اندر اور اُس کے آگے نہیں۔

اور پھر اُس کے آگے یہ لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے غیر رؤیت پر بے اعتباری نہیں کی، بلکہ

انما ردہ لان الرویة لایثبت حکمھا فی حق البعید۔

انہوں نے اس پر عمل کرنے سے اس لیے انکار کیا کہ رؤیت کا حکم دُور دراز مقامات پر صادق نہیں آتا۔

اور فقیہ قاضی ابن رُشد مالکی نے اس حدیث سے نتیجہ نکالا ہے کہ ہر بستی کے لیے وہیں کی رؤیت معتبر ہے، چاہے بستیاں آس پاس کی ہوں یا دور کی۔ فظاھر ھٰذا الاثر یقتضی ان لکل بلد رؤیته قَرُبَ اوبَعُدَ (بدایۃ المجتہد) مالکیہ کا مذہب مشہور تو یہ ہے کہ ایک جگہ کی رویت سب جگہ کے لیے کافی ہوگی۔ لیکن ابن عبدالبر نے اجماع اس کے برخلاف نقل کیا ہے۔ یعنی ایسے دُور دراز ممالک جیسے خراسان اور اسپین ہیں، ان میں سے ایک کے ہاں کا اعتبار دوسری جگہ نہیں کیا جائے گا۔ لکن حکا ابن عبدالبر الاجماع علی خلافه وقال اجمعوا علی انه لا تراعی الرؤیة فی مابعد من البلاد کخراسان والاندلس (فتح الباری) وحکی ابو عمر الاجماع علی انه لاتراعی الرؤیة فی مابعد من البلدان کالاندلس و خراسان قال و لکل بلد رؤیتھم الاما کان کالمصر الکبیر و ماتقاربت اقطارہ من بلدان المسلمین (قرطبی) و روی المدنیّون عن مالک ان الرؤیة لاتلزم بالخبر عند غیر اھل البلد الذی وقعت فیه الرؤیة الا ان یکون الامام یحمل الناس علی ذٰلک و به قال ابن الماجشون والمغیرہ من اصحاب مالک و اجمعوا علی انه لا یراعی ذٰلک فی البلدان النائیة کالا ندلس و الحجاز (بدایۃ المجتہد) واختلف فی تاویل قول ابن عباس ھٰذا فقیل ردّہٗ لانه خبرٌ واحدٌ وقیل ردّہٗ لان الاقطار مختلفة فی المطالع و ھو الصحیح (ابن العربی) اَلشَّھْرَ۔ کوئی ملک اس دُنیا کے پردہ پر اگر ایسا آباد ہے کہ وہاں انسانی آبادی عاقلوں، بالغوں، شریعت کے مکلفوں کی ہے، اور وہاں کئی کئی مہینے آفتاب طلوع نہیں ہوتا، یا جب طلوع ہوتا ہے تو کئی کئی مہینے غروب نہیں ہوتا، تو ظاہر ہے کہ وہاں رویت ہلال کے انتیسویں دن یا تیسویں دن کے واقع ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں۔ اور جب یہ نہیں تو وہاں شہود الشہر یعنی طلوع ماہ رمضان کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا —— قرآن مجید کے اس اعجاز بلاغت کے قربان جائیے کہ صرف ایک لفظ شھد الشھر کے لے آنے سے کتنے سوالات اور شبہات کی جڑ کاٹ دی! بطور تطوع یا بہ خیال تقویٰ کوئی وہاں بھی روزہ رکھنا چاہے تو سونے جاگنے، کھانے پینے، غرض دُنیا کے اور سارے کاروبار کے لیے وہاں اوقات کا جو معیار ہو اُسی اندازہ اور حساب سے روزہ بھی رکھ سکتا ہے۔ ف۶۶۵ ابتداء میں حکم صرف اسی قدر تھا کہ تندرست اور مقیم بھی جو ماہِ رمضان میں روزہ نہ رکھنا چاہیں، قضا کر سکتے ہیں، جب آیت فَمَنْ شَھِدَ مِنْكُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْهُ نازل ہوئی، اس وقت سے تندرستوں اور مقیموں سے یہ اختیار چھن گیا۔ اور رمضان کے روزے اُن کے لیے اختیاری نہیں رہے، لازمی ہو گئے۔ لیکن مریضوں، ناتوانوں، مسافروں کے لیے قضا کا اختیار بدستور باقی رہا۔ آیت کے اسی جزو مَنْ كَانَ مَرِيضًا الخ کو ایک بار پھر اسی لیے دوہرا دیا گیا کہ مَنْ شَھِدَ مِنْكُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْهُ کی تعلیم سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ معذوروں سے بھی رعایت ختم کر دی گئی۔ اس لیے حکم کی تکرار صرف صوری اور ظاہری ہے۔ حقیقی اور معنوی نہیں۔ کرّر لئلا یتوھم نسخه بتعمیم من شھد (جلالین) مخصصًا له لان المسافر والمریض ممن شھد الشھر ولعل تکریرہ لذٰلک لئلا یتوھم نسخه (بیضاوی) ف۶۶۶ چنانچہ شریعت اسلامی کے سارے احکام وقوانین اسی ایک اصل پر مبنی ہیں اور خود اسی روزہ رمضان کے معاملہ میں معذور کے لیے کتنی گنجائش، کتنی سہولتیں رکھ دی گئیں۔ حدیث نبوی میں جو آیا ہے۔ دین اللہ یسر وہ اسی آیت قرآنی کی شرح یا تتمہ ہے اور واقعی اگر غور کر کے دیکھا جائے، تو شریعت کا ایک حکم بھی ایسا نہ ملے گا۔ جس میں عامل کے حالات، عمر، صحت، جثہ، موسم اور دُوسری مشکلات کا لحاظ نہ کر لیا گیا ہو۔ اور جو احکام بظاہر سخت معلوم ہوتے ہیں، اُن کی تہ میں بھی ہمیشہ یہی حقیقت پائی جائے گی کہ فرد یا اُمت کی راہ میں کچھ آسانیاں ہی پیدا ہوں۔ اُمت اسلامی کے فخر و مسرت کے لیے یہ کافی ہے کہ جو احکام غیروں کو سخت معلوم ہوتے ہیں اُن کی تعمیل میں بھی اور آج ساڑھے تیرہ سو برس گزر جانے کے بعد، ساری مخالفانہ فضا و ماحول کے باوجود اس خوشدلی اور بے تکلفی کے ساتھ لگی ہوئی ہے کہ اغیار دیکھ دیکھ حیرت میں رہ رہ جاتے ہیں۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں:۔ ’’روزہ کی سختیاں بدستور قائم ہیں۔ خواہ وہ کسی موسم میں پڑیں، اور آج تک مشرق کے میدانوں میں، جھلجلاتی ہوئی دُھوپ اور جھلساتی ہوئی سموم میں گرمیوں کے لمبے لمبے دنوں میں محمد ﷺ کے پیرو صبح سے شام تک پانی کا ایک قطرہ حلق کے نیچے نہیں اتارتے …… اتنی سخت ریاضت قوتِ ایمانی اور ضبط نفس کا پورا امتحان ہے‘‘۔ (لائف آف محمد ﷺ، صفحہ ۱۹۳)

ف۶۶۷ (یعنی ایامِ قضا کی) یعنی جتنے روزے قضا ہو جائیں اُن کی تکمیل کر لو، تو پورا پورا اجر روزوں کی ادائی ہی کا مل جائے گا۔ وَلِتُكْمِلُوا۔ یہ نحوی حیثیت سے ماتحتی میں یُرِیْدُ اللہُ کے ہے اور عطف للیُسر پر ہے۔ یجوزان یعطف علی الیسر اے و یرید بکم لتکملوا (بیضاوی) ف۶۶۸ (تمہارے ہی نفع اور فلاح کی) اور راہ بھی ایسی جس میں نہ زیادہ مشقت و تعب، بلکہ ہر ایک کے حالات کی پوری پوری رعایت۔ ف۶۶۹ شکر گزار بن جانے کا کتنا آسان نسخہ اللہ کی نعمتوں کا مراقبہ ہے۔ بندہ بس اسی پر غور کرتا رہے کہ اللہ نے شریعت اسلامی کے ذریعہ سے کیسے کیسے پر سہولت طریقے اُس کے نفع اور اجر کے بتا دیے ہیں۔ ف۶۷۰ (اے پیغمبر!) عَنِّیْ۔ یعنی میرے قرب و بعد سے متعلق۔ اقریب ربنا فنناجیه ام بعید فنناديه (بیضاوی) گمراہ قوموں نے باری تعالیٰ کے وجود کا اقرار تو بار ہا کیا ہے۔ لیکن ذاتِ باری کو انسان سے اس قدر پرے، مادی و معنوی دونوں حیثیتوں سے فرض کیا ہے کہ وہاں تک بندوں کی رسائی گویا ممکن ہی نہیں! اِذَا سَاَلَكَ۔ اہل لطائف نے اس سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ قرب وقبول طلب پر موقوف ہے اور ك خطاب اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ توسط آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے کسی اور کی طرف گمان نہ جائے۔ ف۶۷۱ (اور یہ آپ بندوں سے میری طرف سے کہہ دیجیے) قَرِیْبٌ۔ قریب باعتبار کمال علم، یا قریب بہ اعتبار قبول دُعا۔ اے قریب بالاجابة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) قریب بالعلم لا یخفی علیّ شئ (معالم) اے بالاجابة و قیل بالعلم (قرطبی) علمًا واجابةً لتعالیه عن القرب مکانًا (مدارک) انّه تعالٰی یسمع دعاءھم و یرٰی تضرعھم اوالمراد من ھٰذا القرب العلم و الحفظ (کبیر) قرب سے ظاہر ہے کہ قرب مادّی یا مکانی تو مراد ہو ہی نہیں سکتا، قرب معنوی مراد ہوگا، تمثیل لکمال علمه بافعال العباد و اقوالھم و اطلاعه علی احوالھم (بیضاوی) حق تعالیٰ کا قرب اپنے بندوں سے رہتا تو ہمیشہ ہی ہے۔ ماہ رمضان میں اس عموم میں خصوص پیدا ہو جاتا ہے اور یہ قرب یا تعلق خاص اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ بندوں کی تسکین اور تسلی کا کس قدر سامان اس آیت کے اندر موجود ہے! ہمیں اپنے خدا کو ڈھونڈنے کہیں اور نہیں جانا ہے۔ وہ تو ہم سے قریب ہی، ہم سے متصل ہی ہے۔ ف۶۷۲ (اور جن دعاؤں کا قبول کرنا میری حکمت کاملہ اور مشیت مطلقہ کے منافی نہیں ہوتا) عَنِّیْ، اِنِّیْ، اُجِیْبُ، دَعَانِ۔ متکلم کی ساری ضمیریں آیت میں بجائے جمع کے واحد کی ہیں۔ دونوں صیغوں کا عمومی فرق ملحوظ رہے۔ صیغۂ جمع عموماً قدرت عظمت، قوت کا مظہر ہے، اور واحد اس کے برعکس التفات، اختصاص، توجہ کی جانب مشیر ہوتا ہے۔ اور یہاں توجہ و التفات کا مشیر ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ آیت کے الفاظ سے دُعا کی ترغیب و تشویق بھی نکل آئی۔ اور اشارہ اس جانب بھی ہو گیا کہ دُعا بندہ کا کوئی سرتاسر خود غرضانہ اور دنیوی عمل نہیں، بلکہ عین عبادت اور موجب تقرب ہے۔ ایک حدیث صحیح میں یہ مضمون آیا ہے کہ جس کے لیے دُعا کا دروازہ کھل جاتا ہے یعنی دُعا کی توفیق ہو جاتی ہے، اُس کے لیے رحمت کا بھی دروازہ کھل جاتا ہے۔ ف۶۷۳ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ۔ یعنی میری دعوتِ ایمان و طاعت قبول کریں، جس طرح میں اُن کی دُعائے حاجات قبول کرتا ہوں۔ اذادعوتھم للایمان و الطاعة کما انی

اجیبھم اذا دعونی لحوائجھم (مدارک) المعنیٰ فلیجیبوا الیّ فی مادعوتھم الیہ من الایمان ای الطاعۃ والعمل (قرطبی۔ عن مجاہد وغیرہ) حکیم مطلق کے کسی حکم کے نامناسب ہونے کا احتمال ہی نہیں بخلاف بندوں کی درخواستوں کے کہ اُن میں بہت سی نامناسب بھی ہوتی ہیں، اور اس لیے مرتبۂ قبول سے محروم رہتی ہیں (تھانوی) وَلْيُؤْمِنُوْا بِیْ۔ یعنی یقین رکھیں نہ صرف میرے وجود پر بلکہ میرے حاکم ہونے پر، میرے حکیم ہونے پر، اور میری رعایت مصالح پر۔ و۶۷۴ (اور اُن پر فلاح دارین کا دروازہ کھل جائے) لَعَلَّ اُوپر بیان ہو چکا ہے کہ کلام الٰہی میں جب حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہو کر یہ لفظ آتا ہے تو اس کے معنی محض اُمید یا احتمال کے نہیں رہتے، بلکہ اس میں یقین پایا جانے لگتا ہے۔ مراد یہ ہوئی کہ احکام الٰہی پر عمل کرنے، اور اُس کے حکیم و حاکم ہونے پر یقین رکھنے سے دروازہ فلاح دارین کا کھل کر رہے گا۔ و۶۷۵ یہ اجازت شروع میں نہ تھی۔ ابتداءً روزہ کی حالت میں، رات میں بھی دن ہی کی طرح بیویوں سے علیحدگی کا حکم تھا۔ شریعتِ اسلامی رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ رسالت میں بتدریج نازل ہوئی۔ کہیں تو ایسا ہوا کہ احکام شروع میں نرم تھے۔ رفتہ رفتہ سخت کیے گئے۔ مثلاً شراب نوشی، کہ پہلے صرف ناپسند کی گئی، اور پھر ہوتے ہوتے اُس کی حرمت کا حکم آگیا۔ اور کہیں اس کے برعکس ہوا ہے، یعنی ابتداءً قانون سخت تھا، رفتہ رفتہ اس میں سہولتیں اور رعایتیں زیادہ ہوتی گئیں۔ چنانچہ یہی روزہ کا معاملہ ہے کہ پہلے صحبت رات میں بھی حرام تھی، بعد کو جائز کر دی گئی۔ رَفَثٌ کے لفظی معنی شہوت انگیز کلام کے ہیں لیکن جب صیغۂ متعدی میں اسے لایا جاتا ہے تو اس سے مراد صحبت یا مباشرت ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ہے۔ عداہ بالیٰ لانہ فی معنی الافضاء (لسان) جعل کنایۃ من الجماع و عدی الیٰ تضمنۃ معنی الافضاء (راغب) کنّی بہ عن الجماع (کشاف) والمراد بہ ھھنا المباشرۃ (ابن العربی) یہیں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بیوی کی طرف میل و رغبت ذرا بھی کمال روحانیت و تزکیۂ نفس کے منافی نہیں، جیسا کہ بہت سے مشرکانہ اور جاہلی مذہبوں نے سمجھ لیا ہے اور ماہِ صیام کی طاعت و عبادت، اور بیوی سے خلوت و صحبت کے درمیان منافات ذرا بھی نہیں، جیسا کہ مذہب کے جوگیانہ اور راہبانہ تخیل نے دلوں میں بٹھا دیا ہے۔ شریعت اسلامی نے جس چیز پر سخت پہرہ بٹھا رکھا ہے، وہ شہوتِ حرام اور اس کے مبادی و مقدمات ہیں، نہ کہ نفس شہوت — بھوک، پیاس، نیند کی طرح جنسی بھوک بھی اگر اپنے حدود کے اندر ہے تو ایک طبعی اور بے ضرر خواہش ہے۔ قصداً اور بلا ضرورتِ شرعی روزۂ رمضان توڑ دینے کی سزا شریعت نے دو مہینے یعنی ساٹھ دن کے مسلسل روزے رکھی ہے اور شوہر و بیوی اگر اپنے مشترک سے روزہ توڑ دیں تو دونوں کی یہی سزا ہے لیکن اگر بیوی رضامند نہ ہو، اور شوہر اُسے دن میں ہم بستری پر مجبور کر دے، تو بیوی پر گناہ نہیں۔ البتہ خود جبر کا تحقق ہونا چاہیے۔ اُس کے لیے صرف ایک روزہ کی قضا ہوتی ہے۔ کفارہ کی بنیاد قصد و تعمد پر ہے۔ و۶۷۶ (قرب و اتصال کے لحاظ سے، یا ایک دُوسرے کے پردہ دار اور موجب تسکین ہونے کے لحاظ سے) گویا اُردو محاورہ میں، دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ وہ ان کے حق میں اوڑھنا بچھونا ہیں، اور یہ اُن کے حق میں۔ یہ لباس کی تشبیہ کس اعتبار سے ہے؟ مختلف زبانوں سے اس کے مختلف جوابات ملتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ ایک دُوسرے کے محتاج ہونے کی بنا پر کسی نے کہا کہ اجسام کی ملابست و ملامست کی بنا پر۔ وقس علیٰ ہذا۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسان کے حق میں لباس کا ایک وصفِ امتیازی اُس کی پردہ پوشی ہے۔ لباس جسم کے عیبوں کو چھپاتا ہے، اُس کے حسن و خوبی کو اُبھارتا ہے۔ تشبیہ سے خاص اشارہ اسی وصف کی جانب معلوم ہوتا ہے۔ گویا ہر اسلامی خاندان میں میاں بیوی کو ایک دُوسرے کا پردہ پوش ہونا چاہیے، اور ایک دُوسرے کی زینت کو بڑھانے والا۔ جو انتہائی گہرا رشتہ اور تعلق میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کی بنا پر ظاہر ہے کہ جتنا موقع ایک کو دوسرے کے جسمانی، اخلاقی، روحانی عیبوں اور کمزوریوں پر مطلع ہونے کا ملتا ہے اُتنا نہ کسی دوست کو مل سکتا ہے نہ کسی عزیز کو۔ اور نہ ایک کا کوئی راز دُوسرے سے مخفی رہ سکتا ہے۔ اسی صورتِ حال میں عورت کے اخلاق کا کمال یہی ہے کہ شوہر کی ہر کمزوری کو چھپائے، اس پر صبر کرے، اُسے بہتر سے بہتر صورت میں ظاہر کرے، اور

ع ناخوش تو خوش بود بر جانِ من

کا ثبوت قدم قدم پر پیش کرے۔ علیٰ ہذا مرد کے بھی کمال اخلاق کی یہی معراج ہے! دونوں کی اخلاقی تکمیل کا یہ مؤثر ترین نسخہ اسلام نے باتوں باتوں میں بغیر کسی شدید اور پُر تعب مجاہدہ میں ڈالے ہوئے روزمرہ کے لطیف و سہل مجاہدات کے ذریعہ بتا دیا۔ یہ اس مذہب کی تعلیم ہے جو فرنگی ''محققین'' کی نظر میں پست اس لیے ہے کہ اُس میں عورت کی تحقیر کی گئی! ع کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا! کون جھوٹ اس سے بڑھ کر سخت، کونسا اتہام اس سے بڑھ کر صریح ہوگا؟ منوسمرتی والے ہندو مذہب کا ذکر نہیں، عہد عتیق و جدید والے یہودی و نصرانی مذہبوں سے سوال ہے کہ اُن کے سارے دفتر کتب و اسفار میں کون سی تعلیم زن و شو کے باہمی تعلق، محبت و اعتماد کے باب میں اس درجہ کی ہے؟ و۶۷۷ یعنی رات کو چھپ چھپ کر بیویوں سے صحبت کرتے تھے، اور جو حکم ممانعت اب تک تھا اُسے بار بار توڑتے رہتے تھے۔ و۶۷۸ یعنی پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا، اور آئندہ کے لیے رمضان میں رات کو بیویوں کے ساتھ خلوت اور صحبت کی اجازت دے دی۔ و۶۷۹ (اپنے معمولی طریقہ پر، جیسے رمضان کے علاوہ دوسرے زمانوں میں کرتے رہتے تھے) بَاشِرُوْ۔ صیغۂ امر ہے مراد اجازت ہے نہ کہ حکم۔ مباشرت سے مراد عورت سے صحبت کرنا ہے۔ کنایۃ عن الجماع (قرطبی) کنی بہ عن الجماع (بیضاوی) و۶۸۰ (بصورت اولاد اور بطور میاں بیوی کی یکجائی کے قدرتی نتیجہ کے) مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ، مراد اولاد، اور اولاد صالح ہے۔ عمل مباشرت اگر صحیح سن میں اور مناسب وقت پر ہو، بڑی گہری طبعی لذت بھی رکھتا ہے۔ لیکن اسلام نے اس عمل سے اصلی اور بڑا مقصد افزائش نسل اور حصول اولاد رکھا ہے کہ اُمت کی قوت اور کثرت میں برابر کا اضافہ ہوتا رہے اور ذاتی لذت اجتماعی منفعت کا زینہ بنتی رہے ٹھیک اسی طرح جیسے کھانے پینے کی لذت طبعی ذریعہ بنتی رہتی ہے۔ فردکی حیات و بقا کا، اور اس کی تقویت جسم کا ما قضی اللہ لکم من ولد

اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

اللہ کی بڑائی کیا کرو، اس پر کہ تمہیں راہ بتا دی و۶۶۸ عجب نہیں کہ تم شکر گزار بن جاؤ و۶۶۹

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ

اور جب آپ سے میرے بندے میرے باب میں دریافت کریں، و۶۷۰ تو میں تو قریب ہی ہوں و۶۷۱ دعا

دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ

کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے و۶۷۲ پس (لوگوں کو) چاہیے کہ میرے احکام

وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ اُحِلَّ لَكُمْ

قبول کریں، اور مجھ پر ایمان لائیں و۶۷۳ عجب نہیں کہ ہدایت پا جائیں و۶۷۴ جائز کر دیا گیا ہے تمہارے لئے

لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ

روزوں کی رات میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا و۶۷۵ وہ تمہارے لئے

لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ

لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو و۶۷۶ اللہ کو خبر ہو گئی کہ تم اپنے کو

كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ وَ عَفَا

خیانت میں مبتلا کرتے رہتے تھے و۶۷۷ پس اس نے تم پر رحمت سے توجہ فرمائی، اور تم سے

عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ

درگزر کر دی، و۶۷۸ سو اب تم ان سے ملو ملاؤ و۶۷۹ اور اسے تلاش کرو، جو اللہ نے تمہارے

اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَكُمُ

لئے لکھ دیا ہے و۶۸۰ اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ تم پر

الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ

صبح کا سفید خط سیاہ خط سے نمایاں

اَلْفَجْرِ ۚ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ ۚ وَ لَا

ہو جائے و۶۸۱ پھر روزہ کو رات (ہونے) تک پورا کرو و۶۸۲ اور بیویوں سے

تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِی الْمَسٰجِدِ ؕ

اس حال میں صحبت نہ کرو، جب تم اعتکاف کئے ہو مسجدوں میں و۶۸۳

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ

یہ اللہ کے ضابطے ہیں سو ان (سے نکلنے) کے قریب بھی نہ جانا و۶۸۴ اللہ اسی طرح اپنے احکام

اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَ لَا تَاْكُلُوْٓا

لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے و۶۸۵ عجب نہیں کہ وہ پرہیزگار بن جائیں و۶۸۶ اور آپس میں

اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَی

ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اڑاؤ و۶۸۷ اور نہ اسے حکام تک

الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ

پہنچاؤ کہ جس سے لوگوں کے مال کا ایک حصہ تم گناہ سے

بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ

کھاجاؤ، درآنحالیکہ تم جان رہے ہو و۶۸۸ آپ سے (لوگ) نئے چاندوں کے باب میں دریافت کرتے ہیں، و۶۸۹

قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ؕ وَ لَیْسَ الْبِرُّ

آپ کہہ دیجئے کہ وہ لوگوں کے لئے حج کے لئے آلۂ شناخت اوقات ہیں و۶۹۰ اور یہ تو (کوئی بھی) نیکی نہیں

بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ

کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ، و۶۹۱ البتہ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص

مَنِ اتَّقٰی ۚ وَ اْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَ اتَّقُوا

تقویٰ اختیار کرے و۶۹۲ اور گھروں میں ان کے دروازوں ہی سے آؤ و۶۹۳ اور اللہ سے تقویٰ

الح (ابن عباس رضی اللہ عنہما) یعنی الولد قالہ اکثر المفسرین (معالم) اور ابن کثیر نے اسی معنی کی تائید میں حضرت ابن عباس، ابوہریرہ، انس رضی اللہ عنہ جیسے صحابیوں سے لے کر قاضی شریح، مجاہد، حسن بصری، ضحاک، قتادہ، عکرمہ، عطاء، سعید بن جبیر وغیرہ اکابر تابعین تک سب کا اجماع نقل کر دیا ہے۔ کَتَبَ۔ "لکھ رکھا ہے"۔ یعنی لوح محفوظ میں۔ اپنی مشیت تکوینی میں۔ ای فی اللوح المحفوظ (معالم) ای اثبت فی اللوح من الولد (کشاف) وَابْتَغُوْا۔ بعض نے وَابْتَغُوْا سے مراد شب قدر کی تلاش اور کَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کے معنی اس کے اجر وثواب کے لیے ہیں۔ لیکن اہل تحقیق نے رد کر دیا ہے۔ ھو قریب من بدع التفاسیر (کشاف) وَابْتَغُوْا سے صاف اشارہ نکل رہا ہے کہ مطلوب افزائش نسل ہے، نہ کہ ارادی لاولدی یا عزل۔ قیل ھو نھی عن العزل (کشاف) قیل النھی من العزل (بیضاوی) منع حمل اور قطع نسل کی جس جدید تحریک کا اس وقت زور ہے اور جو "ضبط تولید" وغیرہ مختلف خوشنما ناموں سے پیش ہو رہی ہے۔ قرآن مجید نے اپنے بلیغ انداز میں اس سب کی تردید کر دی اور بتا دیا کہ مباشرت کا جو نتیجہ قدرۃً اور طبعاً نکلتا ہے، اس کی توقع رکھنا چاہیے اور اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ عام قاعدہ اور اصل عمومی یہی ہے باقی اجتماع تزوجی کے قدرتی نتیجوں کو بلاوجہ خاص وضرورت شدید مصنوعی ذریعوں اور تدبیروں سے روکنا، اور ربڑ وغیرہ کے آلات کو کام میں لانا، مصیبتوں کو دُور کرنا نہیں، جسمانی آلام اور اخلاقی امراض کو بڑھانا اور فرد وقوم دونوں کو نئے نئے فتنوں کی دعوت دینا ہے انتہائی سرگرم کوششوں کے باوجود اول تو ابھی تک کوئی پوری طرح "حمل روک" آلہ دریافت ہی نہیں ہو سکا ہے۔ "اب تک کوئی مانع حمل ایسا نہیں دریافت ہو سکا ہے جو ہر طرح قابل اطمینان ہو۔ یعنی قطعی ہو، بے ضرر ہو، اور سادہ ہو"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد ۳۔ صفحہ ۶۵۰، طبع چہاردہم) اور پھر اگر کوئی بے خطا اور حکمی تدبیر دریافت ہو بھی گئی، تو منع حمل کی جسمانی مضرتوں کے تدارک کی کیا صورت ہوگی؟ "یہ باور کرنا دشوار ہے کہ یہ عمل (امتناع) بار بار کیا جائے، اور اس کے مضر اثرات مرد وعورت کے اعلیٰ صفات پر مرتب نہ ہوں"۔ (ایضاً صفحہ ۶۵۱) یہ اگر مان بھی لیا جائے کہ جلد جلد استقرار حمل اور وضع حمل سے عورت کی صحت خراب ہو جاتی ہے، تو بھی خود طب جدید کا فتویٰ یہ ہے کہ عورت کو زمانۂ حمل میں صنفی اعمال سے جو مہلت مل جاتی ہے، نیز وضع حمل کے بعد رضاعت وغیرہ کی مشغولی وتوجہ، یہ سب عورت کی صحت کے لیے ضروری ہے اور پھر یہ بھی تو ہے کہ اولاد کی پیدائش ہمیشہ والدین کے ارادہ کی تابع نہیں رہتی۔ چنانچہ ایسے والدین کی مثالیں بارہا مشاہدہ میں آچکی ہیں کہ پہلے تو انہوں نے امتناع کی صناعی تدبیریں اختیار کر کے اپنے اعضاء تولید کی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا اور پھر آگے چل کر جب اولاد کی خواہش یا ضرورت محسوس کی تو اپنی سابقہ حرکتوں پر پچھتائے ہیں"۔ یہ سب تصریحات انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ہی سے ماخوذ تھیں، باقی متعدد دوسرے ڈاکٹروں، اور انہی میں لیڈی ڈاکٹر بھی ہیں اور سائنس کے ماہرین نے اس جدید فیشن کی لغویت اور بیہودگی پر اس سے بھی زیادہ کھلے لفظوں میں کہا ہے اور اس کی طبعی مضرتیں کھول کر دکھائی ہیں خصوصاً عورت کے حق میں۔ بلکہ یورپ کے متعدد ملک تو اس تحریک کے نتائج سے تنگ آکر اور طویل تجربوں کے بعد، بالآخر اس پر مجبور ہوئے کہ ماؤں کے لیے انعام قرار دیں، اور ہر نئی زچگی پر ایک نیا انعام دیں! جرمنی، اٹلی وغیرہ سے تو یہ خبریں کئی سال سے آنا شروع ہو گئی تھیں، اور اب روس، فرانس وغیرہ سے عین دوران جنگ میں آنے لگی ہیں[1]! اور بالآخر بات اُسی کی سچی نکلی اور اُسی کی بلند رہی، جس نے کہا تھا کہ تزوجوا الولود الودود۔ شادیاں کرو زیادہ بچے پیدا کرنے والی بیویوں سے! و۶۸۱ یعنی طلوع صبح صادق تک کھانے پینے، اور ہمبستری کی اجازت ہے۔ خَیْطُ الْاَبْیَضُ۔ خَیْطُ الْاَسْوَدِ۔ فجر کی سفید دھاری کا سیاہ دھاری سے ممتاز ہو جانا کنایہ ہے۔ تاریکی شب کے دُور ہونے اور سپیدۂ صبح کے نمودار ہونے یعنی طلوع فجر سے۔ ای بیاض النھار من سواد اللیل (راغب) یعنی بیاض النھار من سواد اللیل (معالم) خود شارع اسلام علیہ السلام سے یہی تفسیر مروی ہے۔ ھو سواد اللیل و بیاض النھار (بخاری) خط سے یوں بھی کنایہ رنگ سے ہوتا ہے۔ اور یہاں انہیں خط سے یوں تعبیر کیا گیا ہے کہ شروع میں یہ واقعۃً دھاریاں ہی سی نظر آتی ہیں۔ الخیط فی کلامھم عبارۃ عن اللون (قرطبی) الخیط الابیض ھو اول مایبدء من الفجر (کشاف) سمیا خیطین لان کل واحد منھما یبدء فی الابتداء ممتدًا کالخیط (معالم) احادیث میں بڑی تاکید کے ساتھ ترغیب دی گئی ہے کہ روزہ دار کی رات بھی حتی الامکان ذکر وعبادت میں بسر ہونی چاہیے۔ چنانچہ اہل سنت نے اپنے ہاں جو نماز تراویح پر اتنا زور دیا ہے، وہ صاف اسی منشاء نبوی کی تعمیل ہے۔ مشقت وراحت، تعب ولذت کی جو خوشگوار اور حکیمانہ آمیزش، شریعت اسلامی کی ساری عبادتوں میں ہے، اس کا ایک نمایاں نمونہ یہ رمضان کے روزے ہیں۔ دن بھر صبر وضبط کی مشق، کھانے پینے کا انتظار جس سے کھانے پینے کا لطف اور بڑھ کر رہتا ہے۔ شام کے وقت فرحت وتفریح۔ پھر شام سے لے کر صبح صادق تک عبادتوں اور مادّی لذتوں کا ملا جلا ہوا تسلسل، یہ اسلام ہی کی خصوصیات میں سے ہے۔ مِنَ الْفَجْرِ۔ فجر شرعی سے مراد صبح کاذب نہیں، جب کچھ دیر کے لیے اُجالا شمال وجنوب میں معلوم ہونے لگتا ہے، بلکہ وہ نور کا تڑکا مراد ہے، جو صبح کاذب کے کچھ دیر بعد ہوتا ہے۔ اور روشنی شرقاً غرباً پھیلنے لگتی ہے۔ قال الجمھور ذٰلک الفجر المعترض فی الافق یمنۃً و یسرۃً و بھٰذا جاء ت الاخبار و مضت علیہ الاعصار (قرطبی) حدیث میں سحری میں تاخیر کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ صحیح مسلم میں سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ صحابی کی روایت درج ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ جو لوگوں کو ہوشیار کرنے کے لیے بہت سویرے اذان دے دیتے ہیں، ان کی اذان سے یا

حاشیہ [1] یہ سطور ۱۹۴۳ء میں دوسری جنگ عظیم کے دوران میں لکھی جا رہی ہیں۔

محض شمال جنوب میں روشنی دیکھ کر سحری نہ ختم کردو، بلکہ روشنی کے پھیل جانے کو (یعنی وہی شرقی غربی سپیدہ کو) معتبر جانو۔ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یغیرنکم اذان بلال ولا ھذا البیاض لعمود الصبح الافق حتّٰی یستطیر (کتاب الصیام، باب فضل السحور) روی الائمہ قال النبی ﷺ لا یمنعنکم اذان بلال من سحورکم فانہ یوذن بلیل لیرجع قائمکم و یوقظ نائمکم (ابن العربی) بلکہ نسائی کی ایک حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ، بالکل صبح ہو جانے تک سحری سے شغل فرماتے رہتے۔ بس اس کا لحاظ رہتا کہ کہیں آفتاب ہی نہ نکل آئے۔ عن زید قال قلنا لحذیفۃ ای ساعۃ تسحرت مع رسول اللہ ﷺ قال ھو النہار الا ان الشمس لم تطلع (کتاب الصیام، باب السحور) (زید کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حذیفہ صحابی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ کس وقت تک سحری کھائی ہے؟ وہ بولے کہ صبح تک۔ بس اتنی کسر رہ گئی تھی کہ آفتاب طلوع نہیں ہو گیا تھا) دوسری روایتیں بھی ایسی ہیں تاخیر سحور کی تائید میں ہیں ایک گروہ ادھر گیا ہے کہ سحر اس وقت تک درست ہے، جب تک راستے اور مکانوں میں صبح کی روشنی نہ پھیل جائے۔ قالت طائفۃ ذٰلک بعد طلوع الفجر و تبینہ فی الطرق والبیوت (قرطبی) اور حضرت عمر اور حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جیسے صحابیوں اور متعدد تابعین سے یہ منقول ہے کہ کھانے پینے سے احتیاط اس وقت سے واجب ہے جب صبح راستوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ظاہر ہو جائے۔ ان الامساک یجب بتبیین الفجر فی الطرق و علی رءوس الجبال (قرطبی) حالت جنابت میں اگر صبح ہو گئی اور ہنوز غسل کی نوبت نہیں آئی تو روزہ بلا اختلاف جائز ہوگا۔ و فی تجویز المباشرۃ الی الصبح دلالۃ علی جواز تاخیر الغسل الیہ و صحۃ صوم من اصبح جنباً (ابوسعود) والجمھور من العلماء علی صحۃ صوم من طلع علیہ الفجر و ھو جنب (قرطبی) اذا جوزنا لہ الوطیٔ قبل الفجر ففی ذٰلک دلیل علی جواز طلوع الفجر علیہ و ھو جنب و ذٰلک جائز اجماعاً (ابن العربی) اِلَى الَّيۡلِ۔ ف۶۸۲ یعنی جب سے رات داخل ہونے لگے۔ یہ مطلب نہیں کہ رات کی تاریکی چھا جانے کے وقت تک روزہ رکھے رہو۔ روزہ رات آتے ہی ختم ہو جانا چاہیے، یہ نہ ہو کہ رات کا کوئی جزو روزہ میں شامل و داخل ہو جائے۔ الی اللیل ای الی دخول اللیل (ابن عباس رضی اللہ عنہما) فجعل اللیل غایۃ الصیام ولم تدخل فیہ (جصاص) فانہ تعالٰی ذکرہ حد الصوم بانّ اخروقتہ اقبال اللیل (ابن جریر) کلمۃ الی لانتہاء الغایۃ فظاھر الاٰیۃ ان الصوم ینتھی عند دخول اللیل (کبیر) اللیل لیس من جنس النہار فیکون اللیل خارجًا عن جنس النہار (کبیر) اللیل۔ اور خود لیل کا اطلاق عربی میں دن کے خاتمہ یعنی غروب آفتاب پر معاً ہو جاتا ہے۔ اور اعتبار صرف زوال آثار شمس کا کیا گیا ہے۔ اللیل من مغرب الشمس الی طلوع الفجر الصادق (قاموس۔ تاج) اللیل عقب النہار و مبدءہ من مغرب الشمس (لسان) اس لیے آیت کے معنی صاف یہ ہوئے کہ افطار عین غروب آفتاب کے ساتھ ہو جانا چاہیے۔ یقتضی الافطار عند غروب الشمس حکمًا شرعیًا (ابن کثیر) اَتِمُّوا۔ صیغہ امر کا ہے، اور وجوب کے معنی دیتا ہے۔ امر یقتضی الوجوب من غیر خلاف (قرطبی) والامر بالاتمام ھنا للوجوب (بحر) صوم وصال یعنی بلا افطار کیے دن اور رات کے مسلسل روزہ کی ممانعت بھی اسی آیت سے، بہت سے فقہاء نے نکالی ہے اور حدیث میں اس کی ممانعت صراحۃً موجود ہی ہے۔ فیہ ما یقتضی النھی عن الوصال اذ اللیل غایۃ الصیام و قالتہٗ عائشۃ (قرطبی) فدلّ الاٰیۃ علی نفی کون اللیل محل الصوم و ان یکون صوم الیومین صومۃ واحدۃ و قد استنبط النبی ﷺ منھا حرمۃ الوصال (روح) معصیت کسی قسم اور کسی درجہ کی بھی ہو، مسلمان کے لیے ہر زمانہ اور ہر موسم میں حرام ہے۔ لیکن رمضان کے ماہ مبارک میں یہ ممانعت اشد و اکد ہو جاتی ہے۔ روزہ دار کی رات بھی گویا عبادت میں بسر ہوتی ہے۔ اور دن تو خیر اتنی بڑی عبادت، یعنی حکم الٰہی کے احترام میں لذائذ نفس وطبیعت سے اجتناب میں بسر ہوتا ہی ہے۔ بدگوئی، بدنظری، بدزبانی حرام ہمیشہ ہی ہیں۔ رمضان میں کہنا چاہیے کہ حرام تر ہو جاتی ہیں۔ پورے مہینہ بھر کے رات اور دن کا ایک ایک گھنٹہ سپاہ اسلام کی رُوحانی پریڈ کا زمانہ ہے۔ غفلت کسی لحہ نہ ہونا چاہیے۔ سرڈبلو۔ ٹی آرنلڈ مسلمان نہیں مسیحی ہیں۔ تاہم جذبۂ انصاف پسندی وحق گوئی سے مجبور ہو کر بیدرد مسیحی معاندین کے جواب میں لکھتے ہیں۔ ''ماہ رمضان کے روزوں کے سلسلہ میں صرف اس قدر کہنا ہے کہ دین کا یہ رُکن بجائے خود اس خیال کی تردید کے لیے کافی ہے کہ اسلام کی ترویج عیش پرستیوں کے جائز کر دینے سے ہوئی ہے۔ کارلائل کے یہ قول محمد ﷺ کا مذہب تن آسانی کا مذہب نہیں، سخت سخت روزے طہارت کے ضابطے، عبادات کے سخت اور پیچیدہ طریقے، دن میں پانچ پانچ مرتبہ نماز، شراب کی حرمت، یہ احکام جس مذہب میں ہوں، اُس کی مقبولیت تن آسانیوں کا نتیجہ تو نہیں ہو سکتی''۔ (پریچنگ آف اسلام، صفحہ ۴۱۸، طبع ثالث) ملاحظہ ہو ضمیمہ، سورۂ بقرہ کے خاتمہ پر ف۶۸۳ (بلکہ کسی قسم کا بھی شہوانی میل جول اُن سے نہ رکھو) وَلَا تُبَاشِرُوۡهُنَّ۔ لفظ مباشرت یہاں وسیع معنی میں ہے۔ یعنی عمل مجامعت کے علاوہ اُس کے مقدمات و دواعی، بوس وکنار وغیرہ بھی شامل ہیں۔ انہ اللمس والقُبلۃ (ابن العربی) لایمس المعتکف امرأتہ ولا یباشرھا ولا یتلذذ منھا بشیٔ قُبلۃ ولا غیرھا (ابن جریر۔ عن مالک بن انس) المراد بالمباشرۃ انما ھو الجماع و دواعیۃ من تقبیل و معانقۃ ونحو ذٰلک (ابن کثیر) یہ تفسیر حنفیہ ومالکیہ کے مسلک کے مطابق تھی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ چیزیں اعتکاف میں کراہت پیدا کر دیتی ہیں، اُسے باطل نہیں کرتیں۔ امّا ما دون الجماع من المباشرۃ کالقبلۃ واللمس بالشھوۃ فمکروہ ولا یفسد بہ الاعتکاف عند اکثر اھل العلم و ھو اظھر قول الشافعیؒ (معالم) عٰكِفُوۡنَ۔ اعتکاف کے لغوی معنی ہیں، اپنے کو کسی شے پر روک رکھنے یا لازم کر لینے کے۔ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد ہے مسجد میں بیٹھ کر اپنے کو عبادت کے لیے مقید کر لینا۔ ھو الاحتباس فی المسجد علی سبیل القربۃ (راغب) اعتکف فی المسجد۔ ای اقام بہ ولازمہ و حبس نفسہ فیہ (تاج) الاعتکاف فی اللغۃ الملازمۃ و ھو فی عرف الشرع ملازمۃ طاعۃ مخصوصۃ فی وقت مخصوص علی شرط مخصوص فی موضع مخصوص (قرطبی) العکوف ھو الاقامۃ علی الشیٔ والاعتکاف فی الشرع ھو الاقامۃ فی المسجد علی عبادۃ اللہ (معالم) معتکف کے لیے لازم ہے کہ ہر وقت مسجد ہی میں رہے سہے کھائے پیے، سوئے جاگے اور بغیر مادی یا شرعی ضرورت شدید کے مسجد سے باہر قدم نہ نکالے۔ یجب ان لایخرج الالما لابدّ منہ من حاجۃ الانسان و قضاء فرض الجمعۃ (جصاص) لیس للمعتکف ان یخرج من معتکفہ الالما لابدّلہ منہ (قرطبی) مدت اعتکاف کے زیادہ سے زیادہ ہونے کی کوئی حد نہیں۔ البتہ اقل مدت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک لحظہ بھی ہو سکتی ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں کم از کم ایک شب و روز ہونا چاہیے۔ و اقل الاعتکاف عند مالک وابی حنیفۃ یوم ولیلۃ و قال الشافعی اقلہٗ لحظۃ ولاحد لاکثرہ (قرطبی) ھو غیر مقدّر عند الشافعی واقلّہ لحظۃ وقال مالک و ابو حنیفۃ ھو مقدّر بیوم و لیلۃ (ابن العربی) فِي الۡمَسٰجِدِ۔ اس سے استنباط یہ کیا گیا ہے کہ اعتکاف ہمیشہ مسجد ہی میں ہونا چاہیے۔ اجمع العلماء علی ان الاعتکاف لایکون الا فی مسجد (قرطبی) البتہ عورتوں کا اعتکاف بجائے مسجد کے گھر کے کسی گوشہ میں بھی ہو سکتا ہے، جسے نماز وعبادت کے لیے مخصوص کر لیا جائے۔ بلکہ مسجد میں عورت کے اعتکاف کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ انما المرأۃ فتعتکف فی مسجد بیتھا ولولم یکن لھا فی البیت مسجد تجعل موضعًا فیہ فتعتکف فیہ (ہدایہ) والمرأۃ تعتکف فی بیتھا (شرح وقایہ) ویکرہ فی المسجد ولا یصح فی غیر موضع صلاتھا من بیتھا (درمختار) دوسرے دنیوی معاملات مثلاً لوگوں سے بات چیت کرنا حالت اعتکاف میں جائز ہیں، بشرطیکہ ان میں کوئی بات احترام مسجد یا آداب اعتکاف کے منافی نہ پیدا ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ ماہِ مبارک کے آخری عشرہ میں پورے دس دن کے لیے مسجد میں اعتکاف فرماتے، اور علائق دنیوی سے انقطاع جو یوں بھی کامل رہتا، اس عرصہ کے لیے کامل تر ہو جاتا۔ اعتکاف مسنون یہی ہے اور اسی کو فقہاء نے سنت کفایہ قرار دیا ہے۔ یعنی بستی بھر میں اگر کوئی بھی کرلے تو پوری بستی کی طرف سے وہ سنت ادا ہو جائے گی۔ باقی نفس اعتکاف، ہر مدت کے لیے، ہر زمانہ میں بہر حال استحباب وفضیلت کی چیز ہے۔ روحانی قوت وتوانائی کا ذخیرہ اپنے اندر بھرنے کے لیے اپنے کو روحانی وایمانی اعتبار سے تازہ دم کرنے کے لیے اس سے بہتر اور مؤثر تر نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ عین اُس زمانہ میں جبکہ بیس دن کی مسلسل اطاعت وعبادت اور شب وروز کے ذکر الٰہی وفکر ایمانی سے روح پر صیقل ہو چکی ہو، ملکوتیت بیدار ہو چکی ہو، انسان اپنے کو چند روز کے لیے کامل یکسوئی اور انقطاع کے عالم میں لے آئے اور اخلاص وللّٰہیت کی مشقوں کو دعاؤں سے، عبادتوں سے، ذکر وفکر سے منتہائے کمال پر پہونچا دے! لیکن ہر کس وناکس کا ظرف اس مرتبہ کا متحمل نہیں ہو سکتا، عجب عجب غیر متوقع صورتیں معصیت کی پیش آجاتی ہیں (جیسا کہ ان سطور کے راقم نامہ سیاہ کو اپنی ذات سے متعلق تلخ وقابل نفریں تجربات ہو

چکے ہیں) مثلاً یہی کہ کھانا لانے والا آدمی گھر سے کھانا بہت دیر سے لایا، اور معتکف بے اختیار اُس پر غصہ سے برس پڑا تو فقہاء نے کہا ہے، کہ ایسی صورت میں اعتکاف نہ کرنا ہی بہتر ہے کہ معصیت شدید عبادت (اعتکاف) کے اُسی طرح منافی اور ناقص ہے، جس طرح نماز وطہارت کی ناقص جسمی ناپاکیاں (بول وبراز) ہیں۔ المعتکف اذا اتی کبیرۃ فسد اعتکافہ لان الکبیرۃ ضد العبادۃ کما ان الحدث ضد الطھارۃ والصلٰوۃ قالہ ابن خویز منداد عن مالک (قرطبی) ویکرہ الدخول فیہ لمن یخاف علیہ العجز عن الوفاء بحقوقہ (قرطبی)

و۶۸۴ بہت ہی برمحل یہ یاد دلا دیا گیا ہے کہ یہ سب ضابطے اور قاعدے خدائے دانا وبینا کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ یہ احکام وہدایات حکیم مطلق وحاکم برحق ہی کی طرف سے ہیں۔ انہیں خاطی انسانوں کے قانون قاعدہ پر قیاس کر کے معمولی باتیں نہ سمجھنا۔ تِلْكَ سے اشارہ اُن سب چھ یا سات احکام کی جانب ہے، جو آیت میں مذکور ہو چکے۔ ای ھٰذہ الاوامر والنواھی (قرطبی) ای الاحکام الستۃ المذکورۃ (روح)

و۶۸۵ یعنی جس طرح اُس نے یہاں روزہ، اُس کے حدود واوقات، اعتکاف، اور اُس کے متعلقات کے احکام تفصیل سے بیان کر دیے ہیں، اسی طرح وہ اپنے سارے ہی احکام وشرائع انسان کے سود وبہبود کے لیے تفصیل سے بیان فرماتا رہتا ہے۔ المراد انہ کما تبین ما امرکم بہ و نھاکم عنہ فی ھٰذا الموضع کذٰلک یبین سائر ادلتہ علٰی دینہ و شرعہ (کبیر) اٰیٰتِهٖ آیات سے مراد احکام یا دلائل شرعی ہیں۔ ای امرہ و نھیہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای اٰیاتہ الدالۃ علٰی بقیۃ مشروعاتہ (بحر) ای العلامات الھادیۃ الی الحق (قرطبی)

و۶۸۶ (ان احکام الٰہی پر مطلع ہو کر) احکام الٰہی کی عین تعمیل ہی پرہیزگاری ہے۔ لَعَلَّ سے متعلق اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے جب اس کا استعمال ہوتا ہے، تو معنی میں شک وتردد نہیں بلکہ یقین کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی احکام کی تعمیل تمہیں پرہیزگار بنا ہی دے گی، عمل کر کے تجربہ کر لو

و۶۸۷ (اے اہل ایمان!) لَا تَاْكُلُوْٓا اکل۔ یہاں لفظی معنی میں نہیں۔ یعنی صرف 'کھانا' مراد نہیں، بلکہ کسی طرح بھی اپنے تصرف میں لے آنا ہے۔ عبر بالاکل عن انفاق المال (راغب) عبر بہ عن الاخذ والاستیلاء (بحر) اُردو محاورہ میں بھی ایسے موقع پر بولتے ہیں، فلاں صاحب روپیہ کھا گئے، یا رقم ہضم کر گئے۔ بِالْبَاطِلِ۔ باطل سے مراد ہے ہر ناجائز طریق۔ فاکل المال بالباطل صرفہ الی ماینا فیہ حق (راغب) ای بالوجہ الذی لایبیحہ اللہ تعالٰی (بیضاوی) والمراد من الباطل الحرام و کل ما لم یاذن باخذہ الشرع (روح) گویا دو مختصر لفظوں میں تقویٰ مال کی ساری تعلیم آ گئی۔ ہر خیانت سے احتیاط کی تاکید، اور ہر قسم کی امانت و دیانت کا حکم۔ اور فقہاء نے اکل باطل کی جو تفصیل لکھی ہے، اُسی میں قمار، غصب، حق تلفی وغیرہ کے ساتھ ایک مد یہ بھی بڑھا دی ہے کہ وہ مال بھی باطل ہی کے حکم میں آ جاتا ہے، جو مالا تطیب بہ نفس مالکہ اوحرّمہ الشریعۃ وان طابت بہ نفس مالکہ (قرطبی) (اُس مال کے مالک سے بغیر اس کی خوشدلی کے حاصل کیا جائے۔ یا مالک گو اسے خوشدلی سے دے رہا ہو لیکن خود شریعت نے اس مد کو ناجائز قرار دیا ہو) اَمْوَالَكُمْ۔ خطاب تمام مومنین کو ہے، اور حکم کے مخاطب افراد اُمت ہیں۔ اُردو میں اَمْوَالَكُمْ کا صحیح مفہوم "اپنا مال" سے نہیں بلکہ "ایک دُوسرے کا مال" سے ظاہر ہوگا۔ جیسے اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سے مراد "ایک دُوسرے کا قتل کرنا" ہے۔ والمعنٰی لا یاکل بعضکم مال بعض (بحر) والمعنٰی لایاکل بعضکم مال بعض بغیر حق (قرطبی) ڈاکٹر رابرٹ رابرٹس نے ایک کتاب قرآن مجید کے قوانین معاشری پر لکھی ہے۔ اُس میں اس آیت کو نقل کر کے لکھا ہے:۔ "یہ آیت اس امر کی شہادت مزید ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے پیرووں میں کتنی تاکید باہمی حسن معاملت کے باب میں رکھی ہے"۔ (سوشل لاز آف دی قرآن، صفحہ ۱۰۸) بَيْنَكُمْ کے دائرہ کی وسعت میں فقہاء نے ساری نسل آدم علیہ السلام کو داخل کیا ہے، اور صرف مسلمانوں کے مال تک حکم کو محدود نہیں رکھا ہے، مسلم ہو یا کافر، کسی کا بھی مال دغا، فریب، ظلم وغیرہ سے لینا جائز نہیں۔ صرف کافر حربی کے مال پر تصرف وتسلط جائز ہے، کہ اس سے تو اعلان جنگ ہو ہی چکا ہے، لیکن اس سے بھی علی الاطلاق نہیں، بلکہ خاص خاص قیود و شرائط کے ساتھ۔ رشوت، جعلسازی، خیانت، کافر حربی کے معاملات میں بھی درست نہیں

و۶۸۸ (کہ تم ناحق اور زیادتی پر ہو) دُنیا کی کوئی عدالت بہتر سے بہتر ہو، اور کوئی حاکم عادل سے عادل بھی، بہرحال دنیوی فیصلے علم غیب کی بنا پر نہیں، روداد مقدمہ ہی کی بنا پر صادر ہوں گے۔ اور اُن میں غلطی، لغزش، ناانصافی، دھوکے کا احتمال ہر وقت ہے۔ آیت اسی حقیقت کی طرف توجہ دلا رہی ہے، کہ جو حق ہے وہ عند اللہ حق ہی رہے گا، اور جو ناحق ہے وہ اللہ کے ہاں ناحق ہی شمار ہوگا۔ اگرچہ حکام کا فیصلہ اُس کے برعکس ہی ہو، جو قاضی کے فیصلے حق کو ناحق اور ناحق کو حق نہیں بنا سکتے۔ اصل شے انسان کی توجہ ولحاظ کے قابل خود اُس کا ضمیر اور تقویٰ ہے۔ حدیث میں اس مضمون کی صراحت بہت زور کے ساتھ آ چکی ہے اور مفسرین بھی اسے خوب صاف کر چکے ہیں۔ اعلم ابن اٰدم ان قضاء القاضی لا یحل لک حرمًا ولا یحق لک باطلًا انما یقضی القاضی بنحو مایرٰی و یشھدبہ الشھود والقاضی بشریخطی و یصیب (ابن جریر) و من الاکل بالباطل ان یقضی القاضی لک و انت تعلم انک مبطل فالحرام لا یصیر حلالا بقضاء القاضی لانہ انما یقضی بالظاھر و ھٰذا اجماع فی الاموال (قرطبی) علی القول بھٰذا الحدیث جمھور العلماء و ائمۃ الفقھاء و ھو نص فی ان حکم الحاکم علی الظاھر لا یغیر حکم الباطن (قرطبی) و ھٰذا رسول اللہ ﷺ المصطفٰی للاطلاع علی الغیب یتبرأ من الباطن فکیف بغیرہ من الخلق (ابن العربی) بلکہ جو لوگ اپنی چرب زبانی سے، سخن سازی سے، اپنے "اثر" و "پیروی" سے جھوٹے مقدمے جیت جائیں، انہیں اور زیادہ ڈرنا چاہیے کہ اُن پر علاوہ دوسرے جرائم اور فریق ثانی کی حق تلفی کے، ایک مزید جرم حاکم عدالت کو فریب میں مبتلا کرنے کا بھی عائد ہوگا۔ تُدْلُوْا بِهَآ۔ ھَا کی ضمیر، اموال کی طرف ہے، بِ فعل۔ ادلاء کا حرف صلہ ہے۔ تُدْلُوْا۔ ادلاء کے معنی کنوئیں میں ڈول ڈالنے، اور پھر مجازاً، کسی چیز کو کہیں پہونچانے یا اُسے ذریعہ یا وسیلہ بنانے کے ہیں۔ ادلیتھا ای اخرجتھا و قیل یکون بمعنٰی ارسلتھا واستعیر للتوصّل الی الشیٔ (راغب) واصل الادلاء ارسال الرجل الدلو فی سبب متعلقابہ (ابن جریر) مطلب یہ ہوا کہ مال کو حکام تک پہونچنے کا، اپنی رسائی اور رسوخ پیدا کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ اور رشوت وغیرہ مالی تحفہ وتحائف سے حکام پر اثر نہ ڈالو۔ ای لا ترشوھا الیھم (کبیر) ای تلقوا بعضھا الی حکام السوء علٰی وجہ الرشوۃ (مدارک) اسلامی حکومت قائم ہونا اور اسلام کے سارے قانون دیوانی وفوجداری کا نافذ ہونا تو خیر بڑی چیز ہے، قرآن مجید کی صرف اسی آیت پر اگر آج عملدرآمد ہو جائے، تو جھوٹے دعووں، جعلی کاغذات، جھوٹی گواہیوں، جھوٹے حلف ناموں، اہلکاروں، اور عہدہ داروں کی رشوتوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ احکام کی خدمت میں نذر، نذرانوں، قیمتی ڈالیوں، شاندار دعوتوں کا وجود کہیں باقی رہ جائے؟ بِالْاِثْمِ۔ گناہ کا لفظ عام ہے۔ ہر قسم کی معصیتیں جو عدالتی کارروائیوں اور انتظامی معاملات کے سلسلہ میں کام میں لائی جاتی ہیں، اس کے تحت میں آ جاتی ہیں۔ ای بالظلم والتعدّی (قرطبی) بشھادۃ الزور اوبالایمان الکاذبۃ او بالصلح مع العلم بان المقضی لہ ظالم (مدارک) فَرِيْقًا۔ فریق کے معنی یہاں پارٹی یا گروہ کے نہیں، بلکہ حصہ یا جزو کے ہیں۔ ای قطعۃ و جزءًا (قرطبی) قطعۃ و جملۃ (روح)

و۶۸۹ (اے پیغمبر! کہ اُن کے گھٹنے بڑھنے کی غایت کیا ہے؟) الْاَهِلَّةِ۔ نیا چاند یا ہلال تو ایک وقت میں ایک ہی ہوتا ہے، لیکن یہاں سوال اہلّہ (بہ صیغہ جمع) سے متعلق ہے۔ سوال عن الاھلۃ کے معنی ہی ہوئے چاند کے مہینوں کی بابت دریافت کرنا۔ یعنی پہلے چاند کا طلوع ہونا۔ پھر تاریخ وار اس کا بڑھنا، اور پھر تاریخ وار اس کا گھٹنا، یہاں تک کہ اُس کا غائب ہو جانا۔ یرید بالا ھلۃ شھورھا، قدیعبر بالھلال عن الشھر لحلولہ فیہ (قرطبی) ای عن زیادۃ الاھلۃ و نقصانھا لماذا (ابن عباس) سئل رسول اللہ عن زیادۃ الاھلۃ و نقصانھا و اختلاف احوالھا (ابن جریر) چاند کے روزانہ (بلکہ شبانہ) تغیرات مشاہدہ کی چیزیں ہیں، اس لیے سوال بھی ان کی بابت آسانی سے پیدا ہوتا ہے۔ آفتاب کے تغیرات عام نظروں کے لیے غیر مشاہد رہتے ہیں

و۶۹۰ (اور اس سے زیادہ اُن کی کوئی حیثیت نہیں) قرآن کا ایک ایک فقرہ توحید کے اعلان اور شرک کی تردید میں ہے۔ دُنیا میں مشرک قومیں کثرت سے قمر پرستی میں مبتلا رہی ہیں۔ اور بعض ہلال پرستی میں بھی۔ نئے چاند کو دیوتا مان کر اُس کی پوجا کثرت سے کی گئی ہے۔ اور بڑھتے چاند کو مبارک، اور اُترتے چاند کو منحوس سمجھنے کا رواج تو آج خدا معلوم کتنے مسلمان گھرانوں میں بھی موجود ہے۔ اور ہندوستان میں چھپی ہوئی جس جنتری کو چاہیے آج اُٹھا کر دیکھ لیجیے، اُس کے کتنے خانے اس سے بھرے نظر آئیں گے کہ فلاں تاریخ فلاں کام کے لیے سعد ہے اور فلاں تاریخ نحس۔ قرآن مجید نے عروج وزوال قمر کی یہ غایت بتا کر کہ وہ انسان کے کام آنے والی چیز ہیں هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ، ہلال پرستی اور اس کے ماتحت سارے خرافات کی جڑ ہی کاٹ دی! احمق انسان! تو چاند کی کیا پوجا کر رہا ہے، چاند تو خود تیری خدمت کے لیے ہے! مَوَاقِيْتُ جمع ہے میقات کی۔ اور اس کے معنی وقت کے بھی ہیں اور منتہائے وقت کے بھی، اور وقت موعود ومتعین کے بھی۔ جمع المیقات

وھو الوقت و قبل المیقات منتھی الوقت (قرطبی) الوقت المضروب للشئ (راغب) مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ ۔یعنی اُن کے معاملات دُنیوی میں بھی اور حسابات شرعی میں بھی۔ سنہ قمری میں، دِنوں، تاریخوں، مہینوں کا حساب چاند کے عروج وزوال سے ہوتے رہنا ظاہر ہی ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سے یہ نکتہ خوب نکالا ہے، کہ جب اعمال شرعی کا مدار حساب قمری پر ٹھہرا، تو اس حساب قمری کا اہتمام وانضباط بھی فرض کفایہ ہوا۔ جنہیں انگریزی سنہ سے کاروبار رکھنا ضرورت کے درجہ میں آپڑا ہے، اُن کے لیے تو خیر عذر بھی ہے، لیکن بلاضرورت سنہ ہجری قمری اسلامی کو چھوڑ کر سنہ شمسی مسیحی انگریزی اختیار کر لینا واقعی بڑے افسوس کی بات ہے۔ وَالْحَجِّ ۔قمری مہینے عام مواقیت انسانی کا تو کام دیتے ہی ہیں، اور ان کے علاوہ حج اور دُوسری طاعتوں اور عبادتوں کے لیے بھی معیار و مدار وہی ہیں۔ حج کا ذکر تخصیص کے ساتھ شاید اس لیے فرمایا گیا ہو کہ اس کی اہمیت عرب کے ہر شعبۂ زندگی میں بہت نمایاں تھی **ف۶۹۱** (جیسا کہ مشرکین عرب اپنی سفاہت سے سمجھ رہے ہیں) جاہلی عرب جب احرام حج کی حالت میں ہوتے تو گھر میں جانے کے لیے دروازہ سے داخل ہونے کو نحوست اور بدشگونی سمجھتے، بلکہ پشت کی دیوار میں ایک بڑا سا روزن پیدا کر دیتے، اور اُس کے اندر سے مکان میں داخل ہوتے، یا پیچھے کی طرف سے چھت پر چڑھ جاتے، اور اس سے اندر پھاندتے، اور اسے اپنے نزدیک کوئی بڑی عبادت اور خانہ کعبہ کی تعظیم سمجھتے۔ کانوا اذا احرموا فی الجاھلیۃ اتوا البیت من ظھرھا (بخاری) کانوا اذا حجوا لم یدخلوا بیوتھم من ابوابھا کانوا ینقبون فی ادبارھا (ابن جریر) اذا احرم الرجل منھم نقب کوۃ فی ظھر بیتہ فجعل سلما فجعل یدخل منھا (ابن جریر) بعض قبیلوں کے نومسلم صحابی بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ اُنہی کی اصلاح خیال کے لیے آیت نازل ہوئی، اور عقیدۂ جاہلی کی تصحیح کی گئی۔ نزلت فی نفر من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کنانۃ و خزاعۃ کانوا یدخلون بیوتھم فی الاحرام من خلفھا او من سطحھا کما فعلوا فی الجاھلیۃ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) مفسر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ انصار مدینہ جب حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیتے تھے، تو اپنے اور آسمان کے درمیان کسی چیز کا حائل ہونا تقویٰ اور آداب احرام کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور واپسی میں اپنے مکان میں دروازوں سے نہیں داخل ہوتے تھے۔ وکان الانصار اذا حجوا وعادوا لایدخلون من ابواب بیوتھم ...... فکانوا یرون ھذا من النسک والبر (قرطبی) یہ رسم چونکہ حج ہی کے سلسلہ میں تھی، اس لیے اس کا ذکر بھی حج ہی کے متصل فرمایا گیا **ف۶۹۲** (اور تقوٰی کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی منع کی ہوئی اور حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں سے ڈرا جائے، بچا جائے) ای فخافہ و تجتنب محارمہ واطاعہ باداء فرائضہ التی امرہ بھا (ابن جریر) ضمناً یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو گئی، کہ اصل نیکی تقوائے الٰہی ہے۔ یعنی احکام الٰہی کی خلاف ورزی کا خوف، نہ کہ اپنے کسی گڑھے ہوئے دستور ورواج کا اتباع **ف۶۹۳** (جب آنا چاہو، اور گویا رسوم شرک وجاہلیت کو پامال کرتے ہوئے) آیت سے فقہاء اُمت کو ایک بڑی اصل ہاتھ آگئی ہے۔ جس سے صدہا ہزارہا اعمال کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔ وہ اصل یا قاعدہ یہ ہے کہ جو شے شریعت میں صرف مباح ہو، یعنی کتاب وسنت میں اس کی کوئی نظیر یا مثال طاعت و عبادت کے حکم میں نہ ملے، اُسے اپنے دل سے طاعت وعبادت ٹھہرا لینا، یا اسی طرح اسے بلا دلیل شرعی، معصیت ومحل ملامت یقین کر لینا، یہ دونوں اعتقاد گناہ ہیں، اور ہر بدعت اسی حکم میں داخل ہے۔ ھذا دلیل علی مسئلۃ من الفقہ و ھی ان الفعل بنیّۃ العبادۃ لایکون الا فی المندوبات خاصۃ دون المباح و دون المنھی عنہ و ھذا اصل حسن (ابن العربی) فی ھذہ الآیۃ بیان ان مالم یشرعہ اللہ قربۃً ولا ندب الیہ لا یصیر قربۃً بان یتقرب لہ متقرب (قرطبی) قال ابن خویز منداد اذا اشکل ما ھو برٌّ و قربۃ بما لیس ھو برٌّ قربۃٌ ان ینظر فی ذٰلک العمل فان کان لہ نظیر فی الفرائض و السنن فیجوزان یکون و ان لم یکن فلیس ببرولا قربۃ (قرطبی) قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سند سے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی نقل کی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریر فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑا ہوا ہے۔ دریافت فرمایا۔ معلوم ہوا کہ وہ ابو اسرائیل انصاری ہیں۔ اور اس کی نذر مانے ہوئے ہیں کہ روزہ رکھ کر بیٹھیں گے نہیں، کھڑے ہی رہیں گے، اور سایہ میں نہ کھڑے ہوں گے، اور کسی سے بات چیت نہ کریں گے، خاموش رہیں گے۔ آپؐ نے فرمایا کہ انہیں وہاں سے ہٹا لاؤ۔ مروہ فلیتکلم و یستظل ولیقعد و لیتم صومہ (وہ بات چیت بھی کریں، اور سایہ میں رہیں، اور بیٹھ بھی جائیں اور اس حال میں روزہ تمام کریں)۔ اسلام نام صرف امتثال امر کا ہے اور ایمان کی حقیقت فقط تعمیل احکام کی ہے۔ خودرائی اس راہ میں سرتاسر کج رائی ہے **ف۶۹۴** (دُنیا اور آخرت دونوں میں) تقوٰی (خوف خدا) اور فلاح (انتہائی کامیابی) کے قریب ترین تعلق کو آیت ایک بار پھر واضح کرتی ہے، اور اس حقیقت کو ذہن میں تازہ کرتی ہے کہ فلاح دارین کا اصل اصول تقوٰی ہے۔ خشیت الٰہی اور محبت الٰہی کے درمیان نسبت تضاد، تخالف، بلکہ تباین کی بھی بالکل نہیں، بلکہ علاقہ توافق ومناسبت کا ہے۔ مخلوقات میں جس کسی چیز سے خوف کیا جاتا ہے اُس میں خاصہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے سے بھگاتی ہے، ہٹاتی ہے، دُور کرتی ہے۔ لیکن خشیت الٰہی میں تو اس کے برعکس ایک کشش ہوتی ہے۔ وہ اللہ کی طرف لاتی ہے، کھینچتی ہے، بلاتی ہے، اللہ سے قریب تر کرتی ہے۔ اور اس طرح عملاً محبت الٰہی کے مرادف ہے۔ اہل تقوٰی، اور صالحین سے جس خوف کی نفی کی گئی ہے، وہ ''دہشت'' کے مرادف ہے، اور وہ ''وحشت'' سے پیدا ہوتا ہے۔ خشیت الٰہی، اس کے ٹھیک برعکس، احساسِ **عظمت** سے پیدا ہوتی ہے، اور وہ رب عظیم ومعظم سے قریب تر لانے والی ہوتی ہے۔ خوف خدا کی ترغیب اور خشیت الٰہی کی تاکید سے قدیم صحیفے بھی لبریز ہیں۔ مثلاً:۔ ''خداوند کا خوف، دانش کی ابتدا ہے''۔ (امثال سلیمانی۔ ۱:۷) ''خداوند کا خوف، دانائی کا شروع ہے''۔ (امثال سلیمانی۔ ۹:۱۱) ''خدا سے ڈر، اور اس کے حکموں کو مان، کہ انسان کا فرض کلی یہی ہے''۔ (واعظ کی کتاب۔ ۱۲: ۱۳) **ف۶۹۵** قَاتِلُوْا۔ قتال کا یہ حکم اُن مظلوم مسلمانوں کو مل رہا ہے، جو دو چار مہینے نہیں، پورے تیرہ برس مکہ میں ہر طرح کے شدائد پر، اور شدائد کیسے، یہ کیسے شقاوت، سفاکی، بہیمیت پر، صبر کے امتحان میں پورے اتر چکے تھے، اور اب وطن سے بے وطن ہو کر، گھر بار چھوڑنے پر بھی، مدینہ میں چین سے نہیں بیٹھنے پاتے تھے۔ اللہ تربت ٹھنڈی رکھے لارڈ ہیڈلے انگریز کی۔ نومسلم ہو کر بات پتہ کی کہہ گیا ہے، کہ اسلامی غزوات کے تین ابتدائی جغرافی محل وقوع کو دیکھ کر خود فیصلہ کر لو، کہ لڑائی کی ابتداء کس نے کی، اور چڑھائی کون کس پر کر کے گیا تھا؟ حملہ اور جارحانہ اقدام کون کر رہا تھا، اور حفاظت خود اختیاری ومدافعت میں کون لڑ رہا تھا؟ مکہ کے جنگجو اہل فساد، یا مدینہ کے صابر وشاکر مومنین؟ (۱) **جنگ بدر**۔ بدر میں ہوئی، مدینہ سے کل تیس میل کے فاصلہ پر۔ **جنگ اُحد**۔ اُحد تو مدینہ سے کل بارہ ہی میل ہے (۳) **جنگ احزاب**۔ اس میں تو محاصرہ خود مدینہ ہی کا ہوا! غرض ہر دفعہ قریش مکہ یا اُن کے حلیف ومددگار ہی چڑھ چڑھ کر آئے۔ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ۔ خود یہ لفظ کیا بتا رہے ہیں؟ دو باتیں بالکل صاف ہوئی جاتی ہیں (۱) ایک یہ کہ جنگ کی ابتداء کرنے والے مسلمان نہ تھے۔ ابتداء دوسرا ہی فریق کر رہا تھا۔ ای الذین یبدءونکم بالقتال (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای یناجزونکم القتال دون المحاجزین (مدارک) ای یحل لکم القتال ان قاتلکم الکفار (قرطبی) (۲) دُوسرے یہ کہ قتال کا حکم صرف اُنہی افراد کے مقابلہ میں ہے جو واقعی لڑ رہے ہوں، یا آج کل کی اصطلاح میں صرف مصافیوں Combatants کے مقابلہ میں۔ غیر مصافی Non-combatants آبادی کے سروں پر بم برسا دینے، پرامن شہریوں پر ہوائی تاخت کرنے، اور اُن پر زہریلی گیسیں چھوڑنے کے ''مہذب ترین'' آئین حرب سے اسلام کا قانون جنگ نا آشنا ہے۔ بوڑھوں، بچوں، عورتوں، اپاہجوں، بیماروں، گوشہ نشینوں، غرض ایسے کل لوگ جو جنگ سے معذور ہوں، انہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو صراحت کے ساتھ مستثنیٰ قرار دیا ہی ہے، لیکن خود یہ آیت بھی اس استثناء کی جانب صاف مشیر ہے۔ لا تقتلوا النساء ولا الصبیان ولا الشیخ الکبیر و لا من القی الیکم السّلم و کف یداہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای لا تقاتل من لا یقاتلک یعنی النساء والصبیان والرھبان (ابن جریر۔ عن عمر بن عبدالعزیز) عن ابن عمرؓ قال وجدت امرأۃ فی بعض مغازی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقتولۃ فانکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل النساء والصبیان (بخاری۔ مسلم) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا بعث جیشًا قال اغزوا بسم اللہ و فی سبیل اللہ ...... ولا تقتلوا امرأۃ ولا ولیدًا ولا شیخا کبیرًا (معالم۔ عن بریدۃ) امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اصل حکم میں تو پھل دار درخت کو کاٹنے تک کی ممانعت ہے۔ آپ نے یہ حکم خلافت اسلامیہ کے پہلے سپہ سالار فوج (کمانڈر انچیف) یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ اور اُن کی مشایعت آپ نے پاپیادہ چل کر کی تھی۔ اس حکم نامہ کے الفاظ یہ نقل ہوئے ہیں:۔ وانی اوصیک بعشر لاتقتلن امرأۃ ولا صبیًا ولا کبیرًا ھرماً ولا تقطعن شجرًا مثمرًا ولا تخربن عامرًا ولا تعقرن شاۃ ولا بعیرًا لا لما کلۃ ولا تحرقن نخلاً ولا تفرقنہ (طبقات ابن سعد) البتہ الذین یقاتلونکم سے یہ بھی مراد نہیں کہ جب دشمن واقعۃً سر پر آجائے، اور لڑائی شروع کردے، جبھی تم قتال کرو۔ اتنے انتظار وتوقف کے معنی یہ ہوں گے کہ آدھی جیت اُن کی ہو گئی، جیسا

کہ اس زمانہ کی لڑائیوں میں برابر مشاہدہ بھی ہورہا ہے۔ بلکہ غنیم کا ارادہ اور آمادگی ہی اُسے اس حکم کے تحت میں لے آنے کے لیے کافی ہے۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہ قید کتنی اہم اور دنیا کی تاریخ محاربات میں کیسی انقلاب انگیز ہے! دُنیا میں لڑائیاں ہمیشہ لڑی گئیں، اب بھی لڑی جارہی ہیں، آئندہ بھی لڑی جائیں گی۔ لیکن کاہے کے لیے؟ زر کے لیے، یا زن کے لیے، یا زمین کے لیے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ "قوم" اور "وطن" کے لیے! یعنی زر و زمین کی طلب فرد کے لیے نہیں بلکہ قوم کے لیے رہ جائے۔ یہ خصوصیت صرف اسلامی جہاد "بدنام و رسوا" اسلامی جہاد کی ہے، کہ جب کبھی اور جن حالات میں شروع ہو، اللہ کی راہ میں ہو۔ شرک کو مٹانے اور توحید کو بلند کرنے کے لیے ہو، دین حق کی حمایت و نصرت میں ہو، انسانی حکومت مٹا کر خدائی حکومت قائم کرنے کے لیے ہو۔ خودی کے لیے نہیں، خدا کے لیے ہو۔ نفس کے لیے، قبیلہ کے لیے، "حلقۂ اثر" کی توسیع کے لیے "آزادئ تجارت" کے لیے، "آزادئ سمندر" کے لیے، "نوآبادیوں کے تحفظ" کے لیے، "برآمد کی منڈیاں" پیدا کرنے کے لیے، غرض نئی اور پرانی قسم کی بھی عصبیت جاہلی کے جھنڈے نیچے نہ ہو۔ صاف صاف فی سبیل اللہ ہو۔ اور فی سبیل اللہ کے معنی ہیں لاعزاز دین اللہ۔ الجهاد لاعلاء كلمة الله و اعزاز الدين (مدارک) اے جاهدوا لاعلاء كلمته واعزاز دينه (بیضاوی) يعنى دينا و اظهارًا للكلمة (قرطبی) اے فی طاعته و طلب رضوانه (کبیر) قتال کا طریقہ دُوسری اُمتوں سے نرالا کچھ اُمت محمدی ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں، بائبل میں اس کا ذکر ایک دو جگہ نہیں، بیسیوں جگہ موجود ہے۔ اور محاربات یہود سے تو تاریخ کے دفتر کے دفتر رنگین ہیں۔ رہیں مسیحی قومیں اور اُن کی خونریزیاں اور خون آشامیاں، تو اُن کی نظیر تو دنیا کے پردہ پر کہیں نہ ملے گی۔ عیاں راچہ بیاں! اور عملاً جو نمایاں فرق اسلامی فاتحین کی رحمدلی اور مسیحی فاتحین کی سنگدلی کے درمیان رہا ہے، اس کا اعتراف تو خود مسیحی اہل قلم کو ہے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو Bosworth صفحہ ۳۵۳۔ نیز Finlays' Greece under the Romans. smith's Mohammad & Mohammadanism صفحہ ۲۱۷ و صفحہ ۲۱۸۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت ماقبل میں ابھی ابھی تقویٰ کی تاکید آچکی ہے، اب اُسی مناسبت سے ذکر تقویٰ کی شدید ترین اور نفس کے لیے دشوار ترین قسم یعنی قتال و جہاد کا شروع ہوا ہے۔ لما امرها لتقوى امر فى هٰذه الأية باشد اقسام التقوى واشقها على النفس (کبیر) و۶۹۶ وَلَا تَعْتَدُوْا۔ اِعتداء کے لغوی معنی حق سے تجاوز کر جانے کے ہیں، مجاوزۃ الحق۔ اور اس تجاوز کی متعدد صورتیں ممکن ہیں۔ حد سے مراد حد شریعت بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ انتقام کے جوش یا تمتدی کے زور میں بے تحاشا غنیم کے مصافی و غیر مصافی سب کو قتل کرنا شروع کردیا جائے۔ اُن کے کھیتوں، باغوں، چراگاہوں میں آگ لگادی جائے، اُن کے بے زبان جانور تلوار کے گھاٹ اتار دیئے جانے لگیں، وقس علیٰ ہٰذا۔ قرآن نے دُنیا کو سبق یہ دیا کہ قوت کا استعمال صرف اُسی حد تک جائز ہے جس حد تک ناگزیر ہے۔ حد سے مراد حد معاہدہ بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ بدعہد و پیمان شکن قوموں کی دیکھا دیکھی خود بھی معاہدوں کی پروانہ کی جائے، اور عہد شکنی کی ابتداء اپنی طرف سے کرکے ہلہ بول دیا جائے۔ اسی طرح اور بھی پہلو تجاوز حدود کے نکل سکتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اعتداء کا لفظ زیادتی کے ہر پہلو کو جامع ہے، اور ہر قسم کی زیادتیوں کی ممانعت اس سے نکل آئی۔ اے لاتعتدوا بابتدآء القتال او بقتال المعاهد او المفاجاة به من غير دعوة او المثلة او قتل من نهيتم عن قتله (بیضاوی) اے لا تعتدوا بوجه من الوجوه (روح) اور اعتداء اور تجاوز کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ قتال علاوہ فی سبیل اللہ کے کسی اور غرض کے لیے شروع کردیا جائے۔ چنانچہ بعض دقیق النظر مفسرین نے یہ پہلو بھی لیا ہے۔ اے لا تقاتلوا علیٰ غير الدين (ابن العربی) المعنٰی لا تعتدوا فی القتال لغير وجه الله كالحمية و كسب الذكر (قرطبی) غلبہ و اقتدار کے وقت انتقام کے حدود کے اندر رہنا اخلاق کے مرتبۂ اعلیٰ کا مقام ہے۔ اچھے اچھوں کی عقل، متانت اور قوت عدل و توازن اُس وقت جواب دے دیتی ہے اور کل کے مظلوم، بیساختہ اور شاید بے شعوری کے عالم میں، آج کے ظالم بن جاتے ہیں۔ قرآن مجید کا اس موقع پر اپنے پیرووں کو ضبط و احتیاط کی تلقین کرنا، افراد اُمت کو حکمت و اخلاق فاضلہ کے بلند سے بلند مقام پر پہونچا دینا ہے۔ اور پھر جب یاد کرلیا جائے، کہ آیت کا موقع نزول ذیقعدہ ۷ ہجری ہے، جب معاہدۂ حدیبیہ کے دُوسرے سال مسلمان عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہورہے تھے، اور اندیشہ تھا کہ مشرکین معاہدہ کو توڑ کر جنگ شروع کردیں گے، اور اُس کے جواب میں قدرۃً مسلمان بھی اشتعال سے لبریز ہوجائیں گے۔ تو آیت کے اس تاکیدی اور امتناعی حکم کی قدر

ومنزلت کس درجہ اور بڑھ جاتی ہے! پھر فتح مندی کی گھڑیوں میں ایسی ہدایت پر عمل دنیا کی کسی قوم نے آج تک کیا ہے، بجز رسول ﷺ کے صحابیوں، اور خلافت اسلامیہ کے سپاہیوں کے؟ سوال عقیدت کا نہیں، محض تاریخ کا ہے و۶۹۷ وَاقْتُلُوْهُمْ میں هُمْ کی ضمیر اُنہی لوگوں کی طرف ہے جو مسلمانوں سے لڑنے نکلے ہیں۔ والضمير عائد الى اللذين امر لقتلهم فى الأية الأولىٰ (کبیر) حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ۔ یعنی ان مقاتلین محاربین مکہ کو جہاں کہیں بھی پکڑ پاؤ، اور جب بھی اُن پر غلبہ حاصل کر پاؤ، قتل کردو۔ هم الكفار من اهل مكة فامر الله تعالىٰ بقتلهم حيث كانوا فى الحل والحرم و فى الشهر الحرام (کبیر) اے حيث وجدتموهم من حلٍ او حرم (ابوسعود) وَاقْتُلُوْا کے صیغۂ جمع سے فقہاء حنفیہ نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ قتال و جہاد فریضۂ انفرادی نہیں ہے، امام کی معیت میں ہے۔ لشکر کا وجود وجوب بطور عبارۃ النص کے نکلا اور امام کا بطور اقتضاء النص کے، کہ لشکر کا انتظام و اجتماع بغیر ایک امام کے ممکن نہیں۔ مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ یعنی سرزمین مکہ سے۔ مِنْ حَيْثُ کے معنی "جہاں سے" کے علاوہ "جس طرح" کے بھی ہیں۔ وَاقْتُلُوْهُمْ۔ وَاَخْرِجُوْهُمْ۔ مراد یہ ہے کہ سرزمین مکہ سے اُنہیں چاہے مارو، چاہے نکالو، جو بھی تمہیں اپنی قدرت و مصلحت کے مطابق نظر آئے۔ والمراد افعلوا كلّ ماتيسر لكم من هٰذين الامرين فى حق المشركين (روح) و۶۹۸ (اپنی مضرتوں اور مفسدوں کے لحاظ سے) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے کہ مشرکوں کی شرارت جسے یہاں فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے، وہی تو اصل جڑ تھی اور اخراج و قتل، وغیرہ اس کی سزائیں تو محض فرع ہوئیں۔ الفتنة، فتنہ سے مراد شرک یا اس کی ترغیب و تحریص اور اہل توحید کی تخویف ہے۔ الفتنة الشرک بالله و عبادة الاوثان (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اقدام الكفار على الكفر و علىٰ تخويف المؤمنين (کبیر) روى عن جماعة من السلف ان المراد بالفتنة هٰهنا الكفر و قيل انهم كانوا يفتنون المومنين التعذيب و يكرهونهم على الكفر (صاحی) کفر و ترغیب کفر کو فتنہ سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ نظام کفر آخر دُنیا کو فتنہ و فساد، کشت و خون، غدر و بدامنی ہی کی طرف لے جاتا ہے۔ انما سمى الكفر بالفتنة لانه فساد فى الارض يؤدى الى الظلم والهرج و فيه الفتنة (کبیر) اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ یعنی حرم میں قتل و خون سے بھی شناعت میں کہیں بڑھا ہوا درجہ اس مرکز توحید و ایمان میں شرک، اشاعت شرک و تبلیغ شرک کا ہے۔ اشدُّ من القتل فى الحرم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اے شركهم بالله اعظم من القتل الذى يحل بهم منكم (مدارک) يجوزان يرادفتنتهم اياكم بصدكم عن المسجد الحرام اشد من قتلكم اياهم فى الحرم (کشاف) يعنى كفرهم و تعذيبهم المؤمنين فى البلد الحرام فى الشهر الحرام اشد و اعظم اثمًا من القتل فى الشهر الحرام (صاحی) دُوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ مکہ والوں کی یہ مسلسل و غیر منقطع تعدیاں اور مظالم قتل سے بھی کہیں زیادہ سخت و ناقابل برداشت ہیں۔ اور بعض قدیم اکابر کی نظر بھی اسی پہلو کی طرف گئی ہے۔ اے المحنة التى يفتتن بها الانسان كالا خراج من الوطن اصعب من القتل لدوام تعبها وبقاء تألّم النفس بها (بیضاوی) اے المحنة والبلاء الذى ينزل بالانسان يتعذب به اشدّ عليها من القتل (کشاف) الاخراج من الوطن لما فيه من مفارقة المالوف والاحباب و تنغيص العيش دائما (بحر) ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ یہاں فتنہ سے مراد وہ ابدی عذاب اُخروی ہے جو انہیں کفر کی سزا میں ملے گا۔ گویا ارشاد یہ ہے کہ وہ دائمی عذاب دُنیا کی سزائے قتل سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ اور عذاب پر اس معنی میں فتنہ کا اطلاق جائز ہے المراد من الفتنة العذاب الدائم الذى يلزمهم بسبب كفرهم (کبیر) واطلاق اسم الفتنة على العذاب جائز و ذٰلک من باب اطلاق اسم السبّب على المسبّب (کبیر) والكفر بالله يقتضى العذاب دائمًا والقتل ليس كذٰلك (بحر) و۶۹۹ (کہ یہاں قتال کی ابتداء بلا وجہ اور بلا ضرورت کردینے سے حدود حرم کی ہتک لازم آتی ہے) عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی حرم شریف یا مسجد کعبہ کے گرد و نواح میں کئی میل کا پورا علاقہ جو اصطلاح میں حرم کہلاتا ہے۔ اور اس کے احترام کے خاص آداب و قواعد ہیں۔ عندنا المسجد الحرام يقع على الحرم كله (مدارک) نزول آیت کے وقت مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان عارضی صلح کا معاہدہ تھا۔ یہاں یہ ارشاد ہورہا ہے کہ اُس پاس معاہدہ کے علاوہ مسلمانوں کے لیے یہ دوسرا مانع احترام حدود حرم کا بھی تو ہے۔ بعض تابعین اور فقہاء حنفیہ نے آیت سے یہ مستقل حکم نکالا ہے کہ مسجد حرام میں قتل و قتال ناجائز ہے، تاوقتیکہ وہ جواب و مدافعت میں نہ ہو۔ قال مجاهد لا يجوز قتال

احد فی المسجد الحرام الابعدان یقاتل و به قال طاؤس و هوالذی یقتضیه نص الأیة (قرطبی) والیه ذهب ابوحنیفة واصحابه (قرطبی) فیه قولان احدهما انه محکم قاله مجاهدو ابوحنیفة (ابن العربی) ف۷۰۰ حفاظت خود اختیاری حدود جرم کے اندر بھی قتال کو جائز کردے گی۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی یہی سزائیں جواُوپر گزر چکیں: وطن سے اخراج اور حدود حرم کے اندر قتل۔ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ۔ یعنی ایسے معاند، پیمان شکن، بے ادب کافروں کی سزا۔ "کفار کے ساتھ جبکہ شرائط جواز کے پائے جائیں، ابتداءً قتال شروع کرنا درست ہے۔ اور اس مقام پر جو ابتداء بالقتال سے ممانعت فرمائی ہے تو وہ صرف بہ وجہ معاہدہ کے ہے۔ تو معاہدہ میں ابتداءً ناجائز ہے۔ البتہ اگر معاہدہ کا باقی رکھنا مصلحت نہ ہو تو صاف اطلاع کردی جائے کہ ہم وہ معاہدہ باقی نہیں رکھتے۔ پھر قتال جائز ہے۔ اسی طرح اگر وہ لوگ معاہدہ توڑ دیں تب بھی قتال جائز ہے"۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۷۰۱ (محض جنگ سے نہیں، جسے انہوں نے شروع کیا تھا، بلکہ عقائد کفر و شرک سے جو محرک اور باعث بنے ہوئے تھے جنگ و قتال کے) ای عن الکفر و الشرک و تابوا (ابن عباس) ای فان تابوا (ابن جریر۔ عن مجاہد) من قتالکم و کفرهم بالله (ابن جریر) عن الشرک والقتال (مدارک) یعنی انتهوا بالایمان (ابن العربی) عن الکفر بالتوبة منه کما روی عن مجاهد وغیره او عنه و عن القتال (روح) فَاِنِ انْتَهَوْا میں ضمیر غائب کفار محاربین کی طرف ہے۔ حرف تعقب فَ سے مراد ہے، جنگ شروع کرنے کے بعد۔ جن مفسرین جدید نے انتهوا سے صرف جنگ میں باز آجانا مراد لیا ہے، انہوں نے سخت غلطی کی ہے ف۷۰۲ (اس لیے ان کی توبہ قبول کرلی جائے گی، انہیں دائرۂ اسلام میں داخل سمجھا جائے گا، اور ان کے اسلام کو لا حاصل یا بے قدر نہیں سمجھا جائے گا) آیت کے اس جزو نے اِنِ انْتَهَوْا کے اس مفہوم کو خود قرآن ہی سے واضح کردیا کہ مراد کفر و شرک سے باز آجانا ہے، نہ کہ محض جنگ و قتال سے۔ صفاتِ مغفرت و رحمت کا ترتب کفر ہی سے تائب ہونے پر ہوسکتا ہے نہ کہ محض ترک جنگ پر۔ جو کفر سے تائب ہوگیا اُس کے پچھلے گناہ بھی معاف ہوجائیں گے، اور آئندہ بھی اُس کے ساتھ معاملہ رحمت کا ہوگا، جیسا کہ خود قرآن ہی میں دُوسری جگہ ہے۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ۔ غفور لمن تاب و رحیم لمن مات علی التوبة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) فان الله یغفر لهم جمیع ما تقدم و یرحمهم کلّامنهم بالعفو عما اجترم (ابن العربی) و لذٰلک علّق علیه الغفران و الرحمة و هما لا یکونان مع الکفر (بحر) فقہاء و مفسرین نے آیت سے قاتل کی قبول توبہ کا مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب کفر کی توبہ قبول ہوسکتی ہے، تو قتل عمد تو کفر سے خفیف تر ہے، اُس سے توبہ کیوں نہ قبول ہوگی۔ و فیه دلالة علی قبول توبة قاتل العمد اذ کان الکفر اعظم مالما من القتل و قد اخبر تعالٰی انه یقبل التوبة من الکفر (بحر) هذا یدل علی ان قاتل العمد له توبة اذ کان الکفر اعظم ما ثما من القتل و قد اخبر الله انه یقبل التوبة منه و یغفر له (جصاص) ف۷۰۳ (ان لوگوں میں، یا سرزمین عرب پر) فَاقْتُلُوْهُمْ میں هُمْ کی ضمیر کس کی طرف ہے؟ جنگ جاری رکھنے کا حکم کس کے مقابلہ میں دیا جارہا ہے؟ ظاہر ہے کہ رُوئے زمین کے عام کفار بھی مراد ہوسکتے ہیں، اور مشرکین عرب بھی سمجھے جاسکتے ہیں۔ لیکن فقہاء حنفیہ اور بہ کثرت تابعین نے مراد مشرکین مکہ ہی سے لی ہے۔ و من راٰها غیر ناسخة قال المعنی قاتلوا هٰؤلاء الذین قال الله فیهم فان قاتلوکم (قرطبی) و هم کفار مکة و الفتنة هٰهنا الشرک و لا یسنّ بهم سنة اهل الکتٰب فی قبول الجزیة قاله ابن عباس و قتادة والربیع والسدی (بحر) عطف علٰی قاتلوا الذین یقاتلونکم و یؤیده ان مشرکین العرب لیس فی حقهم الا الاسلام اوالسیف (روح) وهٰذه الأیة خاصة فی المشرکین دون اهل الکتٰب لان ابتداء الخطاب جزی بذکرهم فی قوله عزّوجلّ واقتلوهم حیث ثقفتموهم واخرجوهم من حیث اخرجوکم و ذٰلک صفة المشرکین اهل مکة اللذین اخرجوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابه فلم یدخل اهل الکتٰب فی هٰذا الحکم (جصاص) حَتّٰی۔ یہاں اظہارِ غایت کے لیے ہے اور کَیْ یا اِلٰی، ان کے مرادف ہے۔ و هٰذا البیان غایة القتال (روح) حَتّٰی بمعنٰی کَیْ او اِلٰی ان (مدارک) لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔ یعنی حدود حرم اور حدود عرب کے اندر شرک و کفر باقی نہ رہنے پائے۔ فتنہ سے یہاں کفر و شرک کے مراد ہونے پر کہنا چاہیے کہ محققین امت کا اجماع ہے۔ ای شرک قاله ابن عباس وابو العالیة و مجاهد والحسن و قتاده و الربیع و مقاتل بن حیان والسدی (ابن کثیر) ای الشرک بالله فی الحرم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای حتّٰی لاتکون شرک بالله و حتّٰی لا یعبدونه احدٌ (ابن جریر) قال ابن عباس و قتادة و مجاهد و الربیع ابن انس الفتنة هٰهنا الشرک و قیل انما سمی الکفر فتنةً لانه یؤدی الی الهلاک کما یؤدی الیه الفتنة (جصاص) اگر وہ لوگ اسلام نہ لائیں تو گو اور کفار سے جزیہ دینے کے اقرار پر قتال سے دستکش ہونے کا حکم ہے، لیکن یہ خاص کفار چونکہ اہل عرب ہیں، ان کے لیے قانون جزیہ نہیں ہے۔ بلکہ اُن کے لیے اسلام ہے یا قتل (تھانوی علیہ الرحمۃ) اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کا ایک جغرافی مرکز ہو، مستقر ہو۔ اور رُوئے زمین پر کم از کم ایک خطہ تو ایسا ہو جو شرک و کفر سے قطعاً پاک، اور اہل توحید کے لیے صحیح معنٰی میں "پاکستان" ہو۔ اور اس غرض کے لیے مولد رسول صلی اللہ علیہ وسلم و مہبط قرآن سے بڑھ کر سرزمین اور کون ہوسکتی تھی؟ قدرۃً انتخاب اس کے لیے سرزمین عرب کا ہوا۔ کفار عرب اگر اسلام نہ لائیں تو اُن کے لیے صرف قتل کا قانون ہے۔ اگر وہ جزیہ دینا چاہیں تو نہ لیا جائے گا۔ (تھانوی) ف۷۰۴ (خاصۃً۔ اور کفر و شرک ہر دین باطل کا زور ٹوٹ کر رہے) ذکر وہی خطہ عرب کی خالص اسلامی حکومت کا چل رہا ہے کہ کم از کم اس "پاکستان" میں کفر و ترغیبات کفر کے لیے موقع ہی باقی نہ رہیں۔ یکون الاسلام و العبادة لله فی الحرم (ابن عباس رضی اللہ عنہما)

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اختیار کیے رہو، تاآنکہ فلاح پا جاؤ ف۶۹۴ اور اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ

لڑو ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں، ف۶۹۵ اور حد سے باہر مت نکلو، کہ اللہ

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

حد سے باہر نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ف۶۹۶ اور انہیں جہاں کہیں پاؤ

ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ

قتل کرو، اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے تم انہیں نکالو، ف۶۹۷

وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ

فتنہ تو قتل سے (بھی) سخت تر ہے، ف۶۹۸ اور ان سے مسجد حرام کے قریب

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

قتال نہ کرو، جب تک وہ (خود) تم سے قتال نہ کریں ف۶۹۹ ہاں اگر وہ (خود) تم سے قتال کریں

فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ

تو (تم بھی) انہیں قتل کرو۔ یہی سزا ہے کافروں کی ف۷۰۰ پھر اگر

انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَ قٰتِلُوْهُمْ

وہ باز آجائیں ف۷۰۱ تو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے ف۷۰۲ اور ان سے لڑو

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ

یہاں تک کہ فساد (عقیدہ) باقی نہ رہ جائے ف۷۰۳ اور دین اللہ ہی کے لئے رہ جائے ف۷۰۴

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

سو اگر وہ باز آجائیں ف۷۰۵ تو سختی (کسی پر بھی) نہیں، بجز (اپنے حق میں) ظلم کرنے والوں کے ف۷۰۶

علی وجه المداومة والعادة (جصاص) و۷۰۵ (اپنے کفروانکار سے، اور ملت اسلامیہ میں داخل ہوجائیں) عن قتالكم و دخلوا ملّتكم واختروا بما الزمكم الله من فرائضه (ابن جریر) عن الکفروا سلموا (معالم) و۷۰۶ (جواسی بے انصافی کی راہ سے اب تک دین توحید تک سے منکر ہیں) اور جب یہ تائب ہوکر مسلمان ہوگئے، تو ظاہر ہے کہ اب اپنے حق میں ظالم باقی نہیں رہے۔ اور اب اُن کے حق میں سزائے قتل وغیرہ کا حکم باقی نہ رہا۔ فلاسبیل لکم بالقتل (ابن عباس رضی اللہ عنہما) عُدْوَان۔ اس کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں۔ یہاں سزا اور سزائے قتل کے معنی میں ہے۔ والمراد من العدوان ههنا المعاقبة والمقاتلة (ابن کثیر) ای العقوبة بالقتل (روح) عربی اسلوب بیان میں ایک دستور یہ بھی ہے کہ جزاء عمل کے موقع پر بعینہٖ وہی لفظ بول دیا جاتا ہے جو خود اس عمل کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً مکر کے مقابلہ میں مکر ہی کا لفظ کید کی سزا کے موقع پر لفظ کید کا استعمال، استهزاء کے معاوضہ میں لفظ استهزاء وقس علیٰ ہذا۔ اس صنعت کا نام مشاکلت ہے اور قرآن مجید نے عربی بلاغت کی دُوسری صنعتوں کی طرح اس کا بھی بار بار استعمال کیا ہے، چنانچہ یہاں سزائے عُدوان کے موقع پر خود لفظ عدوان کا لانا اسی طرز پر ہے۔ ومن العدوان الذی هو علی سبیل المجازاة قوله فلا عدوان الا علی الظّٰلمین (راغب) انه ذٰلک علی وجه المجازاة لما کان من المشرکین من الاعتداء (ابن جریر) سمّی جزاء الظّٰلمین ظلمًا للمشاکلة (کشاف) ارادهنا بالعدوان الجزاء یقول لا جزاء ظلم الاعلیٰ ظالم (ابن قتیبہ) و۷۰۷ یعنی کسی مہینہ کی حرمت کی بنیاد تو بس اسی پر ہے کہ دُوسرا فریق بھی اس کی حرمت ملحوظ رکھے گا، اور اگر یہ نہیں تو پھر کسی مہینہ کی حرمت کی بنیاد ہی نہیں۔ یہ چیز تو محض عوض معاوضہ کی، اور طرفین کے تعامل پر مبنی ہے۔ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ۔ کے لفظی معنی ہیں "حرمت والا مہینہ"۔ عرب کے قبائل آپس میں سخت جنگجو چلے آتے تھے۔ لیکن آپس میں یہ بھی ٹھہر گئی تھی، کہ سال میں چار مہینے جنگ بند رہے، اور یہ زمانہ امن وصلح کے ساتھ گزارا جائے اور یہ چار مہینے یہ تھے:۔ محرم۔ سنہ قمری کا پہلا مہینہ۔ رجب۔ سنہ قمری کا ساتواں مہینہ۔ ذی قعدہ۔ سنہ قمری کا گیارہواں مہینہ۔ ذی الحجہ۔ سنہ قمری کا بارہواں مہینہ۔ یہاں اشارہ ذی قعدہ ۷ھ کی جانب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ قصد عمرہ اس وقت صحابیوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے تھے، لیکن مشرکین آمادۂ قتال ہو گئے تھے، بلکہ تیر اندازی اور سنگ اندازی شروع کردی تھی۔ عرب جاہلیت اپنی جہالت، شقاوت، جنگجوئی کے لیے بدنام اور بالکل بجا طور پر بدنام ہے۔ لیکن اس کے باوجود سال کی صرف دوتہائی لڑتے تھے، اور باقی ۱/۳ حصہ امن وآشتی ہی کے مشغلہ میں گزار دیتے تھے ـــــ یہ کمال تو جاہلیت جدید یا جاہلیت فرنگ ہی کے لیے اُٹھ رہا تھا کہ فرنگی قوموں کے بڑے بڑے سورما تو اور دیکھیں، نہ بڑا دن، نہ ایسٹر، نہ گڈ فرائیڈے، نہ کوئی موسم نہ کوئی مہینہ، ہر روز اور ہر ہفتہ، ہر مہینہ اور ہر موسم میں، توپیں اور ٹینک اور ہوائی بم ہیں کہ ایک دُوسرے کی جانیں لینے پر تلے ہوئے ایک دُوسرے کو موت کے گھاٹ اتارنے پر اڑے ہوئے رہتے ہیں! و۷۰۸ (پس جو تم سے ان حرمتوں کی رعایت کرے، تم بھی اُن سے حرمتوں کی رعایت ملحوظ رکھو) قصاص کے لفظی معنی بدلہ کے ہیں، خواہ وہ معاوضہ قولی ہو، یا عملی، یا جسمانی اور یہاں عملی بدلہ مراد ہے۔ یعنی جیسا تمہارے فریق مقابل نے تمہارے ساتھ کیا، تم اُس کے ساتھ کرو۔ قصاصٌ ای بدلٌ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) القصاص هو المجازاة من جهة الفعل اوالقول اوالبدن و هو فی هذا الموضع من جهة الفعل (ابن جریر) القصاص المساوات والمماثلة وهوان یفعل بالفاعل مثل مافعل (معالم) یہاں کافروں پر تعریض ہے، کہ خود تو ان مقدس مہینوں کا ذرا پاس لحاظ نہیں کرتے، اپنی کسی حرکت سے بھی باز نہیں رہتے، اور مسلمانوں سے توقع یہ رکھتے ہیں کہ وہ ان کے سارے ظلم اور زیادتیوں پر اس لیے خاموش رہیں گے کہ یہ مقدس مہینے ہیں! والحاصل ان حرمة الشهر الحرام لمالم تمنعهم عن الکفر والافعال القبیحة فکیف جعلوه سببًا فی ان یمنع القتال من شرّهم و فسادهم (کبیر) و۷۰۹ یعنی اگر فریق مقابل قتال شروع کردے، تو تم بھی برابر جواب دو۔ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ۔ مثلاً ایک زیادتی یہی، کہ دشمن ان مہینوں کا احترام نہ کرے، بلکہ تم سے جنگ شروع کردے فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ۔ یہاں مسلمانوں کے اس جوابی اور دفاعی کارروائی کو محض مجاز اور محاورۂ زبان کے اعتبار سے

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ

حرمت والا مہینہ تو حرمت والے مہینہ کے عوض میں ہوتا ہے و۷۰۷ اور حرمتیں معاوضہ

قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ

کی چیزیں ہیں، و۷۰۸ تو جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو و۷۰۹

بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا

جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو و۷۱۰ اور جانتے رہو

اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے و۷۱۱ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو و۷۱۲

وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ ۚۛ وَ اَحْسِنُوْا ۚۛ

اور اپنے کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو و۷۱۳ اور اچھے کام کرتے رہو

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ

یقیناً اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے و۷۱۴ اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے

لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ ۚ

پورا کرو و۷۱۵ پھر اگر گھر جاؤ، تو جو بھی قربانی کا جانور میسر ہو، (اسے پیش کردو) و۷۱۶

وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَکُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ ؕ

اور جب تک قربانی اپنے مقام پر پہنچ جائے اپنے سر نہ منڈاؤ و۷۱۷

فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًی مِّنْ رَّاْسِهٖ

لیکن اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو و۷۱۸ یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو و۷۱۹

فَفِدْیَةٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ

تو وہ روزوں سے یا خیرات یا ذبح سے فدیہ دے دے و۷۲۰ لیکن جب تم

(اعتداء) فرمادیا گیا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ زیادتی کے جواب میں جو کارروائی بہ طور سزا کی جائے، اُس پر حقیقۃً زیادتی کا اطلاق ہو کیونکر سکتا ہے؟ عربی زبان کے قاعدۂ مشاکلت الفاظ پر حاشیہ ابھی اُوپر گزر چکا ہے۔ بس وہی صورت یہاں بھی ہے، اور محض لفظی تطابق کی بنا پر یہاں سزائے اعتداء کو خود اعتداء سے تعبیر کردیا گیا ہے۔ اہل لغت اور اہل تفسیر دونوں کے ہاں یہ تصریح منقول ہے ای قابلوه بحسب اعتدائه و تجاوزوا الیه بحسب تجاوزه (راغب) انه بمعنی المجازاة واتباع لفظ لفظًا وان اختلف معناهما (ابن جریر) انما سمی الفعل الثانی اعتداءً و هو مفعول بحق حملًا للثانی علی الاول علی محاورة العرب (ابن العربی) و۷۱۰ (ان سارے احکام ومعاملات میں، اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں) یہ اسلام ہی کا معجزانہ کمال ہے کہ ایک طرف تو قتال اور انتقام کی اجازت پوری پوری دی اور دوسری طرف آخر میں پھر یہ بھی یاد دلادیا کہ دیکھنا، حدود سے تجاوز کسی حال میں بھی نہ ہو۔ جوش پر قابو بہر صورت رکھنا۔ یہ نہ ہو کہ اُلٹی زیادتی تم اپنی طرف سے حالت انتقام میں کرنے لگو۔ خوفِ خدا، بازپرس کا خیال، ہر وقت مستحضر رہے، جو کچھ بھی ہو، شدید اشتعال کے موقع پر بھی ہیجانِ نفس کے ماتحت نہیں، خشیت الٰہی ہی کے ماتحت ہو! واتقوا ایها المؤمنون فی حرماته و حدوده ان تعتدوا فیها (ابن جریر) اللہ اکبر! اس حکیمانہ امتزاج کی نظیر، دُنیا کے کسی قانون، کسی آئین، کسی نظام کے اندر ملے گی؟ و۷۱۱ اللہ اللہ! کتنی بلند و پر حکمت تعلیم ہے۔ ابھی ابھی انتقام میں بھی اہل ایمان پر تقویٰ کی زبردست قید عاید کی جا چکی ہے۔

ای یکون دین اللہ ھو الظاھر العالی علی سائر الادیان (ابن کثیر) خالصًا لیس للشیطان
فیہ نصیب (مدارک) اَلدِّيْنُ۔ دین سے مراد اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت ہے۔ انما
الدین الذی ذکرہ اللہ فی ھذا الموضع فھو العبادۃ والطاعۃ للہ فی امرہ و نھیہ (ابن جریر)
الدین ھنا الطاعۃ ای لایکون الانقیاد خالصًا للہ (بحر) والدین الشرعی ھو الانقیاد للہ
عزو جل والاستسلام لہ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان احکام سے کہیں پست ہمت نہ ہو جانا، اور یوں نہ
خیال کرنے لگنا، کہ "حدود و قیود" عائد کرکے پرزور مقابلہ سے روکا جا رہا ہے، اور ان کے بعد دل کے حوصلے
پوری طرح کیونکر نکل سکیں گے؟ تو یہ بات نہیں ہے، بلکہ قانونِ الٰہی یہ ہے کہ اللہ کی فتح و نصرت، رحمت و
عنایت شامل حال اُنہی لوگوں کے رہتی ہے، جو اُس کی خشیت و عظمت اپنے دل میں رکھتے ہیں اور متقی
ہوتے ہیں!...... تقویٰ کی تاکید عین نصرت و ہمت افزائی کے لیے ہے۔ ضعف پیدا کرنے کے لیے نہیں۔
مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ متقین کے ساتھ اللہ کی معیت کی آخر نوعیت کیا ہوتی ہے؟ محققین کا فیصلہ ہے کہ اللہ کی
معیت بلحاظ اُس کی نصرت، اعانت، حفظ، علم وغیرہ کے ہوتی ہے نہ کہ کسی جسمانی یا مادی اعتبار سے۔ ای
بالمعونۃ والنصرۃ والحفظ والعلم (کبیر) النصر و العون (روح) بالنصرۃ والتمکین و
التائید (بحر) اور یہیں سے امام رازی علیہ الرحمۃ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ حق تعالیٰ نہ مجسم ہے، اور نہ وہ کسی جگہ کو
گھیرے ہوئے ہے، جیسا کہ ہر جسم کسی متعین جگہ کو اپنے سے لبریز کر دیتا ہے۔ وھذا من اقوی الدلائل
علی انہ لیس بجسم ولا فی مکان (کبیر) ف۱۲ (اپنا مال) جان قربان کر ڈالنے کا حکم تو قتال
کے ذیل و ضمن میں آچکا، اب حکم صرف مال کا ل رہا ہے۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اس قید کا خوب خیال رہے۔
اسلام میں جس طرح محض جان دے دینا مطلوب و مقصود نہیں، بلکہ وہ جان دینا مطلوب و مقصود ہے، جو خدا
کی راہ میں ہو، اللہ کے دین کی بڑائی کے لیے ہو، اُسی طرح مطلق صَرف مال کی ہرگز کوئی وقعت و قدر
نہیں۔ قدر صرف اُس صَرفِ مال کی ہے جو باطل کی راہ میں نہیں، حق کی راہ میں ہو، ہوائے نفس کی تکمیل
کے لیے نہیں، رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ہو۔ یہاں اشارہ خاص جہاد و قتال کی جانب ہے، لیکن فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ کے الفاظ عام ہیں۔ ہر دینی خدمت میں مالی امداد اس کے تحت میں آجاتی ہے یعنی فی طاعۃ
اللہ (قرطبی) ف۱۳ (جان یا مال میں بخل کر کرکے) قرآن مجید میں جب صیغہ جمع حاضر آتا ہے تو کبھی تو
افراد مخاطب ہوتے ہیں اور کبھی جماعت۔ یہاں اصل مخاطبت اُمت سے بہ حیثیت مجموعی ہے۔ اور بیان یہ
حقیقت ہو رہی ہے کہ افراد اُمت نے اگر جہاد و قتال سے جان چرائی، اور مجاہدین کو مالی امداد دینے میں بخل
کیا، تو نتیجہ لازمی طور پر ساری اُمت کی تباہی، بربادی، ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ وَلَا تُلْقُوْا
بِاَيْدِيْكُمْ۔ اصل تقدیر کلام یوں ہے:۔ ولا تلقوا انفسکم بایدیکم یا انفسکم (اپنے آپ کو)
محذوف ہے قیل تقدیرہ ولا تلقوا انفسکم بایدیکم (کشاف) ای لا توقعوا انفسکم فی
الھلاک (بیضاوی) اَلتَّهْلُكَةِ۔ لفظی معنٰی ہلاکت کے ہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اُمت کی ضرورت کے
موقع پر بخل کرکے اُمت کو بربادی میں نہ ڈالو، اور یہی معنٰی ابن عباس، ابوایوب انصاری، اور حذیفہ رضی اللہ عنہ
صحابیوں سے، اور حسن اور قتادہ اور عکرمہ اور عطاء تابعین سے مروی ہیں، اور محدث جلیل امام بخاری نے بھی
یہی معنٰی اختیار کیے ہیں۔ بترک الانفاق فی سبیل اللہ وھو قول حذیفۃ والحسن وقتادۃ و
عکرمۃ و عطاء (معالم) و قال حذیفۃ بن سلیمان و ابن عباس و عکرمہ و عطاء و
مجاھد وجمھور الناس المعنی لا تلقوا بایدکم ان تترکوا النفقۃ فی سبیل اللہ ولا تخافوا
عیلۃ والی ھذا المعنی ذھب البخاری اذلم یذکر غیرہ (قرطبی) التھلکۃ الاقامۃ فی الاھل
والمال و ترک الجھاد (کشاف عن ابی ایوب الانصاری) بعض نے یہ معنٰی بھی لیے ہیں کہ بہت
زیادہ خرچ کرکرکے اپنے کو تباہ حال نہ کر دو۔ وقال الجبائی التھلکۃ الاسراف فی الانفاق (روح)
ای بالاسراف و تضییع وجہ المعاش (بیضاوی) قیل ھو الاسراف فی الانفاق حتّٰی لا
یجدما یاکل و یشرب فیتلف (صاص) ف۱۴ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی جانب رغبت و
التفات، ناپسندیدگی و بیزاری کے افعال و صفات بارہا منسوب کیے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی اللہ کے لیے
ہے کہ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ ان سارے افعال و صفات کے لانے سے ایک بڑا مقصود اُن گمراہ قوموں کی
تردید ہے جو وجود باری کے تو قائل ہیں، لیکن خدا تعالیٰ کو صفات کمال و جمال سے معرّیٰ ایک طرح کا محض
جامد، بے جان، بے حس، علت العلل سمجھے ہوئے ہیں!...... اسلام کا خدا، قرآن کا خدا، ہر معنٰی میں ایک
زندہ خدا، بیدار، متحرک، فعال خدا ہے۔ خوش بھی ہوتا ہے ناخوش بھی۔ مخلوق کو محبوب بھی رکھتا ہے، مبغوض
بھی، صلہ بھی دیتا ہے اور سزا بھی۔ اَحْسِنُوْا۔ یعنی جو کچھ بھی کرو، حسن نیت و اخلاص کے ساتھ کرو۔ محض
بیگار سمجھ کر بوجھ سا نہ اُتارو۔ صحابیوں سے اسی قسم کے معنٰی مروی ہیں۔ ای احسنوا اعمالکم بامتثال
الطاعات روی ذٰلک عن بعض الصحابۃ (قرطبی) احسنوا اعمالکم و افعالکم (بیضاوی)
ف۱۵ یعنی جب یہ عبادتیں بجالاؤ، تو اللہ کی رضا جوئی ہی کے لیے بجالاؤ۔ اخلاصِ نیت کے ساتھ، اور
اللہ کے مقرر کیے ہوئے قاعدوں اور ضابطوں کے ساتھ، تمام ممنوعات سے محترز رہ کر۔ یہ نہ ہو کہ کسی طرح
اُلٹے سیدھے ادا کرکے اِن عبادتوں کو بھی ناقص و فاسد بنا دو۔ ای افعلوا الحج والعمرۃ علیٰ نعت
الکمال والتمام (کبیر) و ظاھر السیاق باکمال افعالھما بعد الشروع فیھما (ابن کثیر)
ای ادوھما تامین بشرائطھما و فرائضھما لوجہ اللہ تعالیٰ بلا توان و لانقصان (مدارک)
حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ علیہم سے متعدد تفسیریں نقل ہوئی ہیں۔ لیکن سب سے جامع تفسیر
مقاتل تابعی کی ہے کہ اس درمیان میں کوئی ایسی چیز نہ کرو کہ جو ان عبادتوں کے غیر شایاں ہو۔ الا تفعلوا فیھا
ما لا ینبغی لکم (قرطبی) لِلّٰهِ کی تفسیر میں ایک فقیہ مفسر ابن العربی مالکی علیہ الرحمۃ نے یہ نکتہ بہت خوب پیدا کیا
ہے کہ اعمال تو سارے کے سارے اللہ کی جانب منسوب ہوتے ہی ہیں، خلق، علم، ارادہ وغیرہ ہر لحاظ سے
یہاں اس تائید و تخصیص سے مقصود اس امر کی تنبیہ ہے کہ حج و عمرہ کا قصد، میلہ ٹھیلہ سمجھ کر نہ ہو، تفاخر کی راہ
سے نہ ہو، تجارتی ضروریات سے نہ ہو، اخلاص محض کے ساتھ، قرب و رضائے الٰہی کی نیت سے ہو۔ وفائدۃ
ھذا التخصیص ان العرب کانت تقصد الحج للاجتماع والتناصر والتظاھر والتنافر و
التفاخر و قضاء الحوائج و حضور الاسواق و لیس للہ تعالیٰ فیہ حظ یقصد و لا قربۃ
تعتقد فامر اللہ سبحانہٗ بالقصد الیہ لاداء فرضہ و قضاء حقہ (احکام القرآن) ف۱۶ یعنی اگر
کسی دشمن کی روک تھام کے باعث، یا کسی بیماری وغیرہ سے معذور ہو کر راستہ ہی میں رُک جانا پڑے اور
منزل مقصود تک نہ پہنچ سکو، تو قربانی کا جانور جو ساتھ میں ہو، اُسے وہیں ذبح کر دو، اور احرام کھول ڈالو۔
عازم حج جب کسی معذوری کی بنا پر راہ ہی میں رُک گیا، اور اب قصد حج پورا نہیں کر سکتا، تو احرام سے باہر
آنے کا طریقہ اسے بتایا جا رہا ہے۔ اِنْ اُحْصِرْتُمْ۔ احصار کے لفظی معنٰی گھر جانے کے ہیں۔ خواہ کسی
سبب سے بھی ہو۔ ائمہ لغت سے یہی عام مفہوم منقول ہے۔ الاحصار المنع من طریق البیت یقال
فی المنع الظاھر کالعدوّ والمنع الباطن کالمرض (راغب) قال الفرّاء ان لفظ الاحصار
یفید الحبس والمنع سواء کان بسبب العدوّ او بسبب المرض (کبیر) قال الکسائی
وابوعبیدۃ واکثر اھل اللغۃ الاحصار المنع بالمرض اوذھاب النفقۃ (صاص) چنانچہ فقہاء
حنفیہ نے بھی اسی عام معنٰی میں لیا ہے۔ اور یہی معنٰی بعض فقہاء صحابہ و تابعین سے منقول ہیں۔ ذھب
الامام ابوحنیفۃ الی انہ المراد بہ ما یعم، کل منع من عدوّ و مرض و غیرھما (روح)
روی عن ابن مسعود و ابن عباس العدو والمرض سواء و ھو قول ابی حنیفۃ و ابی
یوسف و محمد و زفر والثوری (صاص) ولما کان اصل الحصر الحبس قالت الحنفیۃ
المحصر من یصیر ممنوعاً من مکۃ بعد الاحرام بمرض او عدوٍ او غیر ذٰلک واحتجوا
بمقتضی الاحصار مطلقاً (قرطبی) ای منعتم بای عذرٍ کان قالہ مجاھد و قتادۃ و ابوحنیفۃؒ
(ابن العربی) البتہ امام شافعی علیہ الرحمۃ و امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک احصار صرف دشمن کے باعث ہو سکتا
ہے۔ المراد من الاحصار ھنا حصر العدو عند مالک والشافعیؒ (روح) و عند الشافعی
الاحصار بالعدو وحدہ (مدارک) ای بالعدو خاصۃ قالہ ابن عمرو ابن عباس و انس
والشافعی ھو اختیار علمائنا (ابن العربی) ف۱۷ (جو علامت ہے مناسک حج کے تمام ہو جانے
اور حالت احرام سے باہر آجانے کی) مَحِلَّهٗ۔ یعنی موضع حرم۔ قربانی کی اصل جگہ وہی ہے۔ ای مکانہ
الذی یجب نحرہٗ فیہ و ھو الحرم (مدارک) جب عازم حج خود وہاں پہنچنے سے معذور ہو جائے تو
قربانی کا جانور وہاں بھیج دے۔ وہیں اس کی قربانی کر دی جائے گی۔ ھدی کے لفظی معنٰی محض اُس پیشکش
کے ہیں، جو خانۂ کعبہ کے لیے بھیجا جائے۔ الھدی مختص بما یھدی الی البیت (راغب) و ھوما
یھدی الی بیت اللہ من بدنہ او غیرھا (قرطبی) حنفیہ نے بھی اسی عام معنٰی میں رکھا ہے، اور قربانی کا ہر
جانور اس سے مراد لیا ہے۔ اور امام مالک علیہ الرحمۃ و امام شافعی علیہ الرحمۃ سے بھی یہی مذہب منقول ہے۔ فقال
ابوحنیفۃ و ابو یوسف و محمد و زفر و مالک والشافعی الھدی من اصناف الثلثۃ الا بل
والبقر والغنم وھو قول ابن شبرمہ (صاص) بعض ائمہ کے نزدیک اس کا اطلاق قربانی کے صرف
اُونٹ پر ہوتا ہے۔ ف۱۸ (ایسے مرض میں کہ اس کی وجہ سے سر کے بال اُتروانے کی ضرورت پڑ جائے)
مرضا یحوجہ الی الحلق (بیضاوی) ف۱۹ مثلاً درد، زخم، وغیرہ سے، اور اس لیے سر منڈانے کی
ضرورت محسوس ہو رہی ہو۔ ف۲۰ معذوروں کو اجازت ہے کہ قبل از وقت ہی سر منڈا ڈالیں، اور اس کا
شرعی فدیہ دے دیں۔ فَفِدْيَةٌ۔ مِنْ رَّاْسِهٖ کے بعد عبارت مقدر یوں ہے۔ فحلق فعلیہ فدیۃ۔

فیہ اضمار اے فحلق فعلیہ فدیۃ (معالم) اوراس فدیہ کی تین صورتیں ہیں۔ یا روزے رکھ لیے جائیں، یا مسکینوں کو صدقہ دے دیا جائے، یا قربانی کردی جائے۔ مِّنۡ صِيَامٍ۔ جمہور فقہاء کا مسلک حدیث صحیح کی بناپر، تین روزے رکھنے کا ہے۔ جمہور فقہاء المسلمین علی ان الصوم ثلثۃ ایام و ھو محفوظ صحیح فی حدیث کعب بن عجرۃ (قرطبی) اَوۡ صَدَقَةٍ۔ کھانا اگر دیا جائے، تو چھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی مقدار کے مساوی دیا جائے علی ستۃ مساکین لکل مسکین نصف صاع من برّ (مدارک) ...... فیحصل من ذٰلک ان یکونوا من التمرستۃ اصع ومن الحنطۃ ثلاثۃ اصع و عدد المساکین اللذین یتصدق علیھم ستۃ بلا خلاف (جصاص) اَوۡ نُسُكٍ۔ نُسُكٍ سے مراد بالاتفاق ذبح ہے۔ یقال نسکتُ للہ اے ذبحت للہ (ابن قتیبہ) النسیکۃُ مختصّۃ بالذبیحۃ (راغب) یہ قربانی کم ازکم ایک بکری کی ہونی چاہیے اوراس سے بہتر یہ ہے کہ ایک گائے یا اُونٹ کی ہو۔ ولاخلاف بین الفقھاء ان ادناہ شاۃ وان شاء جعلہ بعیرًا او بقرۃ (جصاص) اعلاہ بُدنۃ و اوسطہ بقرۃ و ادناہ شاۃ (معالم۔ عن الحسن وقتادۃ) روزہ، صدقہ، قربانی، یہ تینوں صورتیں فدیہ وکفارہ کی یکساں ہیں، جوشق بھی پسند آئے، اختیار کی جاسکتی ہے۔ لا خلاف انہٗ مخیّرٌ بین ھٰذہ الاشیاء الثلاثۃ یبتدی بایھا شاء و ذٰلک مقتضی الاٰیۃ و اَوۡ تخییر (جصاص) وعامۃ الاٰثار عن کعب بن عجرۃ وردت بلفظ التخییر وھو نص القراٰن و علیہ مضٰی عمل العلماء فی کل امصارٍ و فتواھم (قرطبی) و۲۱ یہ مقابلہ اس حالت خطر ومرض کے جس کا ذکر شروع آیت میں فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ میں آچکا ہے۔ اور جس طرح وہاں ایک عام و جامع لفظ احصار آیا تھا، یہاں بھی ایک عام وجامع لفظ امن آیا ہے، جو مرض کے دُور ہو جانے پر بھی اسی طرح حاوی ہے، جس طرح خطرۂ دشمن کے دفع ہو جانے پر۔ اصل الامن طمانیۃ النفس و زوال الخوف (راغب) معناہ برأتم من المرض وقیل خوفکم من العدوقالہ ابن عباسؓ وقتادۃ و ھو اشبہ باللفظ الّا ان یتخیل الخوف من المرض فیکون الامن منہ (قرطبی) جاء بلفظ الامن وھو عام فی العدووالمرض لیکون اٰخر الکلام علٰی نظام اولہ (ابن العربی) اِذَا شرطیہ ہے۔ اس سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ بعد حصر اگر وقت حج میں مانع دُور نہ ہو تو عاصی نہ ہوگا۔ اَمِنۡتُمۡ۔ فقہاء کہتے ہیں کہ صحت کو بھی امن سے اس لیے تعبیر کیا کہ صحت اچھی ہو جانے پر بہ ظاہر فوت حج کی طرف سے اطمینان ہو جاتا ہے و۲۲ (اور اگر کسی نے صرف حج یا صرف عمرہ کیا ہو تو اس پر یہ قربانی واجب العمل نہیں) فَمَنۡ تَمَتَّعَ۔ تمتع کے لفظی معنٰی فائدہ اُٹھانے کے ہیں۔ اصطلاح فقہ میں مراد حج اور عمرہ کے ملا لینے سے ہوتی ہے۔ یعنی زمانہ حج میں ایک احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا جائے اور پھر دوسرے احرام سے حج بھی کر لیا جائے۔ دونوں احراموں کی درمیانی مدت میں حالت احرام کے ممنوعات سے پوری طرح تمتع کیا جاسکتا ہے۔ دین ابراہیمی کو چھوڑ کر عرب جاہلی جہاں اور بہت سے اوہام میں گرفتار تھے۔ وہاں ایک عقیدہ یہ بھی گڑھ لیا تھا کہ موسم حج میں عمرہ کرنا سخت گناہ ہے۔ لان العرب فی الجاھلیۃ کانت لاتعرف العمرۃ فی اشھر الحج و تنکرھا اشد الانکار (جصاص) یروی عن ابن عباس و عن طاؤس ان ذٰلک عندھم کان من افجر الفجور (جصاص) و۲۳ (ان ایام حج میں بسبب ناداری یا کسی اور معذوری کے) و۲۴ تین زمانہ حج میں اور سات زمانہ حج کے بعد۔ یہ "پورے دس" کی تصریح تاکید در تاکید کی غرض سے ہے۔ کاملۃ توکید للکلام، کما یقول القائل سمعتہ باُذُنی و رایتہ بعینی (ابن جریر) قیل ھو توکید کما تقول کتبت بیدی و قولہ کاملۃ تاکید اٰخر (قرطبی) اِذَا رَجَعۡتُمۡ۔ فقہاء حنفیہ اور بعض اکابر تابعین کے ہاں اس رجوع سے مراد اعمال حج سے فراغت ہے۔ خواہ واقعۃً کوئی وطن واپس ہو جائے یا ابھی وہیں مقیم رہے اے بعد الفراغ من اعمال الحج و ھو المراد من الرجوع المذکور فی الاٰیۃ (معالم) قال ابو حنیفۃؒ المراد من الرجوع الفراغ من اعمال الحج (کبیر) اے فرغتم و نفرتم من اعمال (روح) قال المجاھد وعطاء و ابراھیم المعنٰی اذارجعتم نفرتم و فرغتم من اعمال الحج و ھو مذھب ابی حنیفۃؒ (بحر) بعض دُوسرے اکابر کے نزدیک مکہ سے وطن کی واپسی مراد ہے۔ یعنی الی بلاد کم قالہ ابن عمر و قتادۃ والربیع و مجاھدو عطاء قالہ مالک فی کتاب محمد و بہ قال الشافعی (قرطبی) اذا رجع الی اھلہ و مصرہ (ابن جریر) و۲۵ یعنی موسم حج میں عمرہ کے ساتھ حج کا ملا لینا۔ ذٰلِكَ۔ یہ اشارہ تمتع کی جانب ہے۔ جس کا ذکر ذرا اُوپر فمن تمتع کے ضمن میں آچکا ہے۔ اے التمتع بالعمرۃ الی الحج (ابن جریر) اشارۃ الی التمتع (مدارک) یہ تفسیر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بعض تابعین کے مسلک کے مطابق تھی۔ جن کے ہاں حج میں تمتع اور قران یعنی موسم حج میں عمرہ کے ساتھ حج کر لینے کی دوصورتیں صرف آفاقیوں کے لیے درست ہیں، مکہ اور جوارِ مکہ والوں کے لیے نہیں۔ اذلاتمتع ولاقران لحاضری المسجد الحرام عندنا (مدارک) و قال ابو حنیفۃؒ ان قولہ ذٰلک اشارۃ الی الابعد و ھو ذکر التمتع المفھوم من قولہ فمن تمتع عندابی حنیفۃؒ (روح) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذٰلِكَ کا اشارہ اصل حکم، یعنی وجوبِ قربانی کی جانب ہے و۲۶ یعنی جو مکہ کے باشندے یا شہر مکہ سے بالکل متصل کے باشندے نہ ہوں، بلکہ حدود میقات سے باہر کے رہنے والے ہوں۔ مِیقات اُس مقام کو کہتے ہیں جہاں سے حرم کے حدود شروع ہو جاتے ہیں۔ اور وہاں پہنچ کر ہر آفاقی پر حج یا عمرہ کی نیت کر لینا اور احرام باندھ لینا واجب ہو جاتا ہے۔ ہر ہر سمت سے آنے والوں کی میقات الگ الگ ہے۔ لِمَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ میں ل بمعنٰی علی ہے۔ اے وجوب الدم علی من لم یکن من اھل مکۃ (قرطبی)

اٰمِنۡتُمۡ ۟ فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ اِلَى الۡحَجِّ فَمَا

حالت اطمینان میں ہو و۲۱ تو پھر جو شخص عمرہ سے مستفید ہو اسے حج سے ملا کر تو جو

اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ ۚ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ

قربانی بھی اسے میسر ہو، وہ کر ڈالے و۲۲ اور جس کسی کو میسر نہ آئے و۲۳ وہ تین دن کے

ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الۡحَجِّ وَ سَبۡعَةٍ اِذَا رَجَعۡتُمۡ ؕ

روزے زمانہ حج میں رکھ ڈالے، اور سات روزے جب تم واپس ہو

تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ اَهۡلُهٗ

یہ پورے دس (روزے) ہوئے و۲۴ یہ و۲۵ اس کے لئے (درست) ہے جس کے اہل

حَاضِرِى الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ

مسجد حرام کے قریب نہ رہتے ہوں و۲۶ اور اللہ سے ڈرتے رہو،

اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ اَلۡحَجُّ اَشۡهُرٌ مَّعۡلُوۡمٰتٌ ۚ

اور جانے رہو، کہ اللہ سخت گرفت کرنے والا ہے و۲۷ ایام حج کے (چند) مہینے معلوم ہیں، و۲۸

فَمَنۡ فَرَضَ فِيۡهِنَّ الۡحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوۡقَ ۙ

جو کوئی ان میں اپنے اوپر حج مقرر کرے و۲۹ تو پھر حج میں نہ کوئی فحش بات ہونے پائے اور نہ کوئی بے حکمی

وَ لَا جِدَالَ فِى الۡحَجِّ ؕ وَ مَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ

اور نہ کوئی جھگڑا، و۳۰ اور جو کوئی بھی نیک کام کرو گے،

يَّعۡلَمۡهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰى ۫

اللہ کو اس کا علم ہو کر رہے گا و۳۱ اور زاد راہ لے لیا کرو و۳۲ اور بہترین زاد راہ تو تقویٰ ہے و۳۳

وَ اتَّقُوۡنِ يٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ

سو اے اہل فہم میرا ہی تقویٰ اختیار کئے رہو و۳۴ تمہیں اس باب میں کوئی مضائقہ نہیں

حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے خاص اہل مکہ کا مراد ہونا اور ان کے لیے تمتع کا ناجائز ہونا سب کو مسلم ہے۔ اجمع جمیعهم علی ان اهل الحرم معنیون به وانه لا متعة لهم (ابن جریر) لیکن فقہاء حنفیہ اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ اس میں مکہ کے علاوہ جوارِ مکہ کے باشندے بھی شامل ہیں۔ اور حدود میقات کے اِدھر تک کل رہنے والے حاضری المسجد الحرام کے حکم میں داخل ہیں۔ عن مکحول قال من کان دون المواقیت (ابن جریر) عن عطاء قال من کان اهله من دون المواقیت فهو کاهل مکة لا یتمتع (ابن جریر) هم اهل مواقیت فمن دونها الی مکة (مدارک) قال عطاء و مکحول من دون المواقیت و هو قول اصحابنا (جصاص) امام شافعی رحمة الله علیہ کے نزدیک مکہ سے قصر نماز کی مسافت تک رہنے والے اہل مکہ ہی کے حکم میں رہتے ہیں۔ المراد بالموصول من کان من الحرم علی مسافة القصر عندالشافعیؒ ومن کان مسکنه وراء المیقات عندابی حنیفةؒ (روح) اور مفسر طبری نے بہ قاعدۂ عربیت لفظ حاضر کے اسی مفہوم کو ترجیح دی ہے، جو امام شافعی کا اختیار ہوا ہے۔ واولی الاقوال بالصحة عندنا قول من قال ان حاضری المسجد الحرام من هو حوله فمن بینه و بین المسافة مالا تقصر الیه الصلوٰة لان حاضر الشئ فی کلام العرب هو الشاهد له بنفسه (ابن جریر) لیکن محقق جصاص رازی نے قرآن مجید ہی کی متعدد آیتوں کے سیاق سے یہ دکھایا ہے کہ محاورۂ قرآنی میں البیت سے خانہ کعبہ نہیں، بلکہ مکہ، اور صرف مکہ ہی نہیں بلکہ جوارِ مکہ مراد لیا گیا ہے کان مراد الله تعالیٰ بذکر البیت القرب من مکة و ان کان خارج منها (احکام القرآن) اور الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے بھی مراد مکہ اور مضافات مکہ ہی لی گئی ہے۔ وهی مکة و ما قرب منها (احکام القرآن) ف۷۲۷ ان کی جو احکام الٰہی کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ اور تقویٰ الٰہی اختیار نہیں کرتے۔ لمن لم یتقه (بیضاوی) وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی اللہ سے ڈرتے رہو۔ ان تمام احکام کی بجا آوری میں۔ اصل شے اور مدار کار تمام احکام و مسائل میں بس یہی تقویٰ الٰہی یا خوفِ خدا ہے۔ باقی تعبیر و تفسیر میں جزئی اختلافات تو اپنی اپنی فہم و بصیرت، فکر و نظر کے مطابق علماء و فقہاء، شارحین و مفسرین میں ہوتے ہی رہیں گے۔ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ یہاں جس سیاق میں آیا ہے اُس سے بعض علماء نے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ مقدس و متبرک مقامات میں جس طرح قبولیت و سعادت کے مواقع بہت زیادہ ہیں، اسی طرح گناہ و عقوبت کا خطرہ بھی زیادہ لگا ہوا ہے۔ ف۷۲۸ اور چونکہ وہ مشہور و معلوم ہیں۔ اس لیے قرآن کو ان کی تصریح کی بھی ضرورت نہیں، اور وہ تین مہینے شوال، ذیقعدہ و ذی الحجہ ہیں، اصل ارکانِ حج تو ذی الحجہ کے دُوسرے ہفتہ میں ادا ہوتے ہیں، لیکن احرام حج شوال ہی سے بندھنا شروع ہو جاتا ہے۔ احرام اُس خاص پوشش کا نام ہے جو حدودِ حرم یا میقات میں داخل ہوتے ہی ہر حاجی و زائر پر واجب ہو جاتی ہے۔ یہ پوشش اور کچھ نہیں، صرف بے سلی ہوئی چادریں ہونی چاہئیں۔ حنفیہ کے ہاں احرام جب چاہے باندھا جا سکتا ہے۔ گو قبل شوال ناپسندیدہ ہے۔ جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں احرام رکنِ حج نہیں صرف شرطِ حج ہے، جیسے وضو کہ رکن نماز نہیں، صرف شرطِ نماز ہے۔ امام شافعی رحمة الله علیہ کے ہاں شوال سے قبل حج کا احرام باندھنا ناجائز ہے۔ یہ اس لیے کہ شافعی رحمة الله علیہ کے نزدیک احرام رکنِ حج ہے، اور کسی رُکنِ حج کی ادائگی قبل موسم حج درست نہیں۔ اَلْحَجُّ۔ روزانہ پنج وقتہ نماز باجماعت، مہینہ بھر کے روزوں، اور مال کے ۴۰/۱ حصہ کی زکوٰۃ کی طرح حج بیت اللہ بھی اسلام کی اُن عبادتوں میں سے ہے، جس نے اپنوں ہی کو نہیں، بیگانوں کو بھی خاص طور پر متاثر کیا ہے۔ اور ”مستشرقین کے رُعب افگن نام سے فرنگی اہل علم و اہل قلم کا جو طبقہ ہے، اُس نے تو اس کے ظاہری منافع اور اجتماعی مصالح پر بار بار رشک کیا ہے اور اسے اکثر ”عالم اسلامی کی سالانہ کانگرس“ سے تعبیر کیا ہے۔ ف۷۲۹ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ۔ یعنی موسم حج میں ادائے حج کی نیت کرلے، اور اسے اپنے اُوپر واجب کرلے۔ ای اوجبه علی نفسه (ابن قتیبہ) فمن الزمه نفسه (کشاف) الفرض اصله و جوب الشئ (ابن قتیبہ) لیکن اپنے اُوپر لازم کر لینے کی عملی اور معتبر علامت کیا ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک صرف نیت کرلینا کافی ہے۔ لیکن حنفیہ نے بعض صحابیوں اور تابعین کی طرح اس کی علامت، پوشش احرام کو قرار دیا ہے۔ الفرض الاحرام (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی الله عنهما) فرض الحج الاحرام (ابن جریر۔ عن عطاء والحسن) ولزم علی نفسه بالاحرام (مدارک) قال ابن عباس و الحسن و قتادة فمن احرم (جصاص) ف۷۳۰ (بلکہ اس سارے زمانہ میں اپنے آپ کو عبادت و ذکر الٰہی میں مشغول رکھو) ایام صوم کی طرح یوم حج کو بھی اعمال خیر کے ساتھ مناسبت خاص حاصل ہے۔ اور جو چیزیں حرام ہیں، وہ تو خیر ہمیشہ ہی حرام ہیں۔ باقی جو امور جائز و مباح ہیں، ان میں بھی بہت سی چیزوں سے زمانہ صیام کی طرح حالت احرام میں دستبردار ہونا چاہیے۔ جملہ صورۃً خبریہ ہے، لیکن معنیً نہی ہے، اور وہ بھی تاکید کے ساتھ۔ یعنی ان سب امور سے ممانعت کا قطعاً حکم ہو رہا ہے۔ و ان کان ظاهره الخبر فهو نهی عن هذه الافعال و عبر بلفظ النفی عنها لان المنهی عنه سبیله ان یکون منفیا غیر مفعول (جصاص) نفی الثلاثة علی قصد النهی للمبالغة (بیضاوی) فِي الْحَجِّ۔ یعنی اس زمانۂ حج میں، حالت احرام میں۔ فی وقته ولا فی موضعه (قرطبی) ای فی ایامه (روح) فَلَا رَفَثَ۔ رفث کا مفہوم عام ہے، ہر قسم کی شہوانیت یعنی مباشرت کے دواعی و مبادی اس میں شامل ہیں۔ الرفث کلام متضمن لما یستقبح ذکره من ذکر الجماع و داعیه (راغب) الرفث کلمة جامعة لما یریده الرجل من اهله (قرطبی) و قال قوم الرفث الافحاش بذکر النساء کان ذٰلک بحضرتهن ام لا (قرطبی) یہاں مراد شہوانی تذکرے ہیں۔ تابعین اور بعض صحابیوں سے بھی مروی ہیں۔ فقہاء حنفیہ نے صراحت کے ساتھ دواعی و مبادی مباشرت کو اس کے تحت میں شامل رکھا ہے۔ قال ابن عمر و طاؤس و غیرهم الرفث الافحاش للمرأة بالکلام (قرطبی) قال ابن عباس هو التعریض بالجماع (ابن جریر) الرفث التعریض للنساء بالجماع (ابن جریر۔ عن ابن طاؤس) قال عطاء الرفث الجماع و مادونه من قول الفحش (ابن جریر) الجماع و دواعیه محظورة علی المحرم (جصاص) و قال الحسن المراد من کل ما یتعلق بالجماع (کبیر) اللہ اکبر! ایک معیار یہ ہے۔ عبادت میں طہارت و پاکبازی کا، اسلام کا قائم کیا ہوا، کہ اشارۃً و کنایۃً بھی اُس زمانہ میں جائز شہوانی خیالات زبان پر نہ لائے جائیں۔ اور دوسری طرف مشرک قوموں کے میلے ٹھیلے، تیر تہوار، تیرتھ جاترا، اور نمائشیں اور جلسے ہیں، جن کی گرم بازاری ہی فحش کاریوں اور شہوت انگیزیوں سے ہے اور پھر عرب جاہلیت کے تو ارکانِ حج تک میں فحش داخل تھا۔ وَلَا فُسُوْقَ۔ اس کے تحت میں بڑے چھوٹے ہر قسم کے گناہ کی ممانعت آگئی۔ قال بعضهم الفسوق هی المعاصی کلها (ابن جریر) عن محمد بن کعب القرظی قال الفسوق معاصی کلها (ابن جریر) یعنی جمیع المعاصی کلهاقاله ابن عباس و عطاء و حسن و کذلک قال ابن عمرو جماعة (قرطبی) ای ولاخروج عن حدود الشرع بارتکاب المحظورات (روح) حالت احرام میں جب متعدد جائز مشغلے مثلاً شکار، ناجائز ہو جاتے ہیں، تو بڑی چھوٹی کسی قسم کی معصیت کی گنجائش ظاہر ہے کہاں نکل سکتی ہے۔ یہاں یہ حکم محض تاکید کے لیے ہے۔ وَلَا جِدَالَ۔ جدال اپنے عام و وسیع معنٰی میں ہے۔ مار پیٹ، ہاتھا پائی الگ رہی، زبانی حجت و تکرار جو اکثر مسابقت و مفاخرت کے موقعوں پر ہو جاتی ہے، سب احرام کی حالت میں ممنوع ہے۔ قال محمد بن کعب القرظی الجدال ان تقول طائفة حجتنا ابر من حجکم و یقول الأخر مثل ذٰلک (قرطبی) وقیل الجدال کان فی الفجر بالاٰباء (قرطبی) ای لاخصام مع الخدام والرفقة (روح) لامراء مع الرفقاء و الخدم (مدارک) ای الجدال فی تقریر الباطل و طلب المال والجاه (کبیر) حج کے موقع پر دُنیا کے گوشہ گوشہ کی آبادیاں کھنچ کر آ جاتی ہیں۔ ہر قسم، ہر عمر، ہر قماش، ہر مزاج کے لوگ ہوتے ہیں، بوڑھے بھی، جوان بھی، بچے بھی، بڑے تیز مزاج اور غصہ ور بھی، آوارہ مزاج بھی، حریص و طامع بھی، حسین و نوجوان عورتیں بھی، پھر تکلیفیں اور صعوبتیں بھی، راہ اور سواری کے سلسلہ میں طرح طرح کی پیش آتی ہیں --- بڑے بڑے حلیم بھی دامن صبر چھوڑ بیٹھتے ہیں، رشک و منافقت، بدنظری و بدکاری، نزاع و جدال کے موقع قدم قدم رکھے ہوئے ہوتے ہیں --- حکیم مطلق کی حکیمانہ نگاہ نے رَفَثَ اور فُسُوْقَ اور جِدَالَ سب کی تصریحاً اور تاکیداً ممانعت کر کے کمزور بندوں کے حق میں کیا خوب انتظام کر دیا ہے۔ محققین نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ فقرہ کے آخر میں، یعنی فی الحج میں جو بجائے ضمیر کے اصل اسم لایا گیا ہے، یہ تاکید و تعظیم کے لیے ہے۔ الاظهار فی مقام الاضمار لاظهار کمال الاعتناء بشانه (روح) ف۷۳۱ (اور اسی کے مطابق صلہ بھی دے گا) حاجیوں کے اعمال خیر کی تشویق و رغبت افزائی کے لیے یہ بہترین و موثر ترین یاد دہانی ہے۔ اللہ کے عالم کل و عالم جزئیات ہونے کا پورا استحضار رکھو، اہل جاہلیت کی طرح کہیں اس تذبذب میں نہ پڑ جاؤ کہ ہمارے فلاں فلاں عمل خیر کا صلہ ملے یا نہ ملے، علم الٰہی میں وہ آئے بھی، یا آنے سے رہ جائے۔ مومن کے لیے تو بڑی سے بڑی ہمت بھی اسی عقیدہ کا استحضار پیدا کر سکتا ہے کہ خفی سے خفی، باریک سے باریک نیکی بھی عالم الغیب کی نظر سے مخفی نہیں۔ اطباء یونانی موسم بہار میں مصفیات پلاتے ہیں، اور جاڑے کے زمانہ میں مقویات استعمال کراتے ہیں، کہ ان موسموں کو ان دواؤں کے ساتھ خاص مناسبت ہے...... رمضان کا مہینہ اور حج کا موسم بھی روحانیات کے عالم میں اپنی صحت بخش آب و ہوا

کے لیے ممتاز ہیں، تو طبیب حقیقی ان موسموں میں اعمالِ خیر کی طرف خصوصی توجہ کیسے نہ دلاتا! و۳۲ے جب ارادۂ حج سے نکلا کرو۔ اس ہدایت کی قدر اُس وقت ہوگی جب جاہلی قوموں کے زائرین کی ذہنیت پر نظر ہو، خصوصاً جاہلیت عرب کی تاریخ پر۔ آج بھی ہندوستان میں کتنی ہی قومیں ایسی ہیں، جو تیرتھ جاترا کے وقت گھر سے مفلس اور تہیدست نکلنا ہی اپنی رُوحانیت کا کمال سمجھتے ہیں! راستہ میں مانگتے ہوئے جائیں گے، کوئی دوسرا انہیں کھلا پلا دیا کرے گا یا اپنے فقیر ہونے پر فخر کریں گے۔ اس قسم کے سارے تخیلات واوہام اسلام نے مٹا دیئے اور حکم دیا کہ جب گھر سے حج وزیارت کے لیے نکلو تو ضرورت بھر کا روپیہ پیسہ لے کر نکلو۔ راستہ میں دوسروں پر بار بننے کی کوشش نہ کرو۔ عرب جاہلیت میں یہ مرض اور زیادہ پھیلا ہوا تھا، بلکہ بعض گروہوں کو تو یہ غلو تھا کہ احرام پہننے کے بعد جو کچھ سرمایہ ہوتا بھی، اُسے بھی پھینک دیتے! کانوا یحجون بغیر زادٍ و کان بعضهم اذا احرم رمٰی بما معه من الزاد (ابن جریر) کان اهل الیمن یحجون ولا یتزودون و یقولون نحن المتوکلون فاذا اقدموا مکة سالوا الناس (بخاری۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) طائفة من العرب کانت تجیء الی الحج بلا زاد ویقول بعضهم کیف تحج بیت الله و لا یطعمنا فکانوا یبقون عالة علی الناس (قرطبی) اسلام ایسے دستور کا جو جھوٹی اور نمائشی روحانیت پر مبنی تھا اور ایک طرف شخصی غیرت وخودداری کے بھی منافی تھا اور دوسری طرف معاشیات اجتماعی پر ایک خواہ مخواہ کا بار تھا، کیسے روادار ہوسکتا تھا، اور اسے کیونکر باقی رہنے دیتا۔ تَزَوَّدُوْا کے صیغہ امر سے فقہاء نے نکالا ہے کہ زادِراہ لینے کا وجوب آیت سے بہ قاعدۂ عبارۃ النص ثابت ہے۔ فقہاء نے یہ بھی صاف لکھ دیا ہے کہ آیت اُن "توکل پیشہ" صوفیہ کے مذہب کی بھی تردید کررہی ہے، جو کسب معاش کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور اسے کوئی بڑا روحانی کمال سمجھ رہے ہیں ھٰذا یدل علی بطلان مذهب المتصوفة الذین یتسمون بالمتوکلة فی ترکهم التزود والسعی فی المعاش (جصاص) هم المقصرون عن درجة التوکل الغافلون عن حقائقه (ابن العربی) و۳۳ے (خصوصاً گداگری اور دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کرنے سے احتیاط) ای اتقوا الاستطعام و ابرام الناس والتثقیل علیهم (کشاف) فان خیر الزادما تکفون به وجوهکم عن السوال (کبیر) ای الاتقاء عن الابرام و التثقیل علیهم (مدارک) زائروں اور جاتریوں کی گداگرانہ عادت اور جھوٹے توکل کو خاص طور پر روکنا تھا۔ اس لیے حکم تزودوا کے بعد مزید تاکید کے لیے یہ تصریح اور بڑھادی، ابھی ارشاد ہوا تھا کہ مصارف سفر کا انتظام کرکے چلو۔ اب ارشاد ہورہا ہے کہ بڑا انتظام یہی ہے کہ راہ میں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا اور دوسروں کے لیے باعث گرانی نہ بننا پڑے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ زاد سے جب زادِراہ اور زادِعمل دونوں مراد ہوسکتے ہیں، تو واجب یہی ہے کہ دونوں کا اہتمام والتزام رکھا جائے۔ لما احتملت الأیة الامرین من زاد الطعام و زاد التقوٰی وجب ان یکون علیهما اذلم تقم دلالة علی تخصص زاد من زاد (جصاص) و۳۴ے (ان احکام کی تعمیل کے باب میں) اہم حکم کے بعد تقوی الٰہی کی تاکید اس کی دلیل ہے کہ اسلام صرف احکام کی ظاہری تعمیل کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ چاہتا ہے کہ بندوں کی اصلاح باطن سے ہو جو بھی نیک عمل انسان کرے وہ صرف اعضاء وجوارح سے نہیں بلکہ ضمیر اور دل کی پاکیزگی کے ساتھ و۳۵ے بہ سلسلۂ سفر حج۔ اسلام جس طرح فلاحِ اُخروی کا ضامن ہے، فلاحِ دنیوی کا بھی داعی ہے، اور اس کی یہ جامعیت اس کی ہر عبادت سے بالکل صاف ظاہر ہورہی ہے، وضو، نماز، نماز باجماعت، روزہ، زکوٰۃ سب سے روح کو جلا دینے اور اپنے باطن کو صیقل کرنے کے ساتھ ساتھ دنیوی، مادی، جسمانی، معاشی فائدوں اور مصلحتوں سے بھی کتنے لبریز ہیں۔ یہی اصول حج کے بارے میں بھی کام کررہے ہیں حج کا منزل درمنزل سفر، بری وبحری طویل سفر، اور اُمت کے مختلف طبقوں کا دُنیا کے مختلف گوشوں سے یہ عظیم الشان اجتماع، ایک خشک عبادت اور محض ذکر الٰہی کے لیے نہیں۔ فرد وملت دونوں کے لیے یعنی انفرادی واجتماعی ہر قسم کے فائدے اس سے حاصل کیے جاسکتے ہی، اور کیے جانے چاہئیں ----- حج کے روحانی اسرار وحقائق کا ادراک تو فرنگی دماغوں کے لیے آسان نہیں۔ لیکن اس "بین الاقوامی سالانہ کانگرس" سے جو سیاسی، ملّی، اجتماعی فائدے وابستہ ہیں، اور اس "بین الاقوامی سالانہ بازار" سے جو مالی، تجارتی، معاشی فائدے حاصل ہوسکتے ہیں، ان کا اندازہ اور اُن کا اعتراف تو فرنگیوں کی زبان سے بھی بارہا ہو چکا ہے۔ یہاں خاص طور پر توجہ اس سفر واجتماع کے معاشی وتجارتی پہلو پر دلائی ہے۔ اور جو رُکاوٹ ایک خالص "دیندار" شخص کو ان فوائد کو حاصل کرنے سے ہوسکتی ہے، اُسے دُور کیا ہے۔ فَضْلًا۔ سب کا اتفاق ہے کہ فضل سے یہاں مراد مال اور نفع تجارت ہے۔ یعنی المال و ما یکتسب (راغب) هو النفع والربح بالتجارة (کشاف) لوگوں کا غلو اس باب میں اتنا بڑھا ہوا تھا کہ جو تاجر مال تجارت لے کر منٰی اور مکہ کے بازاروں کے لیے جاتے، یا جو اونٹ والے اپنے اُونٹ مزدلفہ، عرفات و منٰی کے لیے لے جاتے، سمجھا جاتا تھا کہ ان کا حج ہی نہیں ہوتا، کہ جہاں تجارت آگئی، وہاں عبادت کا وجود کہاں باقی رہا۔ قرآن مجید نے اس مغالطۂ عامۃ الورود کی تردید کردی۔ نزلت ردًّا علی من یقول لاحج للتجار والاجراء والجمّالین (کبیر) فی هٰذا دلیل جواز التجارة فی الحج للحجاج مع اداء العبادة ولا یخرج به المکلف عن رسم الاخلاص للمفترض علیه (ابن العربی) یدل علی ان الحج لا یمنع التجارة و علی هٰذا امر الناس من عصر النبی علیه السلام الٰی یومنا هٰذا فی مواسم منٰی و مکة فی ایام الحج (جصاص) ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے لے کر حسن، عطاء، مجاہد، قتادہ وغیرہ تابعین تک بلا اختلاف سب سے یہی تفسیر مروی ہے۔ روٰی نحو ذٰلک من جماعة من التابعین منهم الحسن و عطاء و مجاهد و قتادة ولا نعلم احدا روٰی عنه خلاف ذٰلک (جصاص) صرف ایک روایت کسی حد تک اس سے مخالف ملتی ہے، لیکن محققین نے تصریح کردی ہے کہ وہ ظاہر قرآن واجماع عام دونوں کے منافی ہے۔ هٰذا قول شاذ خلاف ماعلیه الجمهور و خلاف ظاهر الکتٰب (جصاص) مِنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی حسب تقدیرِ الٰہی۔ بات بات میں بات پیدا کرنا قرآن مجید کا تو ایک مستقل اعجاز ہے۔ یہ ذرا سا لفظ لا کر یاد دلا دیا کہ اس نفع وتجارت کو بھی اپنے قوتِ بازو کا ثمرہ نہ سمجھ لینا، جو کچھ بھی حاصل ہوگا، سب کو کارساز حقیقی ہی کے لطف وکرم کا ثمرہ سمجھنا، نظر تجارت وکاروبار میں بھی ہر وقت اسی پر رہے۔ اس ہدایت پر عمل کے بعد تجارت کی کوئی بڑی سی بڑی مشغولیت بھی تجارت باقی رکھ سکتی ہے؟ تجارت اس حال میں اگر عبادت نہ بن جائے، تو آخر کیا ہو۔ و۳۶ے (۹ ذی الحجہ کی شام کو عرفات میں وقوف اور ادائے آدابِ وقوف کے بعد) حج کے اعمال (واجب، سنن ومستحبات) تو بہت سے ہیں۔ لیکن فرض تین ہی ہیں۔ احرام پوشی، ۹ر کو عرفات میں حاضری یا وقوف اور طواف فرض۔ ان تینوں ارکان میں بھی اہم ترین رکن یہی وقوفِ عرفات ہے۔ اَفَضْتُمْ۔ افاضہ کے لفظی معنی انبوہ در انبوہ چلنے یا واپس ہونے کے ہیں۔ ای دفعتم منها بکثرة (راغب) الافاضة الاندفاع فی السیر بکثرة (کبیر) اصطلاح فقہ میں افاضہ عرفات سے مزدلفہ کو کہتے ہیں۔ عَرَفٰتٍ۔ مکہ معظمہ سے جو سڑک مشرق کی جانب طائف کو جاتی ہے اس پر مکہ سے کوئی بارہ میل کے فاصلہ پر کئی میل کے رقبہ کا ایک لمبا چوڑا میدان پڑتا ہے۔ اور اس کا نام عرفات ہے اسی نام کی ایک پہاڑی بھی اسی میدان میں واقع ہے، سطح زمین سے کوئی ۲۰۰ گز بلند۔ سال بھر یہ میدان بالکل سنسان پڑا رہتا ہے، صرف ایک دن یعنی ۹ ذی الحجہ کو اس کی پوری کسر نکل آتی ہے۔ اس روز یہ میدان انسانوں اور ان کی سواریوں سے کھچا کھچ بھر جاتا ہے۔ حاجیوں کو ۸۔ ذی الحجہ کی دوپہر تک منٰی میں آجانا چاہیے، اور ۹ کی صبح کو بعد اشراق قافلہ عرفات کے لیے روانہ ہوجائیں، تاکہ ۸۔۹ میل کا درمیانی فاصلہ دوپہر تک طے ہوجائے، دوپہر سے لے کر آخر وقت عصر تک اسی میدان میں رہنا چاہیے، اور اسی کا اصطلاحی نام وقوف ہے۔ یہی حاضری اعمالِ حج کی جان ہے اور یہ سارا وقت توبہ واستغفار، عبادت، انابت ہی میں صرف ہونا چاہیے۔ قریب غروب مزدلفہ (یا مشعر الحرام) کے لیے کوچ ہونا چاہیے، اور جس طرح آج ظہر کے ساتھ عصر کی نماز (بہ قاعدۂ تقدیم) عرفات کی مسجد نمرہ میں ملالی گئی تھی، اسی طرح آج مغرب کی نماز (بہ قاعدۂ تاخیر) عشاء سے ملا کر اس وقت پڑھی جائے گی، جب قافلے مزدلفہ پہنچ جائیں۔ و۳۷ے اَلْمَشْعَرِ الْحَرَامِ، مشعر کے لفظی معنی نشانی یا علامت کے ہیں۔ اور حرام۔ یعنی محترم یا مقدس اس کی تعظیمی صفت ہے۔ نام اُس خاص مقام کا بھی ہے، جو مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے، اور خود سارے مزدلفہ کو بھی مشعر الحرام ہی کہتے ہیں۔ لم یختلف اهل العلم ان المشعر الحرام هو المزدلفة (جصاص) والمشهور ان المشعر مزدلفة کلها (روح) مزدلفہ مکہ سے کوئی ۶ میل کے فاصلہ پر ہے منٰی سے عرفات جانے کا ایک تو سیدھا راستہ ہے۔ حاجی ۹ر کو عرفات جاتے اسی راستہ سے ہیں۔ واپسی میں حکم ہے کہ دُوسرے راستہ سے لوٹیں، یہ ذرا چکر کا ہے، اور مزدلفہ اسی راستہ میں پڑتا ہے، حاجیوں کے قافلے شب ۱۰ر کے اوّل حصہ میں یہاں پہنچ جاتے ہیں، اور رات یہاں تسبیح وتہلیل، نماز واستغفار میں گزارتے ہیں۔ مسجد پہاڑی کے اوپر ہے۔ جبلٌ یقف علیه الامام و انما سمی مشعرًا لانه معلم العبادة و وصف بالحرام لحرمته (بیضاوی) عِنْدَ الْمَشْعَرِ۔ یعنی اس مسجد کے گرد وپیش خصوصیت کے ساتھ، اور یوں تو سارا مزدلفہ (بجز وادی محسر کے) متبرک ومحترم ہے۔ خص الله تعالٰی الذکر عنده مع انه مامور به فی جمیع المزدلفة لانها کلها موقف لمزید شرفه و فضله (روح) وَاذْكُرُوا اللّٰهَ نے یاد

أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۖ فَإِذَا أَفَضْتُمْ
کہ تم اپنے پروردگار کے ہاں سے تلاش معاش کرو ف۳۵ے پھر جب تم جوق در جوق عرفات سے
مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ
واپس ہونے لگو ف۳۶ے تو اللہ کا ذکر مشعر حرام کے پاس کر لیا کرو ف۳۷ے
وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ
اور ان کا ذکر اس طرح کرو جیسا اس نے تمہیں بتایا ہے ف۳۸ے اور اس سے قبل تم
قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ﴿١٩٨﴾ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ
یقیناً محض ناواقفوں میں تھے ف۳۹ے ہاں تو تم وہاں جا کر واپس آؤ جہاں سے
أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
لوگ واپس آتے ہیں ف۴۰ے اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا
رَّحِيمٌ ﴿١٩٩﴾ فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ
مہربان ہے ف۴۱ے پھر جب تم اپنے مناسک ادا کر رہے ہو ف۴۲ے تو اللہ کی یاد کرو
كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ
اپنے باپ دادوں کی یاد کی طرح، بلکہ یہ یاد اس سے بھی بڑھ کر ہو ف۴۳ے اور لوگوں میں سے کچھ
مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ
ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہمیں دنیا (ہی) میں دے دے ف۴۴ے اور ایسے شخص کا آخرت میں
مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي
کوئی حصہ نہیں ف۴۵ے اور کوئی ان میں ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہم کو دنیا
الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ
میں (بھی) بہتری دے اور آخرت میں (بھی) بہتری۔ اور ہم کو آگ کے عذاب سے

دلا دیا کہ یہ رات رنگ رلیاں منانے کی نہیں، جاہلی قوموں کے میلوں ٹھیلوں کی طرح روشنی و آتشبازی کے لیے نہیں، خواب غفلت میں پڑے رہنے کے لیے نہیں، فخریہ قصیدوں اور شعر وشاعری میں صرف کرنے کے لیے نہیں، ذکر وعبادت الٰہی کے لیے ہے۔ ف۳۸ے (اپنے رسول کے ذریعہ سے اور اپنے اختراعی طریقوں سے بچو) الحاد و انکار سے بچ کر دین ومذہب کے دائرہ میں آجانے کے بعد پھر جو خطرہ اہل مذہب کو شیطان کے ہاتھوں سب سے بڑھ کر درپیش رہتا ہے وہ بدعات ومحدثات کا ہے۔ انسان دل سے طرح طرح کے طریقے عبادت وذکر الٰہی کے ایجاد کرتا رہتا، اور انہیں مذہب میں داخل کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ دین صرف وہ ہے جو شارع اللہ ﷺ کی طرف سے پہنچائے، یا اپنے اجتہاد سے بتائے۔ یہاں اگر ایک طرف اس کی تاکید ہے کہ برابر یادالٰہی میں لگے رہو، تو دوسری طرف اس کی بھی صراحت ہے کہ اس یاد کے طریقے اپنے ایجاد کردہ نہ ہوں، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ ہی کے بتائے ہوئے ہوں۔ حکم ذکر کی تکرار تاکید کے لیے ہے۔ كرّره الامر تاكيدًا (قرطبی) كرر علی سبيل التوكيد والمبالغة فی الامر بالذكر (بحر) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلا حکم مشعر الحرام میں ذکر کرتے رہنے کے لیے ہو، اور دوسرا حکم اہتمام اخلاص کے لیے ہو۔ قيل الاول امرٌ بالذكر عندالمشعر الحرام والثانی امر بالذكر علی حكم الاخلاص (قرطبی) ف۳۹ے (عبادت اور ذکر الٰہی کے صحیح طریقوں سے) ضالٌ ہمیشہ گمراہ ہی کے معنٰی میں نہیں آتا، ناواقف کے معنٰی میں بھی آتا ہے۔ اور ضلال سے مراد احکام الٰہی سے ناواقفیت ہو سکتی ہے۔ الضلال ضربان ضلالٌ فی العلوم النظرية ...... و ضلال فی العلوم العملية كمعرفة الاحكام الشرعية التی هی العبادات (راغب) اور یہاں یہی مراد ہے۔ والمراد من الضلال الجهل بالايمان و مراسم الطاعات (روح) اِنْ یہاں اِنَّ کے معنٰی میں تحقیق و توثیق کے لیے ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ قد کے مرادف ہے۔ اے و انكم كنتم (روح) ان هنا عند البصريين التی للتوكيد المخففة من الثقيلة (بحر) مِنْ قَبْلِهٖ میں ضمیر ہ ھدٰی کی طرف راجع ہے جو ھَدٰىكُمْ سے مفہوم ہوتا ہے۔ والهاء فی قبله عائدة علی الهدٰی المفهوم من قوله هَدٰىكُمْ (بحر) ف۴۰ے یعنی عرفات سے۔ قریش کے گڑھے ہوئے عقیدوں میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ ہمیں حج میں عرفات کی حاضری کی کیا ضرورت ہے۔ وہاں تک سب کے ساتھ جانا ہماری عُلُوِّ شان کے منافی ہے، ہمارے لیے مزدلفہ تک جانا کافی ہے۔ كانت قريش و من دان دينها يقفون بالمزدلفة و كانوا يسمون الحمس وكانت سائر العرب يقفون بعرفات (صحیح بخاری۔ عن عائشہ رضی اللہ عنہا) كانت قريش ومن كان علی دينها و هم الحمس يقفون بالمزدلفة يقولون نحن قطين الله (ابن جریر۔ عن عائشہ رضی اللہ عنہا) كانوا يقولون لانخرج من الحرم فكانوا لايشهدون وقف الناس بعرفة معهم (ابن جریر) كانوا يقولون نحن قطين الله فينبغی لنا ان نعظم الحرم ولا نعظم شيئا من الحل (قرطبی) آیت اُنہی کی اصلاح کے لیے ہے۔ النَّاسُ سے مراد جنس انسان ہے۔ المراد من الناس الجنس كما هو ظاهر (روح) ثُمَّ یہاں تاخر زمانی کے لیے نہیں، فصل کلام کے لیے ہے۔ یعنی ایک بات ختم ہوئی، اب دوسری ہدایت سنو۔ جیسے اُردو میں ایسے موقع پر ”اچھا تو“ یا ”ہاں تو“ کہتے ہیں۔ ثم ليست فی هٰذه الأية للترتيب وانما هی لعطف جملة كلام هی ههنا منقطعة (قرطبی) ثم للترتيب فی الذكر لا للترتيب فی الزمان الواقع فيه الافعال (نہر) ف۴۱ے وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ۔ حدیث صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں یوم عرفہ سے زیادہ بندے آگ سے آزاد کیے جاتے ہوں۔ حج کا بیان جہاں سے شروع ہوا ہے، دیکھتے آیئے تزکیۂ قلب کا قدم قدم پر کس درجہ اہتمام ہے۔ حرم شریف نہیں، حدود حرم بھی ابھی منزلوں فاصلہ پر ہیں کہ ساری عمر کا مالوف ومانوس لباس جسم سے اُتر گیا، اور اب نہ سر پر ٹوپی ہے، نہ کسی قسم کی پگڑی صافہ، اور جسم پر نہ شیروانی ہے نہ کوٹ، نہ عبا نہ قمیص، شاہ وگدا، رئیس ورعایا، حکام وعوام سب کے سب دو دو چادروں میں ملبوس! پھر احرام پہنتے ہی جو چیزیں حرام تھیں ان کا ذکر ہی نہیں جو ہمیشہ حلال تھیں، اور فی نفسہ جائز ہیں ایک خاصی طویل مدت کے لیے بالکل ممنوع! کتنی ہی مرغوبات ومالوفات سے اس درمیان میں دستبرداری کرنی ہوتی ہے۔ یہ سب بھی کافی نہیں۔ گھڑی گھڑی لبیک کہتے رہو۔ اللہ کے دربار میں حاضری بولتے رہو۔ مسلسل ذکر الٰہی کرتے رہو، اور اب یہ حکم مل رہا ہے کہ خطاؤں کو، گناہوں کو، سیہ کاریوں کو یاد کر کر کے اُن سے معافی چاہتے رہو! ---- اتنے پاکیزہ، ایسے ستھرے اس قدر اصلاحی اجتماع سے دنیا جہان کے میلوں ٹھیلوں، بت پرستانہ، وہم پرستانہ، ہوس پرستانہ میلوں تہواروں کو کوئی بھی مناسبت ہے؟ ؏ کوئی نسبت بھی اِن آنکھوں سے ہے پیمانہ کو! کیسا صریح ظلم وہ اہل قلم خود اپنی بصارت و بصیرت پر کرتے ہیں، جو اسلام کو دوسرے ادیان ومذاہب کی سطح پر سمجھے ہوئے ہیں! غَفُوْرٌ۔ آیت کے آخر میں یاد دلا دیا کہ تمہارے رب کی صفت غفر بہت بڑی ہے۔ اُس سے مغفرت طلب کر کے دیکھو تو۔ طالبین مغفرت کی مغفرت وہ کیوں نہ کرے گا؟ رَحِيْمٌ۔ اور ساتھ ہی اس کی صفت رحمت بھی تو بے پایاں ہے۔ طالبانِ مغفرت کے ساتھ وہ رحمت کا معاملہ کیوں نہ کرے گا؟ ف۴۲ے (اور ابھی منٰی سے منتشر نہیں ہوئے ہو) عرفات ومزدلفہ سے واپسی کے بعد منٰی میں قیام تین دن ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲ کو لازمی ہے، اور بعض ائمہ کے نزدیک ۱۳ کو بھی۔ اِذَا کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہاں حکم ادائے مناسک کے بعد کے لیے مل رہا ہے۔ اِذَا ہمیشہ بعد کے لیے نہیں آتا ہے۔ ہمزمانی کے موقع پر بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ مثلاً فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا جس کے معنٰی ہیں کہ جب تم نماز پڑھتے ہو (نہ یہ کہ جب تم نماز ختم

النَّارِ ﴿٢٠١﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ

بچائے رکھنا و۴۶۷ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں و۴۷۷ حصہ مل کر رہے گا، بہ عوض اس کے کہ جو انہوں نے عمل کر رکھا ہے

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ

اور اللہ حساب بہت جلد لے لے گا و۴۸۷ اور اللہ کو (ان چند) گنے ہوئے (دنوں) میں (برابر)

مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ

یاد کرتے رہو و۴۹۷ جو شخص (ان) دو دنوں میں جلدی کرے، اس پر (بھی) کوئی

عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ

گناہ نہیں۔ اور جو تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں و۵۰۷ (یہ) اس کے لئے جو ڈرتا رہتا ہے، و۵۱۷

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ تم (سب) اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے و۵۲۷

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ

اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے و۵۳۷ کہ اس کی گفتگو جو دنیوی غرض سے اچھی

الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ

معلوم ہوتی ہے اور جو اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ کو گواہ لاتا ہے! درآنحالیکہ وہ

الْخِصَامِ ﴿٢٠٤﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ

شدید ترین دشمن ہے و۵۴۷ اور جب پیٹھ پھیر جاتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں رہتا ہے کہ زمین پر

فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

فساد کرے، اور کھیتی اور جانوروں کو تلف کرے، و۵۵۷ درآنحالیکہ اللہ فساد کو (بالکل)

الْفَسَادَ ﴿٢٠٥﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ

پسند نہیں کرتا و۵۶۷ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ خوفِ خدا کرو، تو اسے نخوت گناہ پر

کر چکو) یا اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ جس کے معنی ہیں کہ جب تم طلاق دینے لگو (نہ یہ کہ جب تم طلاق دے چکو) اسی طرح یہاں بھی معنی یہ ہیں کہ جب تم ادائے مناسک کر رہے ہو۔ مَّنَاسِكَكُمْ۔ مناسک شعائر حج کو کہتے ہیں۔ هی شعائر الحج (قرطبی) قَضَيْتُمْ۔ قضا کے معنی کسی عبادت کے ادا کر چکنے یا بجالانے کے ہیں۔ قضيتم هنا بمعنى اديتم وفرغتم (قرطبی) قضاء المناسک هو فعلها علی تمام (جصاص) و۴۳۷ قومی عظمت وقومی خودداری، نسلی مفاخرت جس طرح جدید جاہلی تہذیب کا عنصر اعظم ہیں، عرب کے دینِ جاہلی کے بھی رکنِ اعظم تھے۔ عرب جب منیٰ میں جمع ہوتے تو ہر ہر قبیلہ اپنے قبائل کی جے پکارتا اور اپنے بزرگوں کے مفاخر ومناقب کے پرزور بیان سے دلوں کو گرماتا۔ کان اهل الجاهلية يجلسون بعد الحج فيذكرون ايام اٰباء هم (ابن عباس) کان القوم فی جاهليتهم بعد فراغهم من حجهم و مناسكهم يجتمعون فيتفاخرون بمآثر اٰباء هم (ابن جریر) كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ۔ مسلمانوں کو حکم ملتا ہے کہ یہی جوش وخروش تم اللہ کے ذکر میں دکھاؤ۔ تمہاری نہ کوئی قوم ہے، نہ کوئی نسل، نہ تمہارا کوئی وطن۔ تم ان سب کے بدلے اللہ کی عظمت دلوں میں بٹھاؤ، بساؤ اور اللہ کا نام زبانوں پر لاؤ۔ اَوْ یہاں تخییر کے لیے نہیں، بلکہ ترقی کا مفہوم دے رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ربط و تعلق کم از کم اس درجہ کا تو رکھو جتنا اپنے خاندان اپنے قبیلہ، اپنی قوم کے ساتھ رکھتے ہو۔ بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر رہو۔ قيل بمعنى بل (بحر) اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔ مولانائے رومی علیہ رحمۃ اللہ نے اسی کو اپنی شاعرانہ وعاشقانہ زبان میں یوں ادا کیا ہے ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود — گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

و۴۴۷ دنیا میں ایسی بھی قومیں ہیں جو خدا کی قائل ہوتی ہیں، اسے معبودِ اعظم سمجھتی ہیں، لیکن حشر ونشر جزا وسزا کی قائل نہیں، ایسے لوگوں کی دعائیں، التجائیں، تمنائیں قدرۃً اسی مادی دنیا کی ترقیوں تک محدود رہتی ہیں۔ مشرکین عرب کے عقیدے بھی اسی قسم کے تھے۔ اور یہ لوگ جب دعا بھی مانگتے تھے، تو تمامتر سامانِ دنیوی اور دشمن پر فتح و نصرت وغیرہ کی۔ ابن زید، سدی وغیرہ تابعین سے یہی معنی مروی ہیں۔ المراد المشركون، قال ابووائل والسدی و ابن زيد كانت العرب فی الجاهلية تدعوا فی مصالح الدنيا فقط فكانوا يسألون الابل و الغنم و الظفر بالعدو ولا يطلبون الاٰخرة (قرطبی) مَنْ يَّقُوْلُ سے یہ لازم نہیں آتا کہ دعائیں بالکل انہی الفاظ کے ساتھ کی ہی گئی ہوں۔ ''قول'' کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ تمنا کرنا، زبانِ حال سے کہنا، دل میں خیال لانا، سب اس میں شامل ہیں و۴۵۷ وہی آخرت جس کے تسلیم کرنے سے عمر بھر انکار کرتا رہا۔ اذ كانوا لايعرفون ولايؤمنون بها (قرطبی) و۴۶۷ یہ اشارہ انسانیت کے پسندیدہ طبقہ یعنی اہل ایمان کی جانب ہے۔ مومنین کی دعائیں، مناجاتیں، آرزوئیں، دنیا و آخرت دونوں کی فلاح وبہبود کی جامع ہوتی ہیں۔ حَسَنَةً وہ طاعت ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ وبہتر ہے، اور اس کے اندر ہر قسم کی خیر وخوبی آگئی۔ ان حسنة نكرة فی بيان الدعاء فهو محتمل لكل حسنة من الحسنات علی البدل (قرطبی) والحسنة الكاملة فی الدنيا مايشمل جميع حسناتها (روح) دنیا میں حَسَنَةً توفیقِ خیر ہوئی، اور آخرت میں حَسَنَةً ثمرۂ خیر۔ والذی عليه اكثر اهل العلم ان المراد بالحسنتين نعم الدنيا والاٰخرة و هذا هو الصحيح فان اللفظ يقتضی هذا كلهٗ (قرطبی) ایسی جامع وہمہ گیر دعا کی نظیر سے ادیان وملل کے صحیفے خالی ہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خود اس دعا کی کثرت رکھتے تھے۔ كان اكثر دعوة يدعوبها النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقول اللّٰهم اٰتنا فی الدنيا حسنة و فی الاٰخرة حسنة و قنا عذاب النار (بخاری ومسلم عن انس) مال، اولاد، صحت، اطمینان وغیرہ جو چیزیں بھی تحصیل خیر میں معین ہو سکتی ہیں، خواہ بظاہر کیسی ہی دنیوی اور مادی ہوں، سب مومن کا مقصود ومطلوب بن سکتی ہیں۔ البتہ خود دنیا ہرگز کسی مومن کا مدعا اور مقصود نہیں بن سکتی۔ آیت کی ترکیب خوب نظر میں رہے۔ اٰتِنَا کا مفعول صرف حَسَنَةً ہے۔ یعنی جس چیز کی طلب وتمنا کی جا رہی ہے وہ حَسَنَةً یا بہتری ہے، فِي الدُّنْيَا اور فِي الْاٰخِرَةِ صرف ظرف یا محل ہیں۔ ترکیب میں یہ مفعول یا معنی کے لحاظ سے مقصود کسی طرح بھی نہیں ہو سکتے۔ مراد محض یہ ہے کہ ہمیں تو آپ کے دربار سے صرف بھلائی یا بہتری درکار ہے، دنیا میں ہو تو بھی اور آخرت میں ہو تو بھی۔ مزید تفسیر یہ کہ دنیا میں ہمیں اعمالِ خیر عنایت ہوں، اور آخرت میں ثمراتِ خیر۔ بعض نادان اور سطحی دماغ والے اہل قلم نے آیت سے یہ عجیب وغریب نتیجہ نکالا ہے کہ آخرت کی طرح دنیا بھی مومن کا مقصود بن سکتی ہے، بلکہ قرآن خود طلبِ دنیا کی تعلیم وترغیب دیتا ہے! --- تعالى الله علوًا كبيرًا۔ مغالطہ کی قلعی اُوپر کھولی جا چکی ہے۔ مادہ پرست قوموں کی دنیا طلبی اور دنیا پسندی سے مرعوب ہو کر خود مسلمانوں کو طلب دنیا کی تعلیم دینا بلکہ اُسے قرآنی تعلیم قرار دینا خدمتِ اسلام کی عجیب وغریب صورت ہے! و۴۷۷ (دونوں جہانوں میں۔ اور جو گمراہ قوموں کی طرح بے بہرہ نہ رہیں گے) و۴۸۷ (اور یوم حساب خود ہر لحظہ قریب آتا جا رہا ہے، بس اس سے غفلت ہرگز مقتضائے عقل ودانش نہیں) مِمَّا كَسَبُوْا میں مِن سببیہ ہے۔ ای من اجل ماكسبوا (بحر) من اجله (بیضاوی) سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ اس جیسے قدرتِ کاملہ کے مالک کو حساب کرتے یا بندوں کو اُن کے اعمال کی جزا دیتے دیر ہی کیا لگ سکتی ہے۔ ای سريع المجازاة للعباد باعمالهم (قرطبی) جاہلی قوموں نے اس وصفِ خاص میں بھی اپنے دیوی دیوتاؤں کے باب میں بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں و۴۹۷ یعنی ایامِ تشریق میں، زمانہ قیام منیٰ میں۔ منیٰ مکہ معظمہ سے شمال ومغرب میں ۴ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہلے کبھی محض میدان تھا۔ اب بہت سی پختہ اور عالی شان عمارتیں بن گئی ہیں۔ سال بھر تو خالی پڑی رہتی ہیں۔ موسم حج میں خوب آباد ہو جاتی ہیں۔

صاحب حیثیت حاجی انہیں بڑے بڑے کرایوں پر لے لیتے ہیں۔ بعض سرکاری عمارتیں ہیں۔ بازار بھی اس زمانہ میں یہاں بہت بڑا اور بہت پررونق لگتا ہے۔ دنیا جہان کی چیزیں بکنے آجاتی ہیں۔ تشریق کے معنی قربانی سکھانے کے ہیں۔ ایام تشریق ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲ ذی الحجہ ہیں۔ حاجیوں کے قافلے عرفات ومزدلفہ سے واپسی میں آکر صبح یہاں پہنچ جاتے ہیں، اور ۱۲ کی شام تک تو بہرحال یہاں قیام رہتا ہے۔ حج کے سلسلہ میں متعدد واجبات، سنن ومستحبات یہیں انجام پاتے ہیں۔ مثلاً قربانی کرنا، سر کے بال اُتروانا، شیطانوں کو کنکریاں مارنا، جامۂ احرام اُتارنا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ۔ ادھر حج کا بیان آیا، اُدھر ذکر الٰہی کی تاکید پھر شروع ہوگئی۔ تکبیر کی کثرت قیام زمانہ منٰی کا ایک خاص جزو ہے۔ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ۔ اس پر صحابہ وتابعین سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد زمانہ تشریق ہے۔ **لا خلاف بین اهل العلم ان المعدودات ایام التشریق و قدروی ذٰلک عن علی و عمرو ابن عباس وابن عمر وغیرهم** (جصاص) **ف۷۵۰** یعنی منٰی سے مکہ معظمہ کی طرف روانگی کے لیے دونوں صورتیں بالکل جائز ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ۱۰؍ کے بعد صرف دو دن قیام کرکے ۱۲؍ کی شام کو مکہ چلا آئے تو بھی درست ہے اور جس کا جی چاہے ۱۲؍ تک وہیں ٹھیرا رہے، جب بھی درست ہے۔ امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ کے ہاں اگر ۱۲؍ کو واپس ہوتا ہے تو قبل غروب رمی جمرات (کنکریاں پھینکنے) سے فراغت کرلے۔ اور امام ابوحنیفہ علیہ رحمۃ اللہ کے ہاں اگر ۱۳؍ تک ٹھیرنا ہے، تو قبل طلوع آفتاب ہی رمی جمرات کر ڈالے۔ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ۔ نفی دونوں صورتوں سے گناہ کی کی گئی ہے۔ گویا بلحاظ جواز دونوں شقیں یکساں ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ دونوں میں کوئی افضل ومفضول نہیں۔ اور بلحاظ درجہ بھی دونوں مساوی ہیں۔ فقہاء حنفیہ کے ہاں ۱۳؍ کا قیام افضل ہے **ف۷۵۱** یعنی یہ سب احکام نافع اسی کے حق میں ہوسکتے ہیں جو دل میں خوف خدا وخشیت الٰہی رکھتا ہو۔ تقویٰ الٰہی کی اس شدومد سے تاکید یوں ہی اور بے کار نہیں۔ مومن کے دل پر تقویٰ کی اہمیت نقش کرنے کے لیے ہے۔ وہ مومن ہی کیا جو متقی نہ ہو **ف۷۵۲** (اور اسی کے سامنے سارے اعمال کا جواب دہ ہونا ہوگا) یہ یاددہانی حفظ اعمال میں کس درجہ مؤثر ہے! سارا کھیل اسی استحضار ہی کا تو ہے۔ **ف۷۵۳** (اُس کی چرب زبانی کی بناپر، اُس کے دعوٰی اسلام ومحبِ اسلام کے باعث) اوپر دو قسم کے انسانوں کا ذکر تھا۔ آخرت کے قائلین ومعتقدین کا اور آخرت کے منکرین کا۔ اب ذکر منکرین اور منافقین کا ہوتا ہے۔ اور ابتداء منافقین کے بیان سے ہوتی ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ۔ لازمی نہیں کہ ایک ہی شخص مراد ہو۔ ایک بھی ہوسکتا ہے، بہت سے بھی ہوسکتے ہیں۔ **اشارة الی بعضهم فیحتمل الواحد و یحتمل الجمع** (کبیر) فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ فی اظہار مقصودیت کے لیے ہے، یعنی گفتگو سے مقصود اسے محض حصول دنیا ہوتی ہے، طلب آخرت نہیں۔ **یطلب به حظًا من حظوظ الدنیا** (کشاف) **لطلب مصالح الدنیا** (کبیر) فی، "باب میں" یا "دربارہ" کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ "دنیوی امور سے متعلق"۔ **ای مایقوله فی امور الدنیا و اسباب المعاش** (بیضاوی) درباب زندگانی دنیا (شاہ ولی اللہ دہلوی) شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ قبیلہ ثقیف کا ایک شخص خوش منظر وخوش تقریر اخنس بن شریق نامی تھا۔ مجلس رسول ﷺ میں جب آتا تو خوب لمبے چوڑے دعوے اپنے ایمان واسلام کے کرتا، بات بات پر خدا کو گواہ ٹھہراتا۔ لیکن جب مجلس سے اُٹھ کر چلا جاتا تو طرح طرح کی عملی شرارتوں میں لگ جاتا۔ **نزلت فی اخنس بن شریق الثقفی** (ابن جریر) **کان رجلاً حلو الکلام، حلو المنظر** (معالم) **کان منافقا حسن العلانیة خبیث الباطن** (کبیر) مگر شان نزول کی روایتوں سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آیت کا انطباق صرف اسی خاص شخص تک محدود ہے، بلکہ جہاں کہیں بھی وہ صفات پائے جائیں گے، وہاں وہ آیت بھی چسپاں ہوگی۔ **القول الثانی فی الاٰیة و هواختیار اکثر المحققین من المفسرین ان هٰذا الاٰیة عامة فی حق کل من کان موصوفًا بهٰذه الصفات المذکورة** (کبیر) **ف۷۵۴** (اللہ کے دین کا، اللہ کے رسول کا) يُشْهِدُ اللّٰهَ۔ یعنی آپ کو اللہ کی قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتا ہے۔ قسم کا مفہوم بھی شہادت میں پیش کرنا ہوتا ہے۔ **یقول انی لاحبک و یحلف باللّٰه علی ذٰلک** (معالم) رسول سے علم غیب کی نفی پر دلائل بہت سے قائم ہیں۔ ایک مزید دلیل اس آیت سے نکلتی ہے۔ منافق کے نفاق کا علم آیت کے ذریعہ سے حق تعالیٰ آپ کو کرا رہا ہے۔ ورنہ آپ تو اس کی باتوں سے خوش ہو رہے تھے۔ اگر آپ اُسے منافق پہچان گئے ہوتے، تو ظاہر ہے کہ اس سے گفتگو میں لطف ہی کیوں لیتے **ف۷۵۵** (جیسا کہ اخنس نے کیا بھی، کہ قبیلہ ثقیف کے کھیت جلوادیے اور ان کے مویشیوں کو ہلاک کر ڈالا) **کما فعله الاخنس بثقیف اذبیتهم و احرق زروعهم واهلک مواشیهم** (بیضاوی) وَاِذَا تَوَلّٰى۔ یعنی جب مجلس رسول ﷺ سے اُٹھ کر چلا گیا۔ **ای اذا خرج من عندک** (ابن عباس رضی اللہ عنہما) **ای ادبروا عرض** (روح۔ عن الحسن) تَوَلّٰى کے دوسرے معنی "حاکم بن گیا" "حکومت پاگیا" کے بھی ہوسکتے ہیں، اور کیے گئے ہیں۔ یعنی جب وہ ملک میں حاکم ومسلط ہوجاتا ہے۔ **قال مجاهد من الولایة ای صار والیًا** (بحر) **ای ملک الامر و صار والیًا** (معالم۔ عن الضحاک) چوں ریاست پیدا کند (شاہ ولی اللہ دہلوی) اور جب حاکم ہوتا ہے (شاہ رفیع الدین دہلوی) لیکن نظم کلام وسیاق عبارت کے لحاظ سے ترجیح معنی اول کو ہے، کہ نفاق پر روشنی یہی معنی لے کر پڑتی ہے۔ **القول الاول اقرب الی نظم الاٰیة لان المقصود بیان نفاقه** (کبیر) سَعٰى کے معنی ہیں سرگرم عمل ہونا، دوڑ دھوپ کرنا۔ **السعی فی کلام العرب العمل** (ابن جریر) فِي الْاَرْضِ۔ عام طور پر اس سے مراد منافقین کی کثرت سعی اور وسعت عمل تخریب لی گئی ہے۔ **یدل علی کثرة سعیه و نقلته فی نواحی الارض** (بحر) لیکن الارض کے ال سے مراد کوئی زمین معہود یعنی شہر مدینہ بھی ہوسکتا ہے۔ **واذا کان المراد الاخنس فالارض ارض المدینة فالالف واللام للعهد** (بحر) الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ۔ کھیتوں میں اُس نے آگ لگادی، اور مویشیوں کو ہلاک کردیا۔ النَّسْلَ سے ہر قسم کے جانور مراد لیے گئے ہیں۔ النَّسْلَ **نسل کل دابة** (ابن عباس رضی اللہ عنہما) **النسل من کل شئ من الحیوان** (ابن جریر۔ عن مجاہد) ازہری لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ حرث سے یہاں عورتیں مراد ہیں اور نسل سے اولاد انسانی **ذکر الازهری ان الحرث هنا النساء والنسل الاولاد** (روح) اور جعفر صادق علیہ رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ حرث سے مراد دین ہے اور نسل سے انسان۔ **عن الصادق ان الحرث فی هٰذا الموضع الدین والنسل الناس** (روح) **ف۷۵۶** شریعت اسلام کا تو عین مشن یہ ہے کہ دُنیا کو عدل وامن سے بھر دے۔ بدامنی وفساد عین غضب الٰہی کی چیزیں ہیں، اور ہدایات اسلامی کے برعکس عمل کرنے ہی سے پھیلتی ہیں **ف۷۵۷** یعنی جب اسے اس کا کوئی مخلص ہوا خواہ سمجھاتا ہے، اور اسے تقویٰ اختیار کرنے کا مشورہ دیتا ہے، تو بجائے سنبھلنے کے وہ اور بگڑ جاتا ہے اور اپنی کج روی میں اور زیادہ دلیر ہوجاتا ہے۔ یہ بیان ہو رہا ہے اس کا کہ ایسے کافر معاند میں مخالفت حق اور ایذاء مخلوق کے ساتھ ساتھ کبر وپندار بھی کس درجہ کا ہوتا ہے **ف۷۵۸** اب بیان پھر مومنین کاملین کا ہو رہا ہے **ف۷۵۹** عباد کا لفظ ہے عام۔ لیکن سیاق چاہتا ہے کہ یہاں مراد بندگان مقبولین ہوں۔ **حیث ارشد هم الی مثل هٰذا الشراء** (بیضاوی) **لفظ العبادله فی القراٰن تشریف و اختصاص** (بحر) **ف۷۶۰** حکم خاص طور پر قابل غور ہے۔ اسلام صرف چند عقائد یا صرف چند عبادات، یا صرف چند قوانین کا نام نہیں۔ وہ تو ایک جامع ومانع نظام حیات ہے، ایک مکمل ومنظم دستور زندگی ہے۔ انسانیت کے ایک ایک شعبہ، ہر ہر گوشہ پر حاوی۔ اور اس کا ہر جزو، اُس کے کل سے، اس کے دُوسرے اجزاء سے نہایت درجہ ملحق ومرتبط۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص توحید تو اسلام سے لے لے، لیکن عبادات کے لیے مسجد، مندر، کلیسا سب کو یکساں سمجھے یا رسالت پر تو ایمان لے آئے، لیکن معاشیات کے قاعدے کارل مارکس سے اور اخلاق کے ضابطے گوتم بدھ سے لینے جائے۔ معادیات، معاشیات، اخلاقیات، اجتماعیات، اسلام کے سب اپنے ہیں، کسی اور فلسفہ کسی اور دین کسی اور نظریہ کی پیوندکاری اس کے ساتھ نبھ ہی نہیں سکتی۔ آیت کا حکم عام ہے، لیکن شان نزول کی روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ خطاب خاص نومسلم یہود کی طرف تھا۔ یہ اسلام لانے کے بعد بھی چاہتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ رعایت اپنے عقائد قدیم کی کیے جائیں۔ اور اسلام کی ایک مستقل شاخ یہودیانہ اسلام قائم کرلیں۔ جس طرح بعد کو گمراہ فرقوں کے اثر سے معتزلی اسلام، شیعی اسلام، نیچری اسلام وغیرہ بہت سے "اسلام" قائم ہو کر رہے! اُدْخُلُوْا خود ہی صیغہ امر وجوب کے معنی دے رہا ہے۔ پھر اس کے حال كَآفَّةً نے اسے کس درجہ مؤکد کردیا۔ اور بہ قاعدۂ اشارۃ النص واجب ہوگیا کہ ظاہری، باطنی، انفرادی، اجتماعی، اعتقادی، عبادتی سارے اعمال وامور میں اسلام ہی کا رنگ چڑھا رہے۔ السِّلْمِ۔ سلم کے لفظی معنی صلح وامن کے ہیں اور یہ لفظ حرب کے مقابل آتا ہے۔ **السِّلم والسَّلم الصلح و قیل السلم اسم بازاء الحرب** (راغب) لیکن السِّلْمِ سے مراد دین اسلام لی گئی ہے اہل لغت نے بھی اسے قبول کیا ہے اور صحابیوں اور تابعین سے بھی مروی ہے۔ **ای فی الاسلام** (تاج) **ای ادخلوا فی الاسلام** (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد وقتادۃ) **و فسر السلم بالاسلام** (نہر) **ف۷۶۱** یہ اس طرح مثلاً کہ اپنے کو کہلاتے تو رہو مسلمان، لیکن رسمیں اختیار کرلو مجوس عجم کی، معاشرت لے لو مشرکین ہند کی، قانون فوجداری اختیار کرلو ملحدین فرنگ کا، معاملات کرنے لگو دستور یہود کے مطابق۔ شیطان کے نقش قدم پر چلنا یہی ہے کہ اسلام میں غیر اسلام کی آمیزش کی جانے لگے، اور

اسے کوئی اصلاحی یا تجدیدی کارنامہ سمجھا جانے لگے۔ اسلام کامل فرض ہے، اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جو امر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جائے اور ایسے امر کو دین سمجھنا یہ ایک شیطانی لغزش ہے۔ اور بہ نسبت ظاہری معاصی کے اس کے اشد ہونے کے سبب یہ عذاب کا زیادہ مظنہ ہے (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۷۶۲ (وہ تو تمہیں طرح طرح کی آمیزشوں اور جدتوں کا مشورہ دیتا ہی رہے گا، خوشنما سے خوشنما عنوانات کے ساتھ) آیت میں وعید و تنبیہ شدید ہے۔ ایک طرف جاہل و مبتدع اہل تصوف و طریقت کے لیے، اور دوسری طرف "روشن خیال" اہل تجدد کے لیے ف۷۶۳ (ہر سزا پر قادر، اور سزا کو وقت مناسب ہی پر دینے والا) الْبَيِّنٰتُ مراد اس سے کھلے ہوئے احکام بھی ہو سکتے ہیں جن میں کسی قسم کا خفا یا ابہام نہیں، مثلاً عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، حکم نماز، حکم جہاد اور ہر وہ چیز بھی اس میں داخل ہے جو دین اسلام کی حقانیت یا قانونِ اسلام کی صداقت پر روشن دلیل کا کام دے سکے۔ یہ بینات خواہ جس معنی میں بھی لے لیے جائیں، بہر حال ان نومسلم یہود کے پاس پہنچ چکے تھے۔ اور انہیں کوئی وجہ اب قدم پیچھے ہٹانے یا لڑکھڑانے کی نہیں رہی تھی۔ زَلَلْتُمْ زلت کے لفظی معنی پھسل جانے کے ہیں، جو بے اختیاری میں بھی ہوتا ہے۔ یہ لفظ لا کر ڈرا دیا ہے کہ قصداً و دانستہ مخالفت تو پھر بڑی چیز ہے غلطی یا بے خیالی سے بہک جانے میں بھی گرفت کا احتمال ہے۔ عَزِيْزٌ۔ سیاق آیت میں وہ ہے جو جب اور جو کچھ چاہے سزا دے سکتا ہے۔ حَكِيْمٌ وہ ہے جو ہمیشہ وقت مناسب ہی پر سزا دیتا ہے ف۷۶۴ (جن کا کام ہی تعمیل ارشاد کرنا ہوتا ہے) اب پھر

بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ

(اور زیادہ) آمادہ کر دیتی ہے، ف۷۵۷ سو اس کے لیے جہنم بس ہے، اور بری سے بری آرام گاہ ہے! اور انسانوں

النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ

میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اپنی جان (تک) اللہ کی رضا جوئی میں بیچ ڈالتا ہے ف۷۵۸

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

اور اللہ بندوں کے حق میں بڑا شفیق ہے۔ ف۷۵۹ اے ایمان والو

ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ ف۷۶۰ اور شیطان کے نقش قدم پر

الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ

نہ چلو ف۷۶۱ وہ تو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے ف۷۶۲ پھر اگر تم بعد اس کے کہ

مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

تمہارے پاس کھلی ہوئی نشانیاں پہنچ چکی ہیں ڈگمگا گئے تو جانے رہو کہ اللہ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ

بڑا زبردست ہے بڑا حکیم ہے ف۷۶۳ (یہ لوگ) تو بس اسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس

اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ

خدا بادل کے سائبانوں میں آ جائے اور فرشتے (بھی) ف۷۶۴ اور قصہ ہی

الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِيْٓ

ختم ہو جائے، اور اللہ ہی کی طرف (سارے) معاملات رجوع کیے جائیں گے ف۷۶۵ (آپ) بنی اسرائیل

اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ

سے پوچھ دیکھیے ہم نے انہیں کھلی نشانیاں کتنی دے رکھی تھیں ف۷۶۶ اور جو کوئی

ع ۲۵ ۱۴ ۹

اشارہ اُنہی نومسلم یہود کی طرف ہے، جن کا ذکر دو آیت قبل آچکا ہے۔ یہ اسلام میں ابھی داخل ہوئے ہیں، لیکن کفر و یہودیت سے پوری طرح نہیں نکل پائے ہیں۔ يَاْتِيَهُمُ اللّٰهُ ...... وَالْمَلٰٓئِكَةُ۔ عقائد کا یہ اصولی اور مسلم مسئلہ ہے کہ ذات باری کے لیے نہ محل ہے نہ ظرف۔ اس لیے اسلامی عقیدہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے "آنے" یا "جانے" کے کوئی معنی ہی نہیں۔ امام رازی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں، اجمع المعبرون من العقلاء علی انه سبحانه و تعالیٰ منزة عن المجیء او الذهاب (کبیر) اور آگے اس پر متعدد دلائل قائم کرنے کے بعد پھر لکھتے ہیں:۔ ثبت الله تعالیٰ لیس بجسم ولا بمتحیز وانه لا یصح المجیء او الذهاب علیه (کبیر) اس لیے اکثر مفسرین نے آیت کو متشابہات میں سے مانا ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ اس پر اجمالی ایمان کافی ہے، تفصیل عقل بشری سے ماوراء ہے۔ چنانچہ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ کے لیے آنا وغیرہ جہاں مذکور ہے اس کی حقیقت کے درپے ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ جس طرح اس کی ذات کی حقیقت کسی کو مدرک نہیں ہوئی ہے، اسی طرح اس کی صفات و افعال کی کنہ معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ وجود اور وقوع پر اجمالاً بلا تعیین کیفیت ایمان لے آنا چاہیے کہ اس سے زیادہ فکر میں پڑنا مالا یطاق کا قصد کرنا ہے۔" اور صاحب روح المعانی نے یہ لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ يَاْتِيَهُمُ اللّٰهُ بالمعنی اللائق به جل شانه منزها عن مشابهة المحدثات والتقید بصفات الممکنات اور "مذہب السلف الصالح" یہ نقل ہوتا چلا آ رہا ہے کہ فالاولیٰ السکوت عن التاویل و تفویض معنی الأیة علی سبیل التفصیل الی الله تعالیٰ (کبیر) اور مفسر و محدث بغوی کو یہ لکھنا پڑا۔ الاَولیٰ فی هٰذه الأیة و فی ماشاکلها ان یومن الانسان بظاهرها ویکل علمها الی الله تعالیٰ و یعتقد ان الله عز اسمهٗ منزه عن سمات الحدث علیٰ ذٰلک مضت ائمة السلف و علماء السنة (معالم) اور بہتوں نے آیت میں يَاْتِيَهُمُ اللّٰهُ کے درمیان کوئی اور لفظ مثلاً امر یا باس یا اٰیات وغیرہ محذوف مان کر معنی یہ کیے ہیں کہ اللہ کا حکم آ پہنچے یا عذاب آ جائے۔ ای یاتیهم ثوابه و حسابه و عذابه (ابن جریر) ای امره و باسه (مدارک) ای اٰیات الله (کبیر) ای امر الله (کبیر) یاتیهم الله مما وعدهم من الثواب والعقاب قاله الزجاج (بحر) یعنی بیاید عذاب او (شاہ ولی اللہ) اور ایک جماعت نے ملائکہ کی آمد اور قضی الامر کے پہلو کو مد نظر رکھ کر ان واقعات کو روزِ قیامت سے متعلق کیا ہے، کہ یہ منکرین و معاندین قبول حق کے لیے اب شاید آمد قیامت ہی کے منتظر ہیں۔ قوله يَاْتِيَهُمُ اللّٰهُ اخبار عن حال القیامة (کبیر) یہ سب مذہب اپنی اپنی جگہ صحیح اور حق ہیں، لیکن ان سب میں بناء مشترک یہ ہے کہ آیت کا روئے سخن عام منکرین یا منافقین و اہل کتاب کی جانب سمجھا گیا ہے۔ ای یکذبون بمحمد ﷺ (ابن جریر) ارید به المنافقون او اهل الکتب (روح) لیکن سیاق کلام پر نظر کر کے اگر روئے سخن صرف یہود تک محدود کر دیا جائے تو بات بالکل صاف ہوئی جاتی ہے، اور بجائے اوپر کی تفسیرات کے صرف اتنا بڑھا دینا ہوگا، "حسب اعتقاد یہود"۔ اس لیے کہ یہود کا مذہب تشبیہ و تجسیم کا تھا۔ یہ لوگ خدا کی جسمانیت کے پوری طرح قائل تھے، اور جلوۂ حق کو بادلوں سے خاص طور پر متعلق سمجھتے تھے۔ بلکہ بادلوں کو گویا حق تعالیٰ کی سواری سمجھے ہوئے تھے۔ اُن کے مقدس صحیفوں اور نوشتوں میں اب تک اس قسم کی تعلیمات محفوظ چلی آتی ہیں "وہ نور کو پوشاک کی مانند پہنتا ہے، اور آسمانوں کو پردہ کے مانند پھیلاتا ہے۔ وہ اپنے بالا خانوں کو پانیوں میں بناتا ہے، اور بدلیوں کو اپنی رتھ ٹھہراتا ہے، اور ہوا کے بازوؤں پر وہ سیر کرتا ہے"۔ (زبور۔ ۱۰۴۔ ۳) خداوند ایک تند رو ابر پر سوار ہو کر مصر آوے گا۔ اور مصر کے بت اس کے حضور میں لرزاں ہوں گے"۔ (یسعیاہ۔ ۱۹۔ ۱) "کروبی گھر کی داہنی طرف کھڑے ہوئے، اور اندرونی صحن بادل سے بھر گیا۔ تب خداوند کا جلال کروہ سے اٹھ گیا، اور گھر کے آستانہ پر آیا، اور گھر بادل سے بھر گیا، اور صحن خداوند کے جلال کی چمک سے معمور ہوا"۔ (حزقی ایل۔ ۱۰: ۴) غرض خدائے تعالیٰ کا بادلوں سے بطور مرکب یا سواری کے قریب ترین تعلق یہود کے تخیل میں رچ گیا تھا۔ یہاں تک کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے جدید ترین ایڈیشن (طبع چہاردہم) میں حق تعالیٰ کی جو تصویر نیم یہودی نیم مسیحی تخیل کے مطابق دی ہے (جلد ۲ صفحہ ۱۰۲) اس میں (معاذ اللہ) حق تعالیٰ کو صاف صاف

بدلیوں پر سوار دکھایا ہے! تو قرآن مجید نے آیت میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی ہے، صرف یہود کے خیال کی ترجمانی، اس کی صحت و غلطی سے بحث کیے بغیر، کردی ہے کہ یہ بنی اسرائیل اسی خیال میں پڑے ہوئے ہیں کہ خدا مع فرشتوں کے بدلیوں پر سوار ہو کر ان کے سامنے آجائے گا، اور ہر امر قطعی کا فیصلہ کر کے رکھ دے گا؟ اللہ بڑے اونچے مرتبے کرے امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے، ان کی نظر سے یہ نکتہ بھی نہ بچا، صاف اپنی تفسیر میں لکھ گئے ہیں، اور صرف لکھ ہی نہیں گئے، اسی کو پہلے وھو اوضح عندی من کل ما سلف، اور پھر ھٰذا الوجه اظھر من عندی من کل ماسبق کہہ کر بہترین توجیہ بھی قرار دے گئے ہیں کہ یہود حق تعالیٰ کی تشبیہ اور تجسیم کے قائل تھے اور قرآن نے یہاں بجنسہٖ اُن کے اعتقاد کو اس پر تنقید کیے بغیر دہرا دیا ہے، اس لیے اس کے بعد نہ مجاز وغیرہ کسی تاویل کی حاجت رہتی ہے اور نہ کوئی اشکال ہی رہ جاتا ہے۔ اذا کان ھٰذا حکایة عن حال الیھود لم یمنع اجراء الاٰیة علی ظاھرھا وذٰلک لان الیھود کانوا علیٰ مذھب التشبیه و کانوا یجوزون علی اللہ المجیء والذھاب و علی ھٰذا التقدیر یکون ھٰذا الکلام حکایة عن معتقد الیھود القائلین بالتشبیه فلا یحتاج حینئذ الی التاویل و لا الی حمل اللفظ علی المجاز ...... و لیس فی الاٰیة دلالة علی انھم محقون فی ذٰلک الانتظار او مبطلون و علی ھٰذا التقدیر یسقط الاشکال (کبیر) ھَلْ ...... اِلَّا ھل یہاں استفہامیہ نہیں، بلکہ جب اِلَّا کے ساتھ آتا ہے تو نفی کے معنیٰ دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کے اس استعمال کی اور بھی مثالیں ہیں، مثلاً ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ کونھا بمعنی النفی ھو جاء بعدھا اِلَّا کثیر الاستعمال فی القراٰن و فی کلام العرب (بحر) معناہ النفی ولھٰذا جاء بعدہ اِلَّا (عکبری) و۶۵ے (آخری فیصلہ اور تصفیہ کے لیے) کلام بطور تہدید کے ہے۔ و۶۶ے (اور پھر وہ ہر آیت کا انکار و کفران بھی کس شد و مد سے کرتے رہے) اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ۔ یہ کھلی ہوئی نشانیاں کس چیز کی تھیں؟ خدائے تعالیٰ کے مخصوص فضل و کرم کی، اور بنی اسرائیل کی مخصوص سرافرازیوں کی مثلاً کتاب توریت اور دوسرے آسمانی صحیفوں کا نزول یا اس نسل میں انبیائے کرام کا مسلسل ظہور، وقس علیٰ ہذا۔ سَلْ لفظ سل سے مستنبط ہوتا ہے کہ یہ وہ تاریخی حقائق ہیں کہ اسرائیلی ان سے انکار کر ہی نہیں سکتے۔ و۶۷ے (عام اس سے کہ اس سزا کا ظہور فوری اور اسی دُنیا میں ہو، یا بہ تاخیر عالم آخرت میں) نِعْمَةَ اللّٰهِ۔ نعمت ادنیٰ بھی ہو، جب بھی نعمت ہی ہے۔ اور بہر صورت قابل قدر، چہ جائیکہ ایسی اعلیٰ نعمتیں جن سے بنی اسرائیل کی مدتوں سرفرازی رہی۔ يُّبَدِّلْ۔ تبدیل کے معنیٰ ہیں کسی شے کی اصل حقیقت کو کچھ کا کچھ کر دینا، اُس شے کے اندر تحریف کر دینا، اُسے مسخ کر دینا، اور اللہ کی نعمتوں کے اندر تبدیلی ایک تو یہ ہوئی کہ جو چیزیں ہدایت و استفادہ کے لیے تھیں، اُلٹا انہی کو فسق و کفر کے کاروبار میں لگا دیا جائے، اور یا پھر یہ کہ جو کلام باعث ہدایت ہوتا تھا، اسی میں تصحیف و تحریف کا عمل شروع کر دیا جائے۔ اہل تفسیر نے دونوں شقیں اختیار کی ہیں و تبدیلھم ایاھا ان اللہ اظھرھا لتکون اسباب ھداھم فجعلھا اسباب ضلالتھم او حرّفوا ایات الکتاب الدالّة علیٰ دین محمد ﷺ (کشاف۔ مدارک) یجعلھا سبب الضللة و ازدیاد الرجس او بالتحریف والتاویل الزائغ (بیضاوی) شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ نِعْمَةَ اللّٰهِ کی وسعت اطلاق، دینی و دنیوی ہر قسم کی نعمتوں کو شامل ہے اور یہاں ہر نعمت کے مسخ کر ڈالنے پر عذاب شدید کی وعید ہے۔ اب نعمت اگر دینی ہے، مثلاً کتاب الٰہی یا ظہور انبیاء، تو اس میں تحریف یا انکار پر عذاب اُخروی کا وقوع ظاہر ہی ہے، لیکن نعمت اگر محض دنیوی ہے، مثلاً دولت، صحت، سلطنت، تو اس کے سوء استعمال کا خمیازہ بیماری، ناکامی، افلاس، ذلت وغیرہ کی شکل میں اُٹھانا بھی مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ کا فقرہ زور دینے اور تاکید کے لیے ہے۔ یعنی بعد اس کے کہ اس نعمت کا پوری طرح تحقق ہو سکے۔ اس کے پوری طرح فہم و معرفت میں آجانے کے بعد پھر جو کوئی اس کے ساتھ کفران کرے۔ آیت آج اُمت کے کس قدر حسب حال اور کس درجہ قابل غور ہے۔ اللہ کی عطا کی ہوئی ہر دینی و دنیوی نعمت کے ساتھ آج ہمارا کیا معاملہ ہے؟ کس نعمت کا حق ہم ادا کر رہے ہیں، کونسی نعمت ایسی ہے جس کی روح ہم نے نہیں بدل ڈالی؟ ہماری نمازیں، ہمارے روزے، ہمارے حج، ہماری ساری عبادتیں مغز و روح سے خالی، ان عبادتوں کے خالی ڈھانچے رہ گئے ہیں۔ اخلاق و اتحاد کی دولت ہم نے الگ برباد کر ڈالی۔ نتیجہ جو نکلا، سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ ہاں ایک بات اور مسیحیوں کے ہاں ایک عربی داں انگریز پادری ڈاکٹر وہیری Wherry ابھی حال میں گزرے ہیں۔ مسلمانوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے، انگریزی میں مختصر سی تفسیر بھی لکھی ہے۔ اس آیت کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔ ''مسلمانوں نے متن قرآن کی جو اتنی سخت حفاظت رکھی ہے، اس کا ایک سبب اسی قسم کی تہدیدی آیتیں ہیں''۔ خیر، اس سے کم از کم محفوظیت قرآن پر شہادت تو ایک دشمن اسلام کی زبان سے ہاتھ آگئی۔ و۶۸ے (اور اس کا ساز و سامان، جاہ و حشم، باغ و مکان، موٹر اور ریڈیو، کوٹھی اور فرنیچر، سب باوجود فانی و بے حقیقت ہونے کے انہیں نہایت اہم و قابل وقعت نظر آتا ہے، اور اُن کے دلوں کے لیے خاص کشش رکھتا ہے) جو کافر ہے وہ اسی دنیوی زندگی کی مادی لذت و دولت، عیش و عشرت پر مثار رہتا ہے۔ اسی کو مہتم بالشان سمجھے ہوئے، اسی پیمانہ سے سب کو ناپتا رہتا ہے۔ وہ بے حد تنگ نظر ہوتا ہے۔ وہ اس برائے نام عیش پر عیش سرمدی و عشرت لازوال کو قربان کیے رہتا ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کافر اس باب میں معذور ہے۔ حُبِّ دنیا طبعاً اس پر اتنی غالب کر دی گئی ہے کہ وہ اس کے ترک ہی پر قادر نہیں ـــــ ایسا ہرگز نہیں۔ کافر تو کہتے ہی اس کو ہیں، جو بلا کسی معذوری کے، اپنے قصد و اختیار سے حق کے بجائے باطل کی راہ اختیار کرے اور دنیا کی خوشنمائی کا آنکھوں میں بس جانا، یہ تو کفر کا نتیجہ اور معلول ہے، نہ کہ اس کا باعث و سبب۔ اپنے ارادہ کا سوء

نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ

اللہ کی نعمت کو بدل ڈالے، بعد اس کے کہ وہ اس کو پہنچ چکی ہو تو اللہ بھی

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ

سزا دینے میں بڑا سخت ہے و۶۷ے خوشنما کر دی گئی ہے دنیوی زندگی ان لوگوں کی نظر میں جو

الدُّنْيَا وَ يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ

کافر ہیں و۶۸ے اور وہ ان لوگوں سے تمسخر کرتے ہیں جو ایمان لے آئے ہیں، و۶۹ے (درآنحالیکہ) جو لوگ

اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ

ڈرتے رہتے ہیں وہ ان سے (کہیں) اوپر ہوں گے قیامت کے دن، و۷۰ے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار

يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟

رزق دیتا رہتا ہے و۷۱ے لوگ ایک ہی امت تھے، و۷۲ے

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۪

پھر اللہ نے انبیاء بھیجے، خوشخبری دینے والے، اور ڈرانے والے، و۷۳ے

وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ

اور ان کے ساتھ کتب حق نازل کیں، و۷۴ے کہ وہ لوگوں کے درمیان اس باب میں

النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ

فیصلہ کرے جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے و۷۵ے اور کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا

اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ

مگر انہی نے جنہیں وہ ملی تھی انہی کی ضد کے باعث بعد اس کے کہ انہیں

الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ

کھلی ہوئی نشانیاں پہنچ چکی تھیں و۷۶ے پھر اللہ نے اپنے فضل سے انہیں جو

وقف لازم

استعمال تو وہ پہلے ہی کر چکا، محض نتیجہ کے طور پر مشیت تکوینی نے اس کی کوشش کو کامیاب کر دیا۔ و۷۶۹ (اور سامان دنیوی سے محروم ہیں) کافر اسی غلط معیار کی بنا پر، اسی کج نگاہی سے کام لے کر اپنے کو بڑا سمجھتا، اور ایمان وطاعت کی بے وقعتی اور تحقیر کرتا رہتا ہے۔ نگاہ کی یہ کجی، یہ غلط بینی ہی دنیا کا شدید ترین ابتلاء ہے۔ حدیث نبوی کی یہ دعا اسی فتنہ سے بچنے کے لیے ہے۔ اللّٰھم ارنا الحق حقا و ارنا الباطل باطلاً اور عارف رومی کی یہ مناجات بھی اسی موقع کے لیے ہے۔

انچہ در کون ست اشیا ہر چہ ہست — و انماجاں را بہر صورت کہ ہست

آب خوش را صورت آتش مدہ — اندر آتش صورت آبے منہ

و۷۷۰ (کہ وہ دن ہوگا کشف حقائق کا) اَلَّذِيْنَ اتَّقَوْا۔ یعنی اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ یا کفر وشرک سے بچتے رہتے ہیں۔ فَوْقَهُمْ۔ یعنی درجہ ومرتبہ میں ان سے ہزار چند بڑھے ہوئے ہوں گے۔ لانھم فی علیین و ھم فی اسفل السافلین (بیضاوی) و۷۷۱ مطلب یہ ہوا کہ دنیوی مال ودولت کا تعلق مصالح تکوینی سے ہے۔ سو یہ مال ودولت کی افراط، یہ روپیہ کی ریل پیل، یہ بڑی بڑی تجارتی کوٹھیاں اور بڑے بڑے ساہوکارے، ہرگز کوئی معیار مقبولیت یا حق وصداقت کا نہیں۔ چاہے وہ جاہ وتمول ذاتی وشخصی ہو، یا قومی واجتماعی۔ کوئی اس میں بھول نہ پڑے۔ اور ”قومی اقبال مندی“ پر نہ مغرور ہو، نہ اس سے مرعوب ہو۔ و۷۷۲ (آغازِ فطرت میں) آیت نے ایک بڑی گرہ کھول دی۔ فرنگی ”محققین“۔ حسب معمول مدتوں اس باب میں بھٹکتے رہے، اور ان میں سے اکثر یہی کہے گئے کہ انسان کا ابتدائی مذہب شرک یا تعدد الٰہہ تھا۔ شروع شروع وہ ایک ایک چیز کو خدا سمجھتا تھا۔ اور عقیدۂ توحید تک تو نسل انسانی بہت سی ٹھوکریں کھانے کے بعد، اور عقلی ودماغی ارتقاء کے بڑے طویل سفر کے بعد پہنچی ہے۔ قرآن مجید نے اس خرافی نظریہ کو ٹھکرا کر صاف اعلان کر دیا کہ نسل انسانی آغازِ فطرت میں دینی حیثیت سے ایک، اور واحد تھی۔ اس میں ”مذہب“ و ”ادیان“ کے یہ تفرقے کچھ بھی نہ تھے۔ اُمَّةً وَّاحِدَةً میں جس وحدت کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس سے دینی واعتقادی ہی وحدت مراد ہے۔ کانوا علی شریعة من الحق (ابن جریر۔ عن عباس رضی اللہ عنہما) کانوا علی الھدٰی جمیعًا (ابن جریر۔ عن قتادۃ) انھم کانوا علی دین واحد و ھو الایمان والحق ھذا قول اکثر المحققین (کبیر) صدیوں کی الٹ پھیر، قیل وقال کے بعد اب آخری فیصلہ بڑے بڑے ماہرین اثریات، انسانیات واجتماعیات کا (سر چارلس مارسٹن، پروفیسر لنگڈن، پروفیسر شمڈٹ کا) یہی ہے کہ انسان کا دین اولین، دین توحید تھا و۷۷۳ (بھٹکے ہوؤں کو راہ حق پر واپس لانے اور جمع کرنے کی خاطر) فَبَعَثَ میں ف سے مراد ہے کہ ایک مدت کے بعد، جب کہ اہل باطل اپنے اختراعی عقائد واعمال سے بہت سے فرقے اور مذاہب پیدا کر چکے تھے مُبَشِّرِيْنَ۔ یعنی خوشخبری سنانے والے اہل ایمان کو، اُن لوگوں کو جو خدائی دستورِ حیات کو قبول و اختیار کر لیں۔ مُنْذِرِيْنَ۔ یعنی ڈرانے والے اہل کفر کو، ان لوگوں کو جو خدائی دستورِ حیات کے مقابلہ میں انکار وطغیان کو قائم کریں۔ و۷۷۴ الْكِتٰبَ سے کوئی مخصوص و متعین کتاب الٰہی مراد نہیں، بلکہ ال جنس کتب کے لیے ہے، اور کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو مختلف پیغمبروں پر مختلف زمانوں میں اترتی رہیں۔ گویا لفظ کتاب صورۃً واحد ہے، اور معنیً جمع۔ یرید به الجنس (بیضاوی) بِالْحَقِّ حق کو لے کر یا اظہار حق کے لیے۔ ترکیب میں بالحق حال واقع ہوا ہے کتاب کا۔ بتبیان الحق (مدارک) حال من الکتب ای ملتبسًا بالحق شاھدًا به (بیضاوی) و۷۷۵ یعنی عقائد واعمال کے باب میں۔ یحکم۔ تاکہ وہ فیصلہ کر دے انہی انبیاء یا کتب کے واسطہ سے۔ فیصلہ کون کر دے؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کہ وہی اصلی فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس لیے لِيَحْكُمَ کی ضمیر غائب کا مرجع اللہ ہے لیکن بعض نے نبی اور بعض نے کتاب بھی مراد لی ہے۔ یہ دونوں بھی صحیح ہو سکتے ہیں۔ ای لیحکم اللہ او النبی المنزل علیه او الکتب (کبیر) والضمیر عائد علی اللہ ھذا ھو الظاھر وقیل عائد علی الکتاب (بحر) و۷۷۶ (تصدیق حق کی۔ اور اصولِ دین کے باب میں کسی قسم کا التباس اور خفاء باقی نہیں رہا) بَغْيًا بَيْنَهُمْ۔ یہاں یہ صاف کر دیا کہ

اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ

ایمان والے تھے، وہ امرِ حق بتا دیا جس کے بارے میں وہ اختلاف کر رہے تھے و۷۷۷ اور اللہ

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾ اَمْ

جسے چاہتا ہے راہ راست بتا دیتا ہے و۷۷۸ کیا

حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ

تم یہ گمان رکھتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے و۷۷۹ درآنحالیکہ (ابھی) تم پر ان لوگوں

الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ

کے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں و۷۸۰ انہیں تنگی اور سختی پیش آئی

وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ

اور انہیں ہلا ڈالا گیا و۷۸۱ یہاں تک کہ پیمبر اور جو لوگ ان کے ہمراہ

اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ

ایمان لائے تھے بول اٹھے و۷۸۲ کہ اللہ کی امداد (آخر) کب آئے گی و۷۸۳ سن رکھو اللہ کی امداد

قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ

یقیناً قریب ہی ہے و۷۸۴ آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں و۷۸۵ آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ تمہیں مال سے خرچ

مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَ الْيَتٰمٰى

کرنا ہے و۷۸۶ سو وہ حق ہے والدین کا اور عزیزوں کا اور یتیموں کا

وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ

اور مسکینوں کا اور مسافروں کا، و۷۸۷ اور جو بھی نیکی

خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ

کرو گے، اللہ کو اس کا پورا علم رہتا ہے و۷۸۸ تمہارے اوپر قتال

اختلاف اور نزاع کا باعث آپس کی ضد اور نفسانیت ہوئی، نہ یہ امر کہ اصل احکام الٰہی یا پیام حق میں کسی طرح کا اینچ پیچ تھا، اور نہ یہ کہ مسائل اجتہادی میں کوئی رائے یا اجتہاد کا اختلاف ہوا۔ اَلَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ۔ یعنی وہی لوگ جنہیں کتاب بواسطہ انبیاء ملی تھی، مراد ہیں علماء ومشائخ وپیشوایانِ قوم۔ گمرہی اور کجروی کی طرح بھی لوگ ڈالتے ہیں، عوام محض ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ و۷۷۷ (چنانچہ اہل حق کو نزاع و اختلاف کبھی مضر نہیں پڑا) لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔ میں ذکر اہل حق کے اختلاف کا ہے اہل باطل سے بِاِذْنِهٖ۔ میں اذن کے معنی فضل، توفیق ولطف کے ہیں الاذن التوفیق (تاج) بارادته و لطفه (بیضاوی) بتوفیقه و تیسیرہ (روح) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پر سوال ہوا ہے کہ جو اس کے مصداق ہو چکے تھے وہ تو خود ہی ہدایت یافتہ تھے، پھر اب انہیں ہدایت کیسی؟ جواب یہ ہے کہ ایمان سے یہاں مراد قصد ایمان و صلاحیت ایمان ہے۔ یعنی جو ایمان کے طالب تھے، انہیں ہدایت حاصل ہو گئی۔ و۷۷۸ (اور اس کی مشیت ہدایت ہمیشہ ان لوگوں سے متعلق ہو جاتی ہے جو اس کی طرف بڑھنا چاہتے، اور ضد وتعصب کو چھوڑ کر طلب حق اختیار کرتے ہیں اس میں مومنین کی تشفی وتسلی کا پہلو بھی نکل رہا ہے کہ مخالفین ومعاندین کی سرگرم کوششوں اور زبردست پروپیگنڈے سے خوف وہراس نہ کریں۔ اپنی طلب اگر صادق ہے، تو کوئی مکر وتدبیر، کوئی قوت یا شوکت ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ و۷۷۹ (بلا مشقت اور بغیر امتحان، اے گروہ مومنین!) خطاب براہ راست عہد رسالت کے مومنین سے ہے۔ ایھا المومنون باللہ و

وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ

فرض کر دیا گیا ہے ف۸۹ درآنحالیکہ وہ تم پر گراں ہے ف۹۰ لیکن کیا عجب کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہ

خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ

تمہارے حق میں بہتر ہو اور کیا عجب کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی ہو، ف۹۱

وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢١٦﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ

اور علم تو اللہ ہی رکھتا ہے، اور تم علم نہیں رکھتے ف۹۲ اور آپ سے حرمت والے مہینے کی بابت (یعنی) اس

عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ

میں قتال کی بابت دریافت کرتے ہیں ف۹۳ آپ کہہ دیجیے کہ اس میں قتال کرنا

كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ

بڑا (گناہ) ہے، ف۹۴ اور اس سے کہیں بڑے (جرم) اللہ کے نزدیک، اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور

الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

مسجد حرام سے روک دینا اور اس سے اس کے رہنے والوں کو نکال دینا ہیں ف۹۵

وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

اور فتنہ قتل سے (کہیں) بڑھ کر ہے ف۹۶ اور یہ لوگ تو تم سے جنگ جاری ہی رکھیں گے،

حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَ مَنْ

تا آنکہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر ہی کر رہیں ف۹۷ اور جو کوئی بھی تم میں سے

يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ

اپنے دین سے پھر جائے اور اس حال میں کہ وہ کافر ہے مر جائے

فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ

تو یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے ف۹۸

ع ۲۶ / ۱۰

سلہ (ابن جریر) ف۸۰ یعنی اُن مومنین سابقین، ان انبیاء قدیم کی امتوں کی سی آزمائش اور مصیبتیں۔ مَثَل کے معنی غیر معمولی حالات وتجربات کے ہوتے ہیں۔ المثل الشبه الاانه مستعار لحال غريبة
قضية عجيبة لها شان (بحر) یہاں مراد اُن پچھلی امتوں کے تحمل شدائد سے ہے۔ ماينال من اذى الكفار والفقر والمجاهدة فى سبيل الله (بحر) حالهم التى هى مثل فى الشدة (كشاف)
یت سے یہ مراد نہیں کہ کوئی مومن محض ایمان کی برکت اور فضل خدا سے جنت میں داخل ہی نہ ہو سکے گا جب تک کہ مجاہدات شدیدہ کی منزل سے نہ گزر لے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ صحابہ جن درجاتِ عالیہ کے طالب تھے اور
ول مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ ہر مومن کو طلب ایسی ہی رکھنی چاہیے۔ ان درجات عالیہ تک پہنچنے کے لیے عام شرط ان منزلوں سے گزرنے کی ہے۔ باقی نفس مجاہدہ تو ہر مومن کو اپنے درجہ وبساط کے لحاظ سے کرنا ہی ہوتا ہے۔
ف۸۱ (شدت تکلیف سے) اے مُزُكوا بانواع البلايا و الرزايا (کبیر) الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ۔ یعنی مخالفین کے ہاتھوں انہیں جو مصیبتیں جھیلنا پڑیں۔ دونوں لفظ قریب المعنٰی ہیں۔ فرق یہ کیا گیا ہے کہ باساء
ں راحت وآسائش کے فقدان کا پہلو نمایاں ہے اور ضراء میں واقعی درد واذیت کا۔ الباساء عبارة عن تضييق جهات الخير والضراء عبارة عن انفتاح جهات الشر (کبیر) ان آزمائشوں کے تذکرے
یم صحیفوں میں بھی بکثرت ملتے ہیں۔ مثلاً ”صادق پر بہت سی مصیبتیں ہوتی ہیں“۔ (زبور۔ ۳۴۔۱۹) ”چاندی کے لیے گھریا ہے اور سونے کے لیے بھٹی، پر خداوند دلوں کو تپاتا ہے“۔ (امثال ۱۷: ۳) ”ضرور ہے
کہ ہم بہت سی مصیبتیں سہ کر خدا کی بادشاہت میں داخل ہوں“ (اعمال ۱۴: ۲۲)
ف۸۲ (شدتِ غم وحزن سے بے قرار ہو کر) الرَّسُوْلُ سے مراد اس زمانہ کے پیمبر
ہیں۔ المراد من الرسول الجنس لا واحد بعينه (روح) الرسول ههنا اسم
جنس (نہر) ف۸۳ نَصْرُ اللّٰهِ۔ یعنی نصرتِ موعود۔ انبیاء ومومنین کا یہ قول حالت
اضطرار میں دعا ومناجات کے طور پر تھا، نہ بہ طور اعتراض وشکوہ۔ وعدہ نصرت الٰہی کا تھا،
مگر یہ تعیین تو نہ تھا کہ کس وقت ہوگی۔ جب ہجوم شدائد ہوتا، تو نصرتِ غیبی کی ضرورت
محسوس کرتے، اور اپنے اجتہاد سے بہ الحاح وزاری پکارتے کہ حضرت، یہی تو وقت
دستگیری ونصرتِ غیبی کے نزول کا ہے۔ (تھانوی) آیت میں اشارہ ہے کہ امت محمدیؐ
کو بھی ہر قسم کی بلائیں پیش آئیں گی، جیسی کہ اگلی امتوں کو پیش آ چکی ہیں۔ ف۸۴ یہ
جواب ان امتوں کو ان کی درخواست کا ملا کرتا۔ اس میں مومنین کو ہمیشہ کے لیے
بشارت اور تسلی مل گئی۔ اور اس حقیقت کا بیان آ گیا کہ نصرتِ الٰہی اپنے وقت پر ضرور آ
کر رہے گی۔ مجاہدات سے گھبرانا اور بددل نہ ہونا چاہیے۔ صوفیہ نے آیت سے یہ تعلیم
بھی اخذ کی ہے کہ حالات مخالف کے ہجوم سے بہ تقاضائے بشریت اضطراب تو کاملین
تک کو ہوتا ہے، مگر ساتھ ہی ثابت قدمی اور اتباع احکام کی برکت سے نصرتِ الٰہی
حاصل ہو کر رہتی ہے۔ ف۸۵ (اور کن موقعوں پر) سال المؤمنون رسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم اين يضعون اموالهم (روح۔ عن ابن جریج) المطلوب بالسوال ان
مصرفه اى شئ هو (کبیر۔ عن القفال) مرادهم من قولهم ليس هو طلب
الماهية بل طلب المصرف (کبیر) سوال مسلمانوں کی طرف سے تھا، اور اس
باب میں تھا کہ اپنی حسب ہمت وحیثیت اور خوشدلی سے کب خرچ کریں۔ باقی جو خرچ
کہ فرض ہو چکا تھا، یعنی زکوٰۃ، اس کا حساب کھلا ہوا تھا۔ سوال اس کی بابت نہ تھا۔
الاكثرون على ان الأية فى التطوع (روح) عن الحسن هى فى
التطوع (مدارک) قرآن جو مکمل دستور حیات ہے، اس میں معاشیات کے
مسائل کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے، اپنی جگہ پر وہ پوری اہمیت اس کے اندر رکھتے
ہیں۔ ف۸۶ خَيْرٍ کا مفہوم علاوہ نیکی اور بھلائی کے معروف ومتعارف معنٰی کے
سود اور نیک کمائی والے مال کے بھی ہیں۔ المال من وجه محمود (راغب)
اور یہاں یہی مراد ہے ف۸۷ مصارفِ خیر کی یہ فہرست کیسی جامع اور اس کی
ترتیب کس قدر حکیمانہ ہے۔ سب سے بڑھا ہوا اور اہم ترین حق انسان کے ماں
باپ کا ہے۔ جتنی بھی مالی خدمت ہو سکے، اُن کی کی جائے۔ پھر دُوسرے عزیزوں کا
نمبر ہے، اور اس میں بھائی، بہن، چچا، پھوپھی وغیرہ سب آ گئے ـــــ شریعت نے
اپنے نظام میں خاندان کو جو مرکزی اہمیت دی ہے، اس پر یہ ایک اور دلیل ہے
ـــــ پھر اُمت کے وہ فرزند ہیں، جو معاش کے سب سے بڑے ظاہری سہارے
یعنی شفیق باپ کے سایہ سے محروم ہو چکے ہیں۔ پھر وہ اللہ کے بندے ہیں، جن پر کسی طبعی معذوری کی وجہ سے یا اور کسی خارجی سبب سے معاش کے عام ذریعے بند یا قریباً بند ہو چکے ہیں۔ اور اپنی ضرورتوں
کے پوری ہونے کے لیے بیرونی امداد کے محتاج ہیں۔ اور آخر میں وہ عام انسان آتے ہیں، جو اپنے وطن سے علیحدہ ہونے کے باعث عارضی طور پر احتیاج یا تنگدستی میں مبتلا ہیں۔ قریبی اور دُور کے حقدار اور ملی
رشتہ رکھنے والے سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر کس خوبصورتی سے ایک فریم کے اندر ”فٹ“ ہو گئے۔ مقصود شریعت یہ ہرگز نہیں کہ پڑوس میں ہمارا بھائی بھوک سے تڑپ رہا ہو، اور ہم اس سے بے خبر چندہ لکھوا
رہے ہوں چینی ریلیف فنڈ میں! ف۸۸ (اور اس لیے اس کا اجر بھی پورا ادا کر رہے گا) خَيْرٍ، عام ہے۔ بدنی مالی، بڑی، چھوٹی ہر قسم اور درجہ کی نیکی کو شامل ہے۔ آیت میں تنبیہ ہے کہ گمراہ قوموں نے اپنے
دیویوں، دیوتاؤں سے متعلق جو عقیدے گھڑ لیے ہیں، اُن پر قیاس کر کے یہ نہ سمجھ لینا کہ اسلام کے خدا کا بھی علم ناقص یا محدود ہے یا جزئیات یا مخفیات پر محیط نہیں۔ ف۸۹ (جب اس کے شرائط کا تحقق
ہو جائے، اے مسلمانو!) قتال کے آداب، شرائط وقواعد میں سے کچھ پہلے اسی پارہ میں بیان ہو چکے ہیں، کچھ آئندہ حسب موقع بیان ہوتے رہیں گے۔ غیر مصافی کو قتل نہ کرنے پر اسلام نے جو ”زور“ دیا ہے،
اس کو یاد رکھ کے ذرا ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو، ایسی کتاب سے جو یہود ونصاریٰ دونوں کے نزدیک مقدس ہے:۔ ”سو اب تو جا، اور عمالیق کو مار، اور جو کچھ اس کا ہے یکلخت ختم کر، اور اُن پر رحم مت

کر، بلکہ مرد اور عورت، ننھے بچے شیر خوار اور بیل، بھیڑ، اور اونٹ اور گدھے تک کو سب کو قتل کر"۔ (ا۔سموئیل۔۱۵: ۲) ف۷۹۰ جیسا کہ بالکل قدرتی اور طبعی ہے۔ اپنی جان کس کو عزیز نہیں ہوتی، اور اپنی جان خطرہ میں ڈالتے ہوئے ہر جاندار قدرۃً ہچکچاتا ہے۔ پھر مکہ کے غریب مہاجرین جو ابھی ترکِ وطن کر کے مدینہ میں آ کر پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے، دونوں روپیہ پیسہ میں، ساز و سامان میں، تعداد میں، غرض مادّی اعتبار سے کسی معنٰی میں بھی اپنے حریفوں کے مدمقابل نہ تھے۔ ان شکستہ دلوں، شکستہ بازوؤں کو حکم جنگ و قتال پا کر اگر طبعی گرانی محسوس ہوئی ہو تو یہ ان کے مرتبہ اخلاص اور قوت ایمانی کے ذرا بھی منافی نہیں۔ شاق علیکم مکروہ طبعا (بیضاوی) مکروہ بالطبیعة (بحر) ھٰذہ الکرہ من حیث نفور الطبع عنه لما فیه من مؤنة المال ومشقة النفس و خطر الروح لا انھم کرھوا امر الله تعالٰی (معالم) هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ آیت پوری تردید کر رہی ہے اُن بے غیرت "مستشرقین" کی جنہوں نے یہ لکھ ڈالا کہ مسلمان مالِ غنیمت کی حرص میں خود ہی مشتاقِ جنگ وقت کے تھے! كُرْهٌ لفظاً مصدر ہے، معنٰی مفعول کے دے رہا ہے۔ جیسے خبز سے مخبوز مراد ہو جاتی ہے، اور نقض سے مراد منقوض۔ ف۷۹۱ تعداد میں قلیل اور قوت و شوکت میں ضعیف و مضمحل جن مسلمانوں کو جہاد و قتال پر آمادہ کرنے کے لیے قرآن مجید کو اس تفصیل و اہتمام سے کام لینے کی ضرورت پیش آ رہی ہے اُن کی بابت اسلام کے مشہور و معروف "کرم فرما" اور مسیحی دُنیا کے نامور مؤرخ و سیرت نویس، پروفیسر مارگولیس کا یہ قول کس قدر "سچائی" اور "دیانت" سے لبریز ہے کہ (نعوذ باللہ) "محمد ﷺ نے اپنے شورش پسند پیرووں کو مشغول کار رکھنے کے لیے انہیں جہاد میں لگا دیا"! گویا کمزوروں کا زور آوروں کے سامنے اپنی جانیں دینے کے لیے آنا، شکار کی قسم کا کوئی مشغلۂ سیر و تفریح تھا! ــــ دین کے دشمنوں پر یہ بھی اللہ کی کیسی پھٹکار ہے، کہ عقلیں بھی مسخ ہو جاتی ہیں! شَيْئًا صیغہ نکرہ ہے، اور اس سے یہ اشارہ نکل آیا، کہ یہاں کوئی کلی قاعدہ نہیں بیان ہو رہا ہے۔ یعنی ہر طبعی و مرغوب و محبوب کا شر ہونا اور ہر طبعی مکروہ و مبغوض کا خیر ہونا لازمی نہیں۔ ف۷۹۲ یعنی اللہ ہی کا علم کامل اور ظاہر و باطن ہر پہلو کو محیط ہے۔ اس لیے اس کے احکام ہمیشہ بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ انسانی علم اس کے برخلاف کسی چیز کا بھی کامل و جامع نہیں ہوتا۔ اس لیے خود انسان کی واقفیت و مصلحت اسی میں ہے کہ احکام خداوندی کی تعمیل بے چون و چرا کر لیا کرے۔ ف۷۹۳ الشھر الحرام بالشھر الحرام کی ذیل میں اُوپر گزر چکا ہے کہ قمری سال کے چار مہینے، محرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، عرب جاہلیت میں متبرک و محترم تھے۔ قتل و غارت تو ان لوگوں کا پیشہ تھا، لیکن اس زمانہ میں ہر قسم کی جنگ بند رہتی تھی۔ الشَّهْرِ الْحَرَامِ سے یہاں مراد ماہِ رجب ہے۔ ہوا یہ کہ ۲ ہجری میں یعنی ہجرت مدینہ سے کوئی ۱۷ مہینے بعد ایک بار سفر میں بعض صحابیوں کا مقابلہ مشرکین سے ہو گیا، اور ایک مشرک مقاتلہ میں جان سے مارا گیا۔ واقعہ کی تاریخ صحابیوں کے خیال میں ۳۰ جمادی الثانی کی تھی۔ بعد کو علم ہوا (جیسا کہ آج بھی قمری مہینوں میں بارہا ہوتا رہتا ہے) کہ چاند ۲۹ کا ہو گیا تھا، اور وہ تاریخ یکم رجب کی تھی۔ مشرکین نے سہو و غلطی کی اس رائی کو لے کر پہاڑ بنا دیا، اور طعن و اعتراض شروع کر دیا کہ مسلمانوں کو اب محترم مہینوں کی حرمت کا بھی لحاظ نہیں۔ ان محمدا بعث سریة فلقوا عمرو بن الحضرمی اٰخر لیلة من جمادی الاوّل لیلة من رجب و ان اصحاب محمد ﷺ کانوا یظنون تلک اللیلة من جمادی و کانت اول رجب و لم یشعروا فقتله رجل منھم واحد (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) لقی و اقد بن عبدالله عمرو ابن الحضرمی اول لیلة من رجب و ھو یری انه من جمادی فقتله (ابن جریر۔ عن مقسم) قِتَالٍ فِيهِ ترکیب میں بدل ہے الشَّهْرِ الْحَرَامِ سے۔ بدل اشتمال من الشھر الحرام (بیضاوی) و ھٰذا یسمّی بدل الاشتمال کقولک اعجبنی زید علمه و القعنی زید کلامه (کبیر) ف۷۹۴ (جب کہ دانستہ یعنی ماہِ حرام کا علم رکھنے کے باوجود ہو۔ اور یہ جرم مسلمانوں سے سرے سے سرزد ہی نہیں ہوا) وما وقع من اصحابه علیه السلام کان من باب الخطاء فی الاجتھاد و ھو معفوٌّ عنه (روح) فقہاء مفسرین میں ایک بڑی بحث اس کی ہوئی ہے کہ حرمت والے مہینوں میں قتال اب بھی جائز ہے یا نہیں؟ محققین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جب کافر اس زمانہ میں قتال شروع کر دیں، تو مسلمان کی حیات کی حفاظت کے لیے دفاعی و جوابی قتال تو بہر حال جائز ہے۔ لا خلاف فی جواز القتال فی الشھر الحرام او اذا بدءوا (زاد المعاد۔ فصل احکام غزوہ خیبر) گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے بھی اس میں ابتداء جائز ہے؟ انما الخلاف ان یقاتل فیه ابتداء (زاد المعاد) سو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و امام

شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور فقہاء اس کے قائل ہیں کہ قرآن ہی کی دُوسری آیتوں سے یہ حکم حرمت کالعدم ہو گیا ہے، اور اب جہاد ان مہینوں میں بھی شروع ہو سکتا ہے۔ فالجمھور جوزوہ وقالوا تحریم القتال فیه منسوخ و ھو مذھب الائمة الاربعة (زاد المعاد) قال سائر العلماء ھی منسوخة (ابن العربی) روٰی سلیمان بن یسار و سعید بن المسیب ان القتال جائز فی الشھر الحرام و ھو قول فقھاء الامصار (جصاص) لیکن عطاء تابعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض اور اکابر اس کے قائل ہیں کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ممانعت کا حکم دائمی و قطعی ہے۔ بلکہ عطاء تو اپنے فتوے کی صحت پر حلف اٹھا لینے کو تیار تھے۔ مذھب عطاء وغیرہ الٰی انه ثابت غیر منسوخ و کان عطاء یحلف بالله ما یحل القتال فی الشھر الحرام (زاد المعاد) کان عطاء یحلف انھا ثابت لان الاٰیات التی بعدھا عامة فی الازمنة وھٰذا خاص والعام لا ینسخ بالخاص باتفاق (ابن العربی) قالت طائفة حکمه باق لم ینسخ و فیمن قال ذٰلک عطاء بن ابی رباح (جصاص) ف۷۹۵ (سو بالفرض وہ جرم مسلمان سے سرزد ہوا بھی ہوتا، جب بھی ایسے شدید بلکہ اشد جرائم کے مجرموں کو کیا حق ہے ایک اتفاقی واقعہ قتل پر اعتراض و احتجاج کا؟) صَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ۔ اللہ کی راہ سے مراد اسلام ہے، اس سے روکنا یعنی اسلام قبول کرنے والوں کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا، اُن پر ظلم و ستم توڑنا۔ سبیل الله ای الاسلام او ما یوصل العبد الی الله (بیضاوی) كُفْرٌ بِهِ۔ یعنی اللہ سے کفر اختیار کرنا۔ اللہ کے دین و شریعت کو نہ قبول کرنے، اور اللہ کا شریک دوسروں کو ٹھہرانے کا عین کفر ہونا ظاہر ہی ہے وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ مسجد کعبہ خاص اہل توحید ہی کا معبد و مرکز ہے۔ اس کا ہر وقت اللہ کے پرستاروں کے لیے کھلا رہنا اسلامی حکومت کے فرائض اولین میں سے ہے۔ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کا عطف ترکیب میں سَبِيلِ اللَّهِ پر نہیں، بلکہ تقدیر کلام یوں ہے ویصدون عن المسجد الحرام۔ ولا یحسن عطفه علٰی سبیل الله (بیضاوی) تقدیرہ و یصدون عن المسجد (عکبری) واختار ابو البقاء کونه متعلقاً بفعلٍ محذوف ای علیه الصد ای ویصدون عن المسجد الحرام (روح) إِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ۔ دونوں ضمیریں الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کی طرف ہیں۔ یعنی رسول ﷺ اور مومنین کو ہر طرح تنگ و پریشان کر کے مسجد الحرام سے نکال دینا، وہاں اُن کا داخلہ بند کر دینا۔ انہیں اہل اس لیے کہا گیا کہ یہی لوگ تو اس حرمت والی مسجد کے حقوق ادا کرنے والے تھے۔ انما کانوا اھله لانھم القائمون بحقوقه (روح) گویا کافروں کے اعتراض کے جواب میں دو باتیں ارشاد ہوئیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں سے وہ گناہ عمداً زمانۂ حرمت میں قتل کرنے کا عمل صادر ہی نہیں ہوا۔ دوسری بات یہ کہ بالفرض صادر ہوتا بھی تو تمہارے ایسے سنگین و شدید جرائم سے اس کا کیا مقابلہ؟ ف۷۹۶ (اپنے مفاسد اور اپنی معترتوں کے لحاظ سے) الْفِتْنَةُ سے مراد وہ شدید مزاحمتیں اور رکاوٹیں ہیں جو معاندین نے دین حق کی راہ میں پیدا کر رکھی تھیں ــــ اُس دین کی راہ میں جس کا مقصد ہی دنیا کو راہِ امن دکھانا اور تمام زحمتوں اور کلفتوں سے نجات دلانا ہے۔ ای مما یفتن به المسلمون و یعذبون به لیکفروا (روح) والمعنٰی عند جمھور المفسرین الفتنة التی کانت تفتن المسلمین عن دینھم حتّٰی یھلکوا (بحر) الفتنة ھی ما کانوا یفتنون المسلمین عن دینھم تارة بالقاء الشبھات فی قلوبھم و تارةً بالتعذیب (کبیر) فتنة کے معنٰی یہاں مطلق کفر کے بھی کیے گئے ہیں، لیکن زیادہ چسپاں نہیں ہوتے، یہ قول امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے و ھو عندی ضعیف (کبیر) قول محقق وہی ہے جو اُوپر درج ہوا۔ أَكْبَرُ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور تابعین کے قول میں اشد سے آئی ہے۔ مِنَ الْقَتْلِ۔ یعنی اس خاص واقعۂ قتل سے۔ مقصد ارشاد یہ ہے کہ دین حق کی راہ میں جو لوگ رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، اور لوگوں کو اس طرف آنے سے طرح طرح کی سازشوں، تدبیروں، ترکیبوں سے روکتے ہیں، وہ حقیقۃً دنیا کو امن، عدل و عافیت سے محروم کر دینا چاہتے ہیں۔ اور اس لیے وہ نوع و نسل انسانی کے مجرم ہیں۔ اسلامی جہاد کی تو غایت ہی دنیا سے ہر قسم کی خود غرضیوں اور فریب کاریوں، ظلم و جور، شورش و بدامنی کو دُور کرنا ہے۔ جو احمق اس کو اور عام دنیوی حکومتوں کے قتل و قتال کو یکساں سمجھ رہے ہیں، وہ جراح کے نشتر اور ڈاکو کے خنجر کو ایک سطح پر رکھ رہے ہیں۔ ف۷۹۷ یہ بیان ہے اس کا کہ مشرکین عرب اسلام سے کس درجہ بیزار اور حق کے کس درجہ دشمن تھے۔ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ میں اشارہ انہی دشمنانِ حق کی جانب ہے۔ ایک انگریز مترجم قرآن، کیمبرج یونیورسٹی کے استادِ عربی، پروفیسر پامر ہوئے ہیں، اس موقع پر طنز و تعریض کا نشتر یوں چلاتے ہیں:۔ "اب اسلام نے کافروں پر ہر چہار طرف سے دھاوا بول دیا"۔ دھاوا چاروں طرف سے یقیناً بول دیا گیا تھا،

لیکن اس جھوٹ میں سچ صرف اتنا ہے کہ یہ دھاوا اسلام کا نہ تھا، خود اسلام پر تھا۔ حَتّٰی کے معنی یہاں "تاکہ" کے ہیں اور غرض و مقصود کے اظہار کے لیے ہے۔ حتّٰی للتعلیل (بیضاوی) یجوزان یکون بمعنی الی (عکبری) امے الی ان یردوکم و قیل المعنی لیردوکم (کبیر) اِنِ اسْتَطَاعُوْا میں اشارہ یہ پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا اپنے دین سے ہٹنا اور کافروں کا انہیں اپنی کوششوں سے ہٹالینا کچھ آسان نہ تھا۔ استبعاد لاستطاعتهم (کبیر) اشارة الی تصلبهم فی الدین و ثبات قدمهم فیه کانهٗ قیل و انّی لهم ذٰلک (ابوسعود) ف۷۹۸ حَبِطَتْ ...... الْاٰخِرَةِ حبط اعمال کا اثر آخرت میں تو یوں ظاہر ہوگا کہ یہ بدنصیب مرتد اپنے کو ہر ساعت کے اجر اور ہر عبادت کے ثواب سے محروم پائے گا۔ اور دنیا میں اس کا ظہور یوں ہوگا کہ نہ مسلمان بیوی سے اس کا نکاح قائم رہ سکتا ہے، نہ مسلمان کی میراث میں اُسے حصہ مل سکتا ہے۔ بلکہ حکومت اگر اسلامی ہو تو ایسے بدعہد، باغی و غدار کو زندہ رہنے کا بھی حق باقی نہیں رہتا۔ شریعت یہود میں ارتداد ہی نہیں، سعی ارتداد اور ترغیب ارتداد کی بھی سزا قتل و سنگساری ہے۔ توریت میں ہے:۔ "اگر تیرا بھائی جو تیری ماں کا بیٹا ہے یا تیرا ہی بیٹا ہے یا تیری بیٹی یا تیری ہمکنار جورو یا تیرا دوست جو تجھے جان کے برابر عزیز ہے تجھے پوشیدہ میں پھسلاوے اور کہے کہ آج غیر معبودوں کی بندگی کریں جن سے تو اور تیرے باپ دادے واقف نہیں تھے...... تو تو اُس سے موافق نہ ہونا، اور اُس کی بات نہ سننا۔ تو اُس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا، تو اُس کی رعایت نہ کرنا، تو اُسے پوشیدہ نہ رکھنا، بلکہ اُسے ضرور قتل کرنا۔ اس کے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ بڑھے اور بعد اس کے قوم کے ہاتھ۔ اور تو اُسے سنگسار کرنا، تا کہ وہ مر جائے"۔ (استثناء۔ ۱۳: ۶۔۱۰) اور نصرانیوں کے ہاں بھی۔ "دانستہ ارتداد ناقابل تلافی گناہ ہے قتل اور زناکاری کے درجہ کا"۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۶ صفحہ ۶۲۳) چنانچہ انگلستان میں ایک چھوٹے پادری نے جب تیرہویں صدی مسیحی میں ایک یہودن سے شادی کے پھیر میں دین نصرانیت کو ترک کر دیا تھا تو اُسے آکسفرڈ میں ۱۷۔ اپریل ۱۲۳۲ء کو جلا دیا گیا۔ (ایضاً۔ صفحہ ۶۲۴) فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ۔ "اُسی حالت کفر ہی میں اُس کی موت آجائے" یہ فقرہ بڑھا کر گویا یہ ترغیب دے دی کہ اگر خدانخواستہ کوئی مرتد ہو ہی گیا، تو اب بھی موقع ارتداد سے پھر اپنے دین کی طرف واپس آجانے کا باقی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فقرہ سے یہ استنباط کیا ہے کہ محض ارتداد سے اعمال کا حبط نہیں ہو جاتا جب تک کہ مرتد کی موت بھی ارتداد پر نہ ہو۔ و بها احتج الشافعیؒ علی ان الردة لا تحبط العمل حتّٰی یموت علیها (مدارک) قید الردة بالموت علیها فی احباط الاعمال کما هو مذهب الشافعی (بیضاوی) لیکن حنفیہ کے پاس جواب ہے کہ یہ مسئلہ تو خود قرآن ہی نے صاف کر دیا ہے، اور ایک دُوسری آیت میں صاف حبط عمل کو نفس ارتداد پر معلق کر دیا ہے۔ و من یکفر بالایمان فقد حبط عملهٗ اور یہی قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ قال مالک یحبط بنفس الردة (ابن العربی) يَرْتَدِدْ باب افتعال سے ہے۔ اور افتعال میں ایک مفہوم تکلف کا بھی نکلتا ہے۔ بعض اہل معانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ فعل کے اس باب میں لانے سے اسی عمل ارتداد کے استبعاد پر توجہ دلانا ہے وجاء الفعل هنا بمعنی التعمل و التکسب لانه تکلف اذ من باشر دین الحق یبعدان یرجع عنه (بحر) عَنْ دِيْنِهٖ۔ دین سے یہاں کھلی ہوئی مراد دین اسلام ہے کہ خطاب یہاں مومنین ہی سے ہے۔ ف۷۹۹ خٰلِدُوْنَ۔ خلود کے معنی ہیں کسی چیز کا ایک حالت پر بغیر کسی قسم کا خلل پڑے ہوئے قائم و باقی رہنا۔ الخلود بقاء الاشیاء علی الحالة التی علیها من غیر اعتراض الفساد (راغب) اس تصریح نے اور صاف کر دیا۔ ورنہ یوں بھی عالم آخرت ہمیشگی کا عالم ہے۔ وہاں کی ہر سزا اور جزا (تاوقتیکہ موقت و محدود نہ کر دی جائے) یوں بھی دائمی و جاودانی ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قدیم محقق مترجمین نے اپنے ترجموں میں اس پہلو کو واضح کر دیا ہے۔ ایشاں دراں جاویدند۔ (شاہ ولی اللہ دہلوی) وہ بیچ اُس کے ہمیشہ رہیں گے (شاہ رفیع الدین دہلوی) ف۸۰۰ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا۔ دین کے تحفظ و بقا کی خاطر وطن جیسی عزیز و محبوب چیز کو مع وہاں کے تمام مرغوبات و مالوفات کے چھوڑنا اور کفر کی بستی کو ترک کر کے ایمان کی بستی میں آجانے کا نام ہجرت ہے الخروج من الکفر الی دار الایمان (راغب) جٰهَدُوْا۔ جہاد کے معنی شدید کوشش اور جدوجہد کے ہیں۔ اس میں سب طرح کی بلائیں اور تکلیفیں آگئیں، اور اس کی بڑی فرد قتال ہے۔ فاطر کائنات کے قانون میں ہجرت و جہاد دونوں کے بڑے فضائل اور بڑے مرتبے ہیں۔ ایمان خود ہی کیا کم دولت ہے، اور پھر جب اُس کے ساتھ یہ دونوں مرتبے بھی حاصل ہو جائیں، تو اُس کے درجہ کا کیا ٹھکانا ہے! نفس ایمان تو سب صحابیوں میں مشترک تھا ہی، کثرت سے صحابہ ان دونوں دولتوں سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہ قید لگا کر پھر اس حقیقت کو صاف کر دیا، کہ ہجرت و جہاد، بجائے خود کیسے ہی مجاہدے سہی، اللہ کے ہاں مقبول جبھی ہیں، جب خدا کی راہ میں ہوں، دین خدا کے واسطے ہوں۔ ورنہ محض محنت ہی محنت ہاتھ رہے گی ــــ وطن، قوم، نسل، رنگ کے نام پر جانیں دے دینے والے، بڑی سی بڑی مصیبتیں جھیل لے جانے والے آج ہندوؤں، پارسیوں، جرمنوں، انگریزوں، روسیوں، امریکیوں، جاپانیوں سب میں لاکھوں، کروڑوں کی تعداد میں مل جائیں گے، سب کے سب فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے وصف سے خالی! اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے ؎ ثواب جب ہے کہ ناخوش ہو اس بنا پر تم ✖ دلوں کو طاعت حق سے یہ دور کرتے ہیں ✖ نہ یہ کہ عیش میں میرے ہیں یہ خلل انداز ✖ ہمیں ضعیف سمجھ کر غرور کرتے ہیں ✖ ف۸۰۱ اس میں بشارت و تسلی ان مومنین کے لیے ہے جن کے ہاتھ سے ایک مشرک کا قتل یکم رجب کو بغیر صحیح تاریخ سے واقفیت کے ہوگیا تھا۔ اُوپر حاشیوں میں ضروری تفصیل گزر چکی۔ ف۸۰۲ ان صفات کے اثبات سے مقصود مومنین کی مزید تشفی و بشارت ہے۔ غَفُوْرٌ۔ سو وہ اپنی صفت

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

اور یہ اہل دوزخ ہیں اسی میں (ہمیشہ) پڑے رہنے والے ف۷۹۹

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

میں جہاد کیا ف۸۰۰ تو یہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھیں گے ف۸۰۱ اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ

بڑا بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے ف۸۰۲ (لوگ) آپ سے شراب اور قمار کی بابت دریافت کرتے ہیں ف۸۰۳

قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَآ

آپ کہہ دیجیے کہ ان میں بڑا گناہ ہے ف۸۰۴ اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں ف۸۰۵ اور ان کا گناہ

اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ

ان کے فائدوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے، ف۸۰۶ اور (لوگ) آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں، ف۸۰۷

قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

آپ کہہ دیجیے کہ جتنا آسان ہو، ف۸۰۸ اللہ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر احکام بیان کرتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ

تاکہ تم سوچ لیا کرو دنیا اور آخرت کے (معاملات) میں، ف۸۰۹ اور (لوگ) آپ سے

عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَ اِنْ

یتیموں کے باب میں دریافت کرتے ہیں، ف۸۱۰ آپ کہہ دیجیے کہ مصلحت کی رعایت رکھنا بہتر ہے، ف۸۱۱ اور اگر

تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ

تم ان کے ساتھ (خرچ) شامل رکھو تو وہ تمہارے بھائی (ہی) ہیں، ف۸۱۲ اللہ کو علم ہے کہ مفسد (کون) ہے

غفوریت کے تقاضہ سے اس سہو وخطا کو معاف کرے گا۔ رَّحِیۡمٌ۔ سو وہ اپنی صفت رحیمیت کے تقاضہ سے اجر بھی مرحمت فرمائے گا۔ ف۸۰۳ یعنی اُن کے حکم شرعی کی بابت، ان کے جواز وعدم جواز کی بابت۔ والمعنی یسئلونک عما فی تعاطیھما بدلیل (کشاف) دل تخصیص الجواب علی ان ذٰلک السوال کان واقعًا عن الحل والحرمۃ (کبیر) اَلۡخَمۡرِ۔ خمر ومیسر یہاں دونوں اپنے عام ووسیع معنی میں ہیں۔ خمر کے تحت میں ہر وہ نشیلا مشروب داخل ہے جو عقل کو مختل کردے۔ اسم لکل مسکر خامر العقل (تاج) الخمر ما اسکر من عصیر کل شیٔ (تاج) سمیت لکونھا خامرۃ لمقر العقل (راغب) شریعت نے بھی اسی لغوی مفہوم کو قبول کرلیا ہے۔ صحابیوں اور تابعین سب سے یہی معنی منقول ہیں۔ الخمر ما خامر العقل (بخاری۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما) الخمر کل شراب خمر العقل فسترہ و غطی علیہ (ابن جریر) اَلۡمَیۡسِرِ بھی ایسے ہی وسیع معنی میں ہے، اور جوئے کے تمام اقسام پر شامل ہے۔ کل شیٔ فیہ قمار فھو من المیسر (تاج) علمائے شریعت نے بھی اسی لغوی مفہوم پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔ المیسر و ھو القمار (ابن کثیر) یعنی القمار (معالم) و فی حکم المیسر انواع القمار و النرد والشطرنج و غیرھما (مدارک) شراب اور جوا جس طرح آج فرنگی تہذیب میں جائز ہی نہیں، بلکہ عین اس تہذیب کا جزو بنے ہوئے ہیں، اور دلیل عزت وشرافت ہیں، اسی طرح قدیم عربی تہذیب کا بھی جزو تھے، اور لوازم شائستگی میں سے سمجھے جاتے تھے۔ اور اکیلے عرب ہی پر موقوف نہیں، یہ مشغلے سارے روئے زمین پر پھیلے ہوئے تھے، اور ہندی تہذیب، مصری تہذیب، یونانی تہذیب، رومی تہذیب تو خیر خود ہی جاہلی تہذیبیں تھیں، اسرائیلی اور مسیحی تہذیبیں تک جو شرف رسالت کے تعلق سے مشرف تھیں، ان کی روک تھام نہ کرسکی تھیں۔ شریعت اسلامی ہی دُنیا کا وہ قانون ہے جس نے آکر اُن کی قطعی حرمت کا اعلان کیا۔ یہ آیت سلسلہ حرمت کی سب سے پہلی آیت ہے۔ قطعی حکم بعد کو نازل ہوا۔ علامہ آلوسی بغدادی، صاحب تفسیر روح المعانی نے اس مقام پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، کہ ہمارے زمانہ کے فاسقوں نے نشیلے مشروبات کے لیے طرح طرح کے خوشنما نام اور لقب رکھ لیے ہیں۔ عرق عنبری، ماءالاکسیر وغیرہا لیکن نام کے بدل دینے سے حقیقت اور حکم شرعی نہیں بدل جایا کرتا۔ نشہ آور چیزیں بہرحال حرام ہیں۔ علامہ کا سال وفات ۱۸۵۳ء ہے۔ گویا آج (۱۹۴۵ء) سے ایک سو سال قبل کے عراق میں آپ کو یہ حسرت ناک تجربے ہوچکے تھے۔ اُن مرحوم کو کیا اندازہ کہ آج فرنگیوں کے اثر سے اُن کے وطن عراق ہی میں نہیں، بلکہ مصر، ایران، ترکی، شام وغیرہ میں شراب کتنی اور کن کن شکلوں کے ساتھ پھیل چکی ہے! اور خمر ہی نہیں میسر بھی کیسے کیسے نئے اور خوشنما ناموں کے ساتھ "تہذیب وتمدن" کا جزو بن چکا ہے۔ اور کتنے گوشوں میں داخل ہوچکا ہے! ف۸۰۴ (جیسا کہ مشاہد ہے) اِثۡمٌ کا لفظ ہر ایسے فعل کے لیے آتا ہے جو نیکی کی راہ سے رکاوٹ پیدا کرنے والا ہو۔ اسم للافعال المبطئۃ عن الثواب (راغب) اِثۡمٌ کا اطلاق کسی عمل پر خود اسے حرام قرار دینے کے لیے کافی ہے۔ الاثم کلہ محرم (جصاص) چہ جائیکہ جب اس پر تاکید بھی کَبِیۡرٌ کے ساتھ موجود ہو! اِثۡمٌ کَبِیۡرٌ ہی سے فقہاء نے نکالا ہے کہ شراب کی مقدار قلیل بھی حرام ہے۔ ولا حد علی تحریم القلیل منہ (جصاص) اور اس لحاظ سے قرآن مجید ان دونوں کے حق میں لفظ اِثۡمٌ بہت خوب لایا۔ معاشرہ میں آج تک جتنے فسادات شراب نوشی سے پیدا ہوچکے ہیں، اظہر من الشمس ہیں۔ گالیاں یہ بکوائے، بے حیائی یہ پھیلائے، حرامکاری کی طرف یہ لائے، بلوے، دنگے یہ کراوے، چوری ٹھگی پر یہ آمادہ کردے۔ قتل کی نوبت یہ لے آئے، ہر عبادت سے، طہارت سے، پاکیزہ منشی سے یہ روک دے، اور اسراف تو اس کے لیے کوئی بات ہی نہیں۔ اور قمار بازی کی لائی ہوئی مصیبتیں کچھ کم ہیں؟ فرنگستان کے سب سے بڑے قمار خانہ مونٹے کارلو Monte Carlu میں ہر سال کتنی بے شمار دولت تلف ہوتی رہتی ہے! دیوالی اور جنمکھٹ کی راتوں کو ہندوستان کے اندر کیا کچھ نہیں ہوتا؟ اور پھر جوئے کی جدید ترین شکلوں، بیمہ کمپنیوں کے جوئے، گھڑ دوڑ کے جوئے، چٹھیوں (لاٹریوں) کے جوئے، سٹے وغیرہ کو کوئی کہاں تک شمار کرے؟ سچ کہا اُن مفسرین نے جنہوں نے کہا کہ ان دونوں مشغلوں کے اندر نیکیوں سے بڑی رکاوٹ ہے۔ فی تناولھما ابطاءٌ عن الخیرات (راغب) من حیث ان تناولھما موذ الی مایوجب الاثم وھو ترک المامور و فعل المحظور (روح) بعض صحابیوں، مثلاً حضرت عمر اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کی بابت منقول ہے کہ انہوں نے شراب کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ازخود دریافت کرنا شروع کردیا تھا کہ ایسی چیز جو عقل اور مال دونوں کو غارت وبرباد کردینے والی ہو، اُس کے باب میں کیا حکم ہے؟ کان المسلمون یشربونھا و ھی حلال لھم ثم ان عمر و معاذًا و نفرًا من الصحابۃ قالوا یا رسول اللہ افتنا

فی الخمر فانھا مُذھبۃ للعقل مسلبۃ للمال (کبیر) صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اگر قلوب میں ازخود اتنی جلا پیدا ہوگئی ہو، تو اس میں حیرت ہی کیا ہے؟ ف۸۰۵ (کچھ تھوڑے، بہت) حق تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کائنات میں سرے سے مضر ہی مضر اور ہر طرح نفع اور مصلحت سے خالی، کوئی شے موجود ہی نہیں۔ یہاں تک کہ شراب نوشی اور قمار بازی جیسے گندے مشغلے بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ مثلاً شراب سے بعض بیماریوں کا علاج ہوسکتا ہے۔ بعض شرابیں خوشبو رکھتی ہیں، شراب سے فوری لذت وسرور حاصل ہوتا ہے، بعض قوتوں میں عارضی طور پر تحریک پیدا ہوجاتی ہے، وقس علیٰ ہذا یا اسی طرح جوئے میں جو جیتتا ہے، اسے بلا مشقت وتعب تھوڑی ہی دیر میں آمدنی ہوجاتی ہے۔ و قس علی ھذا۔ ای باللذۃ والفرح فی الخمر و اصابۃ المال بلا کدفی المیسر (جلالین) مفسرین نے آیت کے اس جزو کے تحت میں شراب کے بہت سے منافع ومصالح اپنی اپنی بصیرت ودائرۂ علم کے لائق گنائے ہیں۔ اور یہیں سے ایک اور مسئلہ نکل آیا۔۔۔ کسی حرام اور ناجائز شے کے جزوی منافع و مصالح بیان کرنا اُس کی حرمت کے منافی اور اس کی حرمت سے انکار کے مرادف ہرگز نہیں۔ آج جو "اسپرٹ" ملی ہوئی انگریزی دوائیں کثرت سے چل پڑی ہیں، یہ عموماً تیزاب کے قسم کی ہوتی ہیں۔ اور فقہاء نے انہیں زہر کے حکم میں رکھا ہے۔ ف۸۰۶ (اس لیے عقل سلیم کے لحاظ سے یہ دونوں چیزیں قابل ترک اور واجب الاحتراز ہیں) فقہاء نے کہا اور بالکل صحیح کہا ہے کہ حرمت خمر پر دوسری آیتیں اس سے صریح تر نہ موجود ہوتیں، جب بھی خود یہ آیت حرمت کے لیے کافی تھی۔ ھٰذہ الاٰیۃ قد اقتضت تحریم الخمر لو لم یرو غیرھا فی تحریمھا لکانت کافیۃ مغنیۃ (جصاص) یہ فخر تاریخ میں اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اُس نے اپنے ایک اشارہ سے اپنے حدود مملکت سے کہنا چاہیے کہ ان خبائث کا خاتمہ ہی کردیا۔ اور اشخاص وافراد کی کارستانیوں سے قطع نظر، اُمت کی نظر میں، بحیثیت مجموعی لفظ "شرابی" اور لفظ "جواری" دونوں کو انتہائی تحقیر وذلت کا لقب ٹھہرا دیا۔ یہ اسلام ہی کا اعجاز ہے کہ اُس نے اپنے پیروؤں کو جہاں تک ان اخلاقی نجاستوں کا تعلق ہے، پاکیزگی اور ستھرائی کے اس بلند مقام پر پہنچادیا، جہاں تک باوجود علم وفضل وفہم ودانش کے بلند بانگ دعووں کے، آج تک نہ کوئی "ٹمپرنس ایسو سی ایشن" (اعتدال، احتیاط کی تبلیغ کرنے والی انجمن) پہنچا سکی ہے نہ کوئی پروہیبشنسٹ Prohibitionist گورنمنٹ" (قانون امتناع جاری کرنے والی حکومت)! سر ولیم میور، اپنے نہیں، بیگانے ہیں۔ معتقد نہیں، منتقد ہیں۔ باوجود اس کے لکھتے ہیں:۔ "اسلام فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ترک میکشی کرانے میں جیسا وہ کامیاب ہوا ہے، کوئی اور مذہب نہیں ہوا ہے"۔ (لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۵۲۱) انیسویں صدی کے ربع آخر میں لندن میں چرچ کانگرس کے ایک اجلاس کے موقع پر ایک ممتاز پادری اسحٰق ٹیلر نے کہا تھا:۔ "دنیا میں انسداد مے نوشی کی سب سے بڑی انجمن خود اسلام ہے۔ برخلاف اس کے ہماری یورپین تجارت کے قدم جہاں جہاں پہنچتے جاتے ہیں، مے نوشی وبدکاری اور لوگوں کی اخلاقی پستی بڑھتی ہی جاتی ہے"۔ ٹمپرنس کے نام سے مے نوشی میں اعتدال واحتیاط پیدا کرنے کے لیے یورپ اور امریکہ۔ اور ہندوستان میں آج بھی خدا معلوم کتنی انجمنیں بہترین نظم ونظام اور شہرت کارکردگی کے ساتھ قائم ہیں، اور امریکہ کے مشہور کارکن "گربہ پا جانسن" Pussy Foot Johnson نے تو اپنی سرگرمیوں کی دھوم ساری دنیائے متمدن میں مچادی۔ اور بڑے بڑے ڈاکٹر اور ماہرین سائنس شراب کے نقصانات پر بیانات اور اعداد برابر شائع ہی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان ساری سرگرم کوششوں کے باوجود خود انہی لوگوں کو یہ اقرار ہے کہ شراب کو قطعی حرام کیے بغیر کوئی چارہ نہیں"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۲۶ صفحہ ۵۹۰ طبع یازدہم) ہندوستان میں ابھی دو ہی چار سال ہوئے (غالباً ۱۹۳۹ء میں) متعدد صوبہ وار حکومتوں نے اپنے علاقوں میں قانون امتناع نافذ کیا تھا۔ لیکن آخر میں وہ قانون واپس لیتے ہی بنی!...... محکمہ آبکاری کی لکھوکھا روپیہ کی آمدنی سے دستبردار ہوجانا کوئی آسان بات ہے؟ رہی قمار بازی۔ سو اس باب میں قانون اسلام سے باغی ومنحرف ہوکر یورپ اپنے ہاتھوں اپنا جو حال کررہا ہے، وہ عالم آشکار ہے۔ خودکشی اور اقدام خودکشی کے کتنے واقعات، مے نوشی اور قمار بازی ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں! پھر مالی ابتری کا اندازہ اس سے کیجئے کہ یورپ کی پہلی جنگ عظیم سے قبل، اکیلے ملک انگلستان سے متعلق تخمینہ ہے کہ کم از کم دس کروڑ پونڈ سالانہ کی رقم اپنے مالکوں کے قبضہ سے نکل کر جواریوں کے ہاتھ میں پہنچتی رہتی ہے! (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس۔ جلد ۶ صفحہ ۱۶۴) یہ تخمینہ یورپ کے صرف ایک ملک، اور ایک چھوٹے سے رقبہ سے متعلق تھا، اور وہ بھی پہلی جنگ عظیم سے قبل کا! یورپ کے کل ملکوں (اور اس فہرست میں دنیائے معلوم کا مشہور ترین قمار خانہ مانٹی کارلو بھی شامل ہے) اور امریکہ کی ساری ولایتوں کی مجموعی تباہ کاریوں کے جدید ترین تخمینہ کے لیے تو

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حساب کے کن ہندسوں تک میزان پہنچے! اریں قانونِ وقت کی ناکام کوششیں، تو اسی انسائیکلوپیڈیا کے اسی مقالہ میں ہے کہ ”قانون اس میں کمی پیدا کرنے کی اپنی والی سب ہی کوششیں کررہا ہے، بجز اُسے قطعی ممنوع کرنے کی ناممکن کوشش کے“۔ (ص ۱۶۵) یہ حوصلہ اسلام ہی کا تھا کہ اس نے ”عقلائے فرنگ“ کی اس ”ناممکن“ کوشش کو اپنے حدود میں ممکن ہی نہیں واقع کرکے دکھا دیا۔ **و۸۰۷** (خیر خیرات میں) فرض زکوٰۃ کی تو شرح متعین تھی۔ یہ سوال اس کے علاوہ دوسرے نیک کاموں میں صرف سے متعلق تھا۔ **و۸۰۸** اور اس آسانی کا معیار، بہ قول مفسر تھانوی علیہ رحمۃ اللہ یہ ہے کہ اس سے کسی حقدار کا حق ضائع نہ ہو اور اپنے ضروری مصارف میں تنگی نہ اُٹھانا پڑے۔ اَلْعَفْوَ۔ عفو سے مراد بس اتنا خرچ کرنا ہے جو اپنے اُوپر بار نہ ہو۔ العفو نقیض الجهد و هو ان ينفق مالا يبلغ انفاقه منه الجهد (کشاف) ای مالا یجهد (روح۔ عن الحسن) ای انفقوا ما فضل عن قدر الحاجة (مدارک) **و۸۰۹** (ان احکام پر عمل کے وقت) امورِ آخرت میں غور و فکر کرتے رہنے کی اہمیت تو ظاہر ہے۔ یہاں حکم اس کا مل رہا ہے کہ امورِ دُنیا میں بھی سوچ بچار سے کام لیا کرو۔۔۔ تو کیا دُنیا بھی اس قابل ہے کہ اس کے معاملات میں غور و تدبر سے کام لیا جائے؟ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ راز اس کا یہ ہے کہ انسان خلوِ ذہن کے ساتھ جس قدر دنیا اور اُس کے کاروبار کو سوچے گا، اسی قدر اس کی بے ثباتی اور بے قدری اس کے دل پر جمتی جائے گی۔ **و۸۱۰** (کہ ان کے خرچ کا انتظام رکھا جائے، آیا اپنے حساب میں شامل رکھا جائے یا ان کا حساب بالکل الگ کردیا جائے) یہ سوال کرنے والے یتیموں کے اولیاء تھے، جن کی ولایت و سرپرستی میں یتیم بچے پل رہے تھے۔ اللہ رے صحابہ رضی اللہ عنہم کی احتیاط اور مرتبہ تقویٰ! صراحت کے ساتھ آکر سوال کیا کہ یتیموں کی جائیدادوں سے انتفاع کی آیا کوئی شکل بھی اولیاء اور سرپرستوں تک کے لیے جائز ہے؟ جائیداد کی طمع بھی بری ہوتی ہے۔ عرب جاہلی میں بہت سے لوگ اس لیے یتیموں کو اپنی ولایت و سرپرستی میں لیتے تھے کہ اُن کی جائیداد میں خورد برد کا موقع مل جائے گا۔ بلکہ کوئی یتیم لڑکی اگر مالدار نظر آئی، تو اُس سے اپنے لڑکے کی شادی بھی اسی طمع میں کردیا کرتے تھے۔ اَلْيَتٰمٰى۔ یتیم کی جمع ہے۔ اور یتیم سے مراد وہ لڑکا یا لڑکی ہے، جس کے سر سے باپ یا ماں کا سایہ اُٹھ گیا ہو۔ احکامِ شریعت میں یتیمی باپ کی طرف سے معتبر مانی گئی ہے۔ اليتيم المنفرد عن اجداديه (جصاص) انما المراد بالايتام الفاقدون لاٰبآئهم و هم صغار (جصاص) **و۸۱۱** سو وہ جس طریق پر حاصل ہو وہی صورت اختیار کی جائے۔ یہاں اصل اصول بیان کردیا کہ مقدم شرط جائیدادِ یتیم کے مصالح کی رعایت ہے۔ اگر اس کا تقاضہ یہ ہو کہ اپنا اور یتیم کا حساب ایک میں رکھا جائے، تو یہی کیا جائے، ورنہ اس کے برعکس۔ اصلاح کا لفظ عام ہے۔ اگرچہ اس کا قریبی تعلق مالی مصالح سے ہے۔ لفظ کے عموم میں جسمانی، مالی، اخلاقی، ہر قسم کی اصلاح آ گئی۔ فقہاء نے بہ قاعدۂ اقتضاء النص اس عموم سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یتیم پر جو تہدید، تنبیہ، تعلیم و تربیت کی ضرورت سے ہو وہ بالکل درست ہے۔ اسلام کی یتیم نوازی، یتیم پروری کا اعتراف اپنوں ہی کی طرح بیگانوں اور منکروں کو بھی ہے۔ برطانوی مصنف باسورتھ اسمتھ نے لکھا ہے:۔ ”پیمبر کی توجہ خصوصی کے مرکز غلاموں کی طرح یتیم بھی رہے ہیں۔ وہ خود بھی یتیم رہ چکے تھے۔ اس لیے دل سے چاہتے تھے کہ جو حسن سلوک خدا نے ان کے ساتھ کیا وہی وہ دوسروں کے ساتھ رکھیں۔“ (محمد اینڈ محمڈنزم، صفحہ ۲۵۱) امریکی ماہر اجتماعیات، ڈاکٹر رابرٹس لکھتے ہیں:۔ ”قرآن کے مطالعہ سے ایک خوشگوار ترین چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں کا کس قدر خیال تھا۔ خصوصاً اُن بچوں کا جو والدین کی سرپرستی سے محروم ہوگئے ہوں۔ بار بار تاکید بچوں کے ساتھ حسن سلوک کی ملتی ہے“ (سوشل لاز آف دی قرآن صفحہ ۴۰۔۴۱) اور پھر کہا ہے:۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں کے باب میں اپنی خاص توجہ مبذول رکھی۔ یتیموں کے حقوق کا بکثرت ذکر اور اُن سے بدسلوکی کرنے والوں اور اُن کے حقوق غصب کرنے والوں کے خلاف سخت سے سخت وعیدیں سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پہلو کو ظاہر کرتی ہیں، جس پر مسلمان مصنفین کو بجا طور پر ناز ہے“ (ص ۴۱)۔ **و۸۱۲** (بھائی ہیں۔ اور اس لیے مشترک خرچ میں کوئی مضائقہ نہیں) اِخْوَانُكُمْ لفظ اخ یا بھائی انتہائی اخلاص، یگانگت و مودت کا مظہر ہے۔ اس ذرا سے لفظ میں بہت کچھ آگیا۔ جب تم اور وہ بھائی ہی بھائی ٹھہرے، تو بھائی بھائی میں تکلف کیسا؟ ۔۔۔ اور عرب میں تو یہ رشتہ اور زیادہ قوی تھا۔ فهم اخوانكم والاخوان يعين بعضهم بعضا و يصيب بعضهم من اموال بعض على وجه الاصلاح والرضاء (معالم) چونکہ اس وقت اکثر مسلمانوں کے پاس، مسلمان ہی یتیم تھے، اس لیے اِخْوَانُكُمْ فرمایا۔ ورنہ اگر دوسرے مذہب کا بچہ بھی اپنی تربیت میں ہو، اس کا بھی بجنسہٖ یہی حکم ہے۔ اور اس کی دلیل دوسری آیات و احادیث ہیں جو الفاظ

عامہ سے وارد ہیں۔ بلکہ اُس کے ساتھ مذہبی رعایت اتنی اور زائد ہے کہ اس بچہ پر بعد بلوغ قبول اسلام کے لیے جبر نہیں کیا جاتا، مذہبی آزادی دی جاتی ہے“۔ (تھانوی) **و۸۱۳** یعنی اس پر سب کی نیک نیتی اور بدنیتی دونوں خوب روشن ہیں۔ اَلْمُفْسِدَ یعنی یتیموں کی مصلحت کو ضائع کرنے والا۔ الذی یقصد بالمخالطة الخیانة و افساد مال الیتیم (معالم) اَلْمُصْلِحِ یعنی یتیموں کی مصلحت کا لحاظ رکھنے والا الذی یقصد الاصلاح (معالم) مفسر ابو سعود نے کہا ہے کہ لفظ اَلْمُفْسِدَ کو اَلْمُصْلِحِ پر مقدم رکھنے میں وعید میں تاکید اور تہدید اور زیادہ پیدا ہوگئی۔ **و۸۱۴** یعنی بجائے ان آسانیوں کے اس باب میں کوئی سخت قانون بنا دیتا۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ، یعنی اگر اس کی حکمت و مشیت تکوینی کا اقتضاء یہی ہوتا۔ **و۸۱۵** یہاں اپنی دونوں صفات یاد دلا دیں۔ پہلی صفت عَزِيْزٌ کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ جو حکم چاہتا دے سکتا تھا، کوئی قوت اُس سے بالاتر، کوئی حاکم اُس کے اُوپر ممکن نہیں۔ سب پر بالادست خود ہی ہے۔ لیکن دوسری صفت حَكِيْمٌ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ احکام وہی دیتا ہے جو بندوں کے لیے نرم و آسان و قرین مصلحت ہوں۔ **و۸۱۶** (اے مسلمان مردو!) میاں بیوی کا رشتہ انتہائی اُلفت و رفق کا، اور باہمی مناسبت اور موانست کا ہوتا ہے۔ بیوی کو اگر شوہر سے اس درجہ نامناسبت ہے کہ وہ اس کی ساری شعوری اور اختیاری زندگی کے اصل اصول یعنی توحید و رسالت ہی کی منکر ہے، تو معلوم ہوا کہ دونوں میں باہمی مناسبت کی بنیاد درجہ ضعیف میں بھی موجود نہیں، مرد کو ایسی عورت کے ساتھ عمر نباہ کرنے کا خیال ہی چھوڑ دینا چاہیے، موافقت کامل کے دوسرے اجزاء عناصر موجود نہ ہوں، نہ سہی، لیکن کم از کم وہ بنیادی عقیدہ تو مشترک ہو، جس کے تابع و ماتحت، چھوٹا بڑا، زندگی کا ہر معاملہ ہے۔ فطرتِ بشری خود ایسے بے جوڑ ازدواج سے ابا کرتی ہے، دینِ فطرت اسے کیونکر جائز رکھ سکتا تھا۔ پھر نکاح اسلام میں ایک دینی اور مذہبی عمل ہے۔ محض معاہدۂ دیوانی Civil Contract نہیں۔ جب ایک فریق دین و مذہب کی بنیادوں ہی سے منحرف ہے، تو اس کے ساتھ معاہدہ ممکن کیونکر ہے؟ اَلْمُشْرِكٰتِ۔ لفظ مشرکہ یہاں اپنے عام و وسیع معنٰی میں ہے۔ ہر قسم کی کافر یا غیر مسلم عورت اس حکم ممانعت میں داخل ہوگئی۔ اس کا بت پرست ہونا لازمی نہیں۔ قول محقق یہی ہے۔ عن ابن عمر انها عامة فی الکتابیات و غیرهن (جصاص) المشرکات هنا الکفار (نہر) والاکثرون من العلماء علی ان اللفظ المشرک یندرج فیه الکفار من اهل الکتاب و هو المختار (کبیر) امام مالک علیہ رحمۃ اللہ و امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ بس اسی آیت پر رُک گئے ہیں اور اُن کی فقہ میں ہر قسم کی غیر مسلم عورت سے نکاح ناجائز ہے۔ لا یجوز العقد بنکاح علی مشرکة کانت کتابیة او غیر کتابیة قال عمر فی احدٰی روایته و هو اختیار مالک والشافعی (ابن العربی) لیکن فقہاء حنفیہ کی نگاہ مزید نکتہ سنجی کے ساتھ قرآن مجید ہی کی ایک دوسری آیت کی طرف بھی گئی، اور وہ آیت سورۂ مائدہ کی ہے۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ الخ اور انہوں نے پہلی آیت کے عموم کو اس کی جگہ پر رکھ کر اس کا خصوص اس دوسری آیت سے پیدا کیا۔ یعنی عام قاعدہ کے لحاظ سے تو ہر غیر مسلمہ کے ساتھ نکاح ناجائز ہے لیکن کتابیہ یعنی یہودی یا نصرانی عورت اس حکم سے مستثنٰی ہے۔ اور یہی مذہب ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض تابعین سے مروی ہوا ہے۔ و هو عموم خص بجواز نکاح الکتابیات (نہر) عن ابن عباسؓ قال فی ولا تنکحوا المشرکات نسخ من ذٰلک نکاح نساء اهل الکتاب احلهن للمسلمین و حرم المسلمات علی رجالهم و عن الحسن و مجاهد مثل ذٰلک (روح) مفسر تھانوی علیہ رحمۃ اللہ کے چند افادات اس موقع پر نقل کرنے کے قابل ہیں:۔ ۱۔ ہندو عورت یا آتش پرست عورت سے نکاح نادرست ہے۔ ۲۔ کتابی عورت سے نکاح جائز ہے، لیکن بہتر نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ناپسند فرمایا ہے اور خود حدیث میں نکاح کا حکم دیندار ہی عورت سے کرنے کا ہے۔ ۳۔ ایسی عورت جو وضع و طرز سے کتابیہ معلوم ہوتی ہو، لیکن بعد تحقیق اُس کے عقائد کتابیوں کے سے نہ نکلیں، اُس سے بھی نکاح نادرست ہے۔ یہودیت چونکہ ایک نسلی مذہب ہے، اس لیے اسرائیلیوں کو غیر اسرائیلیوں سے نکاح کرنے کی سخت ممانعت ہے، خروج، ۳۴: ۶ استثناء ۷: ۱۔ ۴۔ عزرا ۹ و ۱۰ مسیحی مذہب میں بھی ”بے ایمانوں“ یعنی غیر مسیحیوں سے ازدواج کی ممانعت ہے۔ ۲ کرنتھیون ۶: ۱۴، ۱۵۔ ویسٹر مارک کی کتاب مختصر تاریخ نکاح (شارٹ ہسٹری آف میرج) میں ہے ”سینٹ پال کی تعلیم ہے کہ کوئی عیسائی کسی کافر سے ہرگز نکاح نہ کرے۔ اور ٹرٹولین کے نزدیک تو ایسے ازدواج کا نام حرامکاری ہے“ (ص ۵۸) اور ہندوؤں کے ہاں تو نکاح مذہب سے باہر ہونا کیا معنٰی ”ذات“ کے باہر بلکہ برادری کے باہر بھی درست نہیں۔ حَتّٰى يُؤْمِنَّ۔ یہ قید لگا کر بتا دیا کہ ممانعت کی بنیاد تمامتر دینی و اعتقادی ہے۔ نسلی، قومی، جغرافی وغیرہ ہرگز نہیں۔ جو بھی ایمان لے

آئے، اسی وقت جائز ہوجاتی ہے۔ و۸۱۷ (اور پسندیدگی کی بنا خواہ یہ ہو کہ وہ مالدار ہے، یا یہ کہ وہ حسین وجمیل ہے یا ان کے علاوہ کوئی اور بنا ہو) آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ کفر قرآن کی نظر میں کس قدر مبغوض ہے۔ کافر عورت میں جو بھی خوبیاں ہوں، کل ایک طرف اور اُس کے کفر کی گندگی دوسری طرف۔ لَاَمَةٌ میں ل زور اور تاکید کے لیے ہے۔ اُردو میں ایسے موقع پر "تک" لاتے ہیں۔ لام الابتداء الشبیهة بلام القسم فی افادة التاکید (ابوسعود) واللام فی افادة التوکید (کبیر۔ عن ابی مسلم) مطلب یہ ہوا کہ ہر مسلم عورت، یہاں تک کہ نعمت آزادی سے محروم اور عرفاً حقیر وذلیل سمجھی جانے والی باندی تک آزاد، خوش حال، خوش جمال کافر عورت سے بہتر ہے۔ و۸۱۸ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا۔ یہ ٹکڑا یہاں بھی اسی حقیقت کے زوردار اظہار کے لیے ہے کہ اصلی مانع وحائل اُن مردوں کا کفر ہے۔ جب یہ مانع دور ہوجائے، تو پھر کوئی امر مانع نہیں۔ الْمُشْرِكِيْنَ۔ "مشرک" یہاں بھی اسی عام ووسیع معنی میں ہے جیسے "مشرکہ" ابھی اوپر آچکا ہے یعنی ہر قسم کے کافر کے مرادف ہے۔ قانون اسلام کا منکر جو کوئی جس قسم کا بھی ہو مومن خاتون اُس کے نکاح میں نہ دی جاسکتی ہے، نہ رہ سکتی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ شوہر اگر پہلے سے مسلمان ہے، اور بعد کو خدانخواستہ مرتد ہوگیا، تو مسلمان عورت اسی وقت اُس کے نکاح سے باہر ہوجائے گی۔ اور جو نکاح ابھی تک صحیح تھا ٹوٹ جائے گا۔ اور یہ عورت عدت پوری کر کے کسی مسلمان شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اگر میاں بیوی پہلے سے کافر ہیں، اور عورت مسلمان ہوگئی، تو اب بقاء نکاح کی کوئی صورت نہیں، بجز اُس کے کہ شوہر بھی اسلام

مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور مصلح (کون) و۸۱۳ اور اللہ اگر چاہتا تو تم کو پریشانی میں ڈال دیتا، و۸۱۴ اللہ یقیناً

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى

زبردست ہے، حکمت والا ہے و۸۱۵ اور نکاح مشرک عورتوں کے ساتھ نہ کرو جب تک

يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ

وہ ایمان نہ لے آئیں و۸۱۶ کہ مومنہ کنیز تک بہتر ہے (آزاد) مشرک عورت سے

وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى

اگرچہ وہ تمہیں پسند ہو و۸۱۷ اور اپنی عورتوں کو (بھی) مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک

يُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ

وہ ایمان نہ لے آئیں و۸۱۸ اور مومن غلام تک بہتر ہے و۸۱۹ مشرک (آزاد) سے اگرچہ وہ

اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا

تمہیں پسند ہو وہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں و۸۲۰ اور اللہ جنت و مغفرت

اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ

کی طرف بلا رہا ہے و۸۲۱ اور لوگوں سے اپنے احکام کھول کر

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ؑ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

بیان کرتا ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں و۸۲۲ اور لوگ آپ سے حیض کا حکم

الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي

دریافت کرتے ہیں و۸۲۳ آپ کہہ دیجیے کہ وہ ایک (طرح کی) گندگی ہے و۸۲۴ پس تم عورتوں کو حیض کے دوران

الْمَحِيْضِ ۙ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا

میں چھوڑے رہو و۸۲۵ اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے قربت نہ کرو و۸۲۶ پھر جب وہ

ع ۲۷ / ۵ / ۱۱

قبول کرلے۔ مزید تفصیل اس قسم کے مسائل کی کتب فقہ میں ملے گی۔ لَا تُنْكِحُوا۔ خطاب مردوں سے ہے کہ تم اپنی عورتوں کو کافروں کے نکاح میں نہ دو۔ حکم خود عورتوں کو براہ راست نہیں مل رہا ہے کہ تم کافروں کے نکاح میں نہ جاؤ۔ یہ طرز خطاب بہت پر معنی ہے۔ صاف اس پر دلالت کررہا ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح مردوں کے واسطہ سے ہونا چاہیے۔ و۸۱۹ (علمی قابلیت کی بناپر، اونچی ڈگریوں کی بناپر، بڑے عہدوں کی بناپر، کسی بھی دنیوی بنیاد پر) لَعَبْدٌ کا ل یہاں بھی تاکید اور زور کے لیے ہے۔ اردو کے "تک" کے معنی میں یعنی نعمت آزادی سے محروم، اور عرفاً حقیر وذلیل سمجھے جانے والے غلام تک کو اختیار کرسکتے ہو، لیکن نہ اختیار کرو تو کسی کافر کو، خواہ وہ دنیاوی اعتبار سے کیسا ہی بڑا آدمی ہو۔ و۸۲۰ اِلَى النَّارِ۔ دوزخ کی طرف، یعنی اُن اعمال اور اُن عقائد کی طرف، اُس طریق زندگی کی طرف، جس کا انجام دوزخ ہے۔ اور وہ طریق کفر وشرک ہے۔ ای الی الاعمال موجبة للنار (معالم) ای الکفر المؤدی الی النار (بیضاوی) اُولٰٓئِكَ۔ اشارہ انہی کافر مردوں اور کافر عورتوں کی جانب ہے۔ اُن کی طرف سے مزید نفرت دلانے کے لیے یہ فقرہ بھی بڑھادیا گیا ہے۔ گویا جتادیا ہے کہ ایسے گئے گزرے ہوئے اور خطرناک لوگ تو معمولی تعلقات رکھنے کے بھی قابل نہیں، چہ جائیکہ ان سے ازدواج کا سا گہرا رشتہ پیدا کیا جائے! و۸۲۱ (چنانچہ اس رحمت ومغفرت ہی کے تقاضے سے اُس نے یہ حکم بھی دے رکھا ہے کہ کافروں سے ازدواجی تعلق نہ رکھو، نہ اُن کے گہرے تعلق کا کوئی اثر تم پر پڑنے پائے، اور نہ تم جنت ومغفرت سے دور ہوتے جاؤ) اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ۔ یعنی اللہ ترغیب دیتا ہے ایمان واسلام کی اور اس طریق زندگی کی جس کا انجام جنت ومغفرت ہی ہے۔ بِاِذْنِهٖ۔ اذن کے معنی یہاں توفیق یا ارادہ یا اعلام احکام کے ہیں۔ باعلامه ایاکم سبیله و طریقه (ابن جریر) ای قضائه و قدره و ارادته (معالم) بتیسیر الله و توفیقه للعمل (کشاف) و۸۲۲ (اور نصیحت پر عمل کرکر کے جنت ومغفرت کے حقدار بن جائیں) و۸۲۳ یعنی عورت کے زمانہ خاص میں اُس سے ہمبستری کا حکم۔ قرآن زندگی کا مکمل دستور العمل ہے۔ وہی زندگی جس میں کھانا، پینا، سونا، جنسی خواہش کا پیدا ہونا، بچہ کا باپ یا ماں بننا، سب کچھ داخل ہے۔ زندگی کا ہر شعبہ جو کچھ بھی تعلق تعمیر سیرت سے رکھتا ہے، اس کی بابت ہدایات واحکام وہ لازمی طور پر دے گا۔ وہ محض "بزرگان ملفوظات" کا مجموعہ نہیں۔ معاشیات، معاشرت، اخلاقیات، قانون، غرض انفرادی واجتماعی زندگی کے ہر شعبہ کے ضروری ابواب کا ذکر ناگزیر ہے۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہوتا، تو اس ہدایت نامہ کی جامعیت وکاملیت پر حرف آجاتا۔ محیض۔ مصدر میمی ہے معناً حیض کے مرادف و۸۲۴ (جیسا کہ دنیا میں عموماً دوسری قوموں نے بھی سمجھا ہے اور سامی نسل والوں نے علی الخصوص) طب قدیم وجدید دونوں کو مسلّم ہے کہ یہ ایک خاص قسم کا ناقص خون ہے، رنگ وبو وترکیب میں عام خون سے الگ۔ و۸۲۵ اِعْتَزِلُوْا یہ اعتزال یا عورتوں کو چھوڑے رہنے کا حکم صرف ہمبستری کے عمل خاص تک محدود ہے۔ مجالست ومواکلت وغیرہ عام معاشرت سے اس کا تعلق نہیں۔ بعض قوموں میں عورتیں اپنے اس زمانہ میں نہ دوسروں کے ساتھ کھاپی سکتی ہیں، نہ لیٹ بیٹھ سکتی ہیں، بعض قوموں میں اس زمانہ میں عورت کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ بعض مشرک قوموں میں یہ دستور ہے کہ اس زمانہ میں عورت کو میلے کچیلے کپڑے پہنا کر گھر کے ایک الگ گوشہ میں اچھوت بنا کر بٹھادیا جاتا ہے۔ غرض دوسری قوموں نے عام طور پر اس طبعی ناپاکی سے متعلق بہت مبالغہ آمیز تخیل قائم کرلیا ہے۔ شریعت اسلامی میں اس قسم کے کوئی امتناعی احکام موجود نہیں۔ و۸۲۶ مشرک قوموں نے اس باب میں جو سختیاں روا رکھی ہیں، اُن سے قطع نظر خود توریت کے قانون کا تشدد بھی اس باب میں اپنی مثال آپ ہے۔ عورت اپنے ایام ماہوار کے زمانہ میں خود ہی ناپاک نہیں ہوتی، بلکہ جو شخص یا جو چیز بھی اُس سے چھو جاتی ہے، وہ بھی ناپاک ہوجاتی ہے اور سلسلہ در سلسلہ یہ ناپاکی متعدی ہوتی جاتی ہے۔ "جو کوئی اسے چھوئے گا شام تک نجس رہے گا...... اور جو کوئی اس کے بستر کو چھوئے، اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے

تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ

پاک ہو جائیں، و۸۲۷ تو ان کے پاس آؤ، جس جگہ سے اللہ نے تمہیں اجازت دے رکھی ہے و۸۲۸، بے شک اللہ

يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَاؤُكُمْ

محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتا ہے پاک صاف رہنے والوں سے و۸۲۹ تمہاری بیویاں

حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا

تمہاری کھیتی ہیں، و۸۳۰ سو تم اپنے کھیت میں آؤ جس طرح چاہو و۸۳۱ اور اپنے حق میں آیندہ کے لئے

لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ ۗ

کچھ کرتے رہو و۸۳۲ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے و۸۳۳

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲۳﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً

اور آپ ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجیے و۸۳۴ اور اللہ (کے نام) کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے

لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۗ

اپنی نیکی کے اور اپنے تقویٰ کے اور اپنی اصلاح خلق کے کاموں کے حق میں حجاب نہ بنالو و۸۳۵

وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَّا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ

اور اللہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے و۸۳۶ اللہ تمہاری قسموں میں سے

بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا

لایعنی (قسم) پر مواخذہ نہ کرے گا البتہ تم سے اس (قسم) پر مواخذہ کرے گا، و۸۳۷ جس پر

كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِّلَّذِينَ

تمہارے دلوں نے قصد کیا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا بردبار ہے و۸۳۸ جو لوگ

يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن

اپنی بیویوں سے (ہمبستری کرنے کی) قسم کھا بیٹھے ہیں، ان کے لئے مہلت چار ماہ تک ہے و۸۳۹ پھر اگر

کی نجاست اُس پر ہو، تو وہ رات دن تک ناپاک رہے گا، اور ہر ایک بستر جس پر وہ مرد سوئے گا، ناپاک ہو جائے گا'' (احبار۔ ۱۵:۱۹۔ ۲۴) یہ احکام تو خود توریت کے ہوئے۔ باقی فقہاء یہود تو اپنے تشددات میں ان حدود سے بھی کہیں آگے بڑھ گئے ہیں۔ اور ایسی ایسی قیدیں بیچاری عورت پر عائد کر دی ہیں کہ گویا وہ عورت نہیں ہے، کوئی بلا ہے۔ ملاحظہ ہو، جیوش انسائیکلوپیڈیا، جلد ۱۱ صفحہ ۳۰۱ نیز ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائبل، جلد ۴ صفحہ ۸۲۷۔ و۸۲۷ یعنی خون نجس کا آنا بالکل بند ہو جائے، اور عورت غسل کر لے، شریعت میں یہ غسل واجب ہے۔ و۸۲۸ یعنی جائز و فطری طریق کے مطابق۔ اس عام و فطری طریق قربت کے علاوہ، حصول لذت کے اور سارے طریقے ناجائز ہیں۔ و۸۲۹ اَلتَّوَّابِيْنَ توابین اس سیاق میں وہ لوگ ہیں جن سے قوانین بالا کے باب میں کوئی اتفاقی خلاف ورزی ہو جائے، اور وہ بعد کو توبہ کریں، اور اپنی غلطی پر نادم ہوں۔ اَلْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ متطهرين اس سیاق میں وہ لوگ ہیں، جو عورت کی مواصلت سے اس کی طبعی ناپاکی کے زمانہ میں محترز رہتے ہیں۔ اسی لفظ سے فقہاء نے اشارة النص سے یہ استنباط کیا ہے کہ جو اعمال صریحاً نجس ہیں (مثلاً اغلام) وہ سب حرام ہیں۔ صفائی و طہارت کی یہ روح قرآنی عام ہے۔ اور اس کے تحت میں جسمانی اور ظاہری صفائی پوری طرح آجاتی ہے۔ اسلام کی اس لطافت پسندی، نظافت پسندی، طہارت پسندی کے مقابلہ میں، دوسرے سرے پر وہ مذاہب ہیں، جن میں قرب حق کا ذریعہ صفائی کو نہیں، بعین جسمانی گندگی، کثافت و غلاظت کو قرار دیا گیا ہے۔ مشرک قوموں میں جو فرقے اگھوریتی کے نام سے ہیں، ان کے تفصیلی ذکر سے تو ان صفحات کو نجس کرنے کی جرأت نہیں، خود مسیحیت کی تاریخ میں صدیوں تک راہبوں کے لیے غسل یا جسم کی شست و شو ایک مستقل معصیت رہی ہے۔ و۸۳۰ اور کھیت کہتے ہیں اُس موضع زمین کو جس میں تخم ریزی ہوتی ہے اور اس میں سبزی، غلہ، نباتات کا نشو و نما ہوتا ہے۔ کھیت والے اُسے اپنی بہت بڑی دولت سمجھ کر نہایت درجہ عزیز رکھتے ہیں، اور اُس سے خوب نفع حاصل کرتے ہیں۔ اسلام نے ہمبستری کا اصل مقصد طلب اولاد ہی کو رکھا ہے، گو اُس کے دوسرے پہلو یعنی طلب لذت کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ و۸۳۱ (اس تشبیہ اور اس کے مضمرات کو خوب سوچ سمجھ کر) فَأْتُوا حَرْثَكُمْ۔ کنایہ ہے عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے۔ اور قرآن حکیم ایسے موقعوں پر اکثر کنایہ ہی سے کام لیتا ہے۔ فقہاء مفسرین نے یہیں سے استنباط کیا ہے کہ ہر ایسے موقع پر مسلمان کو یہی چاہیے کہ حتی الامکان بات اشارہ کنایہ ہی میں کہے۔ فاتوا حرثكم من الكنايات اللطيفة والتعريضات المستحسنة فعلى كل مسلم ان يتاذب بها و يتكلف مثلها فى المحاورات و المكاتبات (مدارک) حَرْثَكُمْ۔ ''کہاں'' کا یہ جواب خوب ملحوظ رہے۔ اتیان یا داخلہ کھیت ہی میں ہونا چاہیے۔ قبول تخم کے موضع یا عضو میں ہونا چاہیے، نہ کہ اس کے علاوہ یا اس سے خارج کسی اور موقع و محل میں۔ اے نساؤكم مزرع اولادكم فاتوا مزرعكم كيف شئتم و اين شئتم (ابن جریر) اَنّٰی۔ اَنّٰی کے مشہور و معروف معنٰی كيف اور اين کے ہیں۔ یعنی جس طرح کے، جس کیفیت کے ساتھ کے، اور جدھر سے، جس جہت سے کے۔ للبحث عن الحال والمكان (راغب) هو بمعنى اين و كيف (راغب) قرآن مجید میں انّى كيف کے معنٰی میں آیا ہے۔ مثلاً انّى يحيى هذه الله بعد موتها۔ یہاں انّى يحيى صاف كيف يحيى کے معنٰی میں ہے۔ یا پھر انّى يكون لى غلام۔ اس آیت میں بھی قرآنیات کے بہترین ماہرین، ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی نے اور مجاہد، قتادہ، عکرمہ وغیرہ تابعین نے انی کو اسی معنٰی میں لیا ہے۔ یاتيهما كيف شاء (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما و عکرمہ و مجاہد) اے كيف شئتم (ابن جریر۔ عن السدی) انى حرف استفهام يكون سوالاً عن الحال والمحل معناه كيف شئتم و حيث شئتم بعدان يكون فى صمام واحد (معالم) گویا یہاں صاف رد ہو رہا ہے یہود کا جو مباشرت کی صرف ایک ہی وضع و ہیئت کو جائز سمجھتے تھے، اور باقی سب کو ناجائز۔ متعدد آثار و روایات اسی مضمون کے تفسیروں میں منقول ملیں گے۔ اور آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ کھڑے ہونے، بیٹھے رہنے، چت لیٹے رہنے، پٹ لیٹنے، کروٹ کے بل لیٹنے کی ساری ہیئتیں جائز ہیں۔ اے كيف شئتم من قيام و قعود و اضطجاع واقبال و ادبار (جلالین) دوسرے معنٰی اَنّٰی کے اين کے، یعنی جدھر کے، جس رُخ کے ہیں۔ اور اس معنٰی کو لے کر بعض گندہ مذاق لوگوں نے اس کی تشریح میں اپنی گندہ سیرتی کے عجیب عجیب مظاہرے کیے ہیں، حالانکہ ظاہر ہے کہ موضع و محل میں کسی تبدیلی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ابن کثیر نے تو اس معنٰی پر ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و شافعی رحمۃ اللہ علیہ و احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسے ائمہ فقہ اور ان کے شاگردوں اور بہت سے تابعین کا اجماع نقل کر کے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اس معنٰی سے تجاوز کر کے جواز ڈھونڈھنے والوں کا ان تمام علماء و فقہاء نے شدت سے انکار کیا ہے، بلکہ بعض نے تو اس تجاوز کو کفر کے حکم میں داخل کر دیا ہے۔ انهم انكروا ذٰلک اشد الانكار و بينهم من يطلق على فعله الكفر وهو مذهب جمهور العلماء۔ موضع و مکان تو بہرحال متعین ہے۔ آزادی صرف اسی موضع و مکان میں داخلہ کے لیے، ہر رخ، ہر جہت کی دی جا رہی ہے۔ اے على اىّ شئٍ من الاحوال و ذٰلک فى مكان الحرث (بحر) سئل ابن عباس عن الذى ياتى امرأته فى دبرها فقال هذا يسالنى عن الكفر (جصاص) من حيث شئتم و اى وجه اجبتم (ابن جریر) لیکن ان دو معروف و متداول معنوں کے علاوہ اَنّٰی کے ایک تیسرے معنٰی مَتٰی، یعنی جب اور جس وقت کے بھی نقل ہوئے ہیں۔ گویا اَنّٰی یہاں ظرف زمان کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ ضحاک تابعی اور بعض محققین قرآن اس طرف گئے ہیں۔ انى بمعنى متى قال الضحاک (بحر) اے متٰى شئتم (ابن جریم۔ عن الضحاک) اے فى متى زمان اردتم (بحر) متى شئتم من ليل و نهار (کبیر) اى وقت شئتم من اوقات الحل (کبیر) انّى

فَاءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَ اِنْ عَزَمُوا

یہ لوگ رجوع کر لیں، تو اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے و۸۴۰ اور اگر طلاق (ہی) کا پختہ ارادہ

الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ

کر لیں و۸۴۱ تو بے شک اللہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے و۸۴۲ اور طلاقنیں

يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَ لَا يَحِلُّ لَهُنَّ

اپنے کو تین میعادوں تک روکے رہیں و۸۴۳ اور ان کے لئے یہ جائز نہیں

اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ

کہ اللہ نے ان کے رحموں میں جو پیدا کر رکھا ہے اسے وہ چھپائے رکھیں و۸۴۴ اگر وہ

كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ

اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہیں و۸۴۵ اور ان کے شوہر ان کے واپس لے لینے کے اس (مدت) میں زیادہ

بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَ لَهُنَّ

حقدار ہیں، و۸۴۶ بشرطیکہ اصلاح حال کا قصد رکھتے ہوں و۸۴۷ اور عورتوں کا (بھی) حق ہے

مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ

جیسا کہ عورتوں پر حق ہے و۸۴۸ موافق دستور (شرعی) کے و۸۴۹ اور مردوں کو ان کے اوپر ایک گونہ

دَرَجَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪

فضیلت حاصل و۸۵۰ ہے، اور اللہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے و۸۵۱ طلاق تو دو ہی بار کی ہے و۸۵۲

فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ

اس کے بعد (یا تو) رکھ لینا ہے قاعدے کے مطابق یا پھر خوش عنوانی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، و۸۵۳

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا

اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو مال تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو و۸۵۴

ع ۲۸ ۱۲

شنتم من اللیل و النہار (ابن جریر۔ عن ابن عباس ﷺ) جس خدا کی بنائی ہوئی دنیا کی عملی زندگی میں اس قسم کے سوالات ومسائل روزمرہ پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اُسی خدا کے اُتارے ہوئے ہدایت نامہ میں اگر اُن سے متعلق ہدایات واحکام نہ ہوتے، تو یہ بہت عجیب سی بات ہوتی۔ و۸۳۲ آئندہ کے لیے کچھ بھیجنے کی چیز عمل صالح ہی ہوسکتے ہیں۔ یہ گویا اس کی تاکید ہے کہ عین لذت والتذاذ کے مشغلوں کے وقت بھی اپنی عبدیت کو، اپنی ذمہ داری کو بھول نہ جاؤ۔ تمامتر لذت پرستی ہی میں غرق نہ ہو جاؤ، بلکہ ہو سکے تو اپنی لذتوں کو بھی عین طاعت وعبادت بنالو۔ و۸۳۳ (کہ اسی کا استحضار ہر تقویٰ وخشیت کو آسان بنادے گا) آیت میں تعلیم اس کی ہے کہ مومن کے ہاتھ سے تقویٰ الٰہی کا سررشتہ کسی حال میں نہ چھوٹنے پائے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی ہر حال میں، ایام حیات کے ہر ہر لمحہ میں، تقوائے الٰہی پر قائم رہو۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ۔ قرآن مجید صرف احکام ہی نہیں دیتا، بلکہ وہ طریقہ اور تدبیر بھی بتاتا جاتا ہے جن سے ان احکام پر عمل آسان ہو جائے۔ حکم ابھی تقویٰ الٰہی کا ملا ہے، اور اب اس کی آسان تدبیر ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ لقاء آخرت کا استحضار ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا سے محض جان لینا مراد نہیں، بلکہ اس علم کا تر وتازہ رکھنا مراد ہے۔ و۸۳۴ (اے پیغمبر!) یہاں جو اہل ایمان مراد ہیں، ان کے صفات ابھی اوپر بیان ہو چکے ہیں کہ وہ اعمال صالحہ کا اہتمام رکھتے ہیں (قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ) اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں (وَاتَّقُوا اللّٰهَ) اور جزا وسزا کا عقیدہ تر وتازہ رکھتے ہیں (وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ) و۸۳۵ عرب جاہلیت کے جاہلانہ دستوروں میں سے ایک دستور یہ تھا کہ خدا کی قسم کھا کھا کر یہ کہہ بیٹھتے تھے کہ ہم فلاں اور فلاں کام نیکی کا تقویٰ کا، اصلاح خلق کا نہ کریں گے۔ اور جب کوئی کہتا تو یہی عذر پیش کر دیتے کہ ہم تو اس کی قسم کھا چکے ہیں! ان اعمال خیر کا ترک یوں بھی ہر صورت میں مذموم تھا، چہ جائیکہ حضرت حق کے اسم بزرگ اور اس کی قسم کو بجائے قرب حق کے اس سے دوری کا ذریعہ بنالیا جائے!۔۔ آیت اسی شعار جاہلی کی تردید میں ہے۔ عُرْضَةً کے عام ومتداول معنٰی ہدف یا نشانہ کے ہیں اور بعض نے یہاں بھی یہی معنٰی رکھے ہیں۔ عرضۃ لایمانکم ای نصبًا لہا (جوہری) جعلتہ عرضتہ لکذا نصبتہٗ لہ (قاموس) لیکن ایک دوسرے معنٰی حجاب یا مانع کے بھی ہیں، اور یہاں یہی زیادہ چسپاں ہیں۔ ای حاجزًا لما حلفتم علیہ (کشاف) قالوا العرضۃ عبارۃ عن المانع (کبیر) فقہاء نے بلاضرورت اور کثرت سے قسمیں کھاتے رہنے کو یوں بھی ناپسند کیا ہے کہ اس میں اللہ کے نام کی بے توقیری ہے۔ چہ جائیکہ قصداً جھوٹی قسمیں کھانا! و۸۳۶ سَمِيْعٌ۔ خوب سننے والا تمہارے اقوال کا۔ اس لیے ہر بات سوچ سمجھ کر منہ سے نکالو۔ عَلِيْمٌ خوب جاننے والا تمہارے احوال کا۔ اس لیے نیت میں ہر وقت اخلاص رکھو۔ و۸۳۷ یعنی گرفت ان قسموں پر ہوگی، جن میں جھوٹ کی آمیزش بالقصد کی گئی ہے۔ آخرت میں بھی انہی پر دارو گیر ہے، اور دنیا میں بھی ان کے لیے کفارہ ہے۔ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ۔ مراد ان قسموں سے ہے، جو ناواقفیت کی بنا پر یا بے خیالی میں محض عادۃً زبان سے نکل جاتی ہیں، اور جھوٹ کی آمیزش ان میں بلاقصد ہو جاتی ہے۔ فقہاء نے اس نوعیت کی ساقط الاعتبار قسموں کی کئی قسمیں کی ہیں، ان کا تعلق ماضی کے واقعات سے بھی ہوسکتا ہے اور آئندہ کے ارادوں سے بھی۔ اُن کی تفصیلات اور ان کے احکام کتب فقہ میں ملیں گے۔ و۸۳۸ غَفُوْرٌ۔ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ چنانچہ اسی شانِ غفر کا تقاضہ ہے کہ اُس نے لایعنی قسموں پر مواخذہ کو معاف کر دیا۔ حَلِيْمٌ۔ وہ بڑا بردبار ہے۔ چنانچہ اسی شانِ حلم کا تقاضہ ہے کہ اُس نے ارادی جھوٹی قسموں پر بھی سزا فوراً نہ دی بلکہ قیامت تک کے لیے ملتوی کر دیا و۸۳۹ ایلاء۔ عرب جاہلی کا ایک شعار یہ بھی تھا، کہ شوہر غصہ میں آ کر قسم کھا بیٹھتے تھے کہ اپنی بیویوں سے ہمبستری نہ کریں گے۔ اصطلاح میں اس کو ایلاء کہتے ہیں۔ لا خلاف انہ قداضمرت فیہ الیمین علی ترک الجماع (جصاص) شریعت اسلامی نے اس میں جو اصلاحیں کیں، اور اس باب میں جو احکام دیئے یہاں ان کا ذکر ہے۔ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ۔ عرب جاہلی ایلاء کر لینے کے بعد، جو ایک طرح کی طلاق ہی تھی، بیوی کے نان ونفقہ اور ہر قسم کے ادائے حقوق سے معاً دستبردار ہو جاتے تھے۔ اسلام نے اس کی ایک اصلاح یہ کی، کہ اس کو خلع نکاح یا فسخ نکاح کا مرادف نہیں، بلکہ اس کی صرف تمہید قرار دے کر غور وفکر کے لیے ایک مدت مقرر کر دی۔ اور پھر اس مدت کی میعاد چار مہینے کی رکھی، جو اس کے لیے بالکل کافی ہے کہ سارے پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور کر لیا جائے و۸۴۰ فَاِنْ فَآءُوْ۔ یعنی اگر رجوع کر لیں اپنے قصد ترکِ تعلق سے، اور رشتۂ نکاح کو برقرار رکھیں۔ الفئ الرجوع الی الشئ (جصاص) غَفُوْرٌ۔ بڑا مغفرت والا ہے، چنانچہ ایسی قسم توڑنے کا گناہ ایک خفیف سے کفارہ کے بعد معاف کر دے گا۔ رَحِيْمٌ۔ بڑا مہربان ہے، چنانچہ شوہر جواب از سرِ نو ادائے حقوق پر متوجہ ہو گیا ہے، اس پر وہ رحمت سے نظر کرے گا و۸۴۱ (اتنے دنوں کے غور وفکر کے بعد بھی) طلاق نام ہے زن وشوہر کے باہمی تعلق کے باضابطہ وکامل انقطاع کا۔ اسلام سے قبل دنیا میں طلاق سے متعلق عجب افراط وتفریط قائم تھی۔ افراط یہود کے ہاں تھی اور تفریط مسیحیوں کے ہاں۔ یہود کے ہاں نہ کوئی قید طلاق پر عائد تھی، نہ شوہر پر اس باب میں کوئی ذمہ داری تھی۔ اُس کا جب جی چاہتا وجہ بلاوجہ، بس ایک طلاق نامہ لکھ کر بیوی سے چھٹکارا حاصل کر لیتا۔ بیوی اسی وقت دوسرا مرد کر سکتی تھی۔ توریت کے قانون کے الفاظ یہ ہیں:۔ ”اگر کوئی مرد کوئی عورت لے کے اس سے بیاہ کرے، اور بعد اس کے ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہو، اس سبب سے کہ اس نے اس میں سے کوئی پلید بات پائی، تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کے اُس کے ہاتھ دے، اور اسے اپنے گھر سے باہر کرے۔ اور جب وہ اس کے گھر سے نکل گئی، تو جا کے دوسرے مرد کی ہووے“۔ (استثناء۔ ۲۴: ۱ و ۲) اس آزادی اور بے قیدی کے مقابلہ میں مسیحیوں نے یہ سختی اور تنگی اختیار کی کہ زن وشو میں علیحدگی کی کوئی گنجائش ہی نہ رکھی۔ انجیل کے الفاظ ہیں:۔ ”جسے خدا نے جوڑا ہے اُسے آدمی جدا نہ کرے ...... جو

کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دُوسری سے بیاہ کرے، وہ اُس پہلی کے خلاف زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے، اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔" (مرقس۔ ۱۰: ۷۔ ۱۲) "میں نہیں بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی شوہر سے علیحدہ نہ ہو"۔ (ا۔ کرنتھیون۔ ۷: ۱۰) چنانچہ مسیحی آبادی کے سوادِ اعظم یعنی فرقہ کیتھولک کے ہاں تو طلاق مطلقاً ناجائز ہے۔ اور بجز موت کے کوئی صورت میاں بیوی میں افتراق کی ممکن نہیں۔ اور یہی فرقہ اسلام سے قبل موجود تھا۔ پروٹسٹنٹ فرقہ ظہور اسلام سے صدیوں بعد پیدا ہوا۔ اس کے ہاں البتہ اجازت ہوئی ہے۔ لیکن صرف اس صورت میں کہ پہلے عدالت میں کسی ایک فریق کا ارتکابِ زنا یا ظلم وجور ثابت ہولے! یہ حال اُن قوموں کا تھا، جو اہل کتاب تھیں۔ یعنی بہرحال اُن کے قانون کی بنیاد آسمانی کتابوں ہی پر تھی۔ رہیں قدیم جاہلی اور مشرک "مہذب" "ترقی یافتہ" قومیں۔ سو ایک طرف یونانیوں میں، ہندوؤں میں، اور ایک عہد خاص تک رومیوں میں طلاق سے کوئی واقف ہی نہ تھا۔ بلکہ ہندو مذہب میں تو آج تک طلاق ناجائز چلی آرہی ہے۔ گو حالات سے مجبور ہو کر اس کے جائز کرانے کے آج بڑے زور انگریزی ہند میں بھی اور ریاستوں میں بھی کاؤنسلوں اور اسمبلیوں میں لگائے جارہے ہیں۔ دوسری طرف رومیوں میں عہد جمہوریت کے خاتمہ پر، طلاق کے جائز ہونے کے ساتھ ہی اس کا جو زور بندھا تو گویا شرافت اور طلاق لازم وملزوم ہوگئے! دنیا کے دوسرے بڑے بڑے مذہبوں اور بڑی بڑی "مہذب" قوموں کی یہ بے اعتدالیاں اور افراتفریاں پیش نظر رہیں، جب جا کر شریعت اسلام کی حکمتوں اور اس کے پیدا کیے ہوئے توازن واعتدال کی قدر ہوگی۔ اسلام نے فطرت بشری کا بالکل صحیح اندازہ کرکے یہ حکم دیا کہ جب زوجین میں ناموافقت لاعلاج حد تک پہنچ جائے (اور اس ناموافقت کے اسباب کا احاطہ واستقصاء ممکن ہی نہیں، ہر شخص کے لیے کہنا چاہیے کہ الگ الگ ایک سبب ومحرک ہوتا ہے) اور دوسری صورتیں موافقت پیدا کرنے کی ناکام ہولیں، تو آخری علاج یہ ہے کہ فریقین ہنسی خوشی اور باضابطہ معاہدۂ نکاح کو فسخ کرکے ایک دوسرے سے مستقل علیحدگی اختیار کرلیں۔ اور اسی کا اصطلاحی نام طلاق ہے۔ اور اس انقطاعی عمل کو بھی مطلق نہیں چھوڑ دیا ہے، بلکہ اس پر متعدد پابندیاں بھی عائد کردی ہیں۔ آگے ذکر انہیں قیود وشرائط کا آئے گا۔ ف۸۴۲ (اس لیے خوب اپنی ذمہ داری محسوس کرکے عمل کا کوئی قدم اٹھاؤ) سَمِيعٌ۔ وہ تو بڑا سننے والا ہے۔ اس لیے زن وشوہر کے ظاہر قول کو اور شوہروں کی قسموں کو، سب کو سنتا رہتا ہے۔ عَلِيمٌ۔ وہ بڑا جاننے والا ہے، اس لیے زن وشوہر کے دلوں کے اندر کی مخفی باتوں کو جانتا ہے، اُن کے ارادوں سے واقف ہے، اور ان کے مناسب حال ہی حکم دیتا ہے۔ آیات کے آخر میں صفات باری کا اثبات محض یوں ہی اٹکل سے نہیں ہوتا۔ ہمیشہ پُرمعنی اور سیاق کلام کے لحاظ سے بلیغ ہی ہوتا ہے۔ یہاں مقصود زن وشوہر کو، خصوصاً شوہروں کو، ان کی ذمہ داریوں پر متنبہ کرنا ہے، اس لیے انہی صفات باری کا لانا موزوں ومناسب ہوا۔ ف۸۴۳ (دوسرے نکاح سے) الْمُطَلَّقٰتُ، لفظی معنی کے اعتبار سے ہر طلاقن عورت کے لیے وسیع ہے۔ لیکن یہاں مراد صرف ان بیویوں سے لی گئی ہے جو آزاد ہوں (کنیز شرعی نہ ہوں) بالغ ہوں (نابالغ نہ ہوں) اور جن سے خلوت صحیحہ ہوچکی ہو (غیر ملموس نہ ہوں) یہاں احکام صرف انہی آزاد شوہر دیدہ بیویوں سے متعلق بیان ہوں گے، دوسری قسم کی عورتوں کے طلاق کے احکام دوسرے مقامات پر ملیں گے۔ المراد المدخول بهن من ذوات الاقراء (مدارک) ای ذوات الاقراء من الحرائر المدخول بهن (روح) يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ۔ اپنے کو روکے رہیں۔ یہ نہ ہو کہ اِدھر شوہر نے طلاق دی، اور اُدھر بیوی نے معاً دوسرا شوہر کرلیا۔ یہ پہلی پابندی طلاق پر عائد ہوئی۔ اس سے پہلے نکاح سے آزادی کے بعد کا جو تعطل کا زمانہ ہے، اسے اصطلاح شریعت میں عدت کہتے ہیں۔ عورت کے لیے انتظار کی اس مدت متعین میں متعدد حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ ایک طرف تو شوہر کو ٹھنڈے دل سے غور وفکر کا پورا موقع مل جاتا ہے، دوسری طرف عورت کے حمل کی بابت پوری تحقیق ہوجاتی ہے۔ دوسرے مذہب اور دوسری قومیں سب شریعت اسلامی کے قائم کیے ہوئے زمانۂ تعطل ووقفہ کے مصالح وفوائد سے محروم ہیں! ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ۔ قرء کے لفظی معنی محض ایک زمانہ معلوم یا مدت متعین کے ہیں۔ اصل القرء فی کلام العرب الوقت (ابن تیمیہ) اھل اللغة اتفقوا علی ان القرء الوقت (ابن العربی) لیکن اس سے میعاد کا آغاز بھی مراد ہوسکتا ہے اور میعاد کا اختتام بھی۔ دونوں مفہوم ایک دوسرے کے متضاد ہیں، لیکن لغت عرب میں دونوں ہی مستعمل ہیں۔ قال ابو عبيدة الاقراء من الاضداد فی کلام العرب (کبیر) واصل القرء فی کلام العرب الوقت لمجیء الشیٔ المعتاد مجیئه لوقت معلوم ولادبار الشیٔ المعتاد ادباره لوقت معلوم (ابن جریر) کلمة محتملة للطهر والحیض (ابن العربی) اسی لیے یہاں بھی اہل شرح وتفسیر کے دو گروہ ہوئے ہیں۔ ایک جماعت نے طہر یا پاکی قرار دیئے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہی معنی مروی ہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسی طرف گئے ہیں۔ قالت عائشة الاقراء الاطهار (جصاص) والمراد بالقرء عند الشافعی الانتقال من الطهر الی الحیض (روح) لیکن دوسری طرف حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم جیسے تیرہ صحابیوں کا قول یہ نقل ہوا ہے کہ یہاں قرء حیض یا ناپاکی کے معنی میں ہے (جصاص) اور یہی قول امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابوحنیفہ اور تمام فقہائے حنفیہ کا ہے۔ قال اصحابنا جمیعًا الاقراء الحیض وهو قول الثوری والاوزاعی والحسن بن صالح (جصاص) اور ائمہ لغت ولسان سے بھی سند اس معنی کی زیادہ مل رہی ہے۔ یقال اقرء ت المرأة اذا حاضت ذکره الاصمعی والکسائی والفراء (جصاص) قرات المرأة رأت الدم و اقرأت صارت ذات قرء (راغب) والقرء فی الحقیقة اسم للدخول فی الحیض عن طهر (راغب) ثلاثة قروء ای ثلاثة احیاض و قول من الطهر و فی الحیض۔ اور فقہاء حنفیہ نے حدیث نبوی سے قرء کے اس معنی پر شہادت بہم پہنچائی ہے۔ ملاحظہ ہو جصاص، جلد اوّل صفحہ ۳۲۳۔ بہرحال حنفیہ کے ہاں کا متفقہ مسئلہ یہی ہے کہ عورت اپنے تین ایام ماہواری کے آنے تک اپنے کو عدت میں سمجھے۔ اور اس مدت میں نکاح ثانی اپنے لیے جائز نہ سمجھے ف۸۴۴ اس لیے کہ چھپانے کی یہ کوشش زمانہ عدت کے شمار وحساب میں خلل انداز ہوگی، اور اس طرح شریعت نے جو مصلحتیں اس کے اندر رکھی ہیں وہ ضائع ہوکر رہیں گی) مَا خَلَقَ اللّٰهُ میں مَا کا لفظ عام ہے۔ رحم کے اندر جو چیز بھی ہو، جاندار بچہ ہو، یا ایام ماہواری کا خون ہو، دونوں پر شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خواہ حمل قائم ہوچکا ہو، خواہ ایام ماہواری کا دور چل رہا ہو، کوئی بھی صورت حاصل ہو، اسے چھپانا نہ چاہیے ف۸۴۵ دنیا کے ہر علم وفن کا یہی حال ہے کہ وہ جس درجہ مکمل ومنظم ہوگا، اسی قدر اس کا ہر جزو دوسرے اجزاء سے مربوط ومرتبط ہوگا۔ شریعت اسلامی جملہ دنیوی علوم وفنون سے منظم تر ہے۔ اس لیے قدرۃً اس کے کسی معمولی جزئیہ کی طرف سے بھی بے التفاتی، دوسرے اجزاء حیات پر لازمی طور پر مؤثر ہوگی۔ آیت کا یہ جزو بڑھا کر گویا یہ تاکید وتصریح کردی ہے کہ جس کسی کو اللہ کی ہمہ گیر حکومت اور آخرت کی بازپرس کا پورا عقیدہ ہے اس کی یہ شان نہیں کہ ایک جزئیہ کی بھی خلاف ورزی کی دانستہ جسارت کرسکے ف۸۴۶ (اور یہ واپسی بلاتجدید نکاح ہوجائے گی) فِيْ ذٰلِكَ۔ یعنی تین مہینے کی میعاد ومدت کے اندر۔ ای فی ذلک التربص (مدارک) اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ۔ اس سے اشارۃً یہی نکلتا ہے کہ جہاں تک ہوسکے اُسے پختہ نہ ہونے دے اور میاں بیوی از سرِنو آباد ہوجائیں۔ طلاق کو شریعت الٰہی نے صرف ضرورت کے موقع پر بہ طور علاج اور آخری تدبیر کے جائز رکھا ہے، خواہ مخواہ اس کی ترغیب نہیں دی ہے، اور نہ بلاضرورت اسے پسند فرمایا ہے۔ اور حدیث نبوی میں جو اسے ابغض المباحات سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی اللہ کی قانوناً جائز ٹھہرائی ہوئی چیزوں میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند، وہ اسی حقیقت کی ترجمانی ہے۔ تین مہینہ کی مدت غور وفکر کے لیے اور ناگواری وبیزاری کے ہنگامی جذبات کے سرد پڑجانے کے لیے بہت ہوتی ہے۔ اس اثناء میں اگر شوہر بیوی کو واپس لینا چاہے، تو طلاق کو قول یا عمل سے منسوخ کرسکتا ہے، اور اسی کو اصطلاح میں رجعت کہتے ہیں ف۸۴۷ (اس رجوع ورجعت سے۔ نہ یہ کہ فسخ طلاق سے مزید اذیت رسانی مقصود ہو۔ اگرچہ رجعت کا نفاذ قانونی وظاہری بہرصورت ہوجائے گا) قانونی احکام اور اخلاقی ہدایات دو الگ الگ چیزیں ہیں، قانونِ ظاہری کا نفاذ اسی دنیا تک ہے۔ مومن کو اپنا معاملہ حق تعالیٰ سے درست رکھنا چاہیے، کہ اجر وترقیٔ درجات کا مدار اسی پر ہے۔ اسی لیے قانونی احکام کے بیچ بیچ تصحیح نیت و اخلاص کی تاکید برابر آتی جاتی ہے۔ ف۸۴۸ یہ قرآنی بلاغت کا ایجاز ہے کہ اتنا بڑا مضمون اتنے مختصر سے فقرہ میں آگیا۔ اُردو میں یہ مضمون یوں ادا ہوگا:۔ جس طرح مردوں کا حق عورتوں پر ہے، اُسی طرح عورتوں کا حق بھی مردوں پر ہے۔ گویا دنیا کو یہ بتایا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ بس مردوں کے حقوق عورتوں پر اور شوہروں ہی کے حقوق بیویوں پر ہوتے ہیں، نہیں، بلکہ اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق مردوں پر اور بیویوں کے حقوق بھی شوہروں کے ذمہ عائد ہوتے ہیں۔ حقوق نسواں کا یہ نام عرب کے ایک امی کی زبان پر اُس وقت لایا جارہا ہے، جب کہ دنیا کی دنیا اس تخیل سے ناواقف تھی اور یہودیت ونصرانیت کی مذہبی دنیا میں تو عورت گویا ہر برائی کا سرچشمہ تھی، اور ذلت وحقارت کا ایک مرقع۔ یہود کی معتبر ومستند جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ "معصیت اوّل چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوئی تھی، اُس کو شوہر کا محکوم کرکے رکھا گیا، اور شوہر اس کا حاکم ہے۔ شوہر اس

کا مالک وآقا ہے اور وہ اس کی مملوکہ ہے''۔ (جلد ۶ صفحہ ۵۰۸) اور مسیحی دنیا سے متعلق، مسٹر لیکی Lecky فرنگی مسیحی اپنی تاریخ اخلاق یورپ History of European Morals میں لکھتے ہیں ''عقیدہ یہ تھا کہ عورت جہنم کا دروازہ ہے اور تمام آفاتِ بشری کا باعث ہے۔ اُسے اپنے کو ذلیل سمجھتے رہنے کے لیے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ عورت ہے''۔ (جلد ۳ صفحہ ۱۴۲) یہ حال وقت کے اونچے اونچے مذہبوں کا تھا۔ شرک وجاہلیت کے پست مذہبوں کا ذکر ہی بے کار ہے۔ اور خود ملک عرب کا یہ حال تھا کہ عورتیں گویا انسان نہیں، جانور یا جائیداد ہیں، کہ شوہر کے بعد بیویاں بھی ترکہ میں سوتیلے بیٹوں کی ملک وتصرف میں آنے لگی تھیں۔ مِثْلُ الَّذِیْ۔ یہ مثلیت ومماثلت کس لحاظ سے ہے؟ کیفیت یا کمیت کے اعتبار سے نہیں، بلکہ نفس وجوب کے لحاظ سے ہے۔ **والمراد بالمماثلة الواجب فی کونہ حسنة لا فی جنس الفعل** (کشاف) **ای فی الوجوب و استحقاق المطالبة علیھا** (بیضاوی) یعنی شوہر کہیں اس بھول میں نہ پڑ جائیں کہ اُن کے صرف حقوق ہی حقوق ہیں اور فرائض کچھ نہیں۔ فرائض ان پر بھی اسی طرح عائد ہوتے ہیں جس طرح ان کی بیویوں پر۔ اسی طرح بیویاں بھی کہیں اس افراط ''روشن خیالی'' میں نہ مبتلا ہو جائیں کہ خدمت کرنا ہمارا کام نہیں، یہ کام سب مردوں کا ہے، ہمارا کام خدمت لینا ہے **ف۸۴۹** لیکن حقوق باہمی کا آخر معیار کیا ہے؟ آیت کا یہ ٹکڑا اسی سوال کا جواب ہے۔ یعنی ان حقوق کے جزئیات وتفصیلات کو شریعت ہی کے اصول وکلیات کے ماتحت ہونا چاہیے، یا پھر عقل سلیم کے ماتحت۔ **ای بالوجه الذی لا ینکر فی الشرع و عادات الناس** (مدارک) یہ نہیں کہ محض ہوائے نفس سے یا جاہلی مزعومات کے ماتحت کوئی دستور گڑھ لیا جائے، اور ان کا نام ''ضابطۂ حقوق نسواں'' رکھ دیا جائے! **ف۸۵۰** تہذیب جاہلی ہر زمانہ میں عجیب عجیب بے اصل اور تمام تر غلط دعوے کرتی رہتی ہے، اور بعد کو ان دعووں کی عملی تردید بھی ہوتی رہتی ہے۔ تہذیب جدید کے انہی بے بنیاد مفروضوں میں سے ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ مرد وعورت ہر حیثیت اور ہر اعتبار سے ہم درجہ ہیں...... محض دعویٰ، کتنی ہی کثرت سے دہرایا جائے، دعویٰ ہی رہے گا، دلیل نہ بن جائے گا۔ قرآن ابھی ابھی جاہلیت ہی کے ایک مفروضہ کی تردید میں کہہ چکا ہے کہ عورت بے حقی نہیں ہے، وہ بھی مردوں کی طرح اپنے حقوق رکھتی ہے۔ اب وہ جاہلیت کے دوسرے دعویٰ کی تردید میں بے دھڑک اعلان کر رہا ہے کہ دونوں جنسوں میں مساوات مطلق و مساواتِ کامل نہیں، بلکہ مرد کو عورت پر ترجیح وفضیلت حاصل ہے۔ دَرَجَةٌ۔ قرآنی لفظ دَرَجَةٌ خوب خیال میں رہے۔ مرد عورت کے مالک نہیں، عورت اس کی کنیز یا باندی نہیں، بلحاظ حقوق دونوں ایک سطح پر ہیں۔ پھر بھی مرد کو عورت پر ایک گونہ فضیلت وترجیح حاصل ہے۔ **معناہ فضیلة فی الحق** (معالم) **ای زیادة فی الحق** (کشاف) جدید علوم وطبیات کے ماہرین جنھوں نے مرد وزن کی جسمانی ساخت وترکیب، دماغی وذہنی قویٰ اور طبعی خصوصیات کے مطالعہ وتحقیق میں عمریں بسر کر دی ہیں، ان کی بڑی جماعت آخر اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے متمم ومکمل ہیں، تاہم بہ لحاظ قوت وبہ لحاظ عقل مرد ہی کو فضیلت حاصل ہے۔ اور عورت جن ملکوں میں مردوں کے برابر ثابت ہوئی ہے وہاں اپنی نسائیت کا خون کر کر کے۔ **ف۸۵۱** معاشرت انسانی اور معاملات باہمی کے بہت سے صیغوں کے اہم مسائل اس آیت میں آ گئے۔ اس لیے حق تھا کہ آیت کا خاتمہ ان ہی صفات باری کے اثبات پر کیا جائے۔ عَزِیْزٌ۔ وہ بڑی قوت والا ہے۔ ہر مانع پر غالب۔ جو احکام وہ چاہے دے سکتا ہے۔ حَکِیْمٌ۔ لیکن ساتھ ہی وہ بڑا حکمت والا بھی تو ہے، اس لیے وہ وہی احکام دیتا ہے جو بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں کے جامع ہوتے ہیں۔ بندوں بیچاروں کی نظریں وہاں تک پہنچ کہاں سکتی ہیں **ف۸۵۲** (جب تک کہ واپسی کی گنجائش باقی ہے) طلاق سے یہاں مراد طلاق رجعی ہے۔ دو بار تک الفاظ طلاق ادا کرنے پر رجوع کر لینے کی گنجائش باقی رہتی ہے **ف۸۵۳** یعنی دو ماہ کے بعد، تیسرے مہینہ۔ تیسری پاکی کے زمانہ میں، یا زبان سے الفاظِ طلاق ادا کرے، یا خاموش رہے، دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی، اور اب بغیر کسی دوسرے شوہر سے نکاح کیے اور طلاق پائے، اس پہلے شوہر سے نکاح درست نہ رہے گا۔ تو ایک صورت تو یہ ہوئی کہ اب پختہ ارادہ کر کے اس طلاق کو مکمل اور قطعی کر دیا جائے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ آخری گنجائش سے فائدہ اٹھا کر طلاق واپس لے لی جائے، اور تعلق زناشوئی از سرنو قائم ہو جائے۔ فَاِمْسَاكٌ۔ یعنی اس کچی طلاق پائی ہوئی بیوی کو رجعت کر کے پھر اپنے پاس رکھ لینا ہے۔ بِمَعْرُوْفٍ۔ یعنی قواعد شرعی کے مطابق۔ تفصیلی احکام طلاق کتب فقہ میں ملیں گے۔ بِاِحْسَانٍ۔ یعنی طلاق سے مقصود رفع نزاع ہو۔ ناخوشگوار صورت حال کا خاتمہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ عورت کی دل شکنی، تحقیر وتذلیل مقصود ہو۔ قرآن مومن کے خاندان کی، اس کے گھر بار کی کتنی عزت وحرمت ملحوظ رکھتا ہے! اس کی بے حرمتی کسی حال میں اُسے گوارا نہیں۔ آج مسلمان کو خود اپنی اور اپنے خاندان کی عزت وحرمت کا اتنا خیال بھی ہوتا جتنا اُن کے خدا کو ہے، تو آج خانگی فضیحتوں کا کوئی وجود بھی کہیں باقی نہ رہتا! **ف۸۵۴** (طلاق کے وقت) اکثر انسان جب غصہ میں آ کر طلاق دیتا ہے تو یہ بھی کر گزرتا ہے کہ اب تک جو کچھ بیوی کو دیا لیا ہے، اس سے چھین لیتا ہے۔ عرب جاہلیت میں یہ دستور اور زیادہ پھیلا ہوا تھا۔ یہاں اسی ظالمانہ دستور کی ممانعت ہے۔ اور بتایا ہے کہ مہر وغیرہ جو کچھ انہیں پہلے دے چکے ہو، اب اس کے چھینے اور واپس لینے کا کوئی محل نہیں۔ مَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا۔ عام مفسرین اور فقہاء نے اس سے مراد مہر کی رقم رکھی ہے۔ لیکن فقیہ ابن العربی مالکی نے اسے ہر اس مال تک وسعت دی ہے، جو شوہر بیوی کو دے چکا ہو۔ **قال قوم یعنی من الصداق و عندی ان من کل شی اعطاھا**۔ حسن معاشرت، حسن معیشت، حسن سلوک کی تاکید ہر صورت میں ہے۔ بیویوں کو رکھو تو بھی خوش اسلوبی کے ساتھ۔ رخصت کرو تو بھی ہنسی خوشی، خوش عنوانی کے ساتھ **ف۸۵۵** (ادائے حقوق زوجیت کے باب میں) یَخَافَا، یُقِیْمَا۔ وہ دونوں، یعنی میاں بیوی **ف۸۵۶** یعنی حقوق زوجیت درجۂ اقل میں بھی ادا نہ ہو سکیں، اور موافقت کی کوئی صورت ہی نظر نہ آئے۔ حُدُوْدَ اللّٰہِ۔ یعنی معاشرت زوجی کے فرائض۔ **قال طاؤس فیما افترض علی کل واحد منھما فی العشرة والصحبة** (جصاص) **ف۸۵۷** یعنی بیوی اگر قید نکاح سے مخلصی پانے اور شوہر سے طلاق حاصل کرنے کے لیے اپنی مہر سے یا اس کے کچھ حصہ سے دستبردار ہو جانا چاہے، تو یہ بھی ایک جائز صورت علیحدگی کی ہے، اور اس مال کو قبول کر لینا شوہر کے لیے درست ہوگا۔ طلاق کی اس خاص صورت کا نام جس میں طلاق کی خواستگار عورت ہو، اصطلاح شریعت میں خلع ہے اور احکام خلع کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمہ کی بیان القرآن میں بھی کلام مبسوط ملے گا۔ خلع کے جائز صورت طلاق ہونے اور اس کے طلاق بائن کے درجہ پر رکھنے پر حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے صحابیوں اور حسن اور ابی سلمہ اور قاضی شریح اور ابراہیم اور شعبی اور مکحول جیسے تابعین تک کا اتفاق جصاص نے نقل کیا ہے، اور اس کو فقہاء کا متفقہ قول بھی قرار دیا ہے۔ **وھو قول فقھاء الامصار لاخلاف بینھم**۔ فقہاء کے ہاں ایک بحث یہ بھی چلی ہے کہ خلع آیا صرف اسی اندیشہ کے وقت جائز ہے، جس کا آیت میں ذکر ہے، یا یوں بھی عام طور پر؟ جمہور فقہاء ومجتہدین اسی طرف گئے ہیں کہ خلع ہر صورت میں اور ہر حال میں جائز ہے۔ **اما جمھور المجتھدین فقالوا الخلع جائز فی حالة الخوف و فی غیر حالة الخوف** (کبیر) البتہ فقیہ زہری، نخعی اور داؤد ظاہری کا مذہب یہ نقل ہوا ہے کہ خلع کی اجازت صرف اندیشہ اور غصہ کی حالت میں ہے۔ **و قال الزھری والنخعی و داؤد لا یباح الخلع الا عند الغضب والخوف** (کبیر) **ف۸۵۸** یہ تاکید ہے اس امر کی کہ احکام شرعی میں کسی خفیف جزئیہ کو بھی ناقابل التفات نہ سمجھا جائے۔ اور شریعت جیسے بے انتہا منظم فن میں ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔۔۔ مشین جتنی نازک اور اعلیٰ صناعی کا نمونہ ہوگی، اُسی قدر اُس کا ایک ایک تنہا پرزہ بھی اپنی جگہ پر بے بدل ہوگا **ف۸۵۹** یعنی اُن پہلی دونوں طلاقوں کے بعد رجعت نہ کرے، اور طلاق پر قائم ہی رہے، تو اب تیسری بار، یا پہلی طلاق سے تین مہینے گزر جانے کے بعد، اب طلاق قطعی طور پر نافذ ہو جائے گی۔ تین مہینے کی مدت غور وفکر کے لیے اور سعی مصالحت ومفاہمت کے لیے، بہت کافی ہوتی ہے **ف۸۶۰** (اور وہ شوہر اُس سے ہمبستری بھی کر لے) دوسرے شوہر سے یہ نکاح، پہلے شوہر سے طلاق قطعی پانے کے تین مہینے بعد یعنی ایام عدت گزارنے کے بعد ہی ہو سکے گا۔ تَنْكِحَ۔ نکاح یہاں اپنے اصطلاحی شرعی معنی میں، یعنی عقد نکاح کے مرادف نہیں، بلکہ اپنے اصلی اور لغوی معنی میں، یعنی ہمبستری کے مرادف ہے۔ محض عقد کا مفہوم تو خود لفظ زَوْجًا سے نکل آتا ہے۔ تَنْكِحَ سے مقصود ہم بستری کو ظاہر کرنا تھا۔ **العقد فھم من زوجًا والجماع من تنکح** (روح) **یحتمل ان تفسیر النکاح بالاصابة** (بیضاوی) اور امام ابن جریر اس سوال کے جواب میں، کہ ہمبستری کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن میں موجود نہیں تو آخر یہ دلالت کہاں سے پیدا کی گئی ہے۔ لکھتے ہیں کہ معنی کی یہ دلالت ساری اُمت کے اجماع نے پیدا کی ہے۔ **الدلالة علی ذلک اجماع الامة جمیعًا علی ان ذلک معناہ** اور امام رازی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ قول مختار یہی ہے کہ ہم بستری کی شرط حدیث سے نہیں، قرآن ہی سے ثابت ہے۔ **واختلف العلماء فی ان شرط الوطیٔ بالسنة او بالکتاب قال ابو مسلم الاصفھانی الامران معلومان بالکتاب و ھذا ھو المختار** (کبیر) اور آگے اسے بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ نکاح کا لفظ جب مطلق صورت میں ہے جب تو

مرادعقدزوجیت سے ہوگی، لیکن جب اضافت زوجته و امراته کے ساتھ ہوگی، تو ہمبستری ہی ہوگی۔ اورآخرنتیجہ یہ نکالا ہے کہ قوله نکح یدل علی الوطی وقوله زوجا یدل علی العقد (کبیر) بہرحال جمہور فقہاء وائمہ مجتہدین کا مذہب یہی ہے کہ مطلقہ کے ساتھ پہلے شوہر کا نکاح جب ہی درست ہے جب دوسرا شوہر اُس کے ساتھ ہمبستری کر کے اُسے طلاق دے دے، اور اس طلاق پر بھی تین ماہ کی مدت گزر لے۔ مذھب جمھور المجتھدین ان المطلقة بالثلاث لا تحل لذٰلک الزوج الابخمس شرائط تعقد منه و تعقد للثانی و یطوءھا ثم یطلقھا ثم تعقد منه (کبیر) اختلاف صرف دوتابعین سے منقول ہے۔ ان کے خیال میں مجرد عقد ثانی بھی، بغیر ہمبستری کے، طلاق کے بعد شوہر اول سے یا کسی اور سے عقد کے لیے کافی ہے۔ قال سعید بن جبیر و سعید بن المسیّب تحل بمجرد العقد (کبیر) لیکن مذہب جمہور ہی نہایت قوی اور شریعت اسلامی کے عین مزاج کے مطابق ہے۔ شریعت نے طلاق کو پسند یقیناً نہیں کیا ہے۔ اس کے نفاذ میں طرح طرح کی قیدیں لگا دی ہیں۔ ترغیب یہ دی ہے کہ خوب سوچ سمجھ کر ہی طلاق دی جائے۔ لیکن ان سب مرحلوں سے گزر جانے کے بعد جب طلاق نافذ ہی ہو جائے، تو پھر اب رعایت کا کوئی موقع نہیں، شوہر کو اب دوبارہ آسانی سے وہ بیوی واپس نہیں مل سکتی، اب اُسے ذرا خون جگر کھالینا پڑے گا، جب وہ حاصل ہو سکتی ہے۔۔۔ سزائے زنا میں بھی یہی اصل کارفرما ہے۔ ثبوتِ زنا نہایت ہی قوی بلکہ قطعی ہونا چاہیے۔ ذرا سے بھی شبہ کا فائدہ ملزم ہی کو ملے گا، لیکن جب یہ سب مرحلے طے ہو چکیں تو پھر اب نفاذِ سزا میں کسی رعایت کی گنجائش نہیں۔

اِلَّآ اَنۡ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا

ہاں بجز اس صورت کے کہ جب اندیشہ ہو کہ اللہ کے ضابطوں کو دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے ف۸۵۵ سو اگر تم کو یہ

يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا

اندیشہ ہو کہ تم اللہ کے ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکو گے ف۸۵۶ تو دونوں پر اس (مال) کے باب میں کوئی گناہ نہ ہوگا، جو

افۡتَدَتۡ بِهٖ ؕ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا ۚ

عورت معاوضہ میں دے دے ف۸۵۷ یہ (سب) اللہ کے ضابطے ہیں سو ان سے باہر نہ نکلنا،

وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۲۹﴾

اور جو کوئی اللہ کے ضابطوں سے باہر نکل جائے گا، سو ایسے لوگ تو (اپنے حق میں) ظلم کرنے والے ہیں ف۸۵۸

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ

پھر اگر کوئی اپنی عورت کو طلاق دے ہی دے، ف۸۵۹ تو وہ عورت اس کے لیے اس کے بعد جائز نہ رہے گی، یہاں

زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ اَنۡ

تک کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے، ف۸۶۰ پھر اگر وہ (بھی) اسے طلاق دے دے ف۸۶۱ تو دونوں پر کوئی گناہ

يَّتَرَاجَعَآ اِنۡ ظَنَّآ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ

نہیں کہ پھر مل جائیں ف۸۶۲ بشرطیکہ دونوں گمان غالب رکھتے ہوں کہ اللہ کے ضابطوں کو قائم رکھیں گے ف۸۶۳ اور

حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾ وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ

یہ بھی اللہ کے ضابطے ہیں۔ انہیں وہ کھول کر ان لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں ف۸۶۴ اور جب تم

النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ

عورتوں کو طلاق دے چکو ف۸۶۵ اور وہ اپنی مدت گزرنے پر پہنچ جائیں ف۸۶۶ تو (اب یا تو) انہیں عزت کے ساتھ

اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ۚ وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا

روکے رکھو اور یا عزت کے ساتھ رہائی دے دو ف۸۶۷ اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے

مِنۡۢ بَعۡدُ۔ یعنی طلاق ثالث کے بعد۔ ای التطلیقة الثالثة (مدارک) اس شرط کے ساتھ نئے شوہر کا کسی مطلقہ کے ساتھ نکاح کرنا کہ بعد صحبت طلاق دے دی جائے گی، تاکہ وہ اپنے شوہر اول کے لیے جائز ہو جائے حلالہ کہلاتا ہے۔ حدیث میں محلل یعنی وہ دوسرا شوہر جو نکاح جیسے اہم، سنجیدہ اور مقدس معاہدہ کو پہلے شوہر کی خاطر ایک کھیل اور تفریح کی چیز بنائے دیتا ہے، اور محلل لہٗ یعنی وہ پہلا شوہر جس کی خاطر معاہدۂ نکاح کی اہمیت، سنجیدگی و تقدیس خاک میں ملائی جارہی ہے، ان دونوں پر لعنت آئی ہے۔ اور اکثر فقہاء کے ہاں یہ نکاح، نکاح فاسد کے حکم میں آتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں ایسا نکاح منعقد ہو جائے گا۔ یعنی اس کا نفاذ قانونی ہو جائے گا، اگرچہ اس سے گناہ عائد ہوگا ف۸۶۱ (اور اس دوسری طلاق پر بھی تین مہینے کی عدت گزر جائے) ف۸۶۲ (بدستور سابق، دوبارہ نکاح کر لے) مطلقہ اپنے شوہر کے لیے ہمیشہ کو حرام اب بھی نہیں ہو جاتی۔ ان درمیانی مرحلوں سے گزرنے کے بعد اب بھی اس کا نکاح اپنے شوہر اول سے ممکن ہے۔ ہر ہر فریق معاملہ کے حقوق کی پوری رعایت کا جو حکیمانہ اہتمام والتزام شریعت اسلامی کے سارے اجزاء میں ہے، اس کا ایک اعلیٰ نمونہ یہ طلاق کے جزئیاتِ احکام ہیں۔ انسانی ذہن اور بشری دماغ اپنی ساری کوششیں کر تھکے، اتنے دقائق کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا ف۸۶۳ (اور آئندہ خواہ مخواہ کی رنجشیں پیدا کر کے اتلافِ حقوق میں نہ مبتلا ہوں گے) يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ۔ حدود اللہ کی اقامت اس سیاق میں یہی ہے کہ حسن معاشرت کی رعایت رکھی جائے۔ ای یتعاشرا بالمعروف (ابن کثیر) ای یکون بینھما الصلاح و حسن الصحبة (معالم) اِنۡ ظَنَّا۔ یعنی اگر امید و ارادہ بھی رکھتے ہوں۔ باقی یقین کے ساتھ مستقبل کا حال کون جان سکتا ہے۔ ای رجوا لان احد الا یعلم ما ھو کائن الا اللہ عزوجل (معالم) ای متی حصل ھٰذا الظن حصل لھما العزم علی اقامة حدود اللہ حسنت ھٰذه المراجعة (کبیر) ای ان کان فی ظنھما انھما یقیمان حقوق الزوجیة (مدارک) ومن فسر الظن ھٰھنا بالعلم فقدوھم من طریق اللفظ (کشاف) ف۸۶۴ اہل فہم و دانش کے لیے۔ ان لوگوں کے لیے جو احکام و اوامر الٰہی کا علم رکھتے ہیں۔ یعنی یعلمون ما امرھم اللہ تعالٰی به (معالم) یرید من له عقل و علم (کبیر) ای یفھمون ما تبین لھم (مدارک) حُدُوۡدَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے احکام و قوانین۔ ای احکامه و شرائعه (ابن کثیر) ف۸۶۵ یعنی وہی ایک بار یا دوبار دی ہوئی طلاق رجعی، جو ابھی قطعی نہیں ہوئی ہے اور جس سے ابھی رجوع کر لینے کی گنجائش ہے ف۸۶۶ (لیکن وہ مدت ابھی پوری گزر چکی نہ ہو) یعنی زمانۂ عدت اب ختم ہونے ہی پر ہو، لیکن پوری طرح ختم ہو چکا نہ ہو۔ ورنہ بالکل ختم ہو جانے کے تو معنٰی ہی یہ ہیں کہ اب کوئی گنجائش ہی رجعت کی نہیں باقی رہی۔ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ۔ المراد مقاربة البلوغ والاشراف علیه لاحقیقته (جصاص) المراد مقاربته دون انقضائه و نظائره کثیرة فی القراٰن واللغة (جصاص) معناه قارب البلوغ (ابن العربی) اَجَلَهُنَّ۔ اجل کا اطلاق ساری مدت پر بھی ہوتا ہے اور آخر مدت پر بھی۔ والاجل یقع علی المدة کلھا و علی اٰخرھا و کذٰلک الغایة والامد (کشاف) و یقع فی البلوغ ایضًا فیقال بلغ البلد اذا شارفه و داناه (کشاف) جعل لفظ بلغ بمعنی قارب کما یقال اذا بلغت مکة فاغتسل (ابن العربی) ف۸۶۷ یعنی جب وہ سہ ماہی مدت عدت ختم ہونے پر آئے، تو شوہر کو اب دو اختیار ہیں۔ یا یہ کہ اپنی اُس نیم مطلقہ بیوی کو پھر شرافت و عزت کے ساتھ اپنی زوجیت میں واپس لے لے، اور یا پھر اُسے شرافت و عزت کے ساتھ اپنے گھر سے رخصت کر دے۔ اور مستقل علیحدگی اختیار کر لے۔۔۔ غرض دونوں صورتوں میں سے جو بھی اختیار کی جائے، تمامتر شریعت و اخلاق کے قانون و آداب کے موافق ہو

لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ

نہ روکے رہو ۸۶۸ اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اپنی ہی جان پر ظلم

نَفْسَهٗ ؕ وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ؗ وَّ اذْكُرُوْا

کرے گا ۸۶۹ اور اللہ کے احکام کو ہنسی (کھیل) نہ سمجھو، ۸۷۰ اور

نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَاۤ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ

اللہ کی نعمتیں اپنے اوپر یاد کرو ۸۷۱ اور (اس) کتاب و حکمت کو بھی

الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ

جو اس نے تم پر اتاری ہے کہ اس سے وہ تمہیں نصیحت کرتا رہتا ہے ۸۷۲ اور اللہ سے ڈرتے رہو

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ وَ اِذَا

اور جانے رہو کہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ۸۷۳ اور جب

طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

تم طلاق دے چکو اپنی عورتوں کو، اور پھر وہ اپنی مدت کو پہنچ چکیں ۸۷۴ تو تم انہیں اس سے مت روکو ۸۷۵

اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ

کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں، جب کہ وہ آپس میں سب شرافت کے ساتھ

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ

راضی ہوں ۸۷۶ اس (مضمون) سے نصیحت کی جاتی ہے تم میں سے اس شخص کو جو

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ

اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے ۸۷۷ یہی تمہارے حق میں پاکیزہ تر اور

وَ اَطْهَرُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

صاف تر ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو ۸۷۸

ع ۲۹ / ۱۲

۸۶۸ گویا عورت کی حق تلفی کی گنجائش، کسی صورت اور کسی حال میں بھی نہیں ۔۔ زوجیت میں واپسی خانہ آبادی کے لیے ہونا چاہیے نہ کہ خانہ بربادی کے لیے ۸۶۹ (اور اپنی زیادتیوں کی سزا دنیا یا آخرت میں بھگتے گا) بیویوں کے حقوق ادا نہ کرنے والے، حقوق زوجیت میں برابر اور شدید کوتاہیاں کرتے رہنے والے خیال کرتے رہیں کہ ایسوں کے حق میں کیسی کیسی وعیدیں وارد ہو رہی ہیں ۸۷۰ (کہ جس پر جی چاہا عمل کیا، اور جسے چاہا یوں ہی چھوڑ دیا) شریعت اسلامی میں حیاتِ اجتماعی و معاشری کا سنگ بنیاد خاندان اور خاندانی زندگی ہے، اور خاندان کا کلیدی نقطہ میاں بیوی کے صحیح تعلقات ہیں۔ اس لیے ایک معنی میں کہنا چاہیے کہ سارے نظام معاشرت کی بنیاد ہی یہی حقوق زناشوئی کی ادائی ہے۔ اور جس طرح بعض بظاہر معمولی بے احتیاطیاں بڑی بڑی سخت بیماریوں کا سبب بن جاتی ہیں، بعض جزئی احکام شریعت سے بے پروائی بڑے بڑے سخت فتنوں کا دروازہ کھول دیتی ہے ۔۔ ان دقائق کو سنبھالے رہنا شریعت ہی جیسا حکیمانہ نظام کا کام ہے۔ ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ احکام محض ہزل نہیں، پوری سنجیدگی سے ہر حال میں نافذ ہو جائیں گے۔ یہ نہیں کہ پہلے تو زبان سے صاف الفاظ میں طلاق دے دی، اور پھر بعد کو یہ کہہ کر ٹال دینا چاہا کہ یہ تو ہنسی میں کہا تھا۔ بعض تابعین اسی طرف گئے ہیں ۸۷۱ (اور ان ہی نعمتوں میں سے آئین معاشرت کی یہ مکمل، مفصل جامع تعلیم بھی ہے) ۸۷۲ يَعِظُكُمْ بِهٖ۔ اس سے، یعنی اس کے ذریعہ وہ تمہیں نصیحت کرتا رہتا ہے۔ بہ میں ضمیر مَاۤ اَنْزَلَ کی طرف ہے ۸۷۳ (اور چھوٹے بڑے ہر حکم کی مصلحتوں سے بھی وہی خبردار ہے) وَ اتَّقُوا، وَ اعْلَمُوْا۔ تقویٰ الٰہی اور علم الٰہی کی کاملیت کا استحضار، یہی دو تو بنیادیں ہیں ہر عمل صالح اور صالحانہ زندگی کی ۸۷۴ (اور عدت پوری کر کے دوسرے نکاح کی آرزومند ہوں) اِذَا طَلَّقْتُمْ۔ یہاں یہ خطاب صرف شوہروں سے نہیں، عام امت سے ہے۔ خطابا للاولیاء و للازواج ولسائر الناس والعموم يقتضى ذٰلك (جصاص) بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ یہاں زمانۂ عدت کا قرب ختم مراد نہیں، جیسا کہ آیت ماقبل میں تھا۔ بلکہ عین ختم مراد ہے۔ المراد حقيقة البلوغ بانقضاء العدة (جصاص) البلوغ ههنا حقيقة لامجاز فيها (ابن العربی) ۸۷۵ (جیسا کہ عرب میں بہت سے موقعوں پر اولیاء و اقرباء کی طرف سے روکنے کا رواج تھا) ۸۷۶ اَزْوَاجَهُنَّ۔ یعنی ان کے تجویز کیے ہوئے شوہر عام اس سے کہ وہ نئے ہوں یا وہی پرانے ہوں جو ایک بار انہیں چھوڑ چکے ہیں۔ اے الذين يرغبن فيهم و يصلحون لهن (مدارک) يَنْكِحْنَ۔ اس لفظ سے معلوم ہوا کہ عورتیں خود بھی اپنا نکاح کر سکتی ہیں۔ اور یہیں سے حنفیہ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ نکاح بغیر ولی کے بھی جائز ہے۔ قد دلت هٰذه الأية من وجوه علىٰ جواز النكاح اذا عقدت علىٰ نفسها بغير ولي ولا اذن وليها احدها اضافة العقد اليها من غير شرط اذن الولي (جصاص) تَرَاضَوْا۔ حنفیہ نے اس لفظ سے استنباط کیا ہے کہ ایجاب و قبول رکن نکاح ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی بجائے زوجین کے اُن کے ولی یا وکیل کر دیں۔ بِالْمَعْرُوْفِ یہ قید ان احکام میں ہر جگہ لگی ہوئی ہے، اور کس کثرت سے اس کا اعادہ ہو چکا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی ادنیٰ سی ادنیٰ بات بھی دین و اخلاق کے قانون کے خلاف نہ ہونے پائے ۸۷۷ ان تعلیمات و ہدایات کی پوری قدر ان ہی کو ہوگی جو مومن کامل ہیں ۸۷۸ دقیق حکمتوں اور حقیقی مصلحتوں کا علم ہمہ بیں، ہمہ داں، خدائے تعالیٰ کو ہو سکتا ہے، یا علم کے ناقص، عقل کے ناقص گندے بندوں کو؟ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ۔ یعنی مفید حکیمانہ، قابل عمل، آسان احکام، ذاتی و ملی ہر اعتبار سے۔ شخصی سیرتوں اور اجتماعی مصلحتوں دونوں کے معیار سے۔ دوسرے مذہبوں کے برعکس اسلام جس نظام کو لے کر آیا ہے وہ محض صوفیوں راہبوں، جوگیوں، فلسفیوں کے لیے نہیں، صرف نفس کشی و ریاضت کرنے والوں کے لیے نہیں۔ اس مادی دنیا کے بھی معاشری، اجتماعی فوائد کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کے قانون پر عمل کیا جائے۔ ذٰلِكُمْ۔ اے الاتعاظ به والعمل بمقتضاه (روح)

وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ

اور مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں پورے

كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَ عَلَى

دو سال ف۸۷۹ (یہ مدت) اس کے لئے ہے جو رضاعت کی تکمیل کرنا چاہے ف۸۸۰ اور جس کا

الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

بچہ ہے، اس کے ذمہ ہے ان (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا موافق دستور کے ف۸۸۱

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ

کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا بجز اس کی برداشت کے بہ قدر ف۸۸۲ نہ کسی ماں کو تکلیف پہنچائی جائے

بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَ عَلَى

اس کے بچہ کے باعث اور نہ کسی باپ ہی کو تکلیف پہنچائی جائے اس کے بچہ کے باعث ف۸۸۳ اور اسی طرح

الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ

(کا انتظام) وارث کے ذمہ بھی ہے ف۸۸۴ پھر اگر دونوں اپنی باہمی رضامندی

تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا ؕ

اور مشورہ سے دودھ چھڑا دینا چاہیں، ف۸۸۵ تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔

وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ فَلَا

اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو (کسی اور انا کا) دودھ پلوانا چاہو تب بھی

جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّاۤ اٰتَیْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم (ان کے) حوالے کردو جو کچھ انہیں دینا ہے موافق دستور کے، ف۸۸۶

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اور اللہ سے ڈرتے رہو ف۸۸۷ اور جانے رہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کا

ف۸۷۹ رضاعت اصلی حق ماں کا ہے، اور ماں سے بہتر کوئی مرضعہ ہو نہیں سکتی۔ پرانے طبیبوں اور نئے ڈاکٹروں اور ڈاکٹرنیوں سب کو اس پر اتفاق کرنا پڑا ہے۔ یجعل الام احق برضاع الولد هذه المدة (جصاص) اَلْوَالِدٰتُ۔ خواہ ان ماؤں کا نکاح باقی ہو یا طلاق ہو چکی ہو۔ اَوْلَادَهُنَّ۔ اس قید نے یہ صاف کر دیا کہ مراد مائیں ہی ہیں، نانیاں دادیاں مراد نہیں۔ رضاعت کامل کے لیے دو برس کی مدت پر بھی طبیبوں کا اتفاق رائے موجود ہے ف۸۸۰ یعنی جو پورے نصاب کی تکمیل نہ کرنا چاہے اس کے لیے کم مدت کی بھی اجازت ہے۔ ف۸۸۱ مرضعہ کی تنخواہ اور کھانے کپڑے کی ذمہ داری بہرحال باپ کے سر ہے۔ اور مرضعہ عام حالات میں ماؤں ہی کو ہونا چاہیے۔ خواہ وہ مائیں ہنوز قید نکاح میں ہوں یا قید عدت میں۔ بِالْمَعْرُوْفِ۔ یعنی عرف شریفانہ کے موافق، جو کسی قاعدۂ شرعی کے خلاف نہ ہو۔ ای بمایحسن فی الدین والمروءة (مدارک) ای بمالا یکون مستکرا شرعًا و مروءة (روح) فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کھلانے پہنانے میں مرد کی واجبی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اسے نہ خست سے کام لینا چاہیے، نہ اسے اسراف کی حاجت۔ یدل علی ان الواجب من النفقة والکسوة هو علی قدر حال الرجال فی اعساره و یساره (جصاص) ف۸۸۲ (اور اس کے قوائے ترکیبی کے مناسب حال) چنانچہ یہاں بھی رضاعت کا حکم ملا تو ماں کو، کہ یہ چیز عورت ہی کے فرائض میں داخل ہے۔ اور مرضعہ کو کھلانے پہنانے کی ذمہ داری رکھی گئی ہے باپ کے سر، کہ یہ کمانا اور خرچ کرنا مرد ہی کی زندگی سے مناسبت رکھتا ہے۔ جزئیات کے درمیان درمیان کلیے لے آنا یہ انشاء قرآنی کے خصوصیات میں سے ہے ف۸۸۳ آیت میں تنبیہ ہے باپ اور ماں دونوں کو، باپ کو تو یہ کہ وہ لڑکے کی ماں پر خواہ مخواہ سختی روا نہ رکھے اور ماں کو یہ کہ وہ لڑکے کے باپ سے خواہ مخواہ سخت مالی مطالبے نہ کرے ف۸۸۴ (جب باپ زندہ نہ ہو) اَلْوَارِثِ۔ وارث سے فقہی اصطلاح میں وہ قرابت دار محرم مراد ہے جو بچہ کا شرعی وارث ہے۔ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح باپ پر بچہ کی ماں کا حفظ حقوق واجب ہے، اسی طرح باپ کے بعد اپنے قریب ترین عزیزوں پر بھی واجب ہے علیه مثل ما علی والدالطفل من الانفاق علی والدة الطفل والقیام بحقوقها وعدم الاضرار بها (ابن کثیر) و به قول الجمهور و قداستقصی ذٰلک ابن جریر فی تفسیره (ابن کثیر) باپ کے ہوتے ہوئے بچہ کی پرورش کا خرچ صرف باپ کے ذمہ ہے۔ اور جب باپ مر جائے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر بچہ مال کا مالک ہے تب تو اسی مال میں اس کا خرچ ہوگا۔ اور اگر مال کا مالک نہیں تو اس کے مالدار عزیزوں میں جو اس کے محرم ہیں یعنی اس بچہ سے اُن کا رشتہ ایسا ہے کہ دونوں میں سے ایک کو مرد اور ایک کو عورت فرض کریں تو باہم نکاح درست نہ ہو، اور محرم ہونے کے علاوہ شرعًا اس کے مستحق میراث بھی ہیں۔ پس ایسے محرم و وارث رشتہ داروں کے ذمہ اس کا خرچ واجب ہوگا اور ان رشتہ داروں میں ماں بھی داخل ہے۔ مثلاً ایک ایسے بچہ کی ایک ماں ہے، ایک دادا ہے، تو اس کے خرچ کا ایک ثلث ماں کے ذمہ ہے اور دو ثلث دادا کے ذمہ۔ کیونکہ دونوں محرم بھی ہیں اور بچہ کی میراث بھی اسی نسبت سے پا سکتے ہیں (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)۔ شیر خوار کے مصارف جو دوسروں پر واجب کیے گئے ہیں، اس کی علت یہی ہے کہ بچہ بذاتِ خود اپنی پرورش کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس اشتراکِ علت سے فقہاء حنفیہ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ محتاج عورتوں، اپاہج مردوں اور نابالغوں کے مصارف ان کے اقارب کے ذمہ ہیں۔ اور یہی مسلک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ و قد استدل بذٰلک من ذهب من الحنفیة والحنبلیة الی وجوب نفقة الاقارب بعضهم علی بعض و هو مروی عن عمر بن الخطاب و جمهور السلف (ابن کثیر) ف۸۸۵ (تکمیل رضاعت سے قبل، یعنی دو برس کی مدت کے اندر ہی) تَرَاضٍ۔ تَشَاوُرٍ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ماں کا جذبۂ شفقت اور حق پرورش زیادہ ہوتا ہے، اس لیے اس قسم کے امور کو محض باپ کی رائے پر نہیں چھوڑا گیا۔ بلکہ ماں کی رائے اور رضامندی کی بھی شرط لگا دی گئی۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ باہمی مشورہ کی ضرورت یہ ہے کہ خود بچہ کی مصلحت پر نظر کر لیں ف۸۸۶ مقصد یہ ہے کہ بعض دفعہ ماں سے چھڑا کر کسی اور سے رضاعت کرانے کی ضرورت یا مصلحت بھی پیش آجاتی ہے۔ چنانچہ جب ایسی صورت پیش آجائے تو کسی انا سے رضاعت کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بالکل جائز ہے بشرطیکہ اجرت حسب قرار داد ادا کر دی جائے۔ بِالْمَعْرُوْفِ۔ یعنی حسب معاہدہ و قرار داد۔ بِالْمَعْرُوْفِ کا نحوی تعلق سَلَّمْتُمْ سے بھی ہو سکتا ہے اور اٰتَیْتُمْ سے بھی ف۸۸۷ (سارے احکام و اوامر کے باب میں) چنانچہ یہاں بھی یہ ہے کہ اجرت نہ دو گے تو گنہگار ہو گے --- معاملات چھوٹے ہوں یا بڑے، قرآن مجید نے سارے دائرۂ زندگی میں قدم قدم پر تقوائے الٰہی کو شمع راہ رکھا ہے۔

ف۸۸۸ انسان کو بدمعاملگی، بددیانتی پر لانے والی چیز صرف یہی ذہول وغفلت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے کا، اس کی ہمہ بینی، ہمہ خبری کا استحضار اگر ہر وقت رہے، تو کوئی لغزش ہونے ہی نہ پائے۔ قرآن مجید بار بار اسی جذبہ کو بیدار کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ مسلمان اپنی خانگی زندگی کی کسی منزل میں بھی اس طرف سے غافل نہ ہونے پائے۔ ف۸۸۹ (نکاح اور قریبی مقدمات نکاح سے) دُنیا کے عمرانی اور معاشری مسائل میں طلاقن کے بعد بیوہ کا مسئلہ بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ بیوہ کے ساتھ دنیا کے کسی دوسرے مذہب نے کوئی خاص اعتنا برتا ہی نہیں ہے۔ بلکہ بعض مذہبوں نے تو ستی وغیرہ کو جائز کر کے بیوہ کو زندہ

بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾ وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ

خوب دیکھنے والا ہے ف۸۸۸ اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں

اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

چھوڑ جاتے ہیں، وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینہ اور دس دن تک

وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

روکے رکھیں ف۸۸۹ پھر جب وہ اپنی مدت تک پہنچ جائیں ف۸۹۰ تو تم پر اس باب میں کوئی گناہ نہیں

فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا

کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے بارے میں کچھ (کاروائی) کریں، شرافت کے ساتھ ف۸۹۱ اور جو تم کچھ بھی کرتے

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا

ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے، ف۸۹۲ اور تم پر کوئی گناہ اس میں نہیں کہ تم ان

عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ

(زیرِ عدت) عورتوں کے پیغام نکاح کے باب میں کوئی بات اشارۃً کہو یا (یہ ارادہ) اپنے دلوں ہی میں

اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَ لٰكِنْ

پوشیدہ رکھو، ف۸۹۳ اللہ کو تو علم ہے کہ تم ان عورتوں کا ذکر مذکور کرو گے ف۸۹۴ البتہ

لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا

ان سے کوئی وعدہ خفیہ (بھی) نہ کرو ف۸۹۵ مگر ہاں کوئی بات عزت وحرمت کے موافق

مَّعْرُوْفًا ؕ وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى

(چاہو تو) کہہ دو ف۸۹۶ اور عقد نکاح کا عزم اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ

يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

میعاد مقرر اپنے ختم کو نہ پہنچ جائے ف۸۹۷ اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے،

ہی جلا دیا ہے۔ اسلام نے بیوہ کو زندہ رہنے، پوری طرح زندہ رہنے کا، سہاگنوں ہی کی طرح زندہ رہنے کا حق عطا کیا ہے۔ اور یہ باب بھی، جہاں تک دنیوی برکتوں کا تعلق ہے، اسلام کا ایک روشن ترین باب ہے۔ تَرَبُّص۔ انتظار کی اس مدت کا اصطلاحی نام عدت ہے۔ طلاقن کی عدت پورے تین ماہ کی تھی۔ بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن یا کل ۱۳۰ دن تجویز ہوئی ہے۔ اس زمانہ میں بیوہ کے لیے بناؤ سنگار سب ناجائز ہے۔ بیوہ اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت تا وضع حمل ہے۔ ف۸۹۰ یعنی عدتِ بیوگی ختم ہو جائے۔ ف۸۹۱ یعنی جب عدت ختم ہو گئی، تو اب نکاح کی تجویز وغیرہ میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ۔ خطاب عام ہے اہل امت کو یعنی تم پر ایسی بات کے جائز رکھنے میں کوئی گناہ یا حرج نہیں۔ ایها الائمة الحکام (جصاص) ھذا خطاب للاولیاء (ابن العربی) قیل الخطاب لجمیع المسلمین (روح) اس طرز خطاب سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ کوئی شخص خلافِ شرع کام کرے تو دوسروں پر واجب ہوتا ہے کہ بشرطِ قدرت وبہ قدرِ قدرت اس کو روکیں، ورنہ یہ بھی گناہگار ہوں گے۔ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ۔ یعنی نکاح اور متعلقاتِ نکاح کی تجویزیں بھی جو شرعاً جائز ہوں بِالْمَعْرُوْفِ۔ جو بھی کاروائی ہو قانونِ شریعت وآئین اخلاق کے باہر نہ ہو ف۸۹۲ (چنانچہ کوئی بات خلاف شریعت اگر خود کرو گے یا اُسے ہونے دو گے تو اس کے ذمہ دار قرار پاؤ گے) مشرک قوموں نے اپنے خداؤں سے علم کامل اور باخبری کی نفی کی ہے۔ قرآن مجید نے ان صفات کے اثبات میں ایک پہلو رد شرک کا بھی رکھا ہے ف۸۹۳ دورانِ عدت میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کوئی مرد کسی بیوہ سے نکاح کا ارادہ اپنے دل میں قائم کر لے، اور زبان پر نہ لائے، یا اگر لائے بھی تو محض اشارۃً کنایۃً۔ صراحت کے ساتھ البتہ اجازت اس زمانہ میں نہیں ف۸۹۴ (سو محض تذکرہ کی حد تک رہنے کا کوئی مضائقہ نہیں) یہ عین فطرت بشری ہے کہ جو عورت دل میں بس جاتی ہے مرد ادھر اُدھر گھوم گھما کر اس کا ذکر ضرور لاتا ہے، اور اس کا تذکرہ چھیڑنے کا بہانہ ڈھونڈا کرتا ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا عین اسی فطرتِ بشری کا ترجمان ہے ف۸۹۵ دورانِ عدت میں عورت سے وعدۂ نکاح کر لینا، علانیہ نہ سہی، بہ طور راز کے بھی جائز نہیں۔ اور یہ ٹکڑا اسی حکم کی تاکید کے لیے ہے۔ سِرًّا، سِرّ کے عام معنی جو راز کے ہیں، ظاہر ہیں۔ جمہور مفسرین نے وہی قبول کیے ہیں۔ لیکن ایک مجازی معنی خود نکاح کے بھی ہیں اور ابن سیدہ لغوی، فراء نحوی وغیر ہما نے یہاں اس سے کنایہ نکاح ہی کا سمجھا ہے۔ وکنی عن النکاح بالسر (راغب) و من المجاز السر للنکاح وقال ابن السیدہ و ھو کنایة عنه (تاج) و ھو ان یصف احدھم نفسه للمراۃ فی عدتھا فی النکاح و به فسر الفراء (تاج) اس صورت میں آیت کا ترجمہ ہوگا" البتہ ان سے وعدۂ نکاح نہ کرو" ف۸۹۶ اور وہ عزت وحرمت کے ساتھ بات کہنا یہی ہے کہ جو کچھ بھی کہنا ہو اشارۃً وکنایۃً ہی کہا جائے نہ کہ صراحۃً ف۸۹۷ یعنی ختم عدت سے قبل عزم نکاح کر لینا بھی درست نہیں۔ عزم سے مراد قصد مصمم وقطعی ہے۔

مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ فَاحۡذَرُوۡہُ ۚ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ

اللہ اسے جانتا ہے ف۸۹۸ سو اس سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ اللہ

غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع لَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ اِنۡ طَلَّقۡتُمُ

بخشنے والا ہے، بڑا بردبار ہے ف۸۹۹ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان بیویوں کو

النِّسَآءَ مَا لَمۡ تَمَسُّوۡہُنَّ اَوۡ تَفۡرِضُوۡا لَہُنَّ

جنہیں تم نے نہ ہاتھ لگایا اور نہ ان کے لئے مہر مقرر کیا طلاق

فَرِیۡضَۃً ۚۖ وَّ مَتِّعُوۡہُنَّ ۚ عَلَی الۡمُوۡسِعِ قَدَرُہٗ

دے دو ف۹۰۰ وسعت والے کے ذمہ اس کی حیثیت کے لائق ہے

وَ عَلَی الۡمُقۡتِرِ قَدَرُہٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ حَقًّا

اور تنگی والے کے ذمہ اس کی حیثیت کے لائق ف۹۰۱ (یہ) خرچ شرافت کے موافق ہو (اور یہ) واجب ہے،

عَلَی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۲۳۶﴾ وَ اِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡہُنَّ مِنۡ

خوش معاملہ لوگوں پر ف۹۰۲ اور اگر تم نے انہیں طلاق دے دی ہے

قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡہُنَّ وَ قَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَہُنَّ

قبل اس کے کہ انہیں ہاتھ لگایا ہو، لیکن ان کے لئے کچھ مہر مقرر کر چکے ہو،

فَرِیۡضَۃً فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ یَّعۡفُوۡنَ

تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہے اس کا آدھا واجب ہے، بجز اس صورت کے کہ (یا تو) وہ عورتیں خود معاف کر دیں۔

اَوۡ یَعۡفُوَا الَّذِیۡ بِیَدِہٖ عُقۡدَۃُ النِّکَاحِ ؕ وَ اَنۡ

یا وہ (اپنا حق) معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، ف۹۰۳ اور اگر تم (اپنا حق)

تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ؕ وَ لَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَیۡنَکُمۡ ؕ

معاف کر دو تو یہ بہت ہی قرین تقویٰ ہے ف۹۰۴ اور آپس میں لطف و احسان نظر انداز نہ کرو ف۹۰۵

ف۸۹۸ سو جو اُمور ناجائز ہیں ان کے ارتکاب کا عزم بھی اس کے علم میں رہتا ہے ف۸۹۹ غَفُوۡرٌ (چنانچہ توبہ کے بعد نافرمانوں کو بھی معاف کر دیتا ہے) حَلِیۡمٌ (چنانچہ بہت دفعہ نافرمانوں کو فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ مہلت دے دیتا ہے)۔ ف۹۰۰ یعنی کوئی باز پرس نہیں مہر کے باب میں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں شوہر کے ذمہ مہر واجب بھی نہیں۔ لَمۡ تَمَسُّوۡہُنَّ۔ یہاں مس سے مراد ہمبستری کی دونوں قسمیں ہیں، حقیقی اور واقعی، اور حکمی و فقہی (یعنی خلوتِ صحیحہ) طلاق ہمبستری کے قبل بھی بالکل جائز ہے، بغیر کسی مہر کی ذمہ داری کے۔ نکاح بلا تعین مہر بھی صحیح رہتا ہے۔ طلاق کے وقت اس واجب مبہم کا اندازہ شوہر کی حسب استطاعت کیا جائے گا ف۹۰۱ مَتِّعُوۡہُنَّ کا لفظ قرآن میں عام ہے اور مذاق بشری کی ہمہ گیری اس عموم کو چاہتی بھی ہے۔ اے ملکوھن ما یتمتعن به و ذٰلک الشئ یسمی متعة (روح) متعة الطلاق اعلاھا الخادم و دُون ذٰلک الورق و دون ذٰلک الکسوة (روح۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ادنٰی مایکون من المتعة ثلاثون درھمًا (روح۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما) البتہ فقہاء نے یہاں عموماً تین کپڑوں کا جوڑا مراد لے لیا ہے۔ لیکن خود یہ جوڑا بھی یقیناً حسب رواج ملک و قوم ہوگا ف۹۰۲ اور خوش معاملہ تو سارے مسلمانوں کو ہونا چاہیے، اس لیے مراد ہیں سارے مسلمان۔ لفظ محسنین لا کر ان کے اس وصف کو نمایاں کر دیا ہے والاحسان انما علی وجه التاکید (جصاص) اے علی المسلمین (مدارک) ف۹۰۳ طلاق کی ایک صورت وہ تھی جو ابھی اُوپر بیان ہو چکی، یعنی نہ مہر طے ہوا تھا اور نہ ابھی خلوت ہوئی تھی کہ طلاق ہو گئی۔ دوسری صورت اب بیان ہو رہی ہے کہ مہر تو معین ہو چکا تھا، لیکن خلوت نہیں ہوئی تھی کہ طلاق ہو گئی۔ عام قاعدہ ایسے موقع کے لیے یہ ہے کہ مہر مقرر کا نصف شوہر کے ذمہ واجب الادا ہوگا۔ لیکن دو صورتیں اس حکم عام سے استثناء کی ہیں۔ ایک یہ کہ بیوی اپنے حق سے تمامتر دستبردار ہو جائے اور نصف مہر بھی نہ لے۔ اور دوسری صورت یہ کہ شوہر اپنے حق سے دستبردار ہو جائے، یعنی جو نصف مہر اُسے رکھ لینے کا اختیار تھا اُسے بھی وہ نہ رکھے اور بجائے نصف کے پورا مہر ادا کر دے۔ یَعۡفُوۡنَ۔ عورت اپنا حق معاف کر دے، اور اس کا حق ہے وہی مہر معین کا نصف۔ گویا عورت مہر تمامتر چھوڑ دے۔ نِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ۔ تعداد مہر اگر معین تھی، جب تو اس کا نصف ظاہر ہے۔ اگر تعداد معین نہ تھی تو فیصلہ مہر مثل پر ہوگا (یعنی خاندانی مہر پر) الَّذِیۡ بِیَدِہٖ عُقۡدَۃُ النِّکَاحِ یعنی جو نکاح کی گرہ کے توڑنے اور جوڑے رکھنے کا اختیار رکھتا ہے مراد شوہر ہے۔ یہ الفاظ اس پر ناطق ہیں کہ معاہدۂ نکاح میں شریک غالب کی حیثیت شوہر ہی رکھتا ہے ف۹۰۴ قانون اور ضابطہ ابھی ابھی بیان ہو چکا ہے کہ شوہر طلاق کی اس صورت میں نصف مہر روک سکتا ہے، اب معاً اخلاق کے افضل و اعلیٰ مقام کی طرف رہنمائی کر دی گئی کہ حق وصول کرنے سے کہیں بہتر و برتر اس حق کا معاف کر دینا ہے۔ جائز و برتر، مباح و افضل، قانون و اخلاق کا یہ مسلسل امتزاج قرآن کے معنوی معجزات میں سے ہے۔ ف۹۰۵ چنانچہ طلاق کے موقع پر بھی، جو تعلقات کی بقا کا نہیں، اس کے اختتام و انقطاع کے اعلان کا نام ہے، باہمی حسن سلوک، مروت، رعایت سے نہ چوکو۔ آیت سے صاف اشارہ ادھر نکل رہا ہے کہ کسی ناخوشگوار واقعہ کے پیش آجانے سے صحبت قدیم و محبت سابق کے حقوق زائل نہیں ہو جاتے۔ بلکہ حالت طیش و ناگواری میں بھی لحاظ تقویٰ اور حسن اخلاق اور عفو و احسان کا برابر رکھنا چاہیے۔ وَ لَا تَنۡسَوُا۔ نسیان یہاں بھول کے معنی میں نہیں، کہ وہ تو غیر اختیاری ہے، بلکہ ترک کرنے اور نظر انداز کرنے کے معنی میں ہے۔ قال ابو محمد والنسیان ھھنا الترک (ابن قتیبہ)

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۲۳۷﴾ حٰفِظُوۡا عَلَى

تم جو کچھ بھی کرتے ہو، اللہ یقیناً اس کا خوب دیکھنے والا ہے و۹۰۶ (سب ہی) نمازوں کی

الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الۡوُسۡطٰى ۚ وَ قُوۡمُوۡا لِلّٰهِ

پابندی رکھو۔ اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی، و۹۰۷ اور اللہ کے سامنے عاجزوں (کی طرح)

قٰنِتِيۡنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُكۡبَانًا ۚ فَاِذَآ

کھڑے رہا کرو و۹۰۸ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو تو تم پیدل ہی (پڑھ لیا کرو) یا سواری پر، و۹۰۹ پھر جب

اَمِنۡتُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا

تم امن میں آجاؤ تو اللہ کو یاد کیا کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا ہے جس کو تم جانتے

تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۹﴾ وَ الَّذِيۡنَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ وَيَذَرُوۡنَ

(بھی) نہ تھے و۹۱۰ اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں

اَزۡوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزۡوَاجِهِمۡ مَّتَاعًا اِلَى الۡحَوۡلِ

چھوڑ جائیں (ان پر لازم ہے) اپنی بیویوں کے حق میں نفع اٹھانے کی وصیت (کر جانے) کی کہ وہ ایک سال

غَيۡرَ اِخۡرَاجٍ ۚ فَاِنۡ خَرَجۡنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ

تک (گھر سے) نکالی نہ جائیں، و۹۱۱ لیکن اگر (خود) نکل جائیں تو کوئی گناہ تم پر نہیں

فِىۡ مَا فَعَلۡنَ فِىۡٓ اَنۡفُسِهِنَّ مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ ؕ وَ اللّٰهُ

اس باب میں جسے وہ (بیویاں) اپنے باب میں شرافت کے ساتھ کریں و۹۱۲ اور اللہ

عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ حَقًّا

بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے و۹۱۳۔ اور طلاقنوں کے حق میں بھی نفع پہنچانا دستور کے

عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ

موافق مقرر ہے و۹۱۴ (یہ) پرہیزگاروں پر واجب ہے، و۹۱۵ اللہ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر اپنے احکام

و۹۰۶ سو اس کے ہاں تمہاری کوئی سی نیکی بھی، کسی درجہ اور کسی موقع کی ہو، رائیگاں نہ جائے گی و۹۰۷ اوپر سے ذکر برابر بیویوں کے حقوق و مطالبات کا چلا آرہا تھا اور آگے پھر یہی ذکر چلے گا۔ درمیان میں احکام نماز سے متعلق آگئے۔ یہیں سے اس حقیقت پر ایک بار اور روشنی پڑ رہی ہے کہ اسلام میں معاشرت و معاملت، قانون و اخلاق کے مسائل، عبادات سے الگ نہیں۔ اور نظام شریعت میں خالق کے حقوق اور مخلوق کے حقوق دوش بدوش چل رہے ہیں۔ حٰفِظُوۡا عَلَى الصَّلَوٰتِ۔ محققین نے محافظت صلوٰۃ کے تین درجے قرار دیئے ہیں، ادنیٰ یہ کہ نماز وقت پر پڑھی جائے اور فرائض و واجبات ترک نہ کیے جائیں۔ اوسط یہ کہ جسم ہر طرح طہارت ظاہری سے آراستہ ہو، طبیعت اکل حلال کی خوگر ہو، دل میں خشوع و خضوع ہو، سنن و مستحبات کی پوری رعایت رہے۔ اعلیٰ یہ کہ نماز گویا حق تعالیٰ کے مواجہ میں ہو رہی ہے۔ اس قدر حضور قلب و استغراق رہے۔ الصَّلٰوةِ الۡوُسۡطٰى۔ اس درمیانی نماز سے کیا مراد ہے؟ اکثر ائمہ تفاسیر نے نماز عصر مراد لی ہے اور یہی معنی ابن جریر میں حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صحابیوں اور قتادہ و ضحاک تابعین اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہوئے ہیں۔ لیکن ابن جریر ہی میں دوسرے معنی، نماز ظہر اور نماز مغرب اور نماز فجر کے بھی اسی پایہ کے حضرات سے منقول ہیں۔ بعض نے لفظی پہلو پر زور دے کر یہ تفسیر کی ہے کہ ہر نماز چونکہ اپنی جگہ پر عبادات و حسنات کا درجہ متوسط ہے، اور پھر ہر نماز کے اِدھر اُدھر کچھ نمازیں بھی ہوتی ہیں، نماز وسطیٰ کا اطلاق ہر نماز پر ہو سکتا ہے، اور اس سے کسی خاص وقت کی نماز مقصود نہیں۔ و۹۰۸ (حالت نماز میں) قٰنِتِيۡنَ۔ لفظ قنوت بہت جامع ہے اور حاوی ہے ذکر اور دعا اور خشوع و خضوع پر۔ قال ابو محمد ولا ازی اصل هذا الحرف الا الطاعة لان جميع هذه الخصال من الصلوٰة والقيام فيها والدعاء وغير ذٰلک يكون عنها (ابن قتیبہ) و۹۰۹ (جس طرح بھی بن پڑے اور جس طرح تک حالات اجازت دیں) فَاِنۡ خِفۡتُمۡ۔ یعنی اگر عام قاعدہ کے مطابق نماز باجماعت میں کسی دشمن کی طرف سے خوف ہو۔ اسلام کی یہ روزانہ پنج وقتہ پریڈ یا دربار الٰہی میں حاضری اس درجہ اہمیت رکھتی ہے کہ بالکل معاف عین حالت جنگ میں بھی نہیں ہوتی۔ محافظت صلوٰۃ کا حکم بہرحال قطعی اور دائمی ہے۔ ترک نماز کی اجازت اس خطرہ کے حال میں بھی نہیں۔ البتہ رعایت ماحول کی پوری گنجائش دوسرے موقعوں کی طرح اس محل میں بھی رکھ دی گئی ہے۔ نماز خوف کی تفصیلات کتب فقہ میں ملیں گی و۹۱۰ یعنی اب نماز عام قاعدوں کے موافق و ماتحت ادا کرو۔ فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ۔ یعنی جب دشمن کی طرف سے اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے و۹۱۱ یہ وصیت کا حکم اس وقت تھا جب میراث کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے، جب میراث کے مستقل احکام نازل ہو گئے اور شوہر کے ترکہ میں ایک مستقل حصہ بیوہ کا بھی مقرر ہو گیا، تو ظاہر ہے کہ اب حکم وصیت پر عمل کا کوئی محل باقی نہ رہا۔۔۔۔ اسی کو مفسرین اپنی اصطلاح میں نسخ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس وقت یعنی احکام میراث کے نزول سے قبل شریعت نے بیوہ عورتوں کے لیے حسب ذیل رعایتیں رکھی تھیں:۔ (۱) وہ اگر شوہر ہی کے گھر رہنا چاہیں تو ایک سال تک انہیں کوئی بے دخل نہیں کر سکے گا (۲) انہیں کھانا کپڑا بھی اس مدت تک شوہر ہی کے ترکہ سے ملتا رہے گا (۳) وہ خود ہی اگر اپنی کسی مصلحت سے اس گھر میں رہنا نہ چاہیں، تو بعد ختم عدت ان کے لیے یہ بالکل جائز تھا، اور دوسرے حقوق کی طرح اس حق سے بھی دستبرداری کا انہیں حق حاصل تھا۔ مَتَاعًا۔ یہ نفع اٹھانا، کھانے اور کپڑے اور سکونت مکان کے متعلق ہوگا۔ المتاع عام شامل للانفاق والاسكان جميعًا (روح) بیوہ غریب، ظہور اسلام کے وقت یوں بھی ہر مذہب میں کسمپرسی میں پڑی ہوئی تھی۔ اور عرب جاہلیت میں تو کوئی اس کی بات پوچھنے کا بھی روادار نہ تھا۔ اسلام ہی نے آکر دنیا کی تاریخ میں پہلی بار بیوہ کی عزت اور اس کے حقوق کی نصرت کی۔۔۔ مشرکانہ مذہبوں میں تو بیوگی اور نحوست مترادف تھیں، اور بیوہ کو گھر بھر کی تحقیر و طعن کا ہدف بننا پڑتا تھا و۹۱۲ مثلاً یہی نکاح یا نکاح کی بات چیت۔ مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ کی قید نے اسے واضح کر دیا کہ وہ کارروائی نہ کسی ضابطہ شریعت کے خلاف ہوگی۔ مثلاً قانون عدت کی خلاف ورزی اور نہ کسی آئین اخلاق کے منافی و۹۱۳ عَزِيۡزٌ۔ یاد دلا دیا کہ وہ بڑا قوت والا ہے، سو ایسے کے حکم کی خلاف ورزی کیسی زبردست نادانی ہے۔ حَكِيۡمٌ۔ یاد دلا دیا کہ اس کے احکام سارے کے سارے، قریب و بعید، جلی و خفی، مصالح بشری کے جامع ہوتے ہیں و۹۱۴ (کسی نہ کسی درجہ میں) مطلب یہ ہے کہ جس عورت کو طلاق دی جائے، یہ نہ ہو کہ اسے ننگا بوچا کر کے بھوکا پیاسا، اسی وقت گھر سے نکال دیا جائے بلکہ ایک مدت تک اس کی آسائش کا خیال اور اس کی ضرورتوں کی کفالت شوہر کے ذمہ ہے۔ فقہاء نے حدیث و سنت کی روشنی میں ایک سہ ماہی کی مدت مقرر کی ہے کہ اتنی مدت تک کھانے پہننے اور رہنے سہنے کا انتظام شوہر پر واجب ہے مطلقہ پر تینوں طلاقیں اگر ابھی نہیں پڑی ہیں، جب تو یہ حکم متفق علیہ ہے، اور اگر پڑ چکی ہیں تو حنفیہ کے ہاں جب بھی یہی حکم ہے و۹۱۵ عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ۔ یعنی مسلمانوں پر، کہ اس درجہ میں پرہیزگار ہر مسلمان ہوتا ہے۔ اے متقی الشرک (بحر) على كل من كان متقيا عن الكفر (كبير) بمعنى المؤمنين المتقين الشرك (معالم)

اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ
بیان کرتا ہے شاید کہ تم سمجھو و۹۱۶ کیا تجھے خبر نہیں و۹۱۷ ان لوگوں کی
خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ
کہ جو اپنے گھروں سے نکل گئے تھے موت سے بچنے کے لئے، اور وہ ہزاروں
الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۟ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ
ہی تھے و۹۱۸ تو اللہ نے ان سے کہا کہ مر جاؤ و۹۱۹ پھر اس نے انہیں جلا دیا و۹۲۰ بے شک
اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
اللہ انسانوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے، و۹۲۱ لیکن اکثر انسان شکر
لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اعْلَمُوْۤا
نہیں ادا کرتے و۹۲۲ اور اللہ کی راہ میں قتال کرو و۹۲۳ اور جانے رہو
اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ
کہ اللہ بڑا سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے و۹۲۴ کون ایسا ہے جو اللہ کو اچھا قرضہ
اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ
قرض دے و۹۲۵ پھر اللہ اسے بڑھا کر اس کے لئے کئی گنا کر دے و۹۲۶
وَ اللّٰهُ يَقْبِضُ وَ يَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ
اور اللہ ہی تنگی بھی کرتا ہے اور فراخی بھی کرتا ہے، و۹۲۷ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے، و۹۲۸ کیا تجھے
تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ
خبر نہیں موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی ایک جماعت کی و۹۲۹
اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ
جب کہ ان لوگوں نے اپنے نبی سے کہا و۹۳۰ کہ ہمارے لئے ایک امیر مقرر کر دیجیے کہ ہم خدا کی راہ

و۹۱۶ (اور ان پر عمل کرو) حضرت تھانوی علیہ نے یہاں یہ خوب لکھا ہے کہ ان احکام طلاق وغیرہ میں اتَّقُوا اللّٰهَ اور حَذَرُوا اللّٰهَ اور سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اور عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ اور بَصِيْرٌ اور خَبِيْرٌ اور هُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ وغیرہ کا اس کثرت سے آنا، جو سب مخالفت پر وعیدیں ہیں، اس امر پر دلیل قطعی ہیں، کہ یہ سب احکام شریعت میں مقصود اور واجب ہیں، محض مشورہ کے طور پر نہیں ہیں کہ ان میں ترمیم وتبدیل کا ہمیں حق واختیار حاصل ہے و۹۱۷ (اے مخاطب) اَلَمْ تَرَ۔ عربی میں یہ طرز خطاب ایسے موقع پر آتا ہے جب مخاطب کو کسی بڑے اہم اور معروف واقعہ کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے۔ رؤیت سے ہمیشہ چشم بصارت سے دیکھنا مراد نہیں ہوتا بلکہ وہم وتخیل اور غور وفکر اور عقل کی راہ سے بھی مطالعہ ومشاہدہ مراد ہوتا ہے۔ اور جب اس فعل کا صلہ الٰی کے ساتھ آتا ہے، تو کوئی مقصود کوئی نتیجہ نکالنا یا عبرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ واذا عدی رأیت بالٰی اقتضٰی معنی النظر المؤدی الا الاعتبار (راغب) و۹۱۸ (عین موقع جہاد پر) حَذَرَ الْمَوْتِ۔ یہ تصریح ہے اس کی کہ اتنی بڑی تعداد میں اپنے گھروں سے باہر نکل جانا محض امر اتفاقی نہ تھا، موت کے خوف سے تھا۔ ذکر کسی قدیم قوم کا ہے، اور اشارہ کسی ایسے واقعہ کی جانب ہے، جو مخاطبین اوّل، اہل عرب کے لیے معروف ومتعارف تھا۔ مفسرین نے مختلف قوموں اور مقاموں کے نام لیے ہیں۔ ممکن ہے اُن ہی میں سے کوئی صحیح ہو، ممکن ہے کہ ان کے علاوہ کوئی قوم ومقام ہو۔ پوری تحقیق انشاء اللہ مستقبل میں قرآنیات کا کوئی متعلم کر کے رہے گا۔ کچھ کام آخر آئندہ کے مفسرین ومحققین کے لیے بھی تو اُٹھ رہے۔ قرآن کی مخاطب جس طرح ہجرت کی دُوسری صدی اور تیرھویں صدی کی دُنیا رہی ہے، اسی طرح ہجرت کی پندرھویں اور بیسویں صدی کی دنیا بھی تو رہے گی۔ کچھ فرض ہے کہ جتنی تحقیقات بھی ہونا ہے سب چودھویں صدی میں ختم ہو جائے، اور آئندہ صرف اُنہی کو دہرا دینا اور نقل کر دینا رہ جائے؟ عہد عتیق کی کتاب حزقی ایل (۳۷: ۱۔ ۱۰) میں ایک روایت بہ صورت کشف ورؤیا اس سے ملتی جلتی ہے۔ بہر حال قرآن کا جو اصل مقصد موعظت وتذکیر ہے، وہ قوم ومقام کے ابہام وعدم تعیین کے باوجود بھی حاصل ہے و۹۱۹ (وبا سے، یا کسی اور طریق سے، چنانچہ وہ سب مر گئے) یعنی وطن سے نکل کھڑے ہوئے جان بچانے کو اور حکم جہاد کی تعمیل سے جی چراتے ہوئے۔ لیکن یہ تدبیر کچھ بھی کام نہ آئی، اور اُلٹے موت کا شکار ہو کر رہے۔ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا۔ مقصود محض اس قول کا نقل کرنا نہیں۔ مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جب یہ ارادہ کر لیا، تو کوئی امر اس میں مانع نہ ہو سکا، اور عمل بن کر رہا۔ عربی میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ المراد انه تعالٰی متٰی اراد ذٰلک وقع من غیر منع و تاخیر و مثل هٰذا عرف مشهور فی اللغة (کبیر) و۹۲۰ (اور انہیں مشاہدہ کرا دیا کہ موت وزندگی کا سر رشتہ کسی اور ہی کے ہاتھ میں ہے۔ عقل وتدبیر انسانی کے ہاتھ میں نہیں، اور اس لیے جہاد یا دُوسرے احکام شریعت کی تعمیل سے جی چرانا انتہائی سخافت ونادانی ہے) فقہاء ومفسرین نے یہاں طاعون سے فرار کی بحث چھیڑ دی ہے اور فرمانِ نبوی نقل کیا ہے کہ ”جس سرزمین پر طاعون ہو وہاں سے بھاگو نہیں، اور جہاں ہو وہاں جاؤ نہیں“۔ اس پر ایک عقلی اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طاعون زدہ مقام میں داخل ہونا اور طاعون زدہ مقام سے نہ ہٹنا، یہ دونوں عملاً متضاد ہدایتیں ہوئیں۔ اگر طاعون بچنے کی چیز ہے، تو وہاں سے ہٹنے کا بھی حکم ملنا چاہیے۔ اور اگر بچنے کی چیز نہیں، تو اُس شہر میں پہنچ جانے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہیے! اصل یہ ہے کہ وبا زدہ مقام سے بھاگنے اور ہٹنے کے معنٰی یہ ہیں کہ اگر ایک کو اجازت ملی، تو بس سب ہی بھاگنا شروع کریں گے، اور شہر خالی ہو جائے گا۔ اس بے تحاشا بھگدڑ Panic سے آبادی کو جن مالی، معاشی، تمدنی، اخلاقی نقصانات سے دو چار ہونا پڑے گا وہ بالکل ظاہر ہیں، اور بہ کثرت تجربہ ومشاہدہ میں بھی آ چکے ہیں۔ پھر ایک طرف یہ عادت اگر ہمت، ثباتِ قلب، شجاعت اور باہمی ہمدردی کے منافی ہے، تو دوسری طرف اسباب ظاہری پر ضرورت سے زیادہ تکیہ واعتماد کی دلیل اور توکل، اعتماد علی اللہ کے منافی، اور ایک مذہبی قوم کے بالکل غیر شایان ہے۔ لیکن جہاں وبا ہے اور موت کا بازار دھڑا دھڑ گرم ہے، وہاں بے دھڑک داخل ہو جانا اور احتیاط نہ برتنا، ایک طرف سلسلۂ اسبابِ ظاہری کو بالکل نظر انداز کر دینا ہے، اور دوسری طرف انسان میں جو درجہ خوف واندیشہ طبعی کا رکھ دیا ہے، اس کے مقتضا کو پامال کرنا ہے۔ ان متضاد پہلوؤں کے درمیان اعتدال اور سلامتی کی راہ ڈھونڈ نکالنا اسلام ہی جیسے حکیمانہ مذہب کا کام تھا۔ اُس نے عقلی اور طبعی تمام پہلوؤں کی رعایت رکھ کر یہ معتدل اور عادلانہ حکم دیا کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ خواہ مخواہ جاؤ، نہ خواہ مخواہ وہاں سے نکل بھاگو و۹۲۱ (کہ اُنہی کے فائدے والے احکام اُنہیں دیتا رہتا ہے) و۹۲۲ (بلکہ اُلٹے ان احکام کی مخالفت میں لگے رہتے ہیں) حکم قتال معاً آگے آتا ہے۔ اس کے قبل ایسی حکایت بیان کرنا جس سے قلوب میں بے خوفی اور اللہ پر اعتماد پیدا ہو، عین تقاضائے حکمت ہے و۹۲۳ (اے امت اسلامیہ!) حکم کی مخاطب امت بہ حیثیت جماعت ہے، افراد اُمت نہیں۔ کہ فرداً فرداً ہر شخص جب جی چاہے، تلوار اُٹھا کر چلانا شروع کر دے۔ اس تمہیدی حکایت کے بعد کہ موت وزیست سب کا آخری سر رشتہ اُسی کے ہاتھ میں ہے، اب حکم ملتا ہے کہ اُسی کے حکم سے، اُسی کے دین وآئین کی خدمت ونصرت کے لیے، جہاد وقتال میں مشغول ہو جاؤ و۹۲۴ سَمِيْعٌ۔ وہ خوب سن رہا ہے، جہاد کرنے والوں اور نہ کرنے والوں دونوں کی باتوں کو۔ عَلِيْمٌ۔ وہ خوب جانتا ہے جہاد کرنے والوں اور نہ کرنے والوں دونوں کی نیتوں کو و۹۲۵ یعنی اللہ کی راہ میں اخلاص کے ساتھ خرچ کرے۔ جہاد وقتال کا حکم ابھی ملا ہے۔ قدرۃً سامان جنگ کے لیے اُمت اسلامیہ کو بڑے سرمایہ کی ضرورت ہوگی، اس لیے پہلے ہی نمبر پر امراء ملت کو اس میں حصہ لینے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ قَرْضًا حَسَنًا۔ اصطلاح قرآنی میں اس لفظ سے مراد ہر وہ رقم ہے جو دین کی کسی مد میں خرچ ہو سکے۔ یہاں مراد مصارف جہاد ہیں۔ اس ملی چندہ کو، قرض اور پھر قرض

حسنہ سے تعبیر کرنا عین محاورۂ عرب کے مطابق ہے کہ اہل عرب ہر اچھے معاوضہ والے عمل کو اچھے قرض اور ہر برے معاوضہ والے عمل کو برے قرض سے تعبیر کرتے تھے۔ والعرب تقول لکل من فعل الیہ خیرًا قد احسنت قرضی وقد اقرضتنی قرضًا حسنًا (تاج) قال الزجاج القرض ھو کل ما یفعل لیجازٰی علیہ تقول العرب لک عندی قرض حسن و سیئ (کبیر) عرب ایک مشہور تجارت پیشہ قوم تھے۔ قرض، بیع وشراء وغیرہ کے الفاظ اگر ان کی زبان کے جزو بن گئے ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ایک بددین، اُردو خواں جاہل، قرآن مجید میں قرض کا لفظ دیکھ، اور اُسے اُردو کے قرضہ پر قیاس کر، تمسخر کی راہ سے بولا کہ خدا بھی محتاج ہو گیا ہے، جو اُسے بندوں سے اُدھار مانگنے کی ضرورت پڑی!...... جہل مرکب بھی انسان کے لیے کیسی سخت لعنت ہے! مردم اندر حسرت فہم درست و۹۲۶ (یعنی اصل استحقاق سے کہیں بڑھا چڑھا کر) یُضٰعِفَهٗ اس کو، یعنی اس کے اجر وثواب کو و۹۲۷ (سو اُس کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرنے سے کیوں رکو، کیوں گھبراؤ) صاف بتلا دیا کہ معاشیات کے سارے قوانین اللہ ہی کی مٹھی میں ہیں۔ اس کی راہ میں خرچ کرنے سے یہ نہ سمجھو کہ مفلس ہو جاؤ گے و۹۲۸ (اور وہی دین کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو جزا دے گا اور نہ خرچ کرنے والوں کو سزا) و۹۲۹ اَلْمَلَاِ پر ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۱۷۔ الملاء۔ ملاء مطلق جماعت نہیں، اہل حل وعقد یا اہل الرائے کی جماعت ہے۔ الملاء جماعۃ یجتمعون علی رأی (راغب) الملاء من القوم وجوھھم و اشرافھم (روح) توریت میں اس موقع پر "اسرائیلی بزرگ" ہے۔ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی۔ ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی تین صدی بعد، اور حضرت داؤد علیہ السلام سے کچھ ہی قبل کے زمانہ کا ہے۔ سنہ مسیحی کے آغاز میں ابھی کوئی ہزار گیارہ سو سال کی مدت باقی تھی و۹۳۰ مراد حضرت شموئیل ہیں (۱۱۰۰ ق م۔ تا ۱۰۲۰ ق م) ملک شام قدیم میں ایک کوہستانی علاقہ افرائیم کے نام سے تھا۔ اس کے شہر رامہ میں آپ رہتے تھے و۹۳۱ (اور اس امیر کی ماتحتی میں ہم سب منظم ہو کر دشمنوں سے جنگ کریں) اسرائیلی اس وقت خاص طور پر دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے، اور لڑائی میں ان سے مغلوب وعاجز آچکے تھے۔ توریت میں اس کی بھی تصریح ہے کہ حضرت شموئیل نبی اُس وقت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اور آپ کے صاحبزادوں میں امارت وسرداری کی کوئی صلاحیت نہ تھی۔ مَلِكًا۔ عربی میں مَلِك کا لفظ بہت وسیع ہے، ہر صاحب قوت واقتدار جو اپنے احکام وقوانین نافذ کر سکے مَلِک ہے۔ الملک ھو المتصرف بالامر والنھی فی الجمھور (راغب) اور یہاں مَلِك سے مراد امیر جیش یا سالارِ لشکر لی گئی ہے، اور یہی سیاق کے مطابق ہے۔ یسن لنا ملک الجیش (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای انھض لنا من تصدُرُ عنہ تدبیر الحرب و ننتھی علی امرہ (بحر) ای اقم لنا امیرًا (روح) طلبوا من نبیھم نحو ما کان یفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من التامیر علی الجیوش (کشاف) اُردو میں رئیس وامیر کے الفاظ، اور سرحدی قبیلوں میں خان کا لفظ مَلِك کے مرادف ہے۔ توریت میں اس موقع پر "بادشاہ" کا لفظ آیا ہے، اور اسرائیلی تخیل میں بادشاہ کے لیے فوج کی سرداری لازمی تھی، اور ہر سردار اعلیٰ کو بادشاہ کہتے بھی تھے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔ "بادشاہ کا پہلا فرض یہ تھا کہ فوج کی امارت اور سپہ سالاری کرے" (جلد ۷، صفحہ ۵۰۱) اور یہ تصریح بھی ہے کہ "فلسطین میں تقریباً ہر بڑا سردار بادشاہ ہی کہلاتا تھا" (جلد ۷، صفحہ ۵۰۰) توریت میں اسی موقع کا بیان ان الفاظ میں ہے:۔ "تب سارے اسرائیلی بزرگ جمع ہو کر رامہ میں سموئیل کے پاس آئے، اور اُسے کہا کہ دیکھ تو بوڑھا ہوا، اور تیرے بیٹے تیری راہ پر نہیں چلتے، اب تو کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر، جو ہم پر حکومت کیا کرے، جیسا کہ سب قوموں میں ہے"۔ (۱۔ سموئیل۔ ۸: ۴و۵) "ہم تو بادشاہ چاہتے ہیں جو ہمارے اوپر مقرر ہو تا کہ ہم بھی اور سب گروہوں کے مانند ہوں اور ہمارا بادشاہ ہماری عدالت کرے اور ہمارے آگے آگے چلے، اور ہمارے لیے لڑائی کرے" (۱۔ سموئیل۔ ۸: ۱۹و۲۰) و۹۳۲ یہ سب حضرت شموئیل نے کچھ تو اپنی فراست ایمانی سے فرمایا، اور کچھ اپنی قوم کی افتادِ طبیعت کے تجربوں کی بنا پر۔ عَسَیْتُمْ اَلَّا تُقَاتِلُوْا کے معنی ہیں کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تم نہ لڑو گے۔ بمعنی الوقع جبنکم عن القتال (کشاف) ھَلْ عَسَیْتُمْ میں ھَلْ تاکید کلام کے لیے ہے۔ اراد بالاستفھام التقریر والتثبیت ان المتوقع کائن (کشاف) و۹۳۳ وہ لوگ بولے، کہ واہ بھلا یہ بھی کہیں ممکن ہے۔ حکم شرعی سے قطع نظر ہم لوگ انتہائی مظلوم اور ستائے ہوئے بھی تو ہیں۔ اس دور میں فلسطینیوں کی جو شدید اور بے پناہ یورش اسرائیلیوں پر جاری تھی اور اسرائیلیوں کا ملک جس بے اندازہ حد تک ان کے ہاتھوں تاراج ہو رہا تھا اس کی تفصیلات قدیم اسرائیلی مؤرخ جوزیفس کے صفحات اور یہود کی دوسری تاریخوں میں ملتی ہیں۔ توریت بھی ان معرکہ آرائیوں کے ذکر سے بالکل خالی نہیں، ایک جگہ ہے:۔ "اور جب وہ باہم مقابل ہوئے تو اسرائیلی نے فلسطیوں سے شکست پائی۔ اور انہوں نے اُن کے لشکر میں سے قریب چار ہزار آدمی کے مارے"۔ (۱۔ سموئیل۔ ۴: ۳) اور دوسری جگہ ہے:۔ "سو فلسطی لڑے، اور بنی اسرائیل نے شکست کھائی، اور ہر ایک اپنے اپنے خیمہ کو بھاگا، اور وہاں نہایت بڑی خونریزی ہوئی کہ تیس ہزار اسرائیلی مارے مارے پڑے، اور خدا کا صندوق لوٹا گیا"۔ (۱۔ سموئیل۔ ۴: ۱۰) و۹۳۴ آخر اُن کے نبی کا کہا اُن کے آگے آیا۔ اور بنی اسرائیل اتنے دعووں کے باوجود پست ہمتی اور بزدلی کا شکار ہو کر رہے۔ جوزیفس کی مشہور تاریخ آثار یہود میں ہے:۔ "اُن پر دہشت طاری ہو گئی۔ یعنی پہاڑوں میں چھپ گئے، بعض نے زیر زمین غاروں میں پناہ لی، اور بہت سے لوگ تو اپنا ملک چھوڑ کر دریائے یردان عبور کر گئے"۔ (باب ۶۔ فصل ۶۔ فقرہ ۱) و۹۳۵ (اور ان کی سزا پر بھی پوری طرح قادر) الظّٰلِمِیْنَ سے یہاں مراد اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں، یعنی اللہ کے نافرمان بندے۔ ھم الذین ظلموا بانفسھم عندالقتال و ترک الجھاد (روح) و۹۳۶ طالوت بن کش تاریخ میں قوم اسرائیل کے پہلے بادشاہ تسلیم کیے گئے ہیں۔ زمانہ حکومت ۱۰۲۸ ق۔م تا ۱۰۱۲ ق۔م۔ یہ وہی ہیں جن کا ذکر توریت میں ساؤل Saul کے نام سے آیا ہے۔ توریت میں ان کی نصب حکومت کا ذکر حسب دستور طوالت کے ساتھ موجود ہے:۔ "اور خداوند نے ساؤل کے آنے سے ایک دن پیشتر سموئیل کے کان میں کہہ دیا تھا کہ کل اسی وقت میں ایک شخص کو بنیمین کی سرزمین سے تجھ پاس بھیجوں گا۔ سو تو اس پر تیل ملیو کہ وہ میری قوم اسرائیل کا حاکم ہو تا کہ میرے لوگوں کو فلسطیوں کے ہاتھ سے چھڑائے...... سو جب سموئیل ساؤل سے دوچار ہوا تو وہیں خداوند نے کہا کہ دیکھ یہی شخص ہے جس کی بابت میں نے تجھے کہا تھا یہی میرے لوگوں پر ریاست کرے گا"۔ (۱۔ سموئیل ۹: ۱۵۔ ۱۶) مَلِكًا یہاں ترکیب میں طالوت سے حال واقع ہوا ہے و۹۳۷ حضرت سموئیل نبی علیہ السلام کا کہنا بالکل ٹھیک نکلا۔ اسرائیلی کہاں تو امیر کے تقرر کا خود ہی تقاضا کر رہے تھے، اور کہاں اب جو اس کا خدائی تقرر ہو گیا، تو لگے نکتہ چینی بھی کرنے اور کہنے کہ ایسے شخص کا انتخاب ہو کیونکر سکتا ہے"۔ فلما بعث لھم ملکًا انکروا ذٰلک و عجبوا (ابن جریر) واستبعدوا جدًا ان یکون ھو ملکًا علیھم (کبیر) اَنّٰی۔ من این کا بھی مرادف ہو سکتا ہے اور کیف کا بھی۔ حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی کمال تعجب۔ مقصود نبی کی تکذیب نہیں، صرف اس کے قول پر کمال حیرت ہے۔ کیف و من این، وھو انکار لتملکہ علیھم و استبعادلہ (کشاف) الاستفھام حقیقی او للتعجب لا لتکذیب نبیھم (روح) ایک خاص قبیلہ کی طرف سے اعتراض وانکار کا ذکر توریت میں بھی ہے:۔ "بنی بعال بولے کہ یہ شخص ہم کو کس طرح بچائے گا۔ اور اس کی تحقیر کی۔ اور اس کے لیے نذرانے نہ لائے"۔ (۱۔ سموئیل۔ ۱۰: ۲۷) بنی اسرائیل حضرت یعقوب کی بارہ اولادوں کی نسل میں، نسلی بنا پر ۱۲ فرقوں یا قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں سب سے چھوٹا قبیلہ بنی یامین کا تھا، اور توریت میں تصریح ہے کہ طالوت اسی قبیلہ سے تھے (۱۔ سموئیل۔ ۹: ۲۱) تو ایک وجہ تو ان کے حقیر سمجھے جانے کی یہی ہوئی۔ نسل وخاندان کی اہمیت جب جائز حدود سے بڑھ جاتی ہے، تو ہندوؤں کی طرح ذات پات کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اسرائیلیوں کا بھی اب یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ نبوت حق مخصوص ہے قبیلہ بنی لاوہ کا، اور حکومت حق مخصوص ہے قبیلہ بنی یہودا کا۔ و کان فی بنی اسرائیل سبطان سبط نبوۃ و سبط مملکۃ و لم یکن طالوت من سبط النبوۃ ولا من سبط المملکۃ (ابن جریر) جیسے آج عام ہندوؤں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شخص جو نہ برہمن ہو نہ چھتری، وہ اعلیٰ حاکم وسردار کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ دوسرا اعتراض اسرائیلیوں کا یہ تھا کہ یہ مالی اعتبار سے بھی تو منصب امارت کے لائق نہیں...... جیسے ہندو کسی سے متعلق یہ اعتراض کریں کہ برہمن اور چھتری نہ سہی، یہ شخص ویش (مہاجن یا ساہوکار) کے درجہ کا بھی تو نہیں! و۹۳۸ (اور اللہ کا انتخاب ظاہر ہے کہ ہر طرح پُرحکمت وپُرمصلحت ہی ہوگا) حضرت شموئیل نبی علیہ السلام نے پہلا اور اصلی جواب تو یہی دیا کہ یہ انتخاب انسانی نہیں خدائی ہے۔ اور اس لیے ہر طرح یہی مناسب وپُرمصالح ہے، ایسا کہ تمہارا تو ذہن بھی ان باریک مصلحتوں تک نہیں پہنچ سکتا ع پیمبر ہرچہ گوید دیدہ گوید

توریت میں اس مقام پر ہے:

سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ

میں قتال کریں ف۹۳۱ (نبی نے) کہا کہیں ایسا تو نہیں، کہ اگر تم پر قتال فرض،

الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا ؕ قَالُوۡا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىۡ

کر دیا جائے تو تم قتال نہ کرو؟ ف۹۳۲ وہ بولے بھلا ہمارے لیے کونسا ایسا سبب ہو سکتا ہے کہ ہم

سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ قَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِيَارِنَا وَ اَبۡنَآٮِٕنَا ؕ

خدا کی راہ میں نہ لڑیں۔ درآنحالیکہ ہم نکالے جاچکے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے، ف۹۳۳

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ ؕ

لیکن جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو وہ (سب) پھر گئے بجز ان میں ایک قلیل تعداد کے ف۹۳۴

وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۴۶﴾ وَ قَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ اِنَّ

اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے ف۹۳۵ اور ان لوگوں سے ان کے نبی نے کہا کہ

اللّٰهَ قَدۡ بَعَثَ لَكُمۡ طَالُوۡتَ مَلِكًا ؕ قَالُوۡۤا اَنّٰى يَكُوۡنُ

اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو امیر مقرر کر دیا ہے ف۹۳۶ وہ بولے اسے ہمارے اوپر کیسے

لَهُ الۡمُلۡكُ عَلَيۡنَا وَ نَحۡنُ اَحَقُّ بِالۡمُلۡكِ مِنۡهُ وَ لَمۡ

امیری حاصل ہو سکتی ہے، درآنحالیکہ ہم اس سے بڑھ کر امیری کے مستحق ہیں اور اسے

يُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ الۡمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰٮهُ

مال میں بھی تو وسعت نہیں دی گئی ہے ف۹۳۷ (نبی نے) کہا کہ اسے اللہ نے تمہارے مقابلہ میں انتخاب

عَلَيۡكُمۡ وَ زَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَ الۡجِسۡمِ ؕ وَاللّٰهُ

کر لیا ہے ف۹۳۸ اور اسے علم و جسم دونوں میں کشادگی زیادہ دی ہے، ف۹۳۹ اور اللہ

يُؤۡتِىۡ مُلۡكَهٗ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۴۷﴾

اپنا ملک جسے چاہتا ہے دیتا ہے ف۹۴۰ اور اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے ف۹۴۱

"اور سموئیل نے جماعت کو کہا کہ تم اُسے دیکھتے ہو کہ جسے خداوند نے چن لیا کہ اس کی مانند سارے لوگوں میں ایک بھی نہیں"۔ (۱۔سموئیل۔۱۰:۲۴) ف۹۳۹ یہ شموئیل نبی کا دوسرا اور "عقلی" جواب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے معیار سے بھی دیکھ لو۔ تمہارے معیار سے سردار فوج میں بھی دو ہی چیزیں ہونی ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ اسے سپہ داری وملک گیری کے فنون سے واقفیت ہونا چاہیے۔ سو وہ طالوت کو حاصل ہے۔ اور دوسرے خود اس کی جسمی قوت وتوانائی، سو اس میں بھی وہ ممتاز ہے۔ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ۔ علم سے مراد یہاں وہی علوم وفنون ہیں جن کا تعلق ملک گیری وملک داری سے ہے۔ ای علم الحرب (ابن عباس رضی اللہ عنہما) لیتمکن به من حرفة الامور السیاسیة (روح) کان اعلم بنی اسرائیل بالحرب والدیانات فی وقته (مدارک) وَالۡجِسۡمِ۔ بسطة فی الجسم سے مراد ہے کہ طالوت قد وقامت اور وجاہت ظاہری میں دوسروں سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ ای الطول والقوة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اطول من کل انسانٍ براسه و منکبه (مدارک) توریت کی دی ہوئی تفصیلات سے اُن کے حلیہ کا نقشہ ذہن میں خود کھینچ لیجیے:۔ "بہت خوب جوان تھا۔ اور بنی اسرائیل کے درمیان اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا۔ یہ ساری قوم میں کاندھے سے لے کر اوپر تک ہر ایک سے اونچا تھا"۔ (۱۔سموئیل۔۹:۱۰) "اور وہ جب کہ جماعت کے درمیان کھڑا ہوا تو شانوں سے لے کر اوپر تک سب لوگوں سے زیادہ لمبا تھا"۔ (۱۔سموئیل۔۱۰:۱۳) اور دراز قامتی، اسرائیلیوں کے ہاں کوئی معمولی صفت نہیں، بڑی اہم اور ضروری صفت سرداری کے لیے تھی۔ توریت کے بعد اُن کے ہاں کا مقدس ترین نوشتہ تالمود ہے، اس کی تصریح ملاحظہ ہو:۔ "خداوند تبارک وتعالیٰ اپنی سکینت کا نزول صرف اُس شخص پر کرتا ہے جو دانشمند ہو، مضبوط ہو، متمول ہو اور دراز قامت ہو (Everyman's Talmud صفحہ ۱۲۸) قرآن مجید کی اس بلاغت کے قربان جائیے، کہ اُس نے نام ہی ایسا رکھا، جس سے بلند قامتی کی جانب پورا اشارہ ہو جائے۔ چنانچہ اہل تحقیق کا ایک گروہ اس جانب گیا ہے کہ طالوت دراصل طولوت تھا، اور طول سے مشتق۔ کان طالوت اسمه بالعبرانیة ساوٗل فسمی طالوت لطوله (معالم) قیل انه عربی من الطول واصله الطولوت (روح) ف۹۴۰ (کہ وہی مالک ومختار ہے، اور اُس کی ہر عطا اقتضاء حکمت کے موافق ہی ہوتی ہے) مُلۡكَهٗ ملک کی نسبت اپنی جانب کر کے اللہ نے بتا دیا کہ حقیقت میں وہی ایک مالک سارے ملکوں کا ہے۔ ف۹۴۱ وَاسِعٌ۔ وہ بڑی ہی وسعت والا ہے، جس کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ وہی ہر پست کو بلند، اور ہر ادنیٰ کو سرفراز کر سکتا ہے واسع کی تفسیر واسع الفضل و الرزق والرحمة سے بھی آئی ہے اور موسع سے بھی اور ذوسعة سے بھی (کبیر) عَلِيۡمٌ۔ اس کا علم محیط وکامل ہے۔ وہی خوب جانتا ہے کہ کس میں ملک گیری وملک داری کی صلاحیت موجود ہے ف۹۴۲ (یا وہ غیبی تصرف جو تمہارے اطمینان کا کام دے سکے) کچھ عجب نہیں جو بنی اسرائیل نے اپنی قدیم اعجوبہ پرستی کی بنا پر طالوت کے لیے کسی غیبی نشان کا مطالبہ اپنے پیمبر سے کیا ہو، اور وہ اس کے جواب میں یہ ایماء الٰہی یہ فرما رہے ہوں ف۹۴۳ (درآنحالیکہ تم مدت دراز سے اپنی اس متاع عزیز سے محروم ہو) يَّاۡتِيَكُمُ۔ یعنی از خود بغیر تمہاری کسی خاص جدوجہد کے آجائے گا۔ التَّابُوۡتُ۔ اس خاص صندوق کا اصطلاحی نام تابوت سکینہ ہے۔ یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ملی وقومی ورثہ تھا۔ اس کے اندر اصل نسخہ توریت مع تبرکات انبیاء محفوظ تھا۔ اسرائیلی اس کو انتہائی برکت وتقدیس کی چیز سمجھتے تھے، اور اس کے ساتھ برتاؤ انتہائی احترام کا رکھتے تھے۔ سفر وحضر جنگ وامن ہر حال میں اُسے بڑی حفاظت سے اپنے ساتھ رکھتے۔ یہ کچھ ایسا بڑا نہ تھا۔ موجودہ علماء یہود کی تحقیق کے مطابق اس کی پیمائش حسب ذیل تھی:۔ طول اڑھائی فٹ عرض ڈیڑھ فٹ بلندی ڈیڑھ فٹ۔ بنی اسرائیل اپنی ساری خوش بختی اسی سے وابستہ سمجھتے تھے۔ مدت ہوئی فلسطینی اسے ان سے چھین لے گئے تھے۔ اسرائیلی اسے اپنے حق میں انتہائی نحوست وبدطالعی سمجھ کر اس کی واپسی کے لیے نہایت درجہ بے تاب ومضطرب تھے طالوت کے وقت میں یہ تابوت واپس آجانے کے بعد تاریخ کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل کے قبضہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام (متوفی ۹۳۳ق،م) تک رہا۔ اور آپ نے بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد اسی میں اُسے رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہود کا عام خیال یہ ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکل سلیمانی کی بنیادوں کے اندر دفن ہے۔ سَكِيۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ۔ یعنی توریت کا نسخہ شفاء ف۹۴۴ یعنی ان دونوں حضرات اور اُن کی مقدس اولاد کے آثار وتبرکات۔ بعض اہل طریق نے کہا ہے کہ اولیاء اللہ کے احترام کا جو طریقہ چلا آرہا ہے، اس کی اصل اور سند اس قصہ تابوت سے مل جاتی ہے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

اوران سے ان کے نبی نے کہا کہ اس کی امارت کا نشان یہ ہے و۹۴۲ کہ تمہارے پاس وہ صندوق (ازخود)

التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا

آجائے گا جس میں (سامان) تسکین تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے و۹۴۳ اور کچھ بچی ہوئی چیزیں بھی

تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ

جنہیں آل موسیٰ اور آل ہارون چھوڑ گئے ہیں و۹۴۴ اس (صندوق) کو فرشتے لے آئیں گے و۹۴۵

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع

بے شک اس واقعہ میں تمہارے لئے ایک نشان ہے، و۹۴۶ اگر تم ایمان والے ہو،

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ

پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر بڑھے تو بولے و۹۴۷ کہ اللہ

مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ

تمہارا امتحان ایک دریا کے ذریعہ سے لینا چاہتا ہے و۹۴۸ سو جو کوئی اس میں سے پانی پی لے گا وہ میرا

مِنِّيْ ۚ وَ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ

نہیں ہے و۹۴۹ اور جو کوئی اسے نہ چکھے سو وہی میرا ہے، مگر ہاں جو کوئی

اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا

اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (اس کا مضائقہ نہیں) و۹۵۰ لیکن ان (سب) نے اس سے پی لیا بجز ان میں سے

مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ

تھوڑے سے (آدمیوں) کے، و۹۵۱ پھر جب طالوت اور مومنین بھی ان کے ساتھ اس (دریا) سے اتر گئے

قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ ؕ

تو وہ لوگ بولے کہ آج تو ہم میں جالوت اور اس کی فوجوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں و۹۵۲

ع ۳۲ ۱۶

و۹۴۵ تاریخ کا بیان ہے کہ فلسطینی اس تابوت سکینہ کو چھیننے کو تو چھین لائے۔ لیکن جس تاریخ سے اُسے لے کر آئے، ایک دن بھی چین نہ اُٹھانے پائے۔ ابھی وبا کا زور ہے ابھی کوئی اور مصیبت۔ آخر عاجز آکر یہ طے کیا کہ (نعوذ باللہ) اس نحوست کی پوٹ کو کہیں اور پھینکوا دیا جائے۔ ایک بیل گاڑی پر اسے لاد، گاڑی کو بغیر کسی گاڑی بان کے یوں ہی ہانک دیا۔ بیل سیدھے علاقہ بنی اسرائیل کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور گاڑی صوبہ یہودا کے شہر بیت شمس میں آکر ٹھہر گئی۔ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ تکوینی تصرفات جتنے بھی ہوتے رہتے ہیں، سب فرشتوں ہی کے ذریعہ سے انجام پاتے رہتے ہیں، چنانچہ بیلوں کا رخ خاص اسرائیلی علاقہ کی جانب کر دینا بھی فرشتوں ہی کا کام تھا۔ اور یہی غیبی نشان تھا طالوت کی تائید میں۔ بائبل میں تابوت سکینہ کی بازیابی عہد طالوت سے، بہت پیشتر درج ہو گئی ہے۔ قرآن مجید نے یہاں یہ تصریح کر کے، حسب معمول، بائبل کے بیان کی تصحیح کر دی...... مسیحیوں اور ان کے حلیفوں کی یہ کوشش جس قدر مضحکہ خیز ہے اسی قدر عبرت انگیز بھی، کہ بجائے اس کے کہ قرآن جیسی محکم، محفوظ، مستند دستاویز کو بائبل پر پیش کریں، اور اس کی روشنی میں بائبل کے بیانات کو جانچیں، پرکھیں، اُلٹے بائبل جیسی مشتبہ، غیر محفوظ، بے سند تحریر کی روشنی میں قرآن مجید کے بیانات کو جانچنا، پرکھنا چاہتے ہیں!...... گویا آفتاب کی روشنی میں لالٹین کو دیکھنے کی بجائے لالٹین سے آفتاب کو دیکھنے کی کوشش! و۹۴۶ (تصرف غیبی کا) فِيْ ذٰلِكَ اے فی رجوع التابوت الیکم (مدارک) ای فی اتیان التابوت (بحر) لَكُمْ۔ تمہارے لیے، یعنی تمہارے اطمینان کے لیے و۹۴۷ (اپنی فوج والوں سے) فَصَلَ، یعنی دشمن کے مقابلہ میں بڑھے و۹۴۸ (صبر وثبات، ضبط اور ڈسپلن میں) نَهَرٍ۔ دریا سے یہاں مراد دریائے یردن Jorden ہے۔ یہ دریا بڑا نہیں، براہ راست لمبائی ۶۵ میل کی ہے۔ البتہ اس کے خم و پیچ ملا کر کوئی ۲۰۰ میل کی ہے۔ علاقہ فلسطین میں اہم ترین دریا یہی ہے، اور گویا ملک کی قدرتی سرحد کا کام دیتا ہے۔ چنانچہ یردن کے اس پار اور اس پار علاقوں کی تقسیم خود توریت میں درج ہے۔ (یوشع۔ ۱: ۱۴ و ۱۵) اس کا بہاؤ شمال سے جنوب کی جانب ہے۔ اور یہ بحر جلیل اور بحر طبریہ ہوتا ہوا، بحر مردہ Dead Sea میں جا گرتا ہے۔ اس کا پانی شروع میں تو صاف شفاف، شیریں ہے، لیکن آگے چل کر گندلا، بدبودار اور مضر ہو جاتا ہے و۹۴۹ یعنی میرے ہمراہیوں، رفیقوں میں سے نہیں۔ یہ معنی نہیں کہ وہ سرے سے ایمان ہی سے خارج ہو گیا۔ اے من اشیاعی (روح) لیس من اتباعی و اشیاعی (مدارک) لم یخرجھم بذلک عن الایمان (بحر) شَرِبَ مِنْهُ۔ یعنی جی بھر کر اس میں سے پانی پی لے گا۔ موسم گرمی کا تھا، اور طالوت کے سپاہیوں کو پیاس قدرۃً زور کی لگی ہوئی تھی و۹۵۰ معلوم ہوتا ہے کہ اصل حکم وہی پہلا تھا کہ کوئی راستہ میں یہ پانی زبان ہی پر نہ رکھے۔ اور یہ دوسرا حکم بہ طور رخصت و اجازت تھا کہ خیر ایک آدھ چلو سے منہ تر کر لینے میں مضائقہ نہیں۔ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ۔ اے من لم یذقه (روح) من لم یذقه من طعم الشئ (مدارک) اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ۔ معناه الرخصة فی اغتراف الغرفة بالید دون الکرع (مدارک) و۹۵۱ (کہ ان کی تعداد حسب روایت توریت ۶۰۰ تھی) "تب ساؤل نے اُن لوگوں کو جو اُس کے پاس حاضر تھے، گنا۔ اور وہ مرد چھ سو کے قریب تھے"۔ (۱۔ سموئیل۔ ۱۴: ۱۵) شَرِبُوْا مِنْهُ۔ یعنی خوب سیر ہو کر پیا، جس کے بعد چلنا خصوصاً فوجی مارچ کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ و۹۵۲ (بہ نظر احوال ظاہر) یہ گفتگو اُن میں آپس میں ہونے لگی۔ دشمن کی کثرت تعداد اور اس کی عظمت و سامان پر نظر کر کے اس کی ہیبت دل میں بیٹھ جانا اور اپنی طرف سے مایوس ہو جانا ایک امر طبعی تھا۔ اچھے اچھے اہل ایمان کی بھی ہمت ایسے موقع پر طبعی طور پر چھوٹ جاتی ہے۔ جوزیفس اسرائیلی کی تاریخ آثار یہود میں ہے:۔ "طالوت اور اس کے لشکری یہ سامان دیکھ کر سہم اُٹھے۔" (باب ۶۔ ۹: ۱) خود توریت کی روایت ہے:۔ "جس وقت ساؤل اور سارے اسرائیل نے اس فلسطی کی بات سنی تو ان کی دلاوری نکل گئی اور وہ نپٹ ڈر گئے"۔ (۱۔ سموئیل۔ ۱۷: ۱۱) جَالُوْتَ۔ فلسطینیوں کے لشکر کا مشہور سردار بڑے تن و توش کا پہلوان تھا۔ گویا انسان کیوں تھا، دیو زاد تھا۔ توریت میں اُس کی جسامت، قد و قامت، اُس کی شہزوری، اُس کے اسلحہ اور اُس کی مبارزت کا ذکر تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا قد ۱۰ فٹ کا تھا، بجز چہرہ کے، سر سے پیر تک آہن پوش رہتا تھا، اور اُس کی سپر کا وزن کوئی تین من کا تھا! و۹۵۳ (آخرت میں) لشکر طالوت میں مومن تو سب ہی تھے، بہتوں پر لشکر جالوت کی ہیبت طبعی طور پر طاری ہو گئی۔ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جن کا ایمان خدا اور آخرت پر بالکل پختہ و غیر متزلزل رہا۔ اُس وقت بھی ان کے ذہن میں یہ عقیدہ مستحضر تھا اور وہ ہنگامی طور پر بھی مرعوب و دہشت زدہ نہ ہوئے۔ بلکہ بڑے استقلال کے ساتھ بولے۔ يَظُنُّوْنَ۔ ظن یہاں گمان کے معنی میں نہیں، علم و یقین کے معنی میں ہے۔ اے یعلمون و یستیقنون (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اے یوقنون بالشھادة (مدارک) یحتمل ان یکون الظن بمعنی الایقان اے یوقنون بالبعث والرجوع الی اللہ قاله السدی (بحر) و۹۵۴ (اس لیے دشمن کی کثرت تعداد سے خوف ہی کیا) ان مومنین راسخین نے اس وقت بھی کہا کہ اصل شے تو ایمان کی مضبوطی ہے۔ ایمان سے لبریز اقلیت بارہا اکثریت پر غالب آچکی ہے۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ میں اذن، مشیت تکوینی کے معنی میں نہیں۔ حکم و توفیق الٰہی کے معنی میں ہے۔ اے بحکمه و تیسیره (روح) بِاِذْنِ اللّٰهِ کی قید نے اسے بھی واضح کر دیا کہ اہم ترین شے ذاتی ہمت و شجاعت نہیں، یہی تائید غیبی ہوتی ہے۔ و۹۵۵ (اس لیے اہم و مقدم شے صبر و ثبات اور اعتماد علی اللہ ہے) مَعَ سے اللہ کی معیت جسمانی مراد نہیں، اس کی معیت نصرت و امداد کے ساتھ مراد ہے۔ المراد منه المعیة بالنصر و الاحسان (روح) اے بالنصر (مدارک) المراد به معیة نصره و توفیقه (ابوسعود) و۹۵۶ ان دونوں آیتوں میں اللہ کے لشکر کے سپاہیوں کو آداب جنگ کی تعلیم ہے، کہ بہ خلاف

قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ

اور وہ لوگ جنھیں یقین تھا کہ اللہ کے روبرو پیش ہوں گے، ف۹۵۳ بولے کہ بار ہا چھوٹی جماعتیں

قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ

بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئی ہیں ف۹۵۴ اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے

الصّٰبِرِیْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَ لَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ قَالُوْا

ساتھ ہے ف۹۵۵ اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابل آئے تو بولے

رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا

اے ہمارے پروردگار ہمارے اوپر صبر ڈال دے، اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور ہمیں غالب کر

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۵۰﴾ؕ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫

کافر لوگوں پر ف۹۵۶ پھر انہوں نے ان کو اللہ کے حکم سے شکست دے دی، ف۹۵۷

وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ

اور داؤدؑ نے جالوت کو قتل کر دیا ف۹۵۸ اور اللہ نے داؤدؑ کو بادشاہت اور دانائی عطا کی،

وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا یَشَآءُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ

اور جو کچھ چاہا انہیں سکھایا ف۹۵۹ اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعہ سے

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ

دفع نہ کرتا رہتا تو (روئے) زمین پر فساد برپا ہو جاتا ف۹۶۰ لیکن اللہ تو

ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا

جہان والوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے ف۹۶۱ یہ اللہ کی آیتیں ہیں، ہم انہیں آپ کو پڑھ

عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۵۲﴾

کر سناتے ہیں ٹھیک ٹھیک، ف۹۶۲ اور آپ یقیناً مرسلین میں سے ہیں ف۹۶۳

عام مینوی سپاہیوں کے ان کا تکیہ قوت وشوکت پر نہیں، بلکہ نصرت الٰہی پر ہوتا ہے۔ قرآن اور توریت موجودہ کے بیانوں کا مقابلہ کر دیا جائے۔ توریت میں نفس جنگ کے خشک وغیر ضروری واقعات کی تفصیل قرآن سے کہیں زائد ہے۔ لیکن وہ بس اسی پر قانع ہے۔ گویا کوئی کتاب تذکرہ وتاریخ کی ہے۔ قرآن مجید اس کے برخلاف ہر موقع پر تعلیم اصولِ دین اور اخلاقِ عالیہ کی دیتا جاتا ہے۔ اور یہی اس نے یہاں بھی کیا۔ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا۔ یعنی ہمیں ثبات قلب کی توفیق دے۔ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا۔ یعنی ہمیں ثباتِ قدم نصیب کر۔ فَانْصُرْنَا۔ ثباتِ قلب وثباتِ قدم کے بعد کافروں پر غلبہ تو قدرتی نتیجہ کے طور پر شاید حاصل ہو ہی جاتا۔ لیکن مومنین عافرین کی نظر اپنے سارے انتظامات اور ساری سعی سے کہیں بڑھ کر تائید الٰہی پر رہتی ہے۔ اس لیے صراحت کے ساتھ فتح وغلبہ کی دعا بھی ان کی زبان سے نقل کی گئی ف۹۵۷ فَهَزَمُوْهُمْ۔ انہوں نے انہیں یعنی طالوت کے لشکر نے جالوت والوں کو شکست دے دی۔ اذن۔ یہاں بھی حکم وتوفیق کے معنی میں ہے۔ توریت میں فلسطینیوں کی اس شکست فاش کی منظر کشی یوں کی گئی ہے:۔ ”اور فلسطیوں نے جو دیکھا کہ اُن کا پہلوان مارا پڑا تو وہ بھاگ نکلے۔ اور اسرائیل اور یہوداہ کے لوگ اُٹھے اور للکارے، اور فلسطیوں کو وادی تک اور عقران کے پھاٹک کی راہ تک رگیدا“۔ (ا۔ سموئیل۔ ۱۷: ۵۲) ف۹۵۸ دَاوٗدُ۔ داؤد بن یسّی بن عوبد (۱۰۲۴ تا ۹۶۳ ق۔م) ایک پیغمبر برحق ہوئے ہیں۔ قرآن میں آپ کا ذکر ۱۶ مقاموں پر آیا ہے۔ طالوت کی فوج میں محض ایک نوجوان سپاہی کی حیثیت سے شامل تھے۔ اس وقت تک نہ نبوت سے سرفراز ہوئے تھے، نہ ملک وسلطنت سے۔ توریت میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے:۔ ”اور ایسا ہوا کہ جب فلسطی اُٹھا اور آگے بڑھ کر داؤد علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے نزدیک ہوا، تو داؤد نے پھرتی کی۔ اور صفوں کی طرف داؤد سے مقابلہ کرنے دوڑا۔ اور داؤد نے اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈالا۔ اور اُس میں سے ایک پتھر لیا۔ اور فلاخن میں دھر کے فلسطی کے ماتھے پر ایسا مارا کہ وہ پتھر اس کے ماتھے میں غرق ہوگیا۔ اور وہ زمین پر منہ کے بل گر پڑا۔ سو داؤد ایک فلاخن اور ایک پتھر سے اس فلسطی پر غالب ہوا۔ اور اس فلسطی کو مارا اور قتل کیا“۔ (ا۔ سموئیل۔ ۱۷: ۴۸۔ ۵۰) ف۹۵۹ (یہ سب کچھ اس واقعہ کے بعد ہوا) اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ۔ یہ بادشاہی خدائی عطیہ تھی، پہلے تو اسی کو قرآن نے صاف کیا۔ یہ فرماں روائی قوم اسرائیل کو عطا ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نسل اسرائیلی کے دوسرے بادشاہ ہیں۔ تاجدار اوّل طالوت تھے۔ آپؑ انہی کے داماد تھے طالوت جب مع اپنے بڑے فرزند کے میدانِ جنگ میں کام آگئے تو قبیلہ یہوداہ نے کو اپنا بادشاہ منتخب کیا۔ اور دو سال کی کشمکش کے بعد، باقی قبیلوں نے بھی آپ ہی پر اتفاق کر لیا۔ سات سال تک آپ نے اپنا پایہ تخت حبرون (یعنی الخلیل) کو رکھا۔ اس کے بعد یروشلم کو دشمنوں کے قبضہ سے نکال کر اُسے دار السلطنت بنایا۔ آپ نے اپنے گرد وپیش کے حکمرانوں کو مسخر ومغلوب کیا۔ اور اپنے حدود سلطنت کو خوب وسیع کیا۔ آپؑ کا عہد حکومت تاریخ اسرائیل میں فتوحات ملکی اور حسن انتظام دونوں کے لیے یادگار ہے۔ اَلْحِكْمَةَ۔ حکمت سے یہاں مراد نبوت ہے۔ جو حکمت کا بلند ترین مقام ہے۔ حکمت کے عام معنی تمیز ودانائی بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ قیل الحکمة العلم والعمل بها و فسرها بعضهم بالنبوة (بحر) ای النبوة (بیضاوی) الحکمة به وضع الامور مواضعها علی الصواب والصلاح و کمال هٰذا المعنٰی یحصل بالنبوة فلا یبعد ان یکون المراد ههنا النبوة (کبیر) عَلَّمَهٗ مِمَّا یَشَآءُ۔ علوم انبیاء کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟ مِمَّا یَشَآءُ کے عموم میں وہ تمام علوم، فنون وصنائع آگئے جو حضرت داؤد علیہ السلام کو سکھا دیئے گئے تھے۔ مِمَّا میں من تبعیضیہ نہیں ابتدائیہ ہے ف۹۶۰ (غلبۂ بدی وبدکاری سے) بَعْضَهُمْ۔ یعنی مفسدوں، نافرمانوں، قانون شکنوں، باغیوں کو۔ بِبَعْضٍ۔ یعنی دوسرے بندوں کو مشیت تکوینی کا آلہ کار بنا کر۔ یہاں یہ عام قانون بتا دیا کہ دنیا میں حکومتوں اور سلطنتوں کے جو انقلابات ہوا کرتے ہیں یہ یوں ہی بلاضرورت ومصلحت ”گردشِ گردوں سے“ نہیں ہو جایا کرتے۔ بلکہ ہمیشہ با مقصد وپر حکمت ہی ہوا کرتے ہیں اور ان سے ظلم وعصیان وطغیان کی اصلاح مدنظر ہوتی ہے۔ آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس عالم اسباب میں مشیت تکوینی جو کام بھی لیتی ہے بندوں ہی کے واسطہ اور ذریعہ سے لیتی ہے ف۹۶۱ (اس لیے وہ اپنے فضل وکرم سے رُوئے زمین پر اس فسادِ عظیم کی نوبت ہی نہیں آنے دیتا اور بدکاروں اور نافرمانوں کے غلبہ وتسلط کو دوسروں کے ذریعہ سے ہٹاتا اور مٹاتا رہتا ہے) غرض یہ کہ ہر ایسے انقلابِ حکومت کے عقب میں رحمت الٰہی ہی کام کرتی ہے ف۹۶۲ بالحق یعنی بالکل بے کم وکاست، اپنی اصلی حالت میں، اور غرض صحیح کے ساتھ۔ بالیقین الذی لا یشک فیه اهل الکتٰب (مدارک) بالوجه المطابق الذی لایشک فیه اهل الکتاب و ارباب التواریخ (بیضاوی) ای ملتبسة بالیقین الذی لایرتاب فیه احد من اهل الکتاب و ارباب التواریخ (ابوسعود) گویا یہاں یہ ظاہر کر دیا کہ صحیح ومستند بیان صرف قرآن ہی کا ہے۔ دوسری الہامی کتابوں اور مذہبی نوشتوں کی طرح اس کے قصے غلط سلط اور مسخ شدہ ہو کر نہیں رہ گئے ہیں۔ اور اس کی ایک مثال خود یہی قصہ طالوت ہے۔ بائبل والوں نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے ف۹۶۳ (بس آپ اپنے پیغمبر برحق ہونے میں اصلاً شک نہ کیجئے، ان حقائق کا نزول پیغمبروں ہی پر ہوتا ہے) مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ لفظ مرسلین کی معنویت قابل غور ہے۔ انبیاء کی حیثیت اسلام میں تمام تر قاصدوں، سفیروں، بھیجے ہوؤں کی ہے۔ اور جو مرسل (بھیجا ہوا) ہوتا ہے، ظاہر ہے، کسی کی طرف سے، کسی کے پاس ہی بھیجا ہوا ہوتا ہے۔ یہ مرسلین یا پیامبر، خالق کی طرف سے مخلوق کے پاس ایلچی بن کر آتے ہیں۔ ان کی عظمت وبزرگی جو کچھ بھی ہے، اُن کے اسی منصب متعارف وپیامبری سے وابستہ ہے۔ یہ خود نہ اوتار ہوتے ہیں نہ دیوتا، نہ خدائی کے مظہر، نہ ان میں خدائی حلول کیے ہوتی ہے۔ معبودیت یا نیم معبودیت کی صلاحیت یہ ذرا سی بھی نہیں رکھتے اللہ اکبر! شرک بلکہ شائبۂ شرک سے بھی بچنے کا قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام ہے۔ اور الفاظ تک کے انتخاب میں وہ اس کا کیسا لحاظ رکھ لیتا ہے۔

ضمیمہ پارہ ۲

متعلق آیت نمبر ۱۸۳ حاشیہ نمبر ۶۵۱

(۱)

کھانا انسان کی زندگی قائم رکھنے کے لیے ہے، یا انسان کی زندگی اس لیے ہے، کہ اُسے کھانے پینے کی لذتوں میں بسر کیا جائے؟ موجودہ مادی دنیا نے شق دوم کو اختیار کیا ہے، اور اس کا عمل بھی اسی پر ہے۔ مذہب نے شق اوّل کو اختیار کیا ہے، اور اپنے پیرووں کو اس پر عمل کی ہدایت کی ہے۔

اسلام دین فطرت کا دوسرا نام ہے اس میں کوئی شے فطرتِ انسان وفطرتِ کائنات کے مخالف ہو نہیں سکتی۔ وہ ایک طرف اپنے پیرووں کو جائز لذتوں سے لطف اٹھانے کی بار بار دعوت دیتا ہے اور دوسری طرف قدم قدم پر لَاتُسْرِفُوْا! دائرۂ اعتدال سے قدم باہر نہ رکھو کی بھی تاکید کرتا جاتا ہے۔ لذتوں پر جھک پڑنے کا نام فسق ہے، اور لذتوں سے بالکل کنارہ کش ہو جانے کو رہبانیت کہتے ہیں۔ اسلام نے جو شاہراہِ ہدایت دنیا کے سامنے پیش کی ہے، وہ فسق ورہبانیت، دونوں سے بچ کر ان کی درمیانی راہ ہے۔

خواص جب گمراہ ہوتے ہیں، تو رہبانیت کے ڈھرّے پر پڑ جاتے ہیں۔ عوام کی گمراہی کا نام فسق ہے۔ نفس انسانی میں لذتوں پر جھک پڑنے کا قدرتی میلان موجود ہے۔ انسان اکثر انہی لذتوں پر گرتا ہے اور ایسا گرتا ہے کہ انسانیت سے گزر کر بہیمیت کے غار تک پہنچ جاتا ہے۔ رُوح کو چاہیے کہ روز بروز لطافت کی جانب ترقی کرتی جائے، تاکہ جب جسم سے جدا ہو جانے کا وقت آئے تو اپنے مرکزِ اصلی کی جانب پرواز کرے، جو از سرتا پا نور و لطافت ہے، وصل و وصال کا وہ انتہائی لطف و سرور حاصل کرے، جس کا نام مذہب کی اصطلاح میں جنت ہے۔ لیکن انسان جب فسق میں مبتلا ہو جاتا ہے، یعنی اُن مادی لذتوں میں پڑ جاتا ہے، جو اس کی روحانی صحت کے حق میں مضر ہیں، تو رفتہ رفتہ اس کی روح کثافت اور گندگی میں آلودہ رہنے لگتی ہے، یہاں تک کہ جسم سے جدا ہونے کے بعد اُس میں اپنے مرکزِ اصلی کی جانب پرواز کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ اور مجبوراً اُسے تنزل کر کے مادہ کی کثافتوں اور آلائشوں کے مرکز سے آمیز ہونا پڑتا ہے، جو اس سے کوئی بھی طبعی وخلقی مناسبت نہیں رکھتے، اس لیے اسے انتہائی اذیت و تکلیف کا سامنا ہوتا ہے، اور اس کو مذہب کی اصطلاح میں دوزخ کہتے ہیں۔

اسلام خلق اللہ کو راحت و سرور کی انتہائی منزل تک پہنچانے کا بہترین رہبر ہے۔ اس نے چن چن کر اپنے نظام وآئین میں وہی باتیں رکھی ہیں، جو روح کی فطری صلاحیت کو بڑھائیں، اور گندگی وکثافت میں آلودہ ہونے سے اُسے محفوظ رکھیں۔ ان سب تدبیروں میں سے ایک اہم تدبیر کا نام روزہ ہے۔ محض بھوکا اور پیاسا رہنا یا خواہ مخواہ کسی کو اپنے تئیں گرسنگی وتشنگی کی تکلیف میں مبتلا کرنا، ہرگز روزہ کا مدعا نہیں۔ روزہ کی غرض وغایت صرف یہ ہے کہ انسان کچھ دیر کے لیے تمام اہم لذاتِ مادی کی طرف سے بے توجہ ہو کر رُوح کو اپنی صفائی و پاکیزگی کی جانب متوجہ ہونے کا موقع دے۔ قرآنِ پاک میں روزہ کی غایت دو لفظوں میں فرما دی ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ) "تقویٰ" کے معنیٰ "بچنے" کے ہیں۔ بچنا کس شے سے؟ ہر اُس شے سے جو روح کی پرواز ترقی میں حائل ہوتی ہے۔ ہر اُس شے سے جو روح کے جوہر لطیف کے حق میں زہر کا اثر رکھتی ہے۔ ہر اُس شے سے جو روح کو کثافتوں اور آلائشوں کی دلدل میں پھنسائے رکھتی ہے۔ قرآنی بلاغت کا یہ معجزہ ہے کہ اس سارے مفہوم کو ایک لفظ تَتَّقُوْنَ، کے ذریعہ سے ادا کر دیا۔

نماز اور روزہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے دو جداگانہ چیزیں نہیں، بلکہ ایک ہی حقیقت کے ایجابی و سلبی، مثبت ومنفی دو پہلو ہیں۔ نماز کی حیثیت فاعلی ہے، یعنی دربارِ خداوندی میں حاضری دو، اپنی روح جزئی کا براہِ راست تعلق روحِ کلی سے پیدا کرو۔ روزہ کی حیثیت انفعالی ہے، یعنی ان چیزوں سے بچو جو اس راہ میں حائل ہوتی ہیں، جو روح کو اس رفتارِ ترقی کے ناقابل بناتی ہیں۔ طبیب حاذق علاج بھی کرتا ہے، اور پرہیز بھی بتاتا ہے۔ شفا اُسی وقت ممکن ہے جب مریض دونوں ہدایتوں پر عمل کرے۔ نماز بمنزلہ دوا ہے اور روزہ بمنزلہ پرہیز۔ دوا اور پرہیز دونوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ پر ظاہر ہے۔

یہیں سے ہے، کہ دُنیا کے کامل ترین انسان کو نماز کے بعد جو عبادت سب سے زیادہ محبوب تھی، وہ روزہ تھا۔ رسول خدا ﷺ اس کثرت سے روزہ رکھا کرتے تھے کہ اہل خاندان اور اصحاب رضی اللہ عنہم بعض اوقات دنگ رہ جاتے۔ وجہ کھلی ہوئی ہے۔ اعلیٰ ترین روح کو روحانی پاکیزگی و صفائی کے نمونے بھی بہترین اور کامل ترین دکھانے تھے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا۔ جس جس نے عمل کیا وہ اپنی مراد کو پہنچ کر رہا۔

کھانے پینے میں زیادتی کرنا، عورت سے میل ملاپ پر حریص ہونا، جھوٹ بولنا سخت کلامی کرنا، کسی کا دل دُکھانا، کسی کے پیچھے اس کا برائی سے ذکر کرنا، مال و دولت کی ہوس کرنا، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو روح کی لطافت کو صدمہ پہنچاتی ہیں، اس کی بالیدگی کو روک دیتی ہیں، اس میں تازگی کی بجائے پژمردگی پیدا کرتی ہیں۔ اور جسم و مادہ کی کثافتوں کو بڑھاتی رہتی ہیں۔ اس قسم کی تمام چیزوں سے بچنے اور پرہیز کرنے کا نام روزہ ہے۔ اور روزہ دار کے لیے یہ سب اُمور ممنوع ہیں۔

انسان اگر اپنی عمر کا بیشتر حصہ ان پابندیوں کے ساتھ گزار سکے تو اس کے مرتبہ کا کیا پوچھنا، لیکن کم از کم سال کا بارھواں حصہ تو اس طرح گزارنا اپنے لیے لازمی سمجھے۔ اور اگر بہت سے بندے مل کر ایک خاص زمانہ اس کے لیے مقرر کر لیں، جس میں وہ سب شریک ہوں تو شرکت و اجتماع کی بنا پر نفس روزہ کی برکتیں بدرجہا بڑھ سکتی ہیں۔ مگر سب کا اپنے ارادہ سے ایک خاص زمانہ مقرر کرنا ممکن نہیں، کسی کو کبھی سہولت ہوگی، کسی کو کبھی۔ اس لیے خود شریعت نے (راحت و سرور ابدی کی منزل کے بہترین، ہموار ترین ومحفوظ ترین راستہ کا نام شریعت ہے) ایک خاص مہینہ کا تعین کر دیا، جسے رمضان سے موسوم کرتے ہیں۔

خدائے اسلام جس طرح ہمارے رکوع و سجود، ہماری تکبیر و تسبیح سے بے نیاز ہے، اسی طرح اسے ہمارے بھوکے اور پیاسے رہنے، ہمارے روزہ و تراویح، ہماری سحری وافطاری کی بھی کوئی حاجت نہیں۔ یہ تمام امور صرف ہمارے نفع وفائدہ کے لیے ہیں۔ ہماری طبیعتیں اور سرشتیں چونکہ شیطانی اثرات سے مسخ ہو چکی ہیں۔ اس لیے آج بہتوں کو روزہ کی پابندی ایک بار معلوم ہوتی ہے لیکن کل جب حجابات دور ہو جائیں گے، جب آنکھیں کھل جائیں گی اس وقت اندازہ ہو سکے گا کہ روح میں اعلیٰ صلاحیتیں پیدا کرنے کے لیے اور ابدی سرور و دائمی راحت حاصل کرنے کے لیے روزہ کتنا سہل، آسان، مفید، مؤثر نسخہ تھا۔ کاش ہمارے سب بھائیوں کی آنکھیں آج ہی کھل جائیں۔

(منقول از "سچ"، لکھنو ہفتہ وار۔ مورخہ ۳۔ اپریل ۱۹۲۵ء۔ ایڈیٹر عبدالماجد)

(۲)

بہار کا موسم آتے ہی چمن دہر میں روح پرور ہوائیں چلنے لگتی ہیں، خشک درخت سبز ہو جاتے ہیں، پھول کھلنے لگتے ہیں جسم انسانی کی رگوں میں تازہ خون کی گردش ہونے لگتی ہے، سوئی ہوئی امنگیں جاگ اٹھتی ہیں، اور چستی وتوانائی کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ جسم و مادہ کی کائنات میں آفتاب کا ایک پورا دورہ گزر جانے کے بعد یہ موسم آتا ہے، اور طبیبوں کا بیان ہے کہ جسم سے مادہ فاسد کے دفع کرنے اور مسہل لینے کا یہ بہترین زمانہ ہے۔ ٹھیک اسی طرح روح وجان کی کائنات میں بھی چاند کا ایک پورا دورہ گزر جانے کے بعد موسم بہار آتا ہے مہتاب کو عشق کے سودا زدوں سے مناسبت ہے۔ ظاہر ہے، ماہتاب جب اپنے سالانہ سفر کا چکر ختم کرتا ہے، تو عشق ومحبت کی اقلیم میں پھر شوریدگی وجنون کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، اور سال کے گیارہ مہینے کے اندر غیریت کی جو کدورتیں جم جاتی ہیں، طبیعت ان کے دفع کرنے کے لیے بیقرار ہو جاتی ہے، اسی لیے رحمت کاملہ ومحبوبیت مطلقہ نے اپنے وفاشعاروں، اپنے سرمستوں کے لیے ایک خاص مہینہ، ماسوا سے بے تعلق و بے نیاز رہنے کا مقرر کر دیا۔ جس کو اصطلاح میں ماہِ رمضان سے موسوم کرتے ہیں۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ اے حسنِ ازل سے پیمان وفا باندھنے والو۔ اے اپنے محبوب کی یکتائی کا کلمہ پڑھنے والو، اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو، آؤ، اپنے طریق عشق وآئین اُلفت میں، ایک مہینہ تک ماسوا پر نظر کرنا تک ناجائز سمجھو، اور اپنی تمام نفسانی لذتوں کو اس بڑی اور حقیقی لذت کے تصور پر قربان کرتے رہو[۱]، کہ یہی نفسانی لذتیں، اس شاہدِ حقیقی کے وصال کی راہ میں سب سے

حاشیہ [۱] "صوم کے معنیٰ ہیں، باز رہنے اور رکنے کے، خواہ کھانے سے ہو یا کلام کرنے سے، یا کسی اور چیز سے، جس پر نفس حریص ہو، یا جو طبیعت کو مرغوب ہو۔ الصوم فی الاصل الامساک عن الفعل مطعمًا کان او کلامًا او شیئًا (راغب) الصوم امساک عن طعام او کلام او نحوھما (سجستانی) الصوم فی اللغۃ الامساک عما تنازع الیہ النفس (بیضاوی)

بڑی رکاوٹیں ہیں۔

یہ شرط محض تمہارے ساتھ مخصوص نہیں، اکیلے تم ہی اس آزمائش میں نہیں ڈالے گئے ہو، بلکہ تمہارے اگلوں میں سے جس جس گروہ نے ہم سے پیمانِ وفا باندھا، جس جس جماعت نے راہِ اُلفت میں قدم رکھنے کا دعویٰ کیا، ان سب کو اپنے دعوے کا کچھ ایسا ہی ثبوت پیش کرنا پڑا ہے، ان سب کو کچھ ایسی ہی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا ہے، ہراساں نہ ہو، بہتوں کی آزمائش اسی طرح ہو چکی ہے۔ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ اور اس حکم سے غرض تمہیں تکلیف میں ڈالنا نہیں تمہاری جان کو ہلکان کرنا نہیں، بلکہ مقصود صرف تمہاری ہی فلاح و بہبود ہے۔ تمہارے ہی کمالات کی نشو و نما اور تمہاری ہی ترقی ہے۔ تمہی میں ضبطِ نفس پیدا کرنا ہے۔ تمہی کو خواہشاتِ نفسانی پر حاکم بننے کی تعلیم دینا ہے تمہاری پاکیزگی کی چھپی ہوئی قوت کو اُبھارنا، اور تمہیں حیوانیت کے غار سے نکال کے ملکوتیت کے آسمان پر پہنچانا ہے۔ تمہاری بوالہوسی جو تمہاری خودداری پر غالب آجاتی ہے، اسی کو توڑنا منظور ہے۔ تمہاری ہی راہِ عروج میں ہر طرح کی سہولت پیدا کرنا مدِّنظر ہے، اور تمہارے ہی چھپے ہوئے اندرونی دشمنوں، یعنی بدی کی طاقتوں کو ہلاک و نابود کرنا مقصود ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ اور پھر یہ آزمائش بھی دائمی نہیں، تمہاری ساری عمر کے لیے نہیں۔ کسی بڑی طویل مدت کے لیے نہیں، بلکہ صرف گنتی کے چند روز یعنی گیارہ مہینہ کے بعد، رمضان کا ایک مہینہ[2] اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ

پھر ان عاشقین صادقین اور مومنین مخلصین میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو باوجود اپنے صدق و خلوص کے، اپنی جسمانی کمزوری یا پردیس میں ہونے کی بنا پر، آسانی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل نہ کر سکیں گے، ان کے لیے یہ آزمائش زیادہ سخت ہوگی۔ ایسے معذوروں کے لیے اس کی اجازت ہے کہ انہیں جب اطمینان و فراغت نصیب ہو، تو اس ماہِ مبارک کے چھوٹے ہوئے روزوں کو پورا کر لیں۔ "بلبلِ بیمار" اگر اپنے جذبہ دل میں صادق ہے، تو اُس کے لیے سال کا ہر موسم موسمِ گل کا حکم رکھتا ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ بعض بیچارے ایسے بھی ہوتے ہیں، جو بہ سبب اپنی جسمانی کمزوری یا کسی اور مجبوری کے، ماہِ مبارک کے بعد بھی، روزہ رکھنے میں سخت مشقت محسوس کرتے ہیں[3]۔ ایسوں کے لیے یہ رعایت ہے کہ وہ اپنی معذوری کے کفارہ کے طور پر کسی صاحبِ احتیاج کو پوری طرح کھانا کھلا دیا کریں۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ اس رخصت و اجازت کے باوجود بھی اگر کوئی شخص محنت و مشقت گوارا کر کے اس بڑی نیکی یعنی روزہ کو اختیار کرتا رہے، یا ایک مسکین سے زائد کو کھلاتا پلاتا رہے، تو اُس کے مرتبہ کا کیا پوچھنا۔ ایسی نیکی جو فرض نہ رہی ہو، اگر اختیار کی جائے تو اس کے افضل و برتر ہونے میں کیا شبہ۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ۔ یہ ایک عام اصول بتایا گیا۔ باقی اگر روزہ کی حقیقت پر نظر ہو جائے، روزہ سے جو باطنی ترقیاں مقصود ہیں، اگر ان کا علم ہو جائے، تو کون ایسا ہے جو روزہ کی جانب بہ شوق و رغبت نہ دوڑے۔

یہ ماہِ مبارک صرف اسی لحاظ سے مبارک نہیں، کہ اس میں انسان، صبر و ضبط کی خدائی طاقتوں سے نوازا جاتا ہے، بلکہ اس خیر و برکت والے مہینہ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے، کہ اسی ماہ میں اوّل اوّل، دنیا کے لیے بہترین، کامل ترین، و جامع ترین ہدایت نامہ اُتارا گیا۔ اسی چاند میں انسانیت کے ظلمت کدہ کو نورانیت کے بدرِ کامل سے پُرانوار بنایا گیا، اور اسی بابرکت موسم میں انسان کے کان میں پہلی بار[4] نغمۂ ازل کی سریلی آواز بیہوشوں کو بیدار اور ہوشیاروں کو مست کرنے والی پکار پہنچی، جس سے بڑھ کر کوئی دولت جس سے اونچی کوئی نعمت، جس سے برتر کوئی رحمت، عالمِ تصور میں بھی موجود نہیں۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ قیس عامری کے پاس اگر لیلیٰ کا کوئی مکتوب یا پیام آجاتا، تو کس طرح وہ اپنی جان نثار کرنے کو تیار ہو جاتا، اور اس مبارک گھڑی کو کس قدر عزیز رکھتا! حسنِ ازل کے شیدائی بھی، نامہ یار کے ورود کے زمانہ کو کیونکر بھول سکتے ہیں جب جب یہ زمانہ آئے گا، اس کی یاد میں بیتاب ہو جائیں گے، اور اس پاک گھڑی کی پاک سالگرہ منانے میں اپنی بھوک پیاس تک کو بھول جائیں گے۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔

موسمِ بہار کی فرحتیں، طراوتیں اور نشاط انگیزیاں، بڑے سے بڑے افسردہ دلوں تک میں امنگ پیدا ہی کر دیتی ہیں اور گل و گلزار کی سیر سے کوئی محروم رہنا نہیں چاہتا۔ ماہِ مبارک کی برکتوں، فضیلتوں اور نعمتوں کا ذکر سن کر بڑے سے بڑے بدہمت اور افسردہ دل کی رگوں میں جوش پیدا ہو جانا، اور بڑے سے بڑے فرزانہ و دور اندیش میں شورش و شوریدگی کا اُبھر آنا قدرتی ہے۔ حالانکہ یہ آزمائش صرف ان کے لیے ہے جو اس کی جسمانی قوت بھی رکھتے ہیں۔ معذوروں پر خواہ مخواہ بارِ مشقت ڈالنا ہرگز مقصود نہیں۔ اُن کے جذبہ شوق کو تسکین دینے کے لیے ایک بار پھر اس ارشاد کی ضرورت ہوئی، کہ معذوروں کو ان دنوں کی گنتی بعد میں پوری کر لینی چاہیے، کہ مقصد آسانی راہ ہے، نہ کہ تنگی۔ اللہ کی بڑائی کرنے، اور اس کا شکر ادا کرنے کا مقصد، بعد کو بھی گنتی کے دن پورے کر لینے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

یہ پُربہار موسم جب کسی کے شوق و ارمان میں گزرے گا، یہ متبرک گھڑیاں جب کسی کی یاد میں بسر ہوں گی، یہ مبارک دن جب کسی کے اشتیاق میں بغیر بھوک پیاس کے صرف ہوں گے، یہ برکت والی راتیں جب کسی کے انتظار میں آنکھوں ہی میں کٹیں گی، تو ناممکن ہے کہ روح میں لطافت، قلب میں صفائی، اور نفس میں پاکیزگی، پیدا نہ ہو جائے۔ حیوانیت دُور ہوگی، ملکوتیت نزدیک آئے گی اور انسان خود اپنی ایک جدید زندگی محسوس کرے گا، ایسی حالت میں بالکل قدرتی ہے، کہ سوزِ دل اور تیز ہو جائے، قرب و وصل کی تڑپ اور بڑھ جائے، تزکیہ و مجاہدہ کے اثر سے، زنگ دور ہو کر، کسی کا عکس قبول کرنے کے لیے آئینۂ قلب بے قرار و مضطر ہونے لگے۔ ٹھیک یہی گھڑی، ذوقِ طلب اور ذوقِ عطا، سوال اور اجابت، دعا اور مقبولیت، حاجتمندی اور کریمی، گدائی اور شاہی، بندگی و بندہ پروری کے درمیان ناز و نیاز کی ہوتی ہے، اس لیے قدرۃً اس منزل پر پہنچتے ہی، حجلۂ غیب سے یہ صدائے بشارت کان میں آنے لگتی ہے، کہ اے ہمارے پیام پہنچانے والے، ہمارے شیدائی، ہمارے پرستار، ہمارے بندے، اگر تم سے ہمارا پتہ پوچھیں، تو اُن کو بتا دو کہ ہم اُن سے کچھ دُور نہیں ہم تو ان سے بہت ہی قریب ہیں، ہمیں دل کی تڑپ کے ساتھ پکاریں تو سہی، ہم فوراً ان کی پکار کو سنیں گے۔ وہ صرف ہم سے اپنی لو لگائے رہیں، اور ہم پر بھروسہ رکھیں، اس سے وہ سیدھی راہ پا کر، اور منزلِ مقصود تک پہنچ کر رہیں گے۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔

(منقول از سچ لکھنو) ہفتہ وار۔ ۱۳، اپریل ۱۹۳۶ء ایڈیٹر عبدالماجد)

(۳)

دو شخص ہیں۔ ایک وہ جو اپنی خواہشاتِ نفسانی کا غلام ہے، دوسرا وہ جو اُن پر حاکم و آقا ہے۔ ایک وہ جو اپنی ہر ہوائے نفس سے مغلوب ہو جاتا ہے، دوسرا وہ جو اُسے اپنے قابو و اختیار میں رکھتا ہے۔ ایک شخص وہ ہے جو اپنی بھوک، اپنی پیاس، اپنی نیند، اپنی حرص، اپنے غصہ، کسی شے پر قابو نہیں رکھتا، دوسرا وہ جو اِن میں سے ہر شے کے ضبط پر قدرت رکھتا ہے۔ آپ دو ایسے شخصوں میں سے کس کو ترجیح دیں گے؟ آپ خود ان دونوں میں سے کیا بننا پسند کریں گے؟ آپ کے نزدیک نفس کی غلامی بہتر ہے؟ یا اس پر حکمرانی؟ اگر آخر الذکر بہتر و پسندیدہ ہے، تو پھر یہ کیا ہے، کہ ماہِ رمضان کی پیشوائی کو آپ ذوق و شوق، مسرت و خندہ جبینی کے ساتھ نہیں بڑھتے؟

حاشیہ [2] واولٰی ذٰلک بالصواب عندی قول من قال عنی اللّٰہ جل ثناءہ بقولہ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ، ایام شھر رمضان (ابن جریر) والمراد بھا رمضان (بیضاوی) المراد بھٰذہ الایام المعدودات شھر رمضان (ابومسلم)

[3] عن عبداللّٰہ قال یقول و علی الذین یطیقونہ ای یتجشمونہ (ابن کثیر) و قرأ ابن عباسؓ یطوقونہ بمعنی الطاقۃ والقلادۃ ای یکلفونہٗ او یتکلفونہٗ علٰی جھد منہ و عسر وھم الشیوخ والعجائز (زمخشری) یصومونہ جھدھم و طاقتھم و مبلغ و سعھم (زمخشری) و ھو الرخصۃ لمن یتعبہ الصوم و یجھدہ وھم الشیوخ والعجائز فی الافطار والفدیۃ (بیضاوی) من صام بالکلفۃ والمشقۃ فعلیہ فدیۃ طعام مسکین (گازرونی)

[4] ای ابتدٰی فیہ انزالہ (بیضاوی) ابتدٰی فیہ انزالہ (زمخشری) ابتدٰی فیہ انزالہ (روح المعانی) یکون ابتداء نزول القرآن علٰی محمد ﷺ فی شھر رمضان وھو قول ابن اسحاق و ابی سلیمان الدمشقی (خازن) اولت الآیۃ بان المراد انہ ابتدٰی فیہ انزالہ ھٰذا قول محمد بن اسحاق (نیشاپوری)

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی علیہ رحمۃ اللہ دائم الصوم تھے۔ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی علیہ رحمۃ اللہ نے اپنی عمر کے سالہا سال روزہ رکھ کر گزارے، حضرت جنید بغدادی علیہ رحمۃ اللہ کا مقولہ مشہور ہے کو مجھے جو کچھ ملا، سب بھوک اور گرسنگی ہی کی طفیل میں ملا۔ حضرت مولانائے روم علیہ رحمۃ اللہ کا عمل خود انہی کی اس تعلیم پر تھا، کہ منزل حق کی جتنی راہیں کھلتی ہیں، سب بھوک اور پیاس سے۔ ہر سلسلے کے جتنے مقدس بزرگ اور مستند صوفی گزرے ہیں، سب کا عمل یہی رہا ہے اور تعلیم بھی یہی۔ مگر پھر یہ کیوں ہے، کہ آپ باوجود ان حضرات سے اعتقاد ظاہر کرنے، اور ان کے ماننے کے، اس باب میں ان کی تعلیم سے اس قدر بے پروا، اور ان کے عمل سے اس قدر بے نیاز ہیں؟

نماز میں جس طرح عبدیت کی تکمیل ہوتی ہے، ٹھیک اسی طرح روزہ دار کو اخلاق الٰہی کے ساتھ کس درجہ مناسبت و مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔ بھوک اور پیاس سے بے نیازی، صبر و ضبط، قوت و اختیار، حلم و تحمل، عفو و درگزر، یہ سب شانیں بندہ کی ہیں، یا مولیٰ کی؟ عبد کی یا معبود کی؟ خاک کے پتلے کی یا آسمان کے فرمانروا کی؟ پھر یہ کیونکر ہے، کہ جو شے کچھ ہی دیر کے لیے سہی، آپ میں اس کیفیت سے مناسبت پیدا کر رہی ہو، جو شے ذرہ میں آفتاب کا پرتو ڈال رہی ہو، جو شے آئینہ میں جلا پیدا کر کے اُسے نورانیت کاملہ کا عکس قبول کرنے کے قابل بنا رہی ہو، آپ اس نعمت عظیمہ کی جانب لپکنے میں تامل کر رہے ہیں؟

حدیث قدسی کے الفاظ یاد کیجیے، الصوم لی و انا اجزی بہ۔ ''روزہ میرے لیے ہے اور اس کا اجر خود میں ہوں''۔ حوریں نہیں، جنت کے قصر و محل نہیں، کوئی اور ایسی نعمت نہیں، جسے مادی عقل سمجھ سکے۔ بلکہ میں خود اس کا اجر ہوں''۔ یہ کون، کس سے کہہ رہا ہے؟ آفتاب ذرہ سے نہیں، مخدوم خادم سے نہیں، شاہ گدا سے نہیں، بلکہ خالق مخلوق سے، معبود عبد سے، خدا بندہ سے! کیا زمینوں اور آسمانوں کی ساری نعمتیں، ساری برکتیں، ساری بادشاہتیں مل کر بھی اس ایک اجر کے سامنے پیش کی جا سکتی ہیں؟ کیسی دردناک نادانی ہوگی، کہ اتنے ارزاں سودے کو بھی اپنی غفلت و بے پروائی کے نذر کر دیا جائے۔!

(منقول از سچ (لکھنو) ہفتہ وار۔ ۲۶ مارچ ۱۹۲۶ء ایڈیٹر عبدالماجد)

(۴)

کھانا کھانے میں آپ کو لطف کس وقت آتا ہے؟ اُس وقت جب کہ بھوک کھل کر لگی ہو، یعنی کچھ دیر پیشتر سے کھانا نہ کھایا ہو۔ پانی کے گلاس میں مزہ کس وقت ملتا ہے؟ اُس وقت جب کہ پیاس لگی ہوئی ہو، اور پانی پینے کی طلب بے قرار کر رہی ہو۔ نیند سکھ سے کس وقت آتی ہے؟ اس وقت جبکہ کچھ گھنٹے قبل سے آپ برابر جاگ رہے ہوں۔ ان ساری مثالوں میں آپ کو روزمرہ، ہر وقت اور ہر جگہ تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ مادی لذتوں سے بھی پوری طرح لطف اٹھانے کے لیے کسی قدر ضبط، صبر و احتیاط لازمی ہے۔ یہی آپ کا مشاہدہ ہے، یہی آپ کا تجربہ ہے، اور اسی پر آپ کا عمل ہے۔ یہ آپ کبھی نہیں کرتے کہ مسلسل چوبیسوں گھنٹے منہ میں نوالے چباتے رہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں کرتا کہ ہر منٹ لگاتار پانی کے گھونٹ اُتارتا رہے۔ یہ کسی کو بھی نہیں دیکھا، کہ دن اور رات، صبح اور شام، ہر وقت برابر پڑا سوتا ہی رہے۔

''روشن خیالی'' جب ایک قدم آگے بڑھاتی ہے، تو تعطیل اور چھٹی کو بھی انسانی زندگی کا ایک لازمی جزو بنا دیتی ہے۔ اسکولوں کے کمرے، کالجوں کے ہال، عدالت عالیہ کے ایوان، ہفتوں سے بند چلے آ رہے ہیں، اس لیے کہ موسم گرما کی 'تعطیل کلاں' کا زمانہ ہے! کچہریاں اور دفتر بند ہیں، اس لیے کہ آج بڑا دن ہے۔ ڈاک خانہ اور تار گھر، بینک اور خزانے بند ہیں، اس لیے کہ آج اتوار ہے! یہ سب اس لیے ہے کہ دماغ کو آرام ملتا رہے، اور تازہ دم ہونے کے بعد کام بہتر طور پر انجام پاتا رہے، آپ اپنے اس نظام اور اس انتظام پر شرماتے نہیں، فخر کرتے ہیں۔ اور آپ کی عقلیت و روشن خیالی کا یہ ایک مسلمہ ہے، کہ کام میں زیادہ مستعدی اور بہتر کارگزاری Efficiency کے لیے جسم اور اعضائے جسم کو آرام دیتے رہنا لازمی ہے! یہ نہیں کہتے کہ اس سے کام میں خواہ مخواہ حرج اور نقصان ہوتا ہے۔

لیکن جب مذہب آپ سے کہتا ہے، کہ سال کے ایک خاص زمانہ میں چند گھنٹوں کے ایک محدود وقت کے لیے معدہ کو آرام دیتے رہو، بھوک اور پیاس کو ضبط کرتے رہو، تو معاً آپ کی عقلیت و روشن خیالی بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ آپ اپنے روزمرہ کے تجربہ اور مشاہدہ، نظریات و عملیات، سب کو پس پشت ڈال دیتے ہیں رمضان کی آمد کو اپنے لیے ایک قہر و مصیبت سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اگر زبان سے نہیں تو کم از کم دل میں تو یہ ضرور کہنے لگ جاتے ہیں کہ روزہ کی یہ قیدیں کیسی سخت ہیں۔ اور آپ کے کمزور قویٰ ہرگز اتنی بڑی محنت کو نہیں برداشت کر سکتے! بیشک اگر آپ ہزاروں روپیہ کمانے اور اُڑانے والے بیرسٹر ہیں، اگر آپ اپنی ''سرکار ابد قرار'' کے بنائے ہوئے جج یا کلکٹر ہیں، اگر آپ صوبہ یا ملک کی کونسل کے ممبر ہیں، اگر آپ لاٹ صاحب اور بڑے لاٹ صاحب کی پارٹیوں میں شریک ہونے والوں میں ہیں، اگر آپ کے پاس سواری کے لیے موٹریں، اور رہنے کے لیے اونچی اونچی کوٹھیاں موجود ہیں، تو آپ کی محرومی اور حرماں نصیبی نے، اجر روحانی و راحت سرمدی کی طرح، روزمرہ کی مادی لذتوں اور جسمانی فائدوں کا بھی دروازہ آپ پر بند کر رکھا ہے، اور آپ کی اس بے مائیگی پر جن و بشر، حور و ملائک جتنا بھی ترس کھائیں کم ہے۔ لیکن اگر آپ اپنی خوش بختی سے کوئی غریب کاشتکار ہیں، کوئی مفلس مزدور ہیں، کوئی کم حیثیت خدمتگار ہیں، بھاری بھاری بوجھ کی گٹھریاں اور گٹھے اپنے سر پر لادنے والے ہیں، دھوپ میں جل جل کر اور بھن بھن کر کام کرنے والے ہیں، تو انشاء اللہ آج آپ اپنے خالق و مالک کے حکم کی تعمیل میں رمضان مبارک کے باران رحمت سے سیراب ہو رہے ہوں گے! یقین کیجیے کہ آج آپ کے مرتبہ پر، زمین پر بسنے والے نہیں، آسمان پر اُڑنے والے، فضائے قدس میں سانس لینے والے، حریم عرش کے پایہ تھامنے والے رشک کر رہے ہیں! ممکن ہے کہ آج یہ شاعری معلوم ہو رہی ہو لیکن کل انشاء اللہ حقیقت ہو کر رہے گی، اور اُن بے خبروں کو بھی خبردار کر کے رہے گی، جو آج روزہ داری کے طبی فوائد اور مادی لذتوں سے بھی محرومی میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں!

(منقول از سچ (لکھنو) ہفتہ وار۔ ۳ مارچ ۱۹۲۸ء ایڈیٹر عبدالماجد)

(۵)

نیند پورے سکھ کے ساتھ کس کو آتی ہے؟ اُس کاہل کو جو رات دن بستر پر پڑا رہتا ہے، یا اُس محنتی کو جو دن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد تھک کر اپنے دماغ و جسم کو چند گھنٹوں کے لیے آرام دینے کو لیٹتا ہے؟ کھانے میں اصلی مزہ کس کو ملتا ہے؟ اُس امیر کو جو سارے دن اپنے ذائقہ کی خاطر داریوں میں لگا رہتا ہے، اور طرح طرح کی بد پرہیزیاں کرتا رہتا ہے یا اُس غریب کو جو محنت و مشقت کے بعد دن میں ایک یا دو بار سادہ اور معمولی کھانا کھاتا ہے؟ سو کر اُٹھنے کے بعد فرحت اور چاقی کس کو حاصل ہوتی ہے؟ اُس کو جو ساری رات پریشان اور ہولناک خواب دیکھتا رہتا ہے، یا وہ جو شروع سے آخر تک میٹھی نیند لیتا رہتا ہے؟ پس اگر کسی کو نیند پورے سکھ کے ساتھ نہیں آتی، کھانے میں پورا مزہ نہیں ملتا، یا سو کر اُٹھنے کے بعد طبیعت سے کسل پوری طرح دُور نہیں ہوتا، تو اُس کی ذمہ داری اور تنہا ذمہ داری، اُسی کی بے احتیاطیوں، بد پرہیزیوں اور بے اعتدالیوں پر آتی ہے۔

روزہ، جسم و روح دونوں کے ایک خاص ضبط و انضباط، تزکیہ و تنقیہ، پرہیز و احتیاط کا نام ہے، اس کے تمام ہونے پر انتہائی لطف و راحت، لذت و فرحت محسوس ہونی چاہیے۔ اگر آپ اس میں کمی محسوس کرتے ہیں تو یقیناً یہ آپ ہی کا قصور ہے اور یہ لازمی ہے کہ روزہ کی کچھ شرطیں آپ توڑ چکے ہیں، اور اس کے جو آداب نگاہ رکھنے کے تھے وہ آپ نے نہیں رکھے۔ جسم و دماغ کو اگر آپ دن بھر صحیح طور پر کام میں لگائے ہوئے ہیں، تو شب کو نیند کی حالت میں بھی سکھ ملے گا اور نیند پوری کرنے کے بعد بھی فرحت حاصل ہوگی ٹھیک اسی طرح اگر جسم و روح کو آپ ٹھیک طور پر دن بھر مشغول رکھے ہوئے ہیں، اگر آپ وہی کرتے رہے ہیں جو ایک روزہ دار کو کرنا چاہیے تو آپ کا دن اور آپ کی رات، آپ کی صبح اور آپ کی دوپہر، آپ کا سہ پہر اور آپ کی شام، غرض آپ کے وقت کی ہر گھڑی، آپ کے دل کی کلی کو کھلی رکھے گی۔ افسردگی اور اُداسی آپ کے لیے بے مفہوم ہوگی اور سرور و نشاط کی ہوائیں، آپ کی روح کو تر و تازہ رکھیں گی۔

روزہ کے معنٰی یہ ہیں کہ آپ اپنے پیدا کرنے والے، آپ کے سامانِ زندگی کے مہیا

کرنے والے، اور آپ کی موت و زندگی، بیماری و تندرستی، ہر چیز پر قدرت رکھنے والے کے سامنے عہد کرتے ہیں کہ سارے دن آپ اپنے تئیں، اپنی آنکھ اور کان، اپنے منہ اور زبان، اپنے دل اور اپنے دماغ اپنے ہاتھ اور پیر، اپنے جسم اور جان، غرض اپنے سارے وجود کو ہر ٹیڑھی راہ سے روکے رہیں گے، ہر کجی اور کج روی سے باز رکھیں گے اور صرف اُسی کے لیے وقف رکھیں گے جو اُس کا اصلی کام اُس کی سیدھی راہ، اُس کا فطری حق، اور اُس کی بچی غایت ہے۔ زبان اگر کھلے گی تو صرف کلمۂ حق پر، کان اگر سنیں گے تو صرف بچی آواز، آنکھ اگر دیکھے گی تو صرف امرِ حق کو، دل اگر سوچے گا تو صرف سچائیوں کو، ہاتھ اور پیر اگر حرکت کریں گے تو صرف سچائی کی راہ میں۔ مادّی زندگی کے سب سے بڑے اور طاقتور مظہر، سورج کے ڈوب جانے پر، جب آپ اُس ذات کے شکر کے ساتھ جس نے آپ کو یہ توفیق دی، اپنا جائزہ لیں اور اپنی اس نذر کی ہر شرط کو پوری طرح ادا کیا ہوا پائیں تو —— دنیا کے کس لفظ اور کس عبارت میں اس کیفیت کو ادا کرنے کی قدرت ہے! رضائے الٰہی آپ میں اور آپ رضائے الٰہی میں جذب ہوں گے! راحت و لذت، لطف و مسرت، سرور و نشاط، شادی و انبساط، یہ سارے الفاظ بڑی فرحت (افطار) کی کیفیت کو ادا کرنے کے لیے ناکافی ہیں جو اُس سب سے بڑی فرحت (دیدارِ الٰہی) کا پیش خیمہ ہے، جس سے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام جیسے برگزیدہ پیمبر، باوجود شوق و تمنا، اس دنیا میں محروم رہے!

(سچ لکھنؤ۔ ۱۴/مارچ ۱۹۲۷ء)

ضمیمہ

روزہ

(متعلق حاشیہ نمبر ۱۴۳ سورۃ البقرۃ)

آپ کو معلوم ہے کہ اطبائے یونانی کتنے متعدد امراض میں فاقہ کو مفید بتاتے ہیں؟ آپ کو خبر ہے کہ ڈاکٹروں کے اصول سے اب فاقہ کتنے امراض کا علاج ہے؟ آپ واقف ہیں کہ ہر طریقۂ علاج کے ماہرینِ فن نے کتنی شدید اور مہلک بیماریوں کا علاج اپنے تجربہ میں فاقہ ہی کو پایا ہے؟ خود آپ کا ذاتی تجربہ کیا ہے؟ آپ کو جب کبھی بیماری میں طبیب یا ڈاکٹر فاقہ کا مشورہ دیتے ہیں تو آپ کیسی خاموشی کے ساتھ بے چون و چرا اور بغیر بحث و مناظرہ اُس کے حکم کے آگے گردن جھکا دیتے ہیں اور اُس کی ہدایتوں کے مطابق کھانے اور پینے کی لذتوں سے دستبردار ہو جاتے ہیں! لیکن جب اس سے کم تکلیف اور اس سے ہزاروں گنی زاید راحتوں اور نعمتوں کے وعدہ کے ساتھ اس قسم کی احتیاط خورد و نوش کا حکم، آپ کو سب سے بڑے حکیم کے مطب سے ملتا ہے، تو یہ کیا ہے کہ آپ اس خوش دلی کے ساتھ اُس کی تعمیل پر آمادہ نہیں ہو جاتے بلکہ طرح طرح کی تاویلوں سے جن سے اکثر خود آپ کا دل بھی مطمئن نہیں ہوتا اُسے ٹال جانا چاہتے ہیں!

آپ کہتے ہیں کہ آپ خدا کے فضل سے روزہ دار ہیں اور ماہِ رمضان کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں لیکن پھر یہ کیا ہے کہ آپ کی اندرونی زندگی میں کوئی نمایاں فرق نہیں محسوس ہوتا۔ غصہ اب بھی آپ کو برابر آتا رہتا ہے بلکہ شاید کچھ اور بڑھ ہی گیا ہے۔ دوسروں کے عیب چینی میں اب آپ کو ویسا ہی مزہ آ رہا ہے۔ نفسانی خواہشوں اور لڑنے جھگڑنے کے منصوبوں میں اب بھی کوئی کمی نہیں معلوم ہوتی۔ دن میں بے شبہ آپ کھاتے پیتے نہیں ہیں لیکن وقت کا بڑا حصہ بجائے عبادتوں کے، سونے اور بیکاری میں گزارتے ہیں، یا پھر سحری، طعام شب اور افطار پارٹیوں کے اہتمام و انتظام میں! وہ وہ لذیذ اور ثقیل غذائیں جن سے آپ کا ذائقہ، سال میں گیارہ مہینے بالکل نامانوس رہتا ہے، آپ صرف اسی ماہِ صبر و تقویٰ کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں، اور وقت اور روپے کا اچھا خاصا حصہ اسی ماہِ مبارک کی دعوتوں اور ضیافتوں میں صرف فرماتے رہتے ہیں! کیا اسی روزہ داری پر آپ خوش ہیں؟ کیا اسی کا نام آپ کے خیال میں ماہِ مبارک کا احترام ہے؟

ایک شخص قند اور دودھ کا نفیس شربت تیار کرتا ہے، مگر اُس میں کچھ کھیاں بھی پیس کر ملا دیتا ہے، آپ ایسے شخص کی صحت دماغی کی بابت کیا رائے قائم کریں گے؟ ایک شخص لذیذ سے لذیذ اور بہتر سے بہتر کھانا خوان میں لگا کر لاتا ہے لیکن اُس میں ایک جزو غلاظت کا بھی ملا دیتا ہے، آپ اس بدنصیب کی عقل و فہم پر ماتم کرنے کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں؟ یقین فرمائیے کہ اس سے کہیں زائد موجبِ تاسف و مستحقِ ماتم اُس بے عقل و بدنصیب کی حالت ہے جو روزہ رکھ کر بھی غصہ کر کر کے عیب چینی میں مصروف رہ رہ کے، نفسانی خواہشوں کے منصوبوں میں مبتلا رہ رہ کے، روزہ کی نعمتوں اور راحتوں، لذتوں اور فرحتوں کو اپنے ہاتھوں غارت کرتا رہتا ہے! اور جو محروم نصیب سرے سے روزہ ہی کو ترک کیے ہوئے ہیں، اُن بیچاروں کو تو بس اللہ ہی سیدھی سمجھ اور نیک ہدایت کی توفیق نصیب کرے!

(سچ لکھنؤ ۱۲/مارچ ۱۹۲۷ء)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ

ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے و۹۶۴ ان میں وہ بھی ہیں

مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا

جن سے اللہ نے کلام کیا ہے و۹۶۵ ان میں سے بعض کے درجے اس نے بلند کئے ہیں و۹۶۶ اور ہم نے

عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ

عیسیٰ ابن مریمؑ و۹۶۷ کو شواہد عطا کئے و۹۶۸ اور ہم نے ان کی تائید روح القدس کے

الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ

ذریعہ سے کی و۹۶۹ اور اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو ان کے بعد کے لوگ آپس میں

بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ

خونریزی نہ کرتے بعد اس کے کہ ان کے پاس شواہد آ چکے تھے و۹۷۰ لیکن

اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ

(لوگ) آپس میں جھگڑے و۹۷۱ کوئی تو ان میں سے ایمان لے آیا اور کوئی ان میں سے کفر ہی کرتا رہا و۹۷۲

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ

اور اگر اللہ کی مشیت ہی ہوتی تو وہ آپس میں خونریزی نہ کرتے و۹۷۳ لیکن اللہ وہی کرتا ہے

مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا

جو ارادہ کر لیتا ہے و۹۷۴ اے ایمان والو جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے

رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ

خرچ کرو و۹۷۵ قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے و۹۷۶ جس میں نہ تجارت کام آئے گی

وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

اور نہ دوستی اور نہ سفارش اور کافر ہی تو ظالم ہیں و۹۷۷

و۹۶۴ (مراتب قرب ومنزلت میں) فضل کے لفظی معنی بزرگی کے ہیں۔ یعنی ایسی صفت جس سے انسان دنیا میں مدح وثنا کا مستحق ہو اور آخرت میں اجر سے سرفراز۔ فَضَّلْنَا میں ضمیر متکلم کالحاظ رہے۔ یہ تفضیل یاباہمی فضیلت وافضلیت جو کچھ ہے محض عند اللہ ہے۔ خالق کے ہاں درجات ومراتب قربت کے لحاظ سے ہے۔ خلق کے لیے بہ حیثیت مطاع سب یکساں ہیں۔ عام خلقت کے لیے رسول سب برابر ہیں۔ اطاعت وتعظیم سب کی یکساں واجب ہے۔ اور اسی معنی میں قرآن مجید کی دوسری آیت اسی سورت کے آخر میں اسی پارہ میں آرہی ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ **لیس مقام التفضیل الیکم انما هو الی الله عزوجل و علیکم الانقیاد والتسلیم له والایمان به** (ابن کثیر) تِلْكَ الرُّسُلُ۔ مراد وہی مرسلین ہیں جن کا ذکر ابھی ابھی آچکا ہے۔ الرُّسُلُ کے اعراب رفعی کی بنا پر ترکیب کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ **تلک الجماعة الرسل** (کبیر) اہل لطائف نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ انبیاء کے نائبین یعنی اولیاء کاملین کے بھی فرق مدارج کے باب میں عوام کو بحث وگفتگو جائز نہیں، ان کا تقابل وتفاضل عوام کے منصب سے باہر ہے۔ ہاں بجائے خود ان کے مقامات واحوال، واقعات وفضائل ذکر کرنے کا مضائقہ نہیں جیسا کہ یہاں بھی آگے ہو رہا ہے۔ و۹۶۵ (براہ راست اور بلا توسط ملائکہ) جیسا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ ہوا۔ ورنہ ایک معنی میں تو جس نبی پر بھی وحی آئی اللہ کا مکالمہ اس سے ہو ہی گیا۔ **اتفقوا علی ان موسی علیه السلام مراد بقوله تعالی** (کبیر) **وهو موسی علیه السلام** (مدارک) و۹۶۶ (بہت زاید) اشارہ ہے جامع کمالات وخاتم نبوت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف۔ **المراد ببعضهم هنا النبی** ﷺ (روح) **و هو محمد** ﷺ **و هو قول مجاهد** (بحر) **والظاهر انه اراد محمدا** ﷺ (کشاف) زمخشری نے یہاں یہ نکتہ ادب وبلاغت خوب لکھا ہے کہ جہاں شناخت وتعیین میں کوئی دقت ہی نہ ہو وہاں کنایہ وابہام صراحت وتفصیل سے بڑھ کر بلیغ ومؤثر ہوتا ہے۔ و۹۶۷ کہ وہ بھی انہی پیغمبران برحق میں سے تھے۔ ابن مریم یعنی مریم نامی ایک خاتون کے فرزند نہ کہ خدا زادہ یا ابن اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باایں شرف وسروری بہرحال ایک انسانی شکل وصورت اور بشری گوشت وپوست رکھنے والی عورت ہی کی اولاد تھے نہ خدا تھے نہ خدا زادے، الوہیت کا کوئی سا بھی جزو ان میں نہ تھا انہیں خدا کا بیٹا ٹھہرا لینا نری جہالت تھی۔ اور اس کی وضاحت کے لیے ضرورت تھی انہیں صراحت کے ساتھ ابن مریم کہنے کی کہ محض اس نشان دہی اور پتہ ہی سے نصرانیت پر ضرب لگ جائے۔ ورنہ نام تو اور بھی پیمبروں کے لیے گئے ہیں۔ کہیں ابن فلاں کر کے تعارف نہیں کرایا گیا ہے! نہ ابن داؤد نہ ابن ابراہیم۔ نہ ابن اسحٰق نہ ابن یعقوب نہ ابن زکریا نہ ابن عمران علیہم السلام۔ اس طرح کا تعارف صرف ابن مریم ہی کے لیے مخصوص ہے کہ انہیں کے لیے ابن اللہیت کی تردید کی ضرورت تھی۔ و۹۶۸ (ان کی حقانیت اور پیمبری کے) یہاں یہ فرمایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام رسول برحق اور مؤید من اللہ تھے۔ نہ کہ نعوذ باللہ کوئی مفتری یا کذاب۔ جس طرح نصاریٰ نے غلو وافراط سے کام لے کر آپ کو حد عبدیت وعبودیت میں سے باہر نکال رکھا تھا۔ اسی طرح یہود نے تفریط وعناد کو کام میں لا کر آپ کو سرے سے ایک بازیگر اور شعبدہ باز قرار دے لیا تھا۔ قرآن مجید ابھی ابھی نصرانی شرک کی تردید کر چکا ہے، اب یہودی دجل کی تردید کر رہا ہے۔ الْبَيِّنٰتِ۔ بینات کے تحت میں وہ تمام کھلی ہوئی چیزیں شامل ہیں جنہیں دیکھ کر ہر عقل سلیم والا منصف مزاج نبوت عیسوی کا قائل ہو جائے۔ **کلها یدل علی نبوته** (روح) و۹۶۹ کہ وہ قدم قدم پر دشمنوں سے ان کی حفاظت کرتے رہتے تھے۔ رُوْحُ الْقُدُسِ۔ قرآن مجید اور اسلام کی اصطلاح میں اس سے مراد فرشتۂ اعظم حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ نصرانی تثلیث کے اقنوم ثانی سے یہاں کوئی واسطہ نہیں۔ جبرئیل ملکوتی مخلوق ہیں اور بہت مقرب لیکن بہرحال مخلوق ہی ہیں۔ الوہیت کا کوئی شائبہ بھی اپنے اندر نہیں رکھتے۔ اَيَّدْنٰهُ۔ ان کی تائید ہم نے کی جو ہر طرح قادر مطلق ہیں۔ یہ تائید خود بخود نہیں ہو گئی۔ آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام باایں کمالات وفضائل بہرحال انسان ہی تھے اور وہ انسانوں کی طرح دفع ضرر اور حصول نفع دونوں کے محتاج۔ قدرت کاملہ نے ان کی محافظت وتقویت ورفاقت کے لیے ایک دوسری مخلوق، لطیف وغیر مرئی جنس کی مقرر کر دی۔ و۹۷۰ الْبَيِّنٰتُ پر حاشیہ ابھی گزر چکا ہے۔ بینات کا مفہوم بہت وسیع وجامع ہے۔ عقلی وحسی دونوں قسم کے روشن شواہد۔ یعنی ایک طرف دلائل وبراہین اور دوسری طرف خوارق ومعجزات سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی اگر مصالح تکوینی کے اعتبار سے مشیت الٰہی کا اقتضاء یہی ہوتا۔ مِنْۢ بَعْدِهِمْ غیر پیمبروں کی طرف سے یعنی ان پیمبروں کے ظہور کے بعد مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ یہ باہم خونریزی کرنے والے کون لوگ تھے؟ یقیناً پیمبروں کے منکرین اور انکار کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ ظاہری اور صوری تو اقرار ہو اور حقیقی ومعنوی انکار ہی ہو جیسے یہود ونصاریٰ اہل کتاب کا ظاہر میں اقرار اور معنوی انکار۔ دوسرے یہ کہ انکار صورۃً ومعنیً دونوں طرح پر ہو، جیسے مشرکین کا انکار توحید ورسالت میں۔ و۹۷۱ گویا بینات کا تقاضائے طبعی تو یہی تھا کہ ایمان سب کے سب لے آتے لیکن ایک گروہ نے کج روی اور کج رائی سے کام لیا، اور یہ لوگ منکر ہی رہے۔ یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ چونکہ مشیت الٰہی سب کو اضطراراً ایک ہی دین پر جمع کرنے کی نہ ہوئی۔ اور حکمت کاملہ نے اس عالم کو عالم ابتلاء ہی رکھنا چاہا۔ اس لیے خلقت کا باہم مختلف ہونا بھی ناگزیر رہا۔ و۹۷۲ (تو جب یہ اختلاف دینی شروع سے اور انبیاء سابقین کے وقت سے چلا آرہا ہے تو آپ اے پیمبر اپنے زمانہ کے کافروں پر بہت زیادہ رنج وغم نہ کریں۔ اور اپنے کو اس فکر ومشقت میں نہ ڈالیں کہ سب کے سب ایمان لے ہی آئیں) فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ۔ سو جو لوگ ایمان لے آئے وہ تو نجات پا گئے۔ مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ۔ جو لوگ کفر پر قائم رہے وہ سزائے ابدی کے مستحق قرار پائے۔ مَنْ اٰمَنَ اور مَنْ كَفَرَ

ونوں کے صیغوں سے ظاہر ہورہا ہے کہ ایمان اور کفر بندہ کی اپنی اختیاری چیزیں ہیں، خالق کی طرف سے جبر کسی صورت میں نہیں۔ ف۹۷۳ یعنی اگر سب کی خلقت ہی یکساں رکھ دی گئی ہوتی، اور کفر و گمراہی کی
زادی ہی سلب کرلی گئی ہوتی جب البتہ نہ اختلاف ہوتا اور نہ نوبت قتل وقتال کی پہنچتی ف۹۷۴ اَللّٰہَ یَفْعَلُ۔ اللہ وہی کرتا ہے بہ مقتضائے قدرتِ کاملہ۔ مَایُرِیْدُ۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے بہ مقتضائے حکمت بالغہ۔ یعنی نہ
س کی قدرت وقوتِ فاعلہ پر کوئی قیدیں اور حد بندیاں عائد ہیں اور نہ اس کی تجویزوں، ارادوں میں کسی غلطی یا سہو وخطا کا مکان ہے۔ ارسطو جیسے مشہور فلسفی نے خدا کی قدرت وقوت کو محدود مانا ہے۔ اور سہو وخطا کا
مکان تو مشرکوں نے اپنے خداؤں میں کثرت سے تسلیم کیا ہے۔ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ چھوٹی بڑی اچھی بری کوئی سی شے بھی ہو، بہرحال مشیت الٰہی سے باہر نہیں۔ و فی الأیة دلیل علی ان الحوادث
ابعة لمشیة اللہ تعالیٰ خیرًا کانت او شرًا ایمانًا او کفرًا (روح) ف۹۷۵ اللہ کی راہ میں مصارف خیر میں) رَزَقْنٰکُمْ۔ ضمیر متکلم لا کر اور رزق کو اپنی جانب منسوب کر کے صاف بتادیا کہ مالی دولت جو
کچھ بھی بندوں کے پاس ہے خود بخود سے نہیں خدا ہی کا بخشا ہوا عطیہ ہے۔ اسی کی دَین ہے اور اسی کو حق حاصل ہے کہ جن کاموں میں چاہے ان کے صرف کرنے کا حکم دے دے۔ ف۹۷۶ یعنی روزِ قیامت۔
طلب یہ ہے کہ مصارفِ خیر میں صرف کرنے اور نیکیاں جمع کرنے کا موقع جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے۔ وقت کی قدر کرو، فرصت عمر کو نعمت سمجھو۔ ف۹۷۷ (اپنے حق میں) ظُلم کے اصلی معنٰی وضع الشیئ فی

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۬ۚ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَةٌ

اللہ (وہ ہے کہ) کوئی معبود اس کے سوا نہیں ف۹۷۸ وہ زندہ ہے سب کا سنبھالنے والا ہے ف۹۷۹ اسے نہ اونگھ آسکتی ہے

وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ

نہ نیند ف۹۸۰ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ف۹۸۱

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ یَعْلَمُ

کون ایسا ہے جو اس کے سامنے بغیر اس کی اجازت کے سفارش کر سکے ف۹۸۲ وہ جانتا ہے

مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ

جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اس سب کو ف۹۸۳ اور وہ اس کے معلومات میں سے کسی

بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ

چیز کو بھی گھیر نہیں سکتے ف۹۸۴ سوا اس کے کہ جتنا وہ خود چاہے ف۹۸۵ اس کی کرسی نے سمار رکھا ہے ف۹۸۶

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُہٗ حِفْظُھُمَا ۚ وَھُوَ

آسمانوں اور زمین کو اور اس پر ان کی نگرانی ذرا بھی گراں نہیں ف۹۸۷

الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ۙۗ قَدْ تَّبَیَّنَ

اور وہ عالیشان ہے عظیم الشان ہے ف۹۸۸ دین میں کوئی زبردستی نہیں ف۹۸۹ ہدایت تو گمراہی سے

الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ

صاف صاف کھل چکی ہے ف۹۹۰ تو جو کوئی طاغوت سے کفر کرے

وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ

اور اللہ پر ایمان لے آئے اس نے ایک بڑا مضبوط حلقہ

الْوُثْقٰی ۗ لَا انْفِصَامَ لَھَا ؕ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾

تھام لیا ف۹۹۱ جس کے لئے کوئی شکستگی نہیں ف۹۹۲ اور وہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے ف۹۹۳

یر محلہ (کسی شے کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنے) کے ہیں۔ اللہ یا اس کے قانون
کو نہ ماننے سے بڑھ کر کون سا ظلم انسان کا اپنے حق میں ہوگا۔ لَا بَیْعٌ۔ جاہلی اور نیم
جاہلی قوموں کی گمراہیاں ایک سے بڑھ کر ایک عجیب رہی ہیں۔ مشرک قومیں تو سرے
سے روزِ جزا ہی کی قائل نہیں۔ اہل کتاب نے اس کے وقوع کو مانا، تو اس میں بھی یہ
نخیں لگادیں کہ وہاں بھی دنیا کی طرح لین دین ہو سکے گا۔ کوئی کسی سے نیکیاں خرید
لے گا۔ کوئی کسی کے ہاتھ اپنی بدیاں فروخت کردے گا وقس علی ھذا قرآن نے
س ساری لغو خیالی کا خاتمہ کردیا۔ وَلَا خُلَّةٌ۔ خلة گہری جگری دوستی کو کہتے ہیں۔ مقصود
سی دوستی کے نافع ہونے کا ابطال ہے جو ایمان کے بغیر کام دے سکے اور کفر کے مجرم
کو نجات دلا سکے۔ اہل کتاب نے سمجھ رکھا تھا کہ یہاں کی نسبی رشتہ داریوں اور ذاتی
انگی دوستیوں سے وہاں کام چل جائے گا۔ جب گہری اور دلی دوستی کے نافع ہونے
کی نفی ہوگئی۔ تو محض زبانی رسمی ظاہری تعلق کا لاحاصل ہونا تو اور زیادہ ظاہر ہے۔ وَلَا
شَفَاعَةٌ۔ پہلی دو گمراہیوں کا بھی تعلق مسیحیوں سے تھا اور یہ تیسری گمراہی تو مسیحیت
کے خصوصیات میں سے ہے۔ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ ابن اللہ کی حیثیت شافع مطلق
کی ہے۔ انسان کے قالب میں انہوں نے اسی لیے تو جنم لیا تھا کہ اپنی جان کا فدیہ
سب گنہگاروں کی طرف سے دے کر اور سب کی طرف سے صلیب پر اپنے خون کا
بڑھاوا چڑھا کر قیامت میں شافع مطلق کی حیثیت سے ظاہر ونمودار ہوں اور ان کی
شفاعت سب کے حق میں نجات کا حکم قطعی رکھے گی۔ ہمارے ہاں کے عام واعظوں
اور نعت گو شاعروں نے شفاعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حد سے زیادہ زور دینا شروع کیا
ہے یہ صاف مسیحیت سے تاثر کا نتیجہ ہے الْکٰفِرُوْنَ۔ یہاں وہی کافر مراد ہیں جو اسی
سم کے عقائد کفریہ میں مبتلا ہیں۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت سے بخل کی مذمت
نکلتی ہے جو لوگ ضروری مصارفِ خیر میں خرچ نہیں کرتے، وہ اپنے کو اہل کفر اور اہل
جہنم کے حکم میں لا رہے ہیں۔ ف۹۷۸ (نہ بڑا نہ چھوٹا، نہ اصلی نہ ظلی، نہ خدا نہ خدا
زادہ) خدا کے نفس وجود کے قائل تو جاہلی مذاہب بھی ہوئے ہیں، البتہ وہ اس معبودِ
اعظم (ہندوؤں کی اصطلاح میں ایشور) کے علاوہ تحتانی معبودوں اور دیوتاؤں کے
بھی قائل رہے ہیں۔ یہ تعلیم اسلام ہی کی ہے کہ اس ایک خدا کے سوا کسی اور خدا کا
سرے سے وجود ہی نہیں۔ یہ نہیں کہ وہ تو معبودِ اعظم ہے باقی چھوٹے چھوٹے معبود
اور بھی موجود ہیں۔ عیسائی بھی چونکہ شرک میں مبتلا ہو چکے تھے اس لیے ان کے مقابلہ
میں بھی توحید کامل کے اثبات اور پھر غیر اللہ کی الوہیت کی نفی کی اس قدر ضرورت
تھی۔ یہ آیت اٰیة الکرسی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی برکتوں اور فضیلتوں سے
شاید ہی کوئی مسلمان ناواقف ہو۔ احادیث میں اس کے فضائل بہ کثرت وارد ہوئے
ہیں۔ اس کی معنویت اور جامعیت بے بھی اتنی نمایاں اور اس درجہ کی۔ اپنے تو خیر

اپنے ہی ہیں، بیگانے جیسے سیل مترجم قرآن مجید اور میور اور وہیری جیسے معاندین نے بھی بے ساختہ اس کی داد دی ہے۔ ف۹۷۹ اَلْحَیُّ۔ وہ مستقلاً زندہ ہے وہ ازلی اور ابدی ہے صفت حیات اس کی جزو ذات ہے۔
موت یا عدم حیات اس پر نہ پہلے کبھی طاری ہوئی اور نہ آئندہ کبھی طاری ہو سکتی ہیں۔ تو کیا کوئی قوم ایسی بھی ہوئی ہے جس نے اپنے معبود کی اس کھلی ہوئی اور موٹی صفت میں بھی شبہ کیا ہو --- ایک نہیں متعدد قوموں
نے شک واشتباہ کیا۔ معنًی انکار تک اس صفت کا کیا ہے! بحرروم کے ساحل پر متعدد قومیں اس عقیدہ کی گزری ہیں کہ ہر سال فلاں تاریخ پر ان کا خدا وفات پا جاتا ہے، اور دوسرے دن از سر نو وجود میں آجاتا ہے! چنانچہ
ہر سال اس تاریخ کو خدا یا بعل کا پتلا بنا کر جلایا جاتا تھا اور دوسری صبح اس کے جنم کی خوشی میں رنگ رلیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ ہندوؤں کے ہاں اوتاروں کا مرنا اور پھر جنم لینا اسی عقیدہ کی مثالیں ہیں --- اور خود مسیحیوں
کا عقیدہ بجز اس کے اور کیا ہے کہ خدا پہلے تو انسانی شکل اختیار کر کے دنیا میں آتا ہے اور پھر صلیب پر جا کر موت قبول کر لیتا ہے! مسلمان کے گھرانے میں پیدا ہونے والے بچے شروع ہی سے ایک ازلی ابدی باقی و
غیر فانی خدا کے عقیدہ سے چونکہ مانوس ہو جاتے ہیں۔ بڑے ہو کر ان کے خیال ہی میں یہ بات نہیں آتی کہ خدا کبھی اور کسی حال میں کسی معنٰی میں اور کسی لحاظ سے حادث وفنا پذیر بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن آخر آج بھی

متعلق بھی عجیب گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جس طرح بیٹا بغیر باپ کی شرکت و آمیزش کے خدا نہیں اسی طرح باپ پر بھی بغیر بیٹے کو شریک کیے خدا کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ گویا جس طرح نعوذ باللہ مسیح ابن اللہ خدا کے محتاج ہیں اسی طرح خدا بھی اپنی خدائی کے اثبات کے لیے مسیح کا محتاج ہے — صفت قیومیت کا اثبات کر کے قرآن نے اسی مسیحی عقیدہ پر ضرب لگائی ہے۔ قیوم وہ ہے جو نہ صرف اپنی ذات سے قائم ہے بلکہ دوسروں کے بھی قیام کا سبب وباعث ہے اور سب کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کے سب محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ القیوم القائم الحافظ لکل شی والمعطی له ما به قوامه (راغب) به القائم بنفسه مطلقا لابغیره و هو مع ذٰلک یقوم به کل موجود حتی لایتصور وجود شیء ولا دوام وجود الا به (تاج) ائمہ تفسیر نے بھی اسی معنٰی میں لیا ہے القیم لغیرہ فجمیع الموجودات مفتقرة الیه وهو غنی عنها ولا قوام لها بدون امره (ابن کثیر) **و۹۸۰** (جیسا کہ مشرک قوموں نے سمجھ لیا ہے) جاہلی مذہبوں کے دیوتا نیند سے جھوم بھی جاتے ہیں اور سونے بھی لگتے ہیں اور اسی غفلت کی حالت میں ان سے طرح طرح کی فروگزاشتیں ہو جاتی ہیں۔ مسیحیوں اور یہود کا بھی عقیدہ یہ ہے کہ حق تعالٰی نے جب چھ روز میں آسمانوں اور زمین کو بنا ڈالا تو ساتویں دن اسے ستانے اور آرام لینے کی ضرورت پڑ گئی۔ اسلام کا خدا دائم، بیدار، ہمہ خبردار، غفلت، سستی اور تھکن سب سے ماوراء خدا ہے۔ **و۹۸۱** لہٗ کو مقدم کر دینے سے معنٰی میں زور اور تاکید آ گئی اور مفہوم حصر کا پیدا ہو گیا، یعنی ساری کائنات کی ملکیت اور مالکیت صرف اسی کی ہے۔ کوئی اس صفت میں اس کا شریک نہیں۔ اور اس کی ملک سے مخلوق کا کوئی گوشہ کوئی شعبہ خارج نہیں۔ مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو کائنات کا مالک مانا بھی ہے تو اندھے، لولے، لنگڑے ناقص قسم کا۔ اسلام نے آ کر اس پر زور دیا کہ صحیح رشتہ وتعلق خالق کا مخلوق کے ساتھ ملکیت کامل ہی کا ہے۔ لہٗ میں ل متفقہ طور پر ملک کے معنٰی میں ہے۔ واللام للملک (بحر۔ نہر) **و۹۸۲** مَنْ ذَا الَّذِیْ کون ایسا ہے؟ استفہام انکاری ہے، یعنی کوئی ایسا نہیں۔ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ۔ شفاعت پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔ مسیح کی شفاعت کبرٰی مسیحیوں کا ایک عقیدۂ خصوصی ہے۔ مسیح کے لیے ان کے ہاں بالاستقلال شفاعت ہی ثابت نہیں، بلکہ تخلیق کائنات بھی خدا نے (نعوذ باللہ) اپنے اسی فرزند کے واسطہ سے کیا ہے۔ قرآن مجید مسیحیوں سے مخاطبہ کے وقت ان کے مخصوص مرکزی عقائد کفارہ وشفاعت وغیرہ پر برابر ضرب لگاتا جاتا ہے۔ بِاِذْنِہٖ یہ تصریح بھی بہت ضروری تھی۔ مسیحیوں نے جہاں نجات کا دارومدار شفاعت پر رکھا ہے وہاں کے برعکس بعض مشرک قوموں نے خدا کو قانونِ مکافات (ہندی میں کرم) کے ضابطوں سے ایسا جکڑا ہوا سمجھ لیا ہے کہ اس کے لیے معافی کی اور اس کے ہاں شفاعت کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی ہے۔ اسلام نے توسط واعتدال کی شاہراہ اختیار کر کے بتایا کہ نجات کا مدار ہرگز کسی کی شفاعت پر نہیں، البتہ خدا نے اس کی گنجائش رکھی ہے اور اپنی اجازت کے بعد مقبول بندوں کو دوسروں کی شفاعت کا (جو درحقیقت دعا ہی کی ایک صورت ہے) موقع دے گا اور ان کی دعائیں قبول کرے گا۔ اور مقبولین کے سب سے بڑے رئیس وسردار ہمارے رسول کریم ﷺ ہیں۔ **و۹۸۳** یعنی حاضر وغائب محسوس ومعقول مدرک وغیر مدرک سب کا علم اسے پورا پورا حاصل ہے۔ ماکان قبلهم وماکان بعدهم (کشاف) نام یہاں آگے اور پیچھے صرف دو ہی سمتوں کا لیا گیا ہے لیکن مراد جمیع جہات ہیں اور یہ کنایہ عربی زبان میں عام ہے۔ هٰذا کنایة عن احاطة علمه تعالٰی بسائر المخلوقات من جمیع الجهات۔ اَیْدِیْهِمْ اور خَلْفَهُمْ میں ضمیر جمع غائب یا تو من ذا کے مدلول کی جانب ہے جس میں انبیاء وملائکہ سب آ گئے اور یا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی جانب ہے اور ضمیر مذکر اس لیے کہ مراد زمین وآسمان کے اہل عقل سے ہے) والضمیر لما فی السموات والارض لان فیهم العقلاء او لمادل علیه من ذا من الملائکة والانبیآء (کشاف) صفاتِ باری میں حیات کا قیومیت کا، مالکیت کا اثبات اوپر ہو چکا ہے۔ اب یہاں اس حقیقت کا ہو رہا ہے کہ حق تعالٰی کی صفت علم بھی کامل ہے۔ سعی وسفارش کا ایک موقع دنیا میں یہ بھی ہوتا ہے کہ جس حاکم یا مالک کے سامنے مقدمہ درپیش ہو اس کا علم محیط وکامل نہیں اس لیے ضرورت ہے کہ خارجی ذرائع سے اس کے معلومات میں اضافہ کیا جائے اور اس کے علم کو کامل کر دیا جائے۔ یہاں یہ بتلا کر کہ اللہ کا علم خود ہر خفی وجلی پر حاوی ہے۔ گویا یہ بتا دیا کہ اس کے علم پر کسی کے اضافہ کرنے اس کے آگے کسی کی خوبیاں بتلانے اسے کسی نامعلوم شے پر آگاہ کرنے کے کوئی معنٰی ہی نہیں۔ اور اس طرح مسیحی عقیدۂ شفاعت پر ایک اور ضرب لگی — **و۹۸۴** کون نہیں گھیر سکتے؟ وہی مخلوقات جن میں پیر، پیمبر، فرشتہ سب شامل ہیں مِنْ عِلْمِہٖ۔ میں علم سے مراد معلومات الٰہی سے ہے۔ ای من معلوماته (کشاف) العلم هنا المعلوم (بحر) بڑے سے بڑے صاحب علم ومعرفت کے بھی بس میں یہ نہیں کہ معلوماتِ الٰہی میں سے کسی ایک ہی چیز کی کنہ وحقیقت سے پوری طرح واقف ہو جائے۔ محدود ولامحدود کے علم کا مقابلہ ہی کیا۔ **و۹۸۵** (اپنی حکمت ومصلحت کے موافق) یہاں اسی حقیقت کا بیان ہے کہ بندہ بڑے سے بڑا بھی عالم وعارف ہو، بہرحال اس کا علم محدود ہوتا ہے اور عین مشیت الٰہی کے ماتحت ومطابق۔ **و۹۸۶** (تو وہ خود بڑی سے بڑی چیز میں کیسے سما سکتا ہے) اس کی کرسیٔ علم وقدرت تو خود سارے کائنات پر محیط ہے اس کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے تو آسمان پر، عرش پر، کسی وسیع سے وسیع چیز کے بھی اندر کیسے سما سکتا ہے؟ وہ سب کو گھیرے ہوئے ہے، اسے کون گھیر سکتا ہے۔ اس صفت کے اثبات سے ان مشرکوں کے بھی عقیدہ کی تردید ہو گئی جو خدائے تعالٰی کے مجسم ہونے اور کسی مکان میں اس کے محدود ومقید ہونے کے قائل ہیں۔ کرسی سے مراد علم الٰہی لی گئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے یہی معنٰی منقول ہیں اور متعدد اہل تفسیر نے اس کی پیروی کی ہے۔ کرسیه ای علمه (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قیل مجاز عن العلم (روح) الکرسی هو العلم (کبیر) ای علمه و منه الکراسة لتضمنها العلم (مدارک) ای وسع علمه وسمی العلم کرسیا تسمیة بمکان الذی به کرسی العالم (کشاف) کرسی کے عام متعارف معنٰی وہی ہیں جو اردو ہی میں چلے ہوئے ہیں۔ لیکن حق تعالٰی کے سلسلہ میں کہیں وہ معنٰی تھوڑے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ کیا نعوذ باللہ اللہ تعالٰی بھی کوئی جسم رکھتا ہے جو وہ اس عام معنٰی میں کرسی نشین ہو گا۔ ولا کرسی فی الحقیقة ولا قاعد (بیضاوی) کرسی کے اصلی معنٰی علم ہی کے ہیں اور کراسة جو علمی صحیفوں کے لیے آتا ہے وہ اسی اصل سے ماخوذ ہے اور اہل لغت نے کرسی کے جہاں ایک معنٰی سریر کے کیے ہیں، وہاں دوسرے معنٰی علم کے کیے ہیں۔ الکرسی السریر والعلم (قاموس) اصل الکرسی العلم و منه قیل للصحیفة یکون فیها علم مکتوب کراسة (ابن جریر) کرسی کے دوسرے معنٰی قدرت وحکومت کے بھی ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی بہتیرے اہل لغت واہل تفسیر اسی طرف گئے ہیں۔ الکرسی السریر (قاموس) و قیل کرسیه ملکه (راغب) المراد من الکرسی السلطان والقدرة والملک (کبیر) قیل کرسیه ملکه و سلطانه والعرب تسمی الملک القدیم کرسیا (معالم) قال قوم کرسیه قدرته التی یمسک السمٰوٰت والارض (کشاف) ای وسع ملکه تسمیة بمکانه الذی هو کرسی الملک (کشاف) غرض یہ کہ اس کی کرسی علم ہو یا کرسی حکومت وہ جمیع کائنات کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ بڑی چھوٹی، لطیف کثیف، جلی خفی، ہر چیز اس پر عیاں وروشن ہے۔ **و۹۸۷** (کہ اس سے تھک کر اسے کسی شریک یا مددگار کی ضرورت پڑے) مشرک قوموں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ اتنے وسیع اور لق ودق سلسلۂ موجودات کی نگرانی تنہا خدا کہاں تک کر سکتا ہے۔ اس لیے نعوذ باللہ وہ کبھی غافل بھی ہو جاتا ہے اور یہ کاروبار سنبھالنے کے لیے اسے ضرورت شریکوں اور مددگاروں کی بھی پڑ گئی ہے۔ خود یہود اور مسیحیوں کا عقیدہ خدا کے ستانے اور آرام لینے کے باب میں بھی اسی تخیل کی طرف مشیر ہے۔ حِفْظُهُمَا میں تثنیہ کے صیغہ سے مراد ہے ایک طرف سلسلۂ سمٰوٰت اور دوسری طرف زمین اور اسی لیے قرآن مجید نے ہر ایسے موقع پر صیغہ بجائے جمع کے تثنیہ کا استعمال کیا ہے۔ **و۹۸۸** یعنی ایک طرف ہر نقص سے ماوراء اور ہر عیب سے بالاتر۔ دوسری طرف تمام صفاتِ کمال کا جامع۔ علی اور عظیم دو دو صفتوں کا لانا معنٰی سے خالی اور بےکار نہیں۔ علو کا حاصل ہے تمام صفاتِ نقص کی نفی، سارے عوارضِ حدوث سے برتری۔ لا یحدّ المتعالی عن الاشباه و الانداد والامثال والاضداد و عن امارات النقص و دلالات الحدوث (روح) العلی الرفیع فوق خلقه المتعالی عن الاشباه والانداد (بحر) اور عظمت کا حاصل ہے تمام صفاتِ کمال کا اثبات اور ایسی ذات کا ایجاب نہ جس کے مرتبہ کی انتہا ہو اور نہ جس کی کنہ دریافت ہو سکے۔ ای ذوالعظمة و کل شیٔ بالاضافة الیه حقیرا (روح) العظیم الذی لا منتهٰی لعظمته ولا یتصور کنه ذاته (روح) العظیم ذوالعظمة الذی کل شیٔ دونه فلاشیٔ اعظم منه (بحر) گویا ان دو صفات کے اندر عظمت وکمال کے سلبی وایجابی پہلو سارے کے سارے آ گئے۔ اور ہر اس

ضلالت کی تردید ہوگئی جو شرک فی الصفات سے پیدا ہوسکتی ہے۔ و۹۸۹ دین کا تعلق اصلاً عقیدۂ قلب سے ہے اور قلب پر جبر و اکراہ کی گنجائش ہی نہیں۔ اسی لیے گویا یہاں اس حقیقت کا اعلان ہے کہ ایمان کا تعلق اپنے ارادہ و اختیار سے ہے جبر و اضطرار پر نہیں۔ اے لم یجر اللہ امر الایمان علی الاجبار و القسر ولکن علی التمکین والاختیار (کشاف) ولولا ذٰلک لما حصل الابتلاء ولبطل الامتحان والی ذٰلک ذھب القفال (روح) قال ابو مسلم والقفال معناہ انہ ما بنٰی تعالٰی امر الایمان علی الاجبار والقسر وانما بناہ علی التمکین والاختیار (بحر) جزیہ کو کم فہموں نے اسلام میں جبر کی اصل سمجھا ہے حالانکہ اگر ذرا غور کریں تو معلوم ہوجائے کہ جزیہ کی مشروعیت عین اس کے برعکس خود اس کی دلیل ہے کہ مقصود اصلی قانونِ اسلام حکومت اسلام کو غالب رکھنا ہے نہ کہ فرداً فرداً ہر کافر کو بہ جبر مسلم بنانا۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اکراہ کی نفی سے مقصود اکراہ فی نفسہٖ کی نفی ہے۔ اس لیے کہ اگر مرتد پر یا کافر حربی پر بوجہ خفائے دلیل کے اکراہ کیا جائے جیسا شریعت میں حکم ہے تو یہ نفی اکراہ فی نفسہٖ کے معارض نہیں اور یہ اکراہ بھی صورتِ دین پر ہوگا۔ نہ کہ حقیقت دین پر، کیونکہ قلب پر اطلاع کا کوئی یقینی طریق نہیں اور اس نفی اکراہ سے نہی عن الاکراہ بھی لازم آگئی۔ اس لیے بعض نے نہی کے ساتھ اس کی تفسیر کی ہے یعنی دین میں اکراہ مت کرو۔ ای ھومن وضوح الدلائل والحجج بحیث لایکون فیہ اکراہ بل یجب الدخول فیہ بانشراح صدر و اختیار (نہر) الدِّیْنِ۔ دین سے مراد مطلق دین نہیں۔ دین اسلام ہے۔ والدین ھنا ملّۃ الاسلام واعتقادہٗ (بحر) و۹۹۰ اور دلائل و شواہد نے دونوں کے درمیان علانیہ امتیاز پیدا کردیا ہے۔ الرُّشْدُ یعنی راہِ اسلام۔ الْغَیِّ۔ یعنی طریق کفر۔ یعنی اب تو کفر و اسلام کے درمیان بہت کھلے ہوئے فرق اور امتیازات پیدا ہوچکے ہیں۔ اب کسی پر خفا و التباس کی کوئی وجہ نہیں! و۹۹۱ یعنی جس نے دین اسلام قبول کرلیا اور جو باطل کی پیروی سے باز آگیا اُسے دنیا و آخرت میں ایک بڑا زبردست سہارا ہاتھ آگیا۔ الطَّاغُوْتِ۔ طاغوت۔ کا صحیح ترجمہ مشکل ہی ہے۔ اُردو میں اس کے لیے قریب ترین لفظ شیطان کا ہوسکتا ہے۔ اپنے عام و وسیع معنٰی میں عربی میں اس کا اطلاق ہر معبود باطل اور ہر سرکش پر ہوتا ہے۔ قال ابو اسحٰق کل معبود من دون اللہ جبتٌ و طاغوتٌ (لسان) الطاغوت عبارۃ عن کل معتد و معبود من دون اللہ (راغب) مالک بن انس اور بعض اور اہل تفسیر بھی اسی عموم کی طرف گئے ہیں۔ قال مالک ابن انس کل ماعبد من دون اللہ تعالٰی (روح) مردۃ من الجن والانس و کل مایطغٰی (کبیر) ماعبد من دون اللہ تعالٰی قالہ الطبری (بحر) و۹۹۲ (نہ دنیا میں نہ آخرت میں)۔ بندہ کا فاطر کائنات سے صحیح و نظری تعلق ہی کا نام دین اسلام ہے۔ یہ وہ زبردست سہارا ہے جس کے ہاتھ لگ جانے کے بعد زندگی کا ہر مرحلہ آسان ہوجاتا ہے اور ہر عقدہ کا حل مل جاتا ہے اور اس کے نتیجہ کے طور پر آخرت کی بھی منزلیں آسان رہتی ہیں۔ اس ایک سہارے کے سوا باقی سارے سہارے ناقص، کمزور اور بودے ہیں۔ بعض محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ عروۃ الوثقٰی نسبت مع اللہ ہے۔ وہ حاصل ہوجانے کے بعد منقطع نہیں ہوتی۔ و۹۹۳ سَمِیْعٌ سننے والا الفاظ کا اور اقوال کا۔ عَلِیْمٌ جاننے والا احوال کا اور اعمال کا۔ یعنی اللہ کو ظاہر و باطن، کلی، جزئی ہر قسم کا علم و اطلاع ہے — اللہ کی باخبری اور ہمہ علمی مسلمانوں کو ایک معمولی اور موٹی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن جاہلی قوموں میں ایک دو نہیں کثرت سے ایسی ہیں جو حق تعالٰی کی صفت علم میں بھی شبہ کر چکی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض جاہلی فلاسفہ یہ بھی کہہ گزرے ہیں کہ خدا کو علم صرف کلیات کا ہے جزئیات کا نہیں ہوتا۔ کلام مجید کی اس قسم کی آیتوں کی پوری قدر جبھی ہوتی ہے، جب دنیا کی جاہلی قوموں کے عقائد باطلہ پر نظر ہو......! و۹۹۴ وَلِیُّ۔ ولی کا ترجمہ بھی کسی ایک لفظ سے مشکل ہی ہے۔ رفیق، دوست، پشت پناہ، سرپرست سب کے مفہوم اس میں شامل ہیں۔ اور اہل تفسیر سے یہ سب معنٰی منقول ہیں۔ محبھم ومتولی امورھم (بیضاوی) نصیرھم و ظھیرھم یتولاھم بعونہٖ (ابن جریر) الولی المتکفل بالمصالح (کبیر) معینھم و محبھم او متولی امورھم (روح) اہل ایمان کے بگڑے کام بنانے والا۔ آڑے وقت ان کے کام آنے والا اللہ ہی ہے نہ کہ ابن اللہ یا کوئی دیوی دیوتا — مسیحیوں اور مشرکوں کا یہاں بھی کیا گیا۔ بعض صوفیہ نے آیت سے ولایت عامہ کے اثبات پر استدلال کیا ہے، و۹۹۵ (اور یہی مومنین کے حق میں سب سے بڑی اور کارآمد نصرت و پشت پناہی ہے) الظُّلُمٰتِ سے مراد کفر، انواع کفر اور متعلقات و ملحقاتِ کفر ہیں۔ مثلاً شک و ارتیاب شہوت ممنوع میں غلو وغیرہا۔ النُّوْرِ سے مراد ایمان و انوار ایمان ہیں۔ عقل سلیم و ذوق شوق وغیرہا۔ کفر و ظلمات کی قسمیں بے شمار ہیں اس لیے ظلمات کو صیغۂ جمع میں لائے۔ انواع کفر و اسبابِ کفر بہت زائد ہیں۔ دو نقطوں کے درمیان منحنی یا ٹیڑھے خط بے شمار ہوسکتے ہیں۔ سیدھا خط ایک ہی ہوسکتا ہے۔ راہِ راست ایک ہی ہے اس لیے النُّوْرِ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آیا ہے صیغۂ واحد ہی میں آیا ہے۔ و۹۹۶ (ترغیب، تحریص و تخویف کے ہر ممکن حربہ سے کام لے کر) طاغوت پر حاشیہ اُوپر گزر چکا ہے۔ اس کا اطلاق واحد جمع دونوں پر ہوتا ہے۔ یہاں معنٰی میں جمع ہی مراد ہے۔ اور جب فضا ہی ساری کی ساری ظلماتی ہو تو ظاہر ہے کہ شیطنت اور بدی کے محرکات کتنے بڑھ جاتے اور ایمان و تقوٰی کے محرکات کتنے گھٹ جاتے ہیں۔ شیطان بدی کے چہرہ پر طرح طرح کے خوشنما نقاب ڈال، اس کے نام طرح طرح کے خوبصورت رکھ اُسے سامنے لانے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ جو اہل ایمان، اہل تقوٰی ہیں وہی نکو بن کر رہ جاتے ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی ؎

مغوی کو بھی بد نہ کہیے ترغیب ہے یہ کس سے میں کہوں کہ دل کی تخریب ہے یہ
شیطان کو رجیم کہہ دیا تھا اک دن اک شور مچا خلاف تہذیب ہے یہ

و۹۹۷ (کہ انہوں نے اپنی قوتِ فیصلہ سے کام نہ لے کر راہِ کفر و ضلالت اختیار کی) و۹۹۸ (اے مخاطب) اَلَمْ تَرَ اِلَی۔ عربی ادب میں یہ اسلوب بیان حیرت و استعجاب کے موقع کے لیے ہے اور وہ بھی پہلوئے ذم لیے ہوئے۔ جب کبھی کسی کے کسی حیرت انگیز نقص یا عیب کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے تو اُسے شروع اس طریقہ پر کرتے ہیں جیسے اُردو میں "کہیے کہ تم نے فلاں کی حرکت دیکھی ہے؟" وکذٰلک تفعل العرب اذا ارادت التعجب من رجل فی بعض ما انکرت من فعلہ قالوا ما تری الی ھٰذا (ابن جریر) ھی کلمۃ یوقف بھا المخاطب علی تعجب ھنا و لفظھا لفظ الاستفھام (کبیر) و۹۹۹ (منکر و مخالف کی حیثیت سے) یہ بحث و مناظرہ کرنے والا کون تھا؟ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی معاصر بادشاہ تھا۔ یہ تصریحات تو قرآن مجید بلکہ اس آیت کے اندر موجود ہیں۔ مفسرین نے اس موقع پر نمرود کا نام لیا ہے اور چونکہ اس خاص قصہ کا ذکر اہل کتاب کی کتاب میں موجود نہیں اس لیے وہ اس روایت ہی کے ماننے میں تامل کر رہے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید توریت کی اس طرح کی خدا جانے کتنی فروگزاشتوں کی تصحیح کرتا گیا ہے۔ اتنا تو بہرحال تاریخ توریت اور روایات یہود میں تسلیم ہے کہ نمرود نامی بادشاہ کا وجود تھا۔ بادشاہ بہت بڑا تھا اور ساتھ ہی سخت ظالم اور مشرک اور آزر اس کا وزیر تھا۔ توریت میں ہے:۔ "اور کوش سے نمرود پیدا ہوا زمین پر جبار ہونے لگا۔ خداوند کے سامنے وہ صیاد و جبار تھا۔ اسی واسطے مثل ہوئی کہ خداوند کے سامنے نمرود سا صیاد و جبار (پیدائش ۱۰۔ ۹۸۰) اور کوش سے نمرود پیدا ہوا وہ زمین پر جبار ہونے لگا (۱۔ تواریخ ۱۰۔ ۶۰) اور حسب روایاتِ یہود، یہ نمرود اپنے قبیلہ والوں کی مختصر فوج سے آل یافث کو شکست دینے کے بعد زمین کا بادشاہ ہوگیا۔ اور آزر کو اس نے اپنا وزیر بنایا۔ اس کے بعد اپنی عظمت کے نشہ میں نمرود خدا سے بیگانہ ہوگیا۔ اور بہت سخت قسم کا مشرک ہوگیا"۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۹ صفحہ ۳۰۹۔ بابل (کلدانیہ) ہی کی تاریخ میں ایک اور بادشاہ کا نام آتا ہے جو بابل کا سب سے پہلا انسانی خدا تھا۔ بعض مؤرخین نے اسے نمرود کا مرادف قرار دیا ہے (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۶ نمبر ۳۴۶) انیسویں صدی عیسوی کے ثلثِ آخر میں فرنگی مادّیت و عقل پرستی اور اس کی تقلید میں ہندوستانی "روشن خیالی" اور "نیچریت" کا شدید تقاضا یہ تھا کہ ان قصوں ہی سے سرے سے انکار کردیا جائے لیکن جوں جوں خود فرنگی مؤرخین کے قدم آگے بڑھتے گئے یہ تشکیک و بے اعتقادی بھی ضعیف ہوتی چلی گئی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے سب سے آخری یعنی چودھویں ایڈیشن میں اعتراف ہے، کہ نصف صدی پیشتر ان قصوں کو جیسا بے اصل و نامعتبر سمجھ لیا گیا تھا وہ خیال اب مزید تحقیق سے قائم نہیں رہا۔ یہاں تک کہ نمرود کے ساتھ مناظرۂ ابراہیمی علیہ السلام کا قصہ بھی (جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۵) رَبِّہٖ میں ضمیر ابراہیم کی طرف ہے لیکن بعض نے الَّذِیْ حَآجَّ کی جانب بھی جائز رکھی ہے۔ اور اس صورت میں ترجمہ ہوگا اپنے رب کے باب میں۔ والضمیر یحتمل ان یعود الی ابراھیم و یحتمل ان یرجع الی الطاعن والاول اظھر (کبیر) بہرحال قابل لحاظ لفظ یہاں رب ہے گفتگو "رب" کے بارہ میں تھی۔ "اللہ" کے بارہ میں نہ تھی۔ مسئلہ ربوبیت میں تھی، باب الوہیت میں نہ تھی و۱۰۰۰ یعنی اُسے وسعت سلطنت ہی نے اتنا دلیر، سرکش اور

برخود غلط بنا رکھا تھا۔ روایات یہود میں یہاں تک تصریح ملتی ہے کہ وہ اپنی تعظیم بلکہ پرستش خدا ہی کی طرح کراتا تھا اور اپنے لیے اُس نے ایک عرشِ الٰہی تیار کرایا تھا جس پر اجلاس کیا کرتا تھا (ملاحظہ ہو گینز ہوگ Ginzhug کی حکایاتِ یہود. Legends of the Jews جلد اوّل صفحہ ۱۷۸) اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ میں ان سببیہ ہے لان کے معنی میں ای ابطره ایتاء الملک و حمله علی المحاجة (بیضاوی) کلدانیوں کا ملکی اور قومی مذہب خوب خیال رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں اصلاً شمس پرستی تھا۔ یعنی سورج دیوتا کی پوجا اور یہی سب دیوتاؤں کے سردار تھے۔ نمرود کلدانی فرعون مصری کی طرح اپنے کو اسی خدائے اعظم کا مظہر یا بروز یا اوتار سمجھتا تھا۔ اور اہل توحید کو اپنے ملک کا غدار و باغی اور اپنے مذہب کا دشمن اور منکر قرار دیتا تھا۔ رفتہ رفتہ اہل توحید کے خدائے واحد سے بھی جلنے لگا تھا جوزیفس یہود کا مؤرخ قدیم اپنی تاریخ آثار یہود میں لکھتا ہے:۔ ”وہ لوگوں کی خوشحالی کو خدا کی جانب نسبت دینے سے روکنے لگا۔ گویا کہ وہ خود قادر علی الاطلاق ہے۔ وہ کہتا تھا کہ اگر اب کی خدا نے طوفانِ نوح علیہ السلام کی طرح دنیا کو ڈبویا تو میں اُس سے انتقام لوں گا“۔ (باب اول۔ ۲:۴) **ف۱۰۰۱** (آپ کے اس سوال کے جواب میں کہ وہ کونسا خدا ہے جس کے تم پرستار ہو؟) نمرود تو مدعی اپنے خدا ہونے اور مظہر خدا ہونے کا تھا۔ اُس نے داعیٔ توحید کو چیلنج دے کر پوچھا کہ وہ کونسا خدا ہے جس کی تم دعوت دے رہے ہو؟ ذرا میں تو اس کے اوصاف سنوں۔ مشرک افراد آج بھی بڑی حیرت اور بڑے

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ

اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو ایمان لائے **ف۹۹۴** اور انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف

اِلَى النُّوْرِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ

نکال کر لاتا ہے **ف۹۹۵** اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں

يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

جو انہیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں **ف۹۹۶** یہی لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ اَلَمْ تَرَ

اہل دوزخ ہیں اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے **ف۹۹۷** کیا تو نے اس شخص کے حال پر

اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰھٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ

نظر نہیں کی **ف۹۹۸** جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں مباحثہ کیا تھا، **ف۹۹۹** اس سبب سے کہ اللہ نے

الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُـحْيٖ

اسے بادشاہت دے رکھی تھی **ف۱۰۰۰** جبکہ ابراہیم نے اس سے کہا کہ میرا رب **ف۱۰۰۱** تو وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے

وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰھٖمُ

اور موت دیتا ہے **ف۱۰۰۲** وہ بولا کہ زندگی اور موت تو میں دیتا ہوں ف ابراہیم نے کہا

فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ

اچھا اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے

بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ

تو اسے مغرب سے نکال دکھا **ف۱۰۰۳** اس پر وہ جو کافر تھا دنگ رہ گیا **ف۱۰۰۴** اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾ۚ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ

ظالم لوگوں کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا **ف۱۰۰۵** یا (پھر) اس شخص (کے حال پر نظر کی) **ف۱۰۰۶**

اچنبھے کے ساتھ پوچھا کرتے ہیں کہ ہمارے فلاں فلاں دیوتا اور فلاں فلاں دیوی کے علاوہ اور ان سے ماوراء آخر خدا ہے کونسا؟ کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ اس کے افعال و صفات کیا ہیں؟ **ف۱۰۰۲** یعنی حیات و موت کی ساری قوتیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی سارے نظام ربوبیت کا سرچشمہ ہے۔ کائناتِ حیاتی کی بقاو فنا کے سارے قانون اور ضابطے آخر میں اسی پر جا کر ٹھہرتے ہیں۔ کسی بندہ میں یہ طاقت نہیں کہ اس نظامِ حیاتی و افنائی کو بدل دے یا اس میں کوئی ادنیٰ تصرف بھی کر دکھائے۔ فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ آیت سے مداہنت کا ابطال ہو رہا ہے۔ محققین صوفیہ نے محاجۂ ابراہیمی سے یہ استنباط کیا ہے کہ ضرورتِ دین کے وقت بحث و مناظرہ ہرگز تجرید و تفرید کے منافی نہیں۔ خصوصاً کامل کے لیے۔ اور علم کلام کا سنت انبیاء میں سے ہونا تو بیان سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے۔ وهذه الاٰية تدل على صحة المحاجة فى الدين واستعمال حجج العقول والاستدلال بدلائل الله تعالىٰ علىٰ توحيده وصفاته الحسنىٰ (جصاص) اور ایک محقق نے یہ نکتہ بھی خوب نکالا ہے کہ حضرات انبیاء توحید باری میں صرف افعالِ حق سے استدلال کرتے تھے اور ایسی صفات کو پیش نہ کرتے جن سے مذہب تشبیہ و تجسم کے لیے گنجائش نکل سکے۔ تدل علىٰ انه تعالىٰ لايشبه بشىء وان طريق معرفته ما نصب من الدلائل علىٰ توحيده لان انبياء عليهم السلام انما حاجوا الكفار بمثل ذلک ولم يصفوا الله تعالىٰ بصفة توجب التشبيه وانما وصفوه بافعاله واستدلوا بها عليه (جصاص) ف نمرود نے موت و حیات کے اسباب بعید و خفی کو چھوڑا اور صرف اسباب ظاہری و سطحی کو سامنے رکھ کر جواب دیا کہ سامانِ معیشت تو سب میرے ہاتھ میں ہے میں جسے چاہوں روزی دوں اور جسے چاہوں بھوکوں مار ڈالوں۔ یا کسی اور طریقہ سے اس کی زندگی ختم کر دوں۔ **ف۱۰۰۳** (اگر تو اپنے دعوائے قدرت و تصرف میں کچھ بھی سچائی رکھتا ہے) نمرود اوتار تھا سورج دیوتا کا۔ اور سورج ہی کلدانیوں کے عقیدہ میں معبود اعظم تھا۔ اسی کی مثال کو اور زیادہ قریب الفہم بنانے کے لیے موحد اعظم نے اس کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم تو سورج کے قادر و متصرف ہونے کے قائل ہو تو زیادہ نہیں یہی کر دکھاؤ کہ سورج اپنے ارادہ سے عام سنت الٰہی کے خلاف ذرا اپنا رُخ ہی بدل دے دوسروں پر قدرت رکھنا الگ رہا۔ خود اپنے ہی پر ذرا اپنا ارادہ صرف کر دکھائے۔ اور ارادہ بھی اتنا ہلکا کہ صرف رخ بدل دینے کا۔ کسی خدا کی بے بسی کا منظر اس سے بڑھ کر اور کیا پیش ہو سکتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استدلال وہی قائم رکھا۔ صرف مخاطب کی سطحی ذہنیت کا لحاظ کر کے اس کی مثال دُوسری پیش کر دی اور فرمایا کہ اچھا کائناتِ حیاتی نہ سہی کائناتِ طبعی ہی کے خدائی نظام میں ایک ادنیٰ تصرف کر کے دکھا دو۔ نمرود سورج دیوتا کا اوتار تھا اور سورج کے خدائے اعظم ہونے کا قائل۔ اس کے عقیدہ کے ابطال و تردید میں سورج ہی کو مثال میں پیش کرنا اس پر بہترین گرفت تھی۔ **ف۱۰۰۴** یعنی عاجز و لاجواب ہو گیا۔ اس کا جواب کسی مشرک و آفتاب پرست کے پاس ہو کیا سکتا تھا؟ نہ اس وقت کسی سے بن پڑا نہ آج کسی سے بن پڑنا ممکن ہے۔ استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس ہستی کے متعلق صاحب ارادۂ عظیم ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ تجربہ و مشاہدہ سے ارادۂ خفیف سے بھی معریٰ ثابت ہو رہا ہے۔ **ف۱۰۰۵** عاجز و لاجواب ہو جانے کے باوجود وہ ایمان نہ لایا۔ اور ایمان لاتا ہی کیسے؟ جو لوگ غصہ اور عناد سے کجروی اختیار کیے رہتے ہیں انہیں ہدایت کبھی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ الظّٰلِمِيْنَ۔ وہی لوگ ہیں جو خلوء ذہن کے ساتھ حق و حقیقت پر غور ہی نہیں کرتے اور اپنی ضد و نفسانیت پر قائم رہتے ہیں۔ آیت سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ ایمان مستقیم اور فہم سلیم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ **ف۱۰۰۶** (اے مخاطب) آیت کا عطف معنوی ہے آیت سابق پر۔ اور تقدیر کلام اکثر نحوئین کے نزدیک یہ ہے۔ ارأيت كالذى حاج ابراهيم او كالذى مر علىٰ قرية و هو قول الكسائى والفرّاء و ابى علی القاری واكثر النحويين (کبیر) اور دوسری ترکیب یہ بھی مانی گئی ہے۔ اور أيت مثل الذى مرّ الخ زمخشری بیضاوی وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

عَلٰی قَرۡیَۃٍ وَّ ہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا ۚ قَالَ

جو ایک بستی سے گزرا تھا اس حال میں کہ وہ (بستی) اپنی چھتوں کے بل گری ہوئی تھی و۱۰۰۷ وہ کہنے لگا

اَنّٰی یُحۡیٖ ہٰذِہِ اللّٰہُ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ۚ فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ

اللہ اس (آبادی) کو اس کے مرے پیچھے کیوں کر جلا اٹھائے گا؟ و۱۰۰۸ سو اللہ نے اس (شخص) کو سو سال تک

مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ ؕ قَالَ کَمۡ لَبِثۡتَ ؕ قَالَ

مُردہ رکھا، پھر اسے جلا اٹھایا و۱۰۰۹ (پھر) پوچھا تو کتنی مدت (اس حالت میں) رہا اس نے کہا

لَبِثۡتُ یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ ؕ قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ

میں رہا (اس حالت میں) کوئی دن بھر یا اس کا کچھ حصہ و۱۰۱۰ فرمایا نہیں بلکہ تو سو سال

مِائَۃَ عَامٍ فَانۡظُرۡ اِلٰی طَعَامِکَ وَ شَرَابِکَ

(کی مدت) تک رہا۔ اپنے کھانے اور پینے کی طرف تو دیکھ (کہ اب تک) وہ سڑا گلا

لَمۡ یَتَسَنَّہۡ ۚ وَ انۡظُرۡ اِلٰی حِمَارِکَ وَ لِنَجۡعَلَکَ اٰیَۃً

نہیں ہے، و۱۰۱۱ اور اپنے گدھے کو دیکھ و۱۰۱۲ اور (یہ سب) اس لئے کہ ہم تجھے ایک نشان لوگوں کے لئے

لِّلنَّاسِ وَ انۡظُرۡ اِلَی الۡعِظَامِ کَیۡفَ نُنۡشِزُہَا

بنائیں و۱۰۱۳ اور ہڈیوں کی طرف دیکھ ہم انہیں کس طرح ترتیب دیتے ہیں

ثُمَّ نَکۡسُوۡہَا لَحۡمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ ۙ قَالَ اَعۡلَمُ

اور پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں و۱۰۱۴ پھر جب اس پر (یہ سب) روشن ہو گیا تو اس نے کہا میں یقین کرتا ہوں

اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَ اِذۡ قَالَ

کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے و۱۰۱۵ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب

اِبۡرٰہٖمُ رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ؕ قَالَ

ابراہیمؑ نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کس طرح جلائے گا، و۱۰۱۶ ارشاد ہوا

و۱۰۰۷ یعنی اس کی عمارتیں بالکل منہدم و مسمار ہو چکی تھیں۔ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا۔ عربی کا ایک خاص محاورہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ بستی بالکل تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ چھتیں گریں پھر چھتوں کے اُوپر دیواریں۔ بان
سقط السقف اوّلا ثم تهدمت الجدران عليه (روح) یہ کون صاحب تھے اور کس تباہ شدہ بستی سے ان کا گزر ہوا تھا! اَلَّذِیۡ مَرَّ۔ مفسرین نے زیادہ تر مراد حضرت عزیر علیہ السلام نبی سے لی ہے۔ سلسلۂ اسرائیلی
کے ایک مشہور پیمبر گزرے ہیں۔ ان کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح تھا۔ ۴۵۰ ق،م میں ڈیڑھ ہزار یہود کو ان کی قید اور جلاوطنی سے چھڑا کر فلسطین لائے۔ بائبل میں انکا نام عزرا کاتب یعنی کاتب توریت کی
حیثیت سے آتا ہے۔ ایک صحیفہ بھی ان کے نام کی طرف منسوب ہے۔ قتادہ۔ سدی وغیرہ تابعین اسی طرف گئے ہیں بلکہ یہی قول حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ سے بھی مروی ہوا ہے۔ ذكر الله
عزير (ابن جریر۔ عن قتادہ) هو عزير (ابن جریر عن السدی) المارّ هو عزير كما اخرجه الحاكم عن علي واسحق بن بشر عن ابن عباسؓ و عبدالله بن سلام، اليه ذهب قتادة و عكرمة
والربيع والضحاك والسدی و خلق كثير (روح) دوسرا قول حضرت یرمیاہ نبی سے متعلق نقل ہوا ہے۔ یہ بھی اسرائیلی سلسلہ کے پیمبر ہوئے ہیں۔ یہ ساتویں صدی قبل مسیح میں تھے۔ اور تاریخ یہود میں آتا
ہے کہ انہیں نبوت ۶۲۶ ق،م میں ملی تھی۔ تاریخی اعتبار سے امکان ان کے لیے بھی ہے۔ گو ذرا ضعیف۔ حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ اور وہب سے روایت انہی کے متعلق ہے۔ قيل هو ارميا بن فلقيا و هو المروی
عن ابی جعفر واليه ذهب وهبٌ (روح) بائبل میں اس سے ملتا جلتا ہوا ایک
قصہ حضرت حزقیل نبی سے متعلق درج ہے، جو یرمیاہ نبی کے ہمعصر اور چھٹی صدی
قبل مسیح علیہ السلام میں تھے۔ لیکن بائبل میں یہ قصہ بصورت واقعہ نہیں، بلکہ کشف یا رؤیا
کے طور پر ہے (حزقیل۔ باب ۳۶ و ۳۷) قَرۡیَۃٍ۔ یہ بستی کونسی تھی، نام مختلف شہروں
کے لیے گئے ہیں۔ لیکن اکثریت یروشلم یا بیت المقدس کی طرف گئی ہے۔ یہ شہر بخت
نصر تاجدارِ بابل کے ہاتھوں ۵۸۶ ق،م میں پوری طرح تاخت و تاراج ہو چکا تھا۔
اور یہ واقعہ اسی شہر سے متعلق اس کی تباہی کے بعد قریب ہی کے زمانہ کا ہے۔ القرية
بيت المقدس قاله وهب وقتادة والضحاك و عكرمه والربيع (بحر)
و۱۰۰۸ (قیامت کے دن) ہٰذِہٖ۔ اشارہ مُردہ شہر کے مُردہ باشندوں کی جانب
ہے۔ اہل بصیرت کے لیے ہر حسرتناک منظر ایک درسِ عبرت و معرفت ہوتا ہے۔
عجب کیا جو خدا کے نبی کا ذہن اپنے پیش نظر منظر سے کائنات کے ہولناک ترین منظر
کی طرف منتقل ہوا ہو، اور اس سے انہوں نے ایک اور سبق معرفت کا حاصل کرنا چاہا
ہو۔ المشار اليه امّا نفس القرية بدون تقدير او تقدير مضاف اي
اصحاب هٰذه القريةِ (روح) اي اهل هٰذهٖ (مدارک) اَنّٰی یہاں کیف کے
مرادف اور کس طرح، یا کس کیفیت کے ساتھ کے معنٰی میں ہے۔ اعتراف العجز
عن معرفة طريقة الاحياء (کشاف) ای علٰی ای حالٍ يحيي (روح)
آخرت میں حشرِ احیاء پر یقین نبی کیا معنٰی ہر مومن کو ہوتا ہے۔ سوال سے نبی کا یہ
مطلب تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کے نفس وقوع میں شبہ ظاہر کیا جائے۔ وہ صرف اس
کی نوعیت جاننے اور کیفیت سمجھنے کے آرزو مند تھے۔ و۱۰۰۹ (بہ طور خرقِ عادت)
معجزات یا خوارق پر کوئی عقلی اعتراض اگر کسی ملحد کی طرف سے ہو تو خیر اس کے لیے تو
کچھ گنجائش بھی ہے لیکن خدا کے ماننے والے کی طرف سے یہ ”عقلی اعتراض“ یا اس
کے امکان میں گفتگو بالکل بے معنٰی ہے۔ جب معجزہ کا فاعل خدا تعالٰی ہے تو وہ قادر
مطلق تو جس طرح اپنی عادت یا معمولِ عالم کے اجراء و بقاء پر قادر ہے۔ ٹھیک اسی
طرح اور ہمیشہ اسی درجہ میں اس کے ترک و خرق پر بھی! اس کے نزدیک تو یہ اور وہ ایسا
اور ویسا یہ دونوں بالکل یکساں و مساوی ہیں بلکہ اس ہستی مطلق کے لیے یہ عادت،
خلاف عادت کے معنٰی ہی کیا؟ یہ موافق عادت و خارقِ عادت کی اصطلاحیں تو محض
بندوں کے علم کے لحاظ سے ہیں، یہ تو ہم نے جس چیز کا بار بار اور متواتر مشاہدہ کیا
اسے عادتِ الٰہی میں داخل کر دیا۔ اور جس چیز کو ایسا نہ پایا اُسے خلافِ عادت اور
خارقِ عادت سے تعبیر کرنے لگے! -- لفظ ”معجزہ“ تو خود ہمارے جہل کا پردہ پوش
ہے۔ حق تعالٰی کے لیے کونسی تعبیر معجز ہو سکتی ہے؟ غرض کوئی مذہبی شخص کسی بڑے سے
بڑے معجزہ کے نفس امکان میں تو زبان کھول ہی نہیں سکتا، گفتگو جو کچھ بھی چلے گی
رؤیت و روایت معتبر کے لحاظ سے چلے گی۔ اور یہ بحث ظاہر ہے کہ تمام تر نقلی اور تاریخی ہو گی نہ کہ عقلی۔ وقوعِ معجزہ کے راوی اگر معتبر اور شاہد عینی ہیں تو وہ خارقِ عادت بھی ہمارے لیے ایسا ہی قابل یقین ہو گا جیسا کہ
روزمرہ کے عام واقعات ہوتے ہیں اور پھر جس معجزہ کے راوی خود حق تعالٰی یا نبی معصوم ہوں اس کے باب میں تو ظاہر ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ آگے کوئی گفتگو چل ہی نہیں سکتی۔ کس وقت کس خارقِ عادت کے ظہور کی
کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں، یہ حال بجز حکیم مطلق کے اور کون جان سکتا ہے؟ و۱۰۱۰ یہ جواب اس بندہ نے اپنے علم و شعور اور اپنے حساس و اندازہ کے مطابق دیا۔ اور بشری اندازہ و تخمین کی یہ غلطی ذرا بھی
حیرت انگیز نہیں۔ جب دماغ و دل، شعور و اندازہ کی مشینوں کی حرکت ہی سرے سے باطل ہو گئی تھی۔ تو کوئی بشر اندازہ کر ہی کیونکر سکتا تھا اور یوں بھی گھنٹوں اور دنوں بلکہ مہینوں اور برسوں کی مدت کو خواب اور بیہوشی کی
حالت میں ہم روزمرہ منٹوں اور سیکنڈوں کے اندر سمٹے اور سمٹائے ہوئے آخر دیکھتے ہی ہیں۔ و۱۰۱۱ (اتنی مدت کے باوجود) فقہاء و مفسرین نے اس جواب سے جوازِ اجتہاد پر استشہاد کیا ہے۔ فيه دليل جواز
الاجتهاد (مدارک) اور یہ نظیر ہے اس کی کہ اللہ تعالٰی جس چیز کو جتنی مدت تک بھی چاہے محفوظ و سالم رکھ سکتا ہے۔ بشری عقل و فہم مادّی مثالوں اور نظیروں کی ہمیشہ حریص رہی ہے۔ اور آج کی ”روشن خیالی“ اور

تے ہیں۔ بعض بعض ڈھانچے سینکڑوں ہزاروں سال کے بعد سالم ومحفوظ برآمد ہوئے ہیں۔ حِمَار۔ گدھے سے ہندوستان میں تو نہیں۔ لیکن عرب، شام، مصر، فلسطین وغیرہ میں سواری کا کام گھوڑے ہی کی طرح لیا تا تھا۔ اور اب بھی لیا جاتا ہے۔ توریت اور انجیل دونوں میں گدھے کا ذکر سواری کے جانور کی حیثیت سے بہ کثرت آیا ہے۔ اور حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح علیہما السلام دونوں کا اسی پر سوار ہونا بیان ہوا ہے۔

۱۰۱۳ (اپنی قدرتِ کاملہ کا، اور ایک نظیر واقعۂ بعث کی) **ف۱۰۱۴** یعنی اپنے مردۂ صد سالہ گدھے کے ڈھانچے کو بچشم خود دیکھئے کہ ہم اس کا جوڑ جوڑ بٹھاتے ہیں اور پھر از سر نو روح پھونک کر زندہ کر اٹھاتے ہیں۔

۱۰۱۵ یعنی ان پیمبر پر جب یہ ساری کیفیتیں تجربۂ اور مشاہدۂ گزر لیں تو وہ تر و تازہ جوش ایمانی کے ساتھ بے اختیار پکار اٹھے کہ بیشک یہ پروردگار ہر چیز پر قادر ہے اور اب میرا ایمان واعتقاد سو گنا اور بڑھ گیا۔ غلَمُ۔ علم سے یہاں مراد علم مشاہدہ ورؤیت ہے۔ ورنہ علم بالدلیل تو پہلے ہی سے حاصل تھا۔ تاویله ان قدعلمت مشاهدة مما کنت اعلمه قبل ذالک الاستدلال (کبیر) **ف۱۰۱۶** (قیامت کے دن) یف۔ یعنی کس خاص کیفیت کے ساتھ۔ کس متعین طریقہ پر فی ای حال او علیٰ ای حال (ابوسعود) یہ وقوع تو اُسے پوری طرح مسلم ہے اور سوال اس کی صرف کیفیت کے بارہ میں کر رہا ہے۔ الاستفهام کیف انما هو سوال عن حال شئ متقرر الوجود عندالسائل والمسئول فان الاستفهام ههنا عن هیئة الاحیاء المتقرر عندالسائل (قرطبی) محققین نے کہا ہے کہ سوال کے الفاظ سے خود یہ

اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ

کیا آپ کو یقین نہیں ہے، ف۱۰۱۷ عرض کی، ضرور ہے لیکن (یہ درخواست) اس لئے ہے کہ قلب کو (اور) اطمینان

قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ

ہو جائے، ف۱۰۱۸ ارشاد ہوا کہ اچھا، چار پرندے لیجیے ف۱۰۱۹ پھر انہیں اپنے سے

اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا

ہلا لیجیے پھر ان میں کا ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھ دیجیے ف۱۰۲۰

ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ

پھر ان کو اپنی طرف بلایئے (تو) وہ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس چلے آئیں گے ف۱۰۲۱ اور یقین رکھیے کہ اللہ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ

بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۱۰۲۲ جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے

فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ

رہتے ہیں، ان کے مال کی مثال ایسی ہے ف۱۰۲۳ جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اس سے سات

سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ

بالیاں اگیں ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں ف۱۰۲۴ اور اللہ جسے چاہے

يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

افزونی دیتا رہتا ہے ف۱۰۲۵ اللہ بڑا وسعت والا ہے۔ بڑا علم والا ہے ف۱۰۲۶

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اس کے

لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ

عقب میں احسان و اذیت سے کام نہیں لیتے ف۱۰۲۷ ان کے لئے

ع ۳۵ / ۴

ظاہر ہو رہا ہے کہ سائل کو کوئی شبہ احیاءِ موتیٰ کے نفسِ وقوع میں نہیں۔ صوفیہ اہل لطائف نے اس قصہ ابراہیمی سے ذیل کے نکات پیدا کیے ہیں:۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ سے کشف مقامات کا سوال موجب قبول ہے۔ ۲۔ مقبولین کو جو مشاہدات ہوتے ہیں ان سے مراتب عرفان وکمالاتِ ایقان میں اور ترقی ہوتی ہے۔ ۳۔ اور پھر اس سے ان کے تقرب واعزاز حضور میں اضافہ ہوتا ہے۔ **ف۱۰۱۷** سوال سے مقصود یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمانِ کامل کا اقرار خود ان کی زبان سے کرا لیا جائے۔ اور دنیا کو یہ تعلیم بھی مل جائے کہ ایسے سوالات ہمیشہ بے اعتقادی یا فقدان ایمان ہی سے نہیں پیدا ہوتے۔ **ف۱۰۱۸** حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کرتے ہیں کہ ایمان کے درجہ تک تو یقین اب بھی حاصل ہے۔ ہاں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مشاہدہ کے بعد اطمینان اور زیادہ حاصل ہو جائے۔ اس مرتبہ کو اصطلاح میں عین الیقین کہتے ہیں۔ ورنہ یقین مرتبہ تصدیق تک تو جسے اصطلاح میں علم الیقین کہتے ہیں ہر مومن کو حاصل ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے مومن اعظم کو کیوں نہ حاصل ہوتا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایمان ہی بڑھتے بڑھتے اطمینانِ قلب پیدا ہو جاتا ہے اور محققین کہتے ہیں کہ یہ ترقی کبھی مشاہدہ ومعائنہ سے ہوتی ہے اور کبھی محض وجدان سے۔ اطمینان مقابل ہے سکون کے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عدم سکون کی کیفیت ایمان وعرفان کے منافی نہیں اور طمانیت کا جو درجہ ولایت وصدیقیت کے مناسب ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اب بھی حاصل تھا اور آپ کو طلب اس طمانیت کی تھی جو درجۂ نبوت کے مناسب مقام ہو۔ **ف۱۰۱۹** ان پرندوں کے نام بھی تفسیروں میں نقل ہوئے ہیں لیکن اوّل تو سند کچھ قوی نہیں اور پھر یہ تعیین ہی سرے سے بے ضرورت ہے۔ البتہ اہل لطائف واشارات نے ان چار پرندوں سے نکتے خوب پیدا کیے ہیں۔ چنانچہ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ ان سے اشارہ انسان کے اُن چار قویٰ کی جانب ہے جو مشاہدۂ حق اور حیاتِ حقیقی سے مانع ہوتے رہتے ہیں۔ اور وہ چار قوتیں یہ متعین کی ہیں:۔ (۱) خود بینی وخود ستائی۔ (حُبِ جاہ) (۲) افراطِ شہوتِ جنسی۔ (۳) حرص وطمع (حُبِ مال) (۴) طول امل یا محبت دُنیا۔ **ف۱۰۲۰** (ان کو ذبح کر کے اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد) صُرْهُنَّ اِلَيْكَ۔ یعنی ان پرندوں کو پال کر اور اپنے پاس رکھ کر انہیں اپنے سے خوب مانوس کر لیجیے کہ پھر شناخت میں دقت نہ ہو۔ صُرْهن کا مصدر صور ہے۔ معنی میل کے ہیں۔ اسی لیے صرهن کی تفسیر عموماً املهن اور وجههن سے کی گئی ہے۔ ای اضممهن الیک ووجههن نحوک (ابن جریر) فاملهن واضممهن الیک (کشاف) اور بعض نحویوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اجزاء آیت میں تقدیم وتاخیر ہے۔ یعنی اِلَيْكَ کا تعلق صرهن سے نہیں فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ سے ہے۔ اور اِلَيْكَ صلہ فعل خذ کا ہے۔ کان فی الکلام تقدیم و تاخیر و یکون معناه فخذاربعة من الطیر الیک فصرهن و یکون الیک من صلة خذ (ابن جریر) فَصُرْهُنَّ کے آگے اتنی عبارت محذوف مانی گئی ہے کہ اپنے سے ہلا چکنے کے بعد ان پرندوں کو ذبح کر کے ان کے ٹکڑے پہاڑوں پر رکھ دیجیے۔ قرآن مجید کے اسلوبِ بلاغت میں اس قسم کے محذوفات ومقدرات کی مثالیں نایاب نہیں۔ اسی سورۂ بقرہ کے شروع کے رکوعوں میں ہے فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ (ہم نے حکم دیا کہ اپنا عصا چٹان پر مارو) اور اس کے معاً بعد آتا ہے۔ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (پس چٹان سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے) یہاں سب نے اتنا کلام محذوف مانا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی اور عصا کی ضرب چٹان پر لگائی ایسے محذوفات ومقدرات کی نظیریں تو اپنے شاعروں کے کلام میں بھی بکثرت ملتی ہیں۔ پھر خدا کا کلام تو ظاہر ہے کہ ہر شاعر کے کلام سے فصیح تر وبلیغ تر ہے۔ بعض ائمۂ لغت وتفسیر ادھر گئے ہیں کہ فعل صار یصور اور صار یصیر کے معنی ہی قطع کرنے کے ہیں۔ اس لیے کسی حذف وتقدیر کے ماننے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ آیت کے معنی ہی براہِ راست یہی ہیں۔ صار الشیء یصوره صورًا قطعه و فصله صورة صورة (تاج) قیل قطعهن صورة صورة (راغب) قال ابو عبیدة معناه قطعهن والصور القطع (معالم) علامہ ابن جریر نے جو تفسیر کے ساتھ لغت کے بھی امام ہیں بسط وتفصیل کے ساتھ گفتگو اس پر کیا ہے کہ صار یصور اور صار یصیر دونوں کے معنی لغت عرب میں قطع کے مشہور ومعروف ہیں۔ اور آخر میں لکھتے ہیں:۔ ففی ذٰلک اوضح الدلیل علیٰ جهل من زعم ان قول القائل

صاریصور و صاریصیر غیر معروف فی کلام العرب بمعنی قطع بہرحال حذف مانا جائے تو اور نہ مانا جائے تو، دونوں صورتوں میں اتنے پر بجز ایک ابومسلم اصفہانی کے سب کا اتفاق ہے کہ مراد یہاں ذبح کر کے پارہ پارہ کرنے ہی سے ہے۔ اجمع اهل التفسیر علی ان المراد بالآیة قطعهن (کبیر) کل المفسرین الذین کانوا قبل ابی مسلم اجمعوا علی انه حصل ذبح تلک الطیور تقطیع اجزائها فیکون انکار ذٰلک انکارًا للاجماع (کبیر) فان کان بمعنی التقطیع فلا حذف اوبمعنی الامالة فالحذف او قطعهن اجزاء (نہر) واجمع اهل التفسیر علی ان ابراهیم قطع اجزاء ها (بحر) ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور حسن بصری، سعید بن جبیر وغیرہ بہ کثرت تابعین سب اسی طرف گئے ہیں۔ معناه قطعهن وهو قول ابن عباس و سعید بن جبیر و مجاهد (کبیر) قالهٗ ابن عباس و مجاهد و ضحاک و ابن اسحاق (بحر) قالهٗ ابن عباس و عکرمه و سعید بن جبیر و ابو مالک و ابو الاسود الدؤلی ووهب بن منبه والحسن والسدی وغیرهم (ابن کثیر) اور ابومسلم کا یہ قول آج چودھویں صدی ہجری میں بعض سطح بینوں کی زبان سے پھر چمکایا گیا ہے اس کی بابت صاحب روح المعانی کہتے ہیں۔ لایخفٰی ان هذا خلاف اجماع المسلمین و ضرب من الهذیان لا یرکن الیه ارباب الدین۔ صُرْهُنَّ۔ کی دُوسری قرأت متواتر صِرهن (بہ کسر صاد) کی ہے اور اس قرأت پر تو کھلے ہوئے معنی قطع و تشقیق ہی کے ہوتے ہیں۔ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ یعنی

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

اس کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف (واقع) ہو گا اور نہ وہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ

غمگین ہوں گے ف۱۰۲۸ مناسب بات اور درگزر ایسی خیرات سے بہتر ہے

مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

جس کے عقب میں اذیت ہو ف۱۰۲۹ اللہ بڑا غنی ہے، بڑا بردبار ہے ف۱۰۳۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ

اے ایمان والو اپنے صدقوں کو احسان (رکھ کر) اور

وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا

اذیت (پہنچا کر) باطل نہ کر دو ف۱۰۳۱ جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کے دکھاوے کو، اور

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ

اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا ف۱۰۳۲ سو اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک چکنا پتھر ہے

عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۗ لَا

جس پر کچھ مٹی ہے، پھر اس پر زور کی بارش ہو سو وہ اس کو بالکل صاف کر دے ف۱۰۳۳ (ایسے لوگ) کچھ بھی نہ

يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا

حاصل کر سکیں گے اپنی کمائی سے ف۱۰۳۴ اور اللہ کافر لوگوں کو

يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ

راہِ ہدایت نہ دکھائے گا ف۱۰۳۵ اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال

اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ

رضائے الٰہی کی طلب میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور اپنے نفس میں پختگی (پیدا کرنے کی

جو پہاڑیاں آپ کے آس پاس ہیں اُن پر یہ مراد نہیں کہ رُوئے زمین پر جتنی بھی پہاڑیاں ہوں سب کو تلاش کر کے سب پر رکھیے۔ المعنٰی علٰی کل جبل من الجبال التی بحضرتک (کشاف) العموم فی کل جبل مخصّصٌ بوصف محذوف ای یلیک او بحضرتک قالهٗ مجاهد (بحر) مِّنْهُنَّ جُزْءًا یعنی ان کے ملے جلے ہوئے گوشت کا ایک ایک حصہ۔ جُزْءًا کے اصل معنی عربی میں ٹکڑے کے ہیں۔ جس کا فارسی مرادف پارہ ہے۔ الجزء النصیب والقطعة من الشیٔ (تاج) جزء الشیٔ مایتقوم به جملته کاجزاء السفینة و اجزاء البیت (راغب)۔ جزء بالفتح پارہ پارہ کردن (صراح) وهن اجزاءٌ متفرقات (ابن جریر) ای ربعًا من کل طائر (ابن قتیبہ) بلکہ امام ابن جریر جن کی نگاہ لغوی اور ادبی نکتوں پر خوب رہتی ہے انہوں نے تو یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ جزء اور سہم کے استعمال میں فرق ہے کہ سہم کا اطلاق مسلم حصہ پر ہوتا ہے اور جزء کا لفظ عام ہے۔ الجزء من کل شیٔ هو البعض منه کان معناه جمیعه علی صحة او غیر منقسم فهو بذٰلک من معناه مخالف ففی السهم لان السهم من الشیٔ هو البعض المنقسم علیه جمیعه علی صحة۔ اور ایسا ہی دوسرے نے بھی کہا ہے وظاهر ثم اجعل علٰی کل جبل منهن جزءًا یدل علٰی ان تلک الطیور جعلت جزأ جزأ (بحر) ای قطعةً و بعضًا (روح) مِّنْهُنَّ سے پہلے تو مراد چاروں پرندوں کا مجموعہ لینا اور پھر جُزْءًا سے مراد اس مجموعہ کا ایک ایک جز یا ایک ایک مسلم پرندہ لینا خواہ مخواہ کا تکلف اور ایک غلط قسم کا لغوی اجتہاد ہے۔ صحابیوں اور تابعین کے بعد سے لے کر اس وقت تک جتنے بھی اہل تفسیر عربی کا ذوق سلیم رکھنے والے ہوئے ہیں سب نے مراد ہر ہر پرند کے ٹکڑے ٹکڑے سے لی ہے۔ جزأ هن اجزاءً و جعل علی کل جبل منهن جزءًا (ابن کثیر) جزئهن و فرق اجزاء هن علی الجبال (کشاف) ف۱۰۲۱ (صحیح وسالم اس طرح کہ زندہ ہو کر ان میں سے ہر ایک کے متفرق و منتشر اجزاء آپس میں مل ملا کر ٹھیک ہو جائیں گے) اُدْعُهُنَّ یعنی آواز دے کر انہیں اپنی طرف پکاریے۔ ف۱۰۲۲ عَزِيْزٌ۔ یعنی ایسا زبردست جو ہر شے پر یکساں قادر ہے۔ محال وممکن، اشد اور سہل کی تفریقیں اور تقسیمیں تو انسان کی قائم کی ہوئی ہیں۔ قادرِ مطلق کے ہاں کسی چیز کے اشد یا محال ہونے کے کوئی معنی ہی سرے سے نہیں۔ حَكِيْمٌ۔ یعنی باوجود عموم قدرت واختیارِ مطلق کے وہ کرتا صرف وہی ہے جو عین اس کی حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایسے عزیز وحکیم کے لیے احیاء موتی میں دشواری ہی کیا ہے۔ جب بھی وہ اپنی حکمت کے لحاظ سے مناسب سمجھے گا حشر برپا کر دے گا۔ ف۱۰۲۳ (اللہ کی نظر میں اور اپنی برکت وافزائش اجر کے لحاظ سے) فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی احکام شریعت کے مطابق نیک کاموں میں۔ اَمْوَالَهُمْ۔ اور فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دونوں عام ہیں۔ تمام مصارف خیر ان میں آجاتے ہیں۔ ف۱۰۲۴ (تو جس طرح غلہ کے ایک دانہ سے سات سو دانے پیدا ہو گئے۔ اسی طرح اللہ کار خیر میں صرف کرنے والوں کو ان کے حسن عمل کا اجر سات سو گنا دیتا ہے) ایک عام فہم مادی مثال دے کر یہ سمجھا دیا کہ اس تکثیر اجر پر اتنی حیرت کیوں کی جائے ایسی مثالیں تو مادیات میں روزمرہ مل جاتی ہیں۔ تجارتی اور کاروباری تلمیحیں تو قرآن مجید میں بکثرت ملتی ہیں۔ زرعی اور کاشتکارانہ تلمیحیں بھی مفقود نہیں ف۱۰۲۵ یعنی اس کے اجر میں جس حد تک بھی چاہے اور بہ قدر اس کے اخلاص وشفقت کے۔ یہ جو نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی کھیتی سے لطیف تشبیہ دی گئی ہے۔ اس سے اہل لطائف نے دو نکتہ اور پیدا کیے ہیں:۔ ۱۔ ایک یہ کہ اپنے مصارف خیر کی حفاظت ونگہداشت بھی اہل زراعت ہی کی طرح کرتے رہنا چاہیے۔ ریا، نمائش، عجب، تکبر، ایذا اور احسان رکھنے سے انہیں برباد نہ کر دینا چاہیے۔ ۲۔ جس طرح تخم ریزی، آبپاشی وغیرہ کے اختلاف سے پیداوار محنت اور قیمت اور نفع میں مختلف ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح اجر گو مقدار میں برابر ہو، تاہم حسن قبول وقرب درجات وغیرہ کی کیفیات میں نیت واخلاص کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی رہے گی۔ ف۱۰۲۶ وَاسِعٌ۔ اس کی وسعتوں کی کوئی انتہا نہیں اس لیے مشرک قوموں میں یہ نہ سمجھیں کہ عطاء و بخشش سے اس کے خزانہ میں کوئی کمی آسکتی ہے۔ عَلِيْمٌ۔ اس کے علم سے کائنات کا کوئی ذرہ نہیں چھپ سکتا اس لیے مشرک قوموں میں یہ نہ سمجھیں کہ کوئی بھی مخلص و مستحق نظر انداز ہونے پائے گا۔ ف۱۰۲۷ یعنی جس کے

اَنۡفُسِهِمۡ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبۡوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ

غرض سے) ف١٠٣٦ ایک باغ کی طرح ہے جو کسی ٹیکرے پر ہو اور اس پر زور کا مینہ پڑا ہو پھر وہ

فَاٰتَتۡ اُكُلَهَا ضِعۡفَيۡنِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يُصِبۡهَا وَابِلٌ

دوگنے پھل لایا ہو ف١٠٣٧ اور اگر زور کا مینہ نہ بھی پڑے تو ہلکی پھوار

فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿٢٦٥﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمۡ

(ہی کافی ہے) ف١٠٣٨ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے ف١٠٣٩ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا

اَنۡ تَكُوۡنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ تَجۡرِىۡ

ہے کہ اس کا ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو جس کے نیچے نہریں پڑی

مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۙ لَهٗ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ

بہہ رہی ہوں (اور) اس کے ہاں اس باغ میں (اور بھی) ہر قسم کے میوے ہوں

وَاَصَابَهُ الۡكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَآ

اور اس کا بڑھاپا آ چکا ہو اور اس کے عیال کمزور ہوں، اس (باغ) پر ایک بگولا

اِعۡصَارٌ فِيۡهِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

آئے کہ اس میں آگ ہو تو وہ (باغ) جل جائے، اللہ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر نشانیاں بیان

لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿٢٦٦﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ

کرتا ہے تاکہ تم فکر سے کام لو ف١٠٤٠ اے ایمان والو

اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ

جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو ف١٠٤١ اور اس میں

اَخۡرَجۡنَا لَـكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الۡخَبِيۡثَ

سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں ف١٠٤٢ اور خراب چیز کا قصد بھی نہ کرو

ع ٣٦ ٢

ساتھ کچھ سلوک کیا ہے اس پر نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ اُسے اپنے برتاؤ سے تکلیف پہنچاتے ہیں۔ حقارت سے پیش آنا یہ بھی تکلیف دہ برتاؤ میں داخل ہے۔ کسی کی کچھ خدمت اپنے سے بن پڑ جائے یہ تو خود اپنے لیے باعث اجر و موجب سعادت ہے نہ یہ کہ اُلٹا اس پر فخر کیا جائے۔ اور جس کے ساتھ سلوک کیا گیا ہے اُسے کسی درجہ میں بھی ذلیل ٹھیرایا جائے۔ ف١٠٢٨ (قیامت کے دن) اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ یعنی ان لوگوں کو پورا پورا اجر ملے گا۔ ان کے درجۂ اخلاص کے تناسب سے ف١٠٢٩ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ یعنی معذرت کی نرم بات کہہ دینا۔ مَغْفِرَةٌ یعنی سائل یا حاجت مند کی بات کو اُس وقت ٹال جانا جب وہ سختی یا بدتہذیبی سے پیش آنے لگے۔ آیت میں صاف یہ تعلیم ہے کہ صدقہ یا خیرات مقصود بالذات نہیں، مقصود اصلاح قلب ہے اور اس کے بعد دینے والا لینے والے پر کوئی احسان نہیں رکھتا۔ بلکہ دینا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ بلکہ اُلٹا لینے والے کا شکر گزار ہوتا ہے کہ اُس نے قبول کر کے اس کو ایک بار سے ہلکا کر دیا۔ اَذًى۔ کا لفظ عام ہے۔ ہر قسم کے آزار کو شامل۔ زبان سے یا عمل سے احسان جتانا بھی اس میں آ گیا۔ خَيْرٌ۔ ناداری کے وقت نرمی سے جواب دے دینا۔ اور سائل کی سختی کو پی جانا موجب قرب و اجر ہیں، اس لیے انہیں خیر سے تعبیر فرمایا۔ ف١٠٣٠ غَنِيٌّ۔ وہ تمہارا مال تمہارے ہی فائدہ کے لیے خرچ کراتا ہے اور جو کوئی کچھ خرچ کرتا ہے وہ اپنے ہی دائمی نفع کے لیے کرتا ہے۔ کوئی مشرک یا مشرک صفت احمق یہ نہ سمجھ لے کہ خدا کی راہ میں جو کچھ خرچ دیا جاتا ہے وہ خود خدا کو دیا جاتا ہے اور خدا ہمارے زر و مال کا محتاج ہے۔ حَلِيْمٌ۔ اس لیے مجرموں اور قانون شکنوں کو جو سزا فی الفور نہیں دیتا، سائل کی بدتہذیبی، غنی کی بد دماغی سب کو ایک مدت تک معاف کرتا رہتا ہے۔

ف١٠٣١ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ یعنی ان ممنوع طریقوں سے اضافہ اجر و ازدیاد ثواب کو مٹا نہ دو۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح صدقہ کا ابطال یہاں حرام و ممنوع قرار دیا گیا ہے، اسی طرح کوئی سا بھی نیک عمل ہو اُسے باطل کر ڈالنا حرام اور ممنوع ہے۔ چنانچہ نفل نماز کی نیت باندھ کر اُسے توڑ ڈالنے کی حرمت و ممانعت اسی قاعدہ کے ماتحت ہے۔ ف١٠٣٢ (اور یہ شخص صدقہ کے نفس اجر و ثواب ہی کو ضائع کر کے رہتا ہے) دو صورتیں الگ الگ بیان ہوئی ہیں۔ دونوں کا فرق ملحوظ رہے۔ پہلی صورت میں خطاب اہل ایمان سے ہے۔ نفس صدقہ تو اُن لوگوں کا قبول ہو جائے گا لیکن احسان جتلانے یا اذیت پہنچانے سے ترقی درجات و اضافۂ اجر سب سلب ہو جائے گا۔ دُوسری صورت میں ذکر اہل کفر کا ہے۔ یہ جب خدا اور آخرت پر ایمان ہی سے محروم ہیں تو اُن کے صدقہ و خیرات سے بہ ظاہر جو کچھ بھی مقصود ہو۔ سب کا حاصل دنیا ہی ہوگا۔ ایسوں کو اجر کس چیز کا؟ رضائے الٰہی کی طلب تو کسی درجہ میں بھی اُن کے عمل کا جز نہیں۔ رِئَآءَ النَّاسِ۔ انجیل میں بھی اس سے ملتی جلتی ہدایت موجود ہے (متی۔ ٦: ٢) محققین نے لکھا ہے کہ ریاء کی مذمت میں یہ آیت نص صریح ہے۔ ف١٠٣٣ (اور وہ ویسا ہی کورا رہ جائے جیسا پہلے تھا) تشبیہ کا ماحصل یہ ہے کہ کافر اسی طرح اپنے کو قیامت کے دن ہر خیر و خیرات کے اجر سے محروم پائے گا۔ اس کا انفاق مال حقیقۃً کسی صدقہ و خیرات کے حکم میں آتا ہی نہیں۔ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ۔ تشبیہ محرومی اجر کے لحاظ سے دی گئی ہے۔

ف١٠٣٤ ذکر اُنہی لوگوں کا ہے جو نعمت ایمان سے محروم ہیں۔ مِّمَّا كَسَبُوْا۔ یعنی جسے وہ اپنے خیال و پندار میں اپنی کمائی سمجھ رہے ہیں۔ ورنہ بندہ کی کمائی تو حقیقۃً وہی ہے جس پر عمل صالح کا اطلاق ہو سکے اور عمل صالح کی پہلی اور بنیادی شرط ایمان ہے۔ ف١٠٣٥ (قیامت کے دن ثواب کے گھر یعنی جنت کا) یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو کفر اختیار کیے ہوئے ہیں اور اپنی قوتِ فیصلہ سے صحیح کام نہیں لے رہے ہیں انہیں زبردستی راہ ہدایت دکھا دینے کا قانون الٰہی ہے ہی نہیں۔ ف١٠٣٦ (جیسا کہ ہر مومن مخلص کا شیوہ ہوتا ہے) تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ اتنے ٹکڑے میں نفسیاتِ بشری کی ایک گہری حقیقت بیان ہوئی۔ معصیت کی طرح ہر طاعت کا بھی خاصہ ہے کہ وہ متجانس اعمال کو کھینچتی ہے۔ چنانچہ ہر عمل صالح کے بعد نفس میں دوسرے اعمال صالح کے لیے آمادگی و پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ نفس بشری کا خاصہ ہے کہ ہر عمل سے تکرار و عادت کے بعد اس عمل سے متعلق ایک ملکۂ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے مزاحمت کی قوت مغلوب و ضعیف ہوتی جاتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے کہ عمل صالح سے جس طرح حصولِ اجر مقصود ہوتا ہے اسی طرح اصلاح نفس بھی مقصود ہوتی ہے۔ یہ معنی تو ظاہر ہی ہیں کہ وہ خرچ اس لیے کرتے ہیں کہ کمال ایمان اور ثابت قدمی اور اطمینان حاصل ہو۔ ایک دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ ان کے دل اللہ کے کرم اور ثواب پر مطمئن ہیں وہ صرفِ مال کو نہ نقصان سمجھتے ہیں نہ باعث گرانی۔ ف١٠٣٧ (کہ ہوا کی لطافت و زمین کی صلاحیت اور بارش کی کثرت مل ملا کر قوت بار آوری کو خوب بڑھا دیں گی) بِرَبْوَةٍ۔ ٹیکرے کی ہوا قدرۃً لطیف و بار آور ہوتی ہے۔ ف١٠٣٨ تمثیل کی زبان میں بیان اس حقیقت کا ہو رہا ہے کہ اخلاص اگر درجۂ اعلیٰ میں نہ ہو جب بھی محض ایمان، اور عدم موانع (یعنی احسان نہ رکھنا اور ایذا نہ پہنچانا) بجائے خود صدقات و خیرات کو مقبول بنا دینے کے لیے کافی ہیں ف١٠٣٩ (اور اسی لیے ہر ایک کے درجۂ اخلاص کا بھی خوب جاننے والا ہے) خطاب یہاں عام نسل انسانی سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافر، مومن، مخلص، غیر مخلص سب کے محرکات عملی اور سب کے درجۂ اخلاص و عدم اخلاص سے خوب واقف ہے۔ ف١٠٤٠ (اور اپنے انجام کو سوچ کر اس کے مطابق عمل کرتے رہو) مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ۔ تصریح کے ساتھ نام اُنہی میووں کا لیا گیا جو اہل عرب کے لیے خاص اہمیت اور خصوصی معنویت رکھتے تھے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ یہ یہ ظاہر کرنے کو ہے کہ وہ باغ خوب سرسبز و شاداب بھی تھا۔ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ۔ یہ مالک باغ کی مرفہ الحالی اور شان غنا ظاہر کرنے کو ہے۔ اَصَابَهُ الْكِبَرُ۔ یعنی وہ مالک باغ اب محنت و مشقت کے قابل نہ رہے۔ تمثیل کے پیرایہ میں بیان اس کا ہے کہ قیامت کا دن آ جائے اور اس شخص کی عمل سے معذوری اس پر عیاں ہو جائے۔ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ۔ یعنی اولاد بھی اس قابل نہ ہو

کہ تحصیل معاش میں اس کے کچھ کام آسکے، گویا اس کی معذوری ہر طرح روشن و آشکارا ہو جائے۔ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ۔ کہ وہی باغ وجہ معاش تھا۔ تمثیل کے پیرایہ میں بیان اس کا ہے کہ اُس شخص کا بھروسہ ظاہری طاعات و اعمال صالحہ پر تھا۔ فَاحْتَرَقَتْ۔ یعنی اُس شخص کی ساری امیدیں غارت ہو کر رہ جائیں۔ تمثیل کی زبان میں مراد یہ ہے کہ ایک شخص اپنے خیال میں نیک کام کر رہا ہے اور اپنے نزدیک ساری توقعات اس سے لگائے بیٹھا ہے مگر عین احتیاج کے وقت یعنی قیامت کے دن اُسے نظر آئے کہ وہ عمل تو شرائط قبول و مقبولیت ملحوظ نہ رکھنے کے باعث خود ہی نابود ہو چکا ہے۔ اس لیے اجر و ثواب کیسا اب تو حرمان محض اس کے نصیب میں آیا ہے۔ اَلْاٰيٰتِ۔ یہاں مثالوں اور نظیروں کے معنی میں ہے۔ لَكُمْ۔ یعنی تمہارے نفع کے لیے۔ تمہیں سمجھانے کو۔ ذرا صورت حال کی حسرت ناکی کا تصور کیجیے۔ ایک شخص کی عمر بھر کی کمائی ایک باغ ہے، سرسبز و شاداب، خوب پھلا پھولا ہوا، ہر طرح کے میووں، پھلوں سے لدا ہوا، باغ کا مالک بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اور اب کسی نئی محنت کے قابل نہیں، بچے موجود ہیں مگر کمزور، کم سن، جو بجائے اس کے کہ کسب معیشت میں باپ کا ہاتھ بٹائیں، اُلٹے اس کے لیے بار ثابت ہو رہے ہیں۔ عین اُس وقت شدید ترین حاجت مندی کے وقت یک بیک معلوم ہوتا ہے کہ باغ میں آگ لگی اور سب کچھ جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ باغ کے مالک کے غم و حسرت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے؟ اس سے کہیں بڑھ کر ہزار گنا اور لاکھ گنا بڑھ کر حالت اس بدنصیب انسان کی ہو گی جس کی آنکھیں زندگی بھر غفلت سے بند رہیں اور پہلی بار اس وقت کھلیں گی جب عمل کی مہلت بالکل ختم ہو چکے گی۔ اور اب وہ دیکھے گا کہ کوئی چیز بھی اس کے دفتر عمل میں ایسی نہیں جو اس کے کام آسکے۔ کچھ ٹھکانا، کوئی اندازہ اس کی حسرت و حرمان نصیبی کا ہو سکتا ہے؟ ف۱۰۴۱ (اللہ کی راہ میں، نیک کاموں میں) مَا كَسَبْتُمْ جو کچھ تم نے کمایا ہے جائز، پاک طریقہ سے۔ طیبات کا اطلاق صرف پاک ہی کمائی پر ہو سکتا ہے۔ فقہاء نے بہ قاعدہ اشارۃ النص مَا كَسَبْتُمْ ہی سے نکالا ہے کہ زکوٰۃ اُس مال میں ہے جو اپنا کمایا ہوا ہو، اور جو اضطراراً حاصل ہو جائے، اس میں زکوٰۃ نہیں۔ ف۱۰۴۲ یعنی نباتات، معدنیات وغیرہ۔ لَكُمْ یعنی تمہارے کام کے لیے۔ مِنَ الْاَرْضِ۔ اس کے تحت میں زراعت، باغبانی، کاشتکاری وغیرہ کی ساری شاخیں آ گئیں، جس طرح مَا كَسَبْتُمْ کے تحت میں تجارت اور کاروبار کے اقسام آ گئے تھے۔ فقہاء نے مِنَ الْاَرْضِ سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ زکوٰۃ زمینی پیداوار (زراعت، معدنیات وغیرہ) پر واجب ہوئی، برخلاف موتی، مونگے وغیرہ کے کہ وہ زمین سے نہیں سمندر سے نکلتے ہیں ف۱۰۴۳ مطلب یہ ہوا کہ ایسی ناکارہ، ناقص، ردی چیزیں کہ اگر خود تمہیں ملنے لگیں تو تمہیں لینا گوارا نہ ہو، بجز اس صورت کے کہ تم ارادۃً ان کی طرف سے چشم پوشی کر لو۔ تو اللہ کی راہ میں تو ایسی چیزوں کے صرف کرنے کا تو تمہیں خیال بھی نہ کرنا چاہیے۔ اَلْخَبِيْثَ ردی، ناکارہ چیز۔ تُنْفِقُوْنَ مراد وہی اللہ کی راہ میں نیک کام میں خرچ کرنا ہے۔ لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ۔ یعنی جب وہ تمہیں قیمۃً ہدیۃً مل رہی ہو ف۱۰۴۴ غَنِيٌّ۔ وہ تمہارے صدقات کا محتاج نہیں۔ جو چیز تمہارے معیار سے بھی ناکارہ ہو۔ اُس کی نذر اس کے دربار میں پیش کرنا چاہو۔ اُس کے ہاں اجر میں کوئی بخل نہیں۔ اُس سے معاملہ کرنے والا کبھی نادم و خاسر نہیں ہو سکتا۔ حَمِيْدٌ وہ خود ہر طرح ستودہ صفات و جامع کمالات ہے، تمہاری داد و دہش سے اس کی محمودیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ خود تمہارے لیے شرم کی بات ہے کہ ناقص اور ناکارہ چیزوں کی نذر ایسے جامع کمالات کے حضور میں! ضمناً یہ پہلو بھی آ گیا کہ جب وہ ستودہ صفات ہے تو اُس کے ہاں مقبولیت بھی انہی بندوں کو نصیب ہو سکتی ہے جو خود بھی کوئی مناسبت اس کی صفات حسنہ سے رکھتے ہوں۔ مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو نذر اور چڑھاوے کا محتاج مانا ہے۔ صفت غنی لانے سے اس عقیدہ کی تردید ہو گئی اور دیوتاؤں میں کسی نہ کسی حیثیت سے نقص تو سب ہی مشرک قوموں کے ہاں مُسلّم ہے صفت حمید نے ان خرافات کی بھی تردید کر دی۔ ف۱۰۴۵ (کہ راہِ خدا میں خرچ کر ڈالو گے تو خود مفلس رہ جاؤ گے) روزمرہ کا تجربہ ہے کہ جو چیز نیکی اور بھلائی کے کاموں میں صرف کرنے سے روکتی ہے۔ وہ یہی خیال ہوتا ہے کہ سب کچھ خرچ کر ڈالنے کے بعد پھر اپنی ضرورتوں کے لیے کیا رہ جائے گا؟ قرآن مجید نے اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ کے بلیغ الفاظ سے یہ تعلیم دے دی کہ یہ خیال تمام تر ایک وسوسۂ شیطانی ہے۔ اور یوں اس خیال کے باطل ہونے کا بہترین پیرایہ اختیار کر لیا اَلْفَحْشَآءِ عربی میں فحش و فحشاء کا اطلاق ہر شدید برائی، ہر بری صفت پر ہوتا ہے۔ هو كل ما يشتد قبحهٗ من الذنوب والمعاصی (تاج) و قيل كل خصلة قبيحة فهی فاحشة من الاقوال والافعال (تاج) لیکن بخل پر فاحش کا اطلاق علی الخصوص ہوتا ہے۔ الفاحش البخيل (قاموس) قيل الفاحش هو البخيل جدًا (تاج) والعرب تسمی البخيل فاحشًا و البخل فحشًا و فحشاء (جصاص) اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں اَلْفَحْشَآءِ سے مراد ادائے زکوٰۃ و صدقات میں بخل ہے قال المفسرون ای يامركم بان لاتتصدقوا (تاج) قيل الفحشاء ههنا البخل فی اداء الزكوٰة۔ (تاج) يعنی باعظم القبح فی البخل (راغب) يغريكم علی البخل و منع الصدقات (کشاف) المراد بها فی هذا الموضع البخل (جصاص) ف۱۰۴۶ (خوش دلی کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر) مَغْفِرَةً وَفَضْلًا وعدۂ مغفرت کا تعلق آخرت سے ہے اور وعدۂ فضل کا دنیا سے۔ ماحصل یہ ہے کہ خدائی احکام پر خدائی قانون کے مطابق چلو گے تو دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح و بہبود یقینی ہے۔ شیطانی راہ بربادی و ہلاکت کی ہے۔ اور خدائی راہ فلاح و صلاح کی ف۱۰۴۷ وَاسِعٌ۔ ایسے وصف والے کے ہاں انعام و اکرام کی کیا کمی۔ عَلِيْمٌ۔ ایسے علم کامل والے پر نیتوں کا حال رتی رتی روشن ہے۔ اس لیے ثمرہ بھی نیتوں کے مطابق ہی ملے گا

مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا

کہ اس میں سے خرچ کرو گے حالانکہ تم خود بھی اس کے لینے والے نہیں ہو بجز اس صورت کے کہ چشم پوشی ہی

فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾ اَلشَّيْطٰنُ

کر جاؤ ف۱۰۴۳ اور جانے رہو کہ اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے ف۱۰۴۴ شیطان

يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ

تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور حکم دیتا ہے تمہیں بخل کا ف۱۰۴۵ اور اللہ

يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

تم سے اپنی طرف سے مغفرت کا اور فضل کا وعدہ کرتا ہے ف۱۰۴۶ اور اللہ بڑا وسعت والا ہے

عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ

بڑا علم والا ہے ف۱۰۴۷، وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطاء

الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ

ہو گئی اسے یقیناً خیر کثیر عطا ہو گئی ف۱۰۴۸ اور نصیحت تو بس صاحبانِ فہم

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ

ہی قبول کرتے ہیں ف۱۰۴۹ اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو یا

نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ

جو نذر مانتے ہو یقیناً اللہ (سب کچھ) جانتا ہے اور ناانصافوں کا حامی

مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ

کوئی بھی نہ ہو گا ف۱۰۵۰ اگر تم صدقات کو ظاہر کر دو جب بھی اچھی بات ہے

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ

اور اگر انہیں چھپاؤ اور فقیروں کو دو جب تو یہ تمہارے حق میں

لَكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

اور بہتر ہے ف١٠٥١ اور اللہ تم سے تمہارے کچھ گناہ بھی دور کردے گا ف١٠٥٢ اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٧١﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ

اللہ اس سے خبردار ہے، ف١٠٥٣ ان کی ہدایت آپ کے ذمہ نہیں ف١٠٥٤ بلکہ اللہ

اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے ف١٠٥٥ اور تم جو کچھ بھی مال میں سے خرچ کرتے ہو

فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ

سو اپنے لئے (کرتے ہو) ف١٠٥٦ اور تم اللہ ہی کی رضا جوئی کے لئے خرچ

اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ

کرتے ہوے ف١٠٥٧ اور تم مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو (سب) تم کو پورا پورا لوٹا دیا جائے گا اور تم پر (ذرا بھی)

لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٢﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِىْ

زیادتی نہ کی جائے گی ف١٠٥٨ (اصل) حق ان حاجتمندوں کے لئے جو

سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ ۫

اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں ف١٠٥٩ ملک میں کہیں چل پھر نہیں سکتے ف١٠٦٠

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ

ناواقف انہیں غنی خیال کرتا ہے ان کی احتیاط سوال کے باعث ف١٠٦١

تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ

تو انہیں ان کے بشرہ ہی سے پہچان لے گا، ف١٠٦٢ وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے ف١٠٦٣

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢٧٣﴾ ع

اور تم مال میں سے جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ اس کا خوب جاننے والا ہے ف١٠٦٤

ف١٠٤٨ (جس کے مقابل دنیا کی کوئی اور نعمت نہیں)۔ اَلْحِكْمَةَ حکمت کی تشریحیں بہت سی کی گئی ہیں۔ لیکن بہترین اور جامع ترین تشریح یہ ہے کہ وہ امور دین میں فہم صحیح کا نام ہے۔ اور اس فہم صحیح میں جلب سے بیزاری اور مصارف میں توازن بھی شامل ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ۔ یہ حکمت کی تقسیم وعطا مشیت تکوینی کے ماتحت ومطابق ہوتی رہتی ہے۔ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ یہ حکمت ودانائی ہرگز نہیں کہ جو کچھ بھی کمایا جائے سب یہیں اپنے نفس کی لذتوں اور خواہشوں پر اڑا دیا جائے۔ عین دانائی اور حکمت یہ ہے کہ اس آج سے کل کا ذخیرہ جمع کیا جائے۔ آج تخم ریزی ایسی کی جائے کہ کل پھل ہی پھل ہاتھ لگیں اور ایمان وطاعت کا ایسا بیمہ کرا دیا جائے جو آئندہ کی دائمی اور غیر منقطع زندگی میں برابر کام آتا رہے۔ خَيْرًا كَثِيْرًا نکرہ اظہار عظمت کے لیے ہے یعنی بہت ہی بڑی نعمت ف١٠٤٩ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی عقل سلیم سے کام لینے والے۔ نصیحت سے مراد راہ حق پر چلنے کی اور راہنمایان دین کی اطاعت کی نصیحت ہے۔ اہل لطائف نے کہا ہے کہ آیت میں شیطانی وسوسہ کا علاج علم (حکمت) کے ذریعہ سے بتایا گیا ہے۔ جس طرح اس سے قبل تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ میں عمل سے بتایا جا چکا ہے۔ ف١٠٥٠ (یوم جزا میں) مَآ اَنْفَقْتُمْ۔ جو کچھ خرچ کرتے ہو۔ اچھے برے کسی مصرف میں۔ مِّنْ نَّذْرٍ۔ نذر وہ چیز ہے جسے عوامی اردو میں منت ماننا کہتے ہیں۔ فقہ میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ کسی مراد کے پورے ہونے پر اپنے اوپر کوئی ایسی چیز لازم کر لینا ہے جو واجب نہ تھی۔ النذر عقد، ترتب علی شئ والتزامه علی وجه مخصوص (روح) النذر ما یلتزمه الانسان بایجابه علی نفسه (کبیر) یہ نذر عبادت بدنی کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے مثلاً نماز یا روزہ اور عبادت مالی کی صورت میں بھی۔ يَعْلَمُهٗ۔ یعنی اس کا علم رکھتا ہے کہ وہ کس نیت سے اور کس کی راہ میں مانی گئی ہے اور اس علم کامل کے مطابق جزا وسزا بھی ہوگی۔ کنایة عن مجازاته سبحانه علیه (روح) لیجازیکم علیه (بیضاوی) لِلظّٰلِمِيْنَ یعنی قانون الٰہی توڑنے والوں کا، اپنے حق میں ناانصافی کرنے والوں کا ف١٠٥١ نیکی کی طرح صدقات وخیرات کے بھی مخفی ادا کرنے کی حقیقت تو ظاہر ہی ہے، لیکن زندگی میں ایسے مواقع بھی برابر پیش آتے رہتے ہیں جہاں نیکی کا اعلان و اظہار بھی ضروری ہو جاتا ہے ایک شخص ہے کہ بھوک پیاس سے نڈھال یا بیماری میں مبتلا سڑک پر پڑا تڑپ رہا ہے ہم قریب سے گزر رہے ہیں اور بالکل ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم اسے کھلا کر یا دوا دے کر کہنا چاہیے کہ از سر نو زندہ اٹھا کھڑا کریں لیکن اس اندیشہ سے کہ کہیں ہماری اس خدمت کا شمار ریاء ونمائش میں نہ ہو جائے اس کے پاس سے کتراتے اور خاموش گزرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ تقویٰ نہیں، عین معصیت اور انتہائی وہم پرستی ہوئی۔ یہاں ضرورت فی الفور مدد رسانی کی تھی خواہ اس کے لیے اعلان بہ بانگ دہل ہی کرنا پڑے۔ نہ یہ کہ شبہ ریاء وشائبہ نمائش سے بچنے کے لیے تلاش پہلے گوشہ تنہائی کی شروع ہو جائے۔ جن مذہبی طبقوں نے نیکی کے اہتمام یا خفاء میں تاکید حد سے زیادہ کی ہے اور خدمت خلق کو مخفی رکھنے کے ساتھ محدود ومقید کر دیا ہے، ان کی تعلیم یقیناً ناقص، ناتمام، یکطرفہ ہے اور انہوں نے زندگی میں شب وروز اس قسم کے پیش آنے والے بہ کثرت واقعات کو نظر انداز ہی کر دیا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صحیح مسلک یہ ہے کہ عمل خیر کے اعلان واخفاء میں اختیار ہے اور ساتھ ہی افضلیت اخفاء کی ہے، جب اعلان میں کوئی خاص مصلحت نہ ہو۔ اِنْ تُبْدُوْا وَاِنْ تُخْفُوْا یعنی حسب ضرورت ومصلحت دین اعلان واخفاء جو بھی مناسب ہو۔ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ یعنی فقیروں کے حوالے کرو اہتمام اخفاء کے ساتھ۔ هُوَ یعنی وہی اہتمام اخفاء ف١٠٥٢ (ان نیکیوں کی برکت سے) قرآن مجید نے ازالہ سیئات کی جہاں اور صورتیں رکھی ہیں وہاں ایک صورت یہ بھی ہے کہ نیکیاں بدیوں کا کفارہ ہوتی رہتی ہیں اور حسنات سیئات کو محو کرتی رہتی ہیں۔ یہ چیز محض عقیدہ کی نہیں، مشاہدہ و تجربہ کی بھی ہے کہ خلق کی نظر سے چھپا کر طاعت اور نیکیوں کی عادت اگر ڈال لی جائے تو ایک عرصہ کی مشق کے بعد نفس کی اصلاح خود بخود ایک بڑی حد تک ہو جاتی ہے اور جو کچھ خرابیاں پھر بھی باقی رہ جائیں ان سے درگزر کے لیے خدائے رحمٰن و رحیم کا لطف وکرم کافی ہے جو خوبیوں کو خرابیوں کا اور بھلائیوں کو برائیوں کا عوض بناتا رہتا ہے۔ یہاں پہنچ کر مسیحیوں کے اس بنیادی عقیدہ کو ایک بار پھر یاد کر لیا جائے کہ گنہ گاروں کی نجات اور گناہوں کے دھلنے کی کوئی صورت بجز اس کے نہیں کہ "خداوند خدا کا اکلوتا بیٹا" انسان کے قالب میں دنیا میں آئے اور اپنی جان کو صلیب پر دے کر سب کی طرف سے کفارہ ادا کرے ف١٠٥٣ (اور اس لیے وہ ثمر بھی اعمال واحوال کے مطابق دے گا) گناہوں سے باز رکھنے میں خدائے علیم وخبیر کے علم کل ونظر محیط کا استحضار اکسیر کا حکم رکھتا ہے اور اس لیے قرآن مجید نے اسے ہر ایسے موقع پر بار بار دہرایا ہے۔ ف١٠٥٤ (اے پیغمبر!) هُدٰىهُمْ۔ ان کی یعنی کافروں کی ف١٠٥٥ (اپنی مشیت تکوینی کے ماتحت ومطابق) رسول کا کام صرف تبلیغ ہے، یعنی ہدایت کا پیام دنیا تک پہنچا دینا، باقی کس کو قبول حق کی توفیق ہوتی ہے اور کس کو نہیں۔ اس کا تعلق تمام تر مشیت الٰہی سے ہے۔ شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعض دفعہ کسی کافر مشرک صاحب حاجت کو خیرات دینے سے اس مصلحت سے رک جاتے تھے کہ شاید یہ احتیاج ہی کی بنا پر اسلام قبول کر لیں۔ آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ اتنے بعید اہتمام کی ضرورت نہیں محض تبلیغ کافی ہے۔ فقہاء امت نے کہا ہے کہ کافر کو خیرات دینا بالکل جائز ہے، بشرطیکہ وہ حربی نہ ہو۔ المراد اباحة الصدقة علیهم و ان لم یکونوا علی دین الاسلام و قد روی ذلک عن جماعة من السلف (جصاص) حدیث میں جو آیا ہے کہ تیرا کھانا خاص متقی کھایا کریں۔ مراد اس سے طعام دعوت ہے اور آیت میں طعام حاجت۔ پس تعارض کا شبہ نہ کیا جائے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کافر حربی کو صدقہ وغیرہ جائز نہیں (تھانوی) کافر ذمی یعنی غیر حربی کو زکوۃ دینا جائز نہیں (تھانوی) اور دوسرے صدقات واجب ونفل سب جائز ہیں (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) آیت میں ذکر زکوۃ کا نہیں عام صدقات کا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا
جو لوگ اپنا مال رات اور دن (اور) پوشیدہ اور آشکارا خرچ

وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا
کرتے رہتے ہیں سو ان لوگوں کے لئے ان کے پروردگار کے پاس اجر ہے نہ ان کے لئے

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ
کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے و۱۰۶۵ جو لوگ سود

الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ
کھاتے رہتے ہیں و۱۰۶۶ وہ لوگ نہ کھڑے ہو سکیں گے سوا اس کے کہ جیسے وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے جنون

الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا
سے خبطی بنا دیا ہو و۱۰۶۷ یہ سزا اس لئے ہو گی کہ وہ کہتے ہیں و۱۰۶۸ کہ

الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ
بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہے و۱۰۶۹ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو

الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى
حرام کیا ہے و۱۰۷۰ پھر جس کسی کو نصیحت اس کے پروردگار کی طرف سے پہنچ گئی اور وہ باز آ گیا

فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ
تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ اس کا ہو چکا و۱۰۷۱ اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ رہا و۱۰۷۲ اور جو کوئی پھر عود کرے تو یہی لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ
دوزخ والے ہیں، اس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے و۱۰۷۳ اللہ سود کو

الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ
مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے و۱۰۷۴ اور اللہ کسی کفر کرنے والے گنہگار کو

وقف منزل

وقف لازم

کہ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ کسی کے زیادہ درپے نہ ہو اور تدبیر میں بھی بہت زیادہ انہماک نہ رکھے، کفار کو صدقہ نہ دینا تدبیر ہی کی ایک قسم تھی و۱۰۵۶ یعنی اپنے ہی اجرِ اُخروی کے لیے نہ کہ کسی اور کے لیے۔ فھو لانفسکم لاینتفع به غیرکم (کشاف) مَا تُنْفِقُوْا یعنی اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہو مِنْ خَيْرٍ یعنی اپنے مال میں سے۔ خَيْرٍ یہاں مال کے مرادف ہے۔ ای من مالٍ (معالم) من مال (کشاف) خیر۔ اصلاً شر کے مقابل ہے اور اس کے مفہوم میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کو انسان اچھا سمجھتا ہے مثلاً عقل و اخلاق پُر منفعت شے وغیرہ الخیر ما یرغب فیه الکل کالعقل مثلا والعدل والفضل والشئ النافع اور قرآن مجید میں مال کے لیے خَيْر کا لفظ متعدد مقامات پر مال کے حسن استعمال کے سلسلہ میں آیا ہے۔ مثلاً ان ترک خیرًا۔ وانه لحب الخیر لشدید۔ ما انفقتم من خیر فللوالدین وغیرھا و۱۰۵۷ (سو یہ مقصد ہر حاجتمند کی حاجت برآری سے پورا ہو جاتا ہے، خواہ اس کے عقائد کچھ بھی ہوں) کان النبی ﷺ لا یتصدق علی المشرکین فنزلت وما تنفقون الا ابتغآء وجه الله فتصدق علیھم (ابن جریر) مطلب یہ ہوا کہ مقصود جب اپنے لیے نفعِ اُخروی یا حصول اجر ہے تو وہ تو ہر حاجتمند کی امداد سے ہو سکتا ہے صدقہ کو مسلمانوں ہی پر محدود رکھنے کی قید کیوں لگائی جائے۔ وَجْهِ اللّٰهِ کے عام طور پر معنی ذاتِ الٰہی کے کیے گئے ہیں۔ ربما عبر عن الذات بالوجه (راغب) لیکن دوسرے معنی رضاءِ الٰہی کے بھی ہو سکتے ہیں اور بعض محققین اس طرف بھی گئے ہیں۔ عبر بالوجه عن الرضا کما قال ابتغاء مرضاة الله و ذلک عادة العرب (بحر) محض للہ کے مقابلہ میں ابتغاء وجه الله کہنے میں ایک تو زور زیادہ پیدا ہو گیا۔ دوسرے یہ معنی بھی پیدا ہو گئے کہ کسی درجہ کی شرکت مقصود و مطلوب نہیں، صرف اللہ ہی کی رضا مقصود ہے۔ گویا یہ ترکیب، تاکید اور حصر دونوں کی جامع ہے۔ ای ما تنفقون بسبب من الاسباب الالھذا السبب (روح) ای ثوابه لاغیره من اغراض الدنیا (جلالین) آیت میں رد ہے ان جاہل صوفیہ کا جو ثواب اور اجر کے مقصد کو اخلاص کے منافی سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید نے تو بارہا ضمناً نہیں صراحۃً ترغیب دی ہے اجر و ثواب کے تلاش کرنے کی و۱۰۵۸ (کہ اجر میں کچھ کسر رہ جائے اور ثواب کا کوئی حصہ کاٹ لیا جائے) مِنْ خَيْرٍ خیر کے مرادف مال ہونے پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ سب تم کو پورا پورا لوٹا دیا جائے گا۔ یعنی سارا اجر و ثواب آخرت میں و۱۰۵۹ یعنی صدقات کے اصل مستحق تو وہ حاجتمند ہیں جن کا ذکر اب آ رہا ہے۔ مبتداء یہاں محذوف ہے۔ اصل ترکیب یوں ہے۔ ھٰذه الصدقات للفقرآء (مدارک) اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی دین ہی کے کسی کام میں گھر گئے ہیں اور اب آزادی سے کسب معاش نہیں کر سکتے۔ اصل مراد یہاں مجاہدین ہیں ھم الذین احصرھم الجھاد فمنعھم من العقف (مدارک) احصارٌ۔ میں بڑی گنجائش ہے یہ گھر جانا خواہ وقت کے لحاظ سے ہو یا جسم کے لحاظ سے سب اس کے تحت میں آ جاتا ہے۔ علٰی ھٰذا فی سبیل اللہ میں بھی بڑی وسعت ہے۔ دین کا کوئی سا کام، کوئی سی ضرورت ہو سب اس میں شامل ہو سکتی ہیں۔ گو اصل مراد جہاد ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ آیت کے مصداق ہمارے ملک میں سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دین میں مشغول ہیں کہ علم دین میں جس مشغولی و انہماک کی ضرورت ہے اس کے ساتھ اگر فکرِ معاش کی مصروفیت کو جمع کر لیا جائے تو علم دین کی خدمت ناتمام رہ جائے گی و۱۰۶۰ (آزادی سے طلب معاش کے لیے) یعنی اُن کا وقت خدمت دین میں ایسا گھرا رہتا ہے کہ کسب معاش کے لیے انہیں مہلت نہیں ملتی و۱۰۶۱ یعنی اُن کی غیرت و خودداری گوارا نہیں کرتی کہ وہ لوگوں سے سوال کریں۔ ناواقفوں کو اس سے گمان یہ گزرتا ہے کہ یہ لوگ خوشحال ہیں، محتاج و مستحق امداد نہیں۔ (تونگری) شریعت میں حاجت اصلی سے مال کے زائد ہونے کو کہتے ہیں۔ الغنی ھو ما یفضل عن مقدار الحاجة (جصاص) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سالکین کو کوئی ایسی خاص وضع نہ بنانا چاہیے جس سے عام اہل دُنیا سے اُن کا امتیاز ظاہر ہوتا ہو و۱۰۶۲ (کہ یہ محتاج و مستحق امداد ہیں۔ اے مخاطب!) یعنی یہ لوگ زبان سے کچھ بھی نہ کہیں۔ لیکن اُن کی طرز و ہیئت خود سے دیکھنے کے بعد خود ان کے فقر و فاقہ کی غمازی کرے گی۔ بعض فقہاء نے یہیں سے قرائن سے استنباطِ نتائج کا جواز نکالا ہے و۱۰۶۳ (شدت احتیاج کے باوجود) اور یہ دلیل ہے ان کے کمالِ غیرت کی۔

اِلْحَافًا اوپر مِنَ التَّعَفُّفِ کے ضمن میں ابھی آ چکا ہے کہ یہ غیور و خوددار لوگ سرے سے سوال ہی نہیں کرتے اور اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ لوگ لگ لپٹ کر نہیں مانگتے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس میں اشارہ ہے کہ الحاف (لگ لپٹ کر مانگنے کی عادت) بری عادت ہے۔ بعض محققین نے معنی مطلقاً عدم سوال کے کیے ہیں۔ والمعنٰی انھم لایسئلون اصلا و ھو المروی عن ابن عباس والیه ذھب الفراء والزجاج واکثر ارباب المعانی (روح) و۱۰۶۴ (تمہارے اخلاص کا، اور اسی نسبت سے اجر بھی دے گا) وَمَا تُنْفِقُوْا۔ یعنی ایسے لوگوں پر خرچ کرتے رہو و۱۰۶۵ (قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس پہنچ کر) بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ یعنی جس وقت اور جس گھڑی بھی ضرورت و مصلحت ہو۔ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً۔ یعنی پوشیدہ تو حسب عادت اور علانیہ حسب ضرورت و مصلحت۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ۔ یعنی اللہ کی راہ اور خدمت دین میں۔ انفاق کی ترغیب جہاں جہاں بھی ہے۔ مطلق انفاق کی نہیں بلکہ مراد وہی انفاق فی سبیل اللہ یعنی خدمت دین میں خرچ ہے و۱۰۶۶ (اُسے جائز قرار دے کر) يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا سے مراد اُردو محاورہ میں سود لینا ہے۔ عربی اور فارسی محاورہ میں سود کھانا آتا ہے۔ اور اُردو میں بھی سود کھانا نامانوس نہیں۔ الرِّبٰوا ربٰو کے لغوی معنی ہر زیادتی اور اضافہ کے ہیں خصوصاً سرمایہ میں اضافہ کے۔ ربا ای زاد و علا (راغب) الربا الزیادة فی راس المال (راغب) اصطلاح شریعت میں ربٰوا کہتے ہیں اصل قرضہ پر زیادتی کو یا بلا معاوضہ مال، مال پر زیادتی کو۔ خواہ یہ بڑی ہو یا چھوٹی۔ خُصَّ فی الشرع بالزیادة علی وجهٍ دون وجهٍ (راغب)

كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

دوست نہیں رکھتا و۱۰۷۵ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

اور نماز کی پابندی کی اور زکوۃ دی ان کے لئے ان کا اجر

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

ان کے پروردگار کے پاس ہے نہ ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے و۱۰۷۶

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے

مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ

اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو و۱۰۷۷ لیکن تم نے

تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ

ایسا نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ جنگ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے و۱۰۷۸

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ

اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تمہارے اصل اموال تمہارے ہی ہیں و۱۰۷۹ نہ تم (کسی پر) ظلم کرو گے

وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ

نہ تم پر (کسی کا) ظلم ہو گا و۱۰۸۰ اور اگر تنگدست ہے تو اس کے لئے آسودہ حالی تک

اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

مہلت ہے و۱۰۸۱ اور اگر معاف کر دو تو تمہارے حق میں (اور) بہتر ہے اگر تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى

علم رکھتے ہو و۱۰۸۲ اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم (سب) اللہ کی طرف لوٹائے

هو فضل مالٍ خالٍ عن العوض فی معاوضة مال بمالٍ (مدارک) اہل عرب اس لفظ کو اُس زائد رقم کے لیے استعمال کرتے تھے جو قرض خواہ اپنے قرض دار سے مہلت کے معاوضہ میں وصول کرتا تھا۔ اُردو میں اسی کا ترجمہ سود ہے اور سود کا مفہوم ہر شخص سمجھتا ہے و۱۰۶۷ اصل منظر تو یہ قیامت کے دن کا ہے کہ آخرت میں اپنی قبروں سے اُٹھنے پر یہ سود خوار سیدھے کھڑے تک نہ ہو سکیں گے کھڑے ہوں گے بھی تو متوالوں، خبطیوں، دیوانوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے۔ لیکن اس کا ایک ہلکا سا رنگ اسی دنیا ہی میں نظر آ جاتا ہے۔ مہاجن، ساہوکار جو روپیہ کے پیچھے دیوانہ باؤلا رہتا ہے، واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جن یا بھوت چمٹ گیا ہے اور اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اس پر سود یا بیاج ہی سوار رہتا ہے۔ اور جس کی حرص و طمع کی پیاس دنیا میں اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ لازم ہے کہ اُس کا حشر بھی اس مخبوط، جنون زدہ حالت کے ساتھ ہو۔ اہل کشف اور محققین کا بیان ہے کہ حشر میں انسان اُسی صورت کے ساتھ اُٹھے گا۔ جس قسم کی سیرت اور خصلتیں دنیا میں اس پر غالب رہی ہوں گی۔ قال العارف الرومی ؎

سیرتے کو بر نہادت غالب است ہم برآں تصویر حشرت واجب است

مِنَ الْمَسِّ۔ مس اور مس شیطانی سے مراد عربی محاورہ میں جنون ہوتی ہے۔ کنّی بالمسّ عن الجنون (راغب) المسّ الجنون (کشاف) ان الفاظ کے آ جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن مجید خود ہی اس عقیدہ کی تعلیم دے رہا ہے کہ جنون مس شیطانی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ قرآن بعض اوقات ایسے موقع پر صرف مخاطبین کے معتقدات کو دہرا دیتا ہے۔ اور چونکہ اہل عرب کا عقیدہ یہی تھا اس لیے ہو سکتا ہے کہ قرآن انہی کی فہم کی مناسبت اور مذاق کی رعایت سے یہ فقرہ لے آیا ہو۔ قیل اضیف الی الشیطان علٰی زعمات العرب ان الشیطان یخبط الانسان فیصرعه فورًا علٰی ما کانوا یعتقدون (بحر) الناس یضیفون الصرع الی الشیطان والی الجن فخوطبوا علٰی ماتعارفوه من هٰذا ومن عادة الناس انهم اذا ارادوا تقبیح شیءٍ ان یضیفوه الی الشیطان (کبیر) و۱۰۶۸ (حکم حرمت ربوٰ کے جواب میں بہ طور استدلال کے) مراد سود خواروں اور جواز سود کے قائلوں کی جماعت ہے۔ یہ عہد جاہلیت کے "روشن خیال" تھے و۱۰۶۹ (حصول نفع و اضافۂ دولت کے لحاظ سے) آج کل کے "روشن خیالوں" کی طرح اُس عہد کے سفیہوں کا بھی کہنا یہ تھا کہ مالی نفع آخر تجارت میں بھی تو ہوتا ہے، پھر جب تجارت حرام نہیں تو سود کیوں حرام ہو؟ ان نافہموں نے اسے بالکل نظر انداز کر دیا تھا کہ دونوں کی ایک سطح نہ اخلاقی حیثیت سے ہے نہ معاشی حیثیت سے۔ سود کی تو ایک متعین رقم بے کھٹکے ہر حال میں مہاجن کو ملتی رہتی ہے برخلاف اس کے تجارت میں نفع و نقصان دونوں کے احتمالات ہر وقت لگے رہتے ہیں اور تاجر کو نقصان سے بچنے کے لیے وقت، محنت، ذہانت سب کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ پھر تجارتی معاملت تو ہر وقت ختم ہو جاتی ہے برخلاف اس کے مدت اور مہلت کے ساتھ ساتھ سود خوار کے مطالبات کی میزان بھی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات قرضدار کی نوبت بالکل تباہ حالی اور بربادی کو پہنچ جاتی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں حرمت سود کے جو عقلی دلائل لکھے ہیں وہ طرزِ ادا و تعبیر کی تھوڑی سی تبدیلیوں کے بعد آج بھی پوری طرح پڑھنے کے قابل ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے نمبر اوّل پر یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ سود کی رقم آخر کس چیز کا معاوضہ ہوتی ہے؟ بجز مفت خوری کی بدترین شکل کے اور یہ ہے کیا؟ و۱۰۷۰ (اور معلوم ہے کہ اللہ وہ ہے جو شرائع و احکام کا مالک ہے اور حکیم بھی ہے اور حاکم بھی) جب حکیم مطلق نے ایک معاملت کو جائز اور دوسری کو حرام ٹھہرا دیا ہے تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ جائز کے اندر بیشمار منافع و مصالح اور حرام کے اندر بے شمار مفاسد و نقصانات ہیں اور بالفرض کسی کی سمجھ میں یہ مفاسد نہ بھی آئیں۔ جب بھی حاکم مطلق کا حکم واجب العمل تو بہرحال ہے۔ اسلام کے جو احسانات ساری دُنیا پر اور بہت روشن و نمایاں حیثیت سے ہیں ان میں سے ایک حرمت سود بھی ہے۔ اس کے مفاسد روشن سب پر ہو چکے تھے۔ اس سے عاجز سب ہی آ چکے تھے لیکن قطعی اور کلی صورت میں حرام اسے دنیا کے ضابطوں اور شریعتوں میں صرف اسلام ہی نے قرار دیا۔ سود خوار کے دل میں شقاوت و سنگدلی اور حرص مال اور بلا مشقت مال ہاتھ آ جانے سے نفس میں دناءت اور زر پرستی اور ساہوکاروں کا بخل اور باہمی حسد و رقابت اور قرضدار بیچارہ کی بے حرمتی و تذلیل یہ واقعات و مشاہدات کہنا چاہیے کہ پیش پا افتادہ تھے۔ لیکن اس کی قطعی بندش کا خیال کسی انسانی دماغ کو نہ آیا۔ اصلاحِ حال کی جو کوششیں زیادہ سے زیادہ ہوئیں وہ بس شرح سود کی تحدید تک رہیں۔ یونان میں سولن، انگلستان میں بیکن اور یورپ میں آبائے کلیسا کے جوشِ اصلاح و افادۂ خلق کی کائنات کل اسی قدر ہے۔ یہ فخر قیامت تک کے لیے عرب کے اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہو گیا کہ اس انسانیت کش رسم کی حرمت کی منادی اس کی زبان سے کرائی گئی اور حَرَّمَ الرِّبٰوا کا زلزلہ افگن نعرہ اس کے دہن سے بلند کرایا گیا و۱۰۷۱ (اور وہ اس کھائے ہوئے نوالہ کے اُگلنے پر مجبور نہیں) مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ یعنی یہی حرمت سود کا حکم فَانْتَهٰى یعنی وہ باز آ گیا سود لینے اور اسے جائز ٹھہرانے سے۔ فَلَهٗ مَا سَلَفَ۔ یعنی حکم حرمت سے قبل جو کچھ لے چکا، سو لے چکا۔ توبہ کے بعد اس کے لیے گنجائش ہے کہ اُس مال کو اپنے پاس رہنے دے۔ پچھلی رقموں کی واپسی پر شریعت اسلام کسی کو مجبور نہیں کرتی و۱۰۷۲ (جو دلوں کے اسرار و خفایا کا عالم ہے) مقصود یہ ہے کہ یہاں بیان بندوں کے سامنے معاملہ کے صرف ظاہری اور قانونی پہلوؤں کا ہو رہا ہے۔ باقی قلب کے تقویٰ و طہارت اور نفس کی اصلاح کا معاملہ اللہ پر چھوڑنا چاہیے۔ اَمْرُهٗ میں ضمیر باز رہنے والے (من انتهٰی) کی طرف ہے۔ الظاهر ان الضمیر فی امره عائد الی المنتهٰی (بحر) و۱۰۷۳ یعنی جو کوئی اس تبلیغ کے بعد بھی عقیدۂ جواز سود پر قائم

رہے، یا سودی معاملت کرتا رہے۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ۔ یہ سزا ہے سودی معاملت کرنے والوں کی۔ معاملت سود گناہ کبیرہ ہے اور کبیرہ کی سزا جہنم ہے۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ یہ سزا ہے جوازِ سود کے قائلوں کی۔ جوازِ سود کا عقیدہ کفر ہے اور کفر کی سزا خلودِ جہنم ہے۔ معتزلہ نے آیت کے اتنے جزء سے مومن اہل معاصی کی عدم مغفرت پر استدلال کرنا چاہا ہے۔ لیکن تفسیر کا جو پہلو یہاں اختیار کیا گیا اس پر یہ شبہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے بھی تفسیر کبیر میں اس مقام پر خوب تقریر کی ہے۔ و۱۰۷۴ آخرت میں تو اس وعدہ ووعید دونوں کا مشاہدہ پوری طرح ہو کر ہی رہے گا کہ سود میں برکت وخیریت برائے نام بھی نظر نہ آئے گی۔ اور صدقات کا اجر بے حساب ملے گا۔ لیکن دُنیا میں بھی اس کا ظہور کسی نہ کسی حد تک ہوتا ہی رہتا ہے۔ سود خوار قوموں کا انجام بارہا آپس کی خونریزی اور تباہی وبربادی ہی پر ہوا ہے اور افراد میں بھی مشاہدہ ہے کہ سود خواری کی عادت بنیوں، مہاجنوں کے دل میں روپیہ کو نفسِ محبوب بنا دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سود خوار زرودولت سے دنیوی لطف بھی نہیں اٹھا پاتا۔ اس کے مقابل صدقہ کی برکتیں، ملی غمخواری وہمدردی، ایک دوسرے کی مشارکت ومعاونت قوم اور افراد دونوں میں مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔ بینکوں کے آئے دن ٹوٹنے، مہاجنوں اور بنیوں کے دیوالہ نکلتے رہنے اور پھر اس سے ہزاروں گھروں کی تباہی وبربادی کس نے نہیں دیکھی ہے؟ معاشرہ کی اس ابتری کا راز بھی سودی کاروبار کی ترویج ہے و۱۰۷۵ اس کے اندر دونوں قسم کے نافرمان آگئے۔ وہ جو سود کا کاروبار کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے عمل کے ساتھ ساتھ، حرمت سود کے عقیدۂ بھی منکر ہیں۔ كَفَّارٌ کافر کا صیغۂ مبالغہ ہے۔ ناشکرے اور کفرانِ نعمت کرنے والے کے مفہوم میں کفور کا مرادف اور اس سے بلیغ تر۔ یہاں مراد وہی لوگ ہیں جو جواز سود کے قائل ہیں۔ ای عظیم الکفر باستحلال الربوٰا (مدارک) مُصِرٌّ علٰی تحلیل المحرمات (بیضاوی) الکفور المبالغ فی کفران النعمة والکفار ابلغ من الکفور (راغب) اَثِيْمٍ۔ بڑے گنہگار۔ یعنی سود خواری جیسی شدید معصیت میں مبتلا۔ متماد فی الاثم باکلہٖ (مدارک) منهمک فی ارتکابه (بیضاوی) كَفَّارٌ۔ کے لفظی معنی بڑے ناشکرے کے ہیں۔ جس شخص پر اللہ اپنا اتنا فضل کرے کہ اُسے اس کی اپنی ضروریات سے زیادہ مال دے اور وہ اس مال کو بندوں کی آزار رسانی پر صرف کرے تو اس سے بڑھ کر سوءِ استعمال کی مثال اللہ کے فضل کی اور کیا ہوگی اور ایسے بدبخت سے بڑھ کر ناشکرا اور کون قرار پائے گا؟ و۱۰۷۶ (قیامت میں) خیر آخرت میں تو ایسے نیک کردار، متقی، خاشع، خادم خلق انسانوں کی خوش انجامی تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن دنیا میں بھی جو سکونِ قلب یکسوئی، طمانیت خاطر اور قناعت کی مسرتیں ایسے لوگوں کو حاصل رہتی ہیں اُن کا اندازہ وہ بدنصیب کر ہی نہیں سکتا۔ جو چوبیس گھنٹہ آنہ، پائی کی میزان لگاتا رہتا ہے جو مخلوق کی ایذا رسانی کا خوگر ہو کر پیسہ پیسہ گنتا رہتا ہے اور جس پر ہر گھڑی بہی کھاتہ سنبھالے رہنے کا بھوت سوار رہتا ہے و۱۰۷۷ (کہ ایمان کا مقتضٰی سارے ہی احکام قرآن پر عمل کرنا ہے) محققین نے اس ٹکڑے سے یہ استدلال کیا ہے کہ شریعت کے کسی ایک جزء سے بھی انکار کرنا ساری شریعت سے انکار کرنا ہے۔ فیه دلیل علٰی ان من کفر بشریعة واحدة من شرائع الاسلام کان کافرًا کما لو کفر بجمیع شرائعه (کبیر) اتَّقُوا اللّٰهَ۔ خوف خدا ہی اصل ہے تمام نیکیوں کی اور اجتناب معاصی کی۔ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ۔ یعنی حرمت سود کے نزول حکم سے قبل جو رقم سود کی تم ٹھہرا چکے ہو اس کا وصول کر لینا اب جائز نہیں اُسے چھوڑ دو۔ و۱۰۷۸ یعنی تم پر باغیوں اور مرتدوں کی طرح جہاد کیا جائے گا۔ کما یحارب الفئة الباغیة (کبیر) کحرب المرتد و کحرب البغاة (روح) اعلام بانّهم ان لم یفعلوا ما اُمِرُوا به فهم محاربون لله و رسوله (جصاص) اتنی شدید تہدید قرآن مجید میں کسی دوسری معصیت کے لیے نہیں آئی ہے۔ العظمة للہ حرمت سود کا کس درجہ اہتمام ہے اور اس باب میں کس درجہ شدید احکام ہیں۔ کچھ حد ہے اس ڈھٹائی اور جسارت کی کہ اپنے کو مسلمان کہلا کر رسالہ "جوازِ سود" پر شائع کیے جائیں اور اپنی تحریر وتقریر سے لوگوں کو سودی کاروبار کی ترغیب دلائی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جو قول منقول ہے کہ سود کو بھی چھوڑ دو اور اس کے مشابہ چیزوں کو بھی۔ وہ اسی قرآنی تہدید کا قدرتی نتیجہ ہے۔ جب جسمانی بیماریوں کا یہ حال ہے کہ کسی مرض کو طبیب اگر سخت مرض سے مشابہ پاتا ہے تو احتیاطًا علاج اُس سخت تر مرض کا شروع کر دیتا ہے تو جو مسلمان تقوٰی کا ادنٰی درجہ بھی رکھتے ہیں، اُن پر بھی یہی لازم ہے کہ نہ صرف کھلے ہوئے سود سے بچیں بلکہ ایسی مالی وکاروباری صورتوں سے بھی احتیاطًا بچتے رہیں جن کا سودی ہونا مشتبہ ہے۔ اِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا۔ یعنی اگر اس حکم حرمت سود پر عمل نہ کرو گے و۱۰۷۹ یعنی حکومت اسلامی تمہارا اصل سرمایہ تمہیں واپس دلا دے گی۔ اگر توبہ نہ کرو گے تو راس المال بھی بحق حکومت اسلام ضبط ہو جائے گا۔ اِنْ تُبْتُمْ یعنی اگر سود خواری کی معصیت سے توبہ کر لو گے و۱۰۸۰ لَا تَظْلِمُوْنَ ظالم بننے کی صورت تو یہ ہے کہ کوئی رقم قرض دی اور وصول کرتے وقت اصل سے زائد وصول کر لی۔ بطلب للزیادة علٰی راس المال (کبیر) لَا تُظْلَمُوْنَ۔ مظلوم بننے کی صورت یہ ہے کہ جتنی رقم قرض لی تھی اب ادا کرنا اس سے زائد کا پڑ رہا ہے۔ ای بنقصان راس المال (کبیر) و۱۰۸۱ یعنی مدیون یا قرضدار اگر وقت پر تنگدست ہے تو اُسے اُسی وقت تک کے لیے مہلت دے دی جائے۔ جب تک وہ ادا کرنے کے قابل ہو جائے و۱۰۸۲ (کہ اس احسان وحسن سلوک پر کتنا اجر عظیم موعود ہے) اَنْ تَصَدَّقُوْا۔ یعنی نادار مدیون کو اپنا مطالبہ بالکل معاف ہی کر دو۔ عقائد اسلامی کی طرح قوانین اسلامی کی بھی پوری قدر اُس وقت ہوتی ہے جب اُن کے مقابلہ میں اپنے کو مہذب اور ترقی یافتہ کہلانے والی قوموں کے قوانین رکھے جائیں۔ خود اس قرضہ کے معاملہ میں دوسری قوموں کے قانون قرض داروں کے حق میں سرتاسر ظالمانہ ہیں۔ رومی قانون (مرعوب کن Roman Law) میں مدیون کو قتل تک کیا جا

اللّٰهِ ۛ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا

جاؤ گے و۱۰۸۳ پھر ہر شخص کو اس کا معاوضہ پورا پورا ملے گا، اور ان پر ظلم (ذرا بھی) نہ

يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ

ہو گا و۱۰۸۴ اے ایمان والو جب ادھار کا معاملہ کسی مدت معین

بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ

تک کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو و۱۰۸۵ اور لازم ہے کہ تمہارے درمیان

بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ

لکھنے والا ٹھیک لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے

كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ

جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھا دیا ہے و۱۰۸۶ پس چاہیے کہ وہ لکھ دے اور چاہیے کہ وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ

الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ

حق واجب ہے و۱۰۸۷ اور چاہیے کہ وہ اپنے پروردگار اللہ سے ڈرتا رہے اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے و۱۰۸۸

فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا

پھر اگر وہ جس کے ذمہ حق واجب ہے عقل کا کوتاہ ہو یا یہ کہ کمزور ہو و۱۰۸۹

اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ

اور اس قابل نہ ہو کہ وہ خود لکھوا سکے و۱۰۹۰ تو لازم ہے کہ اس کا کارکن ٹھیک ٹھیک

بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ

لکھوا دے و۱۰۹۱ اور اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ کر لیا کرو و۱۰۹۲

فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ

پھر اگر دونوں مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں میں سے

ع ۳۸ / ۸ / ۲

تا تھا اور رومی تاریخ میں داینوں کی ظلم وزیادتی سے بار ہا نوبت شدید بلووں تک آگئی ہے۔ ایک اور نکتہ۔ اسلامی نظام معاشیات کی بنیاد مادّیات سے کہیں بڑھ کر انسانیت وروحانیت وتقوائی الٰہی پر رکھی ہے۔ اور یہ
خصوصیت اُسے دنیا کے قدیم وجدید سارے معاشی نظاموں سے ممتاز کیے ہوئے ہے ف۱۰۸۳ (اپنے اپنے اعمال کی پیشی کے لیے) خطاب یہاں اہل ایمان سے ہے ف۱۰۸۴ (کہ کسی کا نیک عمل بلا معاوضہ رہ
جائے یا کسی کے نامۂ عمل میں کوئی بدی خواہ مخواہ لکھ دی جائے) تُوَفّٰی۔ مَا كَسَبَتْ۔ یعنی اعمال کا پورا پورا معاوضہ دیا جائے گا ف۱۰۸۵ (اور اس صاف صاف لکھا پڑھی کو نہ دلیل بے اعتمادی کی سمجھو اور نہ اس میں
شرماؤ) دَيْن۔ دَین کا لفظ بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ عربی میں یہ (عین) کے مقابلہ میں ہے اور اس کا اطلاق ہر اس معاملت پر ہوتا ہے، جس کے معاوضہ کا ایک جزء فی الفور نہ ہو۔ هو عبارة عن كل معاملة كان
احد العوضين فيها نقدًا والأخر في ذمة النسيئة كان العين عند العرب ما كان حاضرًا والدّين ما كان غائبًا (ابن عربی) تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ۔ دَین یا اُدھار معاملت کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ چیز
ابھی خریدی اور قیمت کے لیے طے پا گیا کہ اتنی مدت کے بعد دیں گے۔ دُوسری یہ کہ قیمت اُسی وقت دے دیں اور چیز کے لیے یہ طے پا گیا کہ اتنی مدت کے بعد لیں گے۔ شرعاً دونوں صورتیں جائز ہیں تفصیلات فقہ
کی کتابوں میں ملیں گی۔ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ قرضہ کے معاملات میں مدت بالکل صاف اور متعین ہونا چاہیے۔ گول اور مجمل نہ رہے۔ "جاڑوں کے زمانہ میں"

تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا

جنہیں تم پسند کرتے ہو ف۱۰۹۳ تاکہ ان دو عورتوں میں سے ایک دوسری کو یاد دلا دے

فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ

اگر کوئی ایک ان دو میں سے بھول جائے ف۱۰۹۴ اور گواہ جب بلائے جائیں

اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا

تو انکار نہ کریں ف۱۰۹۵ اور اس (معاملت) کو خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی اس کی میعاد

اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ

تک لکھنے سے اُکتا نہ جاؤ یہ کتابت اللہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ قرین عدل ہے

وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ

اور شہادت کو درست تر رکھنے والی ہے اور زیادہ سزاوار اس کی کہ تم شبہ میں نہ پڑو ف۱۰۹۶ بجز اس کے کہ

تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

کوئی سودا دست بدست ہو جسے تم باہم لیتے ہی رہتے ہو سو تم پر اس میں کوئی

جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪

الزام نہیں کہ تم اسے نہ لکھو ف۱۰۹۷ اور جب خرید و فروخت کرتے ہو (تب بھی) گواہ کر لیا کرو ف۱۰۹۸

وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا

اور کسی کاتب اور گواہ کو نقصان نہ دیا جائے ف۱۰۹۹ اور اگر (ایسا) کرو گے

فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ

تو یہ تمہارے حق میں ایک گناہ (شمار) ہوگا ف۱۱۰۰ اور اللہ سے ڈرتے رہو، ف۱۱۰۱ اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے ف۱۱۰۲

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى

اور اللہ ہر چیز کا بڑا جاننے والا ہے ف۱۱۰۳ اور اگر تم سفر میں ہو

"برسات کے موسم میں" "ربیع کی فصل میں" ان مبہم مدتوں کی بجائے تعیین وصراحت ہونا چاہیے کہ فلاں سنہ کے فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ۔ فقیہ ابن عربی مالکی نے ایک اس آیت کے ذیل میں ۵۲ مسئلہ لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ آیت مسائل بیع میں اہم ترین آیت ہے۔ هي اصل في مسائل البيوع و كثير من الفروع عامی صوفیہ اور جاہل مشائخ نے جو یہ سمجھ رکھا ہے کہ معاملت ومعاشرت کی اصلاح و درستی سلوک و طریقت کے منافی ہے وہ غور کریں کہ قرآن کو اس باب میں کتنا اہتمام بلکہ جزئیات تک کا انضباط مدنظر ہے! ف۱۰۸۶ باہمی لین دین اور قانونی معاملات کے سلسلہ میں ادنٰی ادنٰی جزئیات تک کے لیے شریعت کا یہ اہتمام اللہ اللہ عالمگیر ہدایت و رہنمائی کا حق اگر کسی کتاب کو پہنچتا ہے تو بیشک وہ یہی کتاب ہو سکتی ہے۔ کہاں ایک طرف یہ مکمل نظام زندگی اور مفصل ضابطہ حیات اور کہاں اس کے مقابلہ میں انجیل جس کے صفحات قانون ومعاملت کی چھوٹی چھوٹی ہدایات تک سے خالی ہیں! بِالْعَدْلِ یعنی کسی فریق سے متاثر ہوئے، کسی کی رو رعایت کیے ہوئے بغیر لکھے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ بھی نکالا ہے کہ کاتب کو متدین اور شرائط تحریر کا عالم ہونا چاہیے اور فریقین پر لازم ہے کہ ایسے ہی کاتب کی تلاش کریں۔ فيه دليل ان يكون الكاتب فقيها عالماً بالشروط وهو للمتداينين بتخيير الكاتب (مدارک) وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ فقہا نے کہا ہے کہ کاتب کو اپنی محنت کی اُجرت لینا جائز ہے۔ ف۱۰۸۷ دستاویز کا ماحصل کسی حق کا اپنی طرف اقرار کرنا ہے۔ یہ قدرۃً اُسی کو کرنا چاہیے جس کے ذمہ کوئی حق واجب الادا ہو۔ وَلْيُمْلِلِ۔ یعنی دستاویز کو لکھانا ف۱۰۸۸ یعنی جو حق جس طرح اور جتنا اُس پر واجب ہے اُس میں سے کاتب دستاویز کو بتلائے اور لکھاتے وقت کچھ بھی کتر بیونت نہ کرے، وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ۔ خوف خدا تو مسلمان کے لیے جزء زندگی اور اس کی زندگی بھر رہنا چاہیے۔ دستاویز لکھاتے وقت اس کی تاکید و یاد دہانی کی حکمتیں اور مصلحتیں بالکل واضح ہیں ف۱۰۸۹ اور یہ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ دستاویز لکھانے والا وہی ہونا چاہیے۔ سفيهًا۔ یہ مراد نہیں کہ پاگل ہو بلکہ صرف ضعیف العقل مراد ہے۔ ضعيف الرای ناقص العقل من البالغين (کبیر) ضعيفًا۔ یہاں ایک جامع لفظ ہے۔ نابالغ اور پیر فرتوت سب اس کے اندر آ جاتے ہیں۔ الصغير والمجنون والشيخ الخرف وهم الذين فقدوا العقل بالكلية (کبیر) ف۱۰۹۰ (کسی اور عذر یا مانع سے) مثلاً یہ کہ گونگا ہو، یا پردیسی ہو، ملک کی زبان سے ناواقف، ف۱۰۹۱ (ایسی ہر صورت میں اس کی طرف سے ٹھیک ٹھیک) وَلِيُّهٗ سے مراد ولی شرعی ہے یا وکیل یا مختار۔ (یا پردیسی کے لیے) ترجمان۔ تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی صورت جب ایسی پیش آ جائے کہ صاحب معاملہ کا اقرار اور بیان معتبر نہ رہ جائے تو اعتبار اُس کے کارکن کے بیان و اقرار کا کیا جائے

ف۱۰۹۲ (جو عاقل ہوں، بالغ ہوں، آزاد ہوں، دیندار ہوں) اي من رجال المومنين والحرية البلوغ مشروط مع الاسلام (مدارک) مِنْ رِّجَالِكُمْ کی قید نے صاف بتا دیا کہ گواہوں کو مسلمان ہونا چاہیے۔ یہودی قانون میں بھی گواہ کا اسرائیلی ہونا ضروری ہے۔ کافروں کی گواہی کافروں کے معاملات میں مقبول ہو سکتی ہے۔ وشهادة الكفار بعضهم على بعض مقبولة عندنا (مدارک) وَاسْتَشْهِدُوْا۔ گواہوں کی یہ گواہی تحریر و دستاویز کے علاوہ ہونا چاہیے۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ اصل مدار ثبوت اُنہی گواہوں کی گواہی ہو گی ف۱۰۹۳ (یعنی جو تمہارے نزدیک ثقہ و قابل اعتبار ہوں) فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ یعنی دو مرد گواہی کے لیے میسر نہ آئیں۔ رَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ یہودی قانون میں گواہی صرف مردوں کی معتبر ہے اور عورت کی شہادت سرے سے قابل تسلیم نہیں۔ اسلام نے اسے یہ حق دیا ہے لیکن ساتھ ہی اپنے علم کامل اور تحقیق مطلق کی بنا پر عورت کی گواہی کا مرتبہ مرد کے مقابلہ پر نصف مانا ہے۔ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ۔ دیانت، ضمیر، سیرت، کردار کا ایک خاص معیار اسلام نے زندگی کے چھوٹے بڑے ہر شعبہ اور معاشرت کے بعید سے بعید گوشہ میں بھی قائم رکھا ہے۔ چنانچہ یہاں یہ قید لا کر صاف بتا دیا کہ شہادت بھی ایک خاص اعزاز ومنصب ہے ہر کس وناکس اس کا اہل نہیں۔ اس کے اہل وہی ہیں جن کی سیرت وکردار پر ہر اسلامی معاشرہ کو اطمینان ہو اور جن کی دیانت کم از کم عام طور پر مشتبہ نہ ہو۔ ف۱۰۹۴ (اور اس طرح شہادت مکمل ہو جائے) اَنْ تَضِلَّ۔ بھول جائے شہادت کے کسی حصہ کو۔ واقعہ کے کسی جزء کو، رہا یہ امر کہ عورت کی شہادت مرد کے

سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ

اور کوئی کاتب نہ پاؤ ف۱۱۰۴ سو رہن رکھنے کی چیزیں ہی جو قبضہ میں دے دی جائیں ف۱۱۰۵

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ

اورتم میں سے کوئی کسی اور پر اعتبار رکھتا ہے ف۱۱۰۶ تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ دوسرے کی امانت (کا حق)

اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ

ادا کر دے اور چاہیے کہ اللہ (یعنی) اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے، ف۱۱۰۷ اور گواہی کو مت چھپاؤ

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اور جو کوئی اسے چھپائے گا اس کا قلب گنہگار ہو گا ف۱۱۰۸ اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس کا

عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ

بڑا جاننے والا ہے ف۱۱۰۹ اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ف۱۱۱۰

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ

اور جو کچھ تمہارے نفسوں کے اندر ہے اگر تم اس کو ظاہر کر دو ف۱۱۱۱ یا اسے چھپائے رکھو

يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

بہرحال اللہ اس کا حساب تم سے لے گا ف۱۱۱۲ پھر جسے چاہے گا بخش دے گا

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ

اور جسے چاہے گا عذاب دے گا ف۱۱۱۳ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے

قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ

والا ہے ف۱۱۱۴ پیغمبر ایمان لائے اس پر جو ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

نازل ہوا ہے ف۱۱۱۵ اور مومنین (بھی) یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر

مقابلہ میں ضعیف کیوں مانی گئی ہے۔ اور نسیان کا احتمال مرد کی شہادت میں کیوں نہیں رکھا گیا؟ تو یہ سوالات ذہن و اخلاق کی دنیا میں بالکل ایسے ہی ہیں جیسے جسم و مادیات کی دنیا میں دریافت یہ کیا جائے کہ حمل و رضاعت کا تعلق صرف عورت ہی سے کیوں رکھا گیا اور مرد کو باوجود اس کے قوت و جسامت کے اس بار کے برداشت کے کیوں ناقابل سمجھ لیا گیا؟ یہ فاطر کائنات ظاہر ہے کہ جسمیات و مادیات کے ایک ایک دانہ سے واقف ہے۔ اُس کے پیش نظر ذہنیات و اخلاقیات کی بھی باریک سی باریک حقیقتیں ہیں۔ مغرب کے ماہر نسائیات ہیولاک ایلز Hoolock Ellis نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ عورت کے لیے دھوکہ اور فریب بہ منزلہ امر طبعی کے ہوتا ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) ف۱۰۹۵ (کہ اس میں اعانت ہے معاملاتِ اُمت کی اور خدمت ہے دین کی) وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ۔ یعنی گواہ بننے اور گواہی دینے سے انکار نہ کریں ف۱۰۹۶ (یعنی وہی کتابت معاملۂ دَین سے متعلق) عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے قانون و ضابطہ میں۔ ای فی حکمہ سبحانہ (روح) لَا تَسْئَمُوْا۔ بار بار لکھنے لکھانے سے نفس میں ایک قسم کی کاہلی پیدا ہو جانا تقریباً طبعی ہے۔ تَكْتُبُوْهُ۔ میں ضمیر اُسی معاملۂ دَین سے متعلق ہے۔ نافہموں نے آج کل شور برپا کر رکھا ہے کہ اب زمانہ اس کا نہیں کہ مذہب خصوصاً اسلام کو عقائد معاد سے پرکھا جائے اب تو دیکھنا یہ ہے کہ اس دنیا کے لیے سب سے زیادہ عملی مذہب کون ہے؟ روزانہ مسائل زندگی کے حل کرنے میں کون مذہب سب سے زیادہ زور دے رہا ہے؟ یہ معیار بجائے خود کس حد تک صحیح ہے؟ یہ تو ایک الگ سوال ہے۔ لیکن بہرحال جو لوگ اسی معیار کو مانے ہوئے ہیں کم از کم وہ تو خلوئے ذہن کے ساتھ غور کریں کہ ساری شریعتوں میں اسلام سے بڑھ کر کس شریعت نے روزانہ زندگی کے چھوٹے بڑے تمام مسائل کے حل کرنے کا اہتمام رکھا ہے! ف۱۰۹۷ یہ اس لیے کہ دستگرداں معاملتیں کثرت سے برابر واقع ہوتی رہتی ہیں اور عموماً مقداریں بھی ان کی خفیف ہوتی ہیں اور عموماً ان میں احتمال نزاع و اختلاف کا بھی کم ہی ہوتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسے موقعوں پر کتابت دستاویز کے التزام سے ہرج لازم آتا تھا اس لیے شریعت نے التزام کو یہاں سے اُٹھا دیا۔ لیکن اگر کوئی معاملت ایسی ہو کہ شکل کے اعتبار سے ہو تو دست بدست لیکن مالیت بڑی ہو یا آئندہ اختلاف و نزاع کے احتمالات موجود ہوں۔ یا اور کسی اعتبار سے حالات وہاں وہ نہ ہوں جو عموماً تجارتِ حاضرہ یا معاملہ دستگرداں میں ہوا کرتے ہیں تو ایسے موقعہ پر ترکِ کتابت کی علت مفقود ہو گی اور اہتمام کتابت مطلوب ہو گا ف۱۰۹۸ یعنی ایسے موقع پر گواہی کرا لینا بہتر ہو گی وَاَشْهِدُوْٓا صیغۂ امر یہاں وجوب کے لیے نہیں صرف استحسان کے لیے ہے۔ والامر للندب (مدارک) والاوامر التی فی هذه الاية للاستحباب عند اکثر الائمة (بیضاوی) ف۱۰۹۹ یعنی فریق اپنی مصلحت کی خاطر کاتب یا گواہ کو زحمت میں نہ ڈالے اِدھر کاتب اور گواہوں کو حکم مل چکا ہے کہ کتابت اور گواہی سے پہلوتہی نہ کریں اب فریقین کو حکم مل رہا ہے کہ وہ بھی کاتب اور گواہوں کی مصلحت و آسائش کا خیال رکھیں۔ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ۔ کاتب کو نقصان پہنچانا مثلاً یہ کہ اُسے بلا اُجرت کتابت پر مجبور کیا جائے۔ وَّلَا شَهِيْدٌ۔ گواہ کو تکلیف میں ڈالنا۔ مثلاً یہ کہ باوجود احتیاج اُسے آمد و رفت کا خرچ بھی نہ دیا جائے ف۱۱۰۰ (کہ جس کام سے منع کیا گیا وہی کر رہے ہو) فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ۔ کی تصریح کر کے حکم کی اہمیت کو کس درجہ بڑھا دیا ہے ف۱۱۰۱ (چھوٹے بڑے سارے معاملات اور کارروائیوں میں) سبحان اللہ! تقویٰ الٰہی کی تاکید کن کن موقعوں پر کیا ہے ف۱۱۰۲ (تمام تر حکمت کی باتیں) بعض اہل علم نے ''يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ'' کو فقرہ سابق ''وَاتَّقُوا اللّٰهَ'' سے بالکل مربوط پا کر استنباط یہ کیا ہے کہ علم حقیقی عین نتیجہ ہوتا ہے تقویٰ الٰہی کا۔ تقویٰ اختیار کرو اور از خود علم الٰہی مرحمت ہونے لگے گا ف۱۱۰۳ چنانچہ اپنے اس علم کے مطابق معاملت بھی مطیع و عاصی سے کرے گا ف۱۱۰۴ (کتابت و دستاویز کے لیے، درآنحالیکہ معاملۂ رہن کی ضرورت آپڑے) رہن کے سلسلہ میں سفر کا ذکر شاید اس لیے کر دیا گیا ہو کہ سفر کی حالت میں ضرورت رہن کے پیش آجانے کا احتمال زیادہ ہے ف۱۱۰۵ (صاحب حق کے۔ مدیون کی طرف سے) رِهٰنٌ ایسی حالت میں اطمینان کا ذریعہ یہی ہوتی ہیں۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ رہن بالقبضہ تو صرف قرض دینے والے کے اطمینان کے لیے ہے۔ اسے یہ حق نہیں کہ وہ شے مرہون سے فائدہ بھی اُٹھاتا رہے ف۱۱۰۶ (اور اس لیے رہن کی ضرورت نہیں سمجھتا) ف۱۱۰۷ معاملات کے سلسلہ میں یہ تقویٰ الٰہی کی تاکید ایک بار پھر ملاحظہ ہو۔ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ۔ یعنی مدیون۔ فَلْيُؤَدِّ ادا کرے پورا پورا۔ ف۱۱۰۸ (اور اصل شی قلب ہی کی گنہگاری ہے) اٰثِمٌ قَلْبُهٗ سب سے بڑا گناہ تو قلب ہی کا گناہ ہے۔ چنانچہ کفر جو سارے کبائر سے بڑھ کر کبیرہ ہے۔ قلب ہی کا گناہ ہے اس لیے اس اسلوب بیان نے خود یہ ظاہر کر دیا کہ کتمانِ شہادت شدید ترین گناہ ہے۔ لان افعال القلوب اعظم من افعال سائر الجوارح الاتری ان اصل الحسنات والسیأت الایمان والکفر وهما من افعال القلوب واذا جعل کتمان الشهادة من اثام القلوب فقد شهدله بانه من معاظم الذنوب (مدارک) وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ۔ اور گواہی کو مت چھپاؤ۔ ادائے شہادت کے وقت۔ یہ ادائے شہادت کا حکم عام ہے تمام معاملات قانونی کے لیے۔ مثلاً نکاح، مہر، وصیت وغیرہ۔ صرف معاملہ رہن کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اور شہادت چھپانے کی ساری صورتیں اس ممانعت کے اندر آجاتی ہیں۔ مثلاً ادائے شہادت سے گریز کرنا یا شہادت میں واقعات صحیح نہ بیان کرنا۔ وقس علی ہذا۔ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا۔ اور یہ کتمان خواہ جزئی ہو یا کلی۔ ادائے شہادت چونکہ واجب ہے۔ فقہاء نے اس پر اُجرت لینا ناجائز قرار دیا ہے البتہ آمد و رفت اور خوراک پر جو کچھ صرف ہو اس کا بہ قدر واقعی وصول کرنا جائز ہے ف۱۱۰۹ (اور اپنے اسی علم کامل کے مطابق جزا و سزا دے گا) بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ مثلاً ایک عمل اخفاء شہادت کا ہے جو معصیت ہے۔ اور دوسرا عمل ادائے شہادت کا ہے۔ جو طاعت ہے۔ ف۱۱۱۰ (اور کسی دیوی، دیوتا، بروز، مظہر، اوتار کی شرکت اس میں نہیں) قرآن مجید کی طویل ترین سورہ کا آخری رکوع

شروع ہورہا ہے یہاں پر عقیدۂ توحید کامل کا اعادہ واثبات ہے۔ سورہ کا آغاز اصول دین سے متعلق جامع تعلیم سے ہوا تھا۔ سورہ کا خاتمہ بھی اسی طرح جامعیت ومانعیت کے ساتھ بنیادی عقائد پر ہو رہا ہے ف۱۱۱۱ (زبان سے یا عمل سے) مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ جو کچھ دلوں کے اندر ہے۔ افعال ارادی واختیاری میں ہے مثلاً کوئی عقیدہ فاسد یا عزم معصیت، اس میں وسوسہ اور گزرنے والے خیالات داخل نہیں کہ وہ حدود مؤاخذہ سے خارج ہیں۔ ولا تدخل الوساوس وحدیث النفس فیما یخفیه الانسان لان ذٰلک مما لیس فی وسعة ولکن ما اعتقدهٗ و عزم علیه (مدارک) ف۱۱۱۲ (مثل تمام معاصی کے) ف۱۱۱۳ مغفرت ہوگی تو قانونِ رحمت عامہ کے مطابق اور عذاب ہوگا تو قانون حکمت کاملہ کے ماتحت ف۱۱۱۴ اللہ فاعل بالارادہ ہے، مختار کل ہے اور اس سے منزہ ہے کہ عفو ومغفرت کے لیے اسے ضرورت بطور فدیہ یا کفارہ کے کسی ”خدائے مصلوب“ کی ہو۔ آیت میں اشارۃً رد آ گیا عقیدۂ نصاریٰ کا اور متعدد مشرک قوموں کے عقائد کا۔ خدا بس اپنے ہی ارادہ یا مشیت کے علاوہ کسی اور قانون کا پابند نہیں جیسا کہ ہندی مشرک قوموں نے عقیدۂ کرم سے خیال کر رکھا ہے ف۱۱۱۵ (یعنی قرآن پر) اٰمَنَ الرَّسُوْلُ۔ اپنی رسالت یعنی پیام حق کی حقانیت کامل پر ایمان لانے والے سب سے پہلے خود پیمبر ہی ہوتے ہیں۔ ایمان ایمان تو سب برابر ہے۔ لیکن بہ اعتبار ظرف وبہ لحاظ کیفیت پیمبر کے ایمان عام اور عام افراد اُمت کے ایمان کے درمیان آسمان اور زمین کا فرق ہے۔ ہر ایک کے ایمان کا مرتبہ بھی اس کی حیثیت اور مرتبہ کے متناسب ہوتا ہے

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ

اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیمبروں پر، ف۱۱۱۶ ہم اس کے پیمبروں میں باہم کوئی فرق بھی

رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ

نہیں کرتے ف۱۱۱۷ اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی ف۱۱۱۸ ہم تیری مغفرت (طلب کرتے ہیں)

رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨٥﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا

اے ہمارے پروردگار ف۱۱۱۹ اور تیری ہی طرف واپسی ہے اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا

اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا

مگر اس کی بساط کے مطابق ف۱۱۲۰ اسے ملے گا وہی جو کچھ اس نے کمایا اور اس پر پڑے گا وہی جو کچھ

اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ

اس نے کمایا ف۱۱۲۱ اے ہمارے پروردگار ہم پر گرفت نہ کر اگر ہم بھول جائیں

اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا

یا چوک جائیں ف۱۱۲۲ اے ہمارے پروردگار ہم پر بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے

كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا

ڈالا تھا ان لوگوں پر جو ہم سے پیشتر تھے ف۱۱۲۳ اے ہمارے پروردگار

وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۣ وقفة

ہم سے وہ نہ اٹھوا جس کی برداشت ہم سے نہ ہو ف۱۱۲۴ اور ہم سے درگزر کر

وَاغْفِرْ لَنَا ۣ وقفة وَارْحَمْنَا ۣ وقفة اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا

اور ہم کو بخش دے ف۱۱۲۵ اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا کارساز ہے ف۱۱۲۶ سو ہم کو غالب کر

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٨٦﴾ ع

کافر لوگوں پر ف۱۱۲۷

ف۱۱۱۶ اس جامع آیت کے اندر تمام لوازم ایمان بیان ہو گئے ہیں۔ اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔ اللہ پر ایمان لانا ہے کہ اس کی ذات اور صفت دونوں کی تصدیق کی جائے۔ حسب تصریحات قرآنی وتعلیمات نبوی، یہ تردید ہو گئی دہریت، لاادریت، ارتیاب وغیرہ کی۔ خدائے واحد کی جزم کے ساتھ تصدیق کرنا لازمی ہے۔ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ۔ فرشتہ کی تعریف اوپر گزر چکی ہے کہ وہ ایک نوری مخلوق ہے جس سے صدور معصیت کا امکان نہیں۔ کثرت سے مشرک قوموں کو ٹھوکر اسی عقیدہ میں لگی ہے۔ فرشتوں کو بجائے تمامتر خدائی کارندہ ہونے کے اُن کی عظمت سے متاثر ہو کر انہیں کائنات کے مختلف شعبوں میں مستقلاً متصرف سمجھنے لگے۔ اور انہیں دیوی دیوتا کہہ کر پکارنے لگے مثلاً فلاں آگ کا دیوتا ہے فلاں ہوا کی دیوی ہے فلاں بارش کا دیوتا ہے۔ وقس علیٰ ہٰذا۔ قرآن مجید نے جو فرشتوں کے عقیدہ پر بار بار زور دیا ہے اس کا مقصد شرک کی اس خاص قسم یعنی دیوتا پرستی کا استیصال ہے۔ فرشتہ گو نوری ہوتے ہیں، معصوم ہوتے ہیں لیکن بہرحال خالق کائنات کے سامنے انسان ہی کی طرح ایک عاجز و بے بس مخلوق ہوتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ اُن کی ذات یا صفات کو مدغم کر دینا انتہائی حماقت ہے۔ وَكُتُبِهٖ۔ آسمانی نوشتوں اور ہدایت ناموں کے باب میں بھی بڑی افراتفری ہوتی آئی ہے۔ کسی کسی قوم نے تو ان کے وجود ہی سے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ خدا ہے لیکن کوئی ہدایت نامہ نہیں بھیجتا۔ اور بہت سی قوموں نے انہیں ذہن انسانی کی پیداوار قرار دیا۔ جنہیں چند بڑے اور ہدایت یاب انسانوں نے مل کر لکھ لکھا لیا۔ وَرُسُلِهٖ۔ رسالت کا عقیدہ بھی مشرک قوموں نے بالکل مسخ کر دیا تھا۔ دنیا رسولوں کو بھول چکی تھی اور قائل اس کی رہ گئی تھی کہ جس کے ذریعہ سے ہدایت اور پھر نجات ہوتی ہے، وہ یا تو خدا کا اکلوتا بیٹا ہوتا ہے یا خود خدا کسی انسانی یا حیوانی قالب میں۔ قرآن مجید نے آ کر بتایا کہ یہ انسان اور بندے ہی ہوتے ہیں جن پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی رہتی ہے۔ سلسلہ وحی کو ماننا بھی گویا ”اوتار“ کے عقیدہ پر ضرب لگانا ہے ف۱۱۱۷ (کہ بعض کے قائل ہوں اور بعض کے منکر۔ بلکہ سب کو برحق سمجھتے ہیں اور سب کے مسلک ہدایت پر اللہ کی طرف سے ہونے کا یقین رکھتے ہیں) یہ مقولہ مومنین کا ہے۔ ای یقولون لانفرق (بیضاوی ومدارک) یہود کی طرح نہیں کہ بجز اپنی نسل یعنی اسرائیلی انبیاء کے اور کسی کو نہ مانیں اور ان میں سے بھی جس کا جی چاہے انکار کر دیں۔ یہاں تک کہ سلسلۂ اسرائیلی کے خاتم (حضرت مسیح علیہ السلام) سے تو وہ عداوت رکھیں کہ اپنے خیال میں اُن کی جان ہی لے ڈالیں۔ اور نہ نصرانیوں کی طرح کہ ایک اسرائیلی نبی کے ماننے میں تو وہ غلو کریں کہ پیمبری سے اُٹھا کر الوہیت کے مرتبہ پر پہنچا دیں اور اسمٰعیلی شاخ سے پیمبری پانے والے سے عداوت ہی ٹھان لیں۔ انگریزوں میں ایک مشہور مؤرخ گبن ہوا ہے۔ قرآن مجید اس کے نزدیک کلام الٰہی نہیں، کلام محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ بایں ہمہ اس آیت کی وسعت پر حیران ہو کر کہتا ہے:۔ ”محمد کی وسیع المشربی نے اپنے پیش روؤں کے لیے بھی وہی درجہ رکھا جو خود اپنے لیے اور ہبوط آدم علیہ السلام سے لے کر نزول قرآن تک سلسلہ وحی کو قائم رکھا“۔ (تاریخ زوال رومن امپائر۔ جلد ۵ صفحہ ۳۴۰) لَا نُفَرِّقُ۔ بعض اہل طریق نے اسی پر قیاس کر کے کہا ہے کہ اولیاء کاملین میں بھی یہ تفریق نہ کرنا چاہیے کہ کسی سے اعتقاد رکھے اور کسی سے انکار کرے ف۱۱۱۸ سَمِعْنَا۔ سن لیا ہم نے اللہ کے پیام کو۔ اَطَعْنَا اطاعت کی ہم نے اللہ کے پیامبر کی ف۱۱۱۹ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا۔ یعنی وہ مغفرت جو تو ہی عطا کرے گا۔ اس میں رد آ گیا نصاریٰ اور دوسری قوموں کا۔ جو مغفرت کو عطیہ الٰہی نہیں۔ بلکہ ”ابن اللہ“ یا کسی اور کی عنایت کا ثمرہ سمجھتے ہیں۔ ف۱۱۲۰ لَا يُكَلِّفُ۔ اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا احکام شرعیہ میں بجز الخ۔ احکام شرعی کی قید لگا دینے سے اُمور تکوینی خارج ہو گئے۔ ذمہ دار بنا دینے سے مراد ہے اُن اعمال سے متعلق سوال وباز پرس ہونا۔ اِلَّا وُسْعَهَا۔ یعنی اس کے اختیار کے اندر ہوں۔ گو بعض کسی قدر مشکل ہوں اس قید کے لگا دینے سے وسوسہ اور خیالاتِ غیر اختیاری سب حد محاسبہ سے نکل گئے۔ الوسع من القدرة ما یفضل عن قدر المکلف (راغب) قال لا یکلف اللہ نفسا الاّ وسعها تنبیهًا انه یکلف عبده ما ینوء به قدرته (راغب) الا طاقتها و قدرتها لان التکلیف لا یرد بفعل لا یقدر علیه المکلف (مدارک) الا ما تسعهٗ قدرتها فضلا و رحمة (بیضاوی) صوفیہ محققین نے اس آیت سے ایک سبق تو یہ لیا ہے کہ مجاہدہ میں طالب کی حالت کی

رعایت رکھنا ضروری ہے۔ اور دُوسرا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ تجلیات کا وُرود ونزول بھی طالب کی طاقت واستعداد کے متناسب ہی ہوتا ہے۔ اور اگر ان میں کبھی کمی ہو تو طالب کو تنگدل نہ ہونا چاہیے۔ و۱۱۲۱ یعنی اُس نیک عمل پر ثواب وجزا جو بندہ اپنے ارادہ واختیار سے کرے۔ اور اس بدعمل پر عذاب وسزا جو بندہ اپنے ارادہ واختیار سے کرے۔ یہ رَد ہے۔ ہندی وبدھ مت کے عقیدۂ ''کرم'' کا۔ یعنی انسان جو بھی کرے گا وہ لازمی نتیجہ ہوگا پچھلے جنم میں اس کے افعال واعمال کا۔ گویا اس قالب میں انسان اپنے ارادہ واختیار سے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ یہ جبریت کی انتہائی شکل ہے۔ اور تناسخ اور عقیدۂ جبریت لازم وملزوم ہیں۔ قرآن مجید نے اس فاسد عقیدہ پر ضرب لگائی اور بتایا کہ نیکی اور بدی کی راہیں تو انسان کے اپنے اختیار کی چیزیں ہیں۔ اور یہیں سے نصاریٰ کے عقیدۂ کفارہ کا بھی رَد نکل آیا۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کو اب عمل صالح کی ضرورت ہی نہیں۔ ''ابن اللہ'' سب کی طرف سے بھینٹ چڑھ گئے ہیں اور سب کی نجات کا سامان اُن کی مصلوبیت سے ہوگیا ہے! و۱۱۲۲ یہ مومنین کو جامع وکامل دعا کی تعلیم ہورہی ہے اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ۔ یعنی باوجود یاد رکھنے کی کوشش کے بھول جائیں اَخۡطَاۡنَا۔ یعنی باوجود عزم اہتمام کے بھی چوک جائیں۔ و۱۱۲۳ (اور جیسی جیسی آزمائشوں سے انہیں دوچار ہونا پڑا، وہ ہم پر نہ ڈال) عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا۔ یعنی بعض سابق اُمتوں پر۔ انجیل میں پطرس، حواری مسیح علیہ السلام کا قول غیر اسرائیلی مسیحیوں کے باب میں نقل ہوا ہے کہ اب تم ان کی گردن پر ایسا جوا رکھ کر جس کو نہ ہمارے باپ دادا اٹھا سکتے تھے نہ ہم۔ خدا کو کیوں آزماتے ہو؟ (اعمال ۱۵: ۱۰)

ایاتها ۲۰۰ ۳ سُوۡرَةُ اٰلِ عِمۡرٰنَ مَدَنِيَّةٌ ۸۹ رکوعاتها ۲۰

اس میں ۲۰۰ آیتیں سورۂ آل عمران و۱ مدنی ہے اور ۲۰ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ ؕ﴿۲﴾ نَزَّلَ

الف۔ لام۔ میم و۲ اللہ وہ ہے کہ کوئی خدا نہیں بجز اس کے و۳ زندہ (خدا ہے) سب کا سنبھالنے والا و۴ (خدا ہے) اس نے

عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ

(یہ) کتاب آپ پر نازل کی ہے قطعیت کے ساتھ و۵ ان کی تصدیق کرنے والی جو اس سے پہلے

يَدَيۡهِ وَاَنۡزَلَ التَّوۡرٰٮةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ ۙ﴿۳﴾ مِنۡ

آ چکی ہیں و۶ اور اس نے اتارا تھا توریت اور انجیل کو (اس سے) پیشتر

قَبۡلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ ؕ اِنَّ

لوگوں کی ہدایت کے واسطے و۷ اور اس نے فرقان کو اتارا و۸ بے شک

الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ؕ

جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں سے کفر کیا ان کے لئے عذاب سخت ہے و۹

وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخۡفٰى

اور اللہ بڑا زبردست ہے بڑا بدلہ لینے والا ہے و۱۰ بے شک اللہ ایسا ہے کہ اس سے کوئی چیز چھپی

عَلَيۡهِ شَىۡءٌ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ؕ﴿۵﴾

نہیں رہتی نہ زمین میں اور نہ آسمان میں و۱۱

هُوَ الَّذِىۡ يُصَوِّرُكُمۡ فِى الۡاَرۡحَامِ كَيۡفَ

وہ وہی (خدا) ہے جو تمہاری صورت رحموں کے اندر بناتا ہے جس طرح

گویا اسرائیلی شریعت ان کے حق میں ایسا سخت جوا تھا جو اٹھائے اُٹھ نہ سکتا تھا۔ اِصۡرًا سے مراد ہے سخت حکم جو حد بشری سے خارج تو نہ ہو لیکن اس کی تعمیل میں مشقت وکلفت زیادہ پڑے۔ استعیر للتکلیف الشاق (کشاف) والمراد به التکالیف الشاقة (روح) قرآن مجید نے ضمناً اس مبالغہ بیان کی بھی اصلاح کردی اور یہ اشارہ کردیا کہ گو وہ احکام سخت ضرور تھے لیکن نہ ایسے کہ ان پر ناقابل برداشت ہونے کا اطلاق ہوسکے۔ و۱۱۲۴ (نہ حوادثِ تکوینی میں نہ احکام شرعی میں اور حق پرستی کو ہمارے لیے آسان کردے) دعا کا یہ جزو کمال عبدیت کا مظہر ہے۔ شان رحمت کا اقتضا تو خود ہی یہ ہے کہ ایسا بار ہم پر نہ ڈالا جائے گا لیکن عقلاً اس کا امکان تو بہرحال تھا اور ہے۔ مالک کامل کو مملوک پر اور خالق کو عبد پر اختیار وتصرف تو ہر وقت، ہر طرح کا حاصل ہے۔ و۱۱۲۵ (بلا کسی رکاوٹ کے۔ بغیر ادنیٰ شائبہ سزا کے) عَنَّا۔ ہم سے یعنی ہماری بھول چوک سے۔ و۱۱۲۶ (ہر عالم میں) وَارۡحَمۡنَا۔ یعنی ہم پر رحمت کامل ہو دنیا اور آخرت دونوں میں۔ و۱۱۲۷ (کہ یہ دشمن ہیں تیرے دین اور تیرے آئین کے) فَانۡصُرۡنَا عَلَی۔ نصر کا صلہ جب علی کے ساتھ آتا ہے تو معنی غلبہ کے ہوجاتے ہیں۔ اور غلبہ سے مراد دونوں میں بہ لحاظ دلائل وعلوم غلبہ علمی ومعنوی اور بہ لحاظ فتوحات جہاد، غلبہ مادی وملکی۔ ای فی محاربتنا معهم و فی مناظرتنا بالحجة معهم و فی اعلاء دولة الاسلام علی دولتهم (کبیر)

سورۂ آلِ عمران۔ و۱ عرب کا نقشہ سامنے ہو تو جنوب میں جو علاقہ یمن کے نام سے موسوم ملے گا اس میں ایک مقام نجران کا ہے۔ عہد نبوت میں یہاں مسیحیوں کی آبادی تھی۔ ۱۰ ہجری میں ان کے ۱۴۔ اکابر وفد کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ گفتگو میں ان کے عقائد تثلیث وابنیت کی لغویت ان پر پوری طرح واضح کردی۔ سورہ میں اشارے جابجا اس طرف ہیں۔ سورۂ بقرہ میں خطاب جس طرح خاص طور پر یہود کی جانب تھا۔ کہا جاسکتا ہے کہ اسی طرح اس سورۃ میں مسیحیوں کی جانب ہے۔ بقرہ ہی کی طرح آل عمران کے فضائل بھی احادیث میں بہ کثرت وارد ہوئے ہیں۔ و۲ یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ ان پر حاشیہ سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا۔ عجب نہیں جو یہ حروف مخفف ہوں فقرہ انا اللہ اعلم کے۔ و۳ (نہ بہ حیثیت اقنوم کے نہ کسی اور حیثیت سے) یعنی اُس خدائے واحد کا شریک کوئی نہ ذات میں ہے نہ افعال میں۔ دنیا میں بہ کثرت ایسے مشرک مذہبوں کا وجود رہ چکا ہے اور اب بھی ہے جو کہتے ہیں کہ خدائے اعظم تو بیشک ایک ہی ہے لیکن اس کے ماتحت شعبہ وار چھوٹے چھوٹے خدا دیوتا اور دیویاں تو بہت سی ہیں۔ قرآن مجید ان سب کی تردید کرکے کہتا ہے کہ نفس وجود ہی کسی دُوسرے خدا کا نہیں، نہ چھوٹے کا نہ بڑے کا، الوہیت وربوبیت تمامتر ایک ہی ذات میں ہے۔ آیت علاوہ ان جاہلی مذاہب کے خاص طور پر مسیحی عقائد کے بھی رَد میں ہے۔ و۴ اَلۡحَیُّ۔ وہ وہ خدا ہے جو ہمیشہ زندہ ہی ہے۔ زندہ ہی رہا اور زندہ ہی رہے گا۔ موت کا اس کے لیے کوئی امکان ہی نہیں، نہ صلیب کے اُوپر نہ کسی اور سطح پر۔ اس کی حیات جس طرح آج قائم ہے ہمیشہ سے قائم ہے۔ یہ نہیں کہ اسے بار بار قالب بدلتے رہنے کی ضرورت پیش آئے۔ کبھی وہ انسان بن جائے اور کبھی نعوذ باللہ حیوان۔ وہ زندہ معاذاللہ اس طرح کا نہیں کہ ہر سال اس پر موت طاری ہوا کرے اور پھر وہ حیات تازہ حاصل کرتا رہے۔ اَلۡحَیُّ کے لفظ نے اُس کی صفت حیات کا اثبات کرکے ان سارے خرافات کی تردید کردی۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۹۷۹ پارۂ ہذا) اَلۡقَیُّوۡمُ۔ وہ بذاتِ خود قائم ہے اور ساری مخلوقات اس کے وجود سے قائم ہے۔ یہ نہیں کہ وہ خود بھی کسی معنی میں کسی دوسرے کا محتاج ہو جیسا کہ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ:۔ ''جس طرح بیٹا بغیر باپ کے تنہا خدا نہیں اسی طرح باپ بغیر بیٹے کے تنہا خدا نہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۷ صفحہ ۵۳۶) گویا نعوذ باللہ ابن اللہ اور اللہ دونوں اپنی خدائی میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ صفت قیومیت کا اثبات کرکے قرآن مجید نے فرزندی خدا کے عقیدہ کی جڑ ہی کاٹ دی۔ بہت سے جاہلی مذہب ایسے بھی ہیں جو ایک طرف خدا کو خدا بھی مانتے جاتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کے بھی قائل ہیں کہ وہ پیدا کسی اور سے ہے۔ (ملاحظہ

ہوحاشیہ نمبر ۹۷۹ پارہ ہذا) ف۵ (لفظاً لفظاً اے پیغمبر!) نَزَّلَ کا مصدر تنزیل ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید کے لیے بکثرت آیا ہے۔ بہ خلاف اَنْزَلَ (مصدر انزال) کے جو عموماً دوسری کتب آسمانی کے لیے آیا ہے۔ تنزیل میں تدریج اور ٹکڑے ہو کر نازل ہونے کا تخیل تو موجود ہی ہے۔ القراٰن نزل نجومًا شیئًا بعد شیء، والتنزیل مرة بعد مرة (قرطبی) لیکن عجب نہیں کہ اس کے مفہوم میں قرآن کا لفظ بہ لفظ، حرف بہ حرف نازل ہونا بھی شامل ہو۔ اور کچھ عجب نہیں جو اس کی سند آگے چل کر کسی محقق کو عربی لغت وزبان ہی سے ہاتھ آجائے۔ بِالْحَقِّ۔ حق کے تحت میں حکمت بھی داخل ہے اور راستی بھی اور قوتِ دلائل بھی اور یہ لفظ ہزل کے مقابل بھی ہے۔ انہ قول فصل و لیس بالھزل (کبیر) نزول بالحق لا بالمعانی الفاسدة المتناقضة (کبیر) بالصدق و قیل بالحجة الغالبة (قرطبی) ف۶ (کتب آسمانی میں سے) مُصَدِّقًا۔ قرآن نے بار بار صراحت کر دی ہے کہ اس کا تعلق کتب قدیم سے تصدیق کا ہے۔ قرآن اجمالاً ان کے مضامین کی تصدیق وتوثیق بھی کرتا ہے۔ یہیں سے اُن دشمنانِ دین کی نادانی بھی ظاہر ہوئی جاتی ہے جو کسی قرآنی بیان کے مثل کوئی مضمون توریت وانجیل وغیرہ کا اس طرح پیش کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے کوئی خاص انکشاف کیا ہے۔ اور (نعوذ باللہ) گویا قرآن کی بڑی چوری پکڑی ہے۔ ف۷ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ توریت اور انجیل قرآن مجید کی اصطلاح میں دو مستقل آسمانی کتابوں کے نام ہیں۔ اور قرآن تصدیق انہی کی کرتا ہے۔ موجودہ بول چال میں توریت نام ہے متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا۔ جن میں سے ہر صحیفہ کسی نہ کسی نبی کی جانب منسوب ہے لیکن ان میں سے کسی ایک صحیفہ کی بھی تنزیل لفظی کا دعوٰی کسی یہودی کو نہیں۔ اسی طرح انجیل نام ہے متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا جن میں حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق مختلف گمنام اور بے نشان لوگوں کی جمع کی ہوئی حکایتیں، روایتیں اور ملفوظات ہیں، لیکن ان میں سے کوئی صحیفہ بھی مسیحیوں کے عقیدہ میں آسمانی نہیں۔ بلکہ مسیحی صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ مجموعہ ’’حواریوں کے دور میں بلا ارادہ اور بلا توقع تیار ہوگیا‘‘۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۳ صفحہ ۵۱۳ طبع چہاردہم) خوب سمجھ لیا جائے کہ ایسے بے سند ’’مقدس نوشتوں‘‘ کی تصدیق وتوثیق کی ذمہ داری قرآن ہرگز نہیں لیتا اور موجودہ بائبل، یعنی عہد عتیق وعہد جدید کا کوئی جزو بھی قرآن مجید کے ماننے والوں پر حجت نہیں۔ مِنْ قَبْلُ۔ یعنی قرآن سے قبل عہد موسٰی اور عہد عیسٰی میں اُن کی اُمتوں کے لیے۔ ف۸ الْفُرْقَانَ فرقان اور فرق اصلاً ہم معنی ہیں بجز اس کے کہ فرق کے معنی تو محض اور مطلق امتیاز کے ہیں خواہ وہ کسی کے درمیان ہو۔ اور فرقان مخصوص اُس امتیاز کو کہتے ہیں جو حق وباطل کے درمیان ہو۔ الفرقان ابلغ من الفرق لانه یستعمل فی الفرق بین الحق و الباطل (راغب) بعض کے نزدیک یہ اسم جنس ہے کل کتب آسمانی کے لیے۔ جنس للکتب السماویة (کشاف) ایک قول ہے کہ اس سے مراد معجزات ودلائل نبوت ہیں جو ہر پیغمبر کو عطا ہوتے رہتے ہیں۔ والمختار عندی ان المراد من ھٰذا الفرقان المعجزات التی قرنھا اللہ تعالٰی بانزال ھٰذہ الکتب (کبیر) لیکن محققین کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ ھو القراٰن انزل علٰی محمد و فرّق به بین الحق و الباطل (ابن جریر عن قتادة) المراد ھو القراٰن (کبیر) ای القران (قرطبی) الفرقان ھٰھنا القراٰن (ابن کثیر عن قتادة والربیع) ف۹ (آخرت میں تو یقیناً اور دنیا میں بھی احتمالاً) كَفَرُوْا یعنی باوجود اس کے کہ ان پر تبلیغ دین پوری طرح ہو چکی تھی، وہ کفر اختیار کیے رہے۔ اٰيٰتِ اللّٰهِ سے مراد آیاتِ قرآنی بھی ہو سکتی ہیں۔ اور نشانیاں بھی یعنی توحید کے دلائل وشواہد۔ ف۱۰ خوب خیال رہے کہ سورۃ کا اصل موضوع مسیحیت کی تردید ہے۔ عموماً ایسی ہی صفات کا اثبات کیا گیا ہے۔ جن سے مسیحیت ہی کے کسی نہ کسی پہلو پر ضرب لگے۔ عَزِيْزٌ۔ ہر سزا پر قادر ہے اور ــ ہر حال میں سب سے بالادست وقوی تر ہے۔ وہ (معاذ اللہ) مسیحیوں کا خدا نہیں کہ انسانی قالب اختیار کر کے طرح طرح کی کمزوریوں اور بیچارگیوں کا شکار بن جائے اور دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر سولی پر موت تک پا جائے۔ اس کی صفت عزیزیت اس تخیل ہی سے ابا کرتی ہے۔ ذُو انْتِقَامٍ۔ وہ رحمٰن ورحیم ورؤف ہونے کے ساتھ عادل بھی ہے اور صفت معدلت کا اظہار مجرموں اور سرکشوں کے مقابلہ میں سزا وانتقام ہی سے ہو سکتا ہے۔

اسے سزا دینے میں ہرگز کوئی عار نہیں آتا کہ اس عار سے بچنے کے لئے اسے مصلوبیت اور کفارہ کے پیچ در پیچ راستے اختیار کرنے پڑیں۔ جن مذہبوں نے اپنے خدا کو صرف رحیم ہی رحیم مانا ہے ان کا خدا کامل نہیں ناقص ہے۔ ف۱۱ جاہلی مذہبوں کے حکماء تک آخر جاہلی تھے! یونان کے نامی گرامی عقلاء وحکماء تک یہ کہہ گئے اور سکھلا گئے کہ علم باری صرف کلیات تک محدود رہتا ہے۔ جزئیات کو محیط نہیں ہوتا۔ اور مسیحیوں نے خیر نبوت کی برکت سے کھلم کھلا اس عقیدہ کو تو نہ مانا، تاہم مرعوب اس ’’حکیمانہ‘‘ تعلیم سے اچھے خاصے رہے۔ قرآن مجید نے للکار کر بتایا کہ یہ علم باری کا کمال نہیں، عین نقص ہوا، علم باری ہر حیثیت سے کامل ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز پر حاوی۔ الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ۔ آسمان اور زمین کے نام اس سلسلہ میں اس لئے دیئے گئے کہ علم انسانی کی وسعت گرفت انہی حدود کے اندر محدود ہے۔ ضمناً خطاب مسیحیوں سے بھی ہے کہ تم جو مسیح علیہ السلام کو خدا مانتے ہو تو بتاؤ ان کا علم کامل کہاں سے تھا اور خدا نے بندہ کی شکل اختیار کر کے کیسے اتنا بڑا نقص اپنے اندر گوارا کر لیا؟ ف۱۲ (خواہ بغیر باپ کے بنائے خواہ باپ کی وساطت سے) قادر وہ ہر طرح اور ہر صورت سے ہے۔ باپ محض واسطہ تخلیق ہوتا ہے اور خالق جس واسطہ کو جب چاہے ہٹا دے۔ يُصَوِّرُكُمْ۔ میں خطاب عام ہے۔ سارے انسان مخاطب ہیں فِي الْاَرْحَامِ یعنی ماؤں کے رحم میں۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت بھی رحم مادر ہی میں بنی تھی۔ اُوپر ذکر اللہ کے علم کامل کا آچکا ہے۔ اب اشارہ اس کی قدرت کی طرف ہو رہا ہے کہ جس طرح اس کا علم کامل محیط کل وغیر محدود ہے اسی طرح اس کی قدرتِ تخلیق بھی غیر محدود و نامتناہی ہے۔ انسان کا اس کی حد بندی کی کوشش کرنا خود انسان کا جہل ہے۔ ف۱۳ (نہ ذات کے لحاظ سے نہ صفات کے) پھر یاد دلا دیا کہ کون اس کے معاملات تخلیق میں دخل دے سکتا ہے یا مشورہ کا حق رکھتا ہے وہ ذات پاک ہر اعتبار سے یکتا، بے مثل اور بے مثال ہے۔ ف۱۴ الْعَزِيْزُ۔ عزیز پر حاشیہ ابھی گزر چکا۔ خدائے تعالٰی تخلیق کی ہر صورت پر یکساں قادر ہے۔ الْحَكِيْمُ۔ اسکی صفت حکمت کا اثبات ہے یعنی جو صورت جہاں قرین حکمت ومصلحت ہوتی ہے وہ وہی اختیار کرتا ہے۔ ف۱۵ (اور وہی بہ طور معیار کے بن کر ان پر باقی کلام کو پیش کرنا چاہیے) مُّحْكَمٰتٌ محکم قرآن مجید کی وہ واضح وصریح آیتیں ہیں جن کی دلالتیں متعین ہیں اور ان کے معانی میں کوئی خفا واشتباہ نہیں۔ المحکم مالایعرض فیه شبهة من حیث اللفظ ولا من حیث المعنٰی (راغب) واضحة المعنٰی ظاهرة الدلالة محکمة العبارة محفوظة من الاحتمال والاشتباہ (روح) المحکمات فی اٰی القراٰن ما عرف تاویله و فهم معناہ و تفسیرہ (قرطبی عن جابر بن عبد اللہ والشعبی وسفیان الثوری) قال النحاس احسن ما قیل فی المحکمات ان المحکمات ما کان قائما بنفسه لایحتاج ان یرجع فیه الٰی غیرہ (قرطبی) فالمراد به اللفظ الذی لا اشتراک فیه ولا یحتمل عنه سامعه الامعنیً واحدًا (جصاص) اُمّ ہر شے کی اصل کو کہتے ہیں۔ یقال لکل ما کان اصلًا لوجود شیٍٔ او تربیته او اصلاحه او مبدئه اُمٌّ (راغب) ای اصله و العمدة فیه یرد الیها غیرها (روح) یہاں اس حقیقت کو بیان کر دیا کہ قرآن مجید میں جو آیتیں بالکل واضح و صاف ہیں جن سے ایک ہی معنٰی نکلتے ہیں۔ وہی اصل مدار ومعیار ہیں۔ دوسری آیتوں کو جن کے کئی کئی معنٰی ہو سکتے ہیں۔ انہیں پر پھر پیش کرنا چاہیے۔ فبیّن اللہ تعالٰی ان القراٰن تشتمل علٰی محکم وعلٰی متشابه والتمسک بالمتشابهات غیر جائز (کبیر) والاُمّ هی التی منها ابتداءہ و الیها مرجعه فسماها اُمًّا فاقتضٰی ذٰلک بناء المتشابه علیها وردّہٗ الیها (جصاص) ف۱۶ مُتَشٰبِهٰتٌ ایسے کلام کو کہتے ہیں جو دوسرے کلام سے ایسا ملتا جلتا ہو کہ باہم تفریق وتمیز مشکل ہو اور اس کی تعبیر وتفسیر میں مختلف پہلو نکلتے ہوں۔ ما اشکل تفسیرہ لمشابهته بغیرہ اما من حیث اللفظ او من حیث المعنٰی (راغب) واما المتشابه فهو ان یکون احد الشیئین مشابها للاٰخر بحیث یعجز الذهن عن التمیز (کبیر) انما المتشابه فی هٰذہ الاٰیة من باب الاحتمال والاشتباہ وقیل ان المتشابه مایحتمل وجوها (قرطبی) المتشابهات لهن تصریف وتحریف

وتاویل ابتلی اللّٰہ فیھن العباد (قرطبی عن مجاہد وابن اسحٰق) **ف۱۷** (اور محکمات سے قطع نظر کرلیتے ہیں) اَلَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ۔ کھلا ہوا اور براہِ راست اشارہ ہے مسیحیوں کی جانب جنھوں نے اپنے پیمبروں کی صاف وواضح وصریح ہدایات توحید کو پس پشت ڈال کر ان کی بعض تشبیہات کو توڑ مروڑ کر اصل قرار دے لیا تھا لیکن الفاظ عام ووسیع ہیں۔ ہر کج راہ، ہر کج رَو، ہر زندیق وصاحب بدعت اس کے تحت میں آجاتا ہے۔ ھذہ الاٰیۃ تعم کل طائفۃ من کافر وزندیق و جاھل وصاحب بدعۃ وان کانت الاشارۃ بھا فی ذٰلک الوقت الی نصارٰی نجران (قرطبی) ھم اھل البدع (مدارک) محققین نے اہل اسرار کے باب میں تصریح کردی ہے کہ ان سے اگر ایسا کلام منقول ہو جو اپنی ظاہری صورت میں شریعت کے مطابق نہ ہو، تو سلامتی اس میں ہے کہ نہ اس کلام کے ظاہر کو قبول کیا جائے اور نہ ان اشخاص ہی سے انکار کردیا جائے۔ **ف۱۸** (تاکہ عقائد واحکام کے باب میں اس کلام سے اپنی گمراہیوں کی سند حاصل کریں) جن کے دلوں میں حق طلبی، حق جوئی وتلاش صداقت نہیں ہوتی وہ اس ادھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں کہ دین میں کوئی نہ کوئی فتنہ برپا کریں اور بجائے اس کے کہ خود دین کی راہ پر چلیں، دین کو اپنی راہ پر چلانا چاہتے ہیں اور یہ لوگ نصوصِ کلام الٰہی کو توڑنے مروڑنے میں کوئی باک نہیں رکھتے۔ جیسا کہ آجکل بھی ہر فرقۂ باطل کی تاویلات میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ الفتنۃ ھی الکفر والضلال فی ھذا الموضع (جصاص) اِبۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ۔ اس غلط تعبیری میں بھی یہ لوگ مخلص نہیں۔ مقصود ہی ان کا عوام مسلمین کو تشویش میں ڈالنا اور وحدت دین میں رخنہ پیدا کرنا ہے۔ طلبًا للتشکیک فی القراٰن واضلال العوام کما فعلتہ الزنادقۃ والقرامطۃ (قرطبی) وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِهٖ۔ یعنی تاکہ اس کے غلط سلط معنی اپنی مرضی کے موافق تراش لیں۔ تاویل یہاں تحریف کے مرادف ہے، ای تحریفہ علی مایریدون (ابن کثیر) الاضافۃ فی تاویلہ للعھد ای بتاویل مخصوص وھو مالم یوافق المحکم بل ماکان موافقا للتشھی (روح) والمراد منہ انھم یطلبون التاویل الذی لیس فی کتاب اللّٰہ علیہ دلیل ولا بیان (کبیر) ای التاویل الذی یشتھونہ (مدارک) **ف۱۹** (اور وہی جس کو جتنا چاہے بتلادے۔ چاہے نصوص قرآنی ہی سے اشارۃً یا دلالۃً یا اقتضاءً۔ چاہے اقوال رسول ﷺ سے صراحۃً) **ف۲۰** پس سارے کا سارا حق ہے۔ اور متشابہات کے معنی جو کچھ بھی ہوں بہرحال حق ہیں) اَلرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یعنی علم دین پختہ اور صاحبانِ عقل سلیم۔ اکثر محققین کا مذہب یہ ہے کہ وقف تام وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ پر ہے اور الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ سے دوسرا جملہ شروع ہوتا ہے۔ جس کی خبر یَقُوۡلُوۡنَ ہے قرطبی نے صحابہ وتابعین میں حضرت عائشہ، عبداللّٰہ بن عباس، عبداللّٰہ بن عمر، عبداللّٰہ بن مسعود، عروۃ بن زبیر، ابی بن کعب رضی اللّٰہ عنہم، اور عمر بن عبدالعزیز کا اور ائمہ لغت ونحو میں کسائی اور اخفش اور فراء اور ابوعبید کا مذہب یہی بتلایا ہے اور حنفیہ بھی عموماً اسی کے قائل ہوئے ہیں۔ وھو الذی ذھب الیہ الحنفیۃ (روح) والوقف عندالجمھور علی قول الا اللّٰہ (مدارک) بلکہ اکثر صحابہ وتابعین اور محققین اہل سنت کا یہی مذہب ہوا ہے ھو مذھب الاکثرین من اصحاب رسول اللّٰہ والتابعین واتباعھم خصوصًا اھل السنۃ وھو اصحّ الروایات عن ابن عباس (روح) رسوخ کے معنی مضبوط ہوجانے اور جڑ جم جانے کے ہیں۔ الرسوخ الثبوت فی الشئ کل ثابت راسخ (قرطبی) تو الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ وہ ہوئے جن کے دلوں میں دین کے حقائق ثبت ہوچکے ہیں۔ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا خواہ اس کے بعض حصوں کے معنی بالکل ظاہر وواضح ہوں اور خواہ اس کے بعض حصوں کے مفہوم میں خفا واشتباہ ہو تقدیر کلام یوں ہے۔ کلہ من عند ربنا اور کلہ میں ضمیر کتاب اللّٰہ کی طرف ہے۔ **ف۲۱** (جو دین کے باب میں عقل وفہم سے کام لیا کرتے ہیں) بیان فہم سلیم رکھنے والوں کی عام ہے کہ ان لوگوں نے جب قرآن کے مجموعہ اور کل کو کلام الٰہی مان لیا، تو اب اس کے کسی حصے سے متعلق بھی بے اعتقادی اور ریب دل میں نہیں لاتے۔ **ف۲۲** یعنی ہم کو اس صراط مستقیم پر قائم رکھ

يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۶﴾

وہ چاہتا ہے **ف۱۲** کوئی خدا نہیں بجز اس کے **ف۱۳** وہ بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے **ف۱۴**

هُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ

وہ وہی (خدا) ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری ہے اس میں محکم آیتیں ہیں اور وہی کتاب کا اصل مدار ہیں **ف۱۵** اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں **ف۱۶**

فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِيۡلِهٖ ۚ

سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے (اسی حصہ کے) پیچھے ہو لیتے ہیں جو متشابہ ہے **ف۱۷** شورش کی تلاش میں اور اس کے (غلط) مطلب کی تلاش میں **ف۱۸**

وَمَا يَعۡلَمُ تَاۡوِيۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔ‌ۘ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ يَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ

درآنحالیکہ کوئی اس کا (صحیح) مطلب نہیں جانتا بجز اللّٰہ کے **ف۱۹** اور پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان لے آئے (وہ) سب ہی ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے **ف۲۰**

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ

اور نصیحت تو بس عقل والے ہی قبول کرتے ہیں **ف۲۱** اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کر بعد اس کے کہ تو ہمیں سیدھی راہ دکھا چکا اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا کر **ف۲۲** بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے **ف۲۳** اے ہمارے پروردگار بے شک تو (تمام) لوگوں کو

وقف النبی ﷺ — وقف لازم — وقف منزل

اور ہمارا حال کہیں یہود ونصارٰی کا سا نہ ہوجائے، جو کتاب ونبوت کے بعد بھی گمراہ ہوگئے۔ یہ ساری دعا الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ کی زبان سے ہے۔ یعنی علم دین میں پختہ کاروں کی زبان سے۔ یہ لوگ اپنے رسوخ فی العلم اور پختہ کاری پر نازاں نہیں ہوتے بلکہ اس نعمت کے زوال سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں۔ مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً۔ انہیں خود اپنے کسی عمل پر ناز یا دعوٰی نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہتے کہ ہمیں ہمارے حسن عمل کے انعام میں راہِ راست پر قائم رکھ بلکہ کہتے ہیں کہ محض اپنے فضل وکرم لطف وعنایت سے راہ ہدایت پر مستقیم رکھ۔ ای من عندک ومن قبلک فضلًا لا عن سبب بیّن ولا عمل (قرطبی) گویا اس میں ادبِ دعا کی تعلیم بھی آگئی۔ رَحۡمَةً کا صیغۂ نکرہ اس کی عظمت اور بڑائی کے لئے ہے۔ وتنوینہ للتفخیم (روح) **ف۲۳** (تو ایسے کے لئے اس درخواست کا قبول کرلینا مشکل کیا ہے) مفسر قرطبی نے کہا ہے کہ جاہل صوفیہ اور باطنیہ زنادقہ نے اس آیت سے یہ من گھڑت مسئلہ نکالا ہے کہ علم وہی ہے جو اللّٰہ کی طرف سے محض وہبی ہو، کسبی نہ ہو اور علم کتابی حجاب کے حکم میں ہے۔

النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

جمع کرنے والا ہے اس دن جس کے وقوع میں (ذرا) شک نہیں، ف۲۴ بے شک اللہ اپنے وعدہ کے

يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ

خلاف نہیں جاتا، ف۲۵ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا۔ ان کے

عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام

شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ لا كَدَاْبِ

نہ آئیں گے اور یہی لوگ آگ کے ایندھن ہوں گے ف۲۶ جیسا کہ معاملہ

اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا

فرعون والوں کے ساتھ ہوا اور ان سے قبل والوں کے ساتھ انہوں نے ہماری

بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ

نشانیوں کو جھٹلایا سو اللہ نے ان کی گرفت کی ان کے گناہوں کے باعث اور اللہ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ

بڑا سخت سزا دینے والا ہے ف۲۷ آپ (ان) کفر والوں سے کہہ دیجیے کہ تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے

وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ

اور جہنم کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا ہے ف۲۸ بے شک

كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ

تمہارے لئے ایک نشانی (ان) دو گروہوں میں ہے جو باہم مقابل ہوئے ایک گروہ اللہ کی راہ میں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ

لڑ رہا تھا اور دوسرا کافر ف۲۹ یہ اپنے کو کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے ان سے

ع ۱ / ۹

ف۲۴ (اس لئے قیامت کا آنا برحق اور بندوں کو اس کی یاد اور اس کا اہتمام ضروری) مومنین، کاملین کی یہ دعائیں خوف آخرت سے ہوتی ہیں، کسی مادی دنیوی غرض سے نہیں۔ جَامِعُ النَّاسِ یعنی لوگوں کی موت کے بعد اٹھانے والا اور اکٹھا کرنے والا۔ ای باعثھم ومحییھم بعد تفرقھم (قرطبی) ف۲۵ (جیسا کہ بعض جاہل قوموں اور فرقوں نے گمان کر رکھا ہے) جاہلی قوموں کے عجیب عجیب معتقدات میں سے یہ عقیدے بھی ہیں کہ خدا کے لئے جائز ہے کہ وعدہ کر کے بھول جائے یا وعدہ کا ایفاء اسے خلافِ مصلحت نظر آئے اور اس لئے اسے وہ ٹال جائے۔ اور افسوس ہے کہ بعض مسلمان کہلانے والے فرقوں نے ان خرافات میں ان کی تقلید شروع کر دی ہے۔ خلف وعید کا مسئلہ جو اہل سنت کے ہاں ہے وہ اس سے بالکل الگ ہے اور اس سے حق تعالیٰ کی شان میں کوئی منقصت نہیں نکلتی بلکہ عظمت وکرمت کچھ اور بڑھ ہی جاتی ہے۔ ف۲۶ اَلنَّارِ۔ یعنی آتش جہنم۔ جہنم کے عذاب آتشیں پر توریت وانجیل کے حوالہ پارہ اول میں گزر چکے۔ آیۂ کریمہ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ کے تحت میں۔ مِنَ اللّٰهِ۔ یعنی عذاب الٰہی سے نہ بچا سکیں گے۔ ای من عذاب اللہ (قرطبی) لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ۔ جاہلی قوموں کا ایک عقیدہ یہ بھی رہا ہے کہ اولاد اگر مرے ہوئے ماں باپ کی طرف سے دان پُن کر دے تو والدین کی نجات ہو جائے گی خواہ وہ ایمان سے محروم ہی دنیا سے اٹھے ہوں۔ ف۲۷ (مجرموں اور باغیوں کو) ذُو انْتِقَامٍ پر حاشیہ ابھی گزر چکا ہے۔ اسے بھی ملاحظہ فرما لیا جائے۔ اللہ کوئی بے بس اور ہمہ عجز مہاتما نہیں کہ بندوں کو ہر طرح کے ظلم وعدوان کا مرتکب دیکھے اور پھر دم نہ مارے۔ وہ جب سزا دینے ہی پر آ جاتا ہے تو سب کو پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی گرفت اس کی گرفت سے شدید تر والیم تر نہیں۔ كَدَاْبِ۔ داْب کے معنی حالت یا معاملہ کے ہیں۔ الداب العادة والشان۔ (قرطبی) یہ مثلیت بے سود ہونے میں ہے۔ گویا تاریخ سے استشہاد ہے کہ جس طرح ماضی میں فرعونیوں کے کام ان کا مال اولاد کچھ نہ آ سکا۔ اور عذاب الٰہی سے انہیں کوئی چیز نہ بچا سکی، اسی طرح ان کافروں کے حق میں بھی یہ سارے مادی سہارے بالکل عبث ولا حاصل ثابت ہوں گے۔ اٰلِ فِرْعَوْنَ۔ فرعون اور فرعونیوں پر مفصل حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ فرعونیوں کی ہلاکت کے ذکر میں ایک مناسبت یہ بھی ہے کہ ان کی ہلاکت مسیحیوں کو مسلم تھی اور سورہ کا روئے سخن خاص طور پر مسیحیوں ہی کی جانب ہے اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی وہ نافرمان قومیں جو عہد موسوی سے بھی قدیم تر ہوئی ہیں۔ اٰيٰتِنَا۔ یہ نشانیاں خواہ آسمانی صحیفوں اور نوشتوں کی صورت میں ہوں یا معجزات وخوارق نبوت ہوں یا دلائل توحید ہوں۔ یحتمل ان یرید الأیات المتلوة ویحتمل ان یرید الأیات المنصوبة للدلالة علی الوحدانیة (قرطبی) اما المتلوة فی کتاب اللہ تعالیٰ او العلاماتِ الدالة علیٰ توحید اللہ تعالیٰ و صدق انبیآئه (روح) فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ۔ اور انہیں ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں مع ان کی ساری عظمت وشوکت کے نیست ونابود کر دیا۔ خطاب دین حق سے بغض و عناد رکھنے والوں سے رسول کے واسطہ سے ہے۔ ف۲۸ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ کا تعلق تو ظاہر ہے کہ آخرت ہی سے ہے۔ سوال آیت کے وعید اول سَتُغْلَبُوْنَ سے متعلق ہے کہ دشمنانِ دین کی اس مغلوبیت ومقہوریت کا تحقق کہاں ہوگا؟ آخرت میں تو خیر ہو ہی گا لیکن آیا اس کے قبل اہل حق کے ہاتھوں میں اس دنیا میں بھی؟ اہل تفسیر نے بالاتفاق اس کا جواب اثبات میں دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ اس کا وقوع عنقریب اس دنیا میں ہوگا۔ چنانچہ ہوا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ باقی یہ کہ اس سے کافروں کا کون سا گروہ متعین طور پر مراد ہے بعض نے پیشگوئی کا مصداق بدر میں حکومت مکہ کی ہزیمت کو ٹھہرایا ہے۔ المراد مشرکی مکة (معالم عن مقاتل) قل لمشرکی مکة ستغلبون یعنی یوم بدرٍ (بیضاوی) قیل نزلت فی قریش قبل بدر بسنتین (بحر) لیکن اکثر نے مدینہ میں یہود کے پرقوت جتھوں اور جرگوں کی شکست وپامالی مراد لی ہے۔ یعنی الیھود ای تھزمون (قرطبی، عن ابن عباس) فالمراد من الموصول الیھود (روح) سَتُغْلَبُوْنَ میں س قرب وقوع کے لئے ہے یعنی اس دنیا میں اس کا مشاہدہ ہو کر رہے گا۔ والسین لقرب الوقوع ای تغلبون عن قریب وارید منه فی الدنیا (روح) لیکن بہتر یہ ہوگا کہ لفظ کے اطلاق کو عام رکھا جائے اور یہود ومشرکین جو بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد میں مسلمانوں کے ہاتھ خوار ومغلوب ہوئے، سب کو آیت کا مصداق یکساں ٹھہرایا جائے۔ والظاھر ان الذین کفروا یعم الفریقین المشرکین والیھود وکل قد غلب بالسیف والجزیة والذلة و ظھور الدلائل والحجج (بحر) بہرحال قرآنی پیشگوئی کا اعجازی رنگ ہر صورت میں عیاں ہے نزول آیت کے وقت مسلمانوں کی بے بسی بے سروسامانی وزبوں حالی دیکھ کر کوئی بھی انسانی دماغ یہ پیشگوئی نہیں کر سکتا تھا کہ حکومت مکہ یا دولت یہود کسی سے بھی یہ ایسی زبردست ٹکر لے سکتے ہیں۔ ف۲۹ (میدان بدر میں ۸ نبوی ۲ ہجری میں) اٰيَةٌ۔ نشان اللہ کی قدرت وکارسازی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا) فِيْ فِئَتَيْنِ یعنی دو گروہوں کے واقعہ میں۔ ایک گروہ مومنین بے سروسامان، دوسرا گروہ مشرکین باسروسامان کا۔ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہ گروہ مومنین کا تھا۔ تعداد میں قلیل اور سامان میں حقیر۔ تعداد میں کل ۳۱۳ تھے اور وہ بھی بغیر سامان حرب کے۔ اونٹ اتنے کم کہ چار چار پیادوں کے حصہ میں ایک ایک پڑتا تھا۔ گھوڑے لشکر بھر میں کل دو۔ آہنی زرہیں اتنے آدمیوں میں کل سات۔ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ۔ یہ لشکر حکومت مکہ کا تھا۔ تعداد میں مسلمانوں سے سہ چند تھا۔ یعنی ۹۵۰ افراد پر مشتمل۔ قریش کے بہترین سواروں کے زیر قیادت اور ہر ضروری سامان سے آراستہ شتر سوار ان میں ۷۰۰ تھے اور سب سوار وزرہ پوش ۱۰۰ تھے۔

رَاٰیَ الْعَیْنِ ؕ وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ

(یعنی مسلمانوں سے) کئی گنا وٞ۳۰ اللہ اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے مدد کردیتا ہے، وٞ۳۱ بے شک

فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ زُیِّنَ لِلنَّاسِ

اس (واقعہ) میں اہل بصیرت کے لیے (بڑا) سبق ہے وٞ۳۲ لوگوں کے لیے خوشنما کردی گئی ہے

حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ

مرغوبات کی محبت (خواہ) عورتوں سے ہو یا بیٹوں سے یا ڈھیر

الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ

لگے ہوئے سونے اور چاندی سے یا نشان پڑے ہوئے

الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِکَ مَتَاعُ

گھوڑوں سے یا مویشیوں سے یا زراعت سے وٞ۳۳ یہ (سب) دنیوی زندگی کے

الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

سامان ہیں وٞ۳۴ اور حسن انجام تو اللہ ہی کے پاس ہے وٞ۳۵

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا

آپ کہیے کہ کیا میں تمہیں ایسی چیز کی خبردوں جوان (چیزوں) سے (کہیں) بہتر ہے، وٞ۳۶ جو لوگ ڈرتے رہتے ہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس باغ ہیں کہ ان کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہیں

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ

ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں وٞ۳۷ اور صاف ستھری کی ہوئی بیویاں ہوں گی وٞ۳۸ اور اللہ کی خوشنودی

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ

ہوگی وٞ۳۹ اور اللہ اپنے بندوں کا خوب دیکھنے والا ہے وٞ۴۰ (یہ وہ لوگ ہیں) جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار

وٞ۳۰ (لیکن یہ کثرتِ تعداد پھر بھی کچھ کام نہ آئی اور آخر کار ذلت وشکست لشکر مکہ ہی کو نصیب ہوئی) یَرَوْنَهُمْ رَاْیَ الْعَیْنِ۔ یعنی یہ محض وہم وخیال نہ تھا بلکہ واقعۃً مشاہدہ کر رہے تھے۔ رؤیۃ آیت میں رؤیت چشم کے لئے ہے۔ قال ابو علي الرؤية في الاٰية رؤية عين ولذلک تعدت الی مفعولٍ واحدٍ (قرطبی) یعنی رویة ظاهرة مکشوفة (کشاف) یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ۔ کون کس کو کئی گنا دیکھ رہے تھے؟ سوال کے جواب یا ضمیروں کی تعیین میں اہل تفسیر کے درمیان شدید اختلاف ہے اور بالکل بلادلیل قول کسی کا بھی نہیں۔ سب سے اسلم واحوط قول مفسر تھانوی کا نظر آتا ہے۔ جنہوں نے یَرَوْنَهُمْ میں فاعل اور مفعول دونوں کی ضمیریں کافروں کی طرف پھیری ہیں۔ اور مِّثْلَیْهِمْ میں هم سے مراد مومنین سے لی ہے۔ مِثْلَیْنِ۔ سے مراد دو چند بھی لی گئی ہے اور سہ چند بھی اور مطلق کثرت تعداد بھی بغیر کسی عدد خاص کے تعین کے۔ زعم الفراء ان معنٰی یرونهم مثلهم ثلاثة امثالهم (بحر) المراد بالمثلین مطلق الکثرة لاخصوص المثلین (جمل) وٞ۳۱ (چنانچہ اس موقعہ پر اس کی مشیت نصرت مومنین سے متعلق ہوگئی اور کافروں کے کام نہ ان کی تیاریاں آسکیں نہ کثرتِ تعداد) مَنْ یَّشَآءُ۔ اس کی تائید اس عالم ابتلاء میں مصالح تکوینی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ وٞ۳۲ (یعنی بڑا سبق ہدایت کا ان لوگوں کے لئے ہے جو بصیرت سے کام ہی لیتے رہتے ہیں۔ عِبْرَةً۔ تنوین عظمت کے لئے ہے یعنی ہدایت وبصیرت کا بہت بڑا سبق۔ التنوین للتعظیم ای عبرة عظیمة کائنة (روح) وٞ۳۳ اور انہی کی محبت اکثر افراد میں حدود جائز سے تجاوز کر کے معصیت کا سبب بن جاتی ہے۔ حُبُّ الشَّهَوٰتِ۔ شہوات یہاں مشتہات کے معنٰی میں ہے۔ یعنی مرغوب ودلپسند چیزیں۔ وقد یسمّی المشتهی شهوة (راغب) جعل الاعیان التی ذکرها شهوات مبالغة فی کونها مشتهاة (کشاف) مِنَ النِّسَآءِ الخ ان مرغوبات کے نام صرف مثال اور نمونہ کے طور پر لے دیے گئے ہیں۔ ان میں حصر مراد نہیں۔ زُیِّنَ لِلنَّاسِ۔ یہ صراحت ہے اس باب میں کہ انسان کی نظر میں ان چیزوں کی رغبت وکشش بہ طور امر طبعی کے ہے۔ اور بذات خود معصیت نہیں۔ انسان ان کے شوق کے ازالہ کا مکلف نہیں صرف انہیں عقل سلیم واحکام شریعت کے ماتحت کر کے رکھنا چاہیے۔ وٞ۳۴ (سو اس حقیقت کو سمجھ کر ان کی محبت جائز حدود کے اندر محدود رکھنی چاہیے) مَتَاعُ کہتے ہی اس چیز کو ہیں جس سے کسی حیثیت سے کچھ مدت کے لئے نفع حاصل کیا جائے۔ کل ماینتفع به علی وجهٍ مافهو متاع (راغب) والمتاع انتفاع عندالوقت (راغب) مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ مقصود یہ ہے کہ یہ اور اس قسم کی ساری چیزیں بہت زیادہ دل لگانے کے قابل نہیں۔ البتہ دنیوی زندگی برتنے میں مفید ومعین یقیناً ہیں۔ سو ان کی قدر اسی حد تک کرنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ یہ مقاصد حیات بن جائیں۔ دنیا خود ہی فانی ہے اور اس کے یہ سارے ساز وسامان بھی فانی۔ والمعنٰی تحقیر امر الدنیا والاشارہ الٰی فنائها وفناء ما یستمتع به فیها (بحر) وٞ۳۵ (سو دائمی اور غیر فانی راحت کے لئے فکر واہتمام صرف اللہ کی رضا کا رکھنا چاہیے اس کے آگے دنیا کی آنی وفانی بڑی سے بڑی لذت بھی بے بساط ہی ہے) و معنی الاٰیة تقلیل الدنیا و تحقیر ها والترغیب فی حسن المرجع الی اللہ فی الاٰخرة (قرطبی) وٞ۳۶ (کیا بہ لحاظ کیفیت، کیا بہ لحاظ کمیت اور کیا بہ لحاظ قیام ودوام) خطاب عام انسانوں سے۔ رسول علیہ السلام کے واسطہ سے ہے۔ ذٰلِكُمْ۔ یعنی یہ چیزیں جو سرتا سر بے ثبات وبے حقیقت ہیں۔ وٞ۳۷ اَلَّذِیْنَ اتَّقَوْا یعنی جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں۔ خوف خدا پر رحمت الٰہی کے مرتب ومتوجہ ہونے کا ذکر قرآن مجید ہی میں نہیں اگلے صحیفوں میں بھی بار بار آیا ہے۔ چنانچہ توریت کے حوالہ پارۂ اول کے حواشی میں گزر چکے۔ مسیحیوں کے مقدس نوشتے بھی خوف وخشیت کے ذکر سے خالی نہیں۔ ”اور اس کا رحم ان پر جو اس سے ڈرتے ہیں پشت در پشت رہتا ہے (لوقا ۱: ۵۰)

”آؤ اپنے آپ کو ہر طرح کی جسمانی آلودگی سے پاک کردیں اور خدا کے خوف کے ساتھ پاکیزگی کو کمال تک پہنچائیں“۔ (۲۔ کرنتھیون ۔ ۷: ۱) ”وہ وقت آپہنچا ہے کہ بڑے بڑے نبیوں اور مقدسوں اور ان چھوٹے بڑوں کو جو تیرے نام سے ڈرتے ہیں، اجر دیا جائے۔ وٞ۳۸ (ان کے لئے جنت میں) مُطَهَّرَةٌ۔ پاک صاف کی ہوئی ہر جسمانی آلودگی ونجاست سے۔ قرآن مجید نے بار بار اس پر زور دیا ہے کہ اہل جنت کے لئے راحت ولذت کا سامان ہر قسم کا ہوگا مادی لطف کا بھی، روحانی لطف کا بھی، ذہنی لطف کا بھی، پھر اگر انہیں وہاں بیویاں بھی عنایت ہوں، ہر طرح پاک صاف اور لطف ازدواجی بھی پوری طرح اٹھانے کا موقع ملے، تو اس میں ”روشن خیالی“ کے شرمانے کی کونسی بات ہے؟ وٞ۳۹ (جو حاصل اور عطر ہے ساری نعمتوں ولذتوں، راحتوں کا) رِضْوَانٌ۔ کی تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے) ای رضا عظیم علی مایشعر به التنوین (روح) وٞ۴۰ (اور ان کے احوال، اقوال، اعمال کے ایک ایک جزئیہ سے پوری طرح خبردار ہے) پس اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی حساب یا صدور جزائے سے رہ جائے۔

اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾

ہم یقیناً ایمان لے آئے سو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا دے ف۴۱

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ

(یہ) صبر کرنے والے ہیں اور راستباز ہیں اور فروتنی کرنے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ

اور پچھلی رات میں گناہوں سے بخشش چاہنے والے ہیں ف۴۲ اللہ کی گواہی ہے کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا

کوئی معبود نہیں ہے بجز اس کے اور فرشتوں اور اہل علم کی (بھی گواہی یہی ہے ف۴۳) اور وہ عدل سے انتظام رکھنے والا

بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ

معبود ہے، ف۴۴ کوئی معبود نہیں ہے بجز اس زبردست حکمت والے کے ف۴۵ یقیناً

الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ

دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے ف۴۶ اور جو اختلاف کیا اس میں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا

اہل کتاب نے سو وہ آپس کی ضد سے کیا بعد اس کے کہ انہیں صحیح علم پہنچ

بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

چکا تھا ف۴۷ اور جو اللہ کی آیتوں سے انکار کرے گا سو اللہ یقیناً جلد حساب لینے

الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ

والا ہے ف۴۸ پھر اگر یہ لوگ آپ سے حجت کئے جائیں ف۴۹ تو خیر آپ کہہ دیجیے کہ میں تو اپنا رخ

وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا

اللہ کی طرف کر چکا اور جو میرے پیرو ہیں (وہ بھی) ف۵۰ اور آپ

ف۴۱ یہ کہنے والے کون ہیں؟ وہی ہوتے ہیں جن کا ذکر اَلَّذِيْنَ اتَّقَوْا کے ماتحت چل رہا ہے۔ یہ اپنے اعمال واحوال پر نازاں ہونا الگ رہا لئے فرط خشیت وہیبت سے اپنی مغفرت وحسن خاتمہ کے لئے مناجات کرتے رہتے ہیں اٰمَنَّا۔ یعنی ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی شریعت پر ایمان لے آئے۔ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا۔ ایمان پر معاً طلب مغفرت کو مرتب کرتے ہیں نکتہ یہ ہے کہ مغفرت میں اصل حائل عدم ایمان ہی تو ہوتا ہے۔ جب یہ مانع رفع ہو گیا تو اب کیا ہے۔ اب ہماری باقی خطاؤں، لغزشوں کو تو معاف کر ہی دیجئے۔ ایمان بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی انتہائی اہمیت اس آیت سے ظاہر ہو رہی ہے۔ امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر بہت خوب تقریر کی ہے۔ ذٰلک یدل علی انهم توسلوا بمجرد الایمان الی طلب المغفرة والله تعالیٰ حکی ذٰلک عنهم فی معرض المدح لهم والثناء علیهم فدل هٰذا علی ان العبد بمجرد الایمان یستوجب الرحمة والمغفرة من الله تعالیٰ (کبیر) اور انہی کی پیروی صاحب بحر وصاحب روح نے بھی کی ہے۔ ف۴۲ بِالْاَسْحَارِ۔ سحر نام اس وقت کا ہے جب رات کی تاریکی صبح کی روشنی سے مل رہی ہو۔ السحر والسحرة اختلاط ظلام اٰخر اللیل بضیاء النهار وجعل اسمًا لذٰلک الوقت (راغب) آخر شب کی خصوصیت اس لئے ہے کہ وہ وقت خاص طور پر دلجمعی اور روحانی قوی کی بیداری وبالیدگی کا ہوتا ہے اور نفس پر اس وقت کا اٹھنا شاق بھی زاید ہوتا ہے۔ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ۔ یعنی صبر کرنے والے اور راستی برتنے والے اپنے سارے معاملات میں۔ الْقٰنِتِيْنَ۔ یعنی فروتنی کرنے والے اللہ کے حضور میں۔ الْمُنْفِقِيْنَ یعنی خرچ کرنے والے اللہ کی راہ میں۔ عارفوں نے کہا ہے کہ یہ تمام صفات اولیاء اللہ کے ہوتے ہیں۔ ف۴۳ (اس لئے شرک ہر درجہ اور نوعیت کا باطل ہے) شَهِدَ اللّٰهُ۔ اللہ کی یہ گواہی کتب آسمانی سے بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ اور صحیفہ کائنات سے بھی۔ ومن وحدانیتہ بنصب الدلائل الدالة علیها وانزال الاٰیات القاطعة بها۔ (بیضاوی) کتب الٰہی کی شہادت دلیل نقلی کا حکم رکھتی ہے۔ اور مصنوعات فطرت کی دلالت دلیل عقلی کا۔ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ یہ وہی مخلوق ہے جسے اکثر مشرک قومیں دیوتا کا لقب دے کر شریک خدائی سمجھ رہی ہیں۔ اُولُوا الْعِلْمِ "علم" سے مراد علم حقایق ہے نہ کہ علوم دنیوی۔ محققین نے آیت سے علماء کا خاص شرف وفضل نکالا ہے۔ فی هٰذه الاٰیة دلیل علی فضل العلم و شرف العلماء فانه لو کان احد اشرف من العلماء لقرنهم الله باسمه واسم ملٰئکته کما قرن اسم العلماء (قرطبی) ف۴۴ (ساری کائنات کا) قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ۔ عدل سے مراد ہے کہ ہر شے اپنے محل مناسب میں ہو بعض جاہل قوموں نے خدا کا وجود تو تسلیم کیا ہے لیکن وجود معطل یا ایسی صفات سے موصوف ہے جو کمالات الٰہیہ کے منافی ہیں۔ اسلام کا خدا، خدائے معطل نہیں، منتظم ہے، کارساز ہے، ہر ایک کا اور ہر کام بنانے والا ہے۔ ف۴۵ الْعَزِيْزُ۔ وہ جس کی قوت سب پر غالب ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں۔ الْحَكِيْمُ۔ وہ جس کی حکمت سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ دونوں صفات کے اثبات سے مقصود یہ ہے کہ اسے نہ قوت کے لحاظ سے اور نہ علم وحکمت سے کسی شریک کی ضرورت ہے۔ ف۴۶ (نہ کہ مطلقاً ہر وہ چیز جسے دین کے نام سے موسوم کر دیا جائے) یہ رد ہے بادشاہ اکبر اور دوسرے بددینوں کے اس عقیدہ کا، کہ ہر دین دین حق ہے، اور ہر مسلک خدا ہی کی راہ ہے۔ اور دیر وحرم کفر وایمان میں فرق صرف لفظی واصطلاحی ہے۔ خط مستقیم حقیقت یہ ہے کہ دو نقطوں کے درمیان صرف ایک ہی ممکن ہے باقی سب خطوط منحنی وکج ہوں گے، راہ مستقیم خدا اور بندے کے درمیان صرف ایک ہی ہے۔ اور اسلام ہے جو انبیاء وہادیان حق کا دین ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ الدِّيْنَ۔ یعنی دین مقبول الدِّيْنَ اور الْاِسْلَامُ دونوں کا معرفہ ہونا حصر کے معنی دے رہا ہے یعنی دین مقبول صرف یہی ہے۔ وتعریف الجزئین للحصر ای لا دین مرضی عندالله تعالیٰ سوی الاسلام (روح) ف۴۷ (نہ کہ کسی اجتہاد فکری اور اختلاف فہم کی بنا پر) یہاں پھر ایک بار اسے کھول کر بیان کر دیا ہے کہ اہل کتاب کا راہ حق سے انحراف کسی خطاء اجتہادی کی بناء پر نہیں، نفسانیت وہوا پرستی کی بنا پر ہے۔ یہود پہلے سے بھی یہی کہتے چلے آرہے تھے کہ راہ حق ہماری راہ ہے۔ اس لئے کہ فلاں فلاں بزرگ ہمارے مورث ہوئے ہیں اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ان کا کہنا یہ تھا کہ نبوت تو اسرائیلیوں کا حق رہی ہے۔ یہ نعمت ایک اسمٰعیلی کے حصہ میں کیونکر جا سکتی ہے؟ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ۔ یعنی نفسانفسی اور ضدم ضدی آپس میں بھی اور دین حق سے بھی۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ یعنی ان پر دین حق کی تبلیغ پوری طرح ہو چکی اور دین برحق کی حقانیت وصداقت کے دلائل واضح انہیں پہنچ چکے۔ ف۴۸ (اور حساب کا جو انجام منکرین ومعاندین کے حق میں ہونے والا ہے، بالکل ظاہر ہے) ف۴۹ (خواہ مخواہ از راہ عناد اور پوری تبلیغ کے بعد بھی) اشارہ اہل کتاب کی جانب عموماً ہے اور نصرانیوں کی جانب خصوصاً۔ حَآجُّوْكَ۔ ای جادلوک بالاقاویل المزورة والمغالطات (قرطبی) ف۵۰ (اب تم مانو یا نہ مانو۔ تمہیں اختیار ہے) اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ۔ پورا رخ اللہ کی جانب کر لینا مترادف ہے اسلام کے یعنی میں اپنا سب کچھ اللہ کے سپرد کر چکا۔ وَمَنِ اتَّبَعَنِ۔ میں ہو سکتا ہے کہ و عطف کا نہ ہو، بلکہ مع کا مرادف ہو۔ (ویجوز ان یکون الواو بمعنی مع (کشاف) اہل طریق نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب وضوح حق کی پوری کوشش ہو لے اور مخاطب پھر بھی قبول نہ کرے تو اب بحث ومباحثہ قطع وقتال ترک کر دینا چاہیے

ف۵۱ ءَاَسۡلَمۡتُمۡ کے ایک صاف اور صریح معنی تو وہی ہیں جو متن ترجمہ میں درج ہو چکے ہیں، لیکن بعض اہل علم نے صیغہ امر میں معنی ''اسلام لاؤ'' کے بھی لئے ہیں۔ اور نحویین نے کہا ہے کہ الف استفہام بھی امر کے بھی معنی دیتا ہے۔ بلکہ امر کے معنی میں زور اور زیادہ پیدا کر دیتا ہے۔ المقصود منه الامر (کبیر) قال النحویون انما جاء الامر فی صورة الاستفهام (کبیر) استفہام کی صورت میں بھی استفسار محض مراد نہیں بلکہ مقصود تہدید ہے جیسے اردو محاورہ میں بھی تہدید کے موقع پر کہتے ہیں۔ ''کیوں جی۔ سنتے ہو کہ نہیں''۔ قال الزجاج ء اسلمتم تهدید وهذا حسن لان المعنی ء اسلمتم ام لا (قرطبی)

الۡكِتٰبَ وَ الۡاُمِّيّٖنَ ءَاَسۡلَمۡتُمۡ‌ؕ فَاِنۡ اَسۡلَمُوۡا فَقَدِ

اہل کتاب سے اور اُمیوں سے دریافت کیجیے کہ تم اسلام لاتے ہو ف۵۱ سو اگر وہ اسلام لے آئیں تو بس

اهۡتَدَوۡا‌ ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ‌ ؕ وَاللّٰهُ

راہ ہدایت پر آگئے ف۵۲ اور اگر وہ روگردان رہے تو آپ کے ذمہ تو صرف تبلیغ ہی ہے ف۵۳ اور اللہ

بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۲۰﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ

اپنے بندوں کا خوب دیکھتے رہنے والا ہے ف۵۴ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں سے

اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقۡتُلُوۡنَ

انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق قتل کر ڈالتے ہیں ف۵۵ اور ان لوگوں کو

الَّذِيۡنَ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡقِسۡطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ

جو عدل کا حکم دیتے ہیں انہیں قتل کر ڈالتے ہیں بس آپ انہیں عذاب دردناک کی

بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ

خوشخبری سنا دیجیے ف۵۶ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا

فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ‌ۚ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۲۲﴾

اور آخرت میں اکارت گئے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا ف۵۷

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب الٰہی سے حصہ دیا گیا تھا

يُدۡعَوۡنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ يَتَوَلّٰى

انہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر ان میں سے ایک فریق

فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ وَهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ

بے رخی کرتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے ف۵۸ یہ اس سبب سے کہ یہ لوگ

ع ۱۱/۱۰

وَالۡاُمِّيّٖنَ۔ مطلقاً ان پڑھ یا کتب سماوی سے لاعلم و نابلد۔ مراد بہر صورت مشرکین مکہ ہیں۔ الامی هوالذی لایکتب ولایقرء من کتاب (راغب) ای الذین لاکتاب لهم (ابن جریر) الذین لاکتاب لهم وهو مشرکوا العرب (قرطبی) ف۵۲ (اور اب ان کی نجات و مغفرت میں بھی شبہ نہ رہا) جاہلیت کے نظریہ حیات (Ideology) میں اصلاح و تبدیلی ہی کا نام اسلام ہے پس جس نے بھی اسلام کے نظریۂ حیات کو قبول کر لیا وہ کسی بھی نسل، قوم، رنگ، وطن کا ہو بہرحال اب اس کا تعلق کائنات و خالق کائنات کے ساتھ صحیح نوعیت کا قائم ہو گیا ہے۔ ف۵۳ (آپ پر نتائج کی ذمہ داری ذرا بھی نہیں) رسول اللہ ﷺ کو تسکین دی گئی ہے کہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو آپ ملول و فکرمند نہ ہوں۔ آپ کا کام تو صرف تبلیغ ہے۔ ف۵۴ (وہ خود ہی سب کے اعمال و احوال دیکھ کر مناسب جزا و سزا دے گا۔ ف۵۵ يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ کسی کتاب الٰہی سے یا اس کے کسی جزء سے انکار یہ سب کفر بآیات اللہ کی صورتیں ہیں۔ بِغَيۡرِ حَقٍّ۔ یعنی خود قاتلوں کے بھی آئین، قانون و ضابطہ کے خلاف، ورنہ قتل انبیاء فی الحقیقت اور عند اللہ تو ہمیشہ ہی ناحق رہے گا۔ یہود کے قتل انبیاء اور قتل ناحق پر حاشیہ پارہ اول رکوع ۷ میں گزر چکا۔ ف۵۶ (آخرت میں) يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡقِسۡطِ۔ یعنی لوگوں کو اخلاق و معاملات میں عدل کی ہدایتیں کرتے رہتے ہیں، ظاہر ہے کہ مراد انبیاء اور ان کے نائبین ہیں۔ يَقۡتُلُوۡنَ۔ یہ سب اشارے یہود کی حق دشمنی سے متعلق اور ان کی تاریخ کی جانب ہیں۔ عہد عتیق کے متعدد صحیفوں میں یہود کی حق بیزاری کی تصریح موجود ہے۔ مثلاً ''وہ اس کا کینہ رکھتے ہیں جو دروازہ پر سرزنش کرتا ہے اور وہ اس سے نفرت رکھتے ہیں جو حق بات کہتا ہے''۔ (عموس۔ ۵:۱۰) عَذَابٍ اَلِيۡمٍ۔ ایسے مجرموں اور خطاکاروں پر دنیوی لعنت حضرت داؤد نبی کی کتاب میں مفصل موجود ہے۔: ''وہ جلد ہی گھاس کے مانند کاٹ ڈالے جائیں گے اور ہرے سبزے کی طرح مرجھا جائیں گے اور شہر میں نہ ہو گا تو غور کر کے اس کا مکان ڈھونڈے گا اور وہ نہ ہو گا۔ ان کی تلوار انہی کے دلوں میں بیٹھے گی۔ ان کی کمانیں ٹوٹ جائیں گی''۔ الخ (زبور، ۳۷: ۱۔ ۳۰) آیت سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ سابق امتوں میں امر بالمعروف واجب تھا اور یہ فرض انبیاء اور ان کے نائبین انجام دیتے تھے۔ و تحت هذه الاٰية علٰی ان الامر بالمعروف والنهی عن المنکر کان واجباً فی الامم المتقدمة و هو فائدة النبوة (قرطبی) ف۵۷ (سزا کے وقت کہ انہیں عذاب سے چھڑا لے۔ یا اس میں کچھ تخفیف ہی کرا دے) ف۵۸ حق و داعیانِ حق سے یہ مسلسل انحراف و اعراض تاریخ بنی اسرائیل کا کوئی نیا یا انوکھا واقعہ نہیں۔ ان کے مقدس نوشتے اور صحیفے ان شکایات سے بھرے پڑے ہیں۔ مثلاً:۔ ''تم کاہے کو مجھ سے محبت کرو گے۔ تم سب مجھ سے پھر گئے ہو''۔ (یرمیاہ۔ ۲: ۲۸، ۲۹) نیز ہوسیع ۱۰: ۲۷) مفصل حاشیے پارۂ اول رکوع ۶: ۷ کے ذیل میں گزر چکے۔ اَلَمۡ تَرَ۔ خطاب یہاں رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ مِنَ الۡكِتٰبِ۔ ذکر وہی یہود کا چل رہا ہے۔ الکتاب یہاں بطور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ یعنی کتاب الٰہی اپنے عمومی و کلی مفہوم میں۔ اور اسی کا ایک جزء توریت ہے۔ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ اسی عمومی و کلی کتاب کا دوسرا جزء قرآن ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ۔ یعنی مذہبی اختلافات کے باب میں فیصلہ کر دے۔

قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۖ

کہتے ہیں کہ ہم کو آگ چھوئے گی بھی نہیں بجز (چند) گنے ہوئے دنوں کے ف٥٩

وَغَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ

اور جو کچھ یہ تراشتے رہتے ہیں اس نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے ف٦٠ سو اس روز

اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ

جس میں ذرا شک نہیں جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے تو کیا حال ہوگا ف٦١ اور ہر شخص کو جو کچھ اس نے کیا ہے

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ

پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر (ذرا) ظلم نہ کیا جائے گا ف٦٢ آپ کہیے

مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ

اے سارے ملکوں کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے دے اور تو جس سے چاہے

الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ

حکومت چھین لے ف٦٣ تو جسے چاہے عزت دے ف٦٤ اور تو جسے

مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ

چاہے ذلت دے ف٦٥ تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے بے شک تو ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ

قادر ہے ف٦٦ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور رات میں دن کو

فِى الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ

داخل کرتا ہے اور تو بے جان سے جاندار کو نکالتا ہے اور تو جاندار سے

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَىِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ

بے جان کو نکالتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق

ف٥٩ ذٰلِكَ۔ یعنی یہ سرکشی اور عدوان کی عادت اس سبب سے قائم ہے کہ یہ لوگ اپنے مشرک ہونے ہی کے گویا قائل نہیں۔ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔ یعنی وہ ۴۰ روز کی مدت جو بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی میں بسر کی تھی۔ آیت کا یہ جزء پارۂ اول میں بھی یہود کی زبان سے نقل ہو چکا ہے اور وہیں اس پر مفصل حاشیہ بھی گزر چکا ہے۔ ف٦٠ (چنانچہ اپنی نجات کا یقین کئے ہوئے بیٹھے ہیں) مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۔ عقاید کے باب میں کوئی بات بے دلیل عقلی یا نقلی کے اپنی طرف سے گڑھ لینا افتراء علی اللہ کی ایک صورت ہے۔ اور یہود کے پیشواؤں اور سرداروں نے اس طرح قسم قسم کے عقائد کا ایک طومار گڑھ رکھا تھا۔ اور انہی میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ یہود پر آتش دوزخ (بجز برائے نام صورت کے) حرام ہے۔ ان کے لئے ان کے بزرگوں کی نسبت وشفاعت کافی ہے۔ اور ان کی نجات ومغفرت بلا ایمان وعمل خود بخود ہو جائے گی۔ ف٦١ (ان بدبختوں اور شامت زدوں کا) يَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ۔ یعنی قیامت کے دن۔ اس طرز تسمیہ سے مقصود قیامت کا محض ذکر ہی کر دینا نہیں۔ بلکہ اس کے وقوع کی قطعیت کو ذہن میں تازہ کر دینا ہے۔ فَكَيْفَ۔ اس طرز استفہام سے مقصود عذاب کی ہولناکی کا اظہار ہے۔ **استعظام وتهويل وهدم لما استندوا اليه** (روح) لِيَوْمٍ۔ میں ل فی کے معنی میں ہے۔ **واللام فى قوله ليوم بمعنى فى قاله الكسائى** (قرطبی) ف٦٢ (کہ کسی کو سزا بلا جرم یا زائد از جرم مل جائے یا کسی کی کوئی نیکی بغیر اجر کے چھوٹ جائے) مَا كَسَبَتْ۔ جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے خواہ وہ حسنات ہوں یا سیئات۔ ف٦٣ رسول ﷺ کے واسطہ سے طریق دعا کی تعلیم امت کو دی جا رہی ہے۔ مٰلِكَ الْمُلْكِ۔ ملک سے مراد سارا جہان ہے۔ مالک کا لفظ دعا کے شروع ہی میں لا کر یاد دلا دیا کہ مالکانہ تصرف کا حق واختیار اسی کو حاصل ہے جس سے دعا کی جا رہی ہے تُؤْتِى وَتَنْزِعُ۔ حکومت کی نعمت دینا یا اس نعمت کو واپس لے لینا۔ تمامتر احکم الحاکمین کے ہاتھ میں ہے اور نفس بادشاہت یا حکومت میں تقدس یا الوہیت ذرا سی بھی نہیں۔ اس میں رد آ گیا اس کثرت سے پھیلے ہوئے جاہلی عقیدہ کا، کہ بادشاہی خود ایک درجہ الوہیت یا نیم الوہیت کا ہے اور کسی کا بادشاہ ہو جانا گویا خدا کے اوتار کے مرتبہ پر پہنچ جانا ہے۔ مصر میں فرعون کی پرستش ہوتی رہی۔ ہندوستان میں چندر بنسی اور سورج بنسی راجہ مہاراجہ خدائی اوتار سمجھے گئے۔ جاپان میں میکاڈو آج تک مظہر خدا کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ سب اسی عقیدۂ شاہ پرستی کے مظاہر ہیں۔ اسلام نے آ کر بتایا کہ بادشاہی بھی ساری دوسری نعمتوں کی طرح ایک خدائی تصرف ہے اور بادشاہ بھی بندگی، بے بسی، بیچارگی میں بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسے سارے دوسرے بندے۔ حقیقت ہمیشہ سے اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اس وقت اس کا نظارہ پوری قوت وشدت کے ساتھ مسولینی (آمر اٹلی) وہٹلر (آمر جرمنی) کے انجام سے کرا دیا گیا ہے۔ ف٦٤ (اپنی حکمت کاملہ کے مطابق) اس مَنْ تَشَآءُ (جسے تو چاہے) کی وسعت اطلاق میں قومیں بھی آ گئیں اور فرد بھی۔ اور عزت کا سب سے بڑا ممکن مرتبہ یاد کر لیا جائے کہ نبوت ہے۔ اس طرح گویا اہل کتاب کو یہ یاد دلا دیا کہ جس قوم کے جس فرد کو وہ چاہے مرتبہ نبوت سے سرفراز کر دے۔ اس پر حسد بالکل بے معنی ہے۔ ف٦٥ (اس کے پاداش عمل میں) مَنْ تَشَآءُ کا عموم اطلاق یہاں بھی فرد وقوم دونوں پر حاوی ہے کوئی فرد تو مرتبہ نبوت سے معزول ہوا نہیں ہے۔ البتہ یہ نعمت قوموں سے سلب ہو سکتی ہے چنانچہ قوم اسرائیل صدیوں تک اس نعمت سے سرفراز رہنے کے بعد معزول کی گئی۔ اور یہ نعمت اپنی انتہائی اور آخری شکل میں عرب قوم کے ایک ممتاز فرد کے حصہ میں آئی۔ ف٦٦ (تو اہل کتاب اس پر حیرت کیوں کر رہے ہیں کہ نعمت نبوت سے عرب قوم کے ایک فرد کو سرافراز کیا جا رہا ہے) اَلْخَيْرُ۔ یعنی بھلائی ہر قسم کی اور ہر مرتبہ، درجہ کی۔ کائنات میں وجود ایجابی صرف خیر کا ہے اس لئے ذکر اسی کا کیا گیا اس کے مقابل کی چیز یعنی شر محض ایک سلبی حقیقت کا نام ہے۔ یہاں جو بجائے بِيَدِكَ الْخَيْرُ وَالشَّرُّ کے صرف بِيَدِكَ الْخَيْرُ کا ارشاد واقع ہے اس سے عارفین صوفیہ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جس چیز میں بندہ کے ارادہ واختیار کو دخل نہ ہو وہ محض خیر ہی ہے۔ اسے ناگوار نہ جانے اور اسے اپنے حق میں عذاب ومصیبت نہ سمجھے۔

حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ

دیتا ہے ف۶۷ مومنوں کو نہ چاہیے کہ مومنوں کے ہوتے ہوئے کافروں کو

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ

(اپنا) دوست بنائیں ف۶۸ اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ اللہ کے ہاں

مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ

کسی شمار میں نہیں ف۶۹ مگر ہاں ایسی صورت میں کہ تم ان سے کچھ اندیشہ (ضرر کا)

تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

رکھتے ہو ف۷۰ اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے ف۷۱ اور اللہ ہی کی طرف آنا ہے ف۷۲

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ

آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے تم اسے خواہ پوشیدہ رکھو یا ظاہر کرو

يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

اللہ اس کو جانتا ہے ف۷۳ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اس (سب) کو

الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ

جانتا ہے ف۷۴ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ف۷۵ جس روز

تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۖ

ہر شخص اپنے ہر نیک عمل کو سامنے لایا ہوا پائے گا ف۷۶

وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْۗءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا

اور (اسی طرح) ہر برے کام کو بھی (اس روز) تمنا کرے گا کہ کاش اس شخص

وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ

اور اس دن کے درمیان مسافت بعید ہوتی ف۷۷ اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے ف۷۸

معانقہ ۳

ف۶۷ (غرض یہ کہ تقلبات وتصرفات کائنات کا ہر ہر جزئیہ تیری ہی مشیت وقدرت کے تابع ومحکوم ہے) تُوْلِجُ الَّيْلَ۔ تُوْلِجُ النَّهَارَ۔ یہ سارے تصرفات وتقلبات بغیر کسی کی شرکت واعانت کے محض ارادۂ الٰہی سے رات دن ہوتے رہتے ہیں۔ جاہلی قوموں نے لیل (رات) اور نہار (دن) دونوں کو دیوی دیوتاؤں کی حیثیت دے رکھی ہے۔ آیت میں ضمناً ان خرافات کا بھی رد آ گیا۔ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ۔ اس کی ایک نمایاں مثال پرند کو انڈے سے نکالنا ہے۔ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔ اس کی ایک نمایاں مثال پرند سے انڈے کی پیدائش ہے۔ تَرْزُقُ مَنْ تَشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ سوایسا قادر مطلق اگر ضعیفوں، عاجزوں کو بڑی بڑی سلطنتوں کا بھی مالک بنا دے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ اوپر تقسیم رزق، عطائے دولت وغیرہ تکوینی انعامات کے سلسلہ میں۔ مَنْ تَشَاۗءُ کی قید جو ہر جگہ لگی ہوئی ہے۔ اس سے محققین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ دولت، حکومت، امارت وغیرہ کی تقسیم محض مشیت تکوینی کے مصالح کائناتی کے اعتبار سے ہوتی رہتی ہے۔ اسے قرب الٰہی، اخلاقی افضلیت وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ف۶۸ (کیا ظاہر میں اور کیا باطن میں) جسے دوستی کا علاقہ کہتے ہیں وہ ایک کیفیت قلب اور پھر عملی برتاوے کا نام ہے۔ مسلمانوں کو، کافروں، منکروں، اللہ کے باغیوں کے ساتھ یہ تعلق قائم کرنے کی قطعی ممانعت ہے اور عقلاً بھی یہ ملی خودداری اور قومی تشخص کے بالکل منافی ہے۔ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی نہ مومنین کو چھوڑ کر اور نہ مومنین کے شمول میں۔ ای من غیر المومنین (کبیر) ای متجاوزین المومنین الی الکافرین استقلالا او اشتراکا (روح) بعض اہل حق نے یہیں سے تمسک کر کے اپنے مریدوں، معتقدوں، شاگردوں کو منکروں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کر دیا ہے۔ ف۶۹ یعنی دشمنانِ خدا کے ساتھ دوستی رکھنے والے کی دوستی اللہ کے ساتھ کسی درجہ میں بھی معتبر ومقبول نہیں۔ لَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ۔ مِنَ اللّٰهِ سے مراد من دین اللہ یا من ولایۃ اللہ سمجھی گئی ہے۔ ای من ولایتہ فی شیء (بیضاوی) ای لیس من دین اللہ فی شیء (معالم) ف۷۰ (بس رفع ضرر کے لئے بہ قدر ضرورت ظاہری تعلقاتِ دوستانہ کی اجازت ہے) کافروں کے ساتھ حسن سلوک کی تین ہی ممکن صورتیں ہیں:۔ (۱) موالات یا دوستی۔ (۲) مدارات یا ظاہری خوش خلقی وخاطر داری۔ (۳) مواسات۔ یا احسان ونفع رسانی۔ اپنے علماء شریعت کی تحقیق ہے کہ شق اول یعنی موالات یا حقیقی دوستی تو کسی حال میں جائز نہیں۔ شق سوم بھی زیادہ دشوار نہیں۔ مواسات اہل حرب کے ساتھ ناجائز ہے۔ غیر اہل حرب کے ساتھ جائز ہے رہی شق دوم، سو وہ تفصیل طلب ہے۔ مدارات تین حالتوں میں درست ہے۔ ۱۔ ایک اپنے رفع ضرر کے لئے۔ ۲۔ دوسرے خود اس کافر کی مصلحت دینی ہو۔ یعنی توقع ہدایت کے موقع پر۔ ۳۔ تیسرے اکرام ضیف کے طور پر۔ یعنی کافر جب مہمان ہو اس وقت کے لئے۔ بس ان تینوں صورتوں کے سوا اپنے نفع یا حصول مال وجاہ کے لئے مدارات درست نہیں بلکہ جب اس سے ضرر دین کا اندیشہ ہو تو یہ اختلاط بدرجہ اولیٰ حرام ہو گا۔ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً۔ یہ لحاظ رہے کہ آیت میں ذکر اندیشہ کا ہے۔ محض توہم یا احتمال بعید اس کے لئے کافی نہیں اور ضرر بھی جس کا اندیشہ کیا جائے معتد بہ ہونا چاہیے۔ التقیۃ لاتحل الا مع خوف القتل او القطع او الایذاء العظیم (قرطبی) یعنی ان تخافوا تلف النفس او بعض الاعضاء وھذا ھو ظاھر ما یقتضیہ اللفظ وعلیہ الجمھور (جصاص) آیت میں ایک طرف رد ہے۔ فرقہ شیعہ کا۔ جس نے تقیہ کے حدود بہت وسیع کر کے اسے اپنے مذہب کا ایک جزء بنا لیا ہے اور دوسری طرف فرقہ خوارج کا۔ جس نے جواز تقیہ سے سرے سے انکار کر دیا ہے۔ عدل واعتدال کا مسلک افراط وتفریط دونوں سے یکساں بچ کر اہل سنت کا ہے۔ صاحب روح المعانی نے اس ذیل میں ماشاء اللہ بہت خوب لکھا ہے۔ ف۷۱ (کہ حقیقۃً صاحب اقتدار وقابل عظمت صرف وہی ہے) نَفْسَهٗ۔ مراد یہ سمجھی گئی ہے کہ اللہ اپنے عذاب سے تم کو ڈراتا ہے۔ المعنی یحذرکم اللہ عقابہ (قرطبی) ف۷۲ (سو اس کے احکام کی ظاہری، باطنی ہر مخالفت سے باز رہو) خطاب عامۃ الناس سے رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے ہے۔ ف۷۳ یعنی اس کا علم ہر طرح کامل جزئیات وکلیات سب پر حاوی، حاضر وغائب سب پر شامل ہے۔ اس میں رد آ گیا یونان اور دوسری قوموں کے ان جاہل فلسفیوں کا جنہوں نے خدا کی صفت علم کو ناقص ومحدود مانا ہے۔ ف۷۴ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ کی تصریح صرف محاورۂ زبان کے مطابق ہے۔ مراد صفت علم کی کاملیت وجامعیت کا اظہار ہے۔ ف۷۵ اور جب علم کے ساتھ اس کی قدرت بھی کامل ہے تو وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کی سزا سے ڈرا جائے) مشرک قوموں کو اصلی ٹھوکر صفت علم کے ساتھ صفت قدرت میں بھی لگی ہے۔ اسی لئے بار بار زور انہی صفات پر دیا گیا ہے۔ ف۷۶ (جزاء اعمال کے لئے) يَوْمَ یعنی قیامت کے دن۔ مُحْضَرًا۔ اپنے مواجہہ میں اور اللہ کے حضور میں۔ لدیھا مشاھدا (روح) مَا عَمِلَتْ۔ یعنی اس عمل کو نامۂ اعمال میں لکھا ہوا۔ یا ان اعمال کی جزاء کو۔ فی الصحف (روح) وقیل تجد جزاء اعمالھا محضرا (روح) تقدیرہ یوم تجد کل نفس جزاء ما عملت محضرا (قرطبی) صحائف اعمالھا او جزاء اعمالھا (بیضاوی) بعض صوفیہ عارفین نے یہ معنی کئے ہیں کہ انسان بجنسہٖ اس عمل کو کرتے ہوئے اپنے کو پائے گا۔ قیل ظاھرا فی صور (روح) حضرت اکبر الٰہ آبادی علیہ رحمۃ اللہ اردو کے مشہور شاعر ہونے کے ساتھ ہی حکیم وعارف بھی تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو ہر وقت ہم بولا کرتے ہیں کہ "وقت چلا گیا" وقت جاتا کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں چلا جاتا ہے اور وہیں جمع رہتا ہے۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ اسی "وقت" کو واپسی کا حکم دیں گے۔ پس جب وقت واپس آئے گا تو جو کچھ بھی وقت کے اندر ہوتا رہا ہے اس سب کو لئے ہوئے آئے گا۔ اس کے کائنات میں جو کچھ ہوتا رہا ہے۔ سب اس روز بجنسہٖ دوبارہ واقع ہو کر رہے گا۔ ف۷۷ (کہ اعمال بد یا ان کی جزا کا معائنہ نہ کرنا پڑتا) یہ حسرت ان کے دلوں میں پیدا ہو گی جن کے پاس اعمال خیر وشر کا مجموعہ ہو گا۔ تو جس بدنصیب کے پاس شر ہی شر ہو گا اس کی حسرت نصیبی کا کیا پوچھنا! بَيْنَهَا میں ضمیر نَفْسٍ کی طرف اور بَيْنَهٗ میں يَوْم کی طرف ہے۔ ف۷۸ (کہ قابل عظمت وصاحب اقتدار ذات صرف اسی کی ہے) نَفْسَهٗ سے مراد عقاب نفسہ سمجھی گئی ہے۔

و۷۹ (چنانچہ یہ بار بار کی تنبیہ وتہدید بھی اسی شفقت ورافت ہی کا نتیجہ ہے کہ کاش بندے اب بھی سنبھلیں اور راہ ہلاکت پر چلنے سے باز رہیں) و۸۰ (جیسا کہ تمہارا دعوی ہے۔ اور اپنے اسی زعم کی بنا پر جو تم رکھتے ہو کہ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا) خطاب رسول ﷺ کے واسطہ سے عامۃ الناس سے ہے۔ تُحِبُّوْنَ۔ محبت کے جو معنی عربی میں ہیں اس میں ارادہ کا شمول ضروری ہے۔ قال ابن عرفة المحبة عندالعرب ارادة الشئ علی قصدله (قرطبی) و۸۱ (کہ میں جامع کمالاتِ انسانی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری زندگی ساری کائنات انسانی کے لئے ہر شعبہ میں معیار اور نمونہ کا کام دے گی) محبت الٰہی کے دعوی کی جانچ کے لئے کیا اچھا معیار بتا دیا گیا۔ یعنی اتباع رسول ﷺ جو جتنا زیادہ متبع رسول ﷺ ہو گا اسی قدر اس کی محبت الٰہی مسلم ومعتبر ہوگی۔ اسی معیار پر آج بڑے بڑے مدعیان مشیخت ومدعیان محبت الٰہی کے دعووں کو جانچئے تو بہتوں کی قلعی کھل کر رہے۔ و۸۲ (کہ اس کے آگے اور کوئی درجہ کمال نہیں) یہ طریقہ جو پچھلوں کو بتایا گیا، یہی آواز اگلوں کے کان میں ڈال دی گئی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے جو الفاظ اناجیل مروجہ میں نقل ہوئے ہیں۔ حسب ذیل ہیں:۔ ”اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے“ (یوحنا ۱۴:۱۵،۱۶) یہ مددگار کا لفظ اردو انجیلوں کے متن میں ہے۔ حاشیہ پر وکیل اور شفیع دونوں لفظ درج ہیں گویا اصل یونانی لفظ کے یہ سب معنی ہو سکتے ہیں۔ انگریزی انجیل میں لفظ ”کمفارٹر“ (Comforter) آیا ہے، جس کے معنی تسلی دہندہ کے ہیں۔ تو چوتھا مفہوم اس لفظ کا یہ ہوا۔ بہر حال وہ سب کا مددگار اور وکیل اور شافع اور تسلی دہندہ، اس پیشگوئی کرنے والے مسیح علیہ السلام کے پانچ صدی بعد آیا۔ اور ایک ابدی اور غیر منسوخ شریعت لے کر ابد تک ساتھ رہنے ہی کے لئے آیا۔ اور اسی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لئے خاتم النبیین کہلایا۔ پر صلیب کے پرستاروں اور مسیح علیہ السلام کی عبادت کرنے والوں نے اسے برابر جھٹلایا۔ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ اللہ کی محبت بندہ کے ساتھ یہی ہے کہ اسے مغفرت سے سرافراز فرمائے۔ محبة الله للعباد انعامه علیه بالغفران (قرطبی) و۸۳ غَفُوْرٌ اس کی شان غفر کا تقاضا ہے کہ تمہارے معاصی ”ذنوب“ کی مغفرت کر دے گا۔ رَحِيْمٌ۔ سو اس کی شان رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ خود تم سے محبت کرنے لگے گا۔ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔ وہ تمہاری تقصیروں کو نظر انداز کر دے گا اور تمہارے مراتب قرب میں ذرا کمی نہیں آنے دے گا۔ و۸۴ خطاب عامہ ناس سے پیغمبر کے واسطہ سے ہے۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ۔ اللہ کی اطاعت اصالۃً اور بہ طور مقصود کے ہے۔ وَالرَّسُوْلَ۔ رسول کی اطاعت تبعاً ونیابۃً ہے بہ طور آلہ وواسطہ کے۔ یعنی اس حیثیت سے کہ پیغمبر اللہ ہی کا پیغام لے کر آتا ہے۔ و۸۵ (اور یہ لوگ کافر ہی تو ہیں جو اطاعت رسول سے منہ موڑے ہوئے ہیں خواہ محبت الٰہی کے جیسے ہی دعوے ان کی زبانوں پر ہوں)۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا یعنی ایسے صاف وصریح حکم کے ماننے سے انکار کریں۔ و۸۶ (چنانچہ وہ خود اور ان کے گھرانے والے توحید کے علمبردار رہے ہیں) اِصْطَفٰی۔ یہ برگزیدگی توحید کے علمبرداری کی حیثیت سے رہی ہے۔ اٰدَمَ۔ حاشیہ پارہ نمبر ۱ رکوع ۴ کے ذیل میں گزر چکے۔ نُوْحًا۔ حضرت نوح بن لامخ (یالمک) عراق میں ایک نہایت قدیم پیمبر گزرے ہیں۔ حسب روایت توریت حضرت آدم علیہ السلام سے دسویں پشت میں تھے۔ عمر ۹۵۰ سال پائی۔ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ۔ آل ابراہیم ہی کے تحت میں اسمٰعیل علیہ السلام اور خاندان اسمٰعیل علیہ السلام بھی آگئے۔ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام دونوں پر حاشیہ پارہ ۱ رکوع ۱۵ میں گزر چکا ہے۔ اٰلَ عِمْرٰنَ۔ عمران کے نام کی تاریخی شخصیتیں دو گزری ہیں۔ ۱۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد ماجد عمران بن یصہر۔ ۲۔ دوسرے ان کے کئی صدی بعد حضرت مریمؑ کے والد ماجد اور حضرت مسیح علیہ السلام کے جد مادری۔ عمران بن ماتان۔ یہاں مراد دونوں سے ہو سکتی ہے۔ لیکن بہ لحاظ سیاق ترجیح عمران ثانی کو ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ اور وہب رحمۃ اللہ علیہ تابعین سے یہی قول منقول ہے۔ والمراد بعمران هذا هو والد مریم بنت عمران (ابن کثیر) والمراد بآل عمران عیسٰی علیه السلام وامه مریم بنت عمران قاله الحسن ووهب (روح) فقد اختلفوا فیه فمنهم من قال المراد عمران والد موسٰی وهارون ومنهم من قال بل المراد عمران بن ماتان (کبیر) و۸۷ سَمِيْعٌ۔ سننے والا تمام زبان سے نکلے ہوئے الفاظ وکلمات کا۔ عَلِيْمٌ۔ جاننے والا تمام دل کے اندر کے جذبات وخیالات کا۔

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ع قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ

اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا شفقت کرنے والا ہے و۷۹ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت

اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط

رکھتے ہو و۸۰ تو میری پیروی کرو و۸۱ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا و۸۲ اور تمہارے گناہ بخش دے گا،

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ج

اللہ بڑا بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے و۸۳ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو و۸۴

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اس پر بھی اگر وہ روگرداں رہیں تو اللہ کافروں سے (ذرا) محبت نہیں رکھتا و۸۵

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ

بے شک اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور خاندانِ ابراہیمؑ

وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ لا ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا

اور خاندانِ عمران کو سارے دنیا جہان پر برگزیدہ کیا ہے و۸۶ ایک دوسرے کی اولاد ہیں

مِنْ بَعْضٍ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ ج اِذْ قَالَتِ

اور اللہ (خوب) سننے والا ہے (خوب) جاننے والا ہے، و۸۷ (اور وہ وقت یاد کرو) جب عمران کی

امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا

بیوی نے عرض کیا و۸۸ کہ اے میرے پروردگار میں نے تیرے لئے نذر مانی ہے

فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ج اِنَّكَ اَنْتَ

اس (بچہ) کی جو میرے پیٹ میں ہے کہ (وہ) آزاد رکھا جائے گا و۸۹ سو تو (یہ) مجھ سے قبول کر تو تو

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ

خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے و۹۰ پھر جب اس نے (مریم) کو جنا تو بولی کہ اے میرے پروردگار

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ۔ نوح اولاد میں حضرت آدم علیہ السلام کے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کی اولاد میں۔ اور حضرت عمران ان تینوں کی اولاد میں۔ و۸۸ یہ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ۔ حضرت مریمؑ کی والدہ اور حضرت عیسیٰ کی جدۂ مادری تھیں۔ مسیحی نوشتوں میں ان کا نام حنہ (Haunnae.) آیا ہے۔ ہمارے مفسرین نے لکھا ہے کہ شام وغیرہ میں کلیسا، کلیسائے حنہ کے نام سے مشہور ہیں اور ان کی قبر دمشق میں ہے۔ ودیر حنة بالشام معروف وثم دیر آخر یعرف بدیر منه (بحر) وقبر حنة جدة عیسیٰ بظاهر دمشق (بحر) و۸۹ (ہر قسم کے دنیوی کاروبار سے اور تیری ہی خدمت وعبادت کے لئے وقف رہے گا) حضرت مریمؑ کی ولادت سے قبل آپ کی والدہ ماجدہ نے جو نذر نیاز مانی تھی۔ اس کی بابت بہت سی تفصیلات قدیم ترین مسیحی نوشتوں میں درج تھیں۔ لیکن بزرگان کلیسا نے جب کاٹ چھانٹ کر کے مستند اناجیل اربعہ مرتب کرنا شروع کیں تو ان مضامین اور بیانات کو ان سے خارج کر دیا۔ اور اس کی شہادت آج ان ہی کے اکابر دے رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو: کیتھولک ڈکشنری صفحہ ۴۸۔ نیز ہیسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائبل جلد ۳ صفحہ ۲۸۸۔ نَذَرْتُ۔ سادہ اردو میں ”میں نے منت مانی ہے“۔ لَکَ میں لام تعلیل ہے یعنی مخصوص تیری خدمت وعبادت کے لئے۔ ای لعبادتک (قرطبی) لخدمة بیتک (روح) مُحَرَّرًا۔ ای حقیقًا خالصا لله تعالیٰ خادما للکنیسة [illegible]

اِنِّیۡ وَضَعۡتُهَاۤ اُنۡثٰیؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡؕ

میں نے تو لڑکی جنی و۹۱ اور اللہ تو خوب جانتا تھا کہ اس نے کیا جنا ہے

وَلَیۡسَ الذَّكَرُ كَالۡاُنۡثٰیۚ وَاِنِّیۡ سَمَّیۡتُهَا مَرۡیَمَ

اور لڑکا (اس) لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا تھا و۹۲ اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے

وَاِنِّیۡۤ اُعِیۡذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیۡطٰنِ

اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں

الرَّجِیۡمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ

دیتی ہوں و۹۳ پھر اس کے پروردگار نے اس کو بوجہ احسن قبول کر لیا و۹۴

وَّاَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّاؕ كُلَّمَا دَخَلَ

اور اس کو اچھا نشوونما دیا و۹۵ اور اس کا سرپرست زکریاؑ کو بنا دیا و۹۶ جب کبھی

عَلَیۡهَا زَكَرِیَّا الۡمِحۡرَابَ ۙ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًاۚ

زکریاؑ ان کے پاس حجرہ میں آتے تو ان کے پاس کوئی چیز کھانے (پینے) کی پاتے و۹۷

قَالَ یٰمَرۡیَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَاؕ قَالَتۡ هُوَ مِنۡ

(ایک بار) بولے کہ مریم یہ کہاں سے تجھے مل جاتی ہیں؟ و۹۸ وہ بولیں یہ اللہ کی طرف سے

عِنۡدِ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ

آجاتی ہیں و۹۹ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق

حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِیَّا رَبَّهٗۚ قَالَ

دے دیتا ہے و۱۰۰ (بس) وہیں زکریاؑ اپنے پروردگار سے دعا کرنے لگے و۱۰۱ عرض کی

رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةًۚ

اے میرے پروردگار مجھے اپنے پاس سے کوئی پاکیزہ اولاد عطا کر و۱۰۲

و۹۱ (اور لڑکی کس طرح تیرے معبد میں مجاور بن سکے گی؟) حضرت مریمؑ کی والدہ ماجدہ بہ صد حسرت و یاس بارگاہِ الٰہی میں مناجات کر رہی تھیں کہ تمنا تو لڑکے کی اس لیے کی تھی کہ اُسے ہیکل کی نذر کر دیا جاتا۔ وہ وہیں کی جاروب کشی اور مجاوری میں عمر بسر کرتا۔ اولاد تو ہوئی مگر لڑکی نکلی۔ لڑکی سے کیسے یہ نذر پوری ہو سکتی ہے؟ اسرائیلی قانون میں لڑکی سے اس خدمت کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ و۹۲ یہ پورا فقرہ والدہ مریمؑ کی تقریر کا حصہ نہیں۔ بہ طور ایک مستقل جملہ معترضہ کے براہ راست ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اس لڑکی کی عظمت و منزلت سے تو خدائے تعالیٰ ہی خوب واقف تھا۔ ماں غریب کیا سمجھ سکتی تھی۔ قال مکی ھو اعلام من اللہ تعالیٰ لنا علی طریق التثبیت (قرطبی) اَلذَّكَرُ۔ یعنی جو لڑکا والدہ مریمؑ کے حسب خواہش ہوتا۔ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ۔ یعنی اس مولود سے جو جو عظمتیں وابستہ تھیں ان کی خبر ماں غریب کو کیا ہو سکتی تھی۔ ان سے تو بس اللہ ہی خوب واقف تھا۔ ای اللہ اعلم بالشیٔ الذی وضعتہ وما علق بہ من عظائم الامور ودقائق الاسرار وواضح الاٰیات وھی غافلۃ عن ذٰلک کلہ (روح) و۹۳ والدہ مریمؑ کی توحید پرستی مناجات کے لفظ لفظ سے نمایاں ہے۔ وَذُرِّیَّتَهَا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ والدہ مریم اللہ سے امید لگائے ہوئے تھیں کہ لڑکی کا سلسلۂ نسل چلے گا و۹۴ یعنی والدہ مریمؑ کی نذر کو اس لڑکی کی شکل میں بھی اللہ نے قبول کر لیا۔ جو تاریخ خدمت ہیکل میں ایک نئی بات تھی۔ مسیحی نوشتوں کے بہ موجب حضرت مریمؑ تین سال کی عمر میں ہیکل کی خادمہ کی حیثیت سے قبول کر لی گئی تھیں اور معبد کے چھوٹے بڑے سب خادم اس کمسن بچی کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ ملاحظہ ہو ہیسٹنگز Hastings کی ڈکشنری آف دی بائبل، جلد ۳۔ صفحہ ۲۸۸ نیز بج (Budge) کی حکایات خاتون مریمؑ Legends of Lady Mary و۹۵ یہ اچھا نشوونما ممکن ہے کہ قوائے جسمانی کے اعتبار سے ہو اور ممکن ہے کہ قوائے روحانی و اخلاقی کے اعتبار سے ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں حیثیتوں سے ہو۔ یعنی سوّی خلقھا من غیر زیادۃ ولا نقصان (قرطبی) ای ربّاھا الرب تربیۃ حسنۃ فی عبادۃ وطاعۃ لربھا قالہ ابن عباس (روح) مجاز عن تربیتھا بما یصلحھا فی جمیع احوالھا (بیضاوی) عبارۃ عن حسن النشاۃ والجودۃ فی خلق و خلق فانشاھا علی الطاعۃ والعبادۃ (بحر) عجیب تماشہ ہے کہ حضرت مریمؑ کے شرف و عظمت کی یہ ساری تفصیلات انجیل میں نہیں، قرآن مجید ہی میں مل رہی ہیں۔ انجیل اس قسم کے جزئیات سے بالکل خاموش ہے۔ و۹۶ زَكَرِیَّا اللہ کے پیغمبر تھے۔ مسیحی صحیفے ان کے تذکرہ سے گویا بیگانہ ہیں، چار مقدس و مستند انجیلوں میں لے دے کر صرف ایک جگہ ان کا ذکر انجیل لوقا میں آتا ہے۔ وہ بھی پیغمبر کی حیثیت سے نہیں صرف ایک بزرگ و راستباز کاہن کی حیثیت سے۔ یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابیاہ کے فریق میں زکریا نام کا ایک کاہن تھا (لوقا ۱:۵) یہ حضرت زکریا علیہ السلام رشتہ میں حضرت مریمؑ کے خالو تھے۔ یعنی آپ کی خالہ کے شوہر۔ حضرت مریمؑ کے والد ماجد جناب عمران کی وفات آپ کے بچپن ہی میں ہو گئی تھی اور ان کی وفات کے بعد ہیکل کے خادموں (یا یہود کی اصطلاح میں کاہنوں) کی سرداری حضرت زکریا علیہ السلام کے حصہ میں آئی تھی۔ آپ ایک تو مریمؑ کے عزیز قریب اور پھر خدام ہیکل کے سردار حضرت مریمؑ کی تربیت کا واسطہ و ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کو بنایا۔ كَفَّلَهَا کے لفظ میں اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ یہ سب خدائی انتظامات تھے۔ زکریا علیہ السلام کی حیثیت محض واسطہ یا ذریعہ کی تھی و۹۷ الۡمِحۡرَابَ۔ محراب حجرہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی سب سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھے۔ محراب مسجد کو بھی محراب اسی لئے کہتے ہیں کہ اس در میں امام نماز سب سے الگ اور تنہا کھڑا ہوتا ہے۔ المحراب الغرفۃ (قاموس) قال الازھری وسمی المحراب محرابا لانفرادہ الامام فیہ وبعدہ من الناس (لسان) كُلَّمَا۔ ہیکل کے خادموں کے رہنے اور عبادت کرنے کے لئے ہیکل کے ادھر ادھر زاویے، حجرے، یا خلوت خانے بنے ہوئے تھے، انہی میں سے ایک حجرہ حضرت مریمؑ کا تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام ایک تو یوں بھی سردار خدام تھے۔ اور اس حیثیت سے ہر خادم و خادمہ کی نگرانی رکھنا آپ کے فرائض میں داخل تھا اور پھر حضرت مریمؑ کے تو آپ بزرگ و سرپرست بھی تھے ان کے حجرہ میں قدرۃً آپ کی آمد و رفت رہا کرتی۔ قرآن حکیم کے ایک ذرا سے لفظ كُلَّمَا نے اس سارے مفہوم یعنی حضرت زکریا علیہ السلام کی کثرت آمد و رفت اور غیر متوقع وجود رزق سب کی طرف اشارہ کر دیا۔ وکلما تقتضی التکرار فیدل علی کثرۃ تعھدہ وتفقدہ لاحوالھا ودلت الاٰیۃ علی وجود الرزق عندھا کل وقت یدخل علیھا (بحر) رزقًا کھانے پینے کا سامان۔ مثلاً تر و تازہ میوے۔ بعض "جدت پسندوں" نے یہاں رزق کے معنی فیض اور علم و حکمت کے لئے ہیں۔ لیکن محققین نے کہا ہے کہ یہ تفسیر کے حدود سے تجاوز کر جانا ہے ابعد من فسّر الرزق ھنا بانہ "فیض" (بحر) ھذا شبیہ بتفسیر الباطنیۃ (بحر) رِزۡقًا کی تنوین تعظیم و تفخیم کے لئے ہے یعنی وہ رزق کوئی ندرت کا پہلو رکھتا تھا۔ التنکیر فی قولہ رزقا یدل علی تعظیم حال ذٰلک الرزق کانہ قیل رزقًا ای رزق غریب عجیب (کبیر) مریمؑ اپنی ساری عظمت و جلالت کے باوجود بہر حال پیمبر نہ تھیں اسی بنا پر محققین اہل سنت نے آیت کو اثبات کراماتِ اولیاء کے باب میں نص قرار دیا ہے۔ اور علماء فرقہ شیعہ بھی اس باب میں ان سے متحد ہیں۔ اختلاف صرف معتزلہ کو ہے۔ واستدل بالاٰیۃ علی جواز الکرامۃ للاولیآء لان مریم لانبوۃ لھا و ھذا ھو الذی ذھب الیہ اھل السنۃ والشیعۃ وقالت فی ذٰلک المعتزلۃ (روح) وھو دلیل جواز الکرامۃ للاولیآء (بیضاوی) احتج اصحابنا علی صحۃ القول بکرامۃ الاولیآء بھذہ الاٰیۃ (کبیر) و۹۸ یعنی لاتا تو میں ہی لاتا۔ میرے سوا اور کون اس سامان کا پہنچانے والا ہو سکتا ہے؟ سوال اظہار حیرت کے لئے ہے۔ استغرب زکریا وجود الرزق عندھا وھو لم یکن

اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ

بے شک تو دعا کا (بڑا) سننے والا ہے ف۱۰۳ پس انہیں فرشتوں نے آواز دی اس حال میں کہ وہ

قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ

حجرہ میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ آپ کو یحیٰی کی خوشخبری

بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا

دیتا ہے ف۱۰۴ جو کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور مقتداء ہوں گے

وَّحَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ

اور بڑے ضبط نفس کرنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے صالحین میں سے، ف۱۰۵ (زکریا) بولے اے میرے

اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ

پروردگار میرے بیٹا کس طرح ہو گا درآنحالیکہ مجھے بڑھاپا آ پہنچا ہے اور میری بیوی

عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾

بانجھ ہیں ف۱۰۶ ارشاد ہوا اسی طرح اللہ کر دیتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے ف۱۰۷

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ

(زکریا) بولے اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر کردے، ف۱۰۸ ارشاد ہوا کہ تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تو

النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا

لوگوں سے بات نہ کر سکے گا تین دن تک بجز اشارہ کے ف۱۰۹ اور اپنے پروردگار کو بکثرت یاد کرتے رہو

وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ

اور تسبیح کرتے رہو دن ڈھلے بھی اور صبح بھی ف۱۱۰ اور (وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا کہ

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ

اے مریم بے شک اللہ نے آپ کو برگزیدہ کیا ہے ف۱۱۱ اور پاک کر دیا ہے اور آپ کو دنیا جہان کی

ع ۱۱/۱۲

انی به فسال علی سبیل التعجب من وصول الرزق الیها (بحر) ف۹۹ (براہ راست اور بلا کسی واسطہ ظاہری کے) اہل اللہ کے ساتھ اس قسم کے خوارق کا ظہور کوئی انوکھی بات نہیں۔ ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اور بالفرض اس مومنہ قانتہ کو یہ سامان کسی ظاہری واسطہ سے بھی پہنچ رہے ہوں۔ جب بھی اس کی نظر تو اس واسطہ پر نہیں براہ راست اللہ تعالیٰ پر تھی ف۱۰۰ (خواہ واسطوں سے ہو۔ خواہ بلا واسطہ اور بلا استحقاق) اللہ اپنی مشیت تکوینی کے ہر جزئیہ میں جس طرح آزاد ہے اسی طرح تقسیم رزق کے باب میں ہے۔ اس میں رد آ گیا ان مشرک قوموں کا جنہوں نے خوشحالی اور بدحالی کو پہلے جنم کے اعمال کا نتیجہ قرار دیا ہے ف۱۰۱ (قدرت الٰہی کے تازہ مشاہدہ سے متاثر ہو کر) هُنَالِكَ کا دوسرا ترجمہ (وہیں) کے علاوہ (معاً) بھی ہو سکتا ہے۔ ھنا ظرفیہ کے لئے ہے۔ اور اس میں ظرف مکان اور ظرف زمان دونوں شامل ہیں۔ یعنی اسی جگہ بھی اور اسی وقت بھی۔ اسم یشاربه للمکان القریب وقدیشاربه للزمان اتساعًا (جمل) گو اصلی مفہوم ظرف مکان ہی کا ہے۔ یستعمل للزمان والمکان واصله للمکان (قرطبی) ای فی ذٰلک المکان اوفی ذٰلک الوقت فقد یستعارهنا و ثم وحیث للزمان (کشاف) هنا ظرف مکان وجوّزان یراد بها الزمان مجازًا (روح) هُنَالِكَ دَعَا۔ آیت سے استدلال مکان مبارک میں دعا کی مقبولیت پر کیا گیا ہے۔ علیٰ ہذا وقت مبارک میں بھی دعا کی مقبولیت پر حضرت زکریا علیہ السلام کو جب یہ مشاہدہ ہو گیا کہ یہ مقام خرق عادت کے صدور کا ہے تو آپ بھی وہیں دعا کرنے لگے۔ فی قوله هنالک دعا دلالة علی ان یتوفی العبد بدعائه الامکنة المبارکة والازمنة المشرفة (بحر) ف۱۰۲ (جو میرے سلسلۂ روحانی کو آگے چلا سکے) هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ۔ مجھے بھی اپنی عنایت سے اسی طرح دے جیسے کہ والدہ مریم کو مریم عنایت ہو چکی ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا سن زیادہ ہو چکا تھا اور بیوی صاحبہ بھی عقیم سمجھ لی گئی تھیں۔ ایک خارق عادت کو دیکھ کر آپ کا ذہن معاً اسی طرف زور شور کے ساتھ منتقل ہوا کہ جو خدا اس پر قادر ہے کہ بلا اسباب ظاہری یہاں یہ تر و تازہ میوے پہنچا دے، وہ یقیناً اس پر بھی قادر ہے کہ اس سن میں مجھے نعمت اولاد سے سرفراز کر دے۔ مِنْ لَّدُنْكَ۔ یہ خبر صاف ظاہر کر رہی ہے کہ دعا کرنے والے کی نظر اس عالم اسباب میں بھی اسباب سے کہیں زیادہ مسبب الاسباب پر ہے۔ ذُرِّيَّةً۔ اولاد کی خواہش ایک امر طبعی ہے اور زہد کیا معنی کمال زہد کے بھی منافی نہیں۔ قرآن مجید نے بار بار پیغمبروں کی زبان سے اس قسم کی دعائیں نقل کر کے بتا دیا کہ وہ مذاہب حقیقت سے کتنی دور ہیں جنہوں نے بیوی بچوں کو مطلق صورت میں جنجال قرار دیا ہے۔ ہماری شریعت حقہ میں اولاد کی خواہش تو سنت انبیاء و صدیقین بتائی گئی ہے اور صحیح بخاری میں تو مستقل عنوانات طلب ولد کے فضائل میں ہیں:۔ دلت هذه الاٰية علی طلب الولدوهی سنة المرسلین والصدیقین (قرطبی) وقدترجم البخاری علی هذا باب طلب الولدوالاخبار فی هذا المعنی کثیر ماتحث علی طلب الولد وتندب الیه (قرطبی) ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً۔ طیبہ کے اضافہ نے اسے صاف کر دیا کہ اہل اللہ کی نظر آخرت پر بہرحال رہتی ہے اولاد کی خواہش میں بھی مطلق کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن حضرت زکریا علیہ السلام محض اولاد ہی نہیں چاہتے، اولاد صالح چاہتے ہیں جو ان کے بعد ان کے مشن تبلیغ توحید کو جاری رکھے۔ اللہ والوں کی نگاہ میں اخلاقی و روحانی فضائل بہر صورت مقدم رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے امور کے لئے دعا کرنا جو اسباب قریبہ سے ہٹ کر ہوں، آداب دعا کے منافی نہیں۔ ف۱۰۳ (اور بڑا قبول کرنے والا ہے) حق تعالیٰ کی اس صفت پر بار بار زور دینا مادی اور نیچری عقیدہ کے لوگوں کے رد میں ہے جو واقعات کو تمامتر اسباب ظاہری ہی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اور ارادہ حق تعالیٰ کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں رکھتے۔ انجیل میں ہے کہ "زکریا نام کا ایک کاہن تھا۔ اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی اور اس کا نام الیشبع تھا۔ اور ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے"۔ (لوقا۔ ۱:۵۔۷) ف۱۰۴ (دعا معاً قبول ہو گئی۔ اور آپ کو حالت نماز ہی میں فرزند کی بشارت مل گئی)۔ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ صیغہ جمع ہے لیکن لازمی نہیں کہ آواز دینے والے کئی ہوں۔ صیغہ جمع اسم جنس کا بھی کام دیتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ آواز دینے والا ایک ہی فرشتہ ہو۔ وجائز فی العربیة ان یخبرعن لفظ الجمع (قرطبی) قال الزجاج ای اتاه النداء من هذا الجنس الذین هم الملٰئکة (ابوسعود) ذٰلک جائز فی کلام العرب بان تخبر عن الواحد بمذهب الجمع (ابن جریر) يَحْيٰى۔ عہد جدید کے صحیفوں میں ان کا نام یوحنا آتا ہے۔ انجیل میں اس موقع پر آتا ہے:۔ "فرشتہ نے اس سے کہا۔ اے زکریا خوف نہ کر کیونکہ تیری دعا سن گئی اور تیری بیوی الیشبع تیرے لئے بیٹا جنے گی تو اس کا نام یوحنا رکھنا اور تجھے خوشی و خرمی ہو گی (لوقا: ۱۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی اور آپ سے سن میں حسب روایت انجیل صرف چھ مہینہ بڑے تھے ۳۰ء میں والئے شام ہیرود کے حکم سے شہید ہوئے۔ ف۱۰۵ كَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ جس طرح روح القدس لقب حضرت جبرئیل کا ہے، کلمۃ اللہ لقب حضرت مسیح علیہ السلام کا ہے۔ یعنی عیسٰی فی قول اکثر المفسرین (قرطبی) وهو اختیار الجمهور (کبیر) قاله ابن عباس ومجاهد والحسن وقتادة والسدی وغیرهم (بحر) مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ آپ کی اصل حیثیت مسیح علیہ السلام کے پیش رو اور نقیب ہی کی تھی۔ بعض نے کلمۃ اللہ سے مراد کتاب اللہ بھی لی ہے۔ قال ابو عبید معنی بکلمة من الله بکتاب من الله (قرطبی) سَيِّدًا۔ یعنی دین کے باب میں مقتداء و پیشوا۔ مسیحی تو خیر آپ کے تقدس کے قائل ہی ہیں۔ یہود جو آپ کے منکر اور آپ کے سخت دشمن ہیں، وہ بھی آپ کی مرجعیت و مقبولیت سے انکار نہیں کرتے۔ حَصُوْرًا۔ یعنی لذات و شہوات پر اسے قابو حاصل ہو گا۔ اور وہ نہایت درجہ محتاط و متقی ہو گا، انجیل میں آپ کے زہد و تبتل کا ذکر تصریح کے ساتھ ہے۔ مثلاً:۔ "وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہو گا اور ہرگز نہ مئے نہ کوئی اور شراب پئے گا۔ اور اپنی ماں کے پیٹ ہی سے روح القدس

سے بھر جائے گا"۔ (لوقا۔۱:۱۶) اور بہت سے بنی اسرائیل کو خداوند کی طرف جوان کا خدا ہے پھیرے گا اور وہ انبیاء کی روح اور قوت میں اس کے آگے آگے چلے گا کہ والدوں کے دل اولاد کی طرف اور نافرمانوں کو راستبازوں کی دانائی پر چلنے کی طرف پھیرے اور خداوند کے لئے ایک مستعد قوم تیار کرے"۔ (لوقا۔۱:۱۷،۱۸) "اور وہ لڑکا بڑھتا اور روح میں قوت پاتا گیا اور اسرائیل پر ظاہر ہونے کے دن تک جنگلوں میں رہا"۔ (لوقا۔۱:۸۰) نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نبوت کا اثبات یہود کے مقابلہ میں ہے جو نعوذ باللہ آپ کو ایک بنا ہوا انسان سمجھتے تھے اور آپ کی صالحیت کا اثبات یہود کے مقابلہ میں تو مسلم ہے لیکن خود مسیحیوں کے مقابلہ میں بھی ہے جن کے نزدیک عصمت وتقویٰ لازمۂ نبوت تھیں۔ **ف۱۰۶** انجیل میں اس موقع پر ہے۔ "زکریا علیہ السلام نے فرشتہ سے کہا میں اس بات کو کس طرح جانوں کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بھی عمر رسیدہ ہے"۔ (لوقا۔۱:۱۸) "ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے"۔ (لوقا۱:۷) اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ۔ یعنی اس بشارت کے تحقق کی متعین صورت آخر کیا ہوگی؟ آیا میری جوانی عود کرآئے گی یا اور کوئی خاص انقلاب ہوگا؟ وعدہ الٰہی سے بے اعتباری کا یہاں کوئی سوال نہیں۔ حضرت تو محض متعین صورت جاننا چاہتے ہیں لیکن بالفرض عدم اطمینان بھی مراد لی جائے، جب بھی خلاف اسباب عادیہ کسی شے کے غیر وقوع پر حیرت بالکل طبعی ہے اور پیغمبر بھی امور طبعی میں بالکل بشر ہی تھے۔ **ف۱۰۷** (کہ اس حقیقت کا مراقبہ ہر استبعاد کے رفع کردینے کے لئے کافی ہے) کَذٰلِکَ یعنی عود شباب وغیرہ کچھ نہ ہوگا۔ بس اسی موجودہ حالت کے ساتھ ولادت فرزند ہوگی۔ **ف۱۰۸** (جس سے مجھے معلوم ہو جائے کہ گھر میں حمل ہے اور زمانہ ولادت قریب ہے اور میں ادائے شکر کا سامان کرسکوں) اٰیَۃً ہر ایسی چیز ہے جس سے قدرت الٰہی نصرت غیبی خاص طور پر ظاہر ہورہا ہو۔ ایسی چیز کو قدرۃً معمول عام سے کسی قدر ہٹا ہونا چاہیے اور اس واقعہ میں اعجازی رنگ ضرور ہونا چاہیے۔ **ف۱۰۹** (اور تسبیح وعبادتِ الٰہی اس حال میں بھی جاری رہے گی) اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ۔ انجیل کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی بڑی معصیت حضرت زکریا علیہ السلام سے سرزد ہوگئی تھی۔ اور اس کی سزا میں ان کی قوتِ گویائی چندروز کے لئے سلب کرلی گئی تھی۔ "اور دیکھ جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہولیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا۔ اس لئے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر ہوں گی یقین نہ کیا۔ جب وہ باہر آیا تو ان سے بول نہ سکا۔ پس انہوں نے معلوم کیا کہ اس نے مقدس رؤیا دیکھی ہے اور وہ ان سے اشارے کرتا تھا۔ اور وہ گونگا ہی رہا"۔ (لوقا۱:۲۰،۲۲) قرآن مجید جو تمام قدیم صحیفوں پر مُہیمن یا نگران و نگہبان ہے اور ان کی تمام غلطیوں اور غلط بیانیوں کی تصحیح کرتا جاتا ہے، یہاں بھی اس نے حسب معمول اپنا فرض ادا کیا اور حضرت زکریا علیہ السلام سے یہ بہتان رفع کرکے صحیح صورت حال یہ بیان کی کہ ایک علامت غیبی واعجازی کی تو انہوں نے خود درخواست کی تھی اور ان کی اس درخواست پر یہ علامت غیبی عطا ہوئی تھی کہ آپ تسبیح وذکر الٰہی تو اپنی جگہ پر بدستور کرتے رہیں گے۔ البتہ لوگوں سے بات چیت کی قوت آپ کو تین دن کے لئے حاصل نہ رہے گی۔ تُکَلِّمَ النَّاسَ میں النَّاسَ ہی تو فقرہ کی جان ہے۔ انما خصّ تکلیم الناس لیعلم انه یحبس لسانه عن القدرة علی تکلیمهم خاصة مع ابقاء قدرته علی التکلم بذکر الله (مدارک) ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ۔ تین دن اور تین راتیں۔ دن کہنے سے رات اس میں تبعاً شامل ہوگئی ہے۔ سکوت طویل خصوصاً صوم سکوت کی حالت میں قدیم مذاہب وادیان میں جزء عبادت رہ چکا ہے۔ رَمْزًا۔ رمز میں سر کے اشارے بھی آگئے اور ہاتھوں کے بھی۔ انجیل میں ہے:۔ "اور وہ ان سے اشارے کرتا تھا"۔ (لوقا۱:۱۳) فقہاء مفسرین نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ اشارہ بھی کلام کا قائمقام ہے۔ فی هذه الأیة دلیل علی ان الاشارة تنزل منزلة الکلام و ذلک موجود فی کثیر من السنة (قرطبی) **ف۱۱۰** (دل وزبان سے) وَاذْکُرْ۔ وَسَبِّحْ۔ یعنی ذکر الٰہی وتسبیح کا شغل دل میں بھی جاری ہے اور زبان سے بھی یہ نہ ہوگا کہ آپ کی زبان بہ طور مرض یا عذاب الٰہی کے مطلقاً بند ہوجائے اور آپ بالکل "گونگے" ہوجائیں (جیسا کہ انجیل میں درج ہے) بلکہ ذکر وتسبیح میں آپ برابر لگے رہیں گے۔ البتہ لوگوں سے گفتگو پر قادر نہ رہیں گے اور یہی

اس امر کی علامت ہوگی کہ حمل قرار پاگیا اور ظہور یحییٰ علیہ السلام کا زمانہ قریب آگیا۔ عَشِیّ۔ زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک کا سارا وقت اس میں آگیا۔ العشی من حین ان تزول الشمس الی ان تغیب (کشاف) اِبْکَار۔ طلوع فجر سے دن چڑھے تک کا وقت اس میں شامل ہے۔ الابکار من طلوع الفجر الی وقت الضحی (کشاف) محاورہ میں مراد صبح وشام کے اوقات کی تعیین وتخصیص ہی نہیں بلکہ دوام بھی ہو سکتی ہے۔ **ف۱۱۱** (بعض خصوصیات کے لحاظ سے) اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ۔ یہ قول خواہ بہ طور الہام ہو جس کا تعلق محض قلب وباطن سے ہے خواہ بہ طور نداء ہو جس کا تعلق سماعت اور ظاہر سے ہے ملٰئکۃ کے صیغہ جمع سے یہ لازم نہیں آتا کہ کہنے والے کئی کئی فرشتے ہوں۔ ملٰئکۃ سے مراد جنس ملائکہ بھی ہوسکتی ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ ملائکہ کا غیر انبیاء کے ساتھ ہمکلام ہونا آیت سے ثابت ہے البتہ ملائکہ کے لائے ہوئے پیام تبلیغ صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اصْطَفٰکِ۔ اس اصطفاء کا تعلق مریم علیہا السلام کے بچپن سے ہے یعنی اللہ نے تو شروع ہی سے آپ کو بزرگی دے رکھی ہے، آپ کی والدہ کی دعاؤں کو سن کر آپ کو خلعت وجود بخشا گیا۔ پھر ہیکل کی خدمت کا کام لڑکوں اور مردوں کے لئے مخصوص تھا۔ آپ کو لڑکی ہونے کے باوجود اس کا موقع عنایت کیا گیا۔ پھر آپ کو آپ کے حجرہ میں غذائیں جس اعجازی رنگ میں پہنچائی گئیں اس نے زکریا علیہ السلام نبی تک کو متحیر کردیا۔ یہ سب شواہد آپ کی برگزیدگی ہی کے تو ہیں۔ طَہَّرَکِ۔ یعنی آپ کو گناہوں کی آلائش سے پاک صاف کردیا۔ آپ کو اخلاقی پاکیزگی کا ایک نمونہ بنادیا۔ یعنی طهر دینک من الریب والادناس التی فی ادیان نساء بنی اٰدم (ابن جریر) ای نزّهکِ عن الاخلاق الذمیمة و الطباع الردیة (روح) روی عن الحسن وابن جبیر ان المراد طهرک بالایمان عن الکفر و بالطاعة عن المعصیة (روح) طهرک من الافعال الذمیمة والعادات القبیحة (کبیر) عن مجاهد عما یعم النساء فی خَلق و خُلق و دین (بحر) عن مجاهد من الریب والشکوک (بحر) یہ خصوصیت کے ساتھ یہود کے رد میں ہے جو اپنی خباثت سے طرح طرح کے گندے الزامات حضرت مریمؑ پر لگائے ہوئے تھے اور آج تک لگاتے چلے آرہے ہیں۔ **ف۱۱۲** اصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ۔ پہلے اصطفاء کا تعلق مریمؑ کے بچپن سے ہے۔ یعنی پیدائش ہی ایسی ہوئی اس اصطفاء کا تعلق ان کے بلوغ کے بعد سے ہے۔ یہ دوسری برگزیدگی خاص خاص حیثیات سے تھی۔ مثلاً اس صفت میں کہ مرد کے توسط کے بغیر محض مس ملکی سے انہیں ماں بنادیا گیا انجیل میں بھی فضیلت مریمؑ کا ذکر ہے لیکن قرآن مجید سے کہیں ہلکے لفظوں میں:۔ "اس کنواری کا نام مریمؑ تھا اور فرشتہ نے اس کے پاس اندر آکر کہا سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے خداوند تیرے ساتھ ہے (لوقا۔۱:۲۷،۲۸) **ف۱۱۳** آیت ماقبل اگر یہود کے رد میں تھی جنہوں نے مریمؑ کی ذات کو اتہامات کا ہدف بنا رکھا تھا تو یہ آیت یہود ونصاریٰ دونوں کے رد میں ہے۔ یہود کو تو یہ بتایا گیا کہ آپؑ بڑی عبادت گزار وطاعت شعار خاتون تھیں اور نصرانیوں کو یہ جتلایا گیا کہ مریمؑ نہ (نعوذ باللہ) خدا کی ماں تھیں اور نہ کسی قسم کی دیوی، کہ ان کی پرستش کی جائے یا انہیں کسی درجہ میں بھی شریک عبادت کیا جائے۔ بلکہ ان کی ساری بزرگی وبرگزیدگی تو بس یہی تھی کہ وہ اپنے مالک ومولیٰ کی مخلص پرستار، فرمانبردار اور نہایت درجہ عبادت گزار وطاعت شعار تھیں۔ **ف۱۱۴** (اے پیغمبر!) یعنی یہ واقعات وہ ہیں جو آپ سے کئی سو سال قبل ایک دوسرے ملک میں پیش آئے تھے اور اب دنیا سے ان کی صحیح تاریخ تک مٹ چکی ہے اور ان کے علم واقعی کا کوئی ذریعہ بھی اب بجز وحی الٰہی کے باقی نہیں۔ آپ کو بالکل ٹھیک ٹھیک وحی کے ذریعہ سے القاء کئے جارہے ہیں اور یہ بجائے خود ایک دلیل آپ کی صداقت کی ہے۔ **ف۱۱۵** (شام کے دریائے یردن میں تفاؤل کے لئے) اِذْ یُلْقُوْنَ۔ اس فعل کے فاعل کون تھے؟ یروشلم کے ہیکل مقدس کے خدام اور کاہن (بہ اصطلاح یہود) اَقْلَامَھُمْ۔ ہیکل سلیمانی کی خدمت ونگہداشت کے لئے خادموں کی ایک بڑی جماعت رہا کرتی تھی جیسے کہ بڑی مسجدوں کی خدمت کے لئے جاروب کشوں، فراشوں دربانوں مؤذنوں وغیرہ کا پورا عملہ رہتا ہے، حضرت مریمؑ کے والد حضرت عمران اپنے زمانہ میں ان خادمانِ حرم کے سردار تھے۔ ان

کی وفات پر سوال یہ پیدا ہوا کہ اب مریمؑ کا سرپرست کون ہو۔ رشتہ ان خادموں میں سب سے قریب حضرت زکریا علیہ السلام کا تھا کہ آپ مریمؑ کے خالو تھے۔ طے یہ پایا کہ سوال کا حل فال کے ذریعہ سے کیا جائے۔ فال اشارۂ غیبی کی قائم مقام تھی۔ فال کا طریقہ یہ رائج تھا کہ نے کے قلم جو توریت لکھنے کے ہوتے تھے، ان پر توریت شریف ہی کے کچھ کلمات لکھ کر انہیں دریائے یردن میں ڈال دیا جاتا تھا۔ اور قلم عموماً دریا ہی کے رخ بہنے لگتے لیکن بعض قلم مخالف رخ کو بہتے اور یہی مخالف بہاؤ کامیابی کی علامت سمجھی جاتی جیت ایسے ہی قلم کے مالک کی سمجھی جاتی۔ گویا غیب سے ڈگری اس کے حق میں ہوگئی۔ یہی صورت یہاں ہوئی اور قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ۔ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ یعنی جب یہ مریمؑ کی کفالت وسرپرستی کا قضیہ طے ہو رہا تھا تو آپ خود تو وہاں موجود نہ تھے اور نہ کوئی معتبر وچشم دید شہادت ہی آپ تک پہنچی، پھر جو آپ اتنی صحیح اور سچی خبریں اپنی زبان سے ادا کر رہے ہیں۔ ان کا ذریعہ بجز وحی الٰہی کے اور ہو کیا سکتا ہے؟ و۱۱۶ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ کے صیغہ جمع پر حاشیے دوبار ابھی اوپر گزر چکے۔ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ۔ كلمة الله پر حاشیہ ابھی چند آیتیں قبل گزر چکا ہے۔ بشارت یہاں مریمؑ کو بیٹے کی مل رہی ہے۔ وہ بیٹا جسے بن باپ کے ہونے کی بنا پر كلمة الله کہا گیا ہے۔ حضرت مریمؑ اس وقت تک یہودی رسم ورواج کے لحاظ سے ناکتخدا اور کنواری تھیں البتہ آپ کی منگنی آپ ہی کے کفو وقبیلہ آل داؤد کے ایک نوجوان یوسف نامی سے ہو چکی تھی۔ جن کے ہاں کاروبار چوب سازی کا ہوتا تھا۔ انجیل کا بیان ہے۔

عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۲﴾ یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ

بیویوں کے مقابلہ میں برگزیدہ کر لیا ہے و۱۱۲ اے مریم اپنے پروردگار کی اطاعت کرتی رہ

وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ

اور سجدہ کرتی رہ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہ و۱۱۳ یہ (واقعات)

اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ

غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم آپ کے اوپر ان کی وحی کر رہے ہیں و۱۱۴ اور آپ تو ان لوگوں کے پاس تھے نہیں،

اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ ۪

اس وقت جب وہ اپنے اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریمؑ کی سرپرستی کرے

وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ

اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت تھے جب وہ باہم اختلاف کر رہے تھے و۱۱۵ (وہ وقت یاد کرو) جب

الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ

فرشتوں نے کہا کہ اے مریم! اللہ آپ کو خوشخبری دے رہا ہے

مِّنْهُ ۖۗ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ

اپنی طرف سے ایک کلمہ کی ان کا نام (ولقب) مسیح عیسیٰ ابن مریم

وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۴۵﴾ ۙ

ہو گا و۱۱۶ دنیا و آخرت (دونوں) میں معزز اور مقربوں میں سے و۱۱۷

وَیُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ

اور وہ لوگوں سے گفتگو کریں گے۔ گہوارہ میں بھی اور پختہ عمر میں بھی اور صالحین میں سے

الصّٰلِحِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ

ہوں گے و۱۱۸ وہ بولیں اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح

"جبریل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نام سے ہوئی تھی۔ اور اس کنواری کا نام مریمؑ تھا۔ لوقا۔ ۱:۲۶، ۲۷) "یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب آپ کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ (متی۔ ۱: ۱۸) رسم منگنی کی جو اہمیت یہود کے ہاں تھی اس کے لحاظ سے ہمیں اپنی اصطلاح و زبان میں یوں کہنا چاہیے کہ آپؑ کا عقد ہو گیا تھا۔ مگر رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی۔ گویا خلوت کی اجازت ابھی عرفاً نہیں ہوئی تھی۔ اِسْمُهٗ۔ اسم کی وسعت مفہوم و جامعیت پر حاشیہ پارۂ اول میں عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کے تحت میں گزر چکا ہے۔ اسم مسمّٰی کے تعارف کے لئے ہوتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ کے تعارف کے لئے یہ پوری عبارت ضروری تھی۔ المسیح عیسیٰ ابن مریم۔ اَلْمَسِیْحُ۔ لفظ مسیح کے اشتقاق میں اختلاف ہے لیکن خواہ یہ لفظ عربی الاصل ہو خواہ عبرانی کے کسی لفظ کا معرب۔ بہر صورت اپنے معنٰی کے لحاظ سے "مبارک" کا مرادف ہے۔ عِیْسٰی۔ انجیل کے تلفظ اور املا میں "یسوع"۔ و۱۱۷ (اللہ تعالیٰ کے) اِبْنُ مَرْیَمَ۔ یہودیت اور مسیحیت دونوں کے رد ساتھ ساتھ چل رہے ہیں ابْنُ مَرْیَمَ کہہ کر قرآن مجید نے یہ حقیقت بیان کر دی کہ عیسیٰ علیہ السلام خود تو بشر تھے ہی۔ فرزند بھی کسی دیوی دیوتا کسی مافوق البشر کے نہ تھے۔ محض عورت ذات کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ یہ یہود کے رد میں ہے کہ تم جس کے حق میں ہر قسم کی توہین وافترا اور روا رکھتے ہو وہ صاحب عزت واکرام ہیں۔ یہود کی قدیم کتابوں میں کوئی دقیقہ حضرت مسیح علیہ السلام کی توہین وتحقیر کا اٹھا نہیں رہا ہے۔ یہ قرآن ہی کی برکت واعجاز ہے کہ اس کے نزول کے بعد سے رفتہ رفتہ اب خود یہود کے لہجہ کی تلخی نرمی میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ اور تالمود کے الزامات دہراتے ہوئے یہود کو شرم آنے لگی ہے۔ آخرت کے اعزاز کا مشاہدہ تو خیر جب ہوگا، ہوگا۔ دنیا کا اعزاز اس سے ظاہر ہے کہ روئے زمین کے ۴۰۔۵۰ کروڑ مسلمان آج انہیں اللہ کا پیغمبر برحق مان رہے ہیں۔ ان کا نام بغیر علیہ السلام کے نہیں لیتے اور کروڑوں کی تعداد میں عیسائی ہیں جو انہیں انسان کے مرتبہ سے بھی بلند تر سمجھ رہے ہیں۔ یہ عقیدہ گو احمقانہ ہے لیکن بہرحال آپ کی تعظیم واحترام ہی سے ناشی ہے، مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ قرآن مجید کا یہ کمال اعجاز ہے کہ ایک ایک لفظ سے پورا پورا مضمون ادا ہو جاتا ہے۔ یہاں اس لفظ سے ایک طرف تو آپ کا اصل مقام بتا دیا، یعنی تقرب الٰہی۔ دوسری طرف یہودیت کے رد میں آپ کی شہادت دے دی۔ تیسری طرف مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ کی ترکیب سے یہ ظاہر کر دیا کہ اس مقبولیت میں وہ منفرد نہیں، دوسرے بندے بھی ان کے ساتھ شریک ہیں اور مسیح علیہ السلام باایں عظمت واجلال بہرحال عبدیت سے مافوق کوئی مرتبہ نہیں رکھتے۔ و۱۱۸ (نہ کہ معاذ اللہ ساحر یا شعبدہ باز یا بد اخلاق جیسا کہ یہود نے افتراء کر رکھا ہے) لیکن باایں عظمت واجلال بہرحال دوسرے ہی بندگان صالح کی طرح ہوں گے۔ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ نہ کہ ان سے مافوق کچھ اور جیسا کہ مسیحیوں نے اپنے دل سے ٹھہرا لیا ہے۔ یُكَلِّمُ النَّاسَ۔ اس سے اشارہ نکلتا ہے آپ کے جوش تبلیغ کی جانب۔ لوگوں سے آپ کی گفتگو قصہ کہانی کی نہیں، یقیناً توحید وتصحیح عقائد ہی پر ہوگی۔ انجیلوں سے بھی جتنی شہادتیں ملتی ہیں سب سے تائید آپ کے جوش تبلیغ ہی کی ہوتی ہے۔ فِی الْمَهْدِ۔ یعنی بالکل بچپن سے۔ یا اس سن سے جو گہوارہ میں لیٹے رہنے کا ہوتا ہے۔ ای طفلاً (کشاف) حال کونه طفلا (بیضاوی) اتنی کم سنی سے گفتگو پر یہ قدرت اعجازی رنگ میں تھی۔ انجیلی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بارہ سال کے سن میں تبلیغ کرنے لگے تھے۔ اور اچھے اچھے دانا آپ کی گفتگو سن کر دنگ رہ جاتے تھے۔ (لوقا، ۲: ۴۲، ۴۶، ۴۷) كَهْلًا۔ سے مراد پختہ عمر سے ہے یہ یعنی بچپن اور بڑھاپے کا درمیانی زمانہ اس کا اطلاق ۳۰ سے اوپر ۵۰ سال کے سن تک ہوتا ہے۔ الكهل بين حال الغلومة وحال الشيخوخة (قرطبی) الكهل مابين الشاب والشيخ (روح) حضرت مسیح علیہ السلام کے بچپن اور پھر پختہ عمری کے ذکر سے اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ ہر انسان کی طرح آپ کا نشوونما بھی تدریجاً ہوتا رہا۔ اور یہ نشوونما خود ایک مستقل دلیل ردالوہیت پر ہے۔

و۱۱۹ (بہ طریق مواصلت) حسب بیانِ انجیل حضرت مریمؑ کی رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی اور رخصتی کے قبل نامزد شوہر سے خلوت یہودی قانون میں بالکل ممنوع تھی۔ قَالَتۡ رَبِّ۔ انجیل میں اس مقام پر ہے کہ "مریمؑ نے فرشتہ سے کہا" (لوقا۔۱:۳۴) قرآن مجید نے اپنے حسب دستور اس موقع پر بھی انجیل کے بیان کی تصحیح کر کے یہ بتا دیا کہ مریمؑ کی مخاطبت اب فرشتہ سے نہیں براہ راست حق تعالیٰ سے تھی، اور ہر صاحب نظر پر واضح ہے کہ اس سے مریمؑ کا مرتبہ معرفت وایمان کتنا بڑھ جاتا ہے۔ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ وَلَدٌ۔ فرشتہ کی زبان سے وہ پوری تقریر سن کر اب حضرت مریمؑ اپنے مالک ومولیٰ سے یہ عرض کر رہی تھیں۔ آپ کا یہ سوال ظاہر ہے کہ حیرت اور واقعہ کی غرابت کی بنا پر تھا نہ کہ شک وانکار کی بنا پر۔ فرشتہ یا فرشتوں سے دوبدو ہو جانے اور ان کی گفتگو سن لینے کے بعد انکار کا تو اب کوئی محل رہا ہی نہیں تھا۔ استبعاد البتہ باقی تھا جو عین لازمہ بشریت تھا۔ انجیل نے اس موقع پر جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔ "فرشتہ نے اس کے پاس اندر آ کر کہا۔ سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے۔ خداوند تیرے ساتھ ہے۔ وہ اس کلام سے بہت گھبرا گئی۔ اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا کلام ہے۔ فرشتہ نے اس سے کہا اے مریمؑ خوف نہ کر کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے۔ اور دیکھ تو حاملہ ہو گئی اور بیٹا جنے گی۔ اس کا نام یسوع ہوگا وہ بزرگ ہوگا ۔۔ مریمؑ نے فرشتہ سے کہا۔ یہ کیونکر ہوگا جس حال میں کہ میں مرد کو نہیں جانتی اور فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی" (لوقا۔۱:۲۸، ۳۴) و۱۲۰ رفع استبعاد کے لئے حضرت مریمؑ کو یہاں یاد دلایا جا رہا ہے کہ نظر مسبب الاسباب پر رکھنی چاہیے کہ وہی فاعل حقیقی ہے نہ کہ اسباب طبعی وظاہری پر کہ ان کی حیثیت محض واسطہ اور ذریعہ کی ہے کَذٰلِکِ۔ یعنی بس بشر کے بغیر ہی۔ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ۔ ابھی چند ہی آیتیں قبل ذکر زکریا علیہ السلام اور بڑھاپے میں ان کی اولاد کا آ چکا ہے۔ وہاں اس موقع کے لئے جو آیت تھی اس کے الفاظ تھے کَذٰلِکَ اللّٰهُ یَفۡعَلُ مَا یَشَآءُ وہاں یَفۡعَلُ اور یہاں یَخۡلُقُ کا استعمال محض اتفاق نہیں۔ مفسر محقق ابوحیان غرناطی نے خوب لکھا ہے کہ وہاں تو ولادت عام سنت الٰہی کے مطابق یعنی مردوزن کے اتصال سے تھی اگرچہ وہ مردوزن سن سے اتر چکے تھے وہاں قدرتِ الٰہی کے اظہار کے لئے یفعل بالکل کافی تھا۔ برخلاف اس کے یہاں عام وجاری سنت الٰہی سے ہٹ کر بغیر مردوزن کے اتصال کے صرف عورت ہی سے ولادت کا تحقق کرانا ہے۔ اس لئے یہاں لفظ بھی یَخۡلُقُ لایا گیا جو حق تعالیٰ کی صفت ایجاد واختراع پر دلالت کر رہا ہے۔ هناک یفعل لانه ممکن اذھو من ذکر وانثٰی مسنین وھنا یخلق لانه لم یعھد مولود من غیر ذکر فجاء بلفظ یخلق الدال علی الاختراع الصرف من غیر مادة ذکر (نہر) من حیث ان امر زکریا داخل فی الامکان العادی الذی یتعارف وان قل وفی قصة مریم یخلق لانه لایتعارف مثلا وھو وجود ولدمن غیر والدفیه ایجاد واختراع من غیر سبب عادی فلذٰلک جاء بلفظ یخلق الدال علی ھذا المعنی (بحر) و۱۲۱ (اور وہ ہو جاتا ہے خواہ اسباب کے واسطے سے ہو یا بلا کسی سبب ظاہری کے) اس قسم کی آیتیں برابر ان فلسفیوں اور باطل مذہبوں کی رد میں ہیں جو حادث پر قیاس کر کے قدیم کو بھی سلسلہ اسباب کا پابند سمجھتے ہیں۔ بعض نادانوں نے ایک سوال یہ پیدا کیا ہے کہ کوئی شے جب ابھی سرے سے موجود ہی نہیں ہے تو حق تعالیٰ کا خطاب اس سے ہوتا کس طرح ہے؟ کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ علم الٰہی میں تو موجود ہی ہے یعنی اس کو حکم ہوتا ہے کہ خارج میں بھی موجود ہو جا۔ یَقُوۡلُ لَهٗ کُنۡ۔ قول کُنۡ سے مراد اس دو حرفی لفظ کا تلفظ نہیں کہ یہ حروف تو خود ہی حادث ہیں۔ مراد اللہ تعالیٰ کا قول اس کیفیت کے ساتھ ہے جو اس کے شانِ کمال کے لائق ہے۔ اور جس طرح اس کی تمام صفات کی تفصیلات فہم بشری کی گرفت سے باہر ہیں اس کے قول کی یہی کیفیت تفصیل سے نہیں سمجھی جا سکتی۔ مراد صرف یہ کہ ارادۂ الٰہی اور اس کی تعمیل کے درمیان کوئی شئی حائل یا حاجب نہیں۔ و۱۲۲ یُعَلِّمُهٗ میں ضمیر مفعول ظاہر ہے کہ وَلَد مریم یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے۔ حضرت کا جو مقام عظمت ان الفاظ سے بیان کرنا مقصود ہے وہ تو ظاہر ہی ہے لیکن خود مریمؑ کی بھی تشفی خاطر کا کتنا سامان ضمناً ہوا جا رہا ہے۔ ارشاد گویا یہ ہو رہا ہے کہ تم غم نہ کرو اور پریشان نہ ہو۔ بے شوہر ہی اولاد کی بنا پر خلق تمہیں جتنا بدنام اور مطعون کرے گی، اس کی تلافی کے لئے

وَلَدٌ وَّ لَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکِ

ہو گا درآنحالیکہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا ہے و۱۱۹ ارشاد ہوا ایسے ہی

اللّٰهُ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا

اللہ پیدا کر دیتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے و۱۲۰ جب وہ کسی بات کو پورا کرنا چاہتا ہے تو بس

یَقُوۡلُ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۴۷﴾ وَ یُعَلِّمُهُ الۡکِتٰبَ

اس سے کہتا ہے کہ ہو جا و۱۲۱ سو وہ ہو جاتی ہے اور (اللہ) اسے کتاب

وَالۡحِکۡمَةَ وَالتَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوۡلًا

اور حکمت اور انجیل سکھا دے گا و۱۲۲ اور وہ پیمبر ہو گا

اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَةٍ

بنی اسرائیل کے لئے و۱۲۳ (اور کہے گا) میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے

مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ۙ اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ

نشانی لے کر آیا ہوں، و۱۲۴ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندوں کی مانند

کَهَیۡـَٔةِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡهِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًا

صورت بنا دیتا ہوں پھر اس میں دم کر دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ

بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبۡرِئُ الۡاَکۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ وَاُحۡیِ

بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور مبروص کو اچھا کر دیتا ہوں اور میں

الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ

اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں اور تم جو کچھ کھاتے ہو

وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً

اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ جمع کرتے ہو وہ تمہیں بتلا دیتا ہوں بے شک ان (سارے واقعات) میں

اولاد بھی تمہیں کس پایہ کی مرحمت کی جا رہی ہے۔ الۡکِتٰبَ۔ یعنی کتب سماوی۔ لفظ کتاب بہ طور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ ذھب کثیرون الی انّ ال فیه للجنس والمراد جنس الکتب الالٰھیة (روح) الۡحِکۡمَةَ۔ حکمت سے مراد یا تو جمیع امور دین ہیں (اور اس سے ضمناً اس پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے کہ پیمبر دینی تعلیم، اپنی کتاب یا صحیفہ کے علاوہ بھی لے کر آئے ہیں) اور یا تہذیب اخلاق۔ جمیع ما علمه من امور الدین (روح) المراد بالحکمة تعلیم العلوم و تھذیب الاخلاق (کبیر) و۱۲۳ رَسُوۡلًا۔ آپ کا مرتبہ پیمبری کا ہوگا۔ نہ آپ معاذ اللہ ساحر وشعبدہ باز ہوں گے جیسا کہ بدتمیز یہود نے آپ کو سمجھا۔ اور نہ (نعوذ باللہ) آپ خود خدا یا فرزند خدا ہوں گے۔ جیسا کہ نصرانیوں نے اپنی بیہودگی سے فرض کر لیا۔ اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ۔ یہ بالکل صریح ہے اس باب میں کہ آپ کی دعوت بنی اسرائیل تک محدود تھی اور دوسرے بنی اسرائیلی پیمبروں کی طرح آپ بھی صرف قومی نبی تھی۔ انجیل تک میں یہ تصریح۔ اتنی تحریفوں کے بعد بھی باقی رہ گئی ہے:۔ "ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور انہیں حکم دے کے کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ (متی۔۱۰:۵۔۷)" اس نے جواب میں کہا کہ بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی

عالمگیری ایجاد بندہ ہے ورنہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاں اس تعلیم کا پتہ نہیں۔ مسیح علیہ السلام نے اسرائیل کے باہر اپنے مرید تلاش نہیں کئے"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۵ ص ۶۳۱ طبع چہاردہم) اور مسیح علیہ السلام تو مسیح علیہ السلام حواریوں تک کا بھی یہ خیال نہ تھا: "اولین شاگردوں کو تعلیم مسیح کی عالمگیری کا احساس نہ ہوا۔ (ایضاً ۶۳۲) **ف۱۲۴** جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ۔ ایۃ کے لفظی معنی نشان کے ہیں۔ یہاں معجزہ کے مفہوم میں آیا ہے۔ معجزہ ایسے واقعہ کے ظہور کا نام ہے جو عام ومتعارف سلسلہ اسباب سے الگ ہو۔ پیمبر کے ذریعہ سے ایسے غیر عادی واقعہ کا وقوع اس امر کی دلیل ہوتا تھا کہ نصرت حق وتائید الٰہی پیمبر کے ساتھ ہے۔ معجزہ کا فاعل کائنات کے بڑے چھوٹے، معمولی غیر معمولی ہر واقعہ کی طرح صرف اللہ تعالیٰ ہوتا ہے پیمبر محض واسطہ یا ذریعہ ہوتا ہے۔ جو لوگ ایک قادر مطلق کے وجود کے قائل ہیں ان کے لئے کسی بڑے سے بڑے معجزہ کا نفسی امکان تو قابل انکار بلکہ قابل اشتباہ بھی ہو ہی نہیں سکتا۔ طبعی، غیر طبعی، عادی، غیر عادی، متعارف ومجہول، جلی وخفی اسباب کی تفریق تو بشری تجربات کے لحاظ سے ہے۔ قادر مطلق کے لئے سب بالکل یکساں ہیں۔ اب رہا کسی متعین معجزہ کا ثبوت تو اس کا تعلق منطق سے نہیں تاریخ سے ہے۔ عقل سے نہیں نقل سے درایت سے نہیں روایت سے ہے۔ ظن وتخمین کا یہاں دخل نہیں۔ اب گفتگو صرف سند متصل اور شہادت معتبر کی رو سے ہوگی۔ معجزاتِ مسیح علیہ السلام کا ذکر انجیلوں میں بہ کثرت آیا ہے۔ مِنْ رَّبِّكُمْ یہ اضافہ اس حقیقت کی تاکید اور اس پر زور دینے کے لئے ہے کہ معجزہ کا ظہور حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ نہ کہ پیغمبر کے اختیار وقدرت سے۔ یہ اور بات ہے کہ اس سے مقصود پیمبر ہی کی تائید ونصرت ہوتی ہے **ف۱۲۵** یعنی اگر تم خبث باطن اور ضد وعناد کو چھوڑ کر ایمان کے طالب اور یقین واطمینان حاصل کرنا چاہتے ہو۔ اَخْلُقُ۔ فعل خلق کا انتساب جب خالق کی جانب ہوتا ہے تو اس سے مراد نیست سے ہست کرنا، عدم سے وجود میں لانا ہوتا ہے۔ اور جب انسان کی جانب ہوتا ہے تو اس سے مراد ہوتا ہے اندازہ کرنا ایک خاص انداز سے بنانا اور صورت پیدا کرنا اور یہاں کھلی ہوئی مراد یہی ہے۔ خلقه تقديره ولم يرد انه يحدث معدومًا (تاج) الخلق اصله التقدير المستقيم (راغب) الذى يكون بالا ستحالة فقد جعله الله تعالىٰ بغيره فى بعض الاحوال والخلق لايستعمل فى كافة الناس الاعلىٰ وجهين احد هما فى معنى التقدير (راغب) اى اقدر و اصور (كبير) والمراد بالخلق التصوير والابراز على مقدار معين (روح) لَكُمْ۔ یعنی تم میں یقین پیدا کرنے کے لئے۔ اى لاجل تحصيل ايمانكم ودفع تكذيبكم اياى (روح) واللام فى لكم معناه التعليل (بحر) عوام ہمیشہ بجائے دلائل وعقلیات کے معجزہ وخارق عادت ہی سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور یہود تو اپنی اعجوبہ پسندی میں خصوصیت کے ساتھ بڑھے ہوئے تھے۔ مِنَ الطِّيْنِ۔ اس فقرہ نے اور زیادہ کھول کر اس حقیقت کو حضرت کی زبان سے ادا کر دیا ہے کہ میں عدم محض سے وجود میں ہرگز نہیں لاتا صرف مادہ میں ایک خاص ترکیب وترتیب کے ساتھ تصرف کر دیتا ہوں تقييد بانه لايوجد من العدم الصرف بل ذكر المادة التى يشكل منها صورة الطير (بحر) كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ یعنی پرندوں کی شکل کے کھلونے مٹی سے بناتا ہوں۔ طَیر یہاں بہ طور اسم جنس کے ہے۔ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا۔ یعنی میرے نفخ دم سے ان میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ سچ مچ کے پرندے بن کر اڑنے لگتے ہیں۔ چاروں انجیلیں جو کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کلیسا کے نزدیک مستند ہیں ان میں اس معجزہ کا ذکر نہیں لیکن جو انجیل کلیسائے قبط (مصر) Coptic Church کی مستند الیہ ہے، اس میں یہ صاف مذکور ہے جیسا کہ ڈاکٹر بج Budge نے اپنی کتاب Legends of our lady Mary کے مقدمہ صفحہ ۲۹ میں نقل کیا ہے کہ:۔ "وہ پرندوں کی شکل کے جانور بنا دیتے تھے جو اڑ سکتے تھے"۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ یعنی یہ جو کچھ بھی میں کر دکھاتا ہوں، اسے کہیں میری قوت وقدرت کا نتیجہ نہ سمجھ لینا یہ جو کچھ بھی ہوتا ہے سب محض مشیت خداوندی وقدرت الٰہی کا ثمرہ ہے۔ اَلْاَكْمَهَ۔ اندھوں کو بغیر اپریشن کے بینا کر دینا یوں بھی آسان نہیں چہ جائے کہ مادر زاد اندھوں کو: اور اکمہ ایسے ہی کو کہتے ہیں۔ اس معجزۂ مسیح علیہ السلام کا ذکر انجیلوں میں متعدد مقامات پر ہے مثلاً انجیل متی۔ ۹:۲۷، ۳۰ میں اور انجیل مرقس ۸:۲۲۔۲۵ میں لیکن سب سے زیادہ تفصیل انجیل یوحنا ۹:۱۔۷ میں ہے اور اس میں

لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٤٩ وَمُصَدِّقًا لِّمَا

تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو ف۱۲۵ اور میں تصدیق کرنے والا ہوں

بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ

اپنے سے پیشتر آئی ہوئی توریت کی اور (اس لئے آیا ہوں) کہ تم پر جو کچھ حرام کر دیا گیا تھا

الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اس میں سے تم پر کچھ حلال کر دوں ف۱۲۶ اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان لے کر آیا ہوں، ف۱۲۷

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝٥٠ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ

سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ف۱۲۸ بے شک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے

فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝٥١ فَلَمَّآ

سو اس کی عبادت کرو یہی میری راہ ہے ف۱۲۹ پھر جب

اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ

عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار ہی پایا ف۱۳۰ تو بولے میرا کون مددگار ہو گا

اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ

اللہ کے لئے حواری بولے ہم ہیں اللہ کے مددگار ف۱۳۱

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝٥٢ رَبَّنَآ

ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور آپ گواہ رہیے گا کہ ہم فرمانبردار ہیں ف۱۳۲ اے ہمارے پروردگار

اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ

ہم ایمان لے آئے اس پر جو کچھ تو نے نازل کیا ہے اور ہم نے پیروی (اختیار) کر لی رسول کی سو ہم کو بھی گواہوں کے ساتھ

الشّٰهِدِيْنَ ۝٥٣ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ

لکھ لے، ف۱۳۳ اور انہوں نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی، اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے

تصریح اندھے کے مادر زاد یا پیدائشی ہونے کی ہے۔ اَلْاَبْرَصَ۔ کوڑھیوں کے اچھا کرنے کا ذکر انجیل میں دو جگہ ہے۔ ایک جگہ ایک کوڑھی کو شفا دینے کا اور دوسری جگہ دس کوڑھیوں کو "جب وہ اس پہاڑ سے اترا تو بہت سی بھیڑ اس کے پیچھے ہو لی اور دیکھو ایک کوڑھی نے پاس آکر اسے سجدہ کیا اور کہا۔ اے خداوند اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے چھوا اور کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو جا۔ وہ فوراً کوڑھ پاک صاف ہو گیا" (متی ۸:۱۔۳) "اور ایسا ہوا کہ یروشلیم کو جاتے ہوئے وہ سامریہ اور گلیل کے بیچ سے ہو کر جا رہا تھا اور ایک گاؤں میں داخل ہوتے وقت دس کوڑھی اس کو ملے۔ انہوں نے دور کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا۔ اے یسوع، اے صاحب ہم پر رحم کر۔ اس نے انہیں دیکھ کر کہا جاؤ اپنے تئیں کاہنوں کو دکھاؤ اور ایسا ہوا کہ وہ جاتے جاتے پاک صاف ہو گئے (لوقا۔ ۱۷:۱۱۔۱۴) انجیل کے جدید ناقدوں نے طرح طرح پر جرح کر کے پچھلی صدی میں اناجیل اربعہ کا گوشہ گوشہ مجروح کر ڈالا ہے۔ لیکن اتنے جزو پر یہ ناقدین بھی متفق ہیں کہ مسیح علیہ السلام کے معجزاتِ شفا بخشی ثابت شدہ ہیں۔ (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۱۵ ص ۶۲) نیز انسائیکلوپیڈیا ببلیکا جو خاص انہی تنقیدات کے لئے ہے۔ اس کا کالم ۲۴۴۵۔ اُحْيِ الْمَوْتٰى برنابا حواری کی جو انجیل چلی آ رہی ہے اس میں تو معجزہ احیاء اموات کی تصریح بھی موجود ہے

کی مذکور ہیں چنانچہ لوقا جو یونان میں طبیب کی حیثیت سے مشہور تھے ان کی جانب منسوب انجیل میں یہ درج ہے:۔ ”تھوڑے عرصہ کے بعد ایسا ہوا کہ وہ نائین نامی ایک شہر کو گیا اور اس کے شاگرد اور بہت سے لوگ اس کے ہمراہ تھے جب وہ شہر کے پھاٹک کے نزدیک پہنچا تو دیکھا ایک مردے کو باہر لئے جاتے تھے وہ اپنی ماں کا اکلوتا تھا اور وہ بیوہ تھی اور شہر کے بہتیرے لوگ اس کے ساتھ تھے اسے دیکھ کر خداوند کو ترس آیا اور اس سے کہا رو نہیں۔ پھر اس نے پاس آکر جنازے کو چھوا اور اٹھانے والے کھڑے ہو گئے اور اس نے کہا اے جوان میں تجھ سے کہتا ہوں اٹھ وہ مردہ اٹھ بیٹھا اور بولنے لگا اور اس نے اسے اس کی ماں کو سونپ دیا اور سب پر دہشت چھا گئی (لوقا۔ ۷:۱۱۔۱۶) نیز (۷:۲۲) انجیل متی (۹:۱۸۔۲۵) میں ایک تازہ میت (ایک سردار کی لڑکی) کے جلا اٹھانے کا ذکر ہے۔ اور انجیل یوحنا (۱۱:۱۔۴۴) میں بڑی تفصیل کے ساتھ ایک چار روز کے دفن شدہ مردہ لعزر کے احیاء کا۔ بِاِذۡنِ اللّٰہِ۔ مزید تاکید وتصریح کے لئے اس فقرہ کو مکرر لایا گیا ہے کہ کہیں ان اعجازی تصرفات کو میری جانب نہ منسوب کر دینا۔ جو کچھ بھی ہوا۔ محض خدائے برحق کی قدرت ومشیت سے ہوا۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ بعض اہل حال سے جو ایسے اقوال منقول ہیں جن میں وہ اپنی جانب ایسے افعال کو منسوب کر گئے ہیں جو حق تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں تو بشرط صحت نقل وہ دعوی غلبہ حال پر محمول ہوں گے لیکن ان میں جو اہل ادب ہیں وہ ہر ایسے موقع پر حضرت مسیح علیہ السلام ہی کی طرح باذن اللہ یا اس کے مرادف کسی فقرہ کی قید لگا دیتے ہیں۔ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ یہ بات آیت نے مثال اور نمونہ کے طور پر فرمائی یعنی تمہاری مخفی چیزوں پر بھی اللہ مجھے مطلع کر دیتا ہے۔ اٰیَۃً۔ یعنی نشان میرے پیمبر اور مؤید من اللہ ہونے کا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ سے خوارق کا بہ کثرت صادر ہونا تاریخ کا ایک مسلم واقعہ ہے خواہ ان کی توجیہ منکرین کچھ بھی کرتے رہے ہوں۔ یہود نے انہی خوارق کو دیکھ کر آپ کو ساحر وشعبدہ باز کہنا شروع کر دیا چنانچہ جوزیفس (متوفی ۱۰۰ء) نے اپنی تاریخ آثار یہود میں آپ کا ذکر اس حیثیت سے کیا ہے اور جیوش انسائیکلوپیڈیا میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں لکھا چلا آتا ہے:۔ ”یسوع نے بہ حیثیت معلم دین یا قانون ساز کے نہیں بلکہ بہ حیثیت شعبدہ باز کے اپنی زندگی میں شہرت وناموری گلیل کے سادہ مزاج باشندوں میں حاصل کی“ (جلد ۷ صفحہ ۱۶۷) ف۱۲۶ (یہ ارشاد خداوندی) مُصَدِّقًا ...... التَّوۡرٰىۃِ کوئی نیا نبی پرانے نبی کی تردید وتغلیط کے لئے نہیں آتا۔ (اس قسم کی تحقیقات صرف حکماء وفلاسفہ کو مبارک رہے) بلکہ ہر جدید پیامبر پیام قدیم کی تجدید وتکمیل ہی کے لئے آتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی یہاں یہود سے یہی کہہ رہے ہیں کہ میں شریعت موسوی کے مٹانے کے لئے نہیں ان کی تجدید وتصدیق کے لئے آیا ہوں۔ اس قسم کی تصریحات مروجہ انجیل میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً ”یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں“ (متی ۵:۱۷) ”آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسان ہے“ (لوقا۔ ۱۶:۱۷) (انجیلی زبان میں شریعت سے مراد شریعت موسوی ہی ہوتی ہے) حُرِّمَ عَلَیۡکُمۡ یعنی شریعت موسوی میں جو چیزیں تم پر حرام تھیں۔ قانونی جزئیات اور فقہی فروع میں ترمیم وتسہیل، عمومی تصدیق وتائید کے ذرا بھی منافی نہیں۔ اُحِلَّ لَکُمۡ مسیحی تعلیم نے قدیم موسوی شریعت میں جو بعض سہولتیں اور آسانیاں پیدا کر دی تھیں ان کا ذکر انجیل مروجہ میں بھی ہوتا ہے۔ مثلاً:۔ ”اے محنت اٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو۔ سب میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں آرام دوں گا۔ میرا جوا اپنے اوپر اٹھالو اور مجھ سے سیکھو کیونکہ میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن تو تمہاری جانیں آرام پائیں گی کیونکہ میرا جوا نرم ہے اور میرا بوجھ ہلکا“ (متی۔ ۱۲:۲۸۔۳۰) یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ تمہارے حبرون اور ربیون نے اپنی طرف سے جو احکام توریت میں خلط ملط کر دیئے ہیں میں اس سارے بوجھ کو تم سے دور کرنے آیا ہوں ف۱۲۷ (اپنی نبوت ورسالت کا) اٰیَۃٍ۔ نشان کا لفظ دلائل، معجزات سب پر حاوی ہے۔ اور لفظ کے مفرد ہونے سے یہ خیال نہ ہو کہ معنی بھی صیغۂ واحد میں ہے اور کوئی ایک مخصوص نشان مراد ہے۔ اٰیۃ بہ طور اسم جنس کے ہے اور مراد اس سے سارے ثبوت اور شواہد حضرت علیہ السلام کی صداقت کے ہیں۔ انما وحد وھی ایات لانھا جنس واحد فی الدلالۃ علی رسالتہ (قرطبی) خطاب بنی اسرائیل سے ہے ف۱۲۸ (بہ حیثیت رسول خدا ہونے کے) فَاتَّقُوا اللّٰہَ۔ یعنی اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول کی تکذیب کی جرأت نہ کرو ف۱۲۹ (جس کی تعلیم ابتداء سے لے کر آخر تک سارے ہی پیمبر دیتے آئے ہیں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیم اسی عبدیت اور اسی توحید کی تھی۔ ظالموں نے اسے مسخ کر کے تثلیث بنا دیا۔ جو شرک ہی کی ایک کھلی ہوئی شکل ہے۔ رَبِّیۡ وَرَبُّکُمۡ۔ اس میں اشارہ اسی طرف ہے کہ اللہ کے مخلوق، مربوب اور عبد ہونے کے اعتبار سے پیمبر اور امتی سب یکساں ہیں۔ فَاعۡبُدُوۡہُ۔ یعنی صرف اسی کی پرستش کرو، بغیر کسی کی شرکت وآمیزش کے۔ آج جو انجیلیں دنیا کے پردہ پر موجود ہیں ان میں سے ایک انجیل برنابا بھی ہے اس کے انگریزی، عربی، اردو ترجمے موجود ہیں اور وہ حضرت برنابا سا نامی حضرت علیہ السلام کے ایک حواری کی جانب منسوب ہے۔ اس میں ظہور اسلام کی خبریں اور حضرت ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت پیشگوئیاں ایسے صاف وصریح لفظوں میں موجود ہیں کہ مسیحیوں کو مفر اسی میں نظر آیا کہ اسے جعلی کہہ کر الگ کر دیں خیر وہ تو ہر سچے سفیر الٰہی کے کلام کی طرح توحید کی تعلیم وتاکید سے لبریز ہی ہے لیکن دوسری انجیلیں بھی جو خود کلیسا کے نزدیک مستند ہیں وہ بھی اس تعلیم سے خالی نہیں۔ مثلاً۔ ”یسوع نے اس سے کہا۔ اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر“ (متی۔ ۴:۱۰) تثلیث کا شرک جن ظالموں کی بھی ایجاد ہو بہرحال حضرت مسیح کا دامن اقدس اس آلودگی سے بالکل پاک اور منزہ ہے ف۱۳۰ (اپنی ہر سعی اور تبلیغ کے باوجود) اَحَسَّ یعنی پایا یا محسوس کیا حواس ظاہری سے۔ معناہ علم و وجد قالہ الزجاج وقال ابو عبیدہ معنی احسّ عرف (قرطبی) لایقال ذٰلک الافی ماکان من جھۃ الحاسۃ (راغب) تحقق مایدرک بالحواس (بیضاوی) مِنۡہُمُ۔ یعنی اپنے مخاطبین کی طرف سے جو بنی اسرائیل یا یہود تھے۔ ای من بنی اسرائیل (قرطبی) الۡکُفۡرَ۔ یعنی انکار نبوت عیسوی سے اور انکار بھی ظلم وتعدی کے ساتھ۔ یہ انکار وطغیان علانیہ وبرملا تھا۔ کوئی دقیق ومخفی شے نہ تھی جو مستنبط کی جاتی بلکہ حواس ظاہری ہی سے محسوس ہونے والی کھلی ہوئی چیز تھی اور یہی نکتہ ہے کہ یہاں فعل احس استعمال کیا گیا جس کے معنی بالکل ظاہر ظہور پانے کے ہیں۔ فتنبیہ انہ قد ظھر منھم الکفر ظھورًا بان للحسّ فضلا عن الفھم (راغب) ف۱۳۱ آپ نے اپنی قوم کو نصرتِ دین کے لئے جو پکارا اس سے محققین نے یہ استنباط کیا ہے کہ اہل دین سے دین کے بارہ میں مدد طلب کرنا توکل کے ذرا بھی منافی نہیں۔ ان سے یہ مدد طلب کرنا اسی حیثیت سے ہوتا ہے یہ نصرت الٰہی کے مظاہر ہوتے ہیں۔ اِلَی اللّٰہِ یعنی اللہ کی راہ میں۔ اللہ کے دین کے لئے۔ قال الحسن المعنی من انصاری فی السبیل الی اللہ (قرطبی) قال ابو علی القاری معنی الی اللہ للہ (بحر) الی ھٰھنا بمعنی مع اوفی اواللام (بیضاوی) الحواریون حواری کے لفظی معنی کپڑا دھو کر اسے صاف اور اجلا کر دینے والے کے ہیں۔ حوّرت الشئ ای بیّضتہ ودوّرتہ (راغب) واصل الحور فی اللغۃ البیاض وحورت الثیاب بیضتھا (قرطبی) حضرت مسیح علیہ السلام کے ابتدائی مرید چونکہ عموماً دریا کے کنارے کام کرنے والے ماہی گیر تھے اس لئے آپ کے بعد کے بھی رفیقوں، شاگردوں کا یہی لقب پڑ گیا۔ مجازی معنی مخلص مددگار کے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لئے یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ الحواری ایضا الناصر (قرطبی) وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لکل نبی حواریّ وحواریّ الزّبیر (راغب) حواری الرجال صفوتہ وخالصتہ (کشاف) بہرحال وجہ تسمیہ جو کچھ بھی ہو، مسیح علیہ السلام کے صحابیوں کے لئے لقب یہی چلا ہوا تھا۔ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو اپنے مددگار طلب کئے تھے من انصاری خدا کے کام کے لئے۔ حواری جواب میں اپنے کو خدا کے مددگار انصار اللہ کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ نحن انصارک الی اللہ محققین نے اس سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرنا ف۱۳۲ مُسۡلِمُوۡنَ۔ مسلم ہی کا لفظی ترجمہ فرمان بردار ہے۔ مسلم کا اطلاق ہر نبی کے پیرو پر ہوتا ہے کہ حقیقۃً ہر نبی کی دعوت اللہ کی فرمان برداری ہی کی ہوتی ہے۔ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ حواریوں کا سارا زور ایمان باللہ پر ہے۔ ”ابن اللہ“ کے تخیل سے بھی وہ بیچارے آشنا نہ تھے ف۱۳۳ مسیح علیہ السلام کے صحابی ابھی مسیح علیہ السلام سے گفتگو کر رہے تھے دفعۃً براہ راست حق تعالیٰ سے مناجات کرنے لگے۔ قرآن مجید

الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ

بہتر ہے ۱۳۴ (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب اللہ نے فرمایا ۱۳۵ اے عیسیٰ میں تم کو موت دینے والا ہوں ۱۳۶

وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور تم کو اپنی طرف (ابھی) اٹھا لینے والا ہوں ۱۳۷ اور ان لوگوں سے جو کافر ہیں تمہیں پاک کرنے والا

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

ہوں ۱۳۸ اور جو تمہارے پیرو ہیں انہیں قیامت تک ان لوگوں پر غالب رکھنے والا ہوں

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ

جو منکر ہیں ۱۳۹ تم سب کی واپسی میری طرف ہو گی سو میں تمہارے درمیان

بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

اس باب میں فیصلہ کر دوں گا جس میں تم (باہم) اختلاف کرتے رہتے تھے ۱۴۰ سو جن لوگوں نے

كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا

کفر (اختیار) کیا انہیں دنیا اور آخرت میں سخت سزا

وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا ۱۴۱ اور جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل (بھی) کئے سو اللہ انہیں ان کے پورے پورے صلے دے گا

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ

اور اللہ ناانصافوں کو دوست نہیں رکھتا ۱۴۲ یہ جسے ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں،

مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى

نشانیوں میں سے ہے اور پر حکمت مضمون میں سے ہے ۱۴۳ بے شک عیسیٰؑ کا حال

اکثر ایسے موقعوں پر یہی کرتا ہے کہ بندوں کے خطاب کا رخ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پھیر دیتا ہے۔ کیا ٹھکانا ہے اس اہتمام توحید کا۔ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے معاصر مسیحی آپ کو رسول بھی تسلیم کرتے تھے۔ ''ابن اللہ'' ''اقنوم'' وغیرہ کے خرافات اس وقت تک نہ ایجاد ہوئے تھے نہ ہو سکتے تھے۔ الشّٰهِدِيْنَ۔ گواہ تیری توحید کے اور تیرے پیمبروں کی پیمبری کے ف ۱۳۴ مَكَرُوْا کا اسم فاعل یہود ہیں۔ یہود کے اکابر اور سرداروں نے مخالفت وایذاء کے بہت سے درجے طے کرنے کے بعد بالآخر یہ طے کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ختم ہی کر دینا چاہیے چنانچہ پہلے اپنی مذہبی عدالت میں الحاد کا الزام لگا کر آپ کو واجب القتل قرار دیا۔ پھر رومی حاکموں کی ملکی عدالت میں لا کر ان پر بغاوت کا مقدمہ چلایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے مخالفین کا یہ معرکہ ملک شام کے صوبہ فلسطین میں پیش آیا تھا۔ شام اس وقت رومی سلطنت کا ایک جزء تھا اور یہاں کے یہودی باشندوں کو اپنے معاملات میں نیم آزادی اور نیم خود مختاری حاصل تھی جیسے انگریزی حکومت کے ماتحت والیان ریاست کو حاصل رہتی ہے۔ شہنشاہ رومہ کی طرف ایک نائب السلطنت (وائسرائے) شام کا تھا۔ اور اس کے ماتحت ایک والی یا امیر فلسطین کا تھا۔ رومیوں کا مذہب شرک وبت پرستی کا تھا۔ یہود کو اتنا اختیار حاصل تھا کہ اپنے لوگوں کے مقدمات اپنی مذہبی عدالتوں میں لائیں لیکن سزاؤں کے نفاذ کے لئے انہیں پھر انہی مجرموں کو ملکی عدالتوں کے سامنے لانا پڑتا تھا۔ جرم الحاد میں فتوائے قتل خود یہود کی مذہبی عدالت دے سکتی تھی لیکن واقعۂ سزائے موت کا نفاذ صرف رومی ملکی عدالت کے قبضہ میں تھا۔ اور سزائے موت رومی حکومت میں سولی کے ذریعہ سے دی جاتی تھی۔ یہود کی اسی گہری اسکیم کی جانب اشارہ قرآن مجید کے لفظ مکروا میں ہے۔ وَمَكَرَ اللّٰهُ یعنی اللہ نے مخالفین ومعاندین کی ساری تدبیریں، ساری سازشیں الٹ دیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی کی موت سے بچا لیا۔ عربی زبان میں ایک قاعدہ مشاکلت کا ہے۔ یعنی کسی فعل کی سزا یا جواب کو بھی بجنسہٖ اسی فعل کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے اور اس طرز ادا میں مطلق کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً کسی نے زید پر حملہ کیا، اور زید نے اس کا جواب دیا۔ تو عربی محاورہ میں یوں کہیں گے کہ اس نے زید پر حملہ کیا اور زید نے اس پر حملہ کیا حالانکہ زید کا ''حملہ'' مطلق نہ ہوگا۔ بلکہ صرف سزائے حملہ ہوگی یا زیادہ سے زیادہ ''جوابی حملہ'' یا کوئی مجھے ٹھگ لے اور میں اس سے انتقام لوں تو عربی میں پیرایہ ادا یہ ہوگا کہ اس نے مجھ ٹھگا۔ اور میں نے بھی اسے ٹھگ لیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ میری طرف سے ٹھگنے کی سزا ہی ملے گی۔ اس اصل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں سے کہ:۔ (۱) مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی ''مکر'' کیا۔ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا وہ ''کید'' سے کام لیتے ہیں اور میں بھی ''کید'' سے کام لیتا ہوں۔ (۳) جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ''برائی'' کی سزا ویسی ہی ایک ''برائی'' ہے۔ (۴) قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو محض ''ہنسی'' کرتے ہیں۔ اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے۔ (۵) فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ جو تم پر زیادتی کرتا ہے، تم اس پر زیادتی کرو۔ جو اشکال محض ترجمہ کی بنا پر پیدا ہوتا ہے وہ از خود ساقط ہو جاتا ہے۔ ان تمام مثالوں میں جوابی اور سزائی ''مکر'' نہ مکر ہے، نہ ''کید'' کید ہے۔ نہ ''سیئہ'' سیئہ ہے، نہ استہزاء، استہزاء نہ زیادتی زیادتی ہے۔ بلکہ ہر موقع پر مراد صرف سزائے مکر، سزائے کید، سزائے سیئہ، سزائے استہزاء، اور سزائے اعتداء ہے۔ تو اس جوابی وتعزیری مکر اللہ پر کوئی سوال ہی نہیں عائد ہوتا۔ لیکن اس کے علاوہ عربی میں مکر میں کوئی ذم کا پہلو لازمی طور پر ہے بھی نہیں۔ مکر محمود بھی ہو سکتا ہے اور مکر مذموم بھی۔ اصل معنی صرف خفیہ تدبیر، گہری تدبیر یا انگریزی میں Plan کے ہیں۔ المکر الخديعة والاحتيال وقال الليث احتيال فى خفية (تاج) و فى البصائر المكر ضربان محمود وهو ماتجرى به امر جميل ومذموم وهوما تجرى به فعل ذميم (تاج) المكر صرف الغير عما يقصده بحيلة وذلک ضربان مكر محمود ومذموم (راغب) پس جس کسی ہندی نے اردو کے مکر وفریب پر قیاس کر کے مکر اللہ پر حرف گیری کی ہے، اس نے خود اپنی جہالت کا پردہ فاش کیا ہے۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔ اور اللہ کی تدبیریں سب سے اونچی اور سب پر غالب آنے والی ہیں اس کا مقابلہ جس طرح کوئی جسمانی قوت اور مادی زور سے نہیں کر سکتا اسی طرح کسی کی عقل، تدبیر اس کے سامنے پیش نہیں پا سکتی۔ چنانچہ یہاں بھی اس کی حکمت وتدبیر کارگر رہی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ وسلامت رہے۔ اور صلیب دیتے وقت یہود عوام نے تو ہجوم واژدحام کے گڑبڑ اور وقت کی تنگی سے اور سولی گھر کے رومی سپاہیوں نے شناخت نہ ہونے کی بنا پر یوں کہا کہ حضرت علیہ السلام ہی کے قوم کے کسی ہم شکل، ہم عمر، ہم وضع کو سولی پر چڑھا دیا۔ کلیسا کا آج عام عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے، صلیب پر وفات پانے اور پھر تیسرے دن جی اٹھنے کا ہے۔ لیکن مسیحیوں کے بعض قدیم فرقہ Bosiledious باسلیدیہ وغیرہ) ٹھیک اسی اسلامی عقیدہ کے ہوئے ہیں ف ۱۳۵ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی گرفتاری کے موقع پر) واقعات وحالات کی رفتار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا انجام یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ یہود انہیں گرفتار کئے اور ان پر مقدمہ چلائے بغیر نہ رہیں گے۔ اور پھر رومیوں کی ملکی عدالت میں لے جا کر انہیں سزائے موت دلوائیں گے۔ یہ ارشاد الٰہی حضرت علیہ السلام سے ان کی تسکین کے لئے اسی موقع گرفتاری پر ہوتا ہے ف ۱۳۶ (تمہارے وقت معہود پر) سو تم ان ظالموں کے مکر وعداوت سے گھبراؤ نہیں۔ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اے ستوفى اجلک ومعناه انى عاصمک من ان يقتلک الكفار ومؤخرک الى اجل كتبته لک (کشاف) مميتک حتف انفک

لاقتلا بایدیھم (مدارک) مؤخرک الی اجلک المسمّٰی عاصمًا ایاک من قتلھم (بیضاوی) انی متمم عمرک فحینئذٍ اتوفاک فلا اترکھم حتّٰی یقتلوک بل انا رافعک الی سمائی ومقربک بملائکتی و اصونک عن ان یتمکنوا من قتلک وھٰذا تاویل حسن (کبیر) تَوَفِّی کے معنٰی میں پورا پورا دینے کا مفہوم شامل ہے۔ اس لئے اشارۃً گویا یہ بھی ارشاد ہو گیا کہ تمہیں طولِ حیات پورا پورا ملے گا وف ۱۳۷ (اس درمیان میں) یعنی تمہاری وفات تو اپنے وقت مقرر پر جب ہو گی ہو گی۔ تمہارے دشمن تمہاری ہلاکت کے کسی منصوبہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ سردست اس کا انتظام یوں کیا جا رہا ہے کہ تمہیں ان کے درمیان سے اٹھا لیا جائے گا۔ اِلَیَّ یعنی آسمان کی طرف۔ ملاء اعلیٰ کی جانب۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ قرآن میں یہ محاورہ عام ہے۔ جہاں تعظیم وتفخیم مقصود ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی جانب منسوب کر دیتا ہے۔ مثلاً ہجرت ابراہیمی کی عظمت کا اظہار مقصود تھا تو پیرایۂ بیان یہ رکھا گیا۔ اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ہجرت ابراہیمی عراق سے شام کی طرف ہوئی تھی۔ ای الی سمائی و مقرّ ملائکتی (کشاف) ای محل کرامتی و مقرّ ملائکتی (بیضاوی) ای سمائی ومقرّ ملائکتی (مدارک) رَافِعُکَ۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کی صراحت تو قرآن مجید میں موجود تھی۔ لیکن قریب بہ صراحت ہونے کے تو یہ عقیدہ قرآن مجید کی اسی آیت میں موجود ہے اور احادیث نے تو اسے اور صاف اور مؤکد کر دیا ہے۔ واولی ھٰذہ الاقوال بالصحۃ عندنا قول من قال معنٰی ذٰلک انی قابضک من الارض ورافعک الیّ لتواتر الاخبار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ابن جریر) ممیتک فی وقتک بعد النزول من السماء ورافعک الاٰن (مدارک) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں لتواتر الاخبار عن رسول اللہ کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں اور اسی عقیدہ پر محققین امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی جب پیدائش عام انسانی قاعدۂ توالد وتناسل سے الگ یعنی بغیر باپ کے توسط کے محض نفخہ جبریل سے ہو گئی تو اس میں استبعاد کیا ہے۔ بلکہ یہ تو اور قرین قیاس ہے کہ آپ کا انجام بھی معمول عام سے ہٹ کر ہوا۔ اور عجب کیا جو مَسِّ مَلَکی نے آپ کے جسم میں لطافت بھی شروع سے ایسے رکھ دی ہو جو آپ کے صعود آسمانی میں معین ہو سکے۔ اور یہ دلیل تو بالکل بودی ہے کہ آپؑ کے رفع آسمانی سے آپؑ کی فضیلت دوسرے انبیاء خصوصاً سید الانبیاء پر لازم آ جاتی ہے۔ آخر خدا معلوم کتنے فرشتے دن رات زمین سے آسمان پر جاتے ہی رہتے ہیں تو کیا اس بنا پر وہ سب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو گئے؟ ایک یورپین فاضل DeBenson ڈی بنسن نے پچھلی صدی عیسوی میں ایک مختصر لیکن فاضلانہ کتاب اسلام یا حقیقی مسیحیت Islam or Ture Christianty کے نام سے لکھی تھی۔ اس کے صفحہ ۱۴۳ کے حاشیہ میں اس نے قدیم مسیحی فرقوں میں سے متعدد کے نام لے لے کر لکھا ہے کہ فلاں فلاں فرقہ کا عقیدہ مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کا تھا۔ نہ کہ وفات مسیح علیہ السلام کا جس پر اب عیسائی صدیوں سے جمے چلے آتے ہیں۔ اسی طرح سیل Sale نے بھی اپنے انگریزی ترجمہ کے حاشیہ میں بھی اس عقیدہ کے مسیحی فرقوں کے نام گنائے ہیں۔ حیرت ہے کہ اپنے کو مسلمان کہلانے والے ہی ایک جدید فرقہ نے وفات مسیح علیہ السلام کا عقیدہ مسیحیوں سے لے لیا ہے اور اسے اپنی خوش فہمی کے کمال "روشن خیالی" سمجھ رہا ہے وف ۱۳۸ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ لفظاً بڑا عموم ہے لیکن سیاق سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہی لوگ مراد ہیں جو حضرت کی نبوت وصداقت کے منکر تھے یعنی یہود۔ المراد من الموصول الیھود (روح) مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یعنی ان لوگوں کی نجستوں سے ان کی افتراپردازیوں سے۔ مما قالوہ فیک وفی اٰیتک (بحر) مطلب یہ ہے کہ یہود کے سارے مکائد کھل کر رہ جائیں گے اور انہوں نے جیسے جیسے گندے الزامات تراشے ہیں سب کی قلعی اتر کر رہے گی۔ وف ۱۳۹ (تمہاری نبوت و صداقت کے) اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے یہاں پہلی کھلی ہوئی مراد یہود ہی ہے جیسا کہ اوپر کے

حاشیہ میں بھی گزر چکا ہے۔ وھم الیھود (کبیر) اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ۔ یعنی جو عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت ونبوت کے قائل ہیں مراد مسلمان اور سچے عیسائی ہیں۔ وقیل ارادبہ النصارٰی (معالم) قال قتادۃ والربیع والشعبی ومقاتل و الکلبی ھم اھل الاسلام (معالم) وامابعد الاسلام فھم المسلمون واما النصارٰی فھم ان اظھروا من انفسھم موافقتہ فھم یخالفونہ اشد المخالفۃ من حیث ان صریح العقل یشھد انہ علیہ السلام ماکان یرضٰی بشیءٍ مما یقولہ ھٰؤلآءِ الجُھّال (کبیر) فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔ یہ مسلمانوں اور سچے عیسائیوں کا غلبہ یہود ومعاندین مسیح پر قیامت تک کس معنٰی میں اور کس حیثیت سے رہے گا؟ قوت دلائل کے لحاظ سے اور معنوی حیثیت سے تو بالکل ظاہر ہے لیکن اگر مادی، حربی، ملکی وسیاسی حیثیتیں مراد ہوں، تو بھی اس وقت تک جو کیفیت یہود کی دنیا کے ہر حصہ میں ہے انہیں اس پیشگوئی کا مصداق بنانے کے لئے بالکل کافی ہے۔ بہر حال مراد دونوں شقیں ہو سکتی ہیں۔ ای ظاھرین قاھرین بالعزۃ والمنعۃ والحجۃ (معالم) المرادمن ھٰذہ الفوقیۃ فوقیۃ بالحجۃ والدلیل (کبیر) ای بالقھر والسلطان والاستعلاء (کبیر) یعلونھم بالحجۃ وفی اکثر الاحوال بھا و بالسیف (مدارک) صاحب کبیر و صاحب معالم دونوں کا زمانہ چھٹی صدی ہجری کا ہے دونوں نے آیت کے تحت میں لکھا ہے کہ یہود کو دیکھو۔ ہر جگہ ذلیل، خوار اور حکومت سے محروم ہیں بہ خلاف اس کے عیسائی بڑی بڑی حکومتوں کے مالک ہیں وف ۱۴۰ (اور وہ فیصلہ عملی شکل میں اور انقطاعی طور پر ہو گا، ورنہ جہاں تک حجت اور دلیل کا تعلق ہے وہ فیصلہ تو اس وقت بھی ہو چکا ہے) مَرْجِعُکُمْ خطاب یہاں مومن وکافر، مسلمان ویہود۔ نصاریٰ سب سے ہے۔ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ لفظ عام ہیں۔ لیکن سیاق میں جس اختلافی ونزاعی امر کا ذکر ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت ہے۔ وف ۱۴۱ فِی الدُّنْیَا (دنیوی سزا کا حال تاریخ یہود کے صفحات سے پوچھ دیکھئے۔ کون سی تباہیاں ہیں جو اس دو ہزار سال کی مدت میں بیچاروں پر نہیں آ چکی ہیں۔ اور آج دولت وثروت کے باوجود بھی کیسی نکبت سوار ہے! بلکہ جیسا کہ جیوش انسائیکلوپیڈیا کے حوالہ سے پارہ اول کے ایک حاشیہ میں گزر چکا ہے، یہ قومی ثروت وتمول کا خیال بھی ایک افسانہ ہی ہے ورنہ حقیقۃً قوم پر بجائے دولت کے افلاس مسلط ہے) جرمنی۔ اٹلی۔ ہنگری، رومانیا وغیرہ سے جس بیدردی کے ساتھ نکالے گئے وہ داستان خونیں تو ابھی بالکل تازہ ہے۔ وَالْاٰخِرَۃِ۔ رہی آخرت تو سزا کا پورا پورا ظہور تو وہیں ہو گا۔ وف ۱۴۲ الظّٰلِمِیْنَ ظلم کی حقیقت افراط وتفریط ہے۔ یہاں ظالموں سے مراد یہود کا ہونا تو ظاہر ہی ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت وصداقت بلکہ شرافت نسب تک کے منکر تھے لیکن دوسری طرف اس کے تحت میں مسیحی بھی آئے جاتے ہیں۔ جو حضرت کو عبد کے بجائے معبود اور رسول کے بجائے مظہر یا اوتار قرار دے رہے ہیں۔ اور اس طرح حضرت علیہ السلام کے باب میں دونوں ہی ظالم ہیں۔ یعنی مقام عدل واعتدال سے بہت ہی ہٹے ہوئے۔ وف ۱۴۳ (اے ہمارے پیغمبر!) ذٰلِکَ۔ یعنی صحیح قصہ مسیح علیہ السلام، اشارہ بعید اظہار شرف وتکریم کے لئے ہے۔ اشارۃ الی ماتقدم من نبأ عیسٰی وزکریا وغیرھما (کبیر) والاتیان بما یدل علی البعد للاشارۃ الی عظم شان المشار الیہ و بُعد منزلتہٖ فی الشرف (روح) مِنَ الْاٰیٰتِ۔ یعنی آپ کی صداقت ونبوت کی نشانیوں میں سے۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات وواقعات جن پر یہود اور نصرانیوں دونوں کی تاریخوں نے غلو وافتراء کے گہرے پردے ڈال رکھے ہیں، یہ جو آپؐ قرآن کے ذریعہ سے بالکل صحیح ومعتبر طور پر سنا رہے ہیں یہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ آپؐ موید من اللہ ہیں اور آپؐ وہی کہہ رہے ہیں جو عالم الغیب والشہادۃ آپؐ سے کہلا رہا ہے۔ الذِّکْرِ الْحَکِیْمِ اشارہ اس طرف سے ہے کہ آپ کی رسالت پر دلیل ہونے سے قطع نظر یہ مضامین بجائے خود بھی پُر حکمت وپُر معرفت ہیں۔

ف ۱۴۱ (اسی طرح یعنی عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم بشر محض اور حادث ومخلوق ہیں انہیں قدیم اور غیر مخلوق کس طرح مان رہے ہو) مَثَل۔ یہ تمثیل کس لحاظ سے ہے؟ بشر محض ہونے اور بغیر باپ کے پیدا ہونے میں تھی۔ اٰدَم۔ جو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے اور پھر بھی بشر محض تھے۔ لَہٗ۔ ضمیر حضرت آدم علیہ السلام کے خاکی پتلے کی طرف ہے۔ یہ جواب ہے اس مشہور مسیحی شبہ کا، کہ جب مسیح علیہ السلام کی پیدائش ساری دنیا کے عام ضابطہ کے خلاف بغیر باپ کے توسط کے ہوئی، تو انہیں بجائے فوق البشر کے محض بشر کیسے تسلیم کیا جائے؟ جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو بشر تو تم خود ہی تسلیم کرتے ہو درآنحالیکہ ان کی پیدائش تو عجیب تر طور پر ہوئی یعنی وہاں ماں اور باپ دونوں میں سے کسی کا بھی توسط نہ تھا مخلوق ہونے اور حادث ہونے کا دارومدار کسی خاص ومتعین طرز ظہور ووجود پر نہیں مطلق حدوث پر ہے اور وہ آفرینش عیسیٰ علیہ السلام میں پوری طرح موجود تھا۔ مسیحیوں میں ایک قدیم فرقہ ایرین Arians ہوا ہے۔ اس کا بانی Arius چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں اسکندریہ کا لاٹ پادری تھا۔ اس کی تعلیم یہی تھی کہ مسیح علیہ السلام قدیم وغیر مخلوق نہیں، مخلوق وحادث تھے (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ا صفحہ ۵۰۸ طبع چہاردہم) اس سے قبل بھی انطیوخ کے بطریق پال موسطوی (مشہور ومعروف پولوس طرسوی سے اسے خلط نہ کیجئے) کی تعلیم تیسری صدی عیسوی میں بھی یہی تھی کہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی پیدائش ایک دوشیزہ ہی کے بطن سے ہوئی تھی بہ واسطہ روح القدس۔ اس لیے وہ بشر محض تھے۔ روح القدس کے توسط نے انہیں خودہی مقدس بنادیا تھا۔ اور اس لیے وہ مسیح تھے لیکن شریک الوہیت بہرحال نہ تھے (ایضاً۔ جلد ۱۷ صفحہ ۳۹۸ نیز انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۱۱ صفحہ ۱۷۱) مسیحیوں کے صاحب فہم طبقہ میں برابر اس طرح کی تحریکیں صحیح عقیدہ کی اٹھتی رہی ہیں لیکن کلیسا کے عام جمود وتصلب نے کبھی ان اصلاحی تحریکوں کو عام نہ ہونے دیا۔

عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ

اللہ کے نزدیک مثل آدمؑ کے حال کے ہے، اللہ نے ان کو مٹی سے بنایا پھر

قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

ان سے کہا وجود میں آجاؤ چنانچہ وہ وجود میں آگئے ف ۱۴۴ یہ امر حق تیرے رب کی طرف سے ہے

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ

سو (کہیں) تو شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا ف ۱۴۵ پھر جو کوئی آپ سے اس باب میں

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا

حجت کرے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم (صحیح) پہنچ چکا ہے ف ۱۴۶ تو آپ کہہ دیجیے ف ۱۴۷ کہ اچھا

نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ

آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بھی بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی

وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ

اور اپنے آپ کو بھی اور تمہارے تئیں بھی، پھر ہم خشوع سے دعا کریں اور جھوٹوں پر

اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ

اللہ کی لعنت بھیجیں ف ۱۴۸ بے شک یہی ہے سچا

الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ

واقعہ کوئی معبود نہیں ہے بجز اللہ کے اور بے شک اللہ ہی

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ

زبردست ہے، حکمت والا ہے ف ۱۴۹ سو اگر یہ (اب بھی) سرتابی رکھیں تو بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے

بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ ع قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ

مفسدوں کا ف ۱۵۰ آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب ایسے قول کی طرف

ع ۹/۱۴

ف ۱۴۵ (اس حقیقت کے باب میں اے مخاطب!) قرآن مجید میں خطاب کہیں براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور کہیں عام مخاطب افراد امت ہیں اور ضمیر واحد حاضر دونوں کے لئے یکساں ومشترک ہے دونوں کا فرق وامتیاز مفسر کے ذوق پر منحصر ہے۔ ان سطور میں زیادہ سے زیادہ اتباع مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذوق کا کیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اور مراد آپؐ کی امت ہے اس لئے کہ خود آپؐ سے تو اس کا امکان ہی نہ تھا۔ الخطاب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم والمراد امتہ (قرطبی) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ یہ حقائق پروردگار عالم کی طرف سے بیان ہو رہے ہیں اس لئے شک وشبہ کی گنجائش سے بالاتر ہیں۔ ف ۱۴۶ (اے پیغمبر!) فِيْهِ۔ یعنی ربوبیت والوہیت مسیح علیہ السلام کے باب میں۔ سورہ کے شروع میں جو حاشیہ ہیں انہیں ایک بار پھر نظر میں لے آیا جائے۔ سورہ کا اصلی موضوع مسیحیت اور عقیدۂ الوہیت مسیح علیہ السلام کا ردّ ہے۔ گفتگو نجران کے مسیحی وفد سے چل رہی ہے۔ فَمَنْ حَآجَّكَ یعنی ان مسیحیوں میں سے اب بھی کوئی آپؐ سے اپنی سخن پروری جاری رکھے۔ الْعِلْمِ۔ اور علم بھی کیسا؟ ظنی وتخمینی نہیں۔ حتمی۔ قطعی۔ یقینی۔ ف ۱۴۷ بہ طور اتمام حجت کے۔ اب جبکہ زبانی افہام وتفہیم اور دلائل کے سارے مرتبے طے ہو چکے اور مسیحی اپنی بات کی پچ پراڑے ہوئے ہیں) ف ۱۴۸ اسی کا نام شریعت کی اصطلاح میں مباہلہ ہے۔ مباہلہ میں ہر فریق اپنے کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور تضرع والحاح کے بعد اسی کے فیصلہ کا منتظر رہتا ہے۔ نَدْعُ۔ ضمیر متکلم سے مراد ہر دو فریق اور ان کے افراد ہیں۔ اَبْنَآءَ۔ محض صلبی بیٹے مراد نہیں نواسہ، داماد وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔ نِسَآءَ۔ بیویاں اور بیٹیاں دونوں اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ صفحہ ۱۲۱ حاشیہ ا میں بیان ہو چکا ہے کہ ۹ ہجری میں مسیحیان نجران کے ۱۴ اکابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے گفتگو الوہیت مسیح علیہ السلام کے مسئلہ پر رہی۔ اسلامی عقیدہ بالکل صاف اور واضح تھا۔ مسیحی اپنی بات پر اڑے رہے۔ آخر کار آپؐ نے وہی کیا جو ایک سچا اور مخلص دیندار ایسے موقع پر کرتا۔ آپؐ نے فرمان خداوندی کے ماتحت مسیحیوں کو مباہلہ کی دعوت دے دی کہ زبانی گفتگو تو بہت ہو چکی اب آؤ ہم تم اپنے خاص اقربا کو لے کر اپنے پروردگار ہی سے یہ تضرع والحاح عرض کریں کہ جو فریق ناحق پر ہو اس پر اللہ کی لعنت نازل ہو۔ آپؐ نے یہ فرمایا اور اپنی اولاد یعنی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا علی، سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر آپؐ تشریف لے آئے لیکن تاریخ کے راوی کا بیان ہے کہ مسیحیوں کی ہمت عین وقت پر جواب دے گئی اور عافیت اسی میں نظر آئی کہ جزیہ دے کر اور ذمی رعایا بن کر اسلام کی حکومت میں رہنا گوارا کر لیا جائے سر ولیم میور مسلمان نہیں انیسویں صدی کے مسیحی تھے اور محض مسیحی ہی نہیں مشنری بھی۔ ان کے قلم سے ملاحظہ ہو: "سارے واقعہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کی پختگی بالکل نمایاں ہے نیز ان کے اس عقیدہ کی شہادت کہ ان کا تعلق عالم غیب سے جڑا ہوا ہے اور اس لئے حق تمام تر انہی کے ساتھ ہے۔ درآنحالیکہ ان کے خیال میں مسیحیوں کے پاس بجز ظن وتخمین کے اور کچھ نہ تھا" (میور کی لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۶۰) ف ۱۴۹ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ۔ یعنی یہ سارا سلسلہ واقعات جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح اور مادر مسیح علیہما السلام دونوں بشر محض تھے۔ ای المذکور فی شان عیسیٰ علیہ السلام قالہ ابن عباس (روح) ای ماقص من نباء عیسیٰ ومریم (بیضاوی) تکرار واعادہ تاکید کے لئے ہے۔ الضمیر للقصر والتاکید (روح) مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ کوئی بھی شریک الوہیت نہیں۔ نہ بہ لحاظ ذات اور نہ بہ لحاظ صفات اور اقنوم وغیرہ کے قصے سب خرافات ہیں۔ مِنْ زائدہ تاکید کلام کے لئے ہے۔ من زائدة للتاکید (قرطبی) فی افادة معنی الاستغراق الْعَزِيْزُ۔ ہر ارادہ پر غالب۔ قادر مطلق۔ یہ صفت بجز باری تعالیٰ کے مسیح علیہ السلام وغیرہ کس میں ہے؟ الْحَكِيْمُ۔ حکیم مطلق علیم مطلق اس صفت کا تحقق بجز باری تعالیٰ کے مسیح علیہ السلام وغیرہ کس میں ہوتا ہے؟ ف ۱۵۰ یعنی ان لوگوں کا جو دین واعتقاد میں فساد برپا کرتے رہتے ہیں۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ یعنی اتنی توضیحات کے بعد بھی اپنی سرتابی جاری رکھیں۔ عَلِيْمٌ۔ علم کامل رکھنے والا اور اسی علم کامل کے مطابق جزا وسزا دینے والا۔

سَوَآءٍۭ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشۡرِکَ

آجاؤ جو ہم میں تم میں مشترک ہے وہ یہ کہ ہم بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا

بِہٖ شَیۡئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا

شریک نہ ٹھیرائیں ف۱۵۱ اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے علاوہ پروردگار

مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡہَدُوۡا بِاَنَّا

نہ ٹھیرائے ف۱۵۲ پھر پس اگر وہ روگردانی کریں تو تم لوگ کہہ دو ف۱۵۳ کہ گواہ رہنا ہم تو

مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۶۴﴾ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ

فرمانبردار ہیں ف۱۵۴ اے اہل کتاب تم ابراہیمؑ کے بارہ میں کیوں جھگڑ رہے ہو ف۱۵۵

وَمَاۤ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰىۃُ وَالۡاِنۡجِیۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ اَفَلَا

درآنحالیکہ توریت و انجیل تو ان کے بعد ہی اتری ہیں تو تم کیوں عقل سے کام

تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۵﴾ ہٰۤاَنۡتُمۡ ہٰۤؤُلَآءِ حَاجَجۡتُمۡ فِیۡمَا لَکُمۡ

نہیں لیتے ف۱۵۶ ہاں تم لوگ وہی تو ہو جو اس امر میں جھگڑ چکے ہو جس کا تمہیں کچھ تو

بِہٖ عِلۡمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِیۡمَا لَیۡسَ لَکُمۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ

علم تھا سو (اب) ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں

وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾ مَا کَانَ

اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ف۱۵۷ ابراہیمؑ

اِبۡرٰہِیۡمُ یَہُوۡدِیًّا وَّ لَا نَصۡرَانِیًّا وَّلٰکِنۡ کَانَ

نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ راہ راست

حَنِیۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ

والے مسلم تھے اور مشرکوں میں سے بھی نہ تھے ف۱۵۸ بے شک

ف۱۵۱ (نہ فرزند کہہ کر، نہ اقنوم ٹھہرا کر نہ مظہر یا اوتار بنا کر، نہ اور کسی حیثیت سے) لَا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ۔ پروٹسٹنٹ فرقہ کئی صدی بعد کی چیز ہے۔ قرآن کے معاصر جو مسیحی تھے وہ کیتھولک فرقہ یا کلیسائے رومی کے متبع تھے۔ اور اس فرقہ میں مسیح پرستی اور روح القدس پرستی تو خیر تھی اس کے علاوہ بھی خدا معلوم کتنی اور پرستیاں موجود تھیں۔ مریم پرستی، پاپا پرستی، ولی پرستی، شہید پرستی وغیرہا۔ آیت کا یہ ٹکڑا شرک کی جلی، خفی، ساری صورتوں کی تردید کر رہا ہے۔ قُلۡ۔ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ اَہۡلَ الۡکِتٰبِ۔ تشریح سورۂ بقرہ کے حاشیہ میں ہو چکی ہے۔ مراد یہود و نصاریٰ دونوں ہو سکتے ہیں۔ یہاں اصلاً اشارہ نصرانیوں ہی کی جانب ہے۔ بَیۡنَنَا۔ اس صیغہ جمع متکلم سے مراد مسلمان ہیں۔ سَوَآءٍۭ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمۡ۔ یعنی وہ اصل جو ہم کو تم کو دونوں کو مسلم ہے۔ جس کی تعلیم تمہارے ہاں کے پیمبران برحق ہمیشہ دیتے آئے ہیں۔ اور یہودیت و نصرانیت دونوں دینوں کی بنیاد ہی اسی اصل پر ہے۔ توریت تو خیر تاکید توحید و ممانعت شرک سے لبریز ہی ہے۔ انجیل تک میں بھی تعلیم موجود ہے:۔ "تو خداوند خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر" (متی ۴:۱۰) انجیل میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ کچھ پرستش صرف خدا کی کرو اور بعض پرستشوں میں خدا کے ساتھ فرزند خدا اور روح القدس کو بھی شامل کر لیا کرو"۔ ف۱۵۲ (کہ عملاً اسے مرتبۂ خدائی پر رکھ دے) اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ۔ مخلوق پرستی اور مخلوق کی الوہیت کی تردید تو ادھر ہو چکی۔ اب تردید مخلوق کی ربوبیت کی ہو رہی ہے۔ مخلوق میں سے کسی کو مطاع مطلق مان لینا اس کو رب قرار دے لینا ہے۔ دُوۡن یہاں غیر یا علاوہ کے معنی میں ہے۔ دون هنا بمعنى غير (قرطبی) پاپا کی عصمت کیتھولک مسیحیوں کا اور پادریوں کے اجماع یعنی کلیسا Church کی عصمت کل مسیحیوں کا متفقہ عقیدہ ہے۔ "ایک محسوس کلیسا کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ اس پر ہمیشہ روح القدس کا سایہ رہتا ہے۔ اس لئے مسائل میں کلیسا سے امکانِ خطا ہی نہیں" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۶ صفحہ ۹۴۰) قرآن مجید نے انسان کی ان ساری خود ساختہ عصمتوں پر ضرب لگا دی۔ یہیں سے ان گمراہ فرقوں کی بھی تردید نکل آئی جو اپنے ان اماموں کے مجرد قول کو بلا دلیل شرعی واجب القبول ٹھیراتے ہیں۔ هٰذا يدل على بطلان القول بالاستحسان المجرد الذى لايستند الى دليل شرعى وفيه ردٌ على الروافض الذين يقولون يجب قبول قول الامام دون ابانة مستند شرعى وانه يحل ماحرمه الله من غيران يبين مستندًا من الشريعة (قرطبی) اى لانطيع احبارنا فى ما احدثوا من التحريم والتحليل (مدارک) انزلوهم منزلة ربهم فى قبول التحريم والتحليل (بحر) کسی کو رب قرار دینے کے لئے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ اس لفظ کا بھی اطلاق اس پر کیا جائے بلکہ اس کے اندر اگر صرف صفاتِ ربوبیت مان لئے گئے تو عملاً وہ رب ٹھہر ہی گیا۔ و ان لم يطلقوا عليه لفظ الرب الاانهم اثبتوا فى عقبه معنى الربوبية (کبیر) بَعۡضُنَا بَعۡضًا۔ مفسر ابن حیان نے اس سے یہ نکتہ خوب نکالا ہے کہ الوہیت و ربوبیت کی تردید تو بس اس فقرہ ہی سے ہو گئی۔ جب ایک دوسرے میں تمثلیت اور رشتہ ہم نسبی قائم ہو گیا تو سب بندے ہونے کی حیثیت سے برابر ہو گئے۔ الوہیت و ربوبیت اب باقی ہی کہاں رہ گئی۔ و فى قوله بعضا بعضا اشارة لطيفة وهى ان البعضية تنافى الالهيّة اذهى تماثل فى البشرية (بحر) ف۱۵۳ (اے مسلمانو!) یعنی اگر اب بھی قبول حق سے روگردانی کرتے رہیں اور اپنے اس گڑھے اور ٹھہرائے ہوئے شرک سے باز نہ آئیں) ف۱۵۴ (اور بہر حال و بہر صورت وہی توحید خالص کے علمبردار و مبلغ ہیں) مُسۡلِمُوۡنَ۔ لفظی معنی فرمان بردار کے ہیں اور یہی اصطلاحی نام بھی اس امت کا پڑ گیا۔ اشۡہَدُوۡا کیا اللہ کی شان ہے کہ یہود و نصاریٰ آج بھی مسلمانوں کی توحید خالص کی شہادت دے رہے ہیں۔ ف۱۵۵ (اور انہیں خواہ مخواہ یہودی یا نصرانی ٹھہرا رہے ہو) خطاب یہود و نصاریٰ دونوں سے ہے۔ فِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کے دین و مذہب کے بارہ میں۔ لِمَ۔ مخفف ہے لما کا۔ خبر کے التباس سے بچانے اور محض استفہام کا مفہوم رکھنے کے لئے آخر سے الف گرا دیا گیا۔ الاصل لما فحذفت الالف فرقا بين الاستفهام والخبر (قرطبی) ف۱۵۶ یعنی جن کتابوں پر تم اپنی نام نہاد یہودیت اور نصرانیت کی بنیاد قرار دیتے ہو وہ تو خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت بعد کی چیزیں ہیں، تو کیسی بے عقلی کی باتیں کرتے ہو کہ یہ مذہب ان کے سر چپکنا چاہتے ہو!

ف۱۵۷ یعنی اس دین ابراہیمی سے متعلق۔ مراد یہ ہے کہ جب تم توریت و انجیل ہی کے مسائل میں بھٹکے اور ایسا بھٹکے، حالانکہ وہاں کچھ تو واقفیت اور علم تمہیں حاصل تھا تو اب دین ابراہیمی کے بارہ میں کیوں کٹ حجتی پر تلے ہو جس کے بارہ میں تو کوئی شائبہ علم ہی تمہیں حاصل نہیں۔ ہٰۤاَنۡتُمۡ۔ میں ھا کا اشارہ مخاطبین کی تحقیر و تنقیص کے لئے ہے۔ والاشارة للتحقير والتنقيص (روح) ف۱۵۸ (بلکہ شرک سے سخت بیزار تھے۔ اور دنیائے شرک میں توحید کے پہلے علمبردار) حَنِیۡفًا مُّسۡلِمًا۔ ٹھیٹھ اردو میں "سیدھے سادھے مسلم"۔ یَہُوۡدِیًّا وَّ لَا نَصۡرَانِیًّا۔ جس یہودیت اور جس نصرانیت کی نفی ہو رہی ہے وہ مروجہ اور گھڑی ہوئی یہودیت اور نصرانیت تھی۔ ورنہ اصل حقیقت کے اعتبار سے جو دین حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا، وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی تھا۔ حضرت علیہ السلام کی توحید پرستی یہود و نصاریٰ دونوں کو مسلم تھی۔ حضرت علیہ السلام کے دین توحید پر حاشیہ پارہ اول کے رکوع آخر میں گزر چکے۔ فقیہ مفسر جصاص نے لکھا ہے کہ ان آیتوں سے دین حق کی حمایت میں دلائل قائم کرنے اور اہل باطل کے جواب دینے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ وفى هذه الأيات دليل على وجوب المحاجة فى الدين و اقامة الحجة على المبطلين (جصاص)

اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا

ابراہیم سے سب سے قریب لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی تھی اور یہ

النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ان پر ایمان لائے اور اللہ ایمان لانے والوں کا حامی ہے ف۱۵۹

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ

اہل کتاب میں سے ایک گروہ کو تو یہی پسند ہے کہ تمہیں گمراہ کر کے رہے

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ

حالانکہ وہ بجز اپنے اور کسی کو بھی گمراہ نہیں کرتے اور (اس کی بھی) خبر نہیں رکھتے ف۱۶۰ اے

الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں سے کیوں انکار کئے جاتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو ف۱۶۱

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

اے اہل کتاب تم حق کی تلبیس باطل کے ساتھ کیے جاتے

وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع وَقَالَتْ

اور حق کو چھپا جاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہوتے ہو ف۱۶۲ اور

طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ

اہل کتاب کا ایک گروہ کہتا ہے ف۱۶۳ کہ ایمان لانے والوں پر جو نازل ہوا ہے

عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ

اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور دن کے آخر میں اس سے انکار کر بیٹھو،

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ ج وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ

عجب کیا کہ (وہ بھی) پھر جائیں ف۱۶۴ اور واقع میں بجز اس کے کہ جو تمہارے دین کا

ع ۸/۱۵

ف۱۵۹ (دنیا اور آخرت دونوں میں) اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ ابراہیم علیہ السلام سے قریب بہ لحاظ دین و عقائد۔ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ۔ وہ لوگ جنہوں نے آپؑ کے زمانہ میں آپؑ کی پیروی کی تھی۔ وَهٰذَا النَّبِيُّ۔ اور یہ نبی جو گویا انہی کا پیام لے کر آئے ہیں۔ اور انہی کی نیابت اس زمانہ میں کر رہے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی مسلمان۔ فرنگی مورخین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قدیم اسرائیلی مذہب کا جانشین اب اگر کوئی ہے تو وہ مسیحیت نہیں جس کے اندر یونان اور روم کے جاہلی مشرکانہ عقائد جمع ہو گئے ہیں بلکہ اسلام ہے۔ ملاحظہ ہو "مورخین کی تاریخ عالم" Historians History of the World ف۱۶۰ روایتوں میں آتا ہے کہ یہود کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے اور انہیں باطل کی قوت پر اتنا غرہ تھا کہ خود اسلام قبول کرنا الگ رہا، مسلمانوں کو بھی ان کے عقائد سے برگشتہ کر دینے کی فکر میں لگے رہتے تھے آج بھی کتنے مسیحیوں کے دل میں یہ تمنا جیتی جاگتی موجود ہے کہ مسلمان مسیحیت قبول کریں یا نہ کریں بہرحال اپنے اسلامی عقائد سے تو ڈگمگا ہی جائیں۔ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔ خاص اشارہ یہود کی جانب ہے۔ يُضِلُّوْنَكُمْ۔ خطاب عام مسلمانوں سے ہے۔ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی حقیقۃً وہ مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں تو کامیاب ہوتے نہیں۔ خود اپنے ہی نامۂ اعمال کو اور زیادہ سیاہ کرتے رہتے ہیں۔ مَا يَشْعُرُوْنَ۔ یعنی ایسے بے عقل، نافہم ہیں کہ حقیقت حال کا مطلق شعور نہیں رکھتے۔ ف۱۶۱ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کی ان آیتوں سے جو خود تمہاری کتابوں کے اندر موجود ہیں اور جن میں نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری علامتیں اور بشارتیں درج ہیں۔ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ۔ یعنی یہ انکار کچھ ناواقفیت اور لاعلمی کی بنا پر نہیں، جان بوجھ کر ان آیتوں میں تحریف کر رہے ہو۔ لفظی بھی اور معنوی بھی۔ ف۱۶۲ یہاں یہود پر تین الزامات متعین طور پر لگائے گئے ہیں:۔ ۱۔ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ۔ اپنی کتابوں کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ حق بالکل باطل کے تحت میں دب کر رہ جاتا ہے، باطل حق کو ڈھانپ لیتا ہے اور تاویل بڑھ کر صریح تحریف بن جاتی ہے۔ فسر اللبس بالخلط والتغطیة (بحر) ۲۔ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ۔ حق کو سرے سے چھپا ڈالتے ہو اور جہاں جہاں بشارتیں ظہور اسلام کی صاف موجود ہیں وہاں عبارتیں کچھ کی کچھ کر دیتے ہو۔ ۳۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ یہ سب کچھ اپنے قصد و ارادہ سے کر رہے ہو۔ محض اتفاقی طور پر یہ نہیں ہو رہا ہے۔ تحریفات اہل کتاب پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکے ہیں۔ ف۱۶۳ (آپس میں) قال بعضهم لبعض (قرطبی) فی ما بینهم (مدارک) یہ اشارہ ہے یہود خیبر و عرینہ کی جانب۔ کان احبار قری عرینة اثنی عشر حبرًا فقالوا لبعضهم ادخلوا فی دین محمد اول النهار فاذا کان اٰخر النهار فاکفروا (ابن جریر) ف۱۶۴ (اس چال اور تدبیر سے) اٰمِنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ۔ یہاں ایمان اظہار ایمان کے معنی میں ہے یعنی صبح ایمان ظاہر کرو۔ ای اظهروا الایمان (کشاف) ادخلوا فی دین محمد باللسان دون الاعتقاد (معالم عن الحسن وقتادة) والمراد اظهروا الایمان ولا یمکن ان یراد به التصدیق (بحر) وجه النهار یعنی اوله (قرطبی) اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی جو ان مومنین کے خیال میں ان پر نازل ہوا ہے۔ ای علی زعمهم (بحر) لَعَلَّهُمْ۔ ضمیر ان لوگوں کی جانب ہے جو واقعۃً مسلمان تھے مدینہ و مضافات مدینہ کے یہود کی چالیں مسلمانوں کے خلاف عجیب عجیب رہتی تھیں ایک بار آپس میں صلاح و مشورہ کے بعد یہ سوچا کہ ہم میں بعض صبح کے وقت صداقت اسلام کا اقرار کر لیا کریں اور پھر چند گھنٹوں کے بعد اس اقرار سے رجوع کر لیا کریں اور کہہ دیا کریں کہ غور و فکر اور مطالعہ، توریت کے بعد اس نئے دین کی تصدیق نہ ہوئی اس لئے ہم اس سے نکل آئے ہیں۔ اہل عرب پر ہمارے علم و اخلاق دونوں کی دھاک تو بیٹھی ہی ہوئی ہے لوگ کہیں گے آخر کوئی خرابی تو اس نئے دین میں ہے جو ایسے ایسے لوگ اس سے باہر نکل گئے اور عجب نہیں کہ اس تدبیر سے کچھ پرانے مسلمان بھی اکھڑ جائیں۔ تاریخ یہود میں منافقت کی یہی ایک مثال نہیں خود ان کی کتابوں میں یہ واقعہ بہ صراحت درج ہے کہ بارھویں صدی عیسوی میں جب اسپین میں اسلامی حکومت تھی تو حکومت کے "مظالم" فرضی یا واقعی کی بنا پر، بہت سے یہود نے اپنے ربیوں کی اجازت اور فتوی کے مطابق اپنے قبول اسلام کا اظہار شروع کر دیا تھا در آنحالیکہ دل میں سب کے سب منکر ہی تھے (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد اول ۴۳۲، ۴۳۳) اور آج یہ جو بڑے بڑے فرنگی محققین یہود و مسیحی مستشرقین نے فرنگی زبانوں میں سیرۃ نبوی لکھنے کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ اپنے علم و تحقیق، وسعت مشرب و بے تعصبی کی دھاک بٹھا کر تمہید بڑے زور کی اٹھاتے ہیں اور معلوم یہی ہونے لگتا ہے کہ پیمبر عرب اور مصلح عالم کی نعت اور مقنن اعظم اور "تمثیل موسیٰ" کی منقبت میں دریا کے دریا بہا دیں گے لیکن آگے چل کر نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ نعوذ باللہ انہیں کچھ خلل دماغ سا تھا۔ یا یہود و نصاریٰ کی کتابوں کے مضامین کہیں سے سن سنا کر چرا لیتے تھے وقس علی ہذا۔ تو یہ بھی ٹھیک اسی قدیم یہودیانہ دجل و تلبیس کا ایک جدید فرنگی نمونہ ہے اور بس۔

دِيۡنَكُمۡؕ قُلۡ اِنَّ الۡهُدٰى هُدَى اللّٰهِۙ اَنۡ يُّؤۡتٰٓى

پیرو ہو اور کسی پر ایمان نہ لاؤ۔ آپ کہہ دیجیے کہ ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے و۱۶۵ اور یہ سب اس غصہ میں

اَحَدٌ مِّثۡلَ مَآ اُوۡتِيۡتُمۡ اَوۡ يُحَآجُّوۡكُمۡ عِنۡدَ

کر رہے ہو کہ کسی اور کو وہ چیز مل گئی جو تمہیں ملی تھی یا وہ لوگ تم پر تمہارے پروردگار کے ہاں

رَبِّكُمۡؕ قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِيَدِ اللّٰهِۚ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ

غالب آ جائیں و۱۶۶ آپ کہہ دیجیے کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے

يَّشَآءُؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌۚ ﴿۷۳﴾ يَّخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ

عطا کرتا ہے و۱۶۷ اور اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے، و۱۶۸ وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ

مَنۡ يَّشَآءُؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۷۴﴾ وَمِنۡ اَهۡلِ

خاص کر لیتا ہے، اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے و۱۶۹ اور اہل کتاب میں سے

الۡكِتٰبِ مَنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِقِنۡطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَۚ

کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تو اس کے پاس ایک ڈھیر (کا ڈھیر) امانت رکھا دے تو وہ (بھی) تجھے ادا کر دے و۱۷۰

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِدِيۡنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ

اور ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تو اس کے پاس ایک دینار امانت رکھا دے تو وہ تجھے اس کو واپس نہ کرے

اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَيۡهِ قَآئِمًاؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَيۡسَ

بجز اس صورت کے کہ تو اس (کے سر) پر کھڑا رہے و۱۷۱ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے

عَلَيۡنَا فِى الۡاُمِّيّٖنَ سَبِيۡلٌۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ

اوپر اُمیوں کے باب میں کوئی ذمہ داری ہی نہیں، یہ لوگ اللہ کے اوپر جھوٹ گڑھ

الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ

رہے ہیں درآنحالیکہ خوب جان رہے ہیں و۱۷۲ کیوں نہیں جو شخص بھی اپنے عہد کو پورا کرے

و۱۶۵ یعنی حقیقۃً اور دل سے تصدیق تو بس اپنے ہی والوں کی کیا کرو۔ وہی یہود کا قول چل رہا ہے۔ و۱۶۶ (جواب اسلام کے نام سے ظاہر ہوئی ہے اور جس کی صداقت پر دلائل عقلی ونقلی قائم ہیں نہ کہ تمہارے محدثات ومخترعات) قُلۡ۔ میں خطاب پیغمبر علیہ السلام سے ہے۔ اور یہ فقرہ کلام یہود کے جواب میں ہے۔ و۱۶۷ (اور اسی ڈر سے سہمے جا رہے ہو) مِّثۡلَ مَآ اُوۡتِيۡتُمۡ۔ یعنی دولت نبوت۔ خطاب قوم یہود سے ہے۔ یعنی تمہیں اصل خلش تو بس اس کی ہے کہ انبیاء تو ہمیشہ ہماری نسل وقوم سے پیدا ہوتے رہے ہیں اب ایک عرب اور اسمٰعیلی کو یہ دولت کیسے ملی جا رہی ہے۔ يُحَآجُّوۡكُمۡ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ۔ یعنی قیامت کے دن مسلمان یہود پر یہ کہہ کر غلبہ نہ حاصل کر لیں کہ ان لوگوں نے بھی تو دنیا میں ہماری تصدیق کی تھی۔ مفسر واحدی نے کہا ہے کہ یہ آیت تفسیر کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے (روح) و۱۶۸ (اپنی حکمت مطلقہ اور مصلحت کاملہ کے مطابق) قُلۡ۔ میں خطاب پیغمبر علیہ السلام سے ہے۔ وَاسِعٌ۔ اس کے کارخانہ فضل وعطا میں کمی نہیں پر یہ کیوں فرض کر لیا گیا کہ فلاں نسل یا قوم ہمیشہ محروم ہی رہے گی۔ عَلِيۡمٌ۔ وہ اپنے علم کامل کے مطابق جس کی جیسی استعداد دیکھتا ہے اسے وہ نعمت عطا کر دیتا ہے۔ و۱۶۹ (بخل اور کمی کا اس کے ہاں گزر کہاں) مَنۡ يَّشَآءُ۔ وہ جسے چاہتا ہے حسب مصلحت تکوینی۔ و۱۷۰ (بہ احتیاط ودیانت تمام) یعنی یہود سب کے سب یکساں نہیں۔ بعض ان میں ایسے ایسے امین ومتدین بھی ہیں۔ یہی لوگ آگے چل کر مسلمان ہو گئے۔ و۱۷۱ یہود کے حُبّ زر کی یہ کتنی صحیح تصویر ہے۔ دِيۡنَار Denarins رومی حکومت کا ایک طلائی سکہ۔ عرب میں بھی مستعمل تھا۔ آج بھی یورپ کے مختلف حصوں میں چل رہا ہے۔ اردو میں اس کا مفہوم اشرفی سے ادا ہو سکتا ہے۔ مَا دُمۡتَ عَلَيۡهِ قَآئِمًا۔ یعنی وہ ادائے امانت میں برابر حیلہ وحوالہ کرتا رہے گا اور اس سے تقاضا برابر جاری رکھنا پڑے گا۔ اراد بابقاء ادامة المطالبة لاعين القيام (قرطبی) و۱۷۲ (کہ ایسا کوئی مسئلہ ہرگز شریعت اسرائیلی وموسوی میں موجود نہیں) الۡاُمِّيّٖنَ یعنی ام القریٰ مکہ کے باشندے۔ یہود نسلی فخر وعصبیت اور قومی غرور سے بھرے ہوئے یہود، اہل مکہ کو اپنے سے بہت فروتر رکھتے تھے۔ لَيۡسَ عَلَيۡنَا فِى الۡاُمِّيّٖنَ سَبِيۡلٌ۔ یہود غیر یہود یا Gentiles کے ساتھ کاروباری تعلق کے سلسلہ میں بدمعاملگی کے لئے برابر بدنام رہے ہیں۔ قومی مفاخرت اور نسلی نخوت کا نتیجہ عموماً یہی ہوتا ہے۔ گوروں کا برتاؤ کالوں کے ساتھ آج دنیا کے ہر علاقہ میں کیا ہے! سَبِيۡلٌ۔ سبیل کے معنی یہاں حجۃ کے ہیں۔ اور یہ معنی قرآن اور کلام عرب میں عام ہیں۔ السبيل الحجة وقوله فاولٰئک ما عليهم من سبيل من هٰذا المعنٰى وهو كثير فى القراٰة و كلام العرب (بحر) يَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ۔ یہ جھوٹے ہیں اپنے اس دعوٰی اور اس انوکھے اصول مذہب واخلاق میں۔ اس تفصیل نے یہود کے جرم کی شناعت کہیں زیادہ بڑھا دی۔ وہ صرف فسق عمل ہی میں مبتلا نہ تھے بلکہ ایک بے اصل عقیدہ بھی گڑھ لیا تھا۔ اور اعمال سے کہیں گزر کر عقائد کی خرابی میں مبتلا ہو چکے تھے۔

وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٧٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور (اللہ سے) ڈرے تو بے شک اللہ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، و١٧٣ بے شک جو لوگ

يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ

اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو قلیل قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں و١٧٤ یہ وہی لوگ ہیں

لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ

جن کے لئے کوئی حصہ آخرت میں نہیں اور اللہ قیامت کے دن نہ ان سے بات کرے گا

وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖ وَلَهُمْ

نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے تو

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٧﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ

درد ناک عذاب ہے و١٧٥ اور انہی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی زبانوں کو کتاب میں کج

بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ

کرتے ہیں و١٧٦ تاکہ تم اس (جزء) کو بھی کتاب میں سے سمجھو درآنحالیکہ وہ کتاب میں سے

الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ

نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے درآنحالیکہ وہ

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ

اللہ کی جانب سے نہیں ہے اور یہ اللہ پر جھوٹ گڑھتے ہیں درآنحالیکہ (خوب)

يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٨﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ

جانتے ہوتے ہیں و١٧٧ کسی بشر سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تو اسے کتاب

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا

اور حکمت اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ تم میرے بندے

و١٧٣ (اور یہی خوف خدا اور تقویٰ ہی ساری خوش معاملگی کی بنیاد ہے) بلیٰ۔ یعنی ذمہ داری کیوں نہ ہوتی۔ ہے اور ضرور ہے۔ عَهْدِهٖ۔ عہد خالق کے ساتھ ہو یا مخلوق کے اس کی پابندی بہرحال لازمی ہے۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ آیت سے وفاء عہد کی بڑی تعظیم نکل رہی ہے۔ اس لئے کہ تمام طاعات کا خلاصہ صرف دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک احکام الٰہی کی تعظیم۔ دوسری خلق اللہ پر شفقت اور وفاء عہد ان دونوں قسموں کی طاعتوں کا مجموعہ ہے (کبیر) و١٧٤ یعنی کسی دنیوی طمع میں آ کر ان پابندیوں کو توڑ رہے ہیں۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا۔ دنیوی معاوضہ ہمیشہ اخروی اجر کے مقابلہ میں قلیل ہی ہوگا۔ یہ مراد نہیں کہ اگر زیادہ معاوضہ مل رہا ہو تو بددیانتی اور عہد شکنی جائز ہو جائے گی۔ مفہوم صرف اس قدر ہے کہ اپنے معاہدوں کی پابندی نہ کرنا اور بدمعاملگی کر بیٹھنا کسی حال میں جائز نہیں۔ عَهْدِ اللّٰهِ۔ یعنی وہ عہد متابعت جو اللہ سے کر چکے ہیں۔ اَيْمَانِهِمْ۔ یعنی جو قسمیں آپس میں معاملات سے متعلق کھاتے رہتے ہیں۔ فقہاء مفسرین نے آیت کے تحت میں لکھا ہے کہ کوئی فریق جو جانتا ہے کہ میں باطل پر ہوں اس بنا پر اپنے کو حق پر قرار نہیں دے سکتا کہ عدالت ظاہرہ سے فیصلہ اس کے موافق ہو گیا ہے۔ ودلت هذه الاٰية والاحاديث ان حكم الحاكم لايحل المال فى الباطن بقضاء الظاهر اذاعلم المحكوم له بطلانه (قرطبی) و١٧٥ (اس کفر وفسق کے پاداش میں) لَا خَلَاقَ۔ یعنی بھلائی کا کوئی حصہ نہیں۔ ای لا خير (بخاری) لَا يُكَلِّمُهُمُ۔ یعنی بہ طریق لطف ان سے خطاب نہ کرے گا۔ جو خطاب برائے عتاب ومواخذہ ہو، اس کی نفی مراد نہیں۔ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ۔ یعنی نگاہ مہر والتفات سے ان کی طرف نظر نہ کرے گا۔ نگاہ قہر کی نفی مقصود نہیں۔ لَا يُزَكِّيْهِمْ۔ یعنی گناہوں کی گندگی سے پاک صاف نہ کرے گا۔ اَلِيْمٌ۔ درد پہنچانے والے یا مؤلم کے معنی میں ہے۔ اى مؤلم موجع من الالم وهو فى موضع مُفعل (بخاری) و١٧٦ اپنے صحائف آسمانی پڑھتے وقت) مِنْهُمْ۔ یعنی انہی یہود میں۔ يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ۔ اس کے اندر تحریف لفظی ومعنوی کی ساری صورتیں آ گئیں۔ لی لسان سے عربی محاورہ میں مراد ہی ہوتی ہے جھوٹ۔ تلبیس۔ تحریف۔ لوى لسانه بكذا كناية عن الكذب وتخرّص الحديث (راغب) اور یہاں تحریف بالقصد مراد ہے۔ والمعنى يحرفون الكلم ويعدلون به عن القصد (قرطبی) و١٧٧ یعنی ان کی یہ تحریفیں دانستہ ہوتی ہیں لِتَحْسَبُوْهُ میں ضمیر مخاطب سے مراد سامعین ہیں اور ضمیر غائب سے مراد کتاب کا اختراعی حصہ۔ و هو المحرف (کبیر) يَقُوْلُوْنَ۔ ضرور نہیں کہ ان کا یہ کہنا لفظاً و صراحۃً ہو۔ اگر اجمالاً و دلالۃً ہو جب بھی کافی ہے۔ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فقیہ جلیل ابوبکر رازی علیہ رحمۃ اللہ نے اس کے تحت میں لکھا ہے کہ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ معاصی کی نسبت اللہ تعالیٰ یا اس کے فعل کی جانب دینا درست نہیں۔ فيها دلالة على ان المعاصى ليست من عندالله ولامن فعله (جصاص) لیکن مفسر ومحدث ابوحیان غرناطی کی تنقید اس پر یہ ہے کہ یہ مذہب تو معتزلہ کا ہے اور ابوبکر رازی کا میلان خود اسی مذہب کی جانب تھا۔ هذا مذهب المعتزلة وكان الرازى يحتج الى مذهبهم (بحر) صاحب کبیر اور صاحب روح المعانی دونوں نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے وہ عربی دانوں کے پڑھنے کے قابل ہے۔

و۱۷۸ (جیسا کہ مسیحیوں نے دعوت و پیام مسیح علیہ السلام کا خلاصہ گڑھ رکھا ہے) درمیان میں مناسبت مقام سے ردّ یہود آ گیا تھا۔ اب یہاں سے ردّ نصاریٰ پھر شروع ہوتا ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ...... وَالنُّبُوَّةَ۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہ نہیں ہو سکتا۔ جنہیں یہ ساری نعمتیں ملی تھیں۔ جن کے نفس ایسے طاہر و مطہر ہوں، ان سے ایسے دعوے کا صدور ممکن ہی کیونکر ہے۔ اَلۡحُكۡمَ۔ حکم سے مراد علم و فہم ہے یا فہم احکام شریعت۔ الحکم العلم والفهم وقيل ايضا الاحكام (قرطبی) قيل بمعنى الحكمة والظاهر ان الحكم هنا القضاء (بحر) اَلۡكِتٰبَ۔ کتاب یہاں جنس کتاب کے معنی میں ہے۔ الكتاب هنا اسم جنس (بحر) و۱۷۹ (جیسا کہ فی الواقع مسیح علیہ السلام کی دعوت رہی ہے) رَبّٰنِيّٖنَ۔ ربانی وہ ہے جو رب کی جانب منسوب ہو۔ ربّی کا مرادف ہے۔ ان کا اضافہ زور اور تاکید کے لئے ہے۔ یعنی بڑا اللہ والا۔ بڑا با خدا۔ معنى الرباني العالم بدين الرب الذی يعمل بعلمه (قرطبی) قال محمد بن الحنفية يوم مات ابن عباسؓ اليوم مات ربّانی هٰذه الامة (قرطبی) هو شديد التمسك بدين الله وطاعته (مدارک) و۱۸۰ یعنی اس لئے تو تمہیں اور زیادہ ایسے لغو مشرکانہ عقائد سے بچنا چاہیے۔ ای بسبب كونكم معلمين الكتاب وسبب كونكم دارسين له (بیضاوی) امام رازی علیہ الرحمۃ نے یہاں یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ علم و تعلیم و دراست کا اقتضاء ہی یہ ہے کہ انسان باخدا بن جائے۔ پس اگر ان مشغلوں سے یہ مقصود ہی نہیں رکھتا تو وہ اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔ اور ایسے ہی علم اور قلب سے حدیث نبوی میں پناہ مانگی گئی ہے۔ نعوذ بالله من علم لاينفع وقلب لايخشع (کبیر) خطاب نصاریٰ سے ہے یعنی تمہارے پاس تعلیم و تعلم کے لئے کتاب آسمانی موجود اور پھر تم ایسے جہل و ضلالت میں گرفتار۔ و۱۸۱ لَا يَاۡمُرَكُمۡ میں لَا معنی نفی کی تاکید مزید کے لئے ہے۔ لامزيدة لتاكيد معنى النفی (مدارک) مسیحیوں کی تثلیث تو ایک معلوم و معروف حقیقت ہے۔ لیکن یہ کمتر لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ملائکہ پرستی بھی ان کے ہاں زوروں پر رہ چکی ہے اور صدیوں تک یہ تعلیم ان کے ہاں جاری رہی ہے کہ "خدا نے انسانوں اور آسمان کے نیچے ساری چیزوں کے انتظامات تمام تر فرشتوں پر چھوڑ رکھے ہیں" (انسائکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس صفحہ ۵۷۸) نیز یہ کہ "خدا کائنات کی صرف کلی ربوبیت کرتا ہے باقی جزئیات سب ملائکہ کے حوالے ہیں" (ایضاً) مسیحیت کی تاریخ ملائکہ کی باضابطہ عبادت و پرستش سے بھی ناآشنا نہیں۔ ان کی مورتیاں تک ان کے ہاں پوجی گئی ہیں۔ ہمارے قدیم مفسرین بھی اس سے بے خبر نہ تھے۔ هٰذا موجود في النصاریٰ يعظمون الملائكة والانبياء حتى يجعلوهم لهم اربابا (قرطبی) و۱۸۲ (اور توحید خالص کا اقرار کر چکے ہو) اَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡكُفۡرِ۔ اس سے ظاہر ہے کہ انبیاء پرستی و ملائکہ پرستی صاف کفر کے حکم میں داخل ہے۔ آیت سے سبق ان مسلمانوں کو بھی لینا چاہیے جو اپنے شیوخ و اکابر کی خواہ وہ زندہ ہوں یا گزر چکے ہوں، تعظیم و عقیدت میں غلو کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ جملہ کا سوالیہ انداز اظہار حیرت و انکار کے لئے ہے۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ کہیں ایسا ہو سکتا ہے؟ على طريق الانكار والتعجب (قرطبی) و۱۸۳ (یہ ایمان دل و جان سے ہو اور نصرت دست و زبان سے) اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ النَّبِيّٖنَ یعنی ارواح انبیاء سے عہد لیا۔ عالم ارواح میں اس ناسوتی دنیا کے وجود سے قبل۔ یہاں یہ واضح رہے کہ جو احکام انبیاء کو ملے ان میں ان کی امتیں بدرجہ اولیٰ شامل ہیں۔ مِّنۡ كِتٰبٍ وَّحِكۡمَةٍ۔ کتاب سے مراد کتاب آسمانی ہونا ظاہر ہے۔ حِكۡمَةٍ سے مراد معرفت الٰہی بھی ہو سکتی ہے اور نبوت بھی۔ مُّصَدِّقٌ۔ تصدیق ہونے سے بھی بڑھ کر یہ حالت ہے کہ وہ بعد کا آنے والا رسول خود ان پچھلی تعلیمات و ہدایات کا مصداق بھی ہو۔ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ۔ عارفین صوفیہ نے کہا ہے کہ شیوخ پر لازم ہے کہ ان کا جو معاصر علم و عمل میں ان سے فوق ہو بلکہ ان کا مساوی ہو اس سے دعا کرانے میں عار نہ کریں۔ رَسُوۡلٌ۔ اگرچہ نکرہ ہے لیکن اشارہ ایک فرد معین کی جانب کر رہا ہے۔ اور یہ اسلوب قرآن میں عام ہے۔ الرسول هنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی قول علیؓ وابن عباسؓ واللفظ وان كان نكرة فالاشارة الى معين (قرطبی) و۱۸۴ انبیاء کی زبان سے اقراریوں بھی اقرار صالح اور حلف مؤکد کے برابر ہیں۔ اللہ کی اس گواہی نے مؤکد کو مؤکد تر کر دیا۔ اِصۡرِىۡ۔ اصر کے لفظی معنی بوجھ کے ہیں۔ مراد عہد ہی سے ہے الاصر في اللغة الثقل فسمّى العهد اصرا لانه منع وتشديد (قرطبی) و۱۸۵ فَمَنۡ تَوَلّٰى۔ یعنی مومنوں میں جو کوئی اس عہد سے اعراض کرے گا۔ خود انبیاء معصومین سے تو اس کا احتمال ہی نہیں، اس لئے لامحالہ افراد امت مراد ہوں گے۔ هٰذا الحكم بالنسبة الى اتباعهم (بحر)

لِّيۡ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰكِنۡ كُوۡنُوۡا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا

بن جاؤ علاوہ اللہ کے و۱۷۸ بلکہ (وہ تو یہی کہے گا) کہ اللہ والے بن جاؤ و۱۷۹ (یہ) اس لئے (اور بھی) کہ

كُنۡتُمۡ تُعَلِّمُوۡنَ الۡكِتٰبَ وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَدۡرُسُوۡنَ ﴿۷۹﴾

تم پڑھاتے ہو کتاب (آسمانی) کو اور خود بھی (اسے) پڑھتے ہو و۱۸۰

وَلَا يَاۡمُرَكُمۡ اَنۡ تَتَّخِذُوا الۡمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرۡبَابًا ؕ

اور نہ وہ تمہیں اس کا حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور پیمبروں کو پروردگار قرار دو و۱۸۱

اَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡكُفۡرِ بَعۡدَ اِذۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۰﴾

کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم اسلام لا چکے ہو و۱۸۲

وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيۡتُكُمۡ مِّنۡ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب و حکمت

كِتٰبٍ وَّحِكۡمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ

(کی قسم) سے دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول اس (چیز) کی تصدیق کرنے والا آئے

لِّمَا مَعَكُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ

جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس (رسول) پر ایمان لانا اور ضرور اس کی نصرت کرنا و۱۸۳ (پھر) فرمایا تم اقرار کرتے

وَاَخَذۡتُمۡ عَلٰى ذٰلِكُمۡ اِصۡرِىۡ ؕ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ؕ قَالَ

ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ وہ بولے ہم اقرار کرتے ہیں فرمایا

فَاشۡهَدُوۡا وَاَنَا مَعَكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِيۡنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنۡ

تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں و۱۸۴ پھر جو کوئی

تَوَلّٰى بَعۡدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيۡرَ

اس کے بعد بھی روگردانی کرے گا، سو یہی لوگ تو نافرمان ہیں و۱۸۵ سو کیا یہ لوگ

دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

اللہ کے دین کے علاوہ (کسی طریقہ کو) تلاش کر رہے ہیں؟ درآنحالیکہ اس کے فرمانبردار ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین

وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ

میں ہیں (خواہ یہ فرمانبرداری) رضا و اختیار سے ہو یا بے اختیاری سے اور (سب) اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ف۱۸۶

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى

آپ کہہ دیجیے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر جو ہمارے اوپر اتارا گیا ہے اور اس پر جو

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ

ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اولاد یعقوب پر اتارا گیا ہے

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠

اور اس پر جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور (دوسرے) نبیوں کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے ف۱۸۷

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

ہم ان میں باہم کوئی فرق نہیں کرتے ف۱۸۸ اور ہم تو (اسی) اللہ کے فرمانبردار ہیں ف۱۸۹

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا

وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي

اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہو گا ف۱۹۰ اللہ کیسے ایسے لوگوں کو

اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ

ہدایت دے گا جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر (اختیار) کر لیا اور (بعد اس کے کہ) شہادت دے چکے تھے کہ

الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

رسول برحق ہیں اور (بعد اس کے کہ) ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آ چکی تھیں اور اللہ (ایسے) ظالم

ف۱۸۶ (قیامت کے دن) سو ڈرتے رہنا اس ہستی سے چاہیے جو آج بھی اس قدر با اختیار ہے اور کل بھی سابقہ اسی سے پڑے گا۔ اور اسی کی عبادت میں لگے رہنا چاہیے۔ یَبْغُوْنَ۔ یہ باطل کے تلاش کرنے والے عام اہل باطل ہیں۔ دِیْنِ اللّٰہِ۔ یہاں صراحت کے ساتھ اسلام کے لئے دین اللہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہاں مراد ہے انقیاد تکوینی۔ یعنی اس کی مشیت سے باہر تو کوئی بھی نہیں جا سکتا۔ طَوْعًا۔ یعنی اپنے ارادہ و اختیار سے۔ کَرْهًا۔ یہ اشارہ غیر ذوی العقول، حیوانات، نباتات، جمادات وغیرہ کی طرف ہے۔ ف۱۸۷ یہاں یہ حقیقت ایک بار پھر دہرا دی گئی ہے کہ اسلام کوئی نیا، نو پید اور انوکھا دین نہیں، وہی پرانا دین توحید ہے۔ سارے انبیاء و مرسلین اسی کی تبلیغ کرتے چلے آئے ہیں۔ اور مسلمان کا ایمان سارے پیغمبروں پر یکساں ہوتا ہے۔ قُلْ۔ یعنی اے پیغمبر آپ اپنی امت کی طرف سے کہہ دیجیے۔ اُنْزِلَ عَلَيْنَا۔ یعنی قرآن مجید۔ نزول قرآن کا انتساب جس طرح عموماً پیمبر کی طرف کیا گیا ہے، اسی طرح کبھی پیمبر کی امت کی جانب بھی کر دیا گیا ہے۔ اور فعل انزال کا صلہ قرآن مجید میں حرف علٰی اور الٰی دونوں کے ساتھ آتا ہے۔ اَلْاَسْبَاطِ۔ یعنی اولاد یعقوب میں سے جو جو پیمبر ہوئے ہیں۔ اس لفظ پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکا۔ ان سب انبیاء کے اسماء گرامی پر بھی حاشیے گزر چکے۔ ف۱۸۸ (ان کی صداقت کے لحاظ سے، کہ بعض کو مانیں اور بعض کو جھٹلائیں جیسا کہ یہود، نصارٰی وغیرہ مقہور اور معتوب امتوں کا شیوہ ہے) ف۱۸۹ مُسْلِمٌ۔ ایک طرف امت محمدی ﷺ کا اصطلاحی نام بھی ہے۔ اور دوسری طرف اس کے لفظی معنٰی فرمانبردار کے ہیں ف۱۹۰ اَلْاِسْلَامُ۔ سے یہاں کھلی ہوئی مراد اصطلاحی دین اسلام ہے۔ ورنہ لفظی معنٰی کے لحاظ سے تو کائنات کا ذرہ ذرہ مسلم ہے۔ اعلم ان ظاهر هذه الأية يدل علٰى ان الايمان هو الاسلام (کبیر) اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ وغیرہ متعدد آیتوں میں یہ مضمون صاف صاف بیان ہو چکا ہے کہ سچا اور مقبول دین صرف یہی دین ہے۔ جس کی کتاب قرآن ہے۔ اور جس کے لانے والے اور سکھانے والے محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس ایک دین کے علاوہ اور جتنے بھی دین و مذہب چلے ہوئے ہیں سب کی مثال کھوٹے اور جعلی سکوں کی سی ہے کہ کہنے کو سکے وہ بھی ہیں۔ لیکن جب چل نہ سکے تو ان کا سکہ ہونا نہ ہونا برابر۔ یہ آیت اس حقیقت کو اور زیادہ مؤکد و آشکار کر رہی ہے۔ دوسرے ادیان و مذاہب کو بھی اس دین حق کی طرح سچا سمجھنا۔ ہر دین مذہب کو نجات کے لئے کافی سمجھنا۔ سب مذہبوں کو ملا جلا کر ان کا ایک ملغوبہ تیار کرنا، یا یہ کہنا کہ دیر و حرم، کعبہ و کلیسا سب یکساں ہیں، ضلالت و بے دینی کی انتہائی شکلیں ہیں۔ اکبر، دارا شکوہ، وغیرہ ان ناکام کوششوں کے لئے بجا طور پر بدنام ہو چکے ہیں۔ اور بڑے قلق کا مقام ہے کہ ہمارے زمانہ میں بھی بعض اہل قلم ایسی ہی نامراد کوششیں کر چکے ہیں۔

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ

لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ف۱۹۱ ایسوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر

لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ

اللہ کی اور فرشتوں کی اور انسانوں کی سب کی لعنت ہوتی ہے ف۱۹۲ وہ اس میں (ہمیشہ ہمیش) پڑے

فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾

رہنے والے ہیں نہ ان پر سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ف۱۹۳

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ

البتہ جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں اور (اپنے کو) درست کر لیں سو بے شک

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ

اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحم والا ہے ف۱۹۴ بے شک جن لوگوں نے بعد اپنے ایمان (لانے) کے

اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ

کفر اختیار کیا پھر کفر میں پڑے رہے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی ف۱۹۵

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

یہی لوگ تو گمراہ ہیں ف۱۹۶ بے شک جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا

وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ

اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے سو ان میں سے کسی سے ہرگز نہ قبول کیا جائے گا

مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ اُولٰٓئِكَ

زمین بھر (بھی) سونا اگرچہ وہ اسے معاوضہ میں دینا چاہے ف۱۹۷ یہی وہ لوگ ہیں

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع

جن کے لئے عذاب دردناک ہے اور جن کے کوئی بھی مددگار نہ ہوں گے

ف۱۹۱ اَلْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ یعنی ایسے بے انصافوں کو جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں۔ اتنے دلیر ہیں۔ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ۔ یعنی دینِ حق سے مرتد ہوگئے۔ الْبَيِّنٰتُ۔ کھلی ہوئی نشانیاں، رسولِ اسلام اور دینِ اسلام کی صداقت کی۔ دلائل، معجزات، سب ان بینات کے تحت میں داخل ہیں۔ ف۱۹۲ لَعْنَةَ۔ رحمتِ الٰہی سے محرومی ومجبوری پر حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ ف۱۹۳ (جہنم میں پڑنے سے قبل) لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ۔ جہنم میں پڑنے کے بعد بھی کوئی تخفیف عذاب میں نہ ہوگی۔ فِيْهَا۔ یعنی اس حالت ملعونیت ومغضوبیت میں۔ ای خالدين في اللعنة (کبیر) دوسرے معنٰی جہنم میں پڑے رہنے کے بھی مروی ہیں۔ قال ابن عباس ای فی جهنم (کبیر) ف۱۹۴ تَابُوْا۔ یعنی صدق واخلاص کے ساتھ توبہ کرلیں۔ غَفُوْرٌ۔ سو وہ اپنی اس صفت غفر کے تقاضہ سے ان کی پچھلی خطاؤں کو بخش دے گا۔ رَحِيْمٌ سو وہ اپنی صفت رحیمیت کے تقاضہ سے ان پر مزید فضل کرے گا۔ ف۱۹۵ (دوسرے معاصی وسیئات سے) یعنی پڑے تو رہیں کفر وارتداد میں اور چاہیں کہ انہیں ان کے دوسرے اعمال حسنہ کا صلہ مل جائے۔ سو بغیر ایمان واعتقاد صحیح کے ان اعمال پر سرے سے "حسنہ" و "صالحہ" کا اطلاق ہی نہ ہو سکے گا جو ان پر اجر وصلہ کی توقع رکھی جائے ف۱۹۶ یعنی گمراہ کامل، انتہا درجہ کے گمراہ۔ ورنہ گمراہ تو سب ہی کافر ہوتے ہیں۔ هذا محمول على انهم هم الضالون على سبيل الكمال (کبیر) ف۱۹۷ (قیامت کے دن) یعنی بالفرض قیامت کے دن کا فر مال کا مالک ہو اور اس کے دے ڈالنے پر بھی قادر ہو۔ ذَهَبًا۔ ذہب سے سونے کی مخصوص ومتعین دھات ہی مراد نہیں۔ بلکہ مراد کسی عزیز سے عزیز اور زیادہ سے زیادہ قیمتی شے کے فدیہ سے ہے۔ الذهب كناية عن اعز الاشياء (کبیر) دوسرے معنٰی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کوئی شخص آج چاہے کہ حالت کفر میں قائم رہ کر روئے زمین کے برابر روپیہ کارِ خیر میں خرچ کر دے اور اس کے معاوضہ میں قیامت میں نجات حاصل کرے تو ایسا ہرگز نہیں ہونے کا۔ ای من مات على الكفر فلن يقبل منه خير ابدًا ولو كان قد ملء الارض ذهبًا فيما يراه قربة" (ابن کثیر)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا

جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کروگے (کامل) نیکی (کے مرتبہ) کو نہ پہنچ سکوگے ف۱۹۸ اور جو کچھ بھی

تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ

کسی چیز سے خرچ کرتے رہتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے ف۱۹۹ ہر

الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ

کھانا بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا بجز اس کے کہ جو خود

اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ

اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا قبل اس کے کہ توریت

التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ

اترے ف۲۰۰ تو آپ کہیے کہ توریت لاؤ اور اسے پڑھو اگر تم

كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

سچے ہو ف۲۰۱ سو جو شخص اللہ پر اس کے بعد جھوٹ

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ

گڑھ لے تو بس ایسے ہی لوگ ظالم ہیں ف۲۰۲ آپ کہہ دیجیے

صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا

کہ اللہ نے سچ بات فرما دی ہے، سو تم سیدھی راہ والے ابراہیم کے دین کی پیروی کرو اور وہ

كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ

مشرکوں میں سے نہ تھے ف۲۰۳ سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لیے وضع

لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾

کیا گیا ف۲۰۴ وہ وہ ہے جو مکہ میں ہے (سب کے لیے) برکت والا اور سارے جہان کے لیے راہنما ہے ف۲۰۵

ف۱۹۸ (اے مسلمانو!) اَلْبِرَّ مطلق نیکی کو کہتے ہیں، یہاں مراد کمال خیر ہے۔ اور نیکی کا درجۂ اعلیٰ یا یہ کہا جائے کہ حقیقت خیر ابواب خیر کی جامعیت ہی مراد لی گئی ہے۔ البر الاحسان و کمال الخیر (روح) ای لن تبلغوا حقیقة البر (مدارک) قال ابو منصور البر خیر الدنیا والآخرة (تاج) تُنْفِقُوْا یعنی اللہ اور اس کے دین کی راہ میں نہ خرچ کروگے۔ انفاق یہاں بہت وسیع معنی میں ہے اس میں خیر یا نیکی کے تمام ابواب آگئے۔ قیل هی سبل الخیر کلها و هی الصحیح لعموم الایة (ابن عربی) قال الزجاج کل ماتقرب به الی الله من عمل خیر (بحر) قال الزجاج قال بعضهم کل ما تقرب به الی الله عزوجل من عمل خیر فهو انفاق (تاج) مِمَّا تُحِبُّوْنَ محبوب چیز کے ماتحت ہر وہ چیز آجاتی ہے جسے انسان عزیز رکھتا ہے، مال، دولت، عزت، حکومت، قوت، وقت وغیرہ تنہا مال و دولت ہی مقصود نہیں، بعض اوقات جاہ کی قربانی مال کی قربانی سے کہیں زیادہ سخت و دشوار ہوتی ہے۔ ای من المال اومایعمه وغیره کبذل الجاه فی معاونة الناس والبدن فی طاعة الله و ...... فی سبیله (بیضاوی) مِمَّا میں مِنْ تبعیض کے لیے ہے۔ مِنْ فی ممّا تحبون للتبعیض (بحر) ف۱۹۹ (اور وہ جزا بھی اسی کے مطابق دے گا) مطلب یہ ہے کہ نیک کام کے لیے جو کچھ بھی لگاؤگے اس کا اجر تو بہرحال ملے گا۔ باقی خیر کامل کا جو درجۂ اعلیٰ ہے وہ تو اسی وقت حاصل ہوگا جب راہ حق میں اپنے محبوبات و مرغوبات کی قربانی پیش کرو۔ والحاصل انه لا وصول الی المطلوب الاباخراج المحبوب (مدارک) مِنْ شَیْءٍ۔ یعنی عام اس سے کہ وہ محبوب ہو یا نہ ہو۔ مِنْ یہاں تبیین کے لیے ہے۔ مِنْ للتبیین ای من ای شئ کان۔ (مدارک) ای من ای شئ محبوب او غیره و من لبیان ما (بیضاوی) ف۲۰۰ (اپنے اس دعویٰ میں کہ فلاں فلاں غذائیں تو ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے حرام چلی آتی ہیں) یہود کو تو روز ایک نیا فتنہ مسلمانوں کے خلاف اٹھانا تھا، آپ پر ایک الزام یہ ہوگیا، فلاں فلاں غذائیں تم جائز سمجھتے ہو اور اپنے کو دین ابراہیم علیہ السلام کا متبع بھی کہے جاتے ہو، حالانکہ یہ چیزیں تو ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام ہیں۔ كُلُّ الطَّعَامِ یعنی وہ غذائیں جن کے باب میں یہود سے بحث و گفتگو ہو رہی ہے، ساری دنیا کے کھانے مراد نہیں۔ ای مطعومات التی فیها النزاع (مدارک) حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے آپ نے بعض طبی ضرورتوں سے بعض جائز غذائیں بالکل ترک کر دی تھیں، روایتوں میں آتا ہے کہ آپ کو مرض عرق النساء کی شکایت تھی، تو آپ نے اونٹ کے دودھ اور گوشت سے پرہیز شروع کر دیا تھا، اور ظاہر ہے کہ اس طبی پرہیز کا حرمت شرعی سے کوئی تعلق نہیں۔ قیل فعل ذٰلک للتداوی باشارة الاطباء (بیضاوی) قیل اشارت علیه الاطباء باجتنابه ففعل ذٰلک باذن من الله فهو کتحریم الله ابتداءً (کشاف) بعضے جاہل صوفیہ کا یہ سمجھنا کہ ترک حیوانات یا بعض دوسری غذاؤں کے ترک کو قرب الٰہی میں کوئی دخل ہے تمام تر نادانی ہے۔ عاملوں کی مشقیں اور ریاضتیں بالکل دوسری چیز ہیں ورنہ جو غذائیں انسان کی روحانی ترقی میں مانع ہیں وہ خود ہی حرام کر دی گئی ہیں۔ کسی غذا کے حلال ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ اس راہ میں مانع نہیں۔ و فی هذه الاٰیة دلالة علیٰ بطلان قول الممتنعین من اکل اللحوم والاطعمة اللذیذة تزهدًا لان الله تعالیٰ قدنهیٰ عن تحریمها (جصاص) قُلْ (یعنی ان یہود سے کہیے جو معترض ہو رہے ہیں) فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ توریت میں تو آج تک یہ لکھا چلا آرہا ہے:۔ "وہ سب جیتے چلتے جانور تمہارے کھانے کے لیے ہیں میں نے ان سب کو نباتات کی مانند تمہیں دیا ہے" (پیدائش ۹:۳) ف۲۰۱ (اپنے حق میں) یعنی واضح اور صریح شہادتوں کے بعد بھی اپنے جھوٹ پر قائم رہیں اور یہ کہے جائیں کہ فلاں فلاں چیزیں خدا کی طرف سے حرام کی ہوئی ہیں۔ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ یعنی اس واضح شہادت کے بعد ای من بعدما لزمتهم الحجة (بیضاوی) بعد ظهور الحجة (جلالین) ف۲۰۲ یعنی قرآن نے امر حق واضح کر دیا ہے۔ اور تم نے جو جھوٹ اپنے ہی اکابر اور اپنے مقدس نوشتوں کی بابت گڑھ رکھے تھے، ان کی قلعی کھول دی ف۲۰۳ اِبْرٰهِیْمَ۔ ملة ابراهیم، حنیف، سب پر حاشیہ پارۂ اول کے ختم کے قریب سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۵ و ۱۶ میں گزر چکے۔ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ یعنی انہی ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جنہیں تم بھی اپنا مقتدیٰ و پیشوا مانتے ہو۔ ف۲۰۴ (دنیا میں بہ طور عبادت گاہ کے) مراد خانۂ کعبہ ہے، جس کی اولین تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی اور اس کے منہدم ہو جانے کے بعد از سر نو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے۔ وُضِعَ لِلنَّاسِ یعنی لوگوں کی طاعت و عبادت کے لیے بنا۔ ای وضعه الله موضعًا للطاعات والخیرات و العبادات (کبیر) ای لعموم الناس لعبادتهم و نسکهم یطوفون به و یصلون به و یعتکفون عنده (ابن کثیر) وضع للناس یعبد الله فیه (معالم) اَوَّلَ بَیْتٍ۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال تابعین سب میں اس اوّلیت اور اقدمیت کی تشریح ملتی ہے۔ ثبت فی صحیح مسلم عن ابی ذرّ قال سالت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من اول مسجد وضع فی الارض قال المسجد الحرام (قرطبی) قال مجاهد خلق الله موضع هذا البیت قبل ان یخلق شئ من الارض با لفی سنة (قرطبی) ف۲۰۵ (بہ طور قبلہ کے) کعبہ کو سب سے پہلے معبد بتا کر یہود کو یہ بھی جتلا دیا گیا کہ کعبہ تو بیت المقدس سے بھی قدیم تر ہے۔ بكة۔ مکہ ہی کا دوسرا نام ہے۔ عربی میں ایک قاعدہ ہے، جس سے حرف م اور حرف ب میں اکثر تبادلہ ہو جاتا ہے مثلاً لازم اور لازب میں یا راتم اور راتب میں یا نمیط اور نبیط میں۔ اسی قاعدہ کا عمل یہاں بھی ہوا۔ هی علم لبلد الحرام و مکة و بکة لغتان فیه (کشاف) بکة لغة فی مکة عند الاکثرین (روح) قال مجاهد بکة هی مکة۔ (قرطبی) من اسماء مکة علی المشهور (ابن کثیر) ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ نام ہے کل شہر کا اور بکہ کا اطلاق ہے مسجد حرام اور مطاف پر۔ بَكَّةَ۔ هو موضع المسجد (ابن عباس رضی اللہ عنہما) بکة موضع البیت

و مكة ماسوى ذٰلک (ابن جریر عن ابن مالک) بكة موضع البيت و مكة سائر البلد عن مالک بن انس (قرطبی) قال ابو مالک و ابو صالح و ابراهيم النخعي و عطية العوفي و مقاتل بن حيان بكة موضع البيت ماسوى ذٰلک مكة (ابن کثیر) بائبل میں بھی ایک جگہ ذکر وادئ مکہ کا تحریفات کے باوجود رہ گیا ہے "وہ بکا کی وادی میں گزر کرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے" (زبور ۸۴: ۶) بائبل کے قدیم مترجمین نے اپنی تحریف کی عادتِ مستمرہ کے مطابق ترجموں میں اسے بجائے عَلَم کے اسم نکرہ قرار دے کر اس کا ترجمہ رونے کی وادی کر ڈالا صدیوں کے بعد اب غلطی کا احساس ہوا اور اب جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اقرار ہے کہ یہ ایک مخصوص (بے آب) وادی کا نام ہے (جلد ۲ صفحہ ۴۱۵) اللہ ان کو اتنا سمجھنے کی توفیق اور دے دے کہ یہی "بے آب وادی" مکہ معظمہ ہے۔ مُبٰرَكًا۔ یہ وہ مقام ہے جس میں مادّی اور روحانی دنیوی اور دینی برکتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ لَلَّذِیْ میں لام تاکید کا ہے۔ واللام تو کید (قرطبی) مکہ کی قدامت پر بادلِ ناخواستہ مسیحی مؤرخین کو بھی اب شہادت دینی پڑی (ملاحظہ ہو حواشی تفسیر انگریزی) ف۲۰۶ تقدیر کلام یوں ہے۔ منها مقام ابراهيم والتقدير منها مقام ابراهيم قال الاخفش (قرطبی) فِیْهِ یعنی اسی اول بیت میں اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ کھلے ہوئے توحید الٰہی کے شعائر یا حج کے

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ

اس میں کھلے ہوئے نشان ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے ف۲۰۶ اور جو کوئی اس میں داخل ہو

كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ

جاتا ہے وہ امن سے ہو جاتا ہے ف۲۰۷ اور لوگوں کے ذمہ ہے حج کرنا اللہ کے لیے اس مکان کا (یعنی) اس شخص کے ذمہ

اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ

جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو ف۲۰۸ اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ

غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ

سارے جہان سے بے نیاز ہے ف۲۰۹ آپ کہیے کہ اے اہل کتاب تم کیوں

تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ڰ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى

اللہ کی نشانیوں سے کفر کر رہے ہو، درآنحالیکہ اللہ تمہارے کرتوتوں کا

مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٨﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ

گواہ ہے ف۲۱۰ آپ کہیے کہ اے اہل کتاب جو ایمان لا چکا اُسے تم کیوں اللہ کی راہ سے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ

ہٹا رہے ہو اس (راہ) میں کجی نکال نکال کر درآنحالیکہ تم (خود)

شُهَدَاۗءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٩﴾ يٰٓاَيُّهَا

گواہ ہو اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ف۲۱۱ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ

ایمان والو اگر تم اُن لوگوں میں سے کسی گروہ کا کہا مان لو گے جنہیں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٠﴾

کتاب دی جا چکی ہے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے پیچھے تمہیں کافر بنا چھوڑیں گے ف۲۱۲

شعائر۔ والمراد بالاٰيات شعائر الحج (کبیر) مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ پر حاشیہ پارۂ اوّل کے آخر یعنی سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۶ میں گزر چکا۔ بَيْتٍ سے یہاں مراد خانہ کعبہ نہیں بلکہ سارا حرم شریف ہے۔ مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ کے نام سے جو پتھر رکھا ہوا ہے وہ خانہ کعبہ کے اندر نہیں باہر ہی ہے۔ المراد بالبيت هنا الحرم كله لان هذه الايات موجودة في الحرم و مقام ابراهيم ليس في البيت انما هو خارج البيت (جصاص) ف۲۰۷ (شریعت الٰہی کی نظر میں) اٰمِنًا پر حاشیہ پارۂ اوّل کے آخر یعنی سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۶ میں گزر چکا ف۲۰۸ (بہ لحاظ زادِ سفر و امنِ راہ وغیرہ) اِسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ استطاعت سبیل سے مراد وہاں تک پہنچ جانے کے ذرائع و اسباب ہیں۔ استطاعة السبيل اليه هي امكان الوصول اليه (جصاص) استطاعة السبيل الى الشئ عبارة عن امكان الوصول اليه (کبیر) حِجُّ الْبَيْتِ۔ حج و فرضیت حج پر حواشی پارۂ دوم کے وسط میں گزر چکے۔ عَلَى النَّاسِ میں عَلٰی شدت تاکید کے لیے ہے۔ هي من اوكد الفاظ الوجوب عند العرب فاذا قال العربي لفلان على كذا فقد وكّدهُ و اوجبهُ (قرطبی) ف۲۰۹ (سو وہ سیاہ بخت اپنا نقصان آپ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کو کیا نقصان پہنچا سکے گا) اللہ تعالیٰ کی صفت غنا کا اثبات اُن مشرک قوموں کے رَدّ میں ہے۔ جن کے دیوی دیوتاؤں کا وجود اُن کے پجاریوں ہی کے دم سے قائم ہے۔ اور وہ دیوتا اپنے کھانے پینے تک کے لیے اپنے پجاریوں کے محتاج رہتے ہیں۔ ف۲۱۰ (اور اس حاضر و ناظر۔ ہمہ بین۔ ہمہ دان حاکم کے آگے کوئی حیلہ۔ بہانہ نہ چل سکے گا) اَهْلَ الْكِتٰبِ سے اشارہ خاص طور پر یہود کی جانب ہے جو مسلمانوں کو طرح طرح پر بہکاتے رہتے تھے۔ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ آیات اللہ سے مراد خاص طور پر نبوت محمدیؐ کے شواہد و دلائل ہیں۔ اور کفر سے مراد نبوت محمدیؐ سے انکار ہے۔ المراد من اٰيات الله الّتي نصّها الله تعالىٰ على نبوة محمد عليه الصلوٰة والسلام و المراد بكفرهم بها كفرهم بدلالتها على نبوة محمد عليه الصلوٰة والسلام (کبیر) مشرکوں کو بار بار یہ جتلانے اور یاد دلانے کی ضرورت تھی کہ اللہ صرف موجود ہی نہیں بلکہ ذرہ ذرہ سے باخبر بھی ہے۔ مشرکوں کے دیوتاؤں کی طرح بے خبر۔ ناقص العلم اور گم سم نہیں ف۲۱۱ (سو اس کی گرفت اور عذاب سے اپنے کو باہر نہ سمجھو) تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہود خود تو اسلام سے منکر تھے ہی اب ان کی جرأتیں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ طرح طرح کے مکر و فن سے دوسروں کو بھی دینِ حق سے ہٹانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا۔ یہود مسلمانوں کے آپس میں طرح طرح کی مخفی فتنہ انگیزی اور مفسدہ پردازی کرتے رہتے تھے کہ اگر اور کچھ نہیں بن پڑتا تو یہی ہو کہ یہ آپس میں مر کٹ کے تباہ ہو جائیں، چنانچہ ایک مرتبہ ایک مجمع میں جہاں مدینہ کے دونوں مشہور اور جنگجو قبیلوں اوس اور خزرج کے مسلمان جمع تھے ایک یہودی شاس بن قیس نے اُن کی عہدِ جاہلیت کی مشہور لڑائی جنگ بعاث کے پرجوش جنگ نامہ کے اشعار پڑھوا دیئے۔ دلوں میں گزشتہ عداوتوں کی یاد تازہ ہو گئی اور فریقین قدرۃً بھڑک اُٹھے اور عین موقع پر اگر رسول اللہ ﷺ خود تشریف نہ لے آتے تو خانہ جنگی شروع ہی ہو چکی ہوتی۔ تَبْغُوْنَهَا میں ضمیر مؤنث غائب سبیل کی طرف ہے۔ الهاء في تبغونها عائدة الى السبيل (کبیر) وَاَنْتُمْ شُهَدَاۗءُ یعنی تمہارا ضمیر خود گواہی دے رہا ہے کہ اسلام دینِ حق ہے۔ ف۲۱۲ (عقیدۃً نہ سہی عملاً سہی۔ تو یہی عملی ارتداد بھی کیا کم ہے) اِنْ تُطِيْعُوْا۔ یعنی اگر اپنے عقائد و اعمال میں ان لوگوں سے متاثر ہونے لگو گے۔ فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔

یہ نام کے تو اہلِ کتاب ہیں لیکن نکلے ہوئے ہیں عداوت اسلام پر و۲۱۳ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے دینِ حق سے ارتداد کی گنجائش ہی کب ہے جبکہ تم میں قرآن اور سنت رسول ﷺ موجود و محفوظ ہے؟ ذٰلک لان تلاوته اٰیات اللہ علیھم حالاً بعد حال مع کون الرسول فیھم الذی یزیل کل شبھة و یقرّر کل حجة کالما نع من و قوعھم فی الکفر (بحر) كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ۔ میں کفر سے مراد اعمالِ کفر کی طرف بازگشت ہے اور کیف اظہارِ تعجب کے لیے ہے۔ قالہ تعالٰی علٰی جھة التعجب (قرطبی) قیل المراد بکفرھم فعلھم افعال الکفرة (روح) اٰيٰتُ اللّٰهِ۔ یعنی قرآن کی

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ

اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو، درآنحالیکہ تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی

اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ

جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اس کے رسولؐ موجود ہیں؟ و۲۱۳ اور جو کوئی اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے وہ ضرور

هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

سیدھی راہ کی طرف ہدایت کیا جاتا ہے و۲۱۴ اے ایمان والو

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا

اللہ سے ڈرو جو اس کے ڈرنے کا حق ہے و۲۱۵ اور جان نہ دینا بجز

وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا

اس حال کے کہ تم مسلم ہو و۲۱۶ اور اللہ کی رسی سب مل کر مضبوط تھامے رہو

وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ

اور باہم نااتفاقی نہ کرو و۲۱۷ اور اللہ کا یہ انعام اپنے اوپر یاد رکھو کہ جب تم (باہم)

اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ

دشمن تھے تو اس نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی و۲۱۸ سو تم اس کے انعام سے (آپس میں)

اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ

بھائی بھائی بن گئے، اور تم دوزخ کے گڈھے (گڑھے) کے کنارے پر تھے

فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ

سو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا، و۲۱۹ اسی طرح اللہ اپنے احکام کھول کر

اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ

سناتا رہتا ہے تاکہ تم راہ یاب رہو اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے

آیتیں اور قرآن کے درمیان موجود و محفوظ ہے۔ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ۔ یعنی سرِ دست تو وہ بہ نفس نفیس تشریف فرما ہیں ہر شبہ مٹا سکتے اور راہ بتا سکتے ہیں باقی ان کے بعد ان کے سنن و آثار یہی کام دیں گے۔ قیل الخطاب بجمیع الامة لان اٰثاره و سننه فیھم و ان لم یشاھدوه (بحر) و۲۱۴ یہ صراطِ مستقیم یا سیدھی راہ دنیا میں فلاح کامل کی ہے اور آخرت میں جنت کی۔ فَقَدْ هُدِيَ۔ یعنی اللہ سے تمسک کرتے ہو، یہ راہِ راست ضرور ہی مرتب ہو کر رہے گی۔ و۲۱۵ (ہماری طاقت اور استطاعت کے لحاظ سے) ورنہ حق تعالیٰ سے اُس کے مرتبہ کے لائق خشیت بھلا کون بشر اختیار کر سکتا ہے۔ والمعنٰی حق تقتہ ما استطعتم (قرطبی) و۲۱۶ یعنی جیو تو قانونِ تقویٰ الٰہی کے ماتحت اور مرو تو قانونِ اسلام کے مطیع۔ زندگی اور موت دونوں کی منزلوں سے مسلمان کو اللہ کے تابع فرمان ہو کر ہی گزرنا ہے و۲۱۷ اس تعلیم کے ایک عملی پہلو کا اعتراف ایک غیر مسلم کی زبان سے:۔ ''اسلام نے اُن قبیلوں کو متحد کر دیا جو اس وقت تک برابر ایک دوسرے سے مصروفِ پیکار رہتے تھے'' (آرنلڈ کی پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۱) حَبْلِ اللّٰهِ محاورۂ عربی میں حبل سے مراد عہد بھی ہوتا ہے اور مطلقاً ہر وہ شے جو ذریعہ یا وسیلہ کا کام دے سکے۔ یستعار الحبل للعھد۔ (روح) واستعیر للوصل و بکل ما یتوصل به الی شیء (راغب) یہاں مراد شریعتِ اسلامی یا قرآن ہے۔ متعدد قول نقل ہوئے ہیں اور وہ سب متقارب ہیں۔ قال ابن مسعود حبل اللہ القراٰن و رواہ علیؓ و ابو سعید الخدری عن النبی ﷺ و عن مجاھد و قتادة مثل ذٰلک (قرطبی) العھد او القراٰن او الدین او الطاعة او اخلاص التوبة او الجماعة او اخلاص التوحید او الاسلام اقوال السلف یقرب بعضھا من بعض (بحر) جَمِيْعًا۔ یعنی اُمت مجموعاً بھی اور افرادِ اُمت بھی و۲۱۸ (اور سب کو رشتۂ اسلام میں متحد و منسلک کر دیا) نِعْمَتَ اللّٰهِ۔ اس انعام کے تحت میں علاوہ فلاحِ اُخروی کے اتحادِ قومی کی فلاحِ دُنیوی بھی شامل ہے۔ اتحادِ اُمت بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً۔ ظہورِ اسلام سے قبل یعنی زمانہ جاہلیت مکہ۔ عرب قبائل کی باہمی دُشمنی اور جنگجوئی ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ بات بات میں چھڑ جاتی تھی جو لڑائیاں تاریخی روایات میں محفوظ رہ گئی ہیں اُن کی تعداد ۱۷۰۰ ہوتی ہے۔ و۲۱۹ (دینِ اسلام اور شریعتِ اسلامی مرحمت کر کے) دُنیا میں یوں ایک انقلابِ عظیم برپا کر دینا اسلام کا معجزہ ہی تھا۔ اس کا اعتراف آج فرنگی محققین بھی کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔ جس طرح عرب قبل اسلام کی عداوت حدِ ضرب المثل تک پہنچی ہوئی تھی اسی طرح بعد اسلام عرب کی آپس کی محبت، یگانگت۔ اخلاص بھی بے نظیر رہا۔ جہاں مکی مکی کا اور مدنی مدنی کا دشمن تھا۔ وہاں اسلام نے مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے انصار کو ایسا شیر و شکر کرا دیا کہ دونوں واقعی آپس میں بھائی بھائی معلوم ہونے لگے برٹانیکا اور گبن دونوں کے صفحات میں اس کا اعتراف موجود ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ۔ ذکر زمانہ قبل اسلام کا ہے کہ اس وقت عقائد و اعمالِ مشرکانہ کی بنا پر اہلِ عرب دوزخ کے کنارہ تک پہنچ ہی چکے تھے۔

يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ

جو نیکی کی طرف بلایا کرے اور بھلائی کا حکم دیا کرے

وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَاُولٰۤئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾

اور بدی سے روکا کرے اور پورے کامیاب یہی تو ہیں ف۲۲۰

وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ

اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے بعد اس کے کہ

مَا جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰۤئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ

انہیں شواہد پہنچ چکے تھے باہم تفریق کر لی اور مختلف ہو گئے ف۲۲۱ عذابِ عظیم انہی کو تو

عَظِيۡمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ

ہوتا ہے اس روز (جس روز) بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے، پھر جن کے چہرے سیاہ ہوں

فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ ۚ اَكَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ

گے اُن سے کہا جائے گا کہ کیا تم ہی کافر ہو گئے تھے اپنے

اِيۡمَانِكُمۡ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾

ایمان کے بعد؟ ف۲۲۲ سو عذاب چکھو اپنے کفر کی پاداش میں

وَاَمَّا الَّذِيۡنَ ابۡيَضَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فَفِىۡ رَحۡمَةِ

اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں

اللّٰهِ ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا

ہوں گے ف۲۲۳ اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم انہیں تم کو ٹھیک ٹھیک

عَلَيۡكَ بِالۡحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾

پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ مخلوقات پر ظلم نہیں چاہتا ف۲۲۴

ف۲۲۰ کسی درجہ میں اور ایک چھوٹے پیمانہ پر تو یہ فرض ہر فردِ اُمت کا ہے۔ لیکن یہاں مقصود یہ ہے کہ ایک مستقل جماعت خاص اسی کام کے لیے ہو۔ اس کا کام ہی یہی ہو کہ خلق کو دعوتِ خیر دے، ...عروف (بھلے کاموں) کی طرف بلائے منکر (برے کاموں) سے روکے۔ اُمَّةٌ۔ یہ بھی کمالِ رحمت اور ضعفِ بشری کی انتہائی رعایت ہے کہ ساری اُمت کے بجائے اس فریضہ پر ایک مخصوص جماعت ...ی کو مامور کیا گیا، ورنہ اس فریضہ کی ادائی کے لیے جن اوصاف اور شرائط کی ...ضرورت ہے کیا عجب کہ بہتوں کو وہ سخت دشوار معلوم ہوتے ف۲۲۱ (توحید، ...رسالت، وحی، جزا وسزا وغیرہ اُصولی وبنیادی عقائد کے باب میں) كَالَّذِيۡنَ مراد ...سابق اہلِ کتاب، یہود ونصاریٰ ہیں۔ یعنی الیھود و النصارٰی فی قول ...جمھور المفسرین (قرطبی) تَفَرَّقُوۡا وَاخۡتَلَفُوۡا۔ یعنی از راہِ نفسانیت و ...شرارت وحدتِ دینی کو پارہ پارہ کر دیا اور اپنے الگ الگ مذہب گڑھ لیے۔ ...مسائل وجزئیاتِ احکام میں اختلاف جو اخلاصِ نیت کے ساتھ اجتہاد کی بنا پر ہو، ...وہ اسلام میں ہرگز ممنوع نہیں، بلکہ وہ تو اُمت کے حق میں عین رحمت ہے، ...اختلاف مذاق وطبیعت کی بنا پر کسی کو کسی مسلک میں آسانی معلوم ہوتی ہے اور کسی ...کو کسی میں۔ الۡبَيِّنٰتُ اس کے تحت میں احکام، دلائل، معجزات سب آ گئے

ف۲۲۲ یہ خطاب اہلِ دوزخ سے تو بہرحال ہوگا، گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ ان ...سب سے ہوگا یا اُن کے صرف بعض گروہوں سے؟ ایک قول یہ ہے کہ یہ خطاب ...منافقین سے ہوگا اور ایمان سے یہاں مراد اظہارِ ایمان ہے۔ ھم المنافقون ...(ابن جریر۔ عن الحسن) ایک قول ہے کہ مخاطب اہلِ کتاب ہیں اور حجت ان پر قائم ...کی جائے گی کہ تمہاری کتابوں میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پوری طرح ...موجود اور پھر تم مکر گئے۔ المراد اھل الکتٰب (کبیر عن عکرمہ والاصم والزجاج) ...بعض اہلِ نظر نے ترجیح اسی قول کو دی ہے۔ والظاھر من السیاق و السباق ...ان ھٰؤلآءِ اھل الکتاب (روح) ابن جریر نے بعض تابعین سے استناد کر کے ...شق اختیار کی ہے کہ خطاب سارے کافروں کے لیے عام ہے اور جس ایمان کا ...یہاں ذکر ہے وہ اظہارِ ایمان عالمِ ارواح میں عہد الست کے وقت کا ہے۔ ھو ...الایمان الذی کان قبل الاختلاف فی زمان اٰدم (ابن جریر۔ عن اُبی بن ...کعب) عنی بذٰلک جمیع اھل الکتاب (ابن جریر) تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ۔ ...یومِ حشر تو کشفِ حقائق کا وقت ہوگا، ضرور ہے کہ اہلِ حق کے چہرے اس دن انوار ...سے چمکتے جگمگاتے نظر آئیں۔ تَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ۔ کشفِ حقائق کے وقت یہ ...بالکل قدرتی ہے کہ اندر کی سیاہیاں اور باطن کی کدورتیں نکل نکل کر اہلِ باطل کے ...چہروں پر چھا چھا جائیں۔ عربی محاورہ میں ابیضاض وجہ اور اسوداد وجہ ...سے مراد محض مسرت، غم بھی ہو سکتی ہے ف۲۲۳ اور اسی محل رضا ومحل رحمت کا نام ...جنت ہے۔ جنت کی ایک ایک نعمت کو قرآن مجید نے محلِ ترغیب میں ذکر کیا ہے۔ ...رضائے الٰہی سے الگ کوئی چیز نہیں، جیسا کہ جاہل صوفیہ اور گستاخ شاعروں ...کے کلام سے مترشح ہوتا ہے۔ ف۲۲۴ (اس لیے اس کے فیصلے ہمیشہ عادلانہ اور ...رحیمانہ ہوتے ہیں) اسلام کا خدا تمام تر رحیم ہے۔ عادل ہے۔ شفیق ہے۔ مشرک ...قوموں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح ظالم وخونخوار نہیں ہے۔ قرآن مجید کو بار بار خداوند تعالیٰ کی تنزیہ کا اثبات ان صفاتِ ذمیمہ سے کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ اور تو اور توریت تک کے خدا میں صفاتِ قہری کہیں ...زیادہ زور وقوت کے ساتھ جلوہ گر نظر آ رہے ہیں۔ بِالۡحَقِّ۔ یعنی بالکل صحیح۔ جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ ای بالصدق (قرطبی)

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى

اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ ہی

اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ

کی طرف (سارے) اُمور لوٹائے جائیں گے، ف۲۲۵ تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا

لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ

کی گئی ہے ف۲۲۶ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے

الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ

روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو ف۲۲۷ اور اہلِ کتاب بھی اگر ایمان لے آتے

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ

تو اُن کے حق میں کہیں بہتر ہوتا ف۲۲۸ اُن میں سے (کچھ تو) ایمان والے ہیں مگر اکثر ان میں سے

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ

نافرمان ہیں ف۲۲۹ وہ تم کو بجز خفیف اذیت کے ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے ف۲۳۰ اور اگر وہ تم سے مقابلہ

يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۗ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ

کریں گے تو تمہیں پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے، ف۲۳۱ پھر ان کی مدد بھی نہ کی جائے گی ف۲۳۲ اُن پر لیس

عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ

دی گئی ہے ذلت خواہ کہیں بھی وہ پائے جائیں سوا اس کے کہ اللہ کی طرف سے

اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ

کوئی عہد ہو یا لوگوں کی طرف سے کوئی عہد ہو اور وہ غضبِ الٰہی کے مستحق

اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

ہو گئے ہیں ف۲۳۳ اور ان پر پستی لیس دی گئی یہ (سب) اس سبب سے ہوا کہ

ع ۱۱/۲

ف۲۲۵ (اور کوئی دیوی دیوتا نہ اس مرجعیت امور میں اس کا شریک وسہیم ہے نہ آسمان وزمین کے کسی جزء کی ملک وتصرف میں) جاہلی قوموں کی ان گمراہیوں کا ذکر پچھلے حاشیوں میں بار بار آچکا ہے۔ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ میں تاکید اس امر کی ہے کہ آخری فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ناطق ہوگا، کسی کو بھی اس میں دخل دینے کی مجال نہیں ف۲۲۶ یعنی تم تو اس لیے بنائے گئے ہو کہ لوگ تمہارے نقش قدم پر چلیں۔ تم ساری دنیا کے لیے ایک نمونہ بنا کر بھیجے گئے ہو۔ خطاب امت محمدی ﷺ اور ملتِ اسلامی سے ہے۔ كُنْتُمْ۔ کان یہاں یا تو زائد ہے یا تامہ استعمال ہوا ہے اور اگر ناقصہ ہے جب بھی مراد دوام نسبت ہے۔ قيل هو كان التامة المعنى خلقتم و وجدتم خير امة و قيل كان زائدة المعنى انتم خير امة (قرطبی) لا يراد ههنا الدلالة على معنى الزائد و انقطاع النسبة بل المراد دوام النسبة (بحر) ف۲۲۷ (پورا پورا جیسا کہ حق ہے ایمان باللہ کا) آیت کے اس جزء میں اُمتِ اسلامی کی اعتقادی، اخلاقی اور عملی زندگی کے کامل ومکمل ہونے کا پورا فوٹو آ گیا۔ مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تم اپنی ذمہ داری پوری طرح محسوس کرو تم توحید کے امانت دار ہو، زمین پر اللہ کے نائب وخلیفہ ہو۔ بہ طور اس کی پولیس کے ہو۔ الٰہی قانون کے نفاذ وتحفظ کے لیے، دنیا کے نظام عدل کو برقرار رکھنے کے لیے بھیجے گئے ہو۔ تمہاری زندگی کا مشن ہی یہ ہے کہ حکومت الٰہیہ کو چلاؤ، نظامِ حق کے ایک ایک کل پرزہ کو درست رکھو اور نظامِ باطل کا زور چلنے ہی نہ دو۔ ظلم ہوتا اگر اس ذمہ دار فعال (اگزیکٹو) جماعت کو جدال وقتال کی آزادی نہ ملتی! بلا اجازت جہاد، بلا اجازت اجراء حدود وتعزیرات اس قوم پر ذمہ داریاں ڈال دینے کے معنی یہ ہوتے کہ ہاتھ پیر باندھ کر حکم دریا میں پیرنے کا دیا جا رہا ہے۔ کیا تماشہ ہے کہ انگریز ہندوستان میں ستی کی رسم کو جرم قرار دے دیں تو وہ ملک کے محسن۔ ہندوؤں میں بچپن کی شادیوں کے دستور کو روک دیں تو اُن کا شکریہ واجب۔ لیکن اللہ کے سپاہی اور مالک الملک کے پیارے اگر یہ حق حاصل کرنا چاہیں کہ قانونِ الٰہی سے بغاوت کرنے والوں اور امن عالم کو غارت کر کے رکھ دینے والوں کی دارو گیر کریں تو "روشن خیالی" کے جبین تحمل پر شکن آجائے اور "تہذیب" کا پروپیگنڈسٹ اسے رواداری کے خلاف قرار دینے لگے۔ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ منکر کے تحت میں آج کے شراب خانہ اور تھیٹر، سینما اور کنسرٹ ہال، ناچ گھر اور میوزک کالج، اسکول آف آرٹ اور تصویر خانے سب آ جاتے ہیں، آیت سے ظاہر ہے کہ اس اُمت کی خیریت وافضلیت اسی وقت تک ہے جب تک وہ ان صفات کی حامل ہے۔ یعنی ایمان باللہ میں مضبوط ہے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (ایجابی و سلبی دونوں قسم کی اخلاقی خوبیوں) پر قائم ہے ف۲۲۸ (حالاً بھی اور قالاً بھی۔ فی الفور بھی اور بہ لحاظ انجام کار بھی) یہ ایمان لے آنا تو ان اہل کتاب کا فرض ہی تھا اور عملی مثال مسلمانوں کی دیکھ بھی رہے تھے ف۲۲۹ فٰسِقٌ یہاں کافر کے معنی میں ہے۔ یعنی حد عبودیت سے باہر نکل جانے والے۔ كامل فى فسقه متمرد فى كفره (بحر) عبر عن الكفر بالفسق (روح) اى الكافرون (معالم) الضلالة الكفر الفسق العصيان (ابن کثیر) مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اس گروہ میں عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام یہودی کی طرح دوسرے اہل کتاب بھی داخل ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں ایمان لے آئے تھے ف۲۳۰ اشارہ ہے یہود کی طرف۔ جن کا خاص مدینہ اور حوالی مدینہ میں بڑا زور وغلبہ تھا۔ آپؐ نے وقوع سے بہت قبل پیشگوئی کر دی کہ یہود اپنے بڑے مضبوط قلعوں کے باوجود، بڑے بڑے خزانوں کے مالک ہونے کے باوجود مسلمان کو ہرگز کوئی قابل ذکر نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اَذًى۔ ضرر کے مقابلہ میں بہت ہلکی اور چھوٹی چیز ہے۔ اى ضررا يسيرا كطعن و تهديد (بیضاوی) الاذى بمعنى الضرر اليسير (روح) ف۲۳۱ یعنی اگر وہ اتنی ہمت کر ہی جائیں کہ تم سے مقابلہ ومقاتلہ کو آئیں تو ہرگز غلبہ نہ پا سکیں گے بلکہ اُلٹی شکست کھا کر بھاگیں گے۔ یہ ایک پیشگوئی نہیں۔ مجموعہ ہے کئی پیشگوئیوں کا۔ اور سب کی سب ظاہری قرائن وقیاسات کے خلاف پوری طرح پیشگوئیاں صحیح نکلیں۔ بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع، یہود خیبر سب کے باب میں اس جزم کے ساتھ بجز خدائے علیم وخبیر کے اور کون جرأت بھی ایسی پیشنگوئیوں کی کر سکتا تھا ف۲۳۲ ایک اور پیشگوئی۔ وضاحت کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا کہ خود مظفر ومنصور ہونا الگ رہا، عرب کے جن مشرک قبیلوں کی حمایت کا غرہ ان یہود کو ہے، اُن میں سے کوئی ان کی مدد کو بھی تو نہ آئے گا اور نہ مدینہ کے منافقین ہی ان کے کام آسکیں گے۔ ف۲۳۳ بنی اسرائیل کی مغضوبیت اور پستی وذلت پر حاشیہ پارۂ اول کے رکوع ۶ کے ذیل میں مفصل گزر چکے۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ۔ یعنی ان کی جانوں، ان کے مالوں، ان کی عزتوں سب کی بے وقعتی اور ناقدری خلق اللہ کے دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا۔ ابھی دو ہی چار سال اُدھر یہود کی جو گت جرمنی میں ہنگری میں، اٹلی میں زیکوسلاویکا میں اور دُوسرے ملکوں میں باوجود ان کی اس خوش حالی وامارت کے بن چکی ہے وہ آیت کی بہترین تفسیر ہے۔ حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ سے ان کی ایسی آبادی مراد ہو سکتی ہے جسے خود شریعت الٰہی نے قتل، ہلاکت اور تعزیری وانتقامی کارروائیوں سے مستثنیٰ رکھا ہے مثلاً ان کے بچے، ان کی عورتیں، ان کے گوشہ نشین زاہد، درویش وغیرہ۔ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ سے مراد ان کی وہ جماعتیں ہو سکتی ہیں جو معاہدوں کے ذریعہ سے امن حاصل کر لیتی ہیں۔ حَبْلٍ کے معنی پہلے ہی بیان ہو چکے ہیں۔ مراد عہد وذمہ سے ہے۔ الحبل العهد والذمة والامان (لسان) وَحَبْلٍ میں و عطف کے لیے نہیں بلکہ او کے معنی میں ہے۔

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ

وہ اللہ کی آیتوں کے منکر ہو جاتے تھے اور نبیوں کو بلا وجہ

بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ق

قتل کر ڈالتے تھے۔ یہ (سب) اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حدود سے نکل نکل جاتے تھے ف۲۳۴

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ

سب یکساں نہیں ف۲۳۵ (انہی) اہل کتاب میں ایک جماعت قائم ہے،

يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقاتِ شب میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں ف۲۳۶

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ

اور بدی سے روکتے ہیں اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں

وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ

یہی لوگ نیکو کاروں میں سے ہیں ف۲۳۷ اور جو بھی نیک کام

خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

یہ کریں گے، اس سے ہرگز محروم نہ کیے جائیں گے، اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ف۲۳۸

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ

بیشک جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا ہرگز ان کے ذرا بھی کام اللہ کے مقابلہ میں نہ اُن کے مال آئیں گے

وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

نہ اُن کی اولاد یہی لوگ دوزخ والے

ف۲۳۴ یعنی حدودِ عبدیت وطاعت سے۔ یہود کی مسلسل سرکشی اور نافرمانی کی داستان سے عہدِ عتیق، عہدِ جدید اور خود یہود کی لکھی ہوئی تاریخیں سب بھری پڑی ہیں۔ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ۔ وَ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ دونوں موقعوں پر فعل کے ساتھ كَانُوْا لانے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کوئی استثنائی یا اتفاقی واقعہ ان کی زندگی میں نہ تھا، بلکہ کفر وعدوان ان کی قومی خصلت بن گئے تھے، ان کی سرشت کے جزء بن گئے تھے۔ عَصَوْا۔ نافرمانی ان لوگوں نے اپنے رسولوں ہی کی نہیں کی بلکہ آخر میں خاتم رسل کی بھی کی۔ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ یعنی انبیاء کو خود اپنے معیارِ عدل وقانون کے بھی خلاف ہی قتل کرتے تھے۔ مسکنت، قتل انبیاء، کفر بآیات اللہ وغیرہ پر مفصل حاشیہ پارۂ اوّل رکوع ۶ کے ذیل میں گزر چکے

ف۲۳۵ (اپنی حق ناشناسی اور اسلام سے متعلق اپنے طرزِ عمل کے لحاظ سے) ليس اهل الكتاب مستويا (بحر) والضمير لاهل الكتاب (بيضاوى) اُوپر جو کچھ ذکر ہوا۔ اہل کتاب کی یہ اکثریت کا تھا، باقی ان میں سے بعض بعض حق شناس، انصاف دوست بھی تھے اور وہ بالآخر مشرف بہ اسلام ہو کر رہے۔

ف۲۳۶ یعنی نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ والمراد هم يصلون (روح) يصلون عن الفراء والزجاج (قرطبى) نمازِ شب کے فضائل آیت سے ظاہر ہیں۔ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ۔ یہ وہ جماعت تھی جو دینِ حق پر قائم وثابت رہی۔ اى المستقيمة العادلة (بيضاوى) انها ثابتة على التمسک بالدين الحق ملازمة له (کبیر) اٰيٰتِ اللّٰهِ۔ یعنی قرآن کی آیات۔ والمراد يقرءون القراٰن (روح) مفسرین نے یہاں عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید اسید بن سعیہ اسد بن عبید رضی اللہ عنہ وغیرہم کے نام درج کیے ہیں جو یہودیت سے ایمان لائے تھے

ف۲۳۷ قرآن مجید جنہیں صالح قرار دیتا ہے۔ ان کے اوصاف وخصوصیات یہاں کس جامعیت وایجاز کے ساتھ ارشاد کر دیئے گئے ہیں۔ پہلی بات یہ بتائی کہ وہ ایمان میں کامل ہوں گے، جو کچھ بھی خرچ کریں گے، مقصد صحیح کے ساتھ اور راہِ حق میں کریں گے، دُوسری بات یہ ارشاد ہوئی کہ وہ لوگ نہ صرف خود ہی ایجابی وسلبی ہر حیثیت سے اخلاق اور پاکیزہ کرداری کے پتلے ہوں گے بلکہ دُوسروں کو بھی اسی راہ پر لائیں گے اور لگائیں گے اور نیکیوں کی طرف دلی شوق ورغبت کے ساتھ بڑھیں گے۔ يُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ یعنی نیکیوں کی طرف بے دلی اور بدشوقی کے ساتھ گویا بار اور تھک کر نہیں، بلکہ بڑے شوق واشتیاق، چاؤ اور رغبت کے ساتھ لپکیں گے۔ المسارعة فى الخير ناشئة عن فرط الرغبة (بحر) مِنَ الصّٰلِحِيْنَ کے معنی مَعَ الصّٰلِحِيْنَ کے بھی کیے گئے ہیں (قرطبی)

ف۲۳۸ (اور چونکہ یہ پرہیزگار ہیں، اس لیے انہیں بھی خوب جانتا ہے) یہ خیال نہ گزرے کہ کوئی متقی اللہ تعالیٰ کے علم میں آ جانے سے رہ جائے گا۔ غیر قوموں کے عقائد کی تردید کے لیے اس جزء کا اضافہ ضروری تھا۔ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ۔ یعنی کہیں نہ سمجھ لینا کہ جب ماضی خراب رہ چکا ہے تو اب نجات ومغفرت کی اُمید ہی کیا اور اب ایمان وحسنِ عمل سے حاصل کیا؟ غیر مذہب والوں نے ایسے ہی عقائد گڑھ رکھے تھے۔ اس لیے تنبیہ ضروری تھی۔ يُّكْفَرُوْهُ میں ضمیر عملِ خیر کے اجر وثواب کی جانب ہے۔ اى لن تجحدوا ثوابه (قرطبى) اى لن تمنعوا ثوابه و جزاءه (کبیر)

النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنۡفِقُوۡنَ

ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے و۲۳۹ یہ جو کچھ اس دنیوی زندگی میں

فِىۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَثَلِ رِيۡحٍ فِيۡهَا

خرچ کرتے ہیں اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک ہوا ہے جس میں

صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ

سخت سردی ہے (اور) وہ ایسے لوگوں کی کھیتی کو لگ جائے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہے۔ پھر وہ (ہوا) اس

فَاَهۡلَكَتۡهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنۡ اَنۡفُسَهُمۡ

(کھیتی) کو برباد کر دے تو اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر

يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا

ظلم کرتے ہیں، و۲۴۰ اے ایمان والو اپنے سوا (کسی کو) گہرا دوست

بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا يَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا

نہ بناؤ و۲۴۱ وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں، کوئی بات اٹھا نہیں رکھتے اور تمہارے دکھ پہنچنے کی

مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖۚ

آرزو رکھتے ہیں، بغض تو اُن کے مونہوں سے ظاہر ہو پڑتا ہے

وَمَا تُخۡفِىۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ

اور جو کچھ اُن کے دل چھپائے ہوئے ہیں، وہ اور بھی بڑھ کر ہے و۲۴۲ ہم تو تمہارے لیے نشانیاں

الۡاٰيٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰۤاَنۡتُمۡ اُولَآءِ

کھول کر ظاہر کر چکے ہیں و۲۴۳ اگر تم عقل سے کام لینے والے ہو، تم تو ایسے ہو کہ

تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ

اُن سے محبت رکھتے ہو اور یہ تم سے ذرا محبت نہیں رکھتے، تم کتاب (آسمانی) پر ان کے کل کے کل پر ایمان

و۲۳۹ اُولٰٓئِکَ سے مراد ایمان سے محروم کفار ہیں۔ اور چونکہ اس لفظ سے حصر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے، اہل سنت نے اس آیت سے معتزلہ کے خلاف استدلال کر کے کہا کہ خلود نار کی سزا صرف کافروں کے لیے ہے، گنہگار مومنین کے لیے نہیں ولما افادت ھٰذہ الکلمة معنی الحصر ثبت ان الخلود فی النار لیس الا للکافر (کبیر) لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡھُمۡ اَمۡوَالُھُمۡ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ مال کو بہ طور کفارہ یا توبہ پیش کر کے نجات حاصل کر لی جائے۔ یہود کے جو غلط سلط عقیدے اس باب میں ہو چکے تھے، ان کا ذکر پارۂ اوّل کے حاشیوں میں آچکا ہے۔ وَلَآ اَوۡلَادُھُمۡ۔ ہندوؤں اور جینیوں میں یہ گمراہی خاص طور پر بڑھی ہوئی ہے۔ اولاد نرینہ کی اہمیت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ لڑکا ہی مرے ہوئے باپ کو پانی دے دے کر عذاب سے چھڑا لیتا ہے۔ منوجی کا یہ قول کتابوں میں نظر سے گزرا ہے کہ بیٹے کو سنسکرت میں "پتر" کہتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ باپ کو "پت" (دوزخ) سے چھڑا لاتا ہے و۲۴۰ آسان اور عام فہم مثال میں اُن لوگوں کے مال کے ضائع جانے کو بیان کیا ہے جو ایمان سے محرومی کی حالت میں اس دنیا کے حصول کے لیے، ریا و ناموری کے لیے اپنی دولت خرچ کرتے رہتے ہیں۔ کَمَثَلِ۔ مثال ضائع جانے اور عبث ہونے میں ہے۔ صِرٌّ۔ سخت ٹھنڈی چیز کو کہتے ہیں جیسے پالا یا برف۔ قال ابن عباس الصرّ البرد الشدید (قرطبی) قال اکثر المفسرین و اھل اللغة الصرّ البرد الشدید۔ قال ابن زید (کبیر) ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَھُمۡ۔ اپنے ہاتھوں اپنی جان پر ظلم کیا، یعنی کفر اور بے دینی کر کر کے۔ مَا ظَلَمَھُمُ اللّٰہُ۔ اللہ نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا کہ ان کے صرفِ مال کو خواہ مخواہ لا حاصل اور ضائع کر دیا۔ وَلٰکِنۡ اَنۡفُسَھُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ۔ وہ خود ہی تو اپنے اُوپر ظلم کر رہے ہیں کہ مال کو بے محل اور خلاف اذنِ الٰہی خرچ کر رہے ہیں۔ و۲۴۱ (ایسا کہ اس سے اپنے ذاتی اور ملی راز کہہ ڈالو) مِنۡ دُوۡنِکُمۡ۔ یعنی بجز اپنی ملت والوں کے بِطَانَةً۔ کہتے ہیں راز دار دوست کو۔ ای مختصًا بکم یستبطن امورکم (راغب) بطانة الرجل خاصته الذین یستبطون امرہ (قرطبی) قانون اسلام کے منکروں اور باغیوں سے تعلقات ایک خاص حد سے آگے بڑھانے کی اجازت کسی مسلم کو یا اسلامی اسٹیٹ کی رعایا کو نہیں کہ اس سے فرد اور ملت دونوں کو ضرر کے اندیشہ اور خطرے کھلے ہوئے ہیں، اور اس صریحی، معقول، مناسب اور ضروری انتظام کا نام بعض عقل کے دشمنوں نے "تنگ نظری" رکھا ہے — سبحان اللہ! امراض وبائی میں پرہیز و احتیاط کا نام تو فخر کے ساتھ "اصولِ حفظانِ صحت" رکھا جائے۔ اور جو انتظام کفر و طغیان یعنی دنیا و آخرت دونوں کی بربادی سے بچنے کے لیے کیا جائے اس کا نام "تنگ نظری" پڑ جائے۔ عقل دشمنی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔ فقہاء مدینہ بلکہ فقہاء حجاز نے عموماً آیت سے استنباط کیا ہے کہ دشمن کی شہادت دشمن کے حق میں معتبر نہیں، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں جائز ہے۔ و فی ھٰذہ الاٰیة دلیل علٰی ان شھادة العدو علٰی عدوہٖ لا تجوز و بذٰلک قال اھل المدینة والحجاز و روی عن ابی حنیفة جواز ذٰلک (قرطبی) افسوس ہے کہ مسلمانوں نے آیت کے حکم پر عمل میں سستی اور مداہنت شروع ہی سے برتنی شروع کر دی اور ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو چند صدیاں بھی نہیں ہونے پائی تھیں کہ سلطنت کے کاروبار میں کھلم کھلا مسیحیوں، مجوسیوں وغیرہ کو شریک کیا جانے لگا، امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا ہے۔ حسرت، قلق اور درد کے لہجہ میں لکھتے ہیں۔ " و قد انقلبت الاحوال فی ھٰذہ الازمان باتخاذ اھل الکتاب کتبةً و امناء و تسوّدوا بذٰلک عندالجھلة الاغنیاء من الولاة والامراء یہ حال جب اُس زمانہ کا تھا تو آج چودھویں صدی ہجری میں جبکہ زندگی کے ہر شعبہ میں کافروں کا غلبہ اور تسلط مسلمانوں پر نمایاں ہے۔ صورتحال پر اظہار خیال کن لفظوں میں کیا جائے! فقہاء مفسرین نے آیت کے ذیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ کافروں سے تشبہ تک جب جائز نہیں تو اُن کے ساتھ مصاحبت تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگی۔ لا خلاف بین علماء نا ان المراد بہ النھی عن مصاحبة الکفار من اھل الکتاب حتّٰی نھی عن التشبّہ بھم (ابن عربی) و۲۴۲ یعنی ان کی مخفی عداوت کا درجہ تو اس سے بھی کہیں بڑھا ہوا ہے۔ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ فقرہ کافرانہ ذہنیت کا پورا ترجمان ہے۔ اس کے اندر گہری تعلیم اس بات کی آگئی کہ کوئی غیر مسلم کسی حال میں مسلموں کا حقیقی دوست اور ہوا خواہ ہو نہیں سکتا۔ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاھِھِمۡ شدت عداوت میں غیر اختیاری طور پر زبان سے بھی ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں۔ اشارہ زیادہ تر یہود مدینہ کی جانب ہے۔ یہ لوگ اب اپنا بغضِ اسلام مسلمانوں سے چھپا بھی نہیں رکھ سکتے تھے اور بے اختیار ان کی زبانوں سے ظاہر ہو ہی جاتا تھا۔ و۲۴۳ آیت کے معنی دو طرح پر کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کافروں کے بغض و عداوت کے آثار و علامات تم پر روشن ہو گئے ہیں، جن سے تم انہیں فوراً پہچان سکتے ہو۔ ثم بیّن اللّٰہ تعالٰی ان اظھار ھٰذہ الاسرار للمومنین من ...... علیھم (کبیر) دُوسرے معنی یہ کہ تمہارے لیے اُن سے ترکِ موالات کی آیتیں کھول کر بیان کی جا چکی ہیں۔ ای اظھرنا لکم الاٰیات الدالة علی النھی عن موالاة اعداء اللّٰہ تعالٰی و رسولہ (روح) الدالة علٰی موالاة المؤمنین و معاداة الکافرین (بیضاوی)

كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا

رکھتے ہو۲۴۴ اور یہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں

عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا

تو تم پر (شدت) غیظ سے انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں ۲۴۵ آپ کہہ دیجیے کہ تم غیظ میں

بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

مر رہو، بیشک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے ۲۴۶

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ

اگر تمہیں کوئی اچھی حالت پیش آجاتی ہے تو یہ ان لوگوں کو دکھ پہنچاتی ہے اور اگر تم پر کوئی بری حالت

سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا

آپڑتی ہے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں ۲۴۷ اور اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کیے رہو تو

لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

تم کو ان کی چالیں ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی، بیشک اللہ ان کے اعمال پر (پورا)

مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ۧ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِكَ تُبَوِّئُ

احاطہ رکھتا ہے ۲۴۸ اور وہ وقت یاد کیجیے جب آپ صبح کو اپنے گھر والوں (کے پاس) سے نکلے

الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ

مسلمانوں کو قتال کے لیے مناسب مقامات پر لے جاتے ہوئے، ۲۴۹ اور اللہ بڑا سننے والا ہے

عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ۙ اِذْ ھَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ

بڑا جاننے والا ہے ۲۵۰ جب تم سے دو جماعتیں اس کا خیال کر بیٹھی تھیں

تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّھُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

کہ ہمت ہار دیں ۲۵۱ درآنحالیکہ اللہ دونوں کا مددگار تھا ۲۵۲ اور مسلمانوں کو تو اللہ ہی پر

و۲۴۴ یعنی ساری کتب الٰہی پر الکتب۔ بہ طور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔ والکتاب اسم جنس قاله ابن عباس (قرطبی) بجنس الکتاب کله (بیضاوی) تُحِبُّوْنَهُمْ۔ یہ مسلمانوں کی سادہ دلی اور نیک طبعی کا ذکر ہے۔ وَلَا یُحِبُّوْنَكُمْ۔ یہ محبت تو تم سے کیا رکھتے۔ اُلٹے عداوت رکھتے ہیں، اور تمہاری کتاب الٰہی کے منکر ہیں، مطلب یہ ہوا کہ تم تو اُن کی کتابوں تک پر ایمان رکھتے ہو، اور وہ پھر بھی تم سے کسی درجہ میں بھی علاقہ محبت نہیں رکھتے۔ و۲۴۵ عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ۔ غصہ سے انگلیاں کاٹ کاٹ کھانا عربی محاورہ میں کنایہ شدید جھنجلاہٹ سے ہے۔ جیسے اُردو محاورہ میں اپنی بوٹیاں نوچنا ''بوٹیاں چبانا'' ''دانت پیسنا'' وغیرہ۔ ذکر منافقین مدینہ کا ہے۔ یعنی المنافقین (قرطبی) و۲۴۶ (چنانچہ اس نے تمہارے دلوں کے اندر کے کینہ اور عداوت کو کھول کر بیان کر دیا ہے) مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ۔ یعنی شدت ناکامی و نامرادی میں مر رہو، اس لیے کہ جو تمہاری تمنا ہے یعنی اسلام کی مغلوبیت، ہزیمت وہ پوری ہونے کی نہیں۔ و۲۴۷ منافقوں کی خباثت نفس اور کینہ پروری کا بیان ہے کہ مسلمانوں کی تکلیف سے خوش ہوتے ہیں اور اُن کی خوشی اور خوشحالی سے رنجیدہ۔ حَسَنَةٌ مسلمانوں کی اندرونی تنظیم یا کافروں پر اُن کی فتح وغلبہ سَیِّئَةٌ۔ مثلاً کوئی ہنگامی شکست۔ و۲۴۸ (اللہ اُن کی سزا پر ہر طرح قادر ہے) وَاِنْ تَصْبِرُوْا۔ منافقین کے کید و مکر اور شدید مخالفین کے عناد و مخالفت کے نتائج سے محفوظ رہنے کا کتنا آسان اور سہل الحصول نسخہ یہاں مسلمانوں کو بتا دیا گیا ہے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو، اپنی اصلاح میں لگے رہو۔ استقامت علی الحق کا دامن ہاتھ سے نہ دو۔ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا۔ صبر و تقویٰ، ان دو مختصر سے عنوانات کے اندر ساری تنظیمی جدوجہد و مشغولیت کس ایجاز و جامعیت کے ساتھ آگئی۔ آیت میں اس کی تعلیم بھی آگئی کہ دشمن سے محفوظ رہنے کے لیے بہترین حربہ صبر و تقویٰ کا ہے۔ هٰذا تعلیم من الله وارشادٌ الٰی ان یستعان علٰی کید العدو بالصبر والتقوٰی (مدارک) و۲۴۹ (دامن جبل اُحد کی طرف) اب ذکر جنگ اُحد کا شروع ہو رہا ہے۔ اُحد مدینہ منورہ سے شمال کی جانب ڈھائی تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے۔ بدر میں شکست کھائے ہوئے مشرکین مکہ جوش انتقام سے دیوانہ ہو رہے تھے۔ ہجرت کا تیسرا سال قریب ختم کے تھا۔ اور واقعہ بدر پر ایک سال گزر چکا تھا، کہ مکہ والوں کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ اب کی تیاریاں بڑے انتظام و اہتمام کے ساتھ اور بہت بڑے پیمانہ پر ہوئی تھیں۔ قریش کی جمعیت ۳ ہزار کی تھی، ان میں ۷۰۰ جوان زرہ پوش تھے، ۲۰۰ سوار اور باقی شتر سوار تھے، قوم اور قبیلہ کے بڑے بڑے سردار سب ساتھ ہوئے، بڑی بات یہ کہ عورتیں بھی شریک جنگ ہوئیں۔ ہاتھوں میں باجے لیے ہوئے پرجوش نظمیں پڑھتی جاتی تھیں اور مقتولین بدر کے انتقام پر اپنے عزیزوں، قریبوں کو خوب اُبھارتی جاتی تھیں، جنگ میں عورتوں کی شرکت آج بیسویں صدی کی ''جدت'' نہیں۔ جاہلی مشرک قوموں کا پرانا شعار ہے۔ اسلامی فوج اس کے مقابلہ میں کل ایک ہزار تھی اور سامان کی کیفیت یہ تھی کہ علاوہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سواری مبارک فوج بھر میں صرف ایک گھوڑا اور تھا۔ اس سے بڑھ کر ستم یہ ہوا کہ صبح سویرے عین اس وقت جب غنیم سامنے نظر آیا اور مسلمان اپنے مقدس امیر الجیش کے ساتھ ابھی نماز ہی میں مشغول تھے، عبداللہ بن ابی مدینہ کا پرانا اور ذی اثر لیڈر یہ عذر کر کے کہ جب ہماری رائے نہیں سنی جاتی اور شہر کے اندر ہی محصور ہو کر نہیں لڑا جاتا تو ہم بیکار اپنی جانیں دوسرے کے کہنے پر کیوں دیں اپنے ۳۰۰ ساتھیوں کو لے کر شہر کو واپس چلا گیا۔ لشکر اسلام کی کل جمعیت ۷۰۰ کی رہ گئی۔ ان میں بھی زرہ پوش کل ۱۰۰۔ مقابل فوج تعداد میں چوگنی سے زائد۔ اور ساز و سامان کے لحاظ سے بھی کہیں زیادہ آراستہ! وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ میں مِنْ۔ عِنْدِ کے معنی میں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ سے برآمد ہوئے تھے۔ کان الخروج من حجرة عائشة (روح) یعنی خرجت بالصباح من منزلک من عند عائشة (قرطبی) مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ۔ ترتیب صفوف اور مورچوں کی تناسب موضعیت کی اہمیت جس طرح سکندر و دارا کے زمانہ میں تھی، جدید فن حرب میں بھی بالکل مسلم۔ اور ملٹری سائنس کی کتابوں میں ''پوزیشن'' Position کی اہمیت کی تشریح میں صفحہ کے صفحہ وقف رہتے ہیں، اُمت کا رہبر کامل، مقدس نبی ہونے کے علاوہ سپہ دار اعظم کی حیثیت سے بھی بے نظیر تھا۔ Tom Andre نامی بیسویں صدی کا ایک مسیحی مؤرخ عرب ہے، وہ اپنی سوانح محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپؐ کے اس کمال خصوصی کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے ''برخلاف اپنے مخالفین کے جو محض ہمت و شجاعت ہی رکھتے تھے...... محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہنا چاہیے کہ فن حرب کی بھی نئی راہ نکالی۔ مکہ والوں کی بے دھڑک اور اندھا دھند جیوٹ کے مقابلہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب دور اندیشی اور سخت قسم کے نظم و انضباط سے کام لیا''۔ (صفحہ ۲۰۳) (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) مولانا شبلی مرحوم نے الفاظ کے ذریعہ سے گویا پورا معرکہ اُحد کا کھینچ دیا ہے:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی، مصعب بن عمیر کو علم عنایت کیا، زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام رسالہ کے افسر مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس حصہ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھے، پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن ادھر سے آئیں، اس لیے پچاس تیر اندازوں کا دستہ متعین فرمایا۔ اور حکم دیا کہ گو لڑائی فتح ہو جائے، تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹیں، عبداللہ بن جبیر ان تیر اندازوں کے افسر مقرر ہوئے، قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا، اس لیے انہوں نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا، میسرہ عکرمہ کو دیا جو ابوجہل کے فرزند تھے، سواروں کا

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ

اعتماد رکھنا چاہیے ف۲۵۳ اور یقیناً اللہ نے تمہاری نصرت کی بدر میں حالانکہ تم

اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ

پست تھے، تو اللہ سے ڈرتے رہو، عجب کیا کہ شکرگزار بن جاؤ ف۲۵۴ (وہ وقت یاد کیجئے) جب آپ مومنین سے

لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ

کہہ رہے تھے کہ کیا یہ تمہارے لیے کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد

بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ

تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے کرے ف۲۵۵ کیوں نہیں،

اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ

بشرطیکہ تم نے صبر و تقوی قائم رکھا ف۲۵۶ اور اگر وہ تم پر فوراً آ پڑیں گے ف۲۵۷

هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد پانچ ہزار نشان کیے ہوئے فرشتوں سے

مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ

کرے گا ف۲۵۸ اور یہ تو اللہ نے اس لیے کیا کہ تم خوش ہو جاؤ

وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ

اور تمہیں اس سے دلجمعی حاصل ہو جائے، ورنہ نصرت تو بس زبردست

اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ ۙ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ

اور حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے ف۲۵۹ (اور یہ نصرت اس غرض سے تھی) تاکہ کفر کرنے والوں

كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ

میں سے ایک گروہ کو ہلاک کردے یا انہیں خوار کردے کہ وہ ناکام ہو کر واپس جائیں ف۲۶۰ آپ

ع

کے وقت کام آئیں (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۷۳ طبع اوّل) ف۲۵۰ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ سمع وعلم کی صفات کو یاد دلا کر اس طرف اشارہ کردیا کہ اس وقت مخالفین وموافقین جو کچھ اپنی اپنی جگہ پر کہہ سن رہے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں آ چکا، اور اس موقع پر مخالفین وموافقین دونوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا، اس میں سے کوئی شے اس سے مخفی نہ رہی۔ ف۲۵۱ (اور جنگ سے الگ ہو بیٹھیں۔ لیکن اس ارادہ پر عمل نہیں کرنے پائیں) هَمَّتْ۔ هَمّ کے معنی عربی میں پختہ قصد وعزم کے بھی ہیں اور محض خفیف سے خیال اور شائبہ قصد کے بھی، یہاں مراد یہی آخری معنی ہیں الھم قد یراد به العزم و قد یراد به الفکر و قد یراد به حدیث النفس (کبیر) والظاھر ان ھذا الھم لم یکن عن عزم بل کان مجرد حدیث نفس و وسوسة (روح) طَّآئِفَتٰنِ ان دو جماعتوں سے مراد قبیلہ اوس کے بنی حارثہ اور قبیلہ خزرج کے بنی سلمہ ہیں۔ الطائفتان بنو سلمة من الخزرج و بنو حارثة من الاوس (ابن ہشام) ان دونوں دستوں نے عبداللہ بن ابی کی مثال دیکھ آن کی آن کمزوری اور بدہمتی محسوس کی لیکن اللہ کے فضل نے دستگیری کی، اور وسوسہ کو وسوسہ کے درجہ سے آگے بڑھنے نہ دیا۔ اور یہ خیال بھی جو نہیں پیدا ہوا، اپنی قلت تعداد، قلت سامان، غرض ضعف مادّی کی بنا پر پیدا ہوا نہ کہ ضعف ایمان سے۔ انما کله ذٰلک منھما من ضعف اووھن اصابھما من غیر شک فی دینھما (ابن ہشام) انیسویں صدی عیسوی کا انگریز باسورتھ اسمتھ ابتدائی غزواتِ اسلام سے متعلق جو عموماً تاریخی استناد رکھتے ہیں، کہتا ہے کہ یہ مظاہرے اخلاص وایثار وشجاعت کے لحاظ سے ہومر کے افسانوں سے بڑھے ہوئے ہیں (محمد اینڈ محمد زم صفحہ ۲۰۷) ف۲۵۲ (چنانچہ اس موقع پر بھی اس نے دستگیری کی اور اپنا فضل قائم رکھا) آیت ان دونوں ٹکڑیوں پر اظہار عتاب کے لیے نہیں، اظہار عنایت خاص والتفات کے لیے ہے''۔ حافظھما و ولاھما عن ذٰلک (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۲۵۳ (اور چاہیے کہ آئندہ یاس وبدہمتی کے جذبات کو اپنے پاس بھی نہ پھٹکنے دیں) توکل طریقت کے اعلیٰ صفات میں سے ہے اور محققین صوفیہ نے اس کی حقیقت پر مفصل بحثیں کی ہیں۔ ف۲۵۴ (یعنی تقویٰ کی عادت تمہیں شکرگزار بنا دے گی) بَدْر مدینہ کے جنوب ومغرب میں کوئی ۲۰ میل کے فاصلہ پر ایک پڑاؤ اور منڈی کا نام ہے۔ اس وقت اسے اہمیت اس لیے حاصل تھی کہ یہاں پانی کی افراط تھی اور یہ عرب میں ایک بڑی چیز تھی۔ توحید اور شرک کے درمیان یہیں سب سے پہلا قابل ذکر تصادم بروز جمعہ ۱۷ رمضان ۲ ہجری (۱۱۔ مارچ ۶۲۴ء) کو پیش آیا تھا۔ اس غزوہ نے گویا اسلام کی اور اس طرح بالواسطہ ساری دنیا کی تاریخ کا رُخ ہی پلٹ دیا تھا، فرنگی مؤرخین بھی اس کی اہمیت کے پوری طرح قائل ہیں۔ ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے:۔ ''فتوحاتِ اسلامی کے سلسلہ میں جنگ بدر انتہائی اہمیت رکھتی ہے''۔ (جلد ۸ صفحہ ۱۲۲) اور امریکی پروفیسر ہٹی Hitti کی ''ہسٹری آف دی عربس'' میں ہے:۔ ''یہ اسلام کی سب سے پہلی فتح مبین تھی'' (صفحہ ۱۱۷) وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ یعنی تعداد میں قلیل اور سامان میں حقیر۔ مسلمان تعداد میں کل ۳۱۳ تھے، اس ''فوج'' کے ہمراہ گھوڑے صرف دو تھے اور اونٹ ۷۰ کی تعداد میں، اُنہی پر لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ ای بقلة العدد والسلاح (جلالین) معناھا قلیلون (قرطبی) فی حالة قلة و ذلة (بحر) یعنی ما کانوا علیه من الضعف و قلة السلاح والمال والمرکوب (بحر) فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی جیسا کہ ابھی واقعہ بدر کی مثال میں تم نے دیکھ لیا۔ تم نے اپنی طرف سے تقویٰ کا حق ادا کردیا، تو ادھر سے فضل باری اور نصرت الٰہی نے بھی کیسی دستگیری کی۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ۔ خطاب مومنین سے ہے، انہیں مستقبل میں ثابت قدم رکھنے کے لیے ماضی قریب سے نظیر لائی جا رہی ہے، کہ دیکھو ابھی پچھلے ہی سال تم نے کس قدر نازک موقع پر اعتماد علی اللہ سے کام لیا تو فضل الٰہی نے تمہیں کیسے حیرت انگیز طریقہ پر کامیاب کر دکھایا۔ ف۲۵۵ (جو آسمان سے خاص اسی غرض کے لیے اتارے گئے ہوں) اِذْ تَقُوْلُ میں ذکر اُس وقت کا ہے، جب میدان بدر میں یہ خبر اُڑ گئی تھی کہ غنیم کو زبردست کمک پہنچ گئی ہے، اور آپ مومنین کو تسلی دے رہے تھے۔ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ تمہارے لیے کافی نہیں، یعنی کیا تمہاری تسکین وتسلی کے لیے یہ کافی نہیں۔ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ۔ امداد غیبی کے موقع پر صفت ربوبیت کا اظہار اور وہ بھی مخاطبین کی طرف اضافت کے ساتھ بہترین پیرایہ بلاغت واسلوب بیان ہے، آج کے ماہرین فن حرب پر بھی خوب روشن ہے کہ سپاہ کی ہمت قائم رکھنا، ان کے Morale کا درست رکھنا جنگ میں کامیابی کا کتنا بڑا اور اہم عنصر ہے! ف۲۵۶ (میدانِ جنگ میں اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ نہ موڑو گے) غور کرکے دیکھ لیا جائے، سارا زور صبر وثبات اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ جنگ اُحد سے قبل اُمت کے سپہدارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ اپنی سپاہ کے سامنے دیا تھا، اور جو حدیث کی کتابوں میں منقول چلا آتا ہے، اس میں یہ مضمون خصوصیت کے ساتھ ہے کہ:۔ ''اگر ثابت قدم رہو گے تو اللہ تمہی کو مظفر ومنصور کرے گا۔ اپنے پروردگار پر اعتماد رکھو، ثابت قدم رہو، اور فتح تمہی کو نصیب ہوگی''۔ ف۲۵۷ (اور اچانک حملہ کی حالت میں امداد ''بشری'' عادةً ممتنع ہوتی ہے) يَاْتُوْكُمْ کے فاعل وہی مخالفین ومعاندین ہیں۔ ای المشرکون (روح) مِّنْ فَوْرِهِمْ۔ لفظة الفور تدل علی السرعة والعجلة (بحر) استعیر للسرعة (بیضاوی) ف۲۵۸ مُسَوِّمِيْنَ۔ یعنی کسی امتیازی علامت کے ساتھ ممتاز۔ ای معلمین بعلامات (قرطبی) رہا یہ امر کہ واقعۂ نزول ملائکہ ہوا اور انہوں نے کافروں سے قتال کیا تو قرآن اس باب میں خاموش ہے، اور روایتوں میں قول دونوں قسم کے ملتے ہیں۔ ''لم تتعرض الاٰیة الکریمة لنزول الملٰئکة ولا لقتالهم المشرکین و قتلهم بل هو امر مسکوت عنه

في الأية (بحر) قال ابن عباس و مجاهد لم تقاتل الملائكة الايوم بدر و قال بعضهم انما كانت الفائدة في كثرة الملائكة انهم كانوا يدعون و يسبّحون و يكثرون الذين يقاتلون يومئذ فعلٰى هٰذا لم تقاتل الملائكة يوم بدر و انما حضروا للدعاء بالتثبيت والاول اكثر (قرطبی) لا دليل فيها على و قوع قتالهم ولا علٰى عدمه لاحتمالها الامرين و بكلٍ قال بعض (روح) عامر شعبی کی روایت ہے کہ مسلمانوں کو خبر یہ پہنچی تھی کہ مشرکین کی مدد کے لیے کرز بن جابر محاربی آ رہا ہے، اس ڈر کو مسلمانوں کے دل سے دُور اور انہیں ڈھارس بندھانے کے لیے ان سے کہا گیا کہ تمہاری کمک پر بھی تو فرشتوں کے جھنڈ موجود ہیں، لیکن اُدھر نہ کرز مع اپنی جماعت کے آیا اور نہ اِدھر فرشتوں کو قتال کی ضرورت پڑی۔ فبلغت الكرز الهزيمة فرجع ولم يمدهم بالخمسة (ابن جریر) فبلغ كرز او اصحابه الهزيمة فلم يمدهم و لم تتنزل الخمسة (ابن جریر) ف۲۵۹ (نہ کہ فرشتوں، یا اور کسی مخلوق کی طرف سے) یہ گویا صاف طور پر بتا دیا کہ حقیقۃً متصرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے، فرشتے ہوں یا کوئی اور، کسی کا بھی ذریعہ امداد ہونا سبب ظاہری کے درجہ سے زیادہ نہیں، ملائکہ پرستی، دیوتا پرستی کی جڑ یہیں سے کٹ جاتی ہے۔ ضمناً اس جانب بھی اشارہ ہو گیا کہ اسلام کی کامیابی، اور فتحمندی حقیقۃً تمامتر تائید غیبی کا نتیجہ ہے۔ وَمَا جَعَلَهُ میں ضمیر اسی وعدۂ امداد ملائکہ کی جانب ہے۔ الهاء للوعد او الامداد (قرطبی) ای الامداد (روح) اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ

لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ

کو اس امر میں کوئی دخل نہیں، (اللہ) خواہ ان کی توبہ قبول کرے، خواہ

یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

انہیں عذاب دے اس لیے کہ وہ ظالم ہیں ف۲۶۱ اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَ مَا فِی الْاَرْضِ ط یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ

اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے

مَنْ یَّشَآءُ ط وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ

عذاب دے اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے، ف۲۶۲ اے ایمان والو

اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص وَّ اتَّقُوا

سود کئی کئی حصہ بڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ سے

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ ج وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ

ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ، ف۲۶۳ اور اس آگ سے ڈرو جو

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ ج وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ

کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ف۲۶۴ اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ج وَ سَارِعُوْۤا اِلٰی مَغْفِرَةٍ

تاکہ تم پر رحم کیا جائے، ف۲۶۵ اور مغفرت کی طرف

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ لا

جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، ڈرو اور جنت کی طرف (دوڑو) جس کا عرض سارے آسمان اور زمین ہیں ف۲۶۶

اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ لا الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ

اور جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے، ف۲۶۷ یہ وہ لوگ ہیں جو فراغت اور تنگی (دونوں) میں

ع ۱۳

قُلُوْبُكُمْ بِهٖ۔ یعنی یہ تو فتح و نصرت کا صرف مقدمہ تھا۔ وَ مَا النَّصْرُ سے مراد نصرت حقیقی و واقعی ہے۔ الْعَزِیْزِ۔ اس پر قادر کہ جب اور جیسے بلا اسباب ظاہر، بلکہ خلاف اسبابِ ظاہر فتح دلا دے اور کامیاب کرا دے۔ الْحَكِیْمِ۔ عام فطرت بشری کی رعایت سے اسباب ظاہری کا جمع کر دینے والا۔ ف۲۶۰ ذکر ابھی غزوہ بدر کا چل رہا ہے۔ اور اشارات و تلمیحات اسی کی جانب ہیں۔ لِیَقْطَعَ طَرَفًا۔ قطع یہاں ہلاک کرنے کے معنی میں ہے۔ اور ل کا تعلق نصرکم (آیت ماقبل) سے ہے۔ و نظم الأية ولقد نصركم الله ببدر ليقطع (قرطبی) ای ليهلك جماعةً (راغب) ليهلك طائفة منهم (کشاف) لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یعنی کافروں کو تمہارے ہاتھوں تباہ و ہلاک کرا دے جیسا کہ جنگ بدر کے موقع پر ہوا، کہ قریش کے لیڈروں میں سے ستّر کی تعداد میں اس روز قتل ہوئے اور اسی قدر قید بھی۔ یَكْبِتَهُمْ۔ یعنی دنیا کی نظروں میں ذلیل و رسوا۔ ف۲۶۱ (اور اس لیے فوری عذاب کے مستحق) روایتوں میں آتا ہے کہ آپ نے چند شدید اور موذی قسم کے کافروں کے حق میں بددعا کی تھی، اس پر آیت نازل ہوئی۔ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ۔ یعنی انہیں قبول اسلام کی توفیق دے دے۔ اتنے ہی ٹکڑے سے ظاہر ہو گیا تھا کہ مکہ کے کافروں میں سے کچھ ضرور ایمان لے آئیں گے، چنانچہ لے آئے۔ یُعَذِّبَهُمْ۔ یعنی اسی دنیا میں عذاب دے دے۔ ف۲۶۲ (سو معاملۂ مغفرت و رحمت کرنے کے لیے اسے کسی خاص سبب کی ضرورت ہی نہیں) یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ اور یہ مغفرت اس کے عام قانونِ رحمت کے مطابق ہوگی۔ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ۔ اور یہ عذاب اس کے خاص قانونِ حکمت کے ماتحت ہوگا۔ اللہ کی ملکیت آسمان و زمین پر حاشیے سورۂ بقر میں گزر چکے۔ ف۲۶۳ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، تقویٰ اور فلاح میں یہ لزوم بتا کر گویا اس حقیقت کا اظہار کر دیا کہ فلاح و کامیابی یا دنیا میں عافیت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا راز، احکامِ تقویٰ پر عمل کرنے میں ہے۔ لَعَلَّكُمْ۔ لَعَلَّ کے لفظی معنیٰ "عجب نہیں" کے ہیں۔ لیکن اُوپر گزر چکا ہے کہ لَعَلَّ جب وعدۂ الٰہی کے بیان میں آتا ہے تو اس کے مفہوم میں بجائے شک و تردد کے یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ترجمہ "تا کہ" سے صحیح ہوتا ہے۔ قال اهل التفسير ان لعل و عسٰى من الله للتحقيق (مدارک) لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا۔ یعنی سودی کاروبار، لین دین کو بالکل حرام سمجھو، حرمت سود پر حاشیے پارۂ سوم میں ختم سورۂ بقر کے قریب گزر چکے۔ اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً، سود کم بخت کی خاصیت ہی یہ ہے کہ جو مفلس ہیں وہ مفلس تر اور جو امیر ہیں وہ امیر تر ہوتے جاتے ہیں۔ آیت میں سود کے اسی دوگنے چوگنے ہو جانے والے وصف کی طرف اشارہ ہے، یہ مراد نہیں کہ سود مرکب نہ لو اور سود مفرد لے سکتے ہو۔ متکلمین نے کہا ہے کہ آیت سے فرقۂ مرجیہ کا رد نکل رہا ہے، جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان کے بعد کوئی معصیت کفر نہیں، اور نہ مومن کے لیے کسی حال میں دوزخ کا عذاب ہے، فيه رد على المرجئة في قولهم لا يضر مع الايمان ذنب ولا يعذب بالنار اصلاً (مدارک) ف۲۶۴ یعنی وہ جہنم کی آگ اصلاً ہے کافروں ہی کے لیے، کہیں تم کافروں کے سے اعمال کر کر کے اپنے کو ان کی لپیٹ میں نہ لے آنا۔ اکثر ائمہ تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ یہ وعید ان لوگوں کے لیے ہے، جو سود خواری کو عقیدۃً حلال سمجھتے تھے اور اس لیے حدودِ کفر میں داخل تھے۔ قال كثير من المفسرين و هٰذا الوعيد لمن استحل الربٰوا و من استحل الربٰوا فانه يكفر (قرطبی) و قال ابن عباس هٰذا تهديد للمؤمنين لئلا يستحلوا الربٰوا (بحر) و قال الزجاج والمعنٰى، اتقوا ان تحلوا ما حرم الله فتكفروا (بحر) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ قرآن مجید کی بہت ہی زیادہ ڈرانے والی آیت ہے، کہ اس میں دوزخ سے جو حقیقۃً کفر کی سزا ہے، ان لوگوں کو بھی ڈرایا گیا ہے، جو اللہ کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں سے نہیں بچتے۔ كان ابو حنيفةؒ يقول هي اخوف أية في القراٰن حيث اوعدالله المنافقين بالنار المعدة للكٰفرين ان لم يتقوه في اجتناب محارمه (مدارک) ف۲۶۵ (دنیا اور آخرت، دونوں میں) لَعَلَّ پر حاشیہ ابھی اُوپر گزر چکا ہے۔ وَاَطِیْعُوا۔ یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت خوش دلی کے ساتھ کرو۔ ف۲۶۶ (اپنے اعمال کے ذریعہ سے) اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ

وَ الضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ

خرچ کرتے ہیں اور غصہ کے ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے درگزر

النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ

کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے و۲۶۸ اور یہ وہ لوگ ہیں

اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا

کہ جب کوئی بیجا حرکت کر بیٹھتے یا اپنے ہی حق میں کوئی ظلم کر ڈالتے ہیں تو اللہ کو

اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَ مَنْ يَّغْفِرُ

یاد کر لیتے ہیں اور اپنے گناہوں سے معافی طلب کرنے لگتے ہیں و۲۶۹ اور اللہ تعالیٰ

الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَ لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا

کے سوا ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو۔ اور یہ (لوگ) اپنے کیے ہوئے پر اصرار نہیں کرتے

وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ

درآنحالیکہ وہ جان رہے ہوں و۲۷۰ ایسے لوگوں کی جزا اُن کے پروردگار کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

بخشش ہے اور (بہشت کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ

ان میں وہ ہمیشہ (ہمیش) رہیں گے۔ اور کام کرنے والوں کے لیے کیسا اچھا معاوضہ ہے و۲۷۱ یقیناً

خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

تم سے قبل (مختلف) طریقہ گزر چکے ہیں، سو تم روئے زمین پر چلو پھرو

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا

اور دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے و۲۷۲ یہ ایک

زُيِّنَتْ۔ ہر مومن کا منتہائے عمل اور منزل مقصود یہی مغفرتِ پروردگار ہونا چاہیے۔ و۲۶۷ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام محض ایک سلبی حقیقت کا نام نہیں، محض گناہوں سے بچنا کافی نہیں، بلکہ مسلمانوں کو حکم اس کا بھی ملا ہے کہ اسلام کے ایجابی پہلو کا بھی پورا حق ادا کریں، نیکیوں کی جانب لپکیں اور اس طرح جنت کو حاصل کر کے رہیں جو رضاء الٰہی کا محل اور ظہور رحمت کامل کا مقام ہے۔ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ یعنی وہ بے انتہا وسیع ہے، اس میں سب کی گنجائش ہے۔ وہاں چپقلش اور عدم گنجائش کا احتمال ہی نہیں۔ جنت کی بجنسہٖ پیائش بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ صرف اس کی بے انتہا وسعت اور گنجائش کا اظہار مقصود ہے، عربی محاورہ میں انتہاء وسعت کے اظہار کا یہی پیرایہ ادا ہے۔ كناية عن غاية السعة بما هو فى تصور السامعين (روح) المقصود فى وصف سعة الجنة و ذلك لانه لاشئ عندنا اعرض منهما (کبیر) قال القفال ليس المراد ههنا ما هو خلاف الطول بل هو عبارة عن السعة (کبیر) و۲۶۸ آرنلڈ وغیرہ فرنگی فاضلوں نے کہا ہے کہ عرب جیسی تندخو، جنگجو، جدل پیشہ قوم کے سامنے حلم وضبط، صلح وآشتی کے ایسے معیار پیش کرنا، اور پھر اس تعلیم کو کامیاب بنانا بجائے خود ایک اعجاز ہے۔ يُنْفِقُوْنَ۔ یعنی راہِ حق میں، دین کی خدمات میں خرچ کرتے رہتے ہیں، مطلق خرچ کرتے رہنا، چاہے کیسے ہی بیہودہ مقاصد کے لیے ہو، ظاہر ہے کہ شریعت میں ہرگز پسندیدہ نہیں۔ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ یعنی ہر حال اور ہر صورت میں دین اور اُمت کی مالی ضرورتوں سے متعلق خرچ کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ خوش حال ہوئے تو مسرفانہ عیش پرستیوں میں پڑ کر نیک کاموں سے ہاتھ ہی روک لیا یا تنگدست ہوئے تو ناشکری میں آ کر اپنی بساط بھر بھی خرچ کرنے سے رک گئے۔ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ۔ کظم کہتے ہیں غصہ کے ضبط کر جانے کو، تو یہ لوگ وہ ہوئے جو غصہ سے مغلوب نہیں ہو جاتے، بلکہ اس سے مقابلہ کر کے اُسے زیر کر لیتے ہیں، اور اپنے اُوپر قابو رکھتے ہیں، بعض اہل تحقیق نے یہ خوب لکھا ہے کہ یہاں فاقدمن الغيظ ارشاد نہیں ہوا ہے یعنی مدح اس کی نہیں آئی ہے کہ غصہ سرے سے آتا ہی نہیں ہو، بلکہ اس کی آئی ہے کہ اسے قابو میں رکھا جائے، اور عقل جذبات کے اُوپر حاکم رہے۔ غصہ پیدا ہوتا ہے حرارت طبعی یا حمیت سے، اسے سرے سے فنا کر دینا ہرگز اسلام کو مقصود نہیں، مقصود اسے صرف حدود کے اندر رکھنا ہے، غصہ مطلق صورت میں ہرگز ممنوع نہیں، نہ شرعاً معصیت نہ عقلاً مضر۔ بلکہ اگر حدود کے اندر رہے اور محل مناسب پر پیدا ہو تو عیب نہیں ہنر ہے۔ غصہ کے ضبط کر جانے کی فضیلتیں حدیث نبوی میں بہ کثرت وارد ہوئی ہیں۔ مثال کے لیے صرف ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ من كظم غضبا وهو يقدر على انفاذه ملأ الله قلبه امنا و ايمانا۔ (قدرتِ نفاذ کے باوجود جو شخص اپنے غصہ کو روک لے جائے اللہ اس کا قلب امن و ایمان سے لبریز کر دے گا۔ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ۔ یعنی لوگوں کے قصوروں، اور خطاؤں کو معاف بھی کر دیتے ہیں، یہی نہیں کہ باوجود قدرت و استطاعت خطاوار سے انتقام نہیں لیتے، بلکہ اسے معاف بھی کر دیتے ہیں، یہ درجہ کاظمین الغیظ سے بلند تر ہے، وہ اگر محض ایک سلبی کیفیت تھی، تو یہ ایک ایجابی مرتبہ ہے۔ الْمُحْسِنِيْنَ محسنین کا درجہ کاظمین وعافین دونوں سے بلند تر ہے۔ یعنی عفو سے بھی آگے بڑھ کر یہ اور حسن سلوک سے پیش آتے ہیں، اخلاقی تعلیم کے موقع پر قرآن نے اکثر تدریج کو پیش نظر رکھا ہے، اور اس کی بہترین مثال یہ آیت ہے، تینوں مقامات فضیلت کے ہیں لیکن یہ تیسرا مقام فاضل ترین ہے۔ محدث بیہقی نے سیدنا حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے متعلق روایت نقل کی ہے کہ آپ کو ایک جاریہ وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر آپ پر گرا۔ غصہ آنا امر طبعی تھا۔ جاریہ نے فوراً الفاظ قرآنی الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ اپنی زبان سے ادا کیے۔ آپ کا غصہ دُور ہو گیا، پھر جاریہ نے الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ پڑھا، آپ نے فرمایا "میں نے معاف کر دیا" اب جاریہ کی زبان پر وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ آیا، آپ نے فرمایا "جا میں نے تجھے آزاد کر دیا" (روح)۔ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو خیر من و عن، قرآن کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی تھی ہی۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق قرب و قرابت رکھنے والے بھی کس درجہ نفوسِ قدسیہ کے مالک بن چکے تھے۔ و۲۶۹ (قاعدۂ شرعی کے مطابق) فَعَلُوْا فَاحِشَةً۔ فاحشۃ کا اطلاق ہر گناہ کے لیے عام ہے، یہاں مراد وہ برائی ہے جو کسی دُوسرے کے ساتھ کی جائے یعنی کسی حق عبد کی ادائی میں کوتاہی ہو جائے۔ الفاحشة مطلق على كل معصية (قرطبی) اصل الفحش مجاوزة الحد فى السوء (روح) الفاحشة الذنب الذى فيه ...... (بحر) اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یعنی حقوق اللہ کا اتلاف اگر ان سے ہو جائے۔ ولعل الفاحشة مايتعدى و ظلم النفس ما ليس كذلك (بیضاوی) ظلم النفس ما بين العبد و بين ربه (بحر) ذَكَرُوا اللّٰهَ کا اشارہ اس طرف ہے کہ نافرمانیاں ان سے پورے قصد وتعمد کے بعد خباثت نفس کی بنا پر سرزد نہیں ہوا کرتیں، بلکہ احکام الٰہی کا ذہول اُن کے ذہن سے وقتی طور پر ہو جاتا ہے۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گاہ گاہ لغزشوں کا صادر ہوتے رہنا، قرب وتعلق مع اللہ کے منافی نہیں۔ اصل اور مقدم شے ہر غلطی اور کوتاہی کی تلافی اور تدارک کی فکر اور اس کی مناسب تدبیر ہے۔ فَاسْتَغْفَرُوْا۔ استغفار صحیح ومعتبر وہی ہے جو محض زبان سے نہیں دل کی حسرت وندامت کے ساتھ اور اس عزم کے ساتھ ہو کہ اب وہ گناہ دوبارہ نہیں ہونے پائے گا ورنہ اگر ہاتھ میں تسبیح چل رہی ہے اور دل بدستور گناہوں سے لذت لے رہا ہے تو اکابر نے کہا ہے کہ یہ استغفار خود قابل استغفار ہے اور عجب نہیں کہ ایسے استغفار کا شمار استہزاء میں ہو جائے الاستغفار المطلوب هو الذى يحل عقد الاصرار و يثبت معناه فى الجنان لا التلفظ باللسان (قرطبی) روى عن الحسن البصرى انه

قال استغفارنا یحتاج الی استغفار (قرطبی) ھذا یقولہ فی زمانہ فکیف فی زماننا ھذا الذی یُری فیہ الانسان قائمًا علی الظلم حریصًا علیہ لا یقلع والسبحة فی یدہ زاعما انہ یستغفر اللہ من ذنبہ ...... واستخفاف (قرطبی) و۲۷۰ (یعنی اپنی کسی غلطی پر جان بوجھ کر ہرگز جے نہیں رہتے) وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ یہ تنبیہ ہے اس پر کہ گناہوں کی معافی صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کسی نبی، ولی، فرشتہ وغیرہ کے ہاتھ میں نہیں اور اس میں خصوصیت کے ساتھ رد ہے اس مسیحی عقیدہ کا کہ گناہوں کی معافی مسیح بلکہ ان کے نائبوں کے اختیار میں ہے۔ ملاحظہ ہو انجیل:۔ ”جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے، میں تمہیں بھیجتا ہوں، اور یہ کہہ کر ان پر پھونکا اور ان سے کہا کہ روح القدس کو لو، جن کے گناہ تم بخشو، ان کے بخشے گئے ہیں اور جن کے گناہ تم قائم رکھو، ان کے قائم رکھے گئے ہیں“۔ (یوحنا۔ ۲۰: ۲۱۔ ۲۴) يَعْلَمُوْنَ۔ ای یعلمون قبح فعلھم (روح) والمراد لم یصروا عالمین (روح) و۲۷۱ اُولٰٓئِكَ کا اشارہ صاف اُنہی لوگوں کی طرف ہے جن کا ذکر ابھی آچکا ہے، غلطیاں، خطائیں، لغزشیں بھی ان سے صادر ہوتی رہتی ہیں، اور ساتھ ہی وہ اُن کی تلافی اور تدارک بھی کرتے رہتے ہیں، اُنہی کے لیے یہ جنت کی نعمتیں بیان ہو رہی ہیں، عَامِلِيْنَ۔ لفظی معنی عمل کرنے والے کے ہیں۔ محاورۂ قرآنی میں اس سے مراد عمل صالح کرنے والے ہیں۔ و۲۷۲ سُنَنٌ یعنی مختلف طور طریقہ اور ان طور طریقوں پر عمل کرنے والے۔ مختلف مسلکوں اور مشربوں کے لوگ، مشرک و کافر بھی، موحد و مومن بھی۔ قال الزجاج والمعنی اھل سنن فحذف المضاف (قرطبی) ساری گزشتہ اُمتوں اور قوموں کی طرف جامع اشارہ ان الفاظ میں آگیا۔ اور سنة کے معنی خود امة کے بھی کیے گئے ہیں، اس لیے سنن۔ امم کا مرادف ہوگا۔ السنة الامة والسنن الامم (قرطبی) و قال الفضل ان المراد بھا الامم و قد جاءت السنة بمعنی الامة فی کلامھم (روح) سِيْرُوْا۔ فَانْظُرُوْا۔ دونوں صیغہ امر کے ہیں۔ لیکن مقصود سیاحت نہیں بلکہ سرکش جاہلی قوموں سے عبرت حاصل کرنا ہے۔ خواہ جس ذریعہ سے بھی حاصل ہو۔ سیاحت سے، تاریخ سے، وقس علیٰ ہذا۔ لیس المراد الامر بذالک لا محالة بل المقصود تعرف احوالھم فان حصلت ھذہ المعرفة بغیر السیر فی الارض کان المقصود حاصلاً (کبیر) تاریخ اثریات وغیرہ کا مطالعہ اگر صحیح نقطۂ نظر اور ایمان و معرفت کے پہلو سے کیا جائے تو یہ بجائے خود ایک جہاد ہے۔ الْمُكَذِّبِيْنَ یعنی دین حق کی جھٹلانے والی قوموں اور اُمتوں کا۔ و۲۷۳ مطلب یہ ہوا کہ قرآن اعلان نامہ تو ہے ساری دُنیا کے لیے لیکن اس سے نفع وہی لوگ اٹھائیں گے جن کے دلوں میں خوف خدا موجود ہوگا۔ ھٰذَا۔ اشارہ قرآن مجید کی جانب ہے۔ یعنی القراٰن عن الحسن وغیرہ (قرطبی) قال الحسن و قتادة و ابن جریج والربیع الاشارة الی القراٰن (بحر) ای ھٰذا القراٰن (معالم) بعض نے وہ امر و نہی، وعدہ و وعید مراد لیے ہیں جو اُوپر گزر چکے ہیں۔ یعنی بقول ھٰذا ما تقدم بین امرہ و نھیہ و وعدہ و وعیدہ (کبیر) الاشارة الی ماخص من امر الکفار والمتقین والتائبین (روح) ای القراٰن او ما تقدم من الکتب (مدارک) و۲۷۴ (اے ایمان والو) اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ وعدۂ غلبہ کے لیے شرط ایمان پر ثبات کی لگی ہوئی ہے۔ یہ خوب خیال رہے۔ الْاَعْلَوْنَ۔ یہ علو و غلبہ کا وعدہ ہر قسم کے علو و غلبہ کو حاوی ہے۔ خواہ وہ مادی ہو یا روحانی، گو بیان پر نظر کر کے غلبہ مادی ہی اغلب ہے۔ یعنی الغالبین علی الاعداء (قرطبی) و۲۷۵ (تو تمہاری کسی افتاد سے ان مخالفوں کو کیا تسلی ہوسکتی ہے، انہیں تو ایسی ہی افتاد پیش آچکی ہے) اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ۔ اشارہ ہے ہونے والی جنگ اُحد کی طرف۔ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ۔ اشارہ ہے جنگ بدر کی طرف، اس میں قریش کو سخت ہزیمت اُٹھانا پڑی تھی۔ و۲۷۶ (مصالح تکوینی کے اعتبار سے) سو مجرد فتح و شکست کو حق و باطل کا معیار نہ سمجھا جائے۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ یعنی فتح و ظفر کا زمانہ۔ والمراد بالایام اوقات الظفر و الغلبة (کشاف) و۲۷۷ (سو ظالموں کے برسرِ حق ہونے کا تو گمان بھی نہ کیا جائے، خواہ تکوینی مصلحتوں کی بنا پر انہیں عارضی اور ہنگامی کامیابیاں کیسی ہی حاصل ہو جائیں) لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی مومنین کا ایمان عالم آشکار ہو جائے، ان کے اعمال ایثار اور جانبازی کی بنا پر۔ وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ۔ شہادتِ راہ حق، معلوم ہے کہ شریعت اسلامی میں روحانی ترقی کی معراج اور قرب الٰہی کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ و۲۷۸ (انہیں اسی عارضی کامیابی پر اور زیادہ مغرور کر کے) ذکر اسی غزوۂ احد کا چل رہا ہے، ایک فرنگی مؤرخ نے حال میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ گو قریش اُحد میں فتحمند ہوئے لیکن یہی عارضی فتح مندی ان کے مستقل زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اہل ایمان کو ابتلاء جب بھی پیش آتا ہے تو دفع سیئات کے لیے ہوتا ہے اور یا رفع درجات کے لیے و۲۷۹ (ان کے اعمال کے ذریعہ سے) اللہ تعالیٰ کے علم سرمدی میں جو کچھ بھی ہے، اشخاص کا استحقاق تو جنت میں کسی درجہ کے لیے بھی اس مادی دنیا میں اعمال کے بعد ہی ثابت ہوسکتا ہے۔ اَمْ یہاں بل کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اسی لیے ترجمہ میں مفہوم ”شاید“ سے ادا کیا گیا ہے۔ ام بمعنی بل (قرطبی) ای بل (جلالین) اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ یعنی جنت میں امتیازِ خاص کے ساتھ پہنچ جاؤ گے۔ خطاب یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حصولِ جنت ہی کے مشتاق نہ تھے بلکہ اس کے اعلیٰ درجوں اور مرتبوں کا بھی حوصلہ اور ظرف رکھتے تھے اور ان مدارج کے لیے جہاد کی کڑی کڑی منزلوں سے گزرنا ناگزیر تھا۔

بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

اعلان ہے (سارے) لوگوں کے لیے اور ڈرنے والوں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے و۲۷۳

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ

اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ

مومن رہے و۲۷۴ اگر تمہیں کوئی زخم پہنچ جائے تو

مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا

اُن لوگوں کو بھی تو ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے و۲۷۵ اور ہم ان ایام کی اُلٹ پھیر تو لوگوں کے

بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ

درمیان کرتے ہی رہتے ہیں و۲۷۶ تاکہ اللہ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے کچھ کو

مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

شہید بنانا تھا اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا و۲۷۷

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو میل کچیل سے صاف کر دے اور کافروں کو مٹا دے و۲۷۸

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ

شاید تم اس گمان میں ہو کہ جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے

اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

ان لوگوں کو جانا ہی نہیں جنہوں نے جہاد کیا اور نہ صبر کرنے والوں کو جانا و۲۷۹

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ

اور تم تو موت کی تمنا کر رہے تھے قبل اس کے کہ

تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمَا

اس کے سامنے آؤ سو اس کو تو اب تم نے کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا ۲۸۰ اور

مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ

محمد تو بس ایک رسول ہی ہیں ف۲۸۱ ان کے قبل اور بھی رسول گزر چکے ہیں ف۲۸۲

اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ

سو اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں واپس چلے جاؤ گے ف۲۸۳ اور جو

يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

کوئی بھی اُلٹے پاؤں واپس چلا جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا، ف۲۸۴

وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ

اور اللہ عنقریب شکرگزاروں کو بدلہ دے گا ف۲۸۵ اور ممکن نہیں، کسی کے لیے

اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ

کہ وہ ایک میعاد مقرر پر حکم خدا کے بغیر مر جائے ف۲۸۶ اور جو کوئی

يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ

دنیا کا فائدہ چاہتا ہے ہم اس کو دنیا کا حصہ دے دیتے ہیں اور جو کوئی آخرت کا نفع

الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

چاہتا ہے تو اسے اس آخرت کا حصہ دے دیں گے اور عنقریب ہم شکرگزاروں کو بدلہ دے دیں گے ف۲۸۷

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ

اور کتنے ہی نبی ہو چکے ہیں کہ اُن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے لڑے ہیں ف۲۸۸

فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

سو جو کچھ انہیں اللہ کی راہ میں پیش آیا

ف۲۸۰ (پھر اب اس سے خوف وہراس کیوں ہے؟) خطاب صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے ہے۔ الخطاب للمومنین و ظاهره العموم والمراد الخصوص (بحر) خو طب به الذین لم یشهدوا بدرًا (مدارک) الخطاب للذین لم یشهدوا بدرًا و تمنوا ان یشهد وامع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بیضاوی) معرکہ بدر میں مسلمانوں کی غیر متوقع بلکہ خلاف توقع کامیابی سن کر بعض اشخاص کو خیال پیدا ہوا کہ افسوس ہے ہم اس موقع پر حاضر نہ تھے۔ اب کاش کوئی معرکہ پھر اس قسم کا پیش آئے تو ہم بھی اپنی جانوں کی بازیاں لگا کر شہداء بدر کا سا مرتبہ حاصل کریں۔ یہاں اُنہی کو جواب دیا جا رہا ہے کہ پہلے تو یہ ہمت تھی۔ سو اب ایسی پست ہمتی کا اظہار کیوں ہو رہا ہے! وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۔ و یہاں حتٰی کے معنی میں بھی لیا گیا ہے یعنی جب تک ان کا صبر نہ ثابت ہو جائے۔ الواو هنا بمعنی حتّٰی قاله الزجاج (قرطبی) ای حتی یعلم صبرهم (قرطبی) مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ (یعنی اس معرکہ احد کے وقوع سے قبل) تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ موت سے مراد سبب موت۔ ذریعۂ موت یعنی جہاد و قتال ہے یا خود موت شہادت الموت ای سبب الموت (معالم) ای الحرب فانها من اسباب الموت او الموت بالشهادة (بیضاوی) رَاَيْتُمُوْهُ ضمیر موت یا سبب موت کی جانب ہے۔ یعنی الموت (ابن کثیر) یعنی اسباب الموت (معالم) ف۲۸۱ (اور اس لیے فنا پذیر بھی ہیں۔ کوئی خدا یا جزء خدا یا مظہر خدا تو ہیں نہیں جو قانون حیات و ممات سے بالاتر ہوں) مُحَمَّدٌ۔ اسم مبارک قرآن میں پہلی بار آیا ہے، لفظی معنی ہیں وہ شخص جس کی مدح بہت یا بار بار کی جائے یا جو صفات حسنہ کا مجموعہ ہو۔ یقال فلان محمد اذا کثرت خصاله المحمودة (راغب) اسم علم ہے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دنیا کے آخری نبی کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اس نام کا رواج بہت کم تھا۔ علامہ ابو جعفر محمد بن حبیب بغدادی المتوفی ۲۴۵ھ نے کل سات آدمی اس نام کے گنائے ہیں (کتاب المحبر صفحہ ۱۳۰) اور ان میں سے ایک محمد بن سفیان بن مجاشع کی بابت تو یہ کہا ہے کہ اُن کے والد نے ایک شامی راہب سے یہی سن کر کہ آئندہ پیمبر کا نام محمد ہوگا اپنے لڑکے کا یہی نام رکھ دیا۔ کان سفیان الی الشام تنزل علی راهب فاعجبه فصاحته و عقله فسأل الراهب عن نسبه فانتسب له الی مضر فقال له اما انه یبعث فی العرب نبی یقال له محمد فسمی سفیان ابنه محمدًا تاج العروس اور لسان العرب میں بھی یہی سات نام نقل ہوئے ہیں۔ لیکن یہ نام عام طور سے عرب میں شائع نہ تھا۔ اور تصریحات اس قسم کی ملتی ہیں کہ لم یکن شائعًا بین العرب هذا الاسم اور تاج میں بھی اسی سے ملتا جلتا قول موجود ہے۔ راقم آثم کے ایک قدیم اور جواں مرگ دوست مولنا عبدالرحمٰن ندوی نگرامی مرحوم کا ایک مستقل مقالہ اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، ان کی یادگار کے طور پر اور اُن کی روح کو ثواب پہنچانے کی خاطر اس مقالہ کا بیشتر حصہ سورۃ کے آخر میں بہ طور ضمیمہ کے شامل کیا جاتا ہے۔ ف۲۸۲ (اور ان سب نے اپنے اپنے وقت پر دنیا کو خیر باد کہا، سو یہ بھی اپنے وقت موعود پر وفات پائیں گے اور اس میں نہ کوئی بات حیرت کی ہوگی اور نہ کوئی پہلو آپ کی اہانت کا نکلے گا) رسول کا مرتبہ خوب سمجھ لیا جائے۔ رسول محض عبد ہوتے ہیں صاحب وحی۔ عقیدۂ حلول، مظہریت، ابنیت وغیرہ پر ضرب لگانے کے لیے مرتبۂ رسالت اور رسولیت کی بار بار تصریح ضروری تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا حادثہ اس قدر سخت تھا کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ جیسے باوقار عالی ظرف بھی صبر و ضبط کھو بیٹھے اور بے اختیار ہو گئے، عین اُس وقت ایک اُن سے بھی برتر شخصیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسی آیت کی برمحل تلاوت کر کے اُن کے اور سب کے جذبات کو قابو میں لے آئے تھے۔ ف۲۸۳ (کفر اور بے دینی کی طرف) مطلب سوال کا یہ ہے کہ جب دین کی حقیقت تمہاری نظر میں ثابت ہو چکی، تو اب قاصد یا پیغامبر کی زیست یا وفات کا اس حقیقت و صداقت پر کیا اثر! غزوۂ اُحد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم پہنچا اور کسی شیطان نے یہ افواہ اُڑا دی کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے تو بعض صحابہ نے اس انتہائی صدمہ انگیز خبر سے بددل اور شکستہ خاطر ہو کر میدان جنگ چھوڑنا شروع کر دیا تھا اور منافقین کی وقتی طور پر بن آئی تھی۔ انہوں نے برابر طنز کرنا اور ارتداد کی ترغیب دینی شروع کر دی تھی۔ آیت میں ان سب پہلوؤں کی طرف اشارہ ہے۔ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ۔ اشارہ طبعی اسباب سے آنے والی موت کی طرف ہے۔ اَوْ قُتِلَ اشارہ معرکہ جنگ وغیرہ میں شہادت کی طرف ہے۔ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ۔ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ محاورہ میں کنایہ ہے ارتداد سے۔ جنگ سے فرار بھی مراد ہو سکتی ہے۔ مجاز من الارتداد او الانهزام (مدارک) ف۲۸۴ (بلکہ اس کا وبال خود اپنے ہی سر لائے گا) جاہلی مذہبوں میں دیوتاؤں اور پجاریوں کے درمیان ایک طرح کی مساوات ہمیشہ رہی ہے۔ یعنی معبود بھی اپنی پرستش و عدم پرستش سے برابر متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ قرآن نے بار بار اسی جاہلی ذہنیت پر ضرب لگائی ہے ف۲۸۵ شاکرین۔ یہ شکریہ (کافر) کے مقابلہ میں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ عنقریب جزائے خیر ان لوگوں کو ملے گی جو اللہ کی اصلی اور بڑی نعمت دین حق کا شکریہ اس کے قبول و اختیار کی صورت میں ادا کرتے ہیں۔ الشاکرین علی نعمة الاسلام بالثبات علیه (بیضاوی) ف۲۸۶ (اور اس میعاد مقرر کا علم بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں پھر آخر شرکت جنگ میں احتیاج چرانے سے کیا حاصل؟) موت جب بھی آئے گی حکم خدا ہی سے آئے گی اس کے بدون نہیں آسکتی۔ اور پھر جب آئے گی وقت موعود میں آئے گی اس کے قبل نہیں آسکتی۔ خواہ خطرات کیسے ہی شدید ہوں ان حقائق کا اگر استحضار رہے تو موت کا طبعی خوف بھی حد اعتدال پر قائم رہے۔ ف۲۸۷ (جنہوں نے نعمت الٰہی کا شکریوں ادا کیا اور جنگ میں شریک ہوئے اور جہاد سے جی نہیں چرایا) پہلی

آیت میں شاکرین سے وہ لوگ مراد تھے جنہوں نے دینِ حق کو قبول کیا اور اعمالِ نیک پر قائم رہے۔ یہاں شاکرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان اعمال میں آخرت کی نیت کیے ہوئے جہاد میں شریک ہوئے۔ الذین شکروا نعمة الله فلم یشغلهم شیء عن الجهاد (بیضاوی) وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا۔ دنیا کا نفع چاہنا مطلق صورت میں ممنوع نہیں ہے۔ یہاں مراد اُس نفع سے ہے جو خالص دنیا ہی کے لیے ہو۔ اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ ہی نہ ہو، ثَوَابَ الدُّنْیَا سے مراد ہے کہ مقصود یہی دنیا ہو اور فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً سے مراد ہے کہ بھلائی حاصل ہو اور اس کا محل حصول یہ دنیا ہی ہو۔ دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ نُؤْتِهٖ مِنْهَا۔ یعنی اگر ہماری مشیت ہوئی تو اس کی یہ آرزو پوری کر دیں گے اور آخرت سے محروم کر کے اُسے یہیں نقد کا نقد معاوضہ دے دیں گے۔ وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا۔ یہ ثواب آخرت جو ہے اللہ کی طرف وعدہ اور ذمہ ہے، اس نُؤْتِهٖ مِنْهَا اور قبل کے نُؤْتِهٖ مِنْهَا کے درمیان بڑا فرق ہے۔ ف۲۸۸ (راہِ حق میں جہاد فی سبیل اللہ میں) یہ بتلایا ہے کہ جہاد کی سنت انبیاء قدیم کے وقت سے چلی آتی ہے اور اس راہ کے رہروؤں کو برابر ان منزلوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ رِبِّیُّوْنَ۔ رِبِّی ربانی کے مرادف ہے اور اور معنی بھی کیے گئے ہیں۔ ای ربّانیون (کشاف) اخرج سعید بن منصور عن الحسن انهم العلماء الفقهاء و اخرجه ابن جبیر عن ابن عباس ایضا فهو منسوب الی الربّ (روح) كَاَیِّنْ کم کے مرادف ہے یعنی بہت سے کتنے ہی۔ کائن بمعنی کم (قرطبی) صارت بمعنی کم (بیضاوی) ف۲۸۹ (اور دنیا اور آخرت میں اُس کا درجہ اور مرتبہ بڑھاتا رہتا ہے) مَاۤ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یعنی طرح طرح کی مصیبتیں اور پریشانیاں۔ وَمَا ضَعُفُوْا یعنی ہراس و دہشت کو اپنے اُوپر غالب نہ آنے دیا۔ وَمَا اسْتَكَانُوْا یعنی کفر و اہلِ کفر کے سارے ساز و سامان و شان و شوکت سے ذرا مرعوب نہ ہوئے۔ وَهْنٌ۔ ضَعْفٌ۔ اِسْتِكَانَةٌ تین متقارب المعنی الفاظ کے درمیان فرق امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نقل کیا ہے کہ وھن تو کہتے ہیں قلب کی کمزوری یا بدہمتی کو، اور ضعف مطلق ہے، اس کا تعلق جسمانی قوت و مادی قدرت سے زیادہ ہے اور استکانۃ اظہارِ عجز کو کہتے ہیں۔ ف۲۹۰ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اس سے اشارہ ہو گیا کہ ان لوگوں کے عمل میں تو لغزش کیا ہوتی، زبان تک بھی اُن کی کلمات تحمید و تمجید اور اعترافِ عجز و قصور کے لیے وقف رہی ذُنُوْبَنَا۔ اِسْرَافَنَا۔ ذنوب سے یہاں مراد صغائر سے لی گئی ہے اور اسراف سے کبائر مراد ہیں۔ ذنوبنا یعنی الصغائر و اسرافنا یعنی الکبائر (قرطبی) ابن فورک نے کہا ہے کہ اس سے قدریہ کا رد بھی نکل رہا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ افعالِ عبد کا خالق نہیں ہے (بحر) ف۲۹۱ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے انہیں دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب بنایا اور آخر میں نکوکاری کی بشارت اللہ کی محبوبیت کی صورت میں دی

وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ یُحِبُّ

اُس سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ وہ دبے اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست

الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا

رکھتا ہے ف۲۸۹ اور ان کا کہنا تو بس اتنا ہی تھا کہ وہ کہتے رہے کہ اے، ہمارے پروردگار

اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْۤ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ

ہمارے گناہوں کو اور ہمارے باب میں ہماری زیادتی کو بخش دے اور ہم کو

اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ

ثابت قدم رکھ اور ہم کو کافروں پر غالب کر ف۲۹۰ سو اللہ نے انہیں

اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْیَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ

دنیا کا بھی عوض دیا اور آخرت کا بھی عمدہ عوض اور اللہ

یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ

نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہے ف۲۹۱ اے ایمان والو اگر

تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ

تم ان لوگوں کا کہا مانو گے جو کافر ہیں تو وہ تمہیں پچھلے پیروں واپس کر دیں گے

فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَیْرُ

اور تم گھاٹے میں آ کر رہ جاؤ گے ف۲۹۲ البتہ تمہارا دوست اللہ ہے اور وہ بہترین

النّٰصِرِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا

مددگار ہے ف۲۹۳ ہم ابھی کافروں کے دلوں میں رُعب ڈال

الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ

دیں گے اس لیے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ایسی چیز کو ٹھہرایا جس کے لیے کوئی دلیل (اللہ نے)

ع ۱۵ / ۲

...... دنیا اور آخرت کے سارے انعامات سے بڑھ چڑھ کر۔ ثَوَابَ الدُّنْیَا یعنی فتح و ظفر۔ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں۔ ف۲۹۲ سو کافروں کی ہم خیالی، ہم مذاقی سے بچو۔ یَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ یعنی تمہیں اُلٹے پاؤں ارتداد اور بے دینی کی طرف دھکیل لے جائیں گے۔ ف۲۹۳ (سو اس کے ہوتے ہوئے تم نصرت و اعانت کے لیے مخلوق پر کیوں نظر رکھتے ہو؟) اَللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ اللہ تمہارا دوست و محافظ ہے۔ سو وہی تمہیں بچائے گا۔

و۲۹۴ (یعنی اُن کے لیے جو خود اپنے اُوپر ظلم کرتے رہتے ہیں) مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا یعنی شرک کی تائید میں نہ کوئی عقلی ہی دلیل موجود ہے اور نہ نقلی۔ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ دشمنانِ دین کے دلوں میں القاء رعب یا ہیبت حق کے معجزانہ ظہور کی ایک یادگار مثال تاریخ کے صفحات میں یوں محفوظ ہے کہ معرکۂ اُحد جب آخری فتح بہ ظاہر مشرکین مکہ کو ہوگئی تو اب قدرتی نتیجہ یہ نکلنا تھا کہ وہ لوگ وہیں سے شہر مدینہ پر چڑھ دوڑتے۔ فاصلہ اب رہ ہی کتنا گیا تھا...... لیکن اس کی ہمت انہیں کسی طرح نہ پڑی اور اُلٹے انہیں واپس ہی جاتے بنی۔ اور تعاقب اس کے برعکس خود ''شکست خوردہ'' مسلمانوں نے اپنے بے مثل و بے مثال سالارِ لشکر کے ماتحت مدینہ سے آٹھ میل دُور حمراء الاسد تک کیا، یہاں تین دن تک ان کا کیمپ رہا اور لگے ہاتھوں غنیم کا ایک آدمی بھی گرفتار کرتے لائے۔ قال ابن اسحاق فخرج رسول الله ﷺ حتی انتهی الی حمراء الاسد و هی من المدینة علی ثمانیة امیال فاقام بها الاثنین والثلاثاء والاربعاء (ابن ہشام) اور یہ اہم جنگی کارروائی اس خدائی سپہ دارِ اعظم نے کی ہی اس غرض سے کہ مشرکین مکہ پر پورا رعب پڑ جائے اور ان کا یہ وہم وگمان مٹ کر رہے کہ مسلمانوں نے ہار مان لی ہے۔ و انما خرج رسول الله ﷺ ترهیبًا للعدو ولیبلغهم انه خرج فی طلبهم لیظنوا به قوة و ان الذین اصابهم من عدوهم (ابن ہشام) بِمَآ اَشْرَكُوْا میں ب تعلیل کے لیے ہے۔ یعنی یہ رعب ان کے شرک کی بنا پر ڈالا گیا۔ ای کان سبب القاء الرعب فی قلوبهم اشراکهم (قرطبی) الباء للسبب ای بسبب اشراکهم بالله آلهة (بحر) و۲۹۵ (غزوۂ اُحد کے اندر) پوری آیت میں بیان غزوۂ اُحد کے مختلف پہلوؤں کا ہے۔ یہاں ذکر اس وقت کا ہے جب تک مسلمان ابتداء معرکہ میں اطاعت احکام رسول ﷺ پر قائم تھے۔ تَحُسُّوْنَهُمْ سے اشارہ دشمنانِ دین مشرکین مکہ ہیں۔ حس کے معنی قتل کے ہیں۔ عُبّر به عن القتل (راغب) ای تقتلونهم قتلا ذریعا (کشاف) قال ابو عبیده الحس الاشتغال بالقتل (قرطبی) بِاِذْنِهٖ میں اذن سے مراد اللہ کا حکم تکوینی ہے۔ ای بعلمه او بقضاء ہ و امرہ (قرطبی) بتیسیرہ و توفیقه (روح) ای بارادته (جلالین) و۲۹۶ یعنی اپنی فتح اور غنیم کی شکست جس کا مشاہدہ تم برائی العین کر رہے تھے۔ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ یعنی فتح و فیروز مندی کی کیفیت اس وقت تک قائم رہی، جب تک تم اپنی استقامت میں کمزور نہ پڑ گئے۔ اس وقت تم اپنی رائے میں مذبذب ہوگئے اور تیراندازوں کے دستہ نے خود رائی سے کام لے کر اطاعت رسول ﷺ کی پروا نہ رکھی۔ معرکۂ اُحد میں جنگ شروع ہونے سے قبل مسلمانوں کے مقدس اور نہایت درجہ بالغ نظر سالارِ لشکر نے امکاناتِ نقشہ جنگ کا بالکل صحیح اندازہ کرکے ایک گھاٹی میں ایک بلند ٹیکری پر ۵۰ چیدہ و ماہر تیراندازوں کا ایک دستہ متعین کر دیا تھا اور احکام دے دیئے تھے کہ اس مورچہ سے کسی حال میں نہ ٹلنا یہاں تک کہ اگر ہم شکست کھا جائیں، جب بھی ہماری مدد کو نہ آنا۔ بلکہ اپنے عقب کا خیال رکھنا جنگ شروع ہوئی اور مسلمانوں نے پورے جوش شجاعت کے ساتھ یلغار کی۔ مشرکین کا لشکر بہ این فراوانی اور بہ این سروسامانی زبردست ٹکر کی تاب نہ لا سکا اور اس کے قدم اُکھڑ گئے۔ مسلمان اور آگے بڑھے اور بدر کا جوش وخروش تازہ ہوگیا۔ لیکن اب کی افراطِ جوش میں توازن قائم نہ رہا، ان کا خط ٹوٹ گیا اور صفوف میں ترتیب باقی نہ رہی اور ایک جماعت نے مزید پیش قدمی کرکے غنیم کے خیمے ڈیرے لوٹنے شروع کر دیئے۔ اُدھر ٹیکری والے تیرانداز دستہ نے جو یہ دیکھا کہ دشمن میدان چھوڑ رہا ہے اور مالِ غنیمت لٹنا شروع ہوگیا ہے، تو یہ سوچا کہ اب یہاں مورچہ پر جمے رہنے کے کیا معنی۔ حکم جس وقت تک کے قیام کے لیے تھا، اس کی تعمیل ہو چکی۔ چنانچہ اس خیال کے ماتحت ۵۰۔ میں سے ۴۰ تیرانداز سپاہی اپنی پوزیشن چھوڑ کر نیچے میدان میں دوسروں کے ساتھ غنیمت کی تاخت میں شریک ہوگئے۔ خالد بن ولید جو بعد کو ایمان لائے اور سیف اللہ کہلا کر مسلمانوں کے مشہور جنرل ہوئے، اس وقت تک مشرکوں کے رسالہ کے سردار تھے۔ اُن کی دُوربین نگاہ موقع کے گھات ہی میں تھی، اپنے سواروں کے ساتھ کاوا کاٹ اسی درہ کی طرف سے ہلہ بول دیا، گنتی کے دس سپاہی کتنی دیر ٹھہر سکتے تھے، جنگ کا پانسہ آناً فاناً پلٹ گیا، اور فتح مسلمانوں کے ہاتھ سے آکر چھن گئی، قرآن اپنے معجزانہ رنگ میں اس سارے پس منظر پر تبصرہ کر رہا ہے۔ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ یعنی اپنے قائدِ اعظم ﷺ کے حکم کے باب میں بحث کرنے لگے کہ آیا اب بھی وہ حکم قائم اور واجب الاتباع ہے، ۵۰ میں سے ۴۰ ناوک افگن سپاہی لوٹ پر ٹوٹ پڑے تھے اور باقی ۱۰ امیر لشکر کے حکم پر آخر تک قائم رہے۔ وَعَصَيْتُمْ یعنی اپنے سالارِ لشکر اور رسول برحق ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ یہ حالت ایک استثنائی تھی اور اس لیے اس پر گرفت بھی اتنی سخت ہوئی ورنہ اسلامی فوجیں عام طور پر تو نظم وضبط، اطاعت و امتثال (ڈسپلن) کی تصویر ہوتی تھیں۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) و۲۹۷ (اور اسی لیے غنیمت کی لوٹ میں پڑ گئے) اشارہ اُنہی ۴۰ جلد باز تیراندازوں کی طرف ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ لوٹ بھی مبنی و متفرع دشمنانِ دین کی شکست ہی پر تھی، اس لیے ایسی دنیا طلبی بھی تمام تر مذموم نہیں۔ یہاں برا اسے اس لیے ٹھہرایا گیا کہ اس میں مخالفت تھی حکم رسول کی، گو وہ بھی اجتہاداً ہی تھی۔ و۲۹۸ یہ وہ دس تیرانداز تھے جو نص نبوی کے تمام تر متبع ہو کر آخر تک اپنی جگہ پر قائم رہے۔ و۲۹۹ (ایک عارضی وہنگامی شکست کے ذریعہ سے) یہ ثبوت ہے صحابہ نبوی پر کمال رحمت کا، یہ عارضی شکست بھی غضب الٰہی یا عذاب کی کوئی فرد نہ تھی بلکہ اس سے بھی مقصود صحابہ کی قوتِ ایمانی کا مزید امتحان ہی تھا۔ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ یعنی جب تم میں عدم ثبات و تزلزل پایا تو اللہ نے اپنی وہ آسمانی امداد و نصرت روک لی۔

سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۗ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾

نہیں اُتاری اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ کیسی بری جگہ ظالموں کے لیے ہے و۲۹۴

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ

اور یقیناً تم سے اللہ نے سچ کر دکھایا اپنا وعدہٗ (نصرت) جب کہ تم انہیں اس کے حکم سے قتل

بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ

کررہے تھے و۲۹۵ یہاں تک کہ جب تم (خود ہی) کمزور پڑ گئے اور باہم جھگڑنے لگے حکم (رسول) کے باب میں

وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ

اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں دکھا دیا تھا جو کچھ کہ تم چاہتے تھے و۲۹۶

مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ

بعض تم میں وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے و۲۹۷ اور بعض تم میں ایسے تھے جو آخرت

الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَكُمْ ۚ وَلَقَدْ

چاہتے تھے و۲۹۸ پھر اللہ نے تم کو ان سے ہٹا لیا تاکہ تمہاری (پوری) آزمائش کرے، و۲۹۹ اور اللہ نے یقیناً

عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵۲﴾

تم سے درگزر کی، و۳۰۰ اور اللہ ایمان والوں کے حق میں بڑا فضل والا ہے

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ

(وہ وقت یاد کرو) جب تم چڑھے جا رہے تھے اور مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے اور رسولؐ

یَدْعُوْكُمْ فِیْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ

تم کو پکار رہے تھے تمہارے پیچھے کی جانب سے و۳۰۱ سو (اللہ نے) تمہیں غم دیا غم کے پاداش میں و۳۰۲

لِّكَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ

تاکہ تم رنجیدہ نہ ہوا کرو اُس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس مصیبت سے جو تم پر پڑے،

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ

اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے و۳۰۳ پھر اس نے اس غم کے بعد

مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً

تمہارے اُوپر راحت نازل کی (یعنی) غنودگی کہ اس کا تم میں سے ایک جماعت پر

مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ

غلبہ ہورہا تھا و۳۰۴ اور ایک جماعت وہ تھی کہ اسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی، یہ اللہ کے بارے میں

بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ

خلاف حقیقت خیالات، جاہلیت کے خیالات قائم کر رہے تھے، یہ کہہ رہے تھے و۳۰۵

هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ

کہ ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے؟ و۳۰۶ آپ کہہ دیجئے کہ اختیار تو سارا

كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ

اللہ کا ہے و۳۰۷ یہ لوگ دلوں میں ایسی بات چھپائے ہوئے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں

لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ

کرتے و۳۰۸ کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہمارا اختیار چلتا تو ہم یہاں

مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ

نہ مارے جاتے و۳۰۹ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم گھروں میں ہوتے (جب بھی)

لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

وہ لوگ تو جن کے لیے قتل مقدر ہو چکا تھا، اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل ہی پڑتے و۳۱۰

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا

اور (یہ سب اس لئے ہوا) کہ اللہ تمہارے باطن کی آزمائش کرے، اور تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے

و۳۰۰ (اس لیے اب مؤاخذہ آخرت کا کھٹکا نہیں) کیا ٹھکانا ہے مومنین پر بالعموم اور صحابہ رسول رضی اللہ عنہم پر بالخصوص شفقت کا کن کن عنوانات سے تسلی دی جارہی ہے۔ و۳۰۱ (کہ اِدھر آؤ۔ میں اِدھر ہوں) یہ بیان ہورہا ہے مسلمان سپاہ کی بھگدڑ اور شدت بدحواسی کا۔ اور واقعی بات ہے کہ جب فوج میں بھگدڑ پڑتی ہے تو ایسی ہی بے حواسی پھیل جاتی ہے، نفسی نفسی کا عالم ہوتا ہے، کوئی کسی کی نہیں سنتا، ہر ایک کو اپنی ہی جان بچانے کی فکر پڑ جاتی ہے۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ یعنی جب بھاگتے ہوئے چڑھے جا رہے تھے۔ وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ رسول اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام علاوہ اپنے دُوسرے کمالات وفضائل کے ہمت وشجاعت میں بھی فرد اور بے عدیل تھے۔ و۳۰۲ یعنی اس رنج کے عوض میں جو تمہاری ذات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُٹھانا پڑا تھا، تمہیں بھی ایک رنج دے دیا گیا۔ ای اثابکم غما بسبب غم اذقتموہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعصیانکم لہ و مخالفتکم امرہ (روح) و۳۰۳ (اور اسی باخبری کے مطابق جزا وسزا بھی دے گا) لِكَيْلَا تَحْزَنُوْا الخ یہ اشارہ ہے ان حکمتوں اور مصلحتوں کی جانب جو اس واقعۂ شکست میں پوشیدہ تھیں۔ لِكَيْ یعنی تاکہ آئندہ کے لیے اس واقعہ سے سبق لو اور ہمت و استقلال کو کام میں لاؤ۔ و۳۰۴ مسلمان تھکے ماندے تو تھے ہی، دوپہر کے وقت ان پر نیند کا غلبہ ہوا اس سے تازہ دم ہوگئے۔ تھکی ہوئی فوج کو نیند جیسی نعمت کے میسر آجانے کی قدر کوئی اہل فوج ہی کے دل سے پوچھے۔ و۳۰۵ (اور مسلمانوں سے حجت اور تکرار کر رہے تھے کہ تم سے جو وعدۂ فتح ونصرت تھا، وہ کیا ہوا؟) مراد منافقین ہیں...... مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے ہوئے تھے، اس لیے خطاب بھی اُن سے اکثر مسلمانوں کے ساتھ مشترک ہی ہے۔ یعنی المنافقین (قرطبی) ہم المنافقون (بیضاوی) اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ یعنی اس قسم کا سوچ بچار کہ دیکھئے یہاں سے بچ کر بھی جانا ہوگا، اپنی جان کی فکر بجائے خود کوئی بری چیز نہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اُن منافقین کو اپنی ہی پڑی تھی نہ دین کی کوئی فکر تھی نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی خیال تھا۔ ما همهم الا انفسهم و خلاصها لا همّ الدین و لا همّ رسول اللہ (مدارک) يَظُنُّوْنَ غَيْرَ الْحَقِّ۔ اللہ سے متعلق ان کی بدگمانیاں خلافِ واقعیت وحقیقت تھیں انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ مومنین کو نصرتِ حق وتائید غیبی نصیب نہ ہوگی۔ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ اس سے بھی بڑھ کر ان کے خیالات اس حد تک پہنچ گئے تھے جو مشرک اور جاہلی ہی قوموں کے ہوتے ہیں ان کے نزدیک یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ کسی سے وعدۂ تائید ونصرت کرے اور پھر اسے پورا نہ کرے۔ ایسے عقائد مشرک قوموں میں عام تھے۔ الْجَاهِلِيَّةِ۔ جاهلیة محاورۂ قرآنی میں اسلام سے قبل کا دورِ شرک ہے، یہ جاہلیت توحید کے منافی ہے۔ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ کی ترکیب یوں سمجھی گئی ہے۔ کظن اهل الجاهلیة۔ و۳۰۶ (ورنہ ہم تو شروع ہی سے اس جنگ سے منع کر رہے تھے، کسی نے ہماری نہ سنی، ہماری سن لی گئی ہوتی تو آج یہ مصیبت ہی کیوں پیش آتی) یہ منافقین اپنی خفت وندامت مٹانے کے لیے کہہ رہے تھے۔ و۳۰۷ (اور قضاء الٰہی ہر انسانی تدبیر پر غالب وحاکم ہے) خطاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ آپ یہ ان منافقین سے کہہ دیجئے۔

و۳۰۸ یعنی اپنا کفر ونفاق۔ اس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے مخفی رکھنے کا ہی تو خاص اہتمام تھا۔ و۳۰۹ یعنی اگر ہمارے مشورہ پر عمل ہوتا تو نہ لڑائی ہی کی نوبت آتی اور نہ اس شکست اور اتنے مقتولین کی۔ و۳۱۰ مطلب یہ ہوا کہ احکام تکوینی تقدیری سے باہر رہنا کسی کے لیے کسی صورت میں ممکن نہیں، کوئی نہ کوئی ظاہری سبب بھی مقتل تک ان کے کھنچ آنے کا ضرور نکل آتا۔

و۳۱۱ (شیطانی اور نفسانی میل کچیل سے) وَلِیُمَحِّصَ تمحیص کے معنٰی ہیں آمیزشوں سے، کدورتوں سے پاک کرنا۔ مَافِیْ صُدُوْرِکُمْ۔ یعنی تمہارے اخلاص کی آزمائش ہو جائے۔ و۳۱۲ (میدانِ اُحد میں) اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مراد وہی صحابی ہیں جن سے اُحد کے موقع پر کمزوری کا اظہار ہوا تھا۔ اُنہی کی تسکین وتسلی کے لیے نیز آئندہ کی تنبیہ وہدایت کی غرض سے یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ و۳۱۳ اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ آ گیا کہ ہر پچھلا گناہ سبب بن جاتا ہے مزید وجدید معصیت کا۔ یہاں مراد ہے حُبِّ حیات اور مالِ غنیمت کی ہوس۔ وقال بعض العلماء حبهم الغنيمة والحرص على الحياة (بحر) معنى السببية انجرارها اليه لان الذنب يجر الذنب كما ان الطاعة تجر الطاعة (روح) اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ اس میں اس ادب کی تعلیم آ گئی کہ گناہ جو بھی سرزد ہو جائے اس کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب نہیں بلکہ شیطان کی جانب دینا چاہیے۔ قال الكعبى الأية تدل على ان المعاصى لا تنتسب الى الله فانه تعالىٰ نسبها فى هٰذه الأية الى الشيطان (کبیر) فالاضافة الى الشيطان لطف و تغريب و التعليل بكسبهم وعظ و تاديب (مدارک) خود کلام مجید میں بھی دوسری آیتیں اس قسم کی ہیں مثلاً حضرت موسٰی کی زبان سے هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ یا حضرت یوسف کی زبان سے مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ یا خادمِ موسٰی کی زبان سے وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ۔ و۳۱۴ (ان کے توبہ واستغفار کی بنا پر) یہی مضمون تین آیت قبل بھی بیان ہو چکا ہے وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ تکرار سے ان صحابیوں کی مزید تسلی واطمینان مقصود ہے جو لوگ ان صحابیوں کو اس واقعۂ اُحد کی بنا پر موردِ طعن سمجھ رہے ہیں وہ صاف آیاتِ قرآنی کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

و۳۱۵ یہاں دو صفات باری کا اثبات کیا ہے۔ غَفُوْرٌ ایک صفت غفر کا، اس کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ حَلِیْمٌ دوسرے صفت حلم کا، اس کا ظہور اسی دنیا میں ہوتا رہتا ہے، کہ فوراً مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ توبہ واستغفار کا موقع برابر دیتا رہتا ہے۔

و۳۱۶ (لیکن زبان پر دعوئ اسلام وایمان کا رکھتے ہیں) مراد منافقین ہیں۔ یعنی المنافقین (بیضاوی) هٰؤلآء المنافقون اصحاب عبدالله بن ابى (ابن جریر عن السدی) لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ ہدایت مومنین کو ہو رہی ہے کہ تم اپنی گفتگو میں منافقین کے مثل نہ ہو جاؤ ان کی سی باتیں نہ کرنے لگو۔ اس قسم کی باتیں صرف ان ایمان سے محروموں کے شایان ہے۔ نهى تعالى المؤمنين ان يكونوا مثلهم فى هٰذه المقالة الفاسدة (بحر) امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ یہاں منافقین پر اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا کا اطلاق ہوا ہے، حالانکہ منافقین کو زبانی دعوٰی اسلام کا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ مجرد دعوائے اسلام ایمان کے لیے کافی نہیں جب تک کہ تصدیق قلب بھی شامل نہ ہو۔ فالأية تدل على ان الايمان ليس عبارة من الاقرار باللسان كما تقول الكرامية (کبیر)

و۳۱۷ (اور کسی جہاد یا اسلامی سفر پر روانہ نہ ہوتے تو مزے سے زندگی بسر کرتے رہتے اور کسی خطرہ میں نہ پڑتے) لِاِخْوَانِهِمْ میں لِ تبلیغ کا نہیں، اس لیے اس کے معنٰی "سے" کے نہیں بلکہ تعلیل یا سببیت کا ہے، اس کے معنٰی "کی بابت" یا "کے باب میں" کے ہوں گے۔ اى لاجل اخوانهم (کشاف) واللام لام السبب اى لاجل اخوانهم وليست لام التبليغ (بحر) اِخْوَانِهِمْ۔ اِخْوَان سے مراد نسبی بھائی یعنی مسلمان بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اعتقادی بھائی یعنی دوسرے منافقین بھی، ترجیح نسبی بھائیوں یا مسلمانوں کو ہے۔ مسلمانوں کی موت یا شہادت کی خبر جب منافقین سن پاتے تو اسی طرح کے فقرے کہتے۔ ومعنى الاخوة اتفاق الجنس او النسب (کشاف) اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ یعنی کسی اسلامی، دینی مقصد سے سفر کو جاتے اور وہیں وفات پا جاتے۔ اَوْ كَانُوْا غُزًّى یعنی جہاد پر جاتے اور اسی میں شہید ہو جاتے۔ اِذَا اگرچہ عموماً مستقبل کے لیے ہے، لیکن اِذْ اور اِذَا دونوں کا ایک دوسرے کے بجائے لانا بھی درست ہے۔ قال قطرب كلمة اذ و اذا يجوز اقامة كل واحدة منهما مقام الاخرى واقول هٰذا الذى قاله قطرب كلام حسن (کبیر)

و۳۱۸ یعنی ایسے خیالات دماغ میں موجزن ہونا اور ان کا زبان پر لانا یہ خود ایک وبال ان کی منافقت اور نورِ ایمان سے محرومی کا ہے، دل میں وہ ایقان تو ہوتا ہی نہیں جو تسکین پیدا کرتا ہے، اس لیے ہر امر تکوینی تقدیری سے اُن کے دلوں میں حسرت اور کڑھن کا اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ اى يجعل ظنهم انهم لو لم يخرجوا ما قُتِلوا حسرة (قرطبی) و۳۱۹ موت وزندگی دونوں تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اس مسبب الاسباب وعلت حقیقی کو چھوڑ کر نظر ظاہری اور فوری اسباب پر جانا اور سفر یا جہاد کو موت یا قتل کی علت تامہ قرار دینا کیسی شدید جہالت وسفاہت ہے۔ امریکہ میں اس وقت سوشیالوجی (عمرانیات) کا ایک ماہر فاضل ڈینی سن Denison اپنی کتاب Emotion a basis of Civilisation میں ایک جگہ لکھتا ہے:۔ "مسلمانوں کی اس عقیدۂ تقدیر یا ہر امر تکوینی کو خدا کے تفویض کر دینے کی عادت نے نیز عقیدۂ شہادت نے (کہ شہید معاً جنت میں داخل ہو جاتے ہیں، جہاں اسے ۷۲ حوریں ملتی ہیں، اور کھانے کے لیے سونے کے ظروف) مسلمانوں میں معرکہ جنگ کے اندر بڑی ہی قوت اور استقامت پیدا کر دی تھی۔" (صفحہ ۲۰۶) امریکی فاضل کا ایمان نہ عقیدۂ تقدیر پر ہے نہ عقیدۂ شہادت پر، اس پر بھی وہ ان عقیدوں کی نافعیت اور ان کی حیثیت افادی کی داد دینے پر اپنے کو بے اختیار پا رہا ہے۔ و۳۲۰ (سو اگر کہیں خدانخواستہ تم نے منافقین کے طرزِ خیال و

فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ

اُسے صاف کر دے، و۳۱۱ اور اللہ باطن کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ یقیناً

الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا

تم میں سے جو لوگ اُس دن پھر گئے تھے جس دن کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئی تھیں و۳۱۲ تو یہ تو بس

اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ

اس سبب سے ہوا کہ شیطان نے انہیں ان کے بعض کرتوتوں کے سبب لغزش دے دی تھی و۳۱۳ اور بیشک

عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۵۵﴾ یٰۤاَیُّهَا

اللہ انہیں معاف کر چکا ہے و۳۱۴ یقیناً اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا حلم والا ہے و۳۱۵ اے

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا

ایمان والو اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو حقیقۃً کفر اختیار کیے ہوئے ہیں و۳۱۶ اور

لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى

اپنے بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں جب کہ وہ لوگ زمین پر سفر کرتے ہیں یا کہیں غزوہ کرنے جاتے ہیں

لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِیَجْعَلَ

کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے و۳۱۷ (یہ بات اس لیے ان کی زبان پر آتی ہے)

اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ

تاکہ اللہ اسے ان کے دلوں میں سبب حسرت بنا دے و۳۱۸ اور اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے، و۳۱۹

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ

اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے و۳۲۰ اور اگر تم اللہ کی راہ میں

سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ

مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی مغفرت و رحمت اس سے کہیں

ع ۱۶/۷

و۳۲۱ (حظوظِ دنیوی میں سے) مطلب یہ ہے کہ موت تو اپنے وقت موعودہی پر آئے گی جہاد یا سفر فی سبیل اللہ سے خواہ مخواہ تو آنہ جائے گی البتہ اگر اس حالت میں وقت ہی پورا ہوگیا تو اجر اور ابدی زندگی کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ اَوْمُتُّمْ یعنی چاہے وہ موت طبعی ہی ہو لیکن مشغولی اُس وقت اللہ کے کام میں ہو۔ و۳۲۲ (سو مومن کے لیے تو کوئی خوف وہراس کی بات ہی نہیں) مُتُّمْ یعنی طبعی موت سے اپنے وطن میں وفات پاگئے۔ قُتِلْتُمْ یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں مارے گئے۔ و۳۲۳ لَهُمْ یعنی ان لوگوں کے ساتھ نرم رہے، جو جنگ اُحد میں آپ کی نافرمانی کر کے مسلمانوں کی شکست وتفضیح کا سبب بنے تھے، نافرمان سپاہیوں کے ساتھ، عین معرکہ جنگ میں خودرائی سے کام لینے والے سپاہیوں کے ساتھ، شفقت وملاطفت کا معاملہ قائم رکھنا دُنیا کی جنگی تاریخ میں شاید اپنی نظیر آپ ہی ہو۔ بِمَا میں مَا زائدہ تاکید کے لیے ہے۔ ترجمہ میں اسی لیے "ہی" لایا گیا ہے۔ وما مزیدة للتاکید و التنبیه (بیضاوی) و ما مزیدة للتاکید و علیه اجلة المفسرین و به الماثور عن قتادة (روح) صلة فیها معنی التاکید (قرطبی) والدلالة علی ان لینه لهم ما کان الا برحمة من الله (کشاف) و۳۲۴ حضور انور ﷺ کے حلم وتحمل، نرمی وخوش خوئی، شفقت وملاطفت کے واقعات سے تو حدیث اور سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ کوئی کہاں تک گنائے اور یہ حقیقت تو خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنی ذات کے لیے آپ نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ غیروں (اور غیر ہی کیسے، بعض معاند تک) کے دو ایک قول سننے کے قابل ہیں۔ لین پول نے کہا ہے:۔ "ظلم محمد ﷺ کی سرشت ہی میں نہ تھا"۔ اور باسورتھ اسمتھ کا بیان ہے:۔ "انہوں نے عمر بھر کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا...... کوئی مصافحہ کرتا تو نہ وہ اپنا ہاتھ الگ کرنے میں سبقت کرتے نہ از خود اس سے الگ ہوتے۔ گفتگو بہت نرم وشیریں کرتے"۔ اور ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے:۔ "پیمبر کا میلان طبع ہمیشہ نرمی ہی کی جانب رہتا"۔ مفصل حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ لیکن نرمی و ملاطفت کے بھی شریعت میں حدود مقرر ہیں۔ جہاں دین کی توہین ہو رہی ہو یا احکام دین کے اجراء کی ضرورت ہو وہاں سختی اور سزا لازمی ہو جاتی ہے۔ اللین والرفق انما یجوز اذا لم یفض الی اهمال حق من حقوق الله فاما اذا ادی الی ذٰلک لم یجز (کبیر) و۳۲۵ (حسب دستور سابق) گویا اسلام کے نظام شورٰی جمہوری میں حکم یہ ہے کہ ایسے مجرموں کو بھی مسائل ملی میں رائے زنی سے محروم نہ کیا جائے اور ان سے ووٹ کا حق سلب نہ کیا جائے...... کیا حد ہے اس رحمت کی آج دنیا کی بڑی بڑی آزاد جمہوریتیں بھی اس کی مثال پیش کرسکیں گی؟ فَاعْفُ عَنْهُمْ یعنی جہاں تک آپ کے حقوق کے اتلاف کا تعلق ہے، آپ معاف کردیجیے۔ چنانچہ آپ نے اس حکم کی تعمیل میں ان خطا کاروں کو زبانی تہدید بھی نہ فرمائی۔ لم یخاطبهم الرسول ﷺ بالتغلیظ والتشدید و انما خاطبهم بالکلام اللین (کبیر) وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ یعنی جہاں تک حقوق اللہ کے اتلاف کا تعلق ہے، آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کردیجیے۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ جہاد میں بھاگنے سے بڑھ کر گناہ کبیرہ اور کیا ہوگا لیکن قرآن مجید نے ان اصحابِ نبی رضی اللہ عنہم کے عفو ومغفرت کی بار بار تصریح کر کے یہ صاف کردیا کہ ان حضرات کے کبائر بھی معاف ہوگئے تھے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ مشورہ کی بڑی فضیلتیں حدیث میں آئی ہیں اور ظاہر ہے کہ مشورہ کا حکم جب رسول صاحب وحی کو مل رہا ہے تو دُوسروں کے لیے اس کی احتیاج کتنی زائد رہے گی۔ فقہاء ومفسرین نے اس آیت سے اجتہاد اور قیاس شرعی کے جواز کی دلیل پکڑی ہے۔ فیه دلالة جواز الاجتهاد و بیان ان القیاس حجة (مدارک) و۳۲۶ یعنی جب کسی امر میں مشورہ ہو لے تو بس اب تذبذب وتامل کو دخل نہ دیجیے اور بلا تکلف وتوقف اللہ کے بھروسہ پر عمل اسی پختہ عزم پر کرنے لگیے۔۔۔ شخصیت واجتماعیت، فردیت وشوریت کا یہ کیسا حکیمانہ امتزاج ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ اعتماد کی چیز اللہ کی ذات ہے۔ نہ کہ انسانی مشورے۔ قال قتادة امر الله نبیه علیه السلام اذا عزم علی شیء ان یمضی و یتوکل علی الله لا علی مشاورتهم (قرطبی) والمقصود ان لا یکون للعبد اعتماد علی شیء الا علی الله فی جمیع الامور (کبیر) و۳۲۷ اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ اس گئی گزری حالت میں بھی، نظام شرعی سے اس قدر بُعد کے بعد بھی مسلمانوں کو صبر وقناعت کی دولت لازوال حاصل ہے اور خودکشی کے فیشن سے دنیائے اسلام ناواقف ہے۔ و۳۲۸ (جیسا کہ معرکہ بدر میں تم نے دیکھ لیا اور وہ ثمرہ طاعت کا تھا) المقصود من الاٰیة الترغیب فی الطاعة والتحذیر عن المعصیة (کبیر) و۳۲۹ (جیسا کہ معرکہ اُحد میں تمہیں تجربہ ہوگیا اور وہ ثمرہ خودرائی کا تھا) مِنْ بَعْدِهٖ یعنی اس کی ترک نصرت کے بعد۔ ای من بعد خذلانه (کشاف) آیت سے یہ بھی استنباط کیا گیا ہے کہ ایمان ثمرہ ہوتا ہے اعانت الٰہی کا اور کفر خذلانِ الٰہی کا۔ اِحْتَجَّ الاصحاب بهذه الاٰیة علی ان الایمان لا یحصل الا باعانة الله والکفر لا یحصل الا بخذلانه (کبیر) و۳۳۰ یعنی یہ شان نبوت کے بالکل منافی ہے۔ المراد ان النبوة والخیانة لا یجتمعان (کبیر) والمعنی انه لا یمکن ذٰلک منه لان الغلول معصیة والنبی ﷺ معصوم و هذا النفی اشارة الی الله لا ینبغی ان یتوهم فیه ذٰلک (بحر) آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جنگ بدر کے بعد جب مالِ غنیمت تقسیم ہو رہا تھا تو ایک سرخ رنگ کا جبہ ذخیرہ سے غائب معلوم ہوا۔ اس پر کوئی بول اُٹھا کہ رسول ﷺ نے لے لیا ہوگا۔ یہ قول اب اگر کسی منافق کا تھا تو اس بدبخت نے کھلا ہوا حملہ رسول اللہ ﷺ کی دیانت پر کردیا اور اگر کسی نو مسلم کی زبان سے نکلا تھا تو وہ یقیناً اس غلط فہمی میں تھا کہ رسول

خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ
بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں و۳۲۱ اور تم لوگ خواہ مر جاؤ یا مارے جاؤ،
لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٥٨﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ
ضرور اللہ ہی کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے و۳۲۲ پھر یہ اللہ کی رحمت ہی کے
اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ
سبب سے ہے کہ آپ اُن کے ساتھ نرم رہے، و۳۲۳ اور اگر آپ تندخو، سخت طبع ہوتے
لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ
تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہوگئے ہوتے و۳۲۴ سو آپ ان سے درگزر کیجیے اور ان کے لیے استغفار کردیجیے
وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ
اور ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہیے و۳۲۵ لیکن جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر
عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾ إِن
بھروسہ رکھیے و۳۲۶ بیشک اللہ ان سے محبت رکھتا ہے جو اس پر بھروسہ رکھتے ہیں، و۳۲۷ اگر
يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِن يَخْذُلْكُمْ
اللہ تمہارا ساتھ دے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا و۳۲۸ اور اگر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے
فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى
تو کون ایسا ہے جو اس کے بعد تمہارا ساتھ دے؟ و۳۲۹ اور ایمان والوں کو
اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن
تو چاہیے کہ صرف اللہ پر بھروسہ رکھیں، اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ
يَغُلَّ ۚ وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ
خیانت کرے و۳۳۰ اور جو کوئی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو حاضر کرے گا و۳۳۱

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا
پھر ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کا پورا عوض ملے گا اور ان پر بالکل
يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ
ظلم نہ ہوگا ف۳۳۲ کیا جو شخص رضاء الٰہی کا تابع ہے ف۳۳۳ وہ بھلا اُس جیسا ہو جائے گا
بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ
جو غضبِ الٰہی کا مستحق ہے ف۳۳۴ اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری
الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ
جگہ ہے یہ لوگ اللہ کے نزدیک (مختلف) طبقوں میں ہوں گے اور اللہ اُن کے اعمال کو
بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
خوب دیکھنے والا ہے ف۳۳۵ حقیقت میں اللہ نے (بڑا) احسان مسلمانوں پر کیا
اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا
جب کہ اُنہی میں سے ایک پیغمبر اُن میں بھیجا جو اُن کو اس کی آیتیں
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ
پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک صاف رکھتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی
وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ
تعلیم دیتا ہے ف۳۳۶ اور بیشک یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں
مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ
مبتلا تھے ف۳۳۷ اور جب تمہیں ایسی ہار اٹھانی پڑی جس کی دوگنی تم (فریق مقابل پر)
مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ
ڈال چکے تھے ف۳۳۸ تو تم کہنے لگے یہ کدھر سے ہوئی آپ کہہ دیجیے کہ وہ تمہاری ہی

النصف

کو بغیر اطلاع بھی تصرف کا حق حاصل ہے۔ آیت ہر مفروضہ کی تردید کر رہی ہے۔ اور ایسے عمل کو خیانت سے تعبیر کر رہی ہے۔ مشرک غریب تو سرے سے جانتے ہی نہ تھے کہ مرتبۂ نبوت کس منصب عظیم کا نام ہے اور پیمبرانہ اخلاق کے معنی کیا ہیں۔ یہود و نصاریٰ البتہ پیمبروں کے نام اور کارناموں سے آشنا تھے لیکن ان ظالموں نے بھی رفتہ رفتہ مرتبۂ نبوت کی اخلاقی عظمت کو بالکل ہی بھلا دیا تھا اور نبی کو کاہن کی قسم کا محض ایک پیشین گوئی کرنے والا انسان سمجھ رکھا تھا۔ آیت سب غلط خیالیوں کی اصلاح کر رہی ہے۔
ف۳۳۱ اتنی بڑی رسوائی اور فضیحت کو پیمبرانہ تقدیس سے کوئی دُور کا بھی واسطہ ہو سکتا ہے فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ غلول یا خیانت معصیت کبیرہ ہے۔ قال العلماء الغلول كبيرة من الكبائر (قرطبی) و قد عظم النبی ﷺ امر الغلول حتی اجراه مجری الكبائر (جصاص) اور یہ بھی کہا ہے کہ حکام کا ہدیہ قبول کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ ومن الغلول هدايا العمال و حكمه فی الفضيحة فی الاٰخرة حكم الغالّ (قرطبی) ف۳۳۲ پیمبروں کا اعزاز و اکرام قطعی ہے۔ تو کسی نبی کی جانب خیانت جیسے ذلیل جرم کی نسبت ہی کیونکر جا سکتی ہے؟ ف۳۳۳ (جیسا کہ ہر نبی لازمی طور پر ہوتا ہے) ف۳۳۴ (جیسے خائن یا اور کوئی مجرم) ف۳۳۵ (اور اپنے اسی علم کامل کے مطابق جزا و سزا دینے والا ہے) یعنی یہ سب لوگ رضاء حق پر چلنے والے ہیں۔ اور راہِ حق کی مخالفت کرنے والے ہیں۔ هُمْ دَرَجٰتٌ یہ مختلف طبقہ اللہ کے ہاں محبوبیت اور مغضوبیت کے لحاظ سے ہوں گے۔ تقدیر کلام یوں ہے هم ذو درجٰت یا لهم درجٰتٌ۔ معنٰی هم درجٰتٌ۔ ای ذو درجٰتٍ او لهم درجٰت (قرطبی) و تقدير الكلام لهم درجٰت عندالله (کبیر) عِنْدَ اللّٰهِ سے مراد ہے اللہ کی عدالت میں۔ ای فی حكم الله و علمه (کبیر)
ف۳۳۶ اللہ کی بہترین نعمت ہونے کے لحاظ سے بعثت رسول ﷺ کا احسان ہے تو سارے عالم پر۔ مسلمانوں کی تخصیص ذکر کی وجہ ظاہر ہے کہ بعثت سے فائدہ اُٹھانے والے یہی لوگ تھے۔ مِنْ اَنْفُسِهِمْ یعنی اُنہی کی جنس میں سے اس میں مومنین کے لیے بڑی بشارت ہے کہ پیمبر بھی بس تمہارے ہی جیسے ایک بشر ہیں۔ اراد به المؤمنين كلهم و معنٰى من انفسهم انه واحد منهم و بشر مثلهم (قرطبی) رسول ﷺ کی تلاوتِ آیات، تزکیہ تقویٰ، تعلیم کتاب و حکمت پر حاشیہ پارۂ اوّل کی آیت کے ذیل میں گزر چکے۔ ف۳۳۷ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ قرآنی دستور العمل اور محمدی ﷺ نمونہ عمل سے قبل دنیا پر عقائد، معاملات، عبادات اخلاق ہر اعتبار سے اندھیرا ہی چھایا ہوا تھا اور انسانی آبادی صحیح معنٰی میں فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کی تصویر تھی۔ اِنْ۔ یہاں اِنَّ کا مخفف ہے اور تاکید کے معنٰی دے رہا ہے۔ ان هی المخففة يعنی الثقيلة (کشاف) ف۳۳۸ (اس کے قبل بدر میں) اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ یعنی اُحد میں جب تمہیں شکست ہوئی اور تمہارے ستر آدمی شہید ہوئے۔ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا یعنی بدر میں جب مشرکین کے ستر آدمی قتل ہوئے تھے اور ستر گرفتار۔ اَوَ میں وعطف کا ہے اور اَ، تفریع و استفہام کا۔ الهمزة للتفريع والتقرير والواو عاطفة (بیضاوی) الالف للاستفهام والواو للعطف (قرطبی)

أَنفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾

طرف سے ہوئی ف۳۳۹ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۳۴۰

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ

اور جو مصیبت تم پر اُس روز پڑی جب کہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے سو وہ اللہ کی مشیت سے

اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ

ہوئی، ف۳۴۱ تاکہ اللہ مومنین کو جان لے اور اُن لوگوں کو بھی جان لے

نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ

جنھوں نے منافقت اختیار کی ف۳۴۲ اور اُن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو

اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ

یا دفعیہ میں جاؤ ف۳۴۳ تو وہ بولے کہ اگر کوئی (ڈھنگ کی) جنگ دیکھتے تو ضرور تمہارے پیچھے ہولیتے ف۳۴۴

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ

یہ لوگ اس روز ایمان سے زیادہ کفر کے نزدیک ہو گئے ف۳۴۵

يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ

یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ف۳۴۶

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ الَّذِينَ قَالُوا

اور جو کچھ یہ چھپائے ہوئے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے، یہ لوگ وہ ہیں جو درآنحالیکہ (خود) بیٹھے رہے، اپنے

لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ

بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کہا مانتے ف۳۴۷ تو نہ مارے جاتے، آپ کہہ دیجئے کہ

فَادْرَءُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ

(اچھا تو) اگر تم سچے ہو تو اپنے کو موت سے

ف۳۳۹ یعنی تمہارے اپنے ہاتھوں ہوئی۔ ہمارا وعدۂ فتح ونصرت تمہاری طاعت واطاعت کے ساتھ مشروط تھا۔ جب تم نے اس کا لحاظ نہ رکھا تو اب وعدہ کہاں باقی رہا۔ اَنّٰی ھٰذَا حیرت طبعی میں مسلمان بار بار استعجاب سے کہتے تھے کہ ہم صاحب ایمان بندہ، اللہ کی راہ میں لڑنے والے پھر ہم میں نبی موجود اور مقابل مشرکین اور پھر بھی شکست ہم ہی کو۔ ف۳۴۰ فتح دینے پر بھی قادر اور فتح سے محروم کر دینے پر بھی قادر۔ ف۳۴۱ (اور اللہ کی ہر مشیت اللہ ہی جانتا ہے کتنی حکمتوں اور مصلحتوں کی سرمایہ دار ہوتی ہے) بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ اذن یہاں مشیت کے معنی میں ہے۔ ای بقضاءہٖ و قدرہٖ (قرطبی) المراد من الاذن قضاء اللہ بذٰلک (کبیر عن ابن عباسؓ) یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ یعنی معرکۂ اُحد میں مکہ کا ایک لشکر ابوسفیان کی کمان میں اور مدینہ کی فوج محمد رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں۔ المراد یوم احد (کبیر) ف۳۴۲ یعنی علانیہ اس کا امتحان ہوجائے کہ مومن کون کون ہے اور منافق کون کون ہے۔ ف۳۴۳ یہ منافقین سے کہا گیا تھا۔ لھم میں ھم کی ضمیر اُنہی کی طرف ہے۔ ای للمنافقین (مدارک) اَوِادْفَعُوْا۔ یعنی اگر لڑتے نہیں ہو تو کم از کم اپنی شمولیت ہی سے مسلمانوں کی تعداد کافروں کی نظر میں بڑھائے رہو۔ ای کثروا سواد المسلمین (ابن کثیر عن ابن عباسؓ) قال السدی و ابن جریج وغیرھما کثروا سوادنا وان لم تقاتلوا معنا (قرطبی) یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب منافقین کا تین سو کا گروہ آغاز جنگ میں مسلمانوں سے کٹ کر مدینہ کو واپس آ رہا تھا۔ ف۳۴۴ (لیکن یہ تو جنگ نہیں صریح خودکشی ہے) ولا یقال لمثلہ قتال ھو القاء بالانفس الی التھلکۃ (کشاف) منافقین کا کہنا یہ تھا کہ دشمن اوّل تو تعداد میں تم سے چوگنا پھر ساز وسامان میں کہیں زائد ایسی حالت میں شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کرنا سارے اصول جنگ کے خلاف، صریح دیوانگی ہے۔ ف۳۴۵ (یعنی ایمانِ ظاہری ولفظی سے بھی بہت دُور ہو گئے اور حقیقی ایمان تو خیر کبھی تھا ہی نہیں) اور کفر سے قریب تر علانیہ بھی ہو گئے۔ یَوْمَئِذٍ یعنی جس روز ایسی باتیں زبان سے نکالیں۔ ف۳۴۶ (چنانچہ ان کا یہ عذر بھی مخلصانہ نہیں) اصل نیت ان منافقین کی کسی حال میں بھی مسلمانوں کی اعانت کی نہ تھی۔ اور کیوں ہونے لگی تھی جبکہ سرے سے ایمان ہی دلوں میں نہ تھا۔ بِاَفْوَاھِھِمْ۔ بِاَفْوَاھِھِمْ کا اضافہ زور اور تاکید کے لیے ہے جیسے اُردو محاورہ میں کہتے ہیں "یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے"۔ یا۔ "اپنے کانوں یہ سنا ہے"۔ والتقیید بالافواہ للتاکید (مدارک) ف۳۴۷ (اور ہماری ہی طرح جنگ سے علیحدہ رہے) لِاِخْوَانِھِمْ۔ اِخْوَانٌ سے مراد اخوان دینی واعتقادی نہیں۔ بلکہ اخوانِ نسبی ووطنی ہیں۔ ذکر منافقین کی زبان سے مسلمان شہداء کا ہو رہا ہے۔ فی النسب لا فی الدین ھم شھدآء اُحد (معالم) و ھم اخوۃ نسب مجاورۃ لا اخوۃ الدین (قرطبی) ل۔ واسطہ کا ہے معناہ لاجل اخوانھم (قرطبی) اِخْوَان اور ل دونوں پر حاشیہ اُوپر قریب ہی گزر چکا ہے۔

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ

بچا لینا ف۳۴۸ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

انہیں ہرگز مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں

يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ

رزق پاتے رہتے ہیں ف۳۴۹ ان (نعمتوں) سے مسرور ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے

فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا

عطا کی ہیں اور جو لوگ ان کے بعد والوں سے ابھی ان سے نہیں

بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

جا ملے ہیں ف۳۵۰ ان کی بھی اس حالت سے خوش ہیں کہ ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ

غمگین ہوں گے وہ لوگ خوش ہو رہے ہیں اللہ کے انعام اور

وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

فضل پر اور اس پر کہ اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ف۳۵۱

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو مان لیا ف۳۵۲ بعد اس کے کہ

اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ

انہیں زخم لگ چکا تھا ف۳۵۳ اُن میں سے جو نیک اور

وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ ج اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ

متقی ہیں اُن کے لیے اجر عظیم ہے ف۳۵۴ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان سے کہنے والوں نے کہا ف۳۵۵

وقف لازم ع ۱۷ / ۸ مع

ف۳۴۸ یعنی اگر تمہارا نظریہ یہ ہے کہ موت معرکہ جنگ ہی میں جانے سے ہوئی ہے تو تم تو بہرحال جنگ سے احتراز کیے ہوئے ہو، دیکھنا ہے کہ موت سے کب تک بچے رہتے ہو۔ ف۳۴۹ (عالم برزخ میں ایک حیاتِ مخصوص کے ساتھ) وَلَا تَحْسَبَنَّ...... اَمْوَاتًا شہداء کی موت عام انسانوں کی موت کی طرح نہیں ہوتی بلکہ انہیں برزخ میں ایک مخصوص قسم کی زندگی حاصل رہتی ہے۔ اَحْيَآءٌ...... يُرْزَقُوْنَ یہ حیات اور یہ رزق سب اسی عالم برزخ کے متناسب ہوتے ہیں۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ یہ اپنے پروردگار کے مقرب بھی ہوتے ہیں۔ عندھنا تقتضی غاية القرب (قرطبی) بمعنى القرب والشرف (روح) پارۂ دوم، آیت رکوع ۳ کے حاشیہ بھی ملاحظہ کر لیے جائیں۔ ف۳۵۰ (مگر آخرکار شہید ہو کر ان سے جا ملنے والے ہیں) مِنْ فَضْلِهٖ۔ اس فضل خداوندی کے اندر ہر قسم کی نعمتیں اور سرافرازیاں آگئیں۔ ف۳۵۱ اس حقیقت کا تو انہیں عینی مشاہدہ ہو رہا ہے۔ نِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ نعمت یہ کہ اجر انہیں پورا پورا مل رہا ہے۔ ای ثوابا لاعمالهم (بیضاوی) فَضْلٍ فضل یہ کہ انعام و اکرام استحقاق سے کہیں بڑھ کر ملا۔ ای زيادة عليه (بیضاوی) ف۳۵۲ (اور رسول کی اطاعت میں خوش دلی کے ساتھ جنگ کے لیے نکل پڑے) اِسْتَجَابُوْا یہاں اجابوا کے معنی میں ہے اور حروف س و ت اس میں زائد ہیں۔ بمعنى اجابوا والسين والتاء زائدتان (قرطبی) استجاب بمعنى اجاب (کبیر) ف۳۵۳ (جنگ اُحد میں، اور وہ زخم ابھی تازہ ہی تھا) معرکہ اُحد میں لشکر اسلام کو جو صدمہ پہنچا تھا، اس نے اہل مکہ کی ہمتیں بڑھا دی تھیں۔ سال ہی بھر بعد ایک بار پھر ابوسفیان قرشی اُموی کی قیادت میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ (ابوجہل، ابولہب، عتبہ وغیرہ کے قتل و ہلاکت کے بعد اب قوم قریش کی سرداری کی باگ ابوسفیان ہی کے ہاتھ میں تھی) دو ہزار پیادہ فوج، مع پچاس سواروں کی جمعیت کے، لیکن دو ہی ایک روز بعد خود ان لوگوں پر کچھ ایسی ہیبت سوار ہوئی کہ اُلٹے پاؤں واپس چلے گئے۔ آیات قرآنی میں اشارہ انہی واقعات کی جانب ہے۔ ف۳۵۴ (اور نیک اور متقی تو یہ سب ہی ہیں) مِنْهُمْ جس طرح تبعیض کے لیے آتا ہے، یعنی کل میں سے کسی جزء کے بتانے کو، اسی طرح تبیین یعنی توضیح کے لیے بھی آتا ہے۔ چنانچہ یہاں اسی معنی میں ہے اور اَحْسَنُوْا اور اتَّقَوْا کے لے آنے سے مقصود اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا کی ممدوحیت کی علت یہی دو اوصاف احسان و تقویٰ ہیں۔ و من للبيان والمقصود من ذكر الوصفين المدح والتحليل لا التقييد لان المستجيبين كلهم محسنون متقون (بیضاوی) قد احسنوا كُلُّهم واتقوا لا بعضهم (مدارک) ف۳۵۵ (اور یہ ابوسفیان کے سکھائے پڑھائے ہوئے اس کی طرف سے پروپیگنڈا کرنے والے تھے) تاریخ میں اس پروپیگنڈسٹ جماعت کے لیڈر کا نام نعیم آتا ہے۔ یہ شخص قبیلہ ثقیف کا تھا۔

و۳۵۶ (اورتم کسی طرح ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہو) اِنَّ النَّاسَ۔ یہاں ناس سے مراد قوم قریش ہے۔ اس روایت کی نشر و اشاعت سے مقصود مسلمانوں کے دلوں میں قریش کا رعب بٹھانا اور ان کی طرف سے دہشت پیدا کرنی تھی۔ "حربِ اعصاب" War of Nerves جس طرح آج حربِ اسلحہ کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے اور اس کا ایک اہم جزء ہے، زمانہ قدیم میں بھی ہوتی رہتی تھی اور ابوسفیان

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

کہ لوگوں نے تمہارے خلاف بڑا سامان اکٹھا کیا ہے و۳۵۶ ان سے ڈرو

فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ

لیکن اس نے ان کا (جوش) ایمان اور بڑھا دیا اور یہ لوگ بولے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین

الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ

کارساز ہے و۳۵۷ سو یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ واپس آئے

لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ

کہ انہیں کوئی ناگواری (ذرا) نہ پیش آئی اور یہ لوگ رضاء الٰہی کے تابع رہے و۳۵۸

وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ

اور اللہ بڑا فضل والا ہے و۳۵۹ یہ تو شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے دوستوں

يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ

کے ذریعہ سے ڈراتا ہے و۳۶۰ سو تم اُن سے نہ ڈرو بلکہ مجھی سے ڈرو

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ

اگر ایمان والے ہو و۳۶۱ اور آپ کے لیے یہ لوگ جو

يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ

جلدی سے کفر میں جا پڑتے ہیں باعث غم نہ بنیں و۳۶۲ یقیناً یہ لوگ اللہ کو ذرا سا بھی نقصان نہیں

شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي

پہنچا سکتے و۳۶۳ اللہ کی یہی مشیت ہے، کہ اُن کے لیے آخرت میں ذرا بھی

الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

بھی حصہ نہ رکھے و۳۶۴ اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے۔ یقیناً جن لوگوں نے

اپنے وقت اور اپنی قوم میں اس فن کا ماہر تھا، اس نے اپنے آدمی چھوڑ رکھے تھے کہ مسلمانوں سے مل مل کر انہیں قریش کی عسکری قوت اور حربی عظمت سے ایسا مرعوب کر دیں کہ ان کی ہمت پست پڑ جائے اور مقابلہ کا حوصلہ ہی باقی نہ رہے۔ و۳۵۷ (ہماری حمایت، حفاظت، سب کے لیے) یعنی اس خبر کی اشاعت اور پروپیگنڈا نے بجائے ان میں پست ہمتی پیدا کرنے کے مسلمانوں میں جوشِ ایمانی اور تیز کر دیا اور وہ توکل اور اعتماد علی اللہ کی پوری قوت کے ساتھ بول اُٹھے کہ غنیم جو چاہے کرے ہمارا کارساز تو اللہ ہے اور وہی ہمارے لیے کافی ہے۔ زادھم قول الناس ایمانًا (قرطبی) و۳۵۸ (اور یہی رضاء الٰہی سرچشمہ ہے دنیوی اور اُخروی ہر قسم کے نفع و راحت کا) فَانْقَلَبُوْا یعنی مقام بدر تک جا کر مسلمان واپس آئے۔ اہل سیر و تاریخ کی زبان میں یہ واقعہ غزوۂ بدر ثانیہ کے نام سے موسوم ہے اور اس کا زمانہ شعبان ۴ھ ہجری کا ہے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے:۔ "آپؐ نے ابوسفیان کے چیلنج کے جواب میں بدر کا قصد فرمایا چنانچہ وہاں پہنچ گئے اور یہاں آپؐ نے ابوسفیان کا انتظار آٹھ دن تک کیا اور ابوسفیان بھی مکہ والوں کو لے کر روانہ ہوا مگر نواحی ظہران میں پہنچا تو اس کی رائے مکہ واپس چلے آنے کی ہوئی اور اس نے قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے سفر کے لیے تو ایسا موسم مناسب ہے، جس میں تم اپنے جانوروں کو چرا بھی سکو اور دودھ بھی خوب پی سکو اور یہ موسم تو خشکی کا ہے سو میں تو واپس چلا تم بھی واپس چلے چلو چنانچہ وہ لوگ واپس ہو گئے"۔ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ یعنی نعمت مقبولیت اور ترقی ایمان کے ساتھ۔ فَضْلٍ یعنی دُنیوی نفع کے ساتھ بھی۔ مال کی نکاسی خوب ہوئی۔ و۳۵۹ چنانچہ یہاں اس کا فضل مسلمانوں پر ان صورتوں میں ظاہر ہوا۔ ۱۔ ان کے درجہ ایمان میں ترقی ہوئی۔ ۲۔ انہیں معرکہ جہاد میں نکلنے کی توفیق ہوئی۔ ۳۔ وہ ہر قوتِ دشمن کی شوکت وصولت سے ذرا مرعوب نہ ہوئے۔ مقابلہ کی ہمت قائم رکھی۔ ۴۔ مالی و تجارتی دنیوی نفع حاصل ہوئے۔ ۵۔ اجرِ عظیم کی بشارت ملی۔ و۳۶۰ شیطان کہیں اپنی اصلی صورت میں سامنے آ کر حملہ نہیں کرتا جب وار کرتا ہے کسی نہ کسی انسانی شکل و قالب میں آ کر اور یہی اولیاء الشیطان کہلاتے ہیں، یہاں اس جماعت کا لیڈر نعیم ثقفی تھا۔ اولیاء ای باولیاءہٖ (قرطبی) و۳۶۱ (کہ اللہ کے خوف کو مخلوق کے خوف پر غالب رکھنا لازمہ ایمان ہے) لَا تَخَافُوْهُمْ۔ ھُمْ۔ سے مراد ہیں شیطان کے دوست یا اللہ کے دشمن۔ و۳۶۲ یعنی ان لوگوں کے لیے آپ فکر و غم میں نہ پڑیں اَلَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مراد منافقین ہیں۔ اِدھر مسلمانوں کو خفیف سی بھی شکست ہوئی اور اُدھر یہ کھلم کھلا کفر میں جا پڑے۔ اور کافروں کے علانیہ بھی شریک ہونے لگے۔ نزلت فی المنافقین (کبیر)

و۳۶۳ یعنی اللہ کے دین کو ذرا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ آیت سے مقصود پیغمبر ﷺ کو تسکین دینا ہے کہ آپ کو بڑی فکر اس کی ہے کہ منافقین کی چالوں سے کہیں اشاعتِ اسلام نہ رُک جائے۔ سو اطمینان رکھیے ان کی چالیں ذرا بھی کامیاب نہ ہوں گی۔ و۳۶۴ (ان کے کفر اختیاری کی پاداش میں) ارادتہ ان لا یکون لھم ثواب فی الأخرۃ لا تکون بدون ارادۃ کفرھم و معاصیھم (مدارک)

اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ

ایمان کے عوض کفر کو خرید لیا ہے وہ اللہ کو ذرا بھی نقصان نہیں

شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ

پہنچا سکتے و۳۶۵ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ

یہ نہ خیال کریں کہ ہم جو انہیں مہلت دے رہے ہیں و۳۶۶ یہ ان کے حق میں بہتر ہے،

اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

ہم تو انہیں بس اس لیے مہلت دے رہے ہیں کہ وہ جرم میں اور بڑھ جائیں و۳۶۷ اور اُن کے لیے رسواکن

مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

عذاب ہے جس حال پر تم ہو اللہ اس پر ایمان والوں کو چھوڑے

عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ

رکھنے کا نہیں جب تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ

الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ

نہ کر لے و۳۶۸ اور نہ اللہ تمہیں غیب پر مطلع کرنے والا ہے و۳۶۹

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ

البتہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے رسولوں میں سے انتخاب کر لیتا ہے و۳۷۰

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا

تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ و۳۷۱ اور اگر تم ایمان لے آئے اور تم نے تقویٰ اختیار کر لیا

فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

تو تمہارے لیے اجر عظیم ہے، اور جو لوگ کہ اس مال میں بخل کرتے رہتے ہیں و۳۷۲ جو کچھ

و۳۶۵ (بلکہ الٹے خود ہی ہر طرح کے خسارہ میں رہیں گے) اَلَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ اس میں اسلام کے دشمن خفیہ و علانیہ ہر قسم کے آگئے۔ و۳۶۶ (اور فوراً انہیں عذاب کی گرفت میں نہیں لے رہے ہیں)۔ و۳۶۷ (عمر و مہلت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ) یعنی ہمارے قانونِ تکوینی کا اقتضاء یہی ہے کہ جب گرفت فوری نہیں ہوتی تو غفلت و جسارت اور بڑھتی جاتی ہے۔ و۳۶۸ (طرح طرح کے امتحانوں سے اور آزمائشوں کے ذریعہ سے) خطاب عام نوعِ انسانی سے ہے۔ علی ما انتم ایھا الناس (جلالین) لِيَذَرَ میں ل تاکید نفی کے لیے ہے، واللام لتاکید النفی (مدارک) مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ (یعنی مومنین و منافقین کی ملی جلی ہوئی قوم) علی ما انتم علیه من اختلاط المؤمن بالمنافق (قرطبی) من اختلاط المؤمن الخلص والمنافقین (مدارک) المعنی لا یترککم مختلطین لا یعرف مخلصکم من منافقکم (بیضاوی) اَلْخَبِيْثَ اور الطَّيِّبِ سے ظاہر مراد منافقین اور مومنین ہیں۔ و۳۶۹ (مثلاً یہی کہ وہ بتلا دے کہ فلاں فلاں شخص منافق ہیں اور فلاں فلاں مومن) یہ منافقین کے جواب میں ارشاد ہوا ہے جو مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اچھا بڑے سچے بنتے ہو تو یہی بتا دو کہ منافق کون کون سے ہیں۔ لِيُطْلِعَكُمْ میں خطاب عالم انسانی سے ہے یا صرف مسلمانوں سے۔ الْغَيْبِ سے تکوینی حقیقتیں مراد ہو سکتی ہیں جو اس سے پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔ و۳۷۰ (بعض امور غیب کی اطلاع کے لیے) مَنْ يَّشَاۗءُ یعنی جسے وہ چاہتا ہے اپنی مصلحت و حکمت تکوینی کے ماتحت۔ متکلمین نے کہا ہے کہ آیت نص ہے عقیدۂ باطنیہ کے مقابلہ میں جو علم غیب کا اثبات علاوہ رسول کے اپنے امام کے لیے بھی کرتے ہیں۔ الأیة حجة علی الباطنیة فانھم یدعون ذلک العلم لامامھم (مدارک) و۳۷۱ رُسُلِهٖ صیغۂ جمع میں۔ رسوله صیغہ واحد میں۔ مقصود تو اب صرف نبوتِ محمدی ﷺ پر ایمان لانے کی ترغیب دینا ہے لیکن اس ضمنی موقع پر بھی حکم تمام انبیاء پر ایمان لانے کا مل رہا ہے۔ کس قدر اہتمام قرآن کو وحدت پیام اور سلسلۂ وحی کی اہمیت و عظمت کا ہے۔ و۳۷۲ (صرفِ واجب کے موقع پر) البخل فی اللغة ان یمنع الانسان الحق الواجب علیه (قرطبی) نزلت فی مانعی الزکوٰة المفروضة قاله ابن مسعود و ابو ھریرة و ابن عباس والشعبی و مجاھد (بحر)

يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ

اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دے رکھا ہے، وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں و۳۷۳ کہ یہ

خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ

ان کے حق میں کچھ اچھا ہے، نہیں، بلکہ ان کے حق میں (بہت) برا ہے، یقیناً انہیں

مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ

قیامت کے دن طوق پہنایا جائے گا اس (مال) کا جس میں انہوں نے بخل کیا و۳۷۴ اور اللہ ہی وارث ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

آسمانوں اور زمین کا، و۳۷۵ اور اللہ جو تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے و۳۷۶

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ

بیشک اللہ نے اُن لوگوں کا قول سن لیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اللہ

فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا

مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں و۳۷۷ ہم ضرور اُن کے کہے ہوئے کو لکھ کر رہیں گے و۳۷۸

وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا

اور ان کے ناحق قتل انبیاء کو بھی و۳۷۹ اور ہم کہیں گے کہ (اب) و۳۸۰ آگ کے عذاب کا

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ

مزہ چکھو یہ ان (حرکتوں) کی وجہ سے ہوا جو تم آگے بھیج چکے ہو

وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ ۚ الَّذِيْنَ

اور اس لیے کہ اللہ بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں و۳۸۱ (یہ وہ لوگ ہیں)

قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ

جو کہتے ہیں و۳۸۲ کہ خدا نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں

ع ۱۸/۹

وقف لازم

و۳۷۳ (یعنی یہی شیوۂ بخل) هو ای البخل (مدارک) و۳۷۴ (اور یہ طوق سانپ کی شکل میں ہوں گے ان کی گردنوں میں لپٹے ہوئے) حشر میں جب مجردات اور معانی مادّی جسم اور شکلیں اختیار کرلیں گے۔ بخل اور منع زکوۃ حدیث میں آیا ہے کہ سانپ بن کر مجرموں کی گردن میں لپٹے گا۔ قال رسول الله ﷺ ما من احد لا یؤدی زکوۃ ماله الامثل له شجاع اقرع یطوقه (ابن جریر عن ابن مسعود) سَیُطَوَّقُوْنَ میں س تاکید کے لیے ہے۔ السین مزیدۃ للتاکید (روح) و۳۷۵ (اور وہی آج بھی سب کا مالک حقیقی ہے) سو یہ لوگ بخل درحقیقت اپنے مال میں نہیں بلکہ اُس کے مال میں کر رہے ہیں جو اور بھی قبیح ہے۔ و للیس هذا بمیراث فی الحقیقة لان الوارث فی الحقیقة هو الذی یرث شیئًالم یکن ملکه قبل والله سبحانهٗ تعالٰی مالک السمٰوٰت والارض وما بینهما (قرطبی) والمقصود من الاٰیة انه یطل ملک جمیع المالکین الاملک الله سبحانهٗ و تعالٰی (کبیر) و۳۷۶ (اس لیے اخلاص کا اہتمام قدم قدم پر رکھنا لازمی ہے) و۳۷۷ یہ کہنے والے یہود تھے اور ان کا یہ قول بہ طور مضحکہ و تمسخر کے تھا۔ یہود کا ایک قبیلہ بنی قینقاع کے نام سے نواح مدینہ میں آباد تھا یہ زرگروں اور مہاجنوں ساہوکاروں کا گروہ تھا۔ اُنہی نے آیۂ کریمہ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا سن کر بہ طور تعریض و تضحیک اس قسم کی بدگوئی شروع کردی تھی۔ یہود کی بدتمیزیوں اور گستاخانہ طنز و تمسخر کو کوئی آج سمجھنا چاہے تو آریہ ساجیوں کا مناظرانہ لٹریچر اُٹھا کر پڑھ لے! و۳۷۸ یعنی فرشتوں کے ہاتھ سے ان لوگوں کے نامۂ اعمال میں لکھا کر رہیں گے اور ایسی گستاخانہ پھبتیوں کو ہرگز نظرانداز نہ ہونے دیں گے۔ سَنَكْتُبُ۔ س یہاں بھی تاکید کے لیے ہے۔ السین للتاکید ای لن یفوتنا ابدًا تدوینه (روح) و۳۷۹ جو اس درجہ شقی القلب ہوں کہ اپنے پیغمبروں تک کو ہلاک کرڈالیں اُن سے ایسے گستاخی کے کلمہ بعید ہی کیا ہیں؟ قتل انبیاء اور ناحق قتل انبیاء پر حاشیہ پارۂ اوّل میں گزر چکے۔ رکوع ۷۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو یہود قتل انبیاء سے راضی و مطمئن رہے وہ بھی گویا عملاً قتل میں شریک اور قتل کے ذمہ دار ہوئے ہیں۔ اور پھر یہ حقیقت کلی درج کی ہے کہ رضا بالمعصیت بھی معصیت ہے۔ هذه مسالة عظمٰی حیث یکون الرضا بالمعصیة معصیة (قرطبی) و۳۸۰ (قیامت کے دن) و۳۸۱ یہ عین اس کی صفت عدل کا تقاضا ہوگا کہ ایسے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے، نہ یہ کہ اس میں ذرا بھی شائبۂ ظلم ہو۔ مشرک قوموں نے اپنے دیوی دیوتاؤں کو ظالم، جابر سب ہی کچھ مانا ہے۔ یہاں ان عقائد کی بھی پوری تردید ہوگئی۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ حشر میں عذاب تو صرف متشکل ہو کر سامنے آجائے گا ورنہ ہوگا تو حقیقۃً ان مجرموں کی دنیوی کرتوتوں ہی کا ثمرہ۔ و۳۸۲ (اور تمام تر جھوٹ کہتے ہیں)

حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ

جب تک وہ ہمارے مواجہہ میں ایسی نیاز نہ پیش کرے جسے آگ کھا جائے و۳۸۳ آپ کہہ دیجیے

جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالَّذِىْ

کہ مجھ سے پیشتر یقیناً تمہارے پاس رسول دلائل کے ساتھ اور اس (معجزہ) کے ساتھ بھی آچکے جسے

قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

تم کہہ رہے ہو تو تم نے انہیں کیوں قتل کر ڈالا، اگر تم سچے ہو و۳۸۴

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ

سو اگر یہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ سے پیشتر بھی پیغمبروں کی تکذیب ہو چکی ہے

جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

جو شواہد اور فرشتوں اور روشن کتاب کے ساتھ آئے تھے و۳۸۵

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ

ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے و۳۸۶ اور تم کو تمہاری پوری مزدوری تو بس

اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ

قیامت ہی کے دن ملے گی و۳۸۷ تو جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا

وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ

اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہی کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو کچھ بھی نہیں،

اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِىْٓ اَمْوَالِكُمْ

بجز ایک دھوکے کے سودے کے و۳۸۸ یقیناً تم اپنے مال اور جان سے

وَ اَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

آزمائے جاؤ گے و۳۸۹ اور یقیناً تم بہت سی دلآزاری کی باتیں اُن سے (بھی) سنو گے جنہیں

و۳۸۳ یعنی مدعیٔ نبوت کے لیے یہ دکھانا ضروری ہے کہ جو قربانی مذبح میں پیش کی جائے اسے آگ آسمان سے آکر جلا جائے۔ سوختنی قربانی کا ذکر توریت میں کثرت سے آیا ہے۔ عَهِدَ اِلَيْنَا یعنی ہم نے نسل اسرائیل کو حکم دیا تھا۔ و۳۸۴ یعنی اگر تمہارا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ مرتبۂ نبوت اور اس خاص معجزہ کا ظہور لازم ملزوم ہیں تو آخر تمہاری قوم کے جن انبیاء نے یہ معجزہ دکھایا تم خود اُن کے منکر کیوں رہے؟ جَآءَكُمْ رُسُلٌ یعنی خاص تمہاری ہی نسل وقوم کے پیمبر جو تمہارے پاس آچکے ہیں۔ بِالَّذِىْ قُلْتُمْ توریت میں اس قسم کے متعدد واقعات مندرج ہیں مثلاً "ایلیا نبی نزدیک آیا اور بولا کہ اے خداوند ابرہام اور اسحاق اور اسرائیل کے خدا آج کے دن معلوم ہو جائے کہ تو اسرائیل کا خدا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں نے یہ سب کچھ تیرے کہے سے کیا ہے...... تب خداوند کی طرف سے آگ نازل ہوئی اور اس نے اس سوختنی قربانی اور لکڑیوں اور پتھروں اور پانی کو جلایا" (۱۔ سلاطین۔ ۱۸: ۳۷ و ۳۸) "اور جب سلیمان دعا مانگ چکا تو آسمان سے آگ اتری اور سوختنی قربانی اور ذبیحوں کو کھا گئی اور وہ گھر خداوند کے جلال سے بھر گیا" (۲۔ تواریخ ۷: ۱) و۳۸۵ (اس لیے آپ کچھ غم نہ کریں، کہ یہ معاملہ تو سارے انبیاء و مرسلین کے ساتھ ہوتا آیا ہے) بِالْبَيِّنٰتِ بینات دلائل عقلی اور معجزات سب کا جامع ہے۔ ای الحجج والمعجزات (کبیر) ای الحجج والبراھین القاطعة (ابن کثیر) اَلزُّبُرُ زبور کی جمع ہے، مراد وہ مختصر رسالے ہوتے ہیں، جن میں صرف اخلاقی موعظ ہوتے ہیں۔ اس کی بہترین مثالیں اناجیل اربعہ ہیں۔ قیل الزبر المواعظ و الزواجر (بیضاوی) اَلْكِتٰبُ اصطلاح قرآنی میں اس سے مراد ایسی کتاب ہوتی ہے، جس میں احکام وشرائع سب ہوں۔ اور پوری طور پر ہادی ہو۔ والکتاب فی عرف القراٰن ما یتضمن الشرائع والاحکام (بیضاوی) و۳۸۶ (خواہ وہ کوئی اور کیسا ہی ہو) گویا اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ موت ایک طبعی تتمہ و تکملہ ہے حیات کا، اسے نکوکاری اور بدکاری سے کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ انسان کے لیے بہ طور سزا کے مقرر ہوئی ہے۔ اس میں مسیحیوں اور یہود دونوں کا رد آگیا جن کے عقیدہ میں موت نام ہے گناہ کی سزا یا نتیجہ کا۔ انجیل کے صحیفوں میں ہے:۔ "جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب موت آئی اور موت سب آدمیوں میں پھیل گئی" (رومیون ۵: ۱۲) "گناہ کی مزدوری موت ہے" (رومیون ۶۰: ۱۳) "خواہش حاملہ ہو کر گناہ کو جنتی ہے اور گناہ جب بڑھ چکا تو موت پیدا کرتا ہے" (یعقوب ۷: ۱۵) یہود کا عقیدہ کہ موت نتیجہ ہوتی ہے شخصی گناہ کا، ان کا معتبر و مستند جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۴ صفحہ ۴۸۳ میں درج ہے۔ و۳۸۷ (سو اگر آج کوئی شخص یہاں قانونِ مکافات کی گرفت سے بچ بھی گیا تو اس کی یہ محفوظیت عارضی ہے کہ یہ دنیوی زندگی سلسلۂ حیات کا ایک بہت ہی ناقص و ناتمام حصہ ہے) خطاب یہاں عام نوعِ انسانی سے ہے۔ اُجُوْرَ۔ اجر کا لفظ اپنے وسیع معنی میں جزاء کی طرح عذاب وثواب دونوں کے لیے عام ہے۔ فاجر المومن ثواب و اجر الکافر عذاب (قرطبی) تعطون جزاء اعمالکم خیرا کان او شرًا تامًا وافیاً (بیضاوی) و۳۸۸ (اور یہاں کے سارے عیش تمامتر عارضی، فانی اور بے ثبات ہیں) ایک اس عقیدہ کا استحضار رہے تو ہر انسان کس قدر فرشتہ خصلت بن جائے۔ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ یہ بچنا خواہ شروع ہی سے ہو، خواہ کچھ سزا بھگتنے کے بعد۔ و۳۸۹ (اے مسلمانو!) یعنی نقصانِ مال اور نقصانِ جان دونوں طرح تمہاری آزمائش ہوگی۔ وَاَنْفُسِكُمْ اس سے رد نکل آیا ان فلاسفہ و متکلمین کا جنہوں نے مادیین کی طرح نفس کو صرف جسم مادی و مرئی کے مرادف قرار دیا ہے۔ وھذا الاٰیة دلیل علی ان النفس ھی الجسم المعاین و ان مافیه المعنی الباطل کما قال بعض اھل الکلام و الفلاسفة (مدارک)

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا

تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے اور اُن سے بھی جو

اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ

مشرک ہیں ف۳۹۰ اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ

مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ

تاکیدی احکام میں سے ہے ف۳۹۱ اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب اللہ نے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا

اہل کتاب سے عہد لیا تھا کہ کتاب کو پوری طرح ظاہر کر دینا، (عام) لوگوں پر اور اسے

تَكْتُمُوْنَهٗ ٘ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا

چھپانا مت ف۳۹۲ سو انہوں نے اس (عہد) کو اپنے پس پشت پھینک دیا اور اس کو ایک حقیر قیمت کے

بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا

عوض میں بیچ ڈالا ف۳۹۳ سو کیسی بری چیز ہے جسے وہ خرید رہے ہیں، جو لوگ

تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ

اپنے کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام نہیں کیے ہیں،

اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ

اُن پر بھی اُن کی مدح کی جائے ف۳۹۴ سو ایسے لوگوں کے لیے ہرگز نہ خیال کرو

بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

کہ وہ عذاب سے حفاظت میں رہیں گے ان کے لیے دردناک عذاب ہے ف۳۹۵

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى

اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے اور اللہ

ف۳۹۰ (سو صبر وثبات، تحمل واستقامت کی عادت برابر قائم رکھنا چاہیے) اَذًى كَثِيْرًا میں دین کی تحقیر، پیمبر کی توہین وغیرہ سب چیزیں آگئیں۔ قرآن مجید کی یہ پیش گوئی آج تک کیسی صحیح چلی آتی ہے۔ یہود کی، مسیحیوں کی، ہندوؤں کی زبانوں سے اپنے پیمبر، اپنے دین اور اپنی کتاب کے بارہ میں کیا کچھ سننا نہیں پڑ چکا ہے!

ف۳۹۱ (اور اس لیے ہر طرح واجب العمل) ای من معزوماتها التی یعزم علیها (جلالین) ای الامور التی ینبغی ان یعزمها (روح) ایں از کارہائے مقصود است (ولی اللہ دہلوی علیہ رحمۃ اللہ) ذٰلِكَ یعنی یہی صبر وتقویٰ یعنی الصبر والتقوی (بیضاوی)

ف۳۹۲ (چنانچہ اس حکم کی شہادت کسی درجہ میں تو موجودہ منحرف توریت اور انجیل بھی دے رہی ہے۔ ”تم اس کلام میں جو میں تمہیں فرماتا ہوں کچھ زیادہ نہ کیجیو اور نہ اس میں کم کیجیو“ (استثناء ۴: ۲) ”تو یہ باتیں اپنے بیٹوں اور پوتوں کو سکھلا“ (استثناء۔ ۴: ۹) ”اس نے ...... بنی اسرائیل میں ایک شریعت بنا رکھی جس کی بابت اس نے ہمارے باپ دادوں کو حکم کیا کہ وہ اسے اپنی اولاد کو سکھلا دیں تا کہ آنے والی پشت وہ فرزند جو پیدا ہوویں سیکھیں اور وہ اُٹھ کے اپنی اولاد کو سکھلا دیں“ (زبور۔ ۷۸: ۵ و ۶) ”جو کچھ میں تم سے اندھیرے میں کہتا ہوں اُجالے میں کہو اور جو کچھ تم کہتے ہو کوٹھوں پر اس کی منادی کرو“ (متی ۱۰: ۲۷) لَتُبَيِّنُنَّهٗ۔ تبیین کے معنی خوب کھول کر بیان کرنے کے ہیں۔ ہٗ کی ضمیر کتاب کی طرف ہے۔ یعنی جو کتاب تمہیں ملے، اس کو اور اس کے مضامین کو خوب پھیلاؤ۔ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ یعنی اس کے کسی حصہ، کسی مضمون کو کسی غرض سے بھی نہ چھپاؤ۔

ف۳۹۳ یعنی احکام الٰہی کو سستے داموں بیچ کر دنیا خرید کی! ثَمَنًا قَلِيْلًا آخرت کے مقابلہ میں دنیا ہمیشہ کم قیمت ہی رہے گی۔ یہ مراد نہیں کہ ان نافرمانوں نے تحریف کا معاوضہ ہلکا لیا انہیں اس سے زیادہ لینا تھا۔ نَبَذُوْهُ ضمیر اسی عہد کی طرف ہے۔ ای المیثاق (بیضاوی)

ف۳۹۴ خاص طور پر مراد ہیں علماء یہود اور منافقین یہود۔ عُنِیَ بِذٰلک قومٌ من اهل النفاق (ابن جریر) عُنِیَ بِذٰلک قومٌ من احبار الیهود (ابن جریر) بِمَآ اَتَوْا مثلاً ان کا یہی کارنامہ کہ حق کا اخفاء اور اپنی بدکرداریوں کا کتمان کرتے رہے۔ مَا لَمْ يَفْعَلُوْا مثلاً یہی کہ دین حق کی نشر واشاعت نہ کی۔

ف۳۹۵ (آخرت میں) بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ اس عذاب سے مراد اسی دنیا میں سزائیں ہیں۔ چنانچہ یہود چند ہی سال کے اندر قتل ہوئے، گرفتار ہوئے، جلاوطن ہوئے، اور منافقین یہود ذلیل و رسوا ہوئے۔

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٨٩﴾ ع إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

ہر چیز پر قادر ہے ف۳۹۶ بیشک آسمانوں اور زمین کی

وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ

پیدائش اور رات دن کے ادل بدل میں اہل عقل

لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا

کے لیے (بڑی) نشانیاں ہیں ف۳۹۷ یہ ایسے ہیں کہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے

وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ

اور اپنی کروٹوں پر (برابر) یاد کرتے رہتے ہیں ف۳۹۸ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا

غور کرتے رہتے ہیں ف۳۹۹، اے ہمارے پروردگار تو نے یہ (سب) لایعنی نہیں

بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ رَبَّنَا

پیدا کیا ہے ف۴۰۰ تو پاک ہے ف۴۰۱، سو محفوظ رکھ ہم کو دوزخ کے عذاب سے ف۴۰۲ اے ہمارے پروردگار

إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ ۭ

تو نے جسے دوزخ میں داخل کر دیا اسے واقعی رسوا ہی کر دیا

وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا

اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں ف۴۰۳ اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک پکارنے والے کو

مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ اٰمِنُوا بِرَبِّكُمْ

سنا ایمان کی پکار کرتے ہوئے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ،

فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا

سو ہم ایمان لے آئے، ف۴۰۴ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو بخش دے، اور ہم سے ہماری خطاؤں کو

ع ۱۹/۹ ۱۰

ف۳۹۶ (چنانچہ مجرموں کی دنیوی واُخروی سزاؤں پر بھی) اللہ کی ملکیت تامہ اور قدرتِ کاملہ کا استحضار رہے تو شاید ایک بھی معصیت نہ سرزد ہو۔ ف۳۹۷ (اللہ کی توحید اور فردیت کی، اس کی حکمت و صنعت کی اور اس کی قدرت وحاکمیت کی) نظام فلکی اور اس کی تفصیلات، چاند، سورج، ستاروں کی تعداد، ان کے درمیانی فاصلے، ان کے باہمی تعلقات وتاثرات، ان کی گردشوں کی پیمائش، گرہن کے اسباب واوقات، اُن کے طلوع وغروب، نور وحرارت وغیرہ کے قاعدہ ضابطہ، اس قسم کی تفصیلات سے علم ہیئت کی کتابوں کے دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں...... رہی زمین تو ہیئت ارض، مساحت ارض، طبقاتِ ارض، معدنیاتِ ارض، کشش ارض، ہواؤں اور موسموں کے تغیرات وغیرہ کے لیے تو کوئی ایک پورا فن بھی کافی نہ ہوا بلکہ جغرافیہ، جغرافیہ طبعی، جیالوجی، فزالوجی، میٹیر ولوجی، آرکیالوجی خدا جانے کتنے فنون پر فنون نکلتے چلے آرہے ہیں اور حکمت باری اور صنعت باری کے انداز اور تخمینے ختم ہونے کے قریب بھی نہیں آرہے ہیں! آیت میں ضمناً اُن مشرک قوموں کا بھی رَدّ آگیا جنھوں نے آسمان یا زمین یا رات دن کو دیوی دیوتا سمجھا ہے، معبودیت کی صلاحیت ان میں سے کسی میں بھی نہیں، یہ سب کے سب مملوک ومسخر ہیں ایک صانع اعظم کے۔ ف۳۹۸ یعنی یادِ الٰہی خواہ دل سے ہو یا زبان سے، ہر حال اور ہر ہیئت کے ساتھ کرتے رہتے ہیں۔ المرادمنه كون الانسان دائم الذكر فان الاحوال ليست الاهذه الثلاثة (کبیر) قال سائر المفسرين ارادبه المداومة على الذكر فى عموم الاحوال (معالم) عَلٰی جُنُوْبِهِمْ سے مراد ہے لیٹے ہوئے۔ اى مضطجعين (قرطبی) ف۳۹۹ کائنات طبعی کے ان عظیم الشان موجودات کے قوانین طبعی اور قواعد تکوینی سے صانع اعظم وخالق عالم کی قدرت، حکمت، صنعت پر استدلال کرتے رہنا عبادت ہی نہیں ایک اعلیٰ واشرف عبادت ہے۔ هو افضل العبادات كما قال عليه الصلوٰة لاعبادة كالتفكر لانه المخصوص بالقلب والمقصود من الخلق (بیضاوی) دلت الاٰية على ان اعلىٰ مراتب الصديقين التفكر فى دلائل الذات والصفات (کبیر) کاش آج ہماری قوم کے ماہرین فن ہیئت، فلکیات، ریاضیات وغیرہ علوم طبعی پر دینی وایمانی نقطۂ نظر سے قلم اُٹھاتے! ف۴۰۰ یعنی بلاغایت وبے مقصد نہیں پیدا کیا ہے، بڑے بڑے مصالح ومقاصد اس کے اندر رکھے ہیں۔ اس میں رَدّ آگیا علاوہ مادیین ودہریین کے جو کائنات کو محض بخت واتفاق کا نتیجہ سمجھتے ہیں، اُن مذاہب باطلہ کا بھی جن کے نزدیک یہ نظام کائنات محض کسی دیوتا کا کھیل تماشہ یا ایک طرح کا طلسم وشعبدہ ہے۔ ف۴۰۱ (ہر فعل عبث اور لاحاصل سے) تنزيهاً عن الوصف بخلق الباطل (مدارک) ف۴۰۲ (اور وہ اس طرح کہ ہمیں راہ ہدایت پر چلائے اور راہ ضلالت کے سایہ سے بھی بچائے) ف۴۰۳ (کہ انہیں میرے عذاب سے کچھ بھی بچاسکے) الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالم سے یہاں کھلی ہوئی مراد کافر سے ہے۔ اى الكفار (قرطبی) والمراد الكفار (مدارک) القراٰن دل على ان الظالم بالاعلان هو الكافر (کبیر) مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ مراد وہ لوگ ہیں جو کفر وشرک میں مرے اور عذاب ابدی کے لیے دوزخ میں جھونکے جائیں گے، وہ گنہگار مسلمان مراد نہیں ہیں جو گناہوں سے پاک صاف ہونے کے لیے عارضی ووقتی طور پر دوزخ میں بھیجے جائیں گے۔ قال سعيد بن المسيب الاٰية خاصة فى قوم لا يخرجون من النار (قرطبی) حکماء وعلماء اسلام کے گروہ نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ عذاب روحانی عذاب جسمانی سے بھی بڑھ کر زبردست و شدید ہوگا اس لیے کہ قرآن خِزْیٌ (رسوائی) کا ذکر عذابِ دوزخ کے بعد کرتا ہے (کبیر) ف۴۰۴ (اس داعیٔ حق کی ہدایت کے مطابق) ایمان شریعت میں وہی معتبر ومستند ہے جو پیمبر کی ہدایات کے مطابق ہو نہ کہ اپنے ظن وتخمین کے ماتحت۔ امام ماتریدی نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ اپنے ایمان کو انشاء اللہ کے ساتھ مقید ومشروط کرنا درست نہیں۔ قال الشيخ ابو منصورؒ فيه دليل بطلان الاستثناء فى الايمان (مدارک) مُنَادِيًا پکارنے والے سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ یہ ضرور نہیں کہ پیمبر کی دعوت براہ راست ہی پہنچتی ہو، کسی واسطہ سے بھی پہنچے، بہر حال پیمبر ہی کی دعوت ہوگی، لِلْاِيْمَانِ میں ل الیٰ کے معنی میں ہے۔ اللام بمعنى الىٰ اى الى الايمان (قرطبی)

سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا

زائل کر دے، اور ہمیں نیکوں کے ساتھ موت دے ۴۰۵ اے ہمارے پروردگار ہمیں عطا کر

مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا یَوْمَ

وہ چیز جس کا تو ہم سے اپنے پیغمبروں کی معرفت وعدہ کر چکا ہے اور ہم کو قیامت کے دن

الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ

رسوا نہ کرنا ۴۰۶ بیشک تو تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ۴۰۷ سو ان کی دعا کو ان کے پروردگار نے

لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ

قبول کر لیا ۴۰۸ اس لیے کہ میں تم میں کسی عمل کرنے والے کے خواہ

مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ

مرد ہو یا عورت عمل کو ضائع نہیں ہونے دیتا تم آپس میں

بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ

ایک دوسرے کے جز ہو ۴۰۹ تو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے شہروں سے

دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا

نکالے گئے اور (اور بھی) تکلیفیں انہیں میری راہ میں دی گئیں اور وہ لڑے اور مارے گئے،

لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ

ان کی خطائیں ضرور ان سے معاف کر دی جائیں گی ۴۱۰ اور میں ضرور انہیں

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ

ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، (یہ) اللہ کے پاس سے

عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ثواب ملے گا اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے ۴۱۱

ف ۴۰۵ (اور آخرت میں اُن کی رفاقت نصیب کر) مخصوصین بصحبتهم و معدودین فی زمرتهم (بیضاوی) ذُنُوْبَنَا۔ ذنوب سے مراد بڑے گناہ ہیں۔ ای کبائرنا (بیضاوی) سَیِّاٰتِنَا۔ سیات سے مراد چھوٹے گناہ ہیں۔ ای صغائرنا (بیضاوی) **ف ۴۰۶** یعنی ابتداء ہی سے ہم پر فضل وکرم رکھ۔ جہنم وغیرہ کے جو شدید ترین عذاب ہیں، وہ تو خیر الگ رہے، باقی میدان حشر میں پبلک رسوائی، عام تفضیح، کچھ کم ہے، ذرا اس پر خیال تو کیا جائے۔ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا یعنی اجر موعود، جنت موعود۔ عَلٰی رُسُلِكَ۔ اللہ کے وعدے معتبر تمامتر وہی ہیں جو پیمبروں کی وساطت سے ہوں، مہر تصدیق صرف اُنہی پر لگی ہے نہ کہ اپنی عقل وذہانت سے فرض کیے ہوئے وعدوں پر۔ رَبَّنَا اس سلسلۂ دعا میں بار بار اس لفظ کی تکرار، اللہ کی صفت ربوبیت کو بار بار مخاطب کرنا اور گویا اسے اس کی صفت کا واسطہ دینا دلیل ہے دعا کرنے والے کی خشیت اور الحاح اور تضرع کی۔ **ف ۴۰۷** (اس لیے تیرے وعدہ پر تو قطعاً بھروسہ ہے لیکن اس کا اطمینان تو نہیں کہ ان وعدوں کا تحقق ہمارے حق میں ہو، ہم ہی ان وعدوں کے مصداق ٹھہریں) **ف ۴۰۸** (اور انہیں اپنے فضل وکرم کی جنت میں داخل کر دیا) اِسْتَجَابَ یہاں بھی اجاب کے معنٰی میں ہے۔ استجابهٗ ای اَجَابَهٗ (قرطبی) **ف ۴۰۹** (اور تم دونوں الگ الگ قسم کی مخلوق نہیں ایک ہی نوع کی دو شاخیں ہو) اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ ہر زبان کا ایک مخصوص اسلوب بیان وطرز انشاء ہوتا ہے، اوپر سے برابر صیغہ غائب چلا آرہا ہے۔ اب دفعۃً اس آیت کے اندر صیغہ متکلم آگیا، عربی ادب وانشاء میں یہ فوری انتقال صیغہ داخل عیب نہیں، داخل ہنر ہے اور اپنے موقع ومحل پر ایک خاص صفت، یہاں صیغہ متکلم خاص طور پر دلالت کر رہا ہے تخصیص وشفقت پر۔ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی جاہلی مذہبوں میں یہاں تک کہ مسیحیت میں بھی عورت ہونا بجائے خود ایک جرم ونقص تھا، عورت غریب محض اس لیے کہ عورت تھی بہت سے درجات سے، بہت سے ثوابوں سے محروم تھی اس گمراہی کو مٹانے کے لیے صراحت کے ساتھ یہ بیان کرنے کی ضرورت تھی کہ جنس مذکر ومونث سے عمل واجر عمل پر مطلق کوئی اثر نہیں پڑتا، عمل کے لحاظ سے ہر عامل یکساں ہے۔ نماز اِس کی بھی قبول اُس کی بھی، روزہ اِس کا بھی مقبول اُس کا بھی، عصمت اس کی بھی قابل غور اس کی بھی و قس علی ہذا۔ لَاۤ اُضِیْعُ لا کر یہ بھی بتا دیا کہ عمل پر ثمرات کا ترتب تمامتر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ یہ تصریح ہے اس کی کہ انسانیت دونوں جنسوں میں مشترک ہے اس لیے حکم بھی دونوں کا مشترک ہی رہے گا۔ لانهما من اصل واحدٍ (بیضاوی) لا تفاوة فی الاجابة ولا فی الثواب بین الذکر والانثی (کبیر) بیّنت فیها شرکة النساء مع الرجال فی ما وعد الله عباده الصالحین (مدارک) ذرا اسے یاد کر لیا جائے کہ دونوں جنسوں کے درمیان اشتراک انسانیت کی یہ تعلیم بیسویں صدی عیسوی میں نہیں ساتویں صدی عیسوی کی ابتداء میں مل رہی ہے، جبکہ فرنگستان اور ہندوستان دونوں میں عورت ہونا خود ایک جرم تھا اور عورت کا وجود مرادف تھا گندگی اور ناپاکی کے۔ مِنْ ذَكَرٍ میں مِنْ تاکید کے لیے ہے۔ دخلت مِنْ للتاکید (قرطبی) **ف ۴۱۰** (اور یہ کفارہ سیئات والا انعام علاوہ اس اجر کے ہوگا جو انہیں اپنے اعمال شاقہ اور حسنات پر ملے گا) اَلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا ...... وَقُتِلُوْا یہ ذکر ہو رہا ہے حضور ﷺ کے رفیقوں اور صحابیوں کی جان نثاریوں کا۔ اور بیان میں چند اعمال کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہے، بطور مثال ونمونہ کے یا فہرست حسنات کے مہمات عنوان کے طور پر بتایا کہ انہی پر سارے اعمال حسنہ کا قیاس کر لیا جائے ان سے حسنات کا حصر مقصود نہیں۔ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ اس تصریح سے صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ حضرات باوجود ان مرتبوں کے، باوجود صحابی اور مہاجر اور مظلوم فی سبیل اللہ اور غازی اور شہید ہونے کے معصوم نہ ہوں گے، لغزش وخطا سے ماوراء نہ ہوں گے، صاحب سیئات ہوں گے عام بشری لغزشوں کے یہ بھی مرتکب ہوں گے البتہ فضل خداوندی ان کے حسنات کو ان کے سیئات پر کہیں غالب رکھے گا۔ آج جو ہر "شیخ" اور ہر "بزرگ" کو عملاً تقدس مآب ومعصوم اور بشریت سے ماوراء سمجھا جانے لگا ہے اس عقیدۂ فاسدہ کی تردید قرآن مجید قدم قدم پر کر رہا ہے۔ **ف ۴۱۱** صیغہ حصر کا وارد ہوا ہے یعنی یہ بہترین وبرترین نعمت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ کسی اور کے ہاتھ میں نہیں۔ ای یختص به و لا یقدر علیه غیره (مدارک)

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝١٩٦

(یہ) کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا کہیں تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے ف۴۱۲

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۣ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ

(یہ) چند روزہ بہار ہے ف۴۱۳ پھر تو ان کو ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسی بری

الْمِهَادُ ۝١٩٧ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ

آرام گاہ ہے البتہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں ان کے لیے باغ ہوں گے،

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا

جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ (ہمیش) رہیں گے (یہ تو) مہمانی (ہو گی)

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝١٩٨

اللہ کی طرف سے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے حق میں کہیں بہتر ہے ف۴۱۴

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ

اور اہل کتاب میں کچھ ایسے بھی ضرور ہیں جو اللہ پر

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ

اور جو کچھ تم پر اُتارا گیا ہے، اور جو کچھ اُن پر اتارا گیا ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ سے

لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ

ڈرنے والے ہیں، اللہ کی آیتوں کا حقیر قیمت پر سودا نہیں کرتے ف۴۱۵

اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

انہیں ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ضرور ملے گا بیشک اللہ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝١٩٩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

حساب بہت جلد لے لیتا ہے، ف۴۱۶ اے ایمان والو

ف۴۱۲ یعنی اے مخاطب اہل کفر کا حظوظ دنیوی سے بہرہ ور ہونا، مادی نعمتوں کا حصہ دار ہونا کہیں تجھے اس دھوکے میں نہ ڈال دے کہ ان کی حالت بھی قابل وقعت اور مستحق احترام ہے۔ یہ دھوکا بھی کتنا عام ہے اور آج دنیا کتنا زیادہ اس دھوکے میں پڑی ہوئی اور اس فریب پر مٹی ہوئی ہے۔ الخطاب لكل احد (مدارک) هٰذا خطاب لِكُلِّ مَنْ سمعهٗ من المكلّفين كَاَنّهٗ قيل لايغرنك ايها السامع (کبیر) ف۴۱۳ (آخرت کی ابدی نعمتوں اور سرافرازیوں سے ان حظوظ دنیوی کو نسبت ہی کیا؟ حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے کہ دُنیا کو آخرت کے مقابلہ میں کوئی سمجھنا چاہے تو موجیں مارتے ہوئے سمندر میں انگلی کا سرا ڈالے اور نکال لے پھر دیکھے کتنا پانی اس میں آیا ہے۔ ف۴۱۴ (ہر دنیوی لذت ونعمت سے، کیفیت میں، کمیت میں، غرض ہر اعتبار و ہر جہت سے) وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ یعنی اُخروی نعمتوں کی قسموں میں سے۔ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اور اس تقویٰ الٰہی کی پہلی منزل قبولِ اسلام ہے۔ نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ اللہ نے اہل جنت کو اپنا ''مہمان'' ٹھہرا کر ان کا مرتبہ اعزاز و اکرام جس حد تک بڑھا دیا ہے الفاظ اس کے ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ النزل ما يهيأ للضيف (کبیر) ف۴۱۵ یعنی کسی بھی مصلحت ومنفعت کے خیال سے اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف، ترمیم، تصحیف، تلبیس گوارا نہیں کرتے۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا پر حاشیہ اُوپر گزر چکے، ہر دنیوی معاوضہ بڑا ہو یا چھوٹا حقیر ہی قیمت کا کہا جائے گا۔ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ یعنی اللہ کی ذات وصفات پر ایمان پورے توحیدی رنگ میں ہے اس میں شرک کی آمیزش نہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ خطاب مومنین سے ہے، یعنی قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ یعنی اپنی اپنی آسمانی کتابوں توریت، انجیل وغیرہ پر اُن کی اصلی، غیر محرف صورتوں میں ایمان رکھتے ہیں۔ یہ مدح جیسا کہ ظاہر ہے اُن اہل کتاب کی ہو رہی ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور اسلام قبول کر لیا۔ ف۴۱۶ (سو وہاں کسی کو انتظار کی بھی زحمت نہ اُٹھانی پڑے گی) حشر کے مجمع عظیم کو دنیوی مجمعوں کی بھیڑ بھاڑ اور دنیوی عدالتوں کی تعویق اور تاخیر پر ہرگز قیاس نہ کیا جائے۔

ضمیمہ ۴پ

اسم پاک محمد ﷺ

(بہ سلسلہ حاشیہ نمبر ۲۸۱ ۴پ)

حضور کا نامِ نامی آپ کے دادا "عبدالمطلب" نے رکھا تھا۔ عام طور پر اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ رجاء ان یحمد عبدالمطلب نے آثار نیک دیکھ کر محمد ﷺ نام رکھا کہ مستقبل میں یہ مولود سعید آقائے نامدار ﷺ مجموعۂ محامد اور مرجع خلائق بنے۔ ارباب تصوف موشگافی کی انتہا کر دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لفظ "محمد ﷺ" خدا کے نام "احد" سے مشتق ہے۔

اگرچہ عام طور پر نام کی صرف اس قدر ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ چند چیزوں میں باہم امتیاز قائم رہے لیکن نام کی صحیح اور حقیقی غرض یہ نہیں۔ اسم کو اپنے مسمّٰی کے صفات، خواص اور حالات کا آئینہ ہونا چاہیے۔ افراد کے نام رکھنے میں تو اس کا کم لحاظ کیا جاتا ہے۔ لیکن عموماً انواع واجناس کے نام اسی مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ مثلاً انسان، مسلم، قوم۔ شاذ ونادر طریقہ پر افراد واشخاص کے ناموں میں بھی اس کا لحاظ کر لیا جاتا ہے جیسے "مسیح" اور "بدھ" یہ دونوں نام اپنے مسمّٰی کے اوصاف اور خواص کو بتلاتے ہیں۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جیسا کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آپؐ سے پہلے عرب میں کہیں اس نام کا پتہ نہیں چلتا۔ مؤرخین اکثر لکھتے ہیں۔ و لم یکن شائعًا بین العرب ھٰذا الاسم اس حالت کو تسلیم کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اتفاقی طور سے "نامِ مبارک" کا "عبدالمطلب" کے ذہن میں آنا منشاء خداوندی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نام کا محل کامل دنیا کو اپنے وجودِ گرامی سے مشرف کر چکا تو پھر اسم بھی فطری طور سے نام رکھنے والے کے ذہن میں وارد ہوا۔

نامِ مبارک کا عام اور سادہ ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ "وہ ذات جس کی تعریف کی گئی" اس ترجمہ کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن اس جامعیت کبریٰ، برزخ کامل اور مقصود آفرینش کے فضائل وکمالات کے سامنے ترجمہ ہیچ ہے خدا کے تمام نبی اُس کے نزدیک موجب توصیف ہیں۔ دنیا کے تمام حکیم، فاتح عام انسانوں کی نظروں میں لائق مدح وستائش ہیں اس لیے اس ترجمہ کی صحت کو پورے طور پر تسلیم کرتے ہوئے تفحص کو اور زیادہ وسعت دیں۔ صاحب مفردات "محمد" کے معنٰی لکھتے ہیں الذی اجمعت فیہ الخصال المحمودۃ یعنی مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ لفظ محمد ﷺ کے معنٰی مجموعۂ خوبی کے ہیں

ع اے کہ تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

کارساز قدرت کی وسعت لامحدود اس کے کرشمے ناقابل شمار اس کی خلقت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے وا ہے۔ غور کرنے سے ہم اپنی عقل کے مطابق اس فیصلہ پر پہنچتے ہیں کہ قدرت نے تخلیق انواع کے لیے ایک معیار مقرر کیا ہے۔ مخلوقات کی ہر نوع کا ایک درجۂ کمال ہے۔ کہ جس کے آگے اُس کا قدم نہیں بڑھتا "حیوانات" "نباتات" اور "جمادات" تک میں اس کے شواہد مل سکتے ہیں، صورتیں ایک ہیں شکلیں متحد ہیں، اوصاف مختلف ہیں، لیکن ان مختلف اوصاف کی ایک انتہا ہے جسے جنس اعلٰی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ کہ جس کے آگے کوئی درجہ نہیں، ہر نوع میں جنس اعلٰی کو جس پر اوصاف جامعیت کے ساتھ جا کر ختم ہوتے ہیں ہم مقصود فطرت اور نقطۂ تخلیق کہہ سکتے ہیں۔ اس نقطۂ تخلیق کی اصطلاح کو پوری تشریح کے ساتھ ذہن میں رکھنا چاہیے یہ بات تھوڑے سے غور اور مشورے سے بہ آسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔ تفحص اور تفتیش کے بعد تمام انواع مخلوقات کے اوصاف کا ایک درجۂ اعلٰی پاتے ہیں کہ جس کے آگے انسانی معلومات میں کوئی درجہ نہیں۔

دوسرے تمام انواع کی طرح اس مقصود فطرت کو انسانوں کی جماعت میں بھی تلاش کرنا ضروری ہے دوسری مخلوقات اور انسانوں میں ایک عام اور بیّن فرق یہ ہے کہ وہاں نوع کے سینکڑوں افراد ہیں اور یہاں اوصاف وخصوصیات کے اعتبار سے ہر ہر فرد اپنے مقام پر نوع مستقل ہے۔ آفرینش انسان کی مجمل یا مفصل تاریخ پر ایک اجمالی نظر بتلا سکتی ہے کہ آج بھی انسان کی شکل وشباہت اس کے اعضاء وجوارح اس کا ڈھانچہ جسمانی ساخت ٹھیک وہی ہے سب چیزیں وہی ہیں جو دنیا کے پہلے انسان کی تھیں۔ لیکن دماغی کیفیتوں کا حال اُن سے جداگانہ ہے۔ ان میں برابر ارتقاء واختلاف جاری ہے۔ اب اگر انسان کی اس ارتقائے دماغی پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ماقبل ومابعد ادیوں، زبانوں کی تاریخ میں ارتقائے دماغی کی آخر ترین سرحد اگر کوئی معلوم ہو سکتی ہے تو وہ ذات قدسی صفات آقائے نامدار رسول خدا ﷺ کی ہے لغات قاموس نے لفظ "حمد" کے ایک معنٰی قضاء الحق کے بھی بتلائے ہیں پس لفظ "محمد ﷺ" کے ایک معنٰی یہ بھی ہیں کہ وہ جس کا حق پورا کر دیا گیا ہو یعنی قدرت کی جانب سے نوع انسان کو جس سرحد کمال تک پہنچانا مقصود تھا اور انسان کا اپنے خالق پر جو حق تخلیق مقرر تھا وہ محمد ﷺ پر پورا کر دیا گیا۔ علم وعمل، خُلق وخَلق، دماغ وکیرکٹر ارتقائے ذہنی وارتقائے عملی یہی دو چیزیں انسان کا خلاصہ اور اس کی کائنات تخلیق کا لب لباب ہیں اوّل ثانی کے لیے بنیاد ہے عمل علم پر، کیرکٹر دماغ پر، خُلق خَلق پر قائم ہے، یہ ایک عجیب نکتہ ہے جس کی تشریح کسی دوسرے مقام پر آئے گی کہ جتنی ہی کسی انسان کی حالت مکمل ہو گی اسی قدر اس کی خُلقی کیفیت راسخ ومستحکم ہو گی ایک کا کمال دوسرے کے کمال کی علامت اور ایک کا نقصان دوسرے کے نقصان کی نشانی ہے۔ تاریخی طور پر یہ امر ثابت ہے کہ کیرکٹر اور اخلاق کی جملہ شاخوں کی پختگی اور تکمیل کا جو نمونہ آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک نے پیش کیا عالم انسانی اس کی نظیر سے عاجز ہے حتیٰ کہ خود دشمنوں کے اقرار سے اس کو فرما دیا گیا۔ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ محاورات عرب سے حمد کے یہ بھی معنٰی معلوم ہوتے ہیں کہ کسی کام کو اپنی قدرت کے مطابق انجام دینا حماسیات میں نیزہ کے بھرپور پڑنے کے وقت حَمِدتُ بلاءَ ہٗ (میں نے وار پورا کیا) کا محاورہ بہت مشہور ہے۔ اس معنٰی کو سامنے رکھتے ہوئے اور اوپر کے مضمون کو پیش نظر رکھ کر بے تامل کہا جا سکتا ہے کہ لفظ محمد ﷺ کے معنٰی مخلوق کامل کے بھی ہیں۔

منجملہ دیگر کمالات نبوت ومعجزات رسالت کے ایک معجزہ گرامی حضور اقدس ﷺ کا نامِ نامی بھی ہے۔ یہ زندۂ جاوید معجزہ بعثت کے وقت سے تاہنوز اپنے فضائل کی شہادتیں پیش کر رہا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ محمد الذی یحمد مرۃ بعد مرۃ جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔ تعریف کے بعد تعریف اور توصیف پر توصیف ہوتی رہے۔ زمانہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی سعی وکوشش کے مطابق جس درجہ ترقی کرتا جاتا ہے محض اعتقاداً نہیں بلکہ واقعۃً رسالتمآب روحی فداہ ﷺ کے کمالات سے پردہ اُٹھتا جاتا ہے۔ علماء وفضلاء یورپ کی اکثریت تاریخ اسلام کے ماتحت اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتی جاتی ہے دنیا کی مختلف پریشانیوں اور بے قراریوں کو معدوم کرنے کی ضرورت جتنی ہی ان کے نزدیک بڑھتی جاتی ہے، بادلِ ناخواستہ انہیں اسی راہ کی طرف آنا پڑتا ہے اور زبان اعتراف کھولنا پڑتا ہے کہ بے شبہ پیغمبر عرب کے قانون

دنیا کی ضرورتوں کے کفیل اور ان کی زندگی عالم انسان کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔

اہلِ ایشیا کا رجحان طبعی جتنا روحانیت اور سادگی کی طرف بڑھ رہا ہے اسی قدر وہ پیغمبر عالم محمد رسول اللہ ﷺ سے قریب تر ہوتا جاتا ہے" یہ دنیا کا صرف واحد معجزہ ہے کہ نام مبارک تیرہ سو برس پہلے سے اس آنے والی حالت کا پتہ دے رہا ہے مستقبل میں دنیا کی عمر جس قدر دراز ہو گی خواہ وہ اپنی موجودہ حالت میں ترقی کرے جس کی بظاہر امید نہیں اور خواہ اپنے پچھلے سبق دہرائے۔ دونوں حالتوں میں اسے کمالات نبوت کے اعتراف سے چارہ نہ ہوگا اس حیثیت سے نام مبارک محمد ﷺ کا ترجمہ سلسلہ اوصاف محامد ہوگا۔

جیسا اوپر کہا گیا ہے عام طور سے اشخاص کے نام اور اوصاف باہم کوئی نسبت نہیں رکھتے شاذ و نادر اتفاقی حیثیت سے تناسب بھی مل جاتا ہے اور ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کسی انسان کا وہ نام رکھا گیا ہو جو اس کی تمام زندگی کا آئینہ اور اس کے شعبہائے حیات کی تفصیل ہو۔ مگر نام نامی آقائے نامدار اس سے مستثنیٰ ہے۔ اسی مطابقت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خاص نام کے رکھنے کے متعلق ضرور عبدالمطلب کو ایک غیبی تحریک ہوئی۔ اب غور کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کا خلاصہ دوست و دشمن کی یکساں تنقید حاضر و غائب کی رائے زنی کا محاصل اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ علم و عمل، ظاہر و باطن، خَلق و خُلق ہر حیثیت سے حضور ﷺ کی زندگی قابل تعریف تھی اور اسی خلاصہ حیات کا ترجمہ ہے محمد ﷺ۔

اس سے بھی زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ نام مبارک حضور کے نہ صرف نبی بلکہ خاتم النبیین ہونے کی دلیل بھی ہے۔ کمال و کمالِ اخلاق بھی انبیاء علیہم السلام کی مخصوص اور ممتاز صفات میں سے ہیں۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا کمال علمی و عملی کسی ایک خاص صفت میں مخصوص تھا لیکن حضور کی جامعیت آپ کی سوانح و تعلیمات سے معلوم ہو جاسکتی ہے۔ لفظ "محمد" کے معنی مجموعہ خوبی اور "مخلوق کامل" کے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اس کے آگے کوئی نقطہ ہی نہیں ہے۔ اسی حالت پر کمال کلی کی انتہا اور معارف کا اختتام ہے جس کے بعد نہ کسی نبی کی حاجت نہ کسی نبی کا وجود ممکن ہے۔ مستشرقین یورپ میں سے جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی سیرت پاک کا مطالعہ کیا ہے وہ باوجود ہزار سعی تنقیص اعتراف کمال پر مجبور ہوئے ہیں۔ سر ولیم میور اور مارگولیتھ جیسے سخت لوگوں کو بھی کھلے اور چھپے لفظوں میں اس کا اقرار کرنا پڑا کہ پیغمبر اسلام کی تعلیم انتہائی سچائی اور حقیقی صداقت پر مبنی نظر آتی ہے۔ عہد نبوت میں بھی اسی قسم کے واقعات پیش آچکے ہیں کہ بعض سخت ترین منکر ایک توجہ نظر اقدس کی تاب نہ لا سکے۔ عبداللہ بن سلام جو نامور علماء یہود میں سے تھے وہ جس طرح اسلام لائے معلوم ہے۔ بعثت کے حالات سیرت طیبہ تعلیم و تلقین اپنے اندر کچھ ایسی کشش رکھتی ہے کہ مخالف سے مخالف اور سخت سے سخت حریف اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی خاصیت اور بے اختیارانہ کشش کو نام مبارک میں بیان کیا گیا لفظ "محمد" عربی زبان میں تحمید سے مشتق ہے جو باب تفعیل کا مصدر ہے اس باب کے معنی کے خواص میں سے ہے کہ کسی کام کا وجود میں آنا اس طور پر مانا جائے کہ گویا کسی مخفی یا ظاہر طاقت نے اس کو وجود میں آنے کے لیے مجبور کیا جیسے صرّف (پھیر دیا)۔ یعنی کسی طاقت نے بے اختیار کر کے پھیر دیا اسی طرح "محمد" کے معنی ہیں وہ جس کی تعریف بے اختیار کی گئی ہو۔ اس معنی سے اسی قوتِ جاذبہ اور کشش اصلی کی طرف اشارہ ہے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام کے متعلق مروی ہے کہ وہ چہرۂ اقدس کو دیکھتے ہی پکار اٹھے ھٰذا لیس بوجہ کذاب یورپ میں بڑی ہوشیارانہ تدبیر سے محمد رسول اللہ ﷺ کو بدترین پیرایوں میں دکھلانے کی کوششیں کی گئی ہیں لیکن اب آج کل بعض جماعتوں اور خداترس بندوں کی طرف سے جو مساعی جمیلہ کی جا رہی ہیں انہوں نے تجربہ کرا دیا کہ جب بھی اصل صورت ان کے سامنے پیش کی گئی ہے تو انہوں نے یہی کہا کہ یہی تو ہمارا کعبۂ مقصود ہے۔

اس باب کی دوسری خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی کام کے اس طور پر ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام پہلوؤں کا استقصاء کئے ہوئے ہو کوئی جزء اس سے چھوٹا ہوا نہیں استعمال میں آتا ہے قَتَّلَہٗ تَقْتِیلًا یعنی خوب خوب قتل کیا اس خاصیت کا لحاظ رکھتے ہوئے نام مبارک کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ "محمد" یعنی جس کا جزء جزء قابل تعریف ہے "اصلاح نفس" "تدبیر منزل اور تدبیر مدن کی وہ کونسی شاخ ہے جس کا عملی نمونہ ذات قدسی صفات محمد رسول اللہ ﷺ نے پیش نہیں کر دیا۔ انبیاء علیہم السلام کا تمام تر سلسلہ عالم میں ایک خاص ترتیب و نظام کے ساتھ آیا اور ہر ایک اپنے اندر کوئی نہ کوئی کمال اخلاقی یا عرفانی یا انتظامی لایا یہ بابرکت سلسلہ جب اپنی حد و نہایت کو پہنچا تو ضرورت ہوئی کہ عالم انسان کے سامنے ایک ایسا نمونہ کامل پیش کیا جائے۔ جو ان تمام صفات کا مجمع اور فضائل کا آئینہ ہو۔ جس کی زندگی کو سامنے رکھنے سے موسویانہ مستی، مسیحانہ اخلاق، ابراہیمی محبت بیک وقت نظر کے سامنے آجائے۔ اور پھر ان تمام اوصاف میں وہ اپنے متقدمین سے بالا تر ہو۔ وہ ہستی کا جامع اور برزخ کامل ذات پاک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہے اسی لیے حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی بشارت میں لفظ "احمد" فرمایا۔ یعنی وہ آئے گا جو اپنے تمام پہلے آنے والوں کا سردار اور سب پر فائق ہوگا۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب نے اپنی کامل نشو و نما جب ہی پائی ہے جب وہ معرفت و روحانیت کی آغوش سے نکل کر سلطنت اور حکومت کی گود میں چلے گئے ہیں۔ مسیحی مذہب کی ترقی رومی بادشاہوں کی رہینِ احسان ہے۔ بودھ نے بہت کچھ تبلیغ کی لیکن اس کا عالمگیر مذہب بھی اسی وقت اپنی تکمیل کر سکا جب وہ اشوک خاندان کی سرپرستی میں آگیا۔ لیکن اسلام اپنی تاریخ میں بالکل علیحدہ ہے وہ جن جن ملکوں میں گیا اور جن جماعتوں میں پھیلا اخلاق و روحانیت سے گیا غریب تلوار اسلام میں روحانیت اور مذہب کے داخلہ کے بعد گئی ہے۔ افریقہ اور ہندوستان کی نظیریں اس بارہ میں بہت صاف ہیں۔ اس خاص نعمت تبلیغ کو بھی نام مبارک میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔ فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین بظاہر اسباب ان مفاسد کے مٹنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی لیکن فطرت کی تدبیریں اندر اندر جاری رہتی ہیں اور ایک وقت معین پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ فطرت کی رفتار ہوا کی طرح تیز اور سیلاب کی طرح نرم ہوتی ہے۔ خوش تدبیری اور حسن اسلوب کے موقع پر بھی حمد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے پس لفظ "محمد" کے ایک یہ بھی معنی قرار دیئے جاسکتے ہیں کہ وہ جس کے ساتھ خوش تدبیری نے ترقی کی آپ کی تعلیم کا انتشار آپ کا لایا ہوا دین خدا کی خاص مرضی اور خاص تدبیر سے عالم میں پھیل گیا جس کی سرعت اور بغیر جد و جہد رفتار ترقی سے اس وقت بھی دنیا متحیر ہے۔

الغرض اسلام کی تمام معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام کا نام مبارک بھی اپنے معانی کے لحاظ سے مختلف خوبیوں کا مرقع بہتیرے فضائل کا خلاصہ ہے ایک طرف وہ اپنے مسمّٰی کے کام اور کام کے انجام کی پیشین گوئی ہے دوسری طرف اُس کے کاموں کی تاریخ اور اس کی تعلیم کا لُبِّ لباب ہے۔

پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے نبی کا ایسا پاک نام رکھا اور پاکیزہ ہے وہ نبی جسے اس کے معبود نے ایسی فضیلتوں سے آراستہ کیا۔

والحمد للہ رب العالمین

ف۱۴۱ اِصۡبِرُوۡا یعنی جو صعوبتیں راہِ حق میں ازخود پیش آئیں اُن پر صبر کیے جاؤ۔ ای علی مشاق الطاعات و مایصیبکم من الشدائد (بیضاوی) ای الصبر بالطاعات و عن الشهوات (قرطبی) قال الحسن و قتادة و ابن جریج و الضحاک اصبروا علی طاعة الله (جصاص) صَابِرُوۡا یعنی جو مصیبتیں مخالفین ومعاندین کے ہاتھوں پیش آئیں انہیں بھی برداشت کرو۔ ای غالبوا اعداء الله۔ فی الصبر علی شدائد الحرب (بیضاوی) معناه مصابرة الاعداء قاله زید بن اسلم (قرطبی) صابروا اعداء الله (جصاص) رَابِطُوۡا یعنی خارجی دشمنوں اور اپنے اندرونی دشمن (نفس) دونوں سے مقابلہ کے لیے مستعد رہو۔ الرباط حمل النفس علی النیة الحسنة والجسم علی فعل الطاعة ومن اعظمه ارتباط الخیل فی سبیل الله وارتباط النفس علی الصلوٰة (ابن عربی) وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ صبر ومصابرہ ومرابطہ سب کا اصلی مصدر اور آخری ماخذ تقویٰ الٰہی ہے۔ آخر میں اس کی تاکید ہے اور اسی کا نتیجہ دنیا وعقبیٰ میں فلاح ہے۔ ولا بُدَّ للانسان فی کل فعل یفعله من داعیة و غرض و جب ان یکون للانسان فی هٰذه المجاهدة غرض و باعث و ذٰلک هو تقوی الله لِنَیۡل الفلاح والنجاح (کبیر)

ف۱ یعنی ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے۔ وحدت نوعِ انسانی کا یہ سبق اپنے عملی اور دوررس نتائج کے لحاظ سے کتنا اہم ہے! آخری جدِ اعلیٰ ہر گورے اور ہر کالے کے، ہر وحشی اور ہر مہذب کے، ہر ہندی اور ہر چینی کے،

اُصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ۟ قف وَاتَّقُوا اللّٰهَ

(خود) صبر کرو، اور مقابلہ میں صبر کرتے رہو، اور مقابلہ کے لیے مستعد رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو،

لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۰۰﴾ ع

عجب نہیں جو فلاح پا جاؤ ف۱۴۱

آیاتھا ۱۷۶ ۴ سُوۡرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّةٌ ۹۲ رکوعاتھا ۲۴

اس میں ۱۷۶ آیتیں سورۃ النساء مدنی ہے اور ۲۴ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ

اے لوگو اپنے پروردگار سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم (سب) کو

مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا

ایک ہی جان سے پیدا کیا ف۱ اور اسی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا ف۲

وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا

اور ان دونوں سے بہ کثرت مرد اور عورتیں پھیلا دیے ف۳ اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرو

اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ

جس کے واسطہ سے ایک دوسرے سے مانگتے ہو، ف۴ اور قرابتوں کے باب میں بھی (تقویٰ اختیار کرو) ف۵ بیشک

اللّٰهَ كَانَ عَلَیۡكُمۡ رَقِیۡبًا ﴿۱﴾ وَاٰتُوا الۡیَتٰمٰۤی اَمۡوَالَهُمۡ

اللہ تمہارے اوپر نگران ہے ف۶ اور یتیموں کو ان کا مال پہنچا دو

وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِیۡثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا

اور پاکیزہ کو گندی چیز سے مت تبدیل کرو اور اُن کا مال

ع ۲۰ ۱۱

ہر حبشی اور ہر فرنگی کے ایک ہی ہیں اور وہ آدم ہیں، یہ نہیں کہ فلاں نسل کے مورثِ اعلیٰ کوئی اور تھے اور فلاں نسل کے کوئی اور، اور نہ یہ کہ برہمن ذات والے برہماجی کے منہ سے پیدا ہوئے اور کھشتری نسل والے اُن کے سینہ سے اور ویش جاتی والے اُن کے پیٹ سے اور شودر ذات والے اُن کی ٹانگوں سے، اصلاً انسان انسان سب ایک ہیں۔ خَلَقَكُمۡ مسئلہ ارتقاء کسی حد تک کسی معنیٰ میں صحیح ہے یا نہیں، قرآن مجید کو اس سے مطلق سروکار نہیں، انسان بہرحال و بہرصورت مخلوق ضرور ہوا ہے۔ قرآن انسان کی مخلوقیت کو بار بار نمایاں کر رہا ہے۔ اور ہر اس نظریہ اور عقیدہ کی تردید کر رہا ہے جو انسان کی تخلیق کے منافی ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ خطاب ساری نوعِ انسانی سے ہے، خواہ کوئی کسی نسل، کسی رنگ، کسی قوم، کسی جنس، کسی ملک کا ہو، ایمان اور ایک درجہ میں تقویٰ کے مکلف سب ہیں۔ اِتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ پروردگار سے ڈرنا اُس کے احکام کی مخالفت سے ڈرنا ہے۔ لفظ رب میں خود یہ اشارہ موجود ہے کہ جن احکام کی مخالفت سے ڈرایا اور روکا جا رہا ہے، خود اُن کی غایت بھی ربوبیت اور پرورش ہے۔ ف۲ یعنی حضرت حوّا سے۔ تخلیق حوا کی تفصیلی کیفیت سے قرآن مجید تو یکسر ساکت ہے رہی حدیث سو اس کا بھی یہی حال ہے۔ جس مشہور حدیث کی رو سے حضرت حوّا کا حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونا بیان کیا جاتا ہے اُس میں ذکر نہ حضرت آدم علیہ السلام کا ہے نہ حضرت حوّا کا۔ بلکہ محض عورت کی پیدائش اور کج سرشتی کا بیان ہے۔ آثار میں جو روایت ملتی ہے وہ روایت توریت کی آوازِ بازگشت ہے اور توریت کا بیان حسب ذیل ہے:۔ ”خداوند خدا نے آدم پر بھاری نیند بھیجی کہ وہ سو گیا اور اس نے اُس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اس کے بدلے گوشت بھر دیا۔ اور خداوند خدا نے اس پسلی سے جو اُس نے آدم سے نکالی تھی ایک صورت بنا کر آدم کے پاس بھیجا“ (پیدائش ۲: ۲۲ و ۲۳) مِنۡهَا ضمیر ھا عموماً نفس کی طرف پھیری گئی ہے۔ لیکن ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ مِنۡهَا یہاں من جنسها کے مرادف ہے۔ القول الثانی ماهو اختیار ابی مسلم الاصفهانی ان المراد من قوله و خلق منها زوجها ای من جنسها (کبیر) اور یہی قول علاوہ ابو مسلم کے ابن بحر سے بھی نقل ہوا ہے۔ وقیل هو علی حذفِ مضاف التقدیر و خلق من جنسها زوجها قاله ابن بحر و ابو مسلم (بحر) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے محض بہ طور تشبیہ کے ارشاد فرمائی گئی ہو اور مقصود محض اس کے عدم ثبات کو ظاہر کرنا ہو جیسا کہ قرآن مجید ہی میں ہے کہ انسان کی پیدائش جلد بازی سے ہوئی ہے۔ یحتمل ان یکون ذٰلک علی جهة التمثیل لا ضطراب اخلاقهن و کونهن لا یثبتن علی حالة واحدة کما جاء خلق الانسان من عجل (بحر) و یحتمل ان یکون المعنی من جنسه لامن نفسه حقیقة (نہر) اور اس معنیٰ کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث میں ذکر جنس عورت کا ہے نہ کہ حوا کا۔ ویؤید هٰذا التاویل قوله ان المرأة فاتی بالجنس و لم یقل ان حوآء (بحر) اور بعض شارحین حدیث بھی حدیث مذکور کی شرح میں اسی طرف گئے ہیں کہ یہ فطرت نسوانی کی کجی کی طرف صرف استعارہ ہے:۔ استعارة للمعوج ای خلقهن خلقا فیه اعوجاج (کرمانی بہ حوالہ مجمع بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۲۹۴) وقد حمل العوج بعض العلماء علی المجاز والمعنی ان العوج هو المیل عن الاعتدال وحب الشذوذ هو شان المرأة (حاشیہ تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ مصر) بخاری کی ایک حدیث میں تو بالکل صاف ہے کہ عورت مثل پسلی کے ہے۔ عن ابی هریرة ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال المراة کالضلع ان اقمتها کسرتها (صحیح بخاری۔ کتاب النکاح حدیث نمبر ۱۱۵) اور یہی حدیث مسلم نے بھی (کتاب الرضاع میں) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی سند سے نقل کی ہے۔ خود ضلع کے پسلی کا مفہوم تو ثانوی ہے، اصل معنیٰ کجی و انحراف بالکل ہی کے ہیں۔ الضلع المیل (کتاب الفائق، زمخشری) الضلع الاعوجاج ای الزیغ حتی یمیل صاحبه عن الاستواء والاعتدال (نہایہ۔ ابن اثیر) ف۳ دونوں جنسیں اُسی ایک جوڑے یعنی حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوّا سے دنیا میں چلی ہیں۔ كَثِیۡرًا آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر اب تک جو آبادی ہر ملک اور ہر زمانہ کی رہی ہے یا جو قیامت تک ہوگی اس کے مجموعہ پر

أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰٓ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا

مت کھاؤ اپنے مال کے ساتھ بیشک یہ بہت بڑا

كَبِيرًا ۝٢ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ

گناہ ہے وے اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے باب میں انصاف نہ کر سکو گے و۸

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ

تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں و۹ اُن سے نکاح کر لو دو دو سے

وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً

خواہ تین تین سے خواہ چار چار سے و۱۰ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو و۱۱

أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَلَّا تَعُولُوا ۝٣

یا جو کنیز تمہاری ملک میں ہو و۱۲ اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے و۱۳

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِنْ طِبْنَ

اور تم بیویوں کو اُن کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو و۱۴ لیکن اگر وہ خوشدلی سے

لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيٓـًٔا

تمہارے لیے اس میں کا کوئی جزء چھوڑ دیں تو تم اُسے مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر

مَّرِيٓـًٔا ۝٤ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي

کھاؤ و۱۵ اور کم عقلوں کو اپنا وہ مال نہ دے دو جس کو

جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَّارْزُقُوهُمْ فِيهَا

اللہ نے تمہارے لیے مایۂ زندگی بنایا ہے اور اس مال میں سے انہیں کھلاتے

وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝٥

اور پہناتے رہو اور اُن سے بھلائی کی بات کہتے رہو و۱۶

بھی اگر کثیر کا اطلاق نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا۔ و۴ (اپنے حقوق اور مراعات) قال الزجاج تطلبون به حقوقکم (بحر) یعنی اس کے نام کا واسطہ دلا دلا کر۔ آیت سے اللہ کے واسطہ سے مانگنے کا جواز نکل آیا۔ و فی الآیة دلالة علی جواز المسئلة باللہ تعالٰی (جصاص) و۵ اَلْاَرْحَامَ کا عطف اللہ پر ہے۔ یہ ہے قرابت اور رشتہ داری کی اہمیت اسلام میں، حقیقت میں اُمت کے نظامِ اجتماعی کا سنگ بنیاد شریعت نے قرابت یا رحم ہی کو قرار دیا ہے۔ و فی عطف الارحام علی اسم اللہ دلالة علی عظم ذنب قطع الرحم (بحر) و قد نبه سبحانه تعالٰی اذا قرن الارحام باسمه الکریم علی ان صلتها بمکان منه (بیضاوی) فیه تعظیم لحق الرحم و تاکید للمنع عن قطعها (جصاص) رحم کا اطلاق وسیع ہے۔ جملہ اعزہ و اقرباء اس کے اندر آجاتے ہیں۔ الرحم اسم لکافة الاقارب من غیر فرق بین المحرم وغیره (قرطبی) من المجاز الرحم القرابة و بینهما رحم ای قرابة قریبة (تاج) اور اسی معنی میں یہ حدیث بھی آئی ہے:۔ الرحم معلقة بالعرش تقول اَلامن وصلنی وصله اللہ و من قطعنی قطعه اللہ، (رحم عرش الٰہی سے معلق دعا کرتا رہتا ہے کہ جو مجھے جوڑے رکھے اللہ اسے جوڑے رہے اور جو مجھے کاٹے اللہ اُسے کاٹے) فقہاء اس پر متفق ہیں کہ قرابت کا لحاظ واجب ہے اور اسے قطع کرنا جرم ہے۔ اتفقت الملة علی ان صلة الرحم واجبة و ان قطیعتها محرّمة (قرطبی) و۶ (اور اس نگرانی میں انسان کے ذاتی، خانگی، اجتماعی سارے معاملات آگئے) اگر اس کا استحضار رہے تو آج خانگی زندگیاں کس قدر خوشگوار ہو جائیں! و۷ یتیم یعنی بن باپ کے بچوں اور بچیوں کا مسئلہ ہر قوم میں اہم و نازک رہا ہے۔ قرآن اب یہاں اسی باب میں ہدایتیں دے رہا ہے۔ وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ یعنی ان یتیموں کے بالغ ہونے پر ان کی جائیداد، اُن کا سامان ان کے حوالہ کر دو، اور اس کے لیے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ یتیم اپنی جائیداد کا مطالبہ کرے بھی۔ وفیه دلالة علی وجوب تسلیم اموال الیتٰمی بعد البلوغ و ایناس الرشد و ان لم یطالبوا بادائها (جصاص) خطاب یتیموں کے اولیاء اور سرپرستوں سے ہے۔ یتیموں کے سپرد ان کی جائداد ان کے بالغ اور سمجھدار ہو جانے کے بعد ہی کرنا چاہیے اس کے قبل نہیں۔ ان الیتیم لا یجب اعطاء ہ ماله قبل البلوغ (جصاص) انما یجب الدفع الیتیم بعد البلوغ و ایناس الرشد (جصاص) وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ یعنی ایسا نہ ہونے پائے کہ ان نابالغ یتیموں کی اچھی چیز نکال کر اپنے مال میں ملا لی اور اپنی طرف کی کوئی گھٹیا چیز ان کے حصہ میں شامل کر دی۔ وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ یعنی اپنے حصہ کے ساتھ یتیموں کے حصہ کو خلط ملط کر کے۔ ای لا تاکلوها مضمومة الٰی اموالکم (بیضاوی) الٰی اموالکم ای مع اموالکم (بحر) اِنَّهٗ ضمیر اسی دست درازی اور یتیموں کے مال میں گڑبڑ کرنے کی طرف ہے۔ ای الاکل (قرطبی) ڈاکٹر رابرٹ رابرٹسن مسلم نہیں، کافر ہیں اس پر بھی اس کے قائل ہیں کہ قرآن اور پیمبر نے یتیموں کے حقوق کے تحفظ کا بہترین انتظام کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۸ یعنی جو یتیم لڑکیاں تمہاری نگرانی و سرپرستی میں ہیں اُن کے حقوق مہر وغیرہ پوری طرح ادا نہ کر سکو گے۔ خطاب یتیم لڑکیوں کے سرپرستوں سے ہے۔ جاہلیت میں ایک دستور یہ تھا کہ یتیم لڑکیاں جو مردوں کی سرپرستی میں ہوتیں تو ان کے وہی سرپرست اکثر یہ دیکھ کر کہ کوئی اور ان کی طرف سے مہر وغیرہ کا مطالبہ کرنے والا اور ان کی حمایت پر کھڑا ہونے والا ہے نہیں، ان کے حقوق مار لینے آسان ہیں، اُنہی کے ساتھ نکاح کر لیتے ان کی جائیدادیں اپنی طرف شامل کر لیتے یا اور طریقوں سے ان کے ادائے حقوق کی طرف سے بے التفاتی برتتے۔ و۹ (ان یتیم، صاحب جائداد، مگر بے حمایتی لڑکیوں کے علاوہ جو اپنی رضا و عدمِ رضا کھل کر آزادی کے ساتھ ظاہر ہی نہیں کر سکتیں) مَا طَابَ لَکُمْ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ عقل کے ساتھ ساتھ حسن و جمال کے پسند میں طبیعت کے مقتضی پر عمل کی بھی پوری اجازت شریعت میں موجود ہے۔ مِنَ النِّسَآءِ۔ اُمروا ان ینکحوا سواهن من النساء (جصاص) ای غیرهن (قرطبی) اس میں بالغ نابالغ سب آگئیں۔ والصغار و الکبار (جصاص) و۱۰ یعنی تم پر نکاح کے باب میں کوئی تنگی نہیں۔ اپنی زیرِ نگرانی یتیم لڑکیوں کو زیرِ عقد لانے میں اتلافِ حقوق کا اندیشہ بھی ہو تو اس خیال کو جانے دو۔ باہر والی آزاد عورتوں میں سے انتخاب کر سکتے ہو۔ ایک ہی کا نہیں، ایک سے لے کر چار تک کی گنجائش ہے۔ وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ میں و عطف کا نہیں تخییر کا ہے اور اَوْ کے مرادف ہے۔ وقد تخرج الواو عن افادة مطلق الجمع و ذٰلک علی اوجه احدها تکون بمعنی اَوْ (تاج) والواو بمعنی او للتخییر (معالم) خود قرآن مجید میں و کے اس معنی میں استعمال کی مثالیں متعدد ملتی ہیں مثلاً:۔ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰی وَفُرَادٰی (سبا۔ ع۶) اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (فاطر۔ ع۱) بعض اہل زیغ نے ۲ اور ۳ اور ۴ کے عدد کو جوڑ کر آیت سے استدلال ۹ بیویوں کے جواز کا کیا ہے۔ اور بعض ظالموں نے تو اس تعداد کو ۱۸ تک پہنچا دیا ہے۔ یہ سرتاسر جہل و زیغ ہے، جہل زبانِ عرب سے بھی اور جہل سنت رسول ﷺ سے بھی۔ و ھٰذا کله جهل باللسان والسنة و مخالفة لاجماع الامة (قرطبی) اگر نو ہی کی تعداد منظور تھی تو صاف ہی کیوں نہ ارشاد ہو گیا، اس قدر گھوم پھیر کر بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تعددِ ازدواج کی اجازت ہرگز کوئی ایسی چیز نہیں جس پر کسی مغرب زدہ مسلمان کو شرمانے اور اس کی طرح طرح کی تاویلیں کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ مرد کے قویٰ اور اس کی جسمانی ساخت و ترکیب ہی اس نوعیت کی ہے کہ بہ کثرت عورتوں میں ایک بیوی اس کی طبعی خواہش کی تشفی کے لیے کافی نہیں ہوتی، مرد و عورت

کے اتحاد و تناسل کا جہاں تک تعلق ہے مرد کا عمل چند منٹ میں ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد مرد پر جسمانی حیثیت سے کوئی ذمہ داری ہی نہیں، برخلاف اس کے عورت کے لیے اس دو منٹی عمل کے نتائج کا سلسلہ دنوں اور ہفتوں نہیں حمل اور رضاعت کی مدت ملا کر ڈھائی ڈھائی سال تک پھیلا ہوا رہتا ہے۔ پھر حمل کے بغیر بھی ہر جوان تندرست عورت کے لیے ہر مہینہ ایک ایک ہفتہ کی معذوری ایک امر طبعی ہے۔ اور وہ قانونی نظام کامل نہیں ناقص ہے جو مرد کی طبعی ضرورتوں کی طرف سے آنکھ بند کر لے اور عورت کی طبعی معذوریوں کا لحاظ کر کے مرد کے لیے کوئی سہولت جائز نہ رکھے! پھر یورپ کے بڑے بڑے ڈاکٹروں اور ماہرین حیاتیات کی شہادتیں اس تجربہ و مشاہدہ کی تائید میں ہیں کہ طبعی ضرورت سے قطع نظر مرد کی شہوانی جبلت تنوع پسند بھی ہے اس لیے جو شریعت اس کی اس جبلت کی کوئی رعایت اپنے نظام میں نہیں رکھتی وہ اور کچھ بھی ہو، بہرحال خدائی اور مطابق فطرت نہیں کہی جا سکتی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخ جب سے ساتھ دیتی ہے، داعیانِ توحید نے اس دستور کو نہ صرف جائز رکھا ہے بلکہ اس پر عمل کر کے اسے اور زیادہ قوت پہنچا رہی ہے۔ حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ۔ حضرت داؤد۔ حضرت سلیمان علیہم السلام میں سے کسی کے ہاں بھی یک زوجی کی سند نہیں ملتی، بلکہ بعض کی حرم سرا تو کثرت تعداد کے لیے بھی مشہور ہے۔ ہند قدیم میں اکابر ہنود کی بابت بھی روایتیں وحدت کی نہیں، تعدد ہی کی ہیں اور یورپ و امریکہ میں آج رسم نکاح کو درمیان میں لائے بغیر جو اندھیر کھلے بندوں ہو رہا ہے اُس کی نقل و حکایت کی بھی تاب ان صفحات میں کہاں سے لائی جائے۔ اسلام نے ایک طرف تو یک زوجی کی قید اڑا کر تعدد کو سند جواز دے دی اور دوسری طرف اس کی مناسب حد بندیاں بھی کئی کئی طرح کر دیں اور یہی اس کی حکمت کا کمال رہا۔ ف ۱۱ (کہ جب تعدد کی صورت ہی نہ ہو گی تو عدل کا سوال ہی پیدا نہ ہو گا) اَلَّا تَعۡدِلُوۡا یعنی بیویوں کے درمیان عدل نہ کر سکو گے اور ان کے حقوق واجب ادا نہ کر پاؤ گے۔ عدل سے یہاں مراد ادائے حقوق واجب میں عدل و مساوات ہے جو انسان کے قصد و اختیار کے اندر کی چیز ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی بیوی بغیر کھانے، کپڑے، مکان کے نہ رہے باقی جہاں تک محبت طبعی اور تعلق قلب کا سوال ہے اس میں مساوات قدرتِ بشری سے باہر ہے، اور اس باب میں شریعت نے کوئی گرفت نہیں رکھی ہے۔ اور اس عدل اختیاری میں بھی یہ لازم نہیں کہ ہر معاملہ مساواتِ عددی ہی کے ساتھ کیا جائے۔ ایک افریقی بیوی خوگر بالکل دوسری چیزوں کی ہو گی اور امریکی بیوی دوسری چیزوں کی، مُسن اور ادھیڑ سن کی بیوی کی ضرورتیں، خواہشیں، دلچسپیاں سب ایک کم سن، نوجوان بیوی کی ضرورتوں، دلچسپیوں، خواہشوں سے مختلف ہوں گی، مقصود یہ نہیں کہ ساری بھینسیں ایک ہی لاٹھی سے ہانکی جانے لگیں، مقصود ہر ایک کو بقدر امکان اور بہ لحاظ اس کے ذوق و حالات کے راحت پہنچانا ہے۔ فقہاء نے عدل بین الازواج کو فرض قرار دیا ہے لیکن خود عدل کی تفسیر عدم ظلم سے کی ہے کہ کسی پر زیادتی نہ ہونے پائے۔ و ظاهر الاية انه فرض ان يعدل اى ان لايجور (درمختار) فَوَاحِدَةً کوئی شوہر اگر ظلم و بے انصافی کے ساتھ دو یا زائد بیویاں رکھے تو اس پر ظلم و بے انصافی کا گناہ برابر ہوتا رہے گا لیکن یہ نہیں کہ دوسری بیوی یا بیویوں سے نکاح ہی منعقد نہ ہو۔ ظلم و جور قانونی انعقادِ نکاح کا مانع نہیں۔ ف ۱۲ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ کے لفظی معنی ہیں...... وہ جن کے مالک تمہارے داہنے ہاتھ ہیں" محاورہ میں اس سے مراد شرعی مملوک، غلام اور کنیزیں ہوتے ہیں۔ جن کا اب مدتِ دراز سے ہندوستان بلکہ دنیا کے اکثر ملکوں میں کہیں وجود نہیں۔ اسیرانِ جنگ کا معاملہ ہمیشہ ایک اہم و دشوار معاملہ رہا ہے یعنی یہ کہ جو مرد اور عورتیں شکست خوردہ غنیم کے ہاں سے گرفتار ہو کر آئیں۔ اُن کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، انہیں کہاں اور کیسے رکھا جائے۔ کسی نے اس کا حل جبری مزدوری Forced Labour یا بیگار کو نکالا۔ کسی نے کچھ اور۔ ہماری شریعت نے حکم یہ دیا کہ بجائے اس کے کہ ایک بڑی آبادی کا بار حکومت State پر ڈالا جائے، اس تعداد کو افراد میں تقسیم کیا جائے اور ہر فرد اس نو وارد کو اپنے خاندان کا ایک جزء بنا لے۔ اس سے کام ہر طرح کا یقیناً لے۔ لیکن اس کے آرام کا بھی ہر طرح لحاظ رکھے۔ اور ان میں جو عورتیں ہوں ان سے ہمبستری کا حق بھی حاصل رہے۔ اس کا قیدی ہو کر آنا یہ خود اعلانِ نکاح کا قائم مقام ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی مزید ایجاب و قبول اور شاہدین کی ضرورت نہیں اور یہ لوگ آسان شرائط پر اپنی آزادی ہر وقت خرید سکتے ہیں (شرائط کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی) بلکہ ان کے آزاد کرنے کی فضیلتیں اور اس کے لیے طرح طرح کی ترغیبات خود قرآن مجید ہی میں درج ہیں۔ اور حدیث میں تو اور زائد ہے...... حیرت ہے کہ ایسے صاف، سیدھے، شریفانہ، حکیمانہ قانون سے شرمانے اور اسے غیروں سے چھپانے کی ضرورت تجدد زدہ مسلمان محسوس کرتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ ان کا ذہن معاً انگریزی کے لفظ Slave اور ان ساری سختیوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو اس لفظ کے تخیل کے ساتھ وابستہ ہیں۔ حالانکہ ہمارے ہاں تو غلاموں اور غلام زادوں نے بارہا بادشاہتیں کی ہیں اور اُمرا تو ان میں کثرت سے ہوئے ہیں اور دینی حیثیت سے بڑے بڑے علماء، فقہاء و ائمہ فن اُن میں تابعین ہی کے زمانہ سے پیدا ہونے لگے تھے۔ کنیز کے حقوق بیوی سے کمتر ہوتے ہیں، اس لیے ان کا ادا کرنا بھی قدرۃً سہل تر ہے۔ ف ۱۳ ظاہر ہے کہ جب ایک ہی کے ساتھ نباہ ہو گا تو ظلم اور زیادتی کے امکانات بھی بہت گھٹ جائیں گے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی ایک پر قناعت۔ اشارة الى اختيار الواحدة (مدارک) اَلَّا تَعُوۡلُوۡا عول کے معنی ایک طرف جھک جانے اور جور کرنے کے ہیں، لَا تَعُوۡلُوۡا کے معنی ہوئے کہ ظلم و زیادتی نہ کرو۔ العول هو ترك النصفة باخذ الزيادة (راغب) من قولهم عال الميزان عولاً اذا مال و عال الحاكم فى حكمه اذا جار (کشاف) معناه لا تجوروا ولا تميلوا وهذا هو المختار عند اكثر المفسرين (کبیر) لا خلاف بين السلف و كل من روى عنه تفسير هذه الاية ان معناه ان لا تميلوا و ان لا تجوروا (جصاص) ف ۱۴ صَدُقٰتِهِنَّ۔ صداق یا مہر شریعت اسلامی میں بیوی کی وہ قیمت نہیں جو شوہر اس کے اولیاء کو دے کر ان سے بیوی حاصل کرتا ہے۔ بلکہ مہر بہ طور ایک نذرانہ کے ہے جو شوہر بہ غرض اکرام و اعزاز براہ راست بیوی کو پیش کرنا اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے۔ ہمارے فقہاء نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے۔ المهر واجب شرعاً ابانة لشرف المحل (ہدایہ) عورت کی شرمگاہ نکاح ہو جانے سے شوہر کی ملک نہیں ہو جاتی بلکہ عورت ہی کی رہتی ہے شوہر کے لیے صرف جائز ہو جاتی ہے۔ الزوج لا يملك بدله شيئاً لان البضع فى ملك المرأة بعد النكاح كهو قبله (جصاص) وانما الذى يستحقه الزوج منها بعقد النكاح به الاستباحة لا الملك (جصاص) وَاٰتُوا النِّسَآءَ یہ رقم مہر اپنی بیویوں کو دو نہ کہ ان کے اولیاء و والدین کو۔ مہر کی اہمیت اور ادائے مہر کی تاکید شریعت میں بالکل ظاہر ہے۔ گو افسوس ہے کہ اُمت کا عمل اس کے برعکس ہے مہر کو محض ایک وہمی اور فرضی چیز سمجھ رکھا گیا ہے۔ ف ۱۵ یعنی اس اجازت کے بعد بے تکلف اسے اپنے کام میں لا سکتے ہو۔ فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ بیویوں کی طرف سے یہ ابراء بغیر کسی جبر اور دباؤ کے اور شوہر کے کسی مکر و فریب کے بغیر ہونا چاہیے، مہر اگر کسی جبر یا مکر سے معاف کرایا گیا ہے تو قاضی و عدالت کے ہاں سے جو کچھ بھی فیصلہ ہو جائے عند اللہ معاف نہیں سمجھا جائے گا۔ عَنۡ شَىۡءٍ چاہے وہ جزء چھوٹا ہو یا بڑا، یہاں تک کہ کل کا کل بھی۔ بیوی اگر شوہر سے مہر وصول کر کے پھر اسے واپس کر دے تو اسے ہبہ کہیں گے اور اگر لیے بغیر پہلے ہی معاف کر دے تو اس کا نام اصطلاح فقہ میں ابراء ہے اور شرعاً دونوں صورتیں بالکل درست ہیں۔ فَكُلُوۡهُ هَنِيۡٓــًٔا مَّرِیۡٓـــًٔا محاورۂ زبان میں مراد اس کے لفظی معنی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ بیوی کی اجازت کے بعد اس مال کو بے تکلف اپنے تصرف و استعمال میں لا سکتے ہو۔ تصرفوا فيه تملكاً (روح) لا اعتبار بلفظ الاكل فى ذلك و ان المقصد فيه جواز استباحته بطيبة من نفسها (جصاص) ليس المقصود صورة الاكل و انما المراد به الاستباحة باى طريق كان (قرطبی) ف ۱۶ وَلَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ سیاق میں سفہاء سے مراد وہ یتیم ہیں جو عمر کے اعتبار سے بالغ ہو چکے ہیں لیکن صَرفِ مال کا سلیقہ و انتظام ان میں پیدا نہیں ہوا ہے۔ اور وہ بے تکان اور بے تحاشا اسراف میں مشغول رہتے ہیں۔ المبذرين اموالهم الذين ينفقونها فى مالا ينبغى ولا قدرة لهم على اصلاحها (مدارک) وصف اليتامى بانهم سفهاء باعتبار خفة احلامهم و اضطراب اٰرائهم لما فيهم من الصغر و عدم التدرّب (روح) ليس السفه فى هؤلاء صفة ذم ولا يفيد معنى العصيان لله تعالى و انما سموا سفهاء لخفة عقولهم و نقصان تميزهم عن القيام بحفظ المال (جصاص) سفہ و سفاہت سے یہاں کسی معصیت یا جرم اخلاقی کی طرف اشارہ کرنا نہیں بلکہ محض ان لوگوں کی انتظامی نا قابلیت کا اظہار مقصود ہے۔ اَمۡوَالَكُمُ مراد اس مال سے ہے جو ملک یتیموں ہی کی ہے لیکن فی الحال سرپرستوں کی ولایت میں ہے۔ اى اموالهم التى فى ايديكم (جلالین) انما اضاف الاموال الى الاولياء لانها فى تصرّفهم و تحت ولايتهم (بیضاوی) لَكُمۡ قِيٰمًا۔ ضمیر مخاطب سے مراد عالم

انسانیت ہے یعنی مال جو انسان کے بے مایۂ زندگی ہے، جس کے اُوپر انسان کی حیاتِ مادّی و معاشرتی کا دارومدار ہے۔ وبه قوامًا لا بدانکم و معاشا لاهلکم و اولادکم (مدارک) المراد من القیام ما به القیام (روح) لکُمْ کا مطلب یہ ہے کہ مال اللہ کی بڑی نعمت ہے اور بڑی قدر کی چیز۔ ابھی اسے ناسمجھ یتیموں کے ہاتھ میں نہ دے دو۔ کہ اس کی قدر و مرتبہ سے ناواقف ہیں وہ ناقدری سے اسے اُڑا دیں گے۔ فقہاء نے آیت سے حفظِ مال و عدم تضیع مال کے وجوب پر بھی استدلال کیا ہے۔ و فیه الدلالة علی النهی عن تضییع المال و وجوب حفظه و تدبیره و القیام به (جصاص) وَارْزُقُوْهُمْ...... مَعْرُوْفًا مطلب یہ ہوا کہ اسی جائداد سے یتیموں کی ضرورتیں پوری کرتے رہو، اُن کی راحت و آسائش کے سامان کرتے رہو اور بجائے اُن کے ہاتھ میں جائیداد دے دینے کے اُن سے تسلی کی باتیں کرتے رہو کہ یہ ملک تمہاری ہی ہے تمہاری ہی ہوا خواہی کا تقاضا ہے کہ اسے ابھی تمہارے ہاتھ میں نہ دیا جائے بلکہ انتظار کیا جائے کہ تم میں پوری طرح سمجھ آ جائے۔ ان کی یہ سفاہت ان کے نان و نفقہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ اور یہیں سے فقہاء نے نالائق اولاد اور بیوی کے نان و نفقہ کے وجوب پر استدلال کیا ہے:۔ فی ذٰلک دلیل علی وجوب نفقة الاولاد السفه والزوجات (جصاص) مَعْرُوْفًا۔ معروف کے اندر ہر وہ چیز داخل ہے جو علماً خواہ عملاً عقل و شریعت کے نزدیک پسندیدہ ہو۔ کل ما سکنت الیه النفس لحسنه عقلاً او شرعاً من قولٍ او

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ

اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ عمر نکاح کو پہنچ جائیں و۱۷

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ

تو اگر تم ان میں ہوشیاری دیکھ لو تو ان کے حوالہ ان کا مال

اَمْوَالَهُمْ ۚ وَ لَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا

کر دو و۱۸ اور مال کو جلد جلد اسراف سے اور اس خیال سے

اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ

کہ یہ بڑے ہو جائیں گے و۱۹ مت کھا ڈالو، بلکہ جو شخص خوشحال ہو وہ تو اپنے کو بالکل روکے رکھے و۲۰

وَ مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

البتہ جو شخص نادار ہو وہ مناسب مقدار میں کھا سکتا ہے و۲۱

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا

اور جب اُن کے مال اُن کے حوالہ کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی

عَلَيْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۶﴾ لِلرِّجَالِ

کر لیا کرو، اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے و۲۲ مردوں کے لیے بھی

نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۪

اس چیز میں حصہ ہے جس کو والدین اور نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں

وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

اور عورتوں کے لیے بھی اس چیز میں حصہ ہے جس کو والدین اور نزدیک کے

وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا

قرابت دار چھوڑ جائیں اس (متروکہ) میں سے تھوڑا ہو یا زیادہ (بہرحال) ایک حصہ

عملٍ فهو معروف (مدارک) ای کلاماً تطیب به نفوسهم (روح) و۱۷ یعنی سیانے اور بالغ ہو جائیں۔ یعنی القدرة علی الوطیٔ (ابن عربی) حتی اذا بلغوا حدالبلوغ (بیضاوی) اور بلوغ کی عمر حنفیہ کے ہاں لڑکے کے لیے ۱۸ سال کی اور لڑکی کے لیے ۱۷ سال کی رکھی گئی ہے۔ و شاع عن الامام الاعظم ان السن للغلام تمام ثمانی عشرة سنة وللجارية تمام سبع عشرة سنة (روح) هكذا قاله ابن عباس و تابعه القتبی (روح) وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى یعنی اُن کے بالغ ہونے سے پہلے ان کی جانچ انتظامی معاملات میں ہوشیاری اور تمیزداری کی کر لیا کرو۔ والاختیار فی استبراء حاله فی المعرفة بالبیع والشرٰی و ضبط اموره و حفظ ماله (جصاص) خطاب وہی یتیموں کے اولیاء اور سرپرستوں سے چل رہا ہے۔ و۱۸ (بغیر اُن کے عمر بلوغ کا انتظار کیے) من غیرتاخیر عن حد البلوغ (مدارک) فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا یعنی بلوغ و آزمائش کے بعد اگر ان میں انتظام اور صَرفِ مال کا سلیقہ پاؤ۔ یہاں دیکھنے کی چیز اُن کی صرفِ انتظامی صلاحیت ہوگی نہ کہ ان کی عبادت و تقوٰی رُشْدًا رشد یہاں سلیقہ مندی اور انتظام کے مفہوم میں ہے۔ نہ کہ تقوٰی و ہدایت کے عام معنٰی میں۔ ای نوعاً من الرشد و هو الرشد فی التصرف والتجارة (کشاف) و بین الرشدین اعنی الرشد المونس من الیتیم والرشد الذی اوتی ابراهیم علیه السلام بونٌ بعید (راغب) ای هدایةً فی التصرفات و صلاحاً فی المعاملات (مدارک) و تنکیر الرشد یفیدان المراد رشد مخصوص و هو الرشد فی التصرف والتجارة (مدارک) فاعتبار الدین فی دفع المال غیر واجب باتفاق الفقهاء لانه لو کان رجلا فاسقاً ضابطاً لاموره عالماً بالتصرف فی وجوه التجارات لم یجزان یمنع ماله لاجل فسقه (جصاص) و۱۹ (اور اس وقت تو بہرحال اُن کے حوالہ کرنا ہی پڑے گا) وما یکبروا فیطالبوا باموالهم (جصاص) حد کبر میں داخل ہونے کے بعد جائیداد بہرحال صحیح الحواس اصل مالک کو مل جائے گی خواہ رشد سے انتظامی صلاحیت حاصل ہو یا نہ ہو فاتر العقل کے احکام الگ ہیں۔ فیها دلالة علی انه اذا صار فی حدالکبر استحق المال اذا کان عاقلا من غیر شرط ایناس الرشد (جصاص) اور حد کبر میں داخلہ کی عمر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ۲۵ سال کی ہے کہ اس سن میں انسان دادا بن سکتا ہے۔ و جعل ابو حنیفةؒ حدالکبر فی ذٰلک خمسا و عشرین سنة لان مثله یکون جدًا و محال ان یکون جدًّا ولا یکون فی حد الکبار (جصاص) بِدَارًا کے معنٰی جلدی کرنے کے ہیں۔ بدارًا ای مسارعة (راغب) بدارًا ای مبادرة (بخاری) و۲۰ (جائداد یتیم میں تصرف سے) وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا۔ ذکر انہی اولیاء یتامٰی کا ہے۔ حکم ان کو مل رہا ہے کہ اگر وہ خوش حال ہیں تو انہیں فیس، آنریریم وغیرہ کے نام سے کوئی رقم بھی یتیم کے مال میں سے نہ لینا چاہیے۔ بلکہ اسے محض حسبۃً للہ کرتے رہنا چاہیے۔ و۲۱ یعنی بہ قدر اپنی ضرورت کے ای بقدر الحاجة (ابن عربی) بقدر حاجته الضروریة (روح) یہ رقم، محققین حنفیہ نے صاف کر دیا ہے کہ بہ طور اُجرت کے نہ ہوگی کہ نگرانی تو ولی کے فرائض میں ہے اور معلوم ہے کہ ادائے فرائض پر اُجرت جائز نہیں۔ بلکہ یہ رقم تو الگ سے اللہ کی مقرر کی ہوئی ایک مد ہے۔ انّ الرزق لیس باجرة لشیء وانما هو شیء جعله الله له (جصاص) فاخذ الاجرة للقاضی و لمن قام بشیٔ من امور الدین غیر جائز (جصاص) بِالْمَعْرُوْفِ۔ یعنی یہ تدبیر کہ اس آمدنی سے خوب عیش کی زندگی بسر کرنے لگے۔ بلکہ صرف اتنا معاوضہ لے جتنا اسے معاشرہ میں متعارف ہو۔ و۲۲ یعنی یہ گواہوں کا حکم تو دنیوی ضابطہ کی تکمیل کے لیے دیا جا رہا ہے ورنہ حقیقۃً ہر خیانت اور ہر امانت کا علم تو اللہ کو ہے۔ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ یعنی جب بعد تحقق شرائط مذکور (بلوغ و قابلیت انتظام) یتیموں کے سپرد ان کی جائیداد دینے کرنے لگو۔ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ گواہ اس امر پر کہ یتیموں کا مال اُن کے سپرد کر دیا گیا۔

ف۲۳ یعنی یہ مورث کی رائے اور اختیار پر موقوف نہیں۔ حصوں کی ہر تقسیم اور ترکہ کا ہر استحقاق شریعت الٰہی کا مقرر کیا ہوا قانون ہے۔ یہ نہیں کہ جو روشن خیال جب جب چاہیں انھیں اور اس قانون میں قطع و برید کر کے رکھ دیں۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ ...... وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ یعنی حق میراث مردوں عورتوں دونوں کو یکساں پہنچتا ہے۔ اس میں رد آ گیا ان مذہبوں کا جنھوں نے عورت کو محض اس کے عورت ہونے کی بنا پر حق وراثت سے محروم رکھا ہے۔ ہندوؤں کی طرح جاہلیت عرب میں بھی عورتوں کا کوئی حصہ ہی نہ تھا۔ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ۔ منه میں ضمیر غائب ترکہ یا مال کی طرف ہے۔ والضمير يعود الى ما ترك (مدارک) ف۲۴ یعنی نرمی اور خوش اسلوبی سے معذوری کر دو۔ خشونت سے کام نہ لو۔ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ یعنی جس وقت وارثوں کے درمیان تقسیم ترکہ ہو رہی ہو۔ اى قسمة التركة (مدارک) اُولُوا الْقُرْبٰى۔ ایسے عزیز مراد ہیں جن کا میراث میں کوئی حق نہیں۔ فى مَنْ لَا يَرِثُ (مدارک) مِنْهُ ضمیر ترکہ کی طرف ہے۔ اى مما ترك الوالدان و الاقربون (مدارک) یہ تقسیم صرف بالغوں کے حصہ میں سے ہوگی۔ نابالغوں کے حصہ میں سے خیر و خیرات یا کسی کی مراعات جائز نہیں۔ فَارْزُقُوْهُمْ اس میں بڑی بحث و گفتگو ہوئی ہے کہ یہ حاضر الوقت غیر وارثوں کو ترکہ میں سے دینے کا حکم وجوبی ہے یا محض استحبابی۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ درجہ استحباب کی چیز ہے۔ واجب نہیں ہے۔ اور اگر ابتداء میں واجب تھا بھی تو اب حکم وجوب منسوخ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی، ابن جبیر تابعی، حسن

مَفْرُوْضًا ۝۷ وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى

قطعی ہے ف۲۳ اور جب تقسیم کے وقت اعزہ

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ

اور یتیم اور مسکین موجود ہوں تو انہیں بھی اس میں سے (کچھ) دے دو

وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۸ وَ لْيَخْشَ

اور اُن سے ہمدردی کی بات کہو ف۲۴ اور ایسے لوگوں کو

الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا

ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے چھوٹے بچے چھوڑ جائیں

خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا

تو ان کی انہیں (کیسی) فکر رہے پس چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور بات

سَدِيْدًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى

پکی کہیں ف۲۵ بیشک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھا

ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا

لیتے ہیں وہ بس اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں ف۲۶

وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِىْٓ

اور عنقریب وہ دہکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے، اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی میراث) کے

اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ

بارہ میں حکم دیتا ہے ف۲۷ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے ف۲۸ اور اگر

كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا

دو سے زائد عورتیں (ہی) ہوں ف۲۹ تو ان کے لیے دو تہائی (حصہ) اس (مال) کا ہے جو مورث

ع ۱۰ / ۱۲

بصری تابعی، اور محققین حنفیہ کا یہی مذہب ہے۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما و ابن جبیر و الحسن هو ندب (بحر) ...... هذا كله يوجب ان يكون اعطاء هؤلاء الحاضرين عند القسمة استحبابًا لا ايجاباً (جصاص) والصحيح ان هذا على الندب (قرطبی) ف۲۵ (اور ان یتیموں کے حسب مصلحت) یعنی ان کی تعلیم، تادیب، تسلی، دلجوئی ہر پہلو کا لحاظ رہے۔ ذكروا بالنظر فى مصلحتهم (ابن عربی) القول السديد من الاوصياء ان لا يؤذوا اليتامٰى و يكلموهم كما يكلمون اولادهم بالادب الحسن والترحيب (کشاف) مفسرین کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ یہ خطاب اولیاء کو نہیں بلکہ قریب الموت شخص کے عزیزوں قریبوں کو ہے کہ وہ اسے سمجھائیں کہ اسے حق صرف ایک ثلث میں صدقہ کا ہے اور باقی مال مقررہ وارثوں کے لیے چھوڑ جائے۔ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ یعنی اللہ سے ڈرتے رہیں کہ کہیں خود ان کے چھوٹے یتیم بچوں کے ساتھ یہ معاملہ پیش آ کر نہ رہے۔ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا ضعیف سے مراد بوڑھی نہیں، کمزور اور کم سن اولاد ہے۔ اى اولادًا صغارًا (معالم۔ جلالین) قَوْلًا سَدِيْدًا یعنی پکی اور صحیح بات جس میں کوئی پہلو شر و فساد و اتلافِ حقوق کا نہ نکلتا ہو۔ هو العدل والحق الذى لا خلل فيه ولا فساد فى رجحان بوارث او حرمان لذى قرابة (جصاص) ف۲۶ خیانت، غصب، بددیانتی ہر صورت میں بری ہیں، یتیموں کے مال میں ان کا وقوع قبیح تر ہے۔ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى۔ یاکلون سے مراد یتیم کا مال کسی طریقہ سے بھی بے جا صرف میں لے آنا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ صرف کھانے ہی کے کام میں آئے۔ اُردو محاورہ میں بھی روپیہ ”کھا جانا“ ایسے موقع پر بڑے وسیع معنی میں آتا ہے۔ خص الاكل بالذكر لانه اعظم ما يبتغى له الاموال (جصاص) اِنَّمَا ...... نَارًا یعنی اس حرام خوری کا انجام یہی ہوتا ہے۔ ف۲۷ ترکہ کی تقسیم اجتماعی و معاشرتی زندگی کے اہم ترین مسائل میں سے ہے اور اس کی عادلانہ تقسیم پر معاشرہ کی فلاح و بہبود کا بہت کچھ مدار ہے۔ اور وہ نام نہاد آسمانی کتابیں دنیا کے ہدایت نامہ کی حیثیت سے کامل نہیں ناقص ہیں۔ جو ایسے اہم مسئلہ کی تفصیلات سے خالی ہوں۔ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ اب تصریح سے یہ یاد دلا دیا کہ یہ احکام کسی بندہ کے تجویز کیے ہوئے نہیں۔ حکیم مطلق اور عالم الغیب حاکم برحق کے ارشاد کیے ہوئے ہیں۔ ف۲۸ یہ ایک عام اصل بیان کر دی کہ ہر لڑکے کو دہرا اور ہر لڑکی کو اکہرا حصہ ملے گا۔ خواہ لڑکا اور لڑکی ایک ایک ہوں یا کئی۔ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ دنیا کی بہت سی مذہبی اور غیر مذہبی شریعتیں ایسی ہیں جن میں لڑکی کا سرے سے کوئی حصہ ہی نہیں اور عرب جاہلیت میں بھی ترکہ کے حصہ دار صرف مرد (اور مردوں میں بھی بالغ اور قابل حرب مرد) تھے۔ ایسے قانون کا ظالمانہ اور خلافِ فطرت ہونا بالکل ظاہر ہے لیکن اب اس کے ردعمل کے طور پر بعض حلقوں سے جو یہ صدا اٹھی ہے کہ مرد و عورت کا حصہ مساوی ہونا چاہیے یہ دوسری بے اعتدالی اور افراط کی جگہ تفریط ہے۔ عورت کی فطری ساخت، جسمانی ترکیب اور عضویاتی فرائض نے اسے اس قابل ہی نہیں رکھا ہے کہ تربیت نسل کے ساتھ ساتھ اس پر فکر معاش کی ذمہ داریاں بھی ڈال دی جائیں۔ قدرت نے اور اس لیے صحیح اور پکی شریعت نے اس کا ذمہ دار مرد کو ٹھہرایا ہے۔ گھر اور خاندان کا خرچ چلانا اس کے سر رکھا ہے۔ اس لیے یہ ظلم نہیں عین عدل ہے کہ ترکہ میں اسے حصہ بھی بڑا ملے۔ پھر ہر شادی شدہ عورت کو حصول میراث کے موقع پر دوہرے حصے حاصل رہتے ہیں۔ ایک اِدھر میکہ میں باپ کے ترکہ میں سے حصہ، دوسرا اُدھر سسرال میں شوہر کے ترکہ میں سے حصہ، اس طرح صوری اور ظاہری اعتبار سے بھی عورت گھاٹے میں نہیں رہتی۔ ف۲۹ (یا صرف دو ہی اولاد میں) اِنْ كُنَّ نِسَآءً یعنی اگر وارث صرف لڑکیاں ہی ہوں۔ فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فوق کے معنی یہاں لازمی طور پر ”زائد“ کے نہیں۔ یہ صلہ محاورۂ عرب میں اکثر زائد بھی آ جاتا ہے اور خود قرآن مجید میں بھی اس کے زائد استعمال کی مثالیں موجود ہیں مثلاً فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ ان ذكر فوق ههنا صلة للكلام (جصاص)

و۳۰ لڑکیاں اگر صرف دو ہوں تو ان کا کل حصہ ۳/۲ ہونا ظاہر ہے ہر ایک کو ۳/۱ کے حساب سے۔ لیکن یہ شرح یہیں ختم ہوجاتی ہے۔ تین کو ۳/۳ یعنی کل کا کل نہیں مل جائے گا۔ بلکہ لڑکیاں جتنی بھی ہوں ان کا مجموعی حصہ ترکہ کا ۳/۲ ہی رہے گا، باقی ۳/۱ میں اور اعزاء خاص شریک ہوں گے۔ تفصیل فرائض کی کتابوں میں ملے گی۔ و۳۱ (کل ترکہ کا) اور بقیہ نصف حصہ میں دوسرے متعین اعزہ شریک ہوں گے۔ لیکن اگر وہ نہ موجود ہوئے تو پھر وہ نصف بھی اسی لڑکی کی طرف عود کر آئے گا۔ و۳۲ اور بقیہ ۶/۵ اولاد اور دوسرے وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ و۳۳ خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ اور خواہ تعداد میں ایک ہو یا زائد۔ و۳۴ (اور بقیہ دو تہائی باپ کا) وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ یعنی علاوہ اولاد کے بھائی بہن بھی نہ ہوں، صرف ماں باپ ہی وارث ہوں، و۳۵ (اور بقیہ ۶/۵ حصہ باپ کا) باپ کے باعث بھائی بہنوں کو نہ ملے گا۔ اِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ یہ بھائی بہن خواہ سگے ہوں یا سوتیلے۔ یہ وہ صورت ہے کہ میت کے اولاد کوئی نہیں۔ لیکن ماں باپ بھی ہیں اور بھائی بہن بھی۔ اِخْوَةٌ کا لفظ یہاں بھائی بہن دونوں کے لیے ہے۔ صیغہٴ مذکر قاعدہٴ زبان کے مطابق محض تغلیباً لایا گیا ہے۔ و۳۶ (اگر کچھ ہو) وارثوں کو حصہ اس وقت ہوگا جب پہلے مورث کا قرض ادا ہولے اور اگر وہ ایک ثلث جائداد سے متعلق کچھ وصیت کر گیا ہے تو اس وصیت کا اجراء ہولے۔ فقہاء نے یہاں دو قاعدے اور بیان کیے ہیں۔ ایک یہ کہ قرض اور وصیت میں ادائے قرض مقدم ہے۔ گو قرآن مجید میں لفظ وصیت پہلے مذکور ہے۔ الدّین موخر فی اللفظ و هو مبتدأ به فی المعنی علی الوصیة (جصاص) انما قد منا الدّین علی الوصیة لقوله علیه السلام الا ان الدّین قبل الوصیة (مدارک) دوسرے یہ کہ ادائے قرض اور اجراء وصیت ان دونوں سے بھی پہلے مورث کی تجہیز وتکفین کے لیے خرچ نکالنا ضروری ہے۔ و۳۷ یعنی نفع دنیوی ہو یا اخروی تمہیں کون زیادہ پہنچا سکے گا! اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ۔ اٰبَآؤُكُمْ کے تحت میں صرف باپ ہی نہیں بلکہ دادا، پردادا، اوپر کے سارے اصول آگئے۔ اسی طرح اَبْنَآؤُكُمْ کے تحت میں نہ صرف صلبی بلکہ اولاد در اولاد نیچے کے سارے فروع آگئے۔ یہاں یہ جتا دیا ہے کہ ترکہ کی تقسیم مورث کی رائے واجتہاد پر نہیں چھوڑی گئی ہے۔ حکیم و خبیر حاکم مطلق نے خود ہی سب قاعدے ضابطے مقرر کردیے ہیں۔ آیت سے حسن معاملت کے ساتھ ساتھ حسن معاشرت کی بھی تعلیم نکل آئی۔ انسان کو چاہیے کہ شفقت ورحمت اور حسن سلوک اپنے سارے بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ رکھے۔ اُسے کیا خبر کہ کون اُس کے زیادہ کام آکر رہے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ و۳۸ اور اللہ کے علم وحکمت سے بھلا کسی بندہ کی فہم ودانش کو کوئی نسبت ہوسکتی ہے؟ آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ احکام میراث کے باب میں قرآن مجید کو کس درجہ تاکید اور اہتمام منظور ہے۔ شروع يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ سے کیا، اور آیت کے خاتمہ پر پھر دُہری بلکہ تہری تہری تصریح وتاکید موجود ہے ...... اور پھر ہم لوگ بھی ٹھیک اس کے مقابل غفلت اور بے پروائی میں کس قدر پڑے ہوئے ہیں۔ كَانَ یہاں ماضی کے معنی میں نہیں، بلکہ دوام واستمرار کے اظہار کے لیے ہے فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ چند حالات ایسے بھی ہوسکتے ہیں جن میں میراث جاری نہ ہوگی مثلاً (۱) وارث مرتد ہوجائے (۲) وارث اپنے مورث کے قتل عمد کا مجرم ہو۔ (۳) وارث جا کر دارالحرب میں قیام اختیار کرلے۔ تفصیل ان موانع میراث کی، فقہ وفرائض کی کتابوں میں ملے گی۔ و۳۹ (نہ تم سے نہ کسی اور شوہر سے) ظاہر ہے کہ اتنے جزء میں خطاب شوہروں سے ہے۔

تَرَكَ ۚ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ

چھوڑ گیا ہے و۳۰ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے نصف (حصہ) ہے، و۳۱

وَ لِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا

اور مورث کے والدین یعنی ان دونوں میں ہر ایک کے لیے اُس (مال) کا چھٹا حصہ ہے جو وہ

تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ

چھوڑ گیا ہے، و۳۲ بشرطیکہ مورث کے کوئی اولاد ہو، و۳۳ اور اگر مورث کے کوئی اولاد

وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ

نہ ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے، و۳۴ لیکن اگر مورث کے

اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے ایک چھٹا حصہ ہے، و۳۵ وصیت کے نکالنے کے بعد کہ مورث اس کی وصیت

يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا

کر جائے یا ادائے قرض کے بعد و۳۶ تمہارے باپ ہوں کہ تمہارے بیٹے تم نہیں

تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً

جانتے ہو کہ ان میں سے نفع پہنچانے میں تم سے قریب تر کون ہے و۳۷، یہ سب

مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ وَ لَكُمْ

اللہ کی طرف سے مقرر ہے، بیشک اللہ ہی علم والا ہے، حکمت والا ہے، و۳۸ اور تمہارے لیے

نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ

اُس (مال) کا آدھا حصہ ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں بشرطیکہ ان کے کوئی

لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ

اولاد نہ ہو و۳۹ اور اگر ان کے اولاد ہو تو تمہارے لیے بیویوں کے ترکہ کی

مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ

چوتھائی ہے ف۴۰ وصیت (نکالنے) کے بعد جس کی وہ وصیت کر جائیں

اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ

یا ادائے قرض کے بعد ف۴۱ اور ان (بیویوں) کے لیے تمہارے ترکہ کی چوتھائی ہے ف۴۲ بشرطیکہ تمہارے

يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ

کوئی اولاد نہ ہو لیکن اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو ان (بیویوں) کو

الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ

تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا ف۴۳ بعد وصیت (نکالنے) کے جس کی تم وصیت کر جاؤ

بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً

یا ادائے قرض کے بعد، اور اگر کوئی مورث مرد ہو یا عورت، ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں

اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ

نہ فروع اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ایک

مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ

چھٹا حصہ ہے اور اگر یہ لوگ اس سے زائد ہوں تو وہ

فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

ایک تہائی میں شریک ہوں گے ف۴۴ بعد وصیت (نکالنے) کے،

يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً

جس کی وصیت کر دی جائے یا ادائے قرض کے بعد بغیر کسی کے نقصان پہنچائے ف۴۵ یہ حکم اللہ کی طرف سے

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ

ہے ف۴۶ اور اللہ بڑا علم والا ہے۔ بڑا بردبار ہے ف۴۷ یہ سب خداوندی ضابطے ہیں ف۴۸

ف۴۰ (اور بقیہ ۴/۳ دوسرے وارثوں کا حصہ ہے) بیوی کے ترکہ میں ۴/۱ حصہ شوہر کا ہر صورت میں ہے۔ خواہ بیوی کوئی اولاد چھوڑے یا نہ چھوڑے۔ اِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ یہ اولاد خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے۔ ف۴۱ حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ میراث کی تقسیم ہر حال میں اجرائے وصیت اور ادائے قرض کے بعد ہی ہوگی اور ان دونوں میں بھی ادائے قرض مقدم ہے۔ ف۴۲ اور بیویاں اگر کئی ہوں تو شوہر کے ترکہ کی وہی چوتھائی سب میں برابر تقسیم ہو جائے گی۔ ف۴۳ (اور شوہر کے ترکہ کا بقیہ ۸/۷ دوسرے وارثوں کی طرف جائے گا) بیویوں کو ۸/۱ ہر صورت ملے گا خواہ اولاد ہو یا نہ ہو۔ اِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ یہ اولاد خواہ انہی بیویوں سے ہو یا کسی اور عورت سے۔ ف۴۴ (اور بقیہ ۳/۲ حصہ دوسرے وارثوں کی طرف جائے گا) فَهُمْ شُرَكَآءُ یہ شرکت برابری کی رہے گی، یعنی مذکر و مؤنث کا حصہ برابر کا رہے گا۔ كَلٰلَةً اُردو میں اس کے لیے کوئی ایک لفظ موجود نہیں۔ کلالہ عربی میں ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کے نہ باپ دادا میں سے کوئی موجود ہو اور نہ اولاد، اولاد در اولاد میں سے۔ ف۴۵ یعنی مورث کسی وارث کو نقصان نہ پہنچائے نہ عملاً نہ ارادۃً۔ عملاً کی مثال یہ کہ وصیت ۳/۱ سے زائد کی کر دی ایسی وصیت قانونِ شریعت کے خلاف ہونے کی بنا پر نا قابل نفاذ ہوگی۔ ارادۃً یہ کہ وصیت رکھے تو ۳/۱ کے اندر ہی۔ لیکن نیت و مقصود یہ ہو کہ وارث کا حصہ کٹ جائے۔ ایسی وصیت کا نفاذ قانونی تو ہو جائے گا لیکن وصیت کرنے والا عند اللہ گنہگار ٹھہرے گا۔ اسلام اپنے پیرووں سے قدم قدم پر عمل کے ساتھ ساتھ نیت کا بھی اخلاص و صداقت چاہتا ہے۔ ف۴۶ ختم کے قریب پھر یاد دلا دیا کہ یہ سارا قانونِ میراث شریعت کے ہر دوسرے حکم کی طرح حاکم مطلق اور حکیم برحق کا نازل کیا ہوا ہے۔ کسی انسانی عقل و دماغ کا سوچا ہوا کسی کونسل، کمیٹی، مجلس کا وضع کیا ہوا نہیں جو آج پاس ہو اور کل اس میں ترمیم ہو جائے۔ ف۴۷ چنانچہ علم کامل کی بنا پر وہ خوب واقف ہے کہ کون اس قانون پر عامل ہے اور کون اس سے منحرف۔ اور حلم کامل کے اقتضاء سے بہت دفعہ مجرموں کی گرفت وہ فوراً نہیں کرتا۔ ف۴۸ (جنہیں ہلکا سمجھنا خود اپنے کو خدائی عدالت میں مجرم بنانا ہے) تِلْكَ کا اشارہ اُن تمام احکام کی جانب ہے جو یتیموں اور وصیتوں اور ترکہ کے باب میں ابھی گزر چکے ہیں۔ اشارۃ الی الاحکام التی ذکرت فی باب الیتامٰی والوصایا والمواریث (مدارک)

اللّٰهِ ؕ وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ یُدۡخِلۡهُ

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی (پوری) اطاعت کرے گا اللہ اسے (بہشت کے) باغوں میں داخل

جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ

کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ ہمیش

فِیۡهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۳﴾ وَ مَنۡ یَّعۡصِ

رہیں گے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے ف۴۹ اور جو کوئی اللہ اور

اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ یُدۡخِلۡهُ

اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کے ضابطوں کی حدود سے باہر نکل جائے گا اسے وہ (دوزخ کی) آگ

نَارًا خَالِدًا فِیۡهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ ﴿۱۴﴾ وَ الّٰتِیۡ

میں داخل کرے گا اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑا رہے گا، اور اسے ذلت دینے والا عذاب ہوگا، ف۵۰ اور تمہاری

یَاۡتِیۡنَ الۡفَاحِشَةَ مِنۡ نِّسَآئِكُمۡ فَاسۡتَشۡهِدُوۡا

عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ف۵۱ اُن پر چار (آدمی)

عَلَیۡهِنَّ اَرۡبَعَةً مِّنۡكُمۡ ۚ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ

اپنے میں سے گواہ کر لو سو اگر وہ گواہی دے دیں تو ان (عورتوں) کو گھروں کے اندر

فِی الۡبُیُوۡتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ یَجۡعَلَ

بند رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے، ف۵۲ یا اللہ اُن کے لیے

اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیۡلًا ﴿۱۵﴾ وَ الَّذٰنِ یَاۡتِیٰنِهَا مِنۡكُمۡ

کوئی (اور) راہ نکال دے ف۵۳ اور تم میں سے کوئی دو جو وہ کام کریں

فَاٰذُوۡهُمَا ۚ فَاِنۡ تَابَا وَ اَصۡلَحَا فَاَعۡرِضُوۡا

انہیں اذیت پہنچاؤ ف۵۴ پھر اگر دونوں توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں ف۵۵ تو ان سے تعرض

ع ۱۳

ف۴۹ اور یہ فوزِ عظیم جس اطاعت کامل پر مشروط ہے اس کے اندر اس قانونِ میراث کی پابندی بھی آگئی۔ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ۔ اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد اُس قانون کی پابندی ہے جو اللہ کا اُتارا ہوا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا ہے۔ ف۵۰ یہ عذاب دائمی بھی ہوگا اور مُعذَّب کے حق میں ذلت آفرین بھی۔ اس عذاب کے مورد کافر ہی ہوں گے۔ یَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ یعنی حد سے اس قدر باہر نکل جائے، کہ ان احکام کے احکامِ الٰہی ہونے ہی سے انکار کر دے۔ الکافر هو الذی تعدی الحدود کلها (مدارک) ای یتعد حدوده استحلالاً (مدارک عن الکلبی) وَمَنۡ یَّعۡصِ اللّٰهَ میں معصیت سے مراد معصیت کفر و شرک ہے۔ فسر الضحاک هنا المعصية بالشرک وقال الکلبی و من یعص الله یکفره (مدارک) ف۵۱ یعنی زنا کے مرتکب ہوں۔ اَلۡفَاحِشَةَ۔ فاحشة قولی و فعلی ہر بڑی برائی کے لیے عام ہے۔ الفاحشة ما عظم قبحه من الافعال و الاقوال (راغب) الفعلة القبیحة (کبیر) یہاں مراد زنا ہے۔ کنایة عن الزنا (راغب) واجمعوا علی ان الفاحشة هٰهنا الزنا (کبیر) استعملت کثیراً فی الزنا لانه من اقبح القبائح و هو المراد علی الصحیح (روح) نِسَآئِكُمۡ نساء ہر عورت کے لیے عام ہے یہاں مراد بیویاں ہیں۔ ف۵۲ زنا کی ایک سزا ابتداء اسلام میں عمر قید یا دائم الحبس تھی۔ اَرۡبَعَةً مِّنۡكُمۡ۔ اَرۡبَعَةً اول تو نصاب شہادت اس معاملہ میں دوگنا ہے یعنی جہاں مسلمان مرد یا عورت کی عزت کا سوال ہے، گواہوں کی تعداد بجائے دو کے چار ہونا چاہیے اور پھر یہ چاروں:۔ (۱) مسلم ہوں غیر مسلم نہ ہوں (۲) آزاد ہوں، غلام نہ ہوں (۳) عاقل ہوں، فاتر العقل نہ ہوں (۴) بالغ ہوں، نابالغ نہ ہوں (۵) گواہی چشم دید دیں۔ سماعی یا قیاسی شہادت کا یہاں دخل نہیں۔ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ یہ قید حکام یا اہل حل وعقد کے حکم سے ہونا چاہیے۔ هذا خطاب للحکام (معالم) فامسکوهن فی البیوت یعنی گھروں کے اندر انہیں قید یا نظر بند کر دو بعض ظالموں نے جو اس سے پردہ مراد لیا ہے انہوں نے اپنی عقل و فہم پر ظلم کیا ہے۔ فاحبسو هن فی البیوت واجعلوها سجناً علیهن (بیضاوی) ف۵۳ (اپنے رسول پر وحی کے ذریعہ سے) فقرہ خود اس پر دلالت کر رہا ہے کہ گھروں کے اندر دائمی نظر بندی کی سزا عارضی تھی اور آئندہ کوئی دوسری سزا تجویز ہونے والی ہے چنانچہ کچھ روز بعد سورۃ النور میں قرآن ہی کے ذریعہ سے دوسری سزا تجویز ہوئی۔ یعنی زانی مرد اور زانی عورت دونوں کے لیے سو ۱۰۰ سو ۱۰۰ تازیانے۔ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مزید تشریح یہ کی کہ یہ سزا ناکتخدا کے لیے ہے اور بیاہے ہوؤں کے لیے جرم کی سزا سنگساری ہے۔ وهٰذا کله کان قبل نزول الحدود فنسخت بالجلد والرجم والجلد فی القران و الرجم فی السنة (معالم) ف۵۴ یعنی سزا اس جرم کے سارے مجرموں کے لیے ہے۔ بہت سی قومیں اپنے کو مہذب کہلانے والی آج بھی موجود ہیں جن کے ہاں حرام کاری (جب تک کہ بہ جبر نہ ہو) سرے سے قابل تعزیر ہی نہیں۔ بہت سی قوموں میں حرام کاری صرف شادی کے بعد ہے۔ بن بیاہوں اور بن بیاہیوں کے لیے یہ کوئی جرم ہی نہیں، آیت اس سارے غلط و گمراہ کن نظریات کی تردید کر رہی ہے۔ وَالَّذٰنِ یَاۡتِیٰنِهَا۔ میں ھا کی ضمیر فَاحِشَةَ کی طرف ہے یعنی کوئی بھی جوڑا جو حرام کا مرتکب ہو۔ اس عموم میں ہر طرح کے مرتکب آگئے، بیاہے اور کنوارے، مرد و عورت سب، بجز فاتر العقلوں کے۔ فَاٰذُوۡهُمَا اجراء سزا کا یہ حکم حکام یا اہل حل وعقد کو ہے۔ الخطاب هنا للحکام (روح) ف۵۵ (اجرائے سزا کے بعد) جن جرائم کی حد شرعی مقرر ہے ان میں اجرائے حد سے قبل توبہ کافی نہیں۔

عَنۡهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا

نہ کرو ف۵۶ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ بڑا مہربان ہے ف۵۷ توبہ جس کا

التَّوۡبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ

قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے وہ تو بس اُنہی لوگوں کی ہے جو بری حرکت نادانی سے کر

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِيۡبٍ فَاُولٰٓئِكَ

بیٹھتے ہیں، ف۵۸ اور پھر قریب ہی (وقت میں) توبہ کر لیتے ہیں ف۵۹ ایسے ہی لوگوں کی

يَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۱۷﴾

توبہ اللہ قبول کرتا ہے ف۶۰ اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ف۶۱

وَلَيۡسَتِ التَّوۡبَةُ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ ۚ

ایسے لوگوں کی توبہ نہیں ہے ف۶۲ جو (برابر) گناہ کرتے رہیں

حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّىۡ

یہاں تک کہ موت اُن میں سے کسی کے سامنے آ کھڑی ہو ف۶۳ (اور تب) وہ کہنے لگے کہ اب میں

تُبۡتُ الۡـٰٔنَ وَلَا الَّذِيۡنَ يَمُوۡتُوۡنَ وَهُمۡ كُفَّارٌ ؕ

توبہ کرتا ہوں، اور نہ ان لوگوں (کی توبہ) جو اسی حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہیں ف۶۴

اُولٰٓئِكَ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۸﴾ يٰۤاَيُّهَا

یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، اے

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَحِلُّ لَكُمۡ اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ

ایمان والو تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کے جبراً مالک

كَرۡهًا ؕ وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ لِتَذۡهَبُوۡا بِبَعۡضِ مَاۤ

ہو جاؤ ف۶۵ اور نہ انہیں اس غرض سے قید رکھو کہ تم نے انہیں جو کچھ دے

ف۵۷ یعنی مجرم جب سزا بھی بھگت چکا اور اب تائب بھی ہے تو اب اس پر مزید طعن وملامت وغیرہ جائز نہیں۔ ف۵۷ اسلام کا خدا محدود ومقید قسم کا خدا نہیں کہ مغفرت ذنوب پر قادر ہی نہیں بلکہ کائنات میں یا مشین کی طرح ایک قانون مکافات عمل کی حکومت ہے اور خدا (نعوذ باللہ) بیٹھا ہوا منہ دیکھ رہا ہے۔ یا اگر مغفرت پر قادر ہے بھی جب بھی کفارہ کا محتاج ہے۔ ہندومت، مسیحیت وغیرہ تمام باطل ادیان تردید آیت سے ہوگئی۔ ف۵۸ جو طبائع غیر سلیم ہیں۔ اُن کے لیے ہر قسم کی بدعملی کی گنجائش آیت ماقبل سے نکل سکتی تھی اور وہ اپنے دل میں کہہ سکتے تھے کہ جب توبہ قبول ہو ہی جائے گی تو پھر اطمینان سے ہر قسم کے فسق وفجور میں پڑے رہ سکتے ہیں۔ جب مرنے لگیں گے۔ توبہ کرلیں گے۔ اس خدشہ کے دُور کرنے کے لیے ضرورت تھی کہ قبول توبہ کے قیود وشرائط کو صاف کر دیا جاتا۔ اَلسُّوۡٓءَ۔ لفظ جامع ہے گناہ کبیرہ اور صغیرہ دونوں کے لیے۔ ای المعصية صغيرة او كبيرة (روح) اَلتَّوۡبَةُ۔ توبہ کی حقیقت شریعت میں یہ ہے کہ ماضی پر ندامت ہو اور مستقبل کے لیے ترک معصیت کا عزم ہو اور یہاں

سے مراد قبول توبہ ہے۔ التوبة عبارة عن الندم على ما مضى والعزم على الترک فی المستقبل (کبیر) ای انّ قبولها (مدارک) بِجَهَالَةٍ

یہ ہے کہ معصیت کے ارتکاب کے وقت اس کے نتائج کا ذہن سے ذہول ہو گیا ہو اور عقل شدتِ جذبات (یا ہوائے نفس) سے اندھی ہوگئی ہو۔ عَلَى اللّٰهِ

اہلِ حق کا مذہب ہے کہ اللہ پر حقیقۃً واجب تو کوئی بھی چیز نہیں۔ یہاں مقصود صرف وعدہ کی تاکید ہے۔ وليس المراد به الوجوب اذ لايجب على الله شیء ولكنه تاكيد للوعد (مدارک) ف۵۹ معصیت پر ندامت اور اس کے ترک کا عزم، عمل معصیت کے بعد جس قدر جلد بھی ہو سکے اس کا مطلوب ہونا ظاہر ہے۔ لیکن شریعت نے انتہائی شفقت سے کام لے کر اس قرب (من قریب) کی میعاد حضورِ موت سے قبل تک وسیع کر دی ہے۔ صحابیوں اور تابعین سے یہی مروی ہے۔ والقريب فی مابينه و بين ان ينظر الى ملک الموت (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) کل شیء قبل الموت فهو قریب (ابن جریر۔ عن الضحاک) و هو ما قبل حضرة الموت (مدارک) دوسرے معنٰی یہ کیے گئے ہیں اور یہ معنٰی بھی لگتے ہوئے ہیں کہ قبل اس کے کہ برائی نیکیوں پر چھا جائے۔ اور نیکیوں کو سوخت کر جائے۔ معناه قبل ان يحيط السوء بحسناته فيحبطها (معالم) مِنۡ قَرِيۡبٍ میں مِنۡ تبعیض کے لیے ہے۔ معناه التبعيض اى يتوبون بعض زمان قريب (کشاف) ف۶۰ یعنی وعدۂ مغفرت مرتب ایسے ہی لوگوں کی توبہ پر ہوتا ہے۔ ف۶۱ سو وہ اپنی شان علم سے خوب جانتا ہے کہ کس کس نے دل سے توبہ کی ہے اور اپنی شان حکمت سے دل سے توبہ نہ کرنے والے کو بھی رسوا نہیں کرتا، اور تائب مخلص ہو یا غیر مخلص۔ بہرصورت اس کے لیے مزید ملامت روا نہیں رکھتا۔ ف۶۲ یعنی ایسے لوگوں سے قبول توبہ کا وعدہ نہیں۔ باقی اگر اور کسی کے ساتھ محض فضل وکرم ہی کا معاملہ کرنا چاہے تو اس کی راہ میں حائل کون ہو سکتا ہے۔ ف۶۳ (اور عالم برزخ اُن پر منکشف ہونے لگے) یعنی حالت نزع وسکرات شروع ہو جائے کہ اب عذاب وملائکہ عذاب کے مشاہدہ کے بعد جو توبہ ہوگی وہ اضطراری ہوگی اور اس لیے کسی درجہ میں بھی مقبول نہیں۔ اَلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ۔ معصیت کا صدور اگر ایک ہی آدھ بار ہو لیکن اس سے توبہ نہ کی جائے تو اس کا شمار بھی اصرار علی المعصیت میں ہوگا اور یہ عمل گناہ متواتر کرتے رہنے کے حکم میں داخل ہوگا۔ السیّات۔ یہ صیغۂ جمع لانے سے یہ لازم نہیں کہ گناہوں کی مختلف قسمیں صادر ہوتی ہیں بلکہ ایک ہی معصیت کی عرصہ دراز تک تکرار اسے صیغہ جمع میں لانے کے لیے کافی ہے۔ جمعت باعتبار تكرر وقوعها فى الزمان المديد (روح) ف۶۴ کافر کے ایمان کا مرتے وقت نامقبول رہنا تو اوپر کے فقرہ میں شامل تھا۔ مزید تصریح شاید تاکید اور مزید تقبیح کے لیے ہو۔ ف۶۵ عرب جاہلیت میں میت کی جائداد کی طرح اس کی بیویاں بھی وارث کے قبضہ میں آجاتی تھیں اور یہی دستور یونانی تمدن اور رومی تمدن میں بھی رہ چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) پھر مرد اگر چاہتا تو ان سے جبراً یا خود نکاح کر لیتا یا دوسروں کے نکاح میں دے دیتا۔ تَرِثُوا النِّسَآءَ میں بیویوں کے جسم کا مالک ہونا بھی آگیا اور ان کے مال وجائداد کا بھی۔ عورتوں کے مال کے مالک ہو جانے کی تین صورتیں مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عرب میں رائج تھیں۔ ایک یہ کہ عورت کا جو حق شرعی میراث میں نکل رہا ہو اُسے خود لے لیا جائے اور اُسے نہ دیا جائے۔ دُوسرے یہ کہ اس کو نکاح نہ کرنے دیا جائے یہاں تک کہ وہ مرجائے اور اس کے مال پر قبضہ کر لیا جائے۔ تیسرے یہ کہ خاوند اپنی بیوی کو بلاوجہ مجبور کر دے کہ اسے کچھ مال دے جب یہ اُسے چھوڑے۔ دنیا بداخلاقی اور بدعملی کی کتنی مختلف صورتوں میں مبتلا تھی اور اسلام نے آ کر کن کن چیزوں کی اصلاح کی ہے۔

اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ

رکھا ہے اُس کا کچھ حصہ وصول کر لو بجز اس صورت کے کہ وہ صریح بدکرداری کی مرتکب ہوں ۶۶

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ

اور بیویوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزر بسر کیا کرو ۶۷ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں

فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ

تو عجب کیا کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ اس کے اندر کوئی بڑی بھلائی

خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ

رکھ دے ۶۸ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ (دوسری) بیوی بدلنا

مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا

چاہو ۶۹ اور تم اس بیوی کو (مال کا) انبار دے چکے ہو تو تم

تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا

اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو ۷۰ کیا تم بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کر کے

وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى

اسے (واپس) لو گے ۷۱ اور تم کیسے اسے (واپس) لے سکتے ہو درآنحالیکہ ایک

بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا

دوسرے سے خلوت کر چکے ہو اور وہ (بیویاں) تم سے ایک مضبوط اقرار

غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ

لے چکی ہیں ۷۲ اور اُن عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ

النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً

نکاح کر چکے ہیں، مگر ہاں جو کچھ ہو چکا (ہو چکا) ۷۳ بیشک یہ بڑی بے حیائی اور

۶۶ (کہ جب البتہ عورتوں کو قید رکھنا یا اُن سے کچھ مال وصول کرنا جائز ہوگا) ایک دستور عرب جاہلیت میں یہ بھی تھا کہ مالدار بیوی کو وارث اس خیال سے کہیں نکاح نہ کرنے دیتے کہ یہ اپنا مال اپنے ساتھ لے جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ مجبور ومحبوس بیوہ اس کے گھر میں اپنی جان دے دیتی۔ یا پھر اسے اپنا مال ومتاع حوالہ کرکے اپنی جان چھڑاتی۔ ''اس مضمون میں بھی تین صورتیں آگئیں۔ ایک یہ کہ میت کا وارث اس میت کی بیوی کو نکاح نہ کرنے دیتا تاکہ ہم کو یہ کچھ دے۔ دوسرے یہ کہ خاوند اس کو مجبور کرتا کہ مجھ کو کچھ دے تب چھوڑوں۔ تیسرے یہ کہ خاوند طلاق دینے کے بعد بھی اس سے کچھ لیے بغیر اس کو نکاح نہ کرنے دیتا'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)۔ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ یعنی جو چیزیں خود تم نے دی ہوں یا تمہارے قرابت والوں نے۔ فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ اس سے مراد زنا کاری ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ وهو الزنا (ابن جریر عن السدی) ای الزنا (ابن الجریر عن الحسن) لیکن دوسرے معنٰی شوہر کی نافرمانی کے بھی ائمہ فن سے منقول ہیں۔ وهو النشوز (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) وهو النشوز (ابن جریر۔ عن قتادة) محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ لفظ زنا کاری اور نافرمانی دونوں مفہوموں کا جامع ہے۔ كل فاحشة من بذاءة باللسان على زوجها واذى له و زنا بفرجها (ابن جریر) خلاصہ یہ کہ سوء معاشرت کا سبب اُن بیویوں کا پیدا کردہ نہ ہو۔ ای الا ان یکون سوء العشرة من جهتهن (کشاف) ۶۷ قرآن مجید کا یہ ایک عام اسلوب بیان ہے کہ جزئیاتِ احکام کے درمیان ایک کلی مسئلہ بھی بیان کر دیتا ہے اور کلیات کے ضمن میں جزئیات بھی لے آتا ہے۔ یہاں بھی یہی ہے کہ جزئی احکام بیان کرتے کرتے اُس نے ایک اہم اصل بیان کر دی عورتوں کے ساتھ معاشرت کی۔ یہ حسن معاشرت کا مرکزی، بنیادی، کلیدی حکم سہاگنوں، بیواؤں، طلاقنوں، سب کے معاملہ میں واجب العمل ہے۔ اور یہ ہدایت اس مذہب کی ہے جو کتنے ہی کورچشم مسیحیوں، آریوں وغیرہ کے نزدیک عورت کے حق میں ظالمانہ ہے۔ ۶۸ (حال یا مستقبل میں) شکایت کرنے والے شوہروں کو اپنی تسکین وتسلی کے لیے اس مراقبہ سے بڑھ کر اور کون خیال ہو سکتا ہے۔ خَيْرًا كَثِيْرًا خیر کے اندر دنیوی واخروی، عاجل وآجل ہر قسم کی فلاح اور بھلائی آگئی۔ محض خیر ہی نہیں خیر کثیر (بھلائیوں کا ایک ڈھیر۔ ایک انبار) کہ اس سے زیادہ تسکین وہ اور کون خیال ہو سکتا ہے؟ اِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ یہاں وہ کراہت مراد ہے جو طبعی طور پر یا خواہ مخواہ ہو۔ نہ کہ کوئی ایسا قابل شکایت امر جس کے اندر عورت کا ارادی قصور شامل ہو۔ ۶۹ بلا اس کے کہ اس پہلی بیوی کا کوئی قصور ہو۔ یعنی محض اپنی رغبت وخواہش سے تم ایک بیوی چھوڑ کر دوسری کرنا چاہتے ہو ۷۰ (اور اس طرح اقرار کیے ہوئے مال کو روک بھی مت رکھو) اِحْدٰىهُنَّ یعنی اس پہلی بیوی کو جسے اب چھوڑ رہے ہو۔ قِنْطَارًا کے معنٰی مال کے انبار کے ہیں۔ القنطار المال العظيم (کبیر وکشاف) اس پر ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ حدیث میں تو مہر کی زیادتی کی ممانعت آئی ہے لیکن خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار مسجد میں سر منبر گو پہلے مہر کی زیادتی سے روکا لیکن ایک ضعیفہ کے ٹوکنے پر اس کا جواز بھی تسلیم کر لیا اور خود اس آیت سے بھی ڈھیروں مال کا جواز ثابت ہو رہا ہے؟ سوال کا ایک مشہور جواب تو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم ودماغ سے ہے یعنی آیت سے جواز کہاں ثابت ہوا؟ آیت نے تو محض ایک مفروض ومشروط حالت کا ذکر کیا ہے کہ اگر تم ڈھیروں مال دے چکے ہو جب بھی اس کی واپسی کا مطالبہ درست نہیں۔ اس سے اُس مفروضہ یا شرط کا صحیح ہونا تو لازم نہیں ہوتا۔ لیکن اس سے بھی صاف، دل نشین اور بے تکلف جواب ہمارے زمانہ کے امام شریعت مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے نکلا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ''یہ جواز مفہوم من القرآن بہ معنٰی صحت نفاذ ہے۔ اور حدیث میں جواز بہ معنٰی اباحت مطلقہ وعدم کراہت کی نفی ہے، پس کچھ تعارض نہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ میں زیادہ مہر کے جواز کو مان لینا اس لیے تھا کہ سامعین اس کو حرام نہ سمجھنے لگیں پس اس سے کراہت کا عدم ثابت نہیں ہوتا نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض لازم آتا ہے۔'' ۷۱ یعنی بلاوجہ واپس لو گے تو یا تو صریح ظلم کے مرتکب ہو گے اور یا پھر بات بنانے کے لیے عورت پر کوئی جھوٹا سنگین الزام، زنا کاری یا نافرمانی کا لگانا ہوگا۔ ۷۲ نکاح کے وقت کہ تم مہر ادا کرو گے۔ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا یعنی عہد مستحکم۔ وصفه بالغلظ لقوته و عظمه (کشاف) عهداً وثيقاً (مدارک) وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ۔ یعنی جب انہوں نے اپنا جسم تمتع وتلذذ کے لیے تمہارے سپرد کر دیا تو اب مہر ان سے واپس لینا یا اسے انہیں ادا نہ کرنا بڑی بے حمیتی بلکہ کم ظرفی کی بات ہے۔ افضٰی۔ افضا لغۃً خلوت صحیحہ اور اصل عمل صحبت دونوں کو شامل ہے۔ حنفیہ نے مراد خلوت صحیحہ لی ہے۔ افضى الى امراته اى خلا بها (راغب) قال الكلبى الا فضاء ان يكون معها فى لحافٍ واحدٍ جامعها او لم يجامعها و هٰذا القول اختيار الفراء و مذهب ابى حنيفةؒ (کبیر) ذكر الفراء ان الافضاء هو الخلوة و ان لم يقع دخول و قول الفراء حجةٌ فى ما يحكيه من اللغة (جصاص) اى خلا بلا حائل (مدارک) حنفیہ کے ہاں مہر خلوتِ صحیحہ پر واجب ہوتا ہے۔ والأية حجة لنا فى الخلوة الصحيحة وهنا تو كد المهر (مدارک) ۷۳ یعنی اس حکم کے نزول سے قبل جو ہو چکا۔ اب اس پر باز پرس نہیں۔ اى قبل نزول اية التحريم فانه معفو عنه (کبیر) لَا تَنْكِحُوْا میں نکاح اپنے لغوی معنٰی یعنی صحبت کرنے کے مفہوم میں لیا گیا ہے۔ فيه تحريم وطى موطوءة الاب بنكاح او بملك يمين او بزنا كما هو مذهبنا و عليه كثير

یتزوجون بازواج ابائهم (کبیر) مَانَکَحَ میں مَا۔ مَنْ کے معنی میں ہے۔ مَا بمعنی مَنْ (جلالین) اٰبَآؤُکُمْ اس کے ذیل میں وہ بیویاں بھی آگئیں جو دادا یا نانا کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔ و۴۷ قرآن مجید نے تین لفظ استعمال کیے ہیں اور تینوں سے الگ الگ اشارے ہیں۔ فَاحِشَۃً یہ دستور بجائے خود اور عقلاً بھی بڑی بے حیائی کی چیز تھا۔ مَقْتًا۔ مذاقِ سلیم رکھنے والوں کے عرف میں بڑی گندی چیز تھا۔ مقت کہتے ہیں ایسی بری چیز کو جسے دیکھ ہی کر طبیعت میں گھن پیدا ہو۔ المقت بغض شدید لمن تراہ تعاطی القبیح (راغب) خود اہل جاہلیت بھی اس نکاح کو بہت بری نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کا نام ہی نکاح المقت پڑ گیا تھا۔ سَآءَ سَبِیْلًا یعنی اس کے نتائج بھی بڑے قبیح تھے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قبیح کے تین درجے ہوتے ہیں۔ ایک قبح عقلی، دوسرے قبح شرعی، تیسرے قبح عرفی، فاحشہ میں اشارہ اوّل کی جانب ہے، مقتا میں دوم کی جانب، ساء سبیلا میں سوم کی طرف۔ و۵۷ اس لیے جو غلطیاں نزول حکم سے قبل ہو چکیں، ان پر وہ گرفت نہیں کرتا۔ اور ان پر وہ خطِ عفو کھینچ دیتا

وَّ مَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ﴿۲۲﴾ ع حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ

نفرت کی بات تھی اور بہت برا طریقہ تھا و۴۷ تمہارے اوپر حرام کی گئی ہیں

اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ

تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں

وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ

اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے

اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ

تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی

نِسَآىٕكُمْ وَ رَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ

مائیں اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں رہتی ہیں

نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا

اور جو تمہاری ان بیویوں سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہے لیکن اگر ابھی تم نے

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ ؗ وَ حَلَآىٕلُ

ان بیویوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور جو بیٹے تمہاری

اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا

نسل سے ہوں اُن کی بیویاں اور یہ بھی (حرام ہے) کہ تم

بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

دو بہنوں کو یکجا کرو مگر ہاں جو ہو چکا (ہو چکا) بیشک اللہ

كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۲۳﴾ ۙ

بڑا بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے و۵۷

ہے۔ قرآن مجید نے یہاں ایک مفصل فہرست دے کر بتا دیا کہ ان ان عورتوں سے مطلقاً یا فلاں فلاں صورتوں میں نکاح حرام ہے۔ اور یہ فہرست محرمات قرآن مجید کی کاملیت کے دلائل میں سے ایک قوی دلیل ہے۔ موجودہ انجیل اور خدا معلوم کتنی نام نہاد آسمانی کتابوں میں تعلیم کا یہ ورق سرے سے سادہ موجود ہے۔ اُمَّهٰتُكُمْ تمہاری مائیں اور اسی طرح ماں کی مائیں، دادیاں، نانیاں وغیرہا۔ والجدة من قبل الام والاب ملحقة بهن (مدارک) بَنٰتُكُمْ تمہاری بیٹیاں اور اسی طرح بیٹیوں کی بیٹیاں، پوتیاں، نواسیاں وغیرہا۔ وبنات الابن و بنات البنت ملحقات بهن (مدارک) اَخَوٰتُكُمْ۔ اس میں حقیقی کے علاوہ سوتیلی بہنیں بھی آگئیں۔ لاَبٍ و اُمٍّ اولاَبٍ اولاُمٍّ (مدارک) عَمّٰتُكُمْ اس میں باپ کی اور باپ سے اوپر والوں کی بہنیں آگئیں۔ من الاوجه الثلاثة (مدارک) خٰلٰتُكُمْ۔ اس میں ماں کی اور ماں سے اوپر والوں کی بہنیں آگئیں۔ من الاوجه الثلاثة (مدارک) بَنٰتُ الْاَخِ یعنی سگی اور سوتیلی بھتیجیاں۔ کذٰلک (مدارک) بَنٰتُ الْاُخْتِ یعنی سگی اور سوتیلی بھانجیاں۔ کذٰلک (مدارک) اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ خیال کر کے دیکھا جائے کہ قرآن مجید دودھ پلائیوں کو ماں کے لقب سے یاد کر رہا ہے۔ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ رضاعت کے اوقات گو مختلف ہوں، مگر دودھ ہو ایک ہی ماں کا۔ اُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ اس میں بیوی کی نانیاں، پرنانیاں وغیرہ بھی آگئیں۔ ان کی حرمت محض عقد سے لازم آجاتی ہے۔ وهن محرمات بمجرد العقد (کشاف) رَبَآىٕبُكُمُ اس میں بیوی کی بیٹیوں کے علاوہ نواسیاں وغیرہ بھی آگئیں۔ فِیْ حُجُوْرِكُمْ لفظی معنی ہیں کہ تمہاری گودوں میں ہوں، مراد ہے تربیت و پرورش میں ہونا۔ یہ محض عام عادت و عرف کا بیان ہے کوئی قید یا شرط نہیں۔ ذکر الحجر علٰی غلبة الحال دون الشرط (مدارک) مِنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ یعنی ماں سے مجرد نکاح اس کی بیٹی کی حرمت کے لیے کافی نہیں۔ حرمت کے لیے ماں سے صحبت کا ہو چکنا ضروری ہے۔ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ اصلاً تو کنایہ صرف صحبت سے ہے۔ وهی کناية عن الجماع (بیضاوی۔ کشاف) لیکن حنفیہ نے لمس شہوانی اور بوس و کنار کو بھی اسی حکم میں داخل کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بہت ائمہ فقہ اس میں حنفیہ کے ہمراہ ہیں۔ واللمس و نحوه يقوم مقام الدخول (مدارک) هو التمتع من اللمس او القبل قال المالک و ابو حنيفة (ابن العربی) واتفق اصحابنا والثوری و مالک و اوزاعی والليث والشافعی ان اللمس بشهوة بمنزلة الجماع فی تحريم ام المراة و بنتها (جصاص) الجماع هو الاصل و يحمل عليه اللمس لانه استمتاع مثله و يدخل تحت عمومه (ابن العربی) حنفیہ و مالکیہ نے علاوہ لمس شہوانی کے شہوانی نظروں کو بھی سبب تحریم قرار دیا ہے۔ قال اصحابنا جميعًا اذا نظر الٰی فرجها بشهوة کان ذٰلک بمنزلة اللمس فی ايجاب التحريم (جصاص) وقال مالک اذ انظر الٰی شعر جاريته تلذذاً او صدرها او ساقها او شیءٍ من محاسنها تلذذاً حرّمت عليه امّها و بنتها (جصاص) و اما النظر فانه فی الدرجة الثالثة شبّه فی الزنا ذريعة الذريعة (ابن العربی) فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ ایسی غیر مدخول بہا بیوی کی بیٹی سے نکاح کر لینے میں۔ مِنْ اَصْلَابِكُمْ یہ صلب یا نسل کی قید اس لیے لگا دی کہ متبنّٰی یا محض منہ بولے بیٹوں کی بیویاں اس میں نہ شامل ہو جائیں جیسا کہ عرب جاہلیت میں دستور تھا۔ من اوما تبنّیتم (کشاف) اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ بہنیں خواہ حقیقی ہوں یا رضاعی اُن کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ

اور وہ عورتیں بھی (حرام کی گئی ہیں) جو قیدِ نکاح میں ہوں بجز اُن کے جو تمہاری ملک میں آجائیں ف۷۶

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ

اللہ نے فرض کر دیا ہے (ان احکام کو) تم پر، اور جو ان کے علاوہ ہیں وہ تمہارے لئے حلال کردی گئی ہیں ف۷۷

اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ

یعنی تم انہیں اپنے مال کے ذریعہ سے تلاش کرو (اس طور پر کہ) قیدِ نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ مستی نکالنے والے ف۷۸

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

پھر جس طریقہ سے تم نے ان عورتوں سے لذت لی ہے، سو انہیں ان کے مقرر شدہ مہر

فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ

دے دو اور تم پر اس (مقدار) کے بارہ میں کوئی گناہ نہیں جس پر تم لوگ مہر کے طے ہو جانے

بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

کے بعد باہم رضامند ہو جاؤ ف۷۹ بیشک اللہ بڑا جاننے والا ہے

حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ

بڑا حکمت والا ہے ف۸۰ اور تم میں سے جو کوئی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ

يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ

آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکے ف۸۱ تو وہ تمہاری (آپس کی) مسلمان کنیزوں

اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

سے جو تمہاری ملک (شرعی) میں ہوں (نکاح کرے) ف۸۲ اور اللہ تمہارے ایمان (کی حالت) سے

بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ

خوب واقف ہے ف۸۳ تم (سب) آپس میں ایک ہو ف۸۴ سو ان کے مالکوں کی اجازت سے

ف۷۶ (بہ طور کنیز شرعی کے) اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یعنی ایسی بیاہی ہوئی عورتیں جو اب مسلمانوں کی قید میں جہاد کے بعد آگئی ہیں، ان کی ازواج بن سکتی ہیں باوجود اس کے کہ ان کے شوہر زندہ اور دار الحرب میں موجود ہیں، ان کا وہ نکاح کافرانہ ان کے مسلمانوں کے ملک یمین میں جانے سے مانع نہیں ہوسکتا۔ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے پ۴، حاشیہ ۱۰ لفظی معنی ہیں" وہ جن کے مالک تمہارے دونوں ہاتھ ہو جائیں" مراد شرعی کنیزیں ہیں اَلْمُحْصَنٰتُ۔ احصان کے معنی ہیں روک میں آجانا۔ قید میں آجانا۔ الاحصان ھو ان یحمی الشیء و یمنع منه (ابن قتیبہ) الاحصان فی اللغة المنع (کبیر) مُحْصَنٰتٍ کے معنی ہوئے قید میں آجانے والیاں۔ مراد شادی شدہ عورتیں ہیں۔ عقدِ نکاح کو قید سے تعبیر کرنے سے یہ اشارہ نکلا کہ ازدواج خود محافظ عفت ہے۔ ای ھن النساء ذوات الازواج لان الازواج احصنوھن و منعوا منھن (ابن قتیبہ) قیل المحصنٰت المزوّجات تصوّرًا انّ زوجھا ھو الذی احصنھا (راغب) والمراد بالاحصان ھنا العفة (روح) مطلب یہ ہوا کہ ایک شوہر کے ہوتے ہوئے اب دوسرا نکاح حرام ہے۔ یہ تو عام قاعدہ ہوا۔ استثنا اس سے شرعی کنیزوں کا ہے جو کافر شوہروں کی زوجیت سے آئی ہیں۔ وَالْمُحْصَنٰتُ کا عطف نحوی اعتبار سے ان محرمات پر ہے جو قبل میں مذکور ہو چکے۔ عطف علی المحرمات المذکورات قبل (قرطبی) ف۷۷ نظام خانگی ہی کی درستی پر ساری ہیئتِ اجتماعی کی درستی کا انحصار ہے اور نظام خانگی کا ایک بڑا اہم جزیہ ہے کہ عقدِ نکاح کس کس کے ساتھ جائز ہے اور کس کس کے ساتھ ناجائز۔ ضروری تھا کہ اس کے اصول قرآن مجید ہی میں محفوظ کر دیے جاتے۔ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔ وہی تاکید و اظہار اہمیت کے لئے ہے۔ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ حدیث و سنت سے جن دوسری عورتوں سے حرمت نکاح ثابت ہے مثلاً رضاعی بہنوں کے ساتھ پھوپھی کا بھتیجی کے ساتھ یا خالہ کا بھانجی کے ساتھ جمع کرنا۔ یہ سب کنایۃً قرآن مجید کی آیات بالا میں آگئیں۔ حدیث نے انہیں صرف کھول کر بیان کر دیا ہے۔ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔ تقدیر کلام یوں مانی گئی ہے۔ الزموا ما کتب اللہ علیکم (معالم) یا یوں کتاب اللہ علیکم کتاباً (مدارک) ف۷۸ یعنی مقصود فرد و جماعت دونوں کے نزدیک یہ ہے کہ زوجین نکاح کے ذریعہ سے پاک و منزہ، باعفت مستقل زندگی بسر کریں گے۔ اور نکاح کی شرطیں معلوم و معروف ہیں مثلاً کم سے کم دو گواہوں کی موجودگی میں میاں بیوی کی رضامندی کا اعلان، نکاح کا موقت نہ ہونا وغیرہا۔ المراد بالاحصان ھنا العفة و تحصین النفس عن الوقوع فی مالا یرضی اللہ تعالٰی (روح) معناہ متعففین عن الزنا (قرطبی) غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ۔ یعنی مقصود حیوانات کی طرح تمام تر ایک مادی شہوت یا جنسی تقاضہ کا پورا کرنا نہ ہو۔ بیوی کے ساتھ مستقل تاہل، رہنے، سہنے، نباہ کرنے کا ارادہ اور اس کی وقعت و محبت کسی درجہ میں تو ہو تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ۔ مال سے مراد مہر ہے۔ یا ملک یمین کی قیمت۔ ان تبتغوا النساء باموالکم بالصرف فی مھورھن (بیضاوی) ای تنکحوا بصداق او تشتروا بثمن (معالم) یعنی المھور (مدارک) فقہانے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ مہر نکاح کا لازمی جزء ہے گو تعداد مہر معین نہ ہو۔ وفیه دلیل علی ان النکاح لایکون الا بمھر وانه یجب وان لم یسم (مدارک) مہر کی بار بار تاکید سے ظاہر ہے کہ شریعت اسلامی کو عورتوں کے حقوق کا کس درجہ اہتمام مطلوب ہے۔ نفس خرچ نکاح و سفاح دونوں میں مشترک ہے۔ فرق یہ ہے کہ نکاح سے زندگی انسانوں کی طرح مقید و پابند ہو جاتی ہے اور سفاح میں انسان جانوروں کی طرح چھوٹا ہوا رہتا ہے۔ تَبْتَغُوْا۔ بغی کے معنی تلاش کرنے طلب کرنے کے ہیں اور حکم کے مخاطب مرد ہیں۔ گویا نکاح کی درخواست کرنا یا انگریزی محاورہ میں "(پروپوز)" کرنا مرد کا کام ہے۔ عورت کا کام صرف قبول کرنا منظوری دینا ہے۔ نر اور مادہ کے درمیان یہ فاعلیت و انفعالیت کا فرق زندگی کے ہر شعبہ پر محیط و حاوی ہے۔ ف۷۹ یعنی مقدار مہر ایسی شے نہیں جو ایک مرتبہ بندھ جانے کے بعد کسی طرح قابل تبدیلی نہ ہو۔ میاں بیوی باہمی رضامندی سے اسے گھٹا سکتے ہیں، بڑھا سکتے ہیں یا بالکل معاف بھی کر سکتے ہیں۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ یعنی بعد نکاح لطف اٹھایا ہے۔ الاستمتاع التلذذ والاجور المھور (قرطبی) ف۸۰ اللہ کا علم کامل ہے بندوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں کا۔ اور اسی علم کامل کے لحاظ سے اس نے قانون اور ضابطے مقرر کئے ہیں۔ ف۸۱ یعنی ان آزاد شریف بیویوں کا مہر، نفقہ وغیرہ، پوری طرح ادا کرنے کے قابل نہ ہو۔ اَلْمُحْصَنٰتُ سے یہاں مراد شریف آزاد بیویاں ہیں۔ ای الحرائر (معالم) یرید الحرائر وقالت فرقة معناہ العفائف وھو ضعیف۔ (قرطبی) طول کے معنی وسعت و مقدرت کے ہیں۔ الطول السعة والغنٰی قاله ابن عباس و المجاھد و سعید بن جبیر والسدی و ابن زید (قرطبی) ف۸۲ اور کنیز کو بیوی بنا لینے میں عار محسوس نہ کرے۔ یہ مشورہ اس مصلحت سے دیا گیا ہے کہ باندی کا مہر نفقہ وغیرہ نسبۃً ہلکا ہوتا ہے اور پھر یہ بھی کہ ان کے مالک انہیں غریب شوہروں کے نکاح میں دے دینے میں عار بھی محسوس نہ کریں گے فَتَيٰتِكُمْ۔ فتاۃ کا لفظ جب باندیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس میں جوان عمر کی قید باقی نہیں، بوڑھی، جوان ہر سن و سال کی باندیاں فتیات ہی کہی جائیں گی۔ العجوز الحرة لا تسمی فتاة والامة شابة والعجوز کل واحدة منھما تسمی فتاة (جصاص) ای امائکم (راغب) ای المملوکات وھی جمع فتاة (قرطبی) فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ حنفیہ کے یہاں کنیز کتابیہ سے بھی نکاح جائز ہے اور آیت میں مومنات کی قید محض استحبابی ہے۔ ونکاح الامة الکتابية یجوز عندنا والتقیید فی النص للاستحباب (مدارک) ف۸۳ (اور ایمان ہی معیار و مدار فضیلت ہے) پھر کوئی آزاد کیوں بہ وقتِ ضرورت کسی باندی سے عقد کرنے میں عار محسوس کرے فقہاء مفسرین نے آیت سے ظاہر ایمان کے قبول کرنے پر استدلال کیا ہے نیز اس پر کہ ایمان

تصدیق قلب کا نام ہے نہ کہ اقرار زبانی کا۔ فیه تنبیه علیٰ قبول ظاهر ایمانهن ودلیل علیٰ ان الایمان هو التصدیق دون عمل اللسان (مدارک) ف۸۴ (مسلمان ہونے کی حیثیت سے بھی اور اولاد آدم ہونے کے لحاظ سے بھی) انتم وارقائکم متناسبون نسبکم من ادم و دینکم الاسلام (بیضاوی) ای لاتستنکفوا من نکاح الاماء فکلکم بنوادم (مدارک) عرب سوسائٹی میں باندیوں سے نکاح کرنا عار اور ذلت کی چیز تھی کہ ان سے جو اولاد ہوگی وہ کنیز زادی کہلائے گی۔ قرآن مجید نے اس عار کو مٹایا اور بتایا کہ بوقت ضرورت اس میں ذرا تکلف نہ کرنا چاہیے۔ ان العرب کانوا یفتخرون بالانساب فاعلم فی ذکر هذا الکلمة ان الله لاینظر ولا یلتفت الیه (کبیر) ف۸۵ مجرد نکاح سقوط ملک کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے مالک کی اجازت بہر حال ضروری ہے۔ اَهْلِهِنَّ۔ المراد به الموالی لانه لاخلاف انه لایجوز لها ان تتزوج بغیر اذن مولاها والله لا اعتبار باذن غیر المولی (جصاص) لیکن نفس نکاح میں رضامندی خود باندیوں کی معتبر ہوگی نہ کہ ان کے مالکوں کی۔ وهو حجة لنا فی ان لهن ان یباشرن العقد بانفسهن لانه اعتبر اذن الموالی لاعقدهم (مدارک) ف۸۶ (اور ان کے کنیز ہونے کی بنا پر اداء مہر کو غیر اہم یا غیر ضروری نہ سمجھو) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ چونکہ مالک اپنی باندیوں کی ہر کمائی کے مالک ہوتے تھے اس لئے باندیوں کا مہر بھی ان کے مالکوں ہی کو دیا جائے گا، اور تقدیر کلام یوں ہوگی۔ واتوا

بِاِذۡنِ اَهۡلِهِنَّ وَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ

ان سے نکاح کر لیا کرو ف۸۵ اور اُن کے مہر انہیں دے دیا کرو مقرر کے موافق ف۸۶

مُحۡصَنٰتٍ غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ۚ

اس طرح کہ وہ قید نکاح میں لائی جائیں نہ کہ مستی نکالنے والیاں ہوں اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والیاں، ف۸۷

فَاِذَآ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيۡهِنَّ

پھر جب وہ (کنیزیں) قید نکاح میں آجائیں اور پھر اگر وہ (بڑی) بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان کے لئے

نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ

اس سزا کا نصف ہے ف۸۸ جو آزاد عورتوں کے لئے ہے ف۸۹ یہ اس کے لئے

لِمَنۡ خَشِىَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ ؕ وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَيۡرٌ

ہے جو تم میں سے بدکاری کا اندیشہ رکھتا ہو ف۹۰ اور اگر تم ضبط سے کام لو تو تمہارے حق میں کہیں بہتر

لَّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۵﴾ ع يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ

ہے ف۹۱ اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے اور بڑا مہربان ہے ف۹۲ اللہ کو منظور ہے کہ تم سے (احکام) کھول کر بیان

لَـكُمۡ وَيَهۡدِيَكُمۡ سُنَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ

کر دے اور تم کو تم سے قبل والوں کے حالات بتلا دے

وَيَتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ

اور تم پر توجہ فرمائے ف۹۳ اور اللہ بڑا علم والا ہے، اور بڑا حکمت والا ہے، ف۹۴ اور اللہ کو

يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ۟ وَيُرِيۡدُ الَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ

منظور ہے کہ تمہارے حال پر توجہ فرمائے ف۹۵ اور جو لوگ خواہشوں کے

الشَّهَوٰتِ اَنۡ تَمِيۡلُوۡا مَيۡلًا عَظِيۡمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيۡدُ اللّٰهُ

بندے ہیں ف۹۶ انہیں یہ منظور ہے کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ ف۹۷ اللہ کو منظور ہے

موالیهن اجورهن۔ فکان اداء ها الیهن اداءً الی الموالی لانهن وما فی ایدیهن مال الموالی (مدارک) ف۸۷ یعنی یہ اداء مہر بہ معاوضہ نکاح ہو بہ طور اجرت زنانہ ہو۔ آزاد شریف بیویوں کے مقابلہ میں باہر نکلنے والیوں کے بد چلنی کے امکانات یوں بھی زائد ہوتے ہیں، چہ جائیکہ باندیاں جو عرفاً حقیر، غیر معزز ہی سمجھی جاتی ہیں، اس لئے ان کے ذیل میں ان قیدوں کا ذکر صراحت کے ساتھ ضروری ہوا۔ مُسٰفِحٰتٍ۔ سے مراد ہیں کھلی ہوئی اور عام کسبیاں۔ اور متخذت اخدان سے مراد ہیں وہ، جن کا کوئی ایک آدھ متعین آشنا ہوتا تھا۔ دنیائے حسن میں بیسواؤں کی دو قسمیں تقریباً ہر جگہ قائم رہی ہیں۔ ایک کھلی ہوئی کسبیاں، دوسرے چھپی ہوئی خانگیاں۔ جاہلیت عرب کے تمدن میں بھی یہی تفریق قائم تھی۔ قال اکثر المفسرین المسافحة هی التی تؤاجر نفسها مع ای رجل ارادها و متخذة الخدن هی التی تتخذ خدناً معیناً وکان اهل الجاهلیة یفصلون بین القسمین وما کانوا یحکمون علی ذات الخدن بکونها زانیة (کبیر) ف۸۸ (جیسا کہ قبل نکاح بھی تھا) باندیاں خواہ نکاحی ہوں یا کنواری ان کی سزائے زنا ہر حال میں آزاد شریف بے نکاحی عورتوں کی سزا کی نصف ہے۔ باندیاں جس طرح اکثر حقوق میں بیویوں کا نصف مرتبہ رکھتی ہیں، اسی طرح اس جرم کی سزا بھی ان کے لئے نصف ہی رکھی گئی ہے۔ شاید اس لئے کہ جرم کی ترغیبات بھی ان کے لئے زائد ہیں اور موانع کمتر ہیں۔ بِفَاحِشَةٍ۔ جرم بے حیائی یہاں زنا کاری کے معنی میں ہے۔ وهی الزنا (ابن جریر) مِنَ الۡعَذَابِ۔ سے مراد حد شرعی ہے۔ ای من الحد (مدارک) عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ۔ مُحۡصَنٰتِ سے یہاں مراد بیاہی ہوئی نہیں بلکہ بن بیاہی شریف خواتین ہیں۔ احصان کے تحقق کے لئے اس کا محض حرہ (آزاد) ہونا ہی کافی ہے۔ یعنی البکرة الحرّة سما هاوان لم تزوج لان الاحصان یکون لها بها اذا کانت حرة ولایکون بالامة احصان (ابن قتیبہ) المحصنات هناالحرائر الاتی لم یزوجن (مدارک) ای الابکار الحرائر (قرطبی) ای ما علی الحرائر الابکار (معالم) ایک آیت اوپر اَنۡ يَّنۡكِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ کے ذیل میں بھی محصنات مطلق شریف عورتوں کے معنی میں آچکا ہے۔ ف۸۹ یعنی باندی کی زنا کاری کی سزا پچاس درے ہے، شریف کنواری عورت کی سزائے زنا کاری سو درے ہے۔ فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة اس کے نصف پچاس ہی درے ہوتے ہیں۔ شریف نکاحی عورت کے لئے سزائے زنا سنگ زنی ہے اور اس کی تنصیف ممکن نہیں اور مملوک پر سرے سے رجم ہی نہیں۔ اس کی سزا بہر صورت وہی پچاس درے ہے۔ نصف ما علی المحصنٰت یدل علیٰ انه الجلدلا الرجم لان الرجم لا ینتصف (مدارک) غلاموں کی حرامکاری کی سزا قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ فقہاء نے اسی آیت سے استنباط کر کے ان کی سزا بھی یہی پچاس درے رکھی ہے۔ فرقہ خوارج سزائے رجم کا بالکل منکر ہے اور اس کا مستدل یہی آیت ہے۔ (کبیر) ف۹۰ (خواہ اس لئے کہ طبعی تقاضا مجبور کر رہا ہو خواہ اس لئے کہ شریف بیوی میسر نہ آرہی ہو) ذٰلِكَ یعنی باندی سے نکاح۔ یعنی نکاح الامة عندعدم الطول (معالم) ای نکاح الاماء (مدارک) اَلۡعَنَتَ عنت کے لفظی معنی ضرر وزیان کے ہیں۔ اصل العنت الضرر والفساد (ابن قتیبہ) یہاں مراد زنا میں پڑ جانا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون ضرر مسلمان کے لئے ہوسکتا ہے۔ ای الزلة والفجور منکم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) العنت الزنا (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای الاثم التی تؤدی الیه غلبة الشهوة (مدارک) دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ وہ شدید ضبط جس سے انسان جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہو جائے مثلاً اختناق الرحم کی شکایت ہو جائے یا مردوں کو ورم پشت وغیرہ کی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ جو خود بھی اپنے زمانہ کے نامور طبیب تھے اس قول کو یوں نقل کرتے ہیں:۔ والثانی ان الشبق الشدید والغلمة العظیمة قد تؤدی بالانسان الی الامراض الشدیدة اما فی حق النساء فقد تؤدی الی اختناق الرحم وامافی حق الرجال فقد تؤدی الی اوجاع الورکین والظهر (کبیر) ف۹۱ یعنی اگر خواہش نفس کا اتنا غلبہ نہیں ہے، جس سے حرامکاری میں پڑ

اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

کہ تمہارے ساتھ تخفیف برتے اور انسان تو کمزور پیدا ہی کیا گیا ہے ف۹۸

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ

اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر

بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ

نہ کھاؤ ف۹۹ ہاں البتہ کوئی تجارت باہمی رضامندی

مِّنْكُمْ ۟ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ

سے ہو، ف۱۰۰ اور اپنی جانوں کو قتل مت کرو ف۱۰۱ بیشک اللہ تمہارے حق میں

رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا

بڑا مہربان ہے ف۱۰۲ اور جو کوئی ایسا کرے گا سرکشی اور ظلم کی راہ سے

فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

تو ہم عنقریب اس کو آگ میں ڈالیں گے اور یہ اللہ کے لئے

يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ

آسان ہے ف۱۰۳ اگر تم اُن بُرے کاموں سے جو تمہیں منع کئے گئے ہیں بچتے رہے،

نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

تو ہم تم سے تمہاری (چھوٹی) برائیاں دور کردیں گے ف۱۰۴ اور تمہیں ایک معزز مقام پر داخل کردیں گے ف۱۰۵

وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى

اور تم ایسے امر کی تمنا نہ کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر

بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ

بڑائی دی ہے ف۱۰۶ مردوں کے لئے اُن کے اعمال کا حصہ (ثابت) ہے،

جانے کا قوی اندیشہ ہو رہا ہو تو پھر کنیزوں سے نکاح کرنے سے بھی بہتر ہے کہ خود خواہش نفس پر قابو حاصل کرلیا جائے۔ ای الصبر عن نکاح الاماء خیر لکم (ابن جریر) ظاهره الاخبار عن صبر خاص وهو غير نكاح الاماء قاله ابن عباس و مجاهد و ابن جبير والسدى (بحر) ف۹۲ چنانچہ اس کی صفت رحیمی اسی سے ظاہر ہے کہ ایسے نکاحوں کی حرمت کا حکم نہیں رہا اور شان غفوریت یہ ہے کہ کنیزوں سے بلاضرورت شدید نکاح کرلینا کراہت تنزیہی کے باوجود نجات کی راہ میں حائل کسی طرح نہیں۔ ف۹۳ (رحمت ومغفرت کے ساتھ) لِيُبَيِّنَ لَكُمْ چنانچہ وہ آیات احکام و مسائل تمہاری ہی مصلحت ونفع کے لئے نازل کرتا ہے۔ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ چنانچہ وہ آیات قصص وحکایات تمہاری ہی مصلحت ونفع کے لئے نازل کرتا ہے ف۹۴ چنانچہ بندوں کی کوئی سی بھی ضرورت ومصلحت اس کے علم کامل سے باہر نہیں۔ اور اپنی حکمتِ کاملہ سے اس نے احکام ایسے رکھے ہیں جو ہر مصلحت کی پوری پوری رعایت کرنے والے ہیں۔ ف۹۵ (شفقت ورحمت کے ساتھ انہی احکام وتعلیمات کے ذریعہ سے) ف۹۶ (اور ہوائے نفس ہی کو اپنا دین وایمان بنائے ہوئے ہیں) یہ کون لوگ ہیں؟ الفاظ کا مصداق کفار کا ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی فسق پیشہ افراد بھی مراد ہوسکتے ہیں، صحابہ وتابعین سے اس کے معنی اہل کتاب کے بھی مروی ہوئے ہیں، یہود کے بھی اور زانیوں کے بھی وقس علیٰ ہذا۔ قيل المجوس (کبیر) قيل المجوس و قيل اليهود (بیضاوی) قال بعضهم هم الزناة و قال أخرون بل هم اليهود و النصارٰى (ابن جریر) هم الزناة او اليهود والنصارٰى او اليهود خاصة او المجوس (بحر) قول فیصل یہ ہے کہ الفاظ ان سارے معانی کے محتمل ہیں۔ اس لئے کہ جو شخص بھی نافرمانی پر دلیر ہے وہی اپنی خواہش نفس کا بندہ ہے۔ كان داخلًافي الذين يتبعون الشهوات اليهود والنصارٰى والزناة و كل متبع باطلًا لان كل متبع مانهاه الله عنه متبع شهوة نفسه (ابن جریر) الفجرة (المدارک) اے متبعوا كل شهوة قاله ابن زياد رجّحه الطبرى و ظاهره العموم (بحر) ف۹۷ (اور راہ راست سے ہٹ کر انہی جیسے ہوجاؤ)۔ مَيْلًا عَظِيْمًا۔ اس سے بڑھ کر کجی اور کیا ہوگی کہ انسان یا تو حرام کو حرام سمجھنے ہی سے انکار کردے اور یا بے باکانہ ارتکاب حرام کرتا رہے۔ ف۹۸ (کمزور جسم کے لحاظ سے بھی اور کمزور ارادہ کے لحاظ سے بھی) اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ۔ چنانچہ شریعت کے سارے احکام میں انسان کی سہولتوں کا لحاظ رکھ لیا گیا ہے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۔ چنانچہ جتنے بھی احکام شرعی ہیں سب انسان کے ضعف جسمانی وضعف ارادی ہی کی رعایت سے ہیں۔ ف۹۹ بِالْبَاطِلِ۔ یعنی غیر مشروع طریقوں پر۔ خیانت اور بددیانتی کی تمام صورتوں کی بندش اس ایک حکم کے اندر آگئی۔ کاش اسلام کے ایک اسی قانون پر عمل ہو اور آج دنیا کی کایا پلٹ ہوجائے۔ ف۱۰۰ مطلب یہ ہوا کہ ایک دوسرے کے مال میں تصرف کی اجازت کسی باطل طریقہ (سود، قمار، وغیرہ) سے تو سرے سے ہی نہیں۔ صرف جائز طریقوں کے اندر ایک دوسرے کی رضامندی سے تصرف کرسکتے ہو۔ مثلاً سرمایۂ مشترک سے تجارت، کہ یہ تو عین باعث برکت ہے۔ ف۱۰۱ اَنْفُسَكُمْ۔ کے معنی عموماً اخوانكم یا من جنسكم کئے گئے ہیں۔ اور مراد یہ لی گئی ہے کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ اتفقوا على ان هٰذا نهىٌ عن ان يقتل بعضهم بعضاً (کبیر) قتل بعضكم بعضًا (ابن جریر عن عطاء) اى اهل ملتكم (ابن جریر۔ عن السدی) يعنى اخوانكم (معالم۔ عن الحسن) من كان من جنسكم من المؤمنين (مدارک) دوسرے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ خودکشی نہ کرو اور یہ معنی بھی منقول ہیں۔ ولا يقتل الرجل نفسه (مدارک) بعض مذہبوں میں خودکشی خود ایک عبادت رکھی گئی ہے۔ مثلاً جاپانیوں میں یا بعض قدیم ہندی مذہبوں میں۔ بالبخع كما تفعله جهلة الهند (بیضاوی) ف۱۰۲ (چنانچہ یہ سارے احکام بھی اسی شفقت ورحمت کا نتیجہ ہیں) ف۱۰۳ یہ وعید ان لوگوں کے لئے ہے جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی اتفاقی طور پر یا بہ طور خطائے اختیاری کے نہیں بلکہ دیدہ ودانستہ کرتے رہتے ہیں۔ ذٰلِكَ۔ اى مانهى عنه (جلالین) یعنی ماسبق ذكره من المحرمات (معالم) عُدْوَانًا۔ یعنی حدود شرعی سے تجاوز کرتے ہوئے یا دوسروں پر ظلم کرتے ہوئے۔ قيل اراد بالعدوان تعدى على الغير (بیضاوی) العدوان تجاوز الحد (قرطبی) ظُلْمًا۔ یعنی اپنی جان پر ظلم کرتے ہوئے قيل اراد بالظلم ظلم النفس (بیضاوی) كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا۔ اللہ کی قوت کو یہ دیوتا پرست مشرک کہیں انسانوں یا دیوتاؤں کے محدود قویٰ پر قیاس نہ کریں ف۱۰۴ (اور نتیجۃً تمہیں عذاب سے بھی بچالیں گے) یہ قانون الٰہی ہے جس کی تکرار قرآن مجید میں کئی بار آئی ہے۔ اور ایک جگہ اسے بالکل کلی اور عمومی صورت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔ اس قسم کی آیتوں سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ بڑے بڑے اولیاء واتقیاء میں بھی معصوم کوئی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی کثرت طاعات پر نظر مرحمت کرکے ان کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر کردیتا ہے اور انہیں اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبوں سے سرفراز کرتا رہتا ہے۔ عصمتِ انبیاء کا مسئلہ ایک دوسرے قانون سے ثابت ہے۔ كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ۔ یعنی بڑے بڑے گناہ لیکن خود کبیرہ کا اطلاق کس عمل پر ہوتا ہے۔ اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔ سفیان ثوری تابعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ نقل ہوا ہے کہ کبیرہ بندوں کے اتلافِ حقوق کا نام ہے اور صغیرہ صرف اللہ کے اتلافِ حقوق کا۔ قال سفيان الثورى الكبائر ما كان فى المظالم بينك وبين عباد الله تعالىٰ والصغائر ما كان بينك وبين الله تعالىٰ (معالم) اس ہیچمدان کے خیال میں کبیرہ وہ عمل ہے جس کی ممانعت صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آچکی ہو۔ اور اس کا معصیت ہونا کسی دقیق استنباط یا دلالت خفی کا محتاج نہ

ہو۔ یا کم از کم یہ کہ حدیث صحیح میں اس کی ممانعت صراحت اور تاکید کے ساتھ آچکی ہو۔ ممتاز صحابیوں کے نزدیک کچھ ایسا ہی پایا جاتا ہے۔ قال علی ؓ بن ابی طالب هی کل ذنب ختمه الله بنار اوغضب اولعنة او عذاب (معالم) اور یہی ابن جریر نے عبداللہ بن عباس ؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ سَیِّاٰتِکُمْ۔ سیات سے مراد چھوٹی برائیاں یا گناہ صغیرہ ہیں۔ ای صغائر کم (بیضاوی) مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ کبیرہ پر عتاب کے ساتھ ساتھ فضل کا احتمال اور صغیرہ پر عفو کے ساتھ ساتھ عتاب کا احتمال خاص اہل سنت کا مذہب ہے۔ بہ خلاف معتزلہ کے جن کے نزدیک صغائر واجب المغفرۃ ہیں اور کبائر غیر مغفور ہیں (مدارک) و۱۰۵ یعنی جنت میں۔ پہلا وعدہ عذاب سے محفوظ رکھنے کا تھا۔ اب بشارت دخول جنت کی مل رہی ہے۔ و۱۰۶ (طبعی و وہبی طور پر بلا دخل کسی عمل و کسب کے مثلاً مردوں کو جو فضیلت عورتوں پر حاصل ہے) کوئی دولت مند ہے، کوئی حسین و جمیل ہے، کوئی خوش آواز ہے، کسی کے قوائے جسمانی بہت مضبوط ہیں۔ اس قسم کے وہبی و طبعی فضائل کو قرب حق میں مطلق دخل نہیں۔ آیت میں تعلیم ہے کہ ان کی بنا پر ایک دوسرے پر رشک کرنا، ایک دوسرے کی جگہ پر ہونے کی حسرت و تمنا کرنا درست نہیں۔ قرب حق میں دخل صرف عمل و اکتساب کو ہے۔ شان نزول کی روایتوں میں آیا ہے کہ کچھ عورتوں نے اپنے احساس کمتری کی بنا پر مردوں پر رشک کا اظہار کیا تھا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بتایا گیا کہ نجات و مغفرت اور قرب حق کا مدار تو اپنے اعمال ارادی و اختیاری پر ہے۔ اور اس لحاظ سے مرد و عورت کی حیثیت بالکل یکساں ہے۔ عورتوں کے لئے بھی قانون حسن عمل وہی ہے جو مردوں کے لئے ہے اور اس لئے انہیں مردوں پر رشک کا کوئی محل نہیں۔ یہ فرق تو محض تکوینی مصلحتوں سے رکھ دیے گئے ہیں۔ لان ذٰلک التفضیل قسمة من الله تعالٰی صادرة عن حکمة و تدبیر و علم باحوال العباد (مدارک) و۱۰۷ (یہ نہ ہوگا کہ مرد کا اجر اس کے مرد ہونے کی بنا پر کچھ بڑھ جائے اور عورت کا اجر اس کے عورت ہونے کی بنا پر کچھ گھٹ جائے) مرد بہ حیثیت مرد ہرگز اللہ کے ہاں مقرب تر اور نجات کا مستحق تر نہیں۔ اور عورت اپنی جنس کی بنا پر ہرگز کسی اجر و قرب سے محروم نہ رہے گی۔ جیسا کہ بعض دوسرے مذہبوں نے قرار دے رکھا ہے۔ اس میں عورت کے لئے تعلیم ہے کہ وہ اپنا احساس کمتری دور کرے اور سمجھ لے کہ ایک مکلف مخلوق کی حیثیت سے وہ اور مرد دونوں بالکل ایک سطح پر ہیں اور حصول نجات و قرب حق میں وہ مرد سے ذرا بھی فروتر نہیں۔ ہندوؤں نے اپنی منوسمرتی کے اوراق میں اور کیتھولک کلیسا نے صدیوں تک اپنی کونسلوں میں جو فیصلہ عورت کی پستی اور پست فطرتی کے کئے ہیں۔ آیت ان سب کی تردید کر رہی ہے۔ مِمَّا اكْتَسَبُوْا۔ مِمَّا اكْتَسَبْنَ۔ اکتساب سے مراد دونوں جگہ اعمال خیر کا کسب ہے۔ و۱۰۸ (توفیق اعمال میں رشک و تمنا والی اور دعاؤں سے طلب کرنے والی اصل چیز وہبی اور طبعی نعمتیں نہیں بلکہ توفیق حسن عمل ہے۔ و۱۰۹ (چنانچہ اپنے اس علم کامل کے مطابق اس نے ہر مخلوق کو صلاحیت و استعداد بخشی اور وہی ہر ایک کے فرد عمل پر پوری طرح مطلع بھی ہے) و۱۱۰ (قانون میراث کے ذریعہ سے) وارثوں کی تفصیل اسی سورت میں چند رکوع قبل گزر چکی۔ تقسیم ترکہ کی کچھ عارضی صورتیں آغاز اسلام ہی میں بتا دی گئی تھیں وہ مکمل قانون میراث کے نازل ہونے کے بعد اب قدرۃً منسوخ ہو گئیں لِکُلٍّ۔ میں مضاف الیہ محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے لکل احدٍ و۱۱۱ یعنی کل ترکہ کا ۱/۶ حصہ۔ الَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ۔ اصطلاح میں یہ لوگ مولی الموالاۃ کہلاتے ہیں۔ عرب قدیم میں دستور تھا کہ دو شخص باہم قول و قرار کر کے ایک دوسرے کے اس طرح دوست و مددگار ہو جاتے کہ اگر ایک پر دیت لازم آئے تو دوسرا اسے ادا کرے اور ایک کی وفات پر دوسرا اس کی میراث پائے۔ اسی عہد کو عقد موالاۃ کہتے۔ شریعت نے شروع شروع اس دستور کو تھوڑی سی ترمیم کے بعد قائم رکھا۔ اور انصار و مہاجرین میں مواخات قائم کر کے باہم میراث جاری کرا دی۔ پھر اس عہد والے کا حصہ ۱/۶ متعین کیا۔ پھر جب سورت احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ تو سب وارثوں کے حصے متعین ہو گئے اور اب اس کے لئے گنجائش نہ رہی۔ و۱۱۲ ابھی یہ معلوم ہو چکا ہے کہ روحانیات کی دنیا میں یعنی قرب حق اور حسن عمل کے لحاظ سے مرد و عورت کی حیثیت بالکل مساوی ہے۔ نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور حج اور ساری عبادتیں جس طرح اور جس پیمانہ پر مرد کی قبول ہو سکتی ہیں۔ وہی ساری راہیں عورت کے لیے بھی کھلی ہوئی ہیں اب یہاں یہ بتایا گیا کہ مرد و زن کی یہ مساوات دنیوی معاملات میں اور انتظامی حیثیت سے قائم نہیں۔ باپ اور بیٹے دونوں بہ حیثیت عبد بالکل ایک ہیں۔ عند اللہ اعمال کی مقبولیت کے معیار سے دونوں بالکل مساوی ہیں۔ لیکن دنیا میں شریعت ہی کا حکم ہے کہ باپ افسر ہو کر رہے اور بیٹا ماتحت ہو کر۔ باپ حکم دے اور بیٹا حکم مانے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ معاشرت کی انتظامی مشین میں مرد کو عورت پر غلبہ و تفوق حاصل ہے۔ الزوجان مشتر کان فی الحقوق و للرجال علیهن درجة بفضل القوامية (ابن العربی) قَوّٰمُوْنَ۔ قوام کے معنی ہیں کسی شے کے محافظ، منتظم، مدبر کے اور یہاں مراد یہ ہے کہ عورتوں کے امور کا انتظام کرنے والے، ان کی کفالت کرنے والے، ان پر احکام نافذ کرنے والے ہیں۔ قوّام اور قیم ہم معنی ہیں قوّام فصیح تر ہے۔ قام الرجل المرأة ای قام متکفلاً بامر ها فهو قوّام وقد یجیٔ القیام بمعنی المحافظة والاصلاح (تاج) الرجال متکفلون بامور النساء (لسان) صاروا قوّاما علیهن نافذالامر علیهن (ابن جریر) فکانه تعالٰی جعله امیرا علیها ونافذالحکم فی حقها (کبیر) قیامهم علیهن بالتادیب والتدبیر والحفظ والصیانة (جصاص) القوّام والقیّم بمعنٰی واحدٍ والقوّام ابلغ وهو القائم بالمصالح والتدبیر والتادیب (معالم) بائبل نے

وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْــَٔلُوا اللّٰهَ

اور عورتوں کے لئے اُن کے اعمال کا حصہ (ثابت) ہے و۱۰۷ اور اللہ سے اُس کے فضل کی

مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾

طلب کرو و۱۰۸ بیشک اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے و۱۰۹

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

اور جو مال والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں اس کے لئے ہم نے وارث

وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ

ٹھہرا دیے ہیں و۱۱۰ اور جن لوگوں سے عہد بندھے ہوئے ہیں انہیں ان کا حصہ

نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴿۳۳﴾ ع

دے دو و۱۱۱ بیشک اللہ ہر چیز پر مطلع ہے

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ

مرد عورتوں کے سر دھرے ہیں و۱۱۲ اس لئے کہ اللہ نے اُن میں سے

بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ

ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے و۱۱۳ اور اس لئے کہ مردوں نے اپنا مال خرچ کیا ہے و۱۱۴

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ

سو نیک بیویاں اطاعت کرنے والی اور پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے حفاظت کرنے والی

اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ

ہوتی ہیں، و۱۱۵ اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم اُن کی سرکشی کا علم رکھتے ہو، و۱۱۶ تو انہیں نصیحت کرو، و۱۱۷

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ

اور انہیں خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو و۱۱۸ اور انہیں مارو و۱۱۹

فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلًا ؕ اِنَّ

پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو اُن کے خلاف بہانے نہ ڈھونڈو و۱۲۰ بیشک

اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيۡرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ

اللہ بڑا رفعت والا ہے، بڑا عظمت والا ہے، و۱۲۱ اور اگر تمہیں دونوں کے درمیان کشمکش

بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ

کا علم ہو و۱۲۲ تو تم ایک حَکَم مرد کے خاندان سے اور ایک حَکَم عورت کے خاندان سے

اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ

مقرر کردو و۱۲۳ اگر دونوں کی نیت اصلاح حال کی ہوگی تو اللہ، دونوں کے درمیان موافقت پیدا کردے گا، و۱۲۴

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ﴿۳۵﴾ وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا

بیشک اللہ بڑا علم رکھنے والا ہے، ہر طرح باخبر ہے، و۱۲۵ اللہ کی عبادت کرو اور

تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا ‌ۚ وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى

کسی چیز کو اس کا شریک نہ کرو و۱۲۶ اور حسن سلوک (رکھو) والدین کے ساتھ اور

الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَارِ ذِى الۡقُرۡبٰى

قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور پاس والے پڑوسی

وَالۡجَارِ الۡجُـنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ

اور دُور والے پڑوسی اور ہم مجلس اور راہ گیر کے ساتھ

وَمَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ

اور جو تمہاری ملک میں ہے ان کے ساتھ و۱۲۷ قطعاً اللہ ایسوں کو دوست نہیں رکھتا جو

كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۙ ﴿۳۶﴾ اۨلَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ

خود بین ہیں فخار ہیں و۱۲۸ جو بخل کرتے رہتے ہیں

عورت کو کیا درجہ دیا ہے اس کا اندازہ ذیل کی عبارتوں سے ہوگا:۔ "خداوند خدا نے..... عورت سے کہا اپنے خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا۔ اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا" (پیدائش ۳:۱۶) "اے بیویو اپنے شوہروں کی ایسے تابع رہو جیسے خداوند کی۔ کیونکہ شوہر بیوی کا سر ہے۔ جیسے کہ مسیح کلیسا کا سر ہے۔ اور وہ خود بدن کا بچانے والا ہے، لیکن جیسے کلیسا مسیح کے تابع ہے ایسے ہی بیویاں بھی ہر بات میں اپنے شوہروں کے تابع ہوں"۔ (افسیوں ۵:۲۲۔۲۴) قرآن حق کا کلام ہے اور ہمیشہ حق ہی کہتا ہے اور کلیسا کی کونسلوں اور منوسمرتی کی طرح عورت کی تحقیر وتذلیل کا ہرگز قائل نہیں لیکن ساتھ ہی اسے جاہلیت قدیم وجاہلیت جدید کی زن پرستی سے بھی ہمدردی نہیں۔ وہ عورت کو ٹھیک وہی مرتبہ ومقام دیتا ہے جو نظام کائنات نے اسے دے رکھا ہے۔ بہ حیثیت ایک عبد اور مکلف مخلوق کے وہ مرد کے مساوی وہم رتبہ ہے۔ لیکن دنیا کے انتظامی معاملات میں مرد کے ماتحت اور تابع ہے۔ و۱۱۳ (طبعی اور تکوینی طور پر) مرد کی یہ افضلیت اس کے قوائے جسمانی کی مضبوطی اور دل ودماغ کی برتری دونوں سے عیاں ہے۔ بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ۔ یعنی صنف ذکور کو صنف اناث پر۔ بعضهم وهم الرجال على بعض وهم النساء (کشاف) بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ میں ب سببیہ ہے اور اس کا تعلق قوامون سے ہے۔ الباء للسببية وهى متعلق بقوّامون اى قوّامون عليهن بسبب تفضيل الله تعالى اياهم عليهن (روح) و۱۱۴ (عورتوں پر مہر میں اور نفقہ میں) مطلب یہ ہوا کہ مرد کی افضلیت عورت پر دہری حیثیت رکھتی ہے۔ ایک تو طبعی یعنی جسمانی ودماغی قویٰ میں خلقی برتری۔ دوسری قانونی یا معاشری کہ عورت خرچ میں مرد کے دست نگر رہتی ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی نکل آئی کہ قرآنی نظام کی رو سے کمانا یا کسب معاش کرنا اور بیوی کے خرچ اٹھانا مردوں کے ذمہ ہے۔ دلّت على وجوب نفقتها عليه (جصاص) و۱۱۵ نیک بیویوں کی۔ مومنات صالحات کی علامت یہ ارشاد ہورہی ہے کہ وہ شوہر کی غیبت میں اس کے عزت وناموس اور اس کے مال وجائداد کی نگہداشت کرنے والیاں ہوتی ہیں۔ فرنگیت مآب اسکولوں اور کالجوں کی پڑھی ہوئی لڑکیاں غور کریں کہ انہیں اس قرآنی معیار سے کیا مناسبت ہے۔ فَالصّٰلِحٰتُ۔ میں ف نتیجہ کا ہے۔ یعنی اوپر کے مقدمات سے ایک کھلا ہوا نتیجہ یہ نکلتا ہے بِمَا میں ب سببیہ ہے۔ یعنی ان کا ایسا کرنا توفیق الٰہی ہی کے سبب سے ہوتا ہے۔ والباء سببية اى بسبب حفظ الله لهن (جمل) اى بتوفيقه لهن (جمل) و۱۱۶ ذکر مہذب، شریف وشائستہ بیویوں کا ابھی اوپر ہو چکا ہے۔ اب اس کے مقابل ناشائستہ اور رذیل فطرت کی بیویوں کے باب میں کچھ احکام بیان ہورہے ہیں۔ وہ نظام قانون کامل نہیں ناقص ہے جو ذکر صرف اچھوں کے انعام واکرام کا کرتا ہے اور بدوں کا تذکرہ ہی چھوڑ جاتا ہے۔ نُشُوۡزَهُنَّ۔ عورت کے نُشُوۡز کے اصل معنی یہ ہیں کہ شوہر کی نافرمانی پر کمربستہ ہوجائے۔ نشزت المرأة بزوجها اى استعصت على زوجها وارتفعت عليه وابغضته خرجت عن طاعته (تاج) نشوز المرأة بغضها لزوجها ورفع نفسها عن طاعته (راغب) واصل النشوز الترفع على الزوج بمخالفته (جصاص) ائمہ تفسیر نے اس معنی کی توثیق کی ہے۔ يعنى استعلائهن على ازواجهن وارتفاعهن عن فرشهم بالمعصية منهن والخلاف عليهم فى مالزمهن طاعتهم فيه بغضاً منهن واعراضاعنهم (ابن جریر۔ عن محمد بن کعب) گویا پر مسرت ازدواجی زندگی کے بجائے تصادم وبغاوت شروع ہوجائے۔ تَخَافُوۡنَ۔ خوف یہاں علم کے معنی میں ہے۔ یعنی جب ان کی بغاوت ونافرمانی تجربہ میں آجائے۔ یہ نہیں کہ محض بدگمانیاں یا دور کے احتمالات کو اس کے لئے کافی سمجھ لیا جائے۔ تخافون اى تعلمون (ابن عباس) والخوف هنا قيل معناه اليقين ذهب فى ذٰلك الى ان الاوامر التى بعد ذٰلك انما يوجبها وقوع النشوز لا توقعه (بحر) حمل الخوف على العلم (معالم) فارسی مترجمین قرآن نے بھی یہاں خوف کا ترجمہ علم یا دانستن سے کیا ہے آں زناں کہ معلوم کنید سرکشی ایشاں (ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ) آں زنانے کہ میدانید نافرمانی اشہارا (سعدی علیہ الرحمۃ) و۱۱۷ اب سرکش ونافرمان بیویوں کا علاج بیان ہورہا ہے۔ پہلی منزل یہ ہے کہ انہیں نرمی وآشتی سے سمجھایا جائے، اگر عورت شریف طینت ہے تو یہ کافی ہوجائے گا۔ اسی میں شوہر کو بھی تعلیم ہے کہ فوراً غصہ میں آکر کوئی سخت کارروائی نہ کر بیٹھو۔ و۱۱۸ یعنی ان سے تعلقات ہم بستری منقطع کرلو اور ان کے پاس لیٹنا چھوڑ دو۔ یہ سزا کی دوسری منزل ہے۔ جب زبانی گفتگو وفہمائش سے اصلاح حال نہ ہو اور نافرمانی وسرکشی بدستور قائم رہے۔ جب پہلا عملی قدم یہ اٹھاؤ لیکن تحقیق وتجربہ کے بعد۔ اس کے قبل محض ظن وبدگمانی کی بنا پر نہیں۔ ان تحققتم و علمتم النشوز (جمل) فقہا نے تصریح کردی ہے کہ محض بدگمانی پر دوسری اور تیسری سزاؤں کا قدم اٹھانا جائز نہ ہوگا۔ فالحاصل ان كلامن الهجر والضرب مقيد بعلم النشوز ولايجوز بمجرد الظن (جمل) وَاهۡجُرُوۡهُنَّ۔ ہجر کے دوسرے معنی ترک کلام کے بھی کئے گئے ہیں۔ یعنی ان سے بات چیت کرنا چھوڑ دو۔ قال ابن عباس وعكرمة والضحاك والسدى هجر الكلام (جصاص) اى لايكلمهاوان وطئها قاله عكرمة وابو الضحى (ابن العربی) و۱۱۹ (ہلکے ہلکے) ضربا غير مبرح ولاشائن (ابن عباس) قال الحسن ضربا غير مبرح وغير مؤثر (جصاص) یہ تیسرا علاج اس وقت کے لئے ہے جب دوسرا علاج بھی ناکام ثابت ہولے۔ والامور الثلاثة مرتبة ينبغى ان يلدّج فيها (بیضاوی) اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ یہ مار بالکل ہلکی قسم کی ہو۔ ایسی نہ ہو جس سے چوٹ زیادہ آجائے۔ یا جس سے رفیق زندگی کی توہین لازم آتی ہو۔ بلکہ مفسر صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تو یہ منقول

ہے کہ یہ مار مسواک جیسی ہلکی پھلکی چیز سے ہو۔ قال ابن عباس بالسواک ونحوہ (بحر) قرآن مجید کا خطاب ظاہر ہے (کیلین بار بار اسے یاد کر لینے کی بھی ضرورت ہے) کہ کسی ایک طبقہ کسی ایک قوم، کسی ایک تمدن سے نہیں۔ اس کے مخاطب عرب وعجم، چینی اور حبش، انگریز اور ہندی، رومی اور جاپانی، اعلیٰ اور ادنیٰ، شریف ورذیل، عالم وعامی، فہیم اور کودن، چمار اور چوہڑے، نائی اور دھوبی، شہری اور دیہاتی، نیک بخت اور بدباطن، ہر طبقہ، ہر سطح، ہر ذہنیت کے لوگ پہلی صدی ہجری سے لے کر قیامت تک ہر زمانہ اور ہر دور والے ہیں اور اس کے احکام ومسائل میں لحاظ ہر انسانی ضرورت اور ہر بشری ماحول کا کرلیا گیا ہے اور یہ مشاہدہ ہے کہ بہت سے معاشرے اور طبقے ایسے ہیں جہاں عورت کے لئے جسمانی سزائیں عام ہیں۔ علاج کی یہ صورت ظاہر ہے کہ انہی طبقوں کے لئے ہے۔ پھر اتنی اجازت بھی ضرورت پڑنے ہی پر ہے ورنہ سیاق عبارت نرمی ہی کی سفارش کررہا ہے۔ وسوق الکلام للرفق فی اصلاحھن (جمل) فالتخفیف مراعی فی ھذا الباب علی ابلغ الوجوہ (کبیر) وقال الشافعی علیہ رحمۃ اللہ الضرب مباح وترکہ افضل (کبیر) اور اہل تحقیق نے تصریح کردی ہے کہ نرم تدبیر اگر کافی ہوجائے تو سخت تر صورت ہرگز جائز نہیں۔ مهما حصل الغرض بالطریق الاخف وجب الاکتفاء بہ ولم یجز الاقدام علی الطریق الاشد (کبیر) یورپ میں بیویوں کی مار پیٹ کا دستور جہاں جہاں رہا ہے اس کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ قرآن مجید میں اس حکم کا ملنا قرآن مجید کے حق میں ذرا بھی مضر نہیں جیسا کہ بعض یورپ زدہ مسلمان سمجھ رہے ہیں بلکہ یہ تو عین دلیل ہے اس کی کہ قرآن مجید کے احکام ہر طبقہ اور ہر مزاج اور ہر سطح انسانی کے لئے ہیں۔

وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ

اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور جو کچھ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے

اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا

دے رکھا ہے اُسے چھپاتے ہیں ف۱۲۹ اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار

مُهِينًا ﴿٣٧﴾ وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ

کر رکھا ہے ف۱۳۰ اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتے

النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ

رہتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روزِ آخرت پر (تو یہ سب کافروں ہی کے حکم میں داخل ہیں) ف۱۳۱

وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ﴿٣٨﴾

اور جس کا مصاحب شیطان ہوا سو برا مصاحب ہوا، ف۱۳۲

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اور انہیں کیا خرابی لاحق ہو جاتی اگر یہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لے آتے

وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ

اور جو کچھ اللہ نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ف۱۳۳ اور اللہ ان سے

عَلِيمًا ﴿٣٩﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِنْ

خوب واقف ہے بیشک اللہ ذرہ بھر سے ظلم نہیں کرے گا ف۱۳۴ اور اگر

تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ

ایک نیکی ہو گی تو اسے دوگنا کر دے گا اور اپنے پاس سے

أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ

اجرِ عظیم دے گا ف۱۳۵ سو اس وقت کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک ایک

ف۱۲۰ (ان پر سختی اور زیادتی کرنے کے لئے) اوپر کی تدبیر تو محض ضرورت کے لئے ہے۔ بلا ضرورت اس کا استعمال بیوی کو ستانے اور تکلیف پہنچانے کے لئے ہرگز درست نہیں۔ ف۱۲۱ (سوتم ایسی رفعت والے، عظمت والے پروردگار کے حقوق میں کوتاہی سے کب ماوراء ہو؟) شوہر اگر یہ مراقبہ کرتے رہیں تو بیویوں سے اپنے مطالبات میں یقیناً نرم پڑ جائیں اور ان کی طرف سے ادائے حقوق پر اتنا اصرار جاری نہ رکھیں۔ ف۱۲۲ خطاب عام امتِ اسلامیہ کو ہے اور حکام اور اہل حل وعقد کو بدرجۂ اولیٰ۔ الخطاب کما قال ابن جبیر والضحاک وغیر ھما للحکام (روح) وقال اٰخرون المراد کل واحد من صالحی الامۃ (کبیر) خطاب لجمیع المؤمنین (کبیر) بَيْنِهِمَا۔ یعنی میاں بیوی کے درمیان۔ شِقَاقَ۔ یعنی ایسی کشمکش جسے وہ باہم نہ سلجھا سکیں۔ امت اور افراد امت کا ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ افراد کے باہمی اور خانگی مناقشوں سے معاشرۂ اسلامی کا دامن بالکل الگ اور بے تعلق نہیں کہ افراد ہی کی صالحیت پر امت کی صالحیت کا مدار ہے آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ افراد کی خانگی نزاعوں کو امت اپنا ہی معاملہ سمجھے۔ اِنْ خِفْتُمْ۔ خوف یہاں بھی علم کے معنی میں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۱۶ والمراد فان علمتم کما قال ابن عباس رضی اللہ عنہما (روح) والخوف بمعنی الیقین وقیل ھو بمعنی الظن یعنی ان ظننتم شقاقا بینهما (معالم) ف۱۲۳ (جو تصفیہ کی اہلیت رکھتے ہوں وہ جا کر تحقیق حال کریں) فَابْعَثُوْا۔ یعنی تصفیہ کی غرض سے ان دو حَکَموں کو ان میاں بیوی کے پاس بھیجو۔ میاں بیوی میں نزاع ہونے میں یہ ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ فوراً طلاق طلاق ہو جائے یا اور کسی ایسی ہی شدید کارروائی کی نوبت آ جائے۔ بلکہ پہلے یہ کوششیں مصالحت ومفاہمت کی کرلی جائیں۔ رشتہ ازدواج ایک اہم ترین رشتہ ہے، اس پر بے پروائی سے ضرب نہیں لگائی جا سکتی۔ ف۱۲۴ اِنْ یُّرِیْدَا۔ میں ضمیر تثنیہ دونوں حَکَموں کی جانب ہے اور بَيْنَهُمَا میں زوجین کی جانب۔ الضمیر الاول للحکمین والضمیر الثانی للزوجین (بیضاوی) والضمیر فی ان یریدا للحکمین و فی بینھما للزوجین (مدارک) ہوسکتا ہے کہ دونوں موقعوں پر ضمیریں زوجین ہی کے لئے ہوں۔ وقیل کلاھما للزوجین (بیضاوی) اوالضمیران للزوجین (مدارک) اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا۔ یعنی اگر اخلاص ودیانت کے ساتھ نیت مصالحت ومفاہمت کی ہوگی تو اللہ تعالیٰ نیت میں برکت ضرور دے گا۔ اور قلب کی صفائی کی کوئی صورت نکال دے گا۔

فقیہ تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ فیصلہ کرنا واجب ہے، اگر زوجین حکام سے رجوع کریں اور دوسروں کے لئے مستحب ہے اور من اھلہ واھلھا کی قید سب کے لئے مستحب ہے۔ ف۱۲۵ ہر انسانی ضرورت ہر بشری مصلحت پر اس کا علم محیط ہے۔ ف۱۲۶ (نہ ذات میں نہ صفات میں) ف۱۲۷ حسن سلوک کی تاکید والدین سے لے کر غلاموں اور باندیوں تک معاشرہ کے ہر ہر طبقہ کے ساتھ! اور پھر اس حکم کا عطف توحید الٰہی پر!۔۔۔ دنیا کی کسی دوسری آسمانی کتاب میں اس بے نظیر تعلیم کی نظیر ملے گی؟ اور اسی کے ساتھ محققین کی یہ تصریح کہ ”اہل حقوق اگر کافر ہوں تب بھی ان کے ساتھ احسان کرے۔ البتہ مسلمان کا حق اسلام کی وجہ سے ان سے زائد ہوگا۔“ (تھانوی) وَالْجَارِ۔ حدیث میں آیا ہے جیسا کہ مفسرین نے محدث ابونعیم اور محدث بزار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ پڑوسی تین قسم کے ہیں۔ (۱) ایک وہ جن پر تہرے حق ثابت ہیں۔ حق جوار، حق قرابت، حق اسلام، (۲) دوسرے وہ جن پر دوہرے حق ثابت ہیں، حق جوار، حق اسلام۔ (۳) تیسرے وہ جن پر ایک ہی حق ثابت ہے یعنی حق جوار، اور وہ وہ پڑوسی ہے جو مشرک کتابی ہو۔ قرآن مجید کی یہ تصریح بھی یاد ہے کہ دونوں قسم کے پڑوسی حق رکھتے ہیں۔ قریب والے اور قرابت والے بھی اور دور والے اور اجنبیت والے بھی۔ مسلمان اگر آج ایک اسی تعلیم کو یاد رکھیں تو کتنی خانہ جنگیوں کا خاتمہ ہو جائے۔ بلکہ ایک تفسیر تو یہ بھی منقول

فهی عنده قرابة الاسلام واجنبية الكفر (بحر) يحتمل ان يراد بالجار ذی القربٰی من له مع الجوار قرب واتصال بنسبٍ اودين وبالجار الجنب الذی لا قرابة له ولو مشرکاً (روح) وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ۔ اس ہم مجلسی یا صحبت میں وقت کی کوئی قید نہیں۔ رفاقت ومصاحبت خواہ سالہا سال کی ہو خواہ چند منٹ کی، بہر حال اپنا حق قائم کر جاتی ہے۔ اس کی تعریف کے ذیل میں ہم سبق، ہم مدرسہ، ہم سفر کھیل کود کے ساتھی، ریل اور جہاز کے ساتھی، شریک تجارت، شریک صنعت سب آجاتے ہیں۔ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ یہ ضرور نہیں کہ مسافر مہمان "ہی" بن کر آئے۔ خاطر تواضع بہ قدر وسعت وہمت ہر آیند ورووند کی ضروری ہے۔ و۱۲۸ اب یہاں سے ان موانع کا بیان ہے جو ادائے حقوق کی راہ میں حائل ہوتے رہتے ہیں ان میں سے پہلی چیز خود بینی ہے اور دوسری چیز نمائش وحبِ جاہ۔ مُخْتَالٌ وہ ہے جو اپنی بڑائی کے خیال میں گرفتار رہتا ہے اور عزیزوں، قریبوں، پڑوسیوں کی طرف التفات کرنے میں کسر شان سمجھتا ہے فَخُوْرٌ۔ وہ ہے جو دوسروں پر اپنا فخر زبان سے جتلاتا رہتا ہے۔ و۱۲۹ (کہ ان تینوں قسم کے لوگ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ مخلوق میں داخل ہیں) ادائے حقوق میں خود بینی اور فخاری کے بعد تیسرا بڑا مانع یہی بخل ہوتا ہے۔ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ سے مراد مال ودولت کا ہونا ظاہر ہے۔ دوسرے معنی علم دین کی دولت کے بھی کیے گئے ہیں اور وعید میں وہ لوگ شامل سمجھے گئے ہیں۔ جو مسائل دین کے اظہار میں بخل کرتے رہتے ہیں۔ و۱۳۰ انسان عموماً

بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾

گواہ حاضر کریں گے و۱۳۶ اور ان لوگوں پر آپ کو بہ طور گواہ پیش کریں گے، و۱۳۷

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ

جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور پیمبر کی نافرمانی کی ہے

لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ط وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ

وہ اس روز تمنا کریں گے کہ کاش زمین ان پر برابر کر دی جائے، اور اللہ پر کوئی بات نہ چھپا

حَدِيْثًا ع ﴿٤٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ

سکیں گے و۱۳۸ اے ایمان والو نماز کے قریب نہ جاؤ

وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا

اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو، یہاں تک کہ جو کچھ (منہ سے) کہتے ہو اسے سمجھنے لگو و۱۳۹ اور نہ

جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ط وَ اِنْ

حالت جنابت میں جب تک کہ غسل نہ کرلو و۱۴۰ بجز اس حال کے کہ تم مسافر ہو و۱۴۱ اور اگر

كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ

تم بیمار ہو یا سفر میں ہو و۱۴۲ یا تم میں سے کوئی

مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً

استنجا سے آیا ہو و۱۴۳ یا تم نے اپنی بیویوں سے قربت کی ہو و۱۴۴ پھر تم کو پانی نہ ملے

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ

تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر

وَاَيْدِيْكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٤٣﴾ اَلَمْ تَرَ

ہاتھ پھیر لیا کرو و۱۴۵ بیشک اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے بڑا بخشنے والا ہے و۱۴۶ کیا تو نے نہیں دیکھا

بخل اسی لئے کرتا ہے کہ مال بچا کر اس سے اپنے جاہ میں اضافہ کرے۔ اس جاہ پرستی کی سزا قدرۃً یہ ملے گی کہ عذاب سخت دردناک ہونے کے علاوہ اسے خلق کی نظر میں ذلیل ورسوا کرنے والا بھی ہوگا۔ و۱۳۱ رِئَآءَ النَّاسِ۔ یعنی یہ لوگ اہل حقوق پر خرچ نہیں کرتے بلکہ موقع نمود پر خرچ کرتے ہیں۔ جن لوگوں کا ایمان خدا اور روز جزا پر نہیں ہوتا وہ جس موقع پر اور جس مقصد سے بھی خرچ کریں گے، بہر حال کوئی نہ کوئی صورت رضاء خلق ہی کی ہوگی۔ حالانکہ اسلام نے جان کی طرح (گو اس سے کم درجہ میں) مال کی بھی خرچ کی اجازت رضاء خالق ہی کے تحت دی ہے و۱۳۲ (جو ہمیشہ برائی ہی کی ترغیب دیتا رہے گا) مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا۔ جس کا مصاحب شیطان ہوا۔ جیسا کہ ان لوگوں کا ہے۔ و۱۳۳ (دین کی راہ میں اور اخلاص کے ساتھ) مَاذَا عَلَيْهِمْ۔ محاورہ عربی میں ایسے موقع پر آتا ہے جیسے اردو میں کہتے ہیں:۔ کیا غضب ہو جاتا، کون سی بڑی بات تھی! و۱۳۴ (قیامت کے دن) یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کی کوئی نیکی بلا اجر رہ جائے یا کوئی بدی کسی کے حساب میں خواہ مخواہ لکھ لی جائے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ۔ اللہ جو خالق مطلق، حاکم مطلق، مالک مطلق ہے، حقیقۃً ظلم کا اطلاق تو اس کے کسی فعل پر بھی کسی حال میں نہیں ہو سکتا۔ یہاں مراد تو یہ ہے کہ وہ ظاہر میں اور مجازی معنی میں بھی ظلم نہیں کرتا۔ آیت میں دو پہلو اور بھی ہیں۔ ایک تو مشرک قوموں نے اپنی دیوی دیوتاؤں کو ظالم، ستم گر، خون خوار مانا ہے (مثلاً کالی مائی) حق تعالیٰ کی تنزیہ اس قسم کی صفات سے کلیۃً ہو گئی۔ دوسرے جن آیتوں میں حق تعالیٰ کی قوت مطلق اختیارات کامل کا اثبات ہے، ان سے ممکن تھا کہ مسلمانوں کو بھی یہ خیال ہو جاتا کہ ہر طرح کا ظلم اس قادر مطلق کے لئے روا ہے۔ اس کی تردید بھی آیت سے ہو گئی۔ و۱۳۵ (سو کیا ٹھکانا ہے ایسے پروردگار کی رحمت وکرم کا) مِنْ لَّدُنْهُ۔ اپنے پاس سے، یعنی زاید از استحقاق بلکہ بلا استحقاق۔ اسلام کا خدا نہ کوئی خون خوار دیوتا ہے نہ ایسا معذور کہ کسی پر کرم کرنا چاہے بھی تو اپنی صفت عدل کو برقرار رکھنے کے لئے کسی اور پر ظلم اسے کرنا پڑے!۔ شرک اور مسیحی شرک دونوں کی تردید آیت سے ہو گئی۔ و۱۳۶ (قیامت کے دن، اس امت سے متعلق اظہار دینے) یہ گواہ ہر امت کے مقابل اس امت کے رسول ہوں گے۔ جو اس کی شہادت دیں گے کہ وہ احکام کی پوری پوری تبلیغ کر آئے تھے۔ و۱۳۷ (اے پیغمبر!) هٰٓؤُلَآءِ (ان لوگوں) کا اشارہ کس جانب ہے؟ بہ ظاہر وہ لوگ مراد معلوم ہوتے ہیں جو قرآن کے براہ راست یا بالواسطہ مخاطب تھے، اور جن سے رسول اللہ (ﷺ) کا سابقہ تھا۔ ای علٰی امتک (ابن جریر) یعنی قومه المخاطبين بالقراٰن (کبیر) دوسری تفسیر یہ ہے کہ اشارہ ان گواہوں کی جانب ہے، یعنی ان گواہوں کے صدق بیان پر گواہ ہو کر،

نشهد علٰی صدق هٰؤلآء الشهداء لعلمک بعقائدهم (بیضاوی) بہر صورت جب رسول اللہ (ﷺ) اس آیت پر پہنچے تھے تو اپنی ذمہ داری کے احساس اور فرط خشیت سے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ آنسو چشم مبارک سے ظاہر ہو جاتے تھے۔ کان النبی ﷺ اذا اتی علیها فاضت عيناه (ابن جریر) جن بیدردوں نے قرآن کو کلام محمدی ٹھیرایا، وہ غور کریں، اپنے گھڑے ہوئے کلام سے بھی انسان کے آنسو جاری ہو سکتے ہیں؟ و۱۳۸ (بلکہ ہر چھپا ہوا راز اس روز ظاہر ہو کر رہے گا) يَوْمَئِذٍ۔ اس روز سے ظاہر ہے کہ روز حشر مراد ہے۔ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ۔ تا کہ وہ پیوند زمین ہو کر حشر کی رسوائی اور عذاب سے محفوظ رہیں۔ و۱۳۹ یعنی نشہ اتر جائے اور زبان قابو میں آجائے۔ آیت اس وقت کی ہے جب کہ حرمت شراب کا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا، مطلب آیت کا یہ کہ اوقات نماز میں تو شراب پینے سے باز رہو۔ یہ مطلب نہیں کہ شراب تو اسی طرح پیتے چلے جاؤ اور نشہ کی حالت میں نماز چھوڑے رہو۔ و۱۴۰ یعنی حالت جنابت کے بعد غسل کرنا فرض ہے، بغیر اس کے نماز درست نہ ہوگی۔ مرد کو انزال ہو جانا۔ عورت کو حیض آجانا، مرد وعورت دونوں کا عمل مباشرت کرنا (خواہ انزال کے بغیر ہو) یہ سب حالتیں جنابت کی ہیں۔ اَلصَّلٰوةَ سے مراد مواضع الصلوٰة بھی لی گئی ہے۔ یعنی مسجدیں۔ ای مواضع الصلوٰة وهی المساجد (مدارک) المراد مواضع الصلوٰة وهو قول الشافعی (قرطبی) و۱۴۱ یعنی بجز حالت سفر کے کہ جب پانی کا ملنا اور غسل کا انتظام ہونا دشوار ہو۔ ایسی حالت کا

اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ

کہ جنہیں کتاب سے حصہ ملا تھا وہ گمراہی کو مول لے

الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ

رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم (بھی) گمراہ ہو جاؤ و۱۴۷ اللہ

اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى

تمہارے دشمنوں سے خوب واقف ہے و۱۴۸ اور اللہ کا حامی ہونا کافی ہے اور اللہ کا

بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ

مددگار ہونا کافی ہے و۱۴۹ جو لوگ یہودی ہو گئے ہیں ان میں سے ایسے بھی ہیں جو کلام کو

الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا

اس کے موقعوں سے پھیرتے رہتے ہیں و۱۵۰ اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا مگر ہم نے مانا نہیں

وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ

اور (ہماری) سنو اور تمہیں سنوایا نہ جائے، اور "راعنا" میں زبانوں کو توڑ موڑ کر

وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا

دین میں طعنہ زنی کی راہ سے اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا

وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

اور ہم نے قبول کیا، اور (ہماری) سنو اور "انظرنا" تو ان کے حق میں کہیں بہتر

وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

اور درست تر ہوتا و۱۵۱ لیکن اللہ نے تو ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر ہی دی ہے و۱۵۲ سو وہ ایمان نہ لائیں گے

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا

مگر تھوڑے سے و۱۵۳ اے وہ لوگو جنہیں کتاب مل چکی ہے اس (کتاب) پر ایمان لاؤ

حکم ابھی آگے آتا ہے۔ ولایصح لاحدان یقرب الصلٰوۃ وھو جنب الابعد الاغتسال الاالمسافر فانه یتیمم وھٰذا قول ابی حنیفۃ (قرطبی) جن فقہاء نے الصلٰوۃ سے مرادمواضع الصلٰوۃ لی ہے انہوں نے الاعابری سبیل سے جنبی کی ضرورت کے وقت مسجد سے گزرنے کا جواز نکالا ہے۔ فیجوز للجنب العبور فی المسجد عندالحاجۃ (مدارک) ھٰذا یقتضی جواز العبور للجنب فی المسجد لا الصلٰوۃ (قرطبی) و۱۴۲ (اور مرض اور سفر دونوں صورتوں میں پانی کا استعمال یا مضر ہو، یا اس کا بہم پہنچنا دشوار ہو، یا غسل کا انتظام نہ ہو سکتا ہو) و۱۴۳ (اور اس لئے وضو باقی نہ رہا ہو) و۱۴۴ (اور اس لئے غسل فرض ہو گیا ہے) لمس اور مس دونوں کے لفظی معنی چھوٗنے کے ہیں۔ اس لئے بعض فقہا نے یہاں بھی محض ملامست مراد لی ہے اور ملامست نساء کو موجبات وضو میں سے قرار دیا ہے لیکن لمس کے مجازی معنی ہم بستری کے ہیں۔ ویکنی به و بالملامسۃ عن الجماع (راغب) من المجاز اللمس والملامسۃ المجامعۃ (تاج) اور مس تو قرآن مجید میں بھی ہم بستری کے معنٰی میں آیا ہے۔ ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن اس لئے فقہا حنفیہ نے یہاں لمس سے بھی ہم بستری ہی مراد لی ہے اور یہی مذہب قوی ہے۔ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جیسے صحابیوں اور مجاہد و طاؤس، حسن بصری سعید بن جبیر وغیرہم تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ ای جامعتم النسآء (ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال قوم ھو المجامعۃ وھو قول ابن عباس والحسن والمجاھد وقتادۃ (معالم) روی عن علی و ابی ابن کعب و مجاھد و طاؤس والحسن و عبید بن عمیرو سعید بن جبیر والشعبی و قتادۃ و مقاتل بن حیان نحو ذٰلک (ابن کثیر) وکنی بالملامسۃ من الجماع والی ذٰلک ذھب علی کرم اللہ تعالٰی وجھه وابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما والحسن (روح) و۱۴۵ یعنی ایسی مٹی ہو جو خود غیر طاہر یا گندی نہ ہو، دو دو بار ہاتھ مار کر پہلی بار پورے چہرہ اور دوسری بار ہاتھوں پر کہنیوں تک پھیر لیا کرو۔ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً۔ یعنی کسی سبب سے بھی سہی۔ پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو ماء کے صیغۂ نکرہ میں آنے سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ پانی کسی قسم کا بھی ہو، وضو کے لئے درست ہے۔ فھو عام فی کل ما کان من سماء اونھر اوعین عذب اوملح (قرطبی) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں اتنی وسعت یہ دکھی ہے کہ رنگ، مزہ یا بو بدلے ہوئے پانی تک کی اجازت دے دی ہے۔ واجاز ابوحنیفۃ الوضوء بالماء المتغیر (قرطبی) پانی کی معدومیت ایک تو حقیقی ہے وہ یہی کہ پانی موجود نہ ہو۔ دوسری حکمی ہے یعنی موجود تو ہو لیکن اس کا استعمال مرض پیدا کر دے یا مرض کو بڑھا دے یا کسی اور وجہ سے اس کے استعمال سے معذوری ہو۔ فقہاء نے نام صرف چند چیزوں کے گنائے ہیں۔ فلم تقدروا علی استعماله لعدمه اوبُعدہ اوفقد اٰلۃ الوصول الیه اوالمانع من حیۃ اوسبُع اوعدوٍ (مدارک) لو کان یجد الماء الاَّ انه مریض فخاف ان استعمل الماء اشتدّ مرضه تیمّم (ہدایہ) واما ان یخاف فوات الرفیق اوعلی الرجل بسبب طلبه او لصوصًا اوسباعًا اوفوات الرفیق او عطشا علی نفسه او علی غیرہ و کذٰلک بطبخ یطبخه لمصلحۃ بدنه فاذاکان احد ھٰذہ الاشیاء تیمّم وصلے (قرطبی) صَعِیْدًا طَیِّبًا۔ صعید لغت میں کہتے ہیں زمین کے بالائی رخ کو، نہ کہ نفس مٹی کو۔ الصعید یقال لوجه الارض (راغب) قال الزجاج لیس ھو التراب انما ھو وجه الارض ترابا کان اوغیرہ (تاج) والذی یعضد الاشتقاق وھو صریح اللغۃ انه وجه الارض علٰی ای وجه کان من رمل اوحجر او مدر او تراب (ابن العربی) اس لئے حنفیہ کے ہاں جنس ارض کی تمام چیزوں پر تیمم جائز ہے خواہ ان پر گرد پڑی ہو یا نہ پڑی ہو اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ثوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ دوسرے ائمہ فقہ بھی اس باب میں حنفیہ کے ہم زبان ہیں۔ ویجوز التیمم عندابی حنیفۃ و محمد بکل ما کان من جنس الارض (ہدایہ) یتیمم المطھر من جنس الارض وان لم یکن علیه نقع (درمختار) یتیمم بوجه الارض کله ترابًا کان او رملا اوحجارۃ اومعدنا اوصبغۃ ھٰذا مذھب مالک وابی حنیفۃ والثوری والطبری (قرطبی) جنس ارض میں سے ہونے کی شناخت یہ ہے کہ وہ آگ میں نہ جل جائے نہ اس سے پگھل جائے۔ چنانچہ گیرو، پتھر، سرمہ، یاقوت، زبرجد وغیرہ پر اس قاعدہ کے موافق اور چونہ پر اس قاعدہ کے خلاف عمل جائز ہے۔ البتہ خاکستر (راکھ) پر جائز نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیمم صرف مٹی ہی پر جائز ہے۔ و۱۴۶ (چنانچہ دشوار موقعوں کے لئے اس نے کیسے آسان حکم دے رکھے ہیں) و۱۴۷ (اے مسلمانو!) یہود خود تو علم توریت کے باوجود کفر و ضلالت اختیار کئے ہوئے تھے ہی، مسلمانوں کو بھی اسلام سے برگشتہ کرنے کی جو طرح طرح کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ یہ اشارہ اسی طرف ہے۔ مِنَ الْكِتٰبِ کتاب سے مراد جنس کتاب ہے یعنی توریت۔ اَلَمْ تَرَ۔ میں خطاب عام ہے ہر مخاطب کے لئے۔ و۱۴۸ (اور اس نے تم کو بھی خبردار کر دیا) و۱۴۹ اللہ کا حامی ہونا یہ ہے کہ وہ مومن بندوں کی مصلحتوں کی رعایت کرتا رہتا ہے اور اس کا مددگار ہونا یہ ہے کہ وہ انہیں دشمنوں کی نقصان رسانی سے محفوظ رکھتا ہے و۱۵۰ (اور لفظی و معنوی ہر قسم کی تحریف کرتے رہتے ہیں) الکلم۔ کلام سے مراد کلام الٰہی یا توریت ہے۔ الَّذِيْنَ هَادُوْا۔ یہ وہ لوگ تھے جو نسلاً اسرائیلی نہیں، بلکہ عرب تھے لیکن یہود کی طویل صحبت سے متاثر ہو کر خود بھی یہود کے شعائر و عقائد اختیار کر کے رفتہ رفتہ ان میں جذب ہو چکے تھے۔ شرارت و خباثت میں یہ بھی نسلی یہود سے کچھ کم نہ تھے تفصیل پارۂ اول میں گزر چکی۔ نحویین کہتے

بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

جسے ہم نے نازل کیا ہے تصدیق کرنے والی اس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے ف۱۵۴ قبل اس کے کہ

نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ

ہم چہروں کو مٹا ڈالیں اور چہروں کو ان کے پیچھے کی جانب اُلٹا دیں ف۱۵۵ یا ہم ان پر (اس طرح) لعنت کریں

كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ

جس طرح ہم نے سبت والوں پر لعنت کی تھی ف۱۵۶ اور اللہ کا حکم پورا ہو کر ہی

مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ

رہتا ہے ف۱۵۷ اللہ اس کو تو بیشک نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے ف۱۵۸ لیکن اس کے علاوہ

مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ

جس کسی کو بھی چاہے گا بخش دے گا اور جو کوئی (کسی کو) اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے

فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ

اس نے یقیناً ایک بڑا گناہ سمیٹا ف۱۵۹ کیا تو نے ان پر نظر نہیں کی جو

يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ

اپنے کو پاکیزہ ٹھہراتے ہیں ف۱۶۰ حالانکہ اللہ جسے چاہے پاکیزہ ٹھہرائے ف۱۶۱

وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ

اور ان پر دھاگا برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ف۱۶۲ دیکھ تو یہ لوگ اللہ پر کیسا جھوٹا

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع

طوفان باندھتے ہیں اور یہ کافی ہے جرم صریح کے لئے ف۱۶۳

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ

کیا تو نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی جنہیں کتاب سے بہرہ ور کیا گیا تھا ف۱۶۴

ہیں کہ ھَادُوْا اور یُحَرِّفُوْنَ کے درمیان مَنْ محذوف ہے۔ قال الفراء المحذوف مَنْ المعنٰی من الذین ھادو امَنْ یحرّفون (قرطبی) ف۱۵۱ (یعنی ان کے حق میں نافع بھی اور مطابق واقعہ بھی) عرب یہود کی مستمر شرارتوں اور خباثتوں میں سے یہ امر بھی تھا کہ رسول اللہ (ﷺ) کو مخاطب کرتے وقت ایسے الفاظ قصداً بولتے جن میں پہلوئے ذم بھی نکلتا رہتا اور تحقیر یا بددعا پیدا ہوتی رہتی۔ پارۂ اول میں بھی یہ ذکر پوری وضاحت سے آچکا ہے۔ یہود کی ان گستاخیوں کا دارومدار چونکہ تلفظ اور الفاظ ہی کے سوء استعمال پر ہے اس لئے ترجمہ سے اصل مفہوم پوری طرح ظاہر ہی نہیں ہوسکتا۔ اصل عربی الفاظ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا۔ ظاہری مطلب یہ تھا کہ ہم نے آپ کا ارشاد سن لیا اور آپ کے گمراہ کن مخالف ومعاند کا قول نہیں مانا۔ لیکن اصل مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہم نے تمہاری بات تو سن لی لیکن اسے قبول نہیں کیا۔ اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ۔ ظاہراً مطلب یہ تھا کہ کوئی مخالف اور رنج دہ بات آپ کے کان میں نہ جائے لیکن اصل مطلب یہ ہوتا تھا کہ تمہیں کوئی اچھی بات سنائی ہی نہ دے۔ رَاعِنَا۔ راعنا کا ظاہر مطلب یہ تھا کہ ہماری رعایت سے دوبارہ فرمایئے لیکن تلفظ میں "ع" کو ذرا کھینچ کر پڑھنے سے بالکل گستاخانہ مفہوم پیدا ہوجاتا تھا۔ لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ۔ یعنی بہ ظاہر لہجہ سے تعظیم وتوقیر نظر آتی تھی لیکن زبانیں تقیہ سے کام لیتی ہوتی تھیں اور دل کے بغض وعناد کو چھپائے ہوئے رہتی تھیں۔ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ۔ اس تصریح نے بتادیا کہ عرب یہود کی یہ ساری حرکتیں بے خیالی سے خالی نہ تھیں اور نہ تفریح طبع کے طور پر تھیں۔ بلکہ اللہ کے دین پر طعن کرنا، اسے مجروح کرنا مقصود بھی تھا۔ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ اسمع، انظرنا۔ تعلیم ان الفاظ کی ہوئی کہ یہ پہلوئے ذم سے خالی ہیں۔ ف۱۵۲ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ نے ان کے دلوں کو اپنی رحمت خاصہ سے دور کردیا۔ لعنت پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکا۔ بِكُفْرِهِمْ اس سے یہ صاف ہوگیا کہ رحمت خاصہ سے بھی یہ دوری اور مجبوری خود بخود اور بلاسبب نہیں ہوئی بلکہ یہ انہی کے کرتوتوں کا ثمرہ ہے ف۱۵۳ اور یہ تھوڑے سے وہی تھے جو آگے چل کر مسلمان ہوگئے باقی سب کا خاتمہ علم الٰہی کے مطابق کفر ہی پر ہوا۔ ف۱۵۴ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔ میں کتاب سے مراد توریت ہے۔ بِمَا نَزَّلْنَا۔ اس کتاب پر جسے ہم نے اب اپنے رسول پر نازل کیا ہے یعنی قرآن پر۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ۔ یعنی قرآن تو اصل توریت کی تصدیق ہی کرنے والا ہے۔ اس کے محرف اجزا ظاہر ہے کہ اس عام تصدیق سے مستثنٰی ہیں۔ ف۱۵۵ (غرض اسی طرح کے کسی عذاب شدید وہولناک میں مبتلا کردیں) نَطْمِسَ وُجُوْهًا۔ طمس وجہ سے مراد ہے چہرہ کے نقش ونگار اور آنکھ وناک منہ وغیرہ اعضا کو مٹا دینا۔ فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَا یعنی ان لوگوں کے چہروں کو گدیوں کی طرح صفاچٹ کردیں۔ ف ہمیشہ تعجب ہی کے لئے نہیں ہوتی کبھی تفصیل اجمال کے لئے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں اسی غرض سے ہے۔ اور یہ دوسرا فقرہ پہلے فقرہ کی تفصیل وتوضیح کررہا ہے۔ یہ ڈراوے سب عذاب اخروی کے ہیں لیکن وجوہ کے معنٰی مجازاً سرداروں اور رئیسوں کے بھی آئے ہیں قیل عنی بالوجوه الاعیان والرؤساء (راغب) یراد بالوجوه رءوسهم ووجهاؤهم (کشاف) اس لئے فقرہ کے معنٰی یہ ہوں گے کہ ہم ان کے سرداروں کو ذلیل وخوار کریں۔ چنانچہ کشاف وکبیر وغیرہ میں یہ معنٰی بھی نقل ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس کے متصل فقرہ کے معنٰی یہ ہوں گے کہ "ہم ان کی وجاہت واقبال کو سلب کرلیں اور ان پر ذلت وادبار نازل کریں" چنانچہ کشاف، بیضاوی وغیرہ میں یہ قول بھی نقل ہوا ہے۔ مِنْ قَبْلِ کا صحیح مفہوم پیش نظر نہ رہنے سے ایک سوال یہ پیدا ہوگیا ہے کہ طمس ومسخ کی یہ سزا ملی ہی کب؟ ظاہر ہے کہ ان سزاؤں کا ظہور تو آخرت میں ہوگا اور من قبل ہمیشہ کسی واقعہ کے واقع ہوجانے ہی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ صرف اس کے ہوسکنے پر بھی دلالت کرتا ہے اور محل تہدید میں آتا ہے تو اس معنٰی میں اس کا استعمال قرآن مجید میں کثرت سے ہوا ہے۔ حدیث نبوی میں ایک دعا آتی ہے اللّٰهم ارزقنی عینین هطالتین تسقیان القلب بذروف الدمع من خشیتک قبل ان تکون الدموع دمًا والاضراس جمرًا۔ قبل کے یہاں یہ کوئی معنٰی بھی نہیں سمجھتا کہ بعد کا واقعہ صرف زماناً مؤخر ہے اور واقع ہوکر رہے گا بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ اس کے وقوع سے اپنے کو بچایا جائے۔ اردو ہی کے محاورہ میں ہم برابر کہتے رہتے ہیں کہ قبل اس کے کہ دوزخ میں پڑو، گناہوں سے توبہ کرلو۔ اس کا یہ مطلب کوئی بھی نہیں لیتا کہ دوزخ میں تو بہرحال پڑنا ہے صرف زماناً اس سے قبل توبہ کرلینا چاہیے بلکہ صاف مطلب یہ ہے کہ دوزخ سے بچنے کے لئے گناہوں سے توبہ کرلو۔ اسی طرح آیت کا خلاصہ مفہوم صرف اس قدر ہے کہ طمس ومسخ کی سزاؤں سے بچنے کے لئے قرآن وصاحب قرآن کی تصدیق کرلو۔ ف۱۵۶ اَصْحٰبَ السَّبْتِ پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکا۔ ف۱۵۷ (سو طمس، مسخ لعنت جس چیز کا بھی حکم ہوگیا وہ بہرحال پورا ہو کر رہے گا) ف۱۵۸ (سو شرک عذاب دائمی میں مبتلا رہے گا) مشرک کی نجات کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس نے جنت کی نعمتوں کے قبول کرنے کی استعداد وصلاحیت ہی اپنے میں باقی نہ رکھی۔ ف۱۵۹ (اور اس جرم عظیم کی بنا پر وہ قابل مغفرت نہ ہوگا) اِفْتَرٰٓى اِثْمًا۔ گناہ سمیٹا کا محاورہ خاص اس مفہوم کے ادا کرنے کو ہے۔ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ۔ یعنی اور جتنے بھی گناہ ہوسکتے ہیں، وہ بہرحال شرک سے کمتر ہی ہوں گے۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ یعنی شرک تو آسمانی حکومت سے صریح بغاوت کے مرادف ہے۔ بس اسے چھوڑ کر باقی ہر معصیت مغفرت کی گنجائش رکھتی ہے اور جس کسی کے حق میں مشیت الٰہی ہوگی اسے معافی مل جائے گی۔ خواہ اس نے توبہ نہ بھی کی ہو۔ وقد ابانت هذه الأية ان کل صاحب کبیرة ففی مشیئة الله ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبه علیه ما لم تکن کبیرته شرکًا بالله (ابن جریر) ای

يغفر مادون الشرك وان كان كبيرة مع عدم التوبة (مدارک) آیت میں رد ہے خوارج وغیرہ ان گمراہ فرقوں کا جو سمجھتے ہیں کہ ہر گناہ شرک ہے اور ہر گناہ کی سزا عذاب ابدی ہے۔ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ مشیت کا اطلاق بلا کسی قید و شرط کے ہے۔ یہیں سے رد نکل آیا معتزلہ کا جو کہتے ہیں کہ مغفرت ان کی ہوگی جو توبہ کرلیں، نہ ان کی جو توبہ نہ کریں گے۔ توبہ کے بعد تو ظاہر ہے کہ اہل کفر و شرک کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے۔ تفسیر کبیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ جس طرح شرک کے ساتھ کوئی عمل نفع نہیں پہنچا سکتا ہے اسی طرح میرا خیال ہے کہ توحید کے ساتھ کوئی عمل ضرر نہیں کرتا۔ یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے دہرایا گیا تو آپ نے اس پر سکوت اختیار کیا۔ ف۱۶۰ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ۔ یعنی ایسے لوگوں کی حماقت بھی قابل دید ہے۔ الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی اللہ نے تو توحید و تقویٰ کو جو معیار فضیلت و مقبولیت رکھ دیا ہے، اسے چھوڑ چھاڑ لوگوں نے نسل وغیرہ کے طرح طرح کے معیار شرف و بزرگی کے گڑھ لئے ہیں اور ان بنیادوں پر اپنے کو معظم و مقدس سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ تمام تر حماقت و ضلالت ہے، آیت کا اشارہ خاص یہود کی جانب ہے۔ اپنے کو نسل انبیاء میں سے ہونے کی بنا پر مقدس سمجھ رہے تھے باقی ہندوستان میں برہمن، چھتری وغیرہ اپنے کو محض مقدس خاندانوں سے انتساب کی بنا پر مقدس سمجھنے والے، اپنے چندر بنسی، سورج بنسی ہونے پر فخر و ناز کرنے والے یا جاپانیوں کی طرح اپنے کو دیوتاؤں کی نسل میں قرار دینے والے سب اس کے تحت میں آجاتے

يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ

(اس پر بھی) یہ بت اور شیطان کو مانے ہوئے ہیں ف۱۶۵ اور کفر کرنے والوں کی بابت

كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾

کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو یہی لوگ زیادہ ہدایت یاب ہیں ف۱۶۶

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ

یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے ف۱۶۷ اور جس پر اللہ لعنت کرے تو اس کا کوئی

تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ؕ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ

مددگار ہرگز نہ پائے گا ف۱۶۸ کیا انہیں بھی کچھ اقتدار نصیب ہو جائے

فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۙ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ

تو یہ تو لوگوں کو تل بھر بھی نہ دیں ف۱۶۹ کیا یہ لوگوں پر

النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ

حسد کر رہے ہیں ان چیزوں کے باعث جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے دے رکھی ہیں ف۱۷۰

اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ

سو ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت دی ہے اور ہم نے انہیں بڑا اقتدار

مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ

بھی دیا ہے ف۱۷۱ اور ان میں سے کوئی کوئی تو اس پر ایمان لائے

مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ

اور کوئی کوئی اس سے رکے رہے اور دہکتا ہوا جہنم ہی کافی ہے ف۱۷۲ بیشک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ

جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کے ساتھ کفر کیا، ہم انہیں عنقریب (دوزخ کی) آگ میں جھونکیں گے

ہیں۔ اور ہاں پھر کسی درجہ میں مسلمان پیرزادے، مخدوم زادے، سیدزادے وغیرہا۔ ف۱۶۱ یعنی معتبر تو پاکیزگی اسی کی ہے جسے اللہ پاکیزہ قرار دے اور اپنے زعم و پندار میں اپنے کو پاکیزہ ٹھیرا لینے سے کیا ہوتا ہے۔ ف۱۶۲ یعنی جو سزا انہیں ملے گی، وہ ان کے جرم سے ذرہ بھر بھی زائد نہ ہوگی۔ ان کا جرم ہے ہی اسی سزا کا مستحق۔ فَتِيْلًا۔ فتیل کے لفظی معنی دھاگے کے ہیں۔ عربی محاورہ میں مراد حقیر سے حقیر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے ہوتی ہے۔ جیسے ایک دوسری جگہ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا۔ بھی آیا ہے۔ يرجع الى الكناية عن تحقير الشیء وتصغيره (قرطبی) اشارة الى اقل شیء (بحر) جیسے اردو میں ایسے موقع پر ”ذرہ بھر“ ”رتی بھر“ ”بال برابر“ استعمال ہوتے ہیں۔ ف۱۶۳ (تو ایسے صریح جرم پر ایسی سزا کیا کچھ ظلم و زیادتی ہے؟) بِهٖ میں ضمیر افتراء یعنی افتراء علی اللہ کی جانب ہے۔ والضمير فی به عائد على الافتراء وهو الذی انكر عليهم (بحر) ف۱۶۴ یعنی یہود۔ اور کتاب سے مراد کتاب الٰہی یا توریت ہے۔ ف۱۶۵ الْجِبْتِ۔ جبت کا اطلاق تو اللہ کے سوا ہر معبود پر ہوتا ہے۔ يقال لكل ماعبد من دون الله جبتٌ (راغب) لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کا استعمال ساحروں اور کاہنوں کے لئے ہوتا ہے۔ سمی الساحر والكاهن جبتًا (راغب) صحابہ اور تابعین دونوں سے یہ معنی منقول ہیں۔ قال عمر رضی اللہ عنہ الجبت السحر (ابن جریر) قال ابن عباس وابن جبير وابو العالية الجبت الساحر (قرطبی) یہود میں عملیات کا اور سحر، کہانت، نجوم، وغیرہ علوم سفلی کا ذوق ابتدا سے چلا آرہا ہے، جیسا کہ پارۂ اول میں آیہ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ کے تحت میں دکھایا جاچکا ہے۔ جبت کا لفظ لاکر عجب نہیں کہ اشارہ ان کی اسی قومی خصلت کی جانب کرنا مقصود ہو۔ الطَّاغُوْتِ۔ طاغوت پر حاشیہ پارۂ سوم میں گزر چکا۔ طاغوت ہر وہ چیز ہے جو انسان میں طغیان و عدوان پیدا کر دے۔ الطاغوت كل ما يطغی الانسان (قرطبی) عجب نہیں کہ یہ لفظ لاکر یہود کے رجحان مادیت اور ذوق مادہ پرستی کی طرف توجہ دلانا منظور ہو۔ ف۱۶۶ روایتوں میں آتا ہے کہ سرداران یہود مکہ میں آئے تو قریش نے ان سے پوچھا کہ ہمارا دین بہتر ہے یا پیروان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور سوال میں اپنے دینی کارناموں، مثلاً خدمت حجاج، خدمت کعبہ کا ذکر بھی کر دیا۔ سرداران یہود بولے کہ ان کے دین سے تو تمہارا ہی دین بہتر ہے۔ اور ان سے زیادہ ہدایت یاب تم ہی ہو۔ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ الذين كفروا سے مراد قریش و مشرکین مکہ ہیں۔ ل کے معنی ”بابت“ یا ”متعلق“ کے ہیں۔ للذين ای فی حقهم (روح) واللام للتبليغ (بحر) الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ سے مراد مسلمان ہیں۔ ف۱۶۷ خود دین توحید رکھ کر اور آئین انبیاء سے آشنا ہو کر، دین توحید سے اتنی بیزاری اور ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا بغض کہ شرک اور مشرکین تک کو ان سے بہتر بتا رہے ہیں۔ ملعونیت کا تحقق ان سے بڑھ کر اور کس پر ہوگا۔ ف۱۶۸ (جو عذاب سے اسے بچالے یا اس میں کچھ کمی بھی کرادے) مشرک قوموں اور قبیلوں نے خدا کے ساتھ ساتھ اپنے اور بھی حمایتی گڑھ کر رکھے تھے۔ ف۱۶۹ یعنی اپنی مقبولیت اور روحانی عظمت الگ رہی۔ یہود کو اگر دنیوی امارت و سیادت نصیب ہوتی تو یہ اتنے بخیل اور تنگ دل ہیں کہ اس میں بھی کسی کو شریک نہ ہونے دیتے۔ بلکہ لوگوں کے حقوق تک نہ ادا کرتے۔ اور شاید اسی بخیلی، تنگ دلی کی قومی جبلت کی بنا پر یہود دنیوی اقتدار سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں۔ نَقِيْرًا۔ نقیر کے لفظی معنی اس گڈھے کے ہیں جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے۔ عربی محاورہ میں مثل فتیل کے حقیر سی حقیر اور چھوٹی سی چھوٹی چیز اس سے مراد ہوتی ہے۔ جیسے اردو میں رائی بھر، رتی بھر وغیرہ بولتے ہیں ”تل برابر“ ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لايؤتون نقيرا ای يمنعون الحقوق (قرطبی) ف۱۷۰ (مثلاً نعمت نبوت) النَّاسَ۔ کے لفظی معنی تو ”لوگوں“ کے ہیں لیکن یہاں مراد عرب یا بنی اسمٰعیل یا خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین ہیں۔ الناس هنا العرب حسد تها بنو اسرائيل (بحر۔ عن قتادہ) حسدت اليهود قريشا لان النبوة فيهم (قرطبی عن الضحاک) المراد ههنا الرسول ومن معه من المؤمنين (کبیر) یہود کو اصلی خلش اسی کی تھی کہ انبیاء تو ہمیشہ اسرائیلیوں میں ہوئے ہیں، یہ ایک عرب کو کیسے نبوت مل گئی۔ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا

جب کبھی ان کی جلدیں پک جائیں گی ہم ان کی جلدوں کو بدل کر دوسری کر دیا

غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا

کریں گے تاکہ وہ (برابر تازہ) عذاب چکھتے رہیں و۱۷۳ بیشک اللہ زبردست ہے

حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

حکمت والا ہے و۱۷۴ اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل بھی کیے

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

انہیں ہم عنقریب باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ

ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، ان کے لئے ان باغوں میں صاف ستھری بیویاں ہوں گی

وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ

اور ہم انہیں بڑے گنجان سایہ میں لا اتاریں گے و۱۷۵ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے

اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ

کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو و۱۷۶ اور جب لوگوں کے

بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو و۱۷۷ بیشک اللہ

نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

تم کو بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، و۱۷۸ بیشک اللہ بڑا سننے والا ہے، بڑا دیکھنے والا ہے و۱۷۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی

فَضْلِهٖ۔ مراد نبوت ہے۔ قتادہ و ابن جریج تابعین سے یہی معنی مروی ہیں معنی الفضل فی ھٰذا الموضع النبوۃ التی فضل اللہ بھا محمدا وشرف بھا العرب (ابن جریر۔ عن قتادہ و ابن جریج) اولی التاویلین فی ذٰلک بالصواب قول قتادۃ وابن جریج الذی ذکرناہ قبل (ابن جریر) و۱۷۱ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ اور اس نسل ابراہیمی کی دو شاخیں ہیں۔ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل۔ یہاں یہود کو یاد دلایا گیا ہے کہ ہماری نعمتوں کے وعدے تو کل نسل ابراہیم علیہ السلام سے ہیں نہ کہ اس کی ایک شاخ سے۔ پھر تم تنہا اپنے ہی کو ان نعمتوں کا حق دار کیسے سمجھنے لگے ہو۔ اور جب ایک اسمٰعیلی کو یہ نعمتیں مل رہی ہیں تو تمہیں اس پر حسد یا حیرت کیوں ہے؟ اَلْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ دونوں روحانی نعمتیں ہیں۔ ان کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے اور ملک عظیم دنیوی نعمت ہے اس کا ذکر الگ کر کے کیا ہے۔ و۱۷۲ (سو دنیا میں سزا ملنا نہ ملنا چنداں قابل التفات نہیں) مَنْ اٰمَنَ بِهٖ۔ میں ضمیر کس طرف ہے؟ بعض نے مراد کتاب لی ہے۔ بعض نے وہ سارا فقرہ جو آل ابراہیم سے متعلق گزرا ہے اور بعض نے ذاتِ محمدی ﷺ کو۔ ماحصل تینوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ من اٰمن بالکتٰب (بحر) بمحمد ﷺ او بما ذکر من حدیث ال ابراھیم (بیضاوی) یعنی بالنبی (ﷺ) (قرطبی) و۱۷۳ آیت کا مقصود اہل دوزخ کے دوام عذاب کا اعلان ہے۔ نَضِجَتْ۔ نضج کے لفظی معنی پک جانے کے ہیں۔ یہاں مراد جل چکنے سے ہے۔ مقصود یہاں یہی ہے کہ عذاب منقطع نہ ہوگا۔ اور احساس عذاب ہمیشہ تازہ ہوتا رہے گا۔ یمکن ان یقال ھٰذا استعارۃ عن الدوام وعدم الانقطاع (کبیر) المقصود بیان دوام العذاب وعدم انقطاعھا (کبیر) صاحب بحر نے بھی اس قول کو نقل کیا ہے اگرچہ قبول نہیں کیا ہے۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ کھال جب جل جائے گی تو اس میں مزید الم کا ادراک ہی کہاں باقی رہے گا۔ نہیں بلکہ کھال کا احساس ہر دم تازہ ہوتا رہے گا اور جلد بے حس کبھی بھی نہ ہونے پائے گی --- آخرت میں خواص اشیاء کو دنیا کے خواص طبعی پر قیاس کرنا یوں بھی کمال بے دانشی ہے۔ و۱۷۴ چنانچہ صفت عزیز کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نئے، پرانے ہر قسم کے عذاب پر ہر وقت قادر ہے اور صفت حکیم کا تقاضا یہ ہے کہ عذاب ہو یا تجدید عذاب۔ کوئی بھی شے حکمتوں اور مصلحتوں سے خالی نہیں۔ و۱۷۵ یعنی انہیں عیش و راحت ہر طرح کی حاصل رہے گی۔ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ پر حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکے ہیں و۱۷۶ الْاَمٰنٰتِ۔ امانات کے اندر جملہ حقوق آ گئے جن کی ادائی واجب ہے، اور اَهْلِهَا۔ سے وہ سب مراد ہیں جن کے متعلق وہ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ خطاب سارے مسلمانوں سے ہے۔ انہیں حکم ہو رہا ہے کہ جس جس کے جو حقوق واجب ہیں، سب ادا کرتے رہو۔ اسی میں حقوق اللہ و حقوق العباد سب آ گئے۔ ھو یعم جمیع الامانات الواجبۃ علی الانسان من حقوق اللہ علٰی عبادہ و من حقوق العباد بعضھم علٰی بعض (ابن کثیر) حکمھا عام ولھٰذا قال ابن عباس و محمد بن الحنفیۃ ھی للبر والفاجر ای ھی امرٌ لکل احدٍ (ابن کثیر) ھٰذہ الاٰیۃ من امھات الاحکام تضمنت جمیع الدین و الشرع (قرطبی) والاظھر فی الاٰیۃ انھا عامۃ فی جمیع الناس (قرطبی) و۱۷۷ (ان کے آپس کے حقوق کے باب میں) اب خطاب حکام اور اہل حل و عقد سے ہو رہا ہے۔ انھا نزلت فی الامراء یعنی الحکام بین الناس (ابن کثیر) و۱۷۸ (کہ اسی طریق معدلت سے دنیا میں بھی انتظامات درست رہیں گے اور آخرت میں بھی اجر اسی کا ہے) يَعِظُكُمْ بِهٖ۔ سے اشارہ اسی طریق معدلت کی جانب ہے۔ و۱۷۹ چنانچہ وہ ادائے حقوق اور عدل گستری سب کے باب میں تمہارے لفظ و قول کو بھی سنتا رہتا ہے اور تمہاری نیتوں اور محرکاتِ عمل پر بھی نظر رکھتا ہے۔

ف۱۸۰ (کہ ان کے احکام بھی احکام خدا اور رسول پر مبنی اور انہی سے ماخوذ ہوں گے) اَطِیْعُوا اللّٰہَ۔ مطاع اصلی اور حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ رسول مطاعِ مطلق اس اعتبار سے ہیں کہ اللہ کے احکام کے وہی پہنچانے والے اور وہی ان احکام کی شرح وتفصیل کرنے والے ہیں۔ اُولِی الْاَمْرِ۔ اولوالامر کون ہیں؟ اس میں اچھی خاصی قیل وقال ہوئی ہے۔ علماوفقہاء امت بھی مراد لئے گئے ہیں اور امراء و حکام بھی۔ اور بہتر یہ ہے کہ دونوں ہی مراد لئے جائیں کہ احکام شریعت کے نافذ کرنے والے یہ دونوں ہوتے ہیں۔ ای الولاة او العلماء (مدارک) روی عن جابر بن عبداللہ وابن عباس روایة والحسن وعطاء و مجاهد انهم اولوا الفقه والعلم وعن ابن عباس فی روایة وابی هریرة انهم امراء السرایا ویجوز ان یکونوا جمیعا مرادین بالأیة لان الاسم یتناولهم جمیعه (جصاص) اولوالامر۔ خواہ وہ علماوفقہا ہوں یا امراء وحکام۔ بہرحال ان میں مستقل مطاع ہونے کی صلاحیت ذرا سی بھی نہیں، وہ مطاع صرف اسی حیثیت سے ہیں کہ احکام شریعت کے نافذ کرنے والے یا بعض جزئیات میں شرح کرنے والے ہیں۔ اس حد کے آگے ان کی کوئی اطاعت نہیں۔ مِنْکُمْ۔ اس تصریح کے ہوتے ہوئے اس آیت سے جن صاحبوں نے کسی غیر اسلامی حکومت کی اطاعت پر استدلال کیا ہے، انہوں

وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ

اور اپنے میں سے اہل اختیار کی اطاعت کرو، ف۱۸۰ پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں

فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ

تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا لیا کرو ف۱۸۱ اگر تم اللہ اور روز آخرت پر

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾

ایمان رکھتے ہو ف۱۸۲ یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی خوشتر ہے ف۱۸۳

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا

کیا آپ نے اُن لوگوں پر نظر نہیں کی جو دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لے آئے ہیں جو

أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ

آپ پر نازل کی گئی ہے، اور جو آپ سے قبل نازل ہو چکی ہے ف۱۸۴ (لیکن) چاہتے یہ ہیں

أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ

کہ اپنے مقدمہ طاغوت کے پاس لے جائیں ف۱۸۵ حالانکہ انہیں حکم مل چکا ہے کہ

يَكْفُرُوا بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا

اس کے مقابلہ میں کفر اختیار کریں، ف۱۸۶ اور شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ انہیں بھٹکا کر بہت دور دراز

بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ

لے جائے ف۱۸۷ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی طرف آؤ جسے اللہ نے نازل

اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ

کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے کہ منافقین آپ کی طرف سے بڑی پہلوتہی

عَنْكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ

کر رہے ہیں ف۱۸۸ پھر کیسی گزرتی ہے جب ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے

ع ۸ / ۵

نے اپنی فہم سلیم پر بڑا ظلم کیا۔ اطاعت تو مسلم امیر کی بھی ہر صورت وحال میں جائز نہیں۔ چہ جائیکہ کسی غیر مسلم کی۔ وہ اگر جائز ہے بھی تو کم از کم اس آیت سے تو اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ف۱۸۱ (اور اس کی تحقیق مزید کرلیا کرو، کہ اولوالامر کا حکم احکام شریعت کے کہاں تک مطابق ہے) اِلَی اللّٰہِ۔ اللہ کے احکام کی طرف مراجعت کرنا تو ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے سے ہر وقت ممکن ہے۔ لیکن اِلَی الرَّسُوْلِ۔ کی تعمیل کی کوئی صورت رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بجز اس کے ممکن نہیں کہ دفتر احادیث وسنن کی طرف رجوع کیا جائے۔۔ حدیث وسنت کی حجیت اس طرح فرقہ اہل قرآن کی سطحیت کے علی رغم خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اِنْ تَنَازَعْتُمْ۔ ضمیر جمع مخاطب سے مراد اولوالامر اور عام افراد امت ہیں۔ اس تصریح نے یہ حقیقت اور کھول دی کہ حکام وعلما سے عوام کا اختلاف بالکل جائز ہے۔ آخری اپیل کتاب وسنت ہی کی عدالت میں ہونی چاہیے اور وہی ساری شریعت کا ماخذ ہے۔ یہیں سے اس فرقہ کا بھی رد نکل آئے گا جو رسولِ معصوم کے علاوہ مستقل ائمہ معصوم کا بھی وجود تسلیم کئے ہوئے ہیں۔ ہر امام وقت، اپنی ساری بزرگیوں کے باوجود بہرحال غیر معصوم ہے ف۱۸۲ (اور اس لئے شتر بے مہار نہیں ہو، بلکہ اپنی ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس رکھتے ہو) ف۱۸۳ یعنی دنیا میں بھی یہی ذریعہ امن و راحت ہے اور آخرت میں بھی وسیلہ نجات وسعادت۔ ذٰلِکَ۔ یعنی یہی طریق عمل جس کا ذکر ابھی ہو چکا۔۔ اصل اور غیر مشروط اطاعت اللہ کی۔ اللہ ہی کے نائب معصوم کی حیثیت سے اطاعت رسول کی۔ اور پھر ان دونوں کے واسطہ سے اور انہی کی موافقت وسازگاری کے ساتھ مشروط، اطاعت حکام وعلمائے اسلام کی۔ ف۱۸۴ مراد یہود اور منافقین ہیں۔ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ۔ یعنی توریت یَزْعُمُوْنَ۔ زعم کے اصل معنی مطابق قول کے ہیں۔ خواہ وہ حق ہو یا باطل لیکن عموماً اس کا استعمال جھوٹ یا مشکوک بات کے لئے ہوتا ہے۔ الزعم القول الحق والباطل و اکثر مایقال فیما یشک فیه ولا یتحقق (تاج) واذا شک فیه فلم یدر لعله کذب اوباطل قیل یزعم فلان (لسان) محاورۂ قرآنی میں یہ ہمیشہ ذم ہی کا پہلو لئے ہوئے آیا ہے۔ جاء فی القرأن فی کل موضع ذم القائلون به (راغب) ف۱۸۵ (بجائے اس کے کہ اسے شریعت کی عدالت میں لائیں) طاغوت۔ پر حاشیہ پ۳ میں گزر چکا ہے۔ یہاں مراد ہر غیر اللہ کی حکومت واقتدار ہے۔ ف۱۸۶ یعنی اس کی حاکمیت کے تسلیم کرنے سے انکار کردیں۔ اور طاغوت کے اقتدار کے آگے گردن نہ جھکائیں۔ ف۱۸۷ یعنی بنی آدم کے دشمن ازلی شیطان کی تو تمنا ہی یہ رہتی ہے کہ انہیں راہ حق سے زیادہ سے زیادہ دور کردے۔ ف۱۸۸ منافقین یوں تو اسلام کے مدعی تھے۔ لیکن جب کبھی کوئی مقدمہ معاملہ آ پڑتا تو فیصلہ کے لئے رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہونے سے بہت ہی گھبراتے کہ یہاں تو بہرحال بلا رو رعایت دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہو کر رہے گا۔ اور کسی قسم کی سخن سازی وخیانت نہ چل سکے گی۔ تعالوا الی الرسول۔ رسول کی طرف آؤ، کہ آپ قانون شریعت کے موافق فیصلہ کردیں۔

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ

اپنے ہی ہاتھوں ف۱۸۹ پھر آپ کے پاس آتے ہیں اللہ کی قسم

بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ

کھاتے ہوئے کہ ہمارا مقصد تو محض بھلائی اور مصالحت تھا ف۱۹۰ یہ وہ لوگ ہیں کہ

الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ

جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ (اسے) سب جانتا ہے، تو آپ ان سے چشم پوشی کر جایا

عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا

کیجئے ف۱۹۱ اور انہیں نصیحت کرتے رہئے، اور انہیں ان کے باب میں مؤثر بات

بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ

کہتے رہئے ف۱۹۲ اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اس غرض سے کہ اس کی اطاعت

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ

اللہ کے حکم سے کی جائے، ف۱۹۳ اور کاش کہ جس وقت یہ اپنی جانوں پر زیادتی کر بیٹھے تھے آپ کے پاس آجاتے

فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

پھر اللہ سے مغفرت چاہتے، اور رسول بھی ان کے حق میں مغفرت چاہتے

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا

تو یہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے ف۱۹۴ سو آپ کے پروردگار کی قسم ہے کہ

يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے ف۱۹۵ جب تک یہ لوگ اس جھگڑے میں جو ان کے آپس میں ہو، آپ کو حکم نہ بنا لیں

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ

اور پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں

ف۱۸۹ مثلاً یہی کہ ان کی خیانت یا منافقت کا راز کھل گیا۔ اور اس پر ان کی دھڑ پکڑ شروع ہوگئی۔ ف۱۹۰ یعنی جب ان کی دورنگی کھل جاتی ہے اور باز پرس شروع ہو جاتی ہے تو قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے لگتے ہیں کہ ہم بھی تو مومن ہیں۔ اور ہمیں رسول ﷺ کی حاکمیت سے کچھ انکار تھوڑے ہی ہے۔ ہم تو محض نیک نیتی اور فریقین کی خیر خواہی کے خیال سے مقدمہ کو دوسری جگہ لے گئے تھے۔ آیتوں کی شان نزول میں آتا ہے کہ ایک یہودی اور ایک نام کے مسلمان یعنی منافق کے درمیان کسی معاملہ میں جھگڑا ہوا۔ یہودی نے رسول اللہ ﷺ کی دیانت پر اعتماد کر کے کہا کہ چلو وہیں تصفیہ کرائیں۔ منافق کا پہلو کمزور تھا، بولا نہیں بلکہ سردار یہود کعب بن اشرف کے پاس چلیں۔ بالآخر مقدمہ رسول اللہ ﷺ ہی کی خدمت میں آیا اور یہاں سے فیصلہ یہودی کے موافق ہوا کہ وہی اس معاملہ میں حق پر تھا۔ منافق نے کہا کہ چلو اب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں وہ غالباً اپنے دل میں یہ سمجھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی شدت وغلظت کافروں پر بہت بڑھی ہوئی ہے اور میں ظاہر میں تو بہر حال مسلمان ہوں۔ وہاں میری ہی چل جائے گی۔ آیات میں تلمیح اسی واقعہ کی جانب ہے۔ منافقین اپنا یہ عذر پیش کرتے تھے کہ ہم کسی اور کے پاس مقدمہ کچھ اس خیال سے تھوڑے ہی لے جاتے ہیں کہ فیصلہ کا حق رسول ﷺ کے سوا کسی اور کو حاصل ہے، بلکہ ہم تو اس لئے لے جاتے ہیں کہ وہاں حق وانصاف وقانون سے زیادہ فریقین کی مصلحت اور دلجوئی پر نظر رہے گی۔ ف۱۹۱ (اور ان کے کرتوتوں کو علم خداوندی اور مواخذۂ خداوندی کے حوالہ رکھیے، خود مواخذہ سردست نہ فرمائیے) مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی جو کچھ یہ اپنے دلوں میں کفر ونفاق کی قسم سے چھپائے ہوئے ہیں۔ ف۱۹۲ یعنی خاص ان کی اصلاح سے متعلق ان پر کافی مضامین کی تبلیغ کرتے رہیے کہ ان پر حجت الٰہی قائم رہے۔ وَعِظْهُمْ۔ انہیں نصیحت کرتے رہیے جیسا کہ منصب رسالت کا اقتضا ہے۔ ف۱۹۳ یہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ رسول کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اس کو حاکم اعلیٰ اور مقتدا تسلیم کیا جائے اور امت اسی کے لائے ہوئے قانون اور بتلائی ہوئی شریعت پر چلنا سیکھے۔ ورنہ محض زبانی رسول مان لینے سے تو کوئی حاصل ہی نہیں۔ مِنْ رَّسُوْلٍ۔ میں مِنْ زاید تاکید کی غرض سے ہے۔ من زائدۃ للتاکید (قرطبی) بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اس قید نے واضح کر دیا کہ مطاع حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ رسول ﷺ مطاع اس کے نائب کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ ف۱۹۴ (اور ان کی توبہ قبول ہوگئی ہوتی) اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ اپنی جان پر ظلم اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ رسول زندہ سلامت اپنے درمیان موجود اور پھر ان عدالت سے اعراض، فَاسْتَغْفَرُوا۔ مغفرت چاہتے اپنے اس گناہ کی اور گناہ نفاق کی جَآءُوْكَ۔ آپ کے پاس ندامت کے ساتھ حاضر ہوتے۔ تقدیر کلام یہاں یوں سمجھی گئی ہے ثم جاؤک فامنوا واستغفروا۔ استغفار کے لفظ میں خود ایمان کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اس لئے امنوا کی تصریح کی ضرورت نہ رہی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بغیر ایمان لائے محض حاضری ہرگز کافی نہ تھی۔ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ۔ رسول ﷺ کی خدمت میں ایمان کے ساتھ حاضری اور پھر اللہ سے طلب مغفرت، یہ دونوں چیزیں یقیناً آپ کے قلب سے اثر متاذی کو دور کر دیتیں اور اس کے بجائے انشراح پیدا کر دیتیں اور آپ ضرور ان کے لئے مغفرت طلب کرنے لگتے۔ ایک نو پیدا باطل فرقہ کا آیت کے یہ معنی کرنا کہ ”کتاب اللہ بھی انہیں معافی دے دیتی“ لغت اور قرآن دونوں کے ساتھ تمسخر ہے۔ ف۱۹۵ عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے ہاں ان کا ایمان اس وقت تک معتبر نہ سمجھا جائے گا۔ ان لوگوں سے مراد وہی منافقین اور اسلام کے ظاہری اور زبانی دعویدار ہیں۔ فَلَا وَرَبِّكَ۔ میں لا زائد وتاکید قسم کے معنی میں ہے۔ مزیدۃ لتاکید معنی القسم (مدارک)

ف۱۹۶ آیت نے اسے صاف کردیا کہ رسول ﷺ کی عدالت میں مقدمات محض لے آنا ہرگز ایمان کے لئے کافی نہیں، عقلی واعتقادی حیثیت سے اطمینان بھی رسول ﷺ کے فیصلہ پر ہونا چاہیے۔ ہاں اس کے بعد بھی کوئی طبعی تنگی باقی رہ جائے تو غیر اختیاری ہونے کی بنا پر معاف ہوگی۔ حَتّٰی یُحَکِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ۔ آپ کی حیات مبارک میں تو آپ کا حَکَم بننا ظاہر ہی تھا۔ بعد وفات آپ کی شریعت حَکَم بننے کے لئے کافی ہے۔ فقہانے آیت سے استنباط کیا ہے کہ جو کوئی اللہ یا اس کے رسول ﷺ کے کسی حکم میں شک وشبہ کرے یا ماننے سے انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ و فی هذه الأية دلالة علی ان من ردّ شیئًا من اوامر الله تعالی او اوامر رسول الله ﷺ فهو خارج من الاسلام سواء رده من جهة الشک فیه اومن جهة ترک القبول والا متناع من التسلیم (جصاص) ف۱۹۷ (اور وہی تھوڑے مومن کامل ہوتے) اَنِ اقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِیَارِكُمْ۔ ایک معنی میں تو دونوں حکم اب بھی موجود ہیں یعنی جہاد وقتال اور ترک وطن یا ہجرت اپنے اپنے موقع پر اور تحقق شرائط پر اب بھی واجب ہیں، یہاں مراد یہ ہے کہ اگر یہ احکام خود بھی مقصود بالذات ہوتے اور قتال وہجرت ہر حال میں فرض ہوتے۔ كَتَبْنَا عَلَیْهِمْ۔ قَلِیْلٌ مِّنْهُمْ یہ عَلَیْهِمْ اور مِنْهُمْ میں ضمیر جمع غائب کس کی جانب ہے؟ جائز ہے کہ منافقین کی جانب ہو۔ والضمیر قیل یعود علی المنافقین (بحر) لیکن بہتر یہ ہے کہ مطلق انسانوں یا الناس کی جانب مانی جائے۔ لو کتب الله علی الناس ما ذکر (کبیر) یخبر تعالی عن اکثر الناس (ابن کثیر) مَا فَعَلُوْهُ۔ ضمیر حکم کی جانب ہے والضمیر للمکتوب و دل علیه کتبنا (بیضاوی) اِلَّا قَلِیْلٌ۔ کی ایک قراءت بجائے رفع کے نصب کے ساتھ اِلَّا قَلِیْلًا بھی آئی ہے۔ لیکن ائمہ نحو نے ترجیح اسی مشہور قراءت کو دی ہے۔ ف۱۹۸ (ایمان کے معاملہ میں) یعنی اگر شک، تذبذب، تزلزل کی راہ چھوڑ کر اطاعت رسول میں یکسوئی کے ساتھ لگ جائیں تو انہیں ایمان میں ثبات و استقلال اور اس کی برکتیں از خود نصیب ہونے لگیں۔ ذکر انہی منافقین اور کمزور ایمان والوں کا چل رہا ہے۔ فَعَلُوْا مَا یُوْعَظُوْنَ بِهٖ۔ یعنی اللہ و رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت اگر انہوں نے بہ دل وجان کر لی ہوتی۔ ای ما یؤمرون به من التوبة والاخلاص (ابن عباس) من متابعة الرسول ﷺ و مطاوعته طوعاً ورغباً (بیضاوی) لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ۔ یعنی دنیوی واخروی انفرادی واجتماعی ہر اعتبار سے ان کے فلاح کی صورت پیدا ہو جاتی۔ تَثْبِیْتًا۔ پہلے یہ بتایا کہ احکام دین پر اگر عمل کرتے تو یہ چیز انہی کے کام آتی اور انہی کے حق میں بہتر ہوتی۔ اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ احکام پر عمل کرنے سے خود قوت ایمانی، ضعیف سے قوی اور قوی سے قوی تر ہو جاتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تجربہ سے ثابت ہے کہ دین کا کام کرتے رہنے سے اعتقاد ویقین کی باطنی کیفیت کو بھی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ ف۱۹۹ (آخرت میں) اِذًا۔ یعنی اگر انہوں نے احکام خدا اور رسول کا اتباع کیا ہوتا اور نتیجۃً انہیں خیر وصلاح بھی حاصل ہو چکتی اور دین میں ثبات واستقامت بھی نصیب ہو چکتی۔ ای لو اتبعوا (جلالین) ف۲۰۰ (کہ بے روک ٹوک سیدھے رضاء الٰہی کے مقام، جنت میں داخل ہو جائیں) اور عجب نہیں کہ اسی کی برکت سے دنیا میں بھی سعی وعمل کی صراط مستقیم ان پر خوب روشن ہو کر رہے۔ ف۲۰۱ دنیا کی مادی اور حسی نعمتیں چاہے جتنی بھی ہوں۔ انسان ان سے لطف ولذت لینے میں کچھ کمی ہی محسوس کرتا ہے۔ اگر ساتھ ہی یاران بزم اور شرکاء صحبت بھی اپنے ہم مذاق اور دل پسند نہ ہوں۔ یہاں بشارت اسی نعمت عظیم کی مل رہی ہے کہ اہل جنت کو مادی وروحانی ہر قسم کی نعمتوں کے علاوہ صحبت بھی پاکیزہ ترین، بہترین، انسانیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہونے والوں کی نصیب ہوگی۔ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا۔ میں ایک پہلو حیرت کا بھی ہے اور اسی لئے ترجمہ "کیسے اچھے" سے کیا گیا ہے۔ فیه معنی التعجب کانه قیل وما احسن اولٰئک رفیقا (کشاف) وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ۔ اس اطاعت کا تعلق احکام اور واجبات ضروری سے ہے۔ ورنہ اگر فرائض وواجبات کے علاوہ مستحبات، نوافل، تطوعات کا بھی اسی قدر اہتمام ہو جائے تو پھر درجہ ولایت خود ہی حاصل ہو جائے گا اور بہ طور انعام رفاقت اولیاء نصیب ہونے کے کوئی معنی نہ رہیں گے۔ اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ۔ یعنی باوجود اپنے اعمال میں کمی اور کوتاہی رہ جانے کے اور باوجود بالذات ان کاملین سے مرتبہ میں فروتر ہونے کے انہیں ان کاملین کی جنت نصیب ہو جائے گی۔ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ۔ یہ انعام کمال قرب وصول کی صورت میں ہوگا۔ صِدِّیْقِیْنَ۔ یعنی بات کے کھرے اور معاملہ کے سچے، ایسے کہ سچائی اور حق پسندی گویا ان کی فطرت میں رچ گئی اور ان کی طبیعت کا جزء بن گئی ہے۔ ایمان کے ہر جزء سے متعلق ان کی تصدیق کامل ہوتی ہے۔ ریب وشک کے حدود سے بالاتر۔ کل من صدّق بکل الدّین لایتخالجه فیه شک فهو صدیق (کبیر) البالغ فی الصدق والتصدیق (قرطبی) اردو میں انہی کو اولیاء کہتے ہیں۔ قرب حق میں ان کا نام انبیاء کے بعد ہی ہوتا ہے۔ افضل الخلق هم الانبیاء علیهم السلام وبعد هم الصدیقون (کبیر) الشُّهَدَآء۔ شہید وہ ہے جو دین کی محبت میں اپنی جان تک سے دریغ نہ کرے۔ اور عمل سے ثابت کر دے کہ جس چیز پر وہ ایمان لایا تھا، وہ اسے اس قدر عزیز تھی کہ اس کی خاطر اس نے اپنی جان تک قربان کر دی۔ الصّٰلِحِیْنَ۔ صالحین وہ افراد امت کہلاتے ہیں جو پورے دیندار اور متبع شریعت ہوتے ہیں۔ ف۲۰۲ اللہ کا علم حاوی و محیط ہے۔ ان کی نیتوں کو بھی، ان کے عمل کو بھی، ان کے مقتضائے عمل کو بھی۔ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ۔ یعنی تمام مومنین کو جو کاملین کی معیت ورفاقت نصیب ہوگی، یہ محض فضل خداوندی کا ظہور ہوگا۔ ان کے اعمال کا ثمرہ نہ ہوگا۔

وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۶۵﴾ وَ لَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَیْهِمْ اَنِ
اور اس کو پورا پورا تسلیم کر لیں ف۱۹۶ اور اگر ہم نے ان پر فرض کر دیا ہوتا کہ

اقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِیَارِكُمْ مَّا
اپنے آپ کو مار ڈالو یا یہ کہ اپنے وطن سے نکل جاؤ تو اس کو ان میں سے نہ

فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِیْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا
کرتے کوئی مگر بجز تھوڑے سے لوگوں کے ف۱۹۷ اور اگر یہ (لوگ) وہ کر ڈالتے جس کی

یُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِیْتًا ﴿۶۶﴾
انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے حق میں یہ بہتر بھی ہوتا اور انہیں ثابت قدم رکھنے والا بھی ف۱۹۸

وَّ اِذًا لَّاٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۶۷﴾ وَّ لَهَدَیْنٰهُمْ
اور اس وقت ہم انہیں ضرور اپنے پاس سے اجر عظیم دیتے ف۱۹۹ اور ہم انہیں سیدھی

صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۶۸﴾ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ
شاہراہ دکھا دیتے ف۲۰۰ اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ
تو ایسے لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (اپنا خاص) انعام کیا ہے (یعنی)

النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ ۚ
پیمبر اور اولیاء اور شہید اور صالحین

وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ
اور یہ کیسے اچھے رفیق ہیں ف۲۰۱ یہ فضل ہے اللہ کی

اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِیْمًا ﴿۷۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
طرف سے اور اللہ ہی کا علم کافی ہے ف۲۰۲ اے ایمان والو!

خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾

اپنی احتیاط کر لو پھر گروہ گروہ کوچ کرو یا اکٹھے ف۲۰۳

وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ

اور یقیناً تم میں کوئی ایسا بھی ہے جو دیر لگا دیتا ہے ف۲۰۴ اور پھر تم پر اگر کوئی مصیبت

مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ

آ پڑتی ہے تو کہتا ہے کہ بیشک مجھ پر اللہ نے بڑا فضل کیا کہ میں

مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَ لَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ

ان لوگوں کے ساتھ شریک نہ ہوا ف۲۰۵ اور اگر تمہیں اللہ کا فضل پیش آتا

اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ

ہے تو بول اٹھتا ہے (اس بے تعلقی کے ساتھ کہ) گویا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی (رشتہ) محبت

مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾

تھا ہی نہیں کہ کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو میں بھی بڑی کامیابی حاصل کرتا ف۲۰۶

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ

تو (اگر یہ ہے تو) اسے چاہیے کہ اللہ کی راہ میں لڑے ف۲۰۷ ان لوگوں سے جو دنیا کی زندگی خریدے

الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ

ہوئے ہیں آخرت کے عوض میں ف۲۰۸ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا

لڑتا ہے تو مارا جائے یا جیت جائے (بہر صورت) ہم اس کو عنقریب اجر عظیم

عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

دیں گے ف۲۰۹ اور تمہیں کیا (عذر) ہے کہ تم جنگ نہیں کرتے ہو اللہ کی راہ میں ف۲۱۰

ف۲۰۳ (جیسا موقع اور جیسی مصلحت ہو) قرآن مجید کی اکثر آیتوں کی طرح ان آیتوں کو بھی پوری طرح سمجھنے کے لئے ان کا پس منظر پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اُحد میں ابھی حال ہی میں مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی تھی اور مشرکین کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں اس سے قدرۃً بڑھ گئی تھیں اور اکیلے قریش مکہ ہی نہیں گردوپیش کے دوسرے قبیلے بھی متحد ہو کر اسلام کے خلاف زبردست محاذ تیار کر چکے تھے۔ مسلمانوں کو ہمت، ثبات واستقامت کے یہ درس عین اس وقت دیئے جا رہے ہیں۔ خُذُوا حِذْرَكُمْ۔ حذر کا مفہوم بہت وسیع وجامع ہے۔ ہر چیز جو دشمن سے بچاؤ کے کام آتی ہے۔ اس میں شامل ہے۔ خواہ ہتھیار ہوں خواہ تدبیریں۔ وقس علیٰ ہذا۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کیل کانٹے سے درست اور آمادہ رہو۔" حذر کم ای ما فیه الحذر من السلاح وغیره (راغب) مایحذربه کالحزم والسلاح (بیضاوی) خذ حذرک ای استعد بانواع ما یستعد به للقاء من تلقاه (بحر) ف۲۰۴ (ایسی کہ جہاد میں شریک بھی نہیں ہوتا اور پیچھے رہ جاتا ہے) یہاں مراد منافقین ہیں جو جہاد میں شریک ہی نہیں ہوئے تھے۔ المبطئون منافقوهم تثاقلوا و تخلفوا عن الجهاد (بیضاوی) مِنْكُمْ۔ خطاب یہاں مومنین اور ظاہری مومنین (منافقین) کے مجموعہ سے ہے اور اس مضمون کی آیتوں میں قرآن مجید کا عام طریق خطاب یہی ہے۔ الخطاب لعسکر رسول الله ﷺ المؤمنین منهم والمنافقین (بیضاوی) انما جمع بینهم فی الخطاب من جهة الجنس والنسب لامن جهة الایمان (قرطبی) ف۲۰۵ (نہیں تو میں بھی اسی مصیبت کا شکار ہوتا) اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ۔ مصیبت مثلاً جنگ میں شکست۔ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ۔ یہ وہ فخر و مسرت کے ساتھ کہتا ہے۔ ف۲۰۶ منافقین کی دورنگی اور سیرتِ منافقانہ کو آشکار کیا ہے کہ مومنین کو جب کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو منافقین اپنی بے تعلقی اور علیحدگی پر جھٹ اپنی مسرت و فخر کا اعلان کرنے لگتے ہیں کہ خوب ہوا جو ہم شریک نہ تھے ورنہ ہم بھی اسی بلا میں پھنستے اور مسلمانوں کو جب فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے تو رشک کرنے لگتے ہیں کہ کاش! مال غنیمت ہمارے حصہ میں بھی آتا۔ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ۔ مثلاً جنگ میں فتح و نصرت۔ كَاَنْ...... مَوَدَّةٌ۔ یعنی اس خودغرضی کے ساتھ کہتا ہے جیسے تم مسلمانوں کی خوشی سے اس منافق کو کوئی تعلق ہی نہیں۔ اور اسے تاسف وحسرت صرف اپنی ہی قوت و دولت پر ہے۔ یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ امت اسلامیہ کی خوشی سے خوش ہونا علامات ایمان میں سے ہے۔ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔ منافق کی زبان سے اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ میں بھی خوب دولت حاصل کرتا۔ مالِ غنیمت میں میرا بھی بڑا سا حصہ ہوتا! ف۲۰۷ (اخلاص کامل اور اللہ کی رضا جوئی کی نیت سے) فَلْيُقَاتِلْ۔ میں ف کے معنیٰ ہیں کہ اگر واقعی اسے فوز عظیم ہی منظور ہے۔ ف۲۰۸ یعنی کافروں سے قتال کرے جو دین کی صحیح تعلیم کو بھلائے ہوئے ہیں اور آخرت کے منکر ہیں۔ يَشْرُوْنَ۔ شراء لغات اضداد میں سے ہے۔ یعنی اس کے معنیٰ خریدنے کے بھی ہیں اور فروخت کرنے کے بھی۔ کچھ اس بنا پر اور کچھ آیت کی ترکیب الفاظ کی بنا پر، آیت کے ایک بالکل دوسرے معنیٰ بھی کئے جا سکتے ہیں اور کئے گئے ہیں، یعنی "وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑیں جو دنیا کی زندگی آخرت کے عوض میں فروخت کر چکے ہیں۔" اور اس صورت میں آیت کا تعلق تمام تر مومنین مخلصین سے ہوگا جو اپنی ہر دنیوی خوشحالی اور کامرانی کو رضاء الٰہی پر قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ ائمہ تفسیر نے دونوں ہی پہلو اختیار کئے ہیں۔ وللمفسرین وجهان الاول ان یشرون معناه یبیعون والقول الثانی معنیٰ قوله یشرون ای یشترون (کبیر) یشرون بمعنیٰ یشترون ویبیعون (کشاف) نزلت فی المنافقین ومعنیٰ یشرون یشترون وقیل نزلت فی المؤمنین المخلصین و معنیٰ یشرون یبیعون (معالم) ف۲۰۹ (آخرت میں) یہ آخرت کا اجرِ عظیم مجاہدین کے لئے غلبہ اور شکست (کہ اس کی انتہائی صورت کو فَيُقْتَلْ۔ سے تعبیر کیا ہے) کہ ہر صورت میں موعود ہے۔ مفسر تھانوی نے لکھا ہے کہ فوز عظیم کو اجر سے تعبیر کرنا وعدہ کے تاکد اور ترتب کے تیقن کے لئے ہے۔ ف۲۱۰ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہ اعلاء کلمۃ اللہ تو خود جہاد کا ایک مستقل محرک اور قوی داعی ہے۔ مَا لَكُمْ۔ استفہام سے مقصود ترغیب و تحریص ہے اور خطاب مومنین صادقین سے ہے۔ خطاب للمامورین بالقتال علی طریقة الالتفات مبالغة فی التحریص والحث علیه وهو المقصود من الاستفهام (روح)

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ

اور ان لوگوں کے لئے جو کمزور ہیں مردوں میں سے اور عورتوں اور لڑکوں (میں سے) ف۲۱۱

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ

جو یہ کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو اس بستی سے باہر نکال

الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ

جس کے باشندے (سخت) ظالم ہیں ف۲۱۲ اور ہمارے لئے اپنی قدرت سے کوئی دوست

وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ اَلَّذِيْنَ

پیدا کر دے، اور ہمارے لئے اپنی قدرت سے کوئی حمایتی کھڑا کر دے ف۲۱۳ جو

اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں ف۲۱۴ اور جو کافر ہیں

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ

وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں ف۲۱۵ سو تم لڑو شیطان کے

الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع

ساتھیوں سے اور شیطان کی چال تو لچر ہی ہوتی ہے ف۲۱۶

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ

کیا تو نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رہو

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ

اور نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو ف۲۱۷ پھر جب ان پر

عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ

قتال فرض کر دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ انسانوں سے ایسا ڈرنے لگا

ف۲۱۱ یہ دوسرا داعی جہاد کے لئے ارشاد ہوا۔ کمزوروں کی دستگیری و نصرت اور مظلوموں کی اعانت اور انہیں ظالم کافروں کے پنجے سے رہائی دلانا بجائے خود مقاصد جہاد میں سے ہے۔ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ۔ کا عطف لفظ اللہ پر ہے یعنی فی سبیل اللہ والمستضعفین۔ زجاج اور زہری سے یہی ترکیب منقول ہے۔ عطف علی اسم الله عزوجل ای وفی سبیل المستضعفین وھذا اختیار الزجاج وقاله الزھری (قرطبی) ف۲۱۲ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ۔ مراد مکہ کا شہر اور مکہ کی حکومت ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ القرية ھنا مكة باجماع من المتاولین (قرطبی) الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔ مکہ والے ظالم دہرے معنی میں تھے۔ ایک تو مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم وستم ڈھا رہے تھے۔ دوسری طرف شرک کر کر کے خود اپنی جانوں پر بھی ظلم کر رہے تھے۔ ووصف اھلھا بالظلم اما لا شراكھم واما كما حصل منھم من شدة الوطاة على المومنین واذلالھم (بحر) لاجل انھم كانوا يؤذون المسلمين ويوصلون اليھم انواع المكاره (کبیر) بالشرک الذی ھو ظلم عظیم و باذية المومنين ومنعھم عن الھجرة (روح) ف۲۱۳ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بچوں، عورتوں، مردوں کی ایک خاصی تعداد اسلام لا چکی ہے۔ مگر یہ لوگ سردارانِ قریش کے تشدد کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس پا رہے ہیں۔ نہ دفع ظلم ہی پر قادر ہیں اور نہ ہجرت پر۔ یہاں مناجات اور فریاد انہی لوگوں کی زبان سے ادا ہو رہی ہے۔ آیت سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ ظلم وشقاوت سے بچے، عورتیں، بوڑھے کوئی بھی محفوظ نہ تھے۔ مِنْ لَّدُنْكَ۔ لفظی معنی ہیں "اپنے پاس سے" اردو محاورہ میں ایسے موقع پر "اپنی قدرت سے" آتا ہے۔ یعنی غیب سے اس کا سامان کر دے۔ وَلِيًّا۔ ایسا دوست وہمدرد جو اس مصیبت میں ہمارے ساتھ رہے۔ ہم سے ہمدردی وغمخواری کرے۔ نَصِيْرًا۔ ایسا حمایتی جو ان ظالموں سے ہمیں نجات دلائے۔ ف۲۱۴ (اور جیسا کہ خود حق تعالیٰ ہر قسم کی نفسانی آمیزش وآلایش سے منزہ وپاک ہے۔ اللہ والوں کا لشکر بھی کبھی عدوان وطغیان، ظلم وخیانت، مے نوشی وبدکاری کے آلات حرب سے مسلح ہو کر جنگ کر ہی نہیں سکتا) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ کی قید جو بار بار لگائی جا رہی ہے۔ بے معنی نہیں بہت ہی پُر معنی ہے۔ درحقیقت یہ آیت سلسلۂ جہاد کی آیتوں میں سے ایک کلیدی آیت ہے اس نے صاف صاف اسلامی جہاد کا فرق دنیا جہان کی تمام جنگوں اور جاہلی محاربات سے واضح کر دیا۔ اس نے وضاحت کے ساتھ بتا دیا کہ سچا مسلمان جب اپنے ابنائے جنس پر ہتھیار اٹھائے گا تو توسیع ملک کے لئے نہیں، قومی تفوق کے لئے نہیں، تجارتی منڈیاں قائم کرنے کو نہیں، دوسرے کو نیچا دکھانے کو نہیں، دوسرے پر اپنی برتری ثابت کرنے کو نہیں، رشک وہوس اور جاہ پرستی کے جذبات سے متاثر ہو کر نہیں، بلکہ دنیا کے بلند ترین مقصد، انسانیت کے برترین نصب العین، کلمہ توحید کی برتری اور سر بلندی کے لئے!--- رنگ اور نسل، مرز بوم اور قوم، وطن اور قبیلہ کی عزت وحمیت پر کٹ مرنے والے، اسلامی نقطۂ نظر کی بلندی کو سمجھ بھی سکتے ہیں؟ اسلامی جہاد جب تک اسلامی جہاد رہا، کیا وہاں بھی کسی لشکر کے لئے ہزاروں من اور سیکڑوں ٹن شرابوں کی ضرورت پڑی؟ کیا اس لشکر میں بھی سوزاک اور آتشک کے سیکڑوں ہزاروں مریض سپاہیوں اور افسروں کے لئے امراض خبیثہ کے مخصوص اسپتالوں کا انتظام کرنا پڑا؟--- مسلمان سپاہی کے سینہ میں تو یہ زندہ ایمان رہتا ہے کہ اسے ایک ایک اقدام کا حساب دینا ہے۔ کبھی ان کا قدم ان گندے راستوں پر پڑ سکتا ہے؟ ف۲۱۵ طاغوت کے لفظی معنی پر حاشیہ ۳ پ میں گزر چکا۔ یہاں اس لفظ کو لا کر طاغوتی، جاہلی، سپاہیوں کے تمرد، خدا فراموشی، نفس پرستی اور تجاوز عن الحدود کے پہلو کو نمایاں کرنا ہے۔ طاغوت کا ترجمہ اگر اس موقع پر "نفس" سے کیا جائے تو اردو میں شاید پورا مفہوم ظاہر ہو جائے۔ طاغوت اور نفس کی راہ میں آج بھی جو قومیں وطن پرستی، قوم پروری، ملکی آزادی کے خوشنما لفظ اور لقب کے ساتھ جنگ کرتی رہتی ہیں، ان کی اخلاقی حالت کا جائزہ لے لیا جائے۔ شقاوت و سنگدلی، فریب وخیانت، شراب خواری وحرامکاری جس معیار سے چاہے جانچ لیا جائے جانوروں اور درندوں سے بھی کہیں ابتر حالت نکلے گی--- یہ سب کرشمہ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ لڑنے کے ہیں۔ محاسبہ آخرت سے بے نیاز ہو کر جنگ کرنے کے ہیں۔ ف۲۱۶ (سو شیطانی اور طاغوتی قوتوں کو کبھی بھی مستقل اور پائدار فتح حق کے مقابلہ میں نصیب نہیں ہو سکتی) فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ۔ مسلمانوں کو لڑنے کا حکم مل رہا ہے۔ مگر کس کے مقابلہ میں؟ شیطانوں اور طاغوتیوں کے مقابلہ میں۔ ان کے مقابلہ میں جو دنیا میں شر وفساد، فسق وشرک ہی کی حکومت پھیلانا چاہتے ہیں۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا۔ اس میں مسلمانوں کو ہمت دلائی ہے کہ شیطان کوئی ڈرنے اور سہمنے کی چیز نہیں وہ تم پر حاکم وآمر نہیں۔ تم ذرا ہمت کر جاؤ تو وہ خود تم سے پناہ مانگتا ہوا بھاگے گا۔ اس میں جان تو ہے ہی نہیں۔ حربی زندگی سے قطع نظر، اخلاق ومعاشرت، معاملات وعبادات کے میدان میں بھی شیطان سے مقابلہ کر لینا کچھ دشوار نہیں۔ ضرورت صرف ہمت کی ہے۔ ف۲۱۷ (کہ حالت امن میں اس قسم کی عبادات پر عمل کافی ہے) كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ۔ یعنی جوش انتقام اور قتال سے ابھی باز رہو۔ یہ ذکر کن لوگوں کا ہے؟ اسے سمجھنے کے لئے اس وقت کے حالات پیش نظر رکھنے ضروری ہیں۔ مسلمانوں کو مکہ میں قریش کے مظالم سہتے سہتے ایک زمانہ ہو گیا تھا، اور قدرۃً انتقام کی خواہش ان کے دلوں میں پیدا ہو گئی تھی۔ یہ لوگ بھی آخر اسی خون اور اسی گوشت وپوست کے تھے۔ اور جوش میں آ کر بار بار جنگ کی اجازت طلب کرنے لگے تھے۔ ادھر وحی الٰہی ابھی برابر عفو وحلم، مسامحت ودر گزر کا سبق دے رہی تھی۔ یہاں تک کہ ہجرت کا حکم آ گیا۔ اور مسلمان مدینہ کی پر امن فضا میں منتقل ہو آئے۔ ۱۳۔ ۱۴ سال کی صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست ٹریننگ کے بعد جب علم الٰہی میں مسلمانوں کے اخلاق فاضلہ

كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا

جیسے اللہ سے ڈرنا (ہوتا) ہے یا اس سے بھی بڑھ کر ڈرنا ف۲۱۸ اور وہ لوگ بولے کہ اے ہمارے پروردگار

لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ

تو نے ہم پر قتال کیوں فرض کر دیا، کاش تھوڑی مدت تو اور ہم کو (جینے کی) مہلت دے

قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ

دیتا ف۲۱۹ آپ کہہ دیجیے کہ دنیا کا سامان (بہت ہی) تھوڑا ہے اور آخرت اس کے لئے کہیں

خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا

بہتر ہے جو تقویٰ (اختیار) کرے، ف۲۲۰ اور تم پر دھاگے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا ف۲۲۱ تم جہاں کہیں بھی

تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ

ہو گے وہیں تمہاری موت آ لے گی خواہ تم مضبوط قلعوں ہی میں

مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ

ہو ف۲۲۲ اور اگر انہیں کوئی سکھ پہنچ جاتا ہے تو کہتے ہیں یہ تو

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ

خدا کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی دکھ پیش آ جاتا ہے تو کہتے ہیں

مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ

یہ آپ کے سبب ہوا ف۲۲۳ کہہ دیجیے کہ ہر چیز اللہ ہی کی طرف سے ہے سو ان لوگوں کو

الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ

کیا ہوا ہے کہ گویا یہ بات ہی نہیں سمجھتے ف۲۲۴ تجھے جو بھی سکھ

مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ

پیش آتا ہے وہ بس اللہ ہی کی طرف سے ہے اور جو دکھ

پختہ ہو گئے۔ اور تحمل اور بے نفسی ان کے کردار کے جزء بن گئے تو حکم جہاد و قتال نازل ہوا۔ لیکن ادھر مدینہ کی پرامن فضا میں رہتے رہتے مسلمانوں کے جذبات انتقام دھیمے پڑ گئے تھے اور وہ جوش و ولولۂ قتال باقی نہیں رہا تھا۔ اب طبعی اقتضاء سے میدان جنگ میں جانے سے حیلہ حوالہ ڈھونڈے جانے لگے۔ یہاں ذکر انہی عافیت کوش مسلمانوں کا ہے۔ ف۲۱۸ اللہ کے عقاب کا خوف لاکھ دل میں ہو۔ لیکن یہ عقیدہ بھی تو ساتھ ساتھ رہتا ہے کہ اللہ رحمٰن و رحیم ہے۔ غفور ہے اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ہے۔ عجب کیا جو تمام تر عفو و فضل ہی کا معاملہ فرمائے بہ خلاف اس کے دشمنوں سے بجز ایذا رسانی کے اور کسی برتاؤ کی توقع ہی نہ تھی۔ امام ماتریدی نے فرمایا کہ یہ خوف خوفِ طبعی تھا۔ اس لئے اس پر گناہ نہیں ہوا۔ قال الشیخ ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ هذه خشية طبع لما انهٗ ذٰلک منهم كراهة لحكم الله فالمرء مجبول على كراهة ما فيه خوف هلاكه غالباً (مدارک) فهي على ما طبع عليه البشر من المخافة لاعلى المخالفة (قرطبی) قالوا خوفا وجبنًا لا اعتقادًا ثم تابوا (معالم) اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً۔ اَوْ یہاں بلکہ کے مفہوم میں ہے قيل بمعنٰى بل (بحر) ف۲۱۹ (اور ہم دنیا میں کچھ دن اور اطمینان سے جی لیتے) قَالُوْا۔ مسلمانوں کی زبان سے یہ قول بہ طور تمنا کے تھا۔ بہ طور اعتراض نہ تھا۔ وقولهم محمول على التمنى لتخفيف التكليف لاعلى وجه الانكار (کبیر) لاعلى وجه الاعتراض على حكمه تعالٰى والا نكار لايجابه بل على طريق تمنى التكليف (ابوسعود) یہ قول اگر زبان سے تھا جب بھی چونکہ درجہ تمنا میں تھا، اعتراض و انکار اس سے مقصود نہ تھا، اس لئے قابل مؤاخذہ جب بھی نہ تھا۔ لیکن خود لفظ قَالُوْا سے یہ لازم نہیں آتا کہ زبان سے بھی ادا کیا گیا ہو۔ قول عربی میں جس طرح کلام لسانی کے لئے آتا ہے اسی طرح حدیث نفس کے لئے بھی۔ يقال للمتصور فى النفس قبل الابراز باللفظ قولٌ فيقال فى نفسى قولٌ لم اُظهره (راغب) اور علم الٰہی میں یہ دونوں برابر ہیں۔ اور حدیث نفس یا وسوسہ کا معصیت نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ ائمہ تفسیر نے یہاں حدیث نفس مراد لی ہے۔ يحتمل انهم ما تفوهوا به ولكن قالوه فى انفسهم فحكى الله تعالٰى عنهم (بیضاوی) بالسنتهم او بقلوبهم (روح) يجوزان يكون اعتقدوه و قالوا فى انفسهم فحكى ذٰلک تعالٰى عنهم (بحر) قد جوزان يكون هذا مما نطقت به السنة حالهم من غيران يتفوهوا به صريحا (ابوسعود) بہر صورت آیت ان ظالم پادریوں کی پرزور تردید کر رہی ہے جو یہ کہتے رہتے ہیں کہ مسلمان تو غنیمت کی طمع میں جنگ کے لئے تلے بیٹھے تھے، رسول کو صرف اشارہ کی دیر تھی یا معاذ اللہ۔ یہاں الٹے ان کو ترغیب دینے اور آمادہ کرنے کی ضرورت تھی۔ ف۲۲۰ (اور ہر حکم الٰہی کو بہ خوشی بجا لائے) عدم فرضیت جہاد اور زیست مزید کی مہلت کی تمنا، چونکہ حُبِ دنیا اور مافی الدنیا سے پیدا ہوئی تھی، اس لئے نہایت حکیمانہ انداز میں اصل ضرب اسی پر لگائی گئی۔ اور ارشاد ہوا کہ اس دنیا میں رکھا ہی کیا ہوا ہے۔ جو کچھ ہے وہ بھی بالکل فانی و بے ثبات، طلب و تمنا کے قابل شے تو آخرت ہے اور اس کی لذتوں اور نعمتوں کے حصول کا ذریعہ تقویٰ اور احکام الٰہی کی تعمیل ہے۔ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ۔ سو ایسی حقیر اور بے ثبات چیز کی خاطر التواء حکم جہاد کی تمنا! خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى۔ اور اس تقویٰ ہی کی ایک فرد جہاد ہے۔ ف۲۲۱ (سو یہ کیسے ممکن ہے کہ جہاد کے اعلیٰ ثمرات سے محروم رہ جاؤ) فَتِيْلًا۔ نَقِيْرًا۔ ہی کی طرح عربی میں حبہ بھی تحقیر و تصغیر کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ جیسے اردو محاورہ میں رتی بھر، رائی برابر، ذرہ بھر وغیرہا۔ ف۲۲۲ (تو جب موت ایسی یقینی اور بے پناہ شے ہے تو آخرت میں جہاد کے اجر و مراتب بے حساب سے محروم اور خالی ہاتھ کیوں پہنچو؟) ف۲۲۳ ذکر اب منافقین کا ہو رہا ہے۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب تک مسلمانوں کی بات بنی رہتی، یہ لوگ بھی برابر ان کے شریک رہتے اور کہتے کہ یہ تو عین فضل خداوندی ہے، جس میں ہم تم سب یکساں شریک ہیں اور جب بات بگڑ جاتی تو جھٹ سارا الزام مسلمانوں اور ان کے سردار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھ دیتے کہ یہ جو کچھ پیش آیا، سب آپ ہی کی بے تدبیریوں کا نتیجہ ہے۔ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ۔ مثلاً جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور اس میں حصہ رسدی ان کو بھی مل گیا۔ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ۔ مثلاً جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور اس کا خمیازہ بحصہ رسدی انہیں بھی اٹھانا پڑا۔ يَقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ یعنی یہ کامیابی تو طبعی حالات کی بنا پر تکوینی اسباب سے حاصل ہو گئی۔ اس میں مسلمانوں یا ان کے سردار اعظم کے کسی حسن تدبیر کو کیا دخل۔ منافقین کا یہ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ کہنا بھی بہ طور حمد نہ تھا۔ بلکہ بہ طور محاورۂ زبان تھا۔ جیسے اردو میں لوگ کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ تو تقدیری امور ہیں۔ ف۲۲۴ یہ توجہ دلائی ہے منافقین کی حماقت شعاری اور بے غوری کی عادت پر۔ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ یعنی دکھ ہو یا سکھ، رنج ہو یا راحت، سب کا مسبب الاسباب حقیقی اللہ ہی ہے۔ سکھ اور راحت اگر ہے تو یہ براہ راست اس کے فضل و کرم کا ظہور ہے بلا توسط اعمال۔ اور دکھ یا رنج اگر پیش آ رہا ہے تو یہ اس کے عدل کا ثمرہ ہے بہ توسطِ اعمال۔

ف۲۲۵ (اے انسان!) خطاب اب عام نوعِ انسانی سے ہے۔ یاانسان خطابا عامًا (کشاف) الخطاب عام کانه قیل ما اصابک یا انسان (بحر) والخطاب فیه کما قال الجبائی وروی عن قتادة عام لکل من یقف علیه لا للنبی ﷺ (روح) فَمِنَ اللّٰهِ۔ یعنی اس کے فضل وکرم کا نتیجہ۔ مِنَ اللّٰهِ و مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ یہ دو محاورہ الگ الگ ہیں۔ زبان وادب کے ماہرین نے دونوں میں فرق یہ بتایا ہے کہ دوسرا محاورہ برے بھلے سارے افعالِ تکوینی کے لئے عام ہے بہ خلاف اس کے پہلے محاورہ کا استعمال صرف محلِ رضا پر ہوتا ہے۔ من عند الله اعم یقال فی ما کان یرضاه و یسخطه ولایقال هو من الله الا فی ما کان یرضاه و یامره (بحر) فَمِنْ نَّفْسِكَ یعنی اے بندہ تیری ہی بداعمالی کے سبب سے اور بہ اقتضائے عدلِ الٰہی۔ سَيِّئَةٍ کا اطلاق اس سیاق میں صرف اس برائی پر ہوتا ہے جو واقعۃً بھی برائی ہو۔ محض صورۃً ہی برائی نہ ہو۔ صالحین وابرار کو جو حوادث ومصائب پیش آتے رہتے ہیں وہ صرف صورۃً ہی مصائب ہوتے ہیں۔ حقیقت میں ان کی بلندیٔ مراتب کے لئے اور ذریعۂ رحمت ہوتے ہیں۔ اور اس لئے ان کے حق میں بداعمالی کا ثمرہ ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ **ف۲۲۶** (اور اللہ کی یہ گواہی دنیا میں رسول ﷺ کے کمالات سے ظاہر ہو رہی ہے۔ معجزات وخوارق بھی انہی کمالات کا ایک جزء ہیں۔ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا۔ یہاں صاف لِلنَّاسِ فرمایا ہے۔ للعرب نہیں فرمایا۔ خاتم النبیین کے پیام کی عالمگیری پر دوسری آیات کے علاوہ یہ آیت بھی ایک نص قاطع ہے۔ والناس عام عربهم وعجمهم

سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ

پہنچتا ہے وہ تیرے اپنے ہی سبب سے ہے **ف۲۲۵** اور ہم نے آپ کو انسانوں کی طرف پیمبر بنا کر

رَسُوْلًا ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ

بھیجا ہے اور اللہ کی گواہی کافی ہے **ف۲۲۶** جس نے رسول کی اطاعت کی،

فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ

اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی **ف۲۲۷** اور جو کوئی روگردانی کرلے سو ہم نے آپ کو ان پر

عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا

نگران کرکے نہیں بھیجا ہے **ف۲۲۸** اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ طاعت (قبول ہے) **ف۲۲۹** لیکن آپ کے پاس سے

مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ

باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت شب کے وقت اس کے برخلاف مشورہ کرتی ہے جو کچھ کہ

تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ

وہ کہہ چکے تھے اور اللہ ان کے رات والے مشوروں کو لکھتا جاتا ہے، تو آپ ان کی طرف سے بے التفات

عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

رہیے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے **ف۲۳۰**

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ (کلام) اللہ کے سوا کسی (اور) کی

غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَا

(بحر) فیه رد لمن زعم اختصاص رسالته علیه السلام بالعرب فتعریف الناس للاستغراق (روح) تعریف الناس للاستغراق ای مرسلا لکل الناس لا لبعضهم (ابوسعود) **ف۲۲۷** (کہ عام انسانوں کے پاس کوئی ذریعہ احکامِ الٰہی کی معرفت کا نہیں بجز واسطۂ رسول کے) آیت میں رد آ گیا ان گمراہ فرقوں کا جو رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کے مستلزم نہیں سمجھتے۔ آیت عصمتِ رسول کے مضمون کو بھی واضح طور پر بیان کر رہی ہے کہ اگر رسول سے ذرا بھی خطا وغلطی کا امکان ہوتا تو ان کی اطاعت عین اطاعتِ الٰہی کیسے قرار پا سکتی۔ من اقوی الدلائل علی انه معصوم فی جمیع الاوامر والنواهی و فی کل ما یبلغه عن الله (کبیر) اور علاوہ حدیثِ نبوی کے جہاں یہ مضمون تصریحاً آیا ہے، فقہاء نے خود اس آیت سے بھی نکالا ہے کہ رسول کی نافرمانی عین حق تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ افادبذلک ان معصیة معصیة الله (جصاص) **ف۲۲۸** (سو اگر کوئی ایمان نہیں لاتا تو اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں اور نہ آپ اس لئے زیادہ فکر وغم میں پڑیے۔ فَمَنْ تَوَلّٰى۔ یعنی جو آپ کا کہنا نہ سنے اور آپ کی طرف سے بے توجہی اختیار کرے۔ **ف۲۲۹** ذکر منافقین کا چل رہا ہے۔ یعنی المنافقین (ابن عباس) یہ زبان سے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی عرض کرتے تھے کہ ان کے احکام سر آنکھوں پر۔ آپ کے ارشادات کی تعمیل ہمیں قبول ومنظور۔ طَاعَةٌ۔ خبر ہے مبتدا محذوف ہے۔ وبه امرنا و شاننا طاعة (کشاف) **ف۲۳۰** اس کی کارسازی یہ ہے کہ وہ دنیا میں آپ کو ان کے شر سے اور سازشوں سے محفوظ رکھے گا اور آخرت میں انہیں شدید سزائیں دے گا۔ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ۔ یعنی ان منافقوں کے سردار اور سرغنہ۔ بَيَّتَ۔ رات کی تاریکی اور پوشیدگی میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف سازشیں ہوتی تھیں۔ منصوبے بنائے جاتے تھے۔ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ۔ یعنی خدائی ریکارڈ میں ان کی سازشیں اور منصوبے سب مندرج ومحفوظ ہیں۔ وقت آنے پر یہ سارا دفتر کھلے گا۔ **ف۲۳۱** (جو بشری تالیف وتصنیف کا لازمہ ہے) اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ اس کے مفہوم میں بہت کچھ قیل وقال ہوئی ہے۔ کسی نے کہا کہ بیان میں تناقض مراد ہے اور کسی نے کہا کہ تحقیقات میں فرق مراتب، اور کسی نے کہا ...

حجت شرعی ہے۔ ۳۔ تیسرے یہ کہ احکام میں عامیو
ہے۔ ۴۔ چوتھے یہ کہ رسول اللہ ﷺ اس پر مامو
رہیں۔ آیت سے عقیدۂ امامت کا بھی رد نکل رہا ہے۔ ا
میں ہوتا تو استنباط احکام کی ضرورت کیا تھی۔ امام خود
ہوتا۔ هذه الأية تدل علی بطلان قول القائلین
شیء من احکام الدین نصروصا علیه لع

والمحصنٰت ۵

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ

اور اگر یہ لوگ اسے رسول کے یا اپنے میں سے صاحبانِ امر کے حوالہ کر دیتے **ف۲۳۳**

لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ

ی پر اہلِ علم کی تقلید واجب
تھے کہ استنباطِ احکام کرتے
کسی امامِ معصوم کا وجود امت
الہاماً ان احکام سے واقف
الامامة لانه لو کان کل
له الامام ولزال موقع

مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

کرو یا اسی کو لوٹا دو بیشک اللہ ہر چیز کا

حَسِیْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى

حساب لینے والا ہے ف۲۴۴ اللہ وہ ہے کہ کوئی معبود نہیں بجز اس کے، وہ ضرور تم (سب) کو

یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ

قیامت کے دن جمع کرے گا، اس میں کوئی شبہ نہیں اور کون اللہ سے بڑھ کر بات میں

اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾ؑ فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ

سچا ہے ف۲۴۵ سو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقین کے باب میں دو گروہ ہو گئے ہو ف۲۴۶

وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا

درانحالیکہ اللہ نے ان کے کرتوتوں کے باعث انہیں الٹا پھیر دیا ف۲۴۷ کیا تم چاہتے ہو کہ انہیں راہ دکھاؤ

مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ

جنہیں اللہ نے گمراہ کر رکھا ہے، اور جسے اللہ گمراہ کر دے ان کے لئے تو ہرگز راہ نہ

سَبِیْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ

پائے گا ف۲۴۸ یہ لوگ تو دل سے چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے یہ لوگ کفر کر رہے ہیں تا کہ تم (سب) برابر

سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِیَآءَ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا

ہو جاؤ، ف۲۴۹ سو تم ان میں سے (کسی کو) دوست نہ بنانا جب تک اللہ کی راہ میں

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ

ہجرت نہ کریں ف۲۵۰ اور اگر وہ روگردانی کریں تو انہیں پکڑو اور جہاں کہیں انہیں پاؤ،

حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِیًّا

انہیں قتل کرو اور ان میں سے (کسی کو) دوست

ف۲۴۴ (اس لئے معاشرت کے ان جزئیات کو حقیر سمجھ کر نظرانداز نہ کر دیا جائے) سلام کے جواب میں سلام تو بہر حال واجب ہے۔ اس کے بعد اختیار دو دیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ جوابِ سلام، سلام سے بہتر ہو۔ دوسرے یہ کہ ایسا ہی ہو۔ بہترین قول بعض صحابہ اور تابعین کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلام کرنے والا اگر مسلمان ہے تو اس کا جواب زیادتی کے ساتھ دیا جائے اور اگر غیر مسلم ہے تو اس کے الفاظ دہرائے جائیں۔ ردوھا بافضل منھا فی الزیادۃ علٰی اھل دینکم وملتکم اوردوھا مثل ما سلم علیکم علی غیر اھل دینکم (ابن عباس) اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ۔ یعنی جب تمہیں سلام کیا جائے طریق مشروع پر۔ سلام کے شرعی طریقوں کی تفصیل کتب فقہ میں ملے گی۔ تَحِیَّةٍ۔ حیاک اللہ کے اصل معنی تو زندگی سے خبر دینے کے ہیں۔ پھر دعاء زندگی کے معنی ہو گئے۔ ذٰلک اخبار ثم یجعل دعاء (راغب) اہل عرب جب آپس میں ملتے تھے تو اس کلمہ دعا کو استعمال کرتے تھے۔ اسلام نے اسے سلام کے معنی میں کر دیا۔ فلما جاء الاسلام ابدل ذٰلک بالسلام فجعلوا التحیۃ اسما للاسلام (کبیر) ف۲۴۵ مقصد یہ ہے کہ اللہ کے چھوٹے بڑے سارے ہی ارشادات سے متعلق قلب میں یقین محکم اور اذعان کامل قائم رہنا چاہیے۔ اگر ریب و تذبذب ذرا بھی باقی رہ گیا تو عمل بلکہ عزمِ عمل میں بھی کوتاہی رہ جائے گی۔ اِلٰی۔ یہ کبھی فی کے معنی میں بھی آجاتا ہے اور یہاں تو اسی معنی میں ہے۔ الٰی بمعنی فی (جمل) المراد لیجمعنکم فی الموت (کبیر) فِیْهِ میں ضمیر یَوْم کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور جمع کی طرف بھی۔ فی الیوم او فی الجمع (بیضاوی) معنی بہر صورت یہ ہیں کہ کوئی شبہ اس بیان کی حقیقت اور اس خبر کی صداقت میں نہیں۔ لاشک فی حقیقۃ ما اقول لکم فی ذٰلک واخبر کم من خبری (ابن جریر) ف۲۴۶ (اے مسلمانو! کہ تم میں سے بعض ان کو اب بھی مومن کہے جا رہے ہیں) یہ آیت کس گروہ منافقین کے باب میں ہے؟ روایتیں اس بارہ میں مختلف ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وہ منافقین ہوں جو غزوۂ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی کی سیادت میں جنگ سے قبل ہی واپس چلے آئے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وہ گروہ ہو جس نے مدینہ کی چراگاہ پر ڈاکہ ڈالا تھا۔ اس کا بھی امکان ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں، جو دار الحرب مکہ سے دار الہجرت مدینہ میں آئے۔ اپنا اسلام ظاہر کیا۔ مالِ تجارت لے کر مکہ گئے اور پھر واپس نہ آئے۔ مشرکوں میں مل جل کر وہیں دار الحرب میں رہ پڑے اور سیاق قرآنی کی رو سے یہی قول سب سے زیادہ قوی ہے بہر حال وہ کوئی سے بھی ہوں، تھے منافقین ہی، جو مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف شرکت جنگ سے جی چراتے تھے بلکہ ان کے خلاف طرح طرح کی سازشوں اور منصوبوں میں لگے رہتے تھے۔ جیسا کہ قبل والے رکوع میں ذکر آچکا ہے۔ بلکہ بعض تو دار الاسلام کا قیام جو اس وقت عین علامت اسلام تھی، ترک کر کے دار الحرب میں کافروں سے جا ملے تھے۔ ف۲۴۷ (ان کے علانیہ کفر کی جانب) کافر تو حقیقۃً وہ پہلے ہی سے تھے، اب ان کی جسارتیں اتنی بڑھ گئیں کہ علانیہ دشمنانِ اسلام کے ساتھ ہو کر میدان میں مسلمانوں کے مقابل آگئے۔ بِمَا كَسَبُوْا۔ یہ ان کا اکتسابی ردعمل تھا کہ باوجود قدرت انہوں نے دار الاسلام کو چھوڑ دیا تھا۔۔۔ اس وقت جب کہ ترک اقرار اسلام کی طرح یہ بھی ایک علامت کفر کی تھی من ارتدادھم ولحوقھم بالمشرکین (مدارک) ف۲۴۸ یعنی جب انہوں نے گمراہی کا قصد کر لیا تو اللہ کا قانون تکوینی یہ ہے کہ ہر عزم فعل پر فعل پیدا کر دیا جاتا ہے۔ اور اسی قاعدہ کے مطابق مشیت تکوینی نے انہیں گمراہی میں ڈال دیا تو اب انہیں نکال کون سکتا ہے؟ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ۔ اللہ کی طرف اس اضلال (گمراہ کرنے) کی نسبت منافقین کے کفر اختیاری کے نتیجہ کے طور پر ہے۔ اَتُرِیْدُوْنَ......اللّٰهُ۔ یعنی کیا تم ان کے قلوب میں زبردستی ایمان ڈال سکو گے جو سرے سے ارادہ ہی ایمان کا نہیں کرتے۔ ف۲۴۹ یعنی ان کے مومن ہونے کا کیا ذکر ہے۔ ان کے غلو و کفر کا تو یہ حال ہے کہ الٹے وہ تمہی کو اپنے رنگ میں رنگ لینے اور اپنے میں جذب کر لینے کی دھن میں ہیں۔ ف۲۵۰ (اور دار الحرب کو ترک کر کے دار الاسلام میں نہ آجائیں) اس وقت ہجرت بھی اسلام کے لئے اقرار شہادتین کی طرح لازمی تھی۔ لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِیَآءَ۔ یعنی ان سے مسلمانوں کا سا برتاؤ مت رکھو کہ دوستی کے جواز کے لئے شرط ہے۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یہ قید، بہت ضروری تھی۔ ورنہ یوں تجارت وغیرہ کی غرض سے تو کافر بھی دار الہجرت میں آسکتے تھے۔ دنیا کے قانون میں اسلام کا ثبوت انہی ظاہری چیزوں سے ملتا ہے۔ رہی تصدیق قلب، سو وہ صرف عند اللہ ہے۔ بندوں کے ذمہ اس کی تفتیش نہیں۔

وَّلَا نَصِيرًا ﴿٨٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ

اور مددگار نہ بناؤ و۲۵۱ بجز ایسوں کے جو ان لوگوں سے جا ملتے ہیں جن کے اور تمہارے درمیان

وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَآءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ

عہد ہے و۲۵۲ یا تمہارے ہی پاس اس طرح آتے ہیں کہ ان کے سینے اس سے تنگ ہو رہے ہیں

أَن يُقَٰتِلُوكُمْ أَوْ يُقَٰتِلُوا۟ قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَآءَ

کہ تم سے لڑیں یا اپنی ہی قوم سے لڑیں و۲۵۳ اور اگر اللہ چاہتا تو

ٱللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَٰتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ ٱعْتَزَلُوكُمْ

انہیں تمہارے اوپر مسلط کردیتا تو وہ تم سے ضرور لڑتے و۲۵۴ تو اگر وہ تمہیں چھوڑے رہیں اور تم سے قتال نہ کریں

فَلَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا۟ إِلَيْكُمُ ٱلسَّلَمَ فَمَا جَعَلَ

اور تمہارے ساتھ سلامت روی رکھیں تو اللہ نے ان کے خلاف تمہارے لئے

ٱللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾ سَتَجِدُونَ ءَاخَرِينَ

کوئی راہ نہیں رکھی ہے و۲۵۵ عنقریب کچھ لوگ اور بھی پاؤ گے

يُرِيدُونَ أَن يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا۟ قَوْمَهُمْ كُلَّمَا

جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں و۲۵۶ انہیں جب بھی

رُدُّوٓا۟ إِلَى ٱلْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا۟ فِيهَا ۚ فَإِن لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ

فساد کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اس میں پلٹ پڑتے ہیں و۲۵۷ تو اگر یہ تمہیں چھوڑے نہ رہیں

وَيُلْقُوٓا۟ إِلَيْكُمُ ٱلسَّلَمَ وَيَكُفُّوٓا۟ أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ

اور نہ تمہارے ساتھ سلامت روی رکھیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو (تم سے) روکیں تو تم بھی انہیں پکڑو

وَٱقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا

اور انہیں قتل کرو جہاں کہیں بھی انہیں پاؤ یہی لوگ تو ہیں جن کے خلاف ہم نے

و۲۵۱ یعنی کسی حال میں کوئی علاقہ ان سے محبت کا نہ رکھو۔ نہ حالت امن میں دوستی کا نہ حالت خوف میں استعانت کا۔ فَإِنْ تَوَلَّوْا۔ یعنی اگر یہ ہجرت اور اسلام سے روگردانی رکھیں اور بدستور دارالحرب میں کافر ہی بنے رہیں۔ عن الایمان والھجرۃ (ابن عباس) عن الایمان الظاھر بالھجرۃ (بیضاوی) وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ اس لئے کہ یہ بھی مشرکین محاربین کے حکم میں داخل ہو گئے اور ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا جو مشرکین محاربین کے ساتھ ہوتا ہے۔ کما کان حکم سائر المشرکین (مدارک)

و۲۵۲ (اور ان کے بھی جا کر ہم عہد ہو جاتے ہیں تو گویا اس طرح تمہارے بھی حلیف ہو جاتے ہیں) حلیف کا حلیف بالواسطہ کسی اپنا ہی حلیف ہو جاتا ہے۔ اور اس سے مصالحت وامن حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسوں کے اخذ وقتل کا حکم نہیں۔ گویا بنائے حکم ان کا کفر نہیں بلکہ مادہ ضرر رسانی ہے۔ و۲۵۳ یعنی نہ وہ اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تم سے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں بلکہ دونوں سے صلح وآشتی رکھنا چاہتے ہیں دوسرے لفظوں میں مسلمان ان کی طرف سے بھی امن میں ہیں۔ ان دونوں قسم کے منافقین کو حکم قتل واسیری سے مستثنیٰ کر کے قرآن مجید نے یہ بالکل صاف کر دیا کہ اصل مقصد مسلمانوں کو اذیت ونقصان سے محفوظ رکھنا ہے۔ و۲۵۴ (لیکن اللہ نے ایسا نہیں ہونے دیا اور تمہیں کلفت و پریشانی سے بچالیا) لَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی اگر مشیت تکوینی یہی ہوتی۔ و۲۵۵ یعنی ایسوں سے جنگ جائز نہیں۔ اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں سے نہ لڑیں اور ان کے ساتھ صلح وسازگاری سے رہنا چاہیں، اگرچہ وہ مسلمانوں کا بھی ساتھ کافروں کے مقابلہ میں نہ دیں، ان سے جنگ وقتال جائز نہیں۔

و۲۵۶ اور ان کا یہ چاہنا مکر وخداع کی راہ سے ہے نہ اس سے کہ ان کا دل واقعی لڑائی سے بھر گیا اور وہ اخلاص کے ساتھ صلح وامن چاہتے ہیں۔ یہ وہ منافقین تھے جو اپنے عقیدۂ اسلامی کی طرح اس صلح جوئی اور مصالحت پسندی میں بھی منافقت برت رہے تھے۔ سَتَجِدُوْنَ۔ میں س زمانہ مستقبل کے معنی میں بھی لیا گیا ہے اور استمرار کے معنی میں بھی۔ قیل السین للاستمرار لا للاستقبال (جمل) و۲۵۷ (اور موقع پانے پر مسلمانوں سے لڑنے پر بلا تامل آمادہ ہو جاتے ہیں) اَلْفِتْنَةِ۔ سے مراد کفر وشرک یا فساد عقائد ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن سیاق کھلا ہوا اشارہ قتال مسلمین کی جانب کر رہا ہے فساد عقائد میں تو وہ پہلے ہی سے مبتلا تھے۔ اب موقع پا جانے پر مسلمانوں پر بھی ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ای کلما دعاھم قومھم الی قتال المسلمین (کبیر) اُرْكِسُوْا فِيْهَا۔ یعنی اس میں اندھا دھند اُلٹے منہ گر پڑتے ہیں۔ یہ ان کی شان کفر، بغض مسلمین کے اظہار کے لئے ہے۔ ھذا استعارۃ لشدۃ اصرارھم علی الکفر وعداوۃ المسلمین (کبیر) گویا ان کے کفر اور بدنفسی اور عداوت مسلمین کا اب عملی ثبوت بھی مل جاتا ہے۔

۲۵۸ یعنی ان کا حکم کھلے ہوئے محاربین کا ہے، اور ان پر کھلی ہوئی گرفت، ان کی بدعہدی اور عملی عداوت اسلام کی ہے۔ لظھور عداوتھم ووضوح کفرھم و خیانتھم (روح) لظھور عداوتھم وانکشاف حالھم فی الکفر والغدر و اضرارھم باھل الاسلام (بحر) سلطان یہ لفظ قرآن مجید میں جہاں آیا ہے گرفت اور دلیل ہی کے مفہوم میں آیا ہے۔ قال عکرمة حیثما وقع السلطان فی کتاب اللہ فالمراد بہ الحجة (بحر) ۲۵۹ (خواہ وہ غلطی غصہ میں ہوئی ہو یا نفس عمل میں) شرک، کفر وغیرہ اعتقادی معصیتوں سے قطع نظر، عملی گناہوں میں انسان کے لئے اکبر الکبائر قتل مومن ہے۔ اتنے بڑے گناہ کی جسارت کسی مومن سے بہ ثبات ہوش وسلامتی عقل بہت مستبعد ہے۔ ہاں غلطی اور دھوکے ہی سے ہوجائے تو اور بات ہے۔ اَنۡ یَّقۡتُلَ مُؤۡمِنًا۔ جرم قتل کی فقہاء نے دو قسمیں کی ہیں ایک قتل عمد جس میں آلہ قتل سے کام لیا گیا ہو دوسرے قتل شبہ عمد جس میں کام آلہ قتل سے نہ لیا گیا ہو۔ جو قتل کسی حجت شرعی کی بنا پر، مثلاً قصاص میں کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس پر جرم قتل کا اطلاق ہی نہ ہوگا۔ اِلَّا خَطَـًٔا۔ فقہاء نے قتل خطا کی دو بڑی قسمیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ غلطی قصد وظن میں ہوئی مثلاً دور سے آدمی کو شکار کا جانور سمجھ لیا یا آدمی ہونا تو پہچانا مگر مومن کے اوپر کافر حربی کا دھوکا ہوا۔ دوسرے یہ کہ غلطی نفس عمل میں ہوگئی۔ مثلاً نشانہ لگایا جانور کے مگر پڑ گیا آدمی کے اوپر۔ ۲۶۰ (جو مقتول کے شرعی وارثوں کے درمیان بقدر ان کے حصہ میراث کے تقسیم ہوگا) اگر کوئی وارث نہ ہوا تو ان کا قائم مقام بیت المال قرار پائے گا۔ دِیَۃٌ اس پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ دیت کی مقدار سنت سے صرف سو اونٹ ثابت ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر قیاس کرکے ہزار دینار شرعی یا دس ہزار درہم شرعی ٹھیرادی ہے۔ لیکن جس طرح عراق ومصر وشام کے حالات عرب سے مختلف تھے۔ اسی طرح ہندوستان وغیرہ کے حالات خود ان ملکوں سے مختلف ہیں۔ اس لیے دیت کی مقدار کو ہر ملک کے عرف کے ماتحت قاضی کے اختیار پر چھوڑ دیا جائے، مگر شرط یہ ہے کہ قاضی شرعی مقدار سے کم وبیش نہ کرے۔ البتہ مقتول کے وارثوں کو اختیار ہے کہ خونبہا بالکل معاف کردیں یا کم کردیں۔ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ۔ اس کے تحت میں جس طرح غلام ہے، کنیز بھی شامل ہے۔ ۲۶۱ (خواہ کل، خواہ کوئی جزء) اَنۡ یَّصَّدَّقُوۡا۔ خون بہا کی معافی کو لفظ تصدق سے تعبیر کرنے میں اشارہ اس طرف ہوگیا کہ افضل یہی ہے۔ سمی العفو عنھا صدقة حثا علیہ و تنبیھا علی فضلہ (بیضاوی) ۲۶۲ (اور دیت اس موقع کے لئے نہیں) ظاہر ہے کہ مقتول جب کافروں کے درمیان رہتا تھا تو اس کی دیت بھی کافروں ہی کے ہاتھ میں جائے گی۔ اور کافر کے لئے مسلم کی میراث ممنوع ہے۔ مِنۡ قَوۡمٍ عَدُوٍّ لَّکُمۡ وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ۔ یعنی مقتول تھا تو مومن، لیکن کسی سبب سے حربی کافروں کے درمیان رہ رہا تھا۔ عَدُوٌّ۔ لفظاً واحد ہے لیکن معناً یہاں جمع ہے، اعداء کے مرادف۔ مومن اگر دار الحرب ہی میں رہ گیا اور ہجرت کرکے دار الاسلام میں نہ پہنچ سکا تو اس کی جان تو بہرحال اس کے اسلام کی بناء پر محفوظ سمجھی جائے گی۔ اور اس کے لئے کفارہ دینا پڑے گا۔ لیکن دیت کا تعلق اس کے ایمان سے نہیں بلکہ اس کے مقام سے ہے اور وہ دار الاسلام ہے نہیں، اس لئے یہ واجب نہ آئے گی۔ سقطت الدیة لوجھین احدھما ان اولیاء القتل کفار فلایصح ان تدفع الیھم فیتقووابھا والثانی ان حرمة ھذا الذی لم یھاجر قلیلة (قرطبی) ۲۶۳ (صلح کا یا ذمہ کا) یہاں حکم اس صورت کا بیان ہو رہا ہے کہ مقتول گو غیر مسلم ہے لیکن ایسی قوم کا فرد ہے جو مسلمانوں سے معاہدۂ صلح واتحاد کئے ہوئے یا فقہاء کی اصطلاح میں ذمی یا مستامن ہے۔ ھم اھل الذمة من اھل الکتاب (کبیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ھم المعاھدون من الکفار (کبیر۔ عن الحسن) ھذا فی الذمیّ والمعاھد یقتل خطأً فتجب الدیة والکفارة قالہ ابن عباس والشعبی والنخعی والشافعی واختارہ الطبری (قرطبی) ۲۶۴ گویا کفارہ اور دیت کے لحاظ سے ذمی اور معاہد کافر بھی ایک مسلم کے برابر ہی حق رکھتا ہے۔ وان کان من قوم کفرة معاھدین اواھل الذمة فحکمہ حکم مسلمین فی وجوب الکفارة والدیة (بیضاوی) ان کان المقتول ذمیا فحکمہ حکم المسلم و فیہ دلیل علی ان دیة الذمی کدیة المسلم (مدارک) فَدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤی اَهۡلِهٖ۔ یعنی اس کافر کا بھی خون بہا اس کے کافر وارثوں کو دیا جائے گا۔ ۲۶۵ بس ایسے علیم کل اور حکیم مطلق کے قانون میں کسی ترمیم، کسی تنسیخ کی گنجائش کسی بندہ کو نہیں) تَوۡبَةً مِّنَ اللّٰهِ۔ لفظ توبہ بہت اہم اور بلیغ ہے، ندامت، شرمساری، اصلاح کے سارے پہلو اس کے اندر آگئے۔ مِنَ اللّٰهِ میں اس کی تاکید وتصریح ہے کہ کفارہ اور دیت کے یہ طریقے اللہ کی طرف سے مشروع ہیں، کسی بندہ کی طرف سے نہیں۔ فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ۔ یعنی جس کو باندی یا غلام کی استطاعت ہی نہ ہو۔ اور یہ صورت اس وقت ہندوستان میں تمام تر عائد ہے جب کہ شرعی کنیز اور غلام کا وجود ہی نہیں۔ فصیام شھرین۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ فعلیہ صیام شھرین (قرطبی) [illegible]

لَکُمۡ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِیۡنًا ﴿۹۱﴾ وَ مَا کَانَ لِمُؤۡمِنٍ

تم کو صاف گرفت دے رکھی ہے ۲۵۸ اور یہ کسی مومن کے شایان نہیں

اَنۡ یَّقۡتُلَ مُؤۡمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَ مَنۡ قَتَلَ مُؤۡمِنًا

کہ وہ کسی مومن کو قتل کردے، بجز اس کے کہ غلطی سے ایسا ہوجائے، ۲۵۹ اور جو کوئی کسی مومن کو غلطی سے

خَطَـًٔا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ وَّ دِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ

قتل کر ڈالے تو ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا (اس پر واجب ہے) اور خون بہا بھی جو اس کے عزیزوں کے

اِلٰۤی اَهۡلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّصَّدَّقُوۡا ؕ فَاِنۡ کَانَ مِنۡ قَوۡمٍ

حوالہ کیا جائے گا ۲۶۰ سوا اس کے کہ وہ لوگ (خود ہی) اسے معاف کردیں، ۲۶۱ تو اگر وہ ایسی قوم میں ہو

عَدُوٍّ لَّکُمۡ وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ ؕ

جو تمہاری دشمن ہے درانحالیکہ (وہ بذات خود) مومن ہے تو ایک مسلم غلام کا آزاد کرنا (واجب ہے) ۲۶۲

وَ اِنۡ کَانَ مِنۡ قَوۡمٍۭ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَهُمۡ مِّیۡثَاقٌ فَدِیَةٌ

اور اگر ایسی قوم سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہے، ۲۶۳ تو خون بہا

مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤی اَهۡلِهٖ وَ تَحۡرِیۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ ۚ فَمَنۡ

واجب ہے، جو اس کے عزیزوں کے حوالہ کیا جائے گا اور ایک مسلم غلام کا آزاد کرنا (بھی) ۲۶۴ پھر جس کو

لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ شَهۡرَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ ۫ تَوۡبَةً

یہ نہ میسر ہو اس پر دو مہینے کے لگاتار روزے رکھنا (واجب ہے) یہ توبہ

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۹۲﴾ وَ مَنۡ

اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۲۶۵ اور جو کوئی

یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا

کسی مومن کو قصداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ

ع ۱۲ / ۹

فِيهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ
پڑا رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس کے لئے عذاب عظیم

عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ
تیار رکھے گا ف۲۶۶ اے ایمان والو! جب تم سفر کرو

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى
اللہ کی راہ میں تو خوب تحقیق کرلیا کرو ف۲۶۷ اور جو تمہیں سلام کرتا ہو ف۲۶۸ اسے یہ مت

اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ
کہہ دیا کرو کہ تُو تو مسلمان ہی نہیں ف۲۶۹ تم دنیوی زندگی کا سامان

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ
تلاش کرتے ہو تو اللہ کے پاس تو (بہت) کثرت سے مالِ غنیمت ہے، ف۲۷۰ ایسے ہی

كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ
تم بھی تو پہلے تھے ف۲۷۱ پھر اللہ نے تم پر کرم کیا ف۲۷۲ تو (خوب) تحقیق کرلیا کرو، بیشک

اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ لَا يَسْتَوِي
تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھتا ہے ف۲۷۳ مسلمانوں

الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ
میں سے بلا عذر (گھر) بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور

وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ
اپنی جان سے جہاد کرنے والے برابر نہیں

وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ
ہو سکتے ف۲۷۴ اللہ نے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو

ف۲۶۶ اکٹھی اتنی سخت وعیدیں، بجز کفر، شرک کے اور کسی جرم کی قرآن مجید میں وارد نہیں اور اسی لئے قتل مومن، اشاعرہ ومعتزلہ سب کے نزدیک بالاتفاق اکبر الکبائر ہے اور یہ ڈرنے اور لرز جانے کی چیز ہے۔ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا۔ قتل عمد کی جو معروف اور براہ راست صورتیں ہیں وہ تو ہیں ہی۔ لیکن عجب نہیں کہ اس وعید کے تحت میں قتل مسلم کی وہ ساری صورتیں بھی آجائیں جو کسی غیر شرعی قانون کے مطابق اور کسی کافرانہ آئین ونظام کے ماتحت کی جاتی ہیں مثلاً کسی کافر حکومت کی فوج یا پولیس میں داخل ہو کر اس حکومت کے باغی اور مجرم مسلمان پر گولی چلادینا یا کسی غیر اسلامی عدالت کی کرسی پر مجسٹریٹ یا جج کی حیثیت سے بیٹھ کر کسی مسلمان کو سزائے موت کا حکم سنا دینا وقس علی ہذا۔ مُّتَعَمِّدًا۔ تعمد کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مقتول کے ایمان ہی کی بناء پر اسے قتل کیا جائے۔ یہ صورت تو صاف کفر کی ہے۔ دوسری یہ کہ قتل مسلم کو جائز سمجھ کر۔ یہ صورت بھی کفر ہی کی ہوئی۔ ای قاصدا قتله لايمانه وهو كفر اوقتله مستحلا لقتله وهو كفر ايضاً (مدارک) فَجَزَآؤُهٗ۔ آگے سزا ایسے قاتل کی مذکور ہو رہی ہے جو اس قتل کو جائز سمجھے یا بلا توبہ مرجائے۔ والجمهور على انه مخصوص بمن لم يتب (بیضاوی) وهو عند نا مخصوص لما مستحل له (بیضاوی) پھر یہ بھی لحاظ رہے کہ نوعیت جرم کی شدت کے لحاظ سے اصل سزا یہی ہے جو یہاں مذکور ہوئی، لیکن یہ لازمی نہیں کہ ہر مومن کو بھی انتہائی سزا مل کر ہی رہے اور یہ تفسیر حدیث نبوی سے ماخوذ اور اسی پر مبنی ہے۔ دنیوی قانون میں بھی جرائم کی ایک انتہائی سزا مقرر ہوتی ہے لیکن یہ حاکم کی رائے تمیزی پر ہوگا کہ اس حد کے اندر جتنی سزا مناسب سمجھے دے۔ معناه هي جزاءهٗ ان جازاه ولكنه ان شاء حذبه وان شاء غفرله بكرمه فانه يغفر لمن يشآء (معالم) قال عليه السلام هي جزاءهٗ ان جازاه (مدارک) جمہور اہل سنت کا مذہب ہے کہ قاتل اگر مسلم ہے تو اس کی توبہ بھی بالآخر قبول ہو جائے گی۔ اور خلود فی النار کی سزا صرف کافروں اور مشرکوں کے لئے رہ جائے گی۔ اس عقیدہ کے دلائل کتاب و سنت سے ماخوذ کلام وعقائد کی کتابوں میں اپنی جگہ پر مبسوط درج ملیں گے۔

ف۲۶۷ (ہر امر کی اور خصوصاً قتل کے باب میں) یہ مسلمانوں کو ہدایت ہو رہی ہے کہ جب تم وطن سے باہر سفر جہاد میں ہو تو بلا خوب چھان بین کیے محض شک و شبہ کی بناء پر قتل میں جلد بازی نہ کر دیا کرو۔ فَتَبَيَّنُوْا۔ خوب سوچ بچار لو۔ ایسا نہ ہو کہ کافر کے خیال میں کسی کلمہ گو کو قتل کر ڈالو۔ تحققوا حتى يتبين لكم المومن من الكافر (ابن عباس رضی اللہ عنہما) المقصود من هذه الأية المبالغة فى تحريم قتل المومنين (کبیر) یہ تحقیق واحتیاط، سفر وحضر ہر حال میں واجب ہے۔ سفر جہاد کی قید آیت میں صرف اس لئے ہے کہ نزول آیت سے قبل ایسا واقعہ اتفاق سے سفر جہاد ہی میں پیش آیا تھا۔ والتبيين اى التثبت فى القتل واجب حضرا وسفرا لاخلاف فيه دائماً خص السفر بالذكر لان الحادثة التى فيها نزلت الأية وقعت فى السفر (قرطبی) احادیث نبوی میں یہ مضامین بار بار آئے ہیں کہ ایک کلمہ گو کا قتل ہو جانا اللہ کے ہاں ہزار کافروں کے زندہ بچ جانے سے، بلکہ ساری دنیا کے فنا ہو جانے سے شدید تر ہے۔ فان ابقاء الف كافر اهون عندالله من قتل امرئ مسلم (بیضاوی) وفى الحديث زوال الدنيا اهون على الله من قتل امرئ مسلم (کشاف) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی راہ جہاد میں ای فرعنهم فى الجهاد (ابن عباس رضی اللہ عنہما)

ف۲۶۸ مسلمانوں کے طریقہ پر یا اور کسی ایسی ہی علامت سے اپنے اسلام کا اظہار کر رہا ہو) ف۲۶۹ (بلکہ محض جان بچانے کو اظہار اسلام کر رہا ہے) مقصد یہ ہے کہ قتل سے دستکشی اس شخص کے مجرد اظہار اسلام سے واجب ہو جاتی ہے۔ اس کے باطن کی تفتیش ہرگز تمہارے ذمہ نہیں۔ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جان و مال کو محفوظ کر دینے والی شے کلمہ شہادت ہے۔ کافر غیر معاہد بھی اگر اسے پڑھ دے گا تو مسلم کے لئے اس پر تلوار اٹھانا حرام ہو جائے گی) المسلم اذا لقى الكافر ولا عهدله جازله قتله فان قال لا اله الا الله لم يجز قتله لا نه قداعتصم بعصام الاسلام المانع من دمه و ماله واهله (قرطبی) آیت سے بعض فرقوں نے استدلال یہ کیا ہے کہ ایمان مجرد قول کا نام ہے لیکن اہل تحقیق کا قول ہے کہ ایمان فقط اقرار لسانی کا نام نہیں اور زبان سے اقرار تو منافقین بھی کرتے تھے بلکہ ایمان کی حقیقت میں تصدیق قلب بھی شامل ہے البتہ بندوں کے پاس علم کا کوئی ذریعہ بجز لفظ وقول کے نہیں، استدل بهذه الأية من قال ان الايمان هو القول وليس فى ذلک ان الايمان هو الاقرار فقط الاترى ان المنافقين كانوا يقولون هذا القول وليسوا بمومنين خشية ان الايمان هو الاقرار وغيره وان حقيقة التصديق بالقلب ولكن ليس للعبد طريق اليه الاماسمع منه فقط (قرطبی) ف۲۷۰ یعنی اگر مال غنیمت کی طمع تمہیں ایک مدعی اسلام کے قتل میں جلد بازی اور بے احتیاطی کی طرف لا رہی ہے تو یہ یاد رکھو کہ مال اور مال غنیمت کا سرچشمہ بھی تو اللہ ہی کی ذات ہے اور وہ اس پر قادر ہے کہ وہ تمہیں اس کی بڑی سے بڑی مقدار قانون شریعت کے اتباع ہی سے دے۔ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (عرض وہ چیز ہے جو بذات خود قائم نہ رہ سکے اور اسی لئے متکلمین نے جوہر کے مقابل کی اصطلاح رکھی ہے) العرض ما لايكون له ثبات ومنه استعار المتكلمون العرض لمالاثبات له الا بالجوهر (راغب) یہاں عرض سے مراد مال ہے اور بجائے مال کے عرض اسی لئے لایا گیا ہے کہ اس سے مال کی بے ثباتی اور زود فنائی کی جانب بھی پورا اشارہ ہو جائے۔ شبّه تعالٰى بتسميته عرضا على كونه سريع الفناء قريب العرض المال سمى به لسرعة فنائه (مدارک) الانقضاء (کبیر) ف۲۷۱ یہ تو مسلم صحابیوں اور

وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ
بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں فضیلت دے رکھی ہے اور بھلائی کا وعدہ
اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى
تو اللہ نے سب (ہی) سے کر رکھا ہے و۲۷۵ اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم
الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً
کے لحاظ سے برتری دے رکھی ہے و۲۷۶ یعنی اللہ کی طرف سے (بہت سے) درجے اور بخشش
وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
اور رحمت، اور اللہ ہے ہی بڑا بخشش والا، بڑا رحمت والا و۲۷۷ بیشک ان لوگوں کی جان جنہوں نے
تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ
اپنے اوپر ظلم کر رکھا ہے (جب) فرشتے قبض کرتے ہیں تو ان سے کہیں گے کہ تم کس کام میں
كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا
تھے و۲۷۸ وہ بولیں گے ہم اس ملک میں بے بس تھے و۲۷۹ فرشتے کہیں گے کہ
اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ
اللہ کی سر زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟
فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾
تو یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے و۲۸۰
اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ
بجز ان لوگوں کے جو مردوں اور عورتوں بچوں میں سے کمزور ہوں
لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾
(کہ) نہ کوئی تدبیر ہی کر سکتے ہوں اور نہ کوئی راہ پاتے ہوں و۲۸۱

ع ۱۳ / ۵ / ۱۰

دوسروں کو یاد دلایا ہے کہ آخر تمہارے اوپر بھی تو یہ دور گزر چکا ہے کہ تمہارے پاس تمہارے اسلام و ایمان کا ثبوت بجز تلفظ کلمہ اور زبانی دعوی کے اور تھا کیا؟ تمہارے اخلاص قلب اور تمہارے حسن اعمال کی شہادت تو بہت بعد کو پیش ہوئی۔ اول ما دخلتم فی الاسلام سمعت من افواهکم کلمة الشهادة فحصنت دماء کم واموالکم من غیر انتظار الاطلاع علی مواطاة قلوبکم لالسنتکم (کشاف) و۲۷۲ (کہ تمہارے اس اعلانِ اسلام اور وعدے کو کافی سمجھ لیا گیا اور تمہارے ایمان کو معتبر قرار دینے کے لئے تفتیش باطن کا حکم نہیں دیا) فعلیکم بان تفعلوا بالداخلین فی الاسلام کما فُعِل بکم وان تعتبروا ظاهر القول (کبیر) هذا هو الذی اختاره اکثر المفسرین (کبیر) دوسری صورت اللہ کے فضل و کرم کی یہ بھی قرار دی جاسکتی ہے کہ اس نے تمہارے اس ابتدائی اسلام کو اب مشہور و معلوم کرا دیا اور تمہیں استقامت اور حسن عمل کی توفیق دی۔ لاشتهار بالایمان والاستقامة فی الدین (بیضاوی) حیث نوّر نور الایمان فی قلوبکم و ایمانکم علی العمل به والمحبة له (کبیر) بالاستقامة والاشتهار بالایمان (مدارک) و۲۷۳ (سو اگر تم نے کوئی بھی بے احتیاطی کی تو اس کے ساتھ تمہارا کون سا عذر چل سکے گا) فَتَبَيَّنُوْا۔ تحقیق واحتیاط کے لئے بتکرار دعوت یا اہتمام حکم کی غرض سے۔ اعادة الامر بالتبیین تدل علی المبالغة فی التاکید من ذٰلک الفعل (کبیر) کرر الامر بالتبیین لیؤکد علیهم (مدارک) اعاد الامر بالتبیین اللتاکید (قرطبی) ایک سوال یہ پیدا ہوا کہ آیا زندیق کی توبہ قبول ہو گی؟ فقہاء نے اس آیت کی رو سے جواب دیا ہے کہ قبول ہوگی۔ اختلفوا فی ان توبة الزندیق هل تقبل امرلا فالفقهاء قبلوها واحتجوا علیه بوجوه الاول هٰذه الاٰیة (کبیر) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے استدلال کر کے فرمایا ہے کہ بچوں کا اسلام بھی قبول ہوگا۔ اس لئے کہ آیت عام ہے۔ بالغ اور نابالغ کی اس میں کوئی قید نہیں۔ قال ابو حنیفة رحمۃ اللہ علیہ دلت هٰذه الاٰیة علی صحة اسلام الصبی لان قوله ولا تقولوا لمن القٰی الیکم السلٰم لست مؤمنا عام فی حق الصبی وفی حق البالغ (کبیر) بلکہ منافقین خود بھی جو اپنے جان و مال کو مسلمانوں سے بچائے ہوئے تھے، وہ کلمۂ اسلام کے تلفظ ہی کی بنا پر تو تھا، درآنحالیکہ عنداللہ ان کا کفر بالکل ظاہر تھا۔ اور رسول اللہ پر بھی اکثر صورتوں میں روشن ہو گیا تھا۔ وقد کان المنافقون یعصمون دمائهم واموالهم باظهار هٰذه الکلمة مع علم اللہ تعالٰی باعتقادهم الکفر و علم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنفاق کثیر منهم (جصاص) و۲۷۴ (اللہ کے ہاں درجہ اور مرتبہ میں) اُولِي الضَّرَرِ کے لفظی معنی تو ہوئے ”بے دکھ والے“ لیکن یہاں ضرر مرض سے کہیں زیادہ وسیع معنی میں ہے اور ہر قسم کے عذر و مانع کو شامل ہے اور اہل الضرر اہل العذر کے مرادف ہے۔ قال العلماء اهل الضررهم اهل الاعذار (قرطبی) الضرر النقصان سواء کان بالعمی اوالعرج اوالمرض او کان بسبب عدم الاهبة (کبیر) اَلْقٰعِدُوْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ۔ کی تقدیر کلام یوں ہے۔ القاعدون الذین هم غیر اولی الضرر (قرطبی) مطلب صاف ہے۔ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے والے اور بلا عذر گھر میں بیٹھے رہنے والے اللہ کے ہاں فضیلت و مقبولیت میں برابر نہیں ہو سکتے۔ یہیں سے یہ مطلب بھی صاف ہو گیا کہ جہاد فرض عین نہیں، فرض کفایہ ہے۔ اگر فرض عین ہوتا یعنی ہر ہر فرد پر فرض ہوتا تو ان بیٹھ رہنے والوں اور نہ شریک ہونے والوں پر یقیناً عتاب و وعید کے الفاظ وارد ہوتے رہتے۔ فیه دلالة علی ان الجهاد لیس بفرض عین بل هو فرض کفایة (ابن کثیر) قال الفقهاء فیه دلیل علی ان فرض الجهاد علی الکفایة ولیس علی کل احد بعینه (کبیر) وهٰذا دلیل علی ان فرض الجهاد علی الکفایة ولیس علی کل احد بعینه (جصاص) فرقہ شیعہ نے آیت سے استدلال یہ کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ظاہر ہو رہی ہے اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جہاد و قتال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہیں زیادہ کیا ہے اور اس کو آیت میں معیار فضیلت قرار دیا گیا ہے۔ استدلال باطل ہے۔ اگر مطلق قتل کفار ہی معیار فضیلت ہوتا تو بہ قول امام رازی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل واشرف ہوتے۔ حالانکہ اس کے قائل شیعہ بھی نہیں۔ معلوم ہوا کہ افضلیت کلی کے اجزاء اور بھی متعدد ہیں۔ مثلاً تبلیغ دین میں مصروفیت، اقامت احکام و استحکام ملت میں مشغولیت وغیرہا۔ اور ان سارے امور میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ٹھیک اپنے آقا سردار کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابی بڑی تعداد میں آپ ہی کی سعی و تبلیغ سے ایمان لائے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مجاہدانہ جوہر مدینہ میں آکر چمکے۔ جب اسلام کو یک گونہ غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔ برخلاف اس کے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دین کی گرانبہا خدمتیں اس وقت سے انجام دینا شروع کر دی تھیں جب ملت غایت ضعف و پستی میں تھی اور امت ہر طرف سے زغۂ اعداء میں محصور! (کبیر) و۲۷۵ (مجاہدین سے ان کے جہاد کی بنا پر۔ اور قاعدین سے ان کے دوسرے اعمال حسنہ کی بنا پر) كُلًّا۔ (یعنی مجاہدین اور قاعدین دونوں سے) ای کل فریق من القاعدین و المجاهدین (قرطبی) اَلْحُسْنٰى۔ یعنی جنت اور آخرت کی نعمتیں۔ المثوبة الحسنی وهی الجنة (بیضاوی) الجنة والجزاء الجزیل (ابن کثیر) اَلْمُجٰهِدِيْنَ وَالْقٰعِدِيْنَ۔ دونوں لفظوں میں جہاد اور قعود کے عموم مفہوم کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ بیان یقیناً میدانِ جہاد میں جانے والوں اور میدانِ جنگ سے رہ جانے والوں کا ہے۔ لیکن لفظ جہاد کو قتال کے معنی میں مخصوص و محدود کر

دینا صحیح نہیں۔ بلکہ نصرت دین کی ہر سعی وفکر اس کے اندر آجاتی ہے (جس کی ایک فرد یقیناً قتال بھی ہے) علی ہذا قعود یا خانہ نشینی کے تحت میں ہر امر شریعت میں سستی آجاتی ہے۔ اور اسی کی ایک اہم فرد قتال سے جی چرانا بھی ہے) گویا فضیلت دین کے ہر کام کرنے والے کو نہ کرنے والے پر حاصل ہے۔ اور اس سے یہ شبہ مٹ گیا کہ لشکر قتال کا ایک ایک سپاہی ہر غیر مقاتل سے افضل ہے خواہ وہ غیر مقاتل کسی پایہ ومرتبہ کا محدث، مفسر، فقیہ، متکلم وصوفی وغیرہ خادم دین ہو۔ و۲۷۶ اہل لطائف نے یہاں یہ نکتہ لکھا ہے کہ المجاهدون باموالهم وانفسهم (جان ومال سے جہاد کرنے والوں) کا ذکر تو اوپر آچکا ہے۔ اب یہاں ذکر مطلق مجاہدین کا بغیر کسی قید کے ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی زندگی کا رخ تمام تر غیر اللہ سے اللہ کی طرف پھیر لیں اور یہ مجاہدات صوفیہ کا اعلیٰ مقام ہے۔ وجب ان يكون المراد منه من كان مجاهدا على الاطلاق فى كل الامور وهواشرف انواع المجاهدة و حاصل هذاالجهاد صرف القلب من الالتفات الى غيرالله الى الاستغراق فى طاعة الله (کبیر) و۲۷۷ چنانچہ شان غفوریت کے تقاضہ سے وہ ان کا ہر عذر قبول کرلے گا اور شان رحیمیت کے تقاضہ سے انہیں اجر مزید عنایت کرے گا۔ و۲۷۸ یعنی دار الکفر دار الحرب میں رہ کر دین کے کن کن کاموں میں لگے ہوئے تھے کہ ہجرت کو نہ نکلے؟ یہ تعریض ہے ان کے ہجرت نہ کرنے پر اور دار الحرب میں رہنے پر قانع وراضی ہو جانے پر۔ التوبيخ بانهم لم يكونوا فى شىء من الدين حيث قدروا على المهاجرة ولم يهاجروا (کبیر) یہ وہ لوگ تھے جو مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اقرار کر چکے تھے لیکن جب ہجرت فرض ہوئی تو یہ مسلمانوں کے ساتھ نہ آئے۔ مکہ ہی میں رہ گئے۔ یہاں تک کہ پھر مشرکین کا ساتھ دینے لگے۔ المراد بالجماعة من اهل مكة كانوا قد اسلموا واظهروا للنبى ﷺ الايمان به فلماهاجر النبى ﷺ اقاموامع قومهم وفتن منهم جماعة فافتتنوا (قرطبی) نزلت فى اقوام من اهل مكة كانواقداسلموا و اٰمنوا بالله وبرسوله وتخلفواعن الهجرة مع رسول الله ﷺ حين هاجر وعرض بعضهم على الفتنة فافتتن (ابن جریر) نزلت فى قوم من المنافقين كانوا يظهرون الايمان للمؤمنين خوفااذارجعواالى قومهم اظهروا لهم الكفر ولايهاجرون الى المدينة (جصاص) یہ عتاب خود اس امر کی دلیل ہے کہ ہجرت اس وقت فرض عین تھی۔ هذا يدل على فرض الهجرة فى ذلك الوقت (جصاص) فتح مکہ کے بعد ہجرت واجب نہ رہی۔ حدیث نبوی میں ارشاد ہوا ہے۔ لاهجرة بعد الفتح۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ہجرت کا وجوب اس وقت اس لئے تھا کہ منکرین کی ایذا اور مزاحمت سے محفوظ رہ کر مسلمان حکومت الٰہی کے اندر رہیں اور قانون الٰہی کا نفاذ اپنے ہاں کرسکیں۔ جب لشکر اسلام کو کافی قوت حاصل ہوگئی اور منکرین کی مزاحمت کا زور ٹوٹ گیا تو ہجرت بھی واجب نہ رہی لیکن پھر کہیں اور جب بھی وہی وجوہ ہجرت پائے جانے لگیں گے ہجرت واجب ہو جائے گی۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ۔ صیغۂ جمع ہے۔ مراد ہیں ملک الموت اور ان کے انصار۔ المراد ملک الموت واعوانه (بحر) لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ تنہا ملک الموت مراد ہے اور صیغۂ جمع ان کے لئے ان کی عظمت کے اظہار کے لئے لایا گیا ہے۔ الملٰئكة هنا قيل ملک الموت هو من باب اطلاق الجمع على الواحد تفخيمًاله وتعظيمًا لشانه هذا قول الجمهور (بحر) اور واحد پر لفظ جمع کا اطلاق محاورۂ عرب میں عام ہے۔ والعرب قد تخاطب الواحد بلفظ الجمع (معالم) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب تک ذکر جہاد کا تھا۔ جس کا خلاصہ ہے شر کفار کا دفع عام۔ اب ذکر ہجرت کا شروع ہو رہا ہے جس کا ماحصل ہے شر کفار کا دفع خاص۔ پہلا حکم اجتماعی تھا اور یہ دوسرا انفرادی ہے، دونوں میں غرض مشترک اقامت دین ہے۔ و۲۷۹ یعنی ہم اپنے ملک میں محض مغلوب اور بے بس تھے۔ احکام دین پر عمل کرنا ہمارے بس میں نہ تھا۔ اس لئے ترک فرائض میں معذور رہے۔ و۲۸۰ فقہاء نے لکھا ہے کہ جب ایک ملک میں رہ کر فرائض دین پوری طرح نہ ادا ہو سکتے ہوں اور یہ معلوم ہو کہ کوئی دوسرا ملک ہے

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دے گا اور اللہ تو ہے ہی

عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَ مَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

بڑا معاف کرنے والا، بڑا بخشنے والا و۲۸۲ اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا

يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَ مَنْ

وہ زمین پر جانے کی بہت جگہ اور گنجائش پائے گا و۲۸۳ اور جو کوئی

يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کرتا ہوا نکلے

ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ

اور اسے پھر موت آئے و۲۸۴ تو اس کا اجر یقیناً اللہ کے ذمہ ثابت رہا

وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِى

اور اللہ تو ہے ہی بڑا بخشنے والا، بڑا مہربان و۲۸۵ اور جب تم زمین میں

الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ

سفر کرو تو تم پر اس باب میں کوئی مضائقہ نہیں کہ نماز میں

الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

کمی کر دیا کرو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر لوگ تمہیں ستائیں گے و۲۸۶

اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَ اِذَا

بیشک کافر تو تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہی ہیں اور جب

كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ

آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کے لئے نماز قائم کریں تو چاہئے کہ ان میں کا ایک گروہ

ع ۱۴ / ۱۱

جہاں فرائض دین ادا ہو سکتے ہیں تو پہلے سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت واجب ہو جاتی ہے۔ والاٰية تدل على ان من لم يمكن اقامة دينه فى بلده كما يجب وعلم انه يمكن من اقامته فى غيره حقت عليه المهاجرة (مدارک) هذا يدل على الخروج من ارض الشرک الى اىّ ارض كانت من ارض الاسلام (جصاص) و۲۸۱ یعنی ایسے لوگ جو فی الواقع اپنے ضعف جسمانی کی بنا پر نہ سفر ہجرت پر قادر ہوں۔ اور نہ کسی دار الاسلام کا پتہ نشان انہیں مل رہا ہو۔ اى لايجدون اسباب الهجرة ومباديها ولايعرفون طريق الموضع المهاجر اليه (روح) حِيْلَةً۔ عربی میں تدبیر کے لئے عام ہے۔ اردو کے "بہانہ" کے مرادف نہیں۔ و۲۸۲ عفو کا تعلق ماضی سے ہے اور غفو کا مستقبل سے یعنی ان کی پچھلی کوتاہیوں کو معاف کر دینے والا ہے اور آئندہ ان کے حق میں مغفرت کرنے والا ہے۔ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ۔ یعنی ان سے یہ فریضہ ہجرت سرے سے ساقط ہی کر دیا جائے۔ عَسَى اللّٰهُ۔ عسىٰ سے متعلق اوپر ذکر گزر چکا ہے کہ جب اس کے فعل کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے تو مراد محض توقع یا امید نہیں رہ جاتی ہے بلکہ تیقن پیدا ہو جاتا ہے۔ وعسىٰ ان كان للاطماع فهو من الله واجب (مدارک) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ عدم ہجرت کا گناہ فی الاصل اس قدر سخت ہے کہ

مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا

آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور وہ لوگ اپنے ہتھیار لئے رہیں ف۲۸۷ پھر جب

فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَاۗىِٕفَةٌ اُخْرٰى

وہ سجدہ کر چکیں تو اب چاہیے کہ وہ تم لوگوں کے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے

لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ

آجائیں اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے

وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ

ہتھیار (ساتھ) لئے رہیں ف۲۸۸ کافروں کی تو خواہش ہی یہ ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان

عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ

سے (ذرا) غافل ہو جاؤ تو یہ لوگ تمہارے اوپر یک بارگی ہی

مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ

ٹوٹ پڑیں ف۲۸۹ اور تمہارے لئے اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ اگر تمہیں

اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا

بارش سے تکلیف ہو رہی ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار

اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ

اتار رکھو اور اپنے بچاؤ کا سامان لئے رہو ف۲۹۰ بیشک اللہ نے کافروں

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۱۰۲ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ

کے لئے ایک رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے پھر جب تم (اس) نماز کو ادا کر چکو

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا

تو اللہ کی یاد میں لگ جانا کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ف۲۹۱ اور پھر جب

کے لئے) یعنی کوئی ہجرت کر کے دیکھے تو۔ اللہ کی سرزمین تنگ نہیں۔ اس زمین پر اسے متعدد جگہیں مل جائیں گی جہاں وہ آزادی سے اپنے دین کا اظہار کر سکے گا۔ بعض اہل لطائف نے کہا کہ مراغم اور سعۃ دو الگ الگ لفظ لانے میں اشارہ یہ ہے کہ اس دنیا میں اظہار دین کی جگہیں مل جائیں گی اور آخرت میں فراخ اور وسیع بہشتیں ملیں گی۔ ف۲۸۴ (قبل اس کے کہ وہ اپنی منزلِ مقصود یا ہجرت گاہ تک پہنچ سکے۔ اور اس لئے گویا بہ ظاہر ناکام رہے) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ ہر ایسی مجبوری جو انسان کو عاجز و بے بس کر دے، موت ہی کے حکم میں داخل ہے۔ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یعنی ایسے مقام کی طرف چلے جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کا اظہار کر سکے۔ ایے الی حیث امر اللہ ورسولہ (مدارک) محققین نے لکھا ہے کہ ہر ایسا سفر جو رضاء الٰہی کے لئے ہو مثلاً سفر حج، یا طلب علم دین کے لئے سفر، ہاجر کے لحاظ سے سفر ہجرت کے حکم میں داخل ہے۔ قالوا کل ھجرۃ لطلب العلم اوحج اوجھاد اوفرار الی بلد یزداد فیہ طاعۃ اوقناعۃ اوزھدا اوابتغاء رزق طیب فھی ھجرۃ الی اللہ ورسولہ (مدارک) ف۲۸۵ (تو اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ اس ناکامی پر بھی پورا ہی اجر دے دے جو کامیابی پر موعود تھا) ھذا یدل علی ان من خرج متوجھا لفعل شیء من القرب ان اللہ یجازیہ بقدر نیتہ وسعیہ وان انقطع دونہ (جصاص) ف۲۸۶ یہ آخر کا فقرہ جیسا کہ شارع علیہ السلام کا عمل اس پر گواہ ہے اور سارے اہل علم بجز خوارج کے اس پر متفق ہیں، بہ طور شرط کے نہیں کہ صرف اسی حالت میں نماز قصر کی جائے بلکہ اس فقرہ میں نزول آیت کے وقت کی صرف حالت واقعی کا بیان ہے ورنہ قصر صلوٰۃ کا حکم ہر سفر کے لئے عام ہے۔ والخوف شرط جواز القصر عند الخوارج بظاھر النص وعند الجمھور لیس بشرط (مدارک) والذی علیہ الائمۃ ان القصر المشروع فی الامن ایضا وقد تظاھرت الاخبار علٰے ذلک (روح) اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ۔ سفر شرعی کی مسافت تین منزل کی قرار پائی ہے اور منزل کا اندازہ فقہا نے ۲۰ میل کا کیا ہے۔ لیکن یہ سب اندازے اور تخمینے ہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے اس سے بہت کم فاصلہ پر بھی قصر نماز ثابت ہے۔ جمہور فقہا کا قول ہے کہ سفر جس جائز غرض، مقصد سے بھی ہو، شرعی سفر کے حکم میں داخل ہے۔ الجمھور علی جواز القصر فی السفر المباح کالتجارۃ ونحوھا (قرطبی) لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ۔ یعنی بادی النظر میں رکعات نماز میں کمی کر دینا ایک گناہ کی چیز معلوم ہوتی ہے اور وسوسہ تمہیں بھی گناہ کا ضرور ہو رہا ہے۔ لیکن اطمینان رکھو کہ اس میں مضائقہ نہیں۔ اللہ کی طرف سے یہ جائز کیا جا رہا ہے۔ اَلصَّلٰوةِ۔ صلوٰۃ (نماز) سے مراد صلوٰۃ مکتوب یا نماز فرض ہے۔ حنفیہ کے ہاں سفر میں نماز قصر مستحب ہی نہیں واجب ہے۔ قلنا القصر عزیمۃ غیر رخصۃ ولا یجوز الاکمال (مدارک) روی عن جماعۃ اللہ فرض وھو قول عمر بن عبد العزیز والکوفیین والقاضی اسمٰعیل وحماد بن ابی سلیمان (قرطبی) اور یہ قصر چار رکعتوں والی تینوں نمازوں میں ہوتا ہے۔ ظہر، عصر، عشا میں فرض کی دو دو رکعتیں رہ جاتی ہیں۔ مسائل قصر کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔ فِي الْاَرْضِ۔ سے مراد یہ نہیں کہ سفر صرف خشکی ہی میں ہو۔ ارض کا لفظ بر و بحر کے لئے عام و مشترک ہے اور مقصد یہ ہے کہ کوئی سا بھی ہو۔ المراد من الارض ما یشمل البر والبحر والمقصود التعمیم ای اذا سا فرتم فی ای مکان یسافر فیہ من بر وبحر (روح) ف۲۸۷ یعنی حالت نماز میں بھی مسلح رہیں۔ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ۔ صیغہ واحد حاضر ہے محض رسول اللہ ہی مراد نہیں۔ آپ ہوں یا آپ کا کوئی قائم مقام۔ قال الائمۃ نواب عن رسول اللہ ﷺ فی کل عصر (مدارک) ھذہ الآیۃ خطاب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یتناول الامراء الی یوم القیمۃ ھذا قول کافۃ العلماء (قرطبی) فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ۔ یعنی جب وقت نماز آجانے پر آپ میدانِ جنگ میں امامت نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اندیشہ ہو کہ دشمن موقع پا کر حملہ کر دے گا۔ فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ۔ یعنی ایسے موقع پر چاہیے کہ سپاہ کے دو گروہ ہو جائیں کچھ لوگ تو نماز شروع کر دیں اور کچھ لوگ نگہبانی کے لئے دشمن کے مقابل کھڑے ہو جائیں۔ یہ سب بیان صلوٰۃ الخوف کا ہو رہا ہے۔ پوری تفصیلات کے لئے فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔ ف۲۸۸ فقہا نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ عین عبادت منصوص کی حالت میں بھی اسباب و انتظام پر نظر رکھنا اولیٰ ہے۔ فَاِذَا سَجَدُوْا۔ یعنی پہلا گروہ ایک رکعت تمام کر لے۔ فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ۔ یعنی پہلے گروہ والے تمہارے پاس سے ہٹ کر دشمن کے مقابلہ میں آجائیں۔ وَلْتَاْتِ...... لَمْ يُصَلُّوْا۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے ابھی نماز شروع بھی نہیں کی ہے اور ابھی تک وہ دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے وہ اب پہلے گروہ کی جگہ پر آجائیں۔ فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ۔ یعنی نماز کی جو رکعت ابھی امام کے لئے باقی ہے، اس میں آکر اس کے شریک ہو جائیں۔ ف۲۸۹ کیا ٹھکانا ہے ہماری شریعت کی پیدا کی ہوئی اس چستی، مستعدی، ہر چستی اور ہمہ وقتی بیداری کا، دشمن سامنے ہے، قتل و خون کا بازار گرم ہے۔ جان کا سودا ہو رہا ہے۔ عین اس وقت نماز بھی ہوئے جائے اور ہتھیار بھی برابر ساتھ رہیں۔ سستی کاہلی، غفلت، آرام طلبی کہیں شریعت اسلامی کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں؟ ف۲۹۰ نماز خوف کی جو صورتیں یہاں ارشاد ہوئی ہیں، وہ سب اس وقت کے لئے ہیں جب سب سپاہی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں اور حضور ﷺ کی موجودگی میں سب کا آپ ہی کے پیچھے پڑھنے پر حریص ہونا بالکل قدرتی تھا۔ لیکن جب امام ہی دو یا زائد ہوں تو پھر ان انتظامات کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ فقہا نے لکھا ہے کہ خوف کی بھی دو حالتیں ہیں اور دونوں کے حکم الگ الگ ہیں:۔ (۱) ایک یہ کہ

اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ

تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے تو نماز کی اقامت کرو ف۲۹۲ بیشک نماز

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي

تو ایمان والوں پر پابندیٔ وقت کے ساتھ فرض ہے ف۲۹۳ اور (مخالف) قوم کے

ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ

تعاقب میں ہمت نہ ہارو ف۲۹۴ اگر تمہیں دکھ پہنچا تو وہ بھی تو

يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ

دکھ اٹھائے ہوئے ہیں، جیسے تم دکھ اٹھائے ہوئے ہو، اور تم اللہ سے وہ امید لگائے ہوئے ہو

مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ اِنَّآ

جو وہ نہیں رکھتے ف۲۹۵ اور اللہ تو ہے ہی بڑا علم والا، بڑا حکمت والا ف۲۹۶ یقیناً ہم نے

ع ۱۵ ۱۲

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ

آپ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے تا کہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ

النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ

اس کے مطابق کریں جو اللہ نے آپ کو سجھا دیا ہے ف۲۹۷ اور (ان) خائنوں کے طرفدار

خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ لا وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا

نہ ہو جائیے ف۲۹۸ اور آپ اللہ سے مغفرت چاہیے، بیشک اللہ بڑا ہی مغفرت والا ہے

رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ ۚ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ

بڑا ہی رحیم ہے ف۲۹۹ اور ان لوگوں کی طرف سے وکالت نہ کیجیے جو اپنے حق میں خیانت

اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا

کرتے رہے ہیں ف۳۰۰ اللہ کسی ایسے شخص کو نہیں چاہتا جو بڑا خائن

عین معرکہ قتال گرم ہو اور جماعت کا اہتمام ہی سرے سے نہ بن پڑے ایسی حالت میں نماز جماعت اُڑادی جائے گی اور اس کا ذکر سورۂ بقرہ آیت ۲۳۹ میں موجود ہے۔ شدت خوف کی حالت میں نماز الگ الگ پڑھی جائے گی۔ سوار یا پیادہ ہر حال میں جائز ہے۔ رکوع وسجدہ کے لئے اشارہ کافی ہے۔ استقبال قبلہ ہی ضروری نہ رہے گا۔ (۲) دوسرے یہ کہ ہو تو میدان جنگ میں، لیکن قتال ابھی شروع نہ ہوا ہو۔ اور نماز جماعت کا موقع ہو، جیسا کہ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ۔ سے اشارہ ہو رہا ہے۔ اس آیت میں جن انتظامات کی ہدایت ہوئی ہے وہ اسی صورت حال سے متعلق ہے۔ ف۲۹۱ (غرض ہر صورت حال کے مناسب) علی اي حال كنتم (قرطبی) عَلٰى جُنُوْبِهِمْ۔ کے لفظی معنی ہیں، اپنے پہلوؤں پر۔ یا اپنی کروٹوں پر، اردو محاورہ میں مراد لیٹنے سے ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ۔ مطلب یہ ہوا کہ تخفیف نماز میں تو یہ ہوگئی۔ باقی ذکر الٰہی میں کوئی تخفیف نہیں۔ اور اسی لئے ہے۔ یہاں تک کہ عین قتال کے وقت بھی ذکر الٰہی دل سے تو جاری ہی رہ سکتا ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ احکام شریعت کا اتباع بجائے خود ذکر الٰہی ہے۔ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ۔ الصلوٰۃ سے یہاں مراد وہی نماز خوف ہے، جس کی ایک ہیئت مخصوص ہے عام نمازی ہیئت سے ہٹی ہوئی۔ اس نماز کے لئے لفظ قَضَيْتُمْ ارشاد فرمانا اس کی دلیل ہے کہ یہ بہ ظاہر نا مکمل، نا تمام نماز بھی عند اللہ ادا ہو جاتی ہے۔ ف۲۹۲ (اصلی قاعدہ کے مطابق اور پورے شرائط کے ساتھ) اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ صلوٰۃ اصلی کے لئے یہاں لفظ اقامت استعمال کرنا اس کی دلیل ہے کہ اقامت صلوٰۃ سے مراد نماز کا اس کے جملہ شرائط ہی کے ساتھ ادا کرنا ہوتا ہے۔ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ۔ یعنی سفر اور خوف کی حالتیں ختم ہو جائیں۔ ف۲۹۳ یہاں نماز کی صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ علاوہ فرض ہونے (کتابًا) کے، پابندی وقت کے لحاظ سے فرض ہے۔ مَوْقُوْتًا۔ اس لئے سوا حالت معذوری کے، اسے وقت سے ہٹا دینا جائز نہ ہوگا۔ موقوتا اى محدود الاوقات لايجوز اخراجها من اوقاتها في شيء من الاحوال (روح) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ فرض ہونے کی وجہ سے اس کا ادا کرنا ضرور ہے اور موقت ہونے کی وجہ سے وقت پر ہی ادا کرنا ضرور۔ اس لئے مخصوص حالات میں اس کی ہیئت کچھ کچھ تبدیل کر دی گئی تھی۔ جب وہ عارض دور ہو گیا تو اس کی اصل ہیئت واجب الحفظ ہوگئی۔ ف۲۹۴ (جب تعاقب کی ضرورت آ پڑے) روایتوں میں آتا ہے کہ آیت غزوۂ حمراء الاسد کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس کا ذکر غزوۂ احد کے سلسلہ میں سورۂ آل عمران رکوع ۱۸ میں آ چکا ہے۔ آیت اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کے ماتحت۔ ف۲۹۵ یعنی اجر آخرت کی۔ جس کے مقابل کوئی چیز منکروں کے پاس نہیں۔ تو قوت قلب کے لحاظ سے تم ان سے کہیں بڑھے چڑھے رہے۔ دنیوی فتح مندیوں اور کامیابیوں کی پیش گوئیاں بھی اس کے تحت میں آ سکتی ہیں۔ ف۲۹۶ چنانچہ علیم کل ہونے کی بنا پر اس نے تمہاری قوتِ تحمل سے زیادہ تمہیں کوئی حکم نہیں دیا۔ ف۲۹۷ (اسی قرآن کے ذریعہ سے) اَرٰىكَ اللّٰهُ۔ یہاں بتا دیا، سجھا دیا، سکھا دیا کے مفہوم میں ہے۔ بما اراك الله اى بما علمك (راغب) بما علمك الله في القرآن (ابن عباس رضی اللہ عنہما) بِالْحَقِّ۔ یعنی قانونِ عدل کے مطابق۔ آیت اس باب میں صریح ہے کہ فیصلہ جو کچھ بھی کیے جائیں قرآن ہی کے مطابق وماتحت کیے جائیں نہ کہ اپنے ہوائے نفس کے موافق یا کسی انسانی دماغ کے گڑھے ہوئے آئین ودستور کے ماتحت آیت کا پس منظر یہ ہے کہ انصار کے قبیلہ بنو ابیرق کے ایک گھرانے میں تین بھائی بشیر، بشر اور مبشر مسلمان تھے اور ان کا ایک بھائی بشیر منافق تھا۔ ایک مرتبہ چور حضرت رفاعہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں نقب لگا کر ان کے ہتھیار اور میدے کی ایک بوری لے گئے۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ بشیر منافق اور اس کے بدمعاش ساتھیوں نے چوری کی ہے۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے برادرزادہ جناب قتادہ بن نعمان سے کہا کہ تم آستانِ نبوت میں جا کر واقعہ بیان کرو تو عجب نہیں کہ ہمارا مال مل جائے۔ انہوں نے جا کر سارا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا۔ جب بشیر کے اقرباء نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس استغاثہ ہوا تو وہ آ کر کہنے لگے یا رسول اللہ! قتادہ بن نعمان اور ان کے چچا رفاعہ ہمارے آدمی پر جو مسلمان ہو چکا ہے ناحق چوری کی تہمت لگاتے ہیں۔'' اس کے بعد قتادہ حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا تم ایسے شخص پر بغیر کسی ثبوت کے چوری کی تہمت لگاتے ہو جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکا ہے؟ یہ سن کر قتادہ رضی اللہ عنہ کے دل میں آرزو ہوئی کہ کاش میں نے آپ سے چوری کی شکایت نہ کی ہوتی، تھوڑی دیر گزری تھی کہ خالق کردگار نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی۔ (ترمذی ابواب تفسیر القرآن) ف۲۹۸ خائنوں سے بنو ابیرق مراد ہیں۔ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو بنو ابیرق نے بشیر اور اس کے ساتھیوں کو مجبور کر کے چوری کا مال برآمد کر لیا اور تمام اسلحہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بھجوا دیے۔ بشیر نفاق کا لباس فریب اتار کر علانیہ مشرکوں سے جا ملا۔ (ترمذی) ف۲۹۹ یہ استغفار کا حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کس کے لئے مل رہا ہے؟ اپنے حق میں یا امت کے حق میں۔ بہ ظاہر یہ حکم استغفار ان لوگوں کے حق میں معلوم ہوتا ہے، جو برادری کے خیال سے اس مجرم منافق کے حق میں ساعی اور سفارشی تھے اور قرآن مجید میں اس اسلوب بیان کی مثالیں اور جگہوں پر بھی ملتی ہیں۔ مثلاً يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ یا وَ اِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ وغیرہا۔ چنانچہ اہل تفسیر کا ایک گروہ اسی طرف گیا ہے۔ قيل الخطاب للنبي صلی اللہ علیہ وسلم المراد بنو اُبیرق (قرطبی) والمعنى استغفر الله للمذنبين من امتك والمتخاصمين بالباطل (قرطبی) يحتمل ان يكون المراد واستغفروا الله لاولئك الذين يذبون عن طعمة ويريدون ان يظهروا براءته عن السرقة (کبیر) لیکن اگر یہ معنی لئے جائیں کہ اے پیمبر آپ اپنے حق میں مغفرت طلب کیجیے تو اس سے اشارہ آپ کے صرف اس میلان طبع کی جانب ہے کہ آپ

نے بنوابیرق کی شکایت پر حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے اظہار ناراضی فرمایا۔ یہ میلان طبع ظاہر ہے کہ معصیت کبیرہ کیا معنٰی صغیرہ کا بھی درجہ نہیں رکھتا لیکن پیمبر تقوٰی اور طہارتِ قلب کے جس بلند ترین

اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ

اور گنہگار ہو وا۳۰ یہ لوگ آدمیوں سے شرماتے ہیں اور اللہ سے

مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى

نہیں شرماتے درانحالیکہ وہ ان کے ساتھ اس وقت بھی رہتا ہے جب وہ رات میں اس بات کا

مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

مشورہ کرتے ہیں جو اسے پسند نہیں، اور وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے و۳۰۲

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟

تم لوگوں نے دنیوی زندگی میں تو ان کی طرف سے وکالت کر لی

فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ

لیکن قیامت کے دن ان کی طرف سے اللہ کے سامنے کون وکالت کرے گا یا کون

يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ

ان کا کام بنانے والا ہو گا و۳۰۳ اور جو کوئی بھی برائی کرے یا

يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ

اپنی جان پر زیادتی کرے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَ مَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا

بڑا مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے گا و۳۰۴ اور جو کوئی کسی گناہ کا ارتکاب

يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾

کرتا ہے تو اس کا ارتکاب اپنی ہی جان کے خلاف کرتا ہے، اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے و۳۰۵

وَ مَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ

اور جو کوئی کسی قصور یا گناہ کا ارتکاب کرے پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر

مقام پر ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس قدر ارادہ اور میلان طبع بھی قابل استغفار قرار پایا۔ و۳۰۰ (یہ ہدایت آیندہ کے لئے ہے۔ جیسا کہ اب تک بھی آپ نے پیش کیا ہے) و۳۰۱ خوان اور اثیم کے لانے سے یہ مقصود نہیں کہ جو کم درجہ کے خائن اور گنہ گار ہیں وہ اللہ کی نظر میں غیر محبوب نہیں۔ بلکہ مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ منافق کی برادری کے جن لوگوں نے اسے مجرم جان کر بھی خواہ مخواہ حق پوشی اور باطل کوشی کی، وہ خائن اور گناہگار بڑے درجہ کے تھے۔ اَلَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ۔ خیانت کا ضرر و وبال بالآخر خود خائن ہی کو بھگتنا پڑتا ہے اس لئے خیانت کو خیانت نفس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جعلت خيانة الغير خيانة لانفسهم لان وبالها وضررها عائد عليهم (روح) و۳۰۲ (اُس کے احاطہ علم سے کون سی کارروائی مخفی سے مخفی بھی باہر رہ سکتی ہے؟) اس حقیقت کا استحضار ہر جرم، ہر معصیت سے باز رکھنے کو کافی ہے۔ يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی خلق کے سامنے ذلت و رسوائی سے شرماتے ہیں۔ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے حضور میں بہ طور مجرم پیش ہونے سے نہیں شرماتے ہیں۔ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ ...... الْقَوْلِ۔ اشارہ ہے اس طرف کہ اس خاص معاملہ میں رات کو باہم رازدارانہ مشورہ ہوا تھا کہ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گفتگو اسی طریقہ پر کی جائے گی۔ وَهُوَ مَعَهُمْ۔ معتزلہ، قدریہ، جہمیہ، وغیرہ نے اس قسم کی آیتوں سے حق تعالیٰ کی معیت مکانی پر استدلال کیا ہے۔ قال الجهمية والقدرية والمعتزلة هو بكل مكان تمسكا بهذه الأية وما كان مثلها (قرطبی) لیکن اہل سنت اسے شان تنزیہی کے منافی سمجھتے ہیں اور انہوں نے مراد صرف معیت علمی لی ہے۔ ای بالعلم والرؤية والسمع هذا قول اهل السنة (قرطبی) يريد بالعلم والقدرة والرؤية (کبیر) و۳۰۳ اس حقیقت کبریٰ کو یاد دلایا ہے کہ اصل پیشی اور جوابدہی تو عدالت آخرت ہی کی ہے۔ یہاں کسی طرح اگر بات بنا بھی لی گئی تو کیا ہوتا ہے مومن کے لئے اصل خوف کی چیز تو وہی آخرت کی عدالت ہے جہاں کسی قسم کی بھی تلبیس کی گنجائش نہیں هٰۤاَنْتُمْ۔ خطاب ہے مجرم کی برادری اور محلہ والوں کی طرف جنہوں نے سازش کر کے مجرم کی پشت پناہی کی تھی۔ و۳۰۴ اوپر کی وعیدی و انذاری آیتوں کے بعد گنہگاروں اور کمزور ایمان والوں کے لئے یہ کیسی حکیمانہ اور مناسب حال دلدہی ہے۔ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا۔ متعدی برائی مراد ہے یعنی کسی دوسرے کے ساتھ برائی کی جائے۔ مثلاً ظلم، دغا، سود خواری، رشوت ستانی وغیرہا۔ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ۔ وہ برائی جو خود اپنے ہی حق میں کی جائے۔ مثلاً ترکِ نماز، شراب خواری وغیرہا۔ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ۔ یہ استغفار قواعد شرعی کے مطابق ہونا چاہیے۔ و۳۰۵ علیم کل ہونے کی حیثیت سے وہ سب کے چھوٹے بڑے گناہوں سے باخبر ہے۔ حکیم ہونے کے اعتبار سے وہ جزا و سزا سب کے مناسب حال ہی تجویز کرتا ہے۔ اِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ۔ یعنی گناہ کا ضرر و وبال خود اسی کو بھگتنا ہو گا۔ اس لئے توبہ و استغفار، تدارک و تلافی لازمی ہے۔

بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَ لَوْ

لگا دے تو درحقیقت اس نے ایک بڑا بہتان اور کھلا ہوا گناہ اپنے سر لے لیا ف۳۰۶ اور اگر

لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ

آپ پر اللہ کا فضل (خاص) اور رحمت نہ ہوتی، تو ان میں سے ایک گروہ نے تو تہیہ ہی کر

مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

لیا تھا کہ آپ کو بھٹکا کر رہیں گے حالانکہ یہ بس اپنے ہی آپ کو بھٹکا کر رہتے ہیں

وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ

اور آپ کو کسی چیز میں بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے ف۳۰۷ اور اللہ نے آپ پر

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ

کتاب اور حکمت اتاری ہے اور آپ کو وہ سکھا دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے ف۳۰۸

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ

اور آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے ف۳۰۹ سرگوشیاں بہت سی ایسی ہیں

كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ

جن میں کوئی بھلائی نہیں ہاں البتہ بھلائی یہ ہے کہ کوئی صدقہ کی ترغیب دے

مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ

یا کسی اور نیک کام کی یا لوگوں کے درمیان اصلاح کی ف۳۱۰ اور جو کوئی

ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا

اللہ کی رضا حاصل کرنے کو ایسا کرے گا ف۳۱۱ سو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم

عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا

دیں گے اور جو کوئی بعد اس کے کہ اس پر (راہ) ہدایت کھل چکی

ف۳۰۶ (اور اپنے جرم کو کئی گنا بڑھا دیا) توبہ نہ کرنا اپنی جگہ پر نادم و منفعل نہ ہونا، تلافی و کفارہ اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ نہ کرنا یہ جرائم بجائے خود! کیا کم ہیں۔ چہ جائیکہ اپنا گناہ الٹا کسی بے گناہ کے سر تھوپ دیا جائے۔ قرآنی اخلاقیات میں یہ جرم ضمیر و اخلاق کی انتہائی پستی کا نمونہ ہے اور اس لئے لازمی طور پر اس پر گرفت بھی سخت رکھی گئی ہے۔ خَطِيْٓـَٔةً۔ وہ چھوٹا گناہ ہے، جس میں قصد و تعمد لازمی نہیں یا وہ گناہ ہے جو صرف خدا اور بندہ کے درمیان ہو۔ الخطيئة قد تكون من قبل العمد وغير العمد (ابن جریر) ای صغيرة اوما لاعمد فيه من الذنوب (روح) ذنب بينه وبين ربه (مدارک) اثم۔ وہ بڑا گناہ ہے جس میں قصد و تعمد لازمی طور پر ہو۔ یا جو بندوں کا گناہ ہو۔ الاثم لايكون الامن العمد (ابن جریر) او كبيرة اوما لايكون من العمد (روح) ذنب فی مظالم العباد (مدارک) ف۳۰۷ یعنی اپنی اس ناپاک کوشش میں کامیاب ہونا تو ان کے لئے ممکن نہیں۔ البتہ اس سعی سے اپنے ہی کو یہ مستحق عقوبت بنا رہے ہیں۔ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ۔ اللہ کا فضل و کرم تو آپ پر عموماً اور ہر حال میں تھا لیکن اس خاص قضیہ میں خصوصیت کے ساتھ اس کا ظہور رہا۔ اَنْ يُّضِلُّوْكَ یعنی آپ کو غلطی اور دھوکے میں مبتلا کر کے آپ سے غلط فیصلہ حاصل کرلیں۔ ان يخطئوك عن الحكم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای بان يضلوك عن القضاء بالحق (روح) ف۳۰۸ (احکام دین و قضایا کے باب میں) یعنی شیطان اور اس کے چیلوں (منافقین) کو یہ قوت نہیں دی گئی ہے کہ وہ آپ کو دین کے کسی شعبہ میں کچھ بھی مغالطہ میں ڈال سکیں۔ ف۳۰۹ یہ کتاب کا نزول، حکمت کا نزول، علوم خاصہ کی تعلیم یہ سب اسی فضل عظیم کے شواہد ہیں اور اللہ کا فضل جس پر عظیم ہو اس پر کس کا قابو چل سکتا ہے؟ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ۔ اور اس کتاب ہی کے ذریعہ سے منافقین کی معاندانہ روش کا پردہ بھی چاک کیا گیا۔ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ یعنی جو علوم عالیہ آپ پر قبل نبوت و نزول قرآن منکشف نہ تھے۔ اب سب منکشف ہوگئے۔ ف۳۱۰ (اور ان اغراض کے لئے خفیہ گفتگو اور سرگوشی کی ضرورت پڑ جائے تو اس میں البتہ کوئی ہرج نہیں، بلکہ ایسے موقع پر خیر و برکت ہوگی) نَّجْوٰىهُمْ۔ میں ضمیر هم مطلق انسان کی جانب ہے۔ ای نجوى الناس جميعا (ابن جریر) يعنى كلام الناس (ابن کثیر) المراد لاخير فی ما يتناجى فيه۔ ف۳۱۱ (نہ کہ اپنے ذاتی دنیوی اغراض کے لئے) اخلاص نیت اور حصول رضاء الٰہی کی شرط ہر اہم موقع کے لئے یہاں بھی لگی ہوئی ہے۔

تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ

رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے راستہ کے علاوہ (کسی راستہ کی) پیروی کرے گا

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَآءَتْ

ہم اسے کرنے دیں گے جو کچھ وہ کرتا ہے اور پھر ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے ۳۱۲ اور وہ برا

مَصِيْرًا ۱۱۵ ع اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ

ٹھکانا ہے یقیناً اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے

وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ

اور اس کے سوا (اور گناہوں کو) بخش دے گا جس کے لئے منظور ہو گا اور جو کوئی

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۱۱۶ اِنْ

اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ یقیناً بڑی دور کی گمراہی میں پڑ گیا ۳۱۳ یہ لوگ

يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ

اللہ کو چھوڑ کر پکارتے بھی ہیں تو بس زنانی چیزوں کو ۳۱۴ اور یہ لوگ پکارتے بھی ہیں

اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۱۱۷ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ

تو بس شیطان سرکش کو ۳۱۵ اس پر لعنت کی ہے اللہ نے ۳۱۶ اور وہ کہہ چکا ہے کہ میں تیرے بندوں میں

مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۱۱۸ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ

اپنا مقرر حصہ لے کر رہوں گا ۳۱۷ اور میں انہیں گمراہ کرکے رہوں گا

وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ

اور ان میں ہوس پیدا کرکے رہوں گا اور انہیں حکم دوں گا ۳۱۸ چنانچہ وہ چوپایوں کے کانوں کو تراشیں گے ۳۱۹

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ

اور انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی کریں گے ۳۲۰ اور جو کوئی

ع ۱۴ — وقف لازم

۳۱۲ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى۔ اسے صاف کردیا کہ آیت میں بیان مرتدوں کے خصائل رذیلہ کا ہو رہا ہے۔ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى۔ یعنی ہم اسے اسی طریق پر چھوڑے رکھتے ہیں اپنے قانون مشیت تکوینی کے موافق۔ مقصود یہ ہے کہ جبر و اکراہ سے کسی کو راہ حق کے قبول کرنے اور ماننے پر مجبور نہیں کیا جاتا، بلکہ وضوح حق کے بعد جو بدبخت اپنی کجروی پر قائم رہنا چاہتا ہے۔ اسی پر اسے قائم رہنے دیا جاتا ہے۔ وَمَنْ يَّتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اس اتباع کا تعلق امور دین سے ہے۔ يَتَّبِعْ...... جَهَنَّمَ آیت کے اس جزء سے فقہاء کو ایک بہت بڑی اصل ہاتھ آگئی ہے۔ اور اس کو انہوں نے اجماع امت کے حجت شرعی ہونے کا ماخذ قرار دیا ہے۔ اور تقریر استدلال یہ ہے کہ طریق مومنین سے الگ ہونا جب حرام اور مستحق جہنم ٹھہرا تو لازمی ہے کہ اس کا عکس یعنی اتباع طریق مومنین واجب ہو۔ اور اس کی مخالفت بھی کتاب و سنت کی مخالفت کے بعد ناجائز ٹھہرے۔ اور یہاں قرآن مجید نے عدم اتباع طریق مومنین کو مخالفت رسول ﷺ کے ساتھ جمع کرکے فرمایا ہے۔ هو دليل على ان الاجماع حجة لا تجوز مخالفتها كما لاتجوز مخالفة الكتاب والسنة لان الله تعالى جمع بين اتباع غير سبيل المؤمنين و بين مشاقة الرسول في الشرط وجعل جزاءه الوعيد الشديد فكان اتباعهم واجبا كموالاة الرسول (مدارک) وقرن اتباع غير سبيل المؤمنين الى مباينة الرسول في ما ذكر له من الوعيد فدل على صحة اجماع الامة لالحاقه الوعيد بمن اتبع غير سبيلهم (جصاص) وتقرير الاستدلال ان اتباع غير سبيل المؤمنين حرام فوجب ان يكون اتباع سبيل المؤمنين واجبا (کبیر) وهو من احسن الاستنباطات واقواها (ابن کثیر)

۳۱۳ (ایسا کہ اب حق کی طرف اس کی مراجعت ممکن نہیں) اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ۔ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ۔ شرک ضد ہے توحید کی۔ اور جس طرح توحید اصل اصول ہے تمام ممکن بھلائیوں اور نیکیوں کی، اسی طرح شرک اصلی بنیاد ہے ساری شرانگیزیوں اور برائیوں کی اس لئے اور کسی معصیت پر شرک کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ راہرو کا رخ اگر منزل مقصود کی طرف ہو تو گرتا پڑتا، وقت ضائع کرتا کبھی نہ کبھی منزل تک پہنچ ہی جائے گا۔ لیکن اگر رخ ہی غلط ہے تو ظاہر ہے کہ ہر قدم اسے منزل سے دور تر ہی کرتا رہے گا اور قیامت تک بھی اگر چلتا رہے تو منزل تک نہ پہنچ سکے گا۔ مشرک قبول رحمت کی ساری صلاحیتوں واستعدادوں ہی کو سوخت کر دیتا ہے اس لئے وہ آخرت کی کسی نعمت، کسی لذت، کسی راحت کے قابل ہی نہیں رہ جاتا۔ ملاحظہ ہوں اس سورت کی آیت ۴۹ کے حاشیہ ۱۶۰ آیت میں خوارج کے اس عقیدہ کا بھی رد آگیا کہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے۔ فيه رد على الخوارج حيث زعموا ان مرتكب الكبيرة كافر (قرطبی)

۳۱۴ مشرک قوموں کی دیومالا (میتھالوجی) میں ہمیشہ دیویوں دیوتاؤں کی ایک بڑی اور اہم تعداد رہی ہے۔ ہندوؤں میں درگا دیوی، کالی مائی، لکشمی جی، سرسوتی دیوی کے نام ایک ایک کی زبان پر ہیں۔ عرب جاہلی میں یہ دیوی پرستی اور زیادہ زور کے ساتھ جاری تھی۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی جاہلی معبودوں کے سلسلہ میں صراحت جن ناموں کی آئی ہے وہ دیویوں ہی کے ہیں۔ یعنی لات، منات اور عزّٰی، ملاحظہ حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اناث۔ لغت میں اس کے ایک معنی دیوی، کمزور اور ضعیف العمل چیزوں کے بھی آتے ہیں۔ قيل لما يضعف عمله انثى (راغب) پھر چونکہ جمادات تمام تر انفعالیت کے مظہر ہوتے ہیں اور پتھر کے بت یا مورتیاں انہی کی بنی ہوئی ہوتی ہیں جن میں نہ جان ہوتی ہے اور نہ کوئی قوت فاعلی۔ اس لئے لغت نے لفظ اناث کا مجازی استعمال ان کے لئے بھی جائز رکھا ہے۔ لما كانت معبوداتهم من جملة الجمادات التى هى منفعلة غير فاعلة سمّاها الله تعالى انثى (راغب) من كل شىء اخسّه (ابن جریر) چنانچہ اکابر تفسیر میں سے بھی بہت سے اسی طرف گئے ہیں۔ اى اصناماً بلاروح (ابن عباس ؓ) ميتا لاروح فيه (ابن جریر عن قتادہ) ۳۱۵ یہ مشرکوں کی حماقت کو واضح کیا ہے کہ ان بتوں اور دیویوں کو پکارنا عین شیطان کو پکارنا ہے۔

۳۱۶ (اور لعنت کی باعث اس کی یہی سرکشی اور بےحکمی ہوئی ہے) ۳۱۷ یعنی آدم کو وضاحت سے بتا دیا ہے کہ شیطان تو ان کا پرانا دشمن اور بدخواہ ہے۔ لَاَتَّخِذَنَّ...... نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا یعنی اپنی راہ پر لگا کر رہوں گا۔ ۳۱۸ یعنی ان کے عقائد اور بنیادی خیالات کو بھی ڈگمگا دوں گا۔ اور ان کے نفسانی جذبات اور خواہشات کو بھی ابھار دوں گا۔ گمراہیاں دو ہی طریقوں سے آسکتی ہیں اور انسان شیطانی اثر دو ہی شکلوں سے قبول کرسکتا ہے۔ ایک عقل و فکر کی راہ ہے۔ دوسرے جذبات اور احساسات کا راستہ ہے۔ قرآن مجید کے دو جامع لفظوں نے ان سب کا احاطہ کرلیا۔ ضلال کے تحت میں ہر قسم کی عقلی۔ فکری۔ نظری گمراہیاں آگئیں اور تمنی کے تحت میں معاصی وفواحش کی جانب میلان اور نظر سے ان کی مضرتوں کا غائب ہوجانا آگیا۔ ۳۱۹ (بتوں کے نام پر) عرب جاہلیت کے ایک خاص دستور کی طرف اشارہ ہے۔ کان کے پیچھے جو غدود ہوتے ہیں، وہ غدود بندروں کے کاٹ کاٹ کر انسان کے جسم میں ان کی تقلیم کی جو اس زمانہ میں چلنی شروع ہوئی ہے۔ اور عجب نہیں کہ کل بندروں سے گزر کر دوسرے جانوروں اور چوپایوں تک پہنچ جائے۔ ادھر اگر فاطر کائنات کے کلام میں اشارہ ہے تو کچھ عجب نہیں۔ ۳۲۰ تغيير خلق الله کی دو بڑی قسمیں ہو سکتی ہیں، ایک خلق تکوینی میں تغییر، دوسرے خلق تشریعی میں تغییر۔ قدیم مفسرین نے تغییر خلق تکوینی کی مثال میں داڑھی منڈانے اور جسم گدانے کو پیش کیا ہے۔ لیکن جاہلیت جدید کی ترقیوں نے ان سے کہیں بڑھ بڑھ کر مثالیں نہ صرف ایجاد کرلی ہیں بلکہ انہیں فیشن میں داخل کردیا ہے۔ مثلاً مردوں کا چہرہ کے بال بالکل صاف کرکے اور طرح طرح کی

الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا

اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنائے گا وہ یقیناً کھلے ہوئے نقصان میں

مُّبِیْنًا ﴿۱۱۹﴾ یَعِدُھُمْ وَیُمَنِّیْھِمْ ؕ وَمَا یَعِدُھُمُ

رہے گا و۳۲۱ (شیطان) ان سے وعدے ہی کرتا اور ہوسیں ہی دلاتا رہتا ہے اور شیطان

الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِکَ مَاْوٰىھُمْ جَھَنَّمُ ز

ان سے وعدہ صرف فریب کی راہ سے کرتا ہے، و۳۲۲ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے

وَلَا یَجِدُوْنَ عَنْھَا مَحِیْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اور یہ لوگ اس سے بچنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے، اور جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

اور انہوں نے عمل نیک کئے ہم انہیں عنقریب (بہشت کے) باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے نیچے

مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ

نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیش کو رہیں گے اللہ کا

اللّٰہِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَیْسَ

وعدہ سچا ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون بات کا سچا ہے؟ و۳۲۳ نہ تمہاری

بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَھْلِ الْکِتٰبِ ؕ مَنْ یَّعْمَلْ

تمناؤں پر ہے نہ اہل کتاب کی تمناؤں پر (بلکہ) جو کوئی بھی برائی کرے گا

سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ ۙ وَلَا یَجِدْ لَہٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا

اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا و۳۲۴ اور وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے لئے نہ کوئی دوست پائے گا

وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ

نہ مددگار اور جو کوئی نیکیوں پر عمل کرے گا (خواہ)

نزاکتیں اختیار کر کے زیادہ حد تک عورت بن جانا۔ عورتوں کا سر کے بال کٹا کر اور مردانہ وضع ولباس اختیار کر کے زیادہ سے زیادہ حد تک مرد بن جانا، ایسے اپریشن کرانا جن سے جنس تبدیل ہو جائے یعنی عورت مرد بن جائے اور مرد عورت ہو جائے۔ وقس علیٰ ہذا۔ خلق تشریعی میں تغییر کے معنیٰ دین اور احکام دین تحریف کر دینا ہے۔ قیل معناہ یغیرون حکمہ (راغب) ابن جریر نے خلق اللہ کے معنیٰ دین اللہ کے ابن عباس ﷜ صحابی اور مجاہد تابعی اور عکرمہ تابعی سے نقل کئے ہیں اور دوسروں نے بھی یہی معنیٰ لئے ہیں۔ ای دینہ بالکفر و احلال ماحرم وتحریم ما اُحل (جلالین) قال معناہ ابن عباس وعن عکرمۃ وابوصالح وذٰلک کلہ تعذب للحیوان و تحریم وتحلیل بالطغیان وقولہ بغیر حجۃ ولابرھان (قرطبی) یہ بھی کہا گیا ہے کہ آفتاب پرستی، شجر پرستی، حیوان پرستی وغیرہ سب اس تغییر خلق اللہ کی صورتیں ہیں کہ مشرک ان سے وہ کام لے رہا ہے جس کے لئے ان کی خلقت ہوئی ہی نہ تھی۔ (قرطبی)

و۳۲۱ شیطان کا دوست بنانا یہی ہے کہ احکام شریعت کو چھوڑ کر خود ساختہ طور طریقوں کو اختیار کیا جائے اور مخلوق کے چلائے ہوئے رسم ورواج کو دلیل راہ بنا لیا جائے۔ و۳۲۲ چنانچہ ان وعدوں کی بے حقیقتی اکثر تو اسی دنیا میں روشن ہو کر رہتی ہے ورنہ موت کے وقت تو بہر صورت کھلتی ہی ہے۔ یَعِدُھُمْ۔ شیطانی وعدے مثلاً یہ کہ حشر نشر، حساب کتاب کوئی چیز نہیں، جو کچھ ہے یہی مادی دنیا ہے۔ عقل جزوی ہی سب سے بڑا معیار اور آخری معیار ہے۔ وحی الٰہی محض وہم ہے۔ مادہ کی قوتیں، اور قوانین ہی سب کچھ ہیں۔ ان کے اوپر کوئی مشیت اعلیٰ حاکم نہیں۔ وقس علیٰ ہذا یُمَنِّیْھِمْ۔ شیطانی جذبات مثلاً یہ کہ فحش کاری میں کوئی عیب وہرج نہیں۔ شراب صحت کے لئے ضروری ہے۔ قانونِ حجاب ترقی کی راہ میں حائل ہے۔ و۳۲۳ دائمی راحت کی زندگی صرف قرآن اور شریعت کے اتباع سے ممکن ہے۔ و۳۲۴ (اس برائی کے متناسب اور اس شخص کے مناسب حال) یہ اس حقیقت کا بیان ہے کہ مدار کار طاعت ہے محض آرزوئیں اور خوش خیالیاں لاشی محض ہیں خواہ وہ کسی کی بھی ہوں۔ سُوْٓءًا۔ کے معنیٰ یہاں شرک کے بھی کئے گئے ہیں لیکن جمہور مفسرین نے اسے عام ہی رکھا ہے۔ قال الجمہور لفظ الآیۃ عام و الکافر والمومن مجاز بعملہ السوء (قرطبی)

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان ہو تو ایسے (سب) لوگ جنت میں داخل

الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَ مَنْ اَحْسَنُ

ہوں گے، اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہو گا ف۳۲۵ اور دین میں اس سے

دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ

بہتر کون ہے جو اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو ف۳۲۶

وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ

اور ابراہیم راست رو کے مذہب کی پیروی کرے ف۳۲۷ اور اللہ نے تو ابراہیم کو اپنا دوست

خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ

بنا لیا ف۳۲۸ اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ

اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے ف۳۲۹ لوگ آپ سے عورتوں کے باب میں فتوی

فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَ مَا يُتْلٰى

طلب کرتے ہیں، ف۳۳۰ آپ کہہ دیجئے اور تمہیں ان کے بارہ میں (وہی) فتوی دیتا ہے ف۳۳۱ وہ (آیات بھی) جو

عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا

تمہیں کتاب کے اندر ان یتیم عورتوں کے باب میں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جنہیں

تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ

وہ نہیں دیتے ہو جو ان کے لئے مقرر ہو چکا ہے، ف۳۳۲ اور اس سے بیزار ہو کہ

تَنْكِحُوْهُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَ اَنْ

ان سے نکاح کرو ف۳۳۳ اور جو (آیات) کمزور بچوں کے (باب میں ہیں) اور (جو آیات اس باب میں

ع ۱۸ ۱۱ ۱۵

ف۳۲۵ (کہ ان کی کوئی نیکی لکھنے سے جزءًا یا کلًّا رہ جائے) وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ ایمان کی قید بہت ضروری ہے۔ ہر عمل کے واقعۃً صالح ہونے کے لئے لازم ہے کہ محرک عمل بھی صحیح ہو۔ ریا، نمائش یا وہم پرستی مقصود نہ ہو۔ اسی اخلاص نیت کا نام اصطلاحِ شریعت میں ایمان ہے۔ اور بغیر اخلاص نیت کے کوئی عمل مقبول نہیں اس کے بغیر عمل صالح صرف صورۃً ہی صالح ہوگا۔ حقیقت صالحیت سے خالی۔ یہیں سے اس بحث کا بھی خاتمہ ہوا جاتا ہے۔ جو بعض سطحی دماغ والوں نے آج کل پیدا کر رکھی ہے یعنی آیا کافروں کے اعمال صالحہ قبول ہوں گے؟ جواب یہ ہے کہ بغیر اخلاص نیت یا ایمان کے کسی عمل پر عمل صالح کا اطلاق ہی درست نہیں، تو اس کے اجر کا کیا سوال ہے یَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ۔ کے بعد هُوَ مُؤْمِنٌ۔ کے اضافہ نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ ایمان اور عمل صالح دو الگ الگ چیزیں ہیں، باہم مرادف نہیں۔ فیه اشارة الی ان الاعمال لیست من الایمان (مدارک) مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔ اس میں تردید آ گئی ان تمام جاہلی مذہبوں کی جو حسن عمل کے باوجود عورت کو محض اس کے عورت ہونے کی بناپر ثمرۂ حسن عمل سے محروم ٹھہرائے ہوئے ہیں۔ اسلام میں عورت کو اس کی جنس کی بناپر ہرگز کسی اجر سے محروم نہیں کیا ہے۔ نَقِيْر پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے۔ ف۳۲۶ یعنی فرمانبرداری دل سے ہو، منافقانہ نہ ہو۔ موحد محسن بالقول والفعل (ابن عباس ؓ) متابعا للشریعة فیصح ظاهرهٗ بالمتابعة و باطنهٗ بالاخلاص (ابن کثیر) اَسْلَمَ وَجْهَهٗ۔ یعنی فرمانبرداری اختیار کرے عقائد میں بھی، اعمال میں بھی، ای اخلص دینهٗ وعمله لله (ابن عباس ؓ)

ف۳۲۷ (کہ اسی ملت ابراہیمی کا دوسرا نام دین اسلام ہے) ف۳۲۸ توریت میں بھی ابراہیم علیہ السلام کا لقب خدا کا "دوست" آیا ہے:۔ "کیا تو ہمارا خدا نہیں، جس نے اس سرزمین کے باشندوں کو اپنی گروہ اسرائیل کے آگے سے خارج کیا اور اسے اپنے دوست ابرہام کی نسل کو ہمیشہ کے لئے دیا۔" (۲۔ تواریخ ۲۰:۷) "اے اسرائیل میرے بندے، اے یعقوب جسے میں نے پسند کیا، جو میرے دوست ابرہام کی نسل سے ہے" (یسعیاہ ۴۱:۸) خَلِيْلًا۔ خلة کہتے ہیں محبت خالص کو اور خلیل دوست خالص کو۔ الخلة هی المودة التی لیس فیها خلل (بحر) محبة تامة لاخلل فیها (تاج) قال الزجاج الخلیل هو المحب الذی لاخلل فی محبته (تاج) سمی خلیلا لان الله احبه واصطفا (معالم) قال ثعلب انما سمی الخلیل خلیلا لان محبتهٗ تتخلل القلب فلاتدع فیه خللا الأملاته (قرطبی) خلت الٰہی سے مراد ہے تقرب ومقبولیت کا اعلیٰ مقام۔ قرآن مجید نے ایک طرف تو ملت ابراہیمی کی پیروی ضروری قرار دی اور دوسری طرف ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔ اس میں صاف اشارہ یہ نکل آیا کہ اسی ملت کی پیروی سے آج بھی کوئی نہ کوئی درجہ خلت کا حاصل ہوسکتا ہے۔ ف۳۲۹ (اپنے علم وقدرت سے) لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ میں بیان کیا گیا اللہ کے کمال قدرت ووسعت سلطنت کا اور کان الله بکل شیء محیطا میں بیان آ گیا اس کے کمال علم کا۔ یعنی چھوٹی بڑی کوئی سی شے کائنات میں نہ اس کی ملک وسلطنت سے باہر ہے اور نہ اس کے احاطہ علم سے۔ مشرکین کو علی العموم انہی دو صفات باری (صفت علم وصفت ملک وقدرت) میں ٹھوکر لگی ہے۔ اس لئے انہی صفات کا اثبات قرآن مجید بار بار کرتا ہے۔ ف۳۳۰ یعنی ان کے مہر، میراث وغیرہ کے باب میں، ان کے حقوق وفرائض کے بارہ میں۔ ای یطلبون منک تبیین المشکل من الاحکام فی النسآءِ ومما یجب لهن وعلیهن (روح) یہ سوال کرنے والے صحابی حضرات تھے۔ نزلت بسبب سوال قوم من الصحابة امر النساء واحکامهن فی المیراث وغیر ذٰلک (قرطبی) آیت کے مضمون کا ربط سورت کی ابتدائی آیتوں سے ہے۔ هٰذه الأیة مرجوع الی ما افتتحت به السورة من امر النساء (قرطبی) ف۳۳۱ (جو پہلے مل چکا ہے) مثلاً یہ کہ عورتوں کو ترکہ سے محروم نہ رکھو۔ ایک بندھا ہوا حصہ انہیں دو جو یتیم عورتیں تمہاری پرورش میں ہیں ان کا نکاح کہیں اچھی جگہ دیکھ کر کر دو، اگر اپنے ہی سے کرتے ہو تو ان کا مہر پورا ادا کرو۔ وقس علیٰ ہذا۔ ف۳۳۲ یعنی ان کا مہر یا ترکہ میں ان کا حصہ۔ وقس علیٰ ہذا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ۔ یعنی وہ آیتیں جو اس کے قبل نازل ہو چکی ہیں۔ اشارہ جاہلیت کے ظالمانہ دستوروں کی جانب ہے کہ مثلاً یتیم عورتوں کے ساتھ معاملہ یہ رکھتے ہو کہ اگر وہ صاحب مال اور صاحب جمال ہوئیں تو ان سے عقد تو کر لیتے ہو لیکن ان کے جو حقوق مقرر ہیں، وہ انہیں ادا نہیں کرتے ہو۔ یتیموں کے حقوق اور عورتوں کے حقوق آج معمولی سی بات معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تو آج ہے ظہور اسلام کے ساڑھے تیرہ سو سال بعد۔ باقی اگر ان احکام کی اہمیت کا پورا اندازہ کرنا ہے تو تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم کر لیا جائے کہ چھٹی صدی عیسوی میں عرب کی خصوصاً اور ہندوستان، ایران، چین، یورپ کل دنیا کی عموماً کیا حالت حقوق نسواں کے باب میں تھی۔ ف۳۳۳ یعنی چونکہ وہ صاحب جمال نہیں، اس لئے اپنے عقد میں انہیں لینے سے گریز کر رہے ہو، اور ساتھ ہی چونکہ صاحب مال ہیں۔ اس لئے دوسری جگہ بھی انہیں نکاح نہیں کرنے دیتے ہو کہ اس طرح مال ہاتھ سے چلا جائے گا۔ تَرْغَبُوْنَ۔ کے ساتھ اس کا صلہ عن یہاں مذکور نہیں، لیکن اکثر ائمہ تفسیر نے مقدر مانا ہے اور اسی لئے تفسیر بیزاری سے کی ہے۔ اور خود عائشہ صدیقہ ؓ کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی ترغبون عن نکاحهن (ابن عباس) ای ترغبون عنهن (ابن جریر۔ عن الحسن) ای ترغبون عن ان تنکحوهن ثم حذفت عن (قرطبی) وحدیث عائشہ ؓ یقوی حذف عن (قرطبی) دوسری تفسیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مقدر بجائے عن کے فی یا الی کو مانا جائے اور

تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ

ہیں) کہ یتیموں کے معاملات میں انصاف پر تو ۳۳۴ اور تم جو کچھ بھی

خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَ اِنِ امْرَاَةٌ

نیکی کرو گے، سو اللہ اس کا خوب علم رکھتا ہے ۳۳۵ اور اگر کسی عورت کو

خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا

اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے التفاتی کا اندیشہ ہو تو اس میں ان کے لئے کوئی

جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ

مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں ایک خاص طریق پر صلح کر لیں ۳۳۶

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ

اور صلح (بہرحال) بہتر ہے ۳۳۷ اور طبیعتوں میں تو بخل ہوتا ہی ہے ۳۳۸

وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا

اور اگر تم حسن سلوک رکھو اور تقویٰ اختیار کئے رہو تو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ بیشک اس کی

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا

پوری خبر رکھتا ہے ۳۳۹ اور تم سے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تم بیویوں کے درمیان

بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ

(پورا پورا) عدل کرو خواہ تم اس کی (کیسی ہی) خواہش رکھتے ہو، ۳۴۰ تو تم بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھلک

الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا

جاؤ ۳۴۱ اور اسے اُدھر میں لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو، ۳۴۲ اور اگر تم (اپنی) اصلاح کر لو

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ

اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ بے شک بڑا بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے ۳۴۳ اور اگر

معنی یہ کئے جائیں کہ "تم رغبت تو ان سے عقد کی رکھتے ہو ان کے صاحب مال یا صاحب جمال ہونے کی بناپر، لیکن ان کے مہر پورے نہیں دینا چاہتے ہو۔" اکابر کی ایک جماعت اس طرف بھی گئی ہے۔ قال سعید بن جبیر ومجاھد و یرغب فی نکاحھا اذا کانت کثیرۃ المال (قرطبی) کشاف نے فی اور عن دونوں کے احتمالات نقل کردیے ہیں، اور کبیر میں ابوعبیدہ لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ معنی رغبت اور بیزاری دونوں کے نکلتے ہیں۔ قال ابو عبیدۃ ھذا یحتمل الرغبۃ والنفرۃ۔ لب لباب دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی عورتوں کے باب میں عدم ادائے حقوق۔ ۳۳۴ تقدیر کلام یوں ہے:۔ یفتیکم فی یتامی النساء وفی المستضعفین وفی ان تقوموا (مدارک) یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ ساری آیات احکام جو پہلے گزر چکی ہیں، بدستور واجب العمل ہیں۔ ان احکام میں کوئی ترمیم یا تنسیخ نہیں ہوئی ہے۔ یتیموں کی حق رسی، یتیم لڑکوں کے ساتھ حسن سلوک، عورتوں کی مردوں کے ساتھ میں وجہ مساوات وغیرہ کے باب میں آیات ذیل پہلے گزر چکی ہیں۔ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ الخ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى الخ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ الخ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا الخ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا۔ ۳۳۵ (اور اسی علم کامل کے مطابق جزائے خیر بھی دے گا) وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ۔ اسی عمل خیر میں یتیموں اور عورتوں کے ساتھ حسن سلوک وحسن معاشرت بھی آ گیا۔ ۳۳۶ (بہ شرطیکہ شرائط صلح اصلاً جائز ہوں، حرام وممنوع نہ ہوں) فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ صلح اگر کسی حرام شرط کے ساتھ مشروط ہوگی تو باطل ہو گی۔ مثلاً شوہر نے صلح کی یہ شرط لگادی کہ وہ بیوی کے ساتھ اس کی بہن کو بھی زوجیت میں رکھے گا اور بیوی نے اسے منظور کرلیا، جب بھی چونکہ یہ ایک امر حرام ہے، اس لئے یہ مصالحت باطل رہے گی۔ صُلْحًا۔ کی تنوین تنویع کے لئے ہے۔ یعنی ایک خاص قسم کی صلح۔ پوری صلح اگر طیب خاطر کے ساتھ ہوجائے تو پھر تو کسی شرط وغیرہ کا سوال ہی نہیں رہ جاتا۔ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا۔ مثلاً اس طور پر کہ بیوی اپنے شوہر کو رضامند رکھنے کے لئے اپنے حقوق میں سے کچھ چھوڑ دے۔ اپنا مہر معاف کردے، یا اس میں کمی کردے، اپنی باری کا دن دوسری بیوی کو دے دے، اپنے مصارف کا بار ہلکا کردے وقس علی ہذا۔ فقہا نے لکھا ہے کہ بیوی کے حق شوہر پر دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک ثابت و مستقل مثلاً رقم مہر۔ دوسرے وہ جو وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے ہیں مثلاً نفقہ یا ہم بستری، صلح کے لئے عورت دستبرداری دونوں قسم کے حقوق سے کرسکتی ہے۔ البتہ یہ فرق ہے کہ قسم اول کے حقوق میں نقض صلح کا اختیار نہ رہے گا۔ یعنی جو چھوڑا، بس وہ ساقط ہو گیا۔ اور الساقط لا یعود۔ لیکن دوسرے قسم کے حقوق میں بیوی کو یہ اختیار باقی رہے گا کہ وہ جب چاہے، کسی چھوڑے ہوئے حق کا مطالبہ از سر نو کردے۔ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا۔ بیوی کی طرف سے یہ دستبرداری بظاہر ایک صورت رشوت کی معلوم ہوتی ہے۔ یہاں اس وہم کو دفع فرمایا ہے اور بتادیا ہے کہ نہیں اس میں کچھ مضائقہ نہیں، بالکل جائز و درست ہے۔ نُشُوْزًا۔ نشوز کے معنی پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے۔ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ۔ بیوی کی طرف سے جو نشوز ہو اس کا علاج اوپر بتایا جا چکا ہے۔ اب یہاں یہ بتلایا جارہا ہے کہ نشوز اگر شوہر کی طرف سے ہو تو وہ بھی لاعلاج نہیں۔ اس کی بھی تدبیریں ہیں۔ خَافَتْ۔ خوف یہاں توقع کے معنی میں ہے خافت یعنی توقعت (قرطبی) ۳۳۷ (ہر نزاع وافتراق سے، ہر فساد وعناد سے) من الفرقۃ اوسوء العشرۃ او من الخصومۃ (بیضاوی) نزاع وافتراق یوں بھی عقل وشریعت کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ چہ جائیکہ خانگی زندگی میں اور میاں بیوی جیسے قریب ترین رشتوں کے درمیان!۔ ۳۳۸ بیوی کے لئے ان الفاظ میں صاف ترغیب ہے کہ وہ اپنے کچھ حقوق چھوڑ ہی دے بلا سے۔ تعلق زوجیت تو قائم رہے۔ تو شوہر جب دیکھے گا کہ اس کے اپنے حقوق وحظوظ میں کچھ فرق نہیں آتا اور بیوی ہی اپنے بعض حقوق کا مطالبہ چھوڑے دے رہی ہے تو عجب نہیں کہ مصالحت پر جلد آمادہ ہو جائے الشُّحَّ۔ شح ایسے بخل کو کہتے ہیں جس کے ساتھ حرص ملی ہو۔ الشح بخل مع حرص (راغب) مراد یہ ہے کہ خودغرضی اور نفس کی آرام طلبی سے کوئی بھی فریق خالی نہیں۔ یہ اپنی راحت ڈھونڈتا ہے، وہ اپنی۔ ای کل واحد منھما یطلب ما فیہ راحتہ (مدارک) ۳۳۹ (اور اس کی طرف سے وعدہ ہر تقویٰ اور حسن سلوک پر اجر کا ہے) اس میں در پردہ شوہروں کو نصیحت ہے کہ نفاق وافتراق تو خیر بہت دور کی چیز ہے انہیں تو تقویٰ اور حسن سلوک کی روش پر قائم رہ کر بیویوں سے کسی حق کی دستبرداری کی بھی توقع نہ رکھنی چاہیے۔ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا۔ ذکر یہاں شوہروں کے نشوز واعراض کا چل رہا ہے اس لئے یہ خطاب بھی شوہروں سے ہے تُحْسِنُوْا۔ تو شوہر جب بیوی سے حسن سلوک کا خوگر ہوجائے گا تو اس سے اس کی بھی توقع نہیں رکھے گا۔ کہ وہ اپنے کسی حق سے دستبردار ہوجائے۔ وَتَتَّقُوْا۔ اور جب تقویٰ اختیار کرے گا تو نشوز واعراض خود ہی کافور ہوجائیں گے۔ خوب خیال کرکے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں حسن معاشرت زوجین کا ذکر آیا ہے میاں بیوی میں سے کسی کو ادائے حقوق پر توجہ دلائی ہے۔ ایک جامع لفظ تقویٰ کا لایا گیا ہے اور اس خانگی حسن معاشرت کو تقویٰ ہی کی ایک اہم فرد قرار دیا گیا ہے اور حق یہ ہے کہ اس سے بہتر اور مؤثر تر تدبیر کوئی اور ہے ہی نہیں۔ ۳۴۰ (سو یہ حد تمہارے اختیار سے باہر ہے۔ اس لئے تم اس حد کے مکلف بھی نہیں)۔ اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ۔ برابری ہر چیز میں، یہاں تک کہ رغبت قلب اور امور غیر اختیاری میں بھی۔ شروع سورت میں جہاں چار تک کی تعداد ازواج کی اجازت صراحت کے ساتھ مرحمت ہوئی تھی۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ وہاں معنی یہ

يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ

دونوں جدا ہی ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنے (فضل کی) وسعت سے بے نیاز کر دے گا ف۳۴۴ اور

اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اللہ ہے ہی بڑا وسعت والا بڑا حکمت والا ف۳۴۵ اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے (سب)

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اللہ ہی کی ملک ہے ف۳۴۶ اور ہم نے ان لوگوں کو جنہیں تم سے قبل

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

کتاب مل چکی ہے اور خود تمہیں بھی حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو ف۳۴۷

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رہے کہ) جو کچھ بھی آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ ہی کی

الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا

ملک ہے ف۳۴۸ اور اللہ بڑا بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے ف۳۴۹ اور جو کچھ بھی

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) اللہ ہی کی ملک ہے اور اللہ ہی کافی

وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ

کارساز ہے ف۳۵۰ وہ اگر چاہے تو اے لوگو تم (سب) کو لے جائے اور دوسروں کو

بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ

لے آئے ف۳۵۱ اور اللہ اس پر قادر ہی ہے ف۳۵۲ جو کوئی

كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ

دنیا کا انعام چاہتا ہے تو اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت (دونوں) کا

بھی ارشاد ہوا تھا کہ ان کے درمیان عدل رکھنا اور اگر عدل نہ کر سکو تو ایک ہی پر قناعت رکھنا۔ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ اس موقع پر عدل سے مراد تھی عدل معاملات میں، عدل امور اختیاری میں، یعنی ہر بیوی کی ضروریات کا، مزاج و مذاق کا لحاظ رکھنا، بہ خلاف اس کے یہاں جس عدل کی نفی کی جارہی ہے اور ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسے عدل پر تم قادر ہی نہیں ہو سکتے چاہے لاکھ اس کی تمنا کرو۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ۔ اس عدل سے مراد ہے مساوات امور غیر اختیاری میں، کیفیات قلب میں، مثلاً محبت و رغبت میں اور ایسی مساوات کامل تو والدین تک عادۃً اپنی ساری اولاد کے درمیان نہیں رکھ سکتے -- لفظ عدل دونوں جگہ مشترک ہے، لیکن مفہوم الگ الگ ہے۔ اور اس اسلوب بیان کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت سے ملتی ہیں۔ اخبر تعالٰی بنفی الاستطاعة فی العدل بین النساء و ذلک فی میل الطبع فی المحبة والجماع والحظ فی القلب (قرطبی) روی عن ابی عبیدة قال یعنی المودة ومیل الطباع وکذلک روی عن ابن عباس والحسن وقتادة (جصاص) پس بعض جدید محرفین نے اس آیت سے یہ جو نکالنا چاہا ہے کہ قرآن مجید نے عدل بین الازواج کو ناممکن بتایا ہے اور تعدد ازدواج کی اجازت صرف عدل کے ساتھ دی ہے تو اس طرح اس اجازت کو ایک بار دے کر پھر واپس لے لیا ہے تو ایسے لوگوں نے نادانستہ سہی، لیکن بہر حال قرآن پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اور اس کی جانب بے تکلف اس عیب کو منسوب کر دیا ہے کہ وہ جس چیز کو روکنا چاہتا ہے اسے براہ راست منع نہیں کر دیتا بلکہ اس کے لئے خواہ مخواہ ایک پر پیچ راستہ اختیار کرتا ہے۔ ف۳۴۱ (کہ مساواتِ کامل اور رغبت قلب کی بے اختیاری کو بہانہ کر کے بیوی کے ظاہری اور اپنے اختیار کے اندر والے حقوق بھی پامال کرنے لگو) قال مجاهد لا تتعمدوا الاساءة بل الزموا التسوية فی القسم والنفقة لان هذا مما یستطاع (قرطبی) ف۳۴۲ (کہ وہ بیچاری نہ تو عام شوہر والیوں کی طرح اپنے حقوق سے مستفید ہوتی رہے۔ اور نہ طلاقنوں کی طرح اپنے کو آزاد و خود مختار پائے) فَتَذَرُوْهَا۔ میں ضمیر مؤنث مظلوم بیوی کی جانب ہے۔ ای لاهی مطلقة ولا ذات زوج قاله الحسن (قرطبی) التی لیست ذات بعل ولا مطلقة (بیضاوی) شریعت نے اس ادھر میں پڑی رہنے والی کی حالت کو بدترین قرار دیا ہے۔ شوہر کو چاہیے کہ اپنے امکان بھر پوری کوشش حسن معاشرت کی اور تعلق زوجیت کے حق کی کرے۔ لیکن جب دیکھے کہ کوئی صورت اس میں کامیابی کی نہیں تو پھر صاف طور پر قاعدۂ شرعی کے مطابق طلاق دیدے۔ یہ ظالمانہ صورت بہر حال نہ اختیار کرے کہ عورت بہ ظاہر سہاگن اور شوہر دار ہو، لیکن حقیقۃً اپنے کسی حق سے بھی متمتع نہیں ہو رہی ہے۔ ف۳۴۳ (سو اس کے ہاں ماضی کی اصلاح حال کی احتیاط، اور مستقبل کے عزم احتیاط کے بعد تمام تر مغفرت و رحمت ہی ہے) اِنْ تُصْلِحُوْا۔ یعنی اپنی پچھلی بد عنوانیوں کی اصلاح حسب قاعدۂ شرعی کر لو۔ وَتَتَّقُوْا۔ اس تقوی کا تعلق حال اور مستقبل سے ہے۔ ف۳۴۴ (ایک کو دوسرے سے) یعنی اگر صلح و موافقت کی ہر تدبیر ناکام رہے اور نوبت بالآخر علیحدگی ہی کی آجائے تو زیادتی (نشوز) اور بے التفاتی (اعراض) کرنے والا فریق یہ سمجھے رہے کہ اللہ کسی کے کام کو کسی سے اٹکائے نہیں رکھتا۔ وہ بغیر کسی بندہ کی شرکت اور مدد کے ہر ایک کا کام چلا دینے کے لئے کافی ہے۔ ف۳۴۵ (اسے ہر ایک کے لئے مناسب سبیل نکال لینا کیا مشکل ہے) ف۳۴۶ (سو اس مالک الملک اور ملک الملوک کی رضا جوئی کے بجائے کسی اور کی رضا طلبی کیسی شدید حماقت ہے وہ زمین و آسمان کے سارے خزائن کا مالک ہے۔ اسے دوسروں کو غنی بنا دیتے کیا دیر لگ سکتی ہے۔ ف۳۴۷ (کہ یہی خوف خدا اور تقوی الٰہی بنیاد ہی تمام احکام الٰہی کی تعمیل کی ہے اور اسے آسان اور خوش گوار بنا دینے والی بھی) انسان کی ساری زندگی کا سنگ بنیاد یہی تقوی ہے اور اس لئے یہ عین مقتضائے حکمت ہے کہ قرآن مجید اس کی تاکید سے لبریز ہے۔ مسیحیوں کا دعوی ہے کہ ان کے مذہب کی بناء خوف خدا پر نہیں، بلکہ محبت الٰہی پر ہے اور ان کے پادری اسے بہت فخر سے پیش کرتے رہتے ہیں حالانکہ ان کی انجیل ان تاکیدوں سے خالی نہیں مثلاً: "اسی سے ڈرو جو روح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کر سکتا ہے۔" (متی ۱۰:۲۸) اس سے ڈرو جس کو قتل کرنے کے بعد اختیار ہے کہ جہنم میں ڈالے۔ ہاں میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی سے ڈرو" (لوقا ۱۲:۵) رہی توریت تو اس کے حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۳۴۸ (سو ایسے کی ناشکری اور نافرمانی سے اس کا کیا ضرر۔ ضرر تو خود تمہارا ہی ہے) اِنْ تَكْفُرُوْا احکام الٰہی کی مخالفت ہی کا نام ناشکری ہے۔ ف۳۴۹ مشرک جاہلی قوموں کے دیوی، دیوتا اپنی صفات میں ناقص اور اپنی ذات کے لحاظ سے محدود ہوتے ہیں، ان کے پرستار اور پجاری جو منتروں سے جاپ کرتے رہتے ہیں۔ اس سے ان کے نقائص کی تکمیل ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ اپنی الوہیت و معبودیت کے لئے غذا حاصل کرتے رہتے ہیں -- قرآن مجید نے یہاں ان دو صفات کا ذکر کر کے ان خرافات کی تردید کر دی۔ اللہ بذاتِ خود ہر طرح کامل و مکمل ہے۔ کسی کی عبادت سے اس کی تکمیل کا خیال ہی مہمل ہے اور اس کی صفات سب عالی و ستودہ ہیں نقص کا گزر نہیں۔ ف۳۵۰ اس کی کارسازیٔ عالم کو ناکافی سمجھ کر کسی مخلوق کی طرف التفات کرنا اور اس سے کارسازی کی توقع رکھنا کیسی خرافت ہے) خلقت کائنات و تدبیر کائنات سب اس کے لئے آسان ہیں۔ ف۳۵۱ (اور جو کام اسے لینے ہیں، وہ اسی نئی مخلوق سے لے) یہ بیان اس کے کمالِ قدرت کا ہے اٰخَرِيْنَ۔ یعنی نوع انسان کے علاوہ کوئی اور ہی نئی مخلوق۔ ای خلقا اخرین مکان الانس (بیضاوی) جوز الزمخشری وابن عطیة ومقلد وهما ان یکون المراد جنسا غیر جنس الناس (روح) ف۳۵۲ (سو اس قدرت کے باوجود وہ اگر ایسا نہیں کرتا اور تمہارے

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۸/۱۹

انعام موجود ہے ف۳۵۳ اور اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا دیکھنے والا ہے ف۳۵۴

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ

اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے

شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ

گواہی دینے والے رہو ف۳۵۵ چاہے وہ تمہارے یا (تمہارے) والدین اور عزیزوں کے

وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى

خلاف ہی ہو ف۳۵۶ وہ امیر ہو یا مفلس اللہ (بہرحال) دونوں سے زیادہ

بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا

حقدار ہے ف۳۵۷ تو خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا ف۳۵۸ کہ (حق سے) ہٹ جاؤ ف۳۵۹ اور اگر تم کجی کروگے

اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

یا پہلوتہی کروگے تو جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب خبردار ہے ف۳۶۰

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ اور (اس) کتاب پر ایمان لاؤ

الَّذِىْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ

جو اس نے اپنے رسولؐ پر نازل کی ہے اور اس (جنس) کتاب پر بھی جو وہ اس سے قبل

مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ

نازل کرچکا ہے ف۳۶۱ اور جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں

وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

اور اس کے پیمبروں اور قیامت کے دن سے کفر کرتا ہے وہ گمراہی میں بہت دور جا پڑا ہے ف۳۶۲

بجائے کسی جدید مخلوق کو وجود میں نہیں لا رہا ہے تو اس کا تمہارے ہی اوپر کمال احسان ہے کہ وہ اس طرح حصول اجر کا موقع دیے جا رہا ہے) کَانَ لانے سے مفہوم ماضی مقصود نہیں۔ بلکہ صفت قدرت کی ازلیت اور غیر متناہیت کا اثبات مقصود ہے۔ القدرۃ صفۃ ازلیۃ لا تتناھی معلوماتہ والماضی والمستقبل فی صفاتہ بمعنی واحد (قرطبی) صیغۂ ماضی لانے میں نکتہ یہ ہے کہ صفت کے قدیم ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے۔ ذات وصفات کو کوئی حادث نہ سمجھ لے۔ انما خص الماضی بالذکر لئلا یتوھم انہ یحدث فی ذاتہ و صفاتہ (قرطبی) ف۳۵۳ (سواس لازوال انعام ولذت کو چھوڑ کر صرف عارضی اور فانی لذتوں پر قناعت کر لینا کس درجہ بے دانشی اور عاقبت نااندیشی ہے) ف۳۵۴ سو وہ سب کی دعاؤں کو، التجاؤں کو خوب سنتا رہتا ہے۔ خواہ وہ معاوضۂ دنیوی کے باب میں ہوں یا اجر اخروی سے متعلق اور سب کی نیتوں کے اخلاص وعدم اخلاص کو دیکھتا رہتا ہے۔ ف۳۵۵ (اپنے تمام معاملات میں) احکام کی تعمیل میں اور زندگی کے مختلف معاملات میں بار بار ترغیب راہ حق و دیانت سے ہٹنے کی ہوتی رہتی ہے اور کہیں اپنے ذاتی نقصان کے خیال سے، کہیں بزرگوں، عزیزوں کی مروت اور خاطر سے قدم کو بار بار لغزش ہونے لگتی ہے۔ یہاں تاکید ہے کہ ایسے تمام موقعوں پر حق و دیانت پر قائم رہو۔ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ۔ اس کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ گواہی سے مقصود اللہ کی رضا جوئی ہے۔ ای تقیمون الشھادات لوجہ اللہ (بیضاوی) ای لا یراعی فی الشھادۃ الا جھۃ اللہ (بحر) لذات اللہ ولوجھہ ولمرضاتہ وثوابہ (قرطبی) اور دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ "اللہ کے گواہ بن جاؤ" یعنی تمہاری شہادت شہادتِ الٰہی کے قائم مقام ہو جائے۔ فقہاء نے یہی معنی لے کر استنباط یہ کیا ہے کہ جو امر گواہوں سے ثابت ہو جائے، وہی قطعی ہے۔ اور اس کی مخالفت جائز نہیں۔ چنانچہ قاضی اگر معتبر آدمیوں کی شہادت پر مدعی کو ڈگری دے دے اور مدعی علیہ خوب علم رکھتا ہو کہ حق مدعی کا نہیں اور فیصلہ غلط اور نا منصفانہ ہوا ہے۔ تاہم اگر وہ تعمیل نہ کرے گا تو قاضی اسلام کی مخالفت اور گواہوں کی تکذیب کا مجرم ہوگا۔ ف۳۵۶ یعنی مروت اور رعایت نہ خود اپنی کرو نہ اپنے کسی بزرگ کی نہ کسی عزیز کی، بلکہ صرف اللہ کی اور حق وصداقت کی۔ قرآن مجید پر عامل مسلمان۔ حلفیہ شہادت کا ذکر نہیں، بلا حلف بھی کبھی جھوٹی گواہی کا مرتکب ہو سکتا ہے؟ حکم عام ہے ہر قسم کی گواہی کے لئے۔ صرف مالی اور عدالتی معاملات کی حد تک محدود نہیں۔ محققین لکھتے ہیں کہ اس کے پورے مصداق تو حضرات محدثین ہوئے ہیں کہ انہوں نے روایات حدیث کے باب میں کسی کی ذرا رعایت نہ کی۔ اسی لئے وہ اللہ کے گواہ بن گئے۔ اور ان کی روایتوں پر دین کے ایک حصہ کا مدار ٹھیر گیا۔ ف۳۵۷ یعنی جس کے خلاف آکر تمہاری سچی گواہی پڑ رہی ہے اور اس کی خاطر تم سچے اظہار سے بچنا چاہتے ہو، اس پر جتنا حق تمہارا ہے، اس سے کہیں بڑھ کر حق اللہ کا ہے جھوٹی گواہی کے محرک عموماً دو ہی ہوتے ہیں۔ فریق اگر امیر ہے تو اس کا دباؤ، لحاظ، مروت اور اگر غریب ہے تو اس کے ساتھ جذبہ ہمدردی۔ یہاں دونوں کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اور بتایا ہے کہ دونوں صورتوں میں، جتنا تمہارا تعلق اس کے ساتھ ہے۔ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر اللہ کا تعلق اس کے ساتھ ہے۔ ف۳۵۸ (ادائے شہادت میں) تاکید ہے کہ شہادت بالکل واقعہ کے مطابق ہونا چاہیے۔ شاہد کے ذاتی رجحانات کا دخل بھی نہ آنے پائے۔ ف۳۵۹ یعنی ذاتی رجحانات کو دخل دینے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ قدم راہ حق سے ادھر یا ادھر ہو جائے گا۔ اَنْ تَعْدِلُوْا۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ ان لا تعدلوا (جلالین) ای مخافۃ ان تعدلوا (ابو سعود) ف۳۶۰ ہر معصیت، ہر بداخلاقی کی طرح ادائے شہادت کی بھی ہر بے عنوانی سے روکنے کا سب سے زیادہ موثر طریقہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہمہ بینی، ہمہ دانی کا استحضار ہے۔ جتنا یہ عقیدہ قوی، زندہ اور تازہ ہوگا، اسی قدر سخت پہرہ انسان کے نفس پر قائم رہے گا۔ اِنْ تَلْوٗۤا۔ یعنی شہادت دی تو جائے لیکن بددیانتی، خیانت اور اینچ پینچ کے ساتھ۔ تُعْرِضُوْا۔ یعنی سرے سے شہادت ہی نہ دی جائے۔ ف۳۶۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا۔ آیت میں خطاب ان لوگوں سے ہے جو کلمہ اسلام پڑھ کر اجمالاً تو ایمان لا چکے ہیں اور اسی لئے لقب مومنین سے مشرف ہیں اور انہی کو تاکید ہو رہی ہے کہ تفصیل کے ساتھ ایمانیات کے ایک ایک جزء پر اپنا عقیدہ مضبوط کریں۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ۔ یعنی اللہ کی ذات وصفات پر، اس کی اور توحید کے تضمنات پر بہ تفصیل ایمان لاؤ۔ وَرَسُوْلِهٖ۔ رسول ﷺ پر ایمان لانے کے معنی ہیں کہ اس کی شریعت کے ہر ہر جزء کو بے چون وچرا مان لیا جائے۔ الْكِتٰبِ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ۔ مراد یہاں جنس کتاب ہے۔ یعنی ان کتابوں پر ایمان لایا جائے جو قرآن سے قبل نازل ہو چکی ہیں المراد بہ جنس ما انزل علی الانبیاء قبلہ من الکتب (کشاف) نزلت فی جمیع المؤمنین والمعنی یا ایھا الذین صدقوا اقیموا علی تصدیقکم و اثبتوا علیہ (قرطبی) یا ایھا الذین امنوا بحسب الاستدلالات الجمیلۃ امنوا بحسب الدلائل التفصیلیۃ (کبیر) ف۳۶۲ ان میں سے ہر ہر عقیدہ پر فرداً فرداً ایمان لانا ضروری ہے اور ان میں سے کسی ایک عقیدہ سے بھی انکار دائرۂ اسلام سے خارج کر دینے کے لئے کافی ہے۔ و یہاں چاروں جگہ اَوْ کے معنی میں ہے۔ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ۔ اللہ کی ذات سے انکار کی طرح اس کی صفات سے بھی انکار داخل کفر ہے۔ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ۔ بجائے فرشتوں کے جاہلی قوموں کی طرح دیوتاؤں کو ماننا فرشتوں ہی سے کفر کی ایک شکل ہے وَكُتُبِهٖ۔ جاہلی مشرک قومیں چونکہ عقیدۂ وحی سے محروم ہیں، اس لئے کتب آسمانی کی بھی قائل نہیں۔ وَرُسُلِهٖ۔ بجائے پیمبروں کے اوتاروں یا خدا کے مظہروں کو ماننا رسولوں سے کفر کرنا ہے۔ ای من یکفر بشیء من ذلک (بیضاوی۔ بحر۔ مدارک) لان الکفر ببعضہ کفر بکلہ۔ (مدارک)

إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ اٰمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا

بیشک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے

ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ

پھر کفر میں ترقی کرتے گئے اللہ ہرگز نہ ان کی مغفرت کرے گا

وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ

اور نہ انہیں سیدھی راہ دکھائے گا ف۳۶۳ آپ منافقین کو سنا دیجئے کہ

لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿١٣٨﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ

ان کے لئے عذاب دردناک ہے ف۳۶۴ (یعنی وہ لوگ) جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو

اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ

دوست بنائے ہوئے ہیں کیا ان کے پاس عزت کی تلاش

الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿١٣٩﴾ وَقَدْ نَزَّلَ

کر رہے ہو سو عزت تو ساری اللہ ہی کی ہے ف۳۶۵ اور وہ تمہارے اوپر

عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ

یہ (فرمان) کتاب میں نازل ہی کر چکا ہے کہ جب تم اللہ کی نشانیوں کے ساتھ

يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ

کفر اور تمسخر ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو،

حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۚ اِنَّكُمْ اِذًا

یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں کہ اس حالت میں یقیناً تم بھی انہی جیسے

مِّثْلُهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ

ہو جاؤ گے ف۳۶۶ بیشک اللہ دوزخ میں منافقوں اور کافروں سب کو

ف۳۶۳ (جنت وہدایت کی) ذکران لوگوں کا ہے جو اسلام پر قائم نہ رہے بلکہ مرتد ہو گئے۔ اور دوبارہ ایمان لا کر پھر بھی ایمان پر قائم نہ رہے۔ اور توبہ نہ کی۔ بلکہ اسی حالت کفر وارتداد پر ختم ہو گئے۔ مگر متعین طور پر کون گروہ مراد ہے؟ ایک قول ہے کہ یہود مراد ہیں۔ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ پھر انہی کی زندگی میں گوسالہ پرستی کی اور کافر ہو گئے۔ تائب ہوئے اور ان کی ذریت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کر کے پھر کافر ہو گئی۔ اور آخر میں رسول اللہ ﷺ سے انکار کر کے اپنا کفر بڑھاتے ہی رہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مرتدین کا کوئی خاص گروہ مراد ہے۔ جو مکرر مرتد ہوا اور آخر تک مرتد رہا۔ تیسرا قول اور یہ سب سے زیادہ لگتا ہوا ہے۔ یہ ہے کہ مراد منافقین ومترددین ومذبذبین ہیں اور مقصود ان کے تردد وتذبذب کا اظہار ہے۔ نہ کہ ان کے ارتداد کا تعدد۔ سیاق قرآنی بھی منافقین ہی کو چاہتا ہے۔ کنا نحسبهم المنافقين ويدخل فی ذلک من کان مثلهم (ابن جریر۔ عن مجاہد) هٰؤلآء المنافقون (ابن جریر۔ عن ابن زید) روی عن ابن عباس ان الأية فی المترددين (بحر) لیس المراد بيان هذا العدد بل المراد ترددهم کما قال مذبذبين بين ذلک (کبیر عن القفال) جعلها ابن عباس عامة لکل منافق فی عهده ﷺ فی البر والبحر (روح) لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ بہ ظاہر نفی تاکید ہے۔ حالانکہ واقعۃً تاکید نفی کے لئے ہے۔ ان نفی التاکيد اذا ذکر علی سبيل التهکم کان المراد منه المبالغة فی تاکيد النفی (کبیر) ف۳۶۴ بَشِّرِ تبشیر کے معنی ہمیشہ خوشخبری ہی کے نہیں ہوتے۔ لغت میں عام ہے ہر ایسی خبر کے لئے جس کا اثر چہرہ سے ظاہر ہونے لگے۔ التبشير الاخبار بما يظهر اثره علی البشرة (قرطبی) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بشارت یہاں طنز وزجر کے معنی میں ہو۔ اور عرب ایسے موقع پر ایسا ہی استعمال کرتے ہیں۔ قوله بشر تهکم بهم والعرب تقول تحيتک الضرب وعتابک السيف (کبیر) ذلک قول الشاعر تحية بينهم ضرب وجيع اردو میں تو طنزیہ موقع پر کہتے ہیں۔ لو، اب اپنا انعام لو۔ اب تو مزہ پایا۔ اب دیکھو اپنا تماشا۔ ف۳۶۵ یعنی اعزاز تو تمام تر اللہ کی ملک اور قبضہ میں ہے۔ وہ جسے چاہے معزز بنا دے۔ منکرین کے بڑے بڑے امراء ورؤسا تک حقیقی عزت سے خالی ہیں۔ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ یعنی یہ منافقین اہل ایمان کے سے دلی عقائد تو کیا رکھتے۔ ظاہری تعلقات بھی ان سے قائم نہ رکھ سکے۔ اور بجائے ان کے الٹے کافروں سے لگے لپٹے ہوئے ہیں۔ فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ منکروں اور کافروں سے بلا ضرورت میل جول۔ خلا ملا۔ ان کی وضع قطع بلا ضرورت بنانا، ان کا فیشن اختیار کرنا۔ ان کے لباس، تمدن ومعاشرت کو فخر وعزت کی چیز سمجھنا یہ سب داخل نفاق ہے۔ ف۳۶۶ (نفس معصیت میں) یہ مثلیت اور یکسانی نفس معصیت میں ہو گی۔ ورنہ منکرین کا استہزاء ظاہر ہے کہ کفر اعتقادی سے پیدا ہوتا ہے اور ان کے جلسوں، محفلوں میں مسلمانوں کی شرکت محض فسق ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ای فی العذراذا مکثتم معهم ولم يردبه التمثيل من کل وجه فان خوض المنا فقين فيه کفر ومکث هٰؤلآء معهم معصية (مدارک) ای فی العصيان وان لم تبلغ معصيتهم منزلة الکفر (جصاص) فِي الْكِتٰبِ حوالہ اسی کتاب قرآن کا ہے۔ واذارايت الذين يخوضون فی ايٰتنا فاعرض عنهم حتی يخوضوا فی حديث غيره (سورۂ انعام آیت ۶۷) یہ سورۂ نساء مدنی ہے اور سورۂ انعام اس سے بہت قبل کی مکی ہے اٰيٰتِ اللّٰهِ۔ اللہ کی نشانیوں کا لفظ عام ہے۔ قرآن مجید کی آیتیں بھی انہی میں شامل ہیں۔ حکم کی تکرار یعنی ایک بار مکہ میں نزول اور دوبارہ مدینہ میں۔ حکم کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ کفر اور تمسخر کرنے والے تھے کون لوگ؟ مکہ میں تو مشرکین تھے اور مدینہ میں یہود اور منافقین۔ آیت کا حکم عام ہے۔ بے دینی کا ہر مشغلہ، کفر وانکار کا ہر مظاہرہ اس کے تحت میں آ جاتا ہے۔ مسیحی یا ہندوانہ تعلیمی، تہذیبی، معاشرتی وسیاسی ماحول کے جو گہرے اثرات طبعی طور پر مسلمانوں پر پڑ رہے ہیں، وہ سب اس وعید کے ماتحت آ جاتے ہیں۔ اپنے شعائر واصول دین پر مضحکہ سنتے رہنا خواہ وہ اسکولوں اور کالجوں میں ہو یا بازاروں اور میلوں میں یا تھیٹروں اور سینماؤں میں۔ یوں بھی بہر صورت بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ فقہاء نے لکھا ہے کہ فاسقوں کی مجلس میں شرکت، جس وقت وہ فسق میں نہ مشغول ہوں جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔

فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعًا ﴿۱۴۰﴾ الَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ

اکٹھا کرے گا ف۳٦٧ (یہ وہ لوگ ہیں) جو تمہارے لئے مصیبت کے منتظر رہتے ہیں

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ

تو اگر تمہیں اللہ کی جانب سے فتح حاصل ہو گئی تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم

مَّعَكُمْ ۖ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ قَالُوْٓا

تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو حصہ مل گیا تو (ان سے) کہنے لگتے ہیں کہ

اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ

کیا ہم تم پر غالب نہیں آنے لگے تھے اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچا نہیں لیا ف۳٦٨

فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ لَنْ یَّجْعَلَ

تو اللہ ہی تم (سب) لوگوں کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا ف۳٦٩ اور اللہ

اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾ اِنَّ

کافروں کا ہرگز مومنوں پر غلبہ نہ ہونے دے گا ف۳٧٠ بیشک

الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ

منافقین تو اللہ سے چال چل رہے ہیں حالانکہ اللہ انہی کی چالوں کو ان پر الٹ رہا ہے، ف۳٧١

وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ یُرَآءُوْنَ

اور یہ لوگ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں (صرف) لوگوں کو

النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِیْنَ

دکھاتے ہیں، اور اللہ کی یاد کچھ یوں ہی سی کرتے ہیں ف۳٧٢ درمیان ہی میں

بَیْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ

معلق نہ (پورے) ادھر ہی کے ہیں نہ (پورے) ادھر ہی کے

ع ۲۰ / ۱۷

ف۳٦٧ (کہ آخرت میں ایک کا چھپا ہوا اور ڈھکا ہوا کفر اور دوسرے کا کھلا ہوا کفر دونوں یکساں روشن وظاہر ہوں گے) اسی سے یہ تعلیم بھی نکلتی ہے کہ اصلی جوڑ اور ساتھ تو کافروں اور منافقوں کا ہے۔ حقیقۃً مناسبت انہی دونوں کے درمیان باہم ہے۔ پاک وصالح انسانوں یعنی مسلمانوں کا ان لوگوں کے ساتھ مجلسی اختلاط ہی کیسا؟ جَامِعٌ یہاں مضارع یجمع کے معنیٰ میں ہے۔ الاصل جامعٌ بالتنوین محذوف استخفافاً فانه بمعنیٰ یجمع (قرطبی) ف۳٦٨ منافقین کی پوری ذہنیت آشکارو بے نقاب کی جارہی ہے۔ ان لوگوں کا بھی عجب حال تھا۔ جب جنگ چھڑتی تو منافقین کا گروہ لشکر اسلامی کے ساتھ ساتھ ہوتا اگرچہ کافروں سے قتال نہ کرتا یا برائے نام ہی کرتا تو اگر مسلمانوں کو فتح ہو جاتی تو یہ مسلمانوں کے پاس آکر اپنی شرکت، معیت ورفاقت کا حق جتلاتے اور مال غنیمت وغیرہ میں سے اپنا حصہ طلب کرتے۔ لیکن اگر اس کے برعکس کبھی اتفاق سے کافروں ہی کے ہاتھ میدان رہتا تو یہ جھٹ ان کے پاس جاکر ان پر اپنا احسان رکھتے کہ دیکھو فلاں موقع پر لشکر اسلامی کا پلہ بھاری ہو رہا تھا۔ اور تم شکست کھانے ہی کو تھے کہ ہم آڑے آگئے۔ ہم نے اپنی کوشش وتدبیر سے تمہارا پلہ وزن دار کرا دیا اور ہاری ہوئی لڑائی جتا دی۔ تو اب ہمارا حصہ دلواؤ۔ حربی کافروں سے مسلمانوں کی مخبری کرنا، جاسوسی کرنا سب اسی کے تحت میں آجاتا ہے یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ یعنی تمہارے لئے آفت ومصیبت کے انتظار میں رہتے ہیں۔ ای ینتظرون بکم یعنی الدوائر والشدة (ابن عباس) اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ معیت کا تعلق سفر جہاد سے ہے۔ اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْكُمْ یہاں صیغہ جمع متکلم میں منافقین اپنے کو مجموعہ لشکر اسلام میں شامل کر رہے ہیں۔ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ منافقین کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملتا تھا جب ہی وہ اسے مانگتے اور اس کے لئے مطالبہ کرتے۔ والأية تدل علیٰ ان المنافقین کانوا لایعطونهم الغنیمة ولهذا طلبوها (قرطبی) فتح کے لفظ میں شان وعظمت ہے۔ اس لئے مسلمانوں کی کامیابی کو اس سے تعبیر کیا گیا اور نصیب میں حقارت اور پستی ہے۔ اس لئے کافروں کی کامیابی کے لئے یہ لفظ دیا گیا۔ سمی ظفر المسلمین فتحاً تعظیماً لشان المسلمین وسُمّی ظفر الکافرین نصیبًا تخسیسًا لحظ الکافرین (کشاف) ف۳٦٩ یعنی آج تو اظہار اسلام کر کے ہر قانون کی گرفت سے بچ جاتے ہیں اور مسلمانوں میں ملے جلے رہتے ہیں لیکن قیامت میں کیا کریں گے۔ وہاں تو ان کا کفر علانیہ ظاہر ہوگا اور یہ مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر رہیں گے۔ ف۳٧٠ (اپنے اسی آخری اور اُخروی فیصلہ میں) آخرت دار الجزاء ہے۔ وہاں اس دار العمل کی طرح کسی تکوینی امتحان التباس واشتباہ کی گنجائش نہیں وہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی بہرحال وصورت الگ ہو کر رہے گا دوسرے معنیٰ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اسی دنیا میں کافروں کو مومنوں پر غالب نہ آنے دے گا۔ حجت عقلی وشرعی کے لحاظ سے۔ قال علی رضی اللہ عنہ معنی یوم القیمة یوم الحکم وکذا قال ابن عباس ذاک یوم القیمة قال ابن عطیة وبهذا قال جمیع اهل التاویل (قرطبی) المراد بالسبیل الحجة (بیضاوی) ای حجة شرعیة لاعقلیة (بحر) ای حجة عقلیة ولاشرعیة یستظهرون بها الاابطلت ودحضت (قرطبی) اس نفی غلبہ وولایت کفار کا تعلق اسی عالم تکوینی سے مان کر بعض فقہاء نے اس سے ذیل کے استنباطات کئے ہیں:۔ (۱) کافر کی گواہی اگر مسلمان کے مضر پڑ رہی ہو تو قبول نہ کی جائے گی۔ (۲) کافر کی ولایت کسی مسلم نابالغ کے نکاح میں جائز نہ ہوگی۔ (۳) کافر کو کسی مسلمان کی وراثت نہ پہنچے گی۔ ف۳٧١ (ان کی چالوں کو ناکام دیکھ کر، ان کی چالوں کی سزا ان کو دے کر) یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ یعنی اپنے اسلام کا جھوٹا اقرار کر کر کے اللہ تک کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اپنے حمق سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ جس طرح دنیا میں ان کے ساتھ معاملہ ہو رہا ہے، اسی طرح آخرت میں بھی ہوگا۔ وَهُوَ خَادِعُهُمْ خداع کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مراد مجازات خداع ہوتی ہے۔ الخداع من الله مجازاتهم علیٰ خداعهم اولیاءه ورسله (قرطبی) سمی الجزاء علی العمل باسمه علی مجاوزة الکلام (جصاص) ای یجازیهم بالعقاب علیٰ خداعهم (کبیر) ای هو الذی یستدرجهم فی طغیانهم وضلالهم ویخذلهم عن الحق والوصول الیه فی الدنیا وکذلک یوم القیمة (ابن کثیر) ف۳٧٢ یعنی یہ منافقین اول تو نماز پڑھتے ہی کہاں ہیں۔ جب مسلمانوں کے مجمع میں شرما شرمی پڑھنا ہی پڑی۔ تو صرف ہیئت ظاہری کے لحاظ سے کچھ دیر اٹھک بیٹھک سی کرلی۔ قَامُوْا كُسَالٰى عبادت میں نشاط، مستعدی اور چستی تو صرف ایمان واعتقاد کی قوت سے پیدا ہوتی ہے۔ جب سرے سے یہی مفقود ہے تو ظاہر ہے کہ کاہلی اور بدہمتی کیسے نہ پیدا ہوتی۔ یہاں تو مقصود تمام تر ظاہرداری تھی۔ خلقت کی نظر میں اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا۔ اِلَّا قَلِیْلًا عارفین نے کہا ہے کہ یہ عمل قلیل ہی اگر اللہ کے لئے ہوتا تو اللہ اسے کثیر ہی قرار دیتا۔ قال الحسن لو کان ذلک القلیل لله تعالی لکان کثیرا (مدارک) انما سماه قلیلا لانه لغیروجهه فهو قلیل فی المعنیٰ وان کثر الفعل منهم (جصاص) یُرَآءُوْنَ النَّاسَ محض لوگوں کے دکھاوے کو، تاکہ یہ بھی مسلمان ہی سمجھے جائیں اور ان کے ساتھ بھی مسلمانوں ہی کی سی مراعات ہوتی رہے۔ ریا کے معنیٰ ہیں کسی اچھی چیز کو دکھاوے کے لئے اختیار کرنا نہ کہ حکم الٰہی کی تعمیل میں۔ الریاء اظهار الجمیل لیراه الناس لا لاتباع امر الله (قرطبی) اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ جب نماز جیسے اہم ترین رکن اسلام کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو دوسری عبادتوں کے ساتھ جو معاملہ ہوگا، ظاہر ہی ہے۔ نماز کی تصریح خصوصیت کے ساتھ اس لئے کی گئی ہے کہ اعمال میں نماز ہی ایمان واسلام کا ظاہری معیار ہے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ جس نماز ریائی کا یہاں ذکر ہے اور جو معصیت کے درجہ میں ہے اور جس نماز کا دہرانا لازم

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰۤاَيُّهَا

اور جسے اللہ گمراہ رکھے تو اس کے لئے تو کوئی راہ نہ پائے گا و۳۷۳ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ

ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا

دوست مت بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر

لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

اللہ کی حجت صریح قائم کر لو؟ و۳۷۴ یقیناً منافق

فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ

دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہوں گے اور تو ان کا کوئی مددگار

نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا

نہ پائے گا، و۳۷۵ البتہ جو لوگ توبہ کر لیں اور (اپنی) اصلاح کر لیں اور اللہ کا سہارا

بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ

پکڑے رہیں اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر لیں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ

ہوں گے و۳۷۶ اور اللہ مومنوں کو عنقریب

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ

اجر عظیم دے گا و۳۷۷ اللہ کو تمہارے عذاب سے کیا کرنا ہے، اگر

شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

تم شکرگزاری کرو اور ایمان لے آؤ اللہ تو بڑا قدر دان ہے بڑا علم والا ہے و۳۷۸

ہے وہ وہ ہے جو عقیدہ کے بغیر لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے پڑھی جائے کہ اس سے اسے لوگ مسلمان سمجھنے لگیں۔ باقی جو نماز اس ارادہ سے پڑھی جائے کہ لوگ اسے دیکھ کر اس کے مومن اور مقبول الشھادۃ ہونے کی اور اس کے جواز امانت کی شہادت دیں تو ایسی نماز اس وعید کے تحت میں نہیں آتی۔ یعنی انھم یفعلونھا لیراھا الناس وھم یشھدونھا لغوا فھذا ھو الریاء والشرک فاما ان صلاھا لیراھا الناس یعنی ویرونہ فیھا فیشھدون لہ بالایمان فلیس ذٰلک الریاء المنھی عنہ وکذلک لو ارادبھا طلب المنزلۃ والظھور لقبول الشھادۃ وجواز الامانۃ لم یکن علیہ حرج وانما الریاء والمعصیۃ ان یظھرھا صیدا للدنیا وطریقا الی الاکل بھا فھذہ نیۃ لا تجزی وعلیہ الاعادۃ (ابن عربی) و۳۷۳ (ایمان اور ہدایت کی) مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ یعنی کافروں اور مومنوں کے درمیان۔ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ یعنی ظاہر اور صورت کے اعتبار سے مومن اور معنًی اور حقیقت کے لحاظ سے کافر۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ۔ اللہ کا یہ فعل اضلال اس کی سنت تکوینی کے مطابق ہے۔ جس کے ماتحت وہ ہر عزم عمل پر عمل کا ترتب کر دیتا ہے۔ و۳۷۴ (اپنے مجرم اور مستحق سزا ہونے کی) اتنی صریح وعیدوں کے باوجود ہم لوگ جو بلاضرورت ہر قسم کے غیر مسلموں، بے دینوں، بددینوں سے دوستی اور صحبت کے تعلقات قائم رکھے ہوئے ہیں تو ہم لوگوں کا کیا انجام ہونا ہے۔ اللّٰھم احفظنا۔ لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ کافروں کے تحت میں پوری طرح وہ چھپے ہوئے کافر بھی داخل ہیں جنھیں منافقین کہا گیا ہے۔ اقتضت الاٰیۃ النھی عن الاستنصار بالکفار والاستعانۃ بھم والرکون الیھم والثقۃبھم (جصاص) فقہاء حنفیہ نے ذمیوں کو وکیل مال بنانا اور ان سے شرکت تجارت (مضاربت) میں بھی کراہت کی ہے۔ وقد کرہ اصحابنا توکیل الذمی فی الشری والبیع ودفع المال الیہ مضاربۃ وھٰذہ الاٰیۃ دالۃ علی صحۃ ھٰذا القول (جصاص) و۳۷۵ (کہ انھیں بچا سکے یا ان کی سزا کچھ ہلکی ہی کرا سکے) فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ ہر منافق اصلاً کافر ہی ہوتا ہے۔ منافق کے معنٰی یہ ہیں کہ وہ اپنے جرم کفر پر ایک مزید جرم مکر وفریب کا اضافہ کئے ہوئے ہے اس لئے اگر اسے کھلے ہوئے کافر سے سخت تر سزا ملے تو یہ عین مقتضائے عمل ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا اسے فقہاء مفسرین نے محض گنہگاروں کی شفاعت پر استدلال کیا ہے۔ اور تقریر استدلال یہ ہے کہ یہ عدم نصرت کی تہدید چونکہ اہل نفاق کے لئے مخصوص ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ جو منافق نہ ہوں گے، ان کی نصرت وشفاعت ہو سکے گی۔ واحتج اصحابنا بھٰذا علی اثبات الشفاعۃ فی حق الفساق من اھل الصلٰوۃ (کبیر) و۳۷۶ (جنت اور درجات جنت میں) مومنین کے ساتھ ان نئے تائبین کا ذکر لانے سے مومنین ہی کی تکریم اور شرف مرتبت نکلتی ہے۔ اوقع اجر المومنین فی التشریف لانضمام المنافقین الیھم (کبیر) مع المومنین کے معنٰی من المومنین کے بھی کئے گئے ہیں۔ قال الفراء ای من المومنین (قرطبی) تَابُوْا یعنی اپنے عقائد شرک وکفر سے توبہ کر لیں۔ اَصْلَحُوْا یعنی اپنے افعال واحوال کو شریعت کے مطابق وماتحت کر لیں۔ وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ اور اس اعتصام باللہ کے تحقق کے لئے کافروں کی رفاقت کا ترک لازمی ہے۔ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ۔ اللہ کے ساتھ اخلاص کی یہ شرط منافقت کی جڑ کاٹ رہی ہے۔ فقہاء نے آیت کے اس جزء سے یہ نکالا ہے کہ اعمال تقرب و عبادت ہر قسم کے شائبہ ریا اور ہر قسم کے دنیوی معاوضہ ونفع سے خالی ہونا چاہیے۔ یدل علی ان کل ما کان من امر الدین علی منھاج الحق فسبیلہ ان یکون خالصًا للہ سالمًا من شوب الریاء وطلب عرض من الدنیا (جصاص) اور یہ بھی نکالا ہے کہ نماز اذان وحج وغیرہ اعمال عبادات پر معاوضہ قبول کرنا جائز نہیں۔ ھٰذا یدل علی امتناع جواز اخذشیء من اعراض الدنیا علی ما سبیلہ ان لایفعل الاعلی وجہ القربۃ من نحو الصلٰوۃ والاذان والحج (جصاص) پوری آیت کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ منافقین جو اس قدر وعیدوں کے مستحق ہیں، وہ بھی اللہ کی رحمت ومغفرت سے ہمیشہ کے لئے مایوس نہ ہو جائیں۔ توبہ اور اصلاح حال تو ان کی اپنی اختیاری چیز ہے۔ جب اور جس وقت چاہیں، سیدھی راہ اختیار کر کے مومنین کی معیت حاصل کر سکتے ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا گناہ بھی ایسا نہیں جو موروثی یا پیدائشی ہو یا اب ناقابل اصلاح وتلافی ہو۔ و۳۷۷ (اور جب یہ تائبین اور نو مسلمین، مومنین کے ساتھ ہوئے تو ظاہر ہے کہ اجر عظیم ان کے حصہ میں بھی آ کر رہے گا) اس میں سبق ہے ان خاندانی اور پشتینی مسلمانوں کے لئے جو آج ہر کفر وفسق سے تائب نو مسلم یا نو صالح کو حقارت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ اسلامی اور ایمانی برادری میں نئے شامل ہونے والے بھائی ہیں جو اور زیادہ عزت واکرام کے مستحق ہوتے ہیں۔ و۳۷۸ خطاب منافقوں سے ہے۔ انھیں بتایا ہے کہ تمہاری سزا دینے پر اللہ تعالیٰ کا کوئی کام تو معلق ہے نہیں۔ یہ تو محض تمہارا کفر اور کفران نعمت ہے جو تمہیں جنت کی نعمتوں سے استفادہ کے ناقابل بنائے ہوئے ہے۔ اگر اپنے ان عقائد کو چھوڑ دو تو رحمت حق تو خود بخود تمہیں آ لے گی۔ اس میں یہ تعلیم بھی آ گئی کہ اسلام کا خدا مشرک اور جاہلی قوموں کے خونخوار وسفاک دیوی دیوتاؤں کی طرح نہیں جسے بندوں کے آزار دہی ہی میں لطف آ رہا ہے۔ شَاكِرًا یعنی خدمت اور عبودیت اور اخلاص کا قدردان۔ عَلِيْمًا یعنی ہر ایک کے درجۂ اخلاص سے واقف۔ آیت سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ مومن شاکر عذاب الٰہی سے بالکل دور رہے گا۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ صاحب کبیرہ پر عذاب نہیں ہے۔ قال اصحابنا دلت ھٰذا الاٰیۃ علی انہ لا یعذب صاحب الکبیرۃ (کبیر)

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ
اللہ منہ پھوڑ کر برائی کرنے کو (کسی کے لئے بھی) پسند نہیں کرتا سوا
ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا
مظلوم کے، اور اللہ تو ہے ہی خوب سننے والا۔ خوب جاننے والا ف۳۷۹ تم کسی بھلائی کو ظاہر
خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
کرو یا چھپاؤ یا کسی برائی سے درگزر کر جاؤ ف۳۸۰ تو اللہ تو (بہرصورت)
عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ
بڑا معاف کرنے والا ہے، بڑا قدرت والا ہے، ف۳۸۱ بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں سے کفر کرتے ہیں
وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ
اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے پیغمبروں کے درمیان فرق رکھیں اور یہ کہتے ہیں
نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ
کہ ہم کسی پر تو ایمان لائے ہیں اور کسی کے ہم منکر ہیں ف۳۸۲ اور یہ چاہتے ہیں کہ
يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ
ایک راہ درمیانی نکالیں ف۳۸۳ تو یہی لوگ حقیقی کافر
حَقًّا ۚ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ
ہیں ف۳۸۴ اور ہم نے کافروں کے لئے ایک عذاب رسوا کرنے والا تیار کر رکھا ہے ف۳۸۵ اور جو لوگ
اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ
اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے، اور وہ لوگ ان کے درمیان فرق بھی نہیں کرتے، ف۳۸۶
اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
تو ایسے لوگوں کو (اللہ) ضرور اُن کا اجر دے گا، اور اللہ تو ہے ہی بڑا مغفرت والا

ف۳۷۹ آیت نے اخلاق کی اصطلاح میں غیبت و بدگوئی کو اور قانون کی زبان میں ہتک عزت کو بالکل ناجائز قرار دے دیا ہے۔ اور فرد و جماعت، شخص و ملت دونوں کے ہاتھ میں فلاح و اصلاح کی ایک بڑی اصل دے دی ہے۔ اَلْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ۔ کے تحت میں پس پشت بھی کسی کے عیب کی تشہیر آگئی اور اس کے روبرو تلخ کلامی بھی۔ بلا ضرورت اور بلا مصلحت شرعی کسی کی بدگوئی کسی حال میں بھی جائز نہیں، نہ سامنے نہ پیچھے۔ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔ مظلوم البتہ اپنے دل کا بخار بک جھک کر بھی نکال سکتا ہے، اور حاکم کے سامنے فریاد بھی لے جا سکتا ہے۔ انسان کے طبعی تقاضوں اور اضطراری یا نیم اضطراری ضرورتوں کا اس حد تک لحاظ بجز شریعت اسلامی کے اور کس نے کیا ہے؟ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ جھوٹی بات کی شہرت مظلوم کو بھی جائز نہیں ___ لیجیے مظلوموں کے ساتھ ساتھ ظالموں کے حق بھی اُسی سچی، فطری، الٰہی شریعت نے تسلیم کر لیے۔ سَمِيْعًا۔ اس میں ایک طرف تو ظالم کو تنبیہ ہے کہ مظلوم کہیں فریاد لے کر جائے نہ جائے، اللہ تو بہرصورت اُس کی سن ہی رہا ہے۔ اور دوسری طرف مظلوم کو بھی ترغیب دی ہے کہ خلق کے آگے خواہ مخواہ زیادہ روتا گاتا نہ پھرے، یہ یقین رکھے کہ اللہ تو سننے والا ہے ہی۔ عَلِيْمًا۔ یہ صفت لا کر بھی ظالم و مظلوم دونوں کو یاد دلا دیا ہے کہ کوئی زبان سے نکالے یا نہ نکالے، اللہ پر تو ہر ظلم کی نوعیت و حقیقت عیاں ہی ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت سے انتقام کی اجازت نکل رہی ہے، جس کی ایک جزو شکایت بھی ہے۔ اور ضعفاء کی اس میں بڑی رعایت ہے، کہ اس سے دل کا کینہ دُور ہو جاتا ہے۔ ف۳۸۰ (جو بہرصورت افضل اور اولیٰ ہے) انسان اپنے نفس کو ٹٹولے تو نظر آئے کہ کسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے یا اس پر مال خرچ کرنے سے کہیں زیادہ شاق نفس پر یہ گزرتا ہے کہ کوئی ہمیں دکھ پہنچائے اور ہم اُس سے درگزر کر جائیں، اور انتقام نہ لیں۔ اس لیے فعل خیر سے الگ اور ممتاز کر کے اس وصف چشم پوشی اور عدم انتقام کو بیان کیا ہے۔ فندب الی العفو و رغب فیه (قرطبی) ف۳۸۱ اخلاقی حیثیت سے یہ تین مرتبے الگ الگ ہیں۔ اور انہیں یہاں کیسی صحیح ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا۔ پہلا درجہ تو یہ ہے کہ انسان نے نیکی کی۔ ساتھ ہی وہ اس کا اظہار و اعلان بھی کر دیتا ہے۔ خلق سے داد لینے کی خواہش ایک حد تک طبعی ہے۔ ایک درجہ نیکی کا یہ بھی ہوا نیکی یہ بھی ہوئی مگر ہلکی قسم کی۔ مبتدی کی سطح کی۔ اَوْ تُخْفُوْهُ اونچا مرتبہ یہ ہے کہ نیکی کرے، اور خلق سے داد و صلہ کی پروا ہی نہ رکھے، بلکہ اُسے خلق کے علم میں آنے ہی نہ دے اور مقصود اس سے تمامتر رضاء الٰہی ہی رکھے۔ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ انسان کو ناگواریاں پیش آئیں، اور وہ انہیں نظر انداز کر جائے اور برائی کرنے والے سے بدلہ نہ لیا جائے۔ یہ نفس کے لیے بہت ہی شاق ہے۔ اور اس کا مرتبہ سلوک و اخلاق کے منتہی ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ عَفُوًّا۔ اس صفت کو لا کر یہ یاد دلا دیا کہ درگزر کی صفت تو صفات کمالیہ الٰہیہ میں سے ہے۔ کیا خوب ہو جو بندہ بھی اپنے کو اسی رنگ میں رنگ لے۔ قَدِيْرًا یہ لفظ لا کر ادھر اشارہ کر دیا، کہ بندہ بیچارہ انتقام لے ہی کیا سکتا ہے۔ انتقام پر قدرت کامل تو اللہ ہی کو حاصل ہے، اور وہ اس کمال قدرت کے باوجود عفو و درگزر سے کام لیتا رہتا ہے ___ بندوں کو عفو و درگزر کی راہ پر لانے کا کتنا مؤثر و حکیمانہ طریقہ یہ ہے! امام رازی علیہ الرحمۃ جن کی نکتہ رسی قرآن فہمی میں قابل صد رشک ہے، یہاں پر خوب بات فرمائی ہے کہ آیت کے ان دو مختصر سے فقروں میں سارا خلاصہ اخلاق و سلوک آ گیا۔ دخل فی هاتین الکلمتین جمیع انواع الخیر واعمال البر (کبیر) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جس طرح پہلی آیت میں ضعفاء کی رعایت تھی، یہ آیت اہل ہمت کے مناسب حال ہے۔ اس میں مصلحت عروج الی القرب ہے۔ ف۳۸۲ یہ ارشاد کن لوگوں کی طرف ہے؟ اس باب میں بہت کچھ بحث ہوئی ہے۔ بہرحال اتنا تو صاف ہے کہ اصل ارشاد یہود کی جانب ہے جو انبیاء سابقین میں سے بہتوں کے تو قائل تھے۔ لیکن اپنے ہی سلسلہ کے انبیاء میں سے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے منکر تھے۔ اور پھر نبوت مصطفوی کے۔ لیکن قرآن کے الفاظ عام ہیں اور ان کے تحت میں نہ صرف مسیحی آ جاتے ہیں، جو نبوت مصطفوی کے تو صاف منکر، اور رسالت مسیح علیہ السلام کے بھی منکر ہو کر الوہیت مسیح علیہ السلام کے قائل ہو گئے ہیں۔ بلکہ آج کل کے بہت سے ”آزاد خیال“ اور ”روشن خیال“ بھی اس ذیل میں آ جاتے ہیں۔ یورپ میں ایک فرقہ (خدا پرستوں) کا کہلاتا ہے، اور ہندوستان میں برہمو سماج ہے۔ یہ لوگ توحید کے تو قائل ہیں۔ لیکن عقیدۂ وحی و نبوت کے منکر، یہ سب مثالیں اسی ناقص اور غلط ذہنیت کی ہیں، جسے اسلام بڑھانا اور پیدا کرنا نہیں، بلکہ مٹانا اور فنا کرنا چاہتا ہے۔ ف۳۸۳ جیسے دہلی کے ایک مغل بادشاہ اکبر نے کفر و اسلام کو ملا جلا کر ایک ”دین الٰہی“ ایجاد کیا تھا، اور پھر تین پشتوں کے بعد ایک اور شہزادہ دارا شکوہ نے بھی کچھ اسی قسم کی کوشش شروع کی تھی۔ اور بعض ملحد طبع آج بھی شرک و توحید، کفر و اسلام کو مخلوط و ممزوج کر کے طرح طرح کے خوشنما ناموں کے ساتھ ایک نئے دین کی ترکیب و اختراع کی فکر میں لگے رہتے ہیں...... ان لوگوں کی نظر دین اسلامی کی وحدت، اور اس کے عقائد و ارکان کے اندرونی نظم و ارتباط پر سرے سے ہے ہی نہیں! ف۳۸۴ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ ایسے لوگوں کا مرتبہ کافروں سے تو بہرحال بہتر ہوگا۔ نہیں بلکہ یہ لوگ پکے کافر ہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ جملہ کی ترکیب خود ہی زور پیدا کرنے کے لیے ہے۔ حَقًّا کا اضافہ تاکید مزید کے لیے ہے۔ ای وهم الکاملون فی الکفر (کشاف) ای لاعبرة بایمانهم هذا (بیضاوی) و هو تاکید لمضمون الجملة الخبرية (بحر) اولٰئک هم الکافرون کفرًا کاملًا ثابتًا حقًا یقینا (کبیر) ف۳۸۵ ایسے لوگوں کے خیالات و نظریات کی تہ میں اصلی روگ اپنی بڑائی کا ہوتا ہے۔ شعوری یا لاشعوری طور پر، بہرحال یہ

رَّحِيْمًا ﴿١٥٢﴾ يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ

بڑا رحم والا وے۳۸ آپ سے اہل کتاب فرمائش کرتے ہیں کہ آپ ان کے اوپر ایک نوشتہ

كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ

آسمان سے اتروا دیں و۳۸۸ سو یہ تو موسیٰؑ سے اس سے بھی بڑی فرمائش کر چکے

ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ

ہیں و۳۸۹ (ان سے) یہ بولے تھے کہ ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھا دو۔ سو ان کی (اس) زیادتی پر انہیں

بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ

کڑک بجلی نے آ پکڑا پھر بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آچکی تھیں، انہوں نے گوسالہ

الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا

کو (معبود) تجویز کر لیا۔ لیکن ہم نے اس سے (بھی) درگزر کیا اور ہم نے موسیٰؑ کو ایک صریح اقتدار

مُّبِيْنًا ﴿١٥٣﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا

عطا کیا و۳۹۰ اور ہم نے اُن کے اُوپر طور کو معلق کر دیا تھا ان سے قول و قرار کے لئے، اور ہم نے

لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي

اُن سے کہا کہ دروازہ (شہر) میں داخل ہو عاجزی کے ساتھ اور ہم نے ان سے کہا کہ سبت کے بارہ میں

السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿١٥٤﴾ فَبِمَا

زیادتی نہ کرنا، اور ہم نے اُن سے سخت قول و قرار لیا و۳۹۱ سو ہم نے یہ سب کچھ

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ

اُن کی عہد شکنی اور بہ سبب آیاتِ الٰہی سے اُن کے کفر کے اور بہ سبب اُن کے قتل ناحق انبیاء

الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ

کے، اور بہ سبب اُن کے اس قول کے کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں، (ہم نے انہیں سزا میں مبتلا کیا) و۳۹۲ نہیں بلکہ ہے

ع ٢١ / ١

لوگ سمجھتے یہی ہیں کہ اُن کی عقل وحی الٰہی کے مقابلہ میں زیادہ وزن دار ہے۔ اور پیغمبروں سے (نعوذ باللہ) جو کوتاہیاں رہ گئیں، اُن کی تلافی یہ اپنی عقل آرائیوں سے کر دیں گے...... اسی کبر و خود بینی کی سزا انہیں آخرت میں یہ ملے گی کہ علاوہ جسمانی تعذیب کے، یہ خلق کی نظر میں ذلیل و رسوا ہو کر بھی رہیں گے۔ و۳۸۶ یعنی یہ نہیں کرتے کہ کسی پیمبر کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں۔ قرآن مجید نے وحدت وحی پر بڑا زور دیا ہے، اور سارے انبیاء کو ایک مستقل نظام و سلسلہ کے اندر منسلک قرار دیا ہے۔ و۳۸۷ سَوْفَ۔ یہاں قرب زمانی کے لیے نہیں، جزم و تیقن کے لیے ہے۔ معناه ان ايتاء ها كائن لا محالة و ان تاخر (کشاف) فالغرض به توكيد الوعد و تحقيقه لا كونه متاخرا (کبیر) متکلمین نے آیت سے معتزلہ کا رد بھی نکالا ہے جو مرتکب گناہ کبیرہ کے دوام عذاب کے قائل ہیں، حالانکہ آیت میں صاف مضمون موجود ہے کہ ایمان محض پر بھی اجر ملے گا۔ والأية تدل على بطلان قوله المعتزلة فى تخليد المرتكب الكبيرة لانه اخبر ان من اٰمن بالله ورسله و لم يفرق بين احدمنهم يوتيه اجرهٗ و مرتكب الكبيرة فيمن من اٰمن بالله و رسله و لم يفرق بين احد فيدخل تحت الوعد (مدارک) تمسک اصحابنا بهذه الأية فى اثبات العفو و عدم الاحباط فقالوا انه تعالىٰ وعد من اٰمن بالله و رسله بان يوتيهم اجورهم والمفهوم يوتيهم اجورهم علىٰ ذٰلک الايمان (کبیر) و۳۸۸ یہ فرمائش کرنے والے یہود مدینہ تھے۔ خصوصاً کعب بن اشرف اور اس کی پارٹی۔ اى كعب و اصحابه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) یہود کہتے تھے کہ ہم ایسی وحی کے قائل نہیں جو فرشتہ کے ذریعہ سے قلب نبی پر نازل ہو۔ ہم تو بس یہ جانتے ہیں کہ ہمارے پیمبر موسیٰ علیہ السلام پر لکھے لکھائے ہوئے احکام عشرہ نازل ہوئے تھے تو اگر آپ اپنے دعوائے نبوت میں سچے ہو، تو اسی طرح کا کوئی لکھا لکھایا صحیفہ پیش کرو! قالت اليهود ان كنت صادقا فجئ بكتاب من السمآء جملة كما جاء موسٰى بالكتاب (بحر۔ عن السدی) سال اليهود رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان ينزل عليهم كتاباً من السماء كما نزلت التورٰة. علىٰ موسٰى مكتوبة (ابن کثیر۔ عن محمد بن کعب القرظی والسدی وقتادۃ) فاتنا بكتاب من السماء جملة كما جاء موسٰى بالالواح (کبیر) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت سے اس شخص کی مذمت نکل رہی ہے جو برکات سماوی کو شیخ کے اختیار میں سمجھ کر اُس سے اضافہ کی درخواست کر رہا ہے۔ و۳۸۹ (سو ایسی قوم سے ایسی فرمائشیں کچھ انوکھی اور نادر نہیں) ضمناً جواب بھی نکل آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو خود ہی ایسی چیز لائے تھے، پھر اس پر ان ظالموں نے کب بس کیا؟ اُن سے تو یہ فرمائش کر دی کہ براہِ راست اللہ میاں کا دیدار ہی ہمیں کرا دیجئے۔ یہ سارے واقعات اس غرض کے لیے یاد دلا دیے گئے کہ ان لوگوں کی ساری قومی تاریخ ہی ضد و عناد سے بھری پڑی ہے۔ ایسی فرمائشوں سے اُن کا مقصود تحقیق حق نہیں بلکہ محض مجادلہ و مکابرہ ہے۔ هذا يدل على ان طلب هٰؤلاء لنزول الكتب عليهم من السماء ليس لا جل الاسترشاد بل لمحض العناد (کبیر) و۳۹۰ (چنانچہ وہ محض نبی و رسول ہی نہ تھے بلکہ اپنی قوم کے حاکم اعلیٰ اور صاحب اقتدار لیڈر بھی تھے) اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً۔ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ۔ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ ان سب واقعات پر حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے۔ محققین نے کہا ہے کہ آیت میں اُس شخص پر رد نکل رہا ہے، جو وقوع رؤیت کا اسی دنیوی زندگی میں قائل ہے۔ يدل على الانكار على من يعتقد وقوع الرؤية فى النشاة الدنيوية (روح) بِظُلْمِهِمْ میں ب سببیہ ہے۔ بسبب ظلمهم (بیضاوی) ثُمَّ یہاں تاخر زمانی کے لیے نہیں استبعاد کے لیے ہے۔ یعنی ایسی بیہودہ فرمائشیں ہی کیا کم تھیں کہ اس سے بڑھ کر حرکت یہ گوسالہ پرستی کی شروع کر دی۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش کیے ہوئے دلائل و معجزات جاننے، سمجھنے، دیکھنے کے بعد، شرک خصوصاً اپنی قبیح ترین صورت گوسالہ پرستی میں، یوں بھی برا ہی تھا، فطرتِ سلیم خود اس سے اِبا کرتی ہے۔ لیکن پیمبر برحق کے لائے ہوئے دلائل قوی اور شواہد بیّن کے بعد تو اس پستی میں گرنا بدبختی کی انتہا ہے۔ و۳۹۱ (ان احکام نیز دوسرے احکام کی تعمیل کے لیے) رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ۔ اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا۔ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ ان سب واقعات پر حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے۔ بِمِيْثَاقِهِمْ میں ب اظہار غرض و غایت کے لیے ہے۔ اى بسبب ميثاقهم ليقبلوه (بیضاوی) والباء للسبب (بحر) سُجَّدًا یہاں سجدۂ شرعی مراد نہیں۔ بلکہ سجدہ اپنے لفظی معنی میں ہے۔ یعنی تواضع کے ساتھ۔ اى متطامنين خاضعين۔ (روح) و۳۹۲ یہود کے نقض میثاق اور کفر بایاتِ الٰہی اور انبیاء کے قتل ناحق پر، اور اُن کے قول قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ان سب پر حاشیے پارۂ اول میں گزر چکے۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ کی اصل تقدیر کلام یوں ہے۔ فبنقضهم ميثاقهم لعناهم۔ التقدير فبنقضهم ميثاقهم لعناهم عن قتادة وغيره (قرطبی) عربی اسلوب بیان میں ایسے محذوفات عام ہیں۔ مخاطبین کے علم کی بنا پر محذوف کر دیئے جاتے ہیں۔ حذف هذا العلم السامع (قرطبی) قال ابن عطية و حذف جواب هذا الكلام بليغ متروک علىٰ ذهن السامع (بحر) بما میں ما زائدہ تاکید کلام کے لیے ہے۔ ما زائدة مؤكدة (قرطبی)

اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥٥﴾

یہ کہ) اللہ نے اُن پر مہر لگادی، بہ سبب ان کے کفر کے، ف٣٩٣ سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر (بہت) تھوڑا سا ف٣٩٤

وَّبِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿١٥٦﴾

نیز بہ سبب اُن کے کفر کے اور بہ سبب ان کے مریمؑ پر بہتان عظیم رکھنے کے ف٣٩٥

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

اور بہ سبب ان کے (اس) قول کے کہ ہم نے عیسیٰؑ ابن مریم کو مار ڈالا، جو مسیح اور

رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ

اللہ کے پیمبر تھے ف٣٩٦ حالانکہ نہ وہ آپؑ کو مار ڈال سکے اور نہ آپؑ کو سولی ہی پر چڑھا پائے ف٣٩٧ بلکہ ان پر شبہ

لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ

ڈال دیا گیا ف٣٩٨ اور یہ لوگ آپؑ کے بارہ میں اختلاف کررہے ہیں ف٣٩٩ وہ آپؑ کی طرف سے شک میں پڑے

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ

ہوئے ہیں، ف٤٠٠ ان کے پاس کوئی علم (صحیح) تو ہے نہیں ہاں بس گمان کی پیروی ہے، ف٤٠١ اور یقینی بات ہے، کہ انہوں

يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا

نے آپؑ کو مار نہیں ڈالا ف٤٠٢ بلکہ آپؑ کو اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا ف٤٠٣ اور اللہ بڑا قوت والا ہے،

حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ

بڑا حکمت والا ہے ف٤٠٤ اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو آپؑ پر اپنے مرتے وقت

قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾ۚ

ایمان نہ لائے ف٤٠٥ اور آپؑ قیامت کے دن اُن پر گواہ (کی حیثیت سے پیش) ہوں گے ف٤٠٦

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ

سو یہود کی (ایسی ہی) زیادتیوں کے باعث ہم نے اُن پر بہت سی چیزیں جو اُن پر حلال تھیں،

ف٣٩٣ یہ مہر ابتداءً کبھی نہیں لگتی، جزاءً ہی لگتی ہے۔ اور یہاں تو اس کی تصریح ہی موجود ہے۔ بکفرھم ای جزاء لھم علی کفرھم (قرطبی) ف٣٩٤ (اور وہ بہت تھوڑا سا ایمان نجات کے لیے کافی نہیں) یہ ایمان قلیل غیر نافع اسی لیے ہوگا کہ یہ کل انبیاء پر ایمان پر شامل نہیں۔ ای الا ایماناً قلیلا ای ببعض الانبیاء و ذٰلک غیر نافع لھم (قرطبی) و ھو غیر مفید لان الکفر بالبعض کفر بالکل (روح) اہل کتاب کا "ایمان" بس ایسا ہی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کا اقرار کیا، اور عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کرتے رہے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی تصدیق کی، لیکن حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تکذیب یا مثلاً حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو تو مان لیا، لیکن خود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار کیے گئے۔ ایسی حالت میں لفظ ایمان پر ایمان شرعی کا اطلاق ہوہی گا نہیں۔ ایمان اصطلاح شریعت میں تو وہ ہے، جو سارے سلسلۂ نبوت پر ہو، ورنہ ایک نبی پر ایمان لاکر دوسرے انبیاء سے انکار کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ لانہ ایمان لغوی لا شرعی (تھانوی) فقد بینا ان من یکفر برسولٍ واحد فانہ لا یمکنہ الایمان باحد من الرسل البتۃ (کبیر) ف٣٩٥ (کہ نعوذ باللہ وہ بدوضع تھیں) بُھْتَانًا عَظِیْمًا۔ یہود کی کتابوں میں ایسی ایسی گندہ روایتیں اس پاک سرشت خاتون کی بابت لکھی ہوئی ہیں، کہ ان صفحات پر بہ غرض رد بھی نقل ہونے کے قابل نہیں۔ قرآن مجید نے اس سارے طومار خرافات کی طرف بہ کمال بلاغت، بہتان اور بہتانِ عظیم لاکر اشارہ کردیا۔ مَرْیَمَ پر حاشیہ پ ٣ میں گزر چکے۔ یہ عمران کی صاحبزادی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تھیں۔ نکاح حسب روایاتِ تاریخی یوسف سے ہوا تھا۔ جونجاری کا کارخانہ قائم کیے ہوئے تھے۔ دونوں بڑے عابد وخدا رسیدہ تھے۔ بِكُفْرِهِمْ۔ ذکر یہود کی سزا کا چل رہا ہے کہ اُن پر جو یہ عذاب مسلط ہے، فلاں فلاں اسباب سے ہے۔ یہاں کفر یہود سے مراد اُن کا کفر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ ای بعیسٰی علیہ السلام (بیضاوی) ف٣٩٦ یہ قول کس کا تھا؟ ظاہر ہے کہ یہود ہی کا تھا، جو اس پر خوش بھی ہوئے تھے، اور اس کا دعویٰ بھی فخر کے ساتھ کررہے تھے۔ الْمَسِیْحَ۔ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ یہ دونوں الفاظ یہود کے نہیں، وہ انہی دونوں منصبوں یا مسیحیت اور رسالت ہی کے تو منکر تھے۔ قرآن حمید نے نفس واقعہ کے لحاظ سے ان کا صحیح منصب بیان کردیا۔ قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان عام ہے۔ ھو اخبار من اللہ تعالٰی بصفۃ عیسٰی (بحر۔ عن ابن عطیہ) یجوزان یضع اللہ الذکر الحسن مکان ذکر ھم القبیح فی الحکایۃ عنھم (کبیر۔ کشاف) یحتمل ان یکون استنافا من اللہ تعالٰی بمدحہ (بیضاوی) یحتمل ان اللہ وصفہ بالرسول و ان لم یقولوا ذٰلک (مدارک) اِنَّا قَتَلْنَا۔ قتل کے اصل معنی روح کو جسم سے جدا کردینے کے ہیں، خواہ کسی طریقہ پر ہو۔ اسی کو اُردو محاورہ میں "ختم کردینا" یا "کام تمام کردینا" کہتے ہیں۔ اصل القتل ازالۃ الروح عن الجسد (راغب) قتلہ ای اماتہ بضرب اوحجر او سم او علۃ (تاج) ھو ازالۃ الروح عن الجسد کالموتِ (ابو البقاء) اور امام قرطبی نے ایک دوسری آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ کے تحت میں لکھا ہے القتل ھو کل فعل یفیت الروح و ھو انواع من النحر والذبح والخنق والرضخ و شبھہ۔ یہاں اصطلاح خنجر کا قتل مراد نہیں جس کے معنی محض کسی دھاردار آلہ سے ہلاک کرنے کے ہوتے ہیں۔ تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سزائے موت اگرچہ رومی عدالت سے ملی۔ اور وہی ملکی عدالت نفاذِ سزا پر قادر تھی، لیکن آپؑ کو سزا دلوانے میں اور آپ کے لیے سزائے موت کا حکم سنوانے میں ہاتھ تمامتر یہود ہی کا کام کررہا تھا۔ اسی لیے قرآن مجید نے بھی، جو تاریخ کی دقیق حقیقتوں کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیتا، بالکل صحیح طور پر آپ کے قتل یا اقدام قتل کی ذمہ داری یہود ہی پر رکھی۔ انجیلیں اتنے جزو پر متفق المعنیٰ (بلکہ ایک حد تک متفق اللفظ بھی) ہیں کہ رومی عدالت کا حاکم پیلاطس آپؑ کو سزا دینا ہرگز نہیں چاہتا تھا، بلکہ اس سے برابر بچ رہا تھا۔ یہ یہود ہی تھے، جنہوں نے استغاثہ جھوٹا گڑھا، گواہیاں جھوٹی فراہم کیں، اور بلوہ وفساد کی دھمکی دے دے کر اُسے حکم سنانے پر مجبور کردیا۔ انجیل متی کا ایک مختصر سا بیان ملاحظہ ہو:۔ "...... جب پیلاطس نے دیکھا کہ کچھ نہیں بن پڑتا، بلکہ اُلٹا بلوہ ہوا جاتا ہے، تو پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے، اور کہا میں راستباز کے خون سے بری ہوں۔ تم جانو۔ سب لوگوں نے کہا کہ اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر۔ اس پر اس نے برابا کو اُن کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالہ کیا تاکہ صلیب دی جائے"۔ (٢٧: ٢٤۔ ٢٦) اسی کی تائید دوسری انجیلیں بھی کرتی ہیں، بلکہ لوقا میں تو اتنی تصریح اور زائد ہے کہ حاکم نے ملزم کو سزائے موت سے بچانے کی تین تین بار کوشش کی، لیکن یہود نے ہر دفعہ اس کی بات کو رد کردیا۔ (٢٣: ٢٢) یہ بیانات تو مسیحیوں کے تھے۔ خود یہود کی لکھی ہوئی جو قدیم ترین حیاتِ مسیح دنیائے معلوم میں موجود ہے، یعنی جوزیفس کی اور جس کا ترجمہ انگریزی میں Antiquities of Jewish کے نام سے شائع ہوچکا ہے، اس میں اس واقعہ کو فخر کے ساتھ اپنی ہی جانب منسوب کیا ہے۔ (حاشیہ صفحہ ٤٦) انجیلوں میں جو پیشگوئیاں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے اپنے قتل ہونے کی بابت منقول ہیں، اُن میں بھی ساری ذمہ داری سردارانِ یہود ہی کے سر لگتی ہے اور رومیوں یا حاکموں کا ذکر نہیں آتا:۔ "اُس وقت سے یسوع اپنے شاگردوں پر ظاہر کرنے لگا کہ مجھے ضرور ہے کہ یروشلم کو جاؤں اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں کی طرف سے بہت دُکھ اٹھاؤں، اور قتل کیا جاؤں۔" (متی۔ ١٦: ٢١) "پھر وہ انہیں تعلیم دینے لگا کہ ضرور ہے کہ ابن آدم بہت دُکھ اُٹھائے اور بزرگ اور سردار کاہن اور فقیہ اُسے رد کریں اور وہ قتل کیا جائے۔ (مرقس ٨: ٣١) "ضرور ہے کہ ابن آدم علیہ السلام بہت دُکھ اُٹھائے اور بزرگ اور سردار کاہن اور فقیہ اسے رد کریں۔ اور وہ قتل کیا جائے۔ (لوقا ٩۔ ٢٢) ف٣٩٧ یعنی آپؑ کا کام تمام کردینا تو الگ رہا یہود تو واقعۃً اتنا بھی نہ کرسکے کہ اُس زمانہ میں

اس ملک میں جو طریقہ سزائے موت کا تھا اُسی تک پہنچ جاتے! یعنی آپؑ کو سولی پر چڑھا تک نہ سکے۔ وَمَا صَلَبُوْهُ. صلبوا کے اصل معنٰی محض سولی پر لٹکانے یا چڑھانے کے ہیں، چڑھا کر ختم کر دینے کے نہیں۔ هو تعليق الانسان للقتل (راغب) اُردو میں یہ مفہوم ''سولی دینے'' سے نہیں ''سولی چڑھانے'' ہی سے ادا ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ علیہ نے اپنے فارسی ترجمہ، اور شاہ عبدالقادر علیہ اور علامہ تھانوی علیہ نے اپنے اپنے اُردو ترجموں میں بھی یہی مفہوم لیا ہے۔ و٣٩٨ یا ''وہ دھوکے میں ڈال دیئے گئے یا ''حقیقت اُن پر مشتبہ ہوگئی''۔ یہ شبہ میں کون پڑ گئے یا حقیقت کن پر مشتبہ و ملتبس ہوگئی؟ ظاہر ہے کہ مراد وہی یہود یا اعدائے مسیح ہیں جن کا ذکر اُوپر سے چلا آ رہا ہے۔ كانه قيل وقع عليهم الشبه (مدارک) التبس عليهم الامر (بیضاوی) یا یوں کہا جائے کہ شبہ انہیں مقتول سے متعلق ہوا، اور وہ دھوکے میں اس کی شخصیت کے بارہ میں پڑ گئے۔ شبه لهم المقتول و المصلوب (جلالین) بہر حال اس پر ہمارے سارے مفسرین کا اتفاق ہے، کہ یہود کو دھوکا ہوا، اور وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے دھوکے میں کسی اور کو سولی پر چڑھا گئے۔ لیکن یہ شخص کون تھا، اور دھوکے کی صورت کیا ہوئی، اس کا تصریحی جواب نہ قرآن مجید میں ہے نہ کسی حدیث صحیح میں۔ اب سوا اس کے چارہ نہیں رہتا کہ تاریخ کی روشنی میں واقعہ کے جزئیات کو ایک ایک کر کے لایا جائے، اُس وقت کے پس منظر کو سامنے لایا جائے۔ اور جو صورت واقعہ نسبۃً قرین قیاس اور مطابق مقتضائے حال معلوم ہو، اُسی کو ترجیحی طور پر اختیار کیا جائے پہلی بات اس سلسلہ میں یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام یروشلم کے لوگوں سے ملتے جلتے کم تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ عوام تو عوام، خواص بھی آپؑ کو پوری طرح پہچانتے نہ تھے۔ چنانچہ جب آپؑ کی گرفتاری کا وقت آیا، تو اس کے لیے اکابر یہود اور متعدد سپاہیوں کا ایک پورا گروہ اس ضرورت کے لیے کافی ثابت نہ ہوا، بلکہ آپؑ کی شناخت کے لیے آپؑ ہی کی مختصر سی پارٹی کے ایک منافق وغدار کو ساتھ لینا پڑا۔ یہ ایک خالص تاریخی حقیقت ہے لیکن امام المفسرین امام رازی اس راز سے بھی واقف ہیں۔ فرماتے ہیں۔ والناس ما كانوا يعرفون المسيح الا بالاسم بانه كان قليل المخالطة للناس (کبیر) متی اور مرقس دونوں انجیلوں میں ہے کہ گرفتاری کرنے والی پارٹی میں سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں کی طرف سے ایک ''بڑی بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لیے ہوئے'' سپاہیوں کی شامل تھی۔ اس پر بھی گرفتاری اور شناخت کے لیے انہیں یہوداہ منافق کا سہارا ڈھونڈنا پڑا۔ اور انجیل یوحنا میں ہے کہ جب یہ پلٹن اور پیادے وہاں پہنچے، تو ''یسوع نے اُن سے پھر پوچھا کہ تم کسے ڈھونڈتے ہو؟ وہ بولے یسوع ناصری کو، یسوع نے جواب دیا میں تم سے کہہ تو چکا ہوں کہ میں ہی ہوں''۔ (١٨: ٣۔٨) ''حضرت مسیح علیہ السلام'' کا تعظیمی تخیل تو بہت بعد کی پیداوار ہے۔ معاصر مخالفین ومعاندین کی نظر میں تو آپؑ کی حیثیت صرف یسوع ناصری نامی ایک بدنام وغیر معروف مجرم کی تھی۔ وہ سامنے موجود تھا، اور پھر بھی کوئی پہچان نہیں رہا تھا، حالانکہ سب آئے تھے اُسی کی تلاش میں! دوسری بات یہ خیال رکھنے کی ہے کہ حضرت علیہ السلام کو، یا بالفاظ یہود یسوع ناصری کو تبدیل ہیئت میں خاص ملکہ تھا۔ انجیلوں میں حضرت علیہ السلام کی اسی قدرت کو بہ طور معجزہ کے بیان کیا گیا ہے۔ ''چھ دن کے بعد یسوع نے پطرس اور یعقوب اور اس کے بھائی یوحنا کو ہمراہ لیا، اور انہیں ایک اُونچے پہاڑ پر الگ لے گیا۔ اور اُن کے سامنے اُس کی صورت بدل گئی، اور اُس کا چہرہ سورج کی مانند چمکا''، (متی۔ ١٧: ١، ٢) ''جب وہ دُعا مانگ رہا تھا تو ایسا ہوا کہ اس کے چہرہ کی صورت بدل گئی، اور اس کی پوشاک سفید براق ہوگئی''۔ (لوقا ٩: ٢٩) نیز مرقس ٩: ٢۔ یہ معجزہ تھا یا نہ تھا، یہ ایک الگ بحث ہے۔ بہر حال آپؑ کو نفس قدرت اس پر حاصل تھی۔ تیسرے، اس تاریخی حقیقت کا استحضار ذہن میں کر لیا جائے، کہ ملک (شام و فلسطین) کی آبادی اُس وقت اسرائیلیوں (یہود) کی تھی۔ اور اسی برادری کے ایک فرد آپؑ بھی تھے۔ لیکن ملک پر حکومت رُومیوں کی تھی، اور اعلیٰ عہدہ دار اور پولیس اور فوج رومیوں پر مشتمل تھی۔ اور یہ رومی نہ صرف مشرک یعنی دین وعقیدہ میں اسرائیلیوں سے مختلف تھے، بلکہ صورت شکل، وضع ولباس، زبان ومعاشرت وغیرہ میں بھی اُن سے ایسے ہی الگ تھے جیسے آج انگریز ہندوستانیوں سے مختلف وممتاز ہیں...... اور جس طرح آج ہندوستانیوں کو سب فوجی گورے یکساں اور گوروں کو سارے ''کالے'' ایک سے معلوم ہوتے ہیں، بدیسی رومی سپاہیوں اور فوجیوں کی نظر میں سب یہود یہود، اور اسرائیلی اسرائیلی بھی ایک ہی تھے۔ چوتھی کڑی اس سلسلہ کی یہ ملایئے، کہ جس مقام پر رومی عدالت تھی، وہاں سے سرکاری سولی گھر فاصلہ پر تھا، اور سولی یا صلیب جس کی شکل انگریزی چھاپہ کے بڑے حرف (ٹی) T کے مشابہ یا ریلوے سگنل سے ملتی جلتی ہوتی تھی، وہ سولی گھر میں پوری گڑی ہوئی نہیں ہوتی تھی، صرف اس کا سیدھا اور کھڑا استون زمین میں گڑا ہوا رہتا تھا، باقی جو لکڑی اُس کے اُوپر آڑی آڑی پڑتی تھی، اس کے لیے قاعدہ یہ تھا کہ وہ مجرم کو عدالت سے اپنے اُوپر لاد کر سولی گھر تک لانی پڑتی تھی۔ یہاں تک جو کچھ عرض ہوا، اس پر ایک نظر دوبارہ کر کے اُمور ذیل کو بھی نظر کے سامنے لے آیئے:۔ (١) حکم جب سنایا گیا ہے، جمعہ کا دن تھا۔ اور دن آخر ہو رہا تھا۔ اور یہود کو جلدی تھی کہ ہر طرح فراغت پا کر شاموں شام گھر واپس آ جائیں۔ جمعہ کی شام ہی سے اُن کا یوم السبت شروع ہو جاتا تھا، اور یوم السبت کے حدود کے اندر مجرم کی سزا دہی وغیرہ بھی ممنوع تھی۔ اور پھر یہود کا اہم تہوار، عید فسح (Passover) بھی شروع ہو رہی تھی۔ غرض یہود کو اس کی بہت ہی عُجلت تھی کہ کسی طرح اُن کا یہ مجرم جلد سے جلد سولی پا کر شام سے قبل ہی دفن ہو جائے۔ (٢) لاغر وناتوان مجرم (یعنی خود حضرت مسیح علیہ السلام) کے لیے ممکن نہ تھا کہ اتنی وزنی لکڑی لاد کر اتنا فاصلہ یہود کی خاطر خواہ تیزی سے طے کر سکیں۔ خصوصاً جب کہ یہودی بچے اور شریر قسم کے یہود خود ہی قدم قدم پر انہیں چھیڑتے جاتے، اور اُن کا راستہ کھوٹا کرتے جاتے۔ اب اس ساری صورت حال کو اس تفصیل کے ساتھ پیش نظر رکھ کر فرمایئے کہ رومی سپاہی، جو مجرم، بلکہ مجرموں کو (آپؑ کے ساتھ سولی کے لیے دو مجرم اور بھی تھے) حراست میں لیے ہوئے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ رعایا میں سے نہیں، بلکہ حاکم قوم کے افراد تھے، ایسے موقع پر کیا کرتے؟ —— خود تو اپنے اوپر وہ سولی والی لکڑی کا بوجھ لادنے سے رہے۔ انہوں نے وہی کیا جو اُن کی جگہ پر کوئی بھی اُن جیسا انسان کرتا۔ انہوں نے مجمع ہی میں سے کسی بدتمیز یہودی کو پکڑ لیا، اور صلیب کی لکڑی اُسی پر لاد دی!...... انگریز گارڈ ایسے موقع پر، یعنی کسی ہندوستانی مجرم کو حراست میں لیے جاتا ہوتا تو کیا کرتا؟ یہی کرتا کہ بھیڑ میں کسی ہندوستانی ہی کو پکڑ لیتا اور اس پر لاد دیتا۔ یہ محض قیاس وقرینہ نہیں، انجیلوں میں اتنے جزو کی تصریح موجود ہے:۔ ''انہیں شمعون نام ایک کرینی آدمی ملا۔ اُسے بیگار پکڑا کہ اُس کی صلیب اُٹھائے''۔ (متی۔ ٢٧: ٣٢) ''اور شمعون نام ایک کرینی آدمی اسکندر اور روفس کا باپ دیہات سے آتے ہوئے اُدھر سے گزرا۔ انہوں نے اُسے بیگار میں پکڑا کہ اُس کی صلیب اٹھائے'' (مرقس۔ ١٥: ٢١) ''اور جب اس کو لیے جاتے تھے، تو انہوں نے شمعون نام ایک کرینی کو جو دیہات سے آتا تھا، پکڑ کے صلیب اُسی پر رکھ دی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے چلے'' (لوقا ٢٣: ٢٦) جب یہ مجمع (جو یقیناً کوئی باقاعدہ ومنظم مجمع نہیں، بلکہ عوام کی ایک بھیڑ تھا) اس افراتفری کے ساتھ ایک دوسرے کو ریلتا پیلتا، مجرم سے چھیڑ چھاڑ کرتا، اُس سے تمسخر کرتا ہوا، سولی گھر کے پھاٹک پر پہنچا، تو رومی پولیس گارد جو ساتھ تھا، اب اُس کی ڈیوٹی ختم ہوگئی۔ اب یہاں سے جیل کے سنتریوں کا عمل ودخل شروع ہوتا ہے۔ وہ کیا جانیں، کہ یسوع ناصری کس کا نام ہے۔ وہ اپنے حسب دستور مجرم اُسی کو سمجھے جس کے اُوپر صلیب لدی ہوئی تھی...... ایک مرتبہ پھر اس حقیقت کو مستحضر کر لیجیے کہ جیل کے رومی سپاہیوں کے لیے سب یہودی اجنبی ہی تھے، اور اس لیے باہم گرہم شکل اور یکساں۔ انہیں ایک اسرائیلی (یسوع ناصری) اور دوسرے اسرائیلی (شمعون کرینی) کے درمیان اشتباہ نہایت آسان تھا، انہیں دونوں کے درمیان کوئی نمایاں فرق ہی نہیں نظر آ سکتا تھا۔ شمعون نے یقیناً واویلا مچایا ہوگا، لیکن ادھر مجمع کا شور وہنگامہ اُدھر جیل کے سپاہیوں کی اسرائیلیوں کی زبان سے ناواقفیت، اور پھر سولی پر لٹکا دینے کی جلدی، اسی افراتفری کے عالم میں اُسی شمعون کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اور وہ چیختا چلاتا رہا۔ حضرت مسیح علیہ السلام قُدرۃً اس ہڑبونگ میں دشمنوں کے ہاتھ سے رہا ہو گئے۔ اور دشمن دھوکے میں پڑے ہوئے ٹامک ٹوئیے مارتے رہ گئے! وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ یہ عقیدہ تو ایجاد نہیں۔ خود مسیحیوں ہی کا ایک قدیم ترین فرقہ باسلیدیہ (Basilidian) کے نام سے گزرا ہے (بانی فرقہ کا سال وفات

۱۴۰ء) وہ اسی عقیدہ کا قائل تھا۔ اور کھلم کھلا کہتا کہ مصلوب حضرت مسیح علیہ السلام نہیں ہوئے، بلکہ شمعون کرونی ہوا ہے۔ قرآن مجید نے اسی عقیدہ کی تصویب کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ لیکن پولوس (متوفی ۶۵ء) کے اثر سے جو مسیحیت چلی اور پھیلی، اُس کی تو بنیاد ہی عقیدۂ کفارہ پر ہے۔ یعنی اس عقیدہ پر کہ ابن اللہ نے یا خود خدا نے مجسم ہو کر، اور صلیب پر جانکنی کی تکلیف اٹھا کر اور اپنی جان دے کر سب کی طرف سے مخلوق کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ اس لیے یہ رواجی مسیحیت تو بغیر مصلوبیت مسیح علیہ السلام کو مانے اور فرض کیے ہوئے ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتی۔ اس لیے لامحالہ اسی پولوی اور کلیسائی مسیحیت نے کل قدیم صحیح العقیدہ مسیحی فرقوں کو ''بدعتی'' اور ''مبتدع'' قرار دے کر کلیسا سے خارج کر دیا۔ اور خود ہی کہنے لگے جو دشمنانِ عیسیٰ علیہ السلام یعنی یہود پہلے ہی سے کہہ رہے تھے۔ یعنی یہی کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر وفات پا گئے! گو ظاہر ہے کہ اس اشتراک عقیدہ میں نیتیں دونوں کی بالکل الگ الگ ہیں۔ یہود وفات عیسیٰ علیہ السلام کو موقع تحقیر و اہانت میں بیان کرتے ہیں، اور مسیحی بعینہٖ اسی واقعہ سے آپؑ کی عظمت پر دلیل لاتے ہیں۔ لیکن نفس عقیدہ بہرحال دونوں میں مشترک ہے۔ اور بڑے تاسف اور قلق کا مقام ہے کہ آج بیسویں صدی عیسوی میں بعض ''مسلمان'' فرقے بھی اسی گمراہی کی طرف واپس جا رہے ہیں۔ اور طرفہ یہ ہے کہ وفات مسیح علیہ السلام کے اس باطل اور خلاف تحقیق عقیدہ کو ''روشن خیالی'' کا تمغہ اور تحقیق کا پروانہ سمجھ رہے ہیں! **ف۳۹۹** (آپس میں، کہ کوئی آپ کو مرتبۂ الوہیت پر پہنچائے دیتا ہے، اور کوئی مرتبۂ عبدیت کاملہ سے بھی نیچے اتارے لاتا ہے) فِیْهِ میں ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے اي في شان عيسى علیہ السلام (روح) اي في عيسى (مدارک) اي في عيسى (جلالین) اَلَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ سے مراد یہود و نصاریٰ اور اُن کے مختلف فرقے ہیں۔ کہ کوئی آپؑ کو نعوذ باللہ شعبدہ باز قرار دے رہا ہے، اور کوئی نعوذ باللہ آپؑ کی خدائی کا کلمہ پڑھ رہا ہے۔ المراد من الموصول ما يعم اليهود والنصارى جميعًا (روح) قيل الضمير عائد على اليهود والنصارى (بحر) **ف۴۰۰** شَكٍّ کی بہترین تفسیر مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے، یعنی قول بلا دلیل۔ یعنی نظریہ پر نظریہ قائم کرتے چلے جاتے ہیں اور کوئی بات بنائے نہیں بنتی۔ مسیحی مسیحیوں سے دست و گریباں ہیں اور یہود یہودیوں سے۔ اندر ہی اندر خدا معلوم کتنے فرقے ہو گئے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ **ف۴۰۱** (اور گمان یا اٹکل حقیقت رسی میں کہاں تک کافی ہو سکتی ہے!) مسیحیوں نے تو غضب ہی کر رکھا ہے، اپنے سارے مذہب یعنی الوہیت مسیح، وفات مسیح، احیاء مسیح علیہ السلام کی بنیاد تمام تر ظن و وہم پر رکھی ہے۔ لَهُمْ میں ضمیر اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا کی طرف ہے۔ یعنی وہ لوگ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے باب میں جھگڑ رہے ہیں۔ یہود، نصاریٰ اور اُن کے اندرونی فرقے۔ مِنْ عِلْمٍ۔ علم سے مراد علم صحیح، علم ثابت بالدلائل ہے۔ اور مِنْ زائد ہے۔ من زائدة (قرطبی) چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند: یہود اور مسیحی دونوں قوموں کی روایتوں اور مکاتبوں کی بالکل صحیح تصویر قرآن مجید نے ان مختصر و جامع الفاظ میں کھینچ دی ہے۔ لكن يتبعون فيه الظن الذي تخيلوهٗ (جلالین) ظن یہاں مقابل علم کے ہے۔ یعنی ایسا قول جو بالکل بلا دلیل ہو اور جس کا مبنیٰ نہ کوئی نص ہو نہ اُس سے کوئی استنباط...... یعنی کج فہموں نے آیتوں کے الفاظ سے نفی قیاس پر جو دلیل قائم کرنا چاہی ہے وہ بے اصل ہے۔ قیاس فقہی تو خود ایک دلیل شرعی ہے استنباط و استخراج کے مرادف۔ **ف۴۰۲** وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا میں يَقِيْنًا نفی قتل کی تاکید کے لیے ہے۔ كذلك ما قتلوه حقاً (کشاف) ما قتلوهُ حقا فيجعل يقينا تاكيدا لقوله و ما قتلوه (مدارک) اي حق انتفاه قتله حقاً (مدارک) حال موكدة لنفي القتل (جلالین) عقیدۂ وفات مسیح علیہ السلام یا قتل مسیح علیہ السلام چونکہ بہت بڑی غلط فہمی یا گمراہی کا باعث ہے اور دنیا کی دو بڑی قومیں یہود اور مسیحی اسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ اس لیے قرآن مجید کو اس کی تردید کی ضرورت بھی بہت وضاحت اور تاکید کے ساتھ پیش آئی۔ **ف۴۰۳** اِلَيْهِ۔ اپنی طرف یا اپنے آسمان کی طرف۔ قرآن مجید میں اس طرح کے حذف مضاف کی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں۔ اور جس طرح ''اللہ نے اپنی طرف بلا لیا ہے مراد'' آخرت کی طرف بلا لینا سمجھی جاتی ہے، اُسی طرح عربی اور اُردو دونوں محاورہ میں اللہ کی طرف اُٹھا لینے سے مراد آسمان کی طرف اُٹھا لینے سے ہے۔ يحتمل رفعه الى السماء (راغب) اي الى السماء والله تعالٰى متعال عن مكان (قرطبی) الى السماء (مدارک) الى سمائه (بحر) رَفَعَهُ۔ رفع کے اصلی معنی رفع جسمانی یا رفع مادّی ہی کے ہیں۔ الرفع يقال في الاجسام الموضوعة اذا اعليتها عن مقرّها (راغب) مجازی معنی، یعنی رفع مراتب کے بھی جائز ہیں۔ اي رفعه من حيث التشريف (راغب) لیکن حقیقت کو چھوڑ کر مجاز اختیار کرنے کی کوئی وجہ قوی موجود ہونی چاہیے۔ اور وہ یہاں موجود نہیں۔ بعض نادان اور نوخیز فرقوں کا یہ استدلال کہ چونکہ رفع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہے، اس لیے رفع جسمانی تو مراد ہو ہی نہیں سکتا، اور اس لیے لامحالہ رفع مجازی یعنی قرب و منزلت ہی مراد ہو گی، قرآن فہمی سے بُعد پر مبنی ہے۔ آخر قرآن مجید ہی میں اس طرح کی آیات موجود ہیں یا نہیں:۔ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ یہاں مہاجرت الی اللہ سے کسی نے مہاجرت الی دار الاسلام یا مہاجرت الی المدینہ نہیں لی ہے؟ یا پھر قَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ۔ یہاں کون نہیں سمجھتا کہ ذہاب الی رب سے مراد ذہاب الی الشام مراد ہے؟ وقس علی ہذا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے کہ تعظیم و تشریف کے جس سیاق میں یہاں ذکر رفع الی اللہ کا ہے، وہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ یہ رفع کوئی امتیازی اور مخصوص چیز ہے، متقین و صالحین کے عام دخول جنت اور وہاں کی لذات جسمانی و حسی سے الگ۔ رفعه اليه اعظم في باب الثواب من الجنة و من كل ما فيها من اللذات الجسمانية (کبیر) رفع جسمانی کا عقیدہ لازمۂ ایمان اور شرط اسلام ہو یا نہ ہو، بہرحال ظاہر قرآن سے قریب تر ضرور ہے۔ **ف۴۰۴** صفت عزیز لا کر یہ یاد دلا دیا کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کو بچا لینے پر بھی قادر، اسے اٹھا لینے پر بھی قادر، رفع جسمانی و رفع روحانی دونوں پر قادر۔ صفت حکیم لا کر ادھر اشارہ کر دیا کہ اُس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے دشمنوں کے ساتھ جو معاملہ کیا وہی عین مقتضائے حکمت تھا۔ **ف۴۰۵** (جب عالم برزخ کا مشاہدہ شروع ہو جاتا ہے، اور اس لیے وہ ایمان نافع نہیں ہوتا) قَبْلَ مَوْتِهٖ میں ضمیر کتابی کی طرف ہے، اور مراد ہے موت کے وقت۔ يؤمن بعيسى اذا عاين الملك ولكنهٗ ايمان لا ينفع لانه ايمان عند الياس و حين التلبس بحالة الموت (قرطبی) لا يموت يهودي حتى يؤمن بعيسى (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) كل صاحب كتاب يؤمن بعيسى قبل موته (ابن جریر۔ عن مجاہد) هذا قول اكثر المفسرين و اهل العلم (معالم) يعني اذا عاين قبل ان تزهق روحه حين لا ينفعه ايمانه لا نقطاع وقت التكليف (کشاف) حيث يعاين ملئكة الموت فلا ينفعه ايمانهٗ (جلالین) قَبْلَ کا اطلاق عربی میں جس طرح تقدم منفصل پر ہوتا ہے، تقدم متصل پر بھی ہوتا ہے۔ يستعمل في تقدم المتصل والمنفصل (راغب) اور یہاں تقدم متصل ہی مراد ہے، یعنی مرتے وقت۔ بِهٖ میں ضمیر بالاتفاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے۔ لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ یعنی آپؑ کا جو صحیح مرتبہ عند اللہ ہے، اسے وہ جان کر، اور اس کا اعتراف و اقرار کر کے رہیں گے۔ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔ لفظ عام ہے۔ لیکن محاورۂ قرآنی میں اکثر اس سے مراد یہود ہی ہوتے ہیں۔ اور یہاں بھی عبارت کا سیاق و سباق انہی کی جانب مشیر ہے۔ اي من اليهود (بحر) لا يموت يهودي حتى يؤمن بعيسى (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اي اليهود خاصة كما اخرج ابن جرير عن ابن عباس رضی اللہ عنہما (روح) اور اگر وہی عام ہی معنی لئے جائیں اور یہود و نصاریٰ دونوں مراد سمجھے جائیں، جب بھی معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ يعني اليهود والنصارى كما ذهب اليه كثير من المفسرين (روح) مراد یہ ہو گی کہ مسیحیوں، یعنی مقام عیسیٰ علیہ السلام میں افراط کرنے والوں اور یہود یعنی منصب عیسیٰ علیہ السلام میں تفریط کرنے والوں، دونوں پر موت کے وقت صحیح مقام عیسیٰ علیہ السلام کا انکشاف کر دیا جائے گا۔ **ف۴۰۶** یعنی یہ بتلائیں گے کہ فلاں فلاں نے میری تصدیق کی تھی، اور فلاں فلاں نے تکذیب۔ يعني شاهدا عليهم بتكذيب من كذبه منهم و تصديق من صدقه منهم (ابن جریر) شَهِيْدٌ کے معنی حکم لگانے والے کے بھی ہوتے ہیں۔ و قد يعتبر بالشهادة عن الحكم (راغب)

اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَ بِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ﴿۱٦۰﴾

حرام کر دیں ف۴۰۷ اور اس سبب سے بھی کہ وہ اللہ کی راہ سے بہت روکتے تھے ف۴۰۸

وَّ اَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَ اَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ

اور (اس سبب سے بھی کہ) وہ سود لیتے تھے، حالانکہ انہیں اُس کی ممانعت کردی گئی تھی، ف۴۰۹ اور (اس سبب سے بھی

النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ؕ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا

کہ) وہ دوسروں کا مال ناحق کھا لیتے تھے، ف۴۱۰ اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لئے ہم نے عذاب دردناک تیار کر

اَلِيۡمًا ﴿۱٦۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ

رکھا ہے ف۴۱۱ البتہ ان میں جو لوگ علم میں پختہ اور ایمان والے ہیں کہ ایمان رکھتے ہیں

يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ

اس (کتاب) پر جو آپ پر اتری ہے اور اُس پر (بھی) جو آپ سے قبل اتر چکی ہے

وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ

اور نماز کے پابند اور زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہیں اور اللہ اور

بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ اُولٰۤـئِكَ سَنُؤۡتِيۡهِمۡ اَجۡرًا

روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں ایسوں کو ہم اجرِ عظیم ضرور

عَظِيۡمًا ﴿۱٦۲﴾ اِنَّاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ كَمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى نُوۡحٍ

دیں گے ف۴۱۲ یقیناً ہم نے آپ پر وحی بھیجی ہے جیسی کہ ہم نے نوحؑ

وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ۚ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰۤى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ

اور ان کے بعد کے نبیوں کی طرف وحی بھیجی تھی اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ

وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِيۡسٰى وَاَيُّوۡبَ

اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ اور عیسیٰؑ اور ایوبؑ

ع ۲۲/۲

ف۴۰۷ جس طرح افراد کے نفس سرکش کی اصلاح کی ایک صورت یہ ہے کہ بعض مباحات سے بھی اُسے روک دیا جائے، اسی طرح جب قوم کا مزاج اعتدال سے منحرف ہو جاتا ہے تو اس کے لیے بھی مناسب صورت یہی ہوتی ہے کہ جن جائز چیزوں کی وہ عادی تھی، اُن سے اسے محروم کر دیا جائے۔ بظلم۔ میں با سببیہ ہے۔ اس سے یہ صاف نکل آیا کہ اُمت اسرائیلی پر بعد کو جو کچھ بھی سختیاں ہوئیں، خود اُنہی کی زیادتیوں کی بدولت ہوئیں، بلاوجہ نہیں ہوئیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ معاصی کے سبب سالک سے واردات کا قبض اسی کے مشابہ ہے۔

ف۴۰۸ یہود کی قومی فردِ جرم کی یہ دوسری دفعہ ہے۔ یعنی خود اپنی جانوں پر تو وہ ظلم کر ہی رہے تھے، ان کی گمراہی متعدی بھی تھی۔ دوسروں کو بھی بھٹکا رہے تھے۔ كَثِيۡرًا۔ کثیر کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ وہ بہت لوگوں کو راہ حق سے روک دیتے تھے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اُن کی روک یا گمراہ کرنے کی خصلت بہت زائد تھی۔ تیسرے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ مدت طویل تک روک تھام کرتے رہے۔ غرض کثرت کا تعلق کمیت و کیفیت اور زمانہ تینوں سے ہو سکتا ہے۔ ای جمعا عظیما من الناس اوضدا کثیرا وقدرہ بعضھم زمانا کثیرا۔ (بحر) ف۴۰۹ (ان کے پیمبروں کے ذریعہ سے اُنہی کی کتابوں میں) توریت میں ممانعت سود کے اس طرح کے احکام آج تک لکھے چلے آرہے ہیں۔ ”اگر تو میرے لوگوں میں سے جس کسی کو جو تیرے آگے محتاج ہے کچھ قرض دیوے تو اس سے بیاجیوں کی طرح سلوک مت کر، اور سود مت لے“۔ (خروج۔ ۲۲:۲۵) ”تو اس سے سود اور نفع مت لے۔ اپنے خدا سے ڈرتا کہ تیرا بھائی تیرے ساتھ زندگانی بسر کرے۔ تو اسے سود پر روپیہ قرض مت دے، نہ اُسے نفع کے لیے کھانا کھلا۔“ (احبار۔ ۲۵:۳٦۔۳۷) یہ اور بات ہے کہ آج دنیا میں سب سے زیادہ سود خور قوم یہی یہود ہو۔ اور ان کے شائیلاک دنیا کے ادبیات میں ضرب المثل بن گئے ہوں۔ ف۴۱۰ یعنی ان کی شریعت میں سود، رشوت، خیانت وغیرہ آمدنی کے جن ذریعوں کو حرام کر دیا گیا تھا، اُنہی کو اختیار کر کر کے جن نعمتوں سے یہود محروم کر دیئے گئے تھے، وہ جنتی اور جو کچھ بھی ہوں، بہرحال اُن سے محرومی کے اسباب یہاں کھول کر بیان کر دیئے گئے ہیں:۔ (۱) ایک ان کی ذاتی زبردستیاں، زیادتیاں، گنہگاریاں۔ (فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا) (۲) دوسرے اُن کی متعدی گمراہیاں (بِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَثِيۡرًا)۔ (۳) تیسرے اُن کی سود خوری، وہ بھی ممانعت کے بعد (اَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ) (۴) چوتھے (ناجائز آمدنیوں سے ان کا تامل نہ کرنا (اَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ) ف۴۱۱ (آخرت میں) اور دنیوی سزاؤں میں خود یہ نعمتوں سے محروم ہو جانا کیا کچھ کم ہے؟ آیت کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی سزائیں تو عمومی و اجتماعی رنگ میں ملتی ہیں۔ چنانچہ فلاں فلاں نعمتوں سے ساری قوم محروم کر دی گئی۔ لیکن آخرت میں سزائیں تمام تر انفرادی اور شخصی حیثیت سے ملتی ہیں۔ ہر ہر فرد اپنے اپنے اعمال کو بھگتے گا۔ جہنم کا عذاب الیم صرف انہی افراد کو ہوگا جو کافر ہوں گے۔ ف۴۱۲ (آخرت میں) آیت میں ایمان کے بھی اہم ترین اجزاء (اللہ پر ایمان، آخرت پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان) آگئے۔ اور عبادات کے بھی اہم ترین عنوانات، یعنی اقامت صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ۔ اَلرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ۔ علم سے مراد علم دین ہے۔ اَلۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔ یعنی جو ایمان لے آنے والے ہیں۔ سَنُؤۡتِيۡهِمۡ۔ س یہاں تیقن کے لیے ہے۔ والسین لتوکید الوعد (روح)

و۴۱۳ یہ جتنے نام یہاں آئے ہیں ان سب پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ خطاب کا رُخ زیادہ تر یہود ہی کی جانب ہے۔ انہی کو بتایا اور سمجھایا ہے کہ سلسلہ وحی کو تو آخر تم مانتے ہو، اور حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کے بعد کے انبیاء کی نبوت کو بھی تسلیم کرتے ہو، پھر ایک نئے نبی کی شناخت و معرفت میں تمہیں اتنی دشواری کیوں پیش آرہی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ ایسے انبیاء کے ساتھ جن کی نبوت یہود کو مسلم تھی، چند ایسے پیمبروں کے نام بھی لے دیئے گئے ہیں، جن کی نبوت کے یہود منکر (مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام) یا تقریباً منکر تھے (مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام) و۴۱۴ زَبُوْرًا۔ زبور یہاں لفظی معنیٰ میں ہے اور لفظی معنیٰ اس کے ہر لکھی ہوئی چیز کے ہیں۔ الزبر الکتابة، زبر الکتاب کتبهٗ (لسان) اور الزبور کے بھی معنیٰ لکھی ہوئی کتاب کے ہیں۔ الزبور الکتاب الزبور (لسان) الزبور الکتب المسطور (تاج) زبور کے نام سے اس وقت جو کتاب حضرت داؤد علیہ السلام کی جانب منسوب موجود ہے، وہ عہد عتیق کے مجموعہ صحائف میں سے ایک صحیفہ ہے۔ اور اس مجموعہ کے نمبر ۱۹ پر ہے۔ اس میں احکام و مسائل شریعت درج نہیں، بلکہ صرف حمد، مناجات، دعائیں وغیرہ ہیں۔ اور جابجا آخری نبی ﷺ کی بابت پیشگوئیاں بھی، پیشگوئیوں کے ڈھکے ہوئے انداز میں موجود ہیں۔ و۴۱۵ (اب تک) پھر بعض پیمبر ایسے ہیں جن کا ذکر اس آیت کے نزول کے بعد قرآن مجید میں آگیا۔ اور بہت سے ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں سرے سے آیا ہی نہیں۔ والاکثرون غیر مذکورین علی سبیل التفصیل (کبیر) متکلمین نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ہر ہر نبی پر تفصیل کے ساتھ ایمان لانا ضروری نہیں۔ البتہ سب نبیوں کی اجمالاً تصدیق ضروری ہے۔ والأیة تدل علی ان معرفة الرسل باعیانهم لیست بشرط لصحة الایمان بل من شرطه ان یومن بهم جمیعاً اِذلو کان معرفة کل واحد منهم شرطاً لقصّ علینا کل ذٰلک (مدارک) مِنْ قَبْلُ۔ یعنی اس آیت کے نزول سے پیشتر۔ و۴۱۶ تَكْلِيْمًا۔ فعل کے بعد اسی مصدر کو اور پھر تنوین کے ساتھ لانے کے معنیٰ یہ ہیں کہ کلام کی کوئی بہت ہی مخصوص نوعیت مراد ہے۔ ورنہ کلام و مخاطبہ اپنے عام معنیٰ میں تو ہر نبی کے ساتھ ہوتا ہے...... ایسا کلام جو ہمکلامی و مخاطبۂ انبیاء میں بھی ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ عام عقول کے لیے تو ناقابل فہم ہی ہوگا۔ مصدر معناه التاکید (قرطبی) هوالکلام الحقیقی الذی یکون به المتکلم متکلماً (قرطبی) والمعنی ان التکلیم بغیر واسطة منتهی مراتب الوحی و اعلاها (روح) اشارة الی ان المصدر و تنوینهٗ للتنویع لانه نوع عجیب لایدرک کنههٗ (تھانوی) و۴۱۷ یعنی پیمبروں کے آجانے کے بعد اب کسی کو قیامت میں یہ عذر پیش کرنے کا موقع باقی نہیں رہا، کہ ہماری عقل مسائل و حقائق کے سمجھنے سے قاصر رہی۔ متکلمین نے یہیں سے یہ اخذ کیا ہے کہ بندوں پر حجت الٰہی ارسال رُسل کے بعد ہی قائم ہوئی ہے نہ کہ مجرد عقل کی بنا پر۔ یدل علی انّ قبل البعثة یکون للناس حجة فی ترک الطاعات والعبادات (کبیر) احتج اصحابنا بهٰذه الأیة علی وجوب معرفة الله تعالیٰ لا یثبت الا بالسمع (کبیر) فی هٰذا کله دلیل واضح انه لا یجب شیء من ناحیة العقل (قرطبی) فیه تنبیه علی ان بعثة الانبیاء الی الناس ضرورة بقصور الکل عن ادراک جزئیات المصالح والاکثر عن ادراک کلیاتها (بیضاوی) و۴۱۸ صفت عزیز لاکر یاد دلادیا کہ وہ مالک حقیقی ہے، فاعل مختار، پیمبروں کے بھیجے ہوئے بغیر بھی ہر عذر کو قطع کرسکتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ حکیم بھی تو ہے۔ اس صفت کو لاکر یہ بتادیا کہ اس کی حکمتِ کاملہ مقتضی اس کی ہوئی کہ وہ ظاہری عذر بھی نہ باقی رہنے دے۔ و۴۱۹ لٰکِنِ کلمۂ استدراک ہے، اور استدراک قول ماسبق پر ہوتا ہے۔ یہاں مراد ہے کہ اگر یہ لوگ خصوصاً یہود اب بھی اور اس کے باوجود بھی نبوت محمدی ﷺ کو نہ مانیں تو...... روایتوں میں آتا بھی ہے کہ یہود نے پچھلی آیات اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ الخ کو سن کر کہا تھا کہ ہم تو ان کی رسالت کی گواہی نہیں دیتے۔ مما قال انا اوحینا الیک قال القوم لا نشهدلک بذٰلک فنزل لکن الله یشهد (کبیر) فی الکلام حذف دل علیه الکلام۔ کان الکفار قالوا ما تشهدلک یا محمد فی ما تقول فمن یشهدلک (قرطبی) و۴۲۰

وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾

اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ پر وحی بھیجی تھی ۴۱۳ اور ہم نے داؤدؑ کو ایک صحیفہ دیا تھا ۴۱۴

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا

اور (دوسرے) پیمبروں پر کہ ان کا حال ہم پیشتر آپ سے بیان کرچکے ہیں (ہم نے وحی بھیجی تھی) اور ایسے پیمبروں

لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾

پر (بھی) کہ اُن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا، ۴۱۵ اور اللہ نے موسیٰ سے (خاص طور پر) کلام فرمایا ۴۱۶

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ

اور پیمبروں کو (ہم نے بھیجا) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر) تاکہ لوگوں کو

عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا

پیمبروں کے (آنے کے) بعد اللہ کے سامنے عذر نہ باقی رہ جائے، ۴۱۷ اور اللہ تو ہے ہی بڑا زبردست، بڑا

حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ

حکمت والا ۴۱۸ لیکن ۴۱۹ (اس کے ساتھ) اللہ گواہی دے رہا ہے اس (کتاب) کے ذریعہ سے جو اس نے آپ پر نازل

بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾

کی (اور) اُسے اُس نے اپنے (کمال) علم سے نازل کیا ہے، ۴۲۰ اور فرشتے (بھی) گواہی دے رہے ہیں، اور اللہ کی گواہی

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ

کافی ہے، ۴۲۱ یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے (دوسروں کو) روکا، وہ بڑی ہی

ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ

دُور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں، یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا، اور ظلم کیا ۴۲۲ اللہ ایسا نہیں کہ

يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا

انہیں بخش دے اور نہ یہ ہے کہ انہیں کوئی راستہ دکھائے بجز

(اور اسی کمال علمی ہی نے تو قرآن کو معجزہ بنادیا ہے) اَللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ یعنی اللہ کی شہادت اسی قرآن کے ذریعہ سے ظاہر ہورہی ہے۔ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ۔ اس میں قرآن کے لیے صفت کمال کا اثبات ہے۔ والمراد من قوله وصف القرآن بغایة الحُسن ونهایة الکمال (کبیر) معتزلہ نے جو صفات باری سے انکار کیا ہے، اس کا رد بھی متکلمین اہل سنت نے یہیں سے نکالا ہے۔ فیه نفی قول المعتزلة فی انکار الصفات فانه اثبت لنفسه العلم (مدارک) دلت علی انه تعالیٰ عالم بعلم (قرطبی) و۴۲۱ یعنی حقیقت نفس الامر کے اعتبار سے اللہ کی شہادت ہر دوسری شہادت سے بے نیاز ہے۔ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَشْهَدُوْنَ۔ اللہ کی گواہی تو قرآن کے ذریعہ سے ظاہر ہی ہے، لیکن فرشتوں کی گواہی سے کیا مراد ہے؟ عام مفسرین نے یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ فرشتے جو ان منکرین سے کہیں افضل و اشرف ہیں، جب وہ رسول ﷺ کی صداقت پر گواہ ہیں، تو ان منکرین کی ہستی اور حقیقت کیا ہے۔ لیکن ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سارا تکوینی کاروبار فرشتوں ہی کے ذریعہ سے انجام پاتا ہے تو گویا کائنات کی فعلی شہادت جو درحقیقت فرشتوں ہی کی شہادت ہے، خود تمامتر رسول اسلام اور دین رسول ﷺ کی تصدیق و تائید میں ہے۔ بِاللّٰهِ میں ب زائد ہے۔ والباء زائدة (قرطبی) و۴۲۲ اس ظلم سے مراد دونوں قسم کے ظلم ہوسکتے ہیں، ایک ظلم تو خود اپنے نفس اور جان پر، کفر و انکار کرکے۔ دوسرا ظلم یہ ہے کہ دوسروں کو اسلام و ایمان کے راستہ سے ظلم یا مکر سے روکا جائے۔

ف۴۲۳ یہ بیان ہورہا ہے قانونِ مجازات اور مکافاتِ عمل کا۔ کفر اور ظلم کے نتیجے قدرۃً اسلام اور عدل کے نتیجوں سے بالکل مختلف نکلیں گے۔ ف۴۲۴ اسلام کا خدا مشرک قوموں کے خداؤں کی طرح محدود او
ناقص قوتیں رکھنے والا خدا نہیں، جو اُسے اس سزا دہی کے لیے کسی خاص اہتمام یا تکلف کی ضرورت پڑے۔ وہ مطلق الاختیار ہے۔ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ہے۔ جو کچھ چاہے بات کی بات میں کرسکتا ہے۔ ف۴۲۵ يَاأَيُّ
النَّاس۔ خطاب صرف اہل عرب یا اہل مکہ کو نہیں، سارے جہان کو ہے۔ دعوتِ قرآنی کی عالمگیری کا ایک اور ثبوت۔ هٰذا خطاب للكل (قرطبی) خطاب لجميع المكلفين (روح) ذكر خطابا عا
يعمهم ويعم غيرهم (کبیر) اَلْحَقُّ۔ اس میں سچے دعوے اور سچے دلائل دونوں آگئے۔ ف۴۲۶ ایمان لانے اور زندگی کو شریعت کے مطابق ڈھالنے میں نفع تمامتر بندہ کا اپنا ہی ہے۔ حق تعالیٰ کی کوئی غرض
اس سے اٹکی ہوئی نہیں ہے، جیسا کہ مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کے بارہ میں تصور کر رکھا ہے۔ فَاٰمِنُوْا۔ میں ف سے اشارہ اس جانب ہے کہ صحیح دعویٰ اور صحیح دلیل کا مقتضا ہی یہ ہے کہ ایمان لے آیا جائے۔
ف۴۲۷ (سو اُس کا ضرر کسی طرح بھی نہیں، ضرر سرتاسر تمہارا ہی ہے) مشرکوں کو یہ حقیقت بار بار یاد دلانے کے قابل تھی۔ وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کو بھی اپنا ہی جیسا محتاج اور غرض مند تصور کرتے تھے۔ ف۴۲۸
صفت علیم لا کر یاد دلا دیا کہ ہر ایک کا کفر وایمان اُس پر روشن ہے، اس کے حدودِ علم سے باہر کوئی چیز نہیں۔ اور صفت حکیم لا کر یہ اشارہ کردیا کہ وہ سزا بھی موقع مناسب ہی پر دے گا۔ ف۴۲۹ دین میں غلو کر

طَرِيقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ

راہ جہنم کے ف۴۲۳ اس میں وہ پڑے رہیں گے (ہمیشہ ہمیش کو) اور اللہ کے نزدیک

عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُولُ

یہ آسان ہے ف۴۲۴ اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس (یہ) رسول تمہارے پروردگار کے پاس سے آئے ہیں،

بِالْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا

سچی بات لے کر ف۴۲۵ پس ایمان لاؤ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا ف۴۲۶ اور اگر تم کفر کرتے رہے ف۴۲۷

فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا

تو بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ بڑا علم والا ہے

حَكِيمًا ﴿١٧٠﴾ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا

بڑا حکمت والا ہے ف۴۲۸ اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو ف۴۲۹ اور اللہ کے بارہ میں کوئی بات

عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ

حق کے سوا نہ کہو ف۴۳۰ مسیح عیسیٰ ابن مریم تو بس

رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُۥٓ ۚ أَلْقٰهَآ إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ

اللہ کے ایک پیمبر ہی ہیں ف۴۳۱ اور اس کا کلمہ ف۴۳۲ جسے اللہ نے پہنچا دیا تھا مریم تک، ف۴۳۳ اور ایک جان ہیں

مِّنْهُ ۖ فَاٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِۦ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلٰثَةٌ ۚ

اس کی طرف سے، ف۴۳۴ پس اللہ اور اس کے پیمبروں پر ایمان لاؤ ف۴۳۵ اور یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں ف۴۳۶

انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحٰنَهُۥٓ

(اس سے) باز آجاؤ ف۴۳۷ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے اللہ تو بس ایک ہی معبود ہے ف۴۳۸ وہ پاک ہے

أَن يَكُونَ لَهُۥ وَلَدٌ ۘ لَّهُۥ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ

اس سے کہ اس کے بیٹا ہو ف۴۳۹ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ف۴۴۰

وقف لازم

یہ ہے کہ عقائد ومسائل میں اضافہ وافراط کو اپنی طرف سے دخل دے دیا جائے۔ خواہ
کسی نیت سے ہو۔ الغلو في الدين هو مجاوزة حد الحق فيه (جصاص)
أَهْلَ الْكِتٰبِ۔ سے یہاں مراد اہل انجیل یا نصاریٰ ہیں۔ اى اهل الانجيل من
النصارٰى (ابن جریر) والتقدير يا اهل الكتب من النصارٰى (کبیر)
نهٰى تعالٰى اهل الكتب عن الغلو والاطراء و هٰذا كثير في النصارٰى
(ابن کثیر) نزلت في النصارٰى (معالم) یہود کے مطاعن کا ذکر کرکے اور ان کا
جواب دے کر اب ذکر عیسائیوں کا شروع ہو رہا ہے، جو یہود کی تفریط کے مقابلہ پر
افراط کی انتہاء پر پہنچ گئے تھے۔ اور عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو بجائے ایک صالح اور مقبول بندہ
کے خدا یا خدا کا بیٹا ماننے لگے تھے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہود کا غلو احکام
ظاہری میں تعمق تھا اور مسائل باطن کی طرف سے اعراض تھا اور مسیحیوں کا غلو مسائل
باطن میں تعمق اور ظاہر کی طرف سے اعراض تھا۔ طریق حق ظاہر وباطن کو جمع کرنا
ہے۔ ف۴۳۰ یعنی الوہیت کے باب میں کوئی عقیدہ اپنی رائے سے گڑھ کر نہ پیش
کرو۔ اور توحید میں کوئی شائبہ بھی شرک کا نہ آنے دو۔ ف۴۳۱ (نہ کہ خود معبود یا
خدا یا مظہر خدا) اللہ کے بھیجے ہوؤں کو، اُس کے نائبوں اور رسولوں کو خود معبود سمجھ بیٹھنے
کا مرض مشرک قوموں میں عام رہا ہے۔ مسیحیوں نے بھی مصری، یونانی، رومی مشرکوں
اور مشرک فلاسفہ سے متاثر ہو کر اپنے پیمبر برحق کو بھی مظہر خدا یا فرزند خدا کا درجہ
دے دیا تھا۔ یہ اُس کی تردید ہو رہی ہے۔ ف۴۳۲ یعنی اُن کی پیدائش اللہ کے ایک
کلمہ ہی کا نتیجہ ہے۔ اى صار بكلمة من الله مخلوقاً (ابن عباس رضی اللہ عنہما)
المعنٰى انه وجد بكلمة الله وامره عن غير واسطة ولا نطفة (کبیر)
اى هو مكوّن بكلمة كُن (قرطبی) کلمہ سے مراد یا تو کلمہ کن ہے یا وہ کلمہ جو
بواسطہ جبرئیل حضرت مریم پر القاء کیا گیا تھا۔ و معنٰى كونه كلمة انه حصل
بكلمة كن من غير مادة معتادة و الٰى ذٰلك ذهب حسن و قتادة
(روح) اى قوله كن (معالم) ليست الكلمة صارت عيسٰى و لكن
بالكلمة صار عيسٰى (ابن کثیر، عن شاذان بن یحییٰ) و تسمية عيسٰى
كلمةً لكونه موجداً بكن (راغب) ف۴۳۳ (بہ واسطہ فرشتہ جبرئیل کے)
فی القاء الكلمة كان من الله ثم من جبرئيل" (ابن العربی) ف۴۳۴
یعنی اللہ کے زندہ کیے ہوئے اور اللہ کی بنائی ہوئی روح ہیں، جو بلا اسباب عادی
ظاہری مریم کے بطن میں مجسم ہوگئے۔ اى تخليقه و تكوينه (مدارک) اى
امر منه صار ولدًا بلا اب (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اى احياء الله اياه بتكوينه
(ابن جریر) نسب الٰى انه روح من الله لانه بامره (ابن جریر) اى من
خلقه و من عنده (ابن کثیر) اى مخلوق من روح مخلوقه (ابن کثیر)

وَرُوحٌ مِّنْهُ۔ روح کا انتساب اللہ کی جانب محض اُس کے شرف وعظمت کے لیے ہے۔ جیسے بیت اللہ یا نعمت من اللہ میں نسبت تشریفی وتعظیمی ہوتی ہے۔ والمراد من قوله منه التشريف والتفضيل كما
يقال هٰذه نعمة من الله۔ (کبیر) أُضيفت الروح الى الله على وجه التشريف كما أُضيفت الناقة والبيت الى الله (ابن کثیر) هو روح كسائر الارواح الا انه تعالٰى اضافه الٰى نفسه
تشريفاً (معالم) اضافه الله تعالٰى اليه تشريفاً له كما يقال بيت الله و سماء الله (جصاص) یہ مراد نہیں کہ صرف اُنھی میں اللہ کی روح تھی، کسی اور میں اللہ کی رُوح نہیں ہوتی۔ اللہ کی رُوح تو ہر فرد بشر
میں ہے۔ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي۔ قرآن مجید میں موقع تخصیص وامتیاز پر کبھی کسی کو عَبْدُهٗ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور کبھی کسی کو عبدنا سے، حالانکہ ظاہر ہے کہ اللہ کے عبد سب ہی ہیں۔ ف۴۳۵ (ان ہی
پیمبروں کی تعلیمات کے مطابق) فَاٰمِنُوْا کی ف میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان صحیح حقائق کو سمجھ لینے کے بعد اب واجب ہے کہ اپنے خود تراشیدہ عقائد وخیالات کو چھوڑ کر ایمان اللہ اور اس کے رسولوں کی ہدایات
پر لاؤ۔ ف۴۳۶ خواہ وہ تین اقنوم ہوں یا تین مستقل بالذات ہستیاں۔ مسیحی تثلیث کا عقیدہ خود مسیحیوں کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:۔ "باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر عظمت

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ

اور اللہ ہی کارساز ہونا کافی ہے ف۴۴۱ مسیح ہرگز اس سے عار نہ کریں گے

اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ

کہ وہ اللہ کے بندہ ہیں اور نہ مقرب فرشتے بھی ف۴۴۲ اور جو کوئی

يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ

اللہ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو اللہ ضرور اپنے پاس سب کو

اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

جمع کرے گا ف۴۴۳ پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ہوں گے

فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا

تو وہ ان کو ان کا پورا پورا اجر دے گا اور انہیں اپنے فضل سے اور زائد دے گا ف۴۴۴ اور جن

الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ

لوگوں نے عار اور تکبر کیا ہو گا سو انہیں وہ دردناک عذاب دے گا

وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

اور وہ لوگ اپنے حق میں کسی غیر اللہ کو نہ دوست پائیں گے نہ مددگار ف۴۴۵

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ

اے لوگو! تمہارے پاس یقیناً ایک دلیل تمہارے پروردگار کے پاس سے آچکی ہے ف۴۴۶ اور ہم تمہارے اوپر

اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا

ایک کھلا ہوا نور اتار چکے ف۴۴۷ تو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے، اور اسے انہوں نے مضبوط

بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ

پکڑا انہیں وہ ضرور اپنی رحمت و فضل میں داخل کرے گا ف۴۴۸ اور انہیں اپنے تک

روح قدس ازلی۔ تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ازلی۔ اسی طرح تین غیر محدود نہیں۔ اور نہ تین غیر مخلوق، بلکہ ایک غیر مخلوق اور ایک غیر محدود۔ یونہی باپ قادر مطلق، بیٹا قادر مطلق، اور روح قدس قادر مطلق۔ تو بھی تین قادر مطلق نہیں، بلکہ ایک قادر مطلق ہے۔ ویسا باپ خدا، بیٹا خدا اور روح قدس خدا۔ بس یہ ہی تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا"۔ ایک طرف یہ گورکھ دھندا، اور دوسری طرف اسلام کا صاف وسادہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔۔۔ کوئی مناسبت بھی دونوں میں ہے؟ ف۴۳۷ (کہ یہ غالیانہ عقائد کفر بلکہ شرک تک پہنچا دینے والے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ آیت حلول واتحاد کے بطلان صریح پر دال ہے، جس کے قائل بعض جہلاء صوفیہ ہوئے ہیں۔ ف۴۳۸ واحد ہر اعتبار سے اور اپنے ہر معنی میں۔ نہ وہ ایک تین میں تقسیم ہے، نہ وہ ایک اپنے کو تین شکلوں میں ظاہر کرنے والا ہے۔ نہ تریموتی کی کوئی قسم بھی صحیح ہے۔ ف۴۳۹ یہ ولدیت کا عقیدہ غلط ہی نہیں، بلکہ اصلاً مہمل اور تنزیہ الوہیت کے لیے باعثِ توہین، شانِ الوہیت کے بالکل منافی ہے۔ ف۴۴۰ خالق کا صحیح رشتہ مخلوق کے ساتھ صرف مالکیت کا ہے۔ مالک ومملوک میں مباینت لازمی ہے، برخلاف اس کے والد ومولود کے درمیان مجانست یعنی ہم جنسی وہم قومی ایک شرط ہے۔ تو جب ہر مخلوق اللہ کی مملوک ہے تو کوئی بھی مخلوق اس کی اولاد ہو ہی نہیں سکتی۔ ف۴۴۱ کیا اسے بندوں کی حاجت روائی اور اپنی کارسازی میں کسی کی اعانت کی محتاجی ہے، جو وہ کسی کو شریک کرے؟ ف۴۴۲ (نہ عالم ناسوت میں، نہ برزخ میں، نہ آخرت میں) اَلْمَسِيْحُ۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ ایک طرف حضرت مسیح علیہ السلام اور دوسری طرف ملائکہ مقربین، یہی دونوں دنیا میں کثرت سے پجے ہیں۔ مشرکوں نے فرشتوں کو دیوی دیوتا کے نام دے کر شریک الوہیت ٹھہرایا، اور مسیحیوں نے مسیح علیہ السلام کو خدائی کے مرتبہ پر پہنچایا، اسی لیے خصوصیت کے ساتھ تصریح سے ان دونوں کی نفی الوہیت کی گئی، اور بتایا گیا کہ اللہ کی عبدیت کوئی چیز توہین والی نہیں۔ مسیح علیہ السلام اور ملائکہ مقربین تو اس پر فخر کرتے ہیں، نہ یہ کہ اس میں کسی قسم کا بھی عار محسوس کرتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مراتب شرف میں عبدیت مرتبہ اعلیٰ ہے۔ ف۴۴۳ یہاں بیان اس عام قانون کا ہو رہا ہے کہ کوئی اللہ کی بندگی میں عار اور تکبر کر ہی کیونکر سکتا ہے، اللہ تو ایسا حاکم مطلق ہے کہ وقت موعود پر سب ہی کو اس کی خدمت میں حاضری دینا ہے۔ ف۴۴۴ (جس کی کوئی حد ونہایت نہیں ہے) يُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ۔ یعنی جتنا اجر مقرر وموعود ہے، وہ تو انہیں پورا ملے ہی گا۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یعنی جو لوگ عقیدہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے عبد بنے رہے۔ ف۴۴۵ خلاصہ یہ کہ نیک سے نیک، بزرگ سے بزرگ، مقبول سے مقبول بندے بھی بہرحال بندے ہی ہوتے ہیں۔ غالی مریدوں، معتقدوں کا اپنے شیخ یا کسی پیمبر کو اس کی حد عبدیت سے باہر نکال دینا اپنے کو مستحق جہنم بنانا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا یعنی جنہوں نے عبد بننے سے عار رکھا۔ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا۔ ولی اور نصیر میں فرق یہ ہے کہ ولی ایجابی طور پر ایصال نفع پر قادر ہوتا ہے، اور نصیر سلبی طور پر دفع مضرت پر۔ ولیاً ای قریباً ینفعهم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نصیرًا ای مانعًا یمنعهم من عذاب الله (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۴۴۶ (کافی اور محکم) بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ اس برہان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے، جن کی سیرت پاک اور تعلیم کی جامعیت نے ہر مشکل کو آسان اور ہر پتھر کو پانی بنا دیا ہے ای رسول من ربکم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) یعنی محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم عن الثوری (قرطبی) الجمهور علی ان البرهان هو محمد صلی اللہ علیہ وسلم (بحر)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب ساری نسل انسانی، جملہ اہل مذاہب کو عام ہے۔ یایها الناس من جمیع اصناف الملل (ابن جریر) یقول تعالٰی مخاطبًا جمیع الناس (ابن کثیر) خطاب لکافة المکلفین (روح)۔ ف۴۴۷ یعنی قرآن مجید جس کے اندر بڑے اور چھوٹے، انفرادی اور اجتماعی، سارے مسائل کا حل موجود ہے۔ ای کتاباً مبینا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) النور المنزل هو القرآن۔ عن الحسن (قرطبی) و هو القرآن کما قاله قتادة و مجاهد والسدی (روح) ف۴۴۸ یعنی جنت میں داخل کر کے اور بھی نعمتوں سے سرفراز کرے گا۔ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ یعنی اللہ کی توحید اور نفی

و۴۴۹ یعنی دنیا میں انہیں طریق رضا پر ثابت وقائم رکھا جائے گا۔ اور اطاعت کی برکت سے انہیں ثبات علی الطاعات کی توفیق ہوگی۔ ای یثبتھم علی طریق مستقیم فی الدنیا مقدم و مؤخر

اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ

سیدھی راہ دکھادے گا و۴۴۹ لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تمہیں (میراث) کلالہ کے

يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ

باب میں و۴۵۰ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے، اور اس کے کوئی

وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ

اولاد نہ ہو اور اس کے ایک بہن ہو و۴۵۱ تو اُسے اُس ترکہ کا نصف ملے گا، و۴۵۲ اور وہ مرد وارث ہوگا اس (بہن کے کل

اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ

ترکہ) کا اگر اس (بہن) کے اولاد نہ ہو و۴۵۳ اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کو ترکہ میں سے دو تہائی

مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ

ملے گا و۴۵۴ اور اگر (وارث) چند بھائی بہن مرد وعورت ہوں تو ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے

مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ

برابر ملے گا و۴۵۵ اللہ تمہارے لئے (یہ احکام) کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم گمراہی میں نہ پڑو و۴۵۶

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ ع

اور اللہ ہر شے کا پورا علم رکھتا ہے و۴۵۷

اٰیاتها ۱۲۰ — ۵ سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۲ — رکوعاتها ۱۶

اس میں ایک سو بیس آیتیں — سورہ مائدہ و۱ مدنی ہے — اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ

اے ایمان والو (اپنے) عہدوں کو پورا کرو و۲ تمہارے لئے چوپائے مویشی

(ابن عباس رضی اللہ عنہما) اسی سے تارکین ایمان واعمال صالحہ کی حالت معلوم ہوگئی، کہ ان کو یہ ثمرات نہ ملیں گے۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) و۴۵۰ کلالہ وہ ہے جس کے نہ اولاد ہو، اور نہ والدین زندہ ہوں۔ و۴۵۱ اور یہ بہن حقیقی یا عینی ہو، یا علاتی یعنی باپ کی طرف سے ہو۔ اخیافی یعنی صرف ماں کی طرف سے بہن کا حکم سورۃ کے شروع (آیت ۱۲) میں آچکا ہے۔ و۴۵۲ (اور بقیہ نصف اگر کوئی عصبہ ہوا تو اُسے ملے گا، ورنہ خود اسی بہن پر لوٹ آئے گا) چچا، چچازاد بھائی وغیرہ عصبات میں داخل ہیں۔ ادائے قرض اجرائے وصیت پر بہرحال مقدم ہے۔ و۴۵۳ (اور والدین بھی نہ ہوں) و۴۵۴ اور بقیہ ایک تہائی عصبہ کو ملے گا ورنہ بہ طور رد پھر انہی بہنوں کو مل جائے گا۔ بہنیں اگر دو سے زائد ہوں، تو اُن کا بھی یہی حکم ہے۔ و۴۵۵ یعنی بھائی کو دُہرا اور بہن کو اکہرا حصہ ملے گا۔ یہ بیان عام قاعدہ یا اصول کا ہے۔ باقی تفصیلات کہ عینی بھائی اور عینی بہن کا اثر علاتی بھائی بہنوں پر کیا پڑے گا، کتب فقہ وفرائض میں ملیں گی۔ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً۔ یعنی ایسی میت کے بھائی بہن ہوں، جس پر اطلاق کلالہ کا ہو۔ و۴۵۶ (اور معاشرت دنیوی اور جزائے آخرت دونوں میں نقصان سے محفوظ رہو) و۴۵۷ اپنی صفت علم لاکر یاد دلادیا کہ ان احکام میں بندوں کی ساری رعایتیں اور مصلحتیں جمع کردی گئی ہیں۔

و۱ سورۃ مدنی اس معنی میں ہے کہ اس کے نزول کا زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام مدینہ (بلکہ آخر عمر شریف) کا زمانہ ہے، ورنہ واقعۃً اس کے بیشتر حصہ کا نزول مکہ معظمہ میں حجۃ الوداع (ذی الحجہ ۹ھ) کے موقع پر ہوا ہے۔ اور کچھ صلح حدیبیہ (۶ھ) سے واپسی کے وقت اور کچھ سال فتح مکہ ۸ھ میں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ جس وقت اس کا نزول ہوا ہے، آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ نزول وحی کے ثقل کو جانور تک نے محسوس کیا، اور وہ بیٹھ گئی۔ و۲ اَلْعُقُوْدِ۔ عقد کا لفظ عام ہے۔ اور ہر عہد شرعی کو شامل، خواہ اس کا تعلق خالق سے ہو خواہ مخلوق سے۔ العهود التی بینکم و بین الله او بین الناس (ابن عباس رضی اللہ عنہما) والظاهر عموم العقود فی کل ربط یوافق الشرع سواء کان اسلامیًا او جاهلیًا (بحر) عبادات کے علاوہ بھی جتنے عہد سیاسیات، تجارت، معاشرت وغیرہ معاملات واخلاقیات سے متعلق ہوسکتے ہیں، سب اس میں آگئے۔ قال الحسن یعنی بذٰلک عقود الدین و هو ما عقده المرء علی نفسه من بیع و شراء اجارة و کراء و مناکحة و طلاق و مزارعة و مصالحة و تملیک و تخییر و عتق و تدبیر و غیر ذٰلک من الامور ما کان ذٰلک غیر خارج عن الشریعة و کذٰلک ما عقده علی نفسه لله من الطاعات (قرطبی)

ع ۲۴ / ۵ — المنزل ۲

بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى

جائز کئے گئے ہیں بجز (ان چیزوں کے) جن کا ذکر (آگے) تم سے کیا جاتا ہے، ف۳ ہاں شکار اس حال میں

الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝١

کہ تم احرام میں ہو جائز نہیں ف۴ بیشک اللہ جو چاہے حکم دے ف۵

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا

اے ایمان والو بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی اور نہ

الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ اٰمِّيْنَ

حرمت والے مہینوں کی، اور نہ (حرم میں) قربانی والے جانوروں کی اور نہ گلے میں پٹے پڑے ہوئے جانوروں کی

الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ

اور نہ بیت الحرام کے قصد کرنے والوں کی جو اپنے پروردگار کے فضل اور رضامندی کے طالب رہتے ہیں ف۶

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ

اور جب تم احرام کھول چکو تو اب تم شکار کر سکتے ہو ف۷ اور ایسا نہ ہونا چاہیے کہ کسی قوم سے جو تمہیں بیزاری

اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ

اس بنا پر ہے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا تھا، تو تم (اس بیزاری کے باعث) زیادتی کرنے لگو، ف۸

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ

ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقوی میں کرتے رہو، اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی

وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٢

مدد نہ کرو ف۹ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ف۱۰

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ

تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور سؤر کا گوشت ف۱۱ اور جو جانور

ف۳ اور وہ ذکر کہیں دُور نہیں۔ آیت نمبر ۳ ہی میں آرہا ہے۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ الخ کے تحت میں۔ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ۔ اضافت تشبیہ کے لیے ہے، یعنی مویشیوں سے ملتے جلتے ہوئے چوپائے، جو نہ درندے ہوں نہ شکاری، اضافتها الی الانعام لملابسة الشبه (بیضاوی) ای مماثل الانعام فی الاجتراء وعدم الانیاب (بیضاوی) مراد ہیں، ہرن، نیل گائے وغیرہ ایسے چوپائے جو شکاری اور درندے نہ ہونے میں مویشیوں (گائے۔ بیل۔ اونٹ۔ بھیڑ۔ بکری) سے مشابہ ہوں، البتہ خچر، گدھے، وغیرہ جن کی حرمت حدیث صحیح سے ثابت ہے، اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ ف۴ یعنی شکار حلال چوپایوں کا بھی۔ الصَّيْدِ۔ شکار سے یہاں مراد صرف اُن جانوروں کا شکار ہے جن کا کھانا جائز ہے۔ الصيد فی هذا الموضع مختص بما يوكل لحمه (راغب) باقی سانپ، بچھو وغیرہ موذی جانوروں کا اس ممانعت سے کوئی تعلق نہیں، اور نہ اُن کے ہلاک کرنے پر شکار کا اطلاق ہوتا ہے۔ صید ہی کے لفظ نے اسے بھی واضح کر دیا کہ شکار ان جانوروں کا مراد ہے جو وحشی ہوتے ہیں، اور جن کے پکڑنے میں کسی تدبیر یا حیلہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ عام گھریلو جانور بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ وغیرہ جو عادۃً شکار کر کے نہیں لائے جاتے، اور روزانہ محض ذبح کر کے کھانے کے کام میں لائے جاتے ہیں، اُن کے ذبح کی کوئی ممانعت نہیں۔ ای ما كان صيدًا فهو حلالٌ فی الاحلال دون الاحرام و مالم يكن صيدًا فهو حلال فی حالين (قرطبی) وَاَنْتُمْ حُرُمٌ۔ حالت احرام میں ہو یا حدودِ حرم کے اندر داخل ہو۔ خواہ بلا احرام ہی سہی۔ ممانعت کا اصل مدار صید کا حدودِ حرم کے اندر موجود ہونا ہے۔ ف۵ (کہ وہی حکم ہمیشہ عین مطابق مصلحت ہوگا) ارادۂ الٰہی سے بالاتر کوئی قانون نہیں، جس کے وہ ماتحت ہو۔ وہ خود ہی سب سے بالاتر ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آیت میں اسرارِ احکام کی تفتیش کی ممانعت کا اشارہ ہے۔ ف۶ (اپنے زعم و پندار میں) فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا۔ مشرکین عرب بھی اُس وقت حج و عمرہ کی نیت سے بیت اللہ کا قصد کرتے رہتے تھے۔ فضل سے مراد تو اُن کی منفعت دنیوی ہوسکتی ہے۔ (حج کے موقع پر تجارت بھی خوب زوروں پر ہوتی تھی) رضوان سے مراد ان کے حسب پندار رضاء الٰہی ہے۔ قال فيه جمهور المفسرين معناه يبتغون الفضل والارباح فی التجارة و يبتغون مع ذٰلک رضوانه فی ظنهم و طمعهم (قرطبی) شَعَآئِرَ اللّٰهِ۔ شعائر جمع شعیرہ کی ہے۔ مراد اعلام الٰہی ہیں یعنی وہ چیزیں جن کے ادب و احترام کے تحفظ کے لیے اللہ نے کچھ احکام مقرر کر دیئے ہیں جميع معالم دين الله (جصاص) ان احکام و آداب کی خلاف ورزی کرنا اُن شعائر کی بے حرمتی کرنا ہے۔ مثلاً حدود حرم اور جامہ احرام کا ایک ادب یہ ہے کہ ان میں شکار بند کیا جائے۔ اب اس کی خلاف ورزی کرنا شعائر حرم و احرام سے بے ادبی کرنا ہے۔ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ۔ بہ طور اسم جنس آیا ہے۔ لفظاً واحد معنًی جمع۔ یعنی سارے حرمت والے مہینے۔ الشهر مفرد محلّى باللام الجنسية فالمراد به عموم الاشهر الحرم (بحر) مطلب یہ ہوا کہ ان چاروں متبرک مہینوں میں قتال کی ابتدا نہ کرو۔ الْهَدْيَ۔ لفظ اُن قربانیوں کے لیے مخصوص ہے جو کعبہ مقدس کو لے جائی جاتی ہیں۔ الهدى مختص بما يهدى الى البيت (راغب) هی اسم ما اشعر ای جُعل شِعاراً و علَماً (مدارک) ان کی بے حرمتی یہ ہوگی کہ ان قربانیوں سے تعرض کیا جائے۔ الْقَلَآئِدَ۔ یہ پٹے اسی نشانی کے لیے گلے میں پڑے رہتے تھے کہ یہ اللہ کی نذر ہیں۔ حرم ہی میں ذبح ہوں گی۔ الْقَلَآئِدَ سے مراد ذوات القلائد ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آیت سے تبرکات کی تعظیم بہ وجہ تعلق ذات واجب التعظیم کے مفہوم میں ہوتی ہے۔ پھر چونکہ فضل و رضوان کا تعلق مشرکین سے ہے، اس لیے یہ مفہوم بھی ہوا کہ طالب رضائے حق قابل رعایت ہے اگرچہ اخذِ طریق میں اس نے غلطی کی ہو۔ اسی طرح رَّبِّهِمْ سے اشارہ رحمت الٰہی کے عموم و وسعت کی جانب نکلتا ہے۔ ف۷ (جب کہ خود وہ شکار حدودِ حرم میں نہ ہو) فَاصْطَادُوْا۔ صیغۂ امر ہے، لیکن وجوب کے معنی میں نہیں، بلکہ صرف اجازت کے مفہوم میں۔ ای فلا جناح عليكم بالاصطياد لزوال المانع (روح) فالامر للاباحة بعد الحظر (روح) هو اطلاق من حظرٍ (جصاص) اباحة للاصطياد بعد حظره عليهم (مدارک) ای فقد ابحنالكم ما كان محرما عليكم فی حال الاحرام من الصيد (ابن کثیر) مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ محض ایک امر مباح کے لیے صیغۂ امر کا وارد ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ جس مباح کے ترک سے اس کے ممنوع ہونے کا شبہ ہونے لگے، اس مباح کا کرنا ہی مطلوب ہوتا ہے۔ اور یہیں سے اُن متشددین کی غلطی بھی واضح ہو جاتی ہے، جو مباحات کے ترک کر دینے میں حرام ہی کی طرح تشدد و غلو رکھتے ہیں۔ ف۸ (بلکہ اس عقلی ناگواری اور طبعی انقباض کے باوجود معاملہ اُن سے بھی حق و انصاف ہی کا رکھو) مراد کفار قریش ہیں، جنہوں نے ٦ھ میں مسلمانوں کو بیت اللہ تک پہنچنے اور عمرہ کرنے سے حدیبیہ میں روک دیا تھا۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسے موذی اور خدا ناترس دشمنوں سے بھی باوجود ہر غصہ و اشتعال کے برتاؤ عدل ہی کا رکھو...... اللہ اللہ! کیا ٹھکانا ہے اس فراخ دلی کا! مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جس سے بغض فی اللہ ہو اس کے معاملات میں بھی حدودِ شرعی سے تجاوز جائز نہیں۔ ف۹ کیسے زرّیں اصول کی تعلیم مل رہی ہے! نیکی میں سب کے شریک رہو، بدی اور فسق میں کسی کا ساتھ نہ دو! ...... "مہذب" قوموں کا سا شیوہ نہ رکھو، کہ اپنی قوم سب پر مقدم، اور اپنی پارٹی بہر حال اپنی پارٹی! اُدھر قاعدے اور اصول غیروں سے معاملت کے بتائے تھے، اب یہاں ارشاد آپس کی معاملت سے متعلق ہو گیا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہیں سے معلوم ہوا کہ حسن و قبح میں مقدمات کو مقاصد کا حکم دیا جاتا ہے، اور مشائخ اہل تربیت کے ہاں اسی قاعدہ پر عمل ہے۔ یہیں سے وجوب اُن

مجلسوں میں شرکت کا نکل آیا جن کا مقصد اشاعت دین ونصرتِ دین ہے، اور حرمت اُن اجتماعی اداروں میں شرکت کی نکل آئی جن سے بے دینی یا بدعملی کی تائید ہوتی ہو **و۱۰** (نافرمانوں اور سرکشوں کے حق میں) اِتَّقُوا اللہَ۔ خشیت الٰہی ہی ایسی چیز ہے، جو ہر مجاہدہ کو آسان اور ہر پابندی کو سہل بنا سکتی ہے۔ **و۱۱** آیت نمبر ایک میں اِلَّا مَا یُتْلٰی گزر چکا ہے۔ اب اُسی کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ اَلْمَیْتَۃُ۔ یعنی وہ جانور جو بلا ذبح شرعی مرجائے۔ اَلدَّمُ۔ دم مسفوح یعنی بہتا ہوا خون مراد ہے۔ لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ۔ اسی میں سؤر کی چربی وغیرہ اس کے جسم کے دوسرے اجزاء بھی شامل ہیں۔ اکله نجس و انما خصّ اللحم لانه معظم المقصود (مدارک) فانه قد تناول شحمه و عظمه و سائر اجزائه و لا خلاف بین الفقهاء فی ذٰلک (جصاص) سؤر کے گوشت کی جسمانی مضرتوں سے طبی لٹریچر بھرا پڑا ہے۔ اخلاقی وروحانی نقصانات کا ذکر ہی کیا۔ **و۱۲** (بہ خیالِ تقرب اور بہ نیت عبادت) حرمت کا اصل مدار ذابح کی نیت پر ہے۔ اور یہ غیر اللہ کی طرف نامزدگی خواہ عین ذبح کے وقت ہو یا اس سے قبل۔ قبروں، درگاہوں پر چڑھاوے چڑھانے والے ذرا اپنے لیے بھی سوچ لیں۔ **و۱۳** (عام اس سے کہ نامزدگی غیر اللہ کی جانب زبان سے بھی کی جائے یا محض دل میں نیت رکھی جائے) حرمت کی اصل بنا اعتقادِ خبیث ہے، خواہ زبان سے اس کا اظہار کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ پتھروں پر ذبح فی نفسہ حرام نہیں، حرام یہ نیت خبیث ہے۔ ما ذبح علی اعتقاد تعظیم النصب (کبیر) والنیة فیها تعظیم النصب لا ان الذبح علیها غیر جائز (قرطبی) عَلٰی ہو سکتا ہے کہ یہاں لِ کے مرادف ہو۔ یعنی تھانوں پر چڑھائے جانے کی غرض سے۔ قال قطرب علی بمعنی اللام ای وما ذبح لاجل النصب (معالم) قیل علٰی بمعنی اللام ای لاجلها (قرطبی) اَلْمَوْقُوْذَۃُ یہ وہ جانور ہے جو کسی ضرب سے مرجائے۔ المقتولة بالضرب (راغب) فقہاء نے ایسے جانور کو بھی جو محض غلہ یا گولی سے بلا ذبح مر جائے، اسی حکم میں داخل کیا ہے۔ و یدخل فی الموقوذة ما رمی بالبندق فمات۔ (کبیر) اَلْمُتَرَدِّیَۃُ پہاڑی سے گر کر مرجانا یا کنوئیں میں گر کر مرجانا سب اسی کے تحت میں آجاتا ہے۔ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ۔ یعنی وہ جانور جسے درندے کھانے لگیں اور وہ اسی صدمہ سے مرجائے۔ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ یعنی تم اُسے ذبح کر ڈالو قبل اس کے کہ اس کا دم نکلے۔ اس استثناء کا تعلق اُوپر کی لکھی ہوئی سب صورتوں سے ہے۔ یعنی گردن سے مروڑے ہوئے، چوٹ کھائے ہوئے وغیرہ سب حلال جانور بھی حرام ہیں، بشرطیکہ ابھی جانور کا دم نہ نکلا ہو اور وہ مطابق شرع ذبح کر لیا جائے۔ ایسا جانور حکم حرمت سے مستثنٰی اور حلال ہے۔ نصب علی الاستثناء المتصل عند الجمهور من العلماء والفقهاء و هو راجع علی کل ما ادرک ذکاته من المذکورات و فیه حیاة (قرطبی) ذَکَّیْتُمْ ذکاۃ۔ ذبح کے معنٰی میں ہے۔ الذکاة فی کلام العرب الذبح قاله قطرب (قرطبی) التذکیة الذبح (نہر) **و۱۴** اَزْلَام۔ ایک دستور اہل جاہلیت کا یہ ہے کہ تیروں پر اجازت وممانعت کے الفاظ لکھ رکھتے تھے، اور بعض خالی چھوڑتے تھے، اور سفر، تجارت، جنگ وغیرہ کے اہم موقعوں پر یہ کرتے کہ انہی تیروں سے جا کر فال لیتے۔ اور جو حکم نکل آتا، اُسی پر عمل کرتے۔ خود صحیح بخاری، کتاب التفسیر میں ایک روایت اسی مضمون کی ہے۔ والاستقسام ان یجیل القداح فان نهته انتهٰی و ان امرته فعل ما امره و قد اعلموا القداح اعلامًا بضروب یستقسمون بها۔ صحابہ تابعین اور اکثر مفسرین سے یہی معنٰی منقول ہیں۔ یعنی القداح کانوا یستقسمون بها فی الامور (ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) و کذاروی عن مجاهد و ابراهیم النخعی والحسن البصری و مقاتل بن حیان (ابن کثیر) فمعنی الاستقسام بالازلام طلب معرفة الخیر والشر بواسطة ضرب القداح وهو اختیار الجمهور (کبیر) مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرعہ اندازی، فال گیری اور وہم پرستی کی یہ شکل اہل عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ ایران اور روما کی بڑی بڑی مہذب ومتمدن قومیں اس میں مبتلا تھیں۔ قال سهام العرب و کعاب الفارس والروم کانوا یتقامرون بها۔ (ابن جریر۔ ابن کثیر۔ قرطبی۔ عن مجاہد)

اُحِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ

غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو، **و۱۳** اور جو گلا گھٹنے سے مرجائے اور جو کسی ضرب سے مرجائے، اور جو اونچے سے گر کر

وَالنَّطِیْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّیْتُمْ ۗ وَمَا ذُبِحَ

مرجائے، اور جو کسی کے سینگ سے مرجائے اور جس کو درندے کھانے لگیں، سوا اس صورت کے کہ تم اسے ذبح کر ڈالو، اور

عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ

جو جانور استھانوں پر بھینٹ چڑھایا جائے **و۱۳** اور نیز یہ کہ قرعہ کے تیروں **و۱۴** سے تقسیم کیا جائے یہ سب

فِسْقٌ ؕ اَلْیَوْمَ یَىٕسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ فَلَا

گناہ (کے کام) ہیں **و۱۵** آج کافر تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے **و۱۶** سو تم ان سے

تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ

نہ ڈرو، اور مجھی سے ڈرو **و۱۷** آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا

وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ

اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بہ طور دین کے

دِیْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ

پسند کر لیا **و۱۸** ہاں جو کوئی بھوک کی شدت سے بیقرار ہو جائے، گناہ کی طرف رغبت کئے بغیر **و۱۹**

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۳ یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ

سو اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے **و۲۰** آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا چیز (کھانے کی) ان پر حلال

لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ

کی گئی ہے، **و۲۱** آپ کہہ دیجیے کہ تم پر (کل) پاکیزہ جانور حلال ہیں، **و۲۲** اور تمہارے سدھے ہوئے

الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا

شکاری جانوروں کا شکار، جو شکار پر چھوڑے جاتے ہیں **و۲۳** تم انہیں اس طریقہ پر سکھاتے ہو جو تمہیں اللہ نے سکھایا ہے، **و۲۴**

مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ آج کل چٹھی ڈالنے کا جو دستور نکلا ہے، وہ اسی سے ملتی جلتی ہوئی ایک شکل قمار کی ہے۔ **و۱۵** (اور اللہ کے مقرر کیے ہوئے دین وآئین کی خلاف ورزی) ذٰلِکُمْ کا اشارہ ممکن ہے کہ استقسام بالازلام تک محدود ہو۔ لیکن زیادہ قابل قبول یہ ہے کہ ان سب چیزوں کی طرف ہو جن کی ممانعت اُوپر آچکی ہے۔ یرجع الی جمیع ما ذکر من الاستحلال لجمیع هذه المحرمات و کل شئ منها فسق و خروج من الحلال الی الحرام (قرطبی) راجعاً اِلٰی جمیع ما تقدم ذکرهٗ من التحلیل والتحریم (کبیر) ذٰلِکَ۔ اشارہ بعید ہے۔ یہاں کنایہ ان افعال کی بُعدِ منزلت سے ہے۔ و معنی البعد فیه الاشارة الی بعد منزلته فی الشر (روح۔ ابوسعود) **و۱۶** (کہ یہ دین کبھی بھی مغلوب یا گمنام ہو سکے گا) آیت کے نزول کا وقت یوم جمعہ (ذی الحجہ ۹ھ، ۱۶،۱۵/مارچ ۶۳۲ء) بعد عصر، مقام عرفات ہے۔ نزلت فی یوم عیدین فی یوم الجمعه و یوم عرفة (ترمذی ابواب تفسیر القرآن، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نزول کے کل دو مہینے ۲۱ دن بعد انتقال فرمایا۔ نکتہ رس ودقیقہ سنج اصحابِ نبی آیت کے مضمون ہی سے سمجھ گئے تھے کہ اب دین ہر طرح مکمل ومستحکم ہو چکا، نبی کے مشن کی ہر طرح تکمیل ہو چکی، نبی کو اب دنیا میں مزید قیام کی ضرورت کیا رہی۔ زمانہ مفارقتِ نبوی کا قریب آ گیا۔ چنانچہ حدیث وسیر کی کتابوں میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آیت کو سن کر رو پڑے تھے۔ **و۱۷** یعنی ...

کرو۔ یہ گویا وعدۂ الٰہی ہے کہ اب تشویش وتردد کی چیز غلبہ کفر واستیلاء کفار نہیں۔ بلکہ احکام شریعت سے تجاوز وتزلزل ہے۔ یہی چیز ایسی ہے جو مسلمانوں کو ضرر پہنچا سکتی ہے، اور اُن کے ملی وجود کے لیے خطرہ کا باعث بن سکتی ہے۔ خشیت الٰہی ہی ایک ایسی چیز ہے، جس کی کمی مسلمانوں میں ضعف پیدا کرسکتی ہے، نہ کہ اہل کفر وغیرہ کی کوئی خارجی قوت۔ ف۱۸ (قیامت تک کے لیے) اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔ یہ اکمالِ دین بہ لحاظ قوت بھی ہے اور بہ لحاظ احکام وقواعد بھی۔ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ۔ یہ اتمام نعمت اسی دین کی تکمیل سے ہوا۔ اس اکمالِ دین واتمام نعمت کے بعد ظاہر ہے کہ اب دین میں کسی ترمیم، اضافہ، تصرف کی گنجائش نہ رہی۔ نہ کسی نبی کی بعثت کی حاجت۔ ختم نبوت پر اگر دلائل صریحہ موجود ہوتے، تو یہاں سے بھی مسئلہ کا استنباط ہوسکتا تھا۔ شیعی عقیدۂ امامت کا، جو درحقیقت اجراء نبوت ہی کی ایک شکل ہے، رَد بھی یہیں سے نکل آتا ہے۔ البتہ ہر دَور میں نئے نئے مسائل کا انکشاف اہل علم واجتہاد اپنی بصیرت سے کتاب وسنت کے اصول وقواعد کے مطابق و ماتحت قیامت تک کرتے رہیں گے۔ اشیاء کی حلت وحرمت کا ذکر اُوپر سے چلا آرہا تھا۔ تو یہ مسئلہ بھی اسی کتاب واضح کے اندر آگیا اور اس میں بھی اب کسی تغیر وتصرف کی گنجائش نہ رہی۔ اَلْيَوْمَ۔ دین الٰہی چلا تو شروع ہی سے آرہا تھا، لیکن ہر نبی کے عہد میں زمان ومکان کے مصالح ومقتضیات کے لحاظ سے احکام شریعت وقت ومقام کے ساتھ محدود ومخصوص رہتے تھے۔ دین اب پہلی بار عالمگیر اپنے جزئیات وتفصیلات کے ساتھ ہورہا ہے۔ اَلْيَوْمَ میں اشارہ اسی جانب ہے کہ اب خدائی پروگرام میں وحدت نسلِ انسانی کا زمانہ شروع ہونے کو ہے دنیا اب تک مختلف جغرافی حصوں اور ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر نہایت دشوار تھا، اور اس میں نامہ وپیام کی بھی کوئی آسان راہ نہ تھی۔ ہر علاقہ کہنا چاہیے اپنے جغرافی وطبعی سرحدوں کے اندر محفوظ تھا۔ دریا، پہاڑ، سمندر وغیرہ جو راہ میں حائل رہتے، ان کا عبور کرنا گویا محال تھا۔ ریل، موٹر، لاری، تار، ٹیلیفون وغیرہ خواب وخیال میں بھی نہ تھے۔ اب کائنات ارضی کی تاریخ میں پہلی بار اس کا وقت آرہا تھا کہ انسانیت کے ٹکڑے ایک دوسرے سے ملیں۔ رسل ورسائل کے ذرائع وسیع ہوں۔ اور جس طرح نظام تکوینی میں ہر فرد کے لیے، اس کے وجود میں آنے سے قبل ہی اس کے لیے ہوا کا، اور روشنی کا اور پانی کا سامان حکمت الٰہی موجود رکھتی ہے اسی طرح نظام تشریعی میں رحمت حق نے چاہا کہ نوع انسان کی انفرادی واجتماعی دونوں زندگیوں کی روحانی واخلاقی تربیت کا انتظام پیشتر سے موجود رہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فقہاء ظاہر اور حکماء باطن نصوص سے جو مستنبط کرتے ہیں، وہ بھی سب دین ہی میں داخل ہے، ورنہ اکمالِ دین کے بعد اس کی اجازت نہ ہوتی۔ ف۱۹ (اور حرام ماکولات میں کسی شے کو کھا پی لے) فاباح اللہ عند الضرورۃ اکل جمیع ما نص علی تحریمہ فی الآیۃ (جصاص) مَخْمَصَةٍ۔ کے معنی شدید بھوک کے ہیں۔ المخمصۃ جوع و خلاء البطن من الطعام (قرطبی) قال ابن عباس والسدی و قتادۃ المخمصۃ المجاعۃ (جصاص) قال اہل اللغۃ الخمص والمخمصۃ خلو البطن من الطعام عند الجوع (کبیر) غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ۔ یعنی حرام شے محض بھوک کی شدت سے مجبور ہوکر کھالی جائے، حصولِ لذت کی نیت نہ ہو، اور نافرمانی یا قانون شکنی مقصود نہ ہو۔ ای غیر متعمد لمعصیۃ فی قصدہ قالہ قتادۃ والشافعی رحمہما اللہ (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس چیز کی اجازت بہ ضرورت دی جائے، اُس سے حظِ نفس کا قصد جائز نہیں۔ جیسے طبیب یا گواہ عورت یا اُس کے جسم کو بہ ضرورت دیکھے، تو بہ قصد شہوت نظر کرنا حرام ہے۔ ف۲۰ صفت غفور لاکر یہ یاد دلادیا کہ اگر قدر ضرورت سے کوئی ایک آدھ لقمہ زیادہ کھا گیا، جب بھی معاف کردیا جائے گا اور صفت رحیم سے یہ اشارہ ہے کہ قانون ایسے موقع کے لیے دیکھو کیسا نرم وآسان رکھ دیا۔ ف۲۱ (کتے اور باز کے شکار کیے ہوئے جانوروں میں سے) یہ سوال کرنے والے منکرین نہ تھے مومنین وصحابہ ہی تھے۔ اور حلت وحرمت اشیاء کے سلسلہ میں اس مسئلہ کا حل بھی ضروری تھا۔ یسئلک یا محمد اصحابک ما الذی اُحل لھم (ابن جریر) لَهُمْ یعنی مسلمانوں پر۔ صحابہ کا اصل سوال یہ تھا کہ شکاری جانوروں (مثلاً کتے اور باز) کے ذریعہ سے شکار کیے ہوئے جانوروں میں سے کون کون حلال ہیں؟ آیا سب ہی حلال جانور اس طریق شکار کے بعد بھی حلال رہتے ہیں، یا کچھ مخصوص جانور حلال رہ جاتے ہیں، اور وہ بھی مخصوص شرائط کے ماتحت؟ اللہ حضرات صحابہ پر بے شمار رحمتیں نازل کرے، اُمت کے کام کی کیسی کیسی چیزیں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر ڈالیں! یہ معلومات پیشتر سے نہ موجود ہوتے تو آج کتنی دقتیں

ہوتیں! ف۲۲ جواب یہ ملا کہ جو حلال جانور ہیں، وہ اس طریق شکار کے بعد بھی حلال رہتے ہیں، البتہ خود شکار کے شرائط آگے آتے ہیں۔ طیب کی تعریف میں ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ وہ وہ پاک اور لذیذ غذا ہے جسے طبع سلیم قبول کرلے۔ ف۲۳ دو شرطیں اتنے ہی جواب سے نکل آئیں۔ پہلی شرط تو یہ نکلی کہ وہ شکاری جانور سکھائے ہوئے، سدھائے ہوئے ہوں۔ اور فقہاء نے بات سے بات یہ پیدا کی ہے کہ یہ قید صرف وحشی جانوروں کے لیے نہیں، بلکہ گھریلو جانوروں کے لیے بھی ہے، چنانچہ گھریلو جانور اگر ٹریننگ پایا ہوا نہ ہو تو اُس کا کیا ہوا شکار حلال نہ ہوگا۔ البتہ جو جانور (وحشی ہو یا گھریلو) سکھایا ہوا ہوگا، اُس کا فعل خود شکاری کا فعل سمجھا جائے گا۔ دوسری شرط یہ پیدا ہوئی کہ وہ جانور تمہارے چھوڑے ہوئے جھپٹیں، یہ نہیں کہ از خود شکار پکڑ کر لائیں، اور تمہارے سامنے ڈال دیں۔ اَلْجَوَارِحِ۔ جارحہ کی جمع ہے۔ معنی ہیں ہر شکاری جانور کے، خواہ وہ پرندہ ہو یا درندہ۔ تسمی الصائدہ من الکلاب و الفھود والطیور جارحۃ (راغب) جارحہ کا نام ہی اس لیے جارحہ پڑا ہے کہ وہ شکار کو زخمی کرتا ہے قیل فی الجوارح انھا ما تجرح بناب او مخلب (جصاص) سمیت جوارح من الجرح لانھا تجرح الصید عند امساکہ (خازن) وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ ترکیب میں اس کا عطف الطَّيِّبٰتُ پر ہے۔ اور صید مضاف محذوف ہے۔ عطف علی الطیبات ای احل لکم الطیبات وصید ما علمتم فحذف المضاف (کشاف) ای وصید ما علمتم (قرطبی) مُكَلِّبِيْنَ۔ مُكَلِّبْ کے ایک معنی تو ہیں کتے کو تعلیم دینے والا، اور دوسرے معنی ہیں شکار پر جھپٹنے والا۔ دونوں میں کوئی منافات نہیں، اور اہل لغت نے دونوں کی گنجائش رکھی ہے۔ المکلّب معلم الکلاب الصید مضرلھا علیہ و قد یکون التکلیب واقعاً علی الفھد و سباع الطیر (تاج) مکلب مضر للکلاب علی الصید معلم لھا و قد یکون التکلیب واقعاً علی الفھد و سباع الطیر (لسان) المکلّب الذی یعلم الکلب (راغب) التکلیب ھی التضریۃ بالشیٔ والتسلیط علیہ لغۃً (ابن العربی) مُكَلِّبِيْنَ۔ کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہ تعلیم وتربیت صرف کتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ شکاری پرندے بھی بلا اختلاف فقہاء سب اسی حکم میں داخل ہیں۔ لا یخصص ذلک بالکلاب دون غیرھا فوجب حملہ علی العموم ولا نعلم خلافاً بین فقھاء الامصار فی اباحۃ صید الطیر (جصاص) گویا یہ پہلی شرط کی تفصیل ہوگئی (ملاحظہ ہو اسی حاشیہ کی پہلی سطر) ف۲۴ فقہاء نے تعلیم (ٹریننگ) کا معیار کتے کے حق میں یہ رکھا ہے کہ سکھایا ہوا کتا شکار کو پکڑ کر خود نہ کھا جائے۔ اور باز کے حق میں یہ رکھا ہے کہ سدھے ہوئے باز کو جب آواز دی جائے، تو وہ شکار کا پیچھا چھوڑ کر واپس چلا آئے۔ ف۲۵ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ۔ یعنی وہ شکار مسلمان شکاری ہی کے لیے ہونا چاہیے نہ کہ جانور کے اپنے لیے۔ اس نص نے اُسے صاف کردیا جو فقہاء قبل کے الفاظ سے استنباطاً سمجھے تھے۔ اور اس کا معیار وہی ہے، جو اُوپر کے حاشیہ میں بیان ہوچکا تو اگر کتا اس شکار کو خود کھانے لگے۔ یا باز شکاری کے بلانے سے واپس نہ آئے تو یہی سمجھا جائے گا کہ جانور نے شکار مالک کے لیے نہیں، اپنے لیے پکڑا ہے۔ عَلَيْكُمْ میں علی ل کے معنی میں ہے۔ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ سے مراد یہ ہے کہ وہ جانور خود اُس شکار کو نہ کھائے، اور اسے شکاری کے لیے روکے رکھے۔ ای حبس لکم و لم یاکل (قرطبی) الامساک علی صاحبہ ان لا یاکل منہ (مدارک) اور قرطبی نے اس معنی پر صحابیوں میں سے ابن عباس، ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے عکرمہ وقتادہ، ابن جبیر اور عطاء کا اور ائمہ فقہ میں سے نخعی، شافعی، احمد، اسحٰق، ابوثور اور ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کا اتفاق نقل کیا ہے۔ والیہ ذھب اکثر الفقھاءِ (بیضاوی) البتہ باز، شکرہ وغیرہ شکاری پرندوں کی تادیب اس حد تک ذرا دشوار ہی ہے۔ اس لیے فقہاء کے دقیقہ سنج گروہ نے انہیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ رکھا۔ وقال بعضھم لا یشترط ذلک فی سباع الطیر لان تادیباً الی ھذہ الحد متعذر (بیضاوی) قال ابو حنیفۃ و ابو یوسف و محمد و زفر یوکل صید البازی و ان اکل (جصاص) و اما البازی فانہ معلوم انہ لا یمکن تعلیمہ بترک الاکل وانہ لا یقبل التعلیم من ھذہ الجھۃ (جصاص) فان اکل منہ لم یوکل اذا کان صید کلب و نحوہ فاما صید البازی و نحوہ فاکلہ لایحرمہ (مدارک) ف۲٦ یعنی شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ کہہ لیا کرو۔ یعنی اذا ارسلت جارحک فقل بسم اللہ

مِمَّآ اَمۡسَكۡنَ عَلَيۡكُمۡ وَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهِ ۪

سو کھاؤ اس (شکار) کو جسے (شکاری جانور) تمہارے لئے پکڑے رکھیں ف۲۵ اور اللہ کا نام اس (جانور) پر لیا کرو ف۲۶

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۴﴾ اَلۡيَوۡمَ اُحِلَّ

اور اللہ سے ڈرتے رہو، ف۲۷ بیشک اللہ حساب جلد کر دیتا ہے ف۲۸ آج جائز کر دی گئیں

لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حِلٌّ

تم پر پاکیزہ چیزیں ف۲۹ اور جو لوگ اہل کتاب ہیں ان کا کھانا تمہارے لئے

لَّكُمۡ ۪ وَطَعَامُكُمۡ حِلٌّ لَّهُمۡ ۫ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ

جائز ف۳۰ اور تمہارا کھانا ان کے لئے جائز ف۳۱ اور (اسی طرح تمہارے لئے جائز ہیں) مسلمان

الۡمُؤۡمِنٰتِ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ

پارسائیں اور ان کی پارسائیں جن کو تم سے قبل کتاب مل

مِنۡ قَبۡلِكُمۡ اِذَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ مُحۡصِنِيۡنَ

چکی ہے جب تم انہیں ان کے مہر دے دو ف۳۲ اور قید نکاح میں لانے والے ہو،

غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ وَلَا مُتَّخِذِىۡۤ اَخۡدَانٍ ؕ وَمَنۡ

نہ کہ (محض) مستی نکالنے والے، اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والے ف۳۳ اور جو کوئی

يَّكۡفُرۡ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ

ایمان سے انکار کرے گا تو اُس کا عمل اکارت جائے گا، اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں

مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۵﴾ ع ٥ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قُمۡتُمۡ

میں سے ہو گا ف۳۴ اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھو ف۳۵

اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ وَاَيۡدِيَكُمۡ اِلَى

تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو لیا

(ابن عباسؓ) ای سموا علیه عند ارساله (مدارک) و من شرائط ذکاة الصید التسمیة علی الارسال (جصاص) حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے:۔عن عدی بن حاتم قال قال رسول اللہ ﷺ اذا ارسلت کلابک المعلّمة و ذکرت اسم اللہ فکل ممّا امسکن علیک (صحیح بخاری) عدی بن حاتمؓ صحابی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سکھایا ہوا کتا اللہ کا نام لے کر چھوڑو تو پھر وہ جو تمہارے لیے پکڑے رکھے، اُسے کھا سکتے ہو...... فقہاء نے حدیث بالا ہی سے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے۔ کہ ذبح حیوانات کے وقت جو بسم اللہ پڑھی جاتی ہے، اسی کے قائم مقام وہ بسم اللہ ہے جو شکار پر شکاری جانور کے چھوڑتے وقت پڑھی جائے۔ھذا یدل علی ان حال الارسال بمنزلة حال الذبح فی وجوب التسمیة علیه (جصاص) و تشترط التسمیة من الذابح حالة الذبح او الرمی بصیدٍ او الارسال (درمختار) ف۲۷ (ہر معاملہ کی طرح اس معاملہ میں بھی اُس کے احکام کی خلاف ورزی کرنے سے) ذرا موقع کی تصویر چشم تصور میں لائیے۔ خوب بھوک لگی ہوئی ہے، بڑے لذیذ گوشت کا جانور شکرہ یا کتا پکڑ کر لایا ہے۔ شوق بے قرار ہے کہ جلد سے جلد اس کے کباب لگیں، اور بھنے ہوئے شکار سے جی بھر کر لذت حاصل کی جائے۔ اب کون اس موقعہ پر یاد دلائے کہ شرائط حلت ذرا مستحضر کر لیجئے۔ جانور سدھا ہوا ہے یا نہیں، اُسے چھوڑتے وقت بسم اللہ کہہ دی گئی تھی یا نہیں، وغیرہا...... بجز تقویٰ الٰہی کے اور کس میں اس وقت یہ یاد دلانے کی قوت ہے؟ ف۲۸ (اور یہی مراقبہ ہر دشوار حکم کی تعمیل کو آسان بنا دے گا) خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن حکیم میں احکام جہاں جہاں بھی آئے ہیں، اُن کے متصل ہی کوئی اس قسم کا فقرہ بھی ضرور مل جاتا ہے، جس سے یاد آخرت یا اللہ کے علم کل کا استحضار ہو جائے...... ہر دشواری کو آسان بنا دینے کا، ہر پتھر کو پانی کر دینے کا نسخہ اس سے بڑھ کر اور ہو کیا سکتا ہے۔ ف۲۹ (اور یہ جواز قیامت تک رہے گا، کوئی نئی شریعت اسے منسوخ کرنے والی اب نہیں آنے کی) ف۳۰ (بہ شرطیکہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لے دیا گیا ہو) ”تثلیث مقدس“ کے نام پر اگر کوئی جانور ذبح ہوا ہو گا تو وہ محققین حنفیہ کے ہاں حلال نہیں، حرام ہوگا۔قال ابو حنیفة و ابو یوسف و محمد و زفر من کان یهودیًا او نصرانیًا من العرب و العجم فذبیحته مذکاة اذا سمی اللہ علیها وان سمی النصرانی علیها اسم المسیح لم توکل (جصاص) طعام سے مراد حلال جانور ہیں، جو اہل کتاب کے ہاتھ کے ذبح کیے ہوئے ہوں۔ جیسا کہ صحابیوں، تابعین اور ائمہ تفسیر نے سمجھا ہے ورنہ مطلق کھانا تو دوسرے غیر مسلموں کے ہاں کا بھی جائز ہے۔ کچھ اہل کتاب کی تخصیص نہیں۔و فی المراد بالطعام ھھنا وجوہ الثلاثة الاول انه الذبائح والاکثرون علی القول الاوّل (کبیر) ھو ھنا خاص بالذبائح عند کثیر من اھل العلم بالتاویل (قرطبی) و علیه اکثر المفسرین (روح) روی عن ابن عباس و ابی الدرداء والحسن و مجاھد وابراھیم و قتادہ والسدی انه ذبائحھم وظاھرہٗ یقتضی ذٰلک (جصاص) بعض فقہاء اُمت نے تصریح اور تاکید کی ہے کہ جن اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے، انہیں واقعۃً اور عملاً یہودی یا نصرانی ہونا چاہیے۔ محض اسماً یا نسلاً اُن کا ”قوم“ اہل کتاب سے ہونا کافی نہیں۔ ورنہ جو علت مشرکین کے ذبیحہ کی حرمت کی ہے، وہی یہاں بھی مشترک ہے۔ حضرت علیؓ اور دوسرے صحابیوں کے فتوے اس باب میں موجود ہیں۔ اُس وقت جو نصرانی محض نام کے تھے، اُن کے ذبیحہ کے کھانے سے آپ نے روک دیا ہے۔ حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور بعض تابعین سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ عن علیؓ قال لا تاکلوا ذبائح نصاری بنی تغلب فانھم لم یتمسکوا بشیء من النصرانیة الا بشرب الخمر (ابن جریر) عن ابن عباسؓ قال لا تاکلوا ذبائح نصاری العرب و ذبائح نصاری ارمینیه (ابن جریر) و قال بھذا من الصحابة علیؓ و عائشةؓ و ابن عمرؓ و ھو قول طاؤس والحسن (قرطبی) امام مالک کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ وقال مالک اکرہ ذٰلک ولم یحرمه (قرطبی) لیکن اس کے مقابل بہت سے اکابر تابعین اور ائمہ فقہ کا قول یہ بھی موجود ہے کہ کتابیوں کا ذبیحہ بہر صورت جائز ہے۔و ذھب اکثر اھل العلم الی انه یحل وھو قول الشعبی و عطاء والزھری و مکحول (معالم) حسن بصری تابعی کا یہ قول دل کو بہت زیادہ لگتا معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہودی یا نصرانی کے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام خود سن لو، جب تو نہ کھاؤ، ورنہ کھا لینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔و قال الحسن اذا ذبح الیھود والنصرانی فذکر اسم غیر اللہ وانت تسمع فلا تاکله واذا غاب عنک فکل فقد احل اللہ لک (معالم۔روح) لیکن واضح رہے کہ یہ سارے اختلافات اس صورت حال کے موقعہ پر ہیں، جب جانور بہرحال ذبح ہوا ہو۔ لیکن جب ذبح ہی کی نوبت سرے سے نہ آئے، مثلاً مرغ کو گردن مروڑ کر ہلاک کر دیا گیا، تو ایسے غیر مذبوح جانور کے جواز کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور آج کی برائے نام مسیحی قوموں میں جو عام دستور ہے، سب پر ظاہر ہے۔ ف۳۱ (سو تم اپنے کھانے سے انہیں بلا تکلف کھلا سکتے ہو) مسلمان رُک رہے تھے، کہ معلوم نہیں ہمارے لیے جائز بھی ہے یا نہیں کہ ہم کتابیوں کو اپنے کھانے میں سے کھلا سکیں، یہاں تصریح کر دی گئی کہ بے تکلف جائز ہے۔ فلا جناح علیکم ان تطعموھم (مدارک) ای ویحل لکم ان تطعموھم من طعامکم (کبیر) یہ صراحت اس لیے بھی ضروری تھی کہ نکاح کا بیان معاً بعد آرہا ہے۔ ذبیحہ تو طرفین سے حلال ہے۔ لیکن مناکحت کا قیاس اس پر درست نہ ہو گا نکاح صرف اُن کی عورتوں

سے مسلمان مرد کا جائز ہے۔ مسلمان عورت کا نکاح اُن کے مرد سے جائز نہیں۔ لا جرم ذکر اللہ تعالٰی ذلک تنبیهاً علی التمیز بین النوعین (کبیر) و٣٢ ابھی ذکر کھانے کی حلال چیزوں کا تھا، اب ذکر عورتوں کا ہے، کہ زن مسلم اور زن کتابی تمہارے لیے حلال ہے...... مواکلت کی طرح مناکحت بھی انسان کی ایک طبعی خواہش ہے۔ اس لیے دونوں کے احکام اگر اکٹھے لائے گئے تو یہ عین باہمی مناسبت کا تقاضہ ہے۔ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ ــــــ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ۔ مسلمات اور کتابیات دونوں کے درمیان اصلاً قدر مشترک سلسلہ وحی ونبوت پر ایمان ہے۔ یہود اور نصرانیوں کے اعمال کیسے ہی فاسقانہ ہوں، اور بعض عقائد کیسے ہی غالیانہ ہوں۔ بہرحال اصلاً وہ لوگ توحید ہی کے قائل ہیں اور سلسلہ وحی ونبوت کے ماننے والے۔ اور عقائد کے باب میں یہی دو عنوانات اہم ترین ہیں...... البتہ یہ خیال رہے کہ ''نصرانیت'' موجودہ یوروپی قوموں کی مسیحیت کے مرادف نہیں۔ نکاح کتابیوں کے ساتھ بالکل جائز ہے۔ نفس جواز میں کوئی گفتگو اس نص کے بعد چل ہی نہیں سکتی۔ البتہ فقہاء نے مفسدوں پر نظر کرکے اور مصلحت شرعی کا لحاظ کرکے فتویٰ یہ دیا ہے کہ بلاضرورت ایسے نکاحوں سے بچنا چاہیے۔ یجوز تزوج الکتابیات والاولی ان لایفعل (فتح القدیر) و صح نکاح کتابیة وان کره تنزیهاً (درمختار) اور کتابیہ حربیہ کے ساتھ نکاح کی کراہت میں تو شبہ نہیں۔ و تکره الکتابیة الحربیة اجماعاً لا فتتاح باب الفتنة (فتح القدیر) واصحابنا یکرهون مناکحات اهل الحرب من اهل الکتاب (جصاص) یجوز للمسلم ان یتزوج کتابیة فی دارالحرب ولکنه یکره (مبسوط) حنفیہ کے اس قول کا ماخذ حضرت علی ؓ کا ایک اثر ہے، جس میں آپؓ نے کتابیہ مقیم دارالحرب سے نکاح پر کراہت ظاہر کی ہے۔ بلغنا عن علی ؓ بن ابی طالب انه سئل عن مناکحة اهل الحرب من اهل الکتاب فکره ذلک وبه ناخذ (مبسوط) علامہ شامی نے فیصلہ کیا ہے کہ نکاح غیر حربیہ کے ساتھ تو محض مکروہ تنزیہی ہے، لیکن حربیہ کے ساتھ مکروہ تحریمی۔ قوله والاولی ان لا یفعل یفید کراهیة التنزیه فی غیر الحربیة وما بعده یفید کراهیة التحریم فی الحربیة (ردالمحتار) وَالْمُحْصَنٰتُ۔ ترکیب میں عطف ہے الطیبات پر اوپر کی آیت میں۔ المحصنات۔ پر حاشیہ پارۂ پنجم کی ابتداء میں گزر چکا۔ یہاں مراد ہے کہ قید عصمت کی پابند اور پارسا ہوں۔ یہ نہ ہو کہ ادھر کسی کے عقد میں بھی آئیں، اور اُدھر بدچلنی اور عصمت فروشی بھی جاری رکھیں۔ ای حصان فی النساء هی العفة عن الزنا (ابن کثیر) لفظ کے لانے سے مقصود عصمت کی عظمت کو بڑھانا اور اس کی ترغیب دینا ہے، ورنہ قانونی حیثیت سے نکاح منعقد تو ہر نیک چلن، بدچلن اور بیوی و باندی سب کا ہوسکتا ہے۔ هی الحرائر والعفائف و لیس هذا بشرط لصحة النکاح بل هو للاستحباب لانه یصح نکاح الاماء من المسلمات و نکاح غیر العفائف (مدارک) روی عن الحسن والشعبی و ابراهیم والسدی انهم العفائف (جصاص) قال ابو عبید یعنی العواهر فهذا یدل علی ان معنی الاحصان عقده ههنا کان علی العفة (جصاص) اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ مہر شرط نکاح نہیں، لیکن مہر کی عظمت اور اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید بار بار اس کا ذکر تصریحاً کرتا ہے۔ و تقیید التحلیل بایتاء الاجور یدل علی تاکد وجوبها (کبیر) و تقیید الحل بایتائها لتاکید و جوبها (روح) و٣٣ نکاح اسلام میں کوئی ضمنی اور ثانوی حیثیت کی چیز نہیں۔ ایک اہم اور زبردست اخلاقی، اجتماعی، روحانی ادارہ ہے اس کے منافع ومصالح فرد کے، خاندان کے، معاشرہ کے، سب کے لیے بیشمار ہیں۔ نکاح یا شادی کے لیے اسی لیے اُردو میں بھی دوسرا لفظ ''خانہ آبادی'' کا ہے...... اُجڑے ہوئے سنسان اور ویران گھر گھرانے اسی ذریعہ سے آباد ہوتے ہیں۔ مرد و زن کے باہمی تعلق کو اسلام نے صرف اسی صورت میں جائز رکھا ہے، کہ زوجین کا اس سے اصل مقصود ایک خاندان کی بنیاد رکھنا، ایک مستقل معاشرہ قائم کرنا ہو۔ اپنے کو مہذب ومتمدن کہلانے والی، لیکن حقیقۃً جاہلی قوموں میں اس صورت مناکحت کے علاوہ دو اور صورتیں بھی مرد و زن کے تعلق کی پہلے بھی جاری رہی ہیں، اور اب بھی جاری ہیں۔ ایک شکل تو کھلم کھلا بدکاری کی ہے۔ عورت زنا کے لیے آزاد ہے۔ اس کو باقاعدہ اپنا پیشہ بنالے۔ نہ سوسائٹی اُسے اس سے روک سکے نہ حکومت۔ جو مرد جب چاہے، اس کے ہاں جاکر ایک خاص کرایہ دے کر اپنے جسم کا پانی بہا آئے، اور منہ کالا کرکے چلا آئے۔ دوسری صورت چوری چھپے آشنائی کی ہے۔ یعنی عصمت کے معنی ہی مٹ جائیں اور شریف وبیسوا میں کوئی فرق نہ رہ جائے۔ البتہ اس سے پبلک فضیحتا (Scandal) نہ پھیلتا ہو، یعنی جانتے اپنی جگہ سب ہوں، لیکن عام زبانوں پر چرچے نہ پھیلیں۔ اسلام نے ان دونوں مہذب جرموں کو ایک لعنت قرار دیا اور جائز صورت مرد وعورت کو جنسی شہوانی تعلق کی صرف نکاح بتائی۔ نکاح چوری چھپے نہیں، اعلان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس میں خدا کا نام درمیان میں لاکر، خالق کائنات کا واسطہ ڈال کر، مرد عورت کی راحت، آسائش کا ذمہ لیتا ہے اور عورت مرد کی خدمت کی ذمہ داریوں کو قبول کرلیتی ہے۔ دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق قائم ہوتے ہیں، فرائض عائد ہوتے ہیں۔ دونوں اپنے کو مستقل نباہ کے لیے عمر کے ہر دور، مال واقبال کے ہر اتار چڑھاؤ کے لیے، حتی الامکان تیار کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے۔ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ لاکر قرآن مجید نے ازدواجی وخانگی زندگی کا وہ بلند ترین معیار پیش کردیا، جہاں کوئی مادی تہذیب آج تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ و٣٤ (گو اس کا حال اور مستقبل قریب بہ ظاہر کیسا ہی خوش نما ہو) بِالْاِيْمَانِ۔ یعنی مقتضیات ایمان سے۔ اُن چیزوں سے جو ایمان لانے سے واجب ہوجاتی ہیں۔ اور انہی میں حلت وحرمت کے مسائل بھی آجاتے ہیں۔ ای بشرائع الاسلام و ما احل الله و ما حرّم (کشاف) قال الزجاج معناه من احلّ ما حرّم الله او حرّم ما احلّ الله فهو کافرٌ (بحر) حَبِطَ عَمَلُهٗ۔ کوئی عمل، کیسا ہی خوشنما ہو، اگر روح سے خالی ہے، تو اُس کا شمار نیکی میں ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ایمان نام اسی روح عمل کا ہے۔ تو جس کی نیت ہی سرے سے درست نہیں، اور جو ایمان کی دولت سے یکسر محروم ہے ظاہر ہے کہ اس کے اعمال صرف صورۃً نیک ہوسکتے ہیں، نہ کہ معنیً وحقیقت کے لحاظ سے۔ نیکی کی نقل اور چیز ہے، اور خود نیکی اور و٣٥ یعنی نماز کا ارادہ کرو اور حالت وضو میں نہ ہو۔ ای اذا اردتم (قرطبی) ای اذا اردتم القیام عُبّر عن ارادة الفعل بالفعل المسبب عنها للایجاز (بیضاوی) اتنا فقرہ کہ حالت وضو میں نہ ہو، یا مُحدِث ہو، محذوف مانا گیا ہے، اجماعاً، اسی لیے وضو پر وضو نماز کے لیے ضروری نہیں۔ وظاهر الاٰیة یوجب الوضوء علی کل قائم الی الصلٰوة و ان لم یکن محدثا والاجماع علی خلافه (بیضاوی) مطلق ارید به التقیید والمعنی اذا قمتم الی الصلٰوة محدثین (بیضاوی) و قدروی نفی ایجاب الوضوء بکل صلاة من غیر حدث عن ابن عمرو ابی موسٰی و جابر بن عبدالله و عبیدة السلمانی و ابی العالیة و سعید بن المسیب و ابراهیم والحسن ولا خلاف بین الفقهاء فی ذلک (جصاص) گو تازہ وضو کی فضیلت بہت زائد وارد ہوئی ہے، اور رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین ؓ کا عام تعامل بھی یہی تھا۔ چنانچہ وضو پر وضو کرنے کے استحباب کے سب قائل ہیں۔ وقدروی عن النبی ﷺ اخبارٌ فی تجدید الوضوء (جصاص) و قدروی عن ابی بکر و عمر و عثمان و علی انهم کانوا یتوضئون لکل صلاة و هذا محمول علی انه فعلوه استحباباً (جصاص) و قال ﷺ لو لا ان اشق علی امتی لامرتهم بالوضوء عند کل صلوة فهذا کله یدل علی استحباب الوضوء عند کل صلاة و ان لم یکن محدثا (جصاص) قال ابن سیرین کان الخلفاء یتوضئون لکل صلاة (قرطبی) حملوا الامر علی الندب و کان کثیرٌ من الصحابة منهم ابن عمر یتوضئون لکل صلاة طلباً للفضل و کان علیه السلام یفعل ذلک (قرطبی) و٣٦ اب تعلیم ارکان وضو کی ہورہی ہے۔ اسلام بخلاف دوسرے مذہبوں کے، باطنی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ ظاہری وجسمانی صفائی کا بھی بہت قائل ہے۔ اور اس نے اپنی مرکزی عبادت نماز سے قبل وضو کو لازمی ٹھیرایا ہے کہ بغیر اس کے نماز درست ہی نہیں۔ آیت احکامِ قرآنی کی اہم ترین آیتوں میں سے ہے۔ ذکر العلماء ان هذه الاٰیة من اعظم اٰیات القراٰن مسائل و اکثرها احکاماً فی العبادات و یحق ذلک (ابن العربی) یہاں تک کہ اس ایک آیت کے اندر سے بعض بعض علماء وفقہاء نے آٹھ آٹھ سو اور ہزار ہزار مسئلے متخرج اور مستنبط کیے ہیں۔ ولقد قال بعض العلماء ان فیها الف مسئلة واجتمع اصحابنا بمدینة السلام فتتبعوها فبلغوها ثمان مائة مسئلة ولم یقدروا ان یبلغوها الالف (ابن العربی) وضو میں فرض صرف چار چیزیں ہیں، اور انہی کا آیت میں بیان ہے:۔ (١) فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ۔ چہرہ کا دھونا۔ (٢) وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ۔ ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا۔ (٣) وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ۔ سر کا مسح کرنا، یا پانی میں تر کیا ہوا ہاتھ اُس پر

پھیرنا۔(۴)(واغسلوا) اَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ۔ پیروں کا ٹخنوں سمیت دھونا۔ان کے علاوہ اور جو چیزیں ہیں، کلی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی لینا، غرغرہ کرنا، وقس علیٰ ہذا، ان میں سے بعض امور مسنون ہیں، اور بعض مستحب۔ تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔ تفسیر سے اس کا تعلق نہیں اعضائے وضو پر پانی بہانا، انہیں دھونا، ملنا صاف کرنا، اپنے اندر جتنی بھی حکمتیں اور جسمانی مصلحتیں رکھتا ہے اور حضور قلب میں جس حد تک معین ہوسکتا ہے، ان پہلوؤں پر تفصیل سے لکھنے کے لیے ایک مستقل مقالہ کی ضرورت ہوگی۔ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ۔ مالکیہ کے ہاں چہرہ دھونے کے معنی یہ ہیں کہ پانی اُس پر بہایا جائے اور ہاتھ اُس پر پھیرا جائے۔ لیکن حنفیہ کے ہاں محض پانی کا اُس پر بہہ جانا کافی ہے، ہاتھ سے ملنا اور رگڑنا لازمی نہیں۔ ولا بد فی غسل الوجه من نقل الماء اليه و امرار اليدعليه وهذه حقيقة الغسل عندنا (قرطبی) قال اٰخرون و هو قول اصحابنا و عامة الفقهاء عليه اجراء الماء عليه و ليس عليه دلكه بيده (جصاص) وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ۔ الیٰ اظہار غایت وانتہاء کے لیے آتا ہے اور اس فیصلہ کا تعلق سیاق سے ہے کہ الیٰ کا مابعد بھی الـــی کے ماقبل کے ساتھ شامل رکھا جائے یا اس سے الگ سمجھا جائے بعض ماہرین نحو نے یہ بھی کہا ہے کہ مابعد اگر ہم جنس ہے تو ماقبل کے ساتھ شامل سمجھا جائے گا۔ اور اگر غیر جنس ہے تو اس سے خارج رہے گا۔ لان ما بعد الیٰ اذا کان من نوع ما قبلها دخل فيه قاله سيبويه وغيره (قرطبی) قال الخليل فی قوله تعالٰی الی المرافق ان المرافق فيما يغسل (تاج) القول الثانی ان الیٰ حدٍ والحد اذا كان من جنس المحدود دخل فيه (ابن العربی) الیٰ۔ کبھی معیت کے معنی بھی دیتا ہے، اور مع کا مرادف ہوتا ہے۔ و تاتی للمعية (تاج) چنانچہ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں اس معنی میں آیا ہے۔ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ۔ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ وغیرھا۔ اور بہت سے نحویین نے یہاں بھی الیٰ اسی معنی میں لیا ہے۔ فان جماعة النحويين جعلوا الیٰ بمعنٰی مع ههنا واوجبوا غسل المرافق والكعبين (تاج) رسول اللہ ﷺ کا تعامل بھی کہنیاں دھونے کا تھا۔ بہرحال لفظ الیٰ سے اگر کچھ اشتباہ رہ بھی گیا ہو، تو سنت رسول ﷺ نے اُسے دفع کردیا ہے۔ روی جابر رضی اللہ عنہ بن عبدالله ان النبی ﷺ كان اذا بلغ المرفقين فی الوضوء ادار الماء عليهما وفعله ذٰلك عندنا على الوجوب لوروده مورد البيان (جصاص) عن النبی ﷺ انه كان يدير الماء على مرفقيه (مدارک) حنفیہ کے ہاں تو کہنی کا اعضاء وضو میں داخل ہونا ایک متفقہ مسئلہ ہے ہی (اختلاف صرف امام زفر سے منقول ہے) والذی ذکرنا من دخول المرافق فی الوضوء هو قول اصحابنا جميعًا الّا زفر (جصاص) باقی دوسرے مذاہب فقہ نے بھی کہنی کا دھونا لازم قرار دیا ہے۔ وجمهور الفقهاء على دخولها و حكی عن الشافعی رحمہ اللہ علیہ انه قال لا اعلم خلافاً فی ان المرافق يجب غسلها (روح) فقد نقل ابن هبيرة اجماع الائمة الاربعة علٰى فرضية غسل اليدين مع المرفقين (روح) قال الجمهور غسل اليدين الی المرفقين واجب معهما (کبیر) وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ۔ مسح سے مراد بھیگے ہوئے ہاتھ کے پھیر لینے سے ہے۔ جملہ کی ترکیب (بِرُءُوْسِكُمْ) اس کی مقتضی ہے کہ مراد پورے سر کا مسح نہیں، بلکہ اس کے کسی حصہ کا ہے۔ چنانچہ حنفیہ کے ہاں سر کے چوتھائی حصہ کا مسح کافی ہے۔ اور ب تبعیض کے لیے ہے۔ يقتضی مسح بعضه (جصاص) روی عن اصحابنا فيه روايتان احدهما ربع الرأس والاخرٰی مقدار ثلاثة اصابع (جصاص) اخبر ابراهيم ان الباء للتبعيض وقد كان من اهل اللغة مقبول القول فيها (جصاص) الباء مزيدة و قيل للتبعيض (ابوسعود) نحویین کے ایک گروہ نے ب کے تبعیضیہ ہونے سے انکار بھی کیا ہے۔ وقيل الباء للتبعيض وكونها للتبعيض ينكرهٗ اكثر النحاة حتٰى قال بعضهم وقال من لاخبرة له بالعربية الباء فی مثل هٰذا للتبعيض و ليس بشیء يعرفه اهل العلم (بحر) تاہم ربع سر کے لیے حنفیہ کے ہاں دلیل سنت رسول سے ہے۔ آپ ﷺ کا تعامل پیشانی پر مسح کا تھا۔ اور پیشانی کی مقدار ربع سر کے برابر ہوتی ہے۔ واخذنا ببيان نبی ﷺ وهو ماروی انه مسح علٰى ناصيته و قدرت الناصية بربع الرأس (مدارک) وَاَرْجُلَكُمْ۔ شامی ونافع وعلی وحفص سب سے اس کی قرأت نصب کے ساتھ اَرْجُلَ مروی ہے۔ جس سے اَرْجُلَكُمْ۔ فاغسلوا کا مفعول ٹھہرتا ہے۔ اور وجوهكم اور ايديكم پر عطف ہوتا ہے اور معنی یہ ہوتے ہیں کہ اپنے چہروں اور ہاتھوں اور پیروں کو دھوؤ۔ بالنصب شامی و نافع و علی و حفص والمعنٰی فاغسلوا وجوهكم و ايديكم و ارجلكم (مدارک) قرأ نافع ابن عامر والكسائی ارجلكم بالنصب (قرطبی) عن ابی عبدالرحمن قال قرأ علی الحسن والحسين رضی اللہ عنہما فقرا و اَرْجُلِكُمْ الی الكعبين تسمع علیّ رضی اللہ عنہ ذٰلك و كان يقضی بين الناس فقال و ارجلكم و هٰذا من المقدم والمؤخر من الكلام (ابن جریر) قرأ علی و عبدالله بن مسعود و ابن عباس فی رواية و ابراهيم والضحاك و نافع و ابن عامر والكسائی و حفص عن عاصم بالنصب و كانوا يرون غسلها واجباً (جصاص) دونوں پیروں کا دھونا ہی نہ کہ ان پر مسح کرنا، سنت رسول سے بھی ثابت ہے اور تعامل صحابہ سے بھی۔ اور عطاء تابعی کا قول ہے کہ صحابہ کا اس بارہ میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ هٰذا مذهب الجمهور والكافة من العلماء و هو الثابت من فعل النبی ﷺ (قرطبی) عن علی رضی اللہ عنہ قال اغسلوا الاقدام الی الكعبين (ابن جریر) و عن عطاء قال والله ما علمت ان احدًا من اصحب رسول الله ﷺ مسح على القدمين و انّما امر بغسل هٰذه الاعضاء (مدارک) و لنا ان النبی ﷺ واظب علٰى غسل الرجلين وبه امر من علمه الوضوء ورأی رجلاً يلوح عقبه فقال ويلٌ للاعقاب من النار (مبسوط) النبی ﷺ غسل و ما مسح قط (ابن العربی) يؤيده السنة الشائعة و عمل الصحابة وقول اكثر الائمة (بیضاوی) قال جمهور الفقهاء والمفسرين فرضهما الغسل (کبیر) والجواب بان وجوب واحدة بالعبارة واخرٰی بالدلالة لا طائل تحته بعد انعقاد الاجماع القطعی علٰى افتراضهما ...... فان الاجماع انعقد علٰى غسلهما (بحر الرائق) اِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ یعنی ٹخنوں کو شامل کرکے۔ و حكم الكعبين كالمرفقين (بحر الرائق) الیٰ کے مفہوم سے متعلق یہاں بھی وہی بحثیں ہوئی ہیں، جو الی المرافق کے تحت میں گزر چکی ہیں۔ وضو ہی کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان ایک طویل بحث نیت کی آجاتی ہے۔ حنفیہ کے ہاں نیت واجب نہیں، دوسرے ائمہ کی بابت روایتیں مختلف آئی ہیں۔ وقال كثير من الشافعية لاحاجة الٰی نية وهو قول الحنفية (قرطبی) النية فی الطهارة واجبة فيه و به قال مالك والشافعی و اكثر العلماء وروی الوليدبن مسلم عن مالك انها غير واجبة فيه وبها قال ابو حنيفة والاوزاعی۔ سواء قارنته النية اولم تقارنه (جصاص) قال ابوحنيفة و ابو يوسف و محمد كل طهارة بماء تجوز بغيرنية و هو قول الثوری و قال الاوزاعی يجزی الوضوء بغيرنية (جصاص) قال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ النية شرط لصحة الوضوء والغسل و قال ابو حنيفة رحمۃ اللہ علیہ ليس كذٰلك (کبیر) اختلف علماء الامصار هل النية شرط صحة الوضوء ام لا۔ فذهب فريق منهم الٰی انها شرط و هو مذهب الشافعی و مالك و احمد و ذهب فريق اخر الٰی انها ليست بشرط و هو مذهب ابی حنيفة والثوری (ہدایۃ المجتهد)

ف۳۷ یعنی غسل کرلو۔ یا سارے جسم کو پانی سے دھو ڈالو۔ ای فاغتسلوا (معالم۔ بیضاوی) امر بالاغتسال بالمآء (قرطبی) جُنُبًا۔ جنابت پر حاشیہ سورۃ النساء میں گزر چکا۔ فَاطَّهَّرُوْا۔ تطہیر باب تفعیل سے ہے یہیں سے نکتہ رَس فقہاء نے سارے جسم کے دھونے کا حکم نکالا ہے، اور محض بعض اعضاء کے دھو ڈالنے کو کافی نہیں سمجھا ہے، اور غسل واجب میں کلی، غرغرہ اور ناک میں پانی لینے کا حکم بھی یہیں سے پیدا ہوا ہے۔ عموم سائر البدن فلا يجوز الاختصار علٰى بعضه (جصاص) يقتضی تطهير داخل الفم والانف (جصاص)

ف۳۸ (یا کسی اور طریقہ سے غسل ٹوٹ چکا ہو اور اب غسل کی ضرورت ہو) لٰمَسْتُمْ۔ ملامست سے کنایہ جماع سے ہے، صحابہ تابعین، لغت سب سے یہی ثابت ہے۔ الملامسة هنا الجماع (قرطبی) يكنی بالملامسة عن الجماع (راغب) قال علی و ابن عباس و ابو موسٰی رضی اللہ عنہم والحسن و عبيده والشعبی هی كناية عن الجماع (جصاص) فمن قرأ اولٰمستم فظاهره الجماع لا غير لان المفاعلة لاتكون الا من اثنين الا فی اشياء نادرة (جصاص)

ف۳۹ اس کا تعلق ضرورتِ وضو وغسل کی سب شکلوں سے ہے۔ یعنی پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو، خواہ یہ بسبب مرض کے، خواہ بہ سبب فاصلہ کے، یا کسی اور سبب سے معناه فلم تقدروا علی الماء (راغب) سردی لگ

جانے کا خوف، بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ، پانی لانے میں بہت زیادہ دشواریاں، یہ ساری چیزیں پانی نہ ملنے ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ حدیث میں تصریح موجود ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پانی ہوتے ہوئے بھی تیمم کرلیا، اس لیے کہ پانی سے انہیں سردی لگ جانے کا اندیشہ تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے جائز رکھا۔ قدروی فی حدیث عمر و بن العاص انه تیمم مع وجود الماء لخوف البرد فاجازه النبی صلی اللہ علیہ وسلم و لم ینکره (جصاص) حنفیہ کے ہاں سردی کے عذر پر، بجائے غسل کے تیمم کرلینا بالکل جائز ہے۔ قال ابو حنیفة و محمدؒ و من خاف بردالماء ان اغتسل جازله التیمم لما یخاف من الضرر (جصاص) تیمم کے ساتھ نماز جماعت میں بھی شرکت کی پوری اجازت حدیث میں موجود ہے۔ و حدیث عمران بن حصین نص فی ذٰلک و هو ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا معتزلا لم یصل فی القوم فقال یا فلان ما منعک ان تصلی فی القوم فقال یا رسول الله اصابتنی جنابة و لا ماء قال علیک بالصعید فانه یکفیک۔ اخرجه البخاری (قرطبی) فقہاء اُمت نے جنہیں حقیقۃً حکمائے اُمت کہنا چاہیے اسے خوب صاف کردیا ہے۔ کہ پانی مل سکتا تو ہو لیکن بہت گراں قیمت پر، یا موجود تو ہو لیکن اتنی کم مقدار میں کہ پینے کے لیے نہ بچ سکے گا، تو ایسے ہر موقع پر پانی کا وجود اس کے عدم ہی کے برابر ہے، اور تیمم بالکل درست ہوگا۔ و الجملة التی اتفق اصحابنا علیها ان الوجود امکان استعمال الماء الذی یکفیه لطهارته من غیر ضرر فلو کان معه ماء و هو یخاف العطش او لم یجده الا بثمن کثیر تیمم و لیس علیه ان یغالی فیه (جصاص) ف۴۰ تیمم کا بیان اور اس کا طریقہ سب سورۂ نساء کی آیت متعلقہ کے ماتحت گزر چکا ہے۔ صَعِیۡدًا طَیِّبًا۔ صعید سے مراد مٹی کی جنس ہے۔ جس چیز میں بھی اجزاء ارضی شامل ہوں، اس حکم میں آ جائے گی۔ و کان الصعید اسمًا للارض اقتضی ذٰلک جواز التیمم بکل ما کان من الارض (جصاص) قال ابو حنیفةؒ یجزی التیمم بکل ما کان من الارض التراب والرمل والحجارة والزرنیخ والنورة والطین الاحمر والمراد اسنج وما اشبههٗ و هو قول محمد و زفو۔ (جصاص) ف۴۱ (احکام شریعت کے ذریعہ سے۔ بلکہ وہ تو تنگی رفع کرتا رہتا ہے۔ جیسا کہ احکام تیمم سے ابھی ابھی ظاہر ہوگا) آیت میں ایک بہت بڑی اصل کا بیان آ گیا۔ یعنی یہ کہ اللہ نے شریعت میں مشقت وتعب نہیں رکھی ہے۔ اور اس ایک اصل سے بیسیوں مسائل نکل سکتے ہیں۔ اور محقق رازی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر اس نکتہ تک خوب پہنچی ہے۔ اعلم ان هٰذه الاٰیة اصل کبیر معتبر فی الشرع و هوان الاصل فی المضار ان لا تکون مشروعة (کبیر) احکام کا وہ مجموعہ جس پر شریعت کا اطلاق ہوتا ہے، وہ تو نام ہی بہترین نقشہ زندگی کا ہے۔ اور اس کا مقصود بھی یہ ہے کہ جو کوئی اس ہدایت نامہ پر عمل کرے، وہ زندگی کی دشواریوں کو بہترین اور سہل ترین طریقہ پر عبور کرسکے...... احکام شریعت کو سخت سمجھ لینا ایسا ہے جیسے کوئی بچہ اپنے شفیق اور تجربہ کار باپ کی ہدایتوں کو، یا کوئی مریض اپنے دلسوز اور حاذق طبیب کے احکام کو ظلم وجبر سے تعبیر کرنے لگے، بلکہ ان دونوں مثالوں سے بھی کہیں بڑھ کر احمقانہ ف۴۲ (معنوی وظاہری ہر اعتبار سے) طہارت کا لفظ صفائے قلب اور جسمانی پاکیزگی دونوں کے لیے عام و وسیع ہے۔ چنانچہ شریعت کے احکام دونوں اقسام کے جامع ہیں۔ مَا یُرِیۡدُ۔ یُرِیۡدُ۔ متکلمین نے آیت کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب ارادہ ہے۔ دلت الاٰیة علی انه تعالیٰ مرید وهٰذا متفق علیه بین الائمة (کبیر) یہی الفاظ اُن نیم مشرک نیم ملحد قوموں کی تردید کے لیے بھی کافی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو صفت ارادہ سے محروم، محض مشین کی طرح چند قاعدوں کا پابند ومحکوم سمجھے ہوئے ہیں۔ تطهیر۔ باب تفعیل سے ہے۔ یعنی خوب اچھی طرح تمہیں پاک وصاف کردے۔ یہاں یہ نکتہ بھی خوب سمجھ لینا چاہیے، کہ ایک طرف صوفیہ محققین اور دوسری طرف فقہاء اُمت نے کتاب وسنت ہی سے جو جزئیات اعمال نکال نکال کر پیش کیے ہیں، اُن سے مقصود بھی تمام تر اسی تطہیر ظاہری وباطنی کی راہ میں سہولتیں پیدا کرنا ہے، نہ کہ اور مشقتیں بڑھانا۔ ف۴۳ (اور ادائے شکر کی اعلیٰ ترین فرد ان احکام کی تعمیل ہے) لِیُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ۔ اور وہ اتمام نعمت یہی ہے کہ وہ اپنے قرب اور رضا کے راستے سہل ترین اور کامل ترین صورت میں تمہیں بتا دے۔ نعمته بالاسلام و بیان شرائع الدین (جلالین) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شرعی رخصتوں سے تنگدل ہونا اور اُن پر نفس کا شبہ کرنا جیسا کہ عمل میں غلو رکھنے والے کرتے رہتے ہیں، مزاحمت حق ہے۔ ف۴۴ (اور اس کی بڑی نعمت یہی ہے کہ اُس نے فلاح دنیوی واُخروی کے طریقے اس تفصیل اور اس تکمیل کے ساتھ تمہیں بتا دیے ہیں) النعمة هنا الاسلام (بحر) و هی نعمة الاسلام (روح) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نِعۡمَةَ اللّٰهِ سے یہاں مراد ان نعمتوں کی تعداد نہیں بلکہ جنس نعمت ہے۔ نِعۡمَة بہ طور اسم جنس مستعمل ہوا ہے۔ اس لیے ضرورت صیغہ جمع کی نہیں پڑی۔ ف۴۵ مِیۡثَاقَکُمۡ۔ اس سے کون سا عہد مراد ہے؟ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس سے مراد عالم ارواح کا وہ عہد ہے جو سارے بنی آدم سے اقرار ربوبیت کی بابت لیا گیا تھا۔ قال مجاهد و کلبی و مقاتل هو المیثاق الذی اخذه الله تعالیٰ منهم حین اخرجهم من ظهر اٰدمؑ (کبیر) روح انسانی کے اندر جو فطری طلب خدارسی کی اور طبعی خواہش خداطلبی کی ہے، یہ اُسی عہد کا عملی ظہور ہے۔ لیکن خطاب یہاں

الۡمَرَافِقِ وَ امۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ اِلَی

کرو اور اپنے سروں پر مسح کرلیا کرو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت

الۡکَعۡبَیۡنِ ؕ وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوۡا ؕ وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ

(دھولیا کرو) ف۳۶ اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو (سارا جسم) پاک صاف کرلو ف۳۷ اور اگر تم

مَّرۡضٰۤی اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ

بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی استنجا سے آئے

اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا

یا تم نے عورت سے صحبت کی ہو ف۳۸ پھر تم کو پانی نہ ملے ف۳۹ تو پاک مٹی سے تیمم کرلیا

طَیِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِکُمۡ وَ اَیۡدِیۡکُمۡ مِّنۡهُ ؕ مَا یُرِیۡدُ

کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اُس سے مسح کرلیا کرو ف۴۰ اللہ

اللّٰهُ لِیَجۡعَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ وَّ لٰکِنۡ یُّرِیۡدُ

نہیں چاہتا کہ تمہارے اوپر کوئی تنگی ڈالے ف۴۱ بلکہ وہ (تو یہ) چاہتا ہے

لِیُطَهِّرَکُمۡ وَ لِیُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَیۡکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۶﴾

کہ تمہیں خوب پاک صاف رکھے ف۴۲ اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے، تاکہ تم شکرگزاری کرو ف۴۳

وَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ وَ مِیۡثَاقَهُ الَّذِیۡ وَاثَقَکُمۡ

اور اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو یاد کرلیا کرو ف۴۴ اور اُس کے اس عہد کو بھی جس کا اس نے تم سے معاہدہ

بِهٖۤ ۙ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کیا ہے (یہ اس وقت) جب تم نے کہا کہ ہم نے سن لیا، اور مان لیا ف۴۵ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ

عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۷﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا

سینوں کے اندر تک کا علم رکھتا ہے ف۴۶ اے ایمان والو، اللہ کے لئے پوری پابندی

قیل المیثاق اقرار کل مومن بما التمربه (بحر) اس سے بھی زیادہ دلنشین تفسیر یہ ہے کہ میثاقکم سے مراد بیعت واطاعت کے وہ عہد ہیں، جو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے لیے تھے۔ ابن عباس صحابیؓ اور سدی تابعیؒ وغیرہم سے یہی معنی مروی ہیں۔ والذی علیه الجمهور من المفسرین کا بن عباس رضی اللہ عنہما والسدی هو العهد والمیثاق الذی جری لهم مع النبی ﷺ علی السمع والطاعة من المنشط والمکره کما جری لیلة العقبة و تحت الشجرة۔ (قرطبی) المراد هو المواثق التی جرت بین رسول الله ﷺ و بینهم فی ان یکونوا علی السمع والطاعة فی المحبوب و المکروه۔ (کبیر) و هذه هی البیعة التی کانوا یبایعون علیها رسول الله ﷺ عند اسلامهم (ابن کثیر) و ذلک حین بایعوا رسول الله ﷺ علی السمع والطاعة فی ما احبوا و کرهوا و هو قول اکثر المفسرین (معالم) ایسے عہد لیے تو تھے رسول اللہ ﷺ نے، لیکن حق تعالیٰ نے ان کے اہتمام شان کے اظہار کے لیے انہیں منسوب اپنی ہی جانب فرمایا۔ و اضافه تعالیٰ الی نفسه کما قال انما یبایعون الله فبا یعوا رسول الله ﷺ (قرطبی) انه تعالیٰ اضاف المیثاق الصادر عن الرسول سدی تابعی سے یہ تفسیر بھی منقول ہے کہ اس میثاق سے مراد حقانیت اسلام کے دلائل عقلی ونقلی ہیں۔ اور متکلمین نے عموماً یہی معنی اختیار کیے ہیں۔ قال السدی المراد بالمیثاق الدلائل العقلیة والشرعیة

قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ

کرنے والے (اور) عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو ف۴۷ اور کسی جماعت کی

شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ

دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کردے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو (کہ) وہ تقویٰ سے

لِلتَّقْوٰى ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾

بہت قریب ہے، ف۴۸ اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ کو اس کی (پوری) خبر ہے کہ تم کیا کرتے رہتے ہو ف۴۹

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ

جو لوگ کہ ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے، اللہ نے اُن سے وعدہ کر لیا ہے

مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۹﴾ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا

کہ اُن کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے ف۵۰ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیوں

بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ

کو جھٹلایا (سو) ایسے لوگ دوزخ والے ہیں ف۵۱ اے ایمان والو

اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ

اللہ کی نعمت کو (جو) تم پر ہے یاد کرو جب ایک قوم نے

یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ ۚ

ٹھان لی تھی کہ تم پر اپنے ہاتھ دراز کریں ف۵۲ لیکن اللہ نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیے ف۵۳

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ؑ وَ لَقَدْ

اور اللہ سے ڈرتے رہو ف۵۴ اور ایمان والوں کو چاہیے کہ بھروسہ اللہ ہی پر رکھیں ف۵۵ اور بیشک

اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ

اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا ف۵۶ اور ہم نے ان میں

ع ۲

نصبها الله تعالیٰ علی التوحید والشرائع و هو اختیار اکثر المتکلمین، (کبیر) ف۴۶ اس حقیقت کے استحضار سے تعمیل احکام میں اخلاص کا پیدا ہو جانا لازمی ہے۔ ورنہ عمل بلا اخلاص سے تو محض مشقت ہی مشقت ہاتھ رہے گی۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اللہ سے ڈرنا یہ کہ اُس کے احکام کی مخالفت سے بچو۔ پہلے یہ تھا کہ تعمیل احکام میں نفع تمہارا ہی ہے۔ اپنی ہی خیر خواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان احکام پر عمل کیا جائے۔ پھر یہ یاد دلا دیا کہ تم عہد و معاہدہ بھی تو کر چکے ہو، اب اخلاقی فرض ان معاہدوں کو پورا کرنا ہے۔ اب وَاتَّقُوا اللّٰهَ میں اشارۃً یہ بتایا جا رہا ہے کہ مخالفت وعدم تعمیل میں ضرر بھی تمہارا ہی ہے۔ ف۴۷ قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ۔ یعنی اللہ کے احکام کی پوری پابندی کرتے رہو۔ معناه کونوا قوامین لله بالحق فی کل ما یلزمکم القیام به من الامر بالمعروف و العمل به والنهی عن المنکر واجتنابه (جصاص) والمراد حثهم علی الانقیاد لتکالیف الله تعالیٰ (کبیر) لِلّٰهِ۔ یعنی اللہ کی رضا جوئی کے لیے ای لاجل ثواب الله (قرطبی) مطلب یہ ہوا کہ حقوق اللہ کی ادائی میں ہمہ وقت مستعد رہو۔ اشارة الی التعظیم لامر الله (کبیر) شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ۔ یعنی ہر معاملہ میں مرتبۂ انصاف کا لحاظ رکھو۔ یہ تاکید ہوئی حقوق العباد کی ادائی کی۔ اشارة الی الشفقة علی خلق الله (کبیر) ف۴۸ گویا ادائے حقوق ہی کا دوسرا نام تقویٰ ہے۔ اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا۔ یہ بالکل حکیمانہ ترتیب کے مطابق پہلے ممانعت ناانصافی اور زیادتی سے ہوئی۔ پھر اس سلب کے بعد ایجابی حکم عدل کا ملا۔ شَنَاٰنُ قَوْمٍ۔ جس قوم یا جماعت سے مسلمانوں کو بہ حیثیت مسلمان کے دشمنی ہوگی ظاہر ہے کہ وہ دشمن اسلام کافروں ہی کی ہوگی۔ تو گویا تاکید اس کی ہوئی کہ دشمنوں تک کے ادائے حقوق میں کمی نہ کرو...... اللہ اللہ! دنیا کا کون قانون ایسا ملے گا، جس نے اپنے باغیوں اور معاندوں تک کے حقوق کی یہ رعایت رکھی ہو! فقہاء نے آیت سے یہ حکم نکالا ہے کہ کافر کا کفر اُسے اس سے محروم نہیں کر دیتا کہ اس کے حق میں عدل کیا جائے، یا اس کے حقوق ادا کیے جائیں۔ دلت الأیة علی ان کفر الکافر لا یمنع من العدل علیه (قرطبی) اور عدل کا وجوب جب کفر کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے، تو کفر سے کمتر درجہ کی چیزوں، فسق، بدعت وغیرہ کے ساتھ اس کا وجوب کیونکر نہ جمع ہوگا۔ جب منکروں، باغیوں، سرکشوں کے ساتھ عدل واجب ہے تو توحید و رسالت کے قائلوں کے ساتھ یہ وجوب کتنا اور مؤکد ہوگا! اکابر شارحین نے اس طرف بار بار توجہ دلائی ہے۔ فیه تنبیه عظیم علی ان وجوب العدل مع الکفار الذین هم اعداء الله اذا کان بهذه الصفة من القوة فما الظن بوجوبه مع المؤمنین۔ (کشاف۔ کبیر۔ مدارک) و فی الأیة تنبیة علی مراعاة حق المؤمنین بالعدل اذ کان تعالیٰ قد امر بالعدل مع الکافرین۔ (بحر) شدت غضب میں کون اپنے آپ پر قابو رکھ سکا ہے۔ یہاں تاکید اسی کی ہو رہی ہے کہ جو غصہ تمہارے دلوں میں کافروں کے خلاف ہے وہ کہیں تمہیں اُن کے مقابلہ میں زیادتی پر نہ آمادہ کردے۔ تو زیادتی نہ ہونے پائے۔ عدل واعتدال کا لحاظ ہر معاملہ میں رہے۔ عدّاه بعلی لتضمنه معنی الحمل والمعنیٰ لا یحملنکم شدة بغضکم للمشرکین علی ترک العدل فیهم فتعتدوا علیهم بارتکاب مالا یحل (بیضاوی) نهاهم اوّلاً عن ان یحملهم البغضاء علی ترک العدل ثم استانف فصرح لهم بالامر بالعدل تاکیدًا و تشدیدًا (کبیر) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ معاملات میں طبعیات پر عمل نہ کرنا ایک مجاہدہ ہے، اور یہاں اسی کی تعلیم ہے۔ ف۴۹ اللہ کی اس ہمہ بینی و ہمہ دانی کا استحضار ہی تقویٰ کی ہر منزل اور ہر مرحلہ کو آسان بنا سکتا ہے۔ اسی لیے یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں تقویٰ کا حکم ہے، اکثر اسی کے متصل ہی اس مضمون کا بھی بیان ملتا ہے۔ اسی سے ملتی جلتی ایک آیت پارۂ پنجم، سورۃ النساء میں بھی آئی ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ الخ۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے خوب فرمایا کہ معاملات میں بے انصافی کے سبب عموماً دو ہی ہوتے ہیں۔ یا تو کسی فریق کی رعایت ومروت اور یا کسی فریق کی عداوت ومخالفت سورۃ النساء میں اقامت عدل کا حکم سبب اوّل کی مناسبت ہے، اور یہاں سبب دوم کی مناسبت ہے۔ ف۵۰ وَعَدَ اللّٰهُ۔ آیت میں جان ڈال

اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ

بارہ سردار مقرر کئے تھے و٥٧ اور اللہ نے (ان سے یہ بھی) کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں و٥٨ تو اگر

اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ

نماز کے پابند رہو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے، اور میرے پیمبروں پر ایمان لاتے رہو گے،

وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

اور اُن کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے، تو میں

لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

تم سے تمہارے گناہ ضرور دُور کردوں گا، اور ضرور تمہیں (بہشت کے) باغوں میں داخل کردوں گا جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ

نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی و٥٩ اور جو کوئی تم میں سے اس کے بعد بھی کفر کرے گا

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١٢﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ

تو بیشک اُس نے ضائع کردی راہ راست و٦٠ غرض ان کی پیمان شکنی ہی کی بنا پر ہم نے انہیں رحمت سے

لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ

دُور کردیا و٦١ اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کردیا و٦٢ وہ کلام کو اس کے موقع ومحل سے

عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَ لَا تَزَالُ

بدل دیتے ہیں اور جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک (بڑا) حصہ بھلا بیٹھے ہیں و٦٣ اور ان میں سے بجز

تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ

معدودے چند کے، آپ کو اُن کی خیانت کی اطلاع آئے دن ہوتی رہتی ہے و٦٤ سو آپ اُن کو معاف

عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣﴾

کر دیجیے اور (اُن سے) درگزر کیجیے و٦٥ بیشک اللہ نیک کاروں کو پسند کرتا ہے و٦٦

دینے والا لفظ یہی وعدۂ الٰہی ہے، اہل ایمان کے لیے کس قدر شوق افزاء اور کس درجہ محرک عمل! اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ اللہ جس اجر وصلہ کو ''عظیم'' کہے، کون بندہ اُس کا اندازہ بھی کرسکتا ہے؟ و٥١ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۔ صاحب میں مفہوم عارضی وہنگامی اجتماع کا نہیں، بلکہ مستقل اور طویل تعلق کا پایا جاتا ہے۔ اس لیے کافروں کو اصحاب دوزخ کہنے کے معنی یہ ہوئے کہ وہ گویا دوزخ ہی کے لیے بنے ہیں یا دوزخ اُنھی کے لیے بنی ہے اگر صرف وعید کی صورت ہوتی تو کچھ اُمید نجات کی باقی بھی رہ جاتی۔ الصاحب الملازم ولا یقال فی العرف الألمن کثرت ملازمته (راغب) والمصاحبة والاصطحاب ابلغ من الاجتماع لاجل ان المصاحبة تقتضی طول لبثه (راغب) ای ملابسوا النار الشديدة التاجج ملابسة مؤبدة (روح) فخر المفسرین فخر رازی علیہ رحمۃ اللہ نے حسب معمول اس موقع پر بھی ژرف نگاہی سے کام لیا ہے۔ اور دوسرے بھی اُن کی راہ پر چلے ہیں:۔ یفید الحصر والمصاحبة تقتضی الملازمة کما یقال اصحاب الصحراء ای الملازمون لها (کبیر) فهم دائمون فی عذاب اذ حتم لهم انهم اصحاب الجحيم ولم يات بصورة الوعيد فكان يكون الرجاء لهم في ذلك (بحر) لم يوت بالجملة في سياق الوعيد قطعا لرجائهم (روح) اور آیت ہی سے یہ نکتہ بھی خوب نکالا ہے کہ خلود جہنم کفار ہی کے لیے ہے۔ فهذه الأية نصّ قاطع فى ان الخلود ليس الالكفار (کبیر) و٥٢ (اور اس تنبیہ کے ساتھ کہ تمہارا خاتمہ ہی کردیں۔ اور ظاہر میں قرائن بھی اُن کے اسی ارادہ کی تائید میں تھے) يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ۔ بسط ید کے ایک معنی عربی محاورہ میں حملہ کرنے، پکڑنے، مارنے کے ہیں۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ يستعمل تارةً للصولة والضرب (راغب) يقال بسط اليه يده اذابطش به (کبیر) اُردو میں بھی ''دراز دستی'' ایسے ہی موقعوں کے لیے ہے۔ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ۔ یہ کون لوگ تھے؟ مخالفین و معاندین سے مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ سوال یہ رہ جاتا ہے کہ یہاں متعین طور پر کن کی جانب اشارہ ہے؟ اشارہ اگر اسلام کی ابتدائی تاریخ کی طرف سمجھا جائے، تو اس وقت تو سب سے بڑے دشمن مشرکین قریش تھے۔ اور ارباب تفسیر کا ایک گروہ اسی جانب گیا ہے۔ وهم المشركون (کبیر) روى ابو صالح عن ابن عباس انها نزلت من اجل كفار قريش (بحر) اور اگر مراد مابعد کے زمانہ سے لی جائے، تو اُس وقت سب سے پرقوت مخالفین یہود عرب تھے۔ اور ایک گروہ سے یہی تفسیر منقول ہے موقع نزول کی روایتیں متعدد ہیں، لیکن ان میں تعارض وتناقض کچھ بھی نہیں۔ اور قوم کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی جماعت ہی مراد ہو۔ کوئی مخصوص لیڈر یا سرغنہ بھی مراد ہوسکتا ہے۔ لا يخفى ان سبب النزول يجوز تعدده و ان القوم قد يطلق على الواحد (روح) و٥٣ (بلکہ آخر میں تمام قرائن ظاہری کے خلاف تمہی کو کامیاب اور غالب کردیا) كفّ يد۔ بسطِ ید کی ضد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ دشمنوں نے تم پر حملہ کرکے تمہارا قلع قمع کردینا چاہا تھا، لیکن اللہ نے ان کے حملوں کو ناکام رکھا، اور ان کے منصوبے خاک میں ملادیے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اس میں رد ہے اُن افراط پسند جاہلوں کا جو اللہ کی دنیوی نعمتوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ و٥٤ (جیسا کہ اب تک ڈرتے رہے ہو) غلبہ وکامیابی کی مسرت کو یاد دلا کر معاً بعد تقویٰ الٰہی کے استحضار سے صاف اشارہ اس امر کی طرف پایا جاتا ہے کہ غلبہ وکامیابی میں بڑا دخل تقویٰ الٰہی کو ہے۔ قناعت، بے طمعی، بے نفسی، ہمدردی، صداقت شعاری، ایثار، حفظ حدود غرض سیرت وکردار کی ساری انفرادی واجتماعی خوبیاں اس ایک جامع لفظ ''تقویٰ'' کے اندر آگئیں۔ و٥٥ (نہ کہ اپنے دست وبازو، اپنی ہمت وتدبیر پر) کامیابی وکامرانی کے بعد بڑا خطرہ یہی رہتا ہے کہ گھمنڈ اپنی قوتِ بازو اور اپنی عقل وفرزانگی پر ہوجاتا ہے۔ قرآن مجید انسان کو پست ہمتی اور تعطل کی تعلیم ہرگز نہیں دیتا۔ اُسے سرگرم عمل برابر رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کا بھی روادار نہیں کہ انسان خود پرستی کی لعنت میں مبتلا ہوجائے۔ وہ تعلیم بار بار اسی کی دیتا ہے کہ نظر اسباب سے بڑھ کر مسبب الاسباب پر رکھنا چاہیے۔ اسی نے پہلے بھی بگڑے کام بنائے تھے، اور اسی کی ذات کا سہارا آخرت تک قائم ہے۔ و٥٦ (ان کی اطاعت ووفاداری کا، ان کے پیمبروں کے واسطے سے) ابھی تاکید اللہ پر اعتماد اور اس کے احکام کی تعمیل کی آچکی ہے۔ اب شہادت بنی اسرائیل کی تاریخ سے لائی جارہی ہے کہ دیکھو اس موحد قوم نے جب نافرمانی اختیار کی، کیسے کیسے وبال میں پڑنے لگی و٥٧ (ان کے قبیلوں کی تعداد کے مطابق) قوم اسرائیل ١٢ قبیلوں میں تقسیم تھی۔ اور ہر ہر قبیلہ کا ایک ایک سردار تھا۔ ١٢ سرداروں کا قرآنی عدد، توریت کے بیان کے عین مطابق ہے۔ توریت میں ہے کہ مصر سے نکلنے کے دوسرے برس خداوند نے موسیٰ کو خطاب کرکے فرمایا:۔ ''تو بنی اسرائیل کی ساری جماعت کا، مطابق اُن کے فرقوں کے اور اُن کے آبائی خاندانوں کے اسم شماری کے ساتھ ہر ایک مرد سر بسر گن کر حساب کر...... اور ہر فرقہ سے ایک ایک آدمی ہر ایک جو اپنے اپنے آبائی خاندان کا سردار ہے تمہارے ساتھ ہو''۔ (گنتی۔ ١:٢۔ ٤) آگے ان سرداروں کے نام درج ہیں، اور وہ تعداد میں ١٢ ہیں۔ اسی طرح توریت میں ایک دوسری جگہ، کنعان (فلسطین) پر فوج کشی سے ذرا قبل کے موقع پر ہے:۔ ''خداوند نے موسیٰ کو خطاب کرکے فرمایا کہ تو لوگوں کو بھیج تاکہ کنعان کی زمین کی جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں جاسوسی کریں۔ ایک ایک مرد اس کے آبائی فرقہ میں سے جو اُس میں سردار ہے، بھیج دے۔ چنانچہ موسیٰ نے خداوند کے ارشاد کے موافق دشت فاران میں ان کو بھیجا۔ وہ سب لوگ بنی اسرائیل کے سردار تھے''۔ یہاں بھی سرداروں کی تعداد ١٢ درج ہے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اس آیت میں اصل ہے مشائخ اہل تربیت کی اس عادت کی کہ وہ مریدوں پر اُن کی اصلاح، نگرانی کی غرض سے اپنے نائبوں کو مقرر کردیتے ہیں۔ اور اس میں ان کی باہمی مناسبت کا لحاظ رکھ لیتے ہیں۔ و٥٨ یہ معیت الٰہی کا تصور ایک خدا پرست قوم کے لیے کس درجہ ہمت آفرین وشوق افزا ہے! دل اس

کے بعد کس قدر قوی اور مطمئن ہو جاتا ہے اور شکست کا کوئی امکان بھی اس کے بعد ذہن کے سامنے نہیں آسکتا...... آج محض وائسرائے اگر رعایا کے ایک معمولی فرد سے کہہ دے کہ "گھبرانا مت ہم تمہارے ساتھ رہیں گے" تو اُسے کس قدر قوت واستقامت حاصل ہو جائے۔ چہ جائیکہ یہاں خالق کائنات مالک الملک، حاکم علی الاطلاق اپنی معیت کا یقین دلا رہا ہے! تسکین واطمینان کا کوئی درجہ اس کے بعد اور ہو کیا سکتا ہے؟ یہ ایک پہلو تھا۔ اب دوسرے پہلو سے دیکھئے۔ کوئی معصیت اس استحضار معیت الٰہی کے بعد بندہ سے ممکن ہے؟ جہاں کوئی اپنے سے ذرا بڑا اگر نگرانی کے لیے پاس موجود رہتا ہے، جب تو اس کی مروّت لحاظ یا دباؤ سے ہم اپنے اُوپر قابو رکھتے ہیں، اور کوئی لغزش یا معصیت سرزد نہیں ہونے دیتے، چہ جائیکہ ہمہ بین وہمہ تواں مالک ومولا کی معیت کا استحضار! کوئی معصیت بھی اس کے بعد ممکن رہ سکتی ہے؟ غرض ترغیب وترہیب کے جس اعتبار سے بھی دیکھا جائے معیت الٰہی کا مراقبہ بہترین ومؤثر ہے۔ محققین نے یہ بھی صاف کر دیا ہے کہ معیت سے یہاں مراد نعوذ باللہ معیت جسمانی نہیں جیسے مخلوق مخلوق کے درمیان ہوتی ہے، بلکہ احاطہ علم وقدرت ونصرت کے لحاظ سے ہے۔ انی معکم بالعلم والقدرة فاسمع کلامکم و ارٰی افعالکم واعلم ضمائر کم و اقدر علیٰ ایصال الجزاء الیکم (کبیر) ای بالعلم والحیاطة وفی ھٰذہ المعیّة دلالة علی عظم الاعتناء والنصرة (بحر) ای ناصرکم و معینکم (مدارک) **ف۵۹** خوب خیال رہے کہ ایمان وحسن عمل کی اصل جزاء قرآن مجید نے آخرت ہی میں رکھی ہے۔ اور سارا زور جنت اور اُس کی نعمتوں ہی پر دیا ہے۔ یہاں تک کہ یہود وغیرہ قدیم قوموں کے تذکرہ کے سلسلہ میں بھی اسی کو بار بار دُہرایا ہے...... دنیوی کامیابی اور غلبہ کو بھی بیان کیا ہے، لیکن صرف کہیں کہیں، اور وہ بھی گویا ضمنی اور ثانوی طور پر، بہ طور انعام اصلی کے تتمہ کے...... اور یہی بڑا فرق قرآن اور توریت کے درمیان ہے۔ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ۔ یعنی جو پیمبر میری طرف سے آئندہ آتے رہیں گے، اُن کی تصدیق کرو گے۔ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ۔ یعنی اُن کے دشمنوں کے مقابلہ میں اُن کی مدد کرو گے۔ ای رددتم عنھم امدادھم (قرطبی) نصرتموھم بان تردوا عنھم اعداء ھم (مدارک) اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ یعنی اللہ کی راہ میں، نیک کاموں میں اخلاص وخوشدلی کے ساتھ خرچ کرتے رہو گے۔ ہر زبان کے کچھ خاص محاورے ہوتے ہیں جو دوسری زبان والوں کو نامانوس معلوم ہوتے ہیں۔ اُنہی میں سے عربی کا یہ محاورہ ہے۔ جو اُردو خوانوں کو بہت ہی اجنبی سا محسوس ہوتا ہے قرض کی حقیقت عربی زبان میں صرف اس قدر ہے کہ یہ وہ مال ہے جس کی واپسی کچھ مدت بعد لینے والے پر لازم اور واجب ہو جاتی ہے۔ سمی ما یدفع الی الانسان من المال بشرط ردّ بدلہ قرضًا (راغب) تو اسی واپسی کے لزوم ووجوب کی بنا پر اللہ کی خدمت میں مال پیش کرنے کو قرض سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ اور حَسَنًا کے اضافہ نے یہ قید لگا دی، کہ وہ صرف مال اخلاص اور خوشدلی کے ساتھ ہو۔ **ف۶۰** (اور بھٹک گیا) بَعْدَ ذٰلِكَ یعنی اس عہد وپیمان کے بعد۔ **ف۶۱** چنانچہ خود توریت بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانی، عہد شکنی اور ملعونیت کی داستان سے لبریز ہے۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ۔ ب سببیہ ہے۔ اور ف نے یہ صاف کر دیا کہ یہ ساری فہمائشیں بیکار گئیں۔ اور بنی اسرائیل خود اپنے عہد وقرار کے توڑنے پر تل گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روز بہ روز لعنت الٰہی میں گرفتار ہوتے گئے۔ لعنت کے مفہوم یعنی رحمت الٰہی سے محرومی پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ لعناھم ای طردناھم وابعد ناھم من الرحمة قالہ عطاء والزجاج (بحر) بِمَا۔ میں ما نے معنٰی تاکید کے پیدا کر دیے۔ ما زائدة للتوکید عن قتادة و سائر اھل العلم و ذٰلک انھا موکد الکلام بمعنی تمکنہ فی النفس من جھة حسن النظم و من جھة تکثیرہ للتوکید۔ فالتاکید بعلامة موضوعة کالتاکید بالتکریر (قرطبی) الباء سببیة و ما مزیدة لتوکید الکلام و تمکینہ فی النفس (روح) ما مزیدة لافادة تفخیم الامر (مدارک) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے یہ نکلا کہ بعض معاصی سے قبض طاری ہو جاتا ہے۔ **ف۶۲** (کہ حق بات قبول نہیں کرتے) یہ قلب کی قساوت یعنی کلمہ حق کے قبول کرنے سے گریز اسی ملعونیت کے اثر سے ہے۔ اور لعنت کی حقیقت ہے، لطف حق سے دُوری اور رحمت حق سے مجبوری۔ اللعن الابعاد والطرد من الرحمة (قرطبی) یحتمل التاویل الباطل و یحتمل تغییر اللفظ (کبیر) یہود کی قساوت قلب کا ذکر انجیل میں بھی بار بار آیا ہے: "اُس نے اُن کی سخت دلی کے سبب غمگین ہو کر اور چاروں طرف اُن پر غصہ سے نظر کر کے اس آدمی سے کہا" (مرقس۔ ۳:۵) "اُن کی بے اعتقادی اور سخت دلی پر ملامت کی"۔ (مرقس۔ ۱۶:۱۴) "تو اپنی سختی اور غیر تائب دل کے مطابق اس قہر کے دن کے لیے اپنے واسطے غضب کما رہا ہے"۔ (رومیوں۔ ۲:۵) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح معاصی سے قبض طاری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قبض سے معاصی پیدا بھی ہو جاتے ہیں **ف۶۳** (اور اسی بڑے حصہ میں تصدیق رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہے)۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما ترکوا نصیبًا بما اُمروا بہ فی کتابھم و ھوالایمان بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم (کبیر) حَظًّا۔ تنکیر معنٰی کی بڑائی کے لیے ہے، یعنی بڑا حصہ ای نصیبًا جزیلًا و قسطًا وافیًا (مدارک) نصیبًا وافیًا۔ (بیضاوی) یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ اس میں لفظی اور معنوی دونوں قسم کی تحریفیں آگئیں۔ ای یتاولونہ علیٰ غیر تاویلہ (قرطبی) قیل معناہ یبدلون حروفہ (قرطبی) یہود مسیحیوں کی طرح خود بھی وحی لفظی کے قائل نہیں اور نہ اپنے صحیفوں بلکہ خود توریت تک کی محفوظیت کے مدعی۔ اُن کا تو سارا کام مسیحیوں کی طرح بجائے اصل متن کے، ترجمہ کے زور پر چل رہا ہے۔ اور ترجمہ بالفرض بہتر سے بہتر ہو، جب بھی اصل سے جتنا دُور ہوتا ہے، ہر صاحب علم پر روشن ہے۔ اور ترجمہ در ترجمہ میں یہ لوگ ارادی ترمیم وتصرف سے شرماتے نہیں، فخریہ اس کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ **ف۶۴** یہود کی دینی ودنیوی خیانتوں کی مثالیں خود قرآن ہی میں جا بجا مذکور ہیں۔ مثلاً اُن کا اخفاء احکام توریت، ان کی جھوٹی اور جعلی شہادتیں پیش کرنا، وقس علیٰ ہٰذا۔ خَآئِنَةٍ سے مراد خیانت ہے۔ اور ایسا استعمال عربی میں عام ہے۔ الخائنة الخیانة قال قتادة و ھٰذا جائز فی اللغة (قرطبی) الخائنة فی ھٰذا الموضع الخیانة وضع و ھو اسم موضع المصدر (ابن جریر) بمعنی المصدر و نظیرہ کثیر کالکافیة والعافیة و قال تعالیٰ فاھلکوا بالطاغیة ای الطغیان (کبیر) خائنة کا اطلاق کبھی علامہ ونسابہ کی طرح مبالغہ کے لیے بھی ہوتا ہے۔ ان تقع خائنة للواحد کما یقال رجل نسابة علامة فخائنة علیٰ ھٰذا للمبالغة یقال رجل خائنة اذا بالغت فی وصفہ بالخیانة (قرطبی) اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ۔ اور وہ معدودے چند منکرین وہ تھے، جو بعد کو ایمان لے آئے۔ **ف۶۵** یعنی اُن کے ان جرائم کے باوجود ابھی ان سے انتقام نہ لیجئے اور بلا ضرورت شرعی اُن کی تفضیح ورسوائی کا سامان نہ کیجئے۔ **ف۶۶** (اور اُسی نیک کاری کی ایک فرد یہ ہے کہ بلا ضرورت شرعی کسی کی تفضیح ورسوائی نہ کی جائے) مُحْسِنِيْنَ۔ احسان کے معنٰی عربی میں صرف حسن عمل اور نیک کاری کے ہیں۔ اُردو کے "احسان" کا اسے مرادف نہ سمجھا جائے۔ نکتہ سنجوں نے یہیں سے یہ حقیقت اخذ کی ہے کہ جب کافروں اور کافر بھی کیسے، غیر متدین وخائن کے ساتھ عفو ودرگزر کا معاملہ حسن عمل اور نیک کاری قرار پایا تو پھر مسلمان کے ساتھ عفو ودرگزر کے معاملہ کی فضیلت کا کیا کہنا! تنبیہ علیٰ ان العفو عن الکافر الخائن احسانٌ فضلاً عن العفو عن غیرہ (بیضاوی) **ف۶۷** (ویسا ہی عہد جس کا ذکر ابھی بنی اسرائیل کے سلسلہ میں اُوپر آچکا ہے) قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى۔ انداز بیان کی احتیاط ملاحظہ ہو۔ یہ ارشاد نہیں ہوا کہ ہم نے نصاریٰ سے عہد لیا بلکہ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں، ان سے ہم نے عہد لیا، نَصٰرٰى۔ نصرانی کی جمع ہے۔ اور اس لفظ پر حاشیے پ۱ میں گزر چکے۔ زیر آیت وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ الخ **ف۶۸** (اور اسی بھلائے ہوئے بڑے حصہ میں توحید الٰہی بھی شامل ہے اور تصدیق رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بھی) یہ قرآن کا ایک عجیب معجزہ ہے، کہ آج جو صحیفے انجیلوں کے نام سے مسیحی ہاتھوں میں موجود ہیں، صد گونہ تحریفات کے بعد بشارات محمدی ان میں اب تک باقی ہیں۔ حضرت یحییٰ کے سلسلہ میں ہے:۔ "جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اُس کے پاس بھیجے، کہ تو کون ہے؟ اُس نے انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اُس سے پوچھا، پھر کون ہے: کیا تو ایلیاہ ہے؟ اُس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ بس انہوں نے اُس سے کہا پھر تو ہے کون؟ (یوحنا۔ ۱:۱۹۔ ۲۲) "انہوں نے اُس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ ہے۔ نہ وہ نبی۔ تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے"؟ (یوحنا۔ ۱:۲۵) یہ بار بار وہ نبی کے سوال کے کیا معنٰی؟ ضرور ہے کہ کسی معروف نبی کی پیشگوئی یہود میں مدت سے چلی آرہی ہے، اور یہ النبی یقینا مسیح علیہ السلام سے الگ کوئی تھے، جیسا کہ اوپر کے سوالات سے ظاہر ہے۔ اور آگے چلئے۔ خود مسیح علیہ السلام نے ایک بار عید کے اخیر دن کھڑے ہو کر پکارا کہ اگر کوئی پیاسا ہو تو میرے پاس آکر زندگی کا پانی پئے۔ "بس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں سن کر کہا، بیشک یہی وہ نبی ہے۔ اوروں نے کہا، یہ مسیح علیہ السلام ہے"۔ (یوحنا ۷:۴۰) ایک حوالہ اور ملاحظہ ہو۔ حضرت مسیح علیہ السلام دنیا سے رخصت ہونے سے قبل اپنے شاگردوں کو

وَ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا و٦٧

فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ

سو جو کچھ انہیں نصیحت کی گئی (اس کا) بڑا حصہ وہ بھلا بیٹھے و٦٨ تو ہم نے ان میں باہم بغض اور

وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ

عداوت قیامت تک کے لئے ڈال دیا و٦٩ اور جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اللہ

بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ

انہیں عنقریب وہ جتلا دے گا و٧٠ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے (یہ جو) رسول

رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ

آئے ہیں، یہ تمہارے سامنے کتاب (الٰہی) کے (وہ مضامین) کثرت سے کھول دیتے ہیں جنہیں تم چھپاتے

الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

رہے ہو و٧١ اور بہت سے امور کو نظر انداز بھی کر جاتے ہیں و٧٢ بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک

نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ لا يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ

روشنی اور واضح کتاب آچکی ہے و٧٣ اس کے ذریعہ سے اللہ انہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اس کی رضا کی

رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ

پیروی کرتے رہتے ہیں و٧٤ اور انہیں اپنی توفیق سے نور کی طرف،

اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

تاریکیوں سے نکال کر لاتا ہے اور انہیں سیدھی راہ دکھائے رہتا ہے و٧٥

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ

وہ لوگ یقیناً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ خدا ہی تو مسیح ابن مریم

تسلی دیتے ہیں: ''اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے''۔ (یوحنا۔ ۱۴: ۱۶) (''مددگار'' کے لفظ پر اُردو انجیل میں نسخہ ''یا وکیل یا شفیع'' بھی درج ہے) اب یہ ابد تک ساتھ رہنے والا مددگار یا شفیع یا وکیل بجز نبی ''خاتم النبیین'' کے اور کون ہے؟ اسی کی تاکید ایک بار پھر حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے ملاحظہ ہو: ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (وکیل یا شفیع) تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر میں جاؤں گا تو اُسے تمہارے پاس بھیج دُوں گا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارہ میں قصوروار ٹھہرائے گا''۔ (یوحنا ۱۶: ۷، ۸) اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہوئے کہ وہ نبی آکر پرانی شریعتیں منسوخ کرے گا، اور نئی شریعت چلائے گا۔ حَظًّا پر حاشیہ ابھی نمبر ۶۳ میں گزر چکا۔ و٦٩ بَيْنَهُمُ۔ یعنی مسیحی قوموں کے درمیان۔ اشارہ نصرانیوں کے اندرونی مذہبی اختلافات کی جانب ہے۔ مسیحیوں کے اندر جس کثرت سے فرقے ہیں اور پھر اُن میں باہم جس درجہ شدید اختلافات ہیں، باہر والوں کو اُس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ اور اگر اس مفہوم میں یورپ کی موجودہ سیاسی قومیں شامل سمجھی جائیں تو ان کی باہمی رقابتیں اور عداوتیں تو اور زیادہ ظاہر و روشن ہیں۔ جرمنی کی آویزش فرانس سے، برطانیہ کا غصہ رُوس پر، فرانس کی عداوت اسپین سے، امریکہ کی بدگمانی اٹلی سے، وغیرہا۔ اندرونی نفسانیت اور کشمکش کی حد و حساب ہی نہیں۔ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ یعنی ہمیشہ، مستقل طور پر۔ قرآن مجید ظاہر ہے کہ محاورۂ انسانی کے مطابق ہے۔ اور محاورہ میں ''قیامت تک سے'' مراد یہ ہوتی ہے کہ جب تک اس شے کا وجود باقی ہے۔ قرآن مجید ہی میں ابلیس کے ذکر میں ہے کہ اُس پر لعنت قیامت تک رہے گی۔ معنی بالکل ظاہر ہیں کہ وہ لعنت اُس پر ہمیشہ رہے گی۔ نہ یہ کہ وہ یوم حشر کے بعد لعنت سے نجات پا جائے گا۔ اس لیے زائغین جدید میں سے ایک صاحب کا آیت کے ذیل میں یہ کہنا کہ ''اس سے یہ معلوم ہوا کہ عیسائی قیامت کے دن تک رہیں گے......اور یہ خیال کہ کسی وقت کل کے کل مسلمان ہو جائیں گے، اس آیت کے رُو سے غلط ٹھہرتا ہے''۔ جہل محض ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معاصی جس طرح عقاب اُخروی کا سبب بنتے ہیں، عقاب دنیوی کا بھی باعث بن سکتے ہیں۔ و٧٠ سَوْفَ۔ یعنی قیامت میں۔ قرآن مجید نے قرب آخرت کے استحضار کے لیے بار بار اس کی آمد و وقوع کے لیے سَوْفَ کا لفظ اختیار کیا ہے۔ القاء عداوت و بغض باہمی میں ذکر وبال دنیوی کا تھا۔ اب سزائے آخرت کا آ گیا۔ و٧١ (اور یہ بجائے خود ایک شہادت ہے ان کے پیمبرانہ علم کی) مطلب یہ ہوا کہ یہ پیمبر اُمی ہونے کے باوجود، توریت و انجیل کے اصل مضامین کو تمہاری کوشش اخفاء کے باوجود وحی الٰہی سے معلوم کر کے ظاہر کر دیتے ہیں۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ۔ اب خطاب یہود و نصاریٰ دونوں سے ہے۔ و٧٢ (اور یہ حلم و عفو بجائے خود ایک شہادت ہے ان کے پیمبرانہ اخلاق کی) يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ یہ مضامین جنہیں آپ نظر انداز کر جاتے ہیں وہ ہیں، جن کے اظہار سے بجز مجرموں کی تفضیح کے اور کوئی شرعی غرض وابستہ نہیں۔ انما لم يظهره لانه لا حاجة الى اظهاره فى الدين (کبیر) لا يُبَيِّنُهٗ اذا لم تضطرّ اليه مصلحة دينية و ما فيه احياء الشريعة و اماتة بدعة (کشاف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہیں سے اہل اللہ کی یہ عادت ہے کہ جب تک کوئی مصلحت دینی نہ ہو مقتضائے غیظ پر عمل نہیں کرتے، اور عداوت میں بھی شفاء غیظ نفسانی کا قصد نہیں کرتے۔ و٧٣ نُوْرٌ سے اشارہ ہے رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اور كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ سے قرآن مجید کی جانب۔ یعنی بالنور محمدا صلی اللہ علیہ وسلم و كتاب مبين هو القرآن الذى انزله على نبينا (ابن جریر) نور قيل محمد صلی اللہ علیہ وسلم عن الزجاج و كتاب مبين اى القرآن فانه يُبَيِّن الاحكام (قرطبی) و٧٤ یعنی رضائے حق کا ارادہ کرتے ہیں، اور اس کی تلاش و فکر میں رہا کرتے ہیں۔ اى مَنْ يَعلم الله تعالىٰ انه يريد اتباع رضاء الله تعالىٰ بالايمان به (روح) یہیں سے یہ حقیقت بھی روشن ہو جاتی ہے کہ راہِ ہدایت انہی کے نصیب میں آتی ہے، جو از خود اس کی تلاش و طلب میں رہتے ہیں۔ سُبُلَ السَّلٰمِ پوری سلامتی، مادّی و روحانی، ہر حیثیت سے مکمل جنت ہی میں جا کر نصیب ہو سکتی ہے۔ اُس کے راستے یعنی جنت میں جانے کے طریقے، صحیح عقائد اور صحیح اعمال میں طرق السلامة الموصلة الى دار السلام و هى الجنة (قرطبی) قيل طرق الجنة (بحر) بِهٖ میں ضمیر کتاب کی طرف ہے۔ اى بالكتاب المبين (کبیر) ظاهره انه يعود على كتاب الله (بحر) اى بالقرآن (مدارک) و٧٥ یعنی عمر بھر انہیں سیدھی راہ پر قائم رکھتا ہے۔ الظُّلُمٰتِ۔ سے مراد کفر کی تہ بہ تہ تاریکیاں ہیں۔ اى من ظلمات الكفر والجهالات (قرطبی) النُّوْرِ سے مراد ایمان و طاعت کی روشنی ہے۔ اے الى نور الاسلام و الهدايات (قرطبی) بِاِذْنِهٖ سے مراد ارادۂ الٰہی، توفیق الٰہی، یا مشیت تکوینی ہے۔ اى بتوفيقه (کبیر) اى بارادته و توفيقه (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصل مقصود طلب رضا ہے، دخولِ جنت اس کے تابع ہے۔

وك٧ اس عقیدہ کو جو کھلا ہوا شرک ہے، خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید "نصرانیت سے" تعبیر نہیں کرتا۔ نہ ایسے لوگوں کو نصاریٰ یا اہل الکتٰب سے موسوم کرتا ہے۔ ان کا ذکر تو اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى کے تحت میں ابھی اُوپر آچکا ہے۔ اب جن لوگوں کا ذکر ہے، اُن کے لیے تو کھلا ہوا اور قطعی حکم تکفیری کا ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ الخ مسیحیت موجودہ کی متعدد شاخوں کے عقیدے تو کھلے ہوئے مشرکانہ ہیں، مثلاً Sabellianism، Docetism، Monarchianism وغیرہا۔ ان کے لیے ملاحظہ ہو راقم سطور کی تفسیر انگریزی۔ اُردو میں ان کی اصطلاحوں کے ترجے بھی دشوار ہیں۔ اب رہی وہ مسیحیت جو مسلک جمہور کے مطابق ہے اور صدیوں سے دنیا میں خوب پھیلی ہوئی ہے، وہ بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں عقیدۂ اتھانایسس (Athanasian Creed) جو کیتھولک، پروٹسٹنٹ وغیرہ سب مشہور و مقبول فرقوں میں مشترک ہے، اس میں یہ الفاظ صراحۃً موجود ہیں:۔ "باپ بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر، عظمت ازلی یکساں۔ جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا...... باپ غیر مخلوق، بیٹا غیر مخلوق...... باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود...... باپ ازلی، بیٹا ازلی...... یونہی باپ قادر مطلق، بیٹا قادر مطلق...... ویسا ہی باپ خدا، بیٹا خدا"۔ کھلا شرک اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے؟ مسیح اور مریم دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ اَلْمَسِيْحُ کے ساتھ ابن مریم کا اضافہ بجائے خود ایک ضرب کاری ہے۔ عقیدۂ الوہیت مسیح علیہ السلام پر، کہ جسے تم عین خدا قرار دے رہے ہو، وہ تو خود ایک خاتون کا فرزند تھا۔ مرشد

مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ

ہے وك٧ آپ کہیے کہ وك٧ اچھا تو اللہ سے کون کچھ بھی بچا سکے اگر وہ

اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَ مَنْ فِي

ہلاک کر دینا چاہے مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ کو و٧٨ اور جو کوئی بھی

الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

زمین پر ہے سب کو و٧٩ اور آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اس (سب) پر

وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اللہ ہی کی حکومت ہے و٨٠ وہ جو کچھ چاہے پیدا کر دیتا ہے اور اللہ کو ہر چیز پر پوری

قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ

قدرت ہے و٨١ اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے لڑکے اور اس کے

وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ

چہیتے ہیں و٨٢ آپ کہہ دیجیے تو پھر خدا تمہیں گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے و٨٣ نہیں بلکہ تم (محض) بشر ہو

مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

مخلوقات میں سے و٨٤ وہ جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا و٨٥

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ

اور اللہ ہی کی حکومت آسمانوں اور زمین پر، اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اُس (سب) پر بھی ہے اور اسی کی طرف

الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ

واپسی ہے و٨٦ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے (یہ) رسول جو تمہیں صاف صاف

لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا

بتاتے ہیں، آپہنچے ایسے وقت میں کہ رسولوں کا آنا بند تھا و٨٧ کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بھی

تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت میں صریح رَد ہے اُن لوگوں پر جو خالق و مخلوق میں اتحاد کے قائل ہیں۔ وك٧ (اس مسیح پرستی کی تردید میں، اے ہمارے پیغمبر!) و٧٨ (طبعی موت سے) اَنْ يُّهْلِكَ۔ اہلاک ایک تو ہوتا ہے بہ صورت عذاب، وہ یہاں مراد نہیں۔ یہاں اہلاک بہ صورت موت طبعی مراد ہے۔ المراد بالاھلاک الاماتة والاعدام مطلقاً لاعن سخط و غضب (روح) مَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا۔ ملک یہاں قدرت کے معنٰی میں ہے۔ الملک ھو القدرة (کبیر) یملک بمعنٰی یقدر من قولھم ملکت علی خلاف امرہ ای اقتدرت علیه (قرطبی) پورے فقرہ کا مفہوم یہ ہوا کہ کون اللہ کے ارادہ کی راہ میں حائل و مانع ہوسکتا ہے؟ یعنی فمن الذی یقدر علی دفع شیء من افعال اللہ تعالٰی و منع شیء من مرادہٖ (کبیر) ای فمن یقدر ان یمنع من ذٰلک شیئًا (قرطبی) فمن یمنع من قدرتہٖ وارادتہٖ شیئًا (بیضاوی) فَمَنْ میں مَنْ لانے سے مراد یہ ہے کہ اگر تمہارا یہ عقیدہ صحیح ہے تو بتاؤ۔ اسی مفہوم کو ترجمہ میں "اچھا تو" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ وَاُمَّهٗ۔ مسیح علیہ السلام کے ساتھ حضرت مریمؑ کا ذکر لانے کی ایک مناسبت یہ ہے کہ دنیائے مسیحیت کی ایک بڑی آبادی کے نزدیک وہ بھی شریک الوہیت ہیں، اور لاکھوں بلکہ کروڑوں مسیحیوں کے اعتقاد میں مرتبۂ خدائی پر فائز ہیں۔ اصل حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو راقم سطور کی تفسیر انگریزی۔ حاصل استدلال یہ ہوا کہ قوت، قدرت ارادہ و اختیار میں کوئی مخلوق، حتیٰ کہ مسیح علیہ السلام و مریمؑ بھی خدائے تعالیٰ خالق کائنات کے مقابلہ میں کچھ بھی لائے جا سکتے ہیں؟ اور اللہ کی مشیت کی راہ میں ذرا بھی حائل ہو سکتے ہیں؟ کھلا ہوا جواب ہے کہ نہیں۔ پھر جب یہ ہے تو تمہاری عقل کیسی ماری گئی ہے، کہ تم مسیح علیہ السلام (یا مسیح و مریم دونوں) کو شریک الوہیت ٹھہرا رہے ہو! و٧٩ (کہ بے اختیاری، بے بسی، اور مخلوقیت میں حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریمؑ بھی ساری ہی مخلوق جیسے ہیں، اور اس اعتبار سے اِن میں اور اُن میں کوئی فرق نہیں) اراد بعطف من فی الارض علی المسیح و امه انھما من جنسھم لاتفاوت بینھما و بینھم فی البشریة (کشاف) یعنی ان عیسٰی مشاکل بمن فی الارض فی الصورة والخلقیة والجسمیة والترکیب و تغییر الصفات والاحوال (کبیر) و٨٠ (بلا کسی کی شرکت واعانت کے) "آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس پر" یعنی ساری موجودات و کائنات پر۔ و٨١ مسیحیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں، اور اس سے ان کا استدلال یہ تھا کہ ایسے محیر العقول وجود کو انسان یا بشر کیسے تسلیم کر لیا جائے؟ وہ یقیناً فوق البشر ہے اور الوہیت کا حصہ دار یہاں جواب اسی کا دیا گیا ہے، کہ اللہ تو پیدا کرنے کی ہر صورت پر، ہر صورت سے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اُس نے اگر کسی مخلوق کو عام اور عمومی عادت کے خلاف طریقہ سے پیدا کر دیا، تو اس سے اُس مخلوق کی الوہیت یا غیر مخلوقیت کیسے ثابت ہو گئی؟ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ۔ جو کچھ چاہے اور جس طرح چاہے، خواہ سنت عادی کے موافق ہو یا مخالف، پیدا کر سکتا اور پیدا کرتا رہتا ہے۔ اُس کی قوت خلاقی کسی صورت اور کسی طریق کے ساتھ مخصوص و معین نہیں۔ تخلیق کی ہر نوع اور ہر صنف، بلا واسطہ، بہ واسطہ سب پر یکساں قادر ہے۔ ای یخلق ای خلق یشاءہ فتارةً یخلق من غیر اصل و اخرٰی من اصل و تارة من اصل یجانسه و یخلق بلا توسط شیء من المخلوقات و قد یخلق بتوسط مخلوق اٰخر (روح) ای ان خلقه لیس مقصورًا علٰی نوع واحدٍ بل ماتعلقت مشیئتہٗ با یجادہ اَوْجَدَہٗ و اخْتَرَعَهٗ (بحر) و٨٢ (اور اس لیے عام نوع انسان سے کہیں افضل واشرف) نَحْنُ صیغہ جمع متکلم (ھم) سے مراد یہاں افراد نہیں بلکہ قوم یا ملت، مجموعہ افراد مراد ہے۔ یعنی یہود من حیث القوم اور نصاریٰ بہ حیثیت ملت۔ موجود محرف اور مسخ شدہ بائبل تک میں اس قسم کے حوالے موجود ہیں:۔ "خداوند نے یوں فرمایا ہے کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے"۔ (خروج۔ ٤: ٢٢) "تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو"۔ (استثناء ١:١٤) "جب اسرائیل لڑکا تھا میں نے اس کو عزیز رکھا اور اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا"۔ (ہوسیع۔ ١:١١) (جیوش انسائیکلوپیڈیا (جلد ٦۔ صفحہ ١٥) میں بھی انہیں عقائد کی تکرار

مِنۡ بَشِيۡرٍ وَّلَا نَذِيۡرٍ‌ فَقَدۡ جَآءَكُمۡ بَشِيۡرٌ وَّنَذِيۡرٌ‌ ؕ

نہ بشارت دینے والا آیا نہ تنبیہ کرنے والا و۸۸ (اب تو) آ گیا تمہارے پاس بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا و۸۹

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۹﴾ وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى

اور اللہ ہر چیز پر (پوری) قدرت رکھتا ہے و۹۰ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے

لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ جَعَلَ

اپنی قوم سے کہا و۹۱ کہ اے میری قوم! اللہ کا وہ احسان تم اپنے اُوپر یاد کرو جب اُس نے تمہارے اندر

فِيۡكُمۡ اَنۡۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمۡ مُّلُوۡكًا ‌ۖ وَّاٰتٰٮكُمۡ مَّا لَمۡ يُؤۡتِ

نبی پیدا کیے اور تمہیں خود مختار کیا و۹۲ اور تمہیں وہ دیا جو دنیا جہان میں

اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوۡمِ ادۡخُلُوا الۡاَرۡضَ

کسی (قوم) کو بھی نہیں دیا گیا تھا و۹۳ اے میری قوم! اس زمین مقدس میں

الۡمُقَدَّسَةَ الَّتِىۡ كَتَبَ اللّٰهُ لَـكُمۡ وَلَا تَرۡتَدُّوۡا عَلٰٓى

داخل ہو جاؤ جسے اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے و۹۴ اور پچھلے پیروں

اَدۡبَارِكُمۡ فَتَـنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِيۡنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوۡا يٰمُوۡسٰۤى اِنَّ

واپس نہ ہو ورنہ بالکل خسارہ میں پڑ جاؤ گے و۹۵ وہ بولے کہ اے موسیٰ اس

فِيۡهَا قَوۡمًا جَبَّارِيۡنَ ‌ۖ وَاِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَا حَتّٰى يَخۡرُجُوۡا

سرزمین پر تو بڑی زبردست قوم (آباد) ہے و۹٦ اور ہم تو وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں سے

مِنۡهَا‌ ۚ فَاِنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا فَاِنَّا دٰخِلُوۡنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ

نہ نکل جائیں البتہ وہ اگر وہاں سے نکل جائیں تو ہم بیشک داخل ہونے کو تیار ہیں و۹۷ (اس پر) وہ

رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمَا

دو آدمی جو (اللہ سے) ڈرنے والوں میں تھے (اور) ان دونوں پر اللہ کا فضل تھا بولے و۹۸

موجود ہے) ''جتنوں نے اُسے قبول کیا، اُس نے انہیں خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا''۔ (یوحنا۔ ۱:۱۲) ''جتنے خدا کی روح کی ہدایت سے ملتے ہیں، وہی خدا کے بیٹے ہیں''۔ (رومیوں۔ ۸:۱۴) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم سطور کی انگریزی تفسیر۔ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ میں اَبۡنٰٓؤُا سے مراد حقیقی صلبی بیٹے نہیں اور نہ ابن کے یہ معنی ہی لازمی طور پر ہیں اس کے لیے عربی میں دوسرا لفظ ہے۔ ولد۔ ابن کا اطلاق مجازی منہ بولے لڑکوں پر پوری طرح ہوتا ہے۔ اور عربی میں اس کا مجازی استعمال بہت عام ہے یقال لکل ما یحصل من جهة شیء او من تربیته او بتفقده او كثرة خدمته له او قیامه بامره هو ابنه نحو فلانٌ ابن حرب و ابن السبیل للمسافر و ابن اللیل و ابن العلم و فلان ابن بطنه و ابن فرجه اذا كان همّته مصروفاً الیهما و ابن یومه اذا لم یتفكر فی غده (راغب) اور اہل لغت نے لکھا ہے کہ اب، ابن، بنت یہ تین لفظ ایسے ہیں کہ بڑی کثرت سے چیزیں ان کی جانب منسوب و مضاف مستعمل ہوتی ہیں۔ وللاب والابن والبنت اسماء كثيرة تضاف الیها (تاج۔ لسان) اور آگے ازہری لغوی اور ابن العربی لغوی کے حوالہ سے ایک بڑی طویل فہرست ایسے ناموں کی دے دی ہے جو عربی میں کسی کے 'ابن' کی حیثیت سے مشہور و متعارف ہیں، مثلاً ابن الطین حضرت آدم علیہ السلام کے لیے، ابن اللیل چور کے لیے، ابن الاقوال باتونی شخص کے لیے وغیرہا۔ ہمارے مفسرین رحمہم اللہ نے بھی بغیر اس کے کہ بائبل کے محاوروں کا مطالعہ کیا ہو، محض اپنے اشراق ایمانی سے یہاں یہی معنی قرار دیے ہیں، یعنی ہم خاصانِ خدا میں سے ہیں ہمارا اور عام خلقت کا مقابلہ ہی کیا۔ كما كان یقول رهط مسیلمة نحن انبیاء الله ویقول اقرباء الملک و ذووهٗ و حشمه نحن الملوک (کشاف) ای اعزة علیه كالابن علی الاب (مدارک) لفظ الابن كما یطلق علی ابن الصلب فقد یطلق ایضاً علی من یتخذ ابنًا و اتخاذه ابنا بمعنی تخصیصه بمزید الشفقة و المحبة (کبیر) ارادوا ان الله تعالٰی لنا كالاب فی الحنو والعطف و نحن كالابناء له فی القرب والمنزلة (معالم۔ ابوسعود) قالوا هذا یطلق عندهم علی التشریف والاكرام (ابن کثیر) و مرادهم بالابناء المقربون ای نحن مقربون عندالله تعالٰی قرب الاولاد من والدهم (روح) البنوة هنا بنوة الحنان والرأفة (بحر) حاصل تقریر اُن کا یہ تھا کہ ہم سب سے اونچی ذات والے، اور خاص مقربین حق میں ہیں...... ٹھیک وہی ذہنیت جو ہندوستان میں برہمنوں کی اور اپنے کو چندر بنسی اور سورج بنسی کہلانے والے راجپوتوں کی ہوتی ہے۔ و مقصود الفریقین هو المعنی المتضمن مدحًا و حاصل دعواهم ان لهم فضلًا و مزیةً عندالله تعالٰی علی سائر الخلق (روح) و جملة الكلام ان الیهود والنصارٰی كانوا یرون لانفسهم فضلاً علی سائر الخلق بسبب اسلافهم الافاضل من الانبیاء حتی انتهوا فی تعظیم انفسهم (کبیر) اور یہ ذہنیت خود مسلمانوں کے اندر بھی پیرزادگی، مشائخ زادگی، مخدوم زادگی کے گھمنڈ سے کچھ بہت زیادہ مختلف تھیں۔

و۸۳ (جس کے تم خود قائل ہو) بداعمالی پر دنیوی سزاؤں کا ترتب تو ایک کھلی ہوئی حقیقت تھی، جس سے یہود و نصاریٰ کسی کے لیے انکار ممکن نہ تھا۔ اور ان دنیوی سزاؤں کے تذکرہ سے عہد عتیق کے صحیفے بھرے پڑے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں صریح رد ہے اُس شخص پر جو اللہ کے ساتھ ایسے قرب کا قائل ہو جس میں معصیت پر بھی مؤاخذہ نہ ہو۔ و۸۴ (اور بلا امتیاز و استثناء انہیں کی طرح عام قاعدوں کے تحت میں داخل ہو) یعنی جزاء و سزا کا جو قانون ساری دُنیا کے لیے ہے۔ وہی تمہارے لیے بھی ہے۔ و۸۵ (اور وہی قادر مطلق، حاکم برحق یہ وعدہ کر چکا ہے کہ اہل ایمان کے لیے مغفرت ہے، اور اہل کفر کے لیے دائمی عذاب) یعنی اسی کی مشیت سب پر غالب ہے، وہ کسی کی محکوم نہیں۔ و۸٦ (نہ کہ کسی نبی یا ولی کی طرف، فرشتہ یا دیوتا کی طرف) مسیحیوں کا عقیدہ تھا کہ وہ ابن اللہ مسیح کے دربار میں پیش ہوں گے، اور یہود اس خیال میں تھے، کہ اُن کے آباؤ اجداد، یعقوب اور اسحٰق اور ابراہیم علیہم السلام انہیں عذاب الٰہی کی گرفت سے بچالیں گے حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ لفظ بہ لفظ نقل ہونے کے قابل ہے:۔ ''یہ دعویٰ مذکورہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا ہمارے زمانہ کے جاہل پیرزادوں کا انتساب تولد یا اتصال سلسلہ کی بنا پر گھمنڈ ہے کہ حق تعالیٰ کو ہمارے ساتھ ایک گونہ ذاتی خصوصیت اور نسبت ہے جو معاصی وغیرہ سے قطع نہیں ہوتی۔ اور ہم کیسے ہی ہوں مگر اُس انتساب یا اتصال کے زور سے کھڑے کھڑے جنت میں جائیں گے''۔ و۸۷ (اور دنیا صدہا سال سے وحی تازہ کی نعمت سے محروم تھی) رَسُوۡلُنَا۔ ہمارے یہ رسول جن کی آمد آمد تم اہل کتاب مدت سے سن رہے تھے۔ انجیل میں بار بار ذکر ''وہ نبی'' The Prophet کا یہودی زبان سے آتا ہے۔ اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ ایک متعارف نبی کا آمد توں سے مسلم چلا آ رہا تھا۔ يُبَيِّنُ لَـكُمۡ تمہیں صاف صاف احکام شریعت بتاتے رہتے ہیں۔ عَلٰى فَتۡرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ کی تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ علی حین فترة من الرسل۔ ای جاء كم علی حین فترة من ارسال الرسل (کشاف) ای علی فتور من الارسال (کبیر) فترة کے لفظی معنی انقطاع عمل یا سکون کے ہیں۔ ای سكون والاصل فیها انقطاع العمل عما كان علیه من الجد فیه (قرطبی) اصطلاح میں دو نبوتوں کے درمیانی زمانہ کو کہتے ہیں۔ الفترة ما بین كل نبیین (تاج) ای علی انقطاع ما بین النبیّین عن ابی علیّ و جماعة من اهل العلم (قرطبی) سمیت المدة التی بین الانبیاء فترة (کبیر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وقفہ کم و بیش چھ سو سال کا رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سال ولادت ۵۷۰ء ہے اور سال بعثت ٦۱۰ء ہمارے

ہاں بھی متعدد تابعین سے یہی مدت منقول ہے۔ و قال قتادة کان بین عیسٰی و محمد علیهما السلام ستمائة سنة و قال مقاتل و الضحاک و وهب بن منبه الا ان وهبًا زاد عشرين سنة (قرطبی) ف۸۸ (اس لیے ہم کو دین کے باب میں صحیح اور تفصیلی کافی علم ہونے ہی نہیں پایا) اَنْ تَقُوْلُوْا یعنی کہیں قیامت کے دن یہ عذر نہ پیش کرنے لگو۔ اَنْ یہاں لئلا کے معنی میں ہے۔ ای لئلا او کراهة ان تقولوا (قرطبی) قدره القراء لئلا تقولوا (ابوسعود) مِنْ بَشِیْرٍ میں مِنْ نفی وانکار میں زیادتی کے لیے ہے، کہ کوئی بھی تو نہیں آیا۔ و زیادة من فی الفاعل للمبالغة فی نفی المجیء (روح) ف۸۹ (سو سن لو کہ اب عذر کی کوئی گنجائش تمہارے پاس باقی نہیں رہی۔ آگے ماننا نہ ماننا تمہارا فعل ہے) والتقدیر هنا لا تعتذروا فقد جاء کم۔ (روح) والفاء متعلق بمحذوف ای لا تعتذروا فقد جاء کم (مدارک) ف۹۰ (اور یہ اسی کی قدرت کا ایک ظہور ہے کہ اُس نے صدیوں کے بعد ایک پیغمبر اور وہ بھی سب پیغمبروں سے بڑا، مبعوث کردیا) آیت کے اس ٹکڑے سے یہ پہلو بھی صاف ہوا جاتا ہے کہ گو اُس نے تمہاری حجت قطع کرنے کو یہ پیمبر مبعوث کردیا، تاہم اگر وہ چاہتا تو بغیر اس کے بھی تم پر حجت قائم کردیتا، اور تمہیں دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ ف۹۱ حضرت موسٰی علیہ السلام کی اس تقریر کا وہ زمانہ ہے کہ جب بنی اسرائیل مصریوں کی غلامی ومحکومی سے آزاد ہو کر جزیرہ نمائے سینا میں آزادی سے نقل وحرکت کررہے ہیں۔ اور حضرت موسٰی علیہ السلام جو ایک ہی وقت میں اُن کے دینی پیغمبر بھی تھے اور دُنیوی لیڈر بھی، انہیں آمادہ کررہے ہیں کہ اپنے وطن فلسطین چلو، ظالم وغاصب قوم عمالقہ کو وہاں سے نکال دو اور خود اس پر حکمرانی کرو۔ تازہ ترین تاریخی اور اثری تحقیق کے مطابق مصر سے خروج بنی اسرائیل کا زمانہ ۱۴۴۰ ق۔م کا ہے، اور فلسطین پر اسرائیل کی فوج کشی کا زمانہ ۱۴۰۰ ق۔م کا۔ اس لحاظ سے حضرت موسٰی علیہ السلام کی اس تقریر کا زمانہ اسی درمیانی مدت کا ہے۔ عجب نہیں کہ آپ کے بالکل آخری زمانہ کی ہو۔ جیسا کہ توریت کے صحیفہ استثناء، باب اوّل سے اندازہ ہوتا ہے۔ یہ اگر صحیح ہے تو اس صحیفہ استثناء میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ آپ نے یہ تقریر دریائے یردن کے اسی پار موآب کے میدان میں، واقعہ خروج مصر کے چالیسویں سال کے گیارہویں مہینہ کی پہلی تاریخ کو ارشاد کی تھی۔ ف۹۲ یٰقَوْمِ۔ خطاب یہاں قوم سے بہ حیثیت مجموعی ہے، افراد سے نہیں۔ فِیْکُمْ میں فی، من کے مرادف ہے۔ فیکم ای منکم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نبوت ایک انفرادی اور شخصی منصب ہوتا ہے۔ اسی لیے فِیْکُمْ وارد ہوا ہے۔ یعنی تمہاری قوم کے اندر افراد انبیاء ہوتے رہے۔ جَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا۔ ملک کے معنی عربی میں لازمی طور پر بادشاہ اور تاجدار ہی کے نہیں۔ ہر آزاد، خود مختار اور صاحب حیثیت شخص پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ یقال من استغنی عن غیره فهو ملکٌ (قرطبی) الملک اسم لکل من یملک السیاسة اما فی نفسه و اما فی غیره سواء تولی ذٰلک او لم یتول (راغب) کل من کان مستقلا بامر نفسه و معیشته و لم یکن محتاجاً فی مصالحه الی احد فهو ملک (کبیر) کل من ملک بیتا و خادما و امراۃً فهو ملک (ابن جریر) حدیث میں ہر ایسے شخص پر ملک کا اطلاق آیا ہے، جو اپنا ذاتی مکان اور زوجہ اور خادم رکھتا ہو۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کان له بیت او قال منزل یاوی الیه و زوجة و خادمٌ یخدمه فهو ملک (قرطبی) عن زید بن اسلم قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من کان له بیت و خادمٌ فهو ملکٌ (ابن جریر) اور قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ملک سردار، افسر یا فوجی قائد کے معنی میں آچکا ہے۔ ابعث لنا ملکاً (بقرہ۔ رکوع ۳۲) خود اہل فلسطین کے محاورہ میں بھی تقریباً ہر سردار بادشاہ ہی کہلاتا تھا۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۷ صفحہ ۵۰۰) اسی لیے یہاں متعدد ائمہ کابر نے ملک کا ترجمہ مخدوم یا اور ایسے ہی مترادفات سے کیا ہے۔ ای هو مخدومون کالملوک و عن ابن عباس ایضًا یعنی الخادم و المنزل و قاله مجاهدٌ و عکرمة و الحکم بن عیینة۔ (قرطبی) اصحاب خدم و حشم (جلالین) قال ابن اسحق یعنی اصحب خدم و حشم (کمالین) اسرائیلی ابھی چند سال قبل تک محکوم، مغلوب ومقہور تھے۔ اور اب ہر طرح آزاد خود مختار تھے۔ بالکل بجا تھا کہ تقابل حالات کے اظہار کے لیے اب انہیں ملوک سے تعبیر کیا جاتا۔ بعد ما کنتم مما لیک فرعون (ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال السدی یعنی و جعلکم احرارًا تملکون انفسکم بعد ما کنتم فی ایدی القبط بمنزلة اهل الجزیة فینا (کبیر) ف۹۳ یہ نعمت عظمٰی نعمت توحید ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اقوام عالم میں نسلی وقومی حیثیت سے توحید اسرائیلیوں کے ساتھ مخصوص رہی ہے، ورنہ اور قومیں تو من حیث القوم شرک ہی میں مبتلا رہی ہیں۔ ہمارے مفسرین کو اس مضمون کی آیتوں کی تفسیر میں بڑی دشواری یہ پیش آتی رہی ہے کہ اگر بنی اسرائیل کو سب سے افضل مان لیا جائے، تو پھر اُمت محمدی کے لیے کون سا مقام باقی رہ جائے گا؟...... اشکال اور دشواری کی بنیاد ہی سرے سے غلط ہے۔ یہاں مقابلہ تو دنیا کی ساری قوموں اور نسلوں کا ہورہا ہے۔ اُن میں بیشک سب سے افضل، اشرف، نسل اسرائیلی ہی ہے۔ کہ بہ خلاف دوسری قوموں کے شرک اور وہم پرستیوں کے توحید اور اس کے لوازم یعنی رسالت، وحی، حشر وغیرہ عقائد صحیحہ کی حامل، دنیا کی تاریخ میں یہی ایک قوم رہی ہے۔ بہ خلاف اس کے اُمت محمدی تو کسی قوم یا نسل کا نام ہی نہیں۔ یہاں تو اسرائیلی، اسمٰعیلی، حبشی، چینی، روسی، جاپانی جو کوئی بھی عقائد اسلامی پر ایمان لے آئے۔ وہی اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہے۔ اس پر مفصل حاشیے اَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ کے تحت میں سورۂ بقرہ کے رکوع ۵، ٦ میں گزر چکے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل اللہ کے خاندان میں سے ہونا ایک نعمت ہے جس پر شکر واجب ہے، کیونکہ اس تعلق سے دین اس پر سہل ہوجاتا ہے، البتہ اس پر فخر اور گھمنڈ روا نہیں۔ ف۹۴ (لوح محفوظ میں، یا اپنے علم میں) حضرت موسٰی علیہ السلام موقع ترغیب پر فرما رہے ہیں کہ وہ زمین تو تمہارے لیے مقدر ہو ہی چکی ہے، ذرا سی ہمت وکوشش کرو تو ابھی مل جاتی ہے۔ الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ۔ مقدس سرزمین سے مراد شام ہے۔ فلسطین (کنعان) اسی کے ایک علاقہ کا نام ہے۔ هی الشام (ابن جریر۔ عن قتادة) الارض المقدسة دمشق و فلسطین و بعض الاردن۔ (ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) توریت میں ان وعدوں کی صراحتیں موجود ہیں۔ "دیکھو۔ میں نے یہ زمین جو تمہارے آگے ہے، تمہیں عنایت کی، داخل ہو اور اس زمین کو جس کی بابت خداوند نے تمہارے باپ دادوں ابرہام اور اضحاق اور یعقوب سے قسم کی کہ تم کو اور تمہارے بعد تمہاری نسل کو دوں گا، میراث میں لو"۔ (استثناء۔ ۱:۸) "تو اس سرزمین میں جس کی بابت خداوند نے تیرے باپ دادوں ابرہام اور اضحاق اور یعقوب سے قسم کھا کے کہا کہ اسے میں تمہیں دوں گا، سکونت کرے۔" (استثناء۔ ۳۰:۲۰) "مضبوط ہوجاؤ اور دلاور ہو خوف نہ کھاؤ اور اُن سے مت ڈرو۔ کیونکہ خداوند تیرا خدا وہی ہے جو تیرے ساتھ جاتا ہے۔ وہ تجھ سے غافل نہ ہوگا اور تجھ کو نہ چھوڑے گا"۔ (استثناء ۳۱:٦) ف۹۵ دنیوی خسارہ تو ظاہر ہی ہے کہ حکومت اور اتنی بڑی حکومت سے محروم ہوجاؤ گے، اور اُخروی خسارہ یہ کہ حکم جہاد کی نافرمانی کا خمیازہ آخرت میں اٹھانا پڑے گا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معاصی سے کبھی کبھی دنیوی مضرتیں بھی پیدا ہوجاتی ہیں۔ ف۹٦ یہ قوم عمالقہ کی تھی۔ جو ایک بڑی زور آور اور جنگ آزما قوم تھی۔ بنی اسرائیل کی پرانی حریف توریت اور تاریخ اسرائیل اس کی خونریزیوں کی داستان سے رنگین ہے۔ توریت میں اس قوم پر بنی اسرائیل کی زبان سے یہ الفاظ ادا کیے گئے ہیں:۔ "ہمیں زور نہیں کہ ہم ان لوگوں پر چڑھیں، کیونکہ وہ ہم سے زیادہ زور آور ہیں"۔ (گنتی۔ ۱۳:۳۲) "یہ زمین جس کی جاسوسی میں ہم گئے تھے، ایک زمین ہے جو اپنے بسنے والوں کو نگلتی ہے۔ اور سب لوگ جنہیں ہم نے وہاں دیکھا، بڑے قد آور ہیں۔ اور ہم نے وہاں جباروں کو ہاں بنی عناق کو جو جباروں کی نسل میں ہیں دیکھا اور ہم اپنی نظروں میں ان کے سامنے ایسے تھے جیسے ٹڈے۔ اور ایسے ہی ہم اُن کی نظروں میں تھے۔" (گنتی۔ ۱۳:۳۳) جَبَّارِیْنَ۔ جبار کا اطلاق بڑے ڈیل ڈول والوں، کلّے ٹھلّے والوں پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں یہی مراد ہے۔ ای عظام الاجسام طوالًا (قرطبی) یقال رجل جبارًا اذا کان طویلا عظیما قویا و القوم کانوا فی غایة القوة و عظم الاجسام (کبیر) روایات یہود میں ذکر بہت مبالغہ کے ساتھ اُن کے قد وقامت کی درازی کا آیا ہے اور اُن کی دراز دستیاں بھی بہت کچھ مذکور ہیں...... لفظ جبار جو قرآن مجید نے ان کے لیے استعمال کیا ہے، یہ وہی ہے جو خود توریت میں ان کے لیے آیا ہے، جیسا کہ اُوپر کے اقتباسات میں نقل ہوچکا۔ ف۹۷ بنی اسرائیل ایک طرف تو اپنے ان مخالفین یعنی عمالقہ کی ہیبت وشوکت سے اس قدر مرعوب تھے، اور دوسری طرف تن آسانیوں کے طالب اور فرائض جہاد سے جی چرانے والے بھی۔ اپنے وطن تک کے لیے، اپنے پیمبر اور دنیوی لیڈر کی ترغیب کے باوجود بھی آمادہ نہ ہوئے۔ توریت میں اُن کی زبان سے ادا کیا گیا ہے:۔ "وہ لوگ جو وہاں بستے ہیں زور آور ہیں۔ اور اُن کے شہر بڑے مضبوط قلعوں میں ہیں۔ اور ہم نے بنی عناق کو بھی وہاں دیکھا۔ اور اس زمین میں دکھن کی طرف عمالیقی بستے ہیں ...... ہمیں زور نہیں کہ ہم اُن لوگوں پر

چڑھیں، کیونکہ وہ ہم سے زیادہ، زور آور ہیں''۔ (گنتی۔ ۱۳: ۲۸و۳۲) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ ماقبل۔ اسرائیلیوں کا یہ قول بھی بہ طریق استبعاد تھا۔ خوب سمجھے ہوئے تھے کہ نہ عمالقہ وہاں سے از خود نکلیں گے، اور نہ ہمیں چڑھائی کی نوبت آئے گی۔ انما قالوا هٰذا علی سبیل الا ستبعاد (کبیر) قیل قالوا ذٰلک علی سبیل الاستبعاد ان یقع خروج الجبارین منها (بحر) و۹۸ (ان کم ہمتوں کو حوصلہ دلانے کے لیے) رَجُلٰن۔ ان میں سے ایک کا نام یوشع بن نون تھا۔ اور دوسرے کا کالب بن یوفنا۔ یوشع سردار تھے قبیلہ بنی افرائیم کے اور کالب قبیلہ بنی یہودا کے۔ مِنَ الَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ۔ یعنی وہ لوگ جن میں خوف خدا تھا۔ جن کے دلوں میں تقویٰ الٰہی اور خشیت تھی۔ ای یخافون اللّٰہ سبحانهٗ و یتقونه (بیضاوی) کانه قیل رجلان من المتقین (کشاف) اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمَا۔ اللہ کا فضل وانعام اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ انہیں حق گوئی وحق پرستی کی توفیق دی۔ اور وہ شوکت کفار سے مرعوب نہ ہوئے۔ ای بالیقین و الصلاح (قرطبی) موسیٰ علیہ السلام نے جیسا کہ ہر دانشمند فوجی لیڈر کو ایسے موقع پر کرنا چاہیے، کیا یہ تھا، کہ فلسطین پر فوج کشی سے قبل اپنی قوم کے ہر ہر قبیلہ سے اُس کے لیڈر کو چن کر کل ۱۲ معززین وشرفاء کو ملک کے متعلق تحقیق حال کے لیے یا بہ اصطلاح توریت ''جاسوسی'' کے لیے آگے روانہ کر دیا۔ اُن میں سے دس نے آکر یہ مبالغہ آمیز رپورٹ دی، کہ غنیم بہت ہی طاقتور ہے، اس سے مقابلہ کرنا اپنی جان کھونا ہے۔ باقی دو نے اس کے برعکس ہمت افزا باتیں بیان کیں۔ توریت کے بیانات اس موقع پر بھی حسب معمول بڑے طویل ہیں۔ تاہم کچھ اقتباسات تو بہر حال قابل نقل ہیں:۔ ''پھر خداوند نے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو لوگوں کو بھیج تا کہ کنعان کی زمین کی جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں، جاسوسی کریں ایک ایک مرد اس کے آبائی فرقہ میں سے جو اُس میں سردار ہے، بھیج دے۔ چنانچہ موسیٰ نے خداوند کے ارشاد کے موافق دشت فاران سے اُن کو بھیجا۔ وہ سب لوگ بنی اسرائیل کے سردار تھے اور اُن کے نام یہ ہیں...... اور موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بھیجا کہ زمین کنعان کی جاسوسی کریں...... اور اُس زمین کو دیکھو کہ کیسی ہے۔ وہ لوگ جو وہاں کے بسنے والے ہیں، کیسے ہیں، زور آور ہیں یا کمزور۔ تھوڑے ہیں یا بہت۔ اور وہ زمین جس میں وہ رہتے ہیں کیسی ہے، اچھی ہے کہ بری اور وہ شہر جن میں وہ بستے ہیں کیسے ہیں خیموں میں ہیں یا قلعوں میں۔ اور زمین کیسی ہے، جید یا بنجر۔ اس میں درخت ہیں یا نہیں''۔ (گنتی۔ ۱۳: ۱۔ ۲۰) ''وہ لوگ چڑھے اور زمین کی جاسوسی دشت سین سے حوب تک جو حمات کے راستہ میں ہے کی...... وہ چالیس دن کے بعد اُس زمین کی جاسوسی کر کے پھرے''۔ (گنتی۔ ۱۳: ۲۱۔ ۲۵) انہوں نے آکر جو کچھ کہا، وہ حاشیہ نمبر ۹۶ میں نقل ہو چکا۔ و۹۹ ان لوگوں نے ایک بڑی گہری اور عارفانہ حقیقت بیان کر دی، کہ اصل امتحان تو حضرت حق کے ہاں بس عزم وہمت ہی کا ہوتا ہے۔ باقی نتائج میں برکت تو از خود پیدا ہو جاتی ہے۔ توریت میں اس مقام کی منظر کشی یوں کی ہے:۔ ''تب کالب نے موسیٰ کے حضور لوگوں کو چپ کروایا اور کہا کہ البتہ ہم لوگ چڑھیں گے اور ملک پالیں گے۔ کیونکہ ہمیں بلاشبہ اس کے لینے کا زور ہے''۔ (گنتی۔ ۱۳: ۳۰) ''اور نون کے بیٹے یشوع اور یفنہ کے بیٹے کالب نے جو اُس زمین کی جاسوسی کرنے والوں میں سے تھے، اپنے کپڑے پھاڑے اور انہوں نے بنی اسرائیل کی ساری جماعت کو کہا، وہ زمین جس پر ہمارا گزر اُس کی جاسوسی کے لیے ہوا نہایت خوب زمین ہے۔ اگر خدا ہم سے راضی ہے تو ہم کو اس زمین پر لے جائے گا اور یہ زمین جس پر دودھ اور شہد بہہ رہا ہے، ہم کو عنایت کرے گا۔ مگر تم خداوند سے بغاوت نہ کرو اور نہ تم اس زمین کے لوگوں سے ڈرو، وہ تو ہماری خوراک ہیں۔ اُن کا سایہ اُن سے جا چکا ہے پر خداوند ہمارے ساتھ ہے۔ اُن کا خوف نہ کرو۔ تب ساری جماعت نے چاہا کہ اُن پر پتھراؤ کرے''۔ (گنتی۔ ۱۴: ۶۔ ۹) و۱۰۰ یہ کہنے والی بنی اسرائیل کی عام جماعت تھی، جو ان فہمائشوں سے غیر متاثر رہی تھی۔ توریت میں اس موقع کی منظر کشی یوں کی گئی ہے:۔ ''تب ساری جماعت چلا کر روئی اور لوگ اُس رات بھر رویا کیے، پھر سارے بنی اسرائیل موسیٰ اور ہارون پر کڑکڑائے اور ساری جماعت نے انہیں کہا کہ اے کاش ہم مصر میں مرجاتے اور کاش کہ ہم اُسی بیابان میں فنا ہوتے! خداوند کس لیے ہم کو اس زمین میں لایا کہ تلوار سے گر جائیں اور ہماری جوروآں اور بچے پکڑے جائیں''۔ (گنتی۔ ۱۴: ۱۔ ۳) ''تب ساری جماعت نے چاہا کہ اُن پر (یوشع اور کالب پر) پتھراؤ کرے''۔ (گنتی۔ ۱۴: ۱۰) فَاذۡہَبۡ اَنۡتَ وَ رَبُّکَ۔ اسرائیلیوں کی اس تقریر کا گستاخانہ طنز تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرک قوموں سے متاثر ہو کر یہ موحد قوم بھی اپنے عقیدہ میں شرک اس حد تک داخل کر چکی ہو۔ مشرک قوموں کا یہ ایک عام دستور تھا کہ میدانِ جنگ میں جاتے تو اپنی مورتیوں، ٹھاکروں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور یہ عقیدہ بھی رکھتے کہ اُن کے دیوتا بھی ان کے ساتھ ساتھ ہیں۔ اِنَّا ہٰہُنَا قٰعِدُوۡنَ۔ یہ واضح رہے کہ اسرائیلیوں کی اس وقت تک کوئی الگ باقاعدہ فوج نہ تھی۔ بلکہ ساری قوم کا ہر بالغ وتندرست مرد مسلح اور فوجی سپاہی تھا۔ و۱۰۱ یعنی فیصلہ ان دو فریقوں کے درمیان، جن میں ایک طرف ہم دو بھائی ہیں، بے بس وبے اختیار، اور دوسری طرف یہ جم غفیر ہے، ہر طرح گستاخ ونافرمان۔ اَخِیۡ۔ بھائی سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔ جو خود بھی پیغمبر برحق تھے۔ یہ دُعا ظاہر ہے کہ ان پیمبران برحق نے اپنی ناکارہ قوم کی سرکشی اور بغاوت اور اپنی بے بسی پوری طرح محسوس کرنے کے بعد ہی کی۔ توریت کے صفحات اسرائیلیوں کی گستاخانہ روش کے تذکرہ سے لبریز ہیں۔ آیت میں بڑی تسکین کا

اُدۡخُلُوۡا عَلَیۡہِمُ الۡبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلۡتُمُوۡہُ فَاِنَّکُمۡ غٰلِبُوۡنَ ۬ۚ وَ عَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوۡۤا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲۳﴾

تم ان پر چڑھائی کر کے شہر کے دروازہ تک تو چلو، سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے اسی وقت غالب آجاؤ گے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو و۹۹

قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَہَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوۡا فِیۡہَا فَاذۡہَبۡ اَنۡتَ وَ رَبُّکَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا ہٰہُنَا قٰعِدُوۡنَ ﴿۲۴﴾

وہ لوگ بولے اے موسیٰ ہم ہرگز وہاں کبھی بھی نہ داخل ہوں گے جب تک کہ وہ لوگ وہاں موجود ہیں، سو آپ خود اور آپ کے خداوند چلے جائیں اور آپ دونوں لڑ بھڑ لیں ہم تو یہاں سے ٹلتے نہیں و۱۰۰

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَ اَخِیۡ فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾

(موسیٰ نے) عرض کی اے میرے پروردگار میں تو سوا اپنے اور اپنے بھائی کے اور کسی پر اختیار رکھتا نہیں، سو تو ہی ہمارے اور (اس) بے حکم قوم کے درمیان فیصلہ کر دے و۱۰۱

قَالَ فَاِنَّہَا مُحَرَّمَۃٌ عَلَیۡہِمۡ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَۃً ۚ یَتِیۡہُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۶﴾

ارشاد ہوا کہ اچھا تو وہ ملک ان پر چالیس سال کے لئے حرام کر دیا گیا یہ لوگ زمین پر بھٹکتے پھریں گے و۱۰۲ سو آپ (اس) بے حکم قوم پر (ذرا) غم نہ کیجئے و۱۰۳

وَ اتۡلُ عَلَیۡہِمۡ نَبَاَ ابۡنَیۡ اٰدَمَ بِالۡحَقِّ ۘ اِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِہِمَا وَ لَمۡ یُتَقَبَّلۡ مِنَ الۡاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقۡتُلَنَّکَ ؕ قَالَ اِنَّمَا

اور آپ انہیں آدم کے دونوں بیٹوں کا قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ سنائیے و۱۰۴ (یہ اس وقت ہوا) جب دونوں نے ایک نیاز پیش کی و۱۰۵ ان میں سے ایک کی تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی و۱۰۶ (اس پر وہ دوسرا) بولا کہ میں تجھ کو قتل کر کے رہوں گا و۱۰۷ (پہلے نے) کہا

ع ۸ — نصف الحزب

تو وہ دل شکستہ کیوں ہو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دعائے موسوی میں لفظ اخی کے بڑھانے سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ شیخ اپنے مخلص تابع میں بھی وہی حاکمانہ تصرف رکھتا ہے جو خود اپنے نفس میں۔ ف۱۰۲ (اور اسی جزیرہ نمائے سینا میں ٹھوکریں کھاتے رہیں گے) مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ۔ یعنی اُن کے لیے تکوینی طور پر اب یہ ممکن ہی نہ ہوگا کہ ۴۰ سال سے قبل اس ارض مقدس میں داخل ہو سکیں اور جو نعمت انہیں تھوڑی سی جدوجہد کے بعد فی الفور ملی جارہی تھی۔ اب اس کے لیے انہیں ۴۰ سال کا انتظار کرنا ہوگا، اور اُن کی موجودہ نسل کا بڑا حصہ اسی انتظار میں ختم ہو جائے گا۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ میں اُن سے جو وعدہ تھا وہ بالکل مطلق اور غیر مشروط صورت میں نہ تھا وہ مشروط تھا اُن کی جدوجہد کے ساتھ۔ والمراد بقوله كتب الله لكم اى بشرط ان تجاهدوا اهلها فلما ابوا الجها د قيل فانها محرمة عليهم (مدارک) ينبغى ان يكون الله قد جعلها على شريطة القيام بطاعته واتباع امره فلما عصوا حرمهم اياها (جصاص) توریت میں اس مقام پر ہے:۔ ”مجھے اپنی حیات کی قسم کہ ساری زمین خداوند کے جلال سے معمور ہوگی کہ وہ سب لوگ جنہوں نے میری شوکت اور میرے معجزے جو میں نے مصر میں اور اس بیابان میں ظاہر کیے دیکھے اب تک مجھے اس مرتبہ آزماتے اور میری آواز پر کان نہ دھرتے وہ اس زمین کو جس کی بابت میں نے اُن کے باپ دادوں سے قسم کی تھی نہ دیکھیں گے، بلکہ کوئی ان میں سے جنہوں نے مجھے غصہ دلایا اُسے نہ دیکھے گا“۔ (گنتی۔ ۱۴: ۲۱، ۲۲) ”مجھے اپنی حیات کی قسم جیسا تم نے مجھے سنا کے کہا ہے میں تم سے ویسا ہی کروں گا، تمہاری لاشیں اور اُن سب کی جو تم میں شمار کیے گئے اُن کے کل جمع کے مطابق ۲۰ برس والے سے لے کے اُوپر والے تک جنہوں نے میری شکایتیں کیں، اس بیابان میں گریں گی“۔ (گنتی۔ ۱۴: ۲۸، ۲۹) ”تم جو ہو تمہاری لاشیں اس بیابان ہی میں گریں گی اور تمہارے لڑکے اس دشت میں چالیس برس تک بھٹکتے پھریں گے۔ اور تمہاری برگشتگی کے اُٹھانے والے ہوں گے“۔ (گنتی۔ ۱۴: ۳۳) ”ان دنوں کے شمار کے موافق جن میں تم اس زمین کی جاسوسی کرتے تھے جو چالیس دن ہیں، دن پیچھے ایک سال ہوگا۔ سو تم چالیس برس تک اپنے گناہ کو اُٹھاتے رہو گے۔ تب تم میری عہد شکنی کو جان لو گے۔ میں نے جو خداوند ہوں کہا ہے کہ میں اس سارے خبیث گروہ سے جو میری مخالفت پر جمع ہیں، ایسا ہی کروں گا۔ اس دشت میں وہ برباد ہو جائیں گے اور یہیں ہلاک ہوں گے“ (گنتی۔ ۱۴: ۳۴، ۳۵) عصر حاضر کے ایک فرنگی ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن کے تخمینہ کے مطابق یہ زمانہ ۱۴۴۰ ق۔م اور ۱۴۰۰ ق۔م کے درمیان کا ہے أَرْبَعِينَ۔ فعل حرم کا ظرف ہے۔ اربعين ظرف التحريم (مدارک) ف۱۰۳ پیمبر آخر پیمبر ہوتے ہیں، رحمت وشفقت کے پتلے، عفو وکرم کے مجسمے۔ کہاں خود ہی تو دعا کی تھی کہ نافرمان قوم کو سزا ملے۔ اور کہاں اب جو سزا، وہ بھی صرف دنیوی، ملنے لگی تو لگا خود آپ ہی کا دل پسیجنے اور اُن لوگوں پر غم کرنے عین اُسی وقت حکم ہوا کہ حکمت کاملہ میں ایسے نافرمانوں کے لیے سزا ایسی مناسب ہے اور آپ اِن پر غم نہ کیجئے۔ خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہے، جیسا کہ جمہور مفسرین کا قول ہے، اور سیاق خود اسی کا مقتضی ہے۔ فالخطاب لموسىٰ علیہ السلام كما هو الظاهر واليه ذهب اجلة المفسرين (روح) ف۱۰۴ (اے ہمارے پیغمبر!) عَلَيْهِمْ۔ میں ضمیر کس طرف ہے؟ اہل کتاب، خصوصاً معاندین اہل کتاب کی طرف ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ واتل على اهل الكتاب (کبیر) اى القصص على هؤلاء البغاة الحسدة (ابن کثیر) واتل على هؤلاء اليهود الذين هموا ان يبسطوا ايديهم اليكم (ابن جریر) لیکن عام نوع انسانی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ واتل على الناس (کبیر) قصہ کا مقصد دو اُمور کی تعلیم دینا ہے، (۱) ایک یہ کہ نسب کی بزرگی مطلق کام نہیں آتی۔ مقبول صرف وہی ہوتا ہے جو حکم کا مطیع ہوتا ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ انسان حسد سے متاثر ہو کر کیسی کیسی شیطانی حرکتیں کر گزرتا ہے۔ ابْنَيْ اٰدَمَ۔ مراد قابیل وہابیل ہیں، یا بہ اصطلاح توریت قائن وہابل۔ قابیل بڑے تھے، ہابیل چھوٹے۔ حسب تصریح توریت قابیل کاشتکار تھے اور ہابیل بھیڑ بکری کے چرواہے یا گلہ بان۔ بِالْحَقِّ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ ملتبساً بالحق۔ تلاوة متلبسة بالحق والصحة (کشاف) عجب نہیں مقصود یہ ظاہر کرنا ہو کہ قرآن کی یہ بیان کی ہوئی روداد بالکل سچ ہی سچ ہے۔ توریت وغیرہ کی روایتوں کی طرح یہ قصہ بھی حق وباطل کی ملاوٹ نہیں رکھتا۔ محقق رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پہلو اور بھی رکھا ہے۔ یعنی یہ قرآنی حکایت، دوسری قرآنی حکایتوں کی طرح ہدایت کا سبق لینے کے لیے ہے۔ جاہلیت جدید وجاہلیت قدیم کی طرح، قصہ محض قصہ کی غرض سے، آرٹ محض آرٹ کی غرض سے، قرآن مجید کا مقصود نہیں ہو سکتا۔ اى ليعتبروا به لا ليحملوه على اللعب والباطل مثل كثير من الاقاصيص التى لا فائدة فيها وانما هى لهو الحديث (کبیر) اور یہ بات اسی ایک حکایت کے ساتھ خاص نہیں۔ قرآن مجید کی ساری حکایتوں اور قصوں سے مقصود یہی عبرت، موعظت وہدایت ہے وهذا يدل على ان المقصود بالذكر من الاقاصيص والقصص فى القرآن العبرة لا مجرد الحكاية (کبیر) ف۱۰۵ (اللہ کے حضور میں) قُرْبَانًا قربانی یہاں اصطلاحی معنی میں یعنی ذبیحہ کے مرادف نہیں۔ بلکہ لفظی معنی اور وسیع مفہوم میں ہے، نذر و نیاز کے مفہوم میں ہے۔ القربان ما يتقرب به الى الله (راغب) القربان اسم لما يتقرب به الى الله تعالىٰ من ذبيحة او صدقة (کبیر) القربان ما يقصد به القرب من رحمة الله تعالىٰ من اعمال البر (جصاص) قربان اسم جنس ہے۔ واحد وجمع دونوں موقعوں پر اسی صورت سے آتا ہے۔ اسم جنس فهو يصلح للواحد والعدد (کبیر) ف۱۰۶ (اس لیے کہ وہ مخلصانہ نہ تھی) روایتوں میں آتا ہے کہ چھوٹے بھائی ہابیل کی نذر مخلصانہ تھی۔ اُس نے اپنے گلے کی بہترین بھیڑ پیش کر دی تھی، وہ قبول ہو گئی۔ بڑے بھائی قابیل نے اپنے کھیت کی پیداوار کا ناقص حصہ پیش کیا، وہ قبول نہ ہوا...... قبول نیاز کی علامت اُس زمانہ میں یہ تھی، کہ ایک آگ آسمان سے آ کر نذر قبول کر لے جاتی تھی۔ توریت میں اس کے اشارے بار بار آئے ہیں۔ ف۱۰۷ قابیل ہابیل سے خفا پہلے ہی کسی معاملہ میں تھا، اور یوں بھی سن میں بڑا تھا، اپنے کو بزرگی ومقبولیت کا زیادہ حقدار سمجھتا تھا۔ اب شدت حسد سے بہت ہی برافروختہ ہو کر بے گناہ بھائی کی جان لینے تک پر آمادہ ہو گیا۔ توریت میں یہ پورا قصہ یوں درج ہے:۔ ”چند روز کے بعد یوں ہوا کہ قائن اپنے کھیت میں سے خداوند کے واسطے ہدیہ لایا اور ہابل بھی اپنی پلوٹھی اور موٹی بھیڑ بکریوں میں سے لایا۔ اور خداوند نے ہابل کو اور اس کے ہدیہ کو قبول کیا، پر قائن کو اور اس کے ہدیہ کو قبول نہ کیا۔ اس لیے قائن نہایت غصہ اور ترش رو ہوا۔ اور خداوند نے قائن سے کہا تجھے کیوں غصہ آیا اور اپنا منہ کیوں بگاڑا۔ اگر تو اچھا کرتا تو کیا مقبول نہ ہوتا؟ اور اگر تو اچھا نہ کرے تو گناہ دروازہ پر موجود ہے۔ اور تیرا ارادہ رکھتا ہے۔ پر تو اس پر غالب آ۔ اور قائن نے اپنے بھائی ہابل سے باتیں کیں، اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے، تو یوں ہوا کہ قائن اپنے بھائی ہابل پر اُٹھا، اور اسے مار ڈالا“۔ (پیدائش۔ ۴: ۳۔ ۸) ف۱۰۸ (اور تم چونکہ مقام تقویٰ واخلاص پر قائم نہ رہے، اس لیے قبول نذر کے معاملہ میں ناکام رہے۔ اس میں میری کیا خطا ہے؟) لان حصول التقوىٰ شرط فى قبول الاعمال (کبیر) محقق رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تقویٰ میں ان تین اُمور کی رعایت لازمی ہے۔ ایک یہ کہ قبول طاعت میں غایت خشیت کا استحضار ہو، اور اپنی طرف سے کوئی بات تکمیل طاعت میں اٹھا نہ رکھی جائے۔ دوسرے یہ کہ امکانی کوشش اس امر کی رہے کہ طاعت سے رضاء الٰہی کے سوا اور کچھ مقصود نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ غیر اللہ کی شرکت وآمیزش ذرا بھی اس طاعت میں نہ ہو۔ و حقيقة التقوىٰ امور احدها ان يكون علىٰ خوف ووجل من تقصير نفسه فى تلك الطاعة فيتقى بالقصى ما يقدر عليه عن جهات التقصير وثانيها ان يكون فى غاية الاتقاء من ان ياتى بتلك الطاعة لغرض سوى طلب مرضاة الله تعالىٰ وثالثا ان يتقى ان يكون لغير الله تعالىٰ فيه شركة (کبیر) محققین اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ تقویٰ سے اس سیاق میں مراد تقویٰ شرک ہے۔ تو جو شرک سے محفوظ اور توحید پر قائم رہا، تو جن اعمال میں اُس نے صدق نیت سے کام لیا، وہ مقبول ٹھہریں گے اور جو شرک ومعصیت دونوں سے بچا، وہ قبول ورحمت دونوں کا حقدار ٹھہرا۔ قال ابن عطية المراد بالتقوىٰ هنا اتقاء الشرك باجماع اهل السنة فمن اتقاه وهو موحد فاعماله التى تصدق فيها نيته مقبولة (قرطبی۔ بحر) واما المتقى الشرك والمعاصى فله الدرجة من القبول والختم بالرحمة (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے کسی کمال کا اظہار موقع شکر پر جائز ہے، بہ طور فخر نہیں ف۱۰۹ (باوجود اپنے اس علم کے کہ میں بے قصور ہوں) ف۱۱۰ (حالانکہ تیرے ارادۂ قتل پر مطلع ہو کر اور تیری آمادگی قتل دیکھ کر میرے پاس جواز قتل کا عذر بھی موجود ہے) فقرہ کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ تم جس طرح آغاز قتل میں دلیر ہو، میں ابتداء بالقتل کی جرأت نہیں رکھتا۔ یہ مطلب نہیں کہ مدافعت میں تلوار اُٹھانا جائز نہ ہو۔ شریعت اسلامی میں جب قرآئن قوی سے یہ معلوم ہو جائے کہ قاتل حملہ کیا ہی چاہتا ہے، تو جواب ومدافعت میں تلوار اٹھانا بالکل جائز ہے، بلکہ اگر مصلحت

اسلامی اس کی مقتضی ہو، تو ایسے موقع پر واجب ہو جاتا ہے۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما لئن بدأتنی بقتل لم ابدأک به و لم یردانی لادفعک علی نفسی اذا قصدت قتلی (جصاص) یجب علی من قصده انسان بالقتل قتله اذا امکنه (جصاص) انه فی شرعنا یجوز دفعه اجماعاً و فی وجوب ذٰلک علیه خلاف والاصح وجوب ذٰلک (قرطبی) واختلف فی هذا الأن فالصحیح من المذهب انه یلزم الرجل دفع الفساد عن نفسه وغیره و ان ادی للقتل (روح) محققین اہل سنت نے اس فتویٰ پر علاوہ احادیث نبوی کے متعدد آیات قرآنی سے بھی استدلال کیا ہے۔ مثلاً:۔ (۱) وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ، کہ قصد قتل یقیناً فتنہ میں شامل ہے۔ (۲) وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ کہ اسی سزائے قتل کے خوف سے قاصد قتل باز رہے گا۔ (۳) فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ الخ۔ کہ فئہ باغیہ قصد قتال ہی رکھتی ہے۔ اور انہی آیاتِ قرآنی واحادیث نبوی سے استدلال کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے قتال، اُن کے قصد قتال کی بنا پر جائز رکھا تھا، اور سب صحابیوں نے آپؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ وقد قتل علی بن ابی طالب الخوارج حین قصدوا قتل الناس و اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم معه والفقون علیه و قدروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اٰثار فی وجوب قتلهم (جصاص) مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ کے فقرہ نفی میں ایک تو بجائے فعل کے اسم فاعل اور پھر حرف ب نفی بسط کی تاکید واستمرار کے لیے ہے۔ لتاکید النفی بما فی خبرها من الباء للمبالغة فی اظهار براءته عن بسط الید ببیان استمراره علی نفی البسط (ابوسعود) و اکد النفی بالباء (بیضاوی) ذکر الشرط بلفظ الفعل والجزاء بلفظ اسم الفاعل مقروناً بالباء المزیدة لتاکید النفی (نیشاپوری) و۱۱۱ (اور مدافعت تک میں ہاتھ نہیں اُٹھاتا۔ تیری سی جسارت کہاں سے لا سکتا ہوں کہ خدا سے ذرا نہیں ڈرتا، اور بالکل بلاوجہ میرے قتل پر آمادہ ہو گیا ہے) اصل مسئلہ شرعی تو وہی ہے جو اُوپر کے حاشیہ میں مذکور ہو چکا۔ البتہ الفاظ قرآنی کے ظاہر سے سند پکڑ کے بعض بزرگوں نے ایسے موقع پر بھی عفو ودرگزر ہی کو اختیار کیا ہے۔ اور بعض اکابر سے منقول ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آخری وقت کا طرزِ عمل اسی آیت کے مطابق تھا۔ یعنی اپنی جان دینا گوارا کر لی، اور جان کے دشمنوں سے مقابلہ و قتال قبول نہ فرمایا۔ قال ایوب السختیانی ان اوّل من اخذ بهذا الأیة من هذه الامة عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان رواه ابن ابی حاتم (ابن کثیر) و هذا فی الشرع جائز لمن ارید قتله ان ینقاد و یستسلم طلبا للاجر کما فعل عثمان رضی اللہ عنہ (معالم) قال بعضهم المقصود بالقتل ان ارادان یستسلم جازله ذٰلک و هکذا فعل عثمان رضی اللہ عنہ (کبیر) انما استسلم کما استسلم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (بحر) اِنِّيْٓ اَخَافُ جملہ تعلیلیہ ہے، اور اسی لیے ترجمہ میں "کیونکہ" بڑھا دیا گیا۔ اشارة الی کون الجملة تعلیلیة لما قبله و هذا التقریر احسن من کل مایوجد فی التفاسیر (تھانوی) علل ذٰلک بقوله انی اخاف الله (ابوسعود) تعلیل للامتناع عن بسط یده لیقتله (روح) و۱۱۲ (جو کھلا ہوا نتیجہ تیری بدکرداریوں کا ہوتا ہے) اِثْمِيْ کے معنی "میرے" گناہ کے نہیں، بلکہ اہل تحقیق کے نزدیک "میرے قتل کے گناہ" کے ہیں۔ اور تقدیر کلام یوں ہے، باثم قتلی من قتلک ایای (ابن جریر ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم وناس من اصحاب الرسول) ای باثم قتلی (ابن کثیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد والضحاک وقتادہ والسدی) ای باثم قتلی و هذا قول اکثر المفسرین (معالم) اِثْمِكَ سے مراد وہ گناہ ہیں جو قابیل اس تازہ اقدامِ گناہ سے قبل کر چکا تھا۔ یا وہ پہلا گناہ جس کے پاداش میں اس کی نذر قبولیت سے محروم رہ گئی تھی۔ و اثمک فی معصیة الله بغیر ذٰلک من معاصیک (ابن جریر عن ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم وناس من اصحاب الرسول) اثم الذی علیک قبل ذٰلک (ابن کثیر وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد والضحاک وقتادہ والسدی) اثمک الذی لا جله لم یتقبل قربانک (مدارک) قال اکثر العلماء ان المعنی ترجع باثم قتلی و اثمک الذی عملته قبل قتلی قال الثعلبی هذا قول عامة اکثر المفسرین (قرطبی) فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ۔ اس جزو سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قابیل کافر تھا، اس لیے کہ اصحاب النار کا اطلاق قرآنی اصطلاح میں کافروں ہی پر ہوتا ہے۔ و قد استدل بقول هابیل لاخیه قابیل انه کان کافرًا لان لفظ اصحاب النار انما ورد فی الکفار حیث وقع فی القرآن (قرطبی) لیکن اہل تحقیق کے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں۔ اصحاب النار وہ بھی ہیں جو کچھ دیر کے لیے بھی دوزخ میں جائیں، اور یہ سزا مومن عاصی کے لیے ممکن ہے۔ و هذا مردود بما ذکرناه عن اهل العلم فی تاویل الأیة و معنی من اصحب النار مدة کونک فیها (قرطبی) ولا یقوی هذا الاستدلال لانه یکفی عن المقام فی النار مدة بالصحبة (بحر) اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ۔ یعنی میں چاہتا ہوں کہ سارا وبال تمہی پر پڑے، مجھ پر نہ پڑے۔ یہ مراد نہیں کہ میں چاہتا ہوں، تم بھی گناہ کرو کسی کے لیے یہ چاہنا کہ وہ گناہ کرے، جائز نہیں۔ البتہ اس چاہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ گناہ کا وبال گنہگار ہی پر پڑے۔ والمرادانی ارید ان تبوء بعقاب اثمی و اثمک لانه لایجوزان یکون مراده حقیقة الاثم اذغیر جائز لاحد ارادة معصیة الله من نفسه ولا من غیره (جصاص) معناه انی اریدان تبوء بعقاب قتلی فیکون ارادة صحیحة لانها موافقة لحکم الله عزوجل (معالم) تَبُوْٓاَ۔ باء کے معنی اُلٹ کر پڑنے کے ہیں۔ و معنی تبوء ترجع والبواء الرجوع بالقود

يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ

اللہ تو متقین کا (عمل) قبول کرتا ہے و۱۰۸ تو اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر اٹھائے گا

يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ

کہ مجھے قتل کر ڈالے و۱۰۹ تو میں (جب بھی) اپنا ہاتھ تجھ پر اٹھانے کا نہیں کہ تجھے قتل کر ڈالوں و۱۱۰

اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ

(کیونکہ) میں تو اللہ پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں و۱۱۱ میں تو یہی چاہتا ہوں

تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ

کہ تو میرے (قتل کا) گناہ اور اپنا (پچھلا) گناہ (دونوں) اپنے سر رکھ لے پھر تو دوزخیوں میں شامل ہو جائے و۱۱۲

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۚ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ

یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی و۱۱۳ غرض اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے

قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

قتل پر آمادہ کر دیا، تو اس نے اسے مار (ہی) ڈالا، و۱۱۴ جس سے وہ بڑا نقصان اٹھانے والوں میں ہو گیا و۱۱۵

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ

اس پر اللہ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کو کھودتا تھا تاکہ اسے دکھا دے کہ وہ

يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ

اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے و۱۱۶ (یہ دیکھ کر) وہ بولا، ہائے میری کمبختی کہ میں اس سے بھی گیا گزرا ہوا کہ

اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ

اس کوے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا و۱۱۷

فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا

غرض وہ (بہت ہی) شرمندہ ہوا و۱۱۸ اسی باعث ہم نے بنی اسرائیل پر

(جصاص) و قیل تحتمل (معالم) **و۱۱۳** اپنے عام حکیمانہ اسلوب کے مطابق قرآن مجید نے یہاں بھی ایک مخصوص واقعہ کے بیان کے معاً بعد ہی قانون عام بھی سنا دیا۔ **و۱۱۴** ہابیل کی اس مؤثر تقریر سے قابیل ذرا بھی متاثر نہ ہوا، بلکہ مقابلہ و مزاحمت کی طرف سے بے فکر ہو کر عجب نہیں جو قتل پر اور زیادہ آمادہ ہو گیا ہو۔ فَقَتَلَهٗ۔ توریت میں ہے۔ ”اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے، تو یوں ہوا کہ قائن اپنے بھائی ہابل پر اٹھا اور اُسے مار ڈالا“۔ (پیدائش ۴:۸) فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ۔ یعنی اسے نفس نے اس کام پر رفتہ رفتہ دلیر و مستعد بنا دیا، اور اسے اس کی نظر میں خوشگوار کر دکھایا۔ ای فحسنت و سولت نفسه و شجعته علی قتل اخیه (ابن کثیر) یہ حال ہر بدی و معصیت کا ہے۔ ابتداءً ہر فطرت سلیم اس سے رُکتی ہے، ہچکچاتی ہے، لیکن نفس رفتہ رفتہ اس کی جانب مائل اور اُس پر گرویدہ ہوتا جاتا ہے، اور اس کی طرف سے جھجک مٹتی جاتی ہے، یہاں تک کہ انسان اسے بے دھڑک کر گزرتا ہے۔ **و۱۱۵** خسران اور نقصان اس سے بڑھ کر کیا ہو گا کہ دنیا میں سب سے پہلا قتل کیا، قتل انسانی اور برادر کشی کا مرتکب ہوا۔ اور آخرت میں عذابِ شدید کا مستحق ہوا۔ فَاَصْبَحَ سے یہ مراد نہیں کہ قتل رات ہی کے وقت ہوا تھا۔ اَصْبَحَ کا اطلاق وقت مبہم کے لیے عام ہے۔ وقوعِ قتل و حصول خسران دن رات کے جس حصہ میں بھی ہوا ہو، اس لفظ کے اعتبار سے بے تکلف جائز ہے۔ اصبح ہو گیا کے معنی میں اور صار کے مرادف عرب کا عام محاورہ ہے۔ بعضوں کو اس محاورہ کے سمجھنے میں عجب غلطی ہوئی ہے۔ ولا دلالة فی قوله فاصبح علی ان القتل

عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ

یہ مقرر کر دیا کہ جو کوئی کسی کو کسی جان کے (عوض کے) یا زمین پر

اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ

فساد (کے عوض) کے بغیر مار ڈالے و۱۱۹ تو گویا، اُس نے سارے آدمیوں کو مار ڈالا و۱۲۰

وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ لَقَدْ

اور جس نے ایک کو بچا لیا، تو گویا اُس نے سارے آدمیوں کو بچا لیا و۱۲۱ اور یقیناً

جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ؗ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ

اُن لوگوں کے پاس ہمارے پیمبر کھلے ہوئے احکام لے کر آئے و۱۲۲ اس پر بھی ان میں کے بہت سے لوگ

بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا

ملک میں زیادتی کرنے والے ہی رہے و۱۲۳ جو لوگ

الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ

اللہ اور اُس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے میں لگے

فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ

رہتے ہیں و۱۲۴ ان کی سزا بس یہی ہے کہ وہ قتل کیے جائیں، یا سولی دیے جائیں یا ان کے ہاتھ

وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ

اور پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں، یا وہ ملک سے نکال دیے جائیں و۱۲۵ یہ تو ان کی

لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

رسوائی دنیا میں ہوئی، و۱۲۶ اور آخرت میں ان کے لئے بڑا

عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا

عذاب ہے و۱۲۷ مگر جو لوگ توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم اُن پر

كان لیلا و انما المرادبه وقت مبهم جائز ان یکون لیلاً و جائزان یکون نهارًا وهٰذا عادة العرب فی اطلاق مثله والمرادبه الوقت المبهم (جصاص) اصبح بمعنی صار (بحر) الاترى انهم جعلوا اضحی وظل و امسی و بات بمعنی صار (بحر) **و۱۱۶** یہ روئے زمین پر پہلا قتل تھا، اور قابیل غریب کو یہ بھی خبر نہ تھی، کہ اپنے مقتول بھائی کی لاش کو آخر کرے کیا۔ آخر ایک معمولی اور حقیر سا پرندہ، انتظاماتِ تکوینی کے ماتحت اس قاتل کو دفن کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا گیا۔ سَوْءَةَ کے لفظی معنی جسم کے پوشیدہ رکھے جانے والے حصہ کے ہیں۔ یہاں مراد نعش سے ہے۔ ای جیفة اخیه (کبیر) قیل جمیع جیفته فان المیت كله عورة (بحر) **و۱۱۷** قاتل اب بہ کمال حسرت و ندامت کہہ رہا ہے، کہ مجھے تو اس مردار خوار جانور کے برابر بھی فہم و شعور نہیں! توریت میں تو ہابیل کی تدفین کا کچھ ذکر نہیں، البتہ شارحین توریت نے ایک پرندہ کا ذکر کیا ہے، کہ اس کے عمل تدفین کو دیکھ کر آدم علیہ السلام و حوا نے بھی ہابیل کا لاشہ زمین میں دفن کیا، لیکن پرندہ کا نام بجائے کوے کے جنگلی فاختہ آیا ہے۔ ملاحظہ ہو جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد اوّل صفحہ ۴۹۔ اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ۔ بعض فقہاء نے اس بیان سے جواز قیاس تمثیلی کا استنباط کیا ہے۔ فیه دلیل علی قیاس الشبه (ابن العربی) **و۱۱۸** (اپنی اس تباہ حالی پر) یہ ندامت نفس قتل پر بالکل نہ تھی، جو توبہ کی قائم مقام کسی درجہ میں بھی ہو سکتی، بلکہ قتل کے بعد اُسے جو دشواریاں نظر آئیں، صرف اُن پر تھی۔ جسے ندامت طبعی کہا جا سکتا ہے، جو کسی حد تک بھی توبہ کا کام نہیں دے سکتی...... گویا قاتل صرف پریشان ہوا، پشیمان اب بھی نہ ہوا۔ و لم یکن ذٰلک ندم توبة (قرطبی) قیل انه ندم علی القتل علی غیر جهة القربة الی الله تعالیٰ منه و خوف عقابه (جصاص)...... فکان ندمه لاجل هٰذه الاسباب لا لکونه معصیة (کبیر) حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر یہ ندامت عواقب قتل پر نہیں، بلکہ قتل ہی پر مانی جائے، جب بھی ہر ندامت توبہ نہیں۔ جب تک معذرت اور انکسار اور فکر تدارک بھی اس کے ساتھ شامل نہ ہو۔ یہ ندامت اگر کہیں معصیت کو معصیت سمجھ کر، اور خوف خدا سے ہوتی تو توبہ قبول ہی نہ ہو گئی ہوتی۔ ولوندم علی الوجه المامور به لقبل الله توبته و غفر ذنوبه (جصاص) الندم له شروط فكل من جاء بشروطه قبل منه و من اخل بها او بشیء منها لم یقبل (ابن العربی) الندم علی المعاصی انما ینفع بشرط العزم علی ان لایفعل فی المستقبل (ابن العربی) **و۱۱۹** (اور اس طرح قتل ناحق کا مرتکب ہو) آیت سے ظاہر ہو گیا کہ جو بھی قتل ارادی بجز ان دو صورتوں کے کیا جائے، وہ قتل ناحق ہو گا:۔ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ۔ یعنی وہ قتل بہ طور قصاص یا کسی قتل کے عوض میں ہو۔ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ۔ یعنی وہ قتل کسی ایسے جرم کے پاداش میں ہو جس سے ملک میں بدامنی اور فساد کی بنیاد پڑ رہی ہو، اور نظام عالم پر اس سے ضرب لگ رہی ہو، مثلاً جرم رہزنی، جرم ارتداد، جرم حرامکاری وغیرہ۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ یعنی ان مفاسد کے باعث جو قتل ناحق سے پیدا ہوتے ہیں۔ ذٰلِكَ سے اشارہ قصہ قتل ہابیل کی جانب نہیں، بلکہ ان مفاسد کی جانب ہے جو قتل ناحق سے لازم آتے ہیں۔ هو اشارة الی ما مرذکره فی هٰذه القصة من انواع المفاسد الحاصلة بسبب القتل الحرام (کبیر) آیت کے اس ٹکڑے سے فقہاء نے قیاس شرعی کا بھی اثبات و استناد کیا ہے۔ فیه ابانة عن المعنی الذی من اجله كتب علی بنی اسرائیل ما ذکر فی الاٰیة (جصاص) و فیه دلیلٌ علی اثبات القیاس و وجوب اعتبار المعانی التی علق بها الاحکام و جعلت عللًا و اعلامًا لها (جصاص) **و۱۲۰** آیت پر یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے، کہ ایک فرد کا قاتل اور ساری نوع کا قاتل برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ تو یہ لفظ فَكَاَنَّمَا پر غور کرنے سے جاتا رہتا ہے۔ یہ ارشاد ہرگز نہیں ہو رہا ہے، کہ ایک کا قاتل اور سب کا قاتل قانون کی نظر میں یکساں ہو گا۔ قانون، عدالت، ضابطہ کی نظر میں دونوں کی مساوات کا یہاں مطلق ذکر نہیں۔ مقصود قاتل کی فطرت پر روشنی ڈالنا ہے۔ جو ظالم و فاجر ایک شخص کی بھی جان بلا وجہ اور بے قصور لے ڈالنے میں نہیں ہچکچاتا، اُس کی جسارت اور خبث نفس سے بعید کیا ہے، جو وہ پائے، تو سارے انسانوں کو تہ تیغ کر کے رکھ دے۔۔۔ اصل شے تو اس کی نظر میں

قانونِ شریعت کی بے وقری اور اس کے خلاف ورزی پر اُس کی دلیری ہے۔ من حیث انہ هتک حرمة الدماء و سنّ القتل و جرأ الناس علیه (بیضاوی) المقصود من تشبیه قتل النفس الواحدة بقتل النفوس المبالغة فی تعظیم امر القتل العمد العدوان و تفخیم شانه (کبیر) قیل المعنیٰ من استحل واحدًا فقد استحل جمیعا لانه انکر الشرع (قرطبی) حدیث نبوی ﷺ میں بھی یہ مضمون ایک جگہ آیا ہے کہ روئے زمین پر جو بھی قتل ناحق ہوتا ہے، اس کے وبال کا ایک حصہ قابیل کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے کہ بانیٔ اوّل اس جور و ستم کا تو وہی ہوا ہے۔ عن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ لاتقتل نفسٌ ظلمًا اِلَّا کان علی ابن اٰدم الاول کفلٌ من دمها لانه اول من سنّ القتل (بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ باب خلق آدم وذریتہ) موجودہ توریت میں تو جرم قتل انسانی سے متعلق صرف اس قدر ہے:۔ ”جو کوئی آدمی کا لہو بہاوے آدمی ہی سے اس کا لہو بہایا جائے گا، کیونکہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے“۔ (پیدائش۔ ۹:۶) لیکن تالمود میں (حسب روایت راڈول، انگریزی مترجم قرآن) حسب ذیل مضمون بھی موجود ہے:۔ ”جو کوئی کسی ایک اسرائیلی کو بھی مار ڈالے گا، اس کے لیے یوں سمجھا جائے گا کہ گویا اُس نے ساری نسل اسرائیل کو قتل کر دیا“۔

ف ۱۲۱ ایک حدیث صحیح میں بھی یہ مضمون، ایک عام قاعدہ وضابطہ کی صورت میں آیا ہے:۔ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَعَمِلَ بِهَا کَانَ لَهٗ اَجْرُهَا و مثل اجر من عمل بها لاینقص من اجورهم شیئاً و من سن سنة سیئة فعمل بها کان علیه وزرها و وزر من عمل بها لا ینقص من اوزارهم شیئاً۔ جو کوئی کسی نیک رسم کی بنیاد ڈال دے اور اُس پر عمل بھی کرے اُسے اجر اپنا بھی ملتا ہے اور اس کے بعد اس پر تمام عمل کرنے والوں کا بھی، بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے اجر سے کچھ کیا جائے اور جو کوئی کسی رسم بد کی بنیاد ڈال دے، اور اُس پر عمل بھی کرے اُس پر گناہ اپنے کیے کا بھی پڑتا ہے، اور اُس کے بعد اُس پر دوسرے عمل کرنے والوں کا بھی، بغیر اس کے کہ اُن لوگوں کا گناہ کچھ ہلکا ہو۔ اگر نص کی اتنی تصریحات نہ موجود ہوتیں، جب بھی یہ مسئلہ اپنی جگہ پر عقلی تھا۔ اَحْیَاهَا۔ احیا کے معنی یہاں زندہ کرنے کے نہیں، موت سے بچا لینے اور اسباب ہلاکت سے دُور رکھنے کے ہیں۔ قال مجاهد نجاها من الهلاک (جصاص) من سلم من قتلها (معالم) المراد من احیاء النفس تخلیصها عن المهلکات مثل الحرق والغرق والجوع المفرط والبرد والحر المفرطین (کبیر) یہ بچا لینا مستحق مدح واجر جب ہے جب خونِ حق سے بچایا جائے، ورنہ بچا لینے کو اگر اپنے مطلق اور عمومی معنی میں رکھا جائے، تو موقع قصاص وغیرہ پر قتل واجب سے کسی کو بچانا بجائے خود ایک معصیت اور اعانت علی الحرام ہے۔ **ف ۱۲۲** (اور انہی احکام میں قتل ناحق اور خونریزی کی ممانعت بھی داخل تھی) اَلْبَیِّنٰتِ سے مراد دلائل و معجزات بھی ہو سکتے ہیں، لیکن یہاں زیادہ چسپاں معنی احکام وہدایات کے ہیں۔ ای بالامر و النهی و العلامات (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ”صاف حکم“ (شاہ عبدالقادر دہلوی) جَآءَتْهُمْ۔ هم کی ضمیر انہی بنی اسرائیل کی جانب ہے۔ **ف ۱۲۳** (یہاں تک کہ بعض اوقات تو خود انہی پیمبروں کو قتل کر ڈالا) ثُمَّ۔ کبھی استبعاد کے لیے بھی آتا ہے۔ ثم للتراخی فی الرتبة والاستبعاد (روح) چنانچہ یہاں اسی معنی میں ہے کہ جو نتیجہ ان پیمبروں کے آنے کا نکلنا تھا وہ تو کچھ بھی نہ نکلا، البتہ اس کے برعکس نکلا۔ لَمُسْرِفُوْنَ۔ اسراف میں ہر قسم کی زیادتی اور ہر قسم کے گناہ آ گئے۔ اور مطلب یہ ہوا کہ پیمبروں کی آمد کے باوجود، اسرائیلیوں کی اکثریت قانون کی مسلسل خلاف ورزی کرتی رہی۔ الاسراف فی کل امر التباعد عن حد الاعتدال مع عدم مبالاة به (روح) ای ان اکثرهم مجاوزون الحد وتارکون امر اللہ (قرطبی) ای محادوا اللہ و رسله باتباعهم اهواء هم و خلافهم علی انبیاء هم و ذلک کان اسرافهم فی الارض (ابن جریر) **ف ۱۲۴** یہ کون لوگ ہیں؟ اور آیت کے ان دو جملوں میں باہمی تعلق کیا ہے؟ اہل تحقیق کے نزدیک دونوں فقروں کے درمیان کا واو تفسیری ہے، اور اس لیے دوسرا فقرہ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ پہلے فقرہ اَلَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کی تشریح وتفسیر اور اس کی مراد متعین کر رہا ہے۔ و یسعون فی الارض فساداً هذا هو معنی محاربة المسلمین (جمل) مراد یہاں رہزنوں اور ڈاکوؤں کے گروہ سے ہے۔ عام اس سے کہ وہ کافر ہوں یا مسلم۔ یہی گروہ جب نکلتا ہے تو ہتھیار باندھ کر، پوری شان وشوکت کے ساتھ کہ جن پر حملہ کیا جائے وہ بیچارے مقابلہ بھی نہ کر سکیں۔ عاصیوں اور

نافرمانوں کے طبقہ میں یہ گروہ خصوصیت کے ساتھ محاربین کا مصداق ہوتا ہے۔ ذهب اکثر المفسرین و علیه جملة الفقهاء الیٰ انها نزلت فی قطّاع الطریق (روح) والصحیح ان هذه الاٰیة عامة فی المشرکین و غیرهم فی من ارتکب هذه الصفات (ابن کثیر) یتناول کل من کان موصوفًا هذه الصفة سواء کان کافرًا او مسلماً (کبیر) نزلت فی قطاع الطریق من المسلمین و هذا قول اکثر الفقهاء (کبیر) المراد قطاع الطریق من اهل الملة (جصاص) و لم یسم بذلک کل عاصٍ للہ تعالیٰ اذ لیس بهذه المنزلة فی الامتناع و اظهار المغالبة فی اخذ الاموال و قطع الطریق (جصاص) ایک قول بعض غیر مستند متاخرین (عن بعض المتاخرین ممن لا یعتد به) کا یہ بھی نقل ہوا ہے کہ آیت کے مصداق مرتدین ہیں۔ لیکن محققین نے تصریح کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ یہ قول سرتاسر لغو و باطل ہے۔ هو قول ساقطٌ مردودٌ مخالف للاٰیة و اجماع السلف والخلف (جصاص) لا خلاف بین السلف و الخلف من فقهاء الامصار ان هذا الحکم غیر مخصوص باهل الردّة و انه فی من قطع الطریق و ان کان من اهل الملة (جصاص) یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ محاربہ اپنے لفظی معنی میں اللہ سے تو کسی کا ممکن ہی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے ممکن تھا، لیکن کبھی کسی مسلم سے واقع نہیں ہوا، اور بعد وفات شریف تو اس کا امکان ہی نہ رہا۔ یہاں محاربہ سے مراد معصیت اور مخالفت یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کو توڑنا اور اس سے مقابلہ کرنا ہے۔ اہل لغت نے یہی معنی لئے ہیں۔ یعنی المعصیة ای یعصونه (لسان) ای یعصونه (تاج) اور اہل تفسیر تو سب اسی طرف گئے ہیں۔ ای الذین یخالفون احکام اللہ و احکام رسوله (کبیر) المحاربة هی المضادة و المخالفة و هی صادقة علی الکفر و علی قطع الطریق و اخافة السبیل (ابن کثیر) یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا۔ مسلمان تو خیر مسلمان ہی ہیں ان کے ساتھ ذمیوں کے بھی مال اور جان دونوں اللہ اور اس کے رسول کے بخشے ہوئے حفظ وامن میں ہوتے ہیں، اب جو کوئی ان پر بلا عذر حملہ کرتا ہے، وہ پوری طرح سعی فساد فی الارض کا مرتکب ہوتا ہے، اور یہی اللہ اور رسول سے محاربہ بھی ہے سمی قاطع الطریق محاربًا للہ لکون المسافر معتمدًا علی اللہ تعالیٰ فالذی یزیل امنه فحارب لمن اعتمد علیه فی تحصیل الامن (فتح القدیر) سمّوا محاربین تشبیهًا لهم بالمحاربین من الناس (جصاص) فقہاء حنفیہ نے یہاں یہ قید لگائی ہے کہ جس رہزنی کا یہاں ذکر ہے۔ اور جس کی سزا یہاں درج ہے، یہ شہر یا قرب شہر میں معتبر نہیں۔ شہر اور قرب شہر صرف تعزیر و قصاص کا محل ہے۔ یہاں حد جاری نہ ہوگی۔ و مذهب ابی حنیفة و جماعة ان المحاربین هم قطاع الطریق خارج المصر واما فی المصر فیلزمه حدما اجترح من قتل او سرقة او غصب و نحو ذلک (بحر) و قال قوم المکابرون فی الامصار لیس لهم حکم المحاربین فی استحقاق هذا الحد و هو قول ابی حنیفة (معالم) قالت طائفةٌ لا تکون المحاربة فی المصر انما تکون خارجًا عن المصر هذا قول سفیان الثوری و اسحٰق و النعمان (قرطبی) **ف ۱۲۵** چار سزائیں یہاں مذکور ہوئیں اور چاروں الگ الگ موقعوں کے لیے ہیں۔ قول صحیح ومعتبر یہی ہے، نہ یہ کہ امام کو ان چار سزاؤں میں سے ہر ایک موقع کے لیے اختیار دے دیا گیا ہے، اگرچہ بعض اکابر اس طرف بھی گئے ہیں۔ ذهب اکثرون الیٰ ان هذه العقوبات علی ترتیب الجرائم لاعلی التخییر (معالم) وقال ابن عباس و ابو مجلز و قتادہ والحسن و جماعة بکل رتبة من الحرابة رتبة من العقاب (بحر) والمراد منه واللہ اعلم التوزیع علی الاحوال (ہدایہ) اَوْ۔ حرف اَوْ جو یہاں سزاؤں کے درمیان بار بار آیا ہے، تخییر کے لیے نہیں، تفصیل کے لیے ہے۔ و او فی الاٰیة علی هذا للتفصیل (بیضاوی) قال ابن عباس فی روایة عطاء کلمة او ههنا لیست للتخییر بل هی لبیان ان الاحکام تختلف باختلاف الجنایات و هذا قول الاکثرین من العلماء (کبیر) یُقَتَّلُوْٓا۔ یہ سزا اُس موقع کے لیے ہے، جب رہزنوں نے کسی کو صرف قتل کیا ہو، اور نوبت مال لینے کی نہ آئی ہو۔ تقتیل باب تفعیل سے ہے اور اس کے معنی میں باب قتل یا قصاص پر زیادتی ہے۔ یہیں سے اشارہ اس نکتہ کی طرف ہو رہا ہے کہ یہ حق شریعت ہے۔ محض ولی کے معاف کر دینے سے معاف نہیں ہوگا۔ و یقتلون حدًا حتی لو عفا الاولیاء عنهم لا یلتفت الی عفوهم لانه حق

الشــرع (ہدایہ) رہزنی کا جرم تنہا فرد یا افراد کے خلاف نہیں، معاشرہ کے خلاف بھی ہے۔ اس لیے مستغیث افراد کی دستبرداری ایسے مقدمہ کو ختم کرنے کو کافی نہیں۔ یُصَلَّبُوْٓا ۔ یہ سولی پر چڑھانا اس صورت کے لیے ہے، جب رہزنی میں قتل وغارت دونوں کا ارتکاب ہوا ہو۔ حنفیہ کے ہاں سولی کی سزا کے لازمی ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ امام ابوالحسن قدوری کا قول ہے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے کہ سولی دینے نہ دینے کا امام کو اختیار ہے۔ ثم ذکر فی الکتاب التخییر بین الصلب و ترکہ و ھو ظاہر الروایۃ (ہدایہ) فی ظاہر الروایۃ ھو مخیر فی الصلب ان شاء فعلہ و ان شاء لم یفعلہ و اکتفی بالقتل (مبسوط) لیکن امام ابویوسف علیہ رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ سولی ضروری جائے، اس لیے کہ اولاً تو یہ نص قرآنی کے مطابق ہے اور دُوسرے سزا سے جو مقصود تشہیر اور دوسروں کے لیے عبرت ہے، وہ بھی اسی سے حاصل ہوتا ہے۔ و عن ابی یوسف علیہ رحمۃ اللہ انہ لا یترکہ لانہ منصوص علیہ المقصود والتشہیر لیعتبر بہ غیرہ (ہدایہ) و عن ابی یوسف علیہ رحمۃ اللہ قال لیس للامام ان یدع الصلب لان المقصود بہ الاشتہار لیعتبر غیـــرہ (مبسوط) خود صاحب ہدایہ کا کہنا یہ ہے کہ تشہیر جو نفس قتل ہی سے ہوجاتی ہے، البتہ سولی سے اس تشہیر میں اور زیادتی ہوجاتی ہے، اس لیے یہ امام ہی کی رائے پر چھوڑنا چاہیے۔ و نحن نقول اصل التشہیر بالقتل والمبالغۃ فی الصلب فیخیر فیہ (ہدایہ) تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا جائے گا۔ یہ سزا اس صورت میں ہے کہ صرف مال لوٹا ہو اور جان نہ لی ہو۔ اس سزا کے باب میں بھی فقہاء حنفیہ میں کسی قدر اختلاف ہے۔ امام محمدؒ سے منقول ہے کہ جب قتل یا سولی کی سزا اپنے اپنے دفعات جرم کی بنا پر نافذ ہورہی ہو تو یہ قطع اعضاء کی سزا نافذ نہ کی جائے گی، اس لیے کہ بڑی حد کے اجراء کے بعد پھر چھوٹی حد کے اجراء کا سوال باقی نہیں رہتا۔ مثلاً اگر کسی پر چوری اور زنا دونوں ثابت ہوں، تو سزا صرف زنا کی ملے گی، اور سنگساری کے ہوتے ہوئے، ہاتھ کاٹے جانے کی الگ سزا کی ضرورت نہ رہے گی۔ لیکن امام ابو حنیفہ علیہ رحمۃ اللہ اور امام ابو یوسف علیہ رحمۃ اللہ کا فرمانا ہے کہ قطع اعضاء اور سولی، یہ تعداد میں دو سزائیں ہی نہیں، بلکہ مجرم کے ہاتھ پیر کاٹ کر قتل یا سولی ایک ہی سزا ہوئی۔ یہ سزا سخت تر بیشک ہے، لیکن یہ اس لیے کہ جرم بھی تو سخت تر ہے، اور جرم کی اشدیت یہ ہے کہ مجرم نے قتل وغارت (مار اور لوٹ) دونوں کر کے امن عامہ کو انتہاء درجہ کا نقصان پہنچا دیا...... یہ ساری تفصیلات ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۔ یہ اُس صورت میں کہ ابھی نوبت نہ جان لینے کی آئی، نہ مال لوٹنے کی، محض قصد واقدام ہی کے بعد گرفتاری ہوگئی۔ ملک سے نکال دیئے جانے سے مراد ایک تو جلاوطنی ہے۔ دوسرے یہ کہ مجرم ملک میں آزادانہ چلنے پھرنے نہ پائیں، اُن کی آزادی سلب کرلی جائے، اور وہ قید خانہ میں بند کردیئے جائیں۔ فقہاء حنفیہ نے بھی آخری معنی اختیار کیے ہیں، اور لغت بھی اس کی تائید میں ہے۔ و قال ابو حنیفۃ النفی من الارض ھو الحبس و ھو اختیار اکثر اھل اللغۃ (کبیر) والمراد بالنفی عندنا ھو الحبس والسجن والعرب تستعمل النفی بذلک المعنی لان الشخص یفارق بیتہ و اھلہ (روح) قیل نفیھم ان یخلدوا فی السجن (تاج۔ لسان) فقہاء حنفیہ کہتے ہیں کہ جلاوطنی کی صورت میں مجرم یا تو کسی دُوسرے اسلامی شہر میں چلا جائے گا تو وہاں جا کر فتنہ وفساد کا باعث بنے گا۔ یا اگر دار الحرب چلا گیا تو وہاں دشمنان اسلام کی تقویت کا سبب بن جائے گا۔ اس لیے یہاں مراد حبس اور قید ہی ہے...... مبسوط۔ ہدایہ، فتح القدیر وغیرہ میں یہ بحثیں تفصیل سے ملیں گی۔ ان چار صورتوں کے علاوہ پانچویں صورت یہ بھی ممکن ہے کہ رہزنوں نے کسی کو محض زخمی کر کے چھوڑ دیا ہو، تو اس کا حکم مثل عام زخمیوں کے ہوگا۔ یہاں قانون قصاص وضمان کی دفعات چلیں گی۔ اور یہ حق العبد ہونے کے باعث معاف بھی ہوسکے گا۔ ”روشن خیالی“ اور ”تجدد نوازی“ جو دُوسرا نام ہے، جاہلیت فرنگ سے مرعوبیت کا، ممکن ہے اسلامی سزاؤں کی ان سختیوں پر چیں بہ جبیں ہو لیکن ساری قیاسی اور عقلی بحثوں سے قطع نظر، صرف عملی اور تجربی حیثیت سے نہ دیکھ لیا جائے کہ جن ملکوں نے اپنے ہاں قانون کو نرم سے نرم کر کے سزائیں ہلکی سے ہلکی کردی ہیں، اُن کے ہاں جرائم اور بدامنی کا کیا حال ہے، اور اُن قوموں کے ہاں کیا، جن کے ہاں اب تک اسلامی تعزیرات وحدود کا نفاذ جاری ہے؟...... امریکہ اور برطانیہ اور فرانس کا ریکارڈ جرائم کے لحاظ سے، بلووں اور ڈاکوں، قتل وغارت کے لحاظ سے، کیا ہے، اور نجد وحجاز ویمن کا کیا؟ Gunmen اور Gangster قسم کی نئی نئی اصطلاحیں روز کہاں پیدا ہورہی ہیں؟ بدنام تو لوٹ مار، نوچ کھسوٹ، کشت وخون کے لیے عرب کے بدوی تھے، لیکن اب کیا نسبت انہیں مہذب دنیا کے روز روشن میں ڈاکوں سے رہی ہے؟...... یہ تو واقعات ہیں واقعات، خوش اعتقادی کا کوئی سوال نہیں۔ عقلاً اور اصلاً ہے بھی یہی بات کہ اسلام نے معاش اور معیشت اور معاشرت کا جو بہترین نظام دنیا کے سامنے پیش کردیا ہے اور فرد وجماعت دونوں کے لیے فراغ خاطری اور آسائش وسہولت کے جتنے موقعے بہم پہنچا دیے ہیں، ان کے بعد بھی جو ظالم اللہ کی ان نعمتوں کی شدید ناشکری کر کے امن عامہ پر ڈاکہ ڈالتا، اور اللہ کے بندوں کی جان اور مال بہ جبر لے لینا چاہتا ہے، اور ثبوت جو اپنے انتہائی خبث نفس کا دے رہا ہے، ایسا خبیث الفطرت مستحق بھی سخت ترین سزا کا ہے۔

ف۱۲۶ عبرت وموعظت کے لیے سزاؤں کا محض سخت یا جسمانی حیثیت سے تکلیف دہ ہونا ہی کافی نہیں، تفضیح ورسوائی، دماغی وقلبی تکلیف کا پہلو بھی ان میں نمایاں ہونا چاہیے۔ فقہاء نے یہ بھی طے کردیا ہے کہ رہزنی اور ڈکیتی کا ارتکاب اگر ایک غول یا جتھے نے کیا ہے، تو فرداً فرداً ہر ایک کے تعین جرم کے ثبوت کی حاجت نہیں۔ محض اُس گروہ سے وقوع جرم کا ثبوت کافی ہے۔ اس لیے کہ جتھے کے کسی فرد نے بھی جو کچھ کیا ہے، جتھے ہی کی قوت کے بھروسہ پر کیا ہے چنانچہ قتل بالفرض رہزنوں کی جماعت میں سے کسی ایک نے بھی کیا ہے، تو محاربہ میں بہر حال پورا جتھا شریک ہوا اور قصاص میں قتل سب ہوں گے۔ فان باشر القتل احدھم اجری الحد علیھم باجمعھم لانہ جزاء المحاربہ (ہدایہ) ان باشر القتل احدھم یجب الحد علی الجمیع (شرح وقایہ)

ف۱۲۷ (اور یہ نہ سمجھا جائے کہ دُنیا کی سزا ایسے مجرموں کے لیے کافی ہوگئی) یہیں سے فقہائے حنفیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ اجرائے حد کفارۂ معصیت کے لیے کافی نہیں۔ یدل علی ان اقامۃ الحد علیہ لا تکون کفارۃ للذنوبہ (جصاص) والایۃ اقوی دلیل لمن یقول ان الحدود لا تسقط العقوبۃ فی الاخرۃ (روح) اور یہی مذہب مالکیہ کا بھی ہے۔ واذا خرج المحاربون فاقتتلوا مع القافلۃ فقتل بعض المحاربین و لم یقتل بعض قتل الجمیع (قرطبی)

ف۱۲۸ (اس لیے وہ توبہ کرنے والوں سے حد بھی ساقط کیے دیتا ہے) اب نہ ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے، نہ سولی اور نفی فی الارض (حبس) کا اختیار باقی رہے گا۔ یہ متعین حدود جو اللہ کی مقرر کی ہوئی تھیں، توبہ کے بعد ساقط ہوجائیں گی۔ اور کوئی دعوی اور مطالبہ اب حکومت اسلامی کی طرف سے باقی نہیں رہے گا البتہ وارثوں اور مدعیوں کو اب بھی اختیار ہے کہ خواہ معاف کردیں، خواہ مال پر صلح کر لیں، خواہ خون کے بدلہ میں خون کا مطالبہ کریں اب معاملہ صرف بندوں کے درمیان رہ گیا۔ وان اخذ بعد ما تاب و قد قتل عمدًا فان شاء الاولیاء قتلوہ وان شاءوا عفوا عنہ لان الحد فی ھذہ الجنایۃ لایقام بعد التوبۃ (ہدایہ) و متی سقط الحد المذکور فی الایۃ و جبت حقوق الادمیین فی المال والنفس والجراحات (جصاص) فان کان قد قتل فان شاء الاولیاء قتلوہ و ان شاءوا عفوا عنہ لان ھذا القتل قصاص فصح العفو عنہ والصلح بہ (فتح القدیر) تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۔ توبہ کے تحقق کے لیے یہ شرط ضروری ہے کہ اس کا وجود مجرموں پر قابو پائے جانے سے پہلے پایا جائے بغیر اس کے صدق توبہ اور اخلاص ثابت نہ ہوگا۔ فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ توبہ محض زبانی ولفظی کافی نہیں۔ عملی علامتیں بھی اصلاح حال اور صدق توبہ کی ظاہر ہونی چاہیے۔ حتی یتوب لا بالقول بل بظھور سیماء الصلحاء (درمختار)

ف۱۲۹ یعنی اُس کے احکام کی نافرمانی سے ڈرو اور بچو۔ تقوی ہی ایسی چیز ہے، جو جاہ ومال کی ہر حرص سے بچا سکتا ہے۔

ف۱۳۰ (طاعتوں کے ذریعہ سے) وسیلۃ کے معنی قرب کے ہیں۔ اہل لغت اور تابعین سب سے یہی معنی مروی ہیں۔ یعنی بالوسیلۃ القربۃ (ابن جریر) توسلت الی فلان بکذا بمعنی تقربت الیہ (ابن جریر) الوسیلۃ القربۃ التی ینبغی ان یطلب بھا (قرطبی) الوسیلۃ ھی القربۃ عن ابی وائل والحسن و مجاھد و قتادہ و عطاء والسدی و ابن زید و عبداللہ بن کثیر (قرطبی) الوسیلۃ القربۃ الزلفۃ یقال توسل الی ھکذا ای تقرب (ابن قتیبہ) اور قرب کا بہترین ذریعہ احکام الٰہی کی تعمیل ہے۔ اطلبوا الیہ القرب فی الدرجات بالاعمال الصالحۃ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) استعیرت لما یتوسل بہ الی اللہ تعالٰی من فعل الطاعات و ترک السیئات (مدارک) فالمراد طلب الوسیلۃ الیہ فی تحصیل مرضاتہ و ذلک بالعبادات و الطاعات (کبیر) و حقیقۃ الوسیلۃ الی اللہ تعالٰی مراعاۃ سبیلہ بالعلم والعبادۃ و تحرّی مکارم الشریعۃ و ھی کالقربۃ (راغب) جن لوگوں نے وسیلــــہ کے تحت میں بزرگان دین کی استعانت اور انبیاء واولیاء سے استغاثہ جائز رکھا ہے، انہوں نے عربی کے وسیلــہ (بہ معنی قرب) کو اُردو کے وسیلــہ (بہ معنی

عَلَيۡهِمۡ ۚ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۳۴﴾ يٰۤاَيُّهَا

قابو پاؤ تو جانے رہو کہ بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۱۲۸ اے

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ

ایمان والو اللہ سے ڈرو ف۱۲۹ اور اُس کا قرب تلاش کرو ف۱۳۰

وَجَاهِدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِهٖ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ

اور اُس کی راہ میں جدوجہد کرو ف۱۳۱ تاکہ (ہر طرح) فلاح پاؤ ف۱۳۲ بیشک

الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ اَنَّ لَهُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا

جو لوگ کافر ہیں اگر اُن کے پاس ساری دنیا کی چیزیں ہوں، اور اتنی ہی اُن کے پاس

وَّمِثۡلَهٗ مَعَهٗ لِيَفۡتَدُوۡا بِهٖ مِنۡ عَذَابِ يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ

اور بھی ہوں، تاکہ وہ انہیں معاوضہ میں دے کر قیامت کے دن عذاب سے چھوٹ جائیں،

مَا تُقُبِّلَ مِنۡهُمۡ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيۡدُوۡنَ

تو وہ ان سے (ہرگز) قبول نہ کی جائے گی، اور ان کے لئے عذاب دردناک (ہی) ہے ف۱۳۳ چاہیں گے

اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمۡ بِخٰرِجِيۡنَ مِنۡهَا ۫

کہ نکل آئیں آگ سے حالانکہ اس سے (کبھی) نہ نکل پائیں گے،

وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ

اور اُن کے لئے مستقل عذاب ہے ف۱۳۴ اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت،

فَاقۡطَعُوۡۤا اَيۡدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ

دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو ف۱۳۵ ان کے کرتوتوں کے عوض میں، اللہ کی طرف سے بطور عبرت ناک سزا کے، ف۱۳۶

وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنۡ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِ ظُلۡمِهٖ

اور اللہ بڑا قوت والا ہے، بڑا حکمت والا ہے، ف۱۳۷ پھر جو شخص اپنی حرکت ناشائستہ کے بعد توبہ کرلے،

ع ۸/۹

ذریعہ) کا مرادف سمجھ لیا ہے۔ اور ایسی شدید و فاحش غلطیاں نادر نہیں، کثیر الوقوع ہیں۔ علامہ آلوسی نے بڑے بسط و تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ و اما اذا کان المطلوب منه میتًا او غائبًا فلا یستریب عالم انه غیر جائز وانه من البدع التی لم یفعلها احدٌ من السلف (روح) (میت یا غائب شخص سے دعا کرانے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو بھی شک نہیں۔ اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا ارتکاب سلف میں کسی نے بھی نہیں کیا ہے) اور لکھا ہے کہ:۔ ولم یرو عن احد من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم و هم احرص الخلق علی کل خیر انه طلب من میتٍ شیئًا (حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر نیکی اور ثواب کا حریص اور کون ہوا ہے، لیکن کسی ایک صحابی سے بھی منقول نہیں کہ انہوں نے صاحب قبر سے کچھ طلب کیا ہو) صحابیوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اتباع سنت ضرب المثل کی حد تک شہرت رکھتا ہے، ان کی حالت میں تھی۔ فقد صح عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انه کان یقول اذا دخل الحجرة النبویة زائر السلام علیک یا رسول الله السلام علیک یا ابابکر السلام علیک یا ابت ثم ینصرف ولا یزید علی ذلک ولا یطلب من سید العلمین صلی اللہ علیہ وسلم اومن ضجیعیه المکرمین شیئًا وهم اکرم من ضمته البسیطة وارفع قدرًا من سائر من احاطت به الافلاک المحیطة ۔ (جب روضہ نبوی میں زیارت کے لیے داخل ہوتے، تو صرف اس قدر کہتے کہ السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابا بکر، السلام علیک ابا جان، اور اس سے زائد کچھ نہ کہتے نہ کچھ مانگتے نہ سرور عالم سے نہ اُن کے اُن مکرم مقربین سے۔ درآنحالیکہ سارے زمین و آسمان کی مخلوقات میں اُن سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے) روضہ مبارک کے سامنے دعا کرنے سے بڑھ کر کون سی شے مقبول ہو سکتی ہے، لیکن فقد کانت الصحابة تدعوا الله تعالٰی هناک مستقبلین القبلة و لم یرو عنهم استقبال القبر الشریف عندالدعاء مع انه افضل من العرش یہاں بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ہی سے دعا کرتے تھے قبلہ رخ ہو کر۔ اور یہ نہیں کرتے تھے کہ دعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف منہ کر لیں باوجود اس کے کہ وہ مقام عرش سے بھی افضل ہے) اور تو اور سلام پڑھتے وقت تک کے لیے۔ واختلف الائمة فی استقباله عندالسلام فعن ابی حنیفة انه لا یستقبل بل یستدبر ویستقبل القبلة (ائمہ میں اختلاف ہے کہ منہ کس طرف رکھنا چاہیے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ اس موقع کے لیے بھی یہی ہے کہ منہ قبر شریف کی طرف نہ کرے، بلکہ اُدھر پشت رکھے اور چہرہ قبلہ شریف کی طرف رہے) غرض یہ کہ بعض اہل بدعت نے لفظ وسیلہ سے جو اپنے لیے پناہ ڈھونڈی ہے، وہ سر تا سر بودی اور بے بنیاد ہے۔ ف۱۳۱ وسیلہ ہی کی طرح عربی کے جہاد کو بھی لوگوں نے اُردو کے جہاد کے مفہوم میں لے رکھا ہے۔ اُردو میں جہاد ایک دینی اصطلاح کی حیثیت سے صرف قتال فی سبیل اللہ کے معنی میں مخصوص ہو چکا ہے۔ عربی میں یہ حصر و تحدید صحیح نہیں۔ عربی میں جہاد کا مفہوم بہت وسیع اور عام ہے۔ ہر سخت کوشش جو کسی بھی دینی غرض سے کی جائے، خاص کر دشمنانِ دین کے مقابلہ میں اصطلاح قرآنی میں جہاد کا درجہ رکھتی ہے۔ الجهاد و المجاهدة استفراغ الوسع فی مدافعة العدو (راغب) و هو المبالغة والاستفراغ ما فی الوسع والطاقة من قولٍ او فعلٍ (تاج) اور جہاد جس طرح میدانِ جنگ میں تیغ و تفنگ سے ہو سکتا ہے، اُسی طرح جہاد مال و دولت سے اور قلم و زبان سے بھی ہو سکتا ہے۔ ف۱۳۲ فلاح کا لفظ دنیوی، اُخروی، مادّی و روحانی ہر طرح کی کامیابیوں اور کامرانیوں پر شامل ہے۔ لیس فی کلام العرب کله اجمع من لفظة الفلاح لخیری الدنیا والأخرة کما قاله ائمة اللسان (تاج) اور سب سے بڑی کامیابی رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ لعل پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں کہ جب اس کا استعمال حق تعالٰی کی زبان سے ہوتا ہے، تو معنی میں مفہوم شک و احتمال کا باقی نہیں رہتا، بلکہ یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ ف۱۳۳ توحید و رسالت کی طرح معاد و آخرت کے مسئلہ میں اہل جاہلیت سیکڑوں غلطیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ انہی میں سے ایک بڑی اہم غلطی یہ ہے کہ وہاں کے معاملات کو بھی دنیا پر قیاس کر کے یہ سمجھا جاتا ہے، کہ جس طرح یہاں کی عدالتوں، دفتروں، محکموں میں لین دین سے کام چلا لیا جاتا ہے۔ ایسے ہی نذرانوں، رشوتوں کی گرم بازاری وہاں بھی ہو گی، اور ہر خطا و لغزش پر کسی نہ کسی مالی معاوضہ سے قلم پھیر دیا جا سکے گا۔ قرآن مجید کو اس عالمگیر غلطی کی بار بار تردید کرنی پڑی، اور بتانا پڑا ہے کہ کفر کا فدیہ یا کفارہ آخرت میں کسی مال و دولت سے بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ اَنَّ لَهُمۡ۔ ان لکل واحد منهم کے معنی میں ہے۔ یعنی ان میں سے ایک ایک کے پاس بھی اگر اتنا مال ہوتا۔ مَعَهٗ میں ضمیر واحد غائب اسی مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا کی طرف ہے۔ لَوۡ۔ یہ حرف اکثر جس عبارت پر آتا ہے، اس سے مراد ایک اَن ہونی بات بہ طور فرض محال کے ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی یہی مراد ہے کہ اس فرض محال پر بھی کوئی صورت عذاب سے نجات کی نہ ہو سکے گی۔ مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا۔ اس کے تحت میں وہ سب کچھ آ گیا، جو ذہن انسانی میں سما سکتا ہے۔ ف۱۳۴ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ وہ عذاب پائدار و مستقل ہے، جو کبھی ہٹنے والا اور مٹنے والا نہیں۔ معناه دائم ثابت لا یزول ولا یحول (قرطبی) عذاب دائم ثابت لا یزول عنهم ولا ینتقل ابدًا. (ابن جریر) يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنَ النَّارِ عذاب اور وہ بھی عذاب الیم!...... ظاہر ہے کہ دوزخیوں کو کیسی کچھ تڑپ، کیسی کچھ حسرت، کیسی کچھ تمنا اس عذاب سے نکل بھاگنے کی ہو گی! وَمَا هُمۡ بِخٰرِجِيۡنَ مِنۡهَا وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ اس ارشاد سے اُن حسرت نصیبوں کی حسرت نصیبی پر گویا مہر لگ گئی۔ عذاب سے نکلنے کا نہ کوئی امکان ہے، نہ کوئی تدبیر کام دے سکتی ہے۔ بلکہ اب یہ بھی سنا دیا گیا کہ یہ عذاب جس درجہ کا شدید و ہولناک ہو گا، اسی طرح لازوال بھی ہو گا...... اشد ادعذاب قبل کی آیت

میں بیان ہو چکا، اشد و عذاب اب بتا دیا گیا۔ اس عذاب دائمی کی خصوصیت چونکہ کافروں کے ساتھ بیان ہوئی، اس سے متکلمین نے یہ نتیجہ اور صحیح نتیجہ نکالا ہے کہ مخلص کلمہ گو ہر صورت عذاب سے مخلصی پا جائے گا۔ احتج اصحابنا بھٰذہ الأیۃ علٰی انہ تعالٰی یخرج من النار من قال لا الٰہ الا اللہ علٰی سبیل الاخلاص (کبیر) اور امام رازی علیہ ؒ نے یہ بات بھی خوب فرمائی ہے کہ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ کی ترکیب خود حصر پر دلالت کر رہی ہے۔ یعنی یہ عذاب دائمی صرف کافروں کے لیے ہوگا، نہ کہ غیر کافروں کے لیے۔ و ھٰذا یفید الحصر فکان المعنٰی و لھم عذابٌ مقیم لا لغیر ھم (کبیر) ف۱۳۵ (اے حکام) اجرائے حدود شرعی و قصاص کا حق صرف اہل حل و عقد یا حکومتِ اسلامی کے حکام ہی کو حاصل رہتا ہے، اس لیے خطاب بھی قدرۃً انہی سے ہے۔ خطاب مع قوم فیحتمل ان یکون و اقعًا علٰی شخص معین منھم و ھو امام الزمان کما یذھب الیہ الاکثرون (کبیر) اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ۔ لا کر یہ بتا دیا گیا ہے کہ مجرم قابل تعزیر کی حیثیت سے مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ یہ نہ ہوگا کہ مجرم اگر عورت ہے تو اس کی سزا کچھ بڑھا دی جائے یا عورت ہونے کی بنا پر اس کی سزا کچھ گھٹا دی جائے ...... دوسری قوموں کے قانون میں مرد و عورت کے درمیان سزا کی عدم مساوات کی مثالیں کثرت سے ملیں گی۔ سرقہ اپنے لغوی معنٰی میں تو مطلقاً ہر چوری کو کہیں گے۔ لیکن اصطلاح شریعت میں اس سے مراد ہوتی ہے غیر کے مال کو کسی خاص جگہ سے اور کسی خاص مقدار میں چرا کر لینا۔ السرقۃ اخذ ما لیس لہ اخذہ فی خفاء و صار ذٰلک فی الشرع لتناول الشیء من موضع مخصوص و قدر مخصوصٍ (راغب) قد ثبت عندنا ان الحکم متعلق بمعنی غیر الاسم یجب اعتبارہ فی ایجابہ و ھو الحرز و المقدار (جصاص) ان دو قیدوں کے لگ جانے سے ایسی بیسیوں چیزیں جو ہر جگہ اور ہر مقدار میں مل جاتی ہیں، ان کی چوری، چوری کی فقہی تعریف سے خارج ہوگئی۔ پھر چوری کے ثبوت کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک جرم کا اقرار، دوسرے عادل گواہوں کی شہادت السرقۃ انما تظھر باحد الامرین اما بالبینۃ او بالاقرار (محیط) جس چوری پر حد جاری ہوگی، اس کی مالیت حنفیہ کے ہاں کم از کم ایک دینار یا دس درہم کی ہونا چاہیے۔ اور اس چیز کو کسی محفوظ مقام میں ہونا چاہیے۔ اور خود وہ چور جس پر حد واجب ہوگی، اُسے عاقل و بالغ ہونا چاہیے۔ اذا سرق العاقل البالغ عشرۃ دراھم او ما یبلغ قیمتہ عشرۃ دراھم مضروبۃ من حرز لا شبھۃ فیہ وجب القطع (ہدایہ) حفاظت عرف عام کے تابع ہے، کوئی جامع و مانع معیار اس کا خارج میں موجود نہیں۔ الحرز ھو ما نصب عادۃً لحفظ اموال الناس و ھو یختلف فی کل شیء بحسب حالہٖ (قرطبی) فقہاء نے اور بھی متعدد شرطیں، کتاب و سنت کے مزاج کو سمجھ کر اور انہی سے اخذ کر کے لگائی ہیں، حنفی فقہ میں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔ ا۔ چور عاقل و بالغ ہو۔ بچہ اور مجنون پر حد نہیں ہے۔ (۲) مال نظر بچا کر لے گیا ہو، کھلے خزانہ چھین جھپٹ کر نہ لے گیا ہو۔ غاصب اور اُچکے کی سزائیں دوسری ہیں، حد سرقہ نہیں۔ (۳) مال کسی کی ملک ہونا چاہیے۔ غیر مملوک مال (مثلاً کفن جو کسی کی ملک نہیں ہوتا) کی چوری سرقہ مستوجب الحد کی تعریف میں نہ آئے گی۔ (۴) مال کسی غیر کی غیر مشترک ملک ہو۔ چور کے اپنے مال کے ساتھ مخلوط و مشترک نہ ہو۔ شوہر، بیوی، اولاد وغیرہ پر حد اسی لیے جاری نہ ہوگی، کہ اُن کے مال کے ساتھ خلط و اشتراک رہا کرتا ہے۔ (۵) مال کسی حد اور درجہ تک حفاظت میں ہو، خواہ حقیقۃً (مثلاً کسی سپاہی، چوکیدار وغیرہ کے پہرہ میں) خواہ حکماً (مثلاً مکان کے اندر، صندوق کے اندر وغیرہ) سر راہ کھلے اور پڑے ہوئے مال کے اُٹھا لینے پر حد سرقہ جاری نہ ہوگی۔ چوکیدار، پہرہ دار وغیرہ اگر چوری کریں، تو وہ خیانت کی دفعہ میں ملزم ہوں گے۔ حد سرقہ کے مستوجب نہ ہوں گے۔ علماء متکلمین نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ اُمت کے لیے نصب امام ضروری ہے۔ اس لیے کہ اجرائے حدود کا حکم درجہ فرض میں ہے، اور اجراء کی صورت اجماع اُمت سے طے ہو چکا ہے کہ افراد سے ممکن نہیں۔ اس لیے امام معین کا ہونا لازمی ہے۔ احتج المتکلمون بھٰذہ الأیۃ فی انہ یجب علی الامۃ ان ینصبوا لانفسھم امامًا معینًا و الدلیل علیہ انہ تعالٰی او جب بھٰذہ الأیۃ اقامۃ الحد علی السراق و الزناۃ فلا بد من شخص یکون مخاطبًا بھٰذا الخطاب واجمعت الامۃ علٰی انہ لیس لاٰحاد الرعیۃ اقامۃ الحدود علی الجناۃ بل اجمعوا علٰی انہ لا یجوزا قامۃ الحدود علی الاحرار الجناۃ الا للامام (کبیر) فَاقۡطَعُوۡۤا اَيۡدِيَهُمَا۔ چوری کی سزا میں پہلی بار داہنا ہاتھ پہونچے سے کاٹا جائے گا۔ دوسری بار کی چوری میں بایاں پیر ٹخنہ سے قطع کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد کی چوریوں میں فقہاء نے سنت ہی سے اخذ کر کے لکھا ہے کہ اب مزید سزا قطع اعضاء کی نہیں، بلکہ قید کی دی جائے گی۔ چوری کی سزا، قطع ید، عرب میں قبل سے جاری تھی۔ اسلام نے آ کر اسے قائم رکھا، اور اس میں چند قیود و شرائط کا اضافہ کر دیا۔ و قد کان القطع معمولاً بہ فی الجاھلیۃ فقرر فی الاسلام و یزید شروط اُخر۔ (ابن کثیر) دنیا کے اور قانونوں اور دوسری تہذیبوں میں بھی چوری کی یہ سزا کہیں تو ایک طویل مدت کی اسیری رہی ہے، اور کہیں جلاوطنی اور کہیں قطع اعضاء اور کہیں پھانسی یا اور کسی طریقہ سے ہلاکت رہی ہے۔ ف۱۳۶ جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا۔ چوری شریعت اسلامی میں ایک بدترین جرم ہے۔ اسلام نے فرد و جماعت دونوں کے لیے امن و امان اور سکون خاطر کا جو بہترین و کامل ترین نظام قائم کیا ہے، چور اُس میں رخنہ ڈالتا، اور اس ساری فضا کو درہم و برہم کر ڈالنا چاہتا ہے آیت کے اس ٹکڑے نے واضح کر دیا کہ چوری کا بدبخت مجرم ہے ہی ایسی سخت سزا کا مستحق۔ شریعت موسوی کا قدم بھی اس باب میں کچھ پیچھے نہیں، کچھ آگے ہی ہے نقب زن کی جان سے امان اُٹھ جاتی ہے۔ کوئی اگر اُسے قتل کر ڈالے تو اُس کے خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا۔ "اگر چور سیند مارتے ہوئے دیکھا جائے اور کوئی اُسے مار بیٹھے اور وہ مر جائے، تو اُس کے لیے خون نہ کیا جائے گا"۔ (خروج۔ ۲:۲۲) اجازت ہی نہیں، ایک جگہ تو حکم تک نقب زن کے قتل کا ملتا ہے:۔ "اگر کوئی شخص اپنے بھائیوں بنی اسرائیل میں سے کسی کو چرانے میں پکڑا جائے اور اس کا بیوپار کرے یا اُسے بیچ ڈالے تو چور مارا جائے۔ اور تو شر کو اپنے درمیان سے دفع کر"۔ (استثناء۔ ۷:۲۴) نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ۔ نکال کہتے ہیں ایسے عذاب و سزا کو جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔ ای ما یوجب ان ینکل بہ عن ذٰلک الفعل (قرطبی) ای عظۃ من اللہ بما عوقبا بہ لمن راٰھما (ابن تیمیہ) فلسفہ تعزیر کے واقفین جانتے ہیں کہ مجرم کے لیے سزا کی تجویز کرنے میں دو بڑے پہلو پیش نظر ہوتے ہیں:۔ ایک انتقامی۔ یعنی مظلوم یا مستغیث کے جذبات کی تسکین۔ دوسرے انتظامی۔ یعنی آئندہ کے ممکن مجرموں کی حوصلہ فرسائی و ہمت شکنی۔ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ۔ اسی دوسرے پہلو کی تاکید و تقویت کے لیے ہے۔ اور پھر مِنَ اللّٰهِ سے اشارہ یہ بھی ہو گیا، کہ یہ خدائی فیصلہ ہے۔ بندوں کو اس میں ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل نہیں۔ جَزَآءً۔ نَكَالًا۔ دو لفظ الگ الگ آئے، اور دونوں مفعول لہٗ بلا عطف میں۔ علماء بلاغت نے کہا ہے کہ جزاء میں اشارہ حق العبد کے اتلاف کا ہے۔ اور نکال میں حق اللہ کے اتلاف کا۔ والجزاء اشارۃ الٰی ان فیہ حق العبد و النکال اشارۃ الٰی ان فیہ حق اللہ تعالٰی۔ (روح) ف۱۳۷ صفت عَزِيۡزٌ لا کر یہ یاد دلا دیا کہ اللہ حاکم مطلق ہے۔ وہ جس جرم کی جو سزا چاہے، مقرر کر دے، کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ اور صفت حَكِيۡمٌ سے اشارہ اس طرف کر دیا کہ اس کا کوئی سا بھی حکم حکمتوں، اور مصلحتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لیے اس نے چوری کی بھی سزا وہی مقرر کی، جو فرد اور جماعت دونوں کی مصلحتوں کے عین مطابق ہے۔ امام رازی علیہ ؒ نے اس مقام پر اصمعی کے حوالہ سے یہ حکایت نقل کی ہے کہ میں ایک روز ایک بدوی عرب کے سامنے سورۂ مائدہ زبانی پڑھ رہا تھا، یہ آیت آئی، اور یہاں سہواً میری زبان سے غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ نکلا۔ بدوی نے کہا کہ یہ کس کا کلام ہے؟ میں نے کہا کلام الٰہی ہے۔ اس پر وہ بولا، کہ اسے دوبارہ پڑھو۔ میں نے پھر پڑھا، اور اب مجھے تنبیہ ہو گئی کہ بجائے عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ کے میری زبان سے غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ نکل گیا تھا۔ بدوی نے کہا کہ بیشک اب ٹھیک پڑھا۔ میں نے کہا تمہیں کیسے پتہ چلا۔ اُس نے جواب دیا کہ سیاق کلام سے۔ یہاں جب ذکر سزا و عقاب کا ہے، تو عین مقتضائے بلاغت یہی ہے کہ صفات بجائے غفور و رحیم کے عزیز و حکیم ہی لائی جائیں۔ ف۱۳۸ (رحمت کے ساتھ یوں کہ پچھلا گناہ معاف کر دے گا، اور توبہ پر استقامت کی بھی توفیق دے گا) فَمَنۡ تَابَ یہ توبہ قاعدۂ شریعت کے مطابق ہونا چاہیے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ چرائی ہوئی چیز مالک کو واپس کر دینا چاہیے، اور اگر تلف ہو چکی ہو تو اُس کا تاوان مالک کو دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو، تو مالک سے معاف کرانے کی کوشش کرے، کہ یہ سب شرائط تکمیل توبہ میں سے ہیں۔ سزائے قطع ید جو حق العباد کی اتلاف کی سزا ہے، محض توبہ سے معاف نہیں ہو جاتی۔ فاما القطع فلا یسقط عنہ بالتوبۃ عند الاکثرین (معالم) والقطع لا یسقط بالتوبۃ (قرطبی) لم یسقطہ شیء ولا توبۃ السارق (ابن العربی) و قال الجمھور لا یسقط عنہ ھٰذا الحد (کبیر) حنفیہ و مالکیہ کا اس پر

اتفاق ہے۔ البتہ امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ کے ایک قول میں اس سے اختلاف نقل ہوا ہے اور ایک گروہ نے اس پر استدلال اس سے کیا ہے کہ آیت کے آخر میں غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ جو آ گیا ہے۔ قال بعض العلماء التابعین یسقط عنہ الحد لان ذکر الغفور الرحیم فی اٰخر ھذہ الاٰیۃ (کبیر) فقیہ مفسر ابن العربی مالکی نے اس موقع پر شافعیہ کو مخاطب کر کے جو کچھ لکھا ہے (احکام القرآن، جلد اول۔ صفحہ ۲۵۴) وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ وَاَصْلَحَ۔ یعنی آئندہ کے لیے ایسی عادتیں اور حرکتیں چھوڑ دے۔ توبہ کا تعلق ماضی سے تھا۔ اور اصلاح حال کا تعلق مستقبل سے ہے۔ باریک بین فقہاء نے لفظ وَاَصْلَحَ سے یہ بھی استنباط کرلیا ہے کہ مجرم نے جب توبہ کر کے اپنی حالت کی اصلاح کرلی، تو اب اس پر طعن جائز نہیں۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ توبہ کا معتبر ہونا اصلاح پر موقوف ہے۔ مثلاً سرقہ وغیرہ کا مال بہ شرط امکان واپس کردینا، ورنہ مالک سے معاف کرالینا، اور جب مالک نہ معلوم ہو تو اللہ کی راہ میں تصدق کردینا۔ ف۱۳۹ چنانچہ صفت غفر کے تقاضہ سے اُس نے پچھلا گناہ معاف کردیا۔ اور صفت رحمت کے تقاضہ سے آئندہ کے لیے توفیق تقویٰ دے دی۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے آیت میں ان صفات کے آنے سے جو موقع مدح پر لائی گئی ہیں، معتزلہ کے رد میں یہ استدلال کیا ہے کہ توبہ کی قبولیت اللہ کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہے۔ واجب ہوتی تو یہ فضل واحسان کو یاد دلانے والی صفات نہ لائی جاتیں۔ دلت الاٰیۃ علیٰ ان قبول التوبۃ غیر واجب علی اللہ تعالیٰ لانہ تعالیٰ تمدح بقبول التوبۃ والتمدح انما یکون بفعل التفضل والاحسان لا باداء الواجبات (کبیر)

وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اور اپنی اصلاح کرلے، تو بیشک اللہ اس پر توجہ کرے گا ف۱۳۸ بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے،

رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

بڑا مہربان ہے ف۱۳۹ کیا تو نہیں جانتا کہ بس اللہ ہی کی حکومت آسمانوں اور زمین

وَ الْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ

میں ہے ف۱۴۰ وہ جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف کر دے

وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا

اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ف۱۴۱ اے پیغمبر! آپ

يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ

کو وہ لوگ رنج میں نہ ڈالیں جو دوڑ دوڑ کر کفر میں پڑتے ہیں ف۱۴۲ (خواہ) ان میں سے ہوں جو

قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَ مِنَ

اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ اُن کے دل ایمان نہیں لائے ف۱۴۳ (خواہ) اُن میں سے ہوں

الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ

جو یہودی ہیں جھوٹ کے بڑے سننے والے ف۱۴۴ سننے والے دوسرے لوگوں کی

اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ

خاطر جو آپ کے پاس نہیں آتے ف۱۴۵ کلام کو اس کے صحیح موقعوں سے

مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ

بدلتے رہتے ہیں ف۱۴۶ کہتے رہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ ملے تو قبول کر لینا

وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ

اور اگر یہ نہ ملے تو اس سے احتیاط رکھنا ف۱۴۷ اور جس کے لئے اللہ ہی کو گمراہی منظور ہو

ف۱۴۰ (اے مخاطب!) پھر یاد دلا دیا ہے کہ جس نے یہ سزائیں تجویز کی ہیں، بس وہی ایک مالک حقیقی اور قادر تحقیقی ہے۔ الم تعلم میں خطاب عام ہر انسان کے لیے ہے۔ قیل معناہ الم تعلم ایھا الانسان فیکون خطابا لکل واحد من الناس (معالم) ف۱۴۱ (اور کوئی چیز اس پر قدرت نہیں رکھتی) وہ حاکم مطلق ہے، آمر علی الاطلاق ہے۔ وہ کسی قانون سے مجبور نہیں کہ مجرم کو ہمیشہ سزا ہی دے۔۔۔ اس میں تردید آ گئی ہندی مشرکوں کے قانون "کرم" (ناگزیر مکافاتِ عمل) کی۔ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ۔ لیکن وہ سزا اسی کو دیتا ہے جو سزا ہی کے لائق ہوتا ہے۔ اس کی حکمت کاملہ خود ہی جانچ کرلیتی ہے کہ کون کس لائق ہے۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ یہ معافی چاہے صرف آخرت میں، چاہے دونوں جگہ۔ ف۱۴۲ یعنی آپ ایسے لوگوں کی باتوں سے رنج نہ قبول کریں۔ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ۔ قرآن مجید جیسی قیامت تک باقی رہنے والی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر صیغۂ غائب میں صرف الرسول والنبی سے، اور صیغۂ حاضر میں ایھا الرسول اور ایھا النبی سے بغیر صفات کے لانا بجائے خود اس امر کی طرف مشیر ہے کہ اب کوئی دوسرا شخص وصف نبوت و رسالت میں شریک آنے والا نہیں۔ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ۔ یعنی کفریات کی طرف بے تکلف اور بہ شوق و رغبت لپکتے ہیں۔ يُسَارِعُوْنَ مضارع ہے مسارعۃ، باب مفاعلۃ سے۔ مراد یہ ہے کہ یہ لوگ کفر کی جانب ایسے ساعی ہیں کہ گویا ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتے ہیں۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ تو قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے۔ لیکن يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ سے مخاطبت صرف دو ہی جگہ وارد ہوئی ہے۔ ایک یہاں، اور دوسری جگہ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ میں، اور یہ طرز خطاب شرف و تعظیم کے لیے ہے۔ وھٰذا الخطاب لاشک انہ خطاب تشریف و تعظیم (کبیر) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت سے اہل طریق کی اس عادت کی اصل نکلتی ہے کہ اہل اعراض کی بدحالی پر کچھ زیادہ فکر نہیں کرتے۔ ف۱۴۳ ظاہر ہے کہ مراد منافقین ہیں۔ زبان پر دعوی ایمان، دل میں ایمان کا گزر نہیں، مِنَ الَّذِيْنَ میں من بیانیہ ہے۔ مراد ہے من المنافقین۔ اور اسی پر عطف ہے، مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا کا جو ابھی آرہا ہے۔ ف۱۴۴ منافقین اور یہود دونوں قسم کے لوگوں میں وصف مشترک یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹ اور باطل کے بڑے سننے والے اور قبول کرنے والے ہیں۔ سَمّٰعُوْنَ میں سمع قبول کرنے کے معنی میں ہے، اور عربی میں یہ استعمال عام ہے۔ والسمع یستعمل و یراد منہ القبول (کبیر) ای قابلون لما تفتریہ الاحبار (بیضاوی) لِلْكَذِبِ کے معنی لاجل الکذب کے بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ خبریں اس لیے سنتے ہیں کہ جھوٹ بولیں اور غلط شہرت دیں۔ ای یسمعون منک لکی یکذبوا علیک (کبیر) ف۱۴۵ (بربنائے کبر و بغض) تجافوا عنک تکبرا و افراطا فی البغضاء (بیضاوی) یعنی کچھ تو ایسے ہیں جو بربنائے کبر و بغض آپ کی خدمت میں آتے ہی نہیں، مثلاً یہود خیبر۔ اور کچھ ایسے ہیں جو آپ کی مجلس میں حاضر تو ہوتے ہیں، لیکن طلب حق کی غرض سے نہیں، بلکہ مثل مخبروں اور جاسوسوں کے کہ دوسروں سے لگائی بجھائی کریں۔ ف۱۴۶ یہ وصف اُنہی اکابر یہود کا بیان ہوا، جو فرط عداوت و کبر سے خود تو بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے نہ تھے، اور جب موقع دیکھتے، تو اپنے ہاں کے کلام الٰہی میں تحریف سے بھی نہ چوکتے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہود اپنے ہاں کی زناکاری کا ایک مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے آپ نے فرمایا کہ توریت میں حکم سنگساری کا موجود ہے، اُسی کے مطابق سزا جاری کرو۔ وہ ظالم اس سزا ہی کو چھپا گئے۔ ف۱۴۷ یعنی اس کے مان لینے کا اقرار نہ کرنا۔ يَقُوْلُوْنَ۔ یعنی یہ لوگ اپنے والوں سے، اپنے جتھے کے لوگوں سے، جنہیں یہ مجلس نبوی ﷺ میں بھیجتے رہتے تھے، کہتے ہیں۔ هٰذَا۔ یعنی یہ حکم محرف۔ اصلی اور آسمانی حکم کے بجائے ان کا اختراعی حکم۔ فَخُذُوْهُ یعنی اس کے ماننے کا اقرار کرلینا۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت سے اُس شخص کی مذمت نکل رہی ہے جو اہل علم کی طرف رجوع اس غرض سے نہیں کرتا کہ مسئلہ پر عمل کرے گا۔ بلکہ اس اُمید پر کرتا ہے کہ اگر اس کی مرضی کے موافق قول مل گیا تو اس کو اپنی بدنامی کی سپر بنالے۔

و۱۴۸ (کہ تو اس گمراہی کو پیدا ہونے سے روک دے، اے مخاطب!) وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ۔ اس ارادۂ اللہ کا ترتب خود اس شخص کے عزم گمراہی پر ہوگا۔ مِنَ اللّٰهِ یعنی اللہ کے قانون تکوینی کے مقابلہ میں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ کی شفقت و توجہ بدون فضل و توفیق الٰہی کچھ نفع نہیں دیتی۔ و۱۴۹ (ان کے کفریات سے، اس لیے کہ یہ لوگ خود ہی اس کا عزم نہیں کرتے) مطلب یہ ہوا کہ جب یہ لوگ خود ہی اپنی اصلاح کا قصد نہیں کرتے، بلکہ اس کے برعکس یہ مصر ہیں، تو یہ عادات الٰہیہ تکوینیہ میں سے ہے کہ بندہ کے عزم فعل پر اُس فعل کی تخلیق بھی حق تعالیٰ کی طرف سے ہو جاتی ہے۔ اور اس قانون تکوینی کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس سے ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دے دی گئی۔ اور دوسری طرف معتزلہ کا رد بھی نکل آیا، جو خالق افعال اللہ کو نہیں، بندہ کو سمجھتے ہیں۔ و۱۵۰ عذابِ آخرت کا ظہور تو آخرت میں ہوگا۔ لیکن دنیا کے عذاب تفضیح کا ظہور تو اس شد و مد سے چند ہی روز کے اندر ہو کر رہا، کہ دوست دشمن سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ منافقین میں سے نفاق ایک ایک کا ظاہر ہو کر رہا۔ سب کے سب سوسائٹی میں حقیر و ذلیل ہوئے۔ رہے یہود، تو ان کے بڑے سے بڑے پر قوت قبیلہ بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع، سب کے سب قید ہوئے، جلاوطن ہوئے، قتل ہوئے۔ و۱۵۱ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ۔ یہ وصف یہود کے خواص و عوام دونوں کا بیان ہوا۔ سمع میں یہاں سننے کے ساتھ کذب و باطل کا قبول کرنا بھی داخل ہے۔ ابھی یہ لفظ آیت ماقبل میں گزر چکا ہے۔ دوبارہ زور و تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ کرّرہ تاکیدا و تعظیما (قرطبی) کرّر للتاکید (مدارک) اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ۔ سحت ہر حرام خوری کے لیے عام ہے۔ السحت الحرام او ما خبث من المکاسب (قاموس) و هو کل مالا یحل کسبه (مدارک) یہاں مراد رشوت ہے اور یہی معنی اب اس کے خاص ہو گئے ہیں۔ سمی الرشوة فی الحکم سحتا (تاج) سمی الرشوة سحتا (راغب) قال الزجاج سمیت الرشوة التی کانوا یاخذونها بالسحت (کبیر) و فی الحدیث هو الرشوة فی الحکم (مدارک) هو الرشوة (ابن کثیر) یہ وصف یہود کے خواص و اکابر کا بیان ہو رہا ہے جو رشوت اور نذرانے لے لے کر غلط سلط احکام بتانے اور مسائل کے مسخ کر ڈالنے کے عادی ہو گئے تھے خود ان کی کتاب آسمانی میں اُن کو عدل پر قائم رہنے اور رشوت نہ لینے کے باب میں حکم یہ ملا تھا کہ ”اپنے سارے فرقوں میں قاضی اور حاکم مقرر کیجیو۔ وہ انصاف سے لوگوں کی عدالت کریں تو عدالت میں مقدمہ مت بگاڑیو۔ تو طرفداری نہ کیجیو اور نہ رشوت لیجیو کہ رشوت دانشمند کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ اور صادق کی باتوں کو پھیرتی ہے۔“ (استثناء۔ ۱۶: ۱۸۔ ۱۹) لیکن اُنہی کے بزرگوں نے تالمود میں احکام یہ جاری کر دیئے تھے، کہ جب کسی مقدمہ میں ایک فریق اسرائیلی ہو، اور دوسرا غیر اسرائیلی، تو اگر اسرائیلی کے موافق فیصلہ یہودی شریعت کے مطابق ہو سکتا ہے تو وہی کر دو۔ اور یہ کہہ دو کہ یہی ہمارا قانون ہے۔ اور اگر اس کے موافق فیصلہ غیر اسرائیلی قانون کے مطابق ہو سکتا ہو، تو یہی کر دو۔ اور غیر اسرائیلی سے کہہ دو کہ تمہارے ہاں کا ضابطہ یہی ہے۔ اور اگر ایسا فیصلہ دونوں ضابطوں میں سے کسی ضابطہ سے بھی نہ ہو رہا ہو تو کسی حیلہ سے کام لو“۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت اللہ کی رحمت پر بڑی دلیل ہے کہ اس میں مذمت کو کثرت و عادت معصیت پر مرتب فرمایا۔ سرسری خطا پر مذمت نہیں فرمائی جس سے عادۃً کوئی خالی نہیں ہوتا۔ یہی شان ہوتی ہے مشائخ اہل تربیت کی کہ خفیف اُمور سے تسامح کرتے ہیں۔ و۱۵۲ (آپ کو دونوں چیزوں کا اختیار ہے، جیسی بھی آپ کو مصلحت معلوم ہو) فَاِنْ جَآءُوْكَ یعنی جب یہ کوئی مقدمہ معاملہ لے کر آپ کے پاس آئیں۔ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب حاکم اور دنیوی حیثیت سے بھی آمر و مقتدر تھے۔ کچھ تو اس لیے بھی یہود کو اپنے معاملات آپ کے سامنے لامحالہ لانے پڑتے تھے، پھر یہ بھی تھا کہ بہت سے مسائل میں شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، شریعت یہود سے کہیں زیادہ نرم تھی۔ اس لالچ میں بہت سے یہود مدینہ اپنے قصے قضیے فیصلہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خدمت میں لایا کرتے تھے۔ فیصلہ واجب امیر اسلام پر تو ذمیوں ہی کے درمیان ہے۔ دوسرے کافروں کے لیے واجب نہیں، صرف جائز ہے، حسب ضرورت و مصلحت۔ هذا تخییر من الله تعالٰی ولا یجب علینا الحکم بین الکفار اذا لم یکونوا اهل ذمة بل یجوز الحکم ان اردنا (قرطبی) هذا التخییر مختص بالمعاهدین الذین لا ذمة لهم (کبیر) و۱۵۳ (اور وہ قانونِ عدل اب منحصر ہے قانونِ اسلام میں) وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ آپ کا یہ ٹالنا بھی کسی مصلحت دینی ہی کے ماتحت ہوتا۔ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا اس لیے آپ اندیشہ نہ کریں کہ ناخوش ہو کر یہ لوگ آپ سے دشمنی نکالیں گے۔ بالقسط ای بالعدل الذی امرت به وهو ما تضمنه القراٰن واشتملت علیه شریعة الاسلام (روح) اختیار اس امر میں تو دیا گیا تھا کہ غیر ذمی کافروں کے درمیان فیصلہ کیا جائے یا نہ کیا جائے، لیکن فیصلہ اگر کیا جائے، تو یہ قطعی ہے کہ قانونِ شریعت ہی کے ماتحت کیا جائے۔ اس کا اختیار نہیں کہ فیصلہ کسی اور قانون کے مطابق کر دیا جائے۔ و۱۵۴ (اور اللہ جن کے ساتھ محبت کرتا ہے، ظاہر ہے کہ انہیں توفیق بھی حق پر قیام کی دیتا رہے گا) یہاں یہ یاد دلا دیا ہے کہ وہ لوگ کیسے ہی اہل جور ہوں، آپ بہرحال ان کے معاملہ میں بھی طریق حق و عدل سے ذرا تجاوز نہ کیجئے۔ بالقسط ای بالحق والعدل وان کانوا ظلمة خارجین عن طریق العدل (ابن کثیر) و۱۵۵ (جس کا کتاب الٰہی ہونا انہیں مسلم ہے) كَيْفَ کلمہ تعجب ہے۔ یعنی اس پر اظہار حیرت ہے کہ یہ لوگ اپنی کتاب آسمانی رکھنے کے باوجود دین کے کسی معاملہ میں فیصلہ کے لیے آپ کے پاس آتے ہیں! تعجب من تحکیمهم من لا یؤمنون به والحال ان الحکم

فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ

تو اس پر تیرا زور اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں چل سکتا و۱۴۸ یہی لوگ وہ ہیں جن کے لئے

يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۖۚ

اللہ کو منظور نہ ہوا کہ اُن کے دلوں کو پاک (صاف) کرے و۱۴۹ ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے،

وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ

اور ان کے لئے آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے و۱۵۰ جھوٹ کے بڑے

لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ

سننے والے ہیں، حرام کے بڑے کھانے والے ہیں و۱۵۱ اور اگر یہ آپ کے پاس آئیں تو (خواہ) اُن کے درمیان فیصلہ

بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ

کر دیجیے (خواہ) انہیں ٹال دیجیے و۱۵۲ اور اگر آپ انہیں ٹال دیں جب بھی

يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

یہ آپ کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اگر آپ فیصلہ کریں تو اُن کے درمیان (قانون) عدل کے

بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ

مطابق فیصلہ کریں، و۱۵۳ بیشک اللہ عدل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے، و۱۵۴ اور آپ سے یہ کیسے

يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ

فیصلہ کراتے ہیں درانحالیکہ اُن کے پاس توریت موجود ہے، و۱۵۵ اور اس میں اللہ کا حکم (درج) ہے۔ و۱۵۶ پھر

يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

اس کے بعد ہٹ جاتے ہیں و۱۵۷ اور یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں و۱۵۸

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا

بے شک ہم ہی نے توریت نازل کی ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے و۱۵۹ اسی کے مطابق

ع ۱۰

النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ

وہ نبی جو اللہ کے مطیع تھے، یہودی لوگوں کا فیصلہ کرتے تھے، اور (اسی طرح) ان کے

وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا

مشائخ وعلماء (بھی) ف۱۶۰ اس لیے کہ انہیں کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا ف۱۶۱ اور وہ

عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا

اس کے گواہ تھے ف۱۶۲ سو تم انسانوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو ف۱۶۳

تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ

اور میرے احکام کو دنیا کی متاع قلیل کے عوض نہ بیچ ڈالو ف۱۶۴ اور جو کوئی اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے

اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿٤٤﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا

مطابق فیصلہ نہ کرے، تو یہی لوگ تو کافر ہیں ف۱۶۵ اور ہم نے اُن پر اس میں یہ فرض کر دیا تھا ف۱۶۶

أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ

کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کا آنکھ اور ناک کا

بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ

ناک اور کان کا کان اور دانت کا دانت ف۱۶۷ اور زخموں میں

قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ ۚ وَمَنْ

قصاص ہے سو جو کوئی اسے معاف کردے ف۱۶۸ تو وہ اس کی طرف سے کفارہ ہو جائے گا ف۱۶۹ اور جو کوئی

لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٤٥﴾

اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کرے تو ایسے ہی لوگ تو ظالم ہیں ف۱۷۰

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا

اور ہم نے اُن کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا تصدیق کرنے والے

منصوص علیه فی الکتب الذی هو عندهم (بیضاوی) تعجیب من تحکیمهم (کشاف) اوپر کسی حاشیہ میں گزر چکا ہے کہ یہود کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا معرفت حق کے لیے تو ہوتا نہ تھا، اپنے مطلب اور اپنی غرض کے لیے تھا کہ شاید کوئی آسان تر حکم مل جائے۔ تنبیۃ علی انهم ما قصدوا بالتحکیم معرفة الحق و اقامة الشرع وانما طلبوا به ما یکون اهون علیهم و ان لم یکون حکم اللہ تعالٰی فی زعمهم (بیضاوی) ف۱۵۶ جس خاص حکم کا یہ ذکر برابر چل رہا ہے، اور یہود نے اسے رسول اللہ ﷺ سے چھپا ڈالنا چاہا تھا، وہ حکم رجم یا سنگساری ہے۔ اور قرآن کے اعجاز کے لیے یہ دلیل بھی بجائے خود کافی اور قوی ہے کہ یہود کی ہزار کوشش اخفاء کے باوجود، شادی شدہ زنا کاروں کے لیے حکم قتل ورجم کسی نہ کسی صورت میں آج تک باقی ہے، اور موجودہ توریت سے پیہم تحریفات بھی اُسے یکسر اور تمامتر دور نہ کرسکیں۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں:۔ ”اور وہ شخص جو دوسرے کی جورو کے ساتھ یا اپنے پڑوسی کی جورو کے ساتھ زنا کرے، وہ زنا کرنے والا اور زنا کرنے والی دونوں قتل کیے جائیں“۔ (احبار۔ ۲۰: ۱۰) ”اور وہ مرد یا عورت جس کا یار دیو ہے یا جادوگر ہو تو دونوں قتل کیے جائیں اور چاہیے کہ تم اُن پر پتھراؤ کرو۔ اُن کا خون اُنہی پر ہووے“۔ (احبار۔ ۲۰: ۲۷) ”اگر کوئی جورو کرے اور اس سے خلوت کرے،...... اور کہے کہ میں نے اس عورت سے بیاہ کیا، اور جب میں اُس کے پاس گیا تو میں نے اُسے کنواری نہ پایا...... اگر یہ بات سچ نکلے اور لڑکی کے کنوارے پن کی نشانیاں پائی نہ جائیں، تو وہ اُس لڑکی کو اس کے ماں باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کی بستی کے لوگ اُس پر پتھراؤ کریں کہ وہ مر جائے“۔ (استثناء۔ ۲۰: ۱۳۔ ۲۰، ۲۱) ”اگر کوئی مرد شوہر والی عورت سے زنا کرتے پایا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں، مرد، جس نے اُس عورت سے صحبت کی، اور عورت بھی“۔ (استثناء ۲۲: ۲۳) اور انجیل کے واسطے سے جو گواہی پہنچی ہے وہ تو اس سے بھی زیادہ کھلی ہوئی ہے:۔ ”فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی۔ اور اُسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا اے استاد، یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے توریت میں موسٰی نے ہم کو حکم دیا کہ ایسی عورتوں کو سنگسار کریں، پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟“ (یوحنا ۸: ۴۔ ۶) ف۱۵۷ پہلے تو خود ہی فیصلہ کرانے کے لیے رسول ﷺ کی خدمت میں آئے، اور جب فیصلہ سن لیا، تو اُس سے ہٹ بھی گئے۔ ثُمَّ تعجب میں ترقی کے لیے ہے، یعنی حیرت بالائے حیرت کے اظہار کے لیے۔ ثم للتراخی فی الرتبة (روح) تصریح بما علم لتاکید الاستبعاد والتعجب (روح) ف۱۵۸ ان کے اس طرز عمل نے ظاہر کر دیا کہ ان کا ایمان قرآن و صاحب قرآن پر تو کیا ہوتا، توریت وصاحب توریت پر بھی مکمل و مستحکم نہیں۔ مومنین بک او بکتابهم کمایدعون (مدارک) مومنین بکتابهم کما یدعون (کشاف) ف۱۵۹ هُدًى یعنی عقائد ومسائل سے متعلق ہدایات و احکام تھے۔ نُوْرٌ یعنی وضوح تھا احکام عملی سے متعلق۔ تَوْرٰىة پر حاشیہ سورۃ آل عمران کے شروع میں گزر چکا۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ۔ اس میں رد آ گیا یہود کے موجودہ عقیدہ کا کہ توریت، صاحب الہام انبیاء کی مرتب کی ہوئی ایک انسانی کتاب ہے۔ توریت، اسلامی عقیدہ کے مطابق، خدا کے ہاں سے نازل شدہ کتاب ہے۔ ف۱۶۰ مقصود توریت کی اہمیت وشرف کا اظہار ہے۔ یہ وہ کتاب الٰہی ہے جو پچھلی صدیوں میں معیار حق وعدل رہا کی ہے، علماء ومشائخ وانبیاء بنی اسرائیل کے لیے۔ النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا۔ یہود کی اصطلاح میں ”نبوت“ اسلامی نبوت سے بالکل الگ ایک مفہوم رکھتی ہے۔ اُن کے ہاں یہ ہرگز ضروری نہیں کہ نبی کا تعلق اللہ کے ساتھ جڑا ہوا اور مستحکم ہو یا اس کی نسبت مع اللہ قوی ہو۔ وہ ”نبی“ یا ”نبوت“ کے قائل صرف اُن کے لفظی معنی میں تھے۔ نبی اُن کے ہاں پیشگوئی کرنے والا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ صاحب کشف بھی ہو۔ جیسے مشرک قوموں میں کاہن۔ خود یہود کے ہاں نبی اور کاہن کی اصطلاحیں ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔ توریت میں ذکر ایک جگہ نہیں، متعدد مقامات پر جعلی اور جھوٹے نبیوں کا آیا ہے، جو کفر وشرک کی طرف دعوت دینے والے تھے۔ صرف چند بہ طور نمونہ کے ملاحظہ ہوں:۔ ”اگر تمہارے درمیان کوئی نبی یا خواب دیکھنے والا ظاہر ہو اور...... تمہیں کہے آؤ ہم غیر معبودوں کی جنہیں تم نے نہیں جانا، پیروی کریں۔ تو ہرگز اُس نبی یا خواب دیکھنے والے کی بات پر کان مت دھریو...... وہ نبی یا خواب دیکھنے والا قتل کیا جائے گا“۔ (استثناء۔ ۱۳: ۱۔ ۳، ۵) ”وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے“۔ (استثناء۔ ۱۸: ۲۰۔ ۲۲) ”انبیاء میرا نام لے کر جھوٹی نبوت کرتے ہیں۔ میں نے انہیں نہیں بھیجا، اور حکم نہیں دیا، نہ انہیں کہا...... یہ نبی تلوار اور کال سے ہلاک کیے جائیں گے“۔ (یرمیاہ۔ ۱۴: ۱۳۔ ۱۶) قرآن مجید نے انہی عقاید کے مدنظر اَلَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا کی قید لگا کر بتا دیا کہ اَلنَّبِيُّوْنَ سے مراد جھوٹی اور شیطانی نبوت کرنے والے نہیں، بلکہ سچے اور وحی الٰہی سے مشرف نبی ہیں۔ اَلرَّبّٰنِيُّوْنَ۔ مراد اہل اللہ ومشائخ وعلماء باطن ہیں۔ العلماء الحکماء (قرطبی) الربانیون فوق العلماء (قرطبی) الاحبار۔ مراد علماء ظاہر وفقہاء ہیں۔ قال ابن عباس هم الفقهاء (قرطبی) الحبر الرجل العالم و هو ماخوذ من التحبیر فهم یحبرون العلم ای یبینونه و یزینونه (قرطبی) لِلَّذِيْنَ هَادُوْا میں ل علی کے معنی میں ہے۔ اللام بمعنی علی ای علی الذین هادوا (بحر) ف۱۶۱ یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ توریت حفاظت اور عملدرآمد کے لیے اکابر یہود کی سپردگی میں دے دی گئی تھی۔ اُسْتُحْفِظُوْا۔ استحفاظ کے معنی ہیں کسی سے سوال کرنا کہ وہ حفاظت ونگہداشت رکھے۔ ای

بسبب ما طلب اللہ منھم حفظھم لکتاب اللہ و کلفھم حفظھا و اخذ عھدہ علیھم فی العمل بھا و القول بھا (بحر) من کتاب اللہ میں من بیانیہ ہے۔ من للتبیین (بیضاوی) بما میں ب سببیہ ہے الباء فی بما للسبب (بحر) و۱۶۲ گواہ اس امر کے، کہ یہ کتاب، کتاب الٰہی ہے۔ اور محافظ اس کے متن وعبارت کے۔ ای علی الکتب بانہ من عنداللہ (قرطبی) کانوا علیہ رقباء لئلا یتبدل (بحر) رقباء لایترکون ان یغیر (بیضاوی) شھداء علی ان کل ما فی التوٰرۃ حق و صدق و من عنداللہ (کبیر) و۱۶۳ (کہ میں ہی انکار حق پر ہر سزا پر قادر ہوں) خطاب قرآن اپنے معاصر مقتدایان یہود سے کر رہا ہے۔ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ۔ خلقت سے ڈرتے ہو، کہ اگر ہم نے حسب بشارات توریت نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر دی، تو ہمارے عوام ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ رؤساء واکابر یہود کے لیے قبول حق یا تصدیق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلا مانع یہی حُبِّ جاہ تھا، یہ ضرب اسی پر لگائی گئی۔ و۱۶۴ (اور یہ نذرانے وغیرہ جو عوام سے حاصل ہوتے ہیں، ان کے بند ہو جانے کا ڈر دل سے نکال ڈالو) مقتدایان یہود کو قبول حق وتصدیق اسلام سے پہلا مانع تو حُبِّ جاہ تھا، جس کا ذکر ابھی اُوپر آ چکا ہے، اور دوسرا مانع یہ حُبِّ مال تھا۔ و۱۶۵ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ۔ بلکہ غیر شرعی احکام کو شرعی احکام قرار دے۔ اور انسانی قانون کو خدائی قانون کہہ کر چلائے۔ مقتدایانِ یہود کا اصلی اور سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ وہ اپنے گھڑے ہوئے قوانین ومسائل کو خدائی قوانین ومسائل کہہ کر چلاتے تھے۔ فتوٰی خود اور اپنی طرف سے دیتے، اور کہتے کہ یہی مذہب کا حکم ہے۔ اتنی جسارت رکھنے والوں کے کفر میں شک ہی کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہی تفسیر بعض اکابر تابعین سے منقول ہے۔ عن ابن زید قال من حکم بکتاب بہ الذی کتب بیدہ و ترک کتاب اللہ وزعم ان کتابہ ھذا من عنداللہ فقد کفر (ابن جریر) اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔ و من لم یحکم میں مَنۡ، اَلَّذِي کا مترادف ہے۔ اور آیت یہود کے حق میں ہے۔ من ھنا بمعنی الذی (قرطبی) معنٰی یہ ہوئے کہ وہ یہود جو احکام الٰہی رجم وقصاص وغیرہ کو مٹا کر اپنی تجویزوں کو حق تعالیٰ کی جانب منسوب کر دیتے، وہ کافر ہو گئے۔ والتقدیر والیھود الذین لم یحکموا بما انزل اللہ فاولٓئک ھم الکٰفرون فھذا من احسن ما قیل فی ھذا (قرطبی) آیت سے خوارج نے بڑے زور ودعوٰی کے ساتھ استدلال کیا ہے کہ مسلمان فاسق بھی کافر کے حکم میں داخل ہے، جب اُس نے غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ شروع کر دیا، تو وہ کفر میں داخل ہو گیا۔ لیکن یہ استدلال (خوارج کے دوسرے استدلالات کی طرح) تمام تر سطحی ہے۔ اس لیے کہ جس فیصلہ کا یہاں ذکر ہے، اس کا تعلق عمل سے نہیں، بلکہ عقیدہ سے ہے۔ اور وہ شخص کافر یقیناً ہو جاتا ہے، جو عقیدۃً بھی اللہ کے قانون کو غلط اور اپنے قانون کو صحیح سمجھنے لگتا ہے۔ المراد بہ ھنا عمل القلب و ھو التصدیق و لا نزاع فی کفر من لم یصدق بما انزل اللہ تعالٰی (روح) آیت کے عام نہ ہونے بلکہ کفار خصوص یہود کے ساتھ مخصوص ہونے پر ابو صالح، عکرمہ، ضحاک، قتادہ وغیرہ تابعین کے علاوہ حذیفہ، ابن عباس صحابی رضی اللہ عنہ بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کی سند موجود ہے۔ عن البراء بن عازب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٓئک ھم الکافرون و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٓئک ھم الظالمون۔ و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٓئک ھم الفاسقون فی الکافرین کلھا (ابن جریر) عن ابی صالح قال الثلاث الأیات التی فی المائدۃ و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٓئک ھم الکافرون والظالمون والفاسقون لیس فی اھل الاسلام منھا شیٔ ھی فی الکفار (ابن جریر) عن الضحاک قال نزلت ھؤلاء الایات فی اھل الکتاب (ابن جریر) عن ابی جعفر قال انزلت فی الیھود والنصارٰی و اھل الشرک و نحوا من ھذا (ابن جریر) عن عکرمۃ قال ھؤلآء الأیات فی اھل الکتاب (ابن جریر) عن عبید اللہ بن عبداللہ قال انما عنی بذٰلک الیھود و فیھم نزلت ھذہ الصفۃ (ابن جریر) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال انما انزل اللہ تعالٰی و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٓئک ھم الکافرون والظّٰلمون والفاسقون فی الیھود خاصۃ (روح) قال البراء بن عازب و حذیفۃ بن الیمان و ابن عباس و ابو مجلز و ابو رجاء العطاردی و عکرمۃ و عبیداللہ بن عبداللہ و الحسن البصری و غیر ھم نزلت فی اھل الکتاب (ابن کثیر) قال قتادۃ والضحاک نزلت ھذہ الأیات الثلاث فی الیھود دون من اساء من ھذہ الامۃ (معالم) امام ابن جریر طبری حسب دستور، موافق و مخالف سارے اقوال کو نقل کر کے ترجیح اسی کو دیتے ہیں، کہ آیت کا تعلق صرف کفار اہل کتاب سے ہے

کہ اُنہی کا ذکر سیاق میں بھی ہے۔ اور انہی کا ذکر سباق میں بھی، اور دُوسرے محققین مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں۔ و اولی ھذہ الاقوال عندی بالصواب قول من قال نزلت ھذہ الأیات فی کفار اھل الکتاب لان ما قبلھا و ما بعدھا من الأیات ففیھم نزلت و ھم المعنیون بھا (ابن جریر) قال الشعبی ھی فی الیھود خاصۃ و اختارہ النحاس (قرطبی) یعنون ان من جحد حکمًا او حکم بغیر حکم اللہ تعالٰی ثم قال ان ھذا حکم اللہ فھو کافر کما کفرت بنو اسرائیل حین فعلوا ذٰلک (جصاص) کفر کی دفعہ اگر کسی غیر خدائی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے والے مسلمان پر عائد ہو گی بھی، تو صرف اس صورت میں جب وہ بیّن وصریح حکم کی خلاف ورزی دیدہ ودانستہ کرے، نہ اُس وقت جبکہ حکم کی دلالت ہی خفی ہو اور نادانستہ تعبیر ہی غلط کر رہا ہو۔ قال العلماء ھذا اذا ردّ نصّ حکم اللہ عیاناً فاما من خفی علیہ و اخطأ فی تاویل فلا (معالم) عکرمہ تابعی نے کہا ہے، اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قول کی تصویب کی ہے کہ جب تک کوئی کسی حکم الٰہی کو دل سے مان رہا ہے، اور زبان سے اس کا اقرار کر رہا ہے، اس وعید کے تحت میں آ کیونکر سکتا ہے؟ عمل اُس کا اس کے مخالف ہی ہو، جب بھی وہ محض عاصی یا تارک کہا جائے گا نہ کہ منکر یا باغی۔ قال عکرمۃ قولہ و من لم یحکم بما انزل اللہ انما یتناول من انکر بقلبہ و جحد بلسانہ امامن عرف بقلبہ کونہ حکم اللہ و اقر بلسانہ کونہ حکم اللہ الا انہ اتی بما یضادہ فھو حاکم بما انزل اللہ تعالٰی و لکنہ تارک لہ فلا یلزم دخولہ تحت ھذہ الأیۃ و ھذا ھو الجواب الصحیح (کبیر) خارجیوں کے مذہب کی ہمارے زمانہ میں پھر زبردست تجدید شروع ہوئی ہے، بڑے بڑے خوشنما القاب واسماء کے ساتھ، اور اس دعا یہ میں خاص کام اسی آیت سے لیا جاتا ہے، اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ آیت کی تفسیر مذہب اہل سنت کے مطابق ذرا تفصیل سے کر دی جائے۔ و۱۶۶ (قتل عمد یا دانستہ ضرب رسانی کی صورت میں) عَلَيۡهِمۡ ضمیر یہود کی طرف ہے۔ ذکر انہی کا برابر چل رہا ہے۔ اور یہ بجائے خود ایک دلیل اس امر کی ہے کہ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ کا تعلق بھی یہود ہی سے ہے۔ فِيۡهَاۤ ضمیر متفقہ طور پر توریت کی جانب ہے۔ وَكَتَبۡنَا سے اس کی صراحت ہو گئی کہ توریت کی تعزیرات اللہ ہی کی مقرر کی ہوئی ہیں۔ و۱۶۷ موجودہ توریت میں اتنے تحریفی انقلابات کے بعد بھی یہ حکم ان الفاظ میں موجود رہ گیا ہے:۔ ”اگر وہ اس صدمہ سے ہلاک ہو جائے تو تو جان کے بدلہ میں جان لے اور آنکھ کے بدلہ میں آنکھ، دانت کے بدلہ دانت۔ اور ہاتھ کے بدلہ ہاتھ پاؤں کے بدلہ پاؤں۔ جلانے کے بدلہ جلانا۔ زخم کے بدلہ زخم اور چوٹ کے بدلہ چوٹ“۔ (خروج۔ ۲۱: ۲۳۔ ۲۵) ”اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگا دے سو جیسا کرے گا ویسا ہی پائے گا۔ توڑنے کے بعد توڑنا۔ آنکھ کے بدلہ آنکھ، دانت کے بدلہ دانت۔ جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے، اُس سے ایسا ہی کیا جاوے“۔ (احبار ۲۴: ۲۰) ”اور تیری آنکھ مروّت نہ کرے کہ جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہو گا“۔ (استثناء۔ ۱۹: ۲۱) و۱۶۸ بِہٖ۔ اس کو یعنی اس قصاص کو۔ اس بدلہ لینے کے حق کو۔ ای تصدق بالقصاص (قرطبی) وَالۡجُرُوۡحَ قِصَاصٌ۔ قصاص سے مراد ہے کہ زخم محل قصاص ہیں ای ذات قصاص (بیضاوی) ای معاقصۃ (قرطبی) ای یقتص فیھا (جلالین) و۱۶۹ یعنی موجب اجر وثواب، اور اس معاف کر دینے والے کے گناہوں کے دُور ہونے کا باعث بن جائے گا۔ هُوَ۔ یعنی یہ معاف کر دینا۔ یہ اپنے جائز حق سے دستبرداری۔ لَّهٗ یعنی اس معاف کر دینے والے کے حق میں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ترغیب ہے، عفو کی، اور یہ اہل اللہ کی عادات میں داخل ہے۔ و۱۷۰ (اپنے حق میں) یعنی بہت برا کام کرنے والے ہیں۔ یہود کا ذکر اب بھی چلا جا رہا ہے پہلے ذکر یہ تھا کہ اُن کے اکابر ومشائخ اپنی طرف سے ایک فتوٰی گھڑ کر دے دیتے ہیں، اور اُسے شریعت الٰہی کی جانب منسوب کر دیتے ہیں، ایسے لوگ اپنی اس حرکت سے یقیناً کافر ہو جاتے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ۔ اب ذکر انہی یہود کا ہے کہ یہ اجراء حدود قصاص میں احکام شریعت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، تو یہ اپنے ہی اُوپر ظلم کر رہے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۶۵۔ و۱۷۱ یہ تصدیق خود موجودہ محرف اور مسخ شدہ انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے موجود ہے:۔ ”یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں“۔ (متی۔ ۵: ۱۷) اٰثَارِهِمۡ میں ضمیر انبیاء اسرائیل کی جانب ہے۔ ای النبیین الذین اسلموا من قبلک یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ابن جریر) وَقَفَّيۡنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ یعنی ہم نے اُن کے نقش قدم پر پیچھے پیچھے

بھیجا۔ ان الفاظ میں اشارہ اس جانب بھی ہوگیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اسی طرح کے ایک نبی تھے، جیسے کہ ان کے قبل بنی اسرائیل میں اور نبی ہو چکے تھے، اُن کی شخصیت اور اُن کی وحی دوسرے انبیاء کی شخصیت اور وحی سے کچھ مختلف نہ تھی۔ و۱۷۲ قرآن مجید بار بار یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نامی کوئی کتاب وحی یا الہام کی گئی تھی۔ اب یہ کتاب دنیا کی نظروں سے معدوم ہے۔ اور آئندہ کے کسی اسلامی محقق کا کام یہ پتہ لگانا ہے کہ آخر یہ کتاب آسمانی ہوئی کیا؟ اور کب اور کیسے غائب ہوگئی" عہد نامہ جدید" جسے عوام انجیل کا مرادف سمجھتے ہیں، اس کے کتاب الٰہی یا آسمانی ہونے کا دعویدار تو کوئی بھی نہیں، نہ عیسائی، نہ غیر عیسائی۔ وہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ ملفوظات اور کچھ حالات ہیں، آپ کے بہت بعد مجہول الحال لوگوں کے لکھے ہوئے۔ هُدًى۔ یعنی عقائد و مسائل صحیحہ۔ نُوْرٌ یعنی واضح احکام عملی۔ و۱۷۳ انجیل کی اصطلاح میں "شریعت" (Law) سے مراد شریعت موسوی یا توریت ہوتی ہے، اور اس کی بابت موجودہ انجیل میں تصریح موجود ہے، کہ" آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے ہٹ جانے سے آسان ہے"۔ (لوقا۔ ۱۶: ۱۷) و۱۷۴ یعنی نفع اُس سے صرف پرہیزگار ہی اٹھائیں گے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس کے مخاطب اُس ملک اور زمانہ کے عام و خاص سب ہی تھے۔ و۱۷۵ خود انجیل مروجہ کی تعلیم اس سلسلہ میں یہ ہے:۔" جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا، اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔ لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا۔" (متی۔ ۵: ۱۹) مگر ایک

لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ

اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کے و۱۷۱ اور ہم نے انہیں انجیل دی جس میں

هُدًى وَّ نُوْرٌ ۙ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

ہدایت اور نور ہے و۱۷۲ تصدیق کرنے والی اپنے قبل کی کتاب یعنی توریت کی و۱۷۳

وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ؕ﴿۴۶﴾ وَ لْيَحْكُمْ اَهْلُ

اور پرہیزگاروں کے لئے ایک ہدایت اور نصیحت و۱۷۴ اور اہل انجیل

الْاِنْجِيْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ

پر بھی لازم ہے کہ اللہ نے جو کچھ اس میں نازل کیا ہے، اس کے مطابق فیصلہ کریں، و۱۷۵ اور جو کوئی اللہ کے

اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ

نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے، تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں و۱۷۶ اور ہم نے آپ پر (یہ)

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ

کتاب اتاری ہے سچائی کے ساتھ، تصدیق کرنے والی اُن کتابوں کی جو اس سے پیشتر اتر چکی ہیں

وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا

اور اُن پر محافظ و۱۷۷ تو آپ ان لوگوں کے درمیان اللہ کے اتارے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ کیا کیجئے اور

تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ

اُن لوگوں کی خواہشوں پر عمل نہ کیجیے و۱۷۸ اس سچائی سے الگ ہو کر جو آپ کے پاس آچکی ہے و۱۷۹ تم میں سے

جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ

ہر ایک کے لئے ہم نے ایک (خاص) شریعت اور راہ رکھی تھی، و۱۸۰ اور اگر اللہ چاہتا

لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ

تو تم (سب) کو ایک ہی اُمت بنا دیتا و۱۸۱ لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ تمہیں آزماتا رہے اس میں جو

لطیفہ یہ ہے کہ موجودہ "انجیل" میں احکام قانونی کا حصہ کہنا چاہیے کہ بس برائے نام ہی ہے۔ فوجداری اور دیوانی کے قانون کے بیسیوں باب سرے سے خالی ہیں۔ اخلاقی مواعظ ان کے بجائے البتہ ملتے ہیں۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکتہ بھی اخذ کیا ہے کہ پچھلی شریعتوں سے جو حصہ منسوخ نہیں ہوا ہے وہ اس معنی میں اب بھی واجب العمل ہے کہ وہ اب عین ہماری شریعت کا جزو بن گیا اور اسی میں شامل ہوگیا۔ فيه دلالة على مالم ينسخ من شرائع الانبياء المتقدمين فهو ثابت على معنى انه صار شريعة النبى ﷺ (جصاص) انهم مامورون باستعمال احكام تلك الشريعة على معنى انها قدصارت شريعة للنبى عليه السلام (جصاص) و۱۷۶ ظاہر ہے کہ آیت کا خاص تعلق اہل انجیل ہی سے ہے۔ مسیحیوں ہی کو حکم مل رہا ہے کہ جب دعویٰ انجیل کے ماننے کا ہے، تو عمل بھی اسی کتاب الٰہی کے مطابق و ماتحت ہونا چاہیے۔ وقدتقدم ان هذه الأية نزلت فى النصارى و هو ظاهر من السياق (ابن کثیر) امر القسيسين والرهبان ان يحكموا بما فى الانجيل (معالم) قال الاصم فى النصارى (کبیر) آیت کو آج مسلمانوں پر چسپاں کرنا، خوارج کی دعایت کا دانستہ یا نادانستہ شکار ہو جانا ہے۔ و۱۷۷ (اے پیغمبر!) توریت وانجیل کے بعد اب ذکر قرآن مجید کا شروع ہو رہا ہے۔ بِالْحَقِّ۔ یعنی ایسی کتاب جو بجائے خود سچی ہے، ہر شک و کذب سے برتر۔ اى بالامر الحق (قرطبی) يعنى بقوله بالحق بالصدق ولا كذب فيه ولاشک انه من عندالله (ابن جریر) مِنَ الْكِتٰبِ۔ کتاب بہ طور اسم جنس آیا ہے۔ من جنس الكتب (قرطبی) مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ۔ تصدیق کرنے والی اُن پچھلی کتابوں کی کہ وہ بھی منزل من اللہ ہی ہیں۔ اس تصدیق سے اُن کتابوں کی تحریفات و تصحیفات کی تصدیق ہرگز لازم نہیں آتی۔ مُهَيْمِنًا۔ مہیمن کے لفظی معنی ہیں حفظ و نگہبانی کرنے والا۔ اصل المهيمنة الحفظ والارتقاب (ابن جریر) مراد یہ کہ قرآن ہی سب اگلی کتابوں کے لیے معیار صحت و صداقت ہے۔ شهيدًا على الكتب كلها و يقال امينًا على الكتب (ابن عباس رضی اللہ عنہما) مؤتمنًا عليه (ابن جریر۔ عن ابن عباس) قال قتادة معناه الشاهد و قيل الحافظ (قرطبی) قال بعضهم معناه شهيدًا و قال بعضهم معناه امينًا عليه (ابن جریر) عن ابن عباس اى شاهدًا عليه و هو قول مجاهد و قتادة والسدى والكسائى (معالم) قال سعيد بن جبير و ابو عبيدة مؤتمنًا عليه (معالم) محقق ابن کثیر نے "حاکم" اور "امین" اور "شہید" اور "موتمن" وغیرہ متعدد معنی نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ سب قریب المعنی ہیں اور مہیمن کا مفہوم ان سب پر شامل ہے۔ اور قرآن سب کتابوں کی خاتم اور سب سے اکمل و اعظم و اشمل ہے۔ هذه الاقوال كلها متقاربة المعنى فان اسم المهيمن يتضمن هذا كله فهو امين و شاهد و حاكم على كل كتاب قبله جعل الله هذا الكتاب العظيم الذى انزله اٰخر الكتب و خاتمها اشملها و اعظمها و اكملها۔ مجاہد تابعی کی جانب منسوب ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ مہیمن سے مراد ذات محمدی ہے، اور عليه میں ضمیر قرآن (الْكِتٰبِ) کی طرف ہے، گویا محمد ﷺ قرآن پر بطور مہیمن کے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کی نقل میں کہیں غلطی ہوگئی ہے۔ امام ابن جریر لکھتے ہیں کہ یہ معنی تو قواعد عربیت کے لحاظ سے غلط ہیں۔ اگر یہی مراد ہوتی تو، مُصَدِّقًا اور مُهَيْمِنًا کے درمیان واو عطف نہ ہوتا۔ عطف کے بعد تو دونوں صفتیں ایک ہی موصوف، قرآن کی ہو سکتی ہیں۔ وهذا التاويل بعيد من المفهوم فى كلام العرب بل هو خطأ و ذٰلک ان المهيمن عطف على المصدق فلا يكون الامن صفة ما كان المصدق صفة له (ابن جریر) قرآن مجید کی دو صفتیں پہلے بیان ہو چکی تھیں۔ ایک یہ کہ وہ بذاتِ خود صحیح اور سچی ہے، دوسری یہ کہ وہ قبل کی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے تیسری صفت مہیمن کی اب بیان ہوئی۔ مصدق و مہیمن۔ ان دو صفات کے لانے سے قرآن مجید کی دو حیثیتوں کو بیان کرنا ہے۔ ایک یہ کہ سابق کتابوں کے کل مضامین اس کے اندر آگئے۔ اور اس میں جمع و محفوظ ہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن اُن کتابوں پر بطور نگران کے بھی کام دے گا، یعنی اُن کی تحریفات و تصحیفات کے لیے معیار کا کام بھی دے گا۔ و۱۷۸ (جیسا کہ اب تک بھی نہیں کیا ہے) مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق جواب سب کے سب قرآن میں محفوظ ہیں۔ اى بما فى القراٰن (مدارک) بَيْنَهُمْ۔ یعنی اہل

اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ

وہ تمہیں دیتا رہا ہے، تو تم نیکیوں کی طرف لپکو، و١٨٢ اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا

جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ﴿٤٨﴾ وَاَنِ

ہے، تو وہ تمہیں وہ بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو و١٨٣ اور آپ

احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ

اُن لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے رہیے اسی (قانون) کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے اور اُن کی خواہشوں

وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ

پر عمل نہ کیجیے و١٨٤ اور اُن لوگوں سے احتیاط رکھیے کہ کہیں وہ آپ کو بچلا نہ دیں، آپ پر اللہ کے اتارے ہوئے

اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ

کسی حکم سے و١٨٥ پھر اگر یہ رُوگردانی کریں تو جان لیجیے کہ اللہ کو بس یہی منظور ہے

يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ

کہ ان کے بعض جرموں پر انہیں پاداش کو پہنچا دے و١٨٦ اور یقیناً زیادہ آدمی تو بے حکم ہی

لَفٰسِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ

ہوتے آئے ہیں و١٨٧ تو کیا یہ لوگ زمانہ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟ و١٨٨ اور جو

اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٥٠﴾ يٰٓاَيُّهَا

قوم یقین (وایمان) رکھتی ہے اس کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہوسکتا ہے؟ و١٨٩ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ

ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست مت بنانا و١٩٠

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ

وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں و١٩١ اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا

کتاب کے درمیان، جبکہ اُن کے معاملات آپ کے سامنے پیش ہوں۔ای بین الیھود (کبیر) ای بین اھل الکتاب کما قال ابن عباس رضی اللہ عنہما (روح) و١٧٩ (اوروہ سچائی وحی الٰہی کی روشنی ہے) ای بالقراٰن و الوحی الذی نزلہ اللہ تعالیٰ علیک (کبیر) و١٨٠ خطاب عام ہے، نوع انسان بھی مراد ہوسکتی ہے، اوراہل کتاب بھی۔ ایھا الناس (مدارک، بیضاوی) ایھا الامم الباقیۃ (روح) شِرْعَةً سے مراد ہر نبی کی لائی ہوئی تعلیم یا کتاب ہے۔اور منہاج اُس پیمبر کا تعامل یا سنت ہے۔گویا یہ بتادیا کہ کتاب وسنت کی دوگونہ نعمت قدیم موحد قوموں کے حصہ میں بھی ودیعت رہی ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما سبیلاً و سُنَّةً و کذاروی عن مجاھد و عکرمۃ و حسن البصری وقتادۃ و ضحاک والسدی (ابن کثیر) ایک قول یہ بھی ہے کہ شرعۃ سے مراد مطلق شریعت ہے، اور منھاج سے مراد کمالاتِ شریعت۔قال اٰخرون بینھما فرق فالشرعۃ عبارۃ عن مطلق الشریعۃ والطریقۃ عبارۃ عن مکارم الشریعۃ و ھی المراد بالمنھاج فالشریعۃ اول والطریقۃ اٰخر و قال المبرد الشریعۃ ابتداء الطریقۃ والطریقۃ المنھاج المستمر (کبیر) و١٨١ (اورآپس میں کوئی دینی اختلاف باقی ہی نہ رکھتا سب کے سب دین حق پر متحد ومتفق ہوتے) ای فجعل شریعتکم واحدۃ فکنتم علی الحق (قرطبی) فجمع الناس کلھم علی دین واحد و شریعۃ واحدۃ (ابن کثیر) وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ۔یعنی اگر مشیت تکوینی یہی ہوتی۔اگر اللہ تعالیٰ کو مصالح تکوینی کے اعتبار سے یہی منظور ہوتا۔مخاطبت یہاں ساری نوع انسانی یا مختلف اقوام سے ہے۔ھذا خطاب لجمیع الامم و اخبارٌ عن قدرتہٖ (ابن کثیر) و١٨٢ یعنی قانون اسلام کی طرف، جو نام ہی نیکیوں اور بھلائیوں کے تسلسل کا ہے۔ اَلْخَيْرٰتِ۔ خیرات کا لفظ جامع ہے۔اس کا اطلاق نیکیوں کے جملہ اقسام پر ہوگا۔المراد کل ما امر اللہ تعالیٰ بہ (مدارک) یہاں جبر واختیار، خیر وشر کے پورے فلسفہ کی طرف ارشاد کردیا ہے۔اشارہ یہ ہے کہ اگر حکمت مطلقہ کا تقاضہ یہ ہوتا کہ سب کو یکساں راہ حق ہی پر رکھا جاتا تو تکوینیات کے قانون ہی دوسرے ہوتے۔نہ یہ اختلاف عقول باہم باقی رکھا جاتا، نہ یہ اختلاف طبائع، نہ یہ اختلاف استعدادات۔سب انسان، اختلاف ماحول کے باوجود یکساں ویک رنگ ہوتے۔بہ ظاہر سب حق ہی پر ہوتے، لیکن حقیقۃً سب بے ارادہ، بے اختیار، مجبور مشین کی طرح حرکت کرتے رہتے۔لیکن مشیت تکوینی کو یہ منظور ہی نہ ہوا۔اس لیے انسان کی خلقت وترکیب ہی دوسرے طریق پر ہوئی۔وہ فاعل مختار وباارادہ بنا کر بھیجا گیا کہ اپنے قصد وارادہ سے کام لے کر ایک راستہ کو چھوڑ، دوسرے کو انتخاب کرسکے۔ لِيَبْلُوَكُمْ۔اس میں انسان کے صاحب اِرادہ واختیار ہونے کی غایت ومقصود کی جانب اشارہ ہوگیا۔حق کا باطل سے، صالح کا فاسد سے، خیر کا شر سے انتخاب ہی ارادہ واختیار کا صحیح استعمال ہے، اور یہی انسان کی آزمائش۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ۔یعنی طاعتوں کی طرف قدم بڑھاؤ، لپکو۔ای سارعوا الی الطاعات (قرطبی) فقہاء نے لفظ استباق سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ عبادات واجب میں عجلت کرنا تاخیر سے افضل ہے۔و ھذا یدل علی ان تقدیم الواجبات افضل من تاخیرھا (قرطبی۔ جصاص) و١٨٣ (باوجود وضوح حق کے۔اور جزا بھی اسی کے مطابق دے گا) مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا۔سب کی واپسی اُسی کے حضور میں ہونا اور اُسی سے سابقہ پڑنا ہے۔اس میں رد آ گیا اُن تمام مشرکانہ خیالات کا، جن کا ماحصل یہ ہے کہ حشر کی داوری، بجز حق تعالیٰ یا علاوہ حق تعالیٰ کے کسی اور کے سپرد ہوگی۔ يُنَبِّئُكُمْ۔خبر دینا یہاں محض اطلاع دینے کے معنی میں نہیں، بلکہ سزا دینے پر بھی شامل ہے۔ای فیفعل بکم من الجزاء الفاصل بین الحق و الباطل (روح) فالانباء ھنا مجاز عن المجازاۃ بما فیھا من تحقق الامر (روح) و١٨٤ (اے پیغمبر!) فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ۔یعنی ان اہل کتاب خصوصاً یہود کے درمیان فیصلہ کیجیے جب وہ اپنا مقدمہ آپ کے سامنے لائیں۔ آیت کا یہ ٹکڑا ابھی اُوپر آچکا تھا، دوبارہ اس کا ورود تاکید کے لیے ہے۔و تکرر و ان احکم بینھم للتاکید (قرطبی) بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ۔ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد قرآن مجید کا ہونا تو ظاہر ہی ہے۔لیکن اگر توریت وانجیل ہی مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اُن کتابوں کے بھی ٹھیک الہامی اور وحی شدہ احکام کے مطابق ہی فیصلہ کیجیے۔نہ کہ اُن اضافوں اور تحریفوں کے مطابق جو انہوں نے اپنے دل سے اُن کتابوں میں کرلیے ہیں۔ اَهْوَآءَهُمْ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ حکم دو مختلف مسئلوں کے بارہ میں ہے، اس لیے تکرار صرف ظاہری ہے، حقیقی نہیں۔لیس بتکرار لماتقدم من مثلہ لانھما نزلا فی شیئین مختلفین احدھما فی شان الرجم والاٰخر فی التسویۃ بین الاٰیات (جصاص) و١٨٥ اس حذر کا التزام اور اتنی احتیاط کا اہتمام ہر بار کرتے رہنا بہ قول مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ خود باعث اجر ہے۔ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی حکم الٰہی سے بچلنا قصد وعمد سے تو ہوہی نہیں سکتا، لامحالہ سہو ونسیان ہی کی بنا پر ہوگا۔اور یہیں سے ہے کہ آیت سے بعض محققین نے پیغمبر کے لیے جواز نسیان پر استدلال کیا ہے۔و فی الاٰیۃ دلیل علی جواز النسیان علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (قرطبی) قال اھل العلم ھذہ الاٰیۃ تدل علی ان الخطاء والنسیان جائزان علی الرسول (کبیر) و١٨٦ (اسی دنیا میں) بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ۔جرموں سے یہاں مراد یہود کا فیصلہ قرآنی اور تحکیم رسول سے انکار ہے۔یعنی ذنب التولی عن حکم اللہ سبحانہ و تعالیٰ (بیضاوی) یہ حقیقت مدنظر رہے کہ کفر یا محض بدعقیدگی کی سزا آخرت پر رکھی گئی ہے۔لیکن حربیت یا دنیا میں فتنہ وفساد پھیلانے کی سزا اسی دنیا میں ملتی ہے۔چنانچہ یہود کو قید کی، جلاوطنی کی، اور قتل کی سزا پاتے سب نے اسی دنیا میں دیکھ لیا۔ بَعْضِ کا لفظ لانے سے اظہار عظمت واہمیت مقصود ہے، جیسا کہ لفظ کے نکرہ لانے سے ہوتی ہے۔فیہ دلالۃ علی التعظیم کما فی التنکیر (بیضاوی) ھذا الابھام فیہ تعظیم التولی و فرط اسرافھم فی ارتکابھم (بحر) فَاِنْ تَوَلَّوْا۔رُوگردانی آپ کے فیصلہ سے ہوگی، جو عین حکم قرآنی کے مطابق ہوگا۔عن الحکم المنزل وارادوا غیرہٗ (بیضاوی) و١٨٧ (اس لیے آپ زیادہ رنج وتردد میں نہ

فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

وہ ان ہی میں (شمار) ہو گا ۱۹۲ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا ۱۹۳

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ

اسی لئے تو ایسے لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے ان کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھتا ہے

يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ

(وہ) کہتے ہیں کہ ہمیں تو یہ اندیشہ رہتا ہے کہ ہم پر کہیں کوئی دقت نہ پڑ جائے ۱۹۴ لیکن کیا عجب کہ اللہ (کامل) فتح

يَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى

ہی دے دے، یا (اور کوئی) خاص بات اپنی طرف سے (کر دے) تو اُس وقت

مَاۤ اَسَرُّوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ؕ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ

یہ اپنے پوشیدہ دلی خیالات پر شرمندہ ہو کر رہیں، ۱۹۵ اور جو لوگ

اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ

ایمان والے ہیں وہ (حیرت سے) کہیں گے، ارے، کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کی قسمیں بڑے زور و شور سے کھایا کرتے

اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا

تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں! ۱۹۶ ان کے عمل (سب) غارت گئے اور یہ لوگ گھاٹے میں

خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ

آ گئے ۱۹۷ اے ایمان والو، تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے

عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ

پھر جائے، سو اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو (وجود میں) لے آئے گا ۱۹۸ جنہیں وہ چاہتا ہو گا

وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى

اور وہ اُسے چاہتے ہوں گے ایمان والوں پر وہ مہربان ہوں گے اور کافروں کے مقابلہ میں

پڑیں) النَّاس سے مراد عام نوع انسانی بھی لی گئی ہے، اور قوم یہود بھی جن کا ذکر برابر چلا آ رہا ہے۔ والمراد من الناس العموم و قیل الیهود (روح) ظاهر الناس العموم و یحتمل ان یکون الناس للعهد و هم الیهود اللذین تقدم ذکر هم (بحر) ف۱۸۸ (حالانکہ اُس دَور سے خود ہی پناہ مانگتے ہیں) یہود و نصاریٰ کو قائل کیا جا رہا ہے کہ تم جو اسلام کے قانون سے گریز کر رہے ہو، تو یہ تو عمداً دورِ جاہلیت ہی کی طرف واپس جانا ہوا۔ جس قانون کی بنیاد تمام تر عدل اور ہر جہتی انصاف پر ہے، وہ تو اسلام ہی کا خدائی قانون ہے۔ ورنہ جاہلی قوموں کے قانون کا عملدر آمد تو اسی اصل اصول پر رہا ہے (اور دورِ جاہلیت عرب اس سے مستثنیٰ نہ تھا) کہ زبردست کا ساتھ دو، جو قوی ہے اُسے قوی تر کر دو، اور زیردستوں کی کوئی پروانہ کرو۔ خود یہود اہل کتاب و صاحب شریعت ہونے کے باوجود اس فضا سے اس حد تک متاثر ہو چکے تھے کہ اُن کے دو فرقے بنو نضیر اور بنو قریظہ جو حوالی مدینہ میں آباد تھے، اُن میں بنو نضیر چونکہ زبردست تھے اس لیے انہوں نے قاعدہ یہ مقرر کر لیا تھا کہ قتل وغیرہ کے معاملات میں دیت کی جتنی رقم خود دیتے، اس کی دوگنی شرح سے بنو قریظہ سے وصول کرتے! اَلْجَاهِلِيَّةِ۔ جاهلیت پر حاشیہ پارہ ۴ آل عمران، آیت ۱۵۴ میں گزر چکا ہے۔ قانون جاہلیت کا اطلاق ہر ایسے قانون پر ہوگا جو خدائی اور آسمانی قانون کے مقابلہ میں بشری دماغ نے تراشا ہو۔ حافظ ابن کثیر نے اسی آیت کے تحت میں بڑے سخت الفاظ میں اور بہت تفصیل کے ساتھ اُن لوگوں کی تاڑ کی ہے، جو خدائی قانون کے مقابلہ میں، اور اُسے کُلّاً یا جزواً بے دخل کر کے غیر قوموں کے قانون چلاتے ہیں، یا بشری اختراعات کو دخل دیتے ہیں، اور ایسے لوگوں کو قطعی کافر ٹھہرایا ہے، جن سے جہاد واجب ہے۔ پوری عبارت گو طویل ہے لیکن بے نظر میں رکھنے کے قابل۔ ینکر تعالٰی علی من خرج عن حکم الله المحکم المشتمل علٰی کل خیر الناهی عن کل شرو عدل الی ما سواه من الأراء والاهواء والاصطلاحات التی وضعها الرجال بلا مستند من شریعة الله کما کان اهل الجاهلیة یحکمون به من الضلالات و الجهالات بما یضعونها بازاء هم و اهواء هم و کما یحکم به التتار من السیاسات الملکیة الماخوذة عن ملکهم فان الذی وضع لهم الیاسق و هو عبارة عن کتاب مجموع من احکام قد اقتبسها عن شرائع شتّٰی من الیهودیة والنصرانیة والملّة الاسلامیة و غیرها و فیها کثیر من الاحکام اخذها من مجردنظره و هواه فصارت فی نبیه شرعا متبعا یقدمونه علی الحکم بکتاب الله و سنة رسول الله فمن فعل ذٰلک فهو کافر یجب قتاله حتّٰی یرجع الی حکم الله و رسوله فلا یحکم سواه فی قلیل و لا کثیر ف۱۸۹ شریعت الٰہی سے بڑھ کر عادلانہ و حکیمانہ، صحیح و مناسب قانون اور کون ہو سکتا ہے۔ لیکن اتنی موٹی سی بات بھی محسوس وہی کرتے ہیں۔ جن کی عقلیں شرک و الحاد کے زنگ سے صاف اور ایمان و ایقان کی روشنی سے منور ہوتی ہیں۔ ف۱۹۰ (جو صاحب کتاب ہونے کے باوجود قانون الٰہی کے منکر بلکہ اس کے باغی ہیں) اَوْلِيَآءَ۔ ولی کی جمع ہے۔ اور ولی کا اطلاق دوست، قریبی اور ناصر و مددگار سب پر ہوتا ہے۔ یہاں جس چیز کی ممانعت فرمائی گئی ہے، وہ تعلق دوستی، محبت، قرب اختصاصی کا ہے۔ رہا عدل و حسن سلوک، تو اس کا تعلق کفر و اسلام سے نہیں۔ وہ تو ہر فرد بشر، بلکہ ہر مخلوق کے حق میں لازمی ہے۔ ایک تیسری اور درمیانی صورت مصالحت و معاملت کی رہ جاتی ہے تو وہ اہل اسلام کی اپنی مصلحت کے تابع ہے۔ صلح اور عہد و پیمان ہر کافر جماعت سے مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں۔ ممانعت قطعی صرف موالات یا دوستانہ اتحاد اور برادرانہ مناصرۃ کی ہے۔ هٰذا یدل علٰی قطع الموالات شرعاً (قرطبی) ای لا تعتمدوا علی الاستصار بهم ولا تتودوا الیهم (کبیر) اور پھر یہ ممانعت جب اہل کتاب سے دوستی اور یگانگت کی ہے، جو توحید، سلسلۂ نبوت اور جزائے آخرت کے عقائد میں کم از کم اصولی طور پر تو مسلمانوں سے متحد ہیں، تو ظاہر ہے کہ مشرکین کے مقابلہ میں یہ ممانعت کتنی مؤکد اور اشد ہوگی جو مسلمانوں کے ساتھ کچھ بھی قدر مشترک نہیں رکھتے...... یہ نہ بھی ہو، جب بھی کافر کتابی کے درجہ میں تو وہ بہر حال رہیں گے فاذا امرنا بمعاداة الیهود والنصارٰی لکفرهم فغیرهم من الکفار بمنزلتهم (جصاص) ف۱۹۱ (اپنی مناسبت باہمی اور اسلام سے عداوت مشترک کی بنا پر) مطلب یہ ہوا کہ یہودی یہودی اور نصرانی نصرانی تو باہم دوست ہوتے ہی ہیں، باقی خود یہود و نصاریٰ کے درمیان بھی، بہت کچھ مناسبت ہے، کم از کم یہی کہ اسلام اور مسلمانوں کی عداوت پر دونوں متحد ہیں۔ ان کے آپس میں اگر تمہارے خلاف ساز باز ہو جائے تو کچھ تعجب نہیں، لیکن تم جو اہل ایمان ہو تم میں اور منکرین قرآن میں مناسبت ہی کیا، اور اشتراک کیسا؟ آج جب کہ یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں (جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ مئی ۱۹۴۶ء) فلسطین میں مسلمانوں کے خلاف یہود اور نصرانیوں کی ساز باز قرآن مجید کی اس پیش خبری کی معجزانہ تصدیق پیش کر رہا ہے۔ ف۱۹۲ یعنی وہ بھی انہی میں داخل و شامل اور انہی کا ایک جزو یا ضمیمہ سمجھا جائے گا۔ ای من جملتهم و حکمه حکمهم و هٰذا تغلیظ من الله و تشدید فی وجوب مجانبة المخالف فی الدین (مدارک) غیروں، بیگانوں، اللہ کے دشمنوں سے دوستی ہو نہیں سکتی، جب تک پہلے ان کی عظمت یا محبت کا نقش دل پر نہ بیٹھ لے، اور مسلمان اپنی پختگی سے کچھ نہ کچھ ہٹ نہ لے...... قومی تشخص اور ملت کی خودی کے لیے لازمی ہے کہ ملت اسلامی کے دوستانہ، رازدارانہ، برادرانہ تعلقات غیر مسلموں سے بالکل ممنوع قرار دے دیے جائیں۔ یہ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ جو لوگ دشمنانِ دین کے ساتھ خلا ملا، میل جول زیادہ رکھتے ہیں، ان کے اندر سے فہم دین اور دینی تصلب اور ملی خودداری رخصت ہو جاتی ہے۔ حدیث نبوی میں دوسری قوموں کے وضع و لباس اختیار کرنے، اُن سے تشبّہ پیدا کرنے کی جو ممانعت آئی ہے، وہ عجب نہیں کہ انہی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہو۔ ف۱۹۳ یعنی دین کی سمجھ اور غیرتِ ملی ایسے لوگوں سے سلب ہو جاتی ہے۔ ظالمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین خدا کے باغیوں کو دوست و رازدار بنا کر خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔ الذین ظلموا

الْكٰفِرِيْنَ ز يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا

سخت ہوں گے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی

يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ

ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے ف١٩٩ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ

عطا کرے، اور اللہ بڑا وسعت والا ہے، بڑا علم والا ہے ف٢٠٠ تمہارے دوست تو بس اللہ

وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

اور اس کا رسولؐ اور ایمان والے ہیں جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں،

وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ

اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں، اس حال میں کہ وہ خشوع بھی رکھتے ہیں ف٢٠١ اور جو کوئی اللہ اور

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ

اس کے رسولؐ اور ایمان والوں سے دوستی رکھے گا، سو بے شک اللہ ہی کا گروہ

هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا

غالب ہے ف٢٠٢ اے ایمان والو! جن لوگوں کو،

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ

تم سے پہلے کتاب (آسمانی) مل چکی ہے اور وہ ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ

بنا رکھا ہے اُن کو اور کافروں کو دوست نہ بناؤ ف٢٠٣ اور اللہ سے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ

ڈرتے رہو، اگر تم ایمان والے ہو ف٢٠٤ اور جب تم نماز کے لئے پکار کرتے ہو ف٢٠٥

ع ٩ / ١٢

انفسهم بموالاة الكفرة (کشاف۔مدارک) ف١٩٤ (اور اُس وقت یہودی ساہوکاروں سے دوستانہ تعلقات کام آئیں گے) دائرۃ۔ مراد ہے گردش زمانہ سے کوئی اتفاقی مصیبت مثلاً قحط، گرانی، شکست جنگ وغیرہ۔ قال الواحدی الدائرة من دوائر الدهر كالدولة و هی التی تدور من قوم الی قوم (کبیر) والدائرة هی التی تخشی كالهزيمة والحوادث المخوفة (کبیر) من دوائر الزمان ای صرف من صروفه و دولة من دوله فيحتاجوا اليهم (کشاف) اَلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ سے مراد منافقین مدینہ ہیں۔ یہی ان احکام امتناعی کے باوجود، یہودی مہاجنوں، ساہوکاروں سے برابر رشتہ موالات قائم کیے ہوئے تھے۔ مرض سے مراد شک ونفاق کا مرض ہے۔ مرض شک و نفاق والمراد ابن اُبیّ واصحابه (قرطبی) المنافقون مثل عبدالله بن ابی واصحابه (کبیر) فَتَرَى میں خطاب عام ہے، یعنی اے دیکھنے والے۔ فِيْهِمْ یعنی اُن کی دوستی کی طرف جن سے اُن کا لین دین جاری تھا۔ ای فی موالاتهم و معاونتهم (بیضاوی۔قرطبی) فی مودة اليهود و نصارى نجران لانهم كانوا اهل ثروة و كانوا يعينونهم على مهماتهم و يقرضونهم (کبیر) يَقُوْلُوْنَ۔ یعنی مسلمانوں سے بہ طور حیلہ بازی اور سخن سازی کے کہتے ہیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ مدینہ میں جو پُرقوت جتھا عبداللہ بن اُبی کی سرداری میں منافقوں کا تھا، وہ برابر متمول یہود و نصاریٰ سے لین دین جاری رکھے ہوئے تھے، اور مسلمانوں سے کہتا رہتا کہ کل کی کیا خبر، اگر کہیں یہی لوگ تم پر غالب آگئے، یا اور کوئی مصیبت ہم تم پر پھٹ پڑی تو بغیر ان لوگوں سے مدد لیے کچھ بنائے نہ بنے گی۔ اس لیے انہیں ساتھ لیے رہنا ضروری ہے۔ ف١٩٥ اور شرمندگی بھی کیسی، دوہری بلکہ تہری تہری شرمندگی اٹھانا پڑے۔ پہلی کھسیاہٹ تو اسی کی کہ سمجھے کیا تھے، اور ہوا کیا۔ دوسری جھنجلاہٹ اپنی رسوائی پر جو نفاق کمبخت کی بدولت ظہور میں آئی۔ تیسرا غصہ اپنی اس ناکامی پر کہ ادھر کافروں سے دوستی کچھ آڑے نہ آئی، اور اُدھر مسلمانوں سے بھی برے بنے! عَسَى اللّٰهُ۔ عسیٰ کے لیے اُوپر کئی بار آچکا ہے کہ جب اس کا تعلق حق تعالیٰ کے کسی فعل سے ہوتا ہے تو معنیٰ میں شک و احتمال نہیں رہتا، بلکہ مفہوم یقین کا پیدا ہو جاتا ہے۔ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ یہ فتح مسلمانوں کو اُنہی کافروں کے مقابلہ میں حاصل ہوگی جو آج ان منافقوں کی امیدوں کا سہارا اور جائے پناہ بنے ہوئے ہیں۔ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ۔ اللہ کی طرف سے کوئی خاص بات، مثلاً اُنہی منافقین کی پردہ دری ان کے ناموں کی تعیین کے ساتھ۔ ف١٩٦ (لیکن اب تو حقیقت حال کچھ اور ہی ظاہر ہو رہی ہے) یہ کہنے والے مومنین ہوں گے اور آپس میں کہیں گے جب منافقین کا نفاق کھل کر رہے گا۔ ف١٩٧ (آخرت اور دنیا دونوں میں) استحقوا اللعن فی الدنيا و العقاب فی الأخرة (کبیر) دنیا میں یوں کہ کافروں کی معاونت لا حاصل نکلی، اور مسلمانوں کے سامنے قلعی کھل کر رہی۔ اور آخرت میں یوں کہ اُن کی ظاہری نیکیاں بالکل بے وزن نکلیں۔ اَعْمَالُهُمْ۔ میں اعمال سے اُن کے وہ اعمال تو مراد ہیں ہی جن پر انہیں طاعات ہونے کا گمان تھا۔ لیکن ان سے مراد اُن کی منافقانہ کارروائیاں اور دورُخی چالیں بھی ہو سکتی ہیں۔ ف١٩٨ (ان مرتدوں کے بجائے، دین کی خدمت کے لیے) سو کسی فرد یا جماعت کے ارتداد سے دین اسلام یا خدائے اسلام کو مطلق ضرر نہیں۔ ف١٩٩ (دین وجہاد کے باب میں) يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ۔ قرآن مجید نے اسے بار بار صاف کیا ہے کہ خدائے اسلام بعض مشرک قوموں کے خداؤں کی طرح ایک بے جان و بے حس مشین اور محض علت العلل نہیں۔ وہ خوش بھی ہوتا ہے اور ناخوش بھی۔ وہ پسند بھی کرتا ہے اور ناپسند بھی۔ وہ حکم بھی دیتا ہے اور منع بھی کرتا ہے۔ یہاں یہ بتایا کہ وہ فلاں فلاں اوصاف والوں کو پسند کرتا ہے، اور وہ لوگ بھی اُس کو محبوب رکھتے ہیں۔ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ یہی مضمون سورۃ الفتح، رکوع ٤ میں بھی بیان ہوا ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ اَذِلَّةٍ۔ کے معنیٰ ہیں نرمی وشفقت سے لبریز۔ ای یرافون بالمؤمنين ويرحمونهم و يلينون لهم (قرطبی) ليس المراد بكونهم اذلة هو انهم يهانون بل المراد المبالغة فی وصفهم بالرفق ولين الجانب (کشاف) اَعِزَّةٍ۔ کے معنیٰ ہیں غالب، سخت، مستقل۔ ای اشداء غلاظ على الكفار يعادونهم ويغالبونهم (معالم) هم فی الغلظة على الكفار كالسبع على فريسته (ابن عباس رضی اللہ عنہما) يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یہ يُجَاهِدُوْنَ کے ساتھ ہر جگہ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کی قید لگی رہنا بے معنیٰ نہیں۔ نفس مجاہدے اور سخت قسم کی مشقتیں مشرک، ملحد، منافق سب ہی اپنے اپنے دنیوی، ملکی، وطنی، شخصی، قومی اغراض ومقاصد کے لیے کیا کرتے ہیں۔ جیل جاتے ہیں، تازیانے کھاتے ہیں، گولیاں سینہ پر لیتے ہیں، پھانسی پر چڑھ جاتے ہیں۔ مومن مسلم کی شان امتیازی یہ ہے کہ اس کے مجاہدے بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں، جو بھی ہوں اللہ کی راہ میں، رضاء الٰہی کی غرض سے، دین خدا کی سربلندی کی خاطر ہوں۔ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ۔ یہ شان مومنین مخلصین کی ہے۔ بہ خلاف منافقین کے کہ وہ اگر جہاد میں شریک ہوتے بھی ہیں تو دبے دبائے، شرمائے ہوئے، کافروں کی طعنہ زنی سے ڈرے سہمے ہوئے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اہل طریق کے طرز عمل کی تصریح آگئی۔ ف٢٠٠ ذٰلِكَ۔ اشارہ ایمان اور اُن اوصافِ عمل کی جانب ہے جو ابھی اوپر بیان ہو چکے۔ اشارة الى ما تقدم من الاوصاف (بیضاوی) وَاسِعٌ۔ اُس کے ہاں کی وسعتوں اور گنجائشوں کا کیا پوچھنا۔ وہ چاہے تو سب ہی کو ان اوصاف سے متصف کر دے۔ عَلِيْمٌ۔ لیکن اس کا علم بھی تو ہمہ گیر و دقیق ترین ہے۔ وہ اُنہی کو ان اوصاف سے متصف کرتا ہے جو اس کے علم کامل میں اس کے اہل ہوتے ہیں۔ ف٢٠١ وَلِيُّكُمُ۔ یہاں ولی اس معنیٰ میں ہے کہ وہ جس سے تمہیں دوستی رکھنا چاہیے۔ یعنی تمہارے حقیقی دوست۔ اور خطاب اُمت اسلامی سے ہے۔ اُوپر ذکر اس کا تھا کہ یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ۔ اب گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ دوست اللہ اور رسول اور اہل ایمان کو بناؤ۔ فکانه

ہے جو اہل اللہ اور ان کے طریق کے ساتھ تمسخر کرے۔ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ میں واو حالیہ ہے۔ والواو للحال (کشاف) ای یعملون ذٰلک فی حال الرکوع (کشاف) لیکن خود رکوع کے اس سیاق میں کیا معنی ہیں؟ رکوع یہاں بمعنی خشوع ہے نماز کی اصطلاحی ہیئت متعارف مراد نہیں۔ و هو الخشوع والاخبات والتواضع لله اذا صلوا و اذا زکوا (کشاف) والرکوع هنا ظاهره الخضوع لا الهیئة التی فی الصلوٰة (بحر) مطلب یہ ہوا کہ ان کی اقامت صلوٰۃ و ادائے زکوٰۃ محض صورت ظاہری کے لحاظ سے نہیں ہوتی، بلکہ وہ صحیح کیفیت باطنی کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ ۱۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ ۲۔ اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ ۳۔ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ غرض یہ کہ وہ لوگ عقائد اور اعمال بدنی و مالی اور اخلاص و اخلاق سب کے جامع ہوں گے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ عین ذکر میں اگر کسی ایسے شغل کا ہجوم و تقاضا ہو کہ اگر اس سے فارغ نہ ہو تو اس کا قلب مشغول رہے تو اس سے جلد فارغ ہو جانا ہی مستحسن ہے۔ ف۲۰۲ (باعتبار اصل حقیقت کے گو بعض اوقات اس غلبہ کے آثار کسی حکمت و مصلحت کی بنا پر ظاہر نہ ہوں) یہ قول مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ حقیقۃً ارفع تو مومنین ہی ہیں، گو حکمت ابتلاء وغیرہ کی بنا پر کسی خاص محل، مثلاً اس دنیا میں، اور کسی خاص وقت تک اس ارفعیت کے آثار نمایاں نہ ہوں۔ واقعیت بجائے خود قائم ہے، خواہ اس کے آثار بعد ایک مدت کے اسی دنیا میں ظاہر ہو جائیں خواہ کسی دوسرے محل کے لیے، مثلاً آخرت میں اپنے ظہور کے اصلی اور مقدر وقت پر اٹھا رہیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ غلبہ کی تفسیر اگر قوت قلب سے کی جائے تو فہم سہل تر ہو جائے۔ اہل اللہ پر اسباب مغلوبیت کا ظاہراً کتنا ہی ہجوم ہو، لیکن ان کو ضعف و استکانت بوجہ توکل و تعلق مع اللہ کے نہیں ہوتا۔ ف۲۰۳ جو لوگ دین حق سے تمسخر و استہزاء کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں، خواہ وہ کتابی کافر ہوں یا غیر کتابی، اُن سے انقطاع تعلقات و دوستی کے باب میں یہ آیت ایک اور نص قطعی ہے۔ ذکر ههنا النهی العام عن موالاة جمیع الکفار (کبیر) اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ سے مراد ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ اسی آیت سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ مشرکین سے مدد لینا ناجائز ہے۔ فیه نهی عن الاستنصار بالمشرکین لان الاولیاء هم الانصار (جصاص) مِنَ الَّذِیْنَ میں من تبیین و تشریح کے لیے ہے۔ انتخاب و تبعیض کے لیے نہیں۔ من للبیان (جلالین) اس لیے یہ معنی نہیں کہ اہل کتاب میں سے ایک طبقہ اس قسم کا ہے، بلکہ مراد ہے اہل کتاب جو سب کے سب اسی قماش کے ہیں۔ شاہ عبد القادر دہلوی اور مفسر تھانوی دونوں نے اپنے اپنے ترجمہ میں یہی پہلو اختیار کیا ہے۔ وَالْكُفَّارَ۔ کفار سے مراد کافر غیر کتابی ہیں۔ ای المشرکین و قد ورد بهذا المعنی فی مواضع من القرآن (روح) ف۲۰۴ حکم، اور بعض صورتوں میں ناخوشگوار حکم کی تعمیل اور ادائے فرض پر تقویٰ الٰہی ہی آمادہ کر سکتا ہے۔ اور خود تقویٰ ایمان کی پختگی کے لوازم میں سے ہے۔ امرهم بتقوی الله فانها هی الحاملة علی امتثال الاوامر و اجتناب النواهی (بحر) ثم نبّه علی الوصف الحامل علی التقوی و هو الایمان (بحر) ف۲۰۵ اسی پکار کا نام اصطلاح شریعت میں اذان ہے۔ اور یہ اسلام کے امتیازات خصوصی میں سے ہے۔ دوسرے مذہبوں میں اوّل تو روزانہ عبادت اجتماعی کا دستور ہی نہیں (چہ جائیکہ دن میں پانچ پانچ مرتبہ) اور پھر روزانہ یا ہفتہ وار جب کبھی بھی وقت عبادت کے اعلان کی ضرورت پڑتی ہے، تو اس موقعہ پر کام گھنٹہ کی ٹھنا ٹھن یا گھنٹی کی ٹن ٹن سے لیا جاتا ہے!...... یہ شرف صرف اسلام کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس نے عبادت کے اعلان دعوت کا طریقہ ایسا نکالا، جو عبادت کا ذریعہ ہی نہیں، بلکہ بجائے خود بھی ایک عبادت ہی ہے! اذان میں ہوتا کیا ہے؟ نہ باجہ نہ گانا، نہ جرس نہ ناقوس، نہ قومی نغمہ نہ ملی ترانہ۔ بس اللہ کی حکومت و کبریائی، اللہ کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کے ساتھ ساتھ لوگوں کو نماز کی طرف بلاوا! الفاظ کل یہی ہوتے ہیں، کہ:۔ اللہ اکبر (چار بار) اللہ ہی بڑا ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (دوبار) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (دوبار) میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ (دوبار) لپکو نماز کی طرف۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ (دوبار) لپکو فلاح و بہبود کی طرف۔ اَلصَّلٰوةُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (دوبار) نماز نیند سے کہیں بہتر ہے۔ (صرف فجر کے وقت) اَللّٰهُ اَكْبَرُ (دوبار) اللہ ہی بڑا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (ایک بار) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ فرمائیے، اس سے پاکیزہ تر پکار اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس وسیع کرۂ ارض کے جس قطعہ میں جہاں بھی کوئی مسجد ہے، مؤذن اس

اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا

تو یہ لوگ اس کو ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ (بالکل) عقل سے

یَعْقِلُوْنَ ۝۵۸ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ

کام نہیں لیتے ف۲۰۶ آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! تم ہم سے بس یہی ضد رکھتے ہو نا

اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ

کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو کچھ ہمارے اُوپر اُترا ہے اُس پر اور جو کچھ ہم سے پیشتر

قَبْلُ ۙ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۵۹ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ

اُتر چکا ہے اُس پر؟ ف۲۰۷ اور یہی کہ تم سے اکثر نافرمان ہیں ف۲۰۸ آپ کہہ دیجیے کیا میں تمہیں جتلا دوں

بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ

وہ جو اللہ کے ہاں پاداش کے لحاظ سے اس سے (بھی کہیں) برا ہے ف۲۰۹ وہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے

اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَیْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ

لعنت کی ہے اور اُن پر غضب کیا ہے ف۲۱۰ اور اُن میں سے بندر

وَ الْخَنَازِیْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا

اور سؤر بنا دیے ف۲۱۱ اور انہوں نے شیطان کی پوجا کی ف۲۱۲ ایسے لوگ مقام کے اعتبار سے بدتر

وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ۝۶۰ وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا

اور راہ راست سے بہت دُور ہیں ف۲۱۳ اور جب یہ لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں

اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ

کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ کفر کو لے آئے تھے اور اسی کو لے کر چلے گئے

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا یَكْتُمُوْنَ ۝۶۱ وَ تَرٰی كَثِیْرًا

اور اللہ خوب جانتا ہے اس چیز کو جسے یہ لوگ چھپاتے ہیں ف۲۱۴ اور آپ ان میں سے بہتوں

پاک گھر میں خود بھی پاک و صاف ہو کر، باوضو کسی بلند مقام پر کھڑے ہو کر، اللہ کی کبریائی، اللہ کی یکتائی، محمد کی رسالت کی منادی بلند آواز سے کرتا رہتا ہے۔ اور لوگوں کے لیے عبادت و فلاح کی دعوت بغیر کسی مادّی آلہ کی مدد کے فضا میں پانچ بار ہر روز بلند ہوتی رہتی ہے!...... ظالم اسی صدائے خیر و فلاح کو روکنا اور بند کرنا چاہتے تھے۔ غیر قوم والے اس قدرتی لحن سے جس طرح متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۲۰۶ اس پاکیزہ صدا کا کونسا جزو آخر قابل مضحکہ ہے؟ کونسا پہلو اس کا قابل تمسخر ہے؟ اتنا صحیح، سچا، سنجیدہ پیام آخر کس اعتبار سے ناقابل التفات ہے؟...... اور جو اسے قابل تحقیر سمجھیں، کیا اُن کی انتہائی بے عقلی، کج فہمی پر کسی مزید دلیل قائم کرنے کی ضرورت ہے؟ اِتَّخَذُوْهَا میں ضمیر صلوٰۃ کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اور ندا (اذان) کی طرف بھی۔ الضمیر للصلوٰة او للمناداة (کشاف) سیاق کے لحاظ سے اذان ہی مراد لینا بہتر ہوگا۔ ف۲۰۷ یعنی ہمارے اصول دین میں سے تمہیں عداوت اور ضد اس کے کس جزو سے ہے؟ ہمارا جرم بس یہی ہے نا کہ ہم توحید کے پرستار ہیں، اور اپنے نبی کے ساتھ ساتھ تمہارے انبیاء پر بھی ایمان رکھتے ہیں؟ قُلْ۔ خطاب پیغمبر کو ہے کہ آپ سب مسلمانوں کی طرف سے یہ جواب دیں۔ قال علی سبیل التعجب هل تجدون فی هذا الدین الا الایمان بالله والایمان بما انزل علی ... یہاں دونوں معنی چسپاں ہو سکتے ہیں۔ معناه تسخطون و قیل تکرهون و قیل

تنکرون والمعنٰی متقارب (قرطبی) ھل تنکرون منا و تعیبون (بیضاوی) ف۲۰۸ (خود اپنے دین کے معیار سے بھی) اہل کتاب اُس وقت دینی اور اخلاقی اعتبار سے اتنے گرے ہوئے تھے کہ قرآن مجید بے تکلف انہیں اس لحاظ سے بھی ملزم قرار دے رہا ہے۔ ای فسقکم ثابت معلوم عندکم (بیضاوی) انتم فی دینکم فساق لاعدول (کبیر) وَاَنَّ میں و، مع کے معنٰی بھی دے سکتا ہے۔ یجوزان یکون الواو بمعنی مع (کشاف۔ کبیر) اس ترکیب کے بعد آیت کے معنٰی یہ ہوں گے کہ تم ہم سے ہمارے ایمان ہی کی بنا پر تو خفا ہو، باوجود اس کے کہ اکثر تم خود ہی نافرمان ہو۔ ما تنقمون منا الا الایمان مع ان اکثرکم فاسقون (کشاف) ای لان اکثرکم فاسقون تنقمون منا ذٰلک (قرطبی) ف۲۰۹ (جسے تم اپنے لیے برا سمجھ رہے ہو) یعنی تم تو ہمارے طریقہ کو برا سمجھ رہے ہو، لیکن میں تمہیں اُس طریقہ کا پتہ بتائے دیتا ہوں جو واقعی عنداللہ سزا و پاداش کے لحاظ سے بدترین ہے۔ مِنْ ذٰلِكَ۔ یعنی ہمارے اس طریقہ سے جو تمہارے نزدیک موجب صد عیب ہے۔ ای من ذٰلک المنقوم (بیضاوی) ای بشرٍ من نقمکم علینا (قرطبی) اشارۃ الی المنقم (کبیر) ف۲۱۰ (ان کے اسی طریق مبغوض کے باعث) لَعَنَہُ۔ لعنت پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے کہ اس کے معنٰی رحمت الٰہی سے دُوری اور مجبوری کے ہوتے ہیں۔ مِنْ عِنْدَ اللّٰهِ کا مضاف محذوف ہے اور تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے بشرٍ من اھل ذٰلک من لعنہ اللہ او بشرٍ من ذٰلک دین من لعنہ اللہ (بیضاوی) لا بد من حذف المضاف و تقدیرہ بشرٍ من اھل ذٰلک (کبیر) ذکر یہود کا ہے۔

مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ

کو دیکھتے ہیں گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر

السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ

لپکتے ہوئے کیسے برے ان لوگوں کے کرتوت ہیں ف۲۱۵ کیوں اُن کے

الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ

مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کے کھانے سے نہیں روکتے

السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ

ہیں کیسی بری ان کی کارستانیاں ہیں! ف۲۱۶ اور یہود کہتے ہیں کہ

يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ

خدا کا ہاتھ بند ہو گیا ہے ف۲۱۷ ہاتھ اُن ہی کے بند ہوں! اپنے اس کہنے سے یہ ملعون ہو گئے ف۲۱۸

يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ

اللہ کے تو دونوں ہاتھ خوب کھلے ہوئے ہیں ف۲۱۹ وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے ف۲۲۰ اور جو کچھ آپ پر

كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا

آپ کے پروردگار کی طرف سے اُترا ہے، وہ اُن میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر

وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ

بڑھا دیتا ہے، ف۲۲۱ اور ہم نے اُن کے درمیان دشمنی اور کینہ قیامت تک کے لئے ڈال دیا

الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ

ہے ف۲۲۲ جب جب وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اسے بجھا دیتا ہے ف۲۲۳

وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ

اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ف۲۲۴ درآنحالیکہ اللہ فساد کرنے والوں کو

وقف لازم

ف۲۱۱ یہ لوگ جو بندر اور سؤر بنا دیے گئے کون تھے کہاں کے تھے، کس زمانہ کے تھے، قرآن مجید اس باب میں خاموش ہے اور احادیث صحیح میں بھی کوئی تفصیل وارد نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے اس پر محض اجمالی ایمان بالکل کافی ہے۔ البتہ جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں کہ قردۃ بننے والے سے مراد یہود یا اصحاب السبت ہیں جن کا ذکر سورۂ بقرہ پارہ اوّل میں آچکا ہے۔ اور خنازیر سے مراد مسیحی اصحاب المائدہ ہیں، جن کا ذکر اسی سورۃ میں آگے آرہا ہے۔ قال اھل التفسیر عنی بالقردۃ اصحاب السبت و بالخنازیر کفار مائدۃ عیسٰیؑ (کبیر) ای مسخ بعضھم قردۃ و ھم اصحاب السبت و بعضھم خنازیر و ھم کفار مائدۃ عیسٰیؑ (روح) لیکن یہ قول بھی سلف ہی سے مروی چلا آرہا ہے کہ مسخ محض معنوی ہوا تھا، صوری نہ تھا، یعنی صورتیں وہی رہی تھیں، صرف سیرتیں بندروں اور سوروں کی ہو گئی تھیں۔ مفردات میں لغت خنزیر کے تحت میں ہے:۔ قیل عنی من اخلاقہ و افعالہ مشابھۃ لا خلاقھا لا من خلقتہ خلقتھا و روی ان قومًا مُسخوا خِلقۃً و کذا ایضاً فی الناس قومٌ اذا اعتبرت اخلاقھم وُجِدُوا کالقردۃ والخنازیر و ان کانت صُوَرُھم صُوَر الناس (راغب) اس نامہ سیاہ کو اس آیت کی تفسیر کے باب میں خاص طور پر تردد تھا۔ مسودۂ اوّل کی تحریر کے وقت (اپریل ۱۹۴۲ء میں) حکیم الامت مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ زندہ و سلامت تھے۔ حل مشکل کے لیے عریضہ ان کی خدمت میں بھیجا، اور اس میں امام راغب کی عبارت مذکورۂ بالا نقل کر دی۔ جواب جو موصول ہوا اُس کو خلاصۃً یوں بیان کیا جا سکتا ہے، کہ ”اولاً تو ایسی تاویلیں ان صحیح و مسلم اور عقلی قواعد کے آگے مخالف پڑتی ہیں۔ النصوص تحمل علی ظواھرھا لایعید الی المجاز الا اذا تعذرت الحقیقۃ الناطق یقضی علی الساکت۔ ثانیاً، خود الفاظ قرآنی اس تاویل کو مستبعد بتا رہے ہیں۔ مثلاً لفظ جَعَلَ ضمیر پر دال ہے، تو اس کا مفعول ثانی ایسی ہی چیز ہو سکتی ہے جو پہلی کے خلاف ہو۔ اور قردۃ و خنازیر بالتاویل تو وہ خود ہی ہو چکے تھے، اس میں جَعَلَ کے کیا معنٰی۔ اس جَعَلَ کا تو یہ حاصل ہوا کہ جعل القردۃ قردۃً و جعل الخنازیر خنازیر۔ یا بہ عبارت دیگر جعل الخبیثین خبیثین کیا اس سے کلام کے بے معنٰی ہونے کا شبہ قوی نہیں ہو سکتا، جو کلام اللہ سے نہایت مستبعد ہے۔ ثالثاً جب وہ خود خبیث ہو چکے تھے تو اب اُن کو خبیث بنانے کے کیا معنٰی۔ رابعاً سورۂ بقرہ میں ہے فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ تو سزا پر تو نکال اور مَوْعِظَةً صادق آتا ہے مگر عقائد و اخلاق فاسدہ تو خود موجب سزا ہیں نہ کہ سزا۔ غایۃ مافی الباب ایسی تاویل کو نص کی تکذیب نہ کہیں گے لیکن کیا بدعت بھی نہ کہیں گے؟ اگر شبہ کیا جائے کہ بعض سلف کو بدعتی کہنا لازم آتا ہے، تو یہ بدعت اجتہادی محل وعید نہیں، ورنہ اگر اس تاویل کو سنت میں داخل کیا جائے تو جمہور کو بدعتی کہنا لازم آئے گا“۔ گنجائش بہرحال اس تاویل کی بھی موجود ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ف۲۱۲ یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جب عَبَدَ بہ طور فعل پڑھا جائے۔ اور تقدیر کلام یوں ہوگی۔ وَمَنْ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ عطف اس صورت میں مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ پر ہوگا۔ جعلوہ فعلاً ماضیًا و عطفہ علی فعل ماضٍ و ھو غضب و لعن (قرطبی) عطف علی صلۃ من کانہٗ قیل و من عبدالطاغوت (کشاف) دوسری ترکیب یہ بھی جائز ہے کہ عبد کو اسم اور عبد کی جمع سمجھا جائے۔ اس صورت میں عبد کا عطف الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ پر ہوگا۔ اور پورے فقرہ کے معنٰی ہوں گے کہ ”انہیں بندر اور سور اور پرستار شیطان بنا دیا“۔ طاغوت پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں، یہود رفتہ رفتہ کاہنوں کے بہت معتقد اور گرویدہ ہو گئے تھے، اور کہانت وغیرہ تمام شیطانی فنون اُن پر غالب آگئے تھے۔ اسی کو شیطان کی پرستاری سے تعبیر کیا گیا۔ عن عباس رضی اللہ عنہما الطاغوت الکھنۃ و کل من اطاع احدًا فی معصیۃ اللہ فقد عبدہٗ (کشاف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب مصلحت دینی ہو تو مخالف کی ذم کو خوب ظاہر کر دیا جائے اور یہ صبر و حلم کے منافی نہیں۔ ف۲۱۳ (اسی دنیا میں) شَرٌّ مَّكَانًا۔ آخرت میں کہ وہ مکان دوزخ ہے۔ شر کو یہاں مضاف مکان کی طرف کیا گیا ہے، اور مراد اس سے اہل مکان تھی۔ لان مکانھم النار و اما المومنون فلا شر فی مکانھم (قرطبی) جعلت الشرارۃ للمکان و ھی لاھلہ للمبالغۃ (مدارک) ف۲۱۴ یعنی ان کے عقائد کفر و نفاق کو۔ ذکر اب منافقین کا ہے، خصوصاً منافقین یہود کا، جو اپنے عقائد کفر کے باوجود اپنے کو مسلمان آبادی کے درمیان چالاکی سے ملے جلے رکھتے تھے۔ ھٰذہ صفۃ المنافقین (قرطبی) ای

منافقوا الیھود (جلالین) اِذَا جَآءُوْكُمْ یعنی یہ منافقین جب مسلمانوں کی مجلسوں میں آتے جاتے اُٹھتے بیٹھتے ہیں۔ دَخَلُوْا بِالْكُفْرِ۔ یعنی تمہاری مجلس کے اندر عقائد کفر لیے ہوئے آئے۔ خَرَجُوْا بِالْكُفْرِ۔ یعنی تمہاری مجلس سے باہر وہی عقائد کفر لیے ہوئے واپس ہوئے۔ مطلب یہ ہوا کہ انہیں مسلمانوں کی مجلس میں آنے سے نفع مطلق نہ ہوا۔ جو کفریہ عقائد لے کر آئے تھے، وہی لے کر چلے بھی گئے۔ والمعنی انھم لم ینتفعوا بشیء مما سمعوہ بل دخلوا کافرین و خرجوا کافرین (قرطبی) ف۲۱۵ ذکر یہود کا ہے۔ الاِثْمِ۔ جھوٹ کے قسم کے سارے گناہ اس میں شامل ہیں۔ یا وہ گناہ جو گنہگار کی ذات تک محدود ہیں۔ الاثم الکذب و قیل الاثم ما یختص بھم (کشاف) یعنی عن قول الکذب والزور (ابن جریر) الْعُدْوَانِ۔ یہ لفظ ہر قسم کے ظلم، زیادتی اور سرکشی پر حاوی ہے۔ یا وہ گناہ جو دوسروں تک متعدی ہو۔ العدوان الظلم و قیل العدوان ما یتعد اھم الی غیرھم (کشاف) اَكْلِهِمُ السُّحْتَ۔ اس میں سود، رشوت اور جبر یا مکر سے حاصل کی ہوئی ہر آمدنی آگئی۔ پرانے حکماء کی تحلیل نفس کے مطابق اثم قوت نطقیہ سے صادر ہوتا ہے۔ اور عدوان قوت غضبیہ سے اور اکل سحت قوت شہویہ سے۔ ف۲۱۶ آیت ماقبل میں ذکر عوام یہود کا تھا۔ اس آیت میں ذکر خواص و اکابر یہود کا ہے۔ لَوْلَا، الا کے معنی میں ہے۔ لو لا بمعنی الا (قرطبی) یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب اس کا داخلہ مستقبل پر ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے، تو اس کے معنی صیغہ امر کے اور ممانعت کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ فاذا کانت للمستقبل فھی فی معنی الامر لم لا تفعل و ھی ھٰھنا للمستقبل یقول ھلّا ینھا ھم ولم لا ینھا ھم (جصاص) لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۔ صحابہ و تابعین اور علماء سلف سے مروی ہے کہ یہ آیت قرآن مجید کی سخت ترین آیتوں میں سے ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ھی اشد اٰیۃ فی القراٰن (کشاف) عن الضحاک ما فی القراٰن اٰیۃ اخوف عندی منھا (کشاف) کان العلماء یقولون ما فی القراٰن اٰیۃ اشد توبیخا للعلماء من ھٰذہ الاٰیۃ ولا اخوف علیھم منھا (ابن جریر) ف۲۱۷ یہ مسلمانوں کے افلاس پر طنز و استہزاء کی راہ سے ایک فقرہ تھا۔ محاورہ میں اس سے مراد بخل و تنگدستی ہوتی ہے غل الید و بسطھا مجاز عن البخل والجود (کشاف) غل الید و بسطھا مجاز مشھور عن البخل والجود (کبیر) ید کے یہاں لفظی معنی لینا مضحکہ خیز ہیں۔ یہ تو محض محاورۂ زبان اور ایک اسلوب بیان ہے۔ کسی کے ہاتھ بالکل کٹے ہوئے ہوں جب بھی اُس کے بخل وجود کے لیے غل ید و بسط ید کا محاورہ بلا تکلف استعمال ہوگا۔ اس لیے یَدُ اللّٰهِ کے لفظ کے آجانے سے حق تعالیٰ کے اثبات ید کا قطعاً کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لا یقصد المتکلم بہ اثبات ید و لا غل و لا بسط (مدارک) روایتوں میں یہ قول صرف دو ہی یہودیوں سے نقل ہوا ہے، لیکن اس سے دلچسپی لینے والے اور اس کو منع نہ کرنے والے دوسرے لوگ بھی رہے، اسی لیے یہ قول منسوب افراد ہی کی جانب نہیں بلکہ فرقہ کی جانب کر دیا گیا۔ لما قال قوم ھٰذا و لم ینکر الباقون صار کانھم باجمعھم قالوا ھٰذا (قرطبی) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہود کا یہ قول گو اُن کے اعتقاد پر مبنی نہ ہو، لیکن کلمہ کفر کا تلفظ بھی بلا ضرورت اور بغیر تردید کے کفر ہی ہوتا ہے۔ اور یہیں سے یہ ہے کہ آگے فقرہ میں لُعِنُوْا کی علت بِمَا قَالُوْا ارشاد ہوئی ہے، بما اعتقدوا نہیں۔ ف۲۱۸ چنانچہ دنیا میں اس ملعونیت کا اثر قید، قتل، ذلت وغیرہ سے ظاہر ہوا۔ اور آخرت میں عذاب جہنم سے ظاہر ہوگا۔ غُلَّتْ

اَيْدِيْهِمْ۔ یہ دُعا کا کلمہ ہے یعنی افلاس و تنگدستی، بدحالی اُن ہی پر چھا کر اور ان ہی پر الٹ کر رہے گی۔ یجوزان یکون دعاء علیھم (قرطبی) یجوزان یکون معناہ الدعاء علیھم بالبخل (کشاف) اس پیش خبری کا ظہور عین اُس وقت بھی ہوا۔ یعنی چند ہی سال کے اندر یہود مدینہ مفلس و بے زر ہو کر رہ گئے۔ اور خود آج بھی باوجود اپنے شہرۂ آفاق تمول کے خوشحالی اور دولت اُن کے کچھ افراد ہی تک محدود ہے، ورنہ بحیثیت قوم ایک نہایت درجہ مفلس و نادار قوم ہے۔ مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ، آیت ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ کے تحت میں پارۂ اوّل میں گزر چکا ہے۔ ف۲۱۹ یعنی اللہ کے ہاں کریمی اور رزاقی بدستور جاری ہیں۔ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ۔ اُردو میں بھی غایت فیاضی کے اظہار کے موقع پر بولتے ہیں کہ کوئی ایک ہاتھ سے خرچ کرتا ہے، فلاں دونوں ہاتھوں سے خرچ کرتا ہے عربی میں بھی دونوں ہاتھوں کا لانا زور و تاکید کے لیے ہے۔ لیکون ردقولھم و انکارہ ابلغ و اول علی اثبات غایۃ السخاء و نفی البخل عنہ (کشاف) یہ بھی کہا گیا ہے کہ تثنیہ کا صیغہ دوسری نعمتوں کے اظہار کے لیے ہے۔ ایک نعمت دنیا کی اور دوسری آخرت کی۔ ف۲۲۰ (حسب حکمت و مصلحت) اور وہ جس کو چاہتا ہے، اپنی مصلحت تکوینی سے غنی و تونگر کر دیتا ہے۔ اہل سنت اللہ تعالیٰ کے اختیار مطلق غیر مقید و غیر محدود کے قائل ہیں۔ اسی لیے اس آیت سے انہوں نے اپنے مذہب کی تقویت اور معتزلہ کے رَد کا کام لیا ہے۔ جو اس کے قائل ہیں کہ حق تعالیٰ پر اجر طاعت و مزد اعمال واجب ہے۔ اعلم ان ھٰذہ الاٰیۃ ردٌّ علی المعتزلۃ و ذٰلک لانھم قالوا یجب علی اللہ تعالیٰ اِعطاء الثواب للمطیع و یجب علیہ ان لا یعاقبہ (کبیر) ف۲۲۱ یعنی اپنے ضد و عناد کی بنا پر یہی نسخہ شفا یہ لوگ اپنے حق میں ازدیاد مرض کا سبب بنا لیتے ہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔ یعنی یہی قرآن۔ ف۲۲۲ یعنی اُن کا ہر قبیلہ اور فرقہ دوسرے کا دشمن ہے۔ بَيْنَهُمُ۔ مراد یہود کے اندر کے فرقہ اور قبیلہ ہیں کہ یہود ہی کا ذکر قریب میں ہے۔ ای القینا بین طوائف الیھود (قرطبی) المراد وقوع العداوۃ بین فرق الیھود (کبیر) جائز یہ بھی ہے کہ ضمیر کل اہل کتاب کی طرف ہو، جس کا ذکر ذرا اور قبل آچکا ہے۔ قال مجاھد ای بین الیھود والنصارٰی (قرطبی) المراد منہ ما بین الیھود والنصارٰی من العداوۃ و ھو قول الحسن و مجاھد (کبیر) ف۲۲۳ آگ کا بجھانا یہ کہ اللہ اُن کی یہ شرارتیں چلنے نہیں دیتا۔ ان کی تدبیریں باطل کر دیتا ہے۔ خصوصاً اس طرح کہ اُن ہی میں کے ایک دوسرے کے مخالف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اطفاؤھا صرف اللہ عنھم ذٰلک و تفرق اٰرائھم وحل عزائمھم و تفرق کلمتھم والقاء الرعب فی قلوبھم (بحر) اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ۔ یعنی مومنین کے خلاف جنگ کی تدبیریں سوچتے ہیں۔ جنگ کے نقشے تیار کرتے ہیں۔ جنگ کی آگ روشن کرنا، عربی محاورہ میں کنایہ ہے جنگ کی تیاری سے۔ قال الجمھور ھو استعارۃ و ایقاد النار عبارۃ عن اظھار الحقد و الکید والمکر بالمومنین و القتال (بحر) ایقاد النار کنایۃ من ارادۃ الحرب (روح) عرب جنگ کے وقت واقعۃً بھی آگ روشن کیا کرتے تھے، اور اس اعتبار سے یہ فقرہ محض مجازاً و استعارۃً نہیں بلکہ لفظاً بھی صحیح ہو جاتا ہے۔ ف۲۲۴ (دوسرے دوسرے ذرائع سے) دنیا میں قانون الٰہی کے نفاذ کی مخالفت کرنا خواہ وہ کسی عنوان سے بھی ہو، بہرحال اور بہر صورت فساد فی الارض ہی ہے، انفرادی بربادی و اجتماعی ہلاکت دونوں کا پیش خیمہ۔

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا

پسند نہیں کرتا ف٢٢٥ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے

لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾

تو ہم ضرور اُن کی برائیاں اُن سے دور کردیتے، اور ہم ضرور انہیں نعمت کے باغوں میں داخل کردیتے ف٢٢٦

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ

اور اگر وہ توریت اور انجیل کی پابندی کرتے اور اُس کی جو اُن پر ان کے پروردگار کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ

(اب) نازل ہوا ہے ف٢٢٧ تو یہ لوگ (خوب) کھاتے (پیتے) رہتے اوپر سے (بھی) اور اپنے پیروں کے نیچے سے (بھی)

مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا

ف٢٢٨ انہی میں ایک جماعت میانہ رو بھی ہے ف٢٢٩ لیکن اکثر ان میں کے ایسے ہیں جو بہت ہی برا

يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

کررہے ہیں ف٢٣٠ اے (ہمارے) پیغمبر جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے یہ (سب) آپ (لوگوں

مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ

تک) پہنچا دیجیے ف٢٣١ اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں ف٢٣٢

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى

اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے رکھے گا ف٢٣٣ یقیناً اللہ کافر لوگوں کو

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى

راہ نہ دے گا ف٢٣٤ آپ کہہ دیجیے کہ اہل کتاب تم کسی راہ (حق) پر بھی نہیں

شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ

جب تک تم توریت و انجیل کی پابندی نہ کرو اور اس (کتاب) کی جو تمہارے

ع ١٠ ١٢

ف٢٢٥ (اللہ کی رضامندی کو فساد فی الارض سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ ف٢٢٦ اٰمَنُوْا۔ یعنی قرآن اور حامل قرآن پر ایمان لاتے۔ اٰمَنُوْا کے مطلق رکھنے میں بعض اہل علم نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ اہل کتاب اگر محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئیں، تو یہ تو خیر عین مقصود ہی ہے لیکن اگر اپنے پیمبر اور اپنی ہی کتاب پر سچا اور پورا ایمان رکھیں، تو اُن کی ہدایت اور عبارت بھی تو بالآخر اسی ایمان مصطفوی ﷺ پر لائے گی۔

عشق گرزیں سروگرازآں سرست عاقبت ماراباں شہ رہبرست

ف٢٢٧ (بہ واسطہ نبی آخرالزمان ﷺ) مراد قرآن و شریعت اسلامی ہے۔ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ۔ مراد ہے ان کتابوں کی عدم تحریف اور ان کے احکام پر عمل۔ و اقامة التورٰة والانجيل العمل بمقتضا هما وعدم تحريفهما (قرطبی) وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ اس کے معنی علاوہ قرآن مجید کے خود اُن کے انبیاء کی دوسری کتابوں کے بھی کیے گئے ہیں۔ قيل كتب انبياء هم (قرطبی) من سائر كتب الله لانهم مكلفون الايمان بجميعها (مدارک) ف٢٢٨ یعنی اس دنیا میں آسمانی اور زمینی برکتوں سے خوب تمتع حاصل کرتے۔ فوق و تحت کے الفاظ عموم تمتع دنیوی اور زور و تاکید کے لیے ہیں۔ ذكر فوق و تحت للمبالغة في ما يفتح عليهم من الدنيا (قرطبی) المراد منه المبالغة في شرح السعة (کبیر) آیت سے یہ استنباط بھی کیا گیا ہے کہ طاعت و عمل صالح خوشحالی اور وسعت رزق کے موجبات میں سے ہیں۔ دلت الأية على ان العمل بطاعة الله تعالٰى سبب لسعة الرزق (مدارک) ف٢٢٩ (اور یہی میانہ رو جماعت آگے چل کر ایمان لے آئے گی) مُقْتَصِدَةٌ۔ اقتصاد۔ کے معنی عمل میں راہ اعتدال اختیار کرنے کے ہیں۔ والاقتصاد الاعتدال في العمل (قرطبی) یہاں مراد اُن لوگوں سے ہے، جو حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے باب میں نہ افراط کے غلو تک پہنچ جاتے ہیں، نہ تفریط کے قعر میں گر پڑتے ہیں۔ مقتصدة في القول في عيسى ابن مريم (ابن جریر) مسیحیوں میں نجاشی شاہ حبشہ اور اُن کے رفقاء اور یہود میں عبداللہ بن سلام اور ان کی جماعت یہ سب اسی اُمت مقتصدہ کے افراد ہوئے ہیں۔

ف٢٣٠ اشارہ اہل کتاب کی تحریف کتب و تکذیب انبیاء کی جانب ہے۔

ف٢٣١ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ اس میں قرآن مجید کے سارے کا سارا آجانا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی جو چیزیں وحی خفی کے ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ کو تعلیم ہوتی تھیں، وہ بھی اس عموم میں شامل ہیں۔ قال ابن عباسؓ المعنى بلغ جميع ما انزل اليك (قرطبی) فيه امر للنبي ﷺ بتبليغ الناس جميعًا ما ارسله به اليهم من كتابه و احكامه و ان لايكتم منه شيئاً خوفاً من احد ولامداراة له (جصاص) جميع ما انزل اليك (مدارک) يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ۔ تبلیغ کے موقع پر یہ انداز خطاب بجائے خود نہایت بلیغ و حکیمانہ ہے کہ اے مخاطب تمہاری تو حیثیت ہی تمامتر رسول کی، پیغام پہنچانے والے کی ہے۔ ف٢٣٢ یعنی اگر آپ نے کوئی بات احکام خداوندی میں سے چھپالی، تو گویا آپ نے فریضہ رسالت ادا ہی نہیں کیا۔ فان كتمت شيئًا منه فما بلغت رسالته (قرطبی۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اخبرانه ان ترك تبليغ شيءٍ منه فهو كمن لم يبلغ شيئاً (جصاص) فكانك لم تبلغ الرسالة اصلًا (مدارک) لان كتمان بعضها ككتمان كلها (جلالین) اور ایسے مفروضات، محالات عادی ہی نہیں محالات عقلی تک، مثلاً ایک کے بجائے دو خداؤں کا ہونا، تو قرآن مجید نے بیان توحید تک میں روا رکھے ہیں۔ اس میں رَد آگیا اُن غالی باطل پرستوں کا جن کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ نے نعوذ باللہ کسی خوف یا مصلحت سے قرآن مجید ہم تک پورے کا پورا نہیں، بلکہ کسی قدر ناقص صورت میں پہنچایا ہے۔ دلت على انه ﷺ لم يُسِرَّ الى احدٍ شيئاً من امر الدين (قرطبی) اور حقیقۃً یہ ہے بھی مرتبہ رسالت سے بہت ہی گری ہوئی چیز کہ پیمبر جیسا عبد کامل بھی کوئی حکم شریعت کسی مروت یا کسی خوف سے چھپا جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کیسی لطیف اور سچی بات اس موقع پر کہی ہے کہ اگر آپ نے کوئی سا بھی جزو قرآن کریم کا چھپایا ہوتا، تو وہ یہی جزو ہوتا! قالت لو كان محمد ﷺ كاتمًا شيئًا من القرأن لكتم هٰذه الأية (ابن کثیر) فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ رسول کی طرح علماء اُمت کے لیے بھی کسی مسئلہ شریعت کا اخفاء و کتمان جائز نہیں۔ هٰذا تاديب للنبي ﷺ و تاديب لحملة العلم من امته الّا يكتموا شيئًا من امر شريعته (قرطبی) ف٢٣٣ (کہ آپ کے قتل و ہلاک پر قدرت حاصل کرسکیں) اس لیے آپ تبلیغ کے باب میں تو اپنی جان کی ذرا فکر نہ کیجیے۔ مخالفین و معاندین جو کچھ بھی چاہیں کرتے رہیں۔ يعصمك من القتل فلايصلون الى قتلك (معالم) ایک سوال یہاں یہ پیدا کیا گیا ہے کہ جب محفوظیت کا وعدہ ہو چکا تھا، تو پھر جنگ اُحد میں جسم مبارک کو جراحتیں کیسے پہنچیں؟ مفسرین نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ صاف اور بے تکلف جواب مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے یہ ہے کہ وعدۂ محفوظیت سیاق تبلیغ میں کیا گیا ہے، اس لیے اس کا تعلق بھی قدرۃً اتنی ہی محفوظیت سے ہے جو آپؐ کے فرائض تبلیغ میں مانع نہ ہو۔ بالکلیہ محفوظیت نہ مقصود تھی نہ ہوسکتی تھی۔ مرض، صدمہ، زخم وغیرہ تو حکمت تکوینی کے ماتحت رفع درجات و ترقیٔ مراتب کے لیے ضروری ہیں۔ آیت سے علماء نے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ علماء حق پرست خدا کے کام کو اپنے ذمہ سمجھیں، اور اپنی ضرورتوں کا کفیل اُسی کے فضل کو سمجھے رہیں۔

ف٢٣٤ (کہ آپ تک پہنچ کر اپنے ملعون منصوبوں کو پورا کرسکیں) لا يمكنهم مما يريدون انزاله بك من الهلاك (کشاف)

اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ وَ لَیَزِیۡدَنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ

پروردگار کی طرف سے تمہارے اُوپر اتری ہے، ف۲۳۵ اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا

اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ طُغۡیَانًا وَّ کُفۡرًا ۚ فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ

گیا ہے وہ یقیناً ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو بڑھا کر رہے گا ف۲۳۶ تو آپ کافر لوگوں پر

الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا

افسوس نہ کیجیے ف۲۳۷ بے شک جو لوگ ایمان لا چکے اور جو لوگ یہودی ہوئے

وَ الصّٰبِـُٔوۡنَ وَ النَّصٰرٰی مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ

اور صابی اور نصرانی (غرض) جو بھی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان

الۡاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ

رکھتا ہو اور نیک عمل بھی کرے، سو ایسوں کو نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ

یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ

غمگین ہوں گے ف۲۳۸ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا

وَ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهِمۡ رُسُلًا ؕ کُلَّمَا جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌۢ

اور اُن کے پاس (بہت سے) پیمبر بھیجے ف۲۳۹ جب جب کوئی پیمبر اُن کے پاس (ایسا) حکم لائے،

بِمَا لَا تَهۡوٰۤی اَنۡفُسُهُمۡ ۙ فَرِیۡقًا کَذَّبُوۡا وَ فَرِیۡقًا

جس کو اُن کا جی نہیں چاہتا تھا تو بعض کو جھٹلاتے تھے اور بعض کو قتل ہی

یَّقۡتُلُوۡنَ ﴿٪۷۰﴾ وَ حَسِبُوۡۤا اَلَّا تَکُوۡنَ فِتۡنَةٌ فَعَمُوۡا

کر ڈالتے تھے ف۲۴۰ اور گمان یہی کرتے رہے کہ وبال کچھ نہ پڑے گا ف۲۴۱ سو اندھے

وَ صَمُّوۡا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ ثُمَّ عَمُوۡا وَ صَمُّوۡا

اور بہرے ہو گئے ف۲۴۲ پھر اللہ نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی ف۲۴۳ پھر بھی اُن میں کے بہت سے اندھے

ف۲۳۵ یہاں اشارہ اس حقیقت کی طرف ہے کہ مدار فضیلت کا، مقبولیت کا، احکامِ الٰہی کا اتباع ہی ہے۔ تو پھر جب سرے سے اس سے گریز ہے، تو کیسی افضیلت اور کہاں کی مقبولیت؟ علی شئی۔ یعنی را[ہِ] راست و دینِ حق۔ ای علی دین یعتدبہ (کشاف۔ بیضاوی) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ بغیر اتباعِ شریعت کے کوئی کمال معتبر نہیں۔ ف۲۳۶ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۲۲۔ ف۲۳۷ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم فر[ط] شفقت و ترحم سے کافروں کے حال پر بے چین و مضطر رہا کرتے تھے۔ ارشاد ہو ر[ہا] ہے کہ آپ اتنا غم و تاسف نہ کیجئے۔ یہ تو اپنی ضد و عناد کی بنا پر مستحق کسی ہمدردی [و] رعایت کے نہیں۔ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے ہے۔ آپ کو ممانعت حزن [کی] نہیں کی گئی ہے، کہ وہ آپ کے لیے ایک امر طبعی تھا، بلکہ افراطِ حزن سے کی گئ[ی] ہے۔ و ھذہ تسلیۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم و لیس بنھی عن الحزن لانہ لا یقدر علیہ و لکنہ تسلیۃ و ینھی عن التعرض للحزن (قرطبی) لا تتاسف بسبب نزول اللعن والعذاب علیھم فانھم من الکافرین المستحقین لذلک (کبیر) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اعراض کرنے والوں پر زیادہ قلق نہ کرے جیسا کہ بعض مبالغین فی الشفقۃ کرتے ہیں۔ ف۲۳۸ آیت کے الفاظ و مطالب کی تشریح پارۂ اوّل میں گزر چکی۔ حاشیہ نمبر ۲۱۸ سے حاشیہ نمبر ۲۲۲ تک۔ ف۲۳۹ چنانچہ قوم بنی اسرائیل کی تاریخ گویا انبیاء مرسلین ہی کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ پر حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے۔ یہ عہد توحید ہی سے متعلق تھا۔ ف۲۴۰ یعنی کم و بیش مخالفت تو اپنے سب ہی انبیاء کی کی، جو ذرا سا بھی کوئی حکم اُن کی مرضی کے خلاف لے کر آئے۔ لیکن بعض کو تو تکذیب سے گزر کر ہلاک تک کر ڈالا۔ یہود کے قتلِ انبیاء وغیرہ پر حاشیے پارۂ اوّل میں گزر چکے ہیں۔ انجیل میں یہ الزام اس سے کہیں زیادہ زوردار الفاظ میں دہرایا گیا ہے۔ ”اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے۔ اس لیے دیکھو میں نبیوں اور داناؤں اور فقیہوں کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ اُن سے بعض کو قتل کرو گے اور صلیب پر چڑھاؤ گے اور بعض کو اپنے عبادت خانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے“۔ (متی ۲۳: ۳۲-۳۴) ملاحظہ ہوں پارۂ اوّل کے حاشیے آیت نمبر ۶۱ پر۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ سارے کبائر کی اصل اتباعِ ہویٰ ہے، اس لیے صوفیہ اس کے استیصال کی سخت کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ف۲۴۱ (ان پر تکذیبِ انبیاء اور قتلِ انبیاء کا)۔ فِتۡنَةٌ کے ایک معنی سزا کے بھی ہیں۔ الفتنۃ العذاب (قاموس) قرآن مجید میں بھی فِتۡنَةٌ ایک دوسرے موقع پر اسی معنی میں آیا ہے۔ ذوقوا فتنتکم ای عذابکم (راغب) اہلِ تحقیق نے یہی معنی یہاں بھی لیے ہیں۔ ای عذاب و قتل (معالم) صحیفۂ زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک مناجات بھی اسی معنی و مفہوم کی تائید میں ہے:۔ ”اے خداوند، شریر کب تک، ہاں شریر کب تک شادیانے بجائیں گے۔ وہ ڈکارتے اور گستاخی کی باتیں بولتے۔ سارے بدکاری کرنے والے لاف زنی کرتے۔ وہ اے خداوند تیرے لوگوں کو پیس ڈالتے ہیں، اور تیری میراث کو دُکھ دیتے ہیں۔ اور بیوہ اور پردیسی کو جان سے مارتے ہیں اور یتیم کو قتل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں، خداوند نہ دیکھے گا، یعقوب کا خدا ہرگز نہ سمجھ لے گا“۔ (زبور۔ ۹۴: ۳-۷) فِتۡنَةٌ کے مشہور و متعارف معنی آزمائش کے ہیں، وہ بھی یہاں بے جا نہیں اور بعض مفسرین نے یہی اختیار کیے ہیں۔ انہ لا یقع من اللہ عز وجل ابتلاء و اختبار بالشدائد (قرطبی) ف۲۴۲ یعنی ان کے اس گمان و پندار نے اور حق تعالیٰ کی طرف سے مہلت نے انہیں قبولِ حق و کلمۂ حق کی طرف سے اور زیادہ غافل و بے نیاز کر دیا۔ عموا عن الھدی و صموا عن سماع الحق (قرطبی) عموا عن الرشد و صموا عن الوعظ (مدارک) ف۲۴۳ (اور مزید ہدایت کے لیے کوئی اور پیغمبر اُن میں بھیجا)

كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾ لَقَدْ

اور بہرے ہی رہے، اور اللہ خوب دیکھ رہا ہے ان کے کرتوت و٢٤٤ یقیناً

كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ

وہ کافر ہو گئے جنھوں نے کہا کہ خدا ہی تو مسیح ابن مریم ہے و٢٤٥

وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ

حالانکہ (خود) مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل میرے پروردگار اور اپنے پروردگار (یعنی) اللہ کی

رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ

عبادت کرو و٢٤٦ جو کوئی اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک کرے گا، سو اللہ اس پر جنت حرام

عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ

کر دے گا، اور اس کا ٹھکانا (دوزخ کی) آگ ہے، اور (ایسے) ظالموں کا کوئی مددگار

اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ

نہ ہو گا و٢٤٧ یقیناً وہ (بھی) کافر ہو گئے جنھوں نے کہا کہ خدا تین میں سے

ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا

تیسرا ہے و٢٤٨ حالانکہ کوئی معبود نہیں بجز ایک معبود کے و٢٤٩ اور اگر یہ لوگ اپنے (ان) اقوال سے

عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ

باز نہ آئے تو اُن میں سے جو لوگ کافر رہیں گے اُن پر عذاب دردناک واقع ہو کر

اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ

رہے گا و٢٥٠ سو یہ لوگ اللہ کے سامنے کیوں توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے؟ درآنحالیکہ اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٤﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا

بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحم والا ہے و٢٥١ مسیح ابن مریم اور کچھ نہیں ہیں بجز

وقف لازم

و٢٤٤ (اور وقت مناسب پر انہیں سزا دے کر رہے گا) فیجازیھم بحسب اعمالھم (مدارک) صحیفۂ زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان سے ہے:۔ ”اے قوم کے بیوقوفو سمجھو۔ اے جاہلو تم کب ہوشیار ہو گے۔ وہ جس نے کان لگایا، کیا نہیں سنتا؟ وہ جس نے آنکھ بنائی، کیا نہیں دیکھتا؟ وہ جو قوموں کو تنبیہ دیتا ہے، کیا وہ سزا نہ دے گا؟ وہ جو انسان کو دانش سکھلاتا ہے کیا وہ واقفیت نہ رکھتا ہوگا“؟ (زبور۔ ٩٤: ٩) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معاصی پر اصرار سے استعداد بالکل مضمحل ہو جاتی ہے، اور اسی کو بطلانِ استعداد کہا جاتا ہے۔ و٢٤٥ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ٧٦ سورۃ ہذا۔ خوب خیال کر لیا جائے کہ قرآن مجید النَّصٰرٰی اور ان صریح کافروں بلکہ مشرکوں کے درمیان فرق کرتا ہے۔ اُن کا ذکر نام کے ساتھ نہیں، صرف صفات کے ساتھ کرتا ہے، اور انہیں ایک الگ مستقل اُمت قرار دیتا ہے۔ ہبرٹ جرنل (لندن) دنیائے مسیحیت کا ایک بلند پایہ علمی سہ ماہی رسالہ ہے۔ اُس کے اکتوبر ١٩٣٤ء نمبر میں ہے:۔ ”ٹیٹھ مسیحی کے عقیدہ میں مسیح تمام تر خدا نہیں۔ عقلاً جو عقیدہ جتنا زیادہ مستبعد ہو، اسی قدر خوش عقیدگی سے قریب ہوتا ہے“۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں صاف رد ہے حلول واتحاد کا جس کے قائل جاہل صوفیہ ہوئے ہیں۔ و٢٤٦ ملاحظہ ہو پ٣، حاشیہ نمبر ١٢٩۔ قرآن مجید کے بیان کی تائید اس حد تک تو موجودہ محرف اور مسخ شدہ انجیلیں بھی کر رہی ہیں:۔ ”تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر، اور صرف اسی کی عبادت کر“۔ (متی۔ ٤: ١٠) ”تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر، اور صرف اسی کی عبادت کر“۔ (لوقا۔ ٤: ٨) ”یسوع نے اس سے کہا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں، مگر ایک، یعنی خدا“۔ (لوقا۔ ١٨: ١٩) و٢٤٧ (جو شفاعت کی حد تک بھی اُن کی مدد کر سکیں) یہ سب وعیدیں مسیحیوں یا عیسائیوں کے لیے آ رہی ہیں، جو مسیح پرستی کے شرک کو اپنے لیے باعث ننگ نہیں، باعث فخر سمجھ رہے ہیں۔ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ ہر قسم کے شرک پر حاوی ہے خواہ ذاتی ہو یا صفاتی۔ مِنْ اَنْصَارٍ۔ صیغۂ جمع لانے میں نکتہ یہ ہے کہ اُن لوگوں کو اپنے بہت سے ناصروں اور شافعوں کا زعم تھا۔ و٢٤٨ موجودہ مسیحیوں کے کافر بلکہ مشرک ہونے پر یہ صاف نصوص موجود ہیں۔ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ باپ، بیٹا، رُوح القدس، یہ تین اقنوم (اصل) منفرداً بھی خدا ہیں، اور مجتمعاً بھی۔ تینوں الگ الگ بھی خدا ہیں اور تینوں مل کر بھی۔ و٢٤٩ (جو نہ اقنوموں میں تقسیم ہے نہ اور کسی طرح) مِنْ اِلٰهٍ میں مِنْ زائد کلیت یا استغراق کے لیے ہے۔ اور آیت کے معنٰی ہیں کہ سرے سے ایسے معبود کا کوئی وجود ہی نہیں، جو صفت وحدانیت سے متصف نہ ہو۔ من مزیدۃ للاستغراق (بیضاوی) والمعنی و ما الٰہ قط فی الوجود الا الٰہ موصوف بالوحدانیۃ لا ثانی لہ (کشاف) اکد ذٰلک بزیادۃ من الاستغراقیۃ (بحر) و٢٥٠ (آخرت میں اُن کے کفر صریح کے پاداش میں) عما یقولون۔ یعنی تثلیث کے اس مشرکانہ قول وعقیدہ سے ای یکفوا عن القول بالتثلیث (قرطبی) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ۔ یعنی ان میں سے جو لوگ کافر رہ جائیں گے اس کے بعد بھی کہ اُن کے عقائد کی گمراہی اُن پر پوری طرح واضح ہو چکی۔ ای اللذین اقاموا علی ھذا الدین (کبیر۔ عن الزجاج) اللذین بقوا منھم علی الکفر (بیضاوی) مِنْهُمْ میں من تبعیضیہ ہے۔ علم الٰہی میں یہ بات تھی کہ ان میں سے بہت سے لوگ اپنے اس مشرکانہ عقیدہ سے باز آ جائیں گے اور ایمان لے آئیں گے۔ ایسے لوگ اس وعید سے خارج ہیں۔ خص اللذین کفروا بعلمہ ان بعضہ یومنون (معالم) و٢٥١ ان لوگوں کی حماقت دکھائی ہے کہ ابھی مہلت باقی ہے، اور پھر ایسے غفور و رحیم خدا کے سامنے توبہ و استغفار کر کے اُس کے غفر و رحمت سے فائدہ نہیں اُٹھاتے! غَفُوْرٌ۔ اُس کے حق میں جو طالب مغفرت ہو۔ رَّحِيْمٌ۔ اس کے حق میں جو طالب رحمت ہو۔ مسیحیوں کے رد کے موقع پر ان صفات کے لانے میں شاید یہ بھی ایک مصلحت و مناسبت ہو کہ اللہ تعالیٰ تو خود غفور و رحیم ہے۔ اس کے ان صفات کو بروئے کار لانے کے لیے اس کی کوئی ضرورت تھوڑے ہی ہے کہ کوئی ”ابن اللہ“ اپنے کو سب کی طرف سے کفارہ کے لیے پیش کرے!

رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ

ایک رسول کے و۲۵۲ ان سے قبل بھی (اور) رسول گزر چکے ہیں و۲۵۳ اور ان کی ماں

صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ

ایک ولیہ تھیں و۲۵۴ دونوں کھانا کھاتے تھے و۲۵۵ دیکھو کہ ہم کس کس طرح صاف دلائل

لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ

ان کے سامنے بیان کررہے ہیں، پھر دیکھو کہ وہ کدھر اُلٹے چلے جارہے ہیں و۲۵۶ آپ کہیے، کہ کیا تم اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ

ایسے کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ نقصان پہنچا سکے نہ نفع، اور اللہ ہی (سب کی)

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا

سننے والا، (سب کچھ) جاننے والا ہے و۲۵۷ آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! اپنے دین میں

فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ

ناحق غلو نہ کرو و۲۵۸ اور ان لوگوں کی من مانی باتوں پر نہ چلو و۲۵۹

ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ

جو پہلے (خود بھی) گمراہ ہو چکے ہیں اور بہتوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور راہِ راست

السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ ع لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ

سے (بہت) بھٹک چکے ہیں و۲۶۰ بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا، اُن پر لعنت ہوئی

عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا

داؤدؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم کی زبان سے و۲۶۱ یہ اس لئے کہ

عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ

انہوں نے (برابر) نافرمانی کی، اور حد سے آگے نکل نکل جاتے تھے، و۲۶۲ جو برائی انہوں نے اختیار کر رکھی تھی، اس

ع ۱۱ / ۱۴

و۲۵۲ (نہ کہ خدایا فرزندِ خدا، یا معاذ اللہ دشمن خدا) یہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا صحیح مرتبہ بیان کردیا۔ اس میں رَدّ آگیا ایک طرف مسیحی افراط کا جو آپ کو مظہر خدایا اوتار سمجھتے تھے، اور دوسری طرف یہودی تفریط کا، جو معاذ اللہ آپ کو ایک شعبدہ باز ساحر قرار دیتے تھے۔ سورۂ نساء کے حواشی نمبر ۸۴۶، نمبر ۸۵۱ وغیرہ بھی ایک بار پھر ملاحظہ کرلیے جائیں۔ اِبْنُ مَرْيَمَ۔ ابن مریم لاکر مسیح علیہ السلام کو یہ یاد دلادیا کہ مسیح علیہ السلام تو ایک عورت، فانی عورت کے بطن سے تھے، بشر کے سوا اور ہو کیا سکتے تھے۔ و۲۵۳ (اور انہی کے سے ایک رسول یہ بھی ہیں، نہ وہ اوتار یا دیوتا تھے، نہ یہ اوتار یا دیوتا ہیں) و۲۵۴ صِدِّيْقَةٌ وہ ہے جو نافرمانی سے غایت بُعد اور فرمانبرداری میں کمال رکھتی ہو۔ المراد بكونها صديقة غاية بعدها عن المعاصى وشدة جدّها واجتهادها فى اقامة مراسم العبودية (کبیر) اور محاورہ میں پورا مفہوم لفظ "ولیہ" یا ولی بیوی ہی سے ادا ہوتا ہے۔ اس ایک لفظ میں پورا رَدّ آگیا یہود کا، جو معاذ اللہ آپ کی عصمت تک کو متہم کررہے تھے۔ و۲۵۵ (اور اپنے سارے کمالاتِ بشری کے باوجود، حوائج بشری سے منزہ و بالاتر نہ تھے) اس میں بتادیا کہ یہ مقدس ماں اور مقدس تر فرزند، دونوں بہرحال قوائے بشری ہی سے مرکب تھے، اور کھانے پینے، ساری بشری ضرورتوں کے محتاج۔ تو جو ایسے صاحب احتیاج ہوں، انہیں خدائی کا مرتبہ دیتے ہوئے، تثلیث پرستوں کو شرم نہیں آتی؟ و۲۵۶ اور اس طرح کے خرافات میں برابر پڑے ہوئے ہیں، کہ "باپ، بیٹا اور روح القدس تین جدا جدا اور مستقل اقنوم ہیں"۔ "عالم لاہوت میں تینوں کی وحدت ایک ہی خدا ہے۔ تین خدا نہیں"۔ "بیٹا ازل ہی میں باپ سے پیدا ہوا۔ اور روح القدس کا صدور بھی ازل ہی میں باپ سے ہوا ہے"۔ "روح القدس کا صدور اکیلے باپ سے نہیں بلکہ بیٹے سے بھی ہوا ہے"۔ "خدا ہونے میں تینوں اقنوم برابر کے شریک ہیں۔ ایک ایک پورا، اور باقی دونوں اپنی اپنی جگہ جزوی حصہ دار ہیں"۔ "یہاں ترکیب سے وحدت پیدا ہوتی ہے اور وحدت کا نام ہی ترکیب ہے"۔ "اقنوم وجود باپ ہے، اقنوم حیات بیٹا، اور اقنوم علم روح القدس ہے"۔ یہ صرف چند عقیدے بہ طور نمونہ مسیحیوں کے "اسرار الٰہیات" سے پیش کیے گئے ورنہ اسی طرح اور بھی بہت سے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ایک طرف میرے صاف سادہ اور ہر شخص کی سمجھ میں آجانے والے بیان توحید کو دیکھو، اور دوسری طرف الفاظ واصطلاحات کے اس گورکھ دھندے پر نظر کرو! امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ کہا جب یہ کہا کہ ایسے لغو ومہمل عقیدے شاید دنیا کے پردہ پر کسی کے نہ ہوں گے۔ ولا يرى فى الدنيا مقالة اشد فساداً واظهر بطلاناً (کبیر) و۲۵۷ اُس ایک عالم کل ہمہ دان ہمہ بین کے سوا عبادت وپرستش کے قابل اور ہے کون؟ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ الخ۔ یہ سارا خطاب مسیحیوں ہی سے ہے، اور ان کے مشرک ہونے پر نص قرآنی کی مہر لگا رہا ہے۔ مسیحیوں کی مشہور وضخیم ومستند انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں ایک جگہ فخر کے ساتھ درج ہے کہ کلیسا نے اپنی طویل تاریخ میں "کبھی ایسا نہیں کیا کہ خدا کے ساتھ ساتھ مسیح سے بھی دعا نہ کی ہو"۔ (جلد اول۔ صفحہ ۱۰۴) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں رَدّ ہے مشائخ کو مستقل متصرف سمجھنے والے جاہلوں کا۔ و۲۵۸ (بلکہ اپنے اصل دین اور عقائد حق پر قائم رہو) اَهْلَ الْكِتٰبِ سے یہاں مراد مسیحی ہیں اور الْكِتٰبِ سے انجیل۔ يعنى بالكتب الانجيل (ابن جریر) قل يا محمد لهؤلاء الغالية من النصارى فى المسيح (ابن جریر) قيل الخطاب للنصارى خاصة (بیضاوی) لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۸۴۶۔ ۸۵۳ سورۂ نساء۔ و۲۵۹ اس میں صاف اشارہ اس حقیقت کا آگیا کہ مسیحیوں کی گمراہیاں اور بدعقیدگیاں کسی اور کجرو اور گمراہ قوم کی ریس اور تقلید سے پیدا ہوئی ہیں۔ اَهْوَآءَ۔ لغو بے بنیاد خیالات، من گھڑت عقائد، خیالی ڈھکوسلے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اُن رسوم کا ابطال ہے جو شریعت کے خلاف ہیں اگرچہ وہ منسوب مشائخ کی جانب ہوں۔ مشائخ اگر محقق ہیں تو اُن کی طرف یا تو یہ نسبت ہی صحیح نہ ہوگی، اور یا پھر کسی عذر صحیح پر انہیں محمول کیا جائے گا۔ و۲۶۰ جو لوگ مسیحیت کی ابتدائی تاریخ پر نظر رکھتے ہیں، اور خود فرنگیوں کی موجودہ Biblical Criticism سے پوری طرح واقف ہیں۔ وہ قرآن مجید کے اس بیان پر عش عش کرجائیں گے۔ چھٹی صدی عیسوی کا ایک عرب اُمی، لاکھ ذہین وباخبر ہو، ان اہم تاریخی حقائق پر نظر رکھ ہی کیسے سکتا تھا، تاوقتیکہ عالم الغيب والشهادة براہِ راست اُسے تعلیم نہیں دے رہا تھا۔ مصری شرک یونانیوں میں پوری طرح حلول کرآیا تھا، اور بڑے بڑے یونانی فلاسفر اسکندریہ کے مرکز "عقلیت" و "روشن خیالی" سے مرعوب ومتاثر تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم جب شروع شروع پھیلی تو انہی یونانیوں میں اکابر یہود (مثلاً فائیلو) پہلے ہی سے یونانیوں کے آگے گردن ڈال چکے، اور ان سے Logos وغیرہ کے عقائد اخذ کرچکے تھے۔ مسیحیوں نے ان تعلیمات کو بلاتامل قبول کرلیا، اور پھر پولس (سینٹ پال) نے تو حضرت مسیح علیہ السلام کے مذہب اور تعلیمات کو تمام تر مسخ کرکے اسے یونانی شرک کی ایک شاخ ہی بنادیا۔ آخر میں رہی سہی کسر رومیوں کے مشرکانہ عقائد وخرافات نے پوری کردی۔ موجودہ مسیحی قوموں کے عقائد ورسوم کثرت سے مصری یونانی رومی شرک ہی کی صدائے بازگشت ہیں اور بس۔ و۲۶۱ ان دونوں لعنتوں کا ذکر عہد عتیق کے صحیفۂ زبور اور عہد جدید کے صحیفۂ متی میں علی الترتیب موجود ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد کی زبان سے:۔ "خداوند نے سنا اور نہایت غصہ ہوا۔ اس لیے یعقوب میں ایک آگ بھڑکائی گئی، اور اسرائیل پر قہر بھی اُٹھا۔ کیونکہ انہوں نے خدا پر اعتماد نہ کیا، اور اُس کی قیامت پر اعتماد نہ رکھا"۔ (زبور۔ ۷۸: ۲۱، ۲۲، ۲۳) اور حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی زبان سے:۔ "غرض اپنے باپ دادوں کا پیمانہ بھردو، اے سانپو، اے افعی کے بچو، تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچوگے"! (متی۔ ۲۳: ۳۱، ۳۲) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ اسرائیلیوں کا یہ کفر اپنے اپنے پیغمبروں کے مقابلہ میں تھا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں قانون سبت کو توڑا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تو خود اُن کی نبوت ہی کا انکار کردیا۔ و۲۶۲ ان مسلسل نافرمانیوں کی داستان سے اسرائیلیوں کے مذہبی نوشتے اور صحیفے خود بھرے ہوئے ہیں۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔ "انہوں نے ایسی شرارتیں کیں کہ جن سے خداوند کو غصہ ور کیا۔ کیونکہ انہوں نے بت پوجے باوجودیکہ خداوند نے انہیں کہا تھا کہ تم یہ کام نہ کیجیو۔ اور باوجود اس کے کہ خداوند نے سارے نبیوں اور غیب بینوں کی معرفت سے اسرائیل اور یہوداہ پر باتیں جتائی تھیں ...... پر انہوں نے نہ سنا، بلکہ اپنے باپ دادوں کی گردن کشی کی مانند جو خداوند اپنے خدا پر ایمان نہ لائے تھے، گردن کشی کی۔ اور اس کے قانونوں کو، اور اُس کے عہد کو جو اُس نے اپنے باپ دادوں سے باندھا تھا اور اس کی گواہیوں کو جو اُس نے اُن پر دی تھیں رَدّ کیا اور بطالتوں کو اختیار کیا، اور بیہودہ ہوئے اور ان

اُمتوں کے پیرو ہوگئے جو اُن کے گردو پیش تھیں، جنہیں دکھا کے خداوند نے انہیں حکم کیا تھا کہ تم ان کے سے کام مت کیجیو۔ اور انہوں نے خداوند اپنے خدا کے سب حکم ترک کیے۔ اور اپنے لیے ڈھالی ہوئی مورتیں یعنی دو بچھڑے بنائے۔ اور یسرت تیار کی۔ اور آسمانی ستاروں کی ساری فوج کی پرستش کی، اور بعل کی عبادت کی۔ اور انہوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو آگ کے درمیان گزارا۔ اور فال گیری اور جادوگری کی۔ اور اپنے تئیں بیچ ڈالا کہ خداوند کے حضور بدکاریاں کریں کہ اُسے غصہ دلاویں۔ ان باعثوں سے خداوند بنی اسرائیل پر نپٹ غصہ ہوا"۔ (۲۔ سلاطین۔ ۱۷: ۱۲۔ ۱۸) پارۂ اول آیت نمبر ۸۷ کے حاشیے بھی ملاحظہ ہوں۔ ف۲۶۳ (باوجود بار بار کی تبلیغ وہدایت کے) یعنی بجائے ندامت واستغفار کے انہیں اپنی کفریات پر شدید اصرار تھا۔ ای کانوا لایتنھون عن منکر اتوہ (ابن جریر) التناھی بمعنی الانتھاء (روح) دوسرے معنی لایتناھون کے یہ ہوسکتے ہیں کہ "وہ ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے" اور یہی معنی اکثر نے لیے ہیں۔ و ھو الذی علیہ الجمھور انہ تفاعل من النھی ای کان لا ینھی بعضھم بعضًا (کبیر) اور یہ معنی لے کر فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ منکرات سے ایک دوسرے کو نہ روکنا بڑا سنگین گناہ اور اُمت کے لیے بڑی حسرت کی چیز ہے۔ فیہ دلیل علی ان ترک النھی عن المنکر من العظائم فیا حسرۃً علی المسلمین فی اعراضھم عنہ (مدارک) ف۲۶۴ یعنی مشرکین عرب سے سازو باز رکھتے ہیں۔ تاریخ اسلام کا یہ ایک مشہور و مسلم واقعہ ہے کہ رسول اسلام ﷺ کی مخالفت وعناد میں اور اسلام کو مٹانے کی خاطر یہود نے مشرکین عرب سے ہر طرح کی سازشیں کی تھیں۔ ف۲۶۵ یہی اُن کا عذاب دوزخ میں پڑے

مُنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۹ تَرٰى

سے باز نہ آتے تھے، کیسا بے جا تھا جو کچھ وہ کر رہے تھے ف۲۶۳ آپ ان میں سے

كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا

بہتوں کو دیکھیں گے کہ کفر کرنے والوں سے دوستی رکھتے ہیں ف۲۶۴ کیسا بیجا ہے وہ جسے

قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي

وہ اپنے آگے بھیج چکے ہیں، جس سے اللہ ان سے ناخوش ہوا اور وہ لوگ

الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۸۰ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ

عذاب میں ہمیشہ پڑے رہیں گے! ف۲۶۵ اور اگر یہ لوگ ایمان لے آتے

بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ

اللہ اور (اس) نبی پر اور جو کچھ اس (نبی) پر نازل ہوا ہے اس پر، تو وہ ان لوگوں کو دوست نہ بناتے ف۲۶۶

وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸۱ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ

لیکن ان میں سے اکثر تو نافرمان ہی ہیں ف۲۶۷ آپ لوگوں میں

النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ

ایمان والوں کے ساتھ سب سے بڑھ کر دشمنی رکھنے والے یہود اور مشرکین ہی کو

اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ

پائیں گے ف۲۶۸ اور آپ ایمان والوں کے ساتھ دوستی میں سب سے زیادہ قریب انہیں پائیں گے

اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ

جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں ف۲۶۹ یہ اس لئے کہ ان میں

قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۸۲

عالم اور درویش ہیں، اور اس لئے کہ یہ تکبر نہیں کرتے ف۲۷۰

رہنا اللہ کی ناخوشی کا ظہور ہے۔ اَنْ سَخِطَ اللّٰہُ میں اَنْ موصولہ کا کام دیتا ہے۔ ای الذی اوجب لھم سخط اللہ علیھم (جمل) مَا قَدَّمَتْ لَھُمْ اَنْفُسُھُمْ۔ یعنی اپنے اعمال و عقائد کفریہ جنہیں آخرت میں وہ بھگتیں گے۔ ف۲۶۶ (بلکہ ایسی صورت میں تو وہ اسلام کے جان نثاروں میں ہوتے) النَّبِیِّ سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک ہے یصدقون نبیہ محمدًا ﷺ (ابن جریر) وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ۔ یعنی قرآن۔ و یقرون بما انزل الی محمد ﷺ (ابن جریر) النَّبِیِّ سے اشارہ حضرت موسیٰ اور مَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ سے توریت کی جانب بھی سمجھا گیا ہے۔ ف۲۶۷ اور اسی نافرمانی کے آثار میں سے ان کی عداوت اسلام و مسلمین کے ساتھ اور اُن کی موالات مشرکین عرب کے ساتھ ہے۔ فٰسِقُوْنَ۔ فاسق یہاں محض بدعمل کے معنی میں نہیں بلکہ خارج از ایمان کے معنی میں ہے۔ ای خارجون عن الایمان (قرطبی۔ جلالین) ف۲۶۸ یعنی اسلام سے مخالفت و عداوت تو ہر غیر مسلم کو ہے۔ لیکن اس عموم میں مرتبہ خصوص مشرکین و یہود کو حاصل ہے کہ وہ شدید ترین دشمنان اسلام ہیں۔ ف۲۶۹ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی۔ آیت پر اشکالات متعدد وارد ہوئے ہیں، اور جوابات بھی متعدد دیے جاچکے ہیں۔ مثلاً ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں مراد صرف رسول اللہ ﷺ کے معاصر مسیحی ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے لیکن بنیادی اشکال صرف اس لیے پیدا ہوا ہے کہ آیت کے لفظ نصاریٰ پر کافی غور نہ کیا گیا اور اسے "مسیحیوں" کا مرادف سمجھ لیا گیا۔ آیت میں مسیحی یا عیسائی سرے سے مراد ہی نہیں، بلکہ نصاریٰ سے مراد نصاریٰ ہی ہیں، جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی ماننے والا، نہ کہ انہیں ابن اللہ قرار دینے والا ایک قدیم فرقہ ہوا ہے، اور جس کا شمار آج ہزار ڈیڑھ ہزار سال سے موجودہ مسیحی "ملحدوں" میں کررہے ہیں۔ قال قتادۃ نزلت فی ناس من اھل الکتاب کانوا علٰی شریعۃ مما جاء بہ عیسٰی اٰمنوا بالرسول فاثنی اللہ علیھم (بحر) قال اٰخرون ھٰذہ صفۃ قوم کانوا علٰی شریعۃ عیسٰی من اھل الایمان (ابن جریر) لفظ نصاریٰ پر مفصل حاشیہ پارۂ اول میں گزر چکا ہے، وہ ملاحظہ کرلیا جائے۔ قَالُوْٓا کا لفظ بھی حشو نہیں۔ ذکر ان کا ہورہا ہے جو اپنے نصاریٰ ہونے کا اقرار کررہے ہیں۔ موجودہ فرنگی قومیں اور حکومتیں تو اپنی مسیحی ہونے کا بھی کھلی طرح اقرار نہیں کررہی ہیں، چہ جائیکہ اپنے کو نصرانی کہیں!...... ان نیم ملحد، نیم مشرک قوم کو قدیم "نصرانیت" سے کوئی علاقہ ہی نہیں، اس لیے اُن کی مودّت وغیر مودّت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اَقْرَبَھُمْ ذکر یہاں قرب مطلق کا نہیں صرف قرب اضافی کا ہورہا ہے۔ ف۲۷۰ یہاں نصاریٰ کے اسلام سے نسبۃً قریب تر ہونے کے دو وجوہ بھی بیان کردیئے۔ ایک یہ کہ ان کی جماعت میں علم دوست، شب بیدار علماء اور تارک الدنیا درویش ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے قلوب میں تواضع کی نرمی ہوتی ہے۔ ان دو خصوصیات نے اس حقیقت کو اور زیادہ روشن و مؤکد کردیا کہ مراد عام مسیحی، خصوصاً فرنگی قومیں ہو ہی نہیں سکتیں، یہاں ان دونوں اوصاف کا قحط ہے۔ بلکہ مراد اسی قدیم فرقہ نصاریٰ (Nazarenes) ہے۔ ذٰلِکَ۔ یعنی یہی نصاریٰ کا اسلام سے قرب اضافی۔ قِسِّیْسِیْنَ۔ قس کے لفظی معنی عربی میں رات کو کسی شیء کے طلب کرتے رہنے کے ہیں۔ اصل القس تتبع الشیء و طلبہ باللیل (راغب) اور علماء نصاریٰ چونکہ شب بیدار ہوتے تھے، اس لیے انہیں بھی قسیس کہنے لگے۔ والقسیس العالم العابد من رءوس النصارٰی (راغب) لیکن یہ بھی اہل لغت سے مروی ہے کہ قسیس کسی بیرونی زبان، سُریانی یا لاطینی سے منتقل ہوکر عربی میں آیا ہے۔ اور لغت عرب میں داخل ہوگیا ہے۔ قال قطرب القس والقسیس للعالم بلغۃ الروم (کبیر) و لفظ القسیس اما ان یکون عربیاً واما ان یکون بلغۃ الروم ولکن خلطتہ العرب بکلامھم فصار من لغتھم اذلیس فی الکتاب ما لیس من لغۃ العرب (قرطبی) محققین نے آیت سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ تواضع وغیرہ صفات محمودہ بہرحال قابل قدر ہیں خواہ وہ کہیں مل جائیں یہاں تک کہ نصاریٰ میں بھی۔ و فی الاٰیۃ دلیل علٰی ان التواضع والاقبال علی العلم والعمل والاعراض عن الشھوات محمودۃ اینما کانت (روح) و فی ھٰذا التعلیل دلیل علٰی جلالۃ العلم وانہ سبیل الی الھدایۃ و علٰی حسن عاقبۃ الانقطاع (بحر) و فیہ دلیل علٰی ان العلم انفع شیء و اھداہ الی الخیر و ان کان علم القسیسین و کذا علم الاٰخرۃ و ان کان فی راھب والبراءۃ من الکبر وان کانت فی نصرانی (مدارک) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ علوم واخلاق کو اعمال میں دخل عظیم ہے، اور اسی لیے مشائخ طریقت کو علوم واخلاق کا اہتمام اعمال سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ

اور جب وہ اس (کلام) کو سنتے ہیں جو پیمبر پر اُتارا گیا ہے تو آپ اُن کی آنکھیں دیکھیں گے کہ

تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ

اُن سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا وہ کہتے ہیں

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَ مَا لَنَا لَا

کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے۔ سو تو ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں میں لکھ لے ۱ ۷ ۲ اور آخر کیوں ہم

نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ نَطْمَعُ

ایمان نہ لائیں اللہ اور (اُس) حق پر جو ہمیں (اب) پہنچا ہے اور (پھر) اُمید اس کی رکھیں

اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ

کہ ہمارا پروردگار ہم کو صالح لوگوں کی معیت میں داخل کردے گا و ۲ ۷ ۲ تو اللہ اُن کو اس قول کے

اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

عوض میں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں پڑی بہہ رہی ہوں گی اُن میں وہ (ہمیشہ)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

رہیں گے اور نیکو کاروں کا ایسا ہی معاوضہ ہے و ۳ ۷ ۲

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور جو لوگ کفر کرتے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے رہے تو وہی دوزخ والے

الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ

ہیں و ۴ ۷ ۲ اے ایمان والو! اپنے اُوپر اُن پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لیے جائز کی ہیں

مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

حرام نہ کرلو اور حدود سے آگے نہ نکلو۔ بیشک اللہ حدود سے آگے نکل جانے والوں کو پسند

و ۱ ۷ ۲ یہ تصدیق کرنے والے کون لوگ تھے؟ حدیث وسیر کی کتابیں اس پر متفق ہیں کہ اس سے مراد نجاشی شاہ حبشہ (متوفی ۹ ہجری) اور اس کے درباری ہیں۔ یہ لوگ سچے مسیحی تھے۔ قبل ہجرت نبوی جب آپؐ نے مکہ معظمہ سے صحابیوں کی ایک جماعت کی ہجرت ملکِ حبشہ کو کرائی تھی تو ایک موقع پر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی کی فرمائش پر سر دربار سورۂ مریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ اس پر نجاشی اور اہل دربار متاثر ہو کر رو پڑے۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما یرید النجاشی و اصحابه (کبیر) عن عبدالله بن زبیر قال نزلت هٰذه الأية فی النجاشی و اصحابه (ابن کثیر) فبکی والله النجاشی حتی اخضلت لحیتهٗ وبکت اساقفتهٗ حتی اخضلوا مصاحفهم حین سمعوا ماتلا علیهم و ثم قال النجاشی ان هٰذا والذی جاء به عیسٰی لیخرج من مشکاة واحدةٍ (ابن ہشام) مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ۔ یہ سورۂ مریم کی آیتیں تھیں۔ فقرأ علیه صدرًا من كٓهٰيٰعٓصٓ (ابن ہشام) ثم امر جعفر ان یقرأ علیهم القراٰن فقرأ سورة مریم (قرطبی)

اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔ افاضہ یعنی آنسو کثرت سے روان ہو گئے۔ خبرٌ مستفیضٌ اذا کثر وانتشر کفیض الماء عن الکثرة (قرطبی) اہل علم کا تاثر اسی قسم کا ہوتا ہے۔ وہ ہائے وائے نہیں کرتے البتہ ان کے آنسو چلنے لگتے ہیں۔ وهٰذه احوال العلماء یبکون ولا یصعقون و یسالون ولا یصیحون (قرطبی) مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ۔ کلام حق سے متاثر ہو کر آبدیدہ ہو آنا اور گریہ طاری ہو جانا گویا سنت صالحین ہے۔ توریت میں ہے:۔ ”سب لوگ شریعت کی باتیں سن کے روتے تھے“ (نحمیاہ۔ ۹:۸) زیادہ ہنسی جس طرح غفلت کی دلیل ہے اُسی طرح رقت قلب علامت عبرت پذیری اور بیداری روح کی ہے۔ اَلْحَقِّ کا لفظ لانے میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے جس آخری نبی کی پیش گوئی درج ہے اُسے تعبیر بھی ”روح حق“ ہی سے کیا (یوحنا۔ ۱۴:۱۷۔ یوحنا ۱۶:۱۳) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے وجد صوفیہ کا اثبات ہوتا ہے۔ اور وجد نام ہے بے اختیاری کی کیفیت محمودہ کا۔ حالة محمودة غریبة غیر اختیاریة۔ فَاكْتُبْنَا۔ اکتاب یہاں قطعی طور پر بنا دینے یا کر دینے کے معنی میں ہے۔ و معنی فاکتبنا اجعلنا فیکون بمنزلة ما قد کُتب و دُوّن (قرطبی) الشّٰهِدِيْنَ یعنی قرآن کے کلام الٰہی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول برحق ہونے کی گواہی دینے والے۔ قال ابو علی الذین یشهدون بتصدیق نبیک و کتابک (قرطبی) مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ میں پہلا مِنْ سببیہ ہے اس لیے کے معنی میں اور دوسرا مِن تبعیضیہ ہے بعض الحق کے معنی میں۔ الاول لابتداء الغایة والثانية للتبعیض (کبیر)

و ۲ ۷ ۲ یعنی ہماری اس آرزو کا پورا ہونا موقوف ہی ہے اسلام لانے پر۔ استفهام انکار و استبعاد لانتفاء الایمان مع قیام الداعی و هو الطمع فی الانخراط مع الصالحین (بیضاوی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بغیر عمل کے محض آرزو یا طمع مفید یا معتدبہ نہیں۔ و ۳ ۷ ۲ خاص سے عام کی طرف آنا اور جزئیات سے کلیات پیدا کرنا قرآن مجید کا ایک عام اسلوب بیان ہے۔ اُوپر ایک خاص گروہ کے انعامات کا ذکر تھا۔ اب عام قاعدہ بیان کر دیا ہے کہ ہمارے قانون میں ایسی جزائے خیر تو ہر نیکو کار کو ملتی ہی رہتی ہے اور اخلاص طلب رائگاں نہیں جاتا۔ وهٰکذا من خلص ایمانه وصدق یقینه یکون ثوابه الجنة (قرطبی) فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا سے معلوم ہوا کہ جنت اس اقرار اور اس معرفت سے معاً واجب ہو جاتی ہے اگرچہ صاحب اقرار و صاحب معرفت صاحب کبیرہ ہی ہو۔ اسی لیے متکلمین نے کہا ہے کہ آیت میں قوی دلیل اس کی موجود ہے کہ مومن فاسق کی سزا خلود فی النار نہیں۔ الأية دالة علی ان المؤمن الفاسق لایبقی مخلدًا فی النار (کبیر) فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا سے اہل سنت نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ اقرار داخل ایمان ہے وفیه دلیل علی ان الاقرار داخل فی الایمان کما هو مذهب الفقهاء (مدارک) مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ میں مَعَ فی کے معنی میں بھی سمجھا گیا ہے۔ قیل مع بمعنٰی فی (قرطبی) و نطمع میں و حالیہ لیا گیا ہے۔ والواو فی و نطمع واو الحال (کشاف) و ۴ ۷ ۲ اُولٰٓئِكَ کے حصر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اصحاب جحیم یعنی دوزخ میں مستقل رہنے والے کافر ہی ہوں گے نہ کہ غیر کافر یا فاسق مسلم۔ یفید الحصر ای اولٰئک اصحاب الجحیم لا غیرهم فهٰذا یقتضی تخصیص هٰذا الدوام بالکفار (کبیر)

ف۲۷۵ تحریم حلال کی ایک عام اور چلی ہوئی صورت یہ ہے کہ کسی جائز لذت سے بہ قصد قربت حق اپنے کو ہمیشہ کیلیے محروم کر دیا جائے۔ غیر مذہب والے اس عادت کا شکار بہ کثرت ہو چکے ہیں کسی مسلمان کا ایسی جسارت کرنا گویا اس کا اقرار کرنا ہے کہ شریعت سے فلاں فلاں پرہیز کے مقرر نہ کرنے میں کمی ہوئی ہے اور اب میں اپنی عقل و تجربہ سے اس فروگذاشت کی تلافی کر رہا ہوں۔ کسی جائز چیز سے کسی طبی یا انتظامی مصلحت کی بنا پر دست بردار ہو جانا اور چیز ہے اور بعض بزرگوں سے جو ترک لذات کے سلسلہ میں جو مجاہدے منقول ہیں، سمجھنا چاہیے کہ وہ اسی قبیل سے ہوں گے --- کم از کم حسن ظن کا تقاضا تو یہی ہے۔ لَا تُحَرِّمُوْا۔ تحریم اعتقادی، تحریم قولی، تحریم عملی کی تینوں صورتوں پر شامل ہے۔ ای لا تعتقدوا تحریم ما احل الله تعالٰی لکم و لا تظهروا باللسان تحریم ما احل الله لکم و لا تجتنبوا عنها اجتنا باً شبیه الاجتناب من المحرمات (کبیر) طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ۔ ان پاکیزہ اور جائز چیزوں میں غذا، لباس، ازدواج وغیرہ ہر قسم کی لذتیں آ گئیں اور طیبات کے تحت میں ہر وہ جائز لذت شامل ہے جس کی طرف قلب اور طبیعت کو میلان ہوتا ہے۔ الطیبات اللذیذات التی تشتهیها النفوس و تمیل الیها القلوب (کبیر) الطیبات اسمٌ یقع علی ما یستلذ و یشتهی و یمیل الیه القلب (جصاص) وَلَا تَعْتَدُوْا۔ اعتداء یا حدود سے نکل جانا یہی ہے کہ شریعت کی احتیاطوں اور قیدوں کو ناکافی سمجھ کر ان پر اپنی رائے و تجویز سے اضافہ کر لیا جائے یا اس کے برعکس انہیں زیادہ سمجھ کر اُن میں سے کچھ چیزوں کو گھٹا دیا جائے۔ جو حکمت یا

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا

نہیں کرتا ف۲۷۵ اور اللہ نے جو کچھ تمہیں حلال، پاکیزہ چیزیں دے رکھی ہیں ان میں

طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾

سے کھاؤ (پیو) اور اسی اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ف۲۷۶

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ

اللہ تم سے تمہاری بے معنی قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرتا ف۲۷۷ لیکن

يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ

جن قسموں کو تم مضبوط کر چکے ہو اُن پر تم سے مؤاخذہ کرتا ہے ف۲۷۸ سو اس کا کفارہ

اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو دیا

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ

کرتے ہو یا انہیں کپڑا دینا یا غلام آزاد کرنا ف۲۷۹ لیکن جس

يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ

کو (اتنا) مقدور نہ ہو تو اس کے لیے تین دن کے روزہ ہیں ف۲۸۰ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے

اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

جب کہ تم حلف اُٹھا چکے ہو اور اپنی قسموں کو یاد رکھا کرو ف۲۸۱ اور اس طرح اللہ تمہارے لیے

اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم شکر گزار ہو ف۲۸۲ اے ایمان والو!

اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ

شراب اور جوا اور بت اور پانسے تو بس نری گندی باتیں

صنعت ہر لحاظ سے اکمل اور ہر اعتبار سے اجمل ہو اُس میں ایک ذرہ کا اضافہ کر دینا بھی اُس کے کمالِ حسن کے غارت کر دینے کے لیے ایسا ہی کافی ہے جیسا اُس میں سے گھٹا دینا یا نکال دینا۔ فالنهیان علی هٰذا تضمنا الطرفین ای لا تشددوا فتحرموا حلالاً و لا ترخصوا فتحلوا حرامًا (قرطبی) ای لا تبالغوا فی التضییق علی انفسکم تحریم المباحاتِ علیکم کما قال من قاله من السلف (ابن کثیر) محققین نے کہا ہے کہ آیت میں دو طرفہ رَد ہے۔ ایک طرف رَدّ زُہادِ متشددین کا اور دوسری طرف رخصت میں بہت ڈھیل ڈال دینے والے صوفیہ اہل باطل کا۔ قال علماء نافی هٰذه الأیة و ما شابهها ردٌ علی غلاة المتزهدین و علی اهل البطالة من المتصوفین (قرطبی) ف۲۷۶ (کہ یہ تقویٰ یا خوف خدا ہی راہ اعتدال و احتیاط و فرمانبرداری پر قائم رکھے گا) اسلامی شریعت کے احکام عقلاء و حکماء کے گڑھے ہوئے نہیں کہ ان میں کسی قسم کی ترمیم، تنقید، اضافہ و اصلاح کی گنجائش ہو۔ وہ تو تمامتر حکیم مطلق اور حاکم برحق کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ اس میں اپنی رائے و تجویز کو دخل دینا مقتضیات ایمان کے سرتاسر خلاف اور حاکمیت الٰہی سے بغاوت ہے۔ فقہاء محققین نے لکھا ہے کہ جو غذائیں شریعت الٰہی نے حلال و طیب قرار دی ہیں انہیں چھوڑ دینے میں کوئی دینی فضیلت ہرگز نہیں۔ جیسا کہ خود ساختہ مذہبوں نے ترک لذائذ کو ایک معیار تقویٰ و مقبولیت سمجھ رکھا ہے۔ یدل علی انه لا فضیلة فی الامتناع من اکلها (جصاص) خود رسول اللہ ﷺ نے گوشتوں میں علاوہ بکری، بھیڑ، اونٹ وغیرہ کے مرغ کا گوشت بھی تناول فرمایا ہے۔ قد روی ابو موسی الاشعری انه رای النبی ﷺ یا کل لحم الدجاج (جصاص) فواکہ اور شیرینی اور حلوے کی دوسری لذیذ قسمیں بھی آپ سے نوش فرمانا ثابت ہیں۔ رای انه کان یاکل الرطب والبطیخ (جصاص) روی ان رسول الله ﷺ کان یاکل الدجاج والفالوذ وکان یعجبه الحلواء والعسل (مدارک) كُلُوْا۔ کے امر و اجازت کا دائرہ صرف کھانے کی چیزوں تک محدود نہیں۔ کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے، سواری و مکان غرض برتنے کی ساری چیزیں اس کے اطلاق میں داخل ہیں۔ الاکل فی هٰذه الأیة عبارة عن التمتع بالاکل والشرب واللباس و الرکوب و نحو ذٰلک (قرطبی) ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی نے فرمایا کہ جو چاہو کھاؤ جو چاہو پیو، بس لحاظ صرف اس کا رکھو کہ اسراف اور فخر و نمائش کے حدود تک نہ پہنچ جاؤ۔ عن طاؤس قال سمعت ابن عباس رضی اللہ عنہما یقول کل ما شئت و اکتس ما اخطأتک اثنتین سرفًا او مخیلة (جصاص) فقیہ جصاص رازی نے لکھا ہے کہ صحابیوں میں حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت حسن، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ، حضرت عمران بن حصین، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور مشہور تابعی قاضی شریح سے لباس میں پشمینہ کا استعمال ثابت ہے (احکام القرآن) كُلُوْا۔ صیغہ امر ہے لیکن مراد یہاں وجوب نہیں صرف اباحت ہے۔ کلوا صیغة امر و ظاهرها للوجوب الا ان المراد هٰهنا للاباحة والتحلیل (کبیر) مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ۔ میں مِنْ تبعیض کے لیے ہے۔ اس میں ادھر اشارہ ہے کہ جائز چیزوں میں سے کچھ کھاؤ پیو اور کچھ دوسروں کی نذر کر دو، تا کہ اسراف سے بھی بچے رہو۔ کلمة من للتبعیض فکانه قال اقتصروا فی الاکل علی البعض و اصرفوا البقیة الی الصدقات والخیرات لانه ارشاد الی ترک الاسراف کما قال ولا تسرفوا (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں رسم ترک حیوانات کا ابطال ہے جو بعض مدعیان طریقت کا طریق ہے۔ ف۲۷۷ مؤاخذہ سے مراد یہاں سزائے دنیوی ہے۔ یعنی ایسی قسم کا کفارہ واجب نہیں۔ اللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ۔ بے معنی قسموں پر حاشیہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ پ۲ آیت ۲۲۵۔ ف۲۷۸ (اور اس کے توڑنے کی سزائے دنیوی کفارہ ادا کرنا ہے) بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ۔ جھوٹی قسم ایک تو کسی گزشتہ واقعہ سے متعلق ہو سکتی ہے۔ جیسے کسی واقعہ کا وقوع قسم کھا کر بیان کیا حالانکہ وہ خلاف واقع تھا۔ یہاں ایسی قسموں کا ذکر نہیں۔ قسموں کی ایک دوسری قسم یہ ہے کہ مستقبل میں کسی امر کے وقوع یا عدم وقوع کو قسم سے مؤکد کر کے بیان کیا جائے۔ یہاں یہی قسم مراد ہے۔ عَقَّدْتُّمْ۔ عقد کے لفظی معنی گرہ دینے کے ہیں۔ مجازاً عہد، قسم، بیع وغیرہ کے مؤکد کرنے پر بولا جاتا ہے۔ ف۲۷۹ یہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد ہی واجب ہوگا۔ اس کے قبل نہیں ادا ہو سکتا۔ یہ قسم خواہ ارادۃً توڑی ہو یا بھول چوک سے ٹوٹ گئی ہو،

ہاء نے لکھا ہے کہ کفارہ دونوں صورتوں میں واجب ہوگا۔ اِطْعَامُ۔ یہ کھانا دونوں وقتوں کا ہوگا۔ یہ کھانا چاہے دس شخصوں کو ایک دن کھلا دیا جائے یا ایک ہی شخص کو دس دن تک کھلایا جاتا رہے۔ كِسْوَتُهُمْ۔ کپڑا ایسا ہو
جسم کے اکثر حصہ کے لئے کافی ہو۔ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ۔ لفظی معنی گردن آزاد کرانے کے ہیں۔ مراد غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے۔ رَقَبَةٍ کا لفظ سورۃ النساء ع ۱۳، آیت ۹۲ میں آچکا ہے اور اس کی جمع رقاب سورۃ البقرہ
ع ۲۲، آیت ۱۷۸ میں۔ اَوْ۔ کفارہ کی یہ تین صورتیں جو یہاں ارشاد ہوئیں ان کی ترتیب ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان پر عمل بھی نمبروار اسی ترتیب سے ہو۔ بلکہ اختیار ہے کہ ماحول کا لحاظ کر کے جو کفارہ بہتر ہو وہ ہی
جائے۔ لا خلاف فی رد کفارة الیمین علی التخییر (قرطبی) ومعنی او التخییر وایجاب احدی الکفارات الثلاث (مدارک) بلکہ فقہاء مالکیہ نے تو تصریح کردی ہے کہ ضرورت کا اعتبار کیا جائے۔
عندی انها تکون بحسب الحال فان علمت محتاجا فالاطعام افضل لانک اذا اعتقت لم ترفع حاجتهم وزدت محتاجا (ابن العربی) ف۲۸۰ (اور یہ تین روزے متواتر ہونے چاہئیں) یہ
باقی کفارہ معاً لوٹ جائے گا جونہی کہ عدم مقدرت کا عذر ختم ہوگیا۔ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی نے یہ کفارہ کے روزے شروع کئے اور دو روزے ہو بھی چکے تھے کہ اسے طعام یا لباس کی مقدرت حاصل ہوگئی تو اب تیسرا
روزہ رکھنے کے بجائے اسے اصل کفارہ ہی دینا چاہیے۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہاں مقدرت کا معیار صاحب نصاب ہونا ہے ف۲۸۱ (تا کہ اس کے توڑنے اور پھر کفارہ دینے کی نوبت ہی نہ آئے) اِذَا
حَلَفْتُمْ یعنی جب تم حلف لے چکے اور اسے توڑ بھی چکے ف۲۸۲ شکر یہ اس کا کہ حاکم علی الاطلاق وحکیم مطلق نے تمہاری چھوٹی بڑی، دینی ودنیوی، انفرادی واجتماعی ساری مصلحتوں اور ضرورتوں کا لحاظ اور سب کی رعایت رکھ لی۔ ف۲۸۳ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں فطرت انسانی اور طبیعت بشری سے پھر کچھ نہ کچھ لگاؤ ہوتا ہے لیکن یہ چاروں چیزیں تو ایسی ہیں کہ انسان ان کی جانب تمامتر خارجی مؤثرات ہی کے اثر سے آتا ہے اور یہ بالکل ہی شیطان کی تحریک کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ان کی بالکل صحیح تصویر کشی ہے۔ فطرت بشری ان سے خود ابا کرتی ہے۔ خمر اور میسر پر حاشیہ سورۃ البقرہ رکوع ۲۸ کے تحت میں اور انصاب اور ازلام پر اسی سورۃ مائدہ کے شروع میں درج ہو چکے۔ شراب اور جوئے کی مادی مضرتوں کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ یعنی تحریک شیطانی کا نتیجہ۔ لانه مسبب عن تسویله وتزیینه (بیضاوی) لانهٗ یحمل علیه فکانّه عمله (مدارک) ف۲۸۴ اور فلاح میں دینی ودنیوی، مادی وروحانی، جسمانی ودماغی انفرادی واجتماعی ہر قسم کی فلاح شامل ہے۔ مفسر زمخشری نے لکھا ہے کہ حرمت خمر ومیسر کے متعدد طریقے قرآن نے اسی آیت میں جمع کردیئے:۔ (۱) آیت کی ابتدا کلمۂ حصر اِنَّمَا سے کی، یعنی ان چیزوں کی بس یہی کل حقیقت ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ (۲) ان دونوں چیزوں کا ذکر انصاب وازلام جیسی مسلّم گندی چیزوں کے ساتھ کیا (۳) انہیں رجس قرار دیا (۴) انہیں عمل شیطان ٹھہرایا (۵) صاف صاف ان سے اجتناب کا حکم دیا (۶) ان سے احتراز کو موجب فلاح بتلایا (۷) ان کی دینی ودنیوی مضرتوں کا ذکر کیا۔ فَاجْتَنِبُوْهُ میں ضمیر رِجْسٌ یا عَمَلِ الشَّيْطٰنِ کی جانب ہے۔ الضمیر للرجس (بیضاوی) الضمیر یرجع الی الرجس اوالی عمل الشیطان (مدارک) حرمت خمر پر اگر دوسرے نصوص نہ موجود ہوں جب بھی یہی ایک آیت کافی ہے اس لئے کہ اول تو لفظ رجس موجود ہے جو خود تحریم کا مقتضی ہے اور پھر فَاجْتَنِبُوْهُ بہ صیغہ امر ہے۔ اقتضت هذه الأیة تحریم الخمر من وجهین احدهما قوله رجسٌ لان الرجس اسم فی الشرع لمایلزمه اجتنابه والوجه الأخر قوله تعالی فاجتنبوه و ذٰلک امر والامر یقتضی الایجاب (جصاص) ف۲۸۵ شراب نوشی اور قمار بازی کی دنیوی مضرتوں اور اخلاقی قباحتوں کی تفصیل لکھنے پر کوئی آئے تو کتاب کی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید نے یہاں ان کی صرف سب سے بڑی اور کلیدی مضرت، خانہ جنگی کی طرف اشارہ کردیا۔ شراب وقمار دونوں کے مضر اثرات شر وفساد کی شکل میں روزمرہ کے مشاہدے ہیں۔ مے نوشی اور جرائم کا قریبی تعلق آج ماہرین فن کے فراہم کئے ہوئے اعداد سے ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور جوئے کی لت میں پڑ کر بڑے بڑے مشاہیر واکابر کا اپنی دولت، سلطنت، عزت وناموس تک گنوا بیٹھنا ہندوستان کے

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ
ہیں شیطان کے کام ف۲۸۳ سو اس سے بچے رہو تا کہ فلاح

تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ
پاؤ ف۲۸۴ شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہارے آپس میں

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ
دشمنی اور کینہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے ڈال دے ف۲۸۵ اور تمہیں اللہ کی یاد

عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾
اور نماز سے روک دے ف۲۸۶ سو اب بھی تم باز آؤ گے ف۲۸۷

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ
اور اطاعت کرتے رہو اللہ کی اور رسول کی اور احتیاط رکھو اور اگر

تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾
اعراض کرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے اور بس ف۲۸۸

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ
جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے رہتے ہیں ان پر اس چیز میں

فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے ہوں، جبکہ وہ لوگ تقویٰ رکھتے ہوں ف۲۸۹ اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے

ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ
ہوں پھر تقویٰ کریں، ف۲۹۰ اور ایمان رکھتے ہوں اور پھر تقویٰ کریں، اور خوب نیک کاری کریں ف۲۹۱ اور اللہ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ
تو محبت رکھتا ہے خوب نیکو کاری کرنے والوں سے، ف۲۹۲ اے ایمان والو اللہ تمہیں آزمائے گا

ع ۱۲/۲

قدیم ترین قصہ مہابھارت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ جاہلیت عرب کے مہذب باشندے ان دونوں بلاؤں میں بری طرح مبتلا تھے، ٹھیک اسی طرح جیسے آج جاہلیت فرنگ کی مہذب آبادی پر بھی دونوں بلائیں بری طرح مسلط
ہیں۔ ملاحظہ ہو راقم سطور کی انگریزی تفسیر القرآن۔ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ میں فِي سببیہ ہے یعنی ان کے ذریعہ یا واسطہ سے۔ ای بسببها (جمل) ای بسبب تعاطیهما (روح) الْخَمْرِ۔ خمر کے اصل معنی اگرچہ
صرف شراب انگوری کے تھے لیکن بعد کو یہ لفظ ہر قسم کی نشہ آور شراب کے لئے استعمال ہونے لگا۔ الخمرهی عصیر العنب المشتد (جصاص) کل شیء اسکر فهو خمر (جصاص) الخمر سمیت لکونها
خامرة لمقر العقل وهو عند بعض الناس اسم لکل مسکر، عند بعضهم اسم للمتخذ من العنب والتمر (راغب) شراب کے سلسلہ میں یہ یاد رہے کہ جس طرح اس کا پینا ناجائز ہے اسی طرح اس کا بنانا،
اس کا بیچنا، اس کے کاروبار میں حصہ لینا، اس سے کسی طرح نفع اٹھانا سب ناجائز ہے۔ حدیث ابوداؤد میں ان اللہ حرم الخمر وثمنها صاف آچکا ہے۔ اور فقہاء نے تمام متعلقات شراب کی حرمت پر دلائل نقل
کئے ہیں۔ آبکاری کا عظیم الشان محکمہ اور پر منفعت کاروبار اسلامی حکومت کے تحت میں ایک منٹ کے لئے بھی زندہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ذیل میں خوب فرمایا کہ معاصی میں

خاص کی تصریح کر دینا قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے۔ ضمناً اس سے نماز کی عظمت اور اہمیت واشرفیت پر پوری روشنی پڑ گئی۔ خص الصلوٰة من الذكر بالا فراد للتعظيم والاشعار بان الصاد عنها كالصاد عن الايمان (بیضاوی) وخص الصلوٰة من بين الذكر لزيادة درجتها كانه قال وعن الصلوٰة خصوصًا (مدارک) شراب اور جوئے کے دنیوی نقصانات کی طرف اشارہ ابھی اوپر ہو چکا اب بیان ان کی دینی مضرتوں کا ہو رہا ہے۔ میسر کی حرمت کی جو حکمتیں یہاں بیان ہوئیں وہی شطرنج وغیرہ نیم قماری کھیلوں میں بھی مشاہد ہیں اسی لئے فقہاء نے ان کے بھی عدم جواز کا فتوی دیا ہے اور صحابہ اور تابعین سے بھی منقول ہے۔ روی عن علی ﷺ اللہ قال الشطرنج من الميسر وقال عثمان وجماعة من الصحابة والتابعين النرد وقال قوم من اهل العلم القمار كله من الميسر (جصاص) هذه الأية تدل على تحريم اللعب بالنرد والشطرنج قمارًا اوبغير قمارٍ (قرطبی) و۲۸۷ (شراب اور قمار سے) اصحاب نبی ﷺ جو آیت کے مخاطب اولین تھے، اسے سنتے ہی پکار اٹھے، ہم باز آگئے، ہم باز آگئے۔ قال عمر انتهينا انتهينا (ابن جریر) فقالو انتهينا يا ربّ (ابن جریر) فقالو انتهينا ربنا انتهينا ربنا (ابن جریر) کیسا ڈسپلن تھا بارگاہ نبوت کا اور کیسی زبردست اصلاحی قوت تھی عرب کے اس امی حکیم کی کہ دم کے دم میں بڑے بڑے پرانے اور عمر بھر کے شرابیوں جواریوں کو پاکباز و متقی بلکہ پاکبازوں اور صالحین کا سردار بنا دیا۔۔۔ سچ کہا ہے اکبر الہ آبادی نے۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے   کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔ حرمت شراب وقمار کی تاکید در تاکید تو اوپر سے چلی آرہی تھی اب اس فقرہ نے اسے اور مؤکد کر کے گویا شدت ممانعت پر مہر لگا دی۔ اعاد الحث على الانتهاء بصيغة الاستفهام مرتبًا على ما تقدم من انواع الصوارف (بیضاوی) ايذانا بان الامر فى المنع والتحذير بلغ الغاية وان الاعذار قد انقطعت (بیضاوی) علامہ زمخشری نے ایک سوال یہاں یہ پیدا کیا ہے کہ پہلی آیت میں خمر ومیسر کا ذکر انصاب وازلام کے ساتھ کیا ہے اور اب کی تنہا انہی دو کا ذکر کیوں کیا ہے؟ اور خود ہی اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آیت میں خطاب مسلمانوں سے ہے اور انہی کو شراب اور قمار سے روکنا مقصود ہے۔ پہلی آیت میں چاروں منکرات کا ذکر ایک ساتھ اس امر کے اظہار کے لئے اور مسلمانوں کو شراب وقمار سے مزید نفرت دلانے کے لئے تھا کہ یہ ایسے اعمال ہیں جن کا ارتکاب اہل جاہلیت ومشرکین ہی کر سکتے ہیں۔ ذكر الانصاب والازلام لتاكيد تحريم الخمر والميسر واظهار ان ذٰلك جميعًا من اعمال الجاهلية واهل الشرک ثم افردهما بالذكر ليرٰى ان المقصود بالذكر الخمر والميسر (کشاف) و۲۸۸ (احکام اور پیام کی، سو وہ تبلیغ پوری پوری کر چکے اور عذر کی گنجائش کسی کو نہ رہی) اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ یہ اطاعت اللہ اور رسول کی سارے احکام شریعت میں ہوگی۔ وَاحْذَرُوْا۔ یہ احتیاط کا حکم احکام کی نافرمانی سے مل رہا ہے۔ و۲۸۹ (اور اس لئے اس وقت کی حرام چیزوں سے محترز ہوں) فِيْمَا طَعِمُوْا۔ جبکہ وہ وہ چیزیں کھا رہے ہوں جو اس وقت میں حلال ہوں۔ طعموا بما لم يحرم عليهم (بیضاوی) روایتوں میں آتا ہے کہ جب شراب وقمار کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے سوال کیا کہ پھر ان کا کیا حشر ہوگا جو اب تک شراب پیتے اور قمار کا مال کھاتے رہے؟ اور پھر اب زندہ بھی نہیں، جو توبہ واستغفار سے کام لیں بلکہ وفات پا چکے ہیں؟ یہ آیت اسی پر نازل ہوئی...... سوال اسی قسم کا تھا جیسے حکم تحویل قبلہ کے بعد بعض صحابیوں نے سوال کیا تھا کہ جو نمازیں بیت المقدس کی طرف پڑھی جا چکی ہیں، ان کا کیا حشر ہوگا؟ اور اس کا جواب بھی قرآن ہی میں موجود ہے۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ...... سوال دونوں موقعوں پر بالکل قدرتی تھا۔ اور آج جن لوگوں نے سوال پر استعجاب ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے خود اپنی سطحیت وکم فہمی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ چار چار صحابیوں ابن عباس، جابر وبراء بن عازب وانس بن مالک رضی اللہ عنہم اور چار چار تابعیوں حسن، مجاہد، قتادہ، ضحاک کی سند سے جصاص نے لکھا ہے کہ لمّا حرم الخمر كان قد مات رجال من اصحاب رسول اللہ ﷺ وهم يشربون الخمر قبل ان تحرم فقالت الصحابة كيف بمن مات منا وهم يشربونها فانزل الله تعالٰى هٰذه الأية۔ و۲۹۰ یعنی ان چیزوں کو ترک کر دیں جو پہلے حلال تھیں اور اب حرام ہو گئی ہیں۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یہ عمل صالح خود دلیل ہے ان کے ایمان وتقوی کی۔ و۲۹۱ مطلب یہ ہوا کہ نزول شریعت کے ہر دور میں، ہر منزل میں وہ اتباع احکام اور احترام قیود پر حریص ہوں۔ احسان سلوک شرعی میں آخری مرتبہ کا نام ہے۔ ایک تو ہوا کسی کام کو محض کر دینا اور ایک ہے اس کام کو بہ وجہ احسن کرنا، دل وجان سے کرنا، اس میں حسن وزیبائی کے کمالات پیدا کر کے کرنا۔ اسی کا نام احسان ہے لفظ "احسان" اردو میں جس مفہوم کے لئے چلا ہوا ہے، اس سے یہاں کوئی تعلق نہیں۔ ثُمَّ اتَّقَوْا۔ اس تقوی سے بھی یہی مراد ہے کہ جو چیز اب حرام ہوئی ہے اسے ترک کر دیں۔ وَاٰمَنُوْا۔ ایمان کی تصریح سے اشارہ اوپر ہو گیا کہ وہی ایمان ہی مبنیٰ اور منشا سارے اعمال صالحہ کا ہے۔ جصاص رازی نے لکھا ہے کہ تقوی کا ذکر آیت میں تین مرتبہ آیا ہے اور ہر مرتبہ ایک نئی مراد ہے پہلے تقوی سے اشارہ ماضی کی طرف ہے اور دوسرے سے مستقبل کی طرف۔ اور تیسرے سے مراد بندوں پر ظلم وزیادتی سے بچنا ہے۔ واعاد ذكر الاتقاء فى الأية ثلاث مرات فاما الاول فمن اتقى فى ما سلف والثانى الاتقاء منهم فى مستقبل الاوقات والثالث اتقاء ظلم العباد والاحسان اليهم و۲۹۲ (سوا ایسے ایمان، تقوی وحسن عمل والوں کے مبغوض ومردود ہونے کا تو احتمال ہی نہیں۔ ان کا شمار تو محبوبوں اور مقبولوں میں ہے) علماء نے اس پوری آیت سے ہر مباح لذت سے پورے استلذاذ وانتفاع کا جواز نکالا ہے۔ قال ابن خويز منداد تضمنت هٰذه الأية تناول المباح والشهوات والانتفاع بكل لذيذ من مطعم ومشرب ومنكح وان بولغ فيه وتنوهى فى ثمنه (قرطبی) و۲۹۳ یعنی وہ شکار کے جانور تم سے بہت دور بھی نہ ہوں گے۔ قریب ہی پھرتے رہیں گے کہ تمہارے لئے ان کا شکار بہ آسانی ممکن ہوگا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ ذکر مقام حدیبیہ کا ہے۔ شکار کے جانور بالکل آس پاس لگے پھرتے تھے لیکن مسلمان حالت احرام میں تھے اس لیے شکار سے محتاط ومحترز رہے۔ انزلت هٰذه الأية فى عمرة الحديبية فكانت الوحش والطير والصيد تغشاهم فى رحالهم (ابن کثیر)

اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ

قدرے شکار سے جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں ف۲۹۳

لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰی

تاکہ اللہ معلوم کرلے کہ کون شخص اُس سے بے دیکھے ڈرتا ہے ف۲۹۴ سو جو کوئی اس کے بعد حد سے

بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۹۴﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ

نکلے گا تو اس کے لیے عذاب دردناک ہے ف۲۹۵ اے ایمان

اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَ مَنْ قَتَلَهٗ

والو شکار کو مت مارو جب کہ تم حالت احرام میں ہو ف۲۹۶ اور تم میں سے جو کوئی دانستہ اسے

مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ

مار دے گا تو اُس کا جرمانہ اُسی طرح کا ایک جانور ہے جس کو اُس نے مار ڈالا ہے ف۲۹۷

یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ

(اور) اس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کریں گے خواہ وہ جرمانہ چوپایوں میں سے ہو جو نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائے

اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا

جاتے ہیں خواہ مسکینوں کو کھانا (کھلا دیا جائے) ف۲۹۸ یا اس کے مساوی روزہ رکھ لیے جائیں

لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَ مَنْ

تاکہ وہ اپنے کیے کی شامت کا مزہ چکھے ف۲۹۹ جو کچھ ہو چکا اللہ نے اسے معاف کردیا ف۳۰۰ لیکن جو کوئی

عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

پھر یہ حرکت کرے گا اللہ اس سے انتقام لے گا ف۳۰۱ اور اللہ زبردست ہے، انتقام پر قادر ہے ف۳۰۲

اُحِلَّ لَكُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ

تمہارے لیے دریائی شکار اور اس کا کھانا جائز کیا گیا تمہارے نفع کے لیے

لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ۔ سورہ کے شروع میں آچکا ہے کہ حالت احرام میں شکار ممنوع ہے اب یہاں اس کی کچھ تفصیل بیان ہوگی۔ ملاحظہ ہوں سورہ مائدہ کے حواشی نمبر ۴ ومابعد۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لَیَبْلُوَنَّكُمُ سند ہے ان مشائخ کے لئے جو اپنے طالبین کے صدق واخلاص کا امتحان کرتے رہتے ہیں۔ مِنَ الصَّیْدِ میں مِنْ یا تو تبعیض کے لئے ہے یا تمیز کے لئے یا جنس کے لئے۔ قیل فی موضع من ھٰھنا انھا للتبعیض وقیل انھا للتمییز (جصاص) ومن للتبعیض او لبیان الجنس (مدارک) یرید بعض الصید فمن للتبعیض (قرطبی) ف۲۹۴ یعنی اس ان دیکھے معبود کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرتا ہے۔ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ۔ یعنی تاکہ اللہ دنیا کی نظر میں بھی اس شخص کے عمل سے معلوم کرلے۔ اللہ کا علم تو ہمیشہ ہی سے ہے۔ ایسے موقعوں پر مراد یہ ہوتی ہے کہ اس شخص کے عمل سے بھی یہ کیفیت ظاہر ہوجائے۔ ف۲۹۵ بَعْدَ ذٰلِكَ۔ یعنی اس حکم حرمت کے بعد یا اس شکار کی آزمائش کے بعد۔ بعد ذلک الابتلاء بالصید (بیضاوی) اِعْتَدٰی۔ یعنی احکام شرعی کی حد سے نکلے گا اور شکار ممنوع کا مرتکب ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم شکار کے خاص طور پر عادی تھے۔ اس لئے ان کی اطاعت اور قوت ضبط کا پورا امتحان ہورہا تھا۔ بِشَیْءٍ۔ یہ دل بڑھانے کے لئے ہے کہ امتحان کوئی ایسا بڑا نہیں۔ ایک حقیر ہی شے کا ہے۔ التقلیل والتحقیر فی بشیء للتنبیہ علی انہ لیس من العظائم (بیضاوی) لیعلم انہ لیس بفتنۃ من الفتن العظام التی تدحض عندھا اقدام الثابتین (کشاف) ف۲۹۶ (اور یا تم خود تو حالت احرام سے باہر ہو لیکن وہ شکار حدود حرم کے اندر ہو) یہ عام ممانعت خشکی اور تری کے ان جانوروں کے حق میں نہیں جن کے قتل یا شکار کا جواز قرآن مجید ہی کی کسی دوسری آیت یا حدیث صحیح سے ثابت ہوگیا ہے۔ مثلاً دریائی جانور یا سانپ بچھو، بھیڑیا، کاٹنے والا کتا وغیرہا۔ فقد روی ابن عباس وابن عمر وابو سعید وعائشۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خمس یقتلھن المحرم فی الحل والحرم الحیۃ والعقرب والغراب والفارۃ والکلب العقور (جصاص) واما ما کان من السباع لا یعدو (جصاص) لَا تَقْتُلُوْا۔ قتل کے معنی اردو میں اہلاک کی ایک بالکل خاص صورت کے ساتھ محدود ہوکر رہ گئے ہیں۔ عربی کے قتل کے مفہوم میں یہ تنگی نہیں، وہ جان لے لینے کی ہر صورت کے لئے عام ہے اور یہی یہاں مراد ہے۔ القتل ھو کل فعل یفیت الروح وھو انواع (قرطبی) ف۲۹۷ یعنی اس شخص کو جرمانہ میں اسی قیمت کا جانور پیش کرنا چاہیے۔ مِثْلُ مَا قَتَلَ۔ مثلیت کا معیار حنفیہ کے ہاں ہم قیمتی ہے قال ابوحنیفۃ وابو یوسف المثل ھو القیمۃ (جصاص) وھو قیمۃ الصید (مدارک) یہ جزاء (جرمانہ) جس طرح قصد وتعمد میں واجب ہے اسی طرح حالت خطا ونسیان میں بھی۔ حدیث سے بھی ثابت ہے اور فقہاء نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ عن الزھری قال نزل القراٰن بالعمد وجرت السنۃ فی الخطا (ابن جریر) ان قتلہ متعمدا اوناسیا حکم علیہ (ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال قائلون وھم الجمھور سواء قتلہ عمدًا او خطأً فعلیہ الجزاء (جصاص) وانما شرط التعمد فی الاٰیۃ مع ان محظورات الاحرام یستوی فیھا العمد والخطأ لان مورد الاٰیۃ فی معنی تعمد (مدارک) الاصل فعل التعمد والخطاء یلحق بہ وللتغلیظ (مدارک) یحکم علیہ فی العمد و الخطأ والنسیان قالہ ابن عباس وروی عن عمرو طاؤس والحسن وابراھیم والزھری وبہ قال مالک والشافعی وابوحنیفۃ واصحابھم (قرطبی) والذی علیہ الجمھوران العامد والناسی سواء فی وجوب الجزاء علیہ (ابن کثیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس پوری آیت سے اہل ریاضت کے اس طریق کا ثبوت مل جاتا ہے کہ پہلی خطا پر اپنے نفس کو ایسی سزا دیتے ہیں جس کا تحمل اس کو آسان ہوتا ہے۔ اور اگر وہ خطا پھر عود کرے تو اسے ایسی سزا دیتے ہیں جو اس پر قدرے دشوار ہو۔ ف۲۹۸ یعنی یہ کھانا اسی جانور کی تخمینی قیمت کے مساوی ہو۔ مِنَ النَّعَمِ۔ چوپایوں سے مراد ہیں اونٹ، گائے بھینس، بھیڑ، بکری۔ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔ یعنی اس جانور کی قیمت کا تخمینہ تم میں سے دو متدین، اہل اور صاحب بصیرت اشخاص کریں۔ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ۔ ”کعبہ تک“ سے مراد ہے کہ حدود حرم کے اندر پہنچا جائیں۔ حرمت فقہی کے اعتبار سے کعبہ اور کل حرم دونوں یکساں ہیں اور قربانی خاص کعبہ تک تو پہنچتی بھی نہیں۔ بلوغۃ الکعبۃ وجہ فی الحرم لاخلاف فی ذلک وھٰذا یدل علی ان الحرم کلہ بمنزلۃ الکعبۃ فی الحرمۃ (جصاص) ویرسل من الحل الی مکۃ ولم یرد الکعبۃ بعینھافان الھدی لا یبلغھا اذھی فی المسجد وانماارادالحرم ولا خلاف فی ھٰذا (قرطبی) الکعبۃ انما اریدبھا کل الحرم لان الذبح والنحر لایقعان فی الکعبۃ و لا عندھا ملازقًا لھا (کبیر) ف۲۹۹ مساوی تعداد میں روزہ کے معنی یہ ہیں کہ ہر مسکین کے حصہ کا ایک ایک روزہ رکھا جائے۔ گویا کفارہ کی تین صورتیں ارشاد ہوئیں۔ ھدی۔ اطعام۔ صیام۔ اور تینوں مساوی ہیں۔ جیسا کہ اَوْ کلمہ تخییر کا اقتضاء ہے۔ وما ذکرہ اللّٰہ تعالٰی فی ھٰذہ الاٰیۃ من الھدی والاطعام والصیام فھو علی التخییر لان اویقتضی ذلک وروی نحو ذلک عن ابن عباس وعطاء والحسن وابراھیم روایۃ وھو قول اصحابنا (جصاص) ف۳۰۰ یعنی جو لوگ یہ جرمانہ ادا کرچکے وہ معاف ہوجائیں گے۔ دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ قبل اسلام یا قبل نزول حکم جو کچھ گزر چکا اس سے درگزر کردی جائے گی۔ عما کان فی الجاھلیۃ (ابن جریر۔ عن عطاء) عما سلف منکم فی جاھلیتکم (ابن جریر) عما مضٰی فی الجاھلیۃ وعما سلف قبل التحریم فی الاسلام (کبیر) ف۳۰۱ (اس جسارت اور ڈھٹائی کا) گناہ کا اعادہ خود ایک دلیل ہے ڈھٹائی کی۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ توبہ سے یہ علت انتقام بھی منتفی ہوجائے گی۔ ف۳۰۲ اس میں رد آ گیا بہت سی جاہلی قوموں کے عقیدہ کا جن کا معبود فعالیت سے یکسر محروم، اور ہر طرح بے حس اور جامد ہے۔

وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيۡكُمۡ صَيۡدُ الۡبَرِّ مَا دُمۡتُمۡ

اور قافلوں کے لیے ف۳۰۳ اور تمہارے اُوپر جب تک تم حالت احرام میں ہو خشکی کا شکار حرام

حُرُمًا ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡۤ اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۹۶﴾

کیا گیا اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس جمع کیے جاؤ گے ف۳۰۴

جَعَلَ اللّٰهُ الۡكَعۡبَةَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ

اللہ نے کعبہ کے مقدس گھر کو انسانوں کے باقی رہنے کا مدار ٹھہرایا ہے ف۳۰۵

وَالشَّهۡرَ الۡحَرَامَ وَ الۡهَدۡیَ وَالۡقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعۡلَمُوۡۤا

(نیز) حرمت والے مہینہ کو اور حرم میں قربانی کو، اور گلے میں پٹہ پڑے ہوئے جانوروں کو ف۳۰۶ یہ اس لئے کہ تم یقین

اَنَّ اللّٰهَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ

کر لو کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ اُس سب کا علم رکھتا ہے

وَ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۹۷﴾ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ

اور بیشک اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے ف۳۰۷ جانے رہو کہ اللہ

شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۹۸﴾ؕ مَا

بہت سخت سزا دینے والا بھی ہے ف۳۰۸ اور اللہ بڑا مغفرت والا، بڑا رحمت والا بھی ہے ف۳۰۹

عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ

رسول کے ذمہ تو بجز تبلیغ کے اور کچھ نہیں اور اللہ (اس کو بھی) جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو

وَ مَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۹۹﴾ قُلۡ لَّا یَسۡتَوِی الۡخَبِیۡثُ وَ الطَّیِّبُ

اور (اس کو بھی) جو کچھ تم چھپاتے ہو ف۳۱۰ آپ کہہ دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے۔

وَلَوۡ اَعۡجَبَكَ كَثۡرَةُ الۡخَبِیۡثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰۤاُولِی

گو تجھے ناپاک کی کثرت حیرت میں ڈالتی ہو ف۳۱۱ سوائے عقل والو! اللہ سے ڈرتے

ف۳۰۳ بحری مسافروں کے لئے دریائی جانوروں کے شکار کی اجازت ان کے حق میں رحمت خاص ہے۔ یہ ہدایتیں حالت احرام کے بارہ میں مل رہی ہیں۔ وانتم حرم کے تحت میں۔ صَیۡدُ الۡبَحۡرِ۔ بحر سے صرف سمندر مراد نہیں، ہر قسم کے دریا، ندی، جھیل، تالاب وغیرہ غرض پانی کا ہر ذخیرہ اس کے تحت میں آجاتا ہے۔ وعنی بالبحر فی هٰذا الموضع الانهار کلها والعرب تسمی الانهار بحاراً (ابن جریر) اصل البحر کل مکان واسع جامع للماء الکثیر (راغب) المقصد فیه صید الماء فسائر حیوان الماء یجوز للمحرم اصطیاده و لا نعلم خلافاً فی ذٰلک بین الفقهاء (جصاص) والمراد بالبحر جمیع المیاه والانهار (کبیر) والمراد بالبحر جمیع المیاه (معالم) اور دریائی جانور کی تعریف فقہاء نے یہی کی ہے کہ وہ وہ جانور ہے جس کا مولد ہی پانی ہے اور مسکن بھی پانی۔ اس لئے مرغابی، بط وغیرہ اس تعریف کے بعد دریائی جانور کے حکم سے نکل گئے۔ طَعَامُهٗ۔ میں ضمیر صید کی طرف ہے۔ قیل الضمیر للصید وطعامه اکله۔ اور اس پر کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن بہت سے ارباب تفسیر ادھر بھی گئے ہیں کہ ضمیر بحر کی جانب ہے۔ ما قذفه اونضب عنه (بیضاوی) تو گویا اب دو چیزیں ہوئیں ایک صَیۡدُ الۡبَحۡرِ اور دوسرے طعام البحر۔ یہ ترکیب مان کر دونوں میں فرق یہ کیا گیا ہے کہ صید البحر وہ جانور ہے جس کا شکار کر کے اسے مارا جائے۔ اور طعام البحر وہ جانور ہے جسے دریا خود پھینک دے یا جو پانی کے پیچھے ہٹ آنے سے رہ جائے اور یہ تفریق حضرات صحابہ بلکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ طعامه ما قذف به (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) طعام ما قذف منه (ابن جریر۔ عن قتادۃ) و هو الاحسن ما ذکره ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ان الصید ما صید بالحیلة حال حیاته والطعام ما یوجد مما لفظه البحر اونضب عنه الماء من غیر معالجة فی اخذه هٰذا هو الاصح (کبیر) اس اُحِلَّ لَكُمۡ۔ سے مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ اس میں زہد کی تعدیل اور اس میں غلو کرنے سے منع ہے۔ ف۳۰۴ ہر حکم، ہر قید کو نفس کے لئے خوشگوار بنا دینے والا یہی استحضار حاکم مطلق کی حکومت کا ہے۔ حُرِّمَ عَلَیۡكُمۡ۔ یہ حکم حرمت عام ہے شکار پکڑنے والے اور اس میں مُعِین ہونے والے دونوں پر۔ ف۳۰۵ (اور اس کے حفظ ادب اور تعظیم شان کے لئے تو یہ سب حرم واحرام کے احکام وقواعد ہیں) اَلۡكَعۡبَةَ۔ جس طرح لفظ اللہ خود دلالت کرتا ہے اپنے مسمّٰی کے سارے مخلوق سے بلند ہونے اور اس کے معبود ہونے پر اور لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود جامعیت رکھتا ہے ہر طرح کی بزرگی اور ستودہ صفاتی کی۔ اسی طرح لفظ کعبة کے اندر بھی دلالت اس کی عظمت وبزرگی کی موجود ہے۔ کعبہ کے معنٰی ہی بلند مقام کے ہیں اور یہ بلندی ظاہری ومعنوی دونوں کی جامع ہے۔ سمیت الکعبة کعبة لارتفاعها (کبیر) فالکعبة لما ارتفع ذکرها فی الدنیا واشتهر امرها فی العالم سمیت بهٰذا الاسم (کبیر) اَلۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ۔ کو بیت الحرام اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں چھت اور دیواریں ہیں اور یہ حقیقت بیتیت ہے نہ اس لئے کہ اس میں کسی کی سکونت ہے۔ والبیت سُمّی بذٰلک لانها ذات سقف وجدار وهی حقیقة البیتیة وان لم یکن بها ساکن (قرطبی) قِیٰمًا۔ یعنی لوگوں کی حفاظت ونگہداشت کا ذریعہ وواسطہ اور پھر قیاماً للعرب نہیں قِیٰمًا لِّلنَّاسِ یعنی ساری کائنات انسانی اسی کے نام سے قائم انسانیت کی سانس اسی کے وجود سے وابستہ...... گویا اس میں اس کا وعدہ بھی آگیا کہ جب تک انسانی آبادی قائم ہے خانہ کعبہ کا وجود بھی باقی رہے گا۔ اراد انه جعل ذٰلک قواماً لمعایشهم وعماداً لهم فهو قوام دینهم و دنیاهم (جصاص) اصله قوام وهو ما یستقیم به الامر ویصلح (کبیر) یعنی یقومون بها (قرطبی) ای سبباً لقوام مصالح الناس (کبیر) هو سبب لامن الناس عن الافات والمخافات وسبب لحصول الخیرات والسعادات فی الدنیا والأخرة (کبیر) ای بسبب اصلاح امورهم (روح) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کعبہ کے سبب قوام ہونے کی متعدد توجیہیں کی گئی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ سب درست ہوں اور کعبہ قیاماً للناس کسی ایک ہی جہت سے نہیں متعدد جہات سے ہو۔ لا یبعد حمل الاٰیة علی جمیع هٰذه الوجوه وذٰلک لان قوام المعیشة اما بکثرة المنافع واما برفع المضار واما بحصول الجاه والریاسة واما بحصول الدین فلما کانت الکعبة سبباً لحصول هٰذه الاقسام الاربعة وثبت ان قوام المعیشة لیس الا بهٰذه الاربعة ثبت ان الکعبة سبب لقوام الناس (کبیر) احادیث میں آتا ہے جب خانہ کعبہ کا ہدم کافروں کے ہاتھ سے ہو جائے گا تو اسی کے بعد قیامت بھی آجائے گی۔ ف۳۰۶ هدی اور قلائد پر حاشیہ پارۂ ششم میں سورۂ مائدہ کے شروع میں گزر چکے۔ اَلشَّهۡرَ الۡحَرَامَ۔ یعنی حرمت والے چاروں مہینے۔ وهو اسم جنس والمراد الاشهر الثلاثة باجماع من العرب (قرطبی) اراد بالشهر الحرام الاشهر الحرم الاربعة الا انه عبر عنها بلفظ الواحد (کبیر) عن الحسن انه قال هو الاشهر الحرم فاخرجه مخرج الواحد لانه اراد الجنس (جصاص) بعض نے صرف ماہ ذی الحجہ ہی مراد لیا ہے۔ وهو ذوالحجة لانه المناسب لقرنائه (بیضاوی) ای الذی یؤدی فیه الحج وهو ذوالحجة (روح) ف۳۰۷ (کہ اس کا علم ذاتی بھی اور محیط وکامل بھی ہے، اور اس لئے صرف اسی سے ایسی پیشگوئیوں کا صدور ممکن ہے) کان تعالٰی فی الازل عالماً بجمیع المعلومات من الکلیات والجزئیات (کبیر) ذٰلِكَ۔ یعنی خانہ کعبہ کا قِیٰمًا لِّلنَّاسِ ہونا اور اس کی مصلحتیں خصوصاً یہ پیشگوئی کہ کائنات انسانی کی عمر کعبہ کے دم کے ساتھ وابستہ ہے۔ اشارة الی جعل اللّٰه هٰذه الامور قیاماً (قرطبی) ای ذٰلک التدبیر اللطیف لاجل ان تفکروا فیه (کبیر) لِتَعۡلَمُوۡۤا۔ علم یہاں یقین کے معنٰی میں ہے (تھانوی) ف۳۰۸ (اس لئے اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچو) ف۳۰۹ (اس لئے اگر خلاف ورزی ہو جائے تو حسب قاعدہ توبہ وتدارک بھی کر لو)

الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

رہو تاکہ (پوری) فلاح پا جاؤ و۳۱۲ اے ایمان والو!

لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ

ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں و۳۱۳ اور اگر

تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا

تم انہیں دریافت کرتے رہوگے۔ اُس زمانہ میں جب کہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کردی جائیں گی و۳۱۴ اللہ نے

اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۰۱ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ

ان کی بابت درگزر کی، اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا حلم والا ہے و۳۱۵ لوگ تم سے قبل بھی ایسی ہی پوچھ پاچھ

مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝۱۰۲ مَا جَعَلَ

کر چکے ہیں پھر اُن سے منکر ہو گئے ہیں و۳۱۶ اللہ نے نہ

اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ

بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو نہ حامی کو و۳۱۷

وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ

البتہ جو لوگ کافر ہیں وہی اللہ پر جھوٹ جوڑتے رہتے ہیں۔

وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۳ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

اور اُن میں سے اکثر عقل سے کام ہی نہیں لیتے و۳۱۸ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ

اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا

نازل کیا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ و۳۱۹ تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی کافی ہے

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا

جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے و۳۲۰ تو کہنا چاہئے کہ اُن کے بڑے نہ کسی شے

ع ۱۳

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے پہلے بھی حق تعالیٰ کی رحمت وربوبیت ہی کا بیان تھا۔ اور درمیان میں عقاب کا ذکر لاکر آیت کا خاتمہ بھی صفات غفر ورحمت کے ذکر پر ہو رہا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ خلق وایجاد کی ابتدا بھی رحمت ہی سے ہوئی ہے۔ اور خاتمہ بھی رحمت ہی پر ہوگا۔ ھٰذا تنبیہ علی حقیقة وھی ان ابتداء الخلق والایجاد کان لاجل الرحمة والظاھر ان الختم لا یکون الا علی الرحمة (کبیر) و۳۱۰ اللہ اور اس کے رسول کی جداگانہ حیثیتوں کی یہ تشریح مشرک منش مخاطبین کے لئے بار بار ضروری ہوئی۔ اور بار بار بتانا پڑا کہ رسول کے ہاتھ میں ہدایت یا تقسیم عذاب وثواب کچھ بھی نہیں، صرف تبلیغ ہے۔ ای لیس له الھدایة والتوفیق ولا الثواب وانما علیه البلاغ (قرطبی) البلاغ۔ یعنی تبلیغ احکام کی اور پیام کی۔ مَا تُبْدُوْنَ یعنی تمہارے اقوال اور تمہارے اعمال۔ مَا تَكْتُمُوْنَ۔ یعنی تمہارے اسرار اور محرکات عمل۔ اللہ کی ان دونوں صفات کو یاد دلا کر گویا یہ بتادیا کہ اطاعت ظاہری بھی ہونا چاہیے اور اطاعت باطنی بھی۔ و۳۱۱ (اے مخاطب) الْخَبِيْثُ۔ نافرمان یا نافرمانی، ذات وصفات سب کے لئے جامع۔ والصحیح ان اللفظ عام فی جمیع الامور یتصور فی المکاسب والاعمال والناس والمعارف من العلوم وغیرھا (قرطبی) الطَّيِّبُ۔ فرمانبردار یا فرمانبرداری۔ لَا يَسْتَوِي اس لئے کہ ایک اللہ کے ہاں محبوب ومحمود ہے اور دوسری مبغوض ومردود۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ عالم روحانیات میں جو چیزیں گندی یا خبیث ہیں، وہ عالم جسمانیات میں بڑی مقدار والی اور بڑی لذت والی دکھائی دیتی ہیں لیکن ان کی یہ ظاہری تعداد اور لذت دائمی اور سرمدی لذتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم کردینے والی ہے، اس لئے اُن کا اور ان کا کوئی مقابلہ ہی کیا؟ یعنی ان اللذی یکون خبیثاً فی عالم الروحانیات قد یکون طیبا فی عالم الجسمانیات ویکون کثیر المقدار وعظیم اللذة الا انه مع کثرة مقداره وللذاذة متناوله وقرب وجدانه سبب للحرمان من السعادات الباقیة الابدیة السرمدیة (کبیر) وَلَوْ اَعْجَبَكَ۔ یعنی اس پر حیرت نہ کرو کہ جب نافرمان اور نافرمانی اس قدر مبغوض ہیں تو پھر ان کی کثرت وفراوانی کیوں ہے؟ یہ ترقی یقیناً دلیل مقبولیت نہیں، اس کی بنا دوسری ہی تکوینی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اعجابه له ان صار عنده عجابما یشاھده من کثرة الکفار والمال الحرام وقلة المومنین والمال الحلال (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل حقائق کے مقابلہ میں اہل رسوم کی کثرت سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ وَلَوْ اَعْجَبَكَ کے دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ "گو تجھے بھلی لگے"۔ ای وان سرّک ایھا الناظر (روح) آج دنیا میں بدی کی کثرت بھی ہے اور ظاہری خوشنمائی بھی۔ اور ایسا ہی کم وبیش ہر زمانے میں رہا ہے۔ و۳۱۲ (دنیا اور آخرت دونوں میں) فَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی راہ ہدایت اور پاکیزگی ہی کی راہ اختیار کرو اور بدی اور گندگی کی کثرت یا ظاہری خوشنمائی سے متاثر ہو کر ادھر نہ جھک جاؤ۔ ای اثروا الطیب وان قل علی الخبیث وان کثر۔ (کشاف) تُفْلِحُوْنَ کو فَاتَّقُوْا پر مرتب کرکے گویا یہ بتادیا کہ فلاح کی بنیاد تقوائے الٰہی ہی پر ہے۔ خطاب اولی الالباب سے کرکے ادھر اشارہ کردیا کہ عین عقل وبصیرت کا تقاضا یہ ہے کہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی سے بچا جائے اور راہ تقوی اختیار کی جائے۔ اولی الالباب۔ لُب کے معنی عقل خالص کے ہیں جو ہر طرح کی آمیزش وکدورت سے پاک ہو۔ اللب العقل الخالص من الشوائب (راغب) عقل انسان کے پاس اللہ ہی کی بخشی ہوئی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ قرآن مجید نے عقل کو دبایا نہیں، بلکہ صحیح حدود کے اندر عقل سلیم سے کام لینے پر تاکید کی ہے و۳۱۳ ممانعت ایسے سوالات سے ہو رہی ہے جو سرتاسر فضول اور لایعنی ہوں مثلاً لوگوں کے جزئیات زندگی کی بابت سوالات کرتے رہنا۔ سوال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی معاشی یا معادی ضرورت واقعی پیش آجائے یا اس کے پیش آجانے کا احتمال قوی ہو اور صاحب شریعت سے ادب واحترام کے ساتھ اس کی بابت پوچھ لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ غرض ومقصد صحیح کچھ بھی نہ ہو اور دور دور کے احتمالات پیدا کرکے سوال محض سوال کرنے کی نیت سے کیا جائے تشقیقات اپنے دل سے گڑھے جائیں اور گویا رسول کا امتحان لینے کو سوالات اس کے سامنے پیش کئے جائیں۔ یہاں ذکر اسی آخری قسم کا ہے اور اسی سوال بازی کو ممنوع قرار دیا جارہا ہے۔ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ناگوار ہونے کی صورتیں مثلاً یہ کہ تمہارے کسی چھپانے والے واقعہ کی پردہ دری ہوجائے اور تمہیں تفضیح ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے یا ایسے احکام نازل ہوجائیں جن کی تعمیل تم پر شاق گزرے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت آئی ہے کہ ایک شخص نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اچھا یہ بتائیے کہ میرا باپ کون تھا؟ آپ نے فرمایا کہ فلاں شخص، اسی طرح ترمذی وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب فرضیت حج کی آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کرنا شروع کردیا کہ یہ ہر سال فرض ہے؟ — یہ دو نمونہ ہیں اس قسم کے بیجا سوالات کے جن کے خلاف یہاں تنبیہ کی جارہی ہے۔ "احکام میں جیسا یہ سوال بوجہ افراط ممنوع ہے، واقعات میں یہ سوال موجب تفریط فی الاطاعت والادب بھی ہے۔ چنانچہ بخاری میں یہ بھی ہے کہ استہزاء پوچھتے تھے۔ پس آیت سب اقسام سوال کو اور سب اقسام جواب کو شامل ہے۔ گو علت نہی کی کہیں افراط ہوگی، اور ناگواری جواب کا احتمال کہیں تحریم سے ہوگا کہیں رسوائی سے کہیں زجر سے۔ اور بعد نزول وحی کے ایسے سوالات سے نہی کی علت اضاعت وقت اور مجیب کو ضیق میں ڈالنا ہے" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) روی مسلم عن المغیرة بن شعبة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ کره لکم ثلاثا قیل وقال وکثرة السؤال واضاعة المال وقال کثیر من العلماء المراد بقوله کثرة السؤال التکثیر من السؤال فی المسائل الفقھیة تنطعاً وتکلفا فی مالم ینزل والاغلوطات وتشقیق المولدات وقد کان السلف یکرھون ذٰلک یرونه من التکلیف (قرطبی) و۳۱۴ تو ایسے ہی سوالات جن میں یہ احتمالات ہوں ممنوع قرار دیئے جاتے ہیں۔ ھٰذا تادیب من اللہ لعباده المومنین ونھی لھم عن ان یسالوا عن اشیاء مما لا فائدة لھم فی

السؤال والتنقيب عنها لانها ان اظهرت لهم تلک الامور بما ساء تهم وشق علیهم سماعها (ابن کثیر) وف۳۱۵ (اس لئے حکم کی خلاف ورزی پر گرفت اگر فوری نہیں ہوئی تو اس سے مطمئن اور بے خوف نہ ہو جاؤ) عَنْهَا۔ یعنی ان سوالات کے بارہ میں جو تم اب تک کر چکے۔ ای عن المسئلة التی سلف منهم (قرطبی) ای عما سلفکم من مسائلکم (کبیر) غَفُوْرٌ۔ اس صفت غفر کا اقتضا ہے کہ اس نے ماضی کو معاف کر دیا۔ وف۳۱۶ اس کفر وانکار کی دو صورتیں ممکن ہیں اور دونوں واقع ہو چکی ہیں۔ ایک یہ کہ جو احکام دیئے گئے ان کا حق ادا نہ کیا، دوسرے یہ کہ جو واقعات بیان کئے گئے ان سے متاثر نہ ہوئے۔ قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ یہ کن لوگوں کی طرف اشارہ ہے؟ عام طور سے بنی اسرائیل سے مراد لی گئی ہے کہ سابق انبیاء کی امتوں میں وہی کھود کھود کر اور کرید کرید کر سب سے زیادہ سوال کرنے کے عادی رہے ہیں۔ گنجائش دوسری امتوں کے مراد ہونے کی بھی ہے۔ وف۳۱۷ مَا جَعَلَ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ نے ان چیزوں کو مشروع نہیں کیا۔ والمعنی ما سمی الله ولا سن ذٰلک حکما ولا تعبدبه شرعا (قرطبی) یہ سب اصطلاحیں عرب جاہلیت کی ہیں۔ بَحِيْرَةٍ۔ وہ اونٹنی ہے جو دس بچہ جنتی اور ان میں کا آخری نر ہوتا۔ اس کا کان چیر کر اسے سانڈ کی طرح آزاد چھوڑ دیا جاتا اور کوئی کام اس سے نہ لیا جاتا۔ سَآئِبَةٍ۔ وہ اونٹنی ہے جو کسی دیوتا کے نام پر سانڈ کی طرح آزاد چھوڑ دی جاتی اور اسے چارہ پانی سے نہ روکا جاتا۔ وَّصِيْلَةٍ۔ یہ بھی اونٹنی ہی کی ایک قسم ہے مادہ بچہ جننے والی۔ اسے بھی دیوتاؤں کے نام پر آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ حَامٍ۔ نر اونٹ کی ایک قسم ہے جس کو آزاد

يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

کا علم رکھتے ہوں نہ ہدایت؟ وف۳۲۱ اے ایمان

اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا

والو! تم اپنی ہی فکر میں لگے رہو کوئی بھی گمراہ ہو جائے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں جب

اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

کہ تم راہ پر چل رہے ہو وف۳۲۲ اللہ ہی کی طرف تم سب کی واپسی ہے وہ تمہیں جتلا دے گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ

جو کچھ کہ تم کرتے رہے تھے وف۳۲۳ اے ایمان والو! جب کہ تم میں سے کسی کو

بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ

موت آ جائے وصیت کے وقت تمہارے آپس میں گواہ

اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ

دو شخص تم میں سے معتبر ہوں وف۳۲۴ یا دو گواہ تم میں سے کے علاوہ ہوں وف۳۲۵ جب

اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ

تم زمین پر سفر کر رہے ہو اور تم پر موت کا واقعہ

الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ

آ پہنچے تو اگر تم کو شبہ ہو جائے وف۳۲۶ تو دونوں (گواہوں) کو بعد نماز روک رکھو اور وہ دونوں اللہ کی

بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ

قسم کھائیں کہ ہم اس کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے خواہ کسی قرابت دار

ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

(ہی کے لئے) ہو اور نہ ہم اللہ کی گواہی چھپائیں گے ورنہ ہم بے شک گنہ گار ہوں گے وف۳۲۷

چھوڑ دیا جاتا۔ اہل شرک کی رسمیں ہر ملک میں ملتی جلتی سی ہیں۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ اس قسم کی گھڑی ہوئی رسمیں اور ایسے جانوروں کا ادب واحترام ہرگز مشروع نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ابطال ہے اہل جاہلیت کی اس بدعت کا کہ بعض چیزوں کو غیر اللہ سے نامزد کر دیتے تھے جیسا کہ اب بھی بعض جہلاء ارواح طیبہ سے تقرب حاصل کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ وف۳۱۸ (اور سمجھتے رہتے ہیں کہ خدا ان لغویات وخرافات سے خوش ہوگا) ای ما شرع الله هذه الاشیاء ولاهی عنده قربة ولکن المشرکون افتروا ذٰلک وجعلوه شرعا لهم وقربة یتقربون بها الیه (ابن کثیر) يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ اہل شرک اپنے عقائد وغیرہ دوسرے مسائل کی طرح رسوم کے باب میں بھی افتراء علی اللہ پر بڑے جری وبے باک ہوتے ہیں اور گھڑنے والے عموماً مشرکین کے خواص واکابر ہوتے ہیں۔ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ یہ کورانہ تقلید کرنے والے مشرکین کے عوام ہوتے ہیں۔ اور انہی کی تعداد بڑی ہوتی ہے۔ والمعنی ان الرؤساء یفترون علی الله الکذب فاما الاتباع والعوام فاکثرهم لایعقلون (کبیر) وف۳۱۹ یعنی حق وباطل کا معیار محض احکام خدا ورسول کو قرار دو۔ اپنے مزعومات ومظنونات کو شریعت کی کسوٹی پر کسو، پرکھو، جانچو۔ وف۳۲۰ (اور ہمیں کسی مزید تحقیق کی ضرورت نہیں) تقلید جامد جاہلوں کا سہارا ہر ملک اور ہر دور میں رہا ہے کسی صاحب علم کی تقلید اگر اس اعتماد پر کی جائے کہ وہ احکام شریعت کا ماہر ہے۔ تو یہ ممنوع نہیں بلکہ عین مطلوب ہے۔ لیکن آنکھ بند کر کے باپ دادا کی راہ پر اس لئے چلتے رہنا کہ وہ باپ دادا تھے۔ یہ اندھی تقلید محض معصیت ہی نہیں بلکہ بعض اوقات شرک تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اسی کا نام رسم پرستی ہے...... آج ہندوستان کی بڑی آبادی کے پاس نہ کوئی "کتاب" ہے نہ کسی "رسول" کی تعلیم محفوظ۔ بس رسوم کا ایک مجموعہ ہے۔ جو سینکڑوں، ہزاروں برس ہوئے ہاتھ آ گیا تھا۔ اور اسی طرح اندھا دھند اس کی پوجا ہوتی چلی آ رہی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ابطال ہے جاہل صوفیہ کے اس طریقہ کا کہ جب ان کے سامنے شریعت پیش کی جاتی ہے تو اس کے بجائے وہ اپنے مشائخ کے معمولات سے تمسک کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ وف۳۲۱ یعنی کیا ان کا یہ خیال جب بھی ہے جب ان کے بزرگ علم نہ رکھتے ہوں حقائق دین سے کسی شے کا اور ہدایت نہ رکھتے ہوں کسی کتاب الٰہی کے ذریعہ سے۔ وتقدیره وحسبهم ذٰلک ولو کان اٰباؤهم (کشاف) اَوَ میں و حالیہ ہے اور اس پر ہمزہ (ا) انکار کا داخل ہوا ہے واو الحال وقد دخلت علیها همزة الانکار (کشاف) وف۳۲۲ حکم افراد کو ہے کہ دوسروں کی فکر میں اتنا زیادہ کیوں گھلے جاتے ہو۔ مقدم فکر اپنی ہے۔ اپنے مطالبات دین ادا کئے جاؤ۔ تم پر دوسروں کی ذمہ داری نہیں تم سے پرسش تمہارے ہی احوال کی ہوگی۔ آیت میں ایک زبردست اصول یعنی شخصی ذمہ داری کا اثبات ہے۔ اور ان لوگوں کا ابطال ہے جو انفرادیت کو اجتماعیت میں گم رکھنا چاہتے ہیں۔ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ۔ یعنی اپنے نفس کی نگرانی اپنے اوپر لازم کر لو۔ معناه احفظوا انفسکم من المعاصی (قرطبی) عَلَيْكُمْ محاورہ میں جب صیغہ مخاطب میں آتا ہے تو اس کے معنی لازم پکڑ لینے کے ہوتے ہیں۔ صیغہ غائب وغیرہ میں نہیں آتا۔ تقول علیک زیدا بمعنی الزم زیداً ولا یجوز علیه زیداً بل انما یجری هذا فی المخاطبة (قرطبی) دوسروں کی بھی بہ قدر وسعت واستطاعت اصلاح شخصی مطالبات دین ہی میں شامل ہے۔ ان کے منافی نہیں۔ مقصود دوسروں کی اصلاح کے کام سے روکنا نہیں، صرف اس کے مبالغہ آمیز تخیل میں اعتدال پیدا کرنا ہے۔ مطلب یہ نہیں کہ دوسروں کو اچھی بری بات بتاؤ نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ دوسروں کی عیب چینی اور کھوج میں نہ پڑے رہو۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر تو بجائے خود ایک انفرادی فریضہ ہے اس کا سقوط مقصود نہیں۔ قال ابن خویز منداد تضمنت الاٰیة اشتغال الانسان بخاصة نفسه وترکه التعرض لمعایب الناس والبحث عن احوالهم بانهم لا یسالون عن حاله فلا یُسال عن حالهم (قرطبی) ومن الاهتداء اتباع امر الله فی انفسنا وفی غیرنا فلا دلالة فیها اذا علی سقوط فرض الامر بالمعروف والنهی عن المنکر (جصاص) اخبر ابوبکر رضی اللہ عنہ ان هذه الاٰیة لا رخصة فیها فی ترک الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وانه لا یضر ضلال من ضل اذا اهتدٰی هو بالقیام بفرض الله من الامر بالمعروف والنهی عن المنکر (جصاص)

فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰٓ أَنَّهُمَا ٱسْتَحَقَّآ إِثْمًا فَـَٔاخَرَانِ

پھر اگر خبر ہو جائے کہ وہ دونوں (وصی) حق بات دبا گئے ف۳۲۸ تو دو گواہ اُن کی جگہ

يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ ٱلَّذِينَ ٱسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ ٱلْأَوْلَيَٰنِ

اور مقرر ہوں اُن لوگوں میں سے جن کا حق دبا ہے (میت کے) قریب تر لوگوں میں سے ف۳۲۹

فَيُقْسِمَانِ بِٱللَّهِ لَشَهَٰدَتُنَآ أَحَقُّ مِن شَهَٰدَتِهِمَا

اور یہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی اُن دونوں کی گواہی سے زیادہ درست ہے

وَمَا ٱعْتَدَيْنَآ إِنَّآ إِذًا لَّمِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٠٧﴾ ذَٰلِكَ

اور ہم نے زیادتی نہیں کی ہے ورنہ بیشک ہم ہی ظالم ٹھیریں گے ف۳۳۰ یہ اس کا

أَدْنَىٰٓ أَن يَأْتُوا۟ بِٱلشَّهَٰدَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَآ أَوْ يَخَافُوٓا۟

قریب ترین (طریقہ) ہے کہ لوگ گواہی ٹھیک دیں یا اس سے ڈرے رہیں

أَن تُرَدَّ أَيْمَٰنٌۢ بَعْدَ أَيْمَٰنِهِمْ ۗ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَٱسْمَعُوا۟ ۗ

کہ ہماری قسمیں اُن کی قسموں کے الٹی پڑیں گی ف۳۳۱ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور سنتے رہو

وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْفَٰسِقِينَ ﴿١٠٨﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ

اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا ف۳۳۲ (اس دن سے ڈرو) جس دن اللہ

ٱللَّهُ ٱلرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَآ أُجِبْتُمْ ۖ قَالُوا۟ لَا عِلْمَ

پیمبروں کو جمع کرے گا ف۳۳۳ پھر اُن سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا تھا ف۳۳۴ وہ عرض کریں گے کہ ہم کو

لَنَآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ ٱلْغُيُوبِ ﴿١٠٩﴾ إِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَٰعِيسَى

علم نہیں، چھپی ہوئی باتوں کو خوب جاننے والا تو بس تو ہی ہے ف۳۳۵ (وہ وقت یاد میں رکھو) جب اللہ عیسیٰ ابن مریم سے

ٱبْنَ مَرْيَمَ ٱذْكُرْ نِعْمَتِى عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَٰلِدَتِكَ إِذْ

کہے گا کہ میرا انعام اپنے اور اپنی والدہ کے اوپر یاد کرو ف۳۳۶ جب کہ

ع ۱۴ ‏ وقف لازم

آیت کا ایک محمل یہ بھی ہے کہ انسان جب یہ دیکھ لے کہ وعظ و پند مطلق کارگر نہیں ہوتا بلکہ الٹا اس پر اور مضحکہ ہوتا ہے تو ایسے موقع پر چاہیے کہ سکوت سے کام لے اور بس اپنے ہی ذاتی عمل کی فکر میں لگا رہے۔ قیل الأیة فی اهل الاهواء الذین لا ینفعهم الوعظ فاذا علمت من قوم انهم لا یقبلون بل یستخفون ویظهرون فاسکت منهم (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی طریقہ ہے عارفین سالکین کا وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کر دینے کے بعد پھر کسی کے زیادہ درپے نہیں ہوتے۔ ف۳۲۳ (کہ حشر ہی اصلی وقت و مقام نتائج کے ظہور تام کا ہوگا) ف۳۲۴ قرآن محض ایک پندنامہ اخلاق نہیں قانون کی بھی کتاب ہے زندگی میں قانون اخلاق، خطابت سب ہی کی اپنی اپنی جگہ ضرورت پڑتی ہے اور قرآن نے جو مکمل ہدایت نامہ اور زندگی کا مکمل دستور العمل ہے۔ سب میں اپنی اپنی جگہ کام لیا ہے۔ اس جگہ قانون وصیت و وراثت کا بیان مختلف پہلوؤں سے آ رہا ہے۔ بَیْنِکُمْ۔ یعنی تمہارے آپس کے معاملات میں، مثلاً موت کے وقت ورثہ کو مال سپرد کرنے کے وقت۔ شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اصطلاح فن میں انہی کو وصی کہتے ہیں۔ اور انہی کے اقرار و اظہار کو گواہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں کوئی حکم نہیں مل رہا ہے۔ صرف بہ طور مشورۂ مناسب کے ارشاد ہو رہا ہے۔ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔ مِنْكُمْ یعنی مسلمان ہوں، تم میں ہوں، تمہارے غیر نہ ہوں، ان اوصیاء کا مسلمان اور عادل ہونا صرف افضل ہے۔ شرط لازم نہیں۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ وصی اگر دو نہ ہوں، یا ایک بھی نہ ہو، جب بھی وصیت جائز رہے گی۔ یہ آیتیں اپنی ترکیب نحوی وغیرہ کے لحاظ سے قرآن کے مشکل ترین مقامات میں سے ہیں اور یہ دشواری اس بے علم و کم سواد ہی کو نہیں محسوس ہوئی ہے، اکابر قدیم بھی کچھ ایسا ہی فرما گئے ہیں۔ هذه الأیات الثلاثة عند اهل المعانی من اشکل ما فی القرآن اعرابًا ومعنًی وحکمًا (قرطبی) وقال ابن عطیة هذا کلام من لم یقع له الثلج فی تفسیرها (قرطبی) اتفق المفسرون علی انها فی غایة الصعوبة اعراباً ونظماً وحکماً (کبیر) ف۳۲۵ یعنی اگر حالت سفر وغیرہ میں مسلمان اور عادل اوصیاء نہ مل سکیں، تو غیر مسلم گواہ بھی جائز ہیں۔ صحابہ اور تابعین اور فقہاء میں سے اکثر کا مذہب یہی ہے۔ مِنْ غَيْرِكُمْ۔ ضمیر للکافرین وهذا اشبه لبیان الأیة مع ما تقرر من الاحادیث وهو قول ثلاثة من الصحابة الذین شاهدوا التنزیل ابو موسی الاشعری وعبدالله بن قیس وعبد الله بن عباس رضی اللہ عنہ (قرطبی) هذا معنی الأیة علی مذهب ابی موسی الاشعری وسعید بن المسیب ویحیی بن یعمر وسعید بن جبیر وابی مجلزه وابراهیم وشریح وعبیدة السلیمانی وابن سیرین ومجاهد وقتادة والسدی وابن عباس وغیرهم وقال به من الفقهاء سفیان الثوری واختاره احمد بن حنبل کلهم یقولون منکم من المؤمنین ومعنی من غیرکم یعنی الکفار (قرطبی) ف۳۲۶ (ان اوصیاء کی دیانت و شہادت کے باب میں) خطاب یہاں وارثوں سے ہے۔ ف۳۲۷ شریعت اسلامی، جو انفرادی و اجتماعی ہر بشری ضرورت کی کفیل ہے، یہاں ایک اکثر پیش آ جانے والی ضرورت کا صحیح طریقہ تعلیم کر رہی ہے۔ ارشاد یہ ہے کہ مسلمان اگر اپنی موت کے وقت اپنا مال کسی کو حوالہ کرنا چاہے تو بہتر ہے کہ دو معتبر مسلمانوں کو گواہ کر جائے۔ لیکن گواہ اگر مسلمان نہ مل سکیں جیسا کہ حالت سفر وغیرہ میں اکثر اتفاق ہو جاتا ہے تو پھر دو غیر مسلموں ہی کو گواہ بنا لے۔ پھر اگر ان گواہوں کی دیانت ہی سے متعلق شبہ ہو جائے اور وارث اپنا دعوٰی ان کے بیان کے خلاف پیش کر دیں، لیکن گواہ نہ رکھتے ہوں تو اس وقت خود ان اوصیاء سے مؤکد بہ حلف بیان لیا جائے --- کب اور کہاں؟ بعد نماز کہ وہ وقت عموماً عظمت الٰہی کے استحضار کا ہوتا ہے۔ اور مسجد میں کہ خلق کے سامنے انسان عادۃً کذب بیانی سے شرماتا ہے۔ بَعْدِ الصَّلٰوةِ۔ نماز سے یہاں مراد عموماً نماز عصر لی گئی ہے، گو جائز ہر نماز کا وقت سمجھا گیا ہے۔ یرید صلاة العصر قاله الاکثر من العلماء وقیل ای صلاة کانت (قرطبی) ای صلاة العصر کما روی عن ابی جعفر وقتاده وابن جبیر وغیرهم وجوّزان تکون اللام للجنس ای بعد ای صلاة (روح) تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس سے مقصود قسم کی قوت اور اہمیت کو اور بڑھا دینا ہے، زمان متبرک اور مکان اجتماع خلق کی قید کے ساتھ۔ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى۔ انسان عموماً اور عادۃً عزیزوں قریبوں ہی کے نفع کا لحاظ کر کے جھوٹ بولنے اور جھوٹا حلف اٹھانے پر آمادہ ہو جاتا ہے --- خالق فطرت کا کلام ہے۔ فطرت بشری کے کیسے کیسے چھپے ہوئے چوروں کا لحاظ رکھا ہے۔ شَهَادَةَ اللّٰهِ۔ یعنی جس بات کے بیان کرنے پر ہم اللہ کی طرف سے مامور ہیں...... عظمت الٰہی کے استحضار اور خشیت قلب کے بیدار کرنے کے لئے قرآن مجید اسلوب بھی کیسے کیسے مؤثر اختیار کرتا ہے۔ یہاں محض شہادت کو شہادۃ اللہ سے تعبیر کر کے اس کی کتنی اہمیت بڑھا دی۔ ف۳۲۸ یعنی ظاہراً ان گواہوں کا کاذب و خائن ہونا معلوم ہو جائے۔ عُثِرَ عَلٰٓى۔ یعنی اگر اس کی خبر ہو گئی۔ اگر یہ کھل گیا۔ عثر علی کذا ای اطلع علیه (قرطبی) آیت کی ترکیب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے اہل زبان صحابی اور زجاج جیسے نحوی کو دشوار معلوم ہوئی ہے اور دوسرے مفسرین کرام کا ذکر ہی نہیں۔ قال عمر هذه الأیة اعضل ما فی هذه السورة من الاحکام وقال الزجاج اصعب ما فی القرآن من الاعراب (قرطبی) ف۳۲۹ اب مقدمہ کا رخ بدل گیا، اوصیاء جو پہلے مدعا علیہ تھے ورثہ کے مقابل، اب خود مدعی ہو گئے۔ اور ورثہ جو اوصیاء کی خیانت کا دعوٰی لے کر آئے تھے۔ اب مدعا علیہ بن گئے۔ یعنی فی الایمان اوفی الشهادة (قرطبی) يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا۔ اگر دو کے بجائے ایک ہی گواہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ۔ یعنی ان لوگوں میں سے جنہیں مال وصیت پہنچتا تھا۔ یعنی میت کے قریب تر اور مال کے وارث۔ روی عن سعید بن جبیر قال معنی الاولیان بالمیت یعنی الورثة (جصاص) الاقربان الی المیت (کبیر) اَوْلَيٰنِ آیت میں بدل

ہے فاخران سے۔ والمعنی عند اهل التفسیر من الذین استحقت علیهم الوصیة الاولیان بدل من قوله فاٰخران قاله ابن السری واختاره النحاس (قرطبی) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت سے ذمیوں کے آپس کے معاملات میں ان کے قبول شہادت کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ استدل ابو حنیفة بهٰذه الاٰیة علیٰ جواز شهادة الکفار من اهل الذمة فی ما بینهم قال ومعنیٰ او اٰخران من غیرکم ای من غیر اهل دینکم فدل علیٰ جواز شهادة بعضهم علیٰ بعض (قرطبی) ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ۔ ضرب فی الارض کے معنی محاورہ میں سفر کرنے کے آتے ہیں (مطلق ضرب کے معنی سفر کرنے اور چلنے کے نہیں جیسا کہ آج کل کے ایک نادان فرقہ نے اپنی تفسیروں میں لکھ دیا ہے بلکہ جب فعل ضرب کا صلہ فی کے ساتھ آئے، اس وقت یہ معنی ہو جاتے ہیں) ای سافرتم (قرطبی) پوری تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ ان انتم ضربتم فی الارض فاصابتکم مصیبة الموت فاوصیتم الی اثنین عدلین فی ظنکم ودفعتم الیهما ما معکم من المال ثم مُتم وذهبا الی ورثتکم بالترکة فارتابوا فی امرهما وادعوا علیهما خیانة فالحکم ان تحبسوهما من بعد الصلاة ای تستوثقوا منهما (قرطبی) اگر تم سفر کر رہے ہو اور اس حال میں تمہیں موت آگئی اور تم نے اپنے خیال میں دو معتبر شخصوں کو اپنا وصی مقرر کر کے مال ان کے سپرد کر دیا اور تمہاری وفات ہو گئی۔ اور دونوں وصی تمہارا ترکہ لے کر تمہارے وارثوں کے پاس گئے اور ان لوگوں کو ان گواہوں کے بیان میں شک پیدا ہوا اور ان دونوں پر انہوں نے دعویٰ دائر کر دیا تو اب چاہیے کہ نماز کے بعد ان دونوں گواہوں کو روک لو اور ان سے پوچھ پاچھ کر لو۔ ف۳۳۰ یہ سب تعلیم اس غرض سے مل رہی ہے کہ یہ گواہ بھی اپنی ذمہ داری کا خوب اچھی طرح احساس واستحضار کر لیں۔ وَمَا اعْتَدَيْنَا۔ یعنی ہم نے حق وصداقت سے ذرا تجاوز نہیں کیا ہے۔ نہ مال کے مطالبہ میں اور نہ اوصیاء پر الزام خیانت لگانے میں۔ ای ما اعتدینا فی طلب هٰذا المال وفی نسبتهم الی الخیانة (کبیر) ف۳۳۱ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تفسیری حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ یعنی وارثوں کو شبہ پڑے تو قسم دینے کا حکم رکھا۔ اس لئے کہ قسم سے ڈر کر اول ہی جھوٹ نہ ظاہر کریں۔ پھر اگر ان کی بات جھوٹ نکلے تو وارث قسم کھائیں، یہ بھی اسی واسطے کہ وہ قسم میں دغا نہ کریں، جانیں کہ ہماری قسم الٹی پڑے گی۔" (موضح القرآن) ذٰلِكَ۔ یعنی یہی قانون جو دو آیتوں میں بیان ہوا ہے۔ ای الحکم الذی ذکرنا والطریق الذی شرعنا (کبیر) عَلٰی وَجْهِهَا۔ یعنی مطابق حقیقت، بلا آمیزش۔ ای علیٰ حقیقتها من غیر تغییر لها (روح) اَوْ يَخَافُوْا...... اَيْمَانِهِمْ اور اس ڈر سے جھوٹی قسم کھانے سے رک جائیں۔ "اگر سپردگی مال زائد کی نہیں ہوئی تو قسم کھالیں اور اگر ہوئی ہے تو گناہ سے ڈر کر انکار کر دیں۔ یہ حکمت تو تحلیف اوصیاء میں ہے" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اور ہم کو خفیف ہونا پڑے گا، یہ حکمت تحلیف ورثہ میں ہے" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۳۳۲ یہ راہ ہدایت سے محرومی دنیا اور آخرت دونوں میں ان کے حصہ میں آتی ہے جو گویا نافرمانی کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہیں۔ اس عادی نافرمانی کا وبال یہ پڑتا ہے کہ نہ دنیا میں انہیں راہ راست پر چلنے کی توفیق ہوتی ہے اور نہ آخرت میں انہیں اس کا ثمرہ یا جنت نصیب ہوگی۔ ای لا یهدیهم الی حُجّة اوالی طریق الجنة (بیضاوی) وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ یعنی تقویٰ الٰہی پر نظر اپنے تمام معاملات میں رکھو اور ادائے شہادت میں بھی۔ وَاسْمَعُوْا۔ یعنی اللہ کے احکام کو سنتے اور مانتے رہو۔

ف۳۳۳ (مع ان کی امتوں کے) ذکر قیامت کے موقع کا ہے تقدیر کلام یوں ہے واتقوا یوم یجمع الله الرسل۔ بعض نے احذروا اور بعض نے اذکروا فرض کیا ہے، مقصود ہر صورت میں تخویف وتہدید ہے۔ قیل التقدیر واتقوا یوم یجمع الله الرسل عن الزجاج وقیل التقدیر اذکروا او احذروا یوم القیٰمة حین یجمع الله الرسل والمعنی متقارب والمراد التخویف والتهدید (قرطبی) ف۳۳۴ (ان امتیوں کی طرف سے) یعنی تمہاری دعوت آیا قبول کی یا رد کی؟ ماذا یہاں بماذا کے مرادف ہے۔ بای شیء اُجبتم (بیضاوی) قیل التقدیر بماذا اُجبتم (روح) امت کے نافرمانوں کے مواجہہ میں یہ مکالمہ بجائے خود ایک عذاب ان نافرمانوں اور سرکشوں کے حق میں ہوگا۔ انه اراد ان یفضحهم علی رءوس الاشهاد لیکون ذٰلک نوعًا من العقوبة لهم (قرطبی) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ کہا ہے کہ قرآن مجید کا ایک عام اسلوب بیان یہ ہے کہ احکام وشرائع کے مفصل بیان کے معاً بعد یا تو ذکر صفات الٰہی کا شروع کر دیا جاتا ہے یا حالات انبیاء کا، یا احوال قیامت کا، اور مقصود ان سب صورتوں میں ان احکام کی تعمیل کے لئے قلب کو زیادہ آمادہ کر دینا ہوتا ہے چنانچہ یہاں بھی یہی صورت ہے۔ اعلم ان عادة الله تعالیٰ جاریة فی هٰذا الکتاب الکریم انه اذا ذکر انواعًا کثیرة من الشرائع والتکالیف والاحکام اتبعها اما بالالٰهیات واما بشرح احوال الانبیاء اوبشرح احوال القیٰمة لیصیر ذٰلک موکدا لما تقدم ذکره من التکالیف والشرائع (کبیر) ف۳۳۵ یعنی ہمیں علم نہیں کہ ہمارے پیچھے انہوں نے کیا کیا یا یہ کہ ان کے واقعی عقائد کیا تھے؟ ہم تو اپنے سامنے ان کے صرف ظاہری اقوال واعمال کو جانتے تھے، باطن کا علم تو صرف تجھی کو ہو سکتا ہے اور جزا صرف انہی اصل عقائد پر طے گی۔ معناه لا علم لنا بباطن ما اجاب به اممنا لان ذٰلک هو الذی یقع علیه الجزاء (قرطبی) دوسری تفسیر اسی سے ملتی جلتی یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ جواب محض غلبہ خشیت سے ادا ہوگا۔ یعنی تیرے علم کامل ومحیط کے آگے ہمارا علم ہیچ ہے۔ جو کچھ ہمیں علم ہے بھی، خود اس کا بھی تو ہم سے عالم تر ہے۔ بعض صحابیوں اور تابعین سے یہی معنی مروی ہیں لاعلم لنا لانک تعلم ما اظهروا وما اضمروا ونحن لا نعلم الا ما اظهروا فعلمک فیهم انفذ من علمنا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) امام المفسرین ابن جریر طبری اور فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ واولی الاقوال بالصواب قول من قال معناه لا علم لنا الا علم انت اعلم به منا (ابن جریر) وهو الاصح (کبیر) دونوں تفسیروں کے درمیان کچھ زیادہ فرق نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تیسرے معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ ہمیں جو کچھ حاصل ہے وہ محض درجہ ظن کی چیز ہے اور آج جو کشف حقائق کا دن ہے محض ظن کام نہیں دے سکتا، آج تو علم ہی کام دے گا اور وہ بس تجھی کو حاصل ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس ذہول کی وجہ بعض نے تجلی جلال کے آثار ظہور کو بتایا ہے۔ ف۳۳۶ انعامات کا سرچشمہ صرف وہی ذات تبارک وتعالیٰ ہے۔ مسیح علیہ السلام اس کے صرف ایک انعام پائے ہوئے معزز ومقرب بندے ہیں اور والدہ مسیح علیہ السلام اس کی صرف ایک انعام پائی ہوئی معززہ ومقرب بندی۔ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ۔ عیسیٰ سے یاد دلا دیا گیا کہ وہی جو ایک عورت کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں نہ کہ ابن اللہ۔ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ۔ اس طریق تخاطب سے مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل اللہ کی اولاد میں ہونا بھی ایک نعمت وشرف ثابت ہوتا ہے۔

اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۗ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ

میں نے تمہاری تائید روح القدس (کے واسطہ) ۳۳۷ سے کی تھی تم آدمیوں سے کلام (ان کی) گود میں بھی کرتے تھے

وَ كَهْلًا ۚ وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ

اور بڑی عمر میں بھی ۳۳۸ اور جب کہ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل کی

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ

تعلیم دی ۳۳۹ اور جب تم مٹی سے پرندہ جیسی ایک شکل میرے حکم سے وجود میں

بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِىْ وَتُبْرِئُ

لاتے تھے پھر تم اُس کے اندر پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا ۳۴۰ اور تم مادرزاد

الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِىْ ۚ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى

اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کردیتے تھے اور جب تم مُردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا

بِاِذْنِىْ ۚ وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ

کرتے تھے ۳۴۱ اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے روک رکھا

اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ

جب تم اُن کے پاس روشن (نشانیاں) لے کر آئے تھے ۳۴۲ پھر اُن میں سے جو کفر اختیار کئے رہے وہ بولے کہ یہ تو

هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ

اور کچھ نہیں، ایک کھلا ہوا جادو ہے ۳۴۳ اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب میں نے حواریوں کو حکم دیا

اَنْ اٰمِنُوْا بِىْ وَ بِرَسُوْلِىْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا

کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے پیمبر پر، تو وہ بولے کہ ہم ایمان لے آئے اور آپ شاہد رہیے

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

کہ ہم (پورے) فرمانبردار ہیں ۳۴۴ اور (وقت قابل ذکر ہے) جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم

۳۳۷ مختلف انبیاء کی امتیازی شانیں بھی مختلف رہی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان امتیازی یہ تھی کہ آپ کو حضرت جبریل علیہ السلام کی تائید ایک درجہ خاص میں حاصل تھی۔ سورۂ آل عمران میں اس فقرہ اور لفظ روح القدس پر حاشیہ گزر چکے۔ ۳۳۸ اس پورے فقرہ پر حاشیے سورۂ آل عمران میں گزر چکے۔ ۳۳۹ حضرت عیسیٰ علیہ السلام براہ راست حق تعالیٰ کے شاگرد تھے جیسا کہ اور سب انبیاء ہوئے ہیں اور سب سے بڑھ کر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم۔ اَلْكِتٰبَ۔ یہاں بہ طور اسم جنس کے ہے۔ یعنی آسمانی کتابوں کی جنس۔ المراد منه جنس الكتاب (کبیر) الكتاب والحكمة لان المراد بهما جنس الكتاب والحكمة (کشاف) اَلْحِكْمَةَ۔ اَلتَّوْرٰىةَ۔ اَلْاِنْجِيْلَ۔ ان سب پر حاشیہ گزر چکے۔ ۳۴۰ ان سب معجزات پر حاشیے سورۂ آل عمران میں گزر چکے۔ معجزہ اصطلاح میں ہر اس خارق عادت کو کہتے ہیں جس کا ظہور پیمبر کے ہاتھ سے کافروں اور منکروں پر پیمبر کی تائید غیبی اور نصرت الٰہی کے اظہار کے لئے کرایا جاتا ہے۔ اور خارق عادت وہ واقعہ بھی ہے جو تکوینیات میں بندوں کے سمجھے اور قرار دیئے ہوئے کسی قاعدہ سے الگ ہو مثلاً عام قاعدہ بندوں کے مشاہدہ میں یہ آیا ہے کہ ہندوستان میں جون کے مہینہ میں تیز گرمی اور دسمبر میں تیز سردی پڑتی ہے۔ اب اگر کسی پیمبر کی دعا سے جون میں برف جمنے اور دسمبر میں لو چلنے لگے۔ تو یہ اس پیمبر کا معجزہ کہا جائے گا --- نیچر پرستوں یا منکرین معجزات کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ بندوں کے مشاہدہ و تجربہ کو خود قدرت کی طرف سے کسی مستقل قاعدہ یا قانون کا اعلان سمجھ بیٹھے اور دوسری غلطی یہ کہ قاعدوں اور قانون کو قانون ساز اور قاعدہ گر کی مرضی وارادہ سے بے نیاز، خود مستقل، مستمر، لایزال، حقیقتیں سمجھ بیٹھے۔ بِاِذْنِىْ۔ کی تکرار اس سارے سلسلۂ معجزات میں قابل غور ہے۔ جو کچھ بھی ہورہا تھا۔ بادی النظر میں کیسا ہی عجیب وغریب ہو، بہرحال تھا وہ اذن الٰہی قانون تکوینی ہی کی کسی نہ کسی دفعہ کے ماتحت۔ انما اعاد قوله باذنى تاكيدًا لكون ذٰلك واقعاً بقدرة الله وتخليقه لا بقدرة عيسىٰ وايجاده (کبیر) تَخْلُقُ۔ خلق کے معنی یہاں صورت بنانے کے ہیں۔ تخلق اى تصور (روح) اى تصوره وتشكله على هيئة الطائر (معالم) تَنْفُخُ فِيْهَا۔ میں ضمیر مونث هيئة کی طرف نہیں بلکہ كهيئة کے ک کی جانب ہے۔ الضمير للكاف لانها صفة الهيئة التى كان يخلق عيسىٰ ولا يرجع الى الهيئة المضاف اليها لانها ليست من خلقه (کشاف) ۳۴۱ ان سارے معجزوں پر بھی حاشیے سورۂ آل عمران میں گزر چکے۔ بِاِذْنِىْ کی تکرار ہر فقرہ میں بہت ہی قابل لحاظ ہے...... پیمبر کے سارے معجزات کی تہ میں کارفرما خالق کائنات ہی کا کوئی نہ کوئی قانون تھا۔ باذنى اى بفعلى ذٰلك عند دعائك (کبیر) ذكر الاذن فى هٰذه الافاعيل انما هو على معنى اضافة حقيقة الفعل الى الله تعالىٰ۔ (کبیر) ۳۴۲ یہ اشارہ ہے اس حقیقت تاریخی کی جانب ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کی کوشش بار بار کی تھی اور ہر دفعہ اس میں ناکام رہے تھے۔ انجیل بھی اس تذکرہ سے خالی نہیں۔ مثلاً ”انہوں نے اس کو مارنے کو پتھر اٹھائے مگر یسوع چھپ کر ہیکل سے نکل گیا“ (یوحنا ۸۔ ۵۹) ”انہوں نے پھر اس کے پکڑنے کی کوشش کی، لیکن وہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا“ (یوحنا ۱۰۔ ۳۹) بِالْبَيِّنٰتِ۔ بینات میں دلائل عقلی اور معجزات دونوں آگئے۔ اى الدلالات والمعجزات (قرطبی) اِذْ جِئْتَهُمْ ضمناً سہی تاہم ایک بار پھر یہ حقیقت معرض بیان میں آگئی کہ حضرت کا خطاب صرف بنی اسرائیل سے تھا۔ ملاحظہ ہوں سورۂ آل عمران کے حاشیے ۳۴۳ یہود کی جو قدیم ترین کتابیں ملتی ہیں یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ ہی کی لکھی ہوئی ان میں بھی آپ کے سحر پیشہ ہونے کی صراحت موجود ہے۔ اور اسی طرح ان کتابوں میں بھی جو اس بیسویں صدی عیسوی میں یہودی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ۔ سے مراد وہی یہود ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر تھے عام اس سے کہ وہ اسرائیلی انبیاء سابقین کو مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں۔ يعنى اللذين لم يومنوا بك وجحدوا بنبوتك (قرطبی) ۳۴۴ یا یہ کہ ”ہم پورے مسلم ہیں۔“ ”مسلم“ کا لفظ کوئی نو پیدا اصطلاح نہیں، انبیاء کے ماننے والے تو ہمیشہ اور ہر نبی کے دور میں مسلم ہی کہلائے ہیں۔ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ۔ حواری۔ پر حاشیہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا۔ وحی کا اطلاق عربی زبان میں بہت وسیع ہے۔ وحی کے معنی قلب میں القاء یا الہام کے بھی ہوتے ہیں۔ الوحى كل شى دللت به من كلام او كتاب او اشارة او رسالة (ابن قتیبہ) والوحى فى كلام العرب معناه الالهام...... اى الهمتهم وقذفت فى قلوبهم (قرطبی) المراد بذٰلك الوحى الالهام والالقاء فى القلب (کبیر) قيل المراد بالوحى اليهم الهامه تعالىٰ اياهم (روح) عن السدى يقول قذفت فى قلوبهم (ابن جریر) قيل المراد بهٰذا الوحى وحى الهام (ابن کثیر) وحی کے یہ معنی تو لیکر آگے کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن وحی کو امر کے مرادف ہی قرار دیا گیا ہے۔ قال ابو عبيدة اوحيت بمعنى امرت وقيل اوحيت هنا بمعنى امرتهم (قرطبی) وجاء استعمال الوحى بمعنى الامر فى كلام العرب كما قال الزجاج (روح) اس صورت میں صرف اتنا محذوف ماننا پڑے گا کہ ”اے عیسیٰ علیہ السلام تمہارے ذریعہ سے“ اى امرتهم فى الانجيل على لسانك (روح) يحتمل ان يكون المراد اذ اوحيت اليهم بواسطتك (ابن کثیر)

ف۳۴۵ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ۔ اس طرز خطاب سے صاف ظاہر ہے کہ حواری بھی آپ کو ابن مریم ہی سمجھتے تھے۔ ابن اللہ کا کوئی شائبہ بھی ان کے خیال میں نہ تھا۔ هَلۡ یَسۡتَطِیۡعُ رَبُّكَ۔ حواری بہرحال صاحب ایمان تھے۔ سوال سے ان کی مراد بقول مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کوئی امر، مثلاً اس کا خلاف حکمت ہونا، اس سے مانع تو نہیں! المراد من هذا الكلام استفهام ان ذلك هل هو جائز في الحكمة ام لا (کبیر) قيل هذه الاستطاعة على ما تقتضيه الحكمة والارادة فكانهم قالوا هل ارادة الله تعالىٰ وحكمته تعلقت بذلك او لا (روح) مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ۔ مائدہ کے معنی طعام کے بھی ہیں اور خوان طعام کے بھی۔ المائدة في المشهور الخوان الذى عليه الطعام وتطلق المائدة على نفس الطعام ايضاً (روح) المائدة الطبق الذى عليه الطعام ويقال لكل واحدة منهما مائدة (راغب) یہاں مراد کھانے ہی سے لی گئی ہے۔ قيل اتدعوا طعاماً (راغب) ف۳۴۶ یعنی بلاضرورت خرق عادت کی طلب وفرمائش آداب ایمانی کے بالکل خلاف ہے۔ اتقوا الله في تعيين المعجزة فانه جار مجرى التعنت والتحكم (کبیر) اتقوا الله من امثال هذا السؤال واقتراح الآيات (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں زجر ہے کہ اہل اللہ میں خوارق کو تلاش کیا جائے۔

هَلۡ يَسۡتَطِيۡعُ رَبُّكَ اَنۡ يُّنَزِّلَ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً

کیا آپ کا پروردگار اس کو جائز رکھتا ہے کہ ہم پر کھانا آسمان سے

مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۱۲﴾

اُتارے ف۳۴۵ (اس پر عیسیٰ نے) کہا کہ اللہ سے ڈرو! اگر ایمان رکھتے ہو ف۳۴۶

قَالُوۡا نُرِيۡدُ اَنۡ نَّاۡكُلَ مِنۡهَا وَتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُنَا وَنَعۡلَمَ

وہ لوگ بولے کہ ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور اپنے دلوں کو مطمئن کرلیں اور یقین کرلیں

اَنۡ قَدۡ صَدَقۡتَنَا وَنَكُوۡنَ عَلَيۡهَا مِنَ الشّٰهِدِيۡنَ ﴿۱۱۳﴾

کہ آپ ہم سے سچ بولے ہیں اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں ف۳۴۷

قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا

عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی کہ اے اللہ ف۳۴۸ اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ایک (خوان) طعام آسمان سے

مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوۡنُ لَنَا عِيۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا

ایسا اتار دے کہ وہ ہمارے لئے (یعنی) ہم میں سے اگلوں اور پچھلوں کے لئے ایک جشن بن جائے

وَاٰيَةً مِّنۡكَ‌ۚ وَارۡزُقۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾

اور تیری طرف سے ایک نشان ہو جائے تو ہمیں عطا کر اور تو ہی بہترین عطا کرنے والا ہے ف۳۴۹

قَالَ اللّٰهُ اِنِّىۡ مُنَزِّلُهَا عَلَيۡكُمۡ‌ۚ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بَعۡدُ مِنۡكُمۡ

اللہ نے فرمایا کہ وہ کھانا ضرور تم پر اتار دوں گا۔ لیکن پھر جو کوئی تم میں سے کفر اختیار کرے گا

فَاِنِّىۡۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۱۵﴾ ع

اسے سزا بھی وہ دوں گا کہ وہ سزا دنیا والوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا ف۳۵۰

وَاِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ

اور (وہ وقت بھی قابل یاد رکھنے کے ہے) جب اللہ فرمائے گا ف۳۵۱ کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے

ف۳۴۷ حواری اپنی صفائی میں یہ تقریر کررہے ہیں کہ سوال سے ہماری غرض کوئی بے ادبی نہیں مقصود صرف اس قدر تھا کہ نَاۡكُلَ مِنۡهَا۔ ہم اس آسمانی غذا سے کچھ کھائیں اور اس سے لذت وبرکت حاصل کریں۔ اكل تبرك (روح) وَتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُنَا۔ اور اس خرق عادت کے مشاہدہ سے ہمارا ایمان اور ترقی حاصل کرے۔ بازدياد اليقين كما قال عطاء (روح) وَنَعۡلَمَ۔ اور ہم مشاہدہ کی مزید قوت کے ساتھ یقین حاصل کرلیں۔ علم مشاهدة وعيان على ما قلمناه (روح) اَنۡ قَدۡ صَدَقۡتَنَا۔ کہ آپ اپنے دعویٰ نبوت میں بالکل سچے ہیں۔ اى انه قد صدقتنا فى ادعاء النبوة (روح) ونكون عليها من الشّٰهدين۔ اور اس کے بعد ہم دوسروں کے سامنے بھی گواہی دے سکیں کہ ہاں ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسا معجزہ دیکھا ہے اور اسی طرح ان کی ہدایت کا ذریعہ بھی بن جائیں۔ عند من لم يحضرها من بنى اسرائيل (روح) نُرِيۡدُ۔ ارادہ یا تو اپنے عام معنی میں ہے، یا شوق وتمنا کے معنی میں۔ والارادة اما معناه الظاهر اوبمعنى المحبة (روح) ف۳۴۸ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھ لیا کہ حواریوں کی غرض فاسد نہیں تو اب ان کے فرمائشی معجزہ کے لئے حضرت حق سے دعا ومناجات کی۔ ف۳۴۹ دعا کے الفاظ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا، وَارۡزُقۡنَا، وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ کس کس طرح عقیدۂ الوہیت مسیح پر ضرب لگانے والے ہیں۔ خوب خیال کرلیا جائے۔ اَللّٰهُمَّ اور رَبَّنَا دونوں میں الوہیت وربوبیت کا مکرر انتساب حق تعالیٰ کی جانب حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے ہے۔ عِيۡدًا۔ عید کہتے ہیں اس خوشی کو جو بار بار لوٹ کر آتی رہے۔ یعنی اپنے تہوار کا دن منالیں۔ العيد السرور العائد (کشاف) يستعمل العيد فى كل يوم فيه مسرة (راغب) اى يكون يوم نزولها عيداً (مدارک) لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا۔ یعنی ہم لوگ جو موجود ہیں ان کے لئے بھی اور جو ہمارے بعد آئیں ان کے لئے بھی۔ اى لاهل زماننا ولمن يجيىء بعدنا (روح) اٰيَةً مِّنۡكَ۔ ایک الٰہی نشان بن جائے میری پیمبری کا، کہ اس سے مومنین کا ایمان بڑھ جائے اور منکرین پر حجت قائم ہوجائے۔ اية كائنة منك دالة على كمال قدرتك وصحة نبوتى (روح) على صحة نبوتى (مدارک) مِنَ السَّمَآءِ۔ یہ لازمی نہیں کہ نزول آسمان ہی سے مراد ہے بلکہ صرف جہت آسمان سے بلندی ہی سے نزول بھی مراد ہوسکتا ہے۔ والمراد بها اما المحل المعهود وهو المتبادر من اللفظ واماجهة العلو (روح) ف۳۵۰ ایسی کھلی ہوئی حس ومشاہدہ میں آئی ہوئی نعمت کا انکار جس شدید درجہ کی ناشکر گزاری ہے۔ سزا بھی اسی درجہ میں شدید ملے گی۔ اجر ایمان کا دارومدار غیبیت پر ہے اور جو واقعہ سلسلہ اسباب عادیہ سے اس قدر الگ ہو، جیسا کہ بلا اسباب ظاہری بلکہ خلاف اسباب ظاہری، آسمان سے یا جہت آسمان سے تیار شدہ کھانے کا اتر آنا، نہایت یقین اور معمول سے زیادہ نمایاں معجزہ ہے، اتنے کھلے ہوئے خارق عادت سے ایمان پر انکار گویا غیب ہی نہیں، کہنا چاہیے کہ شہود کے بعد بھی انکار پر قائم رہنا ہے۔ جو جحود کی قبیح ترین شکل ہے۔ اور ایسے جرم کی سزا بھی شدت جرم ہی کی مناسبت سے شدید ترین ہوگی۔ اِنِّىۡ مُنَزِّلُهَا عَلَيۡكُمۡ۔ مفسرین کے ایک گروہ نے ان الفاظ سے یہ استنباط کیا ہے کہ نزول مائدہ ضرور واقع ہو کر رہا، لیکن مفسرین ہی کے دوسرے گروہ نے ان الفاظ کے ساتھ اس کی بھی قید لگادی ہے۔ یعنی ان سالتم اور نزول سے انکار بعض تابعین تک سے منقول ہے فقال مجاهد والحسن لم تنزل (معالم) ف۳۵۱ (قیامت کے دن) قال قتادة وابن جريج واكثر المفسرين انما يقول له هذا يوم القيامة (قرطبی) الجمهور على ان هذا السؤال يكون فى يوم القيامة (مدارک) قال سائر المفسرين انما يقول الله له هذا القول يوم القيامة (معالم)

لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

یہ کہہ دیا تھا کہ "خدا کے علاوہ مجھے اور میری والدہ کو بھی معبود بنا لو"؟ و۳۵۲

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ

(عیسیٰ) عرض کریں گے، پاک ہے و۳۵۳ تو، میرے لئے یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ میں ایسی بات کہہ دیتا

لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا

جس کا مجھے کوئی حق ہی نہ تھا اگر میں نے کہا ہوتا تو یقیناً تجھے اس کا علم ہوتا، و۳۵۴ تو جانتا ہے جو کچھ

فِيْ نَفْسِيْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ

میرے دل میں ہے، اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے، بیشک تو ہی تو ہے

عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ

پوشیدہ چیزوں کا خوب جاننے والا و۳۵۵ میں نے تو اُن سے کچھ بھی نہیں کہا تھا بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا،

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا

یعنی یہ کہ میرے اور اپنے پروردگار اللہ کی پرستش کرو و۳۵۶ میں ان پر گواہ رہا

مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ

جب تک میں اُن کے درمیان رہا پھر جب تو نے مجھے (دنیا سے) اُٹھالیا (جب سے) تو ہی ان پر

عَلَيْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ

نگران ہے اور تو تو ہر چیز پر گواہ ہے و۳۵۷ تو اگر انہیں عذاب دے

فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

تو یہ تیرے بندے ہیں و۳۵۸ اور اگر تو انہیں بخش دے تو بھی تو زبردست ہے،

الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ

حکمت والا ہے و۳۵۹ اللہ فرمائے گا آج وہ دن ہے جب سچوں کے کام

و۳۵۲ مسیح پرستی تو خیر موجودہ مسیحیت کے مرادف ہی ہے۔ لیکن مریم پرستی بھی مسیحی دنیا کا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں، دعائیں اس "خدائی کنواری" کو مخاطب کر کے کی جاتی ہیں، منذریں نیازیں ان کے نام پر کی جاتی ہیں۔ کیتھولک گرجاؤں میں قد آدم تصویریں ان کی لگی ہوتی ہیں جن کے آگے مراسم پرستش بجالائے جاتے ہیں۔ مریم پرستی پر مزید معلومات کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ سوال سے مقصود ظاہر ہے کہ استفہام واستفسار نہیں، بلکہ مسیح پرستوں اور مریم پرستوں پر مزید حجت قائم کرنا اور انہیں اور زیادہ خجل ولاجواب کرنا اور انہیں خود انہی کی نظر میں ذلیل کرنا ہے۔ ولیس ھو باستفھام ...... انه سالہ عن ذلک توبیخاً لمن ادّعٰی ذٰلک علیه لیکون انکارہ بعد السوال ابلغ فی التکذیب واشد فی التوبیخ والتقریع (قرطبی) و۳۵۳ (ہر قسم کی شرکت کی آلودگی سے، اور ہر ایسے انتساب سے جو تیری شان کے لائق نہ ہو) و۳۵۴ (میری مجال تھی کہ میں ایسا صریح کلمہ باطل زبان سے نکال سکتا) فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کے براہ راست ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ کا جواب براہ راست مَا قُلْتُ دینے اور یوں اپنی صفائی پیش کرنے کے بجائے اسے تمام تر علم الٰہی کے حوالہ کر دیا اور یہی مقام ادب وتواضع کے زیادہ مناسب بھی تھا۔ فلم یقل بانی ما قلت ھذا الکلام لان ھذا یجری مجری دعوی الطھارۃ والنزاھۃ والمقام مقام الخضوع والتواضع (کبیر) و۳۵۵ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ بالفرض میں نے کوئی ایسی بات کہی ہوتی تو وہ ضرور ہی تیرے علم میں ہوتی اور جب تیرے علم میں نہیں، تو ظاہر ہے کہ وہ سرے سے واقع ہی نہیں ہوئی۔ میرے ناقص ومحدود علم اور تیرے کامل وغیر محدود علم کا مقابلہ ہی کیا، میری ہر چھپی ہوئی چیز آپ تجھ پر روشن، لیکن تیری کوئی سی بھی چھپی ہوئی چیز مجھ پر روشن نہیں، اور ایک میرے ہی مغیبات پر کیا موقوف ہے، تجھ پر تو ہر غیب روشن ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ سے مقصود حق تعالیٰ کے علم محیط وکامل کا اثبات ہے۔ اور اس میں رد آ گیا بہت سی مشرک قوموں کے عقائد واہیہ کا۔ مَا فِيْ نَفْسِكَ۔ بعض اہل باطل نے حق تعالیٰ کی تجسیم نکالنا چاہی ہے، اور کہا ہے کہ نفس سے مراد شخص ہوتی ہے۔ لیکن جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اول تو نفس وذات مرادف ہیں۔ شخصیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ النفس عبارۃ عن الذات یقال نفس الشیٔ وذاته بمعنی واحد (کبیر) قال الزجاج النفس عبارۃ عن جملة الشیٔ و حقیقته یقول تعلم جمیع ما اعلم من حقیقة امری ولا اعلم حقیقة امرک (معالم) ای ذاتک فنفس الشیٔ و ھویته والمعنی تعلم معلومی ولا اعلم معلومک (مدارک) اور پھر نَفْسِيْ کے مقابلہ میں نَفْسِكَ لانا ہی بہ قاعدۂ مشاکلت عربی اسلوب بیان میں فصیح تر ہے۔ ذکر ھذا الکلام علی طریق المطابقة والمشاکلة و ھو من فصیح الکلام (کبیر) و۳۵۶ موجودہ انجیلیں بھی باوجود اپنی تثلیثی شرک کے اس توحیدی تعلیم کو مٹا نہ سکیں:۔ "یسوع نے اس سے کہا، اے شیطان دُور ہو، کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اُسی کی عبادت کر۔ تب ابلیس اس کے پاس سے چلا گیا اور دیکھو فرشتے آ کر اُس کی خدمت کرنے لگے" (متی۔ ۴: ۱۰، ۱۱) "یسوع نے جواب میں اُس سے کہا۔ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر، اور صرف اسی کی عبادت کر" (لوقا۔ ۴: ۸) اَنِ اعْبُدُوا میں ان مفسرۂ ای کے مرادف ہے۔ ان مفسرۃ بمعنی ای (مدارک) ان مفسرۃ (کبیر) حضرت کا یہ کلام آپ کی کمال عبدیت اور انتہائی عبودیت پر دلالت کر رہا ہے۔ آپ نے اس پیام توحید کو بھی براہ راست اپنی جانب منسوب نہیں کر دیا کہ میں انہیں یہ پیام دے آیا تھا۔ بلکہ یوں عرض کیا کہ میں تو وہی کہہ آیا تھا جس کا تو نے ہی حکم دیا تھا۔ پیام توحید بھی میری اپنی طرف سے نہ تھا، تیرے ہی ارشاد کی تعمیل یہ بھی تھی۔ و۳۵۷ آیت میں ایک بار پھر حضرت حق کے علم محیط وکامل کا اثبات ہے۔ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ۔ یعنی میں جب تک دنیا میں موجود رہا۔ میری اُمت کا حال میرے علم ومشاہدہ میں آتا رہا۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ۔ یعنی جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا۔ اُس کے بعد سے مجھے کچھ خبر نہیں۔ تَوَفَّيْتَنِيْ۔ یہ لفظ دونوں مفہوموں کو شامل ہے۔ زندہ آسمان پر اٹھا لیے جانے کو بھی اور دوبارہ اپنے وقت اصلی پر وفات کو بھی۔ المراد منه وفاۃ الرفع الی السماءِ (کبیر) ای قبضتنی بالرفع الی السماء کما یقال توفیت المال اذا قبضتهٗ وروی ھذا عن الحسن و علیه الجمھور (روح) و۳۵۸ (اور تو اُن کا مالک ومختار ہے۔ تو جو چاہے اُن کے ساتھ سزا کا معاملہ کرے۔ میں دخل دینے کی مجال نہیں رکھتا) و۳۵۹ تو اُن کی مغفرت ہی کر دینا چاہے تو کون تجھے روک سکتا ہے۔ تو سب پر غالب، الْعَزِيْزُ ہے۔ تیرا ارادہ سب پر حاکم ومقتدر لیکن تو اسی کے ساتھ الْحَكِيْمُ بھی تو ہے۔ تیرا کوئی فیصلہ خلاف حکمت ہو نہیں سکتا۔ تو کرے گا وہی جو تیرے آئین حکمت ومصلحت کے مطابق ہوگا۔ میں ایک بندہ ہو کر اس میں دخل دینے والا کون؟ یعنی انت قادر علی ما ترید، حکیم فی کل ما تفعل لا اعتراض لا حد علیک فمن انا والخوض فی احوال الربوبیة (کبیر) واضح رہے کہ یہ ساری گفتگو قیامت میں ہوگی۔ جہاں کافروں اور منکران دین حق کے لیے کوئی محل ہی شفاعت کا نہیں۔ یہیں سے یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس کلام میں اُن کے پیمبر جلیل القدر ہونے کے باوجود کوئی شائبہ شفاعت کا نہیں۔ بلکہ مقصود تمام تر اللہ کی طرف تفویض ہے۔ و مقصودہٗ منه تفویض الامور کلھا الی اللہ و ترک التعرض والا عتراض بالکلیة (کبیر) دلّ ذٰلک علی ان غرضه تفویض الامر بالکلیة الی اللہ تعالٰی و ترک التعرض لھٰذا الباب من جمیع الوجوہ (کبیر) ضمناً حضرت مسیح علیہ السلام کے اس کلام سے تردید بھی مسیحیوں کے اس عقیدہ کی نکل آئی کہ قیامت میں عدالت کا کام خدا کے نہیں، خدا کے بیٹے کے ہاتھ میں ہوگا، چنانچہ موجودہ انجیل میں ہے:۔ "باپ کسی کی بھی عدالت نہیں کرتا، بلکہ اُس نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کیا ہے" (یوحنا۔ ۵: ۲۲)

صِدۡقُهُمۡ ؕ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ

ان کا سچ آئے گا ۳۶۰ ان کے لئے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی،

خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا

اُن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اللہ اُن سے خوش رہا اور وہ اللہ سے

عَنۡهُ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ

خوش رہے، یہی بڑی کامیابی ہے ۳۶۱ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں

وَالۡاَرۡضِ وَمَا فِيۡهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

اور زمین کی اور جو کچھ اُن میں ہے اُس (سب) کی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۳۶۲

آیاتہا ۱۶۵ ۶ سُوۡرَةُ الۡاَنۡعَامِ مَكِّيَّةٌ ۵۵ رکوعاتہا ۲۰

اس میں ایک سو پینسٹھ آیتیں سورۂ انعام مکی ہے اور بیس رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ

ہر تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ

اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا، اس پر بھی جو کافر ہیں وہ اپنے پروردگار کے برابر (دوسروں کو)

يَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ ثُمَّ قَضٰٓى

ٹھہرا رہے ہیں ۱ وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر ایک وقت

اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنۡدَهٗ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ﴿۲﴾

مقرر کیا اور معین وقت اسی کے علم میں ہے پھر بھی تم شک رکھتے ہو ۲

۳۶۰ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد اوپر کے سب مکالمات ومخاطبات کے بعد ہوگا۔ الصّٰدِقِيۡنَ وہ ہیں جو دنیا میں عقائد صحیحہ واعمال صالحہ پر قائم رہے ہوں۔ المعنى ان صدقهم فى الدنيا ينفعهم فى القيامة (کبیر) اس کے تحت میں انبیاء کے علاوہ عام مومنین بھی داخل ہیں۔ ۳۶۱ ذٰلِكَ یہ بڑی کامیابی یا فوز عظیم کس چیز کو کہا گیا ہے! جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ اشارہ پوری آیت کی جانب، یعنی نعمت جنت اور نعمت رضوانِ الٰہی سب کی جانب ہے۔ الجمهور على ان قوله ذٰلک عائد الى جملة ما تقدم من قوله لهم جنات الى قوله و رضواعنه (کبیر) لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ اَلۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ کا تعلق صرف رضوانِ الٰہی سے ہے، جس کے مقابلہ میں جنت کی عام نعمتوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ و عندى انه يحتمل ان يكون ذٰلک مختصًا بقوله رضى الله عنهم و رضواعنه فانه ثبت عند ارباب الالباب ان جملة الجنة بما فيها بالنسبة الى رضوان الله كالعدم بالنسبة الى الوجود و كيف والجنة مرغوب الشهوة والرضوان صفة الحق و اىّ مناسبة بينهما (کبیر) امام موصوف تصوف کے بھی ذوق شناس تھے۔ خدا جانے خشک متکلم کیسے مشہور ہوگئے۔ خود بھی خشک متکلموں سے عاجز تھے۔ چنانچہ یہیں اپنا خیال لکھ کر فرماتے ہیں:۔ وهٰذا الكلام يشمئز منه طبع المتكلم الظاهرى ولكن كل ميسر لما خلق (کبیر) اَبَدًا۔ صراحت کے ساتھ یہ دوام اور ہدایت کی خوشخبری اہل جنت ہی کے حصہ میں آئی ہے۔ ورنہ اہل دوزخ کے لیے وعید صرف لفظ خلود کی حد تک ہے۔ اشارة الى الدوام (کبیر) ۳۶۲ مخلوقات پر حکومت وسلطنت جو کچھ ہے وہ خدائے واحد و یکتا کی ہے۔ نہ کہ کسی فرزند خدا یا مظہر خدا وغیرہ کی۔ مَا فِيۡهِنَّ۔ ما غیر ذوی العقول یا بے جانوں کے واسطے آتا ہے۔ اور من ذوی العقول کے لیے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سوال قائم کرکے کہ یہاں من کے بجائے ما کا استعمال کیوں ہوا ہے۔ جواب یہ دیا ہے کہ ساری مخلوقات اپنے مسخر ہونے کے اعتبار سے خالق کی قضا وقدرت کے آگے ایسی ہیں کہ جیسے اُن میں جمادات کی طرح نہ کوئی قوت ہے، اور نہ بہائم کی طرح عقل ہے۔ اللہ کی قدرت کے سامنے وہ گویا بے قدرت اور اللہ کے علم کے سامنے وہ گویا لاعلم ہیں۔ و لم يقل و من فيهن فغلب غير العقلاء على العقلاء والسبب فيه التنبيه على ان كل المخلوقات مسخرون فى قبضة قهره و قدرته و قضائه و قدره و هم فى ذٰلک التسخير كالجمادات التى لا قدرة لها و كالبهائم التى لاعقل لها فعلم الكل بالنسبة الى علمه كلا علم و قدرة الكل بالنسبة الى قدرته كلا قدرة (کبیر)۔

۱ جیسے عیسائی قوم میں مسیح علیہ السلام کو، روح القدس کو، مریم علیہا السلام صدیقہ کو۔ اور مشرک قومیں اپنے اپنے دیوی دیوتاؤں کو۔ خلق۔ یہاں ایجاد وابداع، یعنی نیست سے ہست کرنے کے معنی میں ہے۔ اى اخترع و اوجد وانشاء و ابتدع (قرطبی) اَلسَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ۔ یہ دونام ان چیزوں کے لیے دیئے گئے جنہیں اصطلاح فلسفہ میں جوہر کہتے ہیں۔ اَلظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ۔ یہ دونام ان چیزوں کے لیے دیئے گئے۔ جنہیں اصطلاح فلسفہ میں عرض کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اس کائنات میں جوہر ہو یا عرض ہر چیز کا بلا استثناء خالق وفاطر وہی ایک ہے۔ کوئی شے اس کے لئے غیر مخلوق نہیں۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ۔ بیسیوں مشرک قوموں نے آسمان اور زمین کو دیوی دیوتا تسلیم کیا ہے۔ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ۔ مجوس یہ خصوصاً مجوس نے نور وظلمت کو مظہر الوہیت مانا ہے۔ اور ان کے خالق الگ الگ مانے ہیں۔ جَعَلَ یہاں خَلَقَ کا مرادف ہے اور اسی لئے صرف ایک مفعول کے ساتھ آیا ہے۔ قال النحاس جعل بمعنى خلق و اذا كانت بمعنى خلق لم تتعد الاّ الى مفعول واحد (قرطبی) اَلظُّلُمٰتِ کے صیغہ جمع اور اَلنُّوۡرَ کے صیغہ واحد میں اشارہ اس طرف ہے کہ گمراہیاں ایک نہیں، بہت سی ہوسکتی ہیں۔ اور راہ حق صرف ایک ہی ہے۔ دونوں نقطوں کے درمیان خطوط منحنی بے شمار ہوسکتے ہیں۔ خط مستقیم ایک ہی ممکن ہے۔ ثُمَّ یہاں "اس کے باوجود" یا "اس پر بھی" کے معنی میں ہے۔ قال ابن عطية ثم دالة على قبح فعل الكافرين (قرطبی) الفائدة فيه استبعادان يعدلوا به بعد وضوح ايات قدرته (کبیر) اَلۡحَمۡدُ۔ حمد پر مفصل حاشیہ شروع سورۂ فاتحہ میں گزر چکا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ذیل میں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ خودستائی بندوں کے حق میں عیب ہے، لیکن جس نے حمد الٰہی کے حکم کو اللہ کے حق میں عیب سمجھا، اس نے اللہ کو بندوں پر قیاس کیا۔ اور معتزلہ کے اکثر خیالات کی بنیادی واساسی غلطی یہی ہے۔ دلّ هٰذا على انه لا يمكن قياس الحق على الخلق فكما ان هٰذا قبيح من الخلق مع انه لا يقبح من الحق فكذٰلک ليس كل ما يقبح من الخلق وجب ان يقبح من الحق وبهٰذا الطريق وجب ان يبطل كلمات المعتزلة فى ان ما قبح منّا وجب ان يقبح من الله (کبیر) اسی ضمن میں امام موصوف نے یہ اصل بھی درج کیا ہے کہ جس طرح افعال خلق پر افعال حق کو نہیں قیاس کیا جاسکتا، اسی طرح صفات خلق پر صفات حق کو اور ذوات خلق پر ذات حق کو نہیں قیاس کیا جاسکتا (کبیر) اللہ اسم ذات ہے، اور خالق، جاعل، رب اسماء صفات۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حمد کو پہلے اسم ذات کے ساتھ متعلق کرنے اور پھر صفات خاصہ کے ساتھ موصوف کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ حمد کا استحقاق حق تعالیٰ کو بحیثیت ذات بھی ہے اور بحیثیت صفات بھی (من حيث الذات کے معنی نفی صفات کے نہیں بلکہ صرف یہ کہ اس وقت صفات کی طرف التفات نہیں) ۲ (مسئلہ بعث بعد الموت میں) خَلَقَكُمۡ۔ ضمیر مخاطب نوع انسانی کی جانب ہے۔ ثُمَّ اَنۡتُمۡ۔ یعنی اتنے کھلے ہوئے دلائل کے باوجود بھی۔ معناه ان بعد ظهور مثل هٰذا الحجة الباهرة انتم تمترون (کبیر) قَضٰٓى اَجَلًا۔ وقت مقرر کیا سب کی موت کا۔ بقضاء الدنيا قاله ابن عباس ومجاهد (قرطبی) قال الضحاک اجلاً فى الموت (قرطبی) اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنۡدَهٗ۔ یعنی یہ دوسرا معین وقت اسی کو معلوم ہے۔ اس سے مراد وقت بعث ہے۔ قال ابن

عباس ومجاهد لابتداء الأخرة (قرطبی) قال الضحاک لاجل القیامة (قرطبی) تَمْتَرُوْنَ یعنی وہم پیدا کر کر کے کج بحثی کیا کرتے ہو۔ التماری المجادلة علی مذهب الشک (قرطبی) ف۳ (نہ یہ کہ زمین کے دیوتا اور ہوں اور آسمان کے اور) اس میں رد آ گیا بہت سی مشرک قوموں کی اس بنیادی گمراہی کا کہ ہر عالم کے خدا یا دیوتا الگ الگ ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ شبہ نقل کر کے کہ اس سے حق تعالیٰ کی تجسیم ثابت ہوتی ہے۔ اس کے متعدد جوابات دیے ہیں۔ جوابات اپنی جگہ پر بالکل کافی بلکہ شافی ہیں۔ لیکن جو بنیادی حقیقت یہاں عرض کی گئی، یہ پیش نظر ہو، تو آگے کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ فِی السَّمٰوٰتِ اور فِی الْاَرْضِ میں فی سے یہ مراد ہی نہیں کہ اللہ آسمانوں یا زمین "میں" کہیں بیٹھا ہوا ہے۔ بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین سب کا خدا وہی ایک ہے، نہ یہ کہ ہر عالم کے دیوتا الگ الگ ہوں۔ فی کا ترجمہ آیت میں اگر بجائے "میں" کے "کا" سے کیا جائے تو شبہ کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے۔ ف۴ (اور اسی علم پر مدار جزاء ہے) یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ۔ یعنی اس کا علم محیط و کامل تمہارے ظاہر و باطن سب کو شامل ہے۔ اس میں رد آ گیا اس مشرکانہ عقیدہ کا کہ بہت سے مخفیات خدا کے علم سے بھی باہر رہ جاتے ہیں۔ ف۵ ان نشانیوں میں تشریعی اور تکوینی دونوں قسم کے آیات الٰہی آ گئے۔ یعنی ایک طرف ادیان حق کا ظہور اور ان کے پیام و تعلیمات اور دوسری طرف ان کے معجزات اور قحط و زلزلہ وغیرہ تخویفی آیات۔ مُعْرِضِیْنَ۔ اعراض کے معنی ہیں ترک التفات کے وَمَا تَاْتِیْهِمْ ضمیر جمع غائب کافروں اور منکروں کی جانب ہے۔ مِنْ اٰیَةٍ۔ مِنْ استغراق جنس کے لئے ہے۔ یعنی کوئی سی بھی نشانی ہو۔ من لاستغراق الجنس (قرطبی) مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ۔ مِنْ تبعیض کے لئے ہے من للتبعیض (قرطبی) ف۶ الحق سے مراد قرآن مجید ہے۔ صاحب قرآن سے بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یعنی القران وقیل محمدا علیه السلام (قرطبی) یعنی خدائی نشانیوں کی تکذیب تو ان کا شعار ہی ہو چکی ہے اس لئے حسب عادت انہوں نے قرآن کو بھی جھٹلایا۔ ف۷ یعنی عذاب الٰہی ان پر واقع ہو کر رہے گا۔ والمراد بالانباء وهی الاخبار العذاب (قرطبی) المراد بالانباء لا نفس الانباء بل العذاب الذی انبأالله تعالیٰ به (کبیر) عذاب سے مراد جنگ بدر میں شکست وغیرہ ہے۔ جو مشرکین عرب کو دنیا ہی میں نصیب ہوئی۔ والمراد ما نالهم یوم بدر ونحوه (قرطبی) یحتمل ان یکون عذاب الدنیا وهو الذی ظهر یوم بدر (کبیر) عذاب آخرت بھی مراد ہو سکتا ہے۔ قیل یوم القیامة (قرطبی) ویحتمل ان یکون عذاب الأخرة (کبیر) ف۸ (اے اہل عرب) مراد قرآن کے مخاطبین اول ہیں۔ کَمْ اَهْلَكْنَا۔ یعنی اپنے عذاب سے ہلاک کر دیا۔ مَكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ۔ تمکین فی الارض کے تحت میں ہر قسم کا غلبہ و اقتدار شامل ہے۔ ف۹ اس نص نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ کوئی قوم اگر سرکشی کے مرض میں مبتلا ہے تو اس کی ظاہری خوشحالی اور مادی فارغ البالی اسے ہلاکت کے انجام سے نہیں روک سکتی۔ السَّمَآءَ۔ یہاں بارش کے معنی میں ہے۔ یرید المطر الکثیر (قرطبی) ای المطر والسحاب (بیضاوی) ای المطر کما روی عن هرون التیمی ونسب الی ابن عباس رضی اللہ عنہما (روح) یرید الغیث والمطر (کبیر) اَرْسَلْنَا۔ ارسال کا ترجمہ یہاں "برسانے" ہی سے صحیح ہو گا۔ الارسال والانزال متقاربان فی المعنی (بحر) تَحْتِهِمْ۔ یعنی ان کے باغوں اور بستیوں میں۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کی سرزمینیں خوب گل و گلزار اور خوب شاداب و سرسبز ہیں۔ ای من تحت اشجارهم ومنازلهم (قرطبی) والمراد منه کثرة البساتین (کبیر) مِدْرَارًا۔ یعنی خوب کثرت سے یا لگاتار۔ دالة علی التکثیر کمذکار للمراة التی کثرت ولادتها للذکور (قرطبی) هو للمبالغة فی اتصال المطر و دوامه وقت الحاجة (بحر) المدرار الکثیر الدر یقال سحاب مدرار اذا تتابع امطاره (کبیر)

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ

اور وہی (ایک) اللہ آسمانوں میں ہے اور زمین میں (بھی) ف۳ وہ تمہارے پوشیدہ (حال) کو بھی جانتا ہے

وَجَهْرَكُمْ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳ وَ مَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ

اور ظاہر (حال) کو بھی اور جو کچھ تم کرتے رہتے ہوئے ہے بھی وہ جانتا ہے، ف۴ اور جو نشانی بھی اُن کے پاس

اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴

ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے آتی ہے وہ اُس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں ف۵

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ

سو انہوں نے (کلام) حق کو بھی جھٹلایا جب وہ اُن کے پاس آیا ف۶ سو عنقریب ہی انہیں خبر معلوم

اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ

ہو جائے گی اُس چیز کی جس کے بارے میں وہ تمسخر کیا کرتے تھے ف۷ کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان کے قبل

اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا

کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، جنہیں ہم نے روئے زمین پر وہ قوت دے رکھی تھی جو

لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪

تمہیں نہیں دی ہے ف۸ اور ہم نے اُن پر خوب کثرت سے بارش برسائی

وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

اور ہم نے اُن کے نیچے نہریں بہائیں، پھر ہم نے انہیں اُن کے گناہوں کے باعث

بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۶ وَلَوْ

ہلاک کر ڈالا اور ہم نے اُن کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا ف۹ اور اگر

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ

ہم آپ پر کوئی نوشتہ کاغذ پر (لکھا ہوا) نازل کرتے اور اس کو یہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے

لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦

جب بھی جن لوگوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے یہی کہتے کہ یہ تو بس ایک کھلا ہوا جادو ہے ف۱۰

وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا

اور یہ کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا ف۱۱ حالانکہ اگر ہم کوئی فرشتہ اُتار دیتے

لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ⑧ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا

تو قصہ ہی ختم ہو جاتا اور اُن کو ذرا مہلت نہ ملتی ف۱۲ اور اگر ہم اُس کو فرشتہ ہی تجویز کرتے

لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨

تو اُسے بھی آدمی ہی بناتے اور اُن پر (پھر) وہی اشتباہ ڈالتے جس اشتباہ میں وہ اب (پڑے ہوئے) ہیں ف۱۳

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ

اور آپ سے پہلے بھی پیمبروں کے ساتھ تمسخر کیا گیا ہے پھر اُن لوگوں کو

سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ قُلْ

جو اُن (پیمبروں) کی ہنسی اُڑاتے تھے اسی (عذاب) نے آگھیرا جس پر وہ تمسخر کیا کرتے تھے ف۱۴ آپ کہیے کہ

سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

زمین پر چلو پھرو، پھر دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا

الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلْ

کیا انجام ہوا ف۱۵ آپ کہیے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے یہ (سب) کس کی ملک ہے؟ کہہ دیجیے

لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ

کہ اللہ (ہی) کی ہے ف۱۶ اُس نے اپنے اوپر رحمت لازم کرلی ہے ف۱۷ یقیناً تمہیں اکٹھا کرے گا

الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا

قیامت کے دن، اُس کے باب میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنے کو گھاٹے میں کر رکھا ہے وہ ایمان نہیں

ع ۱۰

ف۱۰ (تو یہ حالت ان کے شدت ضد وعناد کی ہے!) مطلب یہ ہوا کہ ان کو تو قرآن واسلام سے اس قدر ضد وعداوت ہے کہ قرآن مجید بذریعہ وحی قلبی نہیں، بلکہ ایک لکھی لکھائی مادی کتاب کی شکل میں آسمان سے اتر آئے اور یہ لوگ اپنی آنکھ سے اسے اترتا ہوا دیکھ بھی لیں، بلکہ اسے ہاتھ سے چھوکر، ٹٹول کر بھی اپنا پورا اطمینان کرلیں جب بھی یہ اس کی تصدیق نہ کریں گے، بلکہ یہی کہنے لگیں گے، کہ یہ تو نظر بندی وغیرہ سے ہم کو فریب میں مبتلا کیا جارہا ہے!۔۔انسان جب قبول حق کا ارادہ ہی نہ کرے بلکہ اس کی مخالفت کو اپنے دل میں اتار لے۔ تو ہر دلیل اس کے سامنے بے کار وغیر مؤثر ہی رہے گی۔ سچ فرمایا ہے عارف رومی صاحب مثنوی رحمۃ اللہ علیہ نے۔ یک کس نامستمع ز ستیز ورد صد کس گوینده را عاجز کند مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں معاند کے حال کا بیان ہے کہ وہ کسی طرح منتفع نہیں ہوتا۔ اسی لیے اہل طریق اس کے درپے نہیں ہوتے۔ ف۱۱ بشر محض کا رسول ہونا منکرین کی سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ اوتار مان سکتے تھے، مظہر خدا مان سکتے تھے۔ فرزند خدا مان سکتے تھے۔ دیویوں، دیوتاؤں کے، خدا کی بیٹیوں کے وجود کے قائل ہوسکتے تھے۔ لیکن بشر کی رسالت کو ان کا دماغ کسی طرح قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ برابر ان کی طرف سے مطالبہ ''مافوق البشریت'' کا ''خارق عادت'' کا ہوتا رہتا تھا۔ کوئی آسمانی فرشتہ ان پیمبر کے ساتھ لگا رہے۔ جب جاکر یہ ان کی پیمبری کے قائل ہوں۔۔۔ حالانکہ قائل جب بھی نہ ہوتے! قَالُوْا۔ یہ کہنے والے کون تھے؟ مشرکوں ہی کا کوئی گروہ تھا۔ و ظاهر الأية يقتضي انها في كفار العرب (بحر)۔ ف۱۲ یعنی فرشتہ کا نزول دنیا میں اس طرح کہ وہ کافروں تک کو آنکھ سے نظر آجائے۔ یہ تو دستور الٰہی میں عین وقوع عذاب کے وقت ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر مہلت کا امکان ہی کہاں ہے؟'' آیت قاہرہ اور پھر وہ بھی فرمائشی نازل ہونے کے وقت نہ ماننا حسب عادت الٰہیہ موجب اہلاک فوری ہے''۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ان سنة الله جارية بان عند ظهور الأية القاهرة ان لم يومنوا جاء هم عذاب الاستيصال (کبیر) قُضِيَ الْاَمْرُ۔ قضاء امر سے مراد عذاب الٰہی کا واقع ہو جانا ہے۔ قال الحسن و قتادة لاهلكوا بعذاب الاستيصال (قرطبی) اى لاتم امر اهلاكهم (روح) قال ابن عباس و قتاده والسدى لقضى الامر بعذابهم (بحر) اس احقر کے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ ایسے کھلے ہوئے معجزات کے بعد تو اس عالم ناسوت کے گویا حجابات اُٹھے جاتے ہیں اور غیبت کے پردہ کے بجائے مواجہہ گویا شہود کے میدان کا ہو جاتا ہے۔ جو عالم برزخ ہی کا دوسرا نام ہے۔ عالم برزخ کشف حقائق کا محل ہے۔ اور کافروں کی اصل حقیقت چونکہ معذب ہی ہونا ہے۔ اس لیے اس طاری شدہ عالم برزخ کے وجود میں آتے ہی اس حقیقت کا ظہور اور عذاب کا ترتب لازمی ہو جاتا ہے۔ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ۔ ثم یہاں اظہار اشدیت کے لیے ہے۔ یعنی عذاب تو واقع ہو ہی گا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مہلت بھی ذرا نہ ملے گی۔ فی الفور واقع ہو جائے گا۔ گویا شدت عذاب سے بھی بڑھ کر اس کا فوری وقوع ہے۔ و معنى ثم ما بعد ما بين الامرين قضاء الامر و عدم الانظار جعل عدم الانظار اشد من قضاء الامر لان مفاجاة الشدة اشد من نفس الشدة (کشاف) ف۱۳ اور یہ لوگ اس انسان نما فرشتہ کے باب میں بھی وہی اشکالات اور احتمالات اور وہی کج بحثیاں پیدا کرتے اور وہی کٹھ حجتی نکالتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کر رہے ہیں۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ۔ اس کو یعنی اس بھیجی ہوئی ہستی کو۔ اى لجعلنا الرسول ملكاً (بحر) الضمير للنذير المحدث للناس (روح) مَلَكًا۔ فرشتہ یعنی وہ نورانی ہستی جسے انسان نہ اپنے عام ومعروف حواس سے دیکھ سکتا اور نہ اُس کے ملکات کے لحاظ سے اُس کا اتباع کرسکتا ہے۔ لَجَعَلْنٰهُ رَجُلًا۔ یعنی اُسے بھی شکل وجسم کے لحاظ سے انسان ہی بناتے کہ تم اُسے اپنی ان آنکھوں سے دیکھ تو سکتے۔ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ۔ اشتباہ کا اسناد حق تعالیٰ کی جانب محض تکوینی طور پر اور بہ طور مسبب الاسباب کے ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ سانپ کے زہر کا بھی خالق ہے، بیماری کا بھی خالق ہے، ہر دکھ، درد کا خالق ہے۔ یہاں تک کہ شیطان کا بھی خالق ہے۔ قال لبسنا بالاضافة الى نفسه على جهة الخلق (قرطبی) ایمان نام ہے قلب کی ایک کیفیت اختیاری کا، باقی کوئی ایسا معجزہ قوی کا سامنے آجانا جس سے انسان ایمان لے آنے پر مجبور ہو جائے۔ جیسے کہ فرشتہ کو اس کی اصلی شکل پر دیکھ لینا، تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ایمان اختیاری باقی کہاں رہا؟ ایمان تو معتبر جبھی تک ہے، جب تک ایمان بالغیب ہے۔ جب انکشاف وشہود شروع ہو گیا تو ایمان مطلوب کا سوال ہی نہ رہا۔ رَجُلًا۔ رجل کے معنی مطلق انسان کے نہیں۔ بلکہ مرد یا جنس مذکر کے ہیں اور یہیں سے بعض مفسرین نے یہ نکالا ہے کہ رسالت عورت کے لیے نہیں، صرف مرد کے لیے مخصوص ہے۔ و فيه اشعار كما قال عصام الدين و غيره بان الرسول لا يكون امرأة و هو متفق عليه (روح) ف۱۴ (تو آپ اپنے زمانہ کے منکرین و مستہزئین کی مخالفت واستہزاء سے مغموم ومتفکر کیوں ہوں؟ یہ لوگ تو خود ہی اپنے کو دنیوی واُخروی عذاب کا مستحق بناتے جارہے ہیں) انبیاء قدیم کے ساتھ استہزاء اور اُس کی سزا کا ذکر توریت میں بھی جابجا ہے۔ مثلاً:۔ ''اور خرقیاہ نے سارے اسرائیل اور یہوداہ کو کہلا بھیجا اور افرائیم اور منسی کے پاس بھی نامے لکھ بھیجے۔۔۔۔۔۔ سو قاصد افرائیم اور منسی کے ملک میں زبلون تک شہر بہ شہر گزرتے پھرے لیکن وہ اُن پر ہنسے اور انہیں ٹھٹھے میں اُڑایا'' (۲۔ تواریخ۔ ۳۰: ۱۰) ''لیکن انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھے میں اُڑایا اور اُس کی باتوں کو ناچیز جانا اور اُس کے بیٹوں سے بدسلوکی کی، یہاں تک کہ خداوند کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا'' (۲۔ تواریخ ۳۶: ۱۶) ''انہوں نے ہم کو ٹھٹھے میں اُڑایا اور ہماری حقارت کی اور کہا یہ کیسا کام ہے کہ تم کرتے ہو'' (نحمیاہ۔ ۲: ۱۹) سَخِرُوْا۔۔۔۔۔ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ سخریہ اور استہزاء دونوں ایک ہی معنی میں آتے ہیں۔ هما متحدان معنًا و استعمالًا (روح) ف۱۵ اس میں تعلیم وترغیب ہے اس کی کہ انسان پچھلی تباہ شدہ قوموں کے حالات سے عبرت ونصیحت حاصل کرے اور بڑی بڑی مہذب وبااقبال سلطنتوں کے

آثار اور مٹے ہوئے کھنڈروں سے سبق لے...... نقطۂ نظر صحیح اور توحیدی ہو جائے تو مسلمان طالب علم کے لیے جغرافیہ، تاریخ اور اثریات ان سارے علوم کا مطالعہ عبادت بن سکتا ہے۔ هذا السفر مندوب اليه اذا كان على سبيل الاعتبار بآثار من خلا من الامم و اهل الديار (قرطبی) ثُمَّ انْظُرُوْا۔ امام رازی علیہ الرحمہ کی نکتہ رسی نے یہاں ایک عجیب نکتہ پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر یہاں فانظروا ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ اسی عبرت پذیری کی غرض سے سفر کرو۔ ثُمَّ انْظُرُوْا نے سفر کا دارومدار اُس نظر عبرت پر نہ رکھا، بلکہ زیادہ گنجائش پیدا کردی۔ اب سفر ہر جائز غرض کے لیے مباح ہے۔ اور عبرت پذیری کی غرض سے واجب۔ اما قوله سيروا في الارض ثم انظروا فمعناه اباحة السير في الارض للتجارة و غيرها من المنافع و ايجاب النظر في آثار الهالكين (کبیر) وف۱۶ (کہ اس جواب سے ان مشرکوں کو بھی مجال انکار نہیں، یہ تو جو کچھ گھبرا رہے ہیں۔ وہ اس اقرار توحید کے مضمرات اور تفریعات سے) مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی ساری فضائے کائنات کے اندر۔ اى لمن الكائنات جميعًا (روح) وف۱۷ (سو مشرکوں اور منکروں کو اب بھی موقع ہے کہ تائب ہو کر اس کے دامن رحمت کی پناہ میں آ جائیں) الرحمة لمن ترك التكذيب بالرسل و تاب و اناب (کبیر) خدائے اسلام کی صفت ذاتی تو یہی رحیمیت و رحمانیت ہے۔ باقی قہر و غضب جو کچھ ہے، اس کا ظہور تو محض عادی مجرموں کی جرم شعاری کی بنا پر ہوگا۔ کیسے ظالم و ناخدا ترس ہیں وہ مسیحی مشنری جنھوں نے قرآن کے خدا کو مہیب اور ڈراؤنا بنا کر پیش کیا ہے۔ نفسه۔ نفس سے یہاں مقصود نفس وجود ہے۔ اور وعدہ کی تاکید اور بجائے وسائط کے براہ راست و اصالۃً اپنی ہی طرف توجہ دلانا۔ و ذكر النفس هنا عبارة عن وجود و تاكيد وعده و ارتفاع الوسائط دونه (قرطبی) مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آیت اپنے اطلاق سے اس پر دال ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت سب کو عام اور شامل ہے۔ چنانچہ کوئی غضب ایسا نہیں جس میں کچھ رحمت شامل نہ ہو۔ اور رحمتیں بہت سی ایسی ہیں جن میں ذرا غضب نہیں۔ وف۱۸ یہ پیش خبری اُن کے حق میں ہے، جنھوں نے اپنی صلاحیت ایمان تک کو ضائع کر دیا ہے۔ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی وہ لوگ جنھوں نے قبول حق سے قصداً انکار کر کے اپنی صلاحیتوں کو اپنے ہاتھوں سوخت کر دیا ہے۔ بتضييع راس مالهم و هو الفطرة الاصلية والعقل السليم (بیضاوی) الى یہاں فی کے معنی میں ہے۔ قيل الى بمعنى في (قرطبی۔ کبیر) لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ یعنی جمع تو کرے گا قیامت کے دن اور زندگی بھر اپنی اُس رحمت کے اقتضاء سے تمھیں مہلت دے رکھی ہے۔ لِ قسم کا ہے اور ن تاکید کا۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ ضمیر یوم کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اور اس یوم میں جمع کیے جانے کی طرف بھی۔ في اليوم او الجمع (بیضاوی) اى جمعًا لاريب فيه (روح) فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ ف نے اسے صاف کر دیا کہ ان کا یہ عدم ایمان نتیجہ ہوگا خود اُن کی ارادی غفلت و اعراض عن الحق کا۔ والفاء للدلالة على ان عدم ايمانهم مسبب عن خسرانهم فان ابطال العقل باتباع الحواس والوهم والانهماك في التقليد و اغفال النظر ادى بهم الى الاصرار على الكفر والامتناع من الايمان (بیضاوی) وف۱۹ صفت السمیع کا تعلق انسان کے ظاہر اور اقوال سے ہے۔ صفت العلیم کا تعلق انسان کے باطن اور احوال قلب سے ہے۔ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ابھی اُوپر ما في السموٰت والارض میں سارے موجوداتِ کائنات کا ذکر وجود مکانی کے اعتبار سے آ چکا ہے۔ اب ذکر وجود زمانی کے اعتبار سے ہے۔ موجودات کے لیے ظرف دو ہی ہیں۔ ظرف مکان و ظرف زمان۔ ظرفیت مکانی کا ذکر ابھی آ چکا تھا۔ ظرفیت زمانی کا ذکر اب آ گیا۔ ليس المراد من هذا السكون ما هو ضد الحركة بل المراد السكون بمعنى الحلول كما يقال فلان يسكن بلد كذا اذا كان محله فيه (کبیر) یہ سکون حرکت کی ضد نہیں، بلکہ حرکت کو شامل ہے۔ اور محض استقرار کے معنی میں ہے۔ معناه هدأ واستقر والمراد ما سكن و ما تحرك فليس المراد بالسكون ضد الحركة بل المراد الخلق (قرطبی) اور اس طرح ظرفیت کے لحاظ سے احاطہ کامل ہو گیا۔ ذكر في الآية الاولى السموٰت والارض اذ لامكان سواهما و في هذه الآية ذكر الليل والنهار اذ لازمان سواهما فاخبر سبحانه انه مالك للمكان والمكانيات و مالك للزمان والزمانيات و هذا بيان في غاية الجلالة (کبیر۔ عن ابی مسلم) وف۲۰ (جیسا کہ بدبخت مشرکوں نے قرار دے لیا ہے) فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمان و زمین اور ساری کائنات کو محض اپنے ارادہ سے بغیر رُوح، مادہ، ہیولیٰ کے سہارے کے نیست سے ہست میں لانے والا۔ فاطر کا لفظ اس ساری مشرک و نیم مشرک قوموں کی تردید کر رہا ہے۔ جو اللہ کو محض ایک صانع کی حیثیت دیتے ہیں۔ فاطر کے معنی مبدع کے ہیں اور فعل فطر ابتداء کرنے کے لیے آتا ہے۔ فطر اى ابدع و فطرنا اى ابدعنا و اوجدنا (راغب) و عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال ما عرفت فاطر السموٰت حتى اتاني اعرابيان يختصمان في بئر فقال احدهما انا فطرتها اى ابتداتها (کبیر) اى خالقها و مبدعها و مبتدئها (معالم) السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمان و زمین کا خصوصیت سے نام لینے کی ایک وجہ تو ظاہر ہی ہے کہ بادی النظر میں کائنات کی عظیم ترین مخلوقات یہی ہیں، دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی مشرک قوموں نے انھیں دیوتا ضرور تسلیم کیا ہے۔ یہاں گویا مشرکوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ تم جنھیں معبود مان رہے ہو، اللہ ان کا بھی خالق، انھیں نیست سے ہست میں لانے والا ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) هُوَ يُطْعِمُ ساری مخلوق کے لیے، ساری کائنات حیات کے لیے رزق کا سامان وہی اللہ بہم پہنچاتا ہے۔ وَلَا يُطْعَمُ۔ یہ بھی ضرب ہے عقیدۂ شرک پر۔ مشرک قوموں کے عقیدہ میں بڑے بڑے دیوتا بھی کھانے پینے کے محتاج ہیں۔ ان کے نام پر جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ انھیں کھا پی کر وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور مسیحیوں نے تو اس سے بھی بڑھ کر کمال ہی کر دیا کہ نعوذ باللہ

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ

لانے کے وف۱۸ اور اُسی کی ملک ہے جو کوئی بھی رات اور دن میں رہتا ہے اور وہ

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ

بڑا سننے والا ہے، بڑا جاننے والا ہے وف۱۹ آپ کہیے کہ کیا میں اللہ کے سوا جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ

ہے اور وہ (سب) کو کھلاتا ہے (خود) اُس کو کھلایا نہیں جاتا، کسی (اور) کو کارساز قرار دے لوں؟ وف۲۰ آپ کہہ دیجیے

اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کروں اور (یہ کہ) تم کہیں مشرکوں میں

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ

نہ ہو جانا وف۲۱ کہہ دیجیے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ

عذاب سے ڈرتا ہوں وف۲۲ جس کسی پر سے وہ (عذاب) اُس روز ہٹا لیا جائے گا

فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ

اُس پر اللہ نے بڑا رحم کیا اور یہی کھلی کامیابی ہے وف۲۳ اور اگر اللہ تجھے کوئی دکھ

اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ

پہنچائے تو اُس کا دور کرنے والا (بھی کوئی) نہیں بجز (خود) اُسی کے، اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی

بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ

پہنچائے تو وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والا ہے وف۲۴ وہ غالب ہے اپنے بندوں کے

عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ

اُوپر اور وہ بڑا صاحب حکمت ہے، بڑا باخبر ہے وف۲۵ آپ کہیے شہادت سب سے بڑھ کر

شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ۣ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ

کس چیز کی ہے؟ کہہ دیجیے کہ اللہ کی کہ وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے ف۲۶ اور میرے پاس

اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ اَىِٕنَّكُمْ

یہ قرآن بہ طور وحی بھیجا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعہ سے تمہیں ڈراؤں اور اُس کو جسے یہ پہنچے ف۲۷ تو کیا تم

لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰي ۭ قُلْ لَّآ

یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی شریک ہیں ف۲۸ آپ کہہ دیجیے کہ میں

اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا

تو گواہی نہیں دیتا، آپ کہہ دیجیے کہ وہ تو بس ایک ہی معبود ہے اور میں اُس سے بری ہوں جو شرک

تُشْرِكُوْنَ ۝۱۹ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا

تم کرتے ہو ف۲۹ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دے رکھی ہے وہ ان (صاحب) کو پہچانتے ہیں جس طرح

يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا

اپنے لڑکوں کو پہچانتے ہیں ف۳۰ جن لوگوں نے اپنے کو گھاٹے میں کر رکھا ہے وہ ایمان

يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا

نہیں لانے کے ف۳۱ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو جھوٹ بہتان اللہ پر لگائے

اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۱ وَيَوْمَ

اور اُس کی نشانیوں کو جھٹلائے بیشک وہ ظالموں کو فلاح نہیں دیتا ف۳۲ اور (وہ دن یاد رکھو) جس دن

نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ

ہم ان سب کو اکٹھے کریں گے پھر جو لوگ شرک کرتے رہے ہیں، اُن سے کہیں گے کہ تمہارے

شُرَكَاۗؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۲۲ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ

وہ شریک کہاں ہیں جن کے لئے تم دعویٰ کیا کرتے تھے ف۳۳ پھر اُن کا

وقف لازم — وقف النبی — ع ۲ / ۸

اپنے معبود "ابن اللہ" کا گوشت اور خون خود کھانا پینا شروع کر دیا۔ چنانچہ مقدس عشائے ربانی Eucharist کے تہوار کے موقع پر ہر سال ایک بار یا تین بار اس رسم کو تازہ کرتے رہے ہیں۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) ف۲۱ ایمان اور مقتضیاتِ ایمان سے پیمبر مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ سب سے پہلے تو اسی کو فرمان بردار بننے کا حکم ملتا ہے۔ اور پیمبر تو اپنی اُمت کے لیے نمونہ اور پیشوا دونوں کا کام دیتا ہے۔ اُسے تو اہل ایمان کی صف میں سب سے آگے ہونا ہی چاہیے و هو امام امته و مقتدهم و ينبغي لكل آمران يكون هو العامل اولا بما آمر به (روح) اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ۔ یہ اولیت اپنے ملک وقوم اور اپنے زمانہ کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اول من اخلص اى من قومى و امتى عن الحسن وغيره (قرطبی) لان النبى صلی اللہ علیہ وسلم سابق امته فى الدين (بیضاوی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تکالیف شرعیہ کسی سے بھی ساقط نہیں ہوتیں، یہاں تک کہ انبیاء سے۔ ف۲۲ یعنی مجھ جیسا نبی معصوم بھی قانونِ الٰہی کی ہمہ گیری سے باہر نہیں۔ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔ روزِ قیامت کو روزِ عظیم اُن واقعاتِ عظیم کے لحاظ سے کہا ہے کہ جو اُس روز واقع ہو کر رہیں گے۔ اى عذاب يوم القيامة و عظمه بعظم ما يقع فيه (روح) ف۲۳ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی نجات کامل یا دفع عذاب، یا رحم الٰہی۔ اى النجاة البينة (قرطبی) اى الصرف بعد الرحمة (بیضاوی) ف۲۴ آفرینش کا مسئلہ تو طے ہو چکا کہ اُس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ یہاں بیان اس کا ہو رہا ہے کہ علاوہ آفرینش کے اور سارے تصرفات و اختیارات بھی ہر وقت کے نفع و ضرر، تکلیف و راحت کے تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ کوئی اس کے ارادہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کسی کو کوئی دخل و تصرف، واقعات کائنات و حوادثِ دہر میں ہے ...... بڑے چھوٹے دیوتاؤں، خدائی کے سارے شریکوں کی نفی اس میں آ گئی ہے۔ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ۔ یہ امساس ضرر اپنے مطلق معنی میں ہے۔ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں بہ طور جزاء ہو یا تکوینی مصلحت سے۔ یمسسک۔ کاشف۔ امساس اور کشف دونوں یہاں حق تعالیٰ کے سلسلہ میں اپنے مجازی معنی میں ہیں۔ ورنہ اصلاً دونوں کا تعلق مادیات و جسمانیات سے ہے۔ المس والكشف من صفات الاجسام وهو هنا مجاز و توسع (قرطبی) یہیں سے ہے کہ (صوفیہ) محققین نے سب سے زیادہ زور توحید پر، اور ہر طرف سے انقطاع تعلق کر کے اللہ ہی پر اعتماد کرنے پر دیا ہے۔ شیخ اعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی فتوح الغیب میں ہے۔ من اراد السلامة فى الدنيا والآخرة فعليه بالصبر والرضاء و ترک الشكوٰى الى خلقه وانزال حوائجه بربه و انتظار الفرج منه سبحانه و تعالیٰ والانقطاع اليه۔ (جس کسی کو دنیا و آخرت میں عافیت مقصود ہو، اُسے چاہیے کہ صبر و تسلیم کی عادت ڈال لے اور خلق خدا سے شکوہ و شکایت کو ترک کر دے اور اپنی حاجتوں کو اپنے رب ہی کے حوالہ کر دے اور کشایش کی اُمید صرف اُسی سے رکھے اور سب سے ٹوٹ کر اُسی کا ہو رہے)۔ اور مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں نفی ہے غیر اللہ سے نصرت مستقل کی۔ یہاں تک کہ مقبولین سے بھی۔ ف۲۵ ربوبیت کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہے۔ وہ سب صرف اسی کی ذات میں جمع ہیں۔ یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ ایسی ذات کامل الصفات کے ساتھ کسی کی شرکت روا رکھی جائے۔ و هو القاهر يفيد الحصر و معناه انه لا موصوف بكمال القدرة و كمال العلم الاالحق سبحانه و تعالیٰ (کبیر) هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ۔ قدرت و قوت کے لحاظ سے وہی ساری مخلوقات پر غالب ہے۔ قھر کے معنی غلبۂ حاکمانہ کے ہیں۔ القهر الغلبة و القاهر الغالب و فى القهر معنى زائد ليس فى القدرة و هو منع غيره عن بلوغ المراد (قرطبی) القاهر مشعر بكمال القدرة و تمام المكنة (کبیر) فوق کا تعلق یہاں اُوپر کی سمت سے نہیں بلکہ مرتبہ و حکومت کی بلندی سے ہے۔ فوقية الاستعلاء بالقهر و الغلبة عليهم اى هم تحت تسخيره لا فوقية مكان (قرطبی) وجب حمل تلك الفوقية على فوقية القدرة لاعلیٰ فوقية الجهة (کبیر) الْحَكِيْمُ۔ قدرت کے علاوہ حکمت میں بھی وہی کامل ہے۔ الْخَبِيْرُ۔ قدرت و حکمت کے علاوہ علم و اطلاع میں بھی کامل وہی ہے۔ ف۲۶ (میری رسالت اور قرآن کے برحق ہونے کے باب میں) اللہ کی شہادت زبانِ حال سے خود اس قرآن کا معجزہ بے نظیر ہونا ہے اپنی تعلیمات کے لحاظ سے۔ شئ کا یہاں لفظی ترجمہ "چیز" سے کرنا مناسب نہیں۔ شئ یہاں ذاتِ حق کے لیے ہے۔ لفظ شيء هنا واقع موقع اسم الله تعالىٰ المعنىٰ الله اكبر شهادة اى انفراده بالربوبية و قيام البراهين علیٰ توحيده اكبر شهادة و اعظم (قرطبی) متکلمین کے ہاں یہ ایک معرکہ کی بحث ہے کہ شئ کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر جائز ہے یا نہیں، جمہور کا فیصلہ ہے کہ جائز ہے اور اس فیصلہ کی سند یہی آیت ہے۔ احتج الجمهور علىٰ تسمية الله تعالىٰ بالشئ بهٰذه الأية (کبیر) و فى المواقف و شرحه والشيء عندالاشاعرة يطلق على الموجود فقط فكل شئ عندهم موجودٌ و كل موجود شيءٌ (روح) اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً۔ یعنی کسی کی شہادت سب سے زیادہ معتبر باوزن و باوقعت ہے؟ ف۲۷ (اس کے احکام و ہدایات کی مخالفت سے) مَنْۢ بَلَغَ کی تقدیر کلام یوں سمجھی گئی۔ من بلغه القرانٰ۔ حذف ضمیر طوالت سے بچنے کے لیے ہے۔ اى من بلغه القرانٰ فحذف الهاء لطول الكلام (قرطبی) وَمَنْۢ بَلَغَ۔ اس ذرا سے ٹکڑے سے دو باتیں اور نکل آئیں۔ ایک یہ کہ قرآن کا دائرہ صرف اس کے براہ راست اور اولین مخاطبین تک محدود نہیں رہے گا۔ اى كل من بلغه القرانٰ من العرب والعجم و قيل من الثقلين (کبیر) من بلغه القرانٰ من العجم و غيرهم من الامم الى يوم القيامة (معالم) دوسرے یہ کہ انذار کا تعلق بھی انہی لوگوں سے ہے، جن تک قرآن پہنچ چکا ہے۔ هو نذير لكل من بلغه (ابن کثیر) من يبلغه القرانٰ غير مؤاخذ بترک الاحكام الشرعية (روح) ف۲۸ (دیویوں، دیوتاؤں، اوتاروں، خدا کے بیٹوں اور بیٹیوں کے نام سے) سوال کے مخاطب

فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾

انجام اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ اپنے پروردگار کی کہ ہم مشرک نہ تھے ف۳۴

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا

دیکھ تو یہ کیسا اپنے متعلق جھوٹ بول گئے اور ان سے وہ (سب) چیزیں ضائع ہو گئیں جنہیں

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ

یہ گڑھا کرتے تھے ف۳۵ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں ف۳۶

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ

اور ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیئے ہیں کہ وہ اُس کو نہ سمجھیں اور

اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى

ان کے کانوں میں بوجھ ہے، ف۳۷ اور اگر وہ ساری (کی ساری) نشانیاں دیکھ لیں (جب بھی) اُن پر ایمان نہ لائیں

اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ

ف۳۸ یہاں تک کہ یہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑتے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے وہ کہتے

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ

ہیں کہ یہ تو نری اگلوں کی خرافات ہیں ف۳۹ اور یہ اس سے (دوسروں کو) روکتے ہیں

وَ يَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَ اِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا

اور (خود بھی) اس سے الگ رہتے ہیں، اور یہ (لوگ کسی اور کو نہیں) اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور (اس کی بھی)

يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَ لَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا

خبر نہیں رکھتے ف۴۰ اور اگر آپ ان کو اُس وقت دیکھیں جب یہ دوزخ پر کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے

يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ

کہ کاش ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں تو ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان والوں

مشرکوں اور منکروں کے مختلف گروہ ہیں۔ ف۲۹ اثبات توحید کے ساتھ ہر پہلو سے نفی شرک بھی قبولِ اسلام کے لیے ہے۔ چنانچہ بعض فقہاء اس کے قائل ہوئے ہیں کہ نومسلم کو اسلام لاتے وقت علاوہ اقرار شہادتین کے شرک سے تبرّی بھی کرنا چاہیے۔ قال العلماء المستحب لمن اسلم ان یاتی بالشهادتین و یتبرأ من کل دین سوٰی دین الاسلام و نص الشافعی رحمۃ اللہ علیہ علی استحباب ضم التبرّی الی الشهادة (جصاص) قُلْ لَّآ اَشْهَدُ۔ ایسے کھلے ہوئے امر باطل کی گواہی میں کیسے دے سکتا ہوں۔ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ وہ خدائے واحد اپنی ذات و صفات ہر لحاظ سے واحد ہی ہے۔ انما کلمہ حصر کا ہے۔ کلمة انما تفید الحصر و لفظ واحد صریح فی التوحید و نفی الشرکاء (کبیر) ف۳۰ یعنی اپنے ابنائے قوم کو، فرزندانِ اسرائیل کو پہچانتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور نبی آخرالزمان کی بھی شناخت کی ایسی کھلی ہوئی علامتیں ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں جیسی خود انہی کے قوم و نسل کے انبیاء کی۔ اَلْكِتٰبَ۔ کتاب آسمانی۔ خصوصاً توریت۔ والمراد من الکتاب جنسه الصادق علی التوزنة والانجیل (روح) يَعْرِفُوْنَهٗ۔ ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ ای یعرفون النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الحسن و قتادہ و هو قول الزجاج (قرطبی) انهم یعرفونه بالنبوة والرسالة (کبیر) یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر الکتاب کی طرف راجع کی جائے۔ و قیل الضمیر للکتاب و اختاره ابو البقاء (روح) قیل یعود الی الکتاب (قرطبی) حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ ذکر آیت میں یہود کا من حیث القوم اور مشترکاً و مجموعاً ہو رہا ہے نہ کہ افراد کا۔ اسی قسم کا مضمون سورۂ بقرہ آیت ۱۴۶ میں گزر چکا ہے۔ اس کے حاشیہ ملاحظہ کر لیے جائیں۔ ف۳۱ (اسی لیے انہوں نے اپنی فکر و نظر کو معطل کر رکھا ہے) آیت کا یہ ٹکڑا ابھی اُوپر گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۸ ف۳۲ یہ فلاح کی نفی آخرت میں تو مادّی و معنوی ہر حیثیت سے ہو کر رہے گی۔ باقی دنیا میں بھی اہل کفر، مومن کی سی حقیقی راحت قلب و سکون ضمیر سے محروم ہی رہتے ہیں۔ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ اللہ پر افتراء کذب یہ کہ جن چیزوں سے نفی و انکار واجب ہے، ان کا اقرار و اثبات کرنے لگے۔ مثلاً دیویوں دیوتاؤں کا، خدا کے بیٹوں بیٹیوں کا، روح یا مادہ کی قدامت، آواگون کا چکر، اوتاروں کا وجود۔ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ۔ تکذیب آیاتِ الٰہی یہ کہ جن باتوں کا اقرار و اثبات واجب ہے، اُن سے انکار کرنے لگے مثلاً توحید، رسالت، یوم جزاء، حقانیت قرآن وغیرہ۔ ف۳۳ (کہ یہ خدائی میں شریک ہیں) سوال ظاہر ہے کہ حصولِ جواب کی غرض سے نہیں، بلکہ تفضیح کے لیے ہوگا۔ المقصود منه التقریع والتبکیت لا السؤال (کبیر) يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ واذکر یوم نحشرهم۔ علی معنی واذکر یوم نحشرهم (قرطبی) ف۳۴ یعنی وہاں کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کر کے بدحواسی میں یوں بھی پکار اٹھیں گے لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ۔ یعنی ان کے کفر و شرک کا وبال یہی ہوتا ہے۔ فتنة کے معنی اس سیاق میں انجام کفر کے کیے گئے ہیں۔ والمعنی ثم لم تکن عاقبة کفرهم (کشاف) قال الحسن و معنی فتنتهم عاقبة فتنتهم ای کفرهم (قرطبی) دوسرے معنی رد جواب کے بھی کیے گئے ہیں۔ ای علرهم وجوابهم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) و یجوزان یراد ثم لم یکن جوابهم (کشاف) الفتنة الاختبار ای لم یکن جوابهم حین اختبروا بهذا السؤال (قرطبی) قال قتادة معناه معذرتهم (قرطبی) ف۳۵ یعنی جو جو باطل امیدیں اور آرزوئیں وہ پالے ہوئے تھے وہ عین وقت پر انہیں کیسا جواب دے گئیں اور ان کے معبود اور شافعین کچھ بھی ان کے کام نہ آئے! ف۳۶ (لیکن یہ ظاہری استماع چونکہ قبول حق کے ارادہ سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ اس لیے نافع نہیں ہوتا اور یہ محروم کے محروم ہی رہ جاتے ہیں) مَنْ يَّسْتَمِعُ میں مَنْ لفظاً واحد ہے۔ لیکن معناً جمع کا کام دیتا ہے۔ ف۳۷ یہ سب نتیجہ تکوینی طور پر اُن کے ارادی انکار حق و شدت عناد پر مرتب ہو جاتے ہیں۔ ای فعلنا ذٰلک بهم مجازاة علی کفرهم (قرطبی) اَنْ يَّفْقَهُوْهُ۔ معنی نفی کے ہیں۔ یعنی "جس سے وہ نہ سمجھ سکیں"۔ المعنی کراهة ان یفهموه او لئلا یفهموه (قرطبی) ف۳۸ یہ بیان ان کی شدت عناد و تعصب کا ہو رہا ہے کہ کوئی دلیل، کوئی ثبوت انہیں قبول حق کی جانب نہ لا سکے گا قال ابن عباس رضی اللہ عنہما و ان یروا کل دلیل و حجة لا یومنوا بها (کبیر) ف۳۹ قرآن مجید کی نسبت کچھ اسی قسم کی رائے جاہلیت جدید یا جاہلیت فرنگ کے پجاریوں کی بھی ہے۔ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ اسطورہ یا اسطارہ کے معنی پرانی دہرائی داستان یا فرسودہ لغو کہانی کے ہیں۔ ای ما سطره الاولون فی الکتاب و قال الجوهری وغیره الاساطیر الاباطیل والترهات (قرطبی) حَتّٰى سے مقصود کفر و عناد میں اُن کی انتہائی شدت کا اظہار ہے کہ اُن کی تکذیب آیات اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ آپ تک کے پاس مجادلہ کے لیے آتے ہیں۔ والمعنی انه بلغ تکذیبهم الآیات الی انهم یجادلونک و یناکرون (کشاف) يُجَادِلُوْنَكَ۔ ان کا مجادلہ یہی ہے کہ قرآن مجید جیسی روشن حقیقت کو خرافات و اکاذیب کے درجہ میں رکھتے ہیں اور یہ ان کی تکذیب کی انتہاء ہے۔ ای یجعلون کلام اللّٰہ و اصدق الحدیث خرافات و اکاذیب و هی الغایة فی التکذیب (کشاف) ف۴۰ کیا ٹھکانا ہے اُن کی حماقت و غباوت کا! وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ نفی شعور کا درجہ نفی علم سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ گویا ذرا سا بھی احساس نہیں رکھتے۔ حالانکہ احساس تو جانور تک رکھتے ہیں۔ و نفی الشعور عنهم باهلاکهم انفسهم ابلغ فی نفی العلم اذا البهائم تشعرو تحس (بحر) و نفی الشعور ابلغ من نفی العلم کانه قیل و ما یدرکون ذٰلک اصلاً (روح) وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ۔ یعنی قرآن مجید سے دوسروں کو روکتے ہیں اور خود بھی اس سے رُکے رہتے ہیں عَنْهُ کی ضمیر دونوں موقعوں پر قرآن کی جانب ہوگی۔ والضمیر علی قول قتادة للقرآن (قرطبی) هؤلاء المشرکون المکذبون بآیات اللّٰہ ینهون الناس عن اتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم و القبول منه و یتباعدون عنه (ابن جریر) الضمیر المرفوع للمشرکین

المجرور للقرآن (روح) ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ”دوسروں کے ضرر کو رسول اللہ سے روکتے ہیں مگر خود بھی آپ سے رُکے رہتے ہیں یعنی آپ پر ایمان نہیں لاتے ہیں“ اور آیت سے اشارہ خواجہ ابوطالب اور اُن
کے پیروؤں کی جانب سمجھا گیا ہے، جو گو دشمنوں سے رسول علیہ السلام کا دفاع کرتے تھے۔ لیکن خود ایمان بھی نہیں لے آتے تھے۔ قیل هو خاص بابی طالب ینهی الکفار عن اذایة محمد علیه السلام و یتباعد
عن الایمان به (قرطبی) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال عطاء او مقاتل نزلت فی ابی طالب کان ینهی قریشًا عن ایذاء النبی ﷺ ثم یتباعد عنه و لا یتبعهٗ علی دینه (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس
تفسیر کی بنا پر فرمایا کہ اہل اللہ کے ساتھ حُبِّ طبعی اور نصرت قوی بدون حُبِّ عقلی کے نافع نہیں۔ ف۴۱ یہ سب حسرتیں جہنم کے ہول و ہیبت کے بعد ہی ان کی زبان پر آنے لگیں گی۔ وَلَوْ تَرٰٓی یعنی اگر آپ دیکھیں تو آپ کو
ہولناک منظر نظر آئے۔ لو کا جواب عربی اسلوب میں اظہار عظمت و اہمیت کے لیے یا علم مخاطب کی بنا پر اکثر حذف کر دیا جاتا ہے۔ قد حذف تفخیمًا للامر و تعظیمًا للشان و جاز حذفه لعلم
المخاطب به و اشباهه کثیرة فی القرآن والشعر (کبیر) عَلَی النَّارِ میں علی کے معنی ب کے بھی لیے گئے ہیں اور فی کے بھی یعنی دوزخ کے قریب بھی اور دوزخ کے اندر کے بھی۔ قیل علی بمعنی الباء
ای اتقوا بقربها و هم یعاینونها (قرطبی) علی بمعنی فی ای اتقوا فی النار (قرطبی) یعنی فی النار فوضعت علی موضع فی (ابن جریر) ف۴۲ یعنی ان کے اعمال کی زشتی و کراہت جو دنیا میں اُن پر

الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ

میں سے ہو جائیں، ف۴۱ ہاں اب ان پر وہ چیز ظاہر ہو کر رہی جسے اس کے قبل چھپایا کرتے تھے ف۴۲

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور اگر یہ واپس بھیج دیئے جائیں جب بھی یہ پھر وہی کریں جس سے یہ روکے گئے تھے، اور یقیناً یہ (بالکل) جھوٹے ہیں ف۴۳

وَقَالُوْٓا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ

اور یہ کہتے ہیں کہ زندگی تو بس ہماری اسی دنیا کی زندگی ہے اور ہم زندہ

بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ؕ قَالَ

اُٹھائے جانے والے نہیں ف۴۴ اور اگر آپ اُس وقت دیکھتے ہوں جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے

اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا

ف۴۵ اور وہ ان سے ارشاد کرے گا کیا یہ (قیامت) ف۴۶ امر واقعی نہیں؟ یہ کہیں گے بیشک ہے قسم ہے ہمیں اپنے پروردگار کی، وہ

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ

ارشاد کرے گا اچھا تو عذاب (کا مزہ) چکھو اس کفر کے بدلہ میں جو تم کیا کرتے تھے ف۴۷ یقیناً وہ لوگ گھاٹے میں آگئے جنہوں

كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا، یہاں تک کہ جب وہ (مقرر) گھڑی ان پر یک بیک آ پہنچے گی ف۴۸

قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا ۙ وَهُمْ یَحْمِلُوْنَ

تو بول اُٹھیں گے، ہائے افسوس ہماری کوتاہی پر جو ہم اس کے بارہ میں کرتے تھے ف۴۹ اس حال میں کہ وہ اپنے گناہ

اَوْزَارَهُمْ عَلٰی ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

اپنی پشتوں پر لادے ہوں گے ف۵۰ دیکھو تو (کیا ہی) برا (بوجھ) ہے، جس کو یہ لادے (لادے پھر رہے) ہوں گے،

وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ

اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں بجز کھیل تماشہ کے اور تقویٰ رکھنے والوں کے حق میں یقیناً

ع ۱۰/۹

چھپی رہتی ہے، اب علانیہ و بے نقاب نظر آنے لگے گی۔ من قبائحهم و فضائحهم
فی صحفهم و بشهادة جوارحهم علیهم (کشاف) مبرد لغوی سے منقول
ہے کہ مضاف وبال یہاں محذوف ہے۔ قال المبرد بدالهم و بال عقائدهم و
اعمالهم و سوء عاقبتها و ذلک لان کفرهم ما کان بادیًا ظاهرًا لهم
لان مضار کفرهم کانت خفیة (کبیر) ف۴۳ یعنی مشاہدۂ عذاب پر بھی ان کی
یہ صادق و مخلصانہ نہیں محض جان بچانے کو ہے۔ لَکٰذِبُوْنَ میں ل تاکید کا ہے۔ ترجمہ
میں اسی لیے ”بالکل“ بڑھا دیا ہے۔ ف۴۴ عرب میں جہاں شرک بہ کثرت پھیلا
ہوا تھا، وہاں الحاد بھی اس معنی میں شائع تھا کہ لوگ علی العموم جزاء و سزا، حشر و نشر کے
قائل ہی نہ تھے۔ آج کل کے مادیین کی طرح اسی دنیا کو سب کچھ جانتے تھے۔ ملاحظہ
ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ هی ضمیر حیاۃ کی طرف ہے۔ الضمیر للحیاة (بیضاوی)
ف۴۵ (تو آپ کو ایک بڑا عجب منظر نظر آئے) عربی اسلوب بیان میں ایسے موقع پر
لو کا جواب محذوف کرنے سے اس کی عظمت و اہمیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ و
جواب لو محذوف لعظم شان الوقوف (قرطبی) عَلٰی رَبِّهِمْ۔ علی یہاں
عند کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اور رب سے مراد ملائکہ رب سے لی گئی ہے۔ حکم الٰہی
بھی مراد لی گئی ہے۔ قیل علی بمعنی عند ای عند ملائکته و جزائه (قرطبی)
بمعنی علی حکم الله و قضائه (ابن جریر) وُقِفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ سے بعض اہل
باطل نے حق تعالیٰ کی تجسیم پر استدلال کرنا چاہا ہے۔ ف۴۶ (یا اب بھی اس کی
واقعیت سے انکار ہے جیسا کہ دنیا میں تھا؟) ف۴۷ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ یہ عذاب کفر
کے بدلہ میں ہوگا۔ ای بسبب کفرکم (کبیر) ف۴۸ السَّاعَةُ سے مراد قیامت
ہونا بالکل ظاہر ہے۔ سمیت القیامة ساعة لسرعة الحساب فیها (قرطبی)
المراد بالساعة القیامة (کبیر) لیکن موت بھی مقدمات قیامت میں سے ہے۔
بلکہ من وجہ اس میں شامل۔ اس لیے وہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ لمّا کان الموت و
قوعاً فی احوال الآخرة و مقدماتها جعل من جنس الساعة و سمی
باسمها (کشاف) فسر بعضهم هنا بوقت الموت (روح) بِلِقَآءِ اللّٰهِ۔ لقاء
اللہ سے مراد ہے بعث بعد الموت اور جزاء اعمال۔ قیل بالبعث بعد الموت و
الجزاء (قرطبی) حَتّٰٓی کا تعلق تکذیب سے ہے۔ خسران سے نہیں۔ حتی غایة
لکذبوا لا لخسر لان خسرانهم لاغایة لهٗ (کشاف) ف۴۹ اس کے لیے ہم
نے کوئی تیاری نہ کی۔ یا یہ کہ دنیوی زندگی میں ہم نے ادائے فرائض میں غفلت برتی۔
فَرَّطْنَا فِیْهَا۔ ضمیر قیامت یا السَّاعَةُ کی طرف ہے۔ اَلْحَیٰوةُ الدُّنْیَا کی بابت بھی سمجھی جا
سکتی ہے۔ ای فی الساعة ای فی التقدمة لها عن الحسن (قرطبی) الضمیر
للحیٰوة الدنیا (کشاف) یٰحَسْرَتَنَا۔ ترکیب یہاں ندا منادیٰ کی نہیں۔ بلکہ یہ اسلوب
شدت تحسر کے اظہار کا ہے۔ وضع النداء علی الحسرة ولیست بمنادی فی الحقیقة ولکنه یدل علی کثرة التحسر (قرطبی) والعرب تعبر عن تعظیم امثال هذه الامور بهذه اللفظة (کبیر)
ف۵۰ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰی ظُهُوْرِهِمْ۔ یہاں اوزار کے معنی ذنوب سب کو مسلم ہیں۔ ای ذنوبهم (قرطبی) اثامهم وذنوبهم (ابن جریر) قال ابن عباس رضی اللہ عنہما الاثام والخطایا (کبیر) وزر جو اوزار
کا واحد ہے۔ اس کے معنی ثقل وحمل کے بھی لئے گئے ہیں۔ لیکن امام ابن جریر نے جو عربیت کے بھی امام ہیں اس پر سخت جرح کی ہے، اور وزر کے معنی گناہ ہی رکھے ہیں۔ قد زعم بعضهم ان الوزر الثقل
والحمل ولست اعرف ذلک کذلک فی شاهد ولا من روایة ثقة عن العرب سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ گناہ تو ایک غیر مادی شی ہے، گناہ پیٹھ پر کیسے لدیں گے! جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں مجاز اور محض محاورہ
زبان مراد ہے۔ مجاز و توسع و تشبیه بمن یحمل ثقلًا (قرطبی) والمعنی انهم لزمتهم الاثام فصاروا مثقلین بها (قرطبی) لیکن خود یہ ماننے میں کیا عقلی یا شرعی دشواری ہے کہ آخرت میں مجردات بھی مادیات
ہی کی طرح باوزن ہوں گے اور اعمال بھی وزن رکھیں گے، یا اعمال بہ شکل اجسام متمثل ہو جائیں گے، اکابر اہل سنت میں سے متعدد حضرات عقیدۂ تجسیم اعمال کے قائل ہوئے ہیں۔ غرض یہ کہ جب حقیقی معنی لینے ممکن ہیں تو
... لا مانع من الحمل علی الحقیقة و اجراء الکلام علی ظاهره و قد قال کثیر من اهل السنة بتجسیم الاعمال فی تلک الدار وهو الذی

یقضیه ظاهر الوزن (روح) والظاهران هٰذا الحمل حقیقة وهوقول عمیر بن هانی وعمرو بن قیس العلائی والسدی واختاره الطبری (بحر) **ف۵۱** (اور فکر آخرت چھوڑ کر اسی سامانِ دنیوی میں منہمک ہو) جس دنیا کی یہ مذمت ہے، وہ وہی دنیا ہے جو مقصود بالذات ہو جیسی کہ ملحدوں اور مادہ پرستوں کو ہوتی ہے، وہی لوگ جن کا قول ابھی اُوپر نقل ہو چکا ہے۔ ان هی الاحیاتنا الدنیا. فالمقصد بالآیة تکذیب الکفار فی قولهم ان هی الاحیاتنا الدنیا (قرطبی) قال ابن عباس رضی اللہ عنہما هٰذه حیاة الکافر لانه یزجیها فی غرور و باطل (قرطبی) المراد منه حیاة الکافر قال ابن عباس رضی اللہ عنہما یرید حیاة اهل الشرک و النفاق والسبب فی وصف حیاة هٰؤلآءِ بهٰذه الصفة ان حیاة المومن یحصل فیها اعمال صالحة فلا تکون لعباً و لهوًا (کبیر) ورنہ وہ دنیا جو آخرت کی تیاریوں کے لیے ہوتی ہے، جیسی ہر مومن کی ہونی چاہیے وہ مذمت کے قابل نہیں، وہ تو عین مطلوب ہے۔ لیس من اللهو و اللعب ما کان من امور الاخرة فان حقیقة اللعب ما لا ینتفع به واللهو ما یلتهی به (قرطبی) قال ابن عباس رضی اللہ عنہما فاماحیاة المؤمن فتنطوی علیٰ اعمال صالحة فلا تکون لهوًا و لعباً (قرطبی) جعل اعمال الدنیا لعباً و لهوًا و اشتغالاً بما لایعنی و لا یعقب منفعةً کما تعقب اعمال الأخرة المنافع العظیمة (کشاف) لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ۔ تقویٰ میں تو معاصی سے بھی پرہیز آ گیا۔ لیکن یہاں خاص طور پر مراد شرک والحاد سے پرہیز ہے۔ **ف۵۲** (سو آپ غم و حزن میں زیادہ نہ

خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ

آخرت کا گھر کہیں بہتر ہے تو کیا تم عقل سے کام ہی نہیں لیتے **ف۵۱** بیشک ہمیں خوب معلوم ہے

اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ

کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں وہ آپ کو رنج پہنچاتا ہے تو یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے

وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لَقَدْ

بلکہ (یہ ظالم تو) اللہ کی نشانیوں ہی سے انکار کر دیتے ہیں **ف۵۲** اور آپ سے

كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا كُذِّبُوْا

قبل پیمبر خوب جھٹلائے جا چکے ہیں سو انہوں نے اس پر صبر کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی

وَ اُوْذُوْا حَتّٰۤی اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ

اور انہیں ایذا دی گئی یہاں تک کہ انہیں ہماری نصرت آ پہنچی، اللہ کی باتوں کو کوئی بدل

اللّٰهِ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳۴﴾ وَ اِنْ

نہیں سکتا اور پیمبروں کے کچھ قصے تو آپ کو پہنچ ہی چکے ہیں **ف۵۳** اور

كَانَ كَبُرَ عَلَیْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ

آپ پر اگر اُن کا اعراض گراں گزرتا ہے **ف۵۴** تو اگر آپ کے بس میں ہو کہ

تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَهُمْ

زمین (میں جانے) کے لئے کوئی سرنگ یا آسمان (پر جانے) کے لئے کوئی زینہ ڈھونڈ لیں تو ضرور کوئی نشان اُن کے لئے

بِاٰیَةٍ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَی الْهُدٰی فَلَا تَكُوْنَنَّ

آئیں **ف۵۵** اور اگر اللہ چاہتا تو ان (سب) کو ہدایت پر جمع کر دیتا **ف۵۶** تو آپ نادانوں میں سے

مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ؔ

نہ ہو جایئے **ف۵۷** قبول تو بس وہی لوگ کرتے ہیں جو سنتے ہیں **ف۵۸**

پڑیئے۔ بلکہ ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کیجیے) مطلب یہ ہے کہ منکرین، مکذبین آپ کی ذاتی صداقت وامانت سے کچھ تھوڑے ہی انکار کر رہے ہیں۔ انہیں تو ضد اس پیام الٰہی سے ہے جو آپ انہیں پہنچا رہے ہیں، سو ان کا معاملہ آپ سے نہیں براہ راست حق تعالیٰ سے ہے۔ حدیث وسیر کی روایتوں میں صراحۃً آتا ہے کہ سرگروہ مکذبین ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم کچھ آپ کو تھوڑے ہی جھوٹا کہتے ہیں۔ ہم تو اس پیام کو جھوٹا کہتے ہیں جس کا لانا آپ بیان کرتے ہیں۔ قال ابو جهل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لا نکذبک ولکن نکذب بما جئت به (ابن کثیر۔ عن علی رضی اللہ عنہ) قال ابو میسرة ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مرّ بابی جهل واصحابه فقالوا یا محمد والله ما نکذبک وانک عندنا لصادق ولکن نکذب ما جئت به (قرطبی) یَجْحَدُوْنَ۔ جحود ایسے انکار کو کہتے ہیں کہ انسان کا دل تو قائل ہو جائے لیکن زبان ہٹ دھرمی سے انکار کیے جائے۔ منکرین ومکذبین رسول میں بہت سے ایسے ہی تھے۔ الجحود نفی ما فی القلب اثباته واثبات ما فی القلب نفیه (راغب) قد کان فیهم العناد فی جحود نبوته صلی اللہ علیہ وسلم مع علم منهم به وصحة نبوته (ابن جریر) وکان بعضهم قدتبین امره وعلم صحة نبوته وهو فی ذٰلک یعاند ویجحد نبوته حسدًا له وبغیًا (ابن جریر) قَدْ نَعْلَمُ میں قَدْ کا ترجمہ اردو میں "خوب" ہی سے مناسب ہے۔ قد بمعنٰی ربما الذی یجئ لزیادة الفعل وکثرته (کشاف) مفسر ابن حیان نے اگرچہ زمخشری کے اس قول سے اختلاف کیا ہے اور اسے قول غیر مشهور للنحاة قرار دیا ہے۔ تاہم تحقیق وتاکید کے معنٰی انہوں نے بھی تسلیم کیے ہیں۔ تکون حینئذ للتحقیق والتوکید (بحر) **ف۵۳** (جن سے نصرت الٰہی کی تحقیق وتصدیق آپ کو ہو ہی چکی ہے اس لئے آپ بھی صبر سے کام لیجیے۔ نصرت الٰہی کا آپ تک بھی پہنچنا یقینی ہے) كَلِمٰتِ اللّٰهِ۔ سے یہاں مراد اللہ کا وعدۂ نصرت ہے۔ ای مواعیده (کشاف) قال ابن عباس رضی اللہ عنہما ای مواعید الله (بحر) مِنْ نَّبَاِی۔ میں مِن تبعیض کا ہے۔ ترجمہ کچھ سے کیا گیا ہے۔ من هٰهنا للتبعیض (کبیر) **ف۵۴** (اور اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ ان کے فرمائشی معجزے بھی کسی نہ کسی طرح پورے ہو کر رہیں) اعراض وہی جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔ **ف۵۵** مطلب یہ ہوا کہ ہم تو ان کی فرمائشیں بہ وجہ عدم ضرورت ولزوم ضرور پوری کرنے کے نہیں۔ ہاں آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح مسلمان ہو ہی جائیں تو آپ ہی یہ انتظامات کیجیے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ۔ یعنی آپ کے بس میں ہو تو آپ یہ کر دکھایئے، مقصود اس امر کا اظہار ہے کہ آپ میں ان کافروں کے حال پر شفقت اور ان کے اسلام لے آنے کی حرص اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ آپ کے اختیار میں ہو تو آپ ہر فرمائشی معجزہ کر دکھانے کو تیار ہیں کہ کسی طرح یہ مسلمان ہو تو جائیں۔ فافعل یعنی انک لا تستطیع ذٰلک والمراد بیان حرصه علی اسلام قومه وتهالکه علیه وانه لو استطاع ان یاتیهم بایة من تحت الارض اومن فوق السماء لاتی بها رجاء ایمانهم (کشاف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت نص ہے اس باب میں کہ ارادہ عبد حصول مراد کے لئے قطعی اور لازمی نہیں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ بھی، پھر کسی بزرگ سے متعلق اہل غلو کا یہ عقیدہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اس کی دعا کا قبول ہونا لازمی ہے۔ **ف۵۶** یعنی اگر مصالح تکوینی کے اعتبار سے ہماری مشیت یہی ہوتی کہ چھوٹے بڑے سب کو بلا استثناء راہ ہدایت ہی دکھا دی جائے تو پھر ایسا ہو ہی نہ جاتا، اس میں مانع کون اور کیا ہو سکتا تھا۔ اور دنیا میں اختلاف مسلک وعقیدہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی۔ طلب معجزات وغیرہ کا کوئی سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔ ای لاراهم اٰیة تضطرهم الی الایمان ولکنه اراد عزوجل ان یثیب منهم من امن ومن احسن (قرطبی) **ف۵۷** (کہ ایسی ان ہونی بات کی توقع کرنے لگیں) مطلب یہ ہوا کہ انسان کو جو اختیار دیا گیا اور ارادہ کی قوت سونپی گئی۔ اس کے معنٰی ہی یہ ہیں کہ روش اختلاف باقی رہے، جبری ہدایت تو اس بنیادی ومرکزی نقطہ تکوینی ہی کے منافی ہے اور ایسی روشن وبنیادی حقیقت سے بے خبر رہنا عین جہالت ہے۔ والمقصود من تغلیظ الخطاب التبعید والزجر له عن مثل هٰذه الحالة (کبیر) **ف۵۸** (کلام حق و پیام حق کو، قصد قبول حق) قبول حق کی پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ پیام حق کو بلا عناد وقصد مخالفت، خلوئے ذہن کے ساتھ سنا تو جائے۔ ای سماع اصغاء و تفهم و ارادة الحق (قرطبی) و المراد بالسماع

سماع الفهم والتدبر (روح) و۵۹ (حساب کے لئے) اس وقت پوری حقیقت کھل کر رہے گی۔ دنیا میں پوری سزا اعراض وانکار کی اگر نہ بھی ملی تو کیا ہوا؟ و۶۰ (ہمارے فرمائشی معجزوں میں سے جو ایمان پر مجبور کردے) یہ فرمائش کرنے والے وہ جاہلی منکرین تھے۔ جن کے نزدیک حقانیت وصداقت کا ثبوت صرف مادی خوارق اور حسی معجزات تھے۔ ملجئة للایمان (روح) کما نقترح (مدارک) ای خارق علی

وَ الْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ قَالُوْا

اور مُردوں کو اللہ چلا کھڑا کرے گا پھر وہ اس کی طرف واپس لائے جائیں گے و۵۹ اور یہ کہتے ہیں کہ

لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ

ان (صاحب) پر کوئی معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہ اتارا گیا و۶۰ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ بیشک قادر ہے

عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

(ایسا) معجزہ اتارنے پر، لیکن ان میں سے زیادہ تر ایسے ہیں جو (خود ہی) علم نہیں رکھتے و۶۱

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ

اور جو بھی جانور زمین پر چلنے والا ہے اور جو بھی پرند اپنے دونوں بازوؤں سے اڑنے والا ہے

اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ

وہ سب تمہارے ہی طرح کے گروہ ہیں ہم نے اپنے رجسٹر میں کوئی چیز نہیں چھوڑ رکھی ہے۔

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

پھر یہ (سب) اپنے پروردگار کے پاس جمع کیے جائیں گے و۶۲ اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں

صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ

وہ بہرے اور گونگے ہیں (طرح طرح کی) تاریکیوں میں (گرفتار) اللہ جسے چاہے اُسے بے راہ کردے

وَ مَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ

اور جسے چاہے وہ سیدھی راہ پر لگا دے و۶۳ آپ کہیے

اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ

کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ پڑے یا (قیامت کی) گھڑی آ پڑے،

اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ

تو کیا اللہ کے سوا اور کو پکارو گے (بتاؤ) اگر سچے ہو و۶۴ نہیں بلکہ

مقتضی ما کانوا یریدون ومما یعنتون (ابن کثیر) و۶۱ یعنی علم صحیح سے محروم ہیں اور عقل سلیم سے کام لینا جانتے نہیں۔ یہ اس حقیقت سے بھی خبردار نہیں کہ پیمبر کی تعلیمات صحیح اور ہدایاتِ صادق کے لئے مثلاً عقیدۂ توحید کے لئے عقیدۂ جزاوسزا کے لئے کسی معجزۂ حسی اور خارقِ مادی کی سرے سے ضرورت ہی کیا ہے۔ اور بالفرض ہو تو معجزات تو پہلے سے موجود چلے آتے ہیں۔ پھر ان سے حاصل کیا ہوا جو نئے معجزات طلب کئے جارہے ہیں؟ فرمائشی معجزات طلب کرنے والے پر انجیل میں بھی بڑی لتاڑ آئی ہے۔ ”اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یونس کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔“ (متی ۱۶:۴) ”پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اسے آزمانے کے لئے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا، اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔“ (مرقس ۸۔۱۱:۱۳) و۶۲ مقصود حکم حشر کی تعمیم ہے سارے خلائق کے لئے۔ ای للجزاء (قرطبی) دل بھذا علی ان البھائم تحشر یوم القیامة وھذا قول ابی ذروابی ھریرة والحسن وغیرھم (قرطبی) اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ۔ قیامت میں محشور ہونے کے لحاظ سے۔ ای فی الخلق والرزق والموت والبعث والاقتصاص ھذا اختیار الزجاج (قرطبی) قیل فی الخلق والموت والبعث (معالم) فی انھم یحشرون والمقصود بیان ان الحشر والبعث کما ھو حاصل فی حق الناس فھو ایضاً حاصل فی حق البھائم (کبیر) اراد تعالیٰ انما امثالنا فی انھا تحشر یوم القیامة یوصل الیھا حقوقھا (کبیر) یہ التزام وانتظام جب غیر مکلفین ونیم مکلفین کے لئے ہے تو انسان جو پوری طرح مکلف وذمہ دار ہے کیونکر اس سے بچ سکتا ہے؟ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ۔ چوپائے، چرند، پرند ہر قسم کے جانور خدائی رجسٹر میں حساب وکتاب کے لئے سب مندرج اور منضبط ہیں۔ الْكِتٰبِ سے مراد لوح محفوظ کا خدائی رجسٹر ہے۔ جس میں جزئی سے جزئی معلومات بھی درج ہیں۔ عن الحسن وقتادة ان المراد بالکتاب الکتاب الذی عند اللہ تعالیٰ وھو مشتمل علیٰ ما کان ویکون وھو اللوح المحفوظ (روح) و۶۳ صُمٌّ۔ یعنی سماع حق سے بہرے۔ بُكْمٌ۔ یعنی کلام حق سے گونگے۔ فِي الظُّلُمٰتِ۔ صیغۂ جمع اس لئے کہ ہر اعراض بجائے خود ایک تاریکی ہے۔ اور ہر تاریکی کفر ہے۔ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ۔ مَنْ يَّشَاْ دونوں جگہ قانون مشیت تکوینی کا بیان ہے۔ يُضْلِلْهُ۔ یہ اضلال حق کی طرف سے، بندوں کے اعراض ارادی پر الزاماً مرتب ہو جائے گا۔ و۶۴ (اپنے دعوائے شرک میں) یعنی اگر تم واقعی خلوص دل کے ساتھ دوسرے معبودوں کے بھی قائل ہو۔ تو انتہائی نازک وقتوں پر انہیں کیوں نہیں پکارتے ہو؟ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ۔ اگر تم پر عذاب الٰہی یک بیک آپڑے۔ جیسا کہ پچھلی قوموں پر آچکا ہے۔ مراد عذابِ دنیوی کی کوئی شکل ہے۔ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ۔ قیامت آجائے۔ جو مجموعہ ہوگی بہت سی ہولناکیوں کا۔ مراد عذاب آخرت ہے۔ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ۔ کیا کسی غیر اللہ کو بھی انتہائی مصیبتوں کو دور کرنے کو پکارو گے؟

اِيَّاهُ تَدۡعُوۡنَ فَيَكۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَيۡهِ اِنۡ شَآءَ

خاص اسی کو پکاروگے، پھر جس (مصیبت کے ہٹانے) کے لئے اُسے پکارتے ہو، وہ چاہے تو اُسے دور بھی کردے

وَتَنۡسَوۡنَ مَا تُشۡرِكُوۡنَ ﴿٤١﴾ ع وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنۡ

اور تم اُن سب کو بھول بھال بھی جاؤ جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو و٦٥ اور بلاشبہ ہم نے آپ سے قبل (اور بھی) امتوں

قَبۡلِكَ فَاَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡبَاۡسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ

کی طرف (پیمبر) بھیجے پھر ہم نے انہیں تنگدستی اور تکلیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ

يَتَضَرَّعُوۡنَ ﴿٤٢﴾ فَلَوۡلَاۤ اِذۡ جَآءَهُمۡ بَاۡسُنَا تَضَرَّعُوۡا

ڈھیلے پڑ جائیں و٦٦ سو جب انہیں ہماری طرف سے سزا پہنچی تو وہ کیوں نہ ڈھیلے پڑ گئے

وَ لٰكِنۡ قَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ مَا

بلکہ اُن کے دل تو (ویسے ہی) سخت رہے و٦٧ اور جو کچھ وہ کرتے رہے، شیطان اُسے ان کی نظر میں خوشنما کر

كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖ فَتَحۡنَا

دکھاتا رہا و٦٨ پھر جب وہ اس چیز کو جس کی انہیں نصیحت کی جاتی تھی وہ بھلائے رہے تو ہم نے ان پر

عَلَيۡهِمۡ اَبۡوَابَ كُلِّ شَىۡءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا

ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اُس پر جو انہیں ملا تھا اترا گئے

اَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً فَاِذَا هُمۡ مُّبۡلِسُوۡنَ ﴿٤٤﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ

تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا اور وہ دھک سے رہ گئے و٦٩ اس طرح جڑ کاٹ دی گئی

الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ؕ وَ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿٤٥﴾

ان لوگوں کی جو ظلم کرتے تھے اور ساری حمد اللہ سارے جہانوں کے پروردگار ہی کے لئے ہے و٧٠

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَخَذَ اللّٰهُ سَمۡعَكُمۡ وَ اَبۡصَارَكُمۡ

آپ کہہ دیجیے کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ اللہ اگر تمہاری شنوائی اور تمہاری بینائی سلب کرلے

ع ١١/١٠

و٦٥ آیت میں مخاطبہ ملحدوں سے نہیں، بلکہ اس نوع کے کافروں سے ہے جو قائل تو ایک صانع عالم کے تھے لیکن اس کے ساتھ اعمال ربوبیت میں دوسروں کو بھی شریک سمجھتے تھے۔ اِنۡ شَآءَ۔ یعنی اگر ان مصائب سے نجات دلانا اس کی مشیت تکوینی کے مطابق ہو۔ و٦٦ (اور اپنے کفر وتکذیب سے توبہ کرلیں) یہاں صاف الفاظ میں ابتلاء کی غرض بھی بیان کردی، کہ مقصود اصلی ان سخت دل والوں کے دلوں میں نرمی، انابت وخشیت پیدا کرنا تھا۔ يَتَضَرَّعُوۡنَ۔ تضرع کے معنی خشوع وخضوع، انابت ورجوع کے ہیں۔ معنی التضرع التخشع وهو عبارة عن الانقياد وترك التمرد (کبیر) پچھلے صحیفوں میں بھی اس سے ملتا جلتا مضمون ملتا ہے۔ مثلاً: "خداوند تیرا خدا بیابان کے بیچ پر چالیس برس تجھ کو لئے پھرا تاکہ تجھے عاجز کردے اور تجھے آزماوے۔ اور تیرے دل کی بات دریافت کرے کہ اس کے احکام مانے گا کہ نہیں۔" (استثناء ٨:٢) بِالۡبَاۡسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ۔ باساء سے مراد فقر وفاقہ وغیرہ مالی مصائب سمجھے گئے ہیں اور ضراء سے بیماری وغیرہ جسمانی مصائب گو اس کے برعکس کا استعمال بھی صحیح ہے۔ ومعنى بالباساء بالمصائب فى الاموال والضراء فى الابدان هذا قول الاكثر وقد يوضع كل واحد منهما موضع اخر (قرطبی) قال الحسن الباساء شدة الفقر من البؤس والضراء الامراض والاوجاع (کبیر) و٦٧ (بجائے نرم پڑنے کے) ایسے قسی القلب مجرموں کا انجام سابق صحیفوں میں یوں درج ہے:۔ "وہ جو باوجود بار بار تنبیہ پانے کے سخت گردنی کرتا ہے، ناگہاں برباد کیا جائے گا اور اس کا کوئی چارہ نہ ہوگا۔" (امثال۔ ٢٩: ١) فَلَوۡلَاۤ ...... تَضَرَّعُوۡا۔ اور اس تضرع سے ان کا جرم بھی معاف ہوجاتا، فقرہ کے شروع میں لَوۡلَاۤ کے لے آنے سے اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ بجز عناد وقسوت قلب اور خود بینی کے اور کوئی مانع ان کے پاس تضرع سے تھا ہی نہیں، ذكر كلمة لو لا يفيد انه ما كان لهم علر فى ترك التضرع الاعنادهم وقسوتهم واعجابهم باعمالهم زينها الشيطان لهم (کبیر) قَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ۔ قساوت قلب یہ تھی کہ کفر اور اصرار معاصی پر قائم رہے۔ هى عبارة عن الكفر والاصرار على المعصية (قرطبی) و٦٨ شیطان کا اصلی حربہ یہی تزئین معاصی ہے۔ ہر گندہ سے گندہ فسق ومعصیت میں وہ کوئی نہ کوئی پہلو ظاہری زینت یا فوری لذت کا ضرور دکھا دیتا ہے۔ اور انسان کا کمزور نفس اس کا شکار ہوجاتا ہے۔ شراب نوشی، سودخواری، حرامکاری سے لے کر آج کی سینما بازی تک میں بھی یہ خصوصیت سب میں مشترک نکلے گی۔ و٦٩ (ہر طرح مایوس ہوکر) یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ جاہ وثروت، خوشحالی اور اقبال مندی کو صداقت وحقانیت کی دلیل سمجھ لینا تمامتر حماقت وسفاہت ہے:۔ اس کا لازمی تعلق حق وصداقت سے ہرگز نہیں، گو اکثر حالات میں مطیعین اور اہل حق کو یہ دنیوی سربلندیاں بھی بہ طور انعام مل جاتی ہیں۔ نَسُوۡا۔ نسیان سے یہاں وہ عدم حافظہ کا عمل مراد نہیں جو غیر اختیاری ہے، بلکہ ترک اختیاری مراد ہے، نسو بمعنى تركوا عن ابن عباس وابن جريج وهو قول ابى على (قرطبی) مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖ۔ یعنی ایمان واطاعت کے مطالبات جو بار بار پیمبروں کی طرف سے پیش ہوتے رہے۔ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَبۡوَابَ كُلِّ شَىۡءٍ۔ یعنی ہر قسم کے اسباب نعمت انہیں مہیا ہوگئے۔ اى من النعم والخيرات اى كثرنا لهم ذلك (قرطبی) مطلب یہ ہوا کہ پہلے سختیوں میں اور اب آسانیوں میں دونوں طرح ہم نے انہیں رکھ دیکھا کہ اب بھی وہ فطرت سلیم سے کام لے کر کسی طرح راہ حق پر آجائیں۔ وہ کسی طرح بھی نہ آئے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ انہی استدراجی نعمتوں کی ایک نظیر اس شخص کا حال ہے جس کا ذوق وحال باوجود معصیت وفسق کے باقی رہے، یہ اس کے حق میں استدراج ہے۔ وہ جاہل اس پر فخر کرتے ہیں کہ دیکھو ہماری نسبت کیسی قوی ہے۔ اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا۔ یعنی دنیوی جاہ وحشمت کی غفلت ومستی میں پڑ کر ان کا کفر خوب بڑھ گیا۔ فَاِذَا هُمۡ مُّبۡلِسُوۡنَ۔ گویا اردو محاورہ میں ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اور وہ غایت یاس میں مبتلا ہوگئے۔ ايسون من كل خير قال الفراء المبلس الذى انقطع رجاءهٗ وقال الزجاج المبلس شديد الحسرة الحزين (کبیر) و٧٠ یعنی اس خدا کے لئے جو محافظ ہے نظام تکوینی کا اور اس سے ہر رخنہ اندازی کو دور کرتا رہتا ہے۔ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا۔ یہ ظلم وہ اپنی جانوں پر بھی کرتے رہے۔ اور نظام کائنات پر بھی۔

وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ

اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو بجز اللہ کے اور کون معبود ہے جو یہ (چیزیں) تمہیں دے دے؟

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

آپ دیکھئے ہم کس طرح دلائل (توحید) بیان کرتے ہیں اور یہ پھر بھی بے رخی کئے ہوئے ہیں ۱ے

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً

آپ کہہ دیجئے کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ اگر تمہارے اوپر اللہ کا عذاب اچانک یا خبرداری میں آ پڑے

هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ

تو کیا بجز ظالم لوگوں کے کوئی اور بھی ہلاک کیا جائے گا؟ ۲ے اور ہم پیمبروں کو تو

الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ

بشارت دینے والے اور ڈرانے والے ہی کی حیثیت سے بھیجتے ہیں تو جو کوئی بھی ایمان لے آئے

وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اپنی درستی کر لے تو ان لوگوں کے لئے نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ یہ لوگ غمگین ہوں گے ۳ے

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا

اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں انہی کو عذاب لگے گا اس لئے کہ وہ (عبودیت سے) تجاوز کر کر

يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ

جاتے ہیں ۴ے آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے

اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ

ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں ۵ے

اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى

میں تو بس اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس آتی ہے، آپ کہیے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر

۱ے (اور جن مقدمات ومبادی سے توحید لازم آتی ہے۔ اُن پر غور ہی نہیں کرتے اور نتیجۂ توحید تک اپنے کو پہنچنے ہی نہیں دیتے ہیں) يَصْدِفُوْنَ۔ صدف۔ اعراض کے مرادف ہے۔ ای یعرضون عن ابن عباس والحسن ومجاهد وقتادة والسدی، يقال صدف عن الشیء اذا اعرض عنه (قرطبی) كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ۔ تصریف آیات یہ کہ انہیں گھما کر بار بار لایا جائے اور مختلف اعتبارات سے پیش کیا جائے۔ وتصریف الأیات الاتیان بها من جهات من اعذار وانذار وترغیب وترهیب ونحو ذلک (قرطبی) المراد من تصریف الأیات ایرادها علی الوجوه المختلفة المتکاثرة بحیث یکون کل واحد منها یقوی ما قبله فی الایصال الی المطلوب (کبیر) اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ۔ یعنی تمہاری سماعت وبصارت سے تمہیں اس طرح محروم کردے کہ تمہیں نہ کچھ سنائی دے نہ کچھ دکھائی دے۔ ابصار کا جمع ہونا تو ظاہر ہے۔ سمع لفظاً واحد ہے لیکن چونکہ مصدر ہے۔ اس لئے کام جمع کا دے رہا ہے۔ وحد سمعکم لانه مصدر یدل علی الجمع (قرطبی) خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ۔ تمہارے دلوں پر ایسی مہر کردے کہ تمہاری عقلیں مخبوط ومعطل ہو جائیں۔ یہ دلوں پر مہر جو تکوینی طور پر لگ جائے اس مہر لگ جانے سے اس کا الگ ہونا ظاہر ہی ہے جو کفر وفسق پر اصرار سے بہ طور نتیجۂ طبعی کے لگ جاتی ہے اور جس کا ذکر محرومیٔ ایمان کے سلسلہ میں کئی بار آچکا ہے۔ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ۔ بہ میں ضمیر واحد اس مذکور کی جانب ہے جو ابھی اوپر گزر چکا۔ ای باحد هذه المذکورات (قرطبی) جوزان یکون راجعًا الی احد هذه المذکورات (روح) ۲ے عذاب الٰہی کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ اس کا شکار صرف مجرمین ہوتے ہیں اور مطیعین اس سے بچا لئے جاتے ہیں۔ حقًا علینا ننج المومنین۔ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً۔ بَغْتَةً وہ عذاب ہے جو یک بیک اور اچانک بغیر کسی اطلاع کے آجائے۔ اور جَهْرَةً وہ عذاب ہے جو پورے طور پر اظہار علامات کے بعد آئے۔ مقصود کلام یہ ہے کہ کوئی عذاب کسی قسم کا بھی ہو اس کے دفع کرنے کی قوت وقدرت صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ هذا عام فی جمیع انواع العذاب والمعنی انه لا دافع لنوع من انواع العذاب الا الله سبحانه (کبیر) ای لا یهلک انتم الا بشرککم والظلم هنا بمعنی الشرک (قرطبی) آیت میں تعلیم اس مضمون کی ہے کہ ہلاکت وبربادی تو بہرحال کافروں ہی کے لئے ہے۔ باقی مومن کے لئے تو خوشحالی اور بدحالی دونوں یکساں نعمت ہی ہیں۔ خوشحالی کا نعمت ہونا تو ظاہر ہی ہے بدحالی بھی اس معنی میں نعمت ہے کہ وہ کفارۂ سیئات، یا رفع مراتب کا کام دے گی۔ ذلک تنبیه علی ان المومن المتقی التقی هو السعید سواء کان فی البلاء اوفی الألاء والنعماء وان الفاسق الکافر هو الشقی کیف دارت قضیته واختلفت احواله (کبیر) ۳ے (قیامت کے دن) لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور حزن ماضی پر ہوتا ہے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ یہاں یہ نہیں ارشاد ہوا ہے کہ بہ اقتضائے ایمان، وہ اللہ کا طبعی خوف بھی نہ رکھتے ہوں گے، بلکہ ارشاد صرف یہ ہے کہ واقعۃً ان کے لئے کوئی اندیشہ ناک بات نہ ہوگی۔ وَمَا نُرْسِلُ...... مُنْذِرِيْنَ یعنی پیمبروں کی بعثت کی غرض تمام تر یہ ترغیب وترہیب ہوتی ہے۔ یہ کچھ اپنی پوجا کرانے کے لئے نہیں آتے، نہ اس لئے کہ خارق عادت عجائبات دکھایا کریں۔ والمقصود هنا ان الانبیاء والرسل بعثوا مبشرین ومنذرین ولا قدرة لهم علی اظهار الأیات وانزال المعجزات بل ذاک مفوض الی مشیة الله تعالٰی وکلمته وحکمته (کبیر) فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ۔ ایمان کا تعلق قلب سے ہے، اور اصلاح کا اعضاء ظاہری سے۔ الایمان الذی هو عمل القلب والاصلاح الذی هو عمل الجسد (کبیر) ۴ے اور کفر میں جا پڑتے ہیں) یفسقون ای یکفرون (قرطبی) وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ یعنی ان کا عمل تکذیب پیمبروں کی اسی تبشیر وانذار کے بعد بھی جاری ہے آیات کے تحت میں قرآن مجید اور معجزات نبوی دونوں داخل ہیں۔ ای بالقراٰن والمعجزات (قرطبی) يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ۔ یہ عذاب عام ہے۔ خواہ دنیا میں ہو، خواہ آخرت میں۔ یہ وعید انہی فاسقین کے لئے ہے جو ساتھ ہی آیات اللہ کے مکذبین میں سے بھی ہوں۔ ۵ے (کہ لوازم بشریت سے منزہ ہوں) قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ۔ یعنی نہ میری ملک قدرت کامل کہ جس کو جو چاہوں عطا کردوں۔ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ۔ اور نہ میرا علم کامل ومحیط کہ وہ خاصہ حق تعالیٰ ہے۔ آیت کے ان تین فقروں میں مشرکوں کے تین عقیدوں کا رد تو ظاہر ہی ہے لیکن اس کے علاوہ مسیحیت کا رد بھی اس میں آگیا ہے۔ جس نے مسیح علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ کا ہم پلہ وہمسر بنا کر پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں اناجیل رائج الوقت کی چند آیتیں: "باپ بیٹے سے محبت رکھتا ہے۔ اور اس نے سب چیزیں اس کے ہاتھ میں دے دی ہیں۔" (یوحنا ۳:۳۶) "میں اور باپ ایک ہیں۔" (یوحنا۔ ۱۰:۳۰) "جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے۔" (یوحنا۔ ۱۶:۱۵) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں پیمبر کے لئے اثبات کیا گیا ہے دو صفات کا۔ پہلا اثبات عبدیت کا، جس کے لوازم میں امتثال امر اور اتباع وحی ہے، دوسرا اثبات بشریت کا، جس کے لوازم میں اکل وشرب، خوف ورجاء ہے۔ اسی طرح دو صفات کی نفی ہے۔ پہلی نفی عبد سے خواص الوہیت کی جیسا قدرت کاملہ وعلم محیط کی ہے، دوسری نفی بشر سے تنزہ عن البشریت کی ہے

وے۷ (جواتنی موٹی سی بات تمہاری سمجھ میں آجائے کہ کہیں نورِ وحی سے منور، صاحبِ بصیرت اور کہیں فیضانِ نور سے محروم، بے بصر دونوں برابر ہوسکتے ہیں) اَلۡاَعۡمٰی وَالۡبَصِیۡرُ۔ سے مراد کافر و مومن ہیں۔ ای الکافر والمومن عن مجاهد (قرطبی) اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ۔ یہ ہے ایک مختصر سے فقرہ میں ساری حقیقت نبوت و رسالت کی، صاحبِ وحی کا ہر قدم وحی الٰہی کی ہی روشنی میں اٹھتا ہے۔ اور نبی تمامتر وحی الٰہی ہی کا اتباع کرتا رہتا ہے..... نبی کو شریعت میں جو معصوم مانا گیا۔ وہ تمامتر فرع ہے اسی اصل کی، جب رسول اپنے سارے فرائض رسالت میں احکامِ الٰہی کا پیرو ہوگیا تو اس میں خطا و غلطی کا امکان ہی کہاں باقی رہ گیا؟ آیت سے یہ مراد نہیں کہ پیمبر اجتہاد سے محروم ہوتا ہے، اجتہاد و قیاس شرعی کے موقع جب امتیوں کے لئے ہیں تو پیمبر کے لئے تو بدرجہا زاید ہیں، مراد صرف یہ ہے کہ جو امور قابلِ اجتہاد نہیں، وہاں تمامتر وحی الٰہی ہی پیمبر کی زندگی کی رہنمائی کرتی رہتی ہے۔ وے۷ (اور ایمان وطاعت کی راہ اختیار کرلیں) اَلَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ اَنۡ یُّحۡشَرُوۡۤا۔ پیمبر اپنا وعظ سناتا تو سب کو ہے لیکن اس سے نفع اندوز بس وہی ہوتے ہیں، جن کے دلوں میں خوفِ خدا و خوفِ عاقبت کسی درجہ میں موجود ہوتا ہے، یا جن کا ضمیر کسی حد تک زندہ ہوتا ہے۔ خص فی هذه الأية اللذين يخافون الحشر لان انتفاعهم بذلك الانذار اكمل بسبب ان خوفهم يحملهم على اعداد الزاد ليوم المعاد (کبیر) لَعَلَّهُمۡ یَتَّقُوۡنَ۔ کہ شاید آپ کے موعظہ سے متاثر ہوکر وہ پوری طرح راہ ہدایت پاجائیں راہِ ایمان پر ثابت قدم ہوجائیں۔ ای فی المستقبل و هو الثبات على الايمان (قرطبی) وَاَنۡذِرۡ بِهِ۔ ضمیر اُس وحی کی جانب ہے، جس کا ذکر ابھی آچکا ہے۔ والضمير لما يوحى الى (بیضاوی) ای انذر بما اوحى اليک (بحر) ای بالقرآن (قرطبی) قال ابن عباس والزجاج بالقرآن (کبیر) انذار یوں تو پیمبر کے ذمہ مطلق و عام صورت میں بھی واجب ہے لیکن یہاں مقصود انذار خاص ہے۔ جو وہیں ہوتا ہے جہاں نفع معتد بہ متوقع ہوتا ہے۔ انذار کے معنی یہاں اعلام بھی کئے گئے ہیں۔ الانذار الاعلام (قرطبی) الانذار الاعلام بموضع المخافة (کبیر) وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیۡعٌ۔ یہ غیر اللہ کے متعلق دستگیری یا شفاعت کا عقیدہ، بہت زائد پھیلا ہوا تھا۔ اور مشرکین کے علاوہ یہود و نصاریٰ تک میں عام تھا، اسی لئے اس کی تردید بار بار اور شد و مد سے آئی ہے۔ اس سے اس شفاعت کی نفی نہیں ہوتی جو اہل سنت کے نزدیک انبیاء و ملائکہ و صالحین کی طرف سے ثابت ہے، اس لئے کہ یہ شفاعت مستقلاً و اصالۃً نہیں بلکہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے نیابۃً ہوگی ——مِنۡ دُوۡنِهٖ اور الا باذنه کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قوله ليس لهم من ولى ولا شفيع لانها فى ملهبنا فى اثبات الشفاعة للمومنين لان شفاعة الملائكة والرسل للمومنين انما تكون باذن الله فكلما كانت تلك الشفاعة باذن الله كانت فى الحقيقة من الله تعالى (کبیر) اِلٰی رَبِّهِمۡ۔ یہ مطلب نہیں کہ حق تعالیٰ کسی سمت و جہت میں قائم ہیں اور حشر وہاں ہوگا بلکہ مراد صرف وہ مقام ہے جو پروردگار نے خلق کے اجتماع اور فیصلہ کیلئے مقرر کیا ہے۔ المراد المكان الذى جعله ربهم لاجتماعهم وقضائهم (کبیر) المراد الحشر الى المكان الذى جعله عزوجل محلاً لاجتماعهم وللقضاء عليهم (روح) وے۸ یعنی دن رات اپنے فرائض میں لگے رہتے ہیں جانباز سپاہی کی طرح ہر وقت اپنی ڈیوٹی پر حاضر رہتے ہیں۔ الغداوة والعشى سے صبح و شام کے متعین ہی اوقات مراد نہیں بلکہ دوام مراد ہے۔ ذكر هذين القسمين تنبيها على كونهم مواظبين على الصلوات الخمس (کبیر) المراد بذكر الغداوة والعشى الدوام (کشاف) المراد بهما ههنا الدوام (روح) یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ۔ کے تحت میں عبادت الٰہی اور ہر قسم کے فرائض آگئے۔ المراد بالدعاء المحافظة على الصلوٰة المكتوبة فى الجماعة قال ابن عباس و مجاهد والحسن (قرطبی) يواصلون دعاء ربهم اى عبادته و يواظبون عليها (کشاف) وَلَا تَطۡرُدِ۔ یعنی اپنی مجلس سے نہ نکالیے۔ عرب جاہلیت خصوصاً قریش کے امراء و رؤساء اسی طرح طبقاتی کبر و نخوت میں مبتلا تھے۔ جس کی مثالوں سے آج یورپ بھرا پڑا ہے وہ اپنے عوام کے ساتھ ایک مجلس میں نشست کے روادار نہ تھے چہ جائیکہ ایسے مجمع میں جس میں غیر عرب حبشی وغیرہ اور پھر ان میں بھی غلام تک ہوں، انہی رئیسوں اور سرداروں نے اس مصلح اعظم ﷺ کے ہاں کہلا بھیجا کہ ان عوام و اجلاف کو اپنے پاس سے ہٹائیے تو ہم لوگوں کے لیے گنجائش نکلے قرآن کو ان شعائر جاہلیت پر تو ضرب کاری ہی لگانا مقصود تھی۔ جواب ان آیات کے ذریعہ عطا ہوا۔ وے۹ یعنی مطیعین اور فرمانبرداروں کو بلا عذر اپنی مجلس سے محروم کردینا سخت ناانصافی کا برتاؤ ہے۔ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ۔ یعنی یہ اطاعت و عبادت بھی تمامتر اخلاص کے رنگ سے رنگین ہے۔ يخلصون نياتهم فى عبادتهم (بحر) اى طاعته والاخلاص فيها (قرطبی) اى مخلصين له سبحانه فيه (روح) وَجۡهَهٗ سے محاورہ میں مراد کسی شئی کی ذات یا حقیقت ہی ہوتی ہے یا پھر عظمت و تعظیم مقصود ہوتی ہے۔ الوجه يعتبر به عن ذات الشئ و حقيقته (کشاف) يذكرون لفظ الوجه للتعظيم كما يقال هذا وجه الراى و هذا وجه الدليل (کبیر) حسابهم حسابک حساب سے مراد باطن کی تفتیش سے لی گئی ہے۔ یعنی جس طرح اُن کے باطن کی تفتیش آپ کے ذمہ ذرا بھی نہیں۔ اسی طرح آپ کے باطن کی تفتیش اُن کے ذمہ بھی نہیں، مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں مریدین کے ہی بعض حقوق کا بیان ہے کہ انہیں بلا مصلحت اپنے پاس سے مطرود نہ کریے۔ مِنۡ حِسَابِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ۔ پہلا مِنۡ تبعیض کے لیے ہے اور دوسرا مِنۡ زور و تاکید کے لیے ہے۔ من الاولى للتبعيض و الثانية زائدة للتوكيد (قرطبی) فقہاء نے آیت اور اس کے ہم مفہوم

وَالۡبَصِیۡرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنۡذِرۡ بِهِ الَّذِیۡنَ

ہوسکتے ہیں؟ تو کیا تم غور نہیں کرتے وے۷ اور آپ اس (وحی شدہ قرآن) کے ذریعہ سے انہیں ڈرایئے

یَخَافُوۡنَ اَنۡ یُّحۡشَرُوۡۤا اِلٰی رَبِّهِمۡ لَیۡسَ لَهُمۡ مِّنۡ

جو اندیشہ رکھتے ہیں اس امر کا کہ وہ اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائیں گے اس حال میں کہ ان کے حق میں

دُوۡنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیۡعٌ لَّعَلَّهُمۡ یَتَّقُوۡنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطۡرُدِ

نہ کوئی مددگار ہوگا نہ کوئی شفیع، شاید کہ وہ ڈرنے لگیں وے۷ اور ان لوگوں کو نہ نکالئے

الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ

جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں وے۸ خاص اُسی کی رضا کا قصد

وَجۡهَهٗ ؕ مَا عَلَیۡكَ مِنۡ حِسَابِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ وَّمَا

کرتے ہوئے آپ کے ذمہ اُن کا حساب ذرا بھی نہیں، اور نہ اُن کے ذمہ آپ کا ذرا بھی

مِنۡ حِسَابِكَ عَلَیۡهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَتَطۡرُدَهُمۡ فَتَكُوۡنَ

حساب ہے جس سے آپ انہیں نکالنے لگیں اور آپ کا شمار بے انصافوں میں

مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ

ہوجائے وے۹ اور اس طرح ہم نے اُن میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے

لِّیَقُوۡلُوۡۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِنَا ؕ اَلَیۡسَ

جس سے یہ لوگ کہیں گے کہ کیا یہی لوگ ہمارے درمیان میں سے ہیں جن پر

اللّٰهُ بِاَعۡلَمَ بِالشّٰكِرِیۡنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِیۡنَ

اللہ نے اپنا فضل کیا ہے؟ وے۸۰ کیا اللہ شکر گزاروں سے خوب واقف نہیں؟ وے۸۱ اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں

یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلۡ سَلٰمٌ عَلَیۡكُمۡ كَتَبَ رَبُّكُمۡ

جو ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہو، تمہارے پروردگار نے

عَلٰی نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنۡ عَمِلَ مِنۡکُمۡ سُوۡٓءًۢا

اپنے اُوپر رحمت لازم کر رکھی ہے، ف۸۲ بیشک تم میں سے جو کوئی نادانی سے برائی

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَصۡلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوۡرٌ

کر بیٹھے پھر وہ اُس کے بعد توبہ کرلے اور اپنی حالت درست کرلے، تو وہ بڑا مغفرت والا ہے،

رَّحِیۡمٌ ﴿۵۴﴾ وَکَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ وَلِتَسۡتَبِیۡنَ سَبِیۡلُ

بڑا رحمت والا ہے ف۸۳ اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے رہتے ہیں نشانیوں کو تاکہ مجرموں کا طریقہ

الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۵۵﴾ ع قُلۡ اِنِّیۡ نُهِیۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ الَّذِیۡنَ

واضح ہو کر رہے ف۸۴ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں اُن کی عبادت کروں

تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قُلۡ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهۡوَآءَکُمۡ ۙ

جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے رہتے ہو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشوں کی پیروی نہ کروں گا،

قَدۡ ضَلَلۡتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُهۡتَدِیۡنَ ﴿۵۶﴾ قُلۡ اِنِّیۡ

ورنہ میں بھی بے راہ ہو جاؤں گا، اور راہ پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا ف۸۵ آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس

عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَکَذَّبۡتُمۡ بِهٖ ؕ مَا عِنۡدِیۡ

تو دلیل ہے میرے پروردگار کی طرف سے اور تم اُسی کو جھٹلاتے ہو جس چیز کا تم تقاضا کر رہے ہو

مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِهٖ ؕ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ

وہ میرے پاس نہیں ف۸۶ حکم (تو اور کسی کا) نہیں بجز اللہ کے وہی حق کو بتلاتا

الۡحَقَّ وَهُوَ خَیۡرُ الۡفٰصِلِیۡنَ ﴿۵۷﴾ قُلۡ لَّوۡ اَنَّ عِنۡدِیۡ

ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ف۸۷ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی

مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِهٖ لَقُضِیَ الۡاَمۡرُ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَکُمۡ ؕ

جس کا تم تقاضا کر رہے ہو تو (اب تک) میرے تمہارے درمیان قصہ فیصل ہو چکا ہوتا،

ع ۶ / ۱۲

النھی عن ان یعظم احد لجاھه و لثوبه و عن ان یحتقر احد لخموله و لرثاثة ثوبه (قرطبی) ف۸۰ شروع میں اسلام کے ماننے والوں میں ضعفاء وغرباء کثرت سے تھے۔ سرکش وشریرالطبع قریش ان بیچاروں کو دیکھ دیکھ کر طنز وتعریض سے کہتے تھے کہ "اجی ان لوگوں کی بدحالی دیکھو، یہ تو اپنے دین کو اللہ کی نعمت بتاتے ہیں تو کیا یہی بدحالی اللہ کی نعمت ہے؟" وَكَذٰلِكَ یعنی امارت وافلاس کے درمیان فرق قائم کر کے۔ فَتَنَّا بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ۔ یعنی خوشحال کافروں کو بدحال مومنوں کے ذریعہ سے۔ المفتون بالغنی والفقر او بالشرف والوضاعة والقوة والضعف (بحر) لِّیَقُوۡلُوۡٓا۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی امارت وافلاس کی اس طبقاتی تقسیم سے ایک مقصود تکوینی امتحان بھی ہے۔ یہ کہنے والے امراء ورؤسا تھے۔ اور جن لوگوں کی طرف اشارہ تھا، وہ ضعفاء وفقراء تھے۔ یعنی الاشراف والاغنیاء و ھٰؤلاء یعنی الضعفاء والفقراء (قرطبی) ف۸۱ (چنانچہ ان غریبوں، مسکینوں نے حق کو پہچانا اور قدر کی۔ انہیں دولت ایمان سے سرافراز کر دیا گیا، رؤساء وامراء قریش کفران وانکار میں لگے رہے۔ قسمت سے محروم رہ گئے) ف۸۲ رحمت وشفقت کل کائنات کے لیے عمومی اور مطیعین ومومنین کے لیے خصوصی، اور اس قانونِ رحمت کی ایک دفعہ یہ ہے، جو ابھی بیان ہو رہی ہے۔ كَتَبَ۔ یہاں اوجب کے مرادف ہے یعنی حق تعالیٰ نے اپنے اُوپر محض اپنے فضل وکرم سے بلا کسی کے توسط کے لازم یا واجب کر لیا ہے۔ ای اوجب ذٰلک بخبره الصدق و وعده الحق (قرطبی) ای اوجبھا علی ذاته المقدسة تفضلًا و احسانًا بالذات لابتوسط شئ اصلا (روح) کتب میں خود ہی وجوب موجود ہے اور پھر جب علیٰ اس کے ساتھ آ گیا تو تاکید اور دہری ہو گئی۔ کتب کذا علیٰ فلانٍ یفید الایجاب و کلمة علیٰ ایضاً تفید الایجاب و مجموعھما بالغة فی الایجاب (کبیر) علیٰ نفسه۔ نفس سے مراد یہاں ذات وحقیقت ہے نہ کہ جسم۔ النفس ھھنا بمعنی الذات و الحقیقة و اما بمعنی الجسم والدم فالله سبحانه و تعالیٰ مقدس عنه (کبیر) معناه وعدکم بالرحمة وعدًا مؤکدًا (مدارک) سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ۔ السلام علیکم تو مسلمانوں کے ہاں کا اصطلاحی سلام بھی ہے ہر دوسرے فرقہ اور قوم کے طریق سلام وتحیت سے ممتاز، نہ ڈنڈوت نہ پالاگن، نہ گڈمارننگ نہ "جے رام جی کی" نہ "نمستے" نہ "آداب وبندگی" بلکہ صرف دعائے رحمت کہ اللہ ہر طرح فلاح وسلامتی نصیب رکھے...... وہ جامع وبے نظیر دعا جو ہر موقع پر، ہر مرتبہ اور ہر سن کے انسان کو دن اور رات کے ہر وقت بلا تکلف دی جا سکتی ہے۔ اور یہاں سیاق میں سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ کے معنی ہوں گے کہ اللہ تمہیں اُن تمام خرابیوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھے جو کفر وانکار کے لازمی نتیجہ کے طور پر دنیا اور آخرت میں پیش آئیں۔ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ ایک جامع ترین دعاء ہے جس میں دنیوی اور اُخروی ہر قسم کی سلامتی آ گئی۔ معناه سلّمکم الله فی دینکم و انفسکم (قرطبی) یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِنَا۔ آیات سے مراد یہاں آیاتِ قرآنی بھی ہو سکتی ہیں اور دلائل بھی۔ والمراد بالاٰیات الاٰیات القراٰنیة۔ او الحجج مطلقاً (روح) فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حسب معمول یہاں بھی غایت نکتہ رسی سے کام لیا ہے، ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے سب پر اطلاق آیت اللہ کا ہو سکتا ہے۔ وہ سب آیات یا اُس کی ذات ووجود کی ہیں یا اُس کی وحدانیت کی اور یا اُس کی صفاتِ عالیہ کی۔ اور اس معنی میں آیاتِ الٰہی کی کوئی انتہاء نہیں۔ ہر شخص جو معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے اسے آیات کے کسی نہ کسی حصہ ہی پر قناعت کرنا ہوتی ہے۔ کل آیاتِ الٰہی کا احاطہ حد بشر سے باہر ہے اور بندہ کی ترقی کی کوئی انتہا ہی اس طریق معرفت کے لحاظ سے نہیں، وہ برابر ترقی ہی کرتا جائے گا، تو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ملتا ہے کہ جس بندہ میں یہ صفت دیکھو اسے سلامتی کی بشارت پہنچا دو۔ كَتَبَ عَلٰی نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ۔ دوسری آیتوں کی طرح اس آیت سے بھی ثابت ہو گیا کہ ذات باری تعالیٰ کے لئے نفس کا استعمال جائز ہے۔ دلت ھٰذه الاٰیة علی انه لا یمتنع تسمیة ذات الله تعالیٰ بالنفس (کبیر) ف۸۳ چنانچہ وہ شان غفر کے تقاضا سے معاصی کی لغوتوں سے بھی بچا لے گا۔ اور شان رحمت کے تقاضا سے مزید نعمتوں سے بھی سرفراز کرے گا۔ غفورٌ بسبب ازالة العقاب رحیمٌ بسبب ایصال الثواب (کبیر) مَنۡ عَمِلَ مِنۡکُمۡ سُوۡٓءًۢا بِجَهَالَةٍ۔ یعنی بدعملی کا وقوع اگر وقتی غلبہ نفس سے جہل وغفلت کی بنا پر ہو جائے۔ تَابَ وَاَصۡلَحَ۔ یعنی وقوعِ معصیت کے بعد نفس کو اس پر تنبیہ ہو جائے۔ اور اپنے امکان بھر ایک طرف ماضی کے کفارہ اور دوسری طرف حال ومستقبل میں بچنے کا اہتمام کر لیا جائے۔ تاب اشارة الی الندم علی الماضی واصلح اشارة الی کونه اٰتیا بالاعمال الصالحة فی الزمان المستقبل (کبیر) ف۸۴ (اور اس سے مومنین صادقین کا طریقہ بھی ممتاز ہو کر خود بخود واضح ہو جائے گا) والحق والباطل لا واسطة بینھما فمتی استبانت طریقة المجرمین فقد استبانت طریقة المحققین ایضًا لا محالة (کبیر) کَذٰلِکَ۔ یعنی جیسے اسی سورۃ میں ہم اور بھی دلائل مشرکین کے خلاف کھول کر بیان کر چکے ہیں۔ ای کما فصلنا لک فی ھٰذه السورة دلائلنا ومحاجتنا مع المشرکین (قرطبی) کما فصلنا لک فی ھٰذه السورة دلائلنا علیٰ صحة التوحید والنبوة والقضاء والقدر (کبیر) الۡاٰیٰتِ۔ یعنی وہ احکام ودلائل جن کی ضرورت اقامت دین اور مقابلہ اہل باطل کے لئے مومنین کو پڑ سکتی ہے۔ ای فی کل ما تحتاجون الیه من امر الدین وتبین لکم ادلتنا وحجتنا فی کل حق ینکره اھل الباطل (قرطبی) نمیز ونفصّل لک دلائلنا وحجتنا فی تقریر کل حق ینکره اھل الباطل (کبیر) ف۸۵ آیت سے خدائی قانون کی ہر جہتی ہمہ گیری اور اس کے مقابلہ میں بندوں کی عقل آرائیوں کی انتہائی پستی وگندگی دونوں پر یکساں روشنی پڑ جاتی ہے۔ رسول جو پاک نفسوں اور قدسی سرشتوں کے سردار ہیں، ان تک کی زبان سے کہلوایا جا رہا ہے کہ تمہارے قاعدے اور ضابطے تمہاری عبادتیں اور پوجا پاٹ اس درجہ گندے ہیں کہ میں ان کی پیروی کرنے لگوں تو

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو ف۸۸ اور اس کے پاس ہیں غیب کے خزانے،

لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ

انہیں بجز اُس کے کوئی نہیں جانتا ف۸۹ اور وہی جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے،

وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ

اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر یہ کہ وہ اسے جانتا ہے اور کوئی دانہ

ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ

زمین کی تاریکیوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز مگر (یہ کہ یہ سب) روشن کتاب

مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَ هُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰٮكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ

میں (موجود) ہیں ف۹۰ وہ وہی تو ہے جو رات میں تمہیں وفات دے دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں

مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى

کرتے رہتے ہو اسے جانتا ہے پھر تمہیں اُس سے جگا دیتا ہے کہ میعاد معین تمام

اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا

کر دی جائے ف۹۱ پھر اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے پھر وہ بتا دے گا جو کچھ تم

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ

کرتے رہتے تھے ف۹۲ اور وہ غالب ہے اپنے بندوں کے اوپر

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ

اور وہ تمہارے اوپر نگران (فرشتے) بھیجتا ہے ف۹۳ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو

الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا

موت آجاتی ہے تو اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) قبض کر لیتے ہیں، اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے پھر وہ (سب)

ع ۵ / ۱۳

اپنے مرتبہ سے کہیں گر جاؤں اور خود میرا شمار گمراہوں میں ہونے لگے۔ اَلَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ یعنی تمہارے خود ساختہ اور تراشیدہ معبود۔ ای تدعو نهم فی امهات امورکم علی جهة العبادة اراد بذلک الاصنام (قرطبی) اَهْوَآءَكُمْ۔ ھوی کا لفظ بہت عام ہے وحی الٰہی کے مقابلہ میں جو بھی ''عقل آرائی'' کام میں لائی جائے گی، اس کا شمار ہوائے نفس میں ہوگا۔ ف۸۶ یعنی عذاب الٰہی۔ ای العذاب (قرطبی) مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ۔ یعنی مجھ میں اس عذاب کے جلد یا بدیر لانے کی قدرت کہاں؟ لا قدرة لی علی تقدیمه او تاخیره (کبیر) منکرین طنز کے لہجہ میں رسول اللہ ﷺ سے بار بار کہتے تھے کہ سچے ہو تو ہم پر عذاب الٰہی لا دکھاؤ، یہ جواب اسی بیہودہ فرمائش کا دیا جا رہا ہے۔ فانهم کانوا لفرط تکذیبهم یستعجلون نزوله استهزاءً (قرطبی) عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ۔ سب سے بڑا بینة یہی قرآن مجید ہے جو دنیا کا عظیم ترین دائمی و مستقل معجزہ ہے۔ اپنی تعلیمات کے لحاظ سے جامع و کامل، اپنی ہدایت و احکام کے لحاظ سے بے مثل، اور اپنی انشاء و طرز بیان کے لحاظ سے بھی اپنا نظیر آپ ای علی حجة من جهة ربی وهی القرآن (کشاف) بینة کا صیغہ نکرہ تنوین کے ساتھ اظہار عظمت کے لئے ہے۔ یعنی بہت بڑی دلیل۔ التنوین للتفخیم ای بینة جلیل الشان (روح) وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ۔ یعنی تمہارا حال یہ ہے کہ تم ایسی صاف روشنی کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہو، بہ ضمیر مذکر البینة کی جانب ہے، اس کے معنی بیان، یا اس کے مفہوم و مراد ''قرآن'' کے لحاظ سے۔ ای بالبینة لانها فی معنی البیان وقیل بالفرقان (قرطبی) ذکر الضمیر علی تاویل البیان او القرآن (کشاف) ای ما جئت به (معالم) بینة کے اصل معنی بیان کے ہیں، اور بیان و توضیح کے معنی میں یہ محاورہ عربی لغت میں عام ہے۔ ای انی علی بیان وبینة وبرهان قد وضح لی من ربی و کذلک تقول العرب فلان العرب فلان علی بینة من هذا الامر اذا کان علی بیان منه (ابن جریر) ای علی بیان وبصیرة وبرهان (معالم) ف۸۷ (چنانچہ اپنی حکمت مطلقہ کے مطابق وہ صحیح و مناسب وقت پر اپنا عمل اور ناطق فیصلہ بھی صادر فرما دے گا) والمراد ان ذلک العذاب ینزله الله فی الوقت الذی اراد انزاله فیه (کبیر) يَقُصُّ الْحَقَّ۔ اللہ ہی حق کو بتلاتا ہے چنانچہ اس وقت بھی اس نے حق کو روشن دلائل کے ساتھ قرآن کی صورت میں پیش کر دیا۔ ای یحکم بالحق بدلیل (معالم) اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ یعنی اختیار و حکومت تو تمامتر اللہ کی ہے۔ کائنات میں حاکمانہ تصرف صرف وہی کر سکتا ہے۔ میں عذاب اپنے ارادہ و اختیار سے کب لا سکتا ہوں اس کا انحصار تو ارادۂ الٰہی پر ہے۔ ای فی تاخیر العذاب وتعجیله (قرطبی) ای فی تاخیر عذابکم (کشاف) والمراد ههنا ان الحکم الا لله فقط فی تاخیر عذابهم (کبیر) فمعنی الکلام اذا ما الحکم فی ما تستعجلون به ایها المشرکون من عذاب الله فی ما بینی وبینکم الا لله (ابن جریر) انما ای یرجع امر ذلک الی الله ان شاء عجل لکم ما سالتموه من ذلک وان شاء انظرکم واجلکم (ابن کثیر) آیت کے اس جزو کو فرقہ خوارج نے بار بار پیش کیا ہے اور اس سے اپنا بڑا کام نکالنا چاہا ہے یہاں تک کہ خلیفہ راشد و برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت اسی آیت کو پیش کر کر کے پھیلائی تھی، اور آج بھی ایک گروہ ہر انسانی، مادی حکومت کو اسی آیت کے ماتحت ''غیر اسلامی'' حکومت قرار دے کر اس سے کسی قسم کا تعاون ناجائز بلکہ حرام ٹھیرا رہا ہے سیاق قرآنی پر ادنیٰ غور و تامل سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ آیت کو اس بحث سے ذرا بھی تعلق نہیں۔ سیاق تمامتر حکومت تکوینی و ارسال آیات و معجزات کا ہے۔ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَيْنِیْ وَبَيْنَكُمْ۔ یعنی احقاق حق کے واسطے اس عذاب کو میں اب تک نازل کرا چکا ہوتا۔ ای من العذاب لا نزلت بکم حتی ینقضی الامر الی اخره (قرطبی) لاهلکتکم عاجلًا غضبًا لربی (کشاف) لا وقعت لکم ما تستحقونه من ذلک (ابن کثیر) اس فقرے نے اور زیادہ صاف کر دیا کہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ سے مراد حکومت تکوینی ہی تھی۔ ف۸۸ اور وہی سارا فیصلہ کرے گا جو جس کے مناسب حال و قرین حکمت ہو، خواہ عذاب دنیوی ہو یا اخروی) الله اعلم بالظّٰلمین وبما یجب فی الحکمة من وقت عقابهم ومقداره (کبیر) یعنی انه هو العالم بکل شیء فهو یعجل ما تعجیله اصلح ویؤخر ما تاخیره اصلح (کبیر) عِنْدِیْ۔ یعنی میرے قبضہ و اختیار میں۔ ای فی قدرتی (کشاف) ای فی قدرتی وامکانی (کبیر) ای لو کان مرجع ذلک الیّ (ابن کثیر) ف۸۹ یعنی قدرت کاملہ تو الگ رہی، علم کامل بھی بجز اللہ کے کسی کو حاصل نہیں، مشرکوں اور نیم مشرکوں کو حیات، قدرت، علم انہی تینوں صفات میں سخت ٹھوکریں لگی ہیں۔ قرآن مجید بھی اسی لئے انہی تینوں صفات کے بارہ میں کثرت تکرار و تاکید کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ۔ تو وہی جب اور جس قدر چاہے، جس چیز کو ظہور میں لے آئے۔ مَفَاتِحُ۔ جمع مفتح (بالفتح) کی بھی ہے اور مفتح (بالکسر) کی بھی۔ مفتح کے معنی خزانہ کے مسلم ہیں۔ مفتح کے لفظی معنی کنجی کے ہیں لیکن مراد اس سے بھی یہاں وسائل و اسباب ہی سے ہوگی۔ غرض معنی خواہ یہ لئے جائیں کہ غیب کے خزانے اس کے ہاتھ میں ہیں یا غیب کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں، مراد دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے کہ غیب کا مالک صرف وہی ہے۔ اراد انه هو التوصل الی المغیبات وحده لا یتوصل الیها غیره (کشاف) لفظ المفاتح یمکن ان یکون المراد منه المفاتیح ویمکن ان یراد منه الخزائن (کبیر) ف۹۰ یعنی لوح محفوظ میں، جو علم الٰہی ہی کی متشکل صورت کا نام ہے۔ یا کتاب مبین سے مجرد علم الٰہی ہی مراد لیا جائے اور امام رازی علیہ الرحمۃ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔ الکتاب المبین علم الله تعالیٰ او اللوح (کشاف) ذلک الکتاب المبین هو علم الله تعالیٰ و لا غیر و هذا هو الاصوب (کبیر) اِلَّا هو مثبت فی اللوح المحفوظ (ابن جریر) مختلف مثالوں کے ذریعہ سے بتایا ہے کہ اللہ کا علم جزئیات کلیات ہر شے پر محیط ہے۔ اس میں رد آ گیا

إِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ
واپس لائے جائیں گے اپنے مالک حقیقی کے پاس۔ و۹۴ سن رکھو کہ فیصلہ اسی کا ہوگا اور وہ بہت ہی جلد
الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ
حساب لے لے گا و۹۵ آپ کہیے کہ تمہیں کون نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی
وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا
تاریکیوں سے (اور) اسے تم پکارتے رہتے ہو عاجزی سے اور چپکے چپکے کہ اگر وہ ہمیں نجات دے دے
مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ
ان (مصیبتوں) سے تو ہم یقیناً شکر گزاروں میں (داخل) ہو کر رہیں و۹۶ آپ کہہ دیجیے اللہ ہی
يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾
تمہیں نجات دیتا ہے ان سے اور ہر غم سے، اس کے بعد بھی تم شرک کرنے لگتے ہو و۹۷
قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ
آپ کہہ دیجیے کہ وہ (اس پر بھی) قادر ہے کہ تمہارے اوپر کوئی عذاب مسلط کر دے
فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا
تمہارے اوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے یا تمہیں گروہ گروہ کر کے بھڑا دے،
وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ
اور تمہیں ایک دوسرے کو لڑائی (کا مزہ) چکھا دے آپ دیکھئے ہم کس کس طرح دلائل کو الٹ پھیر
الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ
کر بیان کرتے ہیں شاید کہ وہ لوگ سمجھ جائیں و۹۸ اور آپ کی قوم نے اس کی تکذیب کی ہے
وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ
درآنحالیکہ وہ برحق ہے، آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہارے اوپر کچھ داروغہ تو ہوں نہیں و۹۹ ہر خبر (کے وقوع) کا

ان مشرک فلاسفہ کا جو علم الٰہی کو صرف کلیات پر محدود مانتے ہیں۔ آیت کی اہمیت ومعنویت جب ہی پوری طرح سمجھ میں آسکتی ہے جب مشرک قوموں کے ان عقائد کا پوری طرح علم ہو۔ و۹۱ یعنی میعاد معین تمہاری عمر کی، اسی طرح بیداری وخواب کے دوران سے، پوری کردی جائے! اے انسانو! اجل مسمّی ای اعمار کم المکتوبة و معنی القضاء فصل الامر علی سبیل التمام و معنی قضاء الاجل فصل مدة العمر من غیرها بالموت (کبیر) ای یستوفی کل انسان اجلاً ضرب له (قرطبی) بِالَّیْلِ۔ یعنی سونے کے وقت جو عموماً وعادۃً (نہ کہ کلیۃً ولازماً) رات ہی کا ہوتا ہے۔ عنی النوم (ابن جریر۔ عن السدی) وتخصیص التوفی باللیل والجرح بالنہار للجری علی السنن المعتاد والا فقد یعکس (روح) محاورۂ قرآنی میں ایسی مثالیں شاذ تھیں۔ یَتَوَفّٰىکُمْ۔ یعنی تمہاری روح نفسیاتی کو جس سے احساس وادراک متعلق ہیں معطل کردیتا ہے یا اسے قبض کرلیتا ہے۔ جدید نفسیات کی اصطلاحی بولی میں، تمہارے شعور کو باطل کردیتا ہے۔ فیتو فی انفسکم التی بہا تقدرون علی الادراک والتمییز (کبیر) لا تخرج منه الروح ولکن یخرج منه الذهن (قرطبی) ایک جدید فرقہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت قرآن مجید کے الفاظ متوفیک اور توفیتنی سے ثابت کرنی چاہی ہے۔ وہ علاوہ دوسرے قطعی دلائل کے یہاں یَتَوَفّٰىکُمْ کے استعمال میں بھی اپنا رد دیکھ لے۔ بِالنَّهَارِ۔ یعنی بیداری میں جب شعور پوری طرح کام کرتا ہوتا ہے۔ و۹۲ (دنیا میں اور اسی کے مناسب جزا سزا جاری کرے گا) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ موت وبعثت مجازی کے کرشمہ تو تمہیں رات دن، خواب وبیداری کے ذریعہ سے دکھاتا ہی رہتا ہے۔ ایسے کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ تمہیں آخری طور پر موت دے کر پھر حشر میں اٹھا کھڑا کرے۔ اَجَلٌ مُّسَمًّى۔ ہر شخص کی مدت عمر۔ معین لکل فرد وهو اجل بقائه فی الدنیا (روح) و۹۳ یہ فرشتے اعمال کی کتابت کے لیے بھی ہوتے ہیں اور جان کی حفاظت کے لیے بھی۔ حَفَظَةً میں دونوں مفہوم آگئے۔ گو حفظ وکتابت اعمال کا پہلو ظاہر تر ہے۔ اتفقوا علی ان المقصود من حضور هؤلاء الحفظة ضبط الاعمال (کبیر) ای ملائکة حافظین لاعمالکم (کشاف) عن قتادة یحفظون العمل والرزق والاجل (روح) ارسال الملئکة بما حملوا من الحفظ الذی اُمروا به (قرطبی) هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ۔ اس کا غلبہ اپنے بندوں پر اس کے علم وحکمت وقدرت کے لحاظ سے نہ کہ سمت ومکان کی بلندی کے اعتبار سے۔ لا یجوزان یکون المراد من هذه الاٰیة الفوقیة بالمکان والجهة بل یجب ان یکون منها الفوقیة بالقهر والقدرة (کبیر) یعنی فوقیة المکانة والرتبة لافوقیة المکان والجهة (قرطبی) و۹۴ (تعمیل احکام میں) ای لا یقصرون فی ما امروا به (کبیر) ای لاینقصون مما امروا به ولا یزیدون فیه (کشاف) رُسُلُنَا۔ مراد وہ فرشتے ہیں، جن کا کام ہی قبض روح کرنی ہے۔ وهم ملک الموت واعوانه (کشاف) قبض روح کا عمل اصلاً صرف قدرت حق تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ ظاہری عمل ملک الموت کرتے ہیں، باقی دوسرے فرشتے اس کے ماتحت ہوتے ہیں اور انہی کے لئے یہاں صیغہ جمع آیا ہے۔ التوفی فی الحقیقة یحصل بقدرة الله وهو فی عالم الظاهر مفوض الی ملک الموت وهو الرئیس المطلق فی هذا الباب وله اعوان وخدم وانصار (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض صوفیہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ قبض ارواح کبھی حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں، کبھی ملک الموت اور کبھی دوسرے فرشتہ (رسل) اور یہ متوفی کے احوال کے تفاوت پر ہے۔ آیت نے اسے بھی صاف کردیا کہ اختیار ان ملائکہ موت کا کچھ بھی نہیں، ان کا کام محض تعمیل احکام ہے۔ جس میں یہ قصور کرتے ہی نہیں۔ یہیں سے رد نکل آیا ان مشرک قوموں کا جو خود فرشتہ موت کو فاعل مختار ومتصرف بالذات سمجھ کر اس کی پوجا کرتے رہتے ہیں۔ آیت منجملہ ان قرآنی دلائل کے ہے جو عصمت ملائکہ پر ناطق ہیں۔ دلت هذه الاٰیة علی ثبوت عصمة الملائکة علی الاطلاق (ابن جریر) رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ۔ الی سے یہاں یہ مراد نہیں کہ یہ مراجعت کسی خاص سمت یا مکان کی جانب ہوگی کہ حق تعالیٰ ہر مکان وجہت سے منزہ ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ مراجعت اللہ کے حکم سے ہوگی۔ یجب ان یکون ذٰلک الرد مفسرًا بکونه منقادًا لحکم الله مطیعاً لقضاء الله (کبیر) ای الی حکمه وجزائه (روح) مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ۔ مالک حقیقی وہی اللہ ہے۔ اس کا انکشاف اس روز خاص وعام، کافر ومومن سب کو ہو کر رہے گا۔ ورنہ دنیا میں تو کیسے کیسے مالکان باطل انسان پر حکمران رہتے ہیں۔ و۹۵ اس میں بھی رد ہے ان مشرک قوموں کا جو یہ سمجھتی تھیں کہ خدا کو بھی دنیوی محاسبوں کی طرح کسی بڑے طویل وپیچیدہ حساب میں الجھنا ہوگا۔ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ۔ یہاں یہ یاد دلا دیا کہ فیصلہ صرف حق تعالیٰ کا حق ہے نہ کہ مسیح یا کسی اور شریک قدرت کا۔ یومئذٍ لا حکم فیه لغیره (کشاف) ای له الحکم وحده یوم القیمة ای القضاء والفصل (قرطبی) و۹۶ آیت کا مفہوم ظاہر ہے ہجوم مصائب کے وقت اور شدت اضطرار میں جب تمام مادی ودنیوی سہاروں سے مایوسی ہو جاتی ہے تو فطرت بشری خود بخود حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوتی اور دعا وزاری سے کام لینے لگتی ہے تو سوال کر کے فطرت بشری کے اسی احساس توحید کو بیدار کیا گیا ہے۔ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ سے مراد مطلق شدائد ہی لی گئی ہے۔ ای من شدائد هما استعیرت الظلمة للشدة (بیضاوی) مجاز عن مخاوفهما واهوالهما (کشاف کبیر) امام رازی نے فرمایا ہے کہ آیت میں مصیبت زدہ انسان کے لئے چار صفات کا اثبات ہے۔ (۱) دعا، (۲) تضرع، (۳) اخلاص قلب (وهو المراد من قوله خفیة) اور (۴) التزام شکر۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے خفی وجلی، قلبی ولسانی ہر قسم کے ذکر کی مشروعیت پر دال ہے۔ و۹۷ عام نفس بشری کی خباثت کا بیان ہے کہ مصیبت کے وقت تو کم ظرف انسان رونے گڑگڑانے چلانے لگتا ہے۔ اور ادھر مصیبت ختم ہوئی کہ اُدھر پھر وہی اکڑ پیدا ہو جاتی

ہے۔ وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ۔ یعنی ایک وہی مصیبت کی کیا تخصیص ہے۔ نجات جس غم سے بھی ملتی ہے۔ نجات دینے والا ہر حال میں وہی ہوتا ہے۔ ف۹۸ یہاں دنیوی مصائب کی تین عام ومتعارف صورتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ یعنی اوپر سے آنے والا عذاب۔ جیسے پتھر، آندھی، طوفان وغیرہ۔ ایک تفسیر ظالم حاکموں سے بھی آئی ہے۔ یحمل هذا اللفظ على مجازه قال ابن عباس عذابا من الامراء (کبیر) ای السلاطین الظلمة (معالم) من قبل اکابرکم وسلاطینکم (کشاف) دوسرے مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ یعنی نیچے سے آنے والا عذاب، زلزلہ، سیلاب وغیرہ اس کی کھلی ہوئی مثالیں ہیں۔ مجازاً سرکش رعایا یا نافرمان غلام بھی مراد لئے گئے ہیں۔ قال ابن عباس من العبید والسفلة (کبیر) من قبل سفلتکم وعبیدکم (کشاف) يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ۔ تیسری قسم عذاب الٰہی کی یہ بیان ہوئی ہے کہ گروہ کو گروہ سے بھڑا دیا جائے اور انسان کا ملک الموت انسان کو بنا دیا جائے۔ یہ عذاب دوسرے آسمانی اور زمینی عذابوں سے گھٹ کر نہیں، کچھ بڑھ ہی کر ہے۔ اس کا تجربہ دنیا کو ادھر چھ سات سال خوب ہو چکا ہے۔ اور آج بھی جنگ ختم ہو جانے کے سال بھر بعد (۱۹۴۶ء، ۱۳۶۵ھ) میں بھی ہو رہا ہے۔ ای یجعلکم فرقا یقاتل بعضکم بعضا (قرطبی) ای بالحرب والقتل فی الفتنة (قرطبی) هُوَ الْقَادِرُ۔ یعنی وہ کامل القدرت ہے، اور تم کو خود بھی اس کا اقرار ہے۔ ای هو الذی عرفتموہ قادرا وهو الكامل القدرة (کشاف) مفسرین کے درمیان ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ آیت میں جس عذاب تفرقہ کا ذکر ہے۔ اویلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض میں اس کا تعلق صرف کافروں سے ہے یا مومنوں سے بھی؟ تو اگرچہ کہنے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ کافروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ قیل هی فی الکفار خاصة (قرطبی) لیکن محققین اسی طرف گئے ہیں کہ یہ مومنین کے بارہ میں بھی ہے اور کافروں اور مومنوں کے لئے عام ہے۔ عن مجاهد الآية عامة فی المسلمین والکفار (قرطبی) قال الحسن هی فی اهل الصلاة (قرطبی) امام قرطبی علیہ الرحمۃ اندلسی ساتویں صدی ہجری کے آدمی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہی آخری قول صحیح ہے۔ اور صحیح ہوتا کیا معنی یہ تو مشاہدہ میں آچکا ہے۔ ہمارے ہی بھائی بند دشمن بن کر ہم پر مستولی ہوئے، آپس میں تلوار چلی، جانیں گئیں، مال لٹا اور ایک نے دوسرے کی جان ومال کو حلال سمجھا۔ انا للہ۔ قلت هو الصحیح فانه المشاهد فی الوجود فقد لبسنا العدو فی دیارنا واستولی علی انفسنا واموالنا مع الفتنة المستولية علينا بقتل بعضنا بعضا واستباحة بعضنا اموال بعض (قرطبی) لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ۔ یعنی ہم دلائل وشواہد کو اسی لئے واضح کر رہے ہیں کہ اب بھی یہ نادان شرک ومعصیت کی قباحتوں کو سمجھ جائیں۔ یرید بطلان ماهم علیه من الشرک والمعاصی (قرطبی) ف۹۹ (کہ عذاب کے واقع کر دینے پر قادر ہوں، میں تو اس کی تفصیلات تک کا علم نہیں رکھتا ہوں) كَذَّبَ بِهٖ۔ ضمیر عذاب الٰہی کی طرف ہے۔ ای بالعذاب (بیضاوی) یجوزان یکون المراد عنه عذاب الاخرة ویجوزان یکون المراد منه استیلاء المسلمین علی الکفار بالحرب والقتال والقهر فی الدنیا (کبیر) والضمیر راجع الی العذاب المذکور فی الآیة السابقة (کبیر) وَهُوَ الْحَقُّ۔ یعنی واقع ہو کر رہنے والا ہے۔ الواقع لا محالة (بیضاوی) ای لابدان ینزل بهم (کبیر۔ کشاف) ف۱۰۰ (کہ عذاب آخر آیا) اس عذاب سے عذاب آخرت بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اور عذاب دنیوی بھی جو قرآن کے مخاطبین اول قریش پر شدید وذلیل شکست کی صورت میں مسلط ہو کر رہا۔ یجوزان یکون المراد منه عذاب الأخرة ویجوزان یکون المراد منه استیلاء المسلمین علی الکفار بالحرب والقتال والقهر فی الدنیا (کبیر) سَوْفَ۔ یہاں تاکید کے لئے ہے۔ سوف للتاکید (روح) مُسْتَقَرٌّ۔ کے لفظی معنی تو ہیں جائے وقوع واستقرار کے، لیکن یہاں مراد وقت وقوع واستقرار ہے، بعض نے دونوں معنی جائز رکھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ جس واقعہ کی خبر دے دیتا ہے وہ اپنے وقت ومقام پر ضرور ہی واقع ہو کر رہتا ہے۔ والمعنی ان لکل خبر یخبرہ اللہ تعالٰی وقتا ومکانا یحصل فیه من غیر خلف وتاخیر (کبیر) قال ابن عباس وغیر واحد لکل نبا حقیقة ای لکل خبر وقوع ولو بعد حین (ابن کثیر) ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ہر عمل ایک جزاء ضرور رکھتا ہے۔ قیل ای لکل عمل جزاءٌ (قرطبی) ف۱۰۱ (تکذیب، طنز واستہزاء کے ساتھ) بالتکذیب والا ستهزاء بها واللعن فیها (بیضاوی) اِذَا رَاَيْتَ۔ خطاب یہاں عام ناظرین قرآنی سے ہے۔ ای اذا رایت ایها السامع (کبیر) الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا۔ آیات میں یہاں معجزات ودلائل، احکام سب آگئے، لیکن بالخصوص مراد قرآن ہے۔ ایات اللہ وهی القرآن (جصاص) یعنی فی القرآن (معالم) خوض۔ کے لفظی معنی بیہودہ گوئی، بے کار حجت نکالنے کے ہیں۔ لفظ الخوض فی اللغة عبارة عن المفاوضة علی وجه العبث واللعب (کبیر) خوض پر حاشیہ پارہ نمبر ۵ میں گزر چکا (سورۃ النساء آیت ۱۴۰ کے تحت میں) ف۱۰۲ یہاں اہل ایمان کو صاف حکم مل رہا ہے کہ جو بے دین مذہبی احکام ومسائل کے ساتھ مضحکہ وتمسخر کرتے ہیں، ان کے پاس اتنی دیر تک بیٹھنا اٹھنا جائز نہیں، بلکہ ایسے لوگوں سے کنارہ کشی واجب ہے۔ هذا یدل علی ان علینا ترک مجالسة الملحدین وسائر الکفار عند اظهارهم الکفر والشرک وما لایجوز علی اللہ تعالٰی (جصاص) هذا دلیل علی ان مجالسة اهل المنکر لاتحل (ابن العربی) پھر جن قوموں نے وقتی وہنگامی طور پر نہیں، بلکہ اپنا مستقل مشغلہ ہی احکام اسلامی کے ساتھ طنز وتمسخر بنا رکھا ہے۔ ان کی صحبتوں سے کنارہ کشی، ان کی مجلسوں سے علیحدگی کس درجہ اہم وضروری ہو گی!...... بے دینوں اور غیر مذہب والوں سے بلا ضرورت خلا ملا، اور بلا کسی مصلحت کے مجالست ومخالطت اس حکم ممانعت کے تحت میں آ گیا۔ فَلَا تَقْعُدْ۔ یہاں بیٹھنے کے لفظی معنی لے کر یہ مراد نہیں کہ کھڑے ہونے کی اجازت ہے۔ بلکہ قعود اپنے

نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ

ایک وقت معین ہے اور تمہیں معلوم ہی ہو کر رہے گا ف۱۰۱ اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے

يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا

جو ہماری نشانیوں کو مشغلہ بناتے ہوں ف۱۰۲ تو ان سے کنارہ کش ہو جا یہاں تک کہ وہ کسی اور

فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا

بات میں لگ جائیں اور اگر شیطان تجھے بھلا دے تو

تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا

یاد آ جانے کے بعد (ایسے) ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ ف۱۰۳ اور جو

عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ

لوگ بچتے رہتے ہیں اُن پر اُن کی باز پرس کا کوئی اثر نہیں پہنچے گا

وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ

البتہ (ان کے ذمہ بھی) نصیحت ہے شاید کہ وہ بچنے لگیں ف۱۰۴ اور ان لوگوں کو چھوڑے رہ

اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے اور انہیں دُنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے ف۱۰۴

وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ

اور اس (قرآن) کے ذریعہ سے سمجھاتا بھی رہ تاکہ کوئی شخص اپنے کئے کے بدلے پھنس نہ جائے

لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ

اللہ کے سوا نہ اس کا کوئی کارساز ہے، نہ سفارشی، اور اگر وہ ہر (ممکن) معاوضہ

عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا

بھی دے (جب بھی) اس سے قبول نہ کیا جائے گا ف۱۰۵ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوت کے بدلہ

كَسَبُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا
پھنسے ہیں ان کے لئے پینے کو تیز گرم پانی ہو گا اور عذاب دردناک ہو گا بہ عوض اُس کفر کے جو

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا
یہ کرتے رہے ہیں ف۱۰۲ آپ کہہ دیجیے کہ کیا ہم (مسلمان) اللہ کے سوا ایسے کو پکاریں، جو نہ

يَنْفَعُنَا وَ لَا يَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ
ہم کو نفع پہنچا سکے اور نہ ہم کو نقصان پہنچا سکے اور (کیا) ہم اُلٹے پاؤں واپس پھر جائیں بعد اس کے کہ

هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ
ہم کو اللہ ہدایت دے چکا ہے جیسے کوئی شخص ہو کہ اسے شیطانوں نے (کہیں) زمین پر بے راہ کر دیا ہو (اور وہ)

حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا
بھٹکتا پھرتا ہو ف۱۰۷ اس کے ساتھی ہوں کہ وہ اُس کو ہدایت کی جانب بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ، ف۱۰۸

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ
آپ کہہ دیجیے کہ راہ تو بس اللہ کی (بتائی ہوئی) راہ ہے اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ (سارے) جہانوں کے

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ
پروردگار کے (پورے) مطیع ہو جائیں ف۱۰۹ اور یہ کہ نماز کے پابند رہو، اور اُس سے ڈرتے رہو،

وَ هُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَ هُوَ الَّذِىْ
اور وہ وہی ہے جس کے پاس تم (سب) جمع کیے جاؤ گے ف۱۱۰ اور وہ وہی ہے جس نے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ يَوْمَ يَقُوْلُ
آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا مقصد کے ساتھ، اور جس روز وہ کہے گا کہ

كُنْ فَيَكُوْنُ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَ لَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ
ہو جا بس وہ ہو جائے گا ف۱۱۱ اسی کا قول با اثر ہے، اور اسی کی حکومت ہو گی اُس روز جب صور پھونکا

وسیع معنٰی میں ہے۔ اور بے دینوں سے صحبت واختلاط کی ہر صورت ناجائز ہے۔ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ۔ یعنی اگر خیال نہ رہے، کسی اور شغل میں پڑ کر ان لوگوں سے صحبت وہم نشینی رہے، محض سہو ونسیان سے شریعت نے جو مواخذہ اٹھا دیا ہے اس کی نظیر یہ آیت بھی ہے۔ يفيد ان التكليف ساقط عن الناسى (کبیر) مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ فقہاء مفسرین نے یہاں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ اہل کفر سے مجالست ومخالطت علی العموم ممنوع ہے، خواہ وہ اپنے کو کسی نام یا لقب سے یاد کرتے ہوں، اور خواہ وہ اس خاص وقت میں اپنی شرارت وخباثت کا اظہار کر رہے ہوں یا نہیں۔ ذلک عموم فى النهى عن مجالسة سائر الظالمين من اهل الشرک واهل الملة لوقوع الاسم عليهم جميعا سواءً كانوا مظهرين فى تلک الحال للظلم والقبائح اوغير مظهرين له لان النهى عامٌ عن مجالسة الظالمين (جصاص) ف۱۰۳ (اور اس کوشش کا اجر تو ان یاد دہانی کرنے والوں کو مل ہی جائے گا) مطلب یہ ہے کہ بعض جگہ مومنین کو بالکل علیحدگی سے تو تعذر ہو گا، مثلاً آغاز اسلام ہی میں کہ جب مومنین مسجد کعبہ میں مصروف طواف وعبادت ہوتے۔ اور وہیں مشرکین بھی اول فول بکتے ہوتے۔ یا آج بھی اسکولوں میں، بازاروں میں، دفتروں میں، ریل پر، جہاز پر، لاری پر غرض کثرت سے موقع مسلمانوں اور بے دینوں کے اجتماع کے پیش آ سکتے ہیں تو ایسے سب موقعوں کے لئے مسلمانوں کو سمجھایا ہے کہ ان بے دینوں کی بک جھک کا کوئی اثر تمہارے نامۂ اعمال پر تو پڑے گا نہیں، اپنی بیہودہ گوئی کے ذمہ دار تمام تر وہ خود ہی ہیں۔ تم اس سے ذرا نہ گھبراؤ۔ ضرورت کے وقت تم ان کے ساتھ رہ سکتے ہو۔ البتہ اتنا تم پر بھی واجب ہے کہ اپنے امکان ووسعت بھر انہیں تلقین وتبلیغ کرتے رہو۔ ممکن ہے وہ راہ راست پر آ ہی جائیں اور نہ بھی آئیں جب بھی تمہارا اجر تو کہیں گیا نہیں۔ مِنْ شَيْءٍ میں مِنْ۔ استغراق کے لئے ہے۔ یعنی کچھ بھی اثر نہ پہنچے گا۔ من زائدة للاستغراق (روح) اَلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو کفر، بے دینی، معاصی سے بچے ہوئے ہیں۔ مِنْ حِسَابِهِمْ۔ ضمیر مشرکین اور بے دینوں یعنی قوم الظلمین، الذين يخوضون فى اياتنا کی طرف ہے۔ لٰكِنْ ذِكْرٰى یعنی تبلیغ وتفہیم میں لگے رہیں اپنی حسب قدرت واستطاعت۔ اى يذكرونهم ويفهمونهم (کبیر۔ عن ابن عباس) لكن عليهم ان يذكروهم ويمنعوهم عماهم فيه (روح) ولكن عليهم تذكرة لهم وموعظة (جلالین) ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ کہ اس موعظت سے شاید کہ وہ لوگ بھی تمسخر سے باز آ جائیں۔ والمعنى لعل ذلک الذكرى يمنعهم من الخوض (کبیر) ف۱۰۴ یعنی ایسے بے دینوں سے مجالست ومخالطت ترک کیے رہو۔ یہ مراد نہیں کہ ان پر تبلیغ وتلقین کرنا چھوڑ دو۔ ومعنى ذرهم اعرض عنهم وليس المراد ان يترک انذارهم (کبیر) المراد ترک معاشرتهم وملاطفتهم ولا يترک انذارهم وتخويفهم (کبیر) اعرض عنهم ولا تشغل قلبک بهم (کشاف) اِتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا۔ ایسے کون ہیں جنہوں نے اسلام کو نہیں، خود اپنے دین کو لہو ولعب یا مشغلہ تفریح بنا لیا ہے؟ دین کو بھلا کوئی قوم بھی مشغلہ تفریح بنا سکتی ہے؟ مفسرین کو اسی لئے یہاں دین کو متعین کرنے میں دقت پیش آئی ہے حالانکہ ہندی مسلمان اپنے گرد و پیش جو کچھ دیکھ رہا ہے اس کے بعد کوئی دشواری باقی ہی نہیں رہتی۔ یہ ہولی جیسے مقدس تہوار کو محض ناچ اور رنگ، فحش گوئی وشراب نوشی کا جلسہ بنا لینا، یہ دیوالی جیسے یادگار تہوار کو جوئے اور روشنی کا مستقل تماشہ بنا لینا یا یہ دسہرہ کی حیثیت محض ایک سوانگ اور ناٹک کی رکھ دینا، "یہ بڑے دن" (کرسمس) کے پاک دن کو شراب نوشیوں اور بدمستیوں کے لئے وقف کر دینا، یہ "نوروز" کے شاہانہ جلسے یہ سب مثالیں اور نظریں اگر دین کو لہو ولعب اور مشغلۂ تفریح بنا لینے کی نہیں تو اور کیا ہیں؟...... اللہ اپنی نعمتوں اور سرافرازیوں سے مالا مال کرے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو کیسی گہری اور نکتہ رسی کی بات فرما گئے ہیں! قال ابن عباس رضی اللہ عنہما جعل الله لكل قوم عيدًا يعظمونه ويصلون فيه ويعمرونه بذكر الله تعالٰى ثم ان الناس اكثرهم من المشركين واهل الكتاب اتخذوا عيدهم لهوًا ولعبًا غير المسلمين (کبیر) عبرت کے ساتھ ہمارے اہل اعراس غور کریں کہ خود ان کے عرس بھی جو بدعات اور منکرات کے مجموعہ ہوتے ہیں، کہیں اس وعید کے تحت میں تو نہیں آئے جاتے ہیں۔ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ اور دنیا سے اسی گہری فریب خوردگی ہی کا یہ اثر ہے کہ انہیں اپنے تمسخر کا انجام کچھ نظر نہیں آتا ف۱۰۵ (قیامت کے دن) تشریح قانون مجازات ومکافات کی ہو رہی ہے، وَذَكِّرْ بِهٖ۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ اى ذكّر بالقرآن (کبیر) اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ۔ آیت سے ایک تو اسی حقیقت پر روشنی پڑی کہ سزا جس کسی کو جو کچھ بھی ملے گی، اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی ہو گی، دوسرے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تبلیغ وتذکیر کا جو حکم ہے اس کی تہ میں جذبہ شفقت علی الخلق ہی کام کر رہا ہے۔ اى مخافة ان تسلم الى الهلكة والعذاب (کشاف) لَهَا۔ تَعْدِلْ۔ مِنْهَا۔ یہ سب مؤنث ضمیریں نفس کے لئے ہیں۔ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ۔ اس میں تردید ہے اسی عالمگیر مشرکانہ وتیم مشرکانہ عقیدہ کی کہ جزاء کے وقت فلاں دیوتا اوتار یا فلاں دیوتا تو خود کارسازی کے لئے اور بگڑی ہوئی بنانے کے لئے کافی ہو جائیں گے اور یا ان کی سفارش ومداخلت کام کر جائے گی۔ لَا يُؤْخَذْ مِنْهَا۔ جاہلی مذہبوں میں یہ عقیدہ بھی عام رہا ہے کہ معاوضے اور فدیے حشر میں بھی کام آ جائیں گے، ف۱۰۶ یہ بیان ہو رہا ہے ان بدکرداروں، بے دینوں کے انجام بد کے ظہور تام کا جو آخرت میں واقع ہو گا۔ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ۔ اوپر جس طنز وتمسخر کا ذکر ہوا، وہ بھی اسی کفر کی ایک شاخ ہے۔ ف۱۰۷ مقصود عقیدۂ شرک کی حماقت وسفاہت دکھانا ہے۔ قُلْ۔ خطاب پیمبر سے ہے کہ آپ جملہ مومنین کی طرف سے مشرکین سے یہ کہیے۔ اَنَدْعُوْا۔ کیا ہم بھی پکاریں جیسے تم پکارتے ہو، اور جیسا کہ تم ہم سے چاہتے ہو۔ نُرَدُّ...... اللّٰهُ۔ شرک یوں بھی ایک تمام تر احمقانہ، سفیہانہ عقیدہ تھا، چہ جائیکہ اسلام کی روشنی پا جانے کے بعد پھر اسی کو اختیار کرنا! مشرکین نے مسلمانوں سے کہنا شروع کیا تھا کہ تم اپنے قدیم اور آبائی دین کو چھوڑ کر کہاں

فِى الصُّوْرِؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ

جائے گا، وہ غیب اور ظاہر (دونوں) کا علم رکھنے والا ہے اور وہ حکمت والا ہے،

الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ

خبر رکھنے والا ہے ف۱۱۲ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو

اَصْنَامًا اٰلِهَةًۚ اِنِّىْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِىْ ضَلٰلٍ

معبود قرار دیتے ہو؟ بیشک میں تو تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں (مبتلا)

مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ

دیکھتا ہوں ف۱۱۳ اور اسی طرح ابراہیم کو ہم نے دکھا دی آسمانوں اور زمین کی

وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ

حکومت، تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں ف۱۱۴ تو یوں ہوا کہ جب رات ابراہیم پر

عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًاۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىْۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ

چھا گئی، انہوں نے ایک تارہ کو دیکھا، بولے یہی میرا پروردگار ہے، لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو بولے

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا

میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا ف۱۱۵ پھر جب چاند کو دیکھا چمکتے ہوئے تو بولے یہی

رَبِّىْۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ

میرا پروردگار ہے، لیکن جب وہ (بھی) غروب ہو گیا تو بولے کہ اگر میرا پروردگار مجھے ہدایت نہ کرتا رہے تو میں بھی

مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ

گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں ف۱۱۶ پھر جب سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو بولے

هٰذَا رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ

یہی میرا پروردگار ہے، یہی سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولے اے لوگو میں

اس نئے شخص محمد ﷺ نامی کی دعوت پر بہک گئے، اب بھی واپس آ جاؤ اور اپنے قومی وملی دین کی تقویت کا باعث بنو، مسلمانوں کو تعلیم اسی جواب کی مل رہی ہے کہ کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہم اسی طریق کی طرف واپس آ جائیں جسے دین کہنا ہی دین کی توہین ہے، یعنی جن میں کچھ بھی قدرت نہیں ہے، انہیں قادر مطلق کی جگہ پر رکھ لیں؟ اور پھر وہ بھی اسلام کے بتائے اور دکھائے ہوئے حقائق کا مزہ چکھ چکنے کے بعد ف۱۰۸ (مگر وہ بہکا بہکا ہو کر کچھ سنتا سمجھتا نہ ہو) تمثیل کے اس دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ کیا تمہاری مرضی یہ ہے کہ اپنی ایسی حالت بنالیں کہ جس طرح ایک راہ گیر جنگل میں غول بیابانی کے ہاتھوں گرفتار ہو کر راہ اور رفیقان راہ سے جدا ہو گیا اور اس کے رفیق اسے آواز پر آواز دیے جا رہے ہیں اور وہ ہے کہ مخبوط وسر گردان کچھ بھی سنتا سمجھتا نہیں، اسی طرح ہم گمراہوں کے پنجہ میں پڑ کر جادۂ حقیقت سے جدا ہو جائیں اور ہمارے ہادی اور پرانے رفیق پھر بھی خیر خواہی سے دعوت اسلام کئے جائیں اور ہم گمراہی کو نہ چھوڑیں؟ ف۱۰۹ (اور اس خداوند کائنات کے مکمل، ہر جہتی، ہمہ گیر ودائمی قانون کے پورے فرمانبردار ہو جائیں) لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ رب العالمین کے لفظ میں یہ اشارہ آ گیا کہ دعوت ایسے قانون کی اطاعت کی دی جا رہی ہے، جو کسی ملک، قوم، نسل، قبیلہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ جس میں رعایتیں ساری دنیا کے انسانوں، حیوانوں، جملہ مخلوقات کی رکھ لی گئی ہے۔ لِنُسْلِمَ۔ میں ل تعلیل کا ہے۔ هى تعليل للامر بمعنى امرنا وقيل لنا اسلموا لاجل ان نسلم (کشاف) دوسری ترکیب یہ بھی جائز ہے کہ ل کو اَنْ کا مرادف قرار دیا جائے۔ عربی محاورہ میں دوسری ترکیبوں کے ساتھ یہ ترکیب بھی درست ہے۔ اى ان نسلم والعرب يقول امرتک لتفعل وان تفعل وبان تفعل (معالم) اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى۔ اس میں بتادیا کہ جس راہ پر راہ کا اطلاق ہو سکے وہ تو بس وہی ہے جو خداوند عالم کی بتائی ہوئی ہے نہ کہ وہ جو محدود نظر رکھنے والے بندوں کی عقل یا جذبات کی بجھائی ہوئی ہے۔ هو الهدى يعنى هو الهدى الكامل النافع الشريف كما اذاقلت علم زيدهو العلم وملك عمر هو الملك (کبیر) ف۱۱۰ (نہ کہ کسی دیوی، دیوتا، پیر پیغمبر، جن وملک کے حضور میں) جملہ کی ترکیب حصر پر دلالت کر رہی ہے، یعنی حشر اسی کے حضور میں ہوگا نہ کہ کسی اور کے، وتقديم المعمول لافادة الحصر مع رعاية الفواصل اى اليه سبحانه لا الى غيره تُحْشَرُوْنَ (روح) اَنْ یہاں بِاَنْ کے معنی میں ہے اور جملہ کا عطف نسلم پر ہے۔ اَنْ اى بِاَن (جلالین) اى امرنا بالايمان واقامة الصلوة (روح) حکم اقيموا الصلوة نیابت کر رہا ہے تمام ظاہری عبادتوں کی اور حکم اتقوا ہر باطنی اصلاح کی واتقوہ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اى الرب فى مخالفة امره (روح) ف۱۱۱ اشارہ حشر کی جانب ہے، جس وقت وہ حشر کو واقع ہو جانے کا حکم دے گا وہ واقع ہو جائے گا۔ یہ شبہ محض عامیانہ نہیں کہ کوئی شے جب ابھی سرے سے موجود ہی نہیں، تو اسے حکم کیسے دیا جا سکے گا؟ اول تو اس عالم کی وسعتوں اور پہنائیوں کو اس عالم آب وگل کی قیدوں اور حد بندیوں پر قیاس کرنا خود سر تا سر جہل ہے۔ پھر حکم کا مخاطب بنانے کے لئے کسی شے کا وجود خارجی اس عالم میں بھی کب ضروری ہے۔ اپنے ہر موجود ذہنی کو حکم دیتے رہنا، مخاطب کرتے رہنا، ہم میں سے ہر ایک کا آئے دن کا تجربہ ہے۔ التقدير خلق يوم يقول كن فيكون والمراد من هذا اليوم يوم القيامة (کبیر) یہ معنی بھی لئے گئے ہیں کہ واقعۃً کوئی حکم وخطاب نہ ہوگا، بلکہ فقرہ سے مقصود صرف اظہار قدرت ونفاذ مشیت ہے، المراد منه التنبيه على نفاذ قدرته ومشيته فى تكوين الكائنات وايجاد الموجودات (کبیر) وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ وہ کوئی ناقص العلم، ناقص القویٰ، دیوی دیوتا نہیں۔ ساری موجودات کا خالق۔ سب کو نیست سے ہست کرنے والا ہے۔ مخلوقات کے سارے مصالح کی رعایت اس کے سوا اور کر ہی کون سکتا ہے؟ زمین وآسمان کا نام لے دینے سے مراد سارے سفلیات وعلویات ہوتے ہیں۔ وعدم التصريح بذلك الظهور اشتما لهما على جميع العلويات والسفليات (روح) بِالْحَقِّ۔ یہ ساری تخلیق یوں ہی بغیر کسی غرض ومقصد کے نہیں ہوگئی ہے، بڑی بڑی گہری حکمتیں اور مصلحتیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اى قائما بالحق والحكمة (کشاف) اى بالعدل (ابن کثیر) بالحق کو للحق کے معنی میں بھی لیا گیا ہے اور ب کو ل کا مرادف قرار دیا گیا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اس کی یہ کاری گری وصناعی اس کی حکمت وعظمت ووحدانیت پر دلیل کا کام دینے کی غرض سے ہے۔ قيل الباء بمعنى اللام اى اظهارًا للحق لانه جعل صنعه دليلًا على وحدانيته (معالم) ف۱۱۲ ذکر قیامت کا ہو رہا ہے۔ صفت حکمت کے تقاضہ سے وہ جزا ہر ایک کو بالکل مناسب وقرین مصلحت ہی دے گا۔ اور صفت خبرت کے لحاظ سے کسی امر کا اخفاء اس سے ممکن نہیں۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ اس کا قانون مجازات ظاہر وباطن، علانیہ ومخفی سب پر یکساں جاری ہوگا۔ قَوْلُهُ الْحَقُّ۔ اس کا قول نہ خالی جا سکتا ہے، نہ کسی کے ٹالے ٹل سکتا ہے۔ اى الصدق الواقع لا محالة يريد ان ما وعده حق كائن (معالم) یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ اس کے قول كُنْ فَيَكُوْنُ سے جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ عین حکمت وصواب ہی ہوتا ہے۔ اى لا يكون شيئًا من السمٰوٰت والارض وسائر المكونات الاعن حكمة وصواب (کشاف) وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ۔ قیامت کے دن جو کشف حقائق کا دن ہوگا اس کی حکومت ظاہراً اور علانیہ بھی سب کو ایسی ہی نظر آنے لگے گی، جیسی وہ حقیقۃً اس وقت بھی ہے۔ لَهُ الْمُلْكُ۔ اپنی ترکیب کے لحاظ سے کلمۂ حصر ہے یعنی حکومت صرف اسی کی ہوگی۔ اور کسی کی نہیں اس میں بھی رد آ گیا ان مشرک ونیم مشرک قوموں کا جو حشر میں اللہ تعالیٰ کی فرمان روائی میں دوسروں کو بھی شریک سمجھتے ہیں۔ والامر لله فى كل وقت ولكن لا امر فى ذلك اليوم لاحد مع امر الله (معالم) ف۱۱۳ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حاشیے پہلے گزر چکے، آپ ایک بت پرست وستارہ پرست قوم کے درمیان اپنے آبائی ملک بابل یا کلدان (موجودہ عراق) میں یہ

حیثیت مبلغ توحید، دعوت اسلام وتوحید سب سے پہلے اپنے خاندان ہی کے رکن اعظم یعنی اپنے والد کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ آزرعربی توریت میں اس نام کا املا تارح ملتا ہے۔ اور انگریزی میں تیرا Terah اور تالمود میں تراہ...... جو لوگ علم اللسان کے مبادی سے بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک ہی نام مختلف زبانوں میں جا جا کر کیسے کیسے عجیب تلفظ اختیار کر لیتا ہے...... فلسطین کے قدیم مسیحی مورخ یوسیبیس (۲۶۴ تا ۳۴۹ء) کے ہاں "آشر" یا "اتھر" آیا ہے۔ ان دونوں تلفظوں کی مشابہت ومماثلت آزر سے بالکل ظاہر ہے۔ اور آزر وزارہ بھی اگر ایک ہی مادہ سے مشتق ہوں تو کچھ بعید نہیں، ایں ہمہ۔ ایک گمراہ فرقہ اپنے مخصوص عقائد کے تحفظ وپشت پناہی کی خاطر شروع سے کہتا آرہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے والد کا نہیں بلکہ چچا کا نام تھا۔ اور حال کے ایک آدھ جدید گمراہ فرقے بھی یہی کہہ رہے ہیں، لیکن ان میں سے کسی کے پاس بھی دلیل کے نام سے کوئی چیز نہیں رہ ہے محض احتمالات وامکانات، یہ تو ہر قطعی سے قطعی مسئلہ میں بھی پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ اَبْ۔ کو اس کے بالکل کھلے ہوئے ظاہر معنی سے ہٹا کر مجازی استعمال کی طرف لے جانے کے لئے آخر کوئی معقول وجہ بھی تو ہو۔ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً۔ تارح (آزر) کی بت پرستی کا ذکر موجودہ توریت میں بھی ملتا ہے:۔ "خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تمہارے باپ دادے تارح ابراہام کا باپ اور نحور کا باپ قدیم زمانہ میں نہر کے پار رہتے تھے اور غیر معبودوں کی بندگی کرتے تھے۔" (یشوع۔ ۲۴:۲) اور یہود کی مستند کتاب جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اتنا اور بھی ہے:۔ "وہ علاوہ بت پرست ہونے کے بت ساز اور بت فروش بھی تھا" (جلد ۱۲ صفحہ نمبر ۱۰۷) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مشغولی مع الحق اور مناظرۂ اہل باطل میں کوئی تنافی نہیں، بشرطیکہ حدود سے تجاوز نہ ہو۔ ف۱۱۴ (چنانچہ اب وہ موحد کامل ہونے کے علاوہ خدمت تبلیغ پر بھی مامور تھے۔ اور اپنی قوم کو شرک سے توحید کی طرف بلا رہے اور لا رہے تھے) لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ یعنی زمین وآسمان پر حق تعالیٰ کی حکومت قاہرہ کے مشاہدہ سے ان کے دل پر توحید کا نقش کامل بیٹھ گیا، اور ازدیاد معرفت نے انہیں مرتبہ ایقان تک پہنچا دیا۔ یستدل بها ليكون من الموقنين (کبیر) انا اريناه هذه الأيات ليراها ولاجل ان يكون من الموقنين (کبیر) اليقين عبارة عن علم يحصل بعد زوال الشبهة بسبب التامل (کبیر) ليكون من الموقنين اشارة الى درجات انوار التجلى وشروق شمس المعرفة والتوحيد (کبیر) كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح ہم نے ان پر ان کی قوم اور ان کے والد کی گمراہی روشن کردی تھی۔ اى كما اريناه اضلال ابيه وقومه (جلالین) المعنى ومثل ما اريناه من قبح عبادة الاصنام نرى ملكوت السمٰوٰت والارض (کبیر) اى كما اريناه البصيرة فى دينه والحق فى خلاف قومه (معالم) مَلَكُوْتَ۔ یعنی حکومت آسمانی کے کرشمہ۔ ملکوت۔ اس ملک کے لئے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کا ہو۔ الملك مختص بملك الله تعالى (راغب) مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مراد یہ ہے کہ اپنی ربوبیت ومالکیت کے طریقے ہم نے ان کے دل میں اتار دیئے۔ اى ايات السمٰوٰت والارض (ابن جریر۔ عن مجاہد) يعنى الربوبية والالهية وهديناه لطريق الاستدلال (کشاف) اى ربوبيته تعالى ومالكيته لها (روح) ملکوت کی اضافت کی قدر، علاوہ ارض کے سمٰوٰت کی طرف ہونے کی اس وقت بہت بڑھ جاتی، اور معنویت سے لبریز ہوجاتی ہے، جب یہ یاد کرلیا جائے کہ اہل بابل (کلد ان) محض بت پرستی کے زمینی شرک میں نہیں بلکہ ستارہ پرستی کے آسمانی شرک میں بھی مبتلا تھے۔ نری۔ یہ اراءۃ کس طرح کی تھی؟ مادی آنکھوں سے یا چشم ہوش سے؟ دیدۂ بصارت سے یا دیدۂ بصیرت سے؟ محققین کا قول ہے کہ بصارت حسی سے نہیں بلکہ بصیرت عقلی سے۔ تلك الاراءة كانت اراءة بحسب بصيرة العقل لا بحسب البصر الظاهر (کبیر) نرى ابراهيم ملكوت السمٰوٰت والارض اشارة الى مراتب الدلائل والبينات۔ (کبیر) اى نبين له وجه الدلالة فى نظره الى خلقهما على وحدانية الله عزوجل فى ملكه وخلقه (ابن کثیر) اى نرى ببصيرته لطائف خلق السمٰوٰت والارض (مدارک) ف۱۱۵ (اور نہ ایسوں کی الوہیت ومعبودیت کا قائل ہوسکتا ہوں) فَلَمَّا۔ یہ سارا مکالمہ جو آگے نقل ہو رہا ہے ضروری نہیں کہ سب ایک ہی وقت میں ہوا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے مختلف اجزاء مختلف اوقات میں ہوئے ہوں۔ فَلَمَّا ہوسکتا ہے کہ آیت ماسبق کی تفصیل وتشریح ہی ہو۔ جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ۔ یہ کسی موقع پر کسی رات میں ہوا ہوگا۔ رَاٰ كَوْكَبًا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ملک وقوم کی ستارہ پرستی آفتاب پرستی کے لئے ملاحظہ ہوں راقم کی انگریزی تفسیر کے حواشی۔ كَوْكَبًا۔ لفظی معنی کے اعتبار سے کوئی بھی ستارہ مراد ہوسکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ کوئی خاص طور پر اہم وروشن ہی ستارہ ہوگا۔ موجودہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ قدیم جاہلی قوموں میں سب سے زیادہ زوروں سے پرستش ان دو ستاروں مشتری Jupitor اور زہرہ Venus کی رہی ہے۔ ادھر ہمارے مفسرین کی صفائے قلب کا اثر دیکھئے کہ ان کے قلم سے بھی علی العموم انہی دونوں ستاروں کے نام نکلے ہیں! الكوكب الزهرة قاله ابن عباس وقتادہ (بحر) او المشترى قاله مجاهد والسدى (بحر) والمراد بالكوكب فى ماروى عن ابن عباس المشترى (روح) عن قتادة انه قال ذكرلنا انه الزهرة (روح) قَالَ هٰذَا رَبِّيْ۔ آپ نے یہ اپنی ستارہ پرست قوم کو دکھا کر اور سنا کر ان پر حجت الزامی قائم کرنے کے لئے کہا...... مخالف پر حجت الزامی قائم کرنا تبلیغ ومناظرۂ علمی کے معمولات میں سے ہے۔ بلکہ عام گفتگو میں دستور ہے کہ دوسرے کے خیال کو اپنی زبان سے بجنسہ دہرا دیتے ہیں اور سیاق ولہجہ سے ہمیشہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مخاطب کا قول وخیال نقل ہو رہا ہے بغیر اس کے کہ متکلم اس کی تصریح کرے۔ اردو، عربی، فارسی، انگریزی، ہر زبان میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ خود قرآن مجید ہی میں ایک جگہ قیامت کے بیان میں ہے "اَيْنَ شُرَكَآءِيْ، اللہ تعالیٰ کہے گا کہ آج میرے شریک کہاں ہیں؟ اس کا مطلب بالکل واضح وظاہر ہے کہ وہ کہاں ہیں جو تمہارے زعم وپندار میں میرے شریک تھے، یہ مطلب کوئی احمق سے احمق بھی نہیں لیتا کہ حق تعالیٰ خود اپنے شریکوں کا وجود تسلیم کر کے انہیں بلا رہے ہیں۔ يريد ان يستدرجهم بهٰذا القول ويعرفهم خطأهم وجهلهم فى تعظيمهم شان النجوم وفضاحهم على الامور (ابن تیمیہ) ما جرى بينه وبين قومه كان احتجاجاً ولا اعتقادًا (ابن العربی) تاول بعضهم ذٰلك على اضمار القول وكثيرًا ما يضمر تقديره قال يقولون هٰذا ربى على حكاية قولهم وتوضيح فساده مما يظهر عليه من سمات الحدوث ولا يحتاج هٰذا الى الاضمار بل يصح ان يكون هٰذا كقوله تعالى اين شركائى اى على زعمكم (بحر) قال الزجاج الجواب عندى انه قال هٰذا ربى على قولكم ونظير هٰذا قوله تعالى اين شركائى والمعنى شركاءى على قولكم (قرطبی) المقصود منه حكاية قول الخصم ثم ذكر على عقيبه ما يدل على فساده (کبیر) معناه هٰذا ربى فى زعمكم واعتقادكم ونظيره قال تعالى وانظر الى الهك الذى ظلت عليه عاكفًا (کبیر) لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ۔ آپ نفی ان کی محبوبیت محض کی نہیں، محبوبیت معبودی کی کر رہے ہیں، آپ فرما رہے ہیں کہ جو ہستیاں خود ہی غیر ثابت اور تغیر پذیر ہیں، ان کے لئے میرے دل میں کوئی جگہ عزت ووقعت کی کیسے ہوسکتی ہے؟ عدم محبت سیاق عبارت میں صاف عدم معبودیت کے مرادف ہے۔ كنى بعدم المحبة عدم العبادة لانه يلزم من نفيها نفيها بالطريق الاولى (روح) لا احب عبادة الارباب المتغيرين عن حال الى حال (کشاف) سرآمد موحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ استدلال کہ جو تاثر پذیر ہے وہ کسی کا محکوم ومسخر ہے، وہ اس قابل کب ہے کہ خدا مانا جائے، ظاہر ہے کہ خود اپنے لیے نہ تھا، بلکہ اپنے مشرک ہم قوموں کو قائل کرنے کے لیے تھا، ف۱۱۶ (لیکن اس کی ہدایت تو اول روز سے میرے شامل حال ہے اور اسی لیے میں توحید پر قائم ہوں) چاند کی عدم معبودیت پر یہ تقریر، ضرور نہیں کہ آپ نے اسی وقت کی ہو، ہوسکتا ہے کہ اس ستارہ والی تقریر سے الگ یہ تقریر کسی دوسرے موقع پر کی ہو۔ هٰذَا رَبِّيْ۔ ستارہ پرستی کی طرح قمر پرستی بھی مشرک اور جاہلی قوموں میں بہت عام رہی ہے۔ اور اہل باطل بھی اس کا شکار تھے۔ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ۔ انبیاء کبار تک اپنے کسی کمال کو اپنی جانب منسوب نہیں کرتے، بلکہ اسے تمامتر عطیہ الٰہی سمجھتے اور کہتے ہیں۔ ف۱۱۷ مِمَّا تُشْرِكُوْنَ۔ "جو شرک تم کیا کرتے ہو"۔ یہ ارشاد نہیں ہوا کہ جس شرک میں میں اب تک مبتلا تھا، بحمد اللہ اب اس سے نکل آیا، بلکہ ارشاد یہ ہوا کہ جس شرک میں تم لوگ، میری قوم والو، مبتلا ہو، میں اس سے بری اور بیزار ہوں، هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ۔ سورج دیوتا کی پوجا دنیا میں ہمیشہ بڑی دھوم دھام سے، بڑے زوروں پر ہوا کی ہے۔ اور اہل کلدانیہ شمس پرستی میں امتیاز خاص رکھتے تھے۔ هٰذَا رَبِّيْ تینوں موقع پر حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی زبان سے مشرکوں کی ترجمانی لفظ رب سے کرائی گئی ہے۔ اللہ یا اور کوئی لفظ وارد نہیں ہوا ہے۔ جاہلی قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکر صفت ربوبیت ہی میں لگی ہے۔ اور یہی دھوکا آج تک چلا آرہا ہے۔ سورج دیوتا یا زہرہ یا مشتری کو خالق کوئی نہیں مانتا، مشرک بس یہی کہتے ہیں کہ ہماری ضرورتیں ان سے وابستہ ہیں، ہماری دعائیں یہی سنتے ہیں۔ ہماری آرزوئیں یہی پوری کرتے ہیں۔ وقس علی ہذا۔۔۔ رب کا لفظ معنویت سے لبریز ہے۔ ف۱۱۸ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ توجیہ وجہ یا رخ کے یکسو کرنے سے مراد طاعت ہے نہ کہ لفظی معنی۔ توجيه الوجه اليه كناية عن الطاعة (کبیر) لِلَّذِيْ۔ عام قاعدہ کا مقتضا تھا کہ یہاں الى الذى ہوتا۔ لیکن الی سے معنی سمت وجہت اور مادی مرکزیت کے پیدا ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ جسمیت اور جہت سے

بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ

اس شرک سے بری (اور بیزار) ہوں جو تم کیا کرتے ہو ؏۱۱۷ یقیناً میں نے تو اپنا رخ یکسو ہوکر اس کی طرف کرلیا ہے، جس نے

فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے

الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ وَ حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ

نہیں ہوں ؏۱۱۸ اور ان کی قوم لگی ان سے جھگڑنے، وہ بولے کہ کیا یہ جھگڑا مجھ سے

فِی اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنِ ؕ وَ لَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ

اللہ کے باب میں کرتے ہو؟ درآنحالیکہ وہ مجھے ہدایت کرچکا ہے ؏۱۱۹ میں اُن سے نہیں ڈرتا جنہیں تم (اللہ کا) شریک ٹھیرا

اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْــًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ

رہے ہو، ہاں البتہ اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے۔ میرا پروردگار ہر چیز کو علم سے گھیرے ہوئے ہے،

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ كَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ

تو کیا تم خیال نہیں کرتے ؏۱۲۰ اور میں اس سے کیوں ڈرنے لگا جس کو تم نے شریک ٹھیرا رکھا ہے،

وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ

درآنحالیکہ تم تو اس سے ڈرتے نہیں ہو کہ تم نے اللہ کا شریک ٹھیرایا ہے، جن کے باب میں اس نے تم پر کوئی بھی

بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ

دلیل نہیں اُتاری ہے سو دونوں گروہوں میں سے امن کا زیادہ حقدار کون ہے؟

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا

اگر تم جانتے ہو ؏۱۲۱ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو

اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

شرک سے مخلوط نہیں کیا، ایسوں ہی کے لئے تو امن ہے اور وہی ہدایت یاب ہیں ؏۱۲۲

ع ۱۲ / ۱۵

راہ ومنزہ ہے اس لئے بجائے الٰی کے صرف ل لایا گیا۔ ترک كلمة الى ههنا والا كتفاء بحرف اللام دليل ظاهر على كون المعبود متعاليا عن الحيز والجهة (کبیر) فَطَرَ۔ یعنی انہیں عدم سے وجود میں لایا۔ ومعنى
طر اخرجهما الى الوجود (کبیر) حَنِیْفًا۔ حنیف وہ ہے جو اور ہر معبود سے یکسو ہوکر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جائے۔ قيل الله العادل عن كل معبود دون الله تعالٰى (کبیر) لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ یہ گویا
ضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دعویٰ پر دلیل بھی ساتھ ساتھ پیش کرتے جاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں تو اس خدا کا قائل ہوں جو تمہارے خود ساختہ زمینی وآسمانی خداؤں اور دیوتاؤں کا خالق ہے۔ سارے مکالمہ میں آپ کوئی ایسی بات نہیں
ماتے، جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ پہلے بھی مشرک تھے اور اب پہلی بار مسلم وموحد ہوئے ہیں۔ ؏۱۱۹ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مقولہ کو حیرت واستعجاب کے لہجہ میں پڑھا جائے گا جب مفہوم پوری طرح واضح ہوگا، آپ گویا یہ فرما رہے
یں کہ ”اللہ کی شان! تم مجھ سے بحث وجدل کرنے توحید کے مسئلہ میں چلے ہو۔ جو میرے اوپر بالکل کھل چکا ہے اور مجھے ہدایت علم الیقین کیا معنی عین الیقین کے ساتھ مل چکی ہے“! حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ۔ بجائے اس کے کہ قوم ابراہیم علیہ السلام
ضرت کی صاف، سیدھی، فطری تعلیم کو مان لیتی الٹی آپ کے سر ہوگئی اور طرح طرح کی کج بحثیاں کرنے لگی، جیسا کہ ہر غبی، جاہل، مشرک قوم کا شیوہ ہے۔ حَآجَّ کے معنی علمی مناظرہ کے نہیں، بلکہ لڑنے جھگڑنے کے ہیں۔ حاجه اى
اصمه وجادله (معالم) ؏۱۲۰ (اتنا بھی کہ قادر اور عاجز کے درمیان فرق کرسکو) اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْــًٔا۔ یعنی ہاں میرا پروردگار ہی مجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہے تو ہر آن اپنے ارادہ پر قادر ہے۔ وہ تمہارے دیوتاؤں کی طرح ناقص
القویٰ محدود القدرۃ نہیں۔ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ قدرتِ کاملہ کے ساتھ علم کامل ومحیط بھی اس ذات کا خاصہ ہے۔ اہل کلدانیہ اپنے دیوتاؤں کی قدرت کاملہ کے ساتھ علم کامل کے بھی قائل نہ تھے، حضرت نے اپنی تقریر میں انھی دو صفات باری کا ذکر کرکے ان کے عقائد پر بھرپور ضرب لگادی۔ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ۔ ما حرف موصول بے جان کے لئے آتا ہے۔ حضرتؑ نے یہ پیرایہ بیان اختیار کرکے گویا اوپر اشارہ کردیا کہ تمہارے دیوتا تو صفت حیات اور قدرت تک سے یکسر محروم ہیں، وہ کیا کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور ان سے ڈرنے کے معنی ہی کیا؟ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مطلق لا اخاف سے ایک صورت دعویٰ کی پیدا ہوسکتی تھی۔ حضرت انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر محتاط اور کون ہوگا۔ معاً اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ بھی بڑھا دیا۔ لَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جب آپؑ نے اثبات توحید پر یہ دلائل قائم کئے تو مذہب شرک کے پرستاروں سے اور کچھ تو نہ بنا، ہاں یہ ڈراوے اور دھمکیاں دینے لگے کہ اچھا ہمارے دیوتاؤں کو چھوڑتے ہو مگر دیکھنا کہ وہ بھی تمہیں سمجھ لیں گے، ان کی قوت وغضب سے واقف نہیں ہو، تمہیں تہس نہس کر ڈالیں گے — وہی باتیں جو آج بھی ضعیف الاعتقاد، وہم پرست گروہ اہل توحید کے مقابلہ میں کہتا رہتا ہے۔ وقد خوفوه ان معبوداتهم تصيبه بسوء (کشاف) ذلك انهم قالوا له احذر الاصنام فانا نخاف ان تمسك بسوء من خبل او جنون لعيبك اياها (معالم) ؏۱۲۱ اگر تم صاحب علم وصاحب ایمان ہو تو خود ہی بتاؤ کہ سلامتی اور بے خوفی کا مستحق ہم دونوں میں سے کون سا فریق ہے؟ اہل توحید یا اہل شرک۔ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ۔ غایت تواضع وکسر نفسی سے حضرتؑ نے یہ نہ فرمایا کہ ہم دونوں میں سے کون مستحق امن ہے بلکہ یہ فرمایا کہ اہل توحید اور اہل شرک ان دو میں سے کون مستحق امن ہے۔ ادب واحتیاط کوئی سیکھنا چاہے تو انہی حضرات انبیاء سے سیکھے ولم يقل فاينا احق بالامن انا ام انتم احترازا من تزكيته نفسه فعدل عنه (کشاف) كَیْفَ…… سُلْطٰنًا۔ ڈرنا مجھ کو چاہیے یا تم کو؟ میں جو حاکم یکتا کی یکتائی کا قائل ہوں یا تم کو جنہوں نے بے دلیل، بے سند دیوتاؤں معبودوں کی فوج گڑھ رکھی ہے۔ کیسی الٹی بات کر رہے ہو کہ مجھے ڈرا رہے ہو۔ میں جو توحید پر قائم ہوں تو میں تو ڈر جاؤں، اور تم جو اعظم ذنوب، شرک میں مبتلا ہو تو تم بے خوف بنے رہو! ؏۱۲۲ (اس دنیا میں بھی) یعنی راست روی صرف اہل توحید کا حصہ ہے۔ بِظُلْمٍ۔ جو معصیت ایمان کے منافی ہے وہ شرک ہے۔ یوں بھی سب سے بڑا ظلم جو انسان اپنی جان پر، اپنی عقل وضمیر اور روح پر کرسکتا ہے یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھیرا لے۔ قرآن مجید میں بھی اسی کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ (سورۂ لقمان) اور یہاں بھی ظلم کے یہی معنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت سلمان، حضرت حذیفہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ جلیل القدر صحابیوں اور عکرمہ، نخعی، ضحاک، ابن زید، علقمہ، قتادہ، مجاہد وغیرہ بہ کثرت تابعین سے مروی ہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی تفسیر منقول ہے اور تفسیر کے ائمہ محققین
اسی طرف گئے ہیں۔ واولى القولين بالصحة فى ذلك ما صح به الخبر عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو الخبر الذى رواه ابن مسعود عنه انه قال الظلم الذى ذكره الله تعالٰى فى هذا الموضع هو الشرك
(ابن جریر) فالمراد ههنا الذين امنوا بالله ولم يثبتوا لله شريكا فى المعبودية والدليل على ان هذا هو المراد ان هذه القصة من اولها الى اخرها انما وردت فى نفى الشركاء او الاضداد والانداد وليس
فيها ذكر الطاعات والعبادات (کبیر) ؏۱۲۳ (اور اپنی انہی صفات حکمت کامل وعلم محیط کے ماتحت، جو کمال جس کے حال واستعداد کے مناسب ہوتا ہے، وہی اس کو عطا کرتا ہے) تِلْكَ۔ یعنی یہی مکالمہ ابراہیمی جو اوپر گزر
چکا۔ اشارة الى كلام تقدم (کبیر) اشارة الى جميع ما احتج به ابراهيم عليه السلام على قومه (کشاف) عَلٰى قَوْمِهٖ۔ یہ نہیں ارشاد ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو یہ دلیل خود ان کے مقابلہ میں بجھائی گئی۔ بلکہ یہ ہے کہ ان کی قوم کے
مقابلہ میں بتائی گئی، علٰى قومه ہے علٰى نفسه نہیں ہے، یہ بجائے خود اس امر کی تائید میں ہے کہ آپ شروع ہی سے موحد تھے، شرک کے خلاف کسی دلیل کی ضرورت آپ کو نہیں، آپ کی قوم کو تھی۔ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ۔ اس استدلال
توحیدی کو اپنی جانب نسبت دے کر حق تعالیٰ نے اس میں شرف خصوصی اور امتیاز خاص پیدا کردیا۔ جیسے دنیوی بادشاہ موقع عظمت پر کہتے ہیں کہ یہ کام ہم نے کیا۔ لما ذكر نفسه تعالى ههنا باللفظ الدال على العظمة وجب ان

کے ہوسکتے ہیں، اور درجات کی تنوین سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ کوئی ایک مرتبہ نہیں بلکہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بہت سے مرتبے ہوں گے۔ والتنوین لا یدل الا علی الدرجات الکثیرۃ (کبیر) مَنْ نَّشَآءُ۔ سب کچھ مشیت تکوینی کے مطابق ہوتا ہے۔ اور مشیت بھی حکمت مطلقہ سے جدا نہیں ہوتی۔ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ۔ جو لوگ علم کلام میں مشغول رہتے اور اثبات توحید میں لگے رہتے ہیں، اُن کے شرف مرتبہ کا پورا ثبوت اس آیت سے مل گیا۔ اور یہیں سے اُن لوگوں کا رد بھی نکل آیا جو دلائل کلامی پیش کرتے رہنے کو لغو و لا حاصل بتاتے ہیں، فقہاء مفسرین نے اس استنباط پر بہت زور دیا ہے۔ لانہ تعالی البت لابراھیم حصول الرفعۃ والفوز بالدرجات العالیۃ لا جل اللہ ذکر الحجۃ فی التوحید و قررھا و ذب عنھا و ذلک یدل علی انہ لا مرتبۃ بعد النبوۃ و الرسالۃ اعلی و اشرف من ھذہ المرتبۃ (کبیر) اوضح دلالۃ علی وجوب الاستدلال علی التوحید (جصاص) فلما استدل ابراھیم علی توحید اللہ واحتج بہ علی قومہ ثبت بذلک ان علینا مثلہ (جصاص) ف۱۲۴ یہ سب کے سب راہ ہدایت پر تھے، مہتدی بھی اور ہادی بھی۔ اسحٰق و یعقوب علیہما السلام کے نام لانے میں تعلیم ہے اہل عرب بنی اسمٰعیل کو کہ تم کہیں یہود بنی اسرائیل کی بدزبانیوں سے مشتعل ہو کر اُن کے قبیلہ و خاندان کے بزرگوں، ان دونوں پیمبروں کی شان میں کوئی گستاخی نہ کرنے لگنا۔ اسحٰقؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ ۲۰۶۰ق م۔ تا ۱۸۸۰ق م۔ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ۔ ہم نے اُن کو اسحٰق و یعقوب علیہما السلام عطا کیے، ایک کو بیٹا اور دوسرے کو پوتا بنا کر۔ یعقوبؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے

وَ تِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ

یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ پر دی تھی، ہم جس کے درجے

دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۸۳﴾

چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں، بیشک آپ کا پروردگار بڑا حکمت والا ہے، بڑا علم والا ہے ف۱۲۳

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَیْنَا ۚ وَ نُوْحًا

اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوبؑ عطا کئے، ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی ف۱۲۴ اور نوحؑ کو

هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ

ہم ہدایت دے چکے تھے زمانہ ما قبل میں اور ان کی نسل میں سے ف۱۲۵ داؤد اور سلیمانؑ

وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ؕ وَ كَذٰلِكَ

اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اور ہم نیکوکاروں کو

نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۴﴾ ۙ وَ زَكَرِیَّا وَ یَحْیٰى وَ عِیْسٰى

اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں ف۱۲۶ (اور ہم نے ہدایت دی) زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ

وَ اِلْیَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۵﴾ ۙ وَ اِسْمٰعِیْلَ

اور الیاسؑ کو، (یہ) سب صالحین میں سے تھے ف۱۲۷ اور (ہم نے ہدایت دی تھی) اسمٰعیلؑ

وَ الْیَسَعَ وَ یُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى

اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو، اور (ان میں سے) ہر ایک کو ہم نے جہان والوں پر فضیلت

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۶﴾ ۙ وَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ۚ

دی تھی ف۱۲۸ اور (ہم نے ہدایت دی تھی) ان کے کچھ باپ دادوں کو اور ان کی کچھ اولاد کو اور ان کے کچھ بھائیوں کو،

وَ اجْتَبَیْنٰهُمْ وَ هَدَیْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۸۷﴾

اور ہم نے ان (سب) کو برگزیدہ کیا، اور ہم نے ان (سب) کو راہ راست کی ہدایت کی تھی ف۱۲۹

صاحبزادہ ۲۰۰۰ق م تا ۱۸۵۰ق م۔ آپ کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ اور قوم بنی اسرائیل آپ ہی کی جانب منسوب ہے۔ ف۱۲۵ نوحؑ بن لمک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اجداد میں سے مشہور و معروف نبی ہیں، توریت میں بھی جو نسب نامہ درج ہے، اس کے اعتبار سے حضرت ابراہیم خلیل حضرت نوح علیہما السلام کی گیارھویں پشت میں ہیں، آپؑ کا وطن وہی تھا جو تاریخ کے اُس ابتدائی دور میں نسل انسانی کا وطن تھا، یعنی عراق کا دوآبہ دجلہ و فرات، آپ کا زمانہ قیاسی و تخمینی طور پر ۲۹۳۸ق م تا ۱۹۹۸ق م سمجھا گیا ہے۔ ذُرِّیَّتِهٖ۔ میں ضمیر کس کی طرف ہے یعنی کس کی اولاد کا ذکر ہے؟ مراد حضرت نوح علیہ السلام ہو سکتے ہیں کہ اول تو آپ ہی کا مذکور سب سے قریب واقع ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ آگے جن جن کا ذکر آ رہا ہے وہ سب آپ ہی کی اولاد میں تھے بھی۔ ای من ذریۃ نوح (معالم) بعض نے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لی ہے اس لیے کہ اصلاً انہی کے فضائل یہاں مقصود ہیں، اس گروہ نے ذریۃ کے معنی وسیع کر کے لیے ہیں کہ اولاد دختری و اولاد معنوی بھی اس میں شامل ہو جائے۔ روی عن ابن عباسؓ ان ھؤلاء انبیاء علیھم السلام کلھم مضافون الی ذریۃ ابراھیم و ان کان منھم من لم یلحقہ بولادۃ من قبل ام و لا اب (روح) والضمیر عند جمع لابراھیم (روح) ف۱۲۶ (جیسے ابراہیم علیہ السلام کو وی کہ ان کی نسل میں ایک سلسلہ انبیاء اور خاصان خدا کا پیدا کر دیا) داؤد بن یسی۔ نبی برحق اور بنی اسرائیل میں ایک بڑے شان و شوکت کے بادشاہ۔ متوفی ۹۶۲ق م، سلیمانؑ بن داؤدؑ۔ طبقہ انبیاء میں سب سے بڑے بادشاہ۔ متوفی ۹۳۲ق م، ایوبؑ۔ آپ کا شمار پیمبران عرب میں ہے۔ مسکن شمالی عرب میں علاقہ فلسطین کی مشرقی سرحد تھا، بائبلی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے پانچویں پشت میں تھے۔ اسرائیلی روایتوں میں آپ کی عمر ۲۱۰ سال بیان کی گئی ہے۔ یوسفؑ بن یعقوبؑ۔ پیدائش ملک کنعان (فلسطین) میں، بعد کو مصر کے بادشاہ ہو گئے۔ ۱۹۱۰ تا ۱۸۰۰ق م۔ موسیٰ بن عمران۔ صاحب توریت، اسرائیلیوں کے مشہور ترین پیغمبر ۱۵۴۰ق م تا ۱۴۰۰ق م۔ ھارون بن عمران۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی، عمر میں تین سال بڑے، ان سب میں ایک مشترک چیز یہ نظر آتی ہے کہ نبوت کے ساتھ ساتھ دولت یا حکومت یا قبیلہ کی سرداری غرض وجاہت دنیوی سے بھی مشرف تھے۔ ف۱۲۷ یعنی اللہ کے ہاں معزز و مقرب، ان کی اگر دنیا میں بدنامی ہوئی، اور بعض گروہوں نے ان کی بدگوئی کو اپنا شعار بنا لیا تو اس سے متاثر نہ ہو جانا۔ قرآن تصدیق کرتا ہے کہ یہ سب صالح تھے۔ زکریا حضرت مسیح کے خالو ہوتے تھے انجیل میں ان کا اور ان کی زوجہ محترمہ کا ذکر خیر تفصیل سے موجود ہے۔ یحیٰی بن زکریا۔ متوفی ۳۰ء انجیل میں ان کا نام یوحنا آیا ہے۔ عیسٰی ابن مریم۔ مشہور و معروف نبی ۲۹ء میں دنیا سے تشریف لے گئے۔ الیاس۔ یہ غالباً وہ ہیں جن کا ذکر توریت کے بعض صحیفوں میں ایلیاہ نبی کے نام سے آیا ہے اور ان کے خارق عادت بہت سے دیے ہیں (۱۔ سلاطین وغیرہ) انگریزی تلفظ میں Elijah اہل کتاب نے اپنے ہاں کے انبیاء کی سیرتوں کو جی بھر کر داغدار کر دیا تھا۔ قرآن مجید نے آ کر از سر نو ان کی عصمت قائم کی۔ اَلصّٰلِحِیْنَ۔ یعنی صالحیت میں کامل ترین۔ الکاملین فی الصلاح (بیضاوی) اور ان تمام خرافات سے مبرا جو یہود و نصاریٰ نے ان حضرات کی جانب جاہلی قوموں کے دیوتاؤں کے گندے قصوں پر قیاس کر کے منسوب کر دیئے ہیں۔ ف۱۲۸ (انہیں نبوت سے سرفراز کر کے) ظاہر ہے کہ ہر نبی اپنے زمانے کے تمام غیر انبیاء سے افضل ہی ہوگا۔ قال القاضی ویمکن ان یقال المراد کلا من الانبیاء یفضلون علی کل شیء عن سواھم من العالمین (کبیر) اِسْمٰعِیْلَ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے حضرت ہاجرہ کے بطن سے ۲۰۷۰ق م تا ۱۹۳۳ق م۔ الیسع بن سفط توریت کے بعض صحیفوں میں ان کا ذکر بھی تفصیل سے آیا ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کے جانشین تھے۔ انگریزی تلفظ میں Elisha۔ یونس بن متی، نینوا (موجودہ نقشہ میں موصل) کے پیمبر تھے، ۸۱۷ق م تا ۷۴۱ق م۔ لوط بن هاران۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ جہاں اب بحر لوط یا بحر مردہ Dead Sea ہے اسی کے کنارے آپ کی نافرمان و جرم پیشہ امت آباد تھی۔ اس کی ہلاکت عذاب الٰہی سے، کہا جاتا ہے کہ ۲۰۶۱ق م میں واقع ہوئی۔ ف۱۲۹ جتنے حضرات کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ یہ سب انبیاء صادقین تھے۔ اللہ کے مقبول و برگزیدہ، ان کے فسق اعتقادی و عملی سے متعلق جتنی بھی روایات شائع ہوں، اگرچہ وہ بائبل ہی کے ذریعہ سے ہوں، سب کی سب موضوع و باطل ہیں۔ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ میں مِنْ تبعیضیہ ہے "کچھ" کے معنی میں۔ من للتبعیض ای ھدینا بعض اٰبائھم وذریاتھم (قرطبی) وَ اجْتَبَیْنٰهُمْ وَ هَدَیْنٰهُمْ۔ ھم کی ضمیر انہی انبیاء علیہم السلام کی

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ

یہ اللہ کی (راہ) ہدایت ہے اس کی ہدایت وہ اپنے بندوں میں کر دیتا ہے جس کو وہ چاہے،

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور اگر وہ شرک کرتے تو جو کچھ وہ کرتے رہے سب ان سے اکارت جاتا ف ۱۳۰

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ

یہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی

فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا

سو اگر یہ لوگ اس سے انکار کردیں تو ہم نے اس کے (ماننے کے) لئے ایسے لوگ مقرر کردیئے ہیں جو اس کے

بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ

منکر نہیں ہیں ف ۱۳۱ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی ان کے طریقہ پر

اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى

چلئے، آپ کہہ دیجیے میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا وہ (یعنی قرآن) تو بس ایک نصیحت ہے، (دنیا) جہان والوں

لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ

کے لئے ف ۱۳۲ اور انہوں نے اللہ کو نہیں پہچانا جو اس کے پہچاننے کا حق تھا، جب انہوں نے (یہ) کہہ دیا

اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ

کہ خدا نے کسی بشر پر کوئی بھی چیز نہیں اُتاری ف ۱۳۳ آپ کہئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی

الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ

جسے لے کر موسیٰ آئے تھے (بجائے خود بھی) نور اور لوگوں کے لئے ہدایت بھی، جس کو تم نے (مختلف) اوراق

قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ

کر رکھا ہے، کہ ظاہر کردیتے ہو اور بہت کچھ چھپا جاتے ہو، اور تم سکھائے گئے وہ جو تم نہیں

ع ۸ / ۱۶

جانب ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اجتباء کا حاصل جذب ہے اور ہدایت کا حاصل سلوک ہے۔ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ۔ میں حق تعالیٰ نے حضرات انبیاء کے آباء اور اولاد اور اخوان یعنی اصول وفروع وفروع اصول تینوں کا ذکر موقع شرف ومدح میں کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء سے ہر قسم کا رشتہ باعث شرف ہے۔ ذلک یدل علی ان اللہ تعالیٰ خصّ کل من تعلق بھو لاء الانبیاء بنوع من الشرف والکرامۃ (کبیر) ف ۱۳۰ (اور ان کی بزرگ زادگی یا اور کوئی نسبت اضافی ذرا بھی کام نہ آتی) يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ بہٖ کی ضمیر ھدی اللہ کی طرف ہے اور ھدی اللہ سے یہاں مراد توحید معروفت الٰہی ہے۔ یجب ان یکون المراد من ھذا الھدی معرفۃ التوحید وتنزیہ اللہ تعالیٰ عن الشرک (کبیر) وَلَوْ اَشْرَكُوْا۔ بالفرض یہ شرک اعتقادی یا عملی میں مبتلا ہوئے ہوتے۔ جیسا کہ بائبل کے مختلف صحیفوں میں ان کے سر تھوپ دیا گیا ہے۔ لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ نبوت پر سرفراز وقائم رہنا کیا معنی، ایسی صورت میں تو وہ معمولی درجہ کے مومن بھی باقی نہیں رہ سکتے تھے۔ لیکن قرآن جب ان کے محسن وصالح ومہدی وافضل عالم ومجتبیٰ وصاحب کتاب ونبی ہونے کا اثبات اس شدومد سے کر رہا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے (معاذ اللہ) شرک سے متعلق جو کہانیاں گڑھی گئی ہیں وہ سرتاپا باطل اور افتراء شدید ہیں۔ ف ۱۳۱ یعنی گروہ صحابہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر مومنین صادقین، جو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کے منکر ہیں نہ ان انبیاء سابقین کے۔ قیل ھم اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) وکل من امن بہ (کشاف) قیل ھم اھل المدینہ وقیل ھم المھاجرون والانصار (کبیر) اُولٰٓئِكَ ...... النُّبُوَّةَ۔ ہم نے تو ان صالحین وابرار کو کتاب وحکمت اور نبوت سے سرفراز کیا۔ اس پر بھی فسق پیشہ لوگ ان کے کمالات وفضائل سے انکار ہی کرتے رہے۔ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا۔ ھا کی ضمیر توحید کی طرف لی گئی ہے۔ یا کتاب وحکم ونبوت کی جانب۔ والمراد فان یکفر بھذا التوحید (کبیر) ای بھذہ الثلاثۃ (بیضاوی) هٰٓؤُلَآءِ یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منکرین ومکذبین۔ ای کفار عصرک یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم (قرطبی) کفار قریش (کبیر) بِكٰفِرِيْنَ میں ب زاید ہے تاکید کے لئے۔ والباء زائدۃ للتاکید (قرطبی) وفی بکافرین تاکید النفی (کشاف) ف ۱۳۲ (خود انہی کے نفع ومصلحت کے لئے) اقْتَدِهْ۔ میں ہ ضمیر کی نہ سمجھی جائے کہ اصل امر تو اقتد ہے۔ ہ وقف ووصل کی ہے۔ ھاء السکت وقفاً ووصلاً (جلالین) الھاء للوقف (بیضاوی) فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ ان حضرات کا وہ ھدی (طریق) کیا تھا۔ جس پر چلنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل رہا ہے؟ وہ ان کا طریقہ صبر واستقامت کا تھا۔ ان سب نے بھی اپنے اپنے معاصر منکرین کے ہاتھوں سخت مصائب اٹھائے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلیہ قلب کے لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ کی راہ میں یہی سب کچھ پیش آتا ہے سو آپ بھی انہی کی طرح ثابت قدم رہیے۔ المعنی اصبر کما صبروا (قرطبی) ای اقتدبھم فی تحمل سفاھات الجھال فی ھذا الباب (کبیر) ھدی کے دوسرے معنی توحید واصول دین کے بھی کئے گئے ہیں۔ والمراد بھدھم طریقتھم فی الایمان باللہ وتوحیدہ واصول الدین دون الشرائع (کشاف) ای اقتدبھم فی نفی الشرک واثبات التوحید (کبیر) لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا۔ علیہ میں ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ سنت انبیاء ایک یہ بھی ہے کہ وہ تبلیغ دین کی کوئی فیس نہیں طلب کرتے۔ یہ تو ان کا عین مشن (مقصد زندگی) ہی ہوتا ہے۔ وکان من جملۃ ھدٰھم ترک طلب الاجر فی ایصال الدین وابلاغ الشریعۃ (کبیر) بعض فقہاء نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ تعلیم قرآن وروایت حدیث پر معاوضہ لینا درست نہیں۔ فیہ دلیل علی ان اخذ الاجر علی تعلیم القرآن وروایۃ الحدیث لا یجوز (مدارک) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى۔ قرآن مجید کو کوئی قصہ کہانی کی کتاب، سائنس وفلسفہ کی کتاب، تاریخ وجغرافیہ کی کتاب، ادب ومحاضرہ کی کتاب نہ سمجھو۔ یہ تو تمام تر ایک ہدایت نامہ ہے۔ ایک نصیحت نامہ ہے۔ ایک دستور العمل ہے۔ ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ۔ ذکرٰی کے ساتھ للعرب نہیں للعالمین فرمایا۔ یعنی اس کی ہدایت اور اس کے قانون کسی ایک ملک وقوم کے ساتھ مخصوص نہیں، سارے عالم کے لئے ہیں...... اور اس پہلو کو فخر المفسرین فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے نظر انداز نہیں ہونے دیا ہے۔ یدل علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث الی کل اھل الدنیا لا الی قوم دون قوم (کبیر) استدل بالایۃ علی عموم بعثتہ صلی اللہ علیہ وسلم (روح) ف ۱۳۳ یہ کہنے والے کون تھے؟ روایات میں آتا ہے کہ کوئی یہودی تھا اور سیاق قرآنی خود بھی یہی کہہ رہا ہے کہ یہ قول کسی یہودی کی زبان سے نکلا تھا۔ بظاہر یہ مقولہ یہودی عقائد کے بالکل منافی ہے لیکن جوش مخالفت ایسی چیز ہے کہ اس حالت میں اپنے خلاف عقائد باتیں بھی زبان سے نکل جاتی ہیں۔ غلو کے وقت اپنے مسلک اور اپنے مسلمات کی بھی پروا نہیں رہ جاتی۔ خوش قسمتی سے بعض روایات بھی اس خیال کی تائید میں موجود ہیں۔ قیل ان صدور ھذا القول کان عن غضب وذھول عن حقیقتہ (روح) یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اب کوئی کتاب نہیں اتاری، نہ یہ کہ کبھی کوئی کتاب نہیں اتاری...... آیت میں جو اشکال ہے حیرت ہے کہ اس پر تفصیل کے ساتھ نظر بجز فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے اور کسی کی نہ گئی۔ مشکل یہ ہے کہ یہ قول اگر کسی مشرک کا ٹھہرایا جاتا ہے تو معاً بعد اس کا جو جواب قرآن مجید میں درج ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اوپر جو نزول توریت ہوا اس سے استدلال تو اس جواب کا کوئی ربط مشرک کے قول سے نہیں ٹھہرتا۔ قریش عرب مشرکین ہند کی طرح نفس نبوت اور سلسلہ وحی ہی کے قائل نہ تھے۔ لان کفار قریش والبراھمۃ کما ینکرون رسالۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فکذلک ینکرون رسالۃ سائر الانبیاء (کبیر) اور اگر یہود کا قول مانا جائے تو دشواری وہی آ کر واقع ہوتی ہے کہ کوئی یہودی اپنے مسلمات کے خلاف ایسی بات زبان سے نکال کیونکر سکتا تھا امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا کہ فی ھذہ الایۃ بحث صعب (آیت کے اندر ایک سخت اشکال ہے) اور پھر اسے اپنی خداداد ذہانت سے حل یوں فرمایا ہے کہ اس یہودی کا مقصد صرف نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب تھی۔ اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے جواب یہ ملتا ہے کہ جب تو موسیٰ علیہ السلام کے صاحب وحی ہونے کا قائل ہے تو یہ تو کہہ ہی نہیں سکتا کہ حق تعالیٰ کسی بندہ سے مخاطبہ نہیں کرتا اور اس لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی آنا ناممکن ہے۔ زیادہ سے زیادہ تو ان سے ان کی صداقت کے ثبوت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ والمقصود ھنا انک لما سلمت ان اللہ تعالیٰ انزل التوراۃ علی موسیٰ

علیہ السلام فعد هذا لا یمکنک الاصرار علیٰ انه تعالی ما انزل علیٰ شیئًا لانی بشر وموسٰی بشر ایضًا (کبیر) مَاقَدَرُوااللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ۔ قدر کی تفسیر عظمت سے بھی کی گئی ہے یعنی اللہ کا جو حق عظمت تھا، وہ ان لوگوں نے ادا نہ کیا۔ قال الحسن ما عظموا حق عظمته ونسوا الله عزوجل الی اله لا یقیم الحجة علی عباده (قرطبی) لیکن دوسرے معنی جوسیاق کلام کے موافق تر ہیں، یہ ہیں کہ ان لوگوں نے حق تعالیٰ کو پہچانا ہی نہیں جو اس کی بابت یہ فرض کرلیا کہ وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے رسول نہیں بھیجتا۔ قال ابو عبیدة ای ما عرفوا الله حق معرفته قال النحاس وهذا معنی حسن والمعنیان متقاربان (قرطبی) وما عرفوه حق معرفته فی الرحمة علی عباده واللطف بهم حین انکر وابعثة الرسل والوحی الیهم وذٰلک من اعظم رحمته واجل نعمته (کشاف) حیث انکروا النبوة والرسالة (کبیر) اِذْقَالُوْا۔ یہ کہنے والا ایک یہودی تھا۔ قال الحسن وسعید بن جبیر الذی قال احدالیهود (قرطبی) هذه الاٰیة فی حق الیهود وهو القول المشهور عند الجمهور (کشاف) ف۱۳۳ حجت الزامی کا خلاصہ یہ ہے کہ جس خدا کو تم توریت کا نازل کرنے والا تسلیم کرتے ہو، وہ تو آج بھی زندہ وقائم اور اس پر قادر ہے کہ کوئی دستور حیات اس سے بھی جامع تر وکامل تر نازل کردے۔ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ۔ تقدیر کلام فی القراطیس سمجھی گئی ہے۔ اور معنی یہ کئے گئے ہیں کہ اسے پارہ پارہ کردیا ہے۔ ای فی القراطیس (قرطبی) ای جعلوه قراطیس مقطعة و ورقاتٍ مفرقة (کشاف) تُبْدُوْنَهَا۔ یعنی ظاہر کرتے ہو اُس کتاب الٰہی کے بعض حصوں کو اپنی مصلحتوں کے موافق پاکر۔ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا۔ اس کتاب کے بہت سے احکام کو چھپا جاتے ہو۔ جنہیں اپنے

تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَ لَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ

جانتے تھے، نہ تم اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ کہیے کہ اللہ نے، پھر آپ انہیں اُن کے مشغلوں میں

خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ

بیہودگی سے پڑے ہوئے رہنے دیجیے ف۱۳۴ اور یہی کتاب ہے کہ ہم نے اس کو نازل کیا ہے، برکت والی ہے،

مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ

تصدیق کرنے والی ہے اُس کی جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں تاکہ آپ ڈرائیں اُم القری اور اس کے

حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

گردوالوں کو ف۱۳۵ اور جولوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس (کتاب) پر بھی ایمان لے آتے ہیں،

وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ

اور وہ اپنی نماز کی حفاظت رکھنے والے ہیں ف۱۳۶ اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَ لَمْ يُوْحَ

اللہ پر جھوٹ تہمت گڑھ لے یا کہنے لگے کہ میرے اُوپر وحی آتی ہے درآنحالیکہ اُس پر کچھ بھی وحی

اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ

نہیں کی گئی ہے، اور (اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا) جو کہے کہ جیسا (کلام) خدا نے نازل کیا ہے،

وَ لَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ

میں بھی (ایسا ہی) نازل کروں گا ف۱۳۷ کاش آپ اُس وقت دیکھیں جب (یہ) ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے، اور

بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ

فرشتے اپنے ہاتھ (اُن کی طرف) بڑھا رہے ہوں کہ اپنی جانیں (جلد) نکالو ف۱۳۸ آج تمہیں ذلت کا

عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ

عذاب ملے گا بہ سبب اس کے کہ تم اللہ پر جھوٹ اور اللہ کے ذمے ناحق باتیں جوڑا کرتے تھے

مصالح کے خلاف پاتے ہو۔ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا۔ تمہیں تعلیم دی گئی اسی کتاب کے ذریعہ سے اُن حقائق کی جن سے تم ناواقف تھے۔ اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ۔ نسلوں پر نسلیں اور صدیوں پر صدیاں گزرتی چلی گئیں اور تمہیں اپنی بشری کوششوں سے اُن حقائق کا علم نہ ہوسکا۔ قُلِ اللّٰهُ۔ اللہ ہی نے یہ سب کچھ کیا۔ اور وہی آج بھی سب کچھ کرڈالنے پر قادر ہے۔ ف۱۳۵ یعنی ساری دنیا کو۔ مُبٰرَكٌ۔ پہلی صفت قرآن مجید کی یہ ارشاد ہوئی کہ یہ ایک مبارک کتاب ہے۔ اس سے خلق جتنا چاہے۔ بہ قدر اپنے ظرف وہمت کے استفادہ کرے۔ ای کثیر المنافع و الفوائد (کشاف) قال اهل المعانی کتابٌ مبارک ای کثیر خیره دائم برکتهٗ و منفعته یبشّر بالثواب والمغفرة و یزجرعن القبیح والمعصیة (کبیر) فخر رازی علیہ رحمۃ اللہ اس آیت کے ذیل میں جواپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہیں وہ بجنسہٖ نقل ہونے کے قابل ہے۔ یقول مصنف هذا الکتاب محمد بن عمر الرازی و انا قد نقلت انواعاً من العلوم النقلیة والعقلیة فلم یحصل لی بسبب شیء من العلوم من انواع السعادات فی الدین والدنیا مثل ما حُصّل بسبب خدمة هذا العلم (کبیر) (اس کتاب کا مصنف محمد بن عمر رازی علیہ رحمۃ اللہ کہتا ہے کہ میں نے بہت سے علوم حاصل کیے نقلی بھی اور عقلی بھی، لیکن کسی علم سے بھی مجھے دین و دنیا میں وہ خیر وسعادت نہ محسوس ہوئی جو اس علم (قرآن) کی خدمت سے حاصل ہوئی۔) مُصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ۔ دوسری صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ اپنے سے سابق ہر وحی اور ہر رسالت کی تصدیق کرتی ہے۔ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اہل یہاں محذوف ہے اور اُمَّ الْقُرٰى سے مراد یہاں کے رہنے والے ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس سے اشارہ شہر مکہ کی جانب ہے۔ اتفقوا علی ان ههنا محذوفًا والتقدیر و لتنذر اهل امّ القرٰی و اتفقوا علی ان ام القرٰی هی مکة (کبیر) اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ مکہ کا یہ نام اُمُّ الْقُرٰى (جس کے لفظی معنی بستیوں کے مرکز کے ہیں) پڑا کیوں؟ بعض نے کہا کہ اس لیے کہ ساری اقلیموں کی رُوحانی پرورش کا سامان یہیں سے ہوتا ہے بعض نے کہا کہ اس لیے کہ قدیم جغرافیہ کے لحاظ سے یہ زمین کے عین وسط میں واقع تھا۔ کسی نے کہا اس لیے کہ اس وقت حجاز خصوصاً اس کا یہ شہر دُنیا کی تہذیبوں کا سنگم تھا۔ یعنی اس کے ایک بازو میں مصری، رومی، یونانی تہذیب تھی۔ اور دُوسرے بازو میں کلدانی، ایرانی اور ہندی تمدن۔ کسی نے کہا کہ اس لیے کہ آج بھی دنیا کے تین بڑے براعظموں ایشیا، افریقہ، یورپ کا سرا یہیں ساحل حجاز سے چھوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سب کے سب اسباب صحیح ہوں۔ وَمَنْ حَوْلَهَا۔ جب مکہ معظمہ ناف زمین یا مرکز بلاد قرار پایا تو اس کے ہر طرف آبادی جہاں تک بھی پھیلی ہوگی سب من حولها ہی کے تحت میں آئے گی۔ یعنی جمیع الاٰفاق (قرطبی) ای اهل الشرق والغرب (مدارک وبیضاوی) یتناول جمیع البلاد والقری المحیطة بها فیدخل فیه جمیع بلاد العالم (کبیر) من اهل المدر والوبر فی المشارق والمغارب لعموم بعثته ﷺ (روح) ف۱۳۶ یعنی اعتقاد صحیح کے ساتھ ساتھ عمل صحیح میں بھی پختہ و مستقیم ہوجاتے ہیں۔ صلوٰة یہاں بہ طور جملہ عبادات کے قائم مقام کے ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ آیت سے صلوٰۃ کی انتہائی اہمیت واشرفیت ظاہر ہوتی ہے کہ اسے گویا ایمان کے ہم رتبہ قرار دے دیا گیا ہے۔ المقصود منه التنبیه علی ان الصلوٰة اشرف العبادات بعد الایمان بالله و اعظمها خطرًا الاترٰی انه لم یقع اسم الایمان علی شیٔ من العبادات الظاهرة الا علی الصلوٰة (کبیر) وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ۔ بہ کی ضمیر قرآن مجید کی جانب ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ خوفِ آخرت رکھتے ہیں وہ مواخذۂ اُخروی کے ڈر سے پوری ذمہ داری اور اہتمام کے ساتھ حق کی تلاش وطلب میں رہتے ہیں۔ اور اس لیے قرآن کی بھی صداقت وحقانیت کے قائل ہوجاتے ہیں۔ ذٰلک ان اصل الدین خوف العاقبة فمن خافها لم یزل به الخوف حتی یؤمن (کشاف) الذی یؤمن بالاٰخرة هو الذی یؤمن بالوعد والوعید والثواب والعقاب و من کان کذٰلک فانه یعظم رغبته فی تحصیل الثواب و رهبته عن حلول العقاب و یبالغ فی النظر والتامل فی دلائل التوحید والنبوة فیصل الی العلم والایمان (کبیر) ف۱۳۷ رسول اللہ ﷺ کے معاصرین میں نزول وحی کے طویل عرصہ کے زمانہ میں بعض ایسے بھی بدبخت تھے جنہوں نے یہ کہنا شروع کردیا تھا کہ ایسا کلام تو ہم بھی نازل کرسکتے ہیں۔ حدیث وسیر کی کتابوں میں ان کے نام نضر بن حارث اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح منقول ہوئے ہیں۔ والمراد عبدالله بن ابی سرح الذی کان

اور رسول اللہ ﷺ کے کاتب وحی تھے۔ کتابت وحی ہی کے سلسلہ میں مرتد ہو کر مشرکوں سے جا ملے۔ ایک مدت تک مرتد و مباح الدم رہنے کے بعد فتح مکہ کے دن اپنے واجب القتل ہونے کی خبر سن کر روپوش ہو گئے۔ پھر حضرت عثمان ؓ کی سفارش کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس وقت سے پھر پختہ مسلمان ہو گئے، پھر بڑے بڑے کارنامے اُن کے ہاتھ سے انجام پائے، اُن میں سے فتح مصر و تسخیر نوبیہ (موجودہ حبشہ) ہیں۔ وفات اپنی حسب دعا عین نماز میں فجر کا سلام پھیرتے وقت پائی۔ ؓ۔ اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ كَذِبًا مثلاً کوئی اسی کا قائل ہو جائے کہ خدا بندوں سے کبھی کوئی مخاطبہ و مکالمہ کرتا ہی نہیں۔ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ۔ اس کے تحت میں تمام جھوٹے مدعیانِ نبوت آ گئے۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ کوئی شخص کوئی خواب تراشے یا کسی وارد و الہام کاذب کا دعویٰ کرے یا اپنے اوہام و خیالات کو فیض غیبی کہے وہ بھی اسی ضمن میں آ جاتے ہیں۔ بعض فقہا و مفسرین نے کہا ہے کہ جو فقہ و سنن اور آثار سلف سے اپنے کو مستغنی سمجھ کر خود رائی اختیار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری رائے فلاں مسئلہ میں یہ ہے اور عام احکام عوام کے لیے ہیں، مجھ جیسے خواص کے لیے نہیں، وہ بھی اسی وعید کے تحت میں آ جاتا ہے۔ و من هذا النمط من اعرض عن الفقه والسنن وما كان عليه السلف من السنن فيقول وقع في خاطري كذا او اخبرني قلبي بكذا (قرطبی) و۱۳۸ (جنہیں سو سو طرح بچاتے پھرتے ہو) یہ کافر معاند کے احوالِ موت کا بیان ہو رہا ہے۔ اِذِ الظّٰلِمُوْنَ۔ ظالم سے مراد اس سیاق میں ہر قسم کے کافر ہیں خصوصاً ان تینوں اقوال میں سے جو یہاں نقل ہوئے کسی کے بھی قائل ہوں۔ المراد بالظالمين ما يشمل الانواع الثلاثة من الافتراء (روح) اَلْمَلٰٓئِكَةُ۔ مراد ہے فرشتوں کی جنس یا ملک الموت کے اعوان و انصار۔ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔ یہ بہ طور امر نہیں بہ طور زجر و تعریض ہے۔ کافروں کی شدائد نزع کو اور بڑھانے کے لیے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جان تو فرشتہ نکال رہے ہوں گے، اپنی جان خود نکالنا انسان کا کام نہیں۔ ليس بامر بل هو وعيد و تقريع كقول القائل امض الان لترى ما يحل بك (کبیر) اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سے یہ بھی صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ انسان کی جان یا روح اس کے جسم سے الگ یا مغایر ایک چیز ہے۔ هذا يدل على ان النفس مغايرة للاجساد (کبیر) و۱۳۹ (اور اپنی عقل و رائے کو خدائی قانون کے مقابلہ میں پیش کرتے رہتے تھے) عَذَابَ الْهُوْنِ۔ اور چند مقامات کی طرح یہاں بھی یہ تصریح سے بیان کر دیا کہ آخرت کے اس عذاب میں جسمانی آزار اور سختیوں کے ساتھ توہین و رسوائی کا جزء بھی پوری طرح شامل ہو گا۔ دنیا کے استکبار کا نتیجہ آخرت میں تفضیح و رسوائی کی صورت میں ظاہر ہونا ہی تھا۔ المراد منه انه تعالى جمع هناك بين الايلام و بين الاهانة (کبیر) و۱۴۰ یہ سارا مخاطبہ کافروں سے حشر کے دن ہو گا۔ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی۔ اب تمہارے ساتھ نہ وہ جتھے اور پارٹیاں ہیں نہ بڑے بڑے لاؤ لشکر جن پر تمہیں گھمنڈ رہا کرتا تھا۔ اور نہ خود تمہارے پاس کوئی لباس یا وردی ہے، خالی خولی اسی طرح آئے ہو جس طرح دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ والمعنى جئتمونا واحدًا واحدًا كل واحد منكم منفردًا بلا اهل ولا مالٍ ولا ولد ولا ناصر ممن كان يصاحبكم في الدنيا ولم ينفعكم ما عبدتم من دون الله (قرطبی) اى منفردين عن الاعوان والاوثان التى زعمتم انها شفعاء كم وعن الاموال والاولاد وسائر ما اٰثرتموها من الدنيا (روح) وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ۔ مال و دولت اور دنیوی علوم و فنون و صنائع جن پر دنیا میں تم بھولے رہتے تھے۔ وہ سب تم کو وہیں چھوڑ آنا تھا اور آخرت میں ان میں سے کوئی چیز کچھ کام نہ آئی۔ شُفَعَآءَكُمْ ...... شُرَكٰٓؤُا۔ وہ تمہارے خیالی دیوتا اور بزرگ جن کے متعلق تمہیں یہ دعویٰ تھا کہ وہ اپنے دخل و تصرف سے تمہیں ہمارے مواخذہ عدل سے بچالیں گے۔ وہ سب کدھر غائب ہو گئے۔ یہ مستقل شفعاء کا عقیدہ یہود اہل توحید تک میں گھس گیا تھا اور مسیحیت کی تو بنیاد ہی کہنا چاہیے کہ کفارہ و شفاعت کے عقائد پر ہے۔ و۱۴۱ مطلب یہ ہوا کہ جمادات، نباتات، حیوانات ہر صنف موجودات کا نظام تکوینی و تخلیقی سارے کا سارا اسی کے ہاتھ میں ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز کا دارومدار اسی پر ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی دیوی دیوتا کی طرف متوجہ ہونا، کسی مشرکانہ نظریہ کو یا وہمیہ کو قابل التفات سمجھنا کس درجہ حمق و بے دانشی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی۔ نباتات کا خدا کوئی اور دیوی دیوتا نہیں جیسا کہ احمق مشرک قوموں نے فرض کر لیا ہے۔ نہ یہ ہے کہ نباتات میں روئیدگی از خود ہو جاتی ہے۔ ہر بیج، ہر گٹھلی میں پھٹنے پھوٹنے کی صلاحیت پیدا کرنا پھر وقت مناسب پر اس صلاحیت کو فعلیت میں لانا یہ سب کام اسی پروردگار عالم کا ہے۔ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ۔ بے جان سے جاندار کو نکالنے کی مثال جیسے انڈے سے مرغی یا نطفہ سے انسان، جاندار سے بے

وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی

اور تم اللہ کی نشانیوں کے مقابلہ میں تکبر کیا کرتے تھے و۱۳۹ اور اب تو تم ہمارے پاس تنہا تنہا آئے

كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ

جیسا کہ ہم نے تمہیں اوّل بار پیدا کیا تھا اور اپنے پیچھے چھوڑ آئے جو کچھ ہم نے تم کو

ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ

دیا تھا اور ہم تمہارے ہمراہ اُن شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت

زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ

تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں، اب تو تمہارے آپس کا تعلق ٹوٹ گیا اور تم سے

وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ

گئے گزرے ہوئے وہ دعوے جو تم کرتے رہتے تھے و۱۴۰ بیشک (اللہ ہی) دانہ اور گٹھلیوں کو

ع ۱۷

الْحَبِّ وَالنَّوٰی ۭ يُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ

پھاڑنے والا ہے، وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے، اور بے جان کو

الْمَيِّتِ مِنَ الْحَیِّ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ

جاندار سے نکالنے والا ہے، وہی تمہارا اللہ ہے سو تم کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہو و۱۴۱ وہ صبح کا

الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

برآمد کرنے والا ہے اور اسی نے رات کو راحت کی چیز بنائی اور سورج اور چاند کو

حُسْبَانًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِیْ

حساب سے رکھا ہے یہ ٹھہرایا ہوا ہے، بڑے غلبہ والے کا، بڑے علم والے کا و۱۴۲ وہ وہی تو ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ

تمہارے لئے ستارے بنائے، تاکہ تم اُن کے ذریعہ سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں

جان کو نکالنے کی مثال جیسے مرغی سے انڈا یا انسان سے نطفہ۔ اوپر مثال عالم نباتات کی آ چکی یہ ذکر جمادات و حیوانات کا ہو رہا ہے۔ و۱۴۲ یہ سارا عظیم الشان کارخانہ حیات، یہ نظام ارضی و نظام فلکی یوں ہی اٹکل پچو نہیں چل رہا ہے۔ اس کے قانون کے مطابق اور اس کے ضابطہ کے ماتحت چل رہا ہے جو العزیز ہے۔ ہر غالب پر غالب، ہر قادر پر قادر۔ جس کی راہ ہر رکاوٹ سے خالی ہے۔ اور جو ساتھ ہی العلیم بھی ہے۔ جس کی ہر جنبش تکوینی و تخلیقی بے انتہا حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز رہتی ہے۔ اور جو ہر علم و حکمت کا مبدا بھی ہے اور منتہیٰ بھی۔ والعزيز اشارة الى كمال قدرته والعليم اشارة الى كمال علمه (کبیر) فَالِقُ الْاِصْبَاحِ۔ وہ پردہ شب سے صبح کا برآمد کرنے والا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ ذٰلكم الله ربكم فالق الاصباح۔ پچھلی آیت میں ذکر نظام ارضی کا تھا اب ذکر نظام فلکی کا ہے۔ جَعَلَ ...... حُسْبَانًا۔ رات کی سکونی کیفیت، سورج اور چاند کی نپی تلی گردش، اس کی شرح رفتار اور مقدار یہ سب اسی قادر مطلق و حکیم برحق کے دست قدرت میں ہیں جو ہر ہر شعبہ موجودات کا اکیلا حاکم و ناظم ہے، اس کے حضور میں کسی سورج دیوتا اور کسی چندر ماں اور کسی رات کی دیوی کا وجود فرض کرنا خرافت کی انتہا ہے۔ حُسْبَانًا۔ یعنی مصالح خلق کے بالکل متناسب ایسے حساب کے مطابق جس میں نہ کمی کا احتمال ہے نہ زیادتی کا۔ اى بحساب يتعلق به مصالح العباد (قرطبی) اى جعل الله سير الشمس والقمر بحساب لا يزيد ولا ينقص (قرطبی) ذٰلِكَ۔ یعنی اجرام سماوی کی یہ جکڑ بند اور ان کی تسخیر۔ اشارة الى جعلهما كذٰلك (روح) و۱۴۳ دلائل اپنی توحید اور قدرت اور حکمت کے۔ جَعَلَ ...... الْبَحْرِ۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ ستارے تو خود ہی انسان کے نفع کی غرض سے اس کی خدمت کے لئے بنائے گئے

ہیں، اسلئے ان کی پرستش میں لگ جانا اور خادموں کو مخدوم سمجھ لینا جہل وحمق کی انتہا ہے۔ جَعَلَ۔ یہاں خلق کے معنی میں ہے۔ جعل ھنا بمعنی خلق (قرطبی) لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ یعنی ان شواہد ودلائل سے نفع وہی اٹھائیں گے جو علم وخبر رکھتے ہیں۔ خصھم لانھم منتفعون بھا (قرطبی) يَّعْلَمُوْنَ۔ میں علم سے مراد یا تو عقل ہے اور یا فکر واستدلال۔ المراد بالعلم ھھنا العقل (کبیر) المراد من قولہ لقوم یعلمو ن لقوم یفکرون ویتاملون ویستدلون بالمحسوس علی المعقول وینتقلون من الشاھد الی الغائب (کبیر) ف۱۴۴ دلائل اپنی توحید اور صنعت اور حکمت کے۔ اَنْشَاَكُمْ۔ خطاب عام نسل انسانی سے ہے۔ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے۔ یہاں وحدت انسانی کو بطور ایک حقیقت کے بیان کیا ہے اور اس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ سب نوع انسانی کا مورث اعلیٰ ایک ہی ہوا ہے کئی نہیں ہوئے ہیں۔ جیسا کہ بعض ناقص فلسفیوں اور بعض باطل مذہب والوں نے خیال کیا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اس ایک اصل کو مان لینے سے انسانیت جو آج مہذب وغیر مہذب، کالی اور گوری، صاحب اور نیٹو، برہمن اور شودر، مشرقی اور مغربی اور خدا جانے کتنی اور ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے۔ پھر ایک بار بنی آدم کی وحدت میں تبدیل ہو سکتی ہے اور دنیا کے کتنے جھگڑے اور خرخشے مٹ سکتے ہیں۔ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ۔ دونوں میں فرق یہ کیا گیا ہے کہ مستودع بہت سریع الزوال کو کہتے ہیں اور مستقر اتنا زود فنا نہیں۔ الفرق بین المستقر والمستودع۔ اذا المستقر اقرب الثبات من المستودع (کبیر) مستقر۔ کی کئی تفسیریں منقول ہیں۔ لیکن اکثر نے اس سے مراد رحم مادر لی ہے۔ اکثر تابعین بلکہ بعض صحابہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ واکثر اھل التفسیر

وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ

راہ پاؤ، بیشک ہم نے دلائل کھول کر بیان کر دیئے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو خبر رکھتے ہیں ف۱۴۳ اور وہ

الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ

وہی تو ہے جس نے تم (انسانوں) کو پیدا کیا ایک ہی شخص سے۔ پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی

وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

اور ایک جگہ چندے رہنے کی، بیشک ہم نے دلائل خوب کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں ف۱۴۴

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ

اور وہ وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اُس کے ذریعہ سے ہر قسم

نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ

کی روئیدگی کو نکالا ف۱۴۵ پھر ہم نے اُس سے سبز شاخ نکالی کہ ہم اُس سے اوپر تلے چڑھے

حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ

دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گپھوں سے خوشہ (نکلتے ہیں) نیچے کو لٹکے ہوئے

وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا

اور (ہم نے) باغ، انگور اور زیتون اور انار کے (پیدا کئے) باہم مشابہ

وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ

اور غیر مشابہ ف۱۴۶ اُس کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اُس کے پکنے کو (دیکھو) بیشک

فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ

ان سب میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان کی طلب رکھتے ہیں ف۱۴۷ اور لوگوں نے اللہ کا شریک جنات کو قرار

الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ

دے رکھا ہے درآنحالیکہ اُس نے انہیں پیدا کیا ہے اور لوگوں نے اُس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں محض بے سند تراش رکھی ہیں،

یقولون المستقر ما کان فی الرحم (قرطبی) عن ابن مسعود وابن عباس وابی عبد الرحمن السلمی وقیس بن ابی حازم ومجاھد وعطاء وابراھیم النخعی والضحاک وقتادہ والسدی وعطاء الخراسانی وغیرھم ای فی الارحام (ابن کثیر) مُسْتَوْدَعٌ۔ کی بھی کئی تفسیریں منقول ہیں۔ لیکن اکثر نے مراد پشت پدری ہے اور مستودع کے سلسلہ میں جن تابعین وصحابہ کے نام درج ہوئے انہی نے مستودع کی شرح یہی کی ہے المستودع ما کان فی الصلب رواہ سعید بن جبیر عن ابن عباس وقالہ النخعی (قرطبی) قالوا واکثرھم ای فی الاصلاب (ابن کثیر) لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ۔ ابھی اوپر کی آیت میں لقوم یعلمون آچکا ہے۔ اہل تحقیق نے کہا ہے کہ اس آیت میں دلالت واضح وصریح تھی اس لئے یعلمون کافی تھا۔ یہاں دلالت خفی ودقیق ہے۔ اس لئے یفقھون لایا گیا۔ انما قیل یعلمون ثم یفقھون ھنا لان الدلالۃ ثم اظھر وھنا ادق (مدارک) ف۱۴۵ پانی ایک ہی ہوتا ہے لیکن نباتات اس سے کیسی رنگا رنگ اور کتنی مختلف قسموں کی پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ سارے قوانین طبعی بس ایک ہی قادر مطلق حکیم مطلق ذات کے مقرر کئے ہوئے ہیں بارش کے یا زراعت کے۔ کسی دیوی دیوتا کا خیال کرنا ہی حمق ونادانی ہے۔ مِنَ السَّمَآءِ۔ کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو آسمان کی سمت سے نازل ہو۔ سماء عربی میں سحاب (بادل) بلکہ ہر اوپر والی چیز کے بھی مرادف ہے۔ المراد من السماء انزال المطر من جانب السماء (کبیر) سمی اللہ تعالیٰ السحاب السماء لان العرب سمی کل ما فوقک سماء (کبیر) الکلام علی تقدیر مضاف ای من جانب السماء (روح) ای کل صنف من النبات (قرطبی) ای کل صنف من اصناف النبات (روح) ف۱۴۶ (صورت، شکل، رنگ، مزہ، وزن وغیرہ کے اعتبار سے) یہ ساری مثالیں ایسی ہیں جو قرآن مجید کے مخاطبین اول یعنی عرب کے لئے آسانی سے قابل فہم تھیں۔ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ واخرجنا جنات من اعناب۔ ف۱۴۷ (اور مصنوعات کی صناعی سے صانع کے کمال پر استدلال کرنا چاہتے ہیں) اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ۔ پھل کا نفس پیدا ہونا ہی اپنی خام حالت میں کیسے کیسے حکیمانہ اور باریک کیمیاوی اور طبعی تغیرات کا نتیجہ ہوتا ہے اور چہ جائیکہ پھل کی خام حالت سے پختگی میں منتقلی جس میں رنگ، مزہ، خوشبو، جسامت ہر چیز کیا سے کیا ہو جاتی اور کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔ انظروا سے مراد وارداتی میں نظر ڈال لینا نہیں، فکر وعبرت کی نظر سے دیکھنا ہے ای نظر اعتبار لا نظر الابصار المجرد عن التفکر (قرطبی) ای انظروا الی حال نضجہ نظر اعتبار واستدلال علی قدرۃ مقدرہ ومدبرہ وناقلہ من حال الی حال (مدارک) اُنْظُرُوْٓا اِلٰى۔ مخلوقات کی طرف بار بار توجہ والتفات سے نظر کرنے کا جو یہ حکم قرآن مجید میں بار بار مل رہا ہے، اس پر محققین نے لکھا ہے کہ خلق پر نظر جبکہ للخلق ہو مذموم نہیں بلکہ اگر مقصود میں اس کی احتیاج ہو تب تو مطلوب بھی ہے۔ لَاٰيٰتٍ۔ آیات یہاں دلائل کے معنی میں ہے۔ دلائل اللہ کے کمال قدرت پر۔ ای دلالات علی کمال قدرۃ خالق ھذہ الاشیاء وحکمتہ و رحمتہ (ابن کثیر) لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان کی تلاش وطلب رکھتے ہوں۔ تحقیق کی فکر میں لگے ہوئے ہوں۔ ای یطلبون الایمان باللہ تعالیٰ (روح) ف۱۴۸ یہ کن لوگوں کا ذکر ہے؟ مشرکین عرب تو یقیناً مراد ہیں، باقی دوسری جاہلی قومیں بھی مراد ہو سکتی ہیں جو بھی انہی عقائد کی ہوں۔ الْجِنَّ۔ جنات وہ ناری مخلوق ہیں۔ جو خاکی مخلوق انسان سے قبل اس پردۂ گیتی پر وجود میں آچکے تھے۔ عموماً وعادۃً یہ انسان کے لئے غیر مرئی رہتے ہیں۔ ابلیس انہی کی صنف کا مخلوق ہے۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ وجعلوا للہ الجن شرکاء۔ معناہ جعلوا الجن شرکاء للہ (کبیر) خَلَقَهُمْ۔ حالانکہ اسی اللہ نے ان مشرکوں کو پیدا کیا ہے۔ نہ کہ جنات نے۔ ابن مسعود کی قرأت وھو خلقھم نے اسے اور صاف کر دیا ہے۔ والمعنی وقد علموا ان اللہ خالقھم دون الجن (بیضاوی) مطلب یہ ہے کہ ان مشرکوں کو خود تسلیم ہے کہ ہمارا خالق محض اللہ ہے، اس پر بھی یہ کیسی کج رائی ہے کہ یہ لوگ معبودیت میں جنات کو بھی شریک سمجھ رہے ہیں۔ هُمْ۔ کی ضمیر اگر جن کی جانب لی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اسی خدا نے ان کو بھی پیدا کیا ہے پس جنات مخلوق ہو کر معبود اور شریک خدائی کیونکر ہوئے۔ یعنی وھو خلق الجن (معالم) وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ۔ خدا کا صاحب اولاد ہونا، اپنے کو دیوتاؤں کی اولاد سمجھنا، یہ مرض مشرک قوموں میں بہت زیادہ عام اور مشترک رہا ہے۔ ہندوستان کے برہمنوں اور چھتریوں کا اپنے کو سورج بنسی اور چندر بنسی کہلانا یا اپنے کو سورج دیوتا اور چندرماں دیوتا کی اولاد قرار دینا، یونانی شرفا کا اپنے کو خدا زادہ یا دیوتا مشہور کرنا یہ سب اسی مشرکانہ وگستاخانہ ذہنیت کے کرشمہ

ہیں..... خود مسیحیوں کا عقیدہ ابنیت الٰہی (حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق) بھی اسی اصل کی ایک فرع ہے۔ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ۔ یعنی ان خرافاتی عقائد پر اہل شرک نہ کوئی عقلی دلیل رکھتے ہیں نہ نقلی۔ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوۡنَ۔ مشرکوں نے کیسے کیسے بہتان اس پر لگا رکھے ہیں۔ اس کی ذات والاصفات ہر نالائق انتساب سے بالاتر ہے۔ قوله سبحانه تنزيه لله عن كل ملا يليق به (کبیر) والمقصود ههنا تنزيه الله تعالى عن هذه الاقوال الفاسدة (کبیر) سُبۡحٰنَهٗ اور تَعٰلٰی۔ مقصود دونوں سے اگرچہ اثبات تنزیہ ہی ہے۔ لیکن سُبۡحٰنَهٗ کا تعلق مخلوق کی زبان سے تسبیح پڑھنے یا اثبات تنزیہ سے ہے۔ بہ خلاف اس کے تَعٰلٰی سے اشارہ اللہ کی ذاتی صفت تقدس و تعالیٰ کی طرف نکل رہا ہے۔ عام اس سے کہ مخلوق تسبیح کرے یا نہ کرے۔ فالمراد بقوله سبحانه ان هذا القائل يسبحه وينزهه عما لا يليق به والمراد بقوله وتعالى كونه فى ذاته متعاليا مقدسا عن هذه الصفات سواء سبحه مسبح اولم يسبحه، فالتسبيح يرجع الى اقوال المسبحين والتعالى يرجع الى صفته الذاتية التى حصلت لذاته لا لغيره (کبیر) و۱۴۹ ہر شے سے اس کا رشتہ خالقیت اور علیمیت کا ہے۔ وہ چھوٹی بڑی ہر شے کا خالق اور ہر شے کا علم کل رکھتا ہے۔ اس سے کوئی رشتہ دنیوی اور مادی عزیز داریوں پر قیاس کر کے جوڑنا تمام تر اپنی سفاہت کا ثبوت دینا ہے۔ بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔ آسمان اور زمین سب اسی کی مخلوق ہیں نہ کوئی آکاش دیوتا ہیں نہ کوئی دھرتی مائی۔ بدیع یعنی محض ترتیب و ترکیب دے دینے والا نہیں بلکہ عدم محض سے ہست کرنے والا۔ بَدِیۡعُ پر حاشیہ سورہ بقرہ میں گزر چکا۔ پارہ نمبر ۱ آیت نمبر ۱۱۷۔ الابداع عبارة عن تكوين الشيء من غير مثال (کبیر) اَنّٰی...... صَاحِبَةٌ۔ مشرکین پر حجت قائم کی ہے کہ تم جب خدا کے صاحب اولاد ہونے کے قائل ہو، تو لازمی طور پر پہلے اس کے صاحب زوج ہونے کے قائل ہوئے۔ سو اسی کا ثبوت لاؤ۔ کیسی لغویات اس کے لئے منہ سے نکال رہے ہو۔

سُبۡحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اَنّٰی یَکُوۡنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمۡ تَکُنۡ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ ۚ وَهُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمۡ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ فَاعۡبُدُوۡهُ ۚ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَهُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدۡ جَآءَکُمۡ بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ۚ فَمَنۡ اَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ عَمِیَ فَعَلَیۡهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِحَفِیۡظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَکَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ وَلِیَقُوۡلُوۡا دَرَسۡتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

پاک اور برتر ہے وہ اس سے جو کچھ یہ (اس کے باب میں) بیان کرتے ہیں و۱۴۸ موجد ہے آسمانوں اور زمین کا اُس کے اولاد کہاں سے ہو سکتی ہے؟ درآنحالیکہ اُس کے بیوی ہی نہیں، اور اُسی نے ہر چیز کو پیدا کیا، اور وہی ہر چیز کو خوب جانتا ہے و۱۴۹ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار، کوئی خدا نہیں بجز اُس کے، ہر شے کا پیدا کرنے والا، پس اُسی کی عبادت کرو، اور وہی ہر چیز کا کارساز ہے و۱۵۰ اُسے نگاہیں نہیں گھیر سکتیں اور وہ نگاہوں کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ بڑا باریک بین ہے بڑا باخبر ہے و۱۵۱ اب تمہارے پاس روشن دلائل تمہارے پروردگار کے پاس سے پہنچ چکے ہیں، سو جو کوئی بصارت سے کام لے گا، وہ اپنے ہی لئے، اور جو کوئی اندھا رہے گا اُس پر (وبال) رہے گا، اور میں کوئی تمہارے اوپر نگران تو ہوں نہیں، و۱۵۲ اور اسی طرح ہم دلائل کو (خوب) پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔ جس سے یہ (کافر) یوں کہیں گے کہ آپ نے پڑھ لیا ہے و۱۵۳ اور تاکہ ہم اس (قرآن) کو خوب کھول دیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں و۱۵۴ پیروی کئے جایئے اس کی جو آپ کے پروردگار کی جانب سے وحی کیا گیا ہے کوئی خدا

ع ۱۳ / ۱۸

وَلَمۡ تَکُنۡ لَّهٗ صَاحِبَةٌ۔ اس میں تردید آگئی۔ مصر، کلدانیہ، یونان اور روما کی قدیم مشرک قوموں کی جنہوں نے اپنے ہر دیوتا کے ساتھ ایک ایک یا کئی کئی بیویاں بھی فرض کی ہیں۔ و۱۵۰ سو رشتہ عبدیت اس کے سوا کسی سے بھی جوڑنا درست نہیں، آیت میں حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی یکتائی کا اثبات ہے، وہ اپنی ذات سے منفرد ہے۔ اور خالق و کارساز بھی ہر شے کا وہی ایک ہے۔ و۱۵۱ وہ مشرکوں کے دیوتاؤں کی طرح ناقص القویٰ نہیں۔ اس کا علم ہر کلیہ و جزئیہ کو محیط ہے۔ لَا...... الۡاَبۡصَارُ۔ یعنی وہ کسی کے بھی حواس ظاہری کی گرفت میں اس دنیا میں نہیں آسکتا۔ درآنحالیکہ اس کی گرفت علمی میں سب ہی ہیں۔ ادراک احاطہ و تحدید کے معنی میں ہے۔ اور آیت سے مقصود حق تعالیٰ کی تنزیہ حدوث سے ہے۔ تبین سبحانه انه منزه عن سمات الحدوث وهنا الادراك بمعنى الاحاطة والتحديد (قرطبی) قال الزجاج اى لا يبلغ كنه حقيقته (قرطبی) قال ابن عباس لا تدركه الابصار فى الدنيا ويراه المومنون فى الأخرة (قرطبی) اعلم ان الادراك غير الروية لان الادراك هو الوقوف على كنه الشيء والاحاطة به (معالم) لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ۔ الفاظ پر یہ شبہ پیش کیا گیا ہے کہ جب انسانی آنکھیں حق تعالیٰ کی دید کر ہی نہیں سکتیں تو پھر جنت میں اس کی رویت مومنین کو کیسے ہوگی؟ نیز معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے ہوئی؟ مفسرین محققین نے شبہ کو نقل کر کے مفصل و شافی جوابات دیئے ہیں۔ لیکن اس کم فہم کے نزدیک ایک مختصر اور سیدھی سی بات یہ ہے کہ یہاں ذکر تو اسی مادی و ناسوتی دنیا کے قویٰ کا ہے۔ جنت میں تو قویٰ ہی دوسرے ہوں گے عالم ناسوت میں نفی دیدار سے جنت کے دیدار کو تعلق ہی کیا؟ علیٰ ہذا واقعہ معراج میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حق کا تعلق ہی ان قوائے ناسوتی سے بالکل نہیں۔ وہ واقعہ تو خود ہی عالم آخرت کا ہے۔ جس کا تجربہ و مشاہدہ بہ طور معجزہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی دنیا میں کرا دیا گیا۔ لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ۔ محقق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بصر سے مراد اگر بصارت ہے تو نفی رویت اسی دنیا کے ساتھ محدود رہے گی، اور اگر بصارت و بصیرت دونوں مراد ہیں تو نفی ادراک کے معنی نفی ادراک بالکنہ کے لئے جائیں گے۔ و۱۵۲ (کہ میرے اوپر تمہارے عقائد و اعمال کی ذمہ داری آتی ہو) یہ خطاب پیمبر کو ہے کہ آپ یوں کہہ دیجیے۔ بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ۔ قرآن کے دلائل، رسول کے معجزات، سب بصائر کے تحت میں داخل ہیں۔ اى ايات وبراهين يبصر بها ويستدل (قرطبی) يعنى بالبصيرة الحجة البينة الظاهرة (قرطبی) البصائر هى البينات الحجج التى اشتمل عليها القرآن وما جاء به الرسول (ابن کثیر) فَمَنۡ اَبۡصَرَ۔ یعنی دلائل سے توحید تک پہنچ جائے گا۔ وَمَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِحَفِیۡظٍ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے اہل طریق کے اس معمول کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ حق ارشاد ادا کر کے پھر کسی کے درپے نہیں ہوتے۔

و۱۵۳ (ان مضامین کو کسی صاحب علم سے) چنانچہ یہی ہوا، ایک امی کی زبان سے بلند پایہ علوم، معارف و حقائق کو صحیح و شستہ پیرایہ بیان میں سن کر ظالموں نے یہ کہنا شروع کیا کہ یقینا یہ مضامین عالی انہوں نے کسی نصرانی یا یہودی سے خوب پڑھ کر یاد کر لئے ہیں اور جاہلیت کے انہی لال بجھکڑوں کی نقل آج بڑے بڑے مستشرقین اور فضلائے یورپ کر کے قرآن مجید کی اس پیش خبری کی توثیق مزید کر رہے ہیں۔ لِیَقُوۡلُوۡا میں ل عاقبت کا ہے۔ لام علت کا نہیں۔ اللام لام العاقبة (بیضاوی) یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے نہ یہ کہ یہ نتیجہ ہونا چاہیے۔ لام عاقبت جس کلام پر لایا جائے۔ اس سے مراد ایسی چیز ہوتی ہے جو بہ طور نتیجہ نکل آئے لیکن مقصود نہ ہو۔ وهى اللام التى تدخل على ما يترتب على شيء وليس مقصودا (کازرونی حاشیہ بیضاوی) و۱۵۴ وَلِنُبَیِّنَهٗ۔ ضمیر قرآن کی تعلیم و ہدایت کی جانب ہے۔ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ۔ یعنی اس سے پورا فائدہ وہی اٹھائیں گے جو اپنی فہم و دانش سے کام لیں گے۔ و۱۵۵ یعنی فرط شفقت سے ان بدبختوں کے حال پر بہت زیادہ غم و حزن نہ کیجیے اور اپنے التفات کا مرکز قرآن و وحی الٰہی کو رکھیے۔ مشرکین کی طرف کچھ زیادہ توجہ ہی نہ کیجیے۔ اى لا تشغل قلبك وخاطرك بهم بل اشتغل بعبادة الله (قرطبی) و۱۵۶ (ہماری طرف سے کہ جب چاہیں ان پر عذاب نازل کر دیں یا قبول ہدایت پر انہیں مجبور کر دیں) اے قيم بامورهم فى مصالحهم لدينهم اودنياهم حتى تلطف لهم فى تناول ما يجب لهم (قرطبی) وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَکُوۡا۔ یعنی اگر مشیت تکوینی یہی ہوتی تو خلقت قبول ہدایت پر مجبور و مضطر ہوتی اور اپنا کوئی اختیار و ارادہ بھی اس باب میں نہ پاتی۔ لیکن مشیت تکوینی نے یہ نظام ہی سرے سے نہیں رکھا ہے۔ بلکہ ہر شخص کو قبول ہدایت میں انتخاب و اختیار کی آزادی دے رکھی ہے۔

شرک بھی مشیت تکوینی سے باہر نہیں، جیسا کہ بعض گمراہ فرقوں نے سمجھ رکھا ہے بلکہ اس کے تحت ہی میں ہے۔ نص علی ان الشرک بمشیته وهو ابطال لمذهب القدرية (قرطبی)مراعیاً لا عمالهم ما خوذاً باجرامهم (مدارک) وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا۔ آپ ان لوگوں پر کوئی نگران تو ہیں نہیں کہ ان کی بے ہودگیوں کی ذمہ داری کسی درجہ میں بھی آپ پر آرہی ہو یا یہ کہ آپ انہیں عذاب الٰہی سے کسی درجہ میں بچاسکیں۔ ای لا یمکنک حفظهم من عذاب الله (قرطبی) و۱۵۷ فقہاء نے اسی اصل سے یہ قاعدہ مستنبط کیا ہے کہ جو طاعت درجہ واجب میں نہ ہو۔ اور کسی معصیت کا سبب بنی جاتی ہو تو اس طاعت کو ترک کر دیا جائے گا۔ قال العلماء حكمها باق فی هذه الامة علی کل حال فمتی کان الکافر فی منعة وخیف ان یسب الاسلام اوالنبی علیه السلام اوالله عزوجل فلا یحل لمسلم ان یسب صلبانهم و لا دینهم و لا کنائسهم ولا یعرض الی ما یؤدی الی ذلک لانه بمنزلة البعث علی المعصیة (قرطبی) منع الله تعالٰی فی کتابه احدًا ان یفعل فعلاً جائزاً یؤدی الی محظور و لاجل هذا تعلق علمائنا بهذه الأیة فی سد الذرائع وهو کل عقد جائز فی الظاهر یؤول اویمکن ان یتوصل به الی محظور (ابن العربی) "بتوں کو برا کہنا فی نفسہ امر مباح ہے مگر جب وہ ذریعہ بن جائے ایک امر حرام یعنی گستاخی بہ جناب باری تعالیٰ کا وہ بھی منہی عنہ اور قبیح ہو جائے گا۔ اس سے بے تکلف یہ ایک قاعدہ شرعیہ ثابت ہوا کہ مباح جب حرام کا سبب بن جائے، وہ حرام ہو جاتا ہے" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فی هذه الأیة ضرب من الموادعة ودلیل علی وجوب الحکم بسد الذرائع وفیها دلیل علی ان المحق قد یکف عن حق له اذا ادی الی ضرر یکون فی الدین (قرطبی) فی ذلک دلیل علی ان المحق علیه ان یکف عن سب السفهاء الذین یتسرعون الی سبه علی وجه المقابلة له لانه بمنزلة البعث علی المعصیة (جصاص) "لیکن جو امر درجہ واجب و فرض میں ہو۔ مثلاً اثبات توحید و رسالت یا ابطال شرک، فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ ایسے مفاسد کے ترتب کی بنا پر ترک نہ کیا جائے گا۔" الحق ان کان واجباً فیاخله بکل حال وان کان جائزاً ففیه یکون هذا القول (ابن العربی) اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ جنہیں یہ مشرکین بہ طور معبود پکارتے ہیں۔ مفسرین نے یہاں شبہ نقل کیا ہے کہ مشرکین عرب جنہیں پکارتے تھے وہ تو بے جان بت تھے۔ پھر ان کے لئے اللذین کیوں آیا جو صیغہ جاندار اور ذوی العقول کے لئے ہے۔ اور پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ یہ مشرکین کے خیال کے مطابق ہے کہ وہ تو انہیں ذوی العقول میں شمار کرتے تھے۔ عُبِّرَ عن الاصنام وهی لا تعقل باللذین علی معتقد الکفرة فیها (قرطبی) لیکن اصلی جواب یہ ہے کہ اللذین یدعون من دون الله سے مراد صرف بے جان بت ہی نہیں، بلکہ وہ تمام جاندار ہستیاں بھی ہیں جن کے معتقد اہل شرک، ہر قوم اور ہر دور میں رہے ہیں۔ عَدْوًا۔ ای جهلا واعتداءً (قرطبی) و۱۵۸ (اور وہیں اس کا بدلہ بھی مل جائے گا) جس طرح یہ عالم عالم ابتلاء ہے، اسی طرح عالم آخرت عالم جزا ہے۔ جہاں کشف حقائق کے ساتھ ساتھ پورا پورا عدل بھی ہو کر رہے گا۔ كَذٰلِكَ...... يَعْمَلُوْنَ۔ یعنی اس پر حیرت مطلق نہ کی جائے کہ ایسی شدید گستاخی پر دنیا میں سزا فی الفور کیوں نہیں مل جاتی دنیا میں تو آزادی عمل کا قاعدہ ہی ہم نے مقرر کر رکھا ہے اور اسی لئے تو اس عالم کا نام عالم ابتلاء ہے۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح ہم نے ان لوگوں کی نظر میں ان کے یہ عمل خوشنما اور پسندیدہ کر دکھائے ہیں، اسی طرح ہر ہر طبقہ اور ہر ہر امت کی نظر میں اس کا اپنا عمل پسندیدہ کر دکھایا گیا ہے۔ ای کما زینا لهٰؤلاء اعمالهم کذلک زینا لکل امة عملهم (قرطبی) ای مثل ذلک التزئین (مدارک) و۱۵۹ یہ پیش خبری عالم الغیب والشہادہ کی طرف سے ہے۔ اور اسی کو یہ کہنے کا حق بھی پہنچتا ہے کہ ان کے فرمائشی معجزات بھی جتنے کے جتنے پورے ہو جائیں جب بھی غایت عناد سے یہ لوگ ایمان لانے کے نہیں۔ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ۔ محاورہ میں مراد بڑی سخت اور غلیظ قسموں سے ہے اور مشرکین عرب ایسی قسم اپنے خدائے اعظم اللہ ہی کے نام کی کھاتے تھے۔ هذه باغلظ الایمان عندهم (قرطبی) جهد الایمان اشدها وهو بالله (قرطبی) لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا۔ یعنی ہمارے فرمائشی معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں اور صاحب معجزہ کی نبوت کے قائل ہو جائیں۔ کوئی معجزہ سے مراد فلاں متعین معجزہ تھا۔ ای من مقترحاتهم (بیضاوی۔ مدارک) روایت میں آتا ہے کہ خاص فرمائش اس معجزہ کی تھی کہ مکہ کا کوہ صفا سونے کا بن جائے اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی معجزات و خوارق کا وقوع پیمبر یا کسی بندہ کے ہاتھ میں نہیں، تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لئے کہ معجزہ کی حقیقت سے نظام کائنات کے کسی مستمر اور بندھے ہوئے معمول میں کچھ ترمیم کرنا، اور ان کا تمام تر فاطر کائنات ہی کے اختیار میں ہونا بالکل ظاہر ہے وہی قدرت بھی اس پر رکھتا ہے اور وہی علم بھی اس کا رکھتا ہے کہ کس معجزہ کا وقوع موافق حکمت ہوگا اور کس کا مخالف حکمت، پس کسی مخصوص و متعین معجزہ کی فرمائش ہی سرے سے بے جا ہے۔ البتہ نفس کوئی معجزہ یا غیر معمولی نشان پیمبر کے دعویٰ کی تصدیق و تقویت کے لیے عین موافق حکمت ہے۔ اور ایسے نشانات ایک نہیں بے شمار تصدیق رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ظاہر ہو چکے تھے۔ وَمَا يُشْعِرُكُمْ...... لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ بعض مسلمانوں کو قدرۃً یہ خیال گزر رہا تھا کہ کاش ان منکروں کی فرمائشیں پوری کر دی جائیں، تو شاید کہ یہ لوگ اس طرح مسلمان ہو جائیں۔ یہاں جواب اس کا مل رہا ہے اور ضمیر کم کے مخاطب مومنین معاصرین ہیں۔ یا معشر المسلمین (ابن عباس رضی اللہ عنہما) و قال الفراء و غیره الخطاب للمؤمنین لان المؤمنین قالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول الله لو نزلت الأیة لعلهم یؤمنون (قرطبی) و کان المؤمنون یطمعون فی ایمانهم (مدارک) اَنَّهَا۔ یعنی وہی فرمائشی معجزات، ای الأیة المقترحة (مدارک) و۱۶۰ (ان کے ضد اور عناد کے نتیجہ کے طور پر) یعنی حق کی طلب و تلاش چونکہ ان میں سرے سے ہے ہی نہیں، اس لیے ہزار معجزات دیکھ لیں، ہدایت انہیں نصیب نہ ہوگی اور یہ یوں ہی بدستور بھٹکتے ہی رہیں گے۔ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ۔ ان کی آنکھیں حق بینی کی طرف اور ان کے دل حق طلبی کے قصد کی طرف سے ہٹا دیے جائیں گے۔ ضمیر جمع متکلم کا استعمال حق تعالیٰ کی طرف یہاں صرف تکوینی سلسلہ علل کے مسبب الاسباب کی حیثیت سے ہے۔ عن قبول الحق و عن رؤیة الحق عند الأیة التی اقترحوها (مدارک) لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ۔ ضمیر قرآن مجید کی جانب ہے۔ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خوارق کا طلب کرتے رہنا طریق ہدایت نہیں، طریق ہدایت صرف اتباعِ بینات ہے۔ پس سالک کو چاہیے کہ شیخ کے کرامات و خوارق کی تلاش میں نہ پڑے۔ بلکہ اس کے علم و عمل پر اطمینان کے بعد اس کی پیروی میں لگ جائے۔

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ

نبیں ہے بجز اس کے اور مشرکوں کی جانب سے بے التفات رہیے و۱۵۵ اور اگر اللہ کی مشیت (یہی) ہوتی تو (لوگ) یہ

اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ

شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگران نہیں بنایا ہے اور نہ آپ

عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ

اُن پر مختار ہیں و۱۵۶ اور انہیں دشنام نہ دو جن کو یہ (لوگ) اللہ کے سوا پکارتے

دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا

رہتے ہیں، ورنہ یہ لوگ اللہ کو حد سے گزر کر براہ جہل دشنام دیں گے و۱۵۷ اسی طرح ہم نے ہر طریق کے

لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ص ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ

لوگوں کی نظر میں ان کا عمل خوشنما بنا رکھا ہے۔ پھر ان سب کو اپنے پروردگار کے پاس جانا ہے سو وہ انہیں جتلا دے

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ

گا، جو کچھ بھی وہ کرتے رہتے تھے و۱۵۸ اور انہوں نے اللہ کی قسم بڑے زور سے کھا کر کہا کہ

لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ

اگر ان کے پاس کوئی نشان آجائے تو وہ ضرور ہی اس پر ایمان لے آئیں، آپ کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو (سب) اللہ ہی

اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٩﴾

کے پاس ہیں اور تم خبر نہیں رکھتے کہ جب وہ نشان آجائے گا (جب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے، و۱۵۹

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ

اور ہم بھی اُن کے دلوں کو اور اُن کی نظروں کو پھیر دیں گے جیسا کہ یہ لوگ اُس کے اوپر پہلی بار ایمان

مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١٠﴾ ع

نہیں لائے اور ہم اُن کو اُن کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑے رہیں گے و۱۶۰

ع ١٣ / ١٠ / ١٩

و۱۶۱ (اس لیے کہ فرطِ شرارت اور شدت عناد سے یہ طلب حق کا قصد ہی نہیں کرتے) بیان منکرین اسلام کی شدتِ عناد و قساوتِ قلب کا ہو رہا ہے کہ بالفرض ان کی ساری فرمائشیں پوری کردی جائیں اور دُنیا بھر کے خوارق انہیں دکھلا دیے جائیں۔ جب بھی چونکہ وہ اپنے میں طلب صادق پیدا ہی نہیں کرتے، اس لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی الٹی سیدھی تاویل کرہی لیں گے۔ اور ایمان بہر حال نہ لائیں گے۔ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ۔ جیسا کہ خود ان کی فرمائشیں ہیں۔ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ۔ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى۔ جیسا کہ خود ان کی فرمائشیں تھیں۔ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ۔ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا۔ یعنی ہر غیب ان پر مکشوف کر دیتے۔ آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مشاہدۂ خوارق سے نفع ہر گز لازمی نہیں، اصل شے طلب صادق ہے۔ عاشق کہ شد کہ یار بہ حالش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست و گرنہ طبیب ہست اور مولانائے رومؒ صاحب مثنوی کی زبان میں۔ آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آب از بالا و پست۔ امام المفسرین فخر رازی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ کوئی ایک معجزہ تو پیغمبر کے لیے ضروری ہے کہ جس سے عوام صادق و کاذب کے درمیان فرق کر سکیں۔ لیکن ایک سے زیادہ کا مطالبہ کرتے رہنا محض ہٹ دھرمی ہے۔ ورنہ پھر ہر دوسرے کے بعد تیسرے اور تیسرے کے بعد چوتھے کی طلب برابر بڑھتی ہی رہے گی۔ اور سلسلہ کبھی ختم ہی نہ ہوگا۔ المعجزة الواحدة لا بد منها ليتميز الصادق من الكاذب فاما الزيادة عليها فتحكم محض و لا حاجة اليه والا فلهم ان يطلبوا بعد ظهور المعجزة الثانية ثالثة و بعد الثالثة رابعة و يلزم ان لا تستقر الحجة (کبیر) و۱۶۲ جہالت یہی کہ ایمان کا تو قصد ہی نہیں اور فرمائشیں خوارق و معجزات کی پھر بھی کیے جاتے ہیں۔ پیمبر کی اصل تعلیمات اور ایمان کے مقصد و غایت پر غور ہی نہیں کرتے۔ اور پیمبر کو گویا ساحر یا شعبدہ باز سمجھے ہیں۔ یہ معنی بھی لیے گئے ہیں کہ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہر معجزہ و خارقِ عادت تمامتر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ قال اصحابنا المراد يجهلون بان الكل من الله و بقضائه و قدره (کبیر) اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی ان کی تقدیر ہی بدل دی جائے۔ مشیت انہیں زبردستی راہ ہدایت پر لے آئے تو اور بات ہے۔ و۱۶۳ یعنی تا کہ لوگوں کو فریب میں مبتلا کریں۔ انسان شیطان کے فریب ہی میں آ کر کفر میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ ہر پیمبر کے دَور میں شیاطین، انس و جن ہی دھوکے کا سبز باغ دکھا دکھا کر لوگوں کو گمراہ کیا کیے ہیں۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح یہ کافر آپ کے دشمن ہیں۔ ای کما ابتلیناک بهؤلاء القوم (قرطبی) ای جعلنا لک عدوا كما جعلنا لمن قبلک من الانبیاء (کبیر) شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔ یہ اس باب میں نص ہے کہ قرآن نے جنہیں اپنی بولی میں شیاطین کہا ہے وہ ہمیشہ جنات ہی نہیں ہوتے۔ جو انسان بھی شیطان کی نیابت انجام دینے لگے، وہ گویا شیطان بہ قالب انسان ہے۔ شیطان کا لفظ قرآن مجید میں ہر سرکش و نافرمان کے لیے ہے۔ خواہ وہ جن ہو یا بشر۔ المعنى مردة الانس والجن والشيطان كل عاتٍ متمرد من الانس و الجن و هذا قول ابن عباس و مجاهد والحسن و قتادة (کبیر) يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ۔ اس میں اشارہ ہے کہ شیطانی تلبیسات ہمیشہ کوئی نہ کوئی پہلو ظاہری خوشنمائی کا رکھتی ہیں۔ اگر فوری لذت اور ظاہری آب و تاب ان میں نہ ہو تو کوئی ادھر کا رخ ہی کیوں کرے؟۔ يُوْحِيْ۔ یعنی وحی کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ یہ وسوسہ اندازی بھی بالکل خفیہ ہوتی ہے۔ سمی وحیًا لانه یکون خفية (قرطبی) جتنے جاہلی مذہب دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ غور کر لیجیے سب میں ملمع سازی کے پہلو اچھے خاصے موجود ہوں گے۔ ہر باطل فرقہ کوئی نہ کوئی ظاہری کشش اپنے میں ضرور رکھتا ہے۔ آج اہل باطل کے جتنے مختلف نظریات، مغرب و مشرق سے آ رہے ہیں نئی نئی Ism. کے ساتھ، ان سب کے دعوے کیسے کیسے خوشنما اور ظاہر فریب ہیں۔ کوئی کہتا ہے ہم روٹی کے سوال کو حل کیے دیتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہم دنیا سے مفلسی اور محتاجی کو مٹائے دیتے ہیں۔ وقس علی ہذا یہ سارے نمونے اسی زُخْرُفَ الْقَوْلِ کے ہیں۔ غُرُوْرًا۔ یہ سارے دعوے نرے دعوے ہی ہوتے ہیں۔ حقیقت اور اصلیت ان میں نام کو نہیں ہوتی۔ و۱۶۴ (ہمارے اُوپر۔ اور خود زیادہ فکر و غم میں مبتلا نہ رہیے)۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ۔ یعنی اگر اس کی مشیت تکوینی یوں ہی ہوتی۔ مَا فَعَلُوْهُ۔ یعنی یہ سب کے سب اضطراراً بھی مومن و متقی ہوتے لیکن اس نے اپنے مصالح تکوینی سے انسان کو ایمان پر مضطر و مجبور نہیں بنایا ہے۔ بلکہ انہیں انتخاب و اختیار کی آزادی دے رکھی ہے۔ وَمَا يَفْتَرُوْنَ۔ یعنی دین کے باب میں انہوں نے جو مسئلہ اور عقیدے گڑھ گڑھ کر رکھے ہیں۔ و۱۶۵ شیطانی وسوسہ اندازی کا بیان ابھی اُوپر آ چکا ہے۔ اب شیطانی وسوسہ اندازیوں کی غرض و غایت کا بیان ہے۔ لِتَصْغٰى۔ میں ل غرض و غایت کے اظہار کے لیے ہے۔ اللام لام کی (قرطبی) اَلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ۔ سرکشی اور نافرمانی سے اصلی بچانے والی چیز یہی خوف آخرت ہے۔ اس بنیاد کا کمزور ہونا شیطان کے آغوش میں جا پڑنا ہے۔ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْئِدَةُ۔ گمراہی کے سلسلہ میں پہلا درجہ اسی میلان نفس کا ہوتا ہے۔ وَلِيَرْضَوْهُ۔ دوسرا درجہ ان گمراہانہ عقائد کا اعتقادِ قلبی کے ساتھ پسند کر لینے کا ہوتا ہے۔ وَلِيَقْتَرِفُوْا۔ تیسری منزل عملاً معاصی میں مبتلا ہو جانے کی ہوتی ہے۔ و۱۶۶ (جس کی ہدایات و تعلیمات دنیا و آخرت کے ہر معاملہ، ہر مرحلہ سے متعلق جامع، واضح اور مکمل ہیں) یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا کرایا جا رہا ہے۔ حَكَمًا۔ یعنی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ صادر کرنے والا حاکم۔ المعنى افغير الله اطلب لكم حاكمًا و هو الذى كفا كم مئونة المسالة فى الأيات بما انزلهٗ اليكم (قرطبی) اى قل لهم يا محمد افغير الله اطلب من يحكم بينى و بينكم (بیضاوی)

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى

اور خواہ ہم ان پر فرشتوں ہی کو اتار دیتے اور (خواہ) ان سے مُردے (بھی) باتیں کرنے لگتے

وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا

اور (خواہ) ہم ہر چیز کو ان کے پاس ان کے سامنے ہی لا کر جمع کر دیتے، جب بھی یہ لوگ ایمان لانے کے نہ تھے و۱۶۱

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

سوا اس کے کہ اللہ ہی چاہے لیکن ان میں سے زیادہ تر جہالت ہی سے کام لیتے ہیں و۱۶۲

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن (بہت سے) شیطان، انسان اور جنات (دونوں) میں سے

وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ

پیدا کر دیے تھے ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں

غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا

دھوکے کے لیے و۱۶۳ اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو یہ ایسا نہ کر سکتے، سو آپ انہیں اور جو کچھ یہ افتراء کر رہے ہیں

يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِيْنَ لَا

اس کو چھوڑے رہیے، و۱۶۴ تا کہ اُس (فریب آمیز بات) کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں جو

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا

آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور تا کہ اس کو یہ پسند کرنے لگیں اور تا کہ یہ مرتکب ہونے لگیں اس کے جس کے

هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ

مرتکب ہو رہے ہیں و۱۶۵ تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو بہ طور حاکم تلاش کروں درآنحالیکہ اسی نے

الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ

ہی تو تمہارے پاس کتاب مفصل نازل کی ہے و۱۶۶ اور جن لوگوں کو

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ

ہم نے کتاب (آسمانی) دی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ (یعنی قرآن) واقعیت کے ساتھ آپ کے پروردگار کی طرف سے

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ تَمَّتْ

نازل ہوا ہے۔ سو آپ شک کرنے والوں میں نہ ہو جائیں و۱۶۷ اور آپ کے

كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ

پروردگار کا یہ (کلام) صدق و عدل کے لحاظ سے کامل ہے، کوئی بدل نہیں سکتا اس کے کلام کو،

وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ

اور وہی خوب سننے والا ہے، پورا علم رکھنے والا ہے و۱۶۸ اور جو (لوگ) زمین پر (آباد) ہیں ان میں سے اکثر کا کہنا

فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ

اگر آپ ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا کر رہیں و۱۶۹ یہ تو

يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

بس اٹکل ہی کی پیروی کرتے ہیں، اور محض گمان میں پڑے رہتے ہیں و۱۷۰

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ

بیشک آپ کا پروردگار خوب واقف ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔

وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ

اور وہی راہ پائے ہوؤں کو بھی خوب جانتا ہے و۱۷۱ سو اس (جانور) میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام

اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَ مَا

لیا جائے، اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو و۱۷۲ اور

لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ قَدْ

تمہارے لیے آخر کیا وجہ ہے کہ تم ایسے (جانور) میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جاچکا ہے جب کہ (اللہ) نے تمہیں

و۱۶۷ یعنی شک وتردد اس باب میں کرنے لگیں کہ اہل کتاب پر وضوحِ حق پوری طرح ہو بھی چکا ہے یا نہیں۔ یاد رکھیے ان پر خوب اچھی طرح ہو چکا ہے۔ ای من الشاکین فی انهم یعلمون انه منزل من عندالله (قرطبی) فی ان اهل الکتاب یعلمون انهٗ منزّل من ربک (کبیر) ای المترددین فی انهم یعلمون ذٰلک لما لا یشاهد منهم اٰثار العلم و احکام المعرفة (روح) اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ۔ یعنی یہود و نصاریٰ۔ یرید الیهود و النصارٰی (قرطبی) يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی جانتے ہیں اور خوب یقینی طور پر جانتے ہیں۔ ان پیشگوئیوں کی بنا پر جو ان کی کتابوں میں درج ہیں۔ ایراد الطائفتین بعنوان ایتاء الکتب للایذان بانهم علموا ما علموا من جهة کتابهم (روح) بِالْحَقِّ۔ یعنی گڑھی ہوئی چیز، شک وشبہ والی چیز نہیں حقیقی وواقعی چیز ہے۔ و۱۶۸ خوب سننے والا ان منکرین کے اقوال کا۔ اَلسَّمِيْعُ۔ کوئی اُسے غافل و بے خبر نہ سمجھ لے، پورا علم رکھنے والا ان منکرین کے عقائد اور دلی خیالات کا۔ الْعَلِيْمُ۔ کوئی اسے ناواقف نہ خیال کرے۔ كَلِمَتُ رَبِّكَ۔ اہل معانی نے لکھا ہے کہ کلمة واحد ہے لیکن اس کا اطلاق مجموعۂ کلام پر بھی ہوتا ہے۔ جب وہ پورا کلام حکم واحد میں ہوتا ہے۔ چنانچہ کلمہ ''زہیر'' سے مراد قصیدۂ زہیر اور کلمة سے مراد خطبة عربی میں عام ہے۔ الکلمة قد یراد بها الکلمات الکثیرة اذا کانت مضبوطة. بضابط واحد کقولهم قال زهیر فی کلمته یعنی قصیدته و قال قس فی کلمته ای خطبته (کبیر) لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس کلام الٰہی میں کاٹ، چھانٹ، گھٹ بڑھ کر سکے، یہ ترمیم وتغیر سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہے۔ قال قتادة الکلمات هی القراٰن لا مبدل له لا یزید فیه المفترون ولا ینقصون (قرطبی) المراد انها تبقی مصونة عن التحریف والتغییر (کبیر) دوسرے معنی امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کیے ہیں کہ ان دلائل قوی میں منکروں کے شکوک وشبہات ذرا بھی رخنہ نہیں پیدا کر سکتے۔ تلک الشبهات لا تاثیر لها فی هٰذه الدلائل التی لا تقبل التبدیل البتة (کبیر) وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا۔ تمام تر صدق اپنے بیانات کے لحاظ سے۔ ماضی کے جتنے واقعات اس نے بیان کیے ہیں، دنیا میں تاریخی واثری تحقیقات جتنی بھی بڑھتی جائیں گی، قرآن کی صداقت کو اس سے دھکا نہیں لگ سکتا، وہ اور زیادہ ہی روشن ہوتی جائے گی۔ یکسر عدل اپنے احکام وہدایت کے لحاظ سے۔ دنیا کے بڑے سے بڑے پیچیدہ انفرادی واجتماعی مسائل میں تجربہ کر لیا جائے۔ قرآن کے قائم کردہ نقطۂ عدل واعتدال اور درجۂ توازن کی قدر اور نکھرتی ہی آئے گی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کل مضامین قرآنی کو خبر اور تکلیف کے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور یہاں صفات صدق وعدل کو انہی دونوں سے متعلق کیا ہے۔ صدقاً ان کان من باب الخبر وعدلاً ان کان من باب التکالیف (کبیر) الصدق فی الاخبار والمواعید والعدل فی الاقضیة والاحکام (روح) فقہاء مفسرین نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ تصریحاتِ قرآنی کی طرح دلالاتِ قرآنی بھی واجب الاتباع ہیں۔ دلت الاٰیة علٰی وجوب اتباع دلالات القراٰن لانهٗ حق لا یمکن تبدیله بماینا قضهٗ (قرطبی) و۱۶۹ (کہ دنیا کی اکثریت تو منکروں اور گمراہوں ہی پر شامل ہے) و۱۷۰ وحی الٰہی کے نور مبین اور علم قطعی کے سوا دنیا میں ''عقل'' اور ''علوم'' کے نام سے جو کچھ بھی ہے چاہے وہ ارسطو کی منطق ہو چاہے کینٹ کے معقولات سب ظن و تخرص ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ ظن یہاں بہت وسیع معنی میں ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ باب احکام میں کشف والہام حجت نہیں۔ اور ان پر جزم کرنا تو بالکل ہی باطل ہے۔ و۱۷۱ سو اس کے اس علم کامل ومحیط کے لحاظ سے نافرمانوں کی سزا اور فرمانبرداروں کا انعام دونوں یقینی ہیں۔ مَنْ۔ یہاں ایّ کا مرادف ہے۔ مَنْ بمعنی ایّ (قرطبی) و۱۷۲ آیت کے آخری ٹکڑے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حلال کو حرام قرار دے لینا ایمان کے منافی ہے۔ فَكُلُوْا۔ میں ف کا تعلق آیت نمبر ۱۱۶ سے سمجھا گیا ہے۔ جہاں اتباع ظن و تخرص یعنی وحی الٰہی کے سوا اور کسی چیز کے تابع فرمان ہونے کی صریح ممانعت وارد ہے۔ مسبب عن انکار اتباع المضلین الذین یحللون الحرام و یحرمون الحلال (کبیر) ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ یہ تسمیۂ الٰہی ذبح کے وقت ہونا چاہیے۔ اور بلا شرکت غیرے ہونا چاہیے۔ اور جانور کا حلال ہونا تو بہر حال ظاہر ہی ہے۔ كُلُوْا۔ صورۃً صیغۂ امر ہے، مراد یہاں حکم نہیں صرف اجازت واباحت ہے۔ ظاهرهٗ امر و معناه الاباحة (جصاص) محققین نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ مباح صرف اسی صورت میں ہے، جب اپنے ذائقہ کے لیے کھائے۔ باقی اگر یہ نیت ہو کہ اس سے طاعت الٰہی کے لیے قوت آئے گی تو یہی چیز باعث اجر بن جائے گی۔ هٰذا اذا اراد باکله التلذذ فهو اباحة و یحتمل الترغیب فی اعتقاد صحة الاذن فیه فی اکله للا ستعانة به علٰی طاعة الله تعالٰی فیکون اکلهٗ فی هٰذه الحال ماجُوْرًا (جصاص) اٰیاته میں آیات احکام کے معنی میں ہے۔ باٰیاته ای باحکامه و اوامره (قرطبی)

فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ

تفصیل بتادی ہے ان (جانوروں) کی جنھیں اس نے تم پر حرام کیا ہے و۱۷۳ سوا اس کے کہ اس کے لیے تم مضطر

اِلَيْهِ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ

ہو جاؤ، اور یقیناً بہت سے لوگ اپنی خواہشات کی بنا پر گمراہ کرتے رہتے ہیں بلا کسی

عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَ ذَرُوْا

علم کے، بیشک آپ کا پروردگار ہی خوب جانتا ہے حد سے نکل جانے والوں کو و۱۷۴ اور چھوڑ دو

ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ

گناہ کے ظاہر کو (بھی) اور اس کے باطن کو (بھی) بیشک جو لوگ گناہ کما

الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَ لَا تَاْكُلُوْا

رہے ہیں انہیں عنقریب بدلہ مل جائے گا اس کا جو کچھ کہ وہ کرتے رہتے ہیں و۱۷۵ اور اس (جانور) میں سے مت کھاؤ

مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَ اِنَّ

جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو بے شک یہ بے حکمی ہے اور بے شک

الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ

شیاطین اپنے دوستوں کو پٹی پڑھا رہے ہیں تاکہ وہ تم سے حجت کریں

وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ اَوَ مَنْ

اور اگر تم ان کا کہا ماننے لگو تو یقیناً تم (بھی) مشرک ہو جاؤ گے و۱۷۶ کیا جو شخص

كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ

مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کے لئے ایک نور بنا دیا کہ اس کے ساتھ وہ

فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ

لوگوں میں چلتا پھرتا ہے وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہے (اور) ان سے نکلنے

ع ۱۴ / ۱۱

و۱۷۳ (اور یہ تفصیل یا تو قرآن مجید ہی کی دوسری آیتوں میں مل جائے گی، یا پھر حامل وحی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے) ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ یہ تسمیہ حلال جانور پر ذبح کے وقت اور بلا شرکت غیرے ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ خدا کا نام تو لیا جائے لیکن اس کے ساتھ شریک دوسروں کو بھی کرلیا جائے۔ اَلَّا تَاْكُلُوْا۔ یعنی ایسے جانور کو حرام سمجھنے لگو۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت سے غلوفی الزہد کی مخالفت نکلتی ہے۔ جیسے بعض جاہل صوفی کیا کرتے ہیں۔ و۱۷۴ اور یہاں معتدین (حد سے نکل جانے والوں) سے مراد وہ لوگ ہیں جو اشیاء کی تحلیل و تحریم اپنے اختیار میں سمجھتے ہیں۔ ای الذین یجاوزون الحلال الی الحرام (معالم) اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ۔ یعنی جب بھوک کی شدت سے مجبور ہو جاؤ۔ اور کوئی حلال غذا نہ مل رہی ہو۔ تو ایسی حالت میں حرام بھی حلال کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور جو چیزیں بھی حرام ہیں ان میں سے کھانے کی اجازت ہو جائے گی۔ یرید من جمیع ما حرم کالمیتة وغیرھا (قرطبی) ای دعتکم الضرورة الی اکلہ بسبب شدة المجاعة (کبیر) لَيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ یعنی انہیں خواہشات کی پیروی دوسروں کو بلا کسی علم صحیح کے جو سند کا کام دے سکے گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ مشرکین و ملحدین کے پاس اپنی بات کی حمایت کے لیے نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔ بس یونہی ایک بات بک دیتے ہیں۔ ذبیحہ اور مردار جانور کے گوشت کے درمیان طبی حیثیت سے جو عظیم الشان فرق ہے، اس تک کا بھی تو ادراک نہیں رکھتے۔ تو اللہ کی سی ہمہ دانی اور پیمبر کی سی باریک نظری، یہ کہاں سے لاسکتے ہیں۔ انما یتبعون فیه الھوی و الشھوة ولا بصیرة عندھم ولا علم (کبیر) هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ۔ اور وہ جب ان ظالموں کے اسرار قلب تک کا پتہ رکھتا ہے تو انہیں سزا بھی پوری پوری دے گا۔ مقصود اس فقرہ سے تخویف و تہدید ہے۔ اذا کان عالمًا باحوالھم و کان قادرًا علی مجازاتھم فھو تعالٰی یجازیھم علیھا والمقصود من ھذہ الکلمة التھدید والتخویف (کبیر) و۱۷۵ (سو مکافاتِ عمل سے غافل کوئی بھی نہ رہے) سَيُجْزَوْنَ۔ عنقریب یعنی قیامت میں بدلہ مل کر رہے گا)۔ يَكْسِبُوْنَ۔ يَقْتَرِفُوْنَ۔ ان سب الفاظ سے ثابت و ظاہر ہے کہ گناہ بندہ کی اختیاری چیز ہے۔ ایسی چیز نہیں جو بندہ کے اختیار سے کچھ بھی باہر ہو۔ گو خود یہ اختیار اللہ ہی کی عطا کی ہوئی ایک قوت ہے۔ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ گناہ کے ظاہر و باطن سے مراد کیا ہے؟ جن دونوں کے چھوڑ دینے کا یکساں حکم ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ گناہ کے ظاہر سے مراد اس کی عملی شکل اور اس کے باطن سے مراد غلط اعتقاد، اعتقادی گناہ ہے۔ الظاھر ما کان عملاً بالبدن مما نھی اللہ عنه و باطنه ما عقد بالقلب من مخالفة امر اللہ فی ما اُمِرَ و نُھِیَ (قرطبی) قال مجاھد ظاھرہٗ ما یعمله الانسان بالجوارح من الذنوب و باطنه ماینویه و یقصده بقلبه (معالم) قیل ما عملتم و ما نویتم (کبیر) ای قلیله و کثیرہ (ابن جریر۔ عن قتادہ) لیکن بہترین تفسیر یہ ہے کہ ظاہر الاثم سے وہ گناہ مراد لیے جائیں جو خلق کی نظر کے سامنے علانیہ کیے جائیں اور باطن الاثم سے مراد وہ گناہ سمجھے جائیں جو خلق کی نظر سے چھپا کر پوشیدہ کیے جاتے ہیں..... جاہلی تہذیبوں میں فسق و معصیت کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں کہ بجائے خود وہ ذرا بھی معیوب نہیں۔ صرف ان کا کھل جانا گناہ ہے۔ یونان قدیم میں چوری بجائے خود کوئی جرم نہ تھی۔ چوری کا کھل جانا جرم تھا۔ آج فرنگی تہذیب میں حرامکاری بجائے خود کوئی عیب نہیں، صرف اس کا منظر عام پر آ جانا، عام رسوائی و تفضیح پیدا ہو جانا، اس کا Public Scandal. بن جانا بس صرف یہ جرم ہے..... عرب کی جاہلی تہذیب میں بھی حرامکاری بجائے خود جائز تھی۔ صرف اس کا افشاء جرم تھا۔ یہ خصوصیت اسلام ہی کی ہے کہ اس نے پوشیدہ و علانیہ ہر حرام کاری کو جرم ہی قرار دیا۔ کان اھل الجاھلیة یستترون بالزنا و یرون ذٰلک حلالاً ما کان سرًّا فحرّم اللہ السرّ منه و العلانیة ما ظھر منھا (ابن جریر عن الضحاک) قیل ھو ما کان علیه الجاھلیة من الزنا الظاھر و اتخاذ الحلائل فی الباطن (قرطبی) قال الضحاک کان اھل الجاھلیة یرون اعلان الزنا اثمًا والاستسرار به غیر اثم (جصاص) و اکثر المفسرین علی ان ظاھر الاثم الاعلان بالزنا و ھم اصحاب الرایات و باطنه الاستسرار به و ذٰلک ان العرب کانوا یحبون الزنا و کان الشریف منھم یتشرف فیسربه و غیر الشریف لایبالی به فیظھرہٗ (معالم) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ گناہ کی اس قرآنی تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ گناہ جس طرح اعضاء و جوارح سے ہوتے ہیں اسی طرح قلب سے بھی ہوتے ہیں۔ و۱۷۶ (اے مسلمانو!) وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ۔ مشرک و ملحد تو بہرحال اللہ کا نام نہ لے گا۔ اس لیے اس کا ذبیحہ تو کھلا ہوا حرام ہے۔ سوال صرف مسلمان کے ترک تسمیہ کے باب میں رہ جاتا ہے۔ سو مسلم کے لیے بھی ذبح کرتے یا شکاری جانور چھوڑتے وقت ترک تسمیہ کی دو صورتیں ممکن ہیں، یا عمداً و دانستہ ہو، اور یا محض سہو و نسیان سے ہو۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ اور بہت سے دوسرے فقیہوں اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ یہ ممانعت و حرمت صرف اس صورت کے لیے ہے۔ جب ترک تسمیہ دانستہ و عمداً ہو۔ ان ترکھا عمدًا لم یؤکلا قاله مالکؒ و ابن القاسم و ھو قول ابی حنیفة واصحابه والثوری والحسن بن حی و عیسٰی و قاله سعید بن جبیر و عطاء واختارہ النحاس و قال ھٰذا حسن لانه لا یسمّٰی فاسقًا اذا کان ناسیًا (قرطبی) قال اصحابنا و مالک والحسن بن صالح ان ترک المسلم التسمیة عمدًا لم یؤکل و ان ترکھا ناسیًا اکل (جصاص) اور مفسر ابن کثیر علیہ الرحمۃ نے اس مذہب کی تائید میں حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسے صحابیوں اور سعید بن المسیب اور طاؤس اور عطاء اور حسن بصری جیسے تابعین اور ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ اور مالک علیہ الرحمۃ اور احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ اور ابو یوسف علیہ الرحمۃ جیسے ائمہ فقہ کے نام گنائے ہیں۔ المذھب الثالث فی المسئلة ان ترک التسمیة علی الذبیحة نسیانًا لم یضروان ترکھا عمدًا لم

تحل هٰذا هو المشهور من مذهب الامام مالک و احمد بن حنبل و به يقول ابو حنيفة و اصحابه و اسحاق بن راهويه و هو يحكى عن على و ابن عباس و سعيد بن المسيب و عطاء و طاؤس والحسن البصرى و ابى مالک و عبدالرحمٰن بن ابى ليلٰى و جعفر بن محمد و ربيعة بن ابى عبدالرحمٰن (ابن کثیر) اور اس حکم حرمت کے تحت میں وہ ذبیحے بھی آجاتے ہیں جن پر اللہ کے بجائے کسی اور کا نام لے دیا جائے۔ یا اللہ کے ساتھ ملا کر بھی کسی اور کا نام لے لیا جائے۔ ويدخل فيه ما ذكر عليه غير اسم الله بعموم انهٗ لم يذكر عليه اسم الله و بزيادة ذكر غير اسم الله سبحانه عليه الذى يقتضى تحريمه نصاً (قرطبی) اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰۗـِٕــهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ۔ مشرکین اپنے شیطانوں سے تعلیم پاکر مسلمانوں کے سامنے آکر طرح طرح کی بحثیں اور حجتیں نکالا کرتے تھے۔ مثلاً ایک چلتا ہوا فقرہ یہ تھا کہ یہ کیا کہ انسان مار ڈالے جب تو جانور حلال ہو جائے لیکن جس جانور کو خدا مارے یعنی وہ اپنے آپ سے مرجائے وہ حرام ہو...... ہزار ہا سید ھے سادے، بھولے بھالے مسلمان پہلے بھی اس طرح کے لفظی دھوکوں اور مغالطوں میں آجاتے تھے۔ اور آج بھی ایسے ہی ظاہر فریب، دل خوش کن فقروں میں برابر آتے رہتے ہیں۔ خود اُمت کے اندر جتنے باطل فرقے نکلے ہیں۔ سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی مغالطہ پر ہے۔ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ۔ یہاں فسق یا نافرمانی ان دونوں چیزوں کو کہا گیا ہے۔ ترک تسمیہ کو بھی اور ایسے ذبیحہ کے کھانے کو بھی۔ هو راجع الى الامرين يعنى ترک التسمية و من الاكل (جصاص) الضمير قيل عائد على الاكل و قيل عائد على الذبح بغير الله (ابن کثیر) وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ۔ سیاق چاہتا ہے کہ یہ اطاعت اسی مسئلہ تحلیل مردار میں مراد ہو۔ اى فى تحليل الميتة (قرطبی) وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ۔ آیت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال ٹھہرالینا انسان کو مشرک بنا دیتا ہے۔ دلت الأية على ان من استحل شيئًا مما حرم الله تعالىٰ صاربه مشركًا (قرطبی) قال الزجاج و فيه دليل على ان من احل شيئًا مما حرم الله او حرم ما احل الله فهو مشرک (معالم) لیکن یہ تفصیل بھی فقہاء ہی نے کر دی ہے کہ مشرک بنا دینے والی وہ اطاعت ہے جو عقیدۂ قلب کے ساتھ ہو ورنہ محض عملی تقلید درجہ معصیت تک رکھے گی۔ منزل کفر تک نہ پہنچائے گی انما يكون المومن بطاعة المشرک مشركًا اذا اطاعهٗ فى الاعتقاد و ان اطاعه فى الفعل و عقده سليم مستمر على التوحيد و التصديق فهو عاص (ابن العربی) آیت سے یہ بھی نکالا گیا ہے کہ ایمان کا اطلاق جمیع طاعات پر ہوتا ہے۔ جس طرح شرک کے مفہوم میں ہر مخالفت امر الٰہی داخل ہے۔ قال الكعبى الأية حجة على ان الايمان اسم لجميع الطاعات كما جعل تعالىٰ الشرک اسمًا لكل ما كان مخالفًا لله تعالىٰ (کبیر) و١٧٧ یعنی وہ مومن جسے کفر سے نجات مل گئی ہے۔ اور کافر جو کفر کے اندھیروں میں پڑا ہے کہیں دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ التفسير الماثور عن ابن عباسؓ ان المراد بالميت الكافر الضال و بالاحياء الهداية و بالنور القران و بالظلمات الكفر والضلالة (روح) وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ۔ یعنی وہ نور ایمان ہر وقت اس کے ساتھ ہے اور وہ اسے تمام گمراہیوں سے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ اى امانًا يهتدى به سبل الخير و النجاة (ابن قتیبہ) فِي الظُّلُمٰتِ۔ مراد وہ شخص ہے جو کفر کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے۔ اى فى الكفر (ابن قتیبہ) اى الجهالات والاهواء والضلالات المتفرقة (ابن کثیر) نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ۔ ضمیر اس نور کی طرف ہے اور نور سے مراد نور ایمان اور نور ہدایت ہے۔ النور عبارة عن الهدٰى والايمان (قرطبی) يمشى به اى بالنور (قرطبی) مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ صوفیہ عارفین کے یہاں معرفت طریق حق کو جو نور سے تعبیر کرتے ہیں اس کی سند اس آیت سے مل جاتی ہے۔ و١٧٨ اس عالم ابتلاء کے قیام و بقاء کا تو سارا راز ہی اس کی ظاہری خوشنمائی میں ہے۔ ہر کفر ہر نافرمانی میں اگر کوئی نہ کوئی لگاؤ ظاہری لذت اور عارضی راحت کا نہ ہو، تو دنیا کا کوئی بھی انسان اس راہ کو اختیار ہی کیوں کرے۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح مومن نور ایمان سے حیات تازہ پاجاتا ہے۔ کافر اسی طرح اپنی بداعمالیوں میں مگن رہتا ہے۔ الاشارة بذٰلک الى احياء المومن (بحر) و١٧٩ یہ سرکش مجرمین جتنے چالاک بھی ہوں بہرحال دانا و صاحب فہم نہیں ہوتے۔ قرآن مجید چالاکی اور دانائی کے اس فرق کو بار بار واضح کرتا جاتا ہے۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح آج سرداران مکہ آپ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کر رہے اور منصوبہ باندھ رہے ہیں۔ يعنى و كما جعلنا فى مكة صناديدها ليمكروا فيها (کشاف) جَعَلْنَا۔ میں فعل کی نسبت اپنی جانب حق تعالیٰ نے محض علت العلل تکوینی کی حیثیت سے کی ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی رضاء بھی اس میں شامل ہے۔ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا۔ ذکر پرانی اُمتوں کا ہو رہا ہے کہ ان میں بھی اوّل اوّل رئیسوں اور سرداروں ہی نے پیمبرانہ تحریک اصلاح کی مخالفت میں قدم اُٹھایا۔ اور قرآن مجید اس کی تصریح بار بار کرتا ہے۔ خص الاكابر لانهم هم الحاملون مع الضلال و الماكرون بالناس (کشاف) لانهم لاجل رياستهم اقدر على الغدر والمكر و ترويج الاباطيل على الناس من غيرهم (کبیر عن الزجاج) لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا۔ یعنی وہ چالیں پیمبروں کی مخالفت میں اپنے ملک میں چلیں گے۔ جن سے ان کا مستحق سزا ہونا خوب ثابت ہو جائے گا۔ ل۔ لام۔ عاقبت کا ہے۔ یعنی اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ قيل لام العاقبة والصير ورة (بحر) وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ۔ یعنی ان چالوں کا وبال آخر کار خود انہی پر پڑتا ہے۔ اى وبال مكرهم راجع اليهم (قرطبی) لان مكرهم يحيق بهم (کشاف) و١٨٠ (اور وہ تصدیق نبوت کے لیے بالکل کافی ہوتا ہے) اٰيَةٌ کے معنی آیت تکوینی یا معجزہ بالکل ظاہر ہیں۔ بعض نے مراد آیت قرآنی بھی لی ہے۔ و١٨١ یعنی معجزاتِ مادّی یا مرتبہ مخاطبہ الٰہی۔

مِنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٢﴾

نہیں پاتا و١٧٧ اسی طرح کافروں کی نظر میں خوشنما کر دیا گیا ہے جو کچھ وہ کرتے رہتے ہیں و١٧٨

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا

لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ مَا

تاکہ وہ وہاں چال چلا کریں حالانکہ وہ چال بس اپنے ہی خلاف چلتے ہیں اور (اس کو بھی)

يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ وَ اِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ

نہیں سمجھتے و١٧٩ اور جب انہیں کوئی نشان پہنچتا ہے و١٨٠ تو کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے

حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ

جب تک ہم کو بھی وہی نہ ملے جو اللہ کے پیمبروں کو مل چکا ہے و١٨١ اللہ ہی بہتر جانتا ہے

حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا

کہ کون اس کی رسالت کا اہل ہے و١٨٢ جو لوگ مجرم ہیں ضرور انہیں اللہ کے پاس (پہنچ کر)

صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا

ذلت نصیب ہو گی اور عذاب سخت (بھی) اس شرارت کی پاداش میں جو وہ کیا

يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ

کرتے تھے و١٨٣ اللہ جس کسی کے لئے ارادہ کر لیتا ہے کہ اُسے ہدایت نصیب کردے اس کا سینہ وہ اسلام کے لئے

صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَ مَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ

کھول دیتا ہے و١٨٤ اور جس کے لئے وہ ارادہ کر لیتا ہے کہ اسے گمراہ رکھے اس کے سینہ

صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاۗءِ ؕ

کو وہ تنگ (اور) بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے اُسے آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہو و١٨٥

فرط جہالت وغباوت سے کافروں کے بعض سرغنہ کہتے تھے کہ ہم تو ایمان جب لائیں گے جب ہم خود مرتبہ نبوت پر فائز کردیئے جائیں۔ اور فرشتوں کو ہم دیکھنے لگیں اور معجزات ہم سے بھی صادر ہونے لگیں۔ قالوا لن نومن حتی نکون انبیاء فنوتی مثل ما اوتی موسٰی و عیسٰی من الاٰیات (قرطبی) و قال ابوجھل واللہ لانرضی بہ ولا نتبعہ ابدًا الا ان یاتنا وحیٌ کما یاتیہ (قرطبی) قالوا لن نومن حتی یحصل لنا مثل ھٰذا المنصب من عنداللہ (کبیر) و۱۸۲ یعنی شرف رسالت کا اہل ہر کس وناکس نہیں ہوسکتا۔ مرتبۂ رسالت کے ظرف واہلیت کا فیصلہ تمامتر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ان کافروں کا یہ مطالبہ کیسا احمقانہ ہے کہ انہیں بھی وہی سرفرازیاں حاصل ہوجائیں! آیت نے عقائد کے اس مسئلہ کو بھی صاف کردیا کہ ملکۂ رسالت کسبی نہیں وہبی ہے۔ حیث۔ یہاں بہ طور ظرف کے۔ موضع وموقع کے معنی میں نہیں۔ بطور اسم کے اہل کے معنی میں ہے۔ و حیث لیس ظرفًا ھنابل ھو اسم نصب نصب المفعول بہ علی الاتساع ای اللہ اعلم اھل الرسالۃ (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے یہ بھی ثابت ہوگیا ہے کہ استعداد ذات حصول فیضان کی شرط عادی ہے۔ و۱۸۳ (دنیا میں حضرات انبیاء کے مقابلہ میں) اَلَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا۔ یہ جرم بھی تھا کہ پیمبروں کی تکذیب کرتے تھے۔ اور اپنے کو ان کا ہمسر بلکہ ان سے کہیں بڑھ کر سمجھتے تھے۔ عِنْدَ اللّٰہِ سے مراد ہے "حشر میں" ای یوم القیٰمۃ (بیضاوی۔ روح) سَیُصِیْبُ۔ میں س تاکید وتیقن کا ہے۔ السین للتاکید (روح) صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰہِ وَعَذَابٌ شَدِیْدٌ۔ یعنی ایسے سرکشوں کو حشر میں ذلت تو نصیب ہوہی گی۔ اور اس کے علاوہ بھی عذاب شدید دنیا وآخرت دونوں میں حاصل رہے گا۔ عذابٌ شدید فی الدارین من الاسر و القتل وعذاب النار (کشاف) فحصل بھٰذا الکلام انہ تعالٰی اعدلھم الخزی العظیم والعذاب الشدید ثم بین ان ذٰلک انما یصیبھم لاجل مکرھم و کذبھم و حسدھم (کبیر) و۱۸۴ (چنانچہ وہ شخص قبول اسلام میں کوئی پس وپیش نہیں کرتا) فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ۔ ارادۂ الٰہی سے مراد اس کی مشیت تکوینی ہے۔ و۱۸۵ (اور چڑھ نہ پاتا ہو، تو ظاہر ہے کہ اُسے کس درجہ میں مشقت اٹھانی پڑ رہی ہوگی۔ اور اُس کی سانس کیسی پھول رہی ہوگی) تشبیہ سے مقصود اس تکلیف شدید کا اظہار ہے جو کافر کو ایمان لانے کے خیال سے ہوتی ہے۔ شبہ اللہ الکافر فی نفورہ من الایمان و ثقلہ علیہ بمنزلۃ من تکلف ما لا یطیقہ کما ان صعود السمآء لایطاق (قرطبی) کانما یزاول امرا غیر ممکن لان صعود السماء مثل فی ما یمتنع و یبعد من الاستطاعۃو تضیق عنہ المقدرۃ (کشاف) والمراد المبالغۃ فی ضیق صدرہ (روح) وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ۔ یہ ارادۂ الٰہی بھی مشیت تکوینی وتقدیری کے معنی میں ہے۔ رضاء الٰہی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے اصل نکل آئی صوفیہ محققین کے اصطلاحات بسط وقبض عقلی کی۔ و۱۸۶ یہاں بھی فعل کی نسبت اللہ تعالٰی کی جانب محض تکوینی حیثیت سے یا محض بطور مسبب الاسباب کے ہے اور مقصود کلام یہ ہے کہ ان کے ارادی کفر وشرارت کے ثمرات بھی مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ اور انہیں راہ ہدایت کی توفیق ہی نہیں نصیب ہوتی۔ کَذٰلِکَ۔ یعنی جس طرح کافر ایمان لانے میں تنگیٔ صدر محسوس کرتا ہے۔ کجعلہ ضیق الصدر فی اجسادھم (قرطبی) الرِّجْسَ۔ رجس کے لفظی معنی گندگی کے ہیں۔ یہاں مراد ہے محرومی، وبے توفیقی۔ یعنی الخذلان و منع التوفیق (کشاف) و۱۸۷ (اے مخاطب) ھٰذَا یعنی دین اسلام۔ ای ھٰذا الذی انت علیہ یا محمد والمومنون (قرطبی) اشارۃ الی البیان الذی جاء بہ القراٰن اوالی الاسلام (بیضاوی) مُسْتَقِیْمًا۔ تاکید کے لیے ہے ورنہ صراط رب تو ظاہر ہے کہ مستقیم ہی ہوگی۔ یہ تاکید ایسی ہے جیسے حق کے ساتھ مصدق قرآن میں آتا ہے۔ و ھو حال مؤکدۃ کقولہ و ھو الحق مصدقًا (بیضاوی) و۱۸۸ آیتیں مفصل ہیں تو سب ہی کے لیے۔ البتہ نفع ان سے وہی لوگ حاصل کریں گے۔ جن کے دلوں میں نصیحت وہدایت کی طلب ہے۔ و۱۸۹ اللہ کا اپنے صالح بندوں کے ساتھ جو یہ علاقہ قرب وولایت ہے۔ یہ ان بندوں کے حسن عمل کا نتیجہ ہے۔ وَھُوَ وَلِیُّھُمْ۔ ولی کے معنی قریب کے ہیں۔ اور اسی سے مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ آیت سے بندگانِ صالح کا انتہائی شرف ظاہر ہورہا ہے۔ عِنْدَ رَبِّھِمْ اللہ سے بندوں کی قربت کا ترجمان ہے اور وَلِیُّھُمْ بندوں سے اللہ کی قربت کا مظہر۔ والولی معناہ القریب فقولہ عندربھم یدل علٰی قربھم من اللہ تعالٰی و قولہ ھو ولیھم یدل علٰی قرب اللہ منھم ولانزی فی العقل درجۃ للعبد اعلٰی من ھٰذہ الدرجۃ (کبیر) ھُوَ وَلِیُّھُمْ کی ترکیب حصر پر بھی دلالت کررہی ہے۔ یعنی اللہ ہی اس کا دوست وکارساز ہے۔ نہ کوئی اور۔ یفید الحصر ای لاولیّ لھم الاھو (کبیر) بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ اس میں گویا یہ بتادیا کہ یہ مرتبۂ ولایت الٰہی اعمال ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ترک اعمال سے اس کے حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ دَارُ السَّلٰمِ۔ یعنی دار السلامۃ وہ مکان جو ہر قسم کے آفات سے محفوظ ہو اور ظاہر ہے کہ وہ جنت ہے۔ ای التی یسلم فیھا من الاٰفات (قرطبی) المعنی دار السلامۃ والعرب تلحق ھٰذہ الھاء فی کثیر من المصادر و تحذفھا (کبیر) ای دار السلامۃ من المکارہ (بیضاوی) لَھُمْ دَارُ السَّلٰمِ۔ کی ترکیب حصر کے لیے ہے۔ یعنی سلامتی کا ٹھکانا ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے۔ نہ کہ دوسروں کے لیے۔ ھٰذا یوجب الحصر فمعناہ لھم دار السلام لا لغیرھم (کبیر) و۱۹۰ یعنی انسانوں کو خوب بہکایا۔ ای من الاستمتاع بالانس (قرطبی) قد استکثرتم من الدعاء الی الضلال (کبیر) ای من اغوائھم و اضلالھم (بیضاوی) یَحْشُرُھُمْ جَمِیْعًا۔ سارے خلائق کے حشر کیے جانے کی طرف اشارہ ہے۔ المراد حشر جمیع الخلق فی موقف القیامۃ

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا

اس طرح اللہ گندگی ڈالے رکھتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ

نہیں لاتے و۱۸۶ اور یہی تیرے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے و۱۸۷ ہم نے

فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ

آیتوں کو خوب کھول کر بیان کردیا ہے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں و۱۸۸ اُن کے واسطے سلامتی

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَ يَوْمَ

کا گھر ہے ان کے پروردگار کے پاس اور وہی اُن کا دوست ہے بہ سبب اس کے کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں و۱۸۹

يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ

اور وہ دن (یاد کرنے کے قابل ہے) جب (اللہ) ان سب کو جمع کرے گا (اور کہا جائے گا) اے جماعت جنات! تم نے

مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَ قَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا

بڑا حصہ لیا انسانوں (کی گمراہی) میں و۱۹۰ اور انسانوں میں سے ان کے دوست (بھی) کہیں گے، اے ہمارے پروردگار

اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ

(واقعی) ہم نے ایک دُوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور ہم آپہنچے اپنی میعاد معین تک جو تو نے ہمارے لئے معین

لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ

کی تھی و۱۹۱ (اللہ) فرمائے گا تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اس میں (ہمیشہ کو) رہو گے سوا اس کے کہ اللہ ہی (نکالنا)

اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ

چاہے، بیشک آپ کا پروردگار بڑا حکمت والا ہے، بڑا علم والا ہے، و۱۹۲ اور اسی طرح ہم ظالموں کو

الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع يٰمَعْشَرَ

ایک دوسرے کے قریب رکھیں گے بہ سبب ان اعمال کے جو وہ کرتے رہے تھے و۱۹۳ اے جماعت

ع ۱۵/۸

الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ

جن وانس! کیا تمہارے پاس تمہی میں سے پیمبر نہیں آئے تھے (جو) میرے احکام تمہیں سناتے تھے

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا

اور تمہیں اسی آج کے دن کے وقوع سے ڈرایا کرتے تھے بولیں گے

شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

(بیشک) ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں ف۱۹۴ ان کو (آج) دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے

وَ شَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ

اور وہ اپنے خلاف خود گواہی دیں گے کہ بیشک ہم کافر رہے ف۱۹۵ یہ اس وجہ سے ہے

اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا

کہ آپ کا پروردگار بستیوں کو ظلم کی پاداش میں اس حال میں ہلاک نہیں کردیتا کہ وہاں کے باشندے

غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَ مَا رَبُّكَ

بے خبر ہوں ف۱۹۶ اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں جیسے اس نے عمل کئے ہیں، اور جو کچھ یہ کرتے رہتے ہیں

بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ

آپ کا پروردگار اس سے بے خبر نہیں ف۱۹۷ اور آپ کا پروردگار غنی ہے صاحب رحمت ہے ف۱۹۸

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا

وہ چاہے تو تم (سب) کو اٹھا لے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ

يَشَآءُ كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ ؕ

لا بسائے جس طرح تم کو پیدا کر دیا ایک دوسری قوم کی نسل سے ف۱۹۹

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

وہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بیشک آ کر رہے گا، اور تم (اللہ کو) ہرا نہیں سکتے ف۲۰۰

(قرطبی) الضمیر یعود الی المعلوم لا الی المذکور و ھو الثقلان و جمیع المکلفین الذین علم ان اللہ یبعثھم (کبیر) يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ فیقال لھم یامعشر الجن۔ یہ صیغہ مجہول اس لیے کہ یہ بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں سے براہ راست کلام کرے۔ قال الزجاج التقدیر فیقال لھم یا معشر الجن لانہ یبعد ان یتکلم اللہ تعالیٰ بنفسہ مع الکفار (کبیر) ف۱۹۱ یعنی قیامت آگئی، اور ہم نے شیطانی وعدوں کا جھوٹ مشاہدہ کرلیا۔ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ۔ یعنی وہ انسان جو اس دنیا میں ان شیاطین جن سے دوستی کا علاقہ رکھتے تھے، اور ان کی باتوں میں آجایا کرتے تھے۔ حصل من الجن بالدعاء و من الانس القبول و المشارکۃ حاصلۃ بین الفریقین (کبیر) ای الذین اطاعوھم (بیضاوی) اِسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ۔ چنانچہ ایک طرف گمراہ انسانوں کو اپنے ان عقائد کفر وشرک میں لذت ملتی ہے۔ دوسری طرف ان شیطانوں کو اس میں مزا آتا ہے کہ ہمارا جادو خوب چلا۔ ای انتفع الانس بالجن بان دلوھم علی الشھوٰت و ما یوصل بہ الیھا والجن بالانس بان اطاعوھم و حصلوا مرادھم (بیضاوی) ف۱۹۲ (اس کے یہاں نہ کوئی سزا نامناسب وغیر حکیمانہ ہوسکتی ہے نہ کسی مجرم کا جرم اس کے علم سے باہر ہوسکتا ہے) مَثْوٰىكُمْ۔ اس مخاطبہ میں کفار جن وانس ہر قسم کے کفار شامل ہیں۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ ارادۂ الٰہی ہی سب سے برتر اور آخری قانون ہے۔ وہی سب پر حاکم وغالب ہے اور مشیت الٰہی کسی دوسرے قانون کی پابند ومحکوم نہیں۔ مَا شَآءَ اللّٰهُ میں ما کو مَنْ کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ اور اِلَّا سے استثناء اہل ایمان کا کیا گیا ہے۔ قال ابن عباس والاستثناء لاھل الایمان فما علی ھٰذا بمعنی مَنْ (قرطبی) اور اس تقدیر پر توقف ہر مرنے والے کے باب میں کیا جائے گا کہ ممکن ہے کہ اس کافر کا خاتمہ ایمان ہی پر ہوا ہو۔ عن ابن عباس انہ قال ھٰذہ الاٰیۃ توجب الوقف فی جمیع الکفار و معنی ذٰلک انھا توجب الوقف فی من لم یمت اذ قد یسلم (قرطبی) ف۱۹۳ یہ ٹھیک ٹھیک بدلہ ان کے اعمال کا ہوگا۔ کوئی ظلم وزیادتی ہرگز ہرگز نہ ہوگی۔ ارواح میں باہم مشابہت وہم جنسی ہوتی ہے۔ خبیث روحیں جن وانس کی ایک جگہ رہیں گی۔ اور طاہر روحیں جن وانس کی یکجا۔ لان الجنسیۃ علۃ الضم فالارواح الخبیثۃ تنضم الی ما یشاکلھا فی الخبث (کبیر) كَذٰلِكَ یعنی جس طرح دنیا میں ایک دوسرے سے علاقہ قرب وولایت تھا۔ قرناء ھم فی العذاب کما کانوا فی الدنیا (بیضاوی) نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا۔ میں نولی کے معنی ''ہم مسلط کردیں گے'' کے بھی کیے گئے ہیں۔ قال ابن زید تسلط ظلمۃ الجن علی ظلمۃ الانس (قرطبی) اور یہ معنی لے کر محققین نے کہا ہے کہ ظلم کے تحت میں ہر قسم کا ظلم داخل ہے۔ خواہ چوری کے ذریعہ سے ہو یا تاجرانہ دغابازی سے یا اور کسی طریقہ سے۔ یدخل فی الاٰیۃ جمیع من یظلم او یظلم الرعیۃ اوالتاجر یظلم الناس فی تجارتہ اوالسارق وغیرھم (قرطبی) مزید استنباط یہ بھی کیا گیا ہے کہ جب رعایا ظالم ہوتی ہے تو ان پر حاکم بھی ظالم ہی مسلط کردیا جاتا ہے۔ الاٰیۃ تدل علی ان الرعیۃ متی کانوا ظالمین فاللہ تعالیٰ یسلط علیھم ظالمًا مثلھم (کبیر) بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ بنیاد اس تولیت یا تسلط کی وہی ہم جنسی ہوگی۔ ای بسبب کون ذٰلک البعض مکتسبًا للظلم والمراد منہ ما بینا ان الجنسیۃ علۃ للضم (کبیر) ف۱۹۴ (اور اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں۔ بیشک ہمارے پاس کوئی عذر وجواب نہیں) یہ مخاطبہ قیامت میں ہوگا۔ اور سوال ظاہر ہے کہ مزید توبیخ کے لیے ہوگا۔ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ۔ معشر کے معنی اس جماعت کے ہیں جو حکم واحد میں ہو، اور ان کے افراد کے درمیان معاشرت ومخالطت ہو۔ قال اھل اللغۃ المعشر کل جماعۃ امرھم واحد و یحصل بینھم معاشرۃ و مخالطۃ (کبیر) رُسُلٌ مِّنْكُمْ۔ نے ایک بڑی بحث یہ پیدا کردی ہے کہ آیا جنات کے درمیان بھی سلسلہ نبوت قائم رہا ہے؟ ضحاک تابعی سے سوال کا جواب اثبات میں نقل ہوا ہے۔ ان سے کسی نے سوال کیا کہ آیا ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جنات میں بھی نبی گزرے ہیں؟ انہوں نے جواب میں یہی آیت پڑھی اور فرمایا۔ یعنی بذٰلک رسلًا من الجن و رسلًا من الانس (ابن جریر۔ عن الضحاک) ایک اور قول بھی اس مضمون کا نقل ہوا ہے کہ جن وانس کے درمیان پیمبر انہی کے ہم جنس آتے رہے ہیں۔ و تعلق بظاھرہ قوم و قالوا بعث الی کل من الثقلین رسل من جنسھم (بیضاوی) و علیہ ظاھر النص (مدارک) لیکن اکابر کا بڑا گروہ اس جانب گیا ہے کہ منکم سے مراد مجموعہ جن وانس ہے نہ کہ دونوں فریق فردًا فردًا۔ والرسل من احد الفریقین کما قال مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ثم قال يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ و انما معنی ذٰلک یخرج من بعضھما او من احدھما (ابن جریر) فمعنی ''منکم'' ای من احدکم (قرطبی) اور جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ مستقل انبیاء صرف انسانوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ جنات میں صرف ان کے نائب یا نذیر ہوتے رہے ہیں۔ لم یرسل منھم الیھم رسول ولم یکن لہٗ من الجن قط رسول مرسل وانما الرسل من الانس خاصۃ فاما من الجن فالنذر (ابن جریر) و معنی منکم فی الخلق و التکلیف و المخاطبۃ ولما کانت الجن ممن یخاطب و یعقل قال منکم و ان کانت الرسل من الانس و غلب الانس فی الخطاب کما یغلب المذکر علی المؤنث (قرطبی) الرسل من الانس خاصۃ لکن لما جمعوا مع الجن فی الخطاب صح ذٰلک (بیضاوی) قال مجاھد الرسل من الانس والنذر من الجن (معالم) الرسل من الانس خاصۃ و انما قیل رسل منکم لانہ لما جمع الثقلین فی الخطاب صح ذٰلک و ان کان من احدھما (مدارک) ای من جملتکم والرسل من الانس فقط

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ

آپ کہہ دیجئے اے میری قوم والو! عمل کرتے رہو اپنے طریقہ پر میں (اپنے طور پر) عمل کر رہا ہوں عنقریب ہی

تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

تم کو معلوم ہو جائے گا کہ انجام کار کس کے حق میں (نافع) ہے یقیناً ظالموں کو فلاح نہیں ہونے کی و۲۰۱

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ

اور ان لوگوں نے کھیتی اور مویشیوں میں سے جو (اللہ ہی نے) پیدا کئے ہیں کچھ حصہ

وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا

اللہ کا مقرر کر رکھا ہے و۲۰۲ اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ (حصہ)

لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ

اللہ کا ہے اور یہ (حصہ) ہمارے دیوتاؤں کا اور پھر جو (حصہ) ان کے دیوتاؤں کے لئے ہوتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پہنچتا نہیں

وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا

اور جو حصہ اللہ کا ہوتا وہ اُن کے دیوتاؤں کی طرف پہنچ جاتا کیسی بری ہے

يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

اُن کی تجویز! و۲۰۳ اور اسی طرح ان کے دیوتاؤں نے بہت سے مشرکوں کی نظر

قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَ لِيَلْبِسُوْا

میں اُن کی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا رکھا ہے و۲۰۴ جس سے وہ انہیں برباد کر ڈالیں اور اُن کے دین کو

عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ

اُن پر مخبوط کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو آپ ان کو اور اُن کی گڑھنت کو (ان کے حال پر)

وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ قَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ ۖ

چھوڑے رہیں و۲۰۵ اور کہتے ہیں اپنے خیال کے مطابق کہ یہ (فلاں فلاں) مواشی اور کھیت ممنوع ہیں

و لیس من الجنّ رسل کما قدنصّ علٰی ذٰلک مجاھد و ابن جریج و غیر واحد من الائمة من السلف والخلف (ابن کثیر) البتہ اجماع اس قول پر بھی نہیں اور نہ اس پر کوئی حجت قطعی قائم ہے۔ القول الثانی و ھو قول الاکثرین انه ما کان من الجن رسول البتة و انما کان الرسل من الانس ومارأیت فی تقریر ھٰذا القول حجة الادعاء الاجماع و ھو بعید لانه کیف ینعقد الاجماع مع حصول الاختلاف (کبیر) اس نامہ سیاہ کے خیال میں آتا ہے کہ رسل کو اگر محض لفظی وسیع معنی میں لیا جائے، اور مخصوص اصطلاحی معنی نہ سمجھے جائیں تو کوئی سوال ہی سرے سے نہیں پیدا ہوتا۔ جو کوئی بھی پیام ہدایت پھیلائے، لفظی معنی میں وہی رسول ہے۔ اور اس معنی میں ہر عالم، ہر مبلغ، ہر نائب رسول، رسول ہی ہے، اور جنات میں ان کے مبعوث ہونے سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ اٰيٰتِیْ۔ ایات کا لفظ یہاں عام ہے۔ احکام، کتب الٰہی، سب پر شامل۔ و۱۹۵ (دنیا میں) شَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ۔ یہ اپنے خلاف گواہی منکرین قیامت میں دیں گے۔ وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ یہاں یہ بتا دیا کہ دنیوی لذتوں کو مقصودِ اعظم سمجھ کر، ان میں منہمک ہو جانا یہی راز ہے آخرت سے غفلت اور کفر کا۔ آج دنیا میں جتنے ملحد افراد یا ملحد جماعتیں ہیں، غور کر کے دیکھ لیا جائے، سب کے کفر و الحاد کی تہ میں کوئی نہ کوئی مادی انہماک ہی نکلے گا۔ و۱۹۶ یہاں یہ صراحت کر دی ہے کہ یہ پیمبروں کا بھیجنا تو اسی لیے ہوتا ہے کہ منکروں پر خوب اتمام حجت ہو جائے۔ ان میں تبلیغ عقائد پوری طرح ہو جائے۔ کیوں کہ ان مراتب کے پورے ہوئے بغیر، منکروں اور بدمذہبوں کو بے خبری میں پکڑ لینا سنت الٰہی ہے بھی نہیں۔ ذٰلک۔ یعنی یہ رسولوں کا بھیجنا۔ اشارة الی ما تقدم من بعثة الرسل الیھم (مدارک) اشارة الی ارسال الرسل (بیضاوی) مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ۔ یہاں یہ سنت الٰہی بیان کر دی کہ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی گرفت بے خبری میں اور بلا اتمام حجت نہیں کی جاتی۔ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ۔ یعنی وہ لوگ احکامِ الٰہی سے بے خبر ہوں۔ و۱۹۷ وہاں تو ایک ایک کے اعمال کے ہر ہر جزئیہ کی پوری رُوداد موجود ہے۔ اُسے سب کو ان کے مناسب حال جزا و سزا دینا مشکل کیا ہے؟ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ۔ ہر ایک کے لیے الگ الگ درجے ہیں جزا و سزا کے۔ ای لکل عامل بطاعة درجات فی الثواب ولکل عامل بمعصیة درکات فی العقاب (قرطبی) و۱۹۸ صفت غنا لا کر یہ یاد دلا دیا کہ وہ جو بار بار پیمبر بھیجتا رہا ہے تو کچھ اس لیے نہیں کہ وہ بندوں کی عبادت کا محتاج و متمنی ہے۔ یہ تو مشرکوں ہی کے دیوتا ہوتے ہیں جو اپنے پوجاریوں کی پوجا و پاٹ کے محتاج رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر احتیاج و شائبۂ احتیاج سے پاک ہے۔ اور صفت رحمت لا کر یہ یاد دلا دیا کہ اس کا یہ بار بار پیمبروں کو بھیجتے رہنا اسی رحمت کے تقاضہ سے ہے۔ تا کہ بندے مرضیاتِ الٰہی سے آگاہ و باخبر ہو کر دنیا میں نفع زیادہ سے زیادہ حاصل کرتے رہیں۔ وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ۔ کی ترکیب حصر کے معنی پیدا کر رہی ہے۔ مراد یہ ہوتی ہے کہ غنی بھی کوئی اس کے سوا نہیں۔ اور صاحب رحمت بھی کوئی اس کے سوا نہیں۔ و علم ان قوله وربک الغنی ذوالرحمة یفید الحصر (کبیر) فثبت انه لاغنی الاھو حیث انه لارحیم الاھو (کبیر) امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے ذیل میں مذہب اہل سنت اور مسلک معتزلہ پر بحث کر کے آخر میں اپنے والد ماجد کے حوالہ سے شیخ ابو القاسم سلیمان بن ناصر انصاری کا یہ بالکل صحیح فیصلہ نقل کیا ہے کہ اہل سنت کی نظر حق تعالیٰ کی قدرت و مشیت پر زیادہ رہتی ہے اور معتزلہ کی نظر تنزیہ و صفت عدل پر۔ اور دونوں کی تشفی و توقع اجر کے لیے یہی کلمہ وربک الغنی ذوالرحمة کافی ہے۔ اعلم یا اخی ان الکل لایجادلون الا التقدیس والتعظیم و سمعت الشیخ الامام الوالد ضیاء الدین عمر بن الحسین قال سمعت الشیخ ابا القاسم سلیمان بن ناصر الانصاری یقول نظر اھل السنة علٰی تعظیم اللہ فی جانب القدرة و نفاذ المشیة و نظر المعتزلة علٰی تعظیم اللہ فی جانب العدل والبراءة عن فعل ما لا ینبغی فاذا تاملت علمت ان احدًا لم یصف اللہ الا بالتعظیم والاجلال والتقدیس والتنزیة ولکن منھم من اخطأ و منھم من اصاب ورجاء الکل متعلق بھٰذه الکلمة وھی قول و ربک الغنی ذوالرحمة (کبیر) و۱۹۹ یعنی جس طرح پرانی نسلیں معدوم ہو گئیں، اور ان کی جگہ اب تم ہو، اسی طرح اللہ اگر چاہے تو یک بیک تم سب کو فنا کر کے ایک نئی نسل انسانی اُٹھا کھڑی کرے۔ يُذْهِبْكُمْ۔ یعنی تمہیں ہلاک کر دے اذھاب یہاں اہلاک کے معنی میں ہے۔ اماتت بھی مراد لی گئی ہے۔ الاقرب ان المراد به الاھلاک و یحتمل الاماتة ایضًا (کبیر) خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین معاصرین سے ہے۔ مِنْۢ بَعْدِكُمْ۔ یعنی تمہاری ہلاکت کے بعد۔ یعنی من بعد اذھابکم (کبیر) و۲۰۰ (اپنے کسی حیلہ و تدبیر سے) یعنی یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ تم اللہ کے ہاتھ نہ آؤ۔ مَاتُوْعَدُوْنَ۔ یعنی وعدۂ قیامت و وعدۂ عذاب۔ و۲۰۱ (نہ آخرت میں نہ دنیا میں آخرکار) قُلْ۔ اس پیام کا یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور اتمام حجت کے مل رہا ہے۔ اور مقصود اس سے تہدید ہے۔ مقصود ان لوگوں کو ان کی گمراہی میں قائم و ثابت رہنے کی اجازت نہیں۔ ھٰذا تھدید شدید و وعید اکید (ابن کثیر) ھی تفویض الامر الیھم علٰی سبیل التھدید (کبیر) والتھدید بصیغة الامر مبالغة فی الوعید (بیضاوی) مَكَانَةِ۔ کے معنی طور و طریقہ کے ہیں۔ المکانة الطریقة (قرطبی) الظّٰلِمُوْنَ۔ اور سب سے بڑھ کر ظالم وہی کافر و مشرک ہیں جو حق تعالیٰ کے باب میں سراسر ناانصافی کر رہے ہیں۔ و۲۰۲ جاہلیت عرب میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ یہ لوگ اپنی سالانہ پیداوار وغیرہ میں سے ایک حصہ بطور خیر و خیرات الگ نکال رکھتے اس میں ایک جزو اللہ تعالیٰ کے نام کا رکھتے۔ اور اسے مسافروں، مسکینوں، مہمانوں پر خرچ کرتے، اور ایک جزو اپنے دیوتاؤں کے لیے نامزد کر دیتے، اُسے مجاوروں، پنڈتوں، پروہتوں کے ذریعہ

مندروں میں، بتوں اور مورتیوں پر چڑھ جاتے۔ اصولی اور نظری حیثیت سے تو یہی تقسیم کی تھی عملاً یہ بھی تھا کہ دونوں حصوں میں اگر اتفاق سے کچھ خلط ہو جاتا تو کل کا کل دیوتاؤں ہی کے لیے چڑھاوے پر منتقل کر دیتے یا اگر یہ دیکھتے کہ عمدہ مال اللہ والے حصہ میں چلا جا رہا ہے، جب بھی اُسے دیوتاؤں کی طرف کر دیتے۔...... یہاں اُن کی اس دہری، دہری حماقت پر توجہ دلائی ہے۔ صرفوا من مالهم طائفة الى الله بزعمهم و طائفة الى اصنامهم قاله ابن عباس والحسن و مجاهد و قتادة (قرطبی) جَعَلُوْا۔ کے فاعل وہی مشرکین عرب ہیں۔ اور جعلوا الله نصيبًا کے معنٰی یہ ہیں کہ ایک حصہ خدا کے لیے کر دیا اور ایک حصہ اپنے دیوتاؤں کے لیے۔ قال الزجاج و تقدير الكلام جعلوا لله نصيبًا ولشركائهم نصيبًا و دلّ على هذا المحذوف تفصيله القسمين فى ما بعد (کبیر) ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ۔ میں یہ اشارہ کر دیا کہ نباتات ہوں یا حیوانات۔ بہرحال جو کچھ بھی وہ اپنے دیوتاؤں کی نذر کر رہے ہیں اُن میں سے کوئی چیز بھی تو دیوی دیوتاؤں کی پیدا کی ہوئی نہیں۔ سب کچھ اللہ ہی کا تو پیدا کیا ہوا ہے۔ ف۲۰۳ ایک تو نفس تقسیم ہی اللہ اور دیوتاؤں کے درمیان کیسی حماقت و جہالت اور پھر اللہ کے مقابلہ میں دیوتاؤں کی ترجیح کیسی حماقت در حماقت! ف۲۰۴ (چنانچہ یہ احمق مشرکین ان دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے دھڑا دھڑ اپنی اولاد کو موت کے گھاٹ اتارتے جاتے ہیں!) مفسرین کا خیال آیت کے الفاظ سے عرب جاہلی کی رسم دختر کشی کی طرف گیا ہے۔ یہ

لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ

انہیں کوئی نہیں کھا سکتا سوا ان کے جن کو ہم چاہیں اور (فلاں) چوپائے ہیں کہ ان کی پشت حرام

ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا

کر دی گئی ہے اور (فلاں) چوپائے ہیں کہ اُن پر اللہ کا نام نہیں لیتے ہیں (یہ سب) اللہ ہی

افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

پر بہتان باندھتے ہوئے ف۲۰۶ (اللہ) انہیں ابھی بدلہ دیتا ہے اس بہتان کا جو یہ باندھ رہے ہیں ف۲۰۷

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا

اور کہتے ہیں کہ ان چوپایوں کے شکم میں جو کچھ ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے

وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ

اور ہماری بیویوں کے لئے حرام ہے ف۲۰۸ اور اگر وہ مردہ ہو تو اس میں

فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ

وہ سب شریک، ابھی (اللہ) ان سے بدلہ لیتا ہے ان کے (اس) بیان پر، بیشک وہ بڑا حکمت والا ہے

عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا

بڑا علم والا ہے ف۲۰۹ بڑے ہی گھاٹے میں وہ لوگ آ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کر دیا از راہِ حماقت

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى

بغیر کسی بنیاد کے ف۲۱۰ اور جو کچھ انہیں اللہ نے نصیب کر رکھا تھا اسے (اپنے اوپر) حرام کر لیا اللہ پر

اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع وَهُوَ الَّذِيْٓ

افتراء کرتے ہوئے (یہ لوگ) خوب ہی بھٹکے اور (کسی طرح) راہ یاب نہ ہوئے ف۲۱۱ اور وہ وہی (اللہ) تو ہے

اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ

جس نے باغ پیدا کئے (ٹٹیوں پر) چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے اور کھجور کے درخت

بھی ممکن ہے لیکن زیادہ لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ اس مقام پر اشارہ دختر کشی کی جانب نہیں، بلکہ عام اولاد کشی کی جانب ہے...... غریب مفسرین کو کیا خبر کہ بڑی بڑی "مہذب و شائستہ" لیکن جاہلی و مشرک قوموں میں کیسی کیسی ظالمانہ و وحشیانہ رسمیں موجود رہ چکی ہیں! اولاد کو دیوتاؤں کے استھانوں پر بے تکلف بھینٹ چڑھا دینے کا دستور سامی قوموں میں عام رہا ہے اور خود ہندوستان میں مدتوں یہ رسم رہی ہے کہ بچوں کو گنگا مائی کی موجوں کے آغوش میں ڈال دیا جاتا تھا کہ گھڑیال اور مگرمچھ انہیں نگل لیں۔ اور ان آبی درندوں میں الوہیت کی شان پیدا ہو جائے! تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ شُرَكَآؤُهُمْ۔ شرکاء سے مراد پہلی نظر میں ان کے دیوتا اور معبودانِ باطل معلوم ہوتے ہیں کہ انہی کا خیال ان مشرکوں کو اس طرف لاتا تھا۔ بعض نے اس کے معنٰی شیاطین کے کیے ہیں۔ قيل هم الشياطين و سمى الشياطين شركاء لانهم اطاعوهم فى معصية الله فاشركوهم مع الله فى وجوب طاعتهم (قرطبی) قال مجاهد شركاء هم شياطينهم و سميت الشياطين شركاء لانهم اطاعوهم فى معصية الله تعالى (کبیر) بعض اہل تحقیق نے صاف اس سے مراد مندروں کے پجاریوں، پروہتوں سے لی ہے۔ قال الفراء والزجاج شركاء هم ههنا هم الذين كانوا يخدمون الاوثان (قرطبی) وقال الكلبى كان لالهتهم سدنةٌ وخدامٌ و هم الذين كانوا يزينون للكفار قتل اولادهم و على هذا القول الشركاء هم السدنة (کبیر) ف۲۰۵ (اور بہت زیادہ اس کی فکر اپنے سر نہ لیں) لِيُرْدُوْهُمْ۔ کے فاعل پر وہ حاشیہ ملاحظہ ہو جو ابھی شُرَكَآؤُهُمْ پر گزر چکا ہے۔ لِيُرْدُوْهُمْ میں ل عاقبت کا ہے یعنی یہ ظاہر کرنے کو کہ اس عمل کا نتیجہ یہی ہونا تھا اللام ههنا محمولة على لام العاقبة (کبیر) واللام للعاقبة ان كان من السدنة اذ ليس محط نظرهم ذلك لكنه عاقبةٌ (روح) دِيْنَهُمْ۔ یہ واضح رہے کہ عرب یعنی بنی اسمٰعیل کا اصل دین توحید خالص تھا۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ۔ اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوتی۔ آیت بالا کو پڑھتے وقت ہمارے ملک کے ناظرین اپنے ہاں کی بھی مشرکانہ خرافات کو یاد کر لیں۔ شیخ سدو کا بکرا، ہتھیلے کا مرغا وغیرہ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جعلوا الله مما ذرأ سے لے کر آخر رکوع یعنی قد ضلوا و ما كانوا مهتدين تک آیات میں ہمارے زمانہ کی بہت سی بدعات کا رد آ گیا ہے۔ جو بدعات مذکور کے بہت مشابہ ہیں۔ اور یہ مشابہت و مطابقت ذرا غور کرنے سے نظر آ جائے گی۔ اور غضب یہ ہے کہ آج کل کے رسمی شیوخ تک ان میں مبتلا ہیں۔ ف۲۰۶ یہ سب جاہلیت عرب کے مختلف دستوروں کا بیان ہو رہا ہے۔ اور ان سے ملتی ہوئی رسمیں دوسری مشرک قوموں میں بھی عام ہیں۔ افْتِرَآءً عَلَيْهِ۔ کمال افتراء یہ ہے کہ ان مشرکانہ رسموں کو عبادت اور ذریعہ تقرب الٰہی مشہور کر رکھا ہے! حِجْرٌ۔ یعنی عام استعمال کے لیے ممنوع اور ہمارے استعمال کے لیے مخصوص۔ يقال فلان فى حجر فلان اى فى منع منه عن التصرف فى ماله و كثير من احواله (راغب) الحجر لفظ مشترك و هو هنا بمعنى الحرام واصله المنع (قرطبی) الحجر الممنوع منه بتحريمه (راغب) قال قتادة يعنى حرامًا واصله المنع (جصاص) اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ۔ یہ کھانا مخصوص انہی مندروں کے پجاریوں پروہتوں کے لیے تھا۔ وهم خدام الاصنام (قرطبی) يعنون خدم الاوثان والرجال دون النساء (کبیر) حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا۔ یہ تحریم ظہر سواری اور بار برداری سے متعلق تھی۔ عرب بعض جانوروں کو دیوتاؤں کے نام پر نامزد کر کے سانڈ بنا کر چھوڑ دیتے کہ پھر ان سے نہ سواری کا کام لیا جا سکتا نہ بار برداری کا۔ فلا تركب و لا تحمل عليها (روح) ہندوستان کے مشرکوں میں بھی بیل، بھینس وغیرہ کو بھوانی دیوی کے نام چھوڑ دینے کا عام رواج ہے۔ ف۲۰۷ ابھی سے مراد موت کا وقت ہے جو کچھ بھی دور نہیں اور جزاء کا ابہام شدت تخویف کے لیے ہے۔ وابهم الجزاء للتهويل (روح) يَفْتَرُوْنَ۔ افتراء کا لفظ لانے سے مقصود وعید کی اہمیت ہے۔ المقصود منه الوعيد (کبیر) سَيَجْزِيْهِمْ۔ میں س یقین کے معنٰی میں بھی لیا گیا ہے۔ لابد (روح) ف۲۰۸ منجملہ اور وہم پرستیوں کے ایک ضعیف الاعتقادی یہ بھی پھیلی ہوئی تھی کہ فلاں فلاں چوپایوں کے شکم کے اندر کی چیزوں سے نفع اٹھانا صرف مردوں کے لیے جائز ہے اور

عورتوں کے لیے ناجائز۔ مَافِیْ بُطُوْنِ۔ اس کے تحت میں دُودھ بھی آگیا۔ اور بچہ بھی، ائمہ تفسیر سے دونوں معنی منقول ہیں۔ قال ابن عباس هو اللبن و قيل الاجنة (قرطبی) قال مجاهد والسدی يعنی بها الاجنة و قال غيرهم ارادبها الالبان و الاجنة جميعًا (جصاص) خَالِصَةٌ۔ کی ۃ ائمہ نحو سے منقول ہے کہ لفظ کے معنی میں مبالغہ اور قوت پیدا کرنے کے لیے ہے جیسے علام سے علامہ نساب سے نسابہ۔ والهاء فی خالصة للمبالغة فی الخلوص و مثله رجل علامة و نسابة عن الكسائی والاخفش (قرطبی) قال الكسائی معنى خالص و خالصة واحد الا ان الهاء للمبالغة (قرطبی) انما انثت خالصة على المبالغة فی الصفة (جصاص) و۲۰۹ سو اپنی صفت حکمت کی بنا پر وہ ہمیشہ ہر ایک کو سزا مناسب حال ہی دے گا اور اپنی صفت علم کی بنا پر کسی مجرم سے بھی بے خبر نہیں رہ سکتا۔ اِنْ یَّکُنْ مَّیْتَةً۔ یہ مردہ کونسی چیز ہے؟ وہی جو ان چوپایوں کے شکم میں تھی، یعنی بچہ۔ ای ان يكن ما فی البطون ميتة (قرطبی) فِیْهِ۔ یعنی اس مردہ سے نفع اٹھانے کے باب میں۔ فَهُمْ۔ یعنی مرد و عورت سب۔ ای الرجال والنساء (قرطبی) ایک جاہلی دستور یہ تھا کہ بچہ اگر زندہ ہے جب تو اس سے انتفاع مردوں کے لیے مخصوص ہے اور اگر مر چکا ہے تو پھر اس میں سب شریک ہو سکتے ہیں۔ يعنی اجنة الانعام اذا كانت ميتة استوى ذكرهم واناثهم فيها فاكلوها جميعًا (جصاص) مشرکین عرب نے ان سب مسائل کو اپنے دین کا جزو بنا رکھا تھا۔ اصولیین نے آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ عالم کو چاہیے کہ

وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ

اور کھیتی کہ ان کے کھانے کی چیزیں مختلف ہوتی ہیں اور زیتون اور انار

مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ

باہم مشابہ (بھی) اور غیر مشابہ (بھی) و۲۱۲ اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ نکل آئے

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

اور اُس کا حق (شرعی) اس کے کاٹنے کے دن ادا کر دیا کرو و۲۱۳ اور اسراف مت کرو بیشک اللہ اسراف کرنے والوں کو

الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا

پسند نہیں کرتا و۲۱۴ اور چوپایوں میں بڑے قد کے (بھی) ہیں اور چھوٹے قد کے (بھی) اللہ نے تمہیں

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ

جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو و۲۱۵ وہ تو

لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ

تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے (اللہ نے) آٹھ جوڑے (پیدا کیے) و۲۱۶ دو قسمیں بھیڑ میں

اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ

سے اور دو قسمیں بکری میں سے، آپ کہیے کہ (اللہ نے) آیا دونوں نروں کو حرام کیا ہے

اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

یا دونوں مادوں کو، یا اُس (بچہ) کو جس کو دونوں مادائیں اپنے رحم میں لئے ہوئے ہیں

نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ

مجھے بتلاؤ تو دلیل کے ساتھ اگر تم سچے ہو و۲۱۷ اور (اسی طرح) دو قسمیں ہیں اونٹ

اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ

میں (بھی) اور دو قسمیں ہیں گائے میں (بھی) آپ کہیے کہ (اللہ نے) آیا دونوں نروں کو حرام کیا ہے

اپنے مخالف پر اطلاع تو حاصل کرلے اس کے رَد کرنے کی غرض سے۔ و فی الاٰية دليل على ان العالم ينبغی له ان يعلم قول مَنْ خالفه و ان لم ياخذبه حتی يصرف فساد قوله و يعلم كيف يرد عليه (قرطبی) و۲۱۰ اولاد کشی کی رسم کسی ایک قوم یا ملک تک محدود نہ تھی۔ عرب، ہندوستان، یونان، روم، سب اس بلا میں مبتلا رہے ہیں۔ اسلام نے آکر اور اس دستور کو مٹا کر محض قومی یا ملکی نہیں، بلکہ ایک عالمی اور کائناتی اصلاح انجام دی۔ (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن) سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ یہ لا کر صاف بتلا دیا ہے کہ اس جاہلی گو "مہذب" دستور کی بنیاد ہرگز نہ کسی وحی الٰہی پر ہے نہ کسی دلیل عقلی و تجربی پر بلکہ یہ تمامتر جہل و نادانی کا ثمرہ ہے۔ اُردو محاورہ کی رعایت سے قَدْ خَسِرَ۔ کا ترجمہ "بڑے ہی گھاٹے میں آ گئے" سے کیا گیا ہے۔ و۲۱۱ مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ۔ عام طور پر مفسرین نے اس فقرہ سے مراد کھانے پینے کی چیزیں لی ہیں۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد مقتول اولاد ہی ہو۔ جن کا ذکر چل رہا تھا۔ یعنی ملتی ہوئی اولاد سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آج "منع حمل" کے نام سے جو ملعون تحریک دجل و تزویر کی انتہائی خوشنمائیوں اور رنگ آمیزیوں کے ساتھ شائع ہو رہی ہے۔ وہ پوری طرح اس کے تحت میں آ جاتی ہے۔ اِفْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ۔ جس طرح احکام شریعت میں حک و اضافہ کھلا ہوا اِفْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ہے۔ اسی طرح اللہ کے قوانین تکوینی میں بھی "ایجاد بندہ" کو دخل دینا اور لمبے لمبے دعوے ہانکتے رہنا کہ ہمارے اس مجوزہ نظام میں فلاں فلاں اجتماعی مصالح ہیں یہ بھی ایک قسم افتراء علی اللہ ہی کی ہے۔ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۔ تاکید اور تصریح کے لیے ہے کہ یہ لوگ خوب جی بھر کر گمراہ ہوئے ہیں اور انہیں صحیح فلسفہ کی ہوا ہی نہیں لگی ہے۔

و۲۱۲ ان سارے نباتات، اشجار و اثمار کا پیدا کرنے والا وہی ایک خالق بے ہمتا ہے نہ کہ زراعت کا کوئی دیوتا بارش کی کوئی دیوی وغیرہ، مثالوں میں نام قدرۃً انہی چیزوں کے آئے جن سے مخاطبین اول یعنی عرب خوب مانوس و واقف تھے۔ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ۔ یہ مماثلت و عدم مماثلت رنگ، مزہ، خوشبو، جسامت ہر اعتبار سے ہو سکتی ہے۔ و۲۱۳ (مسکینوں اور اہل حاجت کو دے دلا کر) حَقَّهٗ۔ فقہاء حنفیہ نے تصریح کر دی ہے کہ یہاں حق شرعی سے مراد خیر و خیرات ہیں عشر مراد نہیں جو زمین کی زکوۃ ہے اور بہت سے تابعین اور بعض صحابہ کا یہی قول ہے۔ قال علی بن الحسين و عطاء والحكم و حماد و سعيد بن جبير و مجاهد هو حق فی المال سوى الزكوة امر الله به ندبا وروى عن ابن عمر و محمد بن الحنفيه۔ ايضًا (قرطبی) عن الشعبی ان هذا حق فی المال سوى الزكوة (روح) مِنْ ثَمَرِهٖ۔ میں ضمیر مندرجہ بالا اثمار میں سے ہر ایک کی جانب ہے۔ ای من ثمر كل واحد من ذلك (بیضاوی) و۲۱۴ اور سب سے بڑا اسراف یہ تھا کہ پیداوار میں سے ایک حصہ بتوں، دیوتاؤں کے نام کا نکالا جاتا تھا۔ وَلَا تُسْرِفُوْا۔ اسراف کے لفظی معنی کسی انسانی فعل میں سے حد سے تجاوز کر جانے کے ہیں۔ السرف تجاوز الحد فی كل فعل يفعله الانسان (راغب) قال ابن الاعرابی السرف تجاوز ما حذلک (کبیر) قرآن مجید کا ایک اعجاز یہاں یہ ہے کہ احکام کے جزئیات بلکہ بعض اوقات تو جزئیات در جزئیات کے ضمن میں وہ ایسے حکیمانہ کلیات و اصول بیان کر جاتا ہے، جو زندگی کے سارے ہی شعبوں پر یکساں منطبق ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی چلتے چلتے ایک ایسا چٹکلہ بیان کر دیا کہ انسان اگر اسی ایک پر عمل کر لے، تو اخلاق معاملات، سیاسیات، معاشرت، غرض کیا انفرادی اور کیا اجتماعی ہر زندگی کے سارے شعبوں کی مشکلات دُور ہو سکتی ہیں اور بڑے سے بڑے پتھر پانی ہو کر رہ سکتے ہیں۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ فخر المفسرین امام رازی نے یہاں بھی ایک نکتہ خوب پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ وقالت اليهود والنصرى نحن ابنٰٓؤا الله واحباءه قل فلم يعذبكم بذنوبكم سے معلوم ہوا کہ جو اللہ کے محب و محبوب ہیں وہ اہل نار و مبتلائے عذاب نہیں ہو سکتے۔ اور جب یہ ثابت ہے تو اس کا عکس بھی صحیح ہے کہ جو اللہ کے غیر محب و محبوب ہیں بعض ان میں کے اہل نار ہیں۔ و۲۱۵ (کہ جس چیز کو چاہا اپنے دل سے حرام کر ڈالا، اپنے دل سے حلال ٹھہرا لیا) ای فی التحليل والتحريم من عند انفسكم كما فعله اهل الجاهلية (کبیر) ذکر شرک کی اُنہی صورتوں کا ہو رہا ہے، جو عرب میں عام طور پر رائج تھیں۔ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ۔ اشارہ یہ کر دیا کہ

یہ جانور بھی صرف اللہ ہی کے پیدا کیے ہوئے، اللہ ہی کے عطیہ ہیں۔ کسی دیوی، دیوتا کے نہیں۔ جو تم انہیں خواہ مخواہ شریک کیے لیتے ہو۔ رزق سے مراد حلال ہی جانور ہیں۔ یرید ما احلھا لکم (کبیر) جانوروں کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے جیسا باغ اور زراعت کا تھا۔ حَمُولَةً وَّفَرْشًا۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ و انشا حمولۃ و فرشا من الانعام (قرطبی) و ھو الذی انشا لکم من الانعام حمولۃ و فرشا (جصاص) زمخشری اور رازی دونوں نے لکھا ہے کہ ومن الانعام کا وٓ آیت کا عطف آیت ماقبل و ھو الذی انشا جنّٰت سے کررہی ہے۔ حَمُولَةً کے معنی بڑے اور قد آور جانور کے کیے گئے ہیں، جیسے اُونٹ جو بوجھ اٹھانے اور سواری اور محنت کے قابل ہوں۔ الحمولۃ ما اطاق الحمل والعمل (قرطبی) ما تحمل الاثقال (کشاف، کبیر) صالحۃ للحمل علیھا کالابل الکبائر (جلالین) فَرْشًا اور فرش وہ چھوٹے قد کے جانور ہیں، جو گوشت اور دودھ کے لیے استعمال میں آتے ہیں۔ جیسے بکری۔ قال ابن زید الحمولۃ ما یرکب والفرش ما یوکل لحمہ و یحلب (قرطبی) ما یفرش للذبح (کشاف، کبیر) لا تصلح للحمل کالابل الصغار و الغنم سمیت فرشا لانھا کالفرش للارض لدنوھا منھا (جلالین) ف۲۱۶ (ان چوپایوں کے جن کی حلت و حرمت میں تم اپنی تراش خراش سے کام لے رہے ہو) ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ۔ کی تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ و انشا ثمانیۃ ازواج (قرطبی) اَزْوَاجٍ۔ سے مراد جانوروں کی قدرتی تقسیم نر و مادہ میں ہے۔ ثمانیۃ ازواج یعنی ثمانیۃ افراد و کل فرد عندالعرب محتاج الی اٰخر یسمّٰی زوجاً (قرطبی) اور یہی مراد آگے چل کر انثیین سے بھی ہے۔ ای الذکر و الانثٰی (قرطبی)

أَمِ الْأُنثَيَيْنِ ۖ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيَيْنِ ۖ

یا دونوں مادوں کو یا اس (بچہ) کو جسے دونوں مادہ اپنے رحموں میں لئے ہوئے ہیں۔

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ اللَّهُ بِهَٰذَا ۚ فَمَنْ

کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا ف۲۱۸ تو اس سے بڑھ کر

أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ

ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ، بہتان باندھے بغیر علم کے، تاکہ لوگوں کو

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (۱۴۴)

گمراہ کرے اللہ تو ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ف۲۱۹

قُل لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ

آپ کہہ دیجیے مجھ پر جو وحی آئی ہے اس میں تو میں (اور) کچھ نہیں حرام پاتا

طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا

کسی کھانے والے کے لئے جو اُسے کھائے سوا اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا

مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا

خون یا سؤر کا گوشت ہو، کیوں کہ وہ (بالکل) گندہ ہے ف۲۲۰ یا جو فسق (کا ذریعہ) ہو

أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ

غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ف۲۲۱ لیکن جو کوئی بیقرار ہو جائے اور طالب لذت نہ ہو، نہ حد سے تجاوز کرے،

فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۱۴۵) وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا

تو بیشک آپ کا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے، ف۲۲۲ اور جو لوگ کہ یہودی ہوئے

حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا

ان پر ہم نے کھر والے کل جانور حرام کر دیئے تھے ف۲۲۳ اور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان پر

ع ۲/۴

ف۲۱۷ (اپنے اس دعوے میں کہ فلاں، فلاں حرام ہے) ف۲۱۸ ابھی اُوپر آچکا ہے۔ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ۔ یعنی کسی نبی الٰہی کی سند دعویٰ حرمت پر لاؤ، اب یہ سوال ہو رہا ہے کہ جب نبی کی سند نہیں پیش کر سکتے ہو تو کیا حق تعالیٰ نے براہ راست تم کو مخاطب کر کے ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔ بِھٰذَا۔ یعنی تمہارے قول وزعم کے مطابق اس تحلیل و تحریم کا حکم۔ مِنَ الْبَقَرِ۔ بقر ہی کے تحت میں بھینس بھی آجاتی ہے۔ اصولیین نے آیت سے تحقیق میں مناظرہ کا حکم نکالا ہے۔ چنانچہ یہاں پیمبر ﷺ کو مخالفین سے مناظرہ کا حکم مل رہا ہے اور آیت سے قیاس واستنباط کا بھی اثبات ہو رہا ہے۔ قال العلماء الاٰیۃ دلت علی اثبات المناظرۃ فی العلم لان اللہ تعالٰی امر نبیہ علیہ السلام بان یناظرھم و یبین لھم فساد قولھم و فیھا اثبات القول بالنظر والقیاس (قرطبی) ف۲۱۹ یعنی ایسے لوگوں کو جو افتراء علی اللہ میں دلیر ہوں۔ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ اور ایک بڑا افتراء علی اللہ یہی ہے کہ تحلیل و تحریم ماکولات کا مسئلہ بندہ اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اور اسے خدائی تعلیم سمجھے۔ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ اس کا نحوی تعلق۔ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ۔ سے ہے۔ یعنی بغیر یہ علم حاصل رکھے ہوئے کہ اس کی حرمت خدائے تعالیٰ کے یہاں سے ہوئی ہے، اسے اپنے دل سے گڑھ کر حرام ٹھہراتا ہے۔ ای افترٰی علیہ سبحانہ جاھلًا بصدور التحریم عنہ جل شانہ (روح) بعض محققین نے لکھا ہے کہ جب قرآن مجید محض بے علم و تحقیق تحریم اشیاء کر دینے والوں کو ظالم ترین (و من اظلم ممن افترٰی) ٹھہرا رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ ان مجرموں کا کیا درجہ ہو گا جو عدم علم و بے تحقیقی کے ساتھ نہیں، بلکہ دانستہ تحریف کی جسارت کے ساتھ تحلیل حرام یا تحریم حلال کرتے رہتے ہیں۔ فان من افترٰی علیہ سبحانہ بغیر علم بصدور ذٰلک عنہ جل جلالہ مع احتمال صدورہ اذا کان فی تلک الغایۃ من الظلم فما الظن ممن افترٰی و ھو یعلم عدم الصدور (روح) ف۲۲۰ (اور اسی لیے اس کے گوشت کے علاوہ بھی دوسرے اجزاء مثلاً کھال، چربی وغیرہ نجس اور حرام ہیں) فَاِنَّهٗ۔ میں ضمیر خنزیر کی طرف ہے۔ ای اللحم او الخنزیر لانہ الاقرب ذکرًا (روح) و استدل الشافعیۃ بقول سبحانہ فانہ رجس علی نجاسۃ الخنزیر بناء علی عود الضمیر علی خنزیر لانہ اقرب مذکور (روح) اذا احتمل للضمیر العود علی شیئین کان عودہ علی الاقرب ارجح (بحر) فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ۔ یعنی ان جانوروں کے سلسلہ میں جو وحی مجھ پر آئی ہے، جن کی حلت و حرمت پر یہاں گفتگو ہو رہی ہے، یہاں جن حرام چیزوں کا حصر کیا گیا ہے، ان سے مراد یہی ہے کہ تم اور چیزوں کو اپنی رائے و تجویز سے کہاں سے حرام ٹھہرائے لیتے ہو۔ وحی الٰہی نے تو ابھی تک حرام تو بس یہی چیزیں کی ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ کل محرمات کی یہ مکمل فہرست ہے، آیت مکی ہے اس سے زیادہ چیزیں تو مدنی سورۂ مائدہ ہی میں مل جائیں گی۔ شراب اور گردن مروڑا ہوا جانور وغیرہ اور متعدد جانوروں کی حرمت جو حدیث میں آئی ہے وہ اس کے علاوہ۔ والمعنٰی قل یا محمد لا اجد فی ما اوحی الی محرما اِلا ھٰذہ الاشیاء لا ما تحرمونہٗ بشھوتکم والاٰیۃ مکیۃ ولم یکن فی الشریعۃ فی ذٰلک الوقت محرمٌ غیر ھٰذہ الاشیاء ثم نزلت سورۃ المائدہ بالمدینہ و زید فی المحرمات کالمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ والخمر وغیر ذٰلک و حرم رسول اللہ ﷺ بالمدینہ اکل کل ذی ناب من السباع و کل ذی مخلب من الطیر (قرطبی) ھٰذہ الاٰیۃ مکیۃ و کل محرم حرّمہ رسول اللہ ﷺ اوجاء فی الکتاب مضموم الیھا فھو زیادۃ حکم من اللہ عزوجل علٰی لسان نبیہٖ علیہ السلام و نظیرہ نکاح المراۃ علی عمتھا و علی خالتھا مع قولہ و احل لکم ماوراءَ ذٰلکم و کحکمہ بالیمین مع الشاھد مع قولہ فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان (قرطبی) علٰی ھٰذا اکثر اھل العلم من النظر واھل الفقہ والاثر (قرطبی) ذٰلک مخصوص بالا تفاق لا تفاق الجمیع من الفقھاء علی تحریم اشیاء غیر مذکورۃ فی الاٰیۃ کالخمر و لحم القردۃ والنجاسات وغیرھا (جصاص) فیہ ایذان بان طریق التحریم لیس الا التنصیص من اللہ تعالٰی دون التشھی والھوٰی (روح) عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ۔ عام ہے ہر کھانے والے کے لیے۔ مرد، عورت، کوئی بھی ہو۔ ای طاعم کان من ذکرا و

عَلَيۡهِمۡ شُحُوۡمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتۡ ظُهُوۡرُهُمَاۤ

ان دونوں کی چربیاں حرام کی تھیں بجز اس (چربی) کے جو ان کی پشتوں پر

اَوِ الۡحَوَايَاۤ اَوۡ مَا اخۡتَلَطَ بِعَظۡمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ

یا اُن کی انتڑیوں میں لگی ہوئی ہو، یا جو ہڈی سے ملی ہوئی ہو، یہ سزا دی تھی ہم نے اُن کو

بِبَغۡيِهِمۡ ۖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ

اُن کی شرارت پر اور ہم ہی یقیناً سچے ہیں ف۲۲۴ سو اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجیے کہ

رَّبُّكُمۡ ذُوۡ رَحۡمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَ لَا يُرَدُّ بَاۡسُهٗ عَنِ

تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے، اور اس کا عذاب مجرم لوگوں

الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۳۷﴾ سَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا لَوۡ شَآءَ

سے ٹل نہیں سکتا ف۲۲۵ جو لوگ شرک کرتے ہیں اب کہیں گے کہ اللہ اگر

اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَكۡنَا وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمۡنَا مِنۡ شَىۡءٍ ؕ

چاہتا تو شرک نہ ہم کرتے نہ ہمارے باپ دادا کرتے، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کر سکتے ف۲۲۶

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ حَتّٰى ذَاقُوۡا بَاۡسَنَا ؕ

اسی طرح جھٹلایا تھا ان لوگوں نے بھی جو ان سے قبل ہوئے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کو چکھا ف۲۲۷

قُلۡ هَلۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ عِلۡمٍ فَتُخۡرِجُوۡهُ لَنَا ؕ اِنۡ

آپ کہیے کہ آیا تمہارے پاس ہے کوئی دلیل؟ (ہو) تو اسے ہمارے سامنے ظاہر کرو ف۲۲۸

تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلۡ

تم تو نری گمان کی پیروی کرتے ہو، اور محض اٹکل سے کام لیتے ہو ف۲۲۹ آپ کہہ دیجیے

فَلِلّٰهِ الۡحُجَّةُ الۡبَالِغَةُ ۚ فَلَوۡ شَآءَ لَهَدٰٮكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾

کہ پوری حجت تو اللہ ہی کی رہی اور اگر (اللہ) چاہتا تو تم سب کو ضرور ہدایت دے دیتا ف۲۳۰

انثی ردًا علی قولھم محرم علی ازواجنا (روح) مَيۡتَةً۔ دم مسفوح۔ لَحۡمَ خِنۡزِيۡرٍ سب پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارہ ۲ میں گزر چکے۔ فَاِنَّهٗ رِجۡسٌ۔ یعنی سور چونکہ نجس ہے اس لیے حرام ہے۔ اس ذرا سے فقرہ سے ایک بڑی اصل ہاتھ آگئی۔ یعنی نجاست کا سبب حرمت ہونا نص قرآنی سے ثابت ہوگیا۔ تو اب جہاں جہاں نجاست پائی جائے گی۔ وہاں حرمت کا حکم بھی نص قرآنی ہی کے ماتحت لگادیا جائے گا۔ فھذا یقتضی ان النجاسة علة لتحریم الاکل فوجب ان یکون کل نجس یحرم اکلہ (کبیر) ف۲۲۱ (بہ قصد تقرب وعبادت) یہ وہ جانور ہیں جو بجائے خود حلال وطیب ہیں لیکن ذابح کی نیت فاسد نے انہیں حرام بنادیا ہے۔ اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ۔ پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارہ ۲ میں گزر چکا۔ فِسۡقًا۔ ذریعہ فسق کو خود فسق سے تعبیر کرنا تاکید واظہار اہمیت کے لیے ہے۔ سمی ما اھل لغیر اللہ بہ فسقا لتوغلہ فی باب الفسق (کبیر) ف۲۲۲ (اور اُنہی صفات غفور رحمت کے تقاضہ سے اُس نے ایسی حالت میں بندوں پر حرام چیزیں حلال کردیں اور گناہ کی چیزوں سے گناہ اُٹھالیا) فَمَنِ اضۡطُرَّ۔ یعنی جو کوئی بھوک کی شدت سے بے قرار ہو رہا ہو۔ اور اسے حلال غذا نہ مل رہی ہو۔ غَيۡرَ بَاغٍ۔ یعنی اس حرام جانور کو لذت وذائقہ کے لیے نہ کھائے۔ وَّلَا عَادٍ۔ یعنی شدت گرسنگی کی اصل ضرورت سے زائد کھانے والا نہ ہو۔ ان سب فقروں پر حاشیہ پہلے گزر چکے۔ ف۲۲۳ ذِيۡ ظُفُرٍ۔ ظفر کا اُردو ترجمہ ایک لفظ سے کرنا مشکل ہے۔ پرندوں میں تو اس میں کل وہ پرندآ جاتے ہیں، جن کے بجائے انگلیوں کے پنجے ہوتے ہیں۔ جیسے چیل، گدھ، باز، شکرا وغیرہ اور چرندوں میں وہ سارے جانور شامل ہیں جن کے سم ہوتے ہیں۔ مثلاً گھوڑا، گدھا، خچر، اُونٹ وغیرہ۔ وھو من البھائم والطیر ما لم یکن مشقوق الاصابع (ابن جریر) قال عبداللہ بن مسلم انہ کل ذی مخلب من الطیر وکل ذی حافر من الدواب ثم قال کذالک قال المفسرون (کبیر) قال مجاھد و قتادۃ ذی ظفرٍ مالیس بمتفرج الاصابع من البھائم والطیر (قرطبی) قال ابن عباس و سعید بن جبیر و قتادہ والسدی و مجاھد ھو کل ما لیس بمفتوح الاصابع (جصاص) اَلَّذِيۡنَ هَادُوۡا۔ یعنی جنہوں نے شریعت یہود کو قبول کیا تھا۔ موجودہ توریت محرف میں حلت وحرمت حیوانات کے احکام مقاماتِ ذیل میں ملیں گے:۔ کتاب احبار باب ۱۱، کتاب استثناء باب ۱۴۔ ف۲۲۴ (اور ہمارے اس بیان کے خلاف کوئی چیز اگر توریت محرف وغیرہ میں ملے تو وہ ہرگز قابل اعتناء نہیں) ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِبَغۡيِهِمۡ۔ یعنی ان چیزوں کی حرمت فی نفسہٖ مقصود نہ تھی، بلکہ یہ حکم بہ طور سزا تھا۔ اور یہیں سے یہ قاعدہ ہاتھ آتا ہے کہ حرمتِ اشیاء کبھی کبھی گناہوں کے باعث بھی ہوجاتی ہے و فی ھذا دلیل علی ان التحریم انما یکون بذنب لانہ ضیق (قرطبی) اَوِ الۡحَوَايَا۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ اوما حملت حوایا ھما والالف واللام بدلٌ من الاضافة (قرطبی) ف۲۲۵ (جب اس عذاب کا وقت حکمتِ الٰہی اور مصلحت تکوینی کے ماتحت آجاتا ہے) توریت وانجیل کے حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی کی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ۔ یہ اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے؟ سیاق سے تو یہود ہی مراد معلوم ہوتے ہیں۔ اور اکثر محققین بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ای الیھود کما قال مجاھد والسدی و ھوالذی یقتضیہ الظاھر (روح) الظاھر عود الضمیر علی اقرب مذکور و ھم الیھود (بحر) لیکن اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ اشارہ تمام مخالفین ومعاندین کے حق میں جامع سمجھا جائے۔ اور یہود ومشرکین اور ان کے اشباہ وامثال سب ہی مراد لیے جائیں۔ ای فان کذبوک یا محمد مخالفوک من المشرکین والیھود و من شابھھم (ابن کثیر) فَقُلۡ رَّبُّكُمۡ ذُوۡ رَحۡمَةٍ وَّاسِعَةٍ۔ اور اسی رحمت وسیع کے اقتضاء سے وہ مہلت اور گنجائش بھی بہت زیادہ دیتا رہتا ہے۔ یہ جواب یہود کے اس اعتراض کا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اگر سچے ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا ہے؟ ف۲۲۶ خلاصہ اہل شرک وضلالت کے اس استدلال کا یہ ہے کہ خدا جب ہر چیز پر قادر ہے، اور باوجود قدرت اس نے ہمیں شرک وتحریم حلال سے طبعاً وتکویناً نہ روک دیا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ شرک وتحریم حلال اُسے ناپسند ہی نہیں بلکہ اس کی عین مرضی سے ہو رہے ہیں۔ مغالطہ استدلال کے اندر یہ ہے کہ مشیت تکوینی اور پسند ورضا کو مرادف سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ رضائے الٰہی تشریعی کا قانون دُوسرا ہے۔ اور مشیت الٰہی تکوینی کا دُوسرا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ کارفرما ہیں۔ دونوں کے درمیان کوئی تصادم وتزاحم نہیں۔ قانونِ مشیت نے انسان کو آزادی ہر طرح کی دے رکھی ہے۔ انسان اپنے طریق عمل کے انتخاب میں آزاد ہے۔ وہ اپنے ارادہ کا مالک ومختار ہے۔ اچھی وبری جو راہ چاہے، اپنی پسند وقصد سے اختیار کرے۔ لیکن رضاءِ الٰہی کا حکم یہ ہے کہ وہ بدی کی راہ سے بچے۔ اور نیکی کی راہ پر چلے...... بہ حیثیت خالق وقادرِ مطلق اُس نے پیدا زہر کو بھی کر رکھا ہے اور بیماری کو بھی، لیکن بہ حیثیت حاکم وآمر اس کا حکم یہی ہے کہ بیماری کا علاج کیا جائے اور زہر کا توڑ تریاق سے کیا جائے۔ جو کج فہم خدا کی قدرت اور اپنی مجبوری کو اپنی بے دینی اور بدکرداری کے لیے حیلہ اور آڑ بناتے ہیں، وہ آخر بیماری میں اپنا علاج کیوں کرتے ہیں؟ اور روحانیات کی طرح جسمانیات کے ہر آزار میں اپنے کو معذور ومجبور کیوں نہیں سمجھتے؟ اَلَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا۔ کا مفہوم قرآن مجید کی اصطلاح میں المشرکین سے وسیع تر ہے۔ المشرکین سے مراد مشرکین عرب ہی ہوتے ہیں۔ بہ خلاف اس کے اَلَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا کے عموم میں ہر قوم، ہر ملک، ہر زمانہ کے اہل شرک داخل ہیں۔ سَيَقُوۡلُ۔ بہ طور پیشگوئی کے اور س مستقبل کے لیے ہے۔ اخبار من مستقبل (بیضاوی) اخبر اللہ عزوجل بالغیب عما سیقولون (قرطبی) معتزلہ نے یہ کہہ کر شرک کا تابع مشیت ہونا موقع ذم میں وارد ہوا ہے، اپنے مسلک کی تائید اور تقویت آیت سے نکالنا چاہی ہے۔ حالانکہ اگر وہ مزید غور وتدبر سے کام لیتے تو ان پر ظاہر ہوجاتا کہ مذمت نفس اس عقیدہ کی نہیں ہو رہی

ہے، بلکہ اس کی ہو رہی ہے کہ مشرکین اس عقیدہ کی آڑ میں اپنے کو بری الذمہ اور بے قصور قرار دے رہے تھے اور مشیت اور شرک کے درمیان خلط کر رہے تھے۔ ف۲۲۷ کَذٰلِكَ ۔ منکرین و مکذبین کا یہ لنگڑا، لولا استدلال کچھ نیا اور اس اُمت کے ساتھ مخصوص نہیں، پرانی اُمتوں کا بھی یہی شیوہ چلا آیا ہے۔ ف۲۲۸ مکذبین کی دلیل عقلی کی لغویت ابھی اُوپر کے حاشیہ سے ظاہر ہو چکی ہے۔ اب مطالبہ ان سے دلیل نقلی کا ہو رہا ہے یعنی کس پیمبر کی یہ تعلیم رہی ہے جو تم پیش کر رہے ہو؟ مِنْ عِلْمٍ۔ یعنی دلیل تمہارے اس مقدمہ پر کہ فعل پر قدرت دینا اس فعل سے رضا کو مستلزم ہے۔ ف۲۲۹ یعنی علم و تحقیق سے قطعی معرّیٰ۔ تمہارے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے، نہ کوئی دلیل نقلی۔ آج بھی ملحدوں اور مشرکوں دونوں کا یہی حال ہے۔ بس چند مفروضات و مزعومات ہیں، جو ان کی ساری عمارت کی بنیاد ہیں۔ ف۲۳۰ یعنی اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوتی تو تم سب لوگ محروم الارادہ و مسلوب الاختیار ہو کر بس ایک ہی ڈھرے پر اضطراراً چلتے۔ لیکن اس نے اجر و صلہ تو ایمان اختیاری پر رکھا ہے نہ کہ ایمان اضطراری پر۔ انه قدشاء منهم الایمان اختیارًا و لوشاء الله الایمان منهم قسرًا لکان علیه قادرًا و لکنهم کانوالا یستحقون به الثواب والمدح۔ (جصاص) فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔ اللہ کی حجت پوری کی پوری رہی اور تمہاری حجت باطل ہو گئی۔ ف۲۳۱ (اور شہادت مقبول وہی ہو گی جو مشاہدہ یا مثل مشاہدہ پر مبنی ہو) کوئی عقلی دلیل تو شرک پر قائم ہی نہیں اب مطالبہ یہ ہو رہا ہے کہ کسی پیمبر کی تعلیم سے، کسی آسمانی کتاب سے، اس کی نقلی، روایتی، تاریخی ہی شہادت پیش

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ
آپ کہیے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس پر گواہی دیں کہ اللہ نے ان (چیزوں) کو
اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ
حرام کیا ہے ف۲۳۱ اور اگر وہ (جھوٹی) گواہی دے بھی دیں تو آپ نہ ان کے ساتھ گواہی دیجیے
وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا
اور نہ ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کیجیے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور جو
يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع قُلْ تَعَالَوْا
آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور اپنے پروردگار کے برابر (دوسروں کو) ٹھیراتے رہتے ہیں، ف۲۳۲ آپ کہیے کہ آؤ میں
اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا
تمہیں پڑھ کر سناؤں، وہ چیزیں جو تم پر تمہارے پروردگار نے حرام کی ہیں (یعنی یہ کہ) اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ
مت ٹھیراؤ اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو ف۲۳۳ اور اپنی اولاد کو افلاس (کے خیال) سے قتل مت
اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا
کر دیا کرو، ہم ہی تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور اُن کو بھی ف۲۳۴ اور بے حیائیوں کے پاس بھی
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا
نہ جاؤ (خواہ) وہ علانیہ ہوں اور (خواہ) پوشیدہ ف۲۳۵ اور جس جان کو اللہ نے
النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ
محفوظ کر رکھا ہے اسے قتل مت کرو بجز حق (شرعی) کے ف۲۳۶ اس (سب) کا اللہ نے تمہیں حکم
بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا
دے رکھا ہے، تاکہ تم عقل سے کام لو ف۲۳۷ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ۔

کرو۔ ف۲۳۲ (اور یہی ان کی شرک پسندی، اور آخرت انکاری ان کے دلوں میں طلب حق نہیں پیدا ہونے دیتی) فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ۔ یعنی آپ ان کی گواہی کی تصدیق نہ کیجیے، بلکہ ان کی غلطی ان پر ظاہر کیجیے۔ ای فلا تصدقهم فیه و بیّن لهم فسادهٗ (بیضاوی) ف۲۳۳ بنیادی اور مرکزی عقیدہ (توحید) کی تصحیح کے معاً بعد اب عملی زندگی کی ہدایات شروع ہو جاتی ہیں۔ اور ان میں سب سے پہلا حکم ماں باپ کی خدمت کا ملتا ہے۔ اِحْسَانًا۔ احسان کا لفظ یادر ہے۔ حکم والدین کی محض اطاعت کا نہیں۔ ان کے ساتھ حسن سلوک کا ہو رہا ہے...... جو لوگ خدمت والدین کو کوئی خاص اہمیت دین میں نہیں دیتے۔ کاش وہ اس قسم کی آیتوں پر غور کریں! ای احسانًا کاملًا لا اساءة معهٗ (روح) عن ابن عباس یرید البر بهما مع اللطف ولین الجانب (روح) قُلْ تَعَالَوْا۔ خطاب آیت میں، یہود، مشرکین بلکہ ساری نوع انسانی کے لیے عام ہے۔ اَلَّا۔ مرکب ہے اَنْ اور لَا کا اور اَنْ مفسرہ ہے اُردو کے 'یعنی' کے مرادف۔ اَنْ مفسرة بمعنی ای (مغنی) مفسرة ولا للنهی (کشاف) یہ بھی کہا گیا ہے کہ لا یہاں نافیہ یا ناہیہ نہیں۔ بلکہ زایدہ ہے جو حکم میں نفی یا نہی نہیں بلکہ اور زور و تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ لا الزائدة الداخلة فی الکلام لمجرد تقویته و توکیده (مغنی) تاج العروس میں ان دونوں ترکیبوں کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ ان کے علاوہ ایک تیسری ترکیب کو بھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَلَّا تُشْرِكُوْا سے قبل اوصاکم محذوف مانا جائے جیسا کہ آیت کے آخر میں ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ موجود بھی ہے۔ اور کلام عرب میں اس طرز کلام کی نظیریں ملتی ہیں۔ و کان فی الکلام محذوفًا دل علیه السیاق و تقدیرهٗ اوصاکم الا تشرکوا و تقول العرب امرتک ان لا تقوم (ابن کثیر) ف۲۳۴ یہاں ارشاد یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ معاشی نظریہ بہت ہی غلط قسم کا ہے۔ جو نسل کو گھٹانے اور محدود کرنے کی طرف لے جاتا ہے معاشیات کے صحیح قوانین ہی دوسرے ہیں۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ۔ یہ قتل اولاد کی ملعون رسم، دختر کشی کے دستور کے علاوہ ہے۔ مقصود اس سے تمام تر روکنا ہے۔ افلاس کا ذکر اس لیے فرمایا کہ فلاسفہ مادیین اور مفکرین جاہلیت اپنے نظریہ کی عقلی توجیہ عموماً یہی کرتے ہیں۔ چنانچہ آج جاہلیت فرنگ کے زیر سایہ جو شاندار تحریک قتل اولاد کی خفی و باریک صورت کی "منع حمل" کے نام سے جاری ہے، اس کا محرک بھی یہی خوف افلاس ہے۔ مالتھس نامی ایک ماہر معاشیات جو برطانیہ میں انیسویں صدی کی ابتداء میں ہوا ہے اور قتل اولاد یا "منع حمل" کی تحریک اصلاً اُسی کی چلائی ہوئی ہے، اس کے سارے نظریہ کی بنیاد یہی خوف افلاس ملک ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ۔ اور بعض علمائے سلف نے آیت کے ان الفاظ سے عزل (یعنی منع حمل بلا آلات منع حمل) کے عدم جواز پر بھی

استدلال کیا ہے۔ و قد یستدل بهذا من یمنع العزل لان الوأد یرفع الموجود و النسل والعزل منع اصل النسل فتشابها الا ان قتل النفس اعظم وزرًا و اقبح فعلًا (قرطبی) ف۲۳۵ الْفَوَاحِشَ۔ کے معنی بہت وسیع ہیں۔ تنہا زنا کاری کے نہیں۔ بدکاری، بے حیائی، فحاشی کی تمام صورتیں اس کے اندر آ گئیں۔ پھر لَا تَقْرَبُوْا کی تعمیم "یعنی اس کے قریب بھی نہ جاؤ"۔ اور پھر مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ نے تو تعمیم کی حد ہی کر دی۔ بے حجابی، لباس میں بے ستری وغیرہ کی تمام خفی صورتیں خواہ پبلک میں ہوں یا پرائیویٹ ہوں، یکساں حرام قرار پا گئیں، چہرے پر پاؤڈر، لپ اسٹک وغیرہ لگا کر، بن سنور کر، نیم برہنہ لباس پہن کر، خوشبوئیں لگا کر، عورتوں کا آزادی کے ساتھ بے تکلف باہر نکلنا، مردوں کے مجمع میں چلنا پھرنا، سینما اور تھیٹر میں گندے نظاروں سے لطف اندوز ہونا، آرٹ گیلری میں برہنہ تصویریں دیکھنا، غرض تہذیب جدید کے سارے جاہلی عنصر اس آیت کی رُو سے حرام ٹھیرے جاتے ہیں۔ اخلاق کی پاکیزگی، اور پاکیزہ خیالی جو فرد و جماعت دونوں کی حقیقی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ اس کی جو نظیر شریعت اسلام نے قائم کر دی ہے وہ کہیں اور تلاش سے بھی نہ ملے گی۔ والاولی ان لا یختص هذا النهی بنوع معین بل یجری علی عمومه فی جمیع الفواحش ظاهرها و باطنها (کبیر) ف۲۳۶ مثلاً جہاد میں، قصاص میں، رجم میں۔ اَلنَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ۔ اور وہ جس کو اللہ کے قانون نے محفوظ کر رکھا ہے۔ وہ ہر انسانی جان ہے، تاوقتیکہ وہ کسی جرم شرعی میں واجب القتل نہ قرار دیا جائے۔ و هذا الآیة نهیٌ عن قتل

فس المحرمة مومنة کانت او معاهدة الا بالحق الذی یوجب قتلها (قرطبی) و۲۳۷ (اوران ہدایات پر عمل کرو) قرآن مجید میں یوں تو متعدد آیات ایسی ملتی ہیں جو تہذیب فرنگ کی پھیلائی ئی فضائے حاضر پر خاص طور سے چسپاں ہیں۔ لیکن یہ آیت ان خاص آیتوں میں بھی اخص ہے۔ آیت کے ایک ایک جزو کو لے کر خوب غور سے دیکھئے:۔ (۱) ممانعت شرک۔ا۔آج کے "روشن خیال" کتنے مختلف موں کے شرک میں مبتلا رہتے ہیں! اُن کی تہذیب اور اُن کے علوم کی بنیاد ہی ترک توحید پر ہے۔ (۲) تعظیم و الدین۔ اخلاقیات جدید میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی کوئی دفعہ ہی نہیں۔ (۳) اولاد کشی سے مانعت۔ "منع حمل"، "ضبط تولید" وغیرہ تو تمدن جدید کے خاص مفاخر میں سے ہیں۔ وہ بھی معاشیات کا نقاب منہ پر ڈالے ہوئے۔ (۴) منع فواحش۔ تمدن جدید کی تو ساری رونق ہی علانیہ و مخفی فواحش کی گرم زاری سے ہے۔ (۵) انسانی زندگی کا احترام۔ اس ہدایت پر کہیں عمل ہوتا تو جنگ چین و جاپان، جنگ جرمنی و فرانس، جنگ جرمنی و برطانیہ، جنگ جرمنی و روس وغیرہ کا وجود ہی سرے سے نہ ہوا ہوتا۔ اور دنیا کو قابل پیمائش مصیبتوں سے نجات مل گئی ہوتی۔ کاش اب بھی ہماری آنکھیں کھلیں، اور دنیا کی سمجھ میں آئے کہ قرآن نسخہ شفاء صرف چھٹی اور ساتویں صدی مسیحی کے عرب کے لیے نہیں بلکہ بیسویں اور اکیسویں اور ہر جدید صدی کی کل دنیا کے لیے ہے! ذٰلِکُمۡ۔ یعنی یہی اُوپر کے محرمات، کم خطاب کا ہے۔ اشارۃ الی هذه المحرمات والکاف والمیم للخطاب (قرطبی) و۲۳۸ (اور سن بلوغ پر جب یتیم پہنچ

بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ حَتّٰی یَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَ اَوۡفُوا

مگر اس طریق پر کہ جو مستحسن ہو یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے و۲۳۸ اور ناپ اور

الۡکَیۡلَ وَ الۡمِیۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ ۚ لَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ۚ

تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کرو و۲۳۹ ہم کسی شخص پر اس کے تحمل سے زائد بار نہیں ڈالتے و۲۴۰

وَ اِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَ لَوۡ کَانَ ذَا قُرۡبٰی ۚ وَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ

اور جب بولو تو عدل (کا خیال) رکھو، اگرچہ وہ (شخص) قرابت دار ہی ہو و۲۴۱ اور اللہ سے جو عہد کیا ہے

اَوۡفُوۡا ؕ ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ بِهٖ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ اَنَّ

اُسے پورا کرو، اس (سب) کا (اللہ نے) تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو و۲۴۲ اور (یہ بھی کہہ دیجیے) کہ

هٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ

یہی میری سیدھی شاہراہ ہے سو اسی پر چلو، اور (دوسری دوسری پگڈنڈیوں) راہوں پر نہ چلو

فَتَفَرَّقَ بِکُمۡ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ ؕ ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ بِهٖ لَعَلَّکُمۡ

کہ وہ تم کو (اللہ کی) راہ سے جدا کر دیں گی اس (سب) کا (اللہ نے) تمہیں حکم دیا ہے

تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ تَمَامًا عَلَی

تاکہ تم متقی بن جاؤ و۲۴۳ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ جس سے اچھی طرح عمل

الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ وَ تَفۡصِیۡلًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ وَّ هُدًی

کرنے والوں پر (نعمت) پوری ہو، اور ہر (ضروری) چیز کی تفصیل (اس کے ذریعہ سے ہو جائے) اور (باعث)

وَّ رَحۡمَةً لَّعَلَّهُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّهِمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾ ع وَ هٰذَا

ہدایت ہو، اور (ذریعہ) رحمت ہو تاکہ وہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات پر یقین لائیں و۲۴۴ اور یہ

کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوۡهُ وَ اتَّقُوۡا لَعَلَّکُمۡ

ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا ہے (خیر و) برکت والی ہے سو (اب) اس کی پیروی کرو، اور ڈرو، تاکہ تم پر

جائے گا تو اس کی جائیداد اس کے حوالہ کر دی جائے گی۔ اور کوئی سوال ہی تولیت و سربراہ کاری کا باقی نہ رہ جائے گا) وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡیَتِیۡمِ۔ یعنی یتیم کی جائیداد میں کسی قسم کا تصرف روا نہ رکھو۔ یَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ۔ یعنی اپنی پوری قوت کو پہنچ جائے۔ اور قوت میں قوت جسمانی اور قوت عقل و تجربہ دونوں آگئیں۔ یعنی قوته و قد تکون فی البدن و قد تکون فی المعرفة بالتجربة ولا بدمن حصول الوجهین فان الا شد وقعت هنا مطلقة (قرطبی) الاشد واحدها شد و هو قوة الشباب عند ارتفاعه (جصاص) و لم یشرط البلوغ فدل علی انه بعد البلوغ یجوزان یحفظ علیه ماله اذا لم یکن مانوس الرشد و لا یدفعه الیه (جصاص) کون سا سن پختگی کا کہلائے گا؟ فقہاء اس باب میں مختلف ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ۲۵ سال کا سن منقول ہے۔ و قد اختلف فی بلوغ الاشد فقال عامر بن ربیعة و زید بن اسلم هو بلوغ الحلم و قال السدی هو ثلاثون سنة و قیل ثمانی عشرة سنة و جعله ابوحنیفة خمساً و عشرین سنة (جصاص) اِلَّا بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ۔ اور شریعت میں مستحسن صورت صرف وہی ہے جس سے خود یتیم کا نفع متصور ہو۔ اسلام کے معاند فرنگیوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یتیموں کے حقوق کی محافظت اسلام کا ایک خاص اور روشن کارنامہ ہے۔ و۲۳۹ دغا فریب کی ہر آمیزش سے پاک کہ کسی کا حق مار لیا یا اپنے ذمہ باقی رہنے دیا، اس بہ ظاہر چھوٹی سی ہدایت کے اندر تجارتی اخلاق کے سارے ابواب آگئے...... شخصی اخلاق و کردار کی بلندی کے ساتھ ساتھ تجارتی، کاروباری، اخلاق کی بھی پاکیزگی مسلمان کے لیے لوازم میں سے ہے۔ ای بالاعتدال فی الاخذ و العطاء عند البیع والشراء (قرطبی) فیه امر بایفاء الحقوق علی الکمال (جصاص) و۲۴۰ اس لیے ان احکام کی پابندی میں بھی دشواری کچھ نہیں...... ضرورت صرف تھوڑی سی توجہ و صرف ہمت کی ہے۔ و۲۴۱ (اور کسی کی قرابت یا عزیزداری تمہیں اس کے معاملہ میں نہ منصفانہ فیصلہ کرنے سے روکے نہ سچی گواہی دینے سے) وَاِذَا قُلۡتُمۡ۔ یعنی جب تم کسی کے مقدمہ، معاملہ میں زبان کھولو۔ یتضمن الاحکام والشهادات (قرطبی) و۲۴۲ (ان احکام کو اپنی روزانہ زندگی میں یاد رکھو اور ان پر عمل کرتے رہو) بِعَهۡدِ اللّٰهِ۔ اس کے تحت میں ہر وہ عہد آجاتا ہے جو بجائے خود جائز ہو۔ اور اللہ کو حاضر و ناظر جان کر باندھا گیا ہو۔ و۲۴۳ غرض و غایت ساری تعلیمات اسلامی کی بس اسی قدر ہے کہ اُمت بہ حیثیت مجموعی بھی اور اس اُمت کا ایک ایک فرد بھی ذاتی طور پر ہر قسم کے اخلاقی کمالات سے آراستہ، اللہ کی فوج کا سپاہی، اور کائنات انسانی کے لیے ایک نمونہ بن جائے۔ وَاَنَّ۔ عطف بیانات مقدم پر ہے۔ اور و کے بعد اتل محذوف ہے۔ عطفها علی ماتقدم و انّ فی موضع نصب ای و اتل انّ هٰذا صراطی عن الفراء و الکسائی (قرطبی) هٰذَا۔ یعنی مکمل نظام حیات و دستور زندگی۔ جس کی چند اہم مدیں اوپر بیان ہوئیں۔ اَلسُّبُلَ۔ ان ٹیڑھی پگڈنڈیوں میں اسلام کے باہر کے کل دوسرے مذاہب آگئے اور اسلام کے اندر کے بھی اہل بدعت و ضلالت کے فرقے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق مستقیم سے الگ ہیں۔ وهٰذه السبل تعم الیهودیه والنصرانیه والمجوسیة و سائر اهل الملل و اهل البدع والضلالات من اهل الاهواء (قاله ابن عطیه، قرطبی) قال مجاهد السبل البدع (قرطبی) وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمۡ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ۔ اس میں رد آگیا اس مغالبہ پرور خیال کا کہ ہر مذہب اپنی اپنی جگہ سچا ہے اور اسلام بھی انہی مذہبوں جیسا ہے۔ یہ غلط بے محل اور غیر فطری رواداری مشرکوں ہی کو مبارک رہے۔ اسلام ایسی خطرناک، مفسدہ انگیز مصالحت پسندی سے بیزار ہے۔ و۲۴۴ بنی اسرائیل کے تمام امراض کا سرچشمہ یہی تھا کہ ان کا اعتقاد آخرت ڈھیلا ہو کر برائے نام رہ گیا تھا۔ مذہب کو جس حد تک مانتے بھی تھے۔ محض دنیوی بہبود و ترقی کے خاطر...... ٹھیک وہی نقطہ نظر جو آج بھی یورپ زادوں اور یورپ زدوں کا ہو گیا ہے۔ مذہب کے ان پہلوؤں سے انہیں بحث ہی نہیں کہ اس میں ذات و صفات باری کا ذکر کتنا اعلیٰ اور مفصل ہے۔ نجات کی کیسی کیسی تشفی بخش صورتیں اس نے بتائی ہیں۔ غرض یہ کہ دائمی راحت [illegible]

تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ لا اَنْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى

رحمت کی جائے، ۲۴۵ (اور اس لئے بھی) کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگتے کہ کتاب تو بس ان دو

طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ

گروہوں پر اتاری گئی جو ہم سے پہلے تھے، اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے

لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ لا اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ

نرے بے خبر ہی رہے ۲۴۶ یا یوں کہنے لگتے کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوئی ہوتی

لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ

تو ہم ان سے بھی بڑھ کر راہ پر ہوتے سو اب تو آ چکی تمہارے پاس تمہارے پروردگار

رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ

کی طرف سے ایک روشن دلیل ۲۴۷ اور ہدایت ہے اور رحمت ہے، سو اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ کی

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ

نشانیوں کو جھٹلائے اور اس سے (دوسروں کو) روکے ہم ابھی برے عذاب کے ساتھ ان لوگوں کو سزا دیں گے

يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا

جو (دوسروں کو) روکتے ہیں بہ سبب ان کے (اس) روکنے کے

يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

۲۴۸ یہ لوگ (گویا) صرف اس کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں

اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِىْ

یا آپ کا پروردگار خود آئے یا آپ کے پروردگار کی کوئی بڑی نشانی آجائے ۲۴۹ (حالانکہ) جس روز آپ کے

بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ

پروردگار کی کوئی بڑی نشانی آ پہنچے گی کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو پہلے سے

اس کے ختم ہونے پر نبی و نبوت کا مضمون شروع ہوتا ہے۔ ثُمَّ۔ اسی اظہار کے لیے ہے (تھانوی علیہ) یہ بھی کہا گیا ہے کہ ثم کے بعد قل محذوف ہے اور ثم کا عطف سابق کے قل تعالوا پر ہے۔ قيل عطف على قل و فيه حذف اى قل تعالوا ثم قل اٰتينا موسٰى (روح) معناه ثم قل اٰتينا موسٰى لانه عطف على قل تعالوا (جصاص) ثم لترتيب الاخبار لا لتراخى الزمان (کمالین) ثُمَّ۔ جب جملہ پر آتا ہے تو واو عطف کے معنی بھی دیتا ہے۔ اور یہ معنی بھی یہاں جائز قرار دیئے گئے ہیں۔ ثم مع الجملة تاتى بمعنى الواو (مدارک) مُوْسَى الْكِتٰبَ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب کا ذکر خاص طور پر شاید اس مناسبت سے ہو کہ ان کے نام اور شہرت سے اختلاط یہود کے باعث، مشرکین عرب خوب واقف تھے، اور بنی اسمٰعیل بنی اسرائیل کے چچازاد بھائی بھی تھے۔ الَّذِىْٓ۔ بطور اسم جنس آیا ہے اس لیے جمع کے معنی دیتا ہے۔ يريد جنس المحسنين (مدارک) تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ۔ یعنی صحیفہ موسوی میں محض اجمالاً کچھ اصول وقواعد نہیں بتادیئے گئے تھے، بلکہ احکام کی ضروری تفصیل بھی کردی گئی تھی۔ اى بيانًا مفصلًا لكل ما يحتاج اليه فى الدين (روح) بيانًا مفصلًا لكل ما يحتاجون اليه فى دينهم (مدارک) هُدًى۔ یعنی وہ باعث ہدایت ہوا اپنے مخاطبین کے لیے۔ رَحْمَةً۔ یعنی وہ ذریعہ رحمت ہوا اپنے ماننے والوں کے حق میں۔ ۲۴۵ فَاتَّبِعُوْهُ۔ اتباع کے تحت میں عقائد، اعمال سب کا اتباع حسب مراتب آگیا۔ هو امر باتباع الكتاب على حسب ما تضمنه من فرض او نفل اواباحة و اعتقاد كل منه على مقتضاه (جصاص) وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ۔ یعنی یہی قرآن جس کی برکتیں قیامت تک منقطع ہونے والی نہیں اور برکت کے تحت میں خیر دینی وخیر دنیوی دونوں آگئیں۔ اى كثير الخير دينا و دنيا (روح) اى القراٰن كثير الخير (مدارک) ۲۴۶ خطاب اب مشرکین عرب سے ہے۔ والخطاب متوجه الى كفار قريش باثبات الحجة عليهم (بحر) اَنْ تَقُوْلُوْٓا۔ یعنی قیامت کے دن کہیں بہ طور عذر وجواب یہ نہ کہنے لگتے۔ اَنْ، لئلا ۔ کے معنی میں ہے۔ قال الكوفيون لئلا تقولوا و قال البصريون انزلناه كراهية ان تقولوا (قرطبی) اى ل ان لا (جلالین) طَآئِفَتَيْنِ۔ یعنی گروہ یہود و نصاریٰ۔ تابعین وصحابہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ قال ابن عباس والحسن و مجاهد و قتاده والسدى و ابن جريج ارادبهما اليهود والنصارٰى (جصاص) والكتاب هنا جنس والطائفتان هما اهل التورٰية والانجيل اليهود والنصارٰى بلا خلاف (بحر) حنفیہ نے لفظ طَآئِفَتَيْنِ سے یہ استنباط کیا ہے کہ اہل کتاب یہی دو گروہ ہوئے ہیں۔ ورنہ اگر مجوسی بھی اہل کتاب ہوتے تو بجائے تثنیہ کے جمع کا صیغہ ہوتا۔ و فى ذٰلك دليل على ان اهل الكتاب هم اليهود والنصارٰى و ان المجوس ليسوا اهل الكتب لانهم لوكانوا اهل كتاب لكانوا ثلاث طوائف (جصاص) هذا دليل على ان المجوس ليسوا باهل الكتاب (مدارک) اور اس پر یہ شبہ ضعیف ہے کہ یہ تو قول مشرکین کا نقل ہوا ہے۔ قرآن مجید میں کسی کا بھی قول بلا تردید نقل ہونا بجائے خود ایک وزن رکھتا ہے۔ دِرَاسَتِهِمْ۔ ضمیر بجائے تثنیہ کے جمع کی اس لیے لائی گئی ہے کہ ہر طائفہ خود حکم جمع میں ہے۔ و لم يقل عن دراستهما لان كل طائفة جماعة (قرطبی) واعاد الضمير جمعًا لان كل طائفة منهم جمعٌ (بحر) ۲۴۷ یعنی یہی معجزہ کتاب خود تمہاری زبان میں جو اپنے دعووں پر دلیل روشن ہے۔ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ۔ ضمیر هم قوموں کے مومنین کی جانب ہے یعنی ہم تو ان سے بھی بڑھ کر راہ حق پر ہوتے۔ عربوں کو دعویٰ اپنی ذہانت وشرافت طبع کا تھا۔ یہ قول اسی سے ناشی ہوا ہے۔ لحدة اذهاننا و ثقابة افهامنا و غزارة حفظنا لايام العرب و وقائعها و خطبها و اشعارها واسجاعها و امثالها على انا اُمّيون (کشاف) فَقَدْ جَآءَكُمْ۔ سو کتاب تو اپنے تمام اعجازی خصوصیات کے ساتھ آگئی اور اس نے تمہاری حجت تمام تر قطع کردی۔ اَوْ تَقُوْلُوْا۔ یہ آیت سابق کے ان تقولوا پر عطف ہے۔ عطف على ان تقولوا (قرطبی) ۲۴۸ یہاں گویا یہ بتلا دیا کہ نفس سزا تو تکذیب پر بھی انہیں ملتی۔ اب دوسروں کو روکنے کے باعث یہ سزا کہیں زیادہ بڑھ کر رہی۔ ۲۴۹ منکرین کی نفسیات کا بیان ہو رہا ہے۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ۔ هل یہاں ما کے معنی میں ہے۔ اى ما ينظرون (بیضاوی) هل استفهام معناه النفى (کبیر) فقرہ بہ طور تعریض کے ہے۔ یعنی یہ لوگ جو اتنے وضوح حق کے بعد بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے، اور ایمان لانے کی کوئی فکر واہتمام نہیں کرتے تو ان کی بے فکری سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ قیامت کے انتظار میں ہیں۔ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ فرشتوں کے ورود کے انتظار میں ہیں، جیسا کہ وہ موت کے وقت اور قیامت کے دن ہوگا۔ يَاْتِىَ رَبُّكَ۔ پروردگار کا ان کا آمنا سامنا ہو جائے۔ جیسا کہ قیامت میں حساب کے وقت واقع ہوگا۔ مشرکانہ اور جاہلی عقیدہ کے مطابق یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں رب اکبر کے ظاہر ظہور آجانے کے منتظر ہیں۔ اتیان رب کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اہل سنت کے عقیدہ میں حق تعالیٰ کے حق میں فعل "آنا" کا اطلاق بالکل جائز ہے۔ اگرچہ اس کے آنے کی کیفیت نامعلوم ہے اور اس کی آمد جسمانی حرکت وانتقال سے بری ومنزہ ہے۔ ليس مجيئه تعالى حركةً ولا انتقالًا ولا زوالًا لان ذٰلك انما يكون اذا كان الجائى جسمًا او جوهرًا والذى عليه جمهور ائمة اهل السنة انهم يقولون يجئ و ينزل و ياتى ولا يكيفون (قرطبی) يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ۔ یعنی کوئی عظیم الشان نشانی آجائے۔ جیسا کہ قیامت کے قرب میں یقیناً آئے گی۔ مشرکانہ اور جاہلی نقطہ خیال کے مطابق یہ لوگ گویا ایسے عظیم الشان اور مجبور کن معجزہ کے منتظر ہیں، حالانکہ مجبور کن معجزہ کے بعد تو ایمان بالغیب رہتا ہی نہیں۔ شہود کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔ آیت کا ایک حل، بے تکلف مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ

اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ

ایمان نہ لا چکا ہو یا اپنے ایمان کے ذریعہ سے اس نے کوئی نیکی نہ کر لی ہو ف۲۵۰ آپ کہہ دیجئے

انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ

کہ تم انتظار کیے جاؤ ہم (بھی) منتظر ہیں ف۲۵۱ بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا

وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ

اور گروہ گروہ بن گئے آپ پر اُن کی کچھ بھی (ذمہ داری) نہیں، ان کا معاملہ بس

اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ

اللہ ہی کے حوالہ ہے ف۲۵۲ پھر وہی انہیں جتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں ف۲۵۳ جو کوئی

جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ

نیکی لے کر آئے گا اُس کو اس کے مثل دس (نیکیاں) ملیں گی ف۲۵۴ اور جو کوئی

بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

بدی لے کر آئے گا اس کو بس اُس کے برابر ہی بدلہ ملے گا ف۲۵۵ اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا ف۲۵۶

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے پروردگار نے ایک سیدھا راستہ بتا دیا ہے، ایک

قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ

دین مستحکم، طریقہ ابراہیم راست رَو کا اور وہ مشرکین میں سے

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ

نہ تھے ف۲۵۷ آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری (ساری) عبادتیں اور میری زندگی

وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ

اور میری موت (سب) جہانوں کے پروردگار اللہ ہی کے لئے ہیں ف۲۵۸ (کوئی) اس کا شریک نہیں اور مجھے اسی

منکرین تو بس اس وقت کے منتظر معلوم ہوتے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے کو آجائیں یا عذاب الٰہی ان پر نازل ہو رہے۔ یاتی ربک ای امرہ بمعنی عذابہ (جلالین) یا قیامت کی ہولناک نشانیوں کا ظہور شروع ہو جائے۔ یَاْتِیَ رَبُّكَ۔ کو متعدد اہل تفسیر نے یاتی امر ربک کے معنی میں لیا ہے۔ ف۲۵۰ اس لیے کہ نزع وسکرات کے وقت جب عالم برزخ کا یا خود احوال قیامت سے مشاہدہ عالم غیب کا شروع ہو گیا۔ تو ایمانِ اختیاری اب باقی ہی کہاں رہا۔ ایمانِ اضطراری کا نام ایمان نہیں۔ اَوْ كَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِهَا خَیْرًا۔ یعنی ایمان گو پہلے سے بھی رکھتا ہو۔ لیکن ایمان کی برکت سے ذرا بھی نفع نہ حاصل کیا ہو۔ بلکہ سرتاسر نادانیوں اور خباثتوں میں مبتلا رہا ہو۔ اور آج سے توبہ کر کے کوئی نیک عمل شروع کرنا چاہے تو اب مقدمات قیامت شروع ہو جانے کے بعد توبہ بھی نہ قبول ہو گی۔ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ۔ مراد ہیں قرب قیامت کی نشانیاں۔ مثلاً آفتاب مغرب سے طلوع ہونا۔ مغرب سے طلوع آفتاب کو ہیئت وفلکیات کے کسی قاعدہ کے ماتحت محال قرار دینا بجائے خود ایک جہالت ہے۔ ہیئت وفلکیات کے تو جتنے بھی قوانین ہیں۔ سب موجودہ نظام تکوینی ہی کے ماتحت ہیں۔ لیکن جب خود یہ نظام ہی شکست ہو جائے گا تو اس کے کسی مخصوص جزئیہ کے باقی رہ جانے پر اصرار سراسر بے معنی ہے۔ ف۲۵۱ (تم خود ہی دیکھ لوگے کہ نجات کے نصیب ہوتی ہے، تم منکروں کو یا ہم مومنوں کو) قُلْ۔ یعنی اے پیغمبر آپ جماعت مومنین کی طرف سے کہہ دیجئے۔ انْتَظِرُوْا۔ یہ بہ طور آخری تہدید کے ہے جیسا کہ ایسے موقع پر ہر زبان کے محاورہ میں عام وشائع ہے، یہ مراد نہیں کہ پیغمبر انہیں انتظار کی دعوت دے رہے ہیں:۔ ف۲۵۲ (کہ وہی خوب سب کو دیکھ بھال رہا ہے) اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ۔ یعنی دین حق کو بتمامہ قبول نہ کیا خواہ سب کو چھوڑ دیا۔ خواہ اس کے بعض حصوں کو۔ دِیْنَهُمْ۔ مراد وہ دین ہے جس کے وہ مکلف تھے۔ اما دینهم فقد قیل الذی امرهم الله به وجعله دیناً لهم (جصاص) وَكَانُوْا شِیَعًا۔ یعنی کفر وشرک یا بدعت کے طریقوں کو اختیار کر کر کے ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ اس کا مصداق کون گروہ ہوا ہے؟ عموماً مراد یہود ونصاریٰ سے لی گئی ہے۔ من الیهود والنصاری (ابن جریر، عن قتادۃ) هؤلاء الیهود والنصاری (ابن جریر، عن السدی) یعنی الیهود والنصاری (ابن جریر۔ عن الضحاک) مشرکین بھی مراد لیے گئے ہیں:۔ یرید المشرکین (کبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال الحسن هو جمیع المشرکین (قرطبی) اس اُمت کے اہل بدعت واہل ضلالت سے بھی مراد لی گئی ہے۔ هم اهل البدع و اهل الشبهات و اهل الضلالة من هذه الامة (ابن جریر۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ) هم اهل البدع والشبهات (ابن جریر عن مجاہد) انما هم اصحاب البدع و اصحاب الاهواء واصحاب الضلالة من هذه الامة (قرطبی۔ عن عمر رضی اللہ عنہ) الفاظ قرآنی میں گنجائش یقیناً سب تفسیروں کی ہے۔ لیکن اگر قرائن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف معاصرین پیش نظر رکھے جائیں تو اس تعارف کے مصداق سب سے بڑھ کر مسیحی ہی نکلیں گے اور ان کے اندر فرقوں اور گروہوں کی تقسیم اور تقسیم کے اندر تقسیم سب سے بڑھی چڑھی ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وحدت کلمہ کے قائم وبرقرار رکھنے کی اسلام میں کس قدر تاکید ہے اور اُمت کا تفرق وتشتت حق تعالیٰ کو کس درجہ مبغوض ہے۔ اعلم ان المراد من الآیة الحث علی ان تکون کلمة المسلمین واحدة و ان لا یتفرقوا فی الدین (کبیر) هو تحذیر من تفرق الکلمة و دعاء الی الاجتماع والالفة علی الدین (جصاص) ف۲۵۳ (اور یہ جتلا دینا قیامت میں ہو گا) "چونکہ لفظ فَرَّقُوْا۔ سب کو شامل ہو سکتا ہے، اس لیے عام مراد لینا انسب ہے البتہ مراتب وعید کے متفاوت ہوں گے۔ یعنی کفار کو عذاب تخلد ہو گا اور مبتدعین کو بہ وجہ وجود ایمان کے بعد سزائے عقائد فاسدہ کے نجات ہو گی" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۲۵۴ یعنی ہر نیکی پر دس گنا اجر ملے گا۔ گویا اس نے وہ نیکی دس بار کی ہے۔ اور یہ تو مرتبہ اقل میں ہے، ورنہ بعض نیکیوں پر تو اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر اجر دوسرے نصوص سے ثابت ہے...... یہ نمونہ ہے فضل خداوندی کا! صوفیہ صافیہ نے یہاں سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے، کہ جب ہر نیکی پر اجر کم از کم دس گنا موجود ہے اور یہ مُسلّم ہے کہ محبت الٰہی اور شوق لقاء خداوندی سے بڑھ کر کوئی دوسری نیکی نہیں تو جن بندوں نے اپنے کو لقاء حق کا منتظر ومشتاق بنا رکھا ہے، انہیں یقین رکھنا چاہیے کہ محبوب بے نیاز تو خود اُن کی لقاء کا مشتاق ان سے کم از کم دس گنا ہو گا۔ ف۲۵۵ یعنی سزا اس سے زیادہ نہ ملے گی ...... یہ نمونہ ہے عدل خداوندی کا! ف۲۵۶ (انسانی معیار سے ہی) مثلاً یہ کہ کوئی نیکی درج ہونے سے رہ جائے یا کوئی بدی زیادہ لکھ لی جائے۔ ف۲۵۷ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید پرستی پر حاشیے سورۂ بقرع ۱۵ (پ) میں اور اور مقامات پر گزر چکے۔ ف۲۵۸ آیت لب لباب ہے سارے دین اسلام کا، اور عطر یا مغز کل ملت ابراہیمی کا۔ صلوۃ۔ یعنی نماز اور نسک یعنی عام عبادتوں کا تعلق نظام تشریعیات سے اور محیا یعنی زندگی اور ممات یعنی موت کا تعلق نظام تکوینیات سے ہونا بالکل ظاہر ہے تو گویا اقرار اس کا ہو رہا ہے کہ الوہیت میں بھی وہی رب برحق منفرد ہے اور ربوبیت میں بھی وہی۔ نسک سے یہاں مراد جمیع عبادات ہیں۔ قال قوم النسک فی هذه الآیة جمیع اعمال الطاعات (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت توحید کامل کی تعلیم پر دال ہے۔ یعنی جمیع حالاتِ تشریعی وتکوینی میں تسلیم وتفویض عمل واطاعت سے بھی اور رضا بالقضاء سے بھی۔

أُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْ

کا حکم ملا ہے، اور میں مسلموں میں سب سے پہلا ہوں و۲۵۹ آپ کہیے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی کو بہ طور پروردگار تلاش

رَبًّا وَّ ھُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ ؕ وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا

کروں درآنحالیکہ وہی پروردگار ہے ہر چیز کا و۲۶۰ اور جو شخص کچھ بھی حاصل کرتا ہے

عَلَیْھَا ۚ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ

وہ اُسی پر رہتا ہے اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا پھر تم (سب) کی واپسی

مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَ ھُوَ

تمہارے پروردگار (ہی) کے پاس ہے سو وہی تم کو جتلائے گا جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے و۲۶۱ اور وہ وہی

الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ

ہے جس نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا اور تم میں سے ایک کے رُتبے دوسرے پر

بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

بلند کیے تا کہ تمہیں ان چیزوں میں آزمائے جو اس نے تم کو دے رکھی ہیں و۲۶۲ بیشک آپ کا پروردگار

سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖؗ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾ ع

بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے و۲۶۳

اٰیاتھا ۲۰۶ ۷ سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ ۳۹ رکوعاتھا ۲۴

اس میں ۲۰۶ آیات سورۂ اعراف مکی ہے اور ۲۴ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ فَلَا یَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ

الف۔لام۔میم۔صاد و۱ (یہ) ایک کتاب ہے آپ پر نازل کی گئی کہ آپ اس کے ذریعہ سے (لوگوں کو)

۲۵۹ یعنی اپنی اس دعوت پر خود ہی سب سے پہلا ایمان لانے والا، اسلام میں نبی کی حیثیت محض ایک پیشین گو یا مخبر کی یا زیادہ سے زیادہ محض ایک داعی کی نہیں، جیسا کہ بعض باطل مذاہب نے فرض کر
لھا ہے بلکہ سب سے پہلے خود ایک صاحب عمل انسان کی ہے جو دوسروں کے
لیے مثال اور نمونہ کا کام دے سکے۔ لَا شَرِیْكَ لَهٗ۔ یعنی اس کا کوئی شریک
ہیں۔ نہ ذات میں نہ صفات میں نہ بہ حیثیت اقنوم نہ بہ حیثیت مظہر، نہ اور کسی
حیثیت سے۔ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ۔ مجھے اس کا حکم ملا ہے بہ حیثیت فرد بھی اور بہ
حیثیت نبی بھی۔ یعنی اس دین کو میں خود بھی اختیار کروں اور اسی کی دعوت بھی
دوسروں کو دوں و۲۶۰ یعنی اس کی ربوبیت جزوی اور ناقص نہیں جیسا کہ
شرکوں اور یونان وغیرہ کے جاہل فلسفیوں نے خیال کیا ہے۔ کوئی صفت
کائنات، کوئی شعبۂ موجودات اس کی ربوبیت سے خارج نہیں۔ قُلْ۔ یعنی
آپ ان منکرین توحید اور اہل باطل کے سامنے یہ دعوٰی پیش کیجیے۔ و۲۶۱ (اور
اسی کے مطابق جزاء و سزا ہوگی) علم بھی اُسی کا کامل ہے اور قدرت و حکومت بھی
اسی کی کامل۔ تَكْسِبُ۔ جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے بہ طور گناہ یا ثواب کے۔ وَ
لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ چنانچہ مسیحیوں کا عقیدۂ کفارہ تمام تر مہمل و باطل
ہے۔ اسی طرح ان کا یہ عقیدہ بھی کہ آدم علیہ السلام کی معصیت کی سزا نسلاً بعد نسلٍ
ساری اولادِ آدم علیہ السلام کو ملتی رہے گی۔ یا مشرکوں کا یہ عقیدہ کہ خدا جس کی بجائے
جس کو چاہے سزا دے دے۔ اخبار بان اللہ تعالٰی لا یؤاخذ احدًا بذنب
غیرہ و انه لا یعذب الابناء بذنب الاباء (جصاص) ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ
مَّرْجِعُكُمْ۔ سب کی آخری واپسی پروردگار عالم ہی کے حضور میں ہوگی نہ کہ کسی
"ابن اللہ" وغیرہ کے پاس۔ و۲۶۲ (کہ کون ان نعمتوں کا حق کہاں تک ادا
کرتا ہے اور اس آزمائش کے بعد رُوحانی اور حقیقی مرتبہ متعین کرے)
جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ۔ خطاب پوری نسل آدم کو ہے۔ خلافت کی دولت
ادنٰی و اعلٰی ہر ہر انسان کو عطا ہوئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عالم انسانی کی کثیر آبادی
نے اپنے کو نااہل خلافت الٰہی کا ثابت کیا ہو۔ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ۔
یہاں مراد طبعی اور تکوینی فرق مراتب سے ہے، کوئی تندرست ہے کوئی بیمار، کوئی
قوی کوئی کمزور، کوئی حاکم کوئی محکوم، کوئی مرد کوئی عورت، کوئی زردار، کوئی نادار۔
فی الخلق والرزق والقوة والبسطة والفضل والعلم (قرطبی)
لِّیَبْلُوَكُمْ۔ یہ آزمائش ایک کی دوسرے کے ذریعہ سے ہوتی رہتی ہے۔ ای
بعضکم ببعض (قرطبی) و۲۶۳ یہاں تین صفتیں بیان ہوئی ہیں۔ اور تینوں
کا تعلق تین مختلف طبقات سے ہے۔ سَرِیْعُ الْعِقَابِ۔ بہت جلد سزا کو پہنچا
دینے والا وہ مجرموں اور نافرمانوں کے حق میں ہے۔ غَفُوْرٌ۔ غفور وہ ان
کے لیے ہے جو نافرمانی سے فرمانبرداری کی طرف واپس آجائیں۔ رَّحِیْمٌ۔
ان کی رحمتِ کاملہ فرمانبرداروں کے حق میں ہے۔ سورۂ اعراف و۱
حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا) یہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان حروف کے دو معنی منقول ہیں۔ ایک انّ اللہ افضل۔ دوسرے ان اللہ اعلم و افضل (کبیر)

حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

ڈرائیں۔ سو آپ کے دل میں اس سے (بالکل) تنگی نہ ہو، اور (یہ) نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے ف۲

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ

پیروی اس کی کرو جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر (دوسرے) رفیقوں

دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَ كَمْ مِّنْ

کی پیروی مت کرو ف۳ کم ہی تم لوگ نصیحت قبول کرتے ہو ف۴ اور کتنی ہی

قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ

بستیاں ہیں کہ ہم نے انہیں تباہ کر دیا۔ اور ان پر ہمارا عذاب رات کو پہنچا یا وہ

قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ

دوپہر کو آرام میں تھے ف۵ پس وہ کچھ نہ بول سکے جب اُن پر ہمارا عذاب

بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ فَلَنَسْئَلَنَّ

پہنچا ہاں بولے تو یہ بولے کہ بیشک ہم ہی ظالم (و خطاوار) تھے ف۶ سو ہم اُن لوگوں سے

الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾

بھی ضرور پوچھیں گے جن کے پاس (پیغمبر) بھیجے گئے تھے، اور پیمبروں سے (بھی) ہم ضرور پوچھیں گے ف۷

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّ مَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾

پھر ہم ان کے رُوبرو (سب) بیان کر دیں گے علم کے ساتھ اور ہم کہیں غائب تو تھے نہیں ف۸

وَ الْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ

اور اس روز وزن (ہونا) برحق ہے ف۹ جس کسی کا وزن بھاری ہو گا

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸﴾ وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ

وہی لوگ (پورے) کامیاب ہوں گے اور جس کا وزن ہلکا ہو گا

ف۲ یعنی اس کی نصیحتوں سے تو نفع اہل ایمان ہی اٹھائیں گے۔ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ۔ یعنی یہ خیال کر کے اپنا دل نہ کڑھائیے کہ بہت سے لوگ اس سے انکار و تکذیب کے بھی مرتکب ہوں گے۔ ای لا یضیق صدرک الا یومنوا به (قرطبی) لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ انذار، کافروں کے لیے ہے اور ذِكْرٰى مومنین کے حق میں۔ الانذار للکافرین و ذکری للمومنین لانهم المنتفعون به (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آیت میں شیخ کے لیے اشارہ ہے کہ مخاطب اگر اس کی بات نہ قبول کرے تو شیخ نہ تو بالکل ہی مستغنی رہے اور نہ زیادہ فکر و تردد میں پڑے۔ ف۳ یہ رفیق وہی ہیں جنہیں دوسری جگہ قرآن میں شیاطین الجن والانس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ای یضلونکم من الجن والانس (بیضاوی) اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی جو کچھ تمہارے اُوپر تمہارے پیمبر کے واسطے سے نازل ہوا ہے۔ ابھی انزل الیک میں خطاب پیمبر سے براہ راست تھا، اب خطاب مومنین سے ہے، جن کا ذکر ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ کے تحت میں ابھی آچکا ہے۔ اور اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ سے مراد نزول بواسطہ پیمبر ہے۔ دونوں طرز تعبیر اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ۔ کے عموم میں محققین نے قرآن کے ساتھ سنت کو بھی شامل کیا ہے کہ وہ بھی وحی خفی کی ایک صورت ہے، یعنی الکتاب والسنة (قرطبی) یتناول الکتاب والسنة (کبیر) ای القرأن والسنة (مدارک) لیکن خود خبر واحد کے قبول کا معیار یہی ہے کہ وہ کسی نص قرآنی کے مخالف نہ ہو اور حنفیہ نے اس پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ دلیل علٰی وجوب اتباع القرأن فی کل حال وانه غیر جائز الاعتراض علٰی حکمه باخبار الأحاد لان الامر باتباعه قدثبت بنص التنزیل و قبول خبرواحد غیر ثابت بنص التنزیل وهذا یدل علٰی صحة قول اصحابنا فی ان قول من خالف القرأن فی اخبار الاحاد غیر مقبول (جصاص) مِنْ دُوْنِهٖ۔ میں ضمیر ربکم کی طرف ہے یعنی اللہ کے ساتھ ساتھ دوسروں کو اپنا مطاع مت قرار دو۔ والهاء تعود علی الرب سبحانه والمعنٰی لا تعبدوا معه غیره (قرطبی) ای من دون الله (مدارک) آیت سے صاف ظاہر ہے کہ نص کے ہوتے ہوئے رائے کی پیروی ممنوع ہے۔ و دلت الأیة علٰی ترک اتباع الأراء مع وجود النص (قرطبی) ف۴ چنانچہ گمراہی اور گمراہوں دونوں کی کثرت ظاہر ہے۔ مَا تَذَكَّرُوْنَ۔ میں ما زایده قلت تذکر کی تاکید کے لیے ہے۔ اصل ترکیب کلام یوں ہے۔ تذکرون تذکرًا قلیلًا۔ ما مزیدة لتوکید القلة (کشاف، بیضاوی) ف۵ یعنی عموماً ایسے وقت جب وہ غفلت اور بے فکری میں پڑے تھے ان دونوں وقتوں کی تصریح اس لیے کی گئی کہ یہی دو وقت عموماً غفلت و بے فکری کے ہوتے ہیں۔ نص هٰذان الوقتان لانهما وقتا الغفلة (مدارک) معنی الأیة انهم جاء هم بأسناوهم غیر متوقعین له اما لیلًا و هم نائمون اونهارًا و هم قائلون والمقصود انهم جاء هم العذاب علٰی حین غفلة منهم (کبیر) اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ۔ قائل قیلولہ کرنے والے کے معنٰی میں ہے۔ اور قیلولہ کہتے ہیں دوپہر میں آرام کرنے کو۔ یعنی القائلة وهی القیلولة و هی نوم نصف النهار و قیل الاستراحة نصف النهار اذا اشتدالحر و ان لم یکن معها نوم (قرطبی) قال اللیث القیلولة نومة نصف النهار و قال الازهری القیلولة عند العرب الاستراحة نصف النهار اذا اشتد الحروان لم یکن مع ذٰلک نومٌ (کبیر) ف۶ دنیا میں بھی جب کوئی قوم ادبار و تباہی کے عذاب میں مبتلا ہو لیتی ہے تو بعد کو اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کا اقرار ہی کرتے اُسے بنتا ہے، اور پھر اسباب پر بحث شروع ہوتی ہے۔ ف۷ ان اُمتوں سے تو یہ کہ تم نے انبیاء کی دعوت کہاں تک قبول کی؟ اور پیمبروں سے یہ کہ تمہاری دعوت کہاں تک قبول کی گئی؟ ف۸ اس میں اثبات ہے حق تعالٰی کے علم کامل و علم صادق کا۔ ابھی اُوپر حشر میں سوالات کا ذکر ہے۔ اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ پوچھ پاچھ کچھ اس لیے تو ہو گی نہیں کہ (نعوذ باللہ) ہم کچھ ناواقف تھے۔ علم و تحقیق کا مصدر و مخزن تو خود ہماری ذات ہے...... ہر کیفیت ہم پر خود آئینہ ہے۔ پورے پورے حالات تحقیق کے ساتھ تو ہم خود ہی بیان کر دیں گے اور کیوں نہ بیان کریں۔ کیا ہم کہیں کچھ دیر کے لیے چلے گئے یا غائب ہو گئے تھے؟ ہمہ وقت تو ہم خود ہی حاضر و موجود رہے ہیں...... اس میں رد آ گیا اُن احمق جاہلی فلسفیوں کا جو سمجھتے تھے کہ حق تعالٰی کو جزئیات کا علم نہیں، ف۹ الفاظ میں "وزن" ہونا رائے میں "وزن" ہونا، معانی میں "وزن" ہونا یہ تو ہم لوگ گفتگو میں روزمرہ بولتے اور مجازی حیثیت سے برابر تسلیم ہی کرتے ہیں یوم حشر کشف حقائق کا دن ہو گا، ہر مجاز عین حقیقت بن جائے گا۔ "وزن" کے لیے جسمیت کی شرط تو مخصوص اس عالم ناسوت کے ساتھ ہے۔ اُس عالم میں تو مجردات بھی محسوسات کے لباس میں ملبوس ہوں گے...... اَلْوَزْنُ کے مجازی معنی یہی کیے گئے ہیں۔ لیکن اکابر اہل سنت کے یہاں بلاضرورت ظاہر کو چھوڑ کر مجاز ماننا درست نہیں۔ وقد اجمعت الامة فی الصدر الاول علی الاخذ بهٰذه الظواهر من غیر تاویل و اذا اجمعوا علی منع التاویل وجب الاخذ بالظاهر و صارت هٰذه الظواهر نصوصًا (قرطبی) يَوْمَئِذٍ۔ سے مراد قیامت کا دن ہونا ظاہر ہی ہے۔ وہ دن تو کشف حقائق کا ہو گا، کیا یہ ممکن نہیں کہ اعمال میں وزن تو آج بھی ہو، لیکن آج ہمارے قُویٰ کے لیے غیر مدرک ہو، اور اُس روز جب ہمارا ادراک خود ہی سو گنا اور ہزار گنا بڑھ چکے گا، اعمال کی یہ کیفیت بھی ہمارے علم و شعور میں آنے لگے...... بارکلے برطانیہ کے مشہور فلسفی نے ثابت کیا ہے کہ مادّہ کے جتنے بھی اعراض تسلیم کیے گئے ہیں، ان کی اصل تو ان کی محسوسیت ہی ہے۔ اگر وہ سرے سے کسی کو محسوس ہی نہ ہوں تو ان کے وجود ہی کے کوئی معنی نہیں۔ اعمال کی صفت وزن آج ہمارے موجودہ قُویٰ کے لیے غیر محسوس ہے، کل ہمارے ترقی یافتہ قُویٰ کے لیے محسوس و مدرک ہو جائے گی۔ اَلْوَزْنُ۔ عقائد و اعمال کا وزن مراد ہے، اور یہ معنی صحابہ و تابعین سے مروی ہے۔ صحائف اعمال کا وزن بھی مراد

لیا گیا ہے۔ ای وزن الاعمال (مدارک) و الجمھور علی ان صحائف الاعمال توزن بمیزان (بیضاوی) والمراد بالوزن اعمال العباد بالمیزان (قرطبی) والذی یوضع فی المیزان یوم القیمۃ قبل الاعمال و ان کانت اعراضا الا ان اللہ تعالیٰ یقلبھا یوم القیامۃ اجساماً (ابن کثیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں حدیث رسول ﷺ کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ مفسرین کا عام مذہب اس باب میں وزن صحائف اعمال کا ہے۔ سئل رسول اللہ ﷺ عما یوزن یوم القیامۃ فقال الصحف وھذا القول مذھب عامۃ المفسرین فی ھذہ الأیۃ (کبیر) ف۱۰ دین حق کو نہ قبول کرنا اور نظامِ خداوندی سے انکار و بغاوت کیے جانا یہی آیاتِ الٰہی کے حق میں ظلم و بے انصافی کرنا ہے۔ اصل زندگی اصل جان، اصل حسن، اصل وزن، صرف طاعتوں یا نیکیوں میں ہے۔ جو یہاں سے کہیں بڑھ کر وہاں نمایاں ہوگا۔ اور ہر معصیت و بدی کی زندگی عارضی و نمائشی ہے۔ ان کا کھوکھلا پن بھی حشر ہی میں جو کشف حقائق کا مقام ہے خوب نمایاں ہوگا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان دونوں آیتوں کے ملانے سے دنیا میں لوگوں کے ساتھ معاملت کرنے کا ایک دستور العمل ہاتھ آجاتا ہے۔ جن لوگوں کی غالب حالت صلاح کی ہو۔ انہیں صالح ہی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ ان میں خفیف جزء نقص کا بھی ہو۔ البتہ خود ایسے شخص پر واجب ہوگا کہ اپنے نفس کی اصلاح کرے۔ ف۱۱ (اے انسانو!) خطاب عام عالم انسانی کو ہے۔ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۔ گرفت کے قابل اور اصل جرم یہ عدم شکرگزاری یا برائے نام شکرگزاری ہے۔ اور ادائے شکر

فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا

سو وہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے (خود) اپنے کو نقصان میں کر رکھا ہے بہ سبب اس کے کہ

بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ

ہماری نشانیوں کے ساتھ ناانصافی کرتے تھے ف۱۰ اور بالیقین ہم نے تمہیں زمین پر رہنے کو جگہ دی

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾

اور ہم نے تمہارے لئے اس میں سامان زندگی پیدا کیا، بہت ہی کم تم لوگ شکر کرتے ہو ف۱۱

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اور ہم ہی نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی ف۱۲ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ڰ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ

آدم کے روبرو جھکو، سو (سب) جھکے بجز ابلیس کے وہ سجدہ

مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ

کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا ف۱۳ (اللہ نے) فرمایا تجھے کیا مانع ہوا اس سے کہ تو سجدہ کرے،

اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ

جب میں تجھے حکم دے چکا ف۱۴ بولا میں اس سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے

نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا

پیدا کیا اور اسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ف۱۵ (اللہ نے) فرمایا تو تو اتر اس (جنت) سے

فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ

تو اس لائق نہیں کہ اس (جنت) میں رہ کر بڑائی کرتا رہے بس تو نکل بیشک تو

مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾

ذلیلوں میں سے ہے ف۱۶ بولا تو مجھے اس دن تک کی مہلت دے جب سب اٹھائے جائیں گے ف۱۷

ع ۱۰ / ۸

کے معنی ادائے حقوق کے ہیں یعنی جس نعمت کے برتنے کے جو حقوق شریعت الٰہی نے بتائے ہیں انہیں برتنا۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ۔ زمین پر سکھ کے ساتھ رہنے سہنے کی جگہ ملنا، سامانِ معیشت بہ افراط ملنا، خاص طور پر محرکات شکر ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں جن دو نعمتوں کا ذکر ہے۔ ان سے اول کا حاصل جاہ ہے اور دوسرے کا خلاصہ مال، تو جاہ و مال کا ذکر موقع نعمت پر آنے سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں مطلق صورت میں مذموم نہیں بلکہ قابل شکر ہیں، البتہ ان میں انہماک مذموم ہے۔ ف۱۲ یعنی پہلے تمہاری نوع کا سلسلہ قائم کرنے کو مادہ بنایا، پھر اس مادہ کو صورت بشری دی، اور آدم علیہ السلام وجود میں آگئے۔ ف۱۳ (از راہِ استکبار) قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ۔ یہ حکم جب ملائکہ کو ملا، تو جو مخلوق (مثلاً جن) ان سے ادنیٰ تھی، اس کو تو یہ حکم بدرجہ اولیٰ ملا۔ ملاحظہ ہو حواشی نمبر ۱۲۳، نمبر ۱۲۴، پ ۱۔ اُسْجُدُوْا۔ سجدہ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس نماز والے سجدہ کی ہیئت متعارف و مخصوص کے ساتھ ہو، سجود کے لفظی معنی تواضع و تذلل کے ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پ ۱ حاشیہ ۱۲۵۔ لِاٰدَمَ۔ ل یہاں الیٰ کا مرادف ہے۔ یعنی آدم علیہ السلام کی سمت میں (جیسے آج بھی کعبہ کی سمت میں ہوتا ہے) نہ کہ آدم علیہ السلام کو۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۲۵، پ ۱۔ اِبْلِيْسَ۔ ایک ناری مخلوق یعنی جن تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح کے ساتھ آیا ہے نہ کہ نوری مخلوق یا فرشتہ جیسا کہ عوام کا عقیدہ مسیحیت کے اثر سے ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۲۶، پ ۱۔ ف۱۴ ارشاد الٰہی کا کوئی اور جواب بجز تعمیل کے ممکن ہی نہیں، پھر تجھے آخر نافرمانی کی کیا سوجھی؟ کونسی چیز تجھے اس پر لائی؟ اَلَّا۔ یہاں لا نافیہ یا ناہیہ نہیں بلکہ زائدہ ہے۔ اور زائدہ اصطلاح نحو میں حشو کے مرادف نہیں بلکہ یہ لا جو مضمون بیان ہو رہا ہے اس میں اور زور و تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ زائدۃ ای لتاکید معنی النفی فی منعک (جمل) ف۱۵ (اور یہ دلیل ہے میری افضلیت کی) ابلیس کے اس دعوی اور دلیل کو منطقی شکل میں اگر مرتب کیا جائے تو مقدمات اور نتائج کی صورت حسب ذیل ہوگی:۔ (۱) آگ خاک سے افضل ہے۔ (۲) افضل غیر افضل کے آگے نہیں جھک سکتی، لہٰذا آگ خاک کے آگے نہیں جھک سکتی، میں فرع ہوں آگ کی، اور آدم علیہ السلام فرع ہیں خاک کی۔ اس لیے میں آدم علیہ السلام کے آگے نہیں جھک سکتا۔ ابلیس کو اپنی عقل و ذہانت پر بہت ناز ہے۔ لیکن یہ استدلال تو مغالطوں کی ایک پوٹ ہے۔ اول تو یہ بنیادی دعوی ہی غلط ہے کہ آگ، خاک سے افضل ہے۔ آگ اور خاک دونوں کے الگ الگ خصوصیات ہیں، کسی لحاظ سے یہ افضل کسی اعتبار سے وہ۔ پھر یہ دعوی بھی تمام تر باطل ہے کہ ہمیشہ غیر افضل ہی کو افضل کے آگے جھکنا چاہیے۔ بہت سے موقع اعلیٰ کے لیے بھی ادنیٰ کے آگے جھکنے کے ہوتے ہیں، اور پھر یہ مفروضہ تو اور بھی مہمل ہے کہ افضل کی فرع ہر حال میں غیر افضل کی فرع سے افضل ہی ہوتی ہے، ابلیس اب نافرمانی و کفر اختیار کر چکا تھا اور کافر و نافرمان کی عقل میں نورانیت کہاں، وہ تمام تر ظلمانیت سے بھر جاتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر ایسا شخص شیطان کا وارث ہے جو اپنی رائے اور رویت کو چاہے وہ کشف پر مبنی ہو یا وجدان و ذوق پر، شریعت کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے۔ ف۱۶ یعنی یہ جگہ تو خاشعین اور فرمانبرداروں کے لیے ہے۔ تجھ بڑائی ہانکنے والے کا یہاں کیا کام، تو نکل یہاں سے حقیر و خوار ہو کر۔ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ۔ فقہاء و مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ معصیت و نافرمانی میں بندہ کی ذلت ہے۔ دلّ ھذا انّ من عصٰی مولاہ فھو ذلیلٌ (قرطبی) فَاهْبِطْ مِنْهَا۔ یہ نکلنے اور نیچے اترنے کا حکم کہاں سے ہو رہا ہے؟ ہبوط آسمان سے زمین کی طرف بھی مراد ہو سکتا ہے۔ قیل من السماء الی الارض (معالم) ای من السماءِ (قرطبی) لیکن اکثر نے ضمیر ھا جنت کی جانب سمجھی ہے۔ اور قول اصح یہی ہے کہ حکم جنت سے نکل جانے کا مل رہا ہے۔ قال کثیر من المفسرین الضمیر عائد الی الجنۃ (ابن کثیر) ای من الجنۃ (معالم) قال ابن عباس یرید من الجنۃ (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کبر کی بنا پر درگاہ الٰہی سے نکالا جانا، اس کی دلیل ہے کہ کبر وصولِ حق سے مانع ہے۔ ف۱۷ مہلت کس چیز سے؟ موت اور عذاب سے۔ سال النظرۃ والامھال الی یوم البعث والحساب (قرطبی) اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ یعنی قیامت تک۔ شیطان کا صاحب کشف ہونا اسی درخواست سے ظاہر ہے۔ جانتا تھا ضرور منظور ہو جائے گی۔ باوجود عتاب شدید کے موقع کے پیش کر دی۔

و۱۸ کیا ٹھکانا ہے حق تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کا، عین انتہائی عتاب کے وقت ایسے موذی نافرمان کی درخواست قبول کر لینا بس حضرت حق ہی کا حصہ تھا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ دُعا کا قبول ہو جانا مقبولیت کی کافی دلیل نہیں دُعا تو شیطان کی بھی قبول ہو گئی لیکن شیطان بدستور مردُود رہا۔ و۱۹ (آدم علیہ السلام و ذریت آدم علیہ السلام کی رہزنی کرنے کے لیے اور انہیں راہ حق سے بے راہ کر کے رہوں گا) بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ۔ ابلیس کے دوسرے باطل اور مغالطہ پرور دعووں کی طرح یہ بھی ایک تمام تر شیطانی مغالطہ ہی ہے۔ تکوینی حیثیت سے خدا جس طرح ہر شے کا آخری سبب اور بیماری، بدکاری، زہر سب کا خالق ہے غوایت ابلیس کا بھی آخری سبب وہی ہے لیکن ابلیس نے اسے یہاں جس معنی میں استعمال کیا ہے یعنی گویا گمراہی کی ترغیب بھی اللہ ہی نے دی یا شیطان کو اس پر مجبور کیا۔ اس معنی میں یہ تمام تر حقیقت و صداقت سے معرّیٰ ہے۔ بما میں ب سببیہ ہے۔ اے بسبب اغوائک ایای (کبیر۔ مدارک) ای لاجل انک اغویتنی (معالم) لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ فعل قعد کا صلہ جب ل کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی گھات میں بیٹھ جانے کے ہوتے ہیں۔ عبّر عن الترصد للشئ عن القعود لهٗ (راغب) و۲۰ (اس لیے ان اکثر کو میں اپنی راہ پر لگا لوں گا) ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ۔ یعنی ان پر ہر طرف سے حملہ کروں گا، انہیں ہر سمت سے گھیر لوں گا۔ کوشش کا کوئی دقیقہ ان کے گمراہ کرنے میں اٹھا نہ رکھوں گا۔ باقی ان چاروں فقروں کی الگ الگ تفسیریں بھی مختلف مفسرین و حکماء اسلام سے منقول ہیں۔ مِنْۢ

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ

(اللہ نے) فرمایا بے شک تجھے مہلت دی گئی و۱۸ بولا کہ چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کر دیا ہے

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ

میں بھی لوگوں کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھ کر رہوں گا و۱۹ پھر اُن کو اُن کے سامنے

مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ

سے بھی آ لوں گا اور اُن کے پیچھے سے بھی اور اُن کے داہنے سے بھی

وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور اُن کے بائیں سے بھی اور آپ اُن میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے و۲۰

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ

(اللہ نے) فرمایا یہاں سے تو نکل ذلیل خوار ہو کر اُن میں سے جو کوئی تیری پیروی

مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰٓاٰدَمُ

کرے گا سو میں تم سب سے جہنم کو بھر کر رہوں گا و۲۱ اور اے آدم

اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ

تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور کھاؤ (پیو) جس جگہ سے چاہو اور

شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ

اس (خاص) درخت کے پاس مت جانا ورنہ تم دونوں بھی بے انصافوں میں (شامل)

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا

ہو جاؤ گے و۲۲ پھر دونوں (کے دل) میں شیطان نے وسوسہ ڈالا اس سے جو کچھ اُن کے پردہ کے بدن میں سے

مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا

اُن سے چھپایا گیا تھا وہ دونوں کے رُوبرو بے پردہ کر دیا و۲۳ اور کہنے لگا تمہارے پروردگار نے

بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سے مراد دنیا لی گئی ہے اور مِنْ خَلْفِهِمْ سے دین گویا ابلیس یہ کہہ رہا ہے کہ میں ان پر دنیا کی راہ سے بھی حملہ کروں گا اور دین کے راستے سے بھی...... حکماء اسلام نے اوّل الذکر سے مراد انسان کی قوتِ خیالی لی ہے۔ اور آخر الذکر سے قوتِ وہمی۔ عَنْ اَيْمَانِهِمْ سے مراد نیکی سے روکنا اور عَنْ شَمَآئِلِهِمْ سے مراد بدی پر جرأت دلانا لیا گیا ہے۔ گویا ابلیس یہ اعلان کر رہا ہے کہ میں انہیں نیکیوں سے روکوں گا بھی اور بدی پر آمادہ بھی کروں گا...... حکماء اسلام نے پہلے فقرہ سے مراد قوتِ شہوی لی ہے اور دوسرے سے قوتِ غضبی۔ امام رازی علیہ الرحمہ نے تفسیر کبیر میں اس قسم کے اقوال کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ۔ سے ایک نکتہ یہ ذہن میں آتا ہے کہ محض کشف اگر مقبولیت کی دلیل ہوتا تو شیطان کے مقبول ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے کشف سے قیامت تک کے لیے یہ نقشہ کھینچ دیا۔ و۲۱ (سوائے مرذود تو یہ ذرا تا دھمکاتا کسے ہے؟ تیری ان دھمکیوں سے ہوتا کیا ہے؟ ساری مخلوق میں ایک شخص بھی اگر ہماری عبادت نہ کرے تو ہمارا کیا ضرر؟) کثرت سے جاہلی اور شرکیہ مذاہب میں خود معبود کو ایک بڑی حد تک بندوں کی عبادت کا محتاج مانا گیا ہے...... قرآن مجید ضمناً ان عقائد باطل کی بھی اصلاح کرتا جاتا ہے۔ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ مکالمہ کا سارا لب و لہجہ مجوس کی ثنویت کی قطعی تردید میں ہے۔ جنہوں نے شیطان (اہرمن) کو بھی خدائی کا درجہ دے رکھا ہے۔ اور یہی گمراہی ذرا ہلکی صورت میں مسیحیت اور یہودیت میں بھی سرایت کیے ہوئے ہے۔ قرآن میں شیطان کا درجہ اللہ کے مقابلہ میں ایک مدمقابل ہمسر و حریف یا کسی چھوٹے موٹے دیوتا کا نہیں، وہ اللہ کی مخلوق ہے اور تمام تر حقیر و خوار۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ محض مکالمت و مخاطبت ہرگز مقبولیت کے مرادف نہیں۔ و۲۲ ان سب واقعات پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ رکوع ۴ (پارۂ اوّل) میں گزر چکے۔ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا۔ کھانے پینے کی یہ عام اجازت مل رہی ہے جہاں سے اور جو کچھ ان کا جی چاہے:۔ و۲۳ (اس درخت کا پھل کھلا کر) معلوم ہوتا ہے کہ اس شجر ممنوع کے پھل میں یہ تاثیر بالذات تھی۔ لِيُبْدِيَ۔ میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی ایسا عمل جس کا نتیجہ یہ ہونا تھا۔ اللام لام العاقبة (قرطبی) فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ۔ اس تصریح نے صاف کر دیا کہ معصیت کا خیال آدم علیہ السلام کے اندر سے اور طبعی طور پر پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ تمام تر باہر سے ڈالا گیا۔ اور ڈالنے والا وہی موذی شیطان تھا۔ وسوسہ چونکہ ایک تصرف نفسانی و خیالی کا نام ہے۔ اس لیے اتصالِ مادّی یا قربِ مکانی اس کی شرط نہیں اور یہ بالکل ہی ضروری نہیں کہ شیطان اصالۃً بھی آدم و حوا علیہما السلام سے ملا ہو، بہ آسانی ہو سکتا ہے کہ اس نے زمین ہی پر رہ کر ان کے دلوں میں آسمان پر وسوسہ ڈال دیا ہو، بلکہ عجب نہیں جو آدم علیہ السلام کو وسوسہ ہونے ہی کا احساس نہ ہوا ہو۔ قال الحسن کان یوسوس من الارض الی السماء (کبیر) بائبل میں اغواء آدم علیہ السلام کے سلسلہ میں ذکر شیطان کا نہیں، بلکہ سانپ کا ہے، اور عجب نہیں جو انہی یہودی و مسیحی روایتوں سے متاثر ہو کر ہمارے ہاں بھی ایک عام روایت شیطان کے سانپ کے جسم میں حلول کر کے داخل جنت ہونے کی چل پڑی ہو، محققین کے نزدیک یہ قصہ بالکل لغو ہے۔ فتلک القصة الرکیکة مشهورة (کبیر) فَوَسْوَسَ لَهُمَا۔ نے ذمہ داری آدم علیہ السلام و زوج آدم (حوا علیہا السلام) پر یکساں رکھ دی ہے بہ خلاف بائبل کے جو اصلی ذمہ دار حضرت حوا ہی کو ٹھہراتی ہے:۔ "اور عورت نے جوں دیکھا کہ وہ درخت کھانے میں اچھا ہے، اور دیکھنے میں خوشنما، اور عقل بخشنے میں خوب ہے تو اس کے پھل میں سے لیا اور کھا لیا۔ اور اپنے خصم کو بھی دیا"۔ (پیدائش۔ ۳:۶) لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا۔ اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم و حوا علیہما السلام کے جسم اس وقت تک لباس نور سے ڈھکے ہوئے تھے، اور اُن کے جسم کے قابل ستر حصے خود ان کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔ اس سے تردید ہو گئی، بائبل کے اس بیان کی کہ "اور وہ دونوں آدم اور اس کی جورو ننگے تھے اور شرماتے نہ تھے"۔ (پیدائش۔ ۲:۲۵) فقہاء و مفسرین نے اس قرآنی تصریح سے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ کشف ستر اہم ممنوعات میں سے ہے۔ وفيه دليل على ان كشف العورة من عظائم الامور (مدارک) دل هذا على قبح كشفها (قرطبی) مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس قصہ آدم علیہ السلام سے معلوم ہوا کہ عصمت کے ساتھ بھی تصرف شیطانی اس حد

تک جمع ہوسکتا ہے جو درجہ معصیت کو نہ پہنچے، اس لیے کہ آدم علیہ السلام سے جو کچھ واقع ہوا وہ محض اجتہادی غلطی اور معصیت لغوی تھی معصیت بہ اصطلاحِ شرعی نہ تھی۔ ف۲۴ (اور یہ دونوں باتیں یعنی ملکیت اور حیاتِ ابدی آپ کے لیے اُس وقت کے حالات کے اعتبار سے مناسب تھیں بھی نہیں۔ لیکن اب آپ کی استعداد ترقی کرگئی ہے اس لیے اب وہ ممانعت کا حکم باقی ہی نہیں رہا) بائبل میں اس کے بالکل برعکس امتناعِ خداوندی کی علت ہی یہ بیان کی گئی ہے کہ شجرِ ممنوع کے پھل کھانے سے موت طاری ہوجائے گی! کیونکہ جس دن تو اس سے کھائے گا تو ضرور مرے گا"۔ (پیدائش۔ ۲:۱۷) اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا۔ یعنی کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ، بمعنی الاکراهية ان (قرطبی) ف۲۵ (دل وجان سے) یعنی قسمیں کھا کھا کر خوب باتیں بنائیں اور اپنے اخلاص وخیر خواہی کا خوب یقین دلایا۔ آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام جنتی بھولے، اپنے اوپر قیاس کرکے یہ خیال بھی نہیں کرسکے کہ کوئی اللہ کے نام جھوٹی قسم کے سلسلہ میں لے سکتا ہے۔ یہ قسماقسمی بھی اسی وسوسۂ شیطانی کا ایک جزء تھی۔ ف۲۶ (اپنا پوشیدہ بدن چھپانے کے لیے) اس سے معلوم ہوا کہ شرم وحجاب انسان کے لیے بالکل فطری وطبعی ہے، اور بے ستری وبے حجابی کی جتنی کوششیں آج مختلف خوشنما ناموں سے کی جارہی ہیں۔ سب آدمی کو آدمیت کی بلندی سے ابلیسیت کی پستی ہی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ دلت هذه الأية على ان كشف العورة من المنكرات وانه لم يزل مستهجنا فى الطباع مستقبحا فى العقول (کبیر) و فى الأية دليل على قبح كشف

رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ

تم کو اس درخت سے تو صرف اس لئے روکا تھا کہ کہیں تم دونوں فرشتہ (نہ) بن جاؤ

اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا

یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں نہ ہو جاؤ ف۲۴ اور دونوں کے رُوبرو قسم بھی کھالی کہ میں تو تم دونوں کا

لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا

خیر خواہ ہوں ف۲۵ غرض دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا پھر جب دونوں نے

الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ

درخت (کا پھل) چکھا بے پردہ ہوگیا دونوں کے رُوبرو ان کے پردہ کا بدن اور دونوں لگے اپنے اُوپر

عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ

جنت کے (درختوں کے) پتے جوڑنے ف۲۶ اور دونوں کو پکار کر ان کے پروردگار نے فرمایا کہ کیا میں نے

اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

تمہیں منع نہیں کر دیا تھا، فلاں درخت سے اور کہہ نہ دیا تھا تم دونوں سے کہ شیطان

لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫

تم دونوں کا کھلا دشمن ہے ف۲۷ دونوں بولے اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر (بڑا) ظلم کیا ف۲۸

وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو یقیناً ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ

ہو جائیں گے ف۲۹ (اللہ نے) فرمایا اُترو تم (سب) کوئی کسی کا دشمن (ہو کر)

وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ

اور زمین میں تمہارے لئے ٹھکانا (رکھا گیا) ہے اور نفع (حاصل کرنا) ایک وقت معلوم تک ف۳۰ (اللہ نے)

العورة و ان الله وجب عليهما الستر (قرطبی) فيه دليل على ان كشف العورة قبيح من لدن ادم (کبیر) طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ۔ بائبل میں اس موقع پر ہے کہ:۔ "تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں معلوم ہوا کہ ہم ننگے ہیں اور انہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لیے لنگیاں بنائیں (پیدائش ۳:۷) ان پتوں کے نام ہمارے یہاں کی بھی بعض تفسیری روایتوں میں انجیر اور زیتون اور کیلے کے درختوں کے لیے گئے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ قرآن مجید اور حدیث صحیح دونوں اس باب میں بالکل خاموش ہیں۔ ولم يثبت عينها لا فى القرأن ولا فى الحديث الصحيح (بحر) عَلَيْهِمَا۔ میں ضمیر تثنیہ اہل نحو نے لکھا ہے کہ آدم وحوا علیہما السلام کی جانب نہیں بلکہ بدن یا عورة کی جانب ہے، اور تقدیر کلام یوں ہے على عورتيهما۔ و تقديره يخصفان على بدنيهما (بحر) ولا يجوزان يعود الضمير على ادمؑ و حواءؑ (بحر) دَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ۔ اِدلاء کے معنی اُوپر سے نیچے لانے کے ہیں۔ یہ اتار اور نزول مرتبہ وحیثیت کے اعتبار سے بھی ہوسکتا ہے۔ اور مکان مادّی کے اعتبار سے بھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس فریبیے کے دھوکے میں آکر آدم علیہ السلام اپنی رائے عالی سے اس کی رائے سافل کی طرف مائل ہوگئے۔ جس سے جنت سے اسفل کی طرف اتار دیئے گئے۔ بِغُرُوْرٍ۔ نے اسے بالکل صاف کردیا کہ آپ سے لغزش جو کچھ بھی ہوئی، ایک مکار کے کہے میں آجانے سے ہوئی نہ کہ کسی قصد نافرمانی سے۔ قصہ آدم علیہ السلام اور ابلیس کے لیے ملاحظہ ہو پارہ کے آخر میں ضمیمہ۔ ف۲۷ اس لیے اس کے کہے سنے میں نہ آجانا) ف۲۸ (کہ بلاتحقیق وتامل شیطان کی بات کو مان گئے) مقبولین وخاصانِ خدا کی ایک خاص شناخت یہ ہے کہ وہ غلبہ خشیت سے اپنی ہر معمولی لغزش کو بھی سخت ترین قصور سمجھتے رہتے۔ اور اس پر انتہائی ندامت واستغفار کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ف۲۹ بائبل، آدم علیہ السلام اور زوجِ آدم کی اس مؤثر مناجات سے یکسر خالی ہے۔ ابو البشر علیہ السلام اور اُم البشر کی اس مناجات میں ادب اور استغفار کی تعلیم سارے آدم زادوں کے لیے قیامت تک ہے۔ ف۳۰ یعنی وقت موت تک۔ گویا حکم یہ ملا کہ اب بجائے جنتی اور آسمانی زندگی کے، مدت العمر زمینی زندگی پر گزر بسر کرنا ہوگا۔ اِهْبِطُوْا۔ یعنی جنت سے اترو۔ خطاب اب محض آدم علیہ السلام وحوا سے نہیں۔ ذریت آدم علیہ السلام وذریت ابلیس سے بھی ہے۔ اسی لیے اب خطاب میں صیغہ تثنیہ کا نہیں جمع کا ہے۔ یہ ہبوط دنیا میں کہاں ہوا؟ قرآن اس باب میں خاموش ہے۔ اور تفسیروں میں جو روایتیں منقول ہیں ان میں سے کوئی حدیث صحیح کے درجہ کی نہیں، بلکہ سب کا ماخذ اسرائیلیات ہی ہیں۔ اس لیے مسلمان کے لیے سکوت ہی اولیٰ ہے۔ و قد ذكر المفسرون الاماكن التى هبط فيها كل منهم و يرجع حاصل تلك الاخبار الى الاسرائيليات والله اعلم بصحتها (ابن کثیر) اور مفسر ابن کثیر نے ایک بات یہاں بڑے پتہ کی کہہ دی ہے جو صرف اسی موقع کے لیے نہیں بلکہ ہر ایسے موقع کے لیے کارآمد ہے۔ وہ یہ کہ جب قرآن وحدیث دونوں اس تعین سے خاموش ہیں تو اس کے معنی یہی ہیں، کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس کا علم دین ودنیا کی ضروریات میں داخل نہیں۔ ولو كان فى تعين تلك البقاع فائدة تعود على المكلفين فى امر دينهم او دنياهم لذكرها الله تعالى فى كتابه و رسوله صلی اللہ علیہ وسلم۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ دنیا میں شیطان بھی انسان کا دشمن ہے۔ لیکن اصلی دشمنی تو ذریت آدم سے ذریت ابلیس ہی کو ہے۔ بمعنى العداوة ثابتة بين الجن والانس لاتزول البتة (کبیر) وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۔ یعنی اب زمین ہی تمہارا مسکن ہوگی۔ وہیں تم آباد ہوگے۔ اور وہیں تمہیں اسبابِ معیشت موجود ملیں گے۔ بائبل نے آدم علیہ السلام کی جنت کو آسمان پر نہیں اسی روئے زمین پر مانا ہے اور ہمارے ہاں کے مفسرین زمینی جنت کے قائل ہوگئے ہیں وہ عجب نہیں جو بائبل ہی سے تاثر کا نتیجہ ہو ورنہ قرآن کے الفاظ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ تو اس باب میں صریح ہیں کہ آدم علیہ السلام (مع اپنی آئندہ ذریت کے) زمین پہلی بار بھیجے جارہے ہیں۔ اِلٰى حِيْنٍ سے اشارہ اس جانب بھی ہورہا ہے کہ زمینی زندگی بھی مستقل نہیں اور آدم زاد کو اس پر قانع نہ ہوجانا چاہیے۔

فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

فرمایا اسی میں تمہیں جینا ہے اور اسی میں تمہیں مرنا ہے اور اسی سے نکلنا ہے و۳۱

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ

اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا ہے (جو) تمہارے پردہ والے

سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ

بدن کو چھپاتا ہے اور (موجب) زینت بھی ہے و۳۲ اور تقویٰ کا لباس (اس سے بھی) بڑھ کر ہے

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ

یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں و۳۳ اے اولاد آدم!

لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ

یہ نہ ہو کہ شیطان تمہیں کسی خرابی میں ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے والدین کو جنت سے

الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ

نکلوا دیا اس طرح کہ دونوں سے اُن کا لباس بھی اتروا دیا تھا جس سے کہ اُن دونوں کو ان کے پردہ کا بدن دکھائی دینے

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ

لگے و۳۴ بیشک وہ خود اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم اُنہیں نہیں دیکھتے و۳۵

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

ہم نے تو شیطانوں کو رفیق انہی لوگوں کا بننے دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے و۳۶

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا

اور جب یہ لوگ کوئی بیہودگی کر گزرتے ہیں، تو کہتے ہیں، کہ ہم نے اسی طریق پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے

وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ

اور خدا نے ہم کو یہی بتایا ہے و۳۷ آپ کہہ دیجیے اللہ ہرگز بیہودگی نہیں بتلاتا ہے

و۳۱ (قیامت کے دن) حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کسی دوسرے نبی کے بہ طور خرقِ عادت آسمان پر جانے کے امکان کو اس آیت کی رُو سے جھٹلانا اور یہ دعویٰ کر بیٹھنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اس آیت قرآنی کے خلاف ہے محض اپنی سطحیت کا مظاہرہ ہے...... یہاں بیان محض ایک عام حالت اور عمومی دستور کا ہے۔ اور معمولاتِ عام کے خلاف مستثنیات وعجائبات تو ہر روز مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ چہ جائیکہ جو خرقِ عادت بہ طور معجزہ کے ہو۔ و۳۲ آیت سے پھر ایک بار یہ حقیقت ظاہر ہو رہی ہے کہ لباس وحجاب مقاصد شرعی میں سے ہیں۔ اور برہنگی ونیم برہنگی کا فلسفہ خواہ اس کی تبلیغ یورپ اور امریکہ سے ہو رہی ہو یا اس کی ترویج وحشی وغیر مہذب قوموں میں ہو بہرحال ایک شیطانی فلسفہ ہے۔ قال کثیر من العلماء هٰذه الآیة دلیل علی وجوب ستر العورة (قرطبی) یدل علی فرض ستر العورة لاخباره انه انزل علینا لباسا یواری سواتنا (جصاص) وقداتفقت الامة علیٰ معنیٰ ما دلت علیه الآیة من لزوم فرض ستر العورة (جصاص) قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا۔ تمہارے لیے لباس پیدا کیا ہے بہ طور اپنے ایک انعام خاص کے۔ انزلنا کے لفظی معنی تو اتارنے کے ہیں۔ یہاں خلقنا کا مرادف قرار دیا گیا ہے۔ لفظ انزال میں اس کی برکتوں کی طرف اشارہ ہے کہ گویا وہ آسمان سے اُترا ہوا ہے۔ قیل انه وصفه بالانزال لان البرکات تنسب الی انها تاتی من السماء (جصاص) غور کیا جائے تو ہر لباس اپنی تیاری کے لیے اسبابِ آسمانی ہی کا محتاج نظر آئے گا۔ ریشم، اُون، سوت، سب کی پیداوار کے آخری، ظاہری اسباب جا کر بارش ہی پر ٹھہرتے ہیں۔ رِيْشًا۔ ہربرٹ اسپنسر وویسٹر مارک وغیرہ مغربی فلسفیوں نے بھی لباس کی ایک غایت زینت و آرائش ہی بتائی ہے۔ و۳۳ (اس انعام الٰہی کو، اور ادائے حق نعمت کرتے رہیں) وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ یعنی وہ دینداری کا معنوی لباس اس ظاہری لباس سے بھی بڑھ کر ضروری ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ۔ یعنی یہ لباس کا پیدا کرنا، جس سے ستر جسم اور زینت دونوں مقاصد حاصل ہوتے رہیں، اللہ کے فضل وکرم کی نشانیوں میں سے ہے۔ و۳۴ حجاب وستر پوشی کی جو اہمیت اسلام میں ہے اس سے ظاہر ہے کہ قصہ آدم علیہ السلام کے ضمن میں یہ ذکر کس تکرار وتاکید کے ساتھ آ رہا ہے۔ وفی هٰذا ایضا دلیل علی وجوب ستر العورة (قرطبی) لَا يَفْتِنَنَّكُمْ۔ یعنی اب جبکہ تمہیں شیطان کی موروثی عداوت کا حال بخوبی معلوم ہو چکا۔ ہرگز اس کے پھندے میں نہ آ جانا۔ انما معناه التحذیر من فتنة الشیطان والزام التحرز منه (جصاص) اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ۔ یعنی ان سے ایسا عمل صادر کرا دیا، جس سے انہیں جنت چھوڑنا پڑی۔ ای اغواهما حتّٰی فعلا ما استحقابه الاخراج منها (جصاص) و۳۵ (عموماً وعادۃً) اور چونکہ وہ مخلوق تمہارے لیے غیر مرئی ہے، اس لیے اس کے مخفی کید سے بچنے کے لیے بھی بڑی احتیاط اور ہمہ وقت چوکنے رہنے کی ضرورت ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ انسان کا جنات کو دیکھنا عادتِ عامہ کے خلاف ہے لیکن دیکھنے کی قطعاً نفی بھی نہیں ہے۔ چنانچہ بعض اوقات انبیاء علیہم السلام یا غیر انبیاء بلکہ عوام سے بھی جو جنات کا دیکھنا مروی ہے وہ اس آیت کے خلاف نہیں۔ ورؤیتهم ایانا من حیث لانراهم فی الجملة لا تقتضی امتناع رؤیتهم و تمثلهم لنا (بیضاوی) هُوَ وَقَبِيْلُهٗ۔ سے مراد جن وشیاطین سمجھے گئے۔ قال مجاهد یعنی الجن والشیاطین (قرطبی) مِنْ حَيْثُ۔ کیفیت کا بیان ہے یعنی اس طرح پر شیطان اور شیطانی لشکروں کے غیر مرئی ہونے کا اثبات ہے۔ و۳۶ (چنانچہ جو مومن کامل ہیں ان پر شیطان کا زور نہیں چل پاتا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تم جس قدر شیطان کے کہے میں آؤ گے، معلوم ہوگا کہ اُسی قدر ایمان میں کچے اور کمزور ہو) آیت میں بڑی تسلی مومنین صادقین کے لیے ہے۔ شیطان کو پوری دست اندازی کا موقع تو بس وہیں ملتا ہے جہاں ایمان کا فقدان ہے۔ و۳۷ آج بھی اہل باطل اور فسق پیشہ گروہ کے پاس عموماً یہی جواب اپنی ہر بیہودگی کی حمایت میں رہتا ہے۔ پہلے تو خاندانی رواج اور برادری کے دستور اور ملکی رسم کو سند میں پیش کرتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں۔ خدا نے ہم کو رکھا ہی اسی حال میں اور اسی طریق پر ہے۔ یہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، اگر اس کی مرضی نہ ہوتی، تو ہم کرتے کیسے؟ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً۔ فاحشۃ کے تحت میں اعتقادی، عملی، ہر قسم کی بیہودگی آ گئی۔

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ

کیا اللہ کے ذمہ ایسا جھوٹ لگاتے ہو، جس کی (کوئی بھی) سند نہیں رکھتے ہو ف۳۸ آپ کہہ دیجیے کہ میرے

بِالْقِسْطِ قف وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

پروردگار نے تو عدل (واعتدال) بتایا ہے ف۳۹ اور تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھا کرو

وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ

اور اسے (یعنی اللہ کو) پکارا کرو، دین کو اسی کے واسطے خالص کرکے اس نے جس طرح تمہیں شروع میں پیدا کیا تھا اسی

تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ

طرح تم پھر پیدا ہوگے ف۴۰ ایک گروہ کو اس نے راہ دکھا دی، اور ایک گروہ ہے کہ اُن پر گمراہی ثابت

الضَّلٰلَةُ ط اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ

ہو چکی، انہوں نے شیطانوں کو اپنا رفیق بنا لیا ہے، اللہ کو

دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْٓ

چھوڑ کر اور (اپنی نسبت) گمان رکھتے ہیں کہ وہ راہ پائے ہوئے ہیں ف۴۱ اے

اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا

اولاد آدم ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ

وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ج اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ ع

اور پیو لیکن اسراف سے کام نہ لو بیشک وہ (اللہ) مسرفوں کو پسند نہیں کرتا ف۴۲

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ

آپ کہیے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہے کس نے حرام کر دیا ہے،

وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ط قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو؟ ف۴۳ آپ کہہ دیجیے کہ یہ اشیاء ایمان والوں کے لئے

ع ۱۰

ف۳۸ یہ کیسا جہل مرکب ہے کہ اللہ نے جو تمہیں آزادیٔ عمل دے رکھی ہے، اس سے غلط کام لینے کو خدا کی مرضی قرار دے رہے ہو؟ اور جو طرز زندگی سرتاسر قانونِ الٰہی کے منافی ہے، اُسے اُس کا منظور شدہ بتا رہے ہو؟ ف۳۹ یعنی ہر امر میں توسط و توازن کا طریقہ جو مغز شریعت ہے۔ اور اصل اصول ہے عبادات، معاملات و اخلاق میں اس کو کسی قسم کے الفاحشۃ (بیہودگی) سے نسبت کیا؟ ای بالعدل و هو الوسط من كل شئ المتجافی عن طرفی الافراط والتفریط (بیضاوی) ف۴۰ (اپنے وقتِ مقرر پر یعنی حشر میں) كَمَا بَدَاَكُمْ۔ یعنی جس طرح اوّل بار تمہیں محض اپنی قدرت سے پیدا کر دیا تھا۔ وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ یعنی اس کی عبادت میں ہرگز کسی اور کی شرکت یا آمیزش نہ ہونے پائے۔ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ۔ یعنی ہر عبادت کے وقت اپنی توجہ اللہ ہی کی طرف رکھو۔ قال ربیع بن انس توجهوا بالاخلاص لله تعالٰی لا لوثن ولا لغیرہ (جصاص) عِنْدَ۔ یہاں فی کے معنی میں ہے۔ عند بمعنی فی (روح) عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ مسجد ظرف زمان و مکان دونوں ہے۔ معنی سجدہ کے وقت کے بھی ہیں۔ اور سجدہ کی جگہ کے بھی۔ یہاں مراد اوّل الذکر یعنی سجدہ کے وقت سے لی گئی ہے۔ فی كل وقت سجود او فی كل مكان سجود (کشاف) واختلفوا فی ان المراد منه زمان الصلٰوة او مكانها والاقرب هو الاول (کبیر) ای فی وقت كل سجودٍ (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت جامع ہے اصلاح ظاہر و باطن کی اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ سے طاعت ظاہری اور مخلصین سے طاعت باطنی کی جانب اشارہ ہے۔ ف۴۱ جیسا کہ آج بھی تمام اہل باطل اپنے لیے ہی حسن ظن رکھے ہوئے ہیں۔ فَرِيْقًا هَدٰى۔ یہ ہدایت یاب گروہ وہ ہے جس نے اپنی قوتِ اختیار و انتخاب سے صحیح کام لیا ہے۔ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ۔ یہ گم راہ گروہ وہ ہے جس نے اپنی قوتِ اختیار و انتخاب سے غلط کام لیا۔ ف۴۲ (اس لیے اسراف کے قریب بھی نہ جاؤ) اسراف نام ہے صَرف کرنے میں حد اعتدال سے تجاوز کرنے کا الاسراف هو مجاوزة حد الاستواء فتارة يكون بمجاوزة الحلال الى الحرام و تارة يكون بمجاوزة الحد فی الانفاق (جصاص) اور اندازہ معتبر شرعی ہے اور اس کے بعد اندازۂ عقلی نہ کہ اندازۂ نفسانی یا جذباتی۔ اسی لیے لَا تُسْرِفُوْا کے معنی یہ لیے گئے ہیں کہ کھانے پینے میں حدود سے تجاوز نہ کرو۔ نہ کیفیت کے لحاظ سے نہ کمیت کے لحاظ سے۔ لا تسرفوا ای بالافراط فی الطعام والشراب كما ذهب اليه كثير (روح) كُلُوْا وَاشْرَبُوْا۔ کے مطلق صورت میں آنے سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ مطعومات و مشروبات میں اصل حلت ہی ہے۔ صرف حرمت کے لیے کسی مستقل دلیل کی ضرورت ہے اور تقاضائے عقل بھی یہی ہے کہ اباحت کے لیے کسی مستقل دلیل کی ضرورت نہیں۔ يتناول جميع المطعومات والمشروبات فوجب ان يكون الاصل فيها هو الحلّ فی كل الاوقات و فی كل المطعومات والمشروبات الاما خصّه الدليل المنفصل والعقل ايضًا مؤكد له لان الاصل فی المنافع الحل والاباحة (کبیر) زِيْنَتَكُمْ۔ یہاں زینت لباس یا لباسِ زینت کے معنی میں ہے۔ ای زينتكم و لباس زينتكم (کشاف) یعنی الثياب قال مجاهد ما يوارى عورتک (معالم) المراد من الزينة لبس الثياب (کبیر) عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ مسجد یہاں نماز و طواف کے معنی میں ہے۔ ای كلما صليتم او طفتم (کشاف) ای طواف او صلاة و الى ذٰلک ذهب مجاهد و ابو الشيخ وغيرهما (روح) خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ مشرکین عرب طوافِ کعبہ کے برہنہ ہو کر کرنے کے قائل تھے۔ وجوب اس کے برعکس کا مسلمانوں کو تعلیم ہو رہا۔ روی عن ابن عباس و ابراهيم و مجاهد و طاؤس والزهری۔ ان المشركين كانوا يطوفون بالبيت عراة (جصاص) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ستر پوشی تو دوسرے اوقات میں بھی واجب ہے، اس وقت کے ذکر کرنے کی وجہ یہی ہے کہ وہ لوگ اس وقت برہنہ ہو جایا کرتے تھے۔ نیز اس وقت وجوب او زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔ فقہاء و مفسرین نے اس سے نماز میں ستر پوشی کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔ هذه الأية تدل على فرض ستر العورة فی الصلٰوة (جصاص) يدل على ان حكم الأية غير مقصورٍ على الطواف و ان المراد بها الصلٰوة (جصاص) خذوا زينتكم امرٌ و ظاهر الامر الوجوب فهذا يدل على وجوب ستر العورة عند اقامة كل صلاة (کبیر) اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ اس کے تحت میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ کوئی مکلف بندہ ایسا نہیں جو کسی حال میں ثواب و عقاب دونوں سے خالی ہو۔ اب جب ثواب کی اس سے نفی ہو رہی ہے تو لازم ہے کہ وہ مستوجب عتاب ہو۔ لان معنى محبة الله تعالٰى للعبد ايصاله الثواب اليه فعدم هذه المحبة عبارة عن عدم حصول الثواب و متى لم يحصل الثواب فقد حصل العقاب لانعقاد الاجماع على انه ليس فی الوجود مكلف لايثاب ولا يعاقب (کبیر) ف۴۳ یعنی اللہ کی جائز کی ہوئی نعمتوں کو حرام کر دینے کا حق کس مخلوق کو حاصل ہے؟ ظاہر ہے کہ کسی کو نہیں، اور جو لوگ اس میں مبتلا ہیں وہ گناہ ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ مَنْ حَرَّمَ۔ استفہام انکاری ہے اور انکار میں زور و تاکید مقصود ہے۔ المراد منه تقرير الانكار والمبالغة فی تقرير ذٰلک الانكارِ (کبیر) زِيْنَةَ اللّٰهِ۔ زینت خداداد سے یہاں مراد کیا ہے؟ لباس فاخرہ کا مراد ہونا تو سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ الزينة منها الملبس الحسن اذا قدر عليه صاحبه (قرطبی) لیکن اکثر نے اسے وسعت دے کر جملہ سامانِ آرائش اس میں شامل رکھے ہیں۔ ای من الثياب و كل الملبس يتجمل به (کشاف، بیضاوی) امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید دقت نظر سے کام لے کر اس کے اندر سواری، زیور وغیرہ سارے مرغوبات داخل کیے ہیں۔ بجز ان کے جو کسی نص سے حرام قرار پا چکے ہیں۔ زینت سے مراد انہوں نے جمیع انواع

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ

دنیا کی زندگی میں ہیں (اور) قیامت کے دن تو خالص (انہی کے لئے) ہم اسی طرح

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ

کھول کر آیتوں کو بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں و۴۴ آپ کہہ دیجیے کہ میرے پروردگار

الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ

نے تو بس بیہودگیوں کو حرام کیا ہے ان میں سے جو ظاہر ہوں (ان کو بھی) اور جو پوشیدہ ہوں (ان کو بھی) اور گناہ کو اور

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا

ناحق کسی پر زیادتی کو اور اس کو کہ تم اللہ کے ساتھ شریک کرو جس کے لئے (اللہ نے) کوئی دلیل نہیں اتاری

وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ

اور اس کو کہ تم اللہ کے ذمہ ایسی بات جھوٹ لگا دو جس کی تم کوئی سند نہیں رکھتے و۴۵ اور ہر امت کے لئے

اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً

ایک میعاد معین ہے سو جب اُن کی میعاد معین آ جاتی ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے

وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ

اور نہ آگے بڑھ سکیں گے و۴۶ اے اولاد آدم اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول

مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ

آئیں (جو) تم سے میرے احکام بیان کریں، سو جو کوئی تقویٰ اختیار کرے اور (اپنی) اصلاح کر لے

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ

تو ان لوگوں پر نہ کوئی خوف واقع ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے و۴۷ اور جو لوگ

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

جھٹلائیں گے ہمارے احکام اور ان سے تکبر کریں گے وہی لوگ تو دوزخ

زینت لی ہے۔ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ یعنی کھانے پینے کی جائز، پاکیزہ، لذیذ اشیاء۔ الطیبت اسم عام لما طاب کسبًا و طعما (قرطبی) قیل هی کل مستلذمن الطعام (قرطبی) کل ما یستلذ ویشتهی من انواع الماکولات والمشروبات (کبیر) یتناول جمیع انواع الزینة فیدخل تحت الزینة جمیع انواع التزیین و یدخل تحتها تنظیف البدن من جمیع الوجوہ و یدخل تحتها المرکوب و یدخل تحتها ایضا انواع الحلی لان کل ذٰلک زینة ولو لا النص الوارد فی تحریم الذهب والفضة والابریسم علی الرجال لکان ذٰلک داخلًا تحت هٰذا العموم (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے وسعت دے کر دوسرے مرغوبات ولذات بھی اس کے اندر مانے ہیں۔ مثلاً خوشبو یا حسن نسوانی۔ یدخل ایضا تحته التمتع بالنساء و بالطیب (کبیر) آیت سے ضمنا یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سے کچھ جائز وحلال ہیں اور کچھ ناجائز وحرام اور یہیں سے تردید ہو گئی اس مسیحی عقیدہ کی کہ "کوئی چیز باہر سے آدمی میں داخل ہو کر اُسے ناپاک نہیں کر سکتی"۔ (مرقس ۷:۱۵) فقہاء ومفسرین نے آیت سے عید اور دعوت وغیرہ کے موقعوں پر خوش لباسی کے استحباب پر استدلال کیا ہے۔ دلت الاٰیة علی لباس الرفیع من الثیاب والتجمل بها فی الجمع والاعیاد و عندلقاء الناس و مزاورۃ الاخوان (قرطبی) محققین نے اس آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ ذائقہ دار کھانے بجائے خود ہرگز قابل ترک نہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض لذت کی بنا پر کسی بھی لذیذ غذا سے نہیں روکا ہے۔ البتہ ان کے شوق کی زیادتی اور لت کو جو شغل آخرت سے روک دینے والی ہوتی ہے، منع کیا ہے۔ قال ابو الحسن علی بن المفضل المقدسی شیخ اشیاخنا و هو الصحیح ان شاء اللہ عزوجل فانه لم ینقل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه امتنع من طعام لاجل طیبه قط بل کان یا کل الحلوٰی و العسل والبطیخ والرطب و انما یکرہ التکلف لمافیه من التشاغل بشهوٰت الدنیا عن مهمات الأخرۃ (قرطبی) و۴۴ (اور اپنی قوتِ علمیہ سے صحیح کام لیتے رہتے ہیں) هِيَ لِلَّذِيْنَ ...... يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ یعنی ساری نعمتیں اہل ایمان کا حصہ دنیا میں بھی ہیں۔ اور آخرت میں تو خاص الخاص انہی کے لیے ہوں گی ہی۔ بغیر کسی غیر مومن کی شرکت کے۔ تم الکلام علی الحیٰوۃ الدنیا ثم قال خالصة یوم القیٰمة ای یخلص اللہ الطیبات فی الأخرۃ للذین اٰمنوا و لیس للمشرکین فیها شیءٌ کما کان لهم فی الدنیا من الاشتراک فیها (قرطبی) و هی خالصة لهم دون المشرکین (جصاص) ابن عباس صحابی رضی اللہ عنہما اور متعدد تابعین سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ هٰذا قول ابن عباس والضحاک والحسن و قتادہ والسدی و ابن جریج و ابن زید (قرطبی) زمخشری نے کہا کہ صرف هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور لغیرهم کی تصریح نہ کرنے میں نکتہ بلاغت یہ ہے کہ اصالۃً تو اُن نعمتوں کے حقدار مومنین ہی ہیں۔ کافروں کو بھی یہ نعمتیں اگر دنیا میں مل رہی ہیں تو محض تبعًا۔ لینبه علی انها خلقت للذین اٰمنوا علی طریق الاصالة و ان الکفرۃ تبع لهم (کشاف) دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ایسی نعمتیں جو دنیا میں جان کو لگیں اور آخرت میں وبال بن کر سامنے نہ آئیں خاص اہل ایمان ہی کا حصہ ہیں۔ و قیل المعنی ان هٰذه الطیبت الموجودات فی الدنیا هی خالصة یوم القیامة للمؤمنین فی الدنیا و خلوصها انهم لایعاقبون علیها ولا یعذبون (قرطبی) هی خالصة یوم القیٰمة لهم من شوائب التنقیص والتکدیر (جصاص) و۴۵ یعنی اس کی ذات وصفات سے متعلق مشرکانہ وملحدانہ عقیدے گڑھ گڑھ کر بیان کرتے رہو یا جو احکام وہدایات اس کی طرف سے نہیں انہیں اس کی جانب منسوب کرتے رہو۔ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ۔ مطلب یہ ہوا کہ تم اپنے وہم وظن سے یا تقویٰ کے جوش میں چیزوں کو حرام ٹھہرانے والے کون۔ حقیقۃً حرام چیزیں تو عقائد واعمال کے دائرہ میں فلاں اور فلاں ہیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جس طرح امر ربی بالقسط الخ میں تمام ماموراتِ داخل ہو گئے۔ اسی طرح اب انما حرم ربی میں تمام منہیات آ گئے۔ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ کی تصریح وتاکید سے ظاہر ہے کہ اسلام جس چیز کو روکنا چاہتا ہے وہ محض وہ فضیحتے ہی نہیں جو منظر عام پر آ چکے ہوں، بلکہ بدی کا فی نفسہٖ استیصال کرنا چاہتا ہے، خواہ اس کا ارتکاب اس خاموشی سے کیا جائے کہ کسی کو کانوں کان خبر ہی نہ ہونے پائے...... پاک نفسوں اور پاکیزہ طینتوں کی سوسائٹی اسلام ہی کی ہدایات پر عمل کرنے سے میسر آ سکتی ہے نہ کہ ان جاہلی تہذیبوں کے قانون پر عمل کرنے سے جو صرف ظاہر کی لیس پوت کرتے رہنا چاہتے ہیں۔ الْفَوَاحِشَ۔ وہ اعمال جو اپنی بیہودگی میں بہت بڑھے ہوئے ہوں۔ الاعمال المفرطة فی القبح (قرطبی) ما تفاحش قبحه ای تزاید (کشاف) الْاِثْمَ۔ اس کے تحت میں جملہ معاصی آ گئے۔ الاثم اسم للافعال المبطئة عن الثواب (راغب) عام لکل ذنب (کشاف) الْبَغْيَ۔ اس میں معاملات کی ساری خرابیاں آ گئیں۔ یعنی معاصی متعدی۔ ای الظلم والکبر (کشاف) ای الظلم و تجاوز الحدفیه (قرطبی) روح المعانی کے اشارات میں ہے کہ الْفَوَاحِشَ سے اشارہ رذائل قوتِ بہیمیہ کی جانب ہے۔ اور الْبَغْيَ سے رذائل قوتِ سبعیہ کی جانب اور اَنْ تَقُوْلُوْا۔ سے رذائل قوتِ نطقیہ کی جانب۔ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا۔ یعنی کوئی دلیل نہیں اتاری نہ جزوی نہ کلی، نہ عقلی نہ نقلی۔ و۴۶ (بلکہ علم الٰہی میں جو وقت بہ تقاضائے حکمت اس سزا کے لیے معین ہے۔ مجرد اس کے آتے ہی وہ سزا جاری ہو جائے گی) لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ۔ یعنی ہر قوم کے لیے، عذاب وہلاکت کا ایک وقت علم الٰہی میں مقرر ہے۔ سَاعَةً۔ ساعت کا لفظ اس لیے لایا گیا ہے کہ عرف عام میں وقت کے چھوٹے سے چھوٹے حصہ کے اظہار کے لیے مستعمل ہے۔ ساعت اصطلاحی وفلکی مراد نہیں۔ لانها اقل الاوقات فی استعمال الناس

قول المستعجل لصاحبہ فی ساعة یرید اقصر وقت و اقربہٗ (کشاف) ذکر الساعة لان ھٰذا اللفظ اقل اسماء الاوقات (کبیر) قطعة من الزمان فی غایة القلة و لیس لمراد بھا الساعة فی مصطلح المنجمین (روح) وک۴۷ (ایسے آدم زادوں کو اپنی اصلی میراث یعنی جنت حاصل کر لینا بھی دشوار نہیں) یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ۔ یہ ذکر ارواح کا ہے۔ یہ مخاطبہ انسان سے

النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿٣٦﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی

والے ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے و۴۸ سو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ

جھوٹ بہتان باندھے یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے، اُن کے نصیب کا جو کچھ

نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا

حصہ ہے وہ انہیں مل رہے گا و۴۹ چنانچہ جب ان کے پاس ہمارے قاصد ان کی جان

يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

قبض کرنے آئیں گے تو (ان سے) کہیں گے اب وہ کہاں گئے جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے

اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ

تھے؟ وہ کہیں گے (واقعی) ہم سے (سب) غائب ہو گئے اور گواہی دیں گے اپنے ہی خلاف کہ بیشک وہ

كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ

کافر ہی تھے و۵۰ (اللہ) کہے گا شامل ہو جاؤ دوزخ میں جنات اور

مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا

انسانوں کے ان گروہوں کے ساتھ جو تم سے قبل گزر چکے ہیں، جس وقت بھی کوئی (نئی) جماعت (دوزخ میں)

دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا

داخل ہوگی اُس کی ہمرنگ دوسری جماعت اس پر لعنت کرے گی و۵۱ یہاں تک کہ جب سب ہی اس میں

فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ

جمع ہو جائیں گے تو (اس وقت) ان کے پچھلے اپنے اگلوں کی نسبت کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار

اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ؕ قَالَ لِكُلٍّ

انہی نے تو ہم کو گمراہ کیا تھا تو انہیں دوزخ کا عذاب زیادہ دے (اللہ) کہے گا زیادہ

اس وقت ہوا تھا جب اس کی آفرینش ابھی عالم ناسوت میں ہوئی بھی نہ تھی۔ اور بھی وہ عالم ارواح ہی میں تھا۔ اِمَّا۔ اِنْ شرطیہ ہے اور ما صلہ کا۔ ما صلة ای ان یاتکم (قرطبی) ان شرطیة ضمت الیھا ما مؤکدة بمعنی الشرط (کشاف) اٰیٰتِیۡ۔ یعنی میرے احکام وہدایات۔ ای فرائضی و احکامی (قرطبی) جن علمائے محققین کا مسلک یہ ہے کہ قیامت میں مومنین و مطیعین کو کوئی خوف وغم نہ ہوگا، وہ اسی آیت سے استشہاد کرتے ہیں (کبیر) و۴۸ کیسے صاف لفظوں میں دو گروہ الگ الگ بتا دیئے ہیں۔ ایک طرف اہل صلاح وتقویٰ کا گروہ ہے۔ دوسری طرف ان منکرین ومتکبرین کا۔ ھُمْ۔ آیت میں موقع حصر پر آیا ہے۔ اور اسی سے اہل سنت نے استدلال کیا ہے کہ گنہگار مومن آخر عذاب سے نجات پا جائے گا، عذاب دائمی میں رہنے والے صرف مکذبین ومنکرین ہوں گے۔ و قد تمسک اصحابنا بھٰذہ الاٰیة علٰی ان الفاسق من اھل الصلٰوة لا یبقٰی مخلدًا فی النار لانہٗ تعالٰی بیّن ان المکذبین بایات اللہ والمستکبرین عن قبولھا ھم الذین یبقون مخلدین فی النار و کلمة "ھم" تفید الحصر (کبیر) اِسۡتَکۡبَرُوۡا عَنۡھَا۔ یعنی ہمارے آیات و احکام کے قبول کرنے سے تکبر کریں گے۔ اپنی عقل کو وحی الٰہی سے بڑھ چڑھ کر سمجھیں گے۔ و۴۹ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا۔ افتراء علی اللہ کی مثال یہ ہے کہ جو احکام خدائی نہ ہوں، بلکہ انسانی ہوں انہیں خدا کی جانب منسوب کر دینا۔ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ۔ تکذیب بایات اللہ کی مثال یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کا فرمان ہے اسے اس کا فرمان نہ ماننا۔ نَصِیۡبُھُمۡ مِّنَ الۡکِتٰبِ۔ یعنی رزق، عمر، اعمال وغیرہ جو کچھ اُن کے لیے مقدر ہو چکے ہیں۔ ای ما کتب لھم من رزق و عمر و عمل (قرطبی) و۵۰ (لیکن اس وقت کا اقرار جبکہ عالم برزخ کا انکشاف شروع ہو چکے گا، سرتاسر لاحاصل رہے گا) رُسُلُنَا۔ رسل یہاں ظاہر ہے کہ فرشتوں کے معنی میں ہے۔ ای ملائکة العذاب (کبیر) حَتّٰی۔ یہاں، یہاں تک کے معنی میں نہیں، چنانچہ، کے معنی میں ہے۔ حتّٰی لیست غایة بل ھی ابتداء خبر عنھم (قرطبی) و۵۱ مصیبت اور پھر ایسی شدید اور انتہائی مصیبت کے وقت کچھ تھوڑی بہت تسکین اگر ہو سکتی تھی تو باہمی ہمدردی سے لیکن بدبخت اہل دوزخ اس آخری اور برائے نام راحت سے بھی محروم ہوں گے۔ وہ عالم انکشاف حقائق کا ہوگا۔ ہر بدکار دوسرے بدکار کو نہایت درجہ مبغوض رکھے گا۔ اُمَمٍ مِّنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ۔ جن وانس دونوں کے بدگروہ ظاہر ہے کہ کافر ہی ہوں گے۔ اور آگے پیچھے، نئے پرانے ہر قسم کے کافر جہنم میں اکٹھے ہوں گے۔ فِیۡۤ اُمَمٍ۔ فی یہاں مع کے معنی میں ہے۔ بعض نے فی ما بینھم کے معنی میں بھی لیا ہے۔ ای مع امم ففی بمعنٰی مع (قرطبی) و معنی الدخول فی الامم الدخول فی ما بینھم (کبیر) اُخۡتَھَا۔ یعنی اسی کی ہم عقیدہ وہم مسلک۔ ای اختھا فی الدین والملة (قرطبی)

ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ

تو سب ہی کا (عذاب) ہے لیکن تمہیں علم نہیں و۵۲ اور ان کے اگلے

لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا

اپنے پچھلوں سے کہیں گے پھر تم کو ہم پر کوئی ترجیح نہیں، سو تم عذاب کا مزہ

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٣٩﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

چکھو اُن حرکتوں کے عوض جو تم کرتے رہے ہو و۵۳ بیشک جن لوگوں نے جھٹلایا

بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ

ہماری آیتوں کو اور ان سے تکبر کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے

وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ

اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں

الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ لَهُمْ مِّنْ

نہ سما جائے اور ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں و۵۴ ان کے لئے

جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ

دوزخ ہی کا بچھونا ہو گا اور اُن کے اُوپر (اُسی کا) اوڑھنا ہو گا اور ہم اسی طرح

نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤١﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا

سزا دیتے ہیں ظالموں کو و۵۵ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ز اُولٰٓئِكَ

نیک عمل کئے ہم کسی شخص کے ذمہ اُس کی قدرت سے زائد کام نہیں رکھتے، یہی لوگ تو

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَ نَزَعْنَا مَا

جنت والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے و۵۶ اور جو کچھ اُن کے دلوں میں

و۵۲ (کہ عذاب کی زیادتی تمہاری ہی طرح دوسرے بھی محسوس کر رہے ہیں) اس لاعلمی و بےخبری میں بھی ایک حکمت ہے اگر دوسروں کی زیادتیِ عذاب کا علم انہیں ہوجاتا تو کچھ تو تسلی ان کی ہوجاتی۔ اس لیے انہیں ان کے حال کی خبر ہی سرے سے نہ دی گئی۔ ای لا یعلم کل فریق ما بالفریق الأخر اذلوعلم بعض من فی النار ان عذاب احد فوق عذابه لکان نوع سلوة له (قرطبی) رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا۔ اے ہمارے پروردگار انہی نے تو ہمیں گمراہ کیا تھا اور ہم اپنے کفر وضلالت میں تو بس انہی کے تابع اور پیرو تھے۔ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ۔ ضعف کے عام مشہور معنی تو دوگنے کے ہیں۔ لیکن دوسرے معنی مطلق زیادتی وشدت کے ہیں، کوئی متعین درجہ، مقدار مراد نہیں ہوتی۔ قال الازهری الضعف فی کلام العرب المثل الی ما زاد و لیس بمقصور علی المثلین (کبیر) والضعف فی الاصل زیادة غیر محصورة (کبیر) جائز فی الکلام العرب ان یقال لک ضعفهٗ یریدون مثلیه وثلاثة امثاله لانه ای الضعف فی الاصل زیادة غیر محصورة (تاج) خود قرآن مجید میں بھی ایک دوسری جگہ ہے۔ فاولئک لهم جزاء الضعف بما عملوا کہ یہاں کوئی معین نسبت نہیں بلکہ مطلق زیادتی مراد ہے اور یہی مفہوم یہاں بھی ہے۔ ضعفًا ای زائدًا علی عذابها (بحر) و اختاره هنا غیر واحد (روح) اور اگر معنی دوگنے ہی کے سمجھے جائیں تو توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ دوزخ کا عذاب ہر ساعت بڑھتا ہی جائے گا۔ اس لیے ہر دوزخی کو اپنا عذاب پہلے سے دوگنا ہی محسوس ہوگا۔ لِاُوْلٰىهُمْ۔ میں ل اجل کا ہے یعنی "ان کی بابت" کہیں گے۔ نہ کہ "ان سے" کہیں گے۔ اللام لام اجل لانهم لم یخاطبوا اولٰهم و لکن قالوا فی حق اولٰهم (قرطبی) اُخْرٰىهُمْ کے معنی پیروؤں مقتدیوں اور کم درجہ والوں کے بھی ہوسکتے ہیں۔ اور اُوْلٰىهُمْ کے معنی سرداروں، مقتداؤں اور بڑے درجہ والوں کے۔ چنانچہ زمخشری۔ بیضاوی وغیرہ نے یہی مفہوم لیا ہے۔

و۵۳ غرض اہل جہنم میں باہم سخت گلنچ شروع ہوجائے گی۔ ایک دوسرے پر الزام وطعن سے کام لینے لگیں گے اور یہ بجائے خود ایک عذاب ہوگا۔ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ۔ اگلوں کا یہ خطاب اپنے بعد والوں سے حق تعالیٰ کا یہ جواب سننے کے بعد ہوگا۔ مَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ۔ یعنی تخفیف عذاب کے بارے میں تم ہم سے کچھ بھی بہتر نہیں۔ تخفیف سے جس طرح ہم محروم ہیں تم بھی محروم ہو۔

ع ٨ ‖

و۵۴ یعنی یہ عام ضابطہ اور قانون ہمارے ہاں کا ہے جو جیسا کرے گا بھگتے گا۔ ہمیں کسی بندہ کے ساتھ کوئی کد تو ہے نہیں۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ صحابی کی روایت سے حدیث میں آتا ہے کہ بعد وفات جب کافر کی روح آسمان کی طرف لے جائی جانے لگتی ہے تو اس سے ایسی سخت بدبو نکلتی ہے جیسی دنیا میں مردار کی ہوتی ہے۔ اس پر آسمان کے فرشتے اُسے راستہ دینے اور اس کے لیے در آسمان کھولنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ قال السدی وغیره لا تفتح لارواحهم ابواب السماء و تفتح لارواح المومنین (کبیر) ذکروا فی صعود الروحین الی السماء الاذن لروح المؤمن و رد روح الکافر احادیث و ذلک عند موتهما (بحر) دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ مکذبین ومنکرین کے اعمال برکت ومقبولیت سے محروم رہیں گے اور آسمان کی طرف بلند نہ کیے جائیں گے۔ ای لا یصعد لهم عمل صالح (کشاف) و قیل لاتنزل علیهم البرکة ولا یغاثون (کشاف) حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔ محاورۂ زبان میں اس سے مراد مطلقًا ایک امرِ محال عادی کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ یعنی نہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے نکل سکے گا اور نہ فلاں فعل ہوگا۔ و قد کثر فی کلامهم مثل هذه الغایة و مراد هم لا افعل کذا ابدًا (روح) هذا نفی مغیاه بمستحیل (بحر) انجیل میں بھی اس محاورہ کا استعمال ایک ایسے ہی موقع پر ہوا ہے "اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکہ سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو"۔ (متی۔ ١٩: ٢٣۔ ٢٤) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسی طرح ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی ابوابِ ملکوت کشادہ نہیں ہوتے۔

و۵۵ یہ الظّٰلِمِيْنَ۔ یا اپنے اُوپر ظلم کرنے والے وہی ہیں جن کا ذکر اُوپر فَمَنْ اَظْلَمُ سے شروع ہوا ہے۔ قال ابن عباس یرید الذین اشرکوا بالله واتخذوا من دونه الٰها و علی هذه التقدیر فالظّٰلمون هٰهنا هم الکافرون (کبیر) لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ۔ عذاب ہی کا اوڑھنا عذاب ہی کا بچھونا، غرض ہر طرف عذاب ہی عذاب ہوگا۔ و۵۶ بندوں کی ہمت افزائی اور تسلی قلب کے لیے قرآن مجید کا ایک عام دستور سا ہے کہ اہل جہنم کی وعیدوں کے مقابل اہل جنت کی بشارتوں کا بھی ذکر کر دیتا ہے۔ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ یہاں ذکر جنت کے ضمن میں یہ جملہ معترضہ لا کر یہ بتا دیا کہ جنت تک رسائی کچھ دشوار نہیں۔ اس کا ذریعہ عمل صالح ہے اور عمل صالح انہی احکام کی تعمیل کا نام ہے، جو ہر بندہ کو اس کی وسعت وطاقت کے اندر ہی دیئے جاتے ہیں۔ جنت کے نام سے کوئی یہ خیال کر کے نہ گھبرائے کہ وہاں تک رسائی کے لیے خدا معلوم کیسی کیسی دشوار منزلوں سے ہوکر گزرنا ہوگا...... دوسری طرف کافروں کے حق میں بھی تنبیہ ہے کہ جنت جو ایسی آسانی سے حاصل ہوسکتی ہے اُسے یہ اپنے ہاتھوں چھوڑے بیٹھے ہیں۔ وسع کے معنی خود ایسی چیز کے ہیں جو انسان کو آسانی اور معمولی کوشش سے حاصل ہوسکے۔ سخت وشدید کوشش کے لیے لفظ جهد کا آتا ہے۔ وسع کا نہیں۔ معنی الوسع ما یقدر الانسان علیه فی حال السعة والسهولة لا فی حال الضیق والشدة (کبیر) واما اقصی الطاقة یسمّٰی جهدًا لا وسعًا (کبیر)

ف۵۷ (اور اس رفع کدورت کے بعد وہ ایک دوسرے کے ساتھ کامل لطف و انبساط کے ساتھ ہنسی خوشی رہیں گے) ابھی اُوپر ذکر تھا اہل جہنم کے باہم بغض و نفرت کا۔ اب اس کے مقابل اہل جنت کے سلسلہ میں ذکر ہو رہا ہے ان کے باہمی رفق و اُلفت کا...... خوشدل دوستوں کی یکجائی ہر شخص دنیا میں تجربہ رکھتا ہے کہ بجائے خود کتنی بڑی نعمت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ انشاءاللہ میرا اور عثمان و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کا معاملہ ایسا ہی ہوگا (کبیر، مدارک وغیرہ) آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دنیا میں اہل حق کے درمیان بھی کدورت و مخالفت کی نوبت پہنچ سکتی ہے خواہ رنجش کی بنیاد محض طبعی ہو مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو کینہ طبعی غیر اختیاری ہو وہ دخول جنت سے مانع نہیں۔ ف۵۸ (چنانچہ انہوں نے جن اعمال پر جنت کا وعدہ کیا تھا وہ وعدہ بالکل سچ نکلا) مِنْ تَحْتِهِمُ۔ ”ان کے نیچے“ سے مراد ہے ان کے محلوں اور بالاخانوں کے نیچے والمراد تجری من تحت غرفها میاه الانهار (روح) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ...... اللّٰهُ۔ عبدیت تو اہل جنت کے رگ و ریشہ میں رچی ہوگی۔ وہاں پہنچ کر بھی زبان تمامتر حمد الٰہی اور اپنی عبدیت ہی کے اقرار پر کھلے گی۔ لِهٰذَا میں هٰذا کا اشارہ مقام یعنی جنت کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور مرتبہ یعنی درجہ قدر و منزلت کی جانب بھی اور خود ایمان کی جانب بھی۔ مآل سب صورتوں کا ایک ہے۔ ای الی هذا الفوز العظیم و هو الایمان (مدارک) هَدٰىنَا اللّٰهُ۔ (چنانچہ ہمیں ایمان و اعمال کا وہ طریقہ بتا دیا جو جنت تک پہنچاتا ہے اور اس پر چلنے کی بھی توفیق دے دی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وصول الی المقصو د وہبی ہے کسبی نہیں اور جس کسب کا ظاہراً کچھ دخل ہے خود وہ کسب بھی وہبی ہے۔ ف۵۹ (اور جنت تو تمہاری اصلی میراث اور تمہارے مورثِ اعلیٰ آدم علیہ السلام کی جگہ تھی ہی) تِلْكُمُ۔ تلک جو اشارۂ بعید کے لیے آتا ہے۔ یہاں هذه کے معنی میں اشارۂ قریب کے لیے ہے۔ تلکم بمعنی هذه (قرطبی) وَ نُوْدُوْا۔ یہ ندا دینے والا ایک فرشتہ ہوگا۔ اُوْرِثْتُمُوْهَا۔ اس لفظ میں کمال تعظیم و احترام اور مزید تقویت ہے اہل جنت کے لیے۔ یعنی اب تم تو اسے جیت چکے ہی ہو۔ اب کوئی تمہیں یہاں سے بے دخل نہ کر سکے گا۔ معناه صارت الیکم کما یصیر المیراث الی اهله (کبیر) بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ اس سے ظاہراً دخولِ جنت کا سبب اعمال معلوم ہوتے ہیں لیکن حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ جنت میں کوئی بھی اپنے اعمال کے سبب سے نہیں بلکہ رحمت الٰہی سے جائے گا۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے کہ قرآن مجید میں ذکر سبب ظاہری اور قریبی کا ہے اور حدیث میں سبب حقیقی کو بیان کیا گیا ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ اور دونوں میں کوئی تناقض نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تشریح کی ہے وہ بھی اسی سے ملتی جلتی ہے۔ ف۶۰ (اور اُنہی کے وعدہ کے مطابق ایمان اور عمل صالح سے جنت کے حقدار ہو گئے) وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ۔ اہل جنت یہ ندا فرطِ فرحت و سرور میں آکر دیں گے۔ بعضوں نے سوال یہ پیدا کیا ہے کہ دونوں فریقوں کے درمیان جو بُعد مسافت دکھایا گیا ہے اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اہل جنت کی آواز اہل جہنم تک کیسے پہنچے گی؟ سوال تمام تر سطحی ہے، اور سائل نے عالم آخرت کے قُویٰ کو ناسوت کے قُویٰ اور ناسوتیوں کی پابندیوں پر قیاس کیا ہے۔ ف۶۱ (کہ کفر کے باعث دوزخ میں پڑو گے اور اب تو اللہ اور رسول کے صدق کی اور اپنی گمراہی کی حقیقت ظاہر ہو کر رہی؟) ف۶۲ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ۔ یہ پکارنے والا ایک فرشتہ ہوگا۔ یعنی من الملئکة (قرطبی) و هو ملک یسمع اهل الجنة والنار (مدارک) ف۶۳ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ۔ معنی ماضی ہے اور کانوا محذوف ہے۔ ای کانوا بها کافرین فحذف و هو کثیر فی الکلام (قرطبی) یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا۔ یعنی دین حق میں عیب و اعتراض تلاش کیا کرتے تھے۔ اور دوسروں میں شکوک و شبہات پیدا کرتے رہتے تھے المراد القاء الشکوک و الشبهات فی دلایل دین الحق (کبیر) یَصُدُّوْنَ۔ جس طرح متعدی ہے، لازمی بھی ہے اور یہاں اسی معنی میں ہے۔ ای یعرضون (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انہی کے مشابہ وہ لوگ بھی ہیں جو طریق سلوک کو اس رنگ میں ظاہر کرتے ہیں جس سے طالب صادق کو اس سے نفرت ہو جائے۔ مثلاً اہل بدعت و اہل ریاء۔ ف۶۴ (بہ طور دیوار کے جس کا خاصہ یہ ہوگا کہ نہ جنت کی لذتوں اور نعمتوں کا اثر دوزخ تک پہنچ سکے اور نہ دوزخ کی سختیوں اور کلفتوں کا اثر جنت تک) اس پر یہ سوال پیش کرنا کہ پھر اس دیوار کے ہوتے اہل جنت و اہل جہنم کے درمیان مخاطبت کیونکر ہو سکے گی۔ عالم آخرت کی فضا کو تمام تر اس عالم عنصری کے مادّی قوانین کا پابند و محکوم سمجھ لینا ہے۔ یہ آڑ تو صرف اسی لیے ہوگی کہ ایک مقام کی لذت یا اذیت دوسرے مقام تک نہ پہنچ سکے نظر کی حائل نہ ہوگی۔ ایسی نہ ہوگی کہ ایک جگہ کا حال دوسری جگہ دکھائی نہ دے سکے۔ لیس یعنی به ما یحجب البصر و انما یعنی ما یمنع من وصول لذة اهل الجنة الی اهل النار واذیة اهل النار الی اهل الجنة۔ (راغب) بَیْنَهُمَا۔ هما سے مراد دونوں فریق بھی ہو سکتے ہیں اور دونوں مقام بھی۔ ای بین النار و الجنة (قرطبی) بین الجنة و النار او بین الفریقین (کشاف۔ مدارک)

فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ

غبار (رہا) ہو گا اسے ہم دور کر دیں گے ف۵۷ اُن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَ مَا كُنَّا

اور وہ کہیں گے کہ (ساری) تعریف ہے اللہ کے لئے جس نے ہم کو اس (مقام) تک پہنچا دیا اور ہم تو (کبھی بھی یہاں

لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ

تک) نہ پہنچتے اگر اللہ نے ہم کو نہ پہنچا دیا ہوتا واقعی ہمارے پروردگار کے پیمبر

رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ نُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا

سچائی کے ساتھ آئے تھے ف۵۸ اور انہیں ندا دی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم اب وارث ہو گئے ہو

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

بہ عوض اس کے کہ جو کچھ تم کرتے رہے ہو ف۵۹ اور جنت والے ندا دیں گے

اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا

دوزخ والوں کو کہ ہم سے تو جو ہمارے پروردگار نے وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچ پایا ف۶۰

فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ

اب (تم بتلاؤ) تم نے بھی سچ پایا اس وعدہ کو جو (تم سے) تمہارے پروردگار نے کیا تھا؟ ف۶۱ وہ کہیں گے کہ ہاں۔

مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ لا الَّذِیْنَ

پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان پکارے گا کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر ف۶۲ جو

یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ هُمْ

اللہ کی راہ سے اعراض کیا کرتے اور اس میں کجی تلاش کیا کرتے اور وہ

بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ بَیْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَ عَلَی

آخرت کے منکر تھے ف۶۳ اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہو گی ف۶۴ اور اعراف کے

النصف

وقف لازم

الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِیْمٰىهُمْ ۚ وَ نَادَوْا

اُوپر (بہت سے) اشخاص ہوں گے وہ سب کو ان کے قیافہ سے پہچانیں گے، اور اہل جنت کو

اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ۫ لَمْ یَدْخُلُوْهَا

پکار کر کہیں گے کہ اللہ کی رحمت ہو تم پر اور (ابھی) یہ لوگ اُس میں داخل نہ ہوئے ہوں گے

وَ هُمْ یَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ

اور وہ (اس کے) آرزو مند ہوں گے، و۶۵ اور جب اُن کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف

اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ

جا پھریں گی تو بول اٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو شامل نہ کرنا (ان) ظالم لوگوں کے

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۷﴾ ع وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا

ساتھ و۶۶ اور اعراف والے پکاریں گے (بہت سے) اشخاص کو

یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ

جنہیں وہ ان کے قیافہ سے پہچانیں گے (اور) کہیں گے کہ تمہارے کچھ کام نہ آیا تمہارا جتھا

وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ

اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا و۶۷ یہی وہ لوگ ہیں نا جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے

لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ

کہ ان پر اللہ رحمت نہ کرے گا و۶۸ (ان کو تو یہ حکم ہو گیا کہ) جنت میں داخل ہو جاؤ (جہاں) تم پر نہ کوئی خوف

عَلَیْكُمْ وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ

واقع ہو گا اور نہ تم مغموم ہو گے و۶۹ اور دوزخ والے پکاریں گے

اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا

جنت والوں کو کہ ہمارے اُوپر کرم کرو کچھ پانی ہی سے یا اُس سے جو تمہیں

ع ۵/۸ ۱۲

و۶۵ (چنانچہ ان کی یہ آرزو پوری کر دی جائے گی اور یہ جنت میں داخل ہو جائیں گے) اَلْاَعْرَافِ۔ لفظی معنی بلند چیز کے ہیں الاعراف فی اللغة المکان المشرف (قرطبی) عن ابن عباس انه قال الاعراف الشیء المشرف (قرطبی) یہاں مراد جنت و جہنم کی اس درمیانی دیوار سے ہے جس کا ذکر ابھی ابھی آچکا ہے هو الذی علیه الاکثرون ان المراد من الاعراف اعالی ذٰلک السور المضروب بین الجنة والنار و هٰذا قول ابن عباس (کبیر) و هو السور الذی ذکره الله فی قوله فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ (قرطبی) سورٌ بین الجنة والنار (راغب) عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ۔ یہ اہل اعراف کون لوگ ہوں گے؟ متعدد صحابیوں اور متعدد تابعین سے منقول ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہوں گی۔ قال عبدالله بن مسعود و حذیفة بن الیمان و ابن عباس والشعبی والضحاک و ابن جبیر هم قومٌ استوت حسناتهم وسیاٰتهم (قرطبی) یَعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِیْمٰىهُمْ۔ علاوہ اس کے کہ جنتی اور دوزخی دونوں اپنے اپنے مقام پر ہوں گے۔ اور اس لیے بھی پہچان لیے جائیں گے کہ جنتی کون ہیں اور دوزخی کون ان کی پیشانیاں اور چہرہ بھی ذریعہ شناخت ہوں گے۔ اہل جنت کے بشرہ پر نورانیت برس رہی ہوگی۔ اور اہل دوزخ کے چہرہ پر ظلمت و کدورت۔ ای بعلامتهم التی اعلمهم الله بها کبیاض الوجه و سواده (بیضاوی) ای بعلاماتهم و هی بیاض الوجوه و حسنها فی اهل الجنة و سوادها و قبحها فی اهل النار الی غیر ذٰلک من معرفة حیز هٰؤلاء و حیز هٰؤلاء (قرطبی) وَ نَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ۔ یہ اہل جنت کو پکارنے والے وہی اصحاب اعراف ہوں گے۔ وَ هُمْ یَطْمَعُوْنَ۔ طمع کے ایک معنی علم کے بھی آتے ہیں۔ اس لحاظ سے مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے لیکن جانتے ہوں گے کہ اب داخل ہوں گے۔ بمعنی و هم یعلمون انهم یدخلونها و ذٰلک معروف فی اللغة ان یکون طمع بمعنی علم (قرطبی) و۶۶ یہ مناجات فرط خشیت و عبودیت سے ہوگی۔ ورنہ اہل اعراف تو جانتے ہی ہوں گے کہ ان کا شمار اہل جہنم میں نہیں ہو سکتا۔ و قد علموا ان الله لا یجعلهم معهم فهٰذا علی سبیل التذلل (قرطبی) و۶۷ (اور اپنی اس قوت و جمعیت کی بنا پر انبیاء کی راہ کا اتباع نہ کرنا) قَالُوْا۔ یہ بول اٹھنا فرط ہول و دہشت سے ہوگا۔ و۶۸ (اور تمہارے خیال میں ہر طرح حقیر و ذلیل اور مستحق حقارت و ذلت تھے) اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ۔ یعنی یہی لوگ جو آج جنت میں عیش کر رہے ہیں۔ اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو باوجود دولت ایمان سے مالا مال ہونے کے مادی دولت و وجاہت سے دنیا میں تہی دامن ہوتے ہیں اور اس لیے اہل کبر و ضلال کی نظروں میں حقیر و ذلیل۔ جیسے حضرات صحابہ میں بلال حبشی و سلمان فارسی رضی اللہ عنہما وغیرہما تھے۔ اشارة الی قوم من المؤمنین الفقراء کبلال و سلمان و خبّاب وغیرهم (قرطبی) الاشارة الی ضعفاء اهل الجنة الذین کان الکفرة یحتقرونهم فی الدنیا (روح) و۶۹ قول انہی اہل اعراف کا اہل دوزخ کو مخاطب کر کے چل رہا ہے کہ تم تو دنیا میں اہل ایمان کو ہر طرح حقیر و ذلیل سمجھتے تھے۔ مگر یہاں تو دیکھو انہیں اس اعزاز و تکریم کا مقام مل گیا۔

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى

اللہ نے کھانے کو دے رکھا ہے وہ کہیں گے کہ اللہ نے تو ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام

الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا

کر رکھا ہے ف۷ (وہ کافر) جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا

وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا

اور اُن کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا، سو آج ہم (بھی) انہیں بھلائے رہیں گے جیسا کہ وہ آج کے دن کا

لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَ مَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

پیش آنا ٹالتے رہے تھے اور جیسا وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے رہے تھے و۱۷

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى

اور ہم نے ان کے پاس (ایسی) کتاب پہنچادی ہے ف جسے ہم نے علم کے ساتھ خوب کھول دیا ہے ان لوگوں کے

وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

حق میں بہ طور ہدایت و رحمت کے جو ایمان رکھتے ہیں، و۲۷ وہ بس اس کے مصداق ہی کا انتظار

تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ

کر رہے ہیں (سو) جس روز اس کا مصداق پیش آجائے گا تو وہ لوگ جو اُس کو پیشتر سے

قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ

بھولے ہوئے تھے بول اٹھیں گے کہ واقعی ہمارے پروردگار کے پیغمبر سچ ہی لے کر آئے تھے و۳۷ سو اب ہے کوئی

شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا

ہمارا سفارشی جو ہماری سفارش کر دے؟ یا آیا ہم (پھر) واپس جاسکتے ہیں تاکہ جو ہم کیا کرتے تھے اس کے برخلاف

نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

کچھ اور کریں؟ یقیناً انہوں نے اپنے کو خسارہ میں ڈال دیا اور اُن سے گم ہو گیا جو کچھ وہ

ف۷ (اُس کے حکم کے خلاف ہم دیں کیسے اور ہم دیں بھی تو تمہیں نفع کیا ہو؟ تم نے اپنے قویٰ کو ان سے لطف اُٹھانے کے قابل رکھا ہی کب ہے؟ پھر تمہارے مسخ شدہ اور قہر زدہ حلق اور منہ میں پہنچ کر یہی نعمتیں اور آگ لگا دیں گی) حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ تحریم سے مراد دار الجزاء میں حرمت شرعی تو ہو نہیں سکتی۔ مراد یہی ہے کہ یہاں کے کھانے پینے تو تمہارے حلق سے اتریں گے ہی نہیں۔ حضرت مولانائے رومی رحمۃ اللہ علیہ کی ملفوظ فیہ مافیہ گو فن تصوف وسلوک میں ہے لیکن بعض تفسیری نکتہ بھی اس میں خوب آگئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔ ”اہل دوزخ با اہل بہشت فغان کنند کہ آخر کرم شما...... ازاں عطاہا و بخششہا کہ حق تعالیٰ بہ شما کردہ است، از روئے صدقہ بندہ نوازی بہر مانیز اگر چیزے ریزیدہ ایثار کنید چہ شود؟ وللارض من کاس الاکرام نصیب کہ ما دریں آتش می سوزیم وی گدازیم ازاں میوہ یادانہ آں آبہائے زلال قطرہ بر جان ما ریزید چہ شود...... بہشتیاں جواب دہند کہ آں را خدا بر شما حرام کردہ است تخم ایں نعمت در دار دنیا بود۔ چوں آنجا نہ کشتید ونورزیدو آں ایمان وصدق بود وعمل صالح، اینجا چہ برگیرید واگر ما از روئے کرم بر شما ایثار کنیم چوں خدا آں را بر شما حرام کردہ است حلقہار ابسوزاند وبہ گلو فرونہ رود۔ واگر در کیسہ نہید دریدہ شود وبیفتد (فیہ مافیہ صفحہ ۷۷، ۷۸ معارف پریس اعظم گڑھ) وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ۔ اہل دوزخ کی یہ فریاد اہل جنت سے فرط اضطرار وشدتِ اضطراب سے ہوگی۔ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ۔ کہ شاید اسی سے کچھ ہماری تسکین ہو جائے۔ ورنہ ہم تو بھوک اور پیاس اور گرمی سے مرے پھنکے جاتے ہیں بھوک اور پیاس کی شدت سے اہل دوزخ کی تڑپ آیت سے بالکل عیاں ہے۔ ویکون فی الاٰیة دلیل علٰی نهاية عطشهم و شدة جوعهم (روح) حَرَّمَهُمَا۔ ضمیر تثنیہ سے مراد جنت کا کھانا پانی ہے۔ یعنی طعام الجنة و شرابها (قرطبی) بعض فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ پانی پلانا بہترین اعمال میں سے ہے۔ فی هٰذه الاٰية دليل علٰى ان سقى الماء من افضل الاعمال (قرطبی) و۱۷ جحد کے معنی اُوپر بیان ہو چکے ہیں کہ مطلق انکار یا کسی غلط فہمی کی بناء پر انکار کے نہیں بلکہ دل سے حق کے قائل ہو کر بھی ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی سے انکار کیے چلے جانے کے ہیں۔ الجحود نفى ما فى القلب اثباته و اثبات ما فى القلب نفيه (راغب) مَا كَانُوْا۔ میں ما مصدری ہے یعنی جیسا کہ انہوں نے بھلا دیا تھا۔ ما مصدرية اى كنسيهم (قرطبی) دِيْنَهُمْ۔ سے مراد مفسرین نے لی ہے وہ دین جس کا قبول کرنا ان لوگوں پر واجب تھا۔ الذى امرهم الله تعالٰى به (روح) لیکن دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خود وہی دین جسے وہ اختیار کیے ہوئے تھے اسی کو انہوں نے بجائے زادِ آخرت بنانے کے محض ایک کھیل، تماشہ یا سوانگ کی حیثیت دے رکھی تھی۔ عبادات ہیں تو اُن میں ناچ گانا، روشنی باجا، عقاید ہیں تو اُن میں دیوی دیوتاؤں کے ساتھ تلعب، ساری ساری عمر بس میلے ٹھیلے میں گزار دیتے ہیں۔ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ چونکہ دنیوی زندگی میں کوئی صریح اور بیّن وبال ان پر نہیں آتا۔ یہ دھوکے میں آجاتے اور اپنے انہی عقائد باطلہ پر جم جاتے ہیں۔ نَنْسٰىهُمْ۔ انساء الٰہی سے جو ظاہر ہے کہ بالکل ارادی اختیاری ہوگا۔ مراد اللہ کا ان لوگوں کو رحمت کے ساتھ یاد نہ فرمانا ہے۔ محاورۂ عرب میں نسیان وانساء کا یہ استعمال نامعلوم نہیں۔ و قد جاء النسيان بمعنى الترک كثيرًا (روح) ف بکتاب۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ بجائے الکتب کے کتابٌ تنوین کے ساتھ لانا عظمت شان کے لیے ہے۔ الكتاب هو القراٰن و تنوينه للتفخيم (روح) و۲۷ (اور جس کتاب میں کسی خطا وغلطی کا امکان نہیں) على علم منا به لم يقع فيه سهو ولا غلط (قرطبی) و۳۷ (اور اب تو ہمیں اُن حقائق کا مشاہدہ ہو رہا ہے) هَلْ يَنْظُرُوْنَ۔ یعنی منکرین یا اتمام حجت ووضوح حق کے بعد بھی انکار کیے جانے والے تو بس اسی کے منتظر ہیں۔ تَاْوِيْلَهٗ۔ یعنی وعدۂ سزا کے عملی ظہور اور قرآن کے بتائے ہوئے مصداق کے۔ تاویل سے مراد وعید قرآنی کے آخری نتیجہ کے ہیں عاقبة ما وعدلهم فى القراٰن (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اى الا عاقبة امره و ما يؤل اليه من تبيّن صدقه (کشاف) يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ۔ یعنی اُن آخری نتائج اور حقائق کے ظہور کا وقت۔ یوم آخرت۔ اے تبدو عواقبه يوم القيامة (قرطبی)

يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

گڑھا کرتے تھے و۷۴ بیشک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں

وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

اور زمین کو پیدا کر دیا چھ دنوں میں پھر قائم ہو گیا عرش پر و۷۵

يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ

ڈھانپ لیتا ہے رات سے دن کو، وہ جلدی سے اُسے آ لیتی ہے اور سورج

وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ

اور چاند اور ستاروں کو (اسی نے پیدا کیا) سب اس کے حکم کے تابع، یاد رکھو اسی کے لئے خاص ہے آفرینش (بھی)

وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ

اور حکومت (بھی) برکت سے بھرا ہوا ہے، اللہ سارے جہانوں کا پروردگار، و۷۶ اپنے پروردگار سے دعا کرو۔

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ ج

عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے، بیشک وہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا و۷۷

وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ

اور ملک میں اس کی درستی کے بعد فساد نہ مچاؤ اور اللہ کو پکارتے رہو

خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ

ڈر کے ساتھ (بھی) اور آرزو کے ساتھ (بھی) بیشک اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ

بہت نزدیک ہے و۷۸ اور وہ وہی (خدا ہے) جو ہواؤں کو قبل اپنی رحمت (یعنی بارش) کے

بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا

خوشخبری کے لئے بھیجتا ہے و۷۹ چنانچہ جب وہ (ہوائیں) بھاری بادل کو اٹھا لیتی ہیں

ع ۶ / ۱۴

و۷۳ یعنی یہ اقرار واعتراف اب سب بے اثر رہے گا اور کوئی ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔ نُرَدُّ۔ یعنی ہم دنیا میں جو دار العمل ہے ایک بار پھر واپس جائیں۔ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِىْ كُنَّا نَعْمَلُ۔ یعنی دنیا میں جا کر ان اعمال کفر وفسق کے برعکس اب کی ایمان واعمال صالحہ اختیار کریں۔ و۷۵ یعنی عزت وجلال کے تحت پر۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ خلق یعنی عدم محض سے انہیں وجود میں لے آیا۔ یہ نہیں کہ مادہ سب پہلے سے خود بخود یا خود آفریدہ موجود تھا اور خدا نے ان میں صرف ترکیب وترتیب پیدا کر دی جیسا کہ بہت سی جاہل مشرک قوموں نے فرض کر رکھا ہے۔ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ یہ پرعظمت وہیبت ناک آسمان جن کی پرستش بہ طور دیوتا یا خدائے اعظم کے کلدانی اور مصری، ہندی اور یونانی، سب اپنے اپنے اوج تمدن کے وقت کرتے آتے ہیں اور یہ زمین جو دھرتی مائی کی حیثیت سے دنیا میں بہ کثرت پوجی گئی ہے۔ یہ معبود ومسجود ہونا تو الگ رہا، خود اپنے کو وجود میں لانے پر بھی قادر نہیں رہے ہیں، بلکہ ساری دوسری موجودات کی طرح اللہ کی مخلوق ہی ہیں۔ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ یوم سے مراد ظاہر ہے کہ یہ متعارف یوم چوبیس گھنٹوں والا تو ہو نہیں سکتا کہ یہ خود نتیجہ ہے حرکت ارض یا حرکت شمس کا اور بیان اُس وقت کا ہو رہا ہے جب یہ چاند، سورج، زمین، آسمان سرے سے موجود ہی نہ تھے۔ بلکہ مراد یہاں مطلق زمانہ ہے۔ یعنی چھ مختلف زمانوں میں یا چھ مراتب وجود کے ساتھ۔ اى فى ستة اوقات (بیضاوی۔ روح) اور یوم کے معنی مطلق مدت کے محاورۂ عرب میں برابر مستعمل ہیں۔ قد یعبر به عن مدةٍ من الزمان اى مدة كانت (راغب) البتہ توریت (کتاب پیدائش باب اول) میں صبح شام کی تصریح بار بار آئی ہے۔ اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ یعنی پہلا مرتبہ خلق کائنات کا تھا۔ اب اس کے بعد اس نے حکومت وتدبیر کے احکام جاری کرنے شروع کر دیئے۔ عرش کے لفظی معنی تخت کے ہیں۔ اور العرش سے مراد تخت حکومت الٰہی ہوتا ہے جو ہر قسم کے مادی تعینات سے ماوراء ہے۔ وكنى بالعرش عن العز والسلطان والمملكة (راغب) والمراد بالاستواءِ على العرش نفاذ القدرة و جريان المشية (کبیر) و اذا استقام لهٗ ملكه و اطرد امره و حكمه قالوا استوىٰ علىٰ عرشه هٰذا ما قاله القفال واقول من الذى قالهٗ حق و صدق و صواب (کبیر) يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ۔ اس میں یہ بتا دیا کہ رات اور دن کوئی صاحب ارادہ ہستیاں نہیں (جیسا کہ بعض جاہلی قوموں نے سمجھ رکھا ہے) کہ اپنے قصد وخواہش سے اپنا ظہور ونمود کرتی رہیں۔ اور نہ مشین کی طرح اضطراراً ان میں ردّ وبدل ہوتا رہتا ہے۔ (جیسا کہ ملحدوں نے فرض کر رکھا ہے) بلکہ دونوں اپنے ظہور، نمود، وجود میں ہر مخلوق کی طرح تمام تر ارادۂ الٰہی کے تابع ومحکوم ہیں۔ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا۔ دن آناً فاناً گزرتا معلوم ہوتا ہے، حتیٰ کہ دفعۃً رات آجاتی ہے (تھانوی) حث کے عام معنی جلدی وتیزی کے ہیں۔ الحث الاعجال والسرعة۔ لیکن حثیثاً کے دوسرے معنی لازمی کے بھی کیے گئے ہیں۔ اى يطلبهٗ دائمًا من غير فتور (قرطبی) وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ۔ چاند، سورج، ستارے ان میں سے کوئی بھی صاحب ارادہ، صاحب تصرف دیوی دیوتا نہیں بلکہ اپنی ایجاد میں، آثار میں، اختیار میں ہر شے میں مجبور ومحکوم ہے۔ اللہ ہی جو اور جس طرح چاہے ان میں تصرفات کرے۔ بِاَمْرِهٖ۔ میں امر سے مراد احکام تکوینی ہیں کہ چاند، سورج، ستارے، احکام تشریعی کے مکلف نہیں۔ لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ یعنی کوئی اس کا مطلقاً شریک نہیں۔ نہ خالق ہونے میں نہ حاکم ہونے میں۔ شرک کی عموماً دو ہی صورتیں رائج رہی ہیں۔ ایک یہ کہ کائنات کی تخلیق میں دوسروں کو شریک سمجھا جائے۔ دوسرے یہ کہ خالق تو تنہا اللہ کو تسلیم کر کے انتظاماتِ خلق دوسروں کے ذمہ سمجھے جائیں۔ خلق و امر دو لفظ لانے سے دونوں شقوں کی کلی نفی و تردید مقصود ہے۔ و۷۶ (یعنی وہ پروردگارِ عالم ہر قسم کے کمالات کا جامع ہے) و۷۷ (اور دعا میں آدابِ دعا وعبودیت کا لحاظ نہ رکھنا بھی ایک صورت حد سے نکل جانے ہی کی ہے) آدابِ دعا میں یہ بھی داخل ہے کہ دُعا نہ محالاتِ عقلیہ وعادیہ کی مانگی جائے۔ اور نہ معاصی کی طلب وتمنا پیش کی جائے۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ۔ یہ دعا مانگنے کی دعوت ہر حال میں اور بڑی چھوٹی ہر حاجت کے لیے دی جا رہی ہے۔ رَبَّكُمْ۔ کے لفظ نے بندوں کو یاد دلا دیا کہ جس سے دعا مانگ رہے ہو، وہ کوئی ظالم اور سخت گیر حاکم نہیں، وہ تو تمہارا شفیق پروردگار ہے۔ وہی تو تمہاری مادّی ورُوحانی ہر طرح کی ترقیوں کا ضامن ہے۔ تَضَرُّعًا۔ دعا تو خود ایک عبادت ہی ہے۔ چاہیے کہ حسب شانِ عبودیت لجاجت کے لہجہ میں اور خشوع قلب کے ساتھ ہو۔ بہ طور حکومت کے نہ ہو کہ جیسے موکلوں، جنات یا شیاطین کے لیے منتر، عملیات وغیرہ پڑھے جاتے ہیں۔ خُفْيَةً۔ اور دعا چلّا چلّا کر بھی نہ مانگو کہ (نعوذ باللہ) جیسے تمہارا پروردگار اُونچا سنتا ہے۔ انجیل میں ہے کہ:۔ ”اور دعا مانگتے وقت غیر قوموں کے لوگوں کی طرح بک بک نہ کرو۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بہت بولنے کے سبب ہماری سنی جائے گی“۔ (متی۔ ۶:۷) دوسری بات یہ ہے کہ دُعا چپکے چپکے مانگنے میں ریا ونمائش کا بھی احتمال نہیں رہتا۔ حدیث میں ایسی ہی دُعا کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم دونوں میں یہ روایت آتی ہے کہ لوگ دُعا چلّا چلّا کر مانگ رہے تھے، ان پر آپ نے فرمایا کہ تم جسے پکار رہے ہو وہ نہ گراں گوش ہے اور نہ کہیں دُور ہے وہ تو قریب بھی ہے اور خوب سنتا بھی ہے۔ عن ابى موسى الا شعرى قال رفع الناس اصواتهم بالدعا فقال رسول الله ﷺ ايها الناس ارجعوا على انفسكم فانكم لا تدعون اصم و لا غائبًا ان الذى تدعون سميع قريب اور حنفیہ نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد آمین بھی جو دُعا ہی کی ایک شکل ہے آہستہ کہنی چاہیے۔ وقد استدل اصحاب ابى حنيفة بهٰذا على ان اخفاء امين اولىٰ من الجهر بها لانه دعاء (قرطبی) و فى ذٰلك دليل علىٰ ان اخفاء امين من قراءة فاتحة الكتٰب فى الصلوٰة افضل من اظهاره لانه دعاءٌ (جصاص) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں

اشارہ ہے طریق جلوت وخلوت یا عباداتِ جوارح وعباداتِ قلب کی طرف۔ ف۷۸ (سو تمہیں اجر ہی ملنا یقینی نہیں ہے اس کا جلد ملنا بھی یقینی ہے) وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ کائنات کی اصلاح ودرستی قانونِ اسلام کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے ہی سے ہوتی ہے اور اس مکمل دستور العمل سے انکار ہی پہلے فسادِ عقاید اور پھر فسادِ اعمال، فسادِ اخلاق، جرائم ومعاصی، قتل و خونریزی ہر قسم کے فسادات کا باعث ہوتا ہے۔ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ خوف تو اس لحاظ سے کہ شرائط قبول دُعا میں سے کوئی چیز چھوٹ نہ گئی ہو، اور آرزو اس کی کہ کوئی شرط چھوٹنے نہ پائی ہو۔ ای مع الخوف من وقوع التقصير فی بعض الشرائط المعتبرة فی قبول ذٰلک الدعاء و مع الطمع فی حصول تلک الشرائط باسرها (کبیر) ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر کہیں اس نے عدل شروع کردیا تو ہمارے اعمال کس قابل ہیں۔ ہمیں تو ڈرتے ہی رہنا چاہیے البتہ آرزو اس کے فضل کی رکھنا چاہیے۔ قال ابن جريج خوف العدل و طمع الفضل (معالم) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خوف کا لفظ ناز، عجب وپندار کی تردید میں ہے اور آرزو کی تاکید مایوسی کے مقابلہ میں ہے۔ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔ رحمة کا لفظ مؤنث ہے اس لیے قاعدہ سے قریب کے بجائے قریبة ہونا تھا۔ لیکن رحمة کو جو مؤنث غیر حقیقی ہے یہاں رحم یا ثواب یا غفران کے مرادف قرار دیا گیا ہے۔ اور خبر مذکر قریب اسی مناسبت سے لائی گئی ہے۔ انما ذكر قريب على تاويل الرحمة بالرحم اوللتراحم (کشاف) او لان تانيث الرحمة غير حقيقی (کشاف) قال سعيد بن جبير الرحمة ههنا الثواب فرجع النعت الى المعنى دون اللفظ (معالم) قال الزجاج انما قيل قريب لان الرحمة والغفران فی معنى واحد و كذٰلک كل تانيث ليس بحقيقی (امالی ابن الشجری جلد ۲ صفحہ ۲۵۶) قال النضر بن شميل، الرحمة مصدر و من حق المصادر التذكير كقوله فمن جاءه موعظة (کبیر) ف۷۹ (عموماً وعادۃً) قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں میں اور ان کی تعداد دو ایک کی نہیں پچاسوں کی ہے، یہ خوب یاد رکھا جائے کہ بیان واقعاتِ تکوینی کی صرف غالب اور عمومی حالت کا ہوتا ہے۔ حصر وکلیت کہیں بھی مقصود نہیں ہوتی ورنہ پھر معجزات وخوارق کا تو سرے سے سد باب ہوجائے...... خارق کے معنی بھی ایک عمومی دستور میں خرق ہوجانے کے ہیں۔ ف۸۰ یعنی یہ تکوینی داستان تمہارے سامنے اس لیے دُہرائی گئی کہ تم اس مشاہدۂ فطرت سے توحید الٰہی اور مُردوں کے زندہ کرنے کی قدرت پر استدلال کرسکو۔ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا۔ یعنی ہوا بادل کے اجزا کو باہم ملائے رہتی اور انہیں فضا میں معلق رکھتی ہے۔ سُقْنٰهُ۔ فَاَنْزَلْنَا بِهِ۔ دونوں میں ضمیر بادل کی طرف ہے۔ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ضمیر پانی کی طرف ہے۔ اَلْبَلَدُ الطَّيِّبُ...... نَكِدًا سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مفہوم کو ادا کیا ہے ؎ باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست۔ در باغ لالہ روید ودر شورہ بوم خس۔ رحمت الٰہی کی بارش سب پر یکساں ہوتی رہتی ہے۔ خوش طینت اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ بدطینت پر وہ سارا لطف ضائع جاتا ہے۔ بِاِذْنِ رَبِّهٖ۔ یہ ٹکڑا بڑھا کر یاد دلا دیا کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے آپ ہی آپ مشین کی طرح نہیں ہوتا رہتا بلکہ کوئی اس نظام فطرت کا ناظم منتظم بھی ہے۔ سب کچھ اسی کی مشیت تکوینی سے ہوتا ہے۔ متکلمین نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ مومن خیر وطاعت کی قسم سے جو کچھ بھی کرتا ہے سب توفیق الٰہی ہی سے انجام دیتا ہے۔ ذٰلک يدل على ان كل ما يعمله المومن من خير و طاعة لا يكون الا بتوفيق الله (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے مسئلہ استعداد کی یعنی اس میں مثال آئی ہے ایسے شخص کی جس میں وعظ مؤثر ہوتا ہے اور ایسے کی جس میں مؤثر نہیں ہوتا۔ شخص طیب الاستعداد اور شخص فاسد الاستعداد کی۔ ف۸۱ (یعنی وہ لوگ جو انہیں اپنی فلاح کی چیز سمجھ کر ان کی قدر کرتے، ان میں غور کرتے اور ان پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ ف۸۲ حضرت نوح علیہ السلام بن لامک قدیم ترین انبیاء میں سے ہیں۔ زمانہ کی تعیین دشوار ہے۔ بعض اندازوں کے مطابق ان کا زمانہ ۳۸۰۰ ق، م تا ۲۸۵۰ ق، م سمجھیے۔ توریت کی کتاب پیدائش میں ان کا مفصل ذکر باب ۵ سے باب ۹ تک آتا ہے البتہ اس میں مناقب کے ساتھ ساتھ مثالب بھی موجود ہیں۔ قَوْمِهٖ یہ لوگ ملک عراق میں آباد تھے۔ اور دنیا کی ہر جاہلی، گو بہ ظاہر مہذب قوم کی طرح شرک میں مبتلا تھے۔ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ سے مراد دونوں عذاب ہوسکتے ہیں۔ عذاب قیامت بھی اور دنیا کا عذاب طوفان بھی۔ ولا شک ان المراد منه اما عذاب يوم القيامة او عذاب يوم الطوفان (کبیر) ف۸۳ (کہ آبائی دین سے باغی ومنحرف ہوکر ایک نئے عقیدۂ توحید کی دعوت دے رہے ہو) اَلْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖ۔ ہر صحیح اور سچی اصلاحی تحریک کی مخالفت میں سب سے پیش پیش قوم کے امراء واہل وجاہت ہی ہوتے ہیں۔ یہی تاریخ کا تجربہ ہے اور اسی کو قرآن مجید نے بھی ہر جگہ نمایاں رکھا ہے۔ الملأ اشراف القوم و رؤساؤهم (قرطبی) ف۸۴ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ شرک کے پورے فلسفہ پر ضرب کاری لگانے والا لفظ یہی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے۔ مشرک نظام کائنات کو متفرق ومنتشر صورت میں دیکھنے کا عادی ہوتا ہے۔ وہ یہ تو سمجھ سکتا ہے کہ فلاں دیوی اور فلاں دیوتا فلاں، فلاں شعبہ کے مالک ہیں لیکن یہ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ کوئی مالک الملک سارے عالموں کا تاجدار اور پروردگار بھی ہے۔

سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا

تو ہم اسے کسی خشک بستی کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ سے پانی نازل کرتے ہیں

بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ

پھر ہم اُس کے ذریعہ سے ہر طرح کے پھل نکالتے ہیں اسی طرح ہم مُردوں کو نکال کھڑا کریں گے شاید کہ تم (اس سے)

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ

نصیحت حاصل کرو، ف۸۰ اور ستھری بستی میں پیداوار اس کے پروردگار کے حکم سے (خوب)

رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ

نکلتی ہے اور جو (بستی) خراب ہے اس کی پیداوار نکلتی بھی ہے تو بہت کم، ہم اسی طرح

نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا

دلائل ہیر پھیر کر بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو شکر گزار ہیں ف۸۱ بالیقین ہم نے نوح کو

اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم والو تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی

غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾

معبود نہیں مجھے تمہارے لئے ایک بڑے (سخت) دن کے عذاب کا اندیشہ ہے ف۸۲

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾

ان کی قوم کے رُوددار لوگ بولے ہم تو تم کو کھلی گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں ف۸۳

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ

(نوح نے) کہا اے میری قوم والو مجھ میں تو (کوئی) گمراہی نہیں بلکہ میں تو سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ

رسول ہوں ف۸۴ میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں،

ع ۵ / ۱۴

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ

اور میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے و۸۵ کیا تم اس پر حیرت کرتے ہو کہ

جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ سے نصیحت پہنچی ہے

لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ

تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تاکہ تم ڈرو عجب کیا جو تم پر رحم کیا جائے و۸۶ پر ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا

تو ہم نے نوحؑ کو بچالیا اور اُن لوگوں کو بھی جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے ان لوگوں کو ڈبو دیا

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع

جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا بیشک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے و۸۷

ع ۸ / ۱۵

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور عاد کی طرف ہم نے اُن کے بھائی ہودؑ کو (بھیجا) و۸۸ انہوں نے کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو،

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ

اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے سو کیا تم ڈرتے نہیں؟ و۸۹ ان کی قوم میں جو زوردار

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ سَفَاهَةٍ

لوگ کفر کر رہے تھے بولے ہم تو تم کو حماقت میں (مبتلا) دیکھتے ہیں

وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ

اور ہم تو تم کو جھوٹوں میں سے خیال کرتے ہیں و۹۰ (ہودؑ نے) کہا اے میری قوم والو مجھ میں تو (کوئی بھی)

سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ

حماقت نہیں بلکہ میں تو رسول ہوں (سارے) جہانوں کے پروردگار کی طرف سے، پہنچاتا ہوں تمہیں

و۸۵ (چنانچہ میں جانتا ہوں کہ دعوتِ توحید سے انکار کا وبال تم پر ضرور پڑکر رہے گا) اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ۔ پیغمبر خدا کا مظہر یا اوتار نہیں ہوتا۔ صرف مبلغ و داعی ہوتا ہے۔ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں یہ بات ابھی پہلے بھی آچکی ہے۔ اور اب دوبارہ مزید تصریح و تاکید کے لیے ہے۔ مشرک قوموں کی سمجھ میں جس طرح توحید نہیں آتی، اسی طرح رسالت کا تصور بھی اُن کے ذہن کی گرفت سے باہر ہی رہتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ اوتار وغیرہ کے مشرکانہ تخیل کے پھیر میں پڑے رہتے ہیں۔ اَنْصَحُ لَكُمْ۔ شفقت، خیر خواہی تو گویا پیمبر کے ضمیر ہی میں داخل ہوتی ہے۔ وہ اُمت اجابت تو خیر اُمت دعوت کے ساتھ بھی جو کچھ معاملہ کرتا ہے اس کی بنیاد اخلاق و شفقت ہی پر ہوتی ہے۔ جس میں خود غرضی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ النصح اخلاص النیة من شوائب الفساد فی المعاملة (قرطبی) اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ۔ پیمبر کا یہ علم اس کا اپنا کسب کیا ہوا نہیں۔ اللہ ہی کی طرف سے عطا کیا ہوا ہوتا ہے۔ و۸۶ (باوجود تمہارے پچھلے انبار معاصی کے) اَوَعَجِبْتُمْ...... مِّنْكُمْ مشرک جاہلی قوموں کی اُلٹی سمجھ میں اوتار کا عقیدہ تو آجاتا ہے۔ یعنی یہ کہ خالق کائنات خود کسی انسان یا کسی دوسری مخلوق کے قالب میں جلوہ گر ہو کر آگیا۔ لیکن یہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کسی اعلیٰ ظرف و کمالات والے انسان کے ذریعہ سے اپنے احکام و ہدایات دنیا کو بھیج سکتا ہے۔ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ۔ منکم سے مراد من جنسکم ہے اور علی رجل سے مراد منزّل علی رجل ہے۔ المعنی ان جاء کم ذکر من ربکم منزّل علی رجل منکم (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنے ہمعصر اولیاء سے محض ان کی معاصرت کی بنا پر نفرت و حقارت کا برتاؤ جاہلوں کا آج تک شیوہ چلا آرہا ہے۔ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا۔ ل دونوں میں تعلیلیہ ہے اور پورے فقرہ میں سببیت کی ایک خاص ترتیب پائی جاتی ہے۔ یعنی پیمبر کا آنا تو انذار کے لیے ہوتا ہے اور یہی انذار سبب ہو جاتا ہے، تقویٰ کا اور تقویٰ سبب بن جاتا ہے جلب رحمت کا۔ و۸۷ (اپنی فرط جہالت سے، اور انہیں حق و باطل نفع و نقصان کچھ نہیں سوجھتا تھا) فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ۔ اس نجات کا تعلق عذاب طوفان سے ہے۔ یعنی انہیں ہمہ گیر غرقابی سے صاف بچالیا۔ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ یہ الفاظ خود اس پر دلالت کررہے ہیں کہ طوفان صرف مکذبین و منکرین کے لیے بہ طور سزا کے آیا تھا۔ ساری دنیا سے اس کا تعلق نہ تھا۔ عراق کی سرزمین خصوصاً کوہ ارارات کی وادیوں میں اب تک ایک مہیب طوفان کے نشانات اہل فن کو ملتے رہتے ہیں۔ توریت میں اس طوفان کے سلسلہ میں تصریحات ذیل ملتی ہیں:۔ ”وہ نوح علیہ السلام چھ سو برس کا تھا جب طوفان کا پانی زمین پر آیا“۔ (پیدائش ۷:۶) ”جب نوح علیہ السلام کی عمر چھ سو برس کی ہوئی، دوسرے مہینہ کی سترھویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی۔“ (پیدائش ۷:۱۱، ۱۲) طوفانِ نوح علیہ السلام کا تخمینی سال، ۳۲۰۰ ق،م ہے یعنی آج (۱۹۴۶ء) سے پورے ۵۱۴۶ سال قبل۔ فِى الْفُلْكِ۔ کشتی کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہ کوئی چھوٹی موٹی ڈونگیا ناؤ تھی۔ محققین اثریات کا خیال ہے کہ یہ خاصہ بڑا جہاز اُوپر نیچے تین درجوں کا تھا۔ اور اُس کی پیمائش توریت میں حسب ذیل دی ہوئی ہے:۔ ”اُس کی لمبائی ۳۰۰ ہاتھ اور اُس کی چوڑائی ۵۰ ہاتھ اور اس کی اونچائی ۳۰ ہاتھ کی“۔ (پیدائش۔ ۶:۱۵) گویا اتنا بڑا مسافروں کا جہاز (Liner) تھا جو برطانیہ اور امریکہ کے درمیان عموماً چلتے رہتے ہیں۔ حسب روایت توریت یہ جہاز ۱۵۰ دن (یا ۵ مہینہ) تک چلتا رہا۔ و۸۸ (بہ طور پیغمبر کے) ہود۔ سامی نسل کے قدیم ترین پیمبروں میں سے ہوئے ہیں۔ عرب آپ سے خوب واقف تھے۔ جنوبی عرب میں آج بھی قبر نبی ہود علیہ السلام کے نام سے ایک مقام مرجع خلائق و زیارت گاہ ہے۔ جس کا ذکر انگریزی سیاح بھی برابر کرتے ہیں۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ آپ ہی کا نام توریت (کتاب پیدائش) میں عبر کرکے آیا ہے۔ عاد ایک قدیم عرب قوم کا نام ہے۔ جو جنوبی عرب میں آباد تھی۔ اور اس کے حدود مشرق میں خلیج فارس کے شمال سے مغرب میں بحر قلزم کے جنوب تک وسیع تھے...... گویا آج کے یمن، عمان وغیرہ سب اس میں شامل تھے۔ اور ان کا پایہ تخت یمنی شہر حضر موت تھا۔ قوم کا نام اپنے مورثِ اعلیٰ کے نام پر ہے۔ اور ان کا مشہور نسب نامہ یہ ہے عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح۔ اپنے زمانہ کی متمدن ترین قوم تھی۔ اپنے لمبے لمبے سفروں کے لیے ضرب المثل۔ اَخَاهُمْ۔ اخ سے مقصود ہے اشتراک وطنیت یا اشتراک قومیت کا اظہار۔ یہ ایک عام سنت الٰہی رہی ہے کہ قوم کی ہدایت کے لیے پیمبر اسی کا ہم قوم و ہموطن بھیجا جاتا تھا۔ ای اخاهم فی القبیلة (قرطبی) و معنی کونه علیه السلام اخاهم انه منهم نسباً و هو قول الکثیر من النسابین (روح) و العرب تسمی صاحب القوم اخا القوم (کبیر) و۸۹ (شرک کے دنیوی و اُخروی وبال سے) شرک کی تردید اور توحید کی دعوت بس یہی سارے انبیاء کی تبلیغ کا لب لباب رہی ہے۔ تَتَّقُوْنَ۔ میں اشارہ ادھر بھی ہوسکتا ہے کہ قوم نوح علیہ السلام کے انجام غرقابی سے بھی تم نہیں ڈرتے! اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ یہ پیام توحید تو ہر نبی کی دعوت میں مشترک ملے گا۔ و۹۰ داعیانِ حق کو جواب بھی ہر قوم کے ”روشن خیالوں“ کی طرف سے یکساں ہی ملا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عقلاء دین کو سفیہ کہنے کا طریقہ سفہاء قدیم سے آج تک چلا آرہا ہے۔

رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ

اپنے پروردگار کے پیامات اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں ف۹۱ کیا تمہیں حیرت اس پر ہے

اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ

کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے، تم ہی میں سے ایک مرد کے واسطے سے نصیحت آئی

لِیُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ

تاکہ وہ تمہیں ڈرائے، اور وہ وقت یاد کرو جب تمہیں (اللہ نے)

بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ

قوم نوحؑ کے بعد آباد کیا اور ڈیل ڈول میں تمہیں پھیلاؤ بھی زیادہ دیا

فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا

سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو، تاکہ (ہر طرح) فلاح پاؤ ف۹۲ وہ بولے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو

لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ

کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ بیٹھیں جن کی عبادت ہمارے باپ (دادا) کرتے آئے ہیں؟

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۷۰﴾

سو اگر تم سچے ہو تو جس (عذاب) کی دھمکی دیتے ہو اسے لے آؤ ہمارے پاس ف۹۳

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ؕ

(پیغمبر نے) کہا (تو اچھا) اب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے عذاب اور غضب ف۹۴

اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ

آ ہی پڑا کیا تم مجھ سے بس بحثی ناموں کے بارے میں لگائے ہوئے ہو جو تم نے

وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا

اور تمہارے باپ (دادوں) نے ٹھیرا رکھے ہیں، اللہ نے تو ان پر کوئی دلیل اُتاری نہیں سو تم بھی انتظار کرو

ف۹۱ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ رَسُوْلٌ۔ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ۔ نَاصِحٌ۔ وغیرہ پر حاشیے ابھی ابھی اُوپر گزر چکے ہیں۔ ف۹۲ (کہ یہی فلاح دنیوی و اُخروی ہر پیمبر کی تبلیغ و دعوت کا اصل مقصود رہی ہے) جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ۔ یعنی بعد قوم نوح علیہ السلام کے بہ حیثیت ایک زبردست وپرقوت قوم کے تم ہی کو زمین پر آباد کیا۔ خلفاء سے مراد زمین پر نفس آبادی کی جانشینی ہے۔ یہ مراد نہیں کہ قوم نوح علیہ السلام کے وطن و ملک ہی میں آباد کیا ہو۔ چنانچہ قوم ہود علیہ السلام وقوم نوح علیہ السلام (عراق) سے بہت ہٹ کر جنوبی عرب میں آباد تھی۔ من علیهم بان جعلهم سكان الارض بعد قوم نوح (قرطبی) وَزَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً۔ قوم عاد جسمانی حیثیت سے بڑے قد آور وقوی ہیکل لوگ تھے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ قوت و جسامت میں زیادتی بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے تو دنیوی نعمتوں کی تحقیر زہد میں داخل نہیں، جیسا کہ بعض اہل تقشف و تشدد کا مذاق ہے فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ۔ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اور اس کے احسانات یاد کرکے اس کی شکرگزاری پر زیادہ راغب و مائل ہو۔ ف۹۳ (ابھی اور فی الفور) دورِ انبیاء میں مشرکوں کو یہ مغالطہ بھی ہمیشہ ہی رہا ہے جب پیمبروں کا وعظ سنتے اور دلائل و جواب میں کچھ بن نہ پڑتا تو یہی کہنے لگتے کہ "لے آؤ نا اپنا عذاب دیکھیں تو وہ کیسا ہے"؟...... گویا پیمبروں کا وعدہ فی الفور عذاب کا تھا۔ اور گویا عذاب الٰہی کا لانا پیمبروں کے اختیار کی چیز تھی! اَجِئْتَنَا...... اٰبَآؤُنَا اسے وہ بڑے استعجاب کے لہجہ میں اور ایک انتہائی عجیب و غریب بات سمجھ کر کہتے۔ مشرکوں کو اصلی چڑ ہمیشہ توحید سے رہی ہے۔ انکار انہیں نفس وجودِ باری سے نہیں۔ وہ ملحد اور دہری نہیں ہوتے صرف مشرک ہوتے ہیں۔ یعنی نام خدا کا جتنی بار چاہیے لیجئے مگر جب بھی لیجئے تنہا نہ لیجئے۔ دوسروں کے ساتھ ملا جلا کر لیجئے ف۹۴ یعنی مستحق عقوبت تو تم اپنے قول و کردار سے ہو ہی چکے۔ اب نزول عذاب جس وقت بھی ہو جائے۔ معنی وقع ای وجب (قرطبی) ای حق علیکم و وجب (کشاف)

و۹۵ (عذابِ الٰہی کے) فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ۔ یعنی تمہارے ان دیوتاؤں اور منہ بولے خداؤں کی حقیقت اور حیثیت اور ہے کیا بجز چند گڑھے ہوئے ناموں اور اصطلاحوں کے؟ معنویت اور حقیقت سے معرّی۔ بِهَا۔ یعنی ان کی معبودیت پر۔ ای فی عبادتها (قرطبی) مَا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ۔ یعنی کوئی شہادت، کوئی ثبوت تمہارے ان گڑھے ہوئے دیوی دیوتاؤں کے وجود کا نہ تو عقلِ سلیم کو اور فطرتِ بشری کو ملتا ہے۔ اور نہ کوئی قدیم آسمانی نوشتہ ہی اس کی تائید میں ہے۔ نہ دلیل عقلی نہ دلیل نقلی۔ اَلَّذِیْنَ مَعَهٗ۔ معیت سے مراد رفاقت ایمانی ہے۔ یعنی جو لوگ ان پر ایمان لے آئے تھے۔ ای من اٰمن به (مدارک) عذاب الٰہی کی ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ اس سے صرف نافرمان ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ اور اہل ایمان اس سے محفوظ رہتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہر

اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ الَّذِیْنَ

اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں، و۹۵ پھر ہم نے اپنی رحمت سے بچالیا اُن (پیمبر ہود) کو اور

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا

اُن لوگوں کو جو اُن کے ساتھ تھے، اور ان لوگوں کی جڑ ہی کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو

بِاٰیٰتِنَا وَ مَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۲﴾ ع وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ

جھٹلایا تھا اور وہ ایمان والے تھے ہی نہیں و۹۶ اور (ہم نے) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو

صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

(بھیجا) و۹۷ (صالح نے) کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو کہ اس کے سوا کوئی (اور) تمہارا

اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ

خدا نہیں ہے و۹۸ اب تو تمہارے پاس ایک کھلا ہوا نشان بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے آپہنچا، یہ

نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ

اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے حق میں ایک نشان، سو اسے چھوڑے رہو، اللہ کی زمین پر

اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ

کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں عذاب دردناک

اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ

آپکڑے گا و۹۹ اور (وہ وقت) یاد کرو جب (اللہ نے) تم کو آباد کیا (قوم) عاد

عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا

کے بعد اور تمہیں زمین پر ٹھکانا دیا تم اس (زمین) کے نرم حصوں پر محل

قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ

بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو سو اللہ کی نعمتوں کو

نبی کے قصہ سے ظاہر ہوتا ہے، اور اسی سے ظاہر ہوگیا کہ موجودہ زمانہ کے ہولناک واقعات طبعی وتکوینی قحط، زلزلہ، جنگ، سیلاب، وباء وغیرہ جس سے فاسق وزاہد، کافر ومومن بلا امتیاز یکساں ہوتے رہے ہیں۔ یہ عذاب الٰہی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ عذاب الٰہی کے نمونے کہے جاسکتے ہیں۔ یہ عذابِ الٰہی ایک طوفانی آندھی کی شکل میں آیا تھا۔ و۹۶ یعنی ایمان کا ان میں گزر ہی نہ تھا۔ ایمان اگر موجود ہوتا تو یہ نوبت ہی کیوں آتی۔ تنبیه علی ان الفارق بین من نجا و بین من هلک هو الایمان۔ (بیضاوی) و۹۷ قوم کے مورثِ اعلیٰ کا نام ثمود تھا۔ اور مشہور نسب نامہ یہ ہے:۔ ثمود بن جیشیر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ عاد جس طرح عرب جنوبی ومشرقی کے مالک تھے، ثمود اس کے مقابل عرب مغربی وشمالی پر قابض تھے۔ ان کے دار الحکومت کا نام حجر تھا یہ شہر حجاز سے شام کو جانے والے قدیم راستہ پر واقع تھا۔ اب عموماً اس شہر کو مدائن صالح کہتے ہیں۔ یہ شمالی عرب کی ایک زبردست قوم تھی۔ فنِ تعمیر میں عاد کی طرح اس کو بھی کمال حاصل تھا۔ پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بنانا، پتھروں کی عمارتیں اور مقبرے تیار کرنا اس قوم کا خاص پیشہ تھا۔ یہ یادگاریں اب تک باقی ہیں۔ ان پر ارامی وثمودی خط میں کتبے منقوش ہیں۔ (ارض القرآن) از سلیمان الندوی جلد اول صفحہ ۱۸۸، ۱۸۹) اَخَاهُمْ۔ یعنی قوم ثمود کے ہموطن یا ہم قوم۔ صٰلِحًا۔ توریت میں ان سے ملتا جلتا ایک نام سلح آتا ہے۔ اگر انہی کو حضرت صالح علیہ السلام فرض کیا جائے تو شجرۂ نسب یہ پڑتا ہے۔ صالح بن ارفخشد بن سام بن نوح۔ ایک نسب نامہ یوں بھی منقول ہے۔ صالح بن عبید بن اصف بن شیح بن عبید بن جور بن ثمود۔ (خطبات احمدیہ از سید احمد خان) آپ کا مزار مبارک جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی کنارہ پر آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن) و۹۸ وہی پیام توحید جو سارے انبیاء کی دعوتوں کا خلاصہ اور سب میں مشترک رہا ہے۔ و۹۹ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی میری صداقت کا کھلا ہوا مادی نشان وہ بھی تمہاری خواہش وفرمائش کے مطابق۔ مشرک وجاہلی قوم نے فرمائش کی تھی کہ کوئی خارق عادت ہمیں دکھاؤ، تو ہم تمہیں سچا سمجھیں۔ ایک خاص قسم کی اونٹنی کا ظہور اسی فرمائش کا نتیجہ تھا۔ نَاقَةُ اللّٰهِ ناقہ کی اضافت یہاں اللہ کی جانب اسی طرح کی ہے جیسے بیت اللہ میں گھر کی اضافت اللہ کی جانب۔ یعنی تشریف وتعظیم وتخصیص کے لیے۔ واضیفت الناقة الی الله علی جهة اضافة الخلق الی الخالق و فیه معنی التشریف و التخصیص (قرطبی) اضیفت الی اسم الله تعظیمًا لها و تفخیمًا لشانها (کشاف) اللہ نے قوم کی درخواست معجزہ قبول کرکے، ایک اونٹنی کسی عجیب طریقہ سے پیدا کردی تھی اور پیمبر علیہ السلام کے ذریعہ سے حکم یہ دے دیا تھا کہ کوئی اسے چھیڑے نہیں۔ یہ اپنے آزاد گھومتی پھرے گی۔ اور جس وقت کوئی اسے نقصان پہنچائے گا بس وہی گھڑی عذاب الٰہی کی ہوگی۔ انگریز مترجم قرآن سیل نے فرنگی سیاحوں کے مشاہدات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جس پہاڑ سے وہ اونٹنی بہ طور خارق عادت برآمد ہوئی تھی اس میں اب تک ایک شگاف (۶۰) ساٹھ فٹ کا موجود ہے۔ اور جزیرہ نمائے سینا میں جبل موسیٰ کے قریب "ناقة النبی" کا نقش قدم آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

وا۱۰۰ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ۔ یعنی قوم عاد جیسی متمدن، سرسبز، ترقی یافتہ قوم کے بعد تہذیب وتمدن کا مالک تمہیں بنایا۔ یہ مطلب نہیں کہ اُنھی کا ملک تمہیں دیا...... عاد وثمود دونوں کے مرکز بالکل جداگانہ تھے۔ عاد کا مستقر جنوب مشرقی عرب تھا۔ اور ثمود کا جولانگاہ ترقی شمال مغربی عرب۔ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا۔ عادیوں کی طرح ثمودی بھی بڑے صناع سنگتراش اور اپنی تعمیرات کے لیے مشہور ہوئے ہیں۔ اور جب ان صنعتوں اور صناعیوں میں اتنے بڑھے ہوئے تھے تو لازمی ہے کہ جن علوم وفنون پر یہ صنعتیں مبنی ہیں، یعنی ریاضی ہندسہ، انجنیری ان میں بھی نہایت ممتاز وبلند پایہ ہوں۔ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ۔ اس جزء سے معلوم ہوا کہ دنیوی علوم وفنون میں کمال کا بھی شمار اللہ کی نعمتوں میں ہے۔ اور انھیں مطلقاً حرام یا ناجائز سمجھ لینا بہت زیادتی ہے۔ بعض نے اس جزء سے یہ بھی نکالا ہے کہ کافر بھی محل نعمت ہوتے ہیں۔ وھذا یدل علی ان الکفار منعم علیھم (قرطبی) وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ تہذیب وتمدن کی پیدا کی ہوئی عیش پرستیوں میں پڑکر خوفِ آخرت سے بے نیاز ہو جانا قانون شریعت کے حدود کو توڑ کر اپنے کو فسق وفجور میں ڈال دینا۔ اللہ کی عظمت اور اپنی عبدیت کو فراموش کر جانا، یہ سب فساد فی الارض میں داخل ہے۔ فقہاء کے

اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ

یاد کرو اور زمین پر فساد مت پھیلاتے پھرو **وا۱۰۰** ان کی

الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ

قوم کے جو متکبر زوردار لوگ تھے وہ ان

اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا

کمزور لوگوں سے جو اُن میں سے ایمان لے آئے تھے، بولے کیا تمہیں یقین ہے کہ صالحؑ

مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ

اپنے رب کے فرستادہ (پیمبر) ہیں وہ بولے ہم تو اس (پیام) پر ایمان ہی لے آئے ہیں جسے دیکر انہیں

مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ

بھیجا گیا ہے، **وا۱۰۱** وہ متکبر لوگ کہنے لگے ہم تو اس چیز کے منکر ہیں جس پر تم ایمان

اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ

لا چکے ہو **وا۱۰۲** غرض اونٹنی کو (بھی) مار ڈالا، اور اپنے پروردگار کے

اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ

حکم سے سرتابی کی اور کہنے لگے اے صالحؑ اگر پیمبر ہو تو اُس (عذاب) کو لے آؤ جس کی ہمیں

مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا

دھمکی دیتے ہو **وا۱۰۳** پس انہیں زلزلہ نے آ پکڑا سو وہ

فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ

اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے **وا۱۰۴** تب (صالحؑ) ان سے منہ موڑ کر چلے اور بولے اے میری قوم والو!

لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ

میں نے تو تمہیں اپنے پروردگار کا پیام پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی

ایک گروہ نے آیت سے نکالا ہے کہ بڑے بڑے محلوں کی تعمیرات بالکل جائز ہے۔ استدل بھذہ الآیة من اجاز جواز البناء الرفیع کالقصور و نحوھا (قرطبی) **وا۱۰۱** یہ لوگ بولے کہ صالح علیہ السلام کو سچا نبی سمجھنا کیا معنی ہم تو اُن کے لائے ہوئے پیاموں کو بھی سچا اور برحق سمجھ رہے ہیں۔ ان کی پیمبری کا مسئلہ تو قابل بحث ہی نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ ان کی تصدیق کون کون کرتا ہے۔ سو ہم کو تو ان کی تصدیق کی توفیق ہوگئی ہے۔ کانھم قالوا العلم بارسالہ و بما ارسل بہ مالا کلام فیہ ولا شبھة تدخلہ لوضوحہ و انارتہ و انما الکلام فی وجوب الایمان بہ فنخبرکم انابہ مومنون (کشاف) تنبیھًا علی ان ارسالہ اظھر من ان یشک فیہ عاقل و یخفی علی ذی رأی و انما الکلام فی من اٰمن بہ و من کفر (بیضاوی) اَلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا کے صیغہ کا معروف اور اَلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا کے صیغہ کا مجہول ہونا بہت معنی خیز ہے۔ رؤساء منکرین تو متکبر ونخوت پرست تھے۔ قرآن مجید نے یہ صاف وبے تکلف کہہ دیا۔ مومنین صادقین بجائے خود ضعیف وحقیر تھے یا نہیں، یہ قرآن مجید کچھ نہیں بتاتا۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ وہ لوگ ضعیف قرار دیے گئے تھے۔ حقیر سمجھ لیے گئے تھے...... اور تعبیر کے ان دو طرزوں کے درمیان کتنا فرق ہے؟ متکبرین میں تو ذم خود اہل استکبار کی ہے اور مستضعفین میں ذم حقیروں کی نہیں، انہیں حقیر سمجھنے والوں کی ہے۔ للذین استضعفوا ای للذین استضعفھم رؤساء الکفار و استذلوھم (کشاف) کونھم مستکبرین فعل استوجبوا بہ الذم و کون المومنین مستضعفین معناہ ان غیرھم مستضعفھم و یستحقرھم و ھذا لیس فعلاً صادرًا عنھم بل عن غیرھم فھولا یکون صفة ذم فی حقھم بل الذم عائد الی الذین یستحقرونھم و یستضعفونھم (کبیر) ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تکبر شعار ہے اہل کفر وفسق کا، اور مومنین کو حقیر وضعیف سمجھنا بھی اُنھی کا شیوہ ہے۔ اور یہیں سے یہ اصل بھی ہاتھ آجاتی ہے کہ غنی سے فقر بہتر ہے۔ بین اللہ تعالٰی ان کثرة المال و الجاہ حملھم علی التمرد والاباء والانکارو الکفر و قلة المال والجاہ حملھم علی الایمان و التصدیق و الانقیاد و ذٰلک یدل علی ان الفقر خیر من الغنی (کبیر) **وا۱۰۲** "قوم" کے "خواص" اور "روشن خیالوں" کی ذہنیت کا کیسا صحیح نقشہ یہ مکالمہ پیش کر رہا ہے! **وا۱۰۳** گویا پیمبر کا کام فرمائشی عذاب کی فی الفور تعمیل کرنا ہے۔ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ عقر کے معنی کونچیں کاٹ ڈالنے کے ہیں۔ مراد اس سے اونٹ کو ہلاک کر ڈالنا ہے۔ فعل عقر کا اسناد قرآن مجید ساری قوم کی جانب کر رہا ہے حالانکہ اونٹنی کے مارنے میں ظاہر ہے کہ گنتی کے چند افراد شریک ہوں گے۔ لیکن یہ عمل ساری قوم کی رضامندی واتفاق رائے سے ہوا۔ اس لیے اسے منسوب بھی قوم کی جانب کیا گیا۔ اسندالعقر الی جمیعھم لانہ کان برضاھم و ان لم یباشرہ الا بعضھم۔ اَمْرِ رَبِّهِمْ یہ امر پروردگار کا کیا تھا؟ یہ حکم اعتقاد توحید ورسالت کا تھا۔ ای ما امر بہ علی لسان صالح ...... اوشان ربھم و ھو دینہ (کشاف) **وا۱۰۴** قوم ثمود کی زلزلہ سے ہلاکت تو زمانہ قبل تاریخ کی ہے۔ یعنی اس زمانہ میں ہوئی جس کی تاریخ اس وقت محفوظ نہیں لیکن اٹلی کے مشہور اور گل وگلزار شہر پامپئی کی زلزلہ سے بربادی عہد تاریخ کی بات ہے۔ ۶۳ء تھا جب ایک زلزلہ سے یہاں کے فسق پیشہ باشندے تباہ وہلاک ہو کر رہ گئے۔ اور جو کچھ بچ رہے تھے انہیں ۷۹ء میں ایک قدرتی آتش بازی نے بھون ڈالا۔ دَارِهِمْ میں دار بہ طور اسم جنس کے آیا ہے۔ قیل وحد علی طریق الجنس (قرطبی) دار کو بلد کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ای بلدھم (قرطبی) یعنی فی بلدھم و لذٰلک وحد الدار کما یقال دارالحرب (کبیر)

و۱۰۵ (بلکہ ناقدری کے ساتھ ان کی بات ٹھکراتے رہے۔ جبھی تو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا) وَنَصَحْتُ لَكُمْ یعنی کس کس شفقت سے تمہیں سمجھایا، بجھایا! قَالَ يٰقَوْمِ ہلاک شدہ افرادِ اُمت سے یہ فرضی خطاب بے ساختہ اظہارِ قلق وحسرت کے لیے ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس خطاب سے سماعِ موتیٰ ثابت ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ کوئی دلیل قوی اس کے رد میں نہ ہو۔ و۱۰۶ حضرت لوط علیہ السلام بن حاران بن تارح (آزر) حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے۔ توریت میں اُن کا ذکر بڑی تفصیل سے ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب پیدائش باب ۱۱ تا باب ۱۹۔ البتہ محرفین توریت نے اپنے حسبِ معمول بعض بہت ہی گندی حرکتیں بھی حضرت کی جانب منسوب کردی ہیں۔ باب ۱۹۔ آپ نے جس ملک کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ وہ شرق یردن یعنی شام کا جنوبی علاقہ تھا۔ جو دریائے یردن کے اردگرد ہے۔ لِقَوْمِهٖ عربی کا لفظ ”قوم“ یہاں اُردو کے لفظ ”اُمت“ کے مفہوم میں ہے۔ عام قاعدہ اس سارے سیاق میں اُمت اور نبی کے درمیان ”بھائی“ کا رشتہ بیان کرنے کا ہے لیکن حضرت لوط علیہ السلام کی بعثت اپنی برادری یا وطن والوں کی جانب نہیں ہے بلکہ ایک دوسری قوم کی جانب ہوئی تھی۔ اس لیے وہ عام طرزِ بیان یہاں حذف کردیا گیا...... قرآن سے زیادہ ان نازک تاریخی حقائق کی رعایت اور کون کرسکتا ہے؟ آپ جس قوم کی جانب بھیجے گئے۔ یہ لوگ ملک شام کے جنوب میں دریائے یردن کی وادی میں آباد تھے، سدوم، عمورہ کا یہ علاقہ خوب سرسبز وشاداب تھا۔ ”یردن کی ساری ترائی...... خداوند کے باغ اور مصر کے ملک کی مانند خوب سیراب تھی“ (پیدائش۔ ۱۳: ۱۰) و۱۰۷ مراد اغلام جیسے گندے عمل سے ہے۔ اس کی طرف رغبت وکشش ہونا تو درکنار، تصور ہی سے ہر فطرتِ سلیم رکھنے والے کو ایک طبعی کراہت پیدا ہوتی ہے۔ جو جگہ تمامتر گندہ فضلہ کے لیے ہو اور جو عضو بجز اخراجِ فضلات کے اور کسی ضرورت سے اندر کی جانب کھلتا ہی نہیں اُسے محلِ شہوت سمجھ لینا اور اُسے لطف ونشاط کا آلہ بنالینا اپنی حد درجہ غلاظت پسندی اور گھناؤنے پن کا ثبوت دینا ہے۔ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ یہ بھی عجیب بات ہے کہ گو بعد کو (مثلاً یونانی تہذیب کی ترقی کے زمانہ میں) اس شیطانی حرکت کو بھی بڑی ترقی ہوئی۔ اور آج تو یہ یورپی اور امریکی تہذیب کا جزو لاینفک ہے اور پورا زور کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ سے لگایا جارہا ہے کہ اسے بجائے غیر طبعی کے ایک طبعی تحریک قرار دیا جائے۔ لیکن قوم لوط علیہ السلام سے قبل اس کے وجود کا تاریخ سے بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حضرت لوط علیہ السلام کے قول میں دُہری دُہری ملامت اپنی قوم پر آگئی۔ یعنی ایک تو یہ کہ ایسی شدید بدکاری میں مبتلا ہو اور پھر یہ کہ اس کے موجد بھی تم ہی ہو، یہ بھی تو نہیں کہ کسی اور کو دیکھ کر تم نے سیکھا ہو! كانه وبخهم اولا باتيان الفاحشة ثم باختراعها فانه اسوأ (بیضاوی) مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ پہلا من زائد ہے تاکیدِ نفی واستغراقِ معنٰی کے لیے ہے۔ اور دوسرا مِنْ تبعیض کے لیے ہے۔ من اُولٰی زائدة لتوكيد النفى الافادة معنى الاستغراق والثانية للتبعيض (کشاف) من لا ستغراق الجنس (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قوم لوط علیہ السلام کی بدکاری کے ساتھ اس کے عدمِ مسبوقیت کو لانا دلیل ہے اس پر کہ منکرات پر محض عمل سے کہیں بڑھا ہوا درجہ ایجادِ منکرات کا ہے۔ تو اسی پر بدعت کے درجہ شناعت کا قیاس کرلیا جائے۔ و۱۰۸ (چنانچہ ایک اسی عادت پر کیا موقوف ہے ہر معاملہ میں ایسے ہی حدود سے گزرنے والے) ای انتم مسرفون فی کل الاعمال (کبیر) توریت میں اسی مقام پر ہے:۔ ”اور سدوم کے لوگ خداوند کی نظر میں نہایت بدکار اور گناہگار تھے“۔ (پیدائش ۱۳: ۱۳) و۱۰۹ (اور ہم کو گندہ بتاتے ہیں تو ہم گندوں میں ان پاکوں کا کیا کام۔ یہ نکلیں ہمارے شہر سے) اَخْرِجُوْهُمْ میں ضمیر جمع غائب اتباع حضرت لوط علیہ السلام کی جانب ہے۔ ای لوطاً و من امن معهٗ (مدارک) يَتَطَهَّرُوْنَ یعنی بڑی پاکبازی بگھارتے ہیں۔ بڑے اپنی پاکبازی کے مدعی ہیں ای يدعون الطهارة (مدارک) و۱۱۰ توریت کی روایت میں ہے کہ وہ نافرمان عورت نمک کا ستون بن گئی:۔ ”مگر اس کی جورو نے اس کے پیچھے سے پھر کر دیکھا۔ اور وہ نمک کا کھمبا بن گئی (پیدائش۔ ۱۹: ۲۶) اَنْجَيْنٰهُ یعنی اپنے عذاب سے انہیں بچا دیا۔ اَهْلَهٗ۔ اھل میں خاندان والے اور دوسرے معتقدین مومنین سب شامل ہیں ای انصارهٗ و اتباعه الذين قبلوا دينه (کبیر) اِمْرَاَتَهٗ ان کی بیوی جو ایمان سے بھی خالی تھیں۔ كانت كافرة موالية لاهل سدوم (مدارک) اس سے یہ معلوم ہوا کہ عذابِ الٰہی کا سبب مشترک علاوہ فسق عملی کے کفر اعتقادی بھی تھا۔ و۱۱۱ خطاب یہاں عام مخاطب قرآنی سے ہے۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا یعنی ان پر پتھراؤ کیا۔ یہ بارش آگ اور پتھروں کی تھی، جیسے کسی آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے کے وقت ہوتی ہے۔ علاقہ سدوم کی تباہی کا زمانہ ماہرین فن کے تازہ ترین تخمینہ کے مطابق ۲۰۶۱ ق م کا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ہماری تفسیروں میں آتا ہے کہ چار یا پانچ شہر تھے، جو اس طرح برباد کیے گئے ہیں۔ اور ان کی آبادی کا مجموعہ چار لاکھ تھا۔ و۱۱۲ ان پیمبر شعیب علیہ السلام بن میکیل کا نام توریت میں کہیں تو تیرو آیا ہے۔ (مثلاً خروج ۳: ۱ میں) اور کہیں حوباب (مثلاً گنتی ۱۰: ۲۹ میں) نسب نامہ ہماری تفسیروں میں یوں درج ہے۔ شعیب علیہ السلام بن میکیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام۔ مَدْيَنَ۔ اس شہر کا محلِ وقوع بحر احمر کا ساحل عرب تھا۔ کوہ طور کے جنوب ومشرق میں شمالاً جنوباً عرض البلد ۲۹ درجہ، ۲۹ دقیقہ اور ۲۷ درجہ ۳۹ دقیقہ کے درمیان...... حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ایک زوجہ محترمہ بیوی قطورہ تھیں۔ انہی کے بطن سے ایک صاحبزادہ مَدْيَنَ نامی تھے۔ شہر جب آباد ہوا تو قدیم دستور کے مطابق انہی کے نام سے موسوم ہوا۔

وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٧٩﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ

لیکن تم تو خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے و۱۰۵ اور (ہم نے) لوط (کو بھی بھیجا) جبکہ انہوں نے

لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ

اپنی قوم سے کہا کہ ارے! و۱۰۶ تم تو ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے اسے دنیا جہان والوں میں سے

مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً

کسی نے نہیں کیا تھا و۱۰۷ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ

مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿٨١﴾ وَمَا

شہوت رانی کرتے ہو نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ تم ہی ہو حد سے گزرے ہوئے لوگ و۱۰۸ ان کی قوم سے

كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ

کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ کہ لگے (آپس میں) کہنے کہ انہیں اپنی بستی سے

مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ

نکال دو یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں و۱۰۹ پھر ہم نے بچا لیا لوط کو

وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڮ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٨٣﴾

اور ان کے گھر والوں کو بجز ان کی بیوی کے وہ پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی و۱۱۰

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اور ہم نے ان پر مینہ برسایا سو تو دیکھ لے مجرموں کا کیسا

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ

انجام ہوا و۱۱۱ اور مدین کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی شعیبؑ کو (بھیجا) و۱۱۲ انہوں نے کہا

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ

اے میری قوم والو! اللہ ہی کی پرستش کرو بجز اس کے تمہارا کوئی معبود نہیں اب تو

ع ۱۰/۱۷

جَآءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ

تمہارے پاس کھلا نشان بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے آچکا ۱۱۳ سو تم ناپ اور تول پوری کیا کرو

وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي

اور لوگوں کا نقصان ان کی چیزوں میں مت کیا کرو، ملک میں فساد

الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

نہ مچاؤ اس کی درستی کے بعد یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، اگر تم

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸۵ وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ

ایمان والے ہو ۱۱۴ اور سڑک پر مت بیٹھا کرو، اس طرح کہ دھمکیاں

تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ

دے رہے ہو، اور اللہ کی راہ سے ان لوگوں کو روک رہے ہو جو اس پر ایمان لا

بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا

چکے ہیں، اور اس (راہ) میں کجی تلاش کر رہے ہو ۱۱۵ اور وہ وقت یاد کرو جب تم تھوڑے تھے،

فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۸۶

پھر (اللہ نے) تمہیں بڑھا دیا اور دیکھ رکھو اہل فساد کا کیسا انجام ہوا ۱۱۶

وَ اِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْۤ اُرْسِلْتُ

اور اگر تم میں سے ایک گروہ اس پر ایمان لا چکا ہے جسے لے کر مجھے بھیجا

بِهٖ وَ طَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ

گیا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا ہے ۱۱۷ تو صبر کیے رہو، یہاں تک کہ اللہ ہمارے

اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۷

درمیان فیصلہ کر دے وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، ✱

ف۱۱۳ ممکن ہے کوئی خاص معجزہ مراد ہو، جس کی صراحت قرآن مجید میں نہیں۔ ای معجزة و ان لم تذکر فی القران (مدارک) ای معجزة مشاهدة بصحة نبوّتی (کشاف) یجب ان یکون المراد من البیّنة ههنا المعجزة (کبیر) اور ممکن ہے پیمبر کا نفس آنا ہی مراد ہو ...... و هو مجیء شعیب بالرسالة (قرطبی) ف۱۱۴ (اور میری تصدیق پر آمادہ ہو) فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ اہل مدین ایک تجارت پیشہ قوم تھی۔ ان کا اصلی فسق معاملاتِ تجارت میں بدمعاملگی اور بددیانتی تھی، اسی لیے پیمبر وقت بعد عام دعوتِ توحید کے، سب سے پہلا سبق تجارتی اخلاق کا دے رہا ہے۔ اَوْفُوا الْكَيْلَ۔ کیل سے مراد آلہ کیل یعنی کمیال ہے یا وہ چیز جو ناپی جائے۔ ارید بالکیل اٰلة الکیل وهو المکیال او سمی ما یکال به بالکیل (کشاف) وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا اصلاحی نظام یعنی شریعت خداوندی کو جزءًا یا کُلًّا قبول کرنے سے انکار کرنا، اور بندوں کے ادائے حقوق میں کمی کرتے رہنا یہ سب صورتیں فساد فی الارض ہی کی ہیں۔ وَ لَا تَبْخَسُوْا کے اطلاق وعموم کے ماتحت خیانت وبددیانتی کی ہر صنف آگئی۔ چوری، ڈکیتی، رشوت غصب وغیرہا۔ المراد من البخس التنقیص بجمیع الوجوه ویدخل فیه المنع من الغصب والسرقة و اخذ الرشوة و قطع الطریق و انتزاع الاموال بطریق الحیل (کبیر) وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مدلول نص پر قیاس کر کے صاحب روح المعانی نے کہا ہے کہ جو اہل علم اپنے معاصر فضلاء کی تعظیم وتوقیر کا حق واجب نہیں ادا کرتے وہ بھی اس آیت کی زد میں آجاتے ہیں۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اشارہ ان پانچ چیزوں کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے یعنی دو چیزیں عقاید میں سے ایک اقرار توحید، دوسرے اقرار رسالت اور تین چیزیں اعمال میں سے، ایک شفقت علیٰ خلق اللہ، دوسرے ترک بخس، تیسرے ترک افساد (کبیر) ف۱۱۵ (اعتراض واعراض کی نیت سے) تُوْعِدُوْنَ یہ لوگ ایمان والوں کو طرح طرح کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے۔ جیسا کہ ہر سرکش بدراہ قوم کا قاعدہ ہے۔ کانوا یوعدون العذاب من اٰمن (قرطبی) مَنْ اٰمَنَ بِهٖ ضمیر اسم اللہ کی طرف ہے اور شعیب علیہ السلام کی طرف بھی جائز ہے۔ یحتمل ان یعود الی اسم اللہ و ان یعود الی شعیب (قرطبی) ای باللہ (مدارک) قوم کے امراضِ خبیثہ ایک ایک کر کے بیان ہو رہے ہیں۔ امام قرطبی آیت کی تفسیر کے ذیل میں اپنے زمانہ کا حال تأسف وقلق کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں بھی خلاف شرع جبر ستانی اور ظلم وزیادتی کے طریقہ جاری ہو گئے ہیں۔ اور اسلام بجز نام اور رسم کے اب باقی ہی کہاں رہ گیا ہے۔ لم یبق من الاسلام الا رسمه و لا من الدین الا اسمهٗ ف۱۱۶ یعنی اُن مکذب ومنکر حق قوموں کا انجام جو تم سے قبل ہو چکی ہیں۔ کس کس طرح تباہ و برباد ہو کر رہی ہیں اور ان کے علوم وفنون، ان کی صنعتیں اور حرفتیں، ان کی دولت وتمول، ان کی تہذیب وتمدن ان کی ترقیاں کوئی چیز بھی انہیں ہلاکت سے نہ بچا سکی۔ ف۱۱۷ (اور دونوں فریقوں کی حالت یکساں ہے اور اس ظاہری یکسانی نے تمہیں تردد میں ڈال رکھا ہے) ✱ (اور اس کا فیصلہ اپنے وقت مناسب پر عذاب کے ذریعہ سے ہوگا) فَاصْبِرُوْا وعید وتہدید کے مفہوم میں ہے۔ یہ مراد نہیں کہ آپ انہیں کفر پر قائم رہنے کی اجازت دے رہے ہیں۔ لیس هذا امرًا بالمقام علی الکفر ولکنهٗ و عید تهدید (قرطبی)

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ
ان کی قوم کے متکبر رُودار لوگ بولے کہ اے شعیبؑ ہم تم کو
يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ
اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں، اُن کو اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے ف۱۱۸
اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾
یا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ جاؤ (شعیبؑ نے) کہا کہ اگرچہ ہم (اس سے) بیزار ہی ہوں؟ ف۱۱۹
قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ
ہم تو اللہ پر جھوٹ تہمت لگانے والے ہوئے اگر ہم تمہارے مذہب میں آ جائیں
بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ
بعد اس کے کہ اللہ ہم کو اس سے بچا چکا ف۱۲۰ اور ہم سے تو ممکن نہیں کہ
نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ
ہم اس میں پھر آئیں لیکن ہاں یہ کہ ہمارے پروردگار اللہ ہی کی یہ مشیت ہو ف۱۲۱ ہمارا پروردگار ہر شے کو (اپنے) علم
شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا
سے گھیرے ہوئے ہے، اللہ (ہی) پر ہم نے بھروسہ کیا ہے ف۱۲۲ اے ہمارے پروردگار تو ہمارے اور
وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾
ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ ف۱۲۳
وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ
اور (شعیبؑ کی) قوم میں کافروں میں جو رُودار لوگ تھے وہ کہنے لگے کہ اگر تم شعیبؑ کی پیروی
شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
کرنے لگے تو بڑا نقصان اٹھاؤ گے ف۱۲۴ پھر انہیں زلزلہ نے آ پکڑا

ف۱۱۸ گفتگو میں لاجواب ہو کر اب قوم شعیب علیہ السلام جبر و تشدد پر اتر آئی ہے۔ اور پیمبر اور اُن کے رفیقوں کو شدید دھمکیاں دے رہی ہے ف۱۱۹ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا۔ عاد کے ایک معنی تو صار کے ہیں۔ قال غیر واحد ان تعود بمعنی تصیر کما اثبته بعض النحاۃ واللغویین (روح) ای لتصیرن الی ملتنا وقال الزجاج یجوز ان یکون العود بمعنی الابتداء (قرطبی) یہ معنی لے کر تو فقرہ کا مطلب صرف اس قدر ہوا کہ تم ہمارے مذہب میں آجاؤ یا ہمارے دین میں شامل ہو جاؤ۔ اور اس پر کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا لیکن عود کے عام معنی لوٹ آنے، پلٹ آنے کے ہیں۔ العود الرجوع الی الشیء بعد الانصراف عنہ (راغب) اس پر یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام بہ حیثیت نبی ہونے کے ہمیشہ ہی سے مومن تھے۔ پھر اُن سے ملت کفر کی طرف واپس آنے کی فرمائش کے کیا معنی؟ لیکن یہ اشکال کچھ یونہی سا ہے۔ پیمبر ظاہر ہے کہ بعثت سے قبل اپنے یہاں کے موروثی مذہب کی مخالفت نہیں کرتا اور اس لئے وہ قدرۃً اسی میں سمجھا ہی جاتا ہے۔ یہ تو جوں جوں اس کا شعور بیدار ہوتا جاتا ہے۔ وہ گردوپیش کی خرابیوں پر توجہ کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ منصب نبوت پر آجانے کے بعد علانیہ مخالفت اپنے آبائی مذہب کی کرنے لگتا ہے۔ بعض اکابر تفسیر نے بھی شعیب علیہ السلام کے قبل بعثت کے مذہب کی تعبیر سکوت سے کی ہے۔ یراد بعود شعیب فی الملۃ حال سکوتہ عنھم قبل ان یبعث (بحر) حضرت شعیب علیہ السلام کے قول کا حاصل یہ ہوا کہ جب ہم بہ دلیل اور علیٰ وجہ البصیرت مذہب جاہلیت کو لغو و باطل سمجھ رہے ہیں۔ اور اس سے ہمارا ذوق اور ہماری عقل بیزار ہے تو ہم اسے اختیار کیسے کر لیں؟ ف۱۲۰ حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ نے تو ہم پر جاہلی مذہب کی حماقتیں واضح کر دیں، اور ہم پھر اس کو اختیار کر لیں تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہم قصداً تنزیہ و توحید باری سے متعلق افتراء و اختراع کرتے رہے۔ عُدْنَا۔ یہ لفظ حضرت نے اُنھی لوگوں کا کہا ہوا دہرا دیا ہے۔ ف۱۲۱ (کسی مصلحت تکوینی کے اعتبار سے) عارف ہمیشہ تقدیر الٰہی کے سامنے لرزاں و ترساں رہتا ہے۔ پہلے تو اپنا ارادہ مضبوطی کے ساتھ ظاہر کر دیا کہ ہم ہرگز کفر نہیں اختیار کرنے کے۔ لیکن یہ ایک صورت دعویٰ اور اثبات خودی کی تھی، اس لیے معاً یہ جزء بھی اضافہ کر دیا۔ عام مومنین کے لیے تو اس کا دھڑکا اور احتمال ہر وقت لگا ہی ہوا ہے۔ باقی خود پیمبر کا اپنے لئے یہ کہنا اظہار عبدیت کے لیے ہے جو کمالات نبوت کے لوازم میں سے ہے۔ اور اکابر انبیاء سے ایسے ہی کلمات برابر منقول ہیں قال الواحدی لم تزل الانبیاء والاکابر یخافون العاقبۃ وانقلاب الامر الاتری الی قول الخلیل وَ اجْنُبْنِی وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ و کثیرا ما کان محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقول یا مقلب القلوب والابصار ثبت قلوبنا علی دینک وطاعتک وقال یوسف تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا (کبیر) ف۱۲۲ (اور وہ ہم کو دین حق سے کسی منزل میں بھی متزلزل نہ ہونے دے گا) عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا۔ فقرہ کی ترکیب حصر کے معنی دیتی ہے۔ یعنی بھروسہ صرف اللہ پر ہے نہ کہ کسی اور پر۔ تکیہ اسباب پر نہیں مسبب الاسباب پر ہے۔ فھذہ یفید الحصر ای علیہ توکلنا لا علی غیرہ وکانہ فی ھذا المقام عزل الاسباب وارتقی عنھا الی مسبب الاسباب (کبیر) ف۱۲۳ یہ دعا ہے اس کی کہ اب آپ عملی و مشاہد طور پر حق کا حق ہونا ظاہر کر دیجئے۔ المراد منہ ان ینزل علیھم عذاباً یدل علی کونھم مبطلین وعلی کون شعیب وقومہ محقین (کبیر) ف۱۲۴ کہ ہماری سرپرستی سے محروم ہو جانے کے بعد دنیوی نقصان جو کچھ ہوگا ظاہر ہی ہے اور اپنے آباء کے دین سے انحراف جس درجہ کا مذہبی وبال ہے وہ بھی بالکل ظاہر ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ میں خاص زور مالی احتیاط اور معاشی تقویٰ پر تھا۔ جاہلی قوم میں اُسے اپنی مالی بربادی و معاشی تباہ حالی کا پیش خیمہ سمجھتی رہی ہیں۔ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔ جملہ کی ترکیب خاص زور دینے کے لیے ہے۔ جیسے اردو میں کہیں کہ "بس تم بالکل ہی چوپٹ ہو کر رہے۔"

فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝۹۱ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا

سو وہ اپنے اپنے گھر میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے ۱۲۵ جن لوگوں نے شعیبؑ کو

شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚۛ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا

جھٹلایا تھا (وہ ایسے مٹے) کہ گویا ان (گھروں) میں کبھی بسے ہی نہ تھے، جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا

كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ۝۹۲ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ

نقصان اٹھانے والے وہی رہے ۱۲۶ اس وقت وہ اُن سے منہ موڑ کر چلے اور بولے اے میری قوم والو،

لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ

میں نے تو تمہیں اپنے پروردگار کے پیام پہنچا دیے تھے اور تمہاری خیر خواہی کی تھی،

فَكَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ۝۹۳ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا

تو اب میں کیوں کر غم کروں کافر لوگوں پر؟ ۱۲۷ اور ہم نے جس کسی بستی

فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ

میں بھی کوئی نبی بھیجا اس کے باشندوں کو ہم نے تنگ دستی

وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ۝۹۴ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ

اور بیماری میں مبتلا کیا تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں ۱۲۸ اس کے بعد ہم نے بدحالی کی جگہ

السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ

بدل کر کے خوشحالی پھیلا دی چنانچہ انہیں خوب ترقی ہوئی اور وہ کہنے لگے کہ تنگی

اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ

اور راحت تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پیش آتی رہی تھی اس پر ہم نے ان کو یک بہ یک پکڑ لیا اور وہ (اس کا)

لَا یَشْعُرُوْنَ ۝۹۵ وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤی اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا

گمان (بھی) نہیں رکھتے تھے ۱۲۹ اور اگر بستیوں والے ایمان لے آئے ہوتے اور پرہیزگاری اختیار کی ہوتی

۱۲۵ (اور مدین کی بستی تباہ اور آبادی ہلاک ہو کر رہ گئی) توریت میں بھی ذکر اہل مدین کی بیہودگی اور پھر اسرائیلیوں کے ساتھ اُن کے قتل و ہلاک ہونے کا مفصل آتا ہے (گنتی باب ۳۱ و باب ۳۵) لیکن قرآن مجید اس زمانہ سے قبل کا حال بیان کر رہا ہے۔ دَارِهِمْ۔ مرادف مساكنهم کے ہے۔ فی دارهم ای فی مساكنهم (کبیر) ۱۲۶ منکرین و متکبرین دعویٰ کے ساتھ پیشین گوئی مومنین کے نقصان اُٹھانے کی کر رہے تھے۔ واقعۃً و عملاً خود ہی سب سے زیادہ نقصان میں رہے۔ اور دُنیا نے اس کا مشاہدہ کر لیا۔ یہی مآل آخر کار اور ایک مدت کے مقابلہ کے بعد ہر سرکش و خدا فراموش قوم کا ہوتا رہا ہے۔ فِیْهَا۔ میں ضمیر دَارِهِمْ کی طرف ہے۔ لَمْ یَغْنَوْا فِیْهَا۔ غنی فی مکان کے معنی محاورہ میں یہ آتے ہیں کہ کوئی شخص فلاں مکان میں اپنے دوسرے مکانات سے بے نیاز ہو گیا۔ اسی سے ایک مجازی معنی بسنے اور آباد ہونے کے بھی پیدا ہو گئے اور وہی یہاں مراد ہیں۔ ای لم یقیموا فیها یقال غنینا بمکان كذا ای اقمنا فیه (ابن قتیبہ) آیت سے ظاہر ہے کہ ہلاکت و تباہی ہمیشہ مادی ہی اسباب سے نہیں آئی بلکہ کثرت معاصی بھی باعث ہو جاتی ہے۔ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا۔ کی تکرار اور كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ کی ترکیب واقعہ کے اظہار اہمیت کے لیے ہیں وللتنبیه علٰی هٰذا والمبالغة فیه كرر الموصول (بیضاوی) العرب تكرر مثل هٰذا فی التفخیم والتعظیم (کبیر) وفیه معنی الاختصاص ایاهم المخصوصون بالخسران العظیم دون اتباعه (کشاف) ۱۲۷ تم پر یہ مصیبت تو اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے۔ اور میرے ہر طرح سمجھانے کے بعد اسے تم اپنے اوپر لائے ہو۔ اب تم میری ہمدردی کے مستحق ہی کب باقی رہے۔ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَ قَالَ۔ یہ ذکر اُس وقت کا ہے جب قوم مبتلائے عذاب ہو چکی تھی۔ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ۔ یعنی میں پیام رسانی کا حق ادا کر چکا نَصَحْتُ لَكُمْ۔ یعنی فرطِ شفقت سے تمہیں ہر طرح سمجھا بجھا کر دیکھ چکا عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ۔ بجائے عَلَیْهِمْ کے قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ کی تصریح نے اسے صاف کر دیا کہ عدم استحقاق تاسف و ہمدردی کفر اختیاری ہی کی بناء پر ثابت ہوا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مبغوضین مستحق ترحم نہیں ہوتے ۱۲۸ (اور استکبار و خود بینی چھوڑ کر عاجزی و فروتنی اختیار کر لیں) بلاؤں کا نزول اصلاً اسی لئے ہوتا ہے کہ لوگ اپنی گمراہیوں پر متنبہ اور اُن سے تائب ہو کر خدا پرستی کی راہ اختیار کر لیں۔ التضرع هو الخضوع والانقیاد لله تعالٰی (کبیر) اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ۔ یہ تنگدستی اور مرض میں ابتلاء بہ طور تنبیہ کے ہوتا ہے۔ ۱۲۹ یعنی اس قدر غفلت اور مدہوشی میں پڑے ہوئے تھے حَتّٰی عَفَوْا۔ یعنی خوب بڑھے، خوب پھلے، خوب پھولے، دولت، صحت، کثرت آبادی، ہر طرح انہیں ترقی ہی ترقی ہوئی كثروا ونموا فی انفسهم واموالهم (کشاف) قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ۔ یعنی یہ رنج و راحت اور ادل بدل کر واقعات خارجی و تکوینی تو ہمیشہ سب کو پیش آتے رہتے ہیں۔ انہیں عقاید کی صحت و گمراہی اور حق و باطل کی بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ ای وما ذالک الا من عادة الدهر یعاقب فی الناس بین الضّرّاء والسّرّاء ویدا ولهما بینهم (روح) فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً۔ یعنی اس پر ہم نے انہیں کسی نہ کسی عذاب شدید میں دفعۃً پکڑ لیا محققین نے لکھا ہے کہ حضرات انبیاء کے مخالفین کو دنیا میں بھی سزا ضرور ملی ہے۔ تاکہ حجت الٰہی ظاہر ہو جائے اور امر نبوت مخفی نہ رہے ایسی علانیہ نصرت و اعانت اولیاء صالحین کے لئے بھی ہوتی ہے مگر ضروری نہیں۔ الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ۔ محققین نے لکھا ہے کہ جس نعمت کے بعد شکر اور مصیبت کے بعد صبر و رجوع حاصل ہو وہ حالت محمود ہے اور جس نعمت کے بعد غفلت و غرور اور مصیبت کے بعد شکایت یا انکار ظاہر ہو وہ حالت سرتاسر مذموم ہے۔

لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَلٰكِنْ

تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن

كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ

انہوں نے تو جھٹلایا، سو ہم نے ان کی کرتوتوں کے پاداش میں ان کو پکڑ لیا ف۱۳۰ تو کیا بستی والے

اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ ط

اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اُن پر ہمارا عذاب شب کے وقت آپڑے، درآنحالیکہ وہ سو رہے ہوں ف۱۳۱

اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى

یا کیا بستی والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آپڑے

وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ج فَلَا يَاْمَنُ

درآنحالیکہ وہ کھیل میں لگے ہوں ف۱۳۲ کیا (یہ لوگ) اللہ کی خفیہ تدبیروں سے بے خوف ہو گئے ہیں سو اللہ کی

مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ع اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ

تدبیر سے کوئی بھی بے خوف نہیں ہوتا بجز اُن لوگوں کے جو گھاٹے میں آچکے ہیں ف۱۳۳ کیا اُن لوگوں پر جو اب

يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ

زمین کے وارث ہیں بعد اس کے (سابق) باشندوں کے یہ بات واضح نہیں ہوئی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو

اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ج وَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ

انہیں بھی مصیبت میں مبتلا کر دیتے ان کے گناہوں کے عوض میں، ف۱۳۴ اور ہم بند لگائے ہوئے ہیں اُن کے دلوں

لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ

پر سو وہ سنتے ہی نہیں ف۱۳۵ یہ وہ بستیاں ہیں جن کے کچھ قصے ہم آپ سے

اَنْۢبَآئِهَا ج وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ج فَمَا

بیان کر رہے ہیں اور ان (سب) کے پاس ان کے پیمبر کھلے ہوئے نشان لے کر آئے پھر بھی

ع ۱۲ / ۲

ف۱۳۰ (اور ہلاک کر دیا) اَهْلُ الْقُرٰى۔ وہی آبادیاں مراد ہیں جن کی طرف پیمبر بھیجے گئے تھے اور جو ان کی تکذیب کے پاداش میں ہلاک کر دی گئیں وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مومنین، متقین کے لئے غیب سے کارسازیاں ہوتی رہتی ہیں اور برکات سماوی وارضی سے مراد بھی وہ کل چیزیں ہیں جو انجام کار کے لحاظ سے مبارک ومفید ہوتی ہیں قيل المراد بالبركات السماوية والارضية الاشياء التى تحمد عواقبها ويسعد فى الدارين صاحبها ولا يفتح ذلك الا للمومن (روح) لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ ہر طرح کی برکتیں اُن پر نازل کرتے اور بلاؤں سے مصیبتوں سے انہیں محفوظ رکھتے۔ آسمان وزمین کی برکتوں سے مراد ہر قسم کی برکات ہیں۔ اور ”فتح برکات“ سے مراد ہر امر میں آسانیاں پیدا کر دینا ہے۔ منهما يحصل جميع المنافع والخيرات (کبیر) اى لأتيناهم بالخير من كل وجه (کشاف) ومعنى فتح البركات عليهم تيسيرها عليهم كما يسرامر الابواب المستغلقة بفتحها (کشاف) اى يسرنا عليهم الخير من كل جانب (روح) ف۱۳۱ (یعنی خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہوں) نَآئِمُوْنَ۔ نوم سے مراد یہاں غفلت لی گئی ہے۔ اى غافلون عن ذلک (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اَهْلُ الْقُرٰى۔ مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین منکرین اہل مکہ ہیں۔ اى اهل مكة (ابن عباس) المراد بالقرى مكة وماحولها (قرطبی) قيل المرادبهم اهل مكة وما حواليها وهوالاولى عندى والى ذالک ذهب محى السنة (روح) ف۱۳۲ یعنی خدا اور آخرت کو بھولے دنیا کی غفلتوں اور بدمستیوں میں پڑے ہوں۔ اهل القرى سے مراد یہاں بھی وہی مکہ والے ہیں۔ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا۔ یعنی اُن پر ہمارا عذاب آپڑے جیسا کہ منکرین سابقین پر آچکا ہے ف۱۳۳ مَكْرَ اللّٰهِ سے مراد عذاب الٰہی ہے جس کی گرفت مجرموں پر عموماً بالکل اچانک ہوتی ہے۔ اى اخذه العبد من حيث لا يشعر (مدارک) اَلْخٰسِرُوْنَ۔ سے مراد محاورۂ قرآنی میں عموماً کافری ہوتے ہیں۔ یہ معنی لے کر آیۃ سے یہ استنباط کیا گیا ہے کہ عذاب الٰہی سے قطعاً بے خوف ہو جانا کفر ہے۔ ف۱۳۴ یعنی منکرین مکذبین سابق کا انجام دیکھ کر بھی کیا یہ حقیقت ابھی کفار معاصرین پر منکشف نہیں ہوئی ہے؟ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ۔ هداية کا تعدیہ جب ل کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں تبیین کے یعنی روشن وواضح ہو جانے کے انما عدى يهد باللام بمعنى يبين (بیضاوی) لِلَّذِيْنَ...... اَهْلِهَا۔ مراد کفار عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین ہیں يريد كفار مكة ومن حولهم (قرطبی) ف۱۳۵ (کلام حق وپیام حق کو توجہ والتفات یا ارادۂ قبول سے) قُلُوْبِهِمْ۔ میں ضمیر انہی کافروں کی طرف ہے جو عدم ایمان پر جمے ہوئے تھے۔ اى على قلب من لم يرد منه الايمان۔

۱۳۶ یہ بیان ہو رہا ہے کافروں کے کمال قساوت قلب اور شدتِ عناد کا کہ جس سے ایک بار یا پہلے وہلہ میں انکار کر بیٹھے اس پر انہیں پھر ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی اور ہر دلیل ہر ثبوت، ہر معجزہ اُن کے ئے بیکار ہی رہا۔ اَلْبَیِّنٰتِ۔ دلائل و معجزات سب پر حاوی ہے۔ ای الحجج علی صدقهم (ابن کثیر) ای الأیات والمعجزات والعجائب (معالم) ف۱۳۷ (ان کے کفر اختیاری کی بنا) اس اصل کا بیان قرآن مجید میں بار بار آچکا ہے کہ جب بندہ اپنے قصد سے کفر کی راہ اختیار کئے رہتا ہے تو حق تعالیٰ اسے اسی راہ پر جما دیتا ہے اور اُن کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ لمّا علم منهم انهم

كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ

ان سے یہ نہ ہوا کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا دیا تھا اُس پر ایمان لے آتے ف۱۳۶ اسی طرح

اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَ مَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ

اللہ کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتا ہے ف۱۳۷ اور ہم نے پاس (عہد) ان میں سے اکثر میں

مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَ اِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

نہ پایا اور ہم نے ان میں سے اکثر کو بس نافرمان ہی پایا ف۱۳۸

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ

پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنے نشانوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس

وَ مَلَا۠ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

بھیجا پر اُن لوگوں نے ان (نشانوں) کا حق ادا نہ کیا سو دیکھئے مفسدوں کا کیسا (برا) انجام

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ قَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ

ہوا ف۱۳۹ اور موسیٰ نے کہا کہ اے فرعون میں پروردگار عالم کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ۙ حَقِيْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ

پیمبر (ہو کر آیا) ہوں ف۱۴۰ قائم ہوں اسی پر کہ میں کوئی بات

عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ

اللہ پر گڑھ کر نہ کہوں البتہ حق ہی (کہوں گا) میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلا نشان

رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ ؕ قَالَ اِنْ

لے کر آیا ہوں ف۱۴۱ سو تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے ف۱۴۲ (فرعون) بولا اگر

كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ

تم کوئی نشان لے کر آئے ہو تو اسے پیش کرو اگر تم (اپنے دعوے میں)

ختارون الثبات علی الکفر (مدارک) ف۱۳۸ خطاب پیغمبر سے ہے کہ ن نافرمانوں کی سرشت اور ذہنیت ہمیشہ سے یہی رہی ہے۔ سو آپ ان پر زیادہ غم کریں۔ اکثرهم میں ضمیر الناس (لوگوں) کی طرف ہے، یا امم سابقہ کی رف۔ الضمیر للناس علی الاطلاق یعنی ان اکثر الناس نقضوا هد الله (مدارک) ای لاکثر الامم الماضیة (ابن کثیر) مِنْ عَهْدٍ۔ ہد یہاں وفاء العہد کے معنٰی میں ہے اور حذف مضاف کی مثالیں قرآن مجید ں بکثرت ملتی ہیں۔ ای من وفاء عهد (بیضاوی) لیکن خود عہد سے یہاں راد کیا ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ مراد عہد یوم میثاق ہے۔ قال ابن عباس یرید وفاء بالعهد الذی عاهد هم الله وهم فی صلب ادم (کبیر) قال ابن سعود العهدهنا عهد الایمان (کبیر) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لوگ مبتلائے صیبت ہو کر ایمان لانے کا عہد کرتے تھے لیکن مصیبت دور ہو جانے پر پھر اسے ھلا دیتے تھے۔ ای ما عهدوا الیه حین کانوا فی ضرومخافة بیضاوی) مِنْ عَهْدٍ میں مِن زاید ہے جنس پر دلالت کرنے کے لئے۔ من ائدة وهی تدل علی معنی الجنس (قرطبی) ف۱۳۹ (اسی دنیا میں چنانچہ وہ غرق و ہلاک ہو کر رہے) من بعدهم میں هم کی ضمیر رسل کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے یا پھر امم کی طرف۔ الضمیر للرسل فی قوله لقد جآءتهم رسلهم اوللامم (مدارک وبیضاوی) ای الرسل المتقدم ذکرهم (ابن کثیر) فَظَلَمُوْا بِهَا۔ یعنی ان نشانیوں کا حق ادا نہ کیا بلکہ برابر نکار و تکذیب ہی کرتے رہے۔ ان نشانیوں کا حق ادا کرنا یہی تھا کہ اُن پر ایمان لے آتے۔ بِهَا میں ضمیر آیات کی طرف ہے جو دلائل و معجزات سب کی جامع ہے۔ بِاٰيٰتِنَا۔ ای بحججنا ودلائلنا البینة (ابن کثیر) باٰیتنا ای بادلتنا (معالم) فِرْعَوْنَ پر حاشیے سورۂ بقر رکوع ۵ میں گزر چکے۔ آیت سے متکلمین نے استدلال کیا ہے کہ نبی کے لئے کسی امتیازی اور روشن نشان کا ہونا لازمی ہے۔ هذا الأیة تدل علی ان النبی لابدله من اية ومعجزة بها یمتاز عن غیره (کبیر) ف۱۴۰ مصر کا یہ فرعون قاہر تو خود الوہیت اور مظہریت کا مدعی تھا وہ نہ عقیدۂ توحید اور وجود رب العلمین ہی کے ماننے کے لئے تیار تھا اور نہ عقیدۂ رسالت کے یعنی اس ذات مطلق کی طرف سے کسی انسان کے پیامبر ہونے کے! ف۱۴۱ یعنی ایسا معجزہ جو تمہاری سمجھ میں بھی آجائے حَقِيْقٌ عَلٰى ...... الْحَقَّ پیمبر کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا وصف اس کی غیر متزلزل و غیر مشتبہ دیانت، اور امانت و راست بازی ہوتی ہے اسی لیے موسیٰ علیہ السلام اپنے متعلق سب سے پہلے اسی کا اعلان فرماتے ہیں حقیق۔ قیل معناه جدیر وقیل واجبٌ (راغب) قَدْ جِئْتُكُمْ۔ صیغہ جمع مخاطب سے مراد کل فرعونی ہیں ف۱۴۲ بنو اسرائیل اصلاً ایک موحد قوم تھی اور اس وقت ایک مشرک تاجدار کے ظلم و ستم کی تختہ مشق بنی ہوئی تھی۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کا پہلا مطالبہ قدرۃً یہی ہے کہ میں ان موحدوں کو اس مشرکانہ و جاہلی فضا سے دور اور الگ لے جا کر ایک الگ خطۂ زمین میں آباد کروں گا۔ آج (۱۳۶۵ھ ۱۹۴۶ء میں) ہندوستان میں جو تحریک ایک مستقل اور جداگانہ اسلامی آبادکاری کی پاکستان کے نام سے چلی ہوئی ہے اس تحریک کو خلافِ اسلام کہنے والے علماء براہ کرم اس آیت پر خلوئے ذہن کے ساتھ غور فرمائیں۔

الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ

سچے ہو ۱۴۳ اس پر (موسیٰ) نے اپنا عصا ڈال دیا سو وہ دفعۃً ایک صاف اژدہا

مُّبِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾

بن گیا ۱۴۴ اور (موسیٰ نے) اپنا ہاتھ باہر نکالا سو وہ دیکھنے والوں کے رُوبرو یک بیک خوب روشن تھا ۱۴۵

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ

قوم فرعون کے سرداروں نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر

عَلِيْمٌ ﴿١٠٩﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا

ہے ۱۴۶ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال دے ۱۴۷ سو بتاؤ تمہاری اب کیا

تَاْمُرُوْنَ ﴿١١٠﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ

صلاح ہے بولے اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دیجیے اور ہرکارے شہروں شہروں

حٰشِرِيْنَ ﴿١١١﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿١١٢﴾ وَ جَآءَ

بھیجئے کہ وہ آپ کے پاس سارے ماہر جادوگر لے آئیں ۱۴۸ اور جادوگر

السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا

آ گئے فرعون کے پاس (اور) بولے ہم کو کوئی (بڑا) انعام تو ضرور ہی ملے گا اگر

نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿١١٤﴾

ہم غالب آگئے ۱۴۹ (فرعون نے) کہا ہاں (ضرور) اور تم (ہمارے) مقربوں میں (داخل) ہو جاؤ گے ۱۵۰

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ

وہ (ساحر) بولے اے موسیٰ یا تو تم (پہلے) ڈالو یا

نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿١١٥﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا

ہم ہی ڈال چلیں ۱۵۱ (موسیٰ نے) کہا تم ہی ڈالو ۱۵۲ پھر جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی

ف۱۴۳ مشرکوں کی سمجھ میں بجائے عقلی دلائل اور شہادت ضمیر و وجدان کے مادی معجزات ہی زیادہ آسانی سے آتے ہیں اور وہ فرمائشیں ہمیشہ مادی معجزہ و خارق عادت ہی کی سب سے بڑھ کر کرتے رہتے ہیں ف۱۴۴ یہ خیال رہے کہ مصر قدیم میں سانپ ایک مقدس جانور سمجھا جاتا تھا۔ جیسے ہندوستان میں گائے بلکہ ہندوستان میں تو خود سانپ بھی مقدس سمجھا جاتا ہے اور ہندوؤں میں سانپ کی پوجا کا دن ''ناگ پنچمی'' بڑے دھوم سے منایا جاتا ہے۔ ثُعْبَانٌ کہتے ہیں ایک بڑے اور موٹے قسم کے سانپ یا اژدر کو۔ الحية الضخم الذكر وهو اعظم الحيات (قرطبی) الثعبان الحية الضخمة الذكر فى قول جميع اهل اللغة (کبیر) عصائے موسوی جسامت کے لحاظ سے ایسا ہی ہوگا۔ باقی جہاں اس کی تیز رفتاری کا اظہار مقصود ہے وہاں قرآن مجید اس کے لیے جان لایا ہے۔ امکان اس کا بھی ہے کہ وہی عصا کہیں ثعبان بن جاتا ہو اور کہیں جانٌّ۔ توریت میں یہ واقعات درج ہیں مگر حسب معمول بڑے خلط ملط کے ساتھ، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ۔ یعنی اژدر بھی ایسا جس کے اژدر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اى حية لا لبس فيها (قرطبی) لايشك فيه انه ثعبان (کشاف) یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ تبدیل حقیقت ہو جاتی تھی خیالی قصہ نہ تھا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۱۴۵ لِلنّٰظِرِيْنَ۔ سے کوئی نظر بندی کا شبہ نہ کرے کیوں کہ یہ تاکید ہے اس کے واقعی بیاض کی، جیسے کہا کرتے ہیں کہ کھلی آنکھوں لوگوں نے دیکھا اور انقلاب حقائق کا محال ہونا جو فلاسفہ میں مشہور ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ حقائق ثلاثہ یعنی وجوب و امتناع و امکان ایک دوسرے کی طرف منقلب نہیں ہوتے ورنہ عناصر کا استحالہ کون نہیں دیکھتا۔'' (تھانوی) نَزَعَ يَدَهٗ۔ یعنی اپنا ہاتھ گریبان سے باہر نکالا۔ ف۱۴۶ مصر کا جادو قدیم سے مشہور چلا آتا ہے۔ اُس وقت مصر علوم سحر و کہانت کا مرکز تھا۔ ف۱۴۷ (اور خود اپنی حکومت یہاں قائم کرے) دنیا پرستوں کی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی اہل حق اغراض دنیوی سے بالاتر ہو کر خالصۃ للہ بھی کام کر سکتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے طریق حق کو ایک باطل کی صورت میں ظاہر کیا۔ یہی حال اہل باطل کا ہے کہ عوام کو اہل حق سے نفرت دلانے کے لیے اُن کے حق کو برے برے عنوان سے ظاہر کرتے ہیں۔ ف۱۴۸ ارکان دربار و مشیران سلطنت نے مشورہ یہ پیش کیا کہ موسیٰ و ہارون کو سر دست مہلت دے دی جائے اور اس درمیان میں قلمرو بھر میں سرکاری ہرکاروں کے ذریعہ سے منادی کرا کے ماہرین فن جادوگروں کو جمع کر لیا جائے۔ اَرْجِهْ۔ یعنی انہیں روکے رکھیے، ٹالے رکھیے۔ يقال ارجاتهٗ وارجيتهٗ اى اخرته وقال ابن عباس اخره (قرطبی) ف۱۴۹ مشورہ پر عمل ہوا اور اب بیان اس کے نتائج کا ہو رہا ہے۔ لَاَجْرًا میں تنوین اجر کی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ التنكير للتعظيم (کشاف) ف۱۵۰ یعنی مال و جاہ ہر طرح کے انعام و اعزاز سے سرفراز کیے جاؤ گے۔ ف۱۵۱ اب بیان ایک دوسرے منظر کا ہو رہا ہے۔ مقابلہ کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے۔ اس تاریخ پر سب میدان میں جمع ہوئے ہیں۔ قرآن مجید شعر بلیغ کی طرح درمیانی مضامین کی جو از خود سمجھ میں آ سکتے ہیں صراحت نہیں کرتا۔ انہیں چھوڑ کر دوسری منزل بیان کر دیتا ہے۔ ساحر اس وقت تک موسیٰ علیہ السلام نبی کو بھی اپنے ہی طرح کا ایک ماہر فن ساحر سمجھ کر گویا کہہ رہے ہیں کہ مقابلہ ہمارے تمہارے فن کا تو اب ہو ہی رہا ہے۔ اب یہ بتلاؤ شروع کون کرے گا؟ کرکٹ کی اصطلاح میں پہلی اننگز (innings) کس کی ہوگی؟ ف۱۵۲ احقاق حق کے لیے مقابلہ معجزہ سے سحر کا تو بہر حال ناگزیر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قدرۃً وہ شق اختیار کی جس میں احقاق حق کا پہلو زیادہ قوی و نمایاں تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصود اس سے خود اذن نہیں بلکہ اذن کو ان کے کفر کے ابطال اور اپنے معجزہ کے اثبات کا ذریعہ بنانا تھا۔ ایسی ہی مصلحت سے بعض اوقات شیوخ ایسے امر میں اذن دیتے ہیں کہ اس کا ظاہر معصیت ہوتا ہے مگر اس آخر میں اس میں کوئی مصلحت دینی ہوتی ہے اور وہی مصلحت ان کو مقصود ہوتی ہے۔

أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ

آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور بڑا جادو

عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ

کر دکھایا و۱۵۳ اور ہم نے وحی کی موسیٰ کو کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجیے سو یک بیک اس نے اُن کے گڑھے ہوئے

فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ

(شعبدہ) کو نگلنا شروع کر دیا و۱۵۴ سو حق (کا حق ہونا) ظاہر ہو گیا اور جو کچھ وہ (ساحر) کرتے رہے تھے

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا

سب ضائع ہو کر رہا و۱۵۵ سو وہ لوگ وہیں ہار گئے اور ذلیل ہو کر

صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا

رہے و۱۵۶ اور ساحر سجدے میں گر پڑے (اور) بولے

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

کہ ہم تو ایمان لے آئے (سارے) جہانوں کے پروردگار پر (وہی جو) پروردگار ہے موسیٰ اور ہارون کا و۱۵۷

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ

فرعون بولا تم ایمان لے آئے بغیر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں ہو نہ ہو

هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ

یہ ایک چال ہے جو شہر میں تم چلے ہو تاکہ تم اس (شہر) سے یہاں والوں کو

اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ

نکال دو و۱۵۸ سو تم کو ابھی (حال) معلوم ہوا جاتا ہے میں تمہارے ہاتھ

وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور تمہارے پیر اُلٹی طرف سے کاٹے ڈالتا ہوں پھر تم سب کو سولی پر ٹانگ کر رہوں گا و۱۵۹

و۱۵۳ ساحر اپنے فن کے ماہر تھے اور انہوں نے پورا ثبوت اپنے کمالِ فن کا دے دیا۔ فَلَمَّآ اَلْقَوْا۔ یعنی جب ساحروں نے زمین پر اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو ڈال دیا۔ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ۔ اور اس اثر سے وہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی طرح لہراتی دکھائی دینے لگیں۔ یہ نظر بندی اور آنکھوں کی مسحوریت سحر ہی کی قسم ہے۔ قرآن ساحروں کے کرتب کے سلسلہ میں تبدیلی حقیقت کا مدعی نہیں اور یہ دعویٰ کہ یہ لاٹھیاں یا رسیاں واقعی سانپ بن گئی تھیں۔ اور سحر نے بھی وہی کر دکھایا جو معجزہ کا حاصل تھا۔ قرآن کا نہیں، البتہ توریت کا ہے۔ چنانچہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادوؤں سے ایسا ہی کیا کہ اُن میں سے ہر ایک نے اپنا عصا پھینکا۔ اور وہ سانپ ہو گیا۔ (خروج۔ ۷:۱۱، ۱۲) قرآن کے شارحین تو سب اُسے خیال بندی ہی کے معنی میں لیتے ہیں ای خیلوا لھم وقلبوھا عن صحۃ ادراکھا (قرطبی) اروھا بالحیل والشعوذۃ وخیلوا الیھا ما الحقیقۃ بخلافہ (کشاف) ای خیلوا الی الابصاران ما فعلوہ لہ حقیقۃ فی الخارج ولم یکن الا مجرد صنعۃ وخیال (ابن کثیر) ای صرفوا اعینھم عن ادراک حقیقتہ ما فعلوہ من التمویہ والتخییل وھذا ھو السحر (معالم) معجزہ حق دیکھیے کہ بائبل کے محققین کا فیصلہ آج توریت کی روایت کے حق میں نہیں۔ قرآنی بیان کی تائید میں ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی کی تفسیر القرآن۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الناس کے تحت میں موسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں چنانچہ انہیں بھی دھوکا لگا جیسا کہ سورۃ طٰہٰ میں ہے يُخَيَّلُ اِلَيْهِ۔ تو اس سے امور ذیل مستنبط ہوئے۔ (۱) خوارق سے دھوکا نہ کھانا، اس لیے کہ یہ تو اہلِ باطل سے بھی صادر ہو سکتے ہیں۔ (۲) سحر کی ایک قسم خیال میں تصرف کرنا بھی ہے اور اسی میں مسمریزم داخل ہے (۳) ایسی چیزوں سے متاثر ہو جانا کمالِ باطنی کے منافی نہیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بھی خائف ہوئے (۴) اہلِ حق کا ایسے امور پر یا ان کے ابطال پر قادر ہونا ضروری نہیں۔ و۱۵۴ (اژدہا بن کر) مَا يَاْفِكُوْنَ۔ کا فاعل السحرۃ (جادوگر ہے) اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ۔ یعنی اپنا عصا ڈال دیجیے جیسا کہ اس سے پیشتر بھی کئی موقعوں پر ڈال چکے ہیں و۱۵۵ (جیسا کہ اکثر دنیا میں حق و باطل کے تصادم کے موقعوں پر ہوتا رہتا ہے) آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو حق تھا وہ ظاہر بھی حق ہو کر اور جو باطل تھا اُس کے بطلان کا بھی عملی ظہور ہو کر رہا۔ و۱۵۶ یہ مغلوبیت اور ذلت ظاہر ہے کہ علاوہ ساحروں کے ساری فرعونی پارٹی کے حصہ میں آئی تھی۔ اِنْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ۔ انقلب ہمیشہ رجع ہی کا مترادف نہیں ہوتا۔ صار کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔ ای صاروا اذلاء (روح) و۱۵۷ یعنی ہم تو شرک و مخلوق پرستی کے گورکھ دھندے سے نکل آئے۔ ہم نے دینِ توحید اختیار کر لیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی ہم تصدیق کر رہے ہیں ساحروں کو اب اس کا احساس ہو گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو کچھ ہے وہ سحر و طلسم سے کہیں بلند تر کوئی اور ہی چیز ہے۔ اور اسی احساس نے انہیں سجدے میں گرا دیا۔ سٰجِدِيْنَ۔ لازمی نہیں کہ سجدہ یہاں اصطلاحی معنیٰ میں ہو، ہو سکتا ہے کہ جادوگروں کا محض جھک جانا اور اطاعت اختیار کر لینا مراد ہو۔ وحمل السجود علی الخضوع ای انھم خضعوا (روح) و۱۵۸ (اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے سازش کر کے اپنی حکومت قائم کر لو) قبل سے مراد ہمیشہ پیشتر ہی نہیں ہوتا۔ "بغیر" بھی مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں آیا ہے لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ۔ (کہف) یا اس حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اللھم ارزقنی عینین ھطالتین تسقیان القلب بذروف الدمع من خشیتک قبل ان تکون الدموع دماً والا ضراس جمراً و۱۵۹ سولی کی سزا قدیم قوموں خصوصاً قدیم مصریوں میں عام تھی ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مِنْ خِلَافٍ۔ مثلاً داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ اور داہنا پاؤں۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ

وہ بولے (خیر) ہم اپنے پروردگار ہی کے پاس تو لوٹیں گے ف۱۶۰ اور تو آخر ہمیں کیوں سزا دے رہا ہے

اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ

بجز اس کے کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جب وہ ہم تک پہنچیں اے ہمارے پروردگار ہمارے اوپر

عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ

صبر (کے مشکیزے) انڈیل دے اور ہماری جان اسلام (ہی) پر نکال، ف۱۶۱ اور قوم فرعون

قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا

کے سردار بولے کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو (یوں ہی) چھوڑے رہیں گے کہ وہ ملک میں فساد

فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ

پھیلاتے پھریں اور موسیٰ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑے رہیں ف۱۶۲ وہ بولا (نہیں جی) ہم ابھی ان کے

وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ

لڑکوں کو قتل کرتے ہیں اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے، اور ہم ان پر (ہر طرح) غالب ہی ہیں، ف۱۶۳ موسیٰ

مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ

نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ (ہی) کا سہارا رکھو اور صبر کئے رہو زمین

الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ

اللہ ہی کی ہے وہ جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے اس کا مالک بنا دیں

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ

اور انجام کار خدا سے ڈرنے والوں ہی کے ہاتھ رہتا ہے ف۱۶۴ (وہ لوگ) کہنے لگے ہم تو تمہارے آنے سے

تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ

قبل بھی مصیبت میں رہے اور تمہارے آنے کے بعد بھی ف۱۶۵ (موسیٰ نے) کہا کہ عنقریب تمہارا پروردگار

ع ۱۴ ۱۸

ف۱۶۰ (تو اس سزا اور موت سے ہمیں ڈراتا کیا ہے؟) اللہ اللہ، ایمان باللہ بھی ذہن کے اندر کیسا انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ یہ ساحر وہی ہیں کہاں تو ابھی اپنا کمال فن دکھانے کے لئے مال وجاہ، انعام واکرام کے طالب تھے۔ اور کہاں اب سر فروشی پر بے تکلف آمادہ ہو گئے ف۱۶۱ خاتمہ بالخیر کی دعا کرتے رہنا خاص شیوۂ مومنین ہے۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا۔ یعنی ہم کو صبر سے اتنا بہرہ ور کر کہ ہم ہر سختی پر ثابت قدم رہیں۔ باوجود کمال عزم وہمت اپنے عزم وہمت پر تکیہ نہ کرنا اور اللہ ہی سے مدد چاہے جانا خاص شعار مومنین ہے۔ ف۱۶۲ یعنی آپ موسیٰ علیہ السلام کو اس کی آزادی برابر دیئے رہیں گے کہ وہ خوب آپ کی، آپ کے دین کی، آپ کے دیوتاؤں کی جتنی چاہیں توہین کریں اور موسیٰ علیہ السلام اور قوم اسرائیل سلطنت میں انقلاب وبغاوت پھیلاتے رہیں؟ يَذَرَكَ۔ لِيُفْسِدُوْا۔ میں ابھی ابھی ضمیر جمع غائب کی گزر چکی ہے اب ضمیر واحد غائب کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے — گویا ملکی انقلاب میں تو ساری قوم اسرائیل شریک اور مجرم ہے۔ باقی مذہبی بغاوت کے کرتا دھرتا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اٰلِهَتَكَ۔ فرعون خود تو سورج دیوتا کا اوتار تھا ہی۔ اور اس کے علاوہ بھی مصر کے دین شرک میں بہت سے دیوی دیوتا موجود تھے۔ ف۱۶۳ (سو جو انتظام ہم کرنا چاہیں بے تکلف کر سکتے ہیں) سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ۔ یعنی ہم پھر وہی طریقے انسداد شر وفساد کے اختیار کریں گے جو ولادت موسیٰ علیہ السلام سے قبل کر چکے ہیں۔ ف۱۶۴ (سو دنیوی عارضی حاکمیت ہرگز کوئی معیار مقبولیت وحقانیت کا نہیں) یہاں یہ اہم حقیقت صاف ہو گئی کہ حکومت کا کوئی لازمی تعلق مقبولیت سے نہیں۔ بلکہ وہ مصالح تکوینی کے تابع ہے نہ یہ ضرور ہے جو حاکم ہے وہ مقبول ہی ہو، اور نہ یہ ضرور ہے کہ جو مقبول ہے وہ حاکم ہی ہو۔ محکومیت، مقبولیت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ دونوں کے درمیان منافات نہیں ف۱۶۵ بنی اسرائیل کے اس شکوہ سے متعلق ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ قَالُوْٓا کے فاعل یعنی یہ کہنے والے بنی اسرائیل ہی تھے۔

ف۱۶۶ (اور اپنے فرائضِ خلافتِ ارض کہاں تک انجام دیتے ہو) سو دیکھنے اور فکر رکھنے کی اصل چیز انسان کے اپنے اعمال ہیں نہ کہ انسان کا موقف تکوینی فِي الْاَرْضِ۔ ارض کا لفظ عام ہے۔ مخصوص ارض مصر ہی مراد نہیں شام فلسطین کہیں بھی بنی اسرائیل کا آزاد و خود مختار حاکم ہو جانا اس وعدہ کے ایفاء و تحقق کے لئے کافی ہے عَسٰی۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنٰی میں شک واحتمال نہیں رہتا بلکہ یقین اور وعدہ پیدا ہو جاتا ہے۔ عسٰی من اللہ واجب (قرطبی) عن ابن عباس کل عسٰی فی القراٰن فھی واجبة الا فی موضعین (ابوالبقاء) عَسٰی...... فِي الْاَرْضِ۔ مرشد تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیہ اس پر دلالت کررہی ہے کہ کافروں کا مغلوب اور مومنوں کا غالب ہونا ایک نعمت عظیم ہے۔ پس ترک دنیا کے یہ معنٰی نہیں کہ مومن کافروں کے ہاتھ میں بلا کسی عذر و مجبوری کے ذلت و خواری کے ساتھ پڑا رہے ف۱۶۷ یہ اس وقت پیش آیا جب فرعون اور فرعونی حکومت کی طرف سے انکار و مخالفت بڑھتی ہی گئی بِالسِّنِيْنَ۔ سنین۔ سنة۔ کی جمع ہے۔ جس کے معنٰی محض سال کے ہیں لیکن محاورۂ زبان میں اس کا اطلاق قحط والے سال پر ہوتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے یعنی الجدوب وھذا معروف فی اللغة (قرطبی) عبارة عن الجدب واکثر ما یستعمل فی الحول الذی فیه الجدب (راغب) لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۔ غایت اس نافرمان و سرکش قوم کے ابتلاء کی بھی اس کی اصلاح ہی تھی ف۱۶۸ (بجائے اس کے کہ اسے اپنی تکذیب و بدعملی کا نتیجہ سمجھ کر تائب ہوتے اور ان واقعات و حوادث سے عبرت کا سبق حاصل کر کے اپنی اصلاح کرتے) فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ۔ یعنی اسے تمام تر اپنی خوش بختی خوش تدبیری پر محمول کرتے۔ بجائے اس کے کہ اسے اللہ کی طرف سے نعمت سمجھ کر توحید و طاعت کی راہ اختیار کرتے ف۱۶۹ یعنی یہ بدبخت اپنی بدنصیبیوں اور محرومیوں کو موسٰی علیہ السلام کے سر تھوپتے حالانکہ یہ موٹی سی بات ہے کہ ان کے اعمال کفریہ اللہ پر روشن تھے۔ اور ان کی دنیوی محرومیاں انہی اعمالِ کفریہ کا وبال تھیں۔ انما سبب شؤمھم عند اللہ وھو عملھم المکتوب عندہٗ (کشاف) ف۱۷۰ جب حق کے مقابلہ میں ضد و عناد حد سے بڑھ جاتا ہے اور انسان ہر صورت میں مخالفت ہی کی ٹھان لیتا ہے تو اس مسخ شدہ ذہنیت میں مبتلا ہو کر ہر سیدھی سی سیدھی بات اور صاف سی صاف دلیل سے اسی طرح انکار کر سکتا ہے۔ بجنسہٖ یہی ذہنیت جاہلین عرب کی دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے عناد میں رہی اور جاہلین فرنگ کی آج تک چلی آرہی ہے۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن سے روشن اور پاکیزہ سے پاکیزہ واقعات کو اس طرح توڑ مروڑ کر کے پیش کرنا۔ اُلٹے سے اُلٹے نتیجہ نکالنا یہ خاص الخاص جوہر آج کے ''روشن خیال محققین فرنگ'' کے ہیں۔ مَهْمَا اصل ما مکرر سے مرکب ہے۔ پہلا ما شرطیہ اور دوسرا ما تاکید کے لیے ہے پھر تکرار کے ثقل سے بچنے کے لئے پہلے ما کا الف ہ سے بدل دیا گیا ہے۔ اصلھا ما الشرطیه ضمت الیھا ما المزیدة للتاکید ثم قلبت الفھا ھاء استثقالًا للتکریر (بیضاوی) خلیل نحوی اور نحوئین بصرہ کی تحقیق یہی ہے۔ ھذا قول الخلیل والبصریین (کبیر) ف۱۷۱ (قہر خداوندی کے بھی اور صداقت موسوی کے بھی) توریت کی کتاب خروج باب ۷۔۸۔۹ کی مختلف آیتوں میں ان میں سے اکثر عذابوں کا ذکر موجود ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن الْجَرَادَ۔ ٹڈیوں نے مصریوں کی زراعت کو برباد کر دیا۔ الْقُمَّلَ۔ مصریوں کے کپڑوں اور جسموں میں یہ گندے کیڑے لپٹ گئے الضَّفَادِعَ۔ مینڈکوں کی ہرجائی افراط نے مصریوں پر کھانا، پانی سب حرام کر دیا۔ الدَّمَ دریائے نیل مصریوں کے حق میں خونیں ہو گیا تھا۔ الطُّوْفَانَ۔ عربی میں طوفان ہر شدید و ملک گیر حادثۂ ابتلاء کو کہتے ہیں۔ الطوفان کل حادثة تحیط بالانسان (راغب) قال الزجاج الطوفان من کل شیء ما کان کثیرًا محیطًا مطبقًا بالقوم کلھم (کبیر) توریت میں ذکر آتشیں ژالہ باری (اولوں میں لپٹی ہوئی آگ) کا آتا ہے (خروج۔۹: ۲۳۔۲۷) ہوسکتا ہے کہ الطُّوْفَانَ سے اشارہ اسی جانب ہو۔ عام طور پر مفسرین نے اس سے مراد موت یا وبائی مرض لیا ہے۔ الطوفان ھو الموت (کبیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) قیل الجدری وقیل الطاعون (بیضاوی) وجاء من عطاء ومجاھد تفسیرہ بالموت (روح)۔

يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ

تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تم کو زمین کا حاکم بنا دے گا

فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٩﴾ وَ لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ

پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسا عمل کرتے ہو ف۱۶۶ اور ہم نے فرعون والوں کو

فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ

قحط سالی میں اور پھلوں (کی پیداوار) کی کمی میں پکڑا تاکہ وہ

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٣٠﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ

تنبیہ حاصل کریں ف۱۶۷ لیکن جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے یہ تو ہمارے لیے ہی ہے

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ

اور اگر انہیں بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے ف۱۶۸

اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

سنو جی! ان کی نحوست تو بس اللہ ہی کے علم میں ہے لیکن ان میں سے اکثر (اتنی موٹی بات بھی)

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣١﴾ وَ قَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ

نہ جانتے ف۱۶۹ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ تم کیسا ہی نشان ہمارے سامنے لاؤ

لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾ فَاَرْسَلْنَا

جس سے ہم کو مسحور کرنا چاہو ہم تو تم پر ایمان لانے کے نہیں ف۱۷۰ پھر ہم نے اُن پر

عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ

بلا نازل کی اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک

وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا

اور خون (یہ سب) جدا جدا نشان تھے ف۱۷۱ مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی

ع ۱۵ ۵

ف۱۷۲ (کہ اتنے کھلے عجائب قدرت دیکھ کر بھی قائل نہ ہوئے) ف۱۷۳ کہ ہمارے تائب ہو جانے پر وہ اپنے قہر کو ہم سے ہٹا لے گا) بما میں ما، الذی کے معنٰی میں ہے ما بمعنی الذی ای بما عہدہ عندک من العلم (قرطبی) ف۱۷۴ یہ مضمون توریت کی متعدد آیتوں میں ملتا ہے مثلاً:۔ تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بلایا اور کہا کہ خداوند سے شفاعت کرو کہ مینڈکوں کو مجھ سے اور

مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۳۳﴾ وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَيۡهِمُ الرِّجۡزُ قَالُوۡا

(عادی) مجرم ف۱۷۲ اور جب ان پر کوئی عذاب آ پڑتا تو کہتے کہ

يٰمُوۡسَى ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنۡدَكَ ۚ لَئِنۡ

اے موسیٰ ہمارے لیے اپنے پروردگار سے دعا کرو جس کا اس نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے ف۱۷۳

كَشَفۡتَ عَنَّا الرِّجۡزَ لَنُؤۡمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرۡسِلَنَّ

اگر تم ہم پر سے (اس) عذاب کو ہٹا دو تو ہم ضرور تمہارے کہنے سے ایمان لے

مَعَكَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۚ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ

آئیں گے اور ہم تمہارے ہمراہ بنی اسرائیل کو کر دیں گے ف۱۷۴ پھر جب ہم اُن سے عذاب کو

الرِّجۡزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمۡ بٰلِغُوۡهُ اِذَا هُمۡ يَنۡكُثُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾

اسی مدت تک کے لیے ہٹا دیتے جس تک انہیں پہنچنا تھا تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے ف۱۷۵

فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ فِى الۡيَمِّ بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا

غرض ہم نے انہیں سزا دے دی اور انہیں سمندر میں ڈبو دیا اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں

بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوۡرَثۡنَا الۡقَوۡمَ

کو جھٹلاتے تھے اور ان کی طرف سے (بالکل ہی) غفلت میں پڑے رہتے تھے، اور ف۱۷۶ ہم نے ان لوگوں کو

الَّذِيۡنَ كَانُوۡا يُسۡتَضۡعَفُوۡنَ مَشَارِقَ الۡاَرۡضِ

جو کمزور سمجھ لیے گئے تھے اس سرزمین کے پچھم اور پورب کا

وَمَغَارِبَهَا الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا ؕ وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ

مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھ دی ہے ف۱۷۷ اور آپ کے پروردگار کا

رَبِّكَ الۡحُسۡنٰى عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۙ بِمَا صَبَرُوۡا ؕ

نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی بنا پر پورا ہو کر رہا

میری رعیت سے دفع کرے۔ اور میں اُن لوگوں کو جانے دوں گا تا کہ وہ خداوند کے لئے قربانی کریں۔ (خروج ۸:۸) تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بلوایا اور انہیں کہا کہ اس دفعہ میں نے گناہ کیا ہے۔ خداوند عادل ہے میں اور میری قوم گنہگار ہیں۔ خداوند سے شفاعت کرو (کہ بس) کہ آگے کو اس طرح سے نہ گرجے اور اولے نہ گریں تب میں تمہیں جانے دوں گا اور تم اس سے آگے یہاں نہیں رہنے کے (خروج ۹:۲۷۔۲۸) تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو جلد بلایا اور کہا کہ میں خداوند تمہارے خدا کا اور تمہارا گنہگار ہوں سو اب میں تمہاری منت کرتا ہوں فقط اس مرتبہ گناہ بخشو اور خداوند اپنے خدا سے شفاعت کرو کہ فقط اسی موت کو مجھ سے دور کرے۔ (خروج ۱۰:۱۶۔۱۷) ف۱۷۵ یعنی جب جب وہ عذاب عارضی طور پر اُن سے ٹل جاتا تو معاً اُن کی وہ سرکشی و نافرمانی پھر لوٹ آتی۔ توریت میں یہ مضمون بار بار آیا ہے۔ مثلاً:۔ جب فرعون نے دیکھا کہ مہلت ملی تو اس نے اپنا دل سخت کیا اور جیسا خداوند نے کہا تھا اُن کی نہ سنی۔ (خروج ۸:۱۵) فرعون نے اس بار بھی اپنا دل سخت کیا۔ ان لوگوں کو ہرگز جانے کی رخصت نہ دی (خروج ۸:۳۲) اس مضمون کی آیتیں کتاب خروج کے باب ۷، ۸، ۹ میں بار بار آئی ہیں باب ۱۱ میں آتا ہے:۔ اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے یہ عجائب فرعون کو دکھائے اور خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا کہ اس نے اپنے ملک سے بنی اسرائیل کو جانے نہ دیا (خروج۔ ۱۱:۱۰) اِلٰٓى اَجَلٍ هُمۡ بٰلِغُوۡهُ۔ یعنی اس وقت کے لئے جو علم الٰہی میں ان کی ہلاکت کے لئے مقرر تھا۔ ای الی اجل معین (کبیر) ف۱۷۶ غرق فرعون پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۶ کی تفسیر میں گزر چکے۔ اِنۡتَقَمۡنَا۔ انتقام کے معنٰی محاورۂ عرب میں عذاب سے کسی نعمت کو سلب کر لینے کے ہیں۔ الانتقام فی اللغة سلب النعمة بالعذاب (کبیر) فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ فِى الۡيَمِّ۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ عقوبت دنیوی کبھی معصیت پر بھی مرتب ہو جاتی ہے بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ۔ اس میں تصریح کر دی کہ سزا کی بناء ان لوگوں کی تکذیب آیاتِ الٰہی اور ان کی طرف سے اعراض تھا۔ عَنۡهَا میں ضمیر ایات کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ اور نقمت کی طرف بھی جو فَانۡتَقَمۡنَا کا مدلول ہے۔ الکنایة عائدة الی الأیات وهو اختیار الزجاج (کبیر) قیل انها عائدة الی النقمة (کبیر) غٰفِلِيۡنَ۔ غفلت سے یہاں وہ کیفیت قلب مراد نہیں جو انسان کے اختیار کے باہر ہے بلکہ اعراض اختیاری مراد ہے۔ المراد بالغفلة هنا الاعراض عن الأیات وعدم الالتفات الیها فهم اعرضوا عنها حتی صاروا کا لغافلین (کبیر) فانتقمنا میں ف اس پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ سزا انہیں مسلسل گستاخانہ عہد شکنیوں کے بعد دی گئی۔ ف۱۷۷ (ظاہری و باطنی، مادی و روحانی دونوں قسم کی) مَشَارِقَ الۡاَرۡضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِىۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا۔ یعنی سرزمین شام جس کی آبادیاں دریائے یردن کے مشرقی و مغربی دونوں ساحلوں پر ہیں۔ المراد بارکنا فیها بالخصب وسعة الارزاق وذالک لا یلیق الابارض الشام (کبیر) الۡقَوۡمَ الَّذِيۡنَ كَانُوۡا يُسۡتَضۡعَفُوۡنَ۔ ظاہر ہے کہ مراد بنی اسرائیل ہیں۔ علاقہ شام پر بنی اسرائیل کا پورا قبضہ چند نسلوں بعد حضرت داوٗد حضرت سلیمان علیہما السلام کے زمانہ میں ہوا۔

وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَ اِذْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع وَ وٰعَدْنَا

اور جو کچھ فرعون اور اس کی قوم نے تیار کیا تھا اور جو اونچی (عمارتیں) بنائی تھیں ان (سب) کو ہم نے ملیا میٹ کر دیا۔ ف۱۷۸ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتار دیا پھر وہ ایسے لوگوں پر گزرے جو اپنے بتوں کو لیے بیٹھے تھے (اس پر بنی اسرائیل) کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایک دیوتا ایسا ہی بنا دیجیے جیسے ان کے (یہ) دیوتا ہیں (موسیٰ نے) کہا واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے ف۱۷۹ یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ ہو کر رہے گا اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ بھی (بالکل) باطل ف۱۸۰ (موسیٰ نے) کہا کیا میں اللہ کے سوا کسی (اور) کو تمہارا معبود تجویز کر دوں درآنحالیکہ وہ تم کو دنیا جہان والوں پر فضیلت دے چکا ہے ف۱۸۱ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی تھی جو تم کو سخت عذاب میں ڈالے ہوئے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے لیے تمہارے پروردگار کی طرف سے سخت آزمائش تھی۔ ف۱۸۲ اور ہم نے وعدہ کیا

ف۱۷۸ مَا كَانَ یَصْنَعُ سے مراد عمارتیں ہیں۔ یرید المصانع (کبیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ما کانوا یعملون ویسوون من العمارات وبناء القصور (کشاف) وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ۔ سے بھی مراد وہی اونچی عمارتیں ہیں۔ قال ابوعبیدة یبنون (راغب) یرفعون الابنیة المشیدة فی السماء (کبیر) یہ فرعون مغروق اپنے شوق تعمیرات کے لئے تاریخ میں مشہور بھی ہوا ہے وما کانوا یعرشون کے دوسرے معنی فرعون کے لگائے ہوئے باغ اور چمن بھی ہو سکتے ہیں۔ ای ما کانوا یعرشون من الجنات (کبیر) كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی۔ میں وعدہ نیک، فرعون کی غلامی سے آزادی حاصل ہونے اور خودمختاری کا تھا و معنی تمام الکلمة الحسنی انجاز الوعد الذی تقدم باهلاک عدوهم واستخلافهم فی الارض (کبیر) بِمَا صَبَرُوْا۔ یعنی یہ مرتبے جو کچھ حاصل ہوئے انہیں صبر ہی کی بنا پر نصیب ہوئے۔ انما حصل ذالک التمام بسبب صبرهم (کبیر) ف۱۷۹ کہ توحید جیسی بے نظیر نعمت سے مشرف ہو کر بت پرستی جیسی لعنت پر گرتے ہو) وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ۔ یعنی جب بنی اسرائیل بحر احمر کے شمالی سرے کو عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا میں قدم رکھ چکے۔ اس پر حاشیہ سورۂ بقر رکوع ۶ میں گزر چکا۔ قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ۔ یہ قوم ممکن ہے کہ عمالقہ کی ہو اور ممکن ہے کہ بنی لخم ہو۔ بہر حال تھی کوئی بت پرست قوم اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا۔ بنی اسرائیل کی اس بیہودہ فرمائش سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید پرستی ان کے دل میں بالکل ہی نہیں اتری تھی اور جیسے وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ معبود سازی اپنے اختیار و انتخاب کی چیز ہے اور قومی سردار و رہبر کے بس میں ہے کہ وہ جب اور جیسے چاہے اپنی قوم کے لیے معبود قرار دیدے عجب نہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ میں اس جانب بھی اشارہ ہو کہ تمہاری سمجھ میں اتنی موٹی سی بات ہی نہیں آتی! کیا معبود ٹھیرا دینا میرے یا کسی کے اختیار کی بات ہے؟ ف۱۸۰ یعنی ان کا یہ شغل بت پرستی بجائے خود بھی باطل ہے اور انجام کار اس کے حق میں خدائے قادر و قدوس کی طرف سے تباہی و بربادی بھی ہے۔ تم آخر کیا ایسوں کی تقلید کی طرف جا رہے ہو؟ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل باطل کے ساتھ تشبہ تو دنیوی عادات میں بھی مذموم ہے چہ جائیکہ رسوم عبادت وغیرہ میں! ف۱۸۱ (بہ حیثیت علمبردار توحید کے) حضرت علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شرک تو کسی قوم کے لیے کسی حال میں بھی جائز نہیں چہ جائیکہ تمہارے لیے جو شروع سے توحید کے حامل اور علمبردار بنا کر بھیجے گئے ہو، افضلیت بنی اسرائیل پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۵،۶ میں گزر چکے۔ ف۱۸۲ ان سب واقعات پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۶ میں گزر چکے۔

مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ

موسیٰ سے تیس شبوں کا پھر ان کا تکملہ دس (اور راتوں) سے کیا سو موسیٰ کے

رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ

پروردگار کی مدت چالیس شب کی پوری ہوئی و۱۸۳ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے

اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ

کہا کہ میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور اصلاح کرتے رہنا اور مفسدین کی روش پر

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ

نہ چلنے لگنا و۱۸۴ اور جب موسیٰ ہمارے وقت (موعود) پر آگئے اور ان سے ان کا پروردگار

رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ

ہم کلام ہوا و۱۸۵ موسیٰ بولے اے میرے پروردگار مجھے اپنے کو دکھلا دیجیے (کہ) میں آپ کو ایک نظر دیکھ

وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ

لوں، و۱۸۶ (اللہ نے) فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے البتہ تم (اس) پہاڑ کی طرف دیکھو، سو اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا

فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا

تو تم بھی دیکھ سکو گے و۱۸۷ پھر جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو (تجلی نے پہاڑ کو) ریزہ ریزہ

وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ

کر دیا، و۱۸۸ اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے، و۱۸۹ پھر جب انہیں افاقہ ہوا تو بولے تو پاک ہے

تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوْسٰۤى

میں تجھ سے معذرت کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں و۱۹۰ (اللہ نے) فرمایا اے موسیٰ

اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ

میں نے تمہیں انسانوں پر اپنی پیامبری اور اپنے کلام کے ذریعہ سے ممتاز کیا و۱۹۱

و۱۸۳ ان چالیس شبوں پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۶ میں گزر چکے۔ اب وقت وہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل مصر سے نکل کر آزاد خود مختار ہو چکی ہے اور اب اس قوم کے لئے ایک دستور شریعت نازل ہونے کو ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو لینے کے لیے کوہ طور پر طلب کئے گئے ہیں پہاڑ پر ایک چلہ کی مدت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خاص ریاضتوں کے ساتھ قیام کیا لَيْلَةً۔ میں دن اور رات دونوں شامل ہیں۔ اور لفظ لَيْلَةً۔ ہی سے استنباط کیا گیا ہے کہ شریعت میں معتبر تاریخ کا وہی حساب ہے جو بجائے دن کے رات سے کیا جائے دلت الاية على ان التاريخ يكون بالليالي دون الايام (قرطبی) اور جو تقویم قمری حساب سے قائم ہوگی اس میں رات کی یہ اہمیت ویسی ہی قدرتی ہے جیسی تقویم شمسی میں دن کی اہمیت۔ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی عدد اصل ہے صوفیہ کے ہاں کے چلہ کی جس کی برکتیں مشاہد ہیں۔ و۱۸۴ (جیسا کہ مجھے اپنے وسیع تر تجربہ کی بنا پر حق حاصل ہے کہ تمہیں اپنی غیر حاضری کے زمانہ کے لئے انتظامی اُمور میں مفصل احکام و ہدایت دے جاؤں) اُخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ۔ حضرت ہارون علیہ السلام تو خود نبی تھے۔ ان کی یہ جانشینی بہ حیثیت نبی نہیں، بہ حیثیت اعلیٰ سردار قوم کے تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں نبوت کی جانشینی سونپ کر نہیں جا رہے ہیں بلکہ بہ حیثیت نائب سردار اپنا جانشین بنا رہے ہیں اور اسی کے متعلق ہدایات بھی دے رہے ہیں — یہ نیابت و خلافت اسی طرح کی تھی جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے باہر کسی غزوہ وغیرہ میں جاتے تو انتظامی اُمور کی باگ کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے، کبھی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے اور کبھی کسی اور صحابی کے ہاتھ میں دے جاتے اس کو خلافت نبوت سے کوئی تعلق نہیں۔ اُخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اصل ہے شیوخ کے اس عمل کی کہ مریدوں کو اپنے خلفاء کے سپرد کر دیتے ہیں۔ و۱۸۵ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے جناب باری سے ہم کلامی کا یہ دوسرا موقع ہے۔ ایک بار اس سے قبل عطائے نبوت کے وقت کوہ طور پر ہی اس شرف سے مشرف ہو چکے تھے گو اس وقت کلام اس حد تک بے واسطہ اور براہ راست نہیں ہوا تھا جیسا کہ نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ۔ سے اشارہ ہو رہا ہے۔ لِمِيْقَاتِنَا۔ میں ل اختصاص کا ہے۔ اى لوقتنا الذى وقتناه واللام للاختصاص (روح) و۱۸۶ (اپنی انہی مادی آنکھوں سے) ایک پیمبر جلیل القدر کی زبان سے یہ درخواست بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ رویت باری مادی آنکھوں سے عقلاً محال و ممتنع نہیں۔ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول فرط اشتیاق سے مغلوب ہو کر تھا۔ و۱۸۷ اصل درخواست کا جواب لَنْ تَرٰىنِيْ۔ پر ختم ہو گیا۔ یعنی اس ناسوتی دنیا میں اپنی مادی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے ہو اور یہ جواب اس ناسوت میں رویت باری کے امتناع شرعی کی دلیل ہے گویا بہ طور اصول کے یہ حقیقت بتا دی گئی کہ انسان اپنی ترکیب جسمانی کے اعتبار سے ضعیف البنیان ہے۔ اس کے قوائے ظاہری اس عالم عنصری میں رویت جمال باری کی تاب نہیں لا سکتے۔ اصل جواب تو وہیں ختم ہو گیا آگے مزید شفقت و کرم سے ایک موقع حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عملی تجربہ اور اطمینان قلب کا اور دیا جا رہا ہے۔ اور ارشاد ہو رہا ہے کہ اچھا دیکھو پہاڑ جو ظاہری و مادی اعتبار سے انسان سے کہیں زیادہ قوت رکھتا ہے۔ اس پر ہم اپنی تجلی کی ایک جھلک ڈالے دیتے ہیں۔ اگر وہ اسے برداشت کر لے گیا تو تمہارے لیے بھی برداشت کرنا ممکن ہوگا — پیمبر بھی آخر جسمانی قویٰ وہی رکھتا ہے جو دوسرے انسان رکھتے ہیں۔ و۱۸۸ (اور اس سے یہ عیاناً ظاہر ہو گیا کہ بصر بشری میں رویت جمال باری کا تحمل نہیں) جَعَلَهٗ دَكًّا۔ ضمیر ہٗ سے مراد پہاڑ کا وہ خاص حصہ ہے جس پر بہ اختیار خود تجلی فرمائی گئی تھی۔ تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ۔ یعنی جو حجابات نور خداوندی کو بہ ارادہ خداوندی آج نظر خلائق سے محجوب کئے ہوئے ہیں وہ پہاڑ کے حق میں کسی قدر اور کسی حد تک مرتفع کر دیئے گئے۔ و۱۸۹ (اپنے سے جسماً کہیں قوی تر پہاڑ کی یہ حالت مشاہدہ کر کے) حضرت کی غشی کی وجہ اغلباً یہ ہوئی کہ محل تجلی (پہاڑ) سے آپ بھی گونہ تعلق و تلبس رکھے ہوئے تھے۔ و۱۹۰ (ذاتی تجربہ کے بعد تیرے اس ارشاد پر کہ "مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے"۔ (لن ترانی) بانك لاترى فى الدنيا لوعدك السابق فى ذلك (قرطبی) فَلَمَّاۤ اَفَاقَ۔ یعنی جب آپ کے ہوش بجا ہوئے۔ الافاقة رجوع العقل والفهم الى الانسان بعد ذهابهما عنه (روح) سُبْحٰنَكَ۔ یعنی تو پاک اور منزہ ہے۔ اس سے کہ عالم ناسوت میں انسانی حاسۂ بصر کی گرفت میں آسکے۔ تُبْتُ اِلَيْكَ۔ یعنی اپنی اس مشتاقانہ و بے تابانہ درخواست پر معذرت کرتا ہوں۔ قال مجاهد من مسألة الرؤية فى الدنيا (قرطبی) یہ خیال رہے کہ توبہ ہمیشہ معصیت ہی سے نہیں ہوتی۔ ہر نامناسب درخواست سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور وہی یہاں مراد ہے۔ واجمعت الامة على ان هذه التوبة ما كانت من معصية (قرطبی) مذہب اہل سنت میں رویت باری اس دنیا میں عقلاً بالکل جائز ہے۔ صرف شرعاً ممتنع ہے۔ و۱۹۱ (سو تمہارے لئے یہ امتیازات خاصہ کچھ کم ہیں؟) بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ۔ دونوں کے درمیان عطف مغایرت لا کر گویا ادھر بھی اشارہ کر دیا کہ رسول اور کلیم دو مختلف منصبوں کے نام ہیں۔ اور ہر رسول کے لئے کلیم ہونا لازمی نہیں۔

فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَ كَتَبْنَا لَهٗ

سو اب لو جو کچھ میں نے تم کو عطا کیا ہے اور شکر گزاروں میں سے رہو و۱۹۲ اور ہم نے ان کو تختیوں پر

فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا

ہر چیز لکھ دی نصیحت اور تفصیل ہر چیز سے

لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ

متعلق و۱۹۳ تو انہیں قوت کے ساتھ پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ

يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اس کے اچھے اچھے (احکام) کو لازم کرلیں و۱۹۴ عنقریب میں تم لوگوں کو نافرمانوں کا مقام دکھا دوں گا و۱۹۵

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ

میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کو پھرا ہوا ہی رکھوں گا جو روئے زمین پر ناحق تکبر کرتے

بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ

رہتے ہیں و۱۹۶ اور اگر یہ ساری نشانیاں (بھی) دیکھ لیں جب بھی ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر

يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ

ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو اسے (اپنا) راستہ نہ بنائیں اور اگر

يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اسے (اپنا) راستہ بنالیں یہ (ساری برگشتگی) اس سبب سے ہے کہ انہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ

ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان کی طرف سے اپنے کو غافل رکھا و۱۹۷ اور جن لوگوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ

ہماری نشانیوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا ان کے اعمال اکارت گئے

و۱۹۲ (بہ خلاف اپنی ناشکری قوم کے) مَآ اٰتَيْتُكَ۔ کے عموم میں رسالت ہم کلامی اور شریعت توریت سب آگئے۔ و۱۹۳ یعنی مسائل واحکام دین سے متعلق ہر ضروری تفصیل ان میں درج کردی گئی۔ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ سے ساری دنیا کی چیزیں مراد نہیں بلکہ وہی احکام ومسائل دین مراد ہیں۔ ای مما یحتاج الیہ فی دینہ من الاحکام (قرطبی) ولا شبهة فيه انه ليس على العموم بل المراد من كل ما يحتاج اليه موسى وقومه فى دينهم (کبیر) مِنْ یہاں مزیدہ ہے نہ کہ تبعیضیہ من مزيد لا تبعيضية (روح) لَهٗ۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے۔ الْاَلْوَاحِ۔ انہی لکھی ہوئی تختیوں کا نام توریت پڑا۔ اجمال کی کسی قدر تفصیل خود توریت میں ہے:۔ اور موسیٰ پھر کر پہاڑ سے اتر گیا اور شہادت کے دونوں تختے اس کے ہاتھ میں تھے اور وہ تختے لکھے ہوئے تھے دونوں طرف ادھر اور اُدھر لکھے ہوئے تھے اور وہ تختے خدا کے کام سے تھے اور جو لکھا ہوا سو خدا کا لکھا ہوا اور اُن پر کندہ کیا ہوا تھا۔ (خروج ۳۲:۱۵) مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ جار و مجرور سے بدل ہے یعنی مواعظ وتفصیل احکام میں سے ہر چیز وبدل من الجار والمجرور اے کتبنا له كل شیء من المواعظ وتفصيل الاحكام والى هذا ذهب غير واحد من المعربين (روح) و۱۹۴ یعنی اس کے سارے احکام کو، کہ اچھے تو اُس کے سب ہی احکام ہیں۔ خُذْهَا بِقُوَّةٍ۔ یعنی اے موسیٰ (علیہ السلام) کوشش واہتمام کے ساتھ اُن پر عمل کرو۔ و۱۹۵ (اے قوم اسرائیل) خطاب ابھی صیغۂ واحد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا اب صیغۂ جمع میں امت موسوی سے ہو رہا ہے۔ الْفٰسِقِيْنَ۔ سے مراد سرکش وبے دین عمالقہ ہیں جو اُس وقت تک ارض کنعان پر قابض تھے۔ اٰيَةٍ کو بشارت کے معنی میں بھی لیا جاسکتا ہے کہ عنقریب تمہیں تمہارے دشمنوں کے ملک پر قابض ومالک کردیا جائے گا۔ ای سیورثهم ارض اعدائهم ودیارهم (کبیر) اور عبرت کا پہلو بھی نکل سکتا ہے کہ تم اپنے دشمنوں کے ملک میں داخل ہوگے۔ اُن کے انجام سے عبرت حاصل کروگے چنانچہ قتادہ تابعی سے یہی معنی مروی ہیں فادخلكم الشام واريكم منازل الكافرين الذين كانوا متوطنين فيها من الجبابرة والعمالقة لتعتبروا بها (کبیر) و۱۹۶ (اور دنیا میں تکبر کا حق کسی کو بھی نہیں پہنچتا اس لیے تکبر جہاں کہیں بھی ہوگا ناحق ہی ہوگا) یعنی ایسے لوگ قصداً راہ کبر وانانیت اختیار کیے ہوئے ہیں، انہیں کبھی بھی قبول حق کی توفیق نہ ہوگی اور یہ برابر راہِ حق سے برگشتہ ہی رہیں گے۔ یہ نہ ہوگا کہ ایسے لوگوں کو تکوینی طور پر قبول حق پر مجبور کردیا جائے۔ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ یعنی یہ راہ کبر وگردن کشی خود ان گردن کشوں کے معیار سے بھی سرتاسر مہمل وباطل ہے۔ و۱۹۷ معاندین حق کی یہ نفسیت آج تک برابر چلی آرہی ہے۔ نیک سے نیک نمونے ان کے لیے بے اثر رہتے ہیں اور بدی کی ہر مثال ان کے لیے ایک سند اور نظیر کا کام دینے لگتی ہے۔ ساری آیت ان کے قساوت قلب کی ترجمان ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۔ آخر میں اس حقیقت کو اور زیادہ صراحت سے بیان کردیا کہ ان گردن کشوں پر یہ خدائی پھٹکار آپ ہی آپ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سارا وبال خود اُنہی کی ارادی عدول حکمیوں، کج اندیشیوں اور نخوت پسندیوں کا ہے۔ ذٰلک مجازاة من تكبرهم (قرطبی) كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ یعنی ہمارے تکوینی نشانوں اور تشریعی احکام کی انہوں نے بالقصد محض اپنے عناد سے تکذیب کی۔ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ۔ یعنی ہمارے ان نشانوں پر غور سے کام ہی نہ لیا اور قصداً اُن سے اعراض کیے رہے۔ غفلة۔ یہاں نادانستہ بے خبری ولاعلمی کے معنی میں نہیں دانستہ اعراض کے معنی میں ہے۔

ف۱۹۸ یعنی یہ سزا اُن کو خواہ مخواہ ہرگز نہ ملے گی۔ تمام تر اُن کا کفر ہی اس کا مقتضی ہوگا۔ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ یہ سزا انہیں قیامت میں پہنچ کر ملے گی۔ جن جن اعمال پر انہیں دنیا میں بھروسہ اور ناز تھا قیامت میں دیکھیں گے تو وہ سب کے سب صفر محض! اُن کی کوئی وقعت کوئی قیمت ہی نہیں، ایمان سے خالی۔ اس لئے ہر اجر سے خالی۔ صحیح مقصد تو اُن کا تھا ہی نہیں پھر نتیجہ بھی نیک کیسے نکلتا۔ ف۱۹۹ اس نئے معبود زریں کی کیفیت یہ تھی کہ وہ محض ایک جسد تھا، بے جان، ایک قالب تھا، بے روح، ایک جسم، حیات سے معرّیٰ، بس اُس میں سے ایک آواز نکلتی تھی جیسے گوسالہ بھیں، بھیں کرتا ہے۔۔۔ اور ایسی آوازیں تو مٹی کے کھلونوں تک میں صنعت سے پیدا ہو جاتی ہیں، گراموفون وغیرہ اعلیٰ آلات صناعی کا ذکر ہی نہیں۔ یہ بچھڑا سچ مچ کا نہیں بن گیا، وہی چاندی سونے کا رہا تھا جیسا کہ محققین سلف نے کہا ہے۔ کان جسداً من ذهب لا روح فيها كان يسمع منه صوت (معالم) مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر توریت کے لینے کو تشریف لے گئے تو اُن کی چہل روزہ غیر حاضری سے فائدہ اُٹھا کر اسرائیلیوں نے پہلے تو ایک بچھڑے کی سنہری مورت بنائی جس کے اندر سے آواز بھی نکلتی تھی، اور پھر اس کی پرستش شروع کر دی۔ مِنْ حُلِيِّهِمْ۔ یہ زیور وہ تھے جو اسرائیلیوں نے مصر سے اپنے کوچ سے قبل قبطیوں سے حاصل کئے تھے۔ توریت میں ہے:۔ ”اور انہوں نے مصریوں سے روپے کے برتن اور سونے کے برتن اور کپڑے عاریت لیے۔ اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ انہوں نے انہیں عاریت دی۔ (خروج ۱۲:۳۵،۳۶) یہ زیور تو اصلاً قبطیوں یا فرعونیوں کے تھے۔ اور قرآن مجید یہاں ان کی نسبت اسرائیلیوں کی جانب کر رہا ہے۔ اس سے فقہاء مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ کافر کا مال جب مسلم کے قبضے میں آجائے تو اُس سے کافر کا حق ملکیت زائل ہو جاتا ہے۔ فيه دليل على ان الاستيلاء على اموال الكفار يوجب زوال ملكهم عنها (مدارک) اِتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى۔ ”قوم موسیٰ علیہ السلام“ کی یہ تصریح موجودہ توریت محرف کی تردید میں ہے جس نے گوسالہ سازی کی ساری ذمہ داری حضرت ہارون علیہ السلام کے سر ڈال دی ہے۔ (خروج باب ۳۲) ف۲۰۰ کیسی شدید حماقت وجہالت تھی ایسے بے بس و بے قدرت کو اپنا معبود بنا لینا! اِتَّخَذُوْهُ۔ توریت میں ہے:۔ ”انہوں نے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے نکال لایا“۔ (خروج ۳۲:۴) ”انہوں نے اپنے لیے ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور اُسے پوجا اور اُس کے لیے قربانی ذبح کر کے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے چھڑا لایا“ (خروج ۳۲:۸) اَلَمْ يَرَوْا...... سَبِيْلًا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حجت شرعی کے سامنے خوارق سے دھوکا کھانا سفاہت ہے۔ ف۲۰۱ یہ ندامت واستغفار کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد کا ہے، جس کا ذکر ابھی آگے آتا ہے۔۔۔ آیت نمبر ۱۴۸ کے بعد متصل سلسلۂ بیان کے لحاظ سے آیت نمبر ۱۵۰ کو پڑھا جائے یہ آیت نمبر ۱۴۹ بطور جملہ معترضہ کے ہے، اور قرآن مجید کا عام اسلوب بلاغت ہی یہ ہے کہ واقعات کی تقدیم وتاخیر کا اعتبار کئے بغیر وہ نتائج اور عبرتوں کو درمیان کلام میں لے آتا ہے۔ سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ۔ محاورہ میں اس کے معنی نادم ہونے کے ہیں۔ یعنی الندم (راغب) تقول العرب لكل نادم على امر قد سقط فى يديه (معالم) قال ابو عبيدة يقال لمن ندم على امر و عجز عنه سُقِط فى يده (بحر) يقال للنادم المتحير قد سقط فى يده (قرطبی) سقط الندم قاله الازهرى والنحاس وغيرهما (قرطبی) ف۲۰۲ یعنی میں تو احکام شریعت ہی لینے گیا تھا کم از کم اُسی کا انتظار کر لیا ہوتا! رَجَعَ۔ غَضْبَانَ اَسِفًا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی طور ہی پر تھے کہ آپ کو وحی الٰہی سے یہ حال معلوم ہو گیا۔ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں مذکور ہے۔ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ۔ یعنی یہی کہ توحید چھوڑ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ ف۲۰۳ (کہ تم نے یہ کیا غضب کیا اور اس بے ہودگی کو کیسے روا رکھا!) وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ۔ توریت میں ذکر تختیوں کے ”توڑ ڈالنے“ کا ہی ہے:۔ ”اور یوں ہوا کہ جب وہ لشکرگاہ کے پاس آیا اور بچھڑا اور ناچ راگ دیکھا تب موسیٰ علیہ السلام کا غضب بھڑکا اور اس نے تختے اپنے ہاتھوں سے پھینک دیئے اور پہاڑ کے نیچے توڑ ڈالے“۔ (خروج ۳۲:۱۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سارے افعال غیرت توحید کے جوش اور بے خودی میں سرزد ہوئے اس لیے نہ اُن پر گرفت کی جا سکتی ہے اور نہ یہ افعال دوسروں کے لیے ارادے کے بعد سند ونظیر کا کام دے سکتے ہیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غضب چونکہ تمام تر للہ تھا اس پر دوسروں کے غصے کا قیاس نہیں کر سکتے جس میں نفس کا واسطہ شامل ہوتا ہے اور اُس کی مثال یہ ہے کہ جو سکر حرام سے پیدا ہوا اُسے شارع نے عذر نہیں قرار دیا ہے۔ بعض جاہل صوفیہ نے ان اعمال موسوی کو اپنے حالت تواجد میں کپڑے پھاڑ ڈالنے کو سند ونظیر بنانا چاہا ہے محققین نے لکھ دیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق سرتاسر لغو و باطل ہے۔ كيف تقاس احوال الانبياء على احوال هؤلاء السفهاء وقد سئل ابن عقيل عن تواجدهم وتخريق ثيابهم فقال خطاء وحرام (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ معاملہ حضرت ہارون علیہ السلام سے اپنے اس اجتہاد کی بناء پر کیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام سے کوتاہی واقع ہوئی تھی، حالانکہ کوتاہی واقع نہیں ہوئی تھی تو جب پیمبر برحق کے اجتہاد کا مطابق واقع ہونا ضروری نہیں تو شیوخ غیر معصومین سے غلطی کا صدور کیوں ممکن نہیں۔ امام ابن جریر طبری کا شمار اکابر ومشاہیر میں ہے لیکن غلطی سے معصوم بہر حال وہ بھی نہیں اپنی تفسیر میں طویل روایت قتادہ تابعی کے حوالے سے اس مفہوم کی بھی نقل کر دی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (معاذ اللہ) اتنا غصہ اس پر آیا کہ ان الواح میں مدح وستائش اُن کی اُمت کی نہیں بلکہ ایک دوسری امت (امت محمدی) کی درج تھی۔ ایسی روایت ایک معمولی صالح ومتقی انسان کے لئے بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ کلیم اللہ جیسے جلیل القدر واولوالعزم پیمبر کے متعلق! اور مقام

هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَ اتَّخَذَ

اور ان کو بدلہ اسی کا ملے گا جو کچھ کہ وہ کرتے رہے ہیں ف۱۹۸ اور موسیٰ کی

قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا

قوم نے ان کے (جانے کے) بعد ایک بچھڑا اپنے زیوروں سے بنایا (یعنی)

جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ

ایک قالب جس کے اندر ایک آواز تھی ف۱۹۹ کیا اُن کو یہ تک نہ سوجھا کہ وہ نہ تو اُن سے بات کر سکتا تھا

وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

اور نہ انہیں کوئی راہ بتلا سکتا تھا اسی کو انہوں نے (معبود) بنا لیا اور بڑا ہی ظلم (اپنے حق میں) کر بیٹھے ف۲۰۰

وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا

اور جب وہ نادم ہوئے اور محسوس کیا کہ وہ بڑی گمراہی میں پڑ گئے تو بولے

لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحمت نہ کرے اور ہماری مغفرت نہ کر دے تو ہم تو بالکل گھاٹے

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ

میں پڑ گئے ف۲۰۱ اور جب موسیٰ غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے اپنی قوم

غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ

کے پاس واپس آئے تو بولے تم (لوگوں) نے میرے پیچھے بہت ہی بری

بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ

حرکت کی، کیا تم نے اپنے پروردگار کے حکم (آنے) سے پہلے ہی جلد بازی کر لی ف۲۰۲ اور تختیاں تو (ایک طرف)

وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ

ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بال) پکڑ کر لگے انہیں اپنی طرف گھسیٹنے ف۲۰۳ (ہارون نے) کہا اے

مسرت ہے کہ دوسرے محققین نے ایسی بے اصل روایت کی پوری طرح پردہ دری کردی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ظاهر السياق انه انما القى الالواح غضبًا علىٰ قومه وهذا قول جمهور العلماء سلفًا وخلفًا وروى ابن جرير عن قتادة فى هذا قولًا غريبًا لايصح اسناده الىٰ حكاية قتاده وقدرده ابن عطية وغير واحد من العلماء وهو جدير بالرد وكانه تلقاه قتادة عن بعض اهل الكتاب وفيهم كذّابون ووضّاعون وافّاكون وزنادقة۔

سیاقِ کلام کھلا ہوا کہہ رہا ہے کہ آپ نے جو تختیوں کو پٹکا ہے تو اپنی قوم پر غضبناک ہوکر پٹکا ہے اور یہ قول جدید وقدیم اہلِ علم کا متفقہ ہے اور وہ جو ابن جریر نے اس سلسلہ میں قتادہ سے ایک عجیب قول نقل کیا ہے اس کی سند بھی قتادہ تک نہیں پہنچی۔ اور ابن عطیہ اور دوسرے علماء نے اس کی پوری طرح تردید کردی ہے اور وہ تردید ہی کا مستحق ہے عجب نہیں جو وہ روایت قتادہ کو اہل کتاب سے پہنچی ہو جن میں بڑے بڑے زندیق اور جھوٹے لپاڑیئے پڑے ہوئے تھے۔

اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَ كَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا

میرے ماں جائے (قوم کے) لوگوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ہی ڈالیں ف۲۰۴

تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ

سو میرے اوپر دشمنوں کو نہ ہنسوایئے اور مجھے (ان) ظالم لوگوں کے زمرے میں نہ داخل

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِاَخِيْ وَ اَدْخِلْنَا

کریجیے ف۲۰۵ (موسیٰ نے اب) کہا کہ اے میرے پروردگار مجھ سے اور میرے بھائی سے درگزر کر، اور ہم دونوں کو

فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ اِنَّ

اپنی رحمت (خاص) میں داخل کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے، ف۲۰۶ بیشک

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ

جن لوگوں نے گوسالہ کو (اپنا معبود) بنا لیا ہے۔ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي

غضب اور ذلت بہت جلد پڑے گی (اسی) دنیا کی زندگی میں اور ہم تہمت گڑھنے والوں کو ایسی ہی

الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا

سزا دیا کرتے ہیں ف۲۰۷ اور جن لوگوں نے گناہوں کے کام کیے پھر اُن کے بعد انہوں نے

مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْۤا ۫ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ

توبہ کرلی اور ایمان لے آئے (تو) بیشک تمہارا پروردگار اس کے بعد (اُن کے حق میں) بڑا مغفرت والا ہے،

رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَ لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ

بڑا رحمت والا ہے ف۲۰۸ اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو انہوں نے تختیوں کو

الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَ فِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ

اٹھا لیا اور اس نسخہ (توریت) میں ہدایت و رحمت تھی، ان لوگوں کے لیے

ع ۱۸/۸

اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے:۔

ولا التفات لماروى عن قتادة ان صح عنه ولا يصح...... وهٰذا قول ردئ لا ينبغى ان يضاف الىٰ موسىٰ عليه السلام۔

قتادہ کے حوالہ سے جو روایت بیان کی گئی ہے وہ صحیح ہو بھی تو قابل التفات نہیں لیکن وہ صحیح ہی نہیں...... وہ روایت بالکل لغو ہے اس قابل ہی نہیں، کہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب منسوب کیا جائے۔

ف۲۰۴ حضرت ہارون علیہ السلام اپنی صفائی میں کہتے ہیں کہ اے میرے پیارے بھائی میری بات تو سن لیجیے میں نے اپنی والی بہت کوشش کی لیکن یہ ظالم وسرکش جب خدا کے خلاف گردن کشی میں باک نہیں رکھتے تو میری کیا پروا کرتے میری ایک نہ چلنے پائی بلکہ جب میں نے زیادہ روک ٹوک کرنا چاہا تو اُلٹے مجھ سے بغاوت پر آمادہ ہوگئے، میری جان بچ گئی یہی بہت ہے۔ کہاں عصمتِ انبیاء کا یہ قرآنی مقام اور کہاں توریت کی یہ تصریحات کہ اس بت پرستی کے بانی وباعث ہی معاذ اللہ حضرت ہارون علیہ السلام تھے! کتنا فرق دونوں کتابوں میں ہے بلکہ قرآن کی زبان سے یہ تفصیلات بھی کچھ غیر ضروری سی معلوم ہو رہی ہیں۔ جب تک توریت میں درج کی ہوئی فردِ جرم سامنے نہ ہو نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ابْنَ اُمَّ۔ محاورۂ عرب میں انتہائی شفقت دلانے کے موقعہ پر آتا ہے۔ كلمة لين وعطف (قرطبی) وتخصيص الام بالذكر للترقيق (روح) ف۲۰۵ توریت کے بیانات کے پیش نظر اور اُن کی تردید کے لئے ان سب فقروں کا اضافہ ضروری تھا۔ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ۔ یعنی آپ میرے اوپر بلاقصور اتنی سختی کررہے ہیں اس سے دشمنوں کو ہنسنے اور طعنہ زنی ہی کا موقع ملے گا ف۲۰۶ حضرات انبیاء سے بڑھ کر رحمت الٰہی کا قدر شناس اور اندازہ دان اور کون ہوسکتا ہے۔ صحیح صورت حال کا علم ہوتے ہی معاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ استغفار ومناجات میں مشغول ہوگئے۔ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِاَخِيْ۔ درخواست مغفرت اپنے ہی لیے نہیں اپنے اُن بھائی کے لیے بھی ہے، جن پر ابھی یہ تشدد ہورہا تھا! اپنے لئے تو استغفار اس امر پر کہ غیرت توحید سے بےخود ہو کر قبل تحقیق ہارون علیہ السلام نبی پر اتنی سخت گیری کیوں شروع کردی تھی۔ اے فيما اقدمت عليه من هٰذا الغضب والحدة (کبیر) بما صنعت باخى (بیضاوی) اور حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے استغفار اس امر پر کہ دفع فتنہ پر پوری طرح کامیاب نہ ہوسکے۔ اے فى تركه التشديد العظيم على عبدة العجل (کبیر) توهمًا بانهٗ قصّرَ فى كفهم (بیضاوی) بھائی کو اپنی دعائے مغفرت کے ساتھ ملا لینا اس لئے بھی تھا کہ وہ ان سے خوش ہوجائیں اور اس لئے بھی کہ ان پر سے شماتت دفع ہوجائے۔ ضمه الى نفسه فى الاستغفار ترضية له ودفعًا للشماتة عنه (بیضاوی) ف۲۰۷ یہ اسی گوسالہ پرستی کے سلسلہ میں سارا کلام حق تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن) كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ۔ یعنی مفتری دنیا میں بھی مغضوب وذلیل ہوکر رہتے ہیں۔ گو کسی خاص حکمت سے کسی خاص عارض کے باعث اس کا ظہور دیر میں ہو یا بالکل نہ ہو، مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیا میں ذلت کبھی سزائے معصیت کے طور پر بھی ہوتی ہے۔ ف۲۰۸ یہ عام قاعدہ غفر ورحمت کا بیان کردیا کہ گنہگار ومنکر کو زندگی بھر مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ خدائے اسلام اُن بے رحم وخونخوار دیوتاؤں کی طرح نہیں جو معاف کرنا کسی حال میں جانتے ہی نہیں۔ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا۔ میں ضمیر ھا توبہ وتجدید ایمان کے لیے ہے۔

وف۲۰۹ (اور اس خوف خدا کی بنا پر اس نسخہ ہدایت سے فائدہ اٹھانا بھی چاہتے ہیں) سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا عذر معقول سن کر قدرۃً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جوش غضب فرو ہوجاتا ہے اَخَذَ الْاَلْوَاحَ۔ لفظ قرآنی الواح ہے یعنی نفس تختیاں نہ کہ ان کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے۔ اس سے ضمناً یہ بھی نکل آیا کہ تختیاں سالم تھیں ٹوٹ نہیں گئی تھیں۔ وظاهر هٰذا يدل على ان

هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَ اخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ

جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں وف۲۰۹ اور موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر مرد

سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

انتخاب کیے ہمارے وقت موعود کے لیے وف۲۱۰ پھر جب انہیں زلزلہ نے آ پکڑا وف۲۱۱

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَ اِيَّايَ ؕ

تو (موسیٰ نے) کہا کہ اے میرے پروردگار اگر تجھے (یہی) منظور تھا تو تو نے اس کے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیا

اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا

ہوتا تو کیا تو ہمیں اس (حرکت) پر ہلاک کر دے گا جو ہم میں سے (چند) بیوقوفوں

فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ

نے کی وف۲۱۲ یہ تو بس تیری طرف سے آزمائش ہے، ان (آزمائشوں) سے تو جس کو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور

تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَاَنْتَ

جس کو چاہے ہدایت پر قائم کر دے، وف۲۱۳ تو ہی ہمارا کارساز ہے ہماری مغفرت کر ہم پر رحم کر اور تو ہی

خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

بہترین مغفرت کرنے والا ہے وف۲۱۴ ہمارے حق میں بھلائی لازم کر دے اس دنیا میں (بھی)

حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ

اور آخرت میں (بھی) ہم تو تیرے ہی آگے جھک گئے ہیں وف۲۱۵ (اللہ نے) فرمایا

عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ

اپنا عذاب میں اسی پر واقع کرتا ہوں جس کے لیے چاہتا ہوں اور میری رحمت تو ہر چیز پر پھیلی

كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ

ہوئی ہے وف۲۱۶ سو اسے ان لوگوں کے لیے تو ضرور ہی لازم کر دوں گا جو خوف خدا رکھتے ہیں اور زکوٰۃ

شيئًا منها لم ينكسر ولم يبطل (کبیر) فِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ۔ یعنی اس نسخہ کے مضامین ہدایت سے بھرے ہوئے اور رحمت کی طرف لے جانے والے تھے۔ وف۲۱۰ یعنی وقت معین پر اپنے ہمراہ کوہ طور پر لے جانے کے لیے۔ یہ حاضری دوبارہ تھی یا یہ اسی پہلی حاضری کی مزید تشریحات ہیں؟ توریت میں ذکر کسی دوسری میقات کا نہیں اور ہمارے یہاں کے عام مفسرین کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ کوئی دوسرا واقعہ نہیں بلکہ نزول توریت کے وقت کی اُس حاضری کا ذکر ہے۔ لیکن قرآن پاک میں ایک دوسری آیت فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ۔ (سورۂ نساء) نیز خود اسی رکوع کی ترتیب مضامین ظاہراً اس خیال کی منافی ہے واللہ اعلم۔ وف۲۱۱ (اور وہ ستر کے ستر مردہ یا نیم مردہ ہو کر رہ گئے) اس پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۶ میں گزر چکا۔ قول جمہور یہ ہے کہ یہ لوگ واقعۃً مر گئے تھے پھر دوبارہ زندہ کیے گئے۔ والكثير على انهم ماتوا جميعاً ثم احياهم الله تعالىٰ (روح) لیکن ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ صرف بیہوش ہو گئے تھے پھر ہوش میں لائے گئے۔ قيل غشي عليهم ثم افاقوا (روح) وف۲۱۲ یعنی گستاخی کا اور تجھے عیاناً دیکھنے پر اصرار کا جرم تو ہم میں سے ایک محدود جماعت نے کیا ہے کہیں یہ تھوڑے ہی ہوسکتا ہے کہ تو اس کے پاداش میں ہم سب کو ہلاک کر دے! اَتُهْلِكُنَا۔ یہ استفہام، استفہام استعظام کہلاتا ہے مفہوم یہ ہے کہ تو ہرگز ایسا نہ کرے گا۔ قال المبرد المراد بالاستفهام استفهامُ استعظامٍ كانه يقول لاتهلكنا (قرطبی) لَوْ شِئْتَ۔ یعنی اگر تجھے مصالح تکوینی کے اعتبار سے یہی منظور ہوتا۔ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ۔ یعنی میری اور ان لوگوں کی ہلاکت سے قصہ ہی ختم ہو گیا ہوتا نہ میری بدنامی ہوتی اور نہ قوم مجھ سے بدگمان ہو کر مجھ سے انتقام لینے کی فکر میں پڑتی! لیکن تو نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا اہلاک بالذات مقصود نہیں۔ وف۲۱۳ (اور وہ تیری حکمتوں اور مصلحتوں کا اور زیادہ قائل ہوجائے) تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ۔ تو جسے اپنی مشیت تکوینی کے لحاظ سے چاہے گمراہ کر دے اور وہ تیرے شکوہ وشکایت اور ناشکری میں لگ جائے۔ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ۔ یہ تو تیری طرف سے ایک آزمائش ہے، جس سے مقصود مجرموں کو سزا دینا ہے، نہ کہ ساری قوم کو ہلاک کر دینا۔ وف۲۱۴ (سو تو اگر مجرموں اور خطا کاروں پر بھی مغفرت ورحمت کی نظر کر دے تو کیا بعید ہے) اَنْتَ وَلِيُّنَا۔ تو ہی ہمارا کارساز وکفیل ہے، اور ہمیں تیری ہی کارسازی اور چارہ فرمائی پر بھروسہ ہے وف۲۱۵ (اخلاص واطاعت کے ساتھ) وَاكْتُبْ لَنَا۔ کے معنی لازمی طور پر یہ نہیں کہ قید کتابت میں لے آ، یا ہمارے لیے تحریر کر دے، بلکہ یہ ہیں کہ ہمارے حق میں لازم ومقرر کر دے، محاورۂ عرب میں کتابۃ کے یہ معنیٰ عام ہیں، اے اوجب لنا والكتابة تذكر بمعنى الايجاب (کبیر) واثبت لنا (کشاف) ويعبر عن الاثبات والتقدير والايجاب والفرض والعزم بالكتابة (راغب) هُدْنَآ اِلَيْكَ۔ یعنی ہم تیرے آگے رجوع وتوبہ کے ساتھ حاضر ہو رہے ہیں۔ قال المفسرون اے تبنا و رجعنا اليک (کبیر) وف۲۱۶ یعنی میرے قانونِ رحمت کے ماتحت معاملہ تو مجرم وغیر مجرم نیک وبد سب ہی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ البتہ قانون مکافات ومجازات کا عمل خاص خاص افراد کے ساتھ ہوتا ہے۔

الزَّكٰوةَ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ

دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں ف۲۱۷ جو لوگ

يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ

اُس اُمی رسول و نبی کی پیروی کرتے ہیں ف۲۱۸ جسے وہ اپنے ہاں لکھا ہوا

مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ

پاتے ہیں ف۲۱۹ توریت اور انجیل میں ف۲۲۰ انہیں وہ نیک کاموں کا

بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ

حکم دیتا ہے اور انہیں برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزیں جائز

الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ

بتاتا ہے اور اُن پر گندی چیزیں حرام رکھتا ہے اور اُن پر سے بوجھ اور قیدیں

اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ

جو اُن پر (اب تک) تھیں اُتارے دیتا ہے ف۲۲۱ سو جو لوگ

اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ

اس (نبی) پر ایمان لائے اور اس کا ساتھ دیا اور اُس کی مدد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو اُس کے ساتھ

اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا

اُتارا گیا ہے سو یہی لوگ تو ہیں جو (پوری) فلاح پانے والے ف۲۲۲ کہہ دیجئے کہ اے

النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ

انسانو! بیشک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف ف۲۲۳ اُسی (اللہ) کا جس کی حکومت ہے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ

آسمانوں اور زمین میں سوا اُس کے کوئی معبود نہیں وہی جلاتا ہے

ع ۱۹ / ۹

ف۲۱۷ مناجات موسوی کے جواب میں ارشاد ہورہا ہے کہ میری رحمت تو، بہ طور کلیہ اور اصول کے ہر ایک کے لیے عام ہے تو اُس کا تحقق ان لوگوں کے حق میں کیسے نہ ہوگا (ہوگا اور ضرور ہوگا) جو عقاید و اعمال میں صفاتِ ایمان وتقویٰ سے آراستہ ہیں۔ فَسَاَكْتُبُهَا۔ میں ضمیر رحمت کی طرف ہے اور س تاکید کے لئے ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ۔ تقویٰ سے اشارہ اعمالِ قلب کی طرف ہے يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ اس سے اشارہ اعمال جوارح وعبادات کی طرف ہے۔ يُؤْمِنُوْنَ۔ میں اشارہ عقاید کی جانب ہے۔ ف۲۱۸ اَلَّذِيْنَ۔ کا لفظ سب انسانوں کے لیے عام ہے، یہاں خاص اشارہ اہل کتاب کی جانب ہے۔ اُمی سے مراد ان پڑھ بھی ہوسکتا ہے جیسے کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ تھے اور ام القریٰ والا یعنی مکی بھی، اور اُمت والا بھی۔ اور حاصل ان دونوں آخری نسبتوں کا بھی وہی ہے یعنی ان پڑھ ہونا۔ قیل منسوب الی الامة الذین لم یکتبوا لکونه علٰی عادتهم وقیل سمّی بذلک لانه لم یکن یکتب ولا یقرء من کتاب و قیل سمّی بذلک لنسبته الٰی ام القرٰی (راغب) قال الزجاج معنی الامی الذی هو علٰی صفة امته العرب فالعرب اکثرهم ما کانوا یکتبون ولا یقرءون والنبی علیه الصلوٰة والسلام کان کذلک (کبیر) ای الذی لا یکتب ولا یقرأ (روح) ف۲۱۹ جسے "یعنی جس کی صفات وعلامات کو۔ ای یجد نعته (کشاف) ف۲۲۰ یہاں تک کہ اتنی تحریف وتصحیف کے بعد بھی یہ حوالے مروجہ توریت وانجیل سے اب تک بالکل نہ دھل سکے چنانچہ توریت میں ہے:۔ خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو (استثناء ۱۸:۱۵) اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کیا سو اچھا کیا، میں اُن کے لیے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا۔ (استثناء ۱۸:۱۸) دونوں آیتوں میں بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد ظاہر ہے کہ بنی اسمٰعیل ہی ہوسکتے ہیں۔ "خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی"۔ (استثناء ۳۳:۲) آتشی شریعت بھی ہمارے ہی رسول ﷺ کی تھی۔ فتح مکہ کے وقت آپ ہی داخل ہوئے شہر میں دس ہزار پاک نفس صحابہ رضی اللہ عنہم (قدوسیوں) کے جلو میں اور سینا (حضرت موسیٰ علیہ السلام) اور شعیر (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی نبوتوں کے بعد فاران سے جو نورِ نبوت جلوہ گر ہوا وہ بھی ہمارے ہی نبی کا تھا (فاران مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے) "اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ (پیدائش۔ ۱۷:۲۱) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل کے حق میں یہ سارے وعدہ ہمارے رسول ﷺ کی ذات سے جا کر پورے ہوئے ہیں۔ "یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا اور نہ حاکم اُس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہے گا۔ جب تک کہ وہ نہ آئے جو بھیجا جانے والا ہے اور قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی۔ (پیدائش ۴۹۔۱۰) زیر خط عبارت کا ترجمہ رومن کیتھولک بائبل یعنی Dowey version کے مطابق ہے) دنیا کی مختلف قومیں ہمارے رسول ہی کے عَلَم کے نیچے جمع ہوئیں وہی نبی مرسل تھے۔ اُنہی کے بعد سے یہود کا اقتدار نمایاں اور دیرپا طور پر ختم ہو گیا اور داؤد کے ایک نغمے میں ہے:۔ "میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا پس سارے لوگ ابدالآباد تک تیری ستائش کریں گے" (زبور ۴۵:۱۷) ستائش ہی کو عربی میں محمدت کہتے ہیں اسم محمد ﷺ صاف ترجمہ ہے ستودہ کا۔ "دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا۔ بڑا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا۔ اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے گا اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں (یسعیاہ ۴۲:۱۔۴) یہ میرا بندہ (عبدہٗ ورسولہ) اور میرا برگزیدہ (مصطفیٰ) جس کا "زوال نہ ہوگا" (خاتم النبیین) صاف ہمارے ہی رسول اکرم ﷺ ہیں جن کی شریعت بحری ممالک تک پھیلی ہوئی ہے" نیز ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ اور انجیل میں ہے۔ "یسوع نے اُن سے کہا کہ کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی، اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی، اور جو اس پتھر پر گرے گا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے مگر جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا"۔ (متی ۲۱:۴۲:۴۴) جس پتھر کو اسرائیلیوں (معماروں) نے ہمیشہ رد کیا تھا وہ اسماعیلی تھے آخر میں اسی اسماعیلی نسل کے ایک فرد کو نبوت ملی، اور نبوت بھی اس شان کی کہ یہود، نصاریٰ جو بھی اس سے ٹکرائے چور چور ہو کر رہ گئے یسوع مسیح شہر یروشلم کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ "جب تک عالم بالا پر سے تم کو خوف کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھیرے رہو۔ (لوقا ۲۴:۴۹) جب تک ہمارے حضور کا نزول اجلال نہ ہولیا تقدس شہر یروشلم ہی کا قیام رہا اور اس کے بعد کعبہ (واقع شہر مکہ) کی جانب منتقل ہوا حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ظہور کے بعد "جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے تو اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے کیا تو ایلیاہ ہے اُس نے کہا میں نہیں ہوں کیا تو وہ نبی ہے اس نے جواب دیا کہ نہیں"۔ (یوحنا ۱:۱۹۔۲۱) "انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے اور نہ ایلیاہ اور نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے"۔ (یوحنا۔ ۱:۲۵) یہ صاف اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ علاوہ مسیح کے ایک اور نبی "وہ نبی" (النبی ﷺ) کی معلوم ومعروف ہستی کا انتظار یہود کو عرصہ سے تھا۔ "پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں

وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ

اور (وہی) مارتا ہے، و۲۲۴ سو ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے اُمّی رسول و نبی پر

الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ

جو خود ایمان رکھتا ہے اللہ اور اُس کے کلاموں پر، اور اس کی پیروی کرتے رہو تا کہ تم

تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ

راہ پا جاؤ و۲۲۵ اور موسیٰ کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے کہ (وہ لوگ) حق کے مطابق (دوسروں کو)

بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَ قَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ

ہدایت کرتے ہیں اور (خود بھی) اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں و۲۲۶ اور ہم نے انہیں بارہ خاندانوں

عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى

جماعتوں میں تقسیم کر دیا، و۲۲۷ اور ہم نے موسیٰ کو جب کہ اُن کی قوم نے اُن سے

اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ

پانی طلب کیا وحی کی کہ اپنے (اس) عصا کو (فلاں) پتھر پر مارو

فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ

تو اُس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے (اور) ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا مقام

كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ

معلوم کر لیا و۲۲۸ اور ہم نے اُن پر ابر کا سایہ کر دیا

وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

اور ہم نے ان پر من و سلویٰ اتارا (اور کہا کہ) پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ

مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

جو ہم نے تم کو دے رکھی ہیں و۲۲۹ اور انہوں نے (کوئی) ظلم ہم پر نہیں کیا بلکہ اپنے ہی اوپر ظلم

...ن کر کہا بیشک یہی وہ نبی ہے اوروں نے کہا یہ مسیح ہے"۔ (یوحنا۔ ۷: ۴۰) ثبوت مزید اس امر کا کہ علاوہ مسیح کے ایک اور نبی موعود (النبی۔ اس نبی،،) کا انتظار ہو رہا تھا۔ اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ ...جہیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (۱۴: ۱۶) جب وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف ...نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ (۱۵: ۲۶) یہ ابد تک ساتھ رہنے والا اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا بجز خاتم المرسلین کے جنہوں نے آ کر حضرت مسیح علیہ السلام کی تصدیق کی اور کون ہو سکتا ہے؟ یہ حوالے ان ...نام نہاد "اناجیل" اربعہ کے تھے جو مسیحی کلیسا میں آج بھی مسلم ہیں باقی انجیل برنابا تو اس سے کہیں زیادہ اور کھلی ہوئی تصریحات سے لبریز ہے و۲۲۱ یعنی اس کی شریعت تمام رسم و رواج اور سابق شریعتوں کی ناسخ ...ران پر حاکم ہے يَاْمُرُهُمْ...... عَنِ الْمُنْكَرِ۔ چنانچہ جیسا کہ ظاہر ہے شریعت اسلامی جامع ہے تمدن، معاشرت، اخلاق، سیاست، ہر شعبہ حیات میں انفرادی و اجتماعی بہترین احکام و قوانین کی۔ يُحِلُّ...... الْخَبٰٓئِثَ۔ چنانچہ اسلامی شریعت پر عمل کے بعد کسی بھی گندگی، پلیدی کا اثر باقی نہیں رہ سکتا۔ و۲۲۲ (دنیا آخرت دونوں میں) دنیا میں بہترین دستور حیات و نظام عمل کا مالک اور آخرت میں ہر طرح کی آسائش، ...راغت سے مالا مال۔ ای هم الفائزون بالمطلوب فى الدنيا والآخرة (کبیر) اَلنُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ۔ اس نازل شدہ نور سے مراد ہے قرآن و سنت وهو القرآن وقيل الهدى والبيان والرسالة (کبیر) و۲۲۳ جس میں استثناء نہ کسی قوم و نسل کا ہے نہ کسی ملک و زمانہ کا) آیت ایک محکم و روشن دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ پر ہے۔ یعنی قرآن کی دعوت عالمگیر ہے، اس کی مخاطب ساری دنیا ہے نہ کہ عرب قوم، یا چھٹی یا ساتویں صدی مسیحی کی دنیا۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ۔ اس طرز خطاب نے صراحت کر دی کہ قرآن کے مخاطب سارے آدم زاد ہیں نہ کہ اُن کا کوئی خاص ٹکڑا۔ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ۔ اس نے ایک بار اور صراحت کر دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ایک قاصد اور سفیر ہیں اور بس، نہ کہ اس کے مظہر یا اوتار، یا اُس کے فرزند و رشتہ دار و۲۲۴ یہ نہیں کہ بقاء حیات کے دیوتا وشنوجی ہوں اور موت و ہلاک کے دیوتا شوجی۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ یہ نہیں کہ معبود اعظم تو وہ ہے، اور چھوٹے بڑے دیوی، دیوتا اُس کے ماتحت ہزاروں ہیں۔ نہیں بلکہ کسی دوسرے کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔ معبود تو صرف وہی ایک اور اکیلا ہے۔ اَلَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ اس میں ایک لطیف اشارہ یہ نکلتا ہے کہ جس طرح خدائے اسلام کی ربوبیت و الوہیت ہمہ گیر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی دعوت عالمگیر ہے۔ و۲۲۵ (اور انفرادی، اجتماعی، معاشی، معادی ہر قسم و نوعیت کی فلاح پا جاؤ) رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ۔ رسول اور نبی دہری صفت لانے سے مقصود تاکید اور زور کلام ہے۔ رسول اور نبی کے درمیان فرق بھی متعدد بتائے گئے ہیں اور ان میں سے ایک فرق یہ ہے کہ نبی بشر کے لیے مخصوص ہے اور رسول ملائکہ کے لئے بھی عام ہے اسمان لمعنيين فان الرسول اخص من النبى وقدم الرسول اهتماما لمعنى الرسالة والا فمعنى النبوة هو المتقدم (قرطبی) اَلَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ۔ یہاں یہ بتا دیا کہ خود اُس رسول اشرف و اکرم کے لئے یہ امر باعث شرف و اکرام ہے کہ اُس کا ایمان اللہ اور اُس کے سارے کلاموں پر کامل و محکم ہے۔ كَلِمٰتِهٖ۔ یعنی جو وحی خدا اُن پر نازل ہوئی اُس پر اور اُس سے سابق کی ساری وحیوں پر۔ ای ما انزل عليه وعلى سائر الرسل عليهم السلام من كتبه ووحيه (روح) و۲۲۶ یہود میں یہ وہی اہل حق و اہل انصاف ہیں جو آگے چل کر ایمان لے آئے۔ قيل هم اليهود الذين كانوا فى زمان الرسول عليه الصلوة والسلام واسلموا (کبیر) وَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى۔ قَوْمِ مُوْسٰى۔ قوم موسیٰ سے مراد بنی اسرائیل ہیں بِهٖ يَعْدِلُوْنَ۔ ضمیر الحق کی طرف ہے، اور یعدلون یعنی حکم و فیصلہ میں انصاف کرتے ہیں۔ به اى بالحق ويعدلون بينهم فى الحكم (بیضاوی) قال الزجاج العدل الحكم بالحق (کبیر) يَهْدُوْنَ بِالْحَقِّ۔ یعنی دوسروں کو راہ ہدایت کی طرف بلاتے ہیں۔ ای يدعون الناس الى الهداية (قرطبی) و۲۲۷ (اور ہر جماعت کا نگراں ایک ایک سردار کو مقرر کر دیا) یہی مضمون سورۂ مائدہ میں بھی آیا ہے۔ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا۔ توریت میں اسی سلسلہ میں ہے:۔ "یہ سب بنی اسرائیل کے بارہ فرقہ ہیں اور یہی ہے جو اُن کے باپ نے انہیں کہہ کے برکت دی۔" (پیدائش۔ ۴۹: ۲۸) نیز (خروج ۲۸: ۲۱) اَسْبَاطًا اُمَمًا۔ اسباط یہاں بدل ہے۔ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ سے اور اُمَمًا صفت ہے اسباط کی۔ اسباطا بدل من اثنى عشر امما نعت للاسباط (قرطبی) امما بدل بعد بدل او نعت اسباطا (بیضاوی) قَطَّعْنٰهُمْ۔ یعنی انہیں اتنے گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ای صيرناهم قطعا اى فرقا (کبیر) و۲۲۸ حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۷ کے تحت میں گزر چکے۔ اِنْۢبَجَسَتْ۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ یہ انفجرت کے معنی میں ہے اور انبجاس و انفجار مرادف ہیں اس قول پر آگے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ يقال بجس الماء يبجس وانبجس وتبجس اذا تفجر هذا قول اهل اللغة (کبیر) ای انفجرت كما قال ابن عباس (روح) لیکن بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ انبجاس پانی کے تھوڑے تھوڑے نکلنے کو اور انفجار پانی کے جوش سے نکلنے کو کہتے ہیں۔ ایسی صورت میں وجہ تطبیق یہ ہوگی کہ قرآن مجید نے یہاں جو انبجست کہا ہے یہ پانی نکلنے کی ابتداء کا ذکر ہے اور سورۂ بقرہ میں جو انفجرت ارشاد ہوا ہے وہاں آخر میں جوش و خروش سے جاری کرنے کا بیان ہے۔ قال أخرون الانبجاس خروج الماء بقلة والانفجار خروجه بكثرة وطريق الجمع ان الماء ابتدا بالخروج قليلا ثم صار كثيرا وهذا الفرق مروي عن ابي عمرو بن العلاء (کبیر) و۲۲۹ حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۶ کے تحت میں گزر چکے۔

يَظْلِمُونَ ﴿١٦٠﴾ وَ اِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ

کرتے رہے ف۲۳۰ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ان سے کہا گیا کہ (فلاں) بستی میں جا کر سکونت اختیار کرو،

وَ كُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ ادْخُلُوا

اور وہاں کھاؤ، جہاں بھی تم چاہو اور کہتے جاؤ کہ توبہ ہے اور (شہر کے) دروازہ میں (عاجزی سے) جھکے ہوئے داخل

الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ

ہو، ہم تمہاری خطائیں تمہیں معاف کر دیں گے، ہم نیک کاروں کو

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا

اور زیادہ دیتے ہیں ف۲۳۱ لیکن ان میں سے ظالموں نے کلمہ بدل ڈالا

غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ

خلاف اس کے کہ جو ان سے کہا گیا تھا تو ہم نے اُن پر آسمان سے ایک

السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٢﴾ ع وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ

آفت بھیجی اس لئے کہ وہ (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہے تھے ف۲۳۲ اور آپ اُن سے اس بستی (والوں) کی بابت

الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ

دریافت کیجیے جو سمندر کے کنارے تھی ف۲۳۳ جب کہ وہ لوگ سبت کے بارہ میں (احکام سے) تجاوز کر رہے تھے

اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّ يَوْمَ

(اور) جب کہ ان کے سبت کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہوتی تھیں اور جب سبت

لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا

نہ ہوتا تو نہ آتیں ف۲۳۴ ہم نے ان کی آزمائش اس طرح سے کی اس لیے کہ وہ

كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٣﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ

نافرمانی کر رہے تھے ف۲۳۵ اور جب کہ اُن میں سے ایک جماعت نے کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں

ع ۵ ۲۰ ۱۰ وقف لازم

الصف معانقة ۲

ف۲۳۰ (احکام الٰہی کی نافرمانی کر کر کے) مشرک جاہلی قوموں میں خدا سے بغاوت خود خدا کے لئے باعث مصیبت سمجھی گئی ہے۔ یہ اسی کی تردید ہے اور اس حقیقت کا بیان ہے کہ قانون الٰہی کے توڑنے سے خدا کا کیا نقصان؟ نقصان تو انسان کا اپنا ہوتا ہے۔ ف۲۳۱ حاشیے پارۂ اول سورۂ بقرہ، رکوع ۶ میں گزر چکے۔ ف۲۳۲ حاشیے سورۂ بقرہ، پارۂ اول، رکوع ۶ میں گزر چکے۔ ف۲۳۳ (اے پیغمبر) وَسْـَٔلْهُمْ۔ میں ضمیر عہد رسول ﷺ کے معاصر یہود کی طرف ہے۔ ای واسئل الیھود اللدین ھم جیرانک عن اخبار اسلافھم (قرطبی) الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ۔ حاشیے سورۃ البقرہ پارۂ اول رکوع ۷ میں گزر چکے۔ عَنِ الْقَرْيَةِ۔ القریہ سے مراد اھل القریۃ ہیں۔ ای عن اھل القریۃ (قرطبی) ف۲۳۴ (بلکہ وہاں سے کہیں اور نکل جاتیں) حِيْتَانُهُمْ۔ یعنی اُن کے سمندر کی مچھلیاں۔ تَاْتِيْهِمْ...... شُرَّعًا۔ یعنی وہ مچھلیاں سطح آب پر پانی سے سر نکال کر نمودار ہو جاتی تھیں، ای شوارع ظاھرۃ علی الماء کثیرۃ (قرطبی) ف۲۳۵ یعنی اس سخت آزمائش میں وہ اسی لئے ڈالے گئے کہ وہ نافرمانیاں پہلے سے کرتے آرہے تھے، آزمائشیں حق تعالیٰ کے ہاں سے تو نافرمانوں اور فرماں برداروں دونوں کی ہوا کرتی ہیں لیکن جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے، اہل طاعت کی آزمائش لطف اور تائید اور توفیق سے مقرون ہوا کرتی ہے۔ بعض اہل علم نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ احکام شریعت سے بچنے کے لیے حیلہ کرنا حرام ہے۔ واستدل بعض اھل العلم بقصۃ ھؤلاء المعتدین علی حرمۃ الحیل فی الدین (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جن حیلوں کا مشروع ہونا فقہاء و حکماء امت سے وارد ہوا ہے وہ احکام شرعی کی تعمیل کے لئے ہے نہ کہ اُن سے بچنے کے لئے۔

تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا

نصیحت کیے جاتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں (کسی اور) سخت عذاب میں گرفتار کرنے

شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ

والا ہے و۲۳۶ وہ بولے اپنے پروردگار کے رُوبرو عذر کرنے کے لئے اور شاید کہ یہ لوگ

يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ

تقویٰ اختیار کرلیں، و۲۳۷ پھر جب وہ بھولے ہی رہے اس چیز کو جو انہیں یاد دلائی گئی تھی تو ہم نے اُن لوگوں کو بچا

يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ

لیا جو بری بات سے روکا کرتے تھے، اور جو لوگ ظلم کرتے تھے انہیں ہم نے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا

بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ

اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے و۲۳۸ پھر جب وہ اس چیز کی حد سے نکل گئے

مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

جس سے وہ روکے گئے تھے ہم نے ان سے کہہ دیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ و۲۳۹

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب آپ کے پروردگار نے یہ جتلا دیا کہ وہ ان (یہود) پر قیامت کے دن تک کسی ایسے کو مسلط

مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ

رکھے گا جو انہیں سزائے شدید میں مبتلا رکھے گا و۲۴۰ بیشک آپ کا پروردگار بہت جلد

الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى

سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے و۲۴۱ اور زمین پر ہم نے انہیں مختلف

الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ

جماعتوں میں تقسیم کر دیا ان میں سے (بعض) نیک بھی تھے اور ان میں سے (بعض) اس کے علاوہ

و۲۳۶ (ان کے مسلسل جرائم کی پاداش میں) اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ۔ یہ کہنے والے وہ لوگ تھے جو خود نیک کار تھے لیکن مجرموں کی اصلاح کی طرف سے مایوس ہوگئے تھے اور یہ کہا انہوں نے ان نیک کاروں سے جو اب تک وعظ و نصیحت میں لگے ہوئے تھے۔ و۲۳۷ (اور اس خشیت الٰہی سے اپنی اصلاح کرلیں) مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ۔ یعنی کم از کم اپنی صفائی تو ہم پیش ہی کردیں گے کہ ہم نے اپنی والی پند و نصیحت تو بہت کچھ کر ڈالی تھی، غرض یہ کہ ان مصلحین نے جواب دو دیے، ایک یہ کہ اپنے اوپر تو تلقین و اتمام حجت کا بار نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ شاید اب بھی یہ لوگ اصلاح قبول کرلیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب نصیحت کے مؤثر ہونے کی اُمید بالکل نہ رہے تو نصیحت کرنا واجب نہیں رہتا گو دلیل عالی ہمتی ہے۔ چنانچہ اہل حق میں سے جنہوں نے لِمَ تَعِظُوْنَ کا سوال کیا انہوں نے بوجہ یاس فتوائے عدم وجوب پر عمل کیا اور جنہوں نے مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ سے جواب دیا انہیں یا تو یاس ہی نہیں ہوئی اور یا انہوں نے عالی ہمتی سے کام لیا اور دونوں فریقوں نے پورا پورا اجر پایا۔ و۲۳۸ عذاب الٰہی کی یہ خصوصیت بار بار بیان کرنے کے قابل ہے (بار بار اس لیے کہ لوگ اسے بھول بھول جاتے ہیں) کہ اس میں گنہگار اور بے گناہ سب نہیں صرف گنہگار ہی مبتلا کیے جاتے ہیں اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ۔ جو لوگ راہ ہدایت پر قائم رہے اور اس کی تلقین دوسروں کو کرتے رہے۔ وہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔ و۲۳۹ مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۸ میں گزر چکا۔ و۲۴۰ اور یہ سزا دنیا میں اس قوم کی مسلسل نافرمانیوں اور گستاخیوں کی پاداش میں مقرر ہوئی ہے) اس کا مشاہدہ آج تک (۱۹۴۶ء تک) ہو رہا ہے جرمنی میں ابھی کل تک اُن پر جو قیامت برپا رہی وہ اظہر من الشمس ہے۔ باقی یوں بھی بنی اسرائیل اس دنیا کے پردہ پر کسی خطہ و علاقہ میں مطمئن نہیں، روس، برطانیہ، فرانس، امریکہ کوئی بھی ان کا دوست اور مخلص نہیں ہر ایک موقع پا کر انہیں پیس ہی ڈالنا چاہتا ہے اور مشہور عالم دولت و ثروت کے باوجود یہ قوم آج تک مقہور ہی چلی آرہی ہے۔ عَلَيْهِمْ۔ ضمیر ھم کس کی جانب ہے؟ قول جمہور یہ ہے کہ اس سے عہد نبوی کے معاصر یہود مراد ہیں اُنہی کو یہ خبر پہنچا دینا مقصود ہے کہ اگر اب بھی ایمان نہ لائے تو بس حشر تک اس دنیا میں ذلت و خواری کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ رہنا ہے۔ **قال الاکثرون هذه الأية فی الیهود الذین ادرکهم الرسول** ﷺ **ودعاهم الی شریعته وهذا اقرب** (کبیر) لیکن خود سیاق قرآنی اس خیال کی تائید میں ہے کہ یہ وعید اُنہی قدیم سبت شکن یہود کو سنائی جارہی ہے کہ تم نے اگر اپنی اصلاح حال نہ کرلی تو قیامت تک محکومیت کے دنیوی عذاب میں مبتلا رکھے جاؤ گے۔ توریت کے بھی بعض بیانات اسی مضمون کے ملاحظہ ہوں: ”اگر تم میرے سننے والے نہ ہو اور ان سب حکموں پر عمل نہ کرو...... اور مجھ سے عہد شکنی کرو، تو میں بھی تم سے ایسا ہی کروں گا...... اور میرا چہرہ تمہارے برخلاف ہوگا، اور تم اپنے دشمنوں کے سامنے قتل کیے جاؤ گے۔ اور جو تمہارا کینہ رکھتے ہیں تم پر حکومت کریں گے۔ (احبار ۲۶: ۱۴۔۱۷)“ ”تیرے بیٹے اور عزیز بیٹیاں دوسری قوم کو دی جائیں گی، اور تیری آنکھیں دیکھیں گی۔ اور سارے دن ان کی راہ تکتے تکتے تھک جائیں گے۔ اور تیرے ہاتھ میں کچھ زور نہ ہوگا۔ (استثناء ۲۸: ۳۲) و۲۴۱ (تائبوں کے حق میں) بدکار نافرمان قومیں مایوس نہ ہوں۔ ان کے لیے اب بھی توبہ و رجوع کے بعد اللہ کے غفر و رحمت سے پوری طرح استفادہ کا موقع باقی ہے اور یہود کے لئے تو اس میں خاص بشارت کا اشارہ نکلتا ہے کہ اگر وہ اپنی اسلام دشمنی سے باز آگئے تو اللہ کی رحمت اُن کی پوری دستگیری کو موجود ہے۔ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ۔ اس کی اس صفت کا ظہور صرف مجرموں اور عادی مجرموں کے حق میں ہوتا ہے۔

ف۲۴۲ (اپنی مجرمانہ حرکتوں سے، اور ایمان واطاعت کی طرف لوٹ آئیں) ای لیرجعوا عن کفرھم (قرطبی) یرید کئ یتوبوا (کبیر) بَلَوْنٰهُمْ۔ ضمیر جمع افراد کی طرف نہیں بلکہ مجموعا قوم یا اُمت کی طرف ہے۔ قومی خوشحالی کی مثالیں یہ ہیں کہ قوم معزز ہو، دولت مند ہو، صحیح، تندرست ہو، قومی بدحالی کی مثالیں یہ ہیں کہ قوم محکوم وماتحت ہو، ذلیل وضعیف ہو، مفلس وتنگدست ہو۔ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہاں مراد تو ظاہری ومادی تنگی وفراخی ہے لیکن بندہ کا ابتلاء کبھی حسنات باطنی سے بھی کیا جاتا ہے۔ مثلاً معاصی کے ہوتے ہوئے بھی ذوق ووجد حاصل ہوجاتا ہے اس سے بندہ کو دھوکا ہوتا ہے کہ میں حق پر ہوں حالانکہ وہ باطل پر ہوتا ہے تو اگر معصیت کے ساتھ بسط جمع ہوجائے تو وہ استدراج ہے اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ۔ اس میں اس کا اشارہ آگیا کہ ابتلاء بھی اصلاح ہی کی غرض سے تھا قال اھل المعانی وکل واحد من الحسنات والسیئات یدعوا الی الطاعۃ اما النعم فلاجل الترغیب واما النقم فلاجل الترھیب (کبیر) قَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا۔ یعنی وہ قوم منتشر ومتفرق ہوکر زمین پر پھیل گئی اور مختلف حصوں میں آباد ہوگئی۔ ای فرقناھم فی البلاد (قرطبی) فرقناھم تفریقا شدیدا۔ (کبیر) ف۲۴۳ (اس کتاب آسمانی کے مضامین کے عوض میں) یہ بیان ہو رہا ہے یہود کے کسب مال رشوت خواری وبددیانتی کا۔ پیسہ کے ایسے حریص ہیں کہ اپنی ہدایاتِ آسمانی تک اس کے عوض میں بیچ ڈالتے ہیں حالانکہ اُن کی شریعت اس باب میں اتنی سخت ہے کہ رشوت اور خیانت

ذٰلِكَ ۚ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ

بھی اور ہم انہیں خوشحالیوں اور بدحالیوں سے آزماتے رہے کہ شاید وہ

یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا

باز آجائیں ف۲۴۲ پھر اُن کے بعد اُن کے جانشین ہوئے ایسے نالائق (لوگ)

الْكِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی وَ یَقُوْلُوْنَ

کہ کتاب کو تو اُن سے حاصل کیا (لیکن) اس دنیا کا مال لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

سَیُغْفَرُ لَنَا ۚ وَ اِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ ؕ

ہماری تو ضرور مغفرت ہوجائے گی اور اگر ان کے پاس ویسا ہی مال (پھر) آجائے تو اُسے (بھی) پالیں ف۲۴۳

اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَی

کیا اُن سے کتاب میں اس کا عہد نہیں لیا جا چکا ہے کہ اللہ پر کوئی بات

اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِیْهِ ؕ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ

نہ گڑھیں ہاں صرف حق کہیں ف۲۴۴ اور انہوں نے پڑھ بھی لیا جو کچھ اس میں ہے اور آخرت ہی کا گھر

خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِیْنَ

ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو ڈرتے رہتے ہیں سو کیا وہ عقل سے کام ہی نہیں لیتے ف۲۴۵ اور جو لوگ

یُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِیْعُ

کتاب (آسمانی) کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں (سو) ہم اُن لوگوں کا اجر ضائع نہیں

اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ

کرتے جو اپنی اصلاح کرچکے ہوتے ہیں ف۲۴۶ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ معلق کردیا تھا

كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ

اس طرح کہ گویا وہ سائبان ہے اور انہیں یہ یقین ہوگیا تھا کہ وہ اُن کے اُوپر گرا ہی چاہتا ہے (اور فرمایا تھا کہ) جو

تو الگ رہی ہدیہ تک اس میں ممنوع ہے۔ ”تو ہدیہ نہ لینا کیونکہ یہ دانشمندوں کو اندھا کر دیتا ہے اور صادقوں کی باتوں کو پھیر دیتا ہے۔“ (خروج ۸:۲۳) خَلْفٌ۔ (بسکون لام) کے معنی نالائق وارث کے ہیں۔ المتاخر بقصور منزلتہ یقال لہ خلف (راغب) قال ابن الاعرابی الخلف بالفتح الصالح وبالجزم الطالح (قرطبی) فخلف بالاسکان فی الذم وخلف بالفتح فی المدح ھذا ھو المستعمل المشھور (قرطبی) قیل ان الا غلب فی خلف بتسکین العین انہ للذم (جصاص) عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی۔ عرض کے لفظ سے مال کے مفہوم میں پہلوئے بے ثباتی اور زود فنائی کا بھی آگیا۔ اور یہاں مراد رشوت سے لی گئی ہے جو انہیں احکام دین میں تحریف پر ملتی تھی۔ وروی ان معناہ الرشوۃ علی الحکم (جصاص) المراد ما کانوا یاخذونہ من الرشا فی الاحکام علی تحریف الکلام (کبیر) وَاِنْ یَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ یَاْخُذُوْهُ۔ یہ اشارہ یہود کی طمع غلیظ اور رشوت خواری وغیرہ کی جانب ہے۔ والاشارۃ فی ھذہ الآیۃ الی الرشا والمکاسب الخبیثۃ (قرطبی) یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰی۔ یعنی اپنی طمع غلیظ کے آگے ہر سامانِ دنیوی پر گرے پڑتے ہیں العرض متاع الدنیا واخبر عنھم انھم یاخذون ما یعرض لھم من متاع الدنیا لشدۃ حرصھم ونھمھم (قرطبی) یَّاْتِهِمْ۔ میں ضمیر یہود مدینہ معاصرین رسول اللہ کی جانب ہے۔ یعنی جیسے اُن کے اسلاف مال حرام کے حریص تھے ویسے ہی یہ بھی ہیں۔ ای ان یات یھود یثرب الذین کانوا علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرض مثلہ یاخذوہ کما اخذ اسلافھم (قرطبی) یَقُوْلُوْنَ سَیُغْفَرُ لَنَا۔ یہود کو اپنی نجات ومغفوریت پر گھمنڈ اپنے اُسی غرور نسب وفخر نسل کی بناء پر تھا۔ پارۂ اول کی آیت لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً۔ اور دوسری متقارب المعانی آیتوں کے ماتحت حاشیے گزر چکے۔ مفسر آلوسی علیہ الرحمۃ بغدادی نے اس موقعہ پر جو کچھ لکھا ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کو عبرت کے لیے ڈیڑھ سو سال کے بعد آج کے اہل ہند کے سامنے بجنسہ پیش کردیا جائے۔ ھذا حال کثیر من المتصوفۃ رأینا فانھم یتھافتون علی شھواتِ تھافۃ الفراش علی النار ویقولون ان ذالک لایضرنا لانا واصلون۔ وحکی عن بعضھم انہ یاکل الحرام الصرف ویقول ان النفی والاثبات رافع ضررہ وھو خطأ فاحش وضلال بین اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذٰلک (روح) (ترجمہ) یہی حال ہمارے زمانے کے بہ کثرت صوفیہ کا ہے شہوات ولذات دنیوی پر پروانوں کی طرح گرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو مضر نہیں اس لیے کہ ہم واصل ہیں اور کسی کسی کی بابت تو یہ بھی سنا گیا ہے کہ وہ خالص حرام کھاتا تھا اور کہتا تھا کہ ذکر نفی واثبات اس کے ضرر کو دفع کردیتا ہے۔ یہ لغزش صریح اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ ف۲۴۴ توریت موجودہ کے صرف چند حوالے ملاحظہ ہوں:۔ ”تو ہر ایک بات پر جس کا حکم میں تمہیں دیتا ہوں دھیان رکھ کے عمل کیجیو تو اس سے زیادہ نہ کرنا اور نہ اس سے کم کرنا۔“ (استثناء ۳۲:۱۲) ”تم اس کلام میں جو تمہیں فرماتا ہوں کچھ زیادہ نہ کیجیو اور نہ اس میں کم کیجیو۔“ (استثناء ۲:۴) ”فقط تو مضبوط ہو اور خوب دلاوری کرتا تا کہ تو اس سب شریعت کے موافق جس کا میرے بندہ موسیٰ نے تجھ کو حکم کیا کہ دھیان کرکے عمل کرے اس سے دہنے یا بائیں ہاتھ کو مت پھر تا کہ تو ہر جگہ جہاں جہاں تو جاتا ہے کامیاب ہو۔“ (یشوع ۷:۱) مِیْثَاقُ الْكِتٰبِ۔ اس ترکیب اضافی میں اضافت فی کے قائم مقام ہے یعنی المیثاق المذکور فی الکتاب۔ ای المیثاق المذکور فی الکتاب (کشاف) الاضافۃ بمعنی فی (جلالین) ف۲۴۵ (اس لیے کہ عقل سے ذرا بھی کام لیں تو یہ حقائق ان پر خود روشن ہو کر رہیں) وَدَرَسُوْا مَا فِیْهِ۔ یعنی یہ لوگ اس مضمون سے خوب واقف بھی ہوچکے ہیں۔ اور اس لیے ناواقفیت کا عذر بھی پیش نہیں کرسکتے۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ۔ یعنی جو لوگ اللہ سے تقویٰ اور خشیت اختیار کیے رہتے ہیں اور عقاید کفر واعمال فسق سے پرہیز کیے رہتے ہیں۔ ف۲۴۶ (چنانچہ جو لوگ اس معیار پر پورے اُتر جاتے ہیں وہ یقیناً اپنا صلہ دنیا وآخرت دونوں عالموں میں پا کر رہتے ہیں) یہاں یہ بتلا

بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَ اِذْ اَخَذَ

(کتاب) ہم نے تم کو دی ہے اسے مضبوطی کے ساتھ اختیار کرو اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ

رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

و۲۴۷ اور (اس واقعہ کا ذکر کیجیے) جب آپ کے پروردگار نے نکالا اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل کو پیدا کیا

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا

اور خود انہی کو اُن کی جانوں پر گواہ کیا، و۲۴۸ (اور کہا) کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ بولے

بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ

ضرور ہیں ہم گواہی دیتے ہیں (یہ اس لیے ہوا) کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو

هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ

اس سے بے خبر تھے و۲۴۹ یا یوں کہنے لگو کہ شرک تو ہمارے باپ دادا پہلے ہی سے

قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

کرتے آئے اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے تو کیا تو ہلاک کردے گا ہمیں (اصلی) اہل باطل کے کرتوت

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ

کی بناء پر و۲۵۰ اور ہم اسی طرح نشانیوں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ وہ (لوگ)

يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا

لوٹ آئیں و۲۵۱ اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں

فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

پھر وہ ان سے بالکل نکل گیا سو شیطان اُس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہوں میں داخل ہو گیا و۲۵۲

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ

اور اگر ہم چاہتے تو ہم اس کا مرتبہ اُن (اپنی نشانیوں) کے ذریعہ سے اونچا کردیتے و۲۵۳ لیکن وہ زمین کی طرف

ع ۲۱ — معانقة ۷

بالکتب بغیر اسلام کی حلقہ بگوشی کے ممکن نہیں۔ اَلْكِتٰبَ۔ سے اس سیاق میں کھلی ہوئی مراد توریت سے ہے۔ای بالتوراة (قرطبی) اَقَامُوا الصَّلٰوةَ۔ اقامت صلوٰۃ کا حکم تو تمسک بالکتب میں شامل ہی ہے۔ پھر الگ سے جو اس کا تصریحاً ذکر ہے تو وہ اس حکم کی عظمت خاص و امتیاز کے اظہار کے لیے ہے۔ اظهار العلو مرتبة الصلٰوة وانها اعظم العبادات بعد الایمان (کبیر) و۲۴۷ (جیسا کہ ہر صالح موحد قوم کو ہونا چاہیے) اس رفع طور پر حاشیے سورۂ البقرہ پارۂ اول رکوع ۸ میں گزر چکے۔ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ۔ اور توریت میں اہم ترین تعلیم توحید کی تھی۔ ظَنُّوْٓا۔ ظن۔ یہاں گمان وخیال کے معنی میں نہیں علم و یقین کے معنی میں ہے۔ قال المفسرون ای علموا وایقنوا (کبیر) ای تیقنوا (بیضاوی) و۲۴۸ (بقدر ضرورت انہیں سمجھ عطا کر کے) واقعہ عالم ارواح کا بیان ہو رہا ہے۔ اوپر ذکر بنی اسرائیل کے میثاق توحید کا تھا۔ اور اس سے پہلے بھی بنی اسرائیل کو بار بار اُن کا میثاق توحید یاد دلایا جا چکا ہے۔ اس پر سوال ہو سکتا تھا کہ اسرائیلی میثاق دنیا کی غیر اسرائیلی آبادی کے لیے کیونکر حجت بن سکتا ہے؟ اب بیان اس کا ہو رہا ہے کہ توحید کا عہد تو ساری نسل انسانی سے لیا جا چکا ہے اور توحید شناسی، توحید پرستی انسان کی فطرت میں راسخ کی جا چکی، اور بشر کی سرشت میں رچی جا چکی ہے۔ فطرت اگر مسخ نہیں ہو چکی ہے تو ایک خالق و رازق و مربی کا اعتراف ہر فطرت سلیم کا جزو ہے۔ هي عامة لجميع الناس لان كل احد يعلم انه كان طفلا فغذي وربّي وان له مدبرا وخالقا (قرطبی) مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب پہلے پشت آدم علیہ السلام سے نسل آدم وجود میں آ چکی ہے۔ من ظهورهم ترکیب میں من بنی ادم سے بدل اشتمال ہے۔ بدل اشتمال من قوله من بني ادم والفاظ الاٰية تقتضي ان الاخذانها كان من بني ادم۔ (قرطبی) و۲۴۹ (اور ہم پر اس کی ذمہ داری ہی نہیں عاید ہوتی) عَنْ هٰذَا۔ یعنی اس عقیدۂ ربوبیت اور عقیدۂ توحید سے شَهِدْنَا۔ یہ قول بلٰی کے تسلسل میں ذریت آدم ہی کی زبان سے ہے۔ شهدنا من بقية كلام الذرية (کبیر) قال ابن عباس وابي بن كعب قوله شهدنا هو من قول بني ادم (قرطبی) معنی یہ ہوئے کہ اعتراف توحید اُن کے دل میں اتر گیا اور یہ نقش ان کی فطرت میں جم گیا۔ ای نصب لهم دلائل ربوبيته و ركب في عقولهم ما يدعوهم الى الاقرار بها حتى صاروا بمنزلة من قيل لهم الست بربكم قالوا بلى فنزل تمكينهم من العلم بها و تمكنهم منه بمنزلة الاشهاد والاعتراف على طريق التمثيل (بیضاوی) ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ شَهِدْنَا۔ کلام باری تعالیٰ ہے اور بلٰی کا تتمہ نہیں بلکہ مستقل عبارت ہے یعنی بنی آدم کے اس میثاق توحید پر حق تعالیٰ کی شہادت۔ هو خبر من الله عن نفسه وملائكته (ابن جریر عن السدی) وقد قيل ان قوله شهدنا من قول الله تعالى والملائكة والمعنى فشهدنا على اقراركم قاله ابو مالك وروى عن السدي ايضا (قرطبی) قَالُوْا بَلٰى۔ یہ اقرار خالق گویا ان پر واجب ہو گیا ہے۔ ای ان ذالك واجب عليهم (قرطبی) اَنْ تَقُوْلُوْا۔ یعنی تاکہ کہیں یہ نہ کہنے لگو۔ ای كراهة ان تقولوا (بیضاوی) و۲۵۰ یہاں قرآن نے گویا تصریح کر دی کہ نسل انسانی کا اصل اور ابتدائی دین توحید ہے اور شرک بہت بعد کی پیداوار ہے۔ ''دانایانِ فرنگ'' ابھی چند سال ادھر کی بات ہے کہ زور دے دے کر اس کے برعکس کہہ رہے تھے کہ نسل انسانی کا ابتدائی دین شرک ہے، اور توحید تک تو انسان بہت بعد کو رفتہ ہی رفتہ پہنچا ہے، لیکن اب ان کے ماہرین فن (Ethnologists.) کی آنکھیں کھلی ہیں اور اب علانیہ اقرار ہونے لگا ہے کہ انسان کا ابتدائی دین توحید ہی تھا۔ ملاحظہ ہوں حاشیے انگریزی تفسیر القرآن کے۔ و۲۵۱ (دین توحید کی طرف اور باز آ جائیں کفر و شرک سے) و۲۵۲ ایسا کوئی شخص حقیقۃً سلف میں گزر چکا ہے۔ کون تھا؟ کہاں کا تھا؟ کب تھا؟ یہ متعین نہیں اور جب قرآن اس بارہ میں ساکت ہے تو کسی فرد کی تعیین پر اصرار صحیح ہی نہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر اُمیہ بن ابی الصلت کی جانب ہے۔ وهو صاحبكم امية بن ابي الصلت (ابن جریر۔ عن ابن عمر) ایک گروہ کی رائے میں اشارہ عہد بنی اسرائیل کے مشہور زاہد بلعم باعور کنعانی کی طرف ہے هو بلعم بن باعورا (ابن جریر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) رجل من بني اسرائيل يقال له بلعم (ابن جریر۔ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ) قال الاخرون كان من الكنعانيين (ابن جریر) قال ابن مسعودؓ وابن عباسؓ هو بلعام بن باعوراء (قرطبی) اسی بلعم باعور کا ذکر توریت میں بھی ہے۔ (گنتی۔ باب ۲۲۔ باب ۲۳۔ باب ۲۴) بہر حال اشارہ جس بھی فرد متعین کی طرف ہو اہل تحقیق کا اس پر اتفاق ہے کہ مثال عام ہے اور ہر اُس شخص پر صادق آتی ہے کہ جو دین حق کی نعمت پا چکنے کے بعد پھر اس کا تارک ہو گیا ہو۔ قتادہ۔ عکرمہ وغیرہ تابعین اور اکثر مفسرین کا مسلک یہی ہے۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ الخ یعنی ایک ایسے شخص کا حال بہ طور مثال و نظیر پڑھ کر سنائیے۔ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا۔ یعنی اسے اپنے احکام علم کی نعمت ہم نے عطاء کی تھی۔ فَانْسَلَخَ مِنْهَا۔ یعنی اُس نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی بلکہ تمرد و سرکشی پر آمادہ ہو گیا۔ ضمیر ھا، ایات کی طرف ہے ای من معرفة الله تعالى اي نزع منه العلم الذي كان يعلمه (قرطبی) فانسلخ من الاٰيات (مدارک) فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ۔ سو شیطان اُس پر مسلط ہو گیا۔ انسان جب اپنے ارادہ سے فسق اختیار کرتا ہے تو شیطان لازمی طور پر اس سے مستقل رفاقت پیدا کر لیتا ہے۔ ''محدث طیبی نے لکھا ہے کہ جو شخص اس مثال میں غور کرے گا اس پر روشن ہو جائے گا کہ علماء سوء اس سے بھی ابتر حالت میں ہیں مال و جاہ دنیوی اور اس کی لذتوں میں کھپے ہوئے۔ عن الطيبي ان من تفكر في هذا المثل تحقق له ان علماء السوء اسوء واقبح من ذالك (روح) و۲۵۳ یعنی بہر حال و بہر صورت اُسے ان آیات پر عمل کی توفیق

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ

مائل ہو گیا اور اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرنے لگا ۲۵۴ سو اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر

يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ

حملہ کرے (جب بھی) ہانپے اسے چھوڑے رہ (جب بھی) ہانپے ۲۵۵ یہ مثال ہے ان (سب)

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ

لوگوں کی جنھوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، سو آپ بیان کیجیے (یہ) حالات شاید کہ

يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلًا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

لوگ سوچیں ۲۵۶ (کیسی) بری مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری نشانیوں کو

بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ

جھٹلاتے ہیں اور اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں ۲۵۷ جسے اللہ راہ دکھائے

فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

بس وہی راہ پانے والا ہے اور جسے وہ بے راہ کرے سو یہی لوگ

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ

نقصان اٹھانے والے ہیں ۲۵۸ اور بیشک ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جنات اور انسان

وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ

پیدا کئے ہیں ۲۵۹ ان کے دل ہیں (مگر) یہ ان سے سوچتے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں

لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ

(مگر) اُن سے دیکھتے نہیں اور اُن کے کان ہیں (مگر) اُن سے سنتے نہیں،

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ

یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ یہ اُن سے بھی بڑھ کر بے راہ ہیں یہی لوگ تو

دیتے ہی رہتے۔ لَوْ شِئْنَا۔ یعنی اگر ہماری مشیت تکوینی یہی ہوتی کہ ہم بندہ کے ارادہ میں دخل دے کر اُسے بہ جبر سیدھی راہ پر ڈال دیا کرتے۔ لَرَفَعْنٰهُ بِهَا۔ بہا کے معنی بالعمل بہا کے کیے گئے ہیں۔ اے بالعمل بها (قرطبی) **و۲۵۴** یعنی عقیدہ وعمل کا معیار بجائے وحی الٰہی کے اپنی ہوائے نفس کو بنالیا۔ وَلٰكِنَّهٗ۔ یعنی یہ قانون تکوینی تو ہم نے رکھا ہی نہیں۔ چنانچہ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ۔ وہ اپنے قصد واختیار سے دنیا کی پستیوں کی طرف جھک گیا، اے مال الی زینۃ الحیوۃ الدنیا وزھرتھا (ابن کثیر) رأی الی شھوات الدنیا ورغب فیھا (بحر) **و۲۵۵** تشبیہ پریشانی وپریشان خاطری کے لحاظ سے ہے، یعنی ایسے شخص کو راحت کسی حال میں بھی نہیں۔ پریشانی، ذلت اس کے نصیب میں دائمی طور پر آ گئی۔ کفر وارتداد پر جو یہاں ذلت وپریشانی کو مرتب فرمایا گیا، تو آخرت میں اس کا تحقق ظاہر ہی ہے۔ دنیا میں بھی اگر قلب کو ٹٹولا جائے تو اہل حق کی سی عزت وراحت نصیب نہیں ہوتی خصوصاً ارتداد کی حالت میں ھذا المثل فی قول کثیر من اھل العلم بالتاویل عام فی کل من اوتی القراٰن فلم یعمل بہ وقیل ھو فی کل منافق (قرطبی) **و۲۵۶** یہاں یہ صاف کر دیا کہ مقصود کسی فرد متعین کی تاریخ یا سیرت کو سنانا نہیں بلکہ کل منکرین، مکذبین، مرتدین کی حالت پر آگاہ کرنا اور اس سے عبرت دلانا ہے۔ اے ھو مثل جمیع الکفار (قرطبی) **و۲۵۷** آیات الٰہی کی تکذیب سے شامت زدہ انسان نقصان کسی اور کا نہیں، خود اپنا ہی کرتا ہے۔ اسی حقیقت کا یہاں ایک بار پھر اعادہ ہے۔ **و۲۵۸** اور اللہ کا کسی کو بے راہ کرنا خود بہ خود نہیں ہوگا۔ بلکہ بندہ کے قصد ضلالت پر محض نتیجہ کے طور پر مرتب ہوگا۔ **و۲۵۹** یعنی ایسے لوگ پیدا کیے ہیں جو نہ قصد اور طلب ہدایت کی کریں گے۔ اور نہ ہدایت انھیں نصیب ہوگی اس لیے لامحالہ اُن کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔ حق تعالیٰ کی طرف اس فعل کا انتساب محض تکوینی حیثیت سے ہے یعنی بہ طور علۃ العلل کے ہے نہ یہ کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہی یہ ہے۔ لِجَهَنَّمَ۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی ان کی غرض آفرینش یہ نہیں بلکہ وہ اعمال ایسے اختیار کریں گے جس کا نتیجہ یہ ہو کر رہے گا۔ واللام للعاقبة عند الکثیر (روح) توریت وانجیل، دونوں میں یہ مضمون وارد ہوا ہے:۔ "شریر ہلاکت کے دن کے لیے رکھ چھوڑا گیا ہے۔" (ایوب ۲۱:۳۰) "خداوند نے ہر ایک چیز اپنے لیے بنائی ہاں شریروں کو بھی اُس نے برے دن کے لیے بنایا۔ (امثال ۱۶:۴)" "یہ لوگ بے عقل جانوروں کی مانند ہیں جو پکڑے جانے اور ہلاک ہونے کے لیے حیوان مطلق پیدا ہوئے ہیں...... اپنی خرابی میں خود خراب کیے جائیں گے۔" (۲ پطرس ۲:۱۲)۔

الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ص

غافل ہیں ف۲۶۰ اور اللہ ہی کے لئے اچھے اچھے (مخصوص) نام ہیں سو انہی سے اسے پکارو

وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ

اور اُن لوگوں کو چھوڑے رہو جو اس کے صفات سے کجروی کرتے رہتے ہیں ضرور انہیں اس کا بدلہ ملے گا

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَ مِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ

جو کچھ کہ وہ کرتے رہتے ہیں، ف۲۶۱ اور ہم نے جن کو پیدا کیا ہے ان میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو حق کے

بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ع وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

ع ۱۰/۲۲ ۱۲

مطابق (لوگوں کو) ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں، ف۲۶۲ اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ ج وَ اُمْلِيْ

جھٹلاتے ہیں انہیں ہم رفتہ رفتہ لیے جارہے ہیں اس طرح کہ انہیں خبر ہی نہیں ہوتی، ف۲۶۳ اور میں انہیں مہلت

لَهُمْ ؕ قف اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا سکتة

دیتا رہتا ہوں، بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے، ف۲۶۴ کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا،

مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ

ان کے ساتھی کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو بس ایک صاف صاف ڈرانے

مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ

والے ہیں، ف۲۶۵ کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی حکومت پر نظر نہیں

وَ الْاَرْضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ لا وَّ اَنْ عَسٰٓى

کی اور اس پر جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے اس پر بھی ف۲۶۶ اور اس بات پر کہ ممکن ہے

اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ج فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ

ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی ہو ف۲۶۷ غرض یہ کہ اس (قرآن) کے بعد یہ کس بات پر

ف۲۶۰ یعنی عقل سے کام لینے میں اور فکر آخرت رکھنے سے بے پروا رہتے ہیں۔ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ کیونکہ چوپائے تو ہدایت کے مکلف ہی نہیں یہ مکلف ہونے پر بھی اس قدر بے توجہ ہیں۔ جو لوگ انسان انسان کو بلا قید کفر و اسلام مساوی سمجھتے ہیں وہ دیکھیں کہ قرآن نے کافر کا درجہ مراتب انسانیت میں کتنا پست رکھا ہے کہنا چاہیے کہ اسے دائرۂ انسانیت ہی سے خارج کر دیا ہے۔ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا۔ یعنی یہ لوگ دل، آنکھ اور کان سے حق کے سوچنے سمجھنے حق کے دیکھنے بھالنے، حق کے سننے سنانے کا کبھی کام ہی نہیں لیتے۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ ایک مضمون توریت میں اس سے ملتا جلتا ہوا ملتا ہے:۔ بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی کو...... بنی اسرائیل نہیں جانتے یہ لوگ کچھ نہیں سوچتے۔ (یسعیاہ۔ ۱: ۳) مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ آیت کا مدلول لفظی تو یہ ہے کہ غفلت عن اللہ سبب ہوتی ہے دوزخ کا۔ لیکن مدلول قیاسی یہ ہے کہ غفلت عن اللہ سبب بن جاتی ہے شہوات و حرص دنیا کے جہنم کی۔ جیسا کہ ذکر الٰہی سبب بن جاتا ہے دنیا میں جنت قناعت و انوار کا۔ اور یہ دونوں مشاہدات دنیا میں برابر ہوتے رہتے ہیں۔ ف۲۶۱ وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ۔ یعنی جو لوگ اللہ کے اسماء و صفات میں الحاد سے کام لیتے رہتے ہیں انہیں چھوڑے رہو۔ ایسوں سے بالکل بے تعلق رہو لیکن خود الحاد فی الاسماء کیا چیز ہے؟ الحد کے لفظی معنی کجروی کے یا انحراف کے ہیں۔ اور یلحدون فی اسمائه کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ جو صفات موصوف میں نہ موجود ہوں، یا جو اس کے مرتبہ کے خلاف ہوں۔ انہیں اس کی جانب منسوب کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جو صفات اس موصوف میں ہوں۔ اُن میں خواہ مخواہ دوسروں کو شریک کر لیا جائے۔ والالحاد فی اسمائه علی وجهین احدهما ان یوصف بما لایصح وصفه به والثانی ان یتاوّل اوصافه علی ما لا یلیق به (راغب) یہاں ممانعت دونوں چیزوں کی ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ کو اس کے کمالات سے خالی سمجھو اور نہ اس کے کمالات میں دیوی، دیوتاؤں اپنے من گڑھت معبودوں کو شریک کرو۔ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ اللہ کے اسماء حسنٰی اس کے صفات کمال کے حامل ہیں۔ اور یہ وہ مخصوص نام ہیں جن کا اسماء الٰہی ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ یونان وغیرہ کے بعض مشرک فلسفیوں کا قول ہے کہ ذات الٰہی کی نہ کوئی صفت ہے اور نہ کوئی اس کا نام۔ اکابر یہود بھی اس مہمل فلسفہ سے متاثر ہو گئے تھے۔ یہاں ان کی تردید بھی مدنظر ہے۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ الاسماء الحسنى سے مراد صفات کمالیہ بھی ہیں۔ المراد بها الا لفاظ و قیل الصفات (بیضاوی) ف۲۶۲ یعنی ہماری مخلوق میں سب کے سب ہی گمراہ نہیں۔ ایک جماعت اہل حق کی بھی ہے۔ جو دوسروں کو دین حق کے مطابق ہدایت کرتی رہتی ہے اور خود بھی بندوں کے ساتھ معاملات میں اسی قانون حق کے ماتحت برتاؤ کرتی رہتی ہے۔ ف۲۶۳ پھر جب ان لوگوں کو آخری منزل جہنم معلوم ہو گئی تو ان کی ظاہری فلاح سے یا مادی چمک دمک سے دھوکا کھانا ہی کیا معنی؟ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ۔ یعنی چپکے چپکے انہیں جہنم کی طرف لیے جارہے ہیں۔ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی انہیں اصل منزل مقصود کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اور اپنی شامت سے ہمیشہ دوسرے اسباب کے اُلجھاوے میں پڑے رہتے ہیں۔ ف۲۶۴ اور خدائی تدبیر کی مضبوطی یہی ہے کہ کافروں کو ڈھیل ملتی چلی جاتی ہے۔ اعمال موجب عذاب پر عذاب دنیوی معاً نہیں نازل ہو جاتا۔ اور گرفت فوراً نہیں ہوتی۔ مجرم کو یہ غرہ ہو جاتا ہے کہ کوئی گرفت کرنے والا نہیں اور اس لیے جرأت عصیاں اور بڑھتی جاتی ہے۔ ف۲۶۵ (منکروں کو کہ جو قانونِ الٰہی کی نافرمانی کریں گے۔ وہ عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائیں گے) اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا۔ اشارہ رسول اللہ ﷺ کے معاصر منکرین کی طرف ہے، صاحبهم۔ یعنی تمہارے ہر وقت کے ساتھی رسول اللہ ﷺ جن کے مزاج و سیرت و اوضاع و اطوار اخلاق و معاملات کی تم ہر طرح جانچ و پڑتال کر سکتے ہو۔ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ۔ یعنی شائبہ جنون ہونا تو کجا وہ تو ایسے ایسے کارناموں اور کمالات کے مالک ہیں کہ ایک دنیا ان پر دنگ رہ گئی ہے۔ اور کمال ہے تمہیں کہ تم انہیں مجنون قرار دیے چلے جارہے ہو! ف۲۶۶ (کہ اس غور و فکر سے انہیں توحید کا علم استدلالی حاصل ہو جاتا) ف۲۶۷ (کہ اس مراقبہ استحضار موت سے احتمال عذاب سے ڈرتے اور اس سے بچنے کی فکر کرتے)۔

ف۲۶۸ (کہ سب سے زیادہ مؤثر و بلیغ کلام تو یہ ہے) بعدہٗ میں ضمیرہٗ قرآن مجید ہی کی طرف ہے۔ ف۲۶۹ (اور گرفت ہمیشہ فوراً ہی نہیں کرتا) مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ۔ اللہ کی طرف سے یہ اضلال، جیسا کہ

بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ

ایمان لائیں گے؟ ف۲۶۸ جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے کوئی راہ دکھانے والا

لَهٗ ؕ وَ یَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ یَسْـَٔلُوْنَكَ

نہیں اور وہ انہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑے رکھتا ہے ف۲۶۹ یہ لوگ آپ سے قیامت

عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ

کی بابت دریافت کرتے ہیں ف۲۷۰ کہ اس کا وقوع کب ہوگا آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو بس میرے پروردگار ہی

رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ

کے پاس ہے اس کے وقت پر اسے کوئی نہ ظاہر کرے گا بجز ف۲۷۱ اُس (اللہ) کے بھاری (حادثہ) ہے وہ آسمانوں

وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ

اور زمین میں وہ تم پر محض اچانک ہی آپڑے گی آپ سے دریافت کرتے بھی ہیں تو (اس طرح کہ) گویا آپ

حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ

اس کی تحقیق کر چکے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر

النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا

لوگ (یہ بھی) نہیں جانتے ف۲۷۲ آپ کہہ دیجیے کہ میں اپنی ہی ذات کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا

وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ

اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی جتنا اللہ چاہے ف۲۷۳ اور اگر میں غیب کو جانتا رہتا

لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا

تو (اپنے لیے) بہت سے نفع حاصل کر لیتا ف۲۷۴ اور کوئی مضرت مجھ پر واقع نہ ہوتی ف۲۷۵ میں تو

اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ؑ هُوَ الَّذِیْ

محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں ف۲۷۶ وہ وہی

وقف منزل · وقف لازم · معانقة · ع ۲۳ / ۱۳

بارہا پہلے آچکا ہے، بندہ کے عدم طلب ہدایت کے نتیجہ کے طور پر ہوتا ہے۔
ف۲۷۰ (علم و واقفیت کے لیے نہیں، بلکہ تمسخر و استہزاء کی راہ سے) منکرین کے اس سوال میں سنجیدگی ذرا بھی نہ ہوتی۔ محض تمسخر مقصود ہوتا۔ **کانوا یسئلون عن وقت الساعة استبعادًا لوقوعها وتکذیبًا لوجودها** (ابن کثیر)
ف۲۷۱ اور وہ ظاہر کرنا یہی ہے کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی) **التجلیة اظهار الشیء** (قرطبی) عِلْمُهَا۔ یعنی اس کے وقت وقوع کا تفصیلی علم۔
اِنَّمَا۔ اس کلمہ حصر نے صاف کر دیا کہ اس علم میں کوئی بھی مخلوق، نبی ہو یا فرشتہ باری تعالیٰ کا شریک نہیں۔ انجیل تک میں یہ قول موجود ہے:۔ اُس دن اور اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا، نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر صرف باپ (متی ۳۶:۲۴) اَیَّانَ۔ حتی کے معنٰی میں ہے۔ متی کے معنٰی میں بھی لیا گیا ہے۔ **عبارة عن وقت الشیء ویقارب معنی متٰی** (راغب)
لِوَقْتِهَا۔ ل یہاں فی کے معنٰی میں ہے۔ **ای فی وقتها** (قرطبی)
ف۲۷۲ جاہل منکرین حشر کے استدلال میں ترتیب مقدمات یہ تھی کہ جب آپ رسالت کے مدعی ہیں تو علم غیب بھی آپ کو ضرور ہی ہوگا اور جب علم غیب ہے، تو وقوع قیامت کا تفصیلی علم بھی آپ کے لیے لازمی ہے۔ اس لیے اگر یہ علم نہیں رکھتے تو آپ کا دعوائے رسالت بھی صحیح نہیں کھلی ہوئی غلطی اس استدلال میں یہ تھی کہ غیب دانی کو کوئی جزو منصب رسالت کا فرض کر لیا گیا تھا۔ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا۔ وقت قیامت کے علم کی یہ مکرر اور تاکیدی نفی اُن تمام ظنی و تخمینی معلومات کی تردید و تغلیط کر رہی ہے۔ جو دنیا کی مدت عمر سے متعلق عوام میں کبھی کسی اور کبھی کسی کے حوالہ سے مشہور ہوتے رہتے ہیں۔ **فی هذه الاٰیة دلیل علٰی بطلان قول من یدعی العلم ببقاء مدة الدنیا** (جصاص) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ یعنی اتنی موٹی بات بھی نہیں جانتے کہ وقت قیامت کا تفصیلی علم ہرگز لازمۂ نبوت نہیں ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ یعنی وہ ایسا پرہیبت و عظیم الشان واقعہ ہے کہ آسمان و زمین کوئی بھی اس کی برداشت کی قوت نہیں رکھتے، سب اُس وقت ٹوٹ پھوٹ کر رہیں گے۔ **قال قتادة وغیره المعنی لا تطیقها السمٰوٰت والارض لعظمها** (قرطبی) ف۲۷۳ (اور جس امر میں اس کی مشیت مجھے اختیار دینے کی مقتضی نہیں ہوئی، اس میں ہر بشر کی طرح میں بھی بالکل عاجز و بے بس ہوں) ف۲۷۴ لیکن چونکہ میرا علم کامل و محیط نہیں اس لئے نفع تکوینی کے بہت سے مواقع ہاتھ سے جاتے ہی رہتے ہیں) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ نص ہے اس باب میں کہ قدرت مستقل اور علم محیط مقبولین سے بھی منفی ہیں اور جہلاء اپنے مشائخ سے کس کس طرح اس کا گمان رکھتے ہیں۔ ف۲۷۵ (حالانکہ تکوینی حیثیت سے مجھے بھی مضرتیں حسب مشیت الٰہی واقع ہوتی رہتی ہیں) پیمبر بھی کبھی بیمار پڑتے ہیں کبھی مالی نقصان اُٹھاتے ہیں۔ وقس علٰی ہذا۔ اور یہ امور ان کے کمال نبوت میں ذرا بھی قادح نہیں ہوتے۔ ف۲۷۶ (تو اس لیے میں علوم شرعی اور احکام شرعی سے تو خوب بہرہ ور کر دیا گیا ہوں باقی اُمور تکوینی کے علم کامل کی توقع ہی مجھ سے کیوں کی جاتی ہے؟)۔

خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا
(پروردگار) ہے جس نے تمہیں ایک جان واحد سے پیدا کیا و۲۷۷ اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا و۲۷۸
لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتۡ حَمۡلًا
تا کہ وہ اس (جوڑے) سے تسکین حاصل کرے و۲۷۹ پھر جب وہ (یعنی مرد) اُسے ڈھانک لیتا ہے اسے ہلکا سا حمل
خَفِيۡفًا فَمَرَّتۡ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا
رہ جاتا ہے پھر وہ اُسے لیے ہوئے چلتی پھرتی ہے و۲۸۰ پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو وہ دونوں (میاں بیوی) اپنے
لَئِنۡ اٰتَيۡتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۸۹﴾
پروردگار اللہ سے دعا مانگنے لگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں صحیح وسالم (اولاد) دے دی تو ہم (تیرے) بڑے شکر گزار ہوں
فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيۡمَاۤ
گے و۲۸۱ لیکن جب (اللہ) انہیں جیتی جاگتی (اولاد) دے دیتا ہے تو وہ لوگ (اللہ) کی دی ہوئی چیز میں (اللہ کے)
اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشۡرِكُوۡنَ مَا
شریک قرار دینے لگتے ہیں و۲۸۲ تو پاک ہے اللہ ان کے شرک سے۔ کیا (اللہ کے ساتھ) یہ انہیں شریک کرتے
لَا يَخۡلُقُ شَيۡـًٔا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ
ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہ کر سکیں (بلکہ) خود ہی پیدا کیے گئے ہیں و۲۸۳
لَهُمۡ نَصۡرًا وَّلَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ يَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنۡ
وہ انہیں کسی قسم کی مدد بھی نہیں دے سکتے ہیں (بلکہ) خود اپنی ہی مدد نہیں کر سکتے و۲۸۴ اور اگر
تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى لَا يَتَّبِعُوۡكُمۡ ؕ سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ
تم انہیں کوئی بات بتلانے کو پکارو تو تمہاری پیروی نہ کر سکیں برابر ہیں (دونوں امر) تمہارے اعتبار سے
اَدَعَوۡتُمُوۡهُمۡ اَمۡ اَنۡتُمۡ صَامِتُوۡنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ
کہ خواہ انہیں پکارو خواہ خاموش رہو و۲۸۵ بیشک جنہیں

۲۷۷ یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے۔ نہ کہ متعدد مورثوں سے۔ قال جمهور المفسرين المراد بالنفس الواحدة ادم (قرطبی) خَلَقَكُمۡ۔ میں ضمیر نوع انسان کی جانب ہے، یعنی کل نسل انسانی ایک ہی ابوالبشر کی اولاد میں ہے۔ یہ نہیں کہ مختلف قوموں، نسلوں قبیلوں کے مورث اعلیٰ بھی الگ الگ ہوں۔ و۲۷۸ یعنی حضرت حوا کو۔ مِنۡهَا۔ ضمیر نفس کی طرف بالکل ظاہر ہے لیکن خود نفس سے مراد جنس بھی لی جا سکتی ہے اور لی گئی ہے۔ قيل يريد به الجنس (جصاص) والمراد خلق من النوع الانسانی زوجة ادم والمقصود التنبيه على ان الله تعالٰى جعل زوج ادم انسانًا مثله (کبیر) ای من جنسها (روح) ملاحظہ ہو پارہ ۴ سورۃ النساء کی آیت اول و۲۷۹ گویا عورت کی پیدائش کی غرض ہی یہ ہے کہ مرد اس سے راحت وسکون حاصل کرے اور لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا۔ کے عموم کے تحت میں مادی، روحانی، دماغی، جسمانی، ہر قسم کی راحتیں آگئیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ضمناً یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ مقصود آفرینش اصلاً مستقلاً مرد ہے اور عورت تو گویا مرد کے لیے ہے۔ اور ایک تبعی حیثیت رکھتی ہے۔ و۲۸۰ اب ابوالبشر و اُم البشر کے قصہ سے گزر کر مرد وزن کی عام خلقت کا بیان شروع ہو گیا۔ خاص سے عام کی جانب التفات قرآن مجید کا ایک عام اور پسندیدہ اسلوب بیان ہے۔ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا۔ کنایہ مباشرت سے ہے۔ كناية عن الوقاع (قرطبی) اے جامعها والغشيان اِتيان الرجل المراة (کبیر) و۲۸۱ (اور ادائے حقوق توحید کریں گے) فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ۔ یعنی جب عورت کا پیٹ بھاری ہونے لگتا ہے اور طرح طرح کے مشکلات وخطرات کا سامنا شروع ہو جاتا ہے۔ و۲۸۲ آیت کے اندر شرک کی ساری قسمیں آگئیں۔ جَعَلَا۔ کی ضمیر تثنیہ کس کی جانب ہے؟ بعض اس طرف گئے ہیں کہ آدم علیہ السلام وحوا مراد ہیں۔ لیکن قول محقق یہ ہے کہ بنی آدم میں سے ہر نفس اور زوج نفس مراد ہیں بعض تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ قال الحسن وقتادة الضمير فی جعلا عائد الى النفس وزوجه من ولد ادم لا الى ادم وحواء (جصاص) جعل الزوج والزوجة لله شركاء (کبیر۔ عن القفال) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے قفال کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ قصہ بہ طور تمثیل کے مشرکین کی عام حالت کو بیان کر رہا ہے اور اس تفسیر کو بہت ہی پسند فرمایا ہے۔ هذا جواب فی غاية الصحة والسداد (کبیر) اور محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت میں ضمیر کو آدم علیہ السلام وحوا علیہما السلام کی طرف راجع کرنے کی کوئی تائید نہ قرآن سے ملتی ہے نہ حدیث صحیح سے اور نہ ایسے قصہ پیمبروں کے لائق ہیں۔ لم تثبت فی قران ولا حديث صحيح فاطرحت ذكرها (بحر) وامثال ذالك لاتليق بالانبياء (بیضاوی) و۲۸۳ اس میں مورتیاں بت، عناصر طبعی وغیرہ سارے ہی معبودان باطل آگئے۔ و۲۸۴ مشرکوں کی کمال حماقت دکھائی ہے کہ ایسوں کے آگے جھکتے ہیں اور گرتے ہیں۔ جو کسی کو تو پیدا کیا کرتے خود اپنے پیدا کرنے پر قادر نہیں، بلکہ اپنی پیدائش تک کے لئے دوسرے ہی کے تمام تر محتاج ہیں۔ دوسری آیت میں ترقی کر کے ارشاد ہوا ہے کہ اتنا ہی نہیں بلکہ تخلیق الگ رہی وہ تو امداد تک پر قادر نہیں۔ نہ کسی دوسرے کی نہ خود اپنی ہی! حیرت اور کمال حیرت ہے کہ ایسی بے بس ہستیوں کو معبود کے درجہ پر رکھا جائے! و۲۸۵ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى۔ کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ اگر تم انہیں اس غرض سے پکارو کہ یہ تمہیں کوئی راہ بتلائیں، تو تمہارا کہنا یہ نہ کر سکیں۔ یعنی راہ نہ بتلا سکیں۔ اور دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ اگر تم انہیں اس لئے پکارو کہ تم انہیں راہ دکھلا دو تو یہ تمہارے کہنے پر نہ چلیں یعنی ہدایت پر عمل نہ کر سکیں۔ تَدۡعُوۡهُمۡ میں خطاب مشرکین سے ہے اور ضمیر هم اصنام کی جانب ہے۔ قيل الخطاب للمشركين وهم ضمير الاصنام (بیضاوی)۔

٢٨٦ (لیکن وہ جواب کہاں دے پاتے ہیں؟ اور یہی ایک بات تمہارے دعوے کو بدیہی البطلان بنادینے کے لئے کافی ہے) عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ۔ یہ مثلیت ومشابہت انسان اوران دیوتاؤں کے مخلوق ہونے اور بے بس وبے اختیار ہونے میں ہے۔ قال الحسن فی کونها مملوکة لله وقال التبریزی فی کونها مخلوقة (بحر) اے مماثلة لکم من حیث انها مملوکة لله تعالٰی مسخرة لامره عاجزة عن النفع والضر (روح) من حیث انها مملوکة مسخرة (بیضاوی) اشارہ ہے جاہلی قوموں کے دیوتاؤں، سورج، چاند، زہرہ، مشتری، آکاش دیوتا وغیرہ کی جانب۔

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ

تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ تمہارے ہی جیسے بندے ہیں سو تم انہیں پکارو

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٩٤﴾ اَلَهُمْ

وہ تمہیں جواب دیں گے اگر تم سچے ہو ٢٨٦ کیا ان کے

اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ

پیر ہیں جن سے وہ چلتے ہیں؟ کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ (کسی چیز کو) پکڑتے ہیں؟

اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ

کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں؟ کیا ان کے کان ہیں

يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ

جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ کہہ دیجیے کہ تم اپنے (سب) شریکوں کو بلالو پھر میرے خلاف چال چلو

فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿١٩٥﴾ اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ

اور مجھے مہلت نہ دو ٢٨٧ یقیناً میرا کارساز اللہ ہے جس نے (مجھ پر یہ) کتاب نازل کی ہے

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩٦﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

اور وہ صالحین کی کارسازی کرتا ہی رہتا ہے ٢٨٨ اور جن کو تم اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ

پکارتے ہو وہ نہ تو تمہاری ہی مدد کرسکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد

يَنْصُرُوْنَ ﴿١٩٧﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا

کرسکتے ہیں ٢٨٩ اور اگر تم انہیں کوئی بات بتلانے کو پکارو تو وہ سن نہ سکیں ٢٩٠

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿١٩٨﴾

اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ گویا آپ کی طرف نظر کررہے ہیں درآنحالیکہ انہیں کچھ نہیں سوجھ رہا ہے ٢٩١

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اگر تم سچے ہو۔ ان کے معبود ورب ہونے کے باب میں۔ توریت میں بعل پرستوں اور بعل کے نبیوں کے سلسلہ ذکر میں ہے:۔ ”انہوں نے وہ بیل جو انہیں دیا گیا تھا لیا اور اُسے تیار کیا۔ اور صبح سے دوپہر تک بعل کا نام لیا کئے کہ اے بعل ہماری سن، پر کچھ آواز نہ ہوئی اور نہ کوئی جواب دینے والا تھا۔ اور وہ اس مذبح پر جو بنا تھا کودا کئے اور دوپہر کو ایسا ہوا کہ ایلیاہ اُن پر ہنسا اور بولا، بلند آواز سے پکارو کیونکہ وہ تو ایک خدا ہے۔ شاید وہ باتیں کررہا ہے یا خلوت میں ہے یا کہیں سفر میں ہے اور شاید کہ وہ سوتا ہے۔ سو ضرور ہے کہ وہ جگایا جائے (١۔ سلاطین ١٨:٢٦، ٢٧) تَدْعُوْنَ۔ میں دعاء سے مراد اُن بتوں کو معبود قرار دینا اور فادعوهم میں دعاء سے مراد اُن سے طلب نفع ودفع ضرر چاہنا ہے۔ عنٰی بالدعاء الاول تسمیتهم الاصنام الٰهة. والدعاء الثانی طلب المنافع وکشف المضار من جهتهم (جصاص) تدعون اے تعبدونهم وتسمونهم الٰهة (بیضاوی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نداء غیر اللہ بہ طور استغاثہ آیت کی رو سے ناجائز ثابت ہورہی ہے۔ ٢٨٧ یعنی تم مع اپنے گونگے بہرے معبودوں کے سب مل کر اپنے دل کا ارمان نکال لو۔ اور میری مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لو کہ مجھے کہاں تک نقصان پہنچا سکتے ہو۔ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ۔ خطاب پیغمبر سے ہے کہ آپ ان بت پرستوں سے ان پر ان کے معبودوں کی بے کسی اور بے بسی واضح کرنے کو یوں فرمائیے۔ اَلَهُمْ ...... يَسْمَعُوْنَ بِهَا۔ جسمانیات میں کمال کا تحقق اُنہی آلات واعضاء پر موقوف ہے۔ اس لیے ان پر جرح تفصیل سے فرمائی گئی۔ آیت میں یہ پہلو بھی آگیا ہے کہ انسان میں قوت وقدرت کے ظاہری آلات، پیر، ہاتھ، آنکھ کان تو کم سے کم ہیں بھی۔ یہ بے جان وبے حس بت تو ان سے بھی محروم ہیں پھر یہ مشرک انسان کی کیا شامت ہے کہ وہ ان کی پرستش میں لگا ہوا ہے جو خود اُس سے بھی ابتر وکمتر ہیں۔ المقصود من هذا الاٰية بیان ان الانسان افضل واکمل حالاً من الصنم واشتغال الافضل الاکمل بعبادة الاخس الادون جهل (کبیر) ٢٨٨ (تو پھر اپنے نبی اور نبی بھی کیسا افضل الانبیاء کی کارسازی کیوں نہ کرے گا؟ یہاں اکیلے اور سچے معبود کے دو وصف بیان کردیے ہیں۔ ایک یہ کہ اس نے کتاب نازل کی ہے جو دنیا وآخرت میں نافع اور سارے علوم کی جامع ہے دوسرے یہ کہ وہ صالح بندوں کی نصرت وکارسازی کرتا ہے دیوی دیوتا نام کے معبودان دونوں ہی وصفوں سے عاجز وعاری! اے ومن عادته تعالٰی ان یتولی الصالحین من عباده فضلا عن انبیائه (بیضاوی) ٢٨٩ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ٢٨٤ اصل مقصود ان معبودوں کا کمال عجز دکھانا تھا اس لیے اس پر توجہ اس آیت میں دلائی گئی ہے ٢٩٠ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ٢٨٥ لَا يَسْمَعُوْا۔ ابھی اُوپر کی ایک آیت میں اسی مضمون کے خاتمہ پر لَا يَتَّبِعُوْكُمْ وارد ہوا ہے۔ یہاں اس سے ترقی کرکے لَا يَسْمَعُوْا ہے۔ عدم اسماع یقیناً عدم اتباع سے بڑھ کر ابتر وصف ہے یہ معبودان باطل اتباع تو کیا کرتے سننے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔ هذا ابلغ من نفی الاتباع (روح) ٢٩١ تَرٰىهُمْ میں ضمیر اُنہی معبودان باطل کی طرف ہے۔ صناع مشرک وجاہلی قومیں اپنی صناعی کے زور سے جیسی ”جاندار“ مورتیں تراش لیتی ہیں، ان کے اُوپر قرآن مجید کا یہ بیان کس قدر صادق آتا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ

درگزر اختیار کیجیے اور نیک کام کا حکم دیتے رہیے اور جاہلوں سے کنارہ کش

الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ

ہو جایا کیجیے ف۲۹۲ اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ

تو (فوراً) اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے وہ خوب سننے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے ف۲۹۳ یقیناً جو لوگ

اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا

خدا ترس ہیں جب انہیں کوئی خطرہ شیطانی لاحق ہوتا ہے تو وہ یاد (الٰہی) میں لگ جاتے ہیں

فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَ اِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ فِی

جس سے یکا یک انہیں سوجھ آجاتی ہے ف۲۹۴ اور جو شیطان کے بھائی ہیں شیطان انہیں گمراہی میں

الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ قَالُوْا

کھینچے رہتے ہیں سو وہ باز نہیں آتے ف۲۹۵ اور جب آپ ان کے سامنے کوئی نشان نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں کہ

لَوْ لَا اجْتَبَیْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ مِنْ

آپ اسے کیوں نہ چھانٹ لائے ف۲۹۶ آپ کہہ دیجیے کہ میں تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں جو کچھ میرے اوپر میرے

رَّبِّیْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ

پروردگار کی طرف سے وحی ہوا ہے، ف۲۹۷ یہ (خود بہت سی) دلیلیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہدایت اور

لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا

رحمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ف۲۹۸ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگایا

لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ

کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے ف۲۹۹ اور اپنے پروردگار کو اپنے دل میں

ف۲۹۲ (اور بہت زیادہ ان کے درپے نہ ہوجیے) خُذِ الْعَفْوَ۔ یعنی ان لوگوں کی جاہلانہ اور اشتعال انگیز حماقتوں سے درگزر ہی کرتے رہیے۔ اے خذ العفو عن المذنبین والمراد اعف عنهم والی هذا ذهب جمع من السلف يشهد له ما اخرجه ابن جرير وابن المنذر وغيرهما عن الشعبى (روح) آیت سے محققین نے طرح طرح کے سبق حاصل کئے ہیں۔ تحصیل علم، اعراض اہل ظلم اور ترک مجادلۂ سفہاء وغیرہ کے۔ الحض على التخلق بالعلم والاعراض عن اهل الظلم والتنزه عن منازعة السفهاء (قرطبی) اور جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس سے زیادہ کوئی آیت اخلاق کی جامع نہیں (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں لوگوں کے ساتھ تسامح اور شفقت کے برتاؤ کی اور جاہلوں کے ساتھ حلم سے پیش آنے کی تعلیم ہے۔ ف۲۹۳ اس لیے آپ کے استعاذہ کو خوب سنے گا۔ اور آپ کے مقصود کو خوب سمجھے گا۔ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ۔ نزغۂ شیطانی سے یہاں مراد طبیعت میں اس غصہ واشتعال کا پیدا ہونا اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا ہے، جو مشرکوں اور جاہلوں کی پیہم اشتعال انگیزیوں سے پیدا ہونا تقریباً ایک امر طبعی تھا لیکن اس پر عمل کرنے سے مصالح انتظامی میں فرق پڑنے کا بھی احتمال تھا۔ نزغ الشیطان وساوسه (قرطبی) الاغواء بالوسوسة واكثر ما يكون عند الغضب (جصاص) اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ آیا پیمبر کے لیے نزغ شیطانی ممکن بھی ہے؟ سیدھا اور صاف جواب یہ کہ ممکن کیوں نہیں پیمبر سے صرف صدور معصیت ممتنع ہے، گناہ کی رائے وتجویز کا پیغمبر کے سامنے پیش ہونا، چاہے وہ انسان کی طرف سے ہو یا شیطان کی طرف سے، یہ تو کسی درجہ میں بھی ممتنع نہیں، اور نزغ شیطان کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کہ شیطان نے ایک رائے آپ کے سامنے پیش کی اور قرآن مجید تو ہر بری تحریک کو شیطان ہی کی جانب منسوب کرتا ہے۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ آپ اللہ سے پناہ مانگئے وہ خود آپ کو پناہ میں لے لے گا۔ یعنی اس عارضی وسوسہ کو آپ سے دور کر دے گا۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لطافت قلب اسی سے ظاہر ہے کہ جو وسوسہ شیطانی محض مس کے درجہ میں ہوتا تھا (چنانچہ اگلی آیت میں ایسے ہی موقع کے لیے لفظ مس آیا ہے اور وہاں ذکر صالحین ومتقین اُمت کا ہے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو اس کی اذیت مثل نزغ کے محسوس ہوتی تھی۔ ايراد النزغ فى موضع والمس فى اخر لعله للاشارة الى ان لطافة قلبه صلی اللہ علیہ وسلم ازيد من غيره حيث يكون الوسوسة التى لا يكون ورودهٗ اكثر من المس نزغاً وايذاءً شديدًا فى حقه ولذا اكد باسناده الى النزغ نفسه مبالغةً (تھانوی) ف۲۹۴ یعنی حقیقت امر اُن پر منکشف ہو جاتی ہے مکاید شیطانی اُن پر واضح ہو جاتے ہیں۔ اور وہ شیطانی خطرہ اُن پر اثر نہیں کرتا۔ تَذَكَّرُوْا۔ یاد الٰہی میں لگ جاتے ہیں۔ یعنی دعاء استعاذہ وغیرہ کے ذریعہ سے اللہ کی عظمت کا استحضار کر کے اپنے ایمان کو تازہ کر لیتے ہیں۔ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ۔ یعنی شیطان کی تحریک پر ان کے دلوں میں غصہ واشتعال یا اور کسی امر ناجائز وناپسندیدہ کا جذبہ بھڑکنے لگتا ہے۔ الشیطٰن سے یہاں مراد جنس شیاطین ہے نہ کہ ذات ابلیس۔ والمراد بالشيطن ولذلك جمع ضميره (بیضاوی) انما جمع الضمير فى اخوانهم والشيطان مفرد لان المراد به جنس (مدارک) محققین نے لکھا ہے کہ وسوسہ شیطانی سے تقویٰ میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ اور اس محفوظیت کے تین درجہ ہیں۔ درجہ اعلیٰ یہ کہ وسوسہ کا اثر ہی سرے سے نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل ذبیح علیہ السلام کے واقعہ میں منقول ہے۔ اور درجہ اوسط یہ کہ وسوسہ اثر دکھائے مگر معاً تنبیہ بھی ہو جائے اور وسوسہ کے شر سے حفاظت رہے۔ یہ مقام صدیقین کا ہے اور قصۂ یوسف وزلیخا میں اس کی نظیر موجود ہے۔ اور درجہ ادنیٰ محفوظیت کا یہ ہے کہ پھسلے مگر معاً سنبھل جائے۔ ڈرے جھجکے اور باز آجائے۔ یہ مقام تائبین کا ہوتا ہے۔ اور ان تینوں مقامات کا صاحب عارف، متقی، ولی، صاحب دل ہوتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں کاملوں کو وسوسہ آنے کے امکان کی مع اس کے علاج یعنی استعاذہ اور تذکر امرونہی کی تصریح ہے۔ ف۲۹۵ (گمراہیوں سے) اور باز آئیں بھی تو کیسے؟ نہ اس کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ شیطان کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔ ولا يكفون عن الغىّ ولا يقصرون كالمتقين (بیضاوی) لا يتوبون ولا يرجعون (قرطبی) اِخْوَانُهُمْ۔ یعنی مشرکین واہل جاہلیت جو اہل طاعت وتقویٰ نہیں بلکہ اپنی حرکتوں کے باعث گویا شیطانی برادری کے لوگ ہیں۔ ضمیر۔ هم، الشیطن (اسم جنس) کی جانب ہے۔ المعنى اخوان الشياطين وهم الفجار من ضلال الانس (قرطبی) قال الحسن وقتاده والسدى اخوان الشياطين فى الضلال يمدهم الشياطين (جصاص) اى اخوان الشياطين من شياطين الانس (مدارک) یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ۔ ضمیر هم اُنہی اخوان کی طرف ہے۔ وهم الفجار من ضلال الانس يمدهم الشياطين فى الغى (قرطبی) یَمُدُّوْنَهُمْ۔ مَدّ اور اَمَدّ۔ دو قریب المعنیٰ لفظ ہیں۔ قرآن مجید میں دونوں برابر آتے ہیں۔ امدّ عموماً موقع مدح پر مدّ عموماً محل ذم میں۔ قال الواحدى عامة ما جاء فى التنزيل مما يحمد ويستحب امددت على افعلت وما كان بخلافه فانه يجئ على مددت (کبیر) ف۲۹۶ (کہ جب آپ نبی ٹھیرے تو سب کچھ آپ کے اختیار میں ہوگا) لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ۔ یعنی ہمارے فرمائشی معجزوں میں سے آپ کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتے۔ كانوا يطلبون ايات معينة ومعجزات مخصوصة على سبيل التعنت (کبیر) ف۲۹۷ یعنی میرا کام تو صرف فرائض رسالت کو انجام دینا ہے، نہ کہ تمہارے فرمائشی معجزات بہ اختیار خود دلانا۔ جاہلی مشرک قوموں کے سمجھانے کے لئے جو نبوت کو الوہیت کی کوئی شاخ قرار دینے پر مصر رہتے ہیں، قرآن مجید نے اس حقیقت کو بیسیوں

مختلف طریقوں سے ادا کیا ہے۔ عارفوں نے یہیں سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ نبوت نام ہے کمال عبدیت وعبودیت کا۔ مرشد تھانوی علیہ نے فرمایا کہ آیت میں تصریح ہے اس کی کہ امور غیبی غیر اختیاری ہیں اس وہ کمال کی علامت بھی نہیں۔ کمال کی بڑی علامت بس اتباع وحی ہے **ف۲۹۸** یعنی قرآن تو اپنے اعجاز لفظی واعجاز معنوی کے اعتبار سے خود ہی بہت سے معجزات ودلائل کا قائم مقام ہے **ف۲۹۹** حکم کے مخاطب رہے کہ کفار ومنکرین ہیں اور مقصود اصلی یہ ہے کہ جب قرآن بہ غرض تبلیغ وغیرہ پڑھ کر تم کو سنایا جائے تو اسے توجہ وخاموشی کے ساتھ سنو تا کہ اس کا معجز ہونا اور اس کی تعلیمات کی خوبیاں تمہاری سمجھ میں آجائیں اور تم ن لاکر مستحق رحمت ہو جاؤ۔ اصل حکم تو اسی قدر تھا لیکن علماء حنفیہ نے اس کے مفہوم میں توسیع پیدا کر کے اس سے حالت نماز میں مقتدی کے لیے قرآنی سورۂ فاتحہ کی ممانعت بھی نکالی ہے۔ اور اس باب میں علمائے ت کے درمیان طویل مباحثے ہیں جن کے اعادہ کا یہاں محل نہیں۔ ظاهره وجوب الاستماع والانصات وقت قراءة القرأن فى الصلوٰة والتهليل ونحو ذالک (مدارک) وظاهر اللفظ ضی وجوبهما حيث يقراء القرأن مطلقاً (بیضاوی) فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ صیغۂ امر میں ہیں لیکن امر سے مراد یہاں وجوب ہے یا محض استحباب؟ فقہاء نے جواب یہ دیا ہے کہ بہ سبب حرج ختلاف مجتہدین کے اولیٰ اور اصح یہ ہے کہ صیغۂ امر کو استحباب کے لیے سمجھا جائے عامة العلماء على استحبابهما خارج الصلوٰة (بیضاوی) اَنْصِتُوْا۔ انصات ایسی خاموشی کو کہتے ہیں جو سننے ہی

فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ

یاد کیا کر عاجزی اور خوف کے ساتھ نہ کہ چلّانے کی آواز سے

الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

صبح اور شام کو اور اہل غفلت میں نہ شامل ہو جانا ف۳۰۰

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ

بیشک جو تیرے پروردگار کے قریب ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر

عِبَادَتِهٖ وَ يُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ ع

نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں ف۳۰۱

ایاتها ۷۵ | ۸ سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ ۸۸ | رکوعاتها ۱۰

اس میں پچھتّر آیتیں | سورۂ انفال مدنی ہے | اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ج

(یہ لوگ) آپ سے غنیموں کے بارہ میں سوال کرتے ہیں، ف۱ آپ کہہ دیجیے کہ غنیمتیں اللہ کی ملک ہیں

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ص وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ

(اصلاً) اور رسول کی (تبعاً) ف۲ پس اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنے آپس کی اصلاح کرو اور اللہ اور اس کے

وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو ف۳ ایمان والے تو بس وہ ہوتے ہیں کہ

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ

جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں ف۴ اور جب انہیں اس کی آیتیں

غرض سے اور بہ طور ادب ہو۔ الانصات السكوت للاستماع والاصغاء مراعاة (قرطبی) قال اهل اللغة الانصات الامساک عن الكلام سکوت لاستماع القرأن (جصاص) **ف۳۰۰** (کہ ذکر الٰہی سے غفلت سے ذکر اور کون غفلت ہوگی) دُوْنَ الْجَهْرِ۔ جو چیز ممنوع ہے وہ جہر مفرط ہے ورنہ جہر لق یا جہر معتدل ممنوع نہیں۔ المراد منه ان يقع ذالک الذكر بحيث ون متوسطاً بين الجهر والمخافة (کبیر) ملاحظہ ہوں اسی سورۃ کی آیت نمبر پر حاشیے پارہ ۸ میں۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً مقصود تعلیم ادب ۔ ہیئت آواز ہر شے سے تذلل کا اظہار ہونا چاہیے۔ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔ ں ہمیشہ مقصود انہی دو وقتوں کا حصر نہیں۔ قيل المراد ادامة الذكر باستقامة کر (مدارک) المراد مداومة الذكر والمواظبة عليه بقدر الامكان بیر) مرشد تھانوی علیہ نے فرمایا کہ ولا تكن من الغفلين سے معلوم ہوتا ے کہ ذکر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ غفلت نہ ہو۔ یعنی فکر ہو اگرچہ اس میں زبان کی لت نہ ہو نہ جلی نہ خفی۔ **ف۳۰۱** یعنی دل سے، زبان سے، جوارح سے، سب طرح ں کی عبادت میں لگے رہتے اور اپنی عبدیت کا ثبوت دیتے رہتے ہیں۔ اور ان میں ے کوئی بھی اپنے کو کسی صفت باری میں شریک نہیں سمجھتا۔ یہ آیت آیت سجدہ کہلاتی ہے۔ اور اس طرح کی آیتیں قرآن مجید میں بقول اصح چودہ ہیں اور بعض کے شمار میں رہ (اختلاف سورہ حج کے دوسرے سجدہ سے متعلق ہے) سجدۂ تلاوت، آیت سجدہ ں تلاوت کے وقت حنفیہ کے یہاں واجب ہے۔ تفصیلی احکام کتب فقہ میں ملیں ے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ ۔ مراد اصلی تو فرشتے ہیں توسع کر کے انبیاء اولیاء قربین بھی اس میں داخل کیے جا سکتے ہیں۔ يعنى الملائكة بالاجماع (قرطبی) عِنْدَ سے مراد قرب منزلت ومرتبت ہے نہ کہ قرب مکانی۔ هو عبارة عن قربهم ی الكرامة لا فى المسافة (قرطبی) مكانةً ومنزلةً لا مكانًا ومنزلًا مدارک) القرب المعتبر هو القرب بالشرف لا القرب بالجهة (کبیر) یت کا مطلب یہ ہے کہ جب ملائکہ بہ ایں شرف وعظمت ہر وقت عبادتِ الٰہی وتسبیح ں لگے ہوئے ہیں تو انسان کو اپنی ناسوتی آلائشوں کے لحاظ سے اور زیادہ اس پر ستعد رہنا چاہیے والمعنى ان الملائكة مع نهاية شرفهم و غاية هارتهم لما كانوا مواظبين على العبودية والسجود والخضوع لخشوع فالانسان مع كونه مبتلى بظلمات عالم الجسمانيات اولى لمواظبة على الطاعة (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ یعنی تکبر سے بری ہونے کو دوسری طاعتوں پر مقدم رکھنے سے یہ نکلتا ہے کہ زوال کبر اصلاح کی باقی صورتوں کے لیے بہ منزلہ شرط ہے اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے الفاظ آیت کی ترتیب سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اعمال قلوب، اعمال جوارح پر مقدم ہیں۔

سورۃ الانفال **ف۱** (کہ یہ ملک کس کی ہیں اور انہیں تقسیم کس طرح کیا جائے) تقسیم مال غنیمت کے قدیم دستور کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ جب معرکہ بدر کے بعد مسلمانوں کو پہلی بار بہ حیثیت ایک جماعت کے شکست کھائے ہوئے کافروں سے مال ہاتھ آیا تو قدرۃ یہ سوال پیدا ہوا، کہ (state property) حکومت کی آمدنی ملک کس کی ہے اور اسے سرکاری خزانہ میں داخل کس ترتیب سے کیا جائے؟ اَلْاَنْفَالِ۔ جمع ہے نَفَل (بہ حرکت فاء) کی اور نفل (بہ سکون فاء) کے معنی زائد یا اس چیز کے ہیں جو واجب کے علاوہ ہو۔ النفل اى الزيادة على الواجب (راغب) نَفَل (بہ حرکت فاء) سے مراد (اصطلاح شریعت میں) وہ مال ہوتا ہے جو جنگ کے بعد دشمن سے حاصل ہو اور اس کا اطلاق مالِ غنیمت قبل تقسیم پر ہوتا ہے۔ النفل ما يحصل للانسان قبل القسمة من جملة الغنيمة (راغب) لیکن عموماً اسے مطلق غنیمت کا مرادف مانا گیا ہے۔ قال ابن عباس ومجاهد والضحاک وقتادة وعكرمة وعطاء الانفال الغنائم (جصاص) سميت الغنائم انفالاً لان المسلمين فضلوابها سائر الامم (کبیر) اى الاموال الماخوذة من الكفار قهراً (کبیر) یہ سوال کرنے والے ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ میں سے تھے، انہی میں آپس میں یہ سوال اٹھا تھا کہ مال غنیمت

عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمۡ

پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ اُن کا ایمان بڑھا دیتی ہیں ف۵ اور وہ اپنے پروردگار پر

يَتَوَكَّلُوۡنَ ۚ ۖ الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا

توکل رکھتے ہیں ف۶ (اور) نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے

رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ

انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں ف۷ یہی لوگ تو سچے (اور پکے) مومن ہیں

لَهُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَمَغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ۚ

بڑے درجات ہیں ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس اور مغفرت (بھی) اور عزت کی روزی (بھی) ف۸

كَمَاۤ اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ بِالۡحَـقِّ ۖ وَاِنَّ

جیسا کہ آپ کے ف۹ پروردگار نے آپ کو حکمت کے ساتھ آپ کے گھر سے باہر نکالا ف۱۰ اور

فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لَكٰرِهُوۡنَ ۙ يُجَادِلُوۡنَكَ

مومنوں کا ایک گروہ (اس کو) گراں سمجھ رہا تھا ف۱۱ وہ آپ سے اس حقیقت کے باب میں

فِى الۡحَـقِّ بَعۡدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوۡنَ اِلَى الۡمَوۡتِ

بعد اس کے کہ اس کا ظہور ہو چکا تھا اس طرح رد و قدح کر رہے تھے کہ گویا وہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہوں

وَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ ؕ وَاِذۡ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحۡدَى

اور وہ دیکھ رہے ہوں ف۱۲ اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا

الطَّآئِفَتَيۡنِ اَنَّهَا لَـكُمۡ وَتَوَدُّوۡنَ اَنَّ غَيۡرَ ذَاتِ

دو جماعتوں میں سے ایک کے لیے کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی ف۱۳ اور تم (یہ) چاہ رہے تھے کہ غیر مسلح

الشَّوۡكَةِ تَكُوۡنُ لَـكُمۡ وَيُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّحِقَّ الۡحَـقَّ

جماعت تمہارے ہاتھ آ جائے درآنحالیکہ اللہ کو منظور یہ تھا کہ حق کا حق ہونا ثابت کر دے،

مہاجرین، انصار وغیرہ میں سے حق کس کا ہے اور تقسیم کی بنیاد کیا ہونی چاہیے۔ ولا شک انھم کانوا قوامًا لھم تعلق بالغنائم والانفال وھم اقوام من الصحابة (کبیر) و لقد وقع اختلاف بین المسلمین فی غنائم بدر فی قسمتھا فسألوا رسول اللہ ﷺ کیف نقسم ولمن الحکم فی قسمتھا (مدارک) ف۲ (اور وہی دونوں مالک ومختار ہیں۔ کہ جس طرح بھی چاہیں ان کی تقسیم کا حکم جاری کریں۔ اس میں تردید آگئی اس خیال کی کہ مالِ غنیمت اصلی حق غازیوں اور مجاہدوں، اور لشکر اسلامی کے سپاہیوں کا ہے۔ ان سے وعدہ تو اجر آخرت کا ہے ان کا صلہ موعود تو صرف جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال ہرگز ہرگز اس نیت سے نہ کریں کہ مالِ غنیمت کے وہ مالک ومتصرف ہوں گے۔ دنیا میں ظہور اسلام سے قبل بھی بڑی بڑی متمدن ومہذب، پرقوت وشوکت سلطنتیں موجود تھیں۔ عظیم الشان جنگیں بھی آپس میں ہو چکی تھیں۔ اور ہوتی رہتی تھیں۔ مصر، ہند، ایران یونان، روما سب میں بڑے بڑے سیاسی ومعاشی مفکرین پیدا ہو چکے تھے، جنھوں نے غنائم جنگ سے متعلق بھی مختلف نظریے رواج دے رکھے تھے۔ قرآن مجید نے آکر دنیا میں پہلی بار ان سارے نظریات کو چیلنج دیا اور بتلایا کہ مالِ غنیمت نہ تو بادشاہ کی ملک ہے نہ فوج کے افسروں اور سپاہیوں کی، اور نہ ملک وقوم کی، بلکہ اصلاً وحقیقۃً صرف اللہ ہی کی ملک ہے!۔ سپاہیوں اور مجاہدوں میں اخلاصِ کامل پیدا کرنے کی کوئی صورت اس سے بڑھ کر نہیں لِلّٰهِ سوال کا جواب کتنا بلیغ وحکیمانہ ملا کہ وہی اس کا بھی مالک ہے جو جان ومال ہر چیز کا مالک ہے۔ گویا ارشاد یہ ہوا کہ جس طرح ربوبیت اُس ذاتِ پاک کی صفت خاصہ ہے، مالکیت بھی تمام تر اُسی کا وصف مخصوص ہے۔ ہر جان کا مالک بھی وہی، ہر مال کا مالک بھی وہی، اسلامی نظامِ حکومت میں قانون اُسی کا، اقتدار اعلیٰ اسی کا، زمین اسی کی، اور ٹھیک اسی طرح دشمن سے حاصل کیا ہوا مال بھی اُسی کا۔ اُسی کو اختیار ہے کہ تقسیم کا حکم جس طرح چاہے دے، یا جو کچھ چاہے کرے۔ وَالرَّسُوۡلِ۔ کہ رسول ﷺ ہی کی معرفت اس حکم الٰہی کا اعلان اور بیان ہوگا کہ وہی اس دنیا میں اس مالک ومختار کی مرضی واقتدار کے نمائندہ ہیں۔ ومعنی الجمع بین ذکر اللہ والرسول ان حکمھا مختص باللہ ورسولہ یامر اللہ بقسمتھا علی ماتقتضیہ حکمتہٗ ویمتثل الرسول امر اللہ فیھا ولیس الامر فی قسمتھا مفوضًا الی رأی احدٍ (مدارک) ف۳ (کہ یہ اطاعت ہی ایمان کا معیار ہے) یہاں ادھر توجہ دلا دی کہ طالب آخرت کے رہو نہ کہ دنیا کی حرص میں مبتلا ہو کر اپنی رائے وتجویز سے غنیمت تقسیم کرنے لگو۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ میں سارے حقوق اللہ کی نگہداشت آگئی۔ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ۔ اپنے آپس کے سابقہ کو ایسا سنبھالو، سنوارو کہ باہمی رشک ومسابقت کا نام ونشان نہ رہے اور بندوں کے حقوق پوری طرح ادا کرو گویا تقویٰ واصلاح کی جامعیت کا حکم آیت میں آگیا۔ ف۴ (عظمت الٰہی کے استحضار سے) اور یہی حاصل ہے تقویٰ کا، خوف خدا وخشیت کی تاکید اگلے صحیفوں میں بھی ہے۔ توریت میں ایک مقام پر ہے "خداوند کہتا ہے کیا تم مجھ سے نہیں ڈرتے ہو؟ کیا تم میرے حضور میں نہیں تھرتھراتے؟ (یرمیاہ، ۵:۲۲) اور انجیل میں ہے، جو سرتاسر رحمت وشفقت ہی کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ "اے خداوند کون تجھ سے نہ ڈرے گا؟ اور کون تیرے نام کی بڑائی نہ کرے گا؟ کیوں کہ صرف تو ہی قدوس ہے" (مکاشفہ ۱۵:۴) ف۵ (قوت اور تازگی کے لحاظ سے) یہ بیان مومنین کاملین کی صفائے باطنی کا ہوا۔ ف۶ یہ بیان ہو رہا ہے مومنین کی عملی حالت کا، توکل پر حاشیہ پارہ ۴ سورۂ آل عمران میں آیت فاذا عزمت فتوکل علی اللہ کے تحت میں گزر چکا۔ ف۷ یعنی حقوق اللہ میں شعبہ بدنی اور شعبہ مالی دونوں کی ادائی کا پورا پورا اہتمام رکھتے ہیں، محققین نے کہا ہے کہ اعمال باطنی میں توکل اور اعمال ظاہری میں صلوٰۃ وزکوٰۃ کے تصریحی ذکر سے اشارہ اس طرف ہے کہ باطنی اور ظاہری زندگی میں یہی اعمال سب سے اہم اور قابل اہتمام ہیں۔ خص من الصفات الباطنۃ التوکل بالذکر علی التعیین ومن الاعمال الظاھرۃ الصلٰوۃ والزکٰوۃ علی التعیین تنبیھا علی ان اشرف الاحوال الباطنۃ التوکل واشرف الاعمال الظاھرۃ الصلٰوۃ والزکٰوۃ (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت اوصاف سالکین کی جامع ہے۔ یعنی اس میں حال بھی ہے وجل کے لفظ سے اور عقاید بھی ہیں ایمان کے واسطہ سے، اور عمل باطنی بھی توکل کے ذریعہ سے اور عمل ظاہری بھی صلوٰۃ وانفاق کے واسطوں سے، اور آیت کامل اس پر نص ہے کہ ایمان کامل ان سب اوصاف کو جمع کرتا ہے، اور صوفیہ چونکہ ان سب اوصاف کے جامع ہوتے ہیں، ان کا ایمان بھی کامل ہوتا ہے۔ ف۸ یعنی جیسا کامل ان کا ایمان ہے ویسے ہی جزاء بھی انہیں ہر اعتبار سے کامل ہی ملے گی۔ ف۹ یعنی مالِ غنیمت کا یہ خدائی طرز تقسیم گو بعض طبائع کو اپنے خلافِ مرضی ہونے کی بنا پر ناگوار گزرے لیکن حقیقۃً یہ حکم ایسا ہی پر مصلحت ہے جیسا وہ واقعہ جس کا ذکر اب شروع ہو رہا ہے۔ كَمَا اس لفظ کی ترکیب قرآن مجید کی مشکل ترین ترکیبات نحوی میں سے ہے اضطرب المفسرون فی قولہ کما اخرجک (بحر) چنانچہ صاحب بحر نے ۱۵ مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ ان میں ایک دلنشیں قول زجاج لغوی کا ہے۔ الانفال ثابتۃ للہ ثباتاً کما اخرجک ربک (بحر) زمخشری جیسے امام ادب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور تقدیر کلام یوں رکھی ہے الانفال استقرت للہ والرسول وثبتت مع کراھیتھم ثباتاً مثل ثبات اخراج ربک ایاک من بیتک وھم کارھون (کشاف) صاحب بحر نے لکھا ہے کہ میں اسی غور وفکر میں ایک روز سو گیا تو میں نے خواب بھی اسی ترکیب سے متعلق دیکھا۔ اس خواب کے نتیجہ کے طور پر انہوں نے کما کے معنی میں محض تشبیہ ہی کو نہیں لیا بلکہ تعلیل کو بھی شامل کیا ہے۔ الکاف لیست لمحض التشبیہ بل فیھا معنی التعلیل (بحر) لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تقدیر کلام اختیار اور پسند کی ہے وہ اس سے بہتر ہے۔ کان التقدیر

بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ

اپنے احکام سے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے ف۱۴ تاکہ حق کا حق ہونا

وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸ اِذْ

اور باطل کا باطل ہونا ثابت کردے ف۱۵ اور اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہی ہوتا رہے (اور اس وقت کو یاد کرو) جب

تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ

تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے ف۱۶ پھر اس نے تمہاری سن لی (اور فرمایا) کہ میں تمہیں

بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝۹ وَ مَا جَعَلَهُ

ایک ہزار فرشتوں کے بعد دیگرے آنے والوں سے مدد دوں گا ف۱۷ اور اللہ نے یہ بس اس لیے کیا کہ

اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَ مَا النَّصْرُ

(تمہیں) بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان ہو جائے درآنحالیکہ نصرت تو

اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

بس اللہ ہی کے پاس ہے بیشک اللہ زبردست ہے، حکمت والا ہے ف۱۸

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ

(اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب (اللہ نے) اپنی طرف سے چین دینے کو تم پر غنودگی کو طاری کردیا تھا اور آسمان سے

مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ

تمہارے اوپر پانی اتار رہا تھا کہ اس کے ذریعہ سے تمہیں پاک کر دے اور تم سے

رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ

شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تاکہ مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور اس کے باعث

بِهِ الْاَقْدَامَ ۝۱۱ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ

(تمہارے) قدم جمادے ف۱۹ (اور اس وقت کو یاد کرو) جب آپ کا پروردگار وحی کررہا تھا فرشتوں کی جانب کہ میں

ع ۱۵

الھم رضوا بھٰذا الحکم فی الانفال وان کانوا کارھین لہ کما اخرجک ربک من بیتک بالحق الی القتال وان کانوا کارھین لہ (کبیر) ف۱۰ (معرکہ بدر کے لئے) رسول اللہ ﷺ کو مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کیے ہوئے یعنی وطن کو چھوڑ کر بہ حکم الٰہی جلاوطن ہوئے دوسرا سال ہو چکا تھا مگر مکہ کے مشرکوں کی ایذا رسانیوں کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا کہ اتنے میں خبر ملی کہ ان موذی دشمنوں کا قافلہ پچاس ہزار اشرفیوں کے مال تجارت سے لدا پھندا ایک مشہور مکی لیڈر ابوسفیان کی قیادت و رہنمائی میں شام سے مکہ کو واپس ہو رہا ہے اور مدینہ کے قریب سے ہو کر گزرے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے رفیق اور صحابی برسوں سے ان کے مظالم کے ہدف بنے ہوئے تھے۔ قدرۃً خیال گزرا کہ موقع اچھا ہے، دشمن کی اس شہ رگ کو کاٹ دینا چاہیے (مکہ کوئی زراعتی ملک تو تھا نہیں باشندوں کی آمدنی کا دارومدار اسی تجارتی قافلہ پر تھا) آپ تین سو تیرہ رفیقوں کے ہمراہ روانہ ہو گئے، نہ یہ کوئی باضابطہ فوج تھی اور نہ فوجی سامان وسلاح سے آراستہ اس وقت آپ نے اپنی بے مثال تنظیمی قابلیت کی بنا پر اتنے ہی لوگوں کو فوجی دستوں کی صورت میں مرتب کر لیا تھا۔ ساتھ میں کل ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے، ادھر یہ ہو رہا تھا، اُدھر یہ خبر قافلے والوں کو بھی لگ گئی۔ انہوں نے فوراً اپنے آدمی فوجی کمک کے لئے مکہ کو دوڑائے اور خود بالا بالا راستہ کترا کر سمندر کے کنارہ کنارہ نکل آئے۔ جمہوریہ مکہ کا رئیس ابوجہل اپنی ماتحتی میں چھوٹے چھوٹے رؤساء اور عام مسلح سپاہی ۹۵۰ کی تعداد میں لے کر جوش وخروش کے ساتھ مدینہ والوں پر چھپٹا، اور بدر کی منزل پر آ کر دم لیا۔ جو مدینہ سے صرف ۲۰ میل کے فاصلہ پر اور اس کے جنوب ومغرب میں واقع ہے۔ یہ واقعہ رمضان ۲ھ مارچ ۶۲۴ء کا ہے۔ ادھر رسول ﷺ پر وحی آئی کہ قافلہ یا لشکر دونوں میں سے ایک پر آپ کی فتح یقینی ہے۔ لیکن صحابہ تو بہرحال صاحب وحی نہیں تھے۔ انہوں نے تو یہ دیکھا کہ اب مقابلہ آ پڑا ہے تجارتی قافلہ سے یا فوج کے سامان رسد سے نہیں، بلکہ خود لشکر جرار سے اور لشکر بھی کیسا، اپنے سے تعداد اور سامان دونوں میں کئی گنا زاید! قدرۃً ایک گروہ کو اب تذبذب، تأمل، تردد پیدا ہوا، رسول اللہ ﷺ کو اس کم ہمتی پر تأسف ہوا لیکن خود صحابہ ہی کے گروہ میں سے، مہاجرین میں، ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اور انصار میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ رئیس اوس نے جوش اطاعت سے لبریز تقریریں کیں، جب آپ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ آیت بالا میں انہی واقعات کی طرف اشارات ہیں۔ معرکہ کے آئینی اور قانونی پہلو پر زمانہ حال کے ایک ماہر فن قانون بین الممالک (انٹرنیشنل لا) کے خیالات سننے کے قابل ہیں:۔ ’’ایک طرف تو قریش کا مسلمانوں پر مظالم توڑ کر انہیں جلاوطنی پر مجبور کرنا، جلاوطنی پر ان کی جائدادوں کا ضبط کر لینا، اور ان کے نئے مسکن (حبشہ اور پھر مدینہ) میں وہاں کے حکمرانوں اور بااثر لوگوں کو ان تارکین وطن کو پناہ نہ دینے کی ترغیب دینا، دوسری طرف ان ناانصافیوں کا بدلہ لینے کے لیے مدینہ کے مسلمانوں کا قریش پر معاشی دباؤ ڈالنا اور بزور قریشی قافلوں کی آمد ورفت کو اپنے زیر اثر علاقہ میں روک دینا، یہی بدر کی لڑائی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ قریشی قافلوں کو لوٹ لینا ڈاکہ اس وقت سمجھا جائے جب یہ بے قصور ہوں اور لوٹنے والے، حکومت نہیں بلکہ خانگی افراد ہوں، ورنہ دو سلطنتوں میں کشیدگی پر نہ صرف جان بلکہ مال وآبرو کے خلاف بھی ہر فریق دوسرے فریق کو نقصان پہنچانے کا پورا حق رکھتا ہے‘‘۔ (ڈاکٹر حمید اللہ کی ’’عہد نبوی کے میدان جنگ‘‘ صفحہ ۱۷) بِالْحَقِّ۔ یعنی مقصد صحیح وصالح و پر حکمت کے ساتھ، یوں ہی اور بلا وجہ نہیں۔ ای اخراجاً متلبساً بالحکمۃ والصواب (کبیر) مِنْۢ بَيْتِكَ۔ یعنی شہر مدینہ سے جو اب آپ کا وطن اختیاری تھا۔ یرید بیتہ بالمدینۃ او المدینۃ نفسھا لانھا موضع ھجرتہ وسکناہ (کبیر) ف۱۱ کہاں ۳۱۳ اور وہ بھی بے سروسامان، کہاں ۹۵۰ اور پھر ہر طرح مسلح و باساز وسامان۔ خوف واندیشہ بالکل قدرتی تھا اور یہ طبعی کیفیت مورد عتاب نہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی متقی وصالح شخص سانپ کا یا شیر کا اچانک سامنا ہو جانے پر ڈر جائے پھر فوراً یہ امر بھی صاف ہو گیا کہ یہ خوف وتردد بھی سب کو نہ تھا۔ وھٰذا فیما لا یدخل تحت القدرۃ والاختیار فلا یرد انہ لا یلیق بمنصب الصحابۃؓ (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نفع کبھی بہ صورت ضرر ہوتا ہے، اور عارفین کو اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ ف۱۲ یہ تفصیل بیان ہوئی اسی کراہت طبعی لکارھون کی (ملاحظہ ہوں اوپر کے دونوں حاشیے) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے الفاظ میں مدینہ سے چلتے وقت مسلمانوں کو یقین نہ تھا کہ آیا وہ قافلہ سے ملیں گے یا امدادی دستہ سے مٹ بھیڑ ہو گی۔ دونوں امکانات تھے چونکہ قریشی قافلہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل اور پانچ لاکھ درہم کا اسباب لا رہا تھا، اس لئے مدینہ والوں کو یقین تھا کہ اس کی مدد اور حفاظت کے لیے قریش اپنے تمام حلیفوں کی مدد سے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ مقابلہ اور کشمکش کریں گے۔ مدینہ سے زیادہ دور مکہ کی سمت جانا، بہتوں کے لیے موت کے منہ میں جانا معلوم ہوتا تھا۔ (کتاب مذکور) صفحہ ۱۷، ۱۸ يُجَادِلُوْنَكَ۔ جدال محاورۂ قرآنی میں ہمیشہ موقع ذم ہی پر نہیں آتا، بلکہ اس کے معنی کہیں صرف زور دے کر کہنے کے آتے ہیں اور اس لفظ کا استعمال کہیں پیمبران معصوم تک کے حق میں آیا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے لیے۔ يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ...... فِي الْحَقِّ یعنی لشکر مکہ سے قتال کے بارے میں درآنحالیکہ وہ صرف قافلہ پر حملہ کے خیال سے کر آئے تھے والحق الذی جادلوا فیہ رسول اللہ ﷺ تلقی النفیر (کبیر) بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ۔ یعنی بعد اس کے کہ اس عمل کا خیر ہونا انہیں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہو چکا تھا۔ ای بعد ماتبین لھم انک لا تامر بشیء الا باذن اللہ (قرطبی) ف۱۳ یعنی وہ مغلوب ہو جائے گی اور تم اس پر غالب آ جاؤ گے۔ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ۔ یہ وعدۂ الٰہی رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے تھا۔ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ۔ دو جماعتوں (یعنی قافلہ ولشکر) میں سے ایک یعنی لشکر۔ ف۱۴ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جنگ بدر

ایک فیصلہ کن جنگ تھی۔ جمہوریہ مکہ کی قسمت کا پانسہ اسی نے ہمیشہ کے لیے پلٹ دیا۔ اور نئے دین کی جڑ جمادی۔ (ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے) مسلمانوں کی خواہش طبعی طور پر یہی تھی کہ سابقہ صرف تجارتی قافلہ سے پڑے، جس پر انہیں فتح بلا حرب وقتال کے حاصل ہو جائے۔ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ۔ یعنی وہی تجارتی قافلہ۔ شوکۃ کے لفظی معنی چبھنے والے کانٹے کے ہیں۔ مجازاً قوت، شدت اور اسلحہ سے مراد ہوتی ہے۔ مایدق ویصلب راسه من النبات ويعبّر بالشوک والشكة من السلاح والشدة (راغب) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ کبھی ضرر بہ صورت نفع ہوتا ہے اور عارفین کو ہر وقت اس کا مشاہدہ اپنے حالات ومعاملات میں ہوتا رہتا ہے۔ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ۔ یعنی حق کا حق ہونا عیاناً ومشاہدۃً ظاہر کردے۔ بِكَلِمٰتِهٖ۔ کلمات سے مراد احکام شرعی بھی ہو سکتے ہیں، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر کی طرف روانہ ہونا، لشکر سے مقابلہ کے لیے حکم فرمانا وغیرہ اور احکام تکوینی بھی مثلاً روساء مکہ کا اتنی تیاریاں کر کے آنا، اور پھر بھی مغلوب ومقہور ہونا وغیرہ، ف۱۵ یہاں بھی وہی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا عیاناً ومشاہدۃً واقع ہونا مراد ہے۔ اور يُحِقَّ الْحَقَّ میں تکرار معنوی اس لیے نہیں ہے کہ ایک جگہ وہ خود مقصود ہے اور دوسری جگہ ایک مقصود قطع دابر کا واسطہ ہے۔ ف۱۶ (اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی اور دشمن کی کثرتِ تعداد وساز وسامان پر نظر کر کے) ف۱۷ یہی مضمون سورۂ آل عمران پارۂ چہارم میں آیا ہے اور حاشیے وہاں گزر چکے۔ مُرْدِفِيْنَ۔ سے مراد شاید یہ ہو کہ جس طرح آج میدانِ جنگ میں باقاعدہ فوجوں کے جنگی دستے ترتیب کے ساتھ ایک کے بعد ایک آتے رہتے ہیں اسی جنگی نظام وترتیب کے ساتھ فرشتوں کے دستوں کا نزول ہوتا رہا۔ المردف المتقدم الذی اردف غيره (راغب) ای متابعين تاتی فرقة بعد فرقة وذالک اهيب فی العيون (قرطبی) فَاسْتَجَابَ لَكُمْ۔ یہ وعدہ امداد الٰہی پیمبر کے ذریعے ہوا ف۱۸ چنانچہ وہ بالکل براہِ راست بلا کسی واسطے کے بھی امداد پر قادر ہے لیکن وہ رعایت اسباب بھی رکھتا ہے اور اس لیے مدد واسطوں اور ذریعوں سے پہنچاتا ہے۔ وَمَا جَعَلَهُ۔ ضمیر اسی وعدۂ امداد بذریعہ ملائکہ کی جانب ہے۔ اِلَّا بُشْرٰى۔ یعنی توقع فتح وغلبہ سے دل خوش ہو جائے۔ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ۔ اس میں اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ طبعاً تسلی اسباب ظاہری سے ہوتی ہے۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ یعنی کہیں وسائط وذرائع پر زیادہ نظر کر کے اُنہی میں نہ الجھ جانا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ امداد ساری کی ساری اللہ ہی کی طرف سے ہے نبه علی ان النصر من عنده عزوجل لا من الملئكة (قرطبی) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت اس پر دال ہے کہ باوجود اسباب کے غیر مؤثر ہونے اور مسببات کے منجانب اللہ ہونے کے بعد پھر بھی اسباب میں حکمتیں ہوتی ہیں۔ ف۱۹ بدر میں مشرکین پہلے جا پہنچے تھے، اور پانی پر قبضہ کر لیا تھا مسلمان بعد میں پہنچے اور ایک خشک ریگستان میں اترے جہاں پانی نہ ہونے سے پیاس کی بھی شدت اور نماز کے وقت وضو اور غسل سے بھی عاجز (اور تیمم کا حکم اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا) ادھر ریگستان میں چلنا پھرنا مصیبت کہ اس میں پاؤں دھنسے جاتے تھے۔ ان اسباب سے قلب سخت پریشان ہوا، اوپر سے شیطان نے وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ اگر تم اللہ کے نزدیک مقبول ومنصور ہوتے تو اس پریشانی میں کیوں پھنستے۔ حالانکہ یہ وسوسہ محض بے بنیاد تھا مگر پریشانی بڑھانے کے لیے کافی تھا۔ حق تعالیٰ نے اول بارانِ رحمت نازل فرمایا جس سے پانی کی افراط ہو گئی۔ پیا بھی وضو، غسل بھی کیا۔ اور اس سے ریتا جم گیا اور دھنسن جاتی رہی، برخلاف اس کے کفار نرم زمین میں تھے۔ وہاں کیچڑ ہو گئی جس سے چلنے پھرنے میں تکلف ہونے لگا۔ غرض سب وساوس وتشویشات دفع ہو گئے۔ اس کے بعد ان پر اونگھ کا غلبہ ہوا۔ جس سے پوری راحت ہو گئی اور سب بے چینی جاتی رہی۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) اَمَنَةً مِّنْهُ۔ یعنی یہ غنودگی کا طاری ہونا بھی بلا سبب نہ تھا، ایک خاص حکمت ومصلحت کا نتیجہ تھا، منه میں ضمیر حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ الهاء فی منه لله (قرطبی) لِيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ۔ یعنی وضو، غسل، وغیرہ کی سب ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ۔ وہ شیطانی وسوسہ مومنین کے دل میں یہ تھا کہ معلوم ہوتا ہے ہم مخذول، غیر مقبول ہیں۔ جب ہی تو پانی سے محروم ہیں۔ قوت ارادی میں ضعف وسوسہ شیطانی ہی پیدا کرتا ہے اس کا ازالہ مقدم ہے۔

مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ

تمہارے ساتھ ہوں سو ایمان والوں کو جمائے رکھو ف۲۰ میں ابھی کافروں کے دلوں میں

الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ

رعب ڈالے دیتا ہوں سو تم (کافروں کی) گردنوں کے اوپر مارو

وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ ﴿١٢﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا

اور ان کے پور پور پر ضرب لگاؤ ف۲۱ یہ (حکم قتال) اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ

اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ

سزا دینے میں سخت ہے ف۲۲ سو یہ (سزا) چکھو اور (جان لو) کہ

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا

کافروں کے لیے جہنم کا عذاب ہے ف۲۳ اے ایمان والو جب تمہارا

لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿١٥﴾

سامنا ہو جائے گا کافروں کے لشکر کا تو ان سے پشت مت پھیرنا ف۲۴

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ

اور جو کوئی ان سے اپنی پشت اس روز پھیرے گا سوا اس کے کہ پینترا بدل رہا ہو لڑائی کے لیے یا

مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ

(اپنی) جماعت کی طرف پناہ لے رہا ہو تو وہ اللہ کے غضب میں آ جائے گا اور اس کا ٹھکانا

جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ

جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے ف۲۵ سو ان (کافروں) کو تم نے قتل نہیں کیا، بلکہ

لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ۔ خطرناک موقعوں پر شجاعت وثابت قدمی اسی قوت یقین سے پیدا ہوتی ہے لِيُثَبِّتَ بِهٖ۔ میں ضمیر پانی کی طرف ہے۔ الضمير فی به عائد علی الماء (قرطبی) ف۲۰ یعنی اپنے تصرفات ملکی سے ان کی ہمت بڑھائے رکھو۔ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ۔ یعنی اُنہی فرشتوں کی جانب جو امداد مومنین کے لئے نازل ہوئے تھے اَنِّيْ مَعَكُمْ۔ یعنی تم حسب ارشاد اپنا کام کیے جاؤ اثر پیدا کرنا ہمارا کام ہے اور اصل شے یہی معیت الٰہی ہے ف۲۱ یہ سب بیان اور تفصیل ہے ثَبِّتُوا۔ کی سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ۔ یہ بیان ہے اَنِّيْ مَعَكُمْ کا۔ فَوْقَ الْاَعْنَاقِ۔ میں فوق، علیٰ کے معنی میں لیا گیا ہے۔ فوق بمعنی علی (معالم) بنان کہتے ہیں انگلیوں اور اُن کے پوروں کو۔ البنان الاصابع (راغب) البنان الاصابع بريد الاطراف (کشاف) وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔ جنگ ظاہر ہے کہ دست بہ دست تھی۔ نیزوں، اور تلواروں سے، ایسی جنگ کے لیے (بلکہ کہنا چاہیے کہ ہر جنگ کے لیے) اس سے بڑھ کر حکیمانہ ہدایت اور کیا ہو سکتی ہے کہ دشمن کے سپاہیوں کی انگلیوں پر وار کرو اور ان کی جان لیے بغیر انہیں لڑائی کے ناقابل بنادو۔ خصه لاجل انهم بها تقاتل وتدافع (راغب) فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ۔ یعنی گردن کے اُوپر کے حصہ پر وار کرو۔ تاکہ حریف فوراً مر جائے خواہ مخواہ اور بلا ضرورت مدت تک تڑپتا، اور موت وزندگی کے درمیان جھولتا نہ رہے، والمعنی فاضربوا المقاتل والشوی لان الضرب اما واقع علی مقتل او علی غیر مقتل فامرهم بان يجمعوا عليهم النوعين معاً (کشاف)

اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ

اللہ نے انہیں قتل کیا اور آپ نے (ان پر) خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جب کہ آپ نے وہ پھینکی بلکہ اللہ نے

رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ

پھینکی و۲۶ تاکہ آزمائش کرے ایمان والوں کی اپنی طرف سے اچھی آزمائش بیشک

اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ

اللہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے و۲۷ یہ تو ہو چکا و۲۸ اور بیشک اللہ کمزور کرکے رہے گا کافروں کی

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ

تدبیر کو و۲۹ اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو فیصلہ تو تمہارے سامنے آ موجود ہوا

وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ

و۳۰ اور اگر تم باز آجاؤ تو وہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے

وَ لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَوْ كَثُرَتْ ۙ وَ اَنَّ

اور تمہاری جماعت تمہارے ذرا کام نہ آئے گی گو (کتنی ہی) زائد ہو اور (جانے رہو) کہ

اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا

اللہ تو ایمان والوں کے ساتھ ہے و۳۱ اے ایمان والو اطاعت کرتے رہو

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

اللہ اور اس کے رسول کی اور اس سے روگردانی نہ کرو درآنحالیکہ تم سن رہے ہو و۳۲

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ (کچھ بھی) سنتے (سناتے) نہیں و۳۳

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ

بد ترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ بہرے، گونگے ہیں جو عقل سے (ذرا)

ع ۹ / ۱۲

دونوں ہدایتیں فن حرب کے لحاظ سے بہترین اور اعلیٰ طریق حرب وضرب کی جامع ہیں۔ و۲۲ (خواہ یہ سزا آخرت میں ہو یا دنیا میں۔ یا دونوں جگہ) شَآقُّوا اللّٰهَ۔ سے مراد شاقوا اولیاء الله بھی لی گئی۔ اے اولیاءہٗ (قرطبی) و۲۳ (کہ اصلی عذاب تو وہی ہے اور دنیوی سزا سے اس کا ٹل جانا لازم نہیں آتا) و۲۴ جہاد سے بھاگنا حرام ہے۔ عام حکم یہی ہے، بہ طور استثناء اجازت خاص خاص صورتوں میں ہے۔ ان کی تفصیل کچھ تو یہیں قرآن مجید میں آرہی ہے اور کچھ فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔ اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا۔ یعنی کافروں سے مڈبھیڑ ہو بحالت جہاد میں۔ زحفا زحف کے لفظی معنی چھوٹے بچے کا گھسل گھسل کر چلنا ہے، مجازاً اس کا اطلاق لشکر پر بھی ہونے لگا کہ اسے بھی ہجوم کے باعث رک رک ہی کر چلنا ہوتا ہے۔ کالعسکر اذا کثر فیعثر انبعاثه (راغب) الزحف الدنو قلیلا قلیلا ثم سمی کل ماش فی الحوب الی اٰخر زاحفا (قرطبی) و۲۵ سپاہیوں کو اپنی جگہ چھوڑنے اور میدان جنگ سے ہٹنے کی اگر ذرا گنجائش رکھ دی جائے تو نظام عسکری تو فوراً ہی تشریف لے جائے۔ اس لیے دنیا کے کسی بھی حربی قانون میں اس کی ذرا بھی اجازت نہیں بلکہ بزدلی ایک ناقابل عفو جرم ہے۔ اور پھر لشکر اسلام کا تو ہر سپاہی خدا کا سپاہی ہوتا ہے۔ وہ اپنی جان بیچ کر اور اس کے عوض میں وعدۂ جنت لیکر تو قدم ہی میدان میں رکھتا ہے۔ اس کے لیے تو بزدلی کی اتنی بھی گنجائش نہیں نکل سکتی جتنی کسی دنیوی لشکر میں ممکن ہے۔ الفرار کبیرة موبقة بظاهر القراٰن واجماع الاکثر من الائمة (قرطبی) قال ابن القاسم لا تجوز شهادة من فرّ من الزحف ولا یجوز لهم الفرار وان فرّ امامهم (قرطبی) يَوْمَئِذٍ۔ جہاد کے دن یعنی جہاد کے موقع پر۔ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ۔ اس استثناء کے اندر جنگی مصلحت کی وہ تمام صورتیں آجاتی ہیں جن کا مقصد حریف کو غافل کرکے اس پر اکبارگی ٹوٹ پڑنا ہوتا ہے۔ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ۔ مثلاً سپاہی اپنے لشکر سے جدا ہو کر اکیلا پڑ گیا۔ اور اب بھاگنے سے اس کا مقصود اپنی جماعت سے مل کر اور ساز و سامان حاصل کرکے پھر سے حملہ کرنا ہے۔ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ۔ محققین نے یہاں پر یاد دلا دیا ہے کہ اس دخولِ جہنم سے خلودِ جہنم لازم نہیں آتا۔ وهذا لا یدل علی الخلود (قرطبی) و۲۶ (تاثیر حقیقی کے مرتبہ میں۔ کہ موثر حقیقی صرف اُس کی قدرت ہے،) سپہ دار اعظم رسول اللہ ﷺ نے حالت جہاد میں ایک مٹھی بھر کنکریاں یا مٹی اُٹھا کر مشرکوں کے لشکر کی طرف پھینکیں، ریزے اُن کی آنکھوں میں جا کر گھس گئے اور انہیں شکست ہوئی۔ حدیث میں روایت غزوۂ بدر وغزوۂ حنین دونوں کے سلسلہ میں آئی ہے۔ سیاق قرآن صاف غزوہ بدر کے سلسلہ میں ہے۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ۔ ف سے غرض یہ ہے کہ جب تم تائید غیبی کے ایسے ایسے عجائب وخوارق خود مشاہدہ کر چکے ہو تو اب یہ بھی سمجھ لو۔ آیت اس مضمون کو صاف کر رہی ہے کہ فاعل حقیقی وموثر اصلی صرف حق تعالیٰ ہے گو عالم اسباب میں وہ کام آلات ووسائط ہی سے لیتا رہتا ہے، فنزلت الاٰیة اعلاما بان الله تعالیٰ هو الممیت والمقدر لجمیع الاشیاء وان العبد انما یشارک بتکسبه وقصده (قرطبی) ای لیس بحولکم وقوتکم قتلتم اعداءکم مع کثرة عددهم وقلة عددکم ای بل هو الذی اظفرکم علیهم (ابن کثیر) وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ یعنی یہ آپ کے یا کسی مخلوق کے بھی بس میں نہ تھا کہ خاک کے وہ ذرے ہر ہر کافر کی آنکھ تک پہنچا دیں رمی کا یہ معجزانہ عمل تمام تر قدرت الٰہی کا کرشمہ تھا۔ عنی بذالک ان الله بلغ بذالک التراب وجوههم وعیونهم اذلم یکن فی وسع احد من المخلوقین ان یبلغ ذالک التراب عیونهم من الموضع الذی کان فیه النبی ﷺ (جصاص) وما رمیت یا محمد رمیا توصله الی اعینهم ولم تقدر علیه اذ رمیت ای اذرمیت بصورة الرمی ولکن الله رمیٰ ای اتی بما هو غایة الرمی فاوصلها الی اعینهم جمیعا حتی انهزموا (بیضاوی) و۲۷ اُس پر بندوں کے الفاظ واقوال بھی اور احوال واعمال بھی سب یکساں روشن ہیں۔ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا۔ مومنین کی اس آزمائش سے مقصد یہ کہ انہیں ان کے قصد سے اختیار کیے ہوئے اعمال پر خوب اجر وصلہ دے۔ و۲۸ یعنی یہ ایک مصلحت تو پوری ہو چکی و۲۹ (اور وہ بھی کمزور اور بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں جس سے اُس کی قدرت وحکمت اور زیادہ واضح ہو کر رہے و۳۰ (اور جو فریق حق پر تھا اُسے غلبہ حاصل ہو گیا) خطاب مشرکین مکہ سے ہے روایتوں میں آتا ہے کہ جب مشرکین کا لشکر معرکۂ بدر کے لیے مکہ سے روانہ ہو رہا تھا تو سردار قریش ابوجہل نے غلاف کعبہ پکڑ کر دعا کی تھی کہ اے اللہ کامیابی اُس لشکر کو عطا کر جو حق پر ہو۔ کان المشرکون حین خرجوا من مکة الی بدر اخذوا باستار الکعبة فاستنصروا الله وقالوا اللّٰهم انصر اعلی الجندین واکرم الفئتین وخیر القبیلتین (ابن کثیر عن السدی) وقیل قاله ابو جهل وقت القتال (قرطبی) و۳۱ اس لیے فتح وغلبہ اصلاً حق ہی کا ہے گو کسی عارض کی وجہ سے کسی وقت اس کا ظہور نہ ہو) وَاِنْ تَنْتَهُوْا۔ یعنی اتنے نمایاں وضوح حق کے بعد اگر اب بھی اسلام ورسول اسلام ﷺ کی مخالفت سے باز آجاؤ۔ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ یہ بہتری تمہارے حق میں دنیوی اور اخروی دونوں اعتبار سے ہوگی۔ اِنْ تَعُوْدُوْا۔ یعنی اسی طرح مخالفت ومعاندت پر مصر رہو گے۔ نَعُدْ۔ یعنی ہم بھی اسی طرح تمہارا زور توڑتے رہیں گے۔ و۳۲ (اعتقاد کے ساتھ) مسلمانوں کا کلام الٰہی کا سننا ہمیشہ اعتقاد ہی کے ساتھ ہوگا۔ اور یہاں خطاب مسلمانوں ہی سے ہے، آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جیسے عقیدت سے سن رہے ہو، ویسے ہی عمل بھی کرو۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ ساری دنیوی کامرانیوں اور اخروی کامیابیوں کی بنیاد یہی اطاعت ہے۔ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ۔ "اس سے" یعنی اس اطاعت سے۔ ضمیر حکم کی جانب ہے۔ الضمیر للجهاد اوللامر الذی دل علیه الطاعة (بیضاوی)

وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ۔ سے فقہاء ومفسرین نے یہ استنباط کیا ہے کہ مومن کی عملی زندگی پر ایمان کا اثر ہونا چاہیے اور اگر کوئی اثر نہیں ملتا تو محض قول بیکار ہی ہے۔ دلت الاٰیة علٰی ان قول المومن سمعت اطعت لا فائدة فیه مالم یظهر اثر ذالک علیه بامتثال فعله (قرطبی) ف۳۳ (مراد کفار ومنافقین ہیں) مسلمانوں کو ہدایت ہورہی ہے کہ ترک اطاعت میں تم کافروں اور منافقوں کی طرح نہ ہو جانا۔ ف۳۴ (اور سن کر عمل نہ کرنا بھی مشابہ اُن لوگوں کے عمل کے ہے جو بہرے اور گونگے ہیں۔ شَرَّ الدَّوَآبِّ۔ کفار ومنافقین کے ذکر کے بعد یہ لفظ ان کی تحقیر واہانت کے لیے ہے۔ عنٰی به الاشرار الذین هم فی الجهل بمنزلة الدواب (راغب) ف۳۵ یعنی اگر ان کافروں اور منافقوں میں کوئی خوبی طلب حق کے سلسلہ میں موجود ہوتی تو اللہ انہیں اعتقاد کے ساتھ سننے کی توفیق بھی دے دیتا۔ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ۔ یعنی انہیں اس بے پروائی کی حالت میں سنوا دے، جیسا کہ ظاہری کانوں سے وہ اب بھی سن ہی رہے ہیں۔ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا۔ اللہ کا علم تو ہمیشہ مطابق واقع ہی ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ کے علم میں کسی شے کے نہ آنے کے معنٰی ہی اس شے کی نفی کے ہیں۔ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ یہ ٹکڑا ان کی بے توجہی کو اور نمایاں کرنے کے لیے ہے۔ ف۳۶ یعنی احکام شریعت کی طرف۔ یہاں صاف صاف بتا دیا کہ حیات ابدی اور زندگی جاودانی بخشنے والی چیز یہی نظام دین ہے۔ خصوصیت کے ساتھ مراد جہاد ہے۔ لِلرَّسُوْلِ۔ یہ بات لحاظ رکھنے والی ہے کہ قرآن مجید میں ایسے تمام موقعوں پر رسول اللہ ﷺ کا ذکر بجائے اسم ذات کے ہمیشہ رسول یا الرسول ہی سے آتا ہے۔ یہ آپ کی حیثیت رسالت کو نمایاں کرنے کے لیے ہے کہ آپ کا بلانا بھی فرستادۂ الٰہی کی حیثیت سے اللہ ہی کا بلانا ہوتا ہے۔ اِسْتَجِيْبُوْا۔ یہاں اجیبوا کے معنٰی میں ہے۔ ف۳۷ (اور سب کا سابقہ بالآخر اسی سے پڑتا ہے) يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ۔ اللہ کا انسان اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جانا دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک یوں کہ مومن کے قلب میں طاعت کی برکت سے کفر ومعصیت کو نہیں آنے دیتا۔ دوسرے یوں کہ کافر کے قلب میں مخالفت کی نحوست سے ایمان وطاعت کو آنے نہیں دیتا۔ ف۳۸ (بلکہ اُن گنہگاروں کے علاوہ ان لوگوں پر بھی اس کا وبال پڑے گا۔ جنہوں نے باوجود کسی حد تک قدرت رکھنے کے ان گناہوں کو روکنے کی کوشش نہ کی۔ اور خود بھی اس طرح جرم مداہنت کے مرتکب ہوئے یا شریک جرم رہے) اسلام امت کو جس بلند معیار پر دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے افراد کا زمرۂ صالحین میں ہونا کافی نہیں، بلکہ ہر فرد بشر کو بہ قدر اپنی وسعت وبساط کے مصلح ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لئے جرم ومجرم سے مداہنت اسلام کے اندر خود ایک جرم ہے۔ ”جس طرح اپنی اصلاح کے متعلق طاعت واجب ہے، اسی طرح یہ بھی طاعت واجبہ میں داخل ہے کہ بہ قدر وسع دوسروں کی اصلاح میں بہ طریق امر بالمعروف ونہی عن المنکر بالید یا باللسان یا ترک اختلاط یا نفرت بالقلب جو کہ آخری درجہ ہے۔ کوشش کرو ورنہ در صورت مداہنت ان منکروں کا وبال جیسا مرتکبین منکرات پر واقع ہوگا۔ ایسا ہی کسی درجہ میں مداہنت کرنے والوں پر بھی واقع ہوگا۔“ (تھانوی) ف۳۹ (اور طاعت واطاعت میں خوب مستعد ہو جاؤ) اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ۔ مسلمانوں کو اُن کی مکی زندگی قبل ہجرت کی یاد دلائی جارہی ہے۔ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔ یعنی تعداد میں کم ہونے کے علاوہ مکہ میں بہ لحاظ قوت بھی کمزور ہی شمار کیے جاتے تھے۔ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ۔ النَّاسُ سے مراد مخالفین واعداء ہیں۔ اٰوٰىكُمْ۔ یعنی مدینہ میں اطمینان سے جگہ دی۔ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ۔ یعنی تمہاری تعداد بھی بڑھ گئی۔ بے سروسامانی بھی نہ رہی۔ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ۔ یعنی تمہیں ہر طرح کی خوش حالی عنایت کی۔

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا

کام نہیں لیتے ف۳۴ اور اگر ان میں کسی خوبی کا علم اللہ کو ہوتا تو وہ

لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

انہیں سنوا دیتا اور اگر (اب) وہ انہیں سنوا دے تو یہ ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے ف۳۵

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا

اے ایمان والو اللہ اور رسول کو لبیک کہو جب کہ وہ (یعنی رسول)

دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ

تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلائیں ف۳۶ اور جانے رہو کہ اللہ آڑ بن جاتا ہے درمیان

الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً

انسان کے اور اس کے قلب کے اور یہ کہ تم (سب) کو اسی کے پاس اکٹھا ہونا ہے ف۳۷ اور ڈرتے رہو اس وبال سے

لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا

جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں ف۳۸ اور جانے رہو

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ

کہ بے شک اللہ سخت ہے سزا دینے میں اور یاد کرو (اس حالت کو) جب تم

قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ

تھوڑے تھے (اور) ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے ڈرتے رہتے تھے کہ

يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ

کہیں لوگ تم کو اچانک کھسوٹ نہ لیں سو (اللہ نے) تمہیں رہنے کو جگہ دی، اور اپنی نصرت سے تمہاری تائید کی

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰۤاَيُّهَا

اور تم کو ستھری چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر گزار ہو ف۳۹ اے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا

اے ایمان والو خیانت نہ کرو اللہ اور رسول کی اور نہ

اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ

اپنی امانتوں میں خیانت کرو درآنحالیکہ تم جانتے ہو ف۴۰ اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور

وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں اور یہ بھی کہ بہت بڑا اجر تو اللہ ہی کے پاس ہے ف۴۱

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ

اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں

فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

ایک فیصلہ کی چیز دے دے گا اور تم سے دور کر دے گا تمہارے گناہ اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ

ہے ہی بڑے فضل والا ف۴۲ اور (اس واقعہ کا ذکر کیجیے) جب کہ کافر آپ کی نسبت تدبیر

كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ

سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کریں یا آپ کو قتل کریں، یا آپ کو (وطن سے) خارج کر دیں

وَيَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور وہ (اپنی) تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ (اپنی) تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر والا ہے ف۴۳

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہنے لگتے ہیں بس ہم نے سن لیا ہم چاہیں

لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

تو اسی کا سا ہم بھی کہہ لائیں یہ ہے ہی کیا بجز اگلوں کی کہانیوں کے ف۴۴

ف۴۰ (کہ اعمال میں کوتاہیوں کے نتائج بد اور مضرتیں کیا کیا ہیں) لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ۔ اللہ اور رسول کے جو حقوق عاید ہوتے ہیں اُنھی کو پوری طرح ادا نہ کرنا بھی اُن میں خیانت کرنا ہے۔ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ۔ اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے اعمال سے جو منافع مرتب ہوتے ہیں اُنھی کو یہاں امانتوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ف۴۱ (جس کے آگے ساری دنیوی لذتیں فانی، مصلحتیں ہیچ ہیں) فِتْنَةٌ۔ یعنی یہ مال و اولاد کی محبت ہی ایسی چیز ہے جس سے امتحان ہوتا رہتا ہے کہ کون ان کی محبت میں حد سے گزر کر اللہ اور رسول کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ ف۴۲ (اور اس بڑے داتا کی ساری بخششیں اور نعمتیں تمہارے وہم و گمان میں بھی کب آسکتی ہیں) اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ۔ اور اس تقویٰ و خشیت الٰہی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طاعت و اطاعت میں لگے رہو گے۔ فُرْقَانًا۔ فرقان کی تشریح اہل تفسیر نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے۔ لیکن بہتر ہوگا کہ لفظ ان سب مفہوموں کا جامع سمجھا جائے اور ہدایت اور نور قلب جس سے حق و باطل میں فیصلہ ہو جائے اور غلبہ علی الاعداء اور نجات آخرت جس سے حق و باطل میں عملی فیصلہ ہو جائے سب کو شامل رہے۔ ف۴۳ (جس کی تدبیر کے آگے ساری دنیا کے منصوبے اور تدبیریں ہیچ محض ہیں) اِذْ يَمْكُرُ بِكَ۔ مکہ کے رئیسوں سرداروں نے باہم جمع ہو کر آپ کی قید، جلاوطنی، قتل، سب تدبیروں پر غور کیا۔ اور اخیر رائے قتل ہی کی قرار پائی۔ آپ کو وحی سے معلوم ہو گیا۔ آپ خاموشی سے نقل مکان کر، غار ثور میں پوشیدہ ہو گئے اور بہ فراغ خاطر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ آیت میں انھی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ مکر پر حاشیے سورہ آل عمران آیت مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۔ پر گزر چکے۔ لِيُثْبِتُوْكَ۔ اثبات یہاں قید یا حبس کے معنی میں لیا گیا ہے۔ الاثبات ھو الحبس (ابن جریر عن السدی) ای لیسجنوک (ابن جریر عن عطاء و عبداللہ بن کثیر) ومعنی لیثبتوک لیحبسوک (قرطبی) ف۴۴ (اور کلام حق ہرگز نہیں) یہ کہنے والا کون تھا؟ اہل تاریخ و سیر کا بیان ہے کہ یہ کہنے والا نضر بن حارث تھا، اپنے زمانہ کا بڑا جہاندیدہ اور "روشن خیال" ایران جیسے مہذب و متمدن ملک کی سیر کیے ہوئے۔ جیسے آج کا "ولایت پلٹ" ہندوستانی! قد قیل ان قائل لذالک ھو النضر بن الحارث کما قد قص علٰی ذالک سعید بن جبیر والسدی وابن جریج وغیرھم فانہ لعنہ اللہ کان قد ذھب الٰی بلاد فارس وتعلم من اخبار ملوکھم رستم واسفند یار (ابن کثیر) ھذا سے اشارہ دونوں جگہ قرآن مجید کی طرف ہے۔ قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا...... بولے کہ بس ہم نے سن لیا اور حال معلوم ہو گیا۔

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ

اور (وہ وقت بھی یاد دلایئے) جب (ان لوگوں نے) کہا تھا کہ اے اللہ اگر یہ (کلام) تیری طرف سے

عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا

واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا پھر (کوئی اور ہی) عذاب

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۳۲) وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ

دردناک لے آ۔ و۴۵ حالانکہ اللہ ایسا نہیں کرنے کا کہ انہیں عذاب دے اس حال میں کہ آپ ان میں

فِيْهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (۳۳)

موجود ہوں اور نہ اللہ ان پر عذاب لانے کا ہے اس حال میں کہ وہ استغفار کر رہے ہوں و۴۶

وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ

ہاں یہ بھی ان لوگوں کے لیے نہیں کہ اللہ ان پر عذاب (ہی سرے سے) نہ لائے درآنحالیکہ وہ مسجد حرام سے

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْۤا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ

روکتے ہیں جب کہ وہ اس کے متولی ہی نہیں و۴۷ اس کے متولی تو

اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۴) وَ مَا كَانَ

بس متقی ہی (ہو سکتے) ہیں لیکن ان (لوگوں) میں سے اکثر تو علم (بھی) نہیں رکھتے و۴۸ اور (خود)

صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا

ان کی نماز (ہی) خانہ (کعبہ) کے پاس کیا تھی بجز سیٹی بجانے اور تالی بجانے کے سو

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (۳۵) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

عذاب (کا مزہ) چکھو اپنے کفر کی پاداش میں و۴۹ بیشک جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اپنے مال کو اس لیے خرچ کر رہے ہیں کہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکیں

و۴۵ (یعنی اسی طرح کا کوئی خارق عادت) صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ اس قول کا قائل ابوجہل بن ہشام تھا، اور طبرانی وغیرہ دوسری روایتوں میں نام نضر بن الحارث کا آتا ہے لیکن بہرحال ایک کا نام دوسرے کے منافی نہیں اور جیسا کہ محدث حافظ ابن حجر نے فیصلہ کیا ہے ممکن ہے دونوں نے ہی کہا ہو، لیکن ترجیح ابوجہل والی روایت کو ہے۔ ولانها فی ذالک ما فی الصحیح لا حتمال ان یکون قالاه ولکن نسبته الی ابی جهل اولی (فتح الباری) یہ بھی بآسانی ممکن ہے کہ کہنے والا کوئی ایک ہو، اور اس کے ہم زبان اور بہت سے اہل قریش ہوگئے ہوں۔ قال الجمهور قائل ذالک کفار قریش (بحر) وان کان هذا القول نسب الی جماعة فلعله بدأ به ورضی الباقون فنسبت الیهم (فتح الباری) هٰذا۔ یعنی وہ کلام جسے محمد ﷺ بہ طور خدائی کلام کے پیش کررہے ہیں۔ و۴۶ (گو وہ استغفار ایمان صحیح کی عدم موجودگی کی بنا پر آخرت میں نجات کیلئے کافی نہ ہو) یہاں یہ بتلایا کہ جس طرح کا خارق عادت عذاب یہ لوگ طلب کررہے ہیں، اس کی راہ میں دو، دو مانع موجود ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان زندہ وسلامت موجود ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ باوجود ان کے کفروشرک ومعصیت شعاری کے، اللہ سے تعلق استغفار ان کا کسی درجہ میں باقی وقائم ہے چنانچہ طواف کے وقت یہ اس وقت بھی غفرانک، غفرانک کہتے جاتے ہیں۔ و۴۷ (اور عبادت الٰہی تو ان مومنین عابدین کا ایسا حق ہے کہ اس سے روکنے کا اختیار متولیوں کو بھی نہیں) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ عذاب خارق عادت کیلئے تو موانع موجود ہیں لیکن نفس عذاب سے مانع تو کوئی بھی نہیں بلکہ اس کا تو عین مقتضاء موجود ہے۔ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی حرم شریف کے اندر داخلہ سے اس میں نماز پڑھنے سے، اس کے اندر طواف کرنے سے یہ ظالم لوگ مسلمانوں کو اور رسول اسلام ﷺ کو برابر روک رہے ہیں۔ وَمَا كَانُوْۤا اَوْلِيَآءَهٗ۔ قریش کا ایک زعم باطل یہ بھی تھا کہ چونکہ ہمارے باپ دادا خانہ کعبہ کے متولی رہ چکے ہیں۔ ہم میں اس کی تولیت آج تک چلی آرہی ہے یہاں اسی عقیدہ کی تردید ہے۔ اَوْلِيَآءَهٗ میں ضمیر الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کی طرف ہے۔ و۴۸ (کہ منصب تولیت کے سرے سے نااہل ہیں) اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ اور تقویٰ کی پہلی شرط ایمان واسلام ہے۔ و۴۹ (چنانچہ اس وعید کے مطابق عذاب غیر خارق عادت غزوات نبوی کی شکل میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں پر نازل ہوکر رہا۔ وَمَا كَانَ...... تَصْدِيَةً۔ یہاں مشرکوں کی عبادت کی تحلیل کرکے بتایا ہے کہ بجز اس کے کہ منہ سے سیٹیاں بجائیں اور ہاتھ سے تالیاں، اور ان کی عبادت تھی ہی کیا؟۔ خوب غور کرکے دیکھ لیا جائے کہ آج بھی عبادت کے جو غیر اسلامی اور جاہلی طریقے چلے ہوئے ہیں ان کا جزء اعظم یہی باجا گاجا، تالیاں اور سیٹیاں ہیں یا نہیں؟ فقہاء ومفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں اُن جاہل صوفیہ کے لیے بھی وعید ہے، جو وجد وحال لاکر اچھلتے کودتے، تالیاں بجاتے اور ناچتے ہیں۔ اور اسے کوئی کمال روحانی سمجھتے ہیں۔ یہ صاف تشبیہ اعمال مشرکین کے ساتھ ہے۔ فیه ردعلی الجهال من الصوفية الذین یرقصون ویصفقون وذالک کله منکر یتنزه عن مثله العقلاء ویتشبه فاعله بالمشرکین فیما کانوا یعفلونه عند البیت (قرطبی) يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ۔ اعمال اور اعمالِ مخالفت کی تین ہی قسمیں ہوسکتی ہیں۔ قولی، بدنی اور مالی، قولی اور بدنی مخالفت اوپر بیان ہوچکی۔ اب بیان یہ ہورہا ہے کہ ان معاندین کے مالی وسائل بھی مخالفت اسلام کے لئے وقف ہیں۔ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی دین اسلام سے ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً۔ یہاں پیشگوئی فرمادی گئی ہے کہ ان کی یہ مالی کوششیں بھی رایگاں رہیں گی اور آثار ناکامی محسوس ہونے کے بعد ان پر حسرت ہی کا غلبہ رہے گا۔ ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ۔ یہ حسرت اُس وقت دُہری ہوگی۔ ایک حسرت تو اپنے مال ودولت کے ضائع جانے پر دوسری حسرت خود اپنی مغلوبیت پر۔

فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۬ۜ

سو یہ لوگ تو خرچ کرتے ہی رہیں گے لیکن وہی (اموال) ان کے حق میں حسرت بن جائیں گے پھر یہ لوگ مغلوب ہو

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۟ۙ (۳۶) لِيَمِيْزَ

جائیں گے اور جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں انہیں دوزخ کی طرف اکٹھا کیا جائے گا ف۵۰ تاکہ

اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ

اللہ ناپاکوں کو الگ کر دے پاکوں سے اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے

عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ

یعنی ان سب کو متصل کر دے پھر اس مجموعہ کو دوزخ میں ڈال دے

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۟ؑ (۳۷) قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ

یہی لوگ تو ہیں (پورے) خسارہ میں رہنے والے ف۵۱ آپ کہہ دیجیے (ان) کافروں سے کہ اگر

يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا

یہ لوگ باز آجائیں گے تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ (سب) انہیں معاف کر دیا جائے گا ف۵۲ اور اگر وہی (عادت)

فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ (۳۸) وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى

دہراتے رہیں گے تو (ہمارا) معاملہ بھی اگلوں کے ساتھ گزر چکا ہے ف۵۳ اور ان سے لڑو یہاں تک کہ

لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا

فساد (عقیدہ) باقی نہ رہ جائے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لیے ہو جائے ف۵۴ لیکن اگر یہ باز آجائیں

فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۳۹) وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا

تو اللہ خوب دیکھنے والا ہے ان کے عملوں کا ف۵۵ اور اگر یہ روگردانی کئے رہیں تو جانے رہو

اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ (۴۰)

کہ تمہارا رفیق اللہ ہی ہے، بہترین رفیق اور بہترین مددگار ف۵۶

ف۵۰ یہ سزائے آخرت دنیوی سزا و حسرت کے علاوہ ہے۔ ف۵۱ یہ معاندین کا انجام پوری وضاحت سے بتادیا ہے فَيَرْكُمَهٗ۔ میں ف تفسیری ہے۔ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔ خبیث سے مراد کافر اور طیب سے مراد مومن ہے۔ ای المومن من الکافر (قرطبی) ف۵۲ (اور اب پچھلے گناہوں پر باز پرس نہ ہوگی) اس مقام کی شرح حدیث میں ان الفاظ سے آئی ہے۔ ان الاسلام یهدم ما کان قبله فقہاء نے کہا ہے کہ مؤاخذہ حقوق عباد (مثلاً قرضہ، قصاص وغیرہ) کافر حربی سے تو ساقط ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ وہ حالت کفر میں ہماری شریعت کا معاملات میں پابند نہ تھا لیکن کافر ذمی پر اسلام لانے کے بعد بھی باقی رہیں گے اس لیے کہ وہ ذمہ دار تھا۔ باقی حقوق اللہ سے متعلق دونوں کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ قال ابو حنیفة ما کان لله مسقط وما کان للأدمی لا یسقط قال ابن العربی وهو قول علمائنا لان الله تعالی مستغن عن حقه والأدمی مفتقر الیه (قرطبی) عام فی الحقوق التی لله تعالی (قرطبی) اِنْ يَّنْتَهُوْا۔ باز آجانے سے مراد کفر سے باز آجانا ہے۔ یرید عن الکفر (قرطبی) ان ینتهوا عن الکفر وعداوة الرسول ودخلوا الاسلام (کبیر) مَا قَدْ سَلَفَ۔ کے عموم سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ زندیق کی بھی توبہ قبول ہو جائے گی وہ اس لیے کہ زندقہ بھی بہر حال کفر کی ایک نوع ہے۔ فان قوله یغفرلهم ما قد سلف یتناول جمیع انواع الکفر (کبیر) ف۵۳ یعنی انبیاء کے منکرین ومعاندین کے ساتھ جو خدائی تعزیر دنیا میں ہلاکت اور آخرت میں عذاب کی پیش آتی رہی ہے وہی انجام ان جدید منکرین اور معاندین کا بھی رکھا ہوا ہے۔ عبارة تجمع الوعید والتهدید والتمثیل بمن هلک من الامم فی سالف الدهر بعذاب الله (قرطبی) اے عادة الله الجاریة فی الذین تحزبوا علی الانبیاء من نصر المومنین علیهم وخذلانهم وتدمیرهم (روح) ف۵۴ (اور یہ موقوف ہے قبولِ اسلام پر) ای یضمحل عنهم کل دین باطل ویبقی فیهم دین الاسلام وحدهٗ (مدارک) ای تضمحل الادیان الباطلة کلها اما بهلاک اهلها جمیعًا اوبرجوعهم عنها خشیة القتل (روح) اس پر حاشیے اسی مضمون کی آیت پر پارۂ دوم میں گزر چکے۔ قَاتِلُوْهُمْ۔ ضمیر۔ هُمْ مشرکین عرب کی جانب ہے۔ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ۔ یعنی شرک باقی نہ رہ جائے الی ان لا یوجدفیهم شرک قط (مدارک) اے کفر (قرطبی) قال ابن عباس والحسن حتی لا یکو ن شرک (جصاص) یہ تفسیر فقہ حنفی کے مطابق ہے بعض ائمہ نے فتنة سے مراد فساد و حرب لی ہے۔ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ فقہاء نے آیت کے عموم سے جملہ اصناف کفار کے ساتھ قتال واجب ٹھیرایا ہے بجز اُن کے جن سے استثناء کی دلیل کتاب وسنت سے مل جائے۔ یدل علی وجوب قتال سائر اصناف اهل الکفر الاما خصه الدلیل من الکتاب والسنة (جصاص) ف۵۵ (اور وہی احتساب کے لئے کافی ہے، بندوں کو بہت زیادہ ٹٹول اور کرید کی حاجت نہیں) فَاِنِ انْتَهَوْا۔ یہ باز آجانا کس چیز سے ہے؟ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک مراد کفر سے باز آجانا اور اسلام قبول کر لینا ہے۔ اے عن الکفر واسلموا (مدارک) بعض دوسرے ائمہ نے قتال سے باز آجانا مراد لیا ہے۔ (مفصل حاشیے پارۂ دوم میں گزر چکے) ف۵۶ (سو تم مقابلہ میں ان سے ہٹنے کا خیال ہی نہ کرو۔ اور اللہ ہی کی رفاقت ونصرت پر بھروسہ رکھو) وَاِنْ تَوَلَّوْا۔ اس روگردانی سے فقہاء حنفیہ کے نزدیک اسلام سے روگردانی مراد ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک ذمیت سے روگردانی مقصود ہوگی۔

وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ

اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہیں بہ طور غنیمت حاصل ہو ۵۷ سو اس کا پانچواں حصہ اللہ

وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ

اور رسول کے لئے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے

وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا

اور مسافروں کے لئے ہے ۵۸ اگر تم اللہ پر اور اس چیز پر ایمان رکھتے ہو جسے

عَلٰی عَبۡدِنَا یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ؕ

ہم نے اپنے بندہ (محمد) پر نازل کیا تھا فیصلہ کے دن ۵۹ جس دن کہ دونوں جماعتیں مقابل ہوئیں

وَ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴۱﴾ اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَۃِ

اور اللہ ہی ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ۶۰ (یہ وہ وقت تھا) جب تم (میدان جنگ کے) نزدیک

الدُّنۡیَا وَ هُمۡ بِالۡعُدۡوَۃِ الۡقُصۡوٰی وَ الرَّکۡبُ اَسۡفَلَ

والے کنارہ پر تھے اور وہ دور والے کنارہ پر اور قافلہ تم سے نیچے (کی جانب)

مِنۡکُمۡ ؕ وَ لَوۡ تَوَاعَدۡتُّمۡ لَاخۡتَلَفۡتُمۡ فِی الۡمِیۡعٰدِ ۙ وَ لٰکِنۡ

کو تھا ۶۱ اور اگر تم (اور وہ) وقت مقرر کرتے تو ضرور اس تقرر کے بارہ میں تم میں اختلاف ہو جاتا ۶۲ لیکن

لِّیَقۡضِیَ اللّٰهُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا ۬ۙ لِّیَهۡلِکَ مَنۡ

(لڑائی بلا قصد ٹھن گئی) تا کہ اللہ اس امر کو پورا کردے جو ہو کر رہنا تھا ۶۳ (یعنی) تا کہ جسے برباد ہونا ہو وہ

هَلَکَ عَنۡۢ بَیِّنَۃٍ وَّ یَحۡیٰی مَنۡ حَیَّ عَنۡۢ بَیِّنَۃٍ ؕ وَ اِنَّ

کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے برباد ہو اور جس کو زندہ ہونا ہے وہ (بھی) کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے زندہ ہو، ۶۴ اور

اللّٰهَ لَسَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۴۲﴾ ۙ اِذۡ یُرِیۡکَهُمُ اللّٰهُ فِیۡ مَنَامِکَ

بیشک اللہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے، ۶۵ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب اللہ نے آپ کے خواب

۵۷ سورۃ کی ابتدائی آیتوں میں مال غنیمت اور اس کی تقسیم کا ذکر تھا۔ اب پھر اُسی مضمون کی طرف مراجعت ہے اور اب مصارف غنیمت کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ مَا غَنِمۡتُمۡ۔ غنیمت کے لغوی معنی عام و وسیع ہیں یعنی ہر وہ شے جو انسان کوشش سے حاصل کرے۔ الغنیمة فی اللغة ما یناله الرجل او الجماعة بسعی (قرطبی) اصطلاح فقہاء میں اُس مال کو کہتے ہیں جو کافروں سے بہ زور قوت حالت جنگ میں حاصل ہو۔ الغنیمة ما نیل من الکفار عنوۃ و الحرب قائمة (المغرب) الغنیمة فی الشریعة ما دخلت فی ایدی المسلمین من اموال المشرکین علی سبیل القهر بالخیل والرکاب (کبیر) مال الکفار اذا ظفر به المسلمون علی وجه الغلبة والقهر (قرطبی) مَا۔ الذی کے معنی میں ہے اور تقدیر کلام یوں ہے۔ الذی غنمتموه ۵۸ یعنی کل مال غنیمت کا ۴/۵ حصہ تو غازیوں میں تقسیم ہو جائے گا اور باقی ۱/۵ اللہ کی نذر ہو گا یعنی آج کی اصطلاح میں یہ حصہ اسلامی اسٹیٹ کا ہو گا۔ اور اسلامی سرکاری خزانہ میں جمع ہو گا۔ یہ ۱/۵ حصہ بھی اب یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات شریف کے بعد عملاً تین حصوں میں تقسیم رہے گا۔ لِلّٰهِ فقہاء حنفیہ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اللہ کا نام مصارف خمس کی ابتداء میں محض برکت کے لئے آیا ہے کہ حقیقۃً تو اللہ کی ملک و مملوک دنیا کی ہر چیز ہے۔ ذکره تعالی للتبرک باسمه فی ابتداء الکلام اذا الکل لله (درمختار) فاما ذکر الله تعالی فی الخمس فانه لافتتاح الکلام تبرکًا باسمه (ہدایہ) قال الشعبی هو مفتاح الکلام (جصاص) وعن الحسن بن محمد بن الحنفیة قال هذا مفتاح کلامٍ لیس لله نصیب فی الدنیا والأخرة (جصاص) لِلرَّسُوۡلِ۔ اللہ اور رسول کے یہ دو حصہ الگ الگ نہیں۔ کل ایک ہی حصہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کو زمانِ حیات میں ملتا تھا۔ نائب الٰہی اور خلیفۃ اللہ کی خدمت میں اسے پیش کر دینا اللہ ہی کے حضور میں پیش کرنا تھا۔ سرکاری ۱/۵ کا یہ پانچواں حصہ یعنی کل کا ۱/۲۵ حصہ اُس کو مل رہا ہے جو ایک ہی وقت میں آمر حکومت بھی تھا، امیر لشکر بھی، حامل رسالت بھی! وفات شریف کے بعد یہ حصہ ساقط ہو گیا۔ وسهم النبی ﷺ سقط بموته (ہدایہ) وسهم النبی ﷺ انما کان له مادام حیاً فلما توفی سقط سهمه (جصاص) شافعیہ کہتے ہیں کہ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ کو یہ حصہ ملے گا۔ لیکن حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ آپ کا یہ حصہ تو منصب رسالت کی بنا پر تھا اور رسالت آپ کے بعد رہی نہیں۔ لانه علیه السلام کان یستحقه برسالته ولا رسالة بعدهٗ (ہدایہ) خود خلفاء راشدین کا تعامل بھی حنفیہ ہی کی تائید میں ہے کہ اُنہوں نے کبھی رسول ﷺ کا حصہ اپنی جانب منتقل نہیں کیا۔ لِذِی الۡقُرۡبٰی۔ یہ دوسرا حصہ ہوا۔ (پہلا حصہ اللہ اور رسول کا ملا کر ایک تھا) یہ جاں نثاروں کا وہ گروہ تھا جس نے مکہ سے مدینہ تک ہر حال میں، ہر مصیبت میں ساتھ دیا تھا۔ فقہاء حنفیہ نے لکھا ہے کہ یہ حصہ ان حضرات کی نصرت قدیم ہی کی بنا پر تھا۔ ان المراد من النص قرب النصرة لاقرب القرابة (ہدایہ) فقہاء مفسرین نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ لذی کا ل ملک و استحقاق کے اظہار کے لیے نہیں۔ محل و مصرف کے بیان کے لئے ہے۔ لیست اللام لبیان الاستحقاق والملک وانما هی لبیان المصرف والمحل (قرطبی) بعد وفات نبوی یہ حصہ بھی ساقط ہو گیا۔ واما بعد رسول الله ﷺ فسهمه ساقط بموته کذلک سهم ذوی القربی (مدارک) وَ الۡیَتٰمٰی۔ یہ تیسرا حصہ ہوا وَ الۡمَسٰکِیۡنِ۔ یہ چوتھا حصہ ہوا۔ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ۔ یہ پانچواں حصہ ہوا۔ فقہاء حنفیہ کی تحقیق میں اب وہ سرکاری خمس (۱/۵) انہی تین حصوں میں تقسیم ہو گا چنانچہ خلفاء راشدین سے انہی تین حصوں میں تقسیم منقول ہے۔ لنا ان الخلفاء الاربعة الراشدین قسموه علی ثلثه اسهم وکفی لهم قدوة (ہدایہ) فان الخلفاء الاربعة متفقون علی انه لا یستحق الا بالفقر (جصاص) یہ بھی جائز ہے کہ بجائے تینوں صنفوں کے کسی ایک ہی صنف کے مصرف میں لے آیا جائے۔ ان تین حصوں کے اندر کی تقسیم یوں ہوتی ہے کہ ایک ثلث یتیموں کو دیا جاتا ہے۔ ایک ثلث مسکینوں کو اور ایک ثلث مسافروں کو۔ الخمس الباقی یقسم اثلاثا عندنا للیتیم والمسکین و ابن السبیل (درمختار) سهم للیتمی وسهم للمساکین وسهم لابن السبیل (ہدایہ) خاندانِ رسالت کے حاجت مند بھی اسی میں داخل سمجھے گئے ہیں بلکہ اُن کا حق مقدم ہے۔ البتہ خوش حال قرابتداروں کو کچھ نہ ملے گا۔ یدخل فقراء ذوی القربی فیهم ویقدمون ولا یدفع الی اغنیائهم (ہدایہ) وقدم فقراء ذوی القربی من بنی هاشم ولا حق لاغنیاءهم عندنا (درمختار) اس طرز تقسیم کو آج کی عینک سے خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے۔ سرکاری خزانہ کا ۳/۵ ہی نہیں۔ پورے کا پورا ۵/۵ آج بھی دنیا کی کسی بڑی سی غریب نواز و ہمدرد عوام سلطنت میں رعایا کے سب سے زیادہ مصیبت زدہ طبقوں (لاوارث یتیموں محتاج مسکینوں اور بے زادراہ مسافروں پردیسیوں) کے لئے وقف ہے؟ ابۡنِ السَّبِیۡلِ۔ مسافروں کی یہ اہمیت شاید نظروں کو کچھ کھٹکے لیکن بے زاد و راحلہ تھکے ماندے، بھوکے پیاسے پیدل راہ گیروں پر آج بھی پردیس میں جو مصیبتیں پڑا کرتی ہیں اور چھوت چھات کے ماننے والوں کے درمیان دیہات میں، جس طرح گرمی کی جلجلاتی ہوئی دوپہریں اور سردی کی کڑکڑاتی راتیں گزارنی پڑتی ہیں، اُن کا ہلکا اور سرسری اندازہ بھی جگمگاتے ہوئے ہوٹلوں میں ٹھہرنے والے اور ریل کے اعلیٰ درجوں میں سفر کرنے والے مسافر کر نہیں سکتے۔ ۵۹ یعنی معرکہ بدر کے دن، جب حق و باطل کے درمیان عملی اور حسی فیصلہ بھی سب کے مشاہدہ میں آ گیا اور کفر و اسلام کے درمیان اس پہلی مادی ٹکر نے دنیا کی تاریخ میں ایک کامیاب انقلابی دعوت کی بنیاد قائم کر دی۔ ای الیوم الذی فرقت فیه بین الحق والباطل وهو یوم بدر (قرطبی) مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا۔ یعنی نصرت غیبی، جو ہر تفصیل کو جامع ہے۔ والمراد منه ما انزل علیه من الأیات والملائکة والفتح فی ذٰلک الیوم (کبیر) عَبۡدِنَا۔

قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي

میں آپ کو وہ لوگ کم دکھلائے ف۶۶ اور اگر (اللہ) انہیں آپ کو زیادہ دکھا دیتا تو تم لوگ ہمت ہار جاتے اور آپس میں

الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

جھگڑنے لگتے اس باب میں ف۶۷ لیکن اللہ نے (تم کو) بچالیا، بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب ف۶۸ جانتا ہے،

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب کہ اس نے ان لوگوں کو تمہاری نظروں میں کم کر کے دکھلایا

وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ

اور ان کی نگاہ میں تمہیں کم کر کے تاکہ اللہ اس امر کو پورا کر دے جو ہو کر رہنا تھا ف۶۹

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ؑ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

اور اللہ ہی کی طرف سارے امر رجوع ہوں گے ف۷۰ اے ایمان والو، جب

لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ

تم کسی جماعت کے مقابل ہوا کرو تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو

تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ۚ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا

تاکہ فلاح پاؤ ف۷۱ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور (آپس میں) جھگڑا مت کرو

فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ

ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرتے رہو بیشک اللہ صبر کرنے والوں

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ۚ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ

کے ساتھ ہے ف۷۲ اور ان لوگوں کی مثل نہ ہو جو اپنے گھروں سے

دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ

تو اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھلانے کے لئے نکلے اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ

موقع تخصیص وتشریف پر رسول اللہ ﷺ کا ذکر اسی عنوان سے کرنا قرآنی بلاغت کا ایک خالص جزء ہے یہ جنگ رمضان ۲ھ (۶۲۴ء) میں لڑی گئی۔ مسلمان ۳۱۳ اور مشرک ۹۵۰ کی تعداد میں تھے۔ ف۶۰ اس میں افراد امت کو تنبیہ ہے کہ یہ ⅕ جو تمہیں مل رہا ہے، اُسے اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہیں محض فضل الٰہی کا نتیجہ سمجھو۔ الْجَمْعٰنِ۔ مراد ایک طرف لشکر قریش ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کی سپاہ۔ ف۶۱ یعنی وہ تجارتی قافلہ جس کے تعاقب میں تم آئے تھے۔ وہ تم سے بچتا ہوا سمندر کے کنارہ کنارہ چلا جا رہا تھا۔ الْعُدْوَةِ الدُّنْيَا۔ یعنی مدینہ سے قریب تر حصہ میں۔ شام سے جو شاہراہ مکہ کو آتی تھی، اسی سے متصل شہر بدر کے حدود سے ذرا پہلے شمال ومغرب کی سمت میں یہ پہاڑی پڑتی تھی، الْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى۔ یعنی مدینہ سے بعید تر حصہ میں، یہ پہاڑی شہر بدر کے جنوب ومشرق میں تھی۔ ابوجہل اپنی فوج لے کر یہیں مقیم تھا۔ مقام بدر سمندر (بحر احمر) سے اونٹ پر ایک منزل کی راہ پر تھا، مدینہ سے چار منزل اور مکہ سے آٹھ منزل کی راہ پر۔ اسلامی فوج شمال ومشرق سے آئی تھی، اور مشرکوں کا لشکر جنوب ومشرق سے۔ اس موضوع خاص کے محقق خصوصی ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:۔ ’’تاریخ عالم کا یہ ایک انقلاب انگیز معرکہ ہے۔ مکہ، مدینہ اور شام کے راستوں کے جنکشن ہونے سے قریشی قافلہ کے آنے سے کچھ ہی پہلے آنحضرت ﷺ مدینہ سے آ کر شمال مغربی درہ میں مقیم اور گھات میں رہے۔ ابوسفیان نے قافلہ کو کئی میل پہلے ہی روک کر ٹوہ لی اور اسلامی فوج کی بھنک ملنے سے بدر آئے بغیر راستہ کاٹ کر ساحل کے کنارے کنارے دو منزلہ کو یک منزلہ کر کے قافلہ کو بچالیا۔ قافلہ کے بچ کر نکل جانے کی اطلاع کے باوجود آنحضرت ﷺ بدر ہی میں کسی کام سے مقیم رہے تو مکہ سے ابوجہل کی قریشی فوج آ پہنچی، پیشگی اطلاع ملنے پر آنحضرت ﷺ نے پڑاؤ کی جگہ بدل کر پانی پر قبضہ کرلیا۔ صف بندی اور عمدہ فوج آرائی سے دشمن کی تگنی چوگنی فوج کو شکست دی۔ مسلمانوں کے دس بارہ اور دشمن کے ستر آدمی مارے گئے۔‘‘ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ’’عہد نبوی کے میدان جنگ‘‘ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ استاذ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ۔ بدر کی زمین پہاڑی تھی اور اس لئے قدرۃً بلند اور ساحل سمندر کی زمین جہاں سے قافلہ کترا کر گزر رہا تھا، نشیبی، ف۶۲ یعنی عام دستور ومعمول تو یہ ہے کہ مقاتلہ کے لئے فریقین اپنے قصد ومرضی سے کوئی میدان اور تاریخ مقرر کرتے ہیں، یہاں بھی اگر یہی صورت رہنے دی جاتی تو کوئی نہ کوئی فریق کوئی عذر پیدا کرلیتا، جس سے مقابلہ ومقاتلہ کی نوبت ہی نہ آتی اور جو فائدے اس سے اب مشاہدہ میں آرہے ہیں یہ ظہور ہی میں نہ آئے ہوتے، اسی لئے حالات تکوینی کا اجتماع ایسا کر دیا گیا کہ مسلمانوں کو قصد وارادہ کے بغیر بھی لڑنا پڑ گیا۔ اور اس سے بہت سے مصالح پورے ہوگئے۔ ف۶۳ یعنی جس امر کے وقوع سے مسلمانوں کے مدارج روحانی کی ترقیاں وابستہ تھیں۔ تکوینی حالات ایسے جمع کیے گئے کہ مسلمانوں کی خواہش، قصد واختیار کے بغیر خود بخود اس کا اظہار ہو کر رہا۔ لِيَقْضِيَ۔ میں لِ متعلق ہے فعل محذوف کے۔ واللام فی لیقضی متعلقة بمحذوف والمعنی جمعهم لیقضی (قرطبی) ف۶۴ مطلب یہ ہوا کہ حکمت الٰہی کو یہ جنگ اس لئے منظور ہوئی کہ اس سے ایک خاص طریق پر اسلام کا حق ہونا ظاہر ہو جائے اور دنیا دیکھ لے کہ اسی قلت عدد وکم سامانی کے باوجود مسلمان غالب آئے، جو ایک حد تک خارق عادت اور دل میں یہ یقین پیدا کرنے کے لئے کافی ہے کہ اسلام حق اور اس سے حجت الٰہی تمام ہو گئی، اس کے بعد جو گمراہ ہوگا وہ وضوح کے بعد ہوگا جس سے عذاب کا پورا استحقاق ہو جاتا ہے اور عذر کی گنجائش نہیں رہتی، اسی طرح جس کو ہدایت پانا ہو وہ حق کو اتنے وضوح کے بعد قبول کرلے گا۔ عَنْۢ بَيِّنَةٍ۔ عن دونوں جگہ بعد کے مرادف ہے اور بینة کے معنٰی اقامت دلیل کے ہیں۔ ای بعد مشاهدة هذه المعجزة (کبیر) ای بعد حجة ظاهرة (جلالین) والبینة اقامة الحجة والبرهان (قرطبی) لِيَقْضِيَ۔ اور لِيَهْلِكَ دونوں میں لِ غرض وغایت کا ہے۔ اللام لام الغرض وظاهره یقتضی تعلیل افعال الله واحکامه بالاغراض والمصالح (کبیر) ف۶۵ چنانچہ اس ظاہر کا بھی وہ علم رکھتا ہے کہ اس وضوح حق کے بعد کون کون زبان پر کلمۂ اسلام لاتا ہے اور کون کون کلمۂ کفر کا تلفظ کیے جاتا ہے اور اس باطنی حقیقت کا بھی کہ دل سے کون کون ایمان لایا اور کون اب تک دل میں کفر کو جگہ دیئے ہوئے ہے۔ ف۶۶ (اور آپ نے وہ خواب اپنے صحابیوں سے بیان کیا، جس سے اُن کے دل قوی ہوگئے)۔ يُرِيْكَهُمْ۔ میں ضمیر ظاہر ہے کہ لشکر قریش کی جانب ہے۔ آیت سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ خواب کا اپنے ہر ہر جزئیہ کے ساتھ صحیح اترنا پیمبر تک کے لئے ضروری نہیں، چہ جائیکہ عام صالحین امت کے خوابوں کا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ بعض اوقات بعض واقعات کو نبی ﷺ سے بھی مخفی فرما لیتے ہیں۔ (جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ کفار تھے تو زیادہ مگر آنحضرت پر کم منکشف ہوئے) تو پھر غیر نبی کا کیا ذکر ہے اور اس شخص کا کیا کہنا جو اسے اپنے شیخ کے لئے جائز نہ سمجھے اور اس کے کشف وخواب پر جزم کر لے اور یہ واقعہ تو خواب کا ہے لیکن ایسا ہی بیداری میں بھی ممکن ہے جیسا کہ اس کے بعد والی آیت میں آرہا ہے۔ ف۶۷ یعنی اس قیل وقال، بحث ومباحثہ میں پڑ جاتے کہ ایسی حالت میں جنگ کی بھی جائے یا نہیں لَفَشِلْتُمْ اور لَتَنَازَعْتُمْ۔ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرات صحابہ باوجود اپنی قوت قدسی اور مقام عالی کے بہر حال بشر ہی تھے اور بشری کمزوریوں سے محفوظ ومصون نہیں کر دیئے گئے تھے، ف۶۸ (اور اس پر روشن تھا کہ ضعف کن تدبیروں سے پیدا ہوگا اور ہمت کن تدبیروں سے، چنانچہ ویسا ہی اُس نے انتظام کر دیا) سَلَّمَ۔ یعنی اس اختلاف وکم ہمتی کے مظاہر سے تم کو بچالیا۔ ف۶۹ اب ذکر خواب کا نہیں عالم بیداری کا ہو رہا ہے۔ اور بیان اس کا ہو رہا ہے کہ یہ دونوں مشاہدات وواقعات عین حکمت پر مبنی تھے۔ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا۔ مراد دو چیزیں ہیں، ایک تو کافروں کے لشکروں سے مڈبھیڑ کرانا، دوسرے مشرکین کی

سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ۝٤٧ وَاِذۡ زَيَّنَ

سے روکتے تھے درآنحالیکہ اللہ ان کے اعمال کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے ۷۳ اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب

لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الۡيَوۡمَ

شیطان نے انہیں ان کے اعمال خوش نما کر دکھائے ۷۴ اور کہا کہ لوگوں میں سے آج کوئی تم پر

مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىۡ جَارٌ لَّـكُمۡ‌ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الۡفِئَتٰنِ

غالب آنے والا نہیں، اور میں تمہارا حامی ہوں ۷۵ پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں

نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيۡهِ وَقَالَ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّنۡكُمۡ اِنِّىۡۤ

وہ الٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا میں تم سے بری الذمہ ہوں میں

اَرٰى مَا لَا تَرَوۡنَ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ‌ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيۡدُ

وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے میں تو خدا سے ڈرتا ہوں اور اللہ شدید سزا

الۡعِقَابِ ۝٤٨ اِذۡ يَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ

دیتے ہیں ۷۶ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب منافق اور جن کے دلوں میں (شک کی)

مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَۤاءِ دِيۡنُهُمۡ‌ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ

بیماری تھی، یہ کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے گھمنڈ میں ڈال رکھا ہے ۷۷ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ

فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝٤٩ وَلَوۡ تَرٰۤى اِذۡ يَتَوَفَّى الَّذِيۡنَ

کرتا ہے، سو اللہ (بڑا) زبردست ہے (بڑا) حکمت والا ہے، ۷۸ اور کاش آپ دیکھیں جب فرشتے (ان)

كَفَرُوا‌ ۙ الۡمَلٰٓـئِكَةُ يَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَاَدۡبَارَهُمۡ‌ ۚ

کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہوں، مارے جاتے ہوں ان کے منہ پر اور ان کی پشتوں پر

وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ۝٥٠ ذٰ لِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ

اور (کہتے جاتے ہوں) کہ (اب) آگ کی سزا کا مزہ چکھو ۷۹ یہ (عذاب) اس کے پاداش میں ہے جو کچھ تمہارے

ہلاکت وذلت اور اسلام کی فتح و سربلندی۔ کرر هذا لان المعنى فى الاول من اللقاء وفى الثانى من قتل المشركين و اعزاز الدين وهو اتمام النعمة على المسلمين (قرطبی) مفصل حاشیہ سورۂ آل عمران، پارہ ۴ میں گزر چکے۔ ۷۲ (اور اسی کا فیصلہ ہر گمراہ اور ہر راہ یاب کے حق میں ناطق ہوگا) آیت میں اشارہ اس طرف بھی آگیا کہ دنیا میں جو کچھ بھی پیش آرہا ہے یہ بجائے خود مقصود نہیں بلکہ مقصود تمام تر وہ اجر ہے جو ان سے آخرت میں حاصل ہوگا الغرض منه التنبيه على ان احوال الدنيا غير مقصود لذواتها وانما المراد منها ما يصلح ان يكون زادالیوم المعاد (کبیر) ۷۱ یہ حکم عام ہے۔ یہاں یہ بتادیا گیا کہ فلاح کا ذریعہ یہی ثبات قلب وثبات قدم کا اجتماع ہے۔ اور فلاح کے عموم میں شخصی واجتماعی، دنیوی واخروی ہر قسم کی فلاح آگئی۔ اِذَا لَقِيۡتُمۡ فِئَةً۔ اس لقاء یا مڈ بھیڑ ہو جانے سے جہاد میں سامنا ہو جانا مراد ہے۔ فَاثۡبُتُوۡا۔ یعنی پست ہمتی اور بزدلی نہ دکھاؤ وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَثِيۡرًا۔ کہ قلب میں قوت وثبات اسی ذکر الٰہی اور کثرت ذکر الٰہی سے پیدا ہوگی۔ امر بالذكر حتى يثبت القلب على اليقين و يثبت اللسان على الذكر (قرطبی) ۷۲ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ۔ اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت تو ہمیشہ اور ہر حال میں واجب ہے۔ اس بیان میں اس کی تاکید سے مراد یہ ہے کہ حالت جہاد میں بھی احکام شریعت کے دائرہ سے قدم ذرا بھی باہر نہ نکلے، وَلَا تَنَازَعُوۡا۔ کوئی نزاع نہ افراد امت میں باہم ہونی چاہیے نہ امام یا امیر قوم سے۔ یہ اندرونی کشمکش، ڈسپلن (نظم واطاعت) کے حق میں زہر قاتل ہے۔ فَتَفۡشَلُوۡا۔ یہاں گویا یہ اشارہ کر دیا کہ انتشار قوت کا لازمی نتیجہ پست ہمتی ہے۔ وَتَذۡهَبَ رِيۡحُكُمۡ۔ یعنی جو رعب تمہاری یک دلی، یک جہتی، یک رنگی کی بنا پر چھایا ہوا ہے، وہ جاتا رہے گا۔ اے قوتكم ونصركم كما يقال الريح الفلان اذاكان غالباً فى الامر (قرطبی) وَاصۡبِرُوۡا۔ یعنی جو ناگوار حالات گرد و پیش میں پیدا ہوتے رہیں گے۔ اُن پر، بہر حال صبر سے کام لیتے رہو، صبر محمود تو ہر حال میں ہے، موقع قتال پر اور زیادہ۔ امر بالصبر وهو محمود فى كل المواطن وخاصة موطن الحرب (قرطبی) مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ۔ یہ معیت حق خود ضامن نصرت ہے۔ ۷۳ (اور وقت مناسب پر جزاء اعمال بھی دے گا) اَلَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا الخ مراد قریش کے لشکریان بدر ہیں جو ناحق و باطل کی راہ میں حمیت جاہلی کے علمبردار ہو کر لڑنے کو نکلے تھے۔ بَطَرًا۔ اللہ کی طرف سے جب نعمتوں کا فیضان ہونے لگتا ہے تو اب بندہ کے لئے دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انہیں اللہ ہی کی جانب منسوب کرتا رہے اور اسی کی رضا جوئی میں انہیں لگائے اور اس کا نام شکر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اُن سے اپنے معاصرین کے مقابلہ میں فخر کا کام لینے لگے یہی بطر ہے قال الزجاج البطر الطغيان فى النعمة والتحقيق ان النعم اذا كثرت من الله على العبد فان صرفها الى مرضاته وعرف انها من الله تعالىٰ فذلك هو الشكر اما ان توسل بها الى المفاخرة على الاقران والمكاثرة على اهل الزمان فذلك هو البطر (کبیر) وَرِئَآءَ النَّاسِ۔ رئاء کا مفہوم ہے کہ جو شے واقعۃً زشت ہو اُسے خوشنما کر کے ظاہر کرنا۔ الرئاء عبارة عن القصد الى اظهار الجميل مع ان باطنه يكون قبيحا (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سوال یہ پیدا کیا ہے کہ بطر اور رئاء تو اسم ہیں اور یصدون فعل ہے تو یہ بات کیا ہے کہ ایک ہی فقرہ میں ایک وصف تو اسم کے ذریعہ سے ظاہر کیا گیا اور دوسرا فعل کے ذریعہ سے اور پھر خود ہی جرجانی نحوی وادیب کے حوالہ سے جواب دیا ہے کہ اسم دلالت کرتا ہے وصف کے استمرار و تمکین یا مستقل کیفیت پر اور فعل اُس کی وقتی اور عارضی حالت پر، تو یہاں چونکہ فخر و نمائش قریش کا وصف مستقل تھا، اس کے لیے اسم لایا گیا۔ اور مسلمانوں سے مقابلہ ومقاتلہ وقتی وعارضی کیفیت تھی اس کا اظہار فعل سے کیا گیا اور یہ بلاغت قرآنی کا ایک اعجاز ہے۔ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ۔ یہ فخر ونمائش، غرور اور اتراہٹ کے اوصاف آج کی ”مہذب“ فرنگی قوموں اور ان کے لشکروں کی زرق برق وردیوں، اُن کے جھنڈوں اور نشانوں، ان کے فخریہ دعووں اور اعلانوں ان کی توپوں اور جہازوں، اُن کے طیاروں اور آبدوزوں، اُن کی بمباریوں اور اُن کے جوہری بموں پر کتنے صادق آتے ہیں! ۷۴ (جو وہ اسلام و رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کر رہے تھے)۔ آیت میں کالذین بہت غور کے قابل ہے مسلمان ظاہر ہے کہ بطر و رئاء میں جتلا نہ تھے لیکن انہیں تصریح کے ساتھ ممانعت اس امر میں مشرکین کے ساتھ مشابہ ہونے سے بھی کی جارہی ہے۔ آج کے مسلمان سوچیں کہ وہ اولیاء اللہ ہونے کے مدعی ہو کر کن کن چیزوں میں اور کیسی کیسی حرام و مکروہ چیزوں میں مشابہت اعداء اللہ سے حاصل کرتے جارہے ہیں۔ شیطان کی اصلی کارفرمائی یہی تو ہے کہ وہ ہر معصیت، ہر کفر کو انسان کی نظر میں خوشنما و دلفریب بنادیتا ہے اس سے زیادہ کوئی قوت اُسے ہرگز حاصل نہیں۔ انسان کی تربیت اگر صحیح ہوئی ہے۔ اور اُس نے اپنی عقل سلیم سے کام لینا سیکھ لیا ہے تو وہ ہر ترغیب شیطانی سے محفوظ رہے گا۔ ۷۵ قال سے یہ مراد نہیں کہ شیطان نے یہ گفتگو زبان اور الفاظ کی مدد سے کی ہو۔ دل میں اس کی وسوسہ اندازی کا مفہوم پوری طرح قول سے ادا ہو جاتا ہے لفظ قول عربی زبان میں بڑی ہی وسعت رکھتا ہے اور ہر طرح کی دلالت حال پر شامل ہے۔ لَا غَالِبَ لَكُمُ الۡيَوۡمَ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی اپنی قوت وحشمت کو دیکھ کر وسوسۂ شیطانی سے یہ خیال سرداران قریش کے دل میں گزرا۔ اِنِّىۡ جَارٌ لَّـكُمۡ۔ جار یہاں حامی و پشت پناہ کے معنی میں ہے اور یہ مفہوم عربی زبان میں عام ہے۔ معنى الجار ههنا الدافع عن صاحبه انواع الضرر كمايدفع الجار عن جاره والعرب تقول انى جار لكم من فلان اى حافظ لك من مضرته فلا يصل اليك مكروه منه (کبیر) حسن بصری اور اصم تابعی اور دوسرے محققین سے بھی منقول ہے کہ شیطان مجسم ہو کر سامنے نہیں آیا تھا

اَیۡدِیۡکُمۡ وَ اَنَّ اللّٰہَ لَیۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ ﴿۵۱﴾ کَدَاۡبِ

ہاتھوں نے سمیٹا ہے اور اللہ ہرگز ظالم نہیں ہے بندوں کے حق میں ف۸۰ ان کی حالت ایسی ہی ہے جیسے

اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ

فرعون والوں کی اور ان لوگوں کی تھی جو ان سے قبل تھے (کہ) انہوں نے آیات الٰہی سے

اللّٰہِ فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ بِذُنُوۡبِہِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ شَدِیۡدُ

کفر کیا سو اللہ نے انہیں پکڑ لیا ان کے (ان) گناہوں پر، بیشک اللہ بڑی قوت والا ہے، سخت سزا دینے

الۡعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمۡ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعۡمَۃً

والا ہے و۸۱ یہ (سب) اس سبب سے ہے کہ اللہ کسی نعمت کو جس کا انعام وہ کسی قوم پر

اَنۡعَمَہَا عَلٰی قَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ ۙ وَ اَنَّ اللّٰہَ

کر چکا ہو نہیں بدلتا جب تک کہ وہی لوگ اس کو نہ بدل دیں، جو کچھ اُن کے پاس ہے، و۸۲ اور بیشک اللہ

سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿ۙ۵۳﴾ کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡ

خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے، و۸۳ اُن کی حالت فرعون والوں کی سی ہے اور اُن لوگوں کی سی جو ان سے

قَبۡلِہِمۡ ؕ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ فَاَہۡلَکۡنٰہُمۡ بِذُنُوۡبِہِمۡ

پہلے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کو جھٹلایا سو ہم نے انہیں ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا

وَ اَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ ۚ وَ کُلٌّ کَانُوۡا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ

اور ہم نے فرعون والوں کو تو غرق ہی کر دیا اور (وہ) سب (کے سب) ظالم تھے و۸۴ بیشک

شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَہُمۡ لَا

بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ کافر ہیں سو وہ ایمان تو

یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿ۖ۵۵﴾ اَلَّذِیۡنَ عٰہَدۡتَّ مِنۡہُمۡ ثُمَّ یَنۡقُضُوۡنَ

لانے کے نہیں جن سے آپ (بار بار) عہد لے چکے ہیں پھر بھی اپنا عہد وہ ہر بار

ملکہ اُس نے وسوسہ اندازی ہی کی تھی۔ وفی کیفیة هٰذا التزیین وجهان، الاول ان الشیطان زین بوسوسته من غیر ان یتحول فی صورة الانسان وهو قول الحسن والاصم (کبیر) وسوس الیهم (کشاف) و۷۶ جتنا علم شیطان کو اللہ کی عظمت وقوت کا ہے اتنا تو انسان کو بھی نہیں اور یہ خوف اسی علم سے پیدا ہوا، اس لئے اس کا یہ کہنا محل اشکال نہیں اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ شیطان میں بھی خوف خدا کی بنا پر ایمان کی جھلک موجود ہے تَرَآءَتِ۔ یعنی اس طرح دونوں لشکر جمع ہوئے کہ ایک نے دوسرے کو دیکھا۔ الۡفِئَتٰنِ۔ سے مراد بدر میں مومنوں اور کافروں کی جماعتوں کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اِنِّیۡۤ اَرٰی مَا لَا تَرَوۡنَ۔ سے مراد ہر خدائی قوت ہو سکتی ہے۔ سیاق میں فرشتوں کا وجود زیادہ لگتا ہوا ہے۔ وفیه وجوه الاول انه رای الملائکة والثانی انه رای اثر النصرة والظفر فی حق النبی علیه السلام (کبیر) اَخَافُ اللّٰہَ۔ خوفِ خدا سے لازمی طور پر خوف آخرت مراد نہیں ہو سکتا ہے کہ شیطان اسی سے ڈرا ہو کہ کہیں یہیں اور ابھی میری خبر نہ لے لی جائے مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے کئی مسئلے نکلتے ہیں مثلاً:۔ (۱) شیطان جس طرح وسوسہ ڈالتا ہے، کبھی اُسے ترک بھی کر دیتا ہے، جیسا کہ یہاں اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ۔ میں اس کی مثال موجود ہے اور یہ ترک وہ اُس وقت کرتا ہے جب دیکھ لیتا ہے کہ انسان بغیر میرے وسوسہ کے بھی گناہ کرے گا۔ (۲) کشف اہل باطل کے لئے بھی ممکن ہے۔ چنانچہ یہاں شیطان کو ملائکہ مکشوف ہو گئے۔ (۳) اللہ تعالیٰ سے محض طبعی خوف کا ہونا کافی نہیں۔ مطلوب خوف ایمانی ہے۔ و۷۷ (کہ اُس میں آ کر یہ اس بے سروسامانی پر اتنے زبردست لشکر سے مقابلہ کا حوصلہ کر بیٹھے ہیں) حالات ظاہری کی بنا پر منافقوں اور کچے ایمان والوں کا ایسا کہہ گزرنا بالکل قدرتی تھا۔ اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ۔ منافقون سے تو منافقین مدینہ کا مراد ہونا ظاہر ہی ہے۔ الذین فی قلوبهم مرض سے مکہ کے کچے دل کے مسلمان مراد ہیں۔ هم قوم من قریش اسلموا وما قوی اسلامهم فی قلوبهم ولم یهاجروا (کبیر) و۷۸ (وہ اپنے مومنین متوکلین کو ہر حال میں غلبہ دلا سکتا ہے اور جب نہیں دلاتا تو یہ بھی کسی خاص حکمت مصلحت ہی کے ماتحت ہوتا ہے) و۷۹ یعنی یہ تکلیفیں تو صرف نزع وسکرات کی ہیں۔ ابھی کیا ہے ابھی آگے چل کر عذاب جہنم کو برداشت کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ واضح رہے کہ قرآن مجید نے نزع وسکرات کی یہ ہولناک تفصیلات جہاں بھی بیان کی ہیں وہاں یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ یہ کافروں اور دشمنانِ دین کے لئے ہیں۔ مطلق موت کا جہاں ذکر ہے وہاں الفاظ "غمرات" یا "سکرة" وغیرہ ایسے رکھے ہیں جن کا مفہوم لازمی طور پر تکلیف ہی کا نہیں بلکہ مطلق غفلت، غشی اور بے ہوشی کو شامل ہے۔ متکلمین نے آیت سے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ انسان جس شے کا نام ہے وہ اس جسم سے الگ ہے اور اس کا اطلاق روح پر ہوتا ہے۔ قال الواحدی هٰذا یدل علیٰ ان الانسان شیء مغائر لهٰذا الجسد (کبیر) یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡہَہُمۡ وَ اَدۡبَارَہُمۡ۔ سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لطیف نکتہ بھی نکالا ہے کہ کافر کی روح جب دنیا سے روانہ ہوتی ہے تو دنیا کے چھوٹنے کا تو اسے صدمہ ہوتا ہی ہے ادھر آخرت پر جب نظر کرتی ہے تو اُدھر بھی تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے اس طرح اُس پر آگے اور پیچھے دونوں طرف سے گویا دہری مار پڑتی ہے۔ فیه معنی اخرا لطف منه وهوان روح الکافر اذاخرج من جسده فهو معرض عن عالم الدنیا مقبل علی الأخرة وهو لکفره لایشاهد فی عالم الأخرة الا الظلمات فبسبب مفارقته لعالم الدنیا تحصل له الألام بعد الألام و بسبب اقباله علی الأخرة مع علم النور والمعرفة ینتقل من ظلمات الیٰ ظلماتٍ فیا تان الجهتان هما المراد من قوله یضربون وجوههم وادبارهم و۸۰ (جیسا کہ مشرک قوموں نے اپنے اپنے دیوتاؤں کے حق میں گمان کر رکھا ہے) بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ۔ تصریح کر دی ہے کہ عذاب جو کچھ بھی ہوگا کفر کے پاداش ہی میں ہوگا، خواہ مخواہ ہرگز نہ ہوگا، یہ تصریح مشرک قوموں کی اُن خام خیالیوں کی تردید میں ضروری تھی جو وہ اپنے معبودوں کے جبار وظلام ہونے کے متعلق قائم کئے ہوئے تھے۔ و۸۱ (جس کی گرفت سے ان لوگوں کو کوئی بھی مادی قوت وتدبیر نہ بچا سکی) خدائے اسلام جس طرح ظالم وجابر نہیں اسی طرح مشرکوں کے بعض دیوتاؤں کی طرح عضو معطل اور بے دست و پا بھی نہیں، کہ سب کچھ دیکھے اور محض دیکھتا رہ جائے، اُس کی گرفت بھی اُس کے مرتبہ عظمت وحرمت کے لحاظ سے شدید و بے پناہ ہوتی ہے۔ کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ۔ تشبیہ کفر وعناد مسلسل پر معذب ہونے میں ہے۔ اَلَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ۔ ظاہر ہے کہ وہ کافر ومشرک قومیں مراد ہیں جو فرعون سے بھی پہلے تھیں۔ و۸۲ یعنی جب تک کوئی قوم خود اپنی حالت اُس سے مختلف نہ کر لے جو نزولِ نعمت کے وقت اُس کی تھی اور اپنے اندر بجائے ایمان وطاعت کے کفر وخباثت پیدا کر لے، نعمت اور خبث کا اجتماع خلاف حکمت الٰہی ہے۔ ذٰلِکَ۔ یعنی یہی قانون جو اوپر بیان ہوا۔ یہ کہ بے جرم مدید اللہ کسی کو سزا نہیں دیتا اور جب سزا دینا چاہتا ہے تو کوئی اُسے روک نہیں سکتا۔ نِعۡمَۃً۔ کا لفظ عام ہے دنیوی واُخروی، مادی وروحانی، انفرادی وقومی سب ہی طرح کی نعمتیں اس میں آ گئیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت کے عموم میں وہ صورت بھی داخل ہے کہ سالک سے جب کوئی معصیت سرزد ہو جاتی یا کوئی طاعت ترک ہو جاتی ہے تو اس سے انوار وبرکات مقصودہ منقطع ہو جاتے ہیں۔ و۸۳ چنانچہ وہ ہر تغیر قولی کو سن رہا ہے اور ہر تغیر فعلی کو جان رہا ہے۔ و۸۴ عذاب جن جن کو بھی آیا، کفر ونافرمانی کی پاداش ہی میں آیا۔ کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ۔ یہ تشبیہ تغیر نعمت کے لحاظ سے

عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّ هُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا

توڑ ڈالتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں ف۸۵ سو اگر

تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ

آپ انہیں جنگ میں پا جائیں تو ان کے ذریعہ سے ان لوگوں کو منتشر کر دیں جو ان کے علاوہ ہیں،

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ

تا کہ وہ لوگ سمجھ جائیں ف۸۶ اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ (وہ عہد) ان کی

اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ ع وَ لَا

طرف اسی طرح واپس کر دیں بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ف۸۷ اور

يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

کافر لوگ یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے یقیناً وہ لوگ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ف۸۸

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ

اور ان سے مقابلہ کے لئے جس قدر بھی تم سے ہو سکے سامان درست رکھو قوت سے اور

رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ

پلے ہوئے گھوڑوں سے جس کے ذریعہ سے تم اپنا رعب رکھتے ہو اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر ف۸۹

وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ

اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی کہ تم انہیں نہیں جانتے۔ اللہ انہیں جانتا ہے ف۹۰

وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ

اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا

اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ

دے دے گا اور تمہارے لئے (ذرا بھی) کمی نہ ہو گی ف۹۱ اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف

ف۸۵ اشارہ خاص یہود بنی قریظہ کی جانب ہے جو رسول اللہ ﷺ سے بار بار یہ معاہدہ کرتے کہ ہم آپ کے مقابلہ میں مشرکین کی مدد نہ کریں گے، اور پھر جا کر انہی کے شریک ہو جاتے۔ قال ابن عباس هم قريظة (کبیر) شَرَّ الدَّوَآبِّ۔ کافر تو سب ہی اللہ کے ہاں بدتر مخلوق ہیں، ان میں بھی بدترین وہ ہیں جنہوں نے کفر پر بدعہدی کا اضافہ کر لیا۔ بيّن تعالٰى انّ من جمع بين الكفر الدائم وبين نقض العهد على هٰذا الوجه كان شرالدواب (کبیر) مِنْهُمْ۔ میں من تبعیض کے لئے ہے کہ معاہدہ ان کے سرداروں اور اشراف ہی سے ہوتے تھے۔ ومن للتبعيض لان العهد انما كان يجرى مع اشرافهم (قرطبی) وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ۔ یعنی نہ ان کے دلوں میں خوف خدا ہے اور نہ یہ انجام کار سے ڈرتے ہیں ف۸۶ (کہ عہد شکنی کا انجام یہی ہوتا ہے) لعلهم يتعظون (کشاف) حتى لا يجسر عليك احد بعدهم اعتبارًا بهم و اتعاظاً بحالهم (کشاف) تَثْقَفَنَّهُمْ۔ یعنی آپ ان پر قابو پا جائیں۔ فاما تصادفنهم وتظفرن بهم (کشاف) قال الليث يقال ثقفنا فلانا فى موضع كذا اے اخذناه وظفرنا به (کبیر) فَشَرِّدْ بِهِمْ۔ یعنی ان کے واسطے، انہیں نمونہ بنا کر انہیں پارہ پارہ کر دے۔ التشريد عبارة عن التفريق مع الاضطراب (کبیر) والتشريد فى اللغة التبديد والتفريق (قرطبی) مَنْ خَلْفَهُمْ۔ خلف یہاں علاوہ کے معنی میں ہے اور من، الذی کے مرادف ہے۔ اے من ورائهم (کشاف) من بمعنى الذى (قرطبی) ف۸۷ قرآن مجید کی اس قسم کی آیتیں عربی اسلوب بیان کے مطابق ہیں، اردو ادب میں ایسے موقع پر کہا جائے گا کہ اللہ خائنوں کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً۔ یعنی اس قوم نے ابھی بدعہدی عملاً کی نہ ہو لیکن قرائن سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ بدعہدی کرنے پر ہے۔ اے اذا ظهرت آثار الخيانة وثبت دلائلها (قرطبی) فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ۔ یعنی اسی طرح اس عہد کے باقی نہ رہنے کی اطلاع اُس فریق کو کر دیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ امر واجب نہیں، تخییری ہے۔ اور امام کے اختیار تمیزی پر موقوف ہے۔ عَلٰى سَوَآءٍ۔ یہ اعلان استرداد معاہدہ کی تاکید اس لئے ہے کہ کہیں مخالفین نقض عہد کی ابتداء مسلمانوں کے سر نہ ڈال دیں۔ لئلا يتوهموا انك نقضت العهد بنصب الحرب (جصاص) ف۸۸ یعنی یہ کہ اس کی گرفت سے بچ کر نکل جائیں۔ ف۸۹ (اور اس دشمنی کی علت ان لوگوں کا کفر ہے) آیت میں بڑی گہری حقیقت کی تعلیم ہے، وہ یہ کہ اہل کفر تو برابر تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن رہا ہی کریں گے، تم ان سے مقابلہ کے لئے ہمیشہ تیار رہو۔ ان کی طرف سے غافل کبھی نہ ہو اور اپنے پاس وہ سامان برابر تیار رکھو جن سے ان پر ہیبت طاری ہوتی ہو اور ان کے دل دہلتے ہوں۔ مِنْ قُوَّةٍ۔ قوة کا لفظ عام ہے، عددی قوت، سامانِ جنگ کی قوت، آلاتِ حرب کی قوت، سب کچھ اس کے اندر آ گیا، یہاں تک کہ بڑھے ہوئے ناخن بھی، وقدروى فى القوة انها الرمى (جصاص) عموم اللفظ شامل لجميع ما يستعان به على العدو من سائر انواع السلاح وآلات الحرب (جصاص) عن الحكم بن عمير قال امر رسول الله ﷺ ان لا نحفى الاظفار فى الجهاد وقال ان القوة فى الاظفار وهٰذا يدل على ان جميع ما يقوى على العدو فهو مامور باستعداده (جصاص) اے من كل ما يتقوى به فى الحرب كائنا ما كان (روح) صاحب روح المعانی نے آیت کے تحت میں بندوق کا ذکر تصریح کے ساتھ کیا ہے اور اگر آج ہوتے تو مشین گن، طیارہ، اور ٹینک اور جیپ اور ایٹم بم وغیرہ سب کے نام لکھ جاتے رِبَاطِ الْخَيْلِ۔ سوار فوج کی اہمیت اس حکم سے ظاہر ہے، موجودہ جنگوں میں سوار فوج کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ وضمیمہ، ف۹۰ یہاں اشارۃً یہ بتا دیا کہ علاوہ ان کافروں کے جن سے تمہارا سابقہ رہا کرتا ہے کچھ اور بھی قومیں ہیں جو ابھی تمہارے علم میں نہیں، مگر اللہ کے علم میں تو ہے کہ کبھی اُن سے بھی تمہاری مڈبھیڑ ہو گی۔ اس میں ایران کے مجوسی اور روما کی مسیحی قومیں تو آ ہی گئیں، جن سے آگے چل کر حضرات صحابہ کو معرکہ آرائی کرنی پڑی، باقی قیامت تک کی ساری مخالف قومیں آ سکتی ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان آیتوں میں جو تدابیر حرب وسیاست بتائی گئی ہیں اُن سے صاف دلالت اس امر پر ہو رہی ہے کہ یہ سیاسی تدبیریں بڑے سے بڑے کمالاتِ باطنی کے بھی منافی نہیں، جیسا کہ غالی وناقص صوفیہ نے خیال کر رکھا ہے۔ ف۹۱ نفس کو مال خرچ کرنے میں بڑی تنگی اسی خیال سے پیدا ہوتی ہے کہ یہ ضائع جا رہا ہے۔ اور اس کے معاوضہ میں حاصل کچھ نہ ہو گا۔ یہاں اسی خیال کی جڑ کاٹ دی ہے اور اطمینان دلایا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کھوئیں گے کچھ بھی نہیں بلکہ سب وہاں پر حاصل کر لیں گے اور ان کے اجر میں ذرا بھی کمی نہ کی جائے گی۔

فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ وَ اِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ لا وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ

تو (آپ کو اختیار ہے کہ) آپ بھی اس طرف جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیے، بے شک وہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے ف ۹۲ اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ آپ کے لئے کافی ہے وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعہ سے قوت دی ف ۹۳ اور اس نے ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کر ڈالتے جب بھی ان کے قلوب میں اتحاد نہ پیدا کر سکتے لیکن اللہ نے ان میں اتحاد پیدا کر دیا بے شک وہ بڑا قدرت والا بڑا حکمت والا ہے، ف ۹۴ اے نبی آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور وہ مومنین بھی جنھوں نے آپ کا اتباع کیا ہے ف ۹۵ اے نبی مومنین کو قتال پر آمادہ کیجیے ف ۹۶ اگر تم میں سے بیس آدمی بھی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آ جائیں گے اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں

ف ۹۲ اس میں تعلیم اس کی آگئی کہ احکام خداوندی کے ماتحت ظاہری تدابیر اختیار کرتے رہئے اور مخالفوں کو جھکتے ہوئے دیکھئے تو آپ بھی صلح کے مجاز ہیں۔ لیکن اصل اعتماد اللہ ہی پر رکھیے۔ اس کا ہر حکم مصالح پر مبنی ہوتا ہے۔ وہی بندوں کے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور وہی باطن کو بھی۔ وَاِنْ جَنَحُوْا۔ مراد ظاہر ہے کہ کفار معاندین ہیں۔ فَاجْنَحْ لَهَا۔ ضمیر مونث السَّلْمِ کی جانب ہے۔ سلم مذکر بھی ہے اور مونث بھی السلم یذکر ویونث (ابوالبقاء) یذکر ویونث (لسان تاج) فَاجْنَحْ لَهَا۔ یہ حکم نہیں ہے صرف اجازت ہے یعنی آپ اگر مصلحت صلح ہی میں دیکھیں تو کر سکتے ہیں۔ یہ آپ کے اختیار تمیزی پر ہے۔ صحح ان الامر فی من تقبل منهم الجزیة علی ما یری فیه الامام صلاح الاسلام واهله من حرب اوسلم ولیس بحتم ان یقاتلوا ابدا ویجابوا الی الهدنة ابدا (روح) وعقد الصلح لیس بلازم للمسلمین وانما هو جائز باتفاقهم اجمعین (ابن العربی) ف ۹۳ (اور جس طرح اس نے یہ ماضی میں کیا، مستقبل پر بھی وہی قادر ہے) اَنْ يَّخْدَعُوْكَ۔ یعنی اسی صلح ومصالحت کی آڑ میں وہ آپ کو دھوکا دینا چاہیں۔ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ۔ یہ محض اتفاق نہیں، اتفاق سے کچھ زائد ہی ہے کہ آیت کے نزول کے بعد کسی موقع پر بھی رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کید وخدع سے کامیابی ثابت نہیں۔ بِنَصْرِهٖ۔ کوئی خاص نصرت غیبی مثلاً نزولِ ملائکہ۔ بِالْمُؤْمِنِيْنَ۔ دین کی ظاہری نصرت ظاہر ہے کہ مسلمانوں ہی کے ذریعہ سے ہوئی۔ ف ۹۴ وہ جو چاہے اپنی قدرت سے اور جس طریق مناسب سے چاہے اپنی حکمت سے کر دکھائے۔ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ۔ یہ اللہ کی کریمی اور کارسازی تھی کہ مسلمانوں سے نسلی، قبائلی، لسانی تفریقیں مٹ مٹا کر سب نصرتِ دین پر متحد ویکجا ہو گئے۔ بغیر اس یکجہتی کے نصرتِ دین پوری طرح پر ممکن ہی نہ تھی۔ اللہ کا خاص موقع احسان پر اس نعمت اتحاد کو یاد دلانا دلیل ہے اس کی کہ یہ نعمت کتنی اہم وعظیم الشان ہے۔ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ۔ یعنی باوجود اس کے کہ آپ دنیا بھر میں سب سے بڑھ کر صاحب حکمت، صاحب تدبیر ہیں، آپ تک سارے ممکن مالی ذرائع کے استعمال کے بعد بھی اس نعمت اتحاد واتفاق پر قادر نہ ہو پاتے۔ یہ تو محض فضل خداوندی کا کرشمہ ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ سے یہ بھی نکلتا ہے کہ قلب میں کسی صفت محمود کا پیدا کر دینا شیخ کے اختیار میں نہیں ف ۹۵ (مرتبہ حقیقی میں صرف اللہ۔ اور درجہ ظاہری میں مومنین متبعین بھی۔ ف ۹۶ (خواہ وہ طبعاً آمادہ ہوں یا نہ ہوں) حَرِّضْ۔ کے لفظ سے اشارہ ادھر ہو رہا ہے کہ مسلمان سب کے سب اور ہر وقت آمادہ قتال اور جنگجو نہ تھے جیسا کہ مسیحی مصنفین نے ایک الزام تراش رکھا ہے، بلکہ انہیں قتال پر آمادہ کرنے کی ضرورت تھی۔ اَلْقِتَالِ۔ واضح رہے کہ قرآن وشریعت نے اسلامی غزوات وجہاد کو قتال ہی سے تعبیر کیا ہے اور حرب کا لفظ جس کے ساتھ کید وخدع کی یادیں وابستہ ہیں، کافروں کی جنگ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔

وف۹۷ (اور چونکہ سمجھ سے کام نہیں لیتے اس لئے کفر پر مصر ہیں اور اس لئے امدادِ غیبی سے محروم ہیں اور بہ آسانی مغلوب ہو جاتے ہیں) ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائة یغلبوا الفا من الذین کفروا اعداد کی یہ نسبت یاد دلانے سے مقصود یہ کہنا ہے کہ تم پر واجب ہے کہ اپنے سے دس گنے لشکر کے مقابلہ میں بھی پسپا نہ ہو۔ اِنْ یَّکُنْ۔ سے دونوں جملہ جو شروع ہوئے ہیں اُن سے مراد یہاں کوئی خبر دینا یا پیشگوئی کرنا نہیں بلکہ مقصود حکم دینا ہے کہ اپنے سے بڑی جمعیت کے مقابلہ میں بھی ثابت وقائم رہو اور گریز اختیار نہ کرو۔ قرار واجب ہے اور فرار حرام۔ عربی زبان اور بلاغت قرآنی کا یہ ایک عام اسلوب بیان ہے کہ زور دتا کید کے موقع پر حکم وجوبی کو خبر کی صورت میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ وان کان لفظه لفظ الخبر فمعناه الامر (جصاص) لیس المراد منه الخبر بل المراد الامر (کبیر) شرط فی معنی الامر (بیضاوی) قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ۔ فتح وغلبہ میں بڑا دخل اعتقادِ صحیح وثباتِ قلب کو ہے اور یہ نعمتیں ایمان ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ عِشْرُوْنَ...... مِائَتَیْنِ۔ مِائَةٌ...... اَلْفًا۔ بعض اہل تفسیر نے یہ نکتہ آفرینی بھی کی ہے کہ بجائے محض دس گنا کہنے کے یہاں جو متعین بڑے بڑے اعداد ارشاد ہوئے ہیں اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ امرِ جہاد موقوف ہے جماعت وفوج پر، یہ نہیں کہ ایک ایک، دو دو آدمی بھی جہاد کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ وف۹۸ (اور جوش طبعی طور پر سرد پڑ ہی جاتا ہے جب تعداد قلیل سے کثیر ہو جاتی ہے) اَلْـٰٔنَ۔

لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ

جو کچھ نہیں سمجھتے ۹۷ اب اللہ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ

فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ

تم میں جوش کی کمی ہے ۹۸ سو (اب) اگر تم میں سے سو ثابت قدم ہوں

يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ

تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب رہیں گے

بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ

اللہ کے حکم سے اور اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے ۹۹ نبی کی شان کے لائق نہیں

يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ

کہ اس کے قیدی (باقی) رہیں جب تک وہ زمین میں اچھی طرح خون ریزی نہ کر لے تم لوگ دنیا کا

عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ

مال اسباب چاہتے ہو، اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ بڑا قوت والا ہے،

حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ

بڑا حکمت والا ہے، ۱۰۰ اگر اللہ ہی کا ایک قانون پہلے سے نہ ہوتا تو جو امر تم نے اختیار کیا اس کے بارہ میں

اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا

تم پر کوئی سخت سزا نازل ہوتی ۱۰۱ سو جو کچھ تم نے ان سے لیا ہے اس کو حلال پاک

طَيِّبًا ۖؗ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ يٰۤاَيُّهَا

سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۰۲ اے

النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ

نبیؐ ان قیدیوں سے کہہ دیجیے جو آپ کے ہاتھ میں ہیں کہ اگر اللہ کو

ع ۹

یعنی ایک مدت کے بعد۔ پچھلی آیت اور اس آیت کے نزول کے درمیان ایک خاصہ طویل وقفہ گزرا ہے۔ خَفَّفَ۔ کے لفظ سے ادھر اشارہ ہے کہ اصل قاعدہ اور وعدہ تو وہی رہا جو اوپر بیان ہو چکا۔ صرف مشقت تم پر گھٹا دی گئی۔ یعنی اب اگر تم متحمل نہ ہو سکو اور ذرا لڑکھڑا جاؤ تو ویسی گرفت نہ ہوگی۔ ضَعْفًا۔ سے یہاں قوائے جسمانی کی کمی مراد نہیں بلکہ جوش وہمت کی کمی مراد ہے۔ لم یرد به ضعف القوی والابدان وانما المراد ضعف النیة لمحاربة المشرکین (جصاص) قال الخلیل الضعف فی العقل والرای (راغب) وف۹۹ (تو مدار نصرت وتائید غیبی کا بھی صبر وثابت قدمی پر ہے) بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ کی قید نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ غلبہ وکامیابی خود بخود مشین کی طرح نہ حاصل ہو جائے گی بلکہ تمام تر اذنِ الٰہی ہی کے طفیل میں ہوگی، اور یہیں سے یہ پہلو بھی نکل آیا کہ اگر کسی موقع پر حکمت الٰہی اس اذن کی مقتضی نہ ہوئی تو نصرت وغلبہ بھی نہ ہوگا۔ اس قید سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ نظر اسباب ظاہری سے کہیں زیادہ مسبب حقیقی پر رکھنی چاہیے۔ وف۱۰۰ وہ جب اور جس کو چاہے کافروں پر غالب اور فتوحات سے مالا مال کر دے اور جب اور جس کے لئے چاہے کسی حکمت کے تقاضہ سے اس نتیجہ میں تاخیر کر دے۔ آیت کا پس منظر یہ ہے کہ معرکہ بدر کے بعد غنیم کے ۷۰ آدمی گرفتار ہو کر آئے۔ سپہ سالار اعظم ﷺ نے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے، اکثر اہل شوریٰ کی رائے ہوئی کہ اس وقت اُمت کو بڑی ضرورت روپیہ کی ہے اور مصالحِ ملت کا تقاضا ہے کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ خود آپ بھی اپنی خلقی رحم دلی کے مقتضاء سے اسی طرف مائل ہو رہے تھے۔ چنانچہ چند تو قتل کئے گئے اور باقی فدیہ لے کر بلکہ ایک تو بلا فدیہ ہی چھوڑ دیے گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ۔ اثخان کے لفظ اور اس کے لغوی معنی پر بہت بحث ہوئی ہے لیکن اصل شے اس اثخان یا خونریزی کی غایت ومقصود ہے اور وہ فساد کی جڑ کٹنا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ پیمبر کو قتل وقتال اُس وقت تک جاری رکھنا ہے جب تک فساد کی بیخ کنی نہ ہو جائے۔ الی ان یعز الاسلام بذل الکفر واهله (تھانوی) یعنی حتی یذل الکفر باشاعة القتل فی اهله ویعز الاسلام بالاستیلاء والقهر (مدارک) تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ۔ بندے لاکھ صالح ومتقی سہی بہرحال ان کی نظر سطحی اور محدود ہی ہوگی۔ یہ تو صرف خدائی حکمت تھی جسے منظور یہ تھا کہ دشمنانِ توحید بالکل مقہور ومغلوب ہو جائیں ان کا زور ہر طرح ٹوٹ جائے اور لوگ آزادی کے ساتھ جوق در جوق مسلمان ہونے لگیں۔ توریت کا قانون ایسے موقع پر یعنی جب غنیم کے شہر پر قبضہ ہو جائے تو حسب ذیل ہے:۔ ”جب خداوند تیرا خدا اُسے تیرے قبضہ میں کر دیوے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر، مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو، اس کا سارا لوٹ اپنے لئے لے۔“ (استثناء ۲۰: ۱۳، ۱۴) ”انہوں نے بارہ ہزار مرد بہادر روانہ کئے اور انہیں حکم دیا کہ عاد کے باشندوں کو جا کے عورتوں اور بچوں سمیت قتل کرو اور یہ وہ کام ہے جس کام کو کرنا ضرور ہے کہ سارے مردوں اور عورتوں کو جو مرد سے ہم بستر ہوئی ہوں ہلاک کر دینا۔“ (قاضیون ۲۱: ۱۱) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خطائے اجتہادی جب معصوم تک کے لئے جائز ہے تو شیوخ غیر معصوم کے متعلق امتناع خطا کا اعتقاد کس درجہ غلو وقبیح ہے۔ وف۱۰۱ قانونِ الٰہی یہی ہے کہ خطائے اجتہادی پر سزا نہیں ہے تو اگر یہ قانون میں بتایا پہلے سے موجود نہ ہوتا تو مسلمانوں کی یہ غلطی تھی تو سخت مواخذہ اور سزا کے قابل۔ ان لا یعذب احدا علی العمل بالاجتهاد وکان هذا اجتهادا منهم (مدارک) وهو ان لا یعاقب المخطی فی اجتهاده (بیضاوی) وف۱۰۲ چنانچہ شانِ غفوریت کے تقاضہ سے اُس نے تمہاری یہ خطا معاف کر دی۔ اس پر کچھ گرفت نہ کی۔ اور شانِ رحمت کے تقاضہ سے زرِ فدیہ کو تمہارے لئے حلال وطیب بھی قرار دے دیا۔ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ یعنی جو کچھ فدیہ ان کافروں سے وصول ہو گیا ہے اُس کے جائز وپاک ہونے میں شک وشبہ نہ کرو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اس تقویٰ کا اقتضاء یہ ہے کہ آیندہ ہر طرح کی احتیاط زیادہ رکھو گے۔

وٓ١٠٣ (اسی دنیا میں) حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ مجھے معرکہ بدر کے بعد فدیہ میں ۲۰ اوقیہ دینے پڑے تھے (اور اوقیہ ۴۰ درہم یعنی تقریباً دس روپے کا ہوتا ہے گویا ۲۰ اوقیہ تقریباً (۲۰۰ کے برابر ہوئے) اور آج میرے پاس غلام بھی ۲۰ ہیں اور ہر غلام مالدار ہے پس دنیا میں وعدۂ الٰہی کا ظہور تو یوں نمایاں طور پر ہوگیا۔ فِیْ قُلُوْبِکُمْ خَیْرًا۔ اس سے مراد ایمان ہے اے خلوص ایمان وصحۃ نیۃ (مدارک) ایمانا و اخلاصا (بیضاوی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اس پر دلالت ہے کہ طاعت سے دنیا وآخرت دونوں کے برکات حاصل ہوتے ہیں خواہ مال کی صورت میں یا مقاماتِ باطنی کی صورت میں۔ وٓ١٠٤ (اور ان صفات کا ظہور کامل آخرت میں ہوگا) آیت کے پہلے ٹکڑے میں ذکر دنیوی انعام کا ہے اور اس ٹکڑے میں اُخروی انعام کا۔ وٓ١٠٥ (اور اُن کی خیانت کو چلنے نہ دیا) مطلب یہ ہے کہ اگر اُن کی نیت خالص نہ بھی ہو، اور اُن کا مقصود آپ کو دھوکا ہی دینا ہو، جب بھی آپ تشویش نہ کیجئے۔ اللہ اُن کی چالاکی چلنے نہ دے گا۔ اور انہیں

اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ

تمہارے قلب میں نیکی کا علم ہوگا تو جو کچھ تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا وٓ١٠٣

وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷۰﴾ وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا

اور تمہیں بخشش دے گا اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے وٓ١٠٤ اور اگر یہ آپ سے خیانت کرنے کا

خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ

ارادہ رکھتے ہوں تو یہ اس کے قبل اللہ سے بھی خیانت کر چکے ہیں پھر اس نے انہیں گرفتار کرادیا وٓ١٠٥

وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۷۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا

اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے، وٓ١٠٦ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی

وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

اور اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد بھی کیا اللہ کی راہ میں وٓ١٠٧

وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ

اور جن لوگوں نے (انہیں) پناہ دی اور (ان کی) مدد کی یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں وٓ١٠٨

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ

اور جو لوگ ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے کوئی تعلق میراث

مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا ۚ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ

کا نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں وٓ١٠٩ اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں

فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ

دین کے کام میں تو تم پر واجب ہے مدد کرنا وٓ١١٠ بجز اس کے کہ اُس قوم کے مقابلہ میں ہو جس کے اور

وَ بَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۷۲﴾ وَ الَّذِیْنَ

تمہارے درمیان معاہدہ ہو اور اللہ خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو وٓ١١١ اور جو لوگ

آپ کے ہاتھ میں گرفتار کرادے گا جیسا کہ اس کے قبل جنگ بدر میں کر چکا ہے۔ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ۔ یعنی یہ اگر دل سے مسلمان نہیں ہیں بلکہ محض اظہار اسلام سے آپ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ خیانۃ کا لفظ وسیع ہے۔ ہر قسم کی چالاکی اس کے تحت میں داخل ہے۔ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ۔ اور آپ کی مخالفت کر چکے اور آپ کے مقابلہ میں آچکے ہیں۔ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ۔ یعنی اللہ نے انہیں آپ کے قابو میں دے دیا۔ مثلاً معرکہ بدر میں۔ اے اقدرک علیهم جسما رایت فی البدر (روح) وٓ١٠٦ چنانچہ وہ خوب جانتا ہے کہ خائن کون کون ہے اور کوئی نہ کوئی تدبیر بھی ابھی نکال دے گا جس سے یہ خائن مغلوب ہو کر رہیں۔ وٓ١٠٧ یہ صفات مہاجرین کے بیان ہوئے۔ یہ وہ مکہ والے تھے کہ پہلے تو اپنی قوم کی مخالفت کی پروا نہ کر کے اور ہر قسم کے خطرے مول لے کر ایمان لائے۔ پھر ترک وطن کیا خدا کی راہ میں وطن اور سارے مالوفاتِ وطن کو چھوڑ کر پردیس میں آئے۔ پھر اپنا روپیہ خرچ کر کے سامان جہاد درست کیا۔ پھر اپنی جانوں کو معرکہ قتال میں پیش کر دیا۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ کی قید بڑی اہم اور لازمی ہے۔ وطن وقوم کے پرستاروں کو ان مہاجرین فی سبیل اللہ کے درجہ میں کہنا اپنی قرآن فہمی پر شدید ظلم کرنا ہے۔ وٓ١٠٨ (جب تک کوئی مستقل قانونِ وراثت نازل نہیں ہوتا) قانون وراثت (سورۃ النساء میں) نازل ہونے کے بعد یہ عارضی انتظام خود بخود ختم ہوگیا۔ اور اس کو اصطلاح میں "نسخ" کہتے ہیں۔ ثم نسخ اللہ ذٰلک بفتح مکۃ والمیراث بالقرابۃ سواء کان الوارث فی دار الحرب اوفی دار الاسلام لسقوط اعتبار الھجرۃ بالسنۃ (ابن عربی) عن ابن عباس قال کان المھاجر لا یتولی الاعرابی ولا یرثہ وھو مومن ولا یرث الاعرابی المھاجر فنسختھا واولوا الارحام بعضھم اولٰی ببعض (جصاص) وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا۔ یہ مدح انصار مدینہ کی ہو رہی ہے جنہوں نے مہاجرین مکہ کو اپنے گھروں میں جگہ دی اور ہر طرح انہیں آسائش پہنچا پہنچا کر پردیس اُن کے لئے دیس بنا دیا۔ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ۔ ولایت سے یہاں مراد وارثت میں حصہ ہے۔ فی ھٰذا دلالۃ علٰی ان اطلاق لفظ الموالاۃ یوجب التوارث (جصاص) نقل الواحدی عن ابن عباس والمفسرین کلھم ان المراد ھو الولایۃ فی المیراث (کبیر) فی المیراث علٰی ما ھو المروی عن ابن عباسؓ والحسن ومجاھد والسدی وقتادہ (روح) وٓ١٠٩ آغاز اسلام میں ہجرت لوازم ایمان میں سے تھی مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ۔ یعنی نہ تم اُن کے مال کے وارث اور نہ وہ تمہارے مال کے۔ قال ابن عباس ومجاھد وقتادہ ذٰلک فی المیراث (بحر) معناہ نفی الموالاۃ فی التوارث (بحر) حَتّٰی یُهَاجِرُوْا۔ چنانچہ جب انہوں نے ہجرت کر لی تو وہ بھی مہاجرین میں داخل ہوگئے۔ ہجرت کا وجوب گو بعد فتح مکہ باقی نہیں رہا، تاہم دار الکفر سے ہجرت کر جانا ہمیشہ اولیٰ اور موجب اجر عظیم ہے۔ وقد کانت الھجرۃ فرضا حین ھاجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ان فتح النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ (جصاص) وٓ١١٠ اِسْتَنْصَرُوْكُمْ۔ کے فاعل غیر مہاجرین ہیں یعنی دین کے باب میں یا قتال کفار میں یہ غیر مہاجرین بھی جب اور جس طرح مدد مانگیں تمہیں دینا واجب ہے۔ وٓ١١١ جب ایسی قوم کے مقابلہ میں امداد طلب کی جائے کہ ان میں اور مہاجرین میں باہم عہد و پیمان ہے تو بقاء عہد تک مدد نہ دی جائے گی، البتہ عہد کو ختم کر کے مدد جائز ہے۔ باقی یہ کہ خود ایسا عہد توڑنا کب واجب ہو جاتا ہے، اس کی تفصیل کتب فقہ واحکام میں ملے گی۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ اللہ کے عالم کل اور بصیر مطلق ہونے کا استحضار تمہیں ہر نقض عہد، ہر بے احتیاطی سے روکے گا۔

ف۱۱۲ (اور تم نہ اُن کے وارث، نہ وہ تمہارے وارث) دین کا رشتہ خون کے رشتہ سے کہیں بڑھ کر اور اہم تر ہے۔ ولایۃ کے معنیٰ اس بیان میں وراثت کے نہیں، بلکہ اشتراک عداوت اسلام کے ہیں کہ یہود اور نصرانی اور مشرکین قریش گو آپس میں شدید دشمن تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی عداوت میں سب ایک ہوگئے۔ الحق ان یقال ان کفار قریش کانوا فی غایة العداوة للیهود فلما ظهرت دعوة محمد ﷺ تناصروا وتعاونوا علی ایذائه ومحاربته فکان المراد من الأية ذلک (کبیر) ف۱۱۳ (کیونکہ باہمی توارث سے سب ایک ہی جماعت سمجھی جائے گی اور ایک مستقل وعلیحدہ جماعت ہوئے بغیر اسلام کو قوت وشوکت حاصل نہ ہوگی) اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ۔ یعنی اگر اس حکم عدم توارث پر عمل نہ کیا اور باوجود تخالف دین، محض قرابت کی بنا پر مومن وکافر میں علاقہ توارث قائم رکھا۔ ای الا تفعلوا ما امرتکم به من تواصل المسلمین وتولّی بعضهم بعضًا (کشاف) ای تولی المسلمین وقطع الکفار (جلالین) یعنی ان لا تفعلوا ما امرتم به فی هاتین الأیتین من ایجاب الموالاة والتناصر والتوارث بالاخوة والهجرة ومن قطعها بترک الهجرة (جصاص) تَكُنۡ فِتۡنَةٌ فِى الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ كَبِيۡرٌ۔ شوکت وقوت اسلام کا ضعیف ہونا ہی فتنہ وفساد عالم کا سرمایہ ہے۔

كَفَرُوۡا بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ‌ؕ اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ تَكُنۡ

کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں ف۱۱۲ اگر یہ نہ کرو گے تو

فِتۡنَةٌ فِى الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ كَبِيۡرٌؕ ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

زمین میں (بڑا) فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا ف۱۱۳ اور جو لوگ ایمان لائے

وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالَّذِيۡنَ

اور انہوں نے ہجرت (بھی) کی اور جہاد (بھی) کیا اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے

اٰوَوْا وَّنَصَرُوۡۤا اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا‌ ؕ لَهُمۡ

(انہیں) رہنے کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، یہی لوگ تو ہیں پورے پورے مومن، ان کے لئے

مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ

مغفرت اور معزز روزی ہے ف۱۱۴ اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں

وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا مَعَكُمۡ فَاُولٰۤـئِكَ مِنۡكُمۡ‌ؕ وَاُولُوا

اور ہجرت (بھی) کی اور جہاد بھی تم لوگوں کے ساتھ مل کر کیا سو یہ لوگ بھی تم ہی میں شامل ہیں ف۱۱۵ اور (ان میں کے)

الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ‌ؕ اِنَّ

قرابت دار ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں ف۱۱۶ کتاب اللہ کے نوشتہ میں بے شک

اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۷۵﴾ ع

اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے ف۱۱۷

آیاتها ۱۲۹ — ۹ سُوۡرَةُ التَّوۡبَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۳ — رکوعاتها ۱۶

اس میں ۱۲۹ آیتیں سورۂ توبہ مدنی ہے اور ۱۶ رکوع ہیں ف۱

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى الَّذِيۡنَ عٰهَدْتُّمۡ

دست برداری ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین (کے عہد) سے جن سے تم نے عہد

ف۱۱۴ (جنت میں) آخرت میں کامیاب ترین لوگ یہی تو ہوں گے جو دنیا میں سارے مراتب ایمان بجا لے آئے۔ اَلَّذِيۡنَ ...... فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ یعنی طبقہ مہاجرین جنہوں نے ایمان، ہجرت وجہاد کا حق ادا کر دیا۔ وَالَّذِيۡنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوۡا۔ یعنی گروہ انصار جنہوں نے نصرت مہاجرین کا حق ادا کر دیا۔ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا۔ یعنی ایمان میں کامل، سارے مراتب ایمان کے طے کر جانے والے، لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ۔ مغفرة کا صیغہ نکرہ اس پر دال ہے کہ مغفرت اپنے پورے کمال پر ہوگی۔ وتنکیر لفظ المغفرة یدل علی الکمال والمعنی لهم مغفرة تامة کاملة عن جمیع الذنوب والسیات (کبیر) ف۱۱۵ (بہ اعتبار احکام شرعی کے مہاجرین سابقین اور مہاجرین مابعد میں بہ اعتبار فضل ومرتبہ جو کچھ بھی فرق ہو، بہ اعتبار احکام شرعی سب برابر ہیں۔ ف۱۱۶ یعنی مہاجرین مابعد میں جو لوگ آپس میں یا ان مہاجرین سابق کے قرابت دار ہوں وہی حقدار میراث کے ہیں نہ کہ غیر قرابت دار خواہ فضل ومرتبہ میں یہ غیر قرابت دار ہی بڑھے ہوئے ہوں۔ وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ۔ اس قرابت کا تعلق آپس سے ہے یا مہاجرین سابق سے ہے۔ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ یعنی حکم شرعی میں۔ ای فی حکمه وقسمته (کشاف) ای فی حکمه او فی اللوح المحفوظ (روح) یہ حکم فتح مکہ کے بعد سے باقی نہیں رہا۔ اب میت کا وارث مسلمان عزیز ہی ہوگا خواہ وہ کہیں ہو۔ ف۱۱۷ (اور اُسی نے ہر وقت کے مناسب احکام دیئے ہیں اور احکام میراث وغیرہ میں ہر ایک کی مصلحت کا پورا لحاظ رکھ لیا ہے)

ف۱ قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتوں میں سے صرف یہی ہے، جس کے شروع میں بسم اللہ درج نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت جب قرآن اپنی بالکل آخری شکل میں مرتب ہونے لگا تو اس سورت میں صحابہ میں اختلاف پیدا ہوا کہ آیا یہ مستقل سورت ہے یا سورۂ انفال کا جزء۔ دوسری سورتوں کی طرح اس سورت میں بسم اللہ کی تصریح رسول اللہ ﷺ سے پائی نہ گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کر کے دونوں احتمالات کی رعایت کرلی کہ اسے لکھا تو جائے بہ حیثیت مستقل سورت کے البتہ اس کے اور اس کے ماقبل کے درمیان فصل بہ صورت بسم اللہ نہ چھوڑا جائے۔ فقیہ ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام کا یہ فیصلہ خود اس کی دلیل ہے کہ نص کی عدم موجودگی میں قیاس شرعی ایک مستقل حجت ہے۔ چنانچہ انہوں نے سورہ براءۃ کے مضمون کو سورۂ انفال سے مشابہ پا کر ایک کو دوسرے سے ملحق کر دیا۔ اور جب خود تدوین قرآن میں قیاس شرعی سے کام لیا گیا تو دوسرے مسائل کا ذکر ہی کیا۔ هذا دلیل علی ان القیاس اصل فی الدین الا ترى الى عثمان واعیان الصحابة کیف لجئوا الى قیاس الشبه عند عدم النص و رأوا ان قصة براءة شبیهة بقصة الانفال فالحقوها بها فاذا کان الله تعالٰی قد بین دخول القیاس فی تالیف القرآن فماظنک بسائر الاحکام (قرطبی)'' اور یہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور یہ سورۃ رفع امان کے لئے آئی ہے سو یہ علت نہیں، بہ طور نکتہ کے ایک حکمت ہے''، (تھانوی) بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ اہل عرب جب اپنے معاہدوں کو منسوخ کرتے تھے تو اس منسوخی کی تحریروں پر بسم اللہ نہیں لکھتے تھے۔ سورہ براءۃ میں چونکہ معاہدہ کی منسوخی ہی کا اعلان ہے اس لئے اس میں بھی مذاق عرب کی رعایت رکھی گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اسے پڑھ کر سنایا تو شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی۔ قیل کان من شان العرب فی زمانها فی الجاهلیة اذا کان بینهم وبین قوم عهد فارادوا نقضه کتبوا الیهم کتبًا ولم یکتبوا فی بسملة فلما نزلت سورة براءة بنقض العهد الذی کان بین النبی ﷺ والمشرکین بعث بها النبی ﷺ علیًا فقراها علیهم فی الموسم ولم یبسمل فی ذلک علی ما جرت به عادتهم فی نقض العهد من ترک البسملة (قرطبی)۔

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱﴾ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ

کر رکھا تھا وٓ۲ سو (اے مشرکو) زمین میں چار ماہ

اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ

چل پھر لو اور جانے رہو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے وٓ۳ بلکہ اللہ ہی

مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲﴾ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ

کافروں کا رسوا کرنے والا ہے وٓ۴ اور اعلان (کیا جاتا ہے) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے

اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ

لوگوں کے سامنے بڑے حج کے دن کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے

الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

دست بردار ہیں وٓ۵ پھر بھی اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے وٓ۶

وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ

اور اگر تم روگردانی کئے رہے تو جانے رہو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے وٓ۷

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ

اور کافروں کو عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دیجیے وٓ۸ مگر ہاں وہ مشرکین اس سے

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَمْ

مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ

يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى

تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی سو ان کا معاہدہ ان کی مدت (مقررہ) تک

مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۴﴾ فَاِذَا انْسَلَخَ

پورا کرو وٓ۹ بے شک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے وٓ۱۰ سو جب حرمت والے

وٓ۲ (بلاتعیین مدت) مسلمانوں نے مشرک قبائل عہد سے معاہدے کرر کھے تھے۔ بعض سے میعاد معین کے لئے بعض سے غیر میعادی۔ یہاں انہی آخر الذکر معاہدوں کی منسوخی کا اعلان ہو رہا ہے۔ براءة کے معنی ترک موالات ورفع امان کے ہیں۔ البراءة هي قطع الموالاة وارتفاع العصمة وزوال الامن (جصاص) معنى البراءة انقطاع العصمة (کبیر) مشرکین عرب کی مسلسل عہد شکنیوں کے بعد اب انہیں نوٹس دیا جا رہا ہے کہ اتنی مدت کے بعد تم سے سارے معاہدہ ختم۔ بس اب تلوار ہی تمہارا فیصلہ کرے گی۔ براءة کی تنوین تفخیم کے لئے ہے۔ یعنی کامل انقطاع۔ مکمل دستبرداری۔ التنوين للتفخيم (روح) اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ۔ صیغہ جمع۔ حالانکہ معاہدہ کرنے والے صرف رسول اللہ ﷺ تھے۔ اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ بہ حیثیت آمر و حاکم آپ کا فعل حکماً ساری امت کا فعل تھا۔ ولم يعاهدهم الا النبي ﷺ وحده ولكنه كان الأمر والحاكم وكل ما امر به اواحكمه فهو لازم للامة منسوب اليهم محسوب عليهم (ابن العربی) يعني الى الذين عاهدهم رسول الله ﷺ لانه كان المتولي للعهود واصحابه كلهم بذلك راضون وكانهم عاقدوا وعاهدوا فنسب العقد اليهم (قرطبی) وٓ۳ (کہ اس کے قبضہ سے نکل جاؤ یا اس کی مشیت پر غالب آجاؤ) یہاں پر بتا دیا کہ یہ مہلت تمہاری مصلحت اور تم پر شفقت کے خیال سے ہے یہ نہیں کہ اس میں قادر مطلق کے عجز کو کوئی دخل ہو۔ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ۔ یعنی اس چار مہینہ کی مہلت کے اندر یا تو اسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ یا اس جغرافی مرکز توحید و ایمان کو اپنے وجود سے خالی کر دو۔ عین عتاب کے موقع پر اسلام اپنے معاندین کی راہ میں کتنی سہولت پیدا کر رہا ہے۔ انہیں مہلت پورے ۴ مہینہ کی دے رہا ہے۔ یہ چار مہینہ کون سے تھے؟ اس کے جوابات مختلف دیئے گئے ہیں۔ عام چار محترم مہینہ تو ظاہر ہے کہ رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، اور محرم ہیں۔ لیکن یہاں بعض علماء سے شوال تا محرم منقول ہیں، اس بنا پر کہ آیت کا زمانہ نزول زمانہ شوال ہے۔ وهي شوال وذو القعدة وذو الحجة والمحرم عند الزهري لان الأية نزلت في الشهر الاول (روح) فَسِيْحُوْا۔ لفظ کے معنی سیر و سیاحت کرنے کے ہیں۔ اب خطاب براہ راست کافروں سے شروع ہو گیا قل محذوف ہے۔ اي سيروا هي السياحة (ابن العربی) رجع عن الخبر الى الخطاب اي قل لهم سيحوا (قرطبی) وٓ۴ یعنی یہ احمق معاندین اللہ کے مقابلہ کی قوت تو کہاں سے لائیں گے اللہ ہی الٹا انہیں رسوا کر کے رہے گا۔ اس رسوائی کا ظہور حشر میں تو بہرحال کامل اور یقینی طور پر ہو ہی گا۔ باقی نزول آیت کے بعد دنیا میں بھی اچھی طرح ہو کر رہتا ہے۔ قال ابن عباس بالقتل في الدنيا والعذاب في الأخرة (کبیر) آیت میں مسلمانوں کو اطمینان بھی دلا دیا گیا ہے کہ وہ کافروں پر غالب آ کر رہیں گے۔ قال الزجاج هذا ضمان من الله عزوجل لنصرة المومنين على الكافرين (کبیر) وٓ۵ یعنی انہیں امن دینے سے بری الذمہ اور دست بردار ہیں۔ اِلَى النَّاسِ۔ یعنی عام خلقت کے سامنے جس میں کافر، مومن، معاہد، غیر معاہد سب آ گئے۔ الناس ههنا جميع الخلق (قرطبی) مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ مشرکین سے سیاق آیت میں مراد وہی مشرکین ہیں جو نقض عہد کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ۔ حج اکبر حج ہی کو کہتے ہیں۔ کوئی مخصوص قسم کا حج مراد نہیں، اکبر کا لفظ صرف حج اصغر یا عمرہ سے تقابل و امتیاز کے لئے ہے۔ هذا هو الحج الاكبر لان العمرة تسمى الحج الاصغر (کبیر) قال مجاهد الحج الاكبر القران والحج الاصغر العمرة (ابن العربی) قال القاضي اذا نظرنا في هذا الاقوال فالمنقح منها ان الحج الاكبر الحج كما قال مجاهد (ابن العربی) اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور امام شافعی علیہ الرحمہ دونوں اسی کے قائل ہوئے ہیں۔ یہاں مراد ۹ ہجری کا یوم الحج ہے جو یوم الحج کی اصطلاح ۹ ذی الحجہ (یوم عرفہ) کے لئے ہے۔ ۱۰ ذی الحجہ کو یوم النحر کہتے ہیں۔ ثبت الحج في اليوم التاسع من ذي الحجة وهو يوم عرفة والنحر يوم العاشر منه (جصاص) قال ابن عباس في رواية عكرمة انه يوم عرفة وهو قول عمر وسعيد بن المسيب وابن الزبير وعطاء وطاؤس ومجاهد واحدى الروايتين عن عليؓ (کبیر) قيل يوم عرفة روى عن عمر وعثمان وابن عباس وطاؤس ومجاهد وهو مذهب ابي حنيفة وبه قال الشافعي (قرطبی) لیکن دوسری روایتیں یوم النحر یا ۱۰ ذی الحجہ کی بابت بھی ہیں۔ یہ اعلان حضرت علی ؓ نے تمام قبائل عرب کے روبرو کیا تھا۔ امیر الحج اس سال رسول اللہ ﷺ نے اپنے بجائے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو مقرر کیا تھا۔ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ۔ معاہدہ کو فسخ کرنے کا اختیار تو امت کو حاصل رہتا ہے لیکن اس خاص موقع پر اس کا فسخ کرنا واجب ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں اس کا انتساب مسلمانوں کی جانب نہیں بلکہ خود اللہ اور رسول کی جانب کیا جا رہا ہے۔ وٓ۶ یعنی تمہاری عہد شکنی معاف کر دی جائے گی اور دنیوی عقوبت سے بچ جاؤ گے اور نجاتِ اخروی تو توبہ کرنے اور ایمان لے آنے کے بعد ظاہر ہی ہے۔ فَاِنْ تُبْتُمْ۔ یعنی اگر اپنے عقاید کفر و شرک سے اب بھی توبہ کر لو۔ اي عن الشرك (قرطبی) وٓ۷ (کہ اس کے قبضہ قدرت سے کہیں نکل بھاگو) فانه محيط بكم ومنزل عقابه عليكم (قرطبی) وٓ۸ اس عذاب سے مراد عذاب آخرت ہے۔ وٓ۹ (اور اپنی طرف سے ذرہ عہد شکنی نہ ہونے دو) لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا۔ یعنی اپنی طرف سے اُس عہد کے نباہنے اور پورا کرنے میں کچھ بھی کمی نہیں کی۔ وَلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاہد جب مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی اعانت کرنے لگے، تو وہ ناقص عہد ہو گیا۔ يدل على ان المعاهد متى عاون علينا عدوالنا فقد نقض عهده (جصاص) وٓ۱۰ (اور اسی تقوی و پرہیزگاری کی ایک فرد ایفاء عہد بھی ہے)۔

وٗا غرض یہ کہ جنگ میں جو کچھ ہوتا اور کرنا پڑتا ہے اس کی عام اجازت ہے۔ واقعدوا سے اس کے لفظی معنی مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ غنیم کی فکر میں لگے رہو اور یہی صورت احصروھم کے لئے ہے۔
لیس معناہ حقیقۃ القعود بل المراد ترقبھم وترصدھم (روح) واحصروھم ای امنعوھم عن الخروج اذا تحصنوا منکم بحصن (عن ابن عباس۔روح) اَلْمُشْرِكِيْنَ۔
عام مشرکین مراد نہیں، بلکہ وہی محارب، عہد شکن مشرکین مراد ہیں جنہوں نے الٹے دشمنوں کی مدد کر کے مسلمانوں سے غداری کی۔ تبین ان المراد بالاٰیۃ اقتلوا المشرکین الذین یحاربونکم
(ابن العربی) ای المشرکین الناکثین (بیضاوی) الذین نقضوکم وظاھروا علیکم (مدارک) حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ یعنی خواہ وہ حرم ہی میں ہوں۔ من حل اوحرم (مدارک) عام
فی کل موضع وخص ابوحنیفۃ المسجد الحرام (قرطبی) وَخُذُوْهُمْ۔ یہ گرفتاری اسی غرض سے ہوگی کہ یا انہیں قتل کیا جائے یا بہ معاوضہ یا بلا معاوضہ حسب رائے امام چھوڑ دیا جائے۔
الاخذ ھو الاسرو الامر انما یکون للقتل اوالفداء اوالمن علی ما یراہ الامام (قرطبی) وٗا (چنانچہ ایسے ایسے مجرموں کی بھی معافی کا حکم دے دیا اور ان کی جان بچالی) فَاِنْ تَابُوْا۔
یہ توبہ عقاید کفر و شرک سے ہونی چاہیے۔ ای عن الکفر (مدارک) ای من الشرک (قرطبی) وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ۔ بجنسہٖ یہی دو عمل مراد نہیں" یہ دونوں عمل تو بہ طور نمونہ کے ہیں مراد یہ

الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ
مہینے گزر لیں اس وقت ان مشرکوں کو قتل کرو جہاں کہیں
وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا
تم انہیں پاؤ اور انہیں پکڑو باندھو اور ہر گھات کے موقع پر ان کی
لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ
تاک میں بیٹھو وٗا پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں
وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵
اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے وٗا
وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى
اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دیجیے تاکہ
يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
وہ کلام الٰہی سن سکے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجیے یہ (حکم مہلت) اس سبب سے ہے
قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ع كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ
کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو پوری خبر نہیں رکھتے وٗا (ایسے عہد شکن) مشرکوں کا عہد کیسے اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ
عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ
واجب رہے گا، مگر ہاں جن لوگوں سے تم نے عہد لیا
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ
مسجد حرام کے نزدیک وٗا سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھے رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷ كَيْفَ وَ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ
بے شک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو وٗا کیسے (ان عہد شکنوں کا عہد قابل رعایت رہے گا) جب کہ یہ حال ہے کہ اگر وہ کہیں

ہے کہ مسلمانوں کے سے کام کرنے لگیں۔ فقہائے مفسرین نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ قتل سے بچنے کے لئے واقعۃً نماز کا پڑھنا (جو اپنے وقت ہی پر واجب ہو گی) اور زکوٰۃ دینا (جس کی ادائیگی سال بھر گزرنے ہی پر ہوگی) ضروری نہیں، ضروری صرف ان اعمال کے وجوب کا اعتقاد ہے۔ لا خلاف انھم لو قبلوا امر اللہ فی فعل الصلوٰۃ والزکوٰۃ ولم یکن الوقت وقت صلاۃ انھم مسلمون وان دمائھم محظورۃ فعلمنا ان شرط الزوال القتل عنھم ھو قبول اوامر اللہ والاعتراف بلزومھا دون فعل الصلوٰۃ والزکوٰۃ (جصاص) اکتفی بذکرھما لکونھما رئیسی العبادات البدنیۃ والمالیۃ (روح) فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ۔ چنانچہ اب اُن کے لئے حکم قید، قتل وغیرہ کا نہ رہے گا۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ جزیہ نہ لینا کفار عرب کے ساتھ مخصوص تھا اسی لئے یہ عدم اخذ وحصر اور "تخلیہ سبیل" کا حکم انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ باقی عام کفار و مشرکین کے لئے بعد جہاد غلامی میں آجانے کا مسئلہ اپنی جگہ ثابت و مسلم ہے۔ وٗا (بس انہیں پوری واقفیت حاصل کرنے کا موقع دیا جائے) اس علیت نے یہ صاف کر دیا کہ مدار حکم مخاطب کی اس بے خبری پر ہے باقی جہاں اسلام کا پیام عام ہو چکا ہو اور بے خبری ولاعلمی کا کوئی قرینہ نہ ہو، وہاں یہ وجوب بھی باقی نہ رہے گا۔ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ یعنی انہی واجب القتل مشرکین میں سے۔ ای من الذین امرتک بقتالھم (قرطبی) حتی کو یہاں بجائے "یہاں تک" کے "تاکہ" کے معنی میں لینا اور تعلیلیہ قرار دینا بہتر ہوگا۔ حتی للتعلیل (روح) یصح ان تکون للتعلیل (بحر) يَسْمَعَ۔ سماع سے یہاں مراد محض سماع آواز نہیں بلکہ فہم و تدبر کے ساتھ سوچنا سمجھنا مراد ہے۔ وقدیراد بالسماع الفھم (بحر) ویتدبرہ (مدارک) لیس یرید مجرد الاصغاء فیحصل العلم لہ بظاھر القول وانما اراد بہ فھم المقصود من دلالتہ علی النبوۃ (ابن العربی) ای بفھم احکامہ واوامرہ ونواھیہ (قرطبی) كَلٰمَ اللّٰهِ۔ علاوہ قرآن مجید کے تمام دلائل دین حق کے اسی حکم میں آجاتے ہیں۔ کان علینا اقامۃ الحجۃ وبیان توحید اللہ وصحۃ نبوۃ النبی ﷺ (جصاص) ویطلع علی حقیقۃ الامر (مدارک) ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ۔ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ حربی امن گزین کو چھیڑا نہ جائے۔ بلکہ اُس کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی جائے۔ فیہ دلیل علی ان المستامن لایوذی (مدارک) یدل علی ان علی الامام حفظ ھذا الحربی المستجیر وحیاطتہ ومنع الناس من تناولہ بشر (جصاص) ذمیوں کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اسی آیت سے نکالی گئی ہے۔ وفی ھذا دلیل
ایضاً علی ان علی الامام حفظ اھل الذمۃ والمنع من اذیتھم والتخطی الی ظلمھم (جصاص) یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کافر حربی کا دارالاسلام میں زیادہ عرصہ تک ٹھیرنا ٹھیک نہیں۔ اُسے چاہیے کہ بس ضرورت بھر قیام کرے اور چلا جائے۔ وفیہ الدلالۃ علی انہ لایجوز اقرار الحربی فی دارالاسلام مدۃ طویلۃ وانہ لایترک فیھا الابمقدار قضاء حاجتہ (جصاص) یہ حکم بھی فقہاء نے یہیں سے نکالا ہے کہ جو کوئی دین کے مسائل ہم سے دریافت کرنا چاہے تو ہم پر اس کا بتانا واجب ہے۔ فیہ الدلالۃ ایضا علی ان علینا تعلیم کل من التمس منا تعریفہ شیئا من امور الدین (جصاص) وٗا (اور اُن سے اُمید ہے کہ وہ عہد کو قائم رکھیں گے) اَلْمُشْرِكِيْنَ۔ سے مراد یہاں بھی وہی عہد شکن مشرکین ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ المراد من المشرکین الناکثون (روح) كَيْفَ۔ یہاں استفہام کے معنی میں نہیں، استنکار کے معنی میں اور اظہار عجب کے لئے ہے استفھام یعنی الانکار والاستبعاد (کشاف۔بیضاوی) کیف ھنا للتعجب کما تقول کیف یسبقنی فلان ای لا ینبغی ان یسبقنی (قرطبی) وٗا (اور تقوٰی ہی کی ایک اعلیٰ فرد یہ ہے کہ ہر ترغیب اور موقع کے باوجود انسان اپنے عہد پر قائم رہے) فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ۔ یعنی تمہارے مقابلہ میں اپنا عہد نہ توڑیں۔ ولم یظھر منھم نکث۔ ای فما اقاموا علی وفاء العھد (مدارک) فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ۔ یعنی اپنی طرف سے اُن کی مدت عہد پوری کرو۔

وٓ١٦ (اور فسق وبدعملی کی ایک فرد عہد شکنی ہے) گویا ان مشرک جاہلیوں کی ذہنیت بھی آج کل کی مہذب فرنگی قوموں کی سی تھی کہ آپس کے معاہدوں میں لحاظ صرف وقتی مصلحت جوئی کا رہے۔ اِلًّا۔ الّ کے معنٰی قرابت وعزیزداری کے ہیں۔الالّ علٰی ماروی عن ابن عباس الرحم والقرابة والٰی ذٰلک ذھب الضحاک (روح) فٰسِقُوْنَ۔ فاسق تو ہر کافر ہوتا ہے، یہاں مقصود ان کی بد اعمالی خصوصاً عہد شکنی کو نمایاں کرنا ہے۔ اے ناقضون العھد و کل کافر فاسق ولکنه ارادھنا المجاھرین بالقبائح ونقض العھد (قرطبی) وٓ١٧ یعنی انہوں نے احکام الٰہی کی لازوال دولت کے بجائے حاصل کیا تو کیا، اس دنیائے فانی کی تھوڑی سی متاعِ ناپائدار! یہاں ان کی بدعہدی کی اصلی لِم بتادی کہ آخرت کا اعتقاد تو ان کو ہے نہیں، اور آخرت کی کوئی ذمہ داری یہ اپنے دل میں نہیں پاتے۔ وٓ١٨ (اور اس لیے ہرگز قابل اعتماد نہیں) لَا یَرْقُبُوْنَ...... الخ کی تکرار تاکید کے لئے ہے۔ مؤاخذہ اخروی اور دینی ذمہ داری سے اتر کر ایک چیز شرافت بھی ہے، جس کے جوہر بلا قید ملت ہر قوم میں پائے جاتے ہیں اور اُس کا تقاضہ ہے کہ انسان قرابت اور اپنے قول وقرار کا پاس بہر حال کرتا ہے۔ یہ ننگ انسانیت معاندین اسلام اس جوہر سے بھی محروم تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سرے سے تکرار ہی نہیں۔ اس لئے کہ پہلی بار اس کا ذکر سارے مشرکوں کے سلسلہ میں آیا ہے اور دوبارہ یہود کے سلسلہ میں، قال النحاس لیس ھٰذا تکریرًا ولٰکن الاول لجمیع المشرکین والثانی للیھود خاصةً (قرطبی) وٓ١٩ یعنی اگر یہ لوگ عقاید کفر وشرک سے اپنی تبرّیِ کا اظہار کردیں، اور مسلمانوں کے سے کام کرنے لگیں تو اعتبار ان کے ظاہر کا کرلیا جائے گا اور دل میں ان کے جو کچھ بھی ہو، بہرحال یہ اسلامی برادری کے جزء سمجھے جائیں گے اور معاملہ ان کے ساتھ مسلمانوں ہی کا سا کیا جائے گا۔ اور اب ان کے پچھلے جرائم عہد شکنی وغیرہ پر نظر نہیں کی جائے گی۔ یدل علٰی من اظھر لنا الایمان واقام الصلٰوة واٰتی الزکٰوة فعلینا موالاتهٗ فی الدین علٰی ظاھر امرہٖ مع وجودان یکون اعتقادهٗ فی المغیب علٰی خلافه (جصاص) فَاِنْ تَابُوْا۔ یعنی اپنے کفر سے توبہ کریں اور احکام اسلام پر قائم ہو جائیں۔ اے عن الکفر (مدارک) عماھم علیه من الکفر وسائر العظائم کنقض العھد وغیرہ (روح) اے عن الشرک والتزموا احکام الاسلام (قرطبی) وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ۔ یعنی اعمال ظاہری مسلمانوں کے سے بجالائے یا ان کی فرضیت کا اقرار کرے۔ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ اسلامی برادری میں شمول کے لئے اور اُمت کا ایک رکن بن جانے کے لئے صرف اس قدر کافی ہے۔ اس سے زاید کے مطالبات کو جزء لازمی سمجھنا محض تعمق وتشدد ہے۔ فی الدین نے اسے بھی صاف کردیا کہ یہ اخوت وہم سطحی دین کے لحاظ سے ہوگی، اور فقہاء نے جو بحث کفوی کی ہے۔ اس کا تعلق تمام تر نسب سے ہے نہ کہ دینی اخوت سے۔ اے لا فی النسب (مدارک) وٓ٢٠ (کہ وہ سوچیں سمجھیں، غور وتدبر سے کام لیں) اے یفھمون فیتفکرون فیه (مدارک) وٓ٢١ (اپنے عقاید کفریہ سے) وَاِنْ نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ۔ یعنی یہ عہد شکنی کر کر کے بجائے ایمان لانے کے کفر پر قائم رہیں۔ وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ۔ یہ علامت مزید اُن کے کفر وعناد کی ملی۔ طعن کے لغوی معنٰی نیزہ مارنے کے ہیں۔ طعن کا اطلاق سنجیدہ، علمی، عقلی اختلاف رائے وعقیدہ پر نہیں ہوتا۔ طعن کہتے ہی ایسی بات کو ہیں جو دل کو چھید دے زخمی کردے، طعن فی الدین سے مقصود تحقیق کسی درجہ میں بھی نہیں ہوتی، بلکہ دین کی توہین اور اہل دین کی دلآزاری۔ ایسی زبان درازی اس "روشن خیال" بیسویں صدی میں بھی ہر قانون میں جرم ہے۔ ذمی جس وقت دین اسلام پر زبان طعن دراز کرتا ہے، معاہدہ امن سے نکل جاتا ہے، اور اس کا قتل جائز ہو جاتا ہے۔ اذا طعن الذمی فی دین الاسلام طعنًا ظاھرًا جاز قتله، لان العھد معقود معه علٰی ان لا یطعن فاذا طعن فقد نکث عھدهٗ وخرج من الذمه (مدارک) قَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْکُفْرِ۔ یہ سرداروں کی تصریح اہتمام وخصوصیت وتاکید کے لئے ہے۔ ان کے قتل کا حکم عوام کے قتل کی نفی نہیں ہے۔ سرداروں کے قتل سے عوام خود بخود یا منتشر اور یا مطیع ومنقاد ہونے لگیں گے۔ اے قاتلوا الکفار (بحر) وخص الائمة بالذکر لانھم ھم الذین یحرضون الاتباع علی البقاء علی الکفر (بحر) تخصیصھم بالذکر لان قتلھم اھمّ لا لانه لایقتل غیرھم (روح) سرداران قریش نے معاہدہ کے خلاف بنی خزاعہ کے مقابلہ میں بنی بکر کو مدد دی تھی۔ آیت میں اشارہ اسی جانب ہے۔ طعن فی الدین کے سلسلہ میں توریت کا حکم ملاحظہ ہو:۔ "اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر بکے گا جان سے مارا جائے گا۔ ساری جماعت اُسے سنگسار کرے گی خواہ وہ مسافر ہو، خواہ دیسی ہو، جب اُس نے اس کے نام پر کفر کیا تو وہ جان سے ضرور مارا جائے گا۔" (احبار۔ ٢٤:١٦) آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ معاہد جب معاہدہ کی کسی دفعہ کی بھی خلاف ورزی کرے یا دین پر طعن کرے تو وہ ناقض عہد ہو جائے گا فیه دلالة علٰی ان اھل العھد متٰی خالفوا شیئًا مما عوھدوا علیه وطعنوا فی دیننا فقد نقضوا العھد (جصاص)۔

لَا یَرْقُبُوْا فِیْکُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ یُرْضُوْنَکُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ

تم پر غلبہ پاجائیں تو تمہارے بارہ میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول وقرار کا تمہیں پرچارہے ہیں، (صرف) اپنی زبانی باتوں سے

وَتَاْبٰی قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَکْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ اِشْتَرَوْا بِاٰیٰتِ

اور ان کے دل انکار کئے جارہے ہیں اور زیادہ تر ان میں کے بدعمل ہی ہیں وٓ١٦ انہوں نے آیات الٰہی کے معاوضہ میں

اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ

بضاعت قلیل کو خرید لیا ہے سو یہ لوگ (اللہ) کے راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں، بے شک بہت برا ہے

مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹﴾ لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا

جو کچھ یہ لوگ کررہے ہیں، وٓ١٧ کسی مومن کے باب میں یہ لوگ نہ قرابت کا پاس کریں

وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ فَاِنْ تَابُوْا

اور نہ قول وقرار کا، اور یہ لوگ ہی ہیں زیادتی کرنے والے وٓ١٨ لیکن اگر وہ توبہ کرلیں

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی

اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہو جائیں گے

الدِّیْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِنْ

دین میں وٓ١٩ اور ہم آیتوں کو علم والوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں وٓ٢٠ اور اگر

نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِیْ

یہ لوگ اپنی قسموں کو اپنے عہد کے بعد توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر

دِیْنِکُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْکُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَیْمَانَ لَهُمْ

طعن کریں تو تم قتال کرو (ان) پیشوایان کفر سے کہ (اس صورت میں) ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں

لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ

تاکہ یہ لوگ باز آجائیں وٓ٢١ تم ایسے لوگوں سے کیوں قتال نہیں کرتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا

وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَ هُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ

اور رسول کے جلا وطن کرنے کی ٹھان لی اور انہوں نے تمہارے مقابلہ میں خود ہی ابتدا کی پہلے پہل ف۲۲

أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ

کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ حق دار ہے اس کا کہ اس سے ڈرو اگر تم

مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ

ایمان والے ہو ف۲۳ ان سے لڑو اللہ انہیں تمہارے ہاتھ سے سزا دے گا

وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ

اور انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر غلبہ دے گا اور مسلمان لوگوں کے دلوں کو

مُؤْمِنِينَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ؕ وَ يَتُوبُ اللَّهُ

ٹھنڈا کرے گا ف۲۴ اور ان کے دلوں سے جھنجلاہٹ کو دور کرے گا ف۲۵ اور اللہ جس پر وہ چاہے گا

عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ؕ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۵﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ

رحمت کے ساتھ توجہ کرے گا، اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۲۶ کیا تمہارا یہ خیال ہے

أَنْ تُتْرَكُوا وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَ لَمْ

کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو تم میں سے جانا ہی نہیں جنہوں نے جہاد کیا

يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَ لَا رَسُولِهِ وَ لَا الْمُؤْمِنِينَ

اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے سوا کسی کو گہرا دوست

وَلِيجَةً ؕ وَ اللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾ ع مَا كَانَ

نہ بنایا اور اللہ کو خبر ہے اس (سب) کی جو تم کرتے رہتے ہو ف۲۷ مشرکین اس

لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ

لائق ہی نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں، درآنحالیکہ وہ خود اپنے اوپر کفر کی

ع ۲/۱۰ ۸

ف۲۲ وہ یوں کہ تمہاری طرف سے وفاء عہد میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اور انہوں نے خود ہی چھیڑ نکالی۔ ف۲۳ ایمان والوں کو انہی کے ایمان کی غیرت اور واسطہ دلایا ہے کہ کافروں مردودوں سے ڈرنا ہی کیا۔ اَتَخْشَوْنَهُمْ۔ کیا تم ان سے اس لیے ڈرتے ہو کہ یہ سامان اور جمعیت زیادہ رکھتے ہیں؟ ف۲۴ (کافروں کی ہزیمت اور تمہاری نصرت سے) يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ اعداء دین کو دنیا میں سزا خادمانِ دین کے ہاتھوں سے دلائی جاتی ہے اور یہ انسان عذاب الٰہی کے واسطہ یا آلہ کا کام دیتے ہیں۔ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعدائے دین کی مغلوبیت سے خوش ہونا امر طبعی بلکہ امر محمود ہے ف۲۵ یہ ذکر ایسے مسلمانوں کا ہے جو خود مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے اور کافروں کے غلبہ پر دل ہی دل میں کڑھا کرتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امور طبعی کاملین میں بھی رہتے ہیں چنانچہ بیان صحابہ میں غیظ کا ذکر موجود ہے ف۲۶ (چنانچہ اپنے علم کامل سے سب کا حال جان کر اپنی حکمت کاملہ سے سب کے مناسب حال احکام جاری فرمائے) يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی اپنی مشیت تکوینی کے ماتحت جس کو چاہے گا، ایمان کی توفیق دے دے گا۔ ف۲۷ اَنْ تُتْرَكُوْا۔ یعنی کیا مومنین صادقین یوں ہی بلا امتحان و آزمائش چھوڑ دیے جائیں گے۔ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً۔ یعنی اصل امتحان کا موقع تو اب آیا ہے، جب اپنے عزیزوں، قریبوں سے قتال کرنا ہوگا اور اللہ اور اسلام کی خاطر اپنے ہر تعلق، ہر محبت کو قربان کرنا پڑے گا۔ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ۔ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی تحقیقی اور ازلی ہے۔ لیکن معلومات جب تک حدوث میں نہ آئیں، علم الٰہی کا تعلق فعلی اُن سے پیدا نہیں ہوتا۔ اس حقیقت کو یہاں لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ سے تعبیر کیا ہے۔ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً۔ اس سے فقہاء نے حجیت اجماع اور اتباع مومنین کا استنباط کیا ہے۔ يقتضى لزوم اتباع المومنين وترك العدول عنهم كما يلزم اتباع النبى ﷺ وفيه دليل على لزوم حجة الاجماع (جصاص)

ف۲۸ یعنی ایسے عقاید کا اقرار کررہے ہوں جو داخل کفر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین میں اپنے عقاید شرکیہ کے ساتھ عمل آبادیٔ مساجد کی اہلیت ہی مفقود ہے۔ یہ اگر آبادی مساجد کریں بھی تو اس سے انہیں کیا نفع حاصل ہوگا؟ مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ۔ یعنی اگر وہ ایسا کرنا بھی چاہیں تو اس کے لائق ہی نہیں۔ انہیں اس سے روکا جائے گا۔ ای لا ینبغی لهم ولا یلیق وان وقع (روح) ما ینبغی للمشرکین باللہ ان یعمروا مساجد اللہ التی بنیت علی اسمه وحدهٗ لا شریک لهٗ (ابن کثیر) ما ینبغی للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ اوجب علی المسلمین منعهم من ذٰلک لان المساجد تعمر لعبادۃ اللہ وحده (معالم) اَنْ یَّعْمُرُوْا۔ عمارۃ۔ عربی محاورہ میں ضد ہے ویرانگی کی، سو عمارت کے تحت میں مسجدوں کا آباد کرنا، اُن میں داخل ہونا، اُن کی تعمیر کرنا، اُن کی خدمت کرنا سب کچھ آ گیا۔ بعض نے عمارت سے مراد تعمیر معروف یعنی مسجد کی بنا اور اُس کی مرمت وغیرہ مراد لی ہے اور کافر کو اس سے روکا ہے۔ چنانچہ وہ اگر اس کی وصیت کر جائے تو اس کی بھی تعمیل نہ ہوگی۔ ذهب جماعة الی ان المراد منه العمارۃ المعروفة من بناء المسجد ومرمته عند الخراب فیمنع منه الکافر حتی لو اوصی به لا یمتثل (معالم) بعض نے مسجد میں داخلہ اور نشست و برخاست مراد لی ہے۔ وحمل بعضهم العمارۃ ههنا علی دخول المسجد والقعود فیه (معالم) مَسٰجِدَ اللہِ۔ اس عموم میں مسجد الحرام (حرم شریف) بھی آ گئی۔ فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ کوئی کافر کسی مسجد کا متولی یا بانی و خادم ہونے کے لائق نہیں، فاقتضت الآیة منع الکفار من دخول المساجد ومن بنائها وتولی مصالحها والقیام بها (جصاص) البتہ جہاں تک مسجد بنانے کا تعلق ہے فقہاء کے ہاں یہ صراحت ملتی ہے کہ اگر اس کافر کے ہاں خود اُس کے مذہب کی رو سے تعمیر مسجد میں اجر ہے اور اُسے تعمیر مسجد کی اجازت دینا کسی مصلحت اسلامی کے خلاف بھی نہیں تو اجازت دے دی جائے گی۔

ف۲۹ (کہ یہ خلود عذاب سزائے موعود ہے کفر کی) اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ یعنی ایمان جو قبول اعمال کی بنیاد ہے وہی اُن کے ہاں منعدم ہے۔ وَفِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ۔ آیت کے صیغۂ حصر سے متکلمین نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ خلود عذاب سزا صرف کافروں کی ہے نہ کہ گنہگار مسلمانوں کی، یعنی صرف وہی (کافر) پڑے رہیں گے نہ کہ کوئی اور۔ واحتج اصحابنا بهٰذه الآیة علی ان الفاسق من اهل الصلٰوۃ لایبقی مخلداً فی النار (کبیر) ف۳۰ (اور اپنے مقصود کو پہنچ جائیں جو نجات اور جنت ہے) ای الی الجنة وما اعد اللہ تعالٰی فیها لعباده (روح) مَنْ اٰمَنَ بِاللہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ یہ بیان ہوا اُن کے بنیادی عقاید کا۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللہَ۔ یہ بیان ہوا اُن کے اعمال و احوال کا۔ عسٰی کے لئے اوپر کئی بار آ چکا ہے کہ جب یہ وعدۂ الٰہی کے سیاق میں آتا ہے تو اس میں معنی یقین کے پیدا ہو جاتے ہیں اور دوررجا احتمال باقی نہیں رہتا۔ عسٰی من اللہ واجب (معالم) وعسٰی من اللہ واجبة عن ابن عباس وغیرها (قرطبی) وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللہَ۔ محققین نے یہاں یہ قید لگا دی ہے کہ دین کے باب میں بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے، یہ مراد نہیں کہ جن چیزوں سے ڈرنا ایک امر طبعی ہے اُن میں بھی کسی سے نہیں ڈرتے جیسا کہ عوام اور ناقص قسم کے مشائخ نے سمجھ رکھا ہے۔ ای فی ابواب الدین فان الخشیة عن المحاذیر جبلیة لایکاد العاقل یتمالک عنها (بیضاوی) واما الخوف الجبلی عن الامور المخوفة فلیس من هٰذا الباب ولا هو مما یدخل تحت التکلیف (روح) المراد من هٰذه الخشیة الخوف والتقوٰی فی باب الدین وان لایختار علی رضاء اللہ رضا غیره (کبیر) المعنی ولم یخش الا اللہ مما یعبد (قرطبی) اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللہِ۔ بعض اکابر سلف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جن لوگوں کو مساجد میں آباد ہوتے دیکھو اُن سے حسن ظن رکھنا لازم ہے۔ وقد قال بعض السلف اذا رأیتهم الرجل یعمر المسجد فحسنوا به الظن (قرطبی) اور جامع ترمذی میں یہ حدیث نبوی ابوسعید الخدری صحابی رضی اللہ عنہ کی روایت سے موجود ہے کہ اذا رایتم الرجل یعتاد المسجد فاشهدوا له بالایمان۔ جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مسجد کو لازم پکڑے ہوئے ہے تو اُس کے ایمان کے گواہ ہو جاؤ۔ ف۳۱ کہ جس طرح عمل عمل برابر نہیں ہوتے اسی طرح عامل عامل بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ کہاں ایمان صحیح و کامل اور جہاد فی سبیل اللہ اور کہاں بلا اعتقاد صحیح محض سقایۂ حجاج و خدمت حرم! کہاں مومن کامل و مجاہد اور کہاں غیر مومن ساقی حجاج! کعبہ چونکہ مشرکین کے نزدیک بھی مقدس تھا اُس کی خدمت اور اُس کے زائروں کی خدمت سرداران قریش نے بھی اپنے ذمہ لے لی تھی۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب نے اپنے زمانہ کفر میں اور شیبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں اپنی خدمات کعبہ و زائرین کعبہ پر فخر کیا تھا۔ یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی۔ اَلْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۔ یعنی اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے یا مشرکین۔ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللہِ۔ من امن سے قبل عمل محذوف ہے۔ ای اجعلتم عمل من سقی الحجاج کعمل من امن (قرطبی) ف۳۲ یہاں یہ بتایا ہے کہ اصل شئے تو ایمان باللہ اور اقرار توحید ہے۔ اور پھر جو اس پر ہجرت و جہاد کا اضافہ کرے اُس کے مرتبہ کا کیا کہنا! خانہ کعبہ کی عظمت جو کچھ ہے وہ مرکز توحید ہی ہونے کی بنا پر تو ہے۔ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللہِ۔ سے یہ خیال نہ گزرے کہ بلا ایمان والوں یعنی کافروں کا بھی کوئی درجہ اللہ کے ہاں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو درجہ و مرتبہ اپنے نزدیک انہوں نے سمجھ رکھا ہے۔ والمراد انهم قدروا لانفسهم الدرجة بالعمارۃ والسقی فخاطبهم علی ما قدروه فی انفسهم وان کان التقدیر خطأ (قرطبی)

اَنْفُسِهِمْ بِالْکُفْرِ ۚ اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِی
گواہی دے رہے ہوں ف۲۸ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے (سب) اعمال اکارت جا چکے اور

النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللہِ مَنْ
دوزخ میں وہی (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ف۲۹ اللہ کی مسجدوں کا آباد کرنا تو بس ان لوگوں کا کام ہے

اٰمَنَ بِاللہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ
جو ایمان رکھتے ہوں اللہ اور روز آخرت پر، اور پابندی کرتے ہوں نماز کی، اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہوں

وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللہَ فَعَسٰٓی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا
اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں پس ایسے لوگ امید ہے کہ

مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَۃَ
راہ یاب ہو جائیں ف۳۰ کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجد حرام کے

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ
آباد رکھنے کو (برابر) قرار دے لیا ہے اس شخص (کے عمل) کے جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور روز آخرت پر

وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ ؕ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللہِ ؕ وَاللہُ
اور اس نے جہاد بھی اللہ کی راہ میں کیا۔ یہ لوگ برابر نہیں (ہو سکتے) اللہ کے نزدیک، اور اللہ

لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾ ۘ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا
راہ نہیں دکھاتا ظالم لوگوں کو ف۳۱ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی

وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ
اور اللہ کی راہ میں جہاد اپنے مال اور اپنی جان سے کیا

اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللہِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾
وہ درجہ میں بہت بڑے ہیں اللہ کے نزدیک اور یہی لوگ (پورے) کامیاب ہیں ف۳۲

وقف لازم

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ

انہیں ان کا رب خوش خبری سناتا ہے اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی اور (ایسے) باغوں

لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿٢١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ

کی کہ ان کے لئے ان میں دائمی نعمت ہوگی ف۳۳ ان میں یہ ہمیشہ ہمیش کے لئے رہیں گے،

اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا

بے شک اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے ف۳۴ اے ایمان والو

تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا

دوست نہ بناؤ اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو اگر وہ لوگ

الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ

کفر سے ایمان کے مقابلہ میں محبت رکھیں اور تم میں سے جو کوئی انہیں دوست رکھے گا سو ایسے ہی

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ

لوگ تو ظالم ہیں ف۳۵ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے

وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ

اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبہ اور وہ مال

اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ

جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بگڑ جانے سے تم ڈر رہے ہو اور وہ گھر جنہیں

تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ

تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں

فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَ اللّٰهُ لَا

جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے ف۳۶ اور اللہ

ف۳۳ اور اس خوشخبری سنانے کا ذریعہ بھی قرآن ہے۔ مقیم کے لفظ نے اسے صاف کردیا کہ انعاماتِ جنت جتنے بھی ہوں گے مستقل، پائدار، دائمی ہوں گے، مسافرانہ انداز کے نہ ہوں گے۔ استعارة للدائم (روح) رحمة اور رضوان کے صیغۂ نکرہ رحمت اور رضوان الٰہی کی عظمت وکثرت کے اظہار کے لئے ہیں۔ نکر الرحمة والرضوان للتفخیم والتعظیم (بحر) ف۳۴ یہاں خلود کے ساتھ اَبَدًا۔ کی بھی تصریح کردی ہے کہ محض خلود کے معنی زمانہ طویل کے بھی آتے ہیں۔ اکد الخلود بالتابید لانه قد یستعمل للمکث الطویل (بیضاوی) اور یہ حقیقت ایک بار اور صاف ہوگئی ہے کہ اجر جنت عظیم وگرانقدر ہونے کے ساتھ دائمی اور غیر منقطع بھی ہوگا۔ لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ۔ جس محبت سے یہاں ممانعت ہو رہی ہے اس سے محبت طبعی مراد نہیں ہے وہ تو ہر عزیز سے ہونا بہتر ہے۔ قید صرف یہ لگادی ہے کہ وہ محبت طبعی عمل میں محبت ایمانی پر غالب نہ آنے پائے، مغلوب ہی رہے اور غالب ہمیشہ ہر معاملہ میں محبت ایمانی رہے۔ ف۳۵ (خود اپنے حق میں) ہجرت کی راہ میں عموماً انہی عزیزوں قریبوں کی محبت حائل ہوجاتی تھی، شریعت نے ایسی اور اس درجہ کی محبت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ۔ یہاں سے یہ مسئلہ فقہاء نے مستنبط کیا ہے کہ جس کافر کے ایمان لانے کی توقع ہو تو اس مصلحت سے اس سے تعلق رکھنا جائز ہے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ یہ لوگ بھی مشرکوں کے حکم میں داخل ہوں گے کہ رضا بالشرک بھی شرک ہی ہے۔ قال ابن عباس هو مشرک مثلهم لان من رضی بالشرک فهو مشرک (قرطبی) ف۳۶ (اور وہ حکم سزائے ترک ہجرت کا ہوگا) اَحَبَّ اِلَيْكُمْ۔ نے اس مسئلہ کو اور زیادہ صاف کردیا جس کا ذکر ابھی اوپر کی آیت میں آچکا ہے یعنی عزیزوں کی محبت بجائے خود ممنوع نہیں، صرف اس کی وہ صورت ممنوع ہے جب وہ احکام شریعت کی تعمیل میں سد راہ بننے لگے۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ حکم بھی اخذ کیا ہے کہ اللہ اور رسول کی محبت کا درجہ وجوب کا ہے۔ وفی الأیة دلیل علی وجوب حب الله ورسوله ولا خلاف فی ذٰلک بین الامة (قرطبی) مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ سے مراد من العمل بِاَمْرِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ ہے یعنی احکام خدا اور رسول پر عمل سے عزیز تر۔ وفی الکلام حذف ای احب الیکم من امتثال امر الله تعالٰی ورسوله (بحر) اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ۔ ہجرت سے ایک بڑا اندیشہ یہی ہوتا تھا کہ یہی سب عزیز قریب چھوٹ جائیں گے۔ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا۔ دوسرا بڑا اندیشہ یہ ہوتا تھا کہ اموال واملاک تلف ہوجائیں گے، تجارت کا انتظام وسلسلہ بگڑ جائے گا، مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا۔ تیسرا ممکن اندیشہ یہ تھا کہ راحت وآسائش کے گھربار چھوٹ جائیں گے۔ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ۔ ہجرت سے ایک درجہ ترقی کرکے یہاں نام جہاد فی سبیل اللہ کا لے دیا گیا ہے کہ ہجرت تو پھر بھی ہلکی چیز ہے۔ مسلمان کو تو جہاد تک کو ہر دنیوی ومادی تعلق پر غالب رکھنا چاہیے۔ فَتَرَبَّصُوْا۔ ایسے موقع پر قرآن مجید جب صیغۂ امر اختیار کرتا ہے تو مقصود ہمیشہ تہدید وتخویف ہوتی ہے۔ صیغة صیغة امرٍ ومعناه التهدید (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں تعلیم اس کی ہے کہ تعلق مع الخلق کے مقابلہ میں تعلق مع اللہ زیادہ رعایت کے قابل ہے۔

يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ

نا فرمان لوگوں کو مقصود تک نہیں پہنچاتا ف۳۷ بے شک اللہ نے بہت سے موقعوں پر

مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ

تمہاری نصرت کی ہے ف۳۸ اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنی کثرت (تعداد) پر

كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ

غرہ ہو گیا تھا پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ

اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے ف۳۹ اس کے بعد

اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول پر اور مومنین پر تسلی نازل کی ف۴۰

وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

اور نازل کیے (ایسے) لشکر جنہیں تم دیکھ نہ سکے ف۴۱ اور (اللہ نے) کافروں کو سزا دی

وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ

اور یہی کافروں کی جزا ہے ف۴۲ پھر اس کے بعد اللہ جس کو

بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

چاہے توبہ نصیب کر دے اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۴۳

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا

اے ایمان والو مشرکین تو نرے ناپاک ہیں ف۴۴ سو

يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ

اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ آنے پائیں ف۴۵ اور اگر

ع ۴ / ۹

ف۳۷ چنانچہ انہیں ان مرغوبات ومالوفات سے تمتع کا موقع دینے کے بجائے، کبھی خلاف توقع ان کی موت لے آتا ہے، کبھی کوئی اور ایسی ہی صورت پیدا کرتا ہے۔ ف۳۸ جیسے جنگ بدر میں اور فتح مکہ کے موقع پر، اور بنو قریظہ وبنو نضیر کے مقابلہ میں وقس علی ہذا۔ نصرت غیبی وتائید ایزدی کا منظر تو کہنا چاہیے کہ ہر موقع پر نمایاں رہتا تھا، علماء نے ۸۰ ایسے موقع گنائے ہیں۔ وان ائمة التاریخ وعلماء المغازی نقلوا انما کانت ثمانین موطنا (بحر) حنین، طائف کے راستہ میں مکہ کی ایک وادی کا نام ہے، مکہ سے غالباً ۳ میل کے فاصلہ پر، فتح مکہ کے دو ہی ہفتہ بعد یہاں مسلمانوں کا مقابلہ ہوازن اور ثقیف کے مشہور تیر انداز قبیلوں سے ہوا تھا، معرکہ کی تاریخ ۶ شوال ۸ ھ مطابق یکم فروری ۶۳۰ء ہے۔ ف۳۹ مسلمان فتح مکہ کے ۲ ہزار طلقاء یعنی جدید العہد نومسلموں کو ملا کر ۱۲ ہزار کی تعداد میں تھے مسلمانوں کو قدرۃً خیال گزرا کہ آج تو ہماری جیت یقینی ہے چنانچہ اول اول ہوئی بھی مسلمانوں کو فتح۔ مشرکین بھاگے اور مسلمان مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، مشرکین موقع دیکھ پلٹ پڑے اور تیر اندازی اس غضب کی کی کہ مسلمانوں کے پیر اُکھڑ گئے۔ مشرکین کے تیر انداز دستے پہاڑیوں کی آڑ میں بہترین کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ مسلمانوں کو جگہ بُری ملی۔ مورچہ جما کر صفیں قائم کرنے کا موقع نہ ملا۔ پہلے پیر طلقاء کے اُکھڑے پھر عام مسلمانوں کے، صرف رسول اللہ ﷺ مع چند مخصوص صحابہ ابوبکر، عمر، عباس علی ابن سعد رضی اللہ عنہ وغیرہ کے میدان جنگ میں رہ گئے۔ عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب آپ کے خچر کی رکاب تھامے ہوئے تھے، اور آپ تھے کہ اپنی صداقت پر مطمئن دشمن کی طرف بڑھتے ہی جاتے تھے۔ بار بار پکار کر فرمایا انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب، میں عبد المطلب کا بیٹا، نبی ہوں اس میں کچھ جھوٹ نہیں، الی عباد اللہ انی رسول اللہ۔ آخر مسلمانوں کو دوبارہ غیرت آئی، پھر سے مقابلہ شروع کیا، آسمان سے فرشتوں کی مدد نازل ہوئی مشرکین آخر بھاگ نکلے، کچھ قید ہوئے۔ کچھ قتل ہوئے۔ شرر کی تاریخ اسلام میں ہے:۔ ۱۰ ہزار جانباز تو وہی تھے جو مدینہ سے علم اسلام کے ساتھ آئے تھے اور ۲ ہزار اہل مکہ تھے ان میں بہت سے مشرک بھی تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اہل مکہ مفتوح ہونے کے بعد بھی مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیے گئے تھے (جلد اول صفحہ ۹۲) اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ۔ یہاں صاف بتا دیا کہ شکست کا اصل راز مسلمانوں کی خود بینی تھی، اپنی کثرت تعداد پر ناز وغرہ، فقہاء مفسرین نے اس آیت کو بھی آیاتِ احکام میں شمار کیا ہے۔ اور چونکہ حدیث مالک میں ذکر آیا ہے کہ اس جہاد میں صفوان مشرک بھی شریک تھا اس لئے اس سے بعض فقہی مسائل بھی مستنبط کیے ہیں۔ امام مالک کی رائے ہے کہ مشرکین کے خلاف جہاد میں مشرک سے مدد لینا جائز نہیں۔ بجز اس صورت کے کہ وہ مشرک خادم بن کر شریک ہو جائے۔ قال مالک ولم یکن ذلک بامر رسول اللہ ﷺ ولا اری ان یستعان بالمشرکین علی المشرکین الا ان یکونوا خدما اونواتیة (قرطبی) دوسرے ائمہ فقہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ثوری رحمۃ اللہ علیہ، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، کی رائے میں جب کلمہ اسلام غالب ہو رہا ہو تو اس کے لئے مشرکین سے استعانت جائز ہے۔ وقال ابوحنیفة والشافعی والثوری والاوزاعی لا باس بذلک اذا کان حکم الاسلام هو الغالب وانما تکره الاستعانة بهم اذا کان حکم الشرک هو الظاهر (قرطبی) ف۴۰ چنانچہ جو ہٹ گئے تھے، وہ پھر میدان میں آ کر جم گئے۔ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مراد اس سے مطلق تسلی نہیں، وہ تو آپ کو اور جو صحابی آپ کے ہمراہ رہ گئے تھے انہیں حاصل ہی تھی، اور اسی بنا پر وہ ثابت قدم بھی رہے بلکہ مراد اس سے تسلی خاص ہے، جس سے سب کو غلبہ کی امید ہو گئی۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ ترک عجب نزول سکینت کا سبب ہو جاتا ہے۔ ف۴۱ (یعنی ملائکہ آسمانی) یعنی الملائکه (مدارک) هم الملائکة بلا خلاف (بحر) لَمْ تَرَوْهَا۔ سے مراد صرف اس قدر ہے کہ وہ لشکر عام طور سے انسان کے لئے غیر مرئی تھا، اگر اتفاق سے کسی صحابی کو بہ طور کرامت یا خرق عادت کوئی فرشتہ نظر آ گیا تو وہ اس بیان قرآنی کے منافی نہیں، ایسے موقعوں کے لئے قرآن کا یہ انداز بیان عام ہے۔ قرآن نے یہاں اس حقیقت کو ایک بار پھر صاف کر دیا کہ اصل شئے اعتماد علی اللہ ہے۔ ظاہری اسباب پر بہت زیادہ تکیہ کر لینا مہلک ہے۔ ف۴۲ چنانچہ حنین میں کافروں کو شکست کی ذلت نصیب ہوئی، ۷۰ آدمی قتل ہوئے، ہزارہا کی تعداد میں قید ہوئے، جن میں فقط عورتیں ہی ۶ ہزار تھیں، مال غنیمت میں مسلمانوں کو ۲۴ ہزار اونٹوں اور ۴۰ ہزار بھیڑ بکریوں کے علاوہ ۴ ہزار اوقیہ چاندی بھی ہاتھ لگی اور یہاں یہ عام قانون بھی بتا دیا کہ کفر کی سزا ہے ہی شکست، ذلت عذاب دنیوی، ف۴۳ چنانچہ انہی صفات مغفرت ورحمت کے تقاضہ سے بہت سے کافر مسلمان بھی ہو گئے۔ ف۴۴ (بہ لحاظ خبث عقاید) نَجَسٌ۔ مراد اس نجاست سے نجاست عقاید ہے نہ کہ نجاست اعیان واجسام۔ والمراد ذو نجس لخبث بواطنهم وفساد عقائدهم (روح) ف۴۵ (بہ غرض خدمت وتولیت یا بہ غرض حج وطواف وغیرہ) یعنی حدود حرم کے اندر بہ غرض حج وعمرہ نہ داخل ہونے پائیں، ممانعت کا تعلق مطلق داخلہ حرم وداخلہ مسجد حرام سے نہیں۔ ای فلا یحجوا ولا یعتمروا کما کانوا یفعلون فی الجاهلیة (مدارک) حنفی مذہب میں مشرکوں کے عام داخلہ حرم یا داخلہ مساجد کی ممانعت نہیں، اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل کتاب بھی اس حیثیت سے مشرکین ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ ولا یمنعون من دخول الحرم والمسجد الحرام وسائر المساجد عندنا (مدارک) حدیثوں سے تمام جزیرہ عرب کا یہی حکم ثابت ہے۔ مشرکین کے لئے بھی اور یہود ونصاریٰ کے لئے بھی۔ چنانچہ حسب وصیت آپ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام جزیرۂ عرب میں اس قانون کا نفاذ ہو گیا۔ اور فقہ حنفی کی رو سے مراد اس سے قرب ودخول بہ طور توطن یا استیلاء کے ہے کہ یہ ناجائز ہے ورنہ مسافرانہ امام کی اجازت سے آنا اگر امام کے نزدیک خلاف مصلحت نہ ہو مضائقہ نہیں...... اور جب حرم کے

خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ

تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو ف۴۶ سو اللہ تمہیں اگر چاہے گا اپنے فضل سے (ان سے) بے نیاز

اِنۡ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ

کردے گا ف۴۷ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے، بڑا حکمت والا ہے، ف۴۸ اہل کتاب میں سے اُن سے لڑو

لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوۡنَ

جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں

مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَلَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَقِّ

جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں

مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ

یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں (اپنے) ہاتھ سے

يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ ﴿۲۹﴾ع وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ عُزَيۡرُ ۨابۡنُ

ف۴۹ اور اپنی پستی کا احساس کر کے ف۵۰ اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے

اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ

فرزند (مجازی) ہیں ف۵۱ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح خدا کے فرزند (مجازی) ہیں ف۵۲ یہ ان کا

قَوۡلُهُمۡ بِاَفۡوَاهِهِمۡ ۚ يُضَاهِئُوۡنَ قَوۡلَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا

قول ہے (محض) ان کے منہ سے (بک دینے کا) ف۵۳ یہ بھی انہی لوگوں کی ریس کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر

مِنۡ قَبۡلُ ؕ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوۡۤا

ہو چکے ہیں ف۵۴ اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کدھر بہکے جا رہے ہیں ف۵۵ انہوں نے

اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

اور اپنے علماء اور اپنے مشائخ کو (بھی) اپنا پروردگار بنا رکھا ہے ف۵۶ اور اللہ کے ہوتے ہوئے

ع ۱۰

اندر آنے کی اجازت دینا جائز ہے مسجد حرام بھی اسی حکم میں ہے" (تھانوی) بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا۔ اس سال سے مراد ۹ ہجری ہے جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زیر امارت حج ادا ہوا تھا۔ اُس کے بعد سے مراد ۱۰ ہجری ہے جب سے اس کا نفاذ شروع ہوا۔ سنة عشر قاله قتاده وقال ابن العربی وهو الصحيح الذی يعطيه مقتضی اللفظ (قرطبی) اس سال کے بعد کی قید سے فقہاء حنفیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ نجاست اعتقادی (کفری) فی نفسہ مانع داخلہ مساجد نہیں۔ وفی ذالک دلالة علی ان نجاسة الكفرلا يمنع الكافر من دخول المسجد (جصاص) ف۴۶ عرب کا ملک کوئی زراعتی تو ہے نہیں باشندوں کی آمدنی کا دارومدار تجارت ہی پر رہتا ہے۔ تو مسلموں کو یہ خوف پیدا ہونا بالکل قدرتی تھا کہ اگر غیر مسلموں سے معاشی وتجارتی تعلقات بھی منقطع ہو گئے تو آخر کھائیں گے پئیں گے کہاں سے؟ یہاں اسی طرف سے اطمینان دلایا جا رہا ہے۔ ف۴۷ (چنانچہ اس نے بھی یہی کر دیا۔ اس طریقہ پر کہ، خود ان تاجروں کو مسلمان کر دیا) اِنۡ شَآءَ۔ (اگر چاہے گا) سے مقصود اس حقیقت پر متوجہ کرنا ہے کہ اس وعدہ کے پورا کرنے کے لئے کسی لمبے چوڑے سامان کی ضرورت نہیں۔ محض اس کی مشیت کافی ہے۔ چنانچہ جب اس کی مشیت ہوئی، سارا ملک مسلمان ہو گیا۔ سامان تجارت دور دور سے بہ کثرت آنے لگا۔ بارشیں اچھی ہوئیں۔ پیداوار خوب ہونے لگی۔ فتوحات اور غنیمتوں کے دروازے کھل گئے۔ اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقم وصول ہونے لگی۔ غرض مشیت کی ایک حرکت نے اسباب غناء ہر طرح کے جمع کر دیئے۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ رزق کے باب میں تعلق خاطر اسباب ظاہری سے رکھنا جائز ہے اور توکل کے منافی نہیں۔ فی هٰذه الأية دليل علی ان تعلق القلب بالاسباب فی الرزق جائز وليس ذٰلک بمناف للتوكل (قرطبی) مِنۡ فَضۡلِهٖ۔ سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ رزق ثمرہ کوشش کا نہیں ہوتا بلکہ عطیہ خداوندی ہے۔ دليل علی ان الرزق ليس بالاجتهاد وانما هو من فضل الله تولّی قسمته بين عباده (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں تعلیم ہے کہ مصلحت دنیوی کو تکمیل مصلحت دینی میں مانع نہ ہونا چاہیے اور اگر مزاحم ہو تو توکل سے علاج کرنا چاہیے۔ ف۴۸ (چنانچہ وہ اپنے علم کامل سے سب احکام کی مصلحتوں کا علم رکھتا ہے اور حکمت کاملہ سے تمہارے افلاس کے انسداد کا بھی انتظام کر دے گا) ف۴۹ یعنی ان سے جنگ وقتال اُس وقت تک واجب ہے جب تک وہ ہتھیار رکھ کر، امن طلب کر کے جزیہ دینے پر مجبور نہ ہو جائیں۔ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ الخ۔ یعنی ان تعلیمات پر حسب تعلیم اسلام پورا پورا ایمان نہیں رکھتے۔ آیت کے عموم میں جملہ اہل کفر آ جاتے ہیں قتال ان سب سے واجب ہے۔ اہل کتاب کا تصریحی ذکر صرف ان کے شرف مرتبہ اور ان کی امتیازی خصوصیات کی بنا پر ہے۔ امر سبحانه وتعالی بمقاتلة جميع الكفار لاتصافهم علی هٰذا الوصف وخص اهل الكتاب بالذكر اكراماً لكتابهم ولكونهم عالمين بالتوحيد والرسل والشرائع والملل (قرطبی) اَلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ۔ یہ تصریح تو اہل کتاب کی ہے، لیکن جو صفات اُن کی بیان ہوئی ہیں وہ اُن سے کہیں بڑھ کر مشرکین میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے مشرکین سے قتال بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔ البتہ مشرکین عرب سنت واحادیث رسول کی بناء پر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اُن کے حق میں جزیہ نہیں۔ جزیرۃ العرب قیامت تک کے لئے توحید کا جغرافی مرکز قرار دیا گیا۔ اُس کے حدود کے اندر کفر وشرک کی اجازت کسی شرط پر بھی نہیں دی جا سکتی۔ ان لوگوں کے حق میں قرآن کی دوسری آیتیں ہیں مثلاً قاتلوهم حتی لا تكون فتنة۔ وغیرہا مجوس ومشرکین ہند وغیرہ سب اس حیثیت سے اہل کتاب کے حکم میں داخل ہیں مستثنیٰ صرف مشرکین عرب ہیں۔ ومن الذين اوتوا الكتاب بيان للذين قبله فاما المجوس فملحقون باهل الكتاب فی قبول الجزية وكذا الترك والهنود وغيرهما بخلاف مشركی العرب (مدارک) ثبت جواز اخذها من سائر الكفار اهل كتاب كانوا اوغيراهل كتاب الاعبدة الاوثان من العرب بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم يقبل منهم الا الاسلام اوالسيف (جصاص) قال اصحابنا لا يقبل من مشركی العرب الا الاسلام او السيف وتقبل من اهل الكتاب ومن سائر كفار العجم الجزية (جصاص)" حدیثوں سے ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس سے بھی جزیہ لیا ہے۔ اور مشرکین عجم مثل مجوس کے ہیں۔ بلکہ آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بدرجہ اولیٰ جزیہ لیا جائے گا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ من الذين اوتوا الكتاب میں من بیانیہ ہے۔ پس سب اہل کتاب انہی صفات سے موصوف ہوں گے۔ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ الخ پس مدار وضع جزیہ کا یہ ٹھیرا اور ظاہر ہے کہ یہ صفات مشرکین میں بدرجہ اولیٰ پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ اہل کتاب توحید اور معاد کا عقیدہ رکھتے ہیں گو اس میں غلطیوں کی وجہ سے لا يؤمنون فرما دیا ہے۔ اور مشرکین تو خود ان عقاید کی اصل ہی میں مخالف ہیں۔ پس جب مدار حکم ان میں اقویٰ ہے تو حکم بھی بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا۔ البتہ مشرکین عرب خاص دلیل سے اس عام سے مخصوص ہو گئے۔ یہی مذہب ہے حنفیہ کا، اور اس کی تائید ہوتی ہے ابن شہاب کے قول سے" (تھانوی) واما المجوس فقال ابن المنذر لا اعلم خلافاً ان الجزية توخذ منهم (قرطبی) جزیہ کے معنی ہیں وہ رقم جو اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم رعایا ذمیوں سے ان کے جان ومال کی حفاظت کے معاوضہ میں وصول کرتی ہے۔ الجزية خراج الارض وما يوخذ من اهل الذمة (لسان) وهی فعلة من الجزاء كانها جزت عن قتله (ابن کثیر) اسلامی حکومت میں ہر مسلم مرد پر فوجی خدمت لازم ہے بہ وقت ضرورت ساری مسلم رعایا سپاہ بن سکتی ہے غیر مسلموں کے لئے یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ فوجی خدمت سے استثناء ایک قلیل رقم کے معاوضہ میں حاصل کر سکتے ہیں۔ غرض یہ کہ جزیہ معاوضہ کفر یا کسی اعتقادی گمراہی کا نہیں بلکہ معاوضہ فوجی خدمات کا ہے۔ فقہاء کے ہاں اس کی پوری تصریحات ملتی ہیں۔

وجب نصرة للمقاتلة! جزیہ واجب اس لئے کیا گیا ہے کہ جنگ کرنے والوں کی امداد باشندوں کی طرف سے ہو۔ خلفا عن نصرة مقاتلة اهل الدار لان من هو عن اهل دار الاسلام عليه نصرتهم وقد فاتت (فتح القدیر) یعنی اسلامی عملداری میں جو گروہ جنگی خدمات انجام دیتا ہے اُن کی امداد کے کام کے لئے۔ اس لئے کہ اسلامی عملداری میں جو بھی ہے اُس پر لڑنے والوں کی امداد واجب ہے اور ذمی چونکہ اس خدمت سے معاف ہیں۔ اس لئے اس کا قائم مقام یہ محصول ہے۔ بعض فارسی اہل لغت نے اسے فارسی لفظ گزیت (بروزن فعیل) اور گزیٹ (بروزن فعلة) کا معرب بتایا ہے (برہان قاطع) وقال الخوارزمی انها معرب کزیت وهو الخراج بالفارسية (روح) بہر حال لفظ کا اشتقاق جو کچھ بھی ہو مراد اس سے یہی ہے۔ "یہی وجہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں قتل نہیں کئے جاتے جیسے عورتیں اور بچہ اور بہت بڈھے اور اپاہج اور رہبان اور تارکان دنیا، اُن پر جزیہ نہیں اور اگر بوجہ قرار علی الکفر کے ہوتا تو اُن پر بھی ہوتا، کیونکہ کفر میں مشترک ہیں" (تھانوی) جزیہ کی شرح ۱۲ درم سالانہ سے لے کر ۴۸ درم سالانہ تک ہے۔ "عورت، بچے، بیمار، معذور بڈھے، بے روزگار، مذہبی طبقہ (مثلاً پادری، جوگی) غلام وغیرہ مستثنیٰ تھے۔ صرف کاروباری آدمیوں پر لگایا جاتا تھا۔ وہ بھی اگر کُلّی جزیہ ہے تو اُس کی مقدار معین تھی۔ ورنہ یوں معمولاً امراء سے تقریباً ایک روپیہ ماہوار یعنی ۱۲ روپے سالانہ، متوسط طبقہ والوں سے ۸ر ماہوار یعنی ۶ روپے سالانہ ادنیٰ طبقہ سے ۴ر ماہوار یعنی ۳ روپے سالانہ، اور درمیان سال میں اگر کوئی مرجاتا تو اُس سے جزیہ ساقط ہو جاتا۔" (اسلامی معاشیات از علامہ مناظر احسن گیلانی مدظلہ) روم اور

وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا

مسیح ابن مریم کو (بھی) ۵۷ حالانکہ انہیں حکم صرف یہ دیا گیا تھا کہ ایک ہی

اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا

معبود (برحق) کی عبادت کریں ۵۸ کوئی معبود نہیں اس کے سوا، وہ اس سے پاک ہے جو یہ (اس کے ساتھ)

يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ

شریک کرتے رہتے ہیں، ۵۹ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں

وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾

حالانکہ اللہ کو نا منظور ہے (ہر صورت) بجز اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے خواہ کافروں کو (کیسا ہی) ناگوار

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ

گزرے ۶۰ وہ اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

کہ اسے وہ غالب کر دے سارے بقیہ دینوں پر خواہ مشرکوں کو (کیسا ہی) ناگوار ہو ۶۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ

اے ایمان والو اہل کتاب کے اکثر علماء و مشائخ

وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

لوگوں کے مال باطل طریقوں پر کھاتے (اڑاتے) رہتے ہیں

وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ

اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں ۶۲ اور جو لوگ کہ سونا اور چاندی

الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ

جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں ۶۳

ایران کی رعایا کو مسلمانوں کی حکومت میں آجانے کے بعد جو رقم جزیہ کی دینا پڑتی تھی وہ اُن محصولوں سے کہیں کم تھی جو ان لوگوں کو پہلی حکومتوں کے وقت دینا پڑتی تھی۔ یہ شہادت حال کے ایک مشہور عیسائی اہل قلم جرجی زیدان مصری کی ہے۔ والجزية التى كانوا يتكلفون دفعها الى المسلمين اقل كثير عن مجموع الغرائب التى كانوا يودونها الى الروم اوالفرس ف۵۰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ۔ اس میں اشارہ آ گیا کہ قانون اسلام کی بالادستی تسلیم کر کے اور شریعت اسلام نے انہیں جو آرام وآسائش دی اُس نعمت کا احساس کر کے جزیہ پیش کریں۔ اے یعطون ما یعطون عن مقابلة نعمة عليهم فى مفازتهم (راغب) عن انعام منكم عليهم (قرطبی) يحتمل (عن يد) عن نعمة فيكون تقديره حتى يعطوا الجزية عن اعتراف منهم بالنعمة فيها عليهم بقبولها منهم (جصاص) وَهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ اس حال میں کہ اپنی پستی کا احساس رکھتے ہوں۔ الصاغر الراضى بالمنزلة الدنية (راغب) اے توخذ منهم على الصغار والذل (کشاف) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ صغار یہی ہے کہ قانون اسلام کی بالادستی تسلیم کر لی جائے۔ نقل عن الشافعى ان الصغار هو جريان احكام المسلمين عليهم (روح) ف۵۱ عزیر یا توریت کے تلفظ میں عزرا (متوفی غالباً ۴۵۸ ق م)۔ یہود کے مذہبی نوشتوں میں زیادہ "کاتب" کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ بخت نصر (متوفی ۵۶۱ ق م) کے حملہ اور کامل تباہی اور بربادی کے بعد جب توریت کے نسخے یہود کے پاس سے بالکل غائب ہو گئے تو انہی عزیر (عزرا) نے توریت کو از سر نو اپنی یادداشت سے لکھ دیا اور اس لئے انہیں یہود مثیل موسیٰ تسلیم کرتے ہیں، بلکہ بعض نے غلو کر کے اس مرتبہ سے بھی بڑھا دیا ہے۔ ابْنُ اللّٰهِ۔ عربی میں ابن اور ولد دو الگ الگ مفہوم رکھنے والے لڑکے اور بیٹے کے مرادف لفظ ہیں اور انگریزی میں بھی ان کے مقابلہ میں دو اصطلاحیں Son of god اور Child of god کی الگ الگ ہیں۔ ابن اللہ جو ترجمہ ہے۔ Child of god کا اس سے مراد صلبی یا حقیقی فرزند کے نہیں، بلکہ خدا کا لاڈلا یا چہیتا یا فرزند معنوی ومجازی ہے۔ جیسے قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ اہل کتاب ہی کی زبان سے استعمال ہوا ہے۔ قالوا نحن ابنٰؤا الله واحباءه یہاں پر ابناء اللہ کے کھلے ہوئے یہی مجازی معنی ہیں۔ یہود اسی معنی میں حضرت عزیر کو اپنا مطاع کل اور بارگاہ حق میں محبوب مطلق مانتے تھے، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ف۵۲ مسیحیت کی دو گمراہیاں ایک شدید، دوسری شدید تر الگ الگ ہیں۔ ایک حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا ولد Son of god قرار دینا۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں جہاں آیا ہے، اکثر بہت سخت وعید کے ساتھ آیا ہے۔ تكاد السمٰوٰت يتفطرن منه وغیرہا۔ دوسری گمراہی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا فرزند مجازی (Child of god) قرار دینا ہے۔ قرآن مجید نے اس عقیدہ کو ابن اللّٰہیت سے تعبیر کیا ہے اور گو یہ بھی بجائے خود شدید ہے پھر بھی ولد اللّٰہیت کا عقیدہ اس سے اشد ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ہمارے بعض پرانے مفسرین بھی اس نکتہ تک پہنچ گئے تھے کہ یہاں ابنیت سے مراد ابنیت نسبی ونسلی نہیں بلکہ لاڈ پیار والی ابنیت ہے اور یہ بھی کفر ہے۔ قال ابن عطية ويقال ان بعضهم يعتقدها بنوة حنو ورحمة و هذا المعنى ايضا لايحل ان تطلق البنوة عليه و هو كفر (قرطبی) يقال ان بعضهم يعتقدها بنوة حنو و رحمة (بحر) ف۵۳ (جس کا حقیقت اور واقعیت سے کوئی بھی تعلق نہیں) یہ فقرہ تاکید کلام کے طور پر لایا گیا ہے۔ قیل معناه التاكيد (قرطبی) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ بھی خوب نکالا ہے کہ جس قول کو ابتداءً زبان سے ادا کرنا کفر ہے، اسے تردید کی غرض سے دہرانا اور نقل کرنا بالکل درست ہے۔ فى هذا من قول ربنا دليل على ان من اخبر عن كفر غيره الذى لا يجوز لا حدان يبتدى به لا حرج عليه لانه انما ينطق به على معنى الاستعظام له والرد عليه فلا يمنع ذلك منه (ابن العربی) ف۵۴ یعنی ان مہمل عقاید پر اُن کے پاس نہ دلیل عقلی نہ نقلی۔ یہ تو محض ان جاہل مشرک قوموں کی نقالی ہے جو باری تعالیٰ کی تجسیم کی قائل تھیں اور عقیدۂ حلول یا اوتار کو ماننے والی تھیں۔ اشارہ خاص مشرکین یونان کی جانب ہے کہ اُنہی کے "حکماء فلاسفہ" کے اقوال سے پہلی صدی عیسوی کے یہود و نصاریٰ

فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۳۴﴾ یَّوۡمَ یُحۡمٰی عَلَیۡهَا فِیۡ

آپ انہیں ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجیے، (جو) اس روز (واقع ہوگا) جب کہ اس (سونے چاندی)

نَارِ جَهَنَّمَ فَتُکۡوٰی بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَ جُنُوۡبُهُمۡ

کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو

وَظُهُوۡرُهُمۡ ؕ هٰذَا مَا کَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ فَذُوۡقُوۡا

اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا، یہی ہے وہ جسے تم اپنے واسطے جمع کرتے رہے تھے سو اب مزہ چکھو

مَا کُنۡتُمۡ تَکۡنِزُوۡنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ

اپنے جمع کرنے کا ف۶۴ بے شک مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک

اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا فِیۡ کِتٰبِ اللّٰهِ یَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

بارہ ہی مہینہ ہیں کتاب الٰہی میں (اس روز سے) جس روز کہ اس نے آسمان اور زمین

وَالۡاَرۡضَ مِنۡهَاۤ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ ۬ۙ

پیدا کئے ف۶۵ اور ان میں سے چار (مہینہ) حرمت والے ہیں ف۶۶ یہی دین مستقیم ہے

فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِیۡهِنَّ اَنۡفُسَکُمۡ وَ قَاتِلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ

سو تم ان (مہینوں) کے باب میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو ف۶۷ اور لڑو مشرکوں سے

کَآفَّةً کَمَا یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ کَآفَّةً ؕ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ

سب سے جیسا کہ وہ لڑتے ہیں تم سب سے اور جانے رہو کہ اللہ متقیوں

الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِیَادَةٌ فِی الۡکُفۡرِ یُضَلُّ

کے ساتھ ہے ف۶۸ مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں اور ترقی کرنا ہے ف۶۹ اس سے (عام) کفار

بِهِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُحِلُّوۡنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوۡنَهٗ عَامًا

گمراہ کئے جاتے ہیں وہ کسی سال حرام مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اسے حرام سمجھتے ہیں

دونوں ہی متاثر ہوگئے تھے، اوران کی مشرکانہ تعلیمات کو برابر اپنے عقاید کا جزء بناتے چلے گئے تھے۔ مسیحیت پر یونانی اور رومی مذہبوں کے گہرے اثر کی دریافت انیسویں صدی کے نصف آخر کے محققین وفضلاء کا خاص کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے صدیوں قبل جبکہ کوئی نام بھی Higher Criticism کا نہیں جانتا تھا، ایک اُمّی کی زبان سے دنیا کو اس حقیقت سے آشنا کردیا، ملاحظہ ہو، انگریزی تفسیر القرآن۔ ف۵۵ (کہ صاحب کتاب ہونے کی دولت سے مشرف ہوکر، انبیاء کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہونے کے باوجود، ایسے ایسے افتراء اللہ پر باندھتے چلے ہیں) قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ۔ فطرت بشری ہے کہ ایسے موقعوں پر سخت بیزاری اور غصہ ونفرت کی حالت میں زبان پر بے اختیار ایسے فقرے آجاتے ہیں کہ خدا انہیں غارت کرے۔ قرآن نے فطرت بشری کا لحاظ کرکے گویا یہ فقرے پڑھنے والے کی زبان سے ادا کرکے، اُس کے جذبات کی ترجمانی کا حق ادا کردیا۔ ف۵۶ یعنی انہیں مستقلاً ایسا صاحب اختیار مان رکھا ہے کہ گویا وہی معبود اور رب ہیں۔ جو چاہیں وہ جائز کردیں، جو چاہیں، وہ حرام ٹھیرا دیں۔ سارے اختیارات شریعت وقانون سازی کے گویا اُنہی کو حاصل ہیں۔ مسیحیوں کے ہاں فرقہ کیتھولک میں آج بھی پوپ (پاپائے روم) بہ حیثیت نائب مسیح سارے اختیارات علانیہ رکھتا ہے۔ اور فرقہ پروٹسٹنٹ نے بھی عملاً سارے اختیارات چرچ (کلیسا) کو دے رکھے ہیں۔ یہود کے ہاں بھی ربیوں کے احکام، خود توریت کی تعلیمات پر غالب آگئے تھے۔ الاکثرون من المفسرین قالوا لیس المراد من الارباب انهم اعتقدوا الٰهیهم انهم الٰهة العالم بل المراد انهم اطاعوهم فی اوامرهم ونواهیهم (کبیر) آیت کی تفسیر ماثور بھی یہی ہے۔ عدی بن حاتم نومسلم عیسائی کی روایت کتب حدیث میں درج ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم لوگ اپنے مقتداؤں اور پیشواؤں کو خدا کب مانتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حلال وحرام کے اختیارات اُن میں مان لینا، عملاً انہیں خدائی اختیارات دے دینا اور رب کے مرتبہ پر پہنچا دینا ہے۔ آیت میں مسلمانوں کے لئے بھی بڑی عبرت ہے۔ انہوں نے بھی مختلف اماموں اور مشائخ کو مستقل مطاع قرار دے کر عملاً انہیں معصومیت بلکہ خدائی کے مرتبہ پر پہنچا دیا ہے۔ قرآن کی صریح آیت کو، اپنے ضمیر کی صریح شہادت کو، کھلے ہوئے مشاہدہ کو سب کو چھوڑ دیں گے لیکن اپنے شیخ کے قول کو نہ چھوڑیں گے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر اپنے استاد رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میری نظر سے ایسے مقلدین جامد گزرے ہیں جن کے سامنے اُن کے مسلک کے خلاف میں نے قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ انہوں نے آیات کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا، اُن کی طرف التفات نہ کیا، اُلٹے حیرت سے میری طرف دیکھتے رہے کہ اُن کے اسلاف کے مسلک کے خلاف یہ آیات قرآنی ہو کیونکر سکتی ہیں۔ اور تاویل بجائے اُن کے اقوال کے خود ان آیات میں کرنا چاہیے۔ یہ قول نقل کرکے امام موصوف خود لکھتے ہیں کہ:۔ لو تاملت حق التامل وجدت هذا الداء ساریا فی عروق الاکثرین من اهل الدنیا! کہ غور کرکے دیکھا جائے تو اکثر اہل دنیا اسی بیماری میں مبتلا نظر آئیں گے۔ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کی توحید فی الطاعت چھوڑ کر۔ ف۵۷ مسیحیت کی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی یہ تھی کہ مسیح علیہ السلام کو علاوہ ولد الٰہ اور ابن اللہ سمجھنے کے مطاع مطلق بھی سمجھتے تھے، اور مطاع مطلق بھی، بالکل اور براہ راست حق تعالیٰ کے مساوی اور ہم رتبہ کی حیثیت سے۔ اور اُن کی مطاعیت چونکہ پوپ اور کلیسا کی مطاعیت کے برخلاف اصلاً ومستقلاً ہے اس لئے قرآن مجید نے اس کا ذکر بھی احبارهم ورهبانهم سے الگ کرکے کیا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں نصوص کے مقابلہ میں تقلید کرنے کی مذمت ہے جیسے جاہلوں کی عادت ہے کہ جب انہیں بدعات ومنکرات سے منع کیا جاتا ہے تو اپنے مشائخ سے تمسک کرنے لگتے ہیں۔ ف۵۸ (اور یہ حکم انہیں اپنے پیمبروں کے ذریعہ سے اُن کے آسمانی نوشتوں میں دیا گیا تھا جو کسی حد تک آج بھی موجود ومحفوظ ہے) چنانچہ توریت میں ہے:۔ "میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے" (خروج ۲۰:۳) نیز (استثناء ۵:۷) اور انجیل میں ہے:۔ "سب حکموں میں اول کون سا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے، اے اسرائیل سن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے" (مرقس، ۱۲:۲۹) ف۵۹ یہاں ذکر قریش اور عرب کے جاہلی مشرکوں کا نہیں، اہل کتاب یہود ونصاریٰ کا ہے جو توحید کی دولت سے بار بار مشرف کیے جاچکے تھے۔ ف۶۰ آیت کی صداقت پر امت کی ساڑھے تیرہ سو سال کی پوری تاریخ گواہ ہے، یہود ونصاریٰ، مشرکین غرض ہر مخالف ومعاند مکر وحیلہ زور وجبر کے ہر ممکن طریقہ سے اسلام کی بیخ کنی میں لگا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود اسلام ہے کہ پھیلتا ہی جاتا ہے اور پیروانِ اسلام کی تعداد میں اضافہ ہی روز افزوں ہے یہاں تک کہ مسیحی مشنریوں کو اعتراف ہے کہ بے دریغ روپیہ خرچ کرنے اور نہایت درجہ مستحکم نظام کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کے مشن افریقہ وغیرہ میں ناکام ہورہے ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ نُوۡرَ اللّٰهِ۔ یعنی دین اسلام یُطۡفِـُٔوۡا بِاَفۡوَاهِهِمۡ۔ جس طرح چراغ پھونک مار کر بجھایا جاتا ہے یہ مخالفین ومعاندین چاہتے ہیں کہ اسی طرح اسلام کا چراغ بھی گل کردیں۔ الۡکٰفِرُوۡنَ۔ اشارہ خاص یہود ونصاریٰ کی جانب ہے اور کافر انہیں ان کے منکر نبوت محمدی ﷺ ہونے کی حیثیت سے کہا گیا ہے۔ ف۶۱ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ۔ یہ غلبہ دین بہ لحاظ قوت دلائل کے ہے کہ یہی نور اللہ کا اتمام ہے۔ ای بالحجة والبراهین (قرطبی) محققین نے کہا ہے کہ اسلام کا غلبہ سارے ادیان پر عقل واستدلال کی رو سے تو مطلق ہے اور کسی وقت وزمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، البتہ مادی غلبہ اہل اسلام کی صلاحیت واہلیت کے ساتھ مخصوص ومشروط ہے۔ الۡمُشۡرِکُوۡنَ۔ اشارہ خاص یہود ونصاریٰ کی جانب ہے۔ اور مشرک انہیں ان کے شرک فی التوحید کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ ف۶۲ اور خود حق کی تلاش وطلب رکھنا تو الگ رہا، اُسے قبول تک نہیں کرتے)

لِيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ

تا کہ ان (مہینوں) کی جنہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے گنتی پوری کرلیں، وٹ۶ پھر اللہ کے حرام کئے

اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى

ہوئے مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں، ان کی بدعملیاں انہیں اچھی معلوم ہوتی ہیں، اور اللہ کافر لوگوں کو

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ

ہدایت نہیں دیا کرتا وٹ۷ اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے

اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى

کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں تو تم زمین سے لگے

الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ

جاتے ہو وٹ۷۲ کیا تم دنیا کی زندگی پر بہ مقابلہ آخرت کے راضی ہو گئے؟

فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿٣٨﴾

سو دنیا کی زندگی کا سامان تو آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی قلیل ہے وٹ۷۳

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا

اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں ایک دردناک سزا دے گا اور تمہارے بدلہ ایک دوسری قوم پیدا

غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ

کر دے گا اور تم اسے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکو گے، اور اللہ ہر شے پر

قَدِيْرٌ ﴿٣٩﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ

قادر ہے وٹ۷۴ اگر تم لوگ ان کی (یعنی رسول اللہ کی) مدد نہ کرو گے تو ان کی مدد تو (خود) اللہ کر چکا ہے جب کہ ان کو کافروں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِىَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ

نے (وطن سے) نکال دیا تھا وٹ۷۵ جب کہ دو میں سے ایک وہ تھے دونوں غار میں (موجود) تھے جب کہ وہ اپنے رفیق

یاکلون اموال الناس بالباطل۔ سلیس وعام فہم اردو میں لوگوں کو ٹھگتے رہتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ معتقدین کی مرضی دیکھ کر انہیں اُن کے موافق فتوی دے دیا اور اُن سے نذرانہ وصول کرلیا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ اَلْبَاطِلِ۔ کے تحت میں رشوت اور ناجائز نذرانوں کی ہر صورت آگئی۔ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ عوام اُن کے انہی جھوٹے سچے فتووں میں آکر عمر بھر گمراہی میں پھنسے رہتے ہیں۔ وٹ۶۳ یعنی شریعت کے واجب کئے ہوئے مصارف خیر میں۔ یَکْنِزُوْنَ۔ کنز کے لغوی معنی اُس مال کے ہیں جو کسی ظرف میں محفوظ کر کے رکھا گیا ہو یا زیر زمین دفن کردیا گیا ہو۔ الکنز اسم للمال اذا احرز فی وعاء ولما یحرز فیه وقیل الکنز المال المدفون (لسان) اور یَکْنِزُوْنَ۔ یدخرون کے مرادف ہے لیکن حدیث نبوی اور اصطلاح شرعی میں کنز سے مراد وہ مال لیا گیا ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے اور جس کی زکوٰۃ ادا ہوتی رہے اُس پر اطلاق کنز کا نہ ہوگا۔ محدث بیہقی نے نافع مولیٰ، ابن عمر رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت کی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا ہو چکی وہ کنز نہیں، چاہے زمین کے سات پردوں میں گڑا ہو۔ اور جس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی وہ کنز ہے چاہے سطح زمین پر کھلا پڑا ہو۔ ما ادی زکاته فلیس بکنز (بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ) کل ما ادیت زکاته وان کان تحت سبع ارضین فلیس بکنز وکل ما لاتؤدی زکاته فهو کنز وان کان ظاهرا علی وجه الارض (فتح الباری۔ کتاب الزکاۃ) اذا اخرج منه الواجب علیه لم یبق کنزا وان کان مکنوزا وهو حکم شرعی تجوز فیه عن الاصل (لسان) هو فی الشرع مالم یؤد زکاته (جصاص) روی عن عمر و ابن عباس وابن عمر والحسن وعامر والسدی قالوا مالم یؤد زکاته فهو کنز (جصاص) وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یہ قید خوب ذہن نشین رہے وعید انہی لوگوں کے حق میں ہے جو غایت حرص کی بنا پر مال کے حقوق واجب ادا نہیں کرتے۔ فالمراد منها مالم یؤد حقها (بیضاوی) مرادہٗ من الزکاة (جصاص) اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے جس جمع مال کو مذموم قرار دیا ہے وہ مطلق جمع نہیں بلکہ صرف وہ جمع ہے جس میں ضروری مصارف خیر کی گنجائش نہ رکھی جائے اور اس مفہوم پر بجز ایک صحابی ابوذر رضی اللہ عنہ اور چند اہل زہد کے باقی اکابر صحابہ، تابعین اور جمہور علماء امت کا اتفاق ہے۔ قال ابن عبد البر الجمهور علی ان الکنز المذموم مالم تؤد زکاته...... لم یخالف فی ذٰلک الا طائفة من اهل الزهد کابی ذر (فتح الباری۔ کتاب الزکوٰۃ) وکان ابوذر یحمل الحدیث علٰی اطلاقه فلا یری بادخار شیء اصلًا ...... خالفه جمهور الصحابة ومن بعدهم (ایضاً) مطلق جمع مال کی ممانعت قرآن میں نہیں، موجودہ انجیل محرف میں ملے گی:۔ "اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو" (متی۔ ٦:١٩، ٢٠) اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں بہت سے فقراء تھے وہاں بہت سے امیر کبیر بھی تھے مثلاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہم۔ ولقد کان کثیر من الصحابة رضی الله عنهم کعبدالرحمن بن عوف وطلحة یقتنون الاموال ویتصرفون فیها وما عابهم احد (مدارک) اَلذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ۔ سونے اور چاندی کا نام بہ طور مثال اور نمونہ کے لے دیا گیا کہ عموماً مال وجائداد کے بڑے ذریعہ یہی ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ حصولِ دولت وجمع دولت کا حصر انہی دو چیزوں میں ہے۔ خصا بالذکر من بین سائر الاموال لانهما قانون التمول واثمان الاشیاء و ذکر کنزهما دلیل علٰی ما سواهما (مدارک) الحکم عام وتخصیصهما بالذکر لانهما قانون التمول (بیضاوی) وٹ۶۴ اتنی صریح، شدید، مؤکد وعید عذاب سے ظاہر ہے کہ بڑے بڑے کوٹھی وال مہاجنوں بینکروں کی طرح سونے چاندی کے ڈھیر پر ڈھیر جمع کرتے رہنے کی گنجائش اسلام میں نہیں۔ مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ۔ سے قبل لفظ عذاب محذوف ہے۔ ای عذاب ما کنتم تکنزون (قرطبی) وٹ۶۵ یعنی شریعت الٰہی میں معتبر قمری سنہ کے بارہ ہی مہینہ ہیں، نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم، اور یہ کچھ آج سے نہیں، روز آفرینش سے۔ فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ۔ یعنی شریعت خداوندی میں۔ ای فی ما اثبته واوجبه من حکمه (مدارک) یا لوح محفوظ میں، فی اللوح (مدارک) یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ اس تصریح سے مقصود زور و تاکید پیدا کرنا ہے۔ والمقصود بیان ان هذا الحکم حکم محکوم به من اول خلق العالم وذٰلک یدل علی المبالغة والتاکید (کبیر ا) وٹ۶۶ اور وہ بھی متعین ومعروف یعنی محرم، رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، یہ نہیں کہ اہل جاہلیت کی طرح اپنی وقتی مصلحتیں دیکھ کر جس مہینہ کو چاہا ادب والا قرار دے دیا۔ اور سال کے مہینہ جب چاہا بڑھا دیے۔ حُرُمٌ۔ حرمت والے مہینہ وہ جن میں قتال ممنوع تھا۔ یہ تو فقہی پہلو ہوا۔ باقی یہ مہینہ وہ ہیں جن میں طاعت مقبول تر اور معصیت قبیح تر قرار دی گئی ہے۔ معنی الحرم ان المعصیة فیها اشد عقابًا والطاعة فیها اکثر ثوابًا (کبیر) لا یبعدان یعلم الله تعالٰی ان وقوع الطاعة فی هذه الاوقات اکثر تاثیرًا فی طهارة النفس ووقوع المعاصی فیها اقوی تاثیرًا فی خبث النفس وهذا غیر مستبعد عند الحکماء (کبیر) وٹ۶۷ (عادت جاہلیت کا اتباع اور دستور الٰہی سے انحراف کر کے) ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔ یعنی مذہب کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ یہی ہے۔ اس کے خلاف روش اختیار کرنا بددینی ہے۔ لیکن دین کے معنی "حساب" کے بھی آئے ہیں۔ اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ سیدھا اور صحیح حساب یہی ہے گو ترجیح اُسی پہلے معنی کو ہے۔ الدین قد یراد به الحساب فتفسیر الاٰیة علٰی هذا التقدیر ذٰلک الحساب المستقیم الصحیح (کبیر) ای الحساب الصحیح والعدد المستوفی...... والاصوب عندی ان یکون الدین ههنا علٰی اشهر وجوهه ای ذٰلک الشرع والطاعة (قرطبی)

لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو بے شک اللہ ہم لوگوں کے ساتھ ہے ف٦٧ سو اللہ نے اپنی تسلی

سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ

ان (رسول) کے اوپر نازل کی، اور ان کی تائید ایسے لشکروں سے کی جنہیں تم لوگوں نے نہ دیکھا ف٦٨ اور اللہ

كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ

نے کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ کی بات اونچی رہی،

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٠﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا

اور اللہ بڑا قوت والا ہے بڑا حکمت والا ہے ف٦٨ نکل پڑو ہلکے اور بوجھل

وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اور جہاد کرو اپنے مال سے اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں ف٧٩

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ لَوْ كَانَ

یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم علم رکھتے ہو ف٨٠ اگر کچھ

عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ

مال لگے ہاتھ مل جانے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی ہوتا تو یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن

بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ

انہیں مسافت ہی دور دراز معلوم ہوئی ف٨١ اور یہ لوگ عنقریب اللہ کی قسم کھا جائیں گے اگر

اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ

ہم سے ہوسکتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے یہ لوگ اپنی ہی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں ف٨٢

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٤٢﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ

حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں ف٨٣ اللہ نے آپ کو معاف کر دیا (لیکن)

ع ٥ ١٢

فِيْهِنَّ۔ یہ ضمیر جمع مونث کس کی طرف ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا۔ کی جانب ہو، یعنی ان بارہ مہینوں کے باب میں گڑبڑ کرکے اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ اے فلا تظلموا فی الشهور الاثنی عشر انفسكم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) علی قول ابن عباسؓ راجع الی جمیع الشهور (قرطبی) اور یہ بھی درست ہے کہ اربعة حرم کی جانب ہو، جیسا کہ اکثر مفسرین کا خیال ہے یعنی ان چاروں ادب والے مہینوں میں گڑبڑ کرکے گنہگار نہ بنو۔ قول الاکثرین ان الضمیر فی قوله فیهن عائد الی الاربعة الحرم (کبیر) علی قول بعضهم راجع الی الاشهر الحرم خاصة (قرطبی) مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ متبرک اوقات میں معصیت کی برائی شدید تر ہوتی ہے اور اسی پر متبرک مقامات کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ تو وائے برحال اُن لوگوں کے جو اولیاء صالحین کے مزارات و مقابر پر اور وہ بھی زمانہ عرس میں فجور و بدعات کا ارتکاب کیا کرتے ہیں۔ امام رازی علیہ الرحمہ نے حسب معمول اس پر تفصیل و تحقیق سے گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ عربوں کے ہاں تو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے وقت سے سنہ قمری چلا آتا تھا۔ جس میں ماہ حج کبھی کسی موسم میں پڑتا تھا کبھی کسی میں۔ لیکن عربوں نے دیکھا کہ اس سے تجارت وغیرہ میں نقصان ہوتا ہے تو انہوں نے مصالح دین کا خیال نہ کرکے اور ان پر مصالح دنیوی کو ترجیح دے کر یہود و نصاریٰ سے حساب کبیسہ سیکھ لیا اور اپنے مہینوں میں کچھ کچھ روز کے بعد ایک مہینہ بڑھا کر حج وغیرہ کا زمانہ بہ حساب شمسی متعین کردیا اور یہ صریح مصالح شریعت میں دست اندازی ہے۔ متعدد علماء نے آیت سے یہ حکم بھی مستنبط کیا ہے کہ مسلمانوں پر اپنے معاملات و عبادات میں سنہ قمری عربی کی پابندی واجب ہے اور سنہ عجمی و سنہ رومی شمسی کی پابندی جائز نہیں۔ قال اهل العلم الواجب علی المسلمین بحکم هذه الاٰیة ان یعتبروا فی بیوعهم و مدد دیونهم واحوال زکوتهم وسائر احکامهم السنة العربیة بالاهلة ولایجوزلهم اعتبار السنة العجمیة والرومیة (کبیر) ف٦٨ (بہ لحاظ اپنی نصرت کے) مطلب یہ ہوا کہ مشرکوں یا اُن کے سامان و جمعیت سے ڈرنا ہی کیا، ایمان و تقویٰ پر قائم رہو تو نصرت الٰہی تو تمہارے ہی ساتھ رہے گی۔ الْمُشْرِكِيْنَ۔ مراد مشرکین عرب ہیں، جزیہ اُن کے حق میں نہ تھا، انہیں لازمی طور پر مسلمان ہی ہونا تھا كَآفَّةً۔ یعنی ان سے ہر موسم میں، سال کے ہر مہینہ لڑ سکتے ہو جس طرح یہ تم سے لڑتے رہتے ہیں۔ ف٦٩ یعنی کافرانہ دستوروں میں ایک اور دستور کا اضافہ ہے۔ النَّسِيْٓءُ۔ ہندوستان میں جو سنہ فصلی شمسی حساب سے رائج ہے، اس کے مہینوں میں حساب کو پورا کرنے کو ہندو پنڈت کبھی کبھی ایک مہینہ کو دہرا دیتے ہیں۔ اور اسے اصطلاح میں لوند لگانا کہتے ہیں۔ مثلاً اب کی سال اساڑھ میں لوند لگا یعنی اساڑھ کی مدت بجائے ایک مہینہ کے دو مہینہ قائم رہی۔ یہ تو محض حسابی ضرورتوں سے ہوتا ہے۔ عرب جاہلی کے روساء یہ کرتے تھے کہ محض ان مصلحتوں کے تابع سنہ قمری کے جس ماہ کو چاہتے مقدس قرار دے دیتے جس مہینہ کو چاہتے دہرا دیا کرتے اور سال کو جب چاہتے بجائے بارہ کے تیرہ چودہ ماہ کا کردیا کرتے۔ اس سے سارے نظام تقویمی میں خلل پڑ جاتا۔ ف٧٠ یعنی شریعت الٰہی نے تو چار مخصوص و متعین مہینوں کو محترم ٹھہرایا ہے۔ یہ لوگ جب چاہتے ہیں، اپنی ذاتی و نفسانی اغراض کو پورا کرتے کبھی اس مہینہ کو محترم قرار دے لیا اور کبھی اُس مہینہ کو، اور اسی طرح چار کی گنتی بلا تخصیص و تعیین پوری کرلی۔ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ گمراہ جو کیے جاتے ہیں وہ تو عوام کفار ہوتے ہیں اور گمراہ کرنے والے اُن کے سردار اور روساء ہوتے ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ احکام عبادات میں معتبر صرف سنہ قمری ہے۔ رومی، ایرانی، مصری کسی اور سنہ کو اسلام معتبر نہیں قرار دیتا۔ هذه الاٰیة تدل علی ان الواجب تعلیق الاحکام من العبادات وغیرها انها یکون بالشهور والسنین التی تعرفها العرب دون الشهور التی تعتبرها العجم والروم والقبط وان لم تزد علی اثنی عشر شهرا (قرطبی) ف٧١ (وہ اس لئے کہ یہ لوگ خود راہ پر نہیں آنا چاہتے اور ہدایت کی کوئی طلب نہیں رکھتے) سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ۔ ”لوند کا مہینہ جو تصحیح حساب موسم کے لئے بارہ پر بڑھا لیا جاتا ہے وہ اس آیت کی مخالفت نہیں، اسی طرح دوسرے حسابوں کی اس میں نفی نہیں ہے، جیسا بعض اہل زمانہ سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیونکہ ان حسابوں سے احکام شرعیہ میں تو فرق و خلل نہیں پڑتا اور مقصود آیت میں اس حساب کا ابطال ہے، جس سے احکام شرعیہ میں اختلال یا غلطی ہونے لگے۔ جیسا اہل جاہلیت کی عادت کا بیان کیا گیا۔ البتہ چونکہ احکام شرعیہ کا مدار حساب قمری پر ہے اس لئے اس کی حفاظت فرض علی الکفایہ ہے پس اگر ساری امت دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنالیوے۔ جس سے حساب قمری ضائع ہوجائے۔ سب گناہگار ہوں گے۔ اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے لیکن خلاف سنت سلف ضرور ہے۔ اور حساب قمری کا برتنا بوجہ اس کے فرض کفایہ ہونے کے افضل و احسن ہے۔“ (تھانوی) زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ۔ شیطان کا بڑا دھوکا یہی ہے کہ معصیت اور بدعملی کو انسان کی نظر میں ایک عمل نیک کر دکھاتا ہے۔ اہل طریق نے اس سے بچنے کے لئے خاص طور پر دعائیں اور مناجاتیں کی ہیں۔

آنچہ در کون ست زاشیا آنچہ ہست ۔ دائماً جاں را بہر حالت کہ ہست ۔ گرگگی کردیم اے شیر آفریں ۔ شیر رامگمار بر ما زیں کمیں ۔ آب خوش را صورت آتش مدہ ۔ اندر آتش صورت آبے منہ ۔ از شراب قہر چوں مستی دہد ۔ نیستہا را صورت ہستی دہی

ف٧٢ یعنی مستعدی کے ساتھ اُٹھتے اور چلتے نہیں۔ اشارہ رجب ٩ھ/٦٢٠ء کے غزوہ تبوک کی جانب ہے، تبوک مدینہ کے شمال میں سرحد شام پر ایک مقام کا نام ہے۔ شام اُس وقت مسیحیوں کی رومن امپائر کا ایک صوبہ تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آئے تو آپ کو اطلاع ملی کہ مسیحی فوجیں تبوک پر جمع ہو رہی ہیں اور عنقریب مدینہ پر حملہ کرنے والی ہیں۔ آپ نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ ٣٠ ہزار کی جمعیت آپ کے ہمراہ ہوگئی۔ تاہم اب کے ایک طرف مقابلہ کسی قبیلہ سے نہیں ایک باضابطہ قواعد دان شاہی فوج سے کرنا تھا پھر

موسم بھی شدید گرمی کا۔ فصل کے پکنے اور کٹنے کا زمانہ بھی قریب اور سفر خاصہ دور دراز، قدرۃً بہتوں کی ہمتیں جواب دے گئیں اور منافقین تو خوب خوب رنگ لائے۔ لشکر نصاریٰ کو جب لشکر اسلام کی اس مستعدی کی اطلاع ملی تو خود ہی اُن کے حوصلے پست ہوگئے۔ اور اُن کی ہمت فوج کشی کی نہ پڑی۔ لشکر اسلام ایک مدت کے انتظار کے بعد بلا مقابلہ واپس آیا۔ مَا لَكُمْ۔ کلمہ ملامت وتوبیخ ہے یعنی آخر تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ معناه التقرير والتوبيخ التقدير اى شىء يمنعكم عن كذا (قرطبی) فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔ یعنی جہاد وقتال کے لئے۔ فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ جب جہاد کی نفیر (پکار) ہوجائے تو ہر شخص پر جو بلا عذر ہو، جہاد واجب ہوجاتا ہے۔ اقتضى ظاهر الاية وجوب النفير على من لم يستنفر (جصاص) و۳۴ امت کے لئے اصلی اور قوی ترین محرک اور داعیہ عمل یہی اجر آخرت ہے جیسا کہ قرآن مجید کی بہ کثرت آیتوں سے ظاہر وروشن ہے۔ ”روشن خیالی“ نے افسوس ہے کہ اسی قوی ترین محرک اور موثر ترین داعیہ کو سب سے زیادہ کمزور کردیا ہے۔ اب مسلمان کو لالچ اور ترغیب ہر قسم کی دی جائے گی۔ دنیوی ترقی کی، فلاح کی، مالی خوشحالی کی، وغیرہ وغیرہ اور زبان پر نام نہ آئے گا تو ایک وہی اجر آخرت کا۔ مِنَ الْاٰخِرَةِ۔ یعنی آخرت اور وہاں کی نعمتوں کے بدلہ میں۔ اے بدل الاخرة ونعيمها (بیضاوی) فِي الْاٰخِرَةِ۔ یعنی آخرت کے مقابلہ میں۔ اے فى جنب الاخرة (بیضاوی) و۴۲ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ یہ عذاب الیم اسی دنیا میں نمودار ہوگا۔ یعنی تمہارے اوپر موت وہلاکت مسلط کردی جائے گی۔ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ۔ اور اللہ اپنا کام اُسی دوسری قوم سے لے گا۔ لَا تَضُرُّوْهُ۔ ضمیر غائب اللہ کے دین کی طرف ہے، خود اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف بھی ضمیر جاسکتی ہے۔ قيل الهاء لله تعالى وقيل للنبى ﷺ (قرطبی) و۴۵ (اور وہ وقت اس سے بھی زیادہ سخت اور ان کی سخت تر بے بسی کا تھا) اشارہ ہے واقعہ ہجرت کی طرف، جب مشرکین مکہ آپ کے قتل پر تل گئے تھے اور آپ حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلا کر شبا شب تنہا حضرت ابوبکرؓ کو اپنے ہمراہ لے کر غار میں چھپتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے تھے۔ و۴۶ آپ دونوں صاحب غار ثور کے اندر چھپے ہوئے تھے کہ مشرکوں کی تلاش کرنے والی پارٹی نقش قدم کے نشانات کی مدد سے اُس غار کے منہ تک پہنچ گئی۔ نشان شناس نے بتایا کہ نشان قدم یہیں تک ملتے ہیں اسی غار کے اندر ہوں گے۔ کون انسان تھا جو ایسے موقع پر اپنے کو جان کے دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار دیکھتے پریشان ومضطرب نہ ہوجاتا؟ حضرت ابوبکرؓ اس خیال پر سخت مضطرب تھے کہ اگر خدانخواستہ دشمنان دین نے رسول اللہ ﷺ پر قابو پالیا تو اس کا کیا انجام ہوگا؟ لیکن آپ اللہ کے فضل سے اس وقت بھی بالکل مطمئن تھے، آپ نے فرمایا۔ کہ ابوبکر گھبرانے کی کیا بات ہے، ہم دو تنہا نہیں۔ ہمارے ساتھ تو اللہ کی تائید ونصرت ہے۔

اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا

آپ نے ان کو اجازت کیوں دے دی تھی جب تک کہ آپ پر سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے

وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

اور آپ جھوٹوں کو جان نہ لیتے و۸۴ جو لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان

بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

رکھتے ہیں وہ (کبھی) آپ سے اجازت نہ مانگیں گے کہ اپنے مال وجان سے

وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ

جہاد نہ کریں اور اللہ پرہیز گاروں سے خوب واقف ہے و۸۵ آپ سے اجازت تو

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ

وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں

قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَوْ اَرَادُوا

پڑے ہوئے ہیں سو اپنے شک میں پڑے ہوئے حیران ہیں و۸۶ اور اگر ان لوگوں نے

الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ

چلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کا کچھ سامان تو کرتے و۸۷ لیکن اللہ نے ان کے

انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

جانے کو پسند ہی نہ کیا اسی لئے انہیں جمارہنے دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو، و۸۸

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا

اگر یہ لوگ تمہارے شامل ہوکر چلتے تو تمہارے درمیان فساد ہی بڑھاتے یعنی تمہارے درمیان

خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ

فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے و۸۹ اور تمہارے درمیان ان کے جاسوس (اب بھی) موجود ہیں،

اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ یعنی اس کی نصرت وحفاظت ہماری رفیق ہے۔ اے بالنصر والرعاية والحفظ والكلاءة (قرطبی) مَعَنَا۔ سے معیت نصرت ہی مراد ہے ورنہ معیت ذاتی تو ہر مخلوق کو ہر آن حاصل رہتی ہے۔ اے بالعصمة والمعونة فهى معونة مخصوصة والا فهو تعالى مع كل واحد من خلقه (روح) فِي الْغَارِ۔ یہ غار، غار ثور مضافات مکہ میں سے تھا۔ مکہ سے جنوب ومشرق میں۔ آپ اس کے اندر تین دن تک قیام پذیر رہے۔ ثَانِيَ اثْنَيْنِ۔ لِصَاحِبِهٖ۔ دو سے مراد ایک ذات رسول ہے دوسرے آپ کے مقرب ترین صحابی ابوبکر صدیقؓ۔ صاحب رسول ﷺ یا رفیق رسول کے اس تعین میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور اس سے حضرت صدیقؓ کی افضلیت واشرفیت پر جو روشنی پڑتی ہے۔ محتاج بیان نہیں۔ بعض علماء نے آیت سے حضرت صدیقؓ کے خلیفہ اول ہونے کا بھی اشارہ سمجھا ہے۔ وقال بعض العلماء ما يدل على ان الخليفة بعد النبى ﷺ ابوبكر الصديق لان الخليفة لا يكون ابدًا الا ثانيًا (قرطبی) علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص ابوبکر الصدیقؓ کی صحابیت سے انکار کرتا ہے وہ قرآن سے انکار کرتا ہے اور اس سے اس کا کفر لازم آجاتا ہے۔ وقالوا من انكر صحبة ابى بكر فقد كفر لانكاره كلام الله وليس ذلك لسائر الصحابة (مدارک) و۴۷ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا۔ سے مراد فرشتوں سے تو سب نے لی ہے اب ممکن ہے یہ وہ فرشتے ہوں جو سکینہ قلب عالم غیب سے لے کر آئے تھے۔ یا ممکن ہے مراد ان فرشتوں سے ہو جنہوں نے آگے چل کر بدر وغیرہ غزوات نبوی میں امداد کی۔ واللہ اعلم۔ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ۔ یعنی اللہ نے اپنی طرف سے تسکین نازل کی۔ و۴۸ ہر تدبیر اُس کے لئے حاضر بھی اور تدبیر پر قادر بھی۔ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى۔ چنانچہ کافروں کا کوئی منصوبہ چلنے نہ پایا۔ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ چنانچہ اسی کی تدبیر غالب رہی۔ و۴۹ خفافًا اور ثقالًا دو مقابل کے لفظ ہیں، ان کی مختلف ومتعدد تفسیریں آئی ہیں، مثلاً تنگدست اور خوشحال، جوان تیز رو اور پیر سست رفتار، بیکار اور مشغول، بے سامان اور باسامان، خوشدلی سے اور بیدلی سے وغیرہا۔ اے شبانًا وشيوخًا (ابن جریر۔ عن الحسن) اے اغنياء ومساكين (ابن جریر۔ عن قتادہ) اے مشاغيل وغير مشاغيل (ابن جریر۔ عن الحکم) اے نشاطًا وغير نشاط (ابن جریر عن ابن عباس وقتادۃ) مقصود بہر صورت عموم حکم ہے کہ جس حال میں بھی ہو جہاد کے لئے چل پڑو، نکل کھڑے ہو۔ ابن جریر نے متعدد تفسیریں نقل کرکے قول فیصل یہ لکھا ہے کہ خفاف کے تحت میں ہر وہ شخص داخل ہے جسے قوت، صحت، جوان عمری، خوشحالی، بے شغلی غرض کسی بنا پر آسانیاں حاصل ہوں اور ثقال کے ماتحت وہ سب آجاتے ہیں جنہیں اس کے برعکس مذکورہ بالا بناؤں میں دشواریاں لاحق ہوں اور اسی کے قریب قریب ابن کثیر نے بھی لکھا ہے۔ حتم على المومنين فى الخروج معه على كل حال فى المنشط والمكره والعسر واليسر (ابن کثیر) فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ جہاد خواہ اپنے عام ووسیع معنی میں ہو یا محدود واصطلاحی معنی میں قتال کا مترادف، فی سبیل اللہ کی قید ہر

وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ

اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے، ف۹۰ یہ تو پہلے بھی فتنہ پردازی کی فکر میں

قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ

لگ چکے ہیں اور آپ کے لئے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے رہے یہاں تک کہ سچا وعدہ آ گیا اور اللہ کا حکم

اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ

غالب آ کر رہا اور ان کو ناگوار گزرتا رہا ف۹۱ اور ان میں کوئی کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت

لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ

دے دیجیے اور مجھے خرابی میں نہ ڈالیے ف۹۲ خوب سن لو کہ خرابی میں تو یہ پڑ ہی چکے ہیں، اور بے شک دوزخ

لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ

کافروں کو گھیرے ہوئے ہے ف۹۳ اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو یہ

تَسُؤْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ

انہیں غمگین کر دیتی ہے اور اگر آپ پر کوئی حادثہ آ پڑتا ہے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے تو (اسی لئے) پہلے سے

اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ يَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ

اپنا امر (احتیاط) اختیار کر لیا تھا اور خوش خوش منہ موڑے ہوئے چلے جاتے ہیں ف۹۴ آپ کہہ دیجیے

لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَ عَلَى

کہ ہم پر کچھ بھی پیش نہیں آ سکتا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ ہی

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَاۤ

کا سہارا اہل ایمان کو رکھنا چاہیے ف۹۵ آپ یہ (بھی) کہہ دیجیے کہ تم تو ہمارے حق میں دو

اِلَّاۤ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ

بھلائیوں ہی میں سے ایک (بھلائی) کے منتظر رہتے ہو، ف۹۶ درآنحالیکہ ہم تمہارے حق میں انتظار اس کا کرتے رہتے

حال میں لگی ہوئی۔ فقہاء نے انفروا خفافاً وثقالاً سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب جہاد واجب ہو جائے تو امیر جہاد اور لشکریوں کے فاسق ہونے کے ساتھ بھی واجب رہتا ہے۔ فان قيل هل يجوز الجهاد مع الفساق قيل له ان كل احد من المجاهدين فانما يقوم بفرض نفسه فجائز له ان يجاهد الكفار وان كان امير الجيش وجنوده فساقاً (جصاص) چنانچہ اصحاب نبی ﷺ سے خلفائے راشدین کے بعد فاسق امیروں کی سرداری میں جہاد کرنا ثابت ہے۔ وقد كان اصحاب النبي ﷺ يغزون بعد الخلفاء الاربعة مع الامراء الفساق وغزا ابو ايوب الانصاري مع يزيد اللعين۔ (جصاص) اور فقہاء نے یہ نکتہ بھی خوب لکھا ہے کہ فاسق جب جہاد میں شریک ہو گیا تو اس حیثیت سے وہ فاسق رہا کہاں، وہ تو خود اب مطیع ہو گیا۔ فان الفساق اذا جاهدوا فهم مطيعون في ذلك (جصاص) ف۸۰ جہاد سے آخرت کی فلاح تو ظاہر اً یقینی ہے یعنی وہاں کا اجر وقرب۔ باقی دنیا کی فلاح بھی اکثر حاصل ہی ہو جاتی ہے یعنی فتح وعزت اور مال غنیمت وغیرہ۔ ف۸۱ (اور اس لئے یہیں رہ گئے) ذکر منافقین کا ہو رہا ہے جنہوں نے غزوۂ تبوک میں ہمراہ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ تبوک کی مسافت مدینہ منورہ سے ۱۲ منزلوں کی تھی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں سالک کے لئے اپنے اخلاص کے امتحان کا طریقہ درج ہے یعنی وہ یہ دیکھے کہ جس امر میں کوئی نفع دنیوی نہیں بلکہ مشقت ہی ہے۔ اس میں نفس کا کیا رنگ ہے۔ نفع دنیوی والے ہی اعمال کا کرتے رہنا دلیل اخلاص نہیں۔ ف۸۲ (جھوٹی قسمیں کھا کر)

سَيَحْلِفُوْنَ۔ میں س یعنی عنقریب سے مراد یہ ہے کہ جب تم لوگ جہاد سے واپس آجاؤ گے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس طرح سالک کو اس کا نفس جھوٹے دعووں سے دھوکا دیتا رہتا ہے اور طاعات کی راہ میں طرح طرح کے باطل عذرات تراشتا رہتا ہے۔ ف۸۳ (چنانچہ اُن کو استطاعت تھی اور پھر بھی یہ نہ گئے)۔ ف۸۴ ذکر اُن منافقین کا ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر وطن میں رہ گئے تھے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی اجازت ملنے پر ان لوگوں کو جو گونہ بے فکری ہو گئی، یہ نہ ہوتی، بلکہ اگر آپ کے بغیر اجازت یہ رہ جاتے تو ان کی خباثت اور زیادہ کھل کر رہتی۔ اَلَّذِيْنَ صَدَقُوْا۔ سے مراد مومنین صادقین ہیں جن کے پاس واقعی کوئی عذر تھا۔ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ اجازت سے مراد ہے جنگ میں شریک نہ ہونے اور وطن میں رہ جانے کی اجازت۔ یہ اجازت دے دینا کوئی معصیت نہ تھی۔ البتہ حالات وقت کے لحاظ سے اجازت نہ دینا بہتر تھا۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ۔ لفظ عفو سے گناہ کا سرزد ہو چکنا لازم نہیں آتا۔ عفو جس طرح گناہ اور جرم کے جاتے ہیں، اُسی طرح معافی خلاف احتیاط اور خلاف اولیٰ کارروائیوں پر بھی ملتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح آیت میں حق تعالیٰ نے عفو کو شکایت پر مقدم فرمایا، یہی معاملہ حق تعالیٰ کا باطن میں مقبولین کے ساتھ رہا کرتا ہے کہ عین عتاب میں بھی اپنا لطف دکھاتے رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ۔ الخ میں یہ شیوخ کو یہ تعلیم ہے کہ مریدوں کے عذر قبول کرنے میں احتیاط و بیداری سے کام لیں کہ آیا وہ عذر واقعی وصحیح ہے بھی۔ ف۸۵ (اور انہیں اجر بھی خوب اور پورا پورا دے گا) لَا يَسْتَاْذِنُكَ الخ بلکہ یہ صاحب ایمان لوگ جہاد سے چرانا کیا، اُلٹا تعمیل حکم الٰہی کیلئے اور دوڑیں گے۔ یہ مومنین سے جو نفی استیذان کی ہو رہی ہے اس سے مراد استیذان بلا عذر ہے۔ ورنہ عذر واقعی کی بناء پر استیذان تو بڑے سے بڑے کمال ایمان وتقویٰ کے منافی نہیں مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مومن جب خیر کو سنتا ہے تو بلا تامل اُس کی طرف دوڑتا ہے اور یہ حالت شوق سے پیدا ہوتی ہے تو اس میں شوق کا اثبات ہوا، ف۸۶ (کہ نہ ایمان کا قصد کرتے ہیں اور نہ امت اسلامیہ کے دائرہ سے انہیں اپنے کو بالکل نکالتے ہی بن پڑتا ہے) يَتَرَدَّدُوْنَ۔ تردد کے معنی ہیں حیران وسرگردان ہونا، دل کا آگا پیچھا کرنا۔ واقعی منافقین کا یہی حال رہا کرتا ہے۔ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ۔ یعنی جہاد سے بلا عذر بچ جانے کی اجازت تو آپ سے وہی لوگ مانگتے ہیں۔ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ یہ شک ان کو اسلام کی صداقت وحقانیت کے بارہ میں ہے۔ ف۸۷ یہ منافقین اب بعد کو عذر یہ کرنے لگے کہ چلنے کا ارادہ تو ہمارا پختہ تھا لیکن عین وقت پر فلاں فلاں ضرورتیں اور مجبوریاں پیش آگئیں۔ جرح ان کے اس بیان پر ہو رہی ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ انہوں نے سفر کی تیاریاں بھی کچھ کی تھیں؟ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تعطل علامت ہے عدم ارادہ کی چنانچہ بہت سے لوگ اپنے نفس کے دھوکے میں پڑے ہوئے طاعات کی رغبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ جھوٹے ہوتے ہیں۔ ف۸۸ سارے افعال کا حق تعالیٰ کا اپنی جانب منسوب کرنا اسی معلوم ومعروف قرآنی محاورہ واسلوب بیان کے مطابق ہے کہ بندہ کے ہر فعل تکوینی کی نسبت مسبب الاسباب کی جانب کر دینی درست ہے۔ لٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ۔ اللہ کی طرف سے یہ ناپسندیدگی یا کراہت ان لوگوں کی کفر پروری اور ایمان بیزاری ہی کی بنا پر ہے۔ فَثَبَّطَهُمْ۔ یعنی انہیں چلنے کی ہمت وتوفیق ہی نہ دی۔ اس سے اشارۃً یہ بھی نکل آیا کہ اخلاص وارادت کے لئے توفیق الٰہی شرط ہے۔ وَقِيْلَ۔ اس "قول" سے مراد حکم تکوینی ہے۔ الْقٰعِدِيْنَ۔ وہ پیچھے رہ جانے والے مراد ہیں جنہیں کسی عذر صحیح کی بنا پر مجبوری تھی۔ اے الرجال الذين يكون لهم علر يمنعهم عن الخروج (روح) ف۸۹ مطلب یہ ہوا کہ ان منافقین کا لشکر اسلام کے ساتھ نہ جانا مصالح تکوینی کے اعتبار سے بھی اچھا ہی ہوا۔ یہ ساتھ جاتے تو سوا اس کے اور کیا کرتے کہ لگائی بجھائی کر کے آپس میں تفریق ڈلواتے۔ جھوٹی خبریں اُڑا کر پریشان کرتے، اور دشمن کا خوف ورعب دلوں میں بٹھاتے۔ فِيْكُمْ۔ یعنی تمہارے درمیان شامل ہو کر۔ اے في جيشكم وفي جمعكم (جمل) قيل في بمعنى مع اے معكم (جمل) وَلَا۔ میں و عطف تفسیری کے لئے ہے۔ ف۹۰ (چنانچہ اس سے بھی خوب واقف ہے کہ ان کے جو لوگ تمہارے ساتھ لگے ہوئے ہیں وہ چونکہ اہل الرائے نہیں۔ اس لئے ان کا شامل رہنا چنداں مضر بھی نہیں) سَمّٰعُوْنَ۔ کے معنی اس

يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ

ہیں کہ اللہ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے ف۹۷

فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا

سو تم انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ (اپنے طور پر) منتظر ہیں ف۹۸ آپ کہہ دیجیے کہ تم خوشی سے خرچ کرو

اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا

یا ناخوشی سے، تم سے کسی طرح نہ قبول کیا جائے گا کیونکہ تم تو نافرمان

فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ

لوگ ہو ف۹۹ اور اس سے کہ ان کے چندے قبول کئے جائیں کوئی امر مانع نہیں

اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ

بجز اس کے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے ف۱۰۰ اور یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے

اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

مگر ہارے جی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ ف۱۰۱

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ

سو ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں ف۱۰۲ اللہ کو تو بس یہ

اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ

منظور ہے کہ انہی (نعمتوں) کے ذریعہ سے انہیں دنیا کی زندگی میں ہی عذاب دیتا رہے،

اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ

اور ان کی جانیں ایسی حالت میں نکلے کہ وہ کافر ہوں ف۱۰۳ اور یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ

لَمِنْكُمْ ؕ وَ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَ لٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾

تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں، لیکن (ہے یہ کہ) وہ بزدل لوگ ہیں ف۱۰۴

سیاق میں جاسوس کے یا ٹوہ لینے والوں کے ہیں۔ اے جواسیس للکفار (ابن عباس رضی اللہ عنہما) المراد فیکم عیون لهم ینقلون الیهم ما یسمعون منکم (کبیر۔ عن مجاہد و ابن زید) وفیکم مخبرون لهم یؤدون الیهم ما یسمعون منکم وهم الجواسیس (معالم عن مجاہد) ف۹۱ (تو آیندہ بھی اسی طرح ہوگا۔ آپ فکر و تردد میں نہ پڑیں) اِبْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ۔ اشارہ ہے جنگ احد وغیرہ کی جانب۔ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ۔ مثلاً یہ کہ آپ کے شریک ہوئے اور پھر ہٹ گئے تاکہ مسلمان پراگندہ خاطر و دل شکستہ ہو جائیں۔ ف۹۲ رومی مسیحی لیڈیاں بالکل آج کل کی فرنگنوں کی طرح اپنے گورے رنگ، اپنے بناؤ سنگار اور اپنی بے حجابی و عشوہ طرازی کے لئے مشہور تھیں بعض چالاک منافقوں نے اس کو ایک عذر تراش لیا تھا اور رسول اللہ ﷺ سے آ کر عرض کیا تھا کہ ہم کو تو یہیں رہ جانے دیجیے۔ ہمیں اپنی شرکت سے اُلٹے اور ضرر کا اندیشہ ہے۔ مِنْهُمْ۔ یعنی انہی مخالفین متخلفین میں سے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نفس طاعات کی پابندی سے یہ بہانہ کر کے عذر کرتا ہے کہ طاعت میں فلاں فلاں مفسدے ہیں جن کا شر طاعت کی خیر سے بڑھا ہوا ہے۔ ف۹۳ (جس کا ظہور کامل تو گو آخرت میں ہوگا لیکن بہر حال اعمال کفریہ کی بنا پر اس احاطت جہنم کا آغاز تو ابھی ہو چکا ہے) اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا۔ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور آپ کی شریعت سے کفر سے بڑھ کر خرابی اور ہو کون سی سکتی ہے۔ اور اپنی اس نافرمانی و کفر کے دنیوی و اخروی ثمرات و نتائج کو تو یہ اپنے ہاتھوں بلا چکے۔ دین کو مصیبت اور طاعت کو بلا سمجھنے والے کم از کم عہد رسول ﷺ اور دوران نزول قرآن میں امن میں نہ رہ سکے۔ صحابہ کرام سر بکف سرگرم جہاد ہے۔ اور دنیا میں ہر طرح کامیاب و منصور۔ منافقین نے جتنی تمنائیں احکام دین سے بچنے کی کیں اور زیادہ ہدف مصائب بنتے گئے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل اشارات کے نزدیک یہی اخلاق سیئہ و اعمال قبیحہ جو آج کفار اشرار کو گھیرے ہوئے ہیں کل بہ صورت نار ظاہر ہوں گے۔ ف۹۴ هُمْ۔ اور سارے صیغہ جمع مذکر غائب کے منافقین کے لئے آئے ہیں۔ حَسَنَةٌ۔ مُصِيْبَةٌ۔ دونوں لفظوں کا استعمال منافقین کے نقطہ نظر سے ہے یعنی اسی مادی دنیا کا نفع و ضرر۔ قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا۔ مثلاً یہی کہ جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلے۔ امر یہاں احتیاط یا پیش بندی کے معنی میں ہے۔ امرنا اے حذرنا (ابن جریر۔ عن مجاہد) ف۹۵ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ فضل خدا پر بھروسا اور تقدیر الٰہی پر اعتماد اہل ایمان کا شیوہ اور ایمان کی علامت ہے۔ قُلْ۔ یعنی آپ یہ ان منافقین سے کہہ دیجیے جو اہل ایمان سے حسد رکھتے ہیں۔ لَنْ ...... مَوْلٰنَا۔ سو وہ جو کچھ بھی کرے گا ہمارے حق میں بہتر ہی کرے گا۔ ع" ہر چہ آں خسرو کند شیریں بود۔" سکون خاطر، یکسوئی قلب، اطمینان و فراغت کا یہ آسان، سستا اور مؤثر نسخہ کتنی بار کا آزمایا ہوا ہے بدنصیب ترین ہیں وہ لوگ جو اس کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں پہلے ایسے مراقبہ کی تعلیم ہے جو توکل کو سہل کر دے، اس کے بعد اصل توکل کا حکم ہے۔ ف۹۶ مطلب یہ ہوا کہ تم ہمارے لئے جن دو باتوں کو فرض کر سکتے ہو یعنی فتح یا موت و شکست تو ہمارے لئے تو دونوں پہلوؤں میں خیر ہی خیر ہے فتح کا خیر ہونا تو اجر اخروی اور منافع دنیوی دونوں کے اعتبار سے ظاہر ہی ہے۔ رہی مصیبت تو مومن کے حق میں وہ بھی عین رحمت ہے، رفع درجات و کفارہ سیئات کا بہترین ذریعہ! ف۹۷ عَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖ۔ یعنی کوئی بلائے آسمانی، بلا توسط دست انسانی۔ بِاَيْدِيْنَا۔ یعنی کوئی سزا ہمارے ہاتھوں سے۔ ف۹۸ آیت میں رسول اللہ ﷺ کو ہدایت، دو جوابوں کی ہوئی۔" پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک و حاکم ہیں۔ حاکم ہونے کی حیثیت سے ان کو ہر تصرف کا اختیار ہے اس لئے ہم راضی ہیں۔ اور دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں۔ اس مصیبت میں بھی ہمارے فائدہ کی رعایت کرتے ہیں۔ اس لئے ہم ہر حال میں فائدہ میں ہیں بخلاف تمہارے کہ تمہاری خوش حالی کا انجام بھی وبال و نکال ہے اگر دنیا میں نہیں تو آخرت میں ضرور ہے۔" (تھانوی) حاصل یہ کہ مومن کسی صورت میں بھی نقصان میں نہیں رہتا۔ اگر تدبیر و کوشش میں کامیابی ہو گئی تو فوری مسرت ظاہر ہے۔ اگر ناکامی ہوئی تو اجر و ثواب، حسرت و تاسف میں بھی ہے۔ صوفیہ نے نکتہ یہ پیدا کیا ہے کہ قبض و بسط دونوں صورتیں عنایت الٰہی کی ہیں۔ طالب عارف کو مستقل مزاج ہر صورت میں رہنا چاہیے۔ ف۹۹ اور نافرمانی جو یہاں فقدان ایمان کے مرادف ہے تمہاری مالی اعانت کی مقبولیت سے مانع ہے۔ ایمان تو عند اللہ پہلی شرط قبول ہے اور عمل قبول کیسے ہوتا جبکہ خود ان لوگوں کو مقصود رضا و ثواب و قرب تھا ہی نہیں۔ آیت کے اندر ہماری قوم کے امراء و رؤساء کے لئے بڑی عبرت پوشیدہ ہے جو پختگی ایمان اور حسن عمل کی طرف سے غافل، محض اپنے بھاری بھاری قومی چندوں پر نازاں اور انہی پر تکیہ کئے رہتے ہیں۔ مالی اعانت بھی بلاشبہ بہت بڑی خدمت ہے دین کی، لیکن نفس ایمان اور ایمان صحیح کا وجود ان پر بھی مقدم ہے۔ ف۱۰۰ یہاں صاف تصریح کر دی ہے کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی سا بھی عمل قبول نہیں۔ ایمان تو پہلی اور سب سے بڑی شرط قبول اعمال کی ہے۔ ف۱۰۱ اور یہ دل سے ناگواری اور طبیعت پر گران باری خود دلیل ہیں ان کے فقدان ایمان کی۔ ادائے طاعت سے طبیعت میں تازگی، بشاشت اور مستعدی تو جب ہی پیدا ہو سکتی ہے جب ایمان پختہ ہو اور اجر و ثواب کی امید قوی ہو۔ آیت میں ہم سب نام کے مسلمانوں کے لئے ڈرنے کی بات ہے۔ ظاہری اعمال منافقین کے بھی مسلمانوں ہی سے مشابہت رکھتے تھے۔ نمازیں بھی کسی نہ کسی طرح پڑھ لیتے تھے۔ خیر خیرات میں بھی کچھ نہ کچھ دے ہی نکلتے تھے۔ اس پر بھی حکم ان پر کفر اور فقدان ایمان ہی کا لگا! خدا نہ کرے کہ ہم میں سے کسی کا یہ حشر ہو۔ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب محض کسل نماز نفاق کی علامت قرار پائی تو ترک نماز پر ظاہر ہے کس درجہ کی چیز ہوگی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ لوگ لذت عبودیت سے محروم اور مشاہدۂ جمال معبود سے محروم ہیں۔ بعض عارفوں نے کہا ہے کہ جس کو آمر کی معرفت نہ ہوگی وہ امر کی طرف کسل سے اٹھے گا اور جس کے دل میں آمر کی

معرفت ہوگی وہ امر کی طرف راحت سے اُٹھے گا۔ ف۱۰۲ یعنی یہ خیال نہ گزرے کہ یہ جب غیر مقبولین میں ہیں تو انہیں مال اور اولاد کی نعمتیں کیسے نصیب ہو رہی ہیں۔ یہ سوال آج بھی کافر قوموں کی خوشحالی، کثرت آبادی، اقبال مندی کو دیکھ دیکھ یہ کثرت مسلمانوں کے دلوں میں ہوتا رہتا ہے۔ حالانکہ دنیوی نعمتوں کے لئے مقبولیت ذرا بھی شرط لازمی نہیں۔ تُعْجِبْكَ۔ بہ ظاہر خطاب صرف رسول اللہ ﷺ سے ہے لیکن جواب کی یہ تعلیم کل مسلمانوں کو ہے۔ هذا الخطاب وان كان فى الظاهر مختصا بالرسول عليه السلام الا ان المراد منه كل المؤمنين (کبیر) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس میں اہل ایمان کو تنبیہ ہے کہ اہل دنیا کے مال وزینت کو مستحسن نہ سمجھیں اور کہیں اس کے باعث آخرت کے عمل اور اس پر نظر کرنے سے محجوب نہ ہو جائیں۔ ف۱۰۳ (جس سے آخرت میں بھی مبتلائے عذاب رہیں)" دنیا میں مال واولاد کا عذاب ہونا حبِ دنیا کے لئے لازم ہے۔ اول اس کی تحصیل وتمنا میں کیسی کیسی کوفت جسمانی وروحانی اُٹھانا پڑتی ہے پھر حصول کے بعد ذرا نقصان ہوگیا ذرا مرض ہوگیا۔ بس ایک کوہ غم سر پر سوار ہے سب حالتیں طبیعت کے موافق بھی ہوں تو اس کا اندیشہ کہ کوئی امر ناگوار نہ پیش آجائے پھر مفارقت کے وقت کس بلا کی حسرت اور صدمہ کہ خدا کی پناہ اور آخرت میں تو ظاہر ہے کہ کافر پر جتنی دنیوی نعمتیں ہوں گی اس کا کفر دونا پڑے گا جس پر عذاب آخرت موعود ہے"۔ (تھانوی) منافقوں پر ایک عذاب تو دنیا ہی میں مشاہد ہے کہ جن اہل ایمان سے وہ دل میں بغض رکھتے ہیں انہی کی خوشامد میں زبان سے لگے رہنا پڑتا ہے۔ انهم كانوا يبغضون محمدا عليه الصلوة والسلام بقلوبهم ثم كانوا يحتاجون الى بذل اموالهم واولادهم ونفوسهم فى خدمته ولاشك ان هذه الحالة شاقة شديدة (کبیر)

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا

یہ اگر کوئی سی بھی پناہ کی جگہ پاتے یا کوئی غار یا کوئی (اور) جگہ گھس بیٹھنے کی تو یہ ضرور

اِلَيْهِ وَ هُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ

منہ اٹھا کر ادھر چل پڑتے ف۱۰۵ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ پر صدقات کے بارہ میں

فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ

طعن کرتے ہیں، لیکن اگر انہیں ان میں سے مل جاتا ہے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر

يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ لَوْ اَنَّهُمْ

انہیں ان میں سے نہیں ملتا تو بس ناراض ہو جاتے ہیں ف۱۰۶ کاش! یہ اس پر

رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ

راضی ہوتے جو کچھ انہیں اللہ اور اس کے رسول نے دیا تھا، اور کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے،

سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ

اللہ ہم کو اپنے فضل سے اور اس کے رسول (بھی اور) دے دیں گے ہم تو اللہ ہی کی طرف

رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ

راغب ہیں! ف۱۰۷ صدقات (واجبہ) تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق ہیں جو ان پر

وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ

مقرر ہیں ف۱۰۸ نیز ان کا جن کی دل جوئی منظور ہے ف۱۰۹ اور (صدقات کو صرف کیا جائے) گردنوں (کے چھڑانے)

وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ

میں ف۱۱۰ اور قرض داروں (کے قرضہ ادا کرنے) میں، ف۱۱۱ اور اللہ کی راہ میں ف۱۱۲ اور مسافروں (کی

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾ وَمِنْهُمُ

امداد) ہیں، یہ (سب) فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے، ف۱۱۳ اور ان میں وہ

ع ۱۳/۱۴

فقہاء نے اس آیت سے یہ عبارۃ النص (کیونکہ لَا تُعْجِبْكَ۔ بمعنی نہی تحریمی ہے) یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کافروں فاسقوں کی ظاہری نعمتوں کو دیکھ کر اُن کے حال کو اچھا سمجھنا اور ویسی ہی کیفیت کی تمنا کرنا حرام ہے۔ لِيُعَذِّبَهُمْ۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی جو حرکتیں وہ لوگ کر رہے ہیں۔ ان کا انجام یہی ہوتا ہے کہ یہ نعمتیں اُن کے حق میں عذاب بن کر رہیں۔ یہ مراد نہیں کہ انہیں یہ نعمتیں دینے سے اللہ کا مقصود یہی تھا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس میں محجوبین کو تنبیہ ہے کہ جس سامان کو راحت کے لئے جمع کرتے رہتے ہیں اس میں اُن کو راحت نہیں محض جمع وحفاظت کی مشقتیں ہی ہیں اور پھر چونکہ اعتقاد اجر اور تعلق مع اللہ سے محروم ہیں اس لئے ان مشقتوں میں تسہیل بھی نہیں ہوتی۔ ف۱۰۴ (اور اس بزدلی کی بنا پر کہ اگر کہیں اپنے واقعی عقائد کا کھلم کھلا اظہار کر دیں تو اُن کے ساتھ بھی برتاؤ کافروں کا سا ہونے لگے، تقیہ کیے ہوئے ہیں، اور اپنے کو زبردستی مسلمان ظاہر کیے ہوئے ہیں) آج بھی ہمارے اندر کتنے لوگ ایسے ہیں جو محض سوسائٹی کے ڈر سے اور اس مجبوری کی بنا پر کہ کوئی دوسری سوسائٹی انہیں عزت کے ساتھ اپنے اندر جذب کرنے اور قبول کرنے پر تیار نہیں، محض سوشل حیثیت سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیے ہوئے، اپنے آپ کو اسلامی سوسائٹی کا رکن بنائے ہوئے اور اپنا نام مردم شماری کے رجسٹروں میں مسلمان کے خانہ میں لکھائے ہوئے ہیں! اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ۔ یعنی قسمیں اس کی کھاتے رہتے ہیں کہ ان کا شمار بھی تم مسلمانوں میں ہے۔ يَفْرَقُوْنَ۔ فرق کے معنی خوف سے اپنے اصلی عقیدہ کو چھپا ڈالنے کے ہیں۔ الفرق تفرق القلب من الخوف (راغب) اى يخافون القتل و ما يفعل بالمشركين فيتظاهرون بالاسلام تقية (کشاف) ف۱۰۵ (اور اظہار اسلام کی کوئی ضرورت بھی نہ محسوس کرتے) یعنی یہ تو اظہار اسلام پر اپنے کو مجبور پا رہے ہیں جب ہی اتنی ظاہرداری بھی ہے۔ اگر انہیں کہیں پناہ گاہ مل گئی ہوتی تو یہ اتنی پروا بھی نہ کرتے۔ ف۱۰۶ اسی سے ظاہر ہے کہ ان کے اغراض کی بنیاد تمام تر خود غرضی پر تھی۔ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ۔ یعنی یہ منافقین آپ کی شکایت کرتے ہیں کہ تقسیم میں عدل کی رعایت نہیں کرتے۔ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا۔ یعنی اگر خود انہی کو ان کی حسب مرضی وخواہش مل جائے۔ ف۱۰۷ (اور اسی سے سب اُمیدیں قائم کیے ہوئے ہیں) مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ یعنی جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے رسول کے ذریعہ سے دلوائے ہیں۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ۔ یعنی جتنا ہمیں اللہ نے دلوادیا وہی ہمارے حق میں مناسب تھا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اہل رضا کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ بھی حق تعالیٰ کی طرف سے پیش آجائے اس پر شاداں رہے اور بلا سے بھی لذت حاصل کرے۔ ف۱۰۸ یعنی صدقات کی آمدنی انہی مدوں میں خرچ ہونی چاہیے۔ اِنَّمَا۔ کلمہ حصر کا ہے۔ یعنی صرف انہی مدوں میں، کسی اور مد میں نہیں۔ الصَّدَقٰتُ۔ صدقة سے یہاں مراد صدقہ واجب ہے یعنی زکوۃ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ۔ دونوں لفظوں کی تعبیر وتفسیر میں متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں۔ محققین نے یہ معنی لئے ہیں کہ فقیر وہ نادار ہے جو سوال نہ کرے اور مسکین وہ نادار ہے جو سوال کرے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور حسن بصری اور جابر بن زید اور مجاہد اور زہری تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ قال الزهرى الفقير الذى لا يسئل والمسكين الذى يسئل وروى ابن سماعة عن ابى يوسف عن ابى حنيفة فى حد الفقير والمسكين مثل هذا (جصاص) وروى عن ابن عباسؓ والحسن وجابر بن زيد والزهرى ومجاهد قالوا الفقير المتعفف الذى لا يسال والمسكين الذى يسال فكان قول ابى حنيفة موافقاً لقول هؤلاء السلف (جصاص) فقراء ومساکین کی تفسیریں جتنی بھی مختلف ہوں لیکن حکم زکوۃ کی حد تک یہ اختلاف کچھ بھی اثر انداز نہیں البتہ حکم وصیت میں یہ بحث چلتی ہے کہ وصیت اگر فقراء کے لئے ہے تو کیسے لوگ مراد ہیں اور اگر مساکین کے لئے ہے تو کیسے لوگ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا۔ یعنی جو ان صدقات کی تحصیل وصول کرنے پر مامور ہیں، اُن کی تنخواہوں میں۔ ف۱۰۹ مؤلفة القلوب سے مراد ایسے غیر مسلم ہیں جن کے مسلمان ہو جانے کی اُمید ہو۔ یا اُن کے شر وفتنہ سے بچنا مقصود ہو۔ اور پھر ایسے مسلمان جو

اگرچہ اور حیثیتوں سے غیر مستحق ہوں لیکن مالی امداد سے توقع یہ ہو کہ انہیں اسلام سے مزید محبت پیدا ہو جائے گی غرض یہ کہ انسانوں کا ہر وہ گروہ، جس کی طرف سے کسی نہ کسی حیثیت سے اسلامی حکومت کو کوئی نہ کوئی خطرہ درپیش ہو۔ جمہور کا قول ہے کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے لئے مخصوص تھا۔ ”صحابہ کے وقت میں اجماع ہو گیا اُن کے عدم استحقاق پر جو علامت ہے حکم سابق کے منسوخ ہو جانے کی“ (تھانوی علیہ الرحمۃ) لیکن بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ تعامل صحابہ سے یہ حکم منسوخ نہیں ہو گیا بلکہ محض وقتی رفع حکم تھا بہ سبب عدم ضرورت واستغناء کے۔ فاضل گرامی مولانا گیلانی مدظلہ، کی تحقیق حسب ذیل ہے۔ انہی مصارف میں ایک مد ان لوگوں کی بھی ہے جو محض مالی کمزوریوں کی وجہ سے اسلامی حکومت اور اسلام کی مخالفت کرتے ہیں جیسا کہ اس زمانہ میں سیاسی شورش پسندوں کے ایک گروہ کی یہی حالت ہے۔ ان لوگوں کے چپ کرنے کے لئے بھی الصدقات کے مصارف میں قرآن نے مؤلفة القلوب کی ایک مد رکھی ہے۔ اگرچہ عام طور پر فقہاء کہتے ہیں کہ یہ مصرف صرف ابتداء اسلام کی حد تک محدود تھا اور اب ساقط ہو گیا۔ دلیل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے مؤلفة القلوب کے بعض افراد کو دینے سے اس بناء پر انکار کر دیا کہ اب اسلام اتنا قوی ہو چکا ہے کہ ان لوگوں کی تالیف قلب کی ضرورت نہ رہی۔ حالانکہ قصہ صرف اس قدر ہے کہ چند خاص لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دینے سے یہ فرماتے ہوئے انکار کر دیا تھا کہ ان الله اعز الاسلام فاذهبا (اب خدا اسلام کو عزت وشوکت عطا کر چکا، پس تم دونوں جاؤ (کچھ نہ ملے گا) لیکن اس کا یہ مطلب قرار دینا کہ ہر شخص کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مد کو ساقط کر دیا میری کچھ سمجھ میں نہ آیا قرآن نے جس مصرف کو منصوص کیا ہے اس کو اولاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ منسوخ ہی کیسے کر سکتے ہیں نیز ایک ایسی واحد خبر سے قرآن کے ایک قانون پر خط نسخ نہیں پھیرا جا سکتا بلکہ اس کا صاف مطلب یہی ہے یہ امام اور حکومت وقت کے صواب دید پر ہے جس وقت جن لوگوں کے لئے ان کی ضرورت سمجھے، دے جن کے لئے ضرورت نہ سمجھے، نہ دے“۔ (اسلامی معاشیات از فاضل گیلانی) **ف۱۱۰** یعنی غلاموں کے آزاد کرانے کی مد میں۔ ”گردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غلام کو اُس کے آقا نے کہہ دیا ہو کہ تو اتنا روپیہ دے دے تو آزاد ہے اس غلام کو زکوٰۃ دی جائے تا کہ اپنے آقا کو دے کر آزاد ہو جائے“۔ (تھانوی) **ف۱۱۱** (خواہ وہ قرضدار بجائے خود غنی ومتمول ہی ہو) جس کے پاس دس ہزار روپیہ موجود ہو اور گیارہ ہزار کا مثلاً قرضدار ہے، اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ (تھانوی) دنیا میں شاید اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے، جس نے مقروضوں کے ساتھ عملی ہمدردی کا سبق دیا ہے اور اس گروہ کو بھی فقراء ومساکین ہی کی طرح حاجت مند سمجھا ہے۔ فاضل گرامی مولانا گیلانی لکھتے ہیں:۔ ”یہ دنیا کا وہ مظلوم گروہ ہے جس کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک تو بڑی بات ہے اس وقت تک دنیا کی حکومتوں نے ان کے ستانے والوں اور ان پر ظلم وتشدد کے بہاؤ توڑنے والوں کو صرف زبانی نہیں بلکہ قانونی امداد واعانت کو اپنا فریضہ قرار دے رکھا ہے ہر حکومت کی فوجی اور عسکری قوت اس کے لئے تیار رہتی ہے کہ مقروضوں کے ذمہ قرض خواہوں کا جو دین ومطالبہ ہے صرف اصل ہی نہیں۔ بلکہ سود در سود کے ساتھ اس سے وصول کرا دیا جائے خواہ اس راہ میں اس کی ساری جائداد، گھر کا سارا اثاثہ ہی کیوں نہ نیلام ہو جائے یہ ایک واقعہ ہے اور تہذیب وتمدن کی برقی روشنیوں میں سے یہ اندھیر کھلم کھلا اودھم مچائے ہوئے ہے۔ (اسلامی معاشیات) **ف۱۱۲** یعنی مجاہدین کی امداد میں، بعض نے حاجیوں کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔ بعض نے دینی طالب علموں کو بھی۔ وقيل المراد طلبة العلم واقتصر عليه في الفتاوى الظهيرية (روح) اور بعض فقہاء نے یہاں تک توسیع سے کام لیا ہے کہ طاعت الٰہی میں ہر قسم کے جدوجہد کرنے والوں کو اس میں داخل کر دیا ہے۔ وفسره في البدائع بجميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله تعالى وسبل الخيرات (روح) **ف۱۱۳** وہ ہر مناسب نامناسب کو جانتا ہے اور اُس کے احکام ہمیشہ مناسب حال اور مصلحتوں سے لبریز ہوتے ہیں۔ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ۔ یہ تاکید ہے ان احکام کے واجب العمل ہونے کی۔ **ف۱۱۴** (اور اس لئے انہیں دھوکے میں لے آنا اُن کے سامنے بات بنا جانا کوئی بڑی بات نہیں) منهم ضمیر ظاہر ہے کہ منافقین کی طرف ہے۔ يَقُوْلُوْنَ۔ یعنی یہ منافقین آپس میں ایسی باتیں کہتے رہتے ہیں۔ اُذُنٌ۔ کہتے ہیں ایسے شخص کو جو کان ہی کان ہو اور اپنی سادگی سے جو بات بھی سنے اُس کا یقین کر لے۔ الاذن الرجل الذی یصدق ویقبل قول کل واحد (کشاف) ای یقبل کل ما قیل له (ابن قتیبہ) يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ۔ یعنی ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں جو نبی ﷺ کے لئے باعث اذیت ہیں۔ **ف۱۱۵** قرآن مجید نے منافقین ہی کے لفظ کو اُن پر دہرا کر اُسے ایک بالکل دوسرے پہلو سے پیش کر دیا ہے۔ اُذن خیر کے درمیان کی اضافت فی کے معنی میں ہے۔ یعنی تمہارے حق میں جو بات خیر کی ہے اسی کو وہ کان دھر کر سنتے ہیں۔ ای هو اذن في الحق والخير (کشاف) **ف۱۱۶** یعنی اللہ کی وحی کی ہوئی ساری اطلاعوں پر یقین رکھتے ہیں۔ ایمان یہاں اپنے شرعی اصطلاحی معنی میں ہے جو کفر کی ضد ہے اور اسی لئے اس کا صلہ ”ب“ کے ساتھ آیا ہے۔ ای التصديق بالله الذي هو نقيض الكفر فعدى بالباء (کشاف) **ف۱۱۷** یعنی مومنین مخلصین کی باتوں کا۔ ”رسول اللہ ﷺ کا کسی بات کو سن لینا دو طور پر ہے ایک تصدیق کے طور پر کہ دل سے بھی اُس کو صحیح سمجھیں۔ دوسرا خوش خلقی اور کریم النفسی کے طور پر کہ باوجود اس سمجھ جانے کے کہ یہ بات محض غلط ہے خلق وکرم جبلی سے اس کو ٹال دیں اور راوی پر داروگیر سے اُس کی صریح تکذیب نہ کریں۔ غرض کان دے کر اور سچا سمجھ کر تو صرف اللہ کی اور مخلصین کی باتیں سنتے ہیں“ (تھانوی) ایمان یہاں لغوی معنی میں ہے یعنی مومنین کی بات کی تصدیق اور اسی لئے اس کا صلہ ل کے ساتھ آیا ہے۔ قصد السماع من المومنين وان يسلم لهم ما يقولونه فعدى باللام (کشاف) معناه الاستماع منهم والتسليم لقولهم فيتعدى

اَلَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

لوگ بھی ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہر بات کان دے کر سن لیتے ہیں **ف۱۱۴** آپ کہہ دیجیے کہ وہ تمہارے حق میں خیر ہی کے باب میں کان دے کر سنتے ہیں **ف۱۱۵** اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، **ف۱۱۶** اور مومنین کا یقین رکھتے ہیں، **ف۱۱۷** اور ان پر مہربانی کرتے ہیں جو تم میں سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں، **ف۱۱۸** اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لئے عذاب دردناک ہے، **ف۱۱۹** یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ تم کو خوش کر لیں، **ف۱۲۰** حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہیں کہ خوش اس کو کر لیں اگر (واقعی) یہ لوگ ایمان والے ہیں **ف۱۲۱** کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو کوئی مخالفت کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی سو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے، اس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا اور یہ بڑی ہی رسوائی ہے **ف۱۲۲** منافقین اندیشہ کرتے رہتے ہیں کہ کہیں مومنین پر ایسی سورت نہ نازل ہو جائے جو ان کو منافقین کے مافی الضمیر کی خبر دے دے آپ کہہ دیجیے کہ تم استہزا کئے جاؤ، یقیناً اللہ اسے ظاہر کر کے رہے گا جس کی بابت تم اندیشہ کرتے رہتے ہو، **ف۱۲۳**

وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ ؕ

اور اگر آپ ان سے سوال کیجیے تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے ف۱۲۴

قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۶۵﴾

آپ کہہ دیجیے کہ اچھا تو تم استہزا کر رہے تھے اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ، ف۱۲۵

لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ ؕ اِنۡ نَّعۡفُ

(اب) بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے اپنے اظہار ایمان کے بعد ف۱۲۶ اگر ہم تم میں سے ایک

عَنۡ طَآئِفَةٍ مِّنۡكُمۡ نُعَذِّبۡ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا

گروہ کو معاف بھی کر دیں تو ایک گروہ کو تو سزا دیں ہی گے اس لئے کہ وہ

مُجۡرِمِيۡنَ ﴿۶۶﴾ ع اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ

مجرم رہیں گے ف۱۲۷ منافق مرد اور منافق عورتیں (سب) ایک ہی طرح

بَعۡضٍ ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡكَرِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ

کے ہیں، بری بات کا حکم دیتے رہتے ہیں اور اچھی بات سے روکتے رہتے ہیں

وَيَقۡبِضُوۡنَ اَيۡدِيَهُمۡ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمۡ ؕ اِنَّ

اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں، انہوں نے اللہ کو بھلا دیا سو اس نے انہیں بھلا دیا، بے شک

الۡمُنٰفِقِيۡنَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ

منافقین بڑے ہی نافرمان ہیں. ف۱۲۸ اللہ نے منافق مردوں اور

وَ الۡمُنٰفِقٰتِ وَ الۡكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ

منافق عورتوں سے اور کافروں (سب) سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے، اس میں وہ (ہمیشہ) پڑے رہیں گے

هِىَ حَسۡبُهُمۡ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ﴿۶۸﴾ لا

وہی ان کے لئے کافی ہے اور اللہ ان پر لعنت کرے گا اور ان کے لئے عذاب دائم ہے ف۱۲۹

ع ۱۴ ۸ — وقف لازم

باللام (کبیر) قیل انما ادخلت اللام للفرق بین ایمان التصدیق وایمان الامان (جصاص) ف۱۱۸ (گو وہ ایمان دل میں نہ ہو اور اسی شفقت وخوش خلقی کی بنا پر تمہاری باتیں بھی سن لیتے ہیں باوجودیکہ اس کی حقیقت خوب سمجھ چکے ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ حضرت حقیقت کو نہیں سمجھتے اور حقیقت یہ ہے کہ حقیقت کو تم ہی نہیں سمجھتے لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا۔ دلوں کا حال بجز عالم الغیب کے کسے معلوم، رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہارے اظہار ایمان ہی کو ایمان سمجھ کر تم پر شفقت کرتے ہیں۔ اے اظھروا الایمان (کشاف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ سے آپ کا کمال کرم ظاہر ہوتا ہے کہ محض اظہار ایمان پر ہی آپ کی شفقت مرتب ہو جاتی ہے۔ ف۱۱۹ (آخرت میں یقیناً اور دنیا میں اغلباً) اَلَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ۔ اس ایذا کے عموم کے تحت میں سب کچھ آ گیا یعنی لفظ اذن کے استعمال سے بھی اور ہر دوسرے طریقہ سے۔ ف۱۲۰ اور اس طرح ہمارے انتقام وتعزیر سے اپنے جان ومال کو بچا لے جائیں) لکم یعنی تم مسلمانوں کے سامنے، تمہیں سنا سنا کر۔ يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ۔ قسمیں اس امر پر کھاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کی۔ یا فلاں الزام میں ہم بالکل بے قصور ہیں۔ ف۱۲۱ یعنی اگر یہ لوگ واقعی اہل ایمان ہیں تو انہیں جاننا چاہیے تھا کہ مومنین کی رضا جوئی پر اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی کہیں مقدم ہے۔ يُرۡضُوۡهُ۔ میں ضمیر رسول کی جانب بھی ہو سکتی ہے جو مرجع قریب ہے اور اللہ کی جانب بھی جو مرجع بعید ہے اور ایک ہی ضمیر سے دونوں کام نکالنے میں نکتہ بلاغت یہ ہے کہ رسول کی رضا اللہ کی رضا سے منضم ہے اور یہ کمال قرب وقبول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ انما وحد الضمیر لانہ لاتفاوت بین رضاء اللہ ورضا رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فکانا فی حکم مرضی واحد (کشاف) اِنۡ كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ۔ اس پر اشارہ ادھر آ گیا کہ اللہ کی رضا تو موقوف ہے ان لوگوں کے اخلاص وایمان پر۔ ف۱۲۲ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا۔ اس طرز خطاب میں اشارہ یہ ہے کہ اتنے دنوں سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تعلیم دے رہے ہیں اور اتنی سی بات بھی یہ لوگ اب تک نہ سمجھے۔ قال اھل المعانی قولہ الم تعلم خطاب لمن حاول الانسان تعلیمہ مدۃ وبالغ فی ذلک التعلیم ثم انہ لم یعلم فیقال لہ الم تعلم بعد ھذہ الساعات الطویلۃ والمدۃ المدیدۃ (کبیر) مَنۡ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ۔ جو کوئی اللہ اور رسول کی مخالفت کرے گا جیسا کہ یہ لوگ اس وقت کر رہے ہیں۔ فَاَنَّ لَهٗ۔ خبر محذوف ہے۔ اے فحق ان لہ (کشاف) ف۱۲۳ مثلاً یہی کہ جو باتیں اپنے جلسہ میں دین کے ساتھ استہزاء کی کرتے رہتے ہیں، مسلمانوں پر وہ ظاہر ہو جائیں۔ قُلُوۡبِهِمۡ۔ ضمیر ظاہر ہے کہ منافقین کی جانب ہے۔ الضمیر فی قلوبھم للمنافقین (کشاف) عَلَيۡهِمۡ سُوۡرَةٌ تُنَبِّئُهُمۡ۔ ضمیر دونوں جگہ مومنین کی جانب ہے۔ يَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ۔ ایک ترکیب یہ بھی جائز سمجھی گئی ہے کہ خبر امر کے معنی میں ہو اور مراد لیحذر المنافقون ہو۔ خبر بمعنی الامر اے لیحذر المنافقون (مدارک) قال الحسن ومجاھد کانوا یحذرون فحملاہ علی معنی الاخبار عنھم بانھم یحذرون وقال غیرھما صورتہ صورۃ الخبر ومعناہ الامر تقدیرہ لیحذر المنافقون (جصاص) ف۱۲۴ (اور کچھ واقعی برائی یا عیب چینی ہمیں تھوڑے ہی مقصود تھی) یہ عذر آج بھی کتنا چلا ہوا ہے۔ شعر وادب کے پردہ میں کون سی گستاخی اللہ اور اس کی شریعت اور اس کے فرشتوں اور حوروں کے ساتھ اٹھ رہی ہے۔ اور جواب ہر مرتبہ یہی ملتا ہے کہ یہ تو محض ادبی دلچسپیوں کے لئے تھا۔ کہیں واقعی مذہب پر تعریض تھوڑے ہی مقصود تھی! ف۱۲۵ یعنی بالفرض تمہاری غرض تھوڑی دیر کے لئے خوش طبعی ہی تھی جب بھی یہ تو سوچا ہوتا کہ استہزاء کن چیزوں سے کر رہے ہو اللہ سے؟ اس کے احکام سے؟ اس کے رسول سے؟ یہ چیزیں محل استہزاء کسی صورت میں بھی ہو سکتی ہیں؟ آج کے ادیب اور شاعر (ایک دو نہیں صدہا کی تعداد میں) ذرا ان پہلوؤں کو بھی سوچ رکھیں۔ فقہاء نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ حکم شرعی کے اعتبار سے استہزاء کی یہ تینوں قسمیں (استہزاء باللہ، استہزاء بآیات اللہ واستہزاء برسول اللہ) برابر ہیں۔ دل علی ان الاستھزاء بآیات اللہ و بشیء من شرائع دینہ کفر فاعلہ (جصاص) فقہاء نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ کلمہ کفر خواہ ارادہ وسنجیدگی سے ادا کیا جائے خواہ محض ایک لطیفہ وخوش طبعی کے طور پر، حکم شرعی کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔ اس لئے کہ قرآن نے ان کے عذر لہو ولعب کو بالکل مسترد کر دیا اور حکم کفران پر باقی رکھا۔ ہاں حالت جبر واکراہ کا حکم اس سے الگ ہے۔ فیہ الدلالۃ علی ان اللاعب والجاد سواء فی اظھار کلمۃ الکفر علی غیر وجہ الاکراہ (جصاص) فاخبر ان ھذا القول کفر منھم علی ای وجہ قالوہ من جد اوھزل فدل ذلک علی استواء حکم الجاد والھازل فی اظھار کلمۃ الکفر (جصاص) اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو عقلی پہلو سے بیان کیا ہے۔ انہ تعالیٰ بین ان ذلک الاستھزاء کان کفراً و العقل یقتضی ان الاقدام علی الکفر لاجل اللعب غیر جائز (کبیر) اَبِاللّٰهِ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عمل استہزاء کا وقوع اللہ تعالیٰ پر تو ہو ہی نہیں سکتا۔ لامحالہ مراد یا تو احکام شرعی سے ہو گی یا اسماء الٰہی سے اور یا قدرت الٰہی سے۔ المراد بالاستھزاء باللہ ھو الاستھزاء بتکالیف اللہ تعالیٰ (کبیر) یحتمل ان یکون المراد الاستھزاء بذکر اللہ فان اسماء اللہ قد یستھزئ الکافر بھا (کبیر) ثم ان بعض الجھال من المنافقین ذکر کلاماً مشعراً بالقدح فی قدرۃ اللہ کماھو عادات الجھال والملحدۃ (کبیر) ف۱۲۶ (اس لئے اب بات بنانے کی کوششیں سب بے کار ہیں) بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ۔ بعد اظہار ایمانکم کے معنی میں ہے ورنہ اصل ایمان ظاہر ہے کہ منافقوں میں سرے سے تھا ہی نہیں۔ اے بعد اظھارکم الایمان (کشاف) اے کفرتم بعد ایمانکم الذی اظھر تموہ (کبیر۔ عن الحسن) دین کے ساتھ استہزاء فقہاء نے تصریح کر دی ہے اگر قصداً ہے تو خواہ بداعتقادی سے نہ ہو جب بھی کفر ہے۔ قَدۡ كَفَرۡتُمۡ۔ یعنی اس استہزاء کے بعد تمہارا کفر

ظاہر ہی ہوگیا ورنہ موجود تو وہ پہلے ہی سے تھا۔ ای قد اظہرتم کفرکم باستہزاء کم (مدارک) قال الحسن المراد کفرتم بعد ایمانکم الذی اظہرتموہ وقال اٰخرون ظہر کفرکم للمومنین بعد ان کنتم عندہم مسلمین (کبیر) لَا تَعْتَذِرُوْا۔ یعنی بہانے نہ بناؤ۔ ای لا تشتغلوا باعتذاراتکم الکاذبۃ (مدارک) ف۱۲۷ (اور آخر وقت تک انہیں توفیق توبہ نصیب نہ ہوگی) اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ۔ یہ معافی انہیں تائب ہوجانے اور مومن مخلص بن جانے پر حاصل ہوگی۔ ف۱۲۸ (اور سب دائرۂ ایمان سے خارج ہیں) بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ۔ یعنی ایک دوسرے کی جنس کے ہیں صفت نفاق میں سب شریک ومتحد اور مومنین کے دائرہ سے یکسر خارج۔ ای فی صفۃ النفاق کما یقول الانسان انت منی وانا منک ای امرنا واحد ولا مباینۃ فیہ (کبیر) وفیہ نفی ان یکونوا من المومنین (مدارک) اضاف بعضہم الٰی بعض باجتماعہم علی النفاق فہم متشاکلون متشابہون فی تعاضدہم علی النفاق (جصاص)

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً

(تمہاری حالت) ان لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں، وہ شدت قوت میں

وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ

اور مال واولاد کی کثرت میں تم سے بڑھے ہوئے تھے سو انہوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا

فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ

اور تم نے بھی اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا جیسا کہ ان لوگوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا جو تم سے

قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ

قبل ہو چکے ہیں ف۱۳۰ اور تم لوگ بھی گھسے، جیسا وہ لوگ گھسے تھے،

اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو کر رہے

وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ

اور یہی لوگ بڑے نقصان اٹھانے والے ہیں ف۱۳۱ کیا انہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو

مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ

ان سے قبل ہو چکے ہیں (مثلاً) قوم نوح اور عاد و ثمود کی، اور قوم ابراہیم

وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

و اہل مدین کی اور الٹی ہوئی بستیوں کی، ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلے ہوئے

بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا

نشانات لے کر آئے، سو اللہ تو ان پر (کوئی) ظلم کرنے والا ہے ہی نہیں البتہ وہ خود

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ

اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ف۱۳۲ اور ایمان والے اور ایمان والیاں

يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ۔ یعنی فسق وکفر وعداوت اسلام کی طرف بلانے اور دعوت دینے میں سب شریک ہیں۔ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ۔ یعنی ایمان واتباع نبوی سے سب ایک دوسرے کو روکتے رہتے ہیں۔ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ روکے رہتے ہیں۔ نَسِيَهُمْ۔ اللہ کا انہیں بھلانا یہ ہے کہ اس نے اپنی رحمت خاصہ ان پر سے ہٹالی۔ قاعدۂ مشاکلت دیباچہ میں ملاحظہ ہو۔ ای فجازاہم بان صیّرہم بمنزلۃ المنسی من ثوابہ ورحمتہ (کبیر) قاعدۂ مشاکلت کے لئے ملاحظہ ہو اس تفسیر کا دیباچہ۔ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ یہ ترکیب فسق پر زور وتاکید کے لئے ہے یعنی بڑے ہی فاسق ہیں۔ ای ہم الکاملون فی الفسق الذی ہو التمرد فی الکفر والانسلاخ عن کل خیر (مدارک) ف۱۲۹ یعنی ایسا عذاب جو آکر جائے گا نہیں، قائم ہوکر اور جم کر رہ جائے گا۔ هِيَ حَسْبُهُمْ۔ یعنی اس آتش دوزخ سے بڑھ کر کوئی سزا متصور ہی نہیں، اور وہی ان کے لئے ہوگی۔ فیہ دلالۃ علی عظم عذابہا وانہ بحیث لایزاد علیہ (مدارک) والمعنی ان تلک العقوبۃ کافیۃ لہم ولا شیء ابلغ منہا ولا یمکن الزیادۃ علیہا (کبیر) لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔ اللہ کی لعنت کے معنی جیسا کہ کئی بار اوپر آچکا ہے، اللہ کی رحمت خاصہ سے دور کردینے کے ہیں۔ ف۱۳۰ یعنی جیسا پرانی جاہلی مشرک قوموں کو اپنے جاہ وثروت اور دنیوی ترقیوں پر ناز اور ناز بے جا رہ چکا ہے اسی طرح تم بھی آج ظاہری دلفریبیوں اور مادی چمک دمک پر مٹے ہوئے ہو۔ خطاب منافقین ہی سے چل رہا ہے۔ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ یہ تمثیل جس طرح کفر مشترک میں ہے اسی طرح جزائے کفر مشترک میں بھی ہے۔ ف۱۳۱ (کہ دونوں جہانوں میں مسرت وراحت سے محروم ہوگئے) مطلب یہ ہوا کہ جب حبط اعمال اور سزائے شدید اُخروی سے وہ قدیم قومیں بہ ایں جاہ وشوکت نہ بچ سکیں تو تم ان سے کہیں کم ہو، تم کیسے بچ سکتے ہو۔ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا۔ خوض کے معنی گھسنے یا در آنے کے ہیں، اور اس کا استعمال موقع ذم پر ہوتا ہے۔ الخوض الدخول فی الباطل واللہو (مدارک) ظاہری ٹیم ٹام کے ساتھ بری عادتوں اور ناپاک خصلتوں میں گھسنے، اور در آنے کی مثالیں دیکھنا ہوں تو آج بھی "مہذب" قوموں کے شفاخانوں، محتاج خانوں، ڈاک خانوں، درسگاہوں، کے پہلو بہ پہلو ان کے نشاط خانے، شراب خانے، قمار خانے، ناچ گھر، ان کے تھیٹر اور ان کے سینما دیکھ لئے جائیں۔ ف۱۳۲ (سو انہی قدیم قوموں کی طرح یہ معاصر معاندین بھی اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں) نَبَاُ الَّذِيْنَ۔ ان لوگوں کی خبر، یعنی ان لوگوں کی ہلاکت وبربادی کی خبر۔ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ۔ مراد قوم شعیب ہے۔ اَلْمُؤْتَفِكٰتِ۔ الٹی ہوئی بستیاں، یعنی قوم لوط کے اجڑے ہوئے، برباد شدہ شہر۔ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ۔ یعنی ان قوموں کے پیمبر تو کھلے کھلے نشانات لے کر آتے رہے۔ پر ان لوگوں کی طرف سے انکار بھی اسی شدت سے جاری رہا۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ۔ خدائے اسلام دوسری قوموں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح ظالم نہیں وہ حکیم بھی ہے اور عادل بھی۔ بلاوجہ وسبب کسی پر سختی کرنا اس کی شانِ عدل وحکمت دونوں کے منافی ہے لانہ حکیم لا یعاقبہم بغیر جرم (مدارک)۔

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں نیک باتوں کا (آپس میں) حکم دیتے ہیں

وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ

اور بری باتوں سے روکتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے

الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ

رہتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر ضرور

اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ

رحمت کرے گا ف۱۳۳ بے شک اللہ بڑا اختیار والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۱۳۴ اللہ نے ایمان والوں اور

وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ایمان والیوں سے وعدہ کر رکھا ہے، باغوں کا کہ ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ

یہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور (وعدہ کر رکھا ہے) پاکیزہ مکانوں کا ہمیشگی کے باغوں میں

وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ ع

اور اللہ کی رضامندی سب (نعمتوں) سے بڑھ کر ہے، بڑی کامیابی یہی تو ہے ف۱۳۵

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ

اے نبی کافروں اور منافقوں پر جہاد کیجیے ف۱۳۶ اور ان پر سختی

عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾

کیجیے ف۱۳۷ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور (وہ) بری جگہ ہے

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ

یہ لوگ اللہ کی قسم کھا جاتے ہیں کہ انہوں نے فلاں بات نہیں کہی حالانکہ یقیناً انہوں نے کفر کی بات کہی تھی

ع ۹ ۱۵

ف۱۳۳ ابھی اوپر ذکر آچکا ہے کہ منافقین اور منافقات سب ایک گروہ ہیں۔ المنافقون والمنافقات بعضهم من بعض اب اس کے بالمقابل ارشاد ہو رہا ہے کہ مومنین و مومنات بھی سب ایک گروہ ہیں ایک دوسرے کے دوست، رفیق، ہوا خواہ اور اس گروہ مومن کے صفات و خصوصیات ٹھیک اس کے برعکس بیان ہو رہے ہیں جو ابھی گروہ منافق کے بیان ہوئے تھے۔ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ۔ رسول کی اطاعت آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی شریعت کی اطاعت ہے۔ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ۔ س یہاں وعدہ کی تاکید کے لئے ہے۔ السين مفيدة وجود الرحمة لا محالة فهي تاكد الموعد (کشاف) لا محالة فان السين موكدة للوقوع (بیضاوی) والسين على ماقال الزمخشري وتبعه غير واحد لتاكيد الوعد (روح) فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت کی رو سے ایک مستقل گروہ کافروں اور منافقوں کا قرار پا گیا اور دوسرا مستقل طبقہ اہل ایمان کا۔ اس لئے جو سلوک و محبت باہمی مومنین کے لئے ثابت و لازم ہے وہ کفار و منافقین سے نہ رکھنی چاہیے اور جو تشدد اور غلظت کفار کے مقابلہ میں مقتضائے دین ہے وہ مسلمان کے حق میں جائز نہیں، اور یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کسی مومن کے لئے جائز نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان کو قول یا عمل یا مجرد قصد سے بھی ضرر پہنچائے۔ يطيعون سے صوفیہ عارفین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جب اطاعت ایمان کی علامت ہے تو عدم اطاعت یا معصیت سلب ایمان کی طرف لے جانے والی ہو گی، بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ منافقین و منافقات کے ذکر میں یہی مضمون بعضهم من بعض سے ادا ہوا ہے اور مومنین و مومنات کے ذکر میں بجائے من بعض کے اولياء بعض سے، تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کفر و نفاق ایک دوسرے کا اتباع محض تقلید جامد اور مناسبت طبعی کی راہ سے کرتے ہیں۔ بہ خلاف اس کے اہل ایمان میں جو اشتراک پایا جاتا ہے وہ استدلال عقلی و توفیق الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ف۱۳۴ یعنی ہر جزا و صلہ پر قادر اور ہر ایک کو اس کے مناسب حال جزا و صلہ دینے والا۔ اے غالب على كل شيء قادر عليه وواضع كلا موضعه (مدارک) ف۱۳۵ (اور یہ اہل جنت کو تمام تر نصیب رہے گی) رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ یعنی رضائے الٰہی ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہے اور وہ تعمیل احکام سے ہر ایک کو حاصل ہو سکتی ہے۔ صوفیہ عارفین نے لکھا ہے کہ جنت میں دیدار الٰہی گو ایک عظیم الشان نعمت ہے، لیکن یہ لذت تو صرف عاشقوں اور دیدار کرنے والوں کے نقطۂ خیال سے ہے، عاشق کے لئے بیشک دیدار محبوب سے بڑھ کر لذیذ نعمت اور کیا ہو سکتی ہے لیکن محبوب کی رضا تو اس سے بھی بڑھ کر لطیف و لذیذ ہے اور محبوب حقیقی کی رضا صرف تعمیل احکام اور ادائے فرائض میں ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خود جنت میں جانے اور ہر قسم کی نعمت پانے کا سبب بھی تو یہی رضائے الٰہی ہے اور عاشقوں کا منتہائے مقصود بھی یہی رضا ہے۔ ف۱۳۶ (ہر ایک کے حسب حال) لفظ جہاد، قتال کے مرادف نہیں، قتال اُس کی صرف ایک فرد ہے۔ محققین نے تصریح کر دی ہے کہ کافروں سے جہاد کی شکل ایک ہو گی اور منافقوں سے جہاد کی شکل دوسری۔ جَاهِدِ الْكُفَّارَ۔ کافروں کے مقابلہ میں جہاد جنگ و قتال سے ہو گا۔ امر بالجهاد مع الكفار بالسيف (قرطبی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) دلت الدلائل المنفصلة على ان المجاهدة مع الكفار يجب ان تكون بالسيف (کبیر) وَالْمُنٰفِقِيْنَ۔ منافقوں کے مقابلہ میں جہاد قول و لفظ اور عملی برتاؤ سے ہو گا۔ امر بالجهاد مع المنافقين باللسان وشدة الزجر والتغليظ (قرطبی۔ عن ابن عباس) باقامة الحدود عليهم و باللسان (قرطبی عن الحسن وقتادة) باظهار الحجة تارةً و بترك الرفق ثانيًا و بالانتهار ثالثا (کبیر) ف۱۳۷ (جس کے وہ مستحق ہیں) غِلْظَة کا حکم کافروں اور منافقوں دونوں کے حق میں مشترک ہے۔ اور غلظ لغت میں رافت یا نرمی کی ضد ہے، مراد یہ ہے کہ اُن کے مقابلہ میں نرم نہ پڑیے مضبوطی سے قائم رہیے۔ الغلظ نقيض الرافة وهي شدة القلب (قرطبی) آج کے دورِ دجل و تلبیس میں لفظ ''رواداری'' جس معنی میں چلا ہوا ہے، اسلام اس کا ہرگز قائل نہیں۔ دوستان حق سے وہ اُس برتاؤ کا حکم دیتا ہے جس کے وہ مستحق ہیں اسی طرح دشمنانِ حق سے بھی اسی سلوک کا جس کے وہ لائق ہیں انسان مرغیوں اور بکریوں کو اپنے پاس سے کھلا کھلا کر پالتا ہے اور محنت اُٹھا اُٹھا کر انہیں زندہ رکھتا اور بڑھاتا ہے اور سانپوں، بچھوؤں کو بلا تامل مار ڈالتا ہے، عقل کی تعلیم یہ ہرگز ہرگز نہیں کہ جانور جانور سب برابر ہیں اور یکساں ''رواداری'' سے سب کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جس کسی کے متعلق فساد عقیدہ کی اطلاع مل جائے اُس پر جہاد دلائل سے کیا جائے گا اور اُس کے مقابلہ میں سختی بھی حسب طاقت و ضرورت استعمال کی جائے گی۔ كل من وقف منه على فساد في العقيدة فهذا الحكم ثابت فيه يجاهد بالحجة وتستعمل معه الغلظة ما امكن منها (مدارک)۔

وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ

اور اپنے (ظاہری) اسلام کے بعد کافر ہو گئے اور ایسی بات کا بھی ارادہ کیا جو انہیں حاصل نہ ہو سکی ف۱۳۸

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ

اور انہوں نے بدلہ صرف اس بات کا دیا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے

فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا

مال دار کر دیا تھا ف۱۳۹ سو اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہو، اور اگر روگردانی کریں

يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ

تو اللہ انہیں ایک دردناک سزا دنیا اور آخرت میں دے گا

وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ وَمِنْهُمْ

اور ان کا (روئے) زمین پر نہ کوئی یار ہے اور نہ مددگار ف۱۴۰ اور ان میں وہ بھی ہیں

مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ

جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں (مال) عطا کردے تو ہم خوب (اس میں سے) تصدق کریں گے

وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ

اور ہم خوب نیک نیک کام کیا کریں ف۱۴۱ پھر جب اللہ نے ان کو اپنے فضل

فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

سے (مال) دیدیا تو لگے وہ اس میں بخل کرنے اور روگردانی کرنے اور منہ پھیرے ہوئے تو وہ تھے ہی، ف۱۴۲

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ

سو (اللہ نے) ان کی سزا میں ان کے قلوب میں نفاق قائم کردیا جو اس کے پاس جانے کے دن تک رہے گا اس سبب سے

اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

کہ انہوں نے اللہ سے اور اس کے خلاف کیا جو کچھ اس سے وعدہ کر چکے تھے اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے، ف۱۴۳

ف۱۳۸ تبوک سے واپسی کے موقع پر چند منافقوں نے حضور اکرم ﷺ سے متعلق سازش کی کہ فلاں گھاٹی سے آپ شب میں گزریں گے سب مل کر آپ پر ہاتھ چلائیں اور ہو سکے تو زندگی ہی کا خاتمہ کر دیں چنانچہ راستہ میں ایک جگہ چھپ کر اور اپنے چہروں کو چھپا کر بیٹھ گئے آپ کے ہمراہ صحابیوں میں سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ تھے عمار رضی اللہ عنہ کو تو ان لوگوں نے گھیر لیا، لیکن حذیفہ رضی اللہ عنہ کی شجاعت کام آئی اور یہ بزدل منتشر ہو گئے۔ رات کے اندھیرے اور چہرے کے چھپے ہونے کے باعث پہچانے نہ گئے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ تک خبر پہنچائی تو آپ نے فرمایا کہ وہ بارہ آدمی فلاں اور فلاں تھے۔ ان لوگوں سے جب سوال کیا گیا تو وہ حلف کے ساتھ انکار کر گئے۔ آیت میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ۔ سے فقہاء مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ اسلام ایمان کے مرادف ہے، اس لئے کہ ٹھیک کفر کے مقابلہ میں آیا ہے۔ فيه دلالة على ان الايمان والاسلام واحد لانه قال وكفروا بعد اسلامهم (مدارک) كَلِمَةَ الْكُفْرِ۔ ہر وہ بات ہے جس میں اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہو، یا پائی جائے۔ وكلمة الكفر كل كلمة فيها جحد لنعمة الله او بلغت منزلتها في العظم (جصاص) ف۱۳۹ یہ ایک طنز لطیف ان منافقوں کی کمینہ فطرتی پر ہے، منافقین مدینہ عموماً غریب تھے، اسلام ہی کی بدولت انہیں مالِ غنیمت میں کچھ حصہ ملنے لگا تھا اور اسی سے اُن میں کچھ خوشحالی آ گئی تھی۔ پھر سازشیوں کا ایک خاص سرغنہ جلاس (جو بعد کو بحمد اللہ پختہ مسلمان ہو گیا تھا) تو خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کا ممنون کرم تھا کہ آپ نے ایک بار اُس کا ایک بڑا قرضہ اتار دیا تھا۔ ایسے طنزیہ محاورہ ہر زبان میں ہیں۔ اردو میں بھی تو کہتے ہیں کہ "جی ہاں مجھ سے یہ خطا تو ضرور ہوئی تھی کہ وقت پر اُس شخص کے کام آ گیا تھا" ف۱۴۰ (کہ انہیں اس سزائے دردناک سے بچالے اور جب دنیا ہی میں انہیں کوئی یار مددگار نہیں ملتا تو آخرت میں تو بدرجہ اولیٰ منتفی ہوگا) فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ۔ یعنی اگر اپنے نفاق سے توبہ کر لیں تو دنیا و آخرت دونوں کی سزاؤں سے بچ جائیں گے، بلکہ دارین میں نفع ہی میں رہیں گے۔ فقہاء نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ اظہار ایمان کرنے والے اور باطناً کفر میں پڑے رہنے والے زندیق کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ في ما قص الله علينا من شان المنافقين دلالة على قبول توبة الزنديق المسر للكفر والمظهر للايمان (جصاص) يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ۔ اس بہتری کا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے ہے۔ ف۱۴۱ (اسی مال و دولت کے ذریعہ سے) شانِ نزول کی روایتوں میں یہاں ایک، خاص شخص ثعلبہ بن حاطب کا نام لیا گیا ہے لیکن روایات شانِ نزول کا حاصل صرف اس قدر ہوتا ہے کہ آیت کا سبب نزول وہ مخصوص واقعہ تھا یہ مقصود ہرگز نہیں ہوتا کہ آیت کا حکم یا آیت صرف اُس شخص یا واقعہ تک محدود ہے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نذر ماننے والے پر اُس کا ادا کرنا واجب ہے۔ فيه الدلالة على ان من نذر نذرًا فيه قربة لزمه الوفاء به (جصاص) ف۱۴۲ (یعنی ایمان اُن کے دلوں سے مفقود تو پیشتر ہی سے تھا۔ فکر، پروا اعمال ایمانی کی پہلے بھی نہ تھی۔ اب عمل بھی ترک کر دیا۔ اے وهم قوم عادتهم الاعراض عن الطاعات فلا ينكر منهم هذا (روح) ف۱۴۳ (شروع ہی سے) "یعنی نیت ایفاء کی اُس وقت بھی نہ تھی، پس نفاق تو اُس وقت بھی دل میں تھا جس کی فرع یہ کذب و اخلاف ہے۔ پھر اس کذب و اخلاف کے وقوع سے اور زیادہ مستحق غضب ہوئے اور اس زیادت غضب کا اثر یہ ہوا کہ وہ نفاق سابق اب دائم و غیر زائل ہو گیا کہ توبہ بھی نصیب نہ ہوگی۔ اُسی حالت پر مر کر ابدالآباد جہنم میں رہنا نصیب ہوگا" (تھانوی) فَاَعْقَبَهُمْ الخ۔ یعنی چونکہ انہوں نے اپنے ارادہ سے گمراہی اختیار کر لی، اللہ بھی ان کے ارادہ کے خلاف ان کی گمراہی کو ہدایت سے نہ بدلے گا، اور انہیں بدستور اسی حال میں پڑا رہنے دے گا۔ قال الزجاج ان معناه انهم لما ضلوا في الماضي فهو تعالى اضلهم عن الدين في المستقبل (کبیر) مفسر تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جس طرح طاعتوں سے ایمان کی نورانیت بڑھتی ہے اسی طرح سے معصیتوں سے کفر کی ظلمت بھی بڑھتی ہے۔

وٖ ۱۴۴ (تو ان کا ظاہری اسلام اور نقلی اظہار اطاعت ان کے کیا کام آسکتا ہے؟) روایات میں آتا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد ثعلبہ بن حاطب زکوۃ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا لیکن آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیری زکوۃ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اُس نے بہت ہائے واویلا کی مگر آپ نے قبول نہ فرمائی، اس کے بعد وہ حضرت ابوبکر حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم تینوں کی خلافت میں زکوۃ پیش کرتا رہا اور ہر دفعہ وہ رد ہوتی رہی یہاں تک کہ وہ مر گیا۔" احقر کہتا ہے کہ اس کا زکوۃ لانا اور نہ لینے پر واویلا کرنا خلوص سے نہ تھا۔ بلکہ دفع عار و بدنامی کے لئے تھا۔ کیونکہ اعقبهم الخ سے اُس کا دائما کافر رہنا معلوم ہو گیا پھر خلوص کا احتمال کب ہے اور شاید ممانعت قبول سے مراد حضور ﷺ کی یہی ہو، اس طرح کہ قبول صدقہ کے لئے ایمان شرط ہے اور شرط کا انتفاء مخصوص ہے پس مشروط بھی منفی عنہا ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ مستقل وحی بھی اس میں نازل ہوئی ہو۔ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا قبول نہ کرنا آپ کے قبول نہ فرمانے کی وجہ سے تھا۔" (تھانوی) اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا۔ ہمزہ یا تو انکار، توبیخ و تہدید کے موقع پر آتا ہے کہ اُن کی جرأتیں اتنی بڑھتی گئیں کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی اور یا پھر اس تنبیہ کے لئے کہ اللہ اس امر پر اُن سے مواخذہ شدید کرنے والا ہے والهمزة اما للانكار والتوبيخ والتهديد اے الم يعلموا ذلك حتى اجترءوا على ما اجترءوا عليه من العظائم اوللتقرير والتنبيه على ان الله سبحانه مؤاخذهم ومجازيهم بما علم من اعمالهم (روح) اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ۔ ان لوگوں کی سرگوشیاں اور

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَ اَنَّ

کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ کو ان کے (دل کے) راز کا اور ان کی سرگوشی کا (سب کا) علم ہے اور یہ کہ

اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ

اللہ چھپی باتوں سے خوب واقف ہے، وٖ ۱۴۴ یہ ایسے ہیں جو صدقات کے باب میں نفل صدقہ دینے والے

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ

مسلمانوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں اور (خصوصاً) ان لوگوں پر جنہیں بجز ان کی محنت مزدوری کے

اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ

کچھ نہیں ملتا سو ان سے یہ تمسخر کرتے ہیں اللہ ان سے تمسخر کرتا

مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا

ہے وٖ ۱۴۵ اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے وٖ ۱۴۶ آپ ان کے لئے استغفار کریں خواہ ان کے لئے

تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ

استغفار نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر بار (بھی) استغفار کریں گے جب بھی اللہ

یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ

انہیں نہیں بخشے گا وٖ ۱۴۷ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا،

وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۸۰﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ

اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا وٖ ۱۴۸ (یہ) پیچھے رہ جانے والے رسول اللہ

بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ یُّجَاهِدُوْا

کے (جانے کے) بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہو گئے وٖ ۱۴۹ اور ان کو گراں گزرا کہ یہ اپنے مال

بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا

اور اپنی جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور یہ کہنے لگے کہ (ایسی تیز) گرمی میں

ع ۱۰ ۱۶

ان کی رازداریاں چونکہ وقتی چیزیں اور حادث تھیں اس لئے یہاں علم کا ذکر صیغۂ فعل (مضارع) کے ساتھ فرمایا گیا۔ و فی ابراد العلم المتعلق بسرهم و نجوهم الحادثين شيئا فشيئا بصيغة الفعل الدال على الحدوث و التجدد (روح) اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ یہاں علم کا تعلق چونکہ بندوں سے نہیں بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہے، اس لئے صیغہ بھی اسم کا لایا گیا دوام کے ظاہر کرنے کو اور پھر اسم بھی صیغہ مبالغہ کا؟ والعلم المتعلق بالغيوب الكثيرة بصيغة الاسم الدال على الدوام والمبالغة من الفخامة و الجزالة ما لا يخفى (روح) وٖ ۱۴۵ (اور تمسخر کا درجہ مطلق طعن سے بڑھا ہوا ہے) اَلَّذِیْنَ۔ هم اللذين کے مرادف ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ منکرین اولیاء کا بھی یہی حال ہے، وہ بھی اُن کے ہر عمل اور ہر حال پر عیب گیری کرتے رہتے ہیں۔ وٖ ۱۴۶ (خواہ دنیا خواہ آخرت میں) سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ۔ یعنی اُن کے تمسخر کی خوب سزا انہیں دے کر رہے گا۔ عربی میں بہ طریق مجازات و مشاکلت اسی لفظ کو اُلٹ دینے کا دستور عام ہے جیسا کہ دیباچہ میں ذکر آچکا ہے اور محاورۂ قرآنی میں بار بار یہ استعمال ہوا ہے۔ اے جازهم جزاء السخرية (ابن قتیبہ) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمسخر سے دل چونکہ اور زیادہ دکھتا ہے اس لئے اس کا ذکر وقوع اور جزاء دونوں میں خصوصیت کے ساتھ کیا گیا۔ وٖ ۱۴۷ (اس لئے کہ مغفرت کی بنیاد یعنی ایمان ہی سرے سے مفقود ہے اور منافقین کے حق میں دعا اور عدم دعا دونوں عدم نفع کے لحاظ سے یکساں ہیں) سَبْعِیْنَ مَرَّةً۔ ستر سے مراد یہاں عدد کامل یا کثرت استغفار ہے اور ستر تحدید کے لئے نہیں صرف تکثیر کے لئے آیا ہے جیسا کہ محاورۂ عرب میں اکثر آتا ہے۔ والسبعون جار مجرى المثل فى كلامهم للتكثير (کشاف) ذكر السبعين على وجه المبالغة فى الياس من المغفرة (جصاص) لان العرب فى اساليب كلامهم تذكر السبعين فى مبالغة كلامها ولا تريد التحديد بها (ابن کثیر) روایتوں میں آتا ہے کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول منافقین مدینہ کا رئیس و سردار تھا۔ اُس کا لڑکا مومن مخلص تھا۔ باپ کے مرنے پر آکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست جنازہ پڑھانے کی کی۔ آپ کھڑے ہو گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دامن پکڑا کہ آپ تو نماز سے منع کر دیئے گئے ہیں، آپ نے کہ مجسمہ رحمت و شفقت تھے اور منافقین و منکرین کی تالیف قلوب کی مصلحت بھی آپ کی نگاہ دوررس میں تھی، باوجود اہل زبان ہونے کے آیت میں تاویل فرمائی اور لفظی گنجائش نکال کر ارشاد فرمایا کہ مجھے تو اختیار دیا گیا ہے چاہوں استغفار کروں چاہوں نہ کروں ستر بار تک مغفرت نہ ہوگی میں اس سے زیادہ استغفار کروں گا، چنانچہ آپ نے نماز پڑھا دی۔ آیت ولا تصل على احد منهم مات ابدا اس کے بعد اتری۔ آیت پر سوال یہ ہوا ہے کہ آپ نے منافق کے کفر کے علم کے باوجود اُس کے لئے استغفار کیسے کر دیا۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اُس کے کفر کا علم قطعی تو آپ کو اس آیت کے نزول کے بعد ہی ہوا نہ کہ اُس کے قبل سے تھا۔ محققین نے آیت اور اس کے شان نزول دونوں سے یہ مستنبط کیا ہے کہ مجتہد کو چاہیے کہ آیات عذاب میں تاویل اور وعدہ ہائے انعام میں توسیع کرتا رہے۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ آپ کا یہ استغفار اگر ہوتا تو فرط رحمت و شفقت کی بنا پر ہوتا۔ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ آپ کا یہ عدم استغفار اصل ضابطہ شریعت اور استغفار کی عدم نافعیت کی بنا پر ہوتا۔ کفر ایسی سخت چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے پیمبر برحق ﷺ تک کی سفارش بے اثر رہتی ہے اعاذنا الله منه۔ فيه اخبار بان استغفار النبى ﷺ لهم لا يوجب لهم المغفرة (جصاص) وٖ ۱۴۸ چنانچہ یہ لوگ کفر ہی پر قائم رہے اور کفر ہی پر ختم رہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ کافر کے لئے استغفار اور اُس کی نماز جنازہ درست نہیں، آیت میں استغفار رسول ﷺ کی عدم نافعیت کی وجہ بیان کر دی کہ وہ کفر ہے اور اس مانع کا دفعیہ عدد استغفار کی کمی زیادتی سے نہیں ہو سکتا۔ بين ان العلة التى لاجلها لا ينفعهم استغفار الرسول وان بلغ سبعين مرة كفرهم وفسقهم وهذا المعنى قائم فى الزيادة على السبعين (کبیر) اَلْفٰسِقِیْنَ۔ یہ وہ نافرمان لوگ ہیں جو ایمان و حق کی طلب ہی نہیں کرتے، محض گنہگار ہونا مراد نہیں، بلکہ ایمان سے خارج ہونا مراد ہے۔ اے الخارجين من الايمان (مدارک) ذٰلِكَ۔ یعنی یہ مغفرت کی طرف سے قطعی محرومی و مایوسی۔ اشارة الى

فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا

(گرمی) مت نکلو و۱۵۰ آپ کہہ دیجیے کہ جہنم کی گرمی (اس سے بھی) زائد تیز ہے، و۱۵۱ کاش وہ

يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ

سمجھتے ہوتے! سو تھوڑے دن ہنس لیں اور پھر (آخرت میں) بہت دن روتے رہیں

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى

ان کاموں کے بدلہ میں جو وہ کرتے رہتے ہیں و۱۵۲ تو اگر اللہ آپ کو واپس لائے ان کے کسی

طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ

گروہ کی طرف اور یہ لوگ آپ سے (ساتھ) چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ کہہ دیجیے کہ تم کبھی بھی

تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ

میرے ساتھ نہ چلو گے، اور نہ میرے ہمراہ ہو کر کسی دشمن (دین) سے لڑو گے و۱۵۳ تم وہی ہو کہ

رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

پہلی بار بھی تم نے بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا سو پیچھے رہ جانے والے معذوروں کے ساتھ اب بھی بیٹھے رہو، و۱۵۴

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ

اور ان میں سے جو کوئی مر جائے اس پر کبھی بھی نماز نہ پڑھیے اور نہ اس کی قبر پر

عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ

کھڑے ہوجیے و۱۵۵ بیشک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ اس حال میں مرے ہیں کہ وہ

فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا

نافرمان تھے و۱۵۶ اور ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈال دے، و۱۵۷ اللہ کو تو

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ

یہی منظور ہے کہ انہیں ان کے ذریعہ سے دنیا میں بھی عذاب کرتا رہے اور ان کی جانیں

الیاس من المغفرة (مدارک) و۱۴۹ (جب کہ آپ غزوۂ تبوک پر روانہ ہو چکے) حاشیہ اُوپر گزر چکا۔ اَلْمُخَلَّفُوْنَ۔ اس کے لفظی معنی ہیں "وہ جو پیچھے چھوڑ دیئے گئے" رہ جانے والے وہ منافقین ہیں جنہوں نے طرح طرح کے جھوٹے عذر تراش کر کے پیچھے رہ جانے کی اجازت حاصل کر لی تھی۔ خِلٰفَ۔ کے معنی بعد کے ہیں۔ اے خلفه (کشاف) بمعنی بعدو خلف (روح) قال الاخفش ان خلاف بمعنی خلف وان یونس رواہ عن عیسٰی بن عمر ومعناه بعد رسول اللہ (کبیر) لیکن دوسرے معنی "مخالفت میں" کے بھی ہیں۔ قیل ھو بمعنی المخالفة (کشاف وروح) یعنی مخالفة لرسول اللہ ﷺ (کبیر عن قطرب والزجاج) و۱۵۰ یہ منافقین آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے۔ غزوۂ تبوک کا زمانہ شدید گرمی کا موسم تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے مشابہ اُن اہل باطل کا حال ہے جو سلوک کے شدائد اور لذائذ دنیوی کے فوت ہونے کو بڑے شد و مد سے بیان کر کے سالکین وطالبین کو راہ سلوک سے روکتے ہیں۔ و۱۵۱ (لیکن اس آگ سے نہ ڈرتے ہو نہ اُس سے بچنے کا کوئی سامان کرتے ہو) و۱۵۲ (اس دنیا میں جس کی عمر چند روزہ ہے) فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا۔ ہنسنے کا تعلق اسی دنیا سے ہے اور رونے کا عالم آخرت سے جس کی مدت ختم ہونے والی نہیں۔ فلیضحکوا اور ولیبکوا گو صورۃً امر ہیں لیکن مراد یہاں صیغۂ امر سے بھی محض خبر ہی ہے جو اپنے وقوع میں تمام تر یقینی ہے۔ والامر بالضحک والبکاء فی معنی الخبر (بحر) اخرجه علی صیغة الامر للدلالة علی انه حتم واجب (بیضاوی) قَلِيْلًا وَّكَثِيْرًا۔ قلیل میں اشارہ اس دنیا کی عارضی حیثیت کی جانب ہے اور کثیر میں آخرت کے دوام کی جانب، قلیلًا اشارة الی مدة العمر فی الدنیا وکثیرًا اشارة الی تابید الخلود (بحر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض لوگ وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا کو جو خبر بہ صورتِ انشاء اور آخرت سے متعلق ہے، صیغۂ امر سمجھ کر اپنے مرشدوں سے شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں رونا نہیں آتا حالانکہ گریہ اگر خشیت و محبت سے ہے تو محمود ضرور ہے لیکن محمود ہونا کسی فعل کے واجب ہونے کو مستلزم نہیں۔ احکام تو صرف امور اختیاری میں ہیں اور گریہ امر غیر اختیاری ہے۔ و۱۵۳ (تمہارے دل کا خبث اللہ نے مجھ پر روشن کر دیا۔ اسی وحی الٰہی کے بھروسہ پر میں یہ وثوق سے کہہ رہا ہوں) فَاسْتَاْذَنُوْكَ۔ یہ اُن کا اجازت طلب کرنا خوشامد و تملق کی راہ سے ہوگا و۱۵۴ (اس لئے کہ دل میں عزم بھی تمہارے اب بھی یہی ہے) الخالفین۔ یعنی وہ کل لوگ جو کسی عذر حقیقی کی بنا پر پیچھے رہ گئے، مثلاً بیمار یا بوڑھے یا بچے یا عورتیں۔ اے المتخلفین لعدم لیاقتهم کالنساء والصبیان والرجال العاجزین وجمع المذکر للتغلب (روح) وتفسیر الخالف بالمتخلف هو المأثور عن اکثر المفسرین السلف (روح) و۱۵۵ (دفن وغیرہ کے واسطے تعظیماً) "قیام علی القبر سے مراد وہ ہے جو بہ طور اکرام کے ہو، خواہ غرض زیارت ہو یا بہ غرض دفن اور اگر عبرت اور تذکر موت کے لئے ہو، یا ضرورت کے لئے ہو تو اس طرح قیام علی القبر درست ہے لیکن اگر زیارت بہ غرض عبرت میں کوئی مفسدہ دینیہ ہو تو جائز نہیں۔" (تھانوی) وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ۔ مراد نماز جنازہ ہے۔ منافقین کی نماز جنازہ پڑھنا ممنوع ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قبر پر حاضر ہو کر دعا وغیرہ کرنے کا نفع اُس سے زاید ہے جتنا غیبت میں دعا کرنے سے ہوتا۔ آیت سے فقہاء نے کئی مسائل نکالے ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ ہر مسلمان کی میت پر نماز جنازہ ضروری ہے۔ اور کفار کی میت کے لئے اس کی ممانعت ہے فیه الدلالة علی معانٍ احدها فعل الصلوٰة علی موتی المسلمین وحظرها علی موتی الکفار (جصاص) کان هذا یصنع من اکبر القربات فی حق المومنین فشرع ذٰلک وفی فعله الاجر الجزیل کما ثبت فی الصحاح وغیرها (کبیر) دوسری بات یہ کہ قبر مسلم پر اہتمام دفن کے لئے کھڑا ہو جائے۔ چنانچہ اس پر رسول اللہ (ﷺ) کا عمل بھی تھا۔ ویدل ایضاً علی القیام علی القبر الی ان یدفن وعلی ان النبی ﷺ قد کان یفعله (جصاص) عن عثمانؓ کان رسول اللہ ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علیه وقال استغفروا لاخیکم واسألوا له التثبیت فانه الأن یُسْئَلُ (ابوداؤد) و۱۵۶ فاسقون یہاں کافروں کے معنی میں ہے۔ اے متمردون فی الکفر خارجون عن حدوده (روح) فاسقون اے کافرون (جلالین) اور جو کافر مرے اُس کے لئے دعاءِ استغفار یا اُس کے کفن و دفن میں شرکت درست نہیں، وَهُمْ فٰسِقُوْنَ۔ یہ گویا ممانعت نماز جنازہ وغیرہ کی علت بیان کر دی گئی یعنی جب وہ ایمان سے خالی ہیں اُن میں اس کی اہلیت ہی نہیں کہ اُن پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ تعلیل للنهی اے انهم لیسوا باهل للصلوٰة علیهم لانهم کفروا باللہ ورسوله (مدارک) و۱۵۷ (کہ جب یہ مبغوض و مردود ہیں تو ان پر یہ نعمتیں کیسی؟) ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۰۲ بالا۔

اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿٨٥﴾ وَ اِذَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ اَنۡ

اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں ف١٥٨ اور جب کوئی ٹکڑا (قرآن کا) اس مضمون کا نازل کیا جاتا ہے

اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِهِ اسۡتَاۡذَنَكَ

کہ اللہ پر ایمان لاؤ ف١٥٩ اور اس کے رسول کے ہمراہ ہوکر جہاد کرو تو ان میں سے مقدرت والے

اُولُوا الطَّوۡلِ مِنۡهُمۡ وَقَالُوۡا ذَرۡنَا نَكُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِيۡنَ ﴿٨٦﴾

آپ سے رخصت مانگنے لگتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ دیجیے کہ ہم یہاں ٹھہرنے والوں کے ساتھ رہ جائیں،

رَضُوۡا بِاَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى

وہ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والوں کے ہمراہ رہ جائیں، اور ان کے دلوں

قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿٨٧﴾ لٰكِنِ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ

پر مہر لگ گئی سو وہ سمجھتے ہی نہیں ف١٦٠ البتہ رسول اور جو لوگ ان کی ہمراہی میں

اٰمَنُوۡا مَعَهٗ جٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَاُولٰٓئِكَ

ایمان لا چکے ہیں انہوں نے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا اور انہی کے لئے

لَهُمُ الۡخَيۡرٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿٨٨﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ

خوبیاں ہیں اور یہی لوگ (پورے) کامیاب ہیں ف١٦١ اللہ نے ان کے لئے

لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ

باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ

فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿٨٩﴾ ع وَجَآءَ الۡمُعَذِّرُوۡنَ

رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے اور دیہاتیوں میں سے بہانہ باز

مِنَ الۡاَعۡرَابِ لِيُؤۡذَنَ لَهُمۡ وَقَعَدَ الَّذِيۡنَ كَذَبُوا

لوگ آئے کہ انہیں اجازت مل جائے ف١٦٢ اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول

ع ١١/ ١٧

ف١٥٨ (جس سے آخرت میں بھی وہ مبتلائے عذاب ہی رہیں) يُرِيۡدُ اللّٰهُ۔ اللہ کے اس ارادہ سے ظاہر ہے کہ اُس کی مشیت تکوینی ہی مراد ہے۔ آیت ابھی چند سطریں قبل اُوپر آچکی تھی۔ تکرار سے مقصود اورزور دینا ہے۔ التكرير للمبالغة والتاكيد (مدارک) ف١٥٩ (محض زبان سے نہیں، دل سے بھی) سورةٌ۔ سورت سے یہاں اصطلاحی سورت مراد نہیں، لفظی معنٰی مراد ہیں، یعنی قرآن مجید کا چھوٹا بڑا کوئی سا بھی ٹکڑا خواہ وہ پوری سورت ہو یا اُس کا کوئی جزء۔ يجوزان يراد سورة بتمامها اوان يراد بعضها (مدارک) اے طائفة من القران (جلالین) لفظ قرآن سے بھی تو اسی طرح پورا قرآن ہی مراد ہوتا ہے اور قرآن کا ہر حصہ بھی۔ اور لفظ الكتاب سے بھی اسی طرح کل کتاب بھی مراد ہوتی ہے اور ہر حصہ کتاب بھی۔ اُولُوا الطَّوۡلِ۔ یعنی وسعت ومقدرت والے لوگ۔ اے اصحٰب الفضل والسعة (کشاف) اُولُوا الطَّوۡلِ کے ذکر سے یہ مراد نہیں کہ صرف اہل مقدرت رخصت مانگتے تھے بلکہ اس سے غیر اہل مقدرت پر بھی روشنی پڑگئی کہ جب مقدرت والوں کا یہ حال تھا تو غیر اہل مقدرت کا حال ضرور ہی یہ ہوتا۔ وَقَالُوۡا۔ و یہاں عاطفہ نہیں، تفسیری ہے یعنی پچھلے فقرہ کے اسۡتَاۡذَنَكَ کی شرح اگلے فقرہ میں کر رہا ہے۔ عطف تفسيرى (ابو السعود) ف١٦٠ (اور اُن سے احساس ہی اپنی دون فطرتی کا رخصت ہوگیا ہے) اَلۡخَوَالِفِ۔ سے مراد یہاں عورتیں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور متعدد تابعین سے یہی منقول ہے۔ عورتیں چونکہ گھر میں بیٹھی رہ جانے والیاں ہیں اسی لئے انہیں خوالف کہتے ہیں۔ الخوالف اے النساء (ابن جریر۔ عن ابن عباس وقتادہ ومجاہد والضحاک والحسن وابن زید) الخوالف النساء قاله الجمهور كابن عباس ومجاهدوقتاده وشمربن عطيه وابن زيد والفراء (بحر) اے النساء اللاتى تخلفن فى البيوت (جلالین) رَضُوۡا بِاَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ۔ شریعت اسلام نے جو مشاغل حیات مرد کے ساتھ مخصوص کر رکھے ہیں اور عورت کو اُن سے الگ کر رکھا ہے، اُن میں سے ایک شغل جہاد کا بھی ہے۔ آیت میں جہاد سے جی چرانے والوں پر طنز ہے کہ مرد ہوکر اچھے خاصہ عورت بنے جا رہے ہیں۔ تهجين لهم ومبالغة فى الذم والخوالف النساء قاله الجمهور...... وذلک ابلغ فى الذم لانهم نزلوا انفسهم منزلة النساء (بحر) طُبِعَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ۔ یعنی اُن کی مسلسل شرارتوں اور خباثتوں اور کفر ونفاق اختیاری کی بنا پر توفیق خیر ہی اُن سے سلب ہوگئی ہے۔ لا ختيارهم الكفر والنفاق (مدارک) فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ۔ کے یہ معنٰی بھی کئے گئے ہیں کہ یہ مہر زدہ لوگ احکام جہاد کی مصلحتوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے اے لا يفهمون اسرار حكمة الله فى الامر بالجهاد (کبیر) ف١٦١ (دنیا وآخرت دونوں میں) اَلۡمُفۡلِحُوۡنَ۔ فلاح کی وسعت وعموم مفہوم پر حاشیہ شروع پارۂ اول میں اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ کے تحت میں گزر چکا۔ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ۔ محقق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ لکھا ہے کہ مومنین کے ساتھ یہاں ذکر رسول لے آنا مومنین کی ہمت افزائی وقدر افزائی کے لئے ہے کہ جہاد میں اُن کا اخلاص بھی کامل ہے جیسا کہ رسول کا اخلاص اکمل ہے۔ اَلۡخَيۡرٰتُ۔ یہ دنیوی واخروی دونوں عالموں کی خوبیوں کا جامع ہے۔ وظاهر اللفظ عمومها هنا لمنافع الدارين كا لنصر والغنيمة فى الدنيا والجنة ونعيمها فى الاخرٰى (روح) تناول منافع الدارين لاطلاق اللفظ (مدارک) ف١٦٢ منافقین کا دائرہ شہری آبادیوں تک محدود نہ تھا، شہر مدینہ کے باہر بعض دیہاتی قبیلہ بھی منافق تھے۔ اب ذکر ان کا آرہا ہے، اور ان کی بھی دو قسمیں بیان ہوں گی۔ اَلۡاَعۡرَابِ۔ عرب کہتے ہیں نسل حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اور اعراب اسی کی جمع ہے لیکن اعراب کا اطلاق صرف دیہاتی آبادی کے لئے مخصوص رہ گیا ہے۔ صار ذلک اسمًا لسكان البادية (راغب) هم سكان البادية خاصة (تاج) اَلۡمُعَذِّرُوۡنَ۔ مُعَذِّرۡ ایسے عذر ظاہر کرنے والے کو کہتے ہیں جس کے پاس حقیقۃً کوئی عذر نہ ہو اور وہ محض بہانہ کر رہے ہوں۔ ازہری لغوی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ معذرین وہ لوگ ہیں جو عذر نہ رکھتے ہوں اور عذر پیش کریں، المعذر هو المظهر للعذر اعتلالًا من غير حقيقة له فى العذر وهو لاعذر له...... والمعذرين الذين يعتذرون بلا عذر (لسان) هم الذين لا عذر لهم ولكن يتكلفون عذرًا (تاج) المعذر الذى يعتذر بلا عذر (کبیر) بلکہ معتذر ومعذر کے درمیان فرق ہی یہ ہے کہ معتذر کا عذر ممکن ہے کہ صحیح ہو اور ممکن ہے غلط ہو۔ لیکن معذر کا عذر ہمیشہ غلط ہی ہوگا۔ المتعذر يكون محقًا ويكون غير محقٍ والمعذر الذى ليس بمحق يعتذر بلا عذر (لسان) قال الازهرى قد يكون المعذر غير محقٍ وهم الذين يعتذرون بلا عذر (تاج)۔

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

سے (بالکل ہی) جھوٹ بولا تھا وہ بیٹھے رہے ف۱۶۳ ان میں جو کافر رہیں گے وہ عذاب دردناک

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۰ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاۗءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى

میں مبتلا ہوں گے ف۱۶۴ کوئی گناہ ناطاقتوں پر نہیں ہے اور نہ بیماروں پر

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا

اور نہ ان پر جو خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے جب کہ

نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ

اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ وہ خلوص رکھیں نیکوکاروں پر کوئی

سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۹۱ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ

الزام نہیں ف۱۶۵ اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۱۶۶ اور نہ ان لوگوں پر

اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ

(کوئی الزام ہے) کہ جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ انہیں سواری دے دیں اور آپ کہتے ہیں کہ

عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا

میرے پاس تو کچھ ہے نہیں جس پر تمہیں سوار کردوں، تو وہ واپس جاتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھوں سے

يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝۹۲ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ

آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ انہیں کچھ میسر نہیں جو وہ خرچ کریں ف۱۶۷ الزام تو بس ان لوگوں پر ہے

يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَاۗءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ

جو آپ سے اجازت مانگتے ہیں درآنحالیکہ وہ اہل مقدرت ہیں، یہ راضی ہوگئے اس پر کہ رہ جائیں خانہ نشین

الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۹۳

عورتوں کے ساتھ اور مہر کردی اللہ نے ان کے دلوں پر سو یہ جانتے ہی نہیں ف۱۶۸

ف۱۶۳ (اور ایسے بے باک نکلے کہ ظاہرداری بھی نہ برتی اور جھوٹا عذر کرنے بھی نہ آئے) كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ یہ کذب دعویٰ ایمان میں تھا۔ یعنی ان کا دعویٰ ایمان کذب خالص تھا۔ قَعَدَ الَّذِيْنَ۔ ذکر انہی دیہاتیوں کا چل رہا ہے۔ ف۱۶۴ (دنیا میں قتل سے اور آخرت میں دوزخ سے) اے فی الدنیا بالقتل وفی الأخرة بالنار (کبیر) مِنْهُمْ۔ من تبعیض کے لئے ہے۔ عالم الغیب کو علم تھا کہ بعض ان میں سے ایمان لے آئیں گے اور عذاب سے مخلصی حاصل کر لیں گے۔ انما قال منهم لانه تعالٰی کان عالمًا بان بعضهم یومن ویتخلص عن هذا العقاب (کبیر) ف۱۶۵ (کہ یہ سب عذر واقعی رکھنے والے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ کے قاعدۂ کلیہ کے تحت میں آجاتے ہیں) اس آیت میں صفائی اُن اعراب کی طرف سے پیش ہوگئی جو کوئی حقیقی عذر رکھتے تھے۔ نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یعنی دوسرے احکام میں اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت دل سے کرتے رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی عذر کی بنا پر کسی عمل سے قاصر ہو مگر نیت یہ رکھتا ہو کہ اگر مجھے قدرت حاصل ہوتی تو ضرور یہ عمل کرتا تو وہ اُس عمل کی برکتوں سے محروم نہیں رہتا۔ ف۱۶۶ کسی پر خواہ مخواہ گرفت اور سختی کا تو اس کے ہاں امکان ہی نہیں۔ ف۱۶۷ (سامان جہاد میں) آیت میں اُن مخلص، معذور دیہاتیوں کے مزید اخلاص پر گواہی مل رہی ہے۔ لِتَحْمِلَهُمْ۔ محاورہ میں اس کے معنی یہی ہیں کہ آپ اُن کے لئے سواری کا انتظام کر دیں۔ احملنی اے اعطنی ظهرًا ارکبهٗ (تاج) اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔ یہ طرز ادا ابلغ تر ہے۔ یفیض دمعها ہے، کہ اس میں آنکھ ہی کو بہتا ہوا آنسو بنا دیا گیا ہے۔ هو ابلغ من یفیض دمعها لان العین فعلت کان کلها دمع فائض (کشاف) ف۱۶۸ (کہ گناہ و ثواب کیا ہے۔ اور حمیت و بے حمیتی کیا ہے) يَسْتَاْذِنُوْنَكَ۔ یعنی جہاد سے جی چرا کر گھر پر رہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ۔ اور طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۶۰ بالا

ف۱۶۹ (اور ہمیں وحی الٰہی کے ذریعہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ تمہارا کوئی عذر بھی صحیح نہ تھا) یَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَيۡكُمۡ۔ خطاب میں اب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مومنین بھی شریک ہیں اور ذکر انہی منافقین مخلفین کا چل رہا ہے۔ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ۔ نزولِ آیت کا زمانہ سفر تبوک کا زمانہ ہے۔ یہ بات بہ طور پیشگوئی فرمائی جارہی ہے کہ جب لشکرِ اسلام مدینہ واپس پہنچے گا تو منافقین اپنے اپنے عذرات پیش کریں گے۔ قُلۡ۔ یعنی اے رسول ﷺ آپ سب مومنین کی طرف سے کہہ دیجئے۔ لَا تَعۡتَذِرُوۡا۔ اعتذار یہاں بہانہ بنانے کے معنٰی میں ہے۔ یعنی اللہ لا عذر لهم والمعاذیر یشوبها الکذب (لسان) لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكُمۡ۔ فعل ایمان کا صلہ ل کے ساتھ آنے سے معنٰی یہ ہو گئے کہ ہم تمہاری تصدیق نہ کریں گے، تمہاری بات کو صحیح باور نہ کریں گے۔ ای لن نصدقکم (قرطبی) اَخۡبَارِكُمۡ۔ یعنی تمہاری وہ خبریں جنہیں تم چھپانا چاہتے تھے۔ ای اخبرنا بسرائرکم (قرطبی) ف۱۷۰ منافقوں کو جتلا دیا گیا ہے کہ تمہاری نیت کا کھوٹ اللہ پر تو سب روشن ہی ہے اور آخرت میں

يَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَيۡكُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ ؕ قُلۡ لَّا

یہ لوگ تمہارے (سب کے) سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے آپ کہہ دیجیے کہ

تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكُمۡ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ

بہانے نہ بناؤ ہم ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے۔ بیشک ہم کو اللہ تمہاری خبریں

اَخۡبَارِكُمۡ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ثُمَّ

دے چکا ہے ف۱۶۹ اور عنقریب اللہ اور اس کا رسول تمہارا عمل دیکھ لیں گے پھر

تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ

تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے کے پاس واپس کیے جاؤ گے، تو وہ تمہیں جتلا دے گا

بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ اِذَا

کہ تم کیا کچھ کرتے رہے تھے ف۱۷۰ عنقریب یہ لوگ تمہارے سامنے جب تم ان کے پاس

انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ فَاَعۡرِضُوۡا

واپس جاؤ گے اللہ کی قسم کھا جائیں گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑے رہو ف۱۷۱

عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ ۖ وَّمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ

سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑے رہو، ف۱۷۲ بیشک یہ گندے ہیں ف۱۷۳ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلہ میں

بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۹۵﴾ يَحۡلِفُوۡنَ لَكُمۡ لِتَرۡضَوۡا

اس کے جو کچھ وہ کرتے رہے یہ تمہارے سامنے قسمیں اس لئے کھائیں گے کہ تم ان سے راضی

عَنۡهُمۡ ۚ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرۡضٰى عَنِ

ہو جاؤ، سو تم اگر اُن سے راضی ہو (بھی) جاؤ تو اللہ (تو) نافرمان لوگوں سے

الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۹۶﴾ اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا

راضی نہیں ہوتا ف۱۷۴ دیہاتی (منافقین) کفرونفاق میں بہت ہی سخت ہیں ف۱۷۵

تم سب پر بھی روشن ہو کر رہے گا لیکن اس کے علاوہ اس وقت دنیا میں بھی اللہ اپنی وحی خاص سے اپنے رسول ﷺ اور ان کے ذریعہ سے مومنوں کو تمہاری حرکتوں پر مطلع کیے دیتا ہے۔ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ۔ یعنی یہ معلوم ہی ہو کر رہے گا کہ تم اخلاص واطاعت کے دعووں میں کہاں تک صادق ہو اور ہنوز نفاق پر قائم ہو، یا اب نادم ہو کر توبہ کر رہے ہو۔ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ۔ یہ لفظ لا کر ادھر اشارہ کر دیا کہ اُس حاکم مطلق سے تمہارا نہ کوئی اعتقاد مخفی ہے نہ کوئی عمل۔ نفاق و اخلاص دونوں کا اُمور غیب سے ہونا ظاہر ہے۔ ف۱۷۱ (اور کسی قسم کی ملامت و مواخذہ ان سے نہ کرو) سَيَحۡلِفُوۡنَ۔ یہ حلف اس مضمون کا ہوگا کہ ہم کو فلاں فلاں مجبوریاں اور معذوریاں لاحق رہیں۔ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ۔ یعنی جب تم معرکۂ جہاد سے مدینہ واپس ہو گے۔ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ۔ اعراض یہاں عفو و درگزر اور چشم پوشی کے معنٰی میں ہے۔ ای لتصفحوا من لومهم (قرطبی) ف۱۷۲ (اور اس دنیا میں اُن کی اصلاح کی امید نہ رکھو) یعنی اچھی بات ہے ان کی خواہش پوری کر دو اور ان کی طرف التفات بھی نہ کرو۔ تعرض سے مقصود تو اصلاح ہوتی ہے، سو اس کی کوئی توقع ہی ان کے خبث کی بنا پر نہیں۔ فَاَعۡرِضُوۡا۔ اعراض یہاں ردّ و ترک اور قطع تعلق کے مفہوم میں ہے۔ ف۱۷۳ (اپنے عقاید کفر و نفاق کے اعتبار سے اور اس خبث کا علاج آتش جہنم ہی سے ہو سکے گا، تمہارا التفات ہی ان کی طرف بے کار ہے) اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ۔ تقدیر کلام یہاں ذو رِجس کی سمجھی گئی ہے اور معنٰی یہ لیے گئے ہیں کہ ان کے عمل گندے ہیں۔ تعلیل لترک معاتبتهم ای ان المعاتبة لا تنفع فیهم (مدارک) ای عملهم رجسٌ والتقدیر انهم ذو رجس (قرطبی) فقہاء اُمت نے ان الفاظ سے کافروں سے ترک موالات و ترک مخالطت وغیرہ کا حکم مستنبط کیا ہے۔ هذا یدل علی وجوب مجانبة الکفار و ترک موالاتهم و مخالطتهم وایناسهم و تقویتهم (جصاص) المعنی ان خبث باطنهم رجس روحانی فکما یجب الاحتراز عن الارجاس الجسمانیة فوجوب الاحتراز عن الارجاس الروحانیة اولٰی خوفاً من سریانها الی الانسان (کبیر) ف۱۷۴ (سو تمہاری رضامندی سے ان دشمنانِ دین کو نفع ہی کیا پہنچ سکتا ہے) منافقین کی ایک خاص شناخت یہ ہے کہ یہ اللہ کے بجائے اُس کے بندوں کی رضاجوئی میں لگے رہتے ہیں، قرآن مجید کی اس صراحت نے واضح کر دیا کہ مومنین کی رضامندی اللہ کی رضامندی کو مستلزم نہیں۔ انما قیل ذٰلک لئلا یتوهم ان رضا المومنین یقتضی رضا اللہ عنهم (مدارک) فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ حلف کے بعد قبول عذر لازمی نہیں۔ یدل علی ان الحلف علی الاعتذار ممن کان متهما لا یوجب الرضا عنه و قبول عذره لان الأیة قد اقتضت النهی عن الرضا عن هٰؤلآء مع ایمانهم (جصاص) لِتَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ۔ یعنی تمہارے سامنے یہ جو قسمیں کھا کھا کر تمہیں راضی کر لینا چاہتے ہیں تو اس سے بھی اُن کی غرض صرف اس قدر ہے کہ یہ دنیا میں تمہارے ہاتھ سے گزند پہنچنے سے محفوظ رہیں۔ ف۱۷۵ (اپنی سخت مزاجی اور تند خوئی کی بنا پر) ذکر اب دیہاتی عربوں کا شروع ہوا ہے ان میں سے جو منافق تھے وہ اپنی منافقت میں مدینہ کے شہری منافقوں سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ اَلۡاَعۡرَابُ۔ اعرابی کی جمع ہے۔ اُردو میں بھی انہیں اعرابی ہی کہتے ہیں۔ وجمع الاعرابی اعراب و اعاریب (قرطبی) یجمع الاعرابی علی الاعراب والاعاریب (کبیر) اور اعراب کا اطلاق بدوی یا دیہاتی اہل عرب پر ہوتا ہے۔ الاعراب سکان البادیة خاصة (قرطبی) صار ذٰلک اسما لسکان البادیة (راغب) فمن استوطن القری العربیة فهم عرب و من نزل البادیة فهم اعراب (کبیر) ان میں کثرت سے منافقین تھے۔ مراده الاعم الاکثر منهم (جصاص)

وَ اَجۡدَرُ اَلَّا یَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلٰی

اور ایسے ہی ہیں کہ ان احکام کا علم نہ رکھیں (جو) اللہ نے اپنے رسول پر نازل

رَسُوۡلِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۹۷﴾ وَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ

کئے ہیں و۱۷۶ اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے و۱۷۷ اور دیہاتیوں میں

مَنۡ یَّتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّ یَتَرَبَّصُ بِکُمُ

کوئی کوئی ایسا بھی ہے کہ جو کچھ وہ خرچ کرتا ہے اسے جرمانہ سمجھتا ہے اور تمہارے لئے گردشوں کا منتظر

الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَیۡہِمۡ دَآئِرَۃُ السَّوۡءِ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ

رہتا ہے و۱۷۸ بری گردش خود انہی (منافقین) کے لئے ہے و۱۷۹ اور اللہ خوب سننے والا ہے،

عَلِیۡمٌ ﴿۹۸﴾ وَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ

خوب جاننے والا ہے، و۱۸۰ اور دیہاتیوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان

الۡاٰخِرِ وَ یَتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰہِ

رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں قرب کا ذریعہ اور رسول کی

وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّہَا قُرۡبَۃٌ لَّہُمۡ ؕ

دعائیں (لینے) کا ذریعہ بناتے ہیں سو بیشک یہ (خرچ کرنا) ان کے حق میں قرب ہی کا ذریعہ ہے،

سَیُدۡخِلُہُمُ اللّٰہُ فِیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ

ضرور ان کو اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے گا، یقیناً اللہ بڑا مغفرت والا ہے

رَّحِیۡمٌ ﴿۹۹﴾ ع وَ السّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ

بڑا رحمت والا ہے و۱۸۱ اور (جو) مہاجرین و انصار میں سے سابق و مقدم

وَ الۡاَنۡصَارِ وَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِیَ

(ہیں) و۱۸۲ اور جتنے لوگوں نے نیک کرداری میں ان کی پیروی کی و۱۸۳ اللہ ان (سب) سے

ع ۱۲ ۱۰

و۱۷۶ اور اسی جہل، بعدو بے گانگی کی بنا پر اسلام سے بعید تر ہیں۔ اے اولی واحق (کبیر) اَجۡدَرُ الخ اعراب کا یہ جہل، صحبت علماء وعقلاء سے بُعد رکھنے کی بنا پر اشد تھا۔ ذٰلک لقلة سماعهم للقرآن ومجالستهم للنبی ﷺ فهم اجهل من المنافقین الذین کانوا بحضرة النبی ﷺ (جصاص) عارفوں نے کہا ہے کہ صحبت صالحین سے بعید ہونے سے طریق خیر کے ساتھ مناسبت میں کمی ہو جاتی ہے اور اسی لئے اہل طریق صحبت کا بڑا اہتمام رکھتے ہیں۔ حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ۔ حدود یہاں احکام کے معنی میں ہے۔ اے فرائض ما انزل اللہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اے حدود الدین وما انزل اللہ من الشرائع والاحکام (کشاف) اے فرائض الشرع (قرطبی) بعض فقہاء نے اعرابی کی امامت جو شہریوں کے لئے ناجائز قرار دی ہے اس کی بنا بھی یہی ہے کہ دیہاتیوں کو مجالست علماء اور سمع احکام کے مواقع کم تر ملتے ہیں۔ ولذٰلک کره اصحابنا امامة الاعرابی فی الصلاة (جصاص) و۱۷۷ چنانچہ صفت علم کے تقاضہ سے وہ واقف بھی ان تمام امور خفی وجلی پر ہے اور صفت حکمت کے تقاضہ سے سب کو سزا بھی وقت مناسب ہی پر دے گا۔ و۱۷۸ (کہ تمہیں مصائب ناگہانی سے دوچار ہونا پڑے) مَا یُنۡفِقُ۔ یعنی زکوٰۃ، جہاد وغیرہ امور خیر میں جو کچھ خرچ کرتا ہے۔ انفاق کے معنی تو مطلق خرچ کرنے کے ہیں خواہ وہ خرچ کسی نوعیت کا بھی ہو۔ لیکن قرآن مجید نے اسے عموماً موقع مدح ہی پر استعمال کیا ہے اور مطلق انفاق سے مراد کار خیر میں خرچ ہی لی ہے۔ جیسے مطلق قتال بول کر قرآن مجید نے عموماً مراد جہاد فی سبیل اللہ لی ہے۔ برے اور بے جا موقعوں پر خرچ کے لیے قرآن مجید نے عموماً لفظ "اسراف" کا استعمال کیا ہے۔ یَتَّخِذُ۔ مَغۡرَمًا۔ یعنی ایسے موقعوں پر یہ منافقین مسلمانوں کی شرما شرمی خرچ تو کر گزرتے ہیں، لیکن اسے جرمانہ ہی کی رقم کی طرح اپنے لیے گراں سمجھتے ہیں۔ یہ نمونہ ہے اُن کے بخل کا، محققین نے لکھا ہے کہ مصارف شرعی کو تکلیف وجبر تصور کرنا علامات نفاق میں سے ہے۔ یَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ۔ یعنی مسلمانوں کے حق میں منتظر یہی رہا کرتے ہیں کہ کب یہ زمانہ کی گردش کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ نمونہ ہے اُن کے حسد و عداوت اسلام کا۔ اَلدَّوَآئِرَ۔ دائرہ وہ مصیبت ہے جس سے نجات نہ ہو سکے اور جو دائرہ کی طرح انسان کو گھیر لے۔ الدوائر هی المصائب التی لا مخلص منها تحیط به کما تحیط الدائرة (بحر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کو روپیہ کا مالک سمجھے گا، اُسے خرچ کرنا یقیناً گراں گزرے گا اور جو کوئی مالک اللہ کو سمجھے گا اور اپنے کو محض امین یا متولی، اُسے تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بہت غنیمت معلوم ہوگا۔ و۱۷۹ جیسا کہ قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے اس نے منافقوں اور مجرموں والے الفاظ انہی پر الٹ دیئے اور عملاً یہ پیش گوئی لفظ بہ لفظ پوری ہو کر رہی۔ اسلام کی فتح مندیوں میں وسعت ہوتی گئی۔ منافقین کی حسرتیں دل ہی میں رہیں۔ ہر طرح ذلیل وخوار ہوئے۔ آیت سے یہ پہلو بھی نکلتا ہے کہ حاسد و بدبین خود ہی گرفتار بلا ہوتے ہیں۔ و۱۸۰ چنانچہ وہ منافقین کی گفتگوئے نفاق بھی خوب سن رہا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی چالبازیوں، سازشوں اور منصوبوں سے بھی خوب واقف ہے۔ و۱۸۱ (سو وہ کیوں نہ ان مومنین صادقین پر رحمت ومغفرت کی بارش کر دے گا) اعرابی سب کے سب منافق نہ تھے۔ بہت سے ان میں سے اچھے مخلص مسلمان بھی تھے، آیت میں ذکر ان کا ہو رہا ہے۔ یَتَّخِذُ مَا ...... الرَّسُوۡلِ۔ یعنی ان کا یہ امور خیر میں خرچ نمائشی اور شرما شرمی میں نہیں ہوتا، اخلاص وحسن نیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اِنَّہَا۔ ضمیر ھا خرچ یا نفقہ کی طرف ہے۔ یعنی النفقة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) یعنی نفقاتهم (قرطبی) قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰہِ۔ یعنی رضائے الٰہی ان کا اصلی اور آخری مقصود ہو گیا ہے اور صَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ یعنی رسول کی دعائیں اس کا ذریعہ ہیں۔ لا نها غاية القصوی وصلوة الرسول من ذرائعها (روح) مَا یُنۡفِقُ۔ یعنی دین کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اَلَاۤ اِنَّہَا قُرۡبَۃٌ لَّہُمۡ۔ اعرابی مومنین مخلصین کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ ان کا یہ خرچ کرنا بے کار نہ جائے گا۔ واقعی اس سے قرب الٰہی ومقبولیت حاصل ہو کر رہے گی۔ سَیُدۡخِلُہُمۡ۔ س تاکید وتحقیق وعدہ کے لئے ہے۔ وما فی السین من تحقیق الوعد (کشاف) السین للتحقیق والتاکید (روح) و۱۸۲ (ساری امت سے، ایمان لانے کے لحاظ سے اور وہ سارے ہی کے سارے مہاجر وانصار ہیں) اَلسّٰبِقُوۡنَ۔ اور اَلۡاَوَّلُوۡنَ۔ دونوں میں ال استغراق وجنس کا ہے۔ اور مِن تبعیض کا نہیں، تبیین کے لئے ہے، اس لئے آیت میں جو مدح آئی ہے، اس کے مصداق سارے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں نہ کہ ان کا کوئی مخصوص طبقہ۔ اَلۡمُہٰجِرِیۡنَ۔ مہاجر وہ مسلمان کہلائے جو اپنا وطن مکہ چھوڑ کر رسول ﷺ کی اطاعت ومتابعت کے لئے ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ اَلۡاَنۡصَارِ۔ انصار وہ مسلمان اہل مدینہ کہلائے جنہوں نے مہاجرین مکہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور رسول ﷺ اور دین اسلام کی ہر طرح خدمت ونصرت کی۔ و۱۸۳ (اور اس میں امت کے سارے طبقات قیامت تک کے لئے آ گئے) اِتَّبَعُوۡہُمۡ بِاِحۡسَانٍ۔ باحسان کی قید بہت قابل غور ہے۔ مہاجرین ہوں یا انصار، صحابہ کرام کی کوئی سی بھی قسم ہو، بہرحال یہ حضرات معصوم نہ تھے۔ عصمت صرف خاصۂ نبوت ہے۔ اس لئے حکم ان حضرات کے اتباع مطلق کا نہیں۔ بلکہ قید یہ لگی ہوئی ہے کہ "نیک کرداری میں ان کا اتباع کیا جائے۔" باحسان اے ما یتبعون فیه من افعالهم واقوالهم لا فی ما صدر عنهم من الهفوات والزلات اذلم یکونوا معصومین (قرطبی) وهو ان یقتدوا بهم فی الاعمال الحسنة ولا یقتدوا بهم فی غیر ذٰلک (کبیر۔ عن محمد بن کعب القرظی) محققین اہل سنت نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ اصحاب نبی ﷺ مقتدایان امت ہیں اور تمام صالحین ان کے تابع۔ انہی محققین نے ایک نکتہ اور بھی پیدا کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ باہمی مشاجرات صحابہ کی جو روایتیں ہم تک پہنچی ہیں۔ ان سے ہمارے لئے یہ روا نہیں ہو جاتا کہ ایک کے اتباع

اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ وَ اَعَدَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ

راضی ہوا اور وہ (سب) اس سے راضی ہوئے، وف١٨٤ اور اس نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں

تَجۡرِیۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ

کہ ان کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی ان میں یہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے یہی

الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۰۰﴾ وَ مِمَّنۡ حَوۡلَكُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ

بڑی کامیابی ہے وف١٨٥ اور کچھ تمہارے گردوپیش والے دیہاتیوں میں سے

مُنٰفِقُوۡنَ ؕۛ وَ مِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِیۡنَةِ ؔۛ مَرَدُوۡا عَلَی

اور کچھ مدینہ والوں میں سے (ایسے) منافق ہیں (کہ) نفاق میں اڑ گئے ہیں وف١٨٦

النِّفَاقِ ۟ لَا تَعۡلَمُهُمۡ ؕ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ ؕ سَنُعَذِّبُهُمۡ

آپ (بھی) انہیں نہیں جانتے، ہم ہی انہیں جانتے ہیں ہم انہیں

مَّرَّتَیۡنِ ثُمَّ یُرَدُّوۡنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۰۱﴾

دہری سزا دیں گے پھر وہ عذاب عظیم کی طرف بھیجے جائیں گے وف١٨٧

وَ اٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِهِمۡ خَلَطُوۡا عَمَلًا

اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا انہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے

صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَی اللّٰهُ اَنۡ یَّتُوۡبَ

(کچھ) بھلے اور کچھ وف١٨٨ برے، توقع ہے کہ اللہ ان پر توجہ

عَلَیۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذۡ مِنۡ

کرے بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے وف١٨٩ آپ ان کے

اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَکِّیۡهِمۡ بِهَا

مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے، اس کے ذریعہ سے آپ انہیں پاک صاف کر دیں گے وف١٩٠

کے زور میں ہم دوسرے کی عیب جوئی کرنے لگیں، پس امیر المومنین حضرت علی ؓ تو خیر اجل اصحاب نبی اور خلفائے راشدین میں ہیں، امیر معاویہ جو یہ مرتبہ نہیں رکھتے وہ بھی بہرحال صحابی ہیں۔ان تک کے حق میں زبانِ طعن کھولنا درست نہیں۔ وَالَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ۔ فقہاء نے اس سے یہ بھی نکالا ہے کہ سابق کو متاخر پر فضیلت ہے اس لئے کہ پہلا شخص نیکی کا داعی ہوتا ہے اور دوسرا اس کا تابع ومقلد، اور سابق کو دہرا اجر ملتا ہے۔فیه الدلالة علی تفضیل السابق الی الخیر علی التالی لانه داع الیه بسبقه والتالی تابع له فهو امامٌ له وله مثل اجره (جصاص) وف١٨٤ (اللہ کی طرف سے رضا تو یہ کہ اس نے ان سب کا ایمان مقبول فرمایا اور سب کو صلہ وجزاء سے سرفراز کیا اور بندوں کی طرف سے رضا یہ کہ انہوں نے دل سے طاعت واطاعت اختیار کی) رضا العبد عن اللّٰه ان لا یکره ما یجری به قضائه ورضا اللّٰه عن العبد هو ان یراه مؤتمرًا لامره ومنتهیًا عن نهیه (راغب) بہرحال آیت نے مہاجرین سابقین اور ان کے تابعین سب کی مدح صاف صاف کردی بشرطیکہ اتباع نیک کرداری میں پورا پورا ہو بھی۔یبین ان منهم السابقین الی الهجرة وان منهم التابعین والثنی علیهم (قرطبی) دلت علی ان من اتبعهم انما یستحقون الرضوان والثواب بشرط کونهم متبعین لهم باحسان (کبیر) رَضُوۡا عَنۡهُ۔ کے تحت میں عارفین ومشائخ طریق نے بندہ کی رضامندی کے تین طبقے قرار دیئے ہیں:۔(۱) دل مانے یا نہ مانے مگر اتباع احکام لازم ومقدم جانے۔یہ مبتدی صاحب تقویٰ کا مقام ہے۔(۲) تقدیر الٰہی اور احکام حضرتِ حق ایسے بامزہ ومحبوب ہو جائیں کہ نفسانی خواہشوں کی طرف التفات ہی نہ ہو۔یہ متوسطین کا طبقہ ہے جن کا مقام لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔ ہوتا ہے۔(۳) کمال توحید وعرفان میں ایسا مستغرق ہو کہ یہ تمام کائنات ذاتی وصفاتی عین فعل وامر حضرت حق ہی دکھائی دے اسباب کا حجاب اور وسائط ووسائل کا دخل ہی نہ رہ جائے۔یہ مقام کاملین کا ہوتا ہے...... امام غزالی علیہ الرحمۃ کا قول ہے مقام رضا سے فائق وافضل کوئی مقام نہیں۔ وف١٨٥ خوب خیال رہے کہ قرآن مجید نے بار بار اور صریح الفاظ میں، تکرار اور تصریح دونوں کے ساتھ اصلی وحقیقی کامیابی اخروی ہی کامیابی کو قرار دیا ہے نہ کہ دنیا کے کسی انعام کو...... مسلمان کا منتہائے مقصود فلاحِ آخرت ہے نہ کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا اعزاز یا مرتبہ۔ وف١٨٦ (اور اسے حد کمال تک پہنچا دیا ہے) ای اقاموا علیه ولم یتوبوا (ابن جریر۔عن ابن زید) ای ثبتوا واستمروا فیه ولم یتوبوا عنه (کبیر) ای تمهروا فیه (کشاف) وَمِمَّنۡ حَوۡلَكُمۡ۔ "تمہارے گردوپیش" یعنی تمہارے شہر کے گردوپیش، یعنی حول بلدتکم وهی المدینة (کشاف۔مدارک) وف١٨٧ لَا تَعۡلَمُهُمۡ۔ یعنی ان کا نفاق اس حد کمال کو پہنچا ہوا ہے، اس قدر مخفی ہے کہ آپ کو بھی، باوجود فطانت وذکاوت وکمال باخبری، ان کے منافق ہونے کا علم نہیں۔اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کی صریح نفی موجود ہے۔جس کا دعویٰ ہمارے زمانہ کے بعض عالم نما جاہلوں نے کیا ہے۔وردت الأیة فی نفی علم الغیب عن رسول اللّٰه ﷺ صریحاً (تھانوی) کشف کے مدعیوں کو بھی آیت سے سبق لینا چاہیے۔لا ینبغی الاقدام علی دعوی الامور الخفیة من اعمال القلب ونحوها (روح) یہ اور اسی قسم کی متعدد آیات قرآنی اس شخص کے خیال کی تردید میں ہیں جو صفائے قلب واشراقیت وغیرہ کی بنا پر کشف صدور واطلاع غیوب کا دعویٰ کرنے لگتا ہے اور یہ مرض علامہ محمود آلوسی تیرھویں صدی میں لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں سفہاء کے اندر شدت سے پھیلا ہوا ہے۔وهٰذه الأیات ونحوها اقوی دلیل فی الرد علی من یزعم الکشف والاطلاع علی المغیبات بمجرد صفاء القلب وتجرد النفس عن الشواغل وبعضهم یتساهلون فی هذا الباب جداً (روح) امام ابن جریر نے آیت کے ذیل میں قتادہ تابعی (٦١ھ تا ١١٦ھ) کا طویل قول نقل کیا ہے کہ ہمارے زمانہ میں بعض لوگوں کی جسارتیں کیسی بڑھ گئی ہیں کہ فلاں کے جنتی اور فلاں کے جہنمی ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں حالانکہ غیب کی خبر انبیاء علیہم السلام بھی نہیں دے سکتے تھے۔اور پھر کئی آیات قرآنی نقل کی ہیں۔قتادہ بھی پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اول کے آدمی تھے، علامہ ابن حیان غرناطی (٦٥٤ تا ٧٥٤ھ) ان کا یہ قول نقل کر کے کہتے ہیں کہ یہ حال اس زمانہ کا ہے جو عہد صحابہ سے اس قدر متصل تھا اور کثرت خیر کے لئے ممتاز تھا لیکن شیاطین انس کے وجود سے وہ بھی خالی نہ رہا تو اب ہماری آٹھویں صدی ہجری کا کیا حال بیان کیا جائے جب بہت سے مدعیان تصوف کی زبان ایسے ہی دعووں پر کھل گئی ہے، یہ لوگ نہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نہ سنت رسول ﷺ کی طرف اور غیب دانی کے خرافات پر اتنے دلیر ہیں! (بحر)...... یہ حال جب آٹھویں صدی کا تھا تو چودھویں صدی ہجری کا غریب رہنے والا اپنے وقت کا حال بیان کرنے کے لئے الفاظ کہاں سے لائے! اور یہیں سے اکابر علماء سنت نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی پر قطعی طور پر جنتی یا دوزخی ہونے کا حکم لگا دینا درست نہیں۔هٰذا یمنع ان یحکم علی احد بجنة اونار (قرطبی) نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ۔ یہیں سے ظاہر ہے کہ کسی انسان پر جنتی یا جہنمی ہونے کا قطعی حکم کوئی انسان نہیں لگا سکتا یہ صرف علم خداوندی کا خاصا ہے۔وهٰذا یمنع ان یحکم علی احد بجنة او نار (قرطبی) سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَیۡنِ۔(یہ دوہری سزا قبل آخرت ہوگی۔ایک سزا نفاق کی، دوسری سزا کمال نفاق کی) لعل تکریر عذابهم لما فیه من الکفر المشفوع بالنفاق او النفاق المؤکد بالتمرد فیه (روح) ثُمَّ یُرَدُّوۡنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیۡمٍ۔ یہ عذاب عظیم ظاہر ہے کہ عذاب آخرت ہے۔دو عذاب اس کے قبل کے۔جس پر لفظ ثُمَّ۔ دلالت کرتا ہے۔ممکن ہے کہ ان میں سے ایک سزا اسی دنیا کی ہو، اور دوسرا عذاب قبر ہو۔قبل آخرت کے عموم میں، دنیا اور برزخ دونوں داخل ہیں۔احدهما فی الدنیا والأخری فی القبر (ابن جریر) ای عذاب الدنیا وعذاب القبر (قرطبی۔عن الحسن۔وقتادہ)

اکثر الناس علی ان عذاب الثانی ھو عذاب القبر (بحر) ھما القتل وعذاب القبر اوالفضیحۃ وعذاب القبر (مدارک) ف۱۸۸ غزوۂ تبوک میں ساتھ نہ جانے والوں میں علاوہ منافقین کے کچھ مومنین بھی تھے جو محض کاہلی کی بنا پر پیچھے رہ گئے تھے۔ اب یہاں سے بیان ان کا شروع ہورہا ہے۔ ان میں بھی کچھ ایسے تھے جنہیں ندامت اس درجہ قوی تھی کہ انہوں نے جب آپ کی واپسی کی خبر سنی تو اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا کہ آپ کھولیں تو خیر ورنہ یوں ہی ختم ہوجائیں گے۔ پہلے ذکر اسی قسم کے نادمین تائبین کا شروع ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن میں گناہ کا ملکہ راسخ نہ تھا بلکہ نور استعداد پوری طرح باقی تھا۔ عَمَلًا صَالِحًا۔ مثلاً سابق کے غزوات میں شرکت یا خود اسی موقع پر یہ احساس ندامت۔ اٰخَرَ سَيِّئًا۔ جیسے بلا عذر معقول اسی غزوہ میں پیچھے رہ جانا۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاد عام حالت میں صرف فرض کفایہ ہے اس لئے اگر کچھ لوگ نہ شریک ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن جب امام المسلمین (چہ جائیکہ رسول اللہ) حکم عام دے دیں تو اب فرض عین ہوجائے گا اور یہی صورت یہاں تھی۔ وَاٰخَرَ۔ میں و علاوہ عطف وجمع کے بائے الصاق کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ قالوا وبمعنی الباء لان الواو للجمع والباء للالصاق (مدارک) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ لوگ تھے جو نفس لوامہ کے مرتبہ میں تھے۔ جو کبھی نفس مطمئنہ کا منقاد ہوکر اعمال صالح کرنے لگتا اور کبھی اس سے بھاگنے لگتا ہے۔ ف۱۸۹ چنانچہ اسی شان غفر ورحمت کے تقاضہ سے ان لوگوں کا قصور معاف ہوگیا اور رسول اللہ ﷺ نے خود آکر ان کے ہاتھ ستونوں سے کھول دیئے۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ۔ یعنی توجہ رحمت کے ساتھ کرے اور ان کی توبہ قبول کرے۔ عسیٰ جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے جب اللہ کی طرف سے آتا ہے تو شک کیلئے نہیں بلکہ یقین دلانے کے لئے آتا ہے۔ قال الحسن عسی من اللہ واجب (جصاص) آیت سے محققین نے یہ نکالا ہے کہ گنہگار کے لئے توبہ سے یاس جائز ہی نہیں۔ اور امید قبول وعفو کی برابر اس وقت تک قائم ہے جب تک بندہ بدی کے ساتھ نیکی کی آمیزش بھی کچھ کیے جاتا ہے۔ فی ھذہ الأیۃ دلالۃ علی ان المذنب لا یجوز لہ الیاس من التوبۃ وانما یعرض ما دام یعمل مع الشر خیر (جصاص) ف۱۹۰ (ہر ظلمت وکدورت سے) "جب توبہ سے گناہ معاف ہوگیا تو صدقہ کے آلۂ تطہیر وتزکیہ کے کیا معنی۔ سو جواب اس کی یہ ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہوجاتا ہے لیکن گاہے اس کی ظلمت وکدورت کا اثر باقی رہ جاتا ہے اور گو اس پر مؤاخذہ نہیں لیکن اس سے آئندہ اور گناہوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ پس صدقہ سے خصوصاً بوجہ حدیث الصدقۃ تطفی غضب الرب اور دیگر اعمال صالحہ سے یہ ظلمت وکدورت عموماً مندفع ہوجاتی ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) تُطَهِّرُ وَ تُزَكِّيْ۔ کو صدقہ کی صفت بھی سمجھا گیا ہے، اور حال بھی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن بہترین ترکیب یہ ہے کہ ضمیرین مخاطب یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف سمجھی جائیں۔ والاجود ان تکون المخاطبۃ للنبی ﷺ ای فانک تطھر وتزکیھم بھا (قرطبی۔ عن الزجاج) گناہوں سے صفائی تو تطہیر میں خود ہی آگئی، اب اس کے بعد تزکیہ لانا معنی میں مزید ترقی کے لئے ہے۔ التزکیۃ مبالغۃ فی التطھیر وزیادۃ فیہ (کشاف، مدارک) تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انفاق مال سے خواہشیں ضعیف ہوتی ہیں اور قوائے نفس منکسر ہوتے ہیں اور مادۂ شہوات کی اصلاح ہوتی ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً۔ یہ حضرات بندش سے رہائی پانے کے بعد فرط اخلاص سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ مال لے کر آئے اور درخواست کی کہ اس کو اللہ کی راہ میں صرف کیا جائے۔ خُذْ۔ امر وجوبی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ امام کو قبول صدقات میں توقف وتردد جائز نہیں، صدقہ سے یہاں مراد زکوۃ فرض ہے یا کفارۂ گناہ والا صدقہ؟ قول دونوں ہی نقل ہوئے ہیں۔ لیکن ترجیح دوسرے قول کو ہے۔ لیس المراد الصدقۃ الواجبۃ و انما ھی صدقۃ کفارۃ الذنب الذی صدر منھم (کبیر۔ عن الحسن) روی عن الحسن انھا لیست بالزکوۃ المفروضۃ و انما ھی کفارۃ الذنوب التی اصابوھا (جصاص) خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً۔ صدقہ وصول کرنے کا یہ حکم جو رسول اللہ ﷺ کو مل رہا ہے، اس سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ تقسیم صدقات امام مسلمین کا حق ہے، اس لئے کسی شخص کا بطور خود صدقہ ادا کردینا جائز نہیں کہ اس سے حق امام کا اتلاف لازم آتا ہے۔ یدل علی ان اخذ الصدقات الی الامام وانہ متی اداھا من وجبت علیہ الی المساکین لم یجزہ لان حق الامام قائم فی اخذھا فلا سبیل لہ الی اسقاطہ (جصاص) ف۱۹۱ سو اس نے ان کے توبہ واستغفار کو اور ان کے الفاظ اعتراف کو خوب سن بھی لیا اور ان کے احساس ندامت کو خوب جان بھی لیا۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ۔ علماء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ صدقہ جس کو دیا جائے وہ اور امام جس کی خدمت میں صدقہ تقسیم کے لئے پیش کیا جائے ان دونوں کے لئے صدقہ دینے والے کو دعا دینا مستحب ہے بلکہ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ امام جو اپنے لئے صدقہ نہیں لیتا بلکہ تقسیم صدقات کا صرف امین ومنتظم ہے جب وہ دعائے خیر پر مامور ہوا تو مسکین ومحتاج تو بدرجہ اولیٰ دعائے خیر وادائے شکر پر مامور ہوگا مشائخ صوفیہ نے اور ترقی کرکے بعد فراغ ضیافت صاحب ضیافت کے حق میں دعائے خیر وبرکت اختیار کی ہے اور مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت سے امداد ہمت اور افاضہ انوار صحبت کا حکم نکل رہا ہے۔ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ اس میں اثبات ہے ان اشخاص کے کمال اخلاص کا۔ فقہاء صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت سے بہ قاعدۂ عبارۃ النص ظاہر ہورہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مومنین کے تزکیۂ اخلاق وتصفیہ قلوب اور عطائے مقام تسکین ورضا پر مامور تھے اور بہ قاعدۂ اشارۃ النص یہ کہ بزرگوں کی خدمت بہ غرض حصول دعائے خیر کرنی چاہیے۔ یہ بھی کہا ہے کہ رسول کی دعا امت کے حق میں، امام کی رعایا کے حق میں، مشائخ کی شاگردوں اور مریدوں کے حق میں اور بڑوں کی چھوٹوں کے

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ

اور آپ ان کے لئے دعا کیجیے بلا شبہ آپ کی دعا ان کے حق میں (باعث) تسکین ہے، اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ

خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ف۱۹۱ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول

التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ

کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول کرتا ہے اور وہ

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ

بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحمت والا ہے ف۱۹۲ اور آپ کہہ دیجیے کہ عمل کیے جاؤ، سو تمہارے عمل کو

عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى

اللہ اور اس کا رسول اور مومنین ابھی دیکھے لیتے ہیں اور تمہیں ضرور ہی غیب وشہادۃ کے

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

جاننے والے کے پاس واپس جانا ہے تو وہ تم کو بتلا دے گا کہ تم اب تک کیا کرتے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا

رہے ہو، ف۱۹۳ اور کچھ اور لوگ (بھی) ہیں (ان کا معاملہ) اللہ کا حکم آنے تک ملتوی خواہ

يُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ

وہ انہیں سزا دے اور خواہ وہ ان کی توبہ قبول کرے ف۱۹۴ اور اللہ بڑا علم والا ہے

حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا

بڑا حکمت والا ہے ف۱۹۵ اور ان میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے ایک مسجد ضرر پہنچانے کو بنائی ہے

وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا

اور کفر کی غرض سے اور مومنوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی غرض سے اور اسی غرض کے لئے جو اس

لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَيَحْلِفُنَّ

کے قبل اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکا ہے اسے ایک کمین گاہ مل جائے و۱۹۶ اور یہ لوگ قسم کھا جائیں گے

اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ

کہ ہماری غرض بجز بھلائی کے کچھ نہیں و۱۹۷ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ

(بالکل) جھوٹے ہیں، آپ اس میں کبھی بھی نہ کھڑے ہوں و۱۹۸ (البتہ جس) مسجد کی بنیاد

عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ

تقویٰ پر اول روز سے پڑی ہے وہ (واقعی) اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں و۱۹۹

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ

اس میں (ایسے) آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو

الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى

پسند کرتا ہے و۲۰۰ سو آیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقویٰ

مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ

اور رضا مندی پر رکھی وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد

عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ

کسی گھاٹی کے کنارہ پر رکھی جو گرنے ہی کو ہے و۲۰۱ پھر وہ (عمارت) اس کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑی

وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ

اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا و۲۰۲ ہمیشہ ان کی

بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ

یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی سوا اس کے کہ

حق میں وعدۂ قبول رکھتی ہے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت سے متعدد مسائل صوفیہ کا اثبات ہوتا ہے، مثلاً اعتراف ذنوب کی فضیلت، معترف کا قبولِ عذر، بعض اعمال (مثلاً صدقہ) کی برکات، شیخ کی برکات (جیسا کہ تزکیہ کو آپ کی طرف منسوب کیا گیا) وقس علی ہذا۔ و۱۹۲ (چنانچہ اس تواب نے ان گنہگاروں کی توبہ قبول کر لی اور اس رحیم نے ان لوگوں کا مال قبول کرنے اور ان کے حق میں دعا کرنے کا حکم دے دیا) يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ۔ اخذ یہاں لفظی معنی میں نہیں بلکہ قبول کر لینے کے مفہوم میں ہے۔ الاخذھنا استعارة للقبول (روح) اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ۔ یہاں پر زور دے کر بتایا ہے کہ توبہ قبول کرنے کا تعلق تو خدائے تواب رحیم سے ہے نہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اے ان ذٰلک لیس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما اللہ هو الذی یقبل التوبة (مدارک) هذا نص صریح فی ان اللہ تعالٰی هو الآخذ لها والمثیب علیها وان الحق له عزوجل والنبی صلی اللہ علیہ وسلم واسطة (قرطبی) الفائدة الثانیة فی هٰذا التخصیص هو ان قبول التوبة لیس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما الی اللہ الذی هو یقبل التوبة تارةً ویردها اخرٰی فاقصدوا اللہ بها ووجهوها الیه (کبیر) عن عبادة۔ فعل قبول کا صلہ عن کے ساتھ آیا ہے تو تجاوز عن الذنوب کے مفہوم کے لئے۔ تعدیة بعن لتضمن معنی التجاوز (بیضاوی) اے یقبل ذٰلک متجاوزًا عن ذنوبهم التی تابوا عنها (روح) و۱۹۳ نفاقِ قلب اور ضعف ایمان کا علاج اس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں کہ آخرت وجزائے اعمال کا استحضار پوری پوری طرح رہے اور قرآن مجید ہر ایسے موقع پر اسی علاج سے کام لیتا ہے۔ فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ۔ س عنقریب یا ابھی کے معنی میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ اسی دنیا میں تمہارے اعمال سے تمہارے اخلاص یا نفاق کا امتحان ہو جائے گا۔ اِعْمَلُوْا۔ اس صیغۂ جمع کے مخاطب کل لوگ ہیں۔ خطاب للجمیع (قرطبی) و۱۹۴ (شرائط قبول توبہ کے نہ موجود اور موجود ہونے کی بنا پر۔ عدم اخلاص واخلاص کی بنا پر) ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۸۸۔ اب بیان مومنین کے ایک دوسرے طبقے کا ہو رہا ہے۔ یہ لوگ بھی کاہلی اور سہل انگاری ہی کی بنا پر غزوۂ تبوک میں شرکت سے محروم رہ گئے تھے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر نہ تو ایک طرف منافقین کی طرح کچھ عذرات تراشے، لیکن دوسری طرف تائبین صادقین کی طرح یہ بھی نہ کیا کہ اپنے کو ستون سے باندھ دیتے یا کوئی اور سزا اپنے کو دینے لگتے، انہوں نے خدمت اقدس میں حاضری دے کر محض سیدھی اور سچی بات عرض کر دی، انہیں جواب ملا کہ وحی الٰہی کا انتظار کرو، جیسا بھی حکم تمہارے باب میں نازل ہو۔ ان لوگوں کا اپنی کوتاہی پر نادم ہونا تو ظاہر ہی ہے، لیکن آیت سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ قبول توبہ کے لئے محض ندامت کافی نہیں جب تک کہ امکانی تدارک کا بھی سامان نہ ہو، ذٰلک یدل علی ان الندم وحدهٗ لا یکون کافیاً فی صحة التوبة (کبیر) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ مرید کے معاملہ کو بعض اوقات خوف وامید کے درمیان معلق ہی چھوڑ دینا قرین مصلحت ہوتا ہے اس کے عذر کو نہ صریحاً قبول کیا جاتا ہے کہ اس سے نصیحت کا اثر ضعیف ہو جاتا ہے اور نہ صریحاً رد کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے تو حش پھر مایوسی پھر بعد پیدا ہو جاتا ہے اور یہ سب اس کے لئے مضر ہیں۔ کچھ روز تک معلق رہنے میں اسی کی بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ اِمَّا۔ کلمۂ تردد ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ تردد حق تعالیٰ کی طرف سے نہیں، وہاں تو ہر فیصلہ قطعی ہے، لفظ کا استعمال محاورۂ انسانی کے مطابق ہے اور بندوں کو یہ تعلیم ملی ہے کہ وہ صرف حالت امید میں رہیں۔ واللہ عالم بمصیر الاشیاء ولٰکن المخاطبة للعباد علی ما یعرفون اے لیکن امرهم عندکم علی الرجاء لانه لیس للعباد اکثر من هٰذا (قرطبی) و۱۹۵ چنانچہ وہ سب کے اخلاص، درجۂ اخلاص وعدم اخلاص سے بھی خوب واقف ہے اور جیسا بھی مقتضائے حکمت ہو، وہ بلا توبہ یا بعد توبہ معاف بھی کرتا رہتا ہے۔ و۱۹۶ مومنین کا تذکرہ یہاں روک کر اب ذکر پھر منافقین کا شروع ہو گیا۔ الذین کی تقدیر کلام ومنهم الذین ہے اور جملہ کا عطف جملۂ سابق پر ہے۔ اے ومنهم الذین اتخذوا (کبیر) اے ومنهم الذین (روح) عطف جملة علی جملة (قرطبی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو پہلے مضافات شہر کی آبادی محلۂ قبا میں قیام فرمایا۔ اور وہیں ایک جگہ نماز کے لئے مقرر کر لی۔ پھر جب آپ شہر میں آ گئے تو مومنین مخلصین نے محلۂ قبا میں آپ کی نماز پڑھنے کی جگہ پر ایک مسجد تعمیر کر لی۔ اور وہیں نماز باجماعت ہونے لگی۔ اب منافقین نے سازش کر کے ایک دوسری جگہ سوچی کہ یہاں مسجد کی شکل کی ایک عمارت تیار ہو جائے تو اس میں بیٹھ کر خوب اسلام کے خلاف کمیٹیاں، جلسے اور منصوبہ بازیاں ہوا کریں۔ مسجد ضرار اس کا نام اسی لئے مشہور ہوا کہ اس کا مقصد ہی مسلمانوں کو ضرر پہنچانا تھا۔ ضِرَارًا۔ یعنی مقاصد اسلام ومسلمین کو ضرر پہنچانے کو۔ كُفْرًا۔ یعنی عداوتِ رسول کا چرچا کرنے کو۔ تَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ جب ایک مسجد خاص شہر میں بن جاتی تو اہل شہر کی ایک جماعت تو شہر سے باہر جانے کے بجائے وہاں ضرور ہی آ جاتی۔ انما کان مرادهم التفریق بین المومنین وان یتحزبوا فیصلی حزب فی المسجد و حزب فی مسجد اٰخر لتختلف الکلمة و تبطل الالفة والحال الجامعة وارادوا به ایضاً لیکفروا فیه بالطعن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والاسلام (جصاص) اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ اشارہ ہے ایک مسیحی راہب ابو عامر کی جانب۔ منافقین میں طے ہو گیا تھا کہ اب وہ جب مدینہ آیا کرے گا تو اس کو اسی میں ٹھیرایا کریں گے۔ یہ راہب اسلام کا شدید دشمن تھا۔ ہرقل مسیحی شہنشاہ روم سے دوستی کا مدعی تھا۔ کہتا تھا وہاں سے باقاعدہ فوج لا کر اسلام کو نیست ونابود کر دوں گا۔ قال ابن عباس ومجاهد ارادبه اباعامر الفاسق و کان شدید العداوة للنبی صلی اللہ علیہ وسلم عناداً وحسدًا لذهاب ریاسته التی کانت فی الاوس قبل هجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینة فقال للمنافقین سیاتی قیصر واٰتیکم بجند فاخرج به محمداً واصحابه (جصاص) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت سے کمال

عت اس شخص کے فعل کی معلوم ہوئی جو دین کو اپنی غرض فاسد کا آلہ بنائے۔ فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ فعل پر حسن وقبح کا حکم ارادۂ فاعل کے لحاظ سے لگایا جائے گا۔ انه دلت هذه الأية على ترتيب
عل في الحسن او القبح بالارادة (جصاص) و۱۹۷ منافقین کا دعویٰ یہ تھا کہ ہمیں تو امت اسلامیہ کی عین آسایش اور اس کے لئے مزید گنجایش ہی مقصود ہے، بجائے ایک کے دو مسجدیں ہو گئیں، قریب
وں کو کتنی آسانی ہو گئی۔ وقس علی ہذا...... آہ، کہ آج بھی کتنے الا الحسنٰی کہنے والے اسی طرح مسلمانوں کے ایمان پر چھاپے مار رہے ہیں! و۱۹۸ (نماز کے لیے) اي لا تقم فيه للصلاة (قرطبی) یہ مسجد
رار تو صرف صورۃً مسجد تھی ورنہ حقیقۃً تو عداوت اسلام کے لیے ایک کمین گاہ تھی جیسے کہ ابھی قرآن مجید تصریح کر چکا ہے۔ فقہاء نے اس سے یہ نکالا ہے کہ ہر ایسی مسجد جس کی بنیاد معصیت اور مخالفت مومنین پر ہو
رادیے کے قابل ہے۔ فيه الدلالة على ان المسجد المبنى لضرار المومنين والمعاصى لا يجوز القيام فيه و انه يجب هدمه (جصاص) بعض نے لا تقم سے مجاز مراد لی ہے۔ یعنی کسی قسم کا
فات ونصرت اس عمارت اور اس کے بانیوں کی جانب نہ کریں۔ اي لا تنصره و لا تلتفت اليه ولا تكن معهم (جصاص) محض نام یا نیت جبکہ حقیقت سے خالی ہو ہرگز کسی حکم شرعی پر مؤثر نہیں ہو سکتا،
انچہ نام اس عمارت کا بھی مسجد ہی تھا تاہم چونکہ حقیقت مسجدی سے بالکل خالی تھی اس لیے قابل توقیر واحترام تو کیا سمجھی جاتی اُلٹے گرادیے جانے اور جلادیئے جانے کے قابل سمجھی گئی۔ چنانچہ احادیث میں بہ تصریح

تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ

ان کے دل ہی فنا ہو جائیں و۲۰۳ اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے و۲۰۴ بلا شبہ اللہ نے

اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ

مومنین سے خرید لیا ہے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس کے عوض میں کہ انہیں

لَهُمُ الْجَنَّةَ ۗ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ

جنت ملے گی یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں سو (کبھی) مار ڈالتے ہیں

وَ يُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ

اور (کبھی) وہ مار ڈالے جاتے ہیں و۲۰۵ اس پر (ہماری طرف سے) سچا وعدہ ہے توریت

وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ۗ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ

اور انجیل اور قرآن میں و۲۰۶ اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے عہد کا پورا کرنے

اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۗ

والا ہے؟ سو تم خوشی مناؤ اپنی بیع پر جس کا تم نے سودا کیا ہے

وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ

اور یہی بڑی کامیابی ہے و۲۰۷ (وہ مجاہدین) توبہ کرتے رہنے والے ہیں، عبادت کرتے رہنے والے ہیں،

الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ

حمد کرتے رہنے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں رکوع کرتے رہنے والے ہیں، سجدہ کرتے رہنے والے ہیں،

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

نیک باتوں کا حکم کرتے رہنے والے ہیں اور بری باتوں سے روکتے رہنے والے ہیں

وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۗ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے ہیں، اور مومنین کو خوشخبری سنا دیجیے و۲۰۸

تا ہے کہ آپ نے صحابہ کو بھیج کر اُسے منہدم کرادیا اور اس میں آگ لگوادی...... اور
ں حکم ہر خلاف شریعت رسم کا ہے، خواہ اس کا انتساب اسی کسی ولی یا کسی نبی کی جانب
۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں دلیل ہے کہ امر مکروہ شرعی کے لیے سبب
نے سے بھی تحرز ضروری ہے۔ و۱۹۹ (اور نماز پڑھا کریں) لَمَسْجِدٌ الخ یعنی
جد قبا۔ لام ابتداء کا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ل قسم کا ہے۔ اللام لام الابتداء
عالم) و قيل لام القسم تقديره والله مسجد أسس (معالم) اَحَقُّ اَنْ
تَقُوْمَ فِيْهِ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسی عمارت سے جس کی بنیاد تقویٰ پر
صفائے وقت وطیب حال و ذوق وجدان کا اثر پیدا ہوتا ہے برخلاف اس کے
خلاف تقویٰ پر مبنی ہوگی اُس میں کدورت اور تفرقہ اور قبض کا اثر نفس میں پیدا ہوتا
ہے۔ "مسجد ضرار" کے لیے منافقین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ غزوۂ
وک سے واپسی پر آپ ایک بار یہاں نماز پڑھ لیں تو بڑی برکت حاصل ہو جائے
س کا جواب اُوپر مل چکا اور مسجد قبا کے لیے یہ مدح بلا درخواست ارشاد ہو گئی۔ فقہاء
نے آیت سے متعدد مسئلے نکالے ہیں۔ مثلاً یہ کہ بعض عمارتیں نماز کے لیے دوسری
مارتوں سے افضل ہوتی ہیں اور بعض میں نماز پڑھنا ممنوع ہوتا ہے هذا يدل على
ن بعض الاماكن قديكون اولى بفعل الصلوٰة من بعض و ان الصلوٰة
د تكون منهية عنها فى بعضها ويدل على فضيلة الصلوٰة فى
مسجد بحسب ما بنى عليه فى الاصل (جصاص) و۲۰۰ (پس مسجد قبا
لے تو عین مقام محبوبیت پر ٹھیرے) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اہل مسجد کی
ضیلت خود مسجد کی اور اُس میں نماز کی فضیلت کی دلیل ہے۔ فيه الدلالة على ان
ضيلة اهل المسجد فضيلة للمسجد و للصلاة فيها (جصاص) بعض
دیثوں میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے تو یہ ارشاد
وی صلی اللہ علیہ وسلم اس تفسیر قرآنی کے منافی ذرا بھی نہیں۔ مسجد قبا کا مدلول ہونا تو بہ عبارت
نص ہے اور مسجد نبوی کا مدلول ہونا بدلالۃ النص ہے یعنی جب صحابۂ متقین کے بانی
ونے سے مسجد قبا اتنی مقبول ٹھیری تو مسجد نبوی کے بانی امام المتقین خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم
رور عالم تھے وہ ظاہر ہے کہ اس کی مصداق بدرجۂ اولیٰ ہوگی۔ فقہاء مفسرین نے
یت کے عموم الفاظ سے یہ مطلب نکالا ہے کہ ہر وہ مسجد جو جائز طور پر بنائی جائے اور
روہ نمازی جو طہارت کو لازم ومحبوب بنائے، اس خطاب کے تحت میں شامل ہیں اس
لیے کہ حکم وصف پر لگایا گیا ہے نہ کہ ذات پر...... اور رجال سے بھی مرد ہی مخصوص
ہیں، مرد عورت سب اس حکم میں داخل ہیں۔ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ
يَّتَطَهَّرُوْا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ صالحین کی صحبت
کو بھی اثر عظیم ہے (جیسا کہ اس مسجد میں قیام کی ترجیح کی علت کے موقع میں اس کو
رمادیا گیا) غرض یہ کہ حصول جمعیت میں مکان اور اخوان کی رعایت ضروری ہے اور اہل طریق سے منقول ہے کہ اس کے ساتھ زمانہ کی رعایت کو بھی دخل ہے۔ و۲۰۱ مراد اس سے اغراض باطلہ کفریہ ہیں۔ تشبیہ
پائداری بے ثباتی، کمزوری میں دی گئی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ دو عمارتیں ہیں ایک کی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی پر ہے اور دوسری کی معصیت وکفر پر۔ پہلی معزز ہے اور باقی رکھنے کے قابل، دوسری ذلیل ہے
ور گرادیے جانے کے قابل ہے۔ و حاصل الكلام ان احد البنائين قصد بانيه ببنائه تقوى الله و رضوانه و البناء الثاني قصد بانيه ببنائه المعصية والكفر فكان البناء الاول شريفاً
اجب الابقاء و كان الثاني خبيثاً واجب الهدم (کبیر) و۲۰۲ یعنی ان کو جو نام دین کا لے کر طرح طرح کے مفسدہ دین ہی میں برپا کرتے رہتے ہیں۔ فانهار به۔ ضمیر بانی عمارت کی طرف ہے جو اس
یں رہا کرتا تھا۔ اي بالباني (معالم) اي المؤسس الباني (بحر) مفسرین کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ بعینہٖ حقیقت کا بیان ہے یعنی وہ مسجد ضرار واقعۃً اسی طرح دوزخ میں گرادی گئی۔ لیکن بہتوں نے
بھی کہا ہے کہ یہ بیان صرف مثال وتشبیہ کے طور پر ہے کہ ہر ایسے کام کا جس کی بنیاد اخلاص پر نہیں بلکہ کفر ونفاق پر ہوتی ہے، خاتمہ جہنم و ہلاکت ہی پر ہوتا ہے۔ قيل هذا ضرب مثل اي من اسس
بنيانه على الاسلام خير ام من اسس بنيانه على الشرك و النفاق و بين ان بناء الكافر كبناء على شفا جرف هار يتهور اهله في جهنم (بحر) واختار غير واحد ان معنى

الآية افمن اسس بنيان دينه علیٰ قاعدة محكمة هی التقوٰی و طلب الرضا بالطاعة خير ام من اسس علیٰ قاعدة هی اضعف القواعد وارخاها فادی به ذٰلک لخوره و قلة استمساكه الی السقوط فی النار (روح) فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ جس کام کی ابتداء اللہ کی رضا جوئی اور اخلاص نیت سے کی جاتی ہے اُسے پائیداری نصیب ہوتی ہے۔ اور اس میں برکت ہوتی ہے۔ فی هذه الآية دليل علیٰ ان كل شئ ابتدئ بنية تقوی الله والقصد لوجهه الكريم فهو الذی يبقی و يسعد به صاحبه و يصعد الی الله و يرفع اليه (قرطبی) ف۲۰۳ (تو البتہ ان دلوں کے فنا ہونے کے ساتھ ہی وہ دل کی حسرتیں بھی ختم ہو جائیں۔ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ یعنی ہمیشہ موجب حسرت و حرمان ہی رہے گی کہ جن اغراض سے بنائی تھی، وہ کوئی بھی پوری نہ ہوئیں اور رسوائی جو ہوئی وہ الگ۔ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ کنایہ ہے دوام حسرت سے۔ یہ مراد نہیں کہ موت و فنا کے بعد انہیں راحت نصیب ہو جائے گی۔ هذا كناية عن تمكن الريبة فی قلوبهم التی هی محل الادراک و اضمار الشرک بحيث لا يزول منها ما داموا احياء (روح) والمقصود ان هذه الريبة باقية فی قلوبهم ابدًا و يموتون علیٰ هذا النفاق (کبیر) ف۲۰۴ وہ سب کی ایک ایک حالت سے واقف ہے۔ اور ایک ایک سے اُسی کے حال کے مطابق و مناسب معاملہ کرے گا۔ ف۲۰۵ (اور وہ معاملۂ بیع دونوں صورتوں میں قائم رہتا ہے) اصل معاملۂ بیع صرف اس قدر ہے کہ مومنین اپنے جان و مال کو بلا شرط قید و حجت کے اللہ کے حضور میں نذر کر رہے ہیں اور ادھر سے اس نذرانہ کے عوض میں جنت مل رہی ہے۔ يخبر تعالیٰ انه عاوض من عباده المومنين عن انفسهم واموالهم اذ بذلوها فی سبيله بالجنة (ابن کثیر) جہاد و قتال اسی اصل کی ایک اہم فرع ہے۔ اِشْتَرٰی۔ لفظ اشتراء کا اس موقع پر استعمال غایت شفقت و کرم ہی سے ہے ورنہ کسی بندہ کی جان اور مال اس کی اپنی مِلک ہے کب؟ یہ مِلک تو تمام تر اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ وہ جو چاہے بلا کسی معاوضہ یا انعام کا سوال درمیان لائے حکم دے دے...... اپنی ہی مِلک کو دوسرے سے ''خرید کر'' لینا اور اس کی قیمت ادا کرنا بجز احسان بے غایت کے اور کیا ہے؟ وهذا من فضله وكرمه واحسانه فانه قبل العوض عما يملكه (ابن کثیر) وهو عوض عظيم لا يدانيه المعوض ولا يقاس به فاجری ذٰلک علیٰ مجاز ما يتعارفونه فی البيع والشراء فسمی هذا شراء (قرطبی) روایتوں میں آتا ہے کہ ۱۳ ق ھ ستر شرفاء مدینہ نے مکہ میں آکر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی (اور اس بیعت کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے) اور ان کے ایک لیڈر عبداللہ بن رواحہ ؓ نے عرض کی کہ آپ اپنے اور اپنے رب کی طرف سے شرطیں بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے رب کی طرف سے تو یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو، اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور میری طرف سے شرط یہ ہے کہ جس طرح اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہو، میری بھی حفاظت کرو۔ وہ بولے کہ اچھا تو پھر ہمیں کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا۔ ''جنة''۔ وہ لوگ بول اٹھے ربح البيع لا نقيل ولا نستقيل یہ سودا تو بڑے نفع کا ہوا۔ ہم نہ اس بیع کو توڑیں نہ اس کے توڑنے کی درخواست کریں! تو غرض یہ کہ اصل بیع اسی بذل نفوس و اموال کا تھا۔ قتال و مقاتلہ اسی کی فرع ہے۔ اللہ کا یہ وعدہ ظاہر ہے کہ اس خاص واقعہ کے بعد سے امت محمدیؐ کے ایک ایک مجاہد سے قیامت تک کے لئے ہے۔ ثم هی بعد ذٰلک عامة فی كل مجاهد فی سبيل الله من امة محمد ﷺ الی يوم القيامة (قرطبی) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ مالک اور غلام کے درمیان معاملت جائز ہے۔ هذه الآية۔ دليل علیٰ جواز معاملة السيد مع عبده وان كان الكل للسيد (قرطبی) فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ۔ اس ٹکڑے نے صاف کر دیا کہ وہ انعام بے بدل یعنی جنت، مقتول ہونے یا شہادت پانے ہی پر منحصر نہیں۔ محض اپنی طرف سے جان پیش کر دینے پر ہے۔ دنیا میں انجام اس کا خواہ کچھ بھی ہو۔ ولم يجعل المعقود عليه كونهم مقتولين فقط بل كونهم قاتلين ايضاً لاعلاء كلمة الله تعالیٰ ونصرة دينه سبحانه (روح)

ف۲۰۶ قرآن تو اس مضمون کی تکرار سے بھرا پڑا ہے۔ اور قرآن کے ساتھ توریت و انجیل کے ناموں کا اضافہ تاکید بیان کے لئے ہے کہ یہ مضمون اتنا اہم ہے کہ سب ہی کتب آسمانی میں درج ہو چکا ہے۔ عَلَيْهِ۔ یعنی اسی بذل نفوس و اموال پر، ایثار جان و مال پر۔ وَعْدًا۔ حَقًّا۔ سچا وعدہ جنت کا۔ فِي التَّوْرٰىةِ۔ توریت جس کی تحریفات دوست و دشمن سب کو مسلم ہیں، اب اس میں اگر کوئی مضمون اس قسم کا نہ ملے، جب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ بھی شاید قرآن ہی کا اعجاز ہے کہ اللہ کی محبت و رضا جوئی کی اہمیت کے مضمون سے موجودہ توریت بھی خالی نہیں:۔ ''سن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا اکیلا خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ۔'' (استثناء ۶: ۴، ۵) اور خداوند تیرا خدا تیرے دل اور تیری نسل کے دل کا ختنہ کرے گا تاکہ تو خداوند اپنے خدا کو اپنے سارے دل اور سارے جی سے دوست رکھے۔'' (استثناء ۳۰: ۶) وَالْاِنْجِيْلِ۔ انجیل تو توریت سے بھی محرف تر اور اس سے کہیں زیادہ مسخ شدہ ہے۔ تاہم یہ خدا کی رضا جوئی کی اہمیت کا مضمون اس سے بھی ابھی تک محو نہیں ہو سکا ہے:۔ ''جس کسی نے گھروں، یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا۔'' (متی ۱۹: ۲۹)

ف۲۰۷ یعنی یہی آخرت کا اطمینان اور جنت کا یقین۔ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ۔ انتہائی تاکید و تنبیہ کے طور پر یاد دلا دیا ہے کہ وعدہ کسی اور کا نہیں، جس میں احتمال بھی خلف وعدہ کا ہو۔ وعدہ اس کا ہے جس کے وعدہ میں اس کا امکان ہی نہیں۔ فَاسْتَبْشِرُوْا اوپر سے صیغہ غائب چلا آ رہا تھا۔ اب معاً بقاعدہ صفت التفات صیغۂ مخاطب شروع ہو گیا۔ جو دلیل ہے مخاطبین کے کمال شرف و اکرام کی۔ ہر مومن جب توحید و رسالت کا اقرار کرتا ہے، تو اس خاص بیع کا اقرار بھی ضمناً کسی درجہ میں کر ہی لیتا ہے۔ اور شاید اسی لئے حسن بصری نے قسم کے ساتھ کہا ہے کہ یہ بشارت امت محمدیؐ کے ایک ایک فرد کے لئے ہے۔ وقال الحسن والله ما علی الارض مومن الا يدخل فی هذه البيعة (قرطبی) امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دس دس تاکیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ مثلاً لفظ وعداً اور پھر عليه اور پھر حقاً وغیرہا۔ ف۲۰۸ (اسی جنت کی) اَلْمُؤْمِنِيْنَ۔ مراد وہی مسلمان ہیں جن میں جہاد کرنے کے ساتھ ساتھ صفات بالا بھی موجود ہوں جن پر جنت کا وعدہ ہے۔ اَلتَّآئِبُوْنَ...... اللّٰهِ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مجاہدین ایسے ہیں جو علاوہ جہاد کے ان صفاتِ کمال کے ساتھ بھی موصوف ہیں۔ یہ صفات اجر جہاد کی شرط نہیں، البتہ ان کے اجتماع پر ثواب و فضیلت میں کثرت و قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا مجاہدین کو ترغیب ہے کہ محض جہاد پر نہ بیٹھے رہیں بلکہ ان عبادات کو بھی ہمیشہ بجا لاتے رہیں۔ اَلسَّآئِحُوْنَ۔ حدیث نبوی میں اس کی شرح الصائمون (روزہ داروں) سے آئی ہے اور صحابہ و تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ الصائمون عن ابن مسعود و ابن عباس وغيرهما (قرطبی) رواه ابوهريرة مرفوعاً عن النبی ﷺ انه قال سياحة امتی الصيام (قرطبی) عن ابن مسعودؓ وابی هريرةؓ ان النبی ﷺ سئل عن ذٰلک فاجاب بما ذكروا اليه ذهب جلة من الصحابة والتابعين (روح) ایک معنی طلبہ علم کے بھی لئے گئے ہیں جو علم کی تلاش میں ایک شہر سے دوسرے شہر کی سیاحت کرتے رہتے ہیں۔ المراد طلاب العلم ينتقلون من بلد الی بلد فی طلب العلم (کبیر۔ عن عکرمۃ) قيل هم الذين يسافرون لطلب الحديث والعلم (قرطبی) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں جنتیوں کی جن صفات کا ذکر اس تصریح کے ساتھ ہے یہ صاف ان جاہل صوفیہ کے رد میں ہے جو شریعت کے خلاف چلنا اور احکام شریعت کو توڑنا کوئی دلیل کمال سمجھتے ہیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا

نبی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی

لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا

دعا کریں اگرچہ وہ (مشرکین) رشتہ دار ہی ہوں جب ان پر یہ

تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَ مَا كَانَ

ظاہر ہو چکے کہ وہ (اموات) اہل دوزخ ہیں ف۲۰۹ اور ابراہیمؑ کا

اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ

اپنے باپ کے حق میں دعائے مغفرت کرنا تو محض وعدہ کے سبب تھا جو انہوں نے

اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ

اس سے کرلیا تھا ف۲۱۰ پھر جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بے تعلق ہو گئے ف۲۱۱ بیشک

اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ

ابراہیمؑ بڑے ہی نرم دل (اور) بردبار تھے ف۲۱۲ اور اللہ یہ نہیں کرتا کہ کسی قوم کو اس کے ہدایت

قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ

کئے پیچھے گمراہ کردے جب تک ان لوگوں کو صاف صاف نہ بتادے کہ وہ ان چیزوں سے بچتے رہیں ف۲۱۳

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ

بیشک اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے ف۲۱۴ بیشک وہ اللہ ہی ہے جس کی حکومت

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ؕ وَ مَا لَكُمْ

آسمانوں اور زمین میں ہے (وہی) جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ

تمہارا کوئی بھی یار و مددگار نہیں ف۲۱۵ بیشک اللہ نے نبی پر

ف۲۰۹ (اور اس کے ظہور کی صورت یہی ہے کہ وہ لوگ حالت کفر میں مرے ہوں یعنی وقت نزع تک اقرار ایمان انہوں نے نہ کیا ہو) حکم اسی ظاہر پر لگایا جائے گا باقی اصل حال تو عالم الغیب ہی کو معلوم ہوتا ہے۔ ظاهر حال المرء عند الموت يحكم عليه بها فان مات على الايمان حكم له به وان مات على الكفر حكم له به وربك اعلم بباطن حاله (قرطبی) اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ۔ مرنے کے بعد اس کے حق میں دعائے مغفرت کرنا ایک بڑا حق ہے جو میت کا زندوں پر رہ جاتا ہے سورۂ مجر میں برابر کافروں سے ترک تعلقات کے احکام ہیں۔ اب حکم یہ مل رہا ہے کہ جہاں تک کافروں کا تعلق ہے۔ اس بڑے حق سے بھی دست بردار ہو جائیں۔ جرم شرک و کفران کے اس حق کو بالکل مٹا دیتا ہے۔ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى۔ یہ قرابت کا تعلق خواہ مومنین کے ساتھ ہو یا خود نبی کے ساتھ۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بزرگ کے ساتھ کوئی نسبت قائم ہو جانا (یہاں تک کہ نسبت نسبی بھی) نجات کے لئے بالکل کافی ہے۔ وہ ذرا سوچیں کہ جب رسول اللہ ﷺ تک سے مجرد نسبت (بلا ایمان) اس آیت کی رو سے کافی نہیں تو پھر کسی اور بزرگ کا ذکر ہی کیا۔ ف۲۱۰ (اس کی حالت حیات میں، جبکہ آپ کو یہ علم ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کی موت کفر پر ہو گی اور اس لئے وہ مثال اب کسی کے لئے حجت وسند نہیں) اس وعدہ کا ذکر سورۂ مریم کی اس آیت میں ہے۔ ساستغفر لک ربی انه کان بی حفيا۔ مَا كَانَ۔ قرآن مجید میں اس کا استعمال دو مختلف مفہوموں کے لئے ہوا ہے کہیں تو تکوینی حیثیت سے کسی واقعہ کی نفی مراد ہوتی ہے مثلاً اس آیت میں ما کان لنفس ان تموت الا باذن الله۔ اور کہیں تشریعی طور پر نہی یا ممانعت مثلاً اسی آیت میں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ شیخ جس فعل سے مرید کو منع کرے اور خود اس کو کسی عارض سے کرنا پڑ جائے تو چاہئے کہ مرید کے سامنے اسے کھول کر بیان کر دے تاکہ وہ اس کی تقلید میں نہ مبتلا ہو جائے۔ ف۲۱۱ (اور اس کے حق میں دعائے مغفرت چھوڑ دی) جب موت کفر پر واقع ہو جائے جب تو مغفرت کا احتمال ہی نہیں، لیکن زندگی بھر تو یہ امید قوی یا ضعیف بہر حال لگی رہتی ہے کہ شاید اب اسے توفیق ہدایت ہو جائے اور مغفرت ہدایت سے لازم آجاتی ہے چنانچہ زندہ کافر والدین کے حق میں دعائے مغفرت مطلق ممنوع نہیں۔ وقد قال كثير من العلماء لا باس ان يدعوا الرجل لابويه الكافرين ويستغفر لهما ما داما حيين (قرطبی) بلکہ حضرات صحابہ کا عمل ہی یہی تھا۔ قال ابن عباس كانوا يستغفرون لموتاهم فنزلت فامسكوا عن الاستغفار ولم ينههم ان يستغفروا للاحياء حتى يموتوا (قرطبی) ف۲۱۲ (چنانچہ باوجود اس کے کہ باپ نے کیسی کیسی سختیاں کیں آپ برابر حلم ہی سے کام لیتے گئے، یہاں تک کہ جوش شفقت سے طلب مغفرت کا وعدہ بھی کر لیا) مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ کسی کی زندگی میں اس کے لئے طلب مغفرت کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے حق میں طلب ہدایت کی جائے۔ اور یہ جو حدیث بخاری میں آیا ہے کہ آخرت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کو دوزخ میں دیکھ کر دعا کریں گے کہ مجھے حسب وعدہ رسوائی سے بچایا جائے اور اس پر آزر کی شکل انسان سے جانور میں تبدیل ہو جائے گی کہ کوئی دیکھ کر پہچان ہی نہ سکے، اس پر بہترین تقریر مفسر تھانویؒ کی بیان القرآن میں موجود ہے۔ اسی کو ملاحظہ فرما لیا جائے۔ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ۔ یعنی اللہ کے دین کا دشمن، اللہ کے قانون کا باغی، ورنہ براہ راست اللہ سے دشمنی کوئی بندہ کر ہی کیسے سکتا ہے۔ اَوَّاهٌ کہتے ہیں خشیت الٰہی سے مغلوب کو۔ يعبر بالاواه عمن يظهر خشية الله (راغب) حدیث نبوی ﷺ میں اس کی شرح الخاشع المتضرع سے آئی ہے۔ رواہ عبد الله بن شداد بن الهاد عن النبی ﷺ (قرطبی) ف۲۱۳ (پس اس قاعدہ کے مطابق جب تک تم کو استغفار مشرکین سے ممانعت کی نہیں کی گئی تھی اس استغفار کی یہ سزا تمہیں مل نہیں سکتی کہ تم میں گمراہی کا مادہ پیدا کر دیا جائے)" ناجائز افعال کا خاصہ ہے کہ ان کے کرنے سے قلب میں ایک ظلمت پیدا ہو جاتی ہے جس سے گمراہی کا مادہ غریبہ پیدا ہو جاتا ہے...... اور اس پر نظر کر کے مومن خائف کو تو ہم ہو سکتا ہے کہ ہم کو اس استغفار ناجائز سے کہیں یہ ضرر مذکور نہ پہنچا ہو۔ اس کے متعلق تسلی فرماتے ہیں کہ یہ اثر کسی فعل میں اس کے ممنوع ہونے کے بعد ہے نہ کہ قبل ممنوع ہونے کے، کیونکہ عدم جواز بعد نہی کے حادث ہے۔" (تھانوی) لِيُضِلَّ۔ حق تعالیٰ کی طرف یہ اضلال یا گمراہ کرنے کی نسبت محض تکوینی حیثیت سے مسبب الاسباب ہونے کی بنا پر ہے ورنہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ کسی کو کسی حال میں بھی گمراہی کی طرف نہیں لے جاتے، بلکہ آیت پر پورے غور کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندے کی ارادی نافرمانی ہی اُسے اضلال کی طرف لے جاتی ہے جب بندہ حکم مَا يَتَّقُوْنَ کی پروا نہیں کرتا اور اس کی "تبیین" ہو چکنے کے بعد بھی اس کی خلاف ورزی کیے جاتا ہے، جب جا کر اس کا عمل اضلال شروع ہوتا ہے۔ ففي هذا ادل دليل على ان المعاصي اذا ارتكبت وانتهك حجابها كانت سببا الى الضلالة والردى وسلما الى ترك الرشاد والهدى (قرطبی) ف۲۱۴ (چنانچہ اس کا بھی علم رکھتا ہے کہ بغیر اس کے بتائے ہوئے کوئی بھی ایسے احکام کو سمجھ نہیں سکتا اور اسی لئے قبل حکم ممانعت ان افعال سے مضرت نہیں پہنچنے دیتا، اور اس سے بھی خوب واقف ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق اضلال کون) ف۲۱۵ وہی قبل ممانعت ضرر سے بچاتا ہے اور وہی بعد ممانعت عدم تعمیل پر سزا بھی دینے والا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ...... يُمِيْتُ۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ ہر طرح کی قدرت، حکومت، اختیار اسی کا ہے، وہی جو چاہے حکم دے اور جس ضرر سے چاہے بچا لے۔ کسی شے میں فی نفسہ کوئی خاصیت موجود نہیں، مضرت و منفعت کی جو بھی خاصیت پیدا ہوتی ہے، اسی مسبب الاسباب اور فاعل حقیقی کی مشیت و ارادہ سے پیدا ہوتی ہے۔

عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ

اور مہاجرین اور انصار پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی جنہوں نے

فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ

نبی کا ساتھ تنگی کے وقت میں دیا و۲۱۶ بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں

فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ

کچھ تزلزل ہو چلا تھا و۲۱۷ پھر (اللہ نے) ان لوگوں پر رحمت کے ساتھ توجہ فرما دی و۲۱۸ بیشک وہ ان کے حق میں بڑا

رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ۙ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى

شفیق ہے بڑا رحمت والا ہے و۲۱۹ اور ان تینوں پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا و۲۲۰ یہاں

اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ

تک کہ جب زمین ان پر باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جانوں سے

عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ

تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز

اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

اسی کی طرف کے و۲۲۱ پھر اس نے ان پر رحمت سے توجہ فرمائی و۲۲۲ تا کہ وہ رجوع کرتے رہا کریں و۲۲۳ بیشک

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ؑ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے بڑا رحمت والا ہے، اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو

وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ

اور راستبازوں کے ساتھ رہا کرو و۲۲۴ مدینہ والوں

وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ

اور ان کے اردگرد جو دیہاتی ہیں انہیں نہ چاہیے تھا کہ

ع ۱۴ / ۴

و۲۱۶ ذکر اب پھر غزوۂ تبوک کا چلا جو اوپر بھی دور تک آچکا ہے۔ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ۔ نبی پر توجہ بہ رحمت یہ کہ آپ کو نبوت سے اور امامت جہاد سے اور تمام کمالات سے سرفراز فرمایا۔ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ ان انصار و مہاجرین پر توجہ بہ رحمت یہ کہ انہیں ایسے کلفت و مشقت کے جہاد میں ثابت قدم رکھا۔ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ۔ اس غزوہ کے خصوصیات جن کی بنا پر یہاں ساعة العسرة لایا گیا ہے، حسب ذیل تھے:۔(۱) شدید گرمی کا موسم۔(۲) باغات کی فصل تیار ہونے کا زمانہ۔(۳) مسافت دور و دراز کا سفر۔(۴) مقابلہ میں منتشر و متفرق قبائل نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی تربیت یافتہ و قواعد دان رومی شہنشاہی فوج ہر طرح کے سامان جنگ سے آراستہ۔(۵) سواری کی اتنی کمی کہ ایک اونٹ دس دس آدمیوں کے حصہ میں آیا۔(۶) سامان رسد کی اتنی کمی کہ ایک ایک خرما دو دو شخصوں میں تقسیم ہوا ہے اور آخر میں اتنا بھی نہ رہ گیا۔ ان مصائب کی تفصیل حدیث و سیر کی کتابوں میں ملے گی۔ لَقَدْ تَّابَ...... الْاَنْصَارِ آیت مدح صحابہ کے باب میں بالکل شافی و وافی ہے۔ اور جن فرقوں نے اصحاب نبی ﷺ پر زبان طعن دراز کی ہے ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ فیه مدح لاصحاب النبی ﷺ الذین غزوا معه من المهاجرین والانصار واخبار بصحة بواطن ضمائرهم وطهارتهم لان الله تعالیٰ لا یخبر بانه قد تاب علیهم الا وقد رضی عنهم افعالهم (جصاص) و۲۱۷ (اور قریب تھا کہ وہ گروہ جہاد پر جانے سے ہمت ہار جائے) ای کادوا لا یثبتون علی اتباع الرسول (کبیر) لفظ ما کاد" (قریب تھا)" خود اس پر دلیل ہے کہ یہ عمل وقوع میں آیا نہیں تھا صرف آنے کے قریب تھا۔ و۲۱۸ (کہ اس گروہ کو بھی سنبھال لیا، اور یہ لوگ ساتھ ہو لئے) و۲۱۹ (چنانچہ ہر ایک کے حال پر رحمت ہی کے ساتھ توجہ فرمائی) و۲۲۰ (اور جن کا ذکر آیت نمبر ۱۰۶ میں گزر چکا ہے) احادیث میں ان تین صحابیوں کے نام حسب ذیل ملتے ہیں۔ کعب بن مالک، مرارہ بن ربیعہ الانصاری، ہلال بن امیہ الواقفی رضی اللہ عنہم۔ خُلِّفُوْا۔ یعنی ان کا معاملہ چھوڑ رکھا گیا تھا، وحی الٰہی پر موقوف رکھا گیا تھا۔ ای خلفوا امرهم (بیضاوی) خود صاحب معاملہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہی تفسیر مروی ہے۔ لیس الذی ذکر الله مما خُلِّفْنَا تخلفنا عن الغزو وانما هو تخلیفهٗ ایانا وارجاءهٗ امرنا عمن حلف له واعتذر الیه فقبل منه (قرطبی) و۲۲۱ قرآن مجید مبالغہ بیانی سے آشنا نہیں جو سختیاں ان تین صاحبوں کو پیش آ رہی تھیں وہ حقیقۃً ناقابل برداشت ہو چلی تھیں۔ ساری اسلامی سوسائٹی نے ان کا کامل مقاطعہ کر رکھا تھا مدینہ کی اتنی بڑی آبادی میں اب نہ ان کا کوئی دوست آشنا تھا نہ کوئی عزیز و قریب۔ حد یہ ہے کہ ان کی بیویوں تک نے (جن کا کام ہی ہمدردی و غمگساری تھا) ان سے بولنا چھوڑ دیا تھا چنانچہ انہی میں سے ایک صاحب کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی زبان سے جو طویل روایت بخاری و مسلم وغیرہ میں نقل ہوئی ہے خود اس میں یہ الفاظ ہیں:۔ فاجتنبنا الناس وتغیروا لنا حتی تنکرت لی فی نفسی الارض فما هی بالارض التی کنت اعرف (لوگ ہم سے پرہیز کرنے لگے اور ہمارے حق میں اجنبی بن گئے، چنانچہ مجھے اپنا وطن وہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا جس سے میں واقف تھا (یعنی وطن پردیس بن گیا تھا) اور پھر آگے چل کر قرآن ہی کے لفظ اختیار کر لئے ہیں:۔ قد ضاقت علیّ نفسی وضاقت علیّ الارض بما رحبت (میں اپنی جان سے تنگ آ گیا اور زمین باوجود اپنی فراخی کے میرے اوپر تنگ ہو گئی) اور پھر یہ خیال رہے کہ یہ مصیبت کوئی ایک دو دن کی نہ تھی۔ سات سات ہفتہ یا پورے ۵۰ دن قائم رہی! ان تین صحابیوں میں سے دو بدری تھے۔ (اور اصحاب بدر کا شرف کسی تعارف کا محتاج نہیں) اور تیسرے صاحب بھی بجز بدر کے اور غزوات میں برابر شریک رہ چکے تھے!...... یہ سزا ایسے ایسے اکابر کو مل رہی ہے! یہ معنی ہیں نظام اسلامی میں ڈسپلن یا اطاعت کے! یہیں سے فقہاء نے استنباط کیا ہے کہ دینی مجرم سے ترک سلام و کلام تین دن سے زیادہ نہ کرے تو اس سے وہ موقع مراد ہے جب کوئی دنیوی رنج ہو (تھانوی) و۲۲۲ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی عادت اپنے محبین کے ساتھ یہ جاری ہے کہ جب ان سے کوئی امر ان کے مقام کے منافی صادر ہو جاتا ہے تو ایک نوع کے حجاب سے ان کی تادیب کی جاتی ہے اور جب وہ اس کی تلخی چکھ چکتے ہیں تو پھر ان پر کرم کی بارش کی جاتی ہے یعنی انہیں توفیق نیک دی اور پھر ان کا قصور معاف کر دیا۔ ای وفقهم للتوبة (قرطبی) و۲۲۳ یعنی آیندہ بھی ہر موقع معصیت و معصیت میں اسی طرح اللہ کی طرف رجوع کرتے رہیں اور اللہ کی رحمت و مغفرت سے مایوس نہ ہوں۔ قبل توبتهم من التخلف لیتوبوا فی المستقبل اذ صدرت منهم هفوةٌ ولا یقنطوا من کرمه سبحانهٗ (روح) و۲۲۴ یعنی صادقوں کی راہ پر چلو۔ انہی کی طرح صدق اختیار کرو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اجماع امت کے حجت شرعی ہونے پر یہ آیت ایک مستقل دلیل ہے۔ دل علی قیام الحجة علینا باجماعهم (جصاص) والأیة تدل علی ان الاجماع حجة لانه امر بالکون مع الصادقین فلزم قبول قولهم (مدارک) یدل علی ان اجماع الامة حجة (کبیر) عارفین نے شیوخ کامل و ائمہ مجتہدین کی اقتداء و صحبت کا اشارہ بھی اس سے سمجھا ہے۔ الصّٰدِقِيْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو دین میں نیت اور قول اور عمل کے لحاظ سے صادق ہیں۔ الذین صدقوا فی الدین نیةً وقولاً وعملاً (مدارک) مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ بعض نے معیت کی تفسیر قرب و قرین رہنے سے کی ہے۔ اس صورت میں صالحین کی ترغیب آیت سے نکلے گی۔

ب۲۲۵ یعنی یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ لوگ خود تو آرام سے گھر بیٹھے رہیں اور مشقتیں اور صعوبتیں رسول اللہ ﷺ جھیلتے رہیں۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ معیت ونصرت صرف عرب تک محدود یا شانِ رسالت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ نصرتِ دین مقصود ہے۔ اس لئے ہر مسلم پر ہر زمانہ میں واجب ہے کہ امام وقت کی اطاعت وحفاظت میں مستعد رہے۔ آیت کا صیغہ ظاہری خبر کا ہے۔ حالانکہ مراد نہی یا امر امتناعی ہے۔ یعنی مقصود کسی خبر یا واقعہ کا ذکر نہیں بلکہ اس امر کا اظہار ہے کہ ایسا ہرگز نہ ہونا تھا۔ ب۲۲۶ (سو یہ لوگ بھی اگر اخلاص کے ساتھ رسول اللہ کے ساتھ جاتے تو ان کے لئے بھی اسی طرح بات بات پر اجر اور قدم قدم پر ثواب تھا) یہ مقتضائے مقبولیت ومحبوبیت ہے کہ امور اضطراریہ بھی مثل اعمال اختیاریہ کے موجب ثواب قرار دیئے گئے (تھانوی) لیکن یہ اعمال وکیفیات اضطراری تو ہیں بھی نہیں، جہاد میں چلنا تو بہر حال تمام تر اختیاری تھا، تحکن جو کچھ حاصل ہوئی وہ اسی عمل اختیاری کا ایک لازمی نتیجہ تھا۔ یہ پیاس، بھوک وغیرہ کا ذکر محض بہ طور نظیر ہے، یہ مراد نہیں کہ اجر صرف انہی چند اعمال وکیفیات پر محدود ہے۔ لَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ ۔ لا دونوں جگہ تاکید کلام کے لئے ہے۔ لا زائدة للتوكيد (قرطبی) لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا ۔ غنیم سے مسلمانوں کو حاصل کیا ہو سکتا تھا؟ ظاہر ہے کہ دونوں قسم کی چیزیں۔ یعنی ایک طرف مال غنیمت اور دشمن کی ہزیمت۔ دوسری طرف زخم، قتل، گرفتاری وغیرہ مفسرین نے دونوں پہلو اختیار کئے ہیں۔ اے لا يصيبون من عدوهم قتلا او اسرًا او غنيمة او هزيمةً (معالم) اے قتلا او هزيمةً (قرطبی) وهو قتلهم او اخذ اموالهم او اخراجهم عن ديارهم هذا كله نيل منهم (جصاص) ب۲۲۷ (سو اس کے وعدہ میں کسی تخلف کا احتمال ہی نہیں) ب۲۲۸ یعنی ان میں ہی سے ہر عمل پر ان کے نام نیکی لکھ لی گئی۔ اللہ کی راہ میں ہر قدم اٹھانے کے لئے بے حساب اجر وانعام کا اگر استحضار رہے تو اس کے بعد پھر جہاد وقتال کی سخت سے سخت کلفتوں کے پتھر بھی پانی ہو جاتے ہیں۔ ب۲۲۹ غزوۂ تبوک کی صورت خاص تھی اس کے بعد آیندہ کے لئے مستقل ہدایت ہو گئی کہ سارے مسلمان شہر خالی کر کے ہرگز اکبارگی نہ نکل کھڑے ہوں، بجز اس حال کے کہ امام ہی نفیر عام کا حکم دے دے، اور جہاد ہر فرد پر فرض عین ہو جائے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ دینی مہم کا انتظام ایسا کرنا چاہیے کہ دوسری ضروریات جن میں امر معاش بھی داخل ہے مختل نہ ہونے پائیں۔ ف۲۳۰ (تعلیم وتعلم کے ذریعہ سے) مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ ۔ یعنی شہر کی کل آبادی سے فرقة کا استعمال یہاں گروہ کثیر کے لئے ہوا ہے۔ كاهل بلدة اوقبيلة عظيمة (روح) فرقة اے جماعة كثيرة (کشاف۔ مدارک) مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ ۔ طَآئِفَةٌ کا لفظ یہاں چھوٹی جماعت کے لئے آیا ہے اور فرقة کے مقابل ہے۔ اے جماعة قليلة (کشاف۔ مدارک) فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ ۔ یعنی انتظام یہ رہنا چاہیے کہ آبادی کا ایک حصہ جہاد کے لئے باہر جائے، جنگ اور دوسری فوجی ضروریات (ملٹری ڈیپارٹمنٹ) کے لئے اور دوسرا حصہ عام ملکی وشہری ضروریات (سول ڈیپارٹمنٹ) کے لئے شہر اور ملک ہی میں رہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اسلامی حکومت میں ہر قسم کا ساز وسامان تیار اور آدمی ہر قسم کی ہر ضرورت کے لئے مستعد رہنے چاہئیں تا کہ رفاہ خلق صحت نفوس نظم امت وشوکتِ اسلام میں کسی طرح کا فتور نہ پڑنے پائے، سپاہی، اہل قلم، اہل حرفہ، تاجر، کاشتکار وغیرہ سب ہی ملت اسلامی کے ضروری عناصر ہیں۔ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ ۔ فقہاء مفسرین نے یہیں سے طلب علم دین کا وجوب نکالا ہے۔ هذه الأية اصل في وجوب طلب العلم (قرطبی) وفي هذا ايجاب التفقه في الكتاب والسنة (قرطبی) فقہاء نے لکھا ہے کہ تحصیل علم دین فرض کفایہ ہے، پس ہر شہر اور ہر گروہ میں سے ایک تعداد کا علم دین کی طلب میں لگے رہنا واجب ہے ورنہ سب عاصی ہوں گے۔ وفي هذه الأية دلالة على وجوب طلب العلم وانه مع ذلك فرض على الكفاية (جصاص) اذاقام به بعضهم سقط عن الباقين (جصاص) فقہاء صوفیہ نے لکھا ہے کہ طالب علم کی غرض وغایت تفقه في الدين اور امر بالمعروف رہنی چاہیے نہ کہ حصول جاہ جمع مال یا بحث وجدال۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جب جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں پر وعیدیں نازل ہونے لگیں تو اس خوف سے سارے کے سارے مسلمان جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے اس پر یہ احکام نازل ہوئے کہ ضروریات دین کی تعلیم وتعلم کے لئے بھی کچھ لوگوں کو ضرور لگے رہنا چاہیے۔ ایسا نہ ہونے پائے کہ ادھر سے غفلت ہو جائے۔ جہاد بالدلائل تو جہاد بالاسلحہ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ استبق المومنين عن اخرهم الى النفير و انقطعوا جميعا عن التفقه في الدين فامروا ان ينفر من كل فرقة منهم طائفة الى الجهاد و يبقى سائرهم يتفقهون حتى لا ينقطعوا عن التفقه الذي هو الجهاد الاكبر اذ الجهاد بالحجاج اعظم اثرا من الجهاد بالنصال (مدارک)

رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ

رسول اللہ کو چھوڑ کر پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو ان کی جان سے عزیز رکھیں ب۲۲۵

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا

یہ (رفاقت ضروری) اس لئے تھی کہ ان (مجاہدین) کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی

مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا

اور جو بھوک لگی اور جو چلنا وہ چلے کافروں کو غیظ میں

يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ

لانے والا اور دشمن سے انہیں جو کچھ حاصل ہوا ان سب پر ان کے نام

لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ

(ایک ایک) نیک عمل لکھا گیا ب۲۲۶ بیشک اللہ نیکوکاروں کا اجر

الْمُحْسِنِيْنَ ۟ۙ (۱۲۰) وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا

ضائع نہیں کرتا ب۲۲۷ اور جو کچھ چھوٹا بڑا خرچ انہوں نے کیا

كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ

اور جو میدان انہوں نے طے کئے یہ سب ان کے نام لکھا گیا، تاکہ اللہ انہیں ان کے

اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۲۱) وَمَا كَانَ

کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے ب۲۲۸ اور مومنوں کو

الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ

نہ چاہیے کہ (آیندہ) سب کے سب نکل کھڑے ہوں ب۲۲۹ یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے

فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ

ایک حصہ نکل کھڑا ہوا کرے تاکہ (یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں ف۲۳۰

و۲۳۱ (ہر بدی اور بدکاری سے۔ اور اس طرح ساری قوم میں نیک کرداری کا دور دورہ برابر قائم رہے) آج "مہذب" و "شائستہ" قوموں کی فوجیں ہر قسم کے اخلاق کی جن ناگفتہ بہ پستیوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ (اور یہی دستور شروع سے تمام جاہلی قوموں کی فوجوں کا رہا ہے) اس کا حال کس سے مخفی ہے؟ امت اسلامی کو اس قسم کے تمام خطرات سے مستقل نجات میں رکھنا دین کے مہمات امور میں سے ہے۔ قرآن مجید کی مستقل ہدایت ہے کہ مجاہدین وغیر مجاہدین کو برابر علماء حقانی اور فقہاء ربانی کی تربیت اور ٹریننگ ملتی رہنی چاہیے۔ لیتفقھوا۔ ولینذروا۔ دونوں میں ضمیر جمع غائب ان لوگوں کی طرف ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس ٹھیرا رہنا تھا الضمیر للمقیمین مع النبی ﷺ قالہ قتادۃ ومجاھد (قرطبی) ضمیر یتفقھوا وینذروا عائد الی الفرقۃ الباقیۃ المفھومۃ من الکلام (روح) اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْھِمْ۔ یعنی یہ مجاہدین جب جہاد وقتال سے اپنے والوں کی طرف واپس آجائیں۔ وَلِيُنْذِرُوْا۔ یعنی احکام الٰہی سنا سنا کر اور بتا بتا کر انہیں ہر معصیت، بدکرداری، خدا فراموشی سے ڈراتے رہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس آبادی میں علماء حقانی کا وجود نہ رہے یا وہ موجود تو ہوں لیکن ہدایت خلق کے کام سے غافل ہوں، وہ ساری آبادی گنہگار رہوگی۔ بدکرداری سے روکنا اور نیک کرداری کو پھیلانا فرض کفایہ ہے۔ علماء حق اس کے خصوصا ذمہ دار ہیں، گو حکم کے مخاطب سب مسلمان ہیں۔ و۲۳۲ یعنی تم ہمیشہ اپنی جگہ پر مضبوط، آمادۂ جہاد، مستعد اور کیل کانٹے سے درست رہو کہ دشمن کی ہمت ہی تمہاری طرف نظر بد ڈالنے کی نہ پڑے...... گویا موجودہ جنگی اصطلاح میں ملت کو ایک مستقل لام بندی (Perpetual mobilisation) کی حالت میں رہنا چاہیے۔ غِلْظَةً۔ یہاں خشونت کے معنی اس قدر نہیں جس قدر شدت، مضبوطی اور پختگی کے معنی میں ہے۔ جس سے ان کا رعب ہم پر نہ پڑنے پائے بلکہ الٹا ہمارا رعب ان کے دلوں میں بیٹھ جائے۔ غلظۃ ای شدۃ وقوۃ وحمیۃ (قرطبی) اذا کان ذٰلک یوقع المھابۃ لنا فی صدورھم والرعب فی قلوبھم (جصاص) شدۃ وحمیۃ (معالم) قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ۔ یہ حکم جہاد میں خاص ترتیب کا مل رہا ہے اور اس کے مصالح بالکل ظاہر ہیں۔ چنانچہ سیرت نبوی کے مطالعہ سے واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نیز خلفاء راشدین نے بہ اختیار خود جتنے بھی جہاد کئے، یہی ترتیب ملحوظ رکھی۔ ولھذا بدأ رسول اللہ ﷺ بالعرب فلما فرغ قصد الروم وکانوا بالشام (قرطبی) ای ابدءوا بقتال الاقرب فالاقرب الیکم داراً دون الابعد فالابعد وکان الذین یلون المخاطبین بھٰذہ الاٰیۃ یومئذ الروم لانھم کانوا سکان الشام یومئذ والشام کانت اقرب الی المدینۃ من العراق (ابن جریر) محدث ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ ترتیب یا تو قرب ملک کے لحاظ سے رکھنا چاہیے اور یا پھر شدت کفر کے لحاظ سے۔ مشرکین کے ہوتے ہوئے اہل کتاب کا رخ نہ کریں اور قریب کو چھوڑ کر بعید پر تاخت نہ کریں، بجز اس کے کہ کوئی مصلحت خاص اس کی مقتضی ہو۔ فقہاء مفسرین نے یہ تصریح بھی کردی ہے کہ جہاد واجب نفس کفار کے مقابلہ میں ہے، خواہ وہ کہیں کے بھی ہوں، البتہ جو قریب تر ہیں ان کے مقابلہ میں واجب تر ہے۔ القتال واجب مع جمیع الکفرۃ قریبھم وبعیدھم ولکن الاقرب فالاقرب واجب (مدارک) فاوجب قتال جمیع الکفار ولٰکنہ خص بالذکر الذین یلوننا من الکفار اذا کان معلوماً انہ لا یمکننا قتال جمیع الکفار فی وقت واحدٍ وان الممکن منہ ھو قتال طائفۃ فکان من قرب منھم اولٰی بالقتال ممن بعد (جصاص) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ سب سے پہلا مجاہدہ اپنے نفس سے کرنا چاہیے کہ یہی سب سے قریب تر ہے۔ نفس اگر کافر (لغوی معنی میں) ہے تو ان مجاہدات سے وہ مطیع اور مومن اور مطمئنہ ہو جائے گا۔ و۲۳۳ (سو جہاد وقتال کی بنیاد بھی تقویٰ ہی پر رہنا چاہیے) یہاں اگر ایک طرف لفظ متقین لا کر جہاد وقتال میں اخلاص کامل کی تعلیم دے دی اور طمع مال اور حصول شہرت وغیرہ کے راستے بند کر دیئے تو دوسری طرف ان لوگوں کا علاقہ معیت اللہ تعالیٰ سے جوڑ کر یہ بتلا دیا کہ تمہیں اب خوف وہراس کی بات ہی کیا ہے، تمہاری نصرت کے لئے تو ہر

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس آجائیں ڈراتے رہیں عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں و۲۳۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ

اے ایمان والو ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیے و۲۳۲

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ

اور جانے رہو کہ اللہ تو پرہیزگاروں کے ساتھ ہے و۲۳۳ اور جب کوئی ٹکڑا قرآن کا نازل ہوتا ہے تو ان (منافقین) میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی؟

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

سو جو لوگ ایمان والے ہیں اس نے ان کے ایمان میں ترقی دی اور وہ خوش ہو رہے ہیں و۲۳۴ اور جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ

سو اس (سورت) نے ان کی گندگی میں ایک اور گندگی بڑھا دی و۲۳۵ اور وہ مرگئے اس حال میں کہ وہ کافر ہی تھے و۲۳۶ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ ہر سال ایک بار یا دو بار

مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

کسی آفت میں پھنستے ہی رہتے ہیں پھر بھی نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں و۲۳۷

قوی سے قوی تر ناصر وحافظ موجود ہے۔ ای ایقنوا عند قتالکم ایاھم ان اللہ معکم وھو ناصر کم علیھم (ابن جریر) فان اللہ ناصر من اتقاہ ومعینہ (ابن جریر) واعلموا ان اللہ معکم اذا اتقیتموہ واطعتموہ (ابن کثیر) ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جن مسلمان سلاطین نے یہ تقویٰ کی شرط پوری رکھی اور احکام شریعت پر عمل جاری رکھا۔ ان کے زمانہ میں فتوحات بھی برابر ہوتی رہیں۔ اور جوں جوں وہ شرائط تقویٰ سے ہٹتے گئے، فتح مندی بھی ان سے کنارہ کرتی گئی۔ و۲۳۴ (اپنی اس ترقی ایمانی کے ادراک سے) مومن کا دل انوار تصدیق ویقین سے لبریز ہوتا ہے۔ ضرور تھا کہ ہر تازہ نزول قرآنی سے اس کے ایمان کی نورانیت، حلاوت وتازگی میں اضافہ ہو...... پہلے تو وہ اپنے ایمان میں ترقی محسوس کرے اور پھر اپنی اس ترقی ایمان وادراک سے خوش بھی ہو۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ...... اِيْمَانًا۔ منافقین یہ سوال عوام مومنین سے بہ طور طنز وتعریض کرتے تھے...... کہ بھلا بتاؤ تو اس نئی سورۃ کے نزول سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا؟...... جواب اس کا کھلا ہوا یہی چاہتے تھے کہ کسی کے نہیں۔ لیکن برعکس اس کے واقعۃً انہیں جواب مومنین کی زبان سے یہ ملتا تھا کہ "ہمارے ایمان میں!" و۲۳۵ (کہ پہلے جتنے حصۂ قرآن سے انکار تھا، اب اس پر ایک اور حصہ کا اضافہ ہوا) منافق کا دل انکار ونفاق کی گندگی سے پہلے ہی لبریز ہوتا ہے، لازمی ہے کہ ہر نئے انکار سے اس گندگی میں اور اضافہ ہو۔ و۲۳۶ یعنی ان میں سے جو مرچکے وہ کافر مرے اور جو اسی اصرار پر مریں گے وہ کافر مریں گے۔ و۲۳۷ یعنی یہ کہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ آیت سے ضمناً حکمت ابتلاء پر بھی روشنی پڑگئی۔ بلائیں اور

وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ ؕ

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں

هَلۡ يَرٰٮكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوۡا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ

کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں، پھر چل دیتے ہیں و۲۳۸ اللہ نے ان کا دل ہی

قُلُوۡبَهُمۡ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدۡ جَآءَكُمۡ

پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ یہ سمجھ سے کام نہ لینے والے لوگ ہیں و۲۳۹ بیشک تمہارے پاس

رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ

ایک پیغمبر آئے ہیں تمہاری ہی جنس میں سے جو چیز تمہیں مضرت پہنچاتی ہے انہیں بہت گراں گزرتی ہے

حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۸﴾

تمہاری (بھلائی) کے حریص ہیں ف۲۴۰ ایمان والوں کے حق میں تو بڑے ہی شفیق ہیں مہربان ہیں و۲۴۱

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيۡهِ

پھر اگر (وہ لوگ) روگردانی کرتے رہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ میرے لئے تو اللہ کافی ہے

تَوَكَّلۡتُ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۱۲۹﴾ ع

اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میں نے بھروسہ کرلیا اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے و۲۴۲

رکوعاتھا ١١	١٠ سُوۡرَةُ يُوۡنُسَ مَكِّيَّةٌ ٥١	اٰیاتھا ١٠٩
اور گیارہ رکوع ہیں	سورہ یونس مکی ہے	اور اس میں ایک سو نو آیتیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۱﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ

الٓرٰ یہ پر حکمت کتاب کی آیتیں ہیں و۱ کیا لوگوں کو اس پر

ع ۱۶/۵ المنزل ۳

مصیبتیں تکوینی طور پر تازیانہ فہمی ہوتی ہیں جن کا کام انسان کو اللہ کی طرف لانا ہی ہوتا ہے۔و فی الاثر البلاء سوط من سیاط الله تعالٰی یسوق به عباده الیه (روح) مَرَّةً اَوۡ مَرَّتَيۡنِ۔ کسی عدد متعین کا بیان مقصود نہیں۔ مراد صرف یہ ہے کہ ایسا بار بار ہوتا رہتا ہے۔والمراد من المرة والمرتين على ما صرح به بعضهم مجرد التكثير لا بيان الوقوع على حسب العدد المزبور (روح) يُفۡتَنُوۡنَ۔ یعنی یہ منافق اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ہر سال انہیں منافقت کی بنا پر آفتوں ہی سے دوچار ہونا پڑتا ہے کبھی یہ کہ ان کی سازشیں کھل گئیں اور انہیں سزا مل کر رہی اور تفضیح جو ہوئی سو الگ کبھی یہ کہ اُن کے حلیف مشرکوں کو شکست ہوگئی اور اُن کے سارے سہارے ٹوٹ گئے۔ای يفضحون باظهار نفاقهم (بحر عن مقاتل) و۲۳۸ (مجلس نبوی سے) منظر ایسے وقت کا ہے کہ منافقین بھی مجلس نبوی میں حاضر ہیں اور کسی سورت کا نزول رسول اللہ ﷺ پر ہوا۔ هَلۡ يَرٰٮكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ۔ یعنی اُٹھتے ہوئے یہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں کہ کوئی مومن تو ہمیں اُٹھتا ہوا نہیں دیکھ رہا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے جا لگائے۔اُوپر ذکر منافقین کے تمسخر کا تھا جو وہ اپنی مجلسوں میں کرتے رہتے تھے، اب ذکر اُن کے اُس تنفر کا ہے جو انہیں مجلس نبوی سے تھا۔ و۲۳۹ یعنی ایسے لوگ جو خود اپنے نفع سے بھاگتے ہیں اور جتنی سمجھ انہیں عطا ہوئی ہے، اس سے کام نہیں لیتے۔ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ۔ یعنی یہ لوگ مجلس نبوی سے کیا پھرے، ان کا دل ہی اللہ نے ایمان سے بلکہ ہر خیر و طاعت سے پھیر دیا۔ عن الايمان بسبب انصرافهم عن ذلک المجلس (روح) قال ابن عباس عن كل خير و رشد و هدى (بحر) بِاَنَّهُمۡ۔ میں ب سببیہ ہے۔الباء للسببية اى بسبب انهم (روح) ف۲۴۰ (یعنی تمہارے دُکھ سے یہ خود دُکھ محسوس کرتے ہیں اور تمہارے ہر نفع کے بڑے آرزو مند رہتے ہیں!...... یہ تھی شفقت رسولِ خدا کی خلقِ خدا کے ساتھ! لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ۔ سوال پیدا ہوا ہے کہ کُمۡ کی ضمیر جمع مخاطب دونوں جگہ کس کی جانب ہے؟ یعنی رسول اللہ کس کے درمیان آئے ہیں؟ بعض نے کہا ہے کہ مخاطب عرب ہیں کہ آپ اہل عرب کے درمیان بھیجے گئے تھے۔لیکن قول محقق یہ ہے کہ خطاب ساری نوع انسان سے ہے۔آپ کی بعثت تنہا عرب کی جانب نہیں، سارے عالم کی جانب تھی۔قال الزجاج هى مخاطبة لجميع العالم و المعنى لقدجاء كم رسول من البشر (قرطبی) يريد الله بشر مثلكم (کبیر) قيل الخطاب للبشر على الاطلاق (روح) يحتمل ان يكون خطاباً لبنى ادم (بحر) مشرک قوموں اور مشرک مزاج گروہوں کی سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ منصب رسالت پر کوئی بشر کیسے مامور ہوسکتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کی بشریت پر بار بار زور دینا اسی عام گمراہی کے رد میں ہے۔ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ الخ۔ مرشد تھانوی علیہ نے فرمایا کہ یہ صفات ہیں جناب رسول اللہ ﷺ کے۔اور چونکہ شیخ مربی بھی رسول ہی کا نائب ہوتا ہے۔ اس لیے یہ صفات شفقت علی الخلق اُس میں بھی ہونے ضروری ہیں۔ و۲۴۱ جب آپ کی شفقت ساری خلق اللہ کے لیے تھی اور آپ کے دل میں درد نوع انسانی کے لیے تھا تو خاص مومنین کے ساتھ آپ کے درجۂ رافت و کرم اور شفقت و تعلق قلب کا کہنا ہی کیا! و۲۴۲ (اور عرش عظیم موجودات میں سب سے اعظم ہے تو جو اس کا مالک ہے، اس کی تحت اور ملک کامل میں اور سارے موجودات عالم کا ہونا بالکل ظاہر ہے) فيدخل فيه مادونه اذا ذكره (قرطبی) خص العرش لانه اعظم المخلوقات (بحر) فَاِنۡ تَوَلَّوۡا۔ یعنی یہ لوگ یہ سب کچھ جاننے، سمجھنے اور سننے کے بعد بھی اگر انکار پر قائم رہیں۔ حَسۡبِىَ اللّٰهُ۔ یعنی میرا حافظ و ناصر تو وہی مولیٰ حقیقی ہے مجھے تمہارے اعراض و انکار سے ضرر کیا؟ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ۔ یعنی میرا تکیہ اُسی ذاتِ عظیم پر ہے نہ کہ اپنے نفس پر یا کسی اور ذات کے اُوپر۔ و۱ (اور اس لیے ہر طرح واجب الاحترام ہیں) الٓرٰ۔ حروف مقطعات پر حاشیہ آغاز پارہ الٓمّٓ۔ میں گزر چکا۔ الٓرٰ۔ کو یہاں ابن عباس صحابی رضی اللہ عنہ اور ضحاک تابعی نے انا الله ارٰی کا مخفف قرار دیا ہے۔(ابن جریر) اَلۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ۔ یعنی ایسی کتاب جو پختہ اور پکی اپنے الفاظ و معانی، علوم و احکام، اخبار و قصص، ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے ہے اور ہر طرح کلام الٰہی مانے جانے کے قابل ہے۔ حکیم محکم کے معنی میں ہے جیسے الیم مؤلم کے معنی میں آتا ہے۔و معنى الحكيم فى هذا الموضع المُحكم صُرِفَ مُفۡعِل الى فعيل كما قيل عذاب اليم بمعنى مُؤلِم (ابن جریر) تلک یہاں هذا کے مرادف ہے اور ایات سے مراد آیاتِ قرآنی ہیں۔ذٰلک پر جو حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔و اولى التاويلين فى ذالک بالصواب تاويل من تاوّله هذه ايات القرٰان و وجه معنى تلک الى معنى هذه (ابن جریر) قال الضحاک وغيره اى هذه ايات القران المحكم المبين (ابن کثیر)

عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ

حیرت ہے کہ ہم نے انہیں میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ لوگوں کو

النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ

ڈرایئے اور جو ایمان لے آئیں ان کو خوشخبری سنایئے کہ ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس

عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ

اونچا مرتبہ ہے و۲ کافر کہتے ہیں کہ یہ (شخص) تو کھلا ہوا

مُّبِيْنٌ ﴿٢﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

جادوگر ہے و۳ بے شک تمہارا پروردگار اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں

وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش (حکومت) پر مستوی ہوا

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ

(ہر) کام کی تدبیر (وہی) کرتا ہے و۴ کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے مگر ہاں بعد اس کی اجازت کے و۵

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣﴾ اِلَيْهِ

یہی تو اللہ ہے تمہارا پروردگار، سو اسی کی عبادت کرو و۶ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے و۷ تم سب کو

مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا

اسی کی طرف لوٹنا ہے اللہ نے سچا وعدہ کر رکھا ہے، بیشک اسی نے خلق

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

کو پہلی بار پیدا کیا ہے پھر وہی اس کو دہرائے گا تا کہ انصاف کے ساتھ ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور جنہوں نے

الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ

نیک عمل کئے و۸ اور جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا ان کے لئے پینے کو

و۲ دنیا، شرک پسند دنیا دیوی و دیوتاؤں کو تو مان لیتی ہے، اوتار اور مظہر ربانی کے عقیدہ کو بھی بہ آسانی قبول کر لیتی ہے لیکن بشر کا بشر رہ کر رسول ہو جانا یہ کسی طرح اس کی سمجھ میں نہیں آتا...... قرآن مجید کہتا ہے کہ ان کا اس عقیدہ پر حیرت کرنا یہ خود بڑی حیرت کی بات ہے۔ لِلنَّاسِ۔ الناس سے مراد دنیا کی اکثریت ہے جو اوہام مشرکانہ میں گرفتار ہے۔ مفسرین نے کفار عرب مراد لی ہے۔ المراد بالناس كفار العرب (روح) اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ۔ یعنی محمد ﷺ کے پاس...... محض ایک شخص کے پاس، ایک مرد کے پاس!...... جاہلی دماغ انسان کو خدا مان لے گا، خدا کا بیٹا مان لے گا، خدا کا اوتار مان لے گا لیکن نہ مانے گا تو انسان کو رسولِ خدا! اى الى بشر من جنسهم (روح) ان يعجبوا من ان يجعل الله بشرًا رسولًا (کبیر) اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا۔ پیمبر کے اصلی فرائض یہی دو ہیں۔ ایک انذار دوسرے تبشیر۔ قَدَمَ صِدْقٍ۔ یعنی درجۂ عالی۔ قال الزجاج درجة عالية ومنزلة رفيعة (بحر) و۳ مشرکین عرب اپنے قدیم تر جاہلی قوموں کی طرح اپنے پیمبر کے پیام کی اعجازی کیفیت و تاثیر کو بس سحر ہی پر محمول کر سکتے اور یہی کرتے۔ اور آج جاہلیت جدید کے علمبردار بڑے بڑے ”دانایانِ فرنگ“ بھی اس کے سوا کیا کر رہے ہیں۔ حیرت انگیز، محیر العقول محمدی ﷺ کامیابیوں اور فتح مندیوں سے تو انکار کر ہی نہیں سکتے بس تعبیر یہ کرنے لگتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) ساری اسکیمیں کسی بڑے ”چالاک دماغ“ کا نتیجہ تھیں۔ و۴ (سورۂ یونس کی ہے۔ اب تک سورتیں (زیادہ تر) مدنی تھیں، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، صوم، جہاد، میراث، نکاح، طلاق وغیرہ احکام فقہی و تفصیلاتِ شریعت سے لبریز۔ اب اس سورۃ میں عام مکی سورتوں کی طرح بیان عقائد ہی کا شرح و تفصیل کے ساتھ ہوگا، توحید، رسالت، معاد وغیرہ، آیت میں متعدد صفات الٰہی کا اثبات کیا جا رہا ہے، مثلاً یہ کہ وہی خالق ہے، ساری کائنات کا وہی خالق ہے، وہی حاکم و آمر ہے، زمین و آسمان سب میں احکام اسی کے جاری و ساری ہیں۔ رَبَّكُمْ۔ رب پر حاشیہ سورۂ فاتحہ رب العالمین کے تحت میں گذر چکا یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ سب کا حاکم و خالق ہی نہیں، سب کو تربیت دینے والا، سب کو پستی سے بلندی تک، ضعف سے کمال تک پہنچانے والا بھی وہی ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ اس میں دہرے دہرے مشرکانہ مغالطوں کی تردید ہے۔ پہلی بات تو یہی کہ یہ آسمان و زمین خود آفریدہ نہیں، مخلوق ہیں، کسی کے پیدا کرنے سے وجود میں آئے ہیں، خود بخود نہیں آگئے ہیں، دوسری بات یہ بتا دی کہ ان سب کا خالق اللہ ہی ہے۔ کوئی دیوی دیوتا نہیں۔ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ یوم پر حاشیہ سورۂ اعراف میں گزر چکا۔ یوم سے مراد ۲۴ گھنٹہ والا دن نہیں۔ ذکر وقت آفرینش عالم کا ہو رہا ہے۔ جب یہ ”دن“ ”رات“ اور ان کی تقسیم کا وجود ہی کہاں تھا۔ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ عرش اور استوٰی دونوں پر حاشیے گزر چکے ہیں۔ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ مراد یہ ہے کہ خالق کل ہونے کے ساتھ حاکم کل بھی وہی ہے۔ خلق کے بعد وہ معطل ہو کر نہیں بیٹھ رہا ہے (جیسا کہ بہت سی جاہلی قوموں کا اعتقاد ہے) بلکہ چھوٹے بڑے ہر کام کا انتظام بھی اسی کی مشیت کر رہی ہے۔ قال مجاهد يقضيه ويقدره وحدهٗ (قرطبی) و۵ یعنی مستقل منصب شفاعت رکھنے والا (MEDIATOR) تو کوئی بھی نہیں۔ ہاں اللہ ہی اپنے جس کسی مقرب و مقبول بندہ کو جس حد تک اور جن حالات میں جس کے لئے چاہے اجازت شفاعت دے دے۔ تو اصل اور مقدم شے شفاعت نہیں۔ بلکہ اذن شفاعت ہوئی۔ اذن کے لفظ نے پورا یہ مفہوم ادا کر دیا کہ اصل حاکم متصرف و مختار تو بس وہی ہے۔ شفاعت ہونے دینا اور نہ ہونے دینا سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں جاہلی مشرک قوموں کا رد تو خیر ہے ہی، پوری تردید مسیحیت کی بھی آگئی ہے کہ موجودہ مذہب مسیحی کا دار و مدار ہی عقیدہ شفاعت و کفارہ پر ہے۔ عربی شرک میں بھی دیوتاؤں کے شفیع ہونے کا عقیدہ بہت زیادہ گھسا ہوا تھا۔ و۶ (اور اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کرو) اى وحدوه واخلصوا له العبادة (قرطبی) و۷ (اور اب تک اپنی مشرکانہ گمراہیوں پر مصر ہو) و۸ انصاف سے جزا دینے کے معنٰی یہ ہیں کہ جو اجر و انعام موعود ہے، اس میں کمی ذرا بھی نہ کرے اور اس سے زائد اپنے فضل و کرم سے جتنا چاہے عطا کر دے۔ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ۔ ابتداء میں یہ بات بھی آگئی کہ خلق کی پیدائش عدم محض سے ہوئی ہے، کسی مادہ وغیرہ سے نہیں، جیسا کہ بعض مشرک فرقے اب تک سمجھ رہے ہیں۔

مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۴ هُوَ

کھولتا پانی اور عذاب دردناک ہے بہ سبب اس کے کہ کفر کرتے رہتے تھے، وہ (اللہ)

الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ

وہی ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن ف۹ اور اس کے لئے منزلیں

مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا

مقرر کر دیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب جان لیا کرو ف۱۰ اللہ نے

خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

یہ (چیزیں) بے مقصد نہیں پیدا کی ہیں وہ نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے، ان لوگوں کے لئے

يَّعْلَمُوْنَ ۝۵ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا

جو علم رکھتے ہیں ف۱۱ بیشک رات اور دن کے الٹ پلٹ میں اور اللہ نے

خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان (سب) میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو (اللہ سے)

يَّتَّقُوْنَ ۝۶ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا

ڈرتے رہتے ہیں ف۱۲ بیشک جن لوگوں کو ہماری ملاقات کا کھٹکا ہی نہیں ف۱۳ اور وہ

بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا

دنیوی زندگی پر راضی ف۱۴ ہو گئے اور اسی سے جی لگا بیٹھے ہیں ف۱۵ اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے

غٰفِلُوْنَ ۝۷ لا اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸

(بالکل) بے پروا رہتے ہیں ف۱۶ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے بہ سبب اس کے جسے وہ کرتے دھرتے رہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے ان کا پروردگار انہیں پہنچا

ف۹ یہاں یہ بتادیا کہ آفتاب میں ضیاء اور چاند میں نور رکھنا سب اسی قادر مطلق حکیم علی الاطلاق کا کام ہے، نہ کہ کسی دیوی دیوتا کا، اور نہ خود ان اجرام فلکی نے اپنے آپ میں یہ صفات پیدا کر لی ہیں۔ شمس پرستی اور قمر پرستی دنیا میں بہت عام رہی ہے اور اب تک ہے۔ مزید تفصیل کے لئے تفسیر انگریزی کے حاشیے ملاحظہ ہوں۔ ضِيَآءً۔ وہ روشنی ہے جو اپنی ذاتی، مستقل حیثیت رکھتی ہو۔ نُوْر وہ روشنی ہے جو ضیاء سے مستعار ہو۔ اس کا انعکاس ہو۔ قرآن مجید نے (چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے عرب کے ایک امی ﷺ کے لائے ہوئے قرآن نے) دو لفظ الگ الگ لا کر جدید سائنس کے اس بیان پر مہر تصدیق لگا دی کہ چاند بذات خود بے نور ہے، اس میں چمک دمک جو کچھ ہے وہ سورج کے عکس سے ہے۔ ف۱۰ یہاں یہ حقیقت ظاہر کر دی کہ اللہ نے ان اجرام فلکی کو خود انسان کی خدمت وراحت ونفع رسانی کے لئے پیدا کیا ہے تو انسان کی یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ وہ الٹی انہی کی پوجا شروع کر دیتا ہے! قَدَّرَهٗ۔ ضمیر مذکر قمر کی جانب ہے۔ یعنی چاند کی چال کے لئے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ مَنَازِلَ۔ منزل سے مراد وہ مسافت ہے جو کوئی کوکب شب و روز میں قطع کرے۔ چاند کی منزلیں ۲۹ یا ۳۰ ہیں۔ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ۔ کو قدرہ سے متعلق رکھنے سے منشائے خداوندی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وقت وزمانہ کا حساب کتاب تقویم قمری ہی کے مطابق رکھا جائے۔ ف۱۱ (اور ہر چیز سے معرفت حاصل کرتے رہتے ہیں) اِلَّا بِالْحَقِّ۔ کل مقاصد ومصالح تو خدا معلوم کتنے ہوں۔ سب سے بڑا اور کھلا ہوا مقصد یہ ہے کہ انسان ان کے قوانین کی یک رنگی اور ان کے ضوابط کا نظام دیکھ کر توحید باری اور رد شرک پر استدلال کرے۔ ای ما اراد الله بخلق ذالک الا الحکمة والصواب واظهار الصنعة وحکمة ودلالة علی قدرته وعلمه (قرطبی) ف۱۲ (اور برائیوں سے بچتے رہتے ہیں) لَاٰيٰتٍ۔ اور سب سے بڑا نشان ہے مخلوقات کے عاجز، فانی اور محکوم ہونے پر اور اللہ کی صنعت، قدرت، تصرف وحکومت پر استدلال۔ لِقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ۔ یہ دلائل ہیں تو ساری ہی خلقت کے لئے۔ لیکن ان سے نفع یاب وہی ہوں گے جو اہل تقویٰ ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ آیت اگر آیت ماقبل کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے تو اس سے ہیئت، حساب اور دیگر علوم طبعیات کے سیکھنے کا جواز ثابت ہوگا۔ لیکن قید اتقاء نے ان تمام علوم کو اصلاح معاد ومعاش تک بہ شرط اتباع شریعت محدود کر دیا ہے۔ ف۱۳ یا "جن لوگوں کو ہماری ملاقات کی امید ہی نہیں۔" رجاء لغات اضداد میں سے ہے، اس کے معنیٰ "اندیشہ" اور "امید" دونوں کے ہیں۔ اور مطلق توقع کے بھی۔ الرجاء یطلق علیٰ توقع الخیر وعلی الخوف وتوقع الشر وعلیٰ مطلق التوقع (روح) بہر حال آخرت سے غفلت ہر صورت میں مشترک ہے، اور انسان کی گمراہی کا پہلا زینہ عموماً یہی آخرت سے غفلت ہی ہوتی ہے۔ ف۱۴ (اور اس لئے آخرت کی طلب ہی نہیں رکھتے، اسی دنیوی زندگی میں مگن ہیں) گمراہی کی یہ دوسری منزل ہوئی۔ ف۱۵ (اور مادی زندگی پر شاد وشادمان ہو کر آخرت کی طرف سے بالکل ہی بے پروا ہو بیٹھے ہیں) گمراہی کی یہ تیسری منزل ہوئی۔ پہلے تو یہ ہوتا ہے کہ نعمت آخرت کی تمنا وطلب دل سے مٹ جاتی ہے اور پھر یہ ہو جاتا ہے کہ اپنے انجام وفنا کی طرف بھی خیال نہیں جاتا۔ اسی دنیوی زندگی کی دلچسپیوں اور رنگینیوں میں ایسا انہماک ہو جاتا ہے۔ کہ "اوپر" کی کھٹک کبھی کبھی بھی نہیں پیدا ہوتی۔ ف۱۶ یعنی روزمرہ کی غفلت وبے حسی، بے پروائی کے علاوہ ایسی نشانیاں جو خاص طور پر چونکا دینے والی ہوتی ہیں۔ مثلاً قحط، زلزلہ، وبا، جنگ عمومی، ناگہانی مالی وجانی صدمات، یہ تک بھی انہیں بیدار نہیں کرتے۔ اور یہ بدستور فکر آخرت کی طرف سے بے پرواہی رہتے ہیں...... شامت زدہ انسان کی ضلالت کا یہ چوتھا اور بالکل آخری مرتبہ ہے! اور افسوس ہے کہ ذکر وفکر آخرت کی طرف سے یہی بے اعتنائی اور دنیوی ساز وسامان اور مادی علوم وفنون وصنائع کی طرف یہی انہماک اور شدت التفات تہذیب فرنگی کا جزء اعظم ہیں! "مہذب" اور "اعلیٰ" سوسائٹی میں دوزخ وجنت برزخ اور وقت نزع کا کسی کی زبان پر نام تک نہ آنے پائے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی)

رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ

دے گا (ان کی منزل تک) بوجہ ان کے ایمان کے ان کے نیچے نہریاں بہ رہی ہوں گی

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٩﴾ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ

عیش (ومسرت) کے باغوں میں و١٧ اسی میں ان کا قول ہوگا، پاک ہے تو اے اللہ و١٨

وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ

اور اس میں ان کی (باہمی) دعا "سلام" ہوگی و١٩ اور ان کی آخری بات ہوگی کہ ساری تعریف

لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠﴾ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ

اللہ پروردگار عالمین کے لئے ہے و٢٠ اور اگر اللہ لوگوں پر برائی واقع کر دیا کرتا،

اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ

جس طرح وہ بھلائی کی جلدی مچاتے ہیں تو ان کی میعاد (کبھی کی) پوری ہو چکی ہوتی و٢١ لیکن ہم ان لوگوں کو

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١﴾

جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑے رکھتے ہیں و٢٢

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا

اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے۔ لیٹے بھی اور بیٹھے بھی

اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ

اور کھڑے بھی و٢٣ پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اسے

اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا

پہنچی ہے اس کے لئے ہم کو پکارا ہی نہ تھا و٢٤ اسی طرح فضول کاروں کو ان کے اعمال خوشنما

يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا

کر دکھائے جاتے ہیں و٢٥ اور بالیقین ہم تم سے قبل (بہت سی) نسلوں کو ہلاک کر چکے ہیں جبکہ

ع ١ / ٦

و١٧ جنت تک اصلی رہنمائی کرنے والی شے ایمان ہے۔ نقطۂ آغاز یہی ہے۔ اعمال صالحہ اس میں صرف معین ہو جاتے ہیں اسی لیے یَهْدِيْهِمْ کے ساتھ ذکر صرف ایمان کا کیا گیا یَهْدِيْهِمْ۔ انہیں پہنچا دے گا ان کی منزل تک اور خود منزل سے مراد جنت ہے۔ يهديهم بسبب ايمانهم الى ماواهم ومقصدهم وهى الجنة (روح) قال ابوروق يهديهم ربهم بايمانهم الى الجنة (قرطبی) و١٨ یہ نعرہ بے اختیار اس وقت زبانوں پر آئے گا جب وہ عجائبات جنت کا دفعۂ معائنہ کریں گے (حسب تفسیر تھانوی علیہ الرحمۃ) و١٩ یہ اس وقت جب وہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے، ملیں گے اور باہم مخاطب ہوں گے۔ (حسب تفسیر تھانوی علیہ الرحمۃ) اے يحيى بعضهم بعضاً بالسلام (معالم) و٢٠ یہ اس وقت جب وہ اطمینان سے وہاں بیٹھ لیں گے، اور دنیا کی فانی لذتوں کا مقابلہ وہاں کے دائمی عیش و سرور سے کریں گے۔ (حسب تفسیر تھانوی علیہ الرحمۃ) دَعْوٰىهُمْ۔ دعوٰی یہاں دونوں موقعوں پر دعا، یا پکار کے معنٰی میں لیا گیا ہے۔ دعوٰهم اى دعائهم (قرطبی) آیت سے معلوم ہوا کہ خالق کی تسبیح اور خلق کے سلام سے مدارج بلند ہوتے ہیں۔ اور آخر میں منزل ادائے شکر کی آتی ہے۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت میں ذکر و عبادت بہ طور شعار و عادت ہوگا۔ تکلیف و جہد کا وجود نہیں۔ ورنہ صبر و مشقت کا ذکر بھی ضرور ہوتا۔ بعض صوفیۂ عارفین نے اٰخر دعوٰهم الخ سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ عاشقان صادق کے لئے آخرت میں حجاب لذات بھی حائل نہ ہوگا۔ و٢١ (اور یہ کبھی کے ختم ہو چکے ہوتے) لَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ۔ مشرکین مکہ نے کہا یہ نبی اگر سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برسا دیتے۔ جواب ملتا ہے کہ اگر کہیں اللہ کا معاملہ ان کے ساتھ عذاب کے باب میں بھی اسی عجلت کا ہوتا جس کی توقع یہ باب رحمت میں رکھتے ہیں تو اب تک ان کا قلع قمع ہی ہو گیا ہوتا۔ قيل المعنى لو فعل الله مع الناس فى اجابته الى المكروه مثل ما يريد ان فعله معهم فى اجابته الى الخير لا هلكهم (قرطبی) بِالْخَيْرِ۔ یعنی جس طرح کی عجلت وہ ثواب و رحمت کے موقع پر چاہتے ہیں یا جس طرح خیر و رحمت کے موقع دعا پر حق تعالیٰ کا دستور ہے۔ اے كما يحبون استعجالهم بالخير (معالم) اے كما يستجيب لهم اذا دعوا لانفسهم اولاموالهم اولاولادهم بالخير (ابن کثیر) و٢٢ (کہ فوراً عذاب لے آنا حکمت تکوینی کے منافی ہے) و٢٣ یعنی ہر حال میں اور ہر وضع کے ساتھ ہم کو پکارتا رہتا ہے۔ شدت اضطراب و اضطرار میں ناشکرا انسان بھی توجہ الی اللہ میں لگ جاتا ہے۔ اَلْاِنْسَانَ۔ انسان سے یہاں مراد ناشکرا کافر انسان ہے۔ قيل المراد بالانسان هنا الكافر (قرطبی) و٢٤ یعنی ادھر مصیبتیں دور ہوئیں، ادھر غافل انسان پھر غفلتوں کا شکار ہو گیا۔ انما اراد جميع حالاته (قرطبی) اے فى حال اضطجاعه وقعوده وقيامه وفى جميع احواله (ابن کثیر) و٢٥ عارفین نے اسی لئے ہمیشہ بڑے تضرع و ابتہال کے ساتھ دعائیں مانگی ہیں کہ اے اللہ ہم کو حق ہمیشہ حق ہی کی صورت میں اور باطل ہمیشہ باطل ہی کی شکل میں دکھا۔

ے آب خوش را صورتِ آتش مدہ!

و۲۶ (بہ وجہ اپنی غایت قساوت قلب وعناد کے) مراد یہ ہے کہ جب بعثت رسل اور ان کافروں کی طرف سے ان کی تکذیب کے بعد حجت ان پر پوری طرح ثابت ہو چکی تھی تو اب مزید تاخیر وامہال سے کوئی نتیجہ ہی نہ تھا۔ لَمَّا ظَلَمُوْا۔ اس ظلم کے تحت میں کفروشرک کے جملہ اقسام آگئے۔ نیز حدود شرعی سے تجاوز اور بدنی ومالی حق تلفیاں۔ بِالْبَیِّنٰتِ۔ اس میں اللہ کی توحید اور پیمبروں کی صداقت پر ہر قسم کے دلائل اور معجزات وغیرہا آگئے۔ لِیُؤْمِنُوْا۔ میں ل تاکید نفی کے لئے ہے۔ واللام لتاکید النفی (مدارک۔ بیضاوی) **و۲۷** یعنی آیا ویسے ہی کفروشرک میں لگے رہتے ہو یا ایمان لے آتے ہو۔ لِنَنْظُرَ۔ یعنی ظاہری طور پر بھی تمہاری جانچ کرلیں۔ **و۲۸** (کہ ہمارے مسلک کے خلاف اس میں کوئی مضمون باقی نہ رہے) ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ۔ مخاطب ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ آپ ہی کو جاہلیت عرب کے بڑے بڑے "روشن خیال" جاہلیت فرنگ کے "روشن خیالوں" کی طرح قرآن کا مصنف خیال کرتے تھے اور اس لئے قدرۃً فرمائش بھی آپ ہی سے کرتے تھے کہ یا تو اپنی کوئی دوسری تصنیف سنائیے یا کم از کم اسی تصنیف میں ہمارے نقطۂ نظر سے مناسب کانٹ چھانٹ کردیجیے۔ **و۲۹** یہ ایک بار پھر اس حقیقت کا تصریحی اعادہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف حامل شریعت ہیں، بانی شریعت نہیں۔ احکام الٰہی کا اتباع آپ پر بھی اسی درجہ میں ضروری تھا جتنا کسی اور فرد بشر پر۔ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ۔ یعنی تمہاری اس فرمائشی ترمیم پر عمل کرنا میری بساط سے باہر ہے۔ فقہا نے یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ بدعت حرام ہے۔ دین میں نئی بات پیدا کرنے کا حق جب پیمبر معصوم ﷺ تک کو حاصل نہ ہوسکا تو کسی غیر معصوم کو کب اس کا حوصلہ ہوسکتا ہے...... اور علماء حق نے یہ جو لکھا ہے کہ سنت بعض حالات میں قرآن کی ناسخ ہوجاتی ہے۔ سو "نسخ" سے ان کی مراد ترمیم وتبدیل ہرگز نہیں کہ یہ تو بالاتفاق حرام ہے۔ "نسخ" سے ان کی اصطلاح میں مراد صرف اس قدر ہے کہ قرآن میں جو حکم مجمل تھا۔ سنت نے اس کی تفصیل کردی۔ اور جس باب میں اجمال تھا اس کی تصریح کردی۔ یا یہ کہ جو حکم موقت تھا اور اس کا موقت ہونا ہم پر مخفی تھا، اسے واضح کردیا۔ اور پھر جو سنت کسی معنی میں بھی قرآن کو "نسخ" کرتی ہے وہ بھی رسول ﷺ کی اپنی رائے وفہم کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ وہ بھی وحی الٰہی ہی ہوتی ہے۔ ان نسخ القران لا یجوز عندنا الا بسنة هی وحی من قبل الله قال الله وما ینطق عن الهوٰی ان هو الا وحی یوحی فنسخ حکم القران بالسنة انما هو نسخ بوحی الله لامن قبل النبی ﷺ (جصاص) فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ کسی حاکم یا قاضی کے لیے جائز نہیں کہ کسی کی رعایت سے یا نفع کی خاطر کسی شرعی حکم کو متروک اور مسکوت عنہ قرار دے دے۔ البتہ فتنہ اور خوف حاکم سے سکوت کی گنجائش نکالی ہے۔ پیر پرستی بلکہ پیرزادگی پرستی میں مبتلا حضرات غور کریں کہ معاذ اللہ رسول معصوم ﷺ تک امکان عذابِ آخرت سے خائف ہورہے ہیں۔ ایسے حال میں کسی شیخ یا کسی شیخ کی اولاد کو بہر حال مامون ومحفوظ سمجھتے رہنا تعلیماتِ اسلام پر کیسا ظلم صریح ہے! **و۳۰** "روشن خیالان" عرب کی اسی فرمائشی ترمیم کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کے جواب کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔ (۱) اپنی عمر کے ۴۰۔ ۴۵ سال تمہاری آنکھوں کے سامنے گزار چکا ہوں۔ میرے تدین، راستبازی، صداقت شعاری پر تم سب گواہ ہو کبھی کسی خفیف معاملہ میں بھی کذب و افتراء سے مجھے کام لیتے تم نے دیکھا یا سنا ہے؟ پھر جب یہ نہیں، تو اتنے بڑے افتراء کی کہ اپنے کلام کو خدا کا کلام کہہ کر پکاروں، آخر مجھے جرأت ہو ہی کیونکر سکتی ہے؟ تمہاری عقلیں اس احتمال ہی کو کیسے تسلیم کررہی ہیں؟ (۲) تمہارے درمیان اپنی عمر کا اتنا بڑا حصہ میں گزار چکا۔ میری ایک ایک خو بو سے تم واقف ہوچکے۔ میری بولی، میرے انداز کلام کو تم خوب اچھی طرح جان چکے، پہچان چکے۔ تمہیں قرآن میں اور میرے کلام میں کوئی فرق نظر نہیں آتا؟ میں چاہوں بھی تو قرآن جیسے ممتنع النظیر کلام پر کب قادر ہوسکتا ہوں؟ اب تک میرا کوئی کلام اس ٹکر کا جب نہ ہوا، تو آج کیسے ہوا جارہا ہے؟ قرآن کا یہ استدلال اپنے کلام الٰہی ہونے پر پورا وزن دار اُس وقت بھی تھا۔ پھر جس وقت سے احادیث رسول مدون ہوگئیں اُس وقت سے تو اس دلیل میں اور زیادہ جان پڑگئی ہے حدیثوں کے چھوٹے بڑے مجموعہ ایک دو کی نہیں، بیسیوں کی تعداد میں آج سے نہیں صدیوں سے شائع چلے آرہے ہیں۔ کیا عقل کے اندھوں کو اتنا نظر نہیں آتا کہ جو زبان بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ کی ہے وہ قرآن کی ہے یا ہوسکتی ہے؟...... زبان، انداز بیان اسلوب کلام، نوعیت تراکیب کا اتنا نمایاں وواضح فرق بھی کیا شام، مصر، فلسطین، عراق وغیرہ کے اہل زبان یہود ونصرانیوں کو نہیں سجھائی دیتا؟ اَدْرٰىكُمْ۔ میں ضمیر فاعلی حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ اے لا اعلمکم الله (قرطبی) بعض نے رسول کی طرف بھی سمجھی ہے۔ مقصد ومآل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔

ظَلَمُوْا ۙ وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ مَا كَانُوْا

انہوں نے ظلم کیا درآنحالیکہ ان کے پاس ان کے پیمبر کھلے دلائل کے ساتھ آتے رہے اور وہ ایسے تھے ہی نہیں

لِیُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ

کہ ایمان لے آتے ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں مجرم لوگوں کو **و۲۶** پھر

جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ

ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین پر نائب کیا تاکہ ہم دیکھیں

كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ

کہ تم کیسے عمل کرتے ہو **و۲۷** اور جب انہیں ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں

قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ

تو جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کوئی کھٹکا نہیں ہے کہنے لگتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ

اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ

یا اسی میں ترمیم کردو، **و۲۸** آپ کہہ دیجیے میں یہ نہیں کرسکتا کہ اس میں اپنے جی سے ترمیم

نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ

کردوں میں تو بس اسی کی پیروی کروں گا جو میرے پاس وحی سے پہنچتا ہے اگر میں اپنے

اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ

پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں یوم عظیم کے عذاب سے ڈرتا ہوں **و۲۹** آپ کہہ دیجیے کہ اگر

شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَ لَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۫ فَقَدْ

اللہ کی مشیت (یہی) ہوتی تو میں نہ تم کو یہ (کلام) پڑھ کر سنا سکتا اور نہ (اللہ) تم کو اس کی اطلاع کرتا، اور پھر میں تو

لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

تمہارے درمیان اس کے قبل بھی اتنے حصۂ عمر تک رہ چکا ہوں کیا تم عقل سے کام (ہی) نہیں لیتے، **و۳۰**

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ

اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی

بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ

نشانیوں کو جھٹلائے، یقیناً مجرموں کو فلاح نہیں ہوتی، ف۳۱ یہ اللہ کے سوا (ایسی چیزوں کی)

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ

عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں، اور کہتے ہیں کہ

هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا

یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو

لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِى الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ

(اللہ کو) معلوم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں ف۳۲ وہ پاک

وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ

اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے ف۳۳ اور انسان تو ایک ہی طریقہ پر

اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

تھے۔ پھر انہوں نے اختلاف کیا اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے نہ

مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِىَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

ٹھیر چکی ہوتی تو ان کے درمیان اس باب میں جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں فیصلہ کر دیا گیا ہوتا ف۳۴

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا

اور یہ کہتے ہیں کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں نازل ہوتا ف۳۵ سو آپ کہہ دیجیے

الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع

کہ غیب (کی خبر) تو بس اللہ ہی کو ہے، سو انتظار کرو میں (بھی) تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ف۳۶

ف۳۱ یہاں یہ بتایا کہ اپنے دل کی گڑھی ہوئی چیزوں کو وحی الٰہی قرار دے دینا اور آئی ہوئی وحی الٰہی کی تکذیب دونوں یکساں اور شدید ترین جرائم ہیں اور فلاح ایسے مجرموں کے نصیب میں نہیں۔ ف۳۲ اس آیت میں تمام مشرک قوموں کے معبودانِ باطل کی بے حقیقتی بیان کی ہے اور ان کا یہ جھوٹا عذر بھی کہ ہم ان دیویوں دیوتاؤں کو کچھ مستقلاً متصرف فی الکائنات اور خدا تھوڑے ہی مانتے ہیں ہم تو ان کی حیثیت مستقل شفیع کی مانتے ہیں۔ عرب کے مشرکین کی طرح یہی عقیدہ عیسائیوں کا بھی ہے۔ مسیح پرستی کے سلسلہ میں تو کھلا ہوا اور سب کا اور اولیاء پرستی کے سلسلہ میں اُن کے فرقہ کیتھولک کا۔ اولیاء کو وہ شفعاء ہی ٹھیراتے ہیں۔ ہمارے زمانہ کے اہل بدعات کا بھی کچھ ایسا ہی عقیدہ ہے کہ اگر قبور اکابر کی تعظیم مفرط کی جائے گی تو یہ اکابر صالحین اپنے پرستاروں کے حق میں شافع و شفیع بن جائیں گے۔ اور ہر طرح عذاب الٰہی سے اُن کے آڑے آجائیں گے اور یہ بلا اس اُمت پر آج سے نہیں۔ کم از کم امام رازی علیہ رحمۃ اللہ (متوفی ۶۰۶ ہجری) کے زمانہ سے تو ضرور مسلط ہے۔ و نظيرهٗ فى هٰذا الزمان اشتغال كثير من الخلق بتعظيم قبور الاكابر على اعتقاد انهم اذا عظموا قبورهم فانهم يكونون شفعاء لهم عندالله (کبیر) اور ظاہر ہے کہ جو چیز اللہ کے علم میں نہیں تو اس کا وجود ہی باطل ہے۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اللہ کے حدود علم سے خارج کون سی چیز ہے؟ آیا ان ''معبودوں'' کا شفیع ہونا یا ہر شفیع کے لیے مرتبہ معبودیت کا لزوم؟ جواب یہ ہے کہ دونوں۔ استدلال مشرکین کے صغریٰ اور کبریٰ دونوں ہی مہمل تھے ف۳۳ (اور ایک گروہ اُن میں کا شرک میں مبتلا ہو گیا) كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ یعنی ابتداءً سب کے سب موحد تھے۔ قرآن ان کھلے ہوئے الفاظ میں دین میں ''ارتقاء'' کی قطعی تردید کر رہا ہے۔ ابتداءً صرف دین توحید ہی تھا۔ اس کے بعد ارتقاء کے نہیں، انحطاط کے اثر سے شرک اور بت پرستی کی مختلف صورتیں ظہور میں آنے لگیں۔ چنانچہ اب جدید ترین ماہرین علم الاصنام و ماہرین اثریات پروفیسر (Schmidt) (اشمٹ) پروفیسر (Langden) (لینگڈن) سر چارلس مارسٹن وغیرہ سب تسلیم کر رہے ہیں۔ اور ''ارتقاء عقیدۂ توحید'' کا وہ نظریہ جو انیسویں صدی کے آخر میں بہ طور فیشن کے چلا ہوا تھا علمی دنیا میں اب خود ہی متروک ہو گیا ہے۔ ف۳۴ یعنی عذاب موعود جو عملی فیصلہ ہے اسی دنیا میں نازل ہو گیا ہوتا۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ۔ کلمة سے مراد یہ وعدہ یا حکم ہے کہ پورے عذاب کے لیے انہیں مہلت آخرت تک کی ملے گی۔ اشارة الى القضاء والقدر اى لولا ما سبق فى حكمه (قرطبی) الكلمة هنا هو القضاء و التقدير لبنى ادم بالاجال الموقتة (بحر) ف۳۵ (ہمارے فرمائشی نشانوں اور معجزات میں سے) پیمبر کی زندگی تو سرتاپا معجزہ ہی ہوتی ہے اُس کی ایک ایک بات سے خدائی روح ٹپکتی رہتی اور قدم قدم پر اُس کے اور عام مخلوق کے درمیان فرق نمایاں رہتا ہے۔ ع رُوئے و آواز پیمبر معجزہ ست لیکن یہ سب صرف اہل بصیرت کے لیے ہے۔ باقی معاندین، جہلاء ہر زمانہ میں مخصوص فرمائشیں کر کر کے فلاں فلاں متعین مادی معجزات کی طلب کرتے رہے ہیں، فلاں پہاڑ سونے کا ہو جائے، فلاں فلاں کھانوں کا خوان آسمان سے نازل ہو جائے، آسمان کا ٹکڑا ٹوٹ کر زمین پر گر پڑے۔ وقس علیٰ ہذا۔ چنانچہ یہاں بھی اٰية سے مراد اسی قسم کے متعین فرمائشی معجزات ہیں۔ اى من الأيات التى اقترحوها (بیضاوی) يَقُوْلُوْنَ۔ یہ طلب ہی تحقیق حق کی راہ سے نہیں۔ عناد و تعریض کے طور پر تھی۔ ورنہ اگر دل میں ذرا بھی طلب صحیح ہوتی تو سیرت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ایک ایک جزئیہ معجزہ تھا، ہر دوسرے اور خارجی معجزہ سے مستغنی کر دینے والا۔ ولعمرى لو انصفو الاستغنوا من كل اٰية غيره عليه الصلوٰة والسلام فانه الاٰية الكبرىٰ و من راٰه و سبر احواله لم يكديشك فى انه رسول الله صلى الله عليه وسلم (روح) ف۳۶ پیمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت و عبدیت پر یہ کیسے کھلے کھلے نصوص موجود ہیں اور حیرت ہے کہ ایک گروہ ان تک کو پس پشت ڈالے رکھنے کی جرأت رکھتا ہے! پیمبر کو صاف صاف یہ کہنے کی ہدایت ہو رہی ہے کہ میرا دخل کسی معجزہ کے وقوع و عدم وقوع میں بالکل نہیں۔ ظہور معجزات تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پردۂ غیب سے جو کچھ بھی ظہور میں آئے۔ جہاں تم وہیں میں ہوں۔ انتظار کرنے میں ہم سب شریک۔

ف۳۷ منکرین کی مریض ذہنیت کا بیان ہے کہ وہ تسکین تو کسی معجزہ، کسی آیت سے بھی نہیں حاصل کرتے اور تسکین تو انہیں مقصود ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ اعجازی واقعہ کی کوئی نہ کوئی مادّی توجیہ وتاویل پیدا ہی کر لیتے ہیں۔ اور اُس پر اعتراض کر۔ چٹ دوسرے معجزہ کی فرمائش شروع کر دیتے ہیں۔ مَكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا۔ یعنی آیاتِ الٰہی میں طرح طرح کی تاویلیں اور توجیہیں۔ سمى تكذيبهم بآيات الله مكرا لان المكر عبارة عن صرف الشئ عن وجهه الظاهر بطريق الحيلة (کبیر) الاحيال فى دفعها (روح) ليجعلوا لتلك الرحمة سبباً اٰخر (ابن قتيبة) اَلنَّاسَ۔ سے مراد اس سیاق میں دنیا کی کافر آبادی ہے۔ الناس عام لجميع الكفار (روح) رَحْمَةً۔ صحت وعافیت، جاہ وثروت یہ سب اسی رحمت کی فردیں ہیں۔ ف۳۸ (اور وقت معین پر انہیں پوری پوری سزائیں مل کر رہیں گی) رُسُلَنَا۔ رُسل یہاں فرشتوں کے لیے ہے۔ اے الوسل الحفظة (قرطبی) اَللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا۔ یعنی اللہ نہ ان کی کوئی تدبیر چلنے دے گا، نہ انہیں کوئی موقع بچاؤ کا دے گا اور جلد سے جلد ان کی چالوں کا توڑ کر دے گا۔ اے اعجل عقوبته على جزاء مكرهم (قرطبی) عربی کے قاعدۂ مشاکلت کا ذکر دیباچہ تفسیر میں آچکا ہے۔ مکر کا لفظ اللہ کے سلسلہ میں بہ قاعدۂ مشاکلت ہی آیا ہے۔ مکر پر حاشیہ واللہ خیر الماکرین کے تحت میں پ۳ سورۂ آل عمران میں گزر چکا۔ المراد به الجزاء والعقوبة على المكر مجازاً مرسلاً او مشاكلة (روح) ف۳۹ (اور اب نجات پانے کی کوئی سبیل مادّی اسباب وذرائع سے ممکن نہیں)

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ
اور جب ہم (ناشکر) لوگوں کو بعد اس کے کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو، اپنی رحمت کا مزا چکھا

مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ
دیتے ہیں تو فوراً ہی وہ "لوگ" ہماری نشانیوں کے باب میں چالیں چلنے لگتے ہیں ف۳۷ آپ کہہ دیجیے اللہ چالوں میں

مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ
ان سے بھی بڑھا ہوا ہے یقیناً جو چالیں تم چل رہے ہو ہمارے قاصد انہیں لکھتے جا رہے ہیں، ف۳۸ وہ

الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي
وہی (اللہ) ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں لئے لئے پھرتا ہے چنانچہ جب تم کشتی میں (سوار)

الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا
ہوتے ہو اور وہ (کشتیاں) لوگوں کو ہوائے موافق کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں

جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ
کہ (ناگہاں) ایک تھپیڑا ہوا کا آتا ہے اور ان کے اوپر ہر طرف سے موجیں اٹھتی

مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ
چلی آتی ہیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ (بس اب) ہم گھر گئے ف۳۹ (تو اس وقت) اللہ کو اس کے ساتھ

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ
اعتقاد کو (بالکل) خالص کر کے پکارتے ہیں (کہ) اگر تو نے ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دلا دی

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ
تو ہم یقیناً بڑے شکر گزاروں میں ہوں گے ف۴۰ پھر جب وہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو وہ فوراً ہی

يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا
زمین میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں ف۴۱ اے لوگو یہ

هُوَ الَّذِيْ...... الْبَحْرِ۔ یعنی انہیں سفر بری وسیاحت بحری کے آلات واسباب بہم پہنچا دیتا ہے۔ زمین اور سمندر دونوں کے طے کرنے کے لئے سواریاں، گھوڑے، گدھے، ہاتھی، اونٹ سے لے کر ریل، موٹر، سائیکل، موٹر لانچ، آبدوز کشتی، آہن پوش جہاز وغیرہا تک جتنی بھی نکل چکی ہیں یا آیندہ نکل سکیں، یہ سب بالکل آخر میں جا کر کسی علت فاعلی پر ٹھیرتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ یا حق تعالیٰ کی بخشی ہوئی قوتوں پر۔ قرآن مجید درمیانی واسطوں کو چھوڑ کر علت حقیقی کی یاد دلا رہا ہے۔ جَرَيْنَ بِهِمْ صنعت التفات کے لئے ملاحظہ ہو دیباچہ تفسیر۔ حاضر سے معاً غیب کی طرف منتقل ہو جانے کا اسلوب بیان عربی ادب وانشاء میں عام ہے۔ خروج من الخطاب الى الغيبة وهو فى القرآن واشعار العرب كثير (قرطبی) یہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ امام رازی علیہ الرحمۃ نے اپنی نکتہ رسی سے لکھا ہے کہ جس طرح صیغہ غائب سے حاضر کی طرف انتقال اظہار تقرب واکرام کے لئے ہوتا ہے، یہ حاضر سے غائب کی طرف انتقال اس کے برعکس بُعد وبیزاری کے اظہار کے لئے ہو۔ وهو الذى خطر بالبال فى الحال ان الانتقال فى الكلام من لفظ الغيبة الى لفظ الحضور يدل على مزيد التقرب والاكرام واما ضده وهو الانتقال من لفظ الحضور الى لفظ الغيبة فانه يدل على المقت والتبعيد (کبیر) بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ۔ یعنی ہوائے نرم۔ مراد ہے وہ ہوا جو جہاز کے موافق ہو۔ والمراد بطيبة حسبما يقتضيه المقام لينة الهبوب موافقه المقصد (روح) رِيْحٌ عَاصِفٌ۔ یعنی ہوائے تند وتیز، مراد ہے وہ ہوا جو جہاز کے مخالف ہو۔ العاصف الشديدة (قرطبی) ومعنى عصفت الريح اذا اشتدت واصل العصف السرعة (کبیر) ظَنُّوْٓا۔ ظن کے معنی جس طرح گمان وقیاس کے ہیں۔ یقین یا خیال اغلب کے بھی ہیں۔ اے ايقنوا (قرطبی) بِهِمْ۔ میں ب تعدیہ کی ہے اور بریح اور بہا میں دونوں جگہ سببیت کی۔ ف۴۰ (اور بڑا شکر یہی ہے کہ مومن مخلص بن جائیں گے) ایسے نازک موقعوں پر اسباب سے قطع نظر کر کے ساری توجہ مسبب الاسباب کی طرف کر دینا عین انسان کی فطرت سلیم کا مقتضا ہے۔ اور جو بدنصیب ایسے وقت بھی رجوع وانابت کی توفیق نہیں پاتے ان کے دل نورِ انسانیت کی آخری شعاع سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ یہ حالت اضطرار کا اخلاص ایمان کے قائم مقام اور نجات اخروی کے لئے کافی نہیں۔ والدعاء ان لم يكن عن ايمان بل عن الاضطرار لا ينفع (روح) البتہ کشائش دنیوی یعنی غرق سے بچانے میں مؤثر ہو سکتا ہے۔ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ اقرار مشروط مثلاً یہ کہ اگر میرا فلاں کام بن گیا تو میں دین توحید قبول کر لوں گا۔ شریعت میں معتبر نہیں۔ ظَنُّوْٓا...... الشّٰكِرِيْنَ علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ بغدادی صاحب تفسیر روح المعانی نے اس مقام پر کچھ دور تک اپنی ملت کے حال زار پر نوحہ وماتم کیا ہے کہ مشرکین تک ایسے موقع پر خدائے واحد وقدوس کو پکارنے لگتے ہیں لیکن ہم لوگوں میں کوئی فلاں بزرگ کو پکارتا ہے، کوئی فلاں شیخ کے نام کی دہائی دینے لگتا ہے سو خدا کے لئے فیصلہ کیجئے کہ ہم اس لحاظ سے مشرکوں سے بھی ابتر ہو چکے ہیں یا نہیں۔ فباللہ تعالیٰ عليك قل لى اى الفريقين من هذه الحيثية اهدى سبيلا واى الداعيين اقوم قيلا (روح) ہمارے ملک کے "یاغوث" اور "یاخواجہ" کی صدائیں لگانے والے اور "یاعلی مشکل کشا" کا نعرہ لگانے والے ذرا اپنے انجام پر غور کر لیں۔ منقول ہے کہ کسی نے حضرت جعفر صادق علیہ الرحمۃ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ پروردگار عالم کی بابت کچھ مجھے ارشاد فرمائیے، آپ نے کہا کہ تم کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ تجارت، بحری میرا پیشہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا تم اس کا کچھ حال بیان کرو، اس نے کہا کہ ایک بار میری کشتی عین دریا میں ٹوٹ گئی اور میں ایک تختہ پر بیٹھا ہوا بہا جا رہا تھا کہ ہوائے تند وتیز کا تھپیڑا آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ اس وقت تمہارے دل میں خشوع وشکستگی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی؟ اس نے کہا، بیشک، آپ نے فرمایا کہ جس کی طرف تمہاری تضرع وشکستگی نے رخ کیا تھا بس وہی تو پروردگار عالم ہے۔ (کبیر)
ف۴۱ (اور اپنے اس وعدہ واقرار کو بھول بھال کر پھر شرک وفساد میں لگ جاتے ہیں) بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ کی قید اس لئے ہے کہ ان لوگوں کی یہ زیادتی اور سرکشی خود ان کے ضمیر میں اور ان کے معیار سے بھی جرم تھی۔

بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا

تمہاری سرکشی تمہارے ہی اوپر (الٹ پڑنے والی) ہے (یہی) دنیوی زندگی کا چندروزہ نفع ہے پھر ہماری ہی طرف

مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّمَا مَثَلُ

تمہاری واپسی ہے پھر ہم تمہیں جتلا دیں گے جو کچھ تم کرتے رہے ہو ف۴۲ بس دنیا کی زندگی کا

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ

حال تو ایسا ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کی سبزی

بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ

گنجان ہو کر نکلی جس کو انسان اور چوپائے کھاتے ہیں

حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ

یہاں تک کہ جب زمین (پوری طرح) اپنی رونق پر پہنچ چکی، اور اس کی زیبائش ہو گئی

وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا

اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب وہ اس پر بالکل متصرف ہو چکے تو ہمارا حکم اس پر (اچانک)

لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ

رات کو یا دن کو آپڑا، سو ہم نے اسے (ایسا) صاف کر دیا کہ گویا وہ کل موجود ہی

بِالْاَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

نہ تھی ف۴۳ ہم اسی طرح آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے رہتے ہیں،

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا

راہ راست پر چلا دیتا ہے ف۴۴ جو لوگ نیکی کرتے رہے ان کے لئے

ف۴۲ یہاں اس حقیقت کا اعلان ہے کہ کفر ومعصیت کے ساتھ دنیا میں جو عیش وکامرانی جمع ہو سکتی ہے وہ محض چندروزہ ہے اس کی دائمی سزا آخرت میں بھگتنا ہے۔ ف۴۳ (سو یہ دنیا اپنی ساری زیب وزینت کے ساتھ بس ایسی ہی ناپائدار اور سریع الزوال ہے) حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا۔ یعنی اس کی خوشنمائی اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ اے استوفت واستکملت حسنها (روح) یہاں دنیا کی بے ثباتی کو مثال کی صورت میں یوں پیش کیا ہے کہ جیسے آسمان سے خوب زور شور کی بارش ہو، ہر قسم کے نباتات کی روئیدگی خوب ہو۔ آدمی کے کھانے کے قابل پھل پھلاری، میوہ، غلہ اور جانوروں کے کھانے کے قابل پتیاں، بھوسہ وغیرہ کی خوب پیداوار ہو، پھر جب ہر طرف سرسبزی وشادابی پھیل جائے، لہلہاتا کھیت، سرسبز درخت، شاداب باغ ہر طرف پورے زیب وزینت کے ساتھ نظر آنے لگیں اور انسان سمجھنے لگے کہ بس ہم ان تمام لذتوں اور نعمتوں سے لطف اٹھانے کے پوری طرح مالک ومختار ہیں کہ یک بیک حکم الٰہی سے کوئی ایسا آسمانی یا زمینی حادثہ پیش آجائے کہ سارا گل وگلزار تہس نہس ہو کر رہ جائے اور حالت یہ ہو جائے کہ گویا کل یہاں کچھ تھا ہی نہیں! یہ مرقع ہے انسانی زندگی کا کہ بڑے سے بڑے نامور وباقبال انسان کا بھی خاتمہ دفعۃً موت پر ہو کر رہ جاتا ہے! اور یہ حال ہے دنیا کا جس میں غافل انسان ہمہ تن مصروف رہتا ہے! وَازَّيَّنَتْ۔ یعنی سبزہ سے خوب خوشنما معلوم ہونے لگی۔ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا۔ امر سے مراد ہے کوئی تکوینی عذاب مثلاً پالا، پتھر، سیلاب وقس علیٰ ہذا۔ اے عذابنا (قرطبی) قال ابن عباس یرید عذابنا (کبیر) ظَنَّ اَهْلُهَا۔ ظن یہاں بھی یقین کے معنی میں ہے۔ اے ایقن (قرطبی) ف۴۴ اور یہی لوگ ہیں جنہیں اس سلامتی کے گھر تک پہنچ جانے کی توفیق ہو جاتی ہے۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا۔ اللہ اپنے بندوں کو بلاتا ہے اپنے انہیں احکام وہدایات کے ذریعہ سے۔ اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ۔ سلامتی کا گھر یعنی اس فانی وناپائدار دنیا کے برعکس ہمیشہ قائم اور سلامت رہنے والا گھر مراد جنت ہے۔ اے الی الجنة (قرطبی) قال قتادة و الحسن السلام هو الله وداره الجنة وسميت الجنة دار السلام لان من دخلها سلم من الأفات (قرطبی) لا شبهة ان المراد من دار السلام الجنة الا انهم اختلفوا فی سبب الذی لاجله حصل هذا الاسم (کبیر) عارفین نے لکھا ہے کہ آیت میں مومنین کے لئے تو عبرت ہے کہ شہنشاہ خود بلا رہا ہے اور غلام حاضری میں توقف کر رہے ہیں اور منکرین کے لئے سرزنش ہے کہ وہ کیسی دعوت ونعمت سے محروم رہے جا رہے ہیں اور دنیا پرستوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے کہ وہ کیسی پست وحقیر چیزوں کے پھیر میں پڑے ہوئے ہیں اور عاشقوں کے لئے بشارت ہے کہ ان کے حق میں اشارے خلوت خاص کے ہو رہے ہیں۔ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ۔ اللہ کی طرف سے یہ ہدایت ہمیشہ مشیت تکوینی اور بے شمار مصلحتوں اور حکمتوں کے ماتحت ہوتی ہے۔

الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ؕ وَ لَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّ لَا
بھلائی ہے اور اس کے علاوہ بھی ف۴۵ ان کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی اور نہ ذلت
ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾
ہو گی، اہل جنت یہی ہیں یہ اس میں ہمیشہ (ہمیش) رہیں گے ف۴۶
وَ الَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ
اور جن لوگوں نے بدیاں کمائی ہیں (سو) بدی کی سزا بھی ویسی ہی (بدی) ہے
وَ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ
اور ایسے لوگوں کو ذلت چھالے گی اور کوئی انہیں اللہ (کے عذاب) سے نہ بچا سکے گا ف۴۷
كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ
گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے لپیٹ دیئے گئے ہیں
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ يَوْمَ
دوزخ والے یہی ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ف۴۸ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جس دن
نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا
ہم ان سب کو جمع کریں گے ف۴۹ پھر ہم شرک کرنے والوں سے کہیں گے کہ
مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَ قَالَ
تم اور تمہارے شرکاء (خدائی) اپنی جگہ ٹھیرو ف۵۰ پھر ہم ان میں باہم خوب پھوٹ ڈال دیں گے اور ان کے (وہ
شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ
مزعومہ) شرکاء (ان سے) کہیں گے تم ہماری عبادت تو کرتے نہ تھے ف۵۱ تو اللہ ہمارے
شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ
تمہارے درمیان کافی گواہ ہے کہ ہم کو تو تمہاری عبادت کی خبر ہی

ف۴۵ یعنی دیدار الٰہی جو ہر نعمت اور ہر لذت سے افضل تر ہے۔ زِيَادَةٌ۔ کی یہ تفسیر خود حدیث میں آچکی ہے۔ عن النبی ﷺ فی ھذہ الاٰیة قال اذا دخل اھل الجنة الجنة فیکشف الحجاب فیتجلّی لھم فواللہ ما اعطاھم شیئًا احب الیھم من النظر الی اللہ (ابن جریر) قال رسول اللہ ﷺ الزیادة النظر الٰی وجہ اللہ الکریم (قرطبی عن انس رضی اللہ عنہ) یہی حدیث صحیح مسلم میں حضرت صہیب صحابی رضی اللہ عنہ کی روایت سے آئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین سب سے یہی تفسیر منقول ہے۔ الزیادة النظر الٰی وجہ اللہ تبارک وتعالٰی (ابن جریر عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ) زیادة النظر الی الرب (ابن جریر۔ عن الحسن رضی اللہ عنہ) الزیادة ھنا النظر الٰی وجہ الرحمٰن (ابن جریر۔ عن قتادہ) وھو قول ابی بکر الصدیقؓ وعلیؓ فی روایة وحذیفة وعبادة بن الصامت وکعب بن عجرة وابی موسٰی وصھیب وابن عباسؓ فی روایة وھو قول جماعة من التابعین (قرطبی) دیدار الٰہی کو لفظ زِيَادَةٌ سے تعبیر کرنے میں بھی شاید یہی اشارہ ہے کہ وہ ایسی نعمت ہے جو ہر ممکن نعمت کے علاوہ اور اس کے مافوق ہے۔ اشارة الٰی انعام واحوال لا یمکن تصورھا فی الدنیا (راغب) اَحْسَنُوْا۔ نیک کام کیے، نیک کرداری کرتے رہے۔ اور سب سے بڑی نیکی خود ایمان لانا ہے۔ الْحُسْنٰى۔ یعنی اجر عمل۔ نیک کرداری کا صلہ۔ یا خود جنت۔ المنزلة الحسنٰی وھی الجنة (روح) آیت میں مومنین کو اطمینان دلایا ہے کہ نیک روی اور نیک کرداری کا پورا صلہ تو خیر ملے ہی گا لیکن اس کے علاوہ "کچھ اور بھی" ملے گا، یہ صرف عالم آخرت ہی کے ساتھ مخصوص ہے...... اس "کچھ اور" کی لذت کوئی اہل محبت کے دلوں سے پوچھے۔ ف۴۶ یعنی مومنین کو دوام عیش تو حاصل رہے ہی گا۔ لیکن اس کے علاوہ کسی صدمہ اور غم والم سے بھی وہ کبھی دوچار نہ ہو سکیں گے۔ ف۴۷ اور ان کے دیوی، دیوتا، اکابر واعاظم جن پر آج انہیں اتنا بھروسہ ہے، یہ سب اس روز بیکار ہی نظر آئیں گے۔ بِمِثْلِهَا۔ یعنی بدی کی سزا بس بدی کے برابر ہی ملے گی۔ اس سے زاید نہیں۔ یہ لفظ جزاء بدی کے سلسلہ میں وزیادة کے مقابل آیا ہے جو نیکی کے سلسلہ میں آچکا ہے۔ یعنی نیکی کا صلہ تو اصل معاوضہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر ملے گا لیکن بدی کا معاوضہ بس اسی درجہ کا ملے گا، اس سے زاید نہیں۔ والمقصود من ھٰذا القید التنبیہ علی الفرق بین الحسنات وبین السیّاٰت لانہ تعالٰی ذکر فی اعمال البرانہ یوصل الی المشتغلین بھا الثواب مع الزیادة واما فی عمل السیّئات فانہ تعالٰی ذکر انہ لا یجازی الا بالمثل (کبیر) تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ۔ یعنی ہر طرح کی توہین ورسوائی بھی ان کے شامل حال رہے گی۔ یصبھم ذلٌّ وخزیٌ وھوانٌ (فتح الخبیر) ای یغشاھم ھوانٌ وخزیٌ (قرطبی) مِنَ اللّٰهِ۔ یعنی عذاب الٰہی سے۔ اللہ کی گرفت سے۔ ای من عذاب اللہ (قرطبی) ف۴۸ حشر جو حقائق کے ظہور وانکشاف کا وقت ہوگا، اس وقت اہل کفر کے دلوں کی سیاہیاں چہروں سے نمایاں ہو کر رہیں گی۔ كَاَنَّمَا...... مُظْلِمًا۔ یہ حالت ان روسیاہ دوزخیوں کے چہروں کی ہوگی۔ حکماء اسلام نے کہا ہے کہ یہ سیاہی جہل وضلالت کی ہوگی۔ اعلم ان حکماء الاسلام قالوا المراد من ھٰذا السواد المذکور ھٰھنا مداد الجھل وظلمة الضلالة (کبیر) صاحب بحر المحیط علامہ ابوحیان غرناطی اندلسی نے اس موقع پر جوش میں آکر "حکماء اسلام" کو بہت ہی برا بھلا کہا ہے اور کہا ہے کہ ان "فلاسفہ" کو حقیقۃً جہلاء وسفہاء کہنا چاہیے، یہ اسلام کے حق میں یہود ونصاریٰ سے بھی بڑھ کر دشمن ہیں اور یہ انبیاء علیہم السلام کے دشمن اور شریعت کے محرفین ہیں۔ ان کی کتابوں کا مطالعہ حرام ہونا چاہیے۔ وقس علٰی ہذا۔ یعنی بحکماء الفلاسفة الذین خلقوا فی ھٰذہ الملة الاسلامیة ھم احق بان یسمّوا سفھاء جھلاء من ان یسمّوا حکماء اذھم اعداء الانبیاء والمحرّفون للشریعة وھم اضرّ علی المسلمین من الیھود والنصاری الخ لیکن ستم یہ کیا ہے کہ اپنی خفگی کی اس لپیٹ میں سید المفسرین امام رازی علیہ الرحمۃ کو بھی لے لیا اور ان کا ذکر صرف "ہذا الرجل" سے کیا ہے۔ امام رازی علیہ الرحمۃ کے سنہ وفات اور علامہ غرناطی کے سنہ وفات میں فرق کچھ کم ڈیڑھ سو سال کا ہوا ہے۔ ف۴۹ (میدان حشر میں) نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا۔ یعنی سارے خلائق کو۔ ف۵۰ (ذرا کی ذرا، تاکہ تم پر تمہارے عقیدہ کی حقیقت روشن ہو جائے) شُرَكَآؤُكُمْ۔ یعنی وہ جنھیں تم اپنے زعم میں شریک خدائی سمجھتے رہے ہو۔ مَكَانَكُمْ۔ یعنی اپنی جگہ ٹھیر جاؤ۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ امکثوا مکانکم۔ ای امکثوا مکانکم وقفوا فی موضعکم (ابن جریر) ای الزموا مکانکم (روح) ف۵۱ (تو آج ہم تمہارے شرک کے وبال میں کیوں پھنسیں) زَيَّلْنَا۔ زیلنا کے کھلے ہوئے معنی فرقنا کے ہیں۔ لیکن یہاں یہ صیغہ باب تفعیل سے لایا گیا ہے تاکہ معنی سے شدت وتکثیر کا اظہار ہو سکے وقال فزیلنا ارادة تکثیر الفعل وتکریرہ ولم یقل فزلنا بینھم (ابن جریر) التضعیف للتکثیر لا للتعدیة (روح) اہل شرک کے لئے سب تکلیفوں اور عذابوں سے بڑھ کر اس منظر کا بھی سامنا کرنا ہوگا کہ خود انہی کے معبود الٹے ان سے تبری وبیزاری کر رہے ہیں۔ ذٰلک یدل علی نھایة النکال والخزی فی حق ھٰؤلاء الکفار (کبیر)

لَغٰفِلِيْنَ ۝۲۹ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ

نہ تھی وف۵۳ اس جگہ ہر شخص اس (عمل) کا امتحان کرے گا جو وہ پیشتر بھیج چکا ہے

وَ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا

اور یہ لوگ اللہ اپنے مالک حقیقی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ (معبود) انہوں نے گڑھ رکھے تھے

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۳۰ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ

وہ ان سے غائب ہو جائیں گے وف۵۴ آپ کہیے کون تمہیں آسمان و زمین سے رزق

وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ مَنْ

پہنچاتا ہے؟ یا کون کان اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟ اور کون

يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

جاندار کو نکالتا ہے بے جان سے اور بے جان کو نکالتا ہے جاندار سے؟

وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا

اور کون ہر کام کا انتظام کرتا ہے وف۵۴ (جواب میں) وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ، تو کہیے کہ پھر کیوں نہیں

تَتَّقُوْنَ ۝۳۱ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ

بچتے ہو؟ وف۵۵ یہی ہے اللہ تمہارا پروردگار حقیقی اور (امر) حق کے بعد

الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۳۲ كَذٰلِكَ

رہ کیا گیا بجز گمراہی کے تو کدھر پھرے چلے جاتے ہو؟ وف۵۶ اسی طرح

حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ

آپ کے پروردگار کی بات (تمام) سرکشی کرنے والوں کے حق میں پوری ہو چکی کہ وہ

لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا

ایمان نہ لائیں گے وف۵۷ آپ کہیے کیا تمہارے (تجویز کیے ہوئے) شرکاء میں کوئی ایسا بھی ہے جو پہلی بار

وف۵۲ (چہ جائیکہ ہم اس سے راضی ہوتے!) عجب نہیں یہ گفتگو پتھر کی مورتیاں اور ٹھاکر دواروں کے بت اپنے پجاریوں سے کررہے ہوں۔ قیل الاصنام فینطقها الله تعالٰی فتکون بینهم هٰذه المحاورة (قرطبی) وف۵۳ یعنی کوئی کام نہ آئے گا، اس وقت سب گم ہو جائیں گے۔ هُنَالِكَ ...... اَسْلَفَتْ۔ یعنی ہر شخص عیاناً دیکھ لے گا جو اعمال اس نے کیے تھے، وہ واقع میں نافع تھے یا اس کے برعکس، یہ اجمالی علم تو انسان کو مرنے کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے حشر میں اس کا تحقق کامل اور مفصل طور ہوگا۔ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ۔ یعنی واقعی اور حقیقی مالک۔ کوئی گڑھا ہوا معبود نہیں۔ اے المتحقق الصادق فی ربوبیته لا ما اتخذوه ربًا باطلًا (روح) یہاں اللہ کو جو کافروں کا "مولیٰ" کہا گیا ہے تو یہ مالکیت بہ اعتبار اصل واقعہ کے ہے اور سورۂ محمد میں جہاں اس کی نفی آئی ہے۔ ان الکافرین لا مولٰی لهم۔ وہاں "مولیٰ" حامی، ناصر اور سہارے کے معنی میں ہے۔ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ۔ کے ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ وہ مالک جو حق وانصاف کے مطابق انہیں جزا دے گا۔ قال ابن عباسؓ اے الذی یجازیهم بالحق (قرطبی) هُنَالِكَ۔ اصلی معنی تو اس جگہ کے ہیں۔ مجازاً اس وقت بھی مراد ہو سکتی ہے۔ معناه فی ذٰلک المقام وفی ذٰلک الموقف اویکون المراد فی ذٰلک الوقت علی استعارة اسم المکان للزمان (کبیر) وف۵۴ یہ سارے سوالات مشرکین سے بہ طور جرح ہو رہے ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ سوالات میں ایک خاص ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے۔ پہلا سوال رزق سے متعلق ہے جو سلسلۂ ربوبیت میں نمبر اول پر ہے۔ پھر انسان کے حواس ظاہری سے متعلق ہے جن کے بغیر بشر و جماد سب برابر ہیں پھر حیات و موت سے متعلق ہے اور آخری انتظام امور سے متعلق ہے۔ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی کون ہوائیں چلاتا ہے؟ کون پانی برساتا ہے؟ کون سورج کی روشنی اور گرمی پہنچاتا ہے؟ کون بارش کے وقت مناسب فصل اور مناسب مقدار کا فیصلہ کرتا ہے؟ اور پھر کون زمین کو گرماتا ہے اسے زرخیز بناتا ہے، اس سے نباتات اگاتا ہے؟...... غرض زمین و آسمان دونوں جگہ اس کی قدرت و حکمت کی مستقل کارفرمائیاں ہیں اور السماء اور الارض دونوں ناموں میں سے کوئی نام بیکار نہیں لایا گیا۔ مَنْ يُّخْرِجُ ...... الْحَيِّ۔ بے جان سے جاندار جیسے انڈے سے مرغی۔ جاندار سے بے جان جیسے مرغی سے انڈا۔ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ الامر میں ال استغراق کا ہے۔ یعنی چھوٹے بڑے ہر کام کا انتظام کون کرتا ہے۔ وف۵۵ (شرک سے اور افعال شرکیہ سے) وف۵۶ (حق کو چھوڑے ہوئے اور باطل کی طرف رخ کیے ہوئے) فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ۔ یعنی یہی اللہ جس کے صفات و افعال اوپر بیان ہو چکے اور جس کی ذات میں سارے کمالاتِ ربوبیت جمع ہیں۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ۔ مطلب یہ کہ امر حق کی جو ضد ہے اسی کا نام گمراہی ہے اور توحید کا حق ہونا ثابت ہو چکا پس شرک تو یقیناً گمراہی ہی ہوا قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے تحت میں شطرنج نرد وغیرہ کے جواز وعدم جواز پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اور اسی ضمن میں مسئلہ غناء پر بھی گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ غناء کو اکثر علما نے ایک ہیجان انگیز لہو قرار دیا ہے لیکن اس کی حرمت پر قرآن و سنت سے کوئی دلیل قائم نہیں۔ بلکہ ایک حدیث صحیح سے تو اس کی اباحت ہی نکلتی ہے لیکن جن الفاظ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گرفت کو رد کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں غناء کی مستقلاً تو کراہت ہے البتہ خاص حالات میں اجازت بھی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ فقیہ موصوف کا یہی فیصلہ عین حق و صواب اور افراط و تفریط کی راہوں سے الگ ہے۔ واما الغناء فانه من اللهو المهیج للقلوب عند اکثر العلماء منهم مالک ابن انس ولیس فی القرآن ولا فی السنة دلیل علی تحریمه اما ان فی الحدیث الصحیح اباحته وهو الحدیث الصحیح ان ابا بکر دخل علی عائشه عندها جاریتان حادیتان من حادیات الانصار تغنیان بما تقاولت الانصار به یوم بعاث فقال ابو بکر امز مار الشیطان فی بیت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول الله دعهما یا ابا بکر فانه یوم عید فلو کان الغناء حراما ما کان فی بیت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وقد انکرهٔ ابو بکر بظاهر الحال فاقره النبی صلی اللہ علیہ وسلم بفعل الرخصة والرفق بالخلیفة فی اجمام القلوب اذلیس جمیعها یحمل الجد دائما وتعلیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم بانه یوم عید یدل علی کراهیة دوامه ورخصته فی الاسباب کالعید والعرس وقدوم الغائب ونحو ذٰلک وکل حدیث یروی فی التحریم اوآیة تتلٰی فیه فانه باطل سندًا باطل معمتدًا خبرًا وتاویلًا وقد ثبت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رخص فی الغناء فی العیدین (ابن العربی) وف۵۷ (تو پھر آپ ان کے ایمان نہ لانے پر اس قدر مغموم و محزون کیوں ہوں) كَذٰلِكَ۔ اس کا تعلق اوپر کے کلام سے ہے یعنی جس طرح اللہ کی وحدت و ربوبیت حق ہے۔ وضوح حق کے بعد ضلال کا اور قیام دلائل کے بعد انکار پر جمے رہنے کا حمق و عصیان ہونا بالکل ثابت و مسلم ہے اسی طرح کلمۂ رب یعنی تخویف عذاب نافرمانوں کے حق میں ثابت و حق ہے۔ الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا۔ یعنی وہ لوگ جو اپنی ضد اور ہٹ سے کفر پر قائم رہے۔ اے تمردوا فی کفرهم وخرجوا الی الحد الاقصی فیه (مدارک) اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ میں اَنَّهُمْ تعلیلیہ ہی مانا گیا ہے۔ لانهم کا مرادف۔ تعلیل اے لانهم لا یؤمنون (مدارک) اس ترکیب کو ماننے کے بعد معنی یہ ہوں گے کہ ان سرکش نافرمانوں پر عذاب الٰہی کا تحقق اس لیے ہو کر رہے گا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

پیدا کرے پھر دوبارہ بھی کرے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ

بھی کرے گا پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟ و۵۸ آپ کہہ دیجیے کہ کیا تمہارے (تجویز کیے ہوئے) شرکاء میں کوئی ایسا

يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ

ہے جو حق کے راستہ پر چلاتا ہو؟ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتلاتا ہے تو پھر جو کوئی

يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ

حق کا راستہ دکھاتا ہے وہ زیادہ مستحق ہے اس کا کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جس کو (خود ہی) راستہ نہ ملتا ہو،

اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا

بلکہ اسے راستہ بتایا جائے سو تم کو کیا ہو گیا ہے کیسا فیصلہ کرتے ہو؟ و۵۹ ان میں سے

يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ

اکثر تو صرف (اپنے) گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور یقیناً گمان تو حق (کے اثبات) میں ذرا بھی

الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا

مفید نہیں یقیناً اللہ خوب واقف ہے اس سے جو کچھ یہ کر رہے ہیں و۶۰ اور

كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

یہ قرآن ایسا ہے ہی نہیں کہ غیر اللہ کی طرف سے گھڑ لیا جائے و۶۱

وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ

بلکہ یہ تو تصدیق (کرنے والا) ہے اس (کلام) کی جو اس کے قبل سے ہے اور تفصیل (بیان کرنے والا ہے)

الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ

احکام کی اور اس کے اندر کوئی شک (وشبہ کی بات) ہی نہیں، جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے، و۶۲ کیا

و۵۸ یعنی حق سے ضلال کی طرف۔ قرآن مجید کا ایک عام اسلوب بیان یہ ہے کہ اکثر ایسے موقعوں پر جواب میں ''اللہ'' بھی مشرکوں ہی کی زبان سے نقل کر دیتا ہے۔ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰہُ۔ لیکن یہاں کوئی ایسا اقرار مشرکوں کی زبان سے نقل نہیں کیا ہے۔ بلکہ قُلِ اللّٰہُ خود اپنی طرف سے کہا ہے...... راز اس فرق کا یہ ہے کہ مخاطبین اول یعنی مشرکین عرب تو سرے سے عقیدۂ بعثت و معاد کے قائل ہی نہ تھے۔ و۵۹ (کہ توحید جیسی سیدھی بات نہیں قبول کرتے ہو۔ اور شرک پر اڑے ہوئے ہو) مشرکوں سے سوال ہے کہ جو (خالق) راستہ دکھا اور بتا رہا ہے، وہ پیروی کیے جانے کا اہل ہے یا وہ (مخلوق) جسے خود ہی راستہ معلوم نہیں اور وہ اپنی راہ یابی میں دوسروں کا محتاج ہے؟ مَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ۔ یعنی حق پر چلاتا ہوا اپنی قدرت و نصرت سے۔ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى۔ اس عموم کے تحت میں ساری مخلوق آجاتی ہے...... باقی اگر شیاطین ہی مراد لئے جائیں تو وہ تو اور بھی گئے گزرے ہوئے ہیں انہیں تو بتانے اور بجھانے پر بھی راستہ نہیں سوجھتا۔ و۶۰ (اور وقت مناسب پر اپنے اسی علم کامل و محیط کے مطابق جزا و سزا بھی دے گا) وَمَا...... ظَنًّا یہاں یہ صاف بتا دیا کہ مشرکین و منکرین کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی محکم ہے اور نہ کوئی استدلال نقلی مستحکم۔ یہ لوگ تو اندھیرے میں پڑے محض انکل کے تیر چلا رہے ہیں...... ہمارے زمانہ کے ایک فاضل یگانہ علامہ مناظر احسن گیلانی نے یہ بات بہت خوب کہی ہے کہ اثبات توحید کے دلائل قائم کرنے کے بجائے ہم کو تو مطالبہ اہل شرک سے کرنا چاہیے کہ وہ الٹی سیدھی کوئی دلیل تو تعدد آلہہ کے ثبوت میں لائیں! اِنَّ...... شَيْـًٔا یہاں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ انسانی ظن و تخمین، وہم و خیال جن کا شاندار اور مرعوب کن نام ''حکمت و فلسفہ'' یا ''علوم عقلیہ'' رکھا گیا ہے، قرآن اور شریعت اسلامی میں مطلق ان کا کوئی درجہ نہیں۔ قرآن صرف حقائق کا قائل ہے، جو ہر روز بدلتے نہیں۔ ''علوم نظری'' ''اصول موضوعہ'' اور ''نظریات'' انہیں کو مبارک رہیں جن کی تحقیقات ہر صبح اور ہر شام بدلتی رہتی ہیں۔ یہیں سے یہ ہے کہ عقائد کے لئے دلائل ظنی کافی نہیں۔ وفی هذه الآية دليل على انه لا يكتفى بالظن فى العقائد (قرطبی) فقہاء نے بھی آیت سے خوب خوب مسائل مستنبط کئے ہیں مثلاً:۔ (۱) یقین شک سے زائل نہیں ہو سکتا۔ (۲) نص کے مقابلہ میں کوئی قیاس معتبر نہیں۔ (۳) اطلاق و عموم قرآنی کی تحدید و تقیید اخبار آحاد سے جائز نہیں۔ (۴) وہ دلائل جو ثبوت میں یا دلالت میں ظنی ہوں، قطعی و یقینی کے معارض و مقابل نہ ہو سکیں گے۔ (۵) ایمانیات اعتقادیات امر ثابت و حق سے متعلق ہیں۔ اس لئے ان میں دلائل ظنی کافی نہیں۔ (۶) جب کوئی دلیل قطعی نہ موجود ہو تو دلائل ظنی پر عمل ممنوع نہیں۔ اس لئے کہ ظن کی عدم کفایت بہ مقابل حق مذکور ہے نہ کہ مطلقاً۔ (۷) مسائل فقہی میں اختلاف اجتہاد معتبر ہے اس لئے کہ اجتہاد ظن ہے اور یہاں ظن مقید اور مسائل اعتقادی میں تاویل و اختلاف ممنوع۔ اس لئے کہ ان کا مدار یقین پر ہے۔ پس فرق ضالہ دائرۂ اہل حق سے خارج ہیں۔ اِنَّ...... شَيْـًٔا مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے علماء رسوم بہت کم محفوظ ہیں۔ چنانچہ اکثر متکلمین اہل ظاہر کے دلائل (ذات و صفات حق کے بارہ میں) باہم متعارض پائے جاتے ہیں جو ظنیات کی شان ہوتی ہے۔ پس جو کوئی اس سے بچنا چاہے۔ چاہیے کہ وہ سلف صالح کے اتباع میں لگا رہے اور فلسفیات میں مشغول نہ ہو۔ جس سے بجز شک بڑھنے کے اور کچھ حاصل نہیں۔ و۶۱ کوئی غیر اللہ یعنی کوئی مخلوق، ایسے بے مثل و بے مثال کلام پر جو عبارت اور معنی دونوں کے اعتبار سے بے نظیر ہے، قادر ہی کب ہو سکتا ہے؟ ایسی تصنیف کو کسی انسان کی جانب منسوب ہی کیسے کیا جا سکتا ہے؟ و۶۲ یہاں قرآن مجید کے خصوصیات مختصراً گنا دیئے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ یہ سابق کتابوں اور کلاموں کی تصدیق کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس میں احکام مکتوبہ و مفروضہ کی تفصیل ہے۔ تیسری یہ کہ اس کے اندر کہیں شک و شبہ کا گزر نہیں۔ ہر چیز اس کی یقینی ہے اور چوتھی یہ کہ یہ کتاب سارے عالم کے پروردگار کی جانب سے ہے۔ اَلْكِتٰبِ۔ یہاں احکام مکتوبہ و مفروضہ کے معنی میں ہے۔ اراد بتفصيل الكتاب مابيّن فى القرآن من الاحكام (قرطبی) اى ما كتب واثبت من الحقائق والشرائع (روح) اى ما كتب وفرض من الاحكام والشرائع (مدارک)

یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا

یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو گڑھ لیا ہے؟ آپ کہیے کہ اچھا تم ایک ہی سورۃ مثل

مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

اس کے لے آؤ اور اللہ کے سوا تم جس کسی کو بلا سکو بلا لو اگر تم

صٰدِقِیْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا

سچے ہو ف۶۳ نہیں بلکہ یہ لوگ ایسی چیز کو جھٹلانے لگے جسے اپنے علم سے نہ گھیر پائے ف۶۴ اور ابھی

یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

ان کے پاس انجام نہیں پہنچا ہے اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا جو ان سے قبل ہو چکے ہیں

فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ

سو دیکھ لیجیے کیسا (برا) ظالموں کا انجام ہوا ہے ف۶۵ اور ان میں وہ بھی ہیں جو اس (کتاب)

یُّؤْمِنُ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ

پر ایمان لے آئیں گے اور ان میں وہ بھی ہیں جو اس (کتاب) پر ایمان نہ لائیں گے اور آپ کا پروردگار ہی

بِالْمُفْسِدِیْنَ ﴿۴۰﴾ ع وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ

مفسدوں سے خوب واقف ہے، ف۶۶ اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے رہیں تو کہہ دیجیے کہ میرا عمل میرے لئے

وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ

اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے تم اس سے بری الذمہ ہو کہ جس پر میں عمل کر رہا ہوں اور میں اس سے بری الذمہ

مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ ؕ

ہوں کہ جس پر تم عمل کر رہے ہو ف۶۷ اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَ لَوْ كَانُوْا لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾

تو کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے جبکہ وہ سمجھ سے بھی کام نہ لے رہے ہوں؟ ف۶۸

ع ۴

ف۶۳ (اپنے اس دعوی میں کہ قرآن ایک انسانی تصنیف ہے) جواب کا حاصل یہ ہے کہ قرآن اگر ایک انسانی دماغ تیار کر سکتا ہے تو کئی بلکہ سب انسانی دماغ مل کر تو اس سے کہیں چھوٹی چیز یعنی اس کی ایک سورۃ تو بہر حال تیار ہی کر سکتے ہیں۔ پھر ہمت ہو تو یہی کر دکھاؤ! اِفْتَرٰىهُ۔ افتری میں ضمیر فاعلی رسول اللہ ﷺ کی جانب ہے یعنی اس شخص محمد ﷺ نامی نے یہ کتاب اپنے ذہن سے گڑھ لی ہے۔ سُوْرَةٍ۔ پر حاشیہ شروع تفسیر میں گزر چکے۔ مِثْلِهٖ۔ مثلیت لفظی و معنٰی ہر اعتبار سے مراد ہے۔ مثله فی البلاغة وحسن الارتباط وجزالة المعنی (روح) قرآن مجید کی معنوی حیثیت سے یہ مستقل تحدی تو سارے عالم کے لئے ہے۔ یعنی قرآن کی معنوی بلندی اور جامعیت کے لحاظ سے کوئی ایسی کتاب بھلا تیار تو کر دکھائے۔ لیکن جہاں تک اس چیلنج کے ظاہری جزو کا تعلق ہے۔ یعنی فصاحت وبلاغت اور ادب وانشاء کی خوبیوں کا اس کے مخاطب صرف اہل زبان عرب ہیں، خصوصاً نزول قرآن کے وقت کے عرب، جو ادبیت کے نشہ میں جھومتے رہتے تھے، اور جن کے نزدیک دنیا کا سب سے بڑا کمال ادبیت ہی کا کمال تھا۔ ف۶۴ یعنی بجائے اس کے کہ ٹھنڈے دل سے اس کی اعجازی خصوصیات پر غور کرتے اور پوری تحقیق سے کام لیتے، چٹ اس کی تکذیب پر مستعد ہو گئے۔ المراد انهم سارعوا الی تکذیبه من غیر ان یتدبروا ما فیه (روح) وَلَمَّا یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗ۔ تاویل کے معنٰی اصل حقیقت کی طرف رجوع کے بھی ہیں اور مآل علمی وفعلی کے بھی۔ الرجوع الی الاصل (راغب) رد الشیء الی الغایة المرادة منه علمًا کان اوفعلًا (راغب) ف۶۵ یہاں مراد مآل فعلی یا انجام سے لی گئی ہے۔ اور وہ عذاب الٰہی ہی ہے۔ ای ولم یاتهم حقیقة عاقبة التکذیب من نزول العذاب بهم (قرطبی) جوّز ان یراد بالتاویل وقوع مدلوله وهو عاقبتهٗ (روح) كَذٰلِكَ۔ یعنی ایسے ہی بے سوچے سمجھے تکذیب کرنے لگے تھے۔ ای مثل تکذیبهم من غیر تدبر وتامل (روح) كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ منکرین سابق نے اپنے زمانے کے انبیاء کی تکذیب اسی طرح کی تھی۔ ف۶۶ یعنی ان سے جو ایمان لانے والے نہیں۔ ای من یصرّ علی کفره (قرطبی) ای بالمعاندین او المصرّین (مدراک) ف۶۷ (تو جس طریقہ پر چاہو، قائم رہو) یہ آخری اور انقطاعی جواب ہے اس موقع کے لئے، جب سب دلائل پہلے پیش ہو چکے ہیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اہل طریق اسی سنت پر عمل کرتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ مخاطب محض ضد اور ہٹ سے کام لے رہا ہے۔ برخلاف اہل ظواہر کے کہ وہ مناظرہ کے موقع پر کبھی ایسی بات نہیں کہتے بلکہ ایسا کہنے میں اپنی شکست اور کسر شان سمجھتے ہیں۔ ف۶۸ (یعنی ان کے دل ارادۂ ایمان وطلب حق سے بالکل خالی ہوں) وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ۔ یعنی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کی بات سنیں گے اور سوچ سمجھ کر مان بھی لیں گے...... آج یہ تصویر بہت سے ''مستشرقین'' یورپ پر، سیرت نبوی ﷺ اور شریعت اسلامی پر قلم اٹھانے والوں پر صادق آتی ہے۔ ان کی کتاب کی تمہیدوں، مقدموں، دیباچوں کو پڑھیے تو اپنے کو ظاہر کریں گے کہ یہ کیسے بے تعصب، انصاف پسند، تحقیق دوست ہیں۔ اور جوں جوں آگے بڑھتے جائیے، زہر ہلاہل کے انبار در انبار انہی اوراق میں ملتے جائیں گے۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ

اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں تو کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھا سکیں گے

وَ لَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ

جبکہ وہ بصیرت سے کام بھی نہیں لے رہے ہیں ف۶۹ یقیناً اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں

شَيْـًٔا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَ يَوْمَ

کرتا، البتہ لوگ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ف۷۰ اور انہیں اس دن

يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ

کی یاد دلایئے جب (اللہ) ان کو اس طرح حشر میں اکٹھا کرے گا کہ گویا وہ دن کی (کل) ایک گھڑی ہے، ف۷۱

يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ

ایک دوسرے کو پہچانیں گے ف۷۲ واقعی وہ لوگ گھاٹے میں آ گئے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو

اللّٰهِ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ

جھٹلایا ف۷۳ اور وہ ہدایت پانے والے تھے (ہی) نہیں، اور اگر ہم آپ کو کچھ (حصہ اس عذاب کا) دکھلا بھی دیں

الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ

جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے پاس تو ان کی واپسی (بہرحال) ہے ہی تو

اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ

اللہ کو خوب اطلاع اس کی ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں، ف۷۴ اور ہر اُمت کے لئے

رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ

ایک پیام رساں ہوا ہے پھر جب ان کے ہاں پیام رساں آ چکتا ہے تو ان کے درمیان فیصلہ انصاف کے ساتھ کر دیا جاتا

وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ

ہے اور ان پر ظلم (ذرا) نہیں کیا جاتا، ف۷۵ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (عذاب) (آخر) کب پورا ہوگا

ف۶۹ اندھے انہیں اسی لحاظ سے کہا گیا ہے کہ ان کے دل قصد ایمان اور حق طلبی سے خالی ہیں اور وہ دلائل حق کا مطالعہ ہی نہیں کرنا چاہتے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ۔ یعنی ان کے دیکھنے سے بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کے کمالات، فضائل، معجزات کے مشاہدہ کے بعد ایمان لے آئیں گے۔ ف۷۰ (کہ اپنی فطری صلاحیتوں کو ضائع کر دیتے ہیں اور ان سے کام نہیں لیتے) اِنَّ...... شَيْـًٔا یعنی یہ کہ اللہ پہلے تو خود ہی انہیں صلاحیت ہدایت سے محروم رکھے اور پھر ان سے مؤاخذہ کرنے لگے۔ ف۷۱ (اس دنیا میں) یعنی باوجود دنیا میں بڑی بڑی طویل عمریں پانے کے جب وہ حشر میں اٹھائے جائیں گے اور خواب برزخ وخواب ناسوت دونوں سے بیدار ہوں گے۔ تو اب انہیں اپنے اندازہ میں جو زمانِ حشر کے مطابق وماتحت ہوگا، ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے وہ دنیا میں کچھ رہے ہی نہیں۔ بہت رہے تو بس ایک گھڑی بھر۔ راوا انّ طول اعمارهم فی مقابلة الخلود كساعة (قرطبی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) یعنی تقلیل لبثهم وذلک لهول ما يعاينون من شدائد القيامة (بحر) یوم حشر چونکہ مدید بھی ہوگا اور شدید بھی، اس لئے دنیا اور برزخ کی مدت اور تکلیف سب بھول کر ایسا سمجھیں گے کہ وہ زمانہ بہت جلد گزر گیا (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) سَاعَةً۔ بعض نے کہا کہ کوئی متعین مقدار مدت نہیں، بلکہ صرف قلت مدت بتانا مقصود ہے اور گھڑی بھر سے کنایہ تقلیل مدت ہی کا ہوتا ہے۔ اے شيئًا قليلًا منه فانها مثل فی غاية القلة (روح) الوقت القليل من الزمان (راغب) آج بھی انسان حالت نوم میں خواب کیسے بڑے بڑے دیکھتا ہے اور ان خوابوں میں کیسی کیسی طویل مدتیں طے کرتا ہے لیکن جب بیداریٔ تام کے عالم میں آ جاتا ہے تو احساس یہ ہوتا ہے کہ ابھی دم بھر ہی سویا تھا...... احساس زمان ہر عالم میں دوسرے عالم سے مختلف اور اپنے مخصوص ماحول کا تابع ہوتا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ایک مفصل کلام کر کے جو اصل تفسیر کبیر ہی میں قابل ملاحظہ ہے، آخر میں لکھا ہے۔ فنقول انه متی قوبلت الخيرات الحاصلة بسبب الحياة العاجلة بالأفات الحاصلة للكافر وجدت اقل من اللذة بالنسبة الی جميع العالم فقوله كان لم يلبثوا الاساعة من النهار اشارة الی ما ذكرناه من قلتها وحقارتها فی جنبه ما حصل من العذاب الشديد (کبیر) ف۷۲ (اور اس پر بھی ایک دوسرے کے کام نہ آ سکیں گے) وقت ہی ایسا نفسی نفسی کا ہوگا۔ آج بھی انتہائی کرب واذیت میں ابتلاء کے وقت نہ بھائی بھائی کو پوچھتا ہے نہ باپ بیٹے کے کام آتا ہے، ہر ایک کو بس اپنی ہی فکر پڑ جاتی ہے۔ اور اسی معنٰی میں قرآن مجید کی دوسری آیتیں ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ حشر میں کوئی ایک دوسرے کو پوچھے گا بھی نہیں۔ وہ آیتیں اس آیت کے معارض نہیں بلکہ اور اس کا تکملہ کرتی ہیں۔ ف۷۳ (اور اسی لئے اپنی زندگی واشغال زندگی کے سارے پروگرام میں کوئی دفعہ یاد آخرت کی آنے ہی نہ دی) ف۷۴ (اور اس لئے اگر انہیں دنیا میں پوری سزا نہ بھی ملی، جب بھی اس آخری موقع پر تو ضرور ہی مل کر رہے گی) وَاِمَّا...... نَعِدُهُمْ یعنی خواہ آپ کی حیات ہی میں کچھ حصہ عذاب موعود کا ان منکرین ومکذبین پر آ بھی جائے چنانچہ معرکۂ بدر، فتح مکہ وغیرہ متعدد واقعات آپ کی زندگی ہی میں ایسے پیش آ کر رہے جن میں مکذبین منکرین کو ہر طرح ذلت، رسوائی، شکست نقصان جانی ومالی ہی نصیب رہا۔ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ۔ یعنی اس نزول عذاب کے قبل ہی آپ کو اٹھا لیں اور اپنے وعدۂ فتح اسلام، ہزیمت کفار کی تکمیل آپ کے بعد کریں۔ چنانچہ خلفائے راشدین کے عہد میں یہ تکمیل ہو کر رہی۔ اعلم ان هذا يدل علی انه تعالی يری رسوله الواعاً من ذل الكافرين وخزيهم فی الدنيا وسيزيد عليه بعد وفاته ولا شک انه حصل الكثير منه فی زمان حياة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وحصل الكثير ايضاً بعد وفاته (کبیر) ف۷۵ پوری طرح تبلیغ احکام اور اتمام حجت کے بعد سرکشوں اور باغیوں پر اجراء سزا میں کوئی سوال ہی ظلم اور زیادتی کا باقی نہیں رہ جاتا۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ۔ امت سے مراد امت مکلف ہے تو معنٰی یہ ہوں گے کہ ہر وہ امت جسے ارادۂ الٰہی نے مکلف بنانا چاہا، اسے پہلے تبلیغ ضرور کی گئی۔ وقد يقال ان المراد من كل امة كل جماعة اراد الله تعالی تكليفها (روح) اس تشریح کے بعد یہ سوال خود بخود ختم ہو جاتا ہے کہ جو لوگ دور فترۃ میں (یعنی نبی کے وجود سے پیشتر) گزرے ہیں، ان کا کیا حشر ہوگا؟...... جواب بالکل ظاہر ہے کہ جب ان پر تبلیغ ہی نہیں ہوئی تو وہ لوگ مکلف ہی نہیں ٹھیرے۔ ان سے سوال صرف ان کی استعداد وفہم وبصیرت کے مطابق ہوگا۔ رَسُوْلٌ۔ رسول یہاں اصطلاحی معنٰی میں نہیں لغوی معنٰی میں ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے پیام حق پہنچا دینے والا اور اس عموم کے تحت میں رسول اصطلاحی اور اس کے نائب، شاگرد وغیرہ سب آ جاتے ہیں۔ محققین نے یہیں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جن ملکوں اور قوموں میں "رسول" (بہ معنٰی اصطلاحی) کے آنے کی کوئی تحقیق نہیں ہوئی ہے احتیاط اسی میں ہے کہ وہاں کے مشہور ہادیوں اور رہبروں کے باب میں سکوت اختیار کیا جائے۔ احتمال ہے کہ وہ لوگ رسول ہی ہوں یا ممکن ہے کہ نائب رسول ہوں۔ اخذ منه المحققون الاحتياط بكف اللسان عن من لم يعلم حاله من القرون الاولٰی فی اقاليم لم يعرف بعث الرسل فيها لاحتمال كونهم رسلًا الی اهل تلک الاقاليم (روح) قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ۔ اور وہ فیصلہ حق وانصاف کے مطابق یہی ہے کہ سرکشوں، باغیوں، طاغیوں کو مبتلائے عذاب کیا جائے۔ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ۔ اور وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ دو دو فقروں کا لانا تاکید کلام کے لئے ہے۔ اور اس امر کے بالکل صاف کر دینے کو کہ خدائی عدالت میں ظلم ممکن ہی نہیں۔ فالتكرير لاجل التاكيد والمبالغة فی نفی الظلم (کبیر)

إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا

اگر تم سچے ہو ۷۶ آپ کہہ دیجیے کہ میں تو اپنی ذات کے لئے (بھی) ضرر

وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَآءَ

اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا بجز اس کے کہ جتنا اللہ چاہے، ۷۷ ہر امت کے لئے ایک معین وقت ہے، جب ان کا

اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

وہ وقت معین آجاتا ہے تو وہ لوگ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں ۷۸

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا

آپ کہہ دیجیے کہ یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آپڑے یا دن کو تو اس میں کون چیز ایسی ہے

يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ

جس کے لئے مجرمین جلدی مچا رہے ہیں ۷۹ کیا پھر جب وہ آ ہی پڑے گا

اٰمَنْتُمْ بِهٖ ۭ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ

جب اس کا یقین کرو گے؟ ۸۰ ہاں اب! حالانکہ تم اسی کی تو جلدی مچایا کرتے تھے ۸۱ پھر

قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ

جنہوں نے (اپنے اوپر) ظلم کیا ہے ان سے کہا جائے گا ہمیشہ کا عذاب چکھو تم کو بدلہ

تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ

اسی کا تو مل رہا ہے جو کچھ تم کر چکے ہو ۸۲ اور یہ آپ سے دریافت کرتے ہیں

اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ړ وَمَآ اَنْتُمْ

کہ کیا وہ (عذاب) برحق ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ ہاں میرے پروردگار کی قسم ہے کہ وہ برحق ہے، اور تم کسی

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ ع وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي

طرح (اللہ کو) ہرا نہیں سکتے ہو ۸۳ اور اگر ہر ہر ظالم کے پاس دنیا بھر کا (زر و مال) ہو تو بھی اسے فدیہ میں

ف۷۶ سوال بہ طور استفسار حال اور بہ غرض اظہار حقیقت نہیں بلکہ تعریض وتکذیب کی غرض سے ہے۔ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ سوال کے مخاطب تنہا رسول اللہ ﷺ نہیں، بلکہ جماعت مومنین بھی ہے۔ چنانچہ صیغۂ جمع اسی لئے ہے۔ ف۷۷ (اور بس اتنے ہی نفع ونقصان پر قادر ہوتا ہوں۔ تم پر عذاب لے آنا میرے اختیار میں کہاں) یہ بے اختیاری عین شان عبدیت کے مطابق، جب افضل البشر بلکہ افضل الرسل کی تھی تو مشائخ واولیاء امت کو اپنے اعتقاد میں مرتبۂ خدائی پر پہنچا دینے والے حضرات ذرا اپنے انجام پر غور کرلیں۔ ف۷۸ (بلکہ وقت معین آجانے پر فوراً ہی عذاب واقع ہو جاتا ہے) لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ۔ یعنی نافرمان وسرکش ہر امت کے مٹنے اور برباد ہونے کا ایک معین ومقرر وقت علم الٰہی میں ہے۔ اُمَّةٍ۔ کے عام لفظ سے مراد وہی عذاب زدہ امتیں ہیں۔ ای من الامم الذین اصرّوا علی تکذیب رسلھم (روح) سَاعَةً۔ ساعت سے یہاں مراد کوئی متعین وقت ایک گھڑی یا گھنٹہ کا نہیں بلکہ زمانے کا مطلق چھوٹے سے چھوٹا وقت مراد ہے۔ ای شیئا قلیلا من الزمان (روح) الوقت القلیل من الزمان (راغب) ف۷۹ یعنی عذاب الٰہی تو بڑی سخت اور پناہ مانگنے کی چیز ہے یہ اس کے لئے جلدی مچانے کے کیا معنی؟ عارفین نے یہیں سے یہ اشارہ نکالا ہے کہ معصیت سے توبہ واستغفار میں اور عمل خیر کے اختیار میں توقف بلاضرورت ایک دم کا بھی نہ کیا جائے اس لئے کہ وقوع عذاب کے لئے کوئی علامت اور مہلت شرط نہیں۔ معصیت کے صدور کے ساتھ ہی جس قدر جلد ممکن ہو توبہ وتدارک پر متوجہ ہو جائے۔ مِنْهُ۔ ضمیر عذاب کی طرف ہے والضمیر فی منه قیل یعود علی العذاب (قرطبی) ف۸۰ (اور اس وقت کی تصدیق اضطراری کچھ نفع نہ دے سکے گی۔ اس وقت تو اپنے کو تصدیق پر مضطر ومجبور پاؤ گے) ثُمَّ۔ کی ایک قراۃ ثَمَّ۔ (بالفتح) بھی آئی ہے۔ بہ معنی ھنالک۔ ف۸۱ یعنی اب اتنا کیوں گھبرائے ہوئے ہو، اور بدحواس ہو رہے ہو، تم تو خود اسی عذاب کی طنزاً فرمائشیں کیا کرتے تھے! شریعت کا یہ مسلم مسئلہ ہے کہ جب ملائکۂ عذاب نظر آنے لگیں اور عالم برزخ کا انکشاف شروع ہو جائے، توبہ وایمان مقبول نہیں۔ به تستعجلون علی سبیل السخریة والاستھزاء (کبیر) ف۸۲ یہ کہنے والے عذاب کے فرشتے ہوں گے۔ ای تقول لھم خزنة جھنم (قرطبی) اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ یعنی مشرکین سے۔ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۔ یعنی تمہارے کفر وبے دینی کا بدلہ۔ ای جزاء کفرکم (قرطبی) ف۸۳ (کہ وہ تم کو عذاب کی گرفت میں لینا چاہے اور تم بچ جاؤ) يَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ۔ سوال اور اظہار حیرت واستعجاب سے مقصود دریافت حال نہیں بلکہ تکذیب وتعریض تھی۔ اِنَّهٗ۔ ضمیر عذاب کی طرف ہے۔ الضمیر عائد علی العذاب (بحر) ای العذاب الموعود (روح) اِيْ۔ موقع اثبات میں تاکید وتحقیق کے مفہوم میں آتا ہے جیسے اردو میں زور دینے کے موقع پر ہاں، ہاں (ہاں مکرر) آتا ہے۔ کلمة تحقیق وایجاب وتاکید بمعنی نعم (قرطبی)

الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا

دے دینا چاہے گا اور جب (اول اول) عذاب دیکھیں گے تو پشیمانی کو

رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا

چھپائیں گے اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم (ذرا) بھی نہ کیا

يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

جائے گا ف۸۴ یاد رکھو کہ جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی

وَ الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

ملک ہے ف۸۵ یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

نہیں جانتے ف۸۶ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ف۸۷

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اور اے لوگو بالیقین تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کے پاس سے آگئی ہے

وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَ هُدًى وَّرَحْمَةٌ

اور شفاء بھی (ان بیماریوں کے لئے) جو سینہ میں ہوتی ہیں اور ایمان والوں کے حق میں ہدایت

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ

اور رحمت ف۸۸ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے، ہاں اس سے چاہیے

فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

کہ (لوگ) خوش ہوں وہ اس (دنیا) سے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں کہیں بہتر ہے ف۸۹ آپ کہیے کہ یہ تو بتاؤ کہ

مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا

اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا تھا پھر تم نے اس میں سے (کچھ) حرام اور (کچھ) حلال

ف۸۴ فیصلہ روز جزاء باوجود اپنی ساری ہولنا کیوں کے بہر حال عادلانہ ہی ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ کسی کے حق میں سزا کی زیادتی ہو جائے جیسا کہ غضبناک دیوی، دیوتاؤں کے ہاں ہوتا رہتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّ...... یوم قیامت کے ہول وشدت کا بیان ہو رہا ہے کہ بالفرض سارے روئے زمین کا خزانہ بھی مشرکوں کے پاس ہو، تو اپنی جان بچانے کو اس سب کے دے ڈالنے پر وہ آمادہ ہو جائیں گے۔ كُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ۔ یعنی ہر ہر مشرک۔ اے اشرکت وکفرت (قرطبی) اَسَرُّوا النَّدَامَةَ۔ یہ ندامت کا اخفاء مزید فضیحت ورسوائی کے خوف سے ہوگا۔ اور ندامة سے مراد ندامت کے آثار ظاہری ہیں، رونا دھونا، منہ پیٹنا وغیرہ۔ المراد اخفاء اثارها کالبکاء وعض الید (روح) لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ۔ محققین نے یہاں یہ قید لگادی ہے کہ یہ اخفاء ندامت شروع شروع ہوگا۔ ورنہ بعد کو جب عذاب میں پڑ لیں گے تو اس پر بھی قادر نہ رہیں گے اور اس قید کے بعد اس آیت اور ان آیتوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا جن میں مشرکوں منکروں کے جزع وفزع کا بیان ہے۔ وهذا قبل الاحراق بالنار فاذا وقعوا فی النار الهتهم النار عن التصنع (قرطبی) قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ۔ سے مفسرین نے یہ مراد بھی لی ہے کہ کافروں کے بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان سرداروں اور چیلوں کے درمیان فیصلہ حق وانصاف ہی سے ہوگا۔ اے بین الرؤساء والسفل بالعدل (قرطبی) ف۸۵ (چنانچہ وہ اپنی جس مخلوق کے ساتھ جو تصرف اور جو سلوک چاہے کرے، اس کا ہر عمل عادلانہ ہی ہوگا، خواہ انسانی معیار سے غیر عادلانہ ہی نظر آئے) اَلَآ۔ حرف تنبیہ ہے۔ فقرہ کے شروع میں لایا جاتا ہے اور اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ آگے کوئی بہت اہم حقیقت بیان کی جا رہی ہے جسے خاص توجہ سے سننا چاہیے۔ كلمة تنبيه للسامع ترادفي اول الكلام اے انتبهوا لما اقول لكم (قرطبی) ف۸۶ یعنی ایسے قطعی اور یقینی حقائق سے بھی غافل وبے خبر ہیں۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ سو قیامت اپنے وقت معین پر ضرور واقع ہو کر رہے گی۔ ف۸۷ (نہ کہ مسیح ابن اللہ کی طرف، اگنی دیوتا کی طرف، یا کسی اور کی بھی طرف) کثرت سے جاہلی مذہبوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ موت کے بعد انسان کا مرجع کوئی اور ذات ہے، خالق کردگار کے علاوہ، یہاں اسی کی تردید ہو رہی ہے۔ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ۔ مشرکوں کی طرح یہاں یہ نہیں کہ خدا کی خدائی تین حصوں میں تقسیم ہو۔ ایک خدا پیدا کرنے والا ہو۔ ایک خدا قائم، سلامت رکھنے والا، اور ایک خدا موت وہلاکت لانے والا۔ یہاں پیدا کرنا، باقی رکھنا، فنا طاری کرنا سب ایک ہی خدائے واحد کا کام ہے۔ ف۸۸ یہاں قرآن مجید کے چار اوصاف بیان ہوئے۔ مَوْعِظَةٌ۔ شِفَآءٌ۔ هُدًى۔ رَحْمَةٌ۔ یہ سب تنوین کے ساتھ صیغہ نکرہ میں ہیں یہ تنکیر ان کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ والتنكير هنا للتفخيم (روح) ان چار اوصاف کی تشریح میں صاحب روح نے بعض محققین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نفس انسانی کے لئے حصول کمال میں چار مرتبہ یا منزلیں ہیں اور ان میں سے ہر لفظ ایک ایک مرتبہ یا منزل کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ (۱) پہلا مرتبہ، تہذیب ظاہر کا، یعنی معاصی سے اور اعمال بد سے بچنے کا ہے۔ موعظة اسی مقصد کے لئے ہوتا ہے۔ (۲) دوسرا مرتبہ تہذیب باطن کا، یعنی اخلاق ذمیمہ وعقائد فاسدہ سے بچنے کا ہے۔ اس کو شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۳) تیسرا مرتبہ عقائد حقہ واخلاق فاضلہ سے آراستہ ہونے کا ہے۔ یہ منزل هُدًى کی ہے۔ (۴) چوتھا مرتبہ انوار الٰہی سے جگمگا اٹھنے کا ہے اور یہ حاصل ہے مقام رحمة کا۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب کا عموم ملحوظ رہے۔ یا ایها العرب ارشاد نہیں ہو رہا ہے مخاطب ساری دنیا ہے، کوئی مخصوص قوم وملک نہیں۔ مَوْعِظَةٌ۔ یعنی ایسی کتاب جو برائیوں سے روکنے اور نیکیوں کی ترغیب کے لئے ایک مکمل نصیحت نامہ ہے، افراد واشخاص کے حق میں بھی اور اقوام وجماعات کے حق میں بھی۔ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ۔ یعنی ایسی کتاب کہ اگر اس کی ہدایتوں پر عمل ہو تو ہر قسم کے امراض قلب اور عوارض باطن کو، خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی شفاء ہو جائے۔ لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ کی قید اس لئے کہ مومنین ہی تو اس کی ان صفات سے استفادہ کریں گے۔ ف۸۹ دنیا کا نفع اول تو قلیل اور پھر فانی، قرآن کا نفع ایک تو کثیر اور پھر باقی۔ بِفَضْلِ...... فَلْيَفْرَحُوْا ذٰلک سے اشارہ اسی فضل ورحمة ہی کی جانب ہے۔ اور مقصود اس ترکیب کلام میں تاکید وزور ہے۔ ورنہ یہی مفہوم سادہ صورت میں فَبِذٰلِكَ کے بغیر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ فقرہ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی چیز پر اگر خوش ہونا ہی ہے تو وہ یہی ہے نہ کہ کچھ اور۔ ترکیب کلام نے معنی حصر کے پیدا کر دیئے۔ والاصل ان فرحوا بشیء فبذلک لیفرحوا لا بشیء اٰخر (روح) قوله فبذالک فلیفرحوا یفید الحصر یعنی یجب ان لا یفرح الانسان الا بذلک (کبیر) بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ۔ فضل اور رحمة دونوں سے اشارہ یہاں قرآن مجید ہی کی جانب ہے اور اسی کے لئے حکم ہو رہا ہے کہ جب ایسی نعمت عظیم مل گئی تو اس پر خوش ہونا چاہیے۔ لفظ چونکہ دو ہیں، اس لئے یہ قول بھی اکابر ہی سے منقول ہے کہ ایک یعنی فضل سے مراد قرآن ہے اور دوسرے یعنی رحمة سے مراد اسلام ہے۔ قال ابو سعید الخدریؓ وابن عباسؓ فضل الله القرآن ورحمته الاسلام (قرطبی) فَلْيَفْرَحُوْا۔ فرح کی متعدد قسمیں ہیں، فرح حقیقی وکامل وہی کہی جائے گی جو اعلیٰ فرحت روحانی ہے۔ اور یہاں وہی مراد ہے۔ ثبت ان الفرح بالذات الجسمانية فرح باطل واما الفرح الکامل فهو الفرح بالروحانیات والجواهر المقدسة وعالم الجلال ونور الکبریاء (کبیر)

وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ

قرار دے لیا آپ کہیے کہ کیا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے یا تم اللہ پر گھڑ ہی

تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ مَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

رہے ہو؟ **ف۹۰** اور کیا روز قیامت کی نسبت ان لوگوں کا خیال ہے جو اللہ پر

الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

جھوٹ گھڑتے رہتے ہیں **ف۹۱** بیشک اللہ لوگوں پر بڑا فضل

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ؑ وَ مَا تَكُوْنُ

رکھنے والا ہے لیکن انہی میں سے اکثر ناشکرے ہیں **ف۹۲** اور آپ جس حال میں

فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ

بھی ہوں اور آپ اس (حال) میں قرآن (بھی) پڑھ رہے ہوں، اور تم لوگ بھی جو کوئی کام

مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ

کر رہے ہو ہم تمہارے برابر گواہ رہتے ہیں جب تم اسے کرنے

فِيْهِ ؕ وَ مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي

لگتے ہو **ف۹۳** اور آپ کے پروردگار سے ذرہ برابر (بھی کوئی چیز) غائب نہیں نہ

الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ وَ لَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ

زمین میں نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ

اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا

بڑی مگر یہ کہ سب کتاب مبین میں ہیں **ف۹۴** سنو، سنو! اللہ کے دوستوں پر

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ؗ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

قطعاً نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے **ف۹۵** یہ وہ ہیں جو ایمان لائے

ع ۱۱

ف۹۰ مشرک جاہلی قوموں نے ماکولات کے حرام وحلال کے باب میں بڑا گڑبڑ کیا ہے۔اس لئے قرآن مجید نے اس پر بار بار گرفت کی ہے۔اور بار بار صراحت کی ہے کہ حرام تو بس وہی چیزیں ہیں جنھیں شریعت الٰہی حرام قرار دے، نہ کہ وہ جنھیں تم اپنے دل سے گڑھ کر حرام ٹھہرا رہے ہو۔اتنی دور رس اور دقیقہ رس نگاہ جو غذاؤں کے قرب وبُعد، جلی وخفی، سارے فوائد ونقصانات پر محیط ہو، بجز شریعت الٰہی کے اور کہیں ممکن نہیں۔بعض کج فہموں نے آیت کو نفی قیاس فقہی کے موقع پر پیش کیا ہے اور استنباط مسائل کو اس کی رُو سے ناجائز ٹھہرانا چاہا ہے۔حالانکہ فقیہ کی اصل دلیل تو نصوص ہی ہوتے ہیں وہ صرف اپنے فہم وذکاء سے ان چیزوں کو باہر نکال لیتا ہے جو ان کے اندر مخفی ہوتی ہیں۔بنیاد تو بہرحال کلام باری ہی رہتا ہے۔ **استدل بهذه الأية من نفى القياس وهذا بعيد فان القياس دليل الله تعالىٰ فيكون التحريم والتحليل من الله تعالىٰ** (قرطبی) **ربما احتج بعض من نفاة القياس بهذه الأية فى ابطاله لانه زعم ان القائس يحرّم بقياسه ويحل وهذا جهل من قائله لان القياس دليل الله تعالىٰ كما ان حجة العقل دليل الله تعالىٰ وكالنصوص والسنن كل هذه دلائل فالقائس انما يتبع موضع الدلالة على الحكم فيكون الله هو المحرم والمحلل بنصبه الدليل عليه** (جصاص) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ان غالی صوفیہ کا رد ہے، جو مباحات کو بر بناء تقشف وتزہد اپنے اوپر اعتقاداً یا عملاً حرام کر لیتے ہیں۔ہاں بہ طور اپنے معالجہ کے کوئی شخص اپنے لئے کسی چیز کو ترک کر دے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ **ف۹۱** (اور اس سے ڈرتے نہیں۔تو کیا یہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ قیامت آئے ہی گی نہیں یا آئے گی مگر ان سے کچھ تعرض نہ کرے گی؟) **ف۹۲** (چنانچہ سب سے بڑی ناشکری یہی ہے کہ اپنی اصلاح کرنا الگ رہا، اس خبر ہی پر نہیں یقین کرتے اور نہ اس پیش خبری کی کوئی قدر کرتے ہیں) اِنَّ ...... النَّاسِ چنانچہ اسی فضل کا مقتضاء یہ ہے کہ اس نے انہیں اتنے قبل سے وقوع قیامت کی اطلاع، اور منکرین کو توبہ واصلاح کی پوری مہلت دے دی۔ **ف۹۳** (تو ہم کو کسی کے بھی حال سے کسی حال میں غافل نہ سمجھنا) قرآن مجید کی متعدد آیتوں کی طرح یہ آیت بھی پوری طرح واضح اس وقت ہوتی ہے، جب اہل ضلال کے عقائد بھی پیش نظر ہوں۔بعض جاہلی قوموں کا عقیدہ ہے کہ خدا تو ہے اور صفت علم سے متصف بھی ہے لیکن اس کا علم صرف قدیم ہے...... اس کی واضح تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم اس وقت بھی ہوتا رہتا ہے، جو کوئی فعل واقعۃً وعملاً وقوع میں آنے لگتا ہے۔ وَمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال تو سب ہی اعلیٰ تھے لیکن قرآن مجید پڑھنا اور قرآن کے ذریعہ سے تبلیغ وہدایت کرنا ان میں بھی ایک درجہ امتیاز رکھتا تھا، اس لئے اس کا ذکر خاص طور پر فرمایا گیا۔ **التلاوة اعظم شؤنه** صلی اللہ علیہ وسلم **ولذا خصّت بالذكر** (روح) مِنْهُ ضمیر شان کی طرف ہے۔جن مفسرین نے قُرْاٰن کی بابت سمجھی ہے وہ مِنْ قُرْاٰن کی تکرار سے تعظیم وتفخیم مراد لیتے ہیں۔ **والضمير للشان** (کشاف) **قال الفراء والزجاج الهاء فى منه تعود على الشان** (قرطبی) **من قراٰن اعاد تفخيمًا كقوله انى انا الله** (قرطبی) وَلَا تَعْمَلُوْنَ۔ خطاب ابھی صیغہ واحد (مَا تَكُوْنُ۔ مَا تَتْلُوْا) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب تھا۔اب صیغہ جمع میں آپ کے ساتھ آپ کی ساری امت سے بھی ہو گیا۔ **ف۹۴** (شروع ہی سے مندرج) ایک گمراہی کا ابھی ابھی شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ سے سد باب ہو چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم صرف قدیم ہی نہیں بلکہ عین حدوث واقعات کے وقت بھی ہوتا رہتا ہے۔اب اس کے مقابل کی دوسری گمراہی کی تردید ہو رہی ہے اور فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ لا کر یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم صرف حدوث کے وقت نہیں ہوتا جیسا کہ اہل ضلال سمجھ رہے ہیں بلکہ روز ازل سے چھوٹی بڑی ہر شے لوح محفوظ میں ثبت ہے۔ **يعنى اللوح المحفوظ مع علم الله تعالىٰ به** (قرطبی) وَمَا يَعْزُبُ ...... السَّمَآءِ یعنی چھوٹی بڑی، ہر مقدار اور ہر بساط کی شے علم الٰہی میں موجود ہے۔کوئی شے بھی اس کے احاطہ سے باہر نہیں۔جاہلی قومیں کثرت سے ایسی ہوئی ہیں جنھوں نے خدا کو تو مانا ہے لیکن محدود العلم، ناقص العلم اور یونان ومصر کے فلسفیوں تک کو یہ تسلیم کرنے میں باک نہیں رہا ہے۔آیت انہی گمراہیوں کی تردید کر رہی ہے۔ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ عرف عام میں اس سے مراد دائرۂ وجود وامکان ہوتا ہے۔اور قرآن بھی انسانی ہی محاورہ میں نازل ہوا ہے۔مراد یہ ہے کہ کوئی چیز کہیں بھی ہو۔ **اى فى دائرة الوجود والامكان والتعبير عنها بالارض والسماء لان العامة لا تعرف سواهما** (ابوسعود) **ف۹۵** یعنی نہ آنے والے مہلکات وحوادث کا کوئی اندیشہ اور نہ چھوٹ جانے والی چیزوں کا کوئی غم۔صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ حزن (غم) پیدا ہوتا ہے ناکامی مدعا سے اور عاشقانِ سوختہ جان کوئی آرزو ہی نہیں رکھتے جو انہیں نامرادی کا اندیشہ ہو سکے۔اسی طرح خوف پیدا ہوتا ہے۔امر مکروہ کے پیش آ جانے سے۔محبین عارفین تو بجز محبوب کے اور کسی کا وہم بھی نہیں رکھتے تو محبوب اور اس کے عشووں اور اداؤں سے خوف کے کیا معنی۔

وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور پرہیز گاری اختیار کئے رہے ف۹۶ ان کے لئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں بھی

وَ فِى الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ

اور آخرت میں بھی اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں، یہی تو

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾ وَ لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ

بڑی کامیابی ہے ف۹۷ اور آپ کو ان (کافروں) کی باتیں غم میں نہ ڈالیں، غلبہ

وقف لازم

لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ

تمامتر اللہ ہی کے لئے ہے، وہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے، ف۹۸ سنو، سنو! اللہ ہی کی ملک تو ہیں جو بھی

فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ ؕ وَ مَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ

آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے ف۹۹ اور وہ لوگ جو اللہ کے علاوہ شرکاء کو بھی

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا

پکارتے ہیں کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں؟ یہ اتباع کر رہے ہیں محض

الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ

خیال کا اور یہ محض اٹکل سے کام لے رہے ہیں ف۱۰۰ وہ وہی (اللہ) تو ہے جس نے تمہارے لئے

لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِىْ

رات بنائی کہ تم اس میں چین پاؤ اور دن کو (بنایا) دکھلانے والا ان (سب) میں

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا

ان لوگوں کے لئے جو (غور وتدبر کے ساتھ) سنتے ہیں دلائل (موجود) ہیں، ف۱۰۱ کہتے ہیں کہ اللہ نے ایک بیٹا بنا رکھا

سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِىُّ ؕ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى

ہے سبحان اللہ! بے نیاز ہے وہ اسی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں اور جو کچھ بھی ہے

ف۹۶ (کفر ومعصیت سے) ابھی ابھی ذکر اولیاء اللہ کا آچکا ہے۔ اب ان کی پہچان بھی بتادی۔ وہ کیا ہے۔ وہ صرف ایمان اور تقویٰ۔ آیت کو مکرر پڑھ کر غور کرلیا جائے۔ ولایت کی علامتیں کیا ارشاد ہورہی ہیں۔ نہ عوام کو خوش کرنے والی کرامتیں، نہ عامۃ الناس کو حیرت میں ڈال دینے والے خوارق بلکہ صرف ایمان اور تقویٰ! اللہ کا ولی کون ہوتا ہے اور اللہ کس کا ولی ہوتا ہے۔ اس پر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ قابل ملاحظہ ہے۔ ف۹۷ یعنی یہی مقبولیت یا دونوں جہانوں میں محفوظیت اور اس محفوظیت کا وعدہ۔ ای ما ذکران لهم البشرٰی فی الدارین (روح) اَلْبُشْرٰى۔ یہ خوشخبری اسی خوف وحزن سے محفوظ رہنے کی ہے۔ اور خوف وغم سے مراد دنیوی خوف وغم ہے۔ جس سے مومنین کاملین اس لئے محفوظ ہوجاتے ہیں کہ وہ ہر ناگوار سے ناگوار واقعہ میں بھی حکمت الٰہی ہی کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ف۹۸ وہ منکرین کے طنز وتعریض اور آپ کی تبلیغ وموعظت سب سن رہا ہے۔ اور ان کی شرارت وعناد اور آپ کا تحمل اور دردِ اصلاح سب اس پر روشن ہے۔ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ۔ کفریات سے آپ کا مغموم ہونا بالکل ایک امر طبعی تھا۔ آپ کی اسی سے تسلی کی جارہی ہے۔ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ اور وہی اپنی قدرت سے آپ کی اور اسلام کی نصرت وحمایت کرے گا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی دوسرے میں جو عزت بہ ظاہر نظر آتی ہے وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے اور وہ غیر اس کی عزت کا ایک مظہر ہے جیسے ضیاء درحقیقت آفتاب کی صفت ہے اور زمین پر ایک گونہ تعلق یا سبب اس کا ظہور ہوجاتا ہے۔ ف۹۹ انسان، جنات، ملائکہ کوئی مخلوق کیسی ہی پر عظمت ہو بہرحال سب حق تعالیٰ ہی کے مملوک ہیں۔ اس کے وعدۂ حفاظت یا اس کے وعید مکافات کے درمیان کس کی مجال ہے جو حائل ہوسکے۔ ف۱۰۰ حقایق کے حامل اور مالک تو صرف اہل ایمان ہیں۔ ایمانیوں کے علاوہ جو بھی ہیں، ان کے پاس بجز اوہام، ظنون، نظریات ومفروضات کے اور ہے کیا؟ فقہاء نے لکھا ہے کہ اٹکل یا اندازہ کا درجہ شریعت میں تو بس اس قدر ہے کہ بندوں کے معاملات کے چکانے میں اس سے کام لے لیا گیا، باقی اثباتِ حق واسقاطِ حق میں ظن وتخمین کا کچھ دخل نہیں۔ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ الخ۔ یعنی ان کے پاس دلیل یا بنیاد ہے کیا؟ قرآن مجید نے شرک پر یہ گرفت بار بار کی ہے۔ توحید پر تو ماشاء اللہ قوی سے قوی دلیلیں کثرت سے موجود ہیں۔ لیکن شرک پر آخر کونسی دلیل موجود ہے؟ ف۱۰۱ (حق تعالیٰ کی توحید اور صفت اور قدرت کا) هُوَ الَّذِىْ...... مُبْصِرًا دن اور رات نہ کوئی دیوی دیوتا ہیں، نہ نور وظلمت کوئی دو خدا یا دو خداؤں کے مظہر یا دو خداؤں کی مخلوق ہیں۔ وقت کے یہ دونوں حصہ خدائے واحد کی اسی طرح مخلوق ہیں جس طرح اور سب مخلوقات ہیں اور دونوں کی خلقت کی غرض انسان ہی کے کام آنا ہے۔ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ۔ رات تو اسی کے لئے ہے کہ انسان اس میں آرام واستراحت کرے اور دن بھر کی مشقت کے بعد کسل دور کرکے دوسرے دن کے لئے تازہ دم ہوجائے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صوفیۂ عارفین نے اس سے یہ اشارہ نکالا ہے کہ بجائے ساری رات جاگنے کے کچھ دیر سو رہنا بہتر ہے کہ اس میں مصلحت الٰہی اور ادب کی رعایت زیادہ ہے۔ مُبْصِرًا۔ یعنی جس کی روشنی میں انسان دیکھ بھال سکتا ہے۔ ای مضیئا لتهتدوا به فی حوائجكم۔ (قرطبی) فِىْ ذٰلِكَ۔ یعنی انہی حقائق میں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔

ف۱۰۲ ساری موجودات بڑی ہو یا چھوٹی بشری ہو یا غیر بشری اللہ کے ساتھ نسبت صرف مخلوقیت اور مملوکیت کی رکھتی ہے نہ کہ معاذ اللہ کسی طرح کی قرابت اور عزیز داری کی...... دیوتاؤں کے ساتھ فوق البشر انسانوں کی قرابت عزیز داری مذاہب جاہلی کا بہت قدیم اور مشترک عقیدہ ہے قرآن بار بار مختلف طریقوں سے اس عقیدہ پر ضرب لگا تا رہتا ہے۔ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا۔ یہ کہنے والے اور عقیدہ رکھنے والے بت پرست مشرکین ہی تھے اور مسیح پرست مسیحیوں کے بعض فرقے بھی۔ اتخاذ ولد پر مفصل حاشیہ سورہ بقرہ پارہ اول آیت نمبر ۱۱۶ میں اسی قسم کی آیت پر گزر چکا ہے ضرور ملاحظہ فرما لیا جائے۔ سُبْحٰنَهٗ۔ حق تعالیٰ پاک ومنزہ ہے مخلوقات کے ساتھ کسی قسم کی نسبت قرابت رکھنے سے! للکارا اور پھٹکارا ہے اہل باطل کو کہ کیسے جہل وسفاہت میں مبتلا ہو ایک طرف تو خدا کو خدا کہے جاتے ہو اس کی قدرت کا کلمہ بھی پڑھتے ہو اور پھر اسے اس کا محتاج سمجھتے ہو کہ وہ دنیا کے لاولد لوگوں اور لاولدی سے نقصان محسوس کرنے والے انسانوں کی طرح کسی کو گود لے کر اپنی لاولدی کی تلافی کرے! هُوَ الْغَنِيُّ۔ خدائے اسلام تو ہر ممکن احتیاج سے ماوراء ہے اسے اتخاذ ولد کی (بیٹا بنانے کی) ضرورت ہی بھلا کیا پیش آ سکتی ہے! لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ اس کا تو سب ہی کچھ ہے اعلیٰ وادنیٰ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کا مالک سب اس کے مملوک جس سے جو چاہے کام لے ملک کا تعلق تو فرزندی وتبنیت کے تعلق سے کہیں زیادہ قوی موجود ہے آخر ممکن ہی اس کے لئے کون سا ارمان ہے جس کے پورا کرنے کے لئے اسے کسی کو گود لینے یا متبنّیٰ بنانے کی ضرورت پیش آئے۔

الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ

زمین میں ف۱۰۲ تمہارے پاس کوئی بھی دلیل اس (دعوے) کی نہیں

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ

تو کیا اللہ پر ایسی بات گھڑتے ہو جس کا (خود) علم نہیں رکھتے ہو ف۱۰۳ آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً جو لوگ

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِي

اللہ پر جھوٹ گھڑتے رہتے ہیں وہ فلاح نہیں پانے کے ف۱۰۴ دنیا (ہی) میں

الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ

(بس) تھوڑا سا عیش ہے پھر ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہے پھر ہم انہیں سزائے سخت کا مزہ

الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ

چکھائیں گے اس کفر کے بدلہ میں جو یہ کرتے رہتے تھے ف۱۰۵ آپ انہیں نوح کا قصہ پڑھ کر سنائیے

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ

جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا ف۱۰۶ کہ اے میری قوم اگر تم پر میرا قیام (تمہارے درمیان)

وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا

اور میری وعظ گوئی اللہ کے احکام کے ذریعہ سے بہت ہی گراں گزر رہی ہے تو میں تو اللہ پر بھروسہ کر چکا تم اپنی تدبیر

اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً

پختہ کر لو مع اپنے شرکاء کے پھر (وہ) تمہاری تدبیر تمہارے حق میں پوشیدہ نہ رہے

ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا

پھر میرے ساتھ کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو ف۱۰۷ اور اگر تم اعراض ہی کئے جاؤ سو

سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ

میں تم سے (کوئی) معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے

ع ۱۰/۱۲

ف۱۰۳ (کسی دلیل سے بھی) قرآن مجید نے جہاں ایک طرف اثبات توحید پر بیسیوں دلائل قائم کئے ہیں وہاں اہل شرک سے بار بار مطالبہ کیا ہے کہ تم اپنی باطل پرستی پر آخر دلیل ہی کونسی رکھتے ہو؟ تم تو سراسر ایک دعویٰ بے دلیل کی پیروی میں مبتلا ہو۔ اِنْ عِنْدَكُمْ۔ میں اِنْ نافیہ ہے۔ مِنْ سُلْطٰنٍ۔ یعنی کوئی بھی دلیل۔ بِهٰذَا یعنی ایسے لغو وباطل دعوی کی۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ۔ قال کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی گڑھ لینے، جھوٹ جوڑ لینے کے ہو جاتے ہیں۔ قال علیه ای افتری (تاج) ف۱۰۴ فلاح۔ حقیقی فلاح کم از کم جس معنی میں عربی میں مستعمل ہے تو وہی ہے جو مستقل دیرپا اور دائمی ہو اور یہ کسی منکر مکذب مشرک کے نصیب میں نہیں...... عارضی چند روزہ دنیوی عیش وتنعم جس کا خاتمہ یقینی طور ذلت ومصیبت پر ہے اسے فلاح ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ ف۱۰۵ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا۔ کہہ کر قرآن مجید نے منکر ومکذب قوموں کی بالکل تصویر کھینچ دی ہے۔ تفصیل کے لئے مطالعہ ہو روس اور امریکہ اور برطانیہ اور اور بڑی بڑی "مہذب" "ترقی یافتہ" اقبال مند قوموں کا حال...... ان کے آپس کے رشک وحسد کا حال، ان کی حرام کاریوں کا حال، ان کی شراب نوشیوں کا حال، ان کی سود خواریوں کا حال، ان کے جرائم کا حال، ان کے ہاں کے امراض خبیثہ کا حال، ان کے ہاں کی اسٹرائکوں اور ہڑتالوں کا حال، ان کے ہاں کی کثرت طلاق اور کثرت فواحش کا حال، ان کے ہاں کی معاشی ابتری اور بیروزگاری کا حال، اور پھر فیصلہ کیجیے کہ متاع دنیا کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ رکھنے کے بعد بھی ان منکرین حق کو باوجود اپنی انتہائی "ترقیوں" کے فلاح کسی معنی میں بھی حاصل ہے؟ اور آج جو کج فہم "ہمدردان قوم" قوم وملت کو انہی "ترقی یافتہ قوموں" کی روش پر چلانا چاہتے ہیں وہ ملت کو فلاح کی جنت کی طرف لئے جا رہے ہیں یا دنیا ہی میں دوزخ کے عذاب کی طرف؟...... قرآن مجید تو ہر جگہ اور بار بار یہی بتا رہا ہے۔ اور ہمارے مشاہدہ سے اس کی تصدیق کرا رہا ہے کہ جو قومیں ایمان صحیح اور تقویٰ سے عاری ہیں وہ عیش ابدی سے تو خیر محروم ہی ہیں دنیا میں بھی ان کا تنعم محض ظاہری وسطحی ہوتا ہے۔ اندر سے بالکل کھوکھلا! متاعٌ۔ میں تنوین تقلیل کی ہے۔ والتنوین للتحقیر والتقلیل (روح) یعنی متاع دنیوی تو خود ہی قلیل ہے پھر منکرین کے حصہ میں اور بھی قلیل تر۔ ف۱۰۶ (جس کا مذہب شرک وبت پرستی تھا) حضرت نوح علیہ السلام جن کا شمار قدیم ترین انبیاء میں ہے ان کی شخصیت ان کے زمانہ، ان کے ملک وغیرہ پر حاشیے پیشتر گزر چکے۔ ف۱۰۷ حضرت نوح علیہ السلام جب مسلسل اور بہت طویل تبلیغ کے بعد اپنی قوم سے عاجز آ گئے ہیں اور مایوس ہو چکے ہیں تو اب اس سے انقطاعی گفتگو اس رنگ میں فرما رہے ہیں۔ مَقَامِيْ۔ بعض مفسرین نے لفظ مقام سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام تبلیغی وعظ اور خطبہ کھڑے ہو کر دیا کرتے تھے۔ وعظ وخطبہ کے وقت کھڑے رہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت منقول ہے۔ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ۔ تو اب میں تمہاری یا کسی کی بھی مخالفت سے کیوں ڈرنے لگا...... مخلوق سے خوف کا اصلی علاج یہی توکل علی اللہ ہے فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ۔ یعنی میرے ضرر پہنچانے کی جو جو تجویزیں اور تمہارے منصوبہ تمہارے ذہن میں ہوں انہیں پختہ کر لو۔ اجماع کے معنی ہی کسی امر کے پختہ اور مضبوط کرنے کے ہیں۔ قال الفراء الاجماع العزم علی الامر والاحکام علیه (تاج) قال ابن عرفة ای اعزموا علیه (تاج) امر سے مراد کافروں کی سازش اور اسکیم کی پختگی ہے۔ والمعنی امرهم بالعزم والاجماع علی قصده والسعی فی اهلاکم (روح) وَشُرَكَآءَكُمْ۔ یعنی جن جن کو تم شریک خدائی سمجھتے ہو، اُن سب کو بھی اپنی سازشوں اور منصوبوں میں شریک کر لو۔ ان کی منتیں مان لو۔ ان سے فریاد کر دیکھو۔ فال اور شگون ان کے استھانوں سے حاصل کر لو۔ و یہاں مع کے مرادف ہے۔ قال ابو اسحق والواو بمعنی مع (تاج) والواو بمعنی مع (کشاف) قال ابو اسحاق الزجاج المعنی مع شرکائکم (قرطبی) لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً۔ یعنی جو کچھ کرنا ہے۔ آزادانہ کھلم کھلا کر گزرو۔ چرانے چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ یعنی ولا یکن قصدکم الی اهلاکی مستورًا علیکم ولکن مکشوفًا مشهورًا تجاهروننی به (کشاف) ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ۔ جو کچھ تمہیں میرے ساتھ کرنا ہے کر گزرو۔ المراد ان وجهوا کل تلک الشرور الی (کبیر) قصہ میں تسلی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہ انبیاء سابقین کو بھی ہجوم مخالفت سے کیسا کیسا دو

وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ

اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرمان برداروں میں رہوں ۱۰۸ۛ یہ ایں ہم وہ لوگ نوحؑ کو جھٹلاتے رہے۔

فَنَجَّيْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ جَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ

پھر ہم نے نوحؑ کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور ہم نے انہیں آباد کیا ۱۰۹ۛ

وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں ہم نے غرق کردیا ۱۱۰ۛ سو دیکھ کہ

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى

جو ڈرائے جاچکے تھے ان کا کیا انجام ہوا ۱۱۱ۛ پھر ہم نے (نوحؑ) کے بعد (اور) پیمبروں کو ان کی قوم

قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا

کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس روشن دلائل لے کر آئے مگر یہ نہ ہوا کہ جس چیز کو

كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ

انہوں نے پہلے جھٹلا دیا تھا اس پر ایمان لے آتے ۱۱۲ۛ ہم اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کے دلوں پر مہر کردیا

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى

کرتے ہیں ۱۱۳ۛ پھر ہم نے ان (پیمبروں) کے بعد موسیٰؑ اور

وَ هٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا

ہارونؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، سو انہوں نے تکبر کیا،

وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ

اور وہ لوگ تھے ہی جرم کرتے رہنے والے ۱۱۴ۛ سو جب ان کے پاس ہماری طرف سے

عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰى

حق پہنچا تو وہ بولے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ۱۱۵ۛ موسیٰؑ نے کہا

چار ہونا پڑا اور اس عالم میں بھی وہ کیسے صابر اور ثابت قدم رہے۔ وَلَا تُنْظِرُوْنِ۔ یعنی جو کچھ کرنا ہے۔ جلد سے جلد کر گزرو۔ مہلت مجھے اب ذرا سی بھی نہ دو۔ ای عجلوا ذٰلک باشدّ ما تقدرون علیه من غیر انظار (کبیر) اس قطعیت کے لب و لہجہ میں دشمنوں سے گفتگو وہی کرسکتا ہے جس کا رشتہ اللہ سے تمامتر جڑا ہوا ہو اور جو خلق کی قوت ضرر رسانی و قوت نفع رسانی دونوں سے یکسر بے نیاز ہو چکا ہو۔ ۱۰۸ۛ پیمبر قانون الٰہی کی پابندیوں سے مافوق و ماوراء نہیں ہوتا، بلکہ ساری امت کی طرح وہ خود بھی اس کا پوری طرح پابند ہوتا ہے اس میں رد ہے جاہلی قوموں کا جو اپنے دیوی دیوتاؤں کو ہر اخلاقی قانون سے ماورا سمجھتے ہیں۔ فَاِنْ..... اَجْرٍ۔ سو تم مجھے تبلیغ سے روکنے کا حق ہی کیا رکھتے ہو؟ کیا میں تم سے اس کی کچھ فیس مانگتا رہتا ہوں جس کے رک جانے کا مجھے اب اندیشہ ہو، خوف خلق کی نفی اوپر کی آیت میں ہو چکی تھی۔ طمع خلق کی نفی اب ہو گئی..... پیمبر خلق کے خوف اور طمع دونوں سے یکسر بے نیاز رہتا ہے۔ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جو امر دین میں واجب ہے، اس پر اجرت جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ تبلیغ رسالت حضرات انبیاء پر واجب ہی ہوتی ہے۔ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔ میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور اس نے اپنے کرم سے اس کا وعدہ کرلیا ہے۔ سو اب مجھے غم و فکر ہی کیا؟ ۱۰۹ۛ (روئے زمین پر) فَنَجَّيْنٰهُ..... الْفُلْكِ یعنی نوحؑ اور ہمراہیان نوحؑ کو عذاب طوفان و سیلاب سے نجات مل گئی۔ اس طوفان عظیم کے آثار قدیم ماہرین سائنس کو آج بھی ارض نوحؑ میں مل رہے ہیں۔ یہ طوفان ملک عراق میں دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیانی علاقہ میں آیا تھا۔ اس علاقہ کا رقبہ موجودہ ماہرین اثریات کے تخمینہ کے مطابق ۴۰۰ میل طول میں اور ۱۰۰ میل عرض میں تھا۔ الْفُلْكِ۔ کشتی نوحؑ کا طول حسب تصریح توریت ۳۰۰ ہاتھ کا عرض ۵۰ ہاتھ کا اور بلندی ۳۰ ہاتھ کی تھی۔ گویا یہ کشتی اتنی ہی بڑی تھی جیسے آج کل کے برطانیہ اور امریکہ کے درمیان چلنے والے مسافروں کے جہاز یا (LINERS) عموماً ہوتے ہیں۔ غرقابی قوم نوحؑ کے بعد آپ کے مخلص رفیق پھر اسی علاقہ میں آباد ہوئے اور انہی سے سلسلۂ نسل آدمؑ چلا۔ نوع انسانی کی آبادی تاریخ کے اس ابتدائی دور میں صرف اسی سرزمین کے حدود تک محدود تھی۔ ۱۱۰ۛ یہ بیان کہ خداوند تعالیٰ نے غصہ ہو کر ساری نسل انسانی کو ہلاک کر ڈالنا چاہا، قرآن کا نہیں، بائبل ہی میں یہ تصریحات ملتی ہیں کہ:۔ ”خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا انسان کو اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک۔ کیونکہ میں ان کے بنانے سے پچھتاتا ہوں۔“ (پیدائش ۶۔۵:۷) اسلام میں تو یہ عقیدہ ہی سرے سے کفر ہے کہ حق تعالیٰ بھی اپنے کسی عمل سے پچھتاتا ہے اور غرقابی کو تو قرآن مجید صراحت کے ساتھ مکذبین حق (الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا) تک محدود رکھتا ہے...... یہ ایک الگ بات ہے کہ روئے زمین پر کوئی آبادی ہی اس وقت تک بجز قوم نوحؑ کے نہ تھی۔ حضرت آدمؑ کے زمانہ کو ابھی کل دس ہی پشتیں تو ہوئی تھیں۔ خاندان انسانی اتنے عرصہ میں کہاں تک پھیل جاتا؟ ایک ہی ملک کے اندر سمٹا سمٹایا ہوا تھا۔ غرقابی عام و عالمگیر رہی ہے یا اسی امت نوحؑ کے ساتھ مخصوص۔ یہ سوال متقدمین مفسرین کے سامنے بھی آ چکا ہے اور محققین کی اکثریت شق ثانی ہی کی طرف گئی ہے اور ظواہر قرآن و حدیث بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ هل عمّ جميع اهل الارض او كان لبعضهم وهم اهل دعوته المكذبين به كما هو ظاهر كثير من الأيات والاحاديث قال ابن عطية الراجح عند المحققين هو الثاني وكثير من اهل الارض كاهل الصّين وغيرهم ينكرون عموم الغرق (روح) ۱۱۱ۛ یعنی وہ مکذبین منذرین عذاب الٰہی سے کس طرح مٹ کر اور ہلاک و برباد ہو کر رہے! اَلْمُنْذَرِيْنَ۔ کی یہ تصریح پھر اسی حقیقت کا اعادہ کر رہی ہے کہ عذاب کی ہدف وہی سرکش و نافرمان قوم ہی تھی۔ فَانْظُرْ۔ یعنی دیکھ اور سوچ سمجھ اے مخاطب! دیکھنے سے مراد سیاق میں ظاہر ہے کہ ظاہری آنکھوں سے رویت کرنا نہیں۔ بلکہ دل کی آنکھوں سے سبق لینا اور عبرت حاصل کر لینا ہے۔ نظر کا لفظ عربی میں ظاہری بصارت اور باطنی بصیرت دونوں کے لئے عام ہے۔ النظر تقليب البصر والبصيرة لادراک الشيء ورؤيته (راغب) قرآن مجید میں غور و تامل تفحص و تدبر کے معنی میں اس کا استعمال بہ کثرت ہوا ہے اور اردو محاورہ میں بھی ”دیکھنا“ دونوں مفہوموں کے لئے آتا ہے۔ ۱۱۲ۛ اہل ضلال کی یہ ذہنیت آج تک چلی آرہی ہے۔ جہاں ایک بار بھی شروع میں بے سوچے سمجھے زبان سے ”نہیں“ نکل گئی۔ بس آخر تک وہی قائم رہے گی۔ چاہے ہزار شواہد و دلائل نظر سے گزر جائیں۔ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ۔ یہ سب قومی انبیاء تھے یعنی ان کے مخاطب انہی کے وطن قبیلہ یا قوم کے لوگ تھے۔ انسانیت اس وقت تک یوں ہی مستقل قوموں میں بٹی ہوئی تھی۔ اور رسائل و مواصلات کے موجودہ ذرائع اس وقت یکسر ناپید تھے۔ ایک عالمگیر پیام، ساری نوع انسانی کے نام کا وقت ابھی فطرت کی جنتری میں آیا نہ تھا۔ فيه اشارة الى ان عموم الرسالة الى البشر لم يثبت لاحد من اولٰئک الرسل عليهم الصلوٰة والسلام ظاهر كلامهم الاجماع على ان ذٰلک مخصوص بنبينا ﷺ ولم يثبت لاحد ممن ارسل بعد نوح (روح) ۱۱۳ۛ مراد یہ ہے (جیسا کہ پیشتر بھی کئی بار عرض ہو چکا ہے) کہ چونکہ وہ اپنے قصد کو طلب حق میں نہیں، بلکہ اس کی مخالفت میں استعمال کرتے رہتے ہیں، اس لئے ان سے توفیق بھی قبول حق کی سلب ہو جاتی ہے۔ ۱۱۴ۛ یعنی شرک و مخلوق پرستی اور حق دشمنی و نفس پرستی میں مبتلا۔ بِاٰيٰتِنَا۔ ”نشانیوں کا لفظ دلائل و معجزات دونوں کے لئے عام ہے۔ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ۔ بائبل میں اس کی تصریح کہیں پر نہیں کہ ان دونوں پیمبران برحق نے اپنے پیام توحید کی تبلیغ میں مصریوں کو بھی مخاطب کیا تھا حالانکہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ جو اللہ کی توحید کا منادی ہو، وہ اصلاح عقائد کی کوشش سب سے پہلے ہی مرتبہ پر نہ کرے۔

اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَ لَا

کہ کیا تم حق کے بارہ میں یہ کہتے ہو جب وہ تمہیں پہنچ گیا؟ کیا یہ (واقعی) جادو ہے؟ درآنحالیکہ

يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا

جادوگر فلاح نہیں و۱۱۶ پاتے۔ وہ بولے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں ہٹادے اس (طریقہ) سے

وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي

جس پر ہم نے اپنے باپ (دادا) کو پایا تھا اور ملک میں بڑائی تم دونوں کے لئے

الْاَرْضِ ؕ وَ مَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَ قَالَ

ہو جائے تو ہم تو تم دونوں کو (بھی) ماننے والے نہیں و۱۱۷ اور فرعون

فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ

بولا کہ لاؤ میرے پاس سارے ماہر جادو گروں کو و۱۱۸ پھر جب

السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾

جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے کہا جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے ڈال چکو و۱۱۹

فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ

پھر جب انہوں نے (رسے) ڈال دیئے تو موسیٰ بولے جادو یہ ہے جو کچھ تم (بنا کر) لائے ہو یقیناً

اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ

اللہ اسے ابھی توڑ پھوڑ دے گا یقیناً اللہ فسادیوں کا کام بننے نہیں

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ

دیتا و۱۲۰ اور اللہ حق کو سچ کر دکھاتا ہے اپنے وعدوں کے موافق خواہ مجرموں کو (کیسا ہی)

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ

ناگوار گزرے و۱۲۱ پھر موسیٰ کی ہر بات کسی (اور) نے نہ مانی بجز اُن کی قوم کے تھوڑے سے

ع ۸/۱۲ ۱۳

اور کفر، شرک اور ضلالتوں کو اسی حال پر چھوڑے رکھے۔ یہیں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کا جو حصہ نسبۃً محفوظ ہے اس میں بھی کیسے کیسے تغیرات وتصرفات ہو چکے ہیں۔ اور قرآن کس طرح ضروری موقعوں پر اس کی فروگزاشتوں کی اصلاح کرتا جاتا ہے۔ فَاسْتَكْبَرُوْا۔ یعنی ان کی بڑائی انہیں اس سے مانع ہوئی کہ وہ پیمبروں کی تصدیق کرتے۔ فرعون لقب تھا مصر کے قبطی شہنشاہ کا، موسیٰ وہارون اسی نسل بنی اسرائیل سے تھے جو ہر طرح اُس کی محکوم اور رعایا تھی۔ اپنے محکوموں اور ''غلاموں'' کی زبان سے اتنے بڑے روحانی منصب کا دعویٰ سننا حاکم قوم کی رعونت گوارا کیسے کرسکتی تھی۔ و۱۱۵ جاہلی قومیں فضائل اخلاقی وکمالات روحانی کی قدر تو بھلا کیا کرتیں۔ انبیاء کے خوارقِ حسی جب دیکھتیں تو انہیں سحر وکہانت پر محمول کرنے لگتیں ؎ فکر ہر کس بہ قدر ہمت اوست۔ اَلْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا۔ یعنی دین حق کی تبلیغ، جس کے اندر احکام، دلائل، خوارق سب کچھ آگیا:۔ و۱۱۶ فلاح۔ یعنی آخری اور مستقل کامیابی ساحروں، شعبدہ بازوں کے نصیب میں کہاں؟ ذرا دیر کے لئے وہ گرمیٔ محفل جیسی بھی پیدا کردیں، لیکن کمالات اخلاق سے وہ عاری اور تصرفات روحانی سے ان کا دامن خالی۔ دنیوی اعتبار سے بھی تو کوئی اعلیٰ مستقل کمال ان میں نہیں ہوتا۔ اَسِحْرٌ هٰذَا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کمال حیرت وحیرانی سے فرما رہے ہیں کہ تم نے یہ کیا کہا؟ ایسی کھلی ہوئی صداقتوں کے لئے تمہارے پاس لفظ ''سحر'' کا ہے؟ جو تمہارے نزدیک بھی ایک بے حقیقت سی شے ہے۔ و۱۱۷ مصری مذہب کے ''ہزار دیوتا'' مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ ہندی مشرکوں کی طرح مصریوں میں حیوان پرستی بھی جاری تھی۔ بندر، کتا، بلی وغیرہ ان کے مقدس جانور تھے۔ اپنے بادشاہ کو خدا کا اوتار مانتے تھے۔ تناسخ ارواح کے قائل تھے۔ وقس علیٰ ہذا...... تبلیغ موسوی سے ان سارے عقائد پر ضرب کاری لگ رہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام محض قومی لیڈر نہ تھے جو اپنی قوم اسرائیل کو ''سوراج'' دلانے کے لئے مصری گورنمنٹ سے نامہ وپیام کر رہے تھے وہ سب سے پہلے توحید وعقیدۂ آخرت کے منادی تھے، اور پھر کچھ اور۔ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ۔ دنیا پرست مادی زاویۂ نظر رکھنے والا اپنے نفس پر قیاس کر کے دوسروں کو بھی اسی عینک سے دیکھتا ہے۔ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ۔ ایمان یہاں شرعی اصطلاحی معنی میں نہیں، مراد صرف بات کا ماننا یا تسلیم کرنا ہے۔ صلہ بھی اسی لئے ب کے بجائے ل کے ساتھ آیا ہے۔ و۱۱۸ یہ بادشاہ نے اپنے اہل دربار وعمال سلطنت کو حکم دیا...... تشخیص چونکہ یہی ٹھیری تھی کہ یہ دونوں نئے مبلغ بڑے ماہر ساحر ہیں اس لئے ان کا زور توڑنے، ان سے مقابلہ کرنے، انہیں نیچا دکھانے کے لئے اجتماع بھی ماہرین فن ساحروں کا کیا جائے! و۱۱۹ (اپنے جادو کے سامان میں سے) فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ۔ یعنی میدان مقابلہ طے پا گیا اور جادوگر وہاں جمع ہولئے۔ امام رازی علیہ الرحمۃ فراء نحوی ولغوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ پہلے فرعون اور فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیام کو سن کر کہا تھا ہذا سحر۔ اب موسیٰ علیہ السلام اس قول کے جواب میں کہہ رہے ہیں کہ سحر وہ تو نہیں تھا یہ البتہ ہے۔ مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ۔ اسی لئے سحر (نکرہ) کو یہاں الف لام کے ساتھ لاکر السحر (معرفہ) کردیا گیا۔ انما قال السحر بالالف واللام لانه جواب كلام سبق (کبیر) و۱۲۰ (جبکہ وہ بنیادی معجزاتِ انبیاء سے معارضہ کو کھڑے ہوتے ہیں) قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ۔ موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سحر میری وہ دعوت حق نہ تھی جسے فرعون اور فرعونی سحر سے موسوم کر رہے تھے۔ البتہ سحر تو یہ ہے جسے تم لے کر آئے ہو! اَلسِّحْرُ۔ یہاں ال کے ساتھ معرفہ کی صورت میں لانا اسی لئے ہے کہ وہ قول فرعون هٰذَا اَسِحْرٌ۔ (نکرہ) کے جواب میں ہے۔ قال الفراء انما قال السحر بالالف واللام لانه جواب كلام سبق (کبیر) قال الفراء وانما قال السحر بالالف واللام لان النكرة اذا اعيدت اعيدت بالالف واللام (بحر) قال ابن عطية والتعريف هنا فى السحر ارتب لانه قد تقدم منكرا فى قولهم ان هٰذا لَسِحْرٌ فجاء هنا بلام العهد (بحر) و۱۲۱ حق تعالیٰ کی مشیت تکوینی کو جو کچھ مدنظر ہے وہ بہرحال وصورت واقع ہوکر رہے گا، منکرین خواہ کچھ بھی کرڈالیں۔ بِكَلِمٰتِهٖ۔ کلمات کے مفہوم میں کلام اور دلائل وشواہد سب داخل ہیں۔ اے بحجة التي جعلها الله تعالىٰ لكم عليهم سلطانًا مبينًا (راغب) اے بكلامه وحججه وبراهينه (قرطبی) یہاں مراد وعدہ نصرت سے لی گئی ہے۔ اے بوعده النصر لمن جاء به (روح۔ عن الحسن)

قَوْمِهٖ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهِمْ اَنْ
لوگوں کے، فرعون اور اپنے سرداروں کے خوف سے کہ کہیں وہ انہیں مصیبت میں

يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ
نہ ڈال دے اور واقعی فرعون ملک میں زور رکھتا تھا اور واقعی وہ

لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ
زیادتی کرنے والوں میں سے تھا ۱۲۲ اور موسیٰؑ نے کہا کہ اے میری قوم والو! اگر تم

اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾
اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو بھروسہ بھی اسی پر کرو اگر تم فرماں بردار ہو ۱۲۳

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ
وہ بولے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اے ہمارے پروردگار ہم کو تختۂ مشق نہ بنا ظالم

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ
لوگوں کا اور ہم کو اپنی رحمت سے نجات دے

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ
کافر لوگوں سے ۱۲۴ اور ہم نے موسیٰؑ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ

تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً
تم دونوں اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم لوگ اپنے گھروں ہی کو نماز گاہ قرار دے لو ۱۲۵

وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ
اور نماز کی پابندی رکھو اور آپ ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجیے ۱۲۶ اور موسیٰؑ نے عرض کی

مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً
کہ اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو (سامان) تجمل

۱۲۲ (اس لئے لوگوں کا اتنا ڈر بے جا تھا بھی نہیں) فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓی۔ اٰمَنَ۔ امن کا صلہ یہاں بجائے ب کے ل (مکسور) کے ساتھ آ رہا ہے۔ معنٰی یہ ہے کہ آپؑ کی بات کی تصدیق نہ کی۔ ذُرِّيَّةٌ یہاں قلتِ عدد کے اظہار کے لئے ہے۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ بس مٹھی بھر لوگ۔ ههنا معناها تقليل العدد (کبیر) ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول منقول ہوا ہے کہ یہ لفظ جب کسی قوم پر بولا جاتا ہے تو مقصود اس کی تحقیر یا تصغیر ہوتی ہے۔ قال ابن عباس لفظ الذرية يعبر به عن القوم على وجه التحقير والتصغير (کبیر) اور چونکہ یہاں تحقیر کا کوئی قرینہ ہے نہیں، اس لئے مقصود تصغیر عددی ہی ہے۔ مِنْ قَوْمِهٖ کی ضمیر نے دو بالکل مختلف معنٰی پیدا کر دیئے ہیں۔ مراد قوم موسیٰ علیہ السلام بھی ہو سکتی ہے اور قوم فرعون بھی۔ پہلی صورت میں مراد یہ لی جائے گی کہ فرعون اور فرعونیوں کے ڈر سے شروع شروع اسرائیلیوں کی بھی بہت ہی تھوڑی تعداد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔ اور دوسری شق کو مان کر اشارہ ان چند فرعونی ساحروں کی طرف سمجھا جائے جو بعد مقابلہ حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے تھے۔ اس عاصی کا ذوق پہلی شق کو ترجیح دیتا ہے۔ سلف سے منقول دونوں قول ہیں۔ الهاء عائدة على موسٰى (قرطبی) اے طائفة من ذراری بنی اسرائيل (کشاف) والضمير لموسٰى كما هو احدى الروايتين عن ابن عباسؓ (روح) عَلٰی خَوْفٍ۔ خوف کی تنوین شدت خوف کے لئے ہے۔ التنوين للتعظيم اے كائنين مع خوفٍ عظيم (روح) ۱۲۳ (اور خواہ مخواہ زیادہ حیران پریشان نہ ہو۔ وہی تمہاری مدد کرے گا) یہ آپ نے اس وقت فرمایا جب دیکھ لیا کہ حکومت فرعونی کے مظالم سے اسرائیلی بلبلا اٹھتے ہیں ۱۲۴ اسرائیلی مومنین جواب دیتے ہیں کہ بیشک ہمارا بھروسہ تو حق تعالیٰ ہی پر ہے۔ اور پھر معاً مناجات کرنے لگتے ہیں کہ یا الٰہی، جب تک ان کی حکومت مقدر ہے، وہ ہم پر ظلم نہ کرنے پائیں، اور پھر ان کی حکومت ہی کے دائرہ سے ہم کو نکال دے! ۱۲۵ آیت میں قِبْلَةً۔ کا لفظ قرآن کا ایک دشوار ترین لفظ ہے۔ بہرحال قبلة کے ایک مشہور معنٰی اس مکان کے ہیں جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے۔ فی المتعارف صار اسماً للمكان المقابل المتوجه اليه لِلصّلٰوة (راغب) یہ معنٰی لے کر مراد یہ ہوگی کہ گو امت میں یک جہتی پیدا کرنے کے لئے کسی ایک متعین مکان کی طرف عبادت کا رخ ضروری ہے۔ لیکن تمہارے لئے حالات موجودہ میں یہی کافی ہے کہ اپنے گھروں میں انہی کی طرف رخ کر لیا کرو۔ لیکن یہاں معنٰی علی العموم "نماز کی جگہ" یا مصلّی کے لئے گئے ہیں۔ اے مصلّٰی (بیضاوی۔ روح) اور مراد حکم سے یہ ہے کہ نمازیں اپنے اپنے گھروں ہی میں پڑھ لیا کرو۔ اے صلوا فی بیوتکم (کبیر) كانوا خائفين فامروا ان يصلوا فی بيوتهم (ابن کثیر) اور عجب نہیں جو مظالم فرعونی میں سے ایک چیز یہ بھی رہی ہو کہ بنی اسرئیل اپنی اپنی عبادت گاہوں تک نہ پہنچنے پائیں۔ ۱۲۶ (اے موسیٰ کہ اب وقت مخلصی کا نزدیک آ گیا) وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ کہ اقامتِ نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ جلد تر اپنا فضل کرے گا اور تمہیں جلد سے جلد اس مصیبت سے نجات دلائے گا۔

وَّ اَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ

اور (طرح طرح کے) مال دنیوی زندگی میں دیئے ہی تھے اس نتیجہ کے ساتھ کہ اے پروردگار وہ تیری راہ سے (لوگوں

سَبِیْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤی اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ

کو) گمراہ کریں ف۱۲۷ اے ہمارے پروردگار ان کے مالوں کو نابود کر دے اور ان کے

عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ

دلوں کو (اور زیادہ) سخت کر دے، سو یہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ عذاب دردناک کو

الْاَلِیْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَ لَا

دیکھ لیں ف۱۲۸ (اللہ نے) فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہوگئی ف۱۲۹ سو تم دونوں (بدستور) قائم رہو، اور ان

تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ

لوگوں کی راہ نہ چلنے لگنا جو علم نہیں رکھتے ف۱۳۰ اور ہم نے بنی اسرائیل کو

اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْیًا

سمندر کے پار کر دیا پھر فرعون اور اس کے لشکر نے ظلم وزیادتی (کے ارادہ) سے

وَّ عَدْوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ

ان کا پیچھا کیا ف۱۳۱ یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو بولا ف۱۳۲ میں ایمان لاتا ہوں کہ

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ

کوئی خدا نہیں بجز اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں ف۱۳۳ اور میں مسلموں میں

الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ

(داخل ہوتا) ہوں ف۱۳۴ (یہ) اب! حالانکہ تو سرکشی ہی کرتا رہا قبل تک اور تو مفسدوں (ہی) میں

الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ

شامل رہا ف۱۳۵ سو آج ہم تیرے جسم کو نجات دے دیں گے تاکہ تو

ف۱۲۷ لِیُضِلُّوْا۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی تیری ان بخششوں اور انعامات کا نتیجہ یہ ہوا۔ یہ مطلب نہیں کہ تیری بخشش وانعام سے مقصود ہی یہ تھا۔ اگرچہ یہ مفہوم بھی تکوینی اعتبار سے بالکل درست ہوسکتا ہے۔ واضح ما قیل فیها هو قول الخلیل وسیبویه انها لام العاقبة والصیرورة (قرطبی) اللام لام العاقبة لما كانت عاقبة قوم فرعون هو الضلال وقد اعلمه الله تعالٰی لا جرم عبر عن هذا المعنی بهذا اللفظ (کبیر) ف۱۲۸ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ہدایت ان کے مقدر میں نہیں اور جو حکمت تھی وہ حاصل ہوچکی تو اب ان کے نفوس کو باقی ہی کیوں رکھا جائے یہ کفر میں ترقی ہی کرتے جائیں تا آنکہ عذاب الٰہی کے پوری طرح مستحق ہوکر اس سے ہلاک ہوجائیں۔ ایسے بدبختوں کی ہلاکت وبربادی کی تمنا کرنا ایسا ہی ہے جیسے موذی جانوروں، سانپ، بچھو وغیرہ کے ہلاک کی تمنا کرنا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو ان کا انجام مکشوف ہی ہوچکا تھا، ان کے لئے دعائے ہلاکت میں اور بھی کوئی مضائقہ نہیں رہ گیا تھا، اپنی دعوت وتبلیغ اور کوشش واصلاح سو وہ آخر تک جاری رہی۔ ف۱۲۹ (اور اب یہ نافرمان ہلاک ہی ہوکر رہیں گے) اس جواب کے صیغہ تثنیہ سے معلوم ہوا کہ دعاء میں حضرت ہارون علیہ السلام بھی شریک تھے۔ بلاغت قرآنی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جو چیزیں سیاق سے ازخود روشن ہوجائیں قرآن ان کی صراحت غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ ف۱۳۰ (ہمارے وعدوں کے برحق اور قطعی ہونے کا، گو ان کا ظہور بہ توقف وبتاخیر ہو) فَاسْتَقِیْمَا۔ یعنی اپنے فرض منصبی پر قائم رہو اور دعوت وتبلیغ میں بدستور لگے رہو۔ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ یعنی ہماری حکمت تاخیر ومصالح توقف سے بے خبر ہیں۔ لا یعلمون صدق الاجابة وحكمة الامهال (مدارک) ف۱۳۱ (کہ انہیں پکڑیں، سزا دیں، قتل کریں) بنی اسرائیل کے اس سفر بحری اور فرعون کی غرقابی پر مفصل حاشیے سورۂ بقرہ آ۔ع۔ۃ میں گزر چکے۔ بَغْیًا وَّ عَدْوًا۔ یعنی جو سرتاسر ناحق پر تھا، کیا ازروئے قول اور کیا ازروئے عمل۔ بغی کا تعلق قول سے ہے، اور عدو کا عمل سے۔ قال المفسرون بغیًا طلبًا للاستعلاء بغیر حق فی القول وعدوًا فی الفعل (قرطبی) قیل بغیًا فی القول وعدوًا فی الفعل (معالم) ف۱۳۲ (بدحواس وسراسیمہ ہوکر اور ملائکہ عذاب کو معاینہ کرنے کے بعد جیسا کہ ہر کافر ومنکر کو موت کے وقت فرشتگانِ عذاب کا معاینہ ہوتا رہتا ہے) حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ۔ اس میں بیان اس امر کا آگیا کہ عمل غرقابی شروع ہوچکا تھا اور ڈوبنے والے کو اب عالم برزخ کا مشاہدہ ہورہا تھا۔ فآمن حیث لا ینفعه الایمان (ابن کثیر) تراكمت الامواج فوق فرعون وغشیته سكرات الموت فقال وهو كذالک (ابن کثیر) ف۱۳۳ (اور توحید کا اقرار کرتا ہوں، اور رسالتِ موسوی کی تصدیق کرتا ہوں) اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ۔ "بنی اسرائیل کے خدا" کی تصریح اس لئے کہ وہی تو ایک قوم توحید کی قائل تھی۔ دوسرا نکتہ یہ بھی کہ وہی قوم جو آج تک نظر میں اس قدر حقیر وذلیل تھی۔ آج تصدیق اسی کے برسرحق ہونے کی کرنا پڑ رہی ہے! محض یہ کہنے میں کہ "میں خدائے واحد پر ایمان لایا" یہ بات کہاں تھی۔ خدائے واحد کی تصدیق میں بڑی رکاوٹ اب تک فرعون اور اس کے ہم قوموں کو یہی تھی، کہ ہم اعلیٰ برتر اور حاکم قوم کے افراد ایسے خدا کا اقرار کیونکر کرلیں جو ہمارے محکوموں اور ہماری رعایا کا خدا ہے۔ ف۱۳۴ (تو اب مجھے نجات ملے اس غرق سے بھی اور عذاب آخرت سے بھی) ف۱۳۵ (سو اب نہ ایمان مقبول، نہ نجات آخرت کی کوئی صورت) آٰلْـٰٔنَ۔ یہ اب! جبکہ انکشاف آخرت شروع ہوچکا اور قبول ایمان کا وقت نہیں رہا۔ اتؤمن بالساعة فی وقت الاضطرار حین ادرکک الغرق وانست من نفسک (مدارک) وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ۔ یعنی عین اس لمحہ سے قبل تک تیری ساری عمر تو ہماری مخالفت وسرکشی ونافرمانی میں گزری اور اب جب مشاہدہ ہمارے عذاب کا ہونے لگا تو اب اقرار تسلیم واطاعت کو چلا ہے۔ انما تؤمن عند نزول العذاب والایمان فی هذا الوقت غیر مقبول (کبیر) مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ۔ مفسد یہاں منکر اور باغی، گمراہ کرنے والے کے معنی میں ہے۔ ای اللذین اضل الناس (ابن کثیر) حیرت ہے کہ قرآن کی ان تصریحات کے باوجود بھی صوفیہ غیر محققین کو فرعون کی نجات اور صحت ایمان پر اصرار ہے۔ "اور بعض اکابر سے جو فرعون کے ایمان کی صحت منقول ہے وہ کسی شخص نے ان کی تصنیف میں الحاق کردیا ہے۔ چنانچہ الیواقیت والجواہر میں اس میں تفصیل موجود ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

لِمَنۡ خَلۡفَكَ اٰيَةً ؕ وَ اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ عَنۡ اٰيٰتِنَا

ایک نشان (عبرت) پیچھے آنے والوں کے لئے رہے ف۱۳۶ اور بے شبہ بہت سے لوگ ہماری (ایسی) نشانیوں سے

لَغٰفِلُوۡنَ ﴿۹۲﴾ ع وَ لَقَدۡ بَوَّاۡنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مُبَوَّاَ

غافل ہیں ف۱۳۷ اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا

صِدۡقٍ وَّ رَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخۡتَلَفُوۡا

دیا اور ہم نے انہیں نفیس چیزوں کا رزق عطا کیا ف۱۳۸ سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا

حَتّٰى جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقۡضِىۡ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ

یہاں تک کہ ان کے پاس علم (حق) آگیا ف۱۳۹ یقیناً آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان

الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۹۳﴾ فَاِنۡ كُنۡتَ فِىۡ

ان امور میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے فیصلہ کر دے گا ف۱۴۰ پھر اگر (بالفرض) آپ کو

شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ فَسۡـَٔلِ الَّذِيۡنَ يَقۡرَءُوۡنَ

شک ہو اس (مضامین) کے باب میں جو ہم نے آپ پر نازل کئے ہیں ف۱۴۱ تو آپ ان لوگوں سے پوچھ دیکھئے جو

الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ لَقَدۡ جَآءَكَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ

آپ سے پہلے کی کتابوں کو پڑھتے رہتے ہیں ف۱۴۲ بالیقین آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے سچی

فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ﴿۹۴﴾ لا وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ

(کتاب) آ چکی ہے سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں ف۱۴۳ اور آپ ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو

كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوۡنَ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ

جایئے جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا ورنہ آپ بھی تباہ کاروں میں (شامل) ہو جائیں گے ف۱۴۴ بیشک

الَّذِيۡنَ حَقَّتۡ عَلَيۡهِمۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۹۶﴾ لا

جن لوگوں کے حق میں آپ کے پروردگار کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے

ع ۹ ۱۰ / ۱۴

ف۱۳۶ (اور تیرے لئے مزید رسوائی و تفضیح کا سامان بنا رہے) فرعون کا ایمان جس طرح عالم یاس میں تمامتر ظاہری و صوری تھا، معنی و حقیقت سے خالی، اسی طرح اور اسی مناسبت سے اس کے جسم مردہ کی نجات بھی اس کے حق میں تمامتر بے سود رہی۔ اٰيَةً۔ یہاں عبرةً کے مرادف ہے۔ اے عبرةً وعظةً (معالم) عبرةً (جلالین) عبرةً ونكالاً من الطغيان (روح) ایک غرق شدہ فرعون مصر کی نعش ماہرین اثریات کو مدت ہوئی قدیم مصری شہر تھیبس (THEBES) میں مل گئی تھی اور آج قاہرہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے اور مؤرخین و ماہرین کا خیال ہے کہ یہ فرعون رعمیس ثانی تھا ـــــ رعمیس ثانی یا تو وہی قرآنی فرعون ہے۔ اور یا فرعون مغروق، اگر کوئی اور ہوا ہے تو ماہرین فن کو اس نعش کی شناخت میں دھوکا ہوا ہے یہ نعش اسی کی ہے نہ کہ رعمیس ثانی کی، ف۱۳۷ (اور خود اپنی غفلتوں اور طغیانیوں میں مبتلا ان چیزوں سے ذرا بھی اثر نہ قبول کرنے والے۔ اے لا يتعظون بها ولا يعتبرون بها (ابن کثیر) ف۱۳۸ (اسی ملک اور وطن میں) مراد فلسطین و شام کے سرسبز و شاداب علاقے ہیں اور ذکر عہد بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے بعد کا ہو رہا ہے۔ مُبَوَّاَ صِدۡقٍ۔ کے لفظی معنی منزل حسن اور مکان خوب و دلپسند کے ہیں۔ محاورۂ عرب میں صدق کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر اچھی چیز کو اسی صفت سے ظاہر کرتے ہیں۔ اے كانًا محمودًا (کبیر) منزلًا صالحًا مرضيًا (کبیر) لان عادة العرب انها اذا مدحت شيئًا اضافته الى الصدق تقول رجل صدق وقدم صدق (کبیر) وفی العباب كل ما نسب الى الصلاح والخير اضيف الى الصدق (تاج) مراد شام و ارض فلسطین سے قدیم مفسرین نے بھی لی ہے۔ هو الاردن والشام (بحر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) المراد به الشام وبيت المقدس (بحر۔ عن قتادہ وابن زید والضحاک) وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ۔ ملک شام اور اس کے ملحق علاقے اپنی سرسبزی، شادابی، خوش پیداواری کے لئے شروع سے آج تک مشہور چلے آ رہے ہیں۔ توریت موجودہ میں ہے:۔ "میں نازل ہوا ہوں کہ انہیں مصریوں سے چھڑاؤں اور اس زمین سے نکال کے اچھی وسیع زمین جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے۔ کنعانیوں...... کی جگہ میں لاؤں۔ (خروج ۳:۰ ۸) آج بھی جغرافیہ کی جن کتابوں اور جن سیاحت ناموں میں چاہیے یہی تفصیلات پڑھ لیجیے۔ ف۱۳۹ (پہلے انہی کے پیمبروں کے ذریعہ سے اور پھر آخر میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے) فَمَا اخۡتَلَفُوۡا۔ یعنی راہ حق سے انحراف نہیں کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ ان نعمتوں کا مقتضاء تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل ہمیشہ سپاس گزار رہ کر توحید و رسالت کے عقائد پر مضبوطی سے قائم رہتے۔ اس کے برعکس انہوں نے دین حق سے اختلاف و انحراف شروع کر دیا۔ اور وہ بھی پیاماتِ نبوت سننے کے بعد۔ ف۱۴۰ اور وہ فیصلہ عملی، مشاہد و مرئی ہوگا۔ علمی، عقلی تحقیقی فیصلہ تو اب بھی ہو چکا ہے۔ ف۱۴۱ (اسرائیلیوں، فرعونیوں وغیرہ کی حکایات اور تاریخ سے متعلق) ذکر ابھی بالکل متصل اسرائیلی تاریخ کے بعض اجزاء اور فرعونیوں کی سرگزشت کا آیا ہے۔ اس لئے مما انزلنا اليک کا تعلق بھی انہی قصص و حکایات ہی سے متعلق معلوم ہوتا ہے اور مفسرین قدیم بھی یہی سمجھے ہیں۔ اے من القصص (بیضاوی) اے من القصص المنزلة اليک التی من جملتها قصة فرعون وقومه واخبار بنی اسرائیل (روح) لیکن اگر یہ محدود معنی نہیں بلکہ وہ وسیع معنی مراد لئے جائیں جو ظاہر الفاظ سے نکلتے معلوم ہوتے ہیں۔ یعنی کل مضامین کتاب میں شک جب کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ قرآن نے تو یہ بات محض بہ طور فرض و احتمال کے کہی ہے اور قرآن نے اس سے بڑھ بڑھ کر احتمالات، یعنی محال محض چیزوں کے امکانات، اسی ترکیب کلام کے ساتھ پیش کئے ہیں، مثلاً خدائے قدوس کا صاحب اولاد ہونا۔ ان كان للرحمن ولد۔ ان كنت فی شک۔ لازمی نہیں کہ یہ خطاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ سمجھا جائے۔ مخاطب اگر محض انسان سمجھا جائے تو اس کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اور بعض اہل علم نے تقدیر کلام یوں ہی فرض کی ہے۔ اے ان كنت ايها الانسان فی شک مما انزلنا اليک من الهدٰى على لسان رسولنا محمد (معالم) یہ تقدیر کلام بھی بڑے بڑے ائمۂ ادب و لغت سے منقول ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کافر سے کہیے کہ اگر تجھے شک ہو تو الخ۔ قال ابو عمر محمد بن عبد الواحد الزاهد سمعت الامامين ثعلبًا والمبرد يقولان اے قل يا محمد للكافر فان كنت فی شک الخ (قرطبی) ف۱۴۲ (ان کی اصلی، غیر محرف صورتوں میں) مراد یہ ہے کہ قدیم آسمانی کتابوں کی اصل عبارتیں، انسانی تصرف و تحریف سے الگ کر کے اگر دیکھی جائیں تو وہ بیانات قرآنی کی تمام تر تصدیق و تائید ہی کریں گی۔ ف۱۴۳ (اس کے کسی مضمون سے متعلق بھی) نزول قرآن کے زمانہ میں علم و تحقیق کی اجارہ داری گویا یہود ہی کی تھی اور نمبر دوم پر عیسائی تھے۔ یہ دونوں رسول صلی اللہ علیہ وسلم امی کی تکذیب و تضحیک پر بات بات پر تیار و آمادہ رہتے تھے۔ اور قرآن انہی اہل علم کے مذہب اور تاریخ سے متعلق پوست کندہ حالات اسی رسول صلی اللہ علیہ وسلم امی کی زبان سے دھڑلے سے ادا کرا رہا تھا۔ بشر کوئی سا بھی ہو، یہاں تک کہ سید البشر بھی، اس کا ایسے موقعوں پر رکنا، جھجکنا، بالکل ایک امر طبعی تھا خلق سے بالکل بے جھجک، بے دھڑک ہو کر حقائق کو بے تکان ادا کرنا یہ تو صرف حق تعالیٰ ہی کا خاصہ ہو سکتا تھا۔ اور اسی سے ملتی ہوئی وہ توجیہ ہے جو فخر المفسرین رازی علیہ الرحمہ نے اسی آیت کی تفسیر میں الوجہ الثالث کے ماتحت کی ہے۔ ف۱۴۴ (اے مخاطب!) خطاب یہاں عام انسان سے ہے۔ او الخطاب لكل سامع يجوز عليه الشک (مدارک)

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾

خواہ ان کے پاس نشانیاں ساری (کی ساری) آجائیں جب تک کہ وہ عذاب دردناک (نہ) دیکھ لیں گے و۱۴۵

فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ

چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ اس کا ایمان لانا اسے نفع پہنچاتا بجز قوم یونس

يُوْنُسَ ط لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي

کے و۱۴۶ جب وہ (لوگ) ایمان لے آئے ہم نے ان پر سے رسوائی کے عذاب کو

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ وَ لَوْ شَآءَ

دنیوی زندگی میں دور کردیا اور ان کو ایک وقت (خاص) تک کے لئے خوش عیشی دی و۱۴۷، اور اگر آپ کا پروردگار

رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ط اَفَاَنْتَ

چاہتا تو روئے زمین پر جتنے بھی لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے و۱۴۸ سو کیا آپ

تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَ مَا كَانَ

لوگوں پر جبر کرسکتے ہیں جس میں وہ ایمان لے ہی آئیں و۱۴۹ اور کسی شخص کو

لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَ يَجْعَلُ

(یہ قدرت حاصل) نہیں کہ وہ ایمان لے آئے بجز اللہ کی مشیت کے و۱۵۰ وہ گندگی (کفر کی)

الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا

واقع کراتا ہے انہی لوگوں پر جو عقل سے کام ہی نہیں لیتے و۱۵۱ آپ کہہ دیجئے کہ تم دیکھو تو کیا کیا

فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَ النُّذُرُ

چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں و۱۵۲ اور کوئی بھی نشانیاں اور ڈراوے

عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ

ان لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچاتے جو ایمان نہیں لاتے و۱۵۳ سو وہ تو بس ان لوگوں کے لئے حوادث کا

و۱۴۵ (اور اس وقت "معائنہ" عذاب کے بعد ایمان لانا بھی بے سود ہوگا) حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ۔ کلمة رب "پروردگار کی بات" سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم تکوینی ہے۔ اے وعیده انهم یصیرون الی العذاب (بحر) اے حکمه وقضاءه المفسر عند الاشاعرة بارادته تعالیٰ (روح) كُلُّ اٰيَةٍ۔ یعنی توحید ورسالت کے کل شواہد ودلائل۔ و۱۴۶ (کہ صرف وہی وقت کے وقت ایمان لے آئی اور عذاب دنیوی سے نجات پاگئی) فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ۔ ذکر ان بستیوں کا ہورہا ہے جو تکذیب انبیاء کی بنا پر ہلاک وبرباد ہوئیں۔ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ۔ یعنی وقوع عذاب سے قبل وہ ایمان لے آتی اور تائب ہوجاتی۔ قَوْمَ يُوْنُسَ۔ یونس سے مراد پیمبر برحق یونس علیہ السلام بن متی ہیں۔ توریت میں ان کا نام (JONAN) یایونا کر کے آیا ہے ان کا زمانہ آٹھویں صدی ق،م کے وسط کا ہے۔ ان کا معاصر اسرائیلی بادشاہ یربعام تھا۔ جس کا زمانہ ۷۸۱ ق،م تا ۷۴۱ ق،م ہے۔ باشندہ شہر نینوا کے تھے۔ جو اپنے زمانہ میں اسیریا کی پرقوت سلطنت کا پایہ تخت تھا۔ اور آج ملک عراق میں جہاں موصل ہے اس کے مقابل دریائے دجلہ کے بائیں کنارہ پر واقع ہے۔ اس وقت شہر کا رقبہ ۱۸۰۰ ایکڑ تھا۔ اس کی قدامت اس سے ظاہر ہے کہ اس کا ذکر حمورابی کے نوشتوں میں ملتا ہے۔ ۲۲۸۵ ق،م میں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۱۴۷ یعنی موت کے وقت تک دنیا میں بہ اطمینان وبہ فراغت رہنے دیا۔ لَمَّآ اٰمَنُوْا۔ یعنی وہ ایمان لے آئے ایسے وقت کہ ابھی نزول عذاب نہیں ہوا تھا۔ صرف نزول عذاب کی علامتیں دور سے نظر آتی تھیں۔ قال الزجاج انهم لم يقع بهم العذاب وانما رأوا العلامة التی تدل علی العذاب ولو رأوا عین العذاب لما نفعهم الایمان وقلت قول الزجاج حسنٌ (قرطبی) اے عند ما رأوا امارات العذاب ولم یوفروا الی حلوله (روح) كَشَفْنَا...... الدُّنْيَا یہ نجات کی صراحت صرف عذاب دنیوی سے متعلق ہے۔ باقی ایمان کے بعد نجات اخروی کا مفہوم خود بخود متوقع ہوجاتا ہے۔ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ مرید پر کوئی ایسا فیضان ہو جس کی خبر شیخ کو نہ ہو گو وہ فیضان شیخ ہی کی برکت سے ہو۔ جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو اپنی امت کے ایمان کی اطلاع نہ ہوئی، حالانکہ خود وہ ایمان حضرت یونس نبی علیہ السلام ہی کی برکات سے تھا۔ و۱۴۸ (لیکن بے شمار تکوینی مصلحتوں اور حکمتوں سے مشیت الٰہی نے اس عالم کو عالم ابتلاء ہی رکھا ہے اور کسی کو بھی ایمان لانے پر مضطر ومجبور نہیں کیا ہے) للاشاعرة لكونه مخالفًا للحكمة التی علیها بناء اساس التكوين والتشريع (روح) اے لا ضطرّهم اليه (قرطبی) كُلُّهُمْ۔ تاکید کے لئے ہے۔ بعض کے نزدیک من فی الارض کی تاکید کے لئے اور بعض کے نزدیک جَمِيْعًا کی تاکید کے لئے۔ و۱۴۹ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین وتسلی دی گئی ہے کہ آپ سب کے ایمان نہ لانے سے مغموم ومحزون نہ ہوں۔ یہیں سے بعض علماء محققین نے یہ نکالا ہے کہ کافی تبلیغ کے بعد پھر نتائج کے درپے ہونے اور ثمرات تبلیغ کے انتظار کی ضرورت نہیں۔ و۱۵۰ اذن آیت میں مشیت وتوفیق کے معنی میں ہے۔ اے بمشیته اوبقضائه اوبتوفيقه (مدارک) الابقضائه وقدره ومشيته وارادته (قرطبی) و۱۵۱ یعنی اس کی مشیت صرف انہی لوگوں کے ایمان لانے سے غیر متعلق رہتی ہے، جو اپنی عقل وفہم خداداد سے کام نہیں لیتے، اور حق کے قبول واتباع کا قصد ہی نہیں کرتے۔ اس قسم کی آیتوں نے بار بار اسی حقیقت کو صاف کردیا ہے کہ کسی کے ایمان وہدایت کی راہ میں اصلاً رکاوٹ حق تعالیٰ کی طرف سے ہرگز نہیں ہوتی صرف انسان کی اپنی کج نظری اور بدنفسی کی طرف سے ہوتی ہے۔ الرِّجْسَ۔ (یعنی کفر وبدعقیدگی کی گندگی) رجس یہاں ایمان کے مقابلہ میں آیا ہے اس لئے اس کے معنی کفر کے ہیں۔ الرجس الذی یقابل الایمان لیس الا الکفر (کبیر) و۱۵۲ (حق تعالیٰ کی توحید اور قدرت اور صنعت پر دلالت کرنے والی)۔ انْظُرُوْا۔ یعنی چشم بصیرت سے دیکھو، سوچو اور غور کرو۔ دوسرے مذہبوں کے برعکس جہاں ایمان اور عقل کو ایک دوسرے کے منافی سمجھا گیا ہے، قرآن تو خود دعوت تکوینیات میں غور وفکر کرتے رہنے کی دیتا رہتا ہے۔ اے تفکروا (بیضاوی) امر بالنظر والا ستدلال فی الدلائل حتی لا یتوهم ان الحق هو الجبر المحض (کبیر) انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ یہاں سے معلوم ہوا کہ خلق پر حق کے لیے نظر کرنا نظر الی الحق کا منافی نہیں۔ و۱۵۳ یعنی ایمان لانا چاہتے نہیں، مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ دلائل حق پر سرے سے غور ہی نہیں کرتے ان کے حق میں سارے ہی ترغیبی وترہیبی دلائل وشواہد لاحاصل ہیں۔ النُّذُرُ۔ نذر جمع نذیر کی ہے اور نذیر یہاں معہ مصدر انذار کے مرادف ہے۔ النذر الرسل المنذرون او الانذارات (کبیر) والنذر جمع نذير بمعنی منذر اوبمعنی انذار ای الانذارات (روح) جمع کا صیغہ اس لئے لایا گیا کہ انواع واقسام کے ارادے اس میں شامل ہوجائیں۔ جمع لا رادة الانواع (روح) مِنْ قَبْلِهِمْ۔ خَلَوْا کے لفظ میں قبلیت کا مفہوم تو خود ہی شامل ہے۔ پھر جو مِنْ قَبْلِهِمْ۔ کا اضافہ آیا ہے اس سے مقصود ایک تو تاکید ہے دوسرے یہ اشارہ بھی کہ یہ موجودہ منکرین بھی اسی طرح گزر جائیں گے جیسا ان کے قبل کے لوگ گزر چکے ہیں۔ متعلق بخلوا جئ به للتاکید والایماء بانهم سیخلون کما خلوا (روح)

اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ

جو ان کے قبل گزر چکے ہیں انتظار کر رہے ہیں ١٥٤ آپ کہہ دیجیے کہ اچھا تم انتظار کیے جاؤ میں

مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ

بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ١٥٥ پھر ہم اپنے پیمبروں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان

اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ ع قُلْ

والے تھے بچا لیتے تھے، اسی طرح ہم (سب) مومنوں کو نجات دیا کرتے ہیں (یہ) ہمارے ذمہ ہے، ١٥٦ آپ کہہ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ

دیجیے کہ اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف سے اشتباہ میں ہو ١٥٧

فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ

سو میں ان (معبودوں) کی عبادت نہیں کرتا، جن کی عبادت تم کرتے رہتے ہو اللہ کے سوا بلکہ میں (تو)

اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ

اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے ١٥٨ اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں بھی

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ

ایمان لانے والوں میں ہوں اور یہ کہ اپنا رخ دین کی طرف

حَنِيْفًا ۚ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٥﴾ وَ لَا تَدْعُ

خالصۃً کر لینا اور کہیں مشرکوں میں نہ ہو جانا ١٥٩ اور اللہ کے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ

علاوہ کسی (اور) کو نہ پکارنا جو تجھے نہ نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان پہنچا سکے پھر اگر

فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ

تو نے (ایسا) کیا تو یقیناً تو ظالموں میں ہو جائے گا ١٦٠ اور اگر اللہ تجھے کوئی

١٥٤ یعنی ان موجودہ منکروں اور معاندوں کے وجود سے تو بس یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ سابق ہلاک شدہ قوموں کے وقت کا انتظار کر رہے ہیں! هَلْ يَنْتَظِرُوْنَ۔ یعنی دلالت حال سے تو ایسا ہی ظاہر ہو رہا ہے۔ اَيَّامِ۔ محاورۂ عرب میں ایام کا اطلاق اہم ترین شدید ترین واقعات وحوادث پر ہوتا ہے۔ الايام هنا بمعنى الوقائع والحرب تسمى العذاب ايامًا والنعم ايامًا كل ما سغى لك من الخير اوالشر فهو ايام (قرطبی) اى وقائع الله تعالىٰ فيهم (کشاف) ومنها استعمال الايام فى الوقائع كقولهم ايام العرب وهو مجاز مشهور من التعبير بالزمان عما وقع فيه (روح) اَلَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی وہ پرقوت وشوکت ونافرمان وسرکش قومیں جو ان سے قبل عذاب سے ہلاک وبرباد ہو چکی ہیں، ان میں سے بہتوں کا ذکر خود قرآن مجید میں موجود ہے، قوم عاد، قوم ثمود، قوم فرعون وغیرہا۔ المراد المشركون من الامم الماضية (روح) ١٥٥ (عنقریب یہ واضح ہو جائے گا کہ جھوٹا کون ہے اور سچا کون ہے)۔ ١٥٦ قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار مختلف پیرایوں میں واضح کیا ہے کہ عذاب الٰہی جب آتا ہے صرف کافروں اور منکروں پر آتا ہے۔ اور مومنین اس سے بچا لئے جاتے ہیں...... اور یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ تکوینی حادثے جن میں مومن وکافر سب بلا امتیاز وتفریق یکساں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قحط، سیلاب، وباء یہ ہرگز صحیح معنی میں "عذاب الٰہی" نہیں، زیادہ سے زیادہ انہیں نمونۂ عذاب الٰہی کہا جا سکتا ہے۔ ثُمَّ۔ ربط کلام انہی پچھلی ہلاک شدہ قوموں سے ہے۔ نُنَجِّيْ۔ یعنی اس عذاب سے نجات دے دیتے ہیں۔ ١٥٧ (اور تم پر یہ واضح نہیں ہوا ہے کہ جس دین کی دعوت میں دے رہا ہوں وہ اصلاً اور اپنی روح ومغز کے اعتبار سے ہے کیا) ١٥٨ یہاں داعیٔ اسلام کی زبان سے اصلی واساسی فرق دین اسلام ودین جاہلیت کے درمیان بیان کر دیا ہے۔ ارشاد یہ کرایا جا رہا ہے کہ اگر اب بھی ابہام واشتباہ باقی ہے تو سن لو کہ بنیادی فرق میری دعوت اور تمہارے دین جاہلیت کے درمیان یہ ہے کہ تم سب شرک میں مبتلا ہو اور کسی نہ کسی صورت میں غیر اللہ کو معبود بنائے بیٹھے ہو اور میری دعوت خالص توحید کی ہے۔ میں اس خدا کی عبادت کی طرف بلا رہا ہوں جو مطلق الاختیار ہے، تمہاری موت وزندگی دونوں پر حاکم ہے۔ اَللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ۔ بہت سی مشرک جاہلی قوموں نے خالق کسی اور کو سمجھا ہے۔ اور موت وہلاکت کا دیوتا کسی اور کو، عجب نہیں کہ مشرکین عرب بھی کچھ اسی قسم کے عقائد میں مبتلا ہوں۔ اور یہ نہ ہو جب بھی يَتَوَفّٰىكُمْ۔ یہ پہلو نمایاں طور پر سامنے لا رہا ہے کہ موت تمام تر اسی خدائے برحق کے ہاتھ میں ہے۔ سابقہ اسی سے پڑنے والا ہے، ڈرنا اسی سے چاہیے۔ ١٥٩ اَنْ اَكُوْنَ۔ سے لے کر مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ تک برابر اسی مضمون کا بیان رسول ﷺ کی زبان سے ہے کہ میری حیثیت واضع قانون کی نہیں صرف حامل قانون کی ہے، جو قانون حیات لیکر میں آیا ہوں خود بھی اس کے دائرۂ نفاذ سے مستثنیٰ اور مافوق نہیں ہوں۔ بلکہ سب سے پہلے تو خود ہی اس کے آگے سر جھکانے والا ہوں۔ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ سے بہ قاعدۂ اشارۃ النص علماء نے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ ایمان وہی معتبر ہے، جو معیت مومنین میں اتباع نبی سے حاصل ہو، نہ وہ جو محض استدلال نظری وفلسفی سے حاصل ہو جائے۔ ١٦٠ (اے مخاطب) خطاب یہاں عام ہے ہر ناظر قرآن سے۔ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ۔ اس کے تحت میں ساری مخلوقات آگئیں۔ نفع رسانی وضرر رسانی حقیقۃً غیر اللہ میں سے کسی کے ہاتھ میں بھی نہیں۔ اَلظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی اپنی جانوں پر آپ ظلم کرنے والے۔

اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ

تکلیف پہنچادے تو کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں بجز (خود) اسی کے اور اگر وہ تجھے کوئی راحت پہنچانا چاہے

فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ

تو کوئی اس کے فضل کا ہٹانے والا نہیں، وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے کردے،

وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٧﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ

اور وہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف١٦١ آپ کہہ دیجیے اے لوگو،

جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا

تمہارے پاس حق تمہارے پروردگار کی طرف سے پہنچ چکا ف١٦٢ سو (اب) جو کوئی راہ ہدایت پر آجائے گا سو وہ بس

يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ

اپنے ہی لئے ہدایت پائے گا اور جو کوئی بھٹکا رہے گا اس کے بھٹکنے کا (وبال) بھی اسی پر رہے گا

وَ مَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٨﴾ؕ وَ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ

اور میں تمہارے اوپر ذمہ دار (بنا کر) نہیں (بھیجا گیا) ہوں ف١٦٣ اور آپ اس کی پیروی کیے جایئے جو آپ پر وحی کیا جاتا

وَ اصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ ع

ہے اور صبر کیے رہیے، یہاں تک کہ اللہ فیصلہ صادر کردے، اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ف١٦٤

ع ١١ / ١٢

اٰياتها ١٢٣ ‏ ١١ سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ ٥٢ ‏ ركوعاتها ١٠

اس میں ایک سو تیئس آیتیں سورہ ہود مکی ہے اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحمت کرنے والے، بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے شروع (ہے)

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ

الف۔ لام۔ را، یہ ایک کتاب کہ اس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں پھر کھول کر بیان کی گئی ہیں ف١ ایک

ف١٦١ اللہ کے یہ صفات کمال جو ہر مسلمان کے نزدیک ایک معلوم ومعروف ومسلم حیثیت رکھتے ہیں، غیر مسلم ہمیشہ انہی صفات کے باب میں ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں۔ اور آج بھی خدا معلوم کتنے انہی چکروں میں پڑے ہوئے ہیں ف١٦٢ (دلائل وشواہد کے ساتھ) اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی یہی پیام قرآنی اور وحی الٰہی۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب ایک بار پھر عام نسل انسانی سے ہے۔ پیام قرآنی کی عالمگیری پر ایک مزید دلیل۔ ف١٦٣ شخصی ذمہ داری اور انفرادی جواب دہی کی ایک اور تاکید...... کفارہ، توسل وغیرہ جو دوسرے مذاہب کی عین جان ہیں، ان پر ایک اور ضرب ف١٦٤ (دنیا اور آخرت دونوں میں) دنیا میں اس نے یہ فیصلہ آگے چل کر حکم جہاد وقتال کی صورت میں صادر کردیا۔ وَاصْبِرْ۔ یعنی منکرین مکذبین کی اذیت رسانی پر صبر کرتے رہیے۔ ف١ (اور متکلم کی حکمت اور باخبری کا ظہور کلام کے ایک ایک جزء سے بھی قدرۃً ہو رہا ہے) اُحْكِمَتْ۔ اس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں دلائل وشواہد کے ساتھ۔ ثُمَّ۔ کا مفہوم اس سیاق میں اردو میں پوری طرح "مزید برآں" یا "اور اس پر یہ کہ" سے واضح ہوگا۔ ثُمَّ۔ کا یہاں یہ مطلب نہیں کہ آیتیں پہلے مضبوط کی گئیں اور اس کے بعد ان کی تفصیل کی گئی بلکہ مراد یہ ہے کہ ان میں قوت وپختگی واستحکام کے علاوہ دوسرا وصف تفصیل ووضاحت کا ہے۔ ليس معناها التراخي في الوقت ولكن في الحال كما تقول هي محكمة احسن الاحكام ثم مفصلة احسن التفصيل (كشاف) ثم جاءت لترتيب الاخبار لا لترتيب الوقوع في الزمان (بحر)

حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝١ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ

حکیم باخبر کی طرف سے ہے وٓ (اس مضمون کے ساتھ) کہ کسی کی عبادت نہ کرو بجز اللہ کے، میں تم کو

مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝٢ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ

اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، اور (یہ مضمون بھی ہے) کہ تم اپنے پروردگار سے مغفرت

تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ

چاہو، پھر اس کی طرف رجوع کئے رہو وہ تمہیں خوش عیشی دے گا ایک وقت مقرر تک وٓ

مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ

اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو اس کا زیادہ (اجر) دے گا وٓ اور اگر

تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝٣

تم روگردانی کرتے رہے تو مجھے تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے،

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

تم (سب) کی واپسی اللہ ہی کی طرف (ہونا) ہے اور وہ ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ۝٤ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ

پوری قدرت رکھتا ہے وٓ سنو، سنو! وہ لوگ اپنے سینوں کو دہرا کئے دیتے ہیں

لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ

تاکہ (اپنی باتیں) اللہ سے چھپا سکیں سنو، سنو! وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ

(اس وقت بھی) وہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں، اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں بیشک وہ (ان کے) دلوں کے

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝٥

اندر (کی باتوں) سے خوب واقف ہے، وٓ

وٓ یعنی اس کتاب حکیم وخبیر کا سب سے اہم ومقدم مضمون یہی ہے۔ وٓ یعنی مدت حیات تک۔ آیت سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ تقوی وطہارت کی زندگی اختیار کرنے سے دنیا کا عیش کچھ گھٹ نہیں
تا بلکہ یہ صالحانہ زندگی حصول راحت وسکون میں اور معین ہی ہوتی ہے۔ اَنِ
ستَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ۔ یعنی کفروشرک وغیرہ کے گناہوں سے معافی چاہو۔ اور
یمان صحیح اختیار کرو۔ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ۔ یہ رجوع اللہ کی طرف طاعت، عبادت،
ل صالح کے ذریعہ سے رہنا چاہیے۔ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔
س سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ نظام صالح کے ماتحت صالحانہ زندگی گذارنا
نیوی عیش وراحت کا بھی سبب بن جاتا ہے۔ وٓ (آخرت میں) یعنی جو عالی
ت طالبانِ حق ہیں، انہیں آخرت میں مرتبے بھی انہی کی جانکاہیوں کے مطابق
یں گے۔ اور جس طرح طاعت وتقوی کی کوئی حد معین نہیں، مراتب اخروی کی
ھی کوئی حد ونہایت نہیں اور فضل سے مراد موجبات فضل ہی لی گئی کہ موجباتِ
ضل بھی اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ معناه ويؤت كل ذى فضل موجب فضله
معلوله (کبیر) ذِيْ فَضْلٍ۔ سے مراد عمل میں صاحب فضل ہے۔ ای
ی فضل فی العمل (جلالین) وٓ (تو پھر ایسے قدرت لامحدود والے کو
انے کے بعد تمہیں نظام آخرت اور سلسلۂ جزا کی کسی کڑی پر بھی حیرت کیوں
ہے؟) اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ۔ یعنی آخری واسطہ اسی ایک سے پڑتا ہے نہ کہ کسی
ورے ترکیب کلام کلمۂ حصر کی ہے۔ فيه دقيقة وهى ان هٰذا اللفظ يفيد
لحصر يعنى ان مرجعنا الى الله لا الى غيره فيدل هٰذا على انه لا
مدبر ولا متصرّف هناک الا هو (کبیر) فخر المفسرین فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے
آیت مذکور کے تحت میں جو نکتہ سنجی کی ہے، اس کے لئے اصل تفسیر کبیر ہی مطالعہ کر
ی جائے۔ وٓ منافق اور کافر اللہ کی اس صفت عالم الغیبی کو برابر بھولے رہتے
ہیں، ورنہ ان کی ہمت بھی سازشوں کی نہ پڑے۔ قرآن بار بار اسی کا استحضار چاہتا
ہے۔ اِنَّهُمْ ...... مِنْهُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہر مزاج وطبیعت اور ہر ذہنیت
کے مخالفین سے سابقہ پڑا تھا۔ ایک گروہ ان "عقلمندوں" میں ایسا بھی تھا کہ جب
یہ لوگ آپس میں چپکے چپکے اسلام اور رسولِ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے سوان
سرگوشیوں کے وقت افراط سعی اخفاء میں اس اس طرح سمٹ سمٹ کر رہتے کہ گویا
اپنے سینوں کو دہرا کئے ڈالتے ہیں۔ اور کپڑا اپنے اوپر الگ ڈالتے چلے جاتے!
...... قرآن مجید نے ان کی اسی ہیئت کذائی کو بے نقاب کر دیا اور ان پر گرفت یہ کی
کہ کیا تمہاری یہ رازداری حق تعالی عالم الغیب کے مقابلہ میں بھی چل جائے گی!
روى ان طائفة من المشركين قالوا اذا اغلقنا ابوابنا وارسلنا
ستورنا واستغشينا ثيابنا وثنينا صدورنا على عداوة محمد فيكف
يعلم بنا (کبیر) صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ انسان اگر اس آیت کا مراقبہ عادۃً
جاری رکھے۔ اور اپنی ہر خلوت ومجلس اور خطرۂ قلب وحدیث نفس میں اللہ تعالی کو
حاضر وناظر یقین کرے اور یہ سمجھے رہے کہ وہ دیکھ رہا ہے تو گناہ کی جرات ہی شاید نہ ہوسکے...... تقوی کی اصل بنیاد یہی اللہ کی عالم الغیبی کا استحضار ہے:۔

وَ مَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزۡقُهَا

اور کوئی جاندار زمین پر ایسا نہیں کہ اللہ کے ذمہ اس کا رزق نہ ہو ف۷

وَ یَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَ مُسۡتَوۡدَعَهَا ؕ کُلٌّ فِیۡ کِتٰبٍ

اور وہ ہر ایک کے زیادہ رہنے کی جگہ اور کم رہنے کی جگہ کو جانتا ہے، ہر چیز کتاب میں

مُّبِیۡنٍ ﴿۶﴾ وَ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ

درج ہے ف۸ اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو

فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ کَانَ عَرۡشُهٗ عَلَی الۡمَآءِ لِیَبۡلُوَکُمۡ

چھ روز میں پیدا کر دیا اور اس کا عرش (حکومت) پانی پر تھا تاکہ تمہیں آزمائے

اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ لَئِنۡ قُلۡتَ اِنَّکُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ

کہ تم میں عمل کے لحاظ سے بہترین کون ہے ف۹ اور اگر آپ (ان سے) کہیں کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد

مِنۡۢ بَعۡدِ الۡمَوۡتِ لَیَقُوۡلَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ

اٹھائے جاؤ گے تو جو لوگ کافر ہیں ضرور کہہ اٹھیں گے کہ یہ

اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷﴾ وَ لَئِنۡ اَخَّرۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ

تو کھلا ہوا جادو ہے ف۱۰ اور اگر ہم ان پر سے عذاب

اِلٰۤی اُمَّةٍ مَّعۡدُوۡدَةٍ لَّیَقُوۡلُنَّ مَا یَحۡبِسُهٗ ؕ اَلَا یَوۡمَ

ملتوی رکھیں کچھ مدت تک تو کہنے لگتے ہیں کہ (آخر) کیا چیز اسے روک رہی ہے سن رکھو جس دن

یَاۡتِیۡهِمۡ لَیۡسَ مَصۡرُوۡفًا عَنۡهُمۡ وَ حَاقَ بِهِمۡ مَّا کَانُوۡا

وہ ان پر آہی پڑے گا تو ان سے ٹل کر نہ رہے گا اور جس (عذاب) کے ساتھ یہ استہزاء کر رہے ہیں

بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۸﴾ ع وَ لَئِنۡ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا

وہ انہیں آ ہی گھیرے گا ف۱۱ اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ

ف۷ یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ، حقیر سے حقیر کیڑے کے لئے بھی سامان رزق کی فراہمی کے اسباب وہی پیدا کرتا رہتا ہے۔ اس کی ربوبیت اور صفت علم کا احاطہ کون کر سکتا ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اسباب رزق کی طرف سے غافل و بےفکر ہو جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ تکیہ اسباب پر نہ کرے، سبب کا مبدأ، مرجع و منتہا اللہ کو ہی سمجھے رہے۔ دَآبَّةٍ کے معنی مطلق جانور کے ہیں اور اس کا اطلاق ہر قسم کے حیوان پر ہوتا ہے۔ قال الزجاج الدابة اسم لکل حیوان واطلق علی کل حیوان ذی روح (کبیر) یہاں بھی اپنے اسی وسیع مفہوم میں ہے اور اس پر اکابر تفسیر کا اتفاق ہے۔ والمراد بھذا اللفظ فی ھذہ الاٰیة الموضوع الاصلی اللغوی فیدخل فیه جمیع الحیوانات وھذا متفق علیه بین المفسرین (کبیر) عَلَی اللّٰهِ۔ یعنی اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔ ای واجب علی اللہ بحسب الوعد والفضل والاحسان (کبیر) ورنہ حقیقۃً تو کوئی شے بھی حق تعالیٰ کو پابند نہیں بنا سکتی۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اسباب کو اگر اس اعتقاد کے ساتھ اختیار کیا جائے کہ مُسَبِّبْ اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ اعتقاد نہ رکھا جائے کہ بدون اسباب کے رزق حاصل ہی نہیں ہوتا تو یہ توکل کے منافی نہیں حاصل یہ کہ وثوق اور ربط قلب بس حق تعالیٰ ہی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ ف۸ (اور اسی صحیفہ علم الٰہی کا دوسرا نام لوح محفوظ ہے) مُسْتَقَرَّ اور مُسْتَوْدَعَ کی تفسیریں متعدد نقل ہوئی ہیں لیکن ان میں سے ماثور کوئی بھی نہیں اور نہ ماہرین لغت ہی کا کسی ایک مفہوم پر اتفاق ہے۔ ترجیح اسی مفہوم کو ہے جو ترجمہ میں ظاہر کر دیا گیا۔

ف۹ یہاں یہ تصریح کے ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ دنیوی زندگی جو کل سلسلۂ حیات وکائنات کا ایک بہت مختصر و محدود حصہ ہے اس کی آفرینش کی غرض و غایت، ہی یہ ہے کہ انسانی اعمال کی جانچ کر کے نیکوں کو حشر میں انعام سے سرفراز کیا جائے۔ ایام عرش...... یوم اور عرش دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ جن میں دکھایا جا چکا ہے کہ اس قبل آفرینش والے یوم سے مراد یہ بعد آفرینش والا ۲۴ گھنٹے کا دن رات تو ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ اس سے مراد صرف چھ حالتیں یا چھ مختلف زمانے ہیں۔ علیٰ ہذا عرش سے مراد کوئی بچھا ہوا مادی تخت نہیں بلکہ تخت حکومت ہی مراد ہو سکتا ہے۔ گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ آسمان و زمین اور سارا نظام کائنات سب حادث و مخلوق ہیں ان کو قدیم اور معبود سمجھنے والے، انہیں دیوی دیوتا قرار دینے والے، ان کی پوجا پاٹ میں لگے رہنے والے سن لیں کہ یہ سب اسی قادر مطلق کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب یہ کچھ بھی نہ تھے۔ اس پر جاہلی دماغوں میں معاً یہ سوال پیدا ہوگا کہ مانا لیکن جب یہ کچھ عالم ومافی العالم تھا ہی نہیں تو پھر آخر خدا کی خدائی اور حکومت کہاں اور کس پر تھی؟ اسی سوال کی مناسبت سے معاً بعد ارشاد ہوتا ہے کہ بیشک اس کی حکومت قدیم ہے۔ وہ اس عالم سے قبل اُس عالم پر تھی جو اُس وقت موجود تھا یعنی عالم آب! كَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو ایک دوسری جگہ یہ کہہ کر اور زیادہ صاف کر دیا ہے کہ اس کائنات کی جاندار مخلوق کا مادہ حیات پانی ہی ہے۔ وجعلنا من الماء کل شیء حی (سورۃ الانبیاء) لِیَبْلُوَکُمْ۔ کا نحوی تعلق خلق سے ہے یعنی آفرینش کی غرض و غایت یہی امتحان آزمائش اور جانچ ہے۔ اللام للتعلیل متعلقة بخلق (روح) ای خلقھن لحکمة بالغة وھی ان یجعلھا مساکن لعبادہ وینعم علیھم فیھا بفنون النعم ویکلفھم الطاعات واجتناب المعاصی فمن شکر و اطاع اثابه ومن کفر وعصٰی عاقبه ولما اشبه ذٰلک اختبار المختبر قال لیبلوکم یرید لیفعل بکم ما یفعل المبتلی لاحوالکم کیف تعملون (کشاف) ف۱۰ (جو موثر تو ضرور ہے لیکن حقیقت وصداقت سے خالی) اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا۔ یعنی جو لوگ عقیدۂ بعث وحشر کے منکر ہیں۔ منکر و مومن کے درمیان یہی تو بڑا فرق ہے کہ مومن اپنے ہر ”آج“ کا دامن ”کل“ سے وابستہ سمجھتا ہے۔ ھٰذَا یعنی وہ کتاب جو اس عقیدۂ حشر کی تبلیغ کر رہی ہے یا خود یہ عقیدہ ہی۔ اشاروا بھذا الی القراٰن لان القراٰن ھو الناطق بالبعث (کشاف) والظاھر الاشارة بھذا الی القول (بحر) ای القول به او القراٰن المتضمن لذکرہ (بیضاوی) سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔ یعنی یہ کلام ہے تو باطل ہی اور غیر خدائی لیکن بڑا موثر...... بجنسہ اسی خیال باطل کی ترجمانی ”عقلاء فرنگ“ فرماتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اپنے کلام اور عمل سے انقلاب تو عظیم الشان پیدا کر دیا ہے اصلاحیں بھی بہت کچھ کر دیں لیکن تھے وہ ایک خود ساختہ ہی نبی، زمانہ شناس، بڑے صاحب تدبیر! ف۱۱ جاہلی ذہنیت پر مزید روشنی ڈالی ہے کہ یہ بھی عجب الٹی سمجھ کے لوگ ہیں جس عذاب کے یہ ہر طرح مستحق ہیں، اسے ہم عارضی طور پر روکتے تو اپنی کسی حکمت و مصلحت سے ہیں اور یہ لگتے ہیں طنز و تعریض کے ساتھ مسلمانوں سے دریافت کرنے کہ آخر اس عذاب موعود میں دیر ہی کیا ہے ہم پر آ کیوں نہیں پڑتا؟ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ۔ یہ ارادی تاخیر کسی نہ کسی مصلحت و حکمت تکوینی ہی کے ماتحت ہوتی ہے۔ لَیَقُوْلُنَّ۔ ان کا یہ قول محض استفسار انہیں ہوتا انکار و استہزا ہی سے ناشی ہوتا ہے۔ اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ۔ اُمَّةٍ یہاں اپنے مجازی معنی میں یعنی حصہ وقت کے مرادف ہے۔ معناہ الی حین ووقت معلوم (بحر) ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے لے کر مشاہیر تابعین اور اکابر مفسرین سب نے یہی معنی لئے ہیں۔ الامة ھنا المدة من الزمان قاله ابن عباس وقتادة ومجاھد والجمھور (بحر) یوم یاتیھم سے مراد اس عذاب کا وقت موعود ہے۔ حَاقَ۔ صیغۂ ماضی ہے حالانکہ ذکر عذاب مستقبل کا ہو رہا ہے تو ایسے موقع پر صیغۂ ماضی لانا کمال تاکید اور زور کے لئے ہے۔ اخبر عن احوال القیامة بلفظ الماضی مبالغة فی التاکید والتقریر (کبیر) وضع الماضی موضع المستقبل تحقیقاً ومبالغةً فی التھدید (بیضاوی)

رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۹﴾

چکھاتے ہیں اور پھر اسے اس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ نا امید (و) ناشکرا ہو جاتا ہے، و۱۲

وَ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ

اور اگر ہم اس کو بعد تکلیف کے جو اسے واقع ہو چکتی ہے کسی نعمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ کہنے لگتا ہے

ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾

کہ میرا دکھ درد رخصت ہو گیا بیشک وہ بڑا اترانے والا ہے بڑا شیخی بگھارنے والا ہے و۱۳

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ

بجز ان لوگوں کے جو صبر کرنے والے ہیں اور نیک کام کرتے رہتے ہیں یہی لوگ تو ہیں

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ

جن کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے و۱۴ سو (ان کو یہ امید لگی ہوئی ہے کہ) شاید آپ کچھ حصہ اس

مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَ ضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا

میں سے چھوڑ دیں جو آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے، و۱۵ اور آپ کا دل اس سے تنگ ہو رہا ہے کہ وہ لوگ یہ

لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ

کہتے ہیں کہ اس (شخص) پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا یا اس (شخص) کے ہمراہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا آپ

اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾ اَمْ

تو بس ڈرانے والے ہی ہیں اور ہر چیز کا کارساز اللہ ہی ہے و۱۶ کیا یہ

يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ

کہتے ہیں کہ (آپ نے) اسے گڑھ لیا ہے آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تو تم بھی دس سورتیں اسی کی مثل

مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

گڑھی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جن جن کو بھی تم (بلا) سکتے ہو بلا لو

و۱۲ (کہ گویا اسے اعادۂ رحمت کا احتمال ہی نہیں رہتا) عام فطرت بشری کا بیان ہے۔ و۱۳ (کہ گویا اب پھر وہ دکھ درد کبھی ہونے ہی کا نہیں) اب بیان اسی فطرتِ بشری کے دوسرے پہلو کا ہو رہا ہے...... واقعی اُن گڑھ، تربیت سے محروم انسان بھی کیسا افراط وتفریط کے دونوں سروں کے درمیان جھولا کرتا ہے۔ و۱۴ عام فطرت بشری اور اس کے مقتضائے طبعی کا بیان اوپر ہو چکا۔ اب ذکر ان خوش نصیبوں کا ہے جنہیں ایمان وتقویٰ کی تربیت مل چکی ہے۔ یہ ایسے نہیں ہوتے۔ ہر زوالِ نعمت کے وقت صبر وتسلیم سے اور حصولِ نعمت کے وقت شکر وطاعت سے کام لیتے رہتے ہیں۔ و۱۵ (رسول معصوم سے اس کا وقوع ممکن کیونکر ہے) لَعَلَّ۔ کے عام معنی توقع وترجی کے ہیں۔ اس صورت میں بے تکلف توجیہ کلام یہ ہوگی کہ یہ کافر اور منکر آپؐ سے اس جزئی ترک تبلیغ کی لو لگائے بیٹھے ہیں۔ ای یظن بک الناس ذٰلک (راغب) ای انک بلغت من التهالک علٰی ایمانهم مبلغا یرجون ان تترک بعض ما یوحٰی الیک (ابو البقاء) اور یہ آپؐ کے لئے عصمت رسالت کی بنا پر ممتنع ہے۔ تو آپؐ کو چاہیے کہ آپ باب تبلیغ میں اور زیادہ مستعد وباہمت ہو جائیں۔ والمقصود من ذٰلک تحریضه ﷺ وتهییج داعیته لاداء الرسالة (روح) باقی لعل کا استعمال محاورۂ عرب میں علاوہ ترجی کے موقع تبعید پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی اظہار بُعد کے لئے اس صورت میں مفہوم صاف یہ ہوگا کہ آپ بھلا اسے کیسے ترک کر سکتے ہیں۔ آپؐ ہرگز اسے ترک نہ کیجیے گا۔ قیل اِنَّ لعل هنا لیست للترجی بل هی للتبعید وقد تستعمل لذٰلک کما تقول العرب لعلک تفعل کذا لمن لا یقدر فالمعنی لا تترک (روح) المراد هنا الزجر و العرب تقول للرجل اذا ارادوا ابعاده عن امرٍ لعلک تقدر ان تفعل کذا مع انه لا شک فیه (کبیر) و۱۶ (نہ کہ اس کا برگزیدہ بندہ اور رسول) آیت میں اہل جاہلیت کے جہل اور دنیا کی عام غلط فہمی کے رفع کرنے کو ایک بار پھر یہ صاف صاف بتایا کہ خدا اور فرستادۂ خدا کے حدود الگ الگ ہیں رسول کا کام تو محض پیام الٰہی صداقت ودیانت سے پہنچا دینا اور نافرمانوں کو متنبہ کر دینا ہے۔ باقی تکوینیات میں ہر شے کو بہم پہنچانا یہ اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہیں یہ امور کسی بڑے سے بڑے برگزیدہ رسول یا نبی کی بھی دسترس میں نہیں۔ لَوْ لَآ...... مَلَكٌ۔ اہل جاہلیت نے رسول ﷺ کے اصل پیام اور تعلیمات پر غور کرنے کے بجائے ہمیشہ فرمائش ایسے ہی اعجوبوں اور خوارق کی کی ہے۔ ضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ۔ مصلح اعظم ﷺ کی طبع لطیف وفطرت سلیم کا ایسی بے جا فرمائشوں سے گرانی محسوس کرنا ایک بالکل امر طبعی تھا۔ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ۔ کلمہ اِنَّ کے حصر نے اسے خوب واضح کر دیا کہ رسول کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہوتا، وہ تو تمام تر ایک مبلغ ومناد ہوتا ہے۔ نعتیہ اشعار میں شاعرانہ مبالغہ آرائیوں سے کام لینے والے مشائخ وصوفیہ، کاش قرآن مجید کی ان تصریحات کو فضول اور بے معنی نہ سمجھیں۔ اِفْتَرٰىهُ۔ ضمیرہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی جانب ہے۔ مِّثْلِهٖ۔ میں مثلیت زبان وحسن بیان، معنویت وخوبی مضامین ہر اعتبار ولحاظ سے ہے۔ بہ لحاظ معنویت چیلنج ساری دنیا کے لئے ہے اور بہ لحاظ ادب وانشاء اہل عرب کے لئے۔ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ۔ سورۂ ہود مکی ہے اس وقت تحدی دس سورتوں کی بابت رکھی گئی۔ سورۂ بقرہ جو اس سے بہت متاخر اور مدنی ہے۔ اس میں یہ مقدار دسویں حصہ تک گھٹا کر صرف ایک سورت تک لے آئی گئی ہے۔ فاتوا بسورۃ من مثلہ۔ گویا آخری چیلنج ایک ہی سورت کا ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا

اگر تم سچے ہو ف۱۷ پھر اگر یہ تم لوگوں کا یہ کہنا نہ کر سکیں سو (ان سے کہو کہ) یقین کر لو

اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ

کہ یہ (قرآن) اللہ ہی کے علم (وقدرت) سے اترا ہے اور (یہ بھی یقین کر لو) کہ کوئی معبود نہیں بجز اس کے تو

اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

اب بھی مسلمان ہوتے ہو؟ ف۱۸ جو کوئی دنیا ہی کی زندگی اور

وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا

اس کی رونق کو مدنظر رکھتا ہے تو ہم ان لوگوں کو ان کے اعمال (کی جزا) اسی (دنیا) میں پوری طرح دے دیتے

لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي

ہیں اور ان کے لئے اس میں ذرا کمی نہیں ہوتی، ف۱۹ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے

الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ

آخرت میں کچھ بھی نہیں بجز آگ کے اور جو کچھ انہوں نے کیا کرایا ہے سب آخرت میں

مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ

ناکارہ نکل جائے گا اور بے اثر ف۲۰ (سو کیا طالب دنیا ایسے کی برابری کر سکتا ہے) جو اپنے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ

(آئی ہوئی) کھلی دلیل پر قائم ہو، ف۲۱ اور اس کے ساتھ ایک گواہ اسی میں ہے اور (ایک) اس

مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ۭ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ

سے پہلے (یعنی) موسٰی کی کتاب وہ امام ہے ف۲۲ اور رحمت ہے، ایسے لوگ اس (قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں

وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ

اور گروہوں سے جو کوئی اس سے انکار کرے گا سو اس کے لئے وعدہ گاہ دوزخ ہے ف۲۳

ف۱۷ (اپنے اس پندار باطل میں کہ قرآن ایک انسانی تصنیف ہے۔) آج کے "روشن دماغ فرنگی محققین" ہی کی طرح عرب جاہلیت کے "روشن خیال" بھی اپنی اس تحقیق پر نازاں تھے کہ قرآن کلام محمدی ﷺ ہے ان کے اس خیال کے جواب میں ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اچھا اگر محمد ﷺ ایسے کلام کے اتنے بڑے مجموعہ پر قادر ہو سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں قادر ہو سکتے؟ تم میں سے ایک ایک نہ سہی تم سب مل ملا کر اپنے سارے حمایتیوں کو شریک کر کرا کے تو اس قرآن کا کوئی تھوڑا سا حصہ تو تیار کر ہی سکتے ہو۔ پھر آؤ اس میں دیر ہی کیا ہے؟ ف۱۸ (یا ابھی کوئی اور انتظار باقی ہے؟) لَكُمْ۔ یہ خطاب جمع عام مومنین سے ہے۔..... تحدی جس طرح رسول اللہ ﷺ کر سکتے تھے ساری امت بھی کر سکتی ہے۔ جمع الضمير لان المؤمنين ايضا كانوا يتحدونهم (بیضاوی) فَاعْلَمُوْٓا۔ تقدیر کلام یہاں یوں مانی گئی ہے کہ اے مومنین! کفار سے کہو کہ یقین کر لو۔ فيه اضمار والتقدير تقولوا ايها المسلمون للكفار اعلموا (کبیر) اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ ہی کے علم وقدرت سے اترا ہے نہ کہ کسی اور کے۔ ف۱۹ آیت میں ایک بڑی تلخ مگر گہری حقیقت کا اعلان ہے جو لوگ یا قومیں سرتاسر دنیا ہی کو اسی کی "ترقیوں" کو اپنا منتہائے نظر اور نصب العین بنائے ہوئے ہیں اور اپنی ساری سرگرمیوں کا مرکز اسی کو قرار دیئے ہوئے ہیں وہ گھبرائیں نہیں، انہیں مایوسی نہ ہوگی۔ انہیں اپنی ساری جدوجہد کا صلہ یہیں اور ابھی ملا جاتا ہے۔..... وہ دولت چاہتے ہیں ان میں کا ایک ایک فرد قارون وقت ہو کر رہے گا۔ انہیں حکومت کی ہوس ہے دنیا کے سارے ملک انہی کے درمیان تقسیم ہو کر رہیں گے۔ انہیں عزت وناموری فتح مندی کی چاٹ ہے تو اچھا وہ دل کھول کر اپنے دل کے ارمان نکال کر رہیں۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا۔ حیات وزینتِ حیات سے الفت تو ایک امر طبعی ہے اور ہر انسان بڑے سے بڑا متقی انسان بھی کسی درجہ میں اس کا آرزومند ضرور رہتا ہے البتہ حیات دنیوی اور زینت دنیوی کو آخرت کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنا مقصود بنا لینا اور اپنے وقت وقوت کو اسی میں خرچ کئے چلے جانا یہ ایک بالکل دوسری چیز ہے اور یہاں ذکر اسی کا ہے جیسا کہ لفظ یرید سے ظاہر ہے۔ اى تكون ارادته مقصورة على حب الدنيا وزينتها ولم يكن طالبا لسعادات الأخرة كان حكمه كذا وكذا (کبیر) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ جو اعمال محض دنیوی نفع اور حصول معاوضہ کے خیال سے انجام دیئے جاتے ہیں گو وہ ذکر وتلاوت ہی پر شامل ہوں، موجب ثواب وحسن آخرت نہ ہوں گے۔ هٰذا يدل على ان ما سبيله ان لا يفعل الا على وجه القربة لا يجوز اخذ الاجرة عليه لان الاجرة من حظوظ الدنيا فمتى اخذ عليه الاجرة فقد خرج من ان يكون قربة بمقتضى الكتاب والسنة (جصاص) ف۲۰ ظاہر ہے کہ جب دوسری دنیا کا تخیل ہی سرے سے ان کے دماغوں میں نہیں اور اس کا کوئی ادنیٰ محرک عمل بھی رضائے الٰہی یا ثواب آخرت نہیں تو ظاہر ہے انہیں آخرت میں نمبر کس چیز کے ملیں گے نمبر سب کے سب کٹ ہی جائیں گے۔ مَا صَنَعُوْا۔ اس عموم میں ان کے وہ اعمال بھی داخل ہیں جنہیں وہ کار خیر سمجھ کر کرتے رہے تھے۔ فِيْهَا۔ اس کا تعلق حَبِطَ۔ سے ہے اور ضمیر ھا سے مراد الْاٰخِرَةِ ہے۔ والظاهر انه عائد على الأخرة (بحر) بٰطِلٌ۔ نفس الامر اور ان لوگوں کے قسادنیت کے اعتبار سے تو ان اعمال کا کھوکھلا اور باطل ہونا اب بھی ظاہر ہے۔ آخرت میں اس کا مشاہدہ سب کو ہو جائے گا۔ ف۲۱ (نہیں دونوں برابر ہرگز نہیں ہو سکتے) بَيِّنَةٍ۔ سے مراد قرآن ہی سمجھی گئی ہے۔ البينة هو القران (کبیر) والمراد بها القرأن (روح) بَيِّنَةٍ۔ تنوین اس دلیل کی عظمت واہمیت کے لئے ہے۔ التنوين فيها هنا للتعظيم اى بينة عظيم الشان (روح) تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ افمن كان على بينة من ربه كمن يريد الحيٰوة الدنيا (کبیر) ف۲۲ امام تو اپنی تعلیمات واحکام کی عظیم الشان اہمیت تقدس کے لحاظ سے اور رحمت اس معنٰی میں کہ باعث رحمت ہے۔ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ۔ یتلوہ کو یتبعہ کے مرادف سمجھا گیا ہے اور مراد یہ لی گئی ہے کہ قرآن کا ایک گواہ تو خود قرآن کے اندر موجود ہے اور یہ داخلی گواہ قرآن کا معجز ہونا ہے۔ ومعنى كونه منه انه غير خارج منه (روح) وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى۔ یہ شہادت خارجی ہوئی کتاب توریت کی جو قرآن مجید سے مدتوں قبل نازل ہو چکی تھی اور کلام کا عطف شَاهِدٌ مِّنْهُ۔ پر ہے۔ عطف على شاهد والضمير المجرور له اى يتلوه فى التصديق كتاب موسٰى منزّلا من قبله (روح) اِمَامًا۔ یعنی دین کے لحاظ سے مقتدا ومتبوع۔ ومعنى كونه اماما انه كان مقتدى العالمين واماما لهم يرجعون اليه فى معرفة الدين والشرائع (کبیر) مؤتمّا به فى الدين ومقتدى (روح) رَحْمَةً۔ یعنی رحمت کا ذریعہ وسبب۔ لانه يهدى الى الحق فى الدنيا والدين وذٰلك سبب لحصول الرحمة والثواب فلما كان سببا للرحمة اطلق اسم الرحمة عليه (کبیر) ف۲۳ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ۔ میں اُولٰٓئِكَ۔ سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا ذکر ابھی گزر چکا ہے یعنی اپنے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی دلیل پر قائم رہنے والے مِنَ الْاَحْزَابِ۔ احزاب سے مراد کفار ہی کے مختلف گروہ ہیں خواہ وہ کسی ملک کسی قوم کسی دین باطل سے تعلق رکھنے والے ہوں۔ الاحزاب جميع الملل قاله ابن جبير (بحر) عن قتادة ان الاحزاب الكفار مطلقا لانهم تحزّبوا على الكفر (روح) آیت میں یہ بتا دیا گیا کہ قرآن کا منکر کوئی بھی ہو اور کفار کے کسی گروہ اور فرقہ سے بھی تعلق رکھنے والا ہو، انجام بہرحال سب کا دوزخ ہی ہے۔

فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ ۚ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

پس تو اس کی طرف سے شک میں نہ پڑنا بے شبہ وہ سچا (کلام) تیرے پروردگار کی طرف سے ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ

البتہ بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے ۲۴ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے

مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ یُعْرَضُوْنَ

جو اللہ پر جھوٹ گڑھے ایسے لوگ اپنے پروردگار کے سامنے

عَلٰی رَبِّهِمْ وَ یَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ كَذَبُوْا

پیش کئے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نسبت جھوٹ

عَلٰی رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِیْنَ

باتیں لگائی تھیں ۲۵ سنو سنو کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر جو

یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَ هُمْ

اللہ کی راہ سے (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں اور اس کے اندر کجی تلاش کرتے ہیں اور

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ یَكُوْنُوْا

آخرت تک کے منکرہیں ۲۶ یہ لوگ زمین پر بھی (اللہ کو)

مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ

عاجز نہ کر سکے اور نہ اللہ کے مقابلہ میں ان کا

اللّٰهِ مِنْ اَوْلِیَآءَ ۘ یُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا

کوئی بھی مددگار ہوا ۲۷ ان کے لئے عذاب دوگنا ہو گا یہ نہ

یَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ وَ مَا كَانُوْا یُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

سنتے ہی تھے اور نہ دیکھتے تھے ۲۸

وقف لازم

۲۴ (ان کھلے ہوئے دلائل وشواہد کے باوجود) تَكُ رَبِّكَ۔ خطاب اب عام مخاطب اور ناظر قرآن سے ہے ۲۵ ان مجرموں کی عدالت خداوندی میں حاضری اور فرشتوں کی گواہی یہ سب عالم آخرت کے واقعات ہیں۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا۔ اللہ پر جھوٹ گڑھنا یہی ہے کہ اس کی توحید سے یا رسول ﷺ کی رسالت سے یا قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کر دیا جائے یا کسی کو اس کا شریک وہمسر قرار دے لیا جائے۔ یَقُوْلُ الْاَشْهَادُ۔ ان گواہوں کے بیان سے مجرموں کی مزید تفضیح ورسوائی تو خیر ہو ہی گی لیکن سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ یہ گواہی دینے والے ہوں گے کون؟ مجاہد تابعی اور بعض اور اکابر سے منقول ہے کہ یہ گواہ کاتب اعمال فرشتے ہوں گے۔ هم الملئكة الذين كانوا يحفظون اعمالهم عليهم فی الدنيا (کبیر عن مجاہد) لیکن لفظ قرآن کا عموم، سفارش کرتا ہے کہ انبیاء اور مومنین اور خود ان کافروں کے اعضاو جوارح بھی شامل کئے جائیں۔ قيل المراد بهم الملٰٓئكة والانبياء والمؤمنون (روح) من الملائكة والنبيين اومن جوارحهم (بیضاوی) ۲۶ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۔ یہ ایک ہی اسم کے لئے ضمیر ھم کی تکرار تاکید اور زور دینے کے لئے ہے۔ تكريرهم لتاكيد كفرهم واختصاصهم به (بیضاوی) قال الزجاج كلمة هم كُرِّرَت علی جهة التوكيد (کبیر) اس مفہوم تاکید کے ادا کرنے کے لئے اردو ترجمہ میں "تک" لایا گیا ہے۔ یَبْغُوْنَهَا۔ میں ضمیر ھا اسی سَبِیْلِ اللّٰهِ کی جانب ہے۔ ۲۷ (کہ کوشش کر کے یا سفارش کر کے انہیں چھڑا دیتا، مِنْ اَوْلِیَآءَ۔ میں مِنْ۔ زائدہ استغراق یا کلیت نفی کے لئے ہے۔ من زائدة لاستغراق النفی (روح) اردو ترجمہ میں "بھی" اس مفہوم کے اظہار کے لئے ہے۔ لَمْ یَكُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ۔ ان کا اللہ کو عاجز کرنا یہی تھا کہ یہ کہیں چھپ جاتے اور اللہ کے ہاتھ نہ آتے۔ اور اگر یَصُدُّوْنَ کے معنی محض یُعْرَضُوْنَ کے لئے جائیں تو سزا کا دوگنا ہونا تعدد عمل کی بناء پر نہیں شدت عمل کی بنا پر ہو گا۔ ۲۸ یعنی نہ کلام حق کو غایت عناد سے سنتے تھے اور نہ راہ حق کو غایت عناد سے دیکھتے تھے، روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جس بات سے ضد اور نفرت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ اس کے نہ سننے کی تاب دل میں باقی رہ جاتی ہے نہ دیکھنے کی۔ یُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ۔ دوگنی سزائیں کہ ایک سزا خود کافر رہنے کی، اور دوسری دوسروں کو کافر بنانے کی۔ یُضٰعَفُ۔ کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ان پر سزا برابر بڑھتی رہے گی...... اور عجب نہیں جو صیغۂ مضارع اسی استمرار کی دلالت کے لئے ہو۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم

یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے کو تباہ کر ڈالا اور (آج) ان سے غائب ہو گئے

مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ

(وہ سب معبود) جو انہوں نے گڑھ رکھے تھے ف۲۹ لازمی طور پر آخرت میں

هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

یہی سب سے زیادہ گھاٹا اٹھانے والے ہوں گے ف۳۰ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

نیک عمل کئے اور اپنے پروردگار کی طرف جھکے وہی لوگ

الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ

اہل جنت ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ف۳۱ دونوں فریقوں کی حالت ایسی ہے

كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ

جیسے ایک اندھا اور بہرا اور ایک دیکھنے والا اور سننے والا ہو، کیا (یہ)

يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا

دونوں حالت میں برابر ہیں تو کیا تم سمجھتے نہیں؟ ف۳۲ اور بالیقین ہم نے نوحؑ کو

نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٥﴾ أَن

ان کی قوم کی طرف بھیجا ف۳۳ میں تمہارے لئے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں (چاہیے) کہ

لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ

تم پرستش نہ کرو (کسی کی) بجز اللہ کے میں تمہارے حق میں دردناک دن کے

يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٢٦﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ

عذاب سے ڈرتا ہوں ف۳۴ اس پر ان کی قوم میں جو سردار تھے وہ بولے کہ

ف۲۹ (اور کوئی بھی ان کے کام نہ آیا!) ف۳۰ لَا جَرَمَ۔ کا مفہوم عربی میں وہی ہے جو اردو میں ”لامحالہ“ یا ”ناگزیر ہے“ سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ معناه انه لا يقطع قاطع عنهم (کبیر) قال الفراء انها بمنزلة قولنا لابد ولا محالة (کبیر) أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ۔ جملہ کی ترتیب هُمْ کی تکرار أَنَّ اور لَا جَرَمَ۔ کا اضافہ سب کلام میں انتہائی زور اور تاکید پیدا کرنے کے لئے ہیں۔ ف۳۱ أَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ۔ یعنی اپنے پروردگار کا خشوع وانقیاد دل میں پیدا کر لیا۔ الاخبات هو الخشوع والخضوع (کبیر) اصحابِ جنت کے اوصاف کی ترتیب آیت میں خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ الَّذِينَ آمَنُوا۔ پہلا درجہ تو ایمان یا تصحیح عقائد کا ہوا۔ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ۔ دوسرا مرتبہ عمل صالح کا یا اصلاح اعمال واخلاق کا ہوا۔ وَأَخْبَتُوا۔ تیسرا مرتبہ تزکیۂ نفس کا ہوا۔ ف۳۲ یعنی دونوں کے درمیان اتنے موٹے اور بیّن فرق کو محسوس نہیں کرتے؟ فَرِيقَيْنِ۔ سے مراد ظاہر ہے کہ ایک طرف مؤمن اور فرمانبردار ہیں اور دوسری طرف کافر ونافرمان جن کے انجام ومآل کا فرق ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے...... ایک ہدایت سے موصوف دوسرا ہدایت سے محروم۔ ف۳۳ (پیمبر بنا کر اور یہ پیام دے کر) نوح علیہ السلام اور قوم نوح علیہ السلام پر حاشیے پارہ نمبر ۱۱ میں سورہ یونس میں گزر چکے۔ ف۳۴ پیمبروں کا پیام شروع سے ایک ہی چلا آیا ہے۔ یعنی پیام توحید اور پھر اس دعوت سے انکار پر وعید عذاب...... کوئی قوم وحشی ہو یا کوئی قوم متمدن، پیمبر بہرحال سب سے پہلے اس کے عقائد ہی کی اصلاح کرتے ہیں اور عقائد میں راس المسائل یہی عقیدۂ توحید ہے۔ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ۔ میں صاف اشارہ اس طرف ہے کہ پیمبروں کی مخالفت قوم کے اکابر ہی کی طرف سے شروع ہوتی ہے۔

ع ۲

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ

ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا ایک انسان دیکھتے ہیں ف۳۵ اور ہم تو بس یہی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو

اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَ مَا نَرٰى

وہی ہوئے ہیں جو ہم میں سے بالکل رذیل ہیں (اور وہ بھی) سرسری رائے سے، ف۳۶ اور ہم تم

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

لوگوں میں کوئی بات (اپنے سے) زیادہ بھی نہیں مانتے، بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں ف۳۷

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ

نوح نے کہا اے میری قوم والو یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر

رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ

قائم ہوں ف۳۸ اور اس نے مجھے رحمت اپنے پاس سے عطا کی ہے اور وہ تمہیں

عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

نہ سوجھتی ہو تو کیا ہم اسے تمہارے سر چپکا دیں درآنحالیکہ تم اس سے نفرت کئے چلے جاؤ، ف۳۹

وَ يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا

اور اے میری قوم والو، میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ مال تو نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو بس

عَلَى اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ

اللہ ہی کے ذمہ ہے، اور میں تو ان لوگوں کو جو ایمان لے آتے ہیں نکالنے والا نہیں ف۴۰

مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ لٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

یہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہونے والے ہیں، البتہ میں تمہی لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جہالت کئے جارہے ہو، ف۴۱

وَ يٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ

اور اے میری قوم والو کون میری حمایت کرے گا اللہ کے مقابلہ میں، اگر میں انہیں نکال بھی دوں

ف۳۵ (اور کوئی بات تم میں بشریت سے مافوق پاتے نہیں پھر تمہیں مرد خدا کیسے مان لیں) مشرکوں اور مشرک صفتوں کی سمجھ میں کسی بشر کا خدا رسیدہ ہونا یا فرستادہ خدا ہونا نہ پہلے کبھی آیا نہ اب آرہا ہے وہ بزرگی کے صرف اسی کے قائل ہوتے ہیں جو نہ کھاتا پیتا ہو، نہ سوتا ہو، نہ عورت کی خواہش رکھتا ہو، پانی پر چلتا ہو، آگ پر بے تکلف قدم رکھ دیتا ہو، ہوا پر اڑتا ہو، غرض طرح طرح کے خوارق اور کرشمے دکھا کر اپنے "مافوق البشر" ہونے کا اعلان کرتا رہتا ہو...... بشر کو دیوتا تسلیم کر لینا ان کے لئے اس سے کہیں آسان ہے کہ وہ بشر کو خدا کا بندہ مقرب ومقبول اور ایلچی تصور کریں۔ مِثْلَنَا۔ بشریت کی تاکید کے لئے ہے۔ یعنی بشر بھی ایسے جو ہم سے ذرا ممتاز نہیں بس ہماری ہی طرح کھانے پینے، رہنے بسنے والے۔ ف۳۶ (سو ان کا تمہیں نبی مان لینا کون سی سند اور افتخار کی بات ہے بلکہ ہم شرفاء ومعززین کو تو الٹا ننگ آتا ہے ان کی صف میں بیٹھنے سے۔ بڑے اور چھوٹے اونچ اور نیچ کا یہ نسبی ونسلی معیار جاہلی قوموں میں ہمیشہ مشترک رہا ہے...... دعوتِ توحید پر ایمان اس وقت تک صرف عوام لائے تھے یہ ان عوام پر طنز بڑے لوگوں کی طرف سے ہے۔ ف۳۷ (تمہارے اس دعوائے نبوت وزعم رسالت میں) مِنْ فَضْلٍ۔ سے مراد مال، جاہ، ثروت وریاست ہیں جو دنیوی ومادی اعتبار سے معیار فضیلت سمجھے گئے ہیں۔ علامہ زمخشری آیت کے تحت میں لکھتے ہیں کہ خیر وہ لوگ تو اہل جاہلیت میں سے تھے ہی، دنیا کے صرف ظاہری ومادی پہلوؤں کو دیکھنے والے لیکن غضب تو یہ ہے کہ اپنے کو مسلمان کہلانے والے بھی آج اسی مرض حُبِّ دنیا میں مبتلا ہیں اور عزت وتحقیر کا معیار اسی دولتِ دنیوی کی زیادتی اور کمی کو بنائے ہوئے ہیں۔ كانوا جهالًا ما كانوا يعلمون الاظاهرًا من الحياة الدنيا فكان الاشراف عندهم من له جاه ومال كما ترٰى اكثر المتسمين بالاسلام يعتقدون ذٰلك ويبنون عليه اكرامهم واهانتهم (کشاف) اور آگے بھی سطروں پر سطریں اسی رنگ میں لکھتے چلے گئے ہیں (اور صاحب مدارک نے بھی ان کی تقلید میں بعض انہی فقروں کو دہرا دیا ہے...... حُبِّ دنیا اس امت مرحومہ پر جب پانچویں اور چھٹی صدی میں اس قدر غالب آچکا تھا تو پھر اب چودھویں صدی ہجری کا ذکر ہی کیا! افسوس ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی حقیقی بزرگی کی طرف سے ان کے باطنی کمالات، ان کے اخلاقی فضائل کی طرف سے دنیا کی آنکھیں کل بھی بند رہیں اور آج بھی بند ہیں۔ ف۳۸ (اور اپنے کو صریح صاحب وحی پا رہا ہوں) ف۳۹ یعنی دلائل وشواہد پر جب تم غور کیا ہی نہ چاہو تو کیا اسے میں زبردستی تمہارے حلق میں اتاردوں؟ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا۔ الخ سے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ منکر کو اہل اللہ سے استفادہ نہیں ہوسکتا اور جب تک وہ منکر رہے گا ان سے نفع نہ حاصل کرسکے گا۔ ف۴۰ (جیسا کہ تم چاہتے ہو) اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔ یعنی میرا سہارا تو صرف رضاء الٰہی اور اجر اخروی ہے۔ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا۔ میں کیا اپنے موعظت ودعوت کی کوئی فیس تم سے طلب کر رہا ہوں جو تم اس کی گراں باری سے کھلے جاتے ہو، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عبادت واجب پر معاوضہ لینا ناجائز ہے، وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ مسکینوں اور کم حیثیت والوں کو حضوری مجالس اور التفات خاص سے محروم نہ رکھنا عین سنت انبیاء ہے) ف۴۱ (کہ توحید جیسے عقیدہ سے جو سرتاسر فطرت سلیم کے عین مطابق ہے گریز کئے چلے جارہے ہو) اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ۔ یعنی یہ لوگ عزت ومقبولیت کے ساتھ اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہونے والے ہیں۔ سو ان کی اہانت میں کیسے کرسکتا ہوں۔ لانهم من اهل الزلفى المقربون الفائزون عند الله تعالىٰ (روح) دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس حاضری کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اى مصدقون بلقاء ربهم يؤمنون به (کشاف)

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ

کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے؟ ۴۲ اور میں تم سے یہ تو کہتا نہیں کہ میرے پاس اللہ کے

اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّ لَاۤ

خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ

اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ

میں ان لوگوں کے لئے کہہ سکتا ہوں جو تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں کہ انہیں اللہ

اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْۤ

بھلائی دے ہی گا نہیں ۴۳ اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے ۴۴ ورنہ میں ہی

اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا

ظالم ٹھیروں گا ۴۵ وہ بولے اے نوح تم ہم سے بحث کر چکے

فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ

پھر بحث بھی خوب کر چکے اب لے آؤ ہمارے سامنے وہ چیز جس سے تم ہم کو دھمکایا کرتے ہو اگر تم

الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ

سچے ہو ۴۶ (نوح نے) کہا اسے تو بس اللہ ہی تمہارے سامنے لائے گا اگر اس کی مشیت ہوئی

وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ

اور تم (اسے) ہرا نہیں سکتے ۴۷ اور میری خیر خواہی تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی

اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ

گو میں تمہارے ساتھ (کیسی ہی) خیر خواہی کرنا چاہوں جبکہ اللہ ہی کو تمہارا

اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ؕ اَمْ

گمراہ کرنا منظور ہو ۴۸ وہی تمہارا (مالک و) پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم واپس جاؤ گے کیا یہ لوگ

ف۴۲ حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بالفرض میں تمہاری خوشی پوری کرنے کو انہیں اپنے پاس سے دھتکار بھی دوں تو خود ہی اللہ کی گرفت میں آجاؤں گا۔ اس وقت مجھے کون بچائے گا؟ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ۔ کے تحت میں طالب کے حقوق شیخ پر آگئے۔ آیت کے الفاظ میں اشارہ ادھر ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، اس سے اعراض نہ چاہیے کیونکہ اس کی طرف حق تعالیٰ کو بھی توجہ ہوتی ہے۔ ف۴۳ یہاں حضرت نوح علیہ السلام اپنے مخاطبین کے ایک ایک شبہ کا ازالہ فرمارہے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ میں نہ اللہ کے خزانوں کا خزانچی ہوں کہ دنیوی نعمتوں میں سے جو جس کو چاہوں اسے دلا دوں اور نہ کاہنوں کی طرح غیب دانی کا دعویٰ رکھتا ہوں، اور نہ دیوتا کی قسم سے ہوں اور نہ (ان) عوام ہی کی قسمت کا ذمہ لئے ہوں پیمبر کی اس تقریر میں وقت کی ایک ایک گمراہی کا رد موجود ہے۔ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ۔ جاہلی قومیں بس یہی چاہتی ہیں کہ جس کا دامن پکڑیں اس کے وسیلہ سے دنیوی فلاح وترقی بھی ہر قسم کی حاصل ہو جائے۔ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ جاہلی قوموں نے بزرگی کا ایک لازمہ غیب دانی کو بھی سمجھا ہے۔ اِنِّیْ مَلَكٌ۔ ملک کا ترجمہ جاہلی قوموں کے سیاق میں "دیوتا" یا "مافوق البشر" سے ہونا چاہیے۔ لَاۤ اَقُوْلُ...... خَیْرًا۔ جاہلی قوموں میں خواص کو بڑی فکر اس کی لگی رہتی ہے کہ عوام بھی کہیں ان کے برابر نہ آجائیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ صاحب ارشاد کا صاحب تصرف ہونا یا صاحب کشف ہونا، یا ضروریاتِ بشری میں عام انسانوں سے ممتاز ہونا ہرگز ضروری نہیں۔ صرف صاحب علم وعمل ہونا ضروری ہے۔ ف۴۴ (میں ان کی قسمت کی بھلائی سے انکار کرنے والا کون، اگر یہ مخلص وصادق ہیں تو خیر دارین ان کا حصہ ہے اور ان کے صدق واخلاص کا جاننے والا اللہ ہے،) ف۴۵ یعنی اگر میں نے خواہ مخواہ تمہاری رائے کی موافقت میں اپنے ان پیروؤں کو منافق ٹھہرا دیا۔ ف۴۶ اب منکرین کھلم کھلا پیمبر وقت کو چیلنج کر رہے ہیں کہ جس عذاب کی دھمکی دیتے چلے آئے ہو وہ اب لے آؤ نا! یٰنُوْحُ...... جٰدَلْتَنَا۔ آیت سے یہ مضمون نکل رہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام عقائد حق کی تائید میں دلائل وشواہد ایک طویل مدت تک پیش کرتے رہے۔ ف۴۷ (کہ وہ عذاب واقع کرنا چاہے اور تم نہ ہونے دو) اِنَّمَا...... شَآءَ۔ یعنی میں عذاب لانے والا کون میرا کام تو بس احکام اور پیام کا پہنچا دینا ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ ایسا ہی کہنا اہل حق کی شان ہے ورنہ اہل باطل کی زبان پر تو بڑے بڑے دعوے رہتے ہیں کہ جو میرا مخالف ہے اس کا حال یہ کر دوں گا اور وہ کر دوں گا۔ ف۴۸ (تمہارے عناد واستکبار کی بناء پر) اِنْ كَانَ اللّٰهُ۔ اللہ کا ذکر یہاں بہ حیثیت تکوینی علت العلل یا مسبب الاسباب کے ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ جب اپنی بدقسمتی سے تم خود ہی اپنے لئے نفع حاصل کرنا اور نقصان سے بچنا نہ چاہو تو میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ ہدایت شیخ کے قبضہ میں نہیں۔

وف ۴۹ یہ آخری اور انتقامی جواب ہے کہ خیر تم کسی طرح نہیں سمجھتے تو نہ سمجھو اپنا جرم میں خود بھگت لوں گا تم خود اپنی خبر لو۔ منکرین کے اعتراض کا اصل جواب آیت نمبر ۱۳ کے ذیل میں آچکا ہے کہ اگر میں قرآن تصنیف کرسکتا ہوں تو خیر تم سب مل ملا کر پورا قرآن نہ سہی اس کی دس ہی سورتیں تیار کر کے دکھا دو۔ اوپر سے حکایت حضرت نوح علیہ السلام کی چل رہی تھی آگے بھی وہی ملے گی درمیان میں مناسبت مقام سے یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے معاند معاصرین سے متعلق آگئی۔ عن مقاتل انها فی شان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع مشرکی مکة (روح) هٰذا کلام معترض فی وسط هٰذه القصة مؤکد لها مقرر لها بقوله تعالٰی لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم ام یقول هٰؤلاء الکافرون الجاحدون افتری هٰذا وافتعله من عنده (ابن کثیر) لیکن دوسرے اقوال میں اسے حکایت نوح علیہ السلام ہی سے متعلق قرار دیا ہے۔ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ۔ یعنی یہ کہ افترائے وحی کا الزام مجھ پر رکھ رہے ہو۔ ای من اجرامکم فی اسناد الافتراء الیّ (کشاف۔ بیضاوی) عَلَیَّ اِجْرَامِیْ۔ یعنی میرے گناہ کا وبال میرے ہی اُوپر رہے گا۔ تقدیر کلام فعلی عقاب اجرامی سمجھی گئی ہے۔ ای ان کنت افتریته فعلی عقاب جرمی و ان کنت صادقًا و کذبتمونی فعلیکم عقاب ذٰلک التکذیب (کبیر) وف ۵۰ (جب دعوت وتبلیغ کو مدت مدید ہو چکی) توریت میں ہے:۔ اور نوح علیہ السلام خدا کے ساتھ چلتا تھا۔ پر زمین خدا کے آگے بگڑی ہوئی تھی اور زمین ظلم سے بھری تھی اور خدا نے زمین پر نظر کی اور دیکھا کہ وہ بگڑ گئی۔ کیونکہ ہر ایک بشر نے اپنے اپنے طریقہ کو زمین پر بگاڑا تھا۔" (پیدائش ۶:۱۰۔۱۲) وف ۵۱ (کیونکہ غم تو خلاف توقع سے ہوتا ہے اور اب ان سے کوئی توقع ہی بجز مخالفت کے نہیں) گویا حضرت نوح علیہ السلام کو حکم مل گیا کہ اب نصیحت وانتظار بے سود ہے بددعا کیجیے سزا دی جائے۔ توریت میں ہے:۔ "اور خدا نے نوح سے کہا کہ سب بشر کی اجل میرے سامنے آپہنچی ہے۔ اس لئے کہ ان کے سبب زمین ظلم سے بھر گئی اور دیکھ میں ان کو زمین کے ساتھ نابود کروں گا۔" (پیدائش ۶:۱۳) وف ۵۲ (کہ اس کے ذریعہ سے تم اور مومنین طوفان سے محفوظ رکھے جاؤ گے) اَلْفُلْكَ۔ مسیحی علماء کی تحقیق کے مطابق یہ کشتی طول میں ۵۲۵ فٹ، عرض میں ۸۷ $\frac{1}{2}$ فٹ اور بلندی میں ۵۲ $\frac{1}{2}$ فٹ تھی، ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر القرآن انگریزی، نیز ملاحظہ ہوں پارہ ۱۱ میں سورہ یونس میں حواشی متعلقہ۔ توریت میں ہے:۔ "تو اپنے واسطے گوپھر کی لکڑی کی ایک کشتی بنا۔ اس کشتی میں کوٹھریاں تیار کر اور اس کے باہر اور بھیتر رال لگا اور اس کو ایسی بنا کہ اس کی لمبائی تین سو ہاتھ اور اس کی چوڑائی پچاس ہاتھ اور اس کی اونچائی تیس ہاتھ کی ہو اور اس کشتی میں ایک روشندان بنا۔ اوپر سے لے کے ہاتھ بھر میں اسے تمام کر اور کشتی کی ایک طرف دروازہ بنا اور نیچے کا طبقہ اور دوسرا اور تیسرا بھی بنا۔" (پیدائش ۶:۱۴۔۱۶) یہ کشتی کس ساخت اور پیمانہ کی تھی؟ اس کی جو تفصیلات بائبل میں ہیں، قرآن نے ان سے یکسر قطع نظر کر لی ہے اس لئے کہ ان تفصیلات سے حاصل کچھ بھی نہیں اور اسی لئے اس قسم کی تحقیقات کے زیادہ درپے ہو جانا کوئی مفید خدمت دین کی نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے کہ یہ ساری بحثیں بیکار ہیں۔ مومن کے لئے بس اس قدر جان لینا کافی ہے کہ کشتی میں اتنی گنجائش تھی کہ اس وقت کی مومن آبادی اور جانوروں کے جوڑے اس میں سما گئے تھے کہ قرآن میں مذکور اسی قدر ہے۔ (کبیر) اور صاحب روح المعانی نے بھی اسی قسم کی تقریر کی ہے۔ بِاَعْیُنِنَا۔ محاورہ میں اس سے کنایہ ہوتا ہے حفاظت ونگرانی سے۔ جعل العین کنایة عن الاحتیاط فلهٰذا قال المفسرون معناه بحفظنا ایاک (کبیر) قیل ان ملابسة العین کنایة عن الحفظ وملابسة الاعین لمکان الجمع کنایة عن کمال الحفظ والمبالغة فیه (روح) ذکر العین لتضمنها معنی الرعایة وقوله تعالٰی واصنع الفلک باعیننا ای برعایة منا وحفظ (ابو البقا) وف ۵۳ (اور ان کے حق میں سفارش بیکار ہے) توریت میں ہے:۔ "اور دیکھ میں ہاں، میں ہی زمین پر طوفان کا پانی لاتا ہوں کہ ہر ایک جسم کو جس میں زندگی کا دم ہے، آسمان کے نیچے سے مٹا ڈالوں اور سب جو زمین پر ہیں مر جائیں گے۔ پر میں تجھ سے اپنا عہد قائم رکھوں گا۔ (پیدائش ۶:۱۷) وف ۵۴ اس کا یہ مطلب لازمی طور پر نہیں کہ خود اپنے ہاتھ سے بنانے لگے۔ اپنی نگرانی میں کاریگروں سے بنوانا بھی اپنے ہی بنانے کے حکم میں داخل ہے۔ وف ۵۵ (کہ یہ کیسے خبطی ہیں پانی کا نام نہ نشان اور یہ خواہ مخواہ اپنے کو اس زحمت میں ڈالے ہوئے ہیں) اور کوئی کوئی اس طرح کے فقرہ بھی کہہ گزرتا کہ واہ نبوت کرتے کرتے نجاری بھی کرنے لگے۔ یقولون له صرت نجارًا بعد ما کنت نبیًا (بیضاوی) جہاں یہ قوم آباد تھی وہ کوئی نشیبی علاقہ نہیں ایک بلند میدان تھا اور قریب ترین سمندر یعنی خلیج فارس سے صدہا میل کے فاصلہ پر اس لیے ان لوگوں کا اپنے نقطۂ نظر سے حیرت کرنا کچھ بیجا تھا بھی نہیں۔ وف ۵۶ (کہ عذاب کا وقت موعود اتنا قریب آلگا اور تم اسے ہنسی کھیل سمجھ رہے ہو ہمیں اس پر ہنسی آرہی ہے) فانا نسخر منکم مما انتم فیه من الاعراض عن استدفاعه بالایمان والطاعة (روح) دوسرے معنی صیغۂ مستقبل میں بھی ہو سکتے ہیں کہ جس طرح تم آج ہم پر ہنس رہے ہو، ہم کل تم پر ہنسیں گے جب تم دنیا میں غرق اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہو رہے ہو گے۔ ان تسخروا منا فی هٰذه الساعة فانا نسخر منکم سخریة مثل سخریتکم اذا وقع علیکم الغرق فی الدنیا والخزی فی الاٰخرة (کبیر) یعنی فی المستقبل (کشاف) رہا یہ شبہ کہ تمسخر پیغمبری کی شان سے فروتر ہے بالکل ہی سطحی ہے جواب ومقابلہ کے موقع پر اس قسم کے الفاظ کا استعمال محاورۂ قرآنی میں عام ہے۔ جزاء سیئة سیئة مثلها۔ انهم یکیدون کیدًا واکید کیدًا۔ و

يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ

کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے (یعنی قرآن کو) گڑھ لیا ہے، آپ کہہ دیجیے اگر میں نے اسے گڑھ لیا ہے تو میرے ہی

وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَ اُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ

اوپر میرا یہ جرم رہے گا اور تم جو جرم کر رہے ہو میں اس سے بری رہوں گا وف ۴۹ اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی

اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ

وف ۵۰ کہ تمہاری قوم میں سے (اب اور کوئی) ایمان نہیں لائے گا بجز ان کے جو (اب تک) ایمان لا چکے

فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَ اصْنَعِ

سو جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں اس پر کچھ غم نہ کرو وف ۵۱ اور تم کشتی ہماری نگرانی میں

الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي

اور ہمارے حکم سے تیار کرو وف ۵۲ اور مجھ سے ان لوگوں کے باب میں گفتگو نہ کرنا

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَ يَصْنَعُ

جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ ڈوب کر رہیں گے وف ۵۳ اور (نوح) کشتی بنانے

الْفُلْكَ ۫ وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ

لگے وف ۵۴ اور جب جب ان کی قوم کے سردار ان کے پاس سے گزرتے تھے

سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا

تو ان سے تمسخر کرتے وف ۵۵ (نوح) بولے اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی

نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ

تم پر ہنستے ہیں جیسا کہ تم ہنستے ہو وف ۵۶ سو ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ

کہ وہ کون ہے جس پر (ایسا) عذاب آنے کو ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور اس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے وف ۵۷

نے فرمایا کہ انتقام کے موقع پر جواب بالمثل سے کام لینا مکارم اخلاق کے منافی نہیں۔ **و۵۷** عذاب مقیم کا تعلق بعد مرگ اور عالم آخرت سے ہے اور عذاب خزی کا تعلق اسی موجودہ زندگی سے۔ عذاب یخزیه۔ یرید بالعذاب عذاب الدنیا وهو الغرق (مدارک) عذاب مقیم و هو عذاب الأخرة (مدارک) **و۵۸** (جو علامت تھی آغاز عذاب موعود کی) اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا۔ یعنی جب غرقابی کے ذریعہ ان پر عذاب دنیوی کے نزول کا حکم آپہنچا۔ وَفَارَ التَّنُّوْرُ۔ فقرہ کے صحیح معنی صرف اس قدر ہیں کہ زمین سے پانی نے جوش مارنا شروع کیا۔ تنور کے معنی صرف سطح زمین یا بلند سطح زمین کے ہیں یا چشمہ پھوٹنے کی جگہ کے ہیں۔ ابن عباس ﷺ صحابی اور متعدد تابعین سے یہی معنی مروی ہیں۔ التنور وجه الارض (ابن جریر عن ابن عباس) وجه الارض (ابن جریر عن الضحاک وعکرمة) التنور وجه الارض والعرب تسمیه تنورا قاله ابن عباس و عکرمة والزهری و ابن عیینة (بحر)...... وجه الارض و کل مفجرماءٍ و محفل ماء الوادی (قاموس) التنور اشرف الارض وارفعها (ابن جریر عن قتادة) اہل لغت نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لفظ اصلاً عربی نہیں بلکہ فارسی سے معرب ہو کر آیا ہے۔ فارسی معرب (لسان) لفظی مست مشترک مبان فارسی و عربی و ترکی (برہان قاطع) تاج العروس میں ہے کہ دیباج، دینار، سندس، استبرق وغیرہ کی طرح اس باہر سے آئے ہوئے لفظ کو بھی عرب اپنا چکے ہیں۔ تنور کے اگر وہی معنی لیے جائیں جو اُردو میں متعارف و متداول ہیں تو التنور سے مراد یا تو کوئی مخصوص و متعین تنور ہوگا اور یا جنس تنور۔ یحتمل ان تکون ال فیه للعهد لتنور مخصوص و یحتمل ان تکون للجنس (بحر) قیل لیس المراد به تنورا معینا بل الجنس والمراد فار الماء من التنانیر (روح) بہرحال معنی جو بھی لے جائیں پانی کا یہ جوش مارنا بہ طور طوفان عظیم کی علامت کے ہوگا۔ **و۵۹** (ای نوح) اس کُلّ سے مراد یقیناً آبی اور ہوائی اور زمینی جانوروں کے سارے انواع و اقسام نہیں ہو سکتے بلکہ مراد صرف خشکی ہی کے جانور ہیں اور ان میں بھی صرف وہ جو عادۃً انسان کے کام آتے رہتے ہیں۔ ای من کل نوع من الحیوانات ینتفع به اللذین ینجون من الغرق (روح) لفظ کُلّ کے اس محدود معنی میں استعمال کی مثالیں قرآن مجید ہی میں بہ کثرت مل جاتی ہیں۔ یہ صراحت کہ اس چھوٹے سے جہاز میں پاک و ناپاک پرندے اور چارپائے اور حشرات الارض ہر قسم کے جانور آ گئے تھے صرف بائبل میں ملتی ہے۔ وہاں وعدۂ الٰہی بھی یہی ملتا ہے کہ سب وہ جاندار موجودات کو جنہیں میں نے بنایا زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔'' (پیدائش ۷: ۴) اور عمل بھی اسی وعید کے مطابق ہوا چنانچہ ''سب جاندار جو زمین پر چلتے تھے چرندے اور پرندے اور جنگلی جانور، اور کیڑے مکوڑے جو زمین پر رینگتے تھے اور سب انسان مر گئے۔ سب جن کے نتھنوں میں زندگی کا دم تھا اُن میں سے جو خشکی پر رہتے تھے مر گئے بلکہ سب موجودات جو روئے زمین پر جان رکھتی تھیں مٹ گئیں، انسان سے لے کے حیوان تک اور کیڑے مکوڑوں اور آسمان کے پرندوں تک وہ سب زمین سے مٹ گئیں۔'' (پیدائش ۷: ۲۱۔۲۳) زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ۔ یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ۔ **و۶۰** چنانچہ وہی بہت قلیل المقدار مومنین جہاز پر سوار کیے گئے۔ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ یعنی بجز ان کے جن پر اُن کے کفر کے پاداش میں غرق ہونے کا حکم صادر ہو چکا۔ باوجود نوح ﷺ کے رشتہ دار ہونے کے توریت میں اس مقام پر ہے: ''اور تو کشتی میں جائے گا، تو اور تیرے بیٹے اور تیری جورو اور تیرے بیٹوں کی جورواں تیرے ساتھ اور سب جانوروں میں سے ہر ایک جنس کے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے کہ وہ بچ جائیں۔ چاہیے کہ وہ نر و مادہ ہوں''۔ (پیدائش ۶: ۸۔۹) **و۶۱** (اس لئے اس پر سوار ہو کر غرق کا اندیشہ بھی نہ کرنا) قَالَ ارْكَبُوْا۔ ظاہر ہے کہ حضرت نوح ﷺ کے اس قول کے مخاطب آپ کے عیال اور آپ کے متبعین ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ۔ سے مراد یہاں بامر اللہ یا باذن اللہ لی گئی ہے یعنی اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب اللہ ہی کی قدرت اور حکم سے ہے۔ ای بقدرته اوبامره او باذنه (روح) کان فی معزل من الکفار وکانه انفرد عنهم فظن نوح علیه السلام ان ذلک انما کان لانه احب مفارقتهم (کبیر) مَجْرٖىهَا۔ عربی تلفظ میں ی کی آواز صرف یا معروف کی ہے چنانچہ قرآن مجید کے قاری بھی ہر جگہ اسی قاعدہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔ لیکن اس خاص موقع پر مجری کی ی کی آواز یائے مجہول کی نکلے گی اور اسے بجائے ''مجریٰ'' کے ''مجرے'' ہی پڑھا جائے گا۔ **و۶۲** اصل مقصود طوفان کی شدت کا اظہار ہے۔ المقصود منه بیان شدة الهول والفزع (کبیر) یہ اور بات ہے کہ یہاں واقعی اونچی اونچی موجیں پہاڑوں پر چڑھ چڑھ گئی تھیں۔ توریت میں اس موقع پر ہے: ''اور سات دن کے بعد ایسا ہوا کہ طوفان کا پانی زمین پر آیا۔ جب نوح ﷺ کی عمر چھ سو برس کی ہوئی۔ دوسرے مہینے کی سترھویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے، اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی۔ (پیدائش ۷: ۱۱۔۱۲) **و۶۳** (سفینہ نوح واہل نوح ﷺ دونوں سے الگ جسماً بھی اور عقیدۃً بھی'') ابنه یہ لڑکا کافر تھا اور اس کا نام کنعان آتا ہے۔ فِیْ مَعْزِلٍ۔ علیحدگی اور کنارہ کشی صوری و معنوی دونوں قسم کی مراد ہو سکتی ہیں۔ والمراد بُعده عنهم اما جسماً او معنیً (روح) عزل فیه نفسه عن ابیه او عن دینه (بیضاوی) **و۶۴** (نہ معنوی و اعتقادی حیثیت سے اور نہ صوری و جسمانی حیثیت سے) یٰبُنَیَّ۔ کلمہ محبت و شفقت کا ہے و نداؤه بالتصغیر من باب التحنن والرافة (روح) التصغیر للشفقة (تھانوی) یٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا۔ حضرت کا اپنے کافر بیٹے سے یہ فرمانا یقیناً اسی بنا پر ہوگا کہ آپ کو اس کے کفر کا علم نہ تھا...... یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ شرط معیت پوری کر کے یعنی اب ایمان لا کر ہمارے ساتھ آ جا۔ انما ناداه ظنًا منه انه مؤمن او ظنًا منه انه یؤمن ان کان کافرًا (بحر)

مُّقِیْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا

(اس طرح کے مکالمات جاری رہے) یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور زمین میں سے پانی ابلنا شروع ہوا،

احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا

و۵۸ ہم نے کہا کہ اس (کشتی) میں ہر قسم کے جوڑوں میں سے دو دو کو چڑھا لو **و۵۹** اور اپنے گھر والوں کو

مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ

بھی بجز ان کے جن پر حکم نافذ ہو چکا ہے اور (ہاں دوسرے) ایمان والوں کو بھی اور ایمان

مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۴۰﴾ وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ

ان کے ساتھ بہت ہی کم لوگ لائے تھے **و۶۰** اور (نوح نے) کہا (آؤ) اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے

مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۱﴾

اس کا چلنا ہے اور اس کا ٹھیرنا، **و۶۱** بیشک میرا پروردگار بڑا بخشنے والا ہے بڑا رحمت والا ہے،

وَ هِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَنَادٰی

اور وہ (کشتی) انہیں لے کر چلنے لگی پہاڑ جیسی موجوں میں **و۶۲** اور نوح نے اپنے لڑکے کو

نُوْحُ ِۨابْنَهٗ وَ كَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا

پکارا اور وہ کنارے پر تھا **و۶۳** کہ اے میرے (پیارے) بیٹے سوار ہو جا ہمارے ساتھ،

وَ لَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی

اور کافروں کے ساتھ مت رہ **و۶۴** وہ بولا میں ابھی کسی

جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ

پہاڑ کی پناہ لئے لیتا ہوں وہ مجھے پانی سے بچا لے گا **و۶۵** (نوح نے) کہا آج کے دن

الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَ حَالَ بَیْنَهُمَا

کوئی بچانے والا نہیں اللہ کے حکم (عذاب) سے البتہ وہی جس پر رحم کر دے، اور دونوں کے درمیان

و٦٥ (مجھے آپ کی کشتی تک آنے کی کیا ضرورت ہے آپ میرے لیے گھبرا کیوں رہے ہیں) بدنصیب کیا جانتا تھا کہ طوفان طبعی نہیں ہے قہر الٰہی جوش میں آیا ہوا ہے۔ بولا کہ مجھے سیلاب سے غرقابی کا اندیشہ ہے پیرنے میں مشاق ہوں ابھی پانی کا دھارا چیرتا ہوا کسی چوٹی تک پہنچ جاؤں گا اور پہاڑ تو ڈوبنے سے رہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسباب مباح سے تمتع کرنا توکل کے منافی نہیں جیسے سفینۂ نوح کے اندر آجانا البتہ اسباب غیر مباح کی طرف دوڑنا بالکل منافی توکل ہے۔ مثلاً کنعان کا پہاڑ کو وسیلۂ نجات سمجھنا۔ و٦٦ اس سبق آموز قصۂ کنعان سے بائبل کے صفحات خالی ہیں۔ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے عذاب وقہر سے۔ ای من عذاب اللہ (معالم۔ کبیر) لَا عَاصِمَ ...... رَّحِمَ۔ حقیقت میں پیمبر علیہ السلام اور شفیق باپ نے فرمایا کہ اے نا سمجھ یہ سیلاب وطوفان معمولی اور طبعی واقعہ نہیں قہر الٰہی ہے۔ اس سے پناہ دینے کی مجال کسی کو نہیں نہ پہاڑ کو نہ پہاڑ کی چوٹی کو، ہاں اللہ خود ہی جس کو بچالینا چاہے بچالے۔ بائبل میں اس شدت طوفان کے ذکر میں ہے:۔ ”اور پانی بڑھ گیا اور کشتی کو اُوپر اُٹھا دیا سو کشتی زمین پر سے اُٹھ گئی اور پانی زمین پر بڑھا اور بہت زیادہ ہوا اور کشتی پانی کے اُوپر بہتی رہی، اور پانی زمین پر بے نہایت بڑھ گیا اور سب اُونچے پہاڑ جو آسمان کے نیچے تھے چھپ گئے پندرہ ہاتھ پانی اُن کے اُوپر بڑھا اور پہاڑ ڈوب گئے“۔ (پیدائش ۷:۱۷۔۲۱) و٦٧ (بارش اور طوفانی بارش سے) پہلے زمین اور آسمان کے مالک نے زمین کو حکم دیا تھا کہ پانی اُبلنا شروع کردے اور آسمان کو کہ برسانا شروع کردے۔ بے تکان دونوں نے تعمیل کر دکھائی۔ اب جب مقصد پورا ہو گیا تو زمین کو حکم ملتا ہے کہ اپنا پانی اپنے اندر جذب کرے اور آسمان کو کہ مزید بارش موقوف ...... دیر ارشاد کی تھی تعمیل میں دیر ہو ہی کیا سکتی تھی۔ توریت میں ہے:۔ ”اور خدا نے زمین پر ایک ہوا چلائی اور پانی ٹھہر گیا اور گہراؤ کے سوتے اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہوئیں اور آسمان سے مینہ تھم گیا“۔ (پیدائش ۸:۱۔۲) قِيْلَ یہ ارشاد اس وقت ہوا جب طوفان اپنا کام کر چکا اور منکروں کو ڈبو چکا تھا توریت میں اس طوفان کی مدت ایک جگہ چالیس دن درج ہے اور ایک جگہ ۵ مہینہ چالیس دن طوفان کی باڑھ زمین پر رہی“۔ (پیدائش ۷:۱۷) ”اور پانی کی باڑھ ڈیڑھ سو دن تک زمین پر رہی“۔ (پیدائش ۷:۲۴) و٦٨ اس آیت کی معجزانہ فصاحت وبلاغت کی داد منکرین اسلام نے بھی دی ہے۔ ابن مقفع نامی ایک ملحد طبع شخص گزرا ہے۔ اس نے بہ زعم خود قرآن کا جواب کہنا شروع کیا تھا جیسے ایک دوسرے کے جواب میں شاعر اپنا کلام پیش کرتے ہیں۔ جب اس آیت پر پہنچا، تو قلم جواب سے رُک گیا عاجز ہو کر بولا کہ اس کلام کا جواب بشری طاقت سے باہر ہے۔ (بحر) مستشرق اور لغوی لین (Lane) نے بھی اس کی داد دی ہے۔ الجودی کوہستان ارارات کی اس چوٹی کا نام ہے جو جبل وام (Vam) کے جنوب ومغرب میں واقع ہے اس جوار میں کُردوں کی زبان پر آج تک یہ روایت چلی آرہی ہے کہ کشتی نوح علیہ السلام یہیں آکر رُکی تھی۔ توریت میں ذکر کسی چوٹی کا نہیں صرف سلسلۂ کوہستان ارارات کا ہے۔ (پیدائش ۸:۵) ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ و٦٩ (تیری قدرت لاانتہاء تیرے اختیارات غیر محدود تیرے لیے کیا دشوار کہ اب بھی اسے مؤمن بنا کر اس کی نجات کا سامان کردے) وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ۔ یہ مناجات حضرت نوح علیہ السلام نے اس وقت کی جب دیکھا کہ کنعان اب ڈوبنے ہی پر ہے۔ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ۔ وہ وعدۂ الٰہی یہی کہ تمہارے گھر والوں میں سے جو کوئی بھی ایمان لے آئے گا بچا دیا جائے گا۔ و٧٠ (ہمارے علم ازلی میں) اہل سے مراد وہی اہل ایمان گھر والے ہیں جن کے لیے نجات کا وعدہ ہو چکا تھا اور یہیں سے علماء محققین نے یہ نکالا ہے کہ شریعت میں معتبر قرابت ایمانی ہے نہ کہ قرابت نسبی۔ ای لیس منهم اصلا لان مدار الاهلية هو القرابة الدينية (روح) هذه الأية يدل علىٰ ان العبرة بقرابة الدين لا بقرابة النسب لان فی هذه الصورة كانت قرابة النسب حاصلة من اقوى الوجوه ولكن لما انتفت قرابة الدين لاجرم نفاه الله تعالىٰ بابلغ الالفاظ (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شرف نسب کے ساتھ جب تک صلاح جمع نہ ہو وہ کالعدم ہے۔

الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿٤٣﴾ وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ
موج حائل ہو گئی سو وہ ڈوبنے والوں میں ہو گیا و٦٦ اور ارشاد ہوا کہ اے زمین
ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ
اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا و٦٧ اور پانی گھٹ گیا
وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ
اور کام پورا ہو گیا اور (کشتی) آ ٹھہری جودی پر اور کہہ دیا گیا کہ (اپنے اوپر)
بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ
ظلم کرنے والے لوگ (رحمت سے) دور ہو گئے و٦٨ اور نوحؑ نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا
رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ
اے میرے پروردگار میرا بیٹا تو میرے گھر والوں ہی میں ہے اور تیرا وعدہ (بھی بالکل) سچا
وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ
اور تو تو ہر حاکم کے اوپر حاکم ہے و٦٩ (اللہ نے) فرمایا اے نوحؑ یہ تمہارے گھر والوں ہی
مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ
میں سے نہیں و٧٠ یہ ایک تباہ کار شخص ہے و٧١ سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست نہ کرو
مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۗ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ
جس کی تمہیں خبر نہ ہو میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم (آیندہ کہیں)
مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ
نادان نہ بن جاؤ و٧٢ (نوحؑ) بولے اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں
اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۗ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ
کہ میں آیندہ تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس کی مجھے خبر نہ ہو، اور اگر تو میری مغفرت نہ کرے

و٧١ (جو ایمان کا قصد ہی نہیں کرتا) عمل سے مراد ذو عمل لی گئی ہے۔ مداومت عمل فاسد کی بنا پر۔ واصله انه ذو عمل فاسد فحذف ذو للمبالغة بجعله عين عمله لمداومته عليه (روح) ای انه ذو عمل باطل فحذف المضاف لدلالة الكلام عليه (کبیر) و٧٢ (اور آئندہ پھر کبھی ایسی ہی درخواست پیش کرنے لگو) منشائے خداوندی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اے نوح علیہ السلام ہمارا وعدۂ نجات جو تمہارے گھر والوں کے لیے تھا وہ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ۔ کے ساتھ مقید تھا اور اس کے مصداق کو عمداً مبہم وغیر متعین رکھا گیا تھا سو تمہارا یہ فرزند اسی استثناء کے تحت میں آجاتا ہے ایسے مشتبہ اشخاص کے حق میں دعا کرنے سے احتیاط مناسب تھی۔ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ محققین نے لکھا ہے کہ جب مشتبہ الحال لوگوں کے حق میں دعا سے ممانعت آچکی ہے تو جن لوگوں کا فساد عقیدہ ظاہر ہو چکے ان کے حق میں تو اور زیادہ احتیاط واجب ہے۔ فيكون النهي وارداً فی مشتبهة الحال و يفهم منه حال معلوم الفساد بالطريق الاولىٰ (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں سے ہمارے زمانے کے مشائخ کی دعاؤں کا حال کھلا جاتا ہے کہ ان سے مقدمہ کی، عہدہ کی، جس چیز کی بھی دُعا کرائی جاتی ہے وہ بلالحاظ حرام وحلال اس کے لیے دعا کردیتے ہیں۔

ف۷۲ حضرات انبیاء کی شانِ عبدیت کا کیا کہنا! گویا ہر وقت مناجات و ابتہال و استغفار کا بہانہ ہی ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ ادنیٰ سی لغزش محض اجتہادی لغزش نفس کی خرابی سے نہیں محض فہم و تعبیر کی پر ہوئی اور انہیں بس عرض حال کا موقع مل گیا۔ ف۷۳ (بہ لحاظ ایمان و اعتقاد) مِمَّنۡ مَّعَكَ۔ مِنۡ ابتداء غایت کے لیے ہے۔ یعنی وہ نسل بھی جو اس وقت حضرت نوح علیہ السلام کے ہمراہ موجود ہی اور ان سے چلنے والی ایمانی نسلیں بھی گویا معیت ایمانی حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ اس وقت تک کے مومنین کو بھی حاصل ہے اور اس طرح سلامتی اور برکات کی بشارت میں ہر دَور کے اہل ایمان شامل ہوگئے۔ المراد ممن معک نسلًا و تولدًا (کبیر) و من فی قولہ ممّن معک لابتداء الغایۃ والمعنی و علٰی امم ناشئۃٍ من الذین معک (کبیر) من لابتداء الغایۃ ای ناشئۃ من الذین معک و ہم الامم المؤمنون الٰی اٰخر الدہر (بحر) اِهۡبِطۡ۔ جہاز سے کوہ جودی پر اُترنے کا حکم تو اُوپر مل چکا تھا اب حکم ہو رہا ہے کہ پہاڑ سے زمین پر اترو۔ الہبوط النزول قیل من الجبل الی الارض (روح) قِيۡلَ۔ یہ حکم اس وقت ہو رہا ہے جب طوفان پوری طرح ختم ہو چکا ہے اور زمین رہنے بسنے کے قابل ہوگئی ہے۔ بِسَلٰمٍ مِّنَّا۔

وَ تَرۡحَمۡنِيۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۴۷﴾ قِيۡلَ يٰنُوۡحُ

اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں آ جاؤں گا ف۷۳ ارشاد ہوا کہ اے نوحؑ

اهۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيۡكَ وَ عَلٰۤى اُمَمٍ

اترو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لے کر اپنے اوپر بھی اور ان جماعتوں پر بھی

مِّمَّنۡ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمۡ ثُمَّ يَمَسُّهُمۡ

جو تمہارے ساتھ ہیں ف۷۴ اور جماعتیں تو ایسی بھی ہوں گی کہ ہم انہیں چند روزہ عیش دیں گے پھر ان پر ہماری

مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۴۸﴾ تِلۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ

طرف سے عذاب دردناک ہوگا ف۷۵ یہ (قصہ) اخبارِ غیب میں سے ہے ہم نے اسے وحی کے ذریعہ سے آپ تک

نُوۡحِيۡهَاۤ اِلَيۡكَ ۚ مَا كُنۡتَ تَعۡلَمُهَاۤ اَنۡتَ وَ لَا قَوۡمُكَ

پہنچا دیا، اس کو اس (بتانے) سے قبل نہ آپ ہی جانتے تھے اور نہ

مِنۡ قَبۡلِ هٰذَا ؕۛ فَاصۡبِرۡ ؕۛ اِنَّ الۡعَاقِبَةَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۴۹﴾ ع

آپ کی قوم ف۷۶ سو صبر کیجیے یقیناً نیک انجامی پرہیزگاروں ہی کیلئے ہے ف۷۷

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمۡ هُوۡدًا ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ

اور (قوم) عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا ف۷۸ انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو

مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا مُفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۰﴾

اسکے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں باقی (سب) تم محض افتراء کر رہے ہو ف۷۹

يٰقَوۡمِ لَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا

اے میری قوم میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو بس

عَلَى الَّذِىۡ فَطَرَنِىۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۵۱﴾ وَ يٰقَوۡمِ

اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے پھر کیا تم (اس کو) نہیں سمجھتے؟ ف۸۰ اور اے میری قوم والو

ع۴

امام رازی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ عارفین ہر نعمت کا مشاہدہ اسی حیثیت سے کرتے ہیں کہ وہ نعمت حق تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ آیت میں مِنَّا کا اضافہ حضرت نوح علیہ السلام کے مرتبہ عرفان و صدیقیت کے لحاظ سے ہے۔ ف۷۵ (آخرت میں) ظاہر ہے کہ ان سے مراد بعد کی آنے والی کافر قومیں ہیں۔ اُمَمٌ۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ و امم منہم اور مفسرین محققین نے لکھا ہے کہ آیت کے دونوں ٹکڑوں میں ایک طرف مومنین قیامت تک کے لیے، اور دوسری طرف کفار قیامت تک کے لیے شامل ہوگئے ایک کے لیے سلامتی کا وعدہ اور دوسرے کے لیے عذاب کی وعید۔ قال المفسرون دخل فی تلک السلامۃ کل مؤمنٍ و کل مؤمنۃ الٰی یوم القیٰمۃ و دخل فی ذٰلک المتاع و فی ذٰلک العذاب کل کافر و کافرۃ الٰی یوم القیامۃ (کبیر) ف۷۶ یعنی واقعات نوح علیہ السلام کا صحیح اور مستند و مفصل علم اہل تاریخ و اہل توریت کے ناقص اور غلط سلط بیانات سے قطع نظر اب آپ کو وحی الٰہی سے ہی یاد کرایا جا رہا ہے۔ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ۔ یہ غیب ظاہر ہے کہ علم بشری کے اعتبار سے ہوگا ورنہ علم الٰہی میں ظاہر ہے کہ غیب کے کوئی معنیٰ ہی نہیں۔ ف۷۷ تو آپ اے رسول بددل و شکستہ خاطر نہ ہوں یہ ہٹ دھرم اور معاند کافر تو اب بھی آپ کو جھٹلائے جائیں گے لیکن آپ ان کی تکذیب پر صبر کیجیے اور حکایت نوح علیہ السلام سے تسکین حاصل کیجیے کہ جس طرح ان کے عہد میں آخری انجام مومنوں ہی کا اچھا اور کافروں کا برا ہوا، آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آ کر رہے گا۔ فَاصۡبِرۡ۔ میں ف جزا کی ہے یعنی اب جب یہ معلوم ہو چکا تو صبر لازم ہے۔ ای و اذقد اوحینا ھا الیک اوعلمتہا بذٰلک فاصبر علٰی مشاق تبلیغ الرسالۃ و اذیۃ قومک (روح) اِنَّ الۡعَاقِبَةَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ۔ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ آخری کامیابی و کامرانی صبر کا نتیجہ ہوتی ہے۔ فیہ تنبیہ علٰی ان الصبر عاقبتہ النصر والظفر والفرح والسرور کما کان لنوح علیہ السلام ولقومہ (کبیر) ف۷۸ قوم عاد اور حضرت ہود نبی پر حاشیے سورۃ الاعراف کے رکوع ۹ میں گزر چکے۔ اِلٰى عَادٍ۔ عرب قدیم کی قوم عاد خلیج فارس کے کنارے کنارے عراق کی سرحد تک آباد تھی اس کا اصل مسکن یمن و حضر موت کا علاقہ تھا۔ مزار نبی ہود کے نام سے علاقہ حضر موت میں قسم کے مشرق میں ایک زیارت گاہ آج تک موجود ہے۔ ف۷۹ یعنی اصل حقیقت تو صرف توحید ہے باقی سب تمہارے گڑھے ہوئے ڈھکوسلے ہیں۔ اُعۡبُدُوا اللّٰهَ۔ یعنی صرف خدائے واحد کی پرستش کرو کسی اور کو اس میں شریک نہ کرو۔ معناہ لا تعبدوا غیر اللہ (کبیر) ای وحّدوا اللہ (معالم) امرًا لہم بعبادۃ اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ناہیًا لہم عن الاوثان التی افتروھا (ابن کثیر) اللہ کے وجود اور اس کی عبادت سے منکر تو دنیا میں شاذ و نادر ہی کوئی قوم ہوئی ہے ورنہ انسانیت کا اصل مرض الحاد نہیں بلکہ شرک رہا ہے یعنی ایک خدائے اعظم کے اقرار کے ساتھ ساتھ دوسرے چھوٹے موٹے دیوی دیوتاؤں کی شرکت اور انتظاماتِ کائنات میں ان کا دخل و تصرف۔ فخر المفسرین امام رازی علیہ الرحمۃ نے آیت کے تحت میں اپنی سیاحت ہند کا ذکر کیا ہے اور اپنا مشاہدہ درج کیا ہے کہ وجود باری کے منکر مشرکین ہند بھی نہ تھے۔ صرف اس کی توحید کے منکر تھے اور بت پرستی میں مبتلا...... یہی بیماری پہلے بھی تھی اور یہی آج بھی ہے۔ کاش کوئی صاحب ذرا تلاش کر کے اس کا پتہ لگاتے کہ امام موصوف ہندوستان میں کب آئے تھے کہاں کہاں کی سیاحت کی تھی کُل کتنے دن رہے تھے۔ وقس علٰی ہٰذا۔ یہ خدمت اگر دین کی نہیں تو ایک بڑے خادمِ دین کی ضرور ہو جاتی۔ ف۸۰ ضروری اور مناسب حاشیے سورۂ یونس میں گزر چکے۔

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ

اپنے پروردگار سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر اس کی طرف متوجہ رہو، و۸۱ وہ تم پر خوب بارشیں

عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَ لَا

برسائے گا اور تم کو (اور) قوت دے کر تمہاری قوت میں ترقی کر دے گا

تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا

اور مجرم ہو کر روگردانی مت کرتے رہو و۸۲ وہ بولے اے ہود تم ہمارے سامنے کوئی سند لے کر

بِبَيِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ

تو آئے نہیں اور ہم اپنے دیوتاؤں کو چھوڑ دینے والے نہیں تمہارے (محض) کہہ دینے سے

وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ

اور ہم کسی طرح تم پر یقین کرنے والے نہیں و۸۳ ہمارا قول تو یہ ہے کہ ہمارے کسی دیوتا ہی نے تم کو

بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ

شامت میں مبتلا کر رکھا ہے و۸۴ (ہودؑ نے) کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں

وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ

اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم شریک قرار دیتے رہتے ہو اللہ کے

دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّيْ

علاوہ تو تم سب میرے ساتھ داؤ گھات کر لو پھر مجھ کو ذرا مہلت نہ دو میں نے تو

تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَآبَّةٍ

اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے (جو) میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ جتنے بھی جاندار ہیں

اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ

سب کی پیشانی ہی پکڑے ہوئے ہے بیشک میرا پروردگار ہے صراط مستقیم

و۸۱ یعنی استغفار تو کرو ماضی سے متعلق اور اب توبہ ورجوع اللہ کی جانب کرو مستقبل کے لیے۔ و۸۲ آیت سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ طاعات کو راحت دنیوی میں بھی دخل ہے اور مشاہدہ بھی ہے کہ طاعت وحسن عمل کا ثمرہ کبھی کبھی برکتوں کی صورتوں میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ گو اصل دارالجزاء عالم آخرت ہی ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ قوم عاد تین سال سے خشک سالی میں مبتلا تھی۔ و۸۳ بینہ یا سند سے مراد کوئی دلیل عقلی نہیں، دلائل عقلی تو توحید پر متعدد اور شروع سے موجود تھیں ان جاہلین کی مراد اس سے ان کے فرمائشی خوارق، معجزات وعجائب سے تھی۔ و۸۴ یعنی تم نے جو ہمارے فلاں دیوتا کی شان میں گستاخی کی اس نے اپنی مار یوں ماری کہ تمہیں خبطی باؤلا کر دیا اور تم لگے بہکی بہکی باتیں کرنے ...... جاہلی ذہنیت کی کتنی صحیح ترجمانی!

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ

پر ف۸۵ لیکن اگر تم پھرے رہے تو میں نے تمہیں وہ (پیام) پہنچا دیا جسے دے کر مجھے

بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَ يَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ

تمہاری طرف بھیجا گیا تھا اور میرا پروردگار تمہاری جگہ تمہارے سوا کسی قوم کو آباد کر دے گا

وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اور تم اس کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا رہے ہو، بیشک میرا پروردگار ہر شیء پر

حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِيْنَ

نگہبان ہے ف۸۶ اور جب ہمارا حکم آ پہنچا ہم نے ہودؑ کو اور ان لوگوں کو جو

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ

ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا ف۸۷ اور ہم نے انہیں ایک بہت سخت

غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾ وَ تِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

عذاب سے بچا لیا اور یہ قوم عاد تھی انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں سے انکار کیا

وَ عَصَوْا رُسُلَهٗ وَ اتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾

اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور یہ ظالموں سرکشوں کے حکم کی پیروی کرتے رہے ف۸۸

وَ اُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ

اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگ گئی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) خوب سن لو

اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ ع

کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا، خوب سن لو کہ ہودؑ کی قوم عاد کو دوری (نصیب) ہوئی ف۸۹

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (ہم نے بھیجا) وہ بولے اے میری قوم اللہ ہی کی

ع ۵ — وقف لازم

ف۸۵ یعنی وہی صراطِ مستقیم کی جانب رہنمائی کرتا ہے، اور وہ ملتا بھی صراط مستقیم پر چلنے سے ہے حضرت ہود علیہ السلام کی ساری تقریر توحید کے ایک مبلغ و داعی کے لیے ہمیشہ کے لیے نمونہ ہے۔ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا۔ یعنی سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں جیسے اُردو محاورہ میں کہتے ہیں کہ کوئی بے اُس کے حکم کے کان نہیں ہلا سکتا۔ ای ما من حیوان الا ھو تحت قھرہٖ و قدرته و منقاد لقضائهٖ و قدرهٖ (کبیر) و اعلم ان العرب اذا و صفوا انسانًا بالذلة والخضوع قالوا ما ناصیة فلان الا بید فلانٍ ای انه مطیع له فخوطبوا فی القراٰن بما یعرفون (کبیر) ف۸۶ (اس سے نہ کوئی شے مخفی ہے نہ اس کی نظر کبھی کسی معاملہ میں بھی چوک سکتی ہے) فَاِنْ ...... اِلَيْكُمْ۔ یعنی میں تو اپنی تبلیغ کے بعد بری الذمہ ہو گیا اتنی صریح ہدایتوں کے بعد بھی تم نہیں مانتے تو آگے تم جانو اور تمہارا کام۔ وَ يَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ۔ یعنی تم تو تباہ و ہلاک کر دیے جاؤ گے باقی اللہ کو جو کام دنیا میں تم سے لینا تھا اس کے لیے وہ کسی دوسری قوم کو لا کھڑا کرے گا۔ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا۔ یعنی تمہاری ان بدبختانہ حرکتوں سے اللہ تعالٰی کو کیا ضرر...... ضرر تو سرتاسر تمہارا اپنا ہی ہے۔ ف۸۷ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ جَآءَ اَمْرُنَا۔ یعنی اس قوم کی ہلاکت کا حکم آ پہنچا۔ نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ۔ عذابِ ہلاکت سے بچ جانے کا ذکر تو ابھی اس آیت کے اندر آ چکا ہے۔ اس نجات عذاب غلیظ سے مراد آخرت کے عذابِ سخت سے نجات پانا۔ فالمراد من النجاة الاولٰی ھی النجاة من عذاب الدنیا والنجاة الثانیة من عذاب القیامة (کبیر) ف۸۸ یعنی علاوہ شرک و بدعقیدگی کے طرح طرح کی اخلاقی لعنتوں میں بھی مبتلا رہے۔ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ۔ یعنی معبود حقیقی کے احکام اور اس کی توحید کے دلائل سب کی طرف سے منہ پھیرے رہے۔ کفر جحود اس انکار کو کہتے ہیں جو دل میں یقین آ جانے کے بعد محض ضد و عناد سے کیا جائے۔ الجحود نفی ما فی القلب اثباته و اثبات ما فی القلب نفیه (راغب) عَصَوْا رُسُلَهٗ۔ رُسُل کے صیغۂ جمع سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو علاوہ حضرت ہود علیہ السلام کے اور بھی کوئی رسول مستقلاً یا بہ طور آپ کے نائب کے ہوں گے اور یا پھر اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ کسی ایک رسول کا انکار سلسلۂ انبیاء سے انکار ہے۔ ف۸۹ (دونوں جہانوں میں اللہ کی رحمت سے) فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً۔ دنیا میں اُن کے پیچھے لعنت لگ گئی یعنی اُن پر ہلاکت کا عذاب نازل ہوا...... یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اس دنیا کی مادّی زندگی بھی ان پر طرح طرح کی مصیبتوں سے تنگ کر دی گئی جیسا کہ آج بھی تمام نافرمان قوموں سے متعلق مشاہدہ ہو رہا ہے۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ آخرت میں لعنت سے مراد اسی عذاب دائمی میں گرفتار ہو جانا ہے۔

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ

عبادت کرو اس کے سوا کوئی بھی تمہارا معبود نہیں ف۹۰ اسی نے تمہیں

الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ

زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس زمین میں آباد کر دیا ف۹۱ سو تم اسی سے گناہ معاف کراؤ اور

تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا

اسی کی طرف توجہ کرو بیشک میرا پروردگار قریب ہے اور قبول کرنے والا ف۹۲ وہ بولے

يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ

اے صالحؑ تم تو اس کے قبل ہم میں (بڑے) ہونہار تھے (تو) کیا تم ہمیں (اس سے) منع کرتے ہو کہ ہم ان کی

اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا

عبادت کریں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے اور ہم تو اس کی طرف سے بڑے شک میں ہیں تردد

تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

میں پڑے ہوئے جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو، ف۹۳ (صالحؑ نے) کہا اے میری قوم والو بھلا یہ تو بتاؤ کہ

كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً

اگر میں اپنے پروردگار کی جانب سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت (خاص) عطا کی ہو، ف۹۴

فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ قف فَمَا

سو (یہ تو بتاؤ) مجھے کون بچا لے گا اللہ سے اگر میں اس کی نافرمانی کروں، سو تم تو

تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ وَ يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ

سراسر میرا نقصان ہی کر رہے ہو ف۹۵ اور اے میری قوم یہ اونٹنی

اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا

اللہ کی ہے، اور تمہارے حق میں ایک نشان، سو اسے چھوڑے رہو کہ اللہ کی زمین پر چرتی کھاتی پھرے اور اس کو

ف۹۰ ہر نبی کی تعلیم ہر دور میں اسی خالص توحید کی رہی ہے۔ مِنْ اِلٰهٍ۔ مِنْ جب نفی کے ساتھ آتا ہے تو نفی کو اور مؤکد و مکمل بنا دیتا ہے یعنی کوئی بھی نہیں۔ ثمود اور صالح پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے نیز ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ جس طرح قوم عاد عرب کے جنوبی مشرقی علاقہ یعنی اطراف یمن و عراق عرب میں آباد تھی، اسی طرح قوم ثمود کا تسلط عرب کے شمالی و مغربی علاقہ وادی القریٰ میں تھا اور نبی ہود علیہ السلام کی طرح نبی صالح علیہ السلام کا مزار بھی آج تک موجود ہے وادیٔ سیر میں۔ اَخَاهُمْ۔ اخ سے مراد وطنی اور نسبی بھائی ہیں۔ ف۹۱ یعنی پیدا بھی اسی نے کیا اور زندہ و قائم بھی وہی رکھے ہوئے ہے عجب نہیں جو قوم ثمود بھی ہندی مشرکوں کی طرح ایجاد اور ابقاء کے الگ الگ خداؤں (برہما اور وشنو) کی قائل تھی۔ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ زمین سے پیدا کیا، یعنی زمینی مادّہ سے پیدا کیا۔ نسبهم الى الارض لان اصلهم و هو ادم خُلِقَ من تراب الارض (جصاص) وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا۔ بعض فقہاء مفسرین نے یہیں سے اپنی دقت نظر سے زمین کی آبادکاری کا وجوب نکالا ہے خواہ یہ آبادی زراعت کی شکل میں ہو یا باغات کی یا تعمیرات کی۔ و فيه الدلالة على وجوب العمارة للزراعة والغراس والابنية (جصاص) ف۹۲ (اس عرض و معروض کا جو اس سے استغفار کے لیے کی جائے) تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ۔ یعنی اس کی طرف طاعت و عبادت کے ساتھ توجہ کرو۔ فَاسْتَغْفِرُوْهُ۔ میں اشارہ ماضی کی طرف ہے اور توبوا الیہ میں آئندہ کی اصلاح کی جانب۔ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ۔ یعنی جو اس کی طرف توجہ کرے تو خدائے اسلام اس سے دور اور اجنبی و بیگانہ نہیں اس کے قریب ہی ہے اور کوئی درخواست معافی اور ندامت اس کے سامنے نامسموع نہ رہے گی وہ ہر عرض کرنے والے کی سننے والا اور قبول کرنے والا بھی ہے۔ ف۹۳ یعنی تم جو ہمارے اور اپنے آباؤ اجداد کے طریقوں کے خلاف یہ نئی تعلیم دے رہے ہو سو یہ تو ہمارے دل میں اُترتی نہیں، اور نہ ہمارا دماغ اسے قبول کرنے پر آمادہ ہے۔ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ۔ یعنی ہمیں تو تم سے بڑی بڑی اُمیدیں تھیں اور ہم سمجھتے تھے کہ تم فخر قوم و نازش وطن ثابت ہو گے اب یہ تم نئی اور انوکھی باتیں کیسی کرنے لگے؟ ہر پیمبر میں دیانت و صداقت ذہن و ذکاء عقل و فہم حلم و رشد کے آثار شروع ہی سے نمایاں ہوتے ہیں۔ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا۔ سوال بہ طور استفہام انکاری اور استعجاب کے ہے۔ قوم حیرت کے ساتھ کہہ رہی ہے کہ کیا تم ایسا غضب کر رہے ہو کہ ہمیں اپنے اور ہمارے آبائی دین سے روک رہے ہو شرک میں ڈوبے ہوئے بڑے بڑے "عقلاء" کو آج بھی صدائے توحید ایسی ہی عجیب اور نامانوس نظر آتی ہے! ف۹۴ (اور دعوت توحید پر مجھے مامور کیا ہو) رَحْمَةً سے مراد نبوت لی گئی ہے۔ ای نبوة (بیضاوی) نبوة و حكمة (معالم) اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ۔ یعنی مجھ پر توحید کی حقیقت روشن ہو چکی ہو ف۹۵ (یہ فرمائش کر کے کہ میں دعوتِ توحید ترک کر دوں) اِنْ عَصَيْتُهٗ۔

تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾

برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تم کو قریبی عذاب آ پکڑے گا ف۹۶

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ

پھر (ان لوگوں نے) اس کو مار ڈالا تب (صالح نے) کہا تم اپنے گھروں میں تین دن اور بسر کر لو یہ ایسا

وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا

وعدہ ہے جس میں ذرا جھوٹ نہیں ف۹۷ پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے

صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ

صالح کو اور ان کو جو ان کے ساتھ ایمان لے آئے اپنی رحمت سے بچا لیا

خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾

اور اس دن کی رسوائی سے بھی بیشک تیرا پروردگار ہی بڑا قوت والا ہے بڑا غلبہ والا ہے ف۹۸

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ

اور جو ظالم لوگ تھے انہیں ایک چیخ نے آ پکڑا سو وہ

دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ

اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ف۹۹ گویا ان (گھروں) میں کبھی بسے ہی نہ تھے، خوب سن لو

ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ وَلَقَدْ

کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا، خوب سن لو کہ قوم ثمود کو دوری ہوگئی ف۱۰۰ اور بالیقین

جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ

ہمارے فرستادے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے ف۱۰۱ (اور) بولے (آپ پر) سلام ہو (ابراہیم نے)

سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَاۗءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَآٰ

کہا (تم پر) سلام پھر دیر نہیں لگائی کہ ایک تلا ہوا بچھڑا لے آئے ف۱۰۲ پھر جب (ابراہیم) نے دیکھا کہ ان

ف۹۶ یعنی ایسا عذاب جس کے آنے میں دیر نہ لگے گی اور جو تم کو یہیں اسی مادی دنیا میں محسوس ہو جائے گا۔ نَاقَةُ اللّٰهِ۔ اضافت تعظیم کے لیے ہے جیسے بیت اللہ، کعبۃ اللہ وغیرہ میں۔۔ الاضافۃ للتشریف (روح) اس اونٹنی اور اسکے متعلقات پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے۔ ف۹۷ (اس لیے کہ خدائی وعدہ ہے) تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِکُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ۔ اس تین دن کے بعد پھر تو عذاب آنا ہی ہے۔ ف۹۸ وہ جس کو چاہے مبتلائے عذاب بھی کر سکتا ہے اور جسے چاہے بچا بھی سکتا ہے وہ ہر صورت پر یکساں قادر ہے۔ مِنْ خِزْیِ یَوْمِىِٕذٍ۔ یعنی ایک نجات تو عذاب ہلاکت سے دی دوسری نجات ذلت و رسوائی سے۔ ف۹۹ (اور اسی حال میں سب کے سب فنا ہو گئے) اَلصَّیْحَةُ۔ یہاں صیحۃ وارد ہوا ہے جس کے معنی چیخ چنگھاڑ یا بلند آواز کے ہیں اور سورۂ اعراف میں اس موقع کے لیے رجفہ آیا ہے جس کے معنی زلزلہ کے ہیں لیکن زلزلہ اور بلند آواز کے درمیان منافات ذرا بھی نہیں جس کے لیے ضرورت تطبیق کی پڑے بلکہ تیز زلزلہ اور سخت گھڑگھڑاہٹ کا ساتھ تو مشاہدہ میں عموماً آ چکا ہے۔ ف۱۰۰ (اپنے پروردگار کی رحمت سے) اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ۔ اس نے خوب واضح کر دیا کہ قوم ثمود پر ہلاکت ناگہانی کا جو عذاب آیا وہ کفر ہی کی بنا پر آیا۔ ف۱۰۱ (آپ کے صاحبزادے اسحٰق کے تولد کی) رُسُلُنَا۔ یعنی فرشتے بشر کی شکل میں۔ توریت میں یہ تفصیل مزید درج ہے کہ یہ آنے والے تعداد میں تین تھے:۔ "اور وہ دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھا تھا اور اس نے اپنی آنکھیں اٹھا کر نظر کیا اور کیا دیکھا کہ تین مرد اس کے پاس کھڑے ہیں" (پیدائش ۱۸: ۱۔۲) ف۱۰۲ جگمگاتے ہوئے ہوٹلوں کے دور سے بہت ہی پہلے اور سراؤں کے دور سے بھی بہت پہلے مسافروں، راہگیروں، نوواردوں کی خاطر و مدارات اور مہمان نوازی اس وقت کا عام دستور اور دلیل شرافت تھا اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک تو شیخ القبیلہ اور پھر ذاتی حیثیت سے شریف ترین انسان! آپ کی مہمان نوازیاں تاریخ کا ایک مسلم واقعہ ہیں ...... اللہ کے فرشتے بشری قالب میں تھے آپ انہیں معمولی مسافر سمجھ فوراً اُن کی خاطرداری میں لگ گئے۔ توریت میں اس ضیافت و مہمانی کی مزید تفصیلات درج ہیں:۔ "اور ابراہام خیمہ میں سرہ کے پاس دوڑا گیا اور کہا کہ تین پیمانہ آٹا لے کے جلد گوندھ کے پھلکے پکا اور ابراہام گلے کی طرف دوڑا اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لا کر ایک جوان کو دیا اور اس نے جلد اسے تیار کیا۔ پھر اُس نے گھی اور دُودھ اور اُس بچھڑے کو جو اس نے پکوایا تھا لے کے ان کے سامنے رکھا اور آپ ان کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور انہوں نے کھایا۔" (پیدائش ۱۸: ۷۔۸) اس حکایت قرآنی سے یہ بھی نکل آیا کہ پیمبر برحق کے لیے (معاذ اللہ) عالم الغیب ہونا تو الگ رہا صاحب کشف ہونا بھی ضروری نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پیمبر بلکہ بہت سے پیمبروں کے سردار ہوئے ہیں لیکن اتنا بھی آپ شناخت نہ کر سکے کہ یہ نووارد انسان ہیں یا فرشتے۔ قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ۔ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ سلام فرشتوں کا طریقہ ہے اور اہل اسلام میں بھی ہر دور میں رائج و شائع رہا ہے۔ فیہ الدلالۃ علی ان السلام قد کان تحیۃ اھل الاسلام وانہ تحیۃ الملٰئکۃ (جصاص)

أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ

کے ہاتھ اس (کھانے) کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں تو ان سے متوحش ہوئے اور ان سے دل میں

خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ

خوفزدہ ہوئے ف١٠٣ وہ بولے کہ ڈریئے نہیں ہم تو قوم لوطؑ کی طرف

لُوطٍ ﴿٧٠﴾ وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا

بھیجے گئے ہیں ف١٠٤ اور ان کی بیوی کھڑی تھیں پس وہ ہنسیں ف١٠٥ پھر ہم نے انہیں بشارت دی

بِإِسْحَاقَ ۙ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ﴿٧١﴾ قَالَتْ

اسحٰق کی اور اسحٰق کے آگے یعقوبؑ کی ف١٠٦ بولیں

يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا ۖ إِنَّ

ہائے خاک پڑے کیا (اب) میں بچہ جنوں گی درانحالیکہ میں بوڑھی ہو چکی اور یہ میرے میاں (بھی بالکل) بوڑھے

هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ

یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے ف١٠٧ وہ بولے ارے تم تعجب کرتی ہو

أَمْرِ اللَّهِ ۖ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ

اللہ کے کام میں ف١٠٨ اے خاندان والو تم پر تو اللہ کی (خاص) رحمت اور اس کی برکتیں

الْبَيْتِ ۚ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ﴿٧٣﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ

(نازل ہوتی رہتی) ہیں بیشک وہ تعریف کے لائق اور بڑا شان والا ہے ف١٠٩ پھر جب ابراہیمؑ سے خوف

إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ

زائل ہو گیا اور ان کو خوشخبری مل گئی تو وہ لگے ہم سے قوم لوطؑ کے باب

لُوطٍ ﴿٧٤﴾ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ﴿٧٥﴾

میں بحث کرنے ف١١٠ بیشک ابراہیمؑ بڑے حلیم بڑے درد مند بڑے نرم دل تھے ف١١١

ف١٠٣ (کہ یہ کوئی مفسد دشمن یا کوئی ڈاکو تو نہیں ہیں) وقت کا دستور یہ تھا کہ جو دشمن یا کوئی ڈاکو کسی کو اپنا ہدف بنانا چاہتے تھے اس کے ہاں کھانے سے پرہیز کرتے تھے اور جس کے ہاں کھا لیتے پھر اس کو نہ ستاتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قدرۃً ایسے موقع پر یہی خیال گزرا اور اُن سے خوف وہراس بھی طبعی طور پر پیدا ہوا...... خوف وہراس اُمور طبعی ہیں (جس طرح بھوک اور پیاس) اور مرتبۂ ولایت کیا معنی مرتبۂ رسالت کے بھی ذرہ بھر منافی نہیں۔ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ۔ توریت موجودہ میں یہ فقرہ کہ "انہوں نے کھایا" قطعاً ایک ایجاد بندہ ہے اور قرآن مجید کو اسی بیان کی تردید کے لیے یہ صراحت کرنی پڑی۔ ف١٠٤ (ایک خاص مقصد کے لیے اور ہم انسان نہیں فرشتے ہیں) مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آپ کا ان کو فرشتہ یقین کر لینا صرف اُن کے دعویٰ پر نہ تھا بلکہ قوت مدرکہ قدسیہ کے ذریعہ سے متوجہ ہو کر یقین کیا جس سے اولاً توجہ نہ فرمائی تھی جیسا بعض اوقات محسوسات میں بھی یہ قصہ پیش آتا ہے۔ ف١٠٥ خوشگوار حیرت کے وقت ہنسی کا آ جانا بالکل امر طبعی ہے اور خوشگوار حیرت کا موقع اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ گھر کے اندر جن آنے والوں کو انسان اور وہ بھی دشمن سمجھا جا رہا تھا وہ دوست اور دوست بھی کیسے اللہ کے فرشتے نکلے۔ امْرَأَتُهُ۔ مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجۂ اُولیٰ حضرت سارہؓ ہیں۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ظاہراً حضرت سارہؓ پہلے اس جگہ نہ تھیں شاید پردہ میں ہوں پھر جب معلوم ہو گیا کہ فرشتے ہیں ان سے کیا پردہ سامنے چلی آئیں۔ جیسا کہ ایک دوسری جگہ قرآن ہی کے لفظ فَأَقْبَلَتْ۔ سے معلوم ہوتا ہے۔ ف١٠٦ (بہ طور پوتے کے) اس میں ضمناً یہ بات بھی آ گئی کہ اسحٰق زندہ رہیں گے اور صاحب اولاد ہوں گے۔ توریت میں ہے:۔ "پھر خداوند نے ابراہام سے کہا کہ سرہ کیوں ہنس کر بولی کہ کیا میں جو ایسی بوڑھیا ہو گئی ہوں سچ مچ جنوں گی کیا خداوند کے نزدیک کوئی بات مشکل ہے۔ (پیدائش ١٨: ١٣۔ ١٤) ف١٠٧ (بہ اعتبار اسباب ظاہر کے) حضرت سارہ کا یہ خوشخبری سن کر اسباب ظاہری و مادی کے لحاظ سے اس پر تعجب کرنا بالکل قدرتی تھا۔ و هو استعجاب من حيث العادة دون القدرة (بیضاوی) اور یہیں سے ہمارے محققین نے کہا ہے کسی واقعہ پر اسباب ظاہر کے لحاظ سے تعجب کرنا مسبب الاسباب پر یقین کامل رکھنے کے منافی نہیں۔ توریت میں اس موقع پر ہے:۔ ابراہام اور سرہ بوڑھے اور بہت دن کے تھے اور سرہ سے عورتوں کی معمولی، عادت موقوف ہو گئی تھی تب سرہ نے اپنے دل میں ہنس کر کہا کہ بعد اس کے کہ میں ضعیف ہو گئی اور میرا خاوند بھی بوڑھا ہوا کیا مجھ کو خوشی ہو گی؟" (پیدائش ١٨: ١١۔ ١٢) يَا وَيْلَتَىٰ۔ عربی میں یہ اظہار حیرت و تعجب کے موقع پر بولتے ہیں۔ تقولها العرب عند التعجب من الشیء (ابن جریر) اُردو میں یہ ترجمہ یہاں کی زنانہ بول چال کے مطابق مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ کا کیا ہوا ہے۔ ف١٠٨ (حالانکہ پیمبر کے گھر میں رہ کر خوارق اور قدرت الٰہی کے عجائب تمہاری نظر سے برابر گزرتے ہی رہتے ہیں) زوج پیمبر حضرت سارہؓ کے اس اظہار حیرت پر اب خود فرشتے اظہار حیرت کر رہے ہیں۔ محققین نے اس مکالمہ سے یہ نکالا ہے کہ ملائکہ کی گفتگو غیر نبی کے ساتھ ناممکن نہیں۔ ف١٠٩ (کہ اس کے نزدیک کوئی بڑا سا بڑا کام بھی مشکل نہیں اور اسی کی ذات ہر تحمید ہر تمجید کی مستحق ہے۔ أَهْلَ الْبَيْتِ۔ اس آیت نے اسے صاف کر دیا کہ پیمبر علیہ السلام کے زوج پر "اہل بیت" کا اطلاق تو بہر حال ہوتا ہے بلکہ اہل بیت نبوی کا مفہوم اوّل تو ازواج نبی ہی ہوتے ہیں۔ يدل على ان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اهل بيته (صاص) ف١١٠ یعنی قوم لوط علیہ السلام کی سفارش میں اصرار بلیغ کرنے۔ اس کی ضروری تفصیلات سورۂ عنکبوت میں انشاء اللہ ملیں گی۔ فَلَمَّا...... الْبُشْرَىٰ۔ جب آپ کو اطمینان ہو گیا کہ آئے ہوئے مہمان انسان نہیں فرشتہ ہیں، اور آپ کا قلب فرزند کی بشارت سے مزید مسرت حاصل کر چکا۔ آیت سے یہ سبق بھی ملا کہ پیمبر بھی اپنی طبعی زندگی میں عام بشری قوانین ہی کا پابند ہوتا ہے۔ توریت میں اس مقام پر ایک خاصہ طویل مکالمہ نقل ہوا ہے۔ (پیدائش ١٨: ٢٣۔ ٣٣) ف١١١ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نرم دلی اور حلیم المزاجی پر حاشیے پہلے گزر چکے نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ

اے ابراہیم اسے جانے دو قطعاً تمہارے پروردگار کا حکم آ چکا ہے اور

رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَ لَمَّا

ان پر ضرور ایک نہ ٹلنے والا عذاب آنے والا ہے ف۱۱۲ اور جب

جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ

ہمارے فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوطؑ ان کی وجہ سے کُڑھے اور ان کی وجہ سے

ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَ جَآءَهٗ

بہت تنگدل ہوئے اور بولے یہ آج کا دن بہت بھاری ہے ف۱۱۳ اور ان کے پاس ان کی

قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوْا

قوم (کے لوگ) دوڑے ہوئے آئے ف۱۱۴ اور وہ پہلے ہی سے

يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ

بدکاریاں کیا کرتے تھے ف۱۱۵ (لوطؑ) بولے اے میری قوم یہ میری بیٹیاں (بھی تو موجود) ہیں یہ

اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ

تمہارے حق میں پاکیزہ ہیں سو اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو

اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ

کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں ف۱۱۶ وہ بولے تم تو خوب جانتے ہو کہ

مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا

ہم کو تمہاری بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور تم وہ بھی خوب جانتے ہو جو کچھ

نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْۤ اِلٰى

ہم ارادہ رکھتے ہیں ف۱۱۷ (لوطؑ) بولے کاش میرا تم پر کچھ زور ہوتا یا میں کسی مضبوط پایہ

ف۱۱۲ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء وسفارش پر ارشاد ہوا کہ اپنی درخواست پر اصرار نہ کرو یہ لوگ ایمان لانے والے اور سدھرنے والے ہیں ہی نہیں۔ آیت سے صاف معلوم ہوگیا کہ مقبول سے مقبول بندہ کی بھی ہر دعا یا سفارش کا قبول ہو جانا لازمی نہیں۔ بندہ کی نگاہ بہرحال محدود ہی ہوتی ہے حکمت کاملہ کا احاطہ کہاں کرسکتی ہے۔ ف۱۱۳ (دیکھا چاہیے جو عزت وآبرو سے گزر جائے) لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا۔ یعنی جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے کمسن اور خوبرو لڑکوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کے شہر سدوم میں (جو ملک شام میں بحر مردہ کے عین ساحل پر واقع تھا) پہنچے۔ لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے اور خود بھی پیمبر تھے آپ پر حاشیہ سورۂ اعراف میں گزر چکا۔ قوم لوط علیہ السلام کی غیر طبعی اور خلافِ وضع فطرت شہوانیت آج ضرب المثل کے درجہ تک پہنچ گئی ہے اور کسی مزید صراحت کی ضرورت نہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کو قدرۃً اپنے مہمانوں سے متعلق یہی اندیشہ پیدا ہوا کہ ان بیچاروں کی کیسی بے عزتی ان نابکاروں کے ہاتھ ہو گی۔ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا۔ عربی محاورہ میں اس موقع پر بولتے ہیں جیسے ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ اس کا آنا جی کو کھل گیا۔ وضاقت نفسه غمًا (ابن جریر) ف۱۱۴ (اپنے اس ارادۂ بد کے ساتھ حسب معمول) قَوْمُهٗ۔ سے مراد ساری کی ساری قوم نہیں بلکہ مراد ہیں اُن کی قوم کے کچھ لوگ۔ ف۱۱۵ قوم لوط علیہ السلام والے علاوہ اس مخصوص فسق کے اور بھی طرح طرح کی شناعتوں میں مبتلا تھے اور اجنبیوں اور پردیسیوں کے ساتھ تو اُن کی بدسلوکی خاص طور پر بڑھی ہوئی تھی، ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حواشی۔ ف۱۱۶ بَنَاتِيْ۔ کے لفظ پر بڑی بحث ہوئی ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی صلبی بیٹیاں تو ہو ہی نہیں سکتیں وہ تو کل دو تھیں اور یہاں مجمع کا مجمع نشۂ فسق میں مست تھا۔ مراد اُمت کی عورتیں ہیں اُمت کی عورتیں پیمبر کے لیے بہ منزلہ بیٹیوں ہی کے ہوتی ہیں۔ آپ نے اپنے دروازہ پر مجمع فساق دیکھ کر فرمایا کہ آخر عورتیں بھی تو موجود ہیں ان کے ساتھ نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ المراد نساء امته (کبیر عن مجاہد وسعید بن جبیر) و هذا القول عندی هو المختار (کبیر) یعنی نساء امته فانکحوهن (ابن جریر عن ابن جریج) الاحسن ان تکون الاضافة مجازیة ای بنات قومی اذا النبی یتنزل منزلة الاب لقومه (بحر) اَطْهَرُ۔ یہاں طاہر کے معنٰی میں ہے۔ جیسے اللہ اکبر میں، اکبر، کبیر کے معنٰی میں ہے یہ مراد نہیں کہ عمل نکاح نسبتہً طاہر تر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ عمل نکاح فی نفسہٖ طاہر و پاکیزہ ہے (کبیر) و صیغة افعل فی ذلک مجاز (روح) توریت میں اس موقع پر ہے۔ ”شہر کے مردوں یعنی سدوم کے مردوں نے جوان سے لیکر بوڑھے تک سب لوگوں نے ہر طرف سے اس گھر کو گھیر لیا اور انہوں نے لوط علیہ السلام کو پکار کے اس سے کہا کہ وہ مرد جو آج کی رات تیرے ہاں آئے کہاں ہیں۔ انہیں ہمارے پاس باہر لا تا کہ ہم اُن سے صحبت کریں تب لوط علیہ السلام دروازہ سے ان کے پاس باہر گیا اور کواڑ اپنے پیچھے بند کیا اور کہا کہ اے بھائیو ایسا برا کام نہ کیجیو اب دیکھو میری دو بیٹیاں ہیں جو مرد سے واقف نہیں مرضی ہو تو اُن کو تمہارے پاس نکال لاؤں اور جو تمہاری نظر میں پسند ہو اُن سے کرو مگر اِن مردوں سے کچھ کام نہ رکھو کیونکہ وہ اسی واسطے میری چھت کے سائے میں آئے۔ (پیدائش ۱۹: ۴۔۸) فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ آپ کی اصلی اپیل تو یہی ہے آپ نے انہیں خوفِ خدا سے ڈرایا کہ وہی اصل بنیاد ہر معصیت سے رکنے کی ہے۔ وَ لَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ۔ آپ نے دوسری اپیل فہم مخاطبین کی رعایت سے یہ کی کہ انہیں عرفِ عام کا واسطہ دلایا۔ مہمانوں کے سامنے سبکی عرفاً بھی بہت معیوب تھی۔ ف۱۱۷ ہم کو عورتوں کی طرف رغبت والتفات ہے کب؟ ہم تو کسی اور ہی پھیر میں ہیں جو تم پر خوب روشن ہے۔ ای و انک یلوط لتعلم ان حاجتنا فی غیر بناتک (ابن جریر) والظاهر ان معنی من حق من نصیبٍ ولا من غرضٍ ولا من شهوةٍ (بحر) من حقٍ ای حاجةٍ (جلالین) ای من حاجةٍ (بیضاوی)

رُكۡنٍ شَدِيۡدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوۡا يٰلُوۡطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنۡ

کی پناہ لیتا و۱۱۸ وہ (فرستادے) بولے اے لوطؑ ہم تو آپؐ کے پروردگار کے فرستادے ہیں

يَّصِلُوۡۤا اِلَيۡكَ فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ

ان کی رسائی آپ تک بھی نہ ہوسکے گی و۱۱۹ آپ رات ہی کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیے

وَ لَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ اِلَّا امۡرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ

اور تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر نہ دیکھے گا مگر ہاں آپؐ کی بیوی (دیکھے گی) و۱۲۰ اسے بھی

مُصِيۡبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمۡ ؕ اِنَّ مَوۡعِدَهُمُ الصُّبۡحُ ؕ

وہی آفت آئے گی جو ان (سب) پر نازل ہوگی ان (پر عذاب) کے وعدہ کا وقت صبح کا ہے

اَلَيۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِيۡبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا

اور صبح میں اب دیر ہی کیا ہے؟ و۱۲۱ سو جب ہمارا حکم آ پہنچا

جَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهَا حِجَارَةً

ہم نے اس (زمین) کے بلند کو اس کا پست بنا دیا اور ہم نے اس پر برسا دیئے پتھر

مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ۙ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنۡدَ رَبِّكَ ؕ

کھنگر کے تہ بہ تہ و۱۲۲ خاص نشان کئے ہوئے آپ کے پروردگار کے پاس

وَ مَا هِىَ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ بِبَعِيۡدٍ ﴿۸۳﴾ وَ اِلٰى مَدۡيَنَ

اور وہ (مقام) ان ظالموں سے کچھ دور بھی نہیں و۱۲۳ اور مدین کی طرف ہم نے

اَخَاهُمۡ شُعَيۡبًا ؕ قَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ

ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا و۱۲۴ وہ بولے اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو تمہارے لئے

مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ وَ لَا تَنۡقُصُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ

بجز اس کے کوئی بھی معبود نہیں اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو

۱۱۸ یعنی یا تو خود مجھ میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں بہ زورِ حکومت تم کو تمہارے شر سے روک سکتا یا میرا کوئی زبردست جتھا، کنبہ، قبیلہ ہوتا! حضرت لوط علیہ السلام تو خود ہی پردیس میں مقیم تھے اس لیے
...درۃً آپ کے ساتھ عزیزوں، قریبوں کی کوئی خاص جماعت نہ تھی۔ پریشان
...کن حالات میں اسباب ظاہری سے تمسک کرنا ایک امر طبعی ہے اور شریعت
...ں بالکل جائز ہے۔ و۱۱۹ فرشتوں کو حضرت لوط علیہ السلام ابھی تک تو اپنے نوعمر
...سین مہمان سمجھے جارہے تھے اب انہوں نے آپ کا اضطراب واضطرار دیکھ
...کر اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا اور اطمینان دلایا کہ ہم تو ہم اِن فساق کی اتنی بھی
...یال نہیں کہ آپ تک بھی پہنچ سکیں۔ و۱۲۰ یہ عورت دل سے کافرہ اور اُن
...معاشوں سے ملی ہوئی تھی فرشتوں نے کہا کہ اس کے حق میں کوئی نصیحت
...کارگر نہ ہوگی اور نہ یہ ہماری ہدایت پر عمل کرے گی اس کا دل تو کافروں میں
...لگا ہوا ہے عین نزولِ عذاب کے وقت یہ بہ کمال ہمدردی اُدھر مڑ کر دیکھے گی
...ضرور۔ اور خود بھی عذاب کا شکار ہو کر رہے گی۔ توریت میں ہے:۔ ”مگر اس
...کی جورو نے اس کے پیچھے سے پھر کے دیکھا اور وہ نمک کا کھمبا بن گئی“۔
...پیدائش ۱۹:۲۶)۔ و۱۲۱ توریت میں ہے:۔ ”اور جس وقت لوط علیہ السلام
...غر میں داخل ہوا سورج کی روشنی زمین پر پھیلی تب خداوند نے سدوم اور عمورہ
...گندھک اور آگ خداوند کی طرف سے آسمان پر سے برسائی اور اس نے
...ان شہروں کو اور اُس سارے میدان کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو
...ور سب کچھ جو زمین سے اُگا تھا نیست کر دیا۔“ (پیدائش ۱۹:۲۳۔۲۵)
...احظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۱۲۲ یعنی لگاتار گرنے اور برسنے لگے۔
...جَآءَ اَمۡرُنَا۔ یعنی عذاب موعود کا وقت آ پہنچا۔ جَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا۔
...نی ان بستیوں کا تختہ اُلٹ دیا۔ سِجِّيۡلٍ۔ سے مراد ہے سکھائی ہوئی مٹی کا
...ھر جسے ہمارے ہاں جھانواں کہتے ہیں۔ و۱۲۳ یعنی اہل مکہ سے۔ قومِ
...لوط علیہ السلام کا مسکن دریائے یردن کی وادی میں تھا جہاں اب بحرِ مُردہ واقع
...ہے اور لوطیوں کے بڑے شہر سدوم اور عمورہ بحرِ مُردہ کے ساحل پر واقع
...تھے۔ اور قریش مکہ اپنے سفرِ شام میں برابر اسی راہ سے آتے جاتے تھے
...ان آبادیوں کی آسمانی ہلاکت کا زمانۂ وقوع جدید تحقیق کے مطابق ۲۰۶۱
...ق۔م ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ مُسَوَّمَةً۔ یعنی
...دوسرے پتھروں سے ممتاز۔ عِنۡدَ رَبِّكَ۔ یعنی عالم غیب میں۔
...حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ۔ اس آتشیں پتھراؤ کی توجیہ کوہ آتش فشاں کی آتش
...فشانیوں سے بھی کی گئی ہے جو کسی قرآنی بیان کے منافی نہیں عذاب الٰہی وہ
...ہر صورت تھا۔ و۱۲۴ مَدۡيَنَ اور شعیب دونوں پر حاشیے سورۂ اعراف
...میں گزر چکے۔ اَخَاهُمۡ۔ بھائی سے مراد وہی وطنی یا نسلی بھائی ہیں قرآن
...میں اس لفظ کے بار بار آنے سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے۔ نسبی
...و وطنی اشتراک کے باوجود کسی کے نصیب میں ہدایت آجاتی ہے اور کوئی بدستور ظلمتوں اور ضلالتوں میں گرفتار رہتا ہے۔

ع ۱۵ انصف

إِنِّيٓ أَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّإِنِّيٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

میں تو تم کو فراغت کی حالت میں دیکھتا ہوں اور میں ڈرتا ہوں تمہارے لئے گھیر لینے والے دن کے

مُّحِيطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ

عذاب سے ف۱۲۵ اور اے میری قوم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي

اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور زمین میں فساد

الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ

کرتے نہ پھرو ف۱۲۶ اللہ (کے دیئے میں سے) بچا ہوا کہیں بہتر ہے تمہارے حق میں اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَآ أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوا

تم ایمان والے ہو اور میں تم پر کوئی پاسبان تو ہوں نہیں ف۱۲۷ وہ بولے

يٰشُعَيْبُ أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ

اے شعیبؑ کیا یہ تمہاری نماز تمہیں تعلیم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے بڑے کرتے

اٰبَآؤُنَآ أَوْ أَنْ نَّفْعَلَ فِيٓ أَمْوٰلِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ إِنَّكَ لَأَنْتَ

آئے ہیں یا اس کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال کے ساتھ جو چاہیں کریں واقعی تم ہی تو

الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلٰى

بڑے عقل مند بڑے دیندار ہو ف۱۲۸ (شعیبؑ) بولے اے میری قوم بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں

بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ

اپنے پروردگار کی جانب سے دلیل پر قائم ہوں اور اس نے مجھ کو اپنے پاس سے ایک عمدہ دولت دی ہو ف۱۲۹

أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلٰى مَآ أَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ إِنْ أُرِيدُ

اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے برخلاف ان کاموں کو کروں جن سے میں تمہیں روکتا ہوں ف۱۳۰ میں تو بس

ف۱۲۵ یَوْمٍ مُّحِيطٍ ۔ یعنی وہ دن جو مجرم کو ہر طرف سے گھیر کر اُسے مجبور و بے بس کردے گا اور کوئی صورت اس کی مخلصی اور رہائی کی باقی نہ رکھے گا۔ يٰقَوْمِ...... غَيْرُهٗ ۔ ہر نبی کی پہلی اور بنیادی دعوت دعوتِ توحید ہی ہوتی ہے۔ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۔ اہل مدین ایک مشہور تجارت پیشہ قوم تھی، اور اُن کے کاروباری اخلاق بھی سخت گندے اور پست تھے ...... قرآن مجید اعتقادی گمراہیوں کے ازالہ کے ساتھ ساتھ اخلاقی معاشری معاملات کی بھی برابر اصلاح کرتا جاتا ہے۔

ف۱۲۶ قرآن مجید نے یہاں صاف صاف بتا دیا کہ تجارتی خیانتوں اور مالی معاملات میں بددیانتی کا نتیجہ معاشرہ کی درہمی برہمی اور ملک و قوم کے حق میں عدم توازن کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے...... اور اس سب کے لیے قرآن مجید کی ایک جامع اصطلاح فساد فی الارض کی ہے۔ ف۱۲۷ اپنے ہر قول و عمل کی ذمہ داری تمہیں خود محسوس کرنی چاہیے) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی تقریر سے ایک طرف تو مخاطبین میں ان کی ذمہ داری کا شعور پیدا کرنا چاہا دوسرے یہ بتایا کہ پاک مال اور جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی آمدنی بہرحال بہرصورت گندے اور ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی آمدنی سے بہتر ہے۔ بَقِيَّتُ اللّٰهِ ۔ یعنی وہ مال جو شریعت الٰہی نے تمہارے لیے جائز رکھا ہے اور جس کو ناجائز نہیں قرار دیا ہے۔ ای ما ابقاہ اللہ حلالا لکم و لم یحرمہ علیکم (بحر) ف۱۲۸ مخالفین کی یہ تقریر بہ طور طنز و تمسخر ہے۔ قال ابن عباس، و میمون بن مھران، و ابن جریج، و اسلم و ابن جریر یقولون ذٰلک اعداء اللہ علٰی سبیل الاستھزاء (ابن کثیر) قیل قالوا علٰی وجه الاستھزاء (معالم) وصفوه علیه السلام بھٰذین الوصفین الجلیلین علٰی طریقة الاستعارة التھکمیة فالمراد بھما ضد معناھما و ھٰذا ھو المروی عن ابن عباسؓ والیه ذھب قتادة والمبرد (روح) وہ بار بار اس پر اُلجھ رہے تھے کہ یہ کیسا دین اور کیسا نبی ہے جو ایک طرف تو ہمارے آبائی معتقدات، عبادات، رسوم و شعار کا تختہ اُلٹ دینا چاہتا ہے اور دُوسری طرف ہمیں ہمارے مال و جائداد تک کے بارے میں آزاد و خود مختار نہیں چھوڑتا بلکہ اُلٹے ہمارے آمد و خرچ پر بھی طرح طرح کی قیدیں لگاتا اور پابندیاں عائد کرتا رہتا ہے۔ أَنْ نَّفْعَلَ ۔ کا عطف مَا يَعْبُدُ ۔ پر ہے۔ ف۱۲۹ یعنی دولتِ نبوت۔ ھو النبوة والحکمة (روح) اس کو کہیں رحمة سے بھی تعبیر کیا ہے جیسا کہ اسی سورت کی آیت نمبر ۶۳ میں حضرت صالح علیہ السلام کے سلسلہ میں اور جائز آمدنی بھی مراد لی گئی ہے۔ اشارة الٰی ما اتاہ اللہ من المال الحلال (بیضاوی) إِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّي ۔ یعنی اگر اللہ کی توحید وغیرہ کا علم مجھے صریحاً ہو چکا ہو۔ ف۱۳۰ یعنی یہ تو ہے نہیں، کہ میں تمہیں کوئی راہ بتا دُوں اور خود کسی اور راہ پر چلوں

اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ؕ وَ مَا تَوۡفِيۡقِيۡۤ اِلَّا

اصلاح ہی چاہتا ہوں جہاں تک میں کر سکوں اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے

بِاللّٰهِ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ ﴿۸۸﴾ وَ يٰقَوۡمِ لَا

اللہ ہی کی طرف سے اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ف ۱۳۱ اور اے میری قوم میری

يَجۡرِمَنَّكُمۡ شِقَاقِيۡۤ اَنۡ يُّصِيۡبَكُمۡ مِّثۡلُ مَاۤ اَصَابَ

ضد تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم پر بھی مصیبت آ پڑے جیسی مصیبت آ پڑی تھیں

قَوۡمَ نُوۡحٍ اَوۡ قَوۡمَ هُوۡدٍ اَوۡ قَوۡمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوۡمُ

قوم نوحؑ یا قوم ہودؑ یا قوم صالحؑ پر ف ۱۳۲ اور قوم لوطؑ

لُوۡطٍ مِّنۡكُمۡ بِبَعِيۡدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ

تو تم سے زیادہ دور بھی نہیں ہوئی ف ۱۳۳ اور اپنے پروردگار سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر

تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ ؕ اِنَّ رَبِّيۡ رَحِيۡمٌ وَّدُوۡدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوۡا

اس کی طرف توجہ کرو بیشک میرا پروردگار بڑا رحمت والا ہے، بڑا محبت والا ہے، ف ۱۳۴ وہ لوگ بولے

يٰشُعَيۡبُ مَا نَفۡقَهُ كَثِيۡرًا مِّمَّا تَقُوۡلُ وَاِنَّا لَنَرٰٮكَ

اے شعیبؑ تمہاری کہی ہوئی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تو تو اپنے (مجمع) میں

فِيۡنَا ضَعِيۡفًا ۚ وَلَوۡلَا رَهۡطُكَ لَرَجَمۡنٰكَ ۖ وَمَاۤ

کمزور ہی دیکھتے ہیں اور اگر تمہارے کنبہ کا ہم کو (لحاظ) نہ ہوتا تو ہم تم کو سنگسار کر چکے ہوتے اور تم

اَنۡتَ عَلَيۡنَا بِعَزِيۡزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَهۡطِيۡۤ اَعَزُّ

ہم پر کچھ غالب تو ہو نہیں، ف ۱۳۵ شعیبؑ نے کہا اے میری قوم کیا میرے کنبہ کا حق،

عَلَيۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذۡتُمُوۡهُ وَرَآءَكُمۡ ظِهۡرِيًّا ؕ

تم پر اللہ سے غالب تر ہے؟ درآنحالیکہ اسی کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے

ف ۱۳۱ یہ ہوتا ہے پیمبروں کا کمالِ عبدیت! ادھر دلسوزی اور اصلاح کی نسبت اپنی جانب زبان سے ذرا نکل گئی تھی معاً اسے بھی حق تعالیٰ ہی کی جانب منسوب کر دیا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ایک پیمبر اور دُنیا کے بڑے سے بڑے لیڈر کے حدود جدا جدا ہو جاتے ہیں لیڈر کی نظر اپنے مجمع، جتھے، مادی طاقت مالی وسائل وغیرہ پر رہتی ہے۔ برخلاف اس کے پیمبر کی نظر اوّل بھی اور آخر بھی اللہ ہی پر رہا کرتی ہے۔ ف ۱۳۲ ہر پیمبر اپنی اُمت کے حق میں رافت رحمت وشفقت کا مجسمہ ہوتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اسی جذبہ سے متاثر ہو کر اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ کہیں میری ضد میں آ کر تم ایسی حرکتوں کے مرتکب نہ ہو بیٹھنا کہ آخر انہی سزاؤں کے مستحق ٹھہر جاؤ جو تم سے پہلے مقہور ومخذول قوموں پر آ چکی ہیں۔ شِقَاقِيۡ۔ آیت سے جہاں انبیاء کرام کی کامل اور انتہائی دردمندی روشنی میں آ جاتی ہے وہیں سرکش و متمرد قوموں کی ضد و عناد کا درجہ بھی سامنے آ جاتا ہے۔ ف ۱۳۳ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کے شہر مدین کا فاصلہ حضرت لوط علیہ السلام کے مسکن (وادی دریائے یردن) سے کچھ زیادہ ہے بھی نہیں۔ بِبَعِيۡدٍ۔ مفسرین کے ایک بڑے گروہ نے اس بعد وقرب زمانی پر محمول کر کے گویا ترجمہ یوں کیا ہے کہ "اُمت لوط علیہ السلام کا زمانہ تو تم سے ایسا بعید ابھی ہوا بھی نہیں ہے"۔ و ذلک انھم کانوا حدیثی عھد بھلاک قوم لوط" (معالم) یہ قول بھی اگرچہ فی نفسہٖ بالکل صحیح ہے یعنی حضرت نوح حضرت ہود حضرت صالح علیہم السلام ان سب سے قریب تر زمانہ حضرت لوط ہی کا ہوا تھا لیکن ترجیح اس کو ہے کہ بعید کو بُعد مکانی ہی کے معنی میں لے کر مسکن اُمت لوط علیہ السلام اور مسکن اُمت شعیب علیہ السلام کے درمیان قرب مکانی کی طرف مشیر سمجھا جائے۔ ای ما دار قوم لوط منکم ببعید (ابن جریر) ذلک انھم کانوا جیران قوم لوط (معالم) بہرحال وہ قرب زمانی ہو یا قرب مکانی مقصود دونوں صورتوں میں امت لوط علیہ السلام کے انجام سے عبرت خصوصی دلانی تھی۔ قیل المراد فی الزمان و قیل فی المکان و یحتمل الامران (ابن کثیر) ف ۱۳۴ چنانچہ وہ صفت رحمۃ کے تقاضہ سے گناہوں کو معاف کر دے گا اور صفت وُدّ کے تقاضہ سے طاعتوں کو قبول کرے گا۔ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ۔ یعنی اس کی طرح رجوع طاعت وعبادت کے ساتھ کرو۔ ف ۱۳۵ جاہلی قومیں دباؤ صرف قوت کا مانتی تھیں چنانچہ اب سلسلۂ بحث واستدلال کو چھوڑ کر قوم شعیب علیہ السلام صاف صاف کہہ رہی ہے کہ تم ہم پر کچھ غالب وحاکم تو ہو نہیں قوت تو ہم ہی کو حاصل ہے ہم تو صرف تمہارے کنبہ وقبیلہ کا لحاظ کر رہے ہیں جو ہمارے ہم مذہب ہیں ورنہ ہم تو اب تک تم پر سزائے سنگساری جاری کر چکے ہوتے۔ رَهۡطُكَ۔ رھط یہاں مضاف الیہ ہے اس کا مضاف مقدر ہے۔ ای مراعاۃ رھطک۔ والظاھر ان مرادھم لولا مراعاۃ جانب رھطک (روح) پرانی جاہلی قوموں میں کنبہ اور خاندان کا پاس ولحاظ بڑی اور تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ لَرَجَمۡنٰكَ۔ پرانی قوموں کے ضابطۂ تعزیرات میں آخری اور انتہائی موقعوں کے لیے سزائے سنگساری عام طور پر رائج تھی۔

اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ﴿۹۲﴾ وَ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

بیشک میرا پروردگار احاطہ میں اس سب کو لئے ہوئے ہے جو تم کر رہے ہو ف۱۳۶ اور اے میری قوم والو تم اپنی

عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ

حالت پر عمل کرتے رہو میں (اپنے طور پر) عمل کر رہا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے، کہ کس پر

یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَ ارْتَقِبُوْۤا

عذاب اس کا رسوا کرنے والا آیا اور کون جھوٹا ہے اور تم انتظار کرو

اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ ﴿۹۳﴾ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا

تمہارے ساتھ میں بھی منتظر ہوں ف۱۳۷ اور جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے بچا لیا

شُعَیْبًا وَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ

شعیبؑ کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت (خاص) سے اور ظلم کرنے والوں

الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ

کو ایک زور کے کڑاکے نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے گرے

جٰثِمِیْنَ ﴿۹۴﴾ ۙ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا

رہ گئے ف۱۳۸ جیسے کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے! خوب سن لو

لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا

مدین کو (رحمت سے) دوری ہوئی جیسی دوری ثمود کو ہو چکی تھی ف۱۳۹ اور بالیقین ہم نے

مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۹۶﴾ ۙ اِلٰی فِرْعَوْنَ

موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں اور ایک روشن دلیل کے ساتھ بھیجا فرعون

وَ مَلَا۠ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ مَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ

اور اس کے سرداروں کے پاس، وہ لوگ فرعون ہی کے حکم پر چلتے رہے اور فرعون کا حکم ذرا (بھی)

ع ۸ ۱۲ ۸

ف۱۳۶ اور تمہارا چھوٹا بڑا ایک ایک عمل اس کے علم میں ہے۔ حضرت شعیبؑ اپنی قوم کی غیرت اور شعور دینی کو بیدار کر رہے ہیں کہ خدا کی عظمت وجلال کی بس اچھی قدر تم نے کی کہ قبیلہ اور کنبہ تک کی رعایت کرتے ہو لیکن ایک نہیں خیال کرتے تو بس خدائے تعالیٰ کے حقوق کا۔ ف۱۳۷ اب عنقریب عذاب الٰہی خود ہی عملی فیصلہ کئے دیتا ہے کہ واقعی جھوٹا کون تھا اور سزائے ذلت کا کون مستحق تھا۔ یہ حضرت شعیبؑ کی بالکل آخری اپیل ہے۔ آپؑ نے جب دیکھا کہ سارے دلائل بے اثر رہے اور کسی تبلیغ کا کچھ اثر ہی نہ ہوا تو آخر میں آپؑ فرماتے ہیں کہ اچھا اب تک تو تم مجھ کو جھوٹا سمجھتے ہی رہے اب عنقریب عذاب الٰہی خود ہی عملی شکل میں فیصلہ کیے دیتا ہے کہ واقعی جھوٹا کون تھا اور سزائے ذلت کا مستحق کون؟ ف۱۳۸ (مردہ و بے جان ہو کر) اَمْرُنَا۔ یعنی ہمارا حکم عذاب۔ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا۔ پھر ایک بار اس حقیقت کی وضاحت کردی گئی کہ نجات جس کسی کو بھی ملتی ہے مومنین بلکہ پیمبر تک کو بھی فضل خداوندی ہی سے ملتی ہے۔ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا۔ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے یعنی منکرین توحید و معاندین نبوت۔ ف۱۳۹ رحمت الٰہی سے محروم وبعید ہو جاتے ہیں تو اہل مدین کی مثال ہر پرانی مغضوب ومقہور قوم سے دی جا سکتی ہے۔ قوم ثمود کا نام خصوصیت کے ساتھ لینے میں شاید کہ یہ مناسبت ہو کہ قوم ثمود بھی اس سے قبل اسی نواح اور اسی علاقہ میں آباد رہ چکی تھی! اہل مدین نے اپنے ہی گرد و نواح کی تاریخ سے عبرت نہ حاصل کی! بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اہل مدین بھی قوم ثمود ہی کی طرح نسل عرب سے تھے۔ اور ان کی بے دینی اور بداعمالی بھی اُنھی کی سی تھی۔ کانوا جیرانھم قریبًا منھم فی الدار شبیھًا بھم فی الکفر و قطع الطریق و کانوا عربًا مثلھم (ابن کثیر)

بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ

درست نہ تھا ف۱۴۰ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا پھر ان کو دوزخ میں

النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ

جا اتارے گا اور بری ہے وہ جگہ اترنے کی جہاں یہ اتارے جائیں گے ف۱۴۱ اس (دنیا) میں بھی لعنت ان

هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) بری ہے وہ بخشش جو ان پر کی جائے گی ف۱۴۲

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ

یہ ان بستیوں کی بعض خبریں تھیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں (بعض) ان میں سے قائم ہیں

وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اور (بعض) ختم ہی ہوگئیں ف۱۴۳ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہی نے اپنے اوپر ظلم کیا

فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ

سو ان کے وہ دیوتا ان کچھ بھی کام نہ آئے جنہیں وہ

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا

اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے جب کہ آپ کے پروردگار کا حکم (عذاب) آ پہنچا اور وہ (الٹے)

زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ

ان کی ہلاکت ہی بڑھاتے رہے ف۱۴۴ اور آپ کے پروردگار کی پکڑ اسی طرح ہے

اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ

جب وہ بستی والوں کو پکڑتا ہے جو (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہتے ہیں بیشک اس کی پکڑ

اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ

بڑی تکلیف دہ ہے بڑی سخت ہے، ف۱۴۵ بیشک ان (واقعات) میں اس کے لئے نشانی ہے جو آخرت کے

ف۱۴۰ یعنی حکومت فرعون کی پالیسی ہر قسم کی صلاح و خیر سے خالی تھی۔ ای
...س فیه رشد و لا هدی (ابن کثیر) موسیٰ، فرعون، ملاء فرعون پر حاشیے
...ر بار گزر چکے۔ ف۱۴۱ فرعون جس طرح دنیا میں بدی اور بدکاری کا لیڈر تھا
...وزخ میں بھی اس کی یہ لیڈری قائم رہے گی اور یہ حکم فرعون کے ساتھ مخصوص
...یں، محققین نے لکھا ہے کہ جو کوئی مفسدوں کا پیشوا ہوگا وہ اپنی ذریات کو
...لے کر ہی داخل جہنم ہوگا۔ ورد اصلاً مصدر ہے یہاں بہ معنیٰ جائے وُرود و
...رود گاہ۔ مراد دوزخ سے ہے۔ ف۱۴۲ آخرت میں ملعونیت کا ظہور تو کامل
...ین صورت میں ہو ہی گا، دُنیا میں بھی قہر و غضب کے ساتھ غرق ہوتے
...وئے سب نے دیکھ لیا۔ ف۱۴۳ یہاں یہ بتا دیا کہ مغضوب و مقہور بستیوں
...یں سے قرآن مجید نے دونوں قسم کی بستیوں کا بیان کیا ہے ایک وہ جو سرے
...ے ملیامیٹ ہوگئیں مثلاً اُمت لوط علیہ السلام کا مسکن اور دوسرے وہ جن کی صرف
...آبادی ہلاک کر دی گئی باقی وہ زمین اور علاقہ بدستور قائم ہیں۔ مثلاً سرزمین
...مصر کہ فرعونی ڈبو دیئے گئے۔ لیکن اصل ملک بدستور موجود ہے۔ ذٰلِكَ۔
...شارہ اوپر بیان کیے قصص و حکایات کے مجموعہ کی طرف ہے۔ اشارة الی
...اقص من انباء الامم و بعدهٗ باعتبار تقضیه (روح) الْقُرٰى۔ یعنی
...سابق کی تباہ و ہلاک شدہ بستیاں۔ ف۱۴۴ یعنی یہ جھوٹے دیوتا اور معبود اپنے
...پجاریوں کی کوئی مدد تو کیا کرتے اُلٹے اُن کی ہلاکت کا سبب ہی بن گئے......
...نہ یہ ان کی پوجا کرتے نہ سزائے ہلاکت میں مبتلا ہوتے۔ ف۱۴۵ (اور وہ
...نہی لوگوں کے لیے ہے جو سخت نافرمانی کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں)
...لقُرٰى۔ قُرٰى سے مراد اہل قریٰ ہیں۔

عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ

عذاب سے ڈرتا ہو ف۱۴۶ وہ ایسا دن ہو گا کہ اس میں (کل) انسان جمع کئے جائیں گے

وَ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا

اور وہ دن ہے حاضری کا اور ہم اسے بس ایک گنی ہوئی ہی مدت کے لئے

لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ؕ یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا

ملتوی کئے ہوئے ہیں ف۱۴۷ جس وقت وہ آئے گا کوئی شخص بول نہ سکے گا بجز

بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ

اللہ کی اجازت کے پھر بعض تو ان میں شقی ہوں گے اور بعض سعید ف۱۴۸ سو جو لوگ

شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ﴿۱۰۶﴾ۙ

شقی ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے اس میں ان کی چیخ پکار پڑی رہے گی ف۱۴۹

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ

اس میں پڑے رہیں گے (ہمیشہ ہمیش کو) جب تک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں

اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿۱۰۷﴾

ہاں بجز اس کے کہ آپ کا پروردگار ہی چاہے بیشک آپ کے پروردگار جو چاہے پورے طور پر کر سکتا ہے ف۱۵۰

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ

اور جو لوگ سعید ہیں وہ جنت میں ہوں گے اس میں رہیں گے (ہمیشہ ہمیش)

فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ

جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں بجز اس کے کہ آپ کا پروردگار

رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ

چاہے (یہ) عطیہ غیر منقطع ہے ف۱۵۱ سو (اے مخاطب) شک نہ کر اس چیز کے بارے میں

ف۱۴۶ یعنی نشانی عبرت وبصیرت کی۔ اس سے بڑھ کر عبرت کا موقع اور کیا ہوسکتا ہے کہ جب دُنیا ہی کا عذاب اس قدر سخت ہے، حالانکہ دُنیا مہلت گاہ ہے تو پھر آخرت تو دارالجزاء ہی ہے وہاں کے عذاب کی شدت کا کہنا ہی کیا! ف۱۴۷ یعنی وہ دن جو سب کی حاضری کا ہے اس کی آمد اور وقوع یقینی ہے اور اسے ملتوی تو صرف ایک قلیل مدت کے لیے رکھا گیا ہے۔ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ۔ مشہود کے معنی مشہود فیه کے لیے گئے ہیں۔ای مشهود فيه (کشاف) والمراد بالمشهود الذی كثر مشاهدوه (کشاف) ف۱۴۸ شَقِیٌّ۔ یعنی بدبخت یا سزاوار نار۔ الذی وجبت له نار لاساءته (کشاف) سَعِیْدٌ۔ یعنی خوش نصیب یا قابل عفو وسزاوار جنت۔ الذی وجبت له الجنة لاحسانه (کشاف) لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ یہ بیان یوم قیامت کے ہول اور دہشت کا ہو رہا ہے۔ مِنْهُمْ۔ یعنی اہل محشر میں سے۔ ضمیر هم اہل موقف کے لیے ہے اور ایسے موقع کے لیے جو سیاق سے بہ خوبی سمجھ میں آجائے عربی اسلوب بلاغت میں ضمیر کے قبل اسم لانا بالکل غیر ضروری ہے۔ الضمير لاهل الموقف و لم يذكر لان ذلك معلوم (کشاف) ف۱۴۹ زَفِیْرٌ۔ اور شَهِیْقٌ۔ دونوں گدھے کی آوازیں ہیں۔ زفیر اس کی شروع کی آواز شہیق اس کے آخر کی آواز۔ قال الضحاک ومقاتل والفراء الزفير اول نهيق الحمار والشهيق أخره (بحر) قال اهل اللغة من الكوفية والبصرية الزفير بمنزلة ابتداء صوت الحمار والشهيق بمنزلة اخر نهيقه (روح) مراد یہ ہے کہ اہل دوزخ طرح طرح کی بڑی بڑی دردناک آوازوں سے چیختے چلاتے رہیں گے۔

ف۱۵۰ اسلام نے جس خدا کو پیش کیا ہے اس کے اختیارات غیر محدود ہیں اس کا اقتدار اعلیٰ سب پر حاکم ہے اس کے ارادہ کو قید میں رکھنے والی نہ کوئی اور قوت ارادی ہے نہ کوئی اور بے جان ضابطہ، آیت میں رد آ گیا ان تمام ادیانِ باطل کا جنہوں نے خدا کا وجود تو مانا ہے لیکن محدود قویٰ اور اختیارات کے ساتھ یا یہ کہہ دیا کہ خدا صرف انصاف کر سکتا ہے عفو پر قادر نہیں۔ یا یہ تعلیم دی ہے کہ "کرم" (ہندی زبان میں قانون مجازات کا مرادف) خدا یا قانون ساز کی بھی قوت سے بالادست ہے! اس طرح کا کوئی عجیب وغریب خدا ہرگز اسلام کی نظر میں خدا نہیں ...... وہ جس عاصی، خاطی، مجرم کو چاہے بغیر کسی سزا کے یا بہت خفیف سزا کے بعد بخشش دینے پر قادر ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ محاورہ میں اس سے مراد ابدیت یا دوام سے ہوتی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ زمین وآسمان تو اس وقت فنا ہی ہو چکے ہوں گے اس لئے لفظی معنی مراد ہو ہی نہیں سکتے۔ عبارة عن تابيد ونفى الانقطاع (کشاف) العرب يعبرون عن الدوام والابد بقولهم ما دامت السمٰوٰت والارض (کبیر) هٰذا عبارة عن التابيد ونفى الانقطاع على منهاج قول العرب (روح) التعبير عن التابيد والمبالغة بما كانت العرب يعبرون به عنه (بیضاوی) من عادة العرب اذا ارادت ان تصف الشىء بالدوام ابدًا قالت هٰذا دائم بدوام السمٰوٰت والارض (ابن جریر) اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ یہ استثناء اَلَّذِیْنَ شَقُوْا۔ سے ہے یعنی ہر شقی دوزخ میں جائے گا اور ہمیشہ اس میں پڑا رہے گا۔ عام قاعدہ وضابطہ تو یہی ہے لیکن فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ کی مشیت اس پر بھی غالب ہے وہ جس مجرم کو جس طرح اور جس حد تک چاہے بچالے۔ جمہور علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کافر کا عذاب دائمی ہوگا۔ جس سے اسے کبھی چھٹکارا نہ مل سکے گا۔ واما الجمهور الاعظم من الامة فقد اتفقوا على ان عذاب الكافر دائم (کبیر) كانه تعالٰى يقول اظهرت القهر والقدرة ثم اظهرت المغفرة والرحمة لانى فعال لما اريد وليس لاحد على حكم البتة (کبیر) ف۱۵۱ یہ بخشش غیر منقطع ہوگی، ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی جنتی کچھ روز بعد جنت سے باہر کر دیا جائے۔ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ استثناء اَلَّذِیْنَ سُعِدُوْا۔ سے ہے یعنی ہر مطیع وسعید بھی مشیتِ الٰہی وفضل خداوندی کے بعد ہی جنت میں داخل ہو سکے گا۔ معنى الاستثناء هٰهنا ان دوامهم فى ما هم فيه من النعيم ليس امرًا واجبًا بذاته بل هو موكول الى مشية الله تعالٰى (ابن کثیر) مذہب اہل سنت کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ عاصی مسلم بہر حال خلودِ نار کا مستوجب نہیں۔ اگر بالکل معافی نہ ہوئی جب بھی کچھ سزا جھیلنے کے بعد جنت میں لے آیا جائے گا۔ احادیث میں یہ مضمون بہت صراحت کے ساتھ آیا ہے مفسر نسفی نے لکھا ہے کہ معتزلہ کو جب ان احادیث کی گرفت سے مفر نہ ملا تو خود ان احادیث ہی سے انکار کر بیٹھے۔ والمعتزلة لما لم يروا خروج العصاة من النار ردوا الاحاديث المروية

مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ

جس کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں یہ اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جیسے ان کے باپ دادا

اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ

ان کے قبل پرستش کرتے رہے ہیں اور ہم یقیناً ان کا حصہ ان کو پورا پورا دینے والے ہیں

مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ

بے کم وکاست وف۱۵۲ اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو اس میں (بھی) اختلاف

فِيْهِ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ

کیا گیا وف۱۵۳ اور اگر ایک بات پہلے ہی سے آپ کے پروردگار کی طرف سے نہ ٹھہر چکی ہوتی تو

بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِنَّ

ان کے درمیان فیصلہ ہو گیا ہوتا اور یہ لوگ اس کی طرف شک کر کے تردد میں پڑے ہوئے ہیں، وف۱۵۴ بیشک

كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا

سب ہی ایسے ہیں کہ آپ کا پروردگار انہیں ان کے اعمال کا (عوض) پورا پورا دے گا بیشک جو کچھ

يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَ مَنْ

یہ کرتے ہیں اس کی وہ پوری خبر رکھتا ہے وف۱۵۵ تو آپ مستقیم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم ہوا ہے (اور وہ لوگ بھی) جو

تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾

تائب ہو کر آپ کے ہمراہ ہیں وف۱۵۶ اور تم لوگ سرکشی نہ کرو بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اسکو وہ خوب دیکھ رہا ہے، وف۱۵۷

وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ

اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں (اپنے حق میں) وف۱۵۸ ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ چھو جائے گی

وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ

اور (اس وقت) اللہ کے سوا کوئی تمہارا رفیق نہ ہو گا پھر

وف۱۵۲ (قیامت کے دن) فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ۔ یعنی مذہب شرک شک وتذبذب کا مستحق نہیں صاف صاف قطعی انکار کے قابل ہے۔ كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ۔ یعنی جیسے ان کے آباواجداد غیر اللہ کی پرستش میں بالکل بلا دلیل بلکہ خلافِ دلیل لگے رہتے تھے یہ بھی اسی طرح اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ نَصِيْبَهُمْ۔ یعنی ان کے عذاب وسزا کا حصہ۔ وف۱۵۳ یعنی کچھ نے اسے مانا اور کچھ اس میں بھی طرح طرح کے شبہات اعتراضات بھی نکالتے رہے، حالانکہ کتاب توریت تو اسرائیلیوں کی اپنی "قومی" کتاب بھی تھی تو پھر قرآن کے باب میں تو جو کچھ بھی تردد وانکار ہو کوئی نئی بات نہ ہو گی۔ وف۱۵۴ یعنی اس فیصلہ ہی کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور فیصلہ سے مراد عذاب موعود ہے۔ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ۔ اور وہ ٹھہرائی ہوئی بات یہی کہ پورا عذاب آخرت ہی میں ہو گا۔ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ۔ یعنی اسی دنیا میں فیصلہ ہو گیا ہوتا، اور فیصلہ سے مراد عملی مشاہد فیصلہ ہے۔ بَيْنَهُمْ سے مراد اختلاف کرنے والوں کے درمیان ہے۔ وف۱۵۵ اچھے برے مومن وکافر، صالح فاسق، بڑے چھوٹے سب ہی کی پوری پوری فرد عمل اس کے سامنے موجود ہے۔ اس کے ہاں جزائے اعمال میں کسی غلطی، سہو ونسیان کا امکان ہی نہیں۔ وف۱۵۶ یعنی آپ راہِ دین پر پوری طرح قائم رہیے اور کفار ومنکرین کے انجام کی فکر میں نہ پڑیے۔ اور یہی حکم آپ کے متبع مومنین کے حق میں بھی ہے...... آپ کا درجہ استقامت آپ کے مرتبہ کے لائق اور آپ کے ہمراہی مومنین کا ان کے مرتبہ کے لائق۔ محققین نے لکھا ہے کہ اعلیٰ استقامت یہی ہے کہ حقوق حق اور حقوق خلق دونوں پوری طرح ادا ہوتے رہیں۔ ای فی القیام بحقوق الحق والخلق (روح) وَمَنْ تَابَ مَعَكَ۔ اس عطف سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ پیمبر علیہ السلام کی استقامت اور مومنین کی استقامت ایک درجہ یا ایک مرتبہ کی چیز ہے اشتراک صرف نفس عمل میں ظاہر ہوتا ہے نہ کہ مراتب عمل میں۔ والعطف لا یقتضی اکثر من المشارکة فی مطلق الفعل (روح) تَابَ۔ توبہ کس چیز سے مراد ہے؟ کفر وضلالت سے توبہ۔ وف۱۵۷ اس کا علم بھی کامل، محیط اور اس کو قدرت جزا بھی ہر طرح پر حاصل ہے۔ وَلَا تَطْغَوْا۔ طغیان سے مراد ہے عقائد وعبادات یا اخلاق ومعاملات کسی بات میں بھی افراط یا تفریط اختیار کرنا اور یہ استقامت کی ضد ہے جس کا حکم ابھی مل چکا ہے۔ وف۱۵۸ (اے مسلمانو!) خطاب عام امت سے ہے۔ وَلَا تَرْكَنُوْٓا۔ یہ رکون یا جھکنا بہ اعتبار دوستی اور محبت اور شرکت احوال واعمال کے ہے۔ اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ یعنی کافروں اور مشرکوں کی طرف

لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ

تمہاری مدد بھی کی نہ جائے گی ف۱۵۹ اور آپ نماز کی پابندی رکھیے دن کے دونوں سروں پر

وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ

اور رات کے کچھ حصوں میں ف۱۶۰ بیشک نیکیاں مٹا دیتی ہیں بدیوں کو ف۱۶۱

ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ اصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ

یہ ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے ف۱۶۲ اور صبر کرتے رہئے بیشک اللہ

لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْ لَا کَانَ مِنَ

نیک کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ف۱۶۳ پس کاش تمہارے پیشتر کی

الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِکُمْ اُولُوْا بَقِیَّۃٍ یَّنْھَوْنَ عَنِ

امتوں سے ایسے سمجھ دار لوگ ہوتے جو منع کرتے

الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا

ملک میں فساد (پھیلانے) سے بجز چند لوگوں کے جن کو ہم نے ان میں سے بچا

مِنْھُمْ ۚ وَ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِیْہِ

لیا تھا ف۱۶۴ اور جو لوگ (اپنی جانوں پر) ظلم کرنے والے تھے وہ جس ناز و نعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے رہے

وَ کَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَ مَا کَانَ رَبُّکَ لِیُھْلِکَ

اور (عادی) مجرم ف۱۶۵ ہو گئے، اور آپ کا پروردگار ہرگز ایسا نہیں کہ بستیوں کو

الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّ اَھْلُھَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَ لَوْ شَآءَ

ہلاک کر دے (ان کی) زیادتیوں کے باعث درآنحالیکہ ان کے رہنے والے اصلاح میں لگے ہوں ف۱۶۶ اور اگر

رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّ لَا یَزَالُوْنَ

آپ کے پروردگار کی مشیت ہوتی تو (سب) انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ اختلاف ہی کرنے والے

ف۱۵۹ یہ ساری وعیدیں رکون الی الکفار یعنی کافروں کی طرف محض مائل ہونے پر بیان ہو رہی ہیں۔ اللہ اللہ! کفر کس درجہ اللہ کی نظر میں مبغوض ہے! علماء محققین کے حسب تصریح بلاضرورت کفار کی وضع اختیار کرنا باوجود قدرت ان پر نکیر نہ کرنا ان کی تعظیم وتوقیر کرنا بلاضرورت شرعی ان کے ساتھ مصاحبت ومجالست اور ان کے ساتھ مداہنت یہ سب اسی نہی کے تحت میں آ جاتا ہے اور یہ سب مثالیں رکون الی الکفار کی ہیں۔ فاقتضی ذلک النھی عن مجالسۃ الظالمین وموانستھم والانصات الیھم (جصاص) ف۱۶۰ اس میں بدرجۂ اجمال دن رات کی پانچوں فرض نمازیں آ گئیں۔ طَرَفَیِ النَّھَارِ۔ یا دن کے دونوں سروں سے مراد ایک طلوع فجر ہے دوسرے بعد زوال...... پھر بعد زوال بجائے خود ظہر وعصر کے دو حصوں پر شامل ہے اور زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ۔ کے اندر مغرب وعشاء کے اوقات آ گئے قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی اوقات نماز کا ذکر ہے بدرجۂ اجمال ہی ہے تفصیلات صرف سنت رسول کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوں گی ہمارے زمانہ کے جن علماء مجدد دین نے محض قرآن مجید سے پوری تفصیلات نکالنی چاہی ہیں۔ انہوں نے عجب عجب مضحکہ خیز غلطیاں کی ہیں۔ ف۱۶۱ (اس لئے ہر نیکی کی کوشش کرتے رہو) یہ صحیفۂ اسلامی کی عجیب وغریب دفعہ ہے، جس کی نظیر مشکل ہی سے کسی دوسرے صحیفۂ دینی میں ملے گی ارشاد ہوتا ہے کہ ہر حسنہ بجائے خود تو خیر نیکی ہے ہی، ایک خاصہ اذہاب سیئہ (بدی کو مٹانے) کا بھی رکھتی ہے نیکیوں کی افزائش کی ترغیب کا اس سے بہتر نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اگر بندے اپنے باہمی معاملات میں اللہ کے اس قانون کو یاد رکھتے تو آج آپس کی رنجشوں اور شکایتوں کا دفتر کتنا مختصر ہو گیا ہوتا...... اللہ تو اپنے ہاں کا یہ قاعدہ رکھے کہ نیکیوں کے ہوتے ہوئے بدیوں پر نظر نہ کی جائے اور بندے اس کے برعکس یہ عمل جاری رکھیں کہ اپنے بھائیوں کی کمزوریوں، لغزشوں، خطاؤں کے آگے ان کی خوبیوں پر برابر خاک ہی ڈالے رہیں! مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ طاعت کے انوار سے معصیت کی ظلمتیں دور ہو جاتی ہیں اور ملکۂ طاعت کے غلبہ سے مادۂ معصیت مضمحل ہوتا جاتا ہے۔ ف۱۶۲ یعنی یہ قاعدہ کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ایک بڑی جامع نصیحت ہے ان لوگوں کے حق میں جو اسے سننا اور اس سے نفع اٹھانا چاہیں کہ اس سے نیکیوں کی بڑی ترغیب ہوتی ہے۔ ف۱۶۳ (سو آپ کے اجر کا درجہ تو بہت بڑا ہے وہ کیسے ضائع ہو سکتا ہے) وَ اصْبِرْ۔ صبر کرنے سے یہاں مراد کافروں اور منکروں کی اذیت رسانیوں پر صبر کرنا ہے۔ ف۱۶۴ یعنی اگلی امتوں میں اگر ایسے لوگ کثرت سے ہوتے جو دوسروں کو فساد فی الارض سے یا قانون الٰہی کی نافرمانیوں سے روکتے ٹوکتے رہتے تو ان قوموں پر عذاب ہی کیوں آتا وہ تو صرف معدودے چند لوگ تھے، جنہوں نے اپنا یہ فرض ادا کیا اور وہ عذاب کی گرفت سے محفوظ رکھے گئے۔ معناہ ولکن قلیلا ممن انجینا من القرون نھوا عن الفساد وسائرھم تارکون للنھی (کشاف) اُولُوْا بَقِیَّۃٍ۔ کے معنی اصحاب خیر اور اصحاب فضل کے بھی کئے گئے ہیں اور اصحاب فہم کے بھی۔ ای اولوا فضل وخیر (کشاف) ای ذو وخصلۃ باقیۃ من الرأی والعقل (روح) الفساد فی الارض۔ قرآن مجید کی اس جامع اصطلاح میں ہر قسم کی بے دینی اور بددینی آ جاتی ہے۔ مِنْھُمْ۔ یعنی انہی قدیم قوموں اور امتوں میں سے۔ مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْھُمْ۔ یعنی جنہیں عذاب کی گرفت سے بچا لیا گیا یہ وہی لوگ تھے جو نہ صرف خود ہی کفر وشرک سے الگ رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے رہے۔ ف۱۶۵ (کہ اس سے باز ہی نہ آئے) یعنی منکرین بددین بدستور اپنی مادی عیش وعشرت میں پڑے رہے اور سب کے سب مجرم ہی رہے۔ ف۱۶۶ (بلکہ عذاب ہلاکت تو ان پر اس وقت واقع ہوتا ہے۔ جب نہ وہ خود فساد فی الارض سے رکتے ہیں نہ دوسروں کو روکتے ہیں) مُصْلِحُوْنَ۔ اصلاح سے یہاں مراد اپنی اور دوسروں دونوں کی اصلاح ہے۔ بِظُلْمٍ۔ ظلم سے یہاں مراد کفر لیا گیا ہے اور ظلم کا صیغۂ نکرہ ظلم کی عظمت ظاہر کرنے کو ہے۔ والتنکیر للتفخیم (روح) لیکن بعض اکابر مفسرین نے آیت کے بالکل دوسرے ہی معنی قرار دیے ہیں وہ ظلم کو شرک کا مرادف قرار دے کر کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کسی قوم کو محض اس کے شرک کی بنا پر ہلاک نہیں کر دیتا اس حال میں کہ وہ قوم آپس کے معاملات (بندوں کے معاملات) ٹھیک رکھے ہوئے ہو۔ المراد من الظلم ھھنا الشرک والمعنی انہ تعالٰی لا یھلک اھل القری بمجرد کونھم مشرکین اذا کانوا مصلحین فی المعاملات فی ما بینھم والحاصل ان عذاب الاستیصال لا ینزل لاجل کون القوم معتقدین للشرک والکفر بل انما ینزل ذٰلک العذاب اذا اساءوا فی المعاملات وسعوا فی الایذاء والظلم (کبیر) ای لا یھلک القرٰی بسبب شرک اھلھا وھم مصلحون فی المعاملات فیما بینھم لا یضمون الی شرکھم فسادًا اخر (مدارک) اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مذہب اہل سنت کے موافق آیت کی یہی تفسیر ہے۔ وھٰذا تاویل اھل السنۃ لھٰذہ الاٰیۃ (کبیر) فقہاء نے یہیں سے یہ بھی نکالا ہے کہ تزاحم حقوق کے وقت حقوق العباد مقدم ہیں۔ و من ذٰلک قدم الفقھاء عند تزاحم الحقوق حقوق العباد (بیضاوی) لِیُھْلِکَ۔ میں ل تاکید نفی کے لئے ہے۔ اللام لتاکید النفی (کشاف) واللام فیہ مثل ذٰلک زائدۃ لتاکید النفی عند الکوفیۃ (روح)

مُخْتَلِفِيْنَ ﴿١١٨﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَ لِذٰلِكَ

ہمیشہ رہیں گے ف١٦٧ بجز اس کے جس پر آپ کے پروردگار کی رحمت ہو، اور اسی لئے اس نے

خَلَقَهُمْ ۚ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ

انہیں پیدا کیا ہے اور آپ کے پروردگار کی یہ بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَ كُلًّا نَّقُصُّ

جنات اور انسانوں سب سے بھر دوں گا ف١٦٨ اور پیمبروں کے قصوں میں سے ہم

عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ

یہ سب (قصے) آپ سے بیان کرتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں

وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى

اور ان (قصوں) کے اندر آپ کے پاس حق پہنچا ہے اور (ان میں) نصیحت اور یاد دہانی

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٢٠﴾ وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا

اہل ایمان کے لئے ہے ف١٦٩ اور آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے جو ایمان نہیں لاتے کہ تم

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۚ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿١٢١﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا

اپنی حالت پر عمل کرتے رہو، ہم بھی (اپنے طور پر) عمل کررہے ہیں اور تم انتظار کرو ہم بھی

مُنْتَظِرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

منتظر ہیں ف١٧٠ اور اللہ ہی کے لئے ہیں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی

وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ

اور سارے امر اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں ف١٧١ سو آپ اسی کی عبادت کیجیے اور اسی پر بھروسہ

عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٣﴾ ع

رکھیے اور آپ کا پروردگار اس سے بے خبر نہیں جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو ف١٧٢

ع ١٠ ١٠

ف١٦٧ گویا انسان کی اب جو خلقت رکھی گئی ہے اس کے لحاظ سے یہ ضرور ہے کہ اہل حق کے مقابلہ میں کچھ اہل ضلال بھی برابر پیدا ہوتے رہیں اور جس طرح صفت رحم وکرم کے مظہر اہل حق واہل جنت ہیں اسی طرح صفت غضب کے مورد اہل باطل واہل جہنم ہوتے رہیں۔ وذلک لیکونوا مظاھر جمالہ وجلالہ ولطفہ وقھرہ (روح) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ۔ یعنی اگر مشیت تکوینی کا اقتضاء یہی ہوتا۔ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ یعنی سب کے سب اضطرارًا وجبلۃً حق پر جمع ہوجاتے اور دُنیا میں بس ایک ہی قوم اہل حق کی رہتی۔ قال قتادۃ یجعلھم مسلمین وذلک بالالجاء الی الایمان (جصاص) ف١٦٨ (سوائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ طبقہ اہل ضلال کے وجود پر زیادہ غم وحیرت نہ کریں) لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔ یہاں یہ بتا دیا کہ انسان کی خلقت ہی ایسی رکھدی گئی ہے کہ اہل حق کے مقابلہ میں اہل ضلال برابر پیدا ہوتے رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھا دیا گیا کہ آپ اس پر زیادہ غم وحیرت نہ کریں۔ یہ بیان انسان کی غایت تکوینی کا ہوا اس لئے اس میں اور اس غایت تشریعی کے درمیان کوئی تناقض نہیں۔ جہاں یہ بیان ہوا ہے کہ انسان وجنات کی غایت آفرینش عبادت الٰہی ہے۔ بعض ائمہ تفسیر نے خلق کا تعلق رَحِمَ سے سمجھا ہے اور فقرہ کے معنی یہ لئے ہیں کہ "رحمت ہی کے غرض سے انہیں پیدا کیا ہے۔" روی عن ابن عباس ومجاھد وقتادۃ والضحاک خلقھم للرحمۃ (جصاص) اَجْمَعِيْنَ۔ سے ظاہر ہے کہ مراد یہ نہیں کہ کل جنات اور انسان دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ جتنوں کو دوزخ میں جانا ہے ان میں جن وانس سب ہی ہوں گے اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ۔ یعنی بجز ان لوگوں کے جنہیں اللہ اختلافِ باطل سے محفوظ رکھ لے۔ انما ھو استثناء من المختلفین بالباطل بالاطلاق فی الایمان المؤدی الی الثواب (جصاص) ف١٦٩ مطلب یہ ہوا کہ ان قرآنی قصوں کے مضامین ومطالب ایک تو بجائے خود حق اور واقعی، پھر ایک تو برے کاموں سے رکنے کی نصیحت ان میں ملتی ہے دوسرے اچھے کاموں کی یاد دہانی ان سے ہوتی ہے اور ثباتِ قلب ان سے جو آپ کو حاصل ہوتا ہے وہ اس سب سے الگ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مقبولین کی سرگذشت میں ایک خاص اثر تثبیت قلب وتقویت قلب کا ہے اس لئے مشائخ نے اولیاء صالحین کی حکایات کے جمع کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے ف١٧٠ ظاہر ہے کہ یہ تقریر آخری موقع کی ہے جب اثرات تبلیغ سے بالکل مایوسی ہوجاتی ہے وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ۔ انتظار سے مراد نتائج اعمال کے ظہور کا انتظار ہے۔ ف١٧١ علم اور ملک بھی اسی کا کامل اور اختیار وتصرف بھی اسی کا کامل۔ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ زمین وآسمان کی ہر چھپی ہوئی چیز اللہ ہی کے لئے بہ اعتبار علم بھی اور بہ عتبار ملک بھی۔ ف١٧٢ کوئی فعل کسی کا جیسا اور جس درجہ کا بھی ہو اس کے علم اور قدرت کی گرفت سے باہر نہیں۔ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ۔ یعنی اگر تبلیغ توحید میں اذیت کا احتمال ہو تو اسے خاطر میں نہ لائیے اور یقین یہی جمائے رکھیے کہ تصرفات تکوینی سب کے سب بس اسی کے اختیار میں ہیں۔

وا یعنی ایسی کتاب کہ جس کی عملی تعلیمات میں کسی قسم کا خفاء وابہام نہیں عملی مسائل اس کے صاف سادہ اور متفق علیہ ہیں۔ الٓرٰ۔ ابن عباس صحابی رضی اللہ عنہ سے اس کے معنی انا اللہ اری منقول ہیں۔ یعنی میں اللہ دیکھتا ہوں۔ صرف حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے اور الٓرٰ۔ پر شروع سورہ یونس میں۔ و۲ (اور سمجھ کر اس کی ہدایات پر عمل کرو) عَرَبِيًّا۔ خطاب سارے انسانوں کو ہے نہ کہ صرف اہل عرب کو قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا۔ کے معنی اگر "عربی زبان کا قرآن" کئے جائیں تو دائرہ خطاب سمٹ کر صرف اہل عرب تک محدود رہ جاتا ہے لیکن عربی کے معنی فصاحت سے بیان کرنے والے اور خود کلام فصیح وواضح کے ہیں اور یہاں یہ معنی لینے سے خطاب عامۃ الناس کی طرف رہتا ہے۔ العربی المفصح (راغب) العربی الفصیح البین من الکلام (راغب) التعریب التبیین والایضاح ویقال اعرب عنہ لسانہ وعرّب ای ابان وافصح (تاج) خود عرب کا نام عرب اس لئے پڑا کہ وہ زبان فصیح کے مالک تھے۔ واختلف فی سبب تسمیۃ العرب فقیل لاعراب لسانھم ای ایضاحہ وبیانہ لانہ اشرف الا لسن واوضحھا واعربھا وقد مال الیہ جماعۃ ورجحوہ من وجوہ (تاج) اَنْزَلْنٰهُ۔ ضمیر کتاب کی طرف ہے۔ جس کے اندر قصہ یوسف علیہ السلام مذکور ہے۔ والتقدیر انا انزلنا الکتب الذی فیہ قصۃ یوسف فی حال کونہ قرانا عربیا (کبیر) و۳ یعنی اس قصہ کے صحیح تفصیلات آپ کو نہ اپنے ذوق ووجدان سے معلوم تھے اور نہ کسی راوی یا مورخ کے ذریعہ سے۔ احسن القصص سورہ تقریباً ایک مسلسل قصہ پر شامل ہے۔ اسے بہترین قصہ کیوں فرمایا گیا ہے؟ قصہ سے بہترین اخلاقی سبقوں کا نکلنا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی مختلف اہل تفسیر نے اس کی مختلف توجیہیں اپنے اپنے مذاق کے لحاظ سے کی ہیں...... عجب نہیں جو بڑی وجہ یہ ہو کہ جو متعدد اور مختلف بصیرتیں مختلف قصوں سے مقصود تھیں وہ سب اس میں یکجا کردی گئی ہوں، اور یہ تو بہر حال واقعہ ہے کہ فطرت بشری کی کارفرمائیاں اور اس کے جتنے حقائق واسرار اس ایک سورت میں اکٹھے مل جاتے ہیں ان کے لحاظ سے تو یہ سورت بس اپنی نظیر آپ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ احسن القصص میں یہ پہلو بھی ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور برادران یوسف علیہ السلام کے درمیان جو واقعات پیش آئے وہ اس صورت حال کا نقشہ پیش کر رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے مابین پیش آنے والی تھی۔ نَحْنُ نَقُصُّ۔ عربی کے اس دوہرے صیغۂ متکلم سے مقصود زور دینا اور حصر کر دینا ہے کہ ہم ہی یہ صحیح مستند مفصل واقعات آپ تک پہنچا رہے ہیں یہ کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ مِنْ قَبْلِهٖ۔ یعنی قبل اس کے کہ ہم یہ قرآن آپ کی جانب وحی کریں۔ ای قبل ایحائنا الیک ذلک (روح) و۴ یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام پیمبر زادہ اور خود بھی پیمبر تھے شرف نبوت خاندان میں تین پشتوں سے چلا آرہا تھا زمانہ بقول اغلب ۱۹۱۰ء تا ۱۸۰۰ء ق۔م مولد ومسکن ارض فلسطین میں وادی حبرون تھا جسے اب الخلیل بھی کہتے ہیں اور جو یروشلم سے ۱۸ میل جنوب ومغرب میں واقع ہے۔ ولادت حضرت یعقوب علیہ السلام کے محبوب ترین محل حضرت راحیل علیہا السلام کے بطن سے ہوئی خود بھی حسین وخوبرو اور والد ماجد کی نگاہ میں سب اولاد سے زیادہ محبوب تھے۔ آخر آگے چل کر پیمبر بھی ہونے والے تھے۔ آثار رشد بچپن ہی سے کیونکر نمایاں نہ ہوتے۔ توریت میں ہے:۔ "اسرائیل یوسف کو اپنے سب لڑکوں سے زیادہ پیار کرتا تھا اس لیے کہ وہ اس کے بڑھاپے کا بیٹا تھا اور اس نے اس کے لیے ایک بوقلموں قبا بنائی" (پیدائش ۳:۳۷) لِاَبِيْهِ۔ مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں آپ پر مفصل حاشیہ پارۂ اوّل کے رکوع ۱۶ میں گزر چکا۔ و۵ سٰجِدِيْنَ۔ سجدہ سے یہاں اصطلاحی وشرعی سجدہ مراد نہیں جس کے معنی ایک متعین ومعروف ہیئت کے ساتھ زمین پر ماتھا ٹیکنے کے ہیں بلکہ سجدہ یہاں اپنے اصلی ولغوی مفہوم میں یعنی انقیاد، اطاعت وتذلل کے مرادف آیا ہے۔ اصل السجود التطامن و التذلل (راغب) ساجدین ای متواضعین (مدارک) اِنِّيْ رَاَيْتُ۔ یعنی خواب میں دیکھا۔ رایت رویتؔ سے بھی ہوسکتا ہے اور رؤیا سے بھی لیکن مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں رؤیا ہی سے ہے۔ رایت من الرؤیا لا من الرؤیۃ (کشاف) اور مفسرین کے اتفاق سے قطع نظر خود قرآن مجید کی تصریح اگلی ہی آیت میں آرہی ہے لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ ـــ توریت میں بھی ذکر خوابوں ہی کا ہے۔ رَاَيْتُ...... سٰجِدِيْنَ۔ اجرام سماوی کے اس انحناء کی کیفیت کے تفصیلی ذکر سے قرآن مجید حدیث نبوی بلکہ توریت بھی خاموش ہے البتہ یہ خوب مستحضر رہے کہ یہ منظر بیداری کا نہیں بلکہ خواب کا تھا، جہاں ہر وہ چیز جو تصور یا تخیل میں آسکتی ہے جسم وتمثل کے ساتھ واقعہ بن کر بھی سامنے آجاتی ہے اس لیے اس پر وہ سوالات پیدا ہی نہیں ہوتے جو بیداری کے مشاہدہ پر عائد ہوسکتے تھے مثلاً یہ کہ سورج کے ساتھ چاند اور ستاروں کا اجتماع ممکن کیونکر ہوا؟ وقس علی ہذا۔ یہ بھی واضح رہے کہ قدیم اسرائیلیوں میں سجدہ کمال ادب سے سلام کرنے کا مرادف اور خاص علامت انقیاد تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام جس اہمیت اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے خواب کو تعبیر کے لیے بیان کر رہے ہیں اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام جس طرح اس کی تعبیر دے رہے ہیں اس سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ خواب کوئی ایسی حقیر و ناقابل التفات شے نہیں جیسی کہ آج کی "روشن خیالی" میں بغیر کسی دلیل کے فرض کر لی گئی ہے۔

و۶ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ذہن میں خواب کی تعبیر فوراً آگئی...... آپ اپنے چہیتے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کو منع کرتے ہیں کہ کہیں اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے نہ دہرا دینا وہ بھائی بھی بہر حال خاندان نبوت ہی سے تھے اور تعبیر خواب سے مناسبت رکھتے تھے اور مناسبت نہ بھی رکھتے جب بھی خواب کا مضمون جذبات رشک وحسد کے برانگیختہ کر دینے کو بہر حال کافی تھا۔ اِخْوَتِكَ۔ آپ سے بڑے بھائی آپ کی دوسری ماؤں سے دس تھے گیارہویں بھائی بنیامین آپ ہی کی والدہ کے بطن سے اور آپ سے چھوٹے تھے۔ ان میں سے نبی کوئی بھی نہ تھا۔ يٰبُنَيَّ۔ بُنَيَّ صیغہ تصغیر کا ہے۔ مگر ایسی تصغیر جو

اٰياتها ١١١ — ١٢ سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ ٥٣ — ركوعاتها ١٢

اس میں ۱۱۱ آیتیں — سورۂ یوسف مکی ہے — اور ۱۲ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ

الف۔لام۔را یہ ایک کتاب واضح کی آیتیں ہیں وا بیشک ہم نے اتارا ہے

قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ نَحْنُ نَقُصُّ

قرآن فصیح تاکہ تم (اے) سمجھو و۲ ہم نے جو یہ

عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

قرآن آپ کے پاس وحی سے بھیجا ہے تو ہم ہی اس کے ذریعہ سے آپ سے ایک بہترین

هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ

قصہ بیان کرتے ہیں اور اس کے قبل آپ اس سے (محض)

الْغٰفِلِيْنَ ۞ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ

بے خبر تھے و۳ جب یوسفؑ نے اپنے والد سے کہا و۴ کہ اے باپ میں نے

رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو (خواب میں) دیکھا،

رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۞ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ

دیکھتا کیا ہوں کہ وہ میرے آگے جھک رہے ہیں و۵ وہ بولے اے میرے پیارے بیٹے اپنے (اس) خواب کو

رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ

اپنے بھائیوں کے سامنے نہ بیان کرنا و۶ ورنہ وہ تمہاری (ایذا) کے لئے کوئی چال چل کر رہیں گے و۷

تحقیر پر نہیں بلکہ محبت وشفقت پر مبنی ہو۔ صغره للشفقة ويسمى النحاة مثل هذا التصغير التحبيب (روح) وکے ان بھائیوں کے تعلقات (جیسا کہ دنیا میں اکثر سوتیلے بھائیوں میں ہوتا ہے) آپؑ سے کشیدہ تھے اس کشیدگی کے صحیح اسباب کا علم تو اللہ ہی کو ہے البتہ توریت میں دو سبب لکھے ہوئے ہیں، ایک یہ کہ یوسف علیہ السلام بچپن ہی سے بہت ہی سلیم الطبع تھے نہ صرف یہ کہ خود شرارتوں سے الگ رہتے تھے بلکہ اپنے بھائیوں کی شرارتوں کی رپورٹ بھی اپنے والد ماجد سے کر دیتے تھے:۔ "یوسف علیہ السلام ان کے باپ کے پاس اُن کے برے کاموں کی خبر لاتا تھا"۔ (پیدائش ۲:۳۷) دوسری بات یہ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اُن کے ساتھ محبت غیر معمولی تھی یہ بات بجائے خود دوسروں کو ناگوار گزرتی:۔ "اس کے بھائیوں نے یہ دیکھ کے کہ اس کا باپ اس کے سب بھائیوں سے اسے زیادہ پیار کرتا ہے اس کا کینہ پیدا کیا اور اس سے محبت کی بات نہ کر سکتے تھے۔" (پیدائش ۴:۳۷) لیکن ایک وجہ تو بالکل کھلی ہوئی ہے یعنی بچپن ہی سے آپ کا سعید ورشید ہونا۔ گیارہواں بھائی (جو سوتیلا نہیں حقیقی بھائی تھا) مخالف نہ تھا لیکن اس کی کمسنی کی بنا پر یہ ممکن تھا کہ بڑے بھائی اپنی سازشوں اور منصوبوں میں اس سے بھی فائدہ اٹھاتے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جس کسی سے حسد یا کینہ کا اندیشہ ہو۔ اُس سے اللہ کی نعمتوں کا اخفاء جائز ہے۔ و هو اصل فى جواز ترک فى اظهار النعمة و كتمانه عند من يخشى حسده و ان كان الله قد امر باظهاره (جصاص) و۸ (اے تمہارے بھائیوں کے دل میں وسوسہ ڈالتے کیا دیر لگتی ہے۔ حضرت

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۵﴾ وَ كَذٰلِكَ

بیشک شیطان تو انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے و۸ اور اسی طرح

يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ

تمہارا پروردگار تم کو منتخب کرے گا و۹ اور تمہیں خوابوں کی تعبیر سکھائے گا و۱۰

وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ

اور اپنا انعام تمہارے اوپر اور اولاد یعقوبؑ پر پورا کرے گا جیسا کہ

اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ

وہ اسے اس کے قبل پورا کر چکا ہے تمہارے دادا پردادا ابراہیمؑ و اسحٰقؑ

وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶﴾ؒ لَقَدْ كَانَ

پر بیشک تمہارا پروردگار بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے و۱۱ یقیناً

فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۷﴾

یوسفؑ اور ان کے بھائیوں (کے قصہ) میں نشانیاں (موجود) ہیں پوچھنے والوں کے لئے و۱۲

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا

(وہ وقت قابل ذکر ہے) جب وہ (سوتیلے) بھائی بولے کہ یوسفؑ اور ان کا (حقیقی) بھائی ہمارے باپ کو ہم سے

مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ

کہیں زیادہ پیارے ہیں و۱۳ درآنحالیکہ ہم ایک (پوری) جماعت ہیں، و۱۴ بیشک ہمارے باپ تو بالکل

مُّبِيْنٍ ﴿۸﴾ۚۖ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا

بہک گئے ہیں و۱۵ (لاؤ) یوسفؑ کو قتل کر ڈالو یا انہیں کسی سر زمین پر ڈال آؤ

يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ

تو تمہارے لئے تمہارے باپ کا رخ (خالص) ہو جائے گا اور اس کے بعد تمہارے سب کام

یعقوب علیہ السلام کا یہ خیال ہی خیال نہ تھا۔ توریت میں ہے کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کا خواب سن کر زبان سے بھی اپنے غصہ کا اظہار کر ڈالا:۔ "تب اُس کے بھائیوں نے اُسے کہا کہ کیا تو سچ مچ ہمارا بادشاہ ہوگا یا تو ہمارا حاکم ہوگا۔ اور انہوں نے اس کے خوابوں اور اس کی باتوں سے اس کا زیادہ کینہ پیدا کیا"۔ (پیدائش ۸:۳۷) توریت کی یہ روایت بھی اگرچہ حسب معمول تحریفات سے پر ہے، تاہم جا بجا اس سے قرآنی صداقتوں کی توثیق بھی ہوتی جاتی ہے۔ آیت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ شیطان کے اثر اور کینہ کے اخلاقی مرض سے محفوظ رکھنے کے لیے پیمبر زادگی ہرگز کافی نہیں۔ چہ جائیکہ مشائخ وصالحین کی اولاد میں سے ہونا! و۹ (اے یوسف نبوت کے لیے) قال الحسن يجتبيك ربک بالنبوة (کبیر) كَذٰلِكَ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ جس طرح اس خواب کے ذریعہ سے تمہاری آئندہ عزت افزائی کی ایک جھلک تمہیں دکھا دی گئی ہے اور اشارہ کر دیا گیا ہے کہ تمہیں اپنے گیارہ بھائیوں اور ماں باپ پر سرداری حاصل ہوگی، اس طرح اور بھی عزتیں تمہارے لیے پردۂ غیب میں منتظر ہیں۔ و۱۰ خوابوں کی صحیح تعبیر بھی اللہ کی ایک نعمت ہے اگرچہ اس نعمت میں زندگی رزق صحت، دولت وغیرہ دوسری نعمتوں کی طرح مسلم کے ساتھ غیر مسلم بھی شریک ہوں۔ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ۔ کے عام و متداول معنی تو تعبیر خواب ہی کے ہیں۔ قال مجاهد والسدى تاويل الاحاديث عبارة الرؤيا (بحر) و ذلک تعبير الرؤيا (ابن جریر) لیکن احادیث کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے علم وحکمت وفہم مسائل وغیرہ سب اس میں داخل ہیں۔ قال الحسن عواقب الامور (بحر) قال ابن زيد العلم والحكمة (بحر) و يجوزان يرادبتاويل الاحاديث معانى كتب الله و سنن الانبياء و ما غمض و اشتبه علم الناس فى اغراضها و مقاصدها يفسرهالهم و يشرحها (کشاف) خواب کی بنا پر آئندہ کے واقعات تکوینی کے مکشوف ہو جانے کا نام غیب دانی نہیں۔ و۱۱ وہ علیم کل ہر ایک کے ظرف واستعداد سے بھی خوب واقف ہے اور صفت حکمت کے تقاضے سے ہر ایک کے مناسب حال عطائے فیض کرنے والا بھی ہے۔ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ۔ ال يعقوب بنی اسرائیل کا مرادف ہے اور آیت کے ان الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ برادران یوسف علیہ السلام کو بھی نبوت ملی ہو۔ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ۔ اتمام نعمت کے تحت میں ساری دنیوی و اُخروی نعمتیں آ گئیں۔ كَمَا...... اِسْحٰقَ۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اتمام نعمت کے موقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنا ذکر تواضعاً نہیں فرمایا۔ اِبْرٰهِيْمَ۔ اِسْحٰقَ۔ دونوں پر حاشیے پارۂ اوّل کے آخر میں گزر چکے۔ و۱۲ یعنی عام طالبانِ حق اور جویندگانِ علم کے لیے عموماً اور اُن اہل کتاب کے لیے خصوصاً جنہوں نے امتحان کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں سوال کیا تھا۔ اٰيٰتٌ۔ یعنی حق تعالیٰ کے کمال قدرت وحکمت کی نشانیاں...... مطلب یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے باہمی معاملات سے بڑے بڑے اخلاقی اور دینی سبق حاصل ہو سکتے ہیں اگر کوئی لینا چاہے۔ و۱۳ یعنی یوسف علیہ السلام اصلاً اور ان کے بھائی بنیامین حبعاً۔ توریت میں ان کے بھائی کا نام بنیامین درج ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ شیخ کو جائز ہے کہ کسی مرید کے ساتھ دوسرے مریدوں سے زیادہ شفقت واختصاص رکھے جبکہ اس میں آثار رشد دوسروں سے زائد پائے۔ و۱۴ (پس تعداد وقوت دونوں کی بنا پر قدر ہماری ہونا چاہیے نہ کہ ان دو کمسن نادانوں کی جو باپ کے کسی کام بھی تو نہیں آ سکتے) یہ گفتگو ان دسوں بھائیوں میں آپس میں ہوئی...... تمدن کی اس منزل میں اولاد کی تعداد اور قوت اہمیت کا جو درجہ رکھتی تھی وہ آج خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ و۱۵ (کہ خود اپنے نفع ونقصان کا اندازہ نہیں کرتے) ضَلٰلٍ۔ سے مراد کوئی دینی اعتقادی یا اخلاقی گمراہی نہیں بلکہ محض دنیوی کم اندیشی وکم فہمی مراد ہے۔ المراد منه الضلال من رعاية المصالح فى الدنيا لا البعد عن طريق الرشد والصواب (کبیر) يعنون عن صواب الرائى (جصاص) اپنے حق میں کمال حسن ظن اور اپنے بزرگوں کی فہم سے سوءظن رکھنا عام بشری کمزوری ہے اور یہ پیمبر زادے اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ بعض اوقات مریدوں کو بھی شیخ پر خطائے اجتہادی کا ایسا ہی گمان ہوتا ہے جیسا ان بھائیوں کو حضرت یعقوب علیہ السلام پر ہوا تھا۔

و۱۶ (اور یہ قضیہ نامرضیہ باقی ہی نہ رہ جائے گا) ای صالحین فی امر دنیاکم فانه ینتظم لکم بعده (روح) انسان دشمنی کے عالم میں کتنی دور تک جاسکتا تھا اور بدخواہی کے کن حدود تک پہنچ سکتا ہے یہ ان تجویزوں سے بالکل ظاہر ہورہا ہے۔ اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ۔ جس طرح کمیٹی یا جلسۂ شوریٰ میں مختلف تجویزیں اور مشورے پیش ہوتے رہتے ہیں یہاں بھی مختلف سمتوں سے یہ تجویزیں پیش ہورہی تھیں۔ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ۔ کی دوسری تفسیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس کے بعد اپنی اس حرکت سے توبہ کرکے بھلے آدمی بن جانا...... اور اکثر مفسرین نے اسی پہلو کو اختیار کیا ہے۔ ای بالتوبة والتنصل الی اللہ تعالٰی عما جنتم به من الذنب والیه ذهب الجمهور (روح) مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی یہ یوسف علیہ السلام کا قصہ پاک کرنے کے بعد۔ ای بعد یوسف علی معنی بعد الفراغ من امرہ (روح) و۱۷ یعنی واقعی اگر کچھ کرنا ہے تو اس کی تدبیر یہی ہے کہ یوسف علیہ السلام کو یہاں سے یوں دفع کرو۔ مقصد بھی حاصل ہوجائے گا اور خون ناحق کے الزام سے بھی بچ جاؤ گے۔ اَلْقُوْهُ...... السَّيَّارَةِ۔ کنوئیں اس زمانہ اور اس سطح تمدن میں عموماً ایسے موقعوں پر ہوتے تھے جو عام رہگذر ہوں۔ قافلے جب ان کے پاس سے گذرتے تو ضرور پانی بھرتے اور یہ تاریخ کی ایک معلوم حقیقت ہے کہ فلسطین کے جنوبی مشرقی علاقہ میں تجارتی قافلوں کی آمدورفت ایک طرف فلسطین اور مصر کے اور دوسری طرف عرب ومصر کے درمیان برابر رہا کرتی تھی۔ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ۔ سے بعض اہل تفسیر نے یہ استنباط کیا ہے کہ جس نے قتل کی رائے دی تھی وہ ان بھائیوں میں سے نہ تھا کوئی غیر تھا۔ و۱۸ (اور کبھی انہیں ہمارے ساتھ سیر وشکار کے لئے نہیں بھیجتے) جب باہم مشورہ سے وہ خاص صورت طے پا گئی تو اب سب مل کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گفتگو شروع کی توریت میں جہاں اور مسخ شدہ روایتیں ہیں اس روایت کو بھی بالکل خلط ملط کر کے درج کیا ہے۔ توریت کا بیان ہے کہ یوسف خود ہی اپنے باپ کے فرستادہ اپنے بھائیوں کے پاس جنگل میں پہنچے جہاں وہ اپنے گلے چرا رہے تھے اور ان کے قتل وغیرہ کے منصوبے وہیں ہوئے:۔ ”اور جونہی انہوں نے اسے دور سے دیکھا اس سے پہلے کہ وہ نزدیک پہنچے اس کے قتل کا منصوبہ باندھا اور ایک نے دوسرے سے کہا دیکھو یہ صاحب خواب آتا ہے سو آؤ اب ہم اسے مار ڈالیں اور کسی کنوئیں میں ڈال دیں اور کہیں کہ کوئی بڑا درندہ اسے کھا گیا اور دیکھیں کہ اس کے خوابوں کا انجام کیا ہوگا۔ تب روبن نے سن کر اس کو ان کے ہاتھوں سے بچایا اور بولا چاہیے کہ ہم اسے قتل نہ کریں اور ان سے کہا خونریزی نہ کرو بلکہ اسے اس کنوئیں میں جو بیابان میں ہے ڈال دو اور اس پر ہاتھ نہ ڈالو تاکہ وہ ان کے ہاتھوں سے بچا کے اس کے باپ تک پہنچا دے۔“ (پیدائش ۳۷:۱۸۔۲۲) و۱۹ توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ گلے چرانے جنگل جایا کرتے تھے محافظت کا وعدہ اس لئے کیا کہ جنگل پُرخطر جانوروں سے بھرے ہوئے تھے اور یوسف علیہ السلام ابھی کم سن بھی تھے۔ دشمنی کی حالت میں باتیں دل سے گڑھ لینا سخن سازی کی مشق کرلینا بناوٹی زندگی اختیار کرلینا فطرت بشری کے لحاظ سے ذرا بھی مستبعد نہیں۔ يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ سیر وتفریح جائز کھیل ہیں۔ وفی الأیة دلالة علی ان اللعب الذی ذکروہ کان مباحًا لولا ذٰلک لانکرہ یعقوب علیه السلام (جصاص) المراد من اللعب الاقدام علی المباحات وھٰذا یوصف به الانسان (کبیر) مطلق کھیل اور تفریح اگر اس کے اندر کوئی جز معصیت کا نہ ہو بالکل جائز ہے اور ملاعبت کا جواز صریح تو حدیث نبوی میں موجود ہے۔ جاز ان یکون المراد من اللعب الاقدام علی المباحات لاجل انشراح الصدر کما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال لجابر فھلا بکرًا تلاعبھا وتلاعبک (کبیر) و۲۰ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک تو یوسف علیہ السلام کی جدائی ہی مجھے شاق ہے اور پھر یہ اندیشہ بھی لگا ہوا ہے کہ تم لوگ تو جاکر اپنے مشاغل میں لگ جاؤ گے ایسا نہ ہو کہ اسے اکیلا چھوڑ جاؤ اور کہیں کوئی بھیڑیا آکر اٹھا لے جائے۔ ارض فلسطین کے جنگلوں میں بھیڑیئے اب تو خال خال رہ گئے ہیں لیکن قدیم زمانہ میں یہ وہاں کے جنگلوں میں خاص طور سے آباد تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۷ صفحہ ۱۲۰ طبع چہاردہم) حضرت یعقوب علیہ السلام تو بہرحال نبی تھے اتنی فراست ایمانی سے کام ایک عام مومن بھی لے سکتا ہے۔ لَيَحْزُنُنِيْٓ۔ اَخَافُ ۔ آیت میں حزن اور خوف دونوں کا اثبات حضرت یعقوب علیہ السلام پیمبر کے حق میں ہے اس سے ظاہر ہے کہ ان کیفیات طبعی کا طاری ہونا کاملین کے لئے ان کے کمال کے منافی نہیں۔ و۲۱ روایات یہود میں تصریح کے ساتھ آتا ہے کہ یہ برادرانِ یوسف علیہ السلام بڑے تنومند وقوی ہیکل تھے اپنی قوت وتعداد دونوں پر ان کا ناز کچھ بے جا نہ تھا۔ و۲۲ (اور اس پر عمل بھی کرگزرے) توریت میں ہے:۔ ”اور یوں ہوا کہ یوسف جب اپنے بھائیوں کے پاس آیا تو انہوں نے اس کی قبا کو یعنی بوقلمون قبا کو جو وہ پہنے تھا اتار کے اسے ننگا کیا اور اسے لے کے کنوئیں میں ڈال دیا وہ کنواں اندھا تھا اس میں ایک بوند پانی نہ تھا۔“ (پیدائش ۳۷:۲۳۔۲۴) فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ۔ قیل وقال کے بعد بالآخر حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لے جانے کی اجازت ان کے حسب زبان بھائیوں کو دے دی تھی۔

قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ﴿۹﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا

بن جائیں گے و۱۶ (اتنے میں) انہی میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل نہ

يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ

کرو بلکہ انہیں (ایسے) اندھیرے کنوئیں میں ڈال دو کہ انہیں کوئی راہگیر

بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا

نکال لے جائے اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو و۱۷ وہ بولے

يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا

اے ہمارے ابا جان آپ کو یہ کیا ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے و۱۸ درآنحالیکہ ہم تو

لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ

ان کے بڑے خیر خواہ ہیں، انہیں کل ہمارے ساتھ بھیج دیجیے کہ وہ ذرا، کھائیں کھیلیں،

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ

اور ہم ان کے محافظ تو ہیں ہی و۱۹ (یعقوبؑ نے) کہا کہ (ایک تو) مجھے یہی رنج ہوگا کہ تم

تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ

اس کو لئے جاتے ہو اور (پھر) مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں اس کو بھیڑیا کھا جائے اور تم

عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ

اس کی طرف سے بے خبر رہو و۲۰ وہ بولے اگر ان کو بھیڑیا کھا جائے اور ہم

عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ

ایک پوری جماعت موجود ہوں تو ہم بالکل گئے گذرے ہی ہوئے و۲۱ سو جب وہ ان کو لے گئے

وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ

اور پختہ ارادہ کرلیا کہ انہیں اندھیرے کنوئیں میں ڈال دیں و۲۲

وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ

اور ہم نے (یوسفؑ پر) وحی کی کہ تم (ایک روز) ان لوگوں کو ان کی یہ بات جتلاؤ گے اور (اس وقت)

لَا يَشْعُرُوْنَ ⑮ وَ جَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ⑯

وہ جانتے بھی نہ ہوں گے ف۲۳ اور یہ لوگ اپنے باپ کے پاس شروع رات میں روتے ہوئے پہنچے ف۲۴

قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا يُوْسُفَ

بولے اے ہمارے باپ ہم سب تو آپس میں دوڑنے میں لگ گئے اور ہم نے یوسف کو اپنے

عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ

سامان کے پاس چھوڑ دیا تو بھیڑیا انہیں کھا گیا اور آپ تو ہمارا یقین کریں گے

لَّنَا وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ⑰ وَ جَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ

نہیں گو ہم (کیسے ہی) سچے ہوں ف۲۵ اور ان کے کرتہ پر

بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ

جھوٹ موٹ کا خون (بھی) لگا لائے (اس پر یعقوبؑ) بولے ہاں (یہ کہو کہ) تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا

ہے ف۲۶ سو صبر (ہی) اچھا ہے اور تم جو کچھ بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی

تَصِفُوْنَ ⑱ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ

مدد کرے ف۲۷ اور ایک قافلہ آ نکلا ف۲۸ سو ان لوگوں نے اپنا سقہ بھیجا

فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَ اَسَرُّوْهُ

اور اس نے اپنا ڈول ڈالا اور بول اٹھا ارے واہ واہ یہ تو ایک لڑکا نکل آیا ف۲۹ اور انہوں نے اسے مال تجارت

بِضَاعَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ⑲ وَ شَرَوْهُ

(قرار دے کر) چھپا لیا اور اللہ خوب واقف تھا جو کچھ وہ (سب) کر رہے تھے۔ ف۳۰ اور انہوں نے یوسف کو

ف۲۳ رحمت الٰہی نے اس وقت بھی حضرت یوسف علیہ السلام کا ساتھ نہیں چھوڑا عین جس وقت کہ کنوئیں میں گر رہے تھے۔ غیب سے الہام ہوا کہ شکستہ دل وملول نہ ہو خوف نہ کرو ان کے کید سے تمہیں رہائی مل کر رہے گی اور ایک روز وہ آئے گا کہ تم ان کی حرکتیں انہیں یاد دلاؤ گے اور یہ تمہیں پہچانیں گے تک نہیں تم اس وقت ایسے ممتاز مرتبہ پر ہو گے۔ توریت کا قصہ قرآن کے ان بلند ٹکڑوں سے بالکل خالی ہے۔ وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ۔ اس وحی سے وحی اصطلاحی مراد نہیں جو حضرات انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے یہ وحی الہام کے معنیٰ میں ہے جو غیر نبی کو یا نبی کو قبل نبوت ہوتا رہتا ہے وھو وحی الھام (بحر عن مجاہد) ف۲۴ (اپنا مصنوعی رنج والم ظاہر کرنے کو) یہ لوگ گھر روزانہ شام کو واپس آتے ہوں گے آج ذرا اور دیر کر کے آئے یہ ظاہر کرنے کو کہ اتنی دیر یوسف علیہ السلام کی تلاش کرنے میں لگی۔ ایک جرم کو نباہنے کے لئے دوسرے جرائم تک فطرتِ بشری مجرم کو ناگزیر طور پر لے جاتی ہے۔ ف۲۵ حضرت یعقوب علیہ السلام کا اندیشہ صحیح نکلا۔ برادران یوسف علیہ السلام نے آکر ایک لگتی ہوئی کہانی گڑھ کے بیان کر دی۔ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ۔ یہ نوجوان یا تو شکار کے پیچھے دوڑتے ہوئے نکل گئے ہوں گے یا محض آپس میں دوڑ کا کھیل کھیل رہے ہوں گے۔ یا یہ کچھ بھی سرے سے نہ ہوا ہو سب بناوٹ ہی بناوٹ ہو۔ ف۲۶ توریت میں اس کے برعکس قصہ یوں درج ہے:۔ ”پھر انہوں نے یوسف علیہ السلام کی قبا کو لیا اور ایک بکری کا بچہ مارا اور اسے اس کے لہو میں تر کیا اور انہوں نے اس بوقلموں قبا کو بھیجا اور اپنے باپ کے پاس لے آئے اور کہا کہ ہم نے اسے پایا۔ آپ اسے پہچانئے کہ یہ آپ کے بیٹے کی قبا ہے کہ نہیں۔ اور اس نے اسے پہچانا اور کہا کہ یہ میرے بیٹے کی قبا ہے کوئی بڑا درندہ اسے کھا گیا۔ یوسف بے شک پھاڑا گیا۔“ (پیدائش ۳۷:۳۱۔۳۳) گویا حسب بیان توریت پیمبر علیہ السلام نے ان فسوں سازوں کے دعوائے باطل کو بالکل تسلیم کر لیا تھا!...... قرآن مجید نے حسب معمول توریت کی اس غلط بیانی کی بھی تردید کر دی۔ ف۲۷ (کہ مجھے توفیق صبر دے) فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ۔ فقرہ مبتداء بھی ہو سکتا ہے اور خبر بھی تقدیر کلام دونوں طرح جائز ہے۔ ای فامری صبر جمیل اور فصبر جمیل اجمل (بیضاوی) ای فامری صبر جمیل او فصبری صبر جمیل (روح) بڑی سی بڑی مصیبت کے وقت بھی اگر ذہن میں اس کا استحضار رہے کہ یہ ابتلاء حضرت حق کی طرف سے ہے جو ہر طرح حکیم بھی ہیں اور ہر طرح رحیم وشفیق بھی تو ظاہر ہے کہ انتہائی رنج طبعی کے ساتھ یہ تسکین عقلی بھی ضرور شامل رہے گی کہ بہرحال ہماری ہی ہر طرح کی مصلحتیں اس سے وابستہ ہیں صبر جمیل اسی کا نام ہے اور اس کے حقدار ایک پیمبر برحق نہ ہوتے تو اور کون ہوتا۔ اس صبر جمیل کے بجائے توریت میں ہے:۔ ”تب یعقوب علیہ السلام نے اپنے کپڑے پھاڑے اور ٹاٹ اپنے کولے پر ڈالا اور بہت دن تک اپنے بیٹے کے لئے غم کیا۔“ (پیدائش ۳۷:۳۴) ف۲۸ (اس کنوئیں کے پاس سے جہاں یوسف علیہ السلام مقید تھے اور وہ قافلہ یمن یا مصر کو جا رہا تھا) توریت میں یہ تصریح ہے کہ یہ قافلہ بنی اسمٰعیل کا تھا۔ اور ”وہ روٹی کھانے بیٹھے اور آنکھ اٹھائی اور دیکھا کہ اسمٰعیلیوں کا ایک قافلہ صنعاء سے گرم مصالح اور روغن بلسان اور مُر اونٹوں پر لادے ہوئے آتا ہے کہ انہیں مصر کو لے جائیں۔“ (پیدائش ۳۷:۲۵) ف۲۹ اور سارے قافلہ والے قدرۃً بڑے خوش ہوئے۔ غُلٰمٌ۔ کی تنوین اگر تفخیم کے لئے سمجھی جائے تو ترجمہ ہوگا ”ایک بڑا اچھا لڑکا“۔ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ۔ حضرت یوسف علیہ السلام اسی کنوئیں میں تھے چنانچہ آپ رسی کو تھام کر باہر آگئے۔ ف۳۰ یعنی اس کی نظر سے نہ برادرانِ یوسف کی کارروائیاں پوشیدہ تھیں، نہ اہل قافلہ کی۔ بردہ فروشی کا رواج اس وقت عام تھا۔ یہ تجارتی قافلہ والے آخر کاروباری لوگ تھے دل میں بڑے خوش ہوئے کہ ایسے خوش جمال لڑکے کو خوب گراں قیمت پر فروخت کریں گے۔

بِثَمَنٍ بَخۡسٍ دَرَاهِمَ مَعۡدُوۡدَةٍ ۚ وَكَانُوۡا فِيۡهِ

بہت کم قیمت پر گنتی کے چند درہم کے عوض فروخت کر دیا ف۳۱ اور وہ ان کے بارے میں

مِنَ الزَّاهِدِيۡنَ ۝۲۰ ع وَ قَالَ الَّذِى اشۡتَرٰىهُ مِنۡ

بیزار (سے) تھے ف۳۲ اور جس نے انہیں مصر میں خریدا تھا

مِّصۡرَ لِامۡرَاَتِهٖۤ اَكۡرِمِىۡ مَثۡوٰىهُ عَسٰۤى اَنۡ يَّنۡفَعَنَاۤ

اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے خاطر میں رکھنا کیا عجب کہ ہمارے کام آوے

اَوۡ نَـتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوۡسُفَ

اور یا ہم اس کو بیٹا ہی بنا لیں ف۳۳ اور اسی طرح ہم نے یوسف کو (اس) سرزمین میں

فِى الۡاَرۡضِ ۡ وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ ؕ

خوب تمکین دی تاکہ ہم انہیں خوابوں کی تعبیر کی تعلیم دیں ف۳۴

وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمۡرِهٖ وَ لٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ

اور اللہ اپنے (ہر) کام پر غالب ہے لیکن اکثر انسان (اتنا بھی)

لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۲۱ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا

نہیں جانتے ف۳۵ اور جب وہ اپنی پختگی کو پہنچے ہم نے انہیں حکومت اور علم

وَّ عِلۡمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝۲۲

عطا فرمایا اور اسی طرح ہم نیک کاروں کو عوض دیا کرتے ہیں ف۳۶

وَ رَاوَدَتۡهُ الَّتِىۡ هُوَ فِىۡ بَيۡتِهَا عَنۡ نَّـفۡسِهٖ

اور جس عورت کے گھر میں وہ تھے وہ انہیں اپنا مطلب حاصل کرنے کو پھسلانے لگی

وَ غَلَّقَتِ الۡاَبۡوَابَ وَ قَالَتۡ هَيۡتَ لَكَ ؕ قَالَ

اور دروازے بند کر لئے اور بولی کہ بس آ جاؤ ف۳۷ یوسف نے کہا

ف۳۱ برادرانِ یوسف کو اس اثناء میں اطلاع مل گئی تھی دوڑے ہوئے آئے اور قافلہ والوں سے کہا یہ تو ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ برادرانِ یوسف کو یوسف علیہ السلام کی جان سے کوئی دشمنی نہ تھی وہ تو صرف اپنے والد ماجد کے پاس سے ہٹا دینے کے درپے تھے کہ ان کے بعد خود ان کے منظورِ نظر ہو کر رہیں۔ دَرَاهِمَ مَعۡدُوۡدَةٍ۔ توریت کا بیان ہے کہ یہ رقم ۲۰ روپیہ تھی۔ (پیدائش ۳۷: ۲۸) دراھم میں اشارہ اس طرف ہو گیا کہ قیمت میں چاندی ہی کے کچھ سکے ملے نہ کہ سونے کے دینار۔ بعض علماء نے یہاں یہ لکھا ہے کہ جب برادرانِ یوسف نے آپؑ کو اپنا غلام بیان کیا ہے تو ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس پر خاموش رہے حالانکہ حُر (آزاد) کی بیع شریعت اسلامی میں جائز نہیں اس سے مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ خوف ضرر سے امر منکر سے انکار نہ کرنا اس پر سکوت اختیار کرنا منافی کمال نہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”تب یہوداہ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر ہم اپنے بھائی کو مار ڈالیں اور اس کا خون چھپا دیں تو کیا نفع ہوگا آؤ اسے اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بیچیں اور اس پر اپنے ہاتھ نہ ڈالیں کہ وہ ہمارا بھائی اور گوشت ہے اور اس کے بھائی راضی ہوئے“ (پیدائش ۳۷: ۲۶۔۲۷) ف۳۲ یعنی انہیں کچھ تجارت تو مقصود تھی نہیں جو کچھ وہ دام بڑھاتے انہیں مقصود تو اپنے خیال کیمطابق اپنے پاس سے ایک بلا کا دور کرنا تھا اونے پونے جو کچھ بھی دام مل گئے اسے غنیمت سمجھے۔ كَانُوۡا۔ کی ضمیر اکثر نے بھائیوں کی جانب لی ہے اور یہی لگتی ہوئی بھی ہے۔ والضمیر فی و کانوا ان کان للاخوۃ فظاھر (روح) ف۳۳ یہ میاں بیوی لاولد تھے اور اولاد کی تمنا رکھتے تھے۔ یوسف علیہ السلام کی خاطر داریوں کا ذکر توریت میں بھی ہے:۔ ”اور خداوند یوسف کے ساتھ تھا اور وہ صاحب اقبال ہوا۔ سو وہ اپنے مصری آقا کے گھر میں رہا اور اس کے آقا نے دیکھا کہ خداوند اس کے ساتھ ہے اور یہ کہ خداوند نے اس کے سب کاموں میں اسے اقبال مند کیا چنانچہ یوسف علیہ السلام اس کی نظر میں مورد لطف ہوا اور اس نے اس کی خدمت کی، اور اس نے اسے اپنے گھر کا مختار کیا اور سب جو کچھ کہ اس کا تھا اس کے قبضہ میں کر دیا۔“ (پیدائش ۳۹: ۲۔۵) اَلَّذِى اشۡتَرٰىهُ مِنۡ مِّصۡرَ۔ قافلہ والے یوسف علیہ السلام کو اپنے ہمراہ لائے اور ملک مصر میں بہ حیثیت غلام کے فروخت کیا یہاں جس نے اچھی قیمت دے کر ایسے ہونہار اور صاحب آثار رشد غلام کو خرید کیا وہ حکومت مصر کا ایک بڑا عہدہ دار تھا۔ توریت میں اس عہدہ دار کو فوطیفار کہا گیا ہے اور قرآن مجید نے آگے چل کر اسی کو عربی زبان میں عزیز سے تعبیر کیا ہے۔ توریت میں ہے:۔ ”اور مدیانیوں نے اسے مصر میں فوطیفار کے ہاتھ جو فرعون کا ایک امیر اور لشکر کا رئیس تھا بیچا۔“ (پیدائش ۳۷: ۳۶) ”یوسف کو مصر میں لائے اور فوطیفار مصری نے جو فرعونی امیر اور بادشاہ کے جلوداروں کا سردار تھا اسے اسماعیلیوں کے ہاتھ سے جو اسے وہاں لائے تھے مول لے لیا۔“ (پیدائش ۳۹: ۱) من مصر یہاں تو مضاف اھل مصر کے قبل محذوف ہے اور یا خود من کو فی کے معنی میں لے لیا جائے۔ لِامۡرَاَتِهٖ۔ عزیز کی اس بیوی کا نام توریت میں تو نہیں البتہ روایات یہود میں زلیخا آیا ہے اور وہیں سے مسلمانوں میں بھی چل پڑا ان کے لئے عام طور پر مشہور یہ ہے کہ یہ بعد کو حضرت یوسف علیہ السلام کے عقد نکاح میں آ گئی تھیں لیکن اس کی سند نہ قرآن مجید سے ملتی ہے نہ حدیث صحیح سے نہ توریت سے ف۳۴ (جو آگے چل کر ان کے کام آئے گی) مطلب یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام کے نجات دینے سے ہماری غرض یہ تھی کہ ہم انہیں مادی و روحانی ہر انعام سے مالا مال کریں۔ كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح ہم انہیں پہلے اندھیرے کنوؤں سے نجات دلا چکے تھے اسی طرح اب ایک بڑے سردار حکومت کے گھر میں جگہ دے کر۔ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ۔ پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔ الفاظ قرآن کی جامعیت اور عموم حضرت یوسف علیہ السلام کے ہر قسم کے انتظامی تجربہ اور واقفیت تدبیر منزل پر شامل ہے محض خوابوں کی تعبیر تک محدود نہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”اور یوں ہوا کہ جس وقت سے اس نے اسے گھر پر اور اپنی سب چیزوں پر مختار کیا خداوند نے اس مصری کے گھر میں یوسف کے سبب سے برکت بخشی اور اس کی سب چیزوں میں جو گھر میں اور کھیت میں تھیں خداوند کی طرف سے برکت ہوئی اور اس نے اپنا سب کچھ یوسف علیہ السلام کے قبضہ میں کر دیا اور اس نے روٹی کے سوا جسے کھا لیتا تھا کسی چیز سے کام نہ رکھا اور یوسف خوبصورت اور نور پیکر تھا۔“ (پیدائش ۳۹: ۴۔۶) ف۳۵ دنیا کی مشرک اور جاہلی قومیں (اور اکثریت انہی کی ہے) اللہ کی اس صفت یعنی قدرت کاملہ سے متعلق طرح طرح کے غلط تصورات اور لغو عقاید میں مبتلا ہیں۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمۡرِهٖ۔ جو امور عقل انسان کو مستبعد معلوم ہوتے ہیں اللہ ان کا سامان بھی خفی اور لطیف طریقوں سے کر دیتا ہے۔ ف۳۶ قرآن مجید کا یہ ایک عام و حکیمانہ اسلوب بیان ہے کہ کسی جزئی اور مخصوص واقعہ کا ذکر کرتے کرتے معاً اس کا عام قانون بھی بیان کر دیتا ہے چنانچہ یہاں بھی یہ ارشاد ہو گیا کہ یہ دینی و دنیوی اکرام و اعزاز یوسف علیہ السلام کے خواص ذاتی میں سے نہ تھا بلکہ جو کوئی بھی ایمان و حسن عمل کو اپنا شعار رکھے وہ انعامات سے سرفراز کیا جائے گا۔ اَشُدَّهٗ۔ اس پختگی عمر کی تعیین میں متعدد قول نقل ہوئے ہیں تاہم ۲۰ سال سے کم کا کوئی قول سلف سے منقول نہیں البتہ ابن جریر نے ۱۸ سال کو بھی اس کا ایک ممکن مصداق بتایا ہے۔ حُكۡمًا وَّ عِلۡمًا۔ حکم سے مراد عام طور پر دنیوی قوت و اقتدار اور علم سے مراد نبوت لی گئی ہے۔ ف۳۷ یہ عورت جو سن میں یقیناً یوسف علیہ السلام سے بڑی ہو گی جیسا کہ آیۂ کریمہ اونتخذہ ولداً سے اشارۃً ظاہر ہو رہا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہو گئی یہاں تک کہ ان سے تعلق ناجائز پیدا کرنے پر تل گئی...... حرامکاری آج تہذیب فرنگ میں عورت کے لئے کب عیب ہے جو اس کا عیب ہونا مصر جاہلی تہذیب میں فرض کر لیا جائے؟ الَّتِىۡ هُوَ فِىۡ بَيۡتِهَا۔ قرآن مجید صاف بیتھا (اس عورت کا گھر) فرما رہا ہے۔ بیتہ (عزیز کا گھر) نہیں کہتا...... مصری تمدن میں عورت بڑی حد تک ”آزاد“ و خود مختار تھی۔ رَاوَدَتۡهُ...... هَيۡتَ لَكَ۔

توریت میں ہے:۔ ''اور اس کے بعد یوں ہوا کہ اس کے آقا کی جورو کی آنکھ یوسف پر لگی اور وہ بولی کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو۔'' (پیدائش ۳۹:۷) ''اور وہ ہر چند یوسف کو روز روز کہتی رہی، پر اس نے ایک نہ سنی کہ اس کے ساتھ سوئے یا اس کے ساتھ رہے۔'' (پیدائش ۳۹:۱۰) ف۳۸ (کہ میں اتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کروں) حضرت یوسف علیہ السلام کا اس فرمائش حرامکاری کے جواب میں پہلا اور اصلی جواب یہی ہے کہ یہ معصیت بہر حال پناہ مانگنے کے قابل ہے۔ وھٰذا اجتناب منه عليه السلام علی اتم الوجوہ واشارة الی التعلیل بانه منکر ھائل یجب ان یعاذ باللہ (روح) ف۳۹ (اس کے ناموس میں خیانت کی جرات کس طرح کرسکتا ہوں) اِنَّهٗ۔ میں ضمیر زلیخا کے شوہر عزیز مصر کی جانب ہے۔ رَبِّیْ۔ لفظ رب ظاہر ہے کہ یہاں خالق و پروردگار کے معنی میں نہیں دنیوی مالک اور آقائے مجازی کے معنی ہی میں ہے۔ کل من ملک شیئا فھو ربه (ابو البقاء) ولا یقال الرب مطلقا الا للہ تعالیٰ وبالاضافة یقال له ولغیرہ (راغب) حضرات انبیاء (قبل نبوت بھی) شاعر نہیں ہوتے ان کی زبان حقیقت سے خالی اور شاعرانہ نہیں ہوتی تمامتر حقایق کی ترجمان ہوتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت جس کی رعایا بلکہ غلام یا مملوک تھے اس کے لئے یہ کہتے ہوئے بھی آپ کو مطلق عار نہ تھا آج کل کے پرجوش خطیبوں کا سا انداز بیان ان کا نہیں ہوتا کہ سرتاسر محکوم اور رعیت ہوکر زبان سے بڑے بڑے شاندار الفاظ اس کے برعکس ادا کیا کریں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ محسن اگرچہ کافر ہو جب بھی اس کی رعایت کرنا چاہیے اور اہل طریق اس باب میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا دوسرا اور تائیدی جواب ہوا اور فہم مخاطب کے لحاظ سے بہت اہم۔ آپ فرما رہے ہیں کہ حرامکاری ایک تو بجائے خود کیسی شدید معصیت اور پھر وہ بھی کس کے ساتھ؟! اپنے ہی آقا کے حرم کے ساتھ۔ بہت سے جاہلی مذہبوں میں زنا کاری بجائے خود کوئی جرم ہی نہیں ہے البتہ حقوقِ شوہری میں خیانت جرم ہے عجب نہیں جو اس وقت کے مصری مذہب میں بھی یہی ہو اور یہ ٹکڑا حضرت علیہ السلام نے زلیخا کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرنے ہی کے لئے اضافہ کیا ہو؟ ...... جواب کے اس جزو کو جنہوں نے مرتبہ پیمبری سے فروتر قرار دیا ہے انہوں نے خود ہی بڑی سطحیت برتی ہے۔ یہ جواب تو حضرت علیہ السلام کی حکیمانہ عظمت کا ایک گہرا ثبوت ہے۔ ف۴۰ (ایسے محسن کا حق میں یوں ادا کروں!) یہ تیسرا جواب حضرت یوسف علیہ السلام کا ہوا فرماتے ہیں کہ ایک تو میں اپنے آقا کے ناموس میں خلل اندازی کروں اور پھر آقا بھی کیسا؟ ایسا محسن وشفیق! گویا کفرانِ نعمت کی حد ہوگئی! البتہ توریت نے اصل جواب اسی کو قرار دیا ہے اور اس سے توریت کی پستی بے شک قرآن کے مقابلہ میں ثابت ہوتی ہے۔ توریت میں ہے:۔ ''لیکن اس نے نہ مانا اور اپنے آقا کی جورو سے کہا کہ دیکھ میرا آقا کسی چیز سے جو گھر میں میرے پاس ہے واقف نہیں ہے۔ اور اس نے اپنا سب کچھ میرے ہاتھ میں کردیا۔ اس گھر میں مجھ سے زیادہ کوئی بڑا نہیں اور اس نے سوا تیرے کوئی چیز میرے اختیار سے باہر نہیں رکھی اور یہ اس لئے ہے کہ تو اس کی جورو ہے پھر میں ایسی بڑی بدذاتی کیوں کروں اور خدا کا گنہگار ہوں۔'' (پیدائش ۳۹:۹) ف۴۱ بلکہ اکثر تو آخرت سے پہلے ہی اسی دنیا میں تباہ وپریشان ورسوا ہوکر رہتے ہیں) اَلظّٰلِمُوْنَ۔ ظالم یہاں اپنے وسیع مفہوم میں ہر فاسق وبدکار کے مرادف ہے۔ یہ گویا بہ طور تتمیم کلام کے حضرت علیہ السلام کا چوتھا جواب ہے یعنی آپ فرماتے ہیں کہ ایک اسی پر کیا موقوف ہے بدکار وفاسق کسی قسم کے بھی ہوں رسوا ونامراد ہی رہتے ہیں۔ ف۴۲ (درجۂ عزم واقدام عمل میں) ای قصدت المخالطة وعزمت علیھا عزمًا جازمًا (روح) بمعنی القصد الجازم والعقد الثابت کما ھو المراد ھٰھنا (روح) توریت میں ہے:۔ ''اور یوں ہوا کہ ایک دن وہ اپنے کام کے لئے گھر کے اندر گیا اور گھر کے لوگوں میں سے وہاں کوئی نہ تھا تب اس نے اس کا پیراہن پکڑ کے کہا کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو۔'' (پیدائش ۳۹:۱۱) ف۴۳ (امر طبعی کے درجہ میں) خلوت کی یکجائی میں جوان عمر تندرست مرد کا محض خیال اگر جوان حسین عورت کی طرف جائے خصوصاً جبکہ پیش قدمی اور تشویق عورت کی طرف سے ہورہی ہو تو یہ عیب نہیں بلکہ دلیل ہے مرد کے صحیح وتندرست اور مرد ہونے کی۔ ای مال الی مخالطتھا بمقتضی الطبیعة البشریة ومثل ذٰلک لا یکاد یدخل تحت التکلیف (روح) والمراد بھمّہٖ علیه الصلوٰة والسلام میل الطبع ومنازعة الشھوة لا القصد الاختیاری (بیضاوی) قال الشیخ ابو منصور الما تریدیؒ

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ

اللہ کی پناہ ف۳۸ (اور پھر) وہ میرا مربی ہے ف۳۹ اس نے مجھے کیسی اچھی طرح رکھا ف۴۰ بیشک

لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ

ظالم فلاح نہیں پاتے ف۴۱ اور اس (عورت) کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا ف۴۲ اور انہیں بھی

بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ

اس (عورت) کا خیال ہو چلا تھا ف۴۳ اگر اپنے پروردگار کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھ لیا ہوتا، ف۴۴ اسی طرح

عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

(ہم نے انہیں بچادیا) تاکہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں، ف۴۵ وہ بیشک ہمارے برگزیدہ بندوں

الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اسْتَبَقَا الْبَابَ وَ قَدَّتْ قَمِیْصَهٗ

میں سے ف۴۶ تھے اور دونوں آگے پیچھے دروازہ کی طرف دوڑے ف۴۷ اور اس نے ان کا کرتہ

مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ

پیچھے سے پھاڑ ڈالا، ف۴۸ اور دونوں نے اس کے آقا (یعنی شوہر) کو دروازہ کے پاس (کھڑا ہوا) پایا وہ بول اٹھی

مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ

کیا سزا ہے اس کی جو تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے بجز اس کے کہ وہ قید میں

یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ

ڈالا جائے یا (اور کوئی) عذاب دردناک (اسے ملے) ف۴۹ (یوسفؑ) بولے کہ یہی (خود) تو مجھے اپنا مطلب

عَنْ نَّفْسِیْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ

نکالنے کے لئے پھسلا رہی تھی، ف۵۰ اور اس (عورت) کے خاندان سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ

كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ

ان کا پیراہن اگر آگے سے پھٹا ہو تو وہ سچی ہے اور یہ

وھمّ بھا ھمّ خطرة ولا صنع للعبد فی ما یخطر بالقلب ولا مؤاخذة علیه (مدارک) فعل هَمَّ۔ کے دونوں معنٰی آئے ہیں خیال قوی بدرجۂ عزم بھی اور خیال ضعیف بدرجۂ امر طبعی بھی زلیخا کے لئے هَمَّ پہلے معنٰی میں آیا ہے اور یوسف علیہ السلام کے لئے دوسرے معنٰی میں۔ انما عبّر عنه بالھم لمجرد وقوعه فی صحبته همّها فی الذکر بطریق المشاکلة لا لشبهه بها (روح) پیمبر اخلاقی خطاؤں اور لغزشوں سے معصوم اور محفوظ بلاشبہ ہوتے ہیں لیکن اس کے یہ معنٰی نہیں کہ ان کے احساسات بھی مردہ ہو جاتے ہیں (اور حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے تو یہ بھی مسلم نہیں کہ اس سن میں وہ نبی تھے بھی)...... پیمبر کے سامنے کوئی حرام غذا اگر لذیذ وخوشبودار بنا کر رکھ دی جائے تو اس کی ناک خوشبو تو بہرحال محسوس کرے گی گو اس حرام غذا کے کھانے کے لئے التفات دل میں ذرا بھی نہ پیدا ہوگا۔ ف۴۴ (لیکن وہ دلیل خداوندی تو ان کے علم ومشاہدہ میں تھی اس لئے وہ ادنٰی خیال بھی نہیں پیدا ہونے پایا) بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ سے مراد ہے علم شریعت تقوٰی وطہارت والمراد برؤیته لها کمال ایقانه بها و مشاهدته لها ومشاهدةً واصلة الی مرتبة عین الیقین (روح) فرق یہ کہ اگر آپ خیال کے ابتدائی درجوں میں مبتلا ہو جاتے جب بھی عصمت نبی پر حرف نہیں آسکتا تھا چہ جائیکہ آپؑ کے لئے تو یہ بھی نہیں ہوا۔ ف۴۵ (چنانچہ آپؑ فعل اور ارادۂ فعل دونوں سے بچ گئے) اَلسُّوْٓءَ۔ سے مراد گناہ صغیرہ ہے اور اَلْفَحْشَآءَ۔ سے مراد کبیرہ۔ السوء مقدمات الفحشاء وقیل هو الامر السّیّئ مطلقًا (روح) ف۴۶ (چنانچہ ان سے صدور معصیت کیا معنٰی ارادۂ معصیت بھی نہ ہونے پایا) ف۴۷ (آگے آگے آپؑ کہ بھاگ کر بچنا چاہتے تھے اور پیچھے پیچھے وہ عورت کہ دوڑ کر پکڑنا چاہتی تھی) آپؑ نے جب دیکھا کہ کوئی صورت مخلصی کی نہیں تو بے تحاشا باہر نکل بھاگنے کا قصد کر لیا باوجود اس کے کہ دروازے بند تھے۔ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ کشاد قفل میں اشارہ اسی طرف ہے کہ جو دنیائے حرام سے بھاگنے کی ہمت کرتا ہے اس کے لئے نجات کی راہیں غیب سے کھل جاتی ہیں اور عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ اپنی مثنوی کے اس شعر میں اسی منزل کی جانب ہے۔ ؎

نیست رخنہ گرچہ در عالم پدید۔ ہمچو یوسف خیرہ سر باید دوید

ف۴۸ (جیسا کہ اس موقع پر بالکل قدرتی ہوتا ہے جب کوئی آگے آگے بھاگ رہا ہو اور کوئی دوسرا اسے پیچھے سے پکڑنا چاہے) توریت میں ہے:۔ ”تب اس نے اس کا پیراہن پکڑ کے کہا کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا۔“ (پیدائش ۳۹:۱۲) صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ شیطان کا آخری حملہ غضب کا ہوتا ہے تاہم نیک بندے کسی طرح اس کے ہتھے نہیں چڑھتے۔ ف۴۹ زلیخا نے جب دیکھا کہ اب تو راز فاش ہوا ہی جاتا ہے تو جھٹ یوں بات بنائی اور الٹی اپنی مظلومیت کی داستان شوہر اور با اختیار شوہر کو سنانا شروع کر دی توریت میں اس مقام پر بھی حسب معمول ایک بلاضرورت طویل عبارت ہے اور اس کے بعد ہے:۔ ”سو اس نے اس کا پیراہن اپنے پاس رکھا جب تک کہ اس کا آقا گھر میں آیا تب اس نے ایسی ہی باتیں اس سے کہیں کہ یہ عبری غلام جو تو نے ہم پاس لا رکھا گھس آیا کہ مجھ سے ٹھٹھا کرے اور جب میں نے آواز بلند کی اور چلا اٹھی تو وہ اپنا پیراہن مجھ پاس چھوڑ کر باہر نکل بھاگا۔“ (پیدائش ۳۹:۱۵۔۱۸) مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا۔ زلیخا کی اس فرد قرارداد جرم سے بھی اس قرینہ کی تائید ہوتی ہے کہ اس ملک اور وقت کے قانون میں اقدام زنا بجائے خود کوئی جرم نہ تھا بلکہ ناموس شوہری میں خیانت اصل جرم تھی۔ ف۵۰ (اور اب الٹا الزام میرے اوپر ڈالے دیتی ہے۔) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مخالف کی شرارت کا ایسے وقت میں اظہار جبکہ اخفاء میں اپنے ضرر کا احتمال ہو مکارم اخلاق کے منافی نہیں۔

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٦﴾ وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ

جھوٹے اور اگر ان کا پیراہن پیچھے سے پھٹا

دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٧﴾ فَلَمَّا

ہو تو وہ جھوٹی اور یہ سچے ﴿ف۵۱﴾ سو جب (عزیز نے)

رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ

ان کا پیراہن پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو بول اٹھا بیشک یہ (سب) تم عورتوں کا چرتر ہے،

اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ

بیشک تم عورتوں کا چرتر غضب کا ہوتا ہے ﴿ف۵۲﴾ اے یوسف (اب) تم اسے جانے

هٰذَا ٚ وَ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ

دو ﴿ف۵۳﴾ اور تو اے عورت تو اپنے قصور پر معافی مانگ بیشک تو ہی (سر تا سر)

الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿٢٩﴾ ع وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ

خطا وار ہے ﴿ف۵۴﴾ اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی

الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا

بیوی اپنے غلام کو اس سے اپنا مطلب نکالنے کو پھسلاتی ہے (اس کے) عشق میں دیوانی

حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾ فَلَمَّا

ہو گئی ہے ہم تو اسے کھلی حماقت میں (مبتلا) پاتے ہیں ﴿ف۵۵﴾ جب

سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ

اس (عورت) نے ان عورتوں کی زبان درازی سنی تو انہیں بلا بھیجا ﴿ف۵۶﴾ اور ان کے واسطے

لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا

مسندیں لگا دیں اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں چھری دے دی

ع ۹ / ۱۳

ف۵۱ جدید قانونی اصطلاح میں ایسی گواہی کو قرینہ کی گواہی (Circumstantial Evidence) کہتے ہیں یہاں شاہد اور شہادت اپنے اصطلاحی فقہی معنٰی میں نہیں جو گواہ کے عاقل ہونے بالغ ہونے وقوع واقعہ کے وقت موجود ہونے وغیرہ کی بحثیں پیدا ہوں یہ گواہ تو صرف اس معنٰی میں تھا کہ اس نے فریقین کے متضاد بیانات کے درمیان فیصلہ کا ایک عاقلانہ طریقہ سجھا دیا۔ تفسیروں میں ایک حدیث مرفوع کے حوالہ سے آتا ہے کہ یہ گواہ ایک شیر خوار بچہ تھا بہ طور خرق عادت کے حضرت یوسفؑ کی صفائی میں بول اٹھا۔ لیکن بہت سے ائمہ تفسیر نے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ یہ شخص زلیخا کے چچیرے بھائی اور حاکم وقت تھے تقرب سلطانی رکھنے والے اور درباری مشوروں میں شریک ہونے والے۔ ما كان بصبى ولكن كان رجلًا حكيمًا (ابن جریر عن عکرمہ) كان من خاصة الملك (ابن جریر عن ابن عباس) كان رجلا حكيمًا من اهلها ذا رأيٍ يا خذ الملك برأيه ويستشيره (بحر عن قتادہ) كان لها ابن عم وكان رجلا حكيمًا وهٰذا قول طائفة عظيمة من المفسرين (کبیر) قال الحسن وعكرمة وقتادة ومجاهد لم يكن صبيًا ولكنه كان رجلًا حكيمًا ذا رأيٍ (معالم) عن ابن ابى مليكه عن ابن عباس كان من خاصة الملك وكذا قال مجاهد وعكرمة والحسن وقتادة والسدى ومحمد بن اسحق وغيرهم انه كان رجلًا (ابن کثیر) فقہاء نے اس آیت کے ذیل میں ایک بڑی بحث اس کی اٹھائی ہے کہ پڑی ہوئی گمشدہ چیز جب مل جائے تو آیا محض اس کی علامات بتا دینے سے اس چیز کی ملک کا ثبوت ہو جاتا ہے یا نہیں اور جصاص کی احکام القرآن میں اسی باب میں مختلف فقہاء کے مذاہب نقل ہوئے ہیں۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے قیاس شرعی کے جواز اور عرف وعادت قوم سے استدلال کے جواز کا بھی استنباط کیا ہے۔ وفى الأية دليل على القياس والاعتبار والعمل بالعرف والعادة (قرطبی) **ف۵۲** ہندی میں اسی کید کو تریا چرتر کہتے ہیں اور ہندی ادبیات اس طرح کے قصوں سے بھرے پڑے ہیں۔ عورت میں جو ایک خاص مادہ ناز وانداز کا ہوتا ہے اور مرد کے دل میں عورت کے لئے جو طبعی کشش رکھ دی گئی ہے قدرۃً اس نے عورت کے ہاتھ میں اثر اندازی کا ایک زبردست حربہ دے دیا ہے۔ یہاں یہ قول اگرچہ عزیز مصر کی زبان سے نقل ہوا ہے اس کے اپنے تجربہ کچھ اسی قسم کے ہوں گے لیکن قرآن نے بھی اسے بلا نکیر نقل کر دیا ہے۔ عزیز کے مقولہ کی تائید میں فرنگی اور ہندی حکماء نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ علماء نے ایک سوال یہاں پیش کیا ہے کہ قرآن ہی نے شیطان کے کید کو ضعیف بتایا ہے۔ ان كيد الشيطن كان ضعيفًا اور یہاں عورتوں کے کید کو عظیم ٹھہرایا ہے تو گیا عورتوں کا کید شیطان سے بھی بڑھا ہوا ہے؟ اور پھر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ شیطان کا کید جو یہاں ضعیف قرار دیا گیا ہے وہ خدا کی تدبیر کے مقابلہ میں ہے اور نسائی کید جو عظیم بتایا گیا وہ بہ مقابلہ مردوں کے ہے۔ فلا یضر كون ضعف كيد الشيطان انما هو فى مقابلة كيد الله تعالٰى وعظم كيد هن انما هو بالنسبة الى كيد الرجال (روح) **ف۵۳** انکشاف حقیقت کے بعد عزیز پہلے تو عورتوں کی چالبازی پر نفرت کرتا ہے پھر حضرت یوسفؑ کی طرف مخاطب ہو کر نیم معذرت کے انداز میں کہتا ہے جو ہونا تھا ہو چکا اب تم بھی اس پر خاک ڈالو نہ اس کا چرچا دوسروں سے کرو نہ اس کا غبار اپنے دل میں رکھو۔ **ف۵۴** (کہ اول تو خود اتنی بڑی جرأت کر گزری اور پھر خواہ مخواہ ایک بیگناہ کو پھانس دینا چاہا) وَ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ۔ پھر سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ قصور کی معافی کس سے مانگی جائے؟ ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ خدا سے۔ دوسرا جواب یہ منقول ہے کہ اپنے شوہر سے۔ مصریوں کے مشرکانہ عقائد پر نظر کرتے ہوئے پہلا قول ضعیف اور دوسرا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ **ف۵۵** (کہ گری بھی تو کس پر؟ اپنے ہی خادم اور غلام پر اور وہ بھی اپنا ہم وطن وہم نسب نہیں پردیسی اور کنعانی!) قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ۔ واقعہ کے چرچے سوسائٹی میں شروع ہو گئے اور سوسائٹی کی عورتوں نے حسب معمول اس میں خوب دلچسپی لی اور برابر کی وزیر زادیوں اور امیر زادیوں نے یہ طعنہ زنی شروع کر دی۔ نسوة جمع تکسیر ہے جو قلت عدد پر دلالت کرتی ہے گویا یہ لفظ لا کر قرآن مجید نے ادھر بھی اشارہ کر دیا کہ ایسی بیویوں کی تعداد کچھ بہت بڑی نہ تھی صرف گنتی کی چند تھیں جو ہر طرح بیگم وزیر کی ہمسر وہم چشم تھیں۔ شَغَفَهَا۔ شعف دل کی وہ بیماری ہے جو دل کے اندر تک پہنچ جائے۔ داء يصل الى القلب فينفذ الى القلب (بحر) **ف۵۶** خواتین مصر کے طبقہ امراء میں اس وقت اونچی اونچی مسندوں پر بیٹھنے اور مہمانوں کے بٹھانے کا رواج عام تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ۔ زلیخا کو بھی آخر ان لوگوں کی زبان درازیوں کی خبر پہنچی اور انہیں نیچا دکھانے کی نئی تدبیر سوجھی سب کو دعوت میں اپنے ہاں بلا بھیجا۔ مکر یہاں لعن طعن طنز وتعریض کے معنٰی میں ہے۔ هو اغتيابهن اياها وسوء مقالتهن (بحر)

وَ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ

اور بولی کہ (اے یوسف) ذرا ان کے سامنے تو آجاؤ ف۵۷ اب جب ان لوگوں نے (یوسف کو) دیکھا اس

وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا

پر حیران رہ گئیں ف۵۸ اور اپنے ہی ہاتھ زخمی کر لئے ف۵۹ اور بولیں حاشا للہ یہ

بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ

آدمی نہیں یہ تو کوئی فرشتہ ہے نورانی ف۶۰ وہ بولی

فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ

یہی وہ شخص ہے جس کے باب میں تم مجھے ملامت کر رہی تھیں ف۶۱ بیشک میں نے اس سے اپنا مطلب

عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَ لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ

نکالنا چاہا تھا لیکن یہ پاک صاف رہا ف۶۲ اور اگر (آیندہ) اس نے وہ نہ کیا جو میں اس سے

اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

کہہ رہی ہوں تو یہ ضرور قید میں ڈالا جائے گا اور بے عزت بھی ہو گا ف۶۳

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ

(یوسف نے) عرض کی کہ اے میرے پروردگار قید خانہ مجھے گوارا تر ہے بہ مقابلہ اس (کام) کے جس کی طرف

اِلَيْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ

مجھے یہ لوگ بلا رہی ہیں، ف۶۴ اور اگر تو ان کے چرتر کو مجھ سے دفع نہ کر دے گا تو میں انہی کی (صلاح کی)

اِلَيْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ

طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں شامل ہو جاؤں گا ف۶۵ پس ان کے پروردگار نے ان کی دعا

رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

قبول کر لی اور ان سے ان عورتوں کے چرتر کو دور رکھا ف۶۶ بیشک وہ تو ہے ہی بڑا سننے والا

ف۵۷ یوسف علیہ السلام بہر حال خادم تو اب تک تھے انہیں گھر کی مالکہ نے آواز دی کہ سامنے آجاؤ...... آگئے۔ نظریں نیچی کئے ہوئے چہرہ نور عصمت سے جگمگایا ہوا اور شہر کی ایک سے ایک بڑھ کر حسین وجمیل وزیرزادیوں امیرزادیوں کا مجمع۔ سِكِّيْنًا۔ یہ چھریاں کھانے کے لئے دی گئی تھیں۔ مصری تمدن کھانے کے لئے چھری چمچوں سے بیگانہ نہ تھا۔ ف۵۸ (کہ یہ حسن وجمال کا پتلا کیسا نوجوان ہے کہ ایسی زہد شکن فضا میں آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا) ای اعظمنه ودهش برؤية جماله الفائق (روح) ف۵۹ ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی معجزہ یوسفی ہو جیسا کہ بعض کا قول نقل ہوا ہے لیکن حالات طبعی کا تقاضہ بھی تو کچھ ایسا ہی تھا اور اس کے لئے مجلس کا نقشہ ذرا وضاحت کے ساتھ پیش نظر کر لیجیے۔ دعوت اور ضیافت کا اہتمام شاہی پیمانہ پر ہے۔ میزبان وزیر سلطنت کی بانوئے محترم ہیں۔ عشوہ وناز سے لبریز وزیرزادیاں امیرزادیاں جمع ہیں۔ میووں پھلوں سے شغل ہو رہا ہے۔ چھری کانٹے کے رواج سے یوں بھی مصری تمدن ناآشنا نہ تھا اور اس وقت تو دور ہی میووں اور پھلوں کا چل رہا ہے۔ ہاتھوں میں چھریاں ہیں گپ شپ ہو رہی ہے یک بیک ایک ڈرامائی انداز سے ایک نور پیکر سامنے لے آیا جاتا ہے۔ نظریں نیچی، آنکھوں پر حیا کے پردے، چہرے پر عصمت کے سہرے، جن کے چہرے اس وقت تک خود ہی سب کو دعوت نظارہ دینے کے عادی تھے وہ آپ اس وقت تماشائی بنی ہوئی اس حسن وجمال عصمت وعفاف کے پتلے کے نظارے میں محو اور وہ نہ کسی کی طرف نظر اٹھاتا ہے نہ کسی سے دلچسپی لیتا ہے ایسے میں عجب کیا جو ٹکٹکی لگ گئی ہو اور پلک جھپکانا تک بار ہو رہا ہو...... اور چھریاں بجائے پھلوں کے ہاتھوں کی جلد پر چل گئی ہوں! پھر آیت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہاتھ سب ہی کے کٹے ہوئے ہوں چند کا بھی زخمی ہو جانا صیغۂ جمع لانے کے لئے کافی ہے۔ اور قطع سے یہ مراد نہیں کہ ہاتھ کاٹ ہی ڈالے محض زخمی کر لینا خراش آجانا بھی کافی ہے۔ ای جرحتها (کشاف) ای جرحتها بما فی ایدیهن (روح) ف۶۰ یوسف علیہ السلام حسن وجمال میں ممتاز تو تھے ہی، توریت میں ہے:۔ ”اور یوسف علیہ السلام خوبصورت اور نور پیکر تھا۔“ (پیدائش ۳۹:۶) تقوی وعفاف میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ جاہلی متمدن قوم کی عورتیں تقوی وعفاف کے اس معیار سے بھلا کیا واقف دنگ ہو گئیں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور اپنی زبان میں بول اٹھیں کہ یہ نوجوان انسان کا ہے کو ہے یہ تو کوئی دیوی دیوتا ہیں۔ آکاش سے اترے چلے آ رہے ہیں...... جاہلی قوموں نے فرشتوں ہی کو اپنی زبان میں دیوتا کہا ہے۔ مَلَكٌ كَرِيْمٌ۔ یعنی شرافت وتقدس کا پتلا۔ ای شریف کثیر المحاسن (روح) حَاشَ لِلّٰهِ۔ عربی محاورہ میں کلمہ تعجب ہے جو مصری فیشن ایبل لیڈیاں حسین کنعانی نوجوان کے کمال عفت وتقوی پر دنگ ومتحیر ہو کر زبان پر لا رہی ہیں۔ فالتعجب عن قدرته علی خلق عفیف مثله (بحر) ف۶۱ (تو اب تو قائل ہوئیں اور جسے معمولی کنعانی غلام سمجھ رہی تھیں وہ کیسا حسین وجمیل جوان رعنا نکلا!) ف۶۲ یوسف صدیق علیہ السلام کی پاک دامانی پر یہ مزید بلیغ شہادت زلیخا کی زبان سے ہے۔ فَاسْتَعْصَمَ۔ استعصام۔ نام ہے کمال پاکبازی اور شدت احتیاط کا۔ الاستعصام بناء مبالغة يدل على الاعتناء البليغ والتحفظ الشديد (کشاف) ف۶۳ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دھمکانے اور سنانے کو کہا اور دوسری حسین وجمیل خاتونیں امیرزادیاں اور وزیرزادیاں بھی عجب نہیں جو یوسف علیہ السلام کو سمجھانے بجھانے لگی ہوں کہ یہ کیسی حماقت ہے جو ایسی حسین ونازنین مالکہ کو اپنے سے ناخوش کر رہے ہو۔ لَيُسْجَنَنَّ۔ تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ مصری حکومتوں میں جیل خانہ کا رواج ہو چکا تھا۔ ف۶۴ زلیخا نے ابھی ابھی قید کی دھمکی دی تھی اس پر یوسف علیہ السلام دعا میں عرض کرتے ہیں کہ پروردگارا! مجھے جیل کی سختیاں گوارا ہیں اور ان لوگوں کے نفسانی مشوروں پر عمل گوارا نہیں۔ اللہ اکبر کیا مقام تھا عصمت یوسفی کا...... خوب خیال رہے حضرت یوسف علیہ السلام جیل جانے کی دعا نہیں کر رہے ہیں۔ جیل جانا اپنا مقصود نہیں قرار دے رہے ہیں صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ معصیت کا صدور تو مجھے جیل کی سختیوں سے بھی ناگوارتر ہے۔ بعض عارفوں نے لکھا ہے کہ معصیت کو معصیت پر اختیار کرنا صدیقین کا شیوہ ہے اور اپنے تقوی وتحمل پر بھروسہ نہ رکھنا بلکہ معصیت کے دواعی واسباب سے بھاگتے رہنا سعادت مندوں کا شعار ہے۔ ف۶۵ کمال عبدیت وشکستگی یہ ہے کہ کمال تقوی پر بھی ناز واعتماد اپنی ذات پر نہیں ہوتا دعا بس اللہ تعالی ہی سے ہے کہ آپ ہی مجھے سنبھالے رکھیے، جیسا کہ اب تک سنبھالے رکھا ہے ورنہ مجھ بشر کی کیا بساط ہے کہ ان ترغیبات کے سامنے ثابت قدم رہ سکوں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں کیا خوب فرمایا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ دعا ذرا بھی منافی عصمت کے نہیں کیونکہ یہ عصمت بھی تو بدولت حفاظت خداوندی ہی کے ہے، انبیاء علیہم السلام کی نظر اصل موثر کی طرف ہوتی ہے اس لئے ان کو اپنی عصمت پر اعتماد وناز ذرا نہیں ہوتا۔ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ۔ کے کھلے ہوئے معنی اصرف عنی ہے جیسا کہ اگلی ہی آیت میں فَصَرَفَ عَنْهُ۔ سے ظاہر ہوا جاتا ہے۔ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ۔ یہاں گویا یہ بتا دیا کہ تقوی کے برعکس راہ اختیار کرنا شعار اہل جاہلیت کا ہے لفظ جاهلیت کا تعلق تمامتر کردار وسیرت سے ہے خواندگی اور تعلیم ظاہری کے فقدان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ عارفوں نے کہا ہے کہ اپنے نفس کو خاطی اور عاجز جاننا اور ہر توفیق خیر منجانب اللہ جاننا اور خبث اپنے نفس کی جانب منسوب کرتے رہنا صالحین ومتقین کی روش ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ یہ مقام کمال صدیقیت ہے جوان حسین امیرزادی اپنی طرف بلا رہی ہے اور آپ بھی نوجوان ہیں حسین ہیں اس پر بھی خوف خدا اس درجہ غالب ہے کہ ان لذتوں کو چھوڑ کر جیل جانا گوارا کر لیتے ہیں۔ وهذا فی غاية مقامات الكمال انه مع شبابه وجماله وكماله تدعوه سيدته وهی امراة عزيز مصر وهی مع

هذا فی غایة الجمال والمال والریاسة ویمتنع من ذلک ویختار السجن علی ذلک خوفا من اللہ ورجاء ثوابه (ابن کثیر) **و۶۶** (یعنی آپ کو عصمت وعفاف کے مقام بلند سے ذرا بھی ہٹنے نہ دیا) فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ۔ آپ کی دعا وہ کون سی تھی جو قبول ہوئی؟ وہ دعا بھی ثباتِ عصمت کی تھی کہ ایسے تقویٰ شکن حالات میں بھی میرے قدم ثبات کو ذرا بھی لغزش نہ ہو۔ **و۶۷** بڑا سننے والا دعاؤں اور ظاہر الفاظ کا اور خوب جاننے والا دلوں کے احوال واسرار کا۔ قرآن مجید پیمبر پرستی کے امکان پر بار بار ضرب لگاتا جاتا ہے۔ ہر اصلی بڑائی کو اللہ ہی کی جانب منسوب کرتا رہتا ہے۔ **و۶۸** (اور یہ غالبًا رفع بدنامی کے خیال سے) ایک عبرانی غلام کے ہاتھوں ایک مصری امیر زادی کی کتنی بدنامی ہو چکی تھی اس کے لئے انتظامًا یہ ضروری معلوم ہوا کہ ایک مدت تک کے لئے خود اس غلام کو عام نگاہوں اور چرچوں سے دور کہیں محبوس کر دیا جائے۔ لَهُمْ۔ یعنی خود عزیز اور اس کے مشیروں کو۔ یعنی للعزیز واصحابه فی الرائ (معالم) ای للعزیز واصحابه المتصدین للحل والعقد (روح) مِنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ۔ یعنی بعد اس کے کہ انہیں شہادتیں یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی اور بے قصوری کی مل چکی تھیں اور وہ خود بھی اس پر یقین کر چکے تھے۔ ہندوستان کی سرزمین پر بھی رامائن میں قصہ اسی طرح کا مذکور ہے کہ رامچند رجی کو اگرچہ بذات خود اپنی بیوی سیتا کی عصمت ووفاداری پر پورا اعتماد تھا تاہم پبلک کی بدظنی رفع کرنے کے خیال سے انہیں گھر سے نکال دیا۔ لَيَسْجُنُنَّهٗ۔ یہ جیل خانہ عام اور معمولی نہ تھا۔ سخت قسم کا اور خطرناک مجرموں کے لئے مخصوص تھا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ توریت میں اس مقام پر ہے:۔ ”اور یوسف کے آقا نے اس کو پکڑا اور ایک جگہ جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے قید میں ڈالا“ (پیدائش ۳۹:۲۰) الْاٰيٰتِ۔ سے مراد یوسف کی بیگناہی اور عصمت کی شہادتیں ہیں۔ ای الشواهد الدالة علی براءته علیه السلام وطهارته (روح) حَتّٰى حِيْنٍ۔ اکثر قدیم قوانین میں ایک دستور تھا کہ بادشاہ مجرم کو سزا کسی مخصوص ومتعین میعاد کے لئے نہیں دیتا تھا، بلکہ جب تک اپنی مرضی ہوا سے قید رکھتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی سزایابی بھی عجب نہیں کہ اسی قسم کی ہو ہماری تفسیروں میں اس میعاد قید کے متعلق متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ کسی میعاد معین کا حکم نہ لگایا جائے بلکہ محض ایک طویل مدت مراد لی جائے۔ والاولی ان لا یجزم بمقدار وانما یجزم بالمدة الطویلة (روح) والصحیح ان هذه المقادیر غیر معلومة وانما القدر المعلوم انه بقی محبوسًا مدة طویلة (کبیر) **و۶۹** ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا دوسرا شاہی نان پز۔ الزام دونوں پر یہ تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینا چاہا تھا۔ تحقیقات اسی جرم کی ہو رہی تھی اور یہ لوگ جیل کی حوالات میں بند کر دیئے گئے۔ توریت میں ہے:۔ ”بعد ان باتوں کے یوں ہوا کہ شاہ مصر کا ساقی اور نان پز اپنے خداوند شاہ مصر کے مجرم ہوئے اور فرعون اپنے دو سرداروں پر جن میں ایک ساقیوں کا دوسرا نان پزوں کا داروغہ تھا غصے ہوا اور اس نے ان کو نگہبانی کے لئے جلو داروں کے سردار کے گھر میں اسی جگہ جہاں یوسف بند تھا قید خانہ میں ڈالا۔“ (پیدائش ۴۰:۱-۳) مَعَهٗ۔ یعنی اسی زمانہ میں۔ یہ لازم نہیں کہ یہ دونوں حضرت علیہ السلام کے ساتھ ہی ساتھ داخل ہوئے ہوں۔ **و۷۰** (انگور سے) متقی کہیں بھی ہو کسی فضا وماحول میں بھی ہو آثار تقویٰ بے ظاہر ہوئے رہ نہیں سکتے۔ چند ہی روز میں ان قیدیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام میں بزرگی کے آثار پالئے تھے اور ان کے سامنے اپنے اپنے خواب عرض کئے، پہلا خواب شاہی ساقی کا ہے۔ توریت میں ہے:۔ ”وہ بولے ہم نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر کرنے والا کوئی نہیں، یوسف علیہ السلام نے انہیں کہا کیا تعبیر کی قدرت خدا کو نہیں؟ مجھ سے بیان کیجیے تب سردار ساقی نے اپنا خواب یوسف سے بیان کیا اور اس نے کہا دیکھ میرے خواب میں ایک تاک میرے سامنے تھی اس تاک میں تین ڈالیاں تھیں ان میں کلیاں نکلیں اور ان میں پھول آئے اور اس کے سب گچھوں میں انگور پکے اور فرعون کا پیالہ میرے ہاتھ میں تھا سو میں نے ان انگوروں کو لے کے فرعون کے جام میں نچوڑا اور وہ جام میں نے فرعون کے ہاتھ میں دیا۔“ (پیدائش ۴۰:۸-۱۱) اَعْصِرُ خَمْرًا۔ سے شراب وشربت دونوں کے پہلو نکل سکتے ہیں۔ یہ بادشاہ انگور کا شربت پیا کرتا تھا۔ **و۷۱** یہ خواب بادشاہی نان پز کا تھا۔ توریت میں اس کی زبان سے ہے:۔ ”میں بھی خواب میں تھا اور دیکھا کہ سر پر تین ٹوکریاں روٹی کی تھیں اور اوپر کی ٹوکری میں فرعون کے لئے سب قسم کا پکا ہوا مال تھا اور پرندے میرے سر پر اس ٹوکری میں سے کھاتے تھے۔“ (پیدائش ۴۰:۱۶، ۱۷) **و۷۲** حسن وجمال کی طرح فضل وکمال بھی چھپنے والی چیز نہیں۔ اور اس کا اثر کافر تک محسوس کر لیتے ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”وہ وہاں قید خانہ میں رہا کرتا تھا لیکن خداوند یوسف کے ساتھ تھا۔“ (پیدائش ۳۹:۲۰، ۲۱) قتادہ تابعی کے قول میں ہے کہ آپ مریضوں کا علاج کرتے تھے غمگینوں کو تسلی دیتے تھے اور عبادت میں منہمک رہتے تھے اور دوسرے اقوال بھی ایسے ہی نقل ہوئے ہیں۔ قال قتادة کان یداوی مریضهم ویعزی حزینهم ویجتهد فی عبادة ربه (جصاص) وقیل کان یعین المظلوم وینصر الضعیف ویعود المریض (جصاص) معناه اِنَّا نراک تؤثر الاحسان وتاتی بمکارم الاخلاق وجمیع الافعال الحمیدة (کبیر) اور توریت میں ہے:۔ ”قید خانہ کے داروغہ نے سب قیدیوں کو جو قید میں تھے یوسف کے ہاتھ میں سونپا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اس کے حکم سے کرتے تھے اور قید خانہ کا داروغہ سب کاموں کی طرف سے جو اس کے ہاتھ میں تھے بے فکر تھا۔“ (پیدائش ۳۹:۲۲، ۲۳) بِتَاْوِيْلِهٖ۔ میں ضمیر دونوں خوابوں کے ماجرے کی طرف ہے۔ والضمیر للرؤیتین بتاویل ما ذکر او ما روی (روح)

الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ

خوب جاننے والا ہے **و۶۶** پھر ان لوگوں کو بعد اس کے کہ وہ ثبوت دیکھ چکے تھے یہی مصلحت معلوم ہوئی

لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ

کہ (یوسف کو) ایک مدت کے لئے قید میں رکھیں **و۶۸** اور (یوسف کے) ساتھ جیل خانہ میں دو (اور)

فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ

جوان داخل ہوئے **و۶۹** ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے کو (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ میں (انگور

وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ

کا) شیرہ نچوڑ رہا ہوں **و۷۰** اور دوسرے نے کہا کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر (خوان میں) روٹیاں

خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا

اٹھائے ہوئے ہوں اس میں سے پرندے (نوچ نوچ کر) کھا رہے ہیں **و۷۱** آپ ہم کو اس کی تعبیر بتایئے

نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ

بیشک ہم تو آپ کو بزرگوں میں پاتے ہیں **و۷۲** وہ بولے جو کھانا تم دونوں کے کھانے کے لئے آتا ہے وہ ابھی

تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ

آنے نہ پائے گا کہ میں اس کی تعبیر تم سے بیان کر دوں گا قبل اس کے کہ (کھانا) تم دونوں کے پاس

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

آئے، **و۷۳** یہ اس میں سے ہے، جس کی میرے پروردگار نے مجھے تعلیم دی ہے **و۷۴** میں تو ان لوگوں کا مذہب (پہلے

لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

ہی سے) چھوڑے ہوئے ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے وہ (بالکل) منکر ہیں **و۷۵**

وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ

اور میں نے تو اپنے بزرگوں ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا مذہب اختیار کر

و۷۳ آپؑ نے فرمایا کہ ابھی تمہارا کھانا آنے بھی نہ پائے گا کہ میں خواب کی تعبیر بتادوں گا بس ایک ذرا دم لو۔ اور اس درمیان میں آپ کو موقع تبلیغ کا ہاتھ آگیا۔ بِتَاْوِیْلِہٖ۔ میں ضمیر ان بیان شدہ خوابوں کے مجموعہ کی طرف ہے۔ ای بتاویل ما قصصتما علیّ (بیضاوی) **و۷۴** (نہ کہ علم جوتش نجوم کہانت وغیرہ کا کوئی شعبہ جس کا مصر جاہلی میں اتنا زور تھا) آپؑ نے پہلے تو مصری سائلوں کے اس ممکن خیال کو مٹایا کہ آپؑ کا ملکہ تعبیر بھی جوتشیوں وغیرہ کے عملیات کے قسم کا ہے اور پھر آپ اپنے ذاتی کمال کی نفی کر کے اپنے علم کو تمامتر افضال الٰہی کا ثمرہ قرار دے رہے ہیں ...... اور یوں دین حق کی تبلیغ معاً شروع کردی۔ ذٰلِکُمَا۔ یعنی یہ علم تعبیر رؤیا۔ ای ذٰلک التاویل (بیضاوی) ذٰلِکَ۔ کا اشارہ بعید اس علم کے شرف ومنزلت کے اظہار کے لئے ہے۔ ومعنی البعد فی ذٰلک الاشارۃ الی بعد منزلۃ وعلو درجتہ (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کوئی عالم دین اگر اپنے کمالات واوصاف اس نیت سے بیان کرے کہ لوگ ان سے نفع اٹھائیں تو جائز ہے۔ **و۷۵** مصری مذہب مسئلہ توحید اور وقوع آخرت دونوں کا منکر تھا۔ تَرَکْتُ۔ کا یہ مطلب نہیں کہ آپ پہلے دین شرک پر تھے اور اب اسے چھوڑا ہے ترک کے معنی عدم اختیار کے ہیں اور یہ ضروری ہرگز نہیں کہ انسان پہلے اس عادت میں پڑ چکا ہو۔ الترک عبارۃ عن عدم التعرض للشیء ولیس من شرطہ ان یکون قد کان خائضا فیہ (کبیر) والمراد بالترک الامتناع (روح) یہ مراد بھی لی گئی ہے کہ اب تک مصری آپؑ کو اپنا ہم مذہب سمجھ رہے تھے اور آپؑ نے کھل کر کبھی اپنے عقائد کا اظہار کیا نہ تھا آج پہلی بار آپؑ علانیہ توحید کی تبلیغ کر رہے ہیں اور اپنے مخاطبین کے خیال کے مطابق اپنے دین سابق سے نکل رہے ہیں۔ ھُمْ۔ کی تکرار تاکید معنی کے لئے ہے وقوع آخرت کے اہل مصر خصوصیت سے منکر تھے۔ کرر ھٰذا اللفظ للتاکید (کبیر) توریت حسب معمول ان مطالب عالیہ سے بالکل خالی ہے **و۷۶** اپنی عالی نسبی کا ذکر ایسے موقع پر بالکل جائز ہے مقصد اس سے سامعین کے دل میں جذبۂ شوق وتوجہ کو ترقی دینا تھا۔ یوسف علیہ السلام خود تو اس وقت تک اپنے مخاطبین کی نظر میں ایک معمولی اور گمنام شخص تھے بخلاف اس کے ان کے ان آباواجداد کا نام اس وقت بھی بہ حیثیت موحد وداعی دین توحید کے مشہور ہو چکا تھا اور ان کی شہرت حدود کنعان سے باہر اچھی خاصی پھیل چکی تھی۔ **و۷۷** (خواہ کسی حیثیت سے ہو) اس میں شرک کی ہمہ جہتی نفی آگئی اور شرک کی ہر قسم سے انکار آگیا۔ بت پرستی، ستارہ پرستی، آتش پرستی، نیچر پرستی وغیرہ سب سے مِنْ شَیْءٍ۔ اسی نفی کامل کے لئے ہے۔ لَنَا۔ سے مراد گروہ انبیاء بھی لی گئی ہے اور اولاد ابراہیم علیہ السلام بھی۔ لیکن ایک مراد نوع انسانی بھی ہو سکتی ہے یعنی شرک کسی انسان کو بھی زیبا نہیں۔ **و۷۸** یعنی نہ اس نعمت کی قدر کرتے ہیں نہ اس کا حق ادا کرتے ہیں۔ ذٰلِکَ۔ یعنی یہی عقیدۂ توحید و دین حق۔ ای التوحید (بیضاوی) ھو ترک الاشراک (کبیر) علینا وعلی الناس یعنی ہمارے اوپر براہ راست اور ساری خلقت پر ہمارے واسطے سے۔ **و۷۹** مخاطبہ مشرکوں سے تھا جنہوں نے ہر ہر شعبہ زندگی میں اپنے لئے الگ الگ دیوی دیوتا مقرر کر رکھے تھے...... حضرت علیہ السلام ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ اس تعدد وتفرق پر بھی کبھی غور کیا ہے؟ بندگی ایک خدائے واحد وزبردست کی بھلی یا اتنے ایک دیویوں اور دیوتاؤں کی؟ اَلْقَھَّارُ۔ یعنی وہ جو سب پر غالب اور کوئی اس پر غالب نہ ہو۔ ای الغالب الذی لا یغالبہ احد (روح) **و۸۰** یعنی تمہارے ان گڑھے ہوئے معبودوں کی حقیقت ہی کیا؟ ان کا وجود خارجی بہ حیثیت معبود ہے کہاں؟ یہ تو صرف چند گڑھے ہوئے نام ہیں حقیقت سے بالکل خالی۔ نام جو اور جتنے چاہو گڑھ لو کوئی ثبوت ادنیٰ سا بھی تو ان کی خدائی کا لاؤ۔ وَ اٰبَآؤُکُمْ۔ میں اشارہ ہے کہ دین شرک محض اندھی تقلید کے بل پر چل رہا ہے۔ **و۸۱** (نہ عقلی نہ نقلی) یعنی شرک پر دلیل کوئی سی بھی قائم نہیں۔ تم دلیل توحید پر مانگتے ہو حالانکہ کوئی معمولی سی دلیل شرک پر تو لاؤ۔ بِھَا۔ میں ضمیر غیر اللہ کی معبودیت کی طرف ہے۔ ای بعبادتھا (جلالین) **و۸۲** حکم تکوینی صرف اسی کا چل رہا ہے کائنات کا کون سا شعبہ ہوا، پانی، آگ، بادل موت، زندگی، بیماری، صحت آخر کون سی چیز تمہارے کسی دیوی دیوتا کے حکم واختیار سے چل رہی ہے؟ اس کا کوئی ادنیٰ ہی ثبوت پیش کرو۔ اور اس حکم تکوینی کے ساتھ حکم تشریعی بھی صرف اسی کا حق ہے ان مسائل میں کہ جن میں اس نے خدائی تشریع کی ضرورت سمجھی اور باقی مسائل اس نے عقل وبصیرت دے کر بندوں ہی کے اوپر چھوڑ دیئے ہیں۔ حکم تشریعی بھی کسی دیوی دیوتا کا نہیں چل سکتا۔ آیت کی اس صحیح تفسیر کے بعد خوارج قدیم وجدید کو کوئی موقع اپنے دعویٰ کے اثبات کا نہ رہا۔ **و۸۳** (جو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے) قرآن مجید نے اس حقیقت کا اعلان دعوے کے ساتھ بار بار کیا ہے کہ دین فطرت اور انسان کا دین قدیم یہی مسلک توحید ہے اور شرک کی آمیزش بعد کو ہوئی ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے ”روشن خیال“ مدتوں اس منزل میں بھی بھٹکتے رہے اور یہی کہے گئے کہ انسان تو رفتہ رفتہ ارتقاء کے ذریعہ سے شرک سے توحید تک پہنچا ہے یہاں تک کہ اب بیسویں صدی میں بڑے بڑے اہل سائنس کو بھی قائل ہونا پڑا ہے کہ انسان کا قدیم ترین دین توحید ہی تھا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ **و۸۴** یعنی ایسی صاف اور سیدھی بات پر بھی اکثر لوگ جمود رسم پرستی یا عناد کی بنا پر غور نہیں کرتے اور اس سے انکار ہی کرتے رہتے ہیں۔

وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ

رکھا ہے و۷۶ ہم کو کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ کے ساتھ ہم کسی شیء کو بھی شریک

مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا

قرار دیں و۷۷ یہ اللہ کا ایک فضل ہے ہمارے اوپر

وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور (کل) لوگوں کے اوپر لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا) شکر نہیں ادا کرتے و۷۸

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ

اے یارانِ مجلس جدا جدا معبود اچھے

اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ؕ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ

یا اللہ اکیلا سب پر غالب و۷۹ تم لوگ تو اسے چھوڑ کر بس (چند) ناموں کی

دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

عبادت کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں و۸۰

مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا

اللہ نے کوئی بھی دلیل اس پر نہیں اتاری ہے و۸۱ حکم (اور حکومت) صرف اللہ ہی کا

لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ

حق ہے و۸۲ اسی نے حکم دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی پرستش نہ کرو یہی دین

الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

مستقیم ہے و۸۳ لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے و۸۴

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ

اے یارانِ مجلس تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب

و٨٥ (جیسا کہ پہلے پلاتا رہتا تھا) یہ خطاب ساقی سے ہے...... خواب کی تعبیر اب جا کر شروع ہوتی ہے۔ اتنی مفصل اور حکیمانہ دعوت توحید کے بعد، توریت میں ایک لفظ بھی اس وعظ کا نہیں۔ توریت میں ہے:۔ ''تب یوسف بولا اس کی تعبیر یہ ہے کہ یہ تین ڈالیاں تین دن ہیں اور فرعون اب سے تین دن میں تیری روبکاری کرے گا اور تجھے تیرا منصب پھیر دے گا اور تو آگے کی طرح جب تو فرعون کا ساقی تھا اس کے ہاتھ میں پھر جام دے گا۔'' (پیدائش ۴۰: ۱۳) رَبَّهٗ۔ رب سے مراد ظاہر ہے کہ اس ساقی کا آقا یا بادشاہ مصر ہے اور قرآن مجید میں رب آقائے مجازی کے معنی میں کثرت سے آیا ہے۔ و٨٦ یہ تعبیر نان پز کے خواب کی تھی۔ توریت میں ہے:۔ ''یوسف نے جواب دیا اور کہا اس کی تعبیر یہ ہے کہ تین ٹوکریاں تین دن ہیں فرعون اب سے تین دن میں تیرا سر تیرے تن سے جدا کرے گا اور ایک درخت پر تجھے لٹکائے گا اور پرندے تیرا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے۔'' (پیدائش ۴۰: ۱۸۔۱۹) و٨٧ جس جزم و وثوق کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تعبیر وحی الٰہی کے ماتحت تھی۔ و٨٨ (کہ ایک شخص ایسا اور ایسا بے قصور جیل میں بند ہے) حضرت علیہ السلام کی پاکبازی تو ان قیدیوں کے خود مشاہدہ میں آچکی تھی اور وہ کہہ چکے تھے اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ حضرت علیہ السلام نے اس سے کوئی اور نئی بات نہیں چاہی صرف اتنا چاہا کہ جو بات اس کے علم و تجربہ میں آچکی ہے بس اس کا تذکرہ بادشاہ کے کان تک پہنچا دیا جائے۔ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا۔

رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ

پلایا کرے گا و٨٥ اور رہا وہ دوسرا سو اسے سولی دی جائے گی پھر اس کے سر کو

الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ

پرندے (نوچ نوچ کر) کھائیں گے و٨٦ وہ امر (اسی طرح) مقدر ہو چکا ہے، جس کی بابت تم دونوں

تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿٤١﴾ وَ قَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا

پوچھ رہے ہو و٨٧ اور دونوں میں سے جس شخص کے متعلق رہائی کا یقین تھا اس سے (یوسفؑ نے) کہا کہ

اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ

میرا بھی ذکر اپنے آقا کے سامنے کر دینا، و٨٨ لیکن اسے اپنے آقا سے ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا

فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿٤٢﴾ؕ وَ قَالَ الْمَلِكُ

تو وہ جیل خانہ میں کئی سال تک رہے و٨٩ اور بادشاہ نے کہا

اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

کہ میں (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں انہیں کھائے جاتی ہیں سات

عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ

دبلی (گائیں) اور سات بالیاں سبز ہیں اور (سات ہی) خشک و٩٠

يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ

اے سردارو! میرے (اس) خواب کا حکم مجھے بتاؤ اگر تم

لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿٤٣﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَ مَا

خواب کی تعبیر دے لیتے ہو و٩١ وہ بولے کہ (یہ تو) پریشان خوابیاں ہیں اور ہم

نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَ قَالَ

پریشان خوابوں کی تعبیر کے ماہر نہیں و٩٢ اور دو (قیدیوں) میں جس کو

ع ١٥

یعنی اس ساقی سے۔ توریت میں ہے:۔ ''لیکن جب تو خوشحال ہو تو مجھے یاد کیجیو اور مجھ پر مہربانی کیجیو اور فرعون سے میرا ذکر کیجیو اور مجھے اس گھر سے مخلصی دلوائیو کہ وہ عبرانیوں کی ولایت سے مجھے پکڑ لائے اور یہاں بھی میں نے ایسا کام نہیں کیا کہ وہ مجھے قید خانہ میں رکھیں۔'' (پیدائش ۴۰: ۱۴۔۱۵) عِنْدَ رَبِّكَ۔ یعنی اپنے آقا بادشاہ ملک سے...... بعض جدید اہل قلم نے بادشاہ کے لئے ایک پیمبر کی زبان سے لفظ رب کے ادا ہونے پر بڑی حیرت کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ جب لفظ کے کھلے ہوئے معنی علاوہ خالق پروردگار کے آقا و مالک کے بھی موجود ہیں تو اس کے استعمال پر یہ اظہار حیرت خود حیرت انگیز ہے۔ پیمبر علیہ السلام حقائق کے ترجمان ہوتے ہیں ان کی زبان آجکل کے اخبار نویسوں پرجوش خطیبوں اور سیاسی لیڈروں کی زبان نہیں ہوتی۔ مالک و آقا کی تعبیر لفظ رب سے کرنا زبان عرب میں عام ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳۹ صفحہ ۵۱۸ ذلک معروف فی اللغة ان یقال للسید رب (قرطبی) الرب المالک والسید والمصلح والمعبود (ابو البقاء) محققین نے لکھا ہے کہ اسباب عادی سے کام لینا بالکل جائز ہے اس لئے اس باب میں حضرت یوسف علیہ السلام پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اور یہ حقیر کہتا ہے کہ یہاں تو جس سے استعانت کی جا رہی ہے وہ تو سرے سے مومن ہی نہ تھا کافر ہی تھا۔ اور استعانت کرنے والے ایک نبی برحق ہیں!...... یہاں سے ان تقویٰ میں غلو کرنے والے متشددین کی بے حقیقتی بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ جنہوں نے مخلوق سے ہر استعانت کو ناجائز بلکہ حرام قرار دیا ہے۔ مرشد تھانوی رحمة اللہ علیہ نے فرمایا کہ ازالۂ شدت و محن کے لئے کسی مخلوق سے استعانت کرنے میں مطلق مضائقہ نہیں خصوصاً اس سے جس پر احسان کیا ہو احسان سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت سے یہ استعانت گوارا ہو جاتی ہے۔ و٨٩ اس ''چند سال'' کی مدت کی تعیین کہیں سے نہ ہو سکی البتہ یہ واضح ہے کہ یہ میعاد نو سال کے اندر ہی تھی۔ عربی میں بضع کا اطلاق ۳ سے ۹ کے عدد تک ہوتا ہے۔ اور آیت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپؑ کی مدت قیام جیل میں ان دونوں کے چھوٹنے کے بعد بھی کئی سال کی رہی۔ ہو سکتا ہے کہ بِضْعَ سِنِيْنَ۔ سے مراد آپؑ کی کل مدت جیل کے اندر بسر کرنے کی ہو۔ یہ آپؑ کے جیل خانہ میں پڑے رہنے کا ذکر بہ طور عتاب کے نہیں ہے بلکہ اسے محض نسیان پر مرتب کرنے سے مقصود صرف اس امر کا اظہار ہے کہ وہ شخص جو درمیانی واسطہ تھا چونکہ بھول گیا اس لئے کوئی سامان آپ کے نکلنے کا نہ ہو سکا...... اپنی دنیوی راحت کے جائز حصول کی فکر کرنا اور اس کے لئے اسباب عادیہ کو کام میں لانا مثلاً یہیں جیل سے رہائی پانے کے لئے ایک کافر خیر خواہ کو واسطہ بنانا اس کے ذریعہ سے ایک کافر بادشاہ تک بات پہنچانا جب مرتبۂ نبوت و کمال تقویٰ کے منافی نہیں تو عام دنیا داروں کے لئے تو مباح بدرجۂ اولیٰ ہے۔ توریت میں ہے:۔ ''اور تیسرے دن جو فرعون کی سالگرہ کا دن تھا اس نے اپنے سب نوکروں کی مہمانی کی اور اس نے سردار ساقی اور نان پز کی اپنے نوکروں سے روبکاری کی اور اس نے سردار ساقی کو اس کی خدمت پر پھر قائم کیا اور اس نے فرعون کے ہاتھ میں جام دیا...... پر سردار ساقی نے یوسف علیہ السلام کو یاد نہ کیا بلکہ اسے بھول گیا۔'' (پیدائش ۴۰: ۲۰۔۲۳) و٩٠ اب تذکرہ ایک عرصہ بعد کا شروع ہوتا ہے بادشاہ مصر نے بھی ایک خواب دیکھا اور اپنے ارکان دولت سے بیان کیا...... یہ واضح رہے کہ ملک مصر اس وقت سات صوبوں میں تقسیم تھا اور زراعت کی دیوی گائے کی صورت میں تھی۔ (ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے) توریت میں اس خواب کو بھی حسب معمول بڑی طوالت سے بیان کیا ہے (پیدائش ۴۱: ۱۔۷) و٩١ اب آج کوئی بادشاہ ایسا خواب دیکھے تو شاید پروا بھی نہ کرے لیکن اس وقت مصر میں سحر۔ نجوم و کہانت کے علوم کے ساتھ ساتھ خوابوں کی بھی بڑی اہمیت تھی۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ توریت میں ہے:۔ ''اور فرعون جاگا اور دیکھا کہ وہ خواب تھا اور یوں ہوا کہ صبح کو اس کا جی گھبرایا تب اس نے مصر کے سارے جادوگروں اور اس کے سب دانشمندوں کو بلا بھیجا اور فرعون نے اپنا خواب ان سے کہا پر ان میں سے کوئی فرعون کے خواب کی تعبیر نہ کر سکا۔'' (پیدائش ۴۱: ۸) و٩٢ درباریوں نے کہا کہ یہ کوئی باقاعدہ مربوط تعبیر طلب خواب تھوڑے ہی ہے

الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ

رہائی مل گئی تھی وہ بولا اور ایک مدت کے بعد اسے یاد پڑا (اور بولا) کہ میں (ابھی) اس کی تعبیر

بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ

لائے دیتا ہوں ذرا مجھے جانے دیجئے ف۹۳ اے یوسف اے صدقِ مجسم

اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

ہم لوگوں کو حکم تو بتایئے (اس خواب کا) کہ سات گائیں موٹی ہیں انہیں سات (گائیں)

عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ

دبلی کھائے جاتی ہیں اور سات بالیاں سبز ہیں اور (سات ہی) اور خشک

لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

تاکہ میں لوگوں کے پاس جاؤں کہ ان کو (بھی) معلوم ہو جائے ف۹۴

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ

(یوسف نے) کہا تم سات سال متواتر کاشتکاری کئے جاؤ پھر جو فصل کاٹو

فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾

اسے اس کی بالی ہی میں لگا رہنے دو بجز تھوڑی مقدار کے کہ اسی کو کھاؤ ف۹۵

ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ

پھر اس کے بعد سات سال سخت آئیں گے کہ اس (ذخیرہ) کو کھا جائیں گے

مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ

جو تم نے فراہم کر رکھا ہے بجز اس تھوڑی مقدار کے جو تم (بیج کے واسطے) رکھ چھوڑو گے

یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ

ف۹۶ پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں کے لئے (خوب) بارش ہو گی

یہ تو پریشان خیالیوں کی طرح پریشان خوابیاں ہیں ان کی تعبیر کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ ف۹۳ (جیل خانہ میں یوسف علیہ السلام صدیق تک) الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا۔ ظاہر ہے کہ وہی ساقی مراد ہے جو عرصہ ہوا جیل کی حوالات سے چھوٹ آیا تھا۔ وَ ادَّكَرَ۔ یعنی اسے حضرت یوسف کا ماجرا بادشاہ سے کہنا یاد آ گیا۔ بَعْدَ اُمَّةٍ۔ امۃ مدت طویل کے معنی میں ہے۔ ای بعد مدۃ طویلۃ (کشاف۔ بحر) توریت کے طول طویل بیان کے لئے ملاحظہ ہو (پیدائش ۴۱: ۹۔ ۱۳) ف۹۴ ساقی آپ کی بزرگی کا پوری طرح معتقد ہے جیسا کہ اس کے خطاب اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ۔ سے بالکل ظاہر ہے۔ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ۔ یعنی ان لوگوں کے پاس واپس پہنچوں جنہوں نے مجھے یہ تعبیر دریافت کرنے بھیجا ہے اور جو میری واپسی کے منتظر ہوں گے۔ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ۔ انہیں علم پہلے تو تعبیر خواب کا ہو جائے اور پھر ضمناً آپ کی بزرگی اور پاکبازی بھی ان پر روشن ہو جائے۔ ف۹۵ یہ واضح رہے کہ مصر تمام تر ایک زرعی ملک تھا۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ ف۹۶ حضرت یوسف علیہ السلام آخر نبی ہی تھے یا اس وقت ہونے والے نبی تھے آپ کے اخلاق کی بلندی کا کیا کہنا ساقی سے اس کی مجرمانہ غفلت پر کسی قسم کے شکوہ وشکایت کے بجائے پوری خوش دلی کے ساتھ اسے تعبیر بتا دیتے ہیں۔ اور تعبیر ہی پر اکتفا نہیں کرتے ساتھ ہی ساتھ اور بلا سوال و درخواست انتظام قحط کی تدبیر بھی بتائے جاتے ہیں! توریت کے طول طویل بیان کے لئے ملاحظہ ہو (پیدائش ۴۱: ۲۵۔ ۲۶)

وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ

اور اس میں وہ شیرہ بھی نچوڑیں گے ف۹۷ اور بادشاہ نے کہا میرے پاس تو لاؤ ف۹۸

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ

پھر جب قاصد ان کے پاس پہنچا تو (یوسفؑ نے) کہا کہ اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے دریافت کر کہ

مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ

ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے تھے ف۹۹ بے شک

رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ

میرا پروردگار عورتوں کے چرتر سے خوب واقف ہے ف۱۰۰ (بادشاہ نے) کہا کہ (اے عورتو) تمہارا کیا واقعہ ہے

اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ

جب تم نے یوسفؑ سے اپنا مطلب نکالنے کی خواہش کی تھی؟ ف۱۰۱ وہ بولیں حاشا اللہ

لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ

ہم کو تو ان میں کوئی بھی بات برائی کی نہ معلوم ہوئی ف۱۰۲ عزیز کی بیوی

الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ

بولی کہ اب تو سچی بات سب پر ظاہر ہو ہی چکی ہے، ان سے اپنا مطلب نکالنے کی

عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ

کوشش تو میں نے کی تھی اور وہی بیشک سچے ہیں ف۱۰۳ یہ (سب) اس لئے تھا

لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ

کہ (عزیز کو اور زیادہ) علم ہو جائے کہ میں نے ان کے پیچھے بھی ان کی خیانت نہیں کی ہے اور یہ کہ اللہ

لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

خیانت کرنے والوں کی چال کو چلنے نہیں دیتا ف۱۰۴

ع ۱۲

ف۹۷ تعبیر وتدبیر کے بعد اب آپؑ بشارت بھی غالباً وحی الٰہی کے ماتحت سنا رہے ہیں۔ یہ قحط جو اس قوت پڑا دنیا کے سخت ترین قحطوں میں سے ہوا ہے اور عالم کی تاریخ قحط میں ایک اہم مقام رکھتا ہے آگے چل کر یہ حدود مصر تک محدود نہ رہا بلکہ حجاز فلسطین شام تمام ممالک ملحقہ میں اس کی شدت محسوس ہوئی، بلکہ توریت میں تو یہاں تک درج ہے کہ یہ قحط عالمگیر تھا اور ساری دنیا اس مصیبت سے بلبلا اٹھی:۔ ''اور سب زمین میں گرانی ہوئی۔'' (پیدائش ۴۱: ۵۴) ''اور تمام روئے زمین پر کال تھا۔'' (پیدائش ۴۱: ۵۶) ''سارے ملک مصر میں یوسف کنے مول لینے آئے کیونکہ سب ملکوں میں سخت کال تھا۔'' (پیدائش ۴۱: ۵۷) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ۔ حضرت کا مخاطب براہ راست یاد کر لیجئے کہ شاہی ساقی ہے جس کا تعلق ہی شیرہ اور شراب سے ہے اس سے گفتگو میں اسی کے کام کی چیز لانا کس درجہ بلیغ اور برمحل ہے یُغَاثُ۔ مصدر غیث کا صیغہ ہے جس کے معنی بارش کے ہیں ابن عباس ؓ صحابی اور مجاہد تابعی وغیرہ سے یہی منقول ہے اور جمہور نے اسی قول کو اختیار کیا ہے لیکن دوسرا قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ یہ مصدر غوث کا صیغہ ہے جس کے معنی کشائش ہو جانے، فریادرسی ہونے کے ہیں۔ اویغاثون من الغوث (بیضاوی) قیل هو الغوث ای الفرج (روح) یحتمل ان یکون من الغوث وهو الفرج (بحر) من الغوث ای یجاب مستغیثهم (مدارک) یغاث۔ یعصرون۔ اوپر سے حضرت یوسف علیہ السلام کا تخاطب اہل مصر سے چلا آ رہا ہے اور ہر جگہ صیغہ جمع مخاطب استعمال ہو رہا ہے اور اس سارے کلام کا تعلق انتظامات قحط سے ہے یہاں پہنچ کر یک بیک صیغہ بدل جاتا ہے اور بجائے مخاطب کے غائب کا ہو جاتا ہے یعنی ''لوگوں کے لئے'' بارش یا فریادرسی ہوگی اور ''لوگ'' شیرہ نچوڑیں گے گویا صاف اشارہ اس امر کی طرف کر دیا کہ رفع قحط کا تعلق تنہا مصر سے نہیں باہر کے ملکوں سے بھی ہے اور بارش دنیا کے مختلف علاقوں میں ہوگی...... قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان کہ ضمناً بھی کہاں کہاں باتیں بتا جاتا ہے اگر بجائے خود اعجاز نہیں تو اور کیا ہے۔ عَامٌ۔ کے معنی بھی سنۃ کی طرح سال ہی کے ہیں لیکن استعمال میں فرق یہ ہے کہ خشکی اور تنگی کے موقع پر سنۃ لایا جاتا ہے اور شادابی وخوشحالی کے موقع پر عام بولا جاتا ہے۔ العام کالسنة لکن کثیراً ماتستعمل السنة فی الحول الذی یکون فیه الشدة والجدب والعام فی ما فیه الرخاء والخصب (راغب) ف۹۸ ساقی آ کر مفصل رپورٹ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے بادشاہ اتنی مفصل اور دلنشین تعبیر سن کر یوسف علیہ السلام کا غائبانہ معتقد ہو جاتا ہے اور قدرۃً مشتاقِ زیارت بھی۔ ف۹۹ (کبھی انہیں بلا کر میرے حال کی بھی تحقیق کی؟) اِلٰى رَبِّكَ۔ رب کا لفظ اس سورۃ میں بار بار آقائے مجازی وظاہری کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ ملاحظہ ہوا ان کو میرے پاس ف۱۰۰ یعنی اللہ پر تو میری بے گناہی اور عورتوں کے جوڑ توڑ روشن ہی ہیں میں چاہتا ہوں کہ میرے جیل سے باہر آنے سے قبل خلق پر بھی میری بے گناہی روشن ہو جائے۔ كَيْدِهِنَّ۔ میں ضمیر بعض نے کہا کہ انہی مخصوص عورتوں کی جانب ہے اور بعض نے کہا کہ نہیں عام جنس نسوان کی جانب ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ آپؑ نے چاہا کہ تہمت کا ازالہ ہو جائے اور مقتدا کو یہی مناسب ہے تاکہ اس کی دعوت الی الحق پر نفع مرتب ہو۔ ف۱۰۱ (یعنی آیا تم نے ان میں اپنی جانب رغبت والتفات پایا تھا؟ هل وجدتن فیه میلاً (کشاف) اب وہ ''لیڈیاں'' دربار میں بلائی گئی ہیں اور ان سے تحقیقات شروع ہوئی ہے۔ ف۱۰۲ (اور ہماری شہادت ہے کہ وہ بالکل پاک وصاف ہیں) حَاشَ لِلّٰهِ۔ کلمہ تعجب یوسف علیہ السلام کے کمال عصمت وپاکبازی کے اظہار کے لئے ہے۔ قلن حاشا لله تعجباً من عفته و ذهابه بنفسه عن شیء من الریبة ومن نزاهته عنها (کشاف) مِنْ سُوْٓءٍ۔ یعنی کسی قسم کی بھی برائی، کوئی شائبہ بھی برائی کا ان میں نہ پایا۔ ف۱۰۳ زلیخا نے جب دیکھا کہ بڑی چھوٹی سب شہادتیں اس کے خلاف ہی گزر گئیں تو اب صاف لفظوں میں اقرار کر لیا کہ قصور سرتا سر میرا ہے دامن یوسفی ہر لوث ہر داغ سے پاک ہے وہ شروع ہی سے متقی وپاکباز رہے۔ ف۱۰۴ جیسا کہ اس سارے قصہ سے ظاہر ہے کہ کسی کی چالاکی دیر تک چلنے نہیں پاتی آخر میں سب کی اصلیت ظاہر ہی ہو کر رہی...... یہ سارا قول یوسف علیہ السلام کا ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہ اہتمام برأت ورفع تہمت۔ ای ذٰلک التثبیت والتشهیر لظهور البراءة (کشاف) ای ذٰلک التثبیت (بیضاوی) لِيَعْلَمَ۔ ضمیر عزیز کی طرف ہے۔ لیعلم العزیز (معالم) لیعلم العزیز (کشاف۔ بیضاوی) عزیز کو یوسف کی پارسائی اور بے گناہی کا علم تو پہلے ہی ہو چکا تھا مقصود یہ ہے کہ اب یقین اور زاید ہو جائے۔ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ۔ عزیز کی خیانت اس کے غیب میں یہی تھی کہ اس کی بیوی کے ناموس کو داغدار کیا جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام ملک میں اس جرم کی اہمیت کو دیکھ کر اس سے اپنی تبری کا خاص اہتمام فرماتے ہیں۔ اور یہیں سے ان مفسرین کی صحت تفسیر کی ایک اور شہادت ملتی ہے جنہوں نے ان ربی احسن مثوای میں رب سے مراد عزیز ہی سے لی ہے۔ سطور ماسبق میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ مصری تہذیب وتمدن میں زنا بجائے خود کوئی اتنا بڑا جرم نہ تھا جتنا ایک شادی شدہ عورت کا اپنے شوہر کے حقوق خصوصی میں خیانت:۔

وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ

اور میں اپنے نفس کو بھی بری نہیں بتلاتا بیشک نفس تو بری ہی بات کا بتلانے والا ہے

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾

بجز اس (نفس) کے جس پر میرا پروردگار رحم کردے ف۱۰۵ بیشک میرا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے، ف۱۰۶

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ

اور بادشاہ نے کہا ان کو میرے پاس لاؤ میں ان کو خاص اپنے (کام کے) لئے رکھوں گا ف۱۰۷

فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾

پھر جب ان سے گفتگو کی ف۱۰۸ تو ان سے کہا کہ تم آج سے ہمارے ہاں (ہر طرح) معزز ہو معتبر ہو ف۱۰۹

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ

(یوسف نے) کہا مجھے ملک کے پیداوروں پر مامور کردیجئے میں دیانت (بھی) رکھتا ہوں، علم (بھی) رکھتا ہوں

عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ

ف۱۱۰ اور ہم نے اسی طرح یوسفؑ کو ملک میں با اختیار بنا دیا

یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ

کہ اس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں ف۱۱۱ ہم جس پر چاہیں، اپنی رحمت

نَّشَآءُ وَ لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ

نازل کریں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ف۱۱۲ اور آخرت کا

الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ ع

اجر کہیں بڑھ کر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کئے رہتے ہیں ف۱۱۳

وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ فَعَرَفَهُمْ

اور یوسفؑ کے بھائی بھی آئے، پھر ان کے پاس پہنچے ف۱۱۴ سو (یوسفؑ نے) ان کو پہچان لیا

ف۱۰۵ (جیسا کہ وہ ہر نبی کے نفس کو اس آلائش سے پاک کردیتا ہی ہے) نبی برحق حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت اب سب پر روشن ہوچکی ہے۔ اور آپؑ خود بھی ابھی ابھی اپنی زبان سے اس کا اظہار فرما چکے ہیں۔ ذلک لیعلم انی الخ اس کے معاً بعد آپؑ یہ کلیہ بیان فرماتے ہیں کہ نفس بشری تو برائیوں کی جانب رجحان رکھتا ہی ہے۔ اور خود میرا نفس بھی بذات خود اس سے مستثنیٰ نہیں، جیسا ملکہ بدی سب انسانوں کے نفس میں ہے، میرے نفس میں بھی ہے، لیکن حکیم مطلق جسے نبی بناتا ہے اسے نفس بشری کے ساتھ ایک نفس پیمبری بھی دے دیتا ہے، ان آلائشوں سے پاک صاف جس کا تعلق اپنے مالک ومولیٰ سے ہر وقت جڑا رہتا ہے اور یہی ہمہ وقتی تعلق اسے ہر معصیت سے ہر اخلاقی لغزش سے روکے اور سنبھالے رہتا ہے۔ پس میں اگر معصوم رہوں تو اس میں میرا کوئی ذاتی کمال ذرا سا بھی نہیں۔ یہ تو تمام تر میرے مالک ومولیٰ کے فضل خاصہ کا نتیجہ ہے۔ وَمَآ اُبَرِّئُ...... السُّوْٓءِ۔ انسان اپنے نفس کی اطاعت کرے یا نہ کرے، یہ الگ سوال ہے، نفس تو بہر حال بدی کی ترغیب دیتا اور بدی کی راہوں کی طرف لے جاتا ہی رہتا ہے تو بھلا نفس کا تبریہ کیونکر ممکن ہے۔ یعنی ان النفس کثیرۃ النزاع الی السوء فلا یبری نفسه وان کان لا یطاوعها (صاص) اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ۔ حضرات انبیاء کے مرتبۂ تواضع کا کیا کہنا۔ اپنی خوبی کے حصہ کو منسوب اپنی جانب کرنے کے بجائے اسے نتیجہ تمام تر فضل خداوندی کا قرار دیا جارہا ہے۔ ف۱۰۶ چنانچہ شان غفر کا تقاضہ یہ ہے کہ نفس امارہ کو بھی توبہ وانابت کے بعد لوامہ بنا کر مغفرت اس پر مرتب کردیتا ہے اور شان رحیمی کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنی موہبت خاص سے انبیاء کو نفس مطمئنہ عطا کردیتا ہے۔ ف۱۰۷ کہ یہ تو اپنی سیرت خاص اور کردار اعلیٰ اور انتظامی اہلیت کے لحاظ سے سرکاری وشاہی مناصب کے لائق ہیں۔ یہ اب تک نج کی ملازمت میں کیسے پڑے رہ گئے) توریت میں ہے:۔ ”یہ تعبیر فرعون کی نگاہ میں اور اس کے سب نوکروں کی نظر میں اچھی معلوم ہوئی۔ فرعون نے اپنے نوکروں کو کہا کیا ہم ایسا جیسا یہ مرد ہے کہ جس میں خدا کی روح ہے، پاسکتے ہیں؟“ (پیدائش ۴۱: ۳۸) ف۱۰۸ (اور اس گفتگو سے بادشاہ پر آپؑ کے مزید کمالات وفضائل منکشف ہوئے) ف۱۰۹ (ان اونچے اور بھروسہ کے عہدہ ومنصب کے لائق) توریت میں ہے:۔ ”اور فرعون نے یوسف علیہ السلام سے کہا از بس کہ خدا نے اس سب میں تجھے بینائی دی ہے۔ سو کوئی تجھ سا عاقل ودانشور نہیں ہے۔ تو میرے گھر کا مختار ہو اور اپنا حکم میری سب رعیت پر جاری کر۔ فقط تخت نشینی میں میں تجھ سے بزرگ تر رہوں گا۔“ (پیدائش ۴۱: ۳۹۔۴۰) ف۱۱۰ یعنی ایسے بڑے اور ذمہ دارانہ عہدہ کے لئے ضرورت دو چیزوں کی ہوتی ہے۔ ایک دیانت وامانت، دوسرے اس کام سے واقفیت۔ سو مجھ میں یہ دونوں وصف موجود ہیں۔ حضرت یوسف کا عہدہ گویا آج کل کی اصطلاح میں وزیر مال (ریونیو منسٹر) اور وزیر خزانہ (فنانس منسٹر) کا جامع تھا۔ اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ۔ یہ عہدہ آج کل کی اصطلاح میں ریونیو منسٹر (وزیر محاصل ومالگذاری) اور فنانس منسٹر (وزیر مال وخزانہ) کا جامع معلوم ہوتا ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جب مقصود نفع رسانی ہو نہ کہ نفس پروری، تو اپنے کو عہدہ ومنصب کے لئے پیش کردینا ناجائز نہیں، یہاں تک کہ غیر مسلم نظام حکومت کے ماتحت بھی عہدہ ومنصب قبول کرلینا مطلق صورت میں حرام نہیں۔ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی کو واقف کرنے کے لئے اپنے فضل وکمال کو بیان کردینا بالکل جائز ہے اور فلا تزکوا انفسکم کے تحت میں نہیں آتا۔ فوصف نفسه بالعلم والحفظ وفی هذا دلالة علی انه جائز للانسان ان یصف نفسه بالفضل عند من لا یعرفه وانه لیس من المحظور من تزکیه النفس (صاص) دلت الأیة علی انه یجوز للانسان ان یصف نفسه بما فیه من علم وفضل (قرطبی) دلت الأیة علی جوازان یخطب الانسان عملاً یکون له اهلاً (قرطبی) توریت میں ہے۔ ”پھر فرعون نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ دیکھ میں نے تجھے ساری زمین مصر پر حکومت بخشی، اور فرعون نے اپنی انگشتری اپنے ہاتھ سے نکال کر یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں پہنا دی۔ تب اُس کے آگے منادی کی گئی، سب ادب سے رہو۔ اور اُس نے اُسے مصر کی ساری مملکت پر حاکم کیا اور یوسف کو کہا، میں فرعون ہوں اور تیرے بغیر مصر کی ساری زمین میں کوئی انسان اپنا ہاتھ یا پاؤں نہ اٹھائے گا“۔ (پیدائش ۴۱: ۴۴) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے کہ منصب وحکومت کی درخواست جبکہ اُس میں مخلوق کا نفع ہو اور خود اپنا یہ ضرر نہ ہو کہ غیر اللہ میں مشغول ہوجائے، قادح کمال نہیں۔ ف۱۱۱ (اور عملاً اُنہی کو ملک کے سیاہ وسفید کا مالک بنادیا) كَذٰلِكَ مَكَّنَّا۔ یعنی اس عجیب وغریب طریقہ سے، ایسے معجزانہ انداز سے...... کہاں تو وہ کنوئیں کی گہرائیوں اور جیل کی چار دیواری کے اندر وہ بے بسی اور بے کسی تھی اور کہاں یہ اقتدار مطلق العنانی کی حد تک حاصل ہوگیا، اُس وقت کی متمدن ترین سلطنت میں! توریت میں ہے:۔ ”اور فرعون نے یوسف کا خطاب جہاں پناہ رکھا...... اور یوسف مصر کی زمین میں پھرا...... اور یوسف فرعون کے حضور سے نکل کر مصر کی ساری زمین میں پھرا“۔ (پیدائش ۴۱: ۴۴) مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ۔ خوب خیال کرلیا جائے، ایک کافر بادشاہ کی بخشی ہوئی اس عزت کو قرآن مجید تمکین فی الارض سے تعبیر کرتا اور موقع مدح واحسان پر اس کا اظہار کرتا ہے۔ ف۱۱۲ یعنی نیک کاروں، نیک کرداروں کا اجر ومعاوضہ تو موعود ہی ہے، باقی رحمت وفضل کا ذکر کوئی ضابطہ متعین نہیں۔ جس پر وہ چاہے بلا حق واستحقاق کردے۔ ف۱۱۳ یعنی اہل ایمان وتقویٰ کے لیے آخرت میں جو انعام ہے، وہ دنیا کی ہر دولت ونعمت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا اقتدار بھی نیکوکاری کا اصلی صلہ نہیں۔ ف۱۱۴ یہ ذکر اُس وقت کا ہے جب قحط شدید نہ صرف مصر میں پڑ چکا ہے بلکہ اُس کے اثرات فلسطین وغیرہ دوسرے ملکوں تک محیط ہوچکے ہیں اور یہ ذکر یوسف علیہ السلام کے اُن دس سوتیلے بھائیوں کا ہو رہا ہے،

جو آپ کے سر مصیبت لائے تھے۔ یہ عظیم الشان اور تاریخی قحط تو مصر کے تمام ملحقہ ممالک میں تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ دوسری اور جگہوں میں قحط ہی قحط تھا۔ اور یہاں یوسف علیہ السلام کے حسن تدبیر سے قحط کا انتظام بھی تھا۔ ایسا کہ نہ صرف مصریوں کو غلہ پہنچتا رہا بلکہ باہر والوں کے ہاتھ بھی ایک نرخ مقرر پر فروخت ہوتا رہا...... "راشننگ" اور "کنٹرول" کی یہ بہترین تاریخی نظیر بھی ایک پیمبر ہی کے روئداد زندگی کا جزو ہے۔ توریت میں ہے:۔ "اور سب زمین میں گرانی ہوئی پر ہنوز مصر کی ساری زمین میں روٹی تھی۔ پر جب ساری زمین مصر بھوک سے ہلاک ہونے لگی تو خلق روٹی کے لیے فرعون کے لیے آگے چلائی...... اور تمام روئے زمین پر کال تھا...... اور سارے ملک مصر میں یوسف کنے مول لینے آئے، کیونکہ سب ملکوں میں سخت کال تھا"۔ (پیدائش ۴۱: ۵۴۔ ۵۷) "سو یوسف کے دس بھائی غلہ مول لینے کو مصر میں آئے"۔ (پیدائش ۴۲: ۳) آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ملکی معاملات میں حسن انتظام وتدبر اعلیٰ، کمالاتِ نبوت تک کے منافی نہیں، چہ جائیکہ اسے کسی اور مقبول وبرگزیدہ بندہ کے کمالات روحانی کے منافی سمجھا جائے۔ وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ۔ یعنی برادرانِ یوسف مصر میں غلہ لینے کے لیے آئے۔ ف۱۱۵ اب حضرت یوسف علیہ السلام کا عالم ہی ظاہر ہے کہ دوسرا تھا۔ وہ غریب بھلا اس عالم میں آپ کو کیا پہچانتے، اُن کا تو ذہن بھی ادھر نہیں جا سکتا تھا کہ جس "ذلیل غلام" کو وہ قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ آئے ہیں وہ کہیں اتنی بڑی سلطنت کا وزیر اعظم یا مدار المہام ہو سکتا ہے! اور کہاں لڑکپن کے چہرہ کا نقشہ اور کہاں اب پختہ سن وسال کا چہرہ مہرہ! توریت میں ہے:۔ "سو یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے اور اپنے کو زمین کی طرف جھکائے ہوئے اُس کے حضور خم ہوئے۔ یوسف نے اپنے بھائیوں کو دیکھا اور انہیں پہچان گیا...... یوسف نے تو اپنے بھائیوں کو پہچانا، پر انہوں نے اُسے نہ پہچانا"۔ (پیدائش ۴۲: ۷۔ ۹) ف۱۱۶ یعنی اب تو تمہیں خود ہی مشاہدہ ہو گیا کہ میں ہر شخص کا حصہ دیتا رہتا ہوں۔ کسی کا حصہ کاٹتا نہیں۔ گیارہ آدمی آؤ گے تو پورے گیارہ حصے ملیں گے۔ توریت میں ہے:۔ "اور تم کال کے لیے اپنے گھر میں غلہ لے جاؤ لیکن اپنے چھوٹے بھائی کو مجھ پاس لے آئیو۔ تمہاری باتیں یوں ثابت ہوں گی اور تم نہ مرو گے"۔ (پیدائش ۴۲: ۱۹۔ ۲۰) اِئْتُوْنِیْ...... اَبِیْكُمْ۔ ان دس بھائیوں کو جب اُن کے حصہ کا پورا غلہ مل گیا تو انہوں نے عرض کیا کہ علاوہ ہمارے بوڑھے باپ کے ہمارا ایک علاتی بھائی بھی ہے۔ اس کا حصہ بھی عطا ہو۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے ضابطہ کا جواب دیا کہ اُس کو لا کر حاضر ہو۔ جب تمہارا دعویٰ ثابت ہو۔ اور جب ہی اُس کا حصہ بھی ملے۔ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَیْلَ۔ یعنی فی نفر پورا پورا حساب کر کے دیتا ہوں۔ اسی طریقہ کو آج کی اصطلاح میں راشننگ یا راتب بندی کہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ سے معلوم ہوا کہ اپنی خوش معاملگی کا اظہار اگر مقصود اس سے اپنی مدح نہ ہو بلکہ کوئی اور مصلحت ہو تو تواضع کے منافی نہیں۔ ف۱۱۷ (کہ اس صورت میں میں تمہیں کاذب سمجھوں گا۔ اور یہی نتیجہ نکالنا ہوگا کہ تم نے مجھے دھوکا دے کر ایک زائد حصہ وصول کرنا چاہا تھا، غلہ ایک ایک کو ایک مقدار معین میں ملتا تھا اور اس میں غائبوں کا کوئی حصہ نہ تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ ہر شخص فرضی تعداد غائبوں کی بتا کر جتنا چاہتا خود حاصل کر لیتا اور دوسروں کا حصہ کٹ جاتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی بس یہی فرمایا کہ اپنے دعویٰ کا ثبوت لا حاضر کرو، ورنہ تمہارا دعویٰ سرے سے باطل سمجھا جائے گا...... نفع اندوزی (پرافیٹرنگ) اور چور بازاری (بلیک مارکٹنگ) جس طرح آج گرانی اور کمیابی اشیاء کے زمانہ میں ایک سخت قانونی جرم ہے۔ عجب کیا ہے جو اس وقت کے مصری قانون میں بھی ہو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے اس طریق عمل نے ثابت کر دیا کہ خشک سالی کے زمانہ میں جب ہلاکت نفوس کا اندیشہ ہونے لگے، ہمیشہ حکام کے لیے جائز ہے کہ ہر فرد کے لیے اس کی ضرورت کے مطابق راتب بندی کر دی جائے۔ و فی ما قص اللہ تعالٰی علینا من قصۃ یوسف و حفظہ للاطعمۃ فی سنی الجدب و قسمتہٗ علی الناس بقدر الحاجۃ دلالۃ علیٰ ان الائمۃ فی کل عصران یفعلوا مثل ذٰلک اذا خافوا ھلاک الناس من القحط (جصاص) ف۱۱۸ یعنی باپ سے کہہ سن کے اُس بھائی کے لانے کی کوشش اپنی والی تو ضرور ہی کر ڈالیں گے۔ ف۱۱۹ یعنی جب اپنے وطن پہنچ کر یہ قیمت بھی واپس شدہ پائیں گے تو اس احسان وکرم سے متاثر ہو کر پھر تو ضرور ہی آئیں گے۔ توریت میں ہے:۔ "تب یوسف علیہ السلام نے حکم کیا کہ اُن کے بورے غلہ سے بھریں اور ہر شخص کی نقدی اُس کے بورے میں رکھ کر پھیر دیں اور انہیں سفر کی خورش بھی دے دیویں۔ اُن سے یوں سلوک کیا گیا"۔ (پیدائش۔ ۴۲: ۲۵) ف۱۲۰ (آپ اِن کو ہمارے ہمراہ کرنے میں ان کے متعلق کسی پس وپیش کو دخل نہ دیں، ہم اِن کی بہ حفاظت واپسی کا پورا ذمہ لیتے ہیں) فرزندانِ یعقوب علیہ السلام نے آ کر اپنے والد ماجد سے عرض کیا کہ ہمیں اپنے گیارہویں بھائی کا حصہ تو ملا نہیں بلکہ آئندہ کے لیے ہمیں یہ فرمان ہوا ہے کہ ہم لوگ اگر اُسے نہ لے گئے تو یہ سمجھا جائے گا کہ ہم لوگ دغا سے گیارہواں حصہ وصول کرنا چاہتے تھے اور غلہ کا حصہ ہم میں سے کسی ایک کو بھی نہ ملے گا۔ تو اب اس کا علاج صرف یہ ہے کہ اب کی بنیامین کو بھی ہمارے ہمراہ کر دیجیے۔ توریت میں ہے:۔ آخر وہ زمین کنعان میں اپنے باپ یعقوب کے پاس پہنچے، اور اپنا سب حال جو اُن پر گزرا تھا اُس سے کہا اور بولے کہ وہ شخص جو اُس ملک کا مالک ہے ہم سے سختی سے بولا اور ہمیں زمین کے جاسوس ٹھہرایا۔ ہم نے اُسے کہا ہم سچے آدمی ہیں۔ ہم جاسوس نہیں ہیں۔ ہم بارہ بھائی ایک باپ کے بیٹے ہیں۔ ہم میں سے ایک نہیں ملتا۔ اور سب سے جو چھوٹا ہے، آج اپنے باپ کے پاس زمین کنعان میں ہے۔ تب اُس شخص نے جو ملک کا مالک ہے،

وَ هُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ

در آنحالیکہ وہ لوگ ان سے نا آشنا رہے ف۱۱۵ اور جب (یوسفؑ) ان کا سامان تیار کر چکے

قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْۤ

(تو) ان سے کہا کہ (اب کی) اپنے علاتی بھائی کو بھی لانا کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں

اُوْفِي الْكَيْلَ وَ اَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿٥٩﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ

پوری پوری ناپ کر دیتا ہوں اور میں مہمان نوازی خوب کرتا ہوں ف۱۱۶ لیکن اگر تم اسے میرے پاس نہ

بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَ لَا تَقْرَبُوْنِ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا

لائے تو نہ تمہارے پیمانہ (کا غلہ) میرے پاس ہوگا اور نہ تم خود میرے پاس آنا ف۱۱۷ وہ بولے

سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَ اِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿٦١﴾ وَ قَالَ لِفِتْيٰنِهِ

ہم اس کے باپ سے ضرور اس کو طلب کریں گے، اور (ایسا) ہم ضرور کریں گے ف۱۱۸ اور (یوسفؑ) نے اپنے

اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَاۤ

خادموں سے کہا کہ ان کی نقدی انہی کے سامان میں رکھ دو کہ جب اپنے لوگوں کے پاس واپس پہنچیں

اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٢﴾

تو اسے پہچانیں اس سے شاید کہ وہ پھر آئیں ف۱۱۹

فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا

غرض جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس پہنچے تو بولے اے ہمارے باپ! ہمارے لیے

الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكْتَلْ وَ اِنَّا لَهٗ

غلہ بند کر دیا گیا ہے سو آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجیے تو ہم غلہ لا سکیں، اور ہم ان کے

لَحٰفِظُوْنَ ﴿٦٣﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَاۤ

پورے محافظ ہیں ف۱۲۰ انہوں نے کہا کیا اس کے بارہ میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کر لوں جیسا (اس سے) قبل

اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ

اس کے بھائی کے بارہ میں تمہارا اعتبار کرچکا ہوں سو اللہ ہی سب سے بڑھ کر

حٰفِظًا ۪ وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَ لَمَّا فَتَحُوْا

نگہبان ہے اور وہ ہی سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے ف۱۲۱ اور پھر جب انہوں نے

مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ

اپنا سامان کھولا تو انہیں اپنی نقدی بھی ملی کہ انہی کی طرف واپس کر دی گئی تھی

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ

وہ بولے اے ہمارے باپ اور ہم کو کیا چاہیے یہ ہماری نقدی بھی تو ہم ہی کو لوٹا دی گئی ہے ف۱۲۲

وَ نَمِيْرُ اَهْلَنَا وَ نَحْفَظُ اَخَانَا وَ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ

اپنے گھر والوں کے واسطے رسد لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت رکھیں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ اور لائیں گے

ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى

یہ غلہ تو تھوڑا سا ہے ف۱۲۳ (یعقوبؑ نے) کہا میں تو اسے تمہارے ساتھ ہرگز بھیجنے کا نہیں، جب تک

تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ

تم اللہ کی قسم کھا کر مجھے قول نہ دے دو گے کہ تم اسے (واپس) لے ہی آؤ گے، ہاں بجز اس کے کہ تم (خود) ہی (کہیں)

يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى

گھر جاؤ ف۱۲۴ پھر جب وہ انہیں قسم کھا کر اپنا قول دے چکے تو (یعقوبؑ) بولے ہم لوگ جو کچھ بات چیت کر رہے

مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ

ہیں اللہ کے حوالے ف۱۲۵ اور فرمایا کہ اے میرے بیٹو! ایک ہی دروازہ

بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَ مَاۤ

سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا ف۱۲۶ اور میں

ہم کو کہا میں اب تمہیں جانچوں گا کہ سچے ہو کہ نہیں۔ اپنا ایک بھائی مجھ پاس چھوڑو اور اپنے گھرانے کے لیے کال کی خورش لو اور جاؤ اور اپنے چھوٹے بھائی کو میرے پاس لے آؤ۔ تب میں جانوں گا کہ تم جاسوس نہیں بلکہ سچے ہو۔ پھر میں تمہارے بھائی کو تمہارے حوالے کردوں گا۔ اور تم ملک میں سوداگری کیجیو۔'' (پیدائش ۴۲: ۲۹۔ ۳۴) ف۱۲۱ (سو میری نگہبانی اور میری شفقت سے ہوتا کیا ہے) حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنی ذمہ داری اور ضمانت کس منہ سے پیش کر رہے ہو؟ تم وہی تو ہو جو یوسف کو بھی انہی ضمانتوں اور وعدوں کے ساتھ لے گئے لیکن تم کہتے ہو کہ غلہ بغیر بنیامین کے ساتھ کیے ہوئے ملے گا نہیں تو خیر اگر لے ہی جانا ہے تو اسے اللہ کے سپرد کیا۔ حفاظت و ذمہ داری بھی اُسی کی سب سے بڑھی ہوئی اور شفقت و عنایت بھی اُسی کی سب سے بڑھی ہوئی۔ ف۱۲۲ (لیجیے ہم تو سرتاسر نفع ہی میں رہے، اپنے اندازہ اور توقع سے بڑھ بڑھ کر اور اب تو بنیامین کو ساتھ لے کر دوسرا سفر بہت ہی ضروری ہو گیا ہے) **ای اعطانا الطعام ثم نرد علینا ثمن الطعام علٰی احسن الوجوہ فای شیء نبغی وراء ذٰلک** (کبیر) وَ لَمَّا...... اِلَيْهِمْ۔ توریت میں ہے:۔ ''اور یوں ہوا کہ جب انہوں نے اپنے بورے خالی کیے تو دیکھا کہ ہر شخص کی نقدی بندھی ہوئی اُس کے بورے میں تھی۔'' (پیدائش ۴۲: ۳۵) ف۱۲۳ یعنی یہ غلہ جواب کی بار ہم لائے ہیں یہ کب تک چلے گا۔ تھوڑے ہی دن میں تو پھر ضرورت پڑ جائے گی۔ **ای ذٰلک مکیل قلیل لا یکفینا** (کشاف) دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ ''یہ تو بڑی آسانی سے مل جانے والا غلہ ہے''۔ یعنی محض بنیامین کے ساتھ ہونے سے ایک اُونٹ غلہ اور مل جاتا ہے۔ یہ سودا تو بڑے مزہ کا ہے۔ وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ۔ (تو آپ اُسے ساتھ لے جانے کی ہمیں اجازت دے ہی دیجیے) اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فی کس ایک ایک اُونٹ بھر غلہ ملتا تھا۔ ف۱۲۴ (تو البتہ مجبوری کی بات ہے) زمانہ قدیم کے سفر ہر طرح کی بدامنی اور خطرات کے شکار رہتے تھے اور پھر یہ سفر تو کنعان سے مصر تک کا اُس وقت کے معیار سے بہت دُور دراز کا تھا۔ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ۔ قول و قرار کا قسم سے مؤکد کرنا ظاہر ہے کہ مزید احتیاط اور مضبوطی کے لیے تھا۔ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ استثناء دلیل ہے شفقت پدری کی۔ توریت میں اس مقام پر یوں ہے:۔ ''اور اُن کے باپ یعقوب علیہ السلام نے انہیں کہا تم نے مجھے بے اولاد کیا۔ یوسف نہیں ہے اور شمعون بھی نہیں۔ بنیامین کو بھی لے جاؤ گے۔ یہ سب باتیں میرے مخالف ہیں۔ تب روبن نے اپنے باپ سے خطاب کر کے کہا کہ اگر میں اُس کو تجھ پاس نہ لاؤں تو میرے دونوں بیٹوں کو قتل کیجیو۔ اسے میرے ہاتھ میں سونپ دے کہ میں اسے پھر تجھ پاس پہنچا دوں گا'' (پیدائش ۴۲: ۳۶، ۳۷) ف۱۲۵ (کہ وہی تمہارے قول و قرار کا گواہ بھی ہے اور وہی اُسے پورا کرانے پر بھی قادر ہے) گویا اس ایک فقرہ میں تشریعی تاکید اور تکوینی توکل دونوں کے پہلو آگئے۔ توریت میں ہے:۔ ''تب یہوداہ نے اپنے باپ اسرائیل کو کہا کہ اس جوان کو میرے ساتھ بھیج کہ ہم اُٹھیں اور جاویں تاکہ ہم اور تو اور ہمارے بچے جیویں اور مر نہ جاویں۔ اور میں اس کا ضامن ہوتا ہوں تو میرے ہی ہاتھ سے اس کو طلب کیجیو۔ اگر میں اسے تیرے پاس نہ لاؤں اور تیرے سامنے نہ بٹھاؤں تو تو یہ گناہ ابد تک میری گردن پر رکھیو۔'' (پیدائش ۴۳: ۸، ۹) ف۱۲۶ (جب ملک مصر کے پائے تخت میں شہر پناہ سے داخل ہونا) یہ ایک تدبیر تھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے خیال میں مختلف مکروہات مثلاً شبۂ جاسوسی اور نظر بد وغیرہ سے بچنے کی۔ **قیل نہاھم خشیۃ ان یستراب بھم لقول یوسف انتم جواسیس** (بحر) مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ۔ زمانہ قدیم میں ہر بڑے شہر کے گرداگرد شہر کے اندر داخلہ کے متعدد پھاٹک ہوتے تھے۔ نظر بد کا اعتقاد قدیم شریعتوں میں عام تھا۔ اس لیے اگر اس سے تحفظ حضرت یعقوب علیہ السلام کی غرض مانی جائے جب بھی کوئی مضائقہ نہیں لیکن ایک دوسرے معنی بھی ممکن ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام گویا یہ فرما رہے ہیں کہ اب مصر کے لوگ تمہیں جان پہچان گئے ہیں اور عزیز کی نظرِ عنایت تم پر معلوم و معروف ہو چکی ہے۔ اب شہر پناہ کے ایک ہی دروازے سے داخل ہو گے تو تم ٹھہرے پردیسی۔ تمہاری وجاہت، تمہاری جمعیت، خواہ مخواہ اہل مصر کی نظر میں کھٹکے گی اور اُن کے جذباتِ حسد کو حرکت میں لائے گی اس سے بہتر یہ ہے کہ تم لوگ بجائے ایک ساتھ رہنے کے الگ الگ متفرق پھاٹکوں سے داخل ہو۔ تو ممکن ہے لوگوں کی نظر نہ پڑے، اور تم ہدفِ حسد ہونے سے بچ جاؤ۔

أُغْنِي عَنكُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ۖ إِنِ الْحُكْمُ

اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا اختیار تو بس

إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

اللہ ہی کا ہے اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے بھی

الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ

بھروسہ رکھنے والوں کو ف۱۲۷ اور جب وہ داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے انہیں حکم

أَبُوهُم مَّا كَانَ يُغْنِي عَنْهُم مِّنَ اللَّهِ مِن

دیا تھا اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی ان کے کام نہ

شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۚ

آسکا ہاں وہ تو ایک ارمان تھا یعقوبؑ کے دل میں جو انہوں نے پورا کر لیا ف۱۲۸

وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

اور بیشک وہ (بڑے) صاحب علم تھے اس لئے کہ ہم نے ان کو علم دیا تھا ف۱۲۹ لیکن اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ

(اس حقیقت کا) علم نہیں رکھتے ف۱۳۰ اور جب یہ لوگ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو (یوسفؑ نے) اپنے (حقیقی) بھائی کو

إِلَيْهِ أَخَاهُ ۖ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا

اپنے پاس جگہ دی ف۱۳۱ (اور) کہا کہ میں تو تمہارا بھائی (یوسفؑ) ہوں سو جو کچھ یہ لوگ

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ

کرتے رہے ہیں۔ اس پر (اب) نہ کڑھو ف۱۳۲ پھر جب ان کا سامان تیار کر دیا تو پانی کا گلاس

السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا

اپنے (حقیقی) بھائی کے شلیتہ میں رکھ دیا ف۱۳۳ اس کے بعد ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا اے

ف۱۲۷ (سوتم بھی اصل بھروسہ اسی پر رکھنا۔ اپنی تدبیروں پر نظر نہ رکھنا) وَمَآ أُغْنِي عَنكُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ۔ یعنی میں کیا اور میری تدبیر ہی کیا! میں کوئی تقدیر الٰہی تھوڑے ہی تم پر سے ٹال سکتا ہوں ...... کیا شانِ عبدیت ہر پیمبر میں ہوتی ہے! آیت سے معلوم ہوا کہ نفس تدبیر ہرگز منافی توکل نہیں، البتہ اُس تدبیر پر پورا اعتماد کر بیٹھنا اور اُسی کو مؤثر حقیقی سمجھنے لگنا منافی توکل ہے۔ مِن شَيْءٍ۔ میں نفی کامل کا بیان ہے۔ یعنی میری تدبیریں کسی خفیف و ادنیٰ درجہ میں بھی مشیت الٰہی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ۔ سارے اختیارات تکوینی و تقدیری اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، کسی مخلوق کو مشیت الٰہی میں ذرا بھی دخل نہیں۔ عَلَيْهِ ...... الْمُتَوَكِّلُونَ۔ کلام یعقوبی کا اصل مقصد اسی مسئلہ توکل پر زور دینا معلوم ہوتا ہے۔ ف۱۲۸ (کچھ اس ظاہری تدبیر سے خدانخواستہ انہیں تقدیر الٰہی سے معارضہ تھوڑے ہی مقصود تھا) آیت میں بڑا سبق تسکین و تسلی کا عام اُمتیوں کے لیے ہے۔ درجۂ تدبیر و تدبیر جائز میں خدا معلوم کتنے اُمور ہیں جو دل میں آتے رہتے ہیں۔ ان سب کے لیے یہ بڑی سند ایک پیمبر کے عمل سے ہاتھ آگئی۔ ف۱۲۹ (اور وہ علم مرضیاتِ الٰہی کا تھا، جیسا کہ ہر نبی کو ہم دیتے رہتے ہیں) حضرت یعقوب علیہ السلام اس علم صحیح کے ہوتے ہوئے ظاہر ہے کہ تدبیر کو مؤثر حقیقی کب سمجھ سکتے تھے۔ انہوں نے تو صرف درجۂ تدبیر میں ایک احتیاط برتی تھی، اور ایسی احتیاطیں نامشروع نامحمود نہیں بلکہ عین مشروع و محمود ہیں۔ ف۱۳۰ (بلکہ اپنے جہل سے تدبیر کو مؤثر حقیقی سمجھنے لگتے اور معتوب ہوتے ہیں) مومن صادق اور عارف اس کے برعکس تدبیر کو بھی ایک ذریعہ تعمیل ارشاد کا بنا لیتا اور مستحق اجر و ثواب ہو جاتا ہے۔ ف۱۳۱ (شفقت و عزت کے ساتھ) خاطر داریوں اور مہمان نوازیوں کی تفصیلات توریت میں بھی درج ہیں۔ لیکن دوسرے بھائیوں کے شمول میں ...... ہمارے مفسرین نے مخصوص بنیامین کی خاطر داریوں کا ذکر کیا ہے۔ اور یہی سیاق قرآنی کے زیادہ مطابق ہے اور عقل بھی اسی کو قبول کرتی ہے۔ ف۱۳۲ (کہ اب تو اللہ نے ہم بچھڑے ہوؤں کو ملا دیا) ملنے کے بعد یقیناً بھائی بھائی میں خوب باتیں ہوئی ہوں گی۔ اور یہ تجویز یقیناً زیر بحث آئی ہوگی کہ آئندہ کے لیے ان ظالم بھائیوں سے بچ کر بنیامین کی یوسف علیہ السلام ہی کے پاس رہنے کے لیے کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ اور بالآخر ایک صورت طے پا گئی جس کا ذکر ابھی بعد کی آیتوں میں آتا ہے۔ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ۔ یہ مکالمت ظاہر ہے کہ آپؑ نے کہیں تخلیہ میں اُن سے کی ہوگی۔ ف۱۳۳ (اس مصلحت کے ساتھ کہ جب یہ لوگ رخصت ہو جائیں گے تو آپ ہی اس جامِ شاہی کی تلاش شروع ہو گی، اور شبہ خواہ مخواہ انہی قافلہ والوں پر ہوگا) یہ منصوبہ بنیامین کے مشورہ ہی سے تیار ہوا تھا، اس لیے وہ قدرۃً بے فکر اور مطمئن تھے اور ان کے کسی دھوکے یا غلط فہمی میں پڑنے کا امکان نہ تھا۔ السقایة غلہ ناپنے کا پیمانہ بھی یہی تھا۔ اور توریت میں ہے کہ یہ گلاس چاندی کا تھا۔ ہمارے یہاں کی بھی بعض روایتیں چاندی ہی سے متعلق ہیں۔ توریت میں ہے:۔ "اور اُس نے اپنے گھر کے داروغہ کو یہ حکم کیا کہ ان آدمیوں کے بوروں کو غلہ سے جتنا کہ وہ لے جا سکیں بھر اور ہر شخص کی نقدی اس کے بورے کے اندر ڈال دے اور میرا پیالہ روپے کا پیالہ چھوٹے کے بورے میں اوپر وار اس کے غلہ کی قیمت سمیت رکھ دے چنانچہ اُس نے یوسف علیہ السلام کے فرمانے کے موافق عمل کیا"۔ (پیدائش ۴۴: ۱، ۲)

ف۱۳۴ یہ ندا کرنے والا یقیناً مہمان خانہ کا کوئی افسر ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ اُس نے یہ بہ طور خود کیا یا حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے؟ قرینہ تو یہی کہتا ہے کہ از خود کیا ہوگا۔ وزیر تک اس صاف اور سیدھی کارروائی کو لے جانے کی ضرورت کیا تھی۔ اور نہ قرآن مجید ہی میں اس کی طرف کوئی اشارہ ہے۔ صرف بعض مفسرین کی یہ رائے ہے اور اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ صورت توریہ کی لازم آتی ہے یعنی سرقہ سے حقیقۃً مراد وہ سرقہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام سے غائب کر دیا تھا۔ لیکن سامعین معنیٰ قریب یعنی پیمانہ کا سرقہ سمجھے۔ لیکن اگر یوسف علیہ السلام کا اذن و حکم نہ فرض کیا جائے تو اس توجیہ و تاویل کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اس صورت میں بات بالکل صاف ہو رہتی ہے کہ مہمان خانہ کے اہل کاروں اور عملہ والوں نے از خود ہی یہ قیاس کر کے یہ صدا لگائی) اکابر اہل تفسیر ادھر ہی گئے ہیں۔ لیس فی القران انهم نادوا بذلک النداء عن امر یوسف علیه السلام والا قرب الی ظاهر الحال انهم فعلوا ذلک من انفسهم (کبیر) قال قائل من الموکلین بالصیحان وقد فقدوه ولم یدروا من اخذه ایتها العیر انکم لسارقون علی ظن منهم انهم کذلک ولم یامرهم یوسف بذلک (جصاص) قیل قالوه من غیر امر یوسف (معالم) وهو من قبل المؤذن بناءً علی زعمه (روح) حضرت یوسف علیہ السلام کو ملزم قرار دینے کی اصل ذمہ داری توریت پر ہے۔ چنانچہ اس میں ہے:۔ ”جوں ہی صبح کی روشنی ہوئی وہ سب اپنے گدھے لے کے چل نکلے جب وہ شہر سے تھوڑی دور باہر گئے یوسف نے اپنے گھر کے داروغہ کو کہا کہ اٹھ اور ان لوگوں کا پیچھا کر اور جب تو انہیں پاوے تو انہیں کہہ کہ تم نے کس لئے نیکی کے عوض یہ بدی کی۔“ (پیدائش ۴۴: ۴، ۵) ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ۔ یعنی جب قافلہ کچھ دور نکل گیا اور شاہی مہمان خانہ کے اہل کاروں کو وہ پیمانہ غائب نظر آیا تو قدرۃً انہیں شبہ اسی قافلہ والوں پر گزرا اور ان میں سے کسی نے لپک کر یہ آواز دی۔ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ظن غالب کی بناء پر اگر کسی کو چور کہہ دیا جائے تو اس پر کذب کا اطلاق نہیں ہوگا۔ فلم یکن قول هذا القائل کذبًا اذ کان مرجعه الی غالب ظنه (جصاص) ف۱۳۵ (کہ جس سے ہم پر شبہ چوری کا کر رہے ہو) برادران یوسف علیہ السلام نے یہ صدا سن کر پیچھے مڑ کر دیکھا اور حیران ہو کر کہا کہ آخر وہ ہے کیا چیز جس کے غائب ہو جانے سے آپ ہم لوگوں کو چور سمجھنے لگے! عَلَيْهِمْ۔ کے صیغہ جمع سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاش میں تعاقب کرنے والا کوئی فرد واحد نہ تھا بلکہ متعدد سلطانی اہلکار تھے۔ ف۱۳۶ یہ انعام خزانہ سرکار کی طرف سے مقرر ہوا تھا اور قحط و خشک سالی کے زمانہ میں غلہ کا راشن اتنی بڑی مقدار میں ایک بہت بڑا انعام تھا۔ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۔ یہ کہنے والا کون تھا اور انا کی ضمیر کس کی طرف ہے! لازمی نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہی سے مراد لی جائے۔ سرکاری اہلکار متعلقہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور اکثر اکابر سلف اسی طرف گئے ہیں۔ الزعیم هو المؤذن (ابن جریر عن مجاہد) یقول المؤذن (مدارک و معالم) وهو قول المؤذن (روح) ف۱۳۷ برادران یوسف علیہ السلام نے اپنے اوپر یہ عجیب و غریب اور توہین آمیز الزام سن کر ان اہلکاران سرکاری سے کہا کہ ہم اپنے ملک و قوم کے اعیان و اشراف میں ہیں، چوری سے ہمیں واسطہ کیا۔ اور پھر ہم تو آپ کے مہمان ایک بار قبل بھی رہ چکے ہیں اور ہمارے اطوار و خصائل آپ پر واضح ہو چکے ہیں آپ کو یہ خیال ہی کیسے گزرا کہ ہم آپ کے ملک میں کوئی جرم کرنے یا قانون شکنی کرنے آئے ہیں۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ۔ خطاب یہاں عہدہ داران سرکاری سے ہے اور تائے قسم اور لقد کی دہری تہری تاکید سے اپنے دعویٰ پر انتہائی زور دینا مقصود ہے جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ یہ خیال ہی آپ کو کیسے پیدا ہوا۔ تَاللّٰهِ۔ ت قسم کی ہے۔ اور یہ تائے قسم عربی میں صرف لفظ اللہ پر داخل ہوتی ہے۔ اس کے کسی مرادف رحمن۔ رب وغیرہ پر نہیں آتی۔ ف۱۳۸ (اور چور ثابت ہو گئے) ان افسروں نے کہا اگر تلاش کے بعد سامان تمہارے ہی پاس نکل آیا اور تمہاری صفائی جھوٹی ثابت ہوئی تو تم ہی اپنے ملک و قوم کے آئین کے لحاظ سے بتاؤ کہ تمہاری کیا سزا؟ ف۱۳۹ یعنی ہماری شریعت اسرائیلی میں چور کی سزا یہی ہے...... توریت میں جو سزائیں درج ہیں، خیال رہے کہ وہ شریعت موسوی کی ہیں، شریعت اسرائیلی سے کئی سال بعد کی۔ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ۔ یعنی چوری کی سزا میں صاحب مال چور کو اپنا غلام بنا لے۔ والمعنی ان استعباده هو جزاء ذلک الجرم (کبیر) ف۱۴۰ (بنیامین کو پاس رکھ لینے کی) كِدْنَا۔ صیغۂ متکلم لا کر گویا یہ صاف کر دیا کہ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی مخفی کارروائیاں تھیں سب ہمارے ایماء سے ہوئیں، یوسف علیہ السلام کسی منزل پر بھی قابل الزام نہیں۔ فَبَدَاَ۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تلاشی یوسف علیہ السلام نے اپنے ہاتھ ہی سے لی ہو۔ ان کے کسی نائب کا فعل بھی انہی کا سمجھا جائے گا۔ کید۔ مکر کے قسم کے الفاظ جب حق تعالیٰ کی جانب منسوب ہوتے ہیں تو ان سے مراد محض مخفی تدبیر ہوتی ہے نہ کہ اردو محاورہ کے مطابق دغا فریب وغیرہ۔ الکید من الخلق الحیلة ومن الله التدبیر بالحق (معالم) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس قسم کے الفاظ جب حق تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتے ہیں تو ان سے مراد ان اعمال کی منتہائے مقصود اور حاصل غرض ہوتی ہے نہ کہ ان اعمال کے ابتدائی مدارج۔ انا ذکرنا قانونًا معتبرًا فی هذا الباب وهو ان امثال هذه الالفاظ تحمل علی نهایات الاغراض لا علی بدایات الاغراض (کبیر) كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ استدلال کیا ہے کہ مقصد مباح کے حاصل کرنے کے لئے حیلہ کرنا جائز ہے۔ دلالة علی اجازة الحیلة فی التوصل الی المباح (جصاص) ف۱۴۱ مصری قانون میں چوری کی سزا غلامی نہیں، جرمانہ دتازیانہ تھی۔ لِيَاْخُذَ۔ اخذ کے یہاں معنیٰ، پکڑ لینے کے نہیں، گرفتار تو بنیامین ہو ہی گئے تھے، یہاں اس سے مراد یوسف علیہ السلام کا انہیں اپنے پاس رکھ لینا ہے جیسا کہ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے

الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ

قافلہ والو ضرور تم ہی چور ہو ف۱۳۴ وہ بولے اور ان کی طرف متوجہ ہوئے

مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ

کہ تمہاری کیا چیز گم ہوئی ہے ف۱۳۵ وہ بولے ہم سے شاہی پیمانہ گم ہوا ہے

وَ لِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾

اور جو کوئی اسے لے آئے گا اس کے لئے ایک بار شتر (غلہ) ہے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں ف۱۳۶

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ

وہ بولے بخدا! تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم لوگ ملک میں فساد پھیلانے نہیں آئے ہیں

وَ مَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ

اور نہ ہم چور ہیں ف۱۳۷ وہ بولے اس (چور) کی کیا سزا اگر

كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ

تم جھوٹے نکلے؟ ف۱۳۸ وہ بولے کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کسی کے شلیتہ میں

رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

وہ (پیمانہ) مل جائے تو وہی شخص اپنی سزا ہے ہم لوگ مجرموں کو یونہی سزا دیا کرتے ہیں ف۱۳۹

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا

پھر (یوسفؑ) نے اپنے (حقیقی) بھائی کے تھیلے سے قبل دوسروں کے تھیلوں سے (تلاش کی) ابتداء کی، پھر اس

مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ

(پیمانہ) کو اپنے (حقیقی) بھائی کے تھیلہ سے برآمد کر لیا اس طرح کی تدبیر ہم نے یوسفؑ کی خاطر کر دی ف۱۴۰

مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ

(یوسفؑ) اپنے بھائی کو بادشاہ (مصر) کے قانون کے لحاظ سے نہیں لے سکتے تھے ف۱۴۱ مگر یہ ہے کہ

مصری قانون کے لحاظ سے یہ بات حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے ممکن نہ تھی۔ اے لم یکن لهٗ اخذه فی حکم ملک مصر قال الضحاک وغیرہ (ابن کثیر) یعنی ان یوسف لم یکن یتمکن من حبس اخیه فی حکم الملک (معالم) والمعنی انه کان حکم الملک فی السارق ان یضرب ویغرم ضعفی ما سرق فما کان یوسف قادرًا علی حبس اخیه عند نفسه بناء علی دین الملک وحکمه (کبیر) اور ظاہر ہے کہ یہ باہر کے آئے ہوئے لوگ اصولاً اسی ملک کے قانون کے ماتحت تھے جس میں اس وقت مقیم تھے۔ جیسا کہ آج تک بین الاقوامی قانون کا دستور چلا آتا ہے۔ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ۔ یوسف علیہ السلام کو نورِ نبوت سے معلوم ہو چکا تھا کہ آئندہ کو نظامِ حکومت انہی کے ہاتھ میں آنے والا ہے۔ اس لیے آپ سردست مصری آئین سے کوئی تعرض نہ فرماتے تھے۔ ف۱۴۲ (پس کوئی بھی اپنے علم پر نازاں نہ ہو، جہاں سب کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بھی اوپر اس ہستی کا علم ذاتی اور علم محیط ہے۔ جس کا نام عالم الغیب والشہادۃ ہے) اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ۔ چنانچہ خود انہی لوگوں کی زبان سے یہ نکلا کہ ہم میں جس کی بھی چوری ثابت ہو اسے اپنا غلام بنالو..... یعنی عام قاعدہ کے لحاظ سے تو یوسف علیہ السلام کو کوئی اختیار تھا ہی نہیں کہ بنیامین کو اپنے پاس روک رکھیں، یہ تو

یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَ فَوْقَ

اللہ ہی کو منظور تھا ہم جس کے مرتبے چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں اور ہر

كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْۤا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ

صاحب علم سے بڑھ کر ایک عالم ہے ف۱۴۲ (برادران یوسفؑ) بولے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو

سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ

اس کا (یعنی) بھائی بھی اس کے پیشتر چوری کر چکا ہے ف۱۴۳ پس یوسفؑ نے اسے اپنے دل میں

فِیْ نَفْسِهٖ وَ لَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ

پوشیدہ رکھا اور اسے ان پر ظاہر نہ ہونے دیا ف۱۴۴ کہا کہ تم تو (اور بھی) بدتر

مَّكَانًا ۚ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا

ہو اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے ف۱۴۵ وہ بولے اے

الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا

عزیز! اس کا باپ بہت ہی بوڑھا ہے سو آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو

مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ

لے لیجیے ہم تو آپ کو بہت نیک مزاج پاتے ہیں ف۱۴۶ (یوسفؑ نے) کہا اللہ اس سے

اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ

پناہ میں رکھے کہ ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا (کسی اور کو) ہم پکڑ رکھیں

اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع فَلَمَّا اسْتَیْــَٔسُوْا مِنْهُ

اس حالت میں تو ہم ہی بڑے ناانصاف ٹھیریں گے ف۱۴۷ پھر جب وہ ان کی طرف سے مایوس ہو گئے

خَلَصُوْا نَجِیًّا ؕ قَالَ كَبِیْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ

تو علیحدہ باہم مشورہ کرنے لگے ف۱۴۸ ان میں سے سب سے بڑے نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ

محض اللہ نے اپنی مشیت تکوینی سے یہ بات عہدہ داروں کے دل میں ڈال دی جو انہوں نے خود اسرائیلیوں سے ان کے قانون کی بابت سوال کر لیا۔ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ۔ سیاق چاہتا ہے کہ یہاں درجات علم مراد ہوں۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کا مرتبہ علم میں اتنا بڑھ کر رہا۔ اے بالعلم کما رفعنا درجة یوسف علی اخوته (معالم) ف۱۴۳ (اس لئے اس کی چوری پر کچھ ایسا تعجب نہیں) برادران یوسف علیہ السلام کی سیرت جو شروع سے نمودار ہو رہی ہے اب اس میں ایک اور عنوان کا اضافہ ہوا ایک الزام یوسف علیہ السلام پر اور دھر دیا کہ انہوں نے اپنے بچپنے میں اپنے نانا کے ہاں ایک سونے کی مورتی اٹھا کر غائب کر دی تھی اس خیال سے کہ اب بت پرستی سے باز رہیں گے۔ کان جدة ابو امه کافرا یعبد الاوثان فامرته امهٗ بان یسرق تلک الاوثان ویکسرها فلعله یترک عبادة الاوثان ففعل ذٰلک فهٰذا هو السرقة (کبیر عن سعید بن جبیر) ف۱۴۴ یوسف علیہ السلام کو اپنے برادران نامہربان کا یہ قول سن کر غصہ تو قدرۃً آیا لیکن آپ نے اسے ظاہر نہ فرمایا۔ ھا کی ضمیر دونوں جگہ اس فقرہ کی طرف ہے جو آگے آرہا ہے۔ فاسر الجملة واما الکلمة التی هی قوله انتم شر مکانًا (کبیر عن الزجاج) یعنی الکلمة التی بعدها (ابن کثیر) یعنی بها الکلمة (معالم) دوسرے مرجع بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ مثلاً اجابة کہ یوسف علیہ السلام نے اس وقت جواب نہ دیا۔ یا مقالة کہ یوسف علیہ السلام نے سرقہ کی اصل حقیقت ان پر نہ کھول دی۔ اے فاسر یوسف اجابتهم فی نفسه فی ذٰلک الوقت (کبیر) ویجوز ایضا ان یکون اضمارًا للمقالة والمعنی اسرّ یوسف مقالتهم، یعنی اسرّ یوسف فی نفسه کیفیة تلک السرقة ولم یبین لهم انها کیف وقعت (کبیر) اسرها اے جواب هٰذه الکلمة (ابن عباسؓ) لم یبدها اے جوابها (ابن عباسؓ) ف۱۴۵ یعنی تم جو ہم دونوں کو چور بنا رہے ہو اس کی حقیقت اللہ ہی پر خوب روشن ہے۔ قَالَ۔ یوسف علیہ السلام نے یہ سب کچھ اپنے دل میں کہا۔ اے فی نفسه (ابن عباسؓ) اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا۔ کہ دوسرے تو مال ہی چراتے ہیں اور تم نے تو انسان کو چرا لیا! اور وہ بھی اپنے باپ سے اس کے محبوب ترین بیٹے کو! ف۱۴۶ برادران یوسف نے جب دیکھا کہ اب تو برے پھنسے اور ضابطہ سے اب کوئی صورت بنیامین کی عزیز مصر کے قید سے چھوٹنے کی نظر نہیں آتی اور باپ کو جو زبردست اور حلفیہ قول و قرار دے آئے تھے وہ سب یاد آئے تو اب لگے خوشامد کی راہ سے کہنے کہ حضور والا اس لڑکے کے چاہنے والے باپ بہت بوڑھے ہیں۔ ان کے قلب کو بہت سخت صدمہ ہوگا اس لئے آپ یہ کیجیے کہ اس لڑکے کے بجائے ہم میں سے کسی کو رکھ لیجے اور اسے جانے دیجئے اور حضور جیسے رحیم المزاج حاکم ہماری درخواست ضرور ہی منظور کر لیں گے ہمیں بڑی آس لگی ہوئی ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام مدار المہامی پر فائز ہو چکے ہیں۔ ف۱۴۷ آپ نے فرمایا کہ تم نے بھی غضب کر دیا! مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ مال کسی کے پاس نکلے اور سزا کسی کو ملے، حاشا مجھ سے تو یہ ناانصافی نہیں ہو سکتی۔ شریعت اسلامی میں بھی سزائے بدنی میں مبادلہ جائز نہیں۔ زید اگر اپنی خوشی سے اپنے کو عمرو کے عوض رجم یا قتل یا قطع عضو کے لئے پیش کر دے تو قاضی یا مدعی کو اس کے قبول کر لینے کا اختیار نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کمال احتیاط سے بنیامین کو اپنی زبان سے چور نہیں کہتے بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ مال تو تمہارے سامنے جس کی تلاشی میں نکلا، سزا تم اس کے سوا کسی اور کو دلانا چاہتے ہو! ف۱۴۸ (کہ اب کیا کرنا چاہیے، نہ بنیامین کو چھوڑ کر واپس جاتے بنتا ہے نہ یہاں ٹھیرتے) منه۔ ضمیر یوسف علیہ السلام کی طرف بھی جا سکتی ہے اور بنیامین کی طرف بھی..... پہلی صورت میں "جب ان لوگوں کو یوسف علیہ السلام کی طرف سے یوسف علیہ السلام کے جواب سے مایوسی ہوگئی،" دوسری صورت میں "جب ان لوگوں کو بنیامین کی طرف سے بنیامین کے متعلق مایوسی ہوگئی۔"

قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ مَا
تم سے اللہ کی قسم کھلا کر قول لے چکے ہیں اور اس کے قبل
فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى
یوسفؑ کے بارہ میں تو تقصیر کر ہی چکے ہو و۱۴۹ سو میں تو (اس) سرزمین سے ٹلتا نہیں جب تک
يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ
میرے باپ مجھ کو اجازت نہ دیں یا اللہ ہی میرے حق میں فیصلہ کر دے اور وہی بہترین
الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ
فیصلہ کرنے والا ہے و۱۵۰ تم لوگ اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور ان سے کہو کہ اے ابا
اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَ مَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَ مَا
آپ کے بیٹے نے چوری کی اور ہم تو شاہد اتنے ہی کے تھے جتنا ہم جانتے تھے اور ہم
كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا
غیب کے تو جاننے والے تھے نہیں و۱۵۱ آپ اس بستی والوں سے دریافت کر لیجیے جہاں
فِيْهَا وَ الْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾
ہم تھے اور اس قافلہ والوں سے (بھی) جس میں ہم آئے ہیں اور بیشک ہم ہی سچے ہیں و۱۵۲
قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ
(یعقوبؑ نے) کہا (جی نہیں) بلکہ تمہارے لئے تمہارے دل نے ایک بات گڑھ لی ہے و۱۵۳ میں صبر ہی کروں گا
جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ
بلا آمیزش شکایت، کیا عجب کہ اللہ ان سب کو مجھ تک پہنچا دے و۱۵۴ بیشک
هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَ تَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ
وہی بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے و۱۵۵ اور ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے

و۱۴۹ (وہی ایک پرانی شرمندگی کیا کم ہے، کہ یہ نئی شرمندگی لے کر ان کے پاس جاؤں) قَالَ كَبِيْرُهُمْ۔ توریت میں اس موقع پر نام یہودا کا درج ہے جو اپنے بھائیوں میں چوتھے نمبر پر تھا۔ قرآن نے اس تاریخی غلطی کی تصحیح کردی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبیر سے مراد لازمی طور پر سن کی بڑائی نہ ہو۔ عقل وغیرہ کی بڑائی بھی مراد لئے جانے کی گنجائش ہے۔ قیل کبیرھم فی العقل وھو یھودا وھو الذی نھاھم عن قتل یوسف (کبیر) ای اعقلھم (ابن قتیبہ) یعنی فی العلم والعقل لا فی السن قال ابن عباسؓ والکلبی ھو یھوذا وھو اعقلھم (معالم) اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا...... اللّٰهِ۔ یعنی ہم تو حلف مؤکد کے ساتھ بنیامین کی حفاظت کا وعدہ کر چکے ہیں اور ایسی مجبوری ابھی تک لاحق ہوئی نہیں ہے کہ ہم کوئی تدبیر کسی درجہ میں بھی نہ کر سکیں۔ و۱۵۰ یعنی یا تو والد ماجد ان حالاتِ خصوصی کو سن کر خود ہی مجھے یہاں سے ہٹنے اور وطن آنے کی اجازت دے دیں اور یا اللہ تعالیٰ بنیامین کی رہائی کی کوئی سبیل نکال دے اور ہم سب اسے ساتھ لے کر چلیں۔ و۱۵۱ یعنی ہمیں کیا خبر تھی کہ بنیامین یہ حرکت کرے گا ورنہ ہم کبھی قول وقرار نہ کرتے۔ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا۔ یعنی قول وقرار دیتے وقت تو ہم نے صرف اتنی ہی ذمہ داری لی تھی جتنی ہمارے ظاہر علم میں آسکتی تھی۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ ظاہر علم پر بھی بغیر حقیقت علم کے شمول کے اسم علم کا اطلاق جائز ہے۔ ھذا یدل علی جواز اطلاق اسم العلم من طریق الظاھر وان لم یعلم حقیقتہ (جصاص) و۱۵۲ یعنی اگر آپ ہماری بات کا یقین نہیں کرتے تو اپنے کسی معتبر آدمی کو بھیج کر مصر سے تصدیق کرا لیجیے یا ہمارے ساتھ جو اور اہل قافلہ تھے انہی سے دریافت کر لیجیے سب ہمارے ہی بیان کی تصدیق کریں گے۔ وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا۔ اس وقت سفر کا عام طریقہ یہی تھا کہ بہت سے لوگ مل کر اور قافلہ بنا کر سفر کرتے تھے اور پھر قحط و گرانی کی مصیبت تو آس پاس کے ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی، آلِ یعقوب علیہ السلام کے علاوہ اور بھی خدا معلوم کتنے اس طرح قافلہ بنا کر مصر پہنچ رہے تھے۔ و۱۵۳ (جیسا کہ واقعہ یوسف علیہ السلام میں پہلے ہی تم کر چکے ہو) شدتِ غم وحزن میں انسان ایسے ہی کلمات پر طبعاً مضطر ہے اور پیمبر بھی انسان ہی ہوتے ہیں، سارے انسانی جذبات کے ساتھ یہ گفتگو اب اس موقع کی ہے کہ بڑے بھائی اور بنیامین کو مصر میں چھوڑ اور سب بھائی کنعان میں اپنے والد ماجد کی خدمت میں پہنچے ہیں اور روئداد مصائب سنائی ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو متہم ومشتبہ ہو، اس کو یقین کے ساتھ نہیں، لیکن حدود ظن تک متہم ومشتبہ سمجھنا موجب معصیت نہیں کہ اس پر انسان طبعاً مضطر ہی ہے۔ و۱۵۴ (اور میرے یوسف کے خواب کی تعبیر بھی نکل آئے) بِهِمْ جَمِيْعًا۔ بھم۔ صیغہ جمع کا ہے، تثنیہ کا نہیں۔ مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنے تینوں بچھڑے ہوئے بیٹوں سے تھی۔ یوسف علیہ السلام و بنیامین کی محبوبیت تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن معلوم ہوا کہ تعلق خاطر اس تیسری اولاد سے بھی پوری طرح تھا۔ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ۔ فقرہ کی ترکیب مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ سب سے صاف اور بے تکلف وہ ہے جس کے مطابق ترجمہ متن میں درج کیا گیا ہے۔ جمیل سے مراد ایسا صبر ہے، جو بلا آمیزش شکوہ وشکایت ہو۔ و۱۵۵ اسی کو خوب خبر ہے کہ ان میں سے کون کون، کس حال میں، کہاں کہاں ہے۔ اور وہی جب ملانا چاہے گا تو اپنی حکمت سے اسباب اور تدبیریں بھی ایسی پیدا کرے گا۔ میرا حالِ زار بھی اس پر خوب روشن ہے اور مجھے جو اس ابتلاء میں اسی نے ڈالا ہے وہ بھی کسی حکمت ومصلحت ہی سے ہے۔

يَٰٓأَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَٱبْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ

ہائے یوسف! اور غم سے (روتے روتے) ان کی آنکھیں

ٱلْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٨٤﴾ قَالُوا۟ تَٱللَّهِ تَفْتَؤُا۟ تَذْكُرُ

سفید پڑگئیں اور وہ گھٹ گھٹ کر رہتے تھے ف۱۵۶ (بیٹے) بولے تم تو واللہ یوسف ہی کی یاد میں سدا

يُوسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ

لگے رہو گے یہاں تک کہ جاں بلب ہو جاؤ گے یا دم ہی

ٱلْهَٰلِكِينَ ﴿٨٥﴾ قَالَ إِنَّمَآ أَشْكُوا۟ بَثِّى وَحُزْنِىٓ إِلَى

نکل جائے گا ف۱۵۷ (یعقوبؑ نے) فرمایا میں تو اپنے رنج وغم کی شکایت بس (اپنے) اللہ ہی سے

ٱللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ يَٰبَنِىَّ ٱذْهَبُوا۟

کر رہا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ف۱۵۸ اے میرے بیٹو جاؤ

فَتَحَسَّسُوا۟ مِن يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَا۟يْـَٔسُوا۟

اور یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے

مِن رَّوْحِ ٱللَّهِ ۖ إِنَّهُۥ لَا يَا۟يْـَٔسُ مِن رَّوْحِ ٱللَّهِ إِلَّا

مایوس نہ ہو اللہ کی رحمت سے مایوس تو بس

ٱلْقَوْمُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿٨٧﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا۟ عَلَيْهِ قَالُوا۟ يَٰٓأَيُّهَا

کافر ہی لوگ ہوتے ہیں ف۱۵۹ پھر جب وہ لوگ (عزیز) کے پاس پہنچے تو بولے اے

ٱلْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا ٱلضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَٰعَةٍ

عزیز ہم کو اور اور ہمارے گھر والوں کو (بڑی) تکلیف پہنچ رہی ہے ف۱۶۰ اور ہم یہ نکمی پونجی لے کر

مُّزْجَىٰةٍ فَأَوْفِ لَنَا ٱلْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَآ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ

آئے ہیں سو آپ ہمیں ہمارے لئے غلہ پوری ناپ سے دیجئے اور ہمارے ساتھ رعایت کیجئے، بیشک اللہ

ف۱۵۶ جسے فطرت بشری سے ذرا بھی واقفیت ہے وہ جانتا ہے کہ نئی چوٹ سے پرانی چوٹ تازہ ہو جاتی ہے اور تازہ غم سے پرانا غم ہرا ہو جاتا ہے۔ یہ امر انسان کے لئے طبعی ہے۔ چنانچہ اسی کے اقتضاء سے آپؑ بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو ازسرِ نو شدت کے ساتھ یاد کرنے لگے...... پیمبر اپنے جذبات واحساسات کے لحاظ سے بالکل بشر ہوتا ہے، مافوق البشر نہیں ہوتا ہے۔ یہ سبق قصۂ یوسفی کے ایک ایک جزئیہ سے بار بار دہرایا جا رہا ہے۔ تَوَلّٰی عَنْهُمْ۔ یہ منہ پھیر لینا انقباضِ طبعی کے اثر سے تھا۔ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ۔ یہ اشک افشانی کمالاتِ نبوت کے ذرا بھی منافی نہیں (جیسا کہ آج کل کے بعض نافہموں نے لکھ دیا ہے) بلکہ اور زیادہ شفقت اور رقت قلب کی علامت ہے۔ یجوز للنبی علیه السلام ان یبلغ الجزع ذٰلک المبلغ لان الانسان مجبولٌ علٰی ان لا یملک نفسه عند الحزن (مدار) اور حضرت یوسف علیہ السلام تو خیر نوجوان تھے ہمارے حضور انور تو اپنے فرزند ابراہیم علیہ السلام کی وفات پر آنسوؤں کے ساتھ روئے ہیں جو ابھی شیر خوار ہی تھے۔ فَهُوَ كَظِيْمٌ۔ یعنی دل پر اور آنکھوں پر تو اختیار نہ تھا باقی زبان پر کوئی کلمہ بے صبری یا جزع فزع کا نہیں آنے پاتا تھا۔ یہ فقرہ اس لیے بڑھا دیا گیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شدتِ غم کے ساتھ ساتھ آپ کی شدتِ ضبط بھی نمایاں ہو جائے، مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ محبت طبعی محبت حق کے منافی نہیں۔ اس کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے، بلکہ کاملین میں اس کا غلبہ انہیں رضائے حق سے غافل نہیں کر دیتا بلکہ اس تعلق کو اور مضبوط کر دیتا ہے۔ ف۱۵۷ لڑکوں نے یہ جھنجھلا کر اور جزبز ہو کر کہا ہے...... بوڑھوں کی ضد پر یہ جوانوں کا جھنجھلاہٹ فطرتِ بشری کی کتنی صحیح تصویر ہے۔ تَاللّٰهِ۔ خدا کی قسم جس میں ناگواری اور حیرت کے جذبات بھی شامل ہیں۔ ف۱۵۸ نہ تمہیں اس کے الطافِ بیکراں کا وہ علم ہے جو مجھے ہے اور نہ تمہیں وہ اسرار وعلوم مرحمت ہوئے ہیں جو مجھے ہوئے ہیں۔ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ یعنی میں جو کچھ بھی عرض ومعروض شکوہ وشکایت کر رہا ہوں اپنے اللہ سے کر رہا ہوں، تمہیں اس سے کیا سروکار اور تم اس میں خواہ مخواہ ہی دخل دے رہے ہو۔ مفسر تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے صبر جمیل کے منافی اگر ہے تو شکایت الی الخلق نہ کہ شکایت الی الخالق جو عین دعاء والتجائے مطلوب ہے۔ ف۱۵۹ کیا ٹھکانہ ہے اس اعتماد علی اللہ کا! یہ ہے شانِ نبوت! اظہار درد وغم اپنے مالک ومولیٰ کے حضور میں کر کے اب آپ ظاہری تدبیروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی تلاش پر ان کے انہی بھائیوں کو پھر لگاتے ہیں:۔ ف۱۶۰ (غلہ کی ناداری سے) دَخَلُوْا عَلَيْهِ۔ ضمیر عزیز کی جانب ہے اور یوسف علیہ السلام ہی اب عزیز تھے۔ یہ تیسرا سفر بھی ان بھائیوں نے مصر ہی کا اختیار کیا ایک تو "راشن" کی حاجت شدید اور یہ حاجت وہیں سے پوری ہو سکتی تھی۔ دوسرے بنیامین کی رہائی کی کوئی تدبیر اگر ممکن تھی تو وہیں جانے سے بن پڑ سکتی تھی۔ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ۔ اب کی لہجہ میں اضطرار اور عاجزی قدرۃً زاید ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ حاجت کے وقت یہ طریق اظہار جائز ہے اور اس سے حق تعالیٰ کی شکایت کا پہلو نہیں پیدا ہوتا۔ دل ذٰلک علٰی جواز اظهار مثل ذٰلک عند الحاجة الیه وانه لا یجری مجری الشکوٰی من الله تعالٰی (جصاص)

يَجۡزِی الۡمُتَصَدِّقِیۡنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا فَعَلۡتُمۡ

رعایت کرنے والوں کو جزائے خیر دیتا ہے و١٦١ (یوسفؑ) بولے وہ بھی تمہیں یاد ہے جو تم نے یوسف اور اس کے

بِیُوۡسُفَ وَ اَخِیۡهِ اِذۡ اَنۡتُمۡ جٰهِلُوۡنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوۡۤا ءَاِنَّكَ

بھائی سے (برتاؤ) کیا تھا جبکہ تم نادان تھے و١٦٢ وہ بول پڑے ارے تو کیا

لَاَنۡتَ یُوۡسُفُ ؕ قَالَ اَنَا یُوۡسُفُ وَ هٰذَاۤ اَخِیۡ ۫ قَدۡ

تم یوسف ہی ہو؟ و١٦٣ فرمایا (ہاں) میں یوسف ہی ہوں اور یہ ہے میرا بھائی واقعی

مَنَّ اللّٰهُ عَلَیۡنَا ؕ اِنَّهٗ مَنۡ یَّتَّقِ وَ یَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ

ہم پر اللہ نے (بڑا ہی) احسان کیا و١٦٤ واقعی جو شخص بھی تقویٰ اور صبر اختیار کرتا ہے سو اللہ

لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوۡا تَاللّٰهِ لَقَدۡ

نیک کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے و١٦٥ وہ بولے قسم ہے اللہ کی کہ اللہ نے

اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَیۡنَا وَ اِنۡ كُنَّا لَخٰطِـِٕیۡنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا

تم کو ہم پر فضیلت دے رکھی ہے اور بیشک ہم ہی خطاوار رہے ہیں و١٦٦ (یوسفؑ نے) کہا کہ (نہیں)

تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡكُمُ الۡیَوۡمَ ؕ یَغۡفِرُ اللّٰهُ لَكُمۡ ۫ وَ هُوَ

آج تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ

اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۹۲﴾ اِذۡهَبُوۡا بِقَمِیۡصِیۡ هٰذَا فَاَلۡقُوۡهُ

سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے و١٦٧ (اب تم) میرے اس پیراہن کو لئے جاؤ اور اس کو میرے والد کے

عَلٰی وَجۡهِ اَبِیۡ یَاۡتِ بَصِیۡرًا ۚ وَ اۡتُوۡنِیۡ بِاَهۡلِكُمۡ

چہرہ پر ڈال دو (ان کی) آنکھیں روشن ہو جائیں گی و١٦٨ اور اپنے گھر والوں کو (بھی) سب کو

اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۹۳﴾ ع وَ لَمَّا فَصَلَتِ الۡعِیۡرُ قَالَ اَبُوۡهُمۡ اِنِّیۡ

میرے پاس لے آؤ و١٦٩ اور جب (ادھر سے) قافلہ چلا ہے و١٧٠ تو ان کے باپ بولے کہ اگر تم مجھے بالکل سٹھیایا ہوا نہ

ع ١٠/١٣

و١٦١ اپنی پیش کردہ رقم کو حقیر وناقص کہہ کر پیش کرنا عزیز پر اور زیادہ اپنی مسکنت واحتیاج کا اظہار کرنا تھا، یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کے مزاج کی تمکنت سے خوب واقف تھے۔ اب جوان کا لہجہ گدایانہ اور سائلانہ دیکھا۔ نہ رہا گیا، دل پگھل گیا، شفقت پیمبری تو غیروں تک کا دکھ دیکھ نہیں سکتی چہ جائیکہ یہ تو اپنے بھائی ہی تھے۔ تصدق۔ المتصدقین۔ تصدق اور صدقہ سے یہاں اصطلاحی معنٰی مراد نہیں کسی کے ساتھ معاملت میں بہت زیادہ رعایت برتنا مجازاً صدقہ ہی کے حکم میں داخل ہے۔ قال سعید بن جبیر انما سالوا التفضل بالنقصان فی السعرولم یسئلوا الصدقة (جصاص) ای تفضل علینا بالمسامحة والاغماض عن رداءة البضاعة اوزد علٰی حقنا (مدارک) ای تفضل علیناولا تنقصنا، هٰذا قول اکثر المفسرین (معالم) سموا ما هو فضل وزیادة لا یلزمه صدقة (کشاف) فَاَوۡفِ لَنَا الۡكَیۡلَ۔ یعنی ہماری راشننگ میں کہیں کمی نہ کر دیجئے گا۔ ہماری ضرورتوں کا لحاظ کر کے اللہ ہم پر رحم کیجئے۔

و١٦٢ (اور اپنے افعال کے انجام سے بے خبر) اس طرز خطاب میں خود ایک حد تک ان مجرموں کی دلدہی آ گئی۔ جٰهِلُوۡنَ۔ اکابر سلف نے کہا ہے کہ ہر معصیت جہالت ہی سے سرزد ہوتی ہے۔ قال بعض السلف کل من عصی الله فهو جاهل (ابن کثیر) لما لم یفعلوا مایقتضیه العلم ولا یقدم علیه الاجاهل سماهم جاهلین (کشاف) و١٦٣ عزیز کی زبان سے یہ سوال ادا ہوتے ہی ان بھائیوں کے سامنے پچھلے واقعات کی یاد بجلی کی تیزی کے ساتھ آ گئی، اور وہ اپنے رشک کے جذبات اور یوسف علیہ السلام کے خواب سے ان خیالات میں ترقی اور یوسف علیہ السلام وبنیامین کے ساتھ عداوت وہ گھر سے جنگل میں لے جانا اور کنوئیں میں گرانا وہ وہاں انہیں غلام کہہ کر قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالنا اور اپنی بدسلوکیاں ایک ایک کر کے یاد آ گئیں اور ساتھ ہی یہ خیال تازہ ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام کا خواب جھوٹا نہیں ہو سکتا تھا عجب نہیں کہ یہی اس کی تعبیر ہو رہی ہو، ءَاِنَّكَ۔ استفہام حیرت وحیرانی کا ہے۔ الاستفهام یدل علی الاستعظام ای انهم تعجبوا من ذٰلک (ابن کثیر) قَالُوۡا۔ وہ لوگ یہ سن کر فرط حیرت سے بول پڑے۔ و١٦٤ (کہ پہلے ہمیں توفیق صبر وتقویٰ عطا کی اور پھر اس کی برکت سے یہ دنیوی نعمتیں عطا کیں!) و١٦٥ (بلکہ پورا پورا ادا کر دیتا ہے) قرآن مجید تو دوسروں کی زبان سے بھی جزئیات کے ساتھ ساتھ اصول وکلیات ادا کرا دیتا ہے پھر یوسف علیہ السلام تو نبی ہی تھے۔ ان کی زبان سے ایک گہری اصولی حقیقت بیان کر دی۔ یَتَّقِ وَیَصۡبِرۡ۔ تقویٰ سے مراد گناہوں سے بچنا اور صبر سے مراد بلاء ومصیبت پر صبر کرنا ہے۔ و١٦٦ (تمہارے اور بنیامین دونوں کے ساتھ اپنے معاملات میں) بڑے بھائیوں اور وہ بھی ایسے خیرہ سر بڑے بھائیوں کا، چھوٹے بھائی سے عجز ونیاز کے ساتھ معافی مانگنا، اللہ اکبر، کیسا مؤثر سماں ہو گا! تاللہ سے الخاطئین تک پڑھ جائیے تو لب ولہجہ میں حسرت، ندامت، معذرت سب کچھ ملیں گی۔ لَقَدۡ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَیۡنَا۔ بے شک اللہ نے تمہیں بزرگی دے رکھی ہے اور تم بزرگی کے اہل بھی ہو۔ و١٦٧ (تو جب میں نے تمہیں معاف کر دیا، اور دل سے وہ باتیں بھلا دیں، تو میرا خدا کیوں نہ معاف کرے گا۔ وہ تو تائبین کی خطائیں معاف کرتا ہی رہتا ہے) لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡكُمُ الۡیَوۡمَ۔ میری طرف سے تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں، میں نے تمہیں معاف کر دیا، میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہو گیا۔ یہی آیت وہ تھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت اپنے جانی اور شدید دشمنوں کے مقابلہ میں پڑھ کر یوسف علیہ السلام سے بھی بڑھ کر اپنی فراخ دلی کا ثبوت دیا تھا۔ و١٦٨ واقعہ اعجازی رنگ کا ہے، اور قصۂ یوسفی سے جہاں اور بہت سے سبق براہ راست قدرتِ خداوندی کے مل رہے ہیں، انہی میں سے ایک یہ بھی ہے۔

و١٦٩ (والد ماجد تو بغیر یہاں آئے رہ ہی نہیں سکتے۔ وہ تو بہرحال تشریف لائیں گے لیکن ان کے ساتھ تم سب اور گھر بار کو بھی لیتے آنا) بِاَهۡلِكُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ۔ اس وقت تک حضرت یعقوب علیہ السلام کا کنبہ اچھا خاصہ وسیع ہو چکا تھا بیٹے، بہوئیں، پوتے، پوتیاں سب ملا کر ستر نفوس تھے۔ توریت میں ہے:۔ ”اور یعقوب اپنی سب نسل سمیت مصر میں آیا، وہ اپنے بیٹوں اور بیٹوں کے بیٹوں کو جو اس کے ساتھ تھے اور اپنی بیٹیوں اور اپنی بیٹیوں کی بیٹیوں کو اور اپنی سب نسل کو مصر میں لایا۔“ (پیدائش ٤٦: ٦، ٧) سو وہ سب جو یعقوب کے گھرانے کے تھے اور مصر میں آئے، ستر جانیں تھیں (پیدائش ٤٦: ٢٧)

و١٧٠ یعنی جب برادرانِ یوسف کا قافلہ مصر سے کنعان کے لئے روانہ ہوا۔

و۱۷۱ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ بات اپنے آس پاس کے لوگوں سے فرمائی اور چونکہ جانتے تھے کہ لوگ آسانی سے باور نہ کریں گے، پیرایہ بیان بھی اسی قسم کا اختیار فرمایا لولا ان تفندون حضرات انبیاء کی لطافت احساس اور قوت ادراک کا کیا کہنا! مصر سے کنعان صدہا میل کے فاصلہ پر، ادھر قافلہ کو حرکت ہوئی اور ادھر اتنی دور آپ کو پیراہن یوسفی کی خوشبو محسوس ہوگئی، لیکن یہ حیرت انگیز ذکاوتِ حس بھی ان حضرات کی اپنی اختیاری چیز نہیں ہوتی اور اسی لئے ہر وقت قائم نہیں رہتی، محض فیضانِ الٰہی کے تابع ہے اور اسی کو معجزہ کہتے ہیں...... قصہ یوسف اعجازی رنگ کے واقعات سے بھرا ہوا ہے۔ تُفَنِّدُوْنِ۔ فند وہی شئی ہے جسے اردو میں سٹھیا جانا کہتے ہیں یعنی کبر سنی کی بنا پر عقل وحواس میں فتور آجانا۔ التفنید النسبة الی الفند وهو الخرف وانکار العقل من هرم (کشاف) ای تنسبونی الی الفند والکبر (ابن کثیر) قال الحسن تهرمون (ابن کثیر) قال الضحاک تهرمونی فتقولون شیخ کبیر قد خرف و ذهب عقله (معالم) مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ چونکہ ملاقات کا وقت موعود قریب آلگا تھا، یہ خوشبو اتنے فاصلہ سے مدرک ہوگئی، اور جب وہ کنوئیں میں نسبۃً بہت قریب تھے چونکہ وقت نہ آیا تھا یہ خوشبو مدرک نہ ہوئی اور یہی معاملہ حضرات اولیاء کے مکاشفات کا ہے۔

لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا

مجھو تو مجھے تو یوسفؑ کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے و۱۷۱ (لوگوں نے) کہا

تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ

بخدا! آپ تو اپنے اسی قدیم وہم میں (مبتلا) ہیں و۱۷۲ پھر جب خوشخبری لانے والا

الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ

آپہنچا تو اس نے وہ پیراہن آپ کے منہ پر ڈال دیا تو آپ کی آنکھیں و۱۷۳ روشن ہوگئیں، (یعقوبؑ نے) فرمایا

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم لوگ نہیں رکھتے و۱۷۴

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾

(بیٹے) بولے اے ہمارے باپ ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت کی دعا کیجئے، بیشک ہم ہی خطاوار رہے ہیں، و۱۷۵

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ

فرمایا (اچھا) میں عنقریب تمہارے لئے اپنے پروردگار سے دعائے مغفرت کروں گا۔ بیشک وہ بڑا مغفرت والا ہے

الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ

بڑا رحمت والا ہے و۱۷۶ پھر جب (سب) یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو

اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ۭ

اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں چلئے (اور) انشاء اللہ (وہاں) امن چین سے (رہیے گا) و۱۷۷

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ

اور اپنے والدین کو انہوں نے تخت پر بٹھایا اور سب (یوسف) کے سامنے جھک گئے و۱۷۸

وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ

اور (یوسف نے) کہا اے میرے باپ یہ ہے میرے قبل والے خواب کی تعبیر،

ے گہے بر طارم اعلیٰ نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم و۱۷۲ وہی ہوا جو آپ کا خیال تھا۔ لوگوں نے آپ کے کہے کا یقین نہ کیا اور آپ کو سچا اور نیک سمجھنے کے باوجود آپ کے اس "وہم" کو غلوئے محبت یوسفی پر محمول کرنے لگے۔ و۱۷۳ خوشبو اور خوشی کے اثر سے ضعف بصر کے دور ہو جانے اور نورِ نظر کے عود کر آنے میں کوئی بات "خلافِ عقل" اور "خلافِ فطرت" نہیں۔ البتہ یہ واقعہ ہی چونکہ معمول عام کے خلاف ہے یہاں اعجازی ہی حیثیت سے بیان ہوا ہے۔ توریت میں اس موقع پر ہے:۔ "جب اس نے گاڑیاں جو یوسف نے اس کے لانے کو بھیجی تھیں دیکھیں تو ان کے باپ یعقوب کی زندگی دوبارہ ہوئی اور اسرائیل بولا یہ بس ہے کہ میرا بیٹا یوسف اب تک جیتا ہے میں جاؤں گا اور پیشتر اس سے کہ میں مروں اسے دیکھوں گا۔ (پیدائش ۴۵: ۲۷، ۲۸) الْبَشِيْرُ۔ بشیر جو خبر دینے کو قافلہ کے آگے آگے چلے۔ یہاں مراد یہودا ابن یعقوب علیہ السلام سے لی گئی ہے۔ قال ابن مسعودؓ جاء البشیر بین یدی العیر قال ابن عباسؓ هو یهودا (معالم) و۱۷۴ (چنانچہ اب تو تم کو اپنی رائے کی غلطی اور میرے علم خداداد کی صحت کا مشاہدہ ہو گیا) قافلہ اب مصر سے کنعان پہنچ چکا ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا نور بصارت عود کر آیا ہے۔ اس موقعہ کی گفتگو، و۱۷۵ (کہ اپنی نالائقی سے آپ کو کیسی کیسی تکلیفیں پہنچائیں۔ اب آپ خود بھی معاف فرما دیں اور حق تعالیٰ سے بھی ہمارے حق میں دعا فرما دیں) برادرانِ یوسف علیہ السلام آخر نبی زادے تھے اور اسحاق علیہ السلام نبی کے پوتے اور ابراہیم علیہ السلام خلیل کے پرپوتے اتنی اعلیٰ خاندانی شرافت اور پھر صالح ترین ماحول اپنا اثر آخر کب تک نہ دکھاتے۔ و۱۷۶ چنانچہ پچھلی تقصیریں بھی معاف کر دیتا ہے اور آیندہ ترقی ومراتب کے رستے برابر کھلے رکھتا ہے۔ سَوْفَ۔ یعنی عنقریب ہی قبول دعاء کے موزوں ترین وقت پر:۔ و۱۷۷ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس مبارک قافلے کا استقبال پایہ تخت سے نکل کر سرحد مصر پر کیا تھا اور اب خاص شہر میں چلنے اور رہنے کا التماس کر رہے ہیں۔ توریت میں ہے:۔ "اور یوسف نے اپنی گاڑی تیار کی اور اپنے باپ کے استقبال کے لئے جشن کو چلا اور اپنے تئیں اس پاس حاضر کیا اور اس کے گلے لپٹا اور دیر تک رویا۔" (پیدائش ۴۶: ۲۸، ۲۹) اٰوٰٓى اِلَيْهِ۔ یعنی اپنے پاس تعظیم واکرام کے ساتھ بٹھایا اور ہر طرح خاطر مدارات بزرگداشت کی، اَبَوَيْهِ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا تو انتقال ہو چکا تھا، پرورش سوتیلی ماں اور حقیقی خالہ نے کی تھی، یہاں مجازاً انہی کو والدہ کہا گیا۔ عَلَى الْعَرْشِ۔ عرش کا لفظ عام ہے ہر بلند تخت، اور چبوترہ (پلیٹ فارم) مراد ہو سکتا ہے، اور اگر تخت شاہی ہی مراد لی جائے تو ممکن ہے حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت تک مرتبۂ شاہی تک پہنچ گئے ہوں۔ قال اهل اللغة العرش السریر الرفیع والمراد بالعرش ههنا السریر الذی کان یجلس علیه یوسف (کبیر) و۱۷۸ (جیسا کہ عبرانی آداب وتہذیب میں داخل تھا) سُجَّدًا۔ سجدہ سے جیسا کہ اوپر بھی کئی موقعوں پر آچکا ہے مراد ہر جگہ یہی اصطلاحی سجدہ نہیں ہوتا جو کسی مخلوق کے لئے اب حرام ہے، بلکہ یہاں مراد محض زمین بوس ہونا ہے جو اکثر قوموں میں ایک متعارف طریقہ اظہار تعظیم کا ہے اور شریعت اسلامی میں یہ بھی ناپسندیدہ ہے۔ قد یسمی التواضع سجودًا وکان المراد ههنا التواضع (کبیر) وکان تحیة الناس یومئذ السجود ولم یرد بالسجود وضع الجباه علی الارض انما هو الانحناء والتواضع (معالم) سجود انحناء لا وضع جبهة وکان تحیتهم فی ذلک الزمان (جلالین) قبل ما کانت الا انحناء ولا تعفیر الجباه (مدارک) خَرُّوْا لَهٗ۔ میں ل کے معنی لاجل کے بھی لئے گئے ہیں۔ یعنی گویا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پاکر اس خوشی میں ان سب نے اللہ کا سجدہ شکر ادا کیا وهو قول ابن عباسؓ فی روایة عطاء وان المراد بهذه الاٰية انهم خروا له ای لاجل وجدانه سجد الله تعالیٰ (کبیر)

قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ

اے میرے پروردگار نے سچ کر دکھایا ؔ۱۷۹ اور اس نے میرے ساتھ (کیسا) احسان اس وقت کیا جب

اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ

مجھے قید خانہ سے نکالا ؔ۱۸۰ اور آپ (سب) کو صحراء سے لے آیا

مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ

بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوادیا تھا ؔ۱۸۱

اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۰۰﴾

بیشک میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی تدبیر لطیف کر دیتا ہے، بیشک وہی ہے علم والا، حکمت والا ؔ۱۸۲

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ

اے پروردگار تو نے مجھے حکومت (بھی) دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی

الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۫ اَنْتَ

دیا ؔ۱۸۳ اے آسمانوں اور زمین کے خالق تو ہی

وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا

میرا کارساز دنیا اور آخرت میں ہے مجھے دنیا سے (اپنا) فرماں بردار اٹھا

وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ

اور مجھے صالحین میں جا ملا ؔ۱۸۴ یہ (قصہ) غیب کی خبروں میں سے ہے

نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا

جس کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں ؔ۱۸۵ اور آپ ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جب انہوں نے اپنا ارادہ

اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ مَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ

پختہ کرلیا تھا اور وہ چالیں چل رہے تھے ؔ۱۸۶ اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں گو آپ کا کیسا ہی

ؔ۱۷۹ یعنی وہی خواب جو میں نے شروع میں دیکھا تھا اور آپ سے عرض کیا تھا کہ چاند اور سورج اور گیارہ ستارے میرے آگے تعظیم سے جھکے ہیں۔ ؔ۱۸۰ (اور اس مرتبہ سلطنت تک پہنچادیا) ابدی نعمتیں اور راحتیں بھی اللہ کے قانون وشریعت میں حقیر وناقابل التفات نہیں جیسا کہ متشددین نے اور اہل غلو نے سمجھ رکھا ہے۔ ؔ۱۸۱ (جس کا ظاہری اقتضاء تو یہ تھا کہ اب میرے اور ان کے درمیان صفائی اور یکجائی تمام عمر نہ ہوسکتی) نبی کی کریم النفسی ملاحظہ ہو کہ الزام ایسے شدید دشمن بھائیوں پر ذرا نہ آنے دیا بلکہ ذمہ داری شیطان کی قرار دے کر اپنی اور اپنے بھائیوں کی حیثیت ایک ہی رکھی۔ مِنَ الْبَدْوِ۔ یعنی اس دیہات یا ویرانے سے نکال کر اس شہر اور مرکز تمدن میں لے آیا۔ بدو، حضر کے مقابلہ کا لفظ ہے۔ البد و خلاف الحضر (راغب) اے من البادیة وقال الواحدی البد و بسیط من الارض یظهر فیه الشخص من بعید (کبیر) کنعان اس وقت مصر کے مقابلہ میں جو مرکز تہذیب وتمدن تھا ایک دیہات ہی کی حیثیت رکھتا تھا۔ کان یعقوب و والده بارض کنعان اهل مواشٍ وبرية (کبیر) ؔ۱۸۲ اس کے لئے مستقبل کا کوئی راز راز نہیں اور وہ بڑے اور چھوٹے سارے ہی واقعات کو کسی حکمت ومصلحت کے ماتحت ہی واقع ہونے دیتا ہے۔ لَطِیْفٌ۔ یعنی ہر امر کی تدبیر لطیف کردینے والا مخلوق کی نظروں سے مخفی اور فہم سے باہر تدبیریں کردینے والا۔ اے لطیف التدبیر له (روح) فاذا اراد حصول شیءٍ سهل اسبابه فحصل وان کان فی غاية البعد عن الحصول (کبیر) ساری سورۃ کے واقعات اسی اسم لَطِیْفٌ کی تجلیات کے نمونوں سے لبریز ہیں۔ ؔ۱۸۳ (اور علم بھی کیسا ظنی، اور تخمینی نہیں، یقینی...... اور یقینیات تک رسائی تو وحی کے بعد ہی ہوسکتی ہے) مِنَ الْمُلْكِ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی باقاعدہ بادشاہت وفرمانروائی اگر تاریخ سے ثابت نہیں تو عملاً تو آپ اس مرتبہ پر بہرحال پہنچ چکے تھے۔ توریت میں ہے:۔ "اور اس نے مصر کی ساری مملکت پر حاکم کیا اور فرعون نے یوسف کو کہا کہ میں فرعون ہوں، اور بغیر تیرے مصر کی ساری زمین میں کوئی انسان اپنا ہاتھ پاؤں نہ اٹھائے گا اور فرعون نے یوسف علیہ السلام کا خطاب "جہاں پناہ" رکھا۔" (پیدائش ۴۱: ۴۳، ۴۴) اور بعض نے مِنْ کو تبعیضیہ قرار دے کر اس سے یہ نکالا ہے کہ آپ ملک کے تمام تر فرمانروا تھے بلکہ بہرحال ایک بادشاہ کے ماتحت ہی تھے۔ قال الاصم انما قال من الملک لانه کان دون ملک فوقه (کبیر) مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ۔ یہاں بھی مِن کے تبعیضیہ ہونے سے یہ نکتہ نکالا گیا ہے کہ بشر بڑے سے بڑا عالم ہو جب بھی بہرحال اس کا علم محدود ومتناہی ہوگا۔ اے بعضًا من ابعاض العلم فلهذا السبب ذکر فیه کلمة من لانها دالة علی التبعیض (کبیر) تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ سے مراد خوابوں کی تعبیر کا علم تو ظاہر ہی ہے باقی اور علوم الٰہیہ بھی اس میں شامل ہیں۔ المراد بتاویل الاحادیث اما تعلیم تعبیر الرؤیاء وهو الظاهر واما تفهیم غوامض اسرار الکتب الالهیة ودقائق سنن الانبیآءِ (روح) ؔ۱۸۴ (اور جس طرح دنیا میں میرے سارے کام بنادیئے آخرت میں بھی میرے سارے کام بنادے۔ یہاں کی کارسازی کا پورا جلوہ وہاں بھی دکھادے) تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا۔ سے آرزوئے موت کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ صرف اس کا اثبات ہوتا ہے کہ موت جب بھی آئے دین اسلام پر آئے۔ قال ابن عباسؓ فی رواية عطاء یرید اذا توفیتنی فتوفنی علی دین الاسلام فهذا طلب لان یجعل الله وفاته علی الاسلام ولیس فیه ما یدل علی انه طلب الوفاة (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا الخ سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک باوجود عصمت اور امتناع کفر کے انبیاء علیہم السلام کا خوف کرتے رہنا، دوسرے شوق لقاء میں موت کی آرزو کرنا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے تحت میں لذائذ دنیوی کی بے حاصلی اور زود فنائی وغیرہ کو تفصیل سے بیان کر کے لکھا ہے کہ میرے لئے یہ کیفیتیں حال بن گئی ہیں اور میں مکروہات دنیوی سے عاجز آکر اکثر اس دعائے یوسفی کا ورد کرتا رہتا ہوں۔ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ اس پر شبہ یہ کیا گیا ہے کہ صالحین تو عامہ مومنین میں ہوتے رہتے ہیں، اور حضرت یوسف علیہ السلام خود ایک نبی جلیل القدر تھے۔ پھر آپ نے محض درجۂ صالحین کی تمنا کیسے کی؟ جواب یہ ہے کہ صالحین کا مفہوم اضافی ہے اس کا معیار ہر ایک کے درجہ ومرتبہ کے مطابق الگ الگ ہوتا ہے، حضرت علیہ السلام جس مرتبۂ صالحین کی تمنا کررہے تھے آپ کے پیش نظر حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مرتبے وعظمت کے "صالحین" تھے۔ ؔ۱۸۵ (اے رسول!) یہاں پروردگار کا ارشاد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا قصہ محض وحی کے ذریعہ معلوم ہوا ہے ورنہ یوں ساری دنیا کی طرح آپ کے لئے بھی یہ قصہ غیب ہی میں داخل تھا۔ ؔ۱۸۶ (یوسف علیہ السلام کے کنوئیں میں ڈالنے کا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آکر باتیں بنا رہے تھے) لَدَیْهِمْ۔ یعنی برادرانِ یوسف علیہ السلام کے پاس۔ یرید اخوة یوسف (روح) مطلب یہ ہوا کہ نہ آپ خود ان واقعات کے وقت موجود تھے اور نہ آپ کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ معلومات صحیح کا بجز وحی الٰہی کے ہے کوئی دوسرا آپ کا رہنما نہیں۔

حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا تَسۡـَٔلُہُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ

جی چاہے و۱۸۷ اور آپ ان سے اس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ تو مانگتے

اَجۡرٍ ؕ اِنۡ ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۴﴾ ع وَ کَاَیِّنۡ

نہیں یہ (قرآن) تو بس ایک نصیحت ہے دنیا جہان کے لئے و۱۸۸ اور کتنی ہی

مِّنۡ اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ یَمُرُّوۡنَ عَلَیۡہَا

نشانیاں آسمانوں اور زمین میں ہیں کہ ان پرسے (یہ لوگ) گزرتے ہیں

وَ ہُمۡ عَنۡہَا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ وَ مَا یُؤۡمِنُ اَکۡثَرُہُمۡ

اور ان کی طرف سے منہ پھیرے رہتے ہیں و۱۸۹ اور ان میں سے اکثر لوگ

بِاللّٰہِ اِلَّا وَ ہُمۡ مُّشۡرِکُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوۡۤا اَنۡ تَاۡتِیَہُمۡ

اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں اور پھر شرک بھی کئے جاتے ہیں و۱۹۰ سو کیا یہ اس کی طرف سے بے فکر ہیں کہ انہیں

غَاشِیَۃٌ مِّنۡ عَذَابِ اللّٰہِ اَوۡ تَاۡتِیَہُمُ السَّاعَۃُ

اللہ کا کوئی عذاب چھالے یا ان پر اچانک قیامت

بَغۡتَۃً وَّ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلۡ ہٰذِہٖ سَبِیۡلِیۡۤ

آ جائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو و۱۹۱ آپ کہہ دیجئے کہ میرا طریق یہی ہے

اَدۡعُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ ۟ؔ عَلٰی بَصِیۡرَۃٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیۡ ؕ

میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں و۱۹۲ دلیل پر قائم ہوں میں (بھی) اور میرے پیرو بھی و۱۹۳

وَ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ وَ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾ وَ مَاۤ

اور پاک ہے اللہ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں و۱۹۴ اور

اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ مِّنۡ

ہم نے بستیوں والوں میں سے آپ سے قبل بس مردوں ہی کو بھیجا کہ ہم نے ان کی طرف

و۱۸۷ (اس لئے آپ توقع ہی نہ رکھیے کہ ان تمامتر صحیح اخبار بالغیب کے بعد بھی یہ لوگ ایمان لے آویں گے) مراد یہ ہے کہ یہود وغیرہ تو آپ کے امتحان کے لئے آپ سے اس قصہ کی فرمائش کررہے تھے اب آپ نے بغیر کسی ظاہری ومادی ماخذ کے جو صحیح ومستند قصہ اول سے آخر تک انہیں سنادیا! تو چاہیے تو یہ تھا کہ یہ فوراً آپ کے صاحب وحی ہونے پر ایمان لے آتے اور آپ کے دل سے لگی ہوئی بھی تھی، لیکن اس کی توقع نہ رکھیے ان میں سے اکثر اس کا قصد ہی نہ کریں گے۔ لَوۡ حَرَصۡتَ۔ حرص کے لئے اردو محاورہ میں دل سے لگی ہونا ہی آئے گا۔ معنی الحرص طلب الشیء باقصی ما یمکن من الاجتہاد (کبیر) و۱۸۸ یعنی اس کے اندر تو دنیا بھر کی نفع کی چیزیں جمع ہیں کوئی ذرا طلب کرکے دیکھے تو۔ و۱۸۹ یعنی نہ ان پر یہ توجہ کرتے ہیں۔ اور نہ ان سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ ای لا یعتبرون بہا (کشاف) ولا یلتفتوا الیہا (کشاف) یَمُرُّوۡنَ۔ ھم کی ضمیریں کافروں اور منکروں کے لئے ہیں۔ وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ۔ نشانیوں سے مراد توحید وقدرت الٰہی پر دلالت کرنے والے واقعات وحوادث کائنات ہیں۔ یَمُرُّوۡنَ عَلَیۡہَا۔ یعنی وہ واقعات وحوادث ان منکرین آخرت کے علم ومشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ ای یشاھد ونہا (روح) و۱۹۰ (جس سے ان کا دعوائے ایمان باللہ ہی باطل ہوا جاتا ہے) مطلب یہ ہوا کہ آخرت کے منکر تو کثرت سے ہیں ہی، باقی جو لوگ انکار خدا نہیں بلکہ اقرار خدا کے مدعی ہیں ان کا بھی عموماً حال یہ ہے کہ ایک طرف تو خدا کو بھی مانے جاتے ہیں، اور دوسری طرف اس کے شریک دیوی اور دیوتا بھی، قرار دیئے چلے جاتے ہیں، جو صاف توحیت کے منافی ہے۔ مشرکوں اور جاہل مشرکوں کا جو انجام ہوتا ہے اسے چھوڑیئے۔ خود ہماری قوم کے ''اہل قبور'' ٹھنڈے دل سے غور کریں، کہ مزارات ''مقابر'' سے بالکل تعبد کا معاملہ رکھنا ان پر چادریں چڑھانا ان پر نذریں ماننا، نفع نقصان انہیں سے وابستہ جاننا یہ سب کہیں ان کو اس آیت کی زد میں تو نہیں لے آتا۔ ومن اولٰئک عبدۃ القبور الناذرون لہا المعتقدون للنفع والضر من اللہ تعالٰی اعلم بحالہ فیہا دائم الیوم اکثر من الدود (روح) و۱۹۱ مطلب یہ ہے کہ ہر کفر فی نفسہ سزا وعقوبت کا مستحق ومستوجب ہے، خواہ فوراً خواہ بتاخیر لیکن یہ شامت زدہ وآخرت فراموش نفس سزا ہی کی طرف سے غافل اور بے فکر پڑے ہوئے ہیں۔ و۱۹۲ اتنے سے فقرہ میں توحید ورسالت دونوں کا اثبات ہوگیا۔ ہٰذِہٖ۔ یعنی یہی اثبات توحید ورسالت ویوم آخرت جن کا ذکر اوپر آچکا۔ یعنی الدعوۃ الی التوحید والاعداء للمعاد (بیضاوی) ھٰذہ الدعوۃ التی ادعوا الیہا والطریقۃ التی انا علیہا (کبیر) و۱۹۳ یعنی میں تو اصالۃً اور بالذات اور میرے پیرو میرے واسطہ سے اور میرے طفیل میں۔ عَلٰی بَصِیۡرَۃٍ۔ سے اشارہ ہوگیا کہ اسلام کورانہ تقلید کا نام نہیں بلکہ دین حق ایک ثابت شدہ مدلل حقیقت ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ آیت اس پر ناطق ہے کہ علم کلام اور علم اصول خاص پیمبرانہ علم ہیں اور ان حضرات کی بعثت خلق کی جانب انہی علوم سے کام لینے کے لئے ہوتی ہے۔ وھٰذہ الاٰیۃ تدل علی ان حرفۃ الکلام وعلم الاصول حرفۃ الانبیآءِ علیہم الصلوٰۃ والسلام وان اللہ ما بعثہم الی الخلق الا لاجلہا (کبیر) و۱۹۴ (میرے اور دین شرک کے درمیان اشتراک ہی کیا میں اس کے ایک ایک جزیہ سے علیحدہ وبیزار) سُبۡحٰنَ اللّٰہِ۔ یعنی اللہ تعالٰی ہر قسم کی آلائش شرک سے پاک اور بالاتر ہے، جو اس کی ذات یا صفات سے متعلق مشرکوں نے روا رکھا ہے۔

أَهْلِ الْقُرٰى ۗ أَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوْا

وحی کی و١٩٥ تو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں ورنہ دیکھ لیتے کہ و١٩٦

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ وَلَدَارُ

ان لوگوں کا کیسا (برا) انجام ہوا جو ان کے قبل تھے اور عالم آخرت

الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۗ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٩﴾

ہی ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو تقویٰ (اختیار) کئے ہوئے ہیں، سو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے؟ و١٩٧

حَتّٰى إِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ

(پہلے بھی مہلتیں دی جا چکی ہیں) یہاں تک کہ پیمبر مایوس ہی ہوگئے ہیں اور گمان کرنے لگے کہ ان سے

كُذِبُوْا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاءُ ۗ وَلَا يُرَدُّ

غلطی ہوئی و١٩٨ (کہ اتنے میں) انہیں ہماری مدد آپہنچی و١٩٩ سو ہم نے جس کے لئے چاہا وہ بچا لیا گیا اور ہمارا

بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١١٠﴾ لَقَدْ كَانَ فِيْ

عذاب مجرم لوگوں سے ہٹتا نہیں و٢٠٠ ان کے قصوں میں

قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيْثًا

اہل فہم کے لئے (بڑی) عبرت ہے و٢٠١ (قرآن) کوئی گھڑی ہوئی بات تو

يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ

ہے نہیں یہ تو تصدیق (کرنے والا) ہے اس کا جو اس کے قبل (نازل) ہو چکا ہے

وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً

اور تفصیل (کرنے والا) ہے ہر چیز کا اور ایمان والوں کے حق میں

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١١١﴾ ع

ہدایت و رحمت ہے و٢٠٢

و١٩٥ یعنی پیمبر بنا کر تو ہمیشہ بشر ہی کو بھیجا گیا ہے، بشریت پیمبری کے منافی ہونا کیسا، عین اس کا جزء لازم ہے اتنی موٹی حقیقت بھی دیوتا پرست، اوتار پرست مشرکوں کے ذہن میں نہیں آتی۔ فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ آیت سے بہ اشارۃ النص دو اور مسئلہ بھی روشنی میں آجاتے ہیں:۔ (١) ایک یہ کہ پیمبر ہمیشہ آبادی والی بستیوں میں سے ہوئے ہیں نہ کہ بے تعلق خانہ بدوش جرگوں قبیلوں میں سے۔ من اهل القرٰى لم يبعث رسولاً من اهل البادية (کبیر) يعنى من اهل الامصار دون اهل البداوى (ابن جریر) (٢) دوسرے یہ کہ پیمبری ہمیشہ مردوں ہی میں رہی ہے کوئی عورت کبھی اس مرتبہ پر فائز نہیں کی گئی۔ إِلَّا رِجَالًا۔ والأية تدل على ان الله تعالٰى ما بعث رسولاً الى الخلق من النسوان (کبیر) يخبر تعالٰى انه انما ارسل رسوله من الرجال لامن النساءِ وهٰذا قول جمهور العلماء (ابن کثیر) الذى عليه السنة والجماعة وهو الذى نقله الشيخ ابو الحسن على بن اسماعيل الاشعرى عنهم انه ليس فى النساء نبية (ابن کثیر) يعنى رجالًا لا نساءً (بحر عن ابن عباسؓ) فالرسول لا يكون امراةً (بحر) قيل معناه نفى استنباء النساء (بیضاوی) و١٩٦ (کفار ومنکرین میں سے) یعنی پچھلی سرکش و نافرمان قوموں کے کھنڈروں پر گزرنے سے عبرت کا سبق یہ لوگ حاصل کر سکتے ہیں اور یہی مقصد کسی درجہ میں اب تاریخوں کے مطالعہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے اور مقصود اگر عبرت و تذکر ہو تو سیاحت عالم اور علم آثارِ قدیمہ سے اشتغال بھی ایک عبادت ہے۔ و١٩٧ (کہ باقی کے مقابلہ میں فانی کی ہستی اور بساط ہی کیا ہے!) و١٩٨ موجودہ کافروں کو تاخیر عذاب سے خوش و مطمئن نہ ہو جانا چاہیے، پچھلی بدکار اور نافرمان قوموں پر آمد عذابِ موعود میں بعض دفعہ دوسری مصلحتوں سے اتنی تاخیر ہوئی ہے کہ خود پیمبروں کو باایں ہمہ استقامت و صبر و سلامتِ فکر، یہ خیال گزرنے لگا کہ کہیں ہم ہی سے تو وعدۂ نزولِ عذاب کے سمجھنے اور تعینِ مدت عذاب میں غلطی نہیں ہوئی ہے۔ آیت کی تفسیر اور بھی متعدد طریقوں سے منقول ہے مگر سب سے زیادہ صاف بے تکلف اور بے غبار مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ کی اختیار کی ہوئی تفسیر ہے۔ و١٩٩ اور نصرتِ غیبی یہی کفار پر عذاب موعود تھی۔ و٢٠٠ یعنی عذاب موعود اپنے وقت مقرر پر آ کر رہا اور کفار منکرین معاندین بہر حال اپنے کیفر کردار کو پہنچے، عام قانونِ الٰہی ہمیشہ سے یہی چلا آرہا ہے۔ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاءُ۔ اور ظاہر ہے کہ بچا لینے کی مشیت الٰہی ہمیشہ مومنین ہی سے متعلق رہی ہے۔ وهم الرسل والمومنون لهم (روح) مطلب یہ ہوا کہ عذاب عمومی جب بھی آیا تو اہل ایمان کو بچا لیا گیا۔ و٢٠١ (اور وہ اہل فہم فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ طاعت کا انجام کیا ہوتا ہے اور نافرمانی کا انجام کیا) قَصَصِهِمْ۔ ضمیر انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کی طرف ہے۔ اى قصص الانبياء واممهم (بیضاوی) و٢٠٢ جب ہی اسی کے ذریعہ سے اہل ایمان دنیا میں ہدایت حاصل کرتے ہیں اور آخرت میں رحمت۔ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ۔ یعنی ہر ایسی چیز کی تفصیل جس کا تعلق ہدایت سے ہے۔ چنانچہ اصل دین کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو براہ راست یا بالواسطہ قرآن مجید میں نہ نکل آئے۔ كل شىء يحتاج اليه فى الدين اذ ما من امر دينى الا وله سندٌ من القرآن بوسط او بغير وسط (بیضاوی) مستند الى القرآن بذات او بوسط (روح) تذییل۔ سورۂ یوسف میں جسے قرآن مجید خود احسن القصص قرار دے رہا ہے برادرانِ یوسف علیہ السلام کا بھی ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے اسی مشابہت سے یہ نامۂ سیاہ عرض پرداز ہے کہ وہ بھی اسی خانوادۂ بزرگ کا ایک ادنیٰ و حقیر و ننگ خاندان نام لیوا ہے سلسلۂ نسب جہاں تک خاندانی شجروں سے پتہ چل سکا ہے اٹھاونویں پشت میں لاوی بن یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

اٰیاتھا ٤٣ | ١٣ سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ ٩٦ | رکوعاتھا ٦

اس میں ٤٣ آیتیں | سورہ رعد مدنی ہے | اور ٦ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

الف۔ لام۔ میم۔ را۔ یہ کتاب (عظیم) کی آیتیں ہیں اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے

مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①

نازل کیا جاتا ہے وہ (بالکل) سچ ہے لیکن اکثر انسان ایمان نہیں لاتے ف۱

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا

اللہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں کو بلند کر رکھا ہے بغیر ستون کے (جیسا کہ) تم اسے دیکھ رہے ہو ف۲

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ

پھر قائم ہوا عرش (سلطنت) پر اور آفتاب و ماہتاب کو مطیع

وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ

کیا ف۳ ہر ایک ایک وقت معین میں چلتا رہتا ہے ف۴ (اللہ) ہر امر کا انتظام کرتا رہتا ہے،

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ②

نشانیوں کو کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین کر لو ف۵

وَ هُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ

اور وہ وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا

وَ اَنْهٰرًا ؕ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا

رکھ دیئے اور اس میں ہر پھل کی دو دو قسمیں

سورۂ رعد۔ ف۱ (حالانکہ اس کلام کی حقانیت وصداقت کا مقتضاء یہ تھا کہ سب کے سب اس پر ایمان لے آتے) الٓمّٓرٰ۔ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ یہاں ان حروف کو فقرہ انا اللہ اعلم وازی ما تعملون کا بھی مخفف سمجھا گیا ہے اور فقرہ انا اللہ الملک الرحمٰن کا بھی انا اللہ اعلم وازی ما تعملون (ابن عباسؓ) انا اللہ الملک الرحمن (کبیر عن عطاء) ف۲ زمین سے آسمان کا اتنا بلند نظر آنا اور اتنی بلند چیز بغیر کسی ظاہری مادی سہارے کے...... یہ بجائے خود ایک دلیل خالق فطرت کی اعلیٰ صناعی وقدرت کی ہے۔ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں نفی عمد کی کی گئی ہے۔ آیت میں ان یونانی ومصری حکماء وفلاسفہ کا رد آ گیا۔ جو آسمان کو قائم بالذات صاحب عقل وارادہ دیوتا تسلیم کرتے تھے۔ تَرَوْنَهَا۔ کے ترجمہ میں ضمیر مونث السماوات کی طرف لی گئی ہے لیکن جائز ہے کہ عمد کی طرف بھی لی جائے اس صورت میں نفی عمد کی نہیں بلکہ رویت عمد کی رہے گی یعنی آسمانوں کے لئے ایسے ستون ہیں جو تمہارے لئے غیر مرئی وغیر مشاہد ہیں۔ قیل ضمیر النصب فی ترونها عائد علی عمد ای بغیر عمد مرئية (بحر) یحتمل وجهین احدهما انها لها عمد ولا ترٰی تلک العمد وهذا ذهب الیه مجاهد وقتادة (بحر) وقال ابن عباسؓ وما یدریک انها بعمد لا ترٰی (بحر) اس صورت میں قانون کشش وغیرہ جس نام سے بھی سائنس توجیہات پیش کرے۔ سب آیت کے ماتحت غیر مرئی کے عموم میں داخل ہو جائیں گی۔ اور سب سے بہتر اس باب میں وہ تشریح ہے جو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی ہے۔ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آسمان کو قائم رکھنے والے اصلی ستون حق تعالیٰ کی قوت حفظ وتدبیر ہیں اور یہ تمہارے لئے غیر مرئی ہیں۔ وقد دللنا علی ان هذه الاجسام انما بقیت واقفة فی الجو العالی بقدرة الله تعالیٰ وحینئذ یکون عمدها هو قدرة الله تعالیٰ (کبیر) ف۳ (اپنے احکام تکوینی کا اور انہیں کام میں لگا دیا) سورج اور چاند دیوی دیوتا ہونا تو خیر بڑی چیز ہے خود مختار اور آزاد بھی نہیں...... مشیت الٰہی کے آگے تمامتر مسخر ومجبور ہیں ان کے خالق نے انہیں جس کام میں چاہا لگا دیا۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ یعنی قوانین جہانبانی کا نفاذ شروع کر دیا۔ استواء اور عرش دونوں پر مفصل حاشیہ پہلے گزر چکے ہیں۔ ف۴ (اپنے اپنے مدار پر حسب قانون خداوندی) كُلٌّ۔ یعنی سورج اور چاند دونوں میں سے ہر ایک۔ ف۵ مطلب یہ ہوا کہ جو قادر مطلق ایسی ایسی عظیم الشان مخلوقات کی خلق اور ایجاد پر قادر ہے اس کے لئے انسان کا دوبارہ پیدا کر دینا کچھ دشوار ہے؟ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ ہر امر کا انتظام حکمت ومصلحت کے ساتھ کرتا رہتا ہے یعنی وہ محض صانع وخالق ہی نہیں جو ایک مرتبہ تخلیق کے بعد معطل ہو کر بیٹھ گیا (جیسا کہ بہت سے گمراہ فرقوں نے فرض کر رکھا ہے) بلکہ حاکم ومتصرف بھی ہے۔ الْاٰيٰتِ۔ اس کے اندر تکوینی نشانات اور تشریعی دلائل دونوں آ گئے۔

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ

رکھ دیں ۶ وہ رات سے دن کو چھپا دیتا ہے بیشک

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳ وَ فِي الْاَرْضِ

ان (سب) میں سوچنے والوں کے واسطے نشان موجود ہیں ۷ اور زمین میں

قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ

پاس پاس قطعے ہیں اور انگوروں کے باغ اور کھیتیاں ہیں

وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى

اور کھجوریں گنجان (بھی) اور چھدرے (بھی) ایک ہی پانی سے

بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ

سیراب کئے جانے والے اور (پھر بھی) ہم ان میں سے پھلوں میں ایک کو دوسرے پر

فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۴

فضیلت دیتے ہیں بیشک ان (سب) میں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں دلائل (موجود) ہیں و۸

وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا

اور اگر آپ تعجب کریں تو تعجب کے قابل (خود) ان کا (یہ) قول ہے کہ جب ہم خاک ہو گئے

ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

تو پھر کیا ہم نئے سرے سے پیدا ہوں گے؟ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار سے

بِرَبِّهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ

کفر کیا ۹ اور انہی لوگوں کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ

اہل دوزخ ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے و۱۰ اور یہ لوگ آپ سے جلدی کرتے ہیں

و۶ ایک دوسرے کے مقابل مثلاً بڑے اور چھوٹے یا ترش اور شیریں وقس علیٰ ہذا۔ سائنسی تحقیقات سے آج یا آگے چل کر جس جس قسم کا بھی تعلق زوجیت پھلوں کے درمیان منکشف ہو سب آیت کے تحت میں آجائے گا۔ رَوَاسِيَ وَ اَنْهٰرًا۔ یعنی نہ کوئی پہاڑ (نہ گوری شنکر نہ بندھیا چل نہ نِنگا پربت) اور نہ کوئی دریا (نہ گنگا نہ نربدا نہ سرسوتی) معبود یا نیم معبود یا کسی دیوی دیوتا کا مسکن جیسا کہ ہندوستان کے اندر اور ہندوستان کے باہر بھی بہت سی جاہل قوموں کا عقیدہ ہے اور رہ چکا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ مَدَّ الْاَرْضَ۔ یعنی یہ زمین بھی نہ کوئی دیوی ہے نہ کوئی مائی جی۔ محض اللہ کا پھیلایا ہوا ایک فرش ہے جس پر اس کی مخلوق آزادی سے چلے پھرے، دوڑے دھوپے۔ مدو امتداد سے زمین کی کرویت کا انکار ہرگز لازم نہیں آتا اصلی شکل جو کچھ بھی ہو، قرآن مجید کو اس سے مطلق بحث نہیں۔ بشری آنکھ کو تو بہر حال پھیلی ہوئی اور مسطح ہی نظر آتی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر تو ساتویں صدی ہجری کی بالکل ابتداء کی تصنیف ہے زمین کی کرویت اس وقت بھی مسلم ہو چکی تھی۔ ثبت بالدلائل ان الارض کرۃ فکیف یمکن المکابرۃ فیہ (کبیر) لیکن چونکہ یہ کرہ ہے نہایت ہی عظیم جسامت رکھنے والا اس لئے بشری آنکھ کے سامنے اس کا جتنا ٹکڑا آتا ہے مسطح ہی نظر آتا ہے اور اس کی کرویت غیر مشاہد رہتی ہے۔ امام موصوف ہی کے الفاظ ہیں:۔ والکرۃ اذا کانت فی غایۃ الکبر کان کل قطعۃ منہا تشاہد کالسطح (کبیر) و۷ یعنی تردید شرک وتعدد الٰہ کے اور اللہ کی توحید اور صنعت گری کے دلائل۔ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ۔ یعنی رات کی تاریکی دن کی روشنی کو چھپا دیتی ہے۔ دنیا میں ایسی مشرک قومیں بھی گزری ہیں جنہوں نے ”رات“ اور ”دن“ کو مستقل دیوتا مان مان کر ان کی پوجا کی ہے۔ پارۂ سیقول کے حاشیوں میں اس کا ذکر آچکا ہے:۔ و۸ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ۔ یعنی زمین کے یہ قطعے ہوتے تو پاس ہی پاس ہیں لیکن اثرات کے لحاظ سے مختلف۔ حاصل ان سب مثالوں کا یہ ہے کہ مؤثرات مادی ایک ہی ہوتے ہیں، اور پھر بھی اثرات مختلف ہوتے ہیں طبیعت ایک اور حکم مختلف یہ سب اس لئے کہ فاعل حقیقی کوئی اور ہی ہے، اس میں رد آ گیا ان ”نیچری“ مذاہب کا جو کائنات کو محض قوانین طبعی کا (بغیر کسی قانون گر و قانون ساز کے) مقید ومحکوم سمجھتے ہیں۔ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ ان سب واقعات میں جو روزانہ مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں رد شرک اور اثبات توحید کے پورے پورے دلائل موجود ہیں۔ و۹ (آخرت سے انکار کر کے) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ نادان ونافہم جو بڑے استعجاب کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ یہ ممکن کیسے ہے کہ ہم جب ایک بار خاک ہو گئے تو دوبارہ پھر مجسم ومتشکل ہو کر برآمد ہوں تو دراصل حیرت واستعجاب کے قابل تو خود ان کا یہ انکار ہے، یہ نافہم اتنا نہیں سوچتے کہ جب خود انہی کے اقرار کے مطابق خدائے قادر وتوانا کیسی کیسی عجیب اور عظیم الشان مخلوقات عدم محض سے پیدا کر چکا اور برابر پیدا کرتا رہتا ہے تو اس کے لئے ان کا اعادہ انہیں دوبارہ شکل دے دینا مشکل ہی کیا ہے؟...... مضحکہ کے قابل عقیدۂ آخرت ذرا بھی نہیں بلکہ تمامتر قابل مضحکہ انکار آخرت ہے۔ و۱۰ (اور کبھی نجات نہ پا سکیں گے) یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ منکرین آخرت بھی ویسے ہی کافر اور ویسے ہی معذب رہیں گے جیسے دوسرے منکرین توحید ومنکرین رسالت۔

بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ

مصیبت کی قبل عافیت کے درآنحالیکہ ان کے قبل واقعات عقوبت

الْمَثُلٰتُ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى

گزر چکے ہیں ف١١ اور بیشک آپ کا پروردگار لوگوں کے حق میں باوجود ان کی زیادتیوں کے

ظُلْمِهِمْ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٦ وَ يَقُوْلُ

صاحب مغفرت ہے اور بیشک آپ کا پروردگار سخت سزا دینے والا بھی ہے ف١٢ اور کافر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

کہتے ہیں کہ ان پر (فلاں) معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اترا

اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝٧ اَللّٰهُ يَعْلَمُ

بیشک آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں ف١٣ اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے ف١٤ اللہ کو علم رہتا ہے

مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ

اس کا جو کچھ کسی عورت کے حمل میں ہوتا ہے اور جو کچھ (عورتوں کے) رحم میں کمی بیشی

وَ مَا تَزْدَادُ ؕ وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝٨

ہوتی رہتی ہے اور ہر شے اس کے نزدیک ایک متعین اندازہ ہی سے ہے ف١٥

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝٩ سَوَآءٌ

(وہ) پوشیدہ اور کھلی چیزوں (سب) کا جاننے والا ہے بڑائی والا ہے عالی شان ہے ف١٦ (اس کے علم میں)

مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ

برابر ہے تم میں سے جو کوئی بات چھپائے اور جو کوئی اسے ظاہر کرے اور جو کوئی

مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝١٠ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ

رات میں چھپ جائے اور (جو کوئی) دن میں چلے پھرے ف١٧ ہر ایک کے لئے

ع

ف١١ یعنی یہ منکرین وقوعِ عذاب کو اس قدر مستبعد سمجھ رہے ہیں کہ قبل اس کے کہ ان کی میعادِ مہلت ختم ہو لئے آپ سے نزولِ عذاب کا تقاضا کر رہے ہیں! حالانکہ تاریخ کی شہادت انہیں خود مل سکتی ہے کہ مکذب و آخرت فراموش قوموں کی کیسی کیسی حسرتناک بربادیاں اسی دنیا میں واقع ہو چکیں مَثُلٰتُ۔ مثلة کی جمع ہے۔ یہاں مراد واقعاتِ عذاب و عقوبت سے ہے۔ اے عقوبات امثالھم من المکذبین (جلالین) السیئة سے مراد عذاب اور الحسنة سے مقصود عافیت ہے۔ قال ابن عباسؓ السیئة العذاب والحسنة العافیة (بحر) ف١٢ یعنی حق تعالیٰ میں دونوں صفات موجود ہیں، جن کا ظہور اپنے اپنے موقع پر ہوتا ہے۔ صفتِ عذاب کا ظہور اگر ابھی ان کافروں پر نہیں ہوا ہے تو یہ احمق آخر غافل و بے فکر کس برتے پر ہوئے جا رہے ہیں؟ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ۔ حضرت ابن عباسؓ صحابی سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں سب سے بڑھ کر پر امید و پر تسلی یہی آیت ہے۔ قال ابن عباسؓ لیس فی القراٰن اٰیة ارجٰی من ھٰذہ (بحر) متکلمین اہل سنت نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ صاحب کبائر کی مغفرت توبہ کے قبل بھی ہو سکتی ہے۔ فاعلم ان اصحابنا تمسکوا بھٰذہ الاٰیة علٰی انه تعالٰی قد یعفوا عن صاحب الکبیرة قبل التوبة (کبیر) ف١٣ (اور آپ کا اصل کام سرکشوں کو ڈرانا اور انہیں راہ بتانا ہے نہ کہ ہر فرمائشی معجزہ کی تعمیل کرتے رہنا) قرآن مجید نے پورا پورا جواب ذرا سے فقرہ میں اعجوبہ پرستوں کو دے دیا کہ یہ نادان رسول ﷺ کی صداقت کا معیار فرمائشی خوارق و معجزات کو سمجھ رہے ہیں، یہ کس قدر جہل ہے؟ کہ پیمبر کے اصلی فرائض سے اسے اصلاً تعلق نہیں۔ انجیل میں حالانکہ صاحب انجیل اپنے خوارق و معجزات ہی کے لئے سب سے زیادہ مشہور ہیں معجزات کی فرمائش کرنے والوں پر یوں لتاڑ آئی ہے:۔ ”اے استاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں، اس نے جواب دے کر ان سے کہا کہ اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔“ (متی۔ ١٢: ٣٩) ”جب بڑی بھیڑ جمع ہوتی جاتی تھی تو وہ کہنے لگا کہ اس زمانہ کے لوگ برے ہیں وہ نشان طلب کرتے ہیں۔“ (لوقا ١١: ٢٩) ”پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اسے آزمانے کے لئے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا۔ اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا۔ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔“ (مرقس، ٨: ١١۔ ١٣) ف١٤ (اور اس قوم کے لئے ہادیِ اعظم آپ ہیں) ھَادٍ۔ لفظ ہادی عام و وسیع ہے، پیمبر کا مرادف نہیں ہے۔ اس کے تحت میں نبی اور نائبانِ نبی سب ہی آ جاتے ہیں۔ اس لئے آیت سے جن لوگوں نے ہندوستان میں کسی نبی کا آنا لازمی قرار دیا ہے ان کا استدلال قوی نہیں، البتہ درجۂ احتمال میں اس کا مان لینا ضروری ہے، اور اسی لئے مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں زیادہ بحث و مباحثہ غیر ضروری ہے۔ عن ابن عباسؓ الھادی الداعی الی الحق (جصاص) اعنی به ولکل قوم قائد (ابن جریر) عن ابی صالح قال لکل قوم قادة (ابن جریر) ف١٥ یعنی قدرت کے سارے انتظامات ایک خاص نظام کے ماتحت ہی انجام پاتے ہیں، اٹکل پچو نہیں، اور نہ اس میں کسی سہو یا غلطی کا امکان ہے۔ اَللّٰهُ ...... تَزْدَادُ۔ خدائے اسلام کا علم کامل بھی ہے اور محیط بھی۔ ہر ہر جزئیہ اور سارے مخفیات و مغیبات پر شامل۔ یہ جاہلی مذہبوں پر ضرب کاری ہے، جن میں خدا کا علم ناقص یا صرف کلیات کا مانا گیا ہے۔ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى۔ مثلاً یہی کہ حمل میں لڑکی ہے یا لڑکا۔ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ۔ مثلاً یہ کہ کسی کی مدت حمل بڑھ گئی اور کسی کی گھٹ گئی، یا یہ کہ کسی کے حمل میں ایک بچہ ہے، اور کسی کے زائد۔ ف١٦ اسی کی قدرت سب پر بالا اور سب پر حاکم کوئی اس کا بالا دست نہیں، اور اس کا علم محیط و کامل...... وہی ہمہ داں، ہمہ بیں، اور وہی ہمہ تواں۔ مذاہب شرکیہ اور ادیانِ جاہلی کو سب سے زیادہ ٹھوکر حق تعالیٰ کی صفاتِ علم و قدرت ہی کے سمجھنے میں لگی ہے اسی لئے قرآن مجید ان عقائد کو بار بار صاف کرتا جاتا ہے اور ان کی غلطیوں کی بار بار اصلاح کرتا جاتا ہے۔ ف١٧ یعنی یہ سر و جہر، یہ پوشیدگی و ظہور، یہ تاریکی و روشنی، سب تمہاری نسبت سے ہے۔ اس کے علم کے اعتبار سے سب یکساں ہے۔...... مشرک قوموں نے اپنے دیوی، دیوتاؤں کو بھی اپنے ہی محدود اور ناقص حواس اور قوتوں پر قیاس کیا ہے۔ اس کی اصلاح ضروری تھی۔

مِّنۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَ مِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ

باری باری آنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی وہ اللہ کے حکم سے

اَمۡرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا

اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں ف۱۸ بیشک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت بدل نہیں دیتا جب تک وہ لوگ خود اپنے میں

مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ

تبدیلی نہیں کرلیتے ف۱۹ اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت ڈالنے کا ارادہ کرلیتا ہے تو کوئی صورت ہی اس کے ہٹنے کی نہیں

وَ مَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ ﴿۱۱﴾ هُوَ الَّذِىۡ يُرِيۡكُمُ

اور نہ کوئی اللہ کے مقابلہ میں ان کا مددگار رہتا ہے ف۲۰ وہ وہی (خدا) ہے جو تمہیں بجلی (کی چمک)

الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنۡشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ ۚ

دکھلاتا ہے ذریعۂ خوف بھی بنا کر اور ذریعۂ امید بھی بنا کر اور بوجھل بادلوں کو بلند کرتا ہے ف۲۱

وَ يُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِهٖ وَ الۡمَلٰۤـئِكَةُ مِنۡ خِيۡفَتِهٖ ۚ

اور رعد اس کی پاکی بیان کرتا ہے اس کی حمد کے ساتھ اور (دوسرے) فرشتے بھی اس کے رعب وجلال سے (یہی کرتے ہیں)

وَ يُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيۡبُ بِهَا مَنۡ يَّشَآءُ

ف۲۲ اور وہ (اللہ) بجلیاں بھیجتا ہے پھر گرا دیتا ہے اُسے جس پر چاہتا ہے ف۲۳

وَهُمۡ يُجَادِلُوۡنَ فِى اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ شَدِيۡدُ الۡمِحَالِ ﴿۱۳﴾ ؕ

اور یہ لوگ اللہ کے باب میں جھگڑ رہے ہیں حالانکہ وہ بڑا ہی زبردست قوت والا ہے ف۲۴

لَهٗ دَعۡوَةُ الۡحَـقِّ ؕ وَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ

اسی کے لئے (خاص) ہے سچا پکارنا ف۲۵ اور جن کو (یہ لوگ) اس کے سوا پکارتے ہیں

لَا يَسۡتَجِيۡبُوۡنَ لَهُمۡ بِشَىۡءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيۡهِ اِلَى الۡمَآءِ

وہ ان کا جواب اس سے زیادہ نہیں دے سکتے جتنا پانی (اسے جواب دے سکتا ہے) جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے

ف۱۸ خالق کا تعلق مخلوق سے بے اعتنائی اور بے التفاتی کا نہیں، وہ غایت شفقت وکرم سے سب کی حفاظت کی فکر واہتمام رکھتا ہے۔ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ۔ توحید کی تاکید واہتمام مزید کے لئے ہے، فرشتہ تک بھی متصرف بالذات نہیں، جو کچھ بھی کرتے ہیں، اطاعت سرشت بندوں کی طرح، اپنے خالق کے حکم ہی سے کرتے ہیں، اللہ اللہ! توحید خالص پر اس کتاب برحق نے کن کن طریقوں سے زور دیا ہے۔ مُعَقِّبٰتٌ۔ مراد فرشتے ہی ہیں، خدائی حکومت میں فرشتوں کی ڈیوٹی لگی رہتی ہے، پہرہ اپنے اپنے وقت پر بدلتا رہتا ہے، ف۱۹ (مسلسل نافرمانیاں کرکے) یہاں یہ قانون بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ تو عدل مطلق ہے، اس کی طرف سے کسی ظلم وزیادتی کا امکان ہی نہیں، وہ تو جب بھی کسی قوم کو گرفت میں لے گا، تو اس قوم کی مسلسل نافرمانیوں کی پاداش ہی میں لے گا۔ يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ۔ اس تغیر کی نسبت فاعلی قوم کی طرف کرکے اس کا اظہار کردیا ہے کہ یہ تبدیلیاں قوم کے اپنے قصد، عمدواختیار سے، ہوتی ہیں، باقی اگر کوئی تبدیلی کسی قوم میں، کسی مجبوری یا اضطرار یا لاعلمی کے نتیجہ کے طور پر ہوجائے تو اس پر یہ گرفت نہیں۔ مَا بِقَوۡمٍ۔ مراد اچھی حالتوں سے ہے۔ ای من النعمة والعافية (روح) ف۲۰ (ان میں سے جن کی امداد کا بڑا بھروسہ اور زعم ان نافرمانوں کو رہا کرتا ہے) اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا۔ اور یہ ارادۂ الٰہی ہمیشہ اسی نافرمان قوم کے اعمال کی پاداش میں ہوتا ہے۔ مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ۔ یہاں تک کہ جو فرشتے انسان کی حفاظت پر مامور رہتے ہیں وہ بھی اب بہ حکم خدا اس کی حفاظت سے دستبردار ہوجاتے ہیں۔ ف۲۱ (جو پانی سے لدے ہوئے ہوتے ہیں) مدعا یہ کہ بجلی اور بادل نہ خود کوئی دیوی دیوتا ہیں، نہ کسی اور دیوی دیوتا کے محکوم وماتحت ہیں محض اللہ کی ایک مخلوق اور دوسری بیجان مخلوق کی طرح تابع فرمان ہیں، اندر دیوتا یا کوئی اور دیوتا بجلی اور بارش کے خدا نہیں۔ خَوۡفًا۔ یعنی یہ کہ کہیں گر کر سامانِ ہلاکت نہ بن جائے۔۔۔ ضمناً یہ بھی معلوم ہوگیا کہ برق میں ایک صفت ناری موجود ہے۔ طَمَعًا۔ یعنی یہ کہ اب تیز بارش ہوگی اور اس سے سرسبزی، شادابی، خوشحالی پھیلے گی۔۔۔۔۔۔ ضمناً یہ بھی معلوم ہوگیا کہ برق میں ایک صفت نوری موجود ہے ف۲۲ (اپنے اپنے مرتبۂ وجود کی مناسبت سے، اور کوئی بھی اللہ کی عبدیت ومحکومیت سے باہر نہیں) اَلرَّعۡدُ۔ رعد کے لفظی معنی بادل کی گرج کے ہیں۔ صوت السحاب (راغب) اصطلاح شریعت میں اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو ناظم ابرو سحابیات ہے۔ ملک من الملائكة موكل بالسحاب (جامع ترمذی۔ ابواب تفسیر القرآن۔ عن ابن عباسؓ) انه ملک يسوق السحاب (راغب) الرعد هو الملک موكل بالسحاب (کبیر) مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ گرج یا بادل کا کوئی مستقل اور متصرف بالذات دیوتا نہیں، جیسا کہ مشرق ومغرب کی جاہل قومیں ہزار ہا سال تک سمجھتی رہیں بلکہ یہ کام تو ایک محکوم ومطیع ایک حمد وتسبیح کرتے رہنے والے فرشتہ کے سپرد ہے، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مِنۡ خِيۡفَتِهٖ۔ حق تعالیٰ کا رعب وجلال بڑی سی بڑی مقتدر ومعصوم مخلوق پر بھی غالب اور مسلط ہے، وَ الۡمَلٰۤـئِكَةُ۔ ملائکہ کے اس عطف سے یہ شبہ پیدا نہ ہو کہ رعد بھی اگر کوئی فرشتہ ہی ہے تو ملٰئکۃ ہی پر اس کا عطف کیسا؟ عربی میں عطف ہمیشہ مغائرت جنس ہی کے موقع پر نہیں، بلکہ ہم جنسی کے باوجود تعظیم وتکریم کے لئے بھی آتا ہے، جس کی نظیریں خود قرآن مجید ہی میں موجود ہیں۔ لا يبعد ان يكون من جنس الملائكة وانما حسن افراده بالذكر على سبيل التشريف كما فى قوله وملائكته ورسله وجبريل وميكال وفى قوله واذ اخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوح (کبیر) ف۲۳ یہ فضائے ارضی کی طرف بجلیاں بھیجتے رہنا اور پھر اسے حسب مصلحت ومشیت تکوینی جس پر اور جہاں چاہنا گراتے رہنا یہ سب کام اسی قادر مطلق حکیم کل کا ہے۔ کسی اور کا نہیں۔ یونانی سمجھتے تھے کہ بجلی زی اس دیوتا کا حربہ ہے اور رومی عقیدہ رکھتے تھے کہ جوپیٹر (عطارد) دیوتا کا، اور ہندیوں کے خیال میں اندر دیوتا کا، دوسری مشرک قومیں بھی ایسی ہی خوش خیالیوں میں مصروف تھیں۔ قرآن مجید نے ایک چند لفظی فقرے سے ان ساری وہم پرستیوں پر ضرب کاری لگادی۔ (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن) ف۲۴ (اپنی قدرت خلاقی اور قوتِ صناعی کے لحاظ سے بھی اور اپنی طاقت وگرفت وسزادہی کے لحاظ سے بھی) مطلب یہ ہوا کہ ایسا خدا جس کے نظام کائنات کی کارفرمائیاں اتنی عجیب وعظیم ہوں اور جس کا اختیار واقتدار اتنا ہمہ گیر اور کامل، یہ نادان اسی خدا کے مقابلہ میں دوسروں کو لاتے ہیں اور اس کی ذات وصفات میں اوروں کو شریک کرنا چاہتے ہیں۔ ف۲۵ یعنی حقیقی دعا صرف اسی کے حضور میں ہوسکتی ہے۔ سننے کی قوت، قبول کرنے کی قوت اسی اکیلے میں تو ہے، اس کے علاوہ کسی اور سے دعا مانگنا حماقت محض اور سفاہت خالص نہیں تو اور کیا ہے؟ کسی اور میں کوئی اختیار ہی کب ہے؟

ف۲۶ یہ غیر خدا کے آگے عرض نیاز کرنے، دعا مانگنے کی مثال دی ہے کہ جیسے کوئی احمق پیاسا پانی جیسی بے جان، بے ارادہ، لاعقل چیز کی طرف اسی امید پر ہاتھ پھیلائے رہے کہ پانی از خود اس کے منہ تک پہنچ کر اس کی پیاس بجھائے گا تو اس سے بڑھ کر حماقت اور کیا ہوگی، اسی طرح یہ احمق دعا کے ذریعہ سے فریاد رسی اسی سے چاہتے ہیں جو سرے سے قادر ہی فریاد رسی پر نہیں! ف۲۷ (اس لئے کہ وہ تو غیر اللہ کے سامنے رہتی ہے) کافروں کی جو دعائیں بظاہر مقبول معلوم ہوتی ہیں ان واقعات کا تعلق دعاء سے بالکل نہیں ہوتا، ان کی وہ آرزوئیں یوں ہی بغیر دعاء کے پوری ہو جاتی ہیں، تکوینی اسباب ومصالح سے عام نظام ربوبیت کے ماتحت۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کافروں کی غیر مقبول دعاؤں سے مراد ان کی آخرت سے متعلق دعائیں ہیں، نہ کہ دنیا سے متعلق۔ المراد دعاؤهم الله تعالٰى بما يتعلق بالاٰخرة (روح) ف۲۸ یعنی ساری کی ساری مخلوقات اللہ ہی کی قانون تکوینی کی مطیع ومنقاد ہے۔ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ۔ اس ترکیب کے اقتضاء سے معنٰی یہ پیدا ہوئے کہ اللہ ہی کی مطیع ومنقاد ہے نہ کسی اور کی۔ اے لله وحده يخضع وينقاد ولا بشيء غيره (روح) مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مراد جمیع مخلوق سے ہے۔ المراد ما يشمل اولٰئک وغيرهم والتعبير بمن للتغليب (روح)

لِيَبْلُغَ فَاهُ وَ مَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ

ہوئے ہو کہ وہ (پانی) اس کے منہ تک پہنچ جائے، درآنحالیکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں ف۲۶ اور کافروں کی پکار تو

اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

محض بے اثر ہی ہے ف۲۷ اور اللہ ہی کے آگے جھکے رہتے ہیں (سب) جتنے آسمانوں میں ہیں اور (جتنے) زمین میں

وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ

ہیں ف۲۸ (کوئی) ارادۃً (تو) اور (کوئی) جبراً (تو) ف۲۹ اور ان کے سائے بھی صبح وشام

وَ الْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ

کے وقت ف۳۰ آپ پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ

اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ

اللہ (پھر) کہیے کہ تو کیا تم نے (پھر بھی) اس کے سوا (اور) کارساز قرار دے لئے ہیں جو اپنی ہی ذات کے لئے

لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى

بھی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے ف۳۱ آپ کہیے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا

وَ الْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَ النُّوْرُ ۚ اَمْ

برابر ہو سکتا ہے یا یہ کہ کہیں تاریکی اور روشنی برابر ہوئی ہے ف۳۲ یا یہ کہ

جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ

انہوں نے اللہ کے شریک ایسے ٹھیرا رکھے ہیں کہ جنہوں نے اس کی خلق کی طرح کسی کو خلق کیا ہے، جس سے ان کو

الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ

خلق میں اشتباہ ہو گیا ف۳۳ آپ کہہ دیجئے اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ

واحد ہے، غالب ہے ف۳۴ (اسی نے) آسمان سے پانی اتارا جس سے نالے اپنی مقدار

السجدۃ ۲۳

يَسْجُدُ۔ سجدہ یہاں باصطلاح شرعی نہیں بلکہ اپنے اصلی ولغوی معنٰی میں ہے یعنی سب کے سب اللہ کے آگے جھکے ہوئے اور اس کی مشیت کے مطیع ومنقاد ہیں۔ السجود اصله التطامن والتذلل ...... وذٰلک ضربان سجود باختيار وليس ذٰلک الا للانسان وسجود تسخير وهو للانسان والحيوانات والنبات وعلٰى ذٰلک قوله ولله يسجد من فى السمٰوٰت والارض (راغب) السجود عبارة عن الانقياد والخضوع و عدم الامتناع و كل من فى السمٰوٰت والارض ساجدٌ لله بهٰذه المعنٰى لان قدرته و مشيئتهٗ نافذة فى الكل (كبير) اے ينقاد انه لاحداث ما ارادهٗ فيهم من افعاله (كشاف) ف۲۹ یعنی افعال اختیاری میں تو قصد واختیار سے اور اُمور غیر اختیاری میں اضطراراً۔ ف۳۰ یعنی علی الدوام ہر حال میں، ہر وقت۔ ب یہاں فی کے مرادف ہے۔ والمراد بها الدوام (بیضاوی) الباء بمعنى فى (روح) وَظِلٰلُهُمْ۔ سایہ ایک عدمی اور سلبی شے ہے، جس کا اطلاق اس حال پر ہوتا ہے جب روشنی کسی جسم کثیف کے توسط سے دُور ہو جائے...... جیسے رات کا اطلاق دن کے عدم پر ہوتا ہے، یہاں پر اگر یہ لفظی معنٰی لیے جائیں جب بھی کوئی اشکال نہیں۔ مراد یہ ہوگی کہ اشیاء موجود فی الخارج اور ان کے اظلال سب ہی قادر مطلق کے مطیع ومنقاد ہیں۔ وحشی قوموں میں "سایہ" کو عالم بالا کی کوئی چیز سمجھ کر اس سے بہت ڈرا گیا ہے قرآن مجید نے بتایا کہ ہر موجود شے کی طرح اس کا سایہ بھی محض مخلوق اور منقاد مشیت الٰہی ہے، لیکن محققین ہی سے ایک قول اور بھی منقول ہے، وہ یہ کہ اظلال سے مراد آثار و توابع ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ ہر موجود بذات خود بھی مطیع ومسجود ہے اور اس کے آثار وخواص وافعال بھی، ف۳۱ (چہ جائیکہ اپنے پرستاروں کی سن سکیں، یا ان کی کچھ مدد کر سکیں) مطلب یہ ہوا کہ ان مشرکین عرب سے بھی اگر یہ سوال کر دیجئے کہ اس سارے نظام کائنات کا خالق وموجد حافظ ومتقی مدبر و حاکم کون ہے تو یہ باوجود اپنے شرک کے اس کے قائل نکلیں گے کہ وہ تو ایک ہی خدائے قادر وتوانا ہے جسے عرب کی بولی میں اللہ کہتے ہیں، پس اس پر ان کی گرفت کیجئے، اور ان سے یہ کہیے کہ اس صحیح بنیادی عقیدہ کے باوجود پھر یہ تم پر کیا شامت سوار ہے، کہ تم تعدد الٰہ کی لعنت میں گرفتار ہو اور چھوٹے چھوٹے خداؤں دیوی دیوتاؤں کے چکر میں پھنسے ہوئے ہو؟...... جب ایک خدا کو مان لیا تو پھر اب دوسرے بے چاروں کے پاس کسی قسم کا اختیار وتصرف سرے سے باقی ہی کہاں رہ جاتا ہے؟ ف۳۲ (اور جب یہ نہیں اور بداہۃً نہیں تو پھر موحد ومشرک یعنی صاحب ایمان اور محروم الایمان اور شرک اور توحید یا کفر وایمان کیسے ایک سطح پر آسکتے ہیں؟) آیت میں رد آ گیا آج کے اُن "روشن خیالوں" کا جو دنیا کے ہر مذہب کو یکساں سمجھتے ہیں اور اُن "آزاد خیالوں" کا جو فلاح دنیوی کے لیے ایمان کی شرط غیر ضروری جانتے ہیں۔ ف۳۳ (اور یہ دھوکے میں پڑ کر اُس خالق اعظم کی طرح دوسرے خالقوں کو بھی خدا سمجھ بیٹھے!) مطلب یہ ہوا صفت خالقیت میں انہوں نے اپنے کسی گڑھے ہوئے خدا کو خدائے حقیقی کا شریک اپنے تجربہ ومشاہدہ میں پایا ہے؟ اور جب کسی کو بھی نہیں تو پھر آخر کیا یہ خدا کی مار ہے کہ ان دوسروں کو معبودیت میں شریک کیے جاتے ہیں؟ ف۳۴ یہاں مختصراً تین صفات بیان کر کے بہت سی پھیلی ہوئی گمراہیوں اور کثیر التعداد مذاہب شرک کی جڑ کاٹ دی۔ پہلی صفت یہ کہ اللہ ہی چھوٹی بڑی ہر چیز کا جوہر وعرض، ایجاب وسلب، خوشگوار وناخوشگوار، سب کا خالق ہے۔ دوسری صفت یہ کہ وہ عدداً بھی ایک ہی ہے اپنی ذات کے لحاظ سے بھی اور اپنی صفاتِ کمالیہ کے لحاظ سے بھی، یہ نہیں کہ اس کی "شخصیت" تو ایک ہو لیکن اس کے "بروز" اور اس کے "اقنوم" کئی کئی ہوں۔ تیسری صفت یہ ہے کہ وہ اپنی ساری مخلوقات پر غالب و حاکم ہے خود اس کے اُوپر کوئی ہستی یا کوئی قانون حاکم ومتصرف نہیں۔

أَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ

کے موافق چلنے لگے ف٣٥ پھر وہ سیلاب جھاگ کو اوپر لے آیا

وَ مِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ

اور جن چیزوں کو آگ کے اندر تپاتے ہیں زیور یا (اور)

مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ

اسباب بنانے کی غرض سے اس میں ایسا ہی جھاگ ہے ف٣٦ اسی طرح حق و باطل کی اللہ مثال بیان

وَالْبَاطِلَ ؕ۬ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا

کرتا ہے ف٣٧ سو جھاگ تو نکما ہو کر جاتا رہتا ہے اور جو چیز

مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ

لوگوں کے لئے کار آمد ہے سو وہ زمین پر رہ جاتی ہے، اللہ اسی طرح

يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ﴿١٧﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ

مثالیں بیان کیا کرتا ہے ف٣٨ جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا کہنا مان لیا ان کے لئے

الْحُسْنٰى ؕ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ

نیک (بدلہ) ہے ف٣٩ اور جن لوگوں نے اس کا کہنا نہ مانا ان کے پاس اگر

مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا

دنیا بھر کی چیزیں بھی ہوں اور اسی کے ساتھ اتنی ہی اور بھی تو وہ سب اپنی طرف سے بہ طور فدیہ

بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ۬ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ

دے ڈالیں ف٤٠ سخت حساب ان لوگوں کا ہو گا اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾ ع اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

اور وہ کیسی بری قرارگاہ ہے ف٤١ کیا جو شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ آپ پر جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے

ف٣٥ (یعنی چھوٹے نالے کم پانی کے ساتھ اور بڑے نالے زیادہ پانی کے ساتھ سب اپنی اپنی بساط وحیثیت کے مطابق) ف٣٦ (اور وہ بھی اُوپر آجاتا ہے) زَبَدٌ۔ سے یہاں مراد ہے میل کچیل، خس وخاشاک، کوڑا کرکٹ۔ ف٣٧ یعنی ایک طرف توحید وایمان اور دوسری طرف کفر وشرک کی، ف٣٨ (اپنے کلام میں ہر مضمون کے لیے) فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ۔ یعنی اپنی نفع رسانی کے ساتھ باقی رہ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح جھاگ کچھ دیر کے لیے اصل چیز کے اُوپر نظر آتا ہے لیکن آخر کار وہ ناکارہ سمجھ کر پھینک ہی دیا جاتا ہے، اور اصل چیز باقی رہ جاتی ہے، اسی طرح گو باطل چند روز کے لیے حق پر غالب آجائے لیکن انجام کار باطل مغلوب ہی ہو کر رہتا ہے، اور حق باقی وثابت رہتا ہے۔ ف٣٩ یعنی جنت اِسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ۔ اور اپنے رب کا کہنا مان لینا یہی ہے کہ توحید و طاعت کی راہ اختیار کرلی۔ ف٤٠ (قیامت کے دن اس اُمید پر کہ کسی طرح جان تو بچے اور عذاب سے رہائی ملے) لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ۔ یعنی بدستور راہ معصیت وکفر پر قائم رہے۔ ف٤١ یعنی قیامت میں ساری کائنات اور اس سے بڑھ کر بھی تصدیق کرنا ان منکروں اور بے دینوں کو ذرا بھی نفع نہ پہنچا سکے گا۔ اور یہ بدستور گرفتار عذاب رہیں گے۔

مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ

نازل ہوا ہے حق ہی ہے وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہے؟ نصیحت تو بس اہل فہم ہی

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ

قبول کرتے ہیں ف۴۲ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے رہتے ہیں

وَ لَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ

اور (اس) پیمان کو توڑتے نہیں ہیں ف۴۳ اور جس کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے

اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ

حکم دیا ہے جوڑے رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور سخت حساب کا

سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ

اندیشہ رکھتے ہیں ف۴۴ اور جو لوگ اپنے پروردگار کی رضامندی کی تلاش میں مضبوط

رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

خفیہ بھی اور ظاہر طور پر بھی اور بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹالتے رہتے ہیں

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا

انہی کے حق میں نیک انجام ہے ف۴۵ (یعنی) ہمیشگی کے باغ جن میں وہ (خود بھی) داخل ہوں گے

وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ

اور (وہ بھی) جو جنت کے لائق ہوں گے ان کے ماں باپوں میں سے اور ان کے میاں بیویوں میں سے اور ان کی اولاد میں

وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾

سے ف۴۶ اور فرشتے ان کے پاس ہر دروازہ سے داخل ہوتے ہوں گے

ف۴۲ (اور جو لوگ فہم خداداد سے کام ہی نہیں لیتے وہ محروم رہتے ہیں) اَفَمَنْ يَّعْلَمُ...... الْحَقُّ یعنی مومن و مسلم۔ مَنْ هُوَ اَعْمٰى۔ یعنی کافر و منکر۔ يَعْلَمُ۔ علم یہاں یقین و اعتقاد کے معنی میں ہے۔ اُنْزِلَ اِلَيْكَ۔ اس سے قرآن مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے باقی رسول اللہ ﷺ نے وحی خفی کی بناء پر قرآن سے باہر جو احکام دیئے ہیں وہ بھی اس کے عموم میں شامل ہیں۔ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ یہ اولوا الالباب یا صاحبان فہم خالص وہی لوگ ہوتے ہیں، جو اپنی عقل پر تعصبات یا جذبات عناد وغیرہ کو غالب نہیں آنے دیتے اور یہی فرق ہے لُب اور مطلق عقل کے درمیان۔ اللب العقل الخالص من الشوائب (راغب) وقیل هو ما زکی من العقل فکل لُبّ عقل و لیس کل عقل لُبًّا (راغب) واللُّبُّ اخص من العقل و هو الذی ذهب الیه الراغب (روح) فقہاء نے یہیں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ عقل معتبر عقل معاد ہی ہے وہی جو تذکر کرتی ہے اور ایسا ہی شخص عاقل کہنے کے قابل ہے اگرچہ اُمور دنیوی میں وہ ناواقف ہو۔ ف۴۳ (جو اللہ سے یوم الست میں کر چکے ہیں) اہل فہم کی پہلی شناخت یہ ارشاد ہوئی کہ یہ لوگ اپنے عہد الٰہی کے ایفاء کرنے والے ہیں — عَهْدِ اللّٰهِ۔ سے مراد وہ عہد اطاعت ہے جو انسان روز اول اللہ سے کر چکا ہے۔ ای ما عقدوا علی انفسهم من الاعتراف بربوبیته حین قالوا بلٰی (بیضاوی) وسعت دے کر اس کے تحت میں وہ سب مسائل داخل کر لیے گئے ہیں جو دلائل شرعی سے پیدا ہوتے ہیں۔ ای کل ما قام الدلیل علیه (کبیر) یدخل فیه الاتیان بجمیع المامورات والانتهاء عن کل المنهیات (کبیر) ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ لفظ حقوق اللہ کے مرادف ہے۔ اور اس کی ادائی کا درجۂ اقل یہ ہے کہ معاصی کبیرہ سے اجتناب رہے۔ و اقلهٗ درجة اجتناب الکبائر (ابن العربی) ف۴۴ (اور کبھی اپنی طاعت واطاعت پر نازاں ہو کر مطمئن و بے فکر نہیں ہو جاتے) يَصِلُوْنَ۔ یوصل یہ انہی اہل فہم کی دوسری شناخت ارشاد ہوئی۔ پہلی آیت میں جس طرح سے حقوق اللہ کی ادائی کی تاکید تھی، اس میں حقوق العباد کا اہتمام آ گیا۔ رعایة جمیع الحقوق الواجبة للعباد (کبیر) حاصل الکلام ان قوله الذین یوفون بعهد الله اشارة الی التسلیم لامر الله (قوله والذین یصلون ما امر الله به ان یوصل) اشارة الی الشفقة علی خلق الله (کبیر) يَخْشَوْنَ...... الْحِسَابِ یعنی ان کے اس حسن کردار کی بنیاد ان کی خشیت الٰہی پر ہوتی ہے۔ ف۴۵ حق تعالیٰ کی رضا، یہی لوگ حاصل کریں گے اور یہی لوگ رضاء الٰہی کے محل و مقام میں ہوں گے...... یہ سب شناختیں انہیں صاحبان فہم کی بیان ہوئیں۔ الَّذِيْنَ ...... رَبِّهِمْ۔ یعنی دین حق پر ہر طرح کی جسمانی صعوبتوں اور دماغی پریشانیوں کے باوجود قائم رہتے ہیں۔ اس صبر کے عموم میں ہر قسم کے احکام تشریعی اور مصائب تکوینی پر صبر شامل ہے۔ یدخل فی الصبر علی فعل العبادات والصبر علی ثقل الامراض والمضار و الغموم والاحزان والصبر علی ترک المشتهیات و بالجملة الصبر علی ترک المعاصی و علی اداءِ الطاعات (کبیر) سِرًّا وَّعَلَانِيَةً۔ یعنی حسب موقع و مصلحت کبھی اس خرچ کا اظہار بھی کر دیتے ہیں، اور کبھی اسے مخفی بھی رکھتے ہیں، مثلاً جو رقم سلطنت اسلامی میں واجب الادا ہوا سے علانیہ سرکاری بیت المال میں داخل کرتے ہیں، اور جہاں اپنے تنگ دست عزیزوں، پڑوسیوں، مسافروں وغیرہ کی امداد ضروری دکھائی دیتی ہے وہاں اسے بالکل مخفی طور پر کرتے رہتے ہیں۔ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ۔ اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنی خطاؤں اور لغزشوں کو نیکیاں کر کر کے مٹاتے رہتے ہیں۔ ای یتبعون السیئة الحسنة فتمحوها (بیضاوی) عن ابن عباسؓ انه قال یدفعون بالصالح من العمل السیء من العمل و هو معنی قوله ان الحسنات یذهبن السیئات (معالم) مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ۔ یعنی اپنی جائز و حلال کمائی سے۔ حرام آمدنی کا انتساب اللہ تعالیٰ کی جانب ہو ہی نہیں سکتا۔ قالت المعتزلة ذلک یدل علی انهٗ لا رزق الا الحلال و لو کان الحرام رزقًا لکان قد رغب فی انفاق الحرام و انه لا یجوز (کبیر) ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ۔ یعنی ان کے صبر و ثابت قدمی سے مقصود دنیوی ناموری یا اور کچھ نہیں ہوتا، بلکہ محض اجر و رضاء الٰہی ہی مقصود رہتا ہے۔ معناه انه صبر لمجرد ثوابه و طلب رضا الله تعالیٰ (کبیر) لا غیره من اغراض الدنیا (جلالین) عُقْبَى الدَّارِ۔ یعنی جنت جو اس دُنیا کے بعد کی اور آخری چیز ہے۔ ای عاقبة الدنیا و هی الجنة (مدارک) ف۴۶ یعنی یہ نیک کردار اور اولوا الالباب جنت میں خود تو خیر داخل ہوں گے، ان کے ساتھ ہی ان کے بڑے اور چھوٹے اور برابر والے عزیزوں کو بھی جنت میں پہنچا دیا جائے گا، بشرطیکہ ان میں صلاحیت بھی کسی درجہ کی جنت میں جانے کی ہوئی۔ مَنْ صَلَحَ۔ اس قید نے صاف کر دیا کہ اہل جنت سے مطلق قرابت کا تعلق مغفوریت کے لیے کافی نہیں مغفرت تو ایمان ہی پر مرتب ہوگی البتہ ترقی درجات و مراتب کی گنجائش اعزہ و اقربا کی شفاعت کی بنا پر ہے۔ قال ابن عباسؓ یرید من صدق بما صدقوا به و ان لم یعمل مثل اعمالهم (کبیر) قال الواحدی والصحیح ما قال ابن عباسؓ (کبیر) والمعنی انه یلحق بهم من صلح من اهلیهم و ان لم یبلغ مبلغ فضلهم تبعًا لهم تعظیمًا لشانهم (بیضاوی) و هو دلیل علی ان الدرجة تعلوا بالشفاعة (بیضاوی) و فی التقیید بالصلاح دلالة علی ان مجرد الانساب لا تنفع (بیضاوی) و ان لم یعملوا بعملهم یکونون فی درجاتهم تکرمة لهم (جلالین) ای یجمع بینهم و بین احبائهم فیها من الآباء والاهلین و الابناء بمن هو صالحٌ لدخول الجنة من المومنین لتقرا عینهم بهم (ابن کثیر) اٰبَآئِهِمْ۔ اس کے تحت میں عجب نہیں جو کل بزرگان خاندان آ جائیں، باپ اور ماں دونوں کی طرف سے۔ اَزْوَاجِهِمْ۔ زوج میں میاں بیوی مذکر و مؤنث دونوں آ گئے۔

سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِ ؕ﴿۲۴﴾

(یہ کہتے ہوئے کہ) سلامتی ہو تم پر اس کے صلہ میں کہ تم صبر کرتے رہے، سو (تمہارا) اس جہان میں بہت ہی اچھا انجام ہے ف ۴۷

وَالَّذِيۡنَ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِيۡثَاقِهٖ

اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے رہتے ہیں

وَيَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ يُّوۡصَلَ وَيُفۡسِدُوۡنَ

اور اسے کاٹتے رہتے ہیں جس کیلئے اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے اور زمین پر فساد

فِى الۡاَرۡضِ ۙ اُولٰٓـئِكَ لَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡٓءُ

کرتے رہتے ہیں ایسوں پر لعنت ہو گی اور ان کے لئے اس جہان میں خرابی

الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ

(ہی) ہے ف ۴۸ اللہ جس پر چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور (جس پر چاہے) تنگ کر دیتا ہے ف ۴۹

وَفَرِحُوۡا بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا

اور یہ لوگ دنیوی زندگی پر اتراتے ہیں حالانکہ دنیوی زندگی آخرت کے

فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ

مقابلہ میں بس ایک حقیر ہی سودا ہے ف ۵۰ اور جو کافر ہیں کہتے ہیں کہ ان پر

لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ قُلۡ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ

ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ (ہمارا فرمائشی) کیوں نہیں اترا ف ۵۱ آپ کہہ دیجیے کہ واقعی اللہ گمراہ رکھتا ہے

مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ اَلَّذِيۡنَ

جسے چاہتا ہے اور راہ دکھا دیتا ہے اسے جو (اس کی طرف) رجوع کرے ف ۵۲ (یعنی) وہ لوگ

اٰمَنُوۡا وَتَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُهُمۡ بِذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكۡرِ

جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے انہیں اطمینان ہو گیا ف ۵۳ خوب سن لو کہ

ع ۸/۹

ذُرِّیّٰتِهِمۡ۔ ذریت کے تحت میں عجب نہیں کہ فروع و توابع سب آجائیں لڑکے، لڑکی، پوتے، نواسے اور پھر شاگرد مسترشدین وغیرہ۔ ف ۴۷ حالت سرور، فرحت و نشاط میں انسان گفتگو بھی اسی قسم کی سننا چاہتا ہے جو اس کے لیے اور زیادہ کیف آور و نشاط انگیز ہو، چنانچہ فرشتے بھی ہر طرف سے آ آ کر ایسے ہی پیام پہنچائیں گے۔ مِنۡ كُلِّ بَابٍ۔ "ہر ہر دروازے سے" کے ایک معنٰی تو ظاہر ہی ہیں، جنت کے ہر محل میں دروازے متعدد ہوں گے اور یہ پیامِ مسرت لانے والے ہر ہر طرف سے داخل ہوں گے، دوسرے معنٰی یہ لیے گئے ہیں کہ مومن نے دُنیا میں جتنے قسم کی طاعتیں کی ہیں، مثلاً نماز، روزہ، حسن معاملت، سچائی وغیرہ اس میں سے ہر ہر قسم کے لیے ایک ایک دروازہ قائم ہو جائے گا اور فرشتے اس میں سے داخل ہوں گے۔ قال ابو بكر الاصم من كل باب من ابواب البر (کبیر) ف ۴۸ اب اولوا الالباب کے مقابلہ میں نافہم، کج فہم بدبختوں کا ذکر ہو رہا ہے ان کی علامتیں بھی اس دُنیا میں ان سے بالکل مختلف رہتی ہیں، اور ان کا انجام بھی قدرۃً ان سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اَلَّذِيۡنَ...... يُّوۡصَلَ یعنی حقوق اللہ و حقوق العباد سب میں یہ شریعت الٰہی کی خلاف ورزی ہی کرتے رہتے ہیں۔ وَيُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ۔ عقاید شرکیہ اور اعمال شرک و فسق سے ملک میں ہر طرح کی ابتری ہی ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے۔ و ذلک الفساد هو الدعاء الٰى غير دين الله و قد يكون بالظلم فى النفوس والاموال و تخريب البلاد (کبیر) ف ۴۹ (اس انتظام تکوینی کو مقبولیت و عدم مقبولیت سے کوئی تعلق نہیں) بعض گم کردہ راہ قوموں اور فرقوں نے حق و باطل کا معیار معیشت کی خوشحالی و فارغ البالی اور تنگ دستی اور بدحالی کو سمجھا ہے، یہاں اس کی پوری تردید ہو رہی ہے، اور ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کا تعلق تمامتر مشیت تکوینی سے ہے۔ يَقۡدِرُ۔ کے معنٰی یہاں تنگ کر دینے کے لیے گئے ہیں، جیسا کہ سیاق سے بالکل ظاہر ہے، قال المفسرون معنى يقدر ههنا يضيق (کبیر) ف ۵۰ ان منکرین آخرت کی تنگ دماغی کا یہ حال ہے کہ یہ اسی محدود اور چند سالہ مختصر زندگی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں، اور اُس بے انتہا وسیع عالم کو جو اس کے مابعد شروع ہونے والا ہے نذر بے خبری کیے ہوئے ہیں...... جیسے یہ سارا کارخانۂ حیات کسی صاحب شعور و صاحب ارادہ کا برپا کیا ہوا ہی نہیں۔ مَتَاعٌ۔ میں تنوین تحقیر کی ہے۔ ف ۵۱ یعنی یہ کفار از راہِ طعن و عناد کہتے ہیں، کہ یہ صاحب جو مدعی نبوت پیدا ہوئے ہیں، آخر اپنے خدا کے ہاں سے کوئی معجزہ ہماری پسند اور ہمارے معیار کے لائق لے کر کیوں نہیں آئے ہیں۔ ف ۵۲ (اور یہ رجوع و انابت بندہ کا فعل اختیاری ہے) اس فعل اختیاری کے اختیار پر اللہ کی طرف سے ترتّبِ ہدایت کا وعدہ ہے۔ يُضِلُّ مَنۡ يَّشَآءُ۔ یعنی جسے اپنی حکمت تکوینی کے ماتحت اسے گمراہ رکھنا ہی منظور ہوتا ہے...... گمرہی کی بابت کئی بار اوپر آچکا ہے کہ یہ اُنھی کے نصیب میں آتی ہے جو اپنی فہم خداداد سے کام نہیں لیتے، ف ۵۳ (اور اس اطمینان کی بڑی اور اصلی علامت یہ کہ ان کا ایمان اللہ کے کلام پر قائم ہو گیا)

اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿٢٨﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو ہی جاتا ہے ف۵۴ جو لوگ ایمان لائے اور نیک

الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ﴿٢٩﴾ كَذٰلِكَ

عمل کئے ان کے لئے خوشحالی اور خوش انجامی ہے ف۵۵ اسی طرح

اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ

ہم نے آپ کو ایک امت میں بھیجا ہے جس کے قبل بھی امتیں گزر چکی ہیں

لِّتَتْلُوَاۡ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ هُمْ

تاکہ آپ ان کو وہ (کتاب) پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ پر وحی کی ہے (مگر) وہ لوگ

يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

رحمٰن کے ساتھ کفر ہی کر رہے ہیں ف۵۶ آپ کہہ دیجیے وہی میرا پروردگار ہے کہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا،

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿٣٠﴾ وَ لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا

اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف (مجھے) واپس جانا ہے ف۵۷ اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا

سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ

جس کے ذریعہ سے پہاڑ ہٹا دیے جاتے یا اس کے ذریعہ سے زمین (جلدی جلدی) طے ہو جاتی یا اس کے ذریعہ سے

بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ

مردے بولنے لگتے (جب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے) ف۵۸ ہے یہ کہ سارا اختیار اللہ ہی کو ہے کیا پھر

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ

بھی ایمان والوں کو یکسوئی نہیں ہوئی کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے انسانوں کو ہدایت

جَمِيْعًا ۭ وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا

دے دیتا ف۵۹ اور (یہ) کافر تو ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے کہ (کوئی نہ کوئی) حادثہ ان پر

ف۵۴ یعنی ذکر الٰہی میں خاصیت ہی یہ ہے کہ یہ انسان کے قلب کو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے اُلجھاؤ سے بچاتا ہے، اور شرک سے جو انتشار ذہنی پیدا ہوتا ہے یقین توحید اس کے لیے سپر ہو جاتا ہے...... البتہ اس اطمینان کے بھی مختلف درجے و مرتبے ہوتے ہیں، جس درجہ کا ذکر الٰہی ہوتا ہے اُسی نسبت سے اطمینانِ قلب بھی حاصل ہوتا ہے۔ ذکرِ الٰہی کے آثار میں سے ایک اثر خوف و خشیت کا ہے۔ اذا ذکر اللہ و جلت قلوبھم لیکن یہ ماسوا کی طرف سے اطمینان و فراغت خوفِ خدا کے منافی ذرا بھی نہیں، بلکہ یہ دونوں کیفیتیں تو عین ایک دوسرے کی متمم و مکمل ہیں۔ ف۵۵ خوشحالی اس دنیا میں اور خوش انجامی آخرت میں...... خوشحالی سے مراد مالی یا معاشی خوشحالی نہیں، بلکہ فراغ خاطر ہی مقصود ہے۔ ف۵۶ (اور ایسے رحمت والے آقا کے کلام پر ایمان لانے کے بجائے اُلٹے اس کی ناشکری اور ناقدری ہی کر رہے ہیں) كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح ہم اور اُمتوں میں رسول بھیج چکے ہیں۔ اے کما ارسلنا الانبیاء قبلک (کبیر، عن ابن عباسؓ والحسن وقتادة) ف۵۷ (نہ کہ کسی اور کی طرف) عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے جو میری ہر حفاظت و کفالت کے لیے کافی ہے اور آخری جزاء و صلہ کی توقع بھی بس اسی ایک سے ہے۔ ف۵۸ لَوْ۔ کلمۂ شرط ہے اس کی جزاء محذوف ہے جو متن ترجمہ میں قوسین میں ظاہر کر دی گئی اور اسلوب بلاغت خصوصاً قرآن مجید میں اس قسم کے محذوفات عام ہیں۔ حرف بَلْ خود اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ فقرۂ ماقبل میں جو چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ موثر حقیقی نہیں۔ منکروں نے یہود کی تعلیم و ترغیب سے فرمائشیں اس قسم کی کی تھیں کہ پیمبر کا دعویٰ ہے تو داؤد پیمبر ؑ کی طرح پہاڑوں کی تسخیر کا تماشا کیوں نہیں دکھا دیتے یا سلیمان ؑ رسول کی طرح سفر کیوں نہیں طے کرا دیتے، یا عیسیٰ نبی ؑ کی طرح مُردے کیوں نہیں جلا دکھاتے، آیت انہی بیہودہ فرمائشوں کے جواب میں ہے۔ ف۵۹ یعنی بالفرض اس قرآن میں یہ سب موثرات خارجی جمع کر دیئے جاتے جب بھی موثر حقیقی یہ خوارق بالکل نہیں۔ توفیق ہدایت تو تمامتر اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور عادۃ اللہ یہ ہے کہ طالب کو توفیق مل جاتی ہے اور معاند محروم رہتا ہے۔ بہت سے سادہ دل مسلمان اب بھی اپنی سادہ دلی سے یہ تمنا کیے ہوئے تھے کہ ان خوارق کا ظہور کسی طرح ہو جاتا تو کفار شاید ایمان لے ہی آتے۔ ان کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ تم اب بھی ان کے تعصب و عناد کے اتنے مشاہدات کے بعد بھی یہ اُمید لگائے بیٹھے ہو! فاطر کائنات اور ناظم فطرت کی مشیت اگر کہیں یہ ہوتی کہ ہر انسان کو اس کی طرف سے کسی طلب اور اس میں کسی صلاحیت کے وجود کے بغیر از خود ہدایت ہو جائے تو ان سب کو بھی اضطراراً ہدایت نصیب ہو ہی جاتی لیکن جب اس نے اس عالم کو عالم ابتلا بنا رکھا ہے اور ہر مکلف کے لیے طلب ہدایت لازمی رکھ دی ہے۔ تو اب ان معاندین کے ایمان کی توقع ہی عبث ہے۔

صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى

ان کے کرتوتوں کے باعث پڑتا ہی رہتا ہے یا ان کی بستی کے قریب ہی نازل ہوتا رہتا ہے و٦٠ یہاں تک

يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿٣١﴾ ع

کہ اللہ کا (وقت) موعود آ جائے گا یقیناً اللہ (اپنے) وعدہ کے خلاف نہیں کرتا و٦١

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ

اور بالیقین رسولوں کے ساتھ آپ کے قبل بھی استہزاء ہو چکا ہے لیکن میں

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾

کافروں کو مہلت دیتا رہا پھر میں نے انہیں پکڑ لیا سو میری سزا کیسی (سخت) تھی! و٦٢

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ

پھر کیا وہ جو ہر شخص کے اوپر مطلع ہے کہ اس نے کیا کیا (وہ دوسروں کے برابر ہے؟) و٦٣

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ

ان لوگوں نے اللہ کے لئے شریک ٹھہرائے ہیں، آپ کہیے ان کے صفات تو بتاؤ و٦٤ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر

بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ

دے رہے ہو جسے وہ زمین میں جانتا ہی نہیں یا یہ ہے کہ (وہ محض) ظاہری لفظ کے اعتبار سے (معبود ہیں)؟ و٦٥

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ صُدُّوْا

بلکہ بات یہ ہے کہ (ان) کافروں کی نظر میں ان کا مکر خوشنما کر دکھایا گیا ہے اور یہ لوگ

عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ

راہ (حق) سے محروم رہ گئے ہیں و٦٦ اور جسے اللہ گمراہ رکھے اسے کوئی راہ پر لانے والا

هَادٍ ﴿٣٣﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَعَذَابُ

نہیں و٦٧ ان (کافروں) کے لئے دنیوی زندگی میں بھی عذاب ہے اور عذاب آخرت (اس سے)

و٦٠ (جس سے انہیں خوف ہوتا ہے کہ کہیں ہم پر یہ بلا آ پڑے) وَلَا يَزَالُ۔ یعنی یہ صورت حال تو مستقل ہو گئی ہے۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ مراد وہی کافر و معاند ہیں جو از راہ عناد خوارق کی فرمائش کرتے رہتے ہیں۔ قَارِعَةٌ۔ مثلاً جنگ میں شکست یا قید، یا قتل۔ و٦١ (اور ان کفار معاندین سے وعدہ عذاب کا ہے) وَعْدُ اللّٰهِ۔ وقت موعود یعنی موت یا قیامت۔ الموت او القيامة (بیضاوی) مطلب یہ ہوا کہ یہ معاندین اپنی ان حالتوں میں مبتلا رہیں گے۔ یہاں تک کہ موت آ پہنچے گی اور عذاب برزخی و اُخروی کا مشاہدہ شروع ہو جائے گا و٦٢ اور سرکش اور نافرمان قوموں کی عبرتناک تباہی و ہلاکت کی داستان تاریخ کے صفحات، اثری کتبات اور عمارتوں کے کھنڈروں پر یکساں ثبت ہے۔ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یعنی ان تمسخر کرنے والوں پر بھی گرفت معاً نہیں ہو گئی انہیں ایک مدت تک برابر مہلت ملتی رہی، جس سے ان کا تمرد و عصیان اور بڑھتا ہی گیا، تا آنکہ کوئی گنجائش ہی عذر و ترحم کی نہ رہ گئی۔ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ۔ سو ان مثالوں سے چاہیے تھا کہ موجودہ کفار و معاندین بھی اپنے انجام سے غافل نہ ہوں، ایک زمانہ آئے گا جب مہلتیں ختم ہوں گی اور سزا اپنے وقت موعود پر ہل کر رہے گی، و٦٣ یعنی کہیں ایسا علیم کل، ہمہ بین، ہمہ دان، معبود برحق اور تمہارے خود ساختہ، بے خبر معبودانِ باطل برابر ہو سکتے ہیں؟ قَآئِمٌ...... كَسَبَتْ یعنی ہمہ دان، ہمہ تواں قادر مطلق و علیم کل۔ اے قادر على كل الممكنات عالم بجميع المعلوماتِ (كبير) اے رقيب و مهيمن (روح) و٦٤ جن سے ان کی معبودیت پر کچھ تو روشنی پڑے) سَمُّوْهُمْ۔ اسم۔ پر حاشیہ سورۂ بقرہ رکوع ٤ علم ادم الاسماء كلها کے تحت میں گزر چکا ہے۔ مراد یہاں صفات سے ہے جیسے اُردو فقرہ میں کہیں کہ ذرا تعریف تو کیجئے۔ یہ مراد نہیں کہ ان کے نام گنانا شروع کر دو۔ قيل صفوهم ثم انظروا هل هي اهل لان تعبد (معالم) والمعنى صفوهم فانظروا هل لهم ما يستحقون به العبادة (بیضاوی) و ليس المراد ان يذكروا اساميها نحو اللات والعزّٰى و انما المعنى اظهار تحقيق ما تدعونهٗ الها و انه هل يوجد معاني تلك الاسماء فيها (راغب) جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ۔ شریک ٹھہرانا یہی ہے کہ کسی صفتِ خداوندی میں بھی کسی مخلوق کو شریک کر لیا جائے۔ و٦٥ (اور لفظ کے عقب میں حقیقت کچھ بھی نہیں) تو اگر یہ شق قبول ہے، تو خود ہی اعتراف ان تمام کے معبودوں کے معبود نہ ہونے کا ہے، اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ...... الْاَرْضِ حق تعالیٰ تو اُنہی چیزوں کو موجود جانے گا جو موجود ہیں، اور جو سرے سے موجود ہی نہیں بلکہ معدوم ہیں، انہیں موجود سمجھ لینا، یہ تو علم نہ ہوا جہل و کذب ہوا، تو اب یہ تمہارے تمام نہاد معبود بہ حیثیت معبود خارج میں وجود رکھتے ہی کہاں ہیں، جو حق تعالیٰ کو ان کے وجود کا علم ہو، ان کا وجود تو جو کچھ بھی ہے بس وہ تمہارے وہم ہی میں تو ہے۔ و٦٦ (اپنے عناد و تعصبِ اختیاری کی بنا پر) مَكْرُهُمْ۔ یعنی ان کی مغالطہ پرور تقریریں، ان کے جھوٹے عذرات۔ ان کی طرح طرح کی چالیں عداوت اسلام و مسلمین میں۔ و٦٧ حق تعالیٰ کی جانب نسبت اضلال پر حاشیے بار بار آ چکے ہیں۔

الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾

بدرجہا سخت ہے و۶۸ اور انہیں اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں و۶۹

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ

جنت جس کا وعدہ متقیوں سے ہوا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ

جاری ہوں گی اس کا پھل اور اس کا سایہ دائمی ہو گا یہ

عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

انجام ہو گا اہل تقوے کا اور کافروں کا انجام آتش (دوزخ) ہے و۷۰

وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

اور جن لوگوں کو کتاب ہم نے دی تھی وہ خوش ہورہے ہیں اس (کتاب) سے جو آپ پر نازل ہوئی ہے و۷۱

وَ مِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ

اور انہی کے گروہ میں ایسے بھی ہیں جو اس کے بعض (حصوں) کا انکار کرتے ہیں و۷۲ آپ کہیے کہ مجھے تو بس

اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَاۤ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ

اس کا حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کا شریک کسی کو نہ کروں، اسی کی طرف میں

اَدْعُوْا وَ اِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا

بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے (واپس) جانا ہے و۷۳ اور اسی طرح ہم نے اس (کتاب) کو نازل کیا بطور ایک

عَرَبِيًّا ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ

صاف حکم کے، و۷۴ اور اگر آپ کہیں ان کی خواہشوں پر چلنے لگیں بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم (صحیح)

مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾

پہنچ چکا ہے تو آپ کا نہ کوئی مددگار ہو گا اور نہ کوئی بچانے والا و۷۵

ع ۵/۱۱

و۶۸ (بہ لحاظ شدت بھی اور بہ لحاظ مدت بھی) عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ قتل وہلاکت، اسیری وہزیمت، مرض وقحط، بہت سی صورتیں عذاب دنیوی کی ہوسکتی ہیں۔ و۶۹ (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) و۷۰ آیت میں صاف صاف دونوں راستوں کفر وضلالت اور ایمان وہدایت کا انجام بتادیا ہے، ایک کا نتیجہ دائمی سکھ ہے اور دوسرے کا مستقل دُکھ۔ کسی کو اس باب میں اشتباہ رہنا ہی نہ چاہیے۔ اَلْمُتَّقُوْنَ۔ تقوی کی اوّلین شرط کفر وشرک سے احتیاط ہے۔ اُكُلُهَا دَآئِمٌ۔ جنت کی نہ تو کوئی نعمت فنا ہوگی اور نہ کوئی راحت زائل۔ و۷۱ (چنانچہ وہ اس پر ایمان لے آئے اور آپؐ کی تصدیق کی) لانهم اٰمنوا به و صدقوه (کبیر عن ابن عباس) اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ۔ یہ ذکر ان لوگوں کا ہے جو سچے اہل کتاب تھے صحیح معنی میں اپنے اپنے دین وشریعت کے پیرو تھے، یہ رسول اللہ ﷺ پر بھی بلا تامل ایمان لے آئے، هم الذين اٰمنوا بالرسول من اهل الكتاب (کبیر عن ابن عباسؓ) و۷۲ یعنی ایسے حصوں سے انکار جو اُن کی مرضی وخواہش کے خلاف ہوتے ہیں۔ اَلْاَحْزَابِ۔ یعنی کافروں و منکروں کے وہ جتھے جنہوں نے رسولِ اسلام کی مخالفت پر جتھے بنا لیے اور اس میں مشرکین عام اہل کتاب سب آگئے۔ والاحزاب بقية اهل الكتاب و سائر المشركين (کبیر عن ابن عباسؓ) یعنی كفرتهم الذين تحزبوا على رسول الله ﷺ بالعداوة (بیضاوی) و۷۳ ذرا اسے غور کر کے دیکھا جائے تو اتنے سے فقرہ میں توحید، رسالت، معاد، تینوں بنیادی عقیدے آ گئے۔ هٰذا الكلام جامع لكل ما ورد التكليف به (کبیر) اذا تامل الانسان فى هٰذه الالفاظ القليلة ووقف عليها عرف انها محتوية على جميع المطالب المعتبرة فى الدين (کبیر) اُمِرْتُ۔ یعنی میرے پاس وحی سے حکم بھیجا ہے، اثباتِ رسالت۔ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَاۤ اُشْرِكَ بِهٖ۔ اثباتِ توحید، اِلَيْهِ اَدْعُوْا۔ اثباتِ رسالت۔ اِلَيْهِ مَاٰبِ۔ اثباتِ معاد۔ و۷۴ (جس کے اصل مسائل واحکام میں کسی قسم کا خفا نہیں ہے) كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح انبیاء سابقین پر وحی وکتاب نازل کی تھی، عَرَبِيًّا۔ صاف واضح، عربی پر حاشیہ پارہ ۱۲ سورۂ یوسف آیت ۳ کے ذیل میں گذر چکا۔ و۷۵ اللہ اکبر! دائرۂ عبدیت سے ذرہ بھر قدم باہر نکالنے کی گنجائش، سید البشر بلکہ سرور انبیاء تک کو نہیں دی گئی ہے! اَهْوَآءَهُمْ۔ ضمیر اہل کتاب کی جانب سمجھی گئی ہے اور ان کی اھواء (خواہشوں) کے اندر ان کی تحریفات بھی آگئیں۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ

اور بالیقین آپ سے قبل ہم نے پیمبر بھیجے اور اُن کے لئے بیویاں

اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ

اور بچے بھی رکھے ف۷۶ اور کسی رسول کے بس میں یہ نہیں کہ ایک آیت بھی بغیر

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ

اللہ کے حکم کے لاسکے ف۷۷ ہر زمانہ کے لئے ایک کتاب ہوتی ہے ف۷۸ اللہ جس (حکم) کو چاہتا ہے

مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا

مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) باقی رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے، ف۷۹ اور جس چیز کا

نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں کا کچھ حصہ خواہ ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دے دیں

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَ لَمْ

تو آپ کے ذمہ تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے ف۸۰ کیا یہ اسے نہیں

يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ

دیکھ رہے ہیں کہ ہم زمین کو اس کی ہر طرف سے کم کرتے چلے آتے ہیں ف۸۱

وَ اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَ هُوَ سَرِيْعُ

اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ہٹانے والا نہیں اور وہ بہت جلد حساب

الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ

لینے والا ہے ف۸۲ اور ان کے قبل والے بھی (بڑی بڑی) چالیں چل چکے ہیں حالانکہ تدبیر

الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ

تمام تر اللہ ہی کی ہے ف۸۳ وہی جانتا ہے کہ ہر شخص کیا کچھ کرتا رہتا ہے

ف۷۶ (اور یہ عیالداری کمالات نبوت کے ذرا بھی منافی نہیں تو پھر بعض احمقوں کو آپ کے صاحب ازواج واولاد ہونے پر کیا اعتراض ہو رہا ہے؟) آیت میں یہ بتایا ہے کہ سلسلۂ رسالت تو بہت قدیم ہے اور آپ کا دعوائے رسالت دنیا کی تاریخ میں کوئی انوکھا واقعہ نہیں، نوح علیہ السلام اور ابرہیم خلیل، اسحاق واسماعیل، یعقوب وموسیٰ کلیم، داؤد وسلیمان علیہم السلام، آخران سب کے حالات تاریخ میں محفوظ ہیں، یہ سب حضرات عیالدار ہی ہوئے ہیں، پھر آخر آپ کی عیالداری پر اعتراض کیوں ہے؟ آیت میں تردید ہے، بودھ مت اور مروجہ مسیحیت اور دوسرے مذاہب جاہلی کی جہاں خانہ داری اور عیالداری کی زندگی کو تقرب الٰہی وخدارسی کے منافی سمجھا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ آیت میں بڑی عبرت وبصیرت کا سبق ہمارے زمانہ کے "مجرد" اور "تارک الدنیا" مشائخ اور اہل خانقاہ کے لئے ہے، جنہوں نے شادی بیاہ، بیوی اور اولاد کو کمالات ولایت وروحانیت کے منافی قرار دے لیا ہے! ف۷۷ (خواہ وہ آیت مکتوبی تنزیلی ہو یا آیت تکوینی ہو معجزہ وخارق) اٰیَۃٌ۔ کے دو مختلف معنی ہیں ایک تو آیت قرآنی یا حکم الٰہی، دوسرے نشانی یا معجزہ۔ یہاں مراد دونوں ہو سکتے ہیں، یعنی کوئی رسول نہ اپنی طرف سے کوئی تنزیل الٰہی لاسکتا ہے اور نہ کوئی معجزہ۔ اکابر تفسیر سے منقول بھی دونوں معنی ہیں۔ لیکن آگے جو مضمون آرہا ہے اس سے مناسب تر معنی آیت مکتوبی وتنزیلی ہی کے ٹھیرتے ہیں۔ قد یراد بالاٰیۃ اٰیۃ الکتابیۃ النازلۃ بالحکم علی وفق مراد المرسل الیھم وھو اوفق بما بعد (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے مطالبہ خوارق کی ممانعت نکلتی ہے اور جب اس کی ممانعت پیمبروں سے ہے، جن کا صاحب خوارق ہونا ضروری ہے تو اولیاء سے تو اس کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ ٹھیرتی ہے، جن کا صاحب خوارق ہونا ضروری ہے ہی نہیں، ف۷۸ (اس زمانہ اور اس ماحول کے مطابق ومناسب احکام لانے والی یہاں تک کہ یہ آخری کتاب ایسی آگئی کہ جس کے احکام ومسائل کسی زمانہ اور کسی ماحول کے بھی غیر مطابق نہ ہوں گے):۔ لِکُلِّ اَجَلٍ۔ معنی ہر دور کے لئے۔ ہر مدت معین کے لئے۔ کِتَابٌ۔ کتاب کے معنی حکم کے بھی ہو سکتے ہیں اور حدیث میں بکتاب اللہ بحکم اللہ کے معنی میں آیا بھی ہے۔ بکتاب اللہ ای بحکم اللہ الذی انزل فی کتابہ وکتبہ علی عبادہ (تاج) ای حکم معین یکتب علی العباد حسب ما تقتضیہ الحکمۃ (روح) ف۷۹ چھوٹی بڑی ہر شے اسی کی مشیت اور قدرت کے ماتحت ہے۔ اُمُّ الْکِتٰبِ۔ سے عموماً مراد لوح محفوظ لی گئی ہے۔ ای عندہ اصل الکتب وجملتہ (ابن جریر) اصل کل کتاب وھو اللوح المحفوظ (کشاف) ھو الذی یکون اصلاً بجمیع الکتب (کبیر) ف۸۰ قبل اس کے کہ وہ عذاب موعود آئے۔ خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں خواہ دونوں جگہ) ضمناً وتبعاً اتنے جزء سے دو اور مسئلے بھی روشنی میں آگئے۔ (۱) ایک یہ کہ آپ کی وفات واقع ہوگی آپ غیر فانی بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ جن وعدوں اور دعووں کا اظہار آپ کی زبان سے کرایا گیا۔ ان میں سے بعض کا وقوع آپ کے بعد ہی ہوگا، الَّذِیْ نَعِدُھُمْ۔ یعنی عذاب الٰہی خصوصاً اسی دنیا میں۔ وَاِنْ مَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ۔ یعنی آپ کی زندگی ہی میں عذاب ان پر لے آئیں۔ یہ سب کافروں کے اس مطالبہ کے جواب میں کہا جارہا ہے کہ آخر عذاب ہم پر آ کیوں نہیں جاتا ہے؟ صوفیہ محققین نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ طالب سالک پر اطاعت وامتثال بہرصورت لازم ہے۔ دنیا میں کشود واثر سے اور آخرت میں صلہ واکرام سے اسے بحث نہ ہونا چاہیے۔ الغرض عذاب جلد آئے یا بدیر، بہرصورت آپ زیادہ فکر وتشویش میں نہ پڑیں عذاب اپنے وقت معین پر آئے گا ضرور) آیت نے ایک بار پھر اس واضح حقیقت کو واضح تر کر دیا کہ رسالت اور الوہیت کے حدود بالکل جداگانہ ہیں خلط کی کوئی گنجائش ہی نہیں رسول، مقرب ترین رسول کا کام صرف تبلیغ احکام اور تبلیغ دین ہے باقی اس پر سزا وجزا سوال وباز پرس کا تعلق صرف فاطر کائنات سے ہے۔ ف۸۱ (ان کے حق میں) یعنی یہ مغرور اور سرکش اتنی موٹی بات بھی نہیں دیکھتے کہ ہم برابر ہر جنگ میں کچھ نہ کچھ ملک اور حصۂ زمین ان کے ہاتھ سے نکال نکال کر اسے اہل ایمان کے قبضے میں دیتے جاتے ہیں، عذاب دنیوی یہ اگر نہیں تو اور کیا ہے؟...... ایک ایسا انسان جو بظاہر تمام تر تائیدی اسباب سے محروم ومعرا تھا، اس کا رفتہ رفتہ اتنا غالب آجانا اگر تائید غیبی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ سورۃ مکی ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ خاص آیت مدنی ہو۔ مکی سورتوں کے اندر ملی جلی مدنی آیتوں کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت سے مل جاتی ہیں، لیکن آیت اگر مکی ہی ہو جب بھی اشکال وارد نہیں ہوتا اسلام پھیل تو برابر رہا تھا اور مسلمانوں کی آبادی، مغلوبیت ومظلومیت کے باوجود بہرحال بڑھتی ہی جاتی تھی۔ ف۸۲ پہلی آیت میں یہ بتایا کہ حساب کی ذمہ داری اللہ پر ہے، اب یہ بیان ہوا کہ حساب کتاب میں دیر نہ لگے گی۔ اللہ بہت ہی جلد سب کا حساب چکا دینے والا ہے۔ اور کوئی قوت اس کی مشیت وارادہ کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی (جیسا کہ احمق مشرکین سمجھ رہے ہیں) ف۸۳ (اپنے اپنے رسول وقت کے مقابلہ میں اور بری طرح ناکام بھی رہ چکے ہیں) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو قدیم مثالوں کے ذریعہ سے سمجھایا ہے کہ ان کے معاصر کافروں کی بھی ناکامی یقینی ہے۔

وَسَيَعۡلَمُ الۡكُفّٰرُ لِمَنۡ عُقۡبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوۡلُ

اور کافروں کو ابھی علم ہوا جاتا ہے کہ آخرت کی خوش انجامی کس کے لئے ہے و۸۴ اور

الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَسۡتَ مُرۡسَلًا ؕ قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ

کافر کہتے ہیں کہ آپ بھیجے ہوئے نہیں ہیں آپ کہہ دیجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان

شَهِيۡدًاۢ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ ۙ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع

اللہ اور وہ جس کے پاس کتاب (آسمانی) کا علم ہے، بہ طور گواہ کے کافی ہیں و۸۵

ع ۶ ۱۲

ایاتھا ۵۲ ۱۴ سُوۡرَةُ اِبۡرٰهِيۡمَ مَكِّيَّةٌ ۷۲ رکوعاتھا ۷

اس میں ۵۲ آیتیں سورہ ابراہیم مکی ہے اور ۷ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الۤرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ

الف۔ لام۔ را۔ (یہ) کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۙ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰى صِرَاطِ

تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائیں ان کے پروردگار کے حکم سے یعنی (خدائے) غالب وستودہ صفات

الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ۙ ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

کی راہ کی طرف و۱ وہی اللہ کہ اس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَوَيۡلٌ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡ

اور جو کچھ زمین میں ہے و۲ اور بڑی خرابی ہے عذاب شدید سے

عَذَابٍ شَدِيۡدِ ۙ ﴿۲﴾ الَّذِيۡنَ يَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَيٰوةَ

کافروں کے لئے جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر

و۸۴ سَيَعۡلَمُ۔ ابھی علم ہوا جاتا ہے۔ یعنی اپنی موت کے وقت۔ س دلالت قرب کے لئے ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ س تاکید کا ہے۔ یعنی ایسا یقیناً واقع ہو کر رہے گا۔ قیل السین لتاکید وقوع ذلک وعلمه به (روح) فَلِلّٰهِ الۡمَكۡرُ جَمِيۡعًا۔ چنانچہ وہی ان کافروں کی چالبازیوں کو چلنے نہیں دیتا۔ مکر کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب ہوتا ہے تو بہ طریق مشاکلت آتا ہے اور معنیٰ جواب مکر کے ہوتے ہیں۔ اس پر حاشیہ کئی بار گزر چکا۔ محاورۂ اردو میں مکر صرف برائی کے موقع پر ہے۔ عربی زبان میں اس کا استعمال عام ہے اچھائی اور برائی ہر موقع کے لئے۔ و۸۵ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ اُمُّ الۡكِتٰبِ۔ یعنی محققین اہل کتاب۔ هم اهل الكتاب من اليهود والنصارى (ابن جریر۔ عن ابن عباس) اناس من اهل الكتاب۔ كانوا يشهدون بالحق ويعرفون به (ابن جریر عن قتادہ) اللہ کی گواہی تو وہ ہوئی جو آپ کی امانت سے، دیانت سے، صداقت سے، پاکبازی وپارسائی سے، غرض آپ کی عملی زندگی کے گوشہ گوشہ سے ظاہر ہو رہی تھی، اور اہل کتاب کی گواہی سے اشارہ ہے ان پیشگوئیوں اور بشارتوں کی طرف جو آپ کے متعلق کتب سابق میں موجود تھیں۔ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا۔ یہ کہنے والے اہل کتاب ہی تھے۔ قیل قاله رؤساء اليهود (روح) قرآن مجید کا انداز بیان خود کہے دے رہا ہے کہ اہل کتاب ہی مراد ہیں، وہی کہتے تھے کہ سلسلۂ نبوت برحق، ایک پیغمبر آخر الزمان کا آنا درست لیکن لَسۡتَ مُرۡسَلًا۔ تم وہ پیمبر مرسل نہیں ہو، تمہارا دعوائے نبوت صحیح نہیں...... ورنہ محض مشرکوں کے جواب میں اہل کتاب کی شہادت پیش ہونا لاحاصل تھی:۔

سورۃ ابراہیم علیہ السلام :۔ و۱ یعنی اس کتاب مقدس کی تنزیل کی غرض وغایت تمامتر یہ ہے کہ آپ اس کے واسطہ سے لوگوں کو جواب تک تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں، توحید وہدایت کی روشنی میں لے آئیں۔ الۤرٰ۔ یہاں مخفف سمجھا گیا ہے انا اللہ ازی کا۔ میں اللہ ہوں دیکھنے والا۔ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ لِتُخۡرِجَ۔ اس نکال لانے کا حکم مرتبہ تبلیغ میں ہے۔ یہ مراد نہیں کہ آپ سب کو نکال لائیں ہی گے۔ مراد یہ ہے کہ آپ تبلیغ اسی کی اور اسی غرض سے کرتے رہیں۔ النَّاسَ۔ ال استغراق کا کلّیت کو چاہتا ہے۔ یعنی جمیع نسل انسانی۔ یہ ایک مزید دلیل ہے اس کی کہ آپ کی بعثت کسی مخصوص قوم کی جانب نہیں، بلکہ عام اور کافۂ انام کی جانب تھی۔ والناس عام اذهو مبعوث الى الخلق كلهم (بحر) والمراد من الناس جميعهم (روح) كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ۔ یعنی اس کتاب کے ذریعہ سے آپ لوگوں کو راہ ہدایت دکھائیں۔ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ۔ ظلمت کا صیغہ جمع اور نور کا صیغہ واحد اس کی دلیل ہیں کہ گمراہیاں اور اقسام کفر کثرت سے ہیں بہ خلاف اس کے راہ ہدایت ایک ہی ہے...... وہی فرق جو ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک خطوط منحنی اور خط مستقیم میں ہوتا ہے۔ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ۔ یہ جو کچھ بھی ہوگا، خدائے قادر وتوانا ہی کی قدرت ومشیت سے ہوگا۔ پیغمبر متصرف وحاکم اس حد تک بھی نہیں۔ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ۔ غلبہ وقوت بھی اسی کو حاصل ہے۔ اور مدح وتحسین کی حقدار بھی اسی کی ذات ہے...... وہی ایک صفات کمال وجمال دونوں کا مالک ہے۔ و۲ مالک حقیقی وہی چھوٹی بڑی ہر چیز کا ہے کوئی دوسری ہستی اس کی مالکیت کے کسی ادنیٰ جزء میں بھی شریک نہیں۔

ف۳ (اصل حقیقت سے، بہت ہی دور) اَلَّذِیْنَ...... الْاٰخِرَۃِ۔ گمراہی، بے دینی، کفر کی اصلی بنیاد بھی آخرت پر اسی دنیا کو ترجیح دینا ہے۔ محبت دنیا مطلق صورت میں ممنوع نہیں (جیسا کہ بعض اہل غلو نے ٹھیرا لیا ہے) بلکہ وہ تو ایک امر طبعی وجبلی ہے۔ البتہ آجل پر عاجل کو ترجیح دینا "آج" کے پیچھے "کل" کو بھلا دینا، یہ جرم اور جرم عظیم ہے۔ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا۔ یعنی اس میں شبہ نکال نکال کر دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ ف۴ تو گویا اصل مقصود پیغمبر کی زبان اور اس کی امت کی زبان کے توافق سے یہ ہے کہ احکام وتعلیمات کی خوب تبیین وتشریح ہو جائے جس سے امت کو عمل میں کوئی دشواری نہ رہ جائے۔ بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۔ یعنی اس قوم کی زبان جو اس پیغمبر کی مخاطب اول وبراہ راست ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ اور تمام پیغمبروں سے ممتاز، دوہری حیثیت رکھتے تھے ایک حیثیت تو آپ کے رہبر عالم ہونے کی تھی جس کی توضیح قرآن مجید کی ایک آیت میں نہیں متعدد آیتوں میں ہے۔ للناس۔ کافۃ للناس وغیرہ الفاظ کے ذریعہ سے۔ دوسری حیثیت پیغمبر عرب ہونے کی تھی اور یہاں اسی کا ذکر ہے۔ ف۵ (چنانچہ وہ احکام کو قبول کر لیتا ہے) فَيُضِلُّ اللّٰهُ۔ یعنی جسے حق تعالیٰ گمراہی میں چھوڑے رکھتا ہے وہ احکام شریعت کو قبول نہیں کرتا ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی یہ اضلال وہدایت کی جتنی بھی کارروائیاں ہوتی ہیں، سب مشیت ومصلحت تکوینی کے ماتحت ہی ہوتی ہیں۔ ف۶ یہ صفات یہاں لاکر یہ یاد دلا دیا کہ اس کی قدرت میں ہر ایک کو ہدایت دینا ہے، لیکن، وہ ہدایت انہی کو دیتا ہے جن کی ہدایت مصالح تکوینی کے عین موافق ہوتی ہے:۔ ف۷ (رحمت وعذاب دونوں کے اہم معاملات جو جزو تاریخ بن چکے ہیں) قَوْمَكَ۔ یعنی قوم بنی اسرائیل کو۔ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ یعنی معاصی سے طاعت کی طرف۔ فقہاء نے یہاں سے یہ پہلو نکالا ہے، کہ وعظ وتذکیر میں واقعات اثر انگیز رقت انگیز کا لانا جائز ہے۔ **فی ھذا دلیل علی جواز الوعظ المرقق للقلوب المقوی للیقین** (ابن العربی) اَيّٰىمِ اللّٰهِ۔ یعنی جو بڑی بڑی نعمتیں قدرت کی طرف سے مختلف قوموں کو عطا ہوتی رہیں مثلاً حکومت واقتدار یا جو بڑی بڑی مصیبتیں مختلف قوموں کو قدرت کی طرف سے پیش آتی رہیں۔ مثلاً وبا وقحط، محکومی وغلامی۔ غرض یہ کہ ایام اللہ کے تحت میں ہر قسم کے اہم تاریخی واقعات آ جاتے ہیں۔ **عن ابن عباسؓ والربیع ومقاتل وابن زید المراد بایام اللہ وقائعہ سبحانہ ونعمائہ فی الامم الخالیۃ** (روح) **وانذرھم بوقائع التی وقعت علی الامم قبلھم** (کشاف) **یعبر بالایام من الوقائع العظیمۃ التی وقعت فیھا یقال فلان عالم بایام العرب ویرید وقائعھا** (کبیر) ایام کی اضافت اللہ کی جانب ان واقعات کی اہمیت پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔ **اضافۃ الایام الی اللہ تعالیٰ تشریف لامرھا لما افاض اللہ علیھم من نعمۃ فیھا** (راغب) اَنْ اَخْرِجْ۔ میں ان اے کے معنی میں ہے اس لئے کہ ارسلنا میں قلنا کے معنی بھی شامل ہیں۔ **بمعنی اے اخرج لان الارسال فیہ معنی القول کانہ قیل ارسلنا وقلنا لہ اخرج** (کشاف) ف۸ (صابر کے لئے یہ کہ وہ مصیبت پر صبر کرنا سیکھے اور شاکر کے لئے یوں کہ وہ نعمت پر شکر ادا کرنا سیکھے) فِيْ ذٰلِكَ۔ یعنی انہی ایام اللہ میں قوم کے ساتھ اللہ کے انہی تاریخی معاملات میں۔ یا ان کی تذکیر میں۔ اے **فی التذکیر بایام اللہ تعالیٰ اوفی الایام** (روح)

الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

ترجیح دیتے ہیں اور اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکتے

اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ۝۳

ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے رہتے ہیں یہ لوگ بڑی دور کی گمراہی میں (پڑے) ہیں ف۳

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ

اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اسی کی زبان میں کہ وہ

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

ان لوگوں پر (احکام وتعلیمات کو) کھول کر بیان کریں ف۴ پھر اللہ ہی جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

چاہتا ہے راہ دکھا دیتا ہے ف۵ اور وہی غالب ہے حکمت والا ہے ف۶ اور بالیقین ہم نے

مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ

موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو نکال لاؤ

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ

تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور انہیں اللہ کے معاملات یاد دلاؤ ف۷ بیشک

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵ وَ اِذْ

ان میں (بڑی) نشانیاں ہیں ہر صابر ہر شاکر کے لئے ف۸ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

موسیٰ نے اپنی قوم والوں سے کہا کہ اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو

اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

جب کہ اس نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی جو تمہیں سخت تکلیف

سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ

پہنچاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو

نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۶﴾ ع

زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش تھی و۹

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے تمہیں اطلاع دے دی تھی و۱۰ کہ اگر شکر کرو گے تو تمہیں

كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿۷﴾ وَ قَالَ مُوْسٰٓى

ضرور زیادہ دوں گا، اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بیشک میرا عذاب بڑا سخت ہے و۱۱ اور موسٰی نے کہا

اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ

کہ اگر تم اور روئے زمین کے سارے لوگ بھی ناشکری کریں

فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۸﴾ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ

تو اللہ بالکل بے احتیاج ہے ستودہ صفات ہے و۱۲ کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی

مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ۛ وَ الَّذِيْنَ

جو تم سے قبل ہو چکے ہیں (یعنی) قوم نوح اور عاد و ثمود اور جو لوگ

مِنْ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ

ان کے بعد ہوئے ہیں انہیں اور کوئی نہیں جانتا ہے بجز اللہ کے و۱۳ ان کے پیمبر ان کے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ

کھلے ہوئے نشان لے کر آئے مگر انہوں نے اپنے ہاتھ ان کے منہ میں دے دیے

وَ قَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِيْ شَكٍّ

اور بولے ہم منکر ہیں اس (حکم) کے جسے لے کر تم بھیجے گئے ہو و۱۴ اور جس امر کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو

ع ۹/۱۳ — مع

و۹ آیت تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ پارۂ اول سورۂ بقرہ رکوع ۶ میں آچکی ہے۔ اور وہیں مفصل حاشیے بھی گزر چکے ہیں۔ و۱۰ (میرے ذریعہ سے) گفتگو ابھی حضرت موسٰی علیہ السلام ہی کی چل رہی ہے۔ و۱۱ (دنیا اور آخرت دونوں میں) لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ زیادتی اور افزونی کس چیز میں ہوگی؟ خود اسی نعمت میں ہونا تو ظاہر ہی ہے باقی اگر توفیق شکر وغیرہ بھی مراد لی جائے تو عموم لفظ سے یہ سب بھی بخوبی نکل سکتا ہے۔ بائبل کے حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ۔ شکر کی تعریف امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کی ہے کہ منعم کی نعمت کا اعتراف کیا جائے، اس کی تعظیم کی جائے اور طبیعت کو اس طریقہ کا عادی کیا جائے۔ اما الشكر فهو عبارة عن الاعتراف بنعمة المنعم مع تعظيمه وتوطين النفس على هٰذه الطريقة (کبیر) بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ امور ناگوار طبع پر تحمل اور ثبات اور ترک شکایت کا نام صبر ہے اور امور موافق طبع کی قدر کرنا اور اس پر مدح وثناء کرنا یہ شکر ہے، اور یہ دونوں حالات رفیع ہیں لیکن ان حجاباتِ لطیف سے بھی گزر کر ہر حال میں نظر اپنے رب رؤف ورحیم پر رکھنا، اسی کو فاعل حقیقی سمجھنا اور حال طاری کی تلخی وشیرینی دونوں سے غیر متاثر رہ کر فعل محبوب ہی سے لذت ومسرت حاصل کرتے رہنا اور اسی کے آگے بہ کمال ادب سر جھکائے رکھنا رضاء وتسلیم ہے اور اس کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے:۔ و۱۲ (نہ اسے کسی کی ناشکری سے مطلق ضرر پہنچ سکتا ہے اور نہ اس کے استکمال بالغیر کا گزر ہے۔ ضمناً ان مشرک قوموں کی تردید بھی آگئی جن کے دیوتا خود اپنے پجاریوں کے چڑھاوے وغیرہ کے محتاج رہتے ہیں۔ من نہ گردم پاک از تسبیح شاں و۱۳ بہت سی قومیں ایسی بھی گزری ہیں جن کا کوئی تفصیلی علم نہ تاریخ کو ہے نہ ان کے آثار ہی کسی تفصیل کے ساتھ اثریات کی کھدائی کرنے والوں کو ہاتھ لگ سکے ہیں۔ قوم نوح علیہ السلام، قوم عاد، قوم ثمود سب پر مفصل حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ و۱۴ (اپنے زعم ودعوے کے مطابق) بِالْبَيِّنٰتِ۔ بینات میں دلائل ومعجزات دونوں آگئے۔ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ۔ ان کافروں کی شدتِ عناد کا یہ عالم تھا کہ اپنے پیمبروں کی بات تو کیا مانتے کوشش یہ رہتی تھی کہ انہیں بولنے تک نہ دیا جائے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کفر وانکار کے علاوہ پیمبروں کے ساتھ سوء ادب ایک مستقل جرم ہے۔

مِّمَّا تَدۡعُوۡنَنَاۤ اِلَیۡهِ مُرِیۡبٍ ﴿۹﴾ قَالَتۡ رُسُلُهُمۡ

اس کی طرف سے ہم بڑے شبہ میں ہیں (جو ہم کو) تردد میں ڈالے ہوئے ہے۔ وف۱۵ ان کے پیمبر بولے

اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ

تو کیا (تم کو) شک اللہ کے بارے میں ہے (جو) پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا وف۱۶

یَدۡعُوۡكُمۡ لِیَغۡفِرَ لَكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ وَ یُؤَخِّرَكُمۡ

وہ تمہیں (توحید کی طرف) بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف کردے اور تمہیں ایک مدت معین تک

اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ؕ

حیات دے وف۱۷ (اس پر وہ) کہنے لگے تم اور کچھ بھی نہیں بجز اس کے کہ ہمارے ہی جیسے بشر ہو وف۱۸

تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا كَانَ یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا

تم بس یہ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا جس چیز کی عبادت کرتے آئے ہیں اس سے ہم کو روک دو،

فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۰﴾ قَالَتۡ لَهُمۡ رُسُلُهُمۡ

سو لاؤ ہمارے پاس کھلا ہوا معجزہ وف۱۹ ان سے ان کے پیمبروں نے کہا

اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰی

(بیشک) ہم تمہارے ہی جیسے بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر

مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنۡ

چاہے احسان فرما دے وف۲۰ اور یہ ہمارے بس میں نہیں کہ

نَّاۡتِیَكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَی اللّٰهِ

ہم تمہارے پاس کوئی معجزہ بجز حکم الٰہی کے لے آئیں وف۲۱ اور ایمان والوں کو تو چاہیے

فَلۡیَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَی

کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں وف۲۲ اور ہم اللہ پر بھروسہ کیسے

وف۱۵ (کہ تم کیسی عجیب عجیب سمجھ میں نہ آنے والی باتیں کہہ رہے ہو) مِمَّا تَدۡعُوۡنَنَاۤ اِلَیۡهِ۔ یعنی عقیدہ توحید و قانونِ شریعت۔ فِی شَكٍّ۔ کے بعد مریب کا اضافہ تاکید اور زور دینے کے لئے ہے۔ یعنی شک ایسا نہیں جو نکل جائے بلکہ شبہات اور زیادہ بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ هو صفة توكيدية (روح) وف۱۶ پیمبر یہ سن کر غایت حیرت و استعجاب سے بول اٹھے۔ ارے تو کیا تمہیں شک و شبہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت کے بارہ میں ہے۔ وف۱۷ (اس دنیا میں خیر و خوبی کے ساتھ)۔ مِنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ۔ یعنی تمہارا پچھلا کفر و انکار اور پھر جتنے گناہ اس سے پیدا ہوئے:۔ وف۱۸ (اور بشر کسی فوق البشر روحانی مرتبہ پر کیسے پہنچ سکتا ہے؟) مشرک اور مشرک مزاج قوموں کا یہ وصف ان صفحات میں بار بار بیان ہو چکا ہے کہ رسالت کا مسئلہ کسی طرح ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ کہتے ہیں کہ دیوتاؤں کا وجود تو خیر ایک بات ہے۔ اوتار یعنی خدا کا کسی انسانی یا حیوانی قالب میں تجسم یہ بھی ہماری سمجھ میں آجاتا ہے لیکن یہ کہ انسان انسان بھی رہے، انسانوں ہی کی طرح رہے سہے، چلے پھرے، سوئے جاگے، اور پھر دعویٰ کرے کہ میرا تعلق خصوصی خالق کائنات سے جڑا ہوا ہے۔ میں اس کی مرضیات کا علم رکھتا ہوں اور دوسروں کو وہی راہ بتاتا ہوں یہ چیز ہماری سمجھ سے بالکل باہر ہے! آہ! کہ آج مسلمان بھی کس کثرت اور شدت سے اسی مرض میں مبتلا ہے۔ سید الانبیاء تو خیر بڑی چیز ہیں، ان کے ایک ایک خادم و چاکر کو جس سے بھی عقیدت پیدا ہو جائے، اسے فوق البشر بنائے بغیر "دیوتا" کے مرتبہ پر پہنچائے بغیر نہیں چھوڑتے۔ وف۱۹ (جس کے بعد انکار و تردد کی گنجائش ہی نہ رہے) معجزہ کوئی نہ کوئی تو ہر پیمبر کے پاس ہوتا ہی تھا، یہ احمق معاندین جب دلیل میں مغلوب ہو جاتے تو کہنے لگتے کہ اچھا کوئی ایسا معجزہ ہمیں دکھاؤ جس میں چون و چرا کی گنجائش ہی سرے سے نہ رہ جائے!...... احمق اتنا بھی نہ سوچتے کہ یہ صورت تو جبر و اضطرار کی ہوگی اور جب انسان ایمان پر مضطر اور مجبور ہو گیا تو اس ایمان کے کوئی معنی ہی نہیں اور نہ ایسا ایمان سرے سے مطلوب ہی ہے۔ تُرِیۡدُوۡنَ...... اٰبَآؤُنَا۔ کفر و انکار کے سلاح خانہ میں ایک بڑا مؤثر و قوی حربہ یہی ہے۔ جب گفتگو میں عاجز و لاجواب ہو جاتے تو کہنے لگتے کہ یہ پیغمبر وغیرہ (نعوذ باللہ) ایک ڈھکوسلا ہے۔ تمہارا اصل مقصود بس یہی ہے کہ ہمارے آبائی دین و آئین میں رخنہ ڈال دو اور ہمیں ہمارے بزرگوں سے چھڑا دو! وف۲۰ اور بندوں پر اس کا عظیم ترین ممکن احسان یہی منصب رسالت سے سرفرازی ہے) منکروں کے استدلال کا ایک مقدمہ (صغریٰ) تو تمام تر صحیح تھا، یعنی پیمبر بھی محض بشر ہی ہوتے ہیں لیکن جب اس پر مقدمہ اول (کبریٰ) ان پر لگا کر کہ جو بشر ہے وہ رسول نہیں ہو سکتا، نتیجہ یہ نکالنا چاہتے تھے کہ "اس لئے" "تم رسول ہو ہی نہیں سکتے" تو ان کا استدلال تمام تر فاسد ہو جاتا تھا۔ اس لئے کہ ان کا یہ مفروضہ کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا، خود تمام تر باطل تھا۔ حضرات انبیا کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ "ہم کب اپنی بشریت کے منکر ہیں۔ یقیناً ہم بشر ہی ہیں لیکن بشریت ہی کے سب سے اعلیٰ، اشرف، اکمل و افضل مرتبہ کا نام نبوت و رسالت ہے اور یہ انہی کو عطا ہوتا ہے جن کو حق تعالیٰ اپنے فضل خاص سے نواز دے۔" بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ۔ یہ مثلیت جو حضرات انبیاء اور کافروں، منکروں کے درمیان ثابت ہے، اصل انسانیت اور عجز عبودیت کے لحاظ سے ہے نہ کہ مراتب فضل اور اعمال کے اعتبار سے۔ وف۲۱ یہ حضرات انبیاء کے اسی جواب کا تتمہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم تو اپنی طرف سے معجزہ دکھلانے کے مدعی ہی نہیں، وہ تو سب اللہ ہی کے حکم اور اس کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے تو کوئی امر دکھلا دیا جاتا ہے جو تمہیں خارقِ عادت معلوم ہوتا ہے۔ وف۲۲ (چہ جائیکہ پیمبر جو مومنین میں افضل و اکمل ہوتے ہیں ان کا تو بھروسہ ہی اللہ پر اسی درجہ و مرتبہ کا ہونا چاہیے) آیت سے ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ بندہ کا منتہائے کمال و قوت اس کے اندر عبدیت کا احساس اور توکل و رجوع الی اللہ ہے نہ کہ حصولِ اقتدار یا اس کا احساس۔

اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ

نہ رکھیں درآنحالیکہ اس نے ہمیں ہمارے راستے دکھا دیئے و۲۳ اور تم نے جو ہمیں ایذا پہنچائی اس پر ہم

اٰذَیْتُمُوْنَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ع

صبر ہی کریں گے، اور بھروسہ رکھنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے و۲۴

وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ

اور کافروں نے اپنے پیمبروں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال کر

مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَیْهِمْ

رہیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آؤ و۲۵ پھر ان (رسولوں) پر ان کے پروردگار نے

رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۳﴾ لا وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ

وحی نازل فرمائی کہ ہم ضرور (ان) ظالموں کو ہلاک کر کے رہیں گے و۲۶ اور ان کے بعد تم کو زمین پر آباد

مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَ خَافَ

کردیں گے یہ (وعدہ) ہر اس شخص کے لئے ہے جو میرے روبرو کھڑے ہونے سے ڈر رکھے اور میری وعید سے

وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾ وَ اسْتَفْتَحُوْا وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ

ڈر رکھے و۲۷ اور انہوں نے فیصلہ چاہا اور ہر سرکش ضدی

عَنِیْدٍ ﴿۱۵﴾ لا مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَ یُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ

نامراد ہوا و۲۸ اس کے آگے دوزخ ہے اور اسے پیپ لہو پانی پلایا

صَدِیْدٍ ﴿۱۶﴾ لا یَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا یَكَادُ یُسِیْغُهٗ وَ یَاْتِیْهِ

جائے گا وہ اسے گھونٹ گھونٹ پیے گا جیسے وہ حلق سے نہ اترے گا و۲۹ اور ہر طرف سے اس پر

الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَیِّتٍ ؕ وَ مِنْ

موت آئے گی اور وہ (کسی طرح) مر نہ چکے گا اور اسے ایک (اور)

و۲۳ (تو ایسے شفیق محسن پر تو کامل بھروسہ کرنا اور ضروری ہوگیا) سُبُلَنَا۔ یعنی ہمارے نفع دارین کے راستے۔ و۲۴ (نہ کہ کسی اور پر، یا اپنی تدبیروں پر) توکل شریعت اسلامی میں ہرگز ترک تدبیر کے مرادف نہیں۔ حضرات انبیاء اور ان کے اصحاب ورفقاء تدبیر امور سے کبھی بھی غافل نہ ہوئے۔ بلکہ اس بات میں نہایت مستعد رہے۔ البتہ مؤثر ان تدبیروں ہی کو کبھی نہ سمجھے۔ بلکہ انجام وتاثیر میں ہمیشہ اللہ ہی کے فضل وکرم کے امیدوار رہے۔ وَلَنَصْبِرَنَّ۔ یہ صبر بھی ایک فرد اسی توکل علی اللہ کی ہے۔ عَلٰى مَاۤ اٰذَیْتُمُوْنَا۔ اس ایذاء کے تحت میں دماغی، جسمانی ہر قسم اور ہر درجہ کی اذیتیں آگئیں جو مخالفین معاندین کے ہاتھوں حضرات انبیاء کو برابر پہنچتی رہیں:۔ و۲۵ حضرات انبیاء کی گفتگو سے بجائے اس کے کہ منکروں کے دل کچھ نرم پڑتے۔ الٹے انہوں نے یہ معاندانہ تقریر شروع کردی۔ لَتَعُوْدُنَّ۔ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ پیمبر بھی کبھی کفر وشرک میں مبتلا رہ چکے ہوتے ہیں۔ مراد صرف یہ ہے کہ قبل بعثت حضرات انبیاء جو حکومت اور مذہب رائج سے بے تعلقی رکھتے تھے اس کی تاویل بھی اہل کفر یہی کرلیا کرتے تھے کہ یہ بہرحال ہیں ہمارے ہی مذہب پر۔ اور عود کے معنی اگر بجائے پلٹ آنے یا واپس آنے کے محض آجانے کے لئے جائیں جیسا کہ لغت عرب میں ہیں تو کوئی سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اور متعدد ائمۂ تفسیر ولغت اسی طرف گئے ہیں۔ العود بمعنی الصیرورۃ وھو کثیر فی کلام العرب کثرۃ فاشیۃ (کشاف) عاد قد تستعمل بمعنی صار فلا تستدعی الرجوع الی حالۃ سابقۃ (ابو البقاء) والمراد من العود الصیرورۃ و الانتقال من حال الٰی اخرٰی وھو کثیر الاستعمال بھٰذا المعنی (روح) و۲۶ (تو یہ بے چارے تمہیں کیا نکال سکیں گے) قوم کی قوم جب مخالفت پر تل جائے اور اس کے پاس سامان قوت واقتدار بھی ہر طرح کا موجود ہو تو اس کی دھمکیوں سے کسی حد تک متاثر ہونا ایک امر طبعی ہے۔ پیمبروں کو ایسے ہی موقع پر وحی الٰہی سے تسکین دی جاتی ہے کہ ان ظالموں کی اتنی کیا مجال ہے، یہ تو خود عذاب سے ہلاک ہونے والے ہیں۔ و۲۷ ابھی ابھی فتح ونصرت کا وعدہ حضرات انبیاء سے تھا کہ تمہارے مخالفین تمہارے سامنے نیست ونابود کئے جائیں گے اور سرفرازی وسربلندی تو تم کو نصیب ہوگی۔ معاً بعد اس وعدہ کا دائرہ وسیع کرکے اسے ہر مومن کے لئے عام کردیا جاتا ہے۔ اور مومن کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ موقف حشر کی حاضری اور اللہ کی وعیدوں کا ڈر اپنے دل میں رکھتا ہو۔ و۲۸ یعنی اس عملی فیصلہ کے وقت عذاب سے ہلاک ہوکر رہا۔ وَاسْتَفْتَحُوْا۔ کا فاعل کون ہے؟ یعنی فیصلہ کس نے چاہا؟ اکثر کی رائے ہے کہ یہ فیصلہ کا مطالبہ کرنے والے کافر تھے ای استنصروا یعنی الامم (معالم۔ عن ابن عباسؓ ومقاتل) الضمیر للکفار (روح۔ عن ابن زید) ضمیر بجائے کفار کے حضرات انبیاء کی طرف بھی جاسکتی ہے۔ والضمیر للانبیاء علیھم السلام (بیضاوی) و۲۹ (شدت حرارت یا غایت کراہت سے) مِنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ۔ وراء لغات اضداد میں سے ہے۔ اور اس کے معنی جس طرح "پیچھے" کے ہیں، "آگے" کے بھی آتے ہیں۔ ائمۂ لغت سے یوں ہی منقول ہے۔ قال ابو عبیدہ وابن السکیت الوراء من الاضداد یقع علی الخلف والقدام (کبیر) ای من بین یدیہ (کشاف) یقال لمن خلفہ ویقال لمن قدامہ (راغب)

وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

عذاب سخت کا سامنا کرنا ہو گا ف۳۰ جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے

بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ

رہتے ہیں ان کے اعمال کی حالت یہ ہے کہ جیسے راکھ جسے تیز آندھی کے دن ہوا تیزی سے

يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى

اڑا لے جائے ف۳۱ انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہو گا جو کچھ انہوں نے کیا دھرا

شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ

تھا (اس سے) بڑے دور دراز کی گمراہی یہی تو ہے ف۳۲ کیا تو نہیں دیکھتا کہ

اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے ف۳۳ وہ اگر چاہے تو

يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ۙ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى

تم (سب) کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق لے آئے ف۳۴ اور یہ اللہ کو (کچھ بھی)

اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا

مشکل نہیں اور اللہ کے سامنے سب (ہی) پیش ہوں گے ف۳۵ پھر کمزور لوگ ان سے کہیں گے

لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ

جنہوں نے بڑائی کی تھی کہ ہم تو تمہارے تابع تھے ف۳۶ سو کیا تم ہم سے

مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا

اللہ کے عذاب کا کچھ جزء ہی ہٹا سکتے ہو؟ ف۳۷ تو وہ کہیں گے

لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ

اگر اللہ نے ہم ہی کو راہ (بچنے کی) بتائی ہوتی تو ہم تمہیں بھی راہ بتا دیتے (اور اب تو) ہم دونوں کے لئے برابر ہے

ف۳۰ یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ دوزخی کے لئے بس یہی ایک عذاب ہوگا۔ سلسلۂ عذاب تو بے نہایت ہے۔ برابر اس میں اضافہ وترقی ہی ہوتی جائے گی۔ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ۔ اور وہ کسی طرح مر نہ چکے گا، بلکہ اسی طرح پڑا سسکتا رہے گا۔ عذاب دوزخ کی شدت اور ہولناکی کا جو منظر حق تعالیٰ نے خود کھینچ دیا ہے کسی شارح یا مفسر کی قدرت میں ہے کہ اس پر کچھ اضافہ کر سکے۔ اللھم احفظنا ف۳۱ (اور اس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہ جائے) مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ مثال کافروں کے ان اعمال کی جو بہ ظاہر اعمال حسنہ ہیں، ان کی بے اثری ولا حاصلی کے لحاظ سے دی جا رہی ہے۔ ف۳۲ محرومی اور بدنصیبی اس سے بڑھ کر اور کیا ممکن ہے کہ اپنے جن اعمال پر انسان کو بھروسہ اور ناز ہو، عین وقت پر وہی بالکل ہیچ اور ناکارہ نکلیں۔ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ۔ یعنی نفع اور اثر کے قسم سے انہیں کچھ بھی نہ حاصل ہوگا۔ ف۳۳ یعنی یونہی اور بے مقصد نہیں، بلکہ یہ سارا کارخانۂ کائنات ایک غرض صحیح اور مقصد متعین کے ساتھ مخصوص منافع ومصالح کو لئے ہوئے برپا کیا گیا ہے۔ بہت سی مشرک قوموں کا عقیدہ یہ رہا کہ کائنات کا وجود خالق کی محض شوقیہ تفریح کا نتیجہ ہے۔ یہ اس کا رد ہو رہا ہے۔ اَلَمْ تَرَ۔ یعنی اے مخاطب تو نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا۔ ف۳۴ (تم سے بہتر طور پر اس مقصد کو پورا کرنے والی) ضمناً یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ عالم فنا پذیر اور قائم بالغیر ہے۔ ف۳۵ ذکر قیامت کا ہو رہا ہے۔ کوئی ایسا نہیں جس کی پیشی وہاں نہ ہو، اور کوئی ایسا نہیں کہ بجائے اللہ کے پیشی اس کے سامنے ہو۔ ف۳۶ (چنانچہ ہم تمہاری ہی پیروی میں گمراہ ہوئے) قَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا۔ یعنی جو لوگ اس دنیا میں عوام واصاغر سمجھے جاتے تھے وہ قیامت میں اسی دنیا کے خواص واکابر سے یوں گفتگو کریں گے۔ ف۳۷ (کہ شدید ترین مصیبت کے وقت اس کا کسی قدر ہلکا ہو جانا بھی بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے) مِنْ شَيْءٍ۔ یعنی کل عذاب تو بہرحال نہیں ہٹ سکتا، اس کا کچھ بھی جزء ہٹ جائے تو ہم اسی کو غنیمت سمجھیں۔ وہ جو دنیا میں خواص واکابر سمجھے جاتے تھے وہ تمام تر اپنی بے بسی اور بے کسی کا اعتراف کریں گے۔

أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيصٍ ﴿٢١﴾ ع وَقَالَ الشَّيْطٰنُ

خواہ ہم چیخیں چلائیں خواہ ہم صبر کریں، (بہر حال) ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ ف۳۸ اور جب

لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ

(سب) فیصلہ ہو چکے گا شیطان کہے گا ف۳۹ کہ اللہ نے تم سے (جو) وعدہ کیا تھا (وہ) سچا وعدہ (تھا)

وَوَعَدْتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ط وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ

اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا، سو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی، ف۴۰ اور میرا تم پر کچھ زور تو

مِّنْ سُلْطٰنٍ إِلَّآ أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ

تھا نہیں البتہ میں نے تمہیں بلایا اور تم نے میرا کہنا مان لیا

لِي ج فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ ط مَا أَنَا

سو تم ملامت مجھ پر نہ کرو ملامت اپنے آپ کو کرو ف۴۱ (آج) نہ میں

بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ط إِنِّي كَفَرْتُ

تمہارا فریادرس اور نہ تم میرے فریادرس ف۴۲ میں خود بیزار ہوں اس سے

بِمَآ أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ ط إِنَّ الظّٰلِمِينَ لَهُمْ

کہ تم اس کے قبل مجھے شریک (خدائی) قرار دیتے تھے یقیناً ظالموں کے حق میں

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٢﴾ وَأُدْخِلَ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا

دردناک عذاب ہے ف۴۳ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ

کئے وہ ایسے باغوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی،

خٰلِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ط تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا

ان میں وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے اس کے اندر ان کی دعا (آپس میں)

ع ۳ ۹ ۱۵

ف۳۸ یہ سب دنیا کے خواص واکابر جہنم میں یہاں کے عوام اصاغر سے ان کے گلے شکووں اور طعن وتشنیع کے جواب میں کہیں گے:۔ ف۳۹ (اہل دوزخ سے ان کے گلے شکووں کے جواب میں) قُضِيَ الْأَمْرُ۔ فیصلہ سے مراد یہ کہ مطیع جنت میں اور نافرمان دوزخ میں پہنچ چکیں گے۔ ف۴۰ اللہ کا وعدہ یہ کہ ایک روز جزا وسزا کا آنے والا ہے۔ اہل ایمان کو اس روز نجات نصیب ہوگی اور اہل کفر کو ہلاکت...... دنیا میں اس عقیدہ پر دلائل قوی قائم ہیں اور آخرت میں اسی کے صدق کا ظہور ہوگا۔ شیطان کا وعدہ یہ کہ کفر پر ایمان کو کوئی ترجیح نہیں اور کوئی جزا وسزا آخرت میں نہیں ہونا ہے...... دنیا میں اس عقیدہ کے ابطال پر دلائل قوی قائم ہیں اور آخرت میں اسی ابطال کا ظہور ہوگا۔ ف۴۱ (کہ عذاب کا اصل باعث خود تمہارا ہی فعل ہوا ہے۔ میرا اس میں کیا دخل) مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ۔ میرا تم پر کچھ زور اور دباؤ تو تھا نہیں کہ میں تمہیں مجبور کر دیتا۔ یہ عقیدہ اسلام میں بالکل صاف ہے کہ شیطان کو کسی کو گمراہی پر مجبور کرنے کی قوت بالکل نہیں دی گئی ہے۔ باقی دوسرے جنات وغیرہ کی طرح جو دوسری قوتیں انسان کو ستانے یا نقصان پہنچانے کی دی گئی ہیں۔ ان سے یہاں کوئی تعرض نہیں۔ إِلَّآ أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ۔ یعنی میں نے تو صرف اتنا کیا کہ تمہیں سبز باغ دکھا کر اپنی راہ کی طرف بلایا۔ ترغیب وتشویق پیدا کی اور تم نے اپنے ارادہ واختیار سے بہ سلامتی حواس وصحت عقل، میری دعوت کو قبول کر لیا، تو اصلی ذمہ دار تم ہوئے نہ کہ میں۔ یہاں سے یہ حقیقت صاف ہو گئی ہے کہ ہر کفر ومعصیت کی اصلی ذمہ داری خود انسان پر ہے۔ شیطان کی حیثیت محض شریکِ جرم یا معینِ جرم کی ہے۔ فَلَا تَلُومُونِي۔ مجھے ذمہ دار کیسے ٹھیرا رہے ہو کہ میرا فعل تو درحقیقت صرف ایک سبب بعید وغیر مستلزم تھا۔ ف۴۲ (آخرت میں کفار ومشرکین الگ رہے۔ شیطان تک کو اپنی اور ہر مخلوق کے عجز کامل اور بے بسی کا انکشاف کامل ہو جائے گا۔ ف۴۳ (سو تم اپنے کئے ہوئے ظلم بھگتو اور میں اپنے کئے ہوئے بھگتوں گا۔ مجھ سے کسی قسم کی امید نہ رکھو) إِنِّي...... مِنْ قَبْلُ۔ میں تو خود تمہارے طریق کو غلط سمجھ رہا اور اس سے بری وبیزار ہوں۔ أَشْرَكْتُمُونِ۔ شیطان کی ہر امر میں اطاعت کئے جانا ہی عملاً اس کو شریک خدائی بنا لینا ہے۔

سَلٰمٌ ﴿٢٣﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً

سلام ہو گی وٴ۴۴ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی (اچھی) تمثیل کلمۂ طیبہ

طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا

کی بیان فرمائی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے، جس کی جڑ (خوب) مضبوط ہے اور اس کی شاخیں (خوب) اونچائی میں

فِي السَّمَآءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ

جا رہی ہیں، وٴ۴۵ وہ اپنا پھل ہر فصل میں اپنے پروردگار کے حکم سے

رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

دیتا رہتا ہے، وٴ۴۶ اور اللہ لوگوں کے لئے تمثیلات اس لئے بیان کرتا ہے تاکہ وہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ

خوب سمجھ لیں وٴ۴۷ اور گندہ کلمہ کی تمثیل ایسی ہے جیسے ایک گندہ

خَبِيْثَةِ ِۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ

درخت ہو کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر اکھاڑ لیا جائے (اور) اسے کچھ بھی ثبات

قَرَارٍ ﴿٢٦﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ

نہ ہو وٴ۴۸ اللہ ایمان والوں کو اس پکی بات (کی برکت) سے مضبوط رکھتا ہے

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ

دنیوی زندگی میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) وٴ۴۹ اور اللہ ظالموں کو بچلائے

الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿٢٧﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى

رکھتا ہے وٴ۵۰ اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے وٴ۵۱ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا

الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ

جنہوں نے اللہ کی نعمتوں کے معاوضہ میں کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی

وٴ۴۴ یعنی اہل جنت جب آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے یا فرشتے انہیں سلام کریں گے تو سلامتی ہی کی دعا سے ایک دوسرے کو مخاطب کریں گے۔ وٴ۴۵ کلمہ توحید کی شاخیں وہ اعمالِ حسنہ ہیں جو ایمان پر مرتب ہوتے ہیں اور بارگاہِ قبولیت میں آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں...... کلمہ حق کا بول بالا دنیا میں بھی رہتا ہے اور آخرت میں بھی۔ فِي السَّمَآءِ۔ سے مراد صرف بلندی کی سمت ہے۔ اے فی جهة العلو (روح) ومعنی فی السماء جهة العلو (بحر) كَلِمَةً طَيِّبَةً۔ یعنی کلمۂ ایمان وتوحید۔ اَصْلُهَا ثَابِتٌ۔ یعنی اس کی جڑ زمین میں خوب مضبوط ہے۔ کلمۂ توحید وایمان کی بھی اسی طرح ایک جڑ ہوتی ہے یعنی عقیدۂ صحیح جو قلب مومن میں راسخ رہتا ہے۔ وٴ۴۶ (اور اس کا کوئی پھل کسی فصل میں بھی ضائع نہیں جاتا) ایمان اور اعمالِ صالحہ پر رضائے الٰہی کا ثمرہ اسی طرح دائما مرتب ہوتا رہتا ہے اس کے کبھی ضائع جانے کا احتمال نہیں۔ اسی سے ملتی ہوئی ایک تمثیل عہد نامہ عتیق میں بھی ملتی ہے:۔ ”مبارک وہ آدمی ہے جو شریروں کی صلاح پر نہیں چلتا...... سو وہ اس درخت کے مانند ہوگا جو پانی کی نہروں کے کنارے پر لگایا جائے اور اپنے وقت پر میوے لائے۔ جس کے پتے مرجھاتے نہیں اور اپنے ہر ایک کام میں پھلتا پھولتا رہے گا۔ شریر ایسے نہیں بلکہ بھوسے کی مانند ہیں جسے ہوا اڑا لے جاتی ہے۔“ (زبور۔ ۱: ۴) وٴ۴۷ (معنی ومقصود کو اور پھر اسی پر عمل کرتے رہیں) تمثیلات کی غرض وغایت بھی توضیح مطالب ومقاصد ہے۔ وٴ۴۸ (زمین میں) تو ظاہر ہے کہ جب اس کی جڑ ہی جمی ہوئی نہیں، تو اس کی شاخیں کہاں سے بلند ہوں گی اور اس میں پھل کہاں سے آئیں گے؟ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ۔ یعنی کلمۂ کفر وشرک۔ اُجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ۔ راہِ ایمان وتوحید کے سوا جتنی بھی راہیں ہیں، خواہ انہیں مذہب کا لقب دیا جائے یا فلسفہ کہہ کر پکارا جائے یا اور کوئی شاندار نام رکھ دیا جائے بہر حال وہ سب بالکل سطحی ہوں گی۔ عمق ان میں نام کو نہ ہوگا...... ایسا درخت جسے زمین کے اوپر ہی اوپر اکھاڑ لیا جائے۔ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۔ غیر اسلامی جتنے فلسفے، جتنے نظریے، جتنے مذاہب ہیں، وہ عقلاً ہی کب ثابت ہیں؟...... قرآنی فقرہ سے مقصود ان کی بے حقیقتی کی تاکید ہے۔ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ۔ مزہ کے لحاظ سے گندہ، رنگ کے لحاظ سے گندہ، بو کے لحاظ سے گندہ، طبع سلیم ہرگز اس کی طالب نہ ہو۔ وٴ۴۹ یعنی دنیا کے ہر امتحان میں بھی اور آخرت کے امتحان میں بھی...... اسی دنیا کی زندگی میں ہر فرد بشر کو کیسی کیسی مشکلات کا سامنا ہوتا رہتا ہے۔ یہی ایمان ہی کی صراط مستقیم ایسی ہے جو اسے ہر امتحان میں ثابت قدم رکھتی اور ہر تاریکی میں روشنی دکھلاتی رہتی ہے اور پھر برزخ اور محشر میں ایک سے بڑھ کر ایک ہولناک منظر کے وقت بھی آڑے آنے والی چیز یہی کلمۂ توحید وایمان ہے...... نجات کی راہ دنیا اور آخرت دونوں میں بجز دین توحید کے اور کوئی نہیں۔ وٴ۵۰ (دنیا وآخرت دونوں میں) بے دین حقیقی چین اور آرام سے دنیا میں بھی محروم رہتا ہے اور آخرت میں اس کی حرمان نصیبی تو ظاہر ہی ہے۔ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی راہِ توحید وایمان کو چھوڑ کر جاہلی اور مشرکانہ نظریوں اور فلسفوں کو ماننے والے اور ان پر چلنے والے، والمراد بهم الكفرة (روح) وٴ۵۱ (اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق) نہ اس کی مشیت پر کوئی غالب نہ اس کی قدرت پر کوئی غالب نہ اس کی قدرت پر کوئی حاکم، نہ اس کی راہ میں کوئی حائل یا مانع...... مشرک قومیں وجود باری کی قائل ہونے کے باوجود ارادۂ الٰہی کو بھی کسی نہ کسی چیز سے مغلوب ومحدود سمجھتی رہی ہیں، قرآن مجید ان تمام باطل عقیدوں پر ضرب بار بار لگاتا ہے۔

ع ۱۶

و۵۲ یہ ذکر سرداران کفر وپیشوایان ضلالت کا ہو رہا ہے چھوٹے چھوٹے مذہبوں اور فلسفوں کے بانیوں کا اور اہل باطل کے رئیسان نامدار کا، بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا۔ یعنی طرح طرح کی نعمتوں سے مستفید ہونے کے بعد بجائے اس کے کہ شکر مزید ادا کرتے اور الٹے ناشکری اور کوشش ابطال حق میں مصروف ہو گئے، نعمة الله میں نعمة بہ طور اسم جنس کے ہے ایک مفرد نعمت مراد نہیں۔ ہر طرح کی نعمتیں مراد ہیں، بِئْسَ الْقَرَارُ۔ قرار کے لفظ سے یہ بھی نکل آیا کہ جہنم میں داخلہ بطور گزرگاہ کے نہ ہوگا بلکہ قیام ودوام کے لئے ہوگا۔ اسے المقر (کبیر) **و۵۳** دنیا کو مشیت حق نے دار العمل بنا رکھا ہے، دار الجزاء بنایا ہی نہیں، اس لئے کسی سخت کافر کو بھی دنیا میں سزا ملنا ہرگز ضروری نہیں، جَعَلُوْا۔ جعل کے معنی یہاں ٹھیرا لینے، قرار دے لینے، سمجھ لینے کے ہیں۔ والمراد من هذا الجعل الحكم والاعتقاد (کبیر) جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا۔ شرک کی مختلف صورتیں اور عجیب عجیب قسمیں مسلمانوں، موحدوں کے خیال میں بھی آنی مشکل ہیں...... ایک شرک ستارہ پرستی کا ہے کہ زحل، مشتری، زہرہ وغیرہ

دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۗ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾

جہنم میں لا اتارا جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ (کیسا) برا ٹھکانا ہے **و۵۲**

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۗ قُلْ

اور ان لوگوں نے اللہ کے ساجھی قرار دیئے تھے تا کہ اس کی راہ سے (اپنے کو اور دوسروں کو) گمراہ کریں، آپ کہہ دیجیے

تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ

چندے عیش کرلو پھر تمہارا (آخری) انجام تو دوزخ ہی ہے **و۵۳** آپ میرے ان بندوں سے کہہ دیجیے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

جو ایمان رکھتے ہیں کہ نماز کی پابندی رکھیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ

پوشیدہ وعلانیہ خرچ کرتے رہیں پیشتر اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید وفروخت ہو گی

وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اور نہ دوستی (ہی) **و۵۴** اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ

اور آسمانوں سے پانی اتارا پھر اس (پانی) سے (مختلف) پھل تمہارے لئے بہ طور رزق

رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ

پیدا کیئے اور تمہارے (نفع کے) لئے کشتی کو (اپنی قدرت کا) مسخر کر دیا تا کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں

بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ

چلے اور تمہارے (نفع کے) لئے دریاؤں کو (اپنی قدرت کا) مسخر کر دیا **و۵۵** اور تمہارے (نفع کے) لئے سورج اور چاند

وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾

کو (اپنی قدرت کا) مسخر کر دیا جو دوام رکھنے والے ہیں اور تمہارے (نفع کے) لئے رات اور دن کو (اپنی قدرت کا)

مستقل دیویاں ہیں، ایک شرک آفتاب پرستی وماہتاب پرستی کا ہے کہ آفتاب اور ماہتاب بھی بڑے بڑے دیوتا اور اس نظام کائنات میں دخیل ومتصرف ہیں ایک شرک اوتار پرستی کا ہے کہ خدا فلاں انسان یا فلاں حیوان کا قالب اختیار کر کے اس دنیا میں آ گیا اور اتنی مدت تک زمین پر چلتا پھرتا، کھاتا پیتا رہا، لِيُضِلُّوْا۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی ان کے اس ساجھی ٹھیرا لینے کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا تھا کہ یہ خود اور دوسرے راہ حق سے بھٹک کر رہیں۔ اللام لام العاقبة لان عبادة الاوثان سبب يؤدى الى الضلال (کبیر) **و۵۴** (بلکہ خالص اور کامل انصاف ہی کا سکہ چلے گا) لِعِبَادِيَ۔ عبادی میں مومن بندوں کی اضافت حق تعالیٰ کا اپنی ذات پاک کی طرف کرنا ان کے غایت اکرام وشرف کے لئے ہے خصهم بالاضافة تنويها لهم (بیضاوی) وَيُنْفِقُوْا۔ یعنی نیک اور مطابق شریعت کاموں میں خرچ کرتے رہیں...... حکم انفاق قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آیا ہے ظاہر ہے کہ مراد مطلق خرچ کرنا نہیں، بلکہ امور خیر میں خرچ کرنا ہے، مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ۔ رزق کو حق تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب کر کے اوپر بھی اشارہ کر دیا کہ رزق حلال ہونی چاہیے، حرام کمائی کا گزر ہی نہ ہو۔ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً۔ پوشیدہ وعلانیہ جہاں جیسی بھی مصلحت شرعی نظر آئے۔ لَا بَيْعٌ فِيْهِ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ اس وقت کچھ قیمت دے دلا کر نجات حاصل کی جا سکے — بعض جاہلی عقاید پر ضرب۔ وَلَا خِلٰلٌ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ کسی کی دوستی اور مروت اور رو رعایت سے کام نکل جائے...... یہود وغیرہ کا عقیدہ تھا کہ پیمبروں اور مقبولان الٰہی کی عزیز داری کام آ جائے گی، جس دوستی اور تعلق سے نفع کی نفی مطلق بیان کی گئی ہے وہ وہ دوستی اور تعلق ہے جو بغیر ایمان کے ہو، **و۵۵** (آیت نے شرک کی بہت سی قسموں کی جڑ کاٹ دی، زمین وآسمان کوئی دیوی دیوتا نہیں، سب اللہ ہی کی مخلوق ہیں۔ آسمان سے پانی اور کوئی نہیں برساتا، ہوا اور بارش کا کوئی دیوتا نہیں یہ سب وہی کرتا ہے۔ پھر زمین سے طرح طرح کے پھل اور میوے اگانا بھی تمام تر اسی کا کام ہے، زراعت، باغبانی وغیرہ کے لئے کوئی الگ دیوی دیوتا نہیں، علیٰ ہذا سمندر اور دریاؤں کو پیدا کرنا اور انہیں انسانی ضروریات کے لئے مسخر کر دینا بھی سو فیصدی اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمْ۔ یہ سب اسی حقیقت کو واضح اور موکد کر رہے ہیں، کہ اس کارخانہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے سب انسان ہی کی خدمت کے لئے ہے نہ یہ کہ الٹا انسان، زمین، آسمان، شجر وحجر، دریا، سمندر کی پرستش شروع کر دے...... اور یہی معنی ہیں انسان کے خلیفة الله ہونے کے۔ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ۔ تا کہ یہ جہاز اور کشتیاں سمندر میں چلیں اور تم ان کے ذریعہ سے تجارت، سفر وغیرہ کے نفع حاصل کرو۔ اسلام مسلمانوں کو راہب، بادیہ نشین نہیں بنا دینا چاہتا، بحری تاجر بنانے کی ترغیب دیتا ہے لیکن ملحد وخدا فراموش نہیں، بلکہ مومن ومسلم "بحری تاجر۔" سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ۔ یعنی تا کہ تم دریاؤں کے پانی کو اپنی ہر انفرادی واجتماعی تمدنی ضرورت کے کام میں لاؤ، کشتیاں چلاؤ، آبپاشی کرو، ان سے نہریں کاٹو، پن چکیاں چلاؤ، بجلی پیدا کرو، وقس علیٰ ہذا۔ غرض اپنی جائز تمدنی ترقی کے کام میں لاؤ، بس شرط صرف اتنی ہے کہ خود مسلمان اور صاحب ایمان بنے رہو۔

وٓ۵٦ (کہ اس سارے عظیم الشان اور حیرت انگیز طور پر وسیع کارخانہ قدرت سے اپنے لئے ہر جائز شخصی اور تمدنی نفع حاصل کرتے رہو) اَلشَّمْسَ وَالْقَمَرَ۔ اَلَّيْلَ وَالنَّهَارَ۔ آفتاب اور ماہتاب اور رات اور دن تو سب خلیفۃ اللہ بشر کی خدمت کے لئے ہیں۔ پھر یہ کیسا شدید جاہلانہ ظلم ہے کہ الٹا انہی کو معبود سمجھ لیا جائے۔! دَآىِٕبَيْنِ۔ یعنی اپنی عادت جاریہ پر ثبات و دوام رکھنے والے اپنی روشنی و اپنی گرمی، اپنی شرح رفتار اور اپنی دوسری طبعی خصوصیات سے ہمیشہ فائدہ پہنچاتے رہنے والے۔ معنی الدواب فی اللغة مرور الشیء فی العمل علی عادة مطردة (کبیر) اَلدَّاْبُ والدبیب مشی خفیف (راغب) قال المفسرون معناه یدأبان فی سیرهما وافادتهما وتاثیرهما (کبیر) وٓ۵۷ (اور اس کا دینا بھی تمہارے حق میں قرین مصلحت ہوا) مِنْ كُلِّ۔ یعنی تمہاری ہر طلب کی ہوئی شے میں سے تمہیں کچھ دیا۔ وٓ۵۸ (کہ نعمتوں کی قدر اور شکر نہیں کرتا بلکہ اور الٹا کفر و معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے) لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ۔ امام رازی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ یہاں اللہ نے انسان کے یہ دو وصف بیان کئے ہیں، اور سورہ نحل میں اپنے دو وصف ذکر کئے ہیں۔ ان اللہ لغفور رحیم گویا وہ آیت اس آیت کے ٹھیک مقابل ہے اور انسان کی ناانصافی کے مقابلہ میں اللہ کی مغفرت اور انسان کے کفران نعمت کے مقابلہ میں اللہ کی رحمت ہے۔ والمقصود کانه یقول ان کنت ظلوما فانا غفور وان کنت کفارًا فانا رحیمٌ (کبیر) نِعْمَتَ اللّٰهِ۔ نعمت بطور جنس کے ہے اس لئے ترجمہ صیغۂ جمع کیا گیا۔ اہل لطائف نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کے احسان سے تو اہل نار تک خالی نہیں کہ اللہ تعالیٰ بہرحال اس سے بھی سخت تر سزا پر قادر تھا...... اور یہ مضمون حدیث میں بھی آیا ہے۔ لَا تُحْصُوْهَا۔ احاطہ میں نہ لے پاؤ گے کہ وہ تو ہیں ہی بے پایاں...... انسان کہاں سے اتنی فرصت اور اتنی ہمت لائے گا! اَلْاِنْسَانَ۔ انسان سے یہاں مراد ہر فرد انسانی نہیں بلکہ جنس انسانی ہے عام اس سے کہ اس ظلم اور کفران کا تحقق چند میں پایا جائے یا زائد میں۔ والمراد من الانسان ههنا الجنس یعنی ان عادة هذا الجنس هو هذا (کبیر) وٓ۵۹ (جیسا کہ اب تک بچائے رکھا ہے) آیت میں صاف دلالت اس امر پر ہے کہ حضرات انبیاء تک امکان کفر و شرک سے ماورا نہیں ہو جاتے بلکہ برابر اس سے ڈرتے ہی رہتے ہیں، کہنا چاہیے کہ اسی خوف لغزش ہی نے تو انہیں معصوم رکھا ہے تو بھلا ہم دنیا داروں کا کیا ذکر جو ہر وقت نفس اور شیطان کی کمند میں پھنسے ہوئے ہیں۔ هٰذَا الْبَلَدَ۔ یعنی شہر مکہ۔ اٰمِنًا۔ یعنی اسے حرم مقرر کر دے۔ جس کے رہنے بسنے والے مستحق امن ہوتے ہیں۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ۔ یہ وقت وہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر مکہ میں خانہ کعبہ کے قریب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو لا کر چھوڑ گئے ہیں۔ وٓ٦۰ یعنی یہ بت ان کی گمراہی کا سبب اور ذریعہ بن گئے ہیں، یہ مراد نہیں کہ ان بے جان مورتیوں نے عمداً اور قصداً کسی کو گمراہ کیا ہے۔ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ۔ اس میں دنیا میں بت پرستوں کی کثرت تعداد کی جانب اشارہ ہے جو مشاہد ہے۔ وٓ٦۱ (اور اس کے لئے تیرا وعدۂ مغفرت موجود ہی ہے) وٓ٦۲ (تو تیرے لئے کیا مشکل ہے کہ تو اب انہیں ہدایت دے کر ان کی مغفرت و رحمت کا سامان کر دے) وَمَنْ عَصَانِيْ۔ یعنی جو لوگ دین حق کے پیرو نہ بنے، وٓ٦۳ یعنی خانہ کعبہ سے متصل، کعبہ اگرچہ اس وقت منہدم حالت میں تھا تاہم اس کی جگہ تو خوب جانی پہچانی ہوئی اور نگاہوں میں محترم و متبرک تھی۔ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ۔ ذریت سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کا سلسلۂ اولاد ہے۔ من تبعیضیہ ہے یعنی اپنی اولاد میں سے کچھ مِنْ بمعنی بعض ای اسکنت بعض ذریتی (روح) ای بعض ذریتی اور ذریة من ذریتی (بیضاوی) غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ۔ شہر مکہ جو ملک عرب کے صوبہ حجاز میں بحر احمر سے ۴۸ میل پر سمت مشرق میں واقع ہے اپنی زمین کی خشکی کے لئے مشہور ہے اور زمین کے کہیں تو پتھریلی اور کہیں ریتلی ہونے کے باعث حضرات ابراہیم علیہ السلام ہی کے زمانہ میں نہیں بلکہ اس وقت تک بھی ناقابل کاشت ہے...... اور اگر کہیں آئندہ مصنوعی ذرائع و تدابیر سے اسے کسی حد تک قابل کاشت بنا لیا جائے تو یہ اس قرآنی بیان کے ذرا بھی منافی نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہوں، انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ بعض فقہاء نے یہاں تصریح کر دی ہے کہ ایک بے آب و گیاہ ملک میں لا کر اپنے بیوی بچوں کو ڈال دینا اور اس امر کو اسوۂ ابراہیمی کا اتباع سمجھنا اب جائز نہیں۔ لا یجوز لاحد ان یتعلق به فی طرح عیاله وولده بارض مضیعة اتكالاً علی العزیز الرحیم واقتداءً بفعل ابراهیمؑ (ابن العربی) وٓ٦۴ (اور نماز کے تحت میں یہاں طواف وغیرہ کل عبادات داخل ہیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود گزارش یہ ہے کہ یہ آبادی خدا پرستی کے لئے ہے اور کعبہ خدا پرستوں کا مقام ہے۔ لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کعبہ کے گرد بسانے کی غرض خدمت کعبہ بتا کر یہود و نصاریٰ کے اس خیال کی تردید کر دی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وہاں وادی مکہ میں چھوڑنا محض حضرت سارہؑ کو خوش کرنے کے لئے تھا۔ لِيُقِيْمُوا کے ل کا نحوی تعلق اَسْكَنْتُ سے ہے یعنی میں نے اپنی اولاد کی نو آبادی جو یہاں قائم کی ہے اس کی غرض و غایت ہی یہ ہے کہ اقامت صلوٰۃ کا اہتمام رکھا جائے۔ اللام متعلقة باسکنت ای ما اسکنتهم بهذا الوادی البلقع الا لیقیموا الصلوٰة (مدارک) وٓ٦۵ (اور تیری ہی عبادت میں لگے رہیں) فَاجْعَلْ...... اِلَيْهِمْ۔ ابراہیم خلیل علیہ السلام عرض کر رہے ہیں کہ اے پروردگار میں نے جو اپنی اولاد کو یہاں لا بسایا ہے تو اول تو اس سرزمین میں کوئی مادی کشش ہی نہیں کوئی یہاں آنے کیوں لگا، تو ہی اپنی قدرت سے خلقت کے دل میں یہاں کی حاضری کی تمنا و آرزو ڈال دے! کہ خود بخود کھنچے ہوئے چلے آئیں، اور پھر اس خشک اور بے آب و گیاہ سرزمین میں پھل پھلاری کہاں؟ تو انہیں اپنی قدرت سے یہ بھی نصیب کر دے!...... یہ دعا ابراہیمی پوری ہوئی اور کس معجزانہ حد تک پوری ہوئی اس کا کچھ اندازہ سفر حج کے بعد ہی ہو سکتا ہے، وہ ہزارہا اور لکھوکھا انسانوں کا چین سے اور روس سے، جاپان سے اور جاوا سے، مصر سے

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ

مسخر کر دیا وٓ۵٦ اور تم کو ہر اس چیز میں سے دیا جو تم نے مانگی وٓ۵۷ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو

اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ ع

تو انہیں شمار نہ کر پاؤ گے بیشک انسان بڑا ہی ناانصاف ہے، بڑا ہی ناشکرا ہے وٓ۵۸

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دے

وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ ؕ رَبِّ اِنَّهُنَّ

اور مجھ کو اور میرے فرزندوں کو اس سے بچائے رکھ کہ ہم لوگ مورتی پوجا کرنے لگیں وٓ۵۹ اے میرے پروردگار ان

اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ

(مورتیوں) نے بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے وٓ٦۰ سو جو کوئی میری راہ پر چلے گا وہ تو میرا ہی ہے وٓ٦۱

وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳٦﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ

اور جو کوئی میری نافرمانی کرے تو تو بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے وٓ٦۲ اے ہمارے پروردگار میں نے

اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ

اپنی کچھ اولاد کو ایک بے زراعت میدان میں آباد کر دیا ہے تیرے

بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ

معظم گھر کے قریب وٓ٦۳ (یہ اس لئے) اے ہمارے پروردگار کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں، وٓ٦۴ سو تو کچھ

اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ

لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کھانے کو

الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا

پھل دے جس سے یہ شکر گزار رہیں وٓ٦۵ اے ہمارے پروردگار تو سب کچھ جانتا ہے جو کچھ

اور ایران سے، افغانستان سے اور شام سے، پاکستان سے اور ہندوستان سے، مراقش سے اور برما سے اس وادیٔ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ میں جمع ہوجاتا اگر اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ کی عملی تفسیر نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح مکہ کی منڈیوں کا اور منی کے بازاروں کا تر و تازہ سیب و انار و انگور اور سنترے اور ہر ہر طرح کے شاداب میووں اور رسیلے پھلوں سے پٹے پڑے رہنا اگر وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ کا حیرت انگیز عملی ظہور نہیں تو اور کیا ہے؟ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ۔ تقدیر کلام یوں ہے افئدۃ من افئدۃ الناس مِنَ النَّاسِ۔ مِنْ تبعیض کے لئے ہے۔ من للتبعیض (مدارک) فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً الخ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مال وجاہ کا بقدر ضرورت اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے طلب کرنا مذموم نہیں خصوصاً جبکہ اعانت علی الدین کے لئے ہو جیسا کہ لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ سے ظاہر ہو رہا ہے:۔ ف۶۶ (چنانچہ ان دعاؤں سے بھی یہ ہرگز مقصود نہیں کہ تو اب تک ہماری ان حاجتوں اور تمناؤں سے بے خبر تھا تیرے لئے تو ہر پوشیدہ اور علانیہ یکساں ہے بلکہ یہ دعائیں تو تمامتر ہماری عبودیت اور افتقار سے پیدا ہوئی ہیں) آیت سے تردید ان تمام مشرک قوموں اور جاہلی فلسفیوں کی ہوگئی، جنہوں نے خدا کے علم کو ناقص، محدود یا صرف کلیات پر مشتمل قرار دیا ہے، ہندوستان، مصر، یونان سب کے بڑے بڑے ''حکماء'' اور ''عقلاء'' اس جہل میں شریک رہے۔ رَبَّنَا۔ ندا کی تکرار تضرع وخشوع طلب کی دلیل ہے۔ النداء المکرر دلیل التضرع واللجا الی اللہ۔ (مدارک) مِنْ شَیْءٍ۔ مِنْ استغراق کے لئے ہے۔ من لاستغراق (مدارک) ترجمہ اسی لئے ''کوئی بھی چیز'' سے کیا گیا ہے۔ ف۶۷ (چنانچہ اس نے جس طرح میری پچھلی دعائیں سن لیں اور قبول کر لیں اس کی ذات سے یقین ہے کہ آئندہ بھی ایسا ہی کرتا رہے گا) لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ۔ یعنی بڑا قبول کرنے والا۔ ای مجیب الدعاء (مدارک) ای انه یستجیب ممن دعاه (ابن کثیر) فالسمع بمعنی القبول والاجابة مجاز کما فی سمع اللہ تعالٰی لمن حمده (روح) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الخ۔ اولاد خصوصاً کبر سنی کی اولاد، اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے، مسرت وشکر کے قابل نہ کہ کوئی عیب جسے چھپایا جائے یا اس سے شرمایا جائے۔ عَلَی الْکِبَرِ۔ توریت میں ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۴ سال کی تھی، (پیدائش ۱۶:۱۶) اور حضرت اسحاق کی ولادت کے وقت ۱۰۰ سال کی (پیدائش ۵:۲۱) اس وقت کے اوسط عمر کے لحاظ سے باپ بننے کا یہ سن اگرچہ ایسا غیر معمولی نہیں، پھر بھی بہرحال ضعیفی ہی کا تھا، علی الکبر میں علی مع کے مرادف ہے اور مراد حالت کبر سنی سے ہے۔ علی الکبر بمعنی مع وھو فی موضع الحال ومعناه وھب لی فی حال الکبر (کبیر) ف۶۸ دعاء کے آداب اور طریقے کوئی حضرات انبیاء ہی سے سیکھے، عبودیت کے کن کن پہلوؤں سے کیسے کیسے لجاجت کے انداز سے اپنے محبوب مالک کو پکارتے رہتے ہیں۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ۔ نماز کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ ایک نبی جلیل القدر اپنے حق میں اس کے واسطے دعائے خصوصی کرتے ہیں۔ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ۔ محققین نے لکھا ہے کہ حضرت علیہ السلام کو وحی سے علم ہوگیا تھا کہ حضرت کی نسل میں سب مومن ہی نہ ہوں گے کچھ غیر مومن بھی ہوں گے اس لئے دعاء سب کے حق میں نہ فرمائی، ای بعض ذریتی...... انما بعض لانه علم باعلام اللہ انه یکون فی ذریته کفار (مدارک) ف۶۹ حضرت علیہ السلام کا اپنے لئے اور مومنین کے حق میں دعاء مغفرت کرنا تو ایک صاف اور سیدھی سی بات ہے البتہ شبہ اس میں پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے کافر والد کے حق میں دعائے مغفرت کیسے کر دی؟ سو اگر یہ دعاء آپ نے ان کی زندگی ہی میں کی تھی جب تو آپ کی مراد یہی ہوگی کہ انہیں توفیق ہدایت دے کر ان کی مغفرت کا سامان کر دیا جائے۔ اور اگر بعد وفات یہ دعا کی تھی تو یہ دعاء، ان کی ایمان کے ساتھ (علم الٰہی میں) مشروط ہوگی، یعنی اے پروردگار اگر تیرے علم میں ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے تو ان کی مغفرت کردے۔ اغْفِرْلِیْ۔ غفر کے معنی ہیں رحمت الٰہی کا ڈھانپ لینا، اور اس کی حاجت جس طرح عاصی کو رہتی ہے، معصوم کو بھی رہتی ہے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے حق میں طلب مغفرت کرنے سے ان کا غیر معصوم ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ ف۷۰ (اے مخاطب!) الخطاب لغیر الرسول علیه السلام (مدارک) خطاب لکل من توھم غفلته تعالٰی (روح) الظّٰلِمُوْنَ۔ سے یہاں مراد کافر ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان معاند کافروں کو جو فوراً سزا نہیں مل رہی ہے تو یہ اس لئے ہرگز نہیں کہ حق تعالیٰ ان کی طرف سے غافل ہے۔ اس کا تو احتمال بھی نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مصالح تکوینی سے جزاء وسزا کو ایک وقت مقرر کے لئے اٹھا رکھا ہے۔ ف۷۱ (شدت ہول وہراس سے) سارا منظر یوم حشر کی ہولناکی اور دہشت انگیزی کا ہے۔ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ۔ یعنی کافروں کی نگاہیں فرط حیرت وہیبت سے پھٹی رہ جائیں گی۔ مُھْطِعِیْنَ۔ یعنی موقف حساب کی طرف دوڑ رہے ہوں گے۔ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِھِمْ۔ یعنی فرط حیرت سے کسی اور طرف نہ نظر جائے گی نہ خیال۔ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْھِمْ طَرْفُھُمْ۔ یعنی آنکھ جھپکے گی تک نہیں۔ بس ٹکٹکی بندھ کر رہ جائے گی:۔

نُخْفِیْ وَ مَا نُعْلِنُ ؕ وَ مَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْ
ہم چھپائیں اور جو کچھ ہم ظاہر کریں اور اللہ سے کوئی بھی چیز نہیں چھپی

شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ
رہتی ہے (نہ) زمین میں اور نہ آسمان میں ف۶۶ ساری حمد ہے اللہ کے لئے

الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ
جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل و اسحٰق (دو بیٹے) دیئے

اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ
بیشک میرا پروردگار دعاؤں کا بڑا سننے والا ہے ف۶۷ اے میرے پروردگار مجھ کو بھی نماز کا

الصَّلٰوۃِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖۚ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾
پابند رکھیے اور میری نسل میں سے بھی (کچھ کو) اے ہمارے پروردگار ہماری دعا قبول کر ف۶۸

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ
اے ہمارے پروردگار میری مغفرت کردے اور میرے والدین کی اور ایمان والوں کی، جس روز حساب وکتاب

الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ
قائم ہو ف۶۹ اور اللہ کو اس سے بے خبر ہرگز مت سمجھ، جو کچھ (یہ) ظالم لوگ

الظّٰلِمُوْنَ ؕ۬ اِنَّمَا یُؤَخِّرُھُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ
کر رہے ہیں ف۷۰ انہیں تو بس اس روز تک وہ مہلت دیئے ہوئے ہے جس میں نگاہیں

الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ لا مُھْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِھِمْ لَا یَرْتَدُّ
پھٹی رہ جائیں گی وہ دوڑ رہے ہوں گے اپنے سر اٹھا رکھے ہوں گے ان کی نظر

اِلَیْھِمْ طَرْفُھُمْ ۚ وَ اَفْئِدَتُھُمْ ھَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ؕ وَ اَنْذِرِ النَّاسَ
ان کی طرف واپس نہ آئے گی اور ان کے دل بدحواس ہوں گے ف۷۱ اور آپ ڈرایئے لوگوں کو

ع ۲ / ۱۸

يَوۡمَ يَاۡتِيۡهِمُ الۡعَذَابُ فَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا رَبَّنَاۤ

اس دن سے جس میں ان پر عذاب آپڑے گا پھر (یہ) ظالم کہیں گے اے ہمارے پروردگار

اَخِّرۡنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيۡبٍۙ نُّجِبۡ دَعۡوَتَكَ وَنَتَّبِعِ

ہم کو (اور) مہلت دے دے ایک مدت قلیل تک، ہم تیری دعوت قبول کرلیں گے اور پیمبروں کا اتباع

الرُّسُلَ‌ؕ اَوَلَمۡ تَكُوۡنُوۡۤا اَقۡسَمۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ مَا

کریں گے ف۴۲ کیا تم نے اس کے قبل قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تمہیں (کہیں بھی) جانا

لَـكُمۡ مِّنۡ زَوَالٍۙ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنۡتُمۡ فِىۡ مَسٰكِنِ الَّذِيۡنَ

نہیں ہے ف۴۳ حالانکہ تم انہی لوگوں کے مسکنوں میں آباد تھے

ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَتَبَيَّنَ لَـكُمۡ كَيۡفَ فَعَلۡنَا بِهِمۡ

جو اپنے اوپر ظلم کرچکے تھے اور تمہارے اوپر روشن ہوچکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیونکر معاملہ کیا تھا

وَضَرَبۡنَا لَـكُمُ الۡاَمۡثَالَ‏ ﴿۴۵﴾ وَقَدۡ مَكَرُوۡا مَكۡرَهُمۡ

اور ہم نے (بھی) تم سے مثالیں بیان کی تھیں، ف۴۴ اور انہوں نے اپنی بھی (بڑی بڑی) چالیں چلیں

وَعِنۡدَ اللّٰهِ مَكۡرُهُمۡ‌ؕ وَاِنۡ كَانَ مَكۡرُهُمۡ

اور اللہ کے سامنے ان کی یہ چالیں تھیں اور واقعی ان کی یہ چالیں ایسی تھیں

لِتَزُوۡلَ مِنۡهُ الۡجِبَالُ‏ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ مُخۡلِفَ

کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جائیں ف۴۵ سو اللہ کو اپنے پیمبروں سے وعدہ خلافی کرنے والا ہرگز

وَعۡدِهٖ رُسُلَهٗ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ ذُوۡ انۡتِقَامٍؕ‏ ﴿۴۷﴾

نہ سمجھ لینا، ف۴۶ بیشک اللہ زبردست ہے پورا بدلہ لینے والا ہے ف۴۷

يَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَيۡرَ الۡاَرۡضِ وَالسَّمٰوٰتُ

(اور یہ اس روز ہوگا) جس روز کہ زمین بدل کر دوسری زمین کردی جائے گی اور آسمان بھی ف۴۸

ف۴۲ حشر میں جب انکشاف حقائق درجۂ تام میں ہوجائے گا اور غفلت کے پردے ہر طرح چاک ہوجائیں گے، بدنصیب کافر عرض کریں گے کہ اب ہم نے خوب مزہ چکھ لیا اب ایک بار پھر ہمیں مہلت حیات عطا ہو کہ ہم دنیا میں جاکر از سرنو زندگی بسر کریں اور اب کی اپنی پوری فرماں برداری اور اطاعت شعاری کا ثبوت دیں۔ اَلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا۔ مراد کفار ہیں۔ اے الکفار (مدارک) ف۴۳ (اس دنیا میں) ان کے جواب میں ارشاد ہوگا کہ دنیا میں رہنے کی تمہیں مہلت قلیل تو نہیں مدت طویل ملی تھی، پھر تم نے اس سے کیا فائدہ اٹھایا بلکہ تم تو الٹے قسمیں کھا کھا کر بڑے زور اور دعوٰی کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ یہ حشر و نشر کا قصہ سب ڈھکوسلا ہے وجود جو کچھ ہے صرف اسی مادی دنیا اور اسی مادی زندگی سے، اس کے آگے کچھ بھی نہیں، ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں نے اپنی زبان سے یہ سب تقریر نہ کی ہو، جب بھی زبانِ حال سے تو وہ بھی یہی کہتے رہے تھے۔ لعلهم اقسموا بطرًا وغرورًا اودل عليه حالهم (بیضاوی) اوبألسنة الحال ودلالة الافعال (روح) مِنۡ زَوَالٍ۔ میں مِنۡ تاکید نفی کے لئے ہے۔ ومن صلته لتاكيد النفى (روح) ف۴۴ یہ خطاب زمانہ مابعد کی نسلوں سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تم تو بعد کو آئے پھر نہ اپنے پیش رو کفار معاندین و منکرین آخرت کے عبرتناک انجام اور تباہی و بربادی سے کوئی عبرت و نصیحت تم نے حاصل کی اور نہ کتب سابقہ کی ہدایتوں فہمایشوں سے تم ذرا بھی بیدار ہوئے۔ تمہارے لئے تو انکار کے نہیں، منع انکار کے اتنے زبردست اسباب اکٹھے تھے، پھر بھی تم اپنی شامت سے راستہ وہی ہلاکت و بدانجامی ہی کا اختیار کئے رہے۔ وَسَكَنۡتُمۡ...... اَنۡفُسَهُمۡ۔ یعنی تم روئے زمین کے انہی خطوں، قطعوں، علاقوں میں تو آباد ہو جہاں تم سے پیشتر اور منکرین و معاندین رہ چکے تھے۔ تَبَيَّنَ ...... بِهِمۡ۔ یعنی تمہیں تاریخ سے، روایات و حکایات سے، پوری طرح ان منکروں کی سزایابی، ہلاکت و بربادی کا حال معلوم ہوچکا تھا۔ ضَرَبۡنَا لَـكُمُ الۡاَمۡثَالَ۔ یہ اشارہ سابقہ کتب آسمانی کی جانب ہے، انہی کے ذریعہ سے بار بار تمہیں ہوچکی تھیں۔ ف۴۵ (لیکن حق پھر بھی غالب رہا، اور ان کی ساری چالیں خود انہی پر الٹ گئیں) وَقَدۡ مَكَرُوۡا مَكۡرَهُمۡ۔ دین حق کو مٹادینے کے لئے وہ بھی بھی زبردست چالیں چلتے رہے۔ وَعِنۡدَ اللّٰهِ مَكۡرُهُمۡ۔ اللہ سے یہ چالیں کچھ مخفی تو رہ نہیں سکتی تھیں، سب اس کے علم میں تھیں۔ لِتَزُوۡلَ مِنۡهُ الۡجِبَالُ۔ ”پہاڑوں کے ٹل جانے“ کا استعارہ عربی اسلوب بیان میں کسی شے کی انتہائی قوت کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ وليس المقصود من هذا الكلام الاخبار عن وقوعه بل التعظيم والتهويل (کبیر) اے وان كان مكرهم فى غاية الشدة والمهانة وعبر عن ذٰلک بکونه معدى لازالة الجبال عن مقارها لكونه مثلاً فى ذٰلک (روح) والذى يظهران زوال الجبال مجاز ضرب مثلاً لمكر قريش وعظمه والجبال لا تزول وهذا من باب الغلو والايغال والمبالغة فى ذم مكرهم (بحر) لیکن بجائے استعارہ کے اگر اسے لفظی ہی معنی میں لیا جائے جب بھی اب تو اس میں کوئی امر محال رہا نہیں۔ پہاڑوں کے توڑنے اور اڑا دینے کی تدبیریں ”جدید و مہذب“ انسان نے نکال ہی لی ہیں۔ ف۴۶ (اس تاخیر عذاب سے شبہ میں پڑ کر اے مخاطب!) ف۴۷ اس کی قوت بھی کامل، جزا و سزا پر قدرت بھی اسے پوری حاصل۔ پھر وعدہ خلافی کی اس کے ہاں گنجایش و امکان ہی کیا! ف۴۸ یعنی قیامت کے دن جب یہ آسمان و زمین سب بدلے ہوئے ہوں گے، اور جس آسمان و زمین سے ہم واقف ہیں ان کے بجائے دوسرے ہی موجود ہوں گے۔ وهى هٰذه على غير الصفة المالوفة كما جاء فى الصحيحين (ابن کثیر) مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ یہ تبدیلی ذات و صفات دونوں کے لحاظ سے صحیح ہوسکتی ہے اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض تبدیلیوں کے وقت اہل حشر زمین پر نہ ہوں گے بلکہ پل صراط پر ہوں گے۔ والتبديل قد يكون فى الذات وقد يكون فى الصفات والأية الكريمة ليست بنص فى احد الوجهين (روح)

وٗ۷ یعنی اس خدائے قدوس کے حضور میں جوسب پر برتر، سب پر غالب ہے، کوئی اس پر حاکم و متصرف نہیں، اور وہ عدد، ذات، صفات ہر لحاظ سے واحد لاشریک لہ ہے، توحید خالص کی اس پرُ اجلال وپاکیزہ تعلیم کی پوری قدر اس وقت ہوگی جب اس کے مقابل انجیل کا یہ بیان پیش نظر رکھا جائے:۔ "جب ابن آدم اپنے جلال میں آوے گا، اور سب فرشتہ اس کے ساتھ آویں گے تو اس وقت وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا اور سب قومیں اس کے ساتھ جمع کی جائیں گی اور وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا۔" (متی۔ ۲۵: ۳۱۔ ۳۲) یہ حال جب "اہل کتاب" مدعیان توحید کی کتاب کا ہے تو مشرک غریبوں کا تو ذکر ہی نہیں۔ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ وہی ایک اکیلا، جو سب پر غالب ہے، اور جس کے سب ہی تابع و محکوم ہیں۔ ای الذی قهر کل شیء و غلبه و دانت له الرقاب و خضعت له الالباب (ابن کثیر) الذی یفعل مایشاء و یحکم ما یرید (معالم) وٗ۸ (اے مخاطب!) الْمُجْرِمِينَ۔ یعنی کفار و منکرین کو۔ مُقَرَّنِينَ۔ یعنی ایک جرم کے مجرمین ایک ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے، کفر و انکار کی ہر نوعیت کے مجرمین کی ٹولی الگ الگ ہوگی۔ ضم کل لمشارکه فی کفره و عمله (روح) والمراد ان تلک النفوس الشقية والارواح المكدرة الظلمانية لكونها متجانسة متشاكلة ينضم بعضها الى بعض و تنادى ظلمة كل واحدة منها الى الاخرى (کبیر) وٗ۸۱ قَطِرَانٍ کے مشہور معنی تو گندھک کے ہیں، دوسرے معنی پگھلے ہوئے تانبے کے کیے گئے ہیں، بہر حال دوزخیوں کے جسم پر لباس ایسا ہوگا جو آگ کو خوب اور زیادہ تیزی کے ساتھ قبول کرلے۔ وٗ۸۲ (تو اس کے لیے تمہا مجرموں کا فیصلہ آنا فانا کر ڈالنا کیا مشکل ہے) لِيَجْزِيَ۔ میں ل تعلیل کا ہے یعنی یہ سب کچھ اس غرض سے ہوگا کہ ہر مجرم اپنے کیفر کردار کو پہنچ جائے۔ وٗ۸۳ أُولُو الْأَلْبَابِ۔ پر حاشیہ صفحہ ۵۴۶ نمبر ۴۲ میں گزر چکا۔ هَٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ۔ یہ قرآن لوگوں کے لیے ایک پیام ہے کہ وہ پیام اور پیامبر دونوں کی تصدیق کریں۔ بَلَاغٌ۔ میں تنوین تعظیم کی ہے۔ یعنی یہ پیام معظم لوگوں کی ہدایت کے لیے بالکل کافی ہے۔ وَلِيُنذَرُوا بِهِ۔ یعنی تاکہ اس کے ذریعہ اور واسطہ سے وہ عذاب الٰہی سے ڈرائے جائیں۔ لِّلنَّاسِ۔ میں ناس کا عموم لائق لحاظ ہے یعنی یہ پیام ہدایت ساری نوع انسانی کے لیے، کسی مخصوص قوم یا ملک کے لیے نہیں۔ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ۔ آیت سے ادھر بھی اشارہ ہوگیا کہ انسان کو درجہ شرف و فضیلت جو کچھ بھی حاصل ہے وہ عقل اور اس کے صحیح استعمال ہی سے ہے۔ هذه الأية دالة علٰى انه لا فضيلة للانسان ولا منقبة الابسبب عقله لانه تعالٰى بين انه انما انزل هٰذه الكتاب و انما بعث الرسول لتذكير اولى الالباب (کبیر)

وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ

اور (سب) اللہ واحد (اور) زبردست کے روبرو پیش ہوں گے، وٗ۷ اور اس روز تو مجرموں کو

يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيلُهُم

ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا وٗ۸ ان کے کرتے

مِّن قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ وُجُوهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾

قطران کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں پر چھائی ہوئی ہو گی وٗ۸۱

لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۚ إِنَّ اللَّهَ

تاکہ اللہ ہر جہنمی شخص کو اس کے کرتوت کا بدلہ دے بیشک اللہ

سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هَٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا

حساب بڑی جلدی ہی کر لینے والا ہے وٗ۸۲ یہ (قرآن) لوگوں کے لئے ایک پیام ہے اور تاکہ اس کے ذریعہ سے

بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ

ڈرائے جائیں اور تاکہ یقین کر لیں کہ وہی ایک خدا ہے اور تاکہ اہل فہم

أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٥٢﴾

نصیحت حاصل کریں وٗ۸۳

ع ۱۹

آیاتها ۹۹ ۱۵ سُورَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ ۵۴ رکوعاتها ٦

اس میں ۹۹ آیتیں سورۂ حجر مکی ہے اور ٦ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الر ۚ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ ﴿١﴾

الف۔ لام۔ را۔ یہ کتاب (کامل) کی اور قرآن واضح کی آیتیں ہیں وٗ۱

وٗ۱ دونوں صفتیں ایک ہی موصوف کی بیان ہوئی ہیں یعنی وہ کتاب کامل بھی ہے اور قرآن واضح بھی۔ قُرْآنٍ۔ میں تنوین تعظیم کی ہے۔ و تنکیره للتفخیم (بیضاوی) والتنکیر للتفخیم (مدارک) و تنکیر القرأن للتفخیم (کشاف) الر۔ انا اللہ ازی کا مخفف سمجھا گیا ہے حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ كَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۲﴾

کافر بار بار تمنا کریں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے ف۲

ذَرۡهُمۡ يَاۡكُلُوۡا وَ يَتَمَتَّعُوۡا وَ يُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ فَسَوۡفَ

آپ انہیں (ان کے حال پر) چھوڑے رہیے یہ کھا (پی) لیں اور مزے اڑا لیں اور انہیں غفلت میں

يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾ وَ مَاۤ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ

ڈالے رہے، عنقریب انہیں معلوم ہوا جاتا ہے، ف۳ اور ہم نے جو بھی بستی ہلاک کی ہے اس کے لئے معین

مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۴﴾ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا

وقت کا نوشتہ تھا کوئی قوم اپنی میعاد مقرر سے نہ آگے نکل سکتی ہے اور نہ پیچھے

يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ﴿۵﴾ وَ قَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الَّذِىۡ نُزِّلَ عَلَيۡهِ

رہ سکتی ہے ف۴ اور (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر (بہ قول اس کے) نصیحت نامہ

الذِّكۡرُ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿۶﴾ لَوۡ مَا تَاۡتِيۡنَا بِالۡمَلٰٓئِكَةِ

اترا ہے تو تو مجنون ہے ف۵ ہمارے پاس فرشتوں کو لے آ،

اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۷﴾ مَا نُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِكَةَ

اگر تو (اپنے دعوٰی میں) سچا ہے ف۶ ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے

اِلَّا بِالۡحَقِّ وَمَا كَانُوۡۤا اِذًا مُّنۡظَرِيۡنَ ﴿۸﴾ اِنَّا نَحۡنُ

مگر (فیصلہ) حق کے لئے اور اس وقت اُن کو مہلت بھی نہ دی جاتی ف۷ (اس) نصیحت نامہ کو ہم نے ہاں ہم

نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۹﴾ وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا

ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ف۸ اور بے شک ہم آپ کے قبل بھی

مِنۡ قَبۡلِكَ فِىۡ شِيَعِ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۱۰﴾ وَ مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ

(پیمبر) بھیج چکے ہیں اگلوں کے گروہوں میں ف۹ اور کوئی رسول ان کے پاس ایسا

ف۲ (اور ان شدید ترین اور ناقابل برداشت عذابوں سے محفوظ رہتے!) یہ کلمات حسرت وتأسف کافروں کی زبان پر آخرت میں جاری ہوں گے، جب اپنا حشر ان پر منکشف ہو چکے گا۔ اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونے لگیں گے۔ رُبَمَا۔ یہ کلماتِ حسرت کی تکرار شاید اس لئے کہ جب جب کوئی نئی شدت واقع ہوگی، اور ساتھ ہی محسوس ہوگا کہ اس کی علت کفر ہی ہے، تو یہ حسرت ہر دفعہ تازہ ہو جائے گی۔ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا۔ اس میں ہر نوع کے کافر شامل ہیں، جن میں قدر مشترک صفت کفر ہے۔ لَوۡ كَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ۔ آیت میں صرف مسلمین ہے، متقین۔ خاشعین وغیرہ نہیں۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت ابو موسٰی اشعری، حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہم وغیرہ متعدد صحابیوں سے متعدد تابعین کے واسطہ سے روایتیں اسی مضمون کی ملتی ہیں کہ جہنم میں کافروں کے ساتھ گنہگار مسلمان بھی ملے جلے ہوئے ہوں گے۔ اس پر کافر ان سے طنز سے کہیں گے کہ تمہارا کلمۂ شہادت کچھ بھی کام نہ آیا۔ معاً اس سے غیرت الٰہی حرکت میں آئے گی، اور کل اہل قبلہ آگ سے آزاد کر کے جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ اس وقت کافروں کی زبان سے یہ پر حسرت کلمات نکلیں گے۔ (ابن جریر، ابن کثیر، معالم، کبیر وغیرہ) مفسرین کی اکثریت نے بھی یہی پہلو اختیار کیا ہے۔ وعلٰی هذا القول اکثر المفسرين (کبیر) روی ذلک عن کثیر من السلف الصالح (روح) آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مراتب طاعت وتقوٰی کا تو ذکر ہی نہیں، مجرد اسلام اور اقرار شہادتین بھی کتنی بڑی رحمت اور نعمت عظیم ہے۔ ف۳ یعنی عنقریب ہی انہیں کافرانہ زندگی کے انجام کا مشاہدہ اور ذاتی تجربہ ہوا چاہتا ہے۔ سَوۡفَ۔ یعنی مرنے کے ساتھ ہی۔ ذَرۡهُمۡ۔ یعنی آپ ان کے کفر پر زیادہ غم وحزن نہ کیجئے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان پر تبلیغ ترک کر دیجئے۔ يَاۡكُلُوۡا وَ يَتَمَتَّعُوۡا وَ يُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ۔ کھانے پینے کی لذتوں میں پڑے رہنا، فوری اور وقتی مقصدوں کی الٹ پھیر میں لگے رہنا، مدت عمر کو دُور و دراز کی خیالی آرزوؤں اور منصوبوں میں گزارتے رہنا، یہ سب خصوصیات آخرت سے غافل اور خدا فراموش قوموں کی ہیں۔ اور جس طرح گزشتہ مشرک اور جاہلی قوموں کے حق میں صادق تھیں، آج بھی فرنگستان کی "مہذب" و "روشن خیال" قوموں پر کیسی صادق آ رہی ہیں!۔ يَتَمَتَّعُوۡا۔ تمتع سے مراد انہی مشغلوں میں انہماک ہے، جن کا نفع تمامتر عاجل وفوری ہے۔ يُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ۔ سے صاف اشارہ اسی طرف ہو گیا کہ طول امل میں پڑے رہنا ہرگز مومن کے شایانِ شان نہیں۔ ف۴ (چنانچہ ان کافروں پر بھی فی الفور جو گرفت نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہی ہے کہ ابھی ان کا وقت موعود نہیں آیا ہے) ف۵ (جو پیمبری اور وحی کے دعوے کرتا ہے) الذِّكۡرُ۔ ذکر کے لفظی معنٰی تو نصیحت کے ہیں، مگر الذکر اصطلاح قرآنی میں قرآن ہی کا ایک نام مقرر ہو چکا ہے۔ای القرآن (روح) ف۶ ان کافروں نے فرط عناد سے بیخود ہو کر قرآن کے اصل دعوٰی ودلیل یعنی اس کے مضامین کی صداقت، اس کی تعلیمات کے معجز ہونے پر غور ہی نہیں کیا بلکہ لغو مطالبہ ہی پیش کر دیا کہ سچے پیمبر ہو تو بطور خارقِ عادت فرشتوں کو اپنے ساتھ لا کر ہمیں دکھا دو۔ ف۷ مطلب یہ ہوا کہ جس طریقہ پر یہ کافر فرمائش کر رہے ہیں، اس طرح فرمائشی نزول تو فرشتوں کا ہوتا ہی نہیں۔ فرشتے تو نافرمان قوموں پر اتمامِ حجت کے بعد عذاب ہی لے کر ان کی ہلاکت کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ اور ان پر اگر فرشتے نازل ہوتے، تو یہ لوگ تو معاً ہلاک ہی کر دیئے جاتے۔ اِلَّا بِالۡحَقِّ۔ یعنی کسی حکیمانہ مقصود کے ساتھ اور وہ مقصود آخر کار ان نافرمانوں کے حق میں عذاب ہی ہوتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ان لوگوں پر رد ہے، جو ایسے شخص سے خوارق کے طالب رہتے ہیں، جس کی حقانیت پر دلائل صحیح قائم ہو چکے ہیں۔ ف۸ (کہ نہ آج مخالفین کے ہجوم شدید سے اسے مٹنے دیں گے، نہ قیامت تک اس کے کسی لفظ، کسی حرف کو کم ہونے دیں گے) قرآن کی جامعیت، اکملیت، ابلغیت وغیرہ سے قطع نظر اس کی محفوظیت کامل، اور پھر شروع ہی سے دھڑلے سے اس کا اعلان بجائے خود ایک معجز دلیل اس کے کلام الٰہی ہونے کی ہے۔ دنیا کے کتب خانے کسی دوسری کتاب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں، جو ساڑھے تیرہ سو سال سے، اپنے الفاظ، حروف نقوش سب کے لحاظ سے جوں کی توں چلی آ رہی ہو۔ میور، پامر، آرنلڈ وغیرہ مشاہیر فرنگ کی راؤں کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔ حفاظ وغیرہ انسانی مدد سے قرآن کا محفوظ رہ جانا، یہ وعدہ حفاظت الٰہی کے منافی نہیں، عین اسی کا ذریعہ ہے۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا۔ زور اور تاکید کے موقع پر متکلم کی تین تین ضمیریں اکٹھی لے آنا عربی اسلوب بلاغت کے عین مطابق ہے۔ اُردو میں اس مفہوم کو ادا کرنے کی وہی صورت ہے جو ترجمہ میں اختیار کی گئی۔ ثبوت ودلیل کا مرتبہ تو بعد کا ہے، مجرد یہ دعوٰی کہ یہ لفظ بہ لفظ کلام الٰہی ہے، آج روئے زمین میں کسی بھی دوسری کتاب کا نہیں۔ یہاں تک کہ توریت اور انجیل کا بھی نہیں۔ قرآن اس دعوٰی میں بالکل منفرد ہے۔ دوسری کتابوں سے متعلق دعوٰی زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ان کے اندر مغز وروح خدائی تعلیم کی آ گئی ہے، باقی وہ مرتب کی ہوئی تمامتر انسانوں کی ہیں، اور ان کی عبارتیں صرف خاصانِ خدا کی لکھی ہوئی ہیں۔ ف۹ (اور اُن کی بھی برابر تکذیب ہی ہوتی رہی۔ سو آپ کی تکذیب پیمبروں کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں)۔

رَسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝۱۱ كَذٰلِكَ نَسۡلُكُهٗ

نہیں آیا کہ اس کے ساتھ انہوں نے تمسخر نہ کیا ہو اسی طرح یہ (استہزا) ہم (ان) مجرموں کے

فِىۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ۝۱۲ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَ قَدۡ

دلوں میں ڈالے دیتے ہیں (چنانچہ) یہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے (یہ) دستور

خَلَتۡ سُنَّةُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۱۳ وَلَوۡ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَابًا

پہلوں سے چلا آتا ہے ف۱۰ اگر ہم ان کے لئے کوئی دروازہ آسمان میں

مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوۡا فِيۡهِ يَعۡرُجُوۡنَ ۝۱۴ لَقَالُوۡۤا اِنَّمَا

کھول دیں پھر یہ دن کے وقت اس میں سے چڑھ جائیں ف۱۱ تب بھی یہ بس یہی کہیں

سُكِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُوۡرُوۡنَ ۝۱۵

کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی بلکہ ہم لوگوں پر تو (بالکل) جادو ہی کر دیا گیا ہے ف۱۲

وَلَقَدۡ جَعَلۡنَا فِى السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّزَيَّنّٰهَا

اور بالیقین ہم نے آسمان میں بڑے ستارے بنائے اور اسے دیکھنے والوں کے لئے ان سے

لِلنّٰظِرِيۡنَ ۝۱۶ وَحَفِظۡنٰهَا مِنۡ كُلِّ شَيۡطٰنٍ

آراستہ کر دیا ف۱۳ اور ہم نے اسے ہر شیطان مردود سے محفوظ

رَّجِيۡمٍ ۝۱۷ اِلَّا مَنِ اسۡتَرَقَ السَّمۡعَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ

کر دیا ف۱۴ ہاں مگر کوئی بات چوری چھپے سن بھاگے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ

مُّبِيۡنٌ ۝۱۸ وَالۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا وَاَلۡقَيۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ

ہو لیتا ہے ف۱۵ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اس میں بھاری پہاڑ ڈال دیئے

وَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ ۝۱۹ وَجَعَلۡنَا

اور اس میں ہر قسم کی چیز ایک معین مقدار سے اگائی ف۱۶ اور ہم نے اس میں

ع ۱۵/۱

ف۱۰ ایک مخلص وہوا خواہ قوم مصلح جب اپنی شدید مخالفت ومزاحمت اُسی قوم کی طرف سے دیکھتا ہے جس کی ہوا خواہی میں وہ گھلا جاتا ہے تو طبعاً وہ دنگ اور حیران رہ جاتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ مصلح اعظم جو دنیا کے سارے مصلحوں سے بڑھ کر مخلص اور پیکر اخلاص وشفقت ہوا ہے! آپ کے دل پر اس وقت کیا کچھ گزر رہی ہوگی! قرآن کریم اسی لئے بار بار آپ کی تسکین وتشفی کے لئے تاریخی نظیروں پر توجہ دلاتا ہے۔ نَسۡلُكُهٗ فِىۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ۔ یہ مجرموں کے دل میں استہزاء کا القاء بالکل اُسی طرح کا ہے، جیسے ہر معصیت، ہر فسق، ہر کفر کا القاء نظام تکوینی میں مسبب الاسباب ہی کی طرف سے ہوتا رہتا ہے۔ نعوذ باللہ یہ مراد نہیں کہ یہ استہزا کسی درجہ میں بھی مطلوب ومقصود خداوندی ہے۔ ف۱۱ (آسمان پر) ظَلُّوۡا کے معنی ہیں کہ کسی فعل کو روز روشن میں کیا۔ یعنی یہ خارق عادت عمل میں آئے، اور ہوش و بیداری کے عالم میں پوری روشنی میں عمل میں آئے نیند کی بیہوشی اور تاریکی وغیرہ سے شبہات کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ لا تقول العرب ظل یظل الا لکل عملٍ عمل بالنهار (کبیر) یعبر به عما یفعل بالنهار (راغب) مطلب یہ ہوا کہ یہ کافر معاند اگر اپنے فرمائشی معجزہ یعنی کافروں کے نزول زمینی سے کہیں بڑھے ہوئے خارق عادت یعنی اسرار وعجائب آسمانی کو بہ چشم خود جا کر دیکھ لیں۔ لَوۡ فَتَحۡنَا الخ۔ یہ سب باتیں بہ طور فرض کے کہی گئی ہیں، اور مخاطبین اول کے عام انسانی خیالات اور علمی تحقیقات کے مطابق کہی گئی ہیں۔ اس سے اس پر استدلال ہو سکتا ہے کہ آسمان واقعۃً بھی کوئی ٹھوس مادی جسم ہے، جس کے دروازے کھل سکتے ہیں، درست نہیں۔ ف۱۲ تو غرض یہ کہ ایک اسی فرمائشی معجزہ یعنی ملائکہ کے نزولِ آسمانی پر کیا موقوف ہے، کوئی سا بھی خارقِ عادت اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر بھی انہیں دکھا دیا جائے تو ان معاندوں کی زبانیں خاموش نہیں ہو سکتیں، یہ اس میں بھی کوئی نہ کوئی بات اعتراض وانکار کی اپنی کٹ حجتی سے پیدا کر لیں گے۔ ف۱۳ (کہ ان ستاروں کے باعث آسمان دیکھنے والوں کو خوشنما نظر آتا ہے) آیت میں اس کی تعلیم بھی مل گئی کہ یہ بڑے بڑے روشن اور چمک دار ستارے نہ کوئی دیوی دیوتا ہیں نہ خود آفریدہ ہیں۔ بلکہ تمام تر اللہ ہی کی مخلوق ہیں اور ان کے وجود سے مقصود تو آسمان کو ناظرین کی نظر میں خوشنما بنانا ہے۔ ف۱۴ (ان ستاروں کے ذریعہ سے کہ وہ شیاطین کی رسائی وہاں تک نہیں ہونے دیتے) ف۱۵ (اور اس کے اثر سے وہ شیطان ہلاک یا بدحواس ہو جاتا ہے) اہل سائنس کا یہ قول کہ فضا میں بڑے وزنی پتھر چکر کھایا کرتے ہیں، اور وہ ہوا سے رگڑ کھا کر روشن ہو جاتے ہیں، اور کہیں زمین پر ٹوٹ کر گر پڑتے ہیں، قرآن کی بتائی ہوئی حکمت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ قرآن کو ان کی ترکیب، ساخت وغیرہ سے مطلق بحث نہیں۔ وہ تو اپنے موضوع کے اندر رہ کر صرف اتنا بیان کرتا ہے کہ ان سے کام شیطان کے بھگانے کا بھی لیا جاتا ہے:۔ ف۱۶ زمین کا بنانا، پھیلانا اس پر پہاڑوں کا قائم کرنا، زمین سے ہر نباتات ایک مقدار معین کے مطابق اگانا، یہ سب کام اسی خدائے واحد، قادر وحکیم کے ہیں۔ نہ یہ چیزیں خود بخود ہو گئی ہیں، نہ انہیں کسی دیوی دیوتا نے کیا ہے۔ وَاَلۡقَيۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ۔ یہ پہاڑ اس لئے قائم کر دیئے گئے ہیں کہ زمین ڈانواں ڈول نہ ہونے پائے، جیسا کہ ایک دوسری جگہ ہے رواسی ان تمید بکم۔ گویا پہاڑ حکمت تکوینی میں زمین کا لنگر بٹھائے رہنے کے لئے، اس کا توازن درست رکھنے کے لئے ہیں۔ قرآن صرف اسی قدر کہتا ہے۔ اس کے آگے زمین کی گردش سالانہ اس کی حرکت محوری وغیرہ دوسرے مسائل سے قرآن مجید کو نفیاً واثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ اَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ۔ اشارہ جنس نباتات کی جانب ہے۔

لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾

معاش کے سامان تمہارے لئے بھی بنائے اور ان کے لئے (بھی) جنہیں تم روزی نہیں دیتے ف۱۷

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا

اور جو چیز بھی ہے ہمارے پاس اس کے (خزانے کے) خزانے ہیں اور ہم اسے

نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ

ایک مقدار معین ہی سے اتارتے رہتے ہیں ف۱۸ اور ہم ہی پانی سے لدی ہوئی ہواؤں کو

لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ

بھیجتے ہیں پھر ہم ہی آسمانوں سے پانی برساتے ہیں پھر وہی (پانی) ہم تم کو پلاتے ہیں

وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ

اور تم اس کے جمع کر لینے والے نہ تھے ف۱۹ اور ہم ہی، ہاں ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں

وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ

اور ہم ہی وارث رہیں گے ف۲۰ اور بالیقین ہم تم میں سے اگلوں کو بھی خوب جانتے ہیں

مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ

اور بالیقین ہم پچھلوں کو بھی خوب جانتے ہیں ف۲۱ اور بے شک آپ کا پروردگار ہی تو

هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع وَلَقَدْ خَلَقْنَا

انہیں (سب کو) جمع کرے گا، بے شک وہ حکمت والا ہے، علم والا ہے ف۲۲ اور بالیقین ہم نے انسان کو

الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾

لس دار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ف۲۳

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ

اور جن کو ہم اس کے قبل گرم آگ سے پیدا کر چکے تھے ف۲۴ اور (یاد کرو وہ وقت) جب

ف۱۷ یعنی زمین کے ذریعہ سے انسان کے علاوہ ان مخلوقات کو بھی سامانِ زیست بہم پہنچا دیا گیا، جو ظاہر میں بھی انسان کے واسطہ سے پرورش نہیں پاتیں۔ یہ سب قانونِ الوہیت کی ہمہ گیری کا بیان ہو رہا ہے۔ مَعَايِشَ کے تحت میں ماکولات، مشروبات، ملبوسات سب آ گئے۔ ف۱۸ (حسبِ حکمت و مصلحت) اللہ کے ہاں کمی کس چیز کی ہو سکتی ہے؟ ہر چیز کا ظہور اپنی کیفیت و کمیت کے لحاظ سے بس قانونِ حکمت کے ماتحت ہی ہوتا رہتا ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ سے اشارہ مخلوق کی طرف سے ترکِ التفات کا ہو گیا۔ ف۱۹ یعنی تم ایسے تو بنائے نہیں گئے ہو کہ پانی کے ذخیروں کو محفوظ کر کے ہمیشہ کے لیے بارش سے مستغنی ہو جاؤ۔ نہ تمہیں یہ قدرت کہ جب اور جہاں چاہو آسمان سے پانی برسا لو، نہ یہ اختیار کہ اگر کنوؤں اور چشموں کا پانی خشک کر دیا جائے، تو تم اپنے زورِ بازو سے نکال لو۔ اَرْسَلْنَا، اَنْزَلْنَا، اَنْبَتْنَا، سب میں اشارہ یہ ہے کہ یہ ہوا، بارش وغیرہ کے جتنے بھی کاروبار ہیں، سب ہماری اور محض ہماری ذات سے قائم ہیں۔ کسی دیوی دیوتا کے دخل کا کوئی شائبہ بھی نہیں۔ ف۲۰ (سب کے فنا ہو جانے کے بعد) یہ نہیں کہ مخلوقات کی فنا کے ساتھ ہم بھی فنا ہو جائیں گے۔ بلکہ اور سب فنا ہو جائیں گے، اور صرف ہماری ذات بابرکات باقی رہ جائے گی۔ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ۔ یہاں یہ تاکید کے ساتھ تصریح کی ہے کہ ہوا، بارش وغیرہ کے انتظامات کے علاوہ زندگی اور موت بھی تمامتر ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔ نہ کوئی وشنو جی ہیں زندگی بخشنے والے اور قائم رکھنے والے، اور نہ کوئی شیو جی ہیں، ہلاک کرنے اور عمل فنا طاری کرنے والے۔ ف۲۱ یعنی ہمارے علم کامل و محیط میں کسی غلطی، نقص، خطا کا امکان ہی نہیں، نہ ماضی میں نہ مستقبل میں ــــ پہلے صفت قدرت کاملہ کا اثبات ہو چکا، اب صفت علم کامل کا اثبات ہو رہا ہے۔ مشرک اور جاہلی قوموں کو صفاتِ باری میں ٹھوکریں سب سے زیادہ انہی دو صفات کے باب میں لگی ہیں۔ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ سے مراد وہ نسلیں ہیں جو گزر چکیں اور الْمُسْتَاْخِرِيْنَ سے مراد بعد کو آنے والی نسلیں ہیں۔ اے من مات ومن بقی (ابن جریر عن عکرمہ ومجاہد) اے من استقدم ولادۃً وموتاً ومن تاخر من الاولین والآخرین (کشاف) بعض نے مستقدمین سے مراد نیکیوں میں سبقت کرنے والے اور مستاخرین سے مراد نیکیوں میں پیچھے رہ جانے والے لئے ہیں۔ من تقدم فی الاسلام وسبق الی الطاعۃ ومن تاخر (کشاف) ف۲۲ چنانچہ وہ ہر شخص سے واقفیت بھی پوری اور جزئی و تفصیلی رکھتا ہے، اور سب سے معاملہ بھی بہ تقاضائے حکمت، عین انہی کے مناسب حال کرے گا۔ هُوَ يَحْشُرُهُمْ۔ یعنی قیامت کے دن سب کا حشر اللہ ہی کرے گا۔ یہ نہ ہو گا کہ اس دن فیصلہ کسی دیوتا، کسی اوتار، کسی ابن اللہ کے ہاتھ میں آ جائے! ف۲۳ یعنی انسان اول کا پتلا اسی خشک مٹی سے بنایا، جو چٹکی مارنے سے کھن کھن آواز دیتی ہے، اور پھر اسی ابو البشر سے ساری نسل انسانی نکالی ہے۔ ف۲۴ یعنی اسی آگ سے جو اجزاء دخانیہ وکثیفہ سے خالی ہیں اور اس لئے غایت لطافت سے مثل ہوا کے غیر مرئی تھے۔ الْجَآنَّ۔ جنات بھی بالکل انسانوں جیسے بے بس مخلوق ہیں۔ کوئی وصف ذرہ بھر بھی ان میں معبودیت کا موجود نہیں۔ فرق صرف مادہ کا ہے۔ انسان کی ترکیب مٹی سے ہوئی اور ان کی آگ یا ہوائی آگ سے۔ ان کی مخلوقیت اور عجز کو دکھانے ہی کے لئے قرآن مجید نے ان کا ذکر تخلیق انسانی کے ساتھ ساتھ کیا ہے۔ توریت میں اس موقع پر زمین پر "خدا کے بیٹوں" کے موجود ہونے کا ذکر ہے۔ نیز ایک اور مخلوق کا، جس کے لئے انگریزی ترجموں میں لفظ (GIANTS) کا آیا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ "جبار" سے کیا گیا ہے۔ (پیدائش ۶: ۲، ۴) شستہ و بامحاورہ اردو میں انہیں دیوزاد، ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ "دلائل مختلفہ سے جنات کے متعلق یہ امور معلوم ہوتے ہیں آگ[1] سے پیدا ہونا۔ توالد[2] و تناسل ہونا۔ عادۃً[3] ان کا نظر نہ آنا۔ مختلف[4] اشکال میں ان کا متشکل ہو سکنا۔ مگر جن اشکال[5] میں متشکل ہونے سے کوئی التباس مضر دین ہوتا ہو اس پر بہ حکمت الٰہی قادر نہ ہونا، اور جس[6] میں التباس مضر دنیا ہوتا ہو اس پر کم قادر ہونا۔" (تھانوی علیہ الرحمۃ)

۲۵ یہ خطاب جب ملائکہ نوری سے ہوا، جو اعلیٰ مخلوق تھے، تو اس کے مخاطب جنات آتشیں تو بدرجۂ اولیٰ ہوئے، جو پست تر مخلوق تھے۔ سورۂ بقرہ رکوع ۴ کے حاشیے ملاحظہ کر لئے جائیں۔
۲۶ (اس کی تعظیم وتکریم کے لئے) سَوَّیْتُهٗ میں ضمیر مذکر واحد غائب بشر کے اسی خاکی پتلے کی طرف ہے۔ مِنْ رُّوْحِیْ۔ اللہ کا روح انسانی کی اضافت اپنی جانب کرنا، اس کے اظہار قدر ومنزلت کے لئے ہے۔ انما اضاف الله سبحانهٗ روح آدم الٰی نفسه تشریفًا له وتکریما (کبیر) اور اسی نفخ روح کا شاید نتیجہ ہے کہ روح انسانی میں خلافت الٰہی کی استعداد پیدا ہو گئی ہے۔ نَفَخْتُ۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ روح انسانی اگر جسم لطیف ہو، جیسا کہ عموماً متکلمین کا قول ہے، جب تو نفخ کے حقیقی ہی معنی مراد ہوں گے۔ یعنی جسم کے جن حصوں میں خلا ہو ان میں ہوا بھرنا۔ لیکن اسے غیر مادی جوہر مجرد تسلیم کیا جائے، تو نفخ سے استعارہ مطلق تعلق کا ہو گا۔ رُوْحِیْ۔ روح کو ہمارے محققین میں سے اکثر نے جسم ہی تسلیم کیا ہے، گویا جسم لطیف ہے۔ الروح جسم لطیف یحیٰ به الانسان (معالم) جمهور اهل السنة علٰی انها جسم لطیف یخالف الاجسام بالماهیة والصفة متصرف فی البدن حال فیه حلول الزیت فی الزیتون والٰی ذٰلک ذهب امام الحرمین (روح) لیکن بعض کی تحقیق میں (اور انہی میں حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ بھی ہیں) روح ایک جوہر مجرد ہے جو نہ جسم میں داخل ہے نہ اس سے خارج، نہ اس کے متصل نہ اس سے منفصل۔ هٰذا الروح عنده وکذا عند جماعة من المحققین لیس بجسم یحل البدن حلول الماء فی الاناء دخلًا ولا هو عرض یحل القلب او الدماغ حلول السود فی الاسود والعلم فی العالم بل هو جوهر مجرد لیس داخل البدن ولا خارجه ولا متصلًا به ولا منفصلاً عنه ولهم علٰی ذٰلک عدة ادلّة (روح) و۲۷ یہ ابلیس جو بعد کو شیطان کے لقب سے مشہور ہو گیا، فرشتہ نوری نہیں، جن ناری تھا، جیسا کہ سورۂ کہف میں نص موجود ہے۔ وَكَانَ مِنَ الْجِنِّ۔ باقی عام قصہ آدم علیہ السلام و ابلیس پر مفصل حاشیے سورۃ بقرہ رکوع ۴ میں گزر چکے:۔ و۲۸ یعنی ایسے حقیر وذلیل مادہ سے بنی ہوئی مخلوق کو اور میں سجدہ کروں، جو نورانی مادہ آتش سے بنا ہوا ہوں! آتشی کہیں خاکی کے آگے، نورانی کہیں ظلماتی کے آگے جھک سکتا ہے؟— گویا مادۂ لطیف مادۂ کثیف سے افضل وبہتر ہر جہت و اعتبار سے ہوتا ہے، اور افضل کو غیر افضل کے آگے کبھی اور کسی اعتبار سے بھی جھکنا غلط ہے! ابلیس کی ان باطل آرائیوں کی تردید سورۃ الاعراف کے حواشی میں پوری طرح ہو چکی ہے۔ لِاَسْجُدَ میں ل تاکید نفی ہے، یعنی ایسا کرنا ہرگز میرے لیے ممکن نہیں۔ اللام لتاکید النفی و معناه لا یصح منی و ینافی حالی و یستحیل ان اسجد لبشر (کشاف) و۲۹ (اپنی اس ضد و نافرمانی کی بنا پر) و۳۰ اور تو نہ راہِ راست پر آئے گا، نہ تجھے توفیق توبہ ہو گی) لعنت کے معنی اُوپر گزر چکے ہیں کہ رحمت سے مہجوری کے ہیں۔ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ 'قیامت تک' سے محاورہ میں مراد دوام ہوتی ہے۔ یہ مراد نہیں کہ قیام قیامت کے بعد ابلیس کی ملعونیت جاتی رہے گی۔ المراد منه التابید و ذکر القیامة ابعد غایة ذکرها الناس فی کلامهم (کبیر) اور محاورۂ زبان سے قطع نظر تو بھی ظاہر ہے کہ جو محل رحمت قیامت تک نہ ہو اُس کے لیے بعد قیامت محل رحمت ہونے کی گنجائش کیا ہے؟— دارالجزاء میں دارالعمل کا صرف تکملہ ہی ہوتا ہے، نہ کہ اُس سے قطع نظر کر کے کسی جدید شے کی پیدائش۔ و۳۱ (کہ اس درمیان میں جی بھر کر بدلہ آدم علیہ السلام اور اولادِ آدم سے لوں) یہ مہلت ابلیس نے موت اور عذاب سے مانگی تھی۔

قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ
آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر
صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ
لس دار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے و۲۵ سو جب میں اسے پورا بنا چکوں
وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾
اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا و۲۶
فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِیْسَ
چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا (ہاں) مگر ابلیس نے (نہ کیا)
اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ
اس نے انکار کیا اس سے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو، (اللہ نے) کہا اے ابلیس
مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ
تیرے لئے کیا باعث ہے اس کا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں و۲۷ بولا میں وہ نہیں کہ
لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ
بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے لس دار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے
مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾
پیدا کیا ہے و۲۸ (اللہ نے) فرمایا تو تُو نکل اس (آسمان) سے، بے شک تو مردود ہو گیا و۲۹
وَّ اِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ
اور بے شک تیرے اوپر روز قیامت تک لعنت رہے گی و۳۰ بولا اے میرے پروردگار
فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ
تو پھر مجھے مہلت دے حشر کے دن تک و۳۱ (اللہ نے) فرمایا اچھا تو تجھے

ف۳۲ یعنی جب تک اس عالم ناسوت کی عمر قائم ہے، تجھ پر گرفت نہ ہوگی — ابلیس کی ہستی یا قوت اگر باقی نہ رہے، تو اس عالم ابتلاء کی مصلحتیں ہی فوت ہو جائیں۔ لیکن یہ بھی خوب واضح رہے کہ ابلیس کے ہاتھ میں کوئی قوت جبر و استیلاء کی نہیں، صرف بہلانے، پھسلانے، سبز باغ دکھانے کی ہے۔ ف۳۳ (اور تو انہیں میرے اثر سے محفوظ رکھے گا، تو وہ تو بے شک میرے بہکانے میں نہ آئیں گے) آیت سے یہ مراد نہیں کہ شیطان نیک بندوں کو پھانسنے کی کوشش نہ کرے گا۔ جال تو وہ سب ہی پر پھینکتا ہے۔ البتہ مخلص بندوں کے باب میں زیادہ کامیاب نہیں ہو پاتا۔ لَهُمْ۔ یعنی آدم و حوا علیہما السلام اور اُن کی نسل کی نظر میں۔ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ اغوا اور اضلال کا یہ انتساب ذاتِ حق کی جانب جس حد تک بھی صحیح ہے، صرف تکوینی حیثیت سے یا علت العلل کے معنی میں ہے۔ بِمَا میں بائے سببیہ ہے۔ اے بسبب اغوائک ایای (روح) ف۳۴ وہ سیدھا راستہ ایمان و اطاعت و اعمال صالحہ کا ہے کہ اسی پر چل کر بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ آیت سے یہ بھی نکلتا ہے کہ جو کوئی راہ ہدایت پر چلنے کا واقعی قصد کرے، اُسے وہ راہ مل ضرور جاتی ہے۔ حق علیّ ان اراعیہ (بیضاوی) ف۳۵ سو کوئی شخص گناہ پر مجبور و مضطر ہرگز نہیں۔ توفیق الٰہی ساتھ جب ہی چھوڑتی ہے، جب انسان خود شیطان کی جانب میل قوی رکھنے لگتا ہے۔ شیطان کا منتہائے قوت بس یہ ہے کہ دم دلاسا خوب دلا لیتا ہے، انسان کو فوری لذتوں کی چاٹ خوب دلا دیتا ہے، بس اس کے آگے کچھ بھی نہیں۔ فان منتهى تزيينه التحريض والتدليس (بیضاوی) ابلیس کے قول میں ابھی گزرا تھا کہ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ حق تعالیٰ کے قول میں اب ارشاد ہو رہا ہے اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۔ مفسرین نے کلام کی اس ترتیب سے یہ نکتہ خوب نکالا ہے کہ جس کو جس چیز کا اہتمام ہوتا ہے وہ اسی کو مقدم رکھتا ہے چنانچہ ابلیس نے اغواء کو مقدم رکھا اور حق تعالیٰ نے مخلصین کی حفاظت کو۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ شیطان نے اوپر جو دعویٰ کر دیا ہے کہ میں لوگوں کو گمراہ کروں گا اور سبز باغ دکھاؤں گا تو اس سے یہ گمان پیدا ہو سکتا تھا کہ شیطان کو بھی کچھ قوت و اقتدار حاصل ہے۔ آیت میں اسی غلط عقیدہ کی تردید ہے اور اعلان ہے کہ شیطان کا زور کسی بندہ پر بھی نہیں، خواہ وہ برگزیدہ ہو یا غیر برگزیدہ۔ ہاں البتہ جو بندہ خود ہی شیطان کی راہ چلنے لگے تو اسے اختیار ہے۔ غرض اس آیت سے حق تعالیٰ نے خود شیطان کی بھی ممکن غلط فہمی دُور کر دی ہے الحاصل فی هٰذا القول ان ابليس اوهم ان له علٰى بعض عباد الله سلطانا فَبَيَّنَ تعالٰى كذبه فيه وذكر انه ليس له علٰى احدٍ منهم سلطان ولا قدرة اصلًا (کبیر) ف۳۶ یعنی خود شیطان، اس کی ذریات اور اس کے پیروؤں کی وعدہ گاہ۔ قال ابن عباس يريد ابليس واشياعه ومن اتبعه من الغاوين (کبیر) ف۳۷ (کہ کوئی کسی دروازہ سے جائے گا کوئی کسی سے) دروازوں کی یہ تعداد ممکن ہے کہ استحقاق عذاب کے لحاظ سے سات طبقوں کے اظہار کے لئے ہو۔ لان اهلها سبع فرق (بیضاوی) اے سبعة اطباق (ابن جریر۔ عن عکرمہ) اے سبع طبقات ينزلونها بحسب مراتبهم في الغواية والمتابعة (روح) یہ بھی ممکن ہے کہ محض خلود مراد ہو، اور اس سے مقصود دوزخ میں داخل ہونے والوں کی کثرتِ تعداد کا اظہار ہو۔ قيل المراد ان لها سبعة ابواب يدخلونها لكثرتهم والاسراع بتعذيبهم (روح) يدخلون منها لكثرتهم (بیضاوی) ف۳۸ یعنی اہل ایمان سے ارشاد ہوگا کہ تمہیں اس وقت بھی ہر مکروہ سے سلامتی ہے اور آئندہ بھی کسی شر کا اندیشہ نہیں۔ متقین۔ متقی سے یہاں مراد وہ لوگ نہیں، جو جمیع معاصی صغیر و کبیر سے بچ رہے ہوں (جیسا کہ معتزلہ نے سمجھا ہے) بلکہ صرف شرک و کفر سے بچنے والے مقصود ہیں۔ وهو قول جمهور الصحابة والتابعين وهو المنقول عن ابن عباس ان المراد الذين اتقوا الشرك بالله تعالٰى والكفر به واقول هذا القول هو الحق الصحيح (کبیر) يتناول جميع القائلين بلا اله الا الله محمد رسول الله قولًا واعتقادًا سواء كانوا من اهل الطاعة او من اهل المعصية (کبیر) ف۳۹ یعنی دنیا میں خود ان متقین میں باہم جو کچھ کینہ و کدورت طبعی اسباب سے ہوگی، اسے بھی قدرت الٰہی آخرت میں یک قلم محو کر دے گی، جس سے سب اہل جنت ایک دوسرے کی طرف سے بالکل صاف ہو کر آپس میں شیر و شکر ہو کر رہیں گے۔ اہل حق کے درمیان اگر طبعی اسباب سے ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیاں، غلط فہمیاں اور ناگواریاں پیدا ہو جائیں۔ تو یہ تقویٰ کے ذرا بھی منافی نہیں۔ جیسا کہ بعض اہل غلو نے سمجھ رکھا ہے۔

الْمُنْظَرِيْنَ ۝۳۷ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝۳۸ قَالَ رَبِّ

مہلت ہے وقت معلوم کے دن تک ف۳۲ وہ بولا اے میرے پروردگار

بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ

چونکہ تونے مجھے بہکایا ہے میں بھی یقیناً ان کی نظر میں دنیا میں (معاصی کو) خوش نما بنا کر اور ان سب کو بہکا کر

اَجْمَعِيْنَ ۝۳۹ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۴۰

کے رہوں گا بجز ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو منتخب کر لئے گئے ہیں ف۳۳

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝۴۱ اِنَّ عِبَادِيْ

(اللہ نے) فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے مجھ تک (پہنچنے والا) ف۳۴ بے شک میرے بندوں پر

لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا مگر ہاں بہکے ہوؤں میں سے جو بھی تیری پیروی

الْغٰوِيْنَ ۝۴۲ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۴۳

کرنے لگیں ف۳۵ اور بے شک جہنم ان سب کی وعدہ گاہ ہے ف۳۶

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ

اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے لئے ان میں سے (وہاں کے) الگ الگ

مَّقْسُوْمٌ ۝۴۴ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝۴۵

حصے ہیں ف۳۷ بے شک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں (بستے) ہوں گے

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝۴۶ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ

تم داخل ہو ان میں سلامتی (اور) امن کے ساتھ ف۳۸ اور جو کچھ ان کے دلوں میں

صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ

کینہ ہوگا اسے ہم دور کر دیں گے ف۳۹ (سب) بھائی بھائی کی طرح رہیں گے آمنے سامنے

ع ۱۹/۳

مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ

تختوں پر و۴۰ اس کے اندر ان کو کوئی تکلیف چھوئے گی ہی نہیں، اور نہ وہ اس میں سے

مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا

(کبھی) نکالے جائیں گے و۴۱ میرے بندوں کو خبر کر دیجیے کہ میں یقینا

الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ

بڑا مغفرت والا ہوں، بڑا رحمت والا ہوں اور یہ کہ میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب

الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ

ہے و۴۲ اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں (کے قصہ) کی خبر کر دیجیے و۴۳ جب کہ

دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ

وہ ان کے پاس آئے اور کہا (تم پر) سلام ہو (ابراہیم) بولے ہم کو تم سے

وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ

ڈر لگ رہا ہے و۴۴ (فرشتے) بولے کہ آپ ڈریے نہیں ہم آپ کو بشارت ایک صاحب علم فرزند کی

عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ

دیتے ہیں، و۴۵ (ابراہیم نے) کہا کیا تم مجھے بشارت اس حال میں دیتے ہو کہ مجھ پر بڑھاپا آچکا سو

تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ

بشارت کس چیز کی دیتے ہو و۴۶ وہ بولے ہم آپ کو امر واقعی کی بشارت دیتے ہیں سو آپ

الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا

ناامید نہ ہوں و۴۷ (ابراہیم نے) کہا کہ اپنے پروردگار کی رحمت سے ناامید ہوتا ہی کون ہے

الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾

بجز گمراہوں کے و۴۸ (پھر ابراہیم نے) کہا اب تم کو کیا مہم درپیش ہے اے (اللہ کے) فرستادو! و۴۹

و۴۰ یعنی آپس میں مجالست ومخالطت غایت الفت ومحبت کے ساتھ رکھیں گے۔ و۴۱ اس میں یہ بتایا کہ جنت کی نعمتیں صرف کامل واکمل ہی نہ ہوں گی بلکہ دائم وقائم بھی — اس عالم ناسوت میں مداومت عیش کا ایک ضمیمہ تعب یا خستگی بھی ہے۔ عیش جنت کے لئے تصریح سے بتا دیا گیا کہ وہاں دوام کے باوجود تکان مطلق نہ ہوگا۔ و۴۲ مومن کی شان جو حدیث میں بتائی گئی ہے کہ اس کا قلب ہمیشہ بیم ورجا، خوف وامید کے درمیان رہتا ہے، اس کی بنیاد انہی صفاتِ الٰہی پر ہے — بندہ جب خدائے آمرزگار کی رحمت بیکراں اور مغفرتِ بے پایاں پر نظر کرتا ہے، تو اسے ہر طرف امید ہی امید نظر آتی ہے۔ لیکن جب نظر اپنی کوتاہیوں، لغزشوں، خطاؤں کی طرف جاتی ہے، تو قلب کا خشیت الٰہی سے تھرا جانا بھی بالکل قدرتی اور صحیح ہے۔ عبادی میں بندوں کی اضافت اللہ کی طرف ان کی انتہائی قدرومنزلت کے لئے ہے۔ اضاف العباد الٰی نفسہ ھٰذا تشریف عظیم (کبیر) اس عموم بشارت کے تحت میں مومن متقی کے ساتھ مومن عاصی بھی آ جاتا ہے۔ نبیٔ کل من کان معترفا بعبودیتی وھٰذا کما یدخل فیه المؤمن المطیع فکذٰلک یدخل فیه المومن العاصی (کبیر) اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ رحمت ومغفرت پر زور وتاکید کے یہاں تین تین طریقے جمع کر دیئے ہیں۔ ایک اَنِّيْ دوسرے انا تیسرے الغفور ورحیم پر۔ لمّا ذکر الرحمة والمغفرة بالغ فی التاکید بالفاظ ثلاثة اولها قوله انی وثانیها قوله انا وثالثها ادخال حرف الالف واللام علٰی قوله الغفور الرحیم (کبیر) و۴۳ سورۂ ہود (پ ۱۲) میں اس قصہ پر حاشیے گزر چکے۔ و۴۴ (کہ تم جو میرا پیش کیا ہوا ماحضر قبول نہیں کرتے ہو، تو کہیں دشمنی کے ارادہ سے تو نہیں آئے ہو) عرب، عراق وشام کی قدیم تہذیب ومعاشرت میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ ڈاکو، چور یا غارتگر جب کسی کی مہمانی قبول کر لیتے تھے تو پھر اس کے بعد اسے نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔ اور اجنبیوں اور مسافروں کے لباس میں اکثر یہی غارتگر ہی چھپے ہوتے تھے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ان نوواردوں کی مہمانی کرنی چاہی، اور انہوں نے اس کے قبول کرنے میں تامل کیا، تو قدرۃً آپ کا ذہن اس طرف منتقل ہوا، کہ کہیں یہ کوئی جرائم پیشہ تو نہیں — حضرت علیہ السلام ان انسانی قالب میں آنے والے فرشتوں کو اب تک انسان ہی سمجھ رہے تھے — پیمبری کا کوئی جزو غیب دانی ہرگز نہیں۔ حاشیے پہلے بھی گزر چکے ہیں۔ و۴۵ مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں، آپ نبی تھے اور اس لئے ظاہر ہے کہ بڑے صاحب علم بھی تھے۔ لَا تَوْجَلْ یعنی ہم سے پریشان نہ ہوجیے۔ ہم انسان نہیں فرشتے ہیں۔ و۴۶ آپ کا مطلب تھا کہ یہ امر آثار وعلامات ظاہری اور اسباب عادی کے لحاظ سے تو مستبعد ہے۔ یہ مطلب نہ تھا کہ اللہ کی قدرت سے بعید ہے۔ و۴۷ یعنی اسباب عادی وظاہری پر نظر نہ کیجیے، ہم تو خالق کائنات کی طرف سے آپ کو خوشخبری سنا رہے ہیں۔ و۴۸ قرآن مجید کی تعلیم رجائیت سے بھری پڑی ہے اور یاس وناامیدی کی جڑ کاٹ رہی ہے۔ اسلام کی اس بنیادی حقیقت کا رازدان ابراہیم خلیل علیہ السلام سے بڑھ کر اور ہو کون سکتا تھا چنانچہ آپ نے اسی کا یہاں اظہار کیا ہے۔ و۴۹ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ان آنے والوں کے فرشتے ہونے کا علم ہو گیا تو آپ فراست نبوت سے یہ بھی سمجھے کہ ضرور ان کی تعیناتی محض اتنی بشارت کے لیے نہیں بلکہ کسی اور اہم مقصد کے لئے ہوئی ہے۔ خطب کہتے ہیں مقصد اہم کو "مشن" کو۔ الخطب الامر العظیم الذی یکثر فیه التخاطب (راغب)

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ

وہ بولے ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں بجز

لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ

خاندان لوطؑ کے کہ ہم ان سب کو بچالیں گے و۵۰ بجز ان کی بیوی کے کہ اس کی نسبت ہم نے

قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ

تجویز کر رکھا ہے کہ وہ ضرور پیچھے رہ جانے والوں میں رہے گی، و۵۱ پھر جب وہ فرستادے لوطؑ کے گھرانے

الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا

میں آئے تو (لوطؑ نے) کہا کہ تم تو اجنبی قوم کے لوگ (معلوم ہوتے) ہو و۵۲ وہ بولے

بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَ اَتَيْنٰكَ

نہیں، بلکہ ہم تو آپ کے پاس وہ لے کر آئے ہیں جس کے باب میں یہ شک کیا کرتے تھے و۵۳ اور ہم آپ

بِالْحَقِّ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ

کے پاس یقینی ہونے والی چیز لے کر آئے ہیں، اور بے شک ہم بالکل سچے ہیں سو آپ رات کے کسی حصہ میں

مِّنَ الَّيْلِ وَ اتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ

اپنے گھر والوں کو لے کر چلے جائیے اور آپ اُن کے پیچھے پیچھے چلیے اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے

وَّ امْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ

اور جہاں کا حکم تمہیں ملا ہے (سب) اسی طرف چلے جاؤ و۵۴ اور ہم نے لوط کے پاس (اپنا) یہ فیصلہ

ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

بھیج دیا کہ صبح ہوتے ان لوگوں کی جڑ ہی (بالکل) کٹ جائے گی و۵۵

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ

اور شہر کے لوگ خوشیاں کرتے ہوئے آئے و۵۶ (لوطؑ نے) کہا

ع ۴/۱۲

و۵۰ (عذاب وہلاکت سے، اور انہیں سزا پانے والے مجرموں سے الگ کر دیں گے) قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ۔ یعنی لوط پیمبر علیہ السلام کی امت۔ حاشیے اوپر گزر چکے ہیں۔ و۵۱ (اُس قوم معذب کے ساتھ۔ اور انہی لوگوں کے ساتھ ہلاک ہو گی) حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی، اور یہ ضرور نہیں کہ آپؑ کو اس کا علم بھی ہو۔ قَدَّرْنَآ۔ اس تجویز کے عمل کو فرشتوں نے منسوب اپنی جانب کیا، حالانکہ یہ فعل براہ راست حق تعالیٰ کا تھا— یہ نسبت مجازی عجب نہیں جو فرشتوں کے مرتبۂ قرب واختصاص کے اظہار کے لئے ہو۔ و۵۲ (اور ہمارے ملک کا دستور ہے کہ بیرونیوں اور پردیسیوں سے ہر طرح کی شرارت وبدسلوکی کرتے رہتے ہیں) ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ و۵۳ یعنی عذاب وہلاکت بل میں یہ سارا مضمون آگیا کہ ہم انسان ہیں ہی نہیں، بلکہ فرشتے ہیں۔ و۵۴ یعنی ملک شام ہی کے کسی دوسرے شہر کی طرف۔ توریت میں اس شہر کا نام ضُغر بتایا گیا ہے (پیدائش ۱۹:۲۲)۔ موجودہ جغرافیہ میں تو کوئی شہر اس نام کا نہیں ملتا۔ لیکن بائبل کے علماء کا خیال ہے کہ یہ شہر بحر مردہ کے جنوبی ساحل پر واقع تھا۔ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ۔ یعنی اپنے گھر والوں کو راتوں رات نکال لے جائیے، ایسا کہ کوئی رہ نہ جائے۔ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ۔ یعنی بس سیدھے ان کا پیچھا لئے رہیے۔ یہ نہ ہو کہ کوئی راستہ سے پلٹ آئے۔ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ۔ یعنی یہ بھی نہ ہو کہ آپ لوگوں میں سے کوئی پیچھے پھر پھر کر دیکھے۔ و۵۵ یعنی صبح تڑکے سے ان بدبختوں پر عذاب ہلاکت نازل ہونا شروع ہو جائے گا۔ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ۔ یہ فیصلۂ خداوندی حضرت علیہ السلام کے پاس انہی فرشتوں کے ذریعہ سے پہنچا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آیت میں پہلے اس فیصلہ کو مبہم رکھنا، اور پھر خود ہی اس کی تفصیل کر دینا اس فیصلہ کی اہمیت وعظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ **وفی ابهامه اولا وتفسیره ثانیا تفخیم للامر وتعظیم له** (کبیر) و۵۶ (یہ سمجھ کر کہ آج خوب شکار ہاتھ آیا) اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ۔ یعنی شہر سدوم والے۔ يَسْتَبْشِرُوْنَ۔ مسرت حیوانی وشیطانی اس کی تھی کہ اپنی گندہ مذاقی کی تسکین جی بھر کر ہو سکے گی۔

هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِىْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا

یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھے (عام لوگوں میں) فضیحت تو مت کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے (مہمانوں کی نظر

تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ

میں) رسوا مت کرو، ف۵۷ وہ بولے کیا ہم نے تم کو دنیا بھر کے لوگوں سے منع نہیں کر دیا تھا؟ ف۵۸ (لوطؑ نے)

هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ

کہا یہ میری بیٹیاں بھی تو موجود ہیں اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے ف۵۹ آپ کی جان کی قسم وہ اپنی

سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

مدہوشی میں (بالکل) بہکے ہوئے تھے ف۶۰ پس سورج نکلتے نکلتے انہیں ایک سخت آواز نے

مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا

پکڑ لیا ف۶۱ چنانچہ ہم نے اس (بستی) کا اوپر کا تختہ نیچے کر دیا اور ان لوگوں پر

عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

کھنگر کے پتھر برسا دیئے ف۶۲ بے شک اس (واقعہ) میں اہل بصیرت کے لئے

لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ

نشانیاں ہیں ف۶۳ اور وہ (بستی) تو ایک آباد راستہ پر (ملتی) ہے ف۶۴ بیشک اس (واقعہ)

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ

کے اندر ایمان والوں کے لئے نشانی ہے ف۶۵ اور بے شک بن والے بھی

الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَ اِنَّهُمَا

(بڑے) ظالم تھے ف۶۶ سو ہم نے انہیں بھی ٹھیک کر دیا، اور دونوں بستیاں

لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ

شاہراہ پر (واقع) ہیں ف۶۷ اور بالیقین حجر والوں نے (بھی ہمارے) فرستادوں کو

وقف لازم — ع ۱۹/۵

ف۵۷ حضرت لوطؑ ہر ہر طرح اپنی قوم والوں کو سمجھا رہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ نووارد تو میرے مہمان ہیں، ان کی تم نے بے عزتی کی تو پہلے میری ہی عزت اتار لی۔ میں تو تمہاری بستی کا ہوں، میری ہی طرف دیکھو، کبھی فرماتے کہ ذرا اپنے دل میں خوف خدا لاؤ اور سوچو تو سہی کہ کیسی گندہ حرکتوں میں مبتلا ہو، اور کبھی ارشاد فرماتے، کہ اپنے والوں کا خیال نہیں ہے تو نہ سہی، کم سے کم میرے مہمانوں کی نظر میں تو مجھے حقیر و رسوا نہ ٹھیراؤ۔ ف۵۸ (کہ اجنبیوں اور پردیسیوں کے ٹھیرانے کے ہم روادار نہیں۔ سو تم نے خود ہی ہماری اس مخالفت کی پروا نہ کر کے اور مہمانوں کو ٹھہرا کر اپنے ہاتھوں اپنی رسوائی کرائی!) کسی پہلے حاشیہ میں آچکا ہے کہ قوم لوط والے باہر والوں کو اپنے ہاں آنے ہی نہیں دینا چاہتے تھے اور اگر وہ آجاتے تو ان سے ہر طرح کی بیہودگی کے ساتھ پیش آتے — جو اس وقت کی شریفانہ تہذیب و معاشرت اور آئین مہمانی کے قطعاً منافی تھا۔ ف۵۹ بنات (بیٹیوں) پر حاشیہ سورۂ ہود (پ ۱۲) میں گزر چکا۔ اہل اُمت کی بیٹیاں خود رسول اُمت کے لئے بہ منزلہ بیٹیوں ہی کے ہوتی ہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۔ یعنی اگر تم میری بات ماننے پر، عقل و شرافت کے مقتضا پر عمل کرنے کو تیار ہو — قدرۃً آپ کو بہت شک تھا کہ وہ آبرو باختہ لوگ آپ کی نصیحت پر عمل کریں گے بھی؟۔ ف۶۰ (اور جذباتِ سفلی کی بدمستی میں کوئی بات عقل و فہم کی کیوں سننے لگے تھے) لَعَمْرُكَ۔ عَمر اور عُمر عربی میں ہم معنی ہیں۔ لیکن قسم کھانے کے موقع پر عَمر ہی آتا ہے۔ العَمر والعُمر واحد لکن خص القسم بالعَمردون العُمر (راغب) العمر بالضم والفتح البقاء الا ان الفتح غلب فی القسم ولا یجوز فیه الضم (ابوالبقاء) ل قسم کا ہے۔ عربی اسلوبِ بلاغت میں قسم ایک ادبی صنعت و فنکاری ہے۔ اور بہترین ادیب و شاعر اس سے حسب موقع آزادی سے کام لیتا رہتا ہے — یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی قسمیں مذاقِ عرب پر بالکل گراں نہیں گزریں۔ اور جو اہل زبان مخالفت میں غرق اور اعتراض و نکتہ چینی کے لئے تلے ہوئے بیٹھے رہتے تھے ان میں سے بھی کسی نے یہ نہ پوچھا کہ خدا کے کلام میں یہ مخلوقات کی قسمیں کیسی؟ اور قسموں کے فلسفہ یا ان کی توجیہاتِ عقلی پر توجہ صرف عجمی اور ہندی اہل علم نے شروع کی۔ اس بحث پر تفصیلی نظر کے لئے سورۂ ہذا کا ضمیمہ "قرآنی قسمیں" ملاحظہ ہو۔ باقی یہاں رسولِ اسلام ﷺ کی زندگی کی صداقت اور پاکیزگی کو جو کافروں کو بھی مسلم تھی، بہ طور گواہ پیش کیا جا رہا ہے، اور یہی مقصد قسم کا ہوتا ہے۔ اصل قصہ کے درمیان یہ اتنا جزو براہ راست رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے، اور یہ طریقہ عین خطبات عرب کے موافق ہے۔ ف۶۱ گویا جو کام فجر کے وقت شروع ہوا تھا، جیسا کہ آیت ۶۶ میں لفظ مصبحین سے واضح ہے، وہ وقت اشراق تک اپنی تکمیل کو پہنچ گیا۔ توریت میں ہے:۔ "جس وقت لوط ضغر میں داخل ہوا سورج کی روشنی زمین پر پھیلی" (پیدائش ۱۹: ۲۳) ف۶۲ اور تاریخ آج تک ان کی اس ہلاکت و بربادی پر گواہ ہے۔ توریت میں ہے:۔ "تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ خداوند کی طرف سے آسمان پر سے برسائی اور اس نے ان شہروں کو اور اس سارے میدان کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اگا تھا نیست کیا۔" (پیدائش ۱۹: ۲۴، ۲۵)۔ ف۶۳ (اللہ کی قدرت و حاکمیت کی، اور بدی کی مکافات کی) لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ۔ وسم و توسّم کے معنی فراست و فہم کے ہیں۔ وهذا التوسّم هو الذی سماه قوم الزكانة وقوم الفراسة وقوم الفطنة (راغب) اور متوسمین وہ لوگ ہیں جو نصیحت قبول کریں اور اہل عبرت و عرفان میں سے ہوں۔ ای للمعتبرین العارفین المتعظین (راغب) ای للمتفرسین المتاملین (کشاف) ف۶۴ یعنی عرب و شام کے درمیان خوب چلتے ہوئے راستہ پر — سدوم و عمورہ کے برباد شدہ شہر، بحر لوط یا بحر مردہ کے کنارے عین اسی راستہ پر واقع تھے، جس پر حجاز و شام کے درمیان قافلے برابر آتے جاتے رہتے تھے، اور جس سے قرآن مجید کے مخاطبین اول، اہل عرب خوب واقف و مانوس تھے۔ مُّقِيْمٍ وہ راستہ ہے جو خوب چلتا ہوا ہو۔ ثابت یسلكه الناس (کشاف) وَ اِنَّهَا۔ ضمیر ھا شہر قوم لوطؑ کی جانب ہے۔ الضمیر عائد الی مدینة قوم لوط (کبیر) ف۶۵ (کہ وہ اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ اور اسے بخت و اتفاق یا اسباب طبعی پر محمول نہیں کرتے) ف۶۶ (جو مدین سے متصل رہتے تھے اور حضرت شعیبؑ ہی کی امت میں تھے) اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ۔ نولڈکی وغیرہ اہل فرنگ نے اصحاب ایکہ کو اصحاب مدین ہی قرار دیا ہے۔ ہمارے ائمہ تفسیر کے ہاں یہ دو قومیں الگ الگ تھیں گو متقارب، لیکن بعض اقوال ہمارے ہاں بھی ایسے ملتے ہیں کہ ان دو ناموں کی قومیں دو تھیں۔ ایک ہی نہیں۔ وهم قوم شعیب علیه السلام (مدارک) اِنَّ اور ل دونوں تاکید کے لئے ہیں۔ ف۶۷ (جن سے اہل عرب کے قافلہ اکثر گزرتے رہتے ہیں) اِنَّهُمَا۔ دونوں بستیاں، یعنی قوم لوط اور اصحب الایکہ کی بستیاں۔ یعنی قری قوم لوط والایکة (کشاف) لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔ امام کہتے ہیں وسیع راستہ یا شاہراہ کو۔ اور طریق کو امام عجب نہیں کہ اس لیے کہا گیا ہو کہ اس کا اتباع کیا جاتا ہے۔ الامام الطریق الواسع (تاج) قال الفراء جعل الطریق اماماً لانه یؤمّ و یتبع (تاج) الامام اسم لما یؤتم به فسمی به الطریق (کشاف)

و۶۸ الحجر۔ شمالی عرب اور شام کے درمیان کا علاقہ کہلاتا ہے۔ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی امت قوم ثمود کا مسکن تھا۔ شام سے مدینہ کو آنے لگئے تو سب سے پہلے ارض لوط علیہ السلام پڑے گی، پھر سر زمین شعیب علیہ السلام (مدین) ملے گی اور سب سے آخر میں علاقہ حجر یا مسکن قوم ثمود۔ تینوں عبرت انگیز خطے باہم متصل ہیں۔ اور شاید اسی مناسبت سے تینوں کا ذکر بھی یہاں ایک ساتھ ہے۔ الْمُرْسَلِيْنَ کے صیغہ جمع سے متعلق امام رازی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے یہ قوم ہندی برہموں کی طرح کل سلسلۂ رسالت ہی کی منکر ہو۔ لعل القوم کانوا براهمة منكرين لكل الرسل (کبیر) و۶۹ یعنی ہمارے رسولوں نے معجزات ودلائل ہر طرح کے پیش کر کر کے انہیں راہ راست پر لانا چاہا، لیکن وہ برابر ہٹ اور انکار ہی پر قائم رہے۔ و۷۰ (ہر قسم کی سختیوں اور تکلیفوں سے محفوظ ہو کر) قوم ثمود بڑی صناع قوم تھی۔ ہر قسم کے انجینئر اور ماہرین ریاضیات وتعمیرات ان میں موجود تھے۔ قوم ثمود پر حاشیے سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ و۷۱ (اور ساری قوم زلزلہ سے ہلاک ہو کر رہ گئی) و۷۲ یعنی ان کے دنیوی علوم وفنون، ان کی ہنر مندی اور صناعیاں، ان کی ہندسہ دانی اور انجینئری، کوئی چیز بھی انہیں خدائی قانون کی گرفت سے پناہ نہ دے سکی۔ و۷۳

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا

جھٹلایا و۶۸ اور ہم نے ان کو اپنی (طرف سے) نشانیاں دیں، پر وہ ان سے روگردانی ہی

مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ

کرتے رہے و۶۹ اور وہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے

بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

کہ (ان میں) امن چین سے رہیں و۷۰ سو ان کو صبح کے وقت آواز سخت نے

مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

آ پکڑا و۷۱ سو جو کچھ انہوں نے حاصل کر رکھا تھا

يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

ان کے کچھ کام نہ آیا و۷۲ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے

وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ

درمیان ہے بے مقصد نہیں پیدا کر دیا ہے اور قیامت ضرور آنے والی ہے،

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

پس آپ خوبی کے ساتھ درگزر کیجیے و۷۳ بے شک آپ کا پروردگار تو

الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ

خالق اعظم ہے، بڑا علم والا ہے و۷۴ اور بالیقین ہم نے آپ کو (وہ) سات (آیتیں) دیں (جو) مکرر (پڑھی

وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا

جاتی ہیں) اور قرآن عظیم (دیا) ہے و۷۵ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی ان چیزوں کو نہ دیکھیے جو ہم نے

مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ

ان (کافروں کی) مختلف قسموں کو دے رکھی ہیں و۷۶ اور نہ ان لوگوں پر غم کیجیے

(ان کی شرارتوں سے۔ اور ان کا فیصلہ ہمارے اوپر حشر میں چھوڑے رہیے) اب خطاب درمیان میں پھر براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہو گیا ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا ...... بِالْحَقِّ۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ عقلوں کو دنگ کر دینے والا اور دماغوں کو چکر میں لے آنے والا عظیم الشان نظام کائنات، آسمان وزمین، سورج اور چاند، یوں ہی بے مقصد اور خود بخود نہیں، یہ سب ایک حکیمانہ نظم کے ماتحت ایک متعین مقصود کی طرف لے جانے والا ہے۔ اور وہ منزل آخرت کی ہے جب سب کا حساب کتاب، امتحان یقینی ہے۔ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ۔ یعنی ان سب کے آخری فیصلہ کا دن آ رہا ہے، آپ ان کے عناد ومخالفت سے زیادہ غم میں نہ پڑیئے۔ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ۔ صفح (درگزر) یہ کہ غم وتردد میں نہ پڑا جائے۔ اور اس کی خوبی (الصفح الجمیل) یہ کہ شکوہ وشکایت بھی نہ کیا جائے۔ و۷۴ (جس کے احاطہ علم سے نہ آپ کا صبر وتحمل باہر رہ سکتا ہے نہ ان معاندین کی شقاوتیں اور شرارتیں) الْخَلّٰقُ۔ جزو وکل، صغیر وکبیر، جوہر وعرض، سب ہی کا خالق۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی وجود ہو اور وہ وجود اپنی تخلیق میں اس سے بے نیاز ہو۔ اس قسم کے تمام صفات کے اثبات سے ایک مقصود اہل شرک کے شرک فی الصفات کی تردید ہوتی ہے و۷۵ (تو جب اتنی بڑی نعمت آپ کو مل چکی ہے، تو بس ہمارے ہی لطف وعنایت پر نظر رکھیے، اور کافروں کا جو معاملہ آپ کے ساتھ ہے اسے خیال میں بھی نہ لایئے) سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ۔ یعنی وہ سات آیتیں جو بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ مراد سورۃ الفاتحہ ہے۔ جو حقیقۃً اپنی عظمت واہمیت خصوصی کے لحاظ سے مستحق اسی کی تھی کہ اس کا ذکر مستقلاً بھی کیا جائے۔ سبع المثانی کی تفسیر سورۃ الفاتحہ سے حدیث صحیح میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید الخدری کی روایتوں سے اور عینی کی عمدۃ القاری میں یہی قول صحابیوں میں حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا اور تابعین میں حسن بصری اور مجاہد اور قتادہ اور ربیع اور کلبی کا نقل ہوا ہے۔ ائمہ تفسیر بھی کثرت سے اسی طرف گئے ہیں۔ وهو قول اكثر المفسرين انه فاتحة الكتب وهو قول عمر وعلى وابن مسعود و ابی هريرة والحسن وابى العالية ومجاهد والضحاک وسعيد بن جبير و قتادة وروى ان النبى صلی اللہ علیہ وسلم قرأ الفاتحة وقال هى السبع المثانى رواه ابوهريرة (کبیر) مِّنَ الْمَثَانِيْ۔ من تبعیض کے لئے بھی ہو سکتا ہے، اور محض بہ طور صلہ کے بھی کام دے سکتا ہے۔ قال الزجاج فيها وجهان احدهما ان تكون للتبعيض من القرآن و يجوزان تكون من صلة والمعنى اتيناک سبعًا هى المثانى (کبیر) و۷۶ (اور عنقریب اُن سے جدا کر لی جائیں گی) یہ چند روزہ عیش (اور وہ بھی تلخیوں سے ملا ہوا) چیز ہی کونسی ایسی ہے، جسے ایک دولت عظیم سمجھا جائے؟ مَتَّعْنَا بِهٖ صاف اشارہ ادھر ہو گیا کہ یہ کافر ان نعمتوں کے کہیں مالک تھوڑے ہی کر دیئے گئے ہیں۔ یہ تو سرتاسر عارضی اور فانی چیزیں انہیں مستعار عنایت ہوئی ہیں۔ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ کافروں کی مختلف قسمیں۔ یہود، نصرانی، مجوس، مشرکین وغیرہا۔ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ظاہری نعمتوں پر شوق والتفات کی نظریں تو ڈال سکتے ہی نہ تھے۔ البتہ یہ ہو سکتا تھا کہ آپ بغض فی اللہ کے ماتحت غصہ سے نظر فرماتے کہ یہ دشمنان خدا اور ایسی نعمتوں سے لذت یاب ہوں! دوسری صورت رنج وتاسف کے نقطۂ نظر سے ممکن تھی کہ کہیں یہی چیزیں تو انہیں ایمان سے مانع نہیں ہو رہی ہیں، یہ ان کے پاس سے ہٹ جائیں تو ممکن تھا کہ یہ ایمان لے آتے! — آیت میں آپ کو غیظ وغم کی ان دونوں صورتوں سے نظر کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔

وے۷ (کہ آپ کی شفقت اور فکر مصلحت کے محلِ صحیح یہی اہل ایمان ہیں اور یہی نفع بھی حاصل کریں گے) وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ان پر غم وتاسف نہ کیجئے کہ یہ کافر ومعاند سرے سے آپ کی شفقت وفکر مصلحت کے محل ہی نہیں۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ۔ خفض جناح کے لفظی معنی بازو جھکانے کے ہیں۔ محاورہ میں اس سے مراد ہوتی ہے، شفقت ونرم خوئی سے پیش آنے کے۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ اپنی شفقت کو تمامتر مومنین پر متوجہ رکھیے۔ و خفض الجناح كناية عن اللينة والرفق والتواضع والمقصود انه تعالى لمانهاه عن الالتفات الى اولئك الاغنياء من الكفار امره بالتواضع لفقراء المسلمين (کبیر) كناية عن التواضع لهم والرفق بهم (روح) و۸۷ (تم منکروں کو) ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ آپ معاند کافروں کے ساتھ اپنا فرضِ تبلیغی بس ادا کر دیجئے، باقی اُن کا دل پھیر دینا تو آپ کے ہاتھ میں ذرا سا بھی نہیں۔ آگے انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ و۷۹ (اور بعض ٹکڑوں کو جو اپنی مرضی کے مطابق ہوتے تھے، لے لیتے تھے، اور جن حصوں کو اپنے لیے ناخوشگوار پاتے تھے، ان سے انکار کر دیتے تھے) یہ حال شروع شروع میں سب ہی منکرین قرآن کا تھا۔ اس کی صداقت کے وہ سو فیصدی منکر نہ تھے۔ جن حصوں کو چاہتے مان لیتے اور جسے نہ چاہتے نہ مانتے۔ یہاں اُنہی کا ذکر ہے کہ بالآخر وہ کیسے پارہ پارہ اور معذب ہو کر رہے — آیت اگر مدنی ہے جب تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ صاف منکرین تباہ شدہ وہلاک شدہ کے انجام کی جانب اشارہ ہے۔ لیکن اگر مکی ہے تو مستقبل کا جو واقعہ یقینی طور پر قطعی ہوتا ہے، اُس کے لیے عربی اسلوبِ بیان میں ماضی کا صیغہ لانا عام ہے اور قرآن مجید میں اس کی مثالیں ایک آدھ نہیں، بہ کثرت موجود ہیں۔ أَنْزَلْنَا۔ مراد حسب سیاق "نازل کر چکے ہیں" (بہ صیغۂ ماضی) بھی ہو سکتی ہے، اور "نازل کر کے رہیں گے" (بہ صیغۂ مستقبل) بھی ہو سکتی ہے۔ الْمُقْتَسِمِينَ۔ قسم سے مشتق ہے، اور اس کے معنی حلف اٹھانے والوں کے ہیں۔ یعنی وہ دشمنانِ اسلام جنہوں نے مکہ معظمہ میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں باہم سازش کر کے حلف اُٹھائے تھے۔ اے اللذين تقاسموا شعب مكة و قيل الذين تحالفوا على كيده عليه السلام (راغب) قال ابن عرفة هم الذين تقاسموا و تحالفوا على كيدالرسول ﷺ (تاج) اے الذين حلفوا (بخاری کتاب التفسیر) قال مجاهد تقاسموا و تحالفوا (بخاری) قوم تحالفوا على عضه النبي ﷺ و ان تذيعوا ذلك بكل طريق (ابن قتیبہ) عِضِينَ۔ یعنی متفرق۔ پارہ پارہ۔ تعضیہ کے معنی حصوں کے الگ الگ کرنے کے ہیں۔ اے مفترقاً و التعضية تجزية الاعضاء (راغب) و۸۰ (اور انہی اعمال کے مطابق انہیں سزائیں دیں گے) یہ سوال قیامت میں بہ طور عتاب ومواخذہ ہوگا نہ بہ طور استفسار۔ و۸۱ (یہ نہ مانیں گے اور مخالفت میں طرح طرح کی شرارتیں کرتے رہیں گے) فَاصْدَعْ۔ صدع کے معنی تفصیل سے بیان کر دینے کے ہیں۔ صدع الامر اے فصله (راغب) و۸۲ مکی زندگی میں جہاں رسول اللہ ﷺ کو ایک طرف ہر طرح کی جسمانی و رُوحانی اذیتیں برداشت کرنا پڑتی تھیں وہاں دوسری طرف طنز وتمسخر واستہزاء کا بھی ایک بے پناہ طوفان برپا تھا۔ بعض مفسرین ان جزئیات کی طرف چلے گئے ہیں کہ مستہزئین کون کون تھے، اور اُن کا طریق استہزاء کیا کیا تھا۔ لیکن جیسا کہ امام المفسرین علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے، مفسر کو اس کا زیادہ کھوج لگانے کی ضرورت نہیں۔ بس اتنا جان لینا کافی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک پورا طبقہ صاحب اثر ووجاہت مستہزئین کا تھا۔ ولا حاجة الى شئ منها والقدر المعلوم انهم طبقة لهم قوة و شوكة و رياسة (کبیر) و۸۳ (کہ تمسخر وشرک کا کیا انجام ہوتا ہے) سَوْفَ۔ یعنی فردائے قیامت میں۔ و۸۴ اور یہ دل کی تنگی ایک بالکل امر طبعی ہے۔ بلکہ اگر بغض فی اللہ سے عقلاً پیدا ہو، تو عین عبادت ہے۔ بِمَا يَقُولُونَ۔ یعنی وہی کفر وشرک انکار واستکبار، طنز وتمسخر کی باتیں۔ اے بما يقول هؤلاء المشركون من قومك من تكذيبهم اياك و استهزاء هم بك و بما جئتهم به (ابن جریر) و۸۵ (کہ ان مشاغل ذکر وعبادت میں انہماک ضیق صدر سے بھی نجات دلا دے گا) امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ ان مشاغل ذکر وعبادت میں لگ جانے سے عالم قدس کے انوار کا فیضان شروع ہو جاتا ہے، اور اس سے دنیا بالکل حقیر وہیچ نظر آنے لگتی ہے۔ اور اسی لیے غم والم کی طرف سے بھی طبیعت ہلکی اور بے فکر ہو جاتی ہے۔ السّٰجِدِيْنَ۔ یعنی نماز پڑھنے والے۔ اے من المصلين (بیضاوی) والمراد والله اعلم من المصلين فكنى بالسجود عن الصلاة (بحر) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں غم وضیق صدر کا علاج بتا دیا گیا ہے، اور وہ ذکر وتوجہ الی الحق ہے۔ و۸۶ اسی حالت ذکر وعبادت میں) گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ منکرین سے خفگی وبیزاری، جو بغض فی اللہ کا نتیجہ ہے، گو خود بھی ایک عبادت ہے لیکن ذکر وتسبیح الٰہی کی مداومت اس سے بھی افضل ہے۔ وقت وفات آئے تو اسی نام جاں بخش پر آئے۔ الْيَقِيْنُ۔ یقین یہاں بمعنی موت ہے۔ اے حتى ياتيك الموت (لسان) اليقين الموت لا نه تيقن لحاقه لكل مخلوق حي (تاج) اکثر ائمۂ لغت کے نزدیک، موت اس لفظ کے حقیقی معنی ہیں اور بعض کے نزدیک مجازی۔ مال كثيرون الى انه حقيقي و صوّب بعضهم الى انه مجازي (تاج) خود قرآن مجید میں ایک جگہ اور بھی یقین موت ہی کے معنی میں آیا ہے۔ و كنا نكذب بيوم الدين حتى اتٰنا اليقين (مدثر) اور حدیث میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون صحابی کی شہادت کے سلسلہ میں لفظ یقین اسی معنی میں آیا ہے۔ اما هو فقد جاء ه اليقين و اني لارجو له الخير (صحیح البخاری کتاب الجنائز) حضرت عبداللہ بن عمر صحابی رضی اللہ عنہ اور تابعین میں مجاہد، معالم، حسن بصری، ابن زید، قتادۃ وغیرہ سب اسی طرف گئے ہیں۔ اے الموت كمارویٰ عن ابن عمرو الحسن و قتادة و ابن زيد (روح) اور جمہور مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے۔ والجمهور على ان المراد باليقين الموت (بحر) انما المراد باليقين ههنا الموت (ابن کثیر) محققین نے لکھا ہے کہ یہ رد میں اُن مدعیان

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَقُلْ إِنِّي أَنَا

اور ایمان والوں کے لئے اپنے بازو جھکائے رکھیے وے۷ اور کہیے کہ میں تو

النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾ كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾

صاف صاف (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں و۷۸ جیسا ہم نے (وہ عذاب) نازل کر رکھا ہے قسما قسمی کر

الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴿٩١﴾ فَوَرَبِّكَ

لینے والوں پر جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے تھے و۷۹ سو آپ کے پروردگار کی قسم

لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

کہ ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے ان اعمال کی بابت جنہیں وہ کرتے رہے ہیں و۸۰

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾

غرض آپ کو جس امر کا حکم دیا گیا ہے اسے صاف سنا دیجیے اور مشرکوں کی پروانہ کیجیے و۸۱

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ

ہم آپ کے لیے تمسخر کرنے والوں کے مقابلہ میں کافی ہیں و۸۲ وہ (تمسخر کرنے والے) جو اللہ کے ساتھ

مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ

دوسرا معبود بھی قرار دیتے ہیں سو ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے و۸۳ اور بالیقین

نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾

ہم کو معلوم ہے کہ (یہ لوگ) جو کچھ کہتے رہتے ہیں اس سے آپ کا دل تنگ ہوتا رہتا ہے و۸۴

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿٩٨﴾

سو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد کرتے رہیے اور سجدہ کرنے والوں میں رہیے و۸۵

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٩﴾

اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیے، یہاں تک کہ آپ کو امر یقین پیش آ جائے و۸۶

أٰيَاتُهَا ۱۲۸ ۱۶ سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ ۷۰ رُكُوْعَاتُهَا ۱۶

اس میں ۱۲۸ آیتیں سورۂ نحل مکی ہے اور ۱۶ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا

اللہ کا حکم آ پہنچا تو اب اس میں جلدی نہ مچاؤ و۱ پاک اور برتر ہے وہ (اللہ) شرک سے جو

يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۱﴾ يُنَزِّلُ الۡمَلٰۤـئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰى

یہ (لوگ) کرتے رہتے ہیں و۲ فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے نازل کرتا رہتا ہے اپنے بندوں میں

مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ

جس پر وہ چاہے و۳ (اس حکم کے ساتھ) کہ (لوگوں کو) خبردار کر دو، کہ کوئی معبود بجز میرے

اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَـقِّ ؕ

نہیں ہے۔ سو مجھی سے ڈرتے رہو و۴ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے حکمت کے ساتھ،

تَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ

وہ برتر ہے ہر شرک سے، جو یہ (لوگ) کرتے رہتے ہیں و۵ اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا

فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۴﴾ وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَـكُمۡ

مگر وہ تو کھلم کھلا مقابلہ پر آ گیا و۶ اور چوپائے بھی اسی نے بنائے، ان میں

فِيۡهَا دِفۡءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۵﴾ وَلَـكُمۡ

تمہارے لئے گرم لباس بھی ہے، اور (اور بھی) فائدے ہیں، اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو و۷ اور ان کی

فِيۡهَا جَمَالٌ حِيۡنَ تُرِيۡحُوۡنَ وَحِيۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ ﴿۶﴾

وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جب کہ (ان کو) شام کے وقت (گھر) لاتے ہو اور جب کہ (انہیں) صبح کے وقت

باطل کے ہے جو کہتے ہیں کہ سلوک میں کوئی مرتبہ ایسا آتا ہے، جس میں تکلیفات شرعی ساقط ہو جاتی ہیں، اور یہ اعتقاد الحاد محض ہے۔ **و یستدل بها علی تخطئة من ذهب من الملاحدة الی ان المراد بالیقین المعرفة فمتی وصل احدهم الی المعرفة سقط عنه التکلیف عندهم و هذا کفر و ضلال و جهل** (ابن کثیر)

سورۂ نحل۔ و۱ (اے منکرو!) منکرین بار بار شرارت وطعن کی راہ سے کہا کرتے تھے کہ عذابِ الٰہی اگر فی الواقع کوئی چیز ہے، تو آ کیوں نہیں جاتا۔ اُس میں آخر اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے؟ جواب اسی کا ارشاد ہو رہا ہے۔ اَمۡرُ اللّٰهِ یعنی سزائے کفر وشرک کا حکم الٰہی...... مراد عذابِ دنیوی بھی ہو سکتا ہے اور عذابِ قیامت بھی۔ قریب تو دونوں ہی عذاب آ چکے۔ **ذلک وعید من الله لاهل الشرک به اخبرهم ان الساعة قد قربت و ان عذابهم قد حضر اجله فدنا** (ابن جریر) **هو تهدید من الله اهل الکفر به و برسوله و اعلام منه لهم قریب العذاب منهم والهلاک** (ابن جریر) **فالمراد به علی قول الجمهور یوم القیامة** (روح) **و عن ابن جریج تفسیر بنزول العذاب فقط فقال المراد بالامر هنا ما وعدالله تعالٰی نبیه ﷺ من النصر والظفر علی الاعداء والانتقام منهم بالقتل والسبی و نهب الاموال والاستیلاء علی المنازل والدیار** (روح) و۲ اس کی ذات بھی منزہ اور اس کی صفات بھی ارفع ان تمام نالائق اُمور سے جو اہل شرک وجاہلیت اُس کی جانب منسوب کرتے رہتے ہیں۔ و۳ یعنی انبیاء ومرسلین پر۔ مَنۡ يَّشَآءُ نے ظاہر کر دیا کہ نبوت عطیہ الٰہی ہے، امر استحقاقی نہیں۔ بِالرُّوۡحِ۔ روح سے مراد یہاں وحی الٰہی ہے۔ **بالروح ای بالوحی** (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) **المراد من الروح الوحی و هو کلام الله** (کبیر) مِنۡ اَمۡرِهٖ میں اس کی تاکید ہے کہ یہ نزول ملائکہ ونزول وحی اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے، کوئی اور اس میں دخیل نہیں۔ **یعنی ان ذلک التنزیل والنزول لا یکون الا بامر الله تعالٰی** (کبیر) فرشتوں کا قرآن مجید میں جہاں جہاں ذکر ہے، وہاں برابر اسی طرح کی قیدیں لگا دی ہیں۔ مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ فرشتے اپنی طرف سے کسی امر میں سبقت کی مجال نہیں رکھتے، پابند ہیں تمام تر حکم الٰہی کے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کی متعدد آیات نقل کر کے لکھتے ہیں:۔ **کل هذا الاٰیات دالة علی انهم لا یقدمون علی عمل من الاعمال الا بامر الله تعالٰی و اذنه** (کبیر) دیوتا پرستی ملائکہ پرستی ہی کا دوسرا نام ہے۔ قرآن مجید کا اس لیے اس باب میں اس قدر اہتمام واحتیاط بالکل قدرتی ہے۔ الۡمَلٰۤـئِكَةَ صیغۂ جمع میں یہ معنی جنس ملائکہ ہے، خواہ مراد اس سے صرف حضرت جبرئیل ہی ہوں۔ لیکن جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، رسول اللہ ﷺ پر نزول تنہا جبرئیل علیہ السلام کا تھا ہی کب۔ کبھی غزوات میں فرشتوں کی پوری پوری فوجیں اتاری جاتیں، کہیں ملک الجبال آپ کی خدمت میں پہنچ جاتے، کبھی ملک البحار، کبھی کوئی اور۔ **الله سبحانه و تعالٰی ما انزل علی محمد ﷺ جبرئیل وحده بل فی اکثر الاحوال کان ینزل مع جبریل افواجا من الملئکة** (کبیر) **المراد بالملئکة عندالجمهور جبریل علیه السلام و یسمی الواحد بالجمع کما قال الواحدی اذا کان رئیسا و عند بعض هو علیه السلام و من معه من حفظة الوحی** (روح) مِنۡ کو بعض نے بیانیہ وتفسیر یہ لیا ہے، اور مِنۡ اَمۡرِهٖ سے وحی ہی مراد رکھی ہے۔ **من امره بیان للروح المراد به الوحی** (روح) ترجمہ اس صورت میں یوں ہوگا:۔ "نازل کرتا ہے فرشتوں کو وحی یعنی اپنے حکم کے ساتھ"۔ اس میں اشارہ ادھر بھی ہے کہ پیمبر پر وحی جو آتی ہے ملائکۂ امین وصادق کے ذریعہ سے آتی ہے، کسی شیطان فاسق کے ذریعہ سے نہیں۔ نیز آیت سے اس کی تعلیم بھی مل جاتی ہے کہ پیمبر صاحب وحی ہو جانے کے بعد بھی بندہ رہتا ہے، اور فرشتے بھی بہ ایں کمال تقرب ومنزلت حد عبودیت سے نہیں آگے بڑھنے پاتے۔ و۴ (اور میرے مقابلہ میں کسی کو خاطر میں نہ لاؤ) انذار ایسا اعلان ہے جس کے ساتھ خوف بھی ملا جلا ہو۔ **الانذار هو الاعلام مع التخویف** (کبیر) و۵ آیت سے کئی تعلیمات حاصل ہوئیں، مثلاً یہ کہ (۱) آسمان وزمین خود ساختہ نہیں، مخلوق ہیں۔ (۲) مخلوق اللہ کی ہے نہ کہ کسی اور کی۔ (۳) ان سب کی خلقت بلا کسی غرض ومقصد کے، سیر وتفریح، کھیل وتماشہ کی طرح نہیں، گہرے حکیمانہ مقصد ہی سے ہوئی ہے۔ و۶ اور اپنے رب کی ذات وصفات کے باب میں کیسے کیسے مناقشے برپا کر دیئے۔ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ یہاں یہ یاد دلا دیا کہ انسان جو استکبار وانانیت سے لبریز ہو جاتا ہے، حقیقۃً اُس کی اصل مادّی ہے کتنی حقیر وپست! و۷ مطلب یہ ہوا کہ چوپایوں میں کوئی شانِ ربوبیت والوہیت اصلاً نہیں۔ سب کے سب اللہ کے مخلوق ومربوب ہیں، انسان ہی کے نفع وخدمت کے لیے۔ نہ کہ اُلٹے انسان کے مخدوم اور دیوتا بننے کے قابل — یہ تردید ہو رہی ہے اُن مشرک وجاہل قوموں کی جنہوں نے گائے اور بیل اور بھینس وغیرہ کی پرستش کی ہے۔ دِفۡءٌ لفظی معنی سرمائی پوشش کے ہیں۔ **الدفئ غلاف البرد** (راغب) اس عموم میں دوشالے، شال، پوستین، دھسّے، خیمے، ڈیرے وغیرہ سب آ گئے۔ وَّمَنَافِعُ چنانچہ کوئی چوپایہ ہل چلانے کے کام میں آتا ہے، کوئی سواری کے، کوئی بار برداری کے، اور کسی کی جلد سے جوتے اور بکس اور دوسرے قسم کا چرمی سامان بنتا ہے، وقس علی ہذا فقہاء نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ چوپایوں کی کھال، اُون وغیرہ سے نفع حاصل کرنا، زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں جائز ہے۔ **ذلک یقتضی جواز الانتفاع باصوافها و اوبارها فی سائر الاحوال من حیاة او موت** (جصاص)

وَ تَحۡمِلُ اَثۡقَالَکُمۡ اِلٰی بَلَدٍ لَّمۡ تَکُوۡنُوۡا بٰلِغِیۡهِ اِلَّا

(چرنے) چھوڑ دیتے ہو، ف۸ اور وہ تمہارے بوجھ بھی ایسے شہر کو لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر نفس کی سخت مشقت

بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّکُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ۙ﴿۷﴾

کے پہنچ نہیں سکتے ف۹ تمہارا پروردگار بے شک بڑا شفقت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے، ف۱۰

وَّ الۡخَیۡلَ وَ الۡبِغَالَ وَ الۡحَمِیۡرَ لِتَرۡکَبُوۡهَا وَ زِیۡنَةً ؕ

اور (اسی نے پیدا کئے) گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت کے لئے بھی،

وَ یَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸﴾ وَ عَلَی اللّٰهِ قَصۡدُ السَّبِیۡلِ

اور وہ پیدا کرتا رہتا ہے ایسی چیزیں جن کی تم کو خبر نہیں ف۱۱ اور اللہ ہی پر ہے راستہ (کا دکھانا) ف۱۲

وَ مِنۡهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوۡ شَآءَ لَهَدٰىکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۹﴾ؑ هُوَ

اور بعض اس میں سے ٹیڑھے بھی ہیں ف۱۳ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب ہی کو راہ یاب کر دیتا ف۱۴ وہ (اللہ)

ع ۹

الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمۡ مِّنۡهُ شَرَابٌ

وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہیں پینے کو ملتا ہے

وَّ مِنۡهُ شَجَرٌ فِیۡهِ تُسِیۡمُوۡنَ ﴿۱۰﴾ یُنۡۢبِتُ لَکُمۡ بِهِ

اور اسی سے سبزہ زار پیدا ہوتے ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو، ف۱۵ اور اسی سے تمہارے لئے کھیتی

الزَّرۡعَ وَ الزَّیۡتُوۡنَ وَ النَّخِیۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ وَ مِنۡ کُلِّ

اگاتے ہیں نیز زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے

الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۱۱﴾

پھل بے شک اس میں (بڑی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سوچتے رہتے ہیں ف۱۶

وَ سَخَّرَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ

اور اسی نے تمہارے (فائدہ کے) لئے (اپنا) مسخر کیا ہے رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو،

ف۸ محققین نے لکھا ہے کہ منافع ضروری کے بعد جمال کا ذکر لانا اس کی دلیل ہے کہ زینت، جمال وغیرہ مصالح زاید کا قصد بھی مضر نہیں، جبکہ مانع شرعی (مثلاً فخر وتکبر) سے خالی ہو، اور کوئی امر مباح مقصود ہو، مثلاً دفع مذلت یا حصول مسرت۔ ف۹ یعنی دُور دراز مقامات کی مسافت طے کرنے اور سامان منتقل کرنے میں کیسی مدد اور سہولت، اونٹ، گھوڑے، بیل وغیرہ سے میسر آجاتی ہے۔ ف۱۰ (چنانچہ تمہارے نفع اور آسائش کے لیے کیسے کیسے سامان اُس نے بہم پہنچا دیئے!) ف۱۱ اس عموم کے تحت میں جانوروں کے علاوہ تمام انسان کی ایجاد کی ہوئی سواریاں بھی قیامت تک کے لیے آگئیں۔ انسانی صنعت وصناعت کی مدد سے جو جو طریقے حمل ونقل کے نکلے ہیں، وہ آخر اللہ ہی کے خلق میں داخل ہیں۔ وَ الۡخَیۡلَ وَ الۡبِغَالَ وَ الۡحَمِیۡرَ مشرک قوموں نے گھوڑے کی بھی پرستش کی ہے اور گدھے کی بھی۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ عرب میں ان تینوں جانوروں کی بڑی اہمیت تھی۔ چنانچہ ہٹی نے اپنی ''تاریخ عرب'' میں لکھا ہے کہ نجد کے گھوڑے اور حسا کے گدھے اور عمان کے خچر ساری دنیا میں مشہور ہیں (صفحہ ۲۲) وَ زِیۡنَةً یعنی طرح طرح کے نفیس سامانِ آرایش وزینت انہی جانوروں سے حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ اور خود یہ جانور بھی تجمل وتزئین انسانی کا ذریعہ ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۸۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ جن فقہاء نے گھوڑے اور خچر اور گدھے کے گوشت کو ناجائز قرار دیا ہے، اُن کا ایک استدلال اس آیت سے بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اِدھر جہاں اَنعام (مویشیوں) کا ذکر آیا، وہاں حق تعالیٰ نے وَ مِنۡهَا تَاۡکُلُوۡنَ کی بھی تصریح کر دی۔ اور یہاں صرف لِتَرۡکَبُوۡهَا وَ زِیۡنَةً ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانور صرف سواری اور آرائش کے کام کے ہیں، کھانے کے لیے نہیں۔ ف۱۲ (طالبانِ حق کے لیے) عَلَی اللّٰهِ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے طالبانِ حق کو راہِ راست دکھا ہی دیتا ہے۔ یہ مراد نہیں (جیسا کہ معتزلہ نے سمجھ لیا ہے) کہ اللہ پر راہ راست دکھانا واجب ہے۔ والمراد علی الله بحسبه الفضل و الكرم ان يبين دين الحق والمذهب الصحيح (کبیر) اے اقامة السبيل و تعديلها رحمةً و فضلًا (بیضاوی) و ليس ذلک للوجوب اذلا يجب على الله شيئًا ولكن يفعل ذلک تفضلًا (مدارک) قَصۡدُ السَّبِیۡلِ۔ قصد یہاں صورۃً مصدر ہے، لیکن معنیٰ فاعل یعنی راہ قاصد یا مستقیم۔ الطريق الموصل الى الحق (کشاف) مصدر بمعنى الفاعل وهو القاصد يقال سبيل قصد وقاصد اے مستقيم (کشاف) اَلسَّبِیۡلِ۔ صورۃً مفرد ہے لیکن مراد جنس سبیل ہے۔ المراد بالسبيل الجنس ولذلک اضاف اليها القصد (کشاف) ف۱۳ یعنی ایسے راستے جو دینِ حق کے خلاف ہیں، اور حق تعالیٰ تک نہیں پہنچاتے۔ اور ان پر چلنے سے بچنے کا حکم ہے۔ مراد اس سے کفر وضلالت کے مختلف طریقے ہیں۔ يعنى من السبيل ما هو جائر غير قاصد للحق وهو انواع الكفر والضلال (کبیر) مِنۡهَا ضمیر سبیل کی طرف ہے، جو لغت حجاز میں مؤنث ہے۔ تعود على السبيل وهي مؤنثة فى لغة الحجاز (کبیر) جَآئِرٌ۔ جور کے معنیٰ حق سے انحراف یا کجی کے ہیں۔ اے عادل مائل ومعنى الجور فى اللغة الميل عن الحق (کبیر) ف۱۴ (لیکن اس کی مشیت تکوینی میں ہدایت عام وعالمگیر واضطراری نہیں رکھی گئی، بلکہ صرف انہی افراد کے لئے رکھی گئی، جو اپنے ارادہ سے حق کی تلاش کریں) ف۱۵ یہاں یہ بتایا کہ کھانے پینے کی ساری لذتوں اور نعمتوں کا آخری سرا اسی قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ شجر کے عموم میں پودے، درخت، جھاڑیاں، گھاس سب داخل ہیں۔ قال الزجاج كل ما تنبت على الارض فهو شجر (کبیر) اے نبات مطلقًا سواء كان له ساق ام لا كما نقل عن الزجاج (روح) یہاں مراد چراگاہیں ہیں۔ يعنى الشجر الذى ترعاه المواشى (کشاف) ف۱۶ یعنی اس سارے محکم نظام وانتظام نباتی میں اہل فکر وتدبر کے لئے اللہ کی ربوبیت، قدرت، حکمت وتوحید کی بڑی بڑی نشانیاں موجود ہیں۔ اَلزَّیۡتُوۡنَ وَ النَّخِیۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ۔ زیتون کھجور، انگور کے طبی فوائد نیز اہل عرب کے لئے ان کی اہمیت خصوصی پر ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ یُنۡۢبِتُ لَکُمۡ سے یہ مسئلہ ایک بار پھر روشنی میں آگیا کہ یہ سارا انتظام نباتی انسان ہی کے لئے ہے۔

وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ

اور ستارے بھی اس کے حکم سے مسخر (قدرت) ہیں بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں

لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۙ﴿۱۲﴾ وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ

جو عقل سے کام لیتے رہتے ہیں، و۱۷ اور (ان چیزوں کو بھی مسخر بنایا) جنہیں زمین پر تمہارے لئے پھیلایا،

مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ

ان کے اقسام مختلف ہیں، بے شک اس میں بھی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے

یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا

جو نصیحت حاصل کرتے رہتے ہیں و۱۸ اور وہ وہی (اللہ) ہے جس نے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اس میں

مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً

سے تازہ گوشت کھاؤ و۱۹ اور تاکہ تم اس میں سے زیور نکالو جسے تم

تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا

پہنتے ہو و۲۰ اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ اس میں پانی چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اللہ کے

مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ اَلْقٰى فِی

فضل سے تلاش کرتے رہو، اور تاکہ تم (اس کا) شکر ادا کرتے رہو و۲۱ اور اس نے زمین میں

الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا

پہاڑ رکھ دیئے ہیں تاکہ وہ تم کو لے کر ڈگمگانے نہ لگے و۲۲ اور دریا اور راستے (بنا دیئے)

لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۙ﴿۱۵﴾ وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ

تاکہ تم راہ پاتے رہو اور علامتیں بھی (بنائیں) و۲۳ اور ستاروں سے بھی (لوگ)

یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا

راہ پاتے رہتے ہیں و۲۴ اچھا تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اسی جیسا ہو جائے گا جو پیدا نہیں کر سکتا؟ تو کیا تم

و۱۷ یعنی اس سارے نظام فلکی کے جزئیات وتفصیلات پر اگر عقل وتدبر سے کام لو، تو تم خود بول اٹھو گے کہ بیشک جس نے ایسے کامل ومستحکم انتظامات کر رکھے ہیں وہی ذات واحد قادر مطلق وحکیم کل اور سب کی پروردگار ہے۔ سَخَّرَ لَكُمُ ...... بِاَمْرِهٖ۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ سارے مخلوقات جو اپنے فرائض تکوینی انجام دیتے رہتے ہیں، ان سے مقصود خلیفۃ اللہ، نوع بشری کی خدمت ہے، تو یہ کیسی الٹی سمجھ اور کس درجہ حماقت وسخافت ہے کہ خود انہی خادموں کو دیوی، دیوتا کے مرتبہ تک پہنچا دیا جائے! مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ۔ سارے اجرام فلکی بہ ایں عظمت وبے نہایتی اللہ کے قوانین طبعی ہی کے پابند ہیں، اور ان سے بال بھر ادھر ادھر نہیں ہٹ سکتے۔۔ مشرک قوموں کی دیومالا اٹھا کر دیکھئے چندر ماں برہسپت دیوتا سے لڑتے نظر آئیں گے۔ اور زہرہ وعطارد کے درمیان جنگ ہوتی ملے گی۔ و۱۸ ایک ہی سطح زمین پر، ایک ہی آفتاب کی روشنی میں، ایک ہی فضائے ہوائی میں، ایک ہی بارش سے اور بعض اوقات تو فضا میں ایک دوسرے سے بالکل متصل ہی، مختلف شکل وصورت کے، مختلف جسامت کے، مختلف مزہ اور بو باس کے، مختلف رنگوں کے، مختلف خاصیتوں کے پھول، پھل، میوے، غلے پیدا کرتے رہنا جس قدر حکیمانہ انتظام قدرت پر دلالت کرسکتا ہے، کسی صاحب نظر واہل بصیرت سے مخفی نہیں، اَلْوَانُهٗ۔ لون کے اصلی معنی تو رنگ کے ہیں لیکن الوان سے انواع واقسام بھی مراد ہوتی ہیں۔ ويعبر بالالوان عن الاجناس والانواع (راغب) و۱۹ (حلال دریائی جانوروں کا) الْبَحْرَ۔ بحر کا مفہوم عربی میں وسیع ہے۔ سمندر اور دریا دونوں اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ البحر يشمل الملح والعذب (بحر) اصل البحر كل مكانٍ واسع جامع للماء الكثير (راغب) سَخَّرَ الْبَحْرَ۔ یعنی دریا وسمندر بھی اسی کے قانون تکوینی کے محکوم ومسخر ہیں۔ نہ خود آفریدہ ہیں نہ خود مختار۔۔ مصر میں دریائے نیل کی پرستش کا نظارہ اسی طرح عام رہ چکا ہے، جس طرح آج ہندوستان میں گنگا مائی اور جمنا مائی، اور سرجو مائی اور نربدا مائی اور تاپتی مائی اور بھاگیرتی مائی، اور اور بے شمار دریاؤں کی پرستش کا ہے۔ و۲۰ جیسے موتی یا مونگے۔ صوفیۂ محققین نے کہا ہے کہ پر زینت لباس جبکہ حاجب عن الحق نہ ہو، خلاف طریق نہیں۔ و۲۱ یہ ابتغاء فضل اور توقع شکر اس کی صاف دلیل ہیں کہ بڑی سی بڑی بحری تجارتیں کرنا، اور ان سے نفع اٹھانا ذرا بھی منافیٔ تقویٰ نہیں۔ تَرَى الْفُلْكَ۔ خطاب عام ناظرین سے ہے۔ فِيْهِ۔ یعنی دریا میں، سمندر میں۔ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ۔ یعنی ان بحری سواریوں سے تجارت کرو۔ ابتغاء فضل سے مراد تجارت ہے۔ ابتغاء الفضل اي التجارة (کشاف) و۲۲ (اور یہ پہاڑ سطح زمین کا توازن قائم رکھیں) اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ سے جس حرکت ارض کی نفی مقصود ہے وہ زمین کی دولابی یا اضطرابی حرکت ہے، جیسے ہلکا جسم ہوا سے ہلنے لگتا ہے۔ مطلق حرکت ارض کے مسئلہ کو، جو تمامتر ایک سائنسی بحث ہے، قرآن مجید کی کم از کم اس آیت سے نفیاً واثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ و۲۳ (انہی راستوں کی شناخت کے لئے) ٹیلے، پہاڑیاں، درخت، چشمے وغیرہ سب علامات راہ کا کام دیتے ہیں۔ و۲۴ ستاروں کی قدر وقیمت اس حیثیت سے کوئی سمندر کے ملاحوں، جہاز رانوں کشتی بانوں اور صحرا اور ریگستان کے مسافروں سے پوچھے! اس دور ترقی میں بھی بڑے بڑے دخانی جہازوں کے کپتانوں کا سہارا بھی ''قطب نما'' ہی رہتا ہے! یعنی وہ آلہ جو قطب ''ستارہ'' کی سمت متعین کرتا رہتا ہے۔ بِالنَّجْمِ۔ نجم بہ طور اسم جنس کے آیا ہے۔ صرف صورۃً مفرد ہے نہ کہ معنًی والمراد بالنجم الجنس (کبیر)

تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٧﴾ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ

(اتنا بھی) غور نہیں کرتے ف۲۵ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو ان کا احاطہ نہ کر پاؤ گے ف۲۶

اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٨﴾ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ

بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۲۷ اور اللہ جانتا ہے اس کو بھی جو تم چھپاتے ہو

وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿١٩﴾ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور اس کو بھی جو تم ظاہر کرتے ہو ف۲۸ اور جن کو یہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿٢٠﴾ؕ اَمْوَاتٌ غَيْرُ

وہ کسی کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود بھی مخلوق ہیں ف۲۹ اور وہ مردے ہیں نہ کہ

اَحْيَآءٍ ۚ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٢١﴾ اِلٰهُكُمْ

زندہ اور ان کو اتنی بھی خبر نہیں کہ (مردے) کب اٹھائے جائیں گے ف۳۰ تمہارا خدا

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ

ایک ہی خدا ہے البتہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل منکر

مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٢٢﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ

ہو رہے ہیں اور وہ تکبر کر رہے ہیں ف۳۱ اللہ ضرور جانتا ہے اس کو بھی کہ

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور اس کو بھی جو کچھ کہ وہ ظاہر کرتے ہیں بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو

الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ

پسند نہیں کرتا ف۳۲ اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی

قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٤﴾ۙ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ

تو کہتے ہیں کہ (وہی) اگلوں کے بے سند قصے ف۳۳ نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ اپنے (گناہوں کا بھی)

ع ۲ ۱۲/۸

ف۲۵ خطاب مشرکوں سے ہے کہ تم اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے، اور اتنا واضح اور بیّن فرق بھی تمہیں محسوس نہیں ہوتا۔ ف۲۶ یعنی یہ چند نعمتیں تو محض نمونہ کے طور پر بیان ہوئیں، ورنہ اللہ کی بے
نعمتوں کا حصر بھلا کس کے امکان میں ہے؟ نِعْمَةَ اللّٰهِ۔ نعمة صورةً مفرد
ے۔ معنًی بہ طور اسم جنس آیا ہے۔ تمام اقسام نعمت کو شامل۔ ف۲۷ چنانچہ
ت غفر کے تقاضہ سے وہ مشرکین وملحدین تک کی توبہ قبول کر کے انہیں
ں دیتا ہے۔ اور صفت رحم کے تقاضہ سے وہ مشرکوں اور کافروں کو ان کی
رگی میں دنیوی نعمتوں سے یکسر محروم نہیں کرتا۔ ف۲۸ یعنی یہ حاضر وغائب
تفریق تو ہمارے معیار سے ہے۔ اللہ کے لئے ہر شے یکساں، اور اس پر
ب عیاں ہے۔ اس کا علم کامل بھی ہے، محیط بھی۔ ف۲۹ یعنی ان مشرکین کی
سی حماقت ہے کہ دیوی دیوتا انہیں بنائے ہوئے ہیں، جو ایک گھاس کے
لے تک کی تخلیق پر قادر نہیں، بلکہ خود اپنے وجود تک کے لئے بھی خالق
ئنات کے محتاج ہیں۔ ف۳۰ چنانچہ بعض کو تو سرے سے بعث کا علم
حساس ہی نہیں۔ بعض جن کو اتنا علم ہے، انہیں بھی وقت معین کا علم نہیں۔
سے بے خبروں کو، ایسے ناقص علم والوں کو معبود تسلیم کر لینا جہل وسفاہت کی
نتہاء ہے! اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ۔ یہ صفت کسی نہ کسی معنٰی میں سارے
معبودانِ باطل میں مشترک پائی جاتی ہے...... مورتیوں کا بے جان ہونا تو ظاہر
ی ہے۔ باقی جن "بزرگوں" کی پرستش کی جاتی ہے، وہ بھی یا تو وفات پائے
ئے ہوتے ہیں، اور یا عنقریب وفات پانے والے ہیں:۔ ف۳۱ (قبولِ
ق سے) اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ خطاب ساری نسل انسانی سے ہے۔ سب کو
یا ہے کہ حق تعالیٰ لاثانی اور لاشریک لہٗ ہے۔ یعنی حق کے اتنے وضوح کے
د بھی ایمان نہیں لاتے۔ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ۔ یعنی ان کے قلب ایسے ناکارہ
ر فاسد ہو چکے ہیں کہ وہ ہر معقول بات سے انکار ہی پر تلے ہوئے ہیں۔ ان
ے دلوں میں نہ حق کی طلب وتلاش ہے، اور نہ کوئی فکر عاقبت ہے۔ ف۳۲
چنانچہ ہر مستکبر کو سزا بھی وقت مقرر پر دے گا) خوب غور کر کے دیکھا
ائے، تو معلوم ہوگا کہ دین حق قبول کر لینے کے بعد بہر حال نفس کو قانونِ
ی کی اطاعت میں دینا پڑتا ہے، اور یہ اکثر طبائع کو بھی سخت گراں گزرتا
ہے۔ ان کے انکار والحاد کی بنیاد عموماً خودسری، خود بینی وخود رائی ہی پر ہوتی
ہے۔ ف۳۳ یہ گہر افشانی قرآن مجید جیسی محقق کتاب سے متعلق!!......
شرکین مکہ تو خیر اپنی بے خبری، تاریک خیالی اور جہالت کے لئے ضرب المثل
ں ہیں، کمال یہ ہے کہ آج فرنگستان کے بڑے بڑے "روشن خیال" مدعیان
لم ودانش بہک بہک کر بس یہی کہتے ہیں کہ "قرآن" میں ہے کیا، یہود
نصاریٰ کی کتابوں سے کچھ قصے لے لے کر انہیں مسخ وتحریف کے بعد جمع کر
یا گیا ہے۔" لَهُمْ سے مراد مشرکین قریش ہیں۔ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ۔ یعنی
ب ان سے باہر کا کوئی شخص سوال کرتا ہے۔ یا خود آپس میں یہ ایک دوسرے سے پوچھ پاچھ کرتے ہیں۔

وس۳۴ وعیدان لوگوں کے حق میں ارشاد ہو رہی ہے، جو دوسروں سے قرآن کا تعارف اسے اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ کہہ کر کراتے تھے۔ آخرت میں یہ اپنے انکار کا ثمرہ بھی چکھیں گے، اور دوسروں کے گمراہ کرنے کا بھی۔ لِیَحْمِلُوْٓا میں ل عاقبت کا ہے۔ اللام لام العاقبة (کبیر) بِغَیْرِ عِلْمٍ۔ یعنی قرآن مجید کے متعلق ایسی بے سروپا رائے یہ خود ہی بلاتحقیق، بلاسند، بلاثبوت دے بیٹھتے ہیں۔ و۳۵ واقعاتِ تاریخی کو یہاں تمثیلی رنگ انشاء میں پیش کیا گیا ہے۔ یعنی جن پر قوت و شوکت منکرین سابقین نے انبیاء کرام کے خلاف خوب خوب منصوبے گانٹھے تھے، بڑی بڑی زبردست چالیں سوچی تھیں، حق تعالیٰ نے ان کی ایک نہ چلنے دی۔ ان کی ساری خیالی عمارتیں مسمار ہو کر رہیں، اور وہ اس طرح برباد و نابود ہوئے کہ جیسے سب چھت کے نیچے دب کر رہ گئے۔ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ۔ شامت زدہ قوموں پر تباہی عموماً ایسے ہی راستوں اور طریقوں سے آتی ہے، جدھر ان کا خیال و گمان بھی نہیں ہوتا:۔ و۳۶ (اہل ایمان سے) یعنی آخرت میں منکرین پوری اور انتہائی طور پر ذلت و رسوائی کے شکار ہوں گے، اور انہیں اور زیادہ جلانے، کڑھانے کے لیے اُن سے سوال ہوگا، کہ اب بتلاؤ، وہ تمہارے معبود کدھر گئے، جنہیں تم شریک الوہیت سمجھا کرتے تھے، اور جن کی خاطر تم اہل ایمان سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ شُرَکَآءِیَ یعنی میرے شریک تمہارے زعم و پندار کے مطابق۔ ای شرکاءی فی زعمکم و اعتقادکم (کبیر عن الزجاج) علی الاضافة الی نفسه حکایة لاضافتهم (کشاف) الذین کنتم تزعمون فی الدنیا انهم شرکاءی (ابن جریر) و۳۷ وہ منکرین مردود و مخذول تو کیا جواب دیں گے، البتہ اہل حق پکار اُٹھیں گے کہ آج کے دن (جیسا کہ ہم دنیا میں کہا کرتے اور سمجھتے رہتے تھے) پوری ذلت و رسوائی اور ساری سختی و مصیبت منکرین حق ہی کے لیے ہے! فرقۂ مرجیہ نے یہیں سے یہ استدلال کیا ہے کہ عذابِ آخرت کافروں ہی کے ساتھ مخصوص، محدود ہے، مومنین عاصی کو اس سے تعلق نہ ہوگا۔ اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ یعنی انبیاء مرسلین اور اُن کے متبعین صادقین، و هم الانبیاء علیهم السلام المؤمنون الذین اوتوا علمًا بدلائل التوحید (روح) قال یحیی بن سلام هم المؤمنون (بحر) و۳۸ یعنی موت کے وقت تک کفر و شرک میں مبتلا رہے تھے۔ ای حال کونهم مستمرین علی الشرک (روح) و۳۹ اس پر ہیبت و ہولناک منظر سے دوچار ہو کر منکرین حق اب خوشامدانہ لہجہ میں عرض کرنا شروع کریں گے کہ بھلا ہماری کیا مجال تھی، جو ہم شرک میں مبتلا ہوتے! — کہاں تو دنیا میں اتنا اکڑے ہوئے رہتے تھے، اور کہاں اب خوشامد پر اُتر آئیں گے۔ مَا کُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ یعنی اپنے خیال و عقیدہ میں تو ہم کوئی بری بات نہیں کر رہے تھے۔ المراد ماکنا عاملین السوء فی اعتقادنا ای کان اعتقادنا ان علمنا غیر سیء (روح)

كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ

پورا بوجھ اٹھائیں گے اور ان لوگوں کے بھی (گناہوں کا) بوجھ جنہیں یہ بغیر علم کے گمراہ کر رہے ہیں

بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ

کام لئے گمراہ کر رہے ہیں دیکھو جی! (کیسا) برا ہے (یہ بوجھ) جو اپنے اوپر لاد رہے ہیں و۳۴ بڑی بری چالیں وہ

ع۴

مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ

لوگ چلے چلے جو ان کے قبل تھے سو اللہ نے ان کی (ساری) عمارت جڑ بنیاد سے اکھیڑ دی پھر ان کے اوپر سے

عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ

ان پر چھت آ پڑی اور ان پر عذاب اس طرف سے آیا جدھر سے

حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ

ان کو خیال بھی نہ تھا و۳۵ پھر قیامت کے دن (اللہ) انہیں رسوا کرے گا

وَ يَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ

اور کہے گا میرے وہ "شریک" کہاں ہیں جن کے باب میں تم لڑا جھگڑا

فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ

کرتے تھے و۳۶ علم والے (اس وقت) بول اٹھیں گے کہ آج (پوری) رسوائی

وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ ۙ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ

اور سختی کافروں پر ہے و۳۷ جن کی جانیں فرشتوں نے

الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا

اس حال میں قبض کی تھیں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے و۳۸ تب وہ صلح کا پیغام ڈال چلیں گے

نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ

کہ ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے رہے و۳۹ ضرور (کر رہے تھے) بے شک اللہ خوب جانتا ہے اس کو جو کچھ

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

تم کرتے رہے تھے ف۴۰ تو اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو، اس میں ہمیشہ رہنے والے (ہو کر)

فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ

غرض کیسا برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا ف۴۱ اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں ان سے

اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ

پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے؟ تو وہ کہتے ہیں بڑی خیر نازل فرمائی ہے ف۴۲ جن

اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ

لوگوں نے نیکی کی، ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور عالم آخرت تو

خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ

اور (زیادہ) بہتر ہے ف۴۳ اور اہل تقویٰ کا وہ گھر واقعی اچھا ہے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں

يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا

جن میں یہ داخل ہوں گے، ان (باغوں) کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی، انہیں ہر چیز (مل جائے گی) جو کچھ

يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ

وہ چاہیں گے اسی طرح کا عوض اللہ اہل تقویٰ کو دیتا ہے ف۴۴ (یعنی وہ لوگ)

تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ

جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ پاک ہوتے ہیں ف۴۵ (فرشتے) کہتے جاتے ہیں تم پر

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ

سلام ہو تم جنت میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال کے سبب سے ف۴۶ یہ (منکرین) تو بس اسی کے منتظر ہیں

اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ

کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کے پروردگار کا فیصلہ آجائے ف۴۷

ف۴۰ (تو اب تمہارے اقرار وانکار سے ہوتا کیا ہے۔ تمہارا حال تو عالم الغیب پر خود ہی سب روشن ہے) ف۴۱ یعنی ان لوگوں کا جو رعونت نفس کی بنا پر قبول حق سے انکار کرتے رہتے ہیں۔ فَلَبِئْسَ میں ل تاکید کا ہے۔ واللام فی فلبئس لام التاکید (بحر) مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ان الفاظ سے گویا یہ ظاہر کر دیا کہ تکبر کی قدرتی جزاء دوزخ ہی ہے۔ ووصف التکبر دلیل علی استحقاق صاحبه النار (بحر) فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ یعنی اپنی اپنی منزل وطبقہ کے مطابق جہنم کے مختلف دروازوں سے اس کے مختلف درجوں میں داخل ہو۔ خطاب لکل صنف منهم ان یدخل بابًا من ابواب جهنم (روح) خٰلِدِيْنَ فِيْهَا یہاں تمام اہل جہنم کو سنا دیا، کہ درجات عذاب گو نسبۃً کم اور زائد ہوں، لیکن خلود ودوام بہرحال سب کے لیے ہے۔ رہائی، مخلصی کی صورت کسی کے لیے نہیں۔ ف۴۲ یعنی ایسا کلام جو سرتاسر خیر وبرکت ہی ہے۔ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا یعنی وہ لوگ جو کفر وشرک سے بچے رہتے ہیں۔ قال اصحابنا یرید الذین اتقوا الشرک وایقنوا انه لاالٰه الا الله محمد رسول الله (کبیر) یعنی المومنین (بیضاوی) آیت نمبر ۲۴ میں ابھی مکذبین قرآن کا ذکر آچکا ہے کہ جب اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا چیز اُتری ہے تو وہ کہتے ہیں کہ 'اساطیر الاولین'۔ اب ٹھیک اُن کے مقابل گروہ مومنین کا ذکر ہے، کہ جب اُن سے قرآن کی بابت سوال کیا جاتا ہے، تو وہ جواب میں اُسے سرتاسر خیر وبرکت بتاتے ہیں۔ ف۴۳ اس دُنیا کی بھلائی سے تو مراد یہاں کی کل نعمتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً فتح ومال غنیمت، نیک نامی، فارغ البالی، اطمینانِ قلب وغیرہ، اور پھر سب سے بڑھ کر اجر آخرت کا وعدہ وبشارت۔ اور عالم آخرت اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر بہتر اس لحاظ سے ہوگا کہ اول تو وعدۂ اجر کے تحقق وظہور کا مقام وہی ہوگا، اور پھر وہاں کی نعمتیں کیا بہ لحاظ تعداد، کیا بہ لحاظ مقدار اور کیا بہ لحاظ دوام وقیام، اور کیا بہ لحاظ کیفیت ونوعیت، دنیا کی نعمتوں سے کوئی نسبت ہی نہ رکھتی ہوں گی، اَلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ یعنی اہل ایمان، و هٰؤلاء مومنون (ابن جریر، عن قتادة) ف۴۴ الْمُتَّقِيْنَ یہ وہی ہیں جن کا ذکر ایک آیت قبل الذین اتقوا سے آچکا ہے۔ یعنی اہل ایمان۔ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ایک بڑی گہری اور اصولی حقیقت ان دو مختصر لفظوں کے اندر آگئی ہے۔ جنت میں جو ہوا بھی چلے گی، سب اہل جنت کی مرضی کے مطابق ہوگی۔ جو کچھ بھی جس کسی کا جی چاہے گا، سب پورا ہو کر رہے گا۔ ہر تمنا نکل کر، ہر آرزو حاصل ہو کر رہے گی۔ ایک ایک نعمت اور اس کے جزئیات وتفصیلات کہاں تک بیان کیے جا سکتے ہیں۔ بس ایک جامع جواب ہر مذاق اور ہر درجہ کے سائلین کے لیے آگیا۔ ف۴۵ (ہر کفر وشرک کی آلودگی سے) معناه علی ماروی عن ابی معاذ طاهرین من دنس الشرک و هو المناسب لجعله فی مقابلة ظالمی انفسهم (روح) قال ابو معاذ طاهرین من الشرک بالکلمة الطیبة (بحر) طاهرین من ظلم انفسهم بالکفر (مدارک) یعنی یہ وہ لوگ ہوتے ہیں، جو آخر وقت تک توحید وایمان پر قائم رہتے ہیں — یہاں ٹھیک اُن طبقات کا مقابلہ ہو رہا ہے، جن کا ذکر آیت نمبر ۲۸ میں آچکا ہے کہ فرشتے اُن کی جانیں سختی اور عذاب سے نکال رہے ہوں گے۔ طَيِّبِيْنَ جو لوگ کفر وشرک، فسق وفجور کی آلودگیوں سے پاک ہیں، اُن کی روحیں صحیح معرفت ومحبت الٰہی سے معمور رہتی ہیں اور یہ قدرۃً اپنی جانیں بڑے سرور وشوق کے ساتھ جاں آفرین کو سپرد کرتے ہیں۔ ف۴۶ فرشتوں کا زبان سے یہ کہتے جانا ظاہر ہے کہ مومنین کی تعظیم واکرام کے لیے ہوگا۔ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ محققین کا بیان ہے کہ منامی، رویائی یا روحانی حیثیت سے تو مومن وفات پاتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (خود برزخ جس عالم کا نام ہے، وہ آخرت ہی کی ایک ہلکی منامی، رویائی شکل ہے) البتہ پوری طرح مادّی اور جسمانی طور پر قیامت کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔ و هو وقت قبض ارواحهم قاله ابن مسعود و محمد بن کعب و مجاهد والاکثرون جعلوا التبشیر بالجنة دخولًا مجازًا (بحر) بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یعنی جنت میں یہ آپ کی باریابی آپ ہی آپ یا کسی کے طفیل میں یا کسی کے احسان سے نہیں ہو رہی ہے، بلکہ خود آپ ہی کے حسن عمل وشیوۂ طاعت کا ثمرہ ہے — یہ کہہ کہہ کر مومنین اہل جنت کے دل کو اور زیادہ مسرور کیا جائے گا۔ اس تصریح اور اُن نصوص کے درمیان، جن میں یہ کہا گیا ہے کہ جنت تو صرف افضال الٰہی سے ملے گی، کوئی تعارض وتناقض نہیں۔ سبب حقیقی تو بے شک وہی رحمت الٰہی ہی ہے، لیکن سبب قریب وسبب عادی ان لوگوں کا حسن عمل ہے۔ ف۴۷ (جس کے بعد قبولِ ایمان کی گنجائش ہی نہ باقی رہ جائے) ذکر اُن منکرین معاندین کا ہے جو وضوح حق کے بعد بھی اپنی ضد اور ہٹ پر قائم ہیں۔ ہل نفی کے معنی میں ما کا مرادف ہے۔ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ یعنی موت یا عذاب کے فرشتے آجائیں جس کے بعد ایمان مقبول نہیں ہوتا۔ لقبض ارواحهم (روح۔ عن مجاهد وقتادة) لقبض ارواحهم (ابن جریر) يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ یعنی قیامت برپا ہو جائے، یا عذاب دنیوی نازل ہو جائے۔ ای العذاب المستاصل او القیامة (کشاف۔ مدارک) ای القیامة (روح۔ عن مجاهد وقتادة) قال بعضهم المراد بالعذاب الدنیوی (روح)

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ

ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان کے قبل تھے ان پر اللہ نے ظلم (ذرا بھی)

اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۳۳ فَاَصَابَهُمْ

نہیں کیا تھا، بلکہ وہ آپ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے و۴۸ آخر انہیں

سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

ان کے اعمال کی سزائیں ملیں، و۴۹ اور انہیں اسی (عذاب) نے گھیر لیا جس پر وہ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۴ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ

تمسخر کرتے تھے اور شرک کرنے والے کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو

مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا

ہم اس کے سوا کسی کی بھی پرستش نہ کرتے (نہ) ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ

حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ

ہم اس کے بدون (حکم) کسی چیز کو حرام کر سکتے و۵۰ ایسی ہی (حرکت) وہ لوگ بھی کر چکے ہیں

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَي الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ

جو ان کے قبل ہوئے ہیں و۵۱ سو پیمبروں کے ذمہ تو صرف صاف صاف

الْمُبِيْنُ ۝۳۵ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ

پہنچا دینا ہے و۵۲ اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک پیامبر بھیجا ہے کہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ

اللہ کی عبادت کرو اور شیطان (کی راہ) سے بچو و۵۳ سو ان میں وہ بھی ہوئے جنہیں

هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ

اللہ نے ہدایت دی اور وہ بھی جن پر گمراہی ثابت ہو کر رہی

ع ۱۰

و۴۸ یعنی کفر، شرک وفسق، غرض سزا کے سارے کام جان جان کر کرتے تھے۔ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی انہوں نے بھی کفر وعناد پر اصرار کیا تھا، اور انہیں بھی سزا ملی تھی۔ و۴۹ (خواہ اسی زندگی میں، خواہ بعد موت، خواہ دونوں جگہ)۔ و۵۰ مشرکین کہتے تھے کہ خدا کو اگر ہمارے طریقے ناپسند ہیں تو وہ ہمیں روک ہی کیوں نہیں دیتا، اُس نے ہمیں ان چیزوں پر قدرت ہی کیوں دی؟ — یہ احمق حق تعالیٰ کی مشیت تکوینی (یا بندوں کی قوتِ اختیار وآزادیٔ عمل) اور اُس کی رضا وحکم کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں کرتے تھے! و۵۱ یعنی یہی ضابطہ زمانہ ماضی کے گمراہوں کو بھی پیش آ چکا ہے۔ حالانکہ اگر ذرا بھی سوچیں، تو یہی سوال اُلٹ کر خود ان پر بھی عائد ہوتا ہے — آخر اُن کے عقائد کی رُو سے بھی تو خدا کو کچھ چیزیں پسند ہیں اور کچھ ناپسند۔ تو وہ اپنی ناپسندیدہ چیزوں کو واقع ہی کیوں ہونے دیتا ہے؟ و۵۲ (اور اس فریضہ سے وہ ہر دَور اور زمانہ میں پوری طرح ادا ہو چکے) ھل یہاں بھی نفی کے مفہوم میں اور ما کے مرادف ہے اَلْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ پوری تبلیغ یہ کہ جو دعوے ہوں وہ واضح ہوں، اُن میں کوئی گنجلک یا خفا باقی نہ رہ جائے۔ اور ہر دعویٰ پر دلیلیں صحیح، روشن اور عام فہم قائم ہو جائیں۔ و۵۳ (سو یہ توحید اور دینِ حق کی تعلیم کوئی نئی تعلیم نہیں۔ شروع سے چلی آ رہی ہے) رَّسُوْلًا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر ملک وقوم میں، مستقلاً کوئی رسول ہی (اصطلاحی معنٰی میں) آیا ہو۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر قوم تک پیمبر کی تعلیم پہنچ گئی ہو، خواہ اس کے کسی نائب ہی کے ذریعہ سے۔ ہندوستان میں کوئی پیمبر ہوئے یا نہیں؟ یہ سوال ایک مدت سے چھڑا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں پیمبر کی بعثت کا امکان تو بہرحال ہے، لیکن جزم ویقین کے ساتھ کسی صاحب کو پیمبر قرار دے لینا، جب تک کہ اُن کی پیمبری پر کوئی مستقل دلیل نہ مل جائے، زیادتی ہے۔ اَلطَّاغُوْتَ یہ منجملہ اُن الفاظ کے ہے، جن کا ترجمہ اُردو میں ایک لفظ سے ہونا دشوار ہے۔ اس لفظ پر حاشیہ سورۂ آل عمران پ ۳) وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ کے ذیل میں گزر چکا۔

ف۵۴ (اور تاریخ وعلم الآثار سے مدد لے کر دیکھو کہ وہ سرکش وخود فراموش قوموں کا کیا انجام بیان کر رہی ہیں) فَسِيْرُوْا خطاب مشرکوں سے ہے۔ ایھا المشرکون المکذبون (روح) فَمِنْهُمْ ...... الضَّلٰلَةُ پیغمبر ﷺ کو تسکین دی ہے کہ آپ زیادہ غم وتردّد نہ کیجئے، ضلالت وہدایت کے یہ معاملات تو قدیم سے چلے آرہے ہیں۔ ف۵۵ (سو آپ صبر سے کام لیجئے) اب پھر خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ آپ کی افراط شفقت علی الخلق کی بنا پر آپ کو اس حقیقت پر توجہ دلائی جارہی ہے کہ جو لوگ خود اپنی ہدایت کی پروا نہیں رکھتے، ان کے لئے قانون تکوینی بدلا نہیں جائے گا، وہ بدستور یوں ہی گمراہی میں پڑے رہیں گے۔ ف۵۶ (اور یہ حشر ونشر، جزا وسزا سب ڈھکوسلے ہیں) جاہلیت عرب کے "روشن خیال" آج بھی کل کے "روشن خیالوں" کی طرح آپس میں بڑے زور وشور اور دعوے کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ کیسا حشر ونشر؟ یہ کچھ بھی ہونا ہوانا نہیں، محض خوش اعتقادیاں ہیں۔ ف۵۷ ان "آزاد خیالوں" کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ تمہاری لغو ولایعنی تردید سے ہوتا کیا ہے، یہ عقیدہ جزاء وسزا تو دین حق کے بنیادی عقائد میں ہے، اور عقیدۂ توحید کا ایک لازمی تتمہ ہے۔ بَلٰى نفی کے جواب میں ہے۔ یعنی کیوں نہ کرے گا، ضرور کرے گا۔ لایجاب النفی ای بلی یبعث (روح) ف۵۸ (اور انبیاء ومومنین ہی سچے تھے) ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ وقوع معاد تو عین حکمت ہے۔ وہیں تو ان کافروں پر پوری طرح ظاہر ہو کر رہے گا کہ اس دار ابتلاء میں جن جن مسائل کے باب میں وہ اہل حق سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، ان میں وہ کس قدر ناحق پر تھے۔ اور وہیں ان پر شہودًا وعیانًا یہ روشن ہو کر رہے گا، کہ وہ خود سرتاسر باطل پر، اور انبیاء ومومنین حق پر تھے۔ لِيُبَيِّنَ۔ میں ل کا تعلق فعل مقدر نبعثھم سے ہے۔ لَهُمْ کی ضمیر جمع غائب ہر مرنے والے کافر ومومن پر شامل ہے۔ ای من یموت وھو شامل للمومنین والکفار (بحر) ف۵۹ (سو ایسے قادر مطلق کو مردہ اجسام میں دوبارہ جان ڈال دینا کیا مشکل ہے؟ اور اس میں شبہ عقلی ہو ہی کیا سکتا ہے؟) قولنا اور نقول سے یہ لازم نہیں آتا کہ حق تعالیٰ اس کلمہ کن کا (جو خود ایک دوحرفی حادث لفظ ہے) تلفظ بھی کرتا ہو مراد صرف اس قدر ہے کہ چھوٹی بڑی کوئی سی بھی چیز ہو، اس کی تکوین کے لئے، اس کے وجود میں آجانے کے لئے حق تعالیٰ کا محض ارادہ کافی ہے۔ اِدھر ارادۂ الٰہی اس سے متعلق ہوا، اور اُدھر معًا اور فی الفور وہ شے عدم سے وجود میں آگئی۔ لشیء اور لهٗ دونوں میں ل تبلیغ کا ہے۔ والظاھر ان اللام فی لشیء وفی له للتبلیغ (بحر) ف۶۰ (مشرکین معاندین کی طرف سے) مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا۔ ہجرت یعنی اپنے وطن کی سرزمین کو معہ وہاں کے دوستوں، عزیزوں وغیرہ بے شمار مرغوبات ومالوفات کے چھوڑ دینا ہمیشہ ہی نفس پر شاق گزرتا ہے۔ شدید مظلومیت وبیچارگی کے بعد تو نفس پر یہ دشواری کئی گنی اور بڑھ جاتی ہے۔ فِي اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے واسطے یا اللہ کی راہ میں۔ لاقامة دینه (جلالین) فی حقه ولوجھه (مدارک۔ بیضاوی) وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا۔ یہاں ذکر ان مومنین سابقین وصادقین کا ہے، جنہوں نے کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آکر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے، نہ صرف شہر مکہ بلکہ ملک حجاز اور سارے علاقۂ عرب کو چھوڑ کر، ایک دور دراز ملک حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی۔ ھؤلاء اصحاب محمدٍ ظلمھم اھل مکة فاخرجوھم من دیارھم حتی لحق طوائف منھم بالحبشة (ابن جریر۔ عن قتادہ) هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ۔ اس قید سے فقہاء مفسرین نے یہ بھی نکالا ہے کہ ہجرت شریعت میں معتبر وہی ہے جو دین الٰہی کے خاطر ہو، ورنہ نفس ہجرت تو محض انتقالِ وطن کے مرادف وہم سطح ہے۔ و دلّ

فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تو زمین پر چلو پھرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا (برا)

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٦﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا

انجام ہوا ف۵۴ اگر آپ کو ان کے راہ راست پر آنے کی تمنا ہے تو اللہ ایسے کو

يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٧﴾

راہ نہیں دکھاتا جسے وہ (اس کے عناد کے باعث) گمراہ کر چکا ہے، اور نہ ان کا کوئی حمایتی ہوگا ف۵۵

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ

اور یہ بڑے زور وشور سے خدا کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے خدا اسے دوبارہ نہیں

يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

اٹھائے گا ف۵۶ کیوں نہیں (کرے گا) اس وعدہ کو اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے لیکن اکثر لوگ (اتنا بھی) علم

يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ

نہیں رکھتے ف۵۷ (اور یہ دوبارہ اٹھانا اس لئے ہوگا) کہ جس امر کے باب میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے اس

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّمَا

کا ان کے روبرو اظہار کر دے اور تاکہ اہل کفر یقین کر لیں کہ وہ (واقعی) جھوٹے ہی تھے ف۵۸ ہم جب

قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ

کسی چیز (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کر لیتے ہیں تو بس اس سے ہمارا اتنا ہی کہنا ہوتا ہے کہ ہو جا،

فَيَكُوْنُ ﴿٤٠﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا

بس وہ ہو جاتی ہے، ف۵۹ اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے ہجرت کی بعد اس کے کہ ان پر

ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ

ظلم ہو چکا تھا ف۶۰ ہم ان کو دنیا میں (بھی) بہت اچھا ٹھکانا دیں گے اور اجر آخرت تو

ع ۵ ۱۱

ف۶۱ یعنی کاش ان بے خبر کافروں کو آخرت کے اجر بے نہایت اور راحت دائمی کا کچھ اندازہ ہوتا! كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ میں ضمیر غائب کافروں کی جانب ہے۔ الضمير للكفار (کشاف) عائد الى الكفار (کبیر) فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً۔ چنانچہ مہاجرین مکہ کو بھی مدینہ پہنچ کر بالآخر ہر طرح کی حکومت وعزت حاصل ہوگئی۔ اور ریاست مکہ ہی نہیں، سارا صوبہ حجاز، کل ملک عرب، بلکہ اطرافِ مشرق ومغرب بھی ان کے زیرنگیں آگئے۔ هي الغلبة على اهل مكة الذين ظلموهم وعلى العرب قاطبةً وعلى اهل المشرق والمغرب (کبیر) ف۶۲ (چنانچہ وطن چھوڑتے وقت یہ بھی نہیں خیال کرتے کہ کیا کھائیں گے، کہاں سے پائیں گے) خیال رہے کہ یہ سفر ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں خشکی اور تری دونوں سے مکہ سے سینکڑوں میل دور حبشہ کا تھا۔ بیسویں صدی عیسوی کی پرتکلف ریل گاڑیوں اور پرتعیش جہازوں میں نہ تھا۔ اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْا۔ یعنی ہر طرح کی تکلیفوں اور ناخوشگوار واقعات پر صبر سے کام لیتے رہتے ہیں۔ ف۶۳ (نہ کسی فرشتہ، جن، یا فوق البشر، کو رسول بنا کر) مشرکین عرب دیوتا، اوتار وغیرہ کے تخیل سے تو خوب آشنا تھے۔ لیکن نفس رسالت، کسی بشر محض کا پیمبری سے سرفراز ہو جانا ان کی سمجھ سے باہر تھا، اسی میں وہ بار بار الجھتے تھے، اور ذات مصطفوی پر اپنے نزدیک بڑا اصولی اور گہرا اعتراض یہی کرتے تھے کہ یہ کھاتے پیتے، چلتے پھرتے بشر ہو کر پیمبر کیسے ہوگئے؟ یہ انہی منکرین کو سنا کر آنحضرت ﷺ سے ارشاد ہو رہا ہے کہ انسانوں کے لئے سلسلۂ نبوت تو ازل سے برابر بشر ہی کے ذریعہ سے قائم ہے۔ رِجَالًا کے لفظ سے، یہ استدلال اور بالکل صحیح استدلال کیا گیا ہے کہ مرتبہ نبوت مردوں ہی کے لئے محدود ومحصور ہے، اور کسی عورت کے لئے اس منصب کی گنجائش ہی نہیں۔ دلت الأية على انه تعالى ما ارسل احدًا من النساء (کبیر) سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۱۰۹ میں بھی ایسے ہی الفاظ آئے ہیں۔ وہاں کا حاشیہ بھی ملاحظہ کرلیا جائے۔ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا، اور بہت صحیح فرمایا کہ ان دو مختصر لفظوں کے اندر سارا خلاصہ رسالت آگیا ۔۔۔ البینٰت کے اندر سارے معجزات وشواہد صدق پیمبر۔ اور الزُّبُر کے اندر اصل احکام وہدایات۔ الزبر لفظة جامعة لكل ما تكامل به الرسالة لان مدار امرها على المعجزات الدالة على صدق من يدعي الرسالة وهي البينات وعلى التكاليف التي يبلغها الرسول من الله تعالى الى العباد وهي الزبر (کبیر) الاولى للدلالة على الصدق والثانية لبيان الشرائع والتكاليف (روح) بِالْبَيِّنٰتِ۔ البینٰت کے معنی دلائل وشواہد بھی بالکل درست ہیں۔ اي بالحجج والدلائل (ابن کثیر) ف۶۴ خطاب مشرکین عرب سے ہے۔ اور ان سے ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جنہیں تم بھی اہل علم سمجھتے ہو، یعنی اہل کتاب یہود ونصاریٰ۔ ذرا انہی سے اس مسئلہ کے متعلق پوچھ گچھ کر کے اپنا اطمینان کرلو۔ مسئلہ رسالت میں، اور بشر ہی کے رسول ہونے میں تو وہ بھی مسلمانوں ہی کے ہم زبان ہیں۔ اَهْلَ الذِّكْرِ کے معنی اہل کتاب کے، صحابہ، تابعین، ائمہ لغت واکابر مفسرین سب سے منقول ہیں۔ اي اهل الكتاب من اليهود والنصارى (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما والحسن والسدی) واهل الذكر اهل الكتاب وقيل للكتب الذكر لانه موعظة وتنبيه للغافلين (کشاف) الذكر الكتاب فيه تفصيل الدين ووضع الملل (قاموس) وكل كتاب من الانبياء ذكر (تاج) الذكر الكتب المتقدمة (راغب) ف۶۵ (ان مضامین قرآنی کے اندر) الذِّكْرَ سے مراد یہاں قرآن مجید ہی ہے۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ۔ یعنی تاکہ آپ ان مضامین کو اپنی تشریح وتوضیح کے ساتھ خلق سے روشناس کردیں ۔۔۔ یہ آیت قرآنی اس باب میں نص ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت محض حامل وحی یا "خط رساں" کی نہیں، بلکہ شارح اور بیان کرنے والے کی بھی ہے۔ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ قرآن مجید کی اصل مخاطب، رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ وواسطہ سے، ساری نوع انسانی ہے۔ ف۶۶ چنانچہ معرکۂ بدر میں ہوا بھی یہی، کہ سردارانِ قریش کو اس کا گمان تک نہ تھا کہ ہم لوگ باایں سازوسامان اور باایں کثرت تعداد، تھوڑے سے اور وہ بھی بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں سے ایسی بری طرح شکست کھا جائیں گے۔ اَلَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ۔ یعنی وہ لوگ جو اسلام اور رسولِ اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ والا قرب ان المراد سعيهم في ايذاء رسول الله ﷺ واصحابه على سبيل الخفية (کبیر) يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ

الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا

(کہیں) بڑھ کر ہے کاش انہیں خبر ہوتی ف۶۱ (وہ مہاجرین ایسے ہیں) جو صبر کرتے ہیں

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ف۶۲ اور ہم نے آپ کے قبل مرد ہی رسول بنا کر

اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ

(دلائل اور کتابوں کے ساتھ) بھیجے ہیں، ف۶۳ جن پر ہم وحی بھیجا کرتے ہیں،

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ

سو اگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ دیکھو ف۶۴ اور ہم نے آپ پر بھی یہ نصیحت نامہ اتارا ہے

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

تاکہ آپ لوگوں پر ظاہر کردیں جو کچھ ان کے پاس بھیجا گیا ہے اور تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیا کریں ف۶۵

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ

کیا وہ لوگ جو بڑے بڑے منصوبے باندھتے رہتے ہیں اس امر سے بے فکر ہوگئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں

بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا

دھنسا دے یا ان پر عذاب ایسے موقع سے آ پڑے کہ انہیں

يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ

گمان بھی نہ ہو ف۶۶ یا انہیں ان کے چلتے پھرتے پکڑ لے، سو یہ لوگ (اللہ کو)

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ

عاجز نہیں کر سکتے ف۶۷ یا انہیں گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لے لیکن

رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ

تمہارا پروردگار بڑا شفیق ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۶۸ کیا انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں کو

الْاَرْضَ۔ مطلب یہ ہے کہ ان پر کوئی بھی ناگہانی مصیبت زمینی آپڑے۔ ف۶۷ متمرد وسرکش انسان اپنی پوری کوشش اور ساری قوتیں صرف کر کے ایڑی، چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لے، حق تعالیٰ کا کسی معاملہ میں ذرا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا، آخرکار خود ہی ہار کر، تھک کر، مجبور ہو کر، بیٹھ جانا پڑے گا۔ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ۔ یعنی نزول عذاب کے لئے اسے کسی خاص اہتمام کی ضرورت تھوڑے ہی ہے، وہ ان کے جس حال میں چاہے انہیں گرفتار کرلے۔ ف۶۸ (چنانچہ فوراً عذاب کی گرفت میں نہیں لے لیتا، بلکہ رجوع وتوبہ کے لئے بار بار مہلت دیتا ہے) والمعنى انه يمهل في اكثر الامر لانه رؤف رحيم فلا يعاجل بالعذاب (کبیر) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر طرح انسان کی ہلاکت وبربادی پر قادر ہے، چاہے اس کا ظاہر ذریعہ کوئی طبعی سبب مثل زلزلہ وغیرہ کے ہو، چاہے وہ کسی قوی وزبردست دشمن کو مسلط کردے، چاہے وہ یونہی چلتے پھرتے ہلاک کردے، اور چاہے پہلے سے جتا کر، بتلا کر، متنبہ کر کے کوئی سامان ہلاکت کا پیدا کردے۔ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي تَخَوُّفٍ۔ یعنی بار بار بلائیں لا کر، تدریجاً لوگوں کو ہلاک کردے۔ اي ياخذهم على ان ينتقصهم شيئًا بعد شيء في انفسهم واموالهم حتى يهلكوا (کشاف) تنقص شيئًا فشيئًا حتى يهلك الجميع (جلالین) تَخَوُّفٍ کے اصلی معنی انسان میں ظہور خوف کے ہیں۔ التخوف ظهور الخوف [illegible] وتخوفناهم اى تنقصناهم تنقصا اقتضاء الخوف (راغب)

اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ
نہیں دیکھا جن کے سائے داہنی طرف اور بائیں طرف
وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ لِلّٰهِ
جھکتے ہیں تابع ہیں وہ اللہ کے، اور (اللہ کے روبرو) عاجز ہیں و۶۹ اور اللہ ہی کی
یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ
مطیع ہیں و۷۰ جتنی چلنے والی چیزیں آسمان میں ہیں اور جتنی زمین میں ہیں
وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ
اور فرشتے بھی اور وہ (اپنی) بڑائی نہیں کرتے و۷۱ وہ ڈرتے رہتے ہیں اپنے پروردگار سے
مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ قَالَ اللّٰهُ
جو ان پر بالادست ہے، اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا رہتا ہے و۷۲ اور اللہ نے کہہ رکھا ہے
لَا تَتَّخِذُوْۤا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ
کہ دو معبود نہ قرار دینا و۷۳ خدا تو بس وہی ایک ہے،
فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ
سو تم لوگ صرف مجھی سے ڈرتے رہو و۷۴ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے
وَ لَهُ الدِّیْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ مَا بِكُمْ
اور اسی کا دین واجب الاطاعت ہے، و۷۵ تو کیا (پھر بھی) غیر اللہ سے ڈرتے ہو؟ و۷۶ اور تمہارے پاس
مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْهِ
جو بھی کوئی نعمت ہے، وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی (اللہ) سے
تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ۚ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِیْقٌ
فریاد کرتے ہو و۷۷ پھر جب وہ تم سے تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو تم میں کا ایک گروہ اپنے پروردگار کے ساتھ

ع ۱۲ السجدة

و۶۹ یعنی کیا یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ تکوینی طور پر اس کائنات کی ایک ایک چیز، یہاں تک کہ سایہ دار چیزوں کے سائے بھی، حکم الٰہی کے مطیع ومنقاد ہیں ۔۔۔ مشرک جاہلی قوموں میں سایہ کے متعلق بھی عجیب عجیب توہمات گڑھ رکھے ہیں۔ قرآن مجید ان سب کا قلع قمع کر کے بتاتا ہے کہ سارے سائے اور سایہ دار چیزیں قانونِ الٰہی ہی کی محکوم ہیں۔ ظِلٰلُهٗ۔ مفسرین قدیم نے لکھا ہے کہ سایہ کے موجبات ومسببات، حرکت سایہ کے اسباب، پھر سایہ کے خواص یہ سب حکم الٰہی ہی سے ہیں۔ سُجَّدًا لِّلّٰهِ۔ سُجَّدًا یہاں اپنے اصلی معنٰی میں ہے، یعنی فرمانبردار، جیسا کہ ہر مخلوق کو اپنے خالق اور فاعل حکیم کے روبرو ہونا ہی چاہیے۔ هٰذا سجود تسخیر وهو الدلالة الصامتة الناطقة المنبهة علٰی کونها مخلوقة وانها خلق فاعل حکیم (راغب) المراد بهٰذا السجود الانقیاد والتواضع (کبیر) وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ۔ یعنی یہ سایہ دار چیزیں سب اسی کی مطیع وفرمانبردار ہیں۔ داخرون ای اذلاء (راغب) و۷۰ (تکوینی طور پر) یَسْجُدُ۔ سجود یہاں اپنے اصل مفہوم، انقیاد واستلام کے معنٰی میں ہے ۔۔۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق چھوٹی یا بڑی کوئی سی بھی ہو، اور عالم ارواح یا عالم اجسام میں کہیں بھی ہو، سب کی سب عظمتِ الٰہی کی مسخر ومنقاد ہیں۔ ای کل ما سوی الله سواء کان من عالم الارواح او من عالم الاجسام فهو منقاد خاضع لجلال الله تعالٰی و کبریائه (کبیر) و۷۱ یعنی اللہ کی مطیع ومنقاد جب تکوینی طور پر، زمین وآسمان کی ساری ہی زندہ ومتحرک مخلوق ہے، اور سب سے بڑھ کر خود فرشتے جو ایک لحاظ سے اعظم مخلوقات ہیں اور مشرکوں نے انہی کو دیوی دیوتا قرار دیا اور خدا کا مد مقابل سمجھا ہے، وہ تو خاص طور پر مطیع ومنقاد ہیں، تو ان مشرکوں بیچاروں کی بساط ہی کیا ہے۔ یَسْتَكْبِرُوْنَ کے باب استفعال سے بعض نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ ملائکہ کے دل میں اپنی بڑائی کی طلب تک نہیں پیدا ہوتی، چہ جائیکہ خود بڑائی کرنے لگیں۔ لا یطلبون ذٰلک فضلاً عن فعله والاتصاف به (روح) مِنْ دَآبَّةٍ۔ دابة کے معنٰی یہاں جاندار کے بھی کیے گئے ہیں، اور متحرک کے بھی۔ اور سجدۂ انقیاد کے ایک سرے پر دابة اور دوسرے سرے پر ملائکہ کو لا کر گویا یہ بتا دیا کہ ادنٰی سے لے کر اعلٰی تک ہر ذی حیات زنجیر انقیاد میں یکساں جکڑا ہوا ہے۔ بیّن بهٰذه الاٰیة ان الحیوانات باسرها منقادةٌ لله تعالٰی لان اخسّها الدواب واشرفها الملٰئکة (کبیر) و۷۲ یہ سب دیوتا پرستی اور ملائکہ پرستی کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے۔ مِنْ فَوْقِهِمْ۔ فوق سے یہاں کھلی ہوئی مراد فوقیت معنوی یا غلبہ ہے۔ ورنہ محض سمت یا جہت کے فوق سے تو خوف پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ المراد بالفوقیة الفوقیة بالقهر والقدرة لانها هی الموجبة للخوف (کبیر) ای عالیًا علیهم بالقهر (جلالین) راغب نے فوق کے استعمال کے چھ موقع بتائے ہیں۔ مکان، زمان، جسم، عدد، منزلت اور انہی میں سے ایک معنٰی فوقیت بہ اعتبار قہر وغلبہ کے رکھے ہیں۔ توریت موجودہ میں بعض فرشتوں کو عاصی ونافرمان فرشتہ کہہ کر پیش کیا گیا ہے۔ قرآن مجید اس تخیل کی جڑ ہی کاٹے دیتا ہے ۔۔۔ قرآن فرشتوں کو بار بار تمامتر معصوم ہستی کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ وهی دلالة قاهرة قاطعة علٰی عصمة الملائکة عن جمیع الذنوب (کبیر) یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ۔ سوال یہ ہوا ہے کہ ملائکہ سے جب معصیت کا امکان ہی نہیں، تو وہ پروردگار سے ڈرتے کیوں رہتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ خوف وہ نہیں، جو اپنی معصیت سرشتی سے پیدا ہوتا ہے، بلکہ یہ وہ خوف ہے جو محض عظمت الٰہی کے احساس اور حق تعالٰی کی ہیبت واجلال سے پیدا ہوتا ہے ۔۔۔ اس قسم کا خوف جو عوام سے کہیں زیادہ خواص واہل معرفت کے دلوں میں اور سب سے بڑھ کر حضرات انبیاء کے سینوں میں موجزن رہا کرتا ہے۔ امام المفسرین رازی رحمة الله علیه نے بہت خوب فرمایا ہے۔ ذٰلک الخوف خوف الاجلال هکذا روی عن ابن عباسؓ والدلیل علٰی صحته قوله تعالٰی انما یخشی الله من عباده العلماء وهٰذا یدل علٰی انه کلما کانت معرفة الله اتم کان الخوف عنه اعظم وهٰذا الخوف لایکون الا خوف الاجلال والکبریاء (کبیر) اور جب عصمت ملائکہ کی یہ ایک اصل سمجھ میں آ گئی، تو اس سے خود بخود بہت سے بے سند اور غلط لیکن زبان زد عوام قصوں کی جڑ کٹ جاتی ہے، جن میں فرشتوں کو کبائر کے مرتکب کی حیثیت پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً ہاروت وماروت کی بدنامی زہرہ کے ساتھ، یا خود ابلیس کا زمرۂ ملائکہ میں سے سمجھا جانا ہے۔

و۷۳ (جیسا کہ مجوس نے اور بعض اور بد دین فرقوں نے قرار دے رکھا ہے) قرآن مجید جس طرح شرک کی اور ہر صورت کو مٹا رہا ہے، اسی طرح ثنویت کو بھی۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَ قَالَ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ نے اپنی مخلوق کو پیمبروں کے ذریعہ سے یہ حکم دے رکھا ہے۔ و۷۴ (کہ میں ہی ہر طرح کے انعام اور عتاب پر قادر ہوں) هُوَ (صیغۂ غائب) کے معاً بعد اِیَّایَ (صیغۂ متکلم) کی طرف انتقال صنعت التفات کہلاتا ہے، اور عربی اسلوب بلاغت میں ایک اعلٰی صنعت ہے ۔۔۔ اور اتنی بات تو اردو خوانوں کی سمجھ میں بھی آ سکتی ہے کہ تخویف وترہیب کے موقع پر صیغۂ غائب سے کہیں زیادہ زور واثر صیغۂ متکلم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ وهو من طریقة الالتفات وهو ابلغ فی الترهیب من قوله وایاه فارهبوه (کشاف) و۷۵ (پھر اس میں کسی دوسرے دین کی شرکت کے کیا معنٰی) واصب کے معنٰی واجب وثابت کے ہیں۔ الواصب الواجب الثابت (کشاف) اور دین واصب سے جزائے دائمی بھی مراد لی گئی ہے یعنی عذاب وثواب۔ وله الجزاء ثابتة دائمًا سرمدًا لا یزال یعنی والثواب والعقاب (کشاف) ای له تعالٰی الجزاء دائمًا لا ینقطع ثوابه للمطیع وعقابه للعاصی (روح) و۷۶ شرک کی اصل وبنیاد عمومًا اسی غیر اللہ کے خوف پر ہوتی ہے۔ مشرک انسان سمجھتا ہے کہ فلاں فلاں طاقتیں ایسی ہیں جو مجھے نقصان پہنچا سکتی ہیں سو انہیں راضی رکھنے کے لئے ان کے آگے یوں نذر ماننی چاہیے، یوں بھینٹ چڑھانا چاہیے۔ وقس علی ہذا۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ انگریزی تفسیر القرآن) قرآن نے اسی پر ضرب لگائی ہے:۔

مِّنۡكُمۡ بِرَبِّهِمۡ يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ ؕ

شرک کرنے لگتا ہے حاصل یہ کہ وہ اس کی ناشکری کرتے ہیں، جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے، وے۸

فَتَمَتَّعُوۡا ۟ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَيَجۡعَلُوۡنَ لِمَا

سو (خیر) چندروزہ عیش کرلو، پھر تو عنقریب تمہیں معلوم ہی ہوا جاتا ہے وے۹ اور یہ جن کے بارہ میں انہیں کوئی

لَا يَعۡلَمُوۡنَ نَصِيۡبًا مِّمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسۡـئَلُنَّ

علم نہیں ان کا حصہ لگاتے ہیں ان چیزوں میں جو ہم نے انہیں دے رکھی ہیں، و۸۰ قسم ہے اللہ کی کہ تم جو کچھ

عَمَّا كُنۡتُمۡ تَفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجۡعَلُوۡنَ لِلّٰهِ الۡبَنٰتِ

گڑھتے رہتے ہو اس پر ضرور تم سے بازپرس ہوگی و۸۱ اور اللہ کے لئے انہوں نے بیٹیاں قرار دے رکھی ہیں،

سُبۡحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمۡ مَّا يَشۡتَهُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ

سبحان اللہ! اور اپنے لئے وہ (رکھا ہے) جس کے لئے ان کا جی چاہتا ہے، و۸۲ اور جب ان میں سے کسی کو

اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰى ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ

بٹی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، اور وہ (دل میں)

كَظِيۡمٌ ﴿۵۸﴾ ۚ يَتَوَارٰى مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ

گھٹتا رہتا ہے و۸۳ اس بری خبر پر وہ لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے

اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰى هُوۡنٍ اَمۡ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ

آیا اس (مولود) کو ذلت کی حالت میں لئے رہے یا اسے مٹی میں گاڑ دے؟ و۸۴ ہائے، کیسی بری تجویز

مَا يَحۡكُمُوۡنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ مَثَلُ

یہ کرتے رہتے ہیں و۸۵ بری حالت ہے ان لوگوں کی جو آخرت پر ایمان

السَّوۡءِ ۚ وَلِلّٰهِ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰى ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ

نہیں رکھتے، اور اللہ کے لئے اعلیٰ صفات ثابت ہیں و۸۶ اور وہ بڑا زبردست ہے،

وے۷ (اس کے رفع کرنے کو) یہاں اس حقیقت کو یاد دلا دیا ہے کہ جو اور جس قسم کی بھی نعمت انسان کو حاصل ہے، اس کا سرچشمہ ذاتِ خداوندی ہی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انسان کو خود بھی اس کا احساس ہے، چنانچہ جب اس پر مصیبت پڑتی ہے، تو وہ بے ساختہ خدا ہی کو یاد کرنے لگتا ہے۔ فخرالمفسرین رازی علیہ الرحمۃ آیت کے تحت میں لکھتے ہیں کہ آج یکم محرم ۶۰۲ ہجری کو جب میں اس آیت کی تفسیر لکھ رہا ہوں، صبح کے وقت شدید زلزلہ آیا، اور لوگ دعا وتضرع میں مصروف ہوگئے، لیکن جب زلزلہ ختم ہوگیا، تو اسے بھول بھال کر پھر غفلت میں پڑ گئے، اور اپنے کام کاج میں لگ گئے۔ تَجۡـَٔرُوۡنَ۔ یعنی گڑگڑاتے ہو، دہائی دیتے ہو، فریاد کرتے ہو۔ جؤار کے لفظی معنی جنگلی جانوروں کے چلانے کے ہیں۔ای ترفعون اصواتکم بالاستغاثة وتتضرعون الیه بالدعاء (کبیر) والجؤار فی الاصل صیاح الوحش واستعمل فی رفع الصوت بالدعاء والاستغاثة (روح) وے۸ (اپنی نعمتوں میں سے)— اور رفع تکلیف تو خود ہی ایک بڑی نعمت ہے۔ لِيَكۡفُرُوۡا۔ میں ل عاقبت کا ہے۔ اللام لام العاقبة (روح) وے۹ (کہ اس کفر وشرک کا انجام کیا ہوتا ہے) سوف۔ عنقریب یعنی مرتے ہی۔ و۸۰ یعنی یہ مشرکین ہماری ان نعمتوں میں جو ہم نے انہیں دے رکھی ہیں، ان معبودوں کا بھی حصہ لگاتے ہیں، جن کے معبود ہونے ہی پر کوئی دلیل ان کے پاس نہیں— ذکر مشرکین عرب کا ہو رہا ہے۔ ان کی ان خصوصیات کا ذکر سورۃ الانعام (پارہ نمبر ۸) میں آچکا ہے۔ لِمَا لَا يَعۡلَمُوۡنَ۔ وہ جن کی بابت ان کے پاس نہ کوئی علم ہے نہ ثبوت ہے نہ تحقیق ہے۔ بس بلا دلیل وحجت اندھا دھند انہیں اپنا دیوتا مانے جاتے ہیں۔ و۸۱ (اے مشرکو!) موقع تہدید پر صیغہ ایک طرف تو غائب سے مخاطب ہوا اور دوسری طرف متکلم سے غائب کا ہو گیا۔ تَاللّٰهِ۔ زور وتاکید کے موقع پر قسم کا لانا عربی اسلوب بیان کی ایک صناعت ہے۔ تَاللّٰهِ حرف قسم کات کے ساتھ لانا لفظ اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ لَتُسۡـئَلُنَّ۔ بازپرس سے مؤاخذہ حشر مراد ہے۔ و۸۲ یعنی اولاد نرینہ — مطلب یہ ہوا کہ ایک تو حق تعالیٰ کی جانب اولاد کا انتساب خود ہی کیسی جہالت وسفاہت ہے، اور پھر اولاد میں بھی حق تعالیٰ کے لئے وہ صنف، جسے اپنے نزدیک حقیر وذلیل جانتے ہو یعنی لڑکے کے بجائے لڑکیاں! اور بیٹوں کو اپنے لئے مخصوص رکھتے ہو! وَيَجۡعَلُوۡنَ لِلّٰهِ الۡبَنٰتِ۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ بلا قریش کے قبائل بنی خزاعہ اور بنی کنانہ میں زائد تھی۔ وہی ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ هم خزاعة وكنانة (روح) و۸۳ (کہ کیسی عار وننگ کی چیز خاندان میں آئی) لڑکی سے عار آنے کی بلا قبائل قریش کے علاوہ، یوں بھی دنیائے شرک میں عام رہی ہے۔ و۸۴ (یہ سوال مشرک باپ کے دل میں برابر گردش کرتا رہتا ہے) عرب میں قبیلہ تمیم اس بلا میں خاص طور پر مبتلا تھا۔ لیکن دنیا کی تاریخ میں مشرک قوموں نے بہ کثرت اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر کر دیا ہے۔ ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے:۔ "دختر نوزاد کو زندہ دفن کر دینے کا دستور بہت عام رہا ہے۔" (جلد ۸۔ صفحہ ۸) ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ دختر کشی کے اسباب ومحرکات دوگانہ تھے۔ کبھی تو لڑکی کا وجود باعث عار سمجھتے تھے، اور شرم وحیا کے مارے اسے مار ڈالتے تھے، اور کبھی اس کے بار مصارف کے خیال سے۔ وهم كانوا يفعلون ذٰلک تارةً للغيرة والحمية وتارةً خوفًا من الفقر والفاقة ولزوم النفقة (کبیر) اور یہ آخری محرک یورپ کی جدید تحریک "برتھ کنٹرول" کا بالکل نقش اول تھا۔ و۸۵ (کہ اول تو خدا کو صاحب اولاد ٹھیرایا اور پھر اس میں بھی اس کے لئے بیٹی تجویز کی!) یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ لڑکی کے نام سے اتنی چڑھ، اور اس کے ساتھ یہ شقاوت کا برتاؤ، سب ان کی عقل کی کیسی بدترین تجویزیں ہیں:۔ و۸۶ یعنی تمام صفات کمال وجمال، خصوصاً قدرت کاملہ اور نزاہت۔ مَثَلُ السَّوۡءِ۔ دنیا میں بری حالت یہ کہ ایسے شدید جہل وحمق میں مبتلا رہے، اور آخرت میں یہ کہ ہر طرح کی عقوبت وذلت کے شکار ہوں گے۔

الْحَكِيْمُ ﴿٦٠﴾ ع وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا

بڑا حکمت والا ہے ف۸۷ اور اگر اللہ لوگوں پر ان کی زیادتی کے سبب (فوراً) دارو گیر کرتا رہتا تو زمین پر

تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ

کوئی حرکت کرنے والا جاندار نہ چھوڑتا ف۸۸ لیکن وہ انہیں میعاد معین تک مہلت

مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً

دیئے ہوئے ہے پھر جب ان کی وہ میعاد آجائے گی تو اس سے وہ نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے

وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ

اور نہ آگے بڑھ سکیں گے، ف۸۹ اور اللہ کے لئے وہ چیزیں قرار دیتے ہیں جنہیں خود (اپنے لئے) ناپسند

وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا

کرتے ہیں، اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتی جاتی ہیں کہ ان کے لئے بھلائی (ہی) ہے ف۹۰ لازمی ہے

جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَ اَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ

کہ ان کے لئے دوزخ ہو اور بے شک یہ لوگ سب سے پہلے بھیجے جائیں گے ف۹۱ اللہ کی قسم ہم (رسولوں کو)

اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

آپ کے قبل کی بھی امتوں کی طرف بھیج چکے ہیں لیکن شیطان نے ان کے اعمال انہیں خوش نما

اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾

کر دکھائے، ف۹۲ سو وہ آج بھی ان کا رفیق ہے اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے ف۹۳

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى

اور ہم نے آپ پر کتاب بس اسی لئے نازل کی ہے کہ جس امر میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں

اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾

آپ اس کو ان پر واضح کر دیں نیز ایمان والے لوگوں کی ہدایت و رحمت کی غرض سے ف۹۴

ف۸۷ چنانچہ اسم عزیز کے تقاضہ سے ہر وقت سزا دینے پر قادر، لیکن اسم حکیم کے تقاضہ سے سزائے شرک کو موت کے وقت تک ملتوی کر دیا ہے۔ ف۸۸ یعنی بدکار تو بہر حال اپنی بدی کے پاداش میں ہلاک کر ہی دیے جاتے، اور جب وہ باقی ہی نہ رہ جاتے، تو نیک کاروں کا وجود بھی بے معنٰی رہ جاتا— اگر دنیا میں ظلم اور ظالم کا وجود نہ باقی رہے تو کوئی انصاف کس کے مقابلہ میں کرے گا؟ دنیا میں کوئی مفلس نہ باقی رہے، تو صفت فیاضی کے ظہور کی کیا صورت باقی رہے گی؟ مصیبت زدوں کے وجود سے دنیا خالی ہو جائے، تو کوئی ہمدردی اور شفقت کے لئے کس کو تلاش کرے گا؟— غرض انسانی آبادی تو ساری کی ساری یوں ختم ہو جاتی۔ اور جب کوئی انسان نہ زندہ رہتا، تو پھر حیوانات کی بھی ضرورت نہ رہ جاتی جو تمامتر انسان ہی کی خدمت کے لئے ہیں۔ دَآبَّةٍ کے معنٰی انسان کے لئے بھی لئے گئے ہیں۔ لیکن مفہوم کا عموم ہی بہتر سمجھا گیا ہے، جس میں ہر جاندار آ جائے۔ قال ابو عبیدة عنی انسان خاصة والاولٰی اجراؤها علی العموم (راغب) عَلَيْهَا۔ ضمیر ھا زمین کی جانب ہے۔ اے علی الارض (بیضاوی) الکنایة فی قوله علیها عائدة الی الارض (کبیر) بِظُلْمِهِمْ۔ ظلم یہاں ہر قسم کے کفر و معصیت کو شامل ہے۔ اے بسبب کفرهم ومعاصیهم (روح) بکفرهم ومعاصیهم (بیضاوی) ف۸۹ (بلکہ ٹھیک ٹھیک قدرتی پروگرام کے مطابق ہی ہلاک ہو کر رہیں گے) ف۹۰ کسی اخروی زندگی کے اول تو یہ قائل ہی نہیں اور جو قائل ہیں بھی تو وہاں اپنے لئے چین ہی چین سمجھ رہے ہیں۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ۔ مشرکانہ مذہبوں پر نظر ہو، تو اندازہ ہو کہ ان لوگوں نے کیسی کیسی پست بلکہ سرتاسر گندی باتیں اپنے دیوی دیوتاؤں بلکہ خود معبود اعظم کے حق میں گڑھ رکھی ہیں! ف۹۱ (دوزخ میں) یعنی یہ لوگ تو دوسرے اہل جہنم کے لئے بہ طور مقدمة الجیش کے ہوں گے۔ مُّفْرَطُوْنَ۔ فرط اسے کہتے ہیں جو اپنے ساتھیوں سے آگے دوڑ کر انہیں پانی تک پہنچا دے۔ مفرطون اے معجلون قال الواحدی وهو الاختیار ووجهه ما قال ابو زید وغیره فرط الرجل اصحابه یفرطهم فرطًا وفروطًا اذا تقدمهم الی الماء لیصلح الدلاء (کبیر) ف۹۲ (اس لئے وہ لوگ پیمبروں کی تعلیمات سے غیر متاثر رہ کر اپنے کفریات ہی کو پسند کرتے رہے) زَيَّنَ...... اَعْمَالَهُمْ۔ شیطانی تحریک اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ ایسی چیزوں کو جو واقعی حسن و زیبائی سے خالی ہیں، ظاہری اور عارضی خوشنمائی دے دیتی ہے۔ چنانچہ جتنے بھی شیطانی اعمال ہیں، ان کا جائزہ لے ڈالیے، سب میں یہی چیز مشترک ملے گی۔ شرابی کو فوری اور عارضی لذت شراب میں محسوس ہوتی ہے، سینما باز کو سینما میں، جواری کو جوئے میں۔ وقس علی ہذا۔ اس سے بچنے کا آسان اور موثر طریقہ صرف اپنی عقل اور قوتِ فکر کا صحیح استعمال ہے۔ جہاں انسان نے غور و تامل سے کام لیا، اور اشیاء کا اصلی حسن و قبح اس کی نظر میں ظاہر ہونے لگا، شیطانی ترغیبات کی کشش بھی اس کے لئے از خود مفقود ہو جاتی ہے:۔ ف۹۳ (اور یہ پچھلے بھی انہی اگلوں کی طرح کفر کر رہے ہیں۔ تو یہ سزا بھی لامحالہ انہی کی سی پائیں گے۔ آپ ان کے لئے غم و تردد میں نہ پڑیے) المراد منه کفار مکة (کبیر) الْيَوْمَ۔ آج یعنی اسی دنیا میں۔ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ۔ یعنی شیطان ان کا رفیق رہ کر انہیں طرح طرح کی پٹی پڑھاتا رہتا ہے۔ ف۹۴ یعنی یہ کتابِ الٰہی مومنین کے حق میں سراسر ہدایت و رحمت ہے۔ اور آپ پر یہ اس لئے نازل ہوئی، کہ آپ ان اہل باطل اور اہل حق کے درمیان جو معتقدات نزاعی ہیں مثلاً توحید یا معاد، اس باب میں مسلکِ حق کی خوب توضیح و تشریح کر دیں۔ لِتُبَيِّنَ نے ایک بار پھر اس حقیقت کو صاف کر دیا کہ پیمبر کا منصب محض من و عن، پیام پہنچا دینے کا نہیں، بلکہ اس کی شرح و ترجمانی کر دینے کا بھی ہے۔

وف۹۵ (ان باتوں کو گوش ہوش سے) وَاللّٰهُ ...... الْاَرْضَ۔ اُوپر سے پانی برسانا اور اس سے زمین خشک و مردہ کو ازسرِنو سرسبز کر دینا، جو روز مرہ کا مشاہدہ ہے، یہ کام سب حق تعالیٰ ہی کا ہے، کسی دیوی دیوتا کا نہیں، اور نہ انسان کے اپنے بس کا۔ لَاٰیَةً۔ یعنی اللہ کی قدرت، ربوبیت، صناعی کی بڑی دلیل ہے۔ نباتات کی حیاتِ تازہ و نمو سے حشر و بعث اجساد کی طرف ہر فطرت سلیم والے کا ذہن آسانی سے منتقل ہو سکتا ہے۔ وف۹۶ ان گھریلو جانوروں کی ساخت و ترکیب اور ان کے اعضاء کے افعال میں جو صدہا عجائب ہیں، ان کی تفصیلات بیالوجی (حیاتیات) اور زوآلوجی (حیوانیات) کے ہر ماہر پر روشن ہیں۔ یہ سب صناعیاں اور حکمتیں پتہ کس چیز کا دیتی ہیں؟ ایک صناع اعظم کا، ایک حکیم مطلق کا۔ لَعِبْرَةً۔ عبرة کہتے ہیں معلوم سے مجہول اور مشاہد سے غیر مشاہد تک پہنچنے کو۔ والعبرة مختصة بالحالة التی یتوصل بها من معرفة المشاهد الی ما لیس بمشاهَدٍ (راغب) وف۹۷ جہاں سے گوبر اور خون وغیرہ گندی چیزیں اور فضلے پیدا ہوتے ہیں، وہیں سے دودھ جیسی نفیس پاکیزہ نعمت انسان کے لیے تیار کر دینا، جس کے آگے بڑے سے بڑے کیمیا دان اور کیمیا ساز مع اپنی ساری تجربی کار گاہوں کے دنگ رہ جائیں، اگر ایک کھلی ہوئی دلیل ایک صناع اعظم کے وجود پر نہیں، تو اور کیا ہے؟ بُطُوْنِهٖ میں ضمیر واحد مذکر غائب اس چیز کے لئے ہے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، اور یہ معنٰی لے کر اَنْعَام کے لئے بجائے مؤنث کے ضمیر مذکر واحد جائز ہے۔ کسائی اور مبرّد نے یہی کہا ہے، اور قرآن مجید ہی سے اس کی سندیں پیش کی ہیں۔ ای فی بطون ما ذکرنا وهٰذا جواب الکسائی قال المبرد هٰذا شائعٌ فی القراٰن (کبیر) سَآئِغًا۔ سائغ وہ مشروب ہے جو لذت یا آسانی کے ساتھ حلق سے اترے۔ معناه جاریًا فی حلوقهم لذیذًا هنیئًا (کبیر) سهل المرور فی الحلق (کشاف) وف۹۸ (کہ ایک ہی مادہ سے کہاں ایک طرف مسکرات جیسی گندی چیزیں تیار کر دیں اور کہاں دوسری طرف لطیف و پاکیزہ مشروبات و ماکولات، عرق، شربت، مربے وغیرہ) سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا۔ گویا ایک ہی مادہ میں سم و تریاق دونوں کی خاصیتیں رکھ دیں۔ النَّخِیْلِ وَ الْاَعْنَابِ۔ انگور اور کھجور دونوں کی شرابیں مشہور شرابیں ہیں۔ عرب میں بھی مشہور تھیں، اور آج یورپ میں بھی مشہور ہیں۔ سَكَرًا۔ سکر کے لفظ پر سوال پیدا ہوا ہے کہ نشہ کا ذکر محل مدح پر قرآن مجید نے کیسے کر دیا؟ — جواب یہ ہے کہ اول تو یہاں مقصود مدح نہیں، بلکہ ذکر صرف اس کا ہے کہ خرمے اور انگور سے فلاں فلاں کام لئے جا سکتے ہیں، اور مخاطب صرف مومنین نہیں، بلکہ کافر بھی شامل ہیں، اور وہ برابر ان پھلوں سے نشہ کا کام لیتے رہتے ہیں، اس لئے اس ذکر میں مطلق مضائقہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ آیت مکی ہے، اور نشہ کی حرمت اس وقت تک ہوئی نہیں تھی۔ اس پر بھی قرآن مجید نے سکر کو رزق حسن سے علیحدہ و ممتاز کر کے ظاہر کر دیا، کہ یہ دو بالکل مختلف قسم کے کام انہیں پھلوں سے لئے جا سکتے ہیں۔ وف۹۹ چنانچہ شہد کی مکھیاں اپنا چھتا انہی مقامات پر لگاتی ہیں۔ ان مکھیوں کا چھتا بھی صنعت و کاریگری کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مہندس یا انجینئر نے اسے تیار کیا ہے۔ اَوْحٰی۔ وحی یہاں اصطلاحی مفہوم میں نہیں، جو وحی نبوت کے مرادف ہے۔ بلکہ اپنے عام و وسیع معنٰی میں ہے۔ دل میں بات ڈال دینے کے مرادف ہے۔ واصل الوحی الاشارة السریعة (راغب) ای الله تعالیٰ قرر فی انفسها هٰذه الاعمال العجیبة (کبیر) ماہرین نفسیات انگریزی میں جس شے کو (جبلت) سے تعبیر کرتے ہیں، وہ وحی حیوانی ہی کا دوسرا نام ہے۔ اور علامہ راغبؒ نے اسی مفہوم کو ”تسخیر“ سے ادا کیا ہے۔ النَّحْلِ۔ شہد کی مکھی اپنی فراست، دانائی، عقلی توانائی کے لحاظ سے ساری حیوانی دنیا میں مشہور و ممتاز ہے۔ فرنگی ماہرین فن نے کتابوں پر کتابیں ان مکھیوں کی فراست و دانائی اور حسن انتظام و تدبر پر لکھ ڈالی ہیں — حق تھا کہ اس ننھی سی مخلوق کی ذہانت خاصہ کو وحی الٰہی اپنی جانب منسوب کرتی۔ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ سے مراد عمارتیں بھی ہو سکتی ہیں، اور انگور و خرما کی ٹہنیاں بھی۔ مِنَ الْجِبَالِ، مِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ۔ من ہر جگہ تبعیضیہ ہے۔ یعنی یہ مراد نہیں کہ مکھی اپنا چھتا ہر پہاڑ، ہر درخت، ہر اونچی عمارت پر لگاتی ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان چیزوں میں سے جو بھی اسے مناسب معلوم ہوتی ہیں، ان پر لگاتی ہے۔ وف۱۰۰ ان مکھیوں کا ایک ایک پھل پھول پر رس چوسنے کے لئے بیٹھتے رہنا اور میلوں کا سفر طے کر کے، بغیر راستہ بھولے بھٹکے، اپنے چھتے کی طرف واپس آجانا ایک مشہور عالم واقعہ ہے۔ سُبُلَ رَبِّكِ۔ راستوں کا انتساب حق تعالیٰ نے اپنی جانب کیا ہے۔ شہد کی مکھیوں کے آنے جانے کے راستہ اس حکمت سے بنانا صرف اسی ذات کا کام ہے، جسے اپنی ہر مخلوق سے رشتۂ ربوبیت حاصل ہے۔ ذُلُلًا۔ بے روک ٹوک، جیسے اور راستے خاص اس مکھی کے لئے مسخر و منقاد ہیں۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ

اور اللہ نے اوپر سے پانی اتارا پھر اس سے زمین کو اس کے خشک ہونے کے بعد

مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ ع ۸ وَ اِنَّ

جلا دیا بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے (بڑی) نشانی ہے جو سنتے ہیں وف۹۵ اور بے شک

لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ

تمہارے لئے مویشیوں میں بھی بڑا سبق ہے وف۹۶ ان کے پیٹ میں جو کچھ ہوتا ہے گوبر اور خون (کے قسم) سے

بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۶۶﴾

اس کے درمیان سے صاف اور پینے والوں کے لئے خوشگوار دودھ ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں وف۹۷

وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ

اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں (بھی تمہارے لئے سبق ہے) تم ان سے

سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ

نشہ کی چیزیں اور کھانے کی عمدہ چیزیں بناتے ہو بے شک اس میں (بڑی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے

یَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ

جو عقل سے کام لیتے ہیں وف۹۸ اور آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں القاء کیا کہ تو

مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا

گھر بنا لے پہاڑوں میں (بھی) اور درختوں میں (بھی) اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں

یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ لا ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ

ان میں (بھی) وف۹۹ پھر ہر (قسم کے) پھلوں سے (رس) چوستی پھر، پھر اپنے پروردگار کے

سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ

راستوں میں چل جو تیرے لئے آسان ہیں وف۱۰۰ اس کے پیٹ کے اندر سے ایک مشروب نکلتا ہے

مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

کہ اس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں ف۱۰۱ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے ف۱۰۲ اس کے اندر (بڑی)

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۶۹ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ

نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں ف۱۰۳ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا، پھر

يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ

وہ تمہیں موت دیتا ہے اور تم میں سے کوئی لوٹا دیا جاتا ہے ناکارہ عمر کی طرف جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۷۰ ع

باخبری کے بعد چیزوں سے بے خبر ہو جاتا ہے ف۱۰۴ بے شک اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا قدرت والا ہے ف۱۰۵

وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا

اور اللہ نے تم میں سے کسی کو کسی پر رزق کے معاملہ میں فضیلت دے رکھی ہے ف۱۰۶

الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ

سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو بھی اس طرح

اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ

دینے والے نہیں کہ وہ سب اس باب میں برابر ہو جائیں ف۱۰۷ تو کیا پھر بھی اللہ کی نعمت سے یہ لوگ

يَجْحَدُوْنَ ۝۷۱ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

انکار کرتے ہیں ف۱۰۸ اور اللہ نے تمہی میں سے تمہارے لئے بیویاں بنائیں

اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً

اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے ف۱۰۹ اور تمہیں

وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ

نفیس چیزیں کھانے کو دیں ف۱۱۰ تو کیا پھر بھی یہ لوگ باطل پر ایمان رکھیں گے

ف۱۰۱ کوئی آٹھ نو قسم کے شہد تو اکیلے ملک عرب ہی میں ہوتے ہیں۔ شَرَابٌ کہ اسی شیریں مشروب کو شہد کہتے ہیں۔ ف۱۰۲ (بہت سی بیماریوں سے) شہد کے منافع وفضائل طب یونانی (عربی)، طب ہندی (ویدک) طب افرنگی (ڈاکٹری) سب کو مُسلّم ہیں۔ اور یہاں اگر اس کے فوائد نقل کیے جائیں، تو خود ایک مستقل مقالہ ہو جائے۔ ف۱۰۳ (اور یہ خیال میں لاتے ہیں کہ قدرت حق نے ایک زہریلے نیش زن جانور سے کیسی حیرت انگیز، شفا بخش چیز پیدا کر دی) لَاٰيَةً۔ نشانی حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بے انتہا کی۔ ف۱۰۴ (جیسا کہ بہت زیادہ پیرانہ سالی کے وقت اکثر مشاہدہ میں آتا رہتا ہے) یہ پیدا کرنے کا، موت دینے کا، بعض کو پیر فرتوت بنا دینے کا، سارا کام صرف حق تعالیٰ ہی کا ہے، کوئی اس میں اس کا شریک وسہیم نہیں — یہ نہیں کہ پیدائش کا دیوتا کوئی اور ہے، موت کا کوئی اور، اور زندہ رکھنے کا کوئی اور۔ اَرْذَلِ الْعُمُرِ۔ یعنی عمر کی وہ منزل کہ جب نہ قوتِ جسمانی ہی برقرار رہے، اور نہ قوت دماغی۔ لِكَيْ میں ل عاقبت یا نتیجہ کا ہے۔ ف۱۰۵ وہ اپنی صفت علم کے اقتضاء سے ہر شخص کی ضرورت ومصلحت کا علم رکھتا ہے، اور صفت قدرت کے اقتضاء سے ویسا ہی اس کا انتظام بھی کر دیتا ہے۔ ف۱۰۶ (تکوینی مصلحتوں سے) آیت سے اس حقیقت پر پوری طرح روشنی پڑ گئی کہ مال ودولت میں عدم مساوات فطری وطبعی ہے، اور تقسیم دولت میں مساوات کا دعویٰ بجائے خود بے بنیاد اور خلافِ فطرت ہے۔ فقہاء اور فقہاء مفسرین نے آیت سے مالک اور غلام کے درمیان نفیِ مساوات صراحت کے ساتھ نکالی ہے۔ قال ابو بکر قد تضمنت الاٰية انتفاء المساوات بين المولٰى وبين عبده فى الملک (جصاص) ف۱۰۷ (بلکہ ایسی تقسیم تو فطرتِ بشری پر ایک بار ہے) آیت جڑ کاٹ رہی ہے اہل باطل کے اس نظام معاشی کی، جس کا پرانا نام مزدکیت تھا، اور جدید نام سوشلزم یا (انتہائی صورتوں میں) کمیونزم ہے۔ ف۱۰۸ شرک پر اصرار کیے جانا عین نعمت الٰہی سے انکار کرنا ہے۔ ف۱۰۹ (اور اس طرح تمہاری بقائے نوعی کا سامان کر دیا) مِنْ اَنْفُسِكُمْ۔ یعنی تمہاری ہی جنس ونوع سے۔ حَفَدَةً۔ حافد کے عام معنی پوتے کے ہیں۔ المراد بالحفدة على ماروى عن الحسن والازهرى وجاء فى رواية عن ابن عباس واختاره ابن العربى اولاد الاولاد (روح) لیکن ایک معنی خادم، مددگار وغیرہ کے بھی لئے گئے ہیں۔ روى عن ابن عباس ان الحفدة الخدم والا عوان وقال الحسن اعانک فقد حفدک وقال مجاهد وقتاده وطاؤس الحفدة الخدم (جصاص) امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے متعدد معانی ومفہومات بیان کر کے لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ لفظ کے عموم میں ان سارے مفہوموں کی وسعت کو شامل رکھا جائے۔ والاولى دخول الكل فيه لما بيّنا ان اللفظ محتمل للكل بحسب المعنى المشترک الذى ذکرناه (کبیر) ف۱۱۰ (اور اس طرح تمہاری بقائے شخصی کا سامان کر دیا) اَلطَّيِّبٰتِ۔ یہاں اپنے لغوی معنی میں ہے، یعنی نفیس ولذیذ کے مرادف ہے۔ اے اللذائذ (بیضاوی) مِنَ الطَّيِّبٰتِ۔ میں مِن تبعیض کا ہے۔ من للتبعيض (بیضاوی۔ روح) اے اللذائذ وهو معناها اللغوى (روح)

وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہیں گے ف۱۱۱ اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی

اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ آسمان سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین ہی سے

شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ

کسی چیز کا، اور نہ ایسا کر ہی سکتے ہیں ف۱۱۲ سو تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گڑھو

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

بے شک اللہ ہی علم رکھتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے ف۱۱۳ اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے

عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ

کہ ایک تو غلام مملوک ہے کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا ف۱۱۴ اور ایک وہ ہے، جسے ہم نے اپنے پاس سے

مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا هَلْ

خوب روزی دے رکھی ہے تو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے ف۱۱۵ کیا (ایسے لوگ

يَسْتَوٗنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

باہم) برابر ہو سکتے ہیں؟ ف۱۱۶ ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، ف۱۱۷ لیکن اکثر ان (مشرکین) میں سے علم

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا

ہی نہیں رکھتے، ف۱۱۸ اور اللہ (ایک اور) مثال بیان کرتا ہے، کہ دو شخص ہیں ایک ان میں سے گونگا ہے

يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ اَيْنَمَا

کسی چیز پر قادر نہیں اور وہ اپنے مالک پر وبال جان ہے اور وہ جہاں

يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ وَ مَنْ

اسے بھیجتا ہے وہ کوئی کام درست کر کے نہیں لاتا ف۱۱۹ کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں، جو

ف۱۱۱ (اس کے سچے دین کے منکر رہ کر) اَفَبِالْبَاطِلِ۔ ف سے مراد ہے پھر بھی، یعنی اللہ کی توحید و ربوبیت کے سارے دلائل و شواہد سننے اور جاننے کے بعد۔ بِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی بے بنیاد وہمی چیزوں پر، مثلاً بتوں کی معبودیت پر ایمان لاتے ہیں۔ ف۱۱۲ یعنی نہ صرف یہ کہ بالفعل اختیار نہیں رکھتے، بلکہ سرے سے اس کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ اگر چاہیں جب بھی یہ اختیار نہیں حاصل کر سکتے۔ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ۔ آسمان سے رزق مثلاً بارش۔ ف۱۱۳ صحیح مثال اپنے متعلق وہی بیان کر سکتا، اور صحیح صفات اپنی وہی بتا سکتا ہے۔ تم جب اپنی نافہمی سے کوشش کرو گے، ایسی ہی الٹی پلٹی باتیں کرو گے۔ مشرکین کا ایک مایۂ ناز استدلال اس وقت یہی تھا، اور اب بھی ہے کہ آخر دنیا کے بادشاہوں کی خدمت میں براہ راست عرض معروض کون کر سکتا ہے۔ درمیانی واسطوں کی، عرض بیگیوں کی، امیروں وزیروں کی ضرورت پڑتی ہی ہے۔ پھر جو سب سلاطین کا سلطان اور شہنشاہ اعظم ہے، اس سے براہ راست اور بلا واسطہ تعلق پیدا کرنا کیونکر ممکن ہے؟ اور ہم جو ان مورتیوں کی اور ان ستاروں کی پرستش کرتے ہیں، تو وہ بھی اسی لئے کہ وہ رب الارباب کے خادم اور اس کے ہاں مقرب ہیں۔ استدلال کی خرافت بالکل ظاہر ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی آخر انسان ہی ہوتا ہے، بشر ہی کے سے محدود و ناقص قوٰی رکھتا ہے۔ وہ تو اس پر مجبور ہے کہ دوسروں کی اعانت حاصل کرے۔ اس کے برخلاف کہاں رب العالمین، جو ہر قید سے ماوراء، ہر اعتبار سے غیر محدود، ہر حد و نہایت سے برتر ہے۔ دونوں کا کوئی مقابلہ ہے؟ دونوں کے درمیان کوئی نسبت ہے؟ اس بے نیاز ہستی کو محتاج ہستیوں پر کسی طرح قیاس کیا جا سکتا ہے؟ مغالطہ قیاس مع الفارق کی اس سے زیادہ کھلی ہوئی مثال اور کیا ہوگی؟ — آیت کی یہ توضیح امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے مذاق کے مطابق تھی۔ عام مفسرین نے امثال کو مثل کی جمع قرار دے کر معنی یہ کئے ہیں کہ مخلوقات میں سے کسی شے کو اس کے مثل نہ بتاؤ۔ قال المفسرون یعنی لا تشبھوہ بخلقه (کبیر) ف۱۱۴ (کہ کسی مال میں تصرف کر سکے، بجز اپنے مالک کی اجازت کے) غلام کے لئے تو خیر مالک سے اجازت کے بعد امکان تصرف باقی ہے، معبودان باطل میں تو مالک کی اجازت سے بھی مالکیت میں دخل پانے کا امکان نہیں۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا۔ مثال سے مقصود بطلان شرک کا اظہار ہے:۔ ف۱۱۵ (جب اور جس طرح چاہے، کوئی اس کی روک ٹوک کرنے والا نہیں) ف۱۱۶ ظاہر ہے کہ نہیں۔ تو جب مالک مجازی و مملوک مجازی مساوی نہیں ہو سکتے، جو اپنی اصل و خلقت کے لحاظ سے بالکل ایک ہیں، اور باہم فرق محض اعتباری و اضافی رکھتے ہیں، تو مالک حقیقی و مملوک حقیقی کیونکر یکساں و مساوی ہو سکتے ہیں۔ جن کے درمیان کوئی شے بطور قدر مشترک ہی نہیں۔ هَلْ يَسْتَوٗنَ۔ ذکر ایک ہی صفات کے لوگوں کا ہو رہا ہے۔ مقصود یہاں دو فرد نہیں، بلکہ ان متضاد صفات کے کل اشخاص ہیں۔ ایک ایک طرف، دوسرے دوسری طرف — صیغہ بھی اسی لئے بجائے تثنیہ کے جمع کا آیا ہے، ف۱۱۷ (نہ کہ اصنام اور معبودان باطل کے لئے) کامل الذات والصفات اور مستحق عبادت وہی ایک ہے۔ اور نعمتوں کے دینے میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اے ھو المستحق للحمد دون ما یعبدون من دونه اذلا نعمة للاصنام علیھم فتحمد علیھا (بحر) ف۱۱۸ (اور شرک سے باز نہیں آتے) اَكْثَرُهُمْ۔ ضمیر جمع مذکر غائب مشرکین کی جانب ہے۔ ان لوگوں کا عدم علم حقیقت چونکہ عدم تدبر اور عدم توجہ کا نتیجہ ہے، اس لئے ایسے لوگ معذور بھی نہیں قرار دیئے جا سکتے۔ ف۱۱۹ گویا اس درجہ خرف و لا یعقل ہے کہ خود تو کیا کرتا، مالک کی تعلیم کے باوجود بھی کوئی کام درست نہیں کر پاتا۔ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ۔ یعنی علاوہ غلام ہونے اور ہر طرح معذور ہونے کے گونگا بھی ہے، اور تکلم پر غیر قادر۔ جو نہ اپنی کہہ سکے نہ دوسرے کی سن سکے۔ اَبْكَمُ کے ایک معنی اہل لغت سے، لا یعقل اور سماعت وبصارت سے محروم ہونے کے بھی منقول ہیں۔ عن ابن الاعرابی الابکم الذی لا یعقل (کبیر) قال الزجاج الابکم المطبق الذی لا یسمع ولا یبصر (کبیر) الابکم الذی ولد اخرس فلا یفھم ولا یفھم (کشاف) پیدائشی گونگا بہرا بھی ہوتا ہے۔ جو نہ کسی کی سنتا ہے اور نہ اپنی کسی کو سنا سکتا ہے۔ الابکم الخرس المقارن للخلقة ویلزمه الصم (روح) فکانهٗ قیل احدھما اخرس اصم ولا یفھم (روح) لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ۔ نہ اپنے متعلق قدرت، نہ اپنے سے غیر کے متعلق قدرت۔ لا یقدر علی شیء من الاشیاء المتعلقة بنفسه او غیرہ بحدس او فراسة لسوء فھمه و ادراکه (روح) تمثیل سے مقصود مشرک کی تمام تر بے بسی کو ظاہر کرنا ہے۔

ف۱۲۰ یعنی ناطق ہے، عاقل ہے، فاعل مختار ہے، قوتِ علمی وعملی کا جامع ہے۔ ف۱۲۱ (جو ایک فرع ہے حق تعالیٰ کے علم کامل ومحیط کی) لِلّٰہِ کی ترکیب ہی سے اشارہ ہوگیا کہ یہ علم غیب خاصہ

يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٧٦﴾

اچھی باتوں کی تعلیم دیتا ہو اور وہ خود سیدھے راستہ پر ہے ف۱۲۰

وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا أَمْرُ

اور اللہ ہی کے لئے (خاص) ہیں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں ف۱۲۱ اور قیامت کا معاملہ

السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ۚ إِنَّ اللَّهَ

بھی ایسا ہو گا جیسے آنکھ کا جھپکنا، بلکہ اس سے بھی جلد تر بے شک اللہ

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٧٧﴾ وَاللَّهُ أَخْرَجَكُم مِّن

ہر چیز پر قادر ہے ف۱۲۲ اور اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے

بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا ۙ وَجَعَلَ لَكُمُ

پیٹ سے نکالا اس حال میں کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے لئے

السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٧٨﴾

سماعت اور بینائی اور دل پیدا کئے تاکہ تم شکرگزار بنو ف۱۲۳

أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ ۚ مَا

کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضاء میں (قدرت کے) مسخر ہیں، انہیں

يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

کسی (اور) نے نہیں تھام رکھا ہے بجز اللہ کے ف۱۲۴ بے شک اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں

يُؤْمِنُونَ ﴿٧٩﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّن بُيُوتِكُمْ سَكَنًا

ایمان والوں کے لئے ف۱۲۵ اور اللہ ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھر وجہ سکون بنائے

وَجَعَلَ لَكُم مِّن جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا

اور تمہارے لئے جانوروں کے کھال کے گھر بنائے جنہیں تم اپنے کوچ کے دن

صرف حق تعالیٰ کا ہے، جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ لله تعالیٰ خاصه لا لاحد غيره استقلا لًا ولا اشتراكًا (روح) يفيد الحصر معناه ان العلم بهذه الغيوب ليس الا لله (کبیر) ف۱۲۲ آیت کے شروع میں بیان حق تعالیٰ کے کمال علم کا ہے، اور آخر آیت میں بیان کمال قدرت کا۔ دونوں کے درمیان ذکر قیامت کا ہے۔ جو قبل وقوع دیکھئے تو ایک مثال ہے کمال علم کی، اور بعد وقوع کے لحاظ سے نظر کیجئے تو ایک مثال ہے کمال قدرت کی! اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ۔ یعنی ایسا ہی آناً فاناً۔ عام محاورۂ انسانی میں کسی شے کے فی الفور واقع ہو جانے کے لئے طریق تعبیر یہی ہے۔ الغرض من التشبيه بيان سرعته لا بيان مقدار زمان وقوعه وتحديده (روح) والمراد منه تقرير كمال القدرة (کبیر) اَوْ هُوَ اَقْرَبُ۔ او یہاں بل کا مرادف ہے۔ اظہار شک وتردد کے لئے نہیں۔ او قال الفراء بمعنى بل (روح) قيل بمعنى بل (بیضاوی) لا شبهة فى انه ليس المراد طريقة الشک بل المراد بل هو اقرب (کبیر) اَمْرُ السَّاعَةِ سے مراد ہے مردوں میں جان پڑ جانے کا ماجرا۔ ف۱۲۳ (یہ خیال کر کے کہ اس نے ان آلات کے ذریعہ سے تمہاری بے علمی علم سے بدل دی) جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ۔ سماعت اس لئے دی کہ حق تعالیٰ کے احکام سنو۔ آنکھیں اس لئے دیں، کہ حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت کے نمونے مشاہدہ کرو۔ اور دل اس لئے کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا احساس، اور اس پر غور وتدبر کرو۔ جعل لكم السمع لتسمعوا مواعظ الله والابصار لتبصروا دلائل الله والافئدة لتعقلوا عظمة الله (کبیر) اَلسَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ۔ سماعت اور بصارت کی تخصیص شاید اس لئے کہ آلات علم وذرائع معرفت میں اہم ترین یہی دو ہیں۔ اور دل کی تخصیص اس لئے کہ حواس ظاہری وباطنی سب اسی کے تابع ہیں۔ وَجَعَلَ لَكُمُ الخ۔ و ہمیشہ ترتیب زمانی ہی کے لئے نہیں آتا۔ اس لئے یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ جعل لكم السمع والابصار کو اخرجكم من بطون امهتكم کے بعد کیوں لایا گیا ہے۔ ف۱۲۴ یعنی اس صانع مطلق ہی نے ان کا جسم اس سبک وضع کا بنایا ہے کہ باوجود ثقل کے، ہوائے لطیف ورقیق میں دوڑتے پھرتے ہیں۔ آیت میں ضمناً پرند پرستی کی بھی تردید آگئی۔ یعنی یہ پرند غریب معبود ہونے کی صلاحیت تو کیا رکھتے، اپنے کو ہوا میں سنبھال بھی نہیں سکتے بغیر اذن خداوندی کے— مشرک قوموں نے پرندوں تک کو بھی بغیر معبود بنائے نہیں چھوڑا ہے۔ باز، شکرا، الو، مور بہت سے پرندوں کی پرستش ہو چکی ہے، اور نیل کنٹھ وغیرہ کا تقدس تو آج بھی ہندوستان میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ف۱۲۵ (حق تعالیٰ کی حکمت، قدرت اور ربوبیت کی)

یَوۡمَ ظَعۡنِكُمۡ وَ یَوۡمَ اِقَامَتِكُمۡ ۙ وَ مِنۡ اَصۡوَافِهَا

اور اپنے مقام کے دن ہلکا پاتے ہو و۱۲۶ اور ان کے اون اور ان کے روئیں اور

وَ اَوۡبَارِهَا وَ اَشۡعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰی حِیۡنٍ ﴿۸۰﴾

ان کے بالوں سے (تمہارے) گھر کا سامان اور ایک مدت تک چلنے والی فائدے کی چیزیں بنائیں، و۱۲۷

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنَ

اور اللہ نے تمہارے لئے اپنی بعض مخلوقات کے سائے بنائے اور تمہارے لئے

الۡجِبَالِ اَكۡنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمۡ سَرَابِیۡلَ تَقِیۡكُمُ الۡحَرَّ

پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں و۱۲۸ اور تمہارے لئے (وہ) پیراہن بنائے جو تمہاری حفاظت گرمی سے کرتے ہیں

وَ سَرَابِیۡلَ تَقِیۡكُمۡ بَاۡسَكُمۡ ؕ كَذٰلِكَ یُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ

اور (وہ) پیراہن جو تمہاری حفاظت (تمہاری آپس کی جنگ میں) کرتے ہیں، و۱۲۹ (اللہ) اسی طرح اپنی

عَلَیۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَیۡكَ

نعمتیں تم پر پوری کرتا ہے تاکہ تم فرمانبردار رہو و۱۳۰ لیکن اگر یہ روگردانی کئے رہیں تو آپ کے ذمہ تو

الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۸۲﴾ یَعۡرِفُوۡنَ نِعۡمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنۡكِرُوۡنَهَا

صاف صاف پہنچا دینے کے سوا اور کچھ بھی نہیں و۱۳۱ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں اور پھر ان سے انجان

وَ اَكۡثَرُهُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۸۳﴾ؒ وَ یَوۡمَ نَبۡعَثُ مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ

ہو جاتے ہیں اور اکثر تو ان میں کے کافر ہیں و۱۳۲ اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر امت میں سے

شَهِیۡدًا ثُمَّ لَا یُؤۡذَنُ لِلَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَ لَا هُمۡ

ایک گواہ پھر کافروں کو نہ اجازت دی جائے گی و۱۳۳ اور نہ ان سے (اللہ کو)

یُسۡتَعۡتَبُوۡنَ ﴿۸۴﴾ وَ اِذَا رَاَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوا الۡعَذَابَ فَلَا

راضی کرنے کی فرمائش کی جائے گی و۱۳۴ اور جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ نہ

ع ۱۱ / ۱۴

و۱۲۶ (اور اس لئے سفر میں ان کا لادنا، اکھاڑنا، نصب کرنا سب سہل معلوم ہوتا ہے) جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ بُیُوۡتِكُمۡ سَكَنًا۔ یہ حالت حضر کا ذکر ہے، اور اس کے معاً بعد خیموں کی سفری زندگی کا بیان ہے۔۔۔ گویا انسانی معاشرت کی دونوں حالتوں کی مکمل تصویر آ گئی۔ مِنۡ بُیُوۡتِكُمۡ سَكَنًا۔ یہ اینٹ اور پتھر اور مٹی، اور چونے اور لکڑی کے گھر، بیشتر انسانی آبادی کے مسکن، انسان کے لئے راحت قلب وسکونِ خاطر کا کتنا بڑا ذریعہ اور سبب ہیں، اس کی قدر کوئی اس غریب سے پوچھے، جو بیچارہ بے گھرا ہو، اور اپنا چھوٹا بڑا کوئی مکان بھی نہ رکھتا ہو!۔۔۔ جس طرح ہم بچپن سے کپڑے پہننے کے اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ ہمیں ان کا وزن تک نہیں محسوس ہوتا، اسی طرح مکان بھی چونکہ چھوٹا بڑا، کوئی نہ کوئی، اپنی حیثیت وبساط کے لائق ہم میں سے ہر شخص رکھتا ہے، اس لئے اس کا پورا اندازہ ہی نہیں ہونے پاتا کہ مکان ہے کتنی بڑی نعمت۔۔۔ یہ قرآن مجید ہی کا کام تھا جو اسے وجہ سکون ومایۂ تسکین پکار کر کہہ دے۔ مِنۡ جُلُوۡدِ الۡاَنۡعَامِ بُیُوۡتًا۔ یہ سفری مکان یا خیمے ڈیرے عموماً چرمی اور پوستینی ہوا کئے ہیں۔ تَسۡتَخِفُّوۡنَهَا یَوۡمَ ظَعۡنِكُمۡ وَ یَوۡمَ اِقَامَتِكُمۡ۔ یہ خیمے ڈیرے محض تعیش کا سامان نہیں اور صرف شکار وغیرہ تکلفات ہی کے کام میں نہیں آتے، بلکہ دنیا کی ایک خاصی بڑی آبادی کا مستقل مسکن بھی ہیں۔۔۔ عرب اہل بادیہ نے جس طرح نسلوں پر نسلیں خیموں ڈیروں ہی میں گزار دیں، کسی پر مخفی نہیں۔ یہود کی بھی قدیم عبری نسل مدتوں خیمہ بدوش رہی۔ آج بھی دنیا کی نیم وحشی ''خانہ بدوش'' قوموں سے اکثر کا، اور بڑی سی بڑی متمدن قوموں کے ایک خاصے حصہ کا گزر خیموں ہی پر رہا کرتا ہے۔۔۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ توریت میں بھی خیموں ڈیروں کے حوالے کثرت سے آئے ہیں۔ و۱۲۷ اس کے اندر کمل، دُھسے، شال، دوشالے، کملیاں، جوتے، کوڑے، موزے، تھیلے، تھیلیاں، مشکیزے، بکس بیگ، پیٹیاں، گھوڑے کی کاٹھیاں اور ساز، اور ہر قسم کا چرمی اور ریشمی سامان آ گیا۔ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا۔ متاع کا مفہوم اثاث سے وسیع تر ہے، اور سامانِ تجارت، اسباب آرائش وزینت وغیرہ سب پر شامل ہے۔ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اثاث تو وہ ہے جو انسان کی پوشش اور دوسری ضروریات میں کام آتا ہے، اور متاع وہ سامان ہے جن سے مکانوں میں فرش اور زینت کا کام لیا جاتا ہے۔ الاثاث ما یکتسی به المرء و یستعمله فی الغطاء و الوطاء والمتاع ما یفرش فی المنازل ویزین به (کبیر) آیت سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ بال، کھال وغیرہ کا انتفاع مردہ جانوروں سے بھی جائز ہے۔ فیه الادلالة علی جواز الانتفاع بما یؤخذ منها من ذٰلک بعد الموت اذلم یفرق بین اخذها بعد الموت و قبله (جصاص) و۱۲۸ (مثلاً غار کہ سردی گرمی سے، بارش سے، جنگلی جانوروں سے، سب سے پناہ کا کام دیتے ہیں) مِمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا درختوں کے، عمارتوں کے، ٹیلوں اور پہاڑوں کے سایہ سے انسان کی آسائش اُٹھانا بالکل ظاہر ہے۔ و۱۲۹ یہ سب اللہ کی مختلف نعمتوں ہی کی تفصیل ہو رہی ہے۔ سَرَابِیۡلَ۔ سربال کا لفظ عام ہے ہر قسم کے پیراہن کے لیے۔ القمیص من ای جنس (راغب) یہاں اس قمیص یا بالائی جسم کی پوشش کی دو خاص قسمیں ارشاد ہو رہی ہیں۔ سَرَابِیۡلَ تَقِیۡكُمُ الۡحَرَّ ایک وہ پوشش جو موسم کی سختیوں سے جسم کو محفوظ رکھے۔۔۔ سردی کو چھوڑ کر یہاں صرف گرمی کی تخصیص کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ سردی سے حفاظت کا ذکر کچھ ہی اُوپر آ چکا ہے لکم فیها دف ءٌ اور دوسری بات یہ ہے کہ مخاطبین اوّل عرب تھے۔ اور عرب میں لباس کی اصلی ضرورت، ظاہر ہے کہ بادِ سموم کی تند لپٹ اور آفتاب گرم کی کڑی کرنوں ہی سے بچنے کے لیے ہے۔ قال عطاء الخراسانی المخاطبون بهٰذا الکلام هم العرب و بلادهم حارّةٌ فکانت حاجتهم الی ما یدفع الحرّ فوق حاجتهم الی ما یدفع البرد (کبیر) سَرَابِیۡلَ تَقِیۡكُمۡ بَاۡسَكُمۡ پوشش کی دوسری قسم سے مراد ہیں جنگی پیراہن، زرہ، جوشن وغیرہ۔ و۱۳۰ (کم سے کم ان نعمتوں ہی کے اعتراف میں) ان نعمتوں میں سے بعض تو کھلی ہوئی، بالکل قدرتی اور غیبی ہیں، اور دوسری جو انسانی صناعی اور دستکاری کی رہینِ منت ہیں، اُن کا بھی مادہ تو اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا، اور اُن کے بارہ میں انسان کو جو سلیقۂ ترتیب وترکیب ملا، وہ بھی تو عطیۂ الٰہی ہی ہے، و۱۳۱ (تو آپ ان کے لیے غم وتردد میں ہرگز نہ پڑیں) فَاِنۡ تَوَلَّوۡا۔ ف سے اشارہ ادھر ہو گیا، کہ وضوحِ دلائل کے بعد بھی اگر یہ توحید وایمان سے برگشتہ رہیں۔ صیغۂ مخاطب سے غائب کی طرف انتقال صنعت التفات میں سے ہے، جس کا ذکر کئی بار آ چکا ہے۔ و۱۳۲ (جو زبانی بھی اقرار توحید نہیں کرتے، بلکہ سرے سے منکرِ حق ہیں) ای الجاحدون غیر معترفین (کشاف) یَعۡرِفُوۡنَ نِعۡمَتَ اللّٰهِ یہ معذور بھی نہیں، کہ سرے سے اللہ کی ان نعمتوں کو پہچان ہی نہ سکے ہوں۔ ثُمَّ یُنۡكِرُوۡنَهَا یعنی اپنی عملی زندگی میں اللہ منعم حقیقی کی طرف سے انجان بن کر غیر اللہ کے ساتھ معاملہ اللہ کا سا کرنے لگتے ہیں۔ و۱۳۳ (کہ اب کچھ عذر ومعذرت پیش کر سکیں) مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیۡدًا یہ گواہ اُسی امت کا رسول ہوگا۔ یہ گواہ شہادت دے گا کہ میں نے تمام احکام کی تبلیغ پوری پوری کر دی تھی، اس پر بھی اُمت منکر وباغی رہی۔ اُمَّةٍ۔ اُمّة سے مراد ظاہر ہے کہ اُمت دعوت ہے۔ یہ یعنی وہ قوم جو نبی کے پیام کی مخاطب رہی۔ یہ مراد نہیں کہ جنہوں نے اُس پیام کو قبول بھی کیا۔ و۱۳۴ اور وجہ بالکل ظاہر ہے۔ آخرت صرف دار الجزاء ہے، دار العمل نہیں۔

يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ

ان سے ہلکا کیا جائے گا، اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ف۱۳۵ اور جب مشرکین اپنے "شریکوں" کو

اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا

دیکھیں گے تو بول اٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار یہی ہیں ہمارے وہ "شرکاء"

الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ

جنہیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارتے رہتے تھے پھر وہ (شرکاء) ان کی طرف مخاطب ہو کر کہیں گے کہ

اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ ۚ وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِ السَّلَمَ

تم (بڑے) جھوٹے ہو ف۱۳۶ اور (مشرکین) اس روز اللہ سے صلح (و اطاعت) کی طرح ڈال چلیں گے،

وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور جو کچھ وہ افتراء پردازیاں کرتے رہتے تھے وہ سب ان سے غائب ہو جائیں گی ف۱۳۷ جو لوگ کفر کرتے رہے

وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ

اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے رہے ان کے لئے ہم ایک سزا پر دوسری سزا

الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ

بڑھا دیں گے بہ عوض ان کے فساد کے ف۱۳۸ اور (وہ دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جس دن ہم

اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ

ہر امت سے ایک ایک گواہ انہی میں سے اٹھائیں گے اور ان (سب) لوگوں کے

شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا

مقابلہ میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے ف۱۳۹ اور ہم نے آپ پر کتاب اتاری ہے، ہر بات کو کھول

لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع

دینے والی اور مسلموں کے حق میں ہدایت اور رحمت اور بشارت ف۱۴۰

ع ۱۲ / ۱۸

ف۱۳۵ (کہ عذاب شروع ہی کچھ دیر بعد کیا جائے، یا یہ کہ وہ لوگ اس درمیان میں کچھ سعی و تدبیر کر لیں) اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ظالم سے مراد کافر ہیں یعنی اپنے حق میں ظلم کرنے والے۔ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ یعنی جب وہ عذاب اُن پر آ پڑے گا۔ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ ذرا بھی کمی نہ کی جائے گی، چاہے وہ کتنا ہی روئیں، پیٹیں، چلائیں۔ ف۱۳۶ (تم حقیقۃً تو پرستار صرف اپنے نفس اور اپنی ہوا و ہوس کے تھے، اور اپنی پرستاری کو منسوب ہماری جانب کر دیتے تھے) شُرَكَآءَهُمْ۔ شُرَكَآؤُنَا شریکوں، سے مراد اُن کے وہی دیوی دیوتا، ٹھاکر وغیرہ ہیں، جنہیں یہ شریک خدائی سمجھا کرتے تھے۔ ف۱۳۷ (اور جتنے سہارے اپنے عقاید باطلہ کی بنا پر قائم کر رکھے تھے اُن میں سے کوئی بھی اُن کے کام نہ آئے گا) وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِ السَّلَمَ یہ اطاعت اور خوشامد کی راہ اس وقت اختیار کریں گے، جب اپنے کو ہر طرح مجبور و مضطر پالیں گے —— آخرت میں اُن کا یہ طریق استسلام و اطاعت دنیا کے ٹھیک طریق استکبار و اعراض کے مقابل ہوگا۔ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ افتراء پردازی یہی، کہ ہمارے یہ معبود ہمیں بچا لیں گے، ہمارے کام آ جائیں گے۔ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ یہی چیزیں تو سب اُن سے بالکل گم ہو جائیں گی۔ ان خیالات و اوہام کی واقعیت کا کہیں شائبہ بھی نہ ملے گا۔ اے بطل ما كانوا يأملون منه ان الهتهم تشفع لهم عندالله تعالىٰ (کبیر) ف۱۳۸ پہلی سزا مبتلائے کفر رہنے پر ہوگی، اور دوسری سزا دوسروں کے مبتلائے کفر کرنے پر ملے گی۔ اے زادوا على كفرهم صدغيرهم عن الايمان فهم فى الحقيقة ازدادوا كفرًا على كفرٍ فلا جرم يزيدهم الله تعالىٰ عذابًا على عذابٍ (کبیر) فَوْقَ الْعَذَابِ یہ عذاب تو وہی کفر والا ہے۔ المستحق بكفرهم (بیضاوی) زِدْنٰهُمْ عَذَابًا ...... بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ یہ زاید عذاب سزائے اضلال و اغواء ہوگی۔ بكونهم مفسدين بصدهم (بیضاوی) ف۱۳۹ یعنی آپ کی شہادت عالمگیر ہوگی، سب کے مقابلہ میں حجت ہوگی —— شہادت تو ظاہر ہے کہ آپ بھی اپنی ہی اُمت کے متعلق دیں گے لیکن آپ کی اُمت دعوت تو ساری انسانی آبادی ہے، اس لیے قدرۃً آپ کی شہادت بھی عالمگیر ہی ہوگی۔ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۳۳۔ مِنْ اَنْفُسِهِمْ لفظ عام ہے۔ یہ گواہ یا پیمبر علیہ السلام اُن اُمتوں کے خواہ ہم نسب ہوں، یا ہم وطن ہوں۔ وَ جِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ۔ هٰٓؤُلَآءِ سے عام طور پر مراد اُمت محمدی سے لی گئی ہے۔ امتک (بیضاوی۔ مدارک) اے الذين بعثت اليهم (معالم) بعض نے هٰٓؤُلَآءِ سے مراد انبیاء سابقین کو بھی لیا ہے۔ یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن سب انبیاء علیہم السلام پر گواہ ہیں۔ لیکن محققین نے اس قول کو ضعیف ہی قرار دیا ہے۔ و اما حمل هٰؤلاء الشهداء على الانبياء فبعيد (کبیر) فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ۔ امة سے مراد ہر دور (قرن) یا جماعت ہے۔ واعلم ان الامّة عبارة عن القرن والجماعة (کبیر)۔ ف۱۴۰ یعنی اس کتاب اعظم سے نفع دنیوی واخروی، مادی و روحانی، تو بس وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو اس کے ماننے والے ہوں گے، جو پہلے اس کی تصدیق تو کریں۔ نہ ماننے والوں کے لئے اس کا وجود اس کے عدم کے برابر ہے...... پیدائشی نابینا کے لئے آفتاب عالمتاب کا عدم و وجود یکساں ہے۔ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ كل شئ۔ سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں، جن کا تعلق اعتقاد اور عمل سے ہے۔ یعنی دین و شریعت کے سارے اجزاء اجمالاً یا تفصیلاً اس کے اندر آ گئے۔ يعنى به بيان كل شىءٍ من امور الدين بالنص والدلالة (جصاص) بيانًا بليغا لكل شىء من امور الدين على التفصيل او الاجمال بالاحالة الى السنة او القياس (بیضاوی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دقائق احکام کی تشریح کی ہے، وہ سب کتاب اللہ ہی سے ماخوذ ہے، اور اسی لئے نبی کا حکم بھی خدا ہی کا حکم سمجھا گیا ہے۔ فما من حادثةٍ جليلةٍ ولا دقيقةٍ الا ولله فيها حكم قد بيّنه فى الكتاب نصًا او دليلًا فما بيّنه النبى صلی اللہ علیہ وسلم فانما صدر عن الكتاب (جصاص) اور فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اجماع اور اجتہاد و قیاس فقہاء سے جو احکام و مسائل ثابت ہیں، وہ بھی سب اسی تبیان کتاب اللہ کے تحت میں داخل ہیں۔ وما حصل عليه الاجماع فمصدره ايضًا من الكتاب لان الكتاب قددلّ على صحة حجة الاجماع وما اوجبه القياس واجتهاد الراى وسائر ضروب الاستدلال من الاستحسان وقبول خبر الواحد جميع ذٰلک من تبيان الكتاب (جصاص) واما الفقهاء فانهم قالوا القرأن انما كان تبيانًا لكل شىء لانه يدل على ان الاجماع وخبر الواحد والقياس حجةٌ فاذا ثبت حكم من الاحكام باحد هذه الاصول كان ذٰلک الحكم ثابتًا بالقراٰن (کبیر) اما فى الاحكام المنصوصة فظاهر وكذا فى ما ثبت بالسنة او بالاجماع اوبقول الصحابة او بالقياس لان مرجع الكل الى الكتاب (مدارک)

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي

بے شک اللہ عدل کا اور حسن سلوک کا اور اہل قرابت کو دیتے رہنے کا

الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ج

حکم دیتا ہے، اور کھلی برائی سے اور مطلق برائی سے اور ظلم (وسرکشی) سے ممانعت کرتا ہے

يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾ وَأَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا

وہ تمہیں (یہ) پند دیتا ہے اس لئے کہ تم نصیحت قبول کرو ۱۴۱ اور پورا کرو اللہ کے عہد کو جب

عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ

تم عہد کر چکے ہو ۱۴۲ اور قسموں کو بعد ان کے استحکام کے مت توڑو درآنحالیکہ

جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ط إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا

تم اللہ کو گواہ بنا چکے ہو ۱۴۳ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ

تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ

تم کرتے ہو ۱۴۴ اور تم اس (عورت) کی طرح نہ ہو جانا جس نے اپنا سوت کاتے پیچھے

بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ط تَتَّخِذُوْنَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ

اسے تار تار نوچ ڈالا ۱۴۵ کہ تم بھی اپنی قسموں کو باہمی فساد کا ذریعہ بنانے لگو

أَنْ تَكُوْنَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبٰى مِنْ أُمَّةٍ ط إِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ

اس غرض سے کہ ایک دوسرے سے گروہ بڑھ جائے ۱۴۶ اللہ اسی سے

اللّٰهُ بِهٖ ط وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ

تو تمہاری آزمائش کرتا رہتا ہے، اور (ان کی حقیقت) تمہارے اوپر ظاہر کردے گا قیامت کے دن، جن چیزوں

تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً

میں تم اختلاف کرتے رہے ۱۴۷ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا

۱۴۱ یہ آیت تعریف جہاں تک کہ تعلیمات اسلام کا تعلق ہے، قرآن مجید کی اہم ترین اور کلیدی آیات میں ہے۔ ایک معجزانہ ایجاز وجامعیت کے ساتھ اس کے اندر دین وشریعت کے اہم ترین احکام ثبوتی ونفی دونوں آ گئے۔۔۔۔۔۔ احکام ایجابی بھی اور احکام سلبی بھی۔ کتاب اللہ کا وصف تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ابھی ابھی بیان ہوا تھا۔ یہ آیت خود اسی تبیانیت" کی بہترین مثال ونمونہ ہے۔ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے عبد اللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ اور قتادہ تابعی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر خیر اور شر کے بیان کو اس آیت کے اندر اکٹھا کر دیا ہے۔ اور کوئی عقیدہ، خُلق، نیت، عمل، معاملہ، اچھا یا برا ایسا نہیں، جو امراً یا نہیاً ایجاباً یا سلباً اس کے اندر نہ آ گیا ہو۔ اور خود بھی آیت کو ہر طرح جامع احکام قرار دیا ہے۔ جمع فی ھٰذہ الأیة ما یتصل بالتکلیف فرضا ونفلا وما یتصل بالاخلاق والاٰداب عموما وخصوصا (کبیر) وعن ابن مسعودؓ اجمع اية فی القراٰن لخیرٍ وشرٍ ھٰذہ الأیة وعن قتادة لیس من خلق حسن کان فی الجاھلیة یعمل ویستحب الا امر اللہ تعالٰی به فی ھٰذہ الأیة ولیس من خلق سیء الّا نھی اللہ تعالٰی فی ھٰذہ الأیة (کبیر) حضرات تابعین کے بھی خیال میں سارے دستورِ حیات کا ایک جامع ومکمل خاکہ اس آیت کے اندر آ گیا ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمۃ کے وقت سے یہ آیت اہل سنت کے خطباتِ جمعہ میں داخل ہو گئی، تا کہ ہر ہفتہ متواتر امت کے کان اس صدائے حق سے آشنا ہوتے رہیں۔ اور اس وقت سے آج تک یہ آیت امت کے خطباتِ جمعہ کا جزو بنی ہوئی چلی آ رہی ہے۔ بِالْعَدْلِ۔ عدل سے مراد ہے قوائے علمی وعملی میں اعتدال وتوسط۔ عقائد واعمال، اخلاق ومعاملات کے سارے شخصی مامورات اس کے اندر آ گئے۔ ای بالتوسط فی الامور اعتقادا وعملا وخلقا (بیضاوی) وَالْإِحْسَانِ۔ احسان سے مراد وہ نیکیاں ہیں جن کا نفع دوسروں تک متعدی ہے۔ اس خصوصیت کے لحاظ سے ان کا ذکر الگ کر کے کیا گیا۔ اور اسی میں اپنے اعمال وطاعات کو بہترین انداز سے ادا کرنا بھی آ گیا۔ ای احسان الطاعات وھو ما بحسب الکمیّة اوبحسب الکیفیّة (بیضاوی) ای احسان الاعمال والعبادة ای الاتیان بھا علی الوجه اللائق وھو اِمّا بحسب الکیفیّة اوبحسب الکمیّة (روح) وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى۔ یہ اسی احسان کی اہم ترین وافضل ترین شکل ہے ای اعطاء الاقارب ما یحتاجون الیه (بیضاوی) ان تین مامورات کے مقابل منہیات بھی تین ہی ہیں:۔ عَنِ الْفَحْشَآءِ۔ فحشاء۔ ایسی برائی ہے جو کھلی ہوئی اور صریح ہے، یعنی علانیہ، پبلک میں کی جاتی ہے، اس کے تحت میں وہ سب برائیاں آ گئیں، جو قوتِ شہویہ کی افراط سے پیدا ہوتی ہیں۔ عن الفحشاء ای عن الافراط فی متابعة القوة الشھوانیة (بیضاوی) ای الافراط فی متابعة القوة الشھویة (روح) وَالْمُنْكَرِ۔ منکر عام ہے ہر ایسے امر کو جو شعائرِ اسلامی سے باہر ہو۔ اس کے تحت میں وہ سب معاصی آ گئے جو قوتِ غضبیہ کے افراط سے پیدا ہوتے ہیں۔ ما ینکر علی متعاطیة فی اشارة القوة الغضبیة (بیضاوی) ما ینکر علی متعاطیة من الافراط فی اظھار القوة الغضبیة (روح) وَالْبَغْيِ۔ بغی وہ ظلم وسرکشی ہے جس کا ضرر دوسروں تک پہنچے۔ اس کے ماتحت وہ سب حرکتیں آ گئیں، جو قوتِ وہمیہ کے غلبہ وافراط سے ظاہر ہوتی ہیں۔ الاستعلاء والاستیلاء علی الناس والتجبّر علیھم (بیضاوی) ای الاستعلاء والاستیلاء علی الناس والتجبر علیھم وھو من اٰثار القوة الوھمیة (روح) لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ اس وعظ سے مقصود یہ ہے کہ تم اپنے میں تذکر وتنبہ پیدا کرو۔ معناہ ان المقصود من ھٰذا الوعظ ان یقدموا علی تحصیل ذٰلک التذکیر (کبیر) طلبًا لان تتعظوا بذٰلک وتنبھوا (روح) ۱۴۲ (خواہ صراحۃً خواہ دلالۃً والتزاماً) بِعَهْدِ اللّٰهِ۔ اس کے عموم میں ہر وہ عہد آ گیا، جو شریعت کے موافق ہو، خواہ حقوق اللہ سے متعلق ہو، خواہ حقوق العباد سے متعلق ہو۔ اس کے اطلاق سے باہر صرف وہ عہد رہ جاتے ہیں، جو خلافِ شریعت ہیں۔ المراد منه کل عھد یلتزمه الانسان باختیارہ (کبیر) قال القاضی العھد یتناول کل امر یجب الوفاء بمقتضاہ (کبیر) ۱۴۳ (ان معاہدات کا، انہی قسموں کے ذریعہ سے) بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا اللہ کا واسطہ درمیان میں لا کر معاہدہ اور مؤکد ومستحکم ہو جاتا ہے۔ ای بعد توثیقھا بذکر اللہ (بیضاوی) ۱۴۴ (اور معاوضہ بھی ہر صورت میں اسی کے مطابق دے گا) والمراد فیجازیکم علی ما تفعلون (کبیر) وفاء عہد کے کرنے اور نقض عہد سے بچنے کی پوری تاکید اس تنبیہ میں آ گئی۔ ۱۴۵ (کہ کہیں تم بھی اس کی طرح اپنی قسموں کو، ان کی پختگی کے بعد توڑ ڈالنے لگو) روایتوں میں آتا ہے کہ مکہ میں ایک دیوانی عورت تھی۔ دن بھر مشقت سے سوت کاتتی، اور پھر بیدردی سے اپنے ہاتھ سے تکا بوٹی کر ڈالتی۔ اولین مخاطبین قرآن اس سے خوب واقف تھے۔ اس کی مثال دے کر فرمایا ہے کہ کہیں تم اپنا حال اس کا سا نہ کر لینا۔ ۱۴۶ (کثرت یا ثروت میں یا اور کسی اعتبار سے) أَرْبٰى کے معنی ہیں کہ عدد یا مال میں بڑھ جائے۔ ھی ازید عددا واوفر مالا (کشاف) وھٰذہ الزیادة قد تکون فی العدد وفی القوة وفی الشرف (کبیر) یعنی مثلاً کافروں کے دو گروہوں میں باہم مخالفت ہوئی، اور تمہاری ایک فریق سے صلح ہے۔ لیکن تم نے پلا دوسری طرف جھکتا ہوا دیکھا، تو تمہیں بھی خیال آیا کہ اس پہلے گروہ سے ٹوٹ کر اسی دوسرے کے ساتھ ہو لیا جائے۔۔۔ یہ صورت شریعت کی نظر میں ممنوع اور سخت ناپسندیدہ ہے۔ تَتَّخِذُوْنَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ۔ کہ اس عہد شکنی اور حلف کی خلاف ورزی سے دوستوں میں بے اعتباری بڑھے گی اور دشمنوں میں ناگواری۔ دَخَلًا۔ دخل کے معنی دغل کی طرح فساد اور چھپی ہوئی عداوت کے ہیں۔

الدخل كناية عن الفساد والعداوة المستبطنة كالدغل (راغب) اى مفسدة ودغلا (کشاف) بَعْدِ قُوَّةٍ۔ یعنی اس سوت کو خوب مضبوطی سے بٹ چکنے کے بعد۔ اى بعد ان فتلته فتلا شديدا الان العرب تسمى شدة الفتل قوة (جصاص) من بعد ابرام واحكام (بیضاوی) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ کسی عہد یا عبادت کو اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد پھر اسے پورا نہ کرنا، سوت کات چکنے کے بعد اسے نوچ ڈالنا ہی ہے۔ فمن عقد على نفسه عقدا او اوجب قربة او دخل فيها ان لا يتمها فيكون بمنزلة التى نقضت غزلها بعد قوة (جصاص) فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ نفلی عبادت بھی شروع کر چکنے کے بعد اسے اتمام تک پہنچانا واجب ہو جاتا ہے۔ وهذا يوجب ان كل من دخل فى صلوة تطوع او صوم نفل او غير ذلك من القرب ان لا يجوز له الخروج منه قبل اتمامه (جصاص) فرنگی قوموں نے قرآن مجید کی صرف اسی ہدایت پر عمل کر لیا ہوتا، تو آج دنیا کا نقشہ کتنا مختلف اور کتنا زیادہ پر امن ہوتا، نہ یہ روز روز کے نئے نئے معاہدے ہوتے، کہ آج پر قوت فلاں قوم ہے، تو ساتھ اس کا دے دیا گیا، اور قدیم معاہد قوم سے عہد توڑ لیا گیا، اور نہ اس کے نتیجہ میں یہ روز روز کی جنگ اور بدامنی دنیا پر مسلط رہتی! و۱۴۷ (اور مختلف راہیں اختیار کرتے رہے تھے) يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ۔ بِهٖ میں ضمیر یا تو فقرہ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ الخ کی طرف ہے۔ یعنی ایک گروہ کی افزائش قوت وثروت سے آزماتا ہے۔ اور یا یہ مراد ہو کہ اللہ اپنے اس امر ونہی سے تمہیں آزماتا ہے۔ الضمير لقوله ان تكون امة (کشاف) اى بما يأمركم وينهاكم (کبیر) يَبْلُوْكُمْ۔ یعنی یہی آزمائش کہ دیکھیں کہ اب بھی پاس وفا کون رکھتا ہے، اور پلا جھکتے دیکھ کر کون دوسری طرف خود ہی جھک جاتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ عہد کے بعد نقض عہد اگر آسان اور مفید نظر آئے، جب بھی وفائے عہد لازم ہے۔ لَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ قیامت کے دن کا فیصلہ عملاً وعیاناً ہو گا، ورنہ دلائل کے لحاظ سے تو آج بھی ہو چکا ہے۔ و۱۴۸ یعنی اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوتی، کہ کوئی گمراہ ہونے ہی نہ پائے، تو سب کو ایک ہی طریقہ پر لازمی طور پر چلا دیتا، اور مذہب وملت کا کوئی اختلاف پیدا ہی نہ ہونے دیتا۔ لیکن اس کی حکمت بالغہ کو یہ تو منظور ہی نہیں۔ اس نے تو ہدایت وضلالت کا قانون ہی دوسرا رکھا ہے۔ و۱۴۹ (سو تم کہیں جبریت کے فریب میں نہ آ جانا، اور اپنے کو مجبور محض نہ سمجھ بیٹھنا۔ تم فاعل مختار اور اپنے افعال کے ذمہ دار بنا کر بھیجے گئے ہو۔ تمہیں عقل، شعور، ارادہ واختیار سے سرفراز کیا گیا ہے، تم سے ایک ایک عمل کے بابت سوال ہوگا) و۱۵۰ (اور وہ دوسرے عہد شکنی میں تمہاری تقلید کرنے لگیں) وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ۔ وہ اس طرح کہ اپنے عہدوں اور قسموں کو توڑنا شروع کر دو و۱۵۱ ایک تو خود اپنی معصیت کے سبب سے، اور دوسرے اس لئے کہ دوسرے لوگ تمہاری ہی مثال دیکھ کر نقض عہد کے مرتکب ہوئے...... اس عذاب سے، عذاب آخرت مراد ہے۔ وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ۔ السُّوْٓءَ سے اس سیاق میں مراد دنیوی مصیبتیں، قتل، اسیری، جلاوطنی وغیرہ ہیں۔ والمراد من السوء العذاب الدنيوى من القتل والاسر والنهب والجلاء وغير ذلك (روح) السُّوْٓءَ۔ لفظاً صیغہ واحد ہے۔ مراد مجموعہ مصائب ہے۔ مراعاة للمجموع او للفظ الجمع على الوجه الكثير (روح) و۱۵۲ اجر آخرت کے مقابلہ میں دنیا کا کثیر ترین نفع بھی قلیل ہی ہے۔ یہ مراد نہیں کہ دنیا کا نفع اگر کثیر ہو رہا ہو تو احکام کی خلاف ورزی جائز ہے، مراد یہ ہے کہ اجر آخرت کو دنیا کے کسی معاوضہ پر بھی ہرگز فروخت نہ کر دینا۔ بِعَهْدِ اللّٰهِ۔ عهد الله سے مراد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت ایمانی ہے، جس کے اندر سارے ہی احکام شریعت آ گئے۔ المراد به عند كثير بيعة رسول الله ﷺ على الايمان (روح) و۱۵۳ (کہ اجر آخرت کیا قدر وقیمت رکھتا ہے) مَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی اجر آخرت۔ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ دنیا کی ہر لذت، ہر نعمت سے کہیں بڑھ چڑھ کر۔ و۱۵۴ یعنی دنیا کا سارا ذخیرہ اولاً تو وہ ہے ہی کتنا، اور پھر جتنا ہے، سریع الزوال کیسا ہے، آناً فاناً ختم ہو جانے والا۔ اور اجر آخرت اول تو بے حساب وبے نہایت، اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ دائم، لازوال، غیر منقطع۔ موجودہ ”مہذب“ دنیا عقاید میں جس شے کو سب سے زیادہ اور یکسر بھولی ہوئی ہے وہ یہی آخرت کی نعمتیں اور ان کی اہمیت ہے۔ فسق ومعصیت کی طرف لے جانے والی، اور تقویٰ وطاعت کی طرف سے بے پروا کر دینے والی سب سے بڑھ کر یہی آخرت فراموشی ہے۔ اور اسی لئے قرآن مجید صدہا مختلف پیرایوں سے اسی کی یاد دلاتا رہتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ آیت صریح ہے آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کے باب میں۔ و۱۵۵ ترہیب وتخویف کے ساتھ ساتھ قرآن مجید ترغیب وتشویق سے بھی کیسا کام لیتا رہتا اور ہر نیک کار کو جنت کا مشتاق کس کس طرح بناتا رہتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا۔ یعنی جو لوگ احکام دین پر قائم وثابت قدم رہے اور اس کے لئے ہر کڑی جھیل لے گئے۔ صیغہ مخاطب سے یہ صیغہ غائب کی طرف دفعۃً انتقال عربی کے مشہور ومعلوم اسلوب بلاغت، طریق التفات کے مطابق ہے۔ لَنَجْزِيَنَّ۔ ن ثقیلہ تاکید کلام کے لئے ہے۔ نون العظمة (روح) و۱۵۶ (اسی دنیا میں، جیسا کہ انبیاء ومومنین، متقین کی پاکیزہ زندگیاں خود اس پر گواہ ہیں) مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔ اس تصریح نے اس حقیقت کو ایک بار پھر روشن کر دیا کہ اجر اعمال کے لحاظ سے عورت اسلام کی نظر میں مرد سے کم نہیں، اس کے مساوی ہے۔ اور مشرک قوموں نے عورت کو حق تعالیٰ کی نظر میں جو ایک پست وحقیر مخلوق ٹھہرایا ہے، اس کی پوری تردید ہو گئی۔ یہ تو ماضی کا قصہ تھا۔ لیکن کیا عجب ہے کہ جاہلیت جدید کسی دنیا کو اس عقیدہ کی جانب بھی لے جائے کہ نظام فطرت میں عورت نہیں بلکہ مرد پست وحقیر ہے، تو قرآن مجید کی یہ آیت اس وہم کی

وَّ لٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ دکھا دیتا ہے و۱۴۸

وَ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا

اور جو کچھ تم کر رہے ہو ضرور اس کے باب میں تم سے سوال ہو کر رہے گا و۱۴۹ اور اپنی قسموں کو

اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا

باہمی فساد کا ذریعہ نہ بناؤ، کہیں (کسی اور کا) قدم اس کے جمنے کے بعد نہ پھسل جائے و۱۵۰

وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ لَكُمْ

اور تم کو تکلیف بھگتنا پڑے بہ سبب اس کے کہ تم (دوسروں کے) مانع ہوئے اللہ کی راہ سے، اور تمہیں

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ

بڑا عذاب ہوگا و۱۵۱ اور اللہ کے عہد کو (دنیا کے) تھوڑے نفع کے عوض میں نہ بیچ ڈالو و۱۵۲

اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا

بے شک اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے، اگر تم علم (صحیح) رکھتے ہو و۱۵۳ جو کچھ

عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَ لَنَجْزِيَنَّ

تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے و۱۵۴ اور جو لوگ

الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

ثابت قدم رہے ہم ان کا اجر انہیں ضرور دے کر رہیں گے جو کچھ وہ اچھے کام کرتے رہے ہیں اس کے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى

عوض میں و۱۵۵ نیک عمل جو کوئی بھی کرے گا مرد ہو یا عورت

وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ

بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے و۱۵۶ اور ہم انہیں ان کے

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ

اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے ۱۵۷ؔ تو جب آپ قرآن

الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ

پڑھنے لگیں تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے ۱۵۸ؔ

لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ

اس کا کچھ بھی قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان لے آئے اور اپنے پروردگار پر

يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ

بھروسہ رکھتے ہیں ۱۵۹ؔ اس کا قابو تو بس انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اسے دوست بنائے رکھتے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ

اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے رہتے ہیں ۱۶۰ؔ اور جب ہم کسی آیت کو دوسری آیت کی جگہ

اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ

بھیج دیتے ہیں اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ وہ بھیجتا رہتا ہے، تو یہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ تم تو نرے گڑھ لینے والے ہو

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ

۱۶۱ؔ نہیں بلکہ ان میں سے زیادہ تر بے علم ہیں ۱۶۲ؔ آپ کہہ دیجیے کہ اسے روح القدس نے آپ کے

مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى

پروردگار کے پاس سے حکمت کے موافق اتارا ہے، تا کہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے حق میں

وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا

ہدایت و بشارت بن جائے ۱۶۳ؔ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ

يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ

انہیں تو ایک آدمی سکھلا جاتا ہے ۱۶۴ؔ (حالانکہ) جس شخص کی جانب اس کی ناحق نسبت کرتے ہیں اس کی

ع ۱۳ ۱۱ ۱۹

تردید کے لیے بھی کافی ہوگی۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ یہ ایمان تو پہلی اور بنیادی شرط ہے عمل صالح کی۔ بغیر اس کے کوئی عمل صالح، حقیقۃً صالح ہی نہیں، بصرف صورۃً صالح کہا جا سکتا ہے۔ اہل سنت نے یہیں سے معتزلہ کے برخلاف یہ دلیل حاصل کی ہے، کہ عمل اور چیز ہے اور ایمان اور۔ وهو يدل على ان العمل ليس من الايمان (مدارک) حَيٰوةً طَيِّبَةً۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس بشارت سے یہ مراد نہیں کہ مومن صالح کو کبھی فقر یا مرض طاری نہ ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اطاعت کی برکت سے اس کے قلب میں ایسا نور پیدا ہوگا جس سے وہ ہر حال میں صابر وشاکر اور تسلیم ورضا سے رہے گا اور سکون وجمعیت خاطر کی اصل یہی رضا ہے۔ ۱۵۷ؔ (آخرت میں) گویا ایمان وعمل صالح یا مومنانہ زندگی کا ایک معاوضہ تو جس کا نام حیاتِ طیبہ ہے، نقد اسی دنیا میں مل جائے گا۔ اور پھر دوسرا اور اس سے کہیں بڑا معاوضہ آخرت میں نصیب میں آئے گا۔ نیز ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۵۵ ۱۵۸ؔ (دل سے تو ضرور، اور بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی) فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ استعاذہ کی حقیقت ہے دل سے حق تعالیٰ پر نظر رکھنا۔ اور اس کا یہ درجہ شریعت میں واجب ہے۔ اور زبان سے بھی کلمات استعاذہ کا دہرانا مسنون ہے۔ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ قرأت قرآن کے وقت شیطان کا دخل وتصرف یوں ہی بہت کم ہوتا ہے (بلکہ بعض آیتوں اور سورتوں سے تو شیطان کے فرار کی تاثیر منقول ہے) تو جب ایسے خاص الخاص عمل میں استعاذہ ضروری ہوا، تو دوسرے اعمالِ صالحہ میں اس کی ضرورت جس درجہ کی ہوگی ظاہر ہی ہے۔ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ الخ۔ مراد یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ ہو تو پہلے استعاذہ کرلے۔ یہ مراد نہیں کہ جب قرآن پڑھ چکے تو اس کے بعد استعاذہ کرے۔ معناه اذا قرأت فقدم الاستعاذة قبل القرأن وحقيقة معناه اذا اردت القرأن فاستعذ (جصاص) اى اذا اردت قراءة القرأن فعبّر عن ارادة الفعل بلفظ الفعل لانها سبب له (مدارک) اور محاورۂ قرآنی میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ مثلاً ان آیتوں میں:۔ واذا قلتم فاعدلوا۔ واذا سالتموهن متاعًا فاسئلوهن من وراء حجاب۔ اذا ناجيتم الرسول فقدموا بين يدى نجواكم صدقة۔ وغیرہا۔ ان سب موقعوں پر ارادۂ فعل کو فعل کے قائم مقام کی حیثیت دی گئی ہے۔ ۱۵۹ؔ یہ نص صریح ہے اس باب میں کہ اہل ایمان واہل توکل پر شیطان کا وسوسہ مؤثر نہیں ہوتا۔ شیطان میں ہرگز قدرت اس کی نہیں کہ وہ بہ جبر کسی سے گناہ کرا سکے۔ یہ صاف اعلانِ الٰہی ہے کہ جب تک تم خود ہی شیطان کے دوست نہ بن جاؤ، اور اس کے وسوسوں کو دل میں جگہ نہ دینے لگو۔ وہ تم پر قابو پا نہیں سکتا۔ اور اس کے حملوں سے بچنے کا نسخہ ایمان کامل اور توکل راسخ ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو نقل کر کے کہ مومن جب شیطان پر غالب آنا چاہے تو شیطان اس کے مقابلہ میں ایک چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور نکلتا ہے، لکھا ہے کہ اس کا مشاہدہ جب جی چاہے، کرلیا جائے۔ ۱۶۰ؔ (کہ ان لوگوں کا طریق عمل ٹھیک ان مومنین، متوکلین کے مقابل ہوتا ہے) وہ مومن یہ مشرک، ان کی شان میں عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ یہ الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ کے مصداق۔ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ میں ضمیر واحد مذکر غائب حق تعالیٰ کی جانب ہے۔ فيه قولان الاول انه راجع الى ربهم (کبیر) جوّزان يكون الضمير للرب تعالىٰ شانه وروى ذٰلك عن مجاهد (روح) بعض نے ابلیس کی جانب بھی لی ہے۔ اور بِهٖ کو من اجله کا مرادف قرار دیا ہے۔ یعنی اس کے سبب سے۔ انما اراد هم من اجله مشركون بالله وهٰذا كما يقال صار فلان بك عالمًا اى من اجلك (ابن قتیبہ) والقول الثانى انه راجع الى الشيطان والمعنى بسببه (کبیر) اى بسبب الشيطان واغوائه اياهم (روح) ۱۶۱ؔ (اے مدعیٔ نبوت ورسالت) وَاِذَا...... اٰيَةٍ۔ مثلاً کسی آیت کے حکم کی تعمیم میں تخصیص پیدا کر دیتے ہیں، یا اس کے برعکس تخصیص میں تعمیم۔ نسخ آیات پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ (پ ۱) میں ما ننسخ من اٰية اوننسها کے تحت میں گزر چکا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ۔ یعنی یہ تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ مکلفین ومخاطبین کے اعتبار سے، کون سا حکم، کس وقت مناسب وپرمصلحت ہے۔ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ۔ یہ بکواس معاندین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی تھی۔ جب کبھی بھی وہ کوئی ایسا حکم سنتے جو ان کے خیال میں کسی سابق حکم کے معارض ہوتا، تو چٹ یہی کہنے لگتے، کہ یہ کیا؟ یہ تو تم اپنے قصد وارادہ سے، اور اپنی مصلحت وقت دیکھ کر احکام میں ادل بدل کرتے رہتے ہو— گویا تبدیلی کا انتساب ایک انسان کی جانب تو ہو سکتا تھا، لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے اس کے ہونے کا کوئی امکان ہی نہ تھا! اتنی موٹی سی بات جس طرح ان جاہلین قدیم کی سمجھ میں نہیں آئی تھی، بہت سے جاہلین جدید کی بھی سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ اور یہ لوگ بھی محض ان "ترمیمات" کے وقوع سے نتیجہ یہ نکال رہے ہیں کہ قرآن خدا کا نہیں، انسان کا کلام ہے! ۱۶۲ؔ (کہ اپنے غایت جہل ونافہمی سے احکام کے ارتقاء وترتیب کو دلیل سمجھ رہے تھے افترا کی!) یہ "ارتقاء" مخاطبین، مکلفین کے فہم واستعداد کی نسبت سے کہا گیا۔ ۱۶۳ؔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم مل رہا ہے کہ آپ حقیقت حال بیان کر دیجیے کہ یہ کلام جسے تم میرا فرض کر رہے ہو، حق تعالیٰ کا کلام ہے، جسے فرشتہ مقرب جبریل امین، حکمتِ الٰہی کے مطابق میرے پاس لا رہے ہیں، اور اس ترتیب وتدریج میں ایک مصلحت یہی ہے کہ اہل ایمان کے قدم توحید پر اور زیادہ جمتے رہیں۔ اور ان کی تربیت ایک خاص آئین حکمت کے مطابق ہوتی رہے۔ رُوْحُ الْقُدُسِ۔ یعنی فرشتہ جبریل۔ حاشیہ گزر چکا۔ بِالْحَقِّ۔ یعنی آئین حکمت کے ماتحت ومطابق۔ اى ملتبسًا بالحكمة (مدارک۔ بیضاوی) ۱۶۴ؔ یہ ایک تو مسلم رومی نصرانی غلام تھا، انجیل وغیرہ سے واقف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو شروع ہی سے توجہ ودلچسپی کے ساتھ سنتا تھا، تو آپ بھی کبھی

کبھی اس کے پاس جا بیٹھتے تھے، تو بس اتنی سی بات پر عقل کے دشمنوں کو ایک شگوفہ ہاتھ آ گیا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ دو غلام تھے، جو مکہ میں شمشیر سازی کا کام کرتے تھے، اور توریت و انجیل بھی پڑھا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ادھر سے گزرتے، تو وہاں رک جاتے۔ بعض نافہموں نے ایک دن خود انہی سے پوچھ دیا کہ ”کیا تمہی انہیں قرآن سکھاتے ہو“؟ وہ بولے ”ہم بھلا انہیں سکھا سکتے ہیں۔ ہم تو خود ہی ان سے سیکھتے ہیں“۔ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ۔ عجب کج فہم لوگ تھے۔ قرآن کے حیرت انگیز اثر، اس کے اعلیٰ مطالب، اس کی حکیمانہ تعلیمات، اس کی معجزانہ بلاغت کو دیکھتے، تو یہ کہہ اٹھتے کہ یہ ان صاحب کا کلام نہیں ہو سکتا، کوئی نہ کوئی انہیں سکھاتا ضرور ہے۔ اور اب ان کا حمق اس ”کوئی نہ کوئی“ کی تلاش کرنے لگتا۔ اور اس بدحواسی میں کبھی اس کا نام لے دیتے کبھی اس کا! ہر طرف ٹھوکریں کھاتے رہتے، اور یہ نہ ہوتا کہ کبھی خود حق تعالیٰ ہی کا نام فرض کر لیتے!۔۔۔ ٹھیک وہی بھول بھلیاں جس میں آج بڑے بڑے ”روشن خیال“ مستشرقین بھٹکتے رہتے ہیں۔ و۱۶۵ عرب کے اہل زبان سے خطاب ہے کہ قرآن مجید کی معنوی بلندیوں تک تمہارا ذہن اگر نہیں پہنچتا تو خیر، لیکن یہ کیا قیامت ہے کہ اس کی معجزانہ فصاحت و حسن انشاء کا بھی تم کچھ لحاظ نہیں کرتے، اور اس بے انتہا بلیغ کلام کو منسوب ایسے شخص کی جانب کر رہے ہو، جو سرے سے اہل زبان تک نہیں! اَعْجَمِیٌّ وہ ہے جو صاف گفتگو اور اظہار مافی الضمیر پر قادر نہ ہو، خواہ نسلاً عرب ہی ہو۔ قال ابو الفتح الموصلی ترکیب ع ج م وضع فی کلام العرب للابهام والاخفاء وضد البیان والایضاح (کبیر)

وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ

زبان تو عجمی ہے اور یہ (کلام) تو فصیح عربی زبان (میں) ہے و۱۶۵ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾

نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت (بھی) نہیں کرتا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے و۱۶۶

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ

جھوٹ افترا کرنے والے تو بس یہی لوگ تو ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

اور یہی لوگ (پورے پورے) جھوٹے ہیں و۱۶۷ جو کوئی اللہ سے اپنے ایمان (لانے) کے بعد

اِیْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ

کفر کرے بجز اس صورت کے کہ اس پر زبردستی کی جائے درآنحالیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو

وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ

(تو وہ تو مستثنیٰ ہے) لیکن جس کا سینہ کفر ہی سے کھل جائے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب

مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ

ہو گا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہو گا و۱۶۸ یہ اس سبب سے ہو گا کہ

اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا

انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی تھی، اور اللہ کفر اختیار کرنے والے

یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ

لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا و۱۶۹ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر

عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اور جن کی سماعت پر اور ان کی بینائی پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہی لوگ تو

قال الفراء واحمد بن یحییٰ الاعجم الذی فی لسانه عجمة وان کان من العرب (کبیر) وقال ابو علی الفارسی الاعجم الذی لا یفصح سواء کان من العرب اومن العجم (کبیر) الاعجم من فی لسانه عجمة عربیًا کان اوغیر عربی (راغب) یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ۔ الحاد کے معنی راہِ حق و صواب سے ہٹ جانے کے ہیں، اور ملحد کو اسی لئے ملحد کہتے ہیں کہ وہ راہ حق اور تمام ادیان سے ہٹا ہوا ہوتا ہے۔ یقول لحد والحد اذا مال عن القصد ویقال للعادل عن الحق ملحد (کبیر) ومنه الملحد لانه امال ملهبهٗ عن الادیان کلها (کبیر) هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ۔ یعنی یہ کلام تو معجزانہ حد تک فصیح ہے۔ جسے ہر اہل زبان، مومن ہو یا منکر یقین طور پر دیکھ سکتا ہے۔ و۱۶۶ (آخرت میں) اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آیاتِ الٰہی سے دیدہ و دانستہ منہ پھیرے رہتے ہیں۔ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ ایسے لوگوں کے سر توفیق ہدایت زبردستی نہیں چپیک دیتا:۔ و۱۶۷ (کہ جو صادق اور سرتاسر صدق ہے، اسے کاذب و مفتری بتا رہے ہیں، اور خالق کے کلام کو مخلوق کا کلام ٹھیرا رہے ہیں) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۔ یعنی پکے جھوٹے، اول نمبر کے لپاڑیے۔ الکاملون فی الکذب (کشاف) بعض محققین نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ کذب ایک بدترین کبیرہ ہے۔ اِنَّمَا کے کلمہ حصر کے ساتھ کذب کا ذکر آنا گویا یہ معنی رکھتا ہے کہ کذب کا ارتکاب تو بس انہی لوگوں سے ممکن ہے جو سرے سے آیاتِ الٰہی پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ فی هذه الاٰیة دلالة قویة علی ان الکذب من اکبر الکبائر وافحش الفواحش والدلیل علیه ان کلمة انما للحصر والمعنی ان الکذب والفریة لا یقدم علیهما الا من کان غیر مومن بایات اللہ تعالیٰ والا من کان کافرًا وهذا تهدید فی النهایة (کبیر) و۱۶۸ ایمان کے بعد ارتداد کی سزا شریعت میں بہت ہی سخت ہے، اور بہت ہی سخت ہونا چاہیے بھی۔۔۔۔۔ بغاوت سے بڑھ کر دنیا کے سارے قانون تعزیرات میں اور سنگین جرم ممکن کون ہے؟ اور بغاوت بھی وفاداری کے عہد و پیمان مؤکد کے بعد! مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ۔ رسالت سے انکار، قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے انکار، عقیدۂ حشر سے انکار، یہ سب بھی کفر باللہ میں آ گیا۔ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ۔ یعنی اسے ڈرا دھمکا کر یا جتلائے عذاب کر کے اسے زبان سے انکار پر مجبور کر دیا گیا ہو۔۔۔۔ ایسا شخص وعید سے مستثنیٰ ہے۔ اکراہ کے شرائط وغیرہ کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی، باب الاکراہ میں۔ فقہاء نے کہا ہے کہ جو شخص قدرت رکھتا ہو وہ اگر قتل یا قطع عضو کی دھمکی دے، تو کلمۂ کفر کا زبان سے تلفظ جائز ہو جائے گا، لیکن جبکہ ڈرانے والا اس پر قادر نہ ہو، یا خوف صرف مار پیٹ کا دلایا جائے، تو یہ عذر کافی نہ ہو گا۔ الاکراه المبیح لذٰلک هو ان یخاف علی نفسه او بعض اعضائه التلف ان لم یفعل ما امره به فابیح له فی هذه الحال ان یظهر کلمة الکفر (جصاص) وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ۔ دل ایمان پر مطمئن ہو، یعنی عقیدہ میں فتور نہ آنے پائے، اور دل سے اس قول یا فعل کافرانہ کو برا سمجھے جائے۔ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا۔ یعنی وہ مذہب کفر ہی کو صحیح اور مستحسن سمجھنے لگے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چونکہ وسوسہ میں یہ شرح صدر نہیں ہوتا ہے، اور نہ اپنے اوپر اختیار ہی ہوتا ہے۔ اس لئے وسوسہ میں کوئی پہلو ذم کا نہیں و۱۶۹ یعنی اللہ کفر اختیار کرنے والوں پر زبردستی توفیق ہدایت نہیں چپیک دیا کرتا۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی اللہ کا غضب و عذاب۔ اِسْتَحَبُّوا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ۔ اِسْتَحَبُّوْا کے لفظ میں عزم و قصد شامل ہے۔ بس اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا کو عمدًا و شعورًا آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیا کی جس قدر محبت درجہ طبعی میں ہے، اور عین مقتضائے بشریت ہے، وہ اس حکم میں شامل نہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ آیت حُبِّ دنیا کے مذموم ہونے کے باب میں نص صریح ہے، جس طرح کہ اس باب میں کہ یہ حب دنیا مذموم وہ ہے جس میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دی گئی ہو۔

ف ۱۷۰ اپنے اختیاری حُبِ دنیا اور آخرت فراموشی کی بنا پر) طَبَعَ ...... اَبْصَارِهِمْ۔ دل اور کان اور آنکھ پر مہر لگنے پر حاشیہ سورۂ بقرہ (پارۂ اول) کے پہلے رکوع کے خاتمہ پر آچکا ہے۔ یہ مہر لگنے کا عمل حق تعالیٰ کی طرف سے بہ طور تکوینی علت العلل کے ہوتا ہے، بندہ کے اختیاری کفر کے نتیجہ کے طور پر۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔ یعنی پلے سرے کے غافل، غفلت میں حد سے گزر جانے والے۔ اے الکاملون فی الغفلة الذین لا اغفل منهم (کشاف)

الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ

(اپنے انجام سے بالکل) غافل ہیں ف ۱۷۱ لازمی بات ہے کہ آخرت میں یہ لوگ بالکل ہی نقصان اٹھانے والوں

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ

میں رہیں گے ف ۱۷۱ پھر بے شک آپ کا پروردگار ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے بعد اس کے

بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ

کہ (سخت) آزمائش میں پڑ چکے تھے ہجرت کی پھر جہاد کیا اور ثابت قدم رہے تو آپ کا پروردگار بے شک

بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۰﴾ یَوْمَ تَاْتِیْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ

ان اعمال کے بعد بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے، ف ۱۷۲ (یہ جزا و سزا اس روز ہوگی) جس روز ہر شخص

عَنْ نَّفْسِهَا وَ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُمْ لَا

اپنی ہی طرف داری میں گفتگو کرے گا اور ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر ظلم (ذرا)

یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْیَةً كَانَتْ اٰمِنَةً

نہ کیا جائے گا ف ۱۷۳ اور اللہ ایک بستی والوں کی مثال بیان کرتا ہے کہ وہ امن و اطمینان میں

مُّطْمَئِنَّةً یَّاْتِیْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ

رہتے تھے ان کے کھانے کا سامان بہ فراغت ان کے پاس ہر طرف سے آتا رہتا لیکن

فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ

انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اس پر اللہ نے انہیں ایک محیط قحط اور خوف کا

وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ

مزہ چکھایا بہ سبب ان کے کرتوتوں کے ف ۱۷۴ اور ان کے پاس ایک رسول بھی

رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَ هُمْ

انہی میں سے آیا تھا سو اس کو انہوں نے جھٹلایا، پس انہیں عذاب نے آپکڑا اس حال میں کہ وہ (اپنے حق میں)

ع ۱۴ / ۲۰

ف ۱۷۱ جس نے بیج سرے سے ڈالا ہی نہیں، وہ کھیت کاٹے گا کیا؟ آخرت تو صرف دارالجزاء کا نام ہے، جب دارالعمل میں کوئی عمل سرے سے ہوا ہی نہیں تو جزائے عمل کیسی ف ۱۷۲ (جو مغفرت ورحمت تو نفس ایمان ہی پر مرتب کر دیتا ہے، پھر ان اعمال شاقہ کے امتحان سے گزرنے پر مغفرت ورحمت کے درجات عالیہ وکاملہ کیوں نہ عنایت کر دے گا) لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا۔ ہجرت سے مراد ہجرت مدینہ تو ظاہر ہی ہے، لیکن ہجرت حبشہ بھی سمجھی جا سکتی ہے۔ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا۔ آزمائشوں سے کھلا ہوا اشارہ آغاز ظہور اسلام کے شدائد شاقہ کی جانب ہے۔...... نفس ابتلاء کفر بھی مراد ہو سکتا ہے۔ جٰهَدُوْا۔ جہاد اپنے لغوی معنی میں ہر جہاد نفس پر شامل ہے۔ قتال اصطلاحی ہی کا مرادف نہیں۔ مِنْۢ بَعْدِهَا۔ ضمیر اعمال سابقہ مذکورہ یعنی آزمائش میں پڑنے اور ہجرت اور جہاد اور ثابت قدمی کی طرف ہے۔ اے المذکورات من الفتنة والهجرة والجهاد والصبر (روح) سوال یہ اٹھایا گیا ہے، کہ سورۃ تو مکی ہے، پھر اس میں، ہجرت و جہاد کا ذکر کیسا؟...... لیکن اول تو ابن عطیہ کی روایت میں ہے کہ آیت مدنی ہے (اور مکی سورتوں میں مدنی آیتوں کی آمیزش کی مثالیں قرآن میں کثرت سے ہیں) اور ہجرت سے مراد، ہجرت حبشہ تو بہ آسانی ہو ہی سکتی ہے، اور جہاد اپنے لغوی معنی (جدوجہد) میں۔ پھر ان سب کے علاوہ، صیغۂ ماضی سے اخبار مستقبل کی مثالیں بھی قرآن میں شاذ نہیں۔ ف ۱۷۳ وہ وقت انصاف کامل کا ہوگا۔ دنیا کی طرح وہاں خیر وشر کو مخلوط اور حق وباطل کو باہم ملتبس رکھنے کی قطعاً حاجت نہ ہوگی۔ یَوْمَ...... نَفْسِهَا۔ وہ گھڑی ایسی نفسی نفسی کی ہوگی کہ کسی کو کسی دوسری طرف توجہ کرنے کی مہلت ہی کب ہوگی۔ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔ یعنی نیکی کے بدلہ میں کمی نہ ہو گی، گو زیادتی ہو جائے اور بدی کے بدلہ میں زیادتی نہ ہوگی۔ گو کمی ہو جائے۔" (تھانوی) عَنْ نَّفْسِهَا۔ اس دوسرے نفس کے معنی عین یا ذات کے ہیں۔ اور پہلا نفس شخص کے مرادف ہے۔ یقال لعین الشیء وذاته نفسه (کشاف) والنفس الجملة کما هی فالنفس الاولی هی الجملة والثانية عينها وذاتها (کشاف) تُجَادِلُ۔ مجادلہ یہاں عذر معذرت اور صفائی پیش کرنے کے معنی میں ہے۔ ومعنى المجادلة عنها الاعتذار منها (کشاف) ف ۱۷۴ مثال سے مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ کفر وانکار کے نتائج اس دنیا میں بھی کیسے سخت اور ہولناک ہو سکتے ہیں۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا۔ مثال سے مقصود نتائج کفر پر متنبہ کرنا ہے۔ اٰمِنَةً...... بِاَنْعُمِ اللّٰهِ۔ آیت سے ظاہر ہو گیا کہ دنیا میں امن و فراغت سے رہنا سہنا اور کافی سامانِ معیشت بہم پہنچتے رہنا حق تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے، تحقیر کے نہیں شکریہ کے قابل۔ فَاَذَاقَهَا ...... یَصْنَعُوْنَ۔ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دنیوی نعمتوں کی ناشکری بھی عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے۔ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ۔ یہ ناشکری انہوں نے عقاید کفر و شرک کو اختیار کر کے کی۔

ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠

ظالم تھے و۱۷۵ سو جو چیزیں تمہیں اللہ نے جائز اور ستھری دے رکھی ہیں ان میں سے کھاؤ

وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم (واقع میں) خاص اسی کی پرستش کرتے ہو و۱۷۶

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ

اس نے تو تم پر صرف مردار اور خون اور سؤر کا گوشت

وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ

اور جس چیز کو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو، حرام کیا ہے لیکن جو کوئی بے قرار ہو جائے نہ یہ کہ طالب لذت

وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا

ہو، اور نہ یہ کہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو، تو بے شک اللہ مغفرت والا ہے، رحمت والا ہے، و۱۷۷ اور اپنی

لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ

زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے یہ مت کہہ دیا کرو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام

لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ

جس کا حاصل یہ ہو گا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دو گے و۱۷۸ بے شک جو لوگ اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ ؕ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠

جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے، (سو) عیش چند روزہ ہے

وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا

اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے و۱۷۹ اور جو لوگ دین یہود اختیار کئے ہوئے ہیں ان پر ہم نے وہ چیزیں

مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ

حرام کر دی تھیں جن کا بیان ہم آپ سے اس کے قبل کر چکے ہیں، اور ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی،

و۱۷۵ (سوائے اہل مکہ ڈرو، کہ کہیں تمہارا بھی یہی حال نہ ہو جائے) تاریخ کا بیان ہے کہ یہ انجام واقع ہو کر رہا۔ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ کی بات اہل مکہ کے حق میں، ان کے انکار رسول ﷺ کے پاداش میں، پوری ہو کر رہی۔ لِبَاسَ الْجُوْعِ۔ مکہ میں قحط شدید پڑا جانور مرنے لگے، آدمی جان سے گزرنے لگے۔ وَالْخَوْفِ۔ مکہ بالآخر مسلمانوں ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کا سرنگوں ہوا۔ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ عذاب الٰہی نے ان کی گرفت عین اس حال میں کی، کہ وہ ارتکاب کفر و تکذیب میں مبتلا تھے۔ ای حال التباسهم بالظلم وهو الكفران والتكذيب (روح) مِنْهُمْ۔ یعنی خود انہی کی جنس و قوم میں سے، جس کے ایک ایک حال سے یہ خوب واقف تھے۔ ای من جنسهم يعرفونه باصله ونسبه (روح)

و۱۷۶ یعنی اگر خدا پرست اور توحید کے قائل ہو، تو مشرکوں کی طرح اپنے دل سے فلاں فلاں چیز کو ناجائز و حرام مت ٹھیرالو۔ بلکہ جو چیزیں اللہ کی شریعت نے حلال کی ہیں، انہیں جائز ہی سمجھتے رہو انہیں اللہ کی نعمتیں سمجھ کر انہیں برتو، اور حق تعالیٰ کا شکر زبان سے اور عمل سے ادا کرتے رہو۔

و۱۷۷ (خود اس نے اپنی انہی صفات غفر و رحمت کے تقاضہ سے اس اضطرار کی حالت میں حرام غذاؤں کو بھی بہ قدر ضرورت جائز کر دیا ہے) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الخ۔ یہاں ذکر انہی چیزوں کا ہے، جن کی حلت و حرمت مشرکین مکہ میں زیر بحث تھی۔ حدیث نبوی ﷺ سے جو دوسری چیزیں حرام ثابت ہوئی ہیں، وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اِنَّمَا کا حصر محض اضافی ہے۔ یعنی حرام وہ چیزیں نہیں جنہیں تم نے اپنے دل سے حرام ٹھیرا لیا ہے۔ بلکہ حرام تو بس یہ چیزیں ہیں باقی جو چیزیں کسی دوسری دلیل شرعی سے حرام ٹھیرائی گئی ہیں، ان سے یہاں کوئی تعرض ہی نہیں۔ والحصر اضافی علی ما قال غير واحد ای انما حرم اكل هٰذه الاشياء دون ما تزعمون من البحائر والسوائب ونحوها (روح) وَالْمَيْتَةَ۔ وَالدَّمَ۔ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ۔ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔ ان سب پر حاشیے ۵ سورۃ الانعام میں گزر چکے۔ فَمَنِ اضْطُرَّ۔ یعنی جو شخص بھوک اور فاقہ کی شدت سے نڈھال ہو جائے۔ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ۔ حاشیہ ۵، سورۃ الانعام میں گزر چکا۔

و۱۷۸ یعنی جب خدائی شریعت میں وہ مضمون ہے ہی نہیں جو تم بتا رہے ہو، تو تمہارا اس کو خدائی شریعت کی جانب منسوب کرنا، اسے خدا پر گڑھنا ہی تو ہوا۔ لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ۔ یعنی اس پر کوئی دلیل صحیح تو قائم ہے نہیں۔ محض تمہارے زبانی دعوے ہی ہیں۔ لِّتَفْتَرُوْا میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی تمہارے اس قول کا حاصل یہی افتراء علی اللہ ہے۔ واللام من التعليل الذى لا يتضمن معنى الغرض (كشاف) واظن ان هٰذا اللام ليس لام الغرض بل كان لام العاقبة (كبير) اللام لام العاقبة والصيرورة (روح) وَلَا تَقُوْلُوْا...... حَرَامٌ۔ ترجمۂ متن میں جو ترکیب اختیار کی گئی ہے، وہ کسائی لغوی اور زجاج نحوی کے قول کے مطابق ہے، اور بہت سے مفسرین کی اختیار کردہ۔ ای لا تقولوا هٰذا حلال وهٰذا حرام لاجل وصف السنتكم الكذب والى هٰذا ذهب الكسائى والزجاج (روح)

و۱۷۹ ایسے مجرموں کو حقیقۃً فلاح و عافیت کہاں نصیب؟ یہ عیش جو انہیں بظاہر نصیب ہو رہا ہے، تمامتر عارضی و فانی ہے، پلک جھپکتے آنکھ کھل جائے گی، اس وقت حقیقت معلوم ہو گی:۔

وَلٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ

بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر زیادتی کرتے رہے و۱۸۰ پھر آپ کا پروردگار

لِلَّذِیۡنَ عَمِلُوا السُّوۡٓءَ بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ

ان لوگوں کے حق میں جو نادانی سے (کوئی) برا کام کر گزرے، پھر اس کے بعد توبہ

ذٰلِکَ وَ اَصۡلَحُوۡۤا ۙ اِنَّ رَبَّکَ مِنۡۢ بَعۡدِہَا لَغَفُوۡرٌ

کر لے اور اپنی حالت درست کر لے تو آپ کا پروردگار اس (توبہ) کے بعد بڑا مغفرت والا ہے،

رَّحِیۡمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع اِنَّ اِبۡرٰہِیۡمَ کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا لِّلّٰہِ

بڑا رحمت والا ہے۔ و۱۸۱ بے شک ابراہیم بڑے مقتدا اللہ کے فرمانبردار (اور اس کی طرف) یک رخ

حَنِیۡفًا ؕ وَ لَمۡ یَکُ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۱۲۰﴾ۙ شَاکِرًا

رہنے والے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے و۱۸۲ (اللہ کی) نعمتوں کے

لِّاَنۡعُمِہٖ ؕ اِجۡتَبٰىہُ وَ ہَدٰىہُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۲۱﴾

بڑے شکر گزار (اللہ نے) ان کو چن لیا تھا اور انہیں سیدھی راہ پر ڈال دیا تھا و۱۸۳

وَ اٰتَیۡنٰہُ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً ؕ وَ اِنَّہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ

اور ہم نے دنیا میں بھی انہیں بھلائی دی تھی اور آخرت میں تو وہ

لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۲۲﴾ؕ ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ اَنِ اتَّبِعۡ

صالحین میں ہیں ہی و۱۸۴ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ

مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَ مَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۱۲۳﴾

ابراہیم کے طریقہ پر چلیے جو بالکل ایک رخ کے تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے و۱۸۵

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبۡتُ عَلَی الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ ؕ

سبت (کا احترام) تو بس انہی لوگوں پر عائد کیا گیا تھا جنہوں نے اس کے باب میں اختلاف کیا تھا و۱۸۶

ع ۱۵ / ۲۱

و۱۸۰ یعنی جو ماکولات یہود پر بہ طور سزا حرام کردیئے گئے، ان کے باب میں بھی حقیقۃً سارا قصور انہی کا تھا۔ زیادتی ہماری طرف سے ذرا بھی نہیں ہوئی، یہاں تک کہ صورۃً بھی۔ مَا قَصَصۡنَا عَلَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الانعام، آیت وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر کے حاشیے۔ و۱۸۱ (چنانچہ ان نادانوں نافرمانوں کے بھی قصوروں سے درگزر کردے گا) ثُمَّ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ وَ اَصۡلَحُوۡۤا۔ یعنی حسب احکام وقواعد شرعی، ماضی سے متعلق توبہ اور حال سے متعلق اصلاح کرلے۔ لِلَّذِیۡنَ عَمِلُوا ...... وَ اَصۡلَحُوۡا۔ ملاحظہ ہوں سورۃ النساء رکوع ۳ کے حاشیے۔ السُّوۡٓءَ۔ اس کے تحت میں چھوٹی بڑی ہر قسم کی برائی، معصیت آگئی، یہاں تک کہ کفر وشرک بھی۔ ھو مایسئ صاحبہ من کفر اومعصیۃ ویدخل فیہ الافتراء علی اللہ وعن ابن عباس انہ الشرک والعمیم اولی (روح) مِنۡۢ بَعۡدِہَا۔ ضمیر توبہ واصلاح کی جانب ہے۔ ای التوبۃ کما قال غیر واحد ولعل الاصلاح مندرج فی التوبۃ (روح) ثُمَّ تَابُوۡا میں ثم تاکید اور زور دینے کے لئے ہے۔ للتوکید والمبالغۃ (روح) بِجَہَالَۃٍ۔ ہر معصیت ونافرمانی کی آخری بنیاد اسی نافہمی ونادانی ہی پر تو ہوتی ہے۔ التقیید بالجہالۃ لبیان الواقع لان کل من یعمل السوء لا یعملہ الا بجہالۃ (روح) و۱۸۲ (تو تم کس منہ سے ان کی پیروی اور ان کی نسل میں ہونے کا دعوی کررہے ہو، اے مشرکین عرب!) تم تو ہر معاملہ میں ان کی بالکل ضد ہو۔ وہ قانت وفرمانبردار تھے، تم نافرمان۔ وہ مومن حنیف، اللہ کی طرف یکسوئی سے لگے ہوئے اور ایک رخ تھے، اور تم ادھر سے منہ موڑے ہوئے، دنیا طلبی پر گرے ہوئے۔ وہ موحد تھے، تم مشرک۔ تمہارے ان کے درمیان رشتہ اشتراک ہی کیا؟ اِبۡرٰہِیۡمَ۔ حضرت ابراہیم پر حاشیہ سورۂ بقرہ، پ۱، رکوع ۱۵ میں گزر چکا۔ اُمَّۃً۔ یعنی اللہ کی عبادت وفرمانبرداری اور طاعات وحسنات میں پوری ایک جماعت کے قائم مقام اور برابر۔ ای قائماً مقام جماعۃ فی عبادۃ اللہ (راغب) ای کان وحدہ امۃ من الامم لکمالہ فی جمیع صفات الخیر (کشاف) عن ابن عباسؓ ای کان عندہ من الخیر ما کان عندامۃ وھی الجماعۃ الکثیرۃ (روح) دوسرے معنی امام یا مقتداء کے ہیں، جو امور خیر میں بہ طور نمونہ کے کام دے۔ ابوعبیدہ لغوی نے یہی معنی لئے ہیں۔ اور مشہور صحابی عبد اللہ بن مسعودؓ اور فراء لغوی سے معلم خیر کے معنی منقول ہیں۔ الامۃ الامام وبہ فسر ابو عبیدہ (تاج) وقال الفرّاء کان امۃ ای معلّمًا للخیر وبہ فسر ابن مسعود ایضًا (تاج) امۃ بمعنی ماموم ای یؤمہ الناس لیاخذوا منہ الخیر (کشاف) فھو الامام الذی یقتدی بہ (ابن کثیر) حَنِیۡفًا۔ ہر مذہب باطل سے ہٹ کر دین حق کی طرف جھکے ہوئے اور اس پر ثابت وقائم۔ مائلاً عن کل دین باطل الی الدین الحق غیر زائل عنہ (روح) و۱۸۳ (چنانچہ انہی کے نقش قدم پر چلنے اور انہی کی ملت حنیف اختیار کرنے میں آج بھی فلاح ونجات ہے) اِجۡتَبٰىہُ۔ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام دنیا کے تین مشہور وزبردست مذہبوں کے آج بھی مسلم مقتدا وپیشوا ہیں ـــ اسلام کے، یہودیت کے، نصرانیت کے۔ شَاکِرًا لِّاَنۡعُمِہٖ۔ کہاں وہ اتنے شکر گزار بندہ تھے، اور کہاں تم ایسے ناشکرے نکلے۔ انعم۔ پر سوال یہ ہوا ہے کہ یہ تو جمع قلت ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تو بڑی کثرت سے نعمتیں نازل ہوئی تھیں، پھر ان کے لئے یہ جمع قلت کیسے آئی؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کے جواب میں کہا ہے کہ اس جمع قلت کا تعلق تو (شاکرا) آپ کی شکر گزاری سے ہے۔ تو جب آپ قلیل نعمتوں تک کے شکر گزار تھے، تو پھر بڑی اور کثیر نعمتوں کی شکر گزاری کا پوچھنا ہی کیا: المراد انہ کان شاکرًا لجمیع نعم اللہ ان کانت قلیلۃ فکیف الکثیرۃ (کبیر) و۱۸۴ آیت منجملہ دوسری آیات کے، اس باب میں نص قاطع ہے کہ دنیوی نعمتوں سے سرفرازی، مراتب اخروی کے ذرا بھی منافی نہیں۔ وھذا لدفع توھم ان ما اوتیہ فی الدنیا ینقص مقامہ فی العقبٰی (روح) فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً۔ دنیا میں جتنی بھی نعمتیں ہوسکتی ہیں، سب حضرت علیہ السلام کی ذات میں جمع ہوگئی تھیں۔ مفسرین ہی نہیں، مؤرخین کا بیان بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ فِی الۡاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ اور صالح بھی کیسے؟ صالحیت کے اعلٰی ترین مرتبہ پر فائز۔ صالحین کے سرور وسردار۔ و۱۸۵ (تو پھر اے مشرکو، تم اپنے کو طریق ابراہیمی کا پیرو کس منہ سے کہتے ہو؟) ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ الخ۔ ثم یہاں اظہار فضیلت کے لیے ہے۔ یعنی علاوہ اُن فضائل کے، سب سے بڑی فضیلت انہیں ہم نے یہ دی کہ خود محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے طریقہ پر چلنے کا حکم دیا۔ فی ثم ھٰذہ ما فیہا من تعظیم منزلۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واجلال محلہ والایذان بان اشرف ما اوتی خلیل اللہ ابراھیم من الکرامۃ و اجل ما اولی من النعمۃ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملتہ (کشاف) اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا اور وہ طریقہ ابراہیم علیہ السلام حنیف توحید کامل کا تھا ـــ چنانچہ اب وہ طریقہ ابراہیمی طریقہ محمدی میں منحصر اور اسی کے مرادف ہوکر رہ گیا ہے۔ والمراد من ملۃ ابراھیم التوحید و نفی الشرک (روح) حَنِیۡفًا سب سے یکسو، یک رخ یعنی غیر اللہ سے رشتہ بالکل توڑے ہوئے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۸۲ مِلَّۃَ۔ اِبۡرٰہِیۡمَ۔ حَنِیۡفًا۔ وَ مَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ۔ سب پر حاشیے سورۃ بقرہ، پ۱، رکوع ۱۵ میں گزر چکے ہیں۔ سورۃ الانعام میں بھی اسی سے ملتی ہوئی ایک آیت آچکی ہے۔ یہاں چونکہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیمی ہی کی تجدید کا حکم مل رہا ہے، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خصوصیت کو پھر دُہرا دیا ہے، کہ آپ کی ملت بس توحید اور نفی شرک ہی کی تو تھی۔ و۱۸۶ (اپنے پیمبروں کی ہدایات واحکام سے) جُعِلَ السَّبۡتُ یعنی ان لوگوں پر اس روز کا تعطل تو بہ طور سزا عاید کیا گیا تھا۔ اصل دین ابراہیمی میں نہ تھا۔ السَّبۡتُ۔ ہفتہ کا ساتواں دن، سنیچر یا شنبہ، جو شریعت یہود میں ایک مقدس دن تھا، جس میں ہر دنیوی مشغولیت سے احتراز واجب تھا۔ اس پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ فِیۡہِ۔ یعنی احکام حرمت سبت کے بارہ میں۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا

اور بے شک آپ کا پروردگار ان کے درمیان اس بارہ میں قیامت کے دن فیصلہ کردے گا، جس بارہ میں

فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ

یہ اختلاف کرتے رہے ہیں ف۱۸۷ آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلایئے حکمت سے

وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ

اور اچھی نصیحت سے اور ان کے ساتھ بحث کیجیے پسندیدہ

اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ

طریقہ سے ف۱۸۸ بے شک آپ کا پروردگار (ہی) خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا

سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٢٥﴾ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ

ہوا ہے اور وہی ہدایت پائے ہوؤں کو (بھی) خوب جانتا ہے ف۱۸۹ اور اگر تم لوگ بدلہ لینا چاہو

فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ

تو انہیں اتنا ہی دکھ پہنچاؤ جتنا دکھ انہوں نے تمہیں پہنچایا ہے، ف۱۹۰ اور اگر تم صبر کرو

لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿١٢٦﴾ وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ

تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھا ہے ف۱۹۱ آپ صبر کیے رہیے اور آپ کا صبر تو

اِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ

بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے ف۱۹۲ اور آپ ان پر غم نہ کیجیے اور ان چالوں سے جو یہ لوگ چلتے رہتے ہیں،

مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

تنگ دل نہ ہوجیے ف۱۹۳ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ (رہتا) ہے جو تقویٰ اختیار کیے رہتے ہیں

وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿١٢٨﴾ ع

اور جو لوگ کہ حسنِ سلوک کرتے رہتے ہیں ف۱۹۴

ع ١٦/٩ ٢٢

ف۱۸۷ یہ اختلافات خواہ آپس کے ہوں یا اپنے پیمبروں اور ہادیوں کی ہدایات سے۔ لَيَحْكُمُ اس فیصلہ سے فیصلۂ عملی و مشاہد یعنی ترتب اجر و عذاب مراد ہے۔ ورنہ دلائل و شواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ آج بھی موجود ہے۔ والمعنى انه تعالى ليحكم يوم القيمة للمحقين بالثواب وللمبطلين بالعقاب (کبیر) ف۱۸۸ (جس میں شدت و خشونت نہ ہو) بِالْحِكْمَةِ یعنی دلائل علمی کے ساتھ۔ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ یعنی ترغیب و ترہیب سے ان کے جذبات اعلیٰ ابھار کے۔ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ یعنی جب بحث آہی پڑے تو شائستہ عنوان سے گفتگو کیجیے۔ ف۱۸۹ (سو کس نے مانا اور کس نے نہ مانا، اس کا فیصلہ اللہ ہی پر چھوڑ دیجیے۔ آپ اس تحقیق میں نہ پڑیے) ف۱۹۰ (اور ان حدود سے آگے نہ بڑھو) انتقام کا وقت بھی نازک ہوتا ہے۔ مظلوم کا نفس جوشِ انتقام میں عموماً حد سے آگے بڑھ جاتا اور اب خود ظالم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس اشتعال کے وقت جذبات پر قابو رکھنے کی بار بار تاکید کی ہے، اور انتقام کو حدود کے اندر رکھنے کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ خطاب اب محض رسول اللہ ﷺ سے نہیں، عام اُمت سے ہے۔ شریعت میں عام فطرت بشری کا لحاظ کر کے انتقام لینا بالکل جائز رکھا گیا ہے...... اور اس مقام کا نام اصطلاح سلوک میں مقام رخصت ہے۔ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ یہاں عقاب محض بہ طریق مشاکلت استعمال ہوا ہے۔ ورنہ عقاب کے عام لغوی معنیٰ تو کسی جرم سابق پر سزا دینے کے ہیں۔ اے بمثل ما فعل بكم...... على نهج المشاكلة (روح) وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ الخ ترکیب کلام خود کہہ رہی ہے کہ بہتر اور افضل تو انتقام نہ لینا ہی ہے۔ لیکن اگر اس پر نہ قدرت ہو اور مجرم کو سزا دینے پر ہی تل جاؤ، تو اتنی احتیاط تو بہرحال ضروری ہے کہ سزا بس جرم ہی کے متناسب ہو۔ اس سے زاید ہرگز نہ ہونے پائے -- جیسے مریض سے طبیب کہتا ہے کہ بدپرہیزی اگر کرنا ہی ہے تو فلاں مقدار سے زاید نہ کرنا۔ يعنى ان رغبتهم فى استيفاء القصاص فاقنعوا بالمثل ولا تزيدوا عليه (کبیر) دليل على ان الاولى له ان لا يفعل (کبیر) ف۱۹۱ (کہ اس سے خوب مراتب قربت بڑھتے ہیں) اس مقام کا نام اصطلاحِ سلوک میں عزیمت ہے -- اسلام نے بالکل صحیح طور پر فطرت بشری کے مطابق اجازت تو انتقام لے لینے کی بھی دی ہے، لیکن مقام بلند صبر و تحمل اور عفو و درگزر ہی کا ہے۔ متعدد مفسرین نے یہاں یہ لکھ دیا ہے۔ کہ یہ آیت آیت قتال سے منسوخ ہے۔ لیکن جیسا کہ فخر المفسرین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اور بالکل صحیح فرمایا، اس کو جہاد و قتال کے مسئلہ سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ اس میں تو ایک اخلاقی تعلیم حسنِ ادب کی، اور لوگوں کے ساتھ زیادتی نہ کرنے کی دی گئی ہے، اور وہ اپنی جگہ قائم ہے۔ وهٰذا فى غاية البعد لان المقصود من هٰذه الاٰية تعليم حسن الادب فى كيفية الدعوة الى الله تعالٰى و ترک التعدى و طلب الزيادة ولا تعلق لهٰذه الاشياء باٰية السيف (کبیر) فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ قصاص لینے سے بڑھ کر مرتبہ عفو کر دینے کا ہے۔ و قد دلّت على ان العفو عن القاتل و الجانى افضل من استيفاء القصاص (جصاص) ف۱۹۲ (جیسا کہ ہر شخص کا بھی صبر توفیق الٰہی ہی سے ہوتا ہے) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بدون توفیق الٰہی کوئی شخص نہ صبر کر سکتا ہے نہ اور کوئی طاعت یا حسنہ۔ لیکن توفیق کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں، گو نفس توفیق مشترک رہتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ توفیق الٰہی خاص اور زاید ہوتی ہے۔ اور اُن کے اعمال میں موثر رہتی ہے۔ وَاصْبِرْ یعنی آپ صبر کیے رہیے، جیسا کہ اب تک بھی کیے رہے ہیں۔ اور آپ کیوں نہ کرتے، آپ تو عزیمت کے بلند ترین مقام پر سرفراز تھے۔ بِاللّٰهِ یعنی اللہ کے لطف و توفیق سے۔ اے بعون الله و توفيقه (عکبری) و قال غير واحد اے الا بتوفيقه و معونته (روح) ف۱۹۳ (اور یقین رکھیے کہ ان کی یہ بڑی سی بڑی چالیں بھی آپ کو ضرر نہ پہنچا سکیں گی) وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ یعنی ان کے حال پر زیادہ غم و تاسف نہ کیجیے۔ ف۱۹۴ (پھر آپ تو تقویٰ و احسان دونوں کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر ہیں۔ آپ کو تو اللہ کی محبت سب سے بڑھ کر حاصل رہے گی) مَعَ الَّذِيْنَ الخ حق تعالیٰ کی یہ معیت متقین کے ساتھ اس معنیٰ میں ہوتی ہے کہ وہ انہیں گناہوں سے بچاتا رہتا اور طاعتوں کی توفیق دیتا رہتا ہے۔ اور اپنی رحمت و فضل سے انہیں گھیرے رہتا ہے۔ و معية نصرته فى المامور و عصمة فى المحظور (مدارک) اے بالعون والنصرة (معالم) معيتهٗ بالرحمة والفضل والمرتبة (کبیر) والمراد بالمعية الولاية الدائمة (روح) الَّذِيْنَ اتَّقَوْا یہ وہ لوگ ہیں جو احکام الٰہی کی پوری پوری تعمیل کرتے رہتے ہیں۔ اس میں تعمیل احکام کی فضیلت کی جانب اشارہ ہو گیا۔ اشارة الى التعظيم لامر الله تعالٰى (کبیر) الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ یہ وہ لوگ ہیں، جو خلق کے ساتھ بہترین سلوک سے پیش آتے رہتے ہیں۔ اس میں مخلوق الٰہی کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت کی جانب اشارہ ہو گیا۔ اشارة الى الشفقة على خلق الله (کبیر) محققین عارفین نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ فن سلوک کا خلاصہ یہی دو چیزیں ہیں۔ ایک امر الٰہی کی تعظیم، دوسرے خلق الٰہی کے ساتھ شفقت۔ ذٰلک يدل على ان كمال السعادة للانسان فى هٰذين الامرين اعنى التعظيم لامر الله تعالٰى والشفقة على خلق الله۔ اور بعض صوفیہ نے اپنی زبان میں یوں کہا ہے کہ حضرت حق کے ساتھ معاملہ صدق اور خلق کے ساتھ معاملہ خُلق بس یہی طریقت کی معراج ہے۔ و عبر عنه بعض المشائخ فقال كمال الطريق صدق مع الحق و خُلق مع الخَلق (کبیر)

اٰیاتها ۱۱۱ — ۱۷ سُوْرَةُ بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ مَکِّیَّةٌ ۵۰ — رکوعاتها ۱۲

اس میں ایک سو گیارہ آیتیں — سورۂ بنی اسرائیل مکی ہے — اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ

پاک ذات ہے وہ جو اپنے بندہ کو راتی رات مسجد حرام

الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ

سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا ف۱ جس کے ارد گرد کو ہم نے بابرکت بنا رکھا ہے

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

تاکہ اس (بندہ) کو ہم بعض اپنے عجائب (قدرت) دکھائیں ف۲ بے شک سمیع بصیر ف۳ وہی (اللہ) ہے

وَ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْٓ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور ہم نے اس (کتاب) کو بنی اسرائیل کے لئے

اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ؕ ② ذُرِّیَّةَ

(ذریعہ) ہدایت بنایا تھا کہ کہیں میرے سوا کسی (اور) کو کارساز مت قرار دے لینا ف۴ اے ان لوگوں کی نسل

مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③

جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا ف۵ وہ بے شک بڑے شکر گزار بندہ تھے ف۶

وَ قَضَیْنَآ اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ جتلا دیا تھا کہ تم ملک میں

فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِیْرًا ④ فَاِذَا

دو بار بڑی خرابی پیدا کرو گے اور بڑا زور چلانے لگو گے ف۷ پھر جب

منزل ۴ — الجزء ۱۵

ف۱ (اور اپنے اس برگزیدہ بندہ کو اس عجیب اور انوکھی سرفرازی سے نواز دیا) سُبْحٰنَ وہ ذات ہر نقص اور کمی سے پاک، ہر عجز سے منزہ، ہر قید اور حد بندی سے بالاتر ہے۔ تسبیح کا لفظ لایا ہی ایسے موقع پر جاتا ہے جہاں کسی امر اہم وعظیم الشان کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے فالتسبیح انما یکون عندالامور العظام (ابن کثیر) لَیْلًا یعنی رات کے ایک حصہ میں۔ ایک ہی رات کے تھوڑے سے وقت میں۔ اَسْرٰی کے معنی میں تو خود ہی رات کا سفر داخل ہے السرٰی سیر اللیل (راغب) لفظ لَیْلًا بہ صیغۂ نکرہ کے اضافہ سے یہ تاکید وتصریح مقصود ہے کہ اتنا بڑا سفر جو عادۃً کئی کئی ہفتہ میں یا ۴۰ دن کی مدت میں ممکن تھا فوق العادۃ طور پر رات کی چند گھڑیوں ہی میں انجام پا گیا اراد بقول لیلا بلفظ التنکیر تقلیل مدۃ الاسراء وانه اسری به فی بعض اللیل من مکة الی الشام مسیرة اربعین لیلة (کشاف) وفائدته الدلالة بتنکیره علی تقلیل مدة الاسراء (بیضاوی) بِعَبْدِهٖ عبد سے مراد عبد کامل یعنی رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک ہے۔ محل تخصیص پر قرآن مجید میں آپ کو اکثر عبد ہی سے موسوم کیا گیا ہے۔ مثلاً انزل الفرقان علی عبده یا وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا۔ وغیرہ لفظ عبد سے اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ بہ ایں شرف وکرامت وبہ ایں کمالات معجزانہ محمد مصطفیٰ ﷺ عبد محض ہی رہے، یہ نہیں ہوا کہ کچھ شرکت الوہیت وربوبیت میں ہو گئی ہو۔ نصرانیوں کی عبرت انگیز مثال سب کے سامنے ہے۔ وقیل حکمة اخرٰی ان فی التعبیر به ههنا دون حبیبه مثلاً سد الباب الغلو فیه ﷺ کما وقع للنصارٰی فی نبیهم (روح) اور مقام عبدیت میں پستی تو صرف عوام وجہلا کو نظر آتی ہے۔ محققین عارفین کے نزدیک یہ تو عین اشرفیت اور کمال افضلیت کا مظہر ہے۔ والعبودیة علی ما نص علیه العارفون اشرف الاوصاف واعلی المراتب (روح) یہ واقعۂ معراج پیش کب آیا تھا؟ ہجرت سے قبل قیام مکہ کے زمانہ میں تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن ہجرت سے کتنا قبل ہے اس میں بھی کچھ زیادہ اختلاف نہیں۔ سال سوا سال قبل پر اتفاق ہے۔ بعض تابعین کی روایت پورے ایک سال کی ہے، اور بعض کی ۱۶ مہینہ کی۔ عن الزهری کان الاسراء قبل الهجرة بسنته وکذا قال عروة وقال السدی بستة عشر شهرا (ابن کثیر) اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ سے یہ حقیقت بھی صاف ہو گئی کہ اس سفر کا کرانے والا، اس عجیب ومعجز واقعہ کو تکمیل تک پہنچانے والا، حق تعالیٰ تھا۔ رسول ﷺ خود نہ تھے۔ جس حیرت انگیز شبانہ سفر نبوی کا یہاں ذکر ہے اس کا اصطلاحی نام معراج ہے۔ ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ معراج ایک نہیں متعدد واقع ہوئی ہیں لیکن محققین کا ارشاد ہے کہ یہ احتمال بہت بعید ہے اور علماء سلف میں سے کوئی اس طرف نہیں گیا ہے۔ هٰذا بعید جدًا ولم ینقل هٰذا عن احدٍ من السلف (ابن کثیر) معراج سے متعلق اور بھی بڑی بڑی بحثیں پیدا ہو گئی ہیں مثلاً یہ کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی، بیداری میں ہوئی یا حالت خواب میں، مختلف جوابات مختلف فریقوں کی طرف سے دیئے گئے ہیں اور ہر فریق کچھ نہ کچھ دلائل بھی اپنی تائید میں رکھتا ہے لیکن آیت قرآنی کی تفسیر ان میں سے کسی پہلو کے بھی اختیار کرنے پر موقوف ومعلق نہیں۔ واقعۂ معراج جس صورت اور جس کیفیت کے ساتھ پیش آیا ہو بہر حال ایک حیرت انگیز معجزہ اور عام بشری تجربہ سے مافوق واقعہ ہوا ہے اور اس کے نفس وقوع پر ایمان رکھنا واجب ہے ——— پیمبران کو جو جو تجربے کرائے گئے ہیں (اکیلے سید الانبیاء ہی کو نہیں ابراہیم خلیل علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کو بھی) ان کی پوری تفصیلات عام انسانوں کے ذہن کی گرفت میں آ ہی کب سکتی ہیں؟ بقول عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

درنیابد حال پختہ ہیچ خام — پس سخن کوتاہ باید والسلام

محدث سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ ابن ہشام کی شرح الروض الانف میں ایک مستقل عنوان یہ قائم کیا ہے هل کان الاسراء فی یقظة بجسده او کان فی نومه بروحه۔ (آپ کی معراج بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی تھی یا حالت خواب میں محض روحانی؟) اور خود سیرۃ ابن ہشام میں محدث اور مشہور صاحب السیرۃ ابن اسحٰق کے حوالہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل بیدار رہتا ہے چنانچہ اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپ کو عجائب الٰہی میں سے یہ جو کچھ دکھلایا گیا یہ خواب یا بیداری کس حالت میں دکھایا گیا بہر حال جو بھی حالت ہو وہ عین حق وصدق ہے۔ قال ابن اسحٰق وکان رسول اللہ ﷺ یقول فی ما بلغنی تنام عینی وقلبی یقظان اللہ اعلم وهی ذٰلک کان قد جاءه وعاین فیه ما عاین من امر علی ای حالیه کان نائما او یقظان کل ذٰلک حق وصدق۔ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی خانہ کعبہ کی مسجد سے اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا یعنی قبلہ اول بیت المقدس کی مسجد تک اَقْصٰی یعنی شہر مکہ سے بہت دور۔

ف۲ واقعۂ اسراء ایک تو بجائے خود عجیب وغریب، مکہ معظمہ سے یروشلیم کی صدہا میل کی مسافت کا گویا آناً فاناً طے ہو جانا اور پھر حسب تصریح احادیث بیت المقدس میں انبیاء سابقین سے ملاقات کا ہونا اور پھر ملکوتی اور آسمانی مشاہدات عجیب ترین۔ الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ یعنی ملک شام بٰرَکْنَا کے تحت میں مادی وروحانی ہر قسم کی برکتیں آ گئیں، ملک کی سرسبزی وشادابی، سرزمین سے (بہ زبان توریت) دودھ اور شہد کی نہروں کا ابلنا برکت مادی کی مثال ہوئی، اور انبیاء کرام کا کثرت سے اس سرزمین سے اٹھنا اور اسی کی خاک میں مدفون ہونا روحانی برکتوں کو واضح کر رہا ہے۔ برکات الدین والدنیا (بیضاوی) مِنْ اٰیٰتِنَا یہ عجائبات جو کچھ بھی تھے ان کی حیثیت محض آیاتِ الٰہی ہی کی تھی جن سے معرفت وحکمت کے بڑے بڑے سبق ملتے ہیں، تفریح اور تماشہ کی نہ تھی۔ اوپر سے بیان صیغۂ غائب چلا آ رہا تھا، یہاں معاً صیغۂ متکلم میں منتقل ہو گیا۔ یہ انتقال ان برکات وآیات کے اظہار عظمت وتکریم کے لئے ہے وصرف الکلام من الغیبة الی التکلم لتعظیم تلک البرکات والاٰیات (بیضاوی)

ف۳ (رسول ﷺ کے ان مراتب قرب وکمال

قرب سے کہیں یہ نہ سمجھنے لگنا کہ آپ بھی ان صفات باری میں کچھ شریک ہو گئے تھے معاذ اللہ سمیع وبصیر تو بلاشرکت غیرے وہی حق تعالیٰ ہی ہے) یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ حق تعالیٰ پر سب کچھ روشن ہے، اس نے رسول ﷺ کے اقوال سن کر اور احوال کو دیکھ کر آپ کو اس درجہ کا قرب عطا کیا۔ ف۴ توریت موجودہ میں اب تک متعدد آیتیں تعلیم توحید کی مل رہی ہیں مثلاً "خداوند تیرا خدا جو تجھے زمین مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں، میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے سے مت بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں" (خروج۔ ۲:۲) الکتٰب توریت کا مراد ہونا ظاہر ہے۔ یہود برائے نام تو ہمیشہ توحید کے قائل رہے ہیں، البتہ دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر عملاً اس راہ سے بار بار ہٹ جاتے تھے یہ وعید اسی پر ہو رہی ہے۔ ف۵ (اور اسی طرح ہلاکت عام سے بچا لیا تھا) سوائے اسرائیلیو! سن لو کہ یہ خطاب تمہیں سے ہے۔ ہم ہی نے اس ہلاکت عام کے وقت تمہارے مورثوں کو بچا لیا تھا اور تم انہیں بچے ہوؤں کی نسل میں ہو۔ تم پر تو شکر گذاری اور زیادہ واجب ہے۔ مَعَ نُوحٍ۔ نوح علیہ السلام، ان کی کشتی اور طوفان سب پر حاشیہ پہلے گذر چکے۔ ذُرِّيَّةَ۔ صیغہ ندا کا ہے "اے ذریت" کے معنی میں قال مجاهد هذا نداء يعني يا ذرية من حملنا (معالم) ف۶ (اور شکر گذاری ہی کی ایک بڑی فرد عقیدۂ توحید ہے) ف۷ (خلق پر ظلم کر کر کے اور خالق کے قانون

جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ

دوبار میں سے پہلی کی میعاد آئے گی ف۸ تو ہم تمہارے اوپر اپنے (ایسے) بندوں کو مسلط کر دیں گے

بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا

جو بڑے جنگجو ہوں گے سو وہ گھروں میں گھس پڑیں گے ف۹ اور یہ وعدہ ہے جو

مَّفْعُوْلًا ۝۵ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ اَمْدَدْنٰكُمْ

پورا ہو کر رہے گا ف۱۰ پھر ایک بار پھر ہم تمہارا ان پر غلبہ کر دیں گے ف۱۱ اور مال اور بیٹوں سے

بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝۶ اِنْ

تمہاری مدد کریں گے اور تمہیں ایک بڑی جماعت بنا دیں گے ف۱۲ اگر

اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۟ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ

اچھے کام کرو گے اپنے ہی لئے اچھائی کرو گے اور اگر برائی کرو گے تو بھی اپنے ہی حق میں ف۱۳

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ

پھر جب پچھلی بار میعاد آئے گی (ہم دوسروں کو مسلط کر دیں گے) تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ

اور تاکہ (تمہاری) عبادت گاہ میں گھس پڑیں جیسا کہ اس میں (اگلے لوگ) اگلی بار گھس آئے تھے

وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝۷ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ

اور تاکہ یہ جس چیز پر بھی ان کا زور چلے اسے تہس نہس کر ڈالیں ف۱۴ عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم پر

يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ

مہربانی کرے ف۱۵ اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے اور جہنم کو تو ہم نے

لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝۸ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ

کافروں کا قید خانہ بنا ہی رکھا ہے ف۱۶ بے شک یہ قرآن ایسے (طریقہ) کی ہدایت کرتا ہے

سے بغاوت اختیار کر کر کے) فساد فی الارض اور علو دونوں سے مراد حقوق اللہ وحقوق العباد دونوں کا اتلاف ہے اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ۔ وَقَضَيْنَآ...... الکتٰب یہ خبر بنی اسرائیل کو ان کے مختلف پیغمبروں کے ذریعہ سے سنا دی گئی تھی ــــ خود توریت ہی کے بعض مقامات انذاری پیش گوئیوں سے بھرے ہوئے ہیں مثلاً احبار باب ۲۶۔ یا استثناء باب ۲۸۔ پھر اس کے علاوہ یرمیاہ نبی کی ہولناک پیش گوئیاں موجود ہیں اور حضرت یحییٰ نبی اور حضرت عیسیٰ نبی کی انذاری پیش گوئیاں، سب انہیں اسرائیلی صحیفوں میں، مَرَّتَيْنِ یوں تو قوم اسرائیل کی تاریخ تباہیوں اور بربادیوں ہی کی ایک مسلسل سرگزشت ہے، تاہم دو مرتبہ کی قیامت خیز ہلاکتیں تاریخ کے صفحات پر بہت گہرے الفاظ میں نقش ہیں۔ ایک بار ۵۸۶ ق۔م میں بخت نصر تاجدار بابل ونینوا کے ہاتھوں اور دوبارہ ۷۰ء میں رومی شہنشاہ طیطاؤس (TITUES) کے زمانہ میں۔ ف۸ (اور تمہارے جرائم تمہیں عقوبت شدید کا مستحق بنا دیں گے) یرمیاہ نبی کی کتاب جو آج بھی صحائف عہد عتیق کا ایک جزو ہے، دیکھی جا سکتی ہے۔ یہود کی شرارتوں، بدکاریوں کی داستان سے لبریز ہے۔ احبار اور ربیون کے نزدیک بھی انتقام الٰہی کی محرک یہود کی تباہ کاریاں ہی ہوئی تھیں ـــ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ف۹ (اور تمہیں کہیں پناہ نہ مل سکے گی) بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ، اس عالم اسباب میں سزا اور غضب الٰہی کا نفاذ ہمیشہ کسی نہ کسی مخلوق ہی کے ذریعہ اور واسطہ سے ہو گا۔ بعثت سے یہاں مراد بعثت تشریعی نہیں، محض بعثت تکوینی ہے اور عباد سے مراد وہ انسان جو عذاب الٰہی کے کارندوں کی حیثیت سے ان پر مسلط کئے گئے تھے اور ان کے لئے یہ ہرگز ضروری نہ تھا کہ وہ خود بھی مومنین صالحین میں سے ہوں۔ اس لئے عِبَادًا لَّنَآ پر یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ بخت نصر تو ایک کافر تاجدار تھا پھر قرآن نے اس کے لشکر کا انتساب اپنی جانب کیسے کر لیا۔ یہی مضمون یہود کے مقدس صحیفہ یرمیاہ میں بھی ہے اور اس میں بخت نصر کو خدا کا خدمت گذار کہا گیا ہے:۔ "رب الافواج یوں کہتا ہے۔ اس لئے کہ تم نے میری باتیں نہ سنیں، دیکھ میں اتر کے سارے گھرانوں کو اور اپنے خدمت گزار شاہ بابل بنوکدنضر کو بلا بھیجوں گا" (یرمیاہ۔ ۲۵:۸، ۹) اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ بابل والے عموماً بڑے جنگجو اور نبرد پیشہ تھے، اور بخت نصر کی خون آشامی کے ذکر سے تو تاریخ کے صفحات رنگین ہیں۔ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ بخت نصر کے لشکر نے جس جس طرح سرزمین شام کو تاخت وتاراج کیا، ہیکل سلیمانی کو شہید کیا، شہر میں آگ لگائی، ایک ایک گھر میں گھس گھس کر جان، مال، عزت سب کو برباد کیا، یہ سب اسی مختصر جامع فقرۂ قرآنی کی تفصیلات ہیں۔ ف۱۰ یرمیاہ نبی کے صحیفہ میں خود یہ وعید اور پھر اس کے ظہور محل دونوں کی تفصیلات درج ہیں۔ "میں ایسا کروں گا کہ ان کے درمیان خوشی کی آواز اور خرمی کی آواز، دلہے کی آواز، دلہن کی آواز، چکی کی آواز اور چراغ کی روشنی باقی نہ رہے اور یہ ساری سرزمین ویرانہ اور حیرانی کا باعث ہو جائے گی اور یہ قومیں ستر برس تک بابل کے بادشاہ کی غلامی کریں گی اور ایسا ہو گا خداوند کہتا ہے کہ جب ستر برس پورے ہوں گے، میں بابل کے بادشاہ کو اور اس کی قوم کو اور کسدیوں کی سرزمین کو ان کی بدکاری کے سبب سزا دوں گا اور میں اسے ایسا اجاڑوں گا کہ ہمیشہ تک ویرانہ رہے" (یرمیاہ۔ ۲۵:۹۔۱۲) "خداوند نے صیہون کی بیٹی کو اپنے قہر کے ابر تلے چھپا دیا۔ اس نے اسرائیل کے جمال کو آسمان سے زمین پر پٹک دیا اور اپنے قہر کے دن اپنے پاؤں رکھنے کی کرسی کو نہ یاد کیا۔ خداوند نے یعقوب کے سارے مکانوں کو غارت کیا اور رحم نہ کیا۔ اس نے اپنے قہر میں یہوداہ کی بیٹی کے قلعوں کو ڈھا دیا، اس نے انہیں خاک کے برابر کر دیا اس نے بادشاہت اور امیروں کو ناپاک کیا اس نے اپنے قہر شدید میں اسرائیل کا ایک سینگ بالکل کاٹ ڈالا" (یرمیاہ کا نوحہ۔ ۲:۱۔۳) ف۱۱ (کسی ایسی حکومت کے ذریعہ سے جو تمہاری ہمدرد وہوا خواہ ہو گی اور یہ اس وقت جب تم اپنی حرکتوں پر پشیمان ہو لو گے) دارائے اول سائرس یا سورس شاہ ایران نے کلدانیوں کو شکست دے کر اور خود ان کے ملک پر قابض ہو کر ۵۳۹ ق۔م میں یہود کو جلاوطنی سے نجات دے کر وطن جانے اور اسے دوبارہ آباد کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ قرآن مجید کا یہ اشارہ اسی تاریخی واقعہ کی جانب ہے۔ ف۱۲ یعنی تمہاری جو جائدادیں چھن گئی تھیں وہ تمہیں واپس مل جائیں گی اور تمہارے افراد جو قید ہو گئے تھے

لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ

جو بالکل سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے رہتے ہیں

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا ۝٩ وَّ اَنَّ الَّذِیْنَ لَا

خوش خبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا بھاری اجر ہے ف١٧ اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو لوگ

یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝١٠ ع

آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے ف١٨

وَ یَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَیْرِ ؕ وَ كَانَ

اور انسان برائی کی درخواست بھی (اسی تقاضہ سے) کرتا ہے (جس طرح) بھلائی کی درخواست اور

الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝١١ وَ جَعَلْنَا الَّیْلَ وَ النَّهَارَ اٰیَتَیْنِ

انسان ہے ہی جلد باز ف١٩ اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا رکھا ہے ف٢٠

فَمَحَوْنَاۤ اٰیَةَ الَّیْلِ وَ جَعَلْنَاۤ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً

سو ہم نے رات والی نشانی کو تو دھندلا بنایا اور ہم نے دن والی نشانی کو روشن کر دیا

لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ

تاکہ اپنے پروردگار کی روزی تلاش کرو اور تاکہ برسوں کا شمار اور (دوسرے)

وَ الْحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا ۝١٢ وَ كُلَّ

حساب معلوم کرلیا کرو اور ہر (ضروری) شے کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان کردیا ہے ف٢١ اور ہر انسان

اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ

کا عمل ہم نے اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے ف٢٢ اور اس کے واسطے قیامت کے دن ہم (اس کا)

الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝١٣ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى

نامۂ اعمال نکال کر سامنے کردیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھ لے گا ف٢٣ (لے) اپنا نامۂ اعمال پڑھ۔ آج

چھوٹ کر اپنے وطن آجائیں گے اور تمہاری آبادی اچھی خاصی ترقی کر جائے گی۔ جلاوطنی کے بعد اسرائیلیوں کو جو مال واپس ملا تھا، اس کا تذکرہ عہد عتیق میں ہے۔ ف١٣ (اور خود ہی سزا بھگتو گے) یہ سب کچھ اسرائیلیوں سے اسی وقت ان کے پیمبروں کی وساطت سے کہہ دیا گیا تھا۔ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اس کے تحت میں ساری ہی نیکیاں اور طاعتیں آجاتی ہیں، لیکن خاص اشارہ اور معلوم ہوتا ہے کہ اگر تم نے انبیاء کا اتباع شروع کر دیا۔۔ یہود کا اصل اور بنیادی جرم ہی اپنے انبیاء سے بار بار سرکشی اور نافرمانی تھی، توحید کے تو وہ بہرحال کسی نہ کسی صورت میں قائل ہی تھے۔ ف١٤ یعنی جس طرح چھ صدیوں قبل کلدانی اور بابلی سپاہیوں نے تمہیں ہلاک وتباہ کر ڈالا تھا اور تمہاری عبادتگاہ میں آگ لگا دی تھی۔ اب کی بار رومی سپاہی عذاب الٰہی کے مؤکل بن کر تم پر نازل ہوں گے ۔۔ ان پیش خبریوں کا عملاً جس طرح ظہور ہوا، اس کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ یعنی جن دو بار کا ابھی اوپر ذکر آچکا ہے، ان میں سے دوسری بار ۔۔ ٧٠ء میں ٹائیٹس رومی کے عہد میں۔ پہلی سزا شریعت موسوی کے ترک وتحریف پر ملی تھی۔ اب یہ دوسری سزا رسالت عیسوی کی مخالفت وانکار پر دی جارہی ہے۔ لِیَسُوْٓءٗا۔ لِیَدْخُلُوا۔ لِیُتَبِّرُوْا۔ ان تینوں افعال میں ل۔ لام تعلیل ہے، مراد اس سے مقصود الٰہی تکوینی کا ظاہر کرنا ہے نہ کہ مقصود الٰہی تشریعی کا ۔۔ مظہر ارادۂ الٰہی کا ہے نہ کہ رضائے الٰہی کا۔ ف١٥ (اور تم کو مزید ذلت وادبار سے بچالے) اب خطاب ان اسرائیلیوں سے ہے جو قرآن کے معاصر اور براہ راست مخاطب تھے۔ ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ پچھلی تباہیاں جو آنا تھیں آچکیں۔ اب بھی کچھ نہیں گیا ہے خاتم النبیین ﷺ پر، شریعت موسوی وعیسوی کے جامع پر اگر آج ایمان لے آؤ اور شریعت اسلامی کو قبول کر لو، تو اب بھی یہ ادبار ٹل سکتا ہے۔ ف١٦ یہ آخرت کی سزا دنیوی سزا کے علاوہ ہے۔ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا۔ یعنی تم نے بھی اگر اپنی وہی پچھلی حرکتیں، وہی مخالفت حق، وہی انانیت واستکبار جاری رکھا تو پھر وہی سزائیں قتل، اسیری، جلاوطنی، خانماں بربادی وغیرہ اب بھی تمہارے لئے موجود ہیں ۔۔ بدنصیب یہود عرب نے اس آخری تنبیہ کو نہ سنا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے سارے پرقوت قبیلے بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی قینقاع وغیرہ ایک ایک کر کے ایک قلیل ہی مدت کے اندر مٹ گئے۔ حَصِیْرًا۔ یہ عالم آخرت کا وہ حلقۂ عذاب ہو گا جس سے کافر کبھی مخلصی حاصل نہ کر سکیں گے۔ لهؤلاء والاقوام لهم من عذاب الدنيا ما وصفناه و يكون لهم بعد ذلك من عذاب الأخرة ما يكون محيطا بهم من جميع الجهات ولا يتخلصون منه ابدًا (کبیر) ف١٧ صلاح وفلاح دارین، دنیوی واخروی فوز وکامرانی کی راہیں اسی کتاب حقیقت ترجمان سے وابستہ ہیں۔ ذرا اس پر عمل کر کے دیکھو تو۔ اَقْوَمُ۔ سے ادھر اشارہ ہو گیا کہ سابق کتب آسمانی کی بتائی ہوئی راہیں بھی اپنی اپنی جگہ سیدھی ہیں لیکن یہ قرآن والی شاہراہ سب سے بڑھ کر اور سب کی جامع ہے۔ اے اقوم الطرق واسدها (روح) هٰذَا الْقُرْاٰنَ۔ اشارۂ هٰذا تعظیم قرآن کے لئے ہے۔ وفي الاشارة بهذا تعظيم لما جاء به النبي ﷺ (روح) يَهْدِيْ۔ اس کا مفعول عام ہے۔ یعنی یہ ہدایت سب ہی کو کرتا ہے۔ کسی مخصوص فرقہ کو نہیں۔ اے الناس كافة لا فرقة مخصوصة (روح) لِلَّتِیْ۔ یہاں الطریقة محذوف ہے۔ اے للطريقة التي (روح) اے الطريقة التي هي اقوم الملل والشرائع والطرق ومثل هذه الكناية كثيرة الاستعمال في القرآن (کبیر) ف١٨ آخرت سے انکار اپنے وسیع معنی میں یعنی صحیح تفصیلات کے ساتھ یوم الجزاء سے انکار تو ہر کافر کے لئے عام ہے لیکن یہود کے سلسلہ میں اس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ برمحل ہے۔ اس لئے کہ یہود باوجود دعوئ توحید کے سب سے زیادہ اسی عقیدۂ آخرت ہی کو بھولے ہوئے تھے۔ دنیا پرستی جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو یہی صورت پیدا کر دیتی ہے ۔۔ موجودہ توریت محرف میں سب سے کم ذکر یوم آخرت اور وہاں کی جزا سزا کا ہے۔ سارا زور اسی دنیا کے انعامات کا ہے ف١٩ (اور اپنے انجام پر غور نہ کرنے والا) یَدْعُ الْاِنْسَانُ۔ یہاں الانسان سے مراد ایک خاص قسم کا انسان یعنی کافر انسان ہے۔ والمراد بالانسان الجنس اسند اليه حال بعض افراده وهو الكافر واليه يشير كلام ابن عباسؓ (روح) یَدْعُ ۔۔۔۔ بِالْخَیْرِ۔ جن چیزوں کا لازمی نتیجہ عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا ہے ان کی تمنا کرتے رہنا، اپنے کو عذاب یا برائی کی دعوت ہی دینا ہے۔ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا۔ اس کے ماتحت وہ انسان نہیں آتے جنہوں نے اپنے کو اتباع شریعت سے مہذب ومزین کر لیا ہے۔ اس ذرا سے فقرہ میں گمراہ وباطل پرست انسان کی ساری ذہنیت کی تشریح آگئی۔ ہر معصیت، ہر فسق، ہر کفر کی طرف لے جانے والی چیز انسان کی یہی عجلت پسندی اور فوری لذت کی تمنا ہوتی ہے۔ اگر ذرا وہ سوچ سمجھ سے کام لے لیا کرے تو کبھی ان نتائج کی نوبت ہی نہ آئے۔ ف٢٠ (اپنی قدرت، صنعت وحکمت کی) حکمت وعرفان کی نظر سے دیکھا جائے تو رات اور دن کے طلوع وغروب میں ان کی مسلسل پابندیوں میں حکمتوں اور صنعتوں کی ایک دنیا پوشیدہ نظر آئے گی۔ بدبخت قوموں نے الٹا انہیں بھی دیوی دیوتا، مان کر ان کی پرستش شروع کر دی۔ ف٢١ (اس کتاب عزیز وحکیم کے اندر) محونا۔ جعلنا۔ دن جیسا کہ وہ ہے اور رات جیسی کہ وہ ہے، ان کی ترتیب، ترکیب سب کچھ اللہ ہی کی کاری گری کا ثمرہ ہے۔ یہ نہیں کہ یہ محض بخت واتفاق سے خود بخود وجود میں آگئے ہوں یا کسی دیوی دیوتا نے انہیں خلعت وجود سے مشرف کیا ہو۔ لِتَبْتَغُوْا۔ وَلِتَعْلَمُوْا۔ سورج ہو کہ چاند، دن ہو کہ رات، سب کی خلقت کی غایت انسان کی خدمت ہے۔ نہ یہ کہ انسان ہی الٹی ان کی پرستش میں لگ جائے۔ كُلَّ شَیْءٍ۔ کو اگر بالکل اپنے لفظی معنی میں لیا جائے اور اس کے اندر چھوٹی بڑی ہر قسم کی چیز سمجھ لی جائے تو

بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا

تو خود ہی اپنے حق میں حساب کرنے کے لئے کافی ہے و۲۳ جو کوئی راہ پر چلتا ہے سو وہ اپنے ہی نفع کے لئے

يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا

راہ پر چلتا ہے اور جو کوئی بے راہی کرتا ہے وہ بھی اپنے ہی لئے بے راہ ہوتا ہے اور کوئی

تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى

کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا و۲۵ اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک

نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً

کسی رسول کو ہم بھیج نہیں لیتے و۲۶ اور جب ہم ارادہ کر لیتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں گے

اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ

تو اس (بستی) کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں تو ان پر حجت تمام ہو جاتی

فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ

ہے پھر اس (بستی) کو تباہ و غارت کر ڈالتے ہیں و۲۷ اور ہم نے کتنی ہی امتوں کو

مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ

نوح کے بعد سے ہلاک کر ڈالا ہے اور آپ کا پروردگار ہی اپنے بندوں کے گناہوں کی

خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا

خبر رکھنے والے، دیکھتے رہنے والے کی حیثیت سے کافی ہے و۲۸ جو کوئی دنیا کی نیت رکھے گا ہم اس کو

لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ

دنیا میں سے جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے فوراً ہی دے دیں گے پھر ہم اس کے لئے جہنم رکھیں گے

يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ

اس میں وہ بد حال اور راندہ ہو کر داخل ہو گا و۲۹ اور جو کوئی آخرت کی نیت رکھے گا

مراد بجائے قرآن کے لوح محفوظ ہو گی۔ لِتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی تلاش معاش میں مشغول رہو جس کی صورتیں بے شمار ہیں اور ان سب کے لئے دن کی روشنی اور اجالے کا انتظام حق تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ایک معمولی مظہر ہے۔ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ۔ دنیا اور دین کے سارے کاروبار اسی وقت و زمان ہی کے حساب و کتاب پر معلق رہتے ہیں۔ و۲۲ یعنی ہر شخص کا عمل نیک ہو یا بد، ہر حال میں ہم نے اس کے ساتھ بطور جزء غیر منفک کے لازم کر دیا ہے۔ طٰٓئِرَهٗ۔ ہر مکلف انسان کے افعال اختیاری مراد ہیں۔ ای عملہ الصادر منہ باختیارہ (روح) سمّی الخیر والشر بالطائر تسمیۃ للشیء باسم لازمہ (کبیر) اَلْزَمْنٰهُ فِيْ عُنُقِهٖ۔ محاورہ عرب میں شدت لزوم اور کمال ربط کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ تصور لشدۃ اللزوم و کمال الارتباط (روح) انما اراد بہ عملہ من خیر او شر علی عادۃ العرب (جصاص) اخبر انہ فی عنقہ کالطوق الذی یحیط بہ ویلازمہ مبالغۃ فی الوعظ والتحذیر (جصاص) کنایۃ عن اللزوم (کبیر) و۲۳ یہ نامۂ اعمال جو اس وقت تک عالم غیب میں فرشتوں کے ہاتھ میں محفوظ ہو گا، حشر میں کھول کر ہر بندہ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ و۲۴ (کسی اور کو ضرورت ہی نہیں کہ تجھے تیرے اعمال گنا دے) اِقْرَاْ كِتٰبَكَ۔ یہ بندہ سے کہا جائے گا۔ نامۂ اعمال کے اس تھرا دینے والے ذکر پر اس نامۂ سیاہ کو اپنے نامۂ اعمال کی سیاہیاں یاد آ گئیں لیکن ساتھ ہی بندہ نواز مولیٰ کی بے انداز شفقتوں اور بے حد حساب بندہ پروری کا بھی خیال آ گیا! اللہ ٹھنڈی رکھے اقبال علیہ الرحمۃ کی تربت کو کیا لاجواب مضمون باندھ گیا ہے۔ گو پیرایۂ ادا ذرا خلاف ادب ہے۔

روز حساب جب میرا پیش ہو دفتر عمل ۔۔۔ آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

و۲۵ مشرک قوموں کا تو ذکر ہی نہیں، خود اہل کتاب و یہود و نصاریٰ کے ہاں انفرادی ذمہ داری مٹ مٹا کر سارا زور مسئلہ "شفاعت" و "کفارہ" وغیرہ پر رہ گیا تھا۔ قرآن مجید میں اسی لئے ان عقاید کی پرزور تردید بار بار مختلف عنوانات سے ہوتی رہتی ہے اور یہاں بھی مقصود شخصی ذمہ داری و مسئولیت کا اثبات ہے۔ و۲۶ یہاں یہ عام قاعدہ بیان کر دیا کہ تبلیغ دین، رسول یا اس کے کسی نائب کے ذریعہ سے ہو جانا ضروری ہے۔ بغیر اس کے کسی قوم پر عذاب نہیں آتا۔ اور محققین نے اس سے استنباط کر کے لکھا ہے کہ جن قوموں تک رسول کی اصلاً خبر نہیں پہنچی وہ کفر و معاصی پر معذب نہ ہوں گے۔ اور یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کوئی کافر حربی اگر اسلام لے آئے اور اسے نماز زکوٰۃ وغیرہ کے احکام کی خبر نہ پہنچے تو جب تک اطلاع نہ پہنچ لے اس پر ان واجبات و فرائض کی قضا نہیں ہے۔ ھذا یدل علی من اسلم من اھل الحرب ولم یسمع بالصلاۃ والزکٰوۃ ونحوھا من الشرائع السمعیۃ انہ لا یلزمہ قضاء شیء منھا (جصاص) فیہ دلیل علی ان ما وجب وجب بالسمع لا بالعقل (معالم) اور یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ جب تک رسول ہی کے پیامات کی مخالفت نہ ہو لے محض عقلی واجبات و فرائض کی مخالفت سے عذاب ہلاکت نازل نہیں ہوتا۔ انہ لا یعذب عذاب الاستیصال الابعد قیام حجۃ السمع بالرسول ان مخالفۃ موجبات احکام العقول قبل ورود السمع من جھۃ الرسول لا توجب فی حکم اللہ عذاب الاستیصال (جصاص) و۲۷ یہاں اسی عام ضابطہ کا بیان ہے کہ جب کسی قوم کی شدت کفر و طغیان کی بنا پر حکمت الٰہی کو اس کا فنا کر دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے تو پہلے کسی رسول کے ذریعہ سے اسے ایمان و اطاعت احکام کا حکم پہنچایا جاتا ہے اور جب وہ برابر عدول حکمی کرتے رہتے ہیں تو ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے اور بستی تہس نہس کر ڈالی جاتی ہے۔ وَاِذَآ اَرَدْنَا۔ یہ ارادۂ الٰہی ہمیشہ مصالح تکوینی اور آئین حکمت کے ماتحت ہوتا ہے رضائے الٰہی ایک بالکل دوسری چیز ہے۔ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً۔ یہ کسی بستی کی ہلاکت بطریق عذاب اس کی مسلسل نافرمانیوں کا نتیجہ ہوتی ہے خود بخود نہیں واقع ہو جاتی۔ اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا۔ اطاعت احکام الٰہی کا یہ حکم رسول کے ذریعہ سے ملتا تو امت کے عوام و خواص سب ہی کو ہے لیکن خواص کی حیثیت لیڈر، پیشوا یا مقتدا کی ہوتی ہے۔ اس لئے ان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا۔ عوام تو بس انہی کے پیرو ہو جاتے ہیں۔ فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ۔ یہ الفاظ اس باب میں صریح ہیں کہ گرفت دفعۃً اور بلا اطلاع نہیں ہو جاتی پوری طرح موقع دینے اور ہر طرح کے اتمام حجت کے بعد ہی ہوتی ہے۔ و۲۸ (اسے کسی اور کی اعانت کی ذرا بھی حاجت نہیں) صفات خبیر و بصیر لا کر یہ یاد دلا دیا کہ حق تعالیٰ سب کے ظاہر و باطن سے پوری طرح خبردار ہے اور بصیرت میں کامل ہے۔ اس کے ہاں اس اندھیر کا امکان ہی نہیں کہ کسی کو بلا قصور سزا مل جائے عام مشرک قوموں کے دیوی دیوتاؤں کے ہاں انسانوں کے ساتھ برتاؤ کا کوئی قانون و قاعدہ ہی نہیں گاہے بسلامے برنجند گاہے بدشنامے خلعت دہند کا معاملہ رہتا ہے۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ۔ یہ انہیں قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہے جو اپنے کفر و طغیان کے پاداش میں ہلاک ہوئیں۔ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ۔ یعنی جب سے تاریخ کا آغاز ہوا ہے ـــ دنیا از سر نو طوفان نوح کے بعد ہی آباد ہوئی اور تاریخ عالم کا آغاز کہنا چاہیے کہ اسی وقت سے ہوتا ہے۔ و۲۹ آیت کے اندر بڑی عبرت کا مضمون بیان ہوا ہے آج دنیا میں کثرت سے ایسے لوگ ہیں کہ اپنے کو مختلف منصوبوں میں کامیاب پا کر اپنے کو برسر حق اور مقبول سمجھنے لگتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ضمیر کی خلش محسوس کریں اپنی ہر کامیابی کے ساتھ اور زیادہ غافل مطمئن اور بے فکر ہو جاتے ہیں۔ کوئی رشوت لے لے کر اپنی حرص پوری کر رہا ہے کوئی سود لے لے کر اپنا خزانہ جمع کر رہا ہے اور چونکہ دولت گھٹا گھٹ چلی آ رہی ہے اپنے حال پر اور زیادہ نازاں ہوتا جاتا ہے۔ اور اپنے عمل پر احتساب و نظر ثانی کی ضرورت ہی سرے سے نہیں سمجھتا۔ آیت میں بتایا ہے کہ یہ فوری کامیابی مطلق صورت میں ہرگز خوش

ہونے والی چیز نہیں دیکھنا تو یہ چاہیے کہ غایت عمل کیا ہے اور مقصود سعی کیا ہے۔ اگر محض دنیا ہے تو انجام تمامتر خراب ہی ہونا ہے۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ۔ یعنی جو اپنا مطمع نظر اسی عارضی وفانی دنیا کو بنائے رکھے اور اپنے عمل سے مقصود اسی کو رکھے۔ مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ۔ دونوں قیدیں اہم ہیں یہ وعدہ مطلق صورت میں نہیں کہ ہر طالب دنیا کو اس کی خاطر خواہ دنیا مل ہی جائے گی بلکہ صرف اسی کو اور اتنی ہی مقدار میں ملے گی، جس کے لئے اور جس حد تک مشیت الٰہی مصالح تکوینی کے مطابق ہوگی۔ ف۳۰ (اللہ کے ہاں اور ایسوں کو اجر پورا مل کر رہے گا) بہ خلاف آیت ماقبل کے یہاں وعدہ مطلق اور قطعی صورت میں ہے طالب عقبیٰ کو (جو حقیقۃً طالب مولیٰ ہی ہوتا ہے) اسے ایمان اور سعی حسن عمل کے بعد جزائے کامل یقیناً ملے گی۔ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ۔ یعنی جو اپنا مطمع نظر اس مکمل و پایدار زندگی کو بنائے رکھے اور اپنے عمل سے مقصود اسی کو رکھے — گویا قبول کی پہلی شرط تصحیح نیت ہوئی۔ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا۔ محض تمنا ہرگز کافی نہیں۔ جب انسان نیکی حاصل کرنا چاہے تو لازم ہے کہ عملاً بھی اس کی طرف قدم بڑھائے۔ محض آرزو و تمنا کا درجہ قطعاً ناکافی ہے۔ اور عمل بھی اپنے ظن و تخمین سے نہیں یا اپنی ہوائے نفس کے ماتحت نہیں بلکہ قانون شریعت کے مطابق ہو — گویا دوسری شرط تصحیح عمل ہوئی۔ حسب ضابطۂ شریعت۔ اعمال وطاعات کا شریعت کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ اپنے دل سے گڑھی ہوئی ریاضتیں اور مجاہدات کیسے ہی شدید ہوں ہرگز نافع نہ ہوسکیں گے اگر معیار شریعت سے ہٹے ہوئے رہے۔ وَ

وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ

اور اس کے لئے کوشش بھی اس کے لائق کرے گا درآنحالیکہ وہ مومن بھی ہو سو ایسے لوگوں کی

سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ

کوشش مقبول ہوگی ف۳۰ ہم ہر ایک کی امداد کرتے ہیں ان میں سے بھی

مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ

اور ان میں سے بھی آپ کے پروردگار کی بخشش میں سے اور آپ کے پروردگار کی بخشش

مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى

(کسی پر) بند نہیں ف۳۱ تو دیکھ ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت

بَعْضٍ ؕ وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ

دے رکھی ہے اور آخرت یقیناً بہت بڑی ہے درجات کے اعتبار سے بھی اور بہت بڑی ہے

تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ

فضیلت کے اعتبار سے بھی ف۳۲ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا ورنہ تو بیٹھ رہے گا

مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا

بدحال بے یار و مددگار ہو کر ف۳۳ اور تیرے پروردگار نے حکم دے رکھا ہے کہ بجز اسی (ایک رب) کے

اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ

اور کسی کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک رکھنا ف۳۴ اگر وہ تیرے سامنے

عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ

بڑھاپے کو پہنچ جائیں ان دونوں میں سے ایک یا وہ دونوں تو تو ان سے ہوں بھی

اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾

نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب کے ساتھ بات چیت کرنا ف۳۵

ع ۲ / ۱۲

هُوَ مُؤْمِنٌ۔ تیسری اور سب سے زبردست شرط یہ تصحیح عقیدہ کی ہوئی۔ منکر قانون الٰہی کا عمل کوئی سا بھی مقبول نہیں۔ ف۳۱ یہاں یہ قانون بیان ہوا ہے کہ نیک وبد، سعید و شقی، مقبول و مردود تکوینی طور پر خزانہ غیب سے سب ہی مدد پاتے رہتے ہیں چنانچہ یہ تو روز کا مشاہدہ ہے کہ ہوا اور پانی اور سورج کی گرمی اور چاند کی ٹھنڈک اور روشنی اور حیوانی ونباتی موجودات سے جس طرح مومن نفع اٹھا سکتے ہیں اسی طرح شدید منکرین بھی نفع اٹھا رہے ہیں۔ كُلًّا۔ یعنی ہر دو فریق۔ اے كل واحد من الفريقين (مدارک) ف۳۲ (سو اصل اہتمام اور پورا اہتمام اسی آخرت کا چاہیے) وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ۔ جس آخرت میں یہ مرتبہ عطا ہوں گے، وہ مخصوص ہے مومنین مقبولین کے لئے — آیت میں اشارہ اسی جانب ہے کہ دنیا میں جو فرق مراتب و مدارج تمہارے لئے محسوس و مشاہد ہے وہ تو اس قدر ہے تو آخرت میں باہمی فرق درجات تو اس سے ہزاروں گنا نمایاں ہوگا! فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ یہ ایک پر دوسرے کی فضیلت انعامات دنیوی کے لحاظ سے ہے۔ مال، جاہ، کمالات وغیرہ۔ اُنْظُرْ۔ سبق لینے کی نیت سے دیکھو۔ انظر بعين الاعتبار (مدارک) ف۳۳ شرک کی ایک نمایاں قباحت اس دنیا میں تو یہ نظر آتی ہے کہ انسان توحید سے کٹ کر بالکل بے سہارے اور بے یار و مددگار رہ جاتا ہے — اور آخرت میں بھی بے کسی اور بے بسی متشکل ہو کر خود مشرک کے سامنے آجاتی ہے۔ فَتَقْعُدَ۔ قعود سے یہاں مراد جسم کی وہ وضع و ہیئت نہیں جو کھڑے ہونے یا لیٹنے سے متمایز ہے بلکہ جیسے اردو محاورہ میں "بیٹھ رہنے سے" مراد صرف ناخوشگوار حالت میں پڑے رہ جانے سے ہوتی ہے جیسے ان فقروں میں "صدمہ تو بہت ہوا لیکن کرتے کیا رو پیٹ کر بیٹھ رہے" "تھک کر بیٹھ رہے۔" اسی طرح عربی محاورہ میں بھی قعود کسی بری حالت کے مستقر ہو جانے کے موقع پر آتا ہے۔ معناه المكث اے فتمكث فى الناس مذموماً مخذولاً هذه اللفظة مستعملة فى لسان العرب والفرس فى هذا المعنى (کبیر) معناه المكث سواء كان قائماً او جالساً (کبیر) ف۳۴ ماں باپ کی خدمت کرتے رہنا شریعت اسلامی کے اہم ترین واجبات میں سے ہے۔ تہذیب فرنگ کی طرح شریعت اسلامی کا یہ فتویٰ نہیں کہ لڑکا جب عاقل و بالغ اور صاحب اختیار ہو جائے تو بیوی کے ساتھ اپنا الگ گھر بار کرلے اور بوڑھے ماں باپ سے تعلق اگر رکھے بھی تو محض دور کا اور ضابطہ کا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ یہ فقرہ جس میں خدمت والدین کا حکم ہے اس کا عطف اس فقرہ پر جس میں توحید اور منع شرک کا حکم ہے خود اس امر پر ایک دلیل ہے کہ شریعت میں خدمت والدین کا درجہ کتنا اہم و بلند ہے۔ بين الله تعالى بهذه الاية تاكيد حق الابوين فقرن الامر بالاحسان اليهما الى الامر بالتوحيد (جصاص) آیت میں کوئی نسخ و تخصیص نہیں، والدین اگر مشرک ہیں تو ان کے حق میں دعائے ہدایت جاری رہنا چاہیے اور اگر مومن ہیں تو دعائے رحمت، لا نسخ ولا تخصيص لان الوالدين اذا كانا كافرين فله ان يدعوا لهما بالهداية والارشاد و ان يطلب الرحمة لهما بعد حصول الايمان (کبیر) فقہاء نے لکھا ہے کہ والدین اگر مشرک ہوں جب بھی ان کے ساتھ حسن معاشرت واجب ہے بجز اس کے کہ باب شرک میں ان کی اطاعت نہ کی جائے۔ فامر بمصاحبة الوالدين المشركين بالمعروف مع النهى عن طاعتهما فى الشرك (جصاص) ف۳۵ دنیا میں اس سطح ارض پر ایسی ایسی مہذب و شائستہ قومیں بھی گزری ہیں جن کے ہاں دستور یہ تھا کہ جب والدین بوڑھے ہو کر قوم کے لئے بیکار بلکہ اس پر ایک بار ہو جاتے تھے تو سعادتمند صاحبزادے انہیں لے جا کر کسی سنسان پہاڑی وغیرہ پر چھوڑ آتے تھے کہ وہیں پڑے پڑے مر جائیں یا کسی جنگلی جانور کی غذا بن جائیں۔ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ۔ بڑھاپے کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ اسی سن میں والدین معذور ہو کر دوسروں کی خدمت کے محتاج ہو جاتے ہیں اور اسی سن میں ان کی خدمت طبیعت کو گراں گزرنے لگتی ہے۔ ایک حدیث نبوی میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ بڑا بدقسمت ہے وہ شخص جو اپنے والدین کا بڑھاپا پائے اور پھر انہیں خوش کر کے ان کی دعاؤں سے اپنے کو جنت کا مستحق نہ بنالے۔ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ۔ جب ان کے سامنے ہوں کرنے کی بھی ممانعت ہوگئی تو ظاہر ہے کہ جو چیز اس سے بڑھ کر ان کے مقابلہ

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ

اور ان کے سامنے محبت سے انکسار کے ساتھ جھکے رہنا اور کہتے رہنا کہ

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ

اے میرے پروردگار ان پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا، پرورش کیا ف۳۶ تمہارا پروردگار خوب

بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ

جانتا ہے اس کو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، ف۳۷ اگر تم (دل سے) سعادت مند ہو تو وہ بھی

لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ

توبہ کرنے والوں کے حق میں بڑا مغفرت کرنے والا ہے ف۳۸ اور تو قرابت دار کو (بھی) اس کا حق ادا کر

وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾

اور محتاج اور مسافر کو (بھی ان کا حق) اور مال کو فضولیات میں نہ اڑا ف۳۹

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ

بے شک فضولیات میں اڑا دینے والے شیطانوں کے بھائی بند ہوتے ہیں اور

الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ

شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے ف۴۰ اور اگر تجھے ان سے پہلو تہی کرنا پڑے

ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا

اس انتظار میں کہ تیرے پروردگار کی طرف سے وہ کشائش آئے جس کی تجھے امید ہو تو ان سے نرمی کی بات

مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ

کہہ دے ف۴۱ اور تو نہ اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لے

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا

اور نہ اسے بالکل کھول ہی دے ورنہ تو ملامت زدہ، تہی دست ہو کر

میں گستاخانہ یا ان کے حق میں تکلیف دہ ہیں۔ ان کی ممانعت تو کہیں زائد ہوئی۔ حکم قرآنی سے مراد صرف یہ ہے کہ والدین کو قولاً فعلاً بڑی چھوٹی کسی قسم کی بھی اذیت پہنچانا جائز نہیں صرف لفظ "اف" کے تلفظ سے روکنا ہرگز مقصود نہیں۔ ثم انهم توسعوا فذكروا هذه اللفظة عند كل مكروه يصل اليهم (کبیر) لا تقل لفلان اف مثل يضرب للمنع من كل مكروه واذية وان خف وقل (کبیر) المقصود من هذا الكلام المبالغة في تعظيم الوالدين (کبیر) و بالوالدين احساناً سے اگر والدین کے ساتھ عمل میں لطف و نرمی کا حکم نکلا تو فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما سے قول میں ان کے ساتھ ادب اور تمیز داری کی تاکید نکلی اور وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا سے مخاطبت و گفتگو میں ان کے ادب و عظمت کے لحاظ رکھنے کا حکم نکل آیا۔ ف۳۶ خدمت والدین کے سلسلہ میں محض سلبی ہدایات یا نواہی کافی نہیں۔ ایجابی اوامر بھی مل رہے ہیں۔ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا تو ابھی آ ہی چکا ہے۔ اب دو ہدایتیں اور ملیں۔ واخفض لهما جناح الذل۔ محاورۂ زبان کے اعتبار سے اس فقرہ سے والدین کے ساتھ انتہائی فروتنی اختیار کرنے کی تاکید نکل آئی۔ هو مجاز لان الذل ليس له جناح ولا يوصف بذلك ولكنه اراد المبالغة في التذلل والتواضع (جصاص) مبالغة في التذلل والتواضع لهما (کشاف) والمقصود منه المبالغة في التواضع (کبیر) قُلْ ...... صَغِيْرًا۔ یہاں کس حکمت کے ساتھ جوان تندرست و تنومند اولاد کو خود اس کے بچپن کی بے کسی و بے بسی یاد دلا دی گئی — قدرۃً یہاں پہنچ کر ہر انسان کو یہ خیال آئے گا کہ ایک دن مجھے بھی اسی طرح ضعیف و معذور ہو کر خود اپنی اولاد کا محتاج و دست نگر ہونا ہے۔ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا۔ والدین کے حق میں دعائے رحمت کرتے رہنے سے خود اپنے دل میں بھی ان کے متعلق جذبات محبت و کشش بیدار ہو جائیں گے یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے جب جس کا جی چاہے اس کا تجربہ کر کے دیکھ لے — اور پھر یہ دعا کرنا کہ "اے پروردگار ان پر رحمت فرما" گویا یہ دعا کرنا ہے کہ "اے پروردگار انہیں دنیا و آخرت کی ہر قسم کی بھلائی سے بہرہ ور کر، کہ لفظ رحمۃ عرب میں جامعیت ہی ایسی رکھتا ہے۔ ولفظ الرحمة جامع لكل الخيرات في الدين والدنيا (کبیر عن القفال) كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔ اس سے ضمناً یہ بات بھی نکل آئی کہ معاشرت اسلامی میں بچوں کی پرورش والدین ہی کا حق ہے (اور ہر صالح تمدن میں یہی ہوتا بھی ہے) نہ کہ حکومت کا یا کسی اور ادارہ کا — ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ف۳۷ (اس لئے محض ظاہری اور لفظی تعظیم پر اکتفا نہ کرنا بلکہ دل سے بھی ان کی توقیر و تعظیم اور ادب و لحاظ میں لگے رہنا) اللہ اللہ خدمت والدین و اطاعت والدین کے باب میں قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام منظور ہے۔ ف۳۸ (اس لئے اگر اتفاقی طور سے کبھی کوئی بات تم سے ان کے مرتبہ کے منافی صادر ہو جائے تو معاً نادم ہو کر اس کی تلافی کرو) صٰلِحِيْنَ۔ یعنی نیکی اور حسن سلوک کا ارادہ رکھنے والے، ہماری زبان میں سعادت مند ایسے ہی موقع کے لئے ہے۔ اے قاصدين الصلاح والبر دون العقوق والفساد (روح) قاصدين الصلاح والبر (کشاف) اَوَّابِيْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو غلطی یا لغزش صادر ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ کی طرف توبہ و استغفار کے ساتھ رجوع کریں۔ اے الراجعين اليه تعالى التائبين عما فرط منهم مما لا يكاد يخلو منه البشر (روح) ف۳۹ اسلام نفس جمع مال و کسب مال کا مانع نہیں۔ البتہ پہلے تو وہ کسب مال کے لئے شرائط جائز و حلال کی قید لگاتا ہے اور پھر صرف مال کے قاعدے مقرر کرتا ہے کہ مال و دولت پر تو عزیزوں کے، مسکینوں کے، نادار مسافروں، پردیسیوں کے حق قائم ہیں یہ انہیں کے کام میں آنے کی چیزیں ہیں۔ حَقَّهٗ۔ حق کا لفظ مالی و غیر مالی ہر قسم کے حقوق پر شامل ہے لیکن یہاں ذکر حقوق مالی ہی کا ہو رہا ہے۔ حق کے لفظ نے یہ بھی بتا دیا کہ عزیزوں، مسکینوں وغیرہ کی اعانت واجب ہے۔ ان کا حق ہے کہ وہ مالداروں سے اعانت طلب کریں اور مالداروں پر لازمی ہے کہ ان پر احسان رکھ کر نہیں اپنا فرض سمجھ کر ان کی اعانت کریں — یہ معنی ہیں صحیح سوشلزم (اشتراکیت) کے۔ نہ یہ کہ ایک طرف ناداروں کو سرمایہ داروں کے خلاف بھڑکا دیا جائے اور غصہ دلا دیا جائے۔ اور دوسری طرف نظام سرمایہ داری مالداروں کے قلب میں قساوت پیدا کر دے۔ خدمت والدین کا حکم ابھی ابھی مل چکا ہے۔ اس کے معاً بعد یہ ہدایت لانا گویا یہ کہنا ہے کہ حقوق خدمت صرف والدین تک محدود نہ رہیں، والدین کے بعد ہی دوسرے عزیزوں کا نمبر ہے اور پھر درجہ بدرجہ ہر تعلق اور سابقہ رکھنے والے کا۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۔ اسلام مالدار کو یہ حکم نہیں دیتا کہ وہ اپنے نفس کی آسائش پر سرے سے کچھ خرچ ہی نہ کرے۔ جائز حدود کے اندر اس نے اس کی بھی پوری اجازت دی ہے۔ البتہ وہ اندھا دھند اسراف سے قطعاً روکتا ہے جس سے جائداد کچھ روز میں تباہ ہو کر رہ جائے۔ تبذیر کہتے ہیں مال کے بے موقع یعنی محل معصیت میں خرچ کرنے کو اور اس کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) ایک معصیت بالذات مثلاً زنا، شراب، قمار بازی وغیرہ۔ اس میں کچھ بھی صرف کرنا ہر حال میں حرام ہے۔ (۲) دوسرے معصیت بالغیر یعنی عمل تو بجائے خود جائز ہو، لیکن اس میں شرکت سے مقصود شہرت و تفاخر وغیرہ ہو۔ التبذير انفاق المال في غير حقه (جصاص۔ عن ابن عباس وعبد الله بن مسعود وقتادة رضی اللہ عنہم) التبذير تفريق المال في غير الحل والمحل (مدارک) ف۴۰ (کہ حق تعالیٰ نے اس کو دولت عقل کی دی تھی مگر اس نے اسے خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں لٹا دیا) اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ۔ یعنی ناشکری اور کفران نعمت میں شیطان کے مشابہ و ہم سطح ہوتے ہیں۔ والمراد من هذه الاخوة التشبه بهم في هذا الفعل القبيح (کبیر) اِخْوَانَ۔ اخ کا

اطلاق عربی میں بہت وسیع اور ہرقسم کے اشتراک ومشابہت کے لئے عام ہے۔ یستعار فی کل مشارک لغیرہ فی القبیلة اوفی الدین اوفی صنعة اوفی معاملة اوفی غیر ذٰلک من المناسبات (راغب) العرب یسمون الملازم للشیء اخاله فیقولون فلانٌ اخو الکرم والجود واخو السفر اذا کان مواظباً علی هذه الاعمال (کبیر) انسان کی مذمت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسے شیطان سے تشبیہ دیدی جائے جو سرچشمہ ساری برائیوں کا ہے۔ وهی غایة المذمة لانه لا اشر من الشیطان (کشاف) ف۴۱ یعنی نرم زبانی اور ان کی دلجوئی ملحوظ رکھ کر ان سے آئندہ کے لئے وعدہ کر لینا، کوئی کڑا اور دل شکن جواب انہیں ہرگز نہ دینا۔ وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ۔ یعنی جب وہ لوگ تم سے طالب اعانت ہوں اور عارضی طور پر تم خود اس وقت تہی دست ہو۔ عَنْهُمُ سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا حقدار ہونا ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ ف۴۲ (جیسا کہ بے تحاشا اسراف کا نتیجہ لازمی طور پر نکلتا ہے) خرچ کے معاملہ میں اسلام کی تعلیم اعتدال، اقتصادی ومیانہ روی کی ہے — نہ اپنی حالت اور قدرت سے بڑھ کر خرچ اور نہ بالکل کنجوسی ہی نہ صَرف بے محل، خلاف موقع، نہ موقع ومحل پر صَرف سے گریز۔ وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ ۔ عربی محاورہ میں کنایہ ہے غایت بخل سے۔ اے لا تجعل یدک فی عنقها منها کا المغلولة الممنوعة عن الانبساط (کبیر) وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔ عربی محاورہ میں کنایہ ہے انتہائے اسراف سے۔

مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

بیٹھ جائے گا ف۴۲ بے شک تیرا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے اور (وہی) تنگی (بھی)

وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَ لَا

کر دیتا ہے، بے شک وہی اپنے بندوں کی خوب خبر رکھنے والا ہے (انہیں) خوب دیکھتے رہنے والا ہے ف۴۳ اور

تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ

اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل مت کر دیا کرو ف۴۴ ہم ہی ان کو بھی رزق دیتے ہیں

وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَ لَا تَقْرَبُوا

اور تم کو بھی ف۴۵ بے شک ان کا قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے اور زنا کے پاس بھی مت

الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَ لَا

جاؤ یقیناً وہ بڑی بے حیائی ہے اور بری راہ ہے ف۴۶ اور

تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ

جس شخص (کی جان) کو اللہ نے محفوظ قرار دیا ہے اسے قتل مت کرو ہاں مگر حق پر ف۴۷ اور جو کوئی

قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا

ناحق قتل کیا جائے گا سو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دے دیا ہے ف۴۸ سو (اسے چاہیے کہ)

يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَ لَا تَقْرَبُوْا

قتل کے باب میں حد سے آگے نہ بڑھے ف۴۹ بے شک وہ شخص قابل طرف داری کے ہے ف۵۰ اور یتیم کے

مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ

مال کے پاس بھی نہ جاؤ بجز اس طریق کے جو مستحسن ہے ف۵۱ یہاں تک کہ وہ اپنے

اَشُدَّهٗ ۪ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾

سن پختگی کو پہنچ جائے ف۵۲ اور عہد کی پابندی رکھو بے شک عہد کی بازپرس ہو گی ف۵۳

ع ۴ ۸

اے ولا تتوسع فی الانفاق توسعًا مفرطًا بحیث لا یبقی فی یدک شیء (کبیر) فتقعد۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳۳ ف۴۳ مخلوقات کی ضرورتوں سے، مصلحتوں سے حق تعالیٰ سے بڑھ کر باخبر وواقف کار اور کون ہوسکتا ہے؟ کیا انفراداً اور کیا اجتماعاً اس کو سب کے ظاہر وباطن دونوں کی خبر ہے۔ اس نے تقسیم دولت جملہ مقتضیات حکمت کے ساتھ کی ہے۔ کسی احمق، تنگ نظر، سطح بین کو اس پر زبان طعن دراز کرنے کا کوئی حق ہی نہیں۔ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ۔ یعنی اس کی مشیت تکوینی جس کسی کے مناسب حال وسعت رزق سمجھتی ہے اس کے ذرائع رزق وسیع کر دیتی ہے اور جس کے لئے اس کے برعکس سمجھتی ہے ذرائع رزق تنگ ومحدود کر دیتی ہے۔ غرض جو کچھ بھی ہو رہا ہے یوں ہی اندھادھند اور بغیر کسی مقصد ومصلحت کے نہیں ہو رہا ہے۔ سب آئین حکمت اور نقشہ مصلحت کے ماتحت ومطابق ہو رہا ہے۔ فالتفاوت فی ارزاق العباد لیس لاجل البخل بل لاجل رعایة المصالح (کبیر) ف۴۴ قتل اولاد کی حمایت میں ایک بڑی دلیل جاہلی قوموں کے ہاتھ میں والدین کی مفلسی رہی ہے اور اسی دلیل سے کام لے کر آج بیسویں صدی میں بڑے طمطراق کے ساتھ ''منع حمل'' کی تحریک کو اٹھایا گیا ہے۔ قرآن مجید اس نظریہ باطل کی قطعی تردید کرتا ہے۔ سورۂ انعام، پ۸ میں اس پر حاشیہ گذر چکا۔ متعدد جاہلی قوموں کا نظریہ یہ رہا ہے کہ افراد کا سہم چونکہ عورتوں میں نہیں، صرف مردوں ہی میں پیدا ہوتے ہیں، اس لئے عورت کو قومی دولت میں شرکت کا اور اس لئے زندہ رہنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ عرب جاہلی میں بھی یہی نظریہ عام تھا۔ العرب کانوا یقتلون البنات لعجز البنات عن الکسب وقدرة البنین علیه بسبب اقدامهم علی النهب والغارة (کبیر) ف۴۵ (اور ہماری ربوبیت ورزاقیت کے قوانین ان اصول سے بالکل الگ ہیں جو تم نے اپنی محدود نظر کے موافق معاشیات واقتصادیات کے گڑھ رکھے ہیں) اسی طرح کی ایک آیت، ایسے ہی موقع پر سورۃ الانعام (رکوع ۱۹) میں بھی آئی ہے۔ مگر وہاں الفاظ ہیں نرزقکم وایاهم یہاں اس کے برعکس صیغۂ غائب پہلے اور صیغۂ مخاطب بعد کو، یہ فرق کیوں؟ اصل یہ ہے کہ دو مسئلہ الگ الگ ہیں ایک چیز تو ہے نفسِ افلاس یا اس کا وقوع۔ یعنی والدین واقعۃً اور فی الحال افلاس میں مبتلا ہیں اور اس لئے بچوں کی زندگی ختم کئے دیتے ہیں۔ اور دوسری چیز ہے خوف افلاس، یعنی والدین فی الحال تو افلاس میں مبتلا نہیں لیکن اندیشہ یہ کر رہے ہیں کہ اولاد اگر پیدا ہونی شروع ہو گئی تو موجودہ آمدنی کفایت نہ کرے گی — قرآن مجید نے ان دونوں فتنوں کے درمیان فرق ملحوظ رکھا ہے۔ اول الذکر کے موقع پر محض من املاق آیا ہے اور آخر الذکر کے موقع پر من خشیة املاق لایا گیا ہے۔ اور حرام اگرچہ دونوں صورتوں میں قتل اولاد کو ٹھہرایا ہے لیکن جہاں من املاق ہے یعنی افلاس کا تحقق پایا جا چکا ہے وہاں خطاب براہ راست ہے۔ نرزقکم وایاهم یعنی اے گروہ والدین تمہیں تو بہرحال ہم رزق پہنچا ہی رہے ہیں اسی طرح اولاد کو پہنچاتے رہیں گے اور جہاں خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ یعنی تحقق افلاس فی الحال نہیں ہے بلکہ صرف اس کا اندیشہ لگا ہوا ہے وہاں ترتیب خطاب میں ایک ذرا سا لطیف ونازک فرق کر دیا ہے نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ہم انہیں بھی رزق پہنچاتے رہیں گے جیسا کہ تمہیں اب تک پہنچاتے رہے ہیں۔ ف۴۶ یعنی زنا بجائے خود بھی قبیح ہے اور بلحاظ دوسرے مفاسد کے بھی۔ افراد کی روحانی پاکیزگی اور اخلاقی طہارت کے بھی منافی اور صالح تمدن ومعاشرہ کی اجتماعی صالحیت کے بھی۔ روحانیت اور عبودیت کے چہرہ پر بھی ایک داغ اور جسمانی، معاشری، معاشی مضرتوں اور خطروں کے اعتبار ولحاظ سے بھی قابل نفرت۔ وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى۔ الفاظ قرآنی پر غور ہو۔ لا تزنوا ارشاد نہیں ہو رہا ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے لا تقربوا الزنٰی۔ زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ اس کے مبادی ودواعی مقدمات تک سے بچو۔ یقول تعالٰی ناهیاً عن الزنٰی وعن مقاربته ومخالطة اسبابه ودواعیه (ابن کثیر) وهو نهی عن دواعی الزنا ولو ارید بالنهی عن نفس الزنا لقال ولا تزنوا (مدارک) گویا اس حکم امتناعی کے تحت میں بے حیائی وبے حجابی کے سارے قولی، فعلی، تقریری، تحریری، تصویری، لباسی مظاہرے آگئے

— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ یہ شریعت اسلامی ہی ہے جس نے ہر غیر نکاحی ازدواجی تعلق کو ہر حال اور ہر صورت میں حرام قرار دے دیا ہے۔ ورنہ اکثر قدیم وجدید جاہلی تہذیبوں اور قانونوں میں زنا بجائے خود تو کوئی جرم ہی نہیں جب تک کہ جبر کی آمیزش یا حقوق شوہری میں دست اندازی وغیرہ اس میں شامل نہ ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بابل، مصر، ایران، ہند قدیم وغیرہ کے متعدد جاہلی مذہبوں نے تو خاص خاص حالات میں ایک عبادت یا عمل مقدس مان رکھا ہے!— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ **و۴۷** یعنی جب تک کوئی شرعی سبب وجوب قتل یا جواز قتل کا نہ پیدا ہو جائے اس وقت تک قتل ہرگز جائز نہ ہوگا۔ وَلَا تَقْتُلُوا۔ قتل یہاں اپنے وسیع لغوی معنٰی ہلاک کے مرادف ہے۔ محدود اصطلاحی فقہی معنٰی میں نہیں۔ جان لے لینے کی ہر صورت پر شامل ہے۔ یہ مراد نہیں کہ صرف دھار دار آہنی آلہ سے جان نہ لو۔ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ۔ اور جان تو ہر انسان کی محفوظ ہی ہے۔ تا آنکہ کوئی خاص سبب حسب قواعد شرعی اس کے واجب القتل یا مباح الدم ہونے کا نہ پیدا ہو جائے **و۴۸** (قصاص طلب کرنے کا) **تسلطا علی القاتل فی الاقتصاص (مدارک) ای فی استیفاء القصاص من القاتل (کبیر)** وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا۔ اس قتل ناحق کے تحت میں ہر وہ قتل آ گیا جو بغیر وجہ شرعی کے ہو۔ مظلوم کے لفظ نے یہ بھی صاف کر دیا کہ یہ قتل قتل عمد ہوگا۔ قتل خطا کو ظلم نہیں کہتے۔ **ای غیر مستوجب للقتل (بیضاوی) یدل علی ان القتل عمد عدوان فان الخطأ لا یسمی ظلماً (بیضاوی)** وَلِیِّهٖ۔ اسی "وارث" کے تحت میں حقیقی اور حکمی دونوں قسم کے وارث آ گئے۔ سُلْطٰنًا۔ سلطان کے معنٰی یہاں **حجة** کے لئے گئے ہیں۔ یعنی ولی کو حق قصاص حاصل ہوگا۔ **سلطانا ای حجة** (جصاص۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وسعید بن جبیر ومجاہد) **و۴۹** یعنی یہ نہ کرے کہ جوش انتقام میں قاتل کے ساتھ غیر قاتل کو بھی قتل کر ڈالے یا اور کسی طرح زیادتیاں کرنے لگے — کہاں ایک طرف شریعت اسلامی کی یہ معتدل ومتوازن تعلیم، اور کہاں بڑی بڑی مہذب فرنگی حکومتوں کا یہ عمل متواتر کہ اگر اپنا ایک آدمی یا چند آدمی بھی مار دیئے گئے تو اس کے معاوضہ میں پوری پوری آبادیوں کو آگ لگا کر پھونک دیا یا بم کے گولے برسا کر ہلاک کر ڈالا! **و۵۰** قانون شریعت تو خود ہی اس کی حمایت، نصرت اور پشت پناہی پر آمادہ ہے اور حکومت اسلام خود ہی مقتول مظلوم کے معاملہ میں مدعی بن جاتی ہے پھر ایسے شخص کے وارثوں پر یہ شامت کیوں سوار ہو کہ وہ خواہ مخواہ حدود شرع سے تجاوز کریں اور دوسروں پر ظلم زیادتی کرتے پھریں۔ اِنَّهٗ۔ ضمیر ولی کی جانب لی جائے یا خود مقتول کی، حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ منقول دونوں ہیں۔ **قال قتادة هو عائد الولی۔ وقال مجاهد علی المقتول** (جصاص) **و۵۱** (شریعت کی نگاہ میں) یعنی یتیم کی جائداد میں کسی قسم کی دست اندازی روا نہ رکھو بجز ان صورتوں کے کہ جنہیں خود شریعت نے روا رکھا ہے۔ یتیموں کی جائداد کے تحفظ کے باب میں قرآن مجید کو جو اہتمام ہے اس کا اندازہ کچھ ان حاشیوں سے بھی ہو سکے گا جو پ۴ و پ۵ میں اسی مسئلہ پر گزر چکے ہیں۔ اَلَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ کے تحت میں صرف مال یتیم کے وہ سارے طریقے آ گئے جن سے خود یتیم کا نفع متصور ہو، خواہ تجارت ہو یا کچھ اور۔ **الاحسن ما کان فیه حفظ ماله وتثمیره** (جصاص) **وقد دلت الاٰیة علی جواز اجارة مال الیتیم والعمل به مضاربة** (جصاص) **و۵۲** اور اپنے نفع ونقصان کو خوب پہچاننے لگے اور اس وقت اس کی جائداد اس کے حوالہ کر دی جائے گی— یعنی یتیم کی کم سنی بھر تو اس کی جائداد اولیاء کی نگرانی وانتظام میں رہے اور اولیاء ہمیشہ اسی کی مصلحتوں کو مصارف کے وقت ملحوظ رکھیں پھر جب وہ یتیم پوری طرح سن شعور کو پہنچ جائے تو اس کی جائداد اس کے حوالہ کر کے خود سبکدوش ہو جائیں۔ بلوغ اشد کا معیار کیا ہے؟ مختلف فقہاء نے اس کے جواب میں مختلف عمریں تجویز کی ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ یہ سب محض تخمینے اور اندازے ہیں مختلف قوموں اور ملکوں میں بلکہ ایک ہی برادری کے افراد میں قوائے جسمانی وذہنی کی پختگی کا کوئی ایک سن متعین ہی نہیں اور اسی لئے قرآن مجید نے بھی قصداً اسے مبہم ہی رکھا ہے فقیہ ابو بکر الرازی مختلف عمروں کا حوالہ دینے کے بعد لکھتے ہیں:۔ **واذا کان کذالک فالاشد لیس له مقدار معلوم فی العادة لا یزید علیه ولا ینقص منه وقد یختلف احوال الناس فیه فیبلغ بعضهم الاشد فی مدة لا یبلغه غیره فی مثلها** (جصاص) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بلوغ عقل بھی اس سن کو کہیں گے جب قوائے عقلی وحسی وحرکی اپنے کمال کو پہنچ جائیں۔ **وبلوغ العقل هو ان یکمل عقله وقواه الحسیة والحرکیة** (کبیر) **و۵۳** اَلْعَهْدَ کے تحت میں ہر قسم کے جائز وعدے اور معاہدے آ گئے بلکہ اگر اسے ذرا زیادہ وسیع معنٰی میں لیا جائے تو حقوق اللہ اور حقوق العباد سب کے سب اس کے اندر آ جاتے ہیں۔ **اعلم ان کل عقد تقدم لاجل توثیق الامر وتوکیده فهو عهد** (کبیر) **وحاصل القول فیه ان مقتضی هذه الاٰیة ان کل عقد وعهد جری بین انسانین فانهما یجب علیهما الوفاء** (کبیر) **و۵۴** یعنی یہی احکام دین جو ابھی بتائے گئے ہیں بجائے خود بھی فطرت سلیم کے مطابق ہیں اور نتائج بھی دنیا وآخرت دونوں میں انہیں سے بہتر نکلتے ہیں۔ وَاَوْفُوا ...... الْمُسْتَقِیْمِ۔ غرض یہ کہ تجارتی، معاشرتی، قانونی زندگی کے ہر شعبہ اور معاملاتِ باہمی کی ہر شاخ میں پوری طرح دیانت، امانت، وصداقت کے اصول پر کار بند رہو — اسلام کچھ رسم یا پوجا پاٹ کے قسم کے اعمال کا نام نہیں۔ سارے نظامِ زندگی کو قانونِ الٰہی کے سانچہ میں ڈھال لینے کے مرادف ہے۔ **و۵۵** (قیامت کے دن) یعنی ہر ہر شخص سے سوال اس کا ہوگا

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ

اور جب ناپو تو ناپ پوری پوری رکھا کرو اور وزن بھی صحیح ترازو سے

الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا

کیا کرو یہی اچھا ہے اور (یہی) انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے و۵۴ اور

تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ

اس چیز کے پیچھے مت ہو لیا کر جس کی بابت تجھے علم (صحیح) نہ ہو بے شک کان اور آنکھ

وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔـوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ

اور دل ان کی پوچھ ہر شخص سے ہو گی و۵۵ اور زمین پر

فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ

اترا کر نہ چلا کر تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ

تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ

پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے و۵۶ یہ سارے برے کام تیرے

رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ

پروردگار کے نزدیک بالکل ناپسند ہیں و۵۷ یہ باتیں اس حکمت میں سے ہیں جو آپ کے پروردگار نے

مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى

آپ پر وحی کی ہے اور اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا نہ ٹھہرا ورنہ تو جہنم میں

فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ

ملامت زدہ (اور) راندہ کر کے جھونک دیا جائے گا و۵۸ تو کیا تمہارے پروردگار نے تمہیں تو

بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ

مخصوص کر لیا لڑکوں کے ساتھ اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا؟ بے شک تم

قَوْلًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ع وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

(بڑی) سخت بات کہہ رہے ہو و۵۹ اور ہم نے اس قرآن میں (مضمون توحید کو) طرح طرح بیان کیا ہے

لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَ مَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ

تاکہ اچھی طرح سمجھ لیں لیکن انہیں نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے و۶۰ آپ کہہ دیجیے کہ اگر اس (معبود برحق)

مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِی الْعَرْشِ

کے ساتھ اور بھی خدا ہوتے جیسا کہ یہ (مشرکین) کہتے ہیں تو اس وقت تک انہوں نے عرش والے تک

سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا

راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا و۶۱ پاک ہے، وہ (اللہ) اور کہیں برتر ہے اس سے کہ جو یہ لوگ

كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ

کہتے ہیں و۶۲ اسی کی پاکی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین

وَ مَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ

اور جو کوئی بھی ان میں موجود ہیں اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو حمد کے ساتھ اس کی پاکی نہ بیان کرتی ہو

وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا

البتہ تم ہی ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو و۶۳ بے شک وہ بڑا حلم والا ہے

غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ

بڑا مغفرت والا ہے و۶۴ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے

الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ۙ

درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ حائل کر دیتے ہیں و۶۵

وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ

یعنی ہم ان کے دلوں پر اس طرح سے حجاب ڈال دیتے ہیں کہ وہ اس (قرآن) کو سمجھیں اور ان کے

کہ کان سے سننے کا، آنکھ سے دیکھنے کا، دل سے سوچنے سمجھنے یقین کرنے کا کام جائز اور صحیح موقعوں پر کتنا لیا۔ اور ناجائز اور غلط موقعوں پر کتنا!۔۔۔ احساس ذمہ داری کی تعلیم ہر ہر فرد کو اس سے بہتر اور کہاں ملے گی؟ اس پر آج عمل ہونے لگے تو شخصی اور قومی، انفرادی و اجتماعی دونوں قسم کے کتنے جھگڑے قصے آج دنیا سے مٹ جائیں! ۔۔۔ وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ یعنی بلا تحقیق ہر سنی سنائی بات کے پیچھے نہ ہولیا کرو البتہ مختلف مسائل کی تحقیق کے درجہ مختلف ہوتے ہیں اور ہر مسئلہ کے متناسب فقہاء واصولیین نے کہا ہے کہ قطعیات میں دلائل بھی قطعی ہونے چاہئیں اور ظنیات میں ظنی۔ فقہاء نے اسی آیت کے ذیل میں یہ بھی کہا ہے کہ احکام شرعی محض انکل سے بتا دینا یا کسی پر بغیر تحقیق کوئی الزام لگا دینا دونوں اس آیت سے ناجائز ٹھہرتے ہیں۔ وقد اقتضی ذلک نهی الانسان عن ان یقول فی احکام الله ما لا علم به علی جهة الظن والحسبات وان لا یقول فی الناس من السوء مالا یعلم صحتهٗ (جصاص) و۵۶ (تو جب متکبرین کی وضع وہیئت اس قدر ممنوع و مذموم ہے تو نفس تکبر کس درجہ کا ممنوع و مذموم ہوگا!) مقصود ہر طرح کے فخر و تکبر کی روک تھام ہے۔ و۵۷ (اور ان کی ممانعت صراحۃً یا دلالۃً اوپر مذکور ہو چکی) مَكْرُوْهًا۔ مکروہ کے معنی فعل ممنوع کے ہیں۔ المراد من المکروه المنهی عنه (کبیر) و۵۸ (اے مشرک!) قرآن مجید میں خطاب بار بار اور جلد جلد بدلتا ہے۔ اب خطاب مشرکین سے ہے۔ و۵۹ یعنی ایک تو اللہ کا صاحب اولاد ہونا ہی کیا کم ہے اور پھر اس پر اولاد بھی اس کی محض لڑکیوں کو قرار دیتے ہو۔ جن کا انتساب خود اپنی جانب باعث ننگ و تحقیر سمجھتے ہو! خطاب مشرکین عرب سے ہے۔ جو ملائکہ کو دیویاں اور خدا کی بیٹیاں مانتے تھے۔ اس عقیدہ پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ و۶۰ قرآن مجید کا اصلی، مرکزی، بنیادی موضوع تو توحید ہی ہے۔ مذمت شرک و مدح توحید کی تکرار اور تصریحات سے قرآن مجید اسی لئے لبریز ہے کہ یہ خوب دلوں میں گھر کر جائے۔ لیکن مشرکین کی ضد اور کج فہمی کا یہ عالم ہے کہ انہیں اور الٹی توحید سے نفرت و بیزاری ہی بڑھتی جاتی ہے! و۶۱ (اور نوبت مقابلہ و مقاتلہ کی آگئی ہوتی، جس سے نظام عالم کب کا درہم برہم ہو چکا ہوتا! آیت میں رد ان مذاہب جاہلی کا ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک خدائے اعظم ہے جو عرش پر سریر آرا ہے۔ اور باقی اور دیوتا بھی بہت سے ہیں۔ ان کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ جب کوئی اور بھی خدا ہے تو خدا ہونے کی حیثیت سے اس کے لئے بھی مستقلاً صاحب قوت، صاحب ارادہ، خود مختار ہونا لازم ٹھہرا تو جب دو یا زاید خدا ہوئے تو ان میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں قوت و اختیار کا استعمال اور باہمی جدال و قتال لازم ٹھہرا (جیسا کہ جاہلی مذہبوں کی روایتوں میں کثرت سے آیا بھی ہے) پھر اس جدال و قتال کے بعد یہ نظم کائنات کیونکر برقرار رہ سکتا تھا؟ و۶۲ اس کی شان ربوبیت، اس کی شان الوہیت، اس کی شان حاکمیت اعلیٰ میں کسی دیوی دیوتا کی شرکت کا گزر نہیں۔ وہ ہر ایسے انتساب سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے! و۶۳ (اے مشرکو!) وَ مَنْ فِیْهِنَّ۔ انسان، جنات، حیوان، فرشتہ وغیرہ ساری ہی مخلوق اس میں آگئی۔ تُسَبِّحُ۔ یُسَبِّحُ ہر ایک مخلوق اپنے خالق کی قدوسیت کا اعلان اپنے مرتبۂ وجود کے متناسب و مطابق برابر کرتی رہتی ہے، خواہ زبان سے ہو یا زبان حال سے۔ موجودات عالم کا ذرہ ذرہ اپنے حدوث و امکان کی بنا پر صانع مطلق کے نہ صرف وجوب وجود کی بلکہ یکتائی، صناعی قدرت کی بھی شہادت علانیہ دے رہا ہے۔ محققین عارفین نے تصریح کی ہے (اور یہی بات دل کو بھی لگتی ہے) کہ آیت میں لفظ تسبیح اپنے عموم کے ساتھ تسبیح قالی اور حقیقی اور تسبیح حالی اور حکمی دونوں پر شامل ہے مطیعین کی تسبیح حقیقی و قالی ہوتی ہے غیر مطیعین کی صرف حالی۔ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ۔ مشرکوں سے خطاب ہے کہ تم نے جو اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور اپنی عقل کو اندھا کر لیا ہے تو تمہاری سمجھ میں یہ دلالت حالی بھی نہیں آتی جو ہر مخلوق ہر وقت اپنے خالق و صناع عالم کی قدوسیت و توحید کے ثبوت میں پیش کر رہی ہے! ان الکفار ما کانوا یفکرون فی انواع الدلائل (کبیر) و۶۴ (اس لئے اگر اب بھی توبہ کر لو تو اس کی صفت غفر اب بھی سارے قصور معاف کر دے گی) اس کی اسی صفت حلم کا اثر ہے کہ مشرکانہ عقاید و اعمال پر فوراً گرفت نہیں ہوتی بلکہ برابر مہلت ملتی رہتی ہے۔ و۶۵ (اور وہ باریک پردہ عدم فہم و عدم ارادہ فہم کا ہے) مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ آخرت کے منکر یا آخرت فراموش ہیں، یہ جب قرآن مجید سنتے ہیں تو بجائے اس سے متاثر ہونے کے یہ اپنے اور اس کے درمیان ایک حجاب حاجز سا محسوس کرتے ہیں۔ وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ۔ یعنی جب آپ انہیں قرآن بغرض تبلیغ سناتے ہیں۔ جَعَلْنَا الخ۔ یہ ضمیر متکلم لا کر حق تعالیٰ کا اس فعل کا انتساب اپنی جانب کرنا تمام تر تکوینی حیثیت سے، اور بطور مسبب الاسباب کے ہے۔ جس سے اس کی رضا کو قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ مَّسْتُوْرًا۔ ایسا جو عام طور پر نظر نہ آتا ہو۔ ذلک الحجاب شیء لا یراه احدٌ (کبیر)

اَذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ

کانوں میں ڈاٹ دے دیتے ہیں ف۶۶ اور جب آپ قرآن میں تنہا اپنے پروردگار کا ذکر کرتے ہیں

وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا

تو وہ لوگ اپنی پیٹھ پھیر کر نفرت کرتے ہوئے چل دیتے ہیں ف۶۷ ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے

يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى

یہ لوگ اسے سنتے ہیں جب یہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں ف۶۸ اور جس وقت یہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں

اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا

جب کہ (یہ) ظالم یہ کہتے ہیں کہ تم تو بس ایک سحرزدہ مرد کی راہ پر

مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ

چل رہے ہو ف۶۹ آپ دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں

فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا

سو یہ گمراہ ہو گئے تو اب رستہ نہیں پا سکتے ف۷۰ اور کہتے ہیں کہ کیا جب ہم ہڈیاں

كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا

اور چورا ہو جائیں گے تو ہم ازسر نو پیدا اور جمع

جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا

کئے جائیں گے ف۷۱ آپ کہہ دیجیے کہ تم پتھر یا لوہا ہو جاؤ یا کوئی اور

مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ

چیز جو تمہارے خیال میں بہت ہی بعید ہو ف۷۲ پھر وہ کہیں گے کہ ہم کو کون دوبارہ جلائے گا؟

قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ

آپ کہیے کہ وہ وہی ہے جس نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا ف۷۳ پھر وہ آپ کے آگے

ف۶۶ حق تعالیٰ کے ضمیر متکلم لانے پر حاشیہ ابھی ابھی گزر چکا۔ اَنْ يَّفْقَهُوْهُ۔ ان یہاں نفی کے معنی دے رہا ہے۔ اے کراھة ان یفقھوہ (کشاف) ف۶۷ (کہ انہیں دلچسپی تو خدا سے نہیں، بلکہ اس کے شریکوں دیویوں دیوتاؤں سے ہے) مشرک قومیں زبان سے تو خدا کا بھی اقرار کرتی جاتی ہیں لیکن حقیقۃً وعملاً ان کے قلب کا سارا تعلق جھوٹے خداؤں یعنی دیویوں دیوتاؤں سے رہتا ہے — اور سخت افسوس ہے کہ یہی حال مشرک صفت، مبتلائے بدعات کلمہ گوؤں کا بھی ہوگیا ہے۔ جن بزرگ سے جس کسی کو اعتقاد ہوگیا ہے بس ساری توجہ وعقیدت کا مرکز اسی کی ذات رہتی ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق برائے نام ہی رہ جاتا ہے۔ ف۶۸ (اور وہ غرض بھی عیب جوئی، اعتراض وطعن ہوتی ہے) بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ۔ به مترادف لاجله به کے ہے۔ اے بسببه ولاجله (بیضاوی) آج بڑے بڑے نامور "مستشرقین" کی بھی غرض قرآن پڑھنے یا اس کا ترجمہ کرنے سے بجز اپنے اسی معاندانہ شوق کے پورا کرنے کے اور کیا ہوتی ہے؟ الا ماشاء اللہ ف۶۹ (جو خبط یا مالیخولیا میں مبتلا ہے) وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى۔ یعنی جب یہ قرآن سننے کے بعد آپس میں آپ کے متعلق سرگوشیاں کرتے ہیں۔ ف۷۰ (حق وصواب کا) یعنی قرآن کے ساتھ اور رسول کے ساتھ استہزاء کر کے انہوں نے اپنی استعداد اور صلاحیتوں کو بالکل ہی ضائع کر دیا ہے۔ اور اب انہیں راہِ ہدایت بھلا کیا ملے گی!۔ فَضَلُّوْا۔ یعنی اب بالکل ہی گمراہ ہو گئے ہیں۔ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ۔ چنانچہ ان "عقلاء" قوم میں سے کوئی تو آپ کے لئے یہ رائے قائم کرتا کہ آپ شاعر ہیں اور کوئی یہ کہتا کہ آپ ساحر ہیں۔ کوئی روشن خیال صاحب یہ فرماتے کہ آپ "مجنون" ہیں اور کوئی یہ لگا لگاتے کہ ہو نہ ہو آپ کاہن ہیں — بیسویں صدی کے "روشن خیال" بھی تو کچھ ایسی ہی طبع آزمائیاں فرماتے رہتے ہیں۔ ف۷۱ آج کے "روشن خیالوں" کی طرح جاہلیت عرب میں "روشن خیالوں" اور مادیین کا گروہ موجود تھا۔ جو امکان بعث وحشر کے منکر تھے۔ یہ قول انہیں کا نقل ہو رہا ہے۔ قَالُوْٓا۔ یہ وہ برسبیل انکار واستہزاء کہہ رہے ہیں۔ ف۷۲ (قبولِ حیات سے پھر بھی دوبار زندہ کئے ہی جاؤ گے۔) یعنی او خلقا مما یکبر عندکم عن قبول الحیٰوۃ ویعظم فی زعمکم علی الخالق احداً فانہ یحییه (کشاف) اے فافرضوا شیئًا أخر بعد عن قبول الحیٰوۃ من الحجر والحدید (کبیر) یعنی تم ہڈیوں ہی کی حیاتِ ثانی پر تعجب کر رہے ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر کوئی چیز قبولِ حیات سے بعید تر تصور کر لو، پھر بھی بہر حال تم میں دوبارہ جان ڈالی ہی جائے گی۔ ف۷۳ (جب کہ تم معدوم محض تھے) یہ وہ گروہ تھا جو وجودِ باری کا نہیں، صرف امکانِ بعث وحشر کا منکر تھا۔ اسی سے جرح ہو رہی ہے کہ تم جب اسے تسلیم کر رہے ہو کہ صانع حقیقی کی قدرت تمہیں عدم محض سے وجود میں لے آئی، تو اب کیا اس کی قدرت اس سے سلب ہوگئی ہے جواب وہ اس سے آسان تر چیز یعنی ایجادِ معدوم کے بجائے اعادۂ معدوم پر بھی قادر نہیں رہا ہے؟

رُءُوْسَهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ

سر ہلائیں گے اور کہیں گے کہ یہ (زندہ ہونا) ہوگا کب؟ آپ کہہ دیجیے کہ عجب نہیں یہ (وقت) قریب ہی

قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ

آپہنچا ہو ف۴۷ یہ اس روز ہوگا جب (اللہ) تمہیں پکارے گا سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے حکم کی تعمیل کروگے

وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع وَ قُلْ لِّعِبَادِيْ

اور تم یہ خیال کروگے کہ تم بہت ہی کم رہے تھے ف۴۵ اور آپ کہیے میرے بندوں سے

يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ

کہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہو ف۴۶ بے شک شیطان لوگوں میں فساد

بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾

ڈلواتا ہے بے شک شیطان تو انسان کا صریح دشمن ہے ہی ف۴۷

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ

تمہارا پروردگار تم سب کا حال خوب جانتا ہے۔ وہ اگر چاہے تم پر فضل کردے اور وہی اگر چاہے

يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ وَ رَبُّكَ

تو تم کو عذاب دینے لگے اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے ف۴۸ اور آپ کا پروردگار

اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا

خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو

بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ

بعض (دوسرے) نبیوں پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی ف۴۹ آپ کہیے

ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ

تم جن کو اللہ کے سوا (معبود) قرار دے رہے ہو ذرا ان کو پکارو تو سہی سو وہ نہ تم سے

ف۴۴ مطلب یہ ہوا کہ جب یہ امکان قیامت کے مسئلہ پر لاجواب ہو جائیں گے تو اب بحث یہ نکالیں گے کہ اچھا قیامت آئے گی کب؟ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ۔ سر کی یہ حرکت بہ طور اعراض وانکار ہوگی۔ اے یحر کون رءوسھم تکذیبًا واستھزاءً (ابن جریر۔ عن قتادۃ) فسیحرکونھا تحرک تعجبًا واستھزاءً (کشاف) نغض کے لفظی معنی اوپر نیچے یا نیچے اوپر حرکت دینے کے ہیں۔ النغض فی کلام العرب انما ھو حرکۃ بارتفاع ثم انخفاض او انخفاض ثم ارتفاع (ابن جریر) ف۴۵ (اس دنیا میں اور قبر کے برزخ میں) احساس کا یہ فرق اس روز کی ہیبت وہول سے پیدا ہوگا۔ مراد یہی ہوسکتی ہے کہ منکروں نے چونکہ یہاں سارا وقت سرکشی ونافرمانی میں صرف کیا، وہاں انکشاف حقائق کی گھڑی، یہ سارا وقت تمامتر ضائع شدہ اور معدوم معلوم ہوگا۔ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ۔ یہ پکار فرشتہ کے ذریعہ سے میدان حشر میں جمع ہونے کی ہوگی۔ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ۔ یعنی تعمیل ارشاد اور حمد الٰہی پر اپنے کو مجبور ومضطر پاؤ گے۔ ف۴۶ (حسن اخلاق وشائستگی کے اعتبار سے) اے ولا یخاشنوا المشرکین (بیضاوی) لِعِبَادِيْ۔ عباد سے یہاں مراد مسلم ومطیع بندے ہیں۔ المراد بہ المؤمنون (کبیر) آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ غیروں سے مناظرہ ومجادلہ میں حتی الامکان سب وشتم اور خشونت سے احتراز چاہیے — کاش ہمارے مولوی صاحبان اور لیڈر صاحبان کی اکثریت اس تعلیم پر غور کرتی! ف۴۷ (اس کا تو کام ہی لوگوں کو قبول حق سے دور کرنا اور باز رکھنا ہے) اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ۔ شیطان تو مؤمنین مطیعین کی زبان سے ایسے پرخشونت الفاظ نکلوانے کی پوری کوشش کرے گا جو دلوں کو قبولِ حق سے اور دور کردیں اور غیروں میں عداوت اور قساوت اور زیادہ پیدا کردیں۔ ف۴۸ (پھر آپ کو ان کے لئے اتنا زیادہ فکرمند رہنا کیا ضرور ہے) رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ۔ وہی سب سے خوب واقف ہے کہ کون کس قابل ہے۔ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ۔ اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوگی تو تمہیں توفیق ہدایت دے دے گا اور یہی تمہارے حق میں اس کا بڑا فضل ہے۔ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ۔ اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوگی تو تم سے توفیق ہدایت سلب ہو جائے گی۔ اور یہی تمہارے حق میں اس کا بڑا عذاب ہے۔ آیت میں ان اہل حق کے لئے تسکین کا بڑا سامان موجود ہے جو اہل باطل سے مناظرہ ومذاکرہ میں مشغول رہتے ہیں اور طبعًا اس پر جھنجھلا اٹھتے ہیں کہ اہل باطل کیسا حق صریح کو چھوڑے ہوئے ہیں — کسی کے راہ ہدایت پر آنے نہ آنے کی ذمہ داری جب رسول تک پر نہیں، تو آپ کے کسی بڑے یا چھوٹے نائب پر کیوں ہونے لگی! ف۴۹ (اور یہ فضیلت انہیں بہت سے دوسرے انبیاء سے ممتاز کرتی ہے) وَرَبُّكَ...... الْاَرْضِ۔ چنانچہ اس نے ہر ایک کے حسب استعداد اور اپنے حسب مصلحت سب کو ایک ایک مقام اور درجہ پر رکھا۔ وَلَقَدْ...... بَعْضٍ۔ پھر اگر ایک نبی سارے انبیاء کے کمالات کا جامع پیدا ہو گیا تو اس میں اچنبھے کی کون سی بات ہے۔ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔ داؤد پیمبر پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ زبور (تنکیر تنوین کے ساتھ) ہر کتاب عظیم کے لئے عام ہے۔ وکل کتاب غلیظ الکتابۃ یقال لہ زبور (راغب) فکان معناہ الکتب (کبیر) الزبور (بہ طور علم کے) وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد نبی پر نازل ہوئی تھی۔ وخص الزبور بالکتب المنزل علی داؤد علیہ السلام (راغب) بعض نے زبور کی تنکیر سے اس کی تعظیم اور کاملیت کے معنی پیدا کیے ہیں۔ التنکیر ھھنا یدل علی تعظیم حالہ (کبیر) کان معنی التنکیر انہ کامل فی کونہ کتابًا (کبیر)

كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

تکلیف دور ہی کر سکتے ہیں اور نہ (اسے) بدل سکتے ہیں ف۸۰ یہ لوگ جن کو یہ (مشرکین)

يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ

پکار رہے ہیں (خود ہی) اپنے پروردگار کا قرب ڈھونڈ رہے ہیں کہ (دیکھیں) ان میں کون زیادہ مقرب بنتا ہے ف۸۱

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ

اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک آپ کے

رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَ اِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ

پروردگار کا عذاب ہے بھی ڈرنے ہی کے قابل ف۸۲ اور کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم

مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا

روز قیامت سے قبل (یا) ہلاک نہ کر دیں یا اس کے رہنے والوں کو عذاب

شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَ مَا

شدید نہ دیں ف۸۳ یہ کتاب میں لکھا ہوا (موجود) ہے ف۸۴ اور ہم کو

مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا

معجزات (خاص) کے بھیجنے سے بس یہی امر مانع ہوا کہ پہلے لوگ ان کی تکذیب

الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَ اٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ

کر چکے ہیں ف۸۵ اور ہم نے (قوم) ثمود کو اونٹنی دی تھی بصیرت کے ذریعہ کے طور پر لیکن انہوں نے (بڑا) ظلم اس کے

وَ مَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ

ساتھ کیا ف۸۶ اور ہم (ایسے) معجزات کو ڈرانے ہی کے موقع بھیجا کرتے ہیں ف۸۷ اور (وہ وقت یاد کیجیے) جب ہم

اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا

نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے پروردگار نے تمام لوگوں کو گھیر کر رکھا ہے ف۸۸ اور ہم نے جو منظر آپ کو

ف۸۰ یعنی تمہارے دیوی دیوتا جن پر تم اتنا سہارا لگائے بیٹھے ہو، یہ اتنا بھی تو نہیں کر سکتے کہ تم سے کسی تکلیف کو دفع کر دیں یا یہ کہ اس کی شدت میں خفت ہی پیدا کر دیں! ف۸۱ یعنی خود ہی طاعت وعبادت کے ذریعہ سے اللہ کا قرب اور قرب مزید ڈھونڈ رہے ہیں۔ مراد یہاں ملائکہ وجنات اور بعض انبیاء لیے گئے ہیں جنہیں مشرکوں اور جتلائے شرک اہل کتاب نے درجۂ الوہیت دے رکھا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ بندگان صالح تو اپنے کمال عبدیت وعبودیت کی بناء پر خود ہی ہر طرح تلاش قرب وقرب مزید میں لگے رہتے ہیں۔ الْوَسِيْلَةَ۔ وسیلة کے معنی قرب کے ہیں اور یہی یہاں بھی صحابہ، تابعین اور اکابر مفسرین سے مروی ہیں۔ الوسیلة القربة (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) القربة والزلفی (ابن جریر۔ عن قتادة) القربة والزلفة (ابن جریر) ف۸۲ مطلب یہ ہوا کہ یہ تمام گڑھے ہوئے خدا خود ہی ہر طرح محتاج ہیں اور معبودیت کی صلاحیت سے بالکل عاری۔ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ۔ یعنی نافرمانی کی صورت میں اس کے عذاب سے بھی ڈرتے رہتے ہیں۔ ف۸۳ (قیامت کے دن) یعنی کوئی کافر اگر یہاں بچ بھی گیا تو قیامت کے دن تو بہر حال عذاب شدید سے نہیں بچ سکتا۔ وَ اِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ۔ بستیوں سے کافروں اور معاندین حق کی آبادیاں مراد ہیں۔ قیل المراد قری الکفار (کبیر) اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا۔ اھلاک سے یہاں مراد اہلاک بالعذاب ہے ورنہ نفس موت وہلاکت تو طبعی اسباب سے مومن وکافر سب کی ہوتی رہتی ہے:۔ ف۸۴ یعنی ہر کافر کے معذب ہونے کی (وہ دنیا میں ہو یا آخرت میں) صراحت لوح محفوظ میں پہلے ہی سے درج ہے۔ الْكِتٰبِ ۔ سے مراد علم الٰہی کی کتاب ہے یعنی لوح محفوظ۔ اے الکتاب الذی کتب فیه کل ما هو کائن وهو اللوح المحفوظ (ابن جریر) ف۸۵ یعنی یہ موجودہ منکرین جو فلاں فلاں مخصوص ومتعین معجزوں کی فرمائش کر رہے ہیں ان معجزات کے نزول سے امر مانع بس یہ ہوا ہے کہ ایسے ہی فرمائشی معجزات پہلے، ایسے ہی منکرین کے اصرار پر نازل کئے جا چکے ہیں، لیکن وہ سب بے اثر رہے۔ بِالْاٰيٰتِ۔ ایٰت سے مراد منکرین کے طلب کئے ہوئے، فرمائش کئے ہوئے معجزات ہیں۔ الأیات التی اقترحها قریش (بیضاوی) ف۸۶ یعنی اس سے بصیرت تو کچھ نہ حاصل کی بلکہ اور الٹا ظلم کر کے اسے مار ہی ڈالا۔ مُبْصِرَةً۔ کے معنی ایک تو خود روشن چیز کے ہیں اور دوسرے اس چیز کو بھی کہتے ہیں جس سے دوسری چیزوں پر روشنی پڑے۔ اے ذات بصیرة یبصرها الغیر ویبصربها (روح) فَظَلَمُوْا بِهَا۔ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس کے ساتھ کفر کیا اور یہ بھی کہ اس کے باعث اپنے اوپر بڑا ظلم کیا۔ اے فکفروا بها اوفظلموا انفسهم بسبب عقرها (بیضاوی) ف۸۷ (اور جب قوم ان پر بھی ایمان نہیں لاتی، تو بس معاً عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جاتی ہے) بِالْاٰيٰتِ۔ ایٰت سے مراد وہی فرمائشی معجزات ہیں۔ اے بالأیٰت المقترحة (بیضاوی) ف۸۸ (اپنے احاطۂ علم سے) حق تعالیٰ کی احاطت علمی اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ ہے۔ خدائے اسلام مشرکوں کے خدا کی طرح محدود علم والا نہیں۔ اسے بندوں کے سارے حالات کا علم ہے ان کے حال کا بھی، استقبال کا بھی۔ اے علماً کما رواه غیر واحد عن ابن عباسؓ (روح)

الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ

دکھلایا تھا اسے ہم نے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنا دیا و٨٩ اور اس درخت کو بھی جس پر قرآن میں

فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا

لعنت آئی ہے و٩٠ اور ہم لوگوں کو ڈراتے تو رہتے ہیں لیکن ان کی بڑی سرکشی بڑھتی ہی

کَبِیْرًا ﴿٦٠﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

چلی جاتی ہے و٩١ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے آگے جھکو سو وہ (سب)

اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا ﴿٦١﴾

جھکے ہاں ابلیس نہ جھکا وہ بولا کہ کیا میں اس کے آگے جھکوں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے؟ و٩٢

قَالَ اَرَءَیْتَکَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ز لَئِنْ

(اور) وہ بولا بھلا دیکھ تو یہ شخص جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دے رکھی ہے اگر تو نے

اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗٓ اِلَّا

مجھے مہلت دے دی روز قیامت تک تو میں اس کی (ساری) اولاد کو اپنے بس میں کرلوں گا بجز

قَلِیْلًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ

ایک قدرے قلیل (گروہ کے) و٩٣ ارشاد ہوا چل نکل، جو کوئی بھی ان میں سے تیری راہ پر چلے گا سو بے شک

جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾ وَاسْتَفْزِزْ

تم (سب) کے لئے سزائے جہنم سزا ہے پوری و٩٤ اور ان میں سے جس جس پر

مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَیْهِمْ

تیرا قابو چلے تو اپنی پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دیکھ اور ان پر اپنے

بِخَیْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ

سوار اور پیادے چڑھا لا اور ان سے اپنا ساجھا کر لے مال اور اولاد میں

ع ٦ / ٨

و٨٩ اشارہ اس واقعۂ اسراء یا معراج کی جانب ہے، جس کا ذکر سورۃ کے بالکل شروع میں آچکا ہے۔ یعنی وہ عجائب قدرت جو ہم نے آپ کو شاشب کے سفر بیت المقدس میں دکھادیئے تھے۔ وھی ما رای فی لیلة الاسراء من العجائب (بحر) المراد بھا ما اراہ اللہ تعالٰی لیلة الاسراء وھو قول اکثر المفسرین (کبیر) المراد بالرؤیا ما عاینه ﷺ لیلة اسری به من العجائب السماویة والارضیة کما اخرجه البخاری والترمذی والنسائی وجماعة عن ابن عباسؓ (روح) الرُّءْیَا۔ رؤیا کے عام معنی تو خواب ہی کے ہیں۔ الرؤیا ما یری فی المنام (راغب) والمشھور اختصاصھا لغة بالمنامیة وبذلک تمسک من زعم ان الاسراء کان مناماً (روح) الرویا ما رایته فی منامک (قاموس۔لسان) لیکن رویت مطلق بھی اس سے مراد ہوسکتی ہے۔ جس کے تحت میں چشم بیداری کے منظر بھی آجاتے ہیں اور جمہور کے خیال میں وہی یہاں مراد ہیں۔ وھی عند کثیر بمعنی الرویة مطلقاً (روح) قال الجمھور ھی رؤیا عین ویقظة (بحر) فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ یعنی کسی نے تصدیق کیا۔ اور کسی نے خارق عادت جان کر تکذیب کی۔ و٩٠ یعنی شجر زقوم جو دوزخ میں ہوگا۔ قرآن میں اس کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔ ان شجرة الزقوم طعام الاثیم. طلعھا کانه رءوس الشیاطین۔ روی عن ابن عباس والحسن والسدی وابراھیم وسعید بن جبیر ومجاھد وقتادة والضحاک انه اراد شجرة الزقوم (جصاص) والمراد بھا کما روی البخاری وخلق کثیر عن ابن عباس شجرة الزقوم (روح) الْمَلْعُوْنَةَ۔ لعنت سے مراد ہے مذمت۔ العرب تقول لکل طعام مکروہ ضار انه ملعون (کبیر) یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملعون سے مراد اس کا ثمر ملعون ہے یا وہ ملعون کافر ہیں جو اس پھل کو کھائیں گے۔ فاراد انه ملعون اکلھا (جصاص) المراد لعن الکفار الذین یاکلونھا (کبیر) والمراد یلعنھا لعن طاعمھا من الکفرة (روح) و٩١ چنانچہ ٢ محمدی کی پہلی صدی کے بڑے روشن خیال ابوجہل نے (ٹھیک آج کے "روشن خیالوں" کے انداز میں) شجر زقوم کا ذکر سن کر تمسخر واستہزا کے لہجہ میں کہا تھا کہ آگ کے شعلوں کے درمیان کوئی درخت رہ کیسے سکتا ہے؟ — گویا عالم آخرت اور جہنم کے قوانین طبعی بھی بالکل عالم ناسوت کے قوانین کی نقل ہوں گے! وَنُخَوِّفُهُمْ۔ یعنی انہیں آیات واحکام قرآنی کے ذریعہ سے ہم ڈراتے رہتے ہیں۔ و٩٢ (درآنحالیکہ مٹی کا بنا ہوا مخلوق مجھ جیسے آتشیں مخلوق سے کہیں پست ہوتا ہے) اس ابلیسی منطق کی پردہ دری ان تفسیری حاشیوں میں بیشتر کی جاچکی ہے۔ اس کے استدلال منطقیانہ کے صغریٰ کبریٰ دونوں غلط ہیں۔ نہ تو یہی ثابت ہے کہ مٹی ہر حال میں آگ سے پست تر ہے اور نہ یہ مسلم ہے کہ افضل ہے کسی حال میں بھی غیر افضل کے آگے نہ جھکے! اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ۔ ملائکہ جو افضل ترین مخلوق اس وقت تک تھے ان کے ضمن میں دوسری مخلوق کا بھی آجانا۔ اسْجُدُوْا۔ سجدہ سے یہاں لغوی نہ کہ اصطلاحی معنی کا مراد لیا جانا۔ لِاٰدَمَ۔ آدم کا کعبۃ اللہ کی طرح صرف سمت سجدہ ہونا نہ کہ مسجود ہونا۔ اِبْلِیْسَ۔ ابلیس کا مخلوق ناری وجنی ہونا۔ ان سب پر مفصل حاشیے سورۃ البقرۃ وسورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ و٩٣ (اور وہ گروہ مومنین مخلصین کا ہے) یہ ساری گفتگو اس وقت کی ہے، جب ابلیس نافرمانی کی پاداش میں مردود ومطرود ہوچکا ہے۔ اسی لئے اس کے آغاز میں یہ جتانے کو کہ یہ مستقل کلام ہے لفظ قَالَ الگ آیا ہے۔ حالانکہ اوپر سے بھی قول ابلیس ہی کا چلا آرہا ہے۔ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ ابلیس اس کی درخواست کرچکا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ درخواست منظور ہوجائے گی۔ لَاَحْتَنِكَنَّ...... قَلِیْلًا۔ انسان کی جسمانی ساخت اور دماغی ترکیب پر نظر کر کے شیطان اپنی فراست سے ابتدا ہی میں سمجھ گیا تھا کہ میں اپنی کوشش اغوا واضلال میں کامیاب ہوجاوں گا۔ لَاَحْتَنِكَنَّ۔ حنک کے معنی پوری طرح چھاجانے اور چھاپ بیٹھنے کے ہیں۔ عبارة عن الاخذ بالکلیة (کبیر) تفسیر احتواء، استیلاء یعنی اپنے ڈھب میں کرلینے ان کے اوپر چھاجانے سے آتی ہے۔ اور اہلاک واستیصال سے بھی نقل ہوئی ہے۔ ای لاستولین (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای لاحتوینھم (ابن جریر۔ عن مجاہد) لا ستاصلنھم بالاغواء (کبیر) و٩٤ (تو چاہیے کہ اس سزا کو سن کر اب تو اہل باطل اپنے دلوں میں ڈریں) جَزَآؤُكُمْ۔ کم کے صیغۂ جمع میں شیطان خود اور اس کے سارے پیرو آگئے۔ ای جزاءک وجزاءھم (روح) فاذھب۔ ذھاب سے یہاں مراد پیروں سے جانا ("آنے" کے مقابل) نہیں۔ بلکہ محاورہ میں مراد یہ ہے کہ جا، جو کچھ تیرے بس میں ہے کر دیکھ۔ وھذا لیس من الذھاب الذی ھو نقیض المجیء وانما معناہ امض لشانک الذی اخترته والمقصود التخلیة وتفویض الامر الیه (کبیر) لیس المراد به حقیقة الامر بالذھاب ضد المجیء بل المراد تخلیة، وما سوّلتهٗ نفسه اھانة له کما تقول لمن یخالفک افعل ما ترید (روح)

وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾ اِنَّ

اور ان سے وعدہ کرلے (خوب جھوٹے جھوٹے) اور شیطان تو ان سے بس جھوٹے ہی وعدے کرتا ہے و۹۵ بے شک

عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۚ وَكَفٰى بِرَبِّكَ

جو میرے (خاص) بندے ہیں ان پر تیرا ذرا قابو نہ چلے گا اور آپ کا پروردگار ہی

وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ

کافی کارساز ہے و۹۶ تمہارا پروردگار تو وہی ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتی چلاتا ہے

لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۚ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٦٦﴾ وَاِذَا

تاکہ تم اس کے فضل کی تلاش کرو بے شک وہ تمہارے حق میں بڑی رحمت والا ہے و۹۷ اور جب

مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ

تمہیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے تو جنہیں تم پکارا کرتے ہو سب غائب ہو جاتے ہیں بجز اللہ کے

فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْاِنْسَانُ

پھر جب وہ تم کو خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو تم (پھر) پھر جاتے ہو اور انسان

كَفُوْرًا ﴿٦٧﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ

بڑا ہی ناشکرا ہے و۹۸ کیا تم اس سے بے فکر ہوگئے ہو کہ وہ تم کو خشکی کی طرف لاکر زمین میں دھنسا دے یا

يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿٦٨﴾

تم پر کوئی تند ہوا بھیج دے تو تم کسی کو (بھی) اپنا کارساز نہ پاؤ و۹۹

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ

کیا تم اس سے بے کھٹکے ہوگئے کہ وہ تمہیں ایک بار پھر اسی (یعنی سمندر کی) طرف لے جائے اور تم پر ہوا کا

عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ

سخت طوفان بھیج دے پھر تمہیں تمہارے کفر کے باعث غرق کر دے اور

و۹۵ (تو چاہیے کہ انسان اب اس کے ہتھکنڈوں کو سمجھ کر اس کے دام میں پھنسنے سے باز رہے) بِصَوْتِكَ۔ یعنی اپنے اغواء اور وسوسہ اندازی سے اپنے مخفی پروپیگنڈے سے۔ صوت کا خاص تعلق گانے اور کھیل تماشہ کی آوازوں سے بھی سمجھا گیا ہے۔ روی عن مجاهد انه الغناء واللهو (جصاص) قیل اراد بصوتک الغناء واللهو واللعب (کبیر) یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو آواز بھی معصیت وفسق کی جانب لائے یا بلائے وہ سب شیطان ہی کی آواز ہے۔ قال ابن عباسؓ هو الصوت الذی یدعوا به الی معصیة الله و کل صوت دعی به الی النساء فهو من صوت الشیطان (جصاص) وصوته دعاءه الی معصیة الله تعالٰی (کبیر) وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ۔ یعنی ان پر تو اپنا حملہ ہر طرح کر دیکھ۔ خیل اور رجل کے لفظی معنٰی مقصود نہیں بلکہ محاورہ میں ان سے مراد مطلق لشکر سے ہوتی ہے۔ المراد منه ضرب المثل کما تقول للرجل المجد فی الامر جئتنا بخیلک ورجلک وهذا الوجه اقرب (کبیر) گو اگر کوئی یہی سمجھے کہ شیطان سوار ہو کر بھی آتا ہے تو اس کے انتفاء پر بھی کوئی دلیل نہیں۔ یہ تفسیر بھی صحابہ وتابعین سے منقول ہے کہ دنیا میں جو سوار اور جو پیادے بھی معصیت کی راہ میں چلتے ہوئے ملیں، یہ سب شیطان ہی کے سوار اور پیادے ہیں۔ روی عن ابن عباس ومجاهد وقتادة کل راجل اوماش الی معصیة الله من الانس والجن فهو من رجل الشیطان وخیله (جصاص) فعلٰی هذا التقدیر خیله ورجله کل من شارکه فی الدعاء الی المعصیة (کبیر) وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ۔ یعنی ان کے مال اور اولاد کو بھی ذریعہ گمراہی بنا دیکھ۔ وَعِدْهُمْ۔ یعنی ان کو جھوٹے وعدوں کے خوب سبز باغ دکھا۔ مثلاً یہی کہ فلاں فلاں بات سے کوئی گناہ نہ ہو گا یا یہ کہ ابھی گناہ کرتے ہو تو بے کھٹکے کرتے رہو، بس مرتے وقت توبہ کرلینا —— پروپیگنڈے کے فن کا تو شیطان استاد اعظم ہے۔ و۹۶ (تو ایسوں کو فکر وتردد ہی کیا۔ بس وہ اپنا تعلق عبدیت ہمارے ساتھ جوڑے رکھیں، ہم خود ہی ان کی ہر حفاظت شیطان کے حملوں سے کرتے رہیں گے اس مردود میں قوت ہی کتنی ہے) آیت سے ضمناً ان مذاہب کی بھی تردید ہوگئی جنہوں نے شیطان کو بھی خدا ہی کی طرح قوت وطاقت کا مستقل مالک سمجھا، اور اہرمن نام دے کر اسے بدی کا خدا مانا ہے۔ اِنَّ...... سُلْطٰنٌ۔ مومنین مخلصین کی تسکین وتسلی کے لئے ایک بار پھر اس حقیقت کی وضاحت کر دی گئی کہ ڈرنے کے قابل تو صرف خالق ومالک کی نافرمانی ہے۔ شیطان مردود میں قوت ہی کتنی ہے۔ عِبَادِيْ۔ یعنی وہ بندے جو اپنے تعلق عبدیت کو اللہ کے ساتھ جوڑے ہوئے ہیں۔ المراد اهل العقل والعلم والایمان (کبیر) عباد کی اضافت جو ضمیر متکلم حق تعالٰی کی جانب ہے۔ بندوں کی عزت افزائی کے لئے ہے۔ الاضافة للتعظیم (روح) و۹۷ (چنانچہ یہ سامان بھی تمہارے نفع وآسائش کے لئے کر دیا ہے) لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ۔ یعنی تجارت بحری سے نفع حاصل کرو۔ بحری تجارت کا اگر وجوب نہیں تو استحسان تو اس آیت سے صاف نکل رہا ہے —— بحری تجارت کا تعلق ذاتی ثروت اور ملی خوشحالی دونوں سے بالکل ظاہر ہے۔ و۹۸ (کہ ایسی جلدی منعم کا انعام واحسان اور اپنا عجز والحاح سب بھول جاتا ہے) ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ۔ یعنی وہ دیوی دیوتا جن پر تمہیں اتنا بھروسہ ہوتا ہے۔ اور جنہیں مدد کے لیے پکارتے رہتے ہو، سب گئے گزرے ہوتے ہیں۔ کوئی بھی کام نہیں آتا۔ و۹۹ یعنی ایسا جو اللہ کے مقابلہ میں تمہاری حمایت ونصرت کچھ اور کسی درجہ میں بھی کر سکے۔ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا۔ ایسی تند ہوا یا طوفانی آندھی چلا دے یا تم پر کنکر پتھر برسا دے۔ اَفَاَمِنْتُمْ...... حَاصِبًا۔ یعنی یہ تمہاری کیسی غفلت ونادانی ہے کہ تم خدا کو شاید صرف سمندر ہی پر قادر سمجھتے ہو، یہ خیال نہیں کرتے کہ عذاب الٰہی کا خشکی میں بھی تو ہر وقت آجانا ممکن ہے، خواہ نیچے سے یا اوپر سے۔

ف۱۰۰ یعنی تمہارے اس غرقابی پر ہم سے نہ بدلہ لے سکے نہ کوئی باز پرس کر سکے۔ ف۱۰۱ (اور اسے ایک معزز مخلوق بنایا ہے) بعض ادیان باطل خصوصاً یہودیت و نصرانیت کی طرح اسلام کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ انسان ایک ذلیل ترین مخلوق ہے، جسے پیدا کر کے اس کا خالق خود پچھتایا! ملاحظہ ہو توریت:۔ ”اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اس کے دل کے تصور اور خیال روز بروز صرف بد ہی ہوتے ہیں۔ تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔ انسان کو بھی اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک۔ کیونکہ میں ان کے بنانے سے پچھتاتا ہوں“ (پیدائش۔ ۶:۶) آیت نے یہ بات صاف کر دی کہ خلقۃً و

لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ

تم کو اس بات پر ہمارا کوئی پیچھا کرنے والا نہ ملے ف۱۰۰ اور ہم نے بنی آدم کو عزت

اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ

دی ہے ف۱۰۱ اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا (دونوں) میں سوار کیا اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں

الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا

عطا کیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت

تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ

دی ہے ف۱۰۲ (یاد رکھو) وہ دن جب ہم تمام انسانوں کو ان کے نامۂ اعمال سمیت بلائیں گے ف۱۰۳

فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ

سو جس کسی کو اس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا سو ایسے لوگ اپنا نامۂ اعمال

كِتٰبَهُمْ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ

پڑھنے لگیں گے اور ان کا نقصان ذرہ بھر بھی نہ کیا جائے گا ف۱۰۴ اور جو کوئی اس (دنیا) میں

اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾

اندھا رہے گا سو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور راہ سے بالکل بھٹکا ہوا ف۱۰۵

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

اور یہ (کافر) آپ کو اس سے بچلایا ہی چاہتے تھے جو ہم آپ پر وحی کر چکے ہیں تاکہ آپ

لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾

اس (حکم وحی) کے سوا ہم پر کوئی بات گڑھ لیں اور وہ اس حالت میں آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے ف۱۰۶

وَ لَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ

اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ قریب تھا کہ ان کی طرف قدرے

فطرۃً ہر انسان معزز و مکرم ہی بنا کر دنیا میں بھیجا جاتا ہے اور اب یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ کفر و معصیت کی راہ اختیار کر کے اپنے کو انتہائی پستیوں میں ڈال دے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے یہیں سے یہ استدلال کیا ہے کہ آدمی موت سے نجس نہیں ہو جاتا۔ **ولذا استدل الامام الشافعی بالأیة علی عدم نجاسة الأدمی بالموت** (روح) ف۱۰۲ انسان بجائے خود ایک معزز و مکرم ہستی ہے، اور بیشتر مخلوقات سے افضل، یہ تو نص قرآنی ہی سے ثابت ہو گیا۔ لیکن بعض نے کثیر کو کل کے معنی میں لے کر انسان کو حق تعالیٰ کی افضل ترین مخلوق ہونے پر بھی استدلال کیا ہے۔ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ۔ یعنی جانوروں پر اور کشتیوں پر دونوں پر سوار کرایا اور جاندار و بے جان دونوں طرح کی سواریاں اسے عنایت کیں ـــ الفاظ قرآنی کا عموم جاندار اور بے جان، ہر قسم کی سواری، ہر قسم کے مشینی آلۂ نقل و حرکت موٹر، لاری، ریل، موٹر کشتی، دخانی جہاز وغیرہ سب کو شامل ہے۔ ف۱۰۳ (میدان حشر میں حساب کتاب کے لیے) امام کی تشریح یہاں عام طور پر یہی سمجھی گئی ہے۔ **الامام ما عمل و املی فکتب علیه** (ابن جریر۔ عن ابن عباس) **امے بکتابهم الذی فیه اعمالهم** (ابن جریر۔ عن الحسن) **قال ابن عباس و الحسن والضحاک امامه کتاب عمله** (جصاص) لیکن دوسرے معنی یہ بھی اکابر ہی سے مروی ہیں کہ انسان گروہ در گروہ اپنے پیشواؤں اور لیڈروں یا اپنے زمانہ کے انبیاء کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ **قال مجاهد و قتادة امامه نبیه** (جصاص) **قال ابوعبیدة بمن کانوا یاتمون به فی الدنیا** (جصاص) اور امام ابن جریر نے ترجیح اسی دوسرے مفہوم کو دی ہے۔ **فان الاغلب من استعمال العرب الامام فی ما ائتم و اقتدی به** (ابن جریر) ف۱۰۴ یعنی ان کے ایمان و اعمال کے اجر میں کمی ذرا بھی نہ کی جائے گی۔ چاہے زیادتی جتنی بھی کر دی جائے۔ فَمَنْ...... كِتٰبَهُمْ۔ حدیث میں تفصیل یہ بیان ہوئی ہے کہ میدان حشر میں لوگوں کے نامۂ اعمال ان کے ہاتھوں میں اڑ اڑ کر پہنچیں گے۔ جنتی کے داہنے ہاتھ میں اور جہنمی کے بائیں ہاتھ میں ـــ تو داہنے ہاتھ میں پانے والے جلدی جلدی انہیں پڑھنے ہی لگیں گے خوش ہو کر کہ اب پروانۂ مغفرت تو مل ہی گیا۔ ف۱۰۵ یہاں ایک بار اور اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ حشر میں جو کچھ بھی ہو گا، اسی دنیا ہی کے اعمال کا پورا ظہور اور صرف نتائج و ثمرات کا تحقق ہو گا۔ کوئی اور نئی بات نہ ہو گی ـــ آخرت ناسوت ہی کے تکملہ کا نام ہے۔ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى۔ یعنی جو کوئی اس دار العمل میں اپنی آنکھیں راہِ نجات کی طرف سے اندھی رکھے گا۔ فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ سو ایسا شخص دار الجزاء میں جمال حق کی دید سے اور جنت کے نظاروں سے محروم رہے گا۔ ف۱۰۶ (گو اس صورت میں آپ حمایت الٰہی و نصرت الٰہی کے دامن سے نکل جاتے) روایتیں اپنی تفصیلات میں مختلف ہیں، لیکن اتنا جزء سب میں مشترک ہے کہ قبیلہ بنی ثقیف یا کہیں اور کے کچھ کافروں نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ اگر آپ فلاں فلاں احکام میں ہمارے لیے تخفیف کر دیں تو ہم ابھی مسلمان ہوئے جاتے ہیں۔ آپ کو ان کے ایمان کی طمع سے خیال کچھ ایسا ہی پیدا ہو چلا تھا کہ اتنے میں نزول وحی نے فیصلہ ان کے برخلاف صادر کر دیا۔

شَیۡـًٔا قَلِیۡلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقۡنٰکَ ضِعۡفَ الۡحَیٰوۃِ

قلیل جھک چلتے ف۱۰۷ اس حالت میں ہم آپ کو دو گنا عذاب چکھاتے زندگی میں بھی

وَ ضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیۡنَا نَصِیۡرًا ﴿۷۵﴾

اور (بعد) موت بھی پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کسی کو بھی مددگار نہ پاتے ف۱۰۸

وَ اِنۡ کَادُوۡا لَیَسۡتَفِزُّوۡنَکَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِیُخۡرِجُوۡکَ

اور قریب تھا کہ یہ (کافر) اس سرزمین سے آپ کے قدم اکھیڑ دیں تاکہ آپ کو اس سے نکال

مِنۡہَا وَ اِذًا لَّا یَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّۃَ

دیں اور اس حالت میں یہ بھی آپ کے بعد بہت کم ٹھہرنے پاتے ف۱۰۹ (جیسا کہ ہمارا) دستور

مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَکَ مِنۡ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا

ان کے باب میں رہا ہے، جنھیں آپ کے قبل ہم نے اپنا رسول بنا کر بھیجا تھا ف۱۱۰ اور آپ ہمارے (اس) دستور میں

تَحۡوِیۡلًا ﴿۷۷﴾ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ

کوئی تبدیلی نہ پائیں گے ف۱۱۱ نماز ادا کیا کیجیے آفتاب ڈھلنے (کے بعد) سے رات کے اندھیرے ہونے تک ف۱۱۲

الَّیۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ

اور صبح کی نماز بھی ف۱۱۳ بے شک صبح کی نماز حضوری کا

مَشۡہُوۡدًا ﴿۷۸﴾ وَ مِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ ٭ۖ

وقت ہے ف۱۱۴ اور رات کے کچھ حصہ میں بھی۔ سو اس میں تہجد پڑھ لیا کیجیے (جو) آپ کے حق میں زائد چیز ہے ف۱۱۵

عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾ وَ قُلۡ

عجب کیا کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود میں جگہ دے ف۱۱۶ اور آپ کہتے رہیے کہ

رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ

اے میرے پروردگار مجھے پہنچائیو پہنچانے کے وقت خوبی کے ساتھ ف۱۱۷ اور مجھے نکالتے وقت

ف۱۰۷ (اس لیے کہ وہ طمع ایمان لانے کی دلا رہے تھے۔ اور آپ اس کے حریص ہیں) لَوۡ لَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰکَ۔ خطاب نبی معصوم سے ہو رہا ہے کہ اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا — لیکن ثابت قدم کیسے نہ رکھا ہوتا۔ یہ ثابت قدمی تو فرع ہے معصومیت کی، اور معصومیت لازمۂ نبوت ہے۔ لَقَدۡ کِدۡتَّ...... قَلِیۡلًا۔ بعض نے آیت کو کسی درجہ میں قادح عصمت سمجھا ہے۔ حالانکہ آیت کے الفاظ اس کے عکس پر دلالت کر رہے ہیں۔ آپ کا رکون (جھکاؤ) اول تو ہوا ہی نہیں، صرف قرب رکون (کِدۡتَّ تَرۡکَنُ) مذکور ہے اور وہ بھی صرف مرتبۂ اولین (شَیۡـًٔا قَلِیۡلًا) کے لحاظ سے — گویا رکون ہی نہیں صرف وسوسۂ رکون! اور پھر وہ بھی ہونے کہاں پایا؟ لَوۡ لَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰکَ کی زنجیر عصمت نے اتنا بھی ہلنے کا موقع کب دیا؟ غرض یہ کہ یہ ارشاد الٰہی بطور الزام نہیں بلکہ یہ تو آپ کی صرف کمال حرص ایمانی کا مظہر ہے، اور یہ قول مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ "یہ ارشاد عتاب نہیں بلکہ اظہار محبوبیت ہے کہ آپ ایسے محبوب ہیں کہ ہم نے رکون قلیل کے قرب سے بھی آپ کو بچا لیا" فقہاء نے آیت سے متعدد مسئلوں کا استنباط کیا ہے، مثلاً یہ کہ (۱) شر ذریعۂ خیر نہیں بن سکتا خیر کے ذرائع و وسائل کو بھی خیر ہی ہونا چاہیے۔ (۲) احکام شریعت کسی قیمت پر بھی نرم نہیں کیے جا سکتے ورنہ شریعت خداوندی کا مصلحت انسانی کے تابع ہو جانا لازم آتا ہے۔ (۳) ارتکاب شر بشری ہی کی شامت سے ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا تم جھکنے کے قریب تھے لَقَدۡ کِدۡتَّ تَرۡکَنُ اِلَیۡہِمۡ (۴) توفیق خیر حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا، ہم نے ثابت قدم رکھا۔ ثَبَّتۡنٰکَ۔ (۵) انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کا محافظ رہتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت اس باب میں نص ہے کہ حضرات انبیاء کا بھی محافظ حق تعالیٰ ہی ہے۔ محض ان کی قوت قدسیہ کافی نہیں تو دوسروں کو اپنی محفوظیت اور اپنی نسبت باطن کی قوت پر کب اعتماد ہو سکتا ہے، جب کہ ان کی خود نسبت ہی کے وجود میں گفتگو کی گنجائش ہے۔

ف۱۰۸ (مگر آپ چونکہ معصوم ہیں اور ثابت قدم رہے اس لیے قرب میلان بھی نہیں ہوا۔ اور ان وعیدوں سے بھی بالکل بچ گئے) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ علماء و خواص پر جاہل عوام سے سخت تر گرفت ہو گی۔ مباح ان کی شان سے بعید اور مکروہ ان کے حق میں سزاوار وعید ہو جاتا ہے۔ اِذًا یعنی اگر اس میلان و رجحان کا ترتب و تحقق ہو جاتا جو کہ نہیں ہوا — وہ صورت حال اگر ہو جاتی جس کی ابھی نفی کی جا چکی ہے۔ اردو مصرعہ "جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے" اور فارسی مقولہ "نزدیکاں را بیش بود حیرانی" ان ہی مقامات کے ترجمان ہیں۔ رسول کا مرتبہ جتنا اونچا ہوتا ہے، اسی نسبت سے گرفت بھی سخت تر رکھی گئی ہے۔ والسبب فی تضعیف ھذا العذاب ان اقسام نعم اللہ تعالٰی فی حق الانبیاء علیہم السلام اکثر فکانت ذنوبھم اعظم فکانت العقوبۃ المستحقۃ علیھا اکثر (کبیر)

ف۱۰۹ یعنی انہیں بھی مہلت نہ ملنے پاتی، اور یہ بھی زمانہ قریب میں عذاب الٰہی کی گرفت میں آ جاتے۔ وَ اِنۡ...... مِنَ الۡاَرۡضِ۔ ملک عرب میں آپ کے قدم اکھیڑ دینا خواہ جبر سے ہوتا یا مکر سے — بعض نے یہاں کافروں سے مراد یہود سے لی ہے۔ انہوں نے آپ سے کہنا شروع کیا تھا کہ انبیاء کی سرزمین تو شام ہے، یہ آپ حجاز میں کیسے پڑے ہوئے ہیں۔ وہیں چلے جائیے۔ اور بعض نے مراد قریش سے لی ہے کہ وہی مکہ معظمہ سے آپ کے اخراج کے درپے تھے۔ بہرحال وہ مخالفین معاندین میں سے خواہ مشرکین خواہ یہود، دیکھا تو یہ گیا، اور یہ کوئی بہت بڑی مدت کے بعد نہیں، چند ہی سال کے اندر، کہ سارے جزیرۃ العرب میں اس سرے سے اس سرے تک نہ کوئی مشرک رہ گیا نہ یہودی۔ سب کے سب اُمی محمد کی رسالت کے کلمہ پڑھنے والے رہ گئے۔ اِذًا یعنی اگر ایسا کافروں کے حسب خواہش واقع ہو گیا ہوتا، جو نہیں ہوا۔ خِلٰفَکَ۔ خلاف یہاں بَعۡد کے معنی میں ہے۔ ای بعدک (روح) زعم الاخفش ان خلفک فی معنی خلفک (کبیر)

ف۱۱۰ یعنی جب ان کی قوم نے ان پیغمبران برحق کو اپنے اور ان کے وطن سے نکال دیا، تو خود ان منکروں کو بھی چین سے رہنا نصیب نہ ہوا۔ سُنَّۃَ۔ جملہ کی ترکیب مقدر یوں سمجھی گئی ہے۔ سَنَّ اللّٰہُ ذٰلِکَ سُنَّۃً اور سُنَّۃَ کا نصب مصدر تاکیدی کا نصب مانا گیا ہے۔ نصبت نصب المصدر المؤکد ای سَنَّ اللّٰہُ ذٰلک سنۃ (کشاف)

ف۱۱۱ یعنی صابرین مطیعین کی مدد و نصرت اور منکرین کی مغلوبی و پامالی تو ہمارا قطعی قانون ہے۔ آپ اس باب میں کوئی شک و تردد لائیں ہی نہیں۔ لِسُنَّتِنَا۔ یہ سنت ہے سنت الٰہی ہی، جیسا کہ اس جزء میں بالکل صاف ارشاد ہوا ہے اور اس کے قبل جو سُنَّۃَ کی اضافت رُسُلِنَا کے ساتھ آئی ہے تو اس سے مراد صرف یہ ہے کہ یہ سنت الٰہی رسولوں کے باب میں ہے۔ فالسنۃ للہ عزوجل و اضیفت للرسل علیہم السلام لانھا سنۃ لاجلھم (روح)

ف۱۱۲ وقت کی قدرتی تقسیم حرکت آفتاب کے تابع ہے، اور قرآن مجید نے اس کو اوقات عبادت کے لیے معیار قرار دیا ہے۔ قرآن کا "اسٹینڈرڈ ٹائم" یہی ہے، ہر "گرینچ ٹائم" و "مدراس ٹائم" سے بے نیاز۔ الصَّلٰوۃَ سے مراد ظاہر ہے کہ نماز مفروضہ ہے اور اسی نماز فرض کے اوقات کا بیان ہو رہا ہے۔ دُلُوۡکِ کے مطلق معنی جھکاؤ یا میلان کے ہیں۔ معنی الدلوک فی کلام العرب ھو المیل (ابن جریر) عن ابن عباسؓ و ابی برزۃ الاسلمی و جابر و ابن عمر دلوک الشمس میلھا و کذٰلک روی عن جماعۃ من التابعین قال ابو بکر ھٰؤلآء الصحابۃ قالوا ان الدلوک المیل و قولھم مقبول فیہ لانھم من اھل اللغۃ (جصاص) و قال ابن عباسؓ و ابن عمر و جابر ھو زوال الشمس و ھو قول عطاء و قتادۃ و مجاھد والحسن و اکثر التابعین (معالم) دلوک

الشمس هو زوالها من كبد و هو اختيار الاكثرين من الصحابة و التابعين (کبیر) دُلُوۡكِ الشَّمۡسِ۔ آفتاب ڈھلنے کے دو درجہ ہوتے ہیں۔ ایک تو اس کا عروج نصف النہار سے پستی کی طرف مائل ہونا۔ جسے عام بول چال میں دوپہر کہتے ہیں۔ دوسرے اس کا بالکل ڈھل کر افق پر نظر کے مقابل آجانا جسے عام بول چال میں سہ پہر کہتے ہیں۔ اوقات کی اسی قدرتی تقسیم کی مناسبت سے دو نمازیں ظہر وعصر کی تجویز ہوئیں۔ غَسَقِ الَّيۡلِ۔ ٹھیک اسی طرح شب کے اندھیرے کے بھی دو درجہ ہیں۔ ایک یہ کہ سورج افق سے غائب ہو جائے۔ خواہ روشنی باقی ہو۔ دوسرے یہ کہ تاریکی خوب اچھی طرح پھیل جائے۔ انہیں دو قدرتی وقتوں کی مناسبت سے رات کی نمازیں بھی دو یعنی مغرب وعشاء کی قرار پائیں۔ غسق الليل هو اقباله و دنوه بظلامه (ابن جریر) لِدُلُوۡكِ میں ل سببیت کا ہے بعض نے بعد کے معنی میں بھی لیا ہے۔ قال الواحدی اللام لام الاجل والسبب (کبیر) واللام فی لدلوک قالوا بمعنی بعد (بحر) لِدُلُوۡكِ...... الَّيۡلِ۔ چاروں نمازوں کے وقت کی ابتداء اور انتہاء، آغاز وختم دونوں کا بیان اس میں آ گیا۔ بیان لمبدأ الوقت و منتهاه (بیضاوی) كانت الأية جامعة لمواقيت الصلاة كلها فدلوک الشمس يتناول صلاة الظهر والعصر والى غسق الليل يتناول المغرب والعشاء و قرأن الفجر هو صلاة الصبح (معالم) ف۱۱۳ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ۔ قرأن یہاں نماز کے معنی میں ہے۔ یا قرأت قرآن کے معنی میں۔ اور اس سے بھی مراد نماز ہی ہے۔ یعنی صلاة الصبح (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اے صلاة الصبح (ابن جریر۔ عن مجاہد) صلاة الفجر سميت قرأنا (مدارک) اجمعوا على ان المراد منه صلاة الصبح (کبیر) تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ اقم قرأن الفجر۔ وانتصابه بالعطف على الصلاة والتقدير اقم الصلاة و اقم قرأن الفجر (کبیر) ف۱۱۴ (فرشتوں کی) یہ تفسیر تو دو حدیث میں آ گئی ہے کہ یہ وہ نماز ہے کہ اس کے وقت رات کے فرشتوں اور دن کے فرشتوں دونوں کی حاضری ہوتی ہے۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تشهده ملائكة الليل وملائكة النهار (ابن جریر۔ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ) ف۱۱۵ یعنی یہ ان پانچ نمازوں کے علاوہ۔ فرض یہ نہیں، ہے زائد ہی لیکن آپ اسے بھی پڑھتے رہیے۔ نَافِلَةً لَّكَ۔ قال قتادة تطوعا وفضيلة (جصاص) قال مجاهد وانما كانت نافلة للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لانه قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تاخر فكانت طاعاته نافلة اے زيادة فی الثواب ولغيره كفارة لذنوبه (جصاص) فَتَهَجَّدۡ۔ تہجد وہ نماز ہے جو شب میں سوتے سوتے اٹھ کر پڑھی جائے۔ التهجد فی اللغة السهر للصلاة اولذكر الله وقيل التهجد التيقظ بما ينفی النوم (جصاص) التهجد التيقظ والسهر بعد نومة من الليل (ابن جریر) مِنَ الَّيۡلِ۔ من تبعیضیہ ہے۔ یعنی رات کے کچھ حصہ میں۔ اے بعض الليل (کشاف) نماز تہجد کا پر مشقت ہونا ظاہر ہی ہے لیکن اجر وصلہ بھی اسی درجہ کا ہے۔ احادیث اس کی فضیلتوں سے لبریز ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو اس حکم کے بعد یہ نماز تہجد لازمی ہو گئی تھی۔ خواہ بہ طور فرض زائد کے، خواہ بطور نفل کے والمعنى ان التهجد زيدلک على الصلوات المفروضة غنيمةلک اوفريضة عليک خاصة دون غيرک لانه تطوع لهم (مدارک) بِهٖ۔ ضمیر ہ القرآن کی جانب ہے۔ الهاء فی به كناية عن قرأن الفجر (جصاص) والتقدير فتهجد بالقرأن فی الصلوٰة (بحر) ف۱۱۶ احادیث میں آتا ہے کہ یہ مقام شفاعت کبریٰ کا ہے۔ مقام الشفاعة (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اے مقام الشفاعة يوم القيامة (ابن جریر۔ عن الحسن) وهو مقام الشفاعة عند الجمهور (مدارک) وعن ابی هريرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال هو المقام الذی اشفع لامتی فيه (ابن کثیر عن الامام احمد) عَسٰی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے تو اس کے معنی میں شک نہیں یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ عسى من الله تعالیٰ واجب (معالم) ف۱۱۷ یعنی جب ہجرت کا وقت آئے تو مجھے اس دار الہجرت میں خیر وراحت کے ساتھ اتاریو۔ اَدۡخِلۡنِیۡ۔ وَاَخۡرِجۡنِیۡ کی تفسیر حدیث ترمذی میں ہجرت ہی کے ساتھ آئی ہے۔ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ۔ سے مراد مدینہ منورہ لی گئی ہے۔ اے المدينة حين هاجر اليها (ابن جریر۔ عن ابن زید) ف۱۱۸ (سرزمین مکہ سے) یعنی ہجرت کے وقت یہاں سے خیر وخوبی کے ساتھ نکالیو۔ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ۔ یعنی مکہ معظمہ۔ اے مكة حين خرج منها (ابن جریر) مفہوم میں توسیع پیدا کر کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ ہمیں قبر میں داخل کیجیو ایمان وصدق کے ساتھ اور خیر سے باہر نکالیو قیامت کے دن ایمان وصدق کے ساتھ۔ اے ادخلنی فی القبر مدخل صدق واخرجنی من القبر يوم القيمة مخرج صدق (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۱۱۹ (کہ وہی غلبہ حقیقی اور پائدار ہوتا ہے ورنہ عارضی اور ظاہری غلبہ تو کسی مصلحت تکوینی سے کافروں کو بھی ہو جاتا ہے) ف۱۲۰ آیت کے آخری ٹکڑے نے یہ حقیقت صاف کر دی کہ پائداری اور قیام باطل کے نصیب میں نہیں۔ الۡحَقُّ۔ الۡبَاطِلُ۔ حق سے مراد ہے دین توحید اور باطل اس کی ضد ہے اور ہر قسم کے کفر اور غیر پرستی پر شامل ہے۔ حدیث وسیر کی روایتوں میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد جب خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے اندر کے بتوں اور مورتیوں کو توڑتے جاتے تھے اور زبان سے یہ آیت تلاوت فرماتے جاتے۔ محققین صوفیہ نے الفاظ آیت کے عموم سے فائدہ اٹھا کر حق کے تحت میں نور باطن اور حب الٰہی کو بھی داخل کیا اور باطل کے تحت میں ظلمت اور حب خلق کو۔ ف۱۲۱ یعنی جو لوگ قرآن کے باب میں ظالم ہیں اس کے حقائق کو بہ نظر انصاف نہیں دیکھتے ان کے کام

مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ سُلۡطٰنًا

خوبی سے نکالیو ف۱۱۸ اور مجھے اپنے پاس سے غلبہ دیجیو (اپنی) نصرت کے ساتھ

نَّصِيۡرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ

ملا ہوا ف۱۱۹ اور آپ کہہ دیجیے کہ حق (بس اب) آ ہی گیا اور باطل مٹ گیا بے شک

الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ

باطل تھا ہی مٹنے والا ف۱۲۰ اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو

شِفَآءٌ وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ وَلَا يَزِيۡدُ الظّٰلِمِيۡنَ

ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں اور ظالموں کا اس سے اور نقصان ہی

اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ

بڑھتا ہے ف۱۲۱ اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے

وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوۡسًا ﴿۸۳﴾ قُلۡ

اور اپنی کروٹ پھیر لیتا ہے اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ناامید ہو جاتا ہے ف۱۲۲ آپ کہہ دیجیے

كُلٌّ يَّعۡمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ هُوَ

کہ ہر شخص اپنے اپنے طریقہ پر کام کرتا ہے تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ کون

اَهۡدٰى سَبِيۡلًا ﴿۸۴﴾ وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ قُلِ

صحیح تر راستہ پر ہے ف۱۲۳ اور آپ سے یہ روح کی بابت پوچھتے ہیں ف۱۲۴ آپ کہہ دیجیے

الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ وَمَآ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا

کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے (ہی) ہے ف۱۲۵ اور تمہیں علم تو بس تھوڑا ہی

قَلِيۡلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِیۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ

دیا گیا ہے ف۱۲۶ اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے وہ سلب

ع ۹

اِلَیۡکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِہٖ عَلَیۡنَا وَکِیۡلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحۡمَۃً

کرلیں پھر اس کے لئے آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے ۱۲۷ مگر یہ (آپ پر) رحمت ہی ہے

مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ فَضۡلَہٗ کَانَ عَلَیۡکَ کَبِیۡرًا ﴿۸۷﴾ قُلۡ

آپ کے پروردگار کی ۱۲۸ بے شک اس کا آپ پر بہت بڑا فضل ہے ۱۲۹ آپ کہہ دیجیے کہ

لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ

اگر (کل) انسان و جنات اس بات کے لئے جمع ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن

ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِہٖ وَ لَوۡ کَانَ بَعۡضُہُمۡ

لے آئیں (جب بھی) اس جیسا نہ لا سکیں گے اور خواہ ایک دوسرے کے

لِبَعۡضٍ ظَہِیۡرًا ﴿۸۸﴾ وَ لَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ ہٰذَا

مددگار بھی بن جائیں ۱۳۰ اور بالیقین ہم نے لوگوں کے لئے اس

الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰۤی اَکۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا

قرآن میں ہر قسم کا اعلیٰ مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے لیکن اکثر لوگ بے انکار کیے

کُفُوۡرًا ﴿۸۹﴾ وَ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفۡجُرَ لَنَا

نہ رہے ۱۳۱ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے لئے

مِنَ الۡاَرۡضِ یَنۡۢبُوۡعًا ﴿۹۰﴾ اَوۡ تَکُوۡنَ لَکَ جَنَّۃٌ

زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کر دو گے ۱۳۲ یا خود تمہارے لئے ایک باغ

مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الۡاَنۡہٰرَ خِلٰلَہَا

کھجوروں اور انگوروں کا (پیدا) ہو جائے پھر اس کے بیچ بیچ میں جگہ جگہ

تَفۡجِیۡرًا ﴿۹۱﴾ اَوۡ تُسۡقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمۡتَ عَلَیۡنَا

نہریں جاری کر دو یا تم ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دو جیسا کہ تم دعویٰ

اشاعت قرآنی کے عموم سے اور بگڑتے ہی جاتے ہیں۔ شِفَآءٌ۔ یعنی عقاید فاسد اور اعمال فاسد سے نجات۔ رَحۡمَۃٌ۔ یعنی احکام الٰہی پر عمل خود رحمت الٰہی کا جاذب ہو جائے گا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اصطلاح سلوک میں شِفَآءٌ سے اشارہ ہے تخلیہ کی طرف اور رَحۡمَۃٌ سے اشارہ ہے تجلیہ کی جانب۔ ف۱۲۲ (اپنی کامیابی اور ہماری رحمت وفضل کی طرف سے) الۡاِنۡسَانِ۔ سے مراد یہاں کافر اور ناشکر گزار انسان ہے۔ یعنی الکفر من کثرۃ مالہ ومعیشتہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اَعۡرَضَ وَنَا۔ یہ منہ موڑ لینا اور کروٹ پھیر لینا اللہ اور احکام الٰہی کی جانب سے ہوتا ہے۔ اِذَآ اَنۡعَمۡنَا۔ وَاِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ۔ اول الذکر سے مراد انعامات تکوینی، صحت، عافیت، مال واولاد وغیرہ ہیں اور آخر الذکر سے مراد انہیں سے محرومی۔ یہ اعراض ویاس دونوں نتیجہ ہوتی ہیں حق تعالیٰ سے بے تعلقی رکھنے کا۔ اَعۡرَضَ کے بعد نَاٰ بِجَانِبِہٖ کا اضافہ تاکید اور زور کے لئے ہے۔ تاکید للاعراض (کشاف) ف۱۲۳ (اور وہی سب کو ان کے موافق حال جزا دے گا) آیت میں یہ بتایا کہ کسی کو حق نہیں کہ یونہی بلا دلیل شرعی اپنے کو راہ حق پر سمجھ لے۔ قُلۡ کُلٌّ یَّعۡمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ۔ یعنی ہر شخص کی ایک خاص افتاد طبیعت ہوتی ہے۔ اور وہ اسی کے مطابق عمل کرتا ہے خواہ وہ عمل نیک ہو یا بد مقتضا ہو علم صحیح کا یا جہل قبیح کا۔ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ۔ یعنی اپنی افتاد طبیعت کے مطابق۔ اے علی مذھبہ وطریقتہ التی تشاکل کل مالہ فی الھدٰی والضلالۃ (کشاف) اے علی نیتہ وامرہ ھو علیہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال مجاھد علی طبیعتہ وقیل علی عادتہ التی الفھا (جصاص) الشاکلۃ الطریقۃ والمذھب الذی قیل علیہ قالہ الفراء (بحر) ف۱۲۴ (کہ اس کی حقیقت وماہیت کیا ہے) یہ سوال کرنے والے یا تو مشرکین قریش تھے (جیسا کہ نسائی وترمذی کی روایتوں میں آیا ہے) اور یا یہود مدینہ تھے (جیسا کہ بخاری ومسلم کی روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے) بہر صورت سائل جو بھی ہوں سوال سے مقصود استفادہ اور اپنے جہل کا دور کرنا نہ تھا بلکہ مقصود امتحان تھا۔ ف۱۲۵ (اور اس لئے تمام دوسری مخلوقات کی طرح حادث وفانی ہے) قرآن کی اس مختصر وحکیمانہ، جامع ولفظی جواب نے ان تمام لاطائل بحثوں کی بے حاصلی ظاہر کر دی جو صدیوں سے جاہلی فلاسفہ کے درمیان چلی آ رہی تھیں۔ مثلاً یہ کہ روح مجرد ہے یا مادی؟ بسیط ہے یا مرکب؟ جوہر ہے یا عرض؟ وغیرہا۔ روح کی حقیقت بھی منجملہ ان مسائل کے ہے جن کے باب میں اکثر مذاہب باطلہ کو ٹھوکر لگی ہے اور روح کا قدیم وغیر فانی ہونا تو بہت مشرکانہ مذاہب میں مسلم رہا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں آریہ سماجیوں کے نام سے جو فرقہ انیسویں صدی مسیحی کی پیداوار ہے اور جو بت پرستی کا دشمن اور عقیدۂ توحید کا مدعی ہے وہ بھی روح کی قدامت ہی کا قائل ہے۔ وہ خدا کی طرح پرش (روح) اور ہر کرتی (مادہ) کو بھی قدیم مانتا ہے۔ قرآن کا اصل مقصود اسی عقیدۂ روح پرستی پر ضرب لگاتا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ف۱۲۶ (اور حقیقت روح کا علم نہ تمہارے حدود فہم کے اندر ہے اور نہ تمہاری ضروریات دینی وعلمی میں داخل ہے۔ اس لئے تمہیں عطا بھی نہیں ہوا) ف۱۲۷ اس میں رد ہے اس خیال کا کہ آپ قرآن اپنے اختیار وارادہ سے تصنیف کر لیتے یا کر سکتے تھے۔ یہ حق تعالیٰ کی کمال عظمت کا بیان ہے کہ وہ رسول سے اس کا کمال وحی بھی سلب کر سکتا ہے۔ ف۱۲۸ (کہ اس نے ایسا نہیں کیا اور وہ رحمت آپ پر قائم ہی رہنے والی ہے) ف۱۲۹ (سو وہ آیندہ بھی اس کی نوبت ہی کیوں آنے دے گا۔ آپ اللہ کے اس فضل ورحمت کو یاد کر کے خوش رہیے اور کسی کی مخالفت وغیرہ کا غم نہ کیجئے) ف۱۳۰ یہ دنیا کے سامنے کس زور وقوت کے ساتھ تحدی ہے کہ سارے کے سارے انسان ہر دور اور ہر ملک کے، بڑے بڑے باکمال اور فضلا ومحققین سب مل کر بھی اور اپنے ساتھ ایک دوسری صنف مخلوق (جنات) کو ملا کر بھی (جو بعض قوتوں کے لحاظ سے انسان سے افضل ہے) اگر پورا زور لگا دیں جب بھی دوسرا قرآن نہیں تیار کر سکتے۔ بِمِثۡلِ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَ بِمِثۡلِہٖ۔ اس "مثلیت" میں مضامین کی جامعیت، مطالب کی کاملیت، حسن ادا، حسن انشاء کے سارے پہلو آ گئے۔ ویستدل علیٰ ذٰلک تجدید فی ھٰذہ الأیۃ العرب والعجم والجن والانس ومعلوم ان العجم لا یتحدون من طریق النظم فوجب ان یکون التحدی لھم من جھۃ المعانی (جصاص) ف۱۳۱ (جو دلیل ہے ان کے ناشکرے پن کے کمال کی) صَرَّفۡنَا۔ یعنی ایک ایک مضمون بار بار مختلف طریقوں سے سہولت تفہیم کے لئے کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ لِلنَّاسِ۔ یعنی لوگوں کے سمجھانے کے لئے، ان کی نصیحت کے لئے۔ مَثَلٍ۔ کے معنی ہیں ہر وہ مضمون جو ندرت یا حسن رکھتا ہو یا کلمہ پر تاثیر ہو۔ من کل وجہ من العبر والاحکام والوعد والوعید وغیرھا (معالم) اے بیّنا لھم الحجج والبراھین القاطعۃ ووضعنا لھم الحق وشرحناہ وبسطناہ (ابن کثیر) ف۱۳۲ یہ کہنے والے مشرکین مکہ تھے اعجاز قرآنی کے اس کھلے ہوئے ثبوت کو چھوڑ کر الٹا آپ سے مطالبہ متعین حسی خوارق اور مادی معجزات کا کیا کرتے تھے۔ — لیکن پیغمبروں کی تاریخ میں یہ کوئی انوکھا مطالبہ نہیں بلکہ مشرکانہ مذاق کے عین مطابق ہے۔ اور قدیم قومیں بھی اپنے اپنے وقت کے داعیان حق سے برابر ایسے ہی فرمائشی معجزات چاہتی رہی ہیں۔

كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿٩٢﴾ اَوْ يَكُوْنَ

رکھتے ہو ف۱۳۳ یا تم اللہ اور فرشتوں ہی کو (ہمارے) سامنے لا کھڑا کرو یا پھر

لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ

تمہارے لئے کوئی گھر ہی سونے کا ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تو تمہارے (آسمان پر)

وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ

چڑھ جانے پر بھی ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ تم (وہاں سے) ہمارے لئے ایک نوشتہ نہ اتار لاؤ جسے ہم پڑھ لیں

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿٩٣﴾

آپ کہہ دیجیے کہ پاک ہے اللہ میں بجز ایک آدمی (اور) رسول کے اور کیا ہوں ف۱۳۴

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى

اور جب (ان) لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکی تو اُن کو ایمان لانے سے اور کوئی چیز مانع نہیں ہوئی

اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿٩٤﴾ قُلْ لَّوْ

بجز اس کے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے رسول بنا کر کیا بشر کو بھیجا ہے؟ ف۱۳۵ آپ کہہ دیجیے

كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ

کہ اگر زمین پر فرشتہ ہوتے کہ چلتے بستے ف۱۳۶ تو

لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿٩٥﴾ قُلْ

البتہ ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتہ کو بہ طور رسول کے اتارتے ف۱۳۷ آپ کہہ دیجیے کہ

كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ

اللہ بہ طور گواہ کے میرے اور تمہارے درمیان کافی ہے، بے شک وہی اپنے بندوں کو

خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿٩٦﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ

خوب جانتا ہے خوب دیکھتا ہے ف۱۳۸ اور جسے اللہ راہ پر لاتا ہے وہی راہ پاتا ہے

ف۱۳۳ خلاصہ ان تمام فرمائشوں کا یہ کہ ہم تو تمہارے دعوائے رسالت ونبوت میں تمہیں سچا اس وقت سمجھیں گے جب ایسے عجیب وغریب حسی ومادی خوارق سے ہمیں دو چار کر دو۔۔ نبوت ورسالت کی کل کائنات ان ”عقلاء“ کے ذہن میں یہ تھی کہ نبی ورسول کو (نعوذ باللہ) اعلیٰ درجہ کا بازیگر یا شعبدہ باز ہونا چاہیے! جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ۔ کھجور اور انگور کے باغ اہل عرب کے نزدیک بہت ہی بڑی نعمت تھے۔ فَتُفَجِّرَ...... تَفْجِيْرًا۔ پھر ان باغوں میں نہروں ندیوں کا چلنا اہل عرب کے نزدیک خوشحالی اور راحت کی آخری معراج تھی۔ تُسْقِطَ السَّمَآءَ۔ یہ آسمان کے ٹکڑوں کا گرانا اہل عرب کے نزدیک انتہائی قدرت کی دلیل تھی۔ تَاْتِيَ...... قَبِيْلًا۔ یعنی آسمان اور فرشتوں کو رو در رو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو۔ يَكُوْنَ...... زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ یہ سونے کا مکان ہونا یا آسمان پر چڑھ جانا سائلین کی نظر میں آخری اور انتہائی عجائب وخوارق تھے۔ ف۱۳۴ (اور ہر بشر کی طرح میں بھی خوارق ومعجزات پیش کرنے سے معذور ہوں) جواب ان خرافی مطالبات کا رسول برحق کی زبان سے یہ ادا کر دیا گیا کہ معاذ اللہ میں تو محض بشر ہوں۔ میرے اختیار میں یہ عجائب نمائی کہاں ہے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ بشر ہونے کے ساتھ رسول بھی ہوں۔ لیکن رسول کے کام تو امانت ودیانت، صداقت کے ساتھ، حق تعالیٰ کا پیام اور شریعت کے احکام کا پہنچا دینا ہے اور بس! میری صداقت کا دار ومدار معجزات پر ہرگز نہیں۔ سُبْحَانَ رَبِّيْ۔ مشرکین کی درخواست کی تہ میں یہ شے تھی کہ جیسے کوئی آپ بھی نیم دیوتا سے تھے اور قوت وقدرت میں حق تعالیٰ کے کسی درجہ میں شریک! سُبْحَانَ رَبِّيْ میں یہی اشارہ ہے، کہ اس ذات پاک کی توحید مطلق ہر قسم اور ہر درجہ کی شرک کی آلودگی سے پاک ہے! محققین نے یہیں سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ مقبولین کو یہ قدرت حاصل نہیں ہوتی کہ ان سے جو درخواست کی جائے وہ اسے پورا کر دیں یا کرا دیں۔ ف۱۳۵ مشرکین اپنی بدعقلی اور کج فہمی سے بشریت اور رسالت میں تنافی سمجھ رہے تھے اور بے یقینی کے لہجہ میں پوچھ رہے تھے کہ کیا اتنا بڑا منصب ایک بشر محض کے سپرد ہوا ہے؟ — جو دیوتاؤں کی پرستش کے لئے بآسانی آمادہ ہو جاتے ہیں، انہیں ایک انسان کی تصدیق رسالت کرتے ایسی ہی دشواری نظر آتی ہے! اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى۔ ھدیٰ سے مراد اس سیاق میں قرآن اور حقانیت قرآن کے دلائل ہیں۔ قَالُوْٓا۔ ان کا یہ کہنا بہ طور استفہام واستفسار کے نہیں، تعجب وانکار کے لہجہ میں تھا۔ ف۱۳۶ یعنی اس زمین کے باشندے ہوتے جیسے کہ انسان ہیں — فرشتہ موجود تو زمین پر آج بھی ہیں۔ مقصود کلام یہ ہے کہ انسانوں کے بجائے اگر دنیا انہیں ہی سے اسی طور پر آباد ہوتی اور انہیں بھی ہدایت کے لئے کسی پیمبر کی ضرورت ہوتی۔ ف۱۳۷ (کہ وہ اپنے ہم جنسوں میں تبلیغ کرتا) یہیں سے یہ ایک اہم اصل ہاتھ آتی ہے کہ ہدایت کے لئے مناسبت باہمی شرط ہے، اور مناسبت کا سبب قوی مجانست ہے — ایک جنس کی مخلوق دوسری جنس والی سے بآسانی نہیں سیکھ سکتی۔ ف۱۳۸ (سو وہی تمہارے مفاد کو بھی خوب جان رہا ہے اور تمہاری ہٹ دھرمی کو بھی خوب دیکھ رہا ہے کہ باوجود وضوح دلائل اپنی بات پر اڑے ہوئے ہو) شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ۔ اللہ کی گواہی سے اس سیاق میں مراد یہ ہے کہ وہ خوب دیکھ رہا ہے کہ اثبات نبوت محمدی وحقانیت قرآن پر کتنے دلائل واضح جمع ہیں۔ لیکن اہل فساد اپنی ضد وجہل سے انکار کیے چلے جا رہے ہیں۔ اور اللہ کی شہادت عقلی یہ تھی کہ ہر طرح کی بے سروسامانی کے باوجود نصرت الٰہی علانیہ داعیٔ اسلام ﷺ ہی کا ساتھ دے رہی تھی۔

وَ مَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَہُمۡ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِہٖ ؕ

اور جسے وہ بے راہ کر دے تو آپ ایسوں کا مددگار کسی کو بھی اللہ کے سوا نہ پائیں گے ف١٣٩

وَ نَحۡشُرُہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ عَلٰی وُجُوۡہِہِمۡ عُمۡیًا وَّ بُکۡمًا

اور ہم قیامت کے دن انہیں ان کے منہ کے بل چلائیں گے اندھا اور گونگا

وَّ صُمًّا ؕ مَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ؕ کُلَّمَا خَبَتۡ زِدۡنٰہُمۡ

اور بہرا کر کے ف١٤٠ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جب وہ (آگ) ذرا بھی دھیمی ہونے لگے گی ہم اسے اور بھڑکا

سَعِیۡرًا ﴿٩٧﴾ ذٰلِکَ جَزَآؤُہُمۡ بِاَنَّہُمۡ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا

دیں گے ف١٤١ یہ سزا ہے ان کی اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا تھا

وَ قَالُوۡۤا ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ

اور کہا تھا کہ جب ہم ہڈیاں اور بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو بھلا کیا اس وقت ہم از سر نو

خَلۡقًا جَدِیۡدًا ﴿٩٨﴾ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ

پیدا کئے جائیں گے ف١٤٢ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَہُمۡ

زمین کو پیدا کر رکھا ہے وہ اس پر (بھی) قادر ہے کہ ایسوں کو (پھر) پیدا کر دے ف١٤٣

وَ جَعَلَ لَہُمۡ اَجَلًا لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ ؕ فَاَبَی الظّٰلِمُوۡنَ

اور اس نے ان کے لئے ایک میعاد معین کر رکھی ہے کہ اس میں ذرا شک نہیں اس پر بھی ظالم لوگ بے انکار کئے

اِلَّا کُفُوۡرًا ﴿٩٩﴾ قُلۡ لَّوۡ اَنۡتُمۡ تَمۡلِکُوۡنَ خَزَآئِنَ

نہ رہے ف١٤٤ آپ کہہ دیجیے کہ اگر (کہیں) تم میرے پروردگار کی رحمت کے خزانوں کے

رَحۡمَۃِ رَبِّیۡۤ اِذًا لَّاَمۡسَکۡتُمۡ خَشۡیَۃَ الۡاِنۡفَاقِ ؕ

مالک ہوتے تو اس وقت ضرور تم (ان کے) خرچ ہو جانے کے اندیشہ سے (ہاتھ) روک لیتے۔

الصف

ف١٣٩ یعنی مدد اگر ممکن تھی تو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ممکن تھی لیکن اس کی مدد سے تو ان کا کفر انہیں محروم ہی رکھے گا۔ پھر ان کے مدد پانے کی اور کیا صورت ہے؟ کوئی نہیں! وَمَنۡ یَّھۡدِ...... دُوۡنِہٖ۔ تکوینی حیثیت سے ہدایت وضلالت دونوں کے اسباب کا آخری سرا بس اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ۔ یعنی جو کوئی اپنے عناد وتعنت کی راہ سے اپنے کو گمراہ ہی رکھتا ہے۔

ف١٤٠ (جیسا کہ یہاں دنیا میں انہوں نے اپنے کو حق کی طرف سے اندھا اور گونگا اور بہرا کر لیا تھا) ف١٤١ یعنی یہ نہ ہوگا کہ آگ ایک مرتبہ جلنے کے بعد رفتہ رفتہ سرد پڑ جائے گی، بلکہ دوزخ کی آگ ایسی ہوگی کہ اس کی تیزی برابر بڑھتی ہی رہے گی — عذاب نار کے ابدی اور غیر منقطع ہونے پر ایک اور دلیل۔ ف١٤٢ مذہب مادیت کوئی آج کی نو پیدائش نہیں۔ یونان قدیم میں بڑے بڑے "روشن خیال" "عقل پرست" پیدا ہو چکے تھے اور اس کی صدائے بازگشت عرب میں بھی پہنچ چکی تھی — عرب ظہور اسلام سے قبل جس طرح یہودیت، نصرانیت، مجوسیت، صابیت، بت پرستی ہر مذہب وملت کا نمائندہ تھا، مذہب، مادیت، روشن خیالی وعقلیت کا نمائندہ بھی تھا — تو اس قسم کی کج بحثیاں اسی فریق کے لوگ کیا کرتے تھے اور اپنے زعم میں عقلیت کی کوڑی بہت دور سے لا کر کہتے تھے۔ کہ یہ ممکن کیونکر ہے کہ جب ہڈیاں تک چور چور اور ریزہ ریزہ ہو چکیں گی اور سارے جسم سڑ گل چکیں گے اس کے بعد از سر نو پیدا کئے جائیں گے! ف١٤٣ یعنی اتنی موٹی اور سیدھی سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ جس قادر علی الاطلاق نے زمین وآسمان جیسی عظیم الشان ہستیوں کو بلا کسی سابق مادہ کے نیست سے ہست کر دیا، اس کے لئے انسان جیسی نسبۃً حقیر مخلوق کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا کیا مشکل ہے! اَوَلَمۡ یَرَوۡا۔ کیا یہ لوگ اتنی بات پر غور نہیں کرتے؟ ف١٤٤ (باوجود حشر وبعث پر دلائل قوی کے قیام کے) وَجَعَلَ لَہُمۡ اَجَلًا۔ کائنات انسانی کے حشر وبعث کے لئے تو ایک وقت معین وموعود ہے، اس لئے یہ سوال ہی بے معنی ہے کہ حشر وبعث اب تک کیوں نہیں ہوا؟ فِیۡہِ۔ یعنی اس میعاد مقرر کے آجانے پر بعث ثانی نہیں۔

وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى

انسان ہے ہی بڑا تنگ دل و۱۴۵ اور ہم نے موسٰی کو

تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ

نو کھلی ہوئی نشانیاں دی تھیں جب کہ وہ بنی اسرائیل کے پاس آئے تھے سو آپ ان سے

جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى

پوچھ دیکھئے و۱۴۶ پھر فرعون نے ان سے کہا میں تو تمہیں اے موسٰی سحر زدہ

مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ

سمجھتا ہوں و۱۴۷ انہوں نے کہا تو خوب جانتا ہے کہ یہ عجائب بس

اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ

آسمانوں اور زمین کے پروردگار ہی نے بھیجے ہیں اور میں تجھے

يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ

اے فرعون ہلاکت زدہ سمجھتا ہوں و۱۴۸ سو اس نے چاہا کہ ان کا قدم (اس) سرزمین سے

مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّ قُلْنَا

اکھاڑ دے سو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا و۱۴۹ اور ہم نے

مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا

اس کے (غرق ہونے کے) بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ روئے زمین پر رہو بسو پھر جب

جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَ بِالْحَقِّ

آخرت کا وعدہ آ جائے گا ہم تم (سب) کو سمیٹ لائیں گے و۱۵۰ اور ہم نے اس (کلام) کو حق کے ساتھ

اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا

نازل کیا اور وہ حق کے ساتھ نازل ہو گیا اور ہم نے آپ کو صرف بشارت دینے والا

و۱۴۵ (چنانچہ اس موقع پر بھی انسان بخل و تنگ دلی ہی سے کام لیتا) لَوْ اَنْتُمْ ...... رَبِّيْ۔ یعنی پروردگار عالم کی رحمتوں کے ذخیرہ کا جو غیر محدود ہے، مالک انسان ہوتا اور ان کی تقسیم اس کے اختیار میں ہوتی۔ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْ۔ لفظ عام ہے، ہر قسم کے کمالات اور جملہ اقسام نعمت پر شامل، لیکن خصوصیت کے ساتھ اشارہ نعمت نبوت کی جانب ہے۔ آیت میں فطرت بشری کا بیان ہے کہ انسان تو حرص و بخل کا پتلا ہے، یہاں تک کہ یہ نعمتیں غیر محدود ہیں ان کی بھی تقسیم میں اسے ڈر لگا رہتا ہے کہ یہ کہیں ختم نہ ہو جائیں۔ و۱۴۶ ان کے متدین اہل علم سے اس کی تصدیق و تحقیق کر لیجئے۔ تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ۔ ملاحظہ ہو پارہ ۹۔ رکوع کی آیت اول۔ و۱۴۷ (اور اس لئے عقل و ہوش سے عاری) سحر مصری کا ذکر پیشتر آ چکا ہے۔ و۱۴۸ یعنی تیری ہلاکت کا وقت آ پہنچا۔ اب اس میں زیادہ دیر نہیں۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کا یہ جواب قول فرعون اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا کے عین مقابل ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جواب ترکی بہ ترکی، جب کہ تسامح و رعایت میں کوئی مصلحت نہ ہو، کرم اور کمال اخلاق کے منافی نہیں۔ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ۔ یعنی اے فرعون تیرا یہ انکار دانستہ اور عمداً ہے۔ تو کسی غلط فہمی کا شکار نہیں۔ دل میں تو خوب میری صداقت کو سمجھ گیا ہے۔ انکار زبان ہی کئے چلی جا رہی ہے — بائبل کے بیانات سے بھی قرآن ہی کی تائید ہوتی ہے۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ حق تعالیٰ کا نام فرعون کے سامنے اسی حیثیت سے لینے میں ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ مصر میں اصلی حکومت جن دو بڑے دیوی دیوتاؤں کی تھی، ان میں سے ایک آسمان تھا دوسری زمین — ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ بَصَآئِرَ۔ یعنی وہ چیزیں جو نبوت موسوی کی تصدیق کر رہی تھیں۔ ای علامة لنبوتی (ابن عباس رضی اللہ عنہما) مَآ اَنْزَلَ ...... بَصَآئِرَ۔ یعنی یہ بات تو تجھ پر بھی خوب منکشف ہو چکی ہے کہ یہ عجائب و خوارق نہ میرے اپنے پیدا کئے ہوئے ہیں نہ کسی سحر کا نتیجہ ہیں نہ کسی دیوی دیوتا کی قوت کے نتائج ہیں۔ بلکہ تمام تر حق تعالیٰ ہی کے نازل کئے ہوئے معجزات میری نبوت کی تائید میں ہیں۔ و۱۴۹ یعنی قبل اس کے کہ وہ خدا پرستوں کو مٹا سکے وہ خود ہی ملیامیٹ کر دیا گیا۔ فرعون کی غرقابی پر مفصل حاشیے پارہ اول میں گزر چکے۔ يَسْتَفِزَّهُمْ۔ ضمیر بنی اسرائیل کی جانب ہے۔ آیت میں اشارہ فرعون کی اس کوشش کی جانب ہے کہ بنی اسرائیل کو مصر سے ملک بدر کر دے۔ و۱۵۰ (جس میں مومن و منکر، مطیع و فاسق سب ہی ملے جلے ہوں گے) والمعنى جئنا بكم من قبوركم الى المحشر اخلاطاً يعنى جميع الخلق المسلم والكافر والبر و الفاجر (کبیر) اسْكُنُوا الْاَرْضَ۔ یعنی اب تم فرعون مصر کی محکومی و غلامی سے آزاد ہو، جہاں چاہو رہو بسو۔ مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ یعنی غرقابی فرعون کے بعد۔ ای من بعد فرعون على معنى من بعد اغراقه (روح)

وَّ نَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى

اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۱۵۱ اور قرآن! تو ہم نے اسے جدا جدا رکھا ہے تاکہ آپ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر

مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ

ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے اتارا بھی تدریج سے ہے ۱۵۲ آپ کہہ دیجیے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ

(بہر صورت) جن لوگوں کو اس سے قبل علم دیا جا چکا ہے جب یہ ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ لا وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ

وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں ۱۵۳ اور کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا پروردگار

اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ

بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے ۱۵۴ اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں

يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ ۩ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ

روتے ہوئے اور یہ (قرآن) ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے ۱۵۵ آپ کہیے اللہ (کہہ کر) پکارو یا

ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ

رحمٰن (کہہ کر) پکارو جس نام سے بھی پکارو اس کے اچھے ہی اچھے

الْحُسْنٰى ۚ وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا

نام ہیں ۱۵۶ اور آپ (جہری) نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھے اور نہ (بالکل) چپکے ہی چپکے پڑھیے

وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ

اور ان دونوں کے درمیان ایک (متوسط) طریقہ اختیار کیجیے ۱۵۷ اور آپ کہیے کہ ساری حمد اسی اللہ کے لئے ہے جو

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ

نہ اولاد رکھتا ہے ۱۵۸ اور نہ حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے ۱۵۹

وقف لازم — السجدۃ ۴

۱۵۱ (اس لئے آپ پر کسی کے ایمان لانے نہ لانے کی کوئی ذمہ داری نہیں اور نہ آپ کو کسی کے ایمان نہ لانے پر زیادہ غم وتردد کی کوئی وجہ ہے) وَبِالْحَقِّ۔ یعنی بلا تحریف وترمیم وتصرف بعینہ اپنی اصلی حالت میں۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ۔ یعنی یہ کلام جس طرح اپنے مرسل کے پاس سے چلا تھا اسی طرح بلا تغیر وتصرف مرسل الیہ تک پہنچ بھی گیا۔ فهذا الكتاب كتاب تكفل الله بحفظه عن تحريف الزائغين وتبديل الجاهلين فكان هذا الكتاب حقًّا من كل الوجوه (کبیر) اَنْزَلْنٰهُ۔ ضمیر قرآن کی طرف ہے۔ ضمير الغائب للقرآن (روح) محققین نے کہا ہے کہ اس آیت کا ربط آیت نمبر (۸۸) لئن اجتمعت الانس والجن الخ سے ہے۔ فهو مرتبط بقوله تعالى لئن اجتمعت الانس والجن۔ اہل عرب کے ادب وانشاء میں یہ طریقہ عام تھا کہ ایک ذکر میں دوسرا اور پھر تیسرا اور پھر چوتھا ذکر نکالتے چلے آتے، اور پھر اسی پہلے ذکر کی طرف رجوع کرتے۔ وهكذا طريقة العرب فى كلامها تاخذ فى شىء وتستطرد منه الى اخر ثم الى اخر ثم الى اخر تعود الى ما ذكرته اوّلًا (روح) ۱۵۲ (تاکہ اس کے حفظ اور فہم دونوں میں سہولت رہے) فَرَقْنٰهُ۔ یعنی اسے سورتوں، آیتوں وغیرہ کے ذریعہ سے الگ الگ رکھا گیا ہے۔ اے انزلناه مفرقًا (راغب) اے جعلنا نزوله مفرقًا منجمًا (کشاف) اس کی دوسری تفسیر بیّنّاہ سے بھی آگئی ہے۔ یعنی ہم نے اسے کھول کر صاف صاف بیان کیا ہے۔ یا یہ کہ اس میں حق کو باطل سے ممتاز کر دیا ہے۔ اے بينا فيه الاحكام وفصلناه (راغب) يعنى فرقناه بالبيان عن الحق من الباطل (جصاص) لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ۔ یعنی تاکہ آپ کے اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے سے لوگ بہ آسانی فہم مطالب واستخراج مسائل کر سکیں۔ یعنی على تثبت وتوقف ليفهموه بالتامل ويعلموا ما فيه بالتفكر ويتفقهوا باستخراج ما تضمن من الحكم والعلوم الشريفة (جصاص) فانهٗ ايسر للحفظ واعون فى الفهم (بیضاوی) ۱۵۳ (بہ طور ادائے شکر واعتراف حقیقت کے) مطلب یہ ہوا کہ جو اہل علم قبل نزول سے موجود تھے وہ تو اس کتاب اور آخری نبی کے منتظر ہی تھے وہ اس کلام کو سن کر اپنی اگلی کتابوں کی پیشگوئیوں اور پیش خبریوں کی تصدیق پاتے ہیں اور قرآن کو پا کر سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں۔ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ۔ سجدہ کی اصل ہیئت کو محاورہ عرب کے مطابق "ٹھوڑیوں کے بل سجدہ" سے ادا کیا ہے۔ عن ابن عباسؓ قال للوجوه (جصاص) عن قتادة قال للوجوه (جصاص) الخرور للذقن اے السقوط على الوجه (کشاف) العرب تقول اذا خرّ الرجل فوقع على وجهه خر للذقن (کبیر) اَلَّذِيْنَ ...... قَبْلِهٖ۔ یعنی حق يسر علماء اهل كتاب. قال مجاهدهم ناس من اهل كتاب (کبیر) هم العلماء الذين قرؤا الكتب السابقة (بیضاوی) قَبْلِهٖ۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ اے من قبل نزول القرآن (کبیر) اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا۔ مشرکین کی جانب اس میں اشارہ حقارت ہے۔ یعنی تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ اس سے ہوتا کیا ہے۔ ۱۵۴ (سو جس کتاب کے نازل کرنے کا وعدہ اس نے جس نبی پر کیا تھا، اس کو پورا کر دیا) سُبْحٰنَ رَبِّنَا۔ یعنی ہر عیب سے پاک ہے۔ وعدہ خلافی کا اس کے ہاں گزر نہیں۔ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا۔ قرآن مجید نے اس تسبیح سجودی کو محل مدح میں بیان کیا ہے اور یہیں سے فقہاء نے یہ استدلال کر لیا ہے کہ سجدہ میں ذکر مسنون تسبیح ہی کا ہے۔ فهم بهذا القول عند السجود فدل على ان المسنون فى السجود من الذكر هو التسبيح (جصاص) ۱۵۵ خشیت حق سے گریہ طاری ہو جانا بہت سے لوگوں کے لئے ایک امر طبعی ہے اس کا محل فضیلت میں بیان ہونا بجائے خود ایک دلیل اس کے محمود ومطلوب ہونے پر ہے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نماز میں خوف خدا سے گریہ طاری ہونے سے نماز ٹوٹتی نہیں۔ فيه الدلالة على ان البكاء فى الصلوٰة من خوف الله لا يقطع الصلوٰة لان الله تعالى قد مدحهم بالبكاء فى السجود ولم يفرق بين سجود الصلاة وسجود التلاوة وسجدة الشكر (جصاص) حضرت عمرؓ ایک بار صبح کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے۔ جب آیۂ کریمہ انما اشكوا بثى وحزنى الى الله پر پہنچے تو شدت گریہ سے سسکیاں لینے لگے۔ یہاں تک کہ آخری صف میں آواز پہنچی۔ نمازیوں میں صحابہ تھے، کسی نے انکار نہ کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ فضیلت گریہ اجماعی ہے۔ عن عبد الله بن شداد قال سمعت تشيج عمرؓ وانى لفى اخر الصفوف وقرأ فى صلاة الصبح سورة يوسف حتى اذا بلغ انما اشكوا بثى وحزنى الى الله تشج ولم ينكر عليه احد من الصحابة وقد كانوا خلفه فصار اجماعًا (جصاص) يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا۔ یعنی یہ قرآن کا سننا ان میں اور خشوع بڑھا دیتا ہے یا یہ مراد ہو کہ ان کا حالت سجدہ میں یہ گریہ وبکا ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے اور اسی سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ خوف خدا سے گریہ کا طاری ہونا عین طاعت واخلاص کی دلیل ہے۔ یعنی به ان بكاءهم فى حال السجود يزيد هم خشوعًا الى خشوعهم وفيه الدلالة على ان مخافتهم لله تعالى حتى تودبهم الى البكاء داعية الى طاعة الله واخلاص العبادة (جصاص) اور احادیث نبوی تو فضائل گریہ خشیت الٰہی سے لبریز ہیں۔ وقد جاء فى مدح البكاء من خشيته تعالى اخبار كثيرة (روح) ۱۵۶ (تو اسے جس پاکیزہ نام سے بھی پکارو، مقصود ومطلوب وہی رہے گا) عرب میں حق تعالیٰ کے لئے اللہ کا لفظ بطور اسم ذات کے شروع سے چلا آ رہا تھا۔ یہود کے ہاں اسم الرحمٰن کا استعمال جاری تھا۔ اسلام نے دونوں الفاظ استعمال کرنے شروع کئے تو بعض "دانش مند" مشرکین نے کہنا شروع کیا کہ توحید کامل کے دعوے کے ساتھ یہ دو دو خدا کیسے؟ ـــ جواب ملا کہ دو خدا

وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ کَبِّرۡہُ تَکۡبِیۡرًا ﴿۱۱۱﴾ ع

اور نہ کوئی اس کا مددگار ہے کمزوری کی وجہ سے ف۱۶۰ اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیجیے ف۱۶۱

ع ۱۲/۱۱/۱۲

ایاتہا ۱۱۰ ۱۸ سُوۡرَۃُ الۡکَہۡفِ مَکِّیَّۃٌ ۶۹ رکوعاتہا ۱۲

اس کی ایک سو دس آیتیں سورۂ کہف مکی ہے اور بارہ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَ لَمۡ

ساری خوبی اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے بندۂ (خاص) پر کتاب نازل کی اور اس میں

یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ﴿۱﴾ قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا

(ذرا) کجی نہیں رکھی ف۱ قائم و مستقیم تاکہ عذاب سخت سے ڈرائے (جو)

مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَ یُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ

اللہ کے پاس سے ہو گا اور ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے رہتے ہیں خوش خبری

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ﴿۲﴾ مَّاکِثِیۡنَ فِیۡہِ

سنا دے کہ ان کے لئے (بڑا) اچھا اجر ہے ف۲ جس میں وہ ہمیشہ

اَبَدًا ﴿۳﴾ وَّ یُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ﴿۴﴾ مَا

رہیں گے ف۳ اور ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بیٹا بنایا ہے ف۴ اس (دعویٰ) پر کوئی دلیل

لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّ لَا لِاٰبَآئِہِمۡ ؕ کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ

نہ ان کے پاس ہے اور نہ ان کے باپ دادوں کے پاس تھی بڑی بھاری بات ہے جو ان کے

مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ ؕ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا ﴿۵﴾ فَلَعَلَّکَ

منہ سے نکلتی ہے یہ لوگ بالکل ہی جھوٹ بکتے ہیں ف۵ سو شاید آپ ان کے (اعراض کئے) پیچھے

کیسے! یہ تو صرف دو نام ہیں، ہستی اور ذات تو ایک ہی ہے اور نام اس کے پاک و پاکیزہ دو کیا معنی اور بھی بہت سے ہیں۔ ف۱۵۷ جس سے نہ کوئی ضروری منفعت فوت ہونے پائے اور نہ کوئی لازمی مضرت مرتب ہونے پائے) شروع شروع میں نماز جہری میں قرآن مجید کی قرأت بلند سے مشرکین معاندین چڑتے تھے اور طرح طرح کے خرافات بکنے لگتے تھے جس سے نمازیوں کے قلب میں بھی تشویش پیدا ہو جاتی تھی۔ اس لئے آپ کو ہدایت کی گئی کہ نماز میں جہر صرف اس حد تک رکھیے کہ بس نمازیوں کے کان تک آواز پہنچ جائے اور ان کی تعلیم میں کمی نہ رہ جائے۔ باقی اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ ف۱۵۸ (جیسا کہ مسیحیوں نے اور بہت سے مشرکوں نے سمجھ رکھا ہے) ف۱۵۹ (نہ کوئی دیوی نہ دیوتا، جیسا کہ جاہلی مذہبوں نے قرار دے رکھا ہے) ف۱۶۰ (جیسا کہ بعض جاہل قوموں نے فرض کر رکھا ہے) غرض یہ کہ حق تعالیٰ کی نہ کوئی اولاد ہے، نہ کوئی اس کا شریک، سہیم و مساوی ہے اور نہ کوئی اس کا حافظ و ناصر ہے — شرک کی ہر ممکن صورت اس سے منتفی ہے۔ ف۱۶۱ اسی کے دین توحید کو پھیلایئے، اسی کی ذات و صفات کی تبلیغ کرتے رہیے۔ محققین نے کہا ہے کہ عربی زبان میں مفہوم تعظیم و اجلال کے لئے لفظ تکبیر سے بڑھ کر اور جامع تر کوئی لفظ نہیں اور جب اس فعل کا امر مصدر اور پھر صیغۂ نکرہ کے ساتھ مؤکد ہو کر آئے تو زور اور وسعت کی انتہا ہی نہیں رہ جاتی۔ **والتکبیر ابلغ بلفظة للعرب فی معنی التعظیم والاجلال وفی الامر بذٰلک بعد ما تقدم مؤکدا بالمصدر المنکر من غیر تعیین اشارة الی انه مما لا تسعه العبارة ولا تفی به قوة البشریة** (روح)

ف۱ (نہ لفظی نہ معنوی) لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا۔ اس میں ہر قسم اور ہر درجہ کے عیب سے نفی آگئی۔ یعنی ایسی کتاب جو ہر پہلو اور ہر جہت سے کامل و جامع، پاکیزہ و اجمل ہے۔ نہ کہیں مبالغۂ شاعرانہ، نہ عبارت میں کہیں سے تناقض، نہ عقائد میں کوئی پہلو رمزیت اور پراسرار ہونے کا۔ ہر بیان مدلل، ہر حکم واضح۔ اس حقیقت پر اپنوں ہی کی نہیں غیروں کی شہادتیں موجود ہیں کہ دین اسلام کے اندر کسی قسم کا اینچ پینچ، کوئی کجی اور انحراف اور افراط و تفریط نہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ عَبۡدِہٖ۔ بندۂ خاص سے مراد رسول اللہ ﷺ کا ہونا اور الۡکِتٰبَ سے قرآن کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہٖ۔ سے محققین صوفیہ نے یہ نکالا ہے کہ مقام عبدیت کے مثل کوئی مقام نہیں اور رسول اللہ ﷺ اس پر فائز ہیں۔ ف۲ یعنی دوسروں کی زندگیوں کو قائم و مستقیم رکھنے والی) قَیِّمًا۔ دین قیم یا کتاب قیم کے سیاق میں اس کے معنی ہیں وہ چیز جو نہ صرف خود قائم ہو بلکہ مسائل معاش و معاد کا بھی پورا حل اپنے اندر رکھتی ہو اور بجائے خود ہی کامل و مکمل نہ ہو بلکہ دوسروں کو بھی تکمیل کرا دینے والی ہو۔ **قیمًا ای ثابتًا مقویًا لامور معاشهم ومعادهم** (راغب) **قیما بمصالح العباد فیکون وصفًا له بالتکمیل بعد وصفه بالکمال** (بیضاوی) لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا۔ یعنی اس غرض سے کہ یہ کتاب کافروں منکروں کو عذاب شدید سے ڈرائے۔ ''ڈرائے'' کا فاعل کتاب ہے اور مفعول ''کفار و منکرین''۔ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ۔ یہاں ایک بحث یہ چھڑ گئی ہے کہ کون کون سے نیک کام مقصود ہیں؟ اور مختلف حضرات نے اپنے اپنے مذاق و بصیرت کے مطابق ان کی فہرستیں بھی الگ الگ دی ہیں۔ لیکن سب سے بہتر یہ ہے کہ ہر وہ عمل مراد لی جائے جس سے مقصود حق تعالیٰ کی رضا ہو اور جو قواعد شرعی کے مطابق و ماتحت ہو۔ ف۳ انعام بڑا اور بہت بڑا، وہم و گمان سے بھی بڑا تو بہر حال ہو ہی گا ساتھ ہی اس کے دائمی، ابدی، غیر منقطع بھی ہو گا۔ فِیۡہِ۔ یعنی اس مقام اجر یا جنت میں۔ ف۴ یعنی مسیحیوں کو۔ جو رسول کو خدا کا بیٹا مانے ہوئے ہیں۔ اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا۔ اتخاذ ولد پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ۱) میں گزر چکا۔ وَیُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ۔ قرآن مجید کی عام انذاری حیثیت کا ذکر تو ابھی لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا میں آچکا ہے۔ اب اس پر اس یُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ الخ، کے عطف کے معنی یہ ہوئے کہ پہلی تہدید و تنبیہ تو عام تھی سارے منکروں اور ہر قسم کے کافروں کے لئے اور یہ جدید تہدید و تنبیہ خصوصیت کے ساتھ ہے اسی عقیدۂ ولدیت والے کافروں یعنی مسیحیوں کے لئے۔ ف۵ (اور ایسا مہمل اور خرافی عقیدہ رکھے ہوئے ہیں جو واقعہ کے خلاف تو ہے ہی، خود عقل کے بھی خلاف ہے اور جس کے صدق کا امکان ہی نہیں۔ بلکہ وہ عقلاً ممتنع ہے) عقائد شرکیہ مہمل تو سب کے سب ہی ہیں۔ لیکن حق تعالیٰ کے لئے بیٹا فرض کرنا اور بھی گستاخانہ اور سب سے بڑھ کر یہ مکروہ ہے جیسا کہ قرآن مجید کے اس زجر تاکیدی سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ۔ یعنی کسی قسم کی بھی دلیل عقلی اور کوئی بھی سند نقلی تو ان لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ علم یہاں سند اور دلیل کے معنی میں ہے۔ مِنۡ عِلۡمٍ۔ مِنۡ زائد، تاکید نفی کے لئے ہے۔ لِاٰبَآئِہِمۡ۔ یعنی ان کے احمق اسلاف جو اس قدر لغو، مہمل اور گستاخانہ عقیدہ کے موجد ہوئے ہیں۔ لفظ اٰباء سے عجب نہیں جو ایک لطیف اشارہ مسیحی پادریوں کے لقب کی جانب ہو۔ کَبُرَتۡ...... اَفۡوَاہِہِمۡ۔ ان کی زبانیں کیسے شدید گستاخانہ عقیدہ کا تلفظ کر رہی ہیں!

ف ۶ (جیسا کہ آپ کے شدت حزن اور افراط فکر اصلاح سے ظاہر ہو رہا ہے) اس میں آنحضور ﷺ کو ممانعت ہو رہی ہے کہ افراط شفقت سے اتنا غم ان نالائقوں کی خاطر نہ اٹھایئے کہ خود قریب بہ ہلاکت پہنچ جایئے۔ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ۔ یعنی ان کے اعراض و انکار کے بعد۔ اذا ولوا عن الایمان (بیضاوی) ف ۷ (اور کون ناقص و قاصر ٹھہرتا ہے) یہ گویا آیت سابق ہی کے مضمون کا تکملہ ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ تو عالم ابتلاء ہے اس میں تو تکوینا لازمی ہے کہ کوئی مبتلائے کفر ہو اور کوئی مشرف بہ ایمان اس لیے آپ کا غم مفرط بیکار ہے۔ مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا۔ اس روئے زمین پر زینت و آرائش کی جتنی بھی چیزیں ہیں، بجائے خود ان میں سے کوئی بھی حرام نہیں۔ صرف ان کا غلط طریقہ استعمال انہیں ناجائز بنا دیتا ہے۔ صحیح طریقہ استعمال وہی ہے جو شریعت کے ماتحت و مطابق ہو۔ ف ۸ (اور اپنی صنعت ایجاد کے بعد حکمت اعدام کا بھی نمونہ دکھا دیں گے) یعنی یہی آباد و سرسبز، شاداب و گلزار، بارونق و پر بہار زمین ایک روز چٹیل میدان ہو جائے گی۔ اور اس کائنات کی ساری رعنائیوں اور دلفریبیوں پر فنا طاری ہو کر اور قیامت آ کر رہے گی۔ اور اس حشر کے بعد سب کی جزا و سزا ہر ایک کے مناسب حال واقع ہو گی۔ ف ۹ قریش نے یہود کے اشارہ سے آنحضور سے جو چند سوالات کیے تھے، ان میں سے ایک یہ تھا کہ اصحاب کہف کون اور کیا تھے؟ قرآن مجید اس کے جواب میں ان کا صحیح قصہ بیان کرتا ہے۔ الْكَهْفِ۔ کہف کے لفظی معنی وسیع پہاڑی غار کے ہیں۔ الکھف

بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا

غم سے اپنی جان دے دیں گے اگر یہ لوگ اس مضمون (قرآنی) پر

الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ

ایمان نہ لائے ف ۶ ہم نے (اس) زمین پر جو کچھ ہے

زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَ اِنَّا

اسے اس کے لئے باعث رونق بنایا تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون بہتر ہے عمل کے لحاظ سے ف ۷ اور ہم

لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝ اَمْ حَسِبْتَ

اس پر کی تمام چیزوں کو ایک صاف میدان کر دیں گے ف ۸ کیا آپ خیال کرتے ہیں

اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا

کہ غار والے اور کتبہ والے ہماری نشانیوں میں کچھ تعجب کی چیز

عَجَبًا ۝ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا

تھے؟ ف ۹ (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب ان نوجوانوں نے غار میں جا کر پناہ لی۔ ف ۱۰ پھر بولے

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ

اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے پاس سے رحمت (وفضل) عطا کر اور ہمارے لئے (اس) کام میں

اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ

درستی کا سامان کر دے ف ۱۱ سو ہم نے غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک (نیند کا) پردہ

سِنِيْنَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ

ڈالے رکھا ف ۱۲ پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ہم معلوم کریں کہ (ان) دونوں گروہوں میں کون گروہ

اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ

(اس حالت میں) رہنے کی مدت سے زیادہ واقف ہے، ف ۱۳ ہم ہی ان کا قصہ آپ سے ٹھیک ٹھیک

ع ۱۲/۱۳

الغار الواسع فی الجبل (کبیر) اَصْحٰبَ الْكَهْفِ۔ کے کھلے ہوئے معنی ہیں غار والے۔ عام اس سے کہ وہ غار کہیں کا ہو۔ الرَّقِيْمِ۔ رقیم سے مراد کتبہ یا لوح مزار ہے۔ اصحاب کہف کے مزار پر ایک برنجی تختی لگا دی گئی تھی۔ جس پر ان کے نام، نسب اور مختصر حکایت درج تھی اور اسی مناسبت سے یہ اصحاب الرقیم بھی کہلائے۔ لوح رصاص نقش فیه نسبهم و اسمائهم و قصصهم و دینهم لامم هربوا و نقل ذٰلک عن الفراء و نقله السهیلی ایضاً والجوهری (تاج) دوسرے معنی اس مقام یا پہاڑ یا وادی کے کیے گئے ہیں جہاں وہ غار واقع تھا، یا اس شہر کے جہاں سے اصحاب کہف ہجرت کر کے گئے تھے۔ هی قریة اصحب الکهف التی خرجوا منها و فی تفسیر الزجاج کانوا فیها او جبلهم الذی کان فیه الکهف اوالوادی الذی فیه الکهف (تاج) لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور تابعین سے وہی پہلے معنی منقول ہیں۔ الرقیم هو اللوح من رصاص فیه اسماء الفتیة و قصتهم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) عن سعید بن جبیر قال لوح من حجارة کتبوا فیه قصص اصحاب الکهف ثم وضعوه علی باب الکهف (ابن جریر) لوح او حجر او شئ کتب فیه کتاب و قد قال اهل الاخبار ان ذٰلک لوح کتب فیه اسماء اصحاب الکهف (ابن جریر) شہر افسوس (بہ کسرۂ اول) جس کے کھنڈر پر موجودہ شہر ایا سلوک قائم ہے۔ سمرنا سے ۳۶ میل اور سمندر سے کل ۶ میل کے فاصلہ پر ایشیائے کوچک میں واقع تھا اور اسی کی نواح غالباً یہاں مراد ہے۔ مسیحی ادبیات میں اس کا ذکر کثرت سے آتا ہے۔ ہمارے قدیم جغرافیہ نویسوں نے بھی اس کا ذکر اسی حیثیت سے کیا ہے۔ ”شہر ہے ثغور طرسوس میں، اس کو شہر اصحاب کہف کہتے ہیں“ (مراصد الاطلاع یاقوت حموی ترجمہ اردو) ف ۱۰ یہ لوگ کون اور کس زمانہ کے تھے؟ قرآن مجید کو بحث و سروکار چونکہ صرف بصیرتوں و عبرتوں اور اخلاقی اسباق و نتائج سے رہتی ہے اس لیے وہ تاریخی و جغرافی تفصیلات کو اکثر نظر انداز کر دیتا ہے اور اس باب میں احادیث صحیح بھی تفصیل سے خاموش ہیں۔ مفسرین قدیم و جدید کی اکثریت نے اسے مسیحی دور کی حکایت قرار دیا ہے۔ رومی شہنشاہ ڈی سیس یا دقیانوس (متوفی ۔ ۲۵۱ء) اپنے مذہب بت پرستی میں غلو رکھتا تھا۔ مسیحی مذہب نیا نیا اسی کے زمانہ میں سلطنت روم میں پھیل رہا تھا۔ اس نے عیسائی موحدین پر سختی شروع کی۔ اس سے تنگ آ کر چند شریف نوجوان شہر سے نکل کھڑے ہوئے اور قریب کے ایک پہاڑی غار میں جا کر پناہ لی۔ وہاں ان پر ایک غیر طبعی، بلکہ خارق عادت نیند مسلط ہو گئی اور وہ کچھ اوپر تین سو سال تک سوتے رہے اور جب ایک اعجازی انداز سے جاگے تو خود رومی حکومت کا مذہب اسی درمیان میں شرک سے مسیحیت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ لیکن حافظ ابن کثیر نے اپنا خیال غالب یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ قصہ ظہور مسیح علیہ السلام سے قبل دور یہودیت کا ہے۔ ورنہ یہود اتنا اس کے کھوج میں نہ رہتے اور اس قدر اعتنا و التفات اس کی جانب نہ کرتے۔ و قد ذکر انهم کانوا علی دین المسیح عیسی ابن مریم فالله اعلم۔ والظاهر انهم کانوا قبل ملة النصرانیة بالکلیة فانهم لو کانوا علی دین النصرانیة لما اعتنی احبار الیهود بحفظ خبرهم (ابن کثیر) ہمارے زمانہ کے بھی بعض مصنفین نے حکایات اسرائیل سے یہ اخذ کیا ہے کہ یہ قصہ ۱۶۱ ق م کا ہے۔ جب ملک شام کے ظالم بادشاہ (انطیوکیس) چہارم نے بیت المقدس کو مسمار کر کے اس کی جگہ زمیس دیوتا کے مندر کی بنا ڈالی تھی اور مکابی خاندان کے پانچ یا سات بہادر نوجوان پہاڑ کے غار میں پناہ گزین ہو کر راہ حق میں شہید ہو گئے تھے۔ حق یہ ہے کہ جس قصہ کو حق تعالیٰ نے خود ہی مجمل رکھا ہو اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی تفصیل پر اعتنا کرنا ضروری نہ سمجھا ہو، اس کی تعیین جزم و وثوق کے ساتھ کرنا ہے بھی مشکل۔ اور پھر احکام دین میں سے کسی کا دار و مدار اس تفصیل و تعیین پر ہے بھی نہیں۔ فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ خوف فتنہ کے وقت انسان پر لازم ہے کہ اپنا دین سلامت لے کر اس مقام سے چلا جائے اور کلمہ کفر کے تلفظ سے تقیۃً بھی احتراز رکھے۔ فیها الدلالة علی ان علی الانسان ان یهرب بدینه اذا خاف الفتنة فیه وان علیه ان لا یعرض لا ظهار کلمة الکفر و ان کان علی وجه التقیة (جصاص)

نَبَاَهُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَ زِدۡنٰهُمۡ

بیان کرتے ہیں و۱۴ یہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے انہیں ہدایت میں ترقی

هُدًى ۖ⑬ وَّ رَبَطۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اِذۡ قَامُوۡا فَقَالُوۡا

دی تھی و۱۵ اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے جب وہ لوگ (پختہ اور) مستعد ہو گئے و۱۶ تو بولے

رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَا۟ مِنۡ

ہمارا پروردگار وہی تو ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے ہم تو اس کے علاوہ کسی

دُوۡنِهٖۤ اِلٰـهًا لَّقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا ⑭ هٰۤؤُلَاۤءِ

معبود کو نہ پکاریں گے ورنہ پھر تو ہم بڑی ہی بیجا بات کے مرتکب ہوں گے و۱۷ ان لوگوں (یعنی)

قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوۡ لَا يَاۡتُوۡنَ

ہماری قوم والوں نے اللہ کے علاوہ اور معبود قرار دے رکھے ہیں یہ لوگ ان معبودوں کے وجود پر

عَلَيۡهِمۡ بِسُلۡطٰنٍۢ بَيِّنٍ ؕ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى

کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لائے؟ سو اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ⑮ وَاِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ

جھوٹ تہمت لگائے؟ و۱۸ پھر جب تم انہیں بھی چھوڑ چکے اور ان معبودان غیر اللہ

اِلَّا اللّٰهَ فَاۡوٗۤا اِلَى الۡـكَهۡفِ يَنۡشُرۡ لَـكُمۡ رَبُّكُمۡ مِّنۡ

کو بھی، تو اب (فلاں) غار میں چل کر پناہ لو تم پر تمہارا پروردگار اپنی رحمت پھیلا

رَّحۡمَتِهٖ وَيُهَيِّئۡ لَـكُمۡ مِّنۡ اَمۡرِكُمۡ مِّرۡفَقًا ⑯ وَتَرَى

دے گا اور تمہارے کام میں تمہاری کامیابی کا سامان درست کر دے گا و۱۹ اور جب

الشَّمۡسَ اِذَا طَلَعَتۡ تَّزٰوَرُ عَنۡ كَهۡفِهِمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ

دھوپ نکلتی ہے تو تو اسے دیکھے گا کہ وہ ان کے غار سے داہنی جانب کو بچی رہتی ہے

و۱۱ یعنی ہمیں مقصد میں بھی کامیاب کر، اور ہمارے لیے ذرائع اور سامان بھی اپنی مرضیات کے مطابق مہیا کر دے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ جب انسان اپنے دین کے لیے خوف فتنہ سے ترک وطن کرے تو اسی طرح کی دعا حق تعالیٰ سے کرے کہ حق تعالیٰ نے اس دعا کو موقع مدح واستحسان میں پیش کیا ہے۔ یدل علی اللہ اذا اراد الھرب بدینه خوف الفتنة ان یدعوا بالدعاء الذی حکاہ اللہ عنھم لان اللہ قدرضی ذلک من فعلھم و اجاب دعاء ھم و حکاہ لنا علی جھة الاستحسان (جصاص) و۱۲ یعنی ایسے غافل ہو کر سوئے کہ کوئی آواز بھی ان کے کان میں نہ پہنچتی تھی۔ ای انمناھم انامة لا تنبھھم فیھا الاصوات (بیضاوی) ضَرَبۡنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمۡ۔ ضرب اذان سے عربی محاورہ میں کنایہ ہوتا ہے۔ سِنِيۡنَ عَدَدًا۔ عدد کا اضافہ یا تو تاکید کے لیے ہے اور یا کثرت عدد کے اظہار کے لیے ہے۔ ذکر اللہ علی سبیل التاکید و قیل ذکرہ یدل علی الکثرة (معالم) و۱۳ جب وہ لوگ اس خارق عادت نیند سے جاگے تو ان میں آپس میں یہ بحث شروع ہو گئی کہ ہمیں سوتے ہوئے کتنی مدت گزری۔ بَعَثۡنٰهُمۡ۔ اس گہری طویل نیند سے انہیں بیدار کیا۔ لِنَعۡلَمَ۔ یعنی تا کہ ہم اپنے اس علم کو خلق کے روبرو ہی مشاہدۃً وعیاناً لے آئیں۔ ای لنظھر لھم ما علمناہ من امرھم (بحر) الۡحِزۡبَيۡنِ۔ دوگروہوں سے مراد یا تو وہی اصحاب کہف کے اندر کے دو گروہ ہیں۔ یا ایک طرف وہ جاگنے والے اصحاب کہف اور دوسری طرف ان کے معاصر اہل شہر، اور جمہور اسی طرف گئے ہیں۔ و قال ابن عطیة والظاھر ان الحزب الواحد ھم الفتیة ای ظنوا بعثھم قلیلا والحزب الثانی ھم اھل المدینة الذین بعث الفتیة علی عھدھم و ھذا قول الجمھور من المفسرین (بحر) و۱۴ (اس افراط وتفریط، مبالغہ بیانی، وحاشیہ آرائی سب سے الگ کر کے جو عام طور سے اس قصہ سے متعلق شائع ہو چکی تھی) و۱۵ (کہ وہ تثلیث کے بجائے حسب تعلیم مسیح علیہ السلام توحید ہی پر قائم رہے) اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ۔ یعنی اپنے وقت کی باطل پرستیوں کو چھوڑ انہوں نے دین توحید اختیار کیا۔ و۱۶ (اور دین حق سے انہیں نہ کوئی ترغیب اور طمع پھیر سکی اور نہ کوئی دھمکی اور تخویف بھی) ڈی سیس (دقیانوس) رومی کے زمانہ میں موحد مسیحیوں پر (جو پولوس کی مشرکانہ تعلیم سے متاثر نہیں ہوئے تھے) جو جو مظالم اور جبر وستم ہوئے تھے، وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں — ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وَ رَبَطۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ۔ یعنی ہم نے ہمت، صبر، ثبات واستقلال دیکر ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے۔ و۱۷ ان سب اقوال سے جو بار بار اصحاب کہف کی زبان سے نقل ہوئے ہیں یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ہر طرح کے شرک سے بیزار اور توحید میں کامل وراسخ تھے۔ وہ مسیحی اگر تھے بھی تو صحیح معنیٰ میں۔ حضرت عیسیٰ نبی کے لائے ہوئے دین کے متبع تھے، نہ کہ پولوسی وتثلیثی نام نہاد "مسیحیت" کے! لَنۡ نَّدۡعُوَا۟ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰـهًا۔ اس انکار وتردید سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ان سے فرمائش شرک وبت پرستی کی کی جا رہی تھی۔ رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ۔ قدیم رومی مذہب میں زمین وآسمان کے مستقل دیوتا الگ الگ تھے — یہاں اسی کی تردید میں توحید کا اثبات ہو رہا ہے۔ و۱۸ یعنی اس کی ذات وصفات میں کسی شرکت کا گزر سمجھے۔ لَوۡ لَا يَاۡتُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِسُلۡطٰنٍۢ بَيِّنٍ۔ یہاں دلیل کا مطالبہ مشرکوں سے کیا ہے کہ تم اپنے دھرم کی حقانیت کے اگر قائل ہو تو لاؤ کوئی دلیل پیش کر کے تو دکھاؤ۔ و۱۹ یہ سب گفتگو اہل توحید کے آپس میں بہ طور مشورہ ہو رہی ہے۔ اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ۔ میں ضمیر هُمۡ۔ انھیں مشرک قوموں کی جانب ہے۔ فَاۡوٗۤا اِلَى الۡـكَهۡفِ۔ فلاں غار میں چل کر پناہ لو، کہ وہاں حکومت کے جور وستم سے بھی امن ملے گا اور اپنے طور پر ذکر وعبادت بھی بہ اطمینان وفراغت ہو سکے گی۔ يَنۡشُرۡ...... مِّرۡفَقًا۔ مخلص اہل توحید کا تکیہ واعتماد اپنے پروردگار کی رحمت وربوبیت پر اسی طرح ہوتا ہے۔

وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِيْ

اور جب وہ چھپتی ہے تو وہ ان سے کترا جاتی ہے بائیں جانب اور وہ اس (غار) کے

فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ

ایک کشادہ موقع میں تھے ف۲۰ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے ف۲۱ جسے اللہ ہدایت دیتا ہے

فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا

وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ بے راہ کر دیتا ہے تو آپ اس کے لئے نہ پائیں گے کوئی مددگار

مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ وَ تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ۖۗ

راہ بتانے والا ف۲۲ اور (تو ان کو دیکھتا تو) تو ان کو جاگتا ہوا خیال کرتا درآنحالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے ف۲۳

وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۖۗ وَ كَلْبُهُمْ

ہم ہی انہیں کروٹ دلاتے رہتے ہیں داہنی طرف بھی اور بائیں طرف بھی۔ اور ان کا کتا

بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ

دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے (بیٹھا) تھا ف۲۴ اگر تو انہیں جھانک کر دیکھتا

لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

تو تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا اور تیرے اندر ان کا رعب سما جاتا ف۲۵

وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ

اور اسی طرح ہم نے انہیں جگا دیا جس سے کہ وہ آپس میں پوچھ پاچھ کریں ف۲۶ (چنانچہ) ایک کہنے والے نے

مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ

ان میں سے کہا کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہو گے؟ (بعض ان میں سے) بولے کہ ہم دن بھر ٹھہرے ہوں گے یا دن بھر

قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ

سے کم (بعض اور) بولے کہ جتنی دیر تم ٹھہرے یہ تو تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے۔ تو اب اپنے میں سے کسی کو

ف۲۰ (اس لئے نہ ہوا سے محروم تھے نہ روشنی سے) کوہستانی غار اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ اندر ہی اندر بہت دور تک چلے جاتے ہیں۔ کہیں تنگ اور کہیں کشادہ۔ یہ جگہ جہاں یہ اصحاب کہف اہل توحید مقیم تھے تنگ نہ تھی۔ خوب کشادہ تھی۔ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ۔ یعنی اے مخاطب تو آفتاب کو اس کے طلوع کے وقت وہاں یوں دیکھتا۔ شہر افسوس کا عرض البلد درجہ ۳۰ شمال ہے۔ ایسے مقام پر جو غار شمال رویہ ہوگا۔ اس کے اندر سورج کی شعاعیں قدرۃً داخل نہ ہو سکیں گی۔ اور اس کے اندر کے رہنے والے اگر شمال ہی کی طرف رخ رکھیں گے تو دھوپ کی تیزی سے برابر امن میں رہیں گے — ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ تَّزٰوَرُ...... الشِّمَالِ۔ یعنی دھوپ نہ ان پر چڑھتے وقت پڑتی تھی، اور نہ ڈھلتے وقت۔ غار کی وضع وہیئت ہی ایسی تھی کہ غار نشین دھوپ کی اذیت سے امن میں رہتے۔ ذَاتَ الْيَمِيْنِ۔ ذَاتَ الشِّمَالِ۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یہ غار کی داہنی اور بائیں جانب یا تو اس میں داخل ہونے کے اعتبار سے ہے یا اس سے خارج ہونے کے۔ تقدیر اول پر وہ غار شمال رویہ ہوگا۔ اور تقدیر ثانی پر جنوب رویہ۔ ورنہ شرق رویہ یا غرب رویہ ہونے کی صورت میں یا تو ان پر طلوع کے وقت دھوپ پڑتی اور یا غروب کے وقت۔ ف۲۱ یعنی یہ قصہ جو اوپر مع اپنے جزئیات وتفصیلات کے بیان ہوا، یہ حق تعالیٰ کی قدرت، حکمت وربوبیت کی نشانیوں میں سے ہے۔ ف۲۲ یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ اس طرح کے نشانوں کو دیکھ کر سب ہی توحید کے قائل ہو جاتے لیکن ہدایت وہی پاتا ہے۔ جس کے شامل حال توفیق الٰہی ہوتی ہے اور جسے وہ ان کے پاداش عمل میں اپنے قانون تکوینی کے ماتحت گمراہ ہی رکھنا چاہتا ہے۔ ان کی ہدایت یابی کی بھی کوئی صورت نہیں۔ ف۲۳ یعنی اے مخاطب جس وقت وہ غار میں تھے، اور ہم نے اعجازی رنگ میں ان پر نیند مسلط کر رکھی تھی تو اگر انہیں کہیں دیکھ پاتا تو ان کے نورانی چہروں کی رونق وتازگی دیکھ کر انہیں جاگتا ہوا ہی سمجھتا — نوم ثقیل وغریق کی کوئی ظاہری علامت ان میں نمایاں نہ تھی۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ اسی طرح ذاکر بیدار دل حالت خواب میں بھی ایسا بے خبر نہیں ہو جاتا گو سوتے ہوئے کی طرح بے حس نظر آئے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جن کے جسم خلق کے ساتھ مشغول ہیں اور قلب حق تعالیٰ کے ساتھ۔ ف۲۴ (جیسا کہ اس جانور کی عام عادت ہے) کتا وہ جانور ہے جو فقہی حیثیت سے نجس ہونے کے باوجود اپنی وفاداری، آقا پرستی، حفاظت کرنے اور پہرہ دینے کے لئے مشہور ہے۔ ان بزرگوں کے پاس کسی ضرورت سے ہوگا، اور انہیں کے ساتھ خود بھی غار نشین ہو گیا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جنت میں دو جانور بھی ہوں گے۔ ایک بلعم باعور کا گدھا، دوسرا اصحاب کہف کا کتا۔ اس روایت کے صحیح وغیر صحیح ہونے سے قطع نظر صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ صحبت عجب اثر رکھتی ہے اور شیران خدا کی برکتیں سگ دنیا کو بھی بشرط صحبت ورفاقت شامل ہو جاتی ہیں اور بعض سالکین نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ صالحین کی مجالست وقرب بھی بہت غنیمت ہے، گو مجانست نہ بھی ہو۔ ف۲۵ ہیبت حق تو ہر اہل حق کا حصہ ہوتی ہے ان سوتے ہوئے حضرات کہف پر عجب نہیں جو اس مصلحت سے اور زیادہ طاری کر دی گئی ہو کہ ہر شخص کی ہمت ان کے قریب جانے کی نہ پڑے اور اس طرح ان کے جسم ہر طرح محفوظ رہیں۔ ف۲۶ (اور اس میں ان پر حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور زیادہ منکشف ہو) وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ۔ یعنی جس عجیب اعجازی رنگ میں ہم نے ان پر نیند مسلط کر دی تھی، اسی اعجازی انداز میں انہیں اس سے جگا بھی دیا۔ بَعَثْنٰهُمْ۔ یعنی انہیں اس نوم طویل وثقیل سے بیدار کر دیا۔ لِيَتَسَآءَلُوْا۔ میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی اس بیداری کا نتیجہ یہ ہوا، یہ مراد نہیں کہ وہ بیداری اس غرض سے کئے گئے تھے۔ واللام فيه لام العاقبة لانهم لم يبعثوا للسؤال (معالم)

بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى

یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو ف۲۷ سو وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا

طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا

پاکیزہ ہے ف۲۸ پھر اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے آئے اور خوش تدبیری (سے کام) کرے اور کسی کو

يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ

تمہاری خبر نہ ہونے دے ف۲۹ کہ اگر وہ تمہاری خبر پا لیں گے تو تمہیں سنگسار

يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا

کر ڈالیں گے یا تمہیں اپنے طریقہ میں پھر کر لیں گے اور اگر ایسا ہوا تو پھر کبھی

اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا

تمہیں فلاح نہ ہوگی ف۳۰ اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کر دیا تاکہ وہ جان لیں

اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ

کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں ف۳۱ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے)

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ

جب (اس زمانہ کے لوگ) ان کے معاملہ میں باہم جھگڑ رہے تھے سو ان لوگوں نے کہا کہ ان کے پاس کوئی عمارت

بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى

بنوادو ف۳۲ ان کا پروردگار ہی (ان کے احوال کو) خوب جانتا تھا۔ جو لوگ اپنے کام پر

اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ

غالب (وقادر) تھے انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک معبد بنادیں گے ف۳۳ عنقریب بعض لوگ کہیں گے

ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ

کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے کہ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا

ف۲۷ (کہ خوراک وغیرہ ضرورت کی چیزیں لائے) قَالَ...... يَمَا لَبِثْتُمْ۔ نیند اتنی غفلت کی اور ایسی بیہوشی کی تھی کہ ان لوگوں کو اس کی مدت کا بھی مطلق ادراک نہ ہوا، اور جب چیتے تو آپس میں پوچھ پاچھ کرنے لگے کہ ہم لوگ کتنی دیر سوئے ہوں گے۔ کسی نے کچھ اندازہ کیا کسی نے کچھ۔ آخر کسی نے کہا کہ اس تعیین وقت کی بحث کو تو اللہ کے حوالہ کرو اور اب کام کی بات کرو۔ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کنایہ محض وقت قلیل سے ہو۔ فقہاء نے ان کے اس قول سے جس پر قرآن نے کوئی گرفت نہیں کی، یہ نکالا ہے کہ ظن غالب کی بنا پر اگر اپنے اجتہاد سے کوئی بات کہہ دی جائے تو اگرچہ واقعہ کے خلاف ہو لیکن اس پر کذب کا اطلاق نہ ہوگا۔ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ۔ روپیہ سے یقیناً وہی سکہ مراد ہے جو دقیانوس رومی کے زمانہ میں چل رہا تھا اور اس سکہ پر رومی شہنشاہ کی تصویر کندہ رہتی تھی اسی وقت کے کچھ سکہ ان کی جیبوں میں پڑے ہوئے تھے۔ قال المفسرون كانت معهم دراهم عليها صورة الملك الذى كان فى زمانهم (کبیر) محققین نے یہیں سے یہ استدلال کیا ہے کہ سفر ہجرت میں زادراہ ہمراہ لے کر چلنا توکل کے منافی نہیں وحملهم الورق عند فرارهم دليل على ان حمل النفقة وما يصلح للمسافر هو رأى المتوكلين على الله دون المتكلين على الاتفاقات (مدارک) وحملهم له دليل على ان التزود راى المتوكلين (بیضاوی) وهذه الأية تدل على ان السعى فى امساك الزاد امر مهم مشروع وانه لا يبطل التوكل (کبیر) فقہاء نے آیت سے اس صورت کا جواز نکالا ہے کہ کئی انسان (مثلاً سفر میں) اپنے مشترک سرمایہ سے خریدیں اور سب اس میں سے کھائیں خواہ ایک کے کھانے کی مقدار دوسرے سے زیادہ ہو۔ يدل على جواز خلط دارهم الجماعة والشرى بها والاكل من الطعام الذى بينهم بالشركة وان كان بعضهم قد ياكل اكثر مما ياكل غيره وهذا الذى يسميه الناس المنابذة ويفعلونه فى الاسفار (جصاص)

ف۲۸ اہل توحید کو ہمیشہ غذاؤں میں حلت وحرمت کا خیال رہا ہے اور بتوں کے چڑھاوے وغیرہ سے محترز رہے ہیں۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جس طرح اصحاب کہف نے بجائے کسی سے سوال کرنے کے کھانا قیمتہً خرید نا پسند کیا، طالبوں اور سالکوں کو بھی چاہیے کہ ہمت بلند رکھیں اور خلق سے سوال ترک کر دیں۔ اَزْكٰى طَعَامًا۔ بعض نے اس کی تفسیر لذیذ ونفیس کھانے سے بھی کی ہے۔ قيل انها اطيب والذ (کبیر) اور یہیں سے ہے کہ بعض صوفیہ نے بعض دینی مصلحتوں سے لذیذ ونفیس کھانوں ہی کو پسند کیا ہے۔ ف۲۹ (ورنہ حکومت کی طرف سے گرفتاری، تلاشی اور سزا یابی یقینی ہے) وَلْيَتَلَطَّفْ۔ یعنی ایسی خوش تدبیری سے کام لے کہ کسی کو اس پر حکومت کے مجرم یا باغی ہونے کا شبہ نہ ہونے پائے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ سالکین کو معاملت میں ہر ایک کے ساتھ لطف ورفق برتنا چاہیے۔ ف۳۰ (اور تم شرک وارتداد کی ملعونیت ونحوست کے چکر میں پڑے رہو گے) اِنَّهُمْ۔ یعنی مشرک اہل شہر یا مشرک اہل حکومت۔ يَرْجُمُوْكُمْ۔ سزائے سنگساری دنیا کی قدیم ترین سزاؤں میں سے ہے اور اس پر تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ شہنشاہ ڈی سیس (دقیانوس) کے زمانہ میں جو مشرک مسیحیت اختیار کر لیتے تھے وہ مرتد سمجھے جاتے اور شدید ترین عقوبت کے مستحق قرار پاتے۔ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ۔ یعنی یہ بت پرست حکومت ترغیب یا ترہیب سے، طمع یا خوف کے پھندے لگا کر تمہیں پھر دین توحید سے بچلا کر دین شرک میں واپس لے لیں گے۔ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا۔ یعنی جب ملت کفر میں شریک وشامل ہو گئے تو پھر تو فلاح دنیا وآخرت سے محرومی ہی رہے گی۔ اى ان رجعتم الى دينهم لن تسعدوا فى الدنيا ولا فى الأخرة (کبیر)

ف۳۱ اصحاب کہف کی غار نشینی کو کوئی تین سو سال کی مدت ہوئی تھی کہ دنیائے مسیحیت میں یہ سوال زور شور سے چھڑ گیا کہ عقیدہ نشر وجزائے جسمانی آیا صحیح ہے بھی؟ وقت کا ایک مشہور پادری تھیوڈر حشر اجساد کا صاف منکر تھا۔ بحث ومباحثہ کے عین شباب کے زمانہ میں اصحاب کہف اپنی نوم طویل سے جاگے۔ اور ان کے عجیب معاملہ کا علم عوام وخواص سب کو ہوا۔۔۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ۔ یعنی جس طرح ہم نے اپنی خاص قدرت وحکمت سے ان اصحاب کہف کو سلایا اور جگایا تھا۔ اسی طرح اپنی خصوصی حکمت وقدرت سے عام خلقت کو ان کے حال پر مطلع بھی کر دیا۔ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ یعنی تاکہ ان کے معاصرین کو بھی یقین آجائے کہ حق تعالیٰ کا وعدہ حشر ونشر کے باب میں سچا ہے۔۔۔ ایک بڑا مانع عقیدہ حشر ونشر کے قبول میں عام ذہنوں میں اس کا استبعاد رہتا ہے۔ واقعہ اصحاب کہف یعنی ان کی طویل نیند اور بیداری سے اہل مادیت کو واقعہ بعث وحشر کی ایک سند ونظیر ہاتھ آجاتی ہے۔ اور ذہن سے استبعاد دور ہو جاتا ہے۔ وہ صاحب جو روپیہ لیکر کھانا خریدنے چلے تھے۔ جب بازار پہنچے تو چونکہ قرنہا قرن کی مدت گذر چکی تھی۔ شہریوں کے وضع، لباس، زبان، مکانات، سب ہی کی ہیئت بالکل بدل چکی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حکومت کا تختہ الٹ چکا تھا۔ اور بادشاہت اب بجائے دشمنان مسیحیت کے خود مسیحیوں کی قائم تھی۔ وہ صاحب اپنے صدیوں قبل کے لباس ووضع کے باعث یوں ہی تماشہ بنے ہوئے تھے اور جب انہوں نے جیب سے نسلوں قبل کا سکہ نکالا، جب تو لوگوں کی حیرت اور بدگمانی بدرجہا بڑھ گئی۔ سب نے انہیں گھیر لیا اور انہیں حیران وپریشان ہو کر مجبوراً اپنا پتہ بتانا اور اپنی سرگذشت دہرانی پڑی اور کچھ لوگ ان کے بیان کی تصدیق کے لئے آخر ان کے ساتھ غار کے دہانہ تک آئے۔ ف۳۲ (کہ اس حیرت انگیز وعظیم الشان واقعہ کی یادگار قائم ہو جائے) اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ۔ یعنی جب لوگوں میں اس امر پر گفتگو ہو رہی تھی کہ ان بزرگوں کی نعشوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ ہوا یہ کہ جب لوگ ان کی زیارت کو جوق در جوق آنے

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف بلغ التاء بعد الياء من النصف الأول و اللام الثانية من النصف الأخير ۱۲

لگے۔ اور غار کے دروازہ پر میلہ سا لگنے لگا تو ان حضرات کو وفات دے دی گئی۔ اور اب گفتگو یہ ہونے لگی کہ ان مقدس جسموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اِبۡنُوۡا عَلَیۡہِمۡ بُنۡیَانًا۔ عَلَیۡہِمۡ سے ان کے غار کے اوپر۔ ان کے غار کے دروازہ پر۔ اے علی باب کھفھم (مدارک) ف۳۳ (تاکہ اس امر کی علامت قائم رہے کہ یہ لوگ عابد و اہل توحید تھے۔ کوئی انہیں معبود نہ بنا لے) جو غار اصحاب کہف کی جانب منسوب ہے اس کے دہانہ پر ایک مسیحی خانقاہ اب بھی موجود ہے — ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ الَّذِیۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰۤی اَمۡرِہِمۡ۔ یعنی حکام وقت۔ قال قتادة هم الولاة (بحر) قيل المراد به الملک المسلم وقیل رؤساء البلد (کبیر) عَلَیۡہِمۡ۔ یعنی اس غار کے اوپر۔ غار کے دہانہ پر۔ اے علی باب الکھف (مدارک) مَّسۡجِدًا۔ مسجد یہاں معبد یا پرستش گاہ کے عام معنی میں ہے۔ اسلامی مسجد کے اصطلاحی معنی میں نہیں۔ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیۡہِمۡ مَّسۡجِدًا۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر کسی زمانہ میں مسجد کے بنانے سے بجائے مصالح کے مفاسد کا ظہور ہونے لگے تو مسجد بنانا جائز نہ رہے گا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مسجد سے وہ قصد نہ تھا، جو جاہلوں کا قبور کے پاس مسجد بنانے سے ہوتا ہے۔ اس لئے قبر پرستوں کو کوئی حجت ونظیر اس سے نہیں مل سکتی۔ ف۳۴ یعنی بغیر کسی علم صحیح کے، محض ظن وتخمین سے۔ رَجۡمًۢا بِالۡغَیۡبِ کے لفظی معنی بغیر دیکھے بھالے تیر پھینکنے کے ہیں۔ محاورۂ عرب میں اس سے مراد وہی ہوتی ہے جو اردو میں "اٹکل کے تکے چلانے" سے۔ اور یہ شرعاً ممنوع بھی ہے — محض اٹکل اور ظن وگمان سے بغیر کسی سند عقلی یا شرعی کے کام لینا اور چیز ہے اور دلیل شرعی سے حسب قواعد استخراج نتائج کرنا بالکل اور چیز۔ اول الذکر لغو وممنوع، ثانی الذکر جائز ہی نہیں، محمود ومستحسن۔ بلکہ بعض اوقات ضروری اور واجب۔ سَیَقُوۡلُوۡنَ۔ یعنی آپ جس وقت یہ صحیح قصہ بیان کریں گے۔ ان کے معاصرین یہ رائے زنی شروع کر دیں گے۔ سَیَقُوۡلُوۡنَ میں س مستقبل کا ہے۔ الضمير فيه كما اختاره ابن عطيه، بعض المحققين لليهود المعاصرين له صلی اللہ علیہ وسلم الخائضين فى قصة اصحب الكهف (روح) ف۳۵ (اور اس نے قرآن سے اس کا کوئی فیصلہ کیا نہیں ہے) لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ اسی آخری عدد کے قائل ہوئے ہیں اور مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ آیت سے بھی اشارۃً اس کی صحت مفہوم ہوتی ہے کیونکہ اس اخیر قول کو نقل کرکے اسے رد نہیں فرمایا گیا۔ واللہ اعلم۔ قال اكثر المفسرين هذا الاخير هو الحق ويدل عليه وجوه (کبیر) ف۳۶ (کیونکہ ضروری کی تعلیم تو وحی سے ہو گئی۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے غیر ضروری ہے) فَلَا تُمَارِ…… ظَاہِرًا۔ یعنی آپ وحی کے مطابق نفس قصہ تو بیان کر دیجیے۔ باقی اس کے آگے بحث ومباحثہ میں نہ پڑیے۔ مَا یَعۡلَمُہُمۡ اِلَّا قَلِیۡلٌ۔ اور انہیں قلیل اشخاص میں ایک عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صحابی وترجمان القرآن ہیں۔ وکان ابن عباس يقول انا من اولئک العدد والقليل (کبیر) ف۳۷ یعنی آپ سے جب کوئی شخص کوئی بات جواب طلب دریافت کرلے۔ اور آپ اس سے آئندہ جواب کا وعدہ کریں تو لفظ ان شاء اللہ تعالیٰ یا کوئی اور لفظ اس کے مرادف ضرور کہہ دیا کریں اور ایک وعدہ ہی کی تخصیص نہیں، اس کا لحاظ ہر امر میں رکھیں۔ آیت کی شان نزول یا آج کل کی اصطلاح میں پس منظر یہ ہے کہ ایک بار منکرین نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات بطور امتحان دریافت کیے۔ ایک یہ کہ ماہیت روح کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ اصحاب کہف کون تھے؟ تیسرے یہ کہ ذوالقرنین کا کیا قصہ ہے؟ آپ نے وحی الٰہی کے بھروسہ پر وعدہ کر لیا کہ کل جواب دوں گا۔ اتفاق سے وحی پندرہ دن تک نہ آئی۔ آپ کو قدرۃً غم وصدمہ رہا۔ اس کے بعد وحی سے سوالات کے جوابات بھی ملے اور یہ حکم بھی۔ لِشَایۡءٍ۔ شیء تنوین کے ساتھ نکرہ ہے۔ مفہوم عموم واستغراق کے لیے۔ گویا یہ بتا دیا کہ اپنے چھوٹے بڑے ہر ارادہ کو ارادۂ الٰہی پر معلق اور اس سے وابستہ رکھیے۔ اس چھوٹی سی تعلیم سے ایک طرف تو رد نکل آیا معتزلہ کا جو بندہ کو بعض افعال کا خالق وموجد قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف جبریہ کا جو بندہ کو جماد و مجبور محض مانتے ہیں۔ صحیح مسلک اہل سنت کا یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال پر قادر تو ہے لیکن مشیت الٰہی کے بعد اور اس کے ماتحت۔ غَدًا۔ غد سے مراد مطلق زمانہ مستقبل ہے، نہ کہ متعین ومخصوص (کل) ہی کا دن۔ اے فی ما يستقبل من الزمان ولم يرد الغد خاصة (کشاف) اے فی ما يستقبل من الزمان مطلقا (روح) اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ۔ اِلَّا حرف استثناء ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے الا ان تقول ان شاء اللہ۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ یہاں قول کے لیے زبانی تلفظ شرط نہیں۔ اس لیے کہ مسئلہ اعتقادیات سے متعلق ہے اور اعتقادیات میں محض تصدیق قلبی کافی ہے۔ ف۳۸ یعنی میری نبوت پر دلیل بننے کے اعتبار سے کوئی بات اس سے بھی بڑھ کر بتلائیے۔ منکروں نے یہ قصہ اصحاب کہف سے متعلق سوال کرکے اپنے نزدیک کوئی بہت بڑا امتحان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لے ڈالا تھا۔ آپ کو یہ کہنے کی ہدایت ہو رہی ہے کہ میں تو اپنی نبوت پر دلائل خدا کے فضل سے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر رکھتا ہوں۔ معناه لعل الله يؤتينى من البينات والدلائل على صحة انى نبى ما هو اعظم فى الدلالة واقرب رشدا من نبا اصحاب الكهف (کبیر) اے اظهر دلالة على انى نبى من نبا اصحاب الكهف (بیضاوی) وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ۔ یعنی جیسے ہی خیال آجائے اور تنبیہ ہو جائے، مشیت الٰہی کا استحضار کر لیا کیجیے۔ واذكر ربک اے مشية ربک (مدارک) ف۳۹ یعنی حساب شمسی مسیحی رکھو تو پورے تین سو سال اور حساب قمری اسلامی رکھو تو ۳۰۹ سال تین سال کا فرق ہر صدی میں سنہ قمری اور سنہ شمسی کے درمیان ہو جایا کرتا ہے۔ اکابر سلف سے بھی یہی سہل تفسیر

كَلۡبُہُمۡ رَجۡمًۢا بِالۡغَیۡبِ ۚ وَ یَقُوۡلُوۡنَ سَبۡعَۃٌ وَّ ثَامِنُہُمۡ

کتا تھا اٹکل کے تکے ف۳۴ اور (بعض) کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا

كَلۡبُہُمۡ ؕ قُلۡ رَّبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِہِمۡ مَّا یَعۡلَمُہُمۡ اِلَّا

کتا تھا آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار ہی ان کا شمار خوب جانتا ہے ف۳۵ ان (کے شمار) کو کوئی نہیں جانتا بجز

قَلِیۡلٌ ۬ فَلَا تُمَارِ فِیۡہِمۡ اِلَّا مِرَآءً ظَاہِرًا ۪ وَّ لَا

قلیل کے۔ پس آپ ان کے باب میں (زیادہ) بحث نہ کیجیے بجز سرسری بحث کے اور آپ

تَسۡتَفۡتِ فِیۡہِمۡ مِّنۡہُمۡ اَحَدًا ﴿٢٢﴾ وَ لَا تَقُوۡلَنَّ

ان کے باب میں ان لوگوں سے کسی سے بھی نہ پوچھیے ف۳۶ اور آپ کسی چیز کی نسبت یہ نہ

لِشَایۡءٍ اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا ﴿٢٣﴾ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ۫

کہا کیجیے کہ میں اسے کل کر دوں گا سوا اس (صورت) کے کہ اللہ بھی چاہے ف۳۷

وَ اذۡکُرۡ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیۡتَ وَ قُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّہۡدِیَنِ

اور اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کیجیے جب آپ بھول جائیے اور آپ کہہ دیجیے کہ عجب نہیں جو میرا پروردگار مجھے

رَبِّیۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ ہٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾ وَ لَبِثُوۡا فِیۡ

باعتبار راہنمائی کے اس سے بھی قریب تر (بات) بتائے ف۳۸ اور وہ (لوگ) اپنے غار میں

کَہۡفِہِمۡ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیۡنَ وَ ازۡدَادُوۡا تِسۡعًا ﴿٢٥﴾

تین سو برس تک رہے اور نو برس اور رہے ف۳۹

قُلِ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا ۚ لَہٗ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ

آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی اس کو خوب جانتا ہے کہ وہ کتنا رہے تھے۔ اسی کے لئے (علم) غیب آسمانوں اور

وَ الۡاَرۡضِ ؕ اَبۡصِرۡ بِہٖ وَ اَسۡمِعۡ ؕ مَا لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ

زمین کا ہے ف۴۰ وہ کیا کچھ دیکھنے والا ہے اور کیا کچھ سننے والا! ان کا اللہ کے سوا کوئی بھی

ع ۳ / ۱۵

مروی ہے۔ بلکہ ایک روایت میں تو خود حضرت علی ﷺ سے ہے۔ حکی النقاش انها ثلث مائة شمسية ولما كان الخطاب للعرب زيدت التسع اذ حساب العربية هو بالقمر لاتفاق الحسابين (بحر) وروی عن علیؓ انه قال عند اهل الكتاب انهم لبثوا ثلثماة شمسية والله تعالى ذكر ثلثمائة قمرية (معالم) كان مقداره ثلثمائة سنة تزيد تسع سنين بالهلالية وهي ثلثمائة سنة بالشمسية فان تفاوت ما بين كل مائة سنة بالقمرية الى الشمسية ثلاث سنين (ابن کثیر) فالثلا ثمائة الشمسية ثلاثمائة وتسع قمرية (جلالین) قيل هو الاشارة الى انها ثلاثمائة بحساب اهل الكتاب واعتبار السنة الشمسية وثلثمائة وتسع بحساب العرب واعتبار السنة القمرية وقد نقله بعضهم عن علیؓ (روح) قدیم مسیحی روایتوں اور نوشتوں میں یہ مدت ۳۰۷ سال درج ہے اور بعض نسخوں میں ۳۵۳ سال ۔۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ خارشینی کا زمانہ اگر (قول اکثر کے مطابق) ۲۴۹ء فرض کیا جائے تو اس پر ۳۰۰ سال شمسی اضافہ کرنے سے ۵۴۹ء برآمد ہوتے ہیں یعنی میلاد رسول ﷺ (۵۷۰ء) سے ۲۱ سال اور ہجرت نبوی (۶۲۲ء) سے تقریباً ۷۲ سال قبل۔ لَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ۔ فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ ظالموں سے فرار کر جانا جائز ہے بلکہ اولیاء و انبیاء کے معمولات میں سے ہے۔ فيه جواز الفرار من الظالم وهي سنة الانبياء والاولياء (ابن العربی) ف۴۰ یعنی مخلوق کے اعتبار سے

مِنْ وَّلِيٍّ ؗ وَّ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَ اتْلُ

کارساز نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے ف۴۱ اور آپ پڑھ دیا کیجیے

مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ؕ لَا مُبَدِّلَ

جو کچھ وحی آپ پر آپ کے پروردگار کی کتاب کے ذریعہ سے آئی ہے۔ کوئی بدل اس کی

لِكَلِمٰتِهٖ ۚۛ وَ لَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

باتوں کا نہیں ہو سکتا اور نہ آپ اس کے سوا کوئی پناہ ہی پائیں گے ف۴۲

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ

اور آپ اپنے کو مقید رکھا کیجیے ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں

بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ

صبح و شام محض اس کی رضاجوئی کے لئے ف۴۳ اور اپنی آنکھوں کو ان سے

عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ لَا تُطِعْ

نہ ہٹائیے دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے اور اس شخص کا کہنا نہ مانئے

مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ

جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے

وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ

اور اس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے ف۴۴ اور آپ کہہ دیجیے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے آچکا ہے سو جس

شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا

کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے ف۴۵ ہم نے ظالموں کے لئے آگ

لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَ اِنْ

تیار کر رکھی ہے اس کی قناتیں ان کے گھیرے ہوں گی اور اگر

جو کچھ بھی غیب ہے، سب کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے ۔۔ ایک اسی واقعہ مدت خواب اصحاب کہف پر کیا موقوف ہے اس پر تو چھوٹا بڑا ہر واقعہ روشن ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ صحیح علم اللہ ہی کو ہے اور جب اس نے یہ مدت قطعی طور سے بتا دی، تو اب کسی چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں۔ ف۴۱ (کہ وہ شریک مشورہ ہی ہو کر کسی کی نفع رسانی یا ضرر رسانی کی رائے دے سکے) خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ کا نہ کوئی مزاحم ہو سکتا ہے نہ کوئی شریک کار ۔۔ شرک کی جڑ ہر طرح کٹ کر رہتی ہے۔ اَبْصِرْ بِهٖ وَ اَسْمِعْ کلمۂ حیرت ہے۔ یعنی وہ کیسا کچھ ان لوگوں اور ان کے حالات کا دیکھنے والا، جاننے والا ہے؟ ما ابصره واعلمه بهم وشانهم (ابن عباس ﷺ) هذه كلمة تذكر في التعجب والمعنى ما ابصره وما اسمعه (کبیر) مَا لَهُمْ میں ضمیر ھم۔ اهل السمٰوٰت والارض کی جانب ہے۔ اى لاهل السمٰوٰت والارض المدلول عليه بذكرهما (روح) ف۴۲ (اگر بفرض محال مخالفین کی آپ نے ایسی دلجوئی کرنا چاہی کہ احکام الٰہی ہی ترک ہو گئے) حاصل یہ کہ رؤسا کفار کی طرف سے آپ پورا استغناء برتئے۔ وَاتْلُ...... رَبِّكَ۔ یعنی وحی الٰہی کی تبلیغ تو آپ پر فرض ہے لیکن اس سے آگے بڑھ کر اسی فکر اور وہم میں نہ پڑیے کہ مخالفین کی دلجوئی اگر نہ کی گئی تو دین کی اشاعت وترقی کیونکر ہو گی۔ امام رازی ؒ نے یہ معنی قرار دیئے ہیں کہ آپ وحی کی تعلیم اور اس پر عمل میں لگے رہئے اور منکروں معاندوں کے طنز و تشنیع کی طرف التفات ہی نہ کیجئے جعل الاصل في هذا الباب شيئا واحدا وهوان يواظب على تلاوة الكتاب الذى اوحاه الله اليه والعمل به وان لا يلتفت الى اقتراح المقترحين وتعنت المتعنتين (کبیر) لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ۔ اور اسی لئے کسی مخالف معاند کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ اللہ نے جو وعدے کر رکھے ہیں انہیں وہ پورے ہونے سے روک دے۔ کلمات کے تحت میں اللہ کے وعدے شامل ہیں۔ مُلْتَحَدًا کے معنی جائے پناہ کے ہیں۔ اتفقوا على ان الملتحد هو الملجا (کبیر) ف۴۳ (نہ کہ کسی دنیوی غرض باطل سے) وصف ان مومنین کے اخلاص کامل کا بیان ہو رہا ہے۔ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ۔ یعنی علی الدوام۔ دو وقتوں میں حصر مقصود نہیں۔ المراد كونهم مواظبين على هذا العمل في كل الاوقات (کبیر) شاع استعمال مثل هذه العبارة للدوام (روح) ف۴۴ (خواہش نفس کی پیروی میں) وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ۔ محاورہ میں اس سے مراد بے توجہی، بے اعتنائی کرنے سے ہے۔ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ رسول اللہ ﷺ کو جوش وانہماک تبلیغ میں قدرۃً اس کی فکر زیادہ رہا کرتی تھی کہ رؤسا قریش میں سے کوئی ایمان لے آئے تو امت کے جمال وکمال میں نمایاں اضافہ ہو جائے۔ آیت میں اشارہ اس جانب ہے کہ امت کا جمال وکمال اس ظاہری ساز وسامان دنیوی اور مال وجاہ مادی سے نہیں، بلکہ وہ اخلاص واطاعت کاملہ سے ہے۔ خواہ ان کے وجود کا تحقق فقراء وغرباء وعوام الناس ہی میں ہو۔ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا۔ عناد ارادی کا وبال یہ پڑتا ہے کہ حق کے لئے قلب میں کوئی طلب باقی نہیں رہ جاتی۔ اور اسی سزا کو تکوینی طور پر اپنی جانب بحیثیت مسبب الاسباب کے منسوب کر دیا گیا ہے۔ وَ لَا تُطِعْ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے۔ اس لئے اتباع فساق حرام ہے۔ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ اغنیاء کی طرف ایسا میل وتواضع جس کی بنیاد ان کا غنا ہو آیت اس کی مذمت میں ہے۔ آیت آج کل کے بہت سے ”مصلحین“ کے لئے قابل غور ہے۔ آج ہر ”اصلاح“ پر زور (خواہ وہ عقاید سے متعلق ہو یا اعمال سے) سب سے زیادہ اسی پہلو سے دیا جاتا ہے کہ اس سے مسلمانوں کی مالی ومعاشی حیثیت چمک جائے گی یا اس سے مسلمان سیاسی اقتدار حاصل کر لیں گے وقس علی ہذا۔ غرض مقصود ومطلوب ہر ”اصلاح“ سے کسی نہ کسی پہلو اور اعتبار سے یہی دنیا اور اس کی سربلندیاں ہی رکھی جاتی ہیں ۔۔ تعلیم قرآنی اس ذوقِ فاسد سے کس درجہ ابا کرتی ہے! ف۴۵ بندہ ہی کے اختیار میں ہدایت بھی ہے اور کفر کی ذمہ داری بھی بندہ ہی پر ہے۔ حق تعالیٰ مجبور کسی کو بھی نہیں کر رہا ہے۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی حق تو اپنی ساری تابانی و وضاحت کے ساتھ حق

يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ؕ

وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریادرسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا۔ چہروں کو بھون

بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

ڈالے گا۔ کیسا برا ہو گا وہ پانی اور کیسی بری ہو گی وہ جگہ ف۴۶ بے شک جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ

ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کیے سو ہم اس کے اجر کو ضائع نہیں کرتے جو

اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ

عمل اچھے طور پر کرے ف۴۷ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لئے ہیشگی کے باغ ہیں

مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ

ان کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی ان کو اس میں سونے کے کنگن

ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ

پہنائے جائیں گے اور وہ سبز رنگ کے کپڑے باریک اور دبیز

وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ

پہنیں گے اس میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے کیسا اچھا

الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع وَاضْرِبْ لَهُمْ

صلہ ہے اور کیسی بہتر جگہ ہے ف۴۸ اور ان سے دو شخصوں کا

مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ

حال بیان کیجیے ف۴۹ جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ انگور کے

اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا

دے رکھے تھے اور انہیں کھجور (کے درختوں) سے گھیر رکھا تھا اور ہم نے ان دونوں کے درمیان کھیتی بھی

تعالیٰ کی طرف سے آ ہی چکا ہے اور راہ ہدایت خوب اچھی طرح روشن ہو چکی ہے۔ فَمَنْ شَآءَ۔ وَمَنْ شَآءَ ان صیغوں سے تخییر مراد نہیں۔ تہدید و وعید مراد ہے۔ نقل عن علی بن ابی طالب انه قال هذه الصیغة تهدید و وعید ولیس بتخییر (کبیر) ف۴۶ حق کی تمام وکمال وضاحتوں کے بعد بھی جو ایمان نہ لائے گا وہ خود ہی اپنا خرابہ بلائے گا، اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا۔ یعنی خود وہ قناتیں بھی آگ ہی کی ہوں گی۔ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا۔ یہ فریاد شدت تشنگی سے ہوگی۔ بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ۔ كَالْمُهْلِ میں اس پانی کی صورت کی کراہت کا اور يَشْوِى الْوُجُوْهَ میں اس کے مزہ کی تیزی اور گرمی کا بیان آ گیا۔ ف۴۷ ہر انذاری اور تخویفی ذکر کے بعد ہی تبشیر اور تسلی کا بیان معمولاتِ قرآنی میں سے ہے۔ اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے درمیان واو عطف آنے سے استدلال یہ کیا گیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ یدل علی ان العمل الصالح مغایرٌ للایمان لان العطف یوجب المغایرة (کبیر) اِنَّا ...... عَمَلًا۔ مسلک اہل سنت میں یہ اللہ کی طرف سے وعدہ جزائے حسن عمل کا ہے۔ عند اصحابنا ذلک الاستیجاب حصل بحکم الوعد (کبیر) ف۴۸ اہل دوزخ کی سختیوں اور ہولناکیوں کے مقابلہ میں یہ اہل جنت کی عیش سامانیوں کا بیان ہو رہا ہے اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ۔ جنت میں جو دار العمل نہیں تمام تر دار الجزاء ہے نہی شرعی اٹھ جانے کے بعد بہت سے دوسرے ممنوعات کی طرح زیور پوشی بھی رجال جنت کے لئے جائز ہو جائے گی۔ بالکل اس کا شمار اسباب زینت میں سے ہونے لگے گا اور یہ زیور دیکھنے میں بہت بھلے معلوم ہوں گے۔ جیسا کہ آج بھی ان کا شمار اسباب زینت میں ہے جہاں جہاں یہ عرفاً رائج ہیں۔ ثِيَابًا خُضْرًا۔ یہ رنگ لباس کی سبزی یہاں بطور مثال بیان فرمائی گئی ہے، حصر مقصود نہیں، چنانچہ قرآن ہی میں مطلق صورت میں بھی تو وعدہ موجود ہے کہ اہل جنت جو کچھ چاہیں گے، پالیں گے۔ والظاهر ان لباسهم غیر منحصر فی ما ذکر اذلهم فیها ما تشتهی الانفس وتلذ الاعین (روح) يُحَلَّوْنَ۔ يَلْبَسُوْنَ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ سوال پیدا کیا ہے کہ ایک ہی آیت کے اندر یحلون صیغۂ مجہول میں اور یلبسون صیغۂ معروف میں کیوں ہے اور جواب یہ دیا ہے کہ یلبسون میں اشارہ اہل جنت کے اجر واجب کی طرف ہے اور یحلون اس اجر واجب سے زاید یعنی اللہ کے فضل محض کو بتا رہا ہے۔ یحتمل ان یکون اللبس اشارةً الی ما استوجبوه بعملهم وان یکون الحلی اشارة الی ما تفضل الله علیهم ابتداءً من زواید الکرم (کبیر) ف۴۹ (دنیا کی بے ثباتی اور بے حقیقتی اور آخرت کی مقصودیت ظاہر کرنے کو) رَّجُلَيْنِ۔ ان دو شخصوں میں سے ایک ملحد و بے دین تھا، اور دوسرا موحد و دیندار، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

ع ۹/۱۶

زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ

لگا رکھی تھی ف۵۰ دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کی پیداوار میں ذرا

مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّ فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ

کمی نہ رہتی اور ہم نے ان دونوں کے درمیان ایک ندی جاری کر رکھی تھی اور اس (شخص) کے پاس

ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ

(اور بھی) تمول تھا ف۵۱ سو اس نے اپنے (اس) ساتھی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھ سے مال میں

مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ

بھی زیادہ ہوں اور مجمع میں بھی غالب ف۵۲ اور وہ اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں

لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ ۙ

داخل ہوا ف۵۳ اور بولا کہ میرا تو یہ خیال نہیں کہ یہ (باغ) کبھی بھی برباد ہو ف۵۴

وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى

اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت (بھی) آئے گی اور اگر میں اپنے پروردگار کے پاس

رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ لَهٗ

پہنچایا گیا (بھی) تو یقیناً اس (باغ) سے (بھی) بہتر جگہ پاؤں گا ف۵۵ (اس پر) اس کا وہ ساتھی بولا

صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ

اس سے گفتگو کرتے ہوئے کہ ارے! کیا تو کفر اس (ذات) کے ساتھ کرتا ہے ف۵۶ جس نے تجھے (پہلے) مٹی

مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ ؕ

سے پیدا کیا پھر نطفہ سے (تجھ کو بنایا) پھر تجھے صحیح وسالم آدمی بنایا ف۵۷

لٰكِنَّا۟ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْ

لیکن (میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ) وہی اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور تو

ف۵۰ (لیکن یہ شخص تھا بدعقیدہ وبددین) انگور کا باغ ایک تو بجائے خود قیمتی، پھر ایک ہی نہیں، دو دو۔ اور پھر ان کے گرداگرد خرموں کی باڑ لگی ہوئی۔ اس سب پر مستزاد یہ کہ باغوں کے درمیان کی جگہ بے کار اور خالی پڑی ہوئی نہیں، بلکہ سرسبز وشاداب کھیتی سے لدی ہوئی — عرب کے نقطۂ نظر سے آسودگی مرفہ حالی کا کامل ومکمل مرقع! ف۵۱ باغ بھی ایسے کہ پوری پوری فصل دینے والے۔ کسی میں کوئی نقصان اور کمی نہیں اور پڑوس میں دریا۔ کھیتی کی سرسبزی اور باغ کی شادابی کے سامان ہر طرح کے بہ افراط اور عام دولتمندی اس پر مستزاد۔ مادی فراغت وخوش نصیبی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔ ثَمَرٌ۔ ثمر کے معنی علاوہ اپنے مشہور معنی کے، دولت کے بھی ہیں۔ ویکنی بہ عن المال المستفاد (راغب) ومن المحاز الثمر انواع المال (تاج) اور یونہی معنی یہاں مراد ہیں۔ اے انواع من المال من ثمر اذا کثر (کشاف) عن مجاهد الذهب والفضة اے کان له مع الجنتین اشیاءٌ من المنقود (کبیر۔ عن مجاہد) یراد بهما الذهب والفضة خاصة (بحر۔ عن مجاہد) ف۵۲ (درآنحالیکہ تو توحید کا قائل ہے اور اپنے کو اہل حق سے قرار دیتا ہے) کہنے والے کا مطلب یہ ہے کہ میرا طریقہ اگر خلاف حق اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہوتا تو آج میں اس مرفہ خالی میں کیوں ہوتا؟ بلکہ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ میرا مسلک صحیح اور تیرا مذہب غلط ہے۔ نَفَرًا۔ یعنی جتھے اور مجمع کے لحاظ سے بھی۔ یعنی انصارًا وحشمًا وقیل اولادًا ذکورًا (کشاف) لِصَاحِبِهٖ۔ اس ملحد کا یہ رفیق موحد ودیندار تھا۔ ف۵۳ (مع اپنے اسی دیندار ساتھی کے) وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ۔ یعنی اپنے اوپر جرم کفر قائم کرتا ہوا۔ ف۵۴ غیر خدا پرست مادہ پرست کی نظر بس قریب کے اسباب طبعی ومادی ہی تک محدود رہتی ہے۔ بقا، نشوونما، ترقی کے انہیں مادی وقریبی اسباب پر نظر کرکے بولا کہ اس جائداد کے اجڑنے اور ویران ہونے کے تو قطعًا کوئی آثار نہیں۔ بہ قول ایک فاضل محقق کے "اس شخص نے توحید کے مسئلہ میں کلام کیا کہ تو جو صانع عالم کا اور اس کی قدرت وغیرہ کا قائل ہے سو میں تو نہیں سمجھتا کہ اسباب طبعیہ کو کوئی معطل کرسکے اور اس باغ وغیرہ کا کارخانہ جس کی آبادی کے سارے اسباب جمع ہیں کہ نہر بھی ہے، کارکن بھی ہیں، خرچ کرنے کو مال بھی، اس مال کی حفاظت کا سامان بھی ہے، کس طرح محتمل ویرانی کا ہو" تَبِيْدَ۔ بید کے معنی ہلاک ہونے کے ہیں۔ البید ...... الهلاک (بحر) ف۵۵ یعنی اول تو میں قائل ہی قیامت کا نہیں، یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ لیکن بالفرض اگر تیرے عقیدہ کے مطابق حشر ونشر برحق نکلا تو میں جس عیش وعشرت کی زندگی یہاں بسر کر رہا ہوں، اس سے زیادہ چین وآرام میں وہاں رہوں گا۔ ف۵۶ (جیسا کہ تیری تقریر عقیدۂ توحید وقیامت کا انکار ظاہر کر رہی ہے) صَاحِبُهٗ۔ یعنی اس کا وہی دیندار موحد رفیق۔

ف۵۷ یعنی تیرے سب اعضا اور قویٰ درست کئے اور تجھے ترکیب صحیح کے ساتھ انسان بنا کر نمودار کیا۔ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ۔ ہر انسان کا مادۂ بعید مٹی ہی ہے، بہ واسطۂ آدم علیہ السلام۔ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ ہر انسان کا مادۂ قریب نطفۂ پدری ہے، بواسطہ رحم مادر۔

وَ لَوْ لَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ

جو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ اللہ جو چاہتا ہے (وہی ہوتا ہے) اور (کسی میں) کوئی قوت نہیں

اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿۳۹﴾ۚ

بجز اللہ (کی مدد) کے۔ ف۵۸ (اور) اگر تو مجھے مال و اولاد میں کمتر دیکھتا ہے

فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ

تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تیرے باغ سے بہتر دے دے ف۵۹

وَ يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ

اور اس پر آسمان سے کوئی تقدیری مصیبت اتارے جس سے (باغ) ایک چٹیل میدان

صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ۙ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ

ہو کر رہ جائے ف۶۰ یا اس سے اس کا پانی بالکل اندر اتر جائے پھر تو

تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَ اُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ

اس کی کوشش بھی نہ کر سکے ف۶۱ اور اس (بددین) کی دولت کو (آفت نے) گھیر لیا پس وہ

يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِيْهَا وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى

اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا اس پر کہ جو کچھ اس نے اس (باغ) پر خرچ کیا تھا اور وہ (باغ) اپنی ٹٹیوں پر

عُرُوْشِهَا وَ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾

گرا ہوا پڑا تھا اور وہ (بددین) کہنے لگا کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراتا ف۶۲

وَ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ مَا كَانَ

اور کوئی جتھا اس کے ساتھ نہ ہوا کہ اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ (ہم سے)

مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ؕ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ

بدلہ لے سکا ف۶۳ ایسے موقع پر کارسازی اللہ برحق ہی کا کام ہے۔ اسی کا ثواب سب سے بہتر اور (اسی

ف۵۸ (کہ جس کسی مخلوق میں کچھ بھی قوت ہے، اسی کے سہارے ہے) بِاللّٰهِ۔ ب باء الاستعانۃ ہے۔ اے لا قوۃ لاحد علی امر من الامور الا باعانۃ اللہ (کبیر) موحد کی تقریر کا پہلا حصہ نفس توحید پر تھا اور اب اس کلیہ کی ایک فرع پر گفتگو ہے۔ وَلَوْ...... شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی تیرے یا میرے یا کسی کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ ہی جب تک چاہے گا یہ باغ بھی قائم رہے گا اور جب وہی چاہے گا تو یہ ویران ہو جائے گا۔ اسباب طبعی سب اس کی مشیت کے ماتحت ہیں، نہ کہ اس سے آزاد و مستغنی۔ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ چنانچہ یہ باغ بھی اسی کی قوت سے تیار ہوا ہے نہ کہ کسی اور کی قوت سے۔ اے ھٰذا بقوۃ اللہ لا بقوتی (ابن عباسؓ) متکلمین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ نے جو کچھ چاہا، وہ واقع ہو گیا اور جو کچھ اس نے نہ چاہا وہ واقع نہ ہوا۔ واحتج اصحابنا بھٰذا علی ان کل ما ارادہ اللہ وقع وکل مالم یردہ لم یقع (کبیر) ف۵۹ (خواہ اسی دنیا میں خواہ آخرت میں) خَیْرًا۔ خیر کے اندر ہر قسم کا سامان عیش و راحت آ گیا۔ اِنْ...... وَلَدًا۔ یہ ملحد کی جس تقریر کے جواب میں ہے، وہ دو آیتیں قبل ابھی اوپر گزر چکی۔ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا۔ ف۶۰ یعنی بالکل اجڑ جائے۔ عَلَیْھَا۔ یعنی تیرے اسی باغ پر۔ حُسْبَانًا۔ حسبان یعنی ایسی مصیبت جو حکم غیبی سے بلا توسط اسباب طبعی ہو۔ مصیبت تقدیری۔ بمعنی الحساب اے مقدراً قدرہ اللہ (کشاف) (کبیر) اور مقصود اس سے جزائے افعال و پاداش اعمال ہو۔ وانما ھو فی الحقیقۃ ما یحاسب علیہ فیجازی بحسبہ (راغب) وذٰلک الحسبان حساب ما کسبت یداک (جمل۔ عن الزجاج) ف۶۱ (چہ جائیکہ اسے حاصل کر سکے) یعنی پڑوس کی جس نہر پر تجھے بڑا ناز ہے، خود اسی کا پانی بالکل خشک ہو جائے، اور باغ و کاشت سب کا ستیاناس ہو جائے۔ ف۶۲ یہ قول ندامت ضرر کی بناء پر تھا، اس سے عقیدۂ کفر پر ندامت لازم نہیں آتی۔ اس حسرت و ندامت سے بھی مقصود تمامتر دنیا ہی تھی، اس لئے یہ قول نجات کے لئے کافی نہ ہوا۔ انما رغب فی التوحید والردعن الشرک لاجل طلب الدنیا فلھٰذا السبب ما صار توحیدہ مقبولاً عند اللہ (کبیر) یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ۔ محاورہ میں تقلیب کفین سے مراد حسرت و ندامت ہوتی ہے۔ و تقلیب الکفین کنایۃ عن الندم والتحسر (کشاف) و ھو کنایۃ عن الندم والحسرۃ (کبیر) ف۶۳ اپنے جس مجمع اور جتھے پر اسے ناز تھا اور وہ فخر کے ساتھ کہتا تھا۔ انا اعزمنک مالاً واکثر نفراً اس کی حقیقت و بساط اس نے یہیں اسی دنیا میں دیکھ لی! یَنْصُرُوْنَهٗ...... مُنْتَصِرًا۔ منتصر کے معنی بچا لینے والے کے بھی ہیں اور یَنْصُرُوْنَهٗ سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اسے بچا لے۔ ینصرونہ اے ینجونہ من عذاب اللہ وما کان منتصرًا اے ممتنعا من عذاب اللہ (ابن جریر۔ عن قتادۃ) مطلب یہ ہوا کہ بجز اللہ کے کوئی بھی نصرت پر قادر نہیں۔ نصرت صرف اسی کی ہے۔ اے ھو اللہ تعالیٰ وحدہ القادر علی نصرتہ ولا یقدر احد غیرہ ان ینصرہ (کبیر)

ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ

کا) نتیجہ سب سے بہتر و٦٤ اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان

الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ

کیجیے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات

الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

خوب گنجان ہو گئی ہے و٦٥ پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے کہ ہوا اسے اڑائے اڑائے پھرے اور اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ

ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے و٦٦ مال اور اولاد دنیوی زندگی کی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ

ایک رونق ہیں اور باقی رہ جانے والے اعمال صالحہ آپ کے پروردگار کے ہاں

رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿٤٦﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ

ثواب کے اعتبار سے بھی کہیں بہتر ہے اور امید کے اعتبار سے بھی کہیں بہتر و٦٧ اور وہ دن (یاد رکھنے کے قابل

وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ

ہے) جب ہم پہاڑوں کو ہٹا دیں گے اور تو زمین کو دیکھے گا کہ کھلا میدان ہے و٦٨ اور ہم ان (سب) کو جمع کر دیں

مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ

گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے و٦٩ اور وہ تیرے پروردگار کے روبرو برابر کھڑے کر کے پیش کئے

جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ

جائیں گے۔ آخر تم ہمارے ہی پاس آئے جیسا کہ ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ لیکن تم تو یہ خیال کرتے

نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى

رہے کہ ہم تمہارے لئے وقت موعود نہ لائیں گے و٧٠ اور نامۂ عمل رکھ دیا جائے گا سو تو مجرموں کو

ع ٥ / ١٧

و٦٤ یعنی اللہ ہی کی مدد دنیا وعقبیٰ دونوں جگہ کام آتی ہے اور اس کے مقبولوں کا کوئی ظاہری نقصان ہوتا بھی ہے تو اس کا ثمرہ نیک مل کر رہتا ہے۔ اَلْوَلَايَةُ۔ ولایة (بالفتح) کے معنیٰ کارسازی وانصرام امور کے ہیں اور وِلایة (بالکسر) کے معنیٰ مدد ونصرت کے۔ الوِلایة النصرة والوَلایة تولی الامر (راغب) اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں کارسازی کے معنیٰ میں مرادف ہیں۔ قیل الوَلایة والوِلایة واحدة وحقیقة تولی الامر (راغب) ابن جریر نے لکھا ہے کہ بصرہ اور کوفہ ومدینہ کے بعض قاریوں کی زبان پر ولایة (بالفتح) ہے، جس کے معنیٰ دوستی یا مدد کے ہیں۔ اور کوفہ کے عام قاریوں کی قرأة ولایة (بالکسر) ہے۔ جس کے معنیٰ حکومت وغلبہ کے ہیں۔ و٦٥ (اور خوب سرسبز وشاداب) دنیا کے مال وجاہ کے حقیر، فانی اور بے حقیقت ہونے پر ایک تمثیل ابھی اوپر گذر چکی، مذاق وفہم عرب کے خاص طور پر موافق۔ اور دوسری تمثیل اب بیان ہو رہی ہے۔ كَمَآءٍ۔ کَ حرف تشبیہ ہے۔ اس کا تعلق محض لفظ ماء سے نہیں، بلکہ آگے کی پوری عبارت سے ہے۔ و٦٦ ایجاد واعدام، ابقاء وافناء سب پر یکساں قادر، جب اور جیسے چاہے، ہست سے نیست کر دے اور نیستی سے ہستی میں لے آئے۔ كَمَآءٍ...... الرِّيٰحُ۔ سو یہی حال دنیا کا بھی ہے، ابھی ہری بھری نظر آ رہی ہے، اور عنقریب ہلاک وبرباد ہو کر رہے گی۔ و٦٧ نفس اعمال تو ظاہر ہے کہ آنی وفانی بلکہ سریع الفناء چیزیں ہیں۔ لیکن ہر عمل خیر وشر سے جو اثر انسان پر مرتب ہوتا ہے اس کا نام ثواب وعذاب ہے اور وہ ایک دائمی اور ثابت وقائم رہ جانے والی حقیقت ہے اور چونکہ ثواب وعذاب کا رشتہ اعمال کے ساتھ غیر منفک ہے اس لئے مجازاً اعمالِ صالحہ ہی کو باقیات ارشاد فرما دیا گیا۔ لما كانت الاعمال اسبابًا فی الثواب و العقاب كان الثواب و العقاب دائمين لا ينقطعان و باقيين لا يفنيان و صفت الاعمال بالبقاء عملًا مجازيًا عليها (ابن العربی) اَلْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ۔ محققین نے کہا ہے کہ ہر وہ عمل یا قول جو معرفت الٰہی یا محبت الٰہی یا طاعت الٰہی کی طرف لے جانے والا ہو وہ اسی باقیات صالحات کی فہرست میں داخل ہے۔ كل عمل وقول دعاك الی الاشتغال بمعرفة الله وبمحبته وخدمته فهو الباقيات الصالحات (کبیر) عن قتادة هو كل ما اريد به وجه الله (بحر) زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ یعنی مال واولاد اسی دنیوی زندگی کی ایک بہار اور اس کا ایک ضمیمہ ہیں۔ تو جب خود دنیا ہی کو ثبات نہیں تو اس کے تابع وضمیمہ کی بے ثباتی تو اور بھی بڑھ کر ہوگی۔ یہ مال واولاد کو تحقیراً محض زینت حیات دنیوی کہنا خود ان کے مال، اولاد ہونے کے اعتبار سے ہے لیکن اگر انہی کو خدا پرستی اور دین طلبی کا ذریعہ بنا لیا جائے، اور ان سے طاعت الٰہی وخدمت دین کا کام لیا جانے لگے تو یہی مال واولاد مقصود ومطلوب بن جاتے ہیں اور ان کا شمار بھی عین باقیات صالحات میں ہونے لگتا ہے۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ چونکہ خود باقی اور قائم اور لایزال ہیں، ان کی رضا وطاعت کے لئے جو کام بھی کیا جاتا ہے وہ خود بھی حیات ابدی حاصل کر لیتا ہے اور مخلوق چونکہ خود فانی ہے اس لئے رضائے مخلوق والے سارے کام خود ہی زود فنا ہوتے ہیں۔ و٦٨ یعنی پہاڑ، دریا، ٹیلے، عمارتیں، درخت سب ناپید ہو چکے ہوں گے۔ و٦٩ یعنی سارے کے سارے انسان بلا استثناء قبروں سے اٹھا اٹھا کر میدان حشر میں۔ و٧٠ (اور تم باوجود اپنے خلق اول کے علم ویقین کے اپنی خلق ثانی کے معتقد وقائل نہ ہوئے) یہ سب کچھ منکروں، ملحدوں سے خطاب کر کے ارشاد ہوگا۔ والخطاب لكفار المنكرين البعث على سبيل تقريعهم وتوبيخهم (بحر) لَقَدْ...... مَرَّةٍ۔ یعنی آئے بھی تو مال، جاہ، اولاد اور اپنی ہر اس چیز سے خالی ہاتھ ہو کر جس پر دنیا میں فخر وناز کیا کرتے تھے۔ بَلْ کا ترجمہ 'بلکہ' اور 'لیکن' دونوں سے ہوسکتا ہے۔ بل للاضراب بمعنى الانتقال من خبر الى خبر (بحر)

الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا

دیکھے گا کہ جو کچھ اس میں (لکھا) ہے اس سے ڈر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہائے ہماری کم بختی

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّآ

اس نامۂ عمل کی تو عجیب حالت ہے کہ اس نے (کوئی گناہ) نہ چھوٹا چھوڑا نہ بڑا بغیر

اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا

اس کو قلمبند کئے ہوئے ف۱ اور انہوں نے جو کچھ بھی کیا تھا اسے وہ (لکھا ہوا) موجود پائیں گے اور

يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا

تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا ف۲ اور (وہ دن یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا

لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ

کہ آدم کے روبرو جھکو، سو وہ جھکے البتہ ابلیس (نہ جھکا) ف۳ وہ جنات میں سے تھا

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ

سو اپنے پروردگار کے حکم سے نافرمانی کر بیٹھا ف۴ سو کیا تم اسے اور اس کی نسل کو

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ

میرے مقابلہ میں دوست بناتے ہو درانحالیکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ف۵ ظالموں کے لئے بہت برا

بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَاۤ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

بدل ہے ف۶ میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت بلایا

وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ

اور نہ انہیں کی پیدائش کے وقت اور میں گمراہ کرنے والوں کو (اپنا) دست و بازو بنانے والا

عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَ يَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ

ہی نہ تھا ف۷ اور (یاد رکھو) وہ دن جب (اللہ) فرمائے گا (اب) پکارو میرے شریکوں کو جنہیں

ع ۶/۱۸

ف۱ منکروں کے حق میں منظر حشر کی یہ کس درجہ مؤثر و پرحسرت تصویر ہے! صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً۔ یعنی کوئی بھی معصیت چھوٹی سی چھوٹی یا بڑی سی بڑی ایسی نہیں جو اس میں درج نہ ہو۔ اے لا یترک شیئاً من المعاصی سواء کانت صغیرة او کبیرة الا وھی مذکورة فی ھذا الکتاب (کبیر) ف۲ (کہ کسی کی ادنیٰ سی نیکی بھی لکھنے سے رہ جائے یا حقیر سی بدی بھی کسی کے نامۂ اعمال میں بڑھادی جائے۔) وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔ بعض اہل کشف نے لکھا ہے کہ یہ اعمال لکھی ہوئی صورت میں نہیں، بلکہ اپنی اصلی صورت میں پیش ہوں گے۔ یعنی ہر عامل اپنے کو بعینہٖ وہی عمل کرتا ہوا پائے گا جو اس نے دنیا میں کیا تھا۔ ف۳ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ۔ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ۔ اِبْلِيْسَ۔ اور سارے واقعۂ آدم، ابلیس پر حاشیے سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف دونوں میں گزر چکے۔ ف۴ (جیسا کہ ایک جنی سے مستبعد بھی نہیں) كَانَ مِنَ الْجِنِّ۔ اس میں صراحت کے ساتھ تردید ہے اس یہودی اور نصرانی عقیدہ کی کہ ابلیس کا شمار فرشتوں میں تھا — اور حیرت ہے کہ قرآن مجید کی اتنی واضح تصریح کے بعد بھی ہزاروں پڑھے لکھے مسلمان اب تک ابلیس کو فرشتہ ہی سمجھے جا رہے ہیں! فیه بیان انه لیس من الملئکة لانه اخبر انه من الجن فهو جنس غیر جنس الملائکة (جصاص) والظاهر من هذه الأية انه لیس من الملائکة وانما هو من الجن (بحر) ابلیس کے جنی ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ایک ناری مخلوق تھا اس لئے سرکشی تو اس کے عنصر غالب کا عین مقتضا تھا۔ لیکن اگر وہ اپنی قوت ارادہ واختیار سے صحیح کام لیتا تو اپنے اس مقتضائے طبعی کو بہ آسانی روک سکتا تھا اس لئے اسے معذور سمجھنا قطعاً غلط ہے۔ فَفَسَقَ میں ف فاء سببیہ ہے یعنی جن ہونے ہی کی بناء پر تو اس نے سرکشی کی۔ فرشتہ ہوتا تو اس سے عصیان ممکن ہی کیونکر تھا۔ والفاء للسبب وفیه دلیل علی ان الملک لا یعصی البتة وانما عصی ابلیس لانه کان جنیًا فی اصله (بیضاوی) والفاء للسبب ایضًا جعل کونه من الجن سببًا فی فسقه یعنی انه لو کان ملکًا کسائر من سجد لادم لم یفسق عن امر الله لان الملائکة معصومون البتة (بحر) فسق اب جس معنی میں چل گیا ہے۔ یعنی سرکشی اور طاعت حق سے نافرمانی۔ یہ زبان عرب میں تمامتر قرآن مجید کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ نزول قرآن سے قبل یہ معنی شائع ورائج نہ تھے۔ وقال ابو عبیدة لم تسمع ذلک فی شیء من اشعار الجاهلیة ولا احادیثها وانما تکلم به العرب بعد نزول القرآن ووافقه المبرد علی ذلک (روح) قال ابن العربی لم یسمع الناس فی وصف الانسان فی کلام العرب (راغب) ف۵ (جن کا کام ہی تمہیں بھڑکانا، ضرر پہنچانا ہے) اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ۔ یعنی میرے مقابلہ پر، شیطان اور شیطان زادوں کو اپنا دوست اور کارساز و چارہ ساز سمجھتے ہو۔ ذُرِّيَّتَهٗ۔ ذریت کے معنی نسل یا اولاد کے ہیں۔ اور سلسلہ نسل جس طرح انسانوں میں چل رہا ہے۔ جنات میں بھی قائم ہے۔ ابلیس کے فرشتہ نہ ہونے پر محققین نے اس لفظ ذریت سے استشہاد مزید کیا ہے کہ سلسلہ نسل تو جنات ہی میں قائم ہے نہ کہ فرشتوں میں۔ واستدل نافی ملکیته بظاهر الأية حیث افادت ان له ذریة والملائکة لیس لهم ذلک (روح) اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ میں حرف ہمزہ انکار وحیرت کے لئے ہے جیسے اردو میں کہیں ارے یہ غضب کرتے ہو! الهمزه للانکار والتعجب (بیضاوی) الهمزه للتوبیخ والانکار والتعجب (بحر) ف۶ بَدَلًا۔ بدل کے معنی اگر عوض کے لئے جائیں جب تو ظاہر ہی ہے کہ ظالموں یعنی کافروں اور منکروں کو معاوضے کیسے برے برے ملیں گے۔ لیکن فقرہ کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ظالم خدانا شناس کیسے احمق ہیں کہ دوست اور کارساز سمجھنا تو چاہیے حق تعالیٰ کو اور یہ بجائے اس کے دوست و کارساز ابلیس وذریاتِ ابلیس کو بنائے ہوئے ہیں۔ لِلظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی مشرکین جو شیطانوں کے ساتھ تعلق کتنا غلط اور بے جا قائم کئے ہوئے ہیں۔ صیغۂ مخاطب سے آیت میں دفعۃً صیغۂ غائب کی طرف التفات میں اشارہ کمال ناگواری کی جانب ہے۔ ف۷ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حق تعالیٰ ان گمراہ کن شیطانوں کو کسی معاملہ میں کسی حد تک بھی اپنا معین یا مشیر بناتا۔ مَاۤ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی آفرینش کائنات کے وقت ان کا وجود ہی سرے سے کہاں تھا؟ یہ تو بہت بعد کی مخلوق ہیں۔ پھر اس کارخانۂ ایجاد وتکوین کے کسی شعبہ میں بھی ان کی شرکت، مشورہ کی حد تک بھی کیونکر ممکن تھی۔ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ۔ یعنی جن "معبودوں" کو تم شریک خدائی ٹھہرا رہے ہو، یہ کسی اور معاملہ میں مشیر وشریک تو کیا ہوتے، خود اپنے ہی وجود کے باب میں یہ کب کوئی سا بھی مشورہ دے سکتے تھے؟ وَمَا كُنْتُ ...... عَضُدًا۔ بعض فقہاء مفسرین نے اس جزء سے یہ نکالا ہے کہ کافروں سے امور دین میں مدد لینا جائز ہے۔ واستدل بها علی انه لا ینبغی الاستعانة بالکافر وهو فی امور الدین کجهاد الکفار وقتال اهل البغی واما الاستعانة بهم فی امور الدنیا فالذی یظهر انه لا باس بها (روح)

زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا

تم مانا کرتے تھے و۷۸ بس وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ انہیں جواب ہی نہ دیں گے اور ہم ان کے

بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

درمیان ایک آڑ کر دیں گے و۷۹ اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے اور یقین کریں گے کہ وہ

مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا

اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے کوئی راہ بچنے کی نہ پائیں گے و۸۰ اور ہم نے

فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ

اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے (عمدہ) مضمون طرح طرح سے بیان کئے ہیں اور

الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ

انسان جھگڑنے میں سب سے بڑھ کر ہے و۸۱ اور لوگوں کو بعد اس کے کہ

يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ

ان کو ہدایت پہنچ چکی تھی ایمان لانے سے اور اپنے پروردگار سے مغفرت مانگنے سے کوئی امر مانع نہیں رہا تھا بجز

اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ

اس کے کہ (ان کو اس کا انتظار ہو کہ) انہیں بھی اگلوں کا سا معاملہ پیش آئے یا یہ کہ عذاب درعذاب ان پر

قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ

نازل ہو و۸۲ اور ہم رسولوں کو تو صرف خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر)

وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ

بھیجا کرتے ہیں و۸۳ اور کافر لوگ ناحق جھگڑے نکالتے ہیں

لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا

تاکہ اس کے ذریعہ سے حق کو بچلا دیں اور انہوں نے میری نشانیوں کو اور اس کو جس سے انہیں ڈرایا گیا ہے

ع ۱۹

و۷۸ یعنی اپنی امداد واعانت کے لئے بلاؤ۔ شُرَكَآءِیَ۔ یعنی وہ تمہارے پندار کے مطابق میرے شریک خدائی تھے۔ و۷۹ (جس سے بالکل ہی مایوسی ہو جائے گی) بَيْنَهُمْ۔ یعنی مشرک انسانوں اور ان کے معبود شیطانوں کے درمیان و۸۰ اور اس وقت کی شدت یاس! معاذ! اللہ! فَظَنُّوْا۔ ظن یہاں یقین کے معنی میں ہے۔ اے ایقنوا (بیضاوی) قال ابن عطیة اطلق الناس ان الظن هنا بمعنى التيقن (بحر) و۸۱ یعنی ہر ایک مخلوق سے بڑھ کر جو ذمہ داری کا احساس رکھتی ہے۔ یعنی ان جدل الناس اکثر من جدل کل شیء (بحر) الْاِنْسَانُ۔ یعنی سرکش، نافرمان انسان۔ محاورۂ قرآنی میں الانسان اکثر موقع ذم ہی پر آیا ہے۔ وکثیرا ما یذکر الانسان فی معرض الذم (بحر) و۸۲ مطلب یہ ہے کہ جب صاف ہدایت آ چکی اور تبلیغ کے سارے مراتب پورے ہو چکے تو اب بھی جو یہ کافر ایمان نہیں لاتے تو کیا یہ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ یہ بھی وہی اگلوں کی طرح ہلاک کئے جائیں یا یہ کہ یہ زندہ تو رہیں لیکن عذاب درعذاب کے چکر میں ڈال دیئے جائیں۔ الْهُدٰى۔ یعنی رسول اور قرآن مع دلائل وشواہد کے وهو الرسول الداعی والقرآن المبین (بیضاوی) سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ۔ جو کچھ اگلی قوموں کو مسلسل نافرمانی کی پاداش میں پیش آ چکا تھا۔ یعنی عذاب ہلاکت واستیصال، وهو عذاب الاستیصال (کبیر) قُبُلًا۔ جمع ہے قبیل کی اور اس کے معنے جھنڈ جھنڈ کے یا متواتر و مسلسل انواع عذاب کے ہیں۔ قال مجاهد جماعة جماعة فیکون جمع قبیل (راغب) وهو جمع قبیل بمعنی ضروب من العذاب تتواصل مع کونهم احیاء (کبیر) و۸۳ (اور جتنے دلائل وشواہد اس منصب کے لئے ضروری ہوتے ہیں وہ انہیں دے دیتے ہیں) آیت سے دو مسئلوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ کہ ہر پیمبر کی حیثیت محض مبشر ومنذر کی ہوتی ہے اس کا کام محض تبشیر وانذار ہے۔ نتائج کی ذمہ داری اس پر ذرا سی بھی نہیں۔ دوسرے یہ کہ پیمبر سے خواہ مخواہ معجزات وخوارق کی فرمائشیں کرتے رہنا ایک امر لغو ہے۔

هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ

دل لگی بنا رکھا ہے و۸۴ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اس کے پروردگار کی نشانیوں کے ذریعہ سے نصیحت کی

فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ نَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا

جائے سو وہ اس سے روگردانی کرے اور جو کچھ اپنے ہاتھوں سمیٹ رہا ہے اسے بھلا دے و۸۵ ہم نے ان کے

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ

دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اس کے سمجھنے سے اور اس کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے و۸۶

وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو یہ ایسی حالت میں ہرگز راہ پر نہ آئیں و۸۷

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا

اور آپ کا پروردگار بڑا مغفرت کرنے والا بڑا رحمت والا ہے و۸۸ وہ اگر ان پر دارو گیر

كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ

ان کے اعمال کی بنا پر کرنے لگتا تو ان پر عذاب فوراً ہی واقع کر دیتا لیکن اس نے ان کے واسطے

يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ

ایک متعین وقت ٹھہرا رکھا ہے۔ اس کے ادھر یہ کوئی پناہ گاہ نہیں پا سکتے و۸۹ اور یہ بستیاں وہ ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر

لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ع وَ اِذْ قَالَ

ڈالا جب انہوں نے ظلم کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک وقت معین کیا تھا و۹۰ اور (وہ وقت یاد کرو) جب

مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ

موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں برابر چلتا رہوں گا تا آنکہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں و۹۱

اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا

یا (یوں ہی) سالہا سال تک چلا کروں و۹۲ پھر جب دونوں دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو اپنی مچھلی کو

ع ۸ / ۲۰

و۸۴ یعنی تذکیر عذاب کا مقتضا تو یہ تھا کہ ان کے قلوب لرز جاتے لیکن اس کے برعکس سنگدل منکروں نے الٹا اسی کو ہدف تمسخر بنا لیا! کیا حد ہے ان کی ذہنیت کی مسخ شدہ کیفیت کی! وَمَآ اُنْذِرُوْا۔ یعنی میرے عذاب کو۔ وَيُجَادِلُ...... الْحَقَّ۔ یعنی طرح طرح کی کٹ حجتی کر کے چاہتے ہیں کہ حق کو ڈگمگا دیں۔ یجادل کے باب مفاعلۃ سے ایک فرع یہ نکالی گئی ہے کہ حضرات انبیاء بھی ان سے بحث ومباحثہ کرتے رہتے تھے۔ وھٰذا یدل علی ان الانبیاء کانوا یجادلونھم لما بیّنّا ان المجادلۃ انما تحصل من الجانبین (کبیر) و۸۵ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ۔ یعنی اپنی عصیان کاری کو۔ نَسِيَ۔ نسیان سے یہاں غیر ارادی سہو مراد نہیں۔ بلکہ ارادی تغافل مراد ہے۔ والمراد من النسیان التشاغل والتغافل عن کفرہ المتقدم (کبیر) و۸۶ (اس کے سننے سے) يَفْقَهُوْهُ میں ضمیرہٗ الحق کی طرف ہے جو ایک آیت قبل لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ میں گزر چکا۔ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً۔ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا۔ دلوں پر پردہ پڑنے اور کانوں میں ڈاٹ دے رکھنے پر حاشیے کئی بار پہلے گزر چکے۔ بندہ جب اپنے قصد واختیار سے کام لے کر حق کی مخالفت عرصہ تک کرتا رہتا ہے کہ نتیجہ کے طور پر اس سے توفیق ہی حق کے سمجھنے اور سننے کی سلب ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے یہ فعل ابتداءً نہیں ہوتا۔ قلوب اور اٰذان دونوں کے غیر متاثر رہنے کے معنٰی یہ ہوئے کہ یہ ایمان نہ تحقیق کی راہ سے لائیں گے اور نہ تقلید ہی کی راہ سے۔

و۸۷ (سو آپ کا ان پر زیادہ غم کرنا بھی بے فائدہ ہی ہے) اِذًا یعنی جب کہ ان کے دل اور ان کے کان، ان کی ارادی بے توجہی اور عناد کی بنا پر قبول حق کی استعداد بھی ضائع کر چکے ہیں۔ و۸۸ چنانچہ اس صفت غفر کے تقاضہ سے اب بھی باوجود اس ہجوم عصیان وکفر کے اگر راہ راست پر آجائیں تو توبہ قبول ہوسکتی اور مغفرت حاصل ہو سکتی ہے۔ اور صفت رحمۃ کے تقاضہ سے اس نے انہیں اتنی مہلت دے رکھی ہے۔ و۸۹ اس حقیقت کو ایک بار پھر دہرا دیا گیا ہے کہ عذاب الٰہی فوراً نہیں آتا بلکہ بڑے سے بڑے مجرموں کو بھی مہلت ضرور ملتی رہتی ہے۔ مِنْ دُوْنِهٖ۔ ضمیر موعد کی طرف ہے۔ یعنی اس یوم موعود کے ادھر یا قبل یہ کوئی پناہ گاہ نہیں پا سکتے کہ پیشتر ہی سے اس میں چھپ چھپا کر اپنے کو محفوظ کر لیں۔ والضمیر المجرور عائد علی الوعد کما ھو الظاھر (روح) یہ بھی جائز ہے کہ رب کی طرف سمجھی جائے۔ قیل یعود علی اللہ تعالٰی وھو مخالف للظاھر (روح) و۹۰ (چنانچہ وہ اپنے اسی وقت معین ومقرر پر ہلاک ہوئیں) تِلْكَ الْقُرٰى یعنی ان بستیوں کے باشندے۔ والکلام علی تقدیر مضاف ای اھل القرٰی (روح) اشارہ ان سرکش ونافرمان پرقوت قوموں کی جانب ہے جن کی ہلاکت کا بیان قرآن مجید میں بار بار آچکا ہے، اور جو ہر قرآن خوان کے لئے معلوم ومعروف ہیں۔ ای قری عاد وثمود وقوم لوط واشباھھم (روح) و۹۱ (جہاں کا پتہ مجھے ایک برگزیدہ بندۂ حق سے ملاقات کا بتایا گیا ہے) توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس سفر کا کوئی ذکر نہیں — اور اسی سے ظاہر ہے کہ توریت موجودہ ومروجہ بہ حیثیت تاریخ وتذکرہ کے بھی نامکمل وناقص ہے۔ لِفَتٰىهُ۔ فتی کے لفظی معنٰی نوجوان کے ہیں اور مجازی معنٰی غلام یا خادم کے۔ الفتی الطری من الشباب والانثٰی فتاۃ ویکنّٰی بھما عن العبد والامۃ (راغب) والعرب تسمّی الخادم فتی لان الخدم اکثر ما یکونون فی سِنّ الفتوۃ (روح) قیل للخادم فتی علی جھۃ حسن الادب (بحر) مراد حضرت یشوع بن نون سے ہے۔ حدیث بخاری میں یہ تصریح موجود ہے اور مفسرین بھی تقریباً سب اس پر متفق ہیں۔ حضرت یشوع حضرت موسیٰ کے عزیز خاص وخادم خاص تھے — بعد کو خود بھی نبوت سے مشرف ہوئے۔ وانطلق معہ بفتاۃ یوشع بن نون (بخاری۔ کتاب التفسیر) توریت میں ان کا ذکر متعدد مقامات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم کی حیثیت سے ملتا ہے۔ ”موسیٰ کے خادم نون کے بیٹے یشوع نے جو اس کے برگزیدوں میں سے تھا، موسیٰ سے کہا“ (گنتی۔ ۱۱:۲۸) ”اور موسیٰ علیہ السلام اور اس کے خادم یشوع آئے (خروج۔ ۱۳:۲۴)“ اور وہ لشکرگاہ کو پھرا۔ پر اس کا خادم نوجوان یشوع بن نون خیمہ میں سے نہ نکلا“ (۳۳:۱۱) حسب روایت توریت ۱۱۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ”اور ایسا ہوا کہ بعد ان باتوں کے نون کا بیٹا یشوع خداوند کا بندہ جو ایک سو دس برس کا بوڑھا تھا رحلت کر گیا“ (یشوع۔ ۲۴:۲۹) مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ۔ اس مقام کی تعیین جزم کے ساتھ مشکل ہے۔ یہ سفر اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دوران قیام مصر میں پیش آیا تھا تو دریائے نیل کی دونوں شاخوں کے ملنے کی جگہ مراد ہو سکتی ہے اور اگر جیسا کہ اغلب ہے، سفر جزیرہ نمائے سینا کے دوران قیام میں پیش آیا تو عجب نہیں کہ جو بحر قلزم کے شمالی دو شاخہ کے اتصال کی جگہ مراد ہو۔ یعنی خلیج عقبہ یا خلیج سویز۔ مشائخ صوفیہ نے آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مریدوں یا شاگردوں سے کام لینا اور انہیں سفر میں رفیق رکھنا سنت انبیاء میں سے ہے۔ و۹۲ (تا آنکہ منزل مقصود تک پہنچ جاؤں اور مقصد سفر حاصل ہو جائے) محققین نے لکھا ہے کہ اس سے طلب علم میں ہر قسم کے صعوبات برداشت کرنے کی فضیلت نکلتی ہے۔ ذٰلک تنبیہ علی ان المتعلم لو سافر من المشرق الی المغرب لطلب مسئلۃ واحدۃ لـ[illegible] لہ ذٰلک (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ کامل کی طلب میں سعی بلیغ چاہیے جب تک کہ اس سے کوئی واجب نہ فوت ہونے لگے۔

حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا

دونوں بھول گئے و۹۳ سو اس نے سرنگ بناتی ہوئی دریا میں اپنی راہ پکڑی و۹۴ پھر جب دونوں آگے بڑھ گئے

جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا

تو اپنے خادم سے بولے کہ ہمارا ناشتہ تو لاؤ ہمیں اس (آج کے) سفر سے بڑی تکلیف پہنچی ہے و۹۵ وہ

هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ

بولا کہ لیجیے ہم لوگ جب اس چٹان کے قریب ٹھہرے تھے تو میں اس مچھلی کو

فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۫ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ

بھول ہی گیا اور مجھے بس شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا ذکر کرتا اور

اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ

اس نے تو دریا میں عجب طرح اپنی راہ لی و۹۶ (موسیٰ نے) کہا یہی تو وہ (مقام) تھا جس کی

ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾

ہم کو تلاش تھی و۹۷ پھر دونوں اپنے قدموں کے نشان پر الٹے چلے تو انہوں نے ہمارے

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ

بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جس کو ہم نے اپنا ایک خاص فضل مرحمت کیا تھا اور ہم نے اسے اپنے

عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى

پاس سے ایک (خاص) علم سکھلایا تھا و۹۸ موسیٰ نے ان سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾

رہ سکتا ہوں کہ جو علم (مفید) آپ کو سکھلایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھے بھی سکھا دیں و۹۹ انہوں نے کہا

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ

آپ سے میرے ساتھ نباہ نہ ہو سکے گا و۱۰۰ اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں

و۹۳ یعنی اس مچھلی کو جو بطور ناشتہ ان کے ساتھ ناشتہ دان میں رکھی ہوئی تھی۔ فاخذ حوتا فجعله فی مکتل ثم انطلق (بخاری۔ کتاب التفسیر) نَسِيَا حُوْتَهُمَا۔ یعنی اس مچھلی کا انہیں خیال ہی نہ آیا۔ جس برگزیدہ بندہ سے ملنے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نکلے تھے۔ اس کے ملنے کی جگہ کا پتہ یہ بتایا گیا تھا کہ طویل سنگم پر جس مقام پر وہ ساتھ والی مچھلی پھر سے پانی میں چلی جائے گی وہی جگہ ان بزرگ کی ہے۔ نَسِيَا حُوْتَهُمَا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زادراہ کا جو کہ اسباب میں سے ہے سفر میں ساتھ رکھنا توکل کے منافی نہیں۔ و۹۴ روایتوں میں آتا ہے کہ وہ مچھلی تلی ہوئی تھی۔ اور بطور خارق عادت زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تھی۔ سَرَبًا یعنی سرنگ کی طرح راستہ بنالیا۔ السرب الذهاب فی حدوب (راغب) یا محض راستہ پکڑ لیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ معنی مروی ہیں۔ سربا اے مذهبا۔ یسرب اے یسلک۔ و۹۵ یعنی آج خوب تھک گئے ہیں۔ —— ممکن ہے اس منزل میں چلنا زیادہ پڑ گیا ہو۔ مفسرین نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ اپنی تکلیفوں کا ذکر بالکل جائز ہے بلکہ منافی کمال بھی نہیں۔ البتہ بے صبری وشکوہ وشکایت ممنوع ہے۔ یدل علی اباحة اظهار مثل هذا القول عند ما یلحق الانسان نصب اوتعب فی قربة وان ذلک لیس بشکایة مکروهة (جصاص) آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ پیمبر بھوکے بھی ہوتے ہیں۔ زادراہ بھی ساتھ رکھتے ہیں، تھکن بھی محسوس کرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی شے کمال ولایت کیا معنی، کمالِ نبوت کے بھی منافی نہیں ــ آیت میں بڑا سبق ہے ان ''خوش عقیدہ'' مریدوں اور معتقدوں کے لئے جو ''بزرگوں'' کی جانب بھوک، پیاس یا اور بشری ضرورتوں کا انتساب تمامتر بے ادبی سمجھتے ہیں۔ فَلَمَّا جَاوَزَا۔ یعنی جس مقام کی نشان دہی انہیں کی گئی تھی، اس سے دور نکل آئے۔ و۹۶ ''عجب طرح'' یوں کہ زندہ ہو کر خشکی سے دریا تک راہ پا گئی۔ اَرَءَيْتَ کلمۂ تعجب ہے اور محاورہ میں ایسے موقع پر بولتے ہیں ''ارے!'' یا ''یہ لیجیے'' یا ''یہ ملاحظہ ہو!'' نَسِيْتُ الْحُوْتَ۔ یعنی مچھلی کے عجیب قصہ کا ذکر کرنا بھی بھول گیا۔ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ۔ مذہب کی زبان میں ہر بری بات کا انتساب شیطان ہی کی جانب کیا جاتا ہے جس کی ذات مرکز ساری برائیوں کی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے اس امر پر کہ شیطان کے اثر سے وسوسہ ونسیان کا پیش آجانا ولایت بلکہ نبوت کے بھی منافی نہیں۔ و۹۷ یعنی وہی مقام تو ہماری منزل مقصود تھا۔ وہیں کا پتہ تو ہمیں بتایا گیا تھا۔ و۹۸ حدیث بخاری اور دیگر احادیث میں ان عبد مقرب ومقبول کا نام خضر آیا ہے۔ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا۔ اس خصوصی رَحْمَةً سے مراد مقبولیت کا ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ البتہ یہ لازمی نہیں کہ نبوت ہی کی شکل میں ہو۔ چنانچہ حضرت خضر کی نبوت ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ فالجمهور علی انه علیه السلام نبی ولیس برسول وقیل هو رسول وقیل هو ولی وعلیه القشیری وجماعة (روح) ولم یکن الخضر نبیا عند اکثر اهل العلم (معالم) عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ یہ علم بلا واسطہ اسباب واکتساب وتعلم براہ راست حضرت حق سے عطا ہوا تھا۔ اور یہ علم اسرار کونیہ کا تھا۔ محققین نے کہا ہے کہ جس علم پر قرب الٰہی مرتب ہوتا ہے وہ علم اسرار کونیہ نہیں، علم اسرار الٰہیہ یا شرعیہ ہے۔ اس پر بھی اظہار حیرت کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو خود ایک پیمبر جلیل القدر اور اس لئے لازمی طور پر اپنے وقت کے اعلم الناس تھے، انہیں کسی اور کے پاس کیسے تعلم کے لئے بھیجا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے، یہ بہ آسانی ممکن ہے کہ ایک شخص بہت سے علوم میں عالم ترین ہو پھر بھی بعض علوم سے ناواقف ہو۔ اور اس کے سیکھنے کے لئے وہ کہیں اور بھیج دیا جائے۔ لا یبعد ان العالم الکامل فی اکثر العلوم یجهل بعض الاشیاء فیحتاج فی تعلمها الی من دونه وهذا امر متعارف معلوم (کبیر) عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ۔ وہ بزرگ بایں مرتبہ کمال بہرحال اللہ کے ایک بندہ ہی تھے۔ ''بندہ'' سے ذرہ بھر بھی زائد نہ تھے اور بندہ بھی کیسے؟ حق تعالیٰ کے بہت سے بندوں میں سے ایک! —— اللہ اللہ! قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام تحفظ توحید کا اور شائبہ شرک سے احتراز واحتیاط کا ہے! مِنْ عِبَادِنَا حق تعالیٰ کا ایسے بندہ کی اضافت اپنی جانب کرنا اس کے اکرام وتخصیص کے لئے ہے۔ هذه اضافة تشریف واختصاص (بحر) و۹۹ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہ ایں جلالت مرتبہ ودرجہ نبوت ان بزرگ سے درخواست کر رہے ہیں کہ اجازت ہو تو آپ کے ساتھ رہوں اور آپ کے علم خصوصی سے کچھ میں بھی کسب واکتساب کروں؟ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے ساتھ اپنی گفتگو میں کس قدر تواضع اور ادب ولطف کی رعایتیں جمع کر رہے ہیں۔ و۱۰۰ (بلکہ آپ میرے بعض افعال کو ظاہر شریعت کے خلاف پا کر ان پر روک ٹوک ضرور کریں گے) حضرت خضر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے پیمبر جلیل القدر کے جوش ایمانی کا پورا اندازہ رکھتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ آپ احکام شریعت کی خلاف ورزی پر (خواہ وہ محض ظاہری ہی ہو) ہرگز تحمل نہ کر سکیں گے۔

و۱۰۱ یعنی وہ افعال بظاہر خلافِ شریعت ہوں گے، اور آپ کو جب ان کے منشاء صحیح کی اطلاع نہیں تو آپ ان منکرات پر بغیر روک ٹوک کئے کیسے رہ سکتے ہیں! — یہ صاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے عذر خواہی بھی خود ہی کردی ہے اور آپ کو دارو گیر پر معذور قرار دے دیا ہے۔ و۱۰۲ یعنی نہ آپ کی نافرمانی کروں گا اور نہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ پر کوئی روک ٹوک کروں گا۔ صَابِرًا کا مفہوم یہاں ہے ضبط کر جانے والا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ایسے مقبول بزرگ کوئی حرکت خلاف شریعت کریں گے۔ اسی لئے انہوں نے مطیع رہنے کی حامی بھر لی گویا حالانکہ ان کا وعدہ یہ تھا کہ امور مباح میں آپ کا ساتھ دیتا رہوں گا اس پر بھی اتنی احتیاط رکھی کہ لفظ انشاءاللہ ملائی جس سے اقرار عہد و پیمان پیدا نہیں ہونے پایا اور اس لئے ان دونوں باتوں کی بناء پر آیندہ نقض عہد کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آیت سے استنباط کیا گیا ہے کہ متعلم کے لئے پہلی چیز یہ ہے کہ استاذ کے احکام کی اطاعت اور اس پر ترک اعتراض و مخالفت کی عادت اختیار

عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِیْۤ

ایسے امر پر جو آپ کے احاطۂ واقفیت میں نہیں ہے و۱۰۱ (موسیٰ نے) کہا آپ انشاءاللہ

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَاۤ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ

مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے حکم کے خلاف نہ کروں گا و۱۰۲ (خضر) بولے کہ اچھا

فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی

اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کی نسبت پوچھ گچھ نہ کیجیے گا جب تک کہ میں خود ہی

اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا

اس کے ذکر کی ابتدا نہ کر دوں و۱۰۳ پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب دونوں

فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ

کشتی میں سوار ہوئے تو و۱۰۴ (خضر نے) اس میں سوراخ کر دیا (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے اس لئے سوراخ کر

اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿٧١﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ

دیا کہ نتیجہ یہ ہو کہ آپ اس پر بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں یقیناً آپ نے بہت بری بات کر ڈالی و۱۰۵ (خضر نے) کہا

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿٧٢﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ

میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ نباہ نہ کر سکیں گے و۱۰۶ (موسیٰ نے) کہا میری بھول چوک پر

بِمَا نَسِیْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿٧٣﴾

گرفت نہ کیجیے اور میرے (اس) معاملہ میں مجھ پر تنگی نہ ڈالیے و۱۰۷

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ

(اس کے بعد) پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو (خضر نے) اسے مار ڈالا۔ حضرت موسیٰ

نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ﴿٧٤﴾

نے کہا آپ نے ایک بے گناہ جان کو مار ڈالا بغیر کسی جان (کے بدلہ) کے یقیناً آپ نے بڑی بے جا حرکت کی و۱۰۸

ع ۹ / ۱۱ / ۲۱

کرے اور اپنی طرف سے انتہائی فروتنی اور تذلل برتے۔ هٰذا يدل على ان المتعلم يجب عليه فى اول الامر التسليم وترک المنازعة والاعتراض (کبیر) وقول موسٰى له تواضع شديد واظهار للتحمل التام والتواضع الشديد وكل ذٰلک يدل على ان الواجب على المتعلم اظهار التواضع باقصى الغايات (کبیر) و۱۰۳ یہ شرط حضرت خضر علیہ السلام کی طرف سے زائد ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وعدہ اس حد تک کے لئے نہ تھا۔ نہ آپ کی زبان سے اب بھی اس کا اقرار منقول ہے۔ و۱۰۴ کوئی ایسا مقام سفر میں آ گیا تھا جس کے آگے کشتی کی ضرورت پڑ جاتی تھی اور اب سفر بحری شروع ہوا۔ سمندر یا دریا کے کنارے کنارے تو یوں بھی چل رہے تھے۔ و۱۰۵ (جس پر سکوت کرنا میرے حد عہد سے خارج ہے) اِمْرًا کہتے ہیں امر منکر و معیوب کو۔ لِتُغْرِقَ میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی ایسا فعل جس کا نتیجہ بھی مرتب ہو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے دو امر ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ اکابر سے بھی ایسے امور صادر ہو سکتے ہیں جن کا ظاہر خلاف شریعت ہو۔ (گو حقیقت یہ نہ ہو) دوسرے یہ کہ اولیاء میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو باذن حق تکوینیات میں تصرف کرتے رہتے ہیں۔ صوفیہ کی زبان میں انہیں قطب التکوین یا صاحب خدمت کہتے ہیں۔ و۱۰۶ (سو دیکھئے وہی بات آگے آئی) اس نباہ نہ کر سکنے سے جس کا مبنٰی و منشاء تمامتر غیرت دینی و جوش ایمانی تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منقصت نہیں اور مدح و منقبت ہی نکلتی ہے۔ و۱۰۷ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے عمل کو دیکھ کر جو ظاہرًا یکسر معصیت تھے قدرۃً اتنا متاثر ہوئے کہ حضرت خضر کی ہدایت کا بھی پاس و لحاظ نہ رہا۔ ذہن سے ان کی ہدایت نکل گئی اور آپ ٹوک بیٹھے۔ عدم مخالفت کا وعدہ بھی آپ نے وفور شوق ہی میں کیا تھا لیکن اب جن افعال کو خلاف رضائے محبوب (کہ اسی کا دوسرا نام حکم شریعت ہے) پاتے تھے، بلا تامل اور بے دھڑک ٹوک بیٹھتے تھے۔ سکوت محض کا اول تو آپ کی طرف سے وعدہ ہی نہ تھا، وعدہ صرف عدم مخالفت کا تھا۔ اور بالفرض ہوتا بھی تو خلاف شریعت معاہدہ کی پابندی ہی روا نہیں۔ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ سہو و نسیان پر مؤاخذہ نہیں۔ ذكر ان النسيان لا يقتضى المؤاخذة وهٰذا يدل على ما قدمناه من انه لا يدخل تحت التكليف (ابن العربی) و۱۰۸ نُكْرًا کے معنی ہیں امر عظیم کے۔ ایسا امر جس سے سب کانوں پر ہاتھ رکھیں۔ نکرًا اى واهية (بخاری) قال ابو عبيده نكرًا اى عظيمًا (فتح الباری) النكر الدهاء والامر الصعب الذى لا يعرف (راغب) قال الليث الدهاء والنكر لغت للامر الشديد (تاج) نُکر کا درجہ قبح میں اِمر سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ النكر اعظم من الامر فى القبح (کبیر) وقيل النكر ما انكرته العقول ونفرت منه النفوس وهو ابلغ فى تقبيح الشىء من الامر (کبیر) حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ماموری تھے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر۔ اب کی آپ کے ٹوکنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ آپ کی پہلی ہی حرکت کیا کم تھی کہ اب کی تو آپ اس سے بھی کہیں بڑھ کر بے جا حرکت کر گزرے۔ کشتی کے نقصان کا تدارک تو بہر حال ممکن بھی تھا یہ تو جان کا معاملہ ہے اس کی تلافی کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔ اى انكر من الاول لان ذٰلک كان غرقا يمكن تداركه بالسد وهٰذا لا سبيل الى تداركه (کشاف) اَقَتَلْتَ...... نَفْسًا۔ یعنی ایک تو وہ لڑکا یوں ہی نابالغ۔ قابل قصاص نہیں۔ چہ جائے کہ بالکل بے قصور قتل ہوا! بحمد اللہ آج سہ شنبہ ۲۹ اپریل ۱۹۴۷ء مطابق ۶ جمادی الثانیہ کو بعد نماز ظہر اس پارۂ پانزدہم کی تفسیر پر نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَىْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِىْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّىْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِىْ وَ بَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ

(خضرؑ نے) کہا میں نے آپ سے کہہ دیا تھا نا کہ آپ سے میرے ساتھ نباہ نہ ہو سکے گا ف۱۰۹ (موسیٰؑ نے) کہا (اچھا اب) اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے متعلق پوچھوں تو آپ مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھئے بے شک آپ میرے بارہ میں حد عذر کو پہنچ چکے ف۱۱۰ پھر دونوں چلے ف۱۱۱ یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں پر گزر ہوا تو وہاں والوں سے کھانے کو مانگا ف۱۱۲ سو انہوں نے ان کی مہمانی سے انکار کر دیا ف۱۱۳ پھر دونوں کو اس (بستی) میں ایک دیوار ملی جو گرا چاہتی تھی سو (خضرؑ) نے اسے سیدھا کر دیا (موسیٰؑ نے) کہا اگر آپ چاہتے تو اس (کام) پر اجرت ہی لے لیتے ف۱۱۴ (خضرؑ) بولے (بس) یہ (وقت) میری آپ کی علیحدگی کا ہے ف۱۱۵ اب میں ان چیزوں کی حقیقت پر آپ کو مطلع کئے دیتا ہوں جن کے بارہ میں آپ ضبط نہ کر سکے ف۱۱۶ وہ جو کشتی تھی سو وہ (چند) غریبوں کی تھی کہ وہ دریا میں کام کرتے تھے ف۱۱۷ سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب پیدا کر دوں اور ان کے آگے کی طرف ایک بادشاہ تھا ف۱۱۸

ف۱۰۹ (اور اب اس کا ظہور پوری طرح ہونے لگا ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا سوال تو غالباً بے خیالی سے کر گزرے تھے جیسا کہ ان کے عذر لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ سے متبادر ہو رہا ہے۔ لیکن یہ دوسرا سوال عمداً تھا چنانچہ اب کی وہ اپنے سہو ونسیان کا عذر بالکل نہیں پیش کرتے۔ احکام شریعت کی خلاف ورزی پر تحمل جب عام صالحین سے نہیں ہو سکتا تو موسیٰ علیہ السلام تو ظاہر ہے کہ پیغمبر برحق تھے۔ اور آپ کا کام ہی ہر قسم کی بدی کو روکنا اور نیکی کو پھیلانا تھا۔ ”موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کر کے پھر جو اعتراض فرمایا تو وجہ یہ کہ وہ وعدہ معنیً مقید تھا عدم مخالفت شریعت کے ساتھ گو صورۃً مطلق تھا۔ پس اس کو خلف لازم نہیں آتا“ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ف۱۱۰ حضرت موسیٰ علیہ السلام گویا یہ فرما رہے ہیں کہ اچھا اب کی اور درگزرے کام لیجئے۔ لیکن آپ بھی شرائط کی خلاف ورزی کو کہاں تک برداشت کر سکتے ہیں۔ آپ اپنے عذر کی حد کو پہنچ گئے۔ اب اگر میں آپ سے کوئی اور سوال کروں تو آپ بیشک معذور ہیں اور مجھے فوراً اپنے ساتھ سے الگ کر سکتے ہیں۔ ”بعض کو اس قصہ سے یہ دھوکا ہو گیا ہے کہ پیر اگر کوئی خلاف شرع کام کرے اس پر انکار نہ کرے۔ چنانچہ اسی قصہ میں حدیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر صبر کرتے تو خوب ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کا کمال نص سے معلوم تھا۔ اس لئے سکوت جائز تھا۔ دوسرے کا ان پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔“ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) عَنْ شَیْءٍ۔ یعنی ان چیزوں سے متعلق جو آپ سے بہ سلسلہ عجائب وخوارق سرزد ہوتی ہیں۔ اے عن شیء تفعله من الاعاجیب (روح) ف۱۱۱ (اور حضرت خضر علیہ السلام نے وہ بات رفت وگزشت ہو جانے دی) ف۱۱۲ (کہ ہم اس اجنبی شہر میں مہمان ہیں) قدیم زمانہ میں جب کہ نہ قدم قدم پر مہمان سراؤں کا رواج تھا، نہ ہوٹلوں اور کھانے پینے کی دوکانوں کا۔ مسافر اور نووارد اپنا حق سمجھتے تھے کہ بستی والوں سے کھانا پانی طلب کریں اور بستی والے ان کی مہمانداری اپنا فرض سمجھتے تھے اور عموماً اسے بڑی خوش دلی سے بجالاتے تھے۔ قرآن مجید سے اشارۃً یہ بات بھی نکل آئی کہ میزبانی اور مہمانی کا یہی جذبہ صحیح تھا۔ ف۱۱۳ (جو اس قدیم تہذیب میں ایک بہت ہی قبیح جرم تھا) ف۱۱۴ (کہ ہم لوگوں کا کام بھی چل جاتا اور ان لوگوں کی تادیب بھی کسی قدر ہو جاتی) يُرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ۔ ارادۃ یہاں مجازی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی قرب وقوع کو ارادہ وقوع سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ والمراد من ارادة السقوط قربة من ذلک علی سبیل المجاز المرسل (روح) استعیرت الارادة للمداناة والمشارفة (کشاف) زمخشری صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ عربی میں متعدد افعال ارادی کا انتساب مجازاً جمادات لایعقل کے ساتھ ہوتا رہتا ہے مثلاً ہم، عزم، قول، نطق، صدق، کذب، سکوت، تمرد وغیرہا اور کلام عرب سے ان کی سندیں بھی پیش کی ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسب معیشت اور اس کے اسباب کا اختیار کرنا منافی کمال نہیں۔ ف۱۱۵ (جیسا کہ آپ خود ہی طے کر چکے ہیں) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے استنباط کیا کہ جب مرید سے خلاف ونزاع بار بار ظاہر ہونے لگے اور مرشد کو امید اس سے مناسبت وموافقت کی نہ باقی رہ جائے تو اسے جدا کر دینا درست ہے۔ ف۱۱۶ اس قصہ سے بعض کو دھوکا ہو گیا ہے کہ علم باطن علم شریعت سے افضل ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ علم باطن کے دو شعبہ ہیں۔ علم مرضیات الٰہی جو متعلق بالنفس ہیں اور علم اسرار کونیہ۔ پہلا تو شریعت کا ایک جزء ہے اور جزء کبھی کل سے افضل نہیں ہو سکتا اور دوسرا چونکہ قرب الٰہی میں کچھ دخل نہیں رکھتا اس لئے افضلیت کا احتمال بھی نہیں۔ دوسرا دھوکا یہ ہے کہ خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ جواب یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کو علم باطن کا دوسرا شعبہ حاصل ہونا اس قصہ سے ثابت ہے اور ابھی سن لیا ہے کہ وہ علم شریعت سے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا افضل نہیں ہے۔“ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) بِتَاْوِيْلِ۔ تاویل سے یہاں مراد غایت ومصلحت یا مصلحت تکوینی ہے۔ التاویل رد الشیء الی ماله والمراد به هنا المال والعاقبة (روح) ف۱۱۷ (اس کے ذریعہ سے محنت مزدوری کر کے کچھ کما لیتے تھے) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ آلات حرفہ وتجارت پر زکوٰۃ نہیں۔ چنانچہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان ملاحوں کو باوجود کشتی کے مالک ہونے کے مسکین ہی کہا۔ فقہاء مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ مسکین کا اطلاق ہر اس شخص پر جائز ہے جو اگرچہ مال رکھتا ہو مگر وہ اس کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو۔ وهو دلیل علی ان المسکین یطلق علی من یملک شیئًا اذالم یکفه (بیضاوی) وفیه دلیل علی ان المسکین وان کان یملک شیئًا فلا یزول عنه اسم المسکنة اذالم یعم ما یملک بکفایته (معالم) ف۱۱۸ وَرَآءَ یہاں بہ معنی امام (سامنے) کے ہے۔ اور وَرَآءَ کے امام کے مترادف ہونے میں کسی لغوی کو اختلاف بھی نہیں۔ قاله قتادة امامهم (ابن جریر) وهو قول قتادة وابی عبید وابن السکیت والزجاج (روح) ولا خلاف عند اهل اللغة فی مجیء وراء بمعنی امام (روح) بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تو قرأت ہی بجائے وَرَآءَهُمْ کے امامهم کی ہے۔ وکان ابن عباس یقرأ وکان امامهم ذلک (فتح القدیر) مراد یہ ہے کہ وہ کشتی جدھر جا رہی تھی، اسی طرف آگے بڑھ کر ایک ایسے ظالم وغاصب بادشاہ کی عملداری شروع ہونے والی تھی۔

كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ

جو ہر (بے عیب) کشتی کو زبردستی پکڑ لیتا تھا ۱۱۹ اور وہ جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ

مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴿٨٠﴾

ایمان والے تھے ۱۲۰ سو ہم کو معلوم ہوا کہ وہ ان دونوں پر بھی سرکشی اور کفر کا اثر ڈال دے گا ۱۲۱

فَأَرَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً

سو ہم نے یہ چاہا کہ اس کے عوض میں ان کا پروردگار انہیں ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر

وَأَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ

اور محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو ۱۲۲ اور رہی وہ دیوار سو وہ شہر کے

يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ

دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس (دیوار) کے نیچے ان کا دفینہ تھا ۱۲۳ اور ان کا

أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا

باپ ایک مرد صالح تھا ۱۲۴ سو آپ کے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی پختگی کو پہنچ جائیں

وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ وَمَا

اور اپنا دفینہ نکال لیں ۱۲۵ (یہ سب) آپ کے پروردگار کی مہربانی سے ہوا اور یہ

فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ

(کوئی کام) میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا ۱۲۶ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ سے

عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ

صبر نہ ہو سکا ۱۲۷ اور آپ سے (لوگ) ذوالقرنین کے باب میں سوال کرتے ہیں ۱۲۸ آپ کہہ دیجیے

سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ

کہ ان کا ذکر میں ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں ۱۲۹ ہم نے انہیں

ع ١٢ / ١٠

ف ۱۱۹ (سو اگر میں اس کشتی میں سوراخ نہ کر دیتا تو وہ بادشاہ اسے بھی پکڑ لیتا اور ان غریبوں کے ہاتھ سے ذریعہ معاش جاتا رہتا۔ اب یہ ہے کہ اس کی مرمت وہ لوگ تھوڑے میں کرا لیں گے اور اس نقصان عظیم سے بچ جائیں گے) ف ۱۲۰ (اور مجھ کو کشف تکوینی سے یہ علم ہوا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر کافر ہوگا) یہ علم مکاشفہ وہی ہے، جس کا ذکر اوپر عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا کے تحت میں موقع مدح پر آچکا ہے۔ ملاحظہ ہو آیت نمبر ۶۵ اور حاشیہ نمبر ۹۸ پارہ ۱۵۔ ف ۱۲۱ (اور وہ دونوں اپنی طبعی محبت سے اس کا ساتھ بے دینی میں دینے لگیں گے) خشینا۔ خشیت یہاں خوف واندیشہ کے معنی میں نہیں۔ علم ویقین کے معنی میں ہے۔ والخشية والخوف توجههما العرب الى معنى الظن وتوجه هذه الحروف الى معنى العلم بالشيء الذى يدرك من غير جهة الحس والعيان (ابن جریر) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خشیت اپنے اصلی معنی پر رہے اور حق تعالیٰ نے جب خضر علیہ السلام کو پوری اطلاع اس لڑکے کی آیندہ صلاحیتوں سے متعلق دیدی تو آپ نے خود ہی آیندہ کے اندیشوں سے اسے قتل کر دیا ہو۔ وانما خشى الخضر منه ذلک لان الله تعالىٰ اعلمه بحاله واطلعه على من امره وامره اياه بقتله (کشاف) فقہاء نے یہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اولاد کے گناہ میں والدین بھی تغافل ورضاء عدم منع کی صورت میں ماخوذ ہوں گے۔ ف ۱۲۲ (اور اس لڑکے کا ہم کام ہی تمام کر دیں) زَكٰوةً۔ پاکیزگی میں یعنی دین واخلاق میں۔ اے طهارة من الذنوب والاخلاق الردية (بیضاوی) رُحْمًا محبت کرنے میں، یعنی ماں باپ سے محبت کرنے میں۔ رُحْمًا رحم سے ہے اور معنی میں زور وقوت رحمت سے زیادہ رکھتا ہے۔ رحما من الرحمة وهى اشد مبالغة من الرحمة (بخاری) ابوعبیدہ لغوی کا قول ہے کہ رُحم رَحِم سے ہے جس کے معنی قرابت کے ہیں اور رحمت سے زیادہ زوردار ہے۔ جس کے معنی محض رقت قلب کے ہیں وحاصل كلامه ان رحماً من الرحم التى هى القرابة وهى ابلغ من الرحمة التى هى رقة القلب (فتح القدیر) اقرب رحما اے ابرّ لوالديه (ابن جریر عن قتادة) خَشِيْنَا۔ اَرَدْنَا۔ بعض محققین نے یہاں یہ نکتہ بھی کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نکیر چونکہ اسی واقعہ قتل سے متعلق بہت شدید تھی اس لئے جواب میں حضرت خضر علیہ السلام نے بھی اپنے ارادہ کی قوت ظاہر کرنے کو صیغۂ جمع متکلم تعظیمی استعمال کیا۔ ف ۱۲۳ (جو ان کے باپ سے ان کو میراث میں پہنچا ہے) كَنْزٌ۔ یہاں اصطلاح فقہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنے عام لغوی معنی میں خزانہ یا مال عظیم کے مرادف ہے۔ الْمَدِيْنَةِ۔ وہی شہر ہے، جس کا ذکر ابھی قریہ کے نام سے اوپر آچکا۔ گویا قرآن مجید نے دونوں لفظ کو مرادف قرار دیا ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ پہلا ذکر موقع ہجو ومذمت پر تھا (بہ سلسلہ بخل اہل قریہ) اس لئے لفظ بھی ہلکا لایا گیا اور یہاں محل مدح وتحسین کا ہے (بہ سلسلہ صالحیت یتیمین) اس لئے لفظ بھی اونچا لایا گیا۔ ف ۱۲۴ (سو اس کی برکت سے اللہ نے اس کے مال کو اس کی اولاد کے لئے محفوظ رکھنا چاہا) صَالِحًا یہاں محل تعلیل میں وارد ہوا ہے یعنی مال کے غیبی تحفظ میں دخل والدین کی صالحیت کو بھی تھا۔ اس سے علماء محققین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ والدین کی صالحیت اولاد کو فائدہ پہنچاتی ہے بشرطیکہ اولاد خود بھی صالح ہو اور پسر نوح علیہ السلام کی سی نہ ہو۔ فيه دلالة على ان الله يحفظ الاولاد لصلاح الأباء (جصاص) فيه دليل على ان الرجل الصالح يحفظ فى ذريته وتشمل بركة عبادته لهم فى الدنيا والأخرة (ابن کثیر) يدل على ان صلاح الأباء يفيد العناية باحوال الابناء (کبیر) ف ۱۲۵ (تو میں نے دیوار کو درست کر کے دفینہ کو محفوظ کر دیا ورنہ دیوار گر جانے سے لوگ اس مال کو لوٹ کر لے جاتے) كَنْزٌ کی متعدد تفسیریں مروی ہوئی ہیں لیکن عکرمہ وقتادہ نے اس کے وہی معنی لئے ہیں جو لغت میں عام ہیں یعنی مال مکنوز (ابن جریر) بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ دیوار کی بلا اجرت درستی پر چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض بہت ہلکا تھا اس لئے حضرت خضر علیہ السلام نے جواب بھی بہت ہلکے انداز میں دیا اور ارادہ عمل میں اپنے نفس کی آمیزش بالکل نہیں آنے دی۔ ف ۱۲۶ (بلکہ سارے کام بالہام الٰہی سرانجام دیئے) مطلب یہ کہ ان افعال خلاف شریعت ظاہر میں سے کوئی سا عمل بھی میری ذاتی رائے یا اجتہاد کا نتیجہ نہیں۔ سب الہامات الٰہی ہی کے تابع ہوئے ہیں۔ ف ۱۲۷ ما فعلت ما رأيت عن اجتهادى ورائى وانما فعلته بامر الله (کشاف) نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے سے بڑا صاحب باطن بھی احکام شریعت ظاہری کے خلاف نہیں جا سکتا تا آنکہ الہام صریح اپنی تائید میں نہ رکھتا ہو۔ لیکن خود الہام صریح ہی پر اب بعد ختم نبوت کیا دلیل قائم ہو سکتی ہے؟ بعض کو یہاں یہ دھوکا ہوا ہے کہ الہام پر خلاف شرع عمل جائز ہے۔ جواب یہ ہے کہ یا تو وہ نبی ہوں گے اور یا یہ کہ شریعت سابقہ ہوگی۔ مگر اس شرع میں یہ جائز نہیں" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ جس طرح انبیاء امر نبوت میں اپنے دل سے کچھ نہیں کرتے۔ اولیاء اہل خدمت بھی مدارج خدمت میں تابع حکم رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کا احتجاج ساقط ہو گیا جو کاملین کے لئے امور خلاف شرع فی الواقع کا صدور جائز رکھتے ہیں، وجہ سقوط ظاہر ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے یہ سب افعال بالکل مامور بہ من اللہ تھے اور یہی مامور بہ شرع ہے۔ اگر وہ نبی تھے تب تو یہ افعال شرع جزئی کی طرف مستند ہیں اور اگر نبی نہیں تھے تو شرع کلی کی طرف کسی اصل غامض کے ذریعہ استنباط ہے۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام کو اس لئے اطلاع نہیں ہوئی کہ ان پر وہ مصالح خاصہ منکشف نہیں ہوئے اس لئے وہ استنباط نہ کر سکے۔ ف ۱۲۸ عجب نہیں کہ ان اسرار کا بتلانا اسی درخواست کا پورا کرنا بھی ہو جو موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی۔ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ کو نمونہ ہی کے طور پر سہی۔ اور زیادہ ساتھ رہنے میں وہ غالباً مناسب موقع پر خود ہی بتلاتے اور ہر واقعہ پر بتلاتے تو یہ علم زیادہ حاصل ہوتا۔ اور گو یہ علم موسوی کے برابر مفید عام نہ ہو کیونکہ قابل اتباع نہیں۔ تاہم اس معنی کو مفید خاص کر ضرور ہے کہ بعض حکمتیں مفصلاً منکشف ہوتی ہیں۔ گو اجمالی عقیدہ کہ ہر واقعہ مشتمل حکمتوں پر ہوتا ہے قرب کے لئے کافی ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہ نہ کہا کہ تم خلاف شرع کرتے ہو۔

فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ

زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر طرح کا سامان دیا تھا ف۱۳۰ پھر وہ ایک راہ

سَبَبًا ﴿۸۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا

پر ہو لئے ف۱۳۱ یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کے موقع پر پہنچے تو اسے ایک

تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۬ؕ

سیاہ چشمہ میں ڈوبتا ہوا محسوس کیا ف۱۳۲ اور اس کے قریب ایک قوم کو (بھی) پایا ف۱۳۳

قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّآ اَنْ

ہم نے کہا اے ذوالقرنین (تمہیں اختیار ہے) خواہ انہیں سزا دو خواہ

تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ

ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو ف۱۳۴ (ذوالقرنین نے) کہا کہ اچھا۔ مگر جو کافر رہے گا سو ہم اسے عنقریب

نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾

سزا دیں گے پھر وہ اپنے پروردگار کے پاس پہنچایا جائے گا تو وہ اسے بڑا ہی سخت عذاب دے گا ف۱۳۵

وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ

اور جو ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا سو اس کے لئے اچھا

الْحُسْنٰى ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾ ؕ ثُمَّ

معاوضہ ہے اور ہم بھی اپنے برتاؤ میں اس کے ساتھ نرم بات کہیں گے ف۱۳۶ پھر وہ

اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ

ایک (اور) راہ پر ہو لئے ف۱۳۷ یہاں تک کہ جب طلوع آفتاب کے موقع پر پہنچے ف۱۳۸

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ

تو اسے ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کے لئے ہم نے اس کے ادھر

وجہ یہ کہ بعد غصہ فرو ہو جانے کے اجمالاً سمجھ گئے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس بھیجا ہے تو ان کا فعل موافق ہوگا" (تھانوی) سارے قصہ سے ظاہر ہے کہ پیمبر کے لئے شرط علوم متعلقہ نبوت سے اطلاع ہے نہ کہ تمام علوم سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس علم سے، جس کے لئے اتنا بڑا سفر کیا تھا اور جس کے سیکھنے کے لئے اس شوق سے آئے تھے دست برداری گوارا کرلی مگر یہ گوارا نہ کیا کہ خلاف منصب نبوت ایسے منکر افعال پر (ان کا منشائے باطن کچھ بھی سہی) سکوت گوارا کرلیں۔ اسی لئے محققین کا بالاتفاق فیصلہ ہے کہ کوئی شغل، کوئی کسب اپنے آثار روحانی ولطائف نورانی کے لحاظ سے کیسا ہی مزکی نفس ومجلی قلب ہو اگر احکام شریعت ظاہری کے خلاف ہوگا۔ ہرگز جائز وحلال نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے مغیبات پر مطلع ہو جانا یا ان کا منکشف ہو جانا مقاصد میں سے نہیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام باوجود اس کے کہ قطعی نبی اور اولوالعزم اور صاحب شریعت مستقلہ ہونے کے خضر علیہ السلام سے اکمل ہیں۔ پھر بھی ان واقعات سے متعجب رہے۔ ف۱۲۹ یہ سوال کرنے والے قریش تھے بہ مشورۂ یہود۔ بعض روایتوں میں صرف مشرکین کا ذکر ہے، اور بعض میں صرف اہل کتاب کا۔ لیکن قول مشہور ومحقق یہی ہے۔ **السائلون في المشهور قريش بتلقين اليهود** (روح) ذُو الْقَرْنَيْنِ۔ طرز سوال سے یہ خود ہی نکل آیا کہ ذوالقرنین قرآن کا دیا ہوا نام نہیں بلکہ یہ کوئی ایسی شخصیت تھی جس سے یہود خوب واقف تھے، اور عرب میں یہ نام چلا ہوا تھا چنانچہ مفردات القرآن راغب میں اتنا ہی لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ ذوالقرنین معروف۔ قرن کے معنی سینگ یا شاخ کے ہیں۔ اس لئے ذوالقرنین کے لفظی معنی ہوئے "دو سینگوں والا" اور ایک معنی قوت کے بھی لئے گئے ہیں۔ **قيل القرن القوة** (حنا یہ لسان) قرآنی تصریحات سے اتنا تو بہرحال معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی دیندار اور بڑے فاتح کشور کشا تھے مگر اس سے زیادہ تعیین قرآن میں نہیں۔ آگے شارحین و مفسرین کے قیاسات ہیں غالب خیال یہ ہے کہ مراد مشہور تاریخی فاتح سکندر یونانی (متوفی ۳۲۳ ق۔م) سے ہے۔ **والمشهور انه الاسكندر** (بحر) **يعني اسكندر الرومي** (بیضاوی) **الاسكندر الذى ملك الدنيا** (مدارک) **اسمه سكندر** (جلالین) **وجب القطع بان المراد بذى القرنين الاسكندر بن فيلقوس اليوناني** (کبیر) اور اہل لغت نے یہ تشریح بطور ایک مسلمہ کے نقل کردی ہے۔ **و ذوالقرنين المذكور في التنزيل هو اسكندر الرومي** (قاموس۔ تاج) **وذوالقرنين الموصوف في التنزيل لقب لاسكندر الرومي** (لسان) اس قول کے تسلیم کرنے میں دقت یہ پڑتی ہے کہ سکندر کے موحد ومومن ہونے کا کوئی ثبوت تاریخ میں موجود نہیں۔ یہود، عبادت یہود اور معبد یہود کے ساتھ اس کے ہمدردانہ برتاؤ سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اسے دین توحید سے کوئی عناد وتنفر نہ تھا جیسا کہ عموماً مشرک بادشاہوں کو رہا کیا ہے۔ دوسرے اقوال جو ایران کے بادشاہ عظیم سائرس یا فورس یا کیخسرو (متوفی ۵۲۹ ق۔م) وغیرہ سے متعلق ہیں۔ ان کے ماننے میں تاریخی دقتیں کچھ کم حائل نہیں۔ قرن یا سینگ توریت کی اصطلاح میں شوکت واقتدار کے معنی میں آیا ہے۔ اور روایات یہود میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے توریت لیکر واپس ہوئے ہیں تو آپ کے سر پر بھی یہی دو سینگ نمودار تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ سے متعلق متعدد قول اور روایتیں منقول ہیں۔ ایک مشہور ومرفوع روایت یہ ہے کہ مشرق سے مغرب تک سیر کی تھی اس لئے ذوالقرنین مشہور ہوئے۔ **انه طاف قرني الدنيا اي شرقها وغربها وروى ذلك مرفوعًا** (روح) **سمى بذلك لانه ملك الشرق والغرب** (بنایہ) ف۱۳۰ (حسب وحی الٰہی) **منه** میں مضاف خبر محذوف ہے۔ **منه اي من خبره** (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف۱۳۱ (جس سے وہ اپنے شاہی ارادوں اور منصوبوں کی تکمیل کرسکیں) **اي من اسباب كل شيء اراده من اغراضه ومقاصده في ملكه** (کشاف) مطلب یہ ہوا کہ وہ ایک بڑے بادشاہ اور جلیل القدر فرمانروا تھے۔ سَبَبًا سبب کے معنی ذریعہ، واسطہ سامان کے ہیں۔ جس سے مقصد پورا ہوسکے۔ **كل ما يتوسل بها الى شيء** (راغب) **ما يتوسل به الى المقصود من علم اوقدرة اوآلة** (کشاف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مال کا حاصل ہونا یہاں تک کہ خزائن اور جاہ کا حاصل ہونا یہاں تک کہ سلطنت کمال کے منافی نہیں۔ ف۱۳۲ (جانب مغرب، بارادہ فتوحات) سبب کے معنی جس طرح ساز وسامان کے ہیں اسی طرح راہ، منزل، طریق کے بھی ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔ یعنی **بالسبب المنزل** (ابن جریر۔ عن ابن عباس) **سببًا اي منزلًا و طريقًا** (ابن جریر۔ عن مجاہد) **اي منازل الارض و معالمها** (ابن جریر عن قتادۃ) سکندر اعظم کی ابتدائی فوجی مہمات شمال اور مغرب ہی کی جانب تھیں۔ ف۱۳۳ (جیسا کہ سمندر کے کنارہ کھڑے ہوئے ہر شخص کو سورج سمندر ہی میں ڈوبتا دکھائی دیتا ہے) مَغْرِبَ الشَّمْسِ۔ یعنی جہت مغرب میں منتہائے آبادی پر۔ **الغرب، والمغرب** دونوں سے مراد پچھم کی سمت ہی ہوتی ہے۔ **اي منتهى الارض من جهة المغرب** (روح) وَجَدَهَا۔ وجد کے دو مختلف مفہوم لغت عرب میں ہیں۔ ایک معنی تو ہیں "پایا" "معلوم کیا"، "دریافت کیا"۔ گویا اس معنی میں واقعیت یا واقعہ کے ساتھ مطابقت کا پہلو بھی شامل ہے اور دوسرے معنی ہیں "محسوس کیا" "مشاہدہ کیا" گویا اس کا تعلق محض وجدان وادراک سے ہے واقعہ سے مطابقت ہرگز ضروری نہیں۔ اور یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں۔ **المراد وجدها في نظر العين** (روح) عَيْنٍ حَمِئَةٍ۔ یعنی گندے سیاہ کیچڑ میں۔ **اي في طين اسود** (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) **ذات حماة** (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) **الحمئة الحما السوداء** (ابن جریر۔ عن قتادۃ) اب تاریخ وجغرافیہ کی شہادت یہ ہے کہ سکندر کی ابتدائی فتوحات کی سمت (یعنی سمت مغرب) میں ایک بڑی جھیل آکریڈا (OCHRIDA) کے نام سے جنوبی سرویا (موجودہ یوگوسلیویا) میں واقع ہے۔ مناستر سے کوئی ۵۰ میل جانب مغرب۔ اس کا پانی جن زمین اور چشموں سے آتا ہے وہ بڑے گندلے یا سیاہی مائل ہیں یہاں تک کہ جو دریا اس جھیل سے نکلا ہے اس کا نام ہی دریائے سیاہ (Black River) ہے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۱۳۴ (جو کافر تھی، جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے) **قوما كفارا** (ابن عباس رضی اللہ عنہما) یہاں وجد اپنے پہلے معنی میں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۳۳ یعنی اس گندے

دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَ قَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ

کوئی آڑ نہیں رکھی تھی ف١٣٩ یہ اسی طرح ہے اور جو کچھ ان کے پاس تھا اس کی ہم کو

خُبْرًا ﴿٩١﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ

پوری خبر ہے ف١٤٠ پھر وہ ایک (اور) راہ پر ہو لئے ف١٤١ یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے

السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ

درمیان پہنچے تو ان کے ادھر ایک قوم کو پایا جو گویا کوئی بات

يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ

ہی نہیں سمجھتے تھے ف١٤٢ ان لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین (قوم) یاجوج

وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ

و ماجوج (اس) سر زمین میں بڑا فساد مچاتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لئے کچھ سرمایہ

خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾

جمع کر دیں جس سے آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی روک بنا دیں ف١٤٣

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ

(ذوالقرنین نے) کہا کہ میرے پروردگار نے مجھے جو کچھ دے رکھا ہے وہ بہت کچھ ہے، سو تم میری مدد محنت سے کرو ف١٤٤

اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ

تو میں تمہارے اور ان کے درمیان خوب مضبوط دیوار بنا دوں ف١٤٥ تم لوگ میرے پاس لوہے کی

الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ

چادریں لاؤ ف١٤٦ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان کو برابر کر دیا تو کہا

انْفُخُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ

کہ دھونکو یہاں تک کہ جب اسے آگ بنا دیا تو کہا کہ (اب) میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ

چشمہ کے کنارے ایک قوم آباد تھی۔ ف١٣٥ سزا دو تو ان کے کفر سابق کی بنا پر وہ بھی ٹھیک ہے اور انہیں نرمی سے دعوت ایمان دو تو وہ بھی ان کی توقع ایمان کی بنا پر مناسب ہے۔ اس کا فیصلہ ذوالقرنین ہی پر چھوڑ دیا گیا جیسا کہ ہر ایسے موقع پر امام مسلمین یا امیر المومنین پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ هذا التخيير على معنى الاجتهاد فى اصلح الامرين (کبیر) قُلْنَا۔ یہ ارشاد خداوندی خواہ براہ راست الہاماً ہوا ہو خواہ بالواسطہ نبی وقت کے ذریعہ سے۔ ف١٣٦ (آخرت میں) ذوالقرنین نے کہا کہ اچھا تو میں وہی نرمی کا طریقہ اختیار کرتا ہوں اور پہلے ان لوگوں کو دعوت ایمان ہی دیتا ہوں۔ مَنْ ظَلَمَ۔ ظلم یہاں کفر کے اور ظالم کافر کے معنی میں ہے۔ ظلم اى كفر بالله (ابن عباس رضی اللہ عنہما) الظلم العظيم الذى هو الشرك (روح) یعنی آپ نے فرمایا کہ جو میری دعوت ایمان کے بعد بھی کافر رہے گا۔ اى استمر على كفره واشركه بربه (ابن کثیر) نُعَذِّبُهٗ۔ اس عذاب کے تحت میں قتل وغیرہ سب کچھ آ گیا۔ نُّكْرًا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ١٠٨، پ١٥۔ ف١٣٧ یعنی فعلی سختی تو کیا قولی سختی بھی مومنین کے ساتھ روا نہ رکھی جائے گی۔ فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى۔ یعنی آخرت میں اس کے لئے عیش ہی عیش ہے۔ ف١٣٨ یعنی سمت مشرق میں۔ سکندر کی فوجی مہمات بعد کو مشرق ہی کی سمت ہوئیں۔ ف١٣٩ یعنی وہ وحشی اور غالباً خانہ بدوش قوم مکان ولباس وغیرہ کی صنعتوں سے نا آشنا تھی۔ دھوپ سے بچنے کو نہ مکان تھا نہ کپڑا۔ مَطْلِعَ الشَّمْسِ۔ یعنی سمت مشرق میں منتہائے آبادی پر۔ اى غاية الارض المعمورة من جهة المشرق (روح) وَجَدَهَا۔ وجد کے معنی یہاں بھی وہی معلوم ہونے، محسوس کرنے کے ہیں۔ سِتْرًا۔ ستر کے لفظی معنی ہیں وہ چیز جو ڈھانکے۔ هو ما يستر به (تاج) یہاں مراد ہر ایسی چیز سے لی گئی ہے جو دھوپ سے بچانے اور محفوظ رکھنے کا کام دے سکے اور اس میں مکان اور لباس دونوں آ گئے۔ لم يبنوا فيها بناء قط ولم يبن عليهم فيها بناء قط (ابن جریر۔ عن قتادۃ) الستر الذى جعلنا لكم من الجبال والحصون والابنية والاكنان من كل جنس والثياب من كل صنف (کشاف) المراد لا شىء لهم يسترهم من اللباس والبناء (روح) معناه انه لا ثياب لهم ويكونون كسائر الحيوانات عراة ابدا (کبیر) ف١٤٠ كَذٰلِكَ۔ تحقیق وتاکید کے لئے آتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ ہم بیان کر رہے ہیں یہی اصل حقیقت اور واقعہ ہے اور ہم کو ذوالقرنین اور اس کے ساز وسامان کی پوری اطلاع ہے۔ ف١٤١ (اور اب کی بھی سمت مشرق ہی میں) قرآن مجید میں اس سمت کی بابت کوئی اشارہ نہیں۔ قدیم مفسرین نے اپنے وقت کی جغرافیائی معلومات پر اعتماد کر کے لکھ دیا ہے کہ سمت شمال مراد ہے۔ لیکن اس پر کوئی دلیل نقلی یا عقلی قائم نہیں کی ہے۔ ان کے قیاس کی بنیاد تمامتر یہ ہے کہ قدیم جغرافیہ میں انسانی آبادی عموماً شمال ہی کے سمت میں دکھائی گئی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ اس تیسرے جنگی سفر کی سمت بھی مشرق ہی تھی۔ اور چونکہ سمت مشرق کا ذکر ابھی اوپر آ چکا ہے۔ اس لئے اب کسی مزید تصریح وتعیین کی ضرورت نہ تھی۔ ف١٤٢ یعنی ذوالقرنین اور اس کے لشکریوں کی زبان ان کے لئے بالکل اجنبی تھی۔ ما كانوا يفهمون اللسان الذى يتكلم به ذو القرنين (کبیر) عجب نہیں جو یہ ترکستانی قبائل ہوں، جن کی زبان، تلفظ، لب ولہجہ سب یونانیوں کے لئے اجنبی تھا۔ بَيْنَ السَّدَّيْنِ۔ سد کے اصلی معنی دو چیزوں کے درمیان اوٹ یا رکاوٹ کے ہیں۔ الحاجز بين الشيئين (ابن جریر) اور اس کے عموم میں پہاڑ درہ وغیرہ سب شامل ہیں، یہاں مراد پہاڑ لی گئی ہے۔ السدين الجبلين (ابن عباس رضی اللہ عنہما) يعنى بين جبلين (ابن جریر۔ عن ضحاک) وهما جبلان (ابن جریر۔ عن قتادۃ) ف١٤٣ (تا کہ وہ پھر ہمارے ملک میں نہ آنے پائیں) يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ بظاہر یہ دو منگولی قبیلے معلوم ہوتے ہیں، جو پہاڑوں کی دوسری طرف آباد تھے، اور کبھی کبھی موقع پا کر یلغار کرتے ہوئے ترکوں کے درمیان گھس آتے تھے۔ یاجوج اور ماجوج کا اشتقاق اہل لغت نے مادہ اج سے کیا ہے۔ جس کے معنی آگ کے شعلہ مارنے اور پانی کے تموج وتلاطم کے ہیں۔ ان کے یہ نام ان کی شدت شورش کی بنا پر پڑے۔ شبهوا بالنار المضطربة والمياه المضمرجة لكثرة اضطرابهم (راغب) بعض نے انہیں اسماء عجمی بھی کہا ہے اسمان اعجميان بدليل منع الصرف (کشاف) بائبل کی کتاب حزقی ایل کے باب ٣٨، ٣٩ میں یاجوج وماجوج کا ذکر بار بار آیا ہے۔ اور پیشگوئیاں بھی درج ہیں۔ لیکن کچھ تفصیلات بیان نہیں ہوئی ہیں۔ بائبل کے شارحین بھی آج تک ان کی تعیین میں مضطرب ہیں۔ کوئی یاجوج وماجوج کو دو قومیں قرار دیتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ ماجوج قوم کا نہیں مقام کا نام ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ماجوج یافث بن نوح کی نسل سے ہے۔ عام طور پر ان لوگوں کی سکونت ایشیائے کوچک اور آرمینیا میں سمجھی گئی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ وہی قومیں ہیں جو (سیتھین Saythians) کہلاتی ہیں۔ بہرحال بائبل اور اس کی شروح سے قرآنی یاجوج وماجوج پر کچھ زیادہ روشنی نہیں پڑتی۔ قرآنی اشاروں سے تو بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ کوئی شوروپشت وشورش پسند پہاڑی قبیلے تھے اور جو آبادیاں ان کی تاخت کی زد میں تھیں انہوں نے ذوالقرنین سے عرض کی کہ ہم ان سے سخت پریشان ہیں۔ کہیے تو ہم چندہ فراہم کر دیں اور آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایسی حد فاصل قرار دیدیں جسے توڑ کر یہ حملہ آور نہ ہو سکیں۔ سَدًّا۔ یعنی روک۔ اى حاجزا يمنعهم من الوصول الينا (روح) ف١٤٤ ذوالقرنین نے ان لوگوں کی درخواست کے جواب میں کہا کہ مال وخزانہ تو میرے پاس خدا کا دیا ہوا خود ہی بہت کافی ہے۔ مجھے تمہاری مالی مدد کی ضرورت نہیں البتہ تم ہاتھ پیر سے میری مدد کرو۔ مجھے ضرورت مزدوروں اور کاریگروں کی ہے۔ ما جعلنى فيه مسكينا من المال والملك خير مما تبذلون لى من الخراج ولاحاجة لى اليه (بیضاوی) اى ما بسط الله لى من القدرة والملك خير من خرجكم (بحر) فقہاء نے یہاں دو مسئلہ مستنبط کئے ہیں۔ ایک یہ کہ بادشاہ کو جائز ہے کہ رعایا کی

عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَ مَا

تو میں اس پر ڈال دوں و۱۴۷ سو وہ (قوم یاجوج و ماجوج) نہ اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ

اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ

اس میں نقب ہی لگا سکتے تھے و۱۴۸ (تو ذوالقرنین نے) کہا کہ یہ (بھی) میرے پروردگار کی ایک رحمت ہی ہے و۱۴۹

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ

پھر جب میرے پروردگار کا وعدہ آ پہنچے گا تو وہ اسے ڈھا کر برابر کر دے گا اور میرے پروردگار کا ہر وعدہ

رَبِّيْ حَقًّا ﴿٩٨﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ

برحق ہے و۱۵۰ اور ہم اس روز انہیں ایک دوسرے سے گڈ مڈ

بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾

کر دیں گے و۱۵۱ اور صور پھونکا جائے گا پھر ہم سب کو جمع کر لیں گے و۱۵۲

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾

اور اس روز ہم دوزخ کو کافروں کے سامنے پیش کر دیں گے

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا

جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

سن بھی نہیں سکتے تھے و۱۵۳ کیا پھر بھی کافروں کا خیال ہے

اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ

کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو (اپنا) کارساز قرار دے لیں؟ و۱۵۴ بے شک ہم نے

اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ

دوزخ کو کافروں کی مہمانی کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیا ہم تمہیں ان لوگوں (کا پتہ) بتائیں

ع ۱۱ ۹ ۲

کہ کام تم کرو دیوار میں بنوائے دیتا ہوں۔ اس میں معاوضہ کی صورت کام سے بھی آگئی اور مال سے بھی۔ و۱۴۵ (جس سے وہ پھر آہی نہ سکیں) رَدْمًا۔ ردم کہتے ہیں بہت پختہ اور سنگین اور مضبوط قسم کے حجاب کو۔ سد الثلمة بالحجر (راغب) حاجزًا حصينًا موثقًا (کشاف) اور محاورہ میں ردم سد سے کہیں بڑے حجاب کو کہتے ہیں۔ والردم اکبر من السد (کشاف) و۱۴۶ (اور سب سامان جمع کرو) چنانچہ سامان جمع ہوگیا اور کام شروع ہوگیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بنیادیں وغیرہ تو پتھر سے بھری گئی ہوں گی اور اوپر سے اس درہ کو لوہے کی چادروں کے دروازہ سے بند کیا گیا ہوگا۔ صدیوں بعد سیاحوں کے مشاہدہ میں ایک آہنی دیوار مقام دربند میں نظر آئی اور اس کا نام سد سکندری ہی مشہور تھا اور وہ پھاٹک باب الحدید ہی کہلاتا تھا۔ یہ دربند وہ نہیں جو بحر قزوین کے مشرقی ساحل پر علاقہ قفقاز میں واقع ہے، جیسا کہ بعض مفسرین جدید کو دھوکا ہوا ہے۔ بلکہ یہ وہ دربند ہے جو علاقہ وسط ایشیا کے مشرقی حصہ میں ضلع حصار میں واقع ہے۔ بخارا سے کوئی ۱۵۰ میل جنوب مشرق میں۔ ۳۸ درجہ شمال عرض البلد اور ۶۷ درجہ مشرق طول البلد ہے۔ اس کا ذکر مشہور یورپین سیاح مارکو پولو نے اپنے سفرنامہ میں بھی کیا ہے۔ نیز انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم جلد ۱۳ میں صفحہ ۵۲۶ پر ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۱۴۷ (مزید استحکام کے لئے) ظاہر ہے کہ یہ سارے کام آلات جرثقیل وغیرہ اعلیٰ درجہ کی مشینوں کی مدد سے انجام پائے ہوں گے اور ذوالقرنین کے تحت میں بڑے بڑے ماہرین فن انجینئر اور مہندس ہوں گے۔ سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ۔ یعنی جو خلا دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان رہ گیا، اسے پہاڑوں کے برابر کر دیا۔ الصدفان ای جانبا الجبلین (کشاف) جَعَلَهٗ نَارًا۔ یعنی خوب لال انگارہ کر دیا جیسا کہ لوہا تپنے کے بعد ہو جاتا ہے۔ و۱۴۸ (اور اس دیوار کی بلندی و استحکام کے باعث ان وحشی و جنگجو قوموں کی تاخت و تاراج سے امن ہوگیا۔) اَنْ يَّظْهَرُوْهُ کے لفظی معنی یہ ہیں کہ اس پر غالب نہ آسکے، اور اس پر غالب آنے سے مراد یہاں اس پر چڑھ سکنا ہے۔ ان یظھروہ ای ان یعلوہ (کشاف) و۱۴۹ (کہ میرے ہاتھوں سے ایسا مہتم بالشان کام انجام دلا دیا) ذوالقرنین نے یہ بات بہ طور شکر و تحدیث نعمت کے کی جو شیوہ ہے اہل حق کا۔ هٰذَا میں اشارہ اس سد کی تعمیر کی جانب ہے یا اس تعمیر پر اقتدار و قوت کی جانب۔ اشارة الی السد او ھذا الاقتدار والتمکین من تسویته (کشاف) و۱۵۰ (جو بہر نوع و بہر صورت پورا ہو کر ہی رہتا ہے) ذوالقرنین کے قول کا مطلب یہ ہے کہ سردست تو میں نے ان موذیوں کے شر سے تم کو محفوظ کر دیا ہے۔ باقی جب اس کے فنا کا وقت آئے گا تو یہ دیوار سنگ و آہن بھی باوجود اس استحکام کے زمین دوز ہو کر نیست و نابود ہو جائے گی۔ اور جس طرح ہر شے فانی ہے یہ بھی اپنے وقت پر فنا ہو کر رہے گی۔ وَعْدُ رَبِّيْ۔ ”پروردگار کا وعدہ“ یعنی اس وعدہ کے پورا ہونے کا وقت۔ ای وقت وعدہ تعالٰی (روح) و۱۵۱ یہ کس روز؟ يَوْمَئِذٍ سے کس روز کی طرف اشارہ ہے؟ ظاہراً مراد اس دیوار کے عدم کے دن سے ہے یا اس وقت کے قرب سے ہے۔ الاقرب ان المراد الوقت الذی جعل اللّٰہ ذلک السد دکاء (کبیر) ای یوم اذا جاء الوعد بمجیء بعض مبادیه (روح) ای یوم یدک ھذا السد (ابن کثیر) قیل ھذا عند فتح السد (معالم) لیکن بعض نے اس سے یوم قیامت مراد لی ہے۔ اور یہ مفہوم بھی سیاق قرآنی سے کچھ زیادہ بعید نہیں۔ اس صورت میں بَعْضَهُمْ میں ضمیر ھم بجائے یاجوج، ماجوج کے خلق کی جانب ہو جائے گی۔ بعضھم ای بعض الخلق (کشاف) يَوْمَئِذٍ کی جو دونوں تعبیریں نقل ہوئیں۔ ان میں باہم کوئی منافات نہیں۔ ہدم دیوار کا وقوع عین قرب قیامت ہی میں تو ہوگا۔ تَرَكْنَا یہاں جعلنا کے مرادف ہے۔ (کشاف۔ بیضاوی) و۱۵۲ اب بیان قیامت کا شروع ہوگیا...... ہر اہم دنیوی واقعہ و حادثہ میں آخرت کی یاد دلا دینا عین دستور قرآنی کے مطابق ہے۔ و۱۵۳ (اس بغض و عناد کی بنا پر جو انہیں اسلام و رسول اسلام سے تھا) یہ ذکر دنیا کا ہے کہ جب کافر دنیا میں تھے تو نہ دین حق کو دیکھتے تھے نہ دعوت حق کو سنتے تھے۔ ذِكْرِيْ کے لفظی معنی تو ”میری یاد“ کے ہیں مراد اللہ کی توحید اور اللہ کی کتاب سے لی گئی ہے۔ ای عن توحیدی وکتابی (ابن عباس رضی اللہ عنہما) یعنی عن الایمان والقراٰن وقیل عن رؤیة الدلائل (معالم) كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا۔ اس عدم استطاعت سے مراد کوئی اضطرار یا معذوری نہیں۔ بلکہ کافروں کے عناد ارادی ہی کی جانب اشارہ ہے۔ قال القاضی المراد منه نفرتھم عن سماع ذلک الکلام واشتغالھم ایاہ (کبیر) ای سمع القبول والایمان لغلبة الشقاوة علیھم (معالم) و۱۵۴ (اور جو ہر طرح میرے مملوک و محکوم ہیں، انہیں معبود و حاجت روا سمجھنے لگیں) عبادی ای الذین ھم تحت ملکی وسلطانی (روح) ا۔ف۔ یعنی جب کفر اتنی شدید وعید کا مستحق بنا دیتا ہے۔ استفہام بطور زجر و ملامت کے ہے وھو استفھام علی سبیل التوبیخ (کبیر) اَوْلِيَآءَ کا لفظ بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اور اسی کے اظہار کے لئے یہاں آلہہ کے بجائے اولیاء لایا گیا ہے۔ تجارت میں، زراعت میں، بیماری سے صحت دینے میں، اولاد بخشنے میں، مقدمات میں کامیاب کرنے میں، غرض زندگی کے کسی شعبہ میں بھی جب اصلی تکیہ بندوں پر اور بندوں کی بنائی ہوئی تدبیروں پر کیا جانے لگے تو یہ سب غیر اللہ کو کارساز ہی ٹھہرا لینا ہے۔

و۱۵۵ (جو ان کی مستقل فلاح کے لئے کافی ہوجائیں گے) اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ یعنی ایسے لوگ جن کی ساری جدوجہد، تگ ودو، کاوش وکوشش کا مدعا، اولاً بھی اور آخراً بھی یہی دنیا اور اس کے محظوظات رہتے ہیں!...... بینک کے بڑے بڑے کھاتے، اونچے اونچے عہدہ اور خطابات، اونچی اونچی کوٹھیاں، نام ونمود، شہرت واعزاز، "علمی ترقیاں"، معاشی فلاح یا بیان...... رضائے الٰہی وفلاح آخرت کا خیال بھی کبھی نہیں آتا! ضَلَّ کا لفظ بہت قابل غور ہے۔ ایسے لوگوں کی ساری کوششیں بس اسی دنیا کے پیچھے ختم ہوجاتی، غارت جاتی ہیں! يَحْسَبُوْنَ۔ یعنی محض اپنے پندار باطل اور ہوائے نفس کے موافق، بغیر کسی دلیل شرعی کے، اپنے مسلک اور روش کو بہتر سمجھے بیٹھے ہیں! پورا رکوع اگر ذرا بھی خیال کرکے پڑھا جائے تو مومن کے دل کو تھرا دینے اور لرزا دینے کے لئے کافی ہے۔ آہ، کہ آج ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جن کی صبح وشام، رات اور دوپہر، سب اسی دنیا کے ادھیڑ بن میں، رضائے مولی سے بالکل منہ موڑے ہوئے گزر رہی ہے، اور اپنے زعم وپندار میں اپنے کو محقق ومصلح، شاعر وادیب، رومانس نگار اور آرٹسٹ، اور خدا معلوم روشن خیالی کے ایجاد کیے ہوئے کیسے کیسے خوشنما القاب سے اپنے کو آراستہ سمجھتے رہتے ہیں، تا آنکہ جب موت آجاتی ہے، اس وقت آنکھیں کھلتی ہیں کہ ارے ہم کس دھوکے میں پڑے رہے۔ یہاں تو پرسش ان "علوم" و "فنون" و "صنائع" میں سے کسی کی بھی نہیں! اللّٰھم احفظنا۔ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ۔ متعدد صحابیوں اور تابعین کا خیال ہے کہ الفاظ سے اشارہ خصوصی اہل کتاب کی جانب ہے۔ المراد بھم اھل الکتابین وروی ذٰلک عن ابن عباسؓ و سعد ابن ابی وقاصؓ و مجاھد (روح) اور بعض اقوال میں تصریح اہل صومعہ یعنی مسیحیوں کی آگئی ہے۔ یقال اصحاب الصوامع (ابن عباسؓ) و۱۵۶ بعض اعراض جو اس عالم ناسوت میں مجردات سے منفک ہیں، آخرت کے بدلے ہوئے ماحول میں متشکل ومرئی ہو جائیں گے اعمال خود وہاں مادی پیکر اختیار کرلیں گے۔ اور اعمال کے ساتھ، علاوہ دوسرے اعراض وصفات کے ان کا وزن بھی مادی ہوکر نظر آنے لگے گا لیکن جو عمل فی نفسہٖ کوئی وزن رکھتا ہی نہیں، وہ وہاں کے ماحول میں جو سرتاسر آئینۂ حقیقت ہوگا، تمامتر بے وزن نظر آئے گا۔ اُولٰٓئِكَ...... لِقَآئِهٖ۔ بدبختی کی اصلی اور قطعی علامتیں یہی ہیں کہ حق تعالیٰ کی شریعت، اس کے انبیاء اور وقوع آخرت سے انکار کردیا جائے۔ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ۔ یعنی حق تعالیٰ کے احکام، اس کے انبیاء، اس کی کتابوں سے۔ لِقَآئِهٖ۔ یعنی یوم آخرت کے وقوع سے۔ اَعْمَالُهُمْ۔ یعنی وہ اعمال جو اپنے نزدیک وہ بہت نیک سمجھتے تھے اور جن پر انہیں ناز تھا۔ و۱۵۷ کفر وطغیان میں جب ترقی ہوجاتی ہے تو انسان محض انکار ہی پر بس نہیں کرتا بلکہ تکذیب کے ساتھ ساتھ تمسخر بھی حق تعالیٰ کی کتابوں، پیمبروں اور احکام کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ و۱۵۸ یعنی جنت کی ان لازوال اور نت نئی نعمتوں میں رہنے والوں کو نہ کوئی بے دخل کرسکے گا اور نہ وہ از خود کبھی وہاں سے نکلنے کی خواہش کریں گے۔ نُزُلًا۔ نزلا کے لفظ نے ادھر اشارہ کردیا کہ مومنین کا یہ اعزاز واکرام بہ طور ان کے استحقاق کے ہوگا — ٹھیک اسی طرح جیسے اہل کفر کا حق جہنم پر ہوگا۔ الْفِرْدَوْسِ۔ فردوس جنت کے وسط میں واقع ہے۔ اور اس کی بہترین وبلندترین منزل کا نام ہے، اور وہیں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ فانه اعلی الجنة و اوسط الجنة و منه تفجر انهار الجنة (صحیح بخاری، صحیح مسلم) لفظ کے اخذ واشتقاق میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عربی الاصل ہے اور بعض کا قول ہے کہ رومی زبان یا سریانی زبان سے آیا ہے۔ واختلف فی لفظة الفردوس فقیل عربیة و هو قول الفراء او رومیة نقلت الی العربیة نقله الزجاج و ابن سیده او سریانیة نقله الزجاج ایضًا (تاج) بہرحال اب عربی میں اس کے معنی چمن وگلشن کے ہیں۔ قال الزجاج حقیقة الفردوس انه البستان الذی یجمع کل ما یکون فی البساتین قال و کذٰلک هو عند کل اهل لغة (تاج) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یعنی ان کا علم بھی صحیح ہوگا، اور اسی کے مقتضا سے عمل بھی صحیح۔ لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا۔ جنت اپنی ان گنت نعمتوں، راحتوں، لذتوں کے ساتھ ان کے لیے ہر لحہ اور ہر آن ایک نئی کشش رکھے گی، اس لیے اہل جنت اپنی تبدیلی چاہیں گے بھی تو آخر کیوں؟

ہر لحظہ جمال خود نوع دگر آرائی — شور دگر انگیزی شوقِ دگر افزائی

و۱۵۹ مطلب یہ ہے کہ ساری مخلوق مل کر بھی کلمات الٰہی کا احاطہ کرنا چاہے تو بھی ممکن نہیں۔ سارا سامان تحریر وتسوید ختم ہوجائے گا اور نامتناہی کسی طرح متناہیوں کی گرفت میں نہ آسکے گا۔ سمندر لاکھ وسیع ہو بہرحال محدود ہی ہے۔ صفات نامتناہی وغیر محدود کو کوئی محدود ومتناہی ہستی اپنی گرفت میں لا ہی کیونکر سکتی ہے؟ الْبَحْرُ۔ مراد کوئی متعین سمندر نہیں۔ جنس بحر یا سارے سمندر مراد ہیں۔ والمراد بالبحر الجنس (کشاف) ای جنس البحر (روح) فاضل محقق علامہ مناظر احسن گیلانی مدظلہٗ تحریر فرماتے ہیں:۔ "مطلب یہ ہے کہ فردوسی زندگی سے لوگ منتقل اسی لیے نہیں ہونا چاہیں گے کہ اس زندگی میں لامحدود کمالات رکھنے والی ذات اپنے انہیں لامحدود کمالات کو لامحدود کلمات کے ذریعہ سے ظاہر کرتی رہے گی۔ انسانی احساسات اپنے اردگرد، پس وپیش، اندر وباہر، ہر لحہ، ہر لحظہ ایسے نت نئے تجلیات کو مسلسل بغیر کسی انقطاع کے چاہتے چلے جائیں گے جن کی نہ کوئی حد ہوگی نہ انتہاء اور یوں لامحدود مطالبات والی فطرت کو لامحدود مطلوبات سے متمتع اور لذت گیر ہونے کا موقع ابدالآباد تک ملتا جائے گا۔ اس وقت تک جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اور جس کا کوئی اختتامی نقطہ نہیں ہے"۔ (اسلامی معاشیات صفحہ ۱۴۱) قَبْلَ سے یہ مراد نہیں کہ کوئی امکان مزید امداد پہنچ جانے کے بعد کلمات رب کے پورے لکھ لیے جانے کا ہے۔ قَبْلَ کا ایک مفہوم غیر یا دون کا بھی ہے اور وہی یہاں مراد ہیں۔ ای من غیر ان تنفد (ابوسعود) قبل هنا بمعنی غیر او بمعنی دون (جمل)

بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي

جو اعمال کے لحاظ سے بالکل ہی گھاٹے میں ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی (ساری) کوشش دنیا ہی کی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ

زندگی میں (صرف و) غارت ہو کر رہی اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ کوئی بڑے اچھے کام

صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ

کررہے ہیں و۱۵۵ یہ تو وہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی نشانیوں اور اس کی ملاقات کی طرف سے کفر کیے ہوئے ہیں

فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

سو ان کے (سارے) کام غارت گئے سو ہم قیامت کے دن ان (کے اعمال) کا ذرا بھی وزن نہ قائم

وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا

رکھیں گے و۱۵۶ ان کی سزا وہی ہے یعنی دوزخ اس سبب سے کہ انہوں کفر کیا تھا اور میری نشانیوں

اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اور میرے پیمبروں کی ہنسی اڑائی تھی و۱۵۷ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾

عمل بھی کیے ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغ ہوں گے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ

ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے (اور) نہ وہ ان سے کہیں اور نکلنا چاہیں گے و۱۵۸ آپ کہہ دیجیے کہ اگر سمندر (سارے

الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ

کے سارے) روشنائی ہوجائیں میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لئے تو سمندر ختم ہوجائے گا اور میرے پروردگار

تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ قُلْ

کی باتیں ختم نہ ہوسکیں گی اور اگرچہ ہم ایسا ہی جیسا (اور سمندر) اس کی مدد کے لئے لے آئیں و۱۵۹ آپ کہہ دیجیے

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ

کہ میں تو بس تمہارا ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس تو بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ

ایک ہی معبود ہے ف۱۶۰ سو جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے، تو اسے چاہیے

عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع

کہ نیک کام کرتا رہے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے ف۱۶۱

اٰیاتها ۹۸ ۱۹ سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ۴۴ رکوعاتها ۶

اس میں اٹھانوے آیتیں سورۂ مریم مکی ہے اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾

کاف۔ ہا۔ یا۔ عین۔ صاد ف۱ (یہ) تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی رحمت (فرمانے) کا اپنے بندہ زکریا پر ف۲ (قابل

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ

ذکر ہے) وہ وقت جب انہوں نے اپنے پروردگار کو خفیہ طور پر پکارا ف۳ کہا اے میرے پروردگار میری ہڈیاں

الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ

کمزور ہو گئی ہیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل پڑی ہے اور تجھ کو پکار کر

بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ

اے میرے پروردگار میں (کبھی) نامراد نہیں رہا ہوں ف۴ اور میں اپنے بعد (اپنے) رشتہ داروں کی طرف سے

وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ

اندیشہ رکھتا ہوں ف۵ اور میری بیوی بانجھ ہے۔ سو تو ہی مجھے (خاص) اپنے پاس سے

ف۱۶۰ یعنی امتیازی چیز میرے پاس صرف یہ ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے جو دوسروں کے پاس نہیں آتی، میں صرف وصف رسالت میں دوسروں سے ممتاز ہوں۔ اِنَّمَآ۔ اول تو خود ہی کلمہ حصر ہے۔ پھر مِثْلُكُمْ میں اس کی مزید تصریح کہ میں بشری نہیں ہوں بلکہ تم ہی جیسا بشر ہوں۔ صفات بشری میں تم سے ذرا الگ نہیں ہوں۔ اِنَّمَآ...... وَاحِدٌ۔ میرا پیام تو پیام توحید ہی ہے۔ ف۱۶۱ اور شرک کے اندر شرک جلی اور شرک خفی دونوں آگئے۔ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا۔ عمل صالح کا معیار یہ ہے کہ عمل شریعت اسلامی کے مطابق ہو۔ وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ یعنی علم کا نقطہ آغاز تو کم از کم صحیح ہو۔ ایمانیات کا جو اقل قلیل مطالبہ ہے، وہ تو بہر حال موجود ہو۔ ف۱ حروف مقطعات پر حاشیہ پارۂ اول کے بالکل شروع میں گزر چکا۔ یہاں كٓهٰيٰعٓصٓ کی ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ فقرہ کاف ھادٍ عالم صادق کا مخفف ہے۔ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ ک مخفف کریم کا ہے، ہ مخفف ھاد کا، ی مخفف حکیم کا ع مخفف علیم کا اور ص مخفف صادق کا (روح) کلبی تابعی سے یہ معنی مروی ہیں۔ کاف لخلقه هاد لعباده یده فوق ایدیهم عالم ببریته صادق فی وعده (معالم) دارمی، ابن ماجہ، ابن جریر میں فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی دعاؤں میں یا کهیعص اغفرلی کہا کرتے تھے (روح) جس سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے۔ خود ایک روایت بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی مضمون کی مروی ہے۔ قال ابن عباس هو اسم من اسماء الله تعالیٰ (ابن کثیر) ف۲ زَكَرِيَّا پر حاشیہ سورۂ آل عمران پارہ ۳ میں گزر چکا۔ آپ کی رسالت کا اثبات صرف قرآن مجید کرتا ہے یہود اور نصرانی دونوں ان کی رسالت کے منکر ہیں۔ نصرانیوں کے ہاں ان کی حیثیت ہیکل بیت المقدس کے ایک بزرگ مجاور و خادم کی ہے۔ عَبْدَهٗ یعنی اس کا مقبول و معزز بندہ۔ اضافت اضافت تشریفی ہے۔ جب بندہ کا تعلق اللہ کے ساتھ خاص تقرب و شرف کا دکھانا ہوتا ہے تو محاورۂ قرآنی میں عموماً ایسے موقع پر ذکر عَبْدُ اللّٰهِ یا عبدنا یا عَبْدَهٗ کر کے لیا جاتا ہے۔ ف۳ اولاد کے لیے دعائیں ہی عام طور پر چپکے ہی چپکے کی جاتی ہے اور پھر یہاں تو غالباً دوسروں سے اخفاء مقصود بھی تھا۔ اسروه و اخفوه من قومه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اناجیل موجودہ میں ذکر اس دعا کا نہیں۔ صرف جواب دعا و قبول دعا کا ہے۔ فقہاء نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ دعا میں اخفاء کو افضلیت حاصل ہے۔ مدحه باخفاء الدعاء و فيه الدليل على ان اخفائه افضل من الجهر به (جصاص) ف۴ (تو پھر تیرے اس لطف مستقل و فضل مستمر پر نظر کر کے بعید سے بعید مقصود کے لیے بھی تجھ سے دعا کیوں نہ کروں) شَقِيًّا۔ شقی یہاں محروم و ناکام کے معنی میں ہے۔ شقيا ای خائبا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) رَبِّ اِنِّيْ...... شَيْبًا یعنی گویا اسباب ظاہری کے لحاظ سے اب اولاد کا ہونا بہت مستبعد ہے اور میرا اس کے لیے دعا کرنا بھی بظاہر بے محل ہے۔ انجیل میں حضرت زکریا علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ الیشبع کا ذکر کر کے ہے:۔ "اور ان کے اولاد نہ تھی، کیونکہ الیشبع بانجھ تھی، اور دونوں عمر رسیدہ تھے" (لوقا۔ ۱:۷) آیت میں اس کی بھی تعلیم ملتی ہے کہ کبر سنی کے طبعی اثرات سے حضرات انبیاء کو مفر نہیں ــــ ہم سب ناتوانوں، کم ہمتوں، کمزوروں کے لیے پیرانہ سالی کے آلام و عوارض میں اس سے بڑی تسکین و تسلی کا سبق ملتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دعا میں الحاح و لجاجت کی افضلیت آیت سے نکلتی ہے۔ بعض بزرگوں نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ ضعف پیری اور موئے سفید بھی قول سابق کی طرح کشش ترحم میں معین ہیں۔ ف۵ (کہ وہ میرے بعد اس مرکز توحید کی خدمات دینی اور علوم عالی کو سنبھال نہ سکیں گے) الْمَوَالِيَ۔ مراد وہ عزیز ہیں جو اولاد نہ ہونے کی صورت میں وارث و جانشین ہوتے۔ الموالی یعنی الورثة (ابن عباس رضی اللہ عنہما) آپ کو ان کی طرف سے یہی اندیشہ تھا کہ یہ بدمذہب، بدعمل لوگ ہیں، ہیکل کی خدمت میں قاصر رہیں گے۔ فافهم على الدين انهم كانوا اشرار بنی اسرائیل (جصاص) مِنْ وَّرَآءِيْ یعنی میری موت کے بعد۔ ای من بعد موتی (معالم۔ کشاف)

ف٦ (علوم نبوت ومعارف ولایت میں اپنے اجداد اسرائیلی کی طرح) یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ۔ (وراثت سے یہاں مراد مال ودولت کی وراثت نہیں۔ حقائق عالیہ اور اخلاقِ فاضلہ کی میراث ہے اور انبیاء سے مال وجائداد کی وراثت تو چلتی بھی نہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد بھی ہو چکا ہے:۔ صحابیوں، تابعین، اکابر مفسرین، سب سے ارث کی تفسیر علوم نبوت وشریعت منقول ہے۔ اور لفظ ارث کا اطلاق نبوت پر بالکل جائز ہے۔ قال ابن عباسؓ و یرث من اٰل یعقوب النبوۃ فقد اجاز اطلاق اسم المیراث علی النبوۃ فکذٰلک یجوزان یعنی بقولہ یرثنی یرث علمی (جصاص) انما ارادارث النبوۃ و علیھا خاف ان تخرج من عقبہ (ابن العربی) یرثنی العلم و یرث من اٰل یعقوب النبوۃ و ھو مروی عن مجاھد (کبیر) المراد بالارث ارث الشرع والعلم لان الانبیاء ولا تورث (کشاف) وَلِیًّا۔ ولی یہاں سب کا اتفاق ہے کہ ولد صلبی کے مفہوم میں ہے۔ مِنْ لَّدُنْکَ۔ یعنی بلا اسباب عادی وظاہری کے نعمتیں جو بھی آتی ہیں، سب ہی اللہ ہی کے پاس سے آتی ہیں۔ یہاں من لدنک کی تصریح لانے سے مراد یہی ہے کہ بلا واسطہ اسباب عادی محض اپنی قدرت سے عطا کر۔ اعطنی من محض فضلک الواسع و قدرتک الباھرۃ بطریق الاختراع (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سے دو نکتہ اخذ کیے ہیں، ایک یہ کہ اولاد صالح کی طلب رکھنا زہد کے منافی نہیں۔ دوسرے یہ کہ کسی ایسی چیز کا طلب کرنا جو اسباب بعیدہ ہی سے پیدا ہو سکے ادب دعا کے منافی نہیں۔ ف٧ (اپنی نظر میں) یعنی

لَّدُنْکَ وَلِیًّا ﴿٥﴾ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ق

وارث دے جو میرا بھی وارث بنے اور اولاد یعقوب کا بھی وارث بنے ف٦

وَ اجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ﴿٦﴾ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ

اور اے پروردگار تو اسے پسندیدہ بنا دے اے زکریا ہم تم کو بشارت دیتے ہیں ایک لڑکے کی

اسْمُهٗ یَحْیٰی لا لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ﴿٧﴾ قَالَ

اس کا نام یحییٰ ہوگا ف٧ ہم نے اس کے قبل کسی کو (اس کا) ہم نام نہیں بنایا ف٨ (زکریا) بولے

رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا

اے میرے پروردگار میرے لڑکا کیسے ہوگا درآنحالیکہ میری بیوی بانجھ ہے

وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ﴿٨﴾ قَالَ کَذٰلِکَ ج قَالَ

اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچا ہوا ہوں ف٩ (اللہ نے) فرمایا (نہیں بلکہ)

رَبُّکَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ

اسی طرح ف١٠ (اے زکریا) تمہارے پروردگار کا قول ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے اور میں نے ہی تو تم کو پیدا کیا درآنحالیکہ

تَکُ شَیْئًا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً ط قَالَ اٰیَتُکَ

تم کچھ نہ تھے ف١١ (زکریا نے) کہا اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی نشان مقرر کر دیجیے ف١٢ (اللہ نے) فرمایا

اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰی

تمہارے لئے نشان یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین راتیں نہ بول سکو گے درآنحالیکہ تم تندرست ہو گے ف١٣ پھر وہ اپنی قوم

قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا

کے روبرو حجرہ میں سے برآمد ہوئے ف١٤ اور ان سے اشارہ کیا کہ (اللہ کی) پاکی

بُکْرَةً وَّ عَشِیًّا ﴿١١﴾ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ ط وَاٰتَیْنٰهُ

صبح و شام بیان کیا کرو ف١٥ اے یحییٰ کتاب کو مضبوط پکڑو ف١٦ اور ہم نے ان کو لڑکپن

وہ لڑکا علوم کا حامل بھی ہو اور ان پر عامل بھی۔ ای مرضیًا عندک قولًا و فعلًا (روح) بعض عارفوں نے یہاں سے یہ نکتے پیدا کیے ہیں کہ طلب اولاد مستحب ہے اور اولاد کے حق میں دعائے خیر وصلاح سنت انبیاء ہے۔ ف٨ (تمہاری ذات برادری میں) یہ جواب ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت زکریا کو فرشتوں کے واسطہ سے ملا۔ انجیل میں حضرت یحییٰ کی ولادت اور نام رکھے جانے کا ذکر ذرا تفصیل سے ہے:۔ ”اور الیشبع کے جننے کا وقت آپہنچا اور وہ بیٹا جنی اور اس کے پڑوسیوں اور رشتہ داروں نے یہ سن کر کہ خداوند نے اس پر بڑی رحمت کی، اس کے ساتھ خوشی منائی اور آٹھویں دن ایسا ہوا کہ وہ لڑکے کا ختنہ کرنے آئے۔ اور اس کا نام اس کے باپ کے نام پر زکریا رکھنے لگے۔ مگر اس کی ماں نے کہا کہ نہیں بلکہ اس کا نام یوحنا رکھا جائے۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تیرے کنبہ میں کسی کا یہ نام نہیں اور انہوں نے اس کے باپ کو اشارہ کیا کہ تو اس کا کیا نام رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے تختی منگا کے یہ لکھا کہ اس کا نام یوحنا ہے“ (لوقا۔ ١: ٥٧۔ ٦٣) بِغُلٰمٍ۔ غلام کے معنی لڑکے کے علاوہ فرزند کے بھی ہیں اور یہی یہاں مراد ہیں۔ الغلام الولد الذکر (روح) بغلامٍ ای بولدٍ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) سَمِیًّا۔ سمی کے ایک معنی تو یہی ہم نام کے ہیں۔ چنانچہ ائمہ تفسیر نے یہاں بھی یہی مراد لی ہے۔ لم یسم احد بیحیٰی قبلہ (کشاف، بیضاوی) و قال ابن عباسؓ و قتادۃ والسدی و ابن اسلم لم تسم قبلہ احدًا بیحیٰی (بحر) و ھو قول ابن عباسؓ والحسن و سعید بن جبیر و عکرمۃ و قتادۃ (کبیر) ای شریکًا لہ فی الاسم (روح) اور انجیل کی روایت بھی اسی کے موافق ہے۔ لیکن لغت ہی میں ایک دوسرے سمی، ”ہم صفت“، یا مثل، شبیہ ونظیر کا بھی پتہ چلتا ہے اور بعض اکابر لغت واکابر تفسیر کے نزدیک وہی معنی یہاں ثابت ہیں۔ قال مجاھد و غیرہٗ سمیًا ای مثلًا و نظیرًا (بحر) المراد بالسمی النظیر کما فی قولہ ھل تعلم لہ سمیًا (کبیر) عن مجاھد ان سمیًا بمعنی شبیھًا و روی عن عطاء و ابن جبیر مثلہ ای لم نجعل لہٗ شبیھًا (روح) ف٩ حضرت زکریا کا یہ سوال بہ طور اعتراض نہیں، محض تفصیلی استفسار حال کے لیے ہے۔ یعنی اسباب عادی جب سر تا سر نا موافق ہیں، تو اب صورت حال ہوگی کیا؟ آیا ہم لوگ از سر نو جوان کیے جائیں گے؟ یا میں دوسرا نکاح کروں گا؟ یا اور کچھ ہوگا؟ اَنّٰی کے لفظی معنی متعدد ہیں۔ لیکن یہاں بالاتفاق کیف کے مرادف ہے۔ عِتِیًّا۔ عتی کے معنی ہیں بہت ہی بوڑھا۔ بوڑھا پھوس۔ والعتی المبالغۃ فی الکبر (بحر) ف١٠ جواب ملا کہ نہیں۔ کوئی سی بھی اور نئی بات نہ ہوگی۔ موجودہ حالات بدستور رہیں گے پھر بھی اولاد ہوگی۔ ای علٰی ھذہ الحال (ابن جریر) ھٰذا کما قلت لک (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ف١١ یعنی خود اپنی پیدائش پر غور کرو۔ تم خود آخر کیا تھے؟ معدوم محض تھے۔ عدم محض کو موجود کر دینا کب اسباب عادی کے تحت، اور کس مشاہدہ وتجربہ کے موافق ہے؟ محض ہماری قدرت وکارسازی کا کرشمہ ہے۔ یہ تخلیق تو تمام تر بلا واسطہ اسباب ہوتی رہتی ہے۔ تو بڑھاپے میں اولاد دینا، یعنی باوجود سبب ضعیف کے نتیجہ برآمد کر دینا تو اس سے کہیں کم مستبعد اور اس سے کہیں آسان تر ہے۔ یہ سب ارشاد آپ کی امید کو اور قوی کر دینے کے لیے تھا نہ کہ کسی رفع شبہ کے لیے۔ اس لیے کہ زکریا علیہ السلام کو کوئی شبہ تھا ہی نہیں۔ ھُوَ۔ یعنی یہ عمل تخلیق خواہ بااسباب ہو یا بلا اسباب۔ زجاج لغوی کا اس سیاق میں قول اٰیۃ کی تفسیر میں نقل ہوا ہے۔ ای علامۃ اعلم بھا و قوع ما بشرت بہ (لسان) ف١٢ (جس سے میں سمجھ جاؤں کہ اب ظہور وعدہ کا وقت قریب آپہنچا اور میں بالکل مطمئن ہو جاؤں کہ تیرے فرشتہ نے مجھے جو بشارت پہنچائی ہے وہ تیری ہی طرف سے ہے) گویا آپ یہ عرض کر رہے ہیں کہ نفس بشارت تو مل چکی، لیکن یہ بھی مجھے کسی غیبی اشارہ سے معلوم ہو جاتا تو اچھا تھا کہ اب حمل قرار پا چکا اور بشارت کا تحقق ایک درجہ میں ہو چکا۔ رب اجعل لی علمًا و دلیلًا علٰی ما بشرتنی بہ ملائکتک من ھٰذا الغلام عن امرک و رسالتک لیطمئن الٰی ذٰلک قلبی (ابن جریر) ای علامۃ تدلنی علٰی تحقق المسئول و وقوع الخبر (روح) علامۃ اذا حملت امراتی (ابن عباس رضی اللہ عنہما) لتستقر نفسی و یطمئن قلبی بما وعدتنی کما قال ابراھیم علیہ السلام رب ارنی کیف الخ (ابن کثیر) یہ مفہوم بھی لیا جانا ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی

الْحُكْمَ صَبِیًّا ﴿۱۲﴾ وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً ؕ وَ كَانَ

ہی میں سمجھ دے دی تھی۔ اور خاص اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی وکا اور وہ بڑے

تَقِیًّا ﴿۱۳﴾ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَیْهِ وَ لَمْ یَكُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ﴿۱۴﴾

پرہیز گار تھے اور نیکی کرنے والے تھے اپنے والدین کے ساتھ اور سرکش و نافرمان نہ تھے و۱۸

وَ سَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَ یَوْمَ یَمُوْتُ وَ یَوْمَ یُبْعَثُ

اور انہیں سلام (پہنچے) جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ وفات پائیں گے

حَیًّا ﴿۱۵﴾ وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْیَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ

اور جس دن کہ وہ زندہ اٹھائے جائیں گے و۱۹ اور (اس) کتاب میں مریم کا ذکر کیجیے جب وہ اپنے گھر والوں سے

اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِیًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ

الگ ہو کر ایک شرقی مکان میں گئیں و۲۰ پھر ان لوگوں کے سامنے سے انہوں نے

حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا

پردہ کر لیا و۲۱ پھر ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ خاص کو بھیجا وہ ان کے سامنے بھلا چنگا انسان بن کر

سَوِیًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ

ظاہر ہوا و۲۲ وہ بولیں میں تجھ سے (خدائے) رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر

كُنْتَ تَقِیًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖۗ لِاَهَبَ

تو خدا ترس ہے و۲۳ (فرشتہ نے) کہا میں تو بس تمہارے پروردگار کا ایک ایلچی ہوں و۲۴ تاکہ تمہیں

لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ

ایک پاکیزہ لڑکا دوں و۲۵ وہ بولیں میرے لڑکا کیسے ہو جائے گا درآنحالیکہ نہ

یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِیًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ

مجھے کسی بشر نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ میں بدچلن ہی ہوں و۲۶ (فرشتہ نے) کہا (یہ) یوں ہی ہوگا و۲۷ تمہارے پروردگار

طرح حضرت زکریا علیہ السلام بھی اپنے مزید اطمینان قلب کے لیے کوئی خاص غیبی نشان طلب کر رہے ہیں۔ چنانچہ ایک قول اسی مضمون کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جانب منسوب ملتا بھی ہے۔ لیکن محققین متاخرین نے اس روایت کی صحت ہی کو تسلیم نہیں کیا ہے، اور صراحت کردی ہے کہ سوال کا تعلق صرف تعیین وقت و زمانہ سے ہے۔ (روح) و۱۳ سَوِیًّا کے معنی ہیں سالم، صحیح، غیر ناقص کے۔ یعنی آپ جو تین دن ان لوگوں سے گفتگو پر قادر نہ ہوں گے۔ یہ آپ کے حسب درخواست محض علامت غیبی ہوگی۔ ظہور فرزند کی، اور گویا بالواسطہ آپؑ کی مقبولیت کی شہادت۔ نہ یہ کہ کوئی مرض یا عذاب ہوگا۔ رجلٌ سویٌّ کہتے ہیں اس مرد کو جو اپنی خلقت میں ہر عیب، نقص، افراط، تفریط سے پاک ہو۔ رجل سوی استوت اخلاقه و خلقته عن الافراط و التفريط (راغب) اور آیت میں یہی معنی اہل لغت اور ائمہ تفسیر دونوں نے لیے ہیں۔ زجاج نے کہا ہے۔ ای تمنع الكلام و انت سویٌّ لا اخرس فتعلم بذلک ان الله قد وهب لک الولد (لسان) اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ قال اعتقل لسانه من غير مرض (ابن جریر) اور دوسرا قول بھی انہی صحابی سے منقول ہے۔ صحيحًا بلا خرس ولا مرض (ابن عباس رضی اللہ عنہما) يقول من غير خرس (ابن جریر) اور مجاہد تابعی کا قول ہے۔ قال صحيحًا لا يمنعک من الكلام مرض (ابن جریر) اور ایسے ہی اقوال عکرمہ اور قتادہ اور ابن زید اور وہب بن منبہ اور سدی سے بھی منقول ہیں۔ اور خود مفسر اعظم ابن جریر لکھتے ہیں يقول جل ثناءه علامتک للذلک و دليلک عليه ان لا تكلم الناس ثلاث ليال و انت سوی صحيح لا علة بک من خرس و لا مرض يمنعک من الكلام۔ اور یہی مسلک جمہور کا ہے۔ هذا ما عليه الجمهور (روح) اس لفظ کے اضافہ سے قرآن مجید کا مقصود انجیل کی اس غلط بیانی کا ازالہ ہے کہ (نعوذ باللہ) آپ بطور عتاب عارضی طور پر گونگے کر دیئے گئے تھے، ملاحظہ ہو پارہ ۳ سورۂ آل عمران۔ لیکن آیت کی ایک دوسری ترکیب بھی صحیح ہوسکتی ہے۔ اور بعض بزرگ اسی طرف گئے ہیں۔ یعنی سَوِیًّا کو بجائے ضمیر مخاطب سے متعلق کرنے کے تین راتوں کی صفت قرار دیا جائے اور اس صورت میں سَوِیًّا مرادف ہوگا متتابعات کے۔ یعنی "تم لوگوں سے بول نہ سکو گے تین راتیں متواتر (یا برابر)" چنانچہ ابن جریر ہی میں ایک قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس معنی میں بھی منقول ہے۔ و۱۴ (جہاں وہ عبادت کرتے رہتے تھے) محراب پر حاشیہ سورۂ آل عمران آیت ۳٦ کے تحت میں گزر چکا۔ مراد حجرۂ عبادت ہے۔ و محرابه موضع مصلاه (بحر) قيل ان المحراب الغرفة (جصاص) و۱۵ صبح و شام سے مراد یا تو دوام عبادت ہے کہ دن رات برابر عبادت میں لگے رہو۔ کسی وقت غافل نہ ہو۔ اور یا ان کی شریعت میں یہی دو خاص وقت نماز کے ہوں گے ان کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ اَوْحٰی۔ وحی کے عام لغوی معنی تو اشارہ کے ہیں۔ لیکن بعض نے یہاں اسے امر کے مرادف قرار دیا ہے۔ اور اَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ کی تفسیر امرهم سے کی ہے۔ چنانچہ ابن زید سے یہی منقول ہے۔ اور ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ آپ نے انہیں یہ لکھ کر دے دیا اور یہ معنی مجاہد، سدی کی جانب منسوب ہیں۔ وحی کے ایک معنی تحریر کے بھی آتے ہیں۔ والوحی فی كلام العرب الكتابة (بحر) و۱٦ الْكِتٰبَ سے یہاں مراد اس زمانہ کی کتاب شریعت الٰہی ہے۔ یہ ارشاد حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اس وقت ہوا جب آپ سن تمیز کو پہنچ چکے تھے۔ و۱۷ ملاحظہ ہوں حواشی سورۂ آل عمران۔ زیر آیت ۳۸۔ حکم کے معنی نبوت بھی ہوسکتے ہیں اور حکمت، شریعت، عقل و فہم بھی۔ الحكم النبوة او حكم الكتاب او الحكمة او اللبّ و هو العقل (بحر) اعلم ان فی الحكم اقوالًا الاول انه الحكمة والثانی انه عقل والثالث انه النبوة (کبیر) الحكم الفهم والعلم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) الحكمة و هو فهم التوراة والفقه فی الدين (مدارک) بہرحال حکم کے تحت میں علمی و ذہنی کمالات آگئے اور حَنَانًا وَّ زَكٰوةً کے تحت میں عملی و اخلاقی۔ گویا آپ کی ذات جامع تھی علمی و عملی، ذہنی و اخلاقی کمالات و اوصاف کی۔ زَكٰوةً سے مراد اصطلاح فقہ والی زکوٰۃ مال نہیں بلکہ عام حسن عمل و پاکیزگی ہے۔ ای عملًا صالحًا زكيًا (کبیر۔ عن ابن عباس وقتادة والضحاک و ابن جریر) الحکم۔ فقیہ جلیل ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ حکم کے یہاں تین معنی ہوسکتے ہیں۔ ایک وحی، دوسرے نبوت، تیسرے اس کی معرفت اور اس پر عمل اور یہ تینوں معنی درست ہوسکتے ہیں، صغرسنی میں نزول وحی اور مکاشفہ ملائکہ جائز ہیں (احکام القرآن) وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اصل اور دلیل ہے اس قول کی جو اکثر لوگوں کی زبان پر جاری رہتا ہے کہ فلاں شخص مادر زاد ولی ہے۔ و۱۸ (جیسا کہ ہیرود کے زمانہ میں یہود نے آپ پر تہمت لگائی، اور انہیں باغی و سرکش اور شورش پسند مشہور کرنا چاہا تھا) تَقِیًّا میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ حقوق اللہ کے ادا کرنے والے تھے اور بَرًّۢا بِوَالِدَیْهِ میں یہ کہ وہ حقوق العباد کے پورے ادا کرنے والے تھے۔ جَبَّارًا کا تعلق خلق سے ہے۔ یعنی وہ مخلوقات کے ساتھ سختی اور سرکشی سے پیش آنے والے نہ تھے۔ اور عَصِیًّا کا تعلق حق تعالیٰ سے ہے۔ یعنی وہ اللہ کے قانون کو توڑنا چاہتے ہی نہ تھے۔ و۱۹ سَلٰمٌ یہاں اپنے وسیع معنی میں امن و حفظ کے مرادف ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے ان پر سلامتی ان کی پیدائش کے وقت بھی رہی، اور ان کی موت اور بعث کے وقت بھی رہے گی۔ و۲۰ (غسل کے لیے یا بعض روایات کے بموجب نماز کے لیے) حضرت مریم علیہا السلام پر حاشیہ پارۂ سوم سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِیَّا۔ وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْیَمَ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دونوں قصوں کے مجموعہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سوال و طلب سے بھی دیتا ہے جیسے زکریا علیہ السلام کو دیا۔ اور بلا سوال و طلب بھی دیتا ہے جیسے حضرت مریم کو دیا۔ اور اس سے یہ بات نکلی کہ اللہ کا ہر معاملہ ہر شخص کے ساتھ جدا جدا ہے۔

رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَ لِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ

نے کہا ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے و٢٨ اور (یہ اس لئے بھی) تاکہ ہم اسے لوگوں کے لئے ایک نشان بنادیں و٢٩

وَ رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ

اور اپنی طرف سے سبب رحمت و٣٠ اور یہ ایک بات طے شدہ ہے و٣١ پھر ان کے حمل قرار پا گیا

فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ

پھر وہ اسے لئے ہوئے کہیں ایک دور جگہ چلی گئیں و٣٢ سو انہیں دردزہ ایک کھجور کے

اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا

درخت کی طرف لے گیا و٣٣ (اور) وہ بولیں کاش میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی۔

وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا

اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی و٣٤ پھر (فرشتہ نے) انہیں ان کے پائیں سے پکارا کہ

تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَ هُزِّيْۤ

رنج مت کرو و٣٥ تمہارے پروردگار نے تو تمہارے پائیں ہی میں ایک نہر پیدا کر دی ہے، اور اس

اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾

کھجور کے تنہ کو اپنی طرف ہلاؤ اس سے تم پر تروتازہ خرمے گریں گے و٣٦

فَكُلِيْ وَ اشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ

اور کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو و٣٧ اور اگر کسی

الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْۤ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا

بشر کو دیکھنا تو کہہ دینا و٣٨ کہ میں نے تو خدائے رحمٰن کے لئے روزہ کی نذر مان رکھی ہے

فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ ۚ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ

سو میں تو آج کسی انسان سے بولوں گی نہیں و٣٩ پھر وہ انہیں (گود میں) اٹھائے ہوئے اپنی قوم والوں کے پاس آئیں

و٢١ (کہ ان کی نگاہوں سے آڑ میں ہو جائیں) دُوْنِهِمْ۔ ھم ضمیر جمع سے مراد آپ کے گھر والے ہیں جن کا ذکر اھلھا میں موجود ہے۔ و٢٢ یعنی ایک فرشتۂ خاص کو اس خلوت میں ان کے پاس انسان کی شکل میں بھیجا۔ رُوْحَنَا۔ قرآن مجید نے ملائکہ مقربین وخواص کو روح ہی سے تعبیر کیا ہے۔ و سمّی اشراف الملئکة ارواحا (راغب) اور فراء لغوی نے کہا ہے کہ یہاں روح کی اضافت اللہ کی طرف ایسی ہی ہے جیسی اللہ کی زمین اور اللہ کا آسمان بولا جاتا ہے۔ اضاف الروح المرسل الی مریم الی نفسه كما تقول ارض الله و سمائه (لسان) بہرحال یہاں مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں قال الاکثرون انه جبرئیل علیه السلام (کبیر) انجیل میں بھی انہیں کے نام کی تصریح ہے۔ ”چھٹے مہینے جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا، ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا۔ اور اس کنواری کا نام مریم تھا“۔ (لوقا۔ ١:٢٦) سَوِيًّا یعنی بھلا چنگا، پورا پورا، صحیح وسالم۔ تَمَثَّلَ۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تمثل سے حقیقت ملکیہ کا معدوم ہو جانا لازم نہیں آتا۔ یہ اشباح اس حقیقت کے اعتبار سے ایسے ہی ہیں جیسے ہمارے اعتبار سے مختلف لباس، و٢٣ یعنی اگر تو کچھ بھی خوف خدا رکھتا ہے تو میں تجھے خدا ہی کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ تیرا یہاں کیا کام۔ یہ آپ نے اس طرح گھبرا کر فرمایا، جیسے ہر شریف خاتون کسی اجنبی مرد کو اپنے خلوت میں آتے ہوئے دیکھ کر قدرۃً کہے گی۔ و٢٤ یعنی مجھ سے ڈریئے اور گھبرائیے نہیں، میں تو انسان نہیں ہوں، اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں۔ و٢٥ (اللہ کی طرف سے واسطہ بن کر) یعنی تم پر دم کردوں اور اس سے باذن حق تعالیٰ تمہارے حمل رہ جائے۔ اے لاكون سببًا فی هبته بالنفخ فی الدرع (روح) اس معنی میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ایک دوسری تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ قول بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ہو اور یہاں حکایۃً نقل ہوا ہو۔ تقدیر کلام اس صورت میں یوں ہوگی۔ ربک الذی قال ارسلت هذا الملک لاهب لک (روح) اور ایک قراۃ میں بجائے لِاَهَبَ کے لیهب آیا بھی ہے۔ چنانچہ خیر الامت ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی قراۃ کو اختیار کیا ہے اور تفسیر میں تقدیر کلام یہ رکھی ہے۔ لکی یھب الله لک۔ اس سے بات اور زیادہ صاف وواضح ہوگئی۔ و٢٦ غرض یہ کہ مرد کی مقاربت سے جو حمل کے لیے شرط عادی ہے، میں جائز و ناجائز ہر طرح سے دور ہوں۔ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ۔ یعنی بطریق نکاح حاشیہ پارہ ٣ سورۃ آل عمران میں گزر چکا۔ حضرت مریم کو جب یقین ہو گیا کہ ان کا مخاطب انسان نہیں، فرشتہ ہے تو اب ان کا یہ قول بہ طور انکار نہیں بلکہ محض اظہار تعجب کے لئے ہے۔ لَمْ اَكُ بَغِيًّا۔ اس فقرہ سے تردید بھی مقصود ہے یہود مردود کی۔ جو آپ کو متہم کر رہے تھے۔ و٢٧ (بلا مس بشر) انجیل میں یہ قصہ یوں درج ہے:۔ ”اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا، چپکے سے اس کے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا اے یوسف ابن داؤد، اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر، کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے، وہ بیٹا جنے گی اور تو اس کا نام یسوع رکھنا“ (متی۔ ١:١٨۔٢١) قرآن مجید کی توحید خالص اور انجیل کے شرک آمیز انداز بیان کا فرق اسی سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں اس واقعہ کو ہر جگہ قدرت پروردگاری کا کرشمہ قرار دیا ہے بہ خلاف اس کے انجیل میں ایک نہیں دو دو جگہ اسے ”روح القدس کی قدرت“ کی جانب منسوب کیا ہے۔ و٢٨ خدائے تعالیٰ تو کہتے ہی اس ہستی کو ہیں جو سارے اسباب سے بالاتر اور مسبب الاسباب ہے۔ سلسلہ اسباب کا خالق وفاطر، اسباب اس کے پابند ومحکوم، وہ اسباب کا پابند ومحکوم نہیں۔ اور اگر کسی برتر ہستی کو محکوم وپابند ہی تسلیم کرتا ہے تو وہ اور جو کچھ بھی ہو بہرحال خدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کسی خدا پرست کی زبان کا کسی خدائی فعل سے متعلق اس بنا پر انکار پر کھلنا کہ وہ خارق عادت ہے دلیل عقل کی نہیں، بے عقلی وحمق کی ہے...... اب رہا خدا کا منکر تو اس سے گفتگو اصولاً نفس وجود باری پر کی جائے گی نہ کہ ان جزئیات پر۔ هُوَ۔ یعنی یہ تخلیق بلا اسباب عادیہ۔ و٢٩ (اپنی قوت وقدرت کا، اور یہ دکھا دیں کہ ہم تخلیق کائنات پر ہر طرح قادر ہیں، بہ توسط اسباب عادیہ بھی اور بلا توسط اسباب عادیہ بھی) اے علامة لبنی اسرائیل ولد بلا اب (ابن عباس رضی اللہ عنہما) و٣٠ ان کے حق میں جو ہمارے اس نشان قدرت پر ایمان لائیں، اور اس سے ہدایت حاصل کریں) و٣١ (جو پوری ہو کر رہے گی) یہ سارا زور اور ساری تاکیدیں کس امر کی دلیل ہیں؟ اس امر کی کہ کوئی بات، معمول عام کے خلاف واقع ہونے کو جا رہی تھی...... اور وہ یہی ولادت بلا واسطۂ والد تھی۔ ورنہ اگر محض عام وطبعی ولادت کا ذکر مقصود تھا تو اس شدومد اور اتنے اہتمام کی کیا ضرورت تھی؟ جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید مسیح علیہ السلام کی بن باپ کی ولادت کا قائل نہیں وہ ذرا قرآن کے بین السطور پر بھی غور فرمالیں۔ و٣٢ حضرت مریم علیہا السلام قصبہ ناصرہ (علاقۂ گلیل ملک شام) میں رہا کرتی تھیں، بگر زمانہ حمل میں آپ اپنے منگیتر سمیت اب مقام بیت لحم کو آگئیں، جو ناصرہ سے ٧٠ میل کے فاصلہ پر ہے۔ انجیل میں ہے:۔ ”ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اوگستس کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا کہ ساری دنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں۔ یہ پہلی اسم نویسی سوریا کے حاکم کورنیس کے عہد میں ہوئی اور سب لوگ نام لکھوانے کے لئے اپنے اپنے شہر کو گئے۔ پس یوسف بھی گلیل کے شہر ناصرہ سے داؤد کے شہر بیت لحم کو گیا جو یہودیہ میں ہے۔ اس لئے کہ وہ داؤد کے گھرانے اور اولاد سے تھا تاکہ اپنی منگیتر مریم کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھوائے۔ جب وہ وہاں تھے تو ایسا ہوا کہ اس کے جننے کا وقت آپہنچا۔“

(لوقا۔ ۲: ۱۔ ۶) بعض مسیحی علماء نے حضرت مسیح علیہ السلام کا مولد ایک دوسرے بیت لحم کو تسلیم کیا ہے جو ناصرہ سے شمال و مغرب میں واقع ہے۔ ف۳۳ (کہ اسی کے سہارے اٹھیں بیٹھیں) طلبًا لسهولة الولادة للتثبت بها (کبیر) کھجور شام و فلسطین میں اب بھی پیدا ہوتا ہے لیکن قدیم زمانہ میں تو بڑی کثرت سے ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ درخت اسی وقت بطور خارق عادت اگا دیا گیا تھا، لیکن اس قول پر کوئی دلیل نہیں۔ اور غالب احتمال یہی ہے کہ پہلے سے موجود ہوگا۔ والظاهر ان النخلة كانت موجودة قبل مجيء مريم اليها (بحر) دوسرے احتمالات بھی ممکن ہیں۔ يحتمل للتقوية والاستناد اليها (کبیر) ويحتمل للتستربها (کبیر) ف۳۴ یعنی کسی کو میری یہ بدنامی یاد بھی نہ رہ گئی ہوتی کہ فلاں بے شوہری عورت کے اولاد ہوئی تھی۔ یہ کلمات آپ کی زبان پر فرط غیرت سے اور بدنامی کے خوف سے بے ساختہ آگئے تھے......... محققین نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ موت کی تمنا کسی دینی محرک و داعیہ کے باعث جائز ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ تمنائے موت اگر غم دنیا سے تھی، جب تو غلبۂ حال کو اس کا عذر قرار دیا جائے گا جس میں انسان من کل الوجوہ مکلف نہیں رہتا اور اگر غم دین سے تھا کہ لوگ بدنام کریں گے اور میں شائد صبر نہ کرسکوں اور بے صبری کی معصیت میں مبتلا ہو جاؤں، موت آجاتی تو اس معصیت سے حفاظت رہتی تو ایسی تمنا ممنوع نہیں ہے۔ ف۳۵ (اپنی بدنامی یا اپنی بے سروسامانی کے خیال سے) یہ پکار کر کہنے والے جبریل علیہ السلام ہی تھے۔ قال ابن عباس وقتادة والضحاك والسدى جبريل عليه السلام (جصاص) مِنْ تَحْتِهَا۔ یعنی جہاں وہ تھیں اسی مقام کے پائیں سے۔ من اسفل الوادی (ابن کثیر) ف۳۶ یہ تر و تازہ خرموں کا گرنا اگر بہ طریق اعجاز خرق عادت نہ تھا تو ظاہر ہے کہ مریم علیہا السلام کا وضع حمل ایسے ہی موسم میں ہوا ہوگا جو ملک شام میں کھجوروں کے تیار ہونے کا زمانہ ہوتا ہے...... ولادت مسیح علیہ السلام کا زمانہ، تقریبی و تخمینی طور پر تو اس سے بآسانی متعین ہوسکتا ہے۔ یونانی اطبا نے تازہ خرموں کو زچہ خانہ کے لئے بہترین غذا تسلیم کیا ہے۔ سَرِيًّا۔ بہتی ہوئی نہر۔ اے نهرًا يسرى (راغب) اتفق المفسرون الا الحسن وعبد الرحمن ابن زيد ان السرى هو النهر (کبیر) عن ابن عباس السرى النهر وبه قال عمرو بن ميمون نهر تشرب منه (ابن کثیر) وقال السدى هو النهر واختار هذا القول ابن جرير وقد ورد فى ذلك حديث مرفوع (ابن کثیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں اشارہ اس طرف ہے کہ تحصیل رزق میں بھی فی الجملہ سعی کرنا مطلوب ہے اور توکل کے منافی نہیں۔ ف۳۷ یعنی یہ مفید و پر تغذیہ میٹھی پھل جو ملا ہے، اسے کھاؤ اور اس چشمہ کا پانی پیو اور بچہ کو دیکھ کر قلب کی راحت حاصل کرو۔ "اکل و شرب کا حکم بہ ظاہر اباحت کے لئے معلوم ہوتا ہے۔" (تھانوی) ف۳۸ (اشارہ سے) آنے والا جو آئے گا وہ اغلب احوال میں بچہ کی پیدائش کو حیرت و اعتراض ہی کی نظر سے دیکھے گا۔ اس موقع کے لئے حضرت مریم کو ہدایت ہوتی ہے کہ تم سوال و جواب میں نہ پڑنا، بلکہ یہ کہہ کر کہ میں تو آج صوم سکوت نذر مانے ہوئے ہوں چپ ہو جانا۔ فَقُوْلِيْ کے تحت میں بعض مفسرین نے بڑھایا کہ یہ بات بھی اشارہ سے کہنا ورنہ صوم سکوت سے تناقض لازم آتا ہے۔ لیکن اتنا تکلف غیر ضروری ہے۔ بہ آسانی ممکن ہے کہ یہ اطلاعی فقرہ کہہ کر وہ چپ ہو گئی ہوں۔ وقالت فرقة معنى فقولى اے بالاشارة لا بالكلام والافكان تناقض منافى قولها انتهى ولا تناقض لان المعنى فلن اكلم اليوم انسيا بعد قولى هذا (بحر) ف۳۹ گویا حکم یہ ملا کہ تم روزہ کی نذر مان لو۔ اور جب کوئی تم پر اعتراض کرنے لگے تو تم اس پر بھی ظاہر کر دینا، اور خود سوال و جواب میں نہ پڑنا۔ فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا۔ روزہ بہت سی اگلی شریعتوں میں سکوت کے ساتھ ہوتا تھا۔ شریعت اسلامی میں صوم سکوت جائز نہیں۔ ایک شریف خاتون کے لئے جب خود اسی کی عصمت زیر بحث آنے لگے، اپنی بریت و صفائی میں بھی تقریر کرنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ ہر صاحب فہم اور ہر صاحب تجربہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید نے حضرت مریم کی نزاکت جذبات کا لحاظ فرما کر کتنا اچھا نسخہ نہیں بتادیا کہ تم اس سوال و جواب ہی میں نہ پڑنا، بلکہ جواب اپنے اس بچہ ہی

قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ

ف۴۰ وہ لوگ بولے اے مریم تو نے تو بڑے غضب کی حرکت کی ف۴۱ اے ہارون کی بہن!

مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾

نہ تمہارے والد ہی برے آدمی تھے اور نہ تمہاری ماں ہی بدکار تھیں ف۴۲

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي

اس پر مریم نے اس (بچہ) کی طرف اشارہ کیا ف۴۳ وہ بولے ہم اس سے کیسے بات چیت کریں جو ابھی گہوارہ میں

الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ

(پڑا ہوا) بچہ ہی ہے ف۴۴ (وہ بچہ) بول اٹھا میں اللہ کا بندہ ہوں ف۴۵ اس نے مجھے کتاب دی

وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ

اور اس نے مجھے نبی بنایا ف۴۶ اور (اسی نے) مجھے بابرکت بنایا، میں جہاں کہیں بھی ہوں ف۴۷

وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾

اور (اسی نے) مجھے نماز اور زکوۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں ف۴۸

وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ؗ وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾

اور مجھے میری والدہ سے نیکی کرنے والا (بنایا) ف۴۹ اور مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا ف۵۰

وَ السَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَ يَوْمَ اَمُوْتُ وَ يَوْمَ

اور میرے اوپر سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز

اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ

میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا ف۵۱ یہ ہیں عیسیٰ بن مریم (یہ ہے وہ) سچی بات

الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ

جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں ف۵۲ اور اللہ کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے

سے دلوانا (جیسا آگے آرہا ہے) ہم اسے بطور خارق عادت تمہاری صفائی میں گویا کر دیں گے۔ ف۴۰ اب وہ وقت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہو چکی ہے اور آپ انہیں گود میں لئے ہوئے شہر کو آئی ہیں۔ ف۴۱ یعنی (نعوذ باللہ) یہ بدکاری کا ثمرہ لے کر آئیں۔ یہ اس لئے کہا کہ حضرت مریم کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ یہود، بجز معصیت شدید کی بدگمانی کے اور کوئی دوسرا قیاس قائم نہ کر سکے۔ "حمل و تولد بلا توسط مرد کے خارق عادت ہے۔ اور خوارق میں کتنا ہی استبعاد ہو مضائقہ نہیں۔ لیکن اس میں اس وجہ سے زیادہ استبعاد بھی نہیں کہ حسب تصریح کتب طب، عورت کی منی میں قوت منعقدہ کے ساتھ قوت عاقدہ بھی ہے۔ اسی لئے مرض رجا میں کچھ ناتمام صورت بھی بن جاتی ہے۔ کما صرح فی القانون۔ بس اگر یہی قوت عاقدہ اور زیادہ بڑھ جائے تو زیادہ مستبعد نہیں ہے" (تھانوی) جِئْتِ۔ یہاں یہ معنی فعلت ہے (روح) فَرِيًّا۔ فری کہتے ہیں گری پڑی چیز کو۔ چنانچہ افتراء بھی اسی مادہ سے ہے۔ یہاں تفسیر عظیم، اور عجیب، اور مصنوعی چیز سے کی گئی ہے۔ قيل معناه عظيمًا وقيل عجيبًا وقيل مصنوعًا (راغب) اشيئا عظيمًا منكرًا (کبیر) قال مجاهد والسدى الفرى العظيم الشنيع (بحر) ف۴۲ (تو یہ بھی تو نہیں کہا جاسکتا کہ والدین کی برائی کا اثر تم میں آگیا۔ ایسے نیک اور خوش چلن، شریف خاندان میں ہو کر اور یہ حرکت! کتنی شرم کی بات ہے) غیرت دلانے کا اس سے زیادہ موثر اور زور دار طریق اور ہو کیا سکتا تھا۔ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ۔ اخت صیغۂ مونث اخ کا ہے۔ اور جس

مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ

وہ بالکل پاک ہے ف۵۳ وہ تو جب کسی امر کا تہیہ کر لیتا ہے تو بس اس سے صرف اتنا کہہ

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ

دیتا ہے کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے ف۵۴ اور بے شک اللہ میرا بھی پروردگار ہے

فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ

اور تمہارا بھی پروردگار ہے سو اسی کی عبادت کرو یہی (دین کا) سیدھا راستہ ہے ف۵۵ پھر (مختلف) گروہوں نے

الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

باہم اختلاف ڈال لیا ف۵۶ سو کافروں کے حق میں بڑی آفت (آنے والی) ہے

مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ

(اس) بڑے دن کی آمد پر ف۵۷ یہ کیسے کچھ سننے والے اور دیکھنے والے ہو جائیں گے جس روز

يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

ہمارے پاس آئیں گے لیکن آج تو یہ ظالم کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہیں ف۵۸

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِىَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ

اور آپ انہیں اس حسرت کے دن سے ڈرائیے جب کہ اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ لوگ

فِىْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ

بے پروائی میں (پڑے ہیں) اور ایمان نہیں لاتے ف۵۹ ہم ہی زمین کے

الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاذْكُرْ

اور اس پر رہنے والوں کے وارث رہ جائیں گے اور ہماری ہی طرف (سب) لوٹائے جائیں گے ف۶۰ اور آپ (اس)

فِى الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾

کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجیے ف۶۱ وہ بڑے راستی والے تھے نبی تھے ف۶۲ (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے)

وقف لازم — ع ۲/۲۵/۵

طرح اخ کا مفہوم نہایت وسیع ہے اور وطنی، دینی، صناعتی ہر قسم کے اشتراک وتشابہ پر حاوی۔ اسی طرح اخت کا اطلاق بھی نسب پر محدود نہیں، بلکہ ہر قسم کے اشتراک کے لئے عام ہے۔ یہاں بھی مفہوم اسی مثلیت کا ہے۔ گویا وہ لوگ کہہ یہ رہے ہیں کہ اے ہارون جیسی خاتون، اے تقوی وپاکیزگی میں ہارون کی ہم سطح خاتون۔ نسبت الیه بمعنی التشبیه لا بمعنی النسبة (کبیر) والمراد بالاخت انها واحدة منهم کما یقال العرب اخا العرب وهو المروی عن السدی (روح) شبهوها به علی معنی اِنَّا ظَنَنَّا اِنَّکِ مثله فی الصلاح ولیس المراد منه الاخوة فی النسب (معالم) خود قرآن میں بھی اخت مشابہ کے معنی میں آیا ہے۔ وما نریهم من اية الاهی اکبر من اختها (زخرف۔ ع ۴) هٰرُوْنَ۔ یہ ہارون کون تھے؟ اغلب تو یہی ہے کہ وہی ہارون علیہ السلام نبی مراد ہوں۔ جو اپنے تقوی وپاکیزگی کے لئے اسرائیلیوں میں ضرب المثل تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی اور ہارون مریمؑ کے معاصر ہوں، جن کا تقوی اس عہد کے لوگوں میں معروف ومسلم ہو۔ اور یہ اگر کوئی صالح شخص حضرت مریمؑ کے بھائی ہی ہوں تو اس میں بھی کوئی تاریخی استبعاد نہیں۔ جب کہ والدین مریمؑ کی اولاد کی تفصیل کہیں محفوظ نہیں۔ ف۴۳ (کہ جو کچھ کہنا سننا ہے اسی بچہ سے کہو سنو) ف۴۴ یہود اسے حضرت مریم کی زبان سے طنز وتمسخر سمجھ کر اور زیادہ جھنجھلائے، اور بولے کہ کیا باتیں کرتی ہو؟ ہم مخاطب اس ناسمجھ، بے زبان بچہ سے ہوں جو ابھی گہوارہ میں پڑا ہوا ہے المّا اشارت الیه غضبوا غضبًا شدیدًا (کبیر۔ عن السدی) كَانَ۔ ابوعبیدہ لغوی کا قول ہے کہ یہاں زائدہ ہے (بحر) اور یہ تو بہرحال لازمی نہیں کہ اس کے معنی ماضی کے لئے جائیں، یعنی اس زمانہ کے جو مکالمہ کے وقت منقطع ہو چکا ہے۔ اور خود قرآن مجید میں متعدد نظیریں كَانَ کے اس استعمال کی ہیں۔ مثلاً وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً کے یہ معنی آج تک کوئی نہیں سمجھا ہے کہ زنا کسی زمانہ گذشتہ میں فعل بد تھا۔ چنانچہ یہاں بھی محققین نے تصریح کردی ہے کہ کان سے مراد کوئی ایسا زمانہ نہیں جو اس وقت منقطع ہو چکا ہے۔ لا یدل ذلک علی الانقطاع (بحر) ف۴۵ (اور بندہ بھی خاص ومقرب) اس ذرا سے فقرہ میں تردید آگئی آپ کے متعلق ہر قسم کے غلو کی...... ایک طرف نصاریٰ کی افراط کی بھی اور دوسری طرف یہود کی تفریط کی بھی۔ اور آپ کی صحیح وحقیقی حیثیت واضح ومتعین ہوگئی۔ قَالَ۔ یہود کی مخاطبت کا انتظار کئے بغیر آپ باذن الٰہی خود ہی بول اٹھے۔ اس خرق عادت کا ظہور، خود یہود کے مسلمات کے لحاظ سے، آپ کی اعلیٰ مقبولیت کا ثبوت تھا۔ اور فساد نسب اس مقبولیت عظمیٰ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس سن میں آپ کا تکلم یہود کی بدگمانی رفع کے لئے بجائے خود کافی ہو جانا چاہیے تھا۔ امام رازی علیہ الرحمة نے اس پہلو کی جانب اشارہ کیا ہے۔ ف۴۶ مستقبل کے واقعات کو، جب کہ ان کا وقوع بالکل یقینی اور غیر مشتبہ ہو، بہ صیغہ ماضی بیان کرنا عادت قرآنی کے عین مطابق ہے۔ المراد بان حکم و قضی بانه یعطنی من بعد (کبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) بعض اقوال یہ بھی نقل ہوئے ہیں کہ حضرت کا یہ قول اس وقت کا نہیں، بہت بعد کا ہے۔ پہلا قول عَبْدُ اللّٰهِ پر ختم ہو گیا۔ ف۴۷ یعنی خلق کو میرے ذریعہ سے دین کا نفع پہنچے گا۔ مبارک کے معنی معلم خیر کے بھی کیے گئے ہیں۔ قال مجاهد معلمًا للخیر۔ قال غیره جعلنی نفاعًا (جصاص) ف۴۸ یعنی مجھے احکام شریعت دے کر بھیجا گیا ہے اور میرے اوپر بھی زندگی بھر عبادتیں اور احکام شریعت کی پیروی فرض ہیں۔ انجیل برنابا میں، جو حضرت مسیح کے ایک حواری کی جانب منسوب ہے، اور جسے مسیحی اپنے اعراض وعقائد کے مخالف پاکر جعلی قرار دیتے ہیں، اس میں اس مفہوم کی آیت موجود ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) ف۴۹ اس میں تردید ہے انجیل مروجہ کی پیدا کی ہوئی اس غلط فہمی کی کہ آپ کا برتاؤ اپنی والدہ کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ اور آپ ان سے بے رخی، بے التفاتی، بے اعتنائی برت جاتے۔ (ملاحظہ ہو متی ۱۲: ۴۶۔ ۵۰ مرقس ۳: ۳۱۔ ۳۵ لوقا ۸: ۱۹۔ ۲۱) اس حسن سلوک کے موقع پر بجائے والدین کے صرف والدہ کا نام لانا خود اس امر کا قرینہ ہے کہ آپ کی پیدائش والد کے توسط کے بغیر ہوئی تھی۔ ف۵۰ (کہ میں خلق یا خالق کسی کے بھی ادائے حقوق میں کمی کروں یا اعمال کے ترک سے بدبختی خریدوں) انجیل میں آپ کی زبان سے ہے:۔ ”میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن“ (متی ۱۱: ۲۹) نیز ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ انسان کا اپنی زبان سے اپنے اوصاف کمالی کا ظاہر کرنا بالکل جائز ہے، بشرطیکہ مقصود تعارف ہو، ناز وافتخار نہ ہو۔ یدل علی انه یجوز للانسان ان یصف نفسه بصفات الحمد والخیر اذا اراد تعریفها الی غیره لا علی جهة الافتخار (جصاص) ف۵۱ سلام یہاں وسیع معنی میں ہے، یعنی اللہ کے حفظ وامن کے مرادف۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۹۔ ف۵۲ یہ ہے ان کی صحیح کیفیت۔ یہ ہے ان کے نبی اور بندہ مقبول ومقرب ہونے کا صحیح اور سچا بیان۔ نہ وہ خدا، نہ فرزند خدا، نہ مظہر خدا، جیسا کہ عیسائیوں نے گڑھ رکھا ہے۔ نہ وہ بندہ نامقبول ومردود، جیسا کہ یہود نے طرح طرح انہیں متہم کر رکھا ہے۔ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ۔ ان کے باب میں جھگڑا کرنے والے بھی افراط وتفریط میں مبتلا اور غلو کرنے والے فرقے ہیں۔ ذٰلِكَ۔ اشارہ اوپر کے قول اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ الخ کی جانب ہے یعنی عیسیٰ بن مریم وہی ہیں جو ان صفات سے موصوف ہیں۔ الاشارة الی ماتقدم وهو قوله انی عبد الله اتانی الکتاب ای ذلک الموصوف بهذه الصفات هو عیسی بن مریم (کبیر) قَوْلَ الْحَقِّ۔ یعنی اصل حقیقت یہ ہے، نہ کہ وہ داستانیں جو اہل باطل نے گڑھ گڑھ لی ہیں۔ علی معنی انه ثابت لا یجوز ان یبطل (کبیر) ف۵۳ اس کی جانب اولاد کا انتساب معمولی اور فرعی غلطی نہیں۔ بنیادی، مرکزی اور ایک اہم ترین ضلالت ہے۔ اتخاذ ولد پر حاشیہ سورۂ بقرہ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ کے تحت میں گزر چکا۔ مِنْ وَّلَدٍ۔ من تاکید نفی

کے لئے ہے۔ جیء من لتاکید النفی (مدارک) مَا كَانَ لِلّٰهِ۔ یہ اسی طرح کا فقرہ ہے۔ جیسے دوسری جگہ قرآن میں ہے۔ ما کان اللہ ان یظلم۔ اے لا یلیق ذٰلک بحکمتہ و کمال الھیتہ (کبیر) **وف۵۴** (ایسے قوت واقتدار مطلق رکھنے والے کو اولاد کی حاجت کیا، اور ایسے کمال والے کے لئے اولاد کا ثابت کرنا عقلاً کمال کا نہیں نقص کا اثبات کرنا ہے) كُنْ فَيَكُوْنُ پر حاشیہ پہلے گزر چکا۔ لَهٗ یعنی اسی امر سے، جو اپنے وقوع میں آنے سے پیشتر ہی حکم الٰہی میں موجود رہتا ہے۔ **وف۵۵** اِنَّ اللّٰهَ الخ یہ رسول اللہ ﷺ کو حکم مل رہا ہے کہ آپ اپنی طرف سے کہہ دیجئے۔ التقدیر فقل یا محمد ان اللہ ربی وربکم الخ (کبیر) هٰذَا۔ مراد ان امور سے ہے، جن کا ذکر ابھی اوپر آچکا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی توحید اور شرک سے تبری کامل۔ اے ما ذکر من التوحید (روح) **وف۵۶** یہاں اختلاف سے مراد وہ اختلاف نہیں، جو حضرت مسیح علیہ السلام کے باب میں اہل حق اور اہل باطل کے درمیان ہے بلکہ وہ اختلاف مراد ہے جو خود اہل باطل یا غالی مسیحیوں ہی کے مختلف فرقوں کے درمیان ہے، جن کے جھگڑوں سے تاریخ کلیسا بھری پڑی ہے۔ اَلْاَحْزَابُ۔ مراد وہ فرقے ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے باب میں مسیحیوں کے درمیان، بہت بڑی تعداد میں پیدا ہو چکے ہیں۔ اور یہود کے فرقے ان پر مستزاد۔ **وف۵۷** يَوْمٍ عَظِيْمٍ سے مراد ظاہر ہے کہ روز قیامت ہے، جو باعتبار امتداد بھی بہت بڑا ہوگا اور باعتبار اشتداد بھی۔ مَشْهَدِ سے مراد نفس شہود بھی ہو سکتا ہے اور مکان شہود بھی اور زمان شہود بھی۔ یحتمل ان یکون المراد من المشھد نفس شھود ھم و ھو الحساب والجزاء فی القیامۃ او مکان الشھود فیہ او وقت الشھود (کبیر) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ کا اطلاق ہر کافر گروہ کے لیے عام ہے، لیکن یہاں اشارۂ خاص انہیں قوموں کی جانب ہے، جو حضرت عیسیٰ سے متعلق گمراہ ہوئی ہیں۔ یہود و نصاریٰ مع اپنے تمام ذیلی وضمنی فرقوں کے۔ اے تحزبوا فی عیسٰی (ابن عباس رضی اللہ عنہما) **وف۵۸** یعنی حشر میں تو انکشاف حقائق ان کافروں کو بھی کامل ہو کر رہے گا، لیکن آج دنیا میں تو یہ سرتاسر ظلمت ضلالت میں غرق ہیں۔ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ۔ محاورہ میں کمال تعجب کے موقع پر آتا ہے۔ یعنی آج تو یوں اندھے بہرے ہیں، کل قیامت میں سب کمال حیرت سے دیکھیں گے کہ آنکھیں خوب روشن اور کان خوب تیز ہو گئے ہیں! الجمھور علی ان لفظہ امر و معناہ التعجب (مدارک) **وف۵۹** (اور چونکہ حقائق ایمانی پر پوری توجہ بھی کبھی صرف نہیں کرتے، اس لیے ان کی یہ غفلت یا بے پروائی بھی اختیاری ہی ہے، اور یہ اس میں معذور ذرا بھی نہیں) يَوْمَ الْحَسْرَةِ۔ حسرتیں تو کافروں کے نصیب ہی میں ہیں، یوم حشر میں ان حسرتوں کا شمار وعدد، اور کیفیت وکمیت کے ہر اعتبار سے شدید ترین وقوی ترین ہونا ظاہر ہی ہے۔ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ۔ یعنی جنت ودوزخ دونوں ہی کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور اہل جنت واہل جہنم دونوں کو خلود کا حکم سنا کر موت کو ان کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا۔ حدیث میں یہی تفسیر آئی ہے۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر) **وف۶۰** ذات حق جس طرح سب کا مبدء ہے، سب کا مرجع بھی ہے، یہ نہیں کہ مخلوق میں سے کسی ایک کی بھی واپسی کسی اور کی جانب ہو۔ نَرِثُ الْاَرْضَ۔ یعنی جب زمین کی ساری جاندار مخلوق فنا ہو جائے گی تو بس ہم ہی اس کے وارث یا مالک رہ جائیں گے۔ صدیق صیغۂ مبالغہ ہے صدق کا۔ اصطلاح میں بعد نبی کے سب سے اونچا مرتبہ اسی کا ہے۔ اور لفظی معنی ہیں "بہت بڑے سچے" اے ملازم الصدق لم یکذب قط (روح) توریت میں دو مرتبہ کذب کو حضرت ابراہیم خلیل سے منسوب کیا ہے۔ (پیدائش ۱۲: ۱۳ اور ۲۰: ۲) لفظ صدیق لانے سے ممکن ہے اس کی بھی تردید مدنظر ہو۔ **وف۶۱** (اے ہمارے پیغمبر) یعنی آپ اس کتاب سے ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ پڑھ کر اپنی قوم کو سنائیے۔ ورنہ کتاب میں ذکر کرنے والا تو ظاہر ہے کہ خود حق تعالیٰ ہی ہے۔ والمراد اتل علیھم نبا ابراھیم و ذاکرہ و موردہ فی التنزیل ھو اللہ تعالٰی (بحر) اے اتل علی الناس قصتہ (روح) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۲۱۶۰ تا ۱۹۸۵ ق، م) پر حاشیہ سورۂ بقرہ (پ۱) رکوع ۱۵ میں گزر چکا۔ **وف۶۲** صدیق، صدوق کا صیغۂ مبالغہ ہے اور لفظی معنی 'بہت بڑے سچے' کے ہیں۔ اصطلاح میں ولی کامل کے مرادف ہے، اور بعد نبی کے سب سے اونچا مرتبہ صدیق ہی کا ہوتا ہے۔ الصدیقون ھم قوم و دین الانبیاء فی الفضیلۃ (راغب) الصدیق من کثر منہ الصدق و قیل بل یقال لمن لا یکذب قط (راغب) ھو الذی یکون عادتہ الصدق (کبیر) المراد فرط صدقہ و کثرۃ ما صدق بہ من غیوب اللہ (مدارک) الصدیق الکثیر الصدق القائم علیہ (معالم) **وف۶۳** (عقل سے سوچئے تو بت پرستی کی لاحاصلی آپ پر بالکل روشن ہو جائے) لِمَ تَعْبُدُ الخ ظاہر ہے کہ مراد بتوں اور مورتیوں کی پرستش سے ہے۔ عراق قدیم یا کلدانیہ کا شرک، بدترین قسم کا شرک تھا۔ دیوی دیوتاؤں کے نام ۵ ہزار کی تعداد میں اب تک کتبوں میں مل چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ مَا لَا يَسْمَعُ...... شَيْئًا۔ مطلب یہ کہ جو ہستی واجب الوجود نہیں، وہ لائق عبادت تو کسی حال میں بھی نہیں۔ چہ جائیکہ ایسی ہستیاں جو سماعت، بصارت وغیرہ سے بھی عاری ہوں! مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے طریق دعوت وتبلیغ میں حسن خلق وادب کو ملحوظ رکھا تا کہ مخاطب فساد ومکابرہ پر آمادہ نہ ہو جائے۔ **وف۶۴** (جو توحید، ایمان اور نجات کا راستہ ہے) الْعِلْمِ۔ یعنی علم بالوحی جس میں غلطی کا احتمال ہی نہیں۔ فقہاء نے یہاں سے مسائل ذیل کا استنباط کیا ہے:۔ (۱) بے علموں پر علماء کی اتباع واقتداء لازم ہے۔ (۲) باپ کو بیٹے سے استفادہ وتلمذ جائز ہے۔ (۳) فضل نسب فضل علم وکمال کا ہم سطح نہیں۔ **وف۶۵** شیطان کے کہے میں آ کر بت پرستی اور شرک میں مبتلا ہو جانا خود شیطان پرستی ہے۔ اے لا تطعہ فی عبادتک ھذہ الاصنام فانہ ھو الداعی الی ذٰلک والراضی بہ (ابن کثیر) المراد الطاعۃ لانھم ما کانوا یعبدون الشیطان فوجب حملہ علی الطاعۃ (کبیر) لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا۔ صفت رحمانیت کو نمایاں کرنے سے مقصود مخاطب کو اور زیادہ غیرت دلانا ہے کہ شیطان کی یہ کفر اور

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ﴿۴۲﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ اے میرے باپ آپ کیوں ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ آپ کے کچھ بھی کام آ سکے **وف۶۳** اے میرے باپ میرے پاس وہ علم آ چکا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا سو آپ میری پیروی کیجیے میں آپ کو سیدھا راستہ بتا دوں گا **وف۶۴** اے میرے باپ آپ شیطان کی پرستش نہ کیجیے شیطان بے شک خدائے رحمٰن کا نافرمان ہے **وف۶۵** اے میرے باپ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ آپ پر خدائے رحمٰن کی طرف سے عذاب آ پڑے تو آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں **وف۶۶** (آزر نے) کہا تو کیا اے ابراہیم تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر ڈالوں گا **وف۶۷** اور مجھے تو ایک مدت کے لئے چھوڑ ہی دو **وف۶۸** (ابراہیم) بولے آپ میرا سلام لیں **وف۶۹** اب میں آپ کے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت کی درخواست کروں گا **وف۷۰** بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے، **وف۷۱** اور میں کنارہ کرتا ہوں تم لوگوں سے اور ان سے بھی جنہیں تم لوگ خدا کے سوا پکارتے ہو **وف۷۲**

وَ اَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ

اور میں تو اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم

شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

نہ رہوں گا و۷۳ پھر جب وہ کنارہ کش ہوگئے ان لوگوں سے اور ان سے بھی جن کی وہ لوگ اللہ کے سوا عبادت

اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا

کرتے تھے تو ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب کو عطا کیا و۷۴ اور ہم نے ہر ایک کو

نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ

نبی بنایا اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت عطا کی و۷۵ اور ہم نے ان سب کا

لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ ع وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۫

نام نیک اور بلند کیا و۷۶ اور آپ (اس) کتاب میں موسیٰ کا (بھی) ذکر کیجیے و۷۷

اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَ نَادَيْنٰهُ

بیشک وہ (اللہ کے) خاص کئے ہوئے (بندے) تھے اور وہ رسول تھے۔ نبی تھے۔ و۷۸ اور ہم نے انہیں طور کی

مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَ وَهَبْنَا

داہنی جانب سے آواز دی اور ہم نے ان کو مقرب بنایا راز کی گفتگو کے لئے و۷۹ اور ہم نے اپنی

لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَ اذْكُرْ فِي

رحمت سے انہیں ان کے بھائی ہارون کو نبی کی حیثیت سے عطا کیا و۸۰ اور آپ (اس) کتاب میں

الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ

اسمٰعیل کا (بھی) ذکر کیجیے و۸۱ بے شک وہ وعدہ کے (بڑے ہی) سچے تھے اور

رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ ع وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۠

رسول تھے، نبی تھے و۸۲ اور وہ اپنے والوں گھر کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے رہتے تھے

ناسپاسی بھی کیسے مالک کے مقابلہ میں ہے؟ ایسے کہ جو سر تا سر رحمت ہے۔ يٰٓاَبَتِ۔ یا ابت کی تکرار بار بار کرنا اور اسی طرح آیت ماقبل میں ہدایت کا انتساب بجائے حق تعالیٰ کے اپنی جانب کرنا یہ سب اس لیے ہے کہ مخاطب کو بجائے وحشت کے انس پیدا ہو۔ و۶۶ (دوزخ اور عذاب آخرت میں) عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ۔ یہاں یہ جتلا دیا کہ گو وہ رحمٰن ہے مگر سزا دینے میں اس کو مانع نہ عدم قدرت ہو سکتی ہے نہ عدم ارادہ۔ و۶۷ سنگساری کی سزا قدیم قوموں میں عام تھی۔ اور کلدانیہ کے قانون میں تو لڑکا عمر بھر باپ کا غلام ہی سمجھا جاتا تھا۔ باپ کی زندگی بھر اسے خود مختاری کسی طرح کی حاصل ہی نہیں ہوتی تھی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ۔ یعنی اگر اپنے اس انوکھے عقیدہ اور تعلیم سے باز نہ آئے۔ و۶۸ یعنی میرا سامنا کرنا تو بہر حال چھوڑ ہی دو۔ مَلِيًّا۔ ملی کے معنی زمانہ طویل کے ہیں، اور یہی یہاں بھی اکابر سے منقول ہیں۔ قیل للمدة الطویلة (راغب) زمانًا طویلًا (ابن جریر۔ عن الحسن) حینًا طویلًا و دهرًا (ابن جریر) روی عن الحسن و مجاهد و سعید بن جبیر و السدی قالوا دهرًا طویلًا (جصاص) و۶۹ (اور میری اور آپ کی راہیں آج سے جدا ہیں) حضرت نے جب دیکھا کہ تبلیغ و نصیحت کا اثر الٹا ہو رہا ہے تو کہا، بہتر ہے میرا آخری سلام قبول ہو۔ میں اب رخصت ہوتا ہوں۔ یہ سلام وداع اور رخصتی کا ہے کہ میری راہ الگ ہے، آپ کی راہ الگ۔ اس سے اس فقہی مسئلہ کو کہ کافر کو سلام جائز ہے یا نہیں، نفیاً یا اثباتاً کوئی تعلق ہی نہیں۔ توادع و متارکة (کبیر) قال الجمهور هذا بمعنی المسالمة لا بمعنی التحیة (بحر) هذا السلام للمتارکة بقرینة المقام فلامس بمسئلة السلام علی الکافر جوازًا و منعًا بهذا المقام (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) لیکن بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ سلام رفق و آشتی و مسالمت کا ہے اور اس میں اس کی تعلیم ہے کہ سفیہ کو حلیم کی زبان سے ایسا ہی جواب ملنا چاہیے اور اس میں حق ابوت کا احترام بھی ہے۔ قیل سلام برولطف و هو جواب الحلیم للسفیه (معالم) یعنی امانا فلانیالک منی مکروه ولا اذیٰ و ذٰلک محرمة الابوة (ابن کثیر) مقابلة للسیئة بالحسنة ای لا اصیبک بمکروه (بیضاوی) و۷۰ (اس طرح کہ آپ کو جیتے جی ہدایت نصیب ہو جائے کہ اسی پر مغفرت مرتب ہوتی ہے) معناه سأسأل الله تعالیٰ لک توبة تنال بها المغفرة (معالم) انما استغفر لابیه لانه کان یرجوا منه الایمان (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ سند ہے کافر کے لیے دعائے ہدایت کے جواز کی۔ و۷۱ (اس لیے مجھے امید ہے کہ وہ میری دعا قبول بھی کرے گا، بشرطیکہ وہ کسی حکمت تکوینی کے معارض نہ ہوئی) و۷۲ یعنی قلباً و اعتقاداً تو میں پہلے ہی سے علیحدہ تھا۔ اب سکونت بھی یہاں کی چھوڑے دیتا ہوں۔۔۔ چنانچہ اس کے بعد آپ ملک شام کو ہجرت فرما گئے تو ان کے مخاطبین اول، مشرکین عرب کے لیے اس قصہ ابراہیمی میں خصوصیت کے ساتھ سبق ہدایت موجود ہے۔ وہ بھی نسل ابراہیمی سے تھے اور اپنے کو پیرو بھی انہیں کے دین کا ظاہر کرتے تھے۔ وَ اَعْتَزِلُكُمْ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں معاند سے یکسو ہو جانے کی تعلیم ہے۔ و۷۳ (بہ خلاف مشرکوں کے، جو اپنے معبودوں کو پکار کر محروم ہی رہتے ہیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام پیمبر ہیں، اور پیمبر بھی کیسے جلیل القدر۔ اللہ کے خلیل۔ اس پر بھی دعویٰ کے ساتھ یہ نہیں کہتے کہ میری دعا قبول ہی ہو جائے گی۔ بلکہ عبدیت کی پوری شان تواضع کے ساتھ اس کی صرف امید ظاہر کرتے ہیں۔ و۷۴ یعنی جب آپ اپنے شہر حران (ملک کلدانیہ) سے ہجرت کر کے ملک شام میں آبسے، تو اس ترک وطن و اہل وطن سے آپ دنیوی و مادی اعتبار سے بھی گھاٹے میں نہ رہے۔ دوسرا وطن آپ کو مل گیا۔ صاحب اولاد آپ ہوئے، اولاد در اولاد تک پیمبر ہوئی، ساری خوشیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں آپ کی اس ہجرت اور ترک وطن کا ذکر توریت موجودہ میں ان الفاظ میں ہے:۔ "اور خداوند نے ابرام کو کہا تھا کہ تو اپنے ملک اور اپنے قرابتیوں کے درمیان سے اور اپنے باپ کے گھر سے اس ملک میں جو میں تجھے دکھاؤں گا نکل چل، اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا۔ اور تو ایک برکت ہوگا"۔ (پیدائش ۱۲: ۱ و ۲) "سو وہ ملک کنعان میں آئے...... اور ابرام رفتہ رفتہ دکھن کی طرف گیا" (پیدائش۔ ۱۲: ۹) اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ۔ اسحٰق بہ طور بیٹے کے اور یعقوب بہ طور پوتے کے۔ دونوں کی پیدائش حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہی میں ہوئی۔ و۷۵ (اور انہیں ہر طرح کی دنیوی نعمتوں اور روحانی کمالات سے سرفراز کیا) حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب علیہم السلام، ایک طرف انبیاء و مرسلین اور خاصانِ خدا میں سے تھے اور دوسری طرف ہر طرح کی دنیوی نعمتوں مثلاً قبیلہ کی سرداری، کثرت اولاد وغیرہ سے بھی بہرہ ور تھے۔ قال الکلبی المال و الولد و هو قول الاکثرین (معالم) و۷۶ (آئندہ نسلوں میں) چنانچہ آج تک ان تینوں کا نام دنیا کی تین بڑی قومیں مسلمان، مسیحی، یہودی، تعظیم تکریم و عقیدت ہی کے ساتھ لیتے ہیں اور ان حضرات کے حق میں جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا کی تفسیر اس سے بڑھ کر روشن اور جلی اور کیا ہوگی، کہ مسلمان کی کوئی نماز تک مکمل نہیں ہو پاتی جب تک ابراہیم اور آل ابراہیم علیہ السلام کا نام لے کر ان پر درود و سلام نہ بھیج لیا جائے۔ و۷۷ یعنی آپ لوگوں کو اس کتاب میں سے پڑھ کر سنایئے ورنہ ذکر کرنے والا تو حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۶۱۔ مُوْسٰى پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول میں گزر چکے۔ و۷۸ رسول اور نبی کی تفسیر میں اقوال متعدد ہیں۔ تتبع آیات مختلفہ سے جو بات احقر کے نزدیک محقق ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کے مفہوم میں عموم و خصوص من وجہ ہے۔ رسول شریعت جدیدہ۔ خواہ وہ شریعت اس رسول کے اعتبار سے بھی جدید ہو جیسے توریت وغیرہ یا صرف مرسل الیہم کے اعتبار سے جدید ہو جیسے اسمٰعیل علیہ السلام کی شریعت۔ وہی شریعت ابراہیمیہ تھی۔ لیکن قوم جرہم کو اس کا علم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی سے حاصل ہوا۔ اور خواہ

وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ

اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے ف۸۳ آپ (اس) کتاب میں اور ادریس کا بھی

اِدْرِيْسَ ز اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾ قلا وَّ رَفَعْنٰهُ

ذکر کیجیے بے شک وہ بڑی راستی والے تھے نبی تھے ف۸۴ اور ہم نے انہیں

مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ

بلند مرتبہ تک پہنچایا ف۸۵ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ نے انعام فرمایا ہے منجملہ

النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ق وَ مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ز

(دیگر) انبیاء کے (جو) نسل آدم سے (تھے) ف۸۶ اور بعض ان کی (نسل) سے تھے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں)

وَّ مِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْرَآءِيْلَ ز وَ مِمَّنْ هَدَيْنَا

سوار کیا تھا اور بعض ابراہیم ف۸۷ و یعقوبؑ کی نسل میں سے ہیں۔ اور (یہ سب) ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے

وَاجْتَبَيْنَا ط اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا

ہدایت دی اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور جب ان کے سامنے خدائے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں

سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ﴿٥٨﴾ السجدة فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا

تو (زمین پر) گر پڑتے تھے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے ف۸۸ پھر ان کے بعد (بعض ایسے) ناخلف جانشین ہوئے

الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾ لا

جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور خواہشات کی پیروی کی سو وہ عنقریب خرابی سے دو چار ہوں گے ف۸۹

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

البتہ جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک کام کرنے لگا سو یہ لوگ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿٦٠﴾ لا جَنّٰتِ

جنت میں داخل ہوں گے ف۹۰ اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا ف۹۱ وہ (جنت)

السجدة

وہ رسول نبی ہو یا نہ ہو جیسے ملائکہ کہ ان پر رسل کا اطلاق کیا گیا ہے اور وہ انبیاء نہیں ہیں، یا جیسے انبیاء کے فرستادے اصحاب جیسا سورۂ یٰسین میں ہے اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ اور نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو خواہ شریعت جدیدہ کی تبلیغ کرے یا شریعت قدیمہ کی۔ جیسے اکثر انبیاء بنی اسرائیل کہ شریعت موسویہ کی تبلیغ کرتے تھے۔ یعنی من وجہ وہ عام ہے، من وجہ یہ عام ہے۔ پس جن آیتوں میں دونوں مجتمع ہیں اس میں تو کوئی اشکال نہیں کہ خاص وعام کا جمع ہونا صحیح ہے اور جس موقع پر دونوں میں تقابل ہوا ہے جیسے مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ الخ چونکہ عام وخاص مقابل نہیں ہوتے اس لیے اس نبی کو عام نہ لیں گے بلکہ خاص کر لیں گے مبلغ شریعت سابقہ کے ساتھ۔ پس معنی یہ ہوں گے مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ صاحب شرع جدید ولا صاحب غیر شرع جدید۔ لیکن چونکہ اب متبادر لفظ رسول سے صاحب نبوت ہوتا ہے اس لیے غیر نبی پر اطلاق اس کا بہ وجہ ابہام کے درست نہیں جیسے اس وقت بعض اہل زیغ اپنے لیے وحی اور رسالت بلکہ نبوت کے اطلاق کو جائز رکھتے ہیں اور تفسیر بھی ان الفاظ کی بدل ڈالی ہے۔ نعوذ باللہ" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) مُخْلَصًا۔ مخلص وہ ہے جسے اللہ نے اپنا خاص کر لیا، اور اعتقاد وعمل کی ہر طرح کی غلطی سے محفوظ کر لیا ہو۔ ای معصومًا من الكفر والشرك والفواحش (ابن عباس رضی اللہ عنہما) حقيقة الاخلاص البشرى عن كل ما دون الله تعالىٰ (راغب) ف۷۹ یہ گفتگو راز کی یا سرگوشی کی اس معنی میں تھی کہ اس مکالمت کے وقت اس کے سننے میں کوئی اور شریک نہ تھا۔ الطُّوْرِ۔ طور پر حاشیہ سورۂ بقرہ پارۂ اول میں گزر چکا۔ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ۔ داہنے جانب سے مراد حضرت موسیٰ کی داہنی جانب ہے۔ والمراد به يمين موسىٰ عليه السلام (روح) ف۸۰ یعنی حضرت ہارون علیہ السلام کو، جو عمر میں بڑے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اعانت وتقویت کے لیے ان کے منصب نبوت میں شریک کر دینا سرتاسر ہمارا فضل وکرم ہی تھا۔ ف۸۱ یعنی اسمٰعیل علیہ السلام (۲۰۷۰ تا ۱۹۳۳ ق۔م) بن ابراہیم علیہ السلام جو اپنے والد ماجد کی چھوٹی بیوی صاحبہ حضرت ہاجرہ شہزادی مصر کے بطن سے تھے۔ مصر اس وقت مرکز تمدن تھا۔ وہاں کی شہزادی قدرۃً تہذیب وتمدن کے لوازم سے آراستہ تھیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ف۸۲ آپ قوم جرہم کی جانب نبی مرسل تھے۔ جو اصلاً وابتداءً یمن کے باشندے تھے، مگر اب وادیٔ مکہ میں آباد ہو گئے تھے، اور خالص عرب تھے۔ صَادِقَ الْوَعْدِ یعنی یہ صفت علاوہ دوسری صفات حسنہ کے آپ پر خصوصیت سے غالب تھی۔ رَسُوْلًا نَّبِيًّا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۷۸۔ یہ خیال رہے کہ قرآن مجید نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو رسول اور نبی دونوں یہاں کہا ہے۔ بہ خلاف اس کے حضرت اسحٰق علیہ السلام کے لیے صرف نبی کا لفظ آیا ہے۔ ف۸۳ یعنی آپ اللہ کے مقبول وبرگزیدہ بندہ تھے، نہ کہ خدانخواستہ مردود وغیر مقبول، جیسا کہ یہود اور نصرانیوں نے گڑھ لیا ہے۔ اللہ کے ہاں پسندیدہ تو وہی ہو سکتا ہے، جو ادائے طاعات وعبادات میں درجہ کمال پر ہو۔ و هو فى نهاية المدح لان المرضى عندالله هو الفائز فى كل طاعاته باعلى الدرجات (کبیر) اَهْلَهٗ۔ آپ کی بیوی صاحبہ بھی مصر ہی کی ایک خاتون تھیں۔ توریت میں ہے:۔ "اور وہ فاران کے بیابان میں رہا، اور اس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت اس کے بیاہنے کو لی۔" (پیدائش۔ ۲۱:۲۱) اہل سے مراد محض گھر والے بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ امام رازی اور صاحب کشاف وصاحب بیضاوی نے لیا ہے۔ اور تمام امت بھی مراد ہو سکتی ہے، جیسا کہ صاحب معالم وصاحب جلالین کا خیال ہے۔ اور حسن بصری تابعی سے بھی منقول ہے۔۔۔ اگر گھر والے بھی مراد لیے جائیں تو معنی یہ ہوں گے کہ آپ نے تبلیغ شروع ہی انہیں لوگوں سے کی۔ قيل كان يبدا باهله فى الامر بالصلاح و العبادة ليجعلهم قدوة لمن سواهم (کبیر) يَاْمُرُ ...... الزَّكٰوةِ۔ یہ وصف ایک پیمبر کے سلسلۂ فضائل میں بیان ہو رہا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اپنے اعزہ، اقارب واحباب کو عبادات بدنی ومالی کی ترغیب دلاتے رہنا کتنی بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ ف۸۴ صدیق کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۶۰ و ۶۲۔ اِدْرِيْسَ۔ اغلب یہ ہے کہ یہ وہی نبی ہیں، جن کا نام توریت میں حنوک آیا ہے، یہ قابیل کے فرزند اکبر تھے۔ (پیدائش۔ ۴:۱۷) یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے۔ توریت سے ان کے مزید حالات یہ ملتے ہیں:۔ "اور حنوک ۶۵ برس کا ہوا کہ اس سے متوسلح پیدا ہوا۔ اور متوسلح کی پیدائش کے بعد حنوک ۳۰۰ برس خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا، اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں اور حنوک کی ساری عمر ۳۶۵ برس کی ہوئی۔ اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا (پیدائش ۵:۲۱۔ ۲۳) بعض مورخین نے ان کا زمانہ ۳۲۸۴ تا ۳۰۱۷ ق۔م متعین کیا ہے واللہ اعلم۔ ف۸۵ (کمالات ومراتب روحانی کے لحاظ سے) یہودی ومسیحی عقیدہ کے لحاظ سے حضرت ادریس یا حنوک آسمان پر زندہ اٹھا لیے گئے ہیں۔ چنانچہ توریت میں ہے:۔ "اور حنوک کی ساری عمر ۳۶۵ برس کی ہوئی اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور غائب ہو گیا اس لیے کہ خدا نے اسے لے لیا۔" (پیدائش ۵:۲۴) اور انجیل میں ہے:۔ "ایمان سے حنوک اٹھا لیا گیا تاکہ موت کو نہ دیکھے اور چونکہ خدا نے اسے اٹھا لیا تھا، اس لیے اس کا پتہ نہ ملا" (عبرانیون ۱۱:۵) قرآن مجید اس باب میں کوئی تصریح نہیں کرتا اور نہ کوئی حدیث صحیح ہی آپ کے رفع جسمانی کے باب میں وارد ہوئی ہے۔ بعض مفسرین نے اسرائیلیات سے اسی قصہ رفع جسمانی کو نقل کیا ہے۔ لیکن محققین کا قول یہی ہے کہ یہ رفعت اور مکان اور علو سب معنوی ہیں۔ ان سے مراد محض شرف نبوت اور تقرب عند اللہ ہے، جو ہر نبی کو حاصل ہے، جسمانی علو ورفعت اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ اور روایت جو اس باب میں نقل ہوئی ہے، خود اس کے اندر کمزوری موجود ہے۔ المكان العلى الشرف النبوة و الزلفى عندالله (کشاف) یعنی شرف النبوة والزلفى عندالله (بیضاوی) هذا من اخبار كعب الاحبار الاسرائيليات و فى بعضه

عَدْنٍ الَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّهٗ

ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کا وعدہ غائبانہ خدائے رحمٰن نے اپنے بندوں سے کر رکھا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ

كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا ﴿۶۱﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا اِلَّا

پورا ہو کر رہنے والا ہے وٓ۹ اس (جنت) میں وہ کوئی فضول بات نہ سنیں گے۔ ہاں البتہ

سَلٰمًا ؕ وَ لَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ

سلام (کی آوازیں سنیں گے) اور انہیں اس میں ان کا کھانا صبح و شام (ملتا رہے گا) و۹۳ یہ

الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِیًّا ﴿۶۳﴾

جنت ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں اس کا وارث اس کو بنادیں گے جو (اللہ سے) ڈرنے والا ہو و۹۴

وَ مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا

اور ہم (یعنی فرشتہ) نازل نہیں ہوتے بجز آپ کے پروردگار کے حکم کے و۹۵ اسی کی (ملک) ہے جو کچھ ہمارے آگے

وَ مَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا ﴿۶۴﴾ۚ

ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں و۹۶

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ

وہ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا ہے اور اس سب کا جو دونوں کے درمیان ہے سو تو

وَ اصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا ﴿۶۵﴾ؑ وَ یَقُوْلُ

اس کی عبادت کیا کر اور اس کی عبادت پر قائم رہ و۹۷ بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے؟ و۹۸ اور انسان

الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا

کہتا ہے کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو بھلا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ و۹۹ کیا

یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ

انسان کو یہ یاد نہیں کہ ہم ہی اس کو اس سے قبل خلق کر چکے ہیں درآنحالیکہ وہ

ع ۵

نکارة والله اعلم (ابن کثیر) و هذا الرفع لاقتضائه علو الشان و رفعة القدر (روح) رفعت اور مکان اور علوسب معنوی ہیں اور جو قصہ علوحسی کا مشہور ہے اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی تفسیر کا موقوف علیہ بنانے کی ضرورت نہیں" (تھانوی ؒ) اے رفعنا قدره و شرفناه بالمناجاة (کبیر) و۸۶ یعنی یہ سب کے سب آدمی ہی تھے۔ کوئی ان میں سے فوق البشر یا اولاد آدم سے باہر نہ تھا۔ نہ کوئی جن تھا، نہ فرشتہ، نہ کوئی دیوی دیوتا۔ اُولٰٓئِكَ۔ یعنی یہ سارے لوگ جن کا ذکر زکریا علیہ السلام سے لے کر ادریس علیہ السلام تک اب تک اس سورۃ میں آچکا ہے۔ و۸۷ مثلاً حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ کہ یہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام دونوں کی اولاد میں تھے اور حضرت اسحٰق اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام اور خود حضرت اسرائیل علیہ السلام کہ تنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔ و۸۸ (اپنی اطاعت وعبودیت کے اظہار کے لیے) اللہ کے ہاں مقبولیت، کمال عبدیت عبودیت سے الگ نہیں، اسی کا دوسرا نام ہے۔ آیت میں انبیاء کے دو قسم کے اوصاف بیان ہوئے ایک ان کا مقبول وصاحب کمال ہونا، دوسرا ان کا خشوع وخشیت با کمال عبدیت۔ و۸۹ (آخرت میں) خَلْفٌ (بہ سکون لام) کے معنی ہیں بری اولاد، جسے ہمارے محاورہ میں ناخلف بھی کہتے ہیں یعبر عن الردی بخلفٍ (راغب) یقال فی عقب الخیر خلف بالفتح و قیل فی عقب السوء خلف بالسکون (کشاف) اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ۔ اضاعت عام ہے، خواہ اعتقادی بھی ہو، خواہ محض عملی۔ الشَّهَوٰتِ۔ خواہشوں سے نفسانی ناجائز خواہشیں مراد ہیں ضروری طاعتوں سے غافل کرنے والی۔ غَیًّا۔ غی ہر بڑی خرابی پر محیط اور حاوی ہے۔ کل شر عندالعرب غیٌّ (کشاف) الغیّ عند العرب کل شر (بحر) و۹۰ (بے غل وغش۔ بغیر اس خرابی سے دوچار ہوئے) مَنْ تَابَ۔ یعنی کفر ومعصیت سے توبہ کرے۔ و۹۱ یعنی یہ نہ ہوگا کہ ان کا کوئی عمل لکھنے سے رہ جائے، یا ان کے توبہ واصلاح کے بعد ان کے کفر سابق کے جرم ان پر برابر عائد ہوتے رہیں۔ و۹۲ آیت میں خاص طور پر قابل لحاظ لفظ بِالْغَیْبِ ہے۔ ان صالحین ومومنین نے حق تعالیٰ کی آواز کو براہ راست تو سنا ہے نہیں، ان تک وعدۂ الٰہی صرف واسطہ در واسطہ، فرشتوں اور پیمبروں کی دوہری منزلیں طے کرتا ہوا پہنچا ہے۔ وہ اسی پر اعتماد کامل کیے ہوئے ہیں۔ اور یہ اعتقاد وایمان کا درجہ اعلیٰ ہے۔ جنت اور نعمائے جنت سب اسی ایمان بالغیب کا صلہ ہیں۔ عَدْنٍ۔ عدن کے معنی اقامة کے ہیں۔ بہشت کا اصلی وصف یہ ہوگا کہ وہ فانی نہیں، باقی اور قائم رہنے والا باغ ہے، جس کا دنیا کے فانی باغوں سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ و۹۳ یعنی برابر اور علی الدوام۔ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا اہل جنت کے کانوں میں کوئی بات بے تکی یا نکمی پڑنے ہی نہ پائے گی۔ جتنی آوازیں بھی آئیں گی، سب خوشگوار اور دل پسند ہی ہوں گی۔ خواہ یہ آوازیں فرشتوں کی ہوں یا دوسرے جنتیوں کی۔ اے لا یسمعون فیها الاقولا یسلمون فیه من العیب والنقیصة (مدارک) بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا اردو محاورہ میں بھی صبح وشام سے ایک مراد دوام ہوتی ہے، نہ کہ طلوع وغروب آفتاب کے دو متعین وقت۔ ؎ چسکا پڑا ہے جام کا، شغل ہے صبح وشام کا عربی محاورہ میں بھی مراد یہی ہے۔ بلکہ اس سیاق میں تو اس کے سوا کوئی اور مراد ہو ہی نہیں سکتی۔ جنت میں ظلمت ہی سرے سے کہاں ہوگی، جس سے یہ متعارف صبح وشام پیدا ہوتے ہیں۔ قیل اراد دوام الرزق و روده کما تقول انا عند فلان صباحا و مساءً و بکرة و عشیا ترید الدیمومة ولا تعقد الوقتین المعلومین (کشاف) و۹۴ (کہ خوفِ خدا ہی ایمان اور عمل صالح کا مبنیٰ اور منبع ہے) تقیا من الکفر والشرک (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نُوْرِثُ۔ اہل لطائف نے لکھا ہے کہ کلمہ میراث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جنت انعام وتفضل محض ہے، نہ کہ صلۂ عمل۔ جس طرح میراث کے لیے محض صحت نسب کافی ہے۔ وراثت جنت کے لیے صحت ایمانی کافی ہے۔۔ حسن بصری تابعی سے ایسے ہی معنی منقول ہیں۔ و۹۵ (ہم کوئی خود مختار تو ہیں نہیں جو اپنے ارادہ سے آتے جاتے رہیں، ہم تو تمامتر امر الٰہی کے تابع ومحکوم ہیں) یہ قول حضرت جبرئیل کی زبان سے ادا کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر محبوب حقیقی کے پیامات کا جو اشتیاق غالب رہتا تھا اس کے تقاضا سے ایک روز آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ اور زیادہ کیوں نہیں آتے ہو۔ اس کا جواب یہاں جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ حدیث صحیح میں یہی تفسیر آئی ہے۔ قال النبی ﷺ لجبریل ما یمنعک ان تزورنا اکثر مما تزورنا فنزلت و ما نتنزل الا الخ (بخاری۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ کتاب التفسیر) بِاَمْرِ۔ امر کے معنی آیت میں اذن کے بھی لیے گئے ہیں اور حکم کے بھی۔ اور لغۃً وہ دونوں کے لیے عام ہے۔ معناه الاذن بدلیل سبب النزول المذکور و یحتمل الحکم و یحتمل ان یکون المراد ما هو اعم من ذلک (فتح) و۹۶ (جیسا کہ بعض جاہلی مشرک قوموں نے قرار دے رکھا ہے) لَهٗ......ذٰلِكَ۔ مالکیت اسی کے لیے مخصوص ہے ہر مخلوق کی، زماناً بھی اور مکاناً بھی۔ ہمارا ارادہ تو تمامتر ارادۂ الٰہی کا مسخر ومحکوم ہے۔ وہی جب اور جہاں چاہے ہمیں بھیجے۔ الغرض ان امرنا موکول الی الله تعالیٰ یتصرف فینا بحسب مشیئته و ارادته و حکمته (کبیر) لا ننتقل من مکانٍ الی زمانٍ ولا ننتزل فی زمانٍ دون زمانٍ الا بامره و مشیئته (بیضاوی) وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا۔ اس کے لیے اس کا احتمال ہی نہیں کہ کہیں ہمارا بھیجنا مصلحت ہو اور وہ بھول جائے۔ و۹۷ (اگرچہ اس راہ میں مشکلات بھی پیش آئیں) یہاں خطاب عام ہے۔ محض رسول اللہ ﷺ مخاطب نہیں۔ بعض نے خطاب کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ آپ تاخیر وحی سے

شَيْـًٔا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ

کچھ بھی نہ تھا۔ و١٠٠ تو قسم ہے آپ کے پروردگار کی ہم ان کو (بھی) جمع کریں گے اور شیاطین کو (بھی) پھر

لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ

ان (سب) کو دوزخ کے گردا حاضر کریں گے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے و١٠١ پھر ہم ہر گروہ میں سے ان کو

مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾

جدا کرلیں گے جو خدائے رحمٰن سے سرکشی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے و١٠٢

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾

پھر ہم ہی انہیں بھی خوب جانتے ہیں جو اس میں جانے کے زیادہ مستحق ہیں و١٠٣

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا

اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا گزر اس تک نہ ہو یہ آپ کے پروردگار پر لازم ہے جو پورا

مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ

ہو کر رہے گا و١٠٤ پھر انہیں ہم نجات دے دیں گے جو (اللہ سے) ڈرتے تھے اور ظالموں کو اسی میں پڑا رہنے دیں

فِيْهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ

گے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے و١٠٥ اور جب انہیں ہماری کھلی ہوئی نشانیاں سنائی جاتی ہیں و١٠٦ تو جو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ

لوگ کافر ہیں وہ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ (ہم) دونوں فریقوں میں مکان کس کا

مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

بہتر ہے اور مجلس کس کی بہتر ہے و١٠٧ حالانکہ ہم ان سے قبل کتنے ہی گروہ

مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿٧٤﴾ قُلْ مَنْ

ہلاک کرچکے ہیں جو (ان سے بھی) بڑھ چڑھ کر تھے سامان و تمول میں و١٠٨ آپ کہہ دیجیے کہ جو لوگ

آیت میں مجاہدات طریق کی طرف اشارہ ہے اور ان پر صبر و ثبات کی تعلیم ہے۔ و٩٨ یعنی ذات کی طرح صفات باری میں بھی کوئی شریک نہیں۔ سَمِيًّا سمی کے معنی ہم نام کے ہیں، ہم صفات کے بھی ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔ ای نظیرًا له یستحق اسمه و موصوفًا یستحق صفته علی التحقیق (راغب) ای هل تعلم للرب مثلًا اوشبهًا (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) قال مجاهد و ابن جبیر و قتادة سمیًا مثلًا و شبهًا و روی ذلک عن ابن عباس ایضًا (بحر) و٩٩ 'انسان' سے مراد منکر آخرت انسان، یا آج کا "روشن خیال" دہری العقیدہ انسان ہے۔ یقول استفسار استفہام کے طور پر نہیں۔ بلکہ اعتراض و استہزاء کے لہجہ میں کہتا ہے۔ و١٠٠ (توجب عدم محض سے وجود میں لاچکے ہیں تو حیات ثانی تو اس سے کہیں آسان تر ہے) وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا اس میں رد ان فلاسفہ جاہلین اور معقولین نامعقولین کا بھی آگیا جو خلقت انسانی سے قبل ہیولی وغیرہ کا وجود فرض کیے ہوئے ہیں۔ و١٠١ (فرط ہیبت سے) الشَّيٰطِيْنَ یعنی ان لوگوں کو بہکانے والے، گمراہ کرنے والے۔ الذین کانوا یغوونهم (روح) الذین اغووهم (مدارک) و١٠٢ یعنی ہر فرقہ، ہر گروہ سے اس کے شریر ترین، سرکش ترین افراد چن کر الگ کر لیے جائیں گے۔ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ یعنی جس جس گمراہ گروہ کی طرف وہ اپنے کو منسوب کرتے رہے ہیں۔ المراد بالشیعة الطائفة التی شاعت ای تبعت نادیًا من الغواة (کبیر) و١٠٣ (سو پہلے وہی سرغنہ اور سردار ہی جہنم میں جھونکے جائیں گے۔

اور عذاب کی شدت اور اشدیت وغیرہ کی ترتیب وہاں بھی ملحوظ رہے گی) و١٠٤ (اے نوع انسان!) خطاب عام نوع انسانی سے ہے۔ ایها الناس (ابن جریر) و اولی الاقوال فی ذلک بالصواب قول من قال یردها الجمیع (ابن جریر) التفات الی الانسان (بیضاوی) قال الاکثرون انه عام فی کل مومن و کافر (کبیر) یعنی دوزخ سے گزر تو بہرحال سب ہی کا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ مومنین کو اس سے ضرر ذرا بھی نہ پہنچے۔ جس طرح خود ملائکہ دوزخ کو دوزخ سے تکلیف مطلق نہ ہوگی۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہ خطاب صرف اہل طغیان سے ہے جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ بمعنی الکفار لا یردها مومن (ابن جریر۔ عن ابن عباس) قال عکرمة الایة فی الکفار (معالم) قال بعضهم المراد من تقدم ذکرہ من الکفار (کبیر) وَارِدُهَا۔ ورود سے یہاں مراد داخلہ نہیں بلکہ محض پہنچنا یا گزر ہونا ہے۔ قال قوم لیس المراد من الورود الدخول والمراد الحضور والرویة (معالم) قال عبدالرحمن بن زید بن اسلم ورود المسلمین المرور علی الجسرین ظهرانیها و ورود المشرکین ان یدخلوها (ابن کثیر) قال بعضهم الورود الدنو من جهنم و ان یصیروا حولها (کبیر) خود قرآن مجید میں بھی فعل ورد دوسرے مقامات پر اس معنی میں آیا ہے۔ مثلاً فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ (یوسف) وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ (قصص) كَانَ...... مَقْضِيًّا اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب کوئی بھی شے نہیں۔ اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ حق تعالیٰ کے حق میں وجوب بہ معنی اضطرار و لزوم مواخذہ ممتنع ہو (خدا کا فعل بھی اگر اضطراری یا کوئی قابل مواخذہ ٹھہر گیا تو ظاہر ہے کہ وہ خدا کہاں باقی رہا؟) لیکن یہ وجوب و لزوم اگر تیقن وقوع کے معنی میں لیا جائے تو ممنوع نہیں اور یہاں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی اللہ کے ارادہ و اختیار سے یہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ یہ لزوم و وجوب اختیاری ہے اور جو ممنوع ہے، وہ غیر اختیاری و اضطراری ہے۔ و١٠٥ (اور ان ظالموں سے مراد کافر ہی ہیں) الَّذِيْنَ اتَّقَوْا۔ اللہ سے ڈرتے تھے اور اس لیے مومن بھی تھے۔ درجہ ضروری میں متقی تو ہر مومن ہوتا ہے۔ اس لیے الَّذِيْنَ اتَّقَوْا سے مراد مومنین ہی لیے گئے ہیں۔ ای اتقوا الشرک و هم المومنون (معالم) قال ابن عباس المتقی هو الذی اتقی الشرک بقول لا اله الا الله واعلم ان الذی قاله ابن عباس هو الحق الذی یشهد الدلیل بصحته (کبیر) جو مومن کامل ہیں انہیں تو کسی تکلیف کی ہوا بھی نہ لگنے پائے گی بلکہ دوزخ کی حالت کا معاینہ اور پھر اس سے اپنی محفوظیت کا تقابل تو اور زیادہ ان میں فرح و سرور کی کیفیت پیدا کرے گا۔ اذا شاهدوا ذلک العذاب صار ذلک سببًا لمزید التذاذهم بنعیم الجنة (کبیر) البتہ جو مومنین ناقص ہیں انہیں کچھ تکلیف اٹھانے کے بعد ہی نجات ملے گی۔ آیت میں جو لوگ مخاطبت صرف نافرمانوں سے سمجھتے ہیں، انہوں نے الَّذِيْنَ اتَّقَوْا سے مراد یہ لی ہے، کہ ان کے اندر باوجود معاصی حقیقت ایمان موجود تھی۔ وہ بعد چندے نجات پاجائیں گے اور جو بالکل ظالم ہیں کافر ہی ہیں، وہ اس میں پڑے سڑا کریں گے۔ و١٠٦ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مومنین کے لیے طرح طرح کی نعمتوں اور راحتوں کے وعدے ہیں اور منکرین کے لیے طرح طرح کی وعیدیں۔ و١٠٧ (اور اسی سے ظاہر ہے کہ ہم دونوں میں سے حق پر کون ہے؟) یہ جاہلی استدلال آج جس زور و شور سے پیش کیا جارہا ہے، پیشتر شاید کبھی نہ ہوا ہو۔ صرف اہل باطل ہی نہیں، بلکہ ان سے مرعوب بہت سے مسلمان بھی مسیحی قوموں، مشرک قوموں، لامذہب قوموں کی مثالیں پیش کرکر کے پکار پکار کر مسلمانوں سے کہہ رہے ہیں کہ ان کی ترقیاں دیکھو۔ ان کی دولت، حکومت، عظمت، جاہ و ثروت دیکھو، ان کی اقبال مندی پر نظر کرو اور تم اگر اپنی ترقی اور رفاہ چاہتے ہو تو انہیں کے طریقہ اختیار کرو، انہیں کی روش پر چلو اور وہی کرو جو یہ "ترقی یافتہ" "اقبال مند" قومیں کر رہی ہیں۔۔۔ "ترقی" و "فلاح" نام ہی انہیں دنیا پرست قوموں کی تقلید کا ہے! لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں ل مخاطبت و تبلیغ کا ہے لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ لام اجل کا ہے یعنی مومنین کے حق میں کہتے ہیں۔ ای قالوا لاجلهم و فی حقهم (روح) مَقَامًا و نَدِيًّا مقام سے مراد مکان و منزل لی گئی ہے

كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا

گمراہی میں پڑے ہیں خدائے رحمٰن انہیں خوب ڈھیل دیتا جاتا ہے ف۱۰۹ یہاں تک کہ

رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ ؕ

جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے جب وہ اس کو دیکھ لیں گے خواہ وہ عذاب ہو خواہ قیامت ہو

فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

ابھی انہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ مکان برا کس کا ہے اور حمایتی کمزور کس کے ہیں ف۱۱۰

وَ يَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَ الْبٰقِيٰتُ

اور اللہ ہدایت والوں کی ہدایت بڑھاتا ہے اور جو نیک کام

الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے پروردگار کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی بہتر ف۱۱۱

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا

بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ہماری نشانیوں سے کفر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے تو مال و اولاد مل کر

وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ

رہیں گے ف۱۱۲ تو کیا یہ غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا اس نے خدائے رحمٰن سے کوئی عہد

عَهْدًا ﴿۷۸﴾ لا كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهُ مِنَ

لے لیا ہے؟ ہرگز نہیں (البتہ) ہم اس کا کہا ہوا ابھی لکھے لیتے ہیں اور اس کے لئے عذاب

الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ لا وَّنَرِثُهُ مَا يَقُوْلُ وَ يَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾

بڑھاتے ہی چلے جائیں گے اور اس کی کہی ہوئی کے ہم ہی مالک رہ جائیں گے ف۱۱۳ اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ لا

ف۱۱۴ اور (ان لوگوں نے) اللہ کے علاوہ معبود قرار دے رکھے ہیں تاکہ ان کے لئے وہ باعث قوت ہوں ف۱۱۵

اور ندی سے مراد مجلس ومجمع۔ مقامًا ای مکانًا و منزلًا (روح) ندیًا ای مجلسًا و مجتمعًا (روح) خیر مقامًا ای احسن منازل و ارفع دورًا (ابن کثیر) احسن ندیًا ھو مجتمع الرجال (ابن کثیر) قال ابن عباس المقام المنزل والندی المجلس (ابن کثیر) ف۱۰۸ جواب ملتا ہے کہ یہ ظاہری ساز وسامان، یہ دولت وحکومت، یہ زرق برق لباس تہذیب وتمدن ہی اگر دلیل حقانیت وثبوت صداقت ہوتا تو آخر بڑی بڑی پرشوکت، پرقوت، پرثروت نافرمان قومیں کیوں غارت ہو گئیں؟ بابل وکلدانیہ کا تمدن کیا ہو گیا؟ اہرام مصر والی عمارتیں کیوں زمین کے برابر ہو گئیں؟ شاہان عجم کا کروفر دہ کیا ہوا؟ یونانیوں کا دم خم کہاں چلا گیا؟ قیصر وکسریٰ کے تاج وتخت کیوں تاراج ہو کر رہے؟ — اور آج آنکھوں کے سامنے دیکھتے دیکھتے زار روس کی حکومت قاہرہ کا تختہ کیسا الٹ کر رہا۔ قیصر ولیم اور اس کے آہنی ارادے کیوں گمنامی کی نذر ہو گئے؟ ہٹلر مع اپنے سارے سامان چنگیزی اور اتنے دم داعیہ کے کیوں فنا کے گھاٹ اتر گیا؟ ف۱۰۹ یہ اصل قانون تکوینی کا بیان ہے۔ یعنی کوئی قوم حکومت الٰہی سے متعلق کیسے ہی غلط سلط نظریے قائم کرے، دنیا میں اسے مہلت تو بہرحال ملتی ہی رہتی ہے اور گرفت اسی پر فورا نہیں ہوتی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت کے عموم میں اہل باطل کے احوال کا ابقاء بھی داخل ہے، پس احوال پر (جب وہ اعمال سے خالی ہوں) مغرور نہ ہونا چاہیے۔ ف۱۱۰ یعنی آج جنہیں اپنی مجلسی قوت پر فخر اور اپنے تمدن پر ناز ہے، اور اسی کو وہ دلیل اپنی صداقت و حقانیت کی بنائے ہوئے، کل کشف حقائق کے وقت انہیں خود نظر آ جائے گا کہ ان کے حمایتی اور ان کے جتھے والے بودے اور بے بس ہیں! مکان اور جند اس آیت میں آیت نمبر ۷۳ کے مقام اور ندی کے ہیں۔ جُنْدًا۔ جند کا اطلاق ہر بشری مجمع پر ہوتا ہے۔ یقال لکل مجتمع جند (راغب) یہاں مراد حمایتیوں کا گروہ یا جتھا ہے۔ الجند ھم الراعون والانصار (کشاف) اَضْعَفُ جُنْدًا سے یہ مراد نہیں کہ قیامت میں ان کے حمایتیوں کا گروہ ہوگا تو سہی لیکن کمزور۔ جند وہاں والوں کو نہیں بلکہ یہ تو دنیا کے اہل مجلس کو کہا گیا ہے جن کی حمایت ونصرت پر اہل دنیا کو ناز وغرہ رہا کرتا ہے۔ اَلْعَذَابَ۔ عذاب سے مراد یہاں اسی دنیا کا عذاب لیا گیا ہے۔ ف۱۱۱ یعنی ایک تو وہ نعمتیں خود ہی اعلیٰ درجہ کی، اور پھر باقی اور پائدار اور غیر منقطع۔ گویا آخری حالت اہل ایمان ہی کی بہتر ہوگی، بلحاظ کیفیت بھی بلحاظ کمیت بھی۔ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى۔ تو مومن کا اصل سرمایہ تو یہی ہدایت خداداد ہے، اور اس پر اس کو مسرور ومطمئن ہونا چاہیے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس پر کوئی حد مقرر نہ ہونے سے مفہوم یہ ہوا کہ باطنی ومعنوی ترقی کی کوئی حد نہیں۔ دوسرے عارفین نے کہا ہے کہ ایمان کے لیے مراتب متفاوت ہیں، جس جس طرح اصل مقصود غیر منتہی ہے، قصد و منزل بھی غیر منتہی ہیں اور ہر سالک کے لیے ہادی کی ضرورت باقی ہے۔ اَلْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ سے مراد علاوہ ایمان کے کل اعمالِ صالحہ ہیں جن کا ثواب دائمی اور اجر غیر منقطع ہے نہ کہ کوئی مخصوص ومتعین عبادت۔ قال المحققون انھا الایمان والاعمال الصالحۃ لان نفعھا یدوم ولایبطل (کبیر) ف۱۱۲ (آخرت میں) اس کا یہ قول بہ طریق تمسخر واستہزاء تھا۔ صحاح کی حدیثوں میں یہ روایت آتی ہے کہ ایک صحابی کا قرضہ ایک مشرک کے ذمہ باقی تھا (اور یہ معلوم ہے کہ مشرکین مکہ آخرت کے منکر تھے) جب انہوں نے اس سے تقاضا زائد کیا تو اس نے کہا کہ تم جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت سے انکار نہ کرو گے میں قرضہ نہ چکاؤں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو ہونے کا نہیں، چاہے تو مر کر بھی زندہ ہو جائے۔ وہ منکر از راہ تمسخر وتمرد بولا کہ اچھا جب یہ بات ہے کہ میں مر کر دوبارہ بھی آ سکتا ہوں تو بس جبھی آنا اور اپنا قرضہ چکانا۔ میں تو اس وقت بھی صاحب مال واولاد ہوں گا۔ ف۱۱۳ یعنی وہ منکر تو دنیا سے گزر جائے گا، اور اس کا اختیار نہ مال پر رہ جائے گا نہ اولاد پر۔ ہم ہی سب چیزوں کے مالک رہیں گے۔ ف۱۱۴ یعنی مال واولاد سب سے معرّی، بے ساز وسامان، بے یار ومددگار۔ ف۱۱۵ (دنیا میں اس طرح کہ ان کی حاجتیں اور مرادیں پوری کریں، اور آخرت میں اس طرح کہ ان کی شفاعت کریں) مشرکین کا ایک طبقہ بعث بعد الموت کا اور اپنے دیوتاؤں کی شفاعت کا قائل تھا، باقی اگر عِزًّا کا مفہوم صرف دنیوی مدد ونصرت تک محدود رکھا جائے تو آیت کا مضمون سارے ہی مشرکین پر صادق آئے گا۔ بڑی غرض اس پوجا پاٹ سے ہر قوم کے مشرکوں کی یہی ہوتی ہے کہ ہم بیماری سے اچھے ہو جائیں، مقدمہ میں کامیاب ہو جائیں، جنگ جیت جائیں، روپیہ خوب ملنے لگے وقس علیٰ ہذا۔

كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ

ہرگز نہیں۔ (بلکہ) وہ تو عنقریب خود ہی ان کی عبادت کا انکار کر بیٹھیں گے اور ان کے مخالف

ضِدًّا ﴿٨٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ

ہو جائیں گے ف۱۱۶ کیا آپ کو علم نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے

تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ

جو ان کو خوب ابھارتے رہتے ہیں ف۱۱۷ تو آپ ان کے حق میں جلدی نہ کیجیے ف۱۱۸ ہم خود ان کی (حرکتیں) شمار

عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾

کر رہے ہیں ف۱۱۹ (سزا اسی روز واقع ہوگی) جس روز ہم پرہیزگاروں کو خدائے رحمٰن کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے

وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُونَ

اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے ف۱۲۰ شفاعت کا اختیار

الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾

کوئی بھی نہ رکھے گا بجز اس کے کہ جس نے خدائے رحمٰن سے اجازت لے رکھی ہے ف۱۲۱

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَّقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا

اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے اولاد اختیار کر رکھی ہے ف۱۲۲ تم نے یہ حرکت ایسی سخت

إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ

کی ہے ف۱۲۳ کہ کچھ بعید نہیں جو اس کے باعث آسمان ٹوٹ پڑیں اور زمین پھٹ جائے

وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَن دَعَوْا لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾

اور پہاڑ کانپ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدائے رحمٰن کی طرف بیٹے کی نسبت کرتے ہیں ف۱۲۴

وَمَا يَنبَغِي لِلرَّحْمَٰنِ أَن يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ إِن كُلُّ

اور خدائے رحمٰن کے لائق یہ (کسی طرح) نہیں کہ وہ بیٹا اختیار کرے ف۱۲۵ جتنے جو کوئی بھی

ع ٥ ٨ — وقف لازم — وقف لازم

ف۱۱۶ (قالًا بھی حالاً بھی) قالاً اس طرح کہ کھل کر ان کی عبادت سے انکار کریں گے۔ اور حالاً اس طرح کہ بجائے ان کی عزت و نصرت کے اور ان کی ذلت و مقہوریت کا سبب بن جائیں گے۔ اے اعداء لھم و کانوا اولیاء ھم فی الدنیا (معالم) ف۱۱۷ (اور یہ بدبخت اپنی قوت ارادی سے کام نہ لے کر اس شیطانی اثر کو قبول کرتے رہتے ہیں) اَرْسَلْنَا۔ ارسال یہاں بھیجنے کے معنی میں نہیں، مسلط کر دینے کے معنی میں ہے اور یہ ارسال تمامتر تکوینی حیثیت سے ہوتا ہے۔ ارسلنا اے سلّطنا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) تَؤُزُّھُمْ اَزًّا۔ از کے معنی حیلہ یا تدبیر و تزویر سے اکسانے، بھڑکانے و ابھارنے کے ہیں۔ اے تغرّیھم علی المعاصی و تھیجھم لھا بالوساوس و التسویلات (کشاف) وقال الضحاک تغریھم اغراء (تاج) گویا ضمناً یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شیطان کو قوت صرف ترغیب، تدبیر و تزویر سے آمادہ کر دینے کی حاصل ہے، مجبور کر دینے کی نہیں۔ یہ ان کافروں کا بالکل اختیاری فعل ہے کہ اپنی قوتِ تمیز اور عقل سلیم سے کام نہ لے کر اپنے بدخواہ ازلی کے کہے میں آ جاتے ہیں۔ ف۱۱۸ (کہ ان پر عذاب کسی طرح آ جائے تا کہ آئندہ کے لیے مخلوق ان کے فتنہ و شر سے محفوظ ہو جائے) یعنی تستریح انت و المسلمون من شرورھم و تطھر الارض بقطع دابرھم (کشاف) "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جلد ہی عذاب چاہنا بعد مایوسی ان کے ایمان لانے کے شاید اس وجہ سے ہو کہ ان کا ضرر کفر دوسروں تک متعدی نہ ہو جائے، بس ایسا استعجال منافی شانِ رحمت کے نہیں" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۱۱۹ (اور وقت مناسب پر سزا دے لیں گے، تعجیل سزا میں حکمت ابتلاء ہی فوت ہوئی جاتی ہے) اعمال یہاں مقدر ہے۔ نعدانفاسھم واعمالھم (کبیر) قیل نعد اعمالھم لنجازیھم (بحر) اور اسی کا ترجمہ اردو محاورہ کے لحاظ سے "حرکتیں" کیا گیا ہے۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ "ہم ان کے مہلت کے دن خوب گنے جا رہے ہیں"۔ نعدلھم ایام اجالھم (بیضاوی) قیل ایامھم التی سبق قضاءنا ان تمھلھم الیھا (بحر) ف۱۲۰ مجرمین سے ظاہر ہے کہ یہاں مراد مطلقاً کفار ہیں۔ اس کے مقابلہ پر متقین سے مراد ظاہر ہے کہ مومنین ہی ہوں گے۔ ف۱۲۱ (اور وہ اجازت بھی خاص ہے اہل ایمان کے ساتھ۔ اہل کفر اس اجازت سے بھی نفع نہیں اٹھا سکتے) یہ اجازت ملائکہ، انبیاء اور صلحاء مومنین کو ملے گی۔ عَھْدًا۔ عھد سے مراد یہاں اذن لی گئی ہے۔ و قیل عھداللہ اذنہ لمن شاء فی الشفاعۃ (بحر) و قیل المراد بالعھد الامر و الاذن (روح) دوسری مراد عہد سے عہد توحید و نبوت یا کلمہ شہادت و ایمان ہی ہو سکتا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی منقول ہے۔ ف۱۲۲ مشرکوں کے عقیدہ میں تو خدا کے لیے اولاد کا اثبات ایک معمولی بات تھی ہی، مسیحیوں کے ہاں بھی ظہور اسلام کے قبل ہی مسیح کی ولدیت الٰہی کا عقیدہ ایک مسلم حقیقت بن چکا تھا۔ حد یہ ہے کہ یہودی جیسی موحد قوم بھی یونان اور روما کے مشرک حکیموں، فلسفیوں کے اثر کے ماتحت اس عقیدہ سے بالکل بیگانہ و نامانوس نہیں رہے تھے۔ یہاں اشارہ غالب مسیحیوں کے جانب ہے وہی اپنے خدا کی صفت رحمانیت کے سب سے بڑے مدعی رہتے تھے۔ ف۱۲۳ یعنی یہی اللہ کے فرزند قرار دینے کا قول۔ اِدًّا۔ اے امرًا منکرًا (راغب) قال ابن خالویہ الاد العجب و قیل العظیم المنکر والادۃ الشدۃ (کشاف) الاد فی کلام العرب من اعظم الدواھی (معالم) ف۱۲۴ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اس نہایت درجہ بیہودہ قول کا جو اثر معنوی ہے وہ اگر کہیں محسوس و مادی شکل اختیار کر لیتا تو اس کے آثار خارجی یہ اور یہ ہو کر رہتے۔ یہاں یہ حقیقت خوب ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ابنیت الٰہی اور چیز ہے اور ولدیت الٰہی اور۔ ہیں دونوں ہی عقیدے سرتاسر باطل و نامعقول۔ لیکن یہ دوسرا عقیدہ اپنی بیہودگی میں پہلے سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ پہلے کو تو پھر بھی مجازی معنی میں لیا جا سکتا اور تاویل کی جا سکتی ہے کہ ابنیت سے مراد محض محبوبیت اور تعلق تخصیصی ہے۔ لیکن یہ دوسرا عقیدہ تو کھلا ہوا گستاخانہ ہے اور خدا کی خدائی ہی کو باطل کر دینے والا۔ دَعَوْا کا مرادف یہاں نسبوا بھی رکھا گیا ہے۔ اور جعلوا بھی اور سموا بھی۔ (بحر) اور ماحصل سب کا ایک ہی ہے۔ ف۱۲۵ خدا کو خدا مان کر یوں بھی تو کسی صورت میں اس کا صاحب اولاد تسلیم نہیں کیا جا سکتا، پھر جب اس کی صفت رحمانیت کو اس کی تمام صفات پر غالب و مقدم تسلیم کر لیا جائے (جیسا کہ مسیحیت میں ہے) جب تو اور بھی اس عقیدہ کی مہملیت اور مضحکہ خیزی کہیں زیادہ نظر آنے لگتی ہے کہ اسی رحمت مطلق کو معاصی خلائق کے کفارہ کے لئے اپنے بیٹے کی ضرورت پڑے!

مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ

آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدائے رحمٰن کے روبرو عبد کی حیثیت سے

عَبۡدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدۡ اَحۡصٰہُمۡ وَ عَدَّہُمۡ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَ کُلُّہُمۡ

حاضر ہوتے ہیں ف۱۲۶ اس نے ان کو احاطہ میں لے رکھا ہے اور انہیں خوب شمار کر رکھا ہے ف۱۲۷ اور قیامت

اٰتِیۡہِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فَرۡدًا ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا

کے دن ان میں سے ہر ایک اس کے پاس تنہا تنہا حاضر ہوگا ف۱۲۸ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا

نیک کام بھی کئے خدائے رحمٰن ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا ف۱۲۹ سو ہم نے

یَسَّرۡنٰہُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِہِ الۡمُتَّقِیۡنَ وَ تُنۡذِرَ بِہٖ

اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں اس لئے آسان کر دیا کہ آپ اس کے ذریعہ سے پرہیزگاروں کو خوش خبری سنائیں

قَوۡمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا قَبۡلَہُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ؕ ہَلۡ

اور اس کے ذریعہ سے آپ جھگڑالو لوگوں کو ڈرائیں ف۱۳۰ اور ہم نے اس کے قبل کتنے ہی گروہوں کو ہلاک کر دیا

تُحِسُّ مِنۡہُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَہُمۡ رِکۡزًا ﴿۹۸﴾

ف۱۳۱ سو آپ ان میں سے کسی کو بھی دیکھتے ہیں؟ یا ان کی آہستہ آواز بھی سنتے ہیں؟ ف۱۳۲

ایاتھا ۱۳۵ ۔ ۲۰ سُوۡرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ ۴۵ ۔ رکوعاتھا ۸

اس میں ۱۳۵ آیتیں ۔ سورۂ طٰہٰ مکی ہے ۔ اور ۸ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰہٰ ﴿۱﴾ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ﴿۲﴾

طا۔ہا ف۱ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں ف۲

ف۱۲۶ اللہ اور اس کی ساری مخلوق کے درمیان بس علاقہ صرف ایک ہی ممکن ہے۔ اور وہ رشتہ عبد و معبود کا ہے۔ مقبول سے مقبول، مقرب سے مقرب بندہ کے لئے بھی بلند ترین مقام عبدیت ہی کا ہے۔ ولدیت الٰہی وغیرہ کا تخیل ہی سرے سے مہمل اور گستاخانہ ہے۔ کُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ کے عموم میں انبیاء ملائکہ وغیرہ سب ہی آگئے۔ ف۱۲۷ احاطہ میں لے رکھا ہے اپنی قدرت سے، اور خوب شمار کر رکھا ہے اپنے علم سے، خوب شمار کر رکھنے میں مخلوقات کی ذات وصفات، عمل و کردار، سب کی جانچ، سب کی گنتی آگئی۔ ف۱۲۸ (خدا ہی کا محتاج اور محکوم مال و اولاد، اعزہ و احباب، افسری وسرداری، جاہ و منصب کے تمام عوارض خارجی سے معری ہو کر) ف۱۲۹ (خلائق کے قلوب میں بلا اسباب ظاہری کے) مشاہدہ ہے کہ بے غرض، متدین، مخلص، خادم خلق وعبادت گذار سے لوگوں کو محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ متقیوں کے علاوہ دوسروں کو جہاں کہیں محبوبیت حاصل ہوتی ہے، وہاں کوئی نہ کوئی قریبی سبب ظاہری موجود ہوتا ہے۔ مثلاً عزیز داری، ذاتی دوستی، ہم وطنی، ہمسائگی وغیرہا۔ **یحبھم ویحببھم الی المومنین** (ابن عباس رضی اللہ عنہ) **سیحدث لھم فی القلوب مودة** (کشاف) "یہ تفسیر حدیث میں آئی ہے اور اس کا نعمت ہونا بلکہ اعظم نعمت ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ مغز نعمت کا راحت اور امن ہے۔ اور ظاہر ہے کہ محبوبیت اس کے اعظم اسباب سے ہے۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے کسی کو بغض نہ ہوگا۔ بلکہ مقصود قرآن وحدیث کا یہ ہے کہ عام خلائق جن کا نہ کوئی نفع اس مومن سے وابستہ ہے نہ کوئی ضرر، وہ اس سے محبت کرتے ہیں چنانچہ مشاہدہ ہے۔ اور اہل انتفاع کا محبت کرنا جیسا کہ نفع رساں کفار سے بھی لوگوں کو محبت ہوتی ہے یا اہل تضرر کا بغض کرنا جیسا کہ ظالموں کو مسلمانوں سے ہوتا ہے قابل اعتبار نہیں، کیونکہ در حقیقت وہ محبت اور بغض اپنے نفع اور ضرر سے ہے۔ اگر دونوں سے قطع نظر کی جائے اس وقت مومن کی صفات میں یہ اثر ہے کہ اس سے عام قلوب کا انجذاب ہوتا ہے۔" (تھانوی) ایک معنی یہ بھی منقول ہیں کہ وُدًّا بہ معنی محبوب ہے، یعنی اللہ ایسے لوگوں کے لئے وہ چیز مہیا کر دیتا ہے جسے وہ محبوب رکھتے ہیں۔ **اے یھب لھم ما یحبون** (کبیر۔ عن ابی مسلم) ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ خدائے رحمٰن ان کے دلوں میں اپنی محبت یعنی طاعت میں لذت وحلاوت ڈال دیتا ہے۔ **اے سیجعل لھم لذة وحلاوة فی الطاعة** (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ قلوب خلائق سے مراد وہ قلوب ہیں جن میں حق تعالیٰ کی محبت موجود ہو۔ ورنہ جو دل محبت الٰہی سے خالی ہوتے ہیں، ان میں تو مومنین وصالحین کے خلاف بغض ہی بھرا ہوتا ہے۔ ف۱۳۰ آیت سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ قرآن کی آسانی صاحب قرآن پر اسی غرض سے ہے کہ وہ ان کی فہم عالی میں مع اپنے جلی اور خفی پہلوؤں کے پوری طرح آجائے۔ تاکہ وہ اس کے مطالب کو سمجھ کر ان سے بشارت اور انذار دونوں کا کام لیں۔ اور اسی سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ جس پر قرآن آسان ہو جائے یعنی علماء و ماہرین فن۔ ان پر واجب ہے کہ قرآن کی تعلیم وتذکیر کرتے رہیں۔ الۡمُتَّقِیۡنَ۔ مراد مومنین ہیں کہ شرک وکفر سے متقی ہر مومن ہوتا ہی ہے۔ **المتقین المؤمنین** (مدارک) قَوۡمًا لُّدًّا۔ بڑی جھگڑالو قوم سے مراد کون سی قوم ہے؟ ظاہر ہے کہ کل وہ منکر اسلام قومیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخاطب اول تھیں لیکن جس تفصیل اور شدت کے ساتھ اس سورت میں عقیدۂ ولدیت الٰہی کا رد کیا گیا ہے اس سے اشارہ یہ نکلتا ہے کہ خصوصیت کے ساتھ مراد مسیحی اقوام ہیں اور تاریخ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس ساڑھے تیرہ سو برس کے عرصہ میں مسلمانوں کو مقابلہ بھی سب سے زیادہ مسیحیوں ہی کا کرنا پڑا ہے۔ سورت میں خود لفظ رحمٰن کا بار بار آنا اور مادہ رحمت کا تو اس سے بھی زیادہ کثرت کے ساتھ آنا، اس امر پر گواہ ہے کہ سورت کا مقصود سب سے زیادہ خدائے تعالیٰ کی صفت رحم پر زور دینا اور اس کی رحمت کو مطلق اور بلا بدل ومعاوضہ صورت میں پیش کرنا ہے۔ مسیحیوں کو سب سے بڑا دھوکا اللہ کی صفت رحمت ہی سے لگا ہے۔ اور اسی ایک صفت کے نہ سمجھنے سے وہ مسیح پرستی کے شرک میں جا پڑے ہیں۔ مسیحیت کا سارا فلسفہ دو لفظوں میں یہ ہے کہ بندوں کی گنہگاری دیکھ کر خدا ان سے روٹھ گیا اور اس کی صفت عدل کا تقاضا یہ ہوا کہ سب کو جہنم میں جھونک دینا چاہیے۔ لیکن اس کا رحم وکرم اس پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کی تدبیر اس نے یہ کی کہ وہ خود ایک انسان کے قالب میں ظاہر ہو کر دنیا میں آئے یا اپنے ایک اقنوم کو اپنا بیٹا بنا کر بھیجے اور ساری مخلوق کے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لے کر سب کی طرف سے کفارہ کو تیار ہو جائے، یعنی خود صلیب پر موت پا کر ایک مختصر مدت (تین دن) کے لئے دوزخ میں چلا جائے۔ اور سب کی طرف سے معاوضہ بن کر اور سب کو نجات دلا دے۔ گویا خدا بلا معاوضہ، بلا کفارہ، بلا بدل رحم ومغفرت سے کام لے ہی نہیں سکتا! مسیحیت کے اس سارے بنیادی فلسفہ کی تردید کے لئے قرآن کا ایک لفظ رحمٰن کافی ہے۔ یعنی اسلام کا خدا ایسا خدا ہے جو مطلقاً رحم پر قادر ہے۔ اپنی صفت رحمت کے ظہور کے لئے بے بسی اور مجبوری کے ساتھ کفارہ ومعاوضہ کا انتظار نہیں کیا کرتا۔ ف۱۳۱ ابھی ابھی انذار، ڈرانے کا حکم آچکا ہے۔ اب ایک انذاری مضمون کے بیان میں تاریخ سے استشہاد ہو رہا ہے کہ نافرمان قومیں کیسی کیسی پرقوت وپرشوکت، اپنی نافرمانیوں ہی کے پاداش میں روئے زمین سے کس طرح مٹائی جا چکی ہیں۔ اور اثریات (آرکیالوجی) ان کے ایک ایک کھنڈر کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اور کھود کھود کر نکال رہا ہے! ف۱۳۲ مطلب یہ ہے کہ دیکھو وہ کیسے بے نام ونشان ہو کر تہس نہس ہو کر رہ گئے! آج نہ خود ان کی کوئی دھیمی سی آواز ہی کسی کو آرہی ہے، نہ ان کے متعلق کوئی بھنک کسی کے کان میں پڑ جاتی ہے۔ **والحاصل اھلکنھم فلا یمن ولا خبر** (روح) رکز کہتے ہیں آواز خفی کو۔ **الرکز۔ الصوت الخفی** (کشاف) جب نفی آواز خفی کی ہوگئی تو بلند آواز کی تو بدرجہ اولیٰ ہوگئی۔ نہ وہ خود باقی رہ گئے نہ کوئی ان کا نام لینے والا۔ **اھلکنا ھم بالکلیة بحیث لا تزی منھم احدًا ولا تسمع من یخبر عنھم**

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۳ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ

بلکہ یہ تو نصیحت ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہو وٓ نازل اس کی طرف سے ہوا ہے جس نے پیدا کیا

الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝۴ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ

زمین اور بلند آسمانوں کو وہ خدائے رحمٰن عرش (حکومت) پر

اسْتَوٰى ۝۵ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا

قائم ہے وٓ اسی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں اور

بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝۶ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ

ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے بھی نیچے ہے وٓ اور اگر تو پکار کر بات کہے

فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝۷ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ

تو وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات اور اس سے زیادہ چھپی ہوئی کو جانتا ہے وٓ (وہ) اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں

الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۝۸ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۹

اچھے اچھے نام اسی کے ہیں وٓ اور آپ کو موسیٰ کی بھی خبر پہنچی ہے؟ وٓ (وہ وقت قابل ذکر ہے)

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا

جب انہوں نے آگ دیکھی وٓ سو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا تم یہیں ٹھہرو وٓ میں نے آگ دیکھی ہے

لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ

کیا عجب میں اس میں سے کوئی شعلہ لے آؤں یا آگ کے پاس راستہ (کا پتہ)

هُدًى ۝۱۰ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝۱۱ۭ اِنِّىْٓ اَنَا

پا جاؤں وٓ پھر جب وہ اس کے پاس پہنچے انہیں آواز آئی کہ اے موسیٰ۔ وٓ میں تمہارا

رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ

پروردگار ہوں سو تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو وٓ بے شک تم ایک پاک میدان میں یعنی

وقف لازم

ویذکرھم بصوت خفي (روح) وٓ حروف مقطعات میں سے ہے اصل معنٰی تو اللہ ہی کو معلوم۔ ملاحظہ ہو سورۂ بقر کے شروع کا حاشیہ۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد تابعی حضرات سے اس کے معنٰی یا رجل (اے شخص!) کے مختلف زبانوں کے لحاظ سے مروی ہیں۔ معناہ یا رجل وھو مروی عن ابن عباسؓ والحسن ومجاھد وسعید بن جبیر و قتادۃ وعکرمہ والکلبی (کبیر) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آتا ہے کہ کافروں نے یہ کہنا شروع بھی کیا تھا کہ یہ شخص مصیبت میں پڑ گیا۔ فان قومہ قالوا لقد شقی ھذا الرجل (ابن جریر) اس لئے یہ معنٰی سیاق پر زیادہ چسپاں ہیں۔ سعید بن جبیر سے یہ قول بھی مروی ہے کہ یہ اسم الطیب الطاھر الھادی کا مخفف ہے (کبیر) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ہے کہ یہ اسماء الٰہی میں سے ایک اسم ہے (ابن جریر) لیکن امام ابن جریر نے ترجیح یا رجل کے معنٰی کو دی ہے اس لئے کہ یہی معنٰی صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ میں معروف تھے۔ وٓ قرآن مجید سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعب ومشقت اٹھانے کی خاص صورتیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کافروں کے رد وانکار پر غم وحزن بہت زیادہ کرتے تھے، دوسرے یہ کہ شب میں آپ قراءت قرآن کے وقت قیام بہت زائد طویل فرماتے تھے وقس علی ہذا۔ آیت دونوں صورتوں کی نفی کر رہی ہے۔ اور آپ کو گویا یہ تعلیم ہو رہی ہے کہ آپ کا کام تو صرف تذکیر وتبلیغ ہے جسے ماننا ہو گا مانے گا، نہ ماننا ہو گا نہ مانے گا۔ آپ اتنے فکر مند نہ رہئے۔ علیٰ ہذا رات کی نماز میں بھی اس درجہ مشقت نہ اٹھایئے۔ جس قدر بآسانی تحمل ہو سکے بس اسی قدر پڑھیے۔ اہل اشارات کہتے ہیں کہ اگر تفسیر اول قبول کی جائے تو آیت اصل ٹھہرتی ہے۔ اہل دل پر نزول سکینت کی۔ اور تفسیر ثانی مراد لی جائے تو اصل ٹھہرتی ہے مجاہدہ میں تعدیل کی۔ بعض نے کہا ہے کہ مقصود خطاب امت سے کرنا ہے اور شقی خاب کے مرادف ہے۔ اس صورت میں مراد یہ ہو گی کہ اے مومنو۔ قرآن کے نزول کی یہ غرض وغایت نہیں کہ تم حالت محرومی ومغلوبی میں رہو۔ وٓ قرآن کی غرض وغایت تو بھلائی اور خیر خواہی، اصلاح اور سدھار ہے، لیکن اس سے مستفید صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کے قلب میں خوفِ خدا موجود ہے۔ وٓ اَلرَّحْمٰنُ میں یہ اشارہ آ گیا کہ وہ وہ خدا ہے جس کی رحمت ورحمانیت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اسْتَوٰى۔ استواء کے معنٰی استیلاء کے ہیں اور خود استیلاء سے مراد اقتدار واختیار ہے اور جو شبہات عام طور پر آیت پر وارد ہوتے ہیں، اس مفہوم کے لینے سے سب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ انا اذا فسرنا الاستیلاء بالاقتدار زالت ھذہ المطاعن کلھا (کبیر) عرش اور استوی دونوں پر حاشیے سورۂ اعراف پارہ ٨ میں گزر چکے۔ خَلَقَ ...... الْعُلٰى۔ زمین وآسمان نہ کوئی خود آفریدہ مخلوق ہیں اور نہ خالق۔ بلکہ تمام تر اللہ ہی کے محتاج اپنے وجود ونما میں ہیں۔ سمٰوٰت میں خود ہی بلندی کا مفہوم شامل ہے۔ صفت عُلا لا کر اور اس کی تاکید اور ذہن کی اس طرف تنبیہ مقصود ہے۔ وٓ یعنی ساری کائنات میں مکانی حیثیت سے جہاں کہیں بھی کوئی شے ہے سب اس کی مملوک ہے۔ تَحْتَ الثَّرٰى۔ ثریٰ تو وہ گیلی مٹی ہے جو خود ہی سطح زمین کے نیچے ہے۔ الثری فی اللغۃ التراب الندی (کبیر) تَحْتَ الثَّرٰى اس سے بھی نیچی ہوئی۔ مقصود اللہ کی قدرت اور وسعت سلطنت کو بیان کرنا ہے۔ مشرک جاہلی قوموں نے (اور انہیں میں بعض قدیم مہذب ومتمدن قومیں بھی شامل ہیں) زمین کے نیچے کے الگ دیوی دیوتا مانے ہیں۔ ہمہ دان وہمہ بین خالق کا کلام اس شرک کی بھی تردید کو پیش نظر رکھے ہوئے ہے۔ وٓ وہ ہمہ بین وہمہ دان تو مخفی اور مخفی در مخفی چیزوں کا بھی علم رکھتا ہے۔ سو پکار کر کہی ہوئی چیزوں کا علم اسے کیسے نہ ہو گا۔ گویا اصل کلام یوں ہو گا۔ و ان یجھر بالقول فاعلم ان اللہ تعالٰی یعلمہ فانہ یعلم السر و اخفی فضلاً عنہ (روح) السِّرَّ وَاَخْفٰى۔ سر تو وہ ہے جسے انسان اپنے دل میں چھپائے رکھے اور اخفی وہ ہے جس کا علم خود اس کو بھی نہ ہو۔ السر ماسررت فی نفسک و اخفی من ذٰلک ما لم تحدث بہ نفسک (ابن جریر۔ عن سعید بن جبیر) السرما حدث بہ العبد غیرہٗ فی خفی و اخفی منہ ما اضمرہ فی نفسہ مما لم یحدث بہ غیرہٗ (جصاص عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اوپر بیان اس کی قدرت کا تھا۔ اب بیان علم کا ہو رہا ہے کہ وہ بھی اسی طرح کامل وہمہ گیر ہے۔ وٓ (اعلیٰ سے اعلیٰ صفات وکمالات پر دلالت کرنے والے) بعض محققین کے نزدیک خود لفظ اسماء مرادف ہے صفات کے۔ جاء الاسم بمعنی الصفۃ (روح) خود قرآن مجید ہی میں ایک دوسری جگہ اسم صفت کے معنی میں آیا ہے۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ (رعد۔ ٣٣) ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ پ میں وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا پر حاشیہ۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنی ذات سے بالکل منفرد ہے گو اس کے اسماء صفاتی بکثرت ہوں۔ امی ھو واحد بذاتہ و ان افترقت عبارات صفاتہ (مدارک) وٓ یعنی قصہ موسیٰ بھی سننے کے قابل ہے جو حکم ومعارف اور علوم توحید ونبوت سے پُر ہے۔ وٓ (اس وقت جب وہ مدین سے اپنی زوجۂ محترمہ کو رخصت کرا کے مصر لا رہے تھے، موسم سردی کا تھا، اور رات اندھیری تھی) نَارًا۔ مشرقی ممالک میں رات کو سفر کرنے کا یہی دستور عام ہے۔ اور یہ دستور بھی عام ہے کہ سردی میں رات کو باہر آگ کے بڑے بڑے الاؤ جلا کر بیٹھتے ہیں۔ اندھیرے میں ان کی روشنی بڑی دور سے نظر آتی ہے۔ رَاٰ نَارًا جو روشنی آپ نے دیکھی وہ آپ کو آگ ہی کی معلوم ہوئی۔ یہ ضرور نہیں کہ فی الواقع وہ آگ ہی رہی ہو۔ اہل لطائف کہتے ہیں کہ اس آیت میں اصل ہے صوفیہ کے مسئلہ تمثیل کی۔ موسیٰ کے سامنے نور قدیم، نار حادث کی شکل میں متمثل ہوا۔ وٓ یعنی میرے پیچھے نہ آؤ میں اکیلا جاتا ہوں۔ امْكُثُوْٓا۔ صیغۂ جمع ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ محض تفخیم کے لیے ہو۔ اور مقصود اس سے اظہار عزت وتکریم ہو۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ فقد یخاطب الواحد بلفظ الجماعۃ

تفخیمًا (کبیر) لیکن اغلب یہ ہے کہ علاوہ زوجۂ محترمہ کے کوئی چھوٹا سا قافلہ ساتھ ہو۔ جیسا کہ ابن حیان وغیرہ کی رائے ہے اور صیغۂ جمع کا اطلاق حقیقت ہی پر ہو، وخاطب امرأته وولدیه والخادم (بحر) والخطاب للمراة والولد والخادم (روح) روایت توریت سے بھی اسی آخری خیال کی تائید ہوتی ہے۔ آپ جب چلے ہیں تو آپ کے ساتھ بکریوں کا گلہ بھی تھا۔ اور جب گلہ تھا تو کچھ گلہ بان بھی ضرور ہمراہ ہوں گے۔ ”تب اس نے گلے کو بیابان کے ایک طرف ہانک دیا اور خود پہاڑ حرب کے نزدیک آیا“۔ (خروج۔ ٢:١) ف١١ اندھیرے میں آپ لوگ راستہ بھی بھولے ہوئے تھے۔ خیال ہوا کہ الاؤ پر جانے سے راستہ کا بھی پتہ چل جائے گا۔ اور عجب نہیں کہ آگ بھی ہاتھ آجائے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے صاحب کشف خود اپنے کشف کی حقیقت سے بے خبر ہو۔ حضرت موسٰی کو ایک آگ کی سی روشنی مکشوف ہوئی اور وہ اسے متعارف آگ ہی سمجھے۔ ف١٢ (من جانب اللہ) اس آواز کی کیفیت وصفت سے متعلق بڑی بڑی بحثیں چھڑ گئی ہیں، لیکن قول حق مفسر تھانوی مدظلہ کا ہے:۔ ”اس نداء کی کیفیت و صفت نہ کہیں منصوص ہے نہ قیاس سے ادراک کی جاسکتی ہے۔ اس لیے تعیین بالتخمین رجم بالغیب ہے۔ البتہ یہ امر یقینی ہے کہ حضرت موسٰی کو یقین کے ساتھ یہ امر معلوم ہوگیا تھا کہ یہ نداء من جانب اللہ ہے۔ خواہ یہ یقین علم ضروری سے حاصل ہوا ہو یا کسی علم استدلالی سے۔ واللہ اعلم“ توریت کی مسخ شدہ روایت یوں ہے:۔ ”اس وقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلہ میں اس پر ظاہر ہوا۔ اس نے نگاہ کی

طُوًى ۝١٢ وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝١٣

طوٰی میں ہو ف١٤ اور میں نے تمہیں منتخب کر لیا ہے ف١٥ سو سنو جو کچھ وحی کیا جا رہا ہے

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ

بے شک میں ہی اللہ ہوں کوئی معبود نہیں میرے سوا۔ سو میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کی نماز

لِذِكْرِيْ ۝١٤ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى

پڑھا کرو ف١٦ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو

كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ۝١٥ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا

اس کی کوشش کا بدلہ مل جائے ف١٧ سو تمہیں اس کی طرف سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پائے جو

يُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝١٦ وَ مَا تِلْكَ

اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش (نفسانی) کی پیروی کرتا ہے ورنہ تم بھی تباہ ہو کر رہو گے ف١٨ اور یہ

بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝١٧ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا

تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسٰی؟ وہ بولے یہ میرا عصا ہے میں اس پر ٹیک

عَلَيْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَ لِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ

لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے میرے اور بھی

اُخْرٰى ۝١٨ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝١٩ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ

کام (نکلتے) ہیں ف١٩ (اللہ نے) فرمایا اسے ڈال دو اے موسٰی پس انہوں نے اسے ڈال دیا سو وہ

حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝٢٠ قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ ٚ سَنُعِيْدُهَا

ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا ف٢٠ (اللہ نے) فرمایا اسے پکڑ لو اور ڈرو نہیں ہم اسے ابھی اس کی

سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝٢١ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ

پہلی حالت پر کئے دیتے ہیں ف٢١ اور تم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دے لو

تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بوٹا آگ میں روشن ہے اور وہ جل نہیں جاتا۔ تب موسٰی نے کہا میں اب نزدیک جاؤں اور اس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ بوٹا کیوں نہیں جل جاتا۔ جب خداوند نے دیکھا کہ وہ دیکھنے کو نزدیک آیا تو خدا نے اسے بوٹے کے اندر سے پکارا اور کہا کہ اے موسٰی اے موسٰی وہ بولا میں یہاں ہوں“۔ (خروج۔ ٣:٢۔ ٤) ف١٣ ”خلع نعلین یا تو بوجہ ان کے غیر طاہر ہونے کے تھا یا اس لیے کہ مقام کا ادب ہو۔ یا اس لیے کہ مقام متبرک سے قدم بھی مس کرے کہ اس کی برکت زائد پہنچے۔ اور اِنَّكَ بِالْوَادِ الخ ہر حال میں علت ہوسکتا ہے“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) توریت میں تصریح ہے کہ یہ حکم مقام کے تقدس واحترام کی رعایت سے تھا۔ ”تب اس نے کہا یہاں نزدیک مت آ۔ اپنے پاؤں سے جوتا اتار۔ کیونکہ یہ جگہ جہاں تو کھڑا ہے مقدس زمین ہے“۔ (خروج۔ ٣:٥) ہمارے ہاں کے بھی اکثر اکابر اسی طرف گئے ہیں۔ امره بذلک لان القوة تواضع و ادب (بیضاوی) قیل انما امره بخلع نعلیه تعظیمًا للبقعة (ابن کثیر) قال الاصم لان القوة ادخل فی التواضع و حسن الادب (روح) یحمل ذلک علی تعظیم البقعة من ان یطأها الاحافیًا لیکون معظمًالها و خاضعًا عند سماع کلام ربه (کبیر) لان القوة تواضع للہ (مدارک) اسرائیلی تہذیب میں جوتہ اتار دینا تعظیم وتکریم کا ایک معروف ومتعارف طریقہ تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف١٤ (اور تقاضائے ادب یہی ہے کہ برہنہ پا داخل ہو) طُوًى۔ نام ہے اس میدان کا جو جزیرہ نمائے سینا میں کوہ سینا کے عین دامن میں واقع ہے۔ بیان لسبب ورد الامر بذلک من شرف البقعة و قدسها (روح) صوفیہ کہتے ہیں، آیت میں اصل ہے مقامات مقدسہ کے ادب وتعظیم کی۔ ف١٥ (اپنی نبوت ورسالت کے لیے) اہل لطائف کہتے ہیں کہ تمہیدی مکالمہ کے بعد جب قلب موسوی قابل ومتحمل ہوگیا براہ راست تجلیات خداوندی کا، تو اب اس پر رسالت کے بار عظیم کی تفویض ہوئی۔ ف١٦ اس میں نماز کی غایت بیان کردی کہ اس سے اصل مقصود یاد الٰہی کو دل میں تازہ رکھنا ہے۔ معناه اقم الصلوٰة لتذکرنی فیها (ابن جریر) لتذکرنی (کشاف) اور یہی معنی مجاہد تابعی سے بھی منقول ہیں۔ (روح) اور واقعہ بھی یہی ہے کہ کسی کے دل پر اگر حاکم اعلیٰ، ہمہ بین و ہمہ دان حاکم کی ہمہ وقتی معیت وحاکیت کا خیال اگر پوری طرح مستولی ہوجائے تو اس سے کوئی قصور سرزد ہی کیوں ہونے پائے۔ آیت کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ میری یاد آنے پر نماز پڑھ لیا کرو۔۔۔ چنانچہ یہیں سے بعض فقہاء نے قضاء صلوٰة فائتہ کا استنباط کیا ہے۔ ف١٧ توحید ورسالت ان دو عقائد کی تعلیم پچھلی آیت میں آچکی تھی۔ اب عقیدۂ معاد کا ذکر ہو رہا ہے اور یہی تینوں اصلی اور مرکزی عقائد ہیں دین الٰہی وشریعت خداوندی کے۔ آیت میں بیان قیامت کی غایت کا آگیا۔ وہ اسی ناسوتی زندگی کی تکمیل کے لیے ہے۔ نتائج کا ظہور پوری طرح اس محدود ومختصر دنیوی زندگی میں ہو نہیں پاتا۔ ظہور کامل کے لیے ایک یوم موعود کا پیش آنا بالکل مطابق عقل اور عین تقاضائے عدل ہے۔ جو لوگ عقیدۂ حشر کے منکر ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ان کے سطحی دماغ اس موجودہ زندگی کی محدودیت پر قانع کیسے ہوجاتے ہیں۔ لِتُجْزٰى کا تعلق اٰتِيَةٌ سے ہے۔ اَكَادُ اُخْفِيْهَا کا فقرہ درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے آگیا ہے۔ ف١٨ یعنی کہیں تم کسی دشمن دین کی صحبت سے متاثر ہوکر فکر آخرت اور خیال عاقبت سے غافل نہ ہوجانا۔ موسٰی علیہ السلام مقرب خاص ہیں اور اب پیمبر بھی بن چکے ہیں، یہ ارشاد ان تک سے ہو رہا ہے کہ کہیں تم دشمنانِ دین کی صحبت کا اثر نہ قبول کرلینا ورنہ خدائی قانون میں سزا تمہارے لیے بھی رکھی ہوئی ہے! ہم دنیاداروں کے لیے تو رونگٹے کھڑے ہوجانے کا مقام ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ آیت میں اباحت کا ابطال ہے۔ نیز اس حقیقت کا اثبات کہ تکلیفات شرعیہ ہستی کامل سے بھی ساقط نہیں ہوتیں۔ ف١٩ سوال سے عجب نہیں جو یہ مقصد ہو کہ عصا کا عصا ہونا، اور اس کے مخصوص فوائد وخصائص حضرت موسٰی کے ذہن میں از سر نو تازہ ہوجائیں تاکہ پھر اس میں جو انقلاب امر الٰہی سے دیکھیں اس کا خارق ہونا اور زیادہ نمایاں ہوجائے فن تعلیم کے ماہر جو استاد ہوتے ہیں وہ بھی طلبہ سے اکثر سوال اسی غرض سے کرتے ہیں۔ اہل اشارات نے اس سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ کاملین بھی اسباب کے ساتھ تمسک کرتے رہتے ہیں۔

تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ

وہ بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا (یہ) دوسری نشانی ہوئی ف۲۲ تاکہ ہم تمہیں اپنی

مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ

بڑی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں ف۲۳ (اب) تم فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ بڑا سرکش

طَغٰى ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿٢٥﴾ وَ يَسِّرْ لِيْٓ

ہوگیا ہے ف۲۴ (موسٰی نے) کہا اے میرے پروردگار میرا حوصلہ اور فراخ کردے ف۲۵ اور میرا کام مجھ پر آسان

اَمْرِيْ ﴿٢٦﴾ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوْا

کردے ف۲۶ اور میری زبان سے بستگی دور کردے ف۲۷ تاکہ (لوگ) میری بات

قَوْلِيْ ﴿٢٨﴾ وَ اجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿٢٩﴾ هٰرُوْنَ

(خوب) سمجھ سکیں اور میرے گھر والوں میں سے میرا ایک معاون مقرر کردیجیے (یعنی) ہارون کو

اَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿٣١﴾ وَ اَشْرِكْهُ فِيْٓ

کہ میرے بھائی ہیں میری قوت کو ان کے ذریعہ سے مضبوط کردیجیے اور ان کو میرے (اس) کام میں شریک

اَمْرِيْ ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٣﴾ وَّ نَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٤﴾

کردیجیے ف۲۸ تاکہ ہم لوگ خوب کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور تیرا ذکر خوب کثرت سے کریں ف۲۹

اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿٣٥﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ

بے شک آپ ہم کو خوب دیکھ رہے ہیں ف۳۰ (اللہ نے) فرمایا تمہاری درخواست منظور کی گئی

يٰمُوْسٰى ﴿٣٦﴾ وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿٣٧﴾ اِذْ

اے موسٰی اور ہم تو ایک دفعہ اور بھی تمہارے اوپر احسان کرچکے ہیں ف۳۱ جب کہ

اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿٣٨﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي

ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام کی جو الہام ہی کئے جانے کے قابل تھی ف۳۲ (یعنی) یہ کہ (موسٰی) کو

ف۲۰ عصائے موسوی کا معجزہ توریت میں بھی درج ہے:۔ ”تب خدا نے موسٰی کو کہا کہ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ وہ بولا عصا۔ پھر اس نے کہا اسے زمین پر پھینک دے، اس نے زمین پر پھینک دیا اور وہ سانپ بن گیا“۔ (خروج ۴: ۲۔ ۴) یہ واضح رہے کہ مصر میں جہاں موسٰی کو تبلیغ کرنا تھی، سانپ کی حیثیت ایک دیوتا کی تھی، اور اس کی پوجا ہوا کرتی تھی۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۲۱ یعنی یہ پھر سے عصا بنا جاتا ہے۔ اور تمہیں کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ س۔ ”ابھی“ یعنی تمہارے اسے پکڑتے ہی — ایسے خوارق عادات انبیاء کی تاریخ میں کچھ نئے یا انوکھے نہیں۔ معجزہ میں پیغمبر کے کسی ذاتی کمال یا کوشش کو دخل نہیں ہوتا، بلکہ وہ تمام تر ایک فعل خداوندی ہی ہوتا ہے۔ براہ راست اور بلا توسط اسباب عادیہ۔ اس حقیقت کی خاص نظیر یہ عصا والا واقعہ بھی ہے۔ معجزہ حضرت موسٰی کا، اور آپ خود ہی اس سے ڈرے بھی! ”موسٰی علیہ السلام کا ڈر جانا بعض نے کہا ہے کہ طبعی ہے جو کسی طرح جلالت شان کے منافی نہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جو حادثہ مخلوق کی جانب سے ہو اس میں تو نہ ڈرنا کمال ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام آتش نمرود سے نہیں ڈرے اور جو امر خالق کی طرف سے ہو اس میں ڈرنا ہی کمال ہے کہ وہ فی الواقع حق تعالیٰ سے ڈرنا ہے۔ جیسے ہوا تیز ہونے کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھبرا جانا حدیثوں میں آیا ہے۔ سو چونکہ اس تبدل میں مخلوق کا واسطہ نہ تھا اس سے ڈر گئے کہ یہ کوئی قہر الٰہی نہ ہو اور دوسری آیت میں انک من الاٰمنین سے تسلی دینا اسی طرف مشیر ہے“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اور یہ تو قول بہرحال ثابت و روشن ہے کہ امور طبعی کاملین میں بھی باقی رہتے ہیں۔ توریت میں یہ صورت واقعہ یوں درج ہے:۔ ”اور موسٰی اس کے آگے سے بھاگا، تب خداوند نے موسٰی سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھا، اور دُم پکڑ لے۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور اسے پکڑ لیا۔ وہ اس کے ہاتھ میں عصا ہو گیا“۔ (خروج۔ ۴: ۴) ف۲۲ (ہماری قدرت اور تمہاری نبوت کی) حضرت موسٰی کو جو متعدد معجزات عطا ہوئے تھے، ان میں سے یہ دو معجزے شروع ہی سے عنایت ہو گئے تھے اور ان کا ذکر بھی خاص اہتمام سے کیا گیا ”ید بیضا“ جو ہمارے ہاں زبان زد ہے یہی مشہور معجزہ ہے۔ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ مراد یہ ہے کہ یہ ہاتھ کی سفیدی کوئی مرض وغیرہ کی صورت نہیں۔ قرآن کو تصریح کے ساتھ یہ ٹکڑا اس لیے کہنا پڑا کہ توریت والوں نے صورت واقعہ کو مسخ کر کے حضرت موسٰی کو برص کا مریض ہی بنا دیا! خود توریت کے الفاظ ہیں:۔ ”پھر خداوند نے اسے کہا کہ تو اپنا ہاتھ اپنی چھاتی پر چھپا کے رکھ۔ چنانچہ اس نے اپنا ہاتھ اپنی چھاتی پر چھپا کے رکھا۔ اور جب اس نے اسے نکالا تو دیکھا کہ اس کا ہاتھ برف کے مانند سفید ”مبروص“ تھا“ (خروج۔ ۴: ۶) اور بعد کے لوگوں نے اس پر اور اور روایات بھی اضافہ کر دیں۔ اٰيَةً اُخْرٰى پہلا نشان وہ عصا کے سانپ بن جانے کا تھا۔ دوسرا نشان یہ ہوا۔ ف۲۳ وہ ”بڑی نشانیاں“ کیا تھیں؟ عام طور سے مراد دوسرے اور عظیم تر معجزات سے لی گئی ہے، جو آپ کو بعد میں عطا ہوئے۔ ف۲۴ فرعون یعنی بادشاہ مصر۔ اس پر توریت اور ساری تاریخوں کا اتفاق ہے کہ جو فرعون حضرت موسٰی کا معاصر تھا، وہ متکبر، جابر و فاسق تھا۔ اور خدا کا اوتار تو بہرحال ہر فرعون مصر سمجھا ہی جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۲۵ (کہ تبلیغ میں انقباض اور مخالفت و تکذیب سے دل تنگی نہ ہو اور میں سفارت خداوندی اور رسالت کے بار عظیم کا تحمل پوری طرح کر سکوں) صَدْرِيْ۔ صدر کے لفظی معنی سینہ کے ہیں لیکن راغب نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں لفظ قلب یا صدر آیا ہے، وہاں مراد عضو جسمانی نہیں، بلکہ علم و عقل اور انسان کے سارے قوائے باطنی ہیں۔ اور اس آیت کی شرح میں لکھا ہے کہ مراد اس سے اپنے قوائے باطن کی اصلاح کی دعا کرنا ہے۔ ابن زید تابعی سے معنی جرأت و ہمت کے منقول ہیں (ابن جریر) اور اور بھی سب نے یہاں صدر کے معنی مجازی ہی لیے ہیں۔ یعنی تحمل شدائد کا حوصلہ۔ اشرح الصدر بسطه من رائي و مسكنة من جهة الله تعالى منه (روح) اس دعا سے ظاہر ہے کہ دعا اور توکل کامل میں کوئی منافات نہیں۔ بلکہ کاملین تو اور زیادہ دعا کی طرف رجوع کرتے رہتے ہیں۔ ف۲۶ (کہ اسباب کامیابی جمع اور اسباب ناکامی رفع ہوتے جائیں) ف۲۷ اس لکنت زبان کے اسباب مختلف روایت ہوئے ہیں۔ بہرحال سبب طبعی کچھ بھی رہا ہو، لکنت زبان میں موجود تھی۔ توریت میں ہے:۔ ”تب موسٰی نے خداوند سے کہا کہ اے میرے خداوند میں فصاحت نہیں رکھتا نہ تو آگے سے اور نہ جب سے کہ تو نے اپنے بندے سے کلام کیا اور میری زبان اور باتوں میں لکنت ہے“۔ (خروج۔ ۴: ۱۰) ف۲۸ توریت میں بھی یہ واقعات درج ہیں مگر محرف و مسخ شدہ شکل میں۔ حضرت موسٰی کی زبان سے حضرت ہارون علیہ السلام کو شریک کار کرنے کی درخواست کا کوئی ذکر توریت میں نہیں۔ حضرت ہارون کا ذکر جہاں ہے بھی، بہ طور شریک نبوت نہیں بلکہ بحیثیت ترجمان اور نائب کے۔ ”تب خداوند کا غصہ موسٰی پر بھڑکا اور اس نے کہا کیا نہیں ہے لاویوں میں سے ہارون تیرا بھائی؟ میں جانتا ہوں کہ وہ فصیح ہے۔ اور دیکھ کہ وہ بھی تیری ملاقات کو آتا ہے اور تجھے دیکھ کے دل میں خوش ہوگا۔ اور تو اسے کہے گا اور اسے باتیں بتائے گا...... اور وہ تیرے عوض لوگوں سے باتیں کرے گا۔ اور وہ وہاں وہی تیری زبان کی جگہ ہوگا اور تو اس کے لیے خدا کی جگہ ہوگا“۔ (خروج۔ ۴: ۱۴۔ ۱۶) حضرت ہارون علیہ السلام کی فصاحت اور طلاقت لسانی مشہور و مسلم ہے۔ توریت کے اقتباس میں تو ابھی گزر ہی چکا کہ ”وہ فصیح ہے“۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں بھی ذکر ان کے فصیح البیان ہونے کا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا الخ سے بھی کاملین کا تمسک اسباب کے ساتھ کرنا ثابت ہوتا ہے۔ ”معاون مانگنے میں اہل کی تخصیص شاید اس لیے ہو کہ ان کو طبعی الفت بھی زائد ہوگی۔ ان سے زیادہ معاونت ہو سکتی ہے“۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۲۹ دو آدمی مل کر تبلیغ و دعوت کا کام قدرۃً زیادہ قوت سے اور تسبیح و تذکیر کا کام بہتر

الَتَّابُوۡتِ فَاقۡذِفِيۡهِ فِى الۡيَمِّ فَلۡيُلۡقِهِ الۡيَمُّ بِالسَّاحِلِ

ایک صندوق میں رکھ پھر اسے دریا میں ڈال دو پھر دریا انہیں کنارہ لے آئے گا

يَاۡخُذۡهُ عَدُوٌّ لِّىۡ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلۡقَيۡتُ عَلَيۡكَ مَحَبَّةً

(تو) انہیں وہ پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور ان کا بھی دشمن ہے اور میں نے تمہارے اوپر اپنی طرف سے محبت کا

مِّنِّىۡ ۚ وَلِتُصۡنَعَ عَلٰى عَيۡنِىۡ ۘ‏ ﴿۳۹﴾ اِذۡ تَمۡشِىۡۤ اُخۡتُكَ

اثر ڈال دیا تھا ف۳۳ اور تاکہ تم کو میری خاص نگرانی میں پرورش کیا جائے ف۳۴ (یہ اس وقت ہوا) جب کہ تمہاری بہن

فَتَقُوۡلُ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰى مَنۡ يَّكۡفُلُهٗ ؕ فَرَجَعۡنٰكَ

چلتی ہوئی آئیں پھر بولیں کہ میں تمہیں ایسے کا پتہ دوں جو اس کو (خوب اچھی طرح) پالے؟ تو ہم نے تم کو تمہاری ماں کے

اِلٰٓى اُمِّكَ كَىۡ تَقَرَّ عَيۡنُهَا وَلَا تَحۡزَنَ ؕ وَقَتَلۡتَ نَفۡسًا

پاس پھر پہنچا دیا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کریں ف۳۵ اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا ف۳۶

فَنَجَّيۡنٰكَ مِنَ الۡغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوۡنًا ۚ فَلَبِثۡتَ سِنِيۡنَ

تو ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی ف۳۷ اور ہم نے تمہیں خوب خوب آزمائشوں میں ڈالا ف۳۸ پھر تم مدین والوں کے

فِىۡۤ اَهۡلِ مَدۡيَنَ ۙ ثُمَّ جِئۡتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوۡسٰى‏ ﴿۴۰﴾

درمیان (کئی) سال رہے۔ پھر تم اپنے وقت معین پر (یہاں) آ گئے اے موسیٰ ف۳۹

وَاصۡطَنَعۡتُكَ لِنَفۡسِىۡ ۚ‏ ﴿۴۱﴾ اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَاَخُوۡكَ

اور میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کر لیا ف۴۰ (سو اب) تم اور تمہارے بھائی میری نشانیوں کے

بِاٰيٰتِىۡ وَلَا تَنِيَا فِىۡ ذِكۡرِىۡ ۚ‏ ﴿۴۲﴾ اِذۡهَبَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ

ساتھ جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا ف۴۱ فرعون کے پاس تم دونوں جاؤ بے شک وہ حد سے تجاوز

طَغٰى ۖۚ‏ ﴿۴۳﴾ فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوۡ يَخۡشٰى‏ ﴿۴۴﴾

کر گیا ہے ف۴۲ پھر اس سے گفتگو نرم کرنا ف۴۳ شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر ہی جائے ف۴۴

وقف لازم

طریق پر کر سکتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دونوں آیتوں میں دلالت ہے اس پر کہ اسباب سے بھی اکابر کا قصد دین اور استعانت فی الدین ہی ہوتا ہے۔ ف۳۰ (اور ہماری احتیاج سے خوب واقف ہیں) ف۳۱ یعنی اب کی تمہاری درخواست پر کیوں نہ تمہارے ساتھ لطف و نوازش کا معاملہ ہوگا۔ تمہارے ساتھ تو ہمارا یہ معاملہ بلا تمہاری خواہش و درخواست کے ایک بار بہت پہلے ہو چکا ہے۔ ف۳۲ (اپنی اہمیت کی بنا پر) یہ وحی، وحی نبوت نہ تھی، وحی الہام تھی۔ اور الہام غیر انبیاء کے لیے بھی جائز و ثابت ہے۔ بعض مسیحی فاضلوں نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کے والد ماجد عمران کا گھر لب دریا تھا۔ نیل اسی طرف سے بہتا ہوا فرعون کے محل کے نیچے سے گزرتا تھا۔ اور ایک وقت مقررہ پر دختر فرعون (قرآن نے اس کی تصحیح کر کے بتایا کہ نہیں بلکہ آسیہ زوجہ فرعون) سیر دریا کے لیے آتی تھی۔ والدۂ موسیٰ نے سوچا کہ بچہ کی جان بچنے کی اور کوئی صورت تو ظالم حکومت کے کارندوں سے ہے نہیں۔ ایک لگتی ہوئی صورت یہ البتہ ہو سکتی ہے کہ بچہ از خود دختر فرعون (صحیح یہ کہ زوجہ فرعون) کے حضور تک پہنچ جائے۔ عورتیں یوں بھی نرم دل اور ترس کھانے والی ہوتی ہیں پھر یہ بچہ تو بے بھی اس قدر پیاری اور موہنی صورت والا۔ عجب کیا جو اس محترم خاتون کو اس پر رحم آ جائے، اور خود فرعون پر بھی اگر اثر کسی کے کہنے سننے کا ہو سکتا ہے تو اسی خاتون محترم کا۔ بس یہی سوچ سمجھ مادر مہربان نے صورتحال کا صحیح اندازہ کر کے موسیٰ کو بجرے پر بٹھا، پہاڑ کے رخ چھوڑ دیا۔ اور نتیجہ بالآخر بالکل حسب مراد نکلا۔ یہ بیانات تاریخ پر نہیں بلکہ تمام تر ظن و تخمین پر مبنی ہیں۔ لیکن بالفرض صحیح ہوں جب بھی نفس واقعہ کے اعجازی پہلو پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ الہام الٰہی بہرحال الہام الٰہی ہی ہے خواہ بالکل مجمل اور براہ راست ہوا ہو یا تفصیلاً یہ درمیانی زینے سب عقل کو سمجھا دیئے گئے ہوں۔ ف۳۳ (اے موسیٰ! اور تمہیں محبوب بنا دیا) حضرت موسیٰ قدیم تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ بڑے حسین و جمیل تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ توریت و انجیل دونوں میں یہی مذکور ہے:۔ ”اس نے اسے خوبصورت دیکھ کے تین مہینے تک چھپا رکھا“۔ (خروج۔ ۲:۲) ”انہوں نے دیکھا کہ بچہ خوبصورت ہے“ (عبرانیون۔۱۱: ۲۳) ”موسیٰ پیدا ہوا جو نہایت خوبصورت تھا“ (اعمال۔ ۷: ۲۰) عَدُوٌّ لِّىۡ وَعَدُوٌّ لَّهٗ فرعون کا مراد ہونا بالکل ظاہر ہے جو حق تعالیٰ کا بھی دشمن تھا اور موسیٰ کا بھی۔ ف۳۴ سحر، نجوم، کہانت کے فنون اس زمانہ کے مہذب و متمدن ملکوں میں اسی طرح پھیلے ہوئے تھے، جیسے آج مادی علوم و فنون ہیں۔ اور مصر تو ان قدیم فنون کا ایک مرکز خاص تھا۔ فرعون کو منجموں اور کاہنوں کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ عنقریب اسرائیلی قوم میں ایک لڑکا ایسا پیدا ہوگا، جو فرعون اور حکومت فرعون کے زوال اقتدار کا سبب بنے گا۔ فرعون نے اسی وقت سے یہ حکم جاری کر رکھا تھا کہ اسرائیلیوں میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اسی وقت ختم کر دیا جائے۔ جب ولادت حضرت موسیٰ کی ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ قدرتاً بہت پریشان ہوئیں۔ اس وقت آپ کو الہاماً یہ تدبیر سمجھائی گئی کہ ایک صندوق لے کر اس میں بچے کو لٹا صندوق دریائے نیل میں بہا دیا جائے۔ نیل شاہی محل کے نیچے سے گزرا تھا اور دریا کا بہاؤ حضرت موسیٰ کے مکان سے اسی رخ پر تھا۔ جب صندوق بہتا بہتا محل کے نیچے پہنچے گا، روک کر بچہ اس میں سے نکال لیا جائے گا اور بچہ کی صورت اتنی محبوب ہے کہ جو اسرائیل کش اور اپنے قصد و نیت کے لحاظ سے موسیٰ کش ہے، خود اسی سے موسیٰ کی پرورش کرائی جائے گی۔ اور اسی کو سبب و ذریعہ موسیٰ کی حیات و بقا کا بنایا جائے گا۔ توریت میں یہ واقعات ہیں، مگر حسب معمول محرف و مسخ شدہ شکل میں:۔ ”وہ عورت حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی اور اس نے اسے خوبصورت دیکھ کے تین مہینے تک چھپا رکھا۔ اور جب آگے کو چھپا نہ سکی تو اس نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا بنایا اور اس پر لاسا اور رال لگایا اور لڑکے کو اس میں رکھا اور اس نے اسے دریا کے کنارے پر جھاؤ میں رکھ دیا ......تب فرعون کی بیٹی غسل کرنے کو دریا پر اتری اور اس کی سہیلیاں دریا کے کنارے پھرنے لگیں اس نے جھاؤ میں ٹوکرا دیکھ کر سہیلی کو بھیجا کہ اسے اٹھا لائے جب اس نے اسے کھولا تو لڑکے کو دیکھا اور دیکھا وہ روتا ہے۔ اسے اس پر رحم آیا۔ اور بولی یہ کسی عبرانی کا لڑکا ہے“۔ (خروج۔ ۲:۲۔۶) عَيۡنِىۡ میں اضافت تشریف و اختصاص کے لیے ہے ورنہ اپنے عام معنی میں تو دنیا کی ساری ہی موجودات پروردگار عالم کی نگرانی میں رہتی ہے۔ هٰذا الاختصاص للتشريف كا ختصاص عيسٰى عليه السلام بكلمة الله تعالٰى والكعبة بيت الله (روح) ف۳۵ صندوق دریا میں بہا دینے کے بعد حضرت موسیٰ کی بہن بھی اجنبی اور انجان بن کر شاہی محل کی طرف چلیں کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ محل میں پہنچیں اور جب دیکھا کہ بچہ مچلا ہوا ہے تو خوش تدبیری کے ساتھ اپنی اور ان کی ماں ہی کو رضاعت کے لیے بلوایا۔ توریت میں ہے:۔ ”تب اس کی بہن نے فرعون کی بیٹی کو کہا کہ کہئے تو میں جا کے عبرانی عورتوں میں سے ایک دائی تجھ پاس لے آؤں تا کہ وہ تیرے لیے اس لڑکے کو دودھ پلائے فرعون کی بیٹی نے اسے کہا کہ جا وہ چھوکری گئی۔ اور لڑکے کی ماں کو بلایا فرعون کی بیٹی نے اسے کہا کہ اس لڑکے کو لے اور میرے لیے دودھ پلا۔ میں تجھے درماہہ دوں گی۔ اس عورت نے لڑکے کو لیا اور دودھ پلایا“۔ (خروج۔ ۲: ۷۔۹) توریت میں ہے کہ ان صاحبزادی کا اسم مبارک مریم تھا۔ بہ قول بعض شارحین توریت کے یہ حضرت موسیٰ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ ف۳۶ (قبطیوں یا فرعونیوں میں سے اتفاقیہ و بلا قصد) مفصل قصہ سورۂ قصص میں آئے گا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے کاملین سے لغزش صادر ہونے پر اور اس پر بھی کہ اس کی ایک نئی شان ہوتی ہے۔ ف۳۷ حضرت موسیٰ کو اس واقعہ قتل غیر عمد کے بعد فکر و تردد دو طرح کا لاحق ہوا۔ ایک تو خوف عقاب الٰہی سو وہ خوف تو اس طرح دور ہوا کہ استغفار کی توفیق ہوئی اور اسے قبول کیا گیا۔ دوسرے خوف انتقام حکومت تو اس سے نجات یوں حاصل ہوئی کہ مصر سے مدین پہنچا دیا گیا۔

مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اکابر کی لغزش اگرچہ موجب عتاب ومواخذہ نہیں ہوتی مگر اس کے باوجود بھی ان پر ندامت غالب ہوتی ہے۔ ف۳۸ اس درمیان میں جو کچھ بھی آفتیں، مصیبتیں پیش آئی ہوں سب آزمائشوں کے حکم میں داخل ہیں۔ ان تکلیفوں سے نجات دینا تو خیر لطف وعنایت ہے ہی باقی خود آزمائش بھی جو ازدیادِ مدارج کا سبب بن جائے بجائے خود ایک رحمت ونوازش ہے۔ ف۳۹ یعنی اس وقت پر جو تمہاری نبوت کے لیے متعین ومقدر ہو چکا تھا تم مدین سے پھر مصر لائے گئے۔ ای علی وفق الوقت الذی قدرته و عینته لتکلیمک و استنبائک بلا تقدیم ولا تاخیر عنه (روح) یٰمُوْسٰی مکالمہ خداوندی میں بار بار "یا موسیٰ" کا آنا رحمت واکرام کے لیے ہے۔ ف۴۰ "اپنے لئے" یعنی اپنا نبی بنانے کے لیے۔ ای لوحیی و رسالتی (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اخترتک لاقامة حجتی (روح۔ عن الزجاج) الاصطناع الاخلاص بالالطاف و معنی لنفسی لتصرف علی ارادتی و حجتی (جصاص) ف۴۱ اہل حق کا اصلی مشغلہ وفریضہ یہی یادِ الٰہی ہے جس کی تاکید سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ پیمبر بھیجے ہی جاتے ہیں تذکر وتذکیر کے لیے دنیوی نظام حکومت قائم کرنے کی حیثیت ثانوی اور ضمنی ہوتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تعلیم میں برکت جب ہی پیدا ہوتی ہے جب معلم خود بھی ذکر میں مشغول ہو۔ اٰیٰتِیْ سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کو عطا ہو چکے تھے۔ ف۴۲ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۲۴۔ ف۴۳ (کہ یہ مؤثر ترین طریق تبلیغ ہے اور شروع میں خشونت ودرشتی کو باوجود اشتعال طبع اپنے قریب نہ آنے دینا) فقہاء نے اس سے مسئلہ یہ نکالا ہے کہ قوت ونصرت کے یقین کے باوجود بھی (جیسا کہ یہاں حضرت موسیٰ کو نصرت غیبی کا پورا یقین تھا) مبلغ کے لیے پوری طرح جائز ہے کہ انداز تبلیغ نرم رکھے۔ فی هذا جواز الامر بالمعروف والنهی عن المنکر باللین لمن معه القوة و ضمنت له العصمة (ابن العربی) محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت کے اندر اخلاق کا بہت بڑا سبق موجود ہے کہ باوجود اس کے کہ فرعون کے طغیان وتمرد کا ذکر ابھی ابھی ہو چکا ہے۔ اس پر بھی حضرت موسیٰ جیسے مقبول وبرگزیدہ بندہ کو حکم اسی کا ملتا ہے کہ اس سے لطف وملائمت ہی سے پیش آئیں۔ هذه الاٰية فيها عبرة عظيمة و هو ان فرعون فی غاية العتو والاستکبار و موسٰی صفوة الله من خلقه اذ ذاک و مع هذا امران لایخاطب فرعون الا بالملاطفة واللین (ابن کثیر) ف۴۴ مقصود تو بہرحال ایمان لانا اور سچی تعلیم کو سچ تسلیم کر لینا ہے۔ خواہ یہ صورت بہ طوع ورغبت، ذوق وشوق سے حاصل ہو، خواہ خوف خدا سے یا خوف عاقبت سے۔ آیت پر یہ اعتراض بالکل مہمل ہے کہ جب علم الٰہی میں فرعون کا ایمان نہ لانا ہی تھا تو یہاں یہ کیوں کہا گیا۔ یہاں تو مقصود صرف ان بندوں کو یہ ہدایت دینا ہے کہ تم اپنی تبلیغی کوششیں اسی امید پر جاری رکھو۔ علم الٰہی وقضائے الٰہی کی صورت بالکل الگ ہے۔ اس کو بندوں کی کوشش سے کیا واسطہ۔ معناه اذهبا علی رجاءٍ منکما و طمع و قضاء الله وراء امرکما (معالم) ف۴۵ (کہ اول الذکر صورت میں ہماری تبلیغ دھری کی دھری رہ جائے، وہ ہمیں اس کا موقع ہی نہ دے، اور آخری صورت میں کہیں اس کا جرم اور بڑھ نہ جائے) ف۴۶ کسی کانسٹیبل سے اگر وائسرائے کہہ دیں کہ "فلاں ڈاکو سے مقابلہ کرنے میں تم اندیشہ نہ کرو، ہم خود مع اپنی ساری قوت کے تمہارے ساتھ ہوں گے"۔ تو وہ کیسا باغ باغ ہو جائے گا، اور اسے کیسا زبردست سہارا ہاتھ آ جائے گا۔ پھر یہاں تو بندہ کو خدا کا سہارا ہاتھ آ رہا تھا! تسکین تشفی وتقویت قلب کی اس سے بڑھ کر صورت خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ مَعَكُمَا۔ معیت سے مراد کمال حفظ ونصرت الٰہی ہے۔ معکما بالحفظ والنصر (بیضاوی) والمراد بمعیته سبحانه کمال الحفظ والنصرة (روح) توریت میں اس موقع پر ہے:۔ "وہ بولا یقیناً میں تیرے ساتھ ہوں گا" (خروج۔ ۳ : ۱۲) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اَسْمَعُ وَاَرٰی اگر اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ کی تفسیر ہے تو دلیل ہے قرب صفاتی پر اور اگر مستقل ہے تو اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ دلیل ہے قرب ذاتی پر۔ ف۴۷ (بے قصور وبے خطا جب تک وہ تیرے ملک میں مقیم ہیں) فرعون کے مظالم اب حد سے بڑھ گئے تھے۔ اور بنی اسرائیل کی طرف سے مطالبہ یہ تھا کہ ہمیں ہمارے وطن کنعان (صوبہ شام) واپس چلے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ فرعونی حکومت ان لوگوں سے بیگار کا اور ادنیٰ قسم کی مزدوری کا کام لیتی رہتی تھی۔ اس لیے اس مطالبہ کو بھی نہیں مان رہی تھی۔ آج ہمارے ہاں کا بھی کون ظالم زمیندار یہ گوارا کرتا ہے کہ اس کی ادنیٰ رعایا بھی اس کی زمین سے نکل جائے۔ توریت میں ہے:۔ "بعد اس کے موسیٰ اور ہارون آئے اور فرعون کو کہا کہ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ بیابان میں میرے لیے عہد کریں"۔ (خروج۔ ۵:۱) رَسُوْلَا رَبِّكَ پروردگار کے قاصد یا رسول مرسل۔ ف۴۸ یعنی جو کوئی دین حنیف کو اختیار کرے اور سیدھی راہ چلنے لگے، اسے تھوڑے ہی قہر وعذاب کا ڈر رہ سکتا ہے؟ اسے کھٹکا نہ دنیا میں نہ آخرت میں! ای السلامة من العذاب فی الدارین لمن اتبع ذٰلک بتصدیق اٰیٰت الله (روح) یہاں اسلام کی ایک عام خصوصیت بیان کر دی گئی کہ اس کا قانون اس کا آئین، اس کا نظام دنیا اور آخرت دونوں کے لیے بہترین دستور حیات ہے فرد کے لیے بھی، جماعت کے لیے بھی۔ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ اٰیت بہ معنی نشان یا معجزہ۔ یعنی جس سے تجھے بھی ہماری صداقت کا یقین آجائے۔ اٰیۃ کی تنوین سے مراد جنس معجزہ ہے نہ کہ کوئی مفرد معجزہ۔ ف۴۹ (حق سے) توریت میں یہ واقعات تو خیر تھوڑے، بہت درج ہیں، لیکن قرآن مجید بیچ بیچ میں اخلاق وعقائد سے متعلق جو تعلیمات دینا چاہتا ہے ان سے توریت کے صفحات یکسر خالی ہیں! حضرت موسیٰ کو وہ جو حکم "قول لین" (نرم بولی) کا ملا تھا یہ اسی کی تعمیل ہو رہی ہے کہ آپ نے براہ راست یہ نہ

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَ لَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَ السَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿۴۸﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَ لَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا

دونوں بولے اے ہمارے پروردگار ہم کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے یا یہ کہ زیادہ سرکشی نہ کرنے لگے ف۴۵ اللہ نے کہا تم ڈرو نہیں تم دونوں کے ساتھ تو میں ہوں میں (سب) سنتا اور دیکھتا ہوں ف۴۶ تم اس کے پاس جاؤ پھر اس سے کہو، ہم دونوں تیرے پروردگار کے قاصد ہیں سو تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے اور انہیں دکھ نہ دے ف۴۷ ہم تیرے پاس تیرے پروردگار کی طرف سے نشان لے کر آئے ہیں اور سلامتی ہے اس کے لئے جو سیدھی راہ پر چلے ف۴۸ ہمارے پاس تو وحی یہ آچکی ہے کہ عذاب (قہری) اسی کے لئے ہے جو جھٹلائے اور روگردانی کرے ف۴۹ (فرعون نے) کہا تو پھر اے موسیٰ تم دونوں کا پروردگار ہے کون؟ ف۵۰ (موسیٰ نے) کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ عطا کی پھر (اس کی) رہنمائی کی ف۵۱ (فرعون نے) کہا، اچھا تو پہلی نسلوں کا کیا حال ہوا ہے؟ ف۵۲ (موسیٰ نے) کہا ان کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر میں (محفوظ) ہے میرا پروردگار نہ بھٹک سکتا ہے نہ بھول سکتا ہے ف۵۳ وہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا ف۵۴

فرمادیا کہ عذاب تیرے اوپر ہوگا، بلکہ اسے ایک کلیہ اور قانون کی صورت میں پیش کیا۔ **و٥٠** یہ دونوں حضرات فرعون کے دربار تک پہنچ چکے ہیں اور یہ گفتگو وہیں ہورہی ہے۔ مصر میں فرعون سب سے بڑے دیوتا یعنی سورج دیوتا کا اوتار سمجھا جاتا تھا، اور عملاً تمام اختیارات خدائی کا مظہر۔ اب تک وہ اپنے ہی کو سب سے بڑے یعنی سورج دیوتا کے مظہر یا اوتار سنتے رہنے یا سمجھتے رہنے کا عادی رہا تھا۔ اب جو یہ نئی اور نامانوس آواز اس کے کان میں پڑی تو حیرت سے پوچھتا ہے کہ اچھا یہ بتاؤ تو سہی آخر تمہارا اتراتا ہوا رب کون سا ہے؟ توریت میں اسی مقام پر ہے: "فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے کہ میں اس کی آواز کو سنوں کہ بنی اسرائیل کو جانے دوں؟ میں خداوند کو نہیں جانتا اور نہ میں بنی اسرائیل کو جانے دوں گا"۔ (خروج۔ ۵:۲) **و٥١** (ان کی اسی خلقت کی جانب) حضرت موسٰی اپنے رب کا تعارف کرا رہے ہیں۔ ارے، تو اس کو نہیں جانتا۔ وہ تو وہ ذات ہے، جس نے ساری مخلوقات کو شرف وجود سے مشرف کیا ہے، پھر جیسی جس کی فطرت وساخت رکھی، اور جو کام اس سے لینا چاہا، اس کے مطابق اس کے آلات وقوای، ہیئت وترکیب بھی رکھی گویا تخلیق اور ترتیب دونوں کا مبداء وہ ہی تو ہے۔ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ سے مراد ہے کہ ہر ہستی کی ساخت وخلقت موزون ومناسب رکھی، اور ھَدٰی سے مراد ہے

وَسَلَكَ لَكُمۡ فِيۡهَا سُبُلًا وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًؕ

اور تمہارے لئے اس میں راستے بنا دیئے اور آسمان سے پانی اتارا

فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿٥٣﴾ كُلُوۡا

پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف قسم کے طرح طرح کے نباتات پیدا کئے **و٥٥** کھاؤ

وَارۡعَوۡا اَنۡعَامَكُمۡؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ﴿٥٤﴾

اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بے شک اس (سارے نظام) میں دلیلیں موجود ہیں اہل عقل کے لئے **و٥٦**

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً

اسی (زمین) میں سے ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا اور اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی میں سے تمہیں دوبارہ

اُخۡرٰى ﴿٥٥﴾ وَلَقَدۡ اَرَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿٥٦﴾

پھر نکالیں گے **و٥٧** اور ہم نے اسے ساری ہی نشانیاں دکھلادیں **و٥٨** لیکن وہ جھٹلایا ہی کیا اور انکار ہی کرتا رہا

قَالَ اَجِئۡتَنَا لِتُخۡرِجَنَا مِنۡ اَرۡضِنَا بِسِحۡرِكَ

(فرعون نے) کہا تو (شاید) تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہماری سرزمین سے اپنے سحر (کے زور) سے نکال

يٰمُوۡسٰى ﴿٥٧﴾ فَلَنَاۡتِيَنَّكَ بِسِحۡرٍ مِّثۡلِهٖ فَاجۡعَلۡ بَيۡنَنَا

دو اے موسٰی **و٥٩** سو تو خیر اب ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ویسا ہی سحر لاتے ہیں تو اب ہمارے اور اپنے

وَبَيۡنَكَ مَوۡعِدًا لَّا نُخۡلِفُهٗ نَحۡنُ وَلَاۤ اَنۡتَ مَكَانًا

درمیان ایک وعدہ گاہ بدلو جس کے نہ ہم خلاف کریں اور نہ تم ایک ہموار میدان

سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّيۡنَةِ وَاَنۡ يُّحۡشَرَ

میں **و٦٠** (موسٰی نے) کہا تم سے وعدہ میلہ کے دن کا رہا اور (ہاں یہ بھی) کہ لوگ

النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلّٰى فِرۡعَوۡنُ فَجَمَعَ كَيۡدَهٗ ثُمَّ

دن چڑھے جمع ہو جائیں **و٦١** غرض فرعون واپس ہوگیا پھر اپنے مکر کا سامان جمع کرنا شروع کیا اور پھر

کہ جس مقصد وغرض کے لئے اس ہستی کو تخلیق کیا، اسی طرف اسے لگا بھی دیا۔ خیال رہے کہ گفتگو مسئلہ ربوبیت پر چل رہی ہے نہ کہ الوہیت پر۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت موسٰی کے اس جواب سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ معرفت بالکنہ ممتنع ہے اور بالصفات والا فعال جائز ہے۔ **و٥٢** (جن کا دین تمہارے دین توحید سے یقیناً مختلف تھا) یعنی اب وہ کس حال کس عالم میں ہیں؟ مصریوں کے اس بارہ میں عجیب عجیب نظریات تھے۔ ہندی مشرکوں کے عقائد سے ملتے ہوئے۔ ایک خیال یہ تھا کہ ہر روح جزئی قید ہستی سے چھوٹنے کے بعد، روح کلی سے جاملتی ہے۔ **و٥٣** (بہ خلاف تمہارے معبودوں کے جن کے لئے غلطیاں کر جانا، سہو ونسیان کا شکار ہو جانا سب ہی کچھ ممکن ہے) حضرت موسٰی علیہ السلام کا جواب بہت بلیغ ہے۔ آپ نے فرمایا، مجھے پچھلوں کے حشر کی کیا خبر؟ البتہ اتنا یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ بہر حال ان کے ساتھ انصاف ہی ہوا ہوگا، اور میرے علیم وخبیر، ہمہ بین وہمہ دان خدا نے ان کے ساتھ معاملہ وہی کیا ہوگا جس کے مستحق وہ اپنے عمل اور نامۂ اعمال کے لحاظ سے ہوں گے۔ وہاں غلطی یا بھول چوک کا کیا امکان! **و٥٤** (جس پر تم آرام واستراحت کرتے ہو) خطاب اب موسٰی وفرعون کے مکالمہ سے الگ، براہ راست رب العالمین کا نوع انسان سے ہے۔ اور یہ طرز بلاغت قرآنی کے خصوصیات میں سے ہے۔ **و٥٥** (جن پر تم چلو پھرو) یعنی زمین پر تمہیں پیدا ہی نہیں کیا بلکہ تمہارے لئے ہر قسم کے سامان آسائش بھی مہیا کردیئے۔ **و٥٦** (اس کے کمال ربوبیت کی) مصریوں میں چوپانی، گلہ بانی کا خاص رواج تھا، اور مصری تمدن میں مویشیوں کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی، اس لئے ان سے مخاطبت کرنے میں اَنعام کا نام لینا عین مقتضائے مقام ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اَخۡرَجۡنَا میں اشارہ ہے اس جانب کہ مؤثر حقیقی حق تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن بِهٖ سے اثبات توسط اسباب کا بھی ہو رہا ہے۔ **و٥٧** (بعد موت) انسان کی آفرینش اجزائے ارضی ہی سے ہوگئی ہے، اور موت کے بعد بہر صورت وہ اجزائے ارضی ہی میں ملایا جاتا ہے، اور قیامت کے دن اس کی آفرینش ثانی بھی انہیں اجزاء ارضیہ ہی سے ہوگی۔ بائبل میں ایک آیت اسی سے ملتی جلتی موجود ہے۔ "تو خاک ہے اور پھر خاک بن جائے گا۔" (پیدائش۔ ۳:۱۹) لیکن حشر وبعثت کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔ حدیث رسول کی تعمیل میں مسلمان اپنی میت کو قبر میں اتارتے ہوئے اس آیت کو پڑھتے جاتے ہیں۔ **و٥٨** (جو حضرت موسٰی کو عطا ہوئی تھیں) اٰیٰت کے مفہوم میں معجزات ودلائل دونوں شامل ہیں۔ توریت کتاب خروج میں ان معجزات کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ **و٥٩** سب کچھ دیکھنے اور سننے کے بعد، آخر میں فرعون بولا تو یہ بولا! کیا خوب زور کی اس نے ساحری کی! انسان اپنے ہی پر دوسرے کا بھی قیاس کرتا ہے۔ بیچارہ خود سحر وکہانت میں مبتلا، ان اعمال سفلیہ کا ماہر، اس بدبخت کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ کوئی درجہ علوم عالیہ کا، مراتب روحانیہ کا، ان سفلیات سے بلند تر بھی ہے...... یہ تشخیص بھی کس قدر مشابہ ہے اس رائے کے جو آج بڑے بڑے فرنگی "حکماء" وفرنگیت زدہ "محققین" سیرت نبوی پڑھ کر، کمالات وکرامات محمدی سے بہ قدر اپنے ظرف کے واقف ہو کر آخر میں گردن کی جنبش کے ساتھ فرماتے ہیں کہ "بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم بڑے خوش تدبیر، بڑے خوش فکر، بڑے خوش انتظام، مصلح ومدبر گزرے ہیں"! **و٦٠** یعنی کھلے ہوئے مقام میں، جہاں ساری پبلک جمع ہو کر ہماری تمہاری ساحری کا مقابلہ وتماشا دیکھ سکے۔ سُوًى کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ وہ میدان، ہم دونوں فریقوں سے نصف نصف مسافت پر واقع ہو۔ اے منصفًا بیننا وبینک (روح۔ عن مجاهد وقتادة) فرعون کے سحر پر ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ **و٦١** مصر میں قومی تہوار یا جشن سال میں دو بار بڑے پیمانہ پر منائے جاتے تھے۔ ایک بار ماہ مارچ میں، دوسری بار ماہ اگست میں۔ اور تیسرا جشن ان دونوں سے بھی بڑھ چڑھ کر ہوتا تھا۔ انہیں میں سے کوئی جشن یہاں مراد ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

اَنّٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ

آیا و٦٢ موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا اے کم بختی مارو خدا پر جھوٹ افترا

كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَ قَدْ خَابَ مَنِ

نہ کرو ورنہ وہ تمہیں عذاب سے نیست و نابود کر دے گا اور جو کوئی جھوٹ باندھتا ہے وہ ناکام ہی

افْتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَ اَسَرُّوا

رہتا ہے و٦٣ پھر وہ لوگ اپنی رائے میں آپس میں اختلاف کرنے لگے اور خفیہ

النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ

مشورہ کرنے لگے و٦٤ (پھر) بولے کہ بے شک یہ دونوں بھی جادوگر ہی ہیں، (اور) یہ چاہتے ہیں کہ

يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا

تمہیں تمہاری سرزمین سے اپنے جادو (کے زور) سے نکال دیں اور تمہارا بہتر (و اعلیٰ)

بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا

طور و طریق ہی مٹا دیں و٦٥ سو اب سب مل کر اپنے فن کا انتظام کرو و٦٦ اور صف بہ صف

صَفًّا ۚ وَ قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا

آ جاؤ کہ آج فلاح اسی کی ہے جو غالب آئے و٦٧ (پھر) بولے

يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ

کہ اے موسیٰ (پہلے) آپ (اپنا عصا) ڈالیں گے یا ہمیں پہلے ڈالنے والے

اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ

بنیں؟ و٦٨ (موسیٰ نے) کہا نہیں تم ہی ڈال چلو و٦٩ پس یکایک ان کی رسیاں اور ان کی

يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ

لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ان کے جادو کے زور سے ایسی نظر آنے لگیں کہ گویا وہ دوڑ پھر رہی ہیں و٧٠ اس سے موسیٰ

و٦٢ (یوم ووقت مقررہ پر میدان جشن میں) ''واپس ہو گیا'' سے مراد ہے کہ دربار سے اپنے محل کو واپس گیا۔ مکر کے سامان، سے مراد ساحر اور ان کے آلات سحر ہیں۔ قرآن حسب معمول درمیان کی ساری غیر ضروری تفصیلات کو چھوڑ کر توجہ قصہ کے صرف ضروری اجزاء پر رکھتا ہے۔ و٦٣ (انجام کار میں) توریت میں بھی اس معرکہ کا ذکر ہے لیکن بالکل مختصر اور پھیکا۔ جس سے نہ کوئی اخلاقی سبق ملتا ہے اور نہ پوری تفصیل ہی واقعہ کی معلوم ہوتی ہے۔ قَالَ لَهُمْ۔ ضمیر جمع غائب اب ساحروں کی طرف ہے۔ اب سب حسب قرارداد میدان میں اکٹھے ہو گئے ہیں، اور موسیٰ پیمبر آخری بار بطور اتمام حجت کے ساحروں سے تبلیغی گفتگو کر رہے ہیں۔ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس لب ولہجہ میں کلام فرعون سے نہ فرمایا گیا۔ اس میں تعلیم ہے حفظ مراتب کی۔ و٦٤ جیسا کہ اکثر ایسے موقع پر ہوتا ہے، ساحروں کی جماعت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان سے مقابلہ کے معاملہ میں خود مختلف الرائے ہو گئی۔ ساحروں کی جماعت میں تردد و انتشار بہت ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مؤثر تبلیغی تقریر کا نتیجہ ہو۔ و٦٥ یعنی آپس میں سرگوشی اور مشورت کے بعد یہ ٹھہری کہ یہ دونوں کہیں باہر سے یہ فن سیکھ سکھا کر آئے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ہم پر غالب آ کر ہمارے اس وطنی فن بلکہ ہماری ساری قومی تہذیب وتمدن ہی کو مٹا بھی ڈالیں، اور خود ایک نظام نو کی بنیاد ڈالیں۔ مُثْلٰى۔ صیغۂ مؤنث ہے امثل کا اور امثل کے معنی ہیں خوب روشن وخوب واضح کے۔ الامثل الاظهر والاوضح (کبیر) یعنی ہمارا یہ نظام جس سے ہم خوب روشناس ہیں۔ غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کے باب میں جو سرکاری تشخیص، فرعون اور اس کی گورنمنٹ کی جانب سے پہلے ہی ہو چکی تھی، ساحروں نے بھی اسی سے اتفاق کیا۔ و٦٦ (اور کوئی بات اٹھا نہ رکھو) یعنی لا تدعوا شيئا الاجئتم به (کبیر) اَجْمِعُوْا سے ایک مراد تو وہی ہے جو اردو میں جمع ہو کر، مل کر سب کے اکٹھے ہونے سے ہوتی ہے، اور یہی معنی زجاج لغوی نے لئے ہیں۔ لیکن عزمکم کلکم کالید مجمعا علیه لا تختلفوا (کبیر۔ عن الزجاج) اور دوسرے معنی یہ کہ خوب مضبوط ہو کر نکلو، اور یہ معنی فراء لغوی سے منقول ہیں الاجماع الاحکام والعزيمة على الشيء (کبیر۔ عن الفراء) و٦٧ (آج ہی تو ہماری قوم اور ہمارے دین وتہذیب کی موت وزیست کا مسئلہ طے ہونا ہے) صف بہ صف، یعنی سب مل کر۔ آپس میں ایک دوسرے کو غیرت دلائی کہ آج تو ہمارے فن پر حملہ ہے، فن کی عزت کا سوال ہے، اس کا تحفظ ہم سب پر واجب ہے۔ دوسرا پہلو صفًا میں بھی یہی ہے کہ خوب شان وشوکت کے ساتھ آج اس جدید مدعی وحریف پر حملہ کرو۔ و٦٨ ساحر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کر رہے ہیں (جیسا کہ آج بھی کھلاڑی مقابلہ کے وقت دریافت کرتے ہیں) کہ کہیے پہلی بازی کس کی رہے گی؟ یا دوسری اصطلاح میں پہلا وار کس کا ہو گا؟ ظاہر ہے کہ ساحر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے القاء سحر کی اجازت نہیں طلب کر رہے ہیں۔ اجازت دینے کے قابل وہ انہیں سمجھتے ہی کیا تھے۔ القاء سحر پر تو وہ کمربستہ تھے ہی۔ دریافت صرف اتنا کر رہے ہیں کہ پہلی بازی کس کی ہو گی۔ و٦٩ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے نیازی سے جواب دیتے ہیں کہ تمہیں پہلا وار کر دیکھو۔ پہل کر دیکھو۔ اپنے حوصلے پہلے ہی نکال لو۔ ظاہر ہے کہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اجازت یا حکم کا کوئی موقع ہی نہیں۔ سوال تو صرف تخییر کا تھا۔ اور آپ نے دونوں پہلوؤں میں سے وہ شق اختیار کر لی، جو حق کے واضح کرنے میں زیادہ معین ہونے والی تھی اور بالفرض اگر آپ القاء سحر کی اجازت ہی دے دیتے، جب بھی مقصود تو آپ کا احقاق حق ہی تھا۔ اور یہ القاء سحر اس کا ایک مقدمہ تھا۔ ایسی صورت میں اگر آپ اپنی طرف سے اس کا امر بھی کر دیتے جب بھی مطلق کوئی مضائقہ نہ تھا...... یہاں سے یہ سبق بھی حاصل ہوا کہ احقاق حق کی غرض ومقصد سے اگر کچھ دیر کے لئے باطل کے ظہور وشیوع کو انگیز بھی کرنا پڑے تو جائز ہی نہیں بلکہ ایک خدمت دین بھی ہے۔ اہل باطل سے مناظرہ میں یہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ و٧٠ (سانپ کی طرح) توریت میں ہے:۔ ''ہارون نے اپنا عصا فرعون اور اس کے خادموں کے آگے پھینکا، اور وہ سانپ ہو گیا۔ تب فرعون نے بھی داناؤں اور جادوگروں کو طلب کیا۔ چنانچہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادوؤں سے ایسا ہی کیا کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا عصا پھینکا اور وہ سانپ ہو گیا۔'' (خروج۔ ٧: ١٠۔ ١١) اس سے قطع نظر کہ توریت میں عصا بجائے موسیٰ علیہ السلام کے ہارون علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔ توریت وقرآن مجید کے بیان میں بڑا فرق یہ ہے کہ توریت میں سحر کے اثر سے رسیوں اور لاٹھیوں کا سانپ بن جانا مذکور ہے، بہ خلاف اس کے قرآن میں صرف اتنا ہے کہ ساحروں کی نظر بندی کے اثر سے حضرت موسیٰ کو (یا اور دیکھنے والوں کو بھی) وہ رسیاں اور لاٹھیاں دوڑتی پھرتی نظر آئیں۔ ان کے واقعۂ سانپ بن جانے کا قرآن مدعی نہیں۔

وا ے (کہ یہ بات ہی کیا ہوئی۔ جب انہوں نے بھی سانپ بنالئے اور میر اعصا بھی سانپ ہی بہر حال بنے گا، تو دیکھنے والے معاملہ اور مقابلہ برابر سمجھیں گے، حق کا غلبہ کیسے ثابت ہوگا) خِيْفَةً کا نکرہ

فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ
نے اپنے دل میں کچھ اندیشہ محسوس کیا وا ے ہم نے کہا ڈرو نہیں، غالب تو یقینا

اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾ وَ اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا
تم ہی رہو گے و۲ ے یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں جو (عصا) ہے اسے ڈال دو اس (سوانگ) کو وہ بالکل نگل جائے گا جو

صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا يُفْلِحُ
انہوں نے بنا کھڑا کیا ہے یہ انہوں نے تو بس جادو کا سوانگ بنا کھڑا کیا ہے اور جادوگر کہیں جائے

السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا
کامیاب نہیں ہوتا و۳ ے پھر تو جادوگر سجدہ میں گر گئے و۴ ے (اور) بول اٹھے

اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ﴿٧٠﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ
ہم تو ایمان لے آئے ہارون اور موسٰی کے پروردگار پر (فرعون نے) کہا تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے

اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ
کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ بے شک وہ تمہارا بھی بڑا (اور استاد) ہے، جس نے تمہیں بھی جادو سکھایا ہے،

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ
سو (اب) میں تمہارے ہاتھ پیر کٹواتا ہوں الٹی طرف سے و۵ ے

وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَ لَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ
اور تمہیں کھجور کے درختوں پر سولی چڑھاتا ہوں و۶ ے اور یہ بھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ ہم دونوں میں کس کا

اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى ﴿٧١﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا
عذاب زیادہ سخت اور دیر پا ہے و۷ ے (جادوگر) بولے کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہ دیں گے ان شواہد کے

جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ
مقابلہ میں جو ہم کو مل چکے ہیں اور اس ہستی کے جس نے ہمیں پیدا کیا۔ تو کر ڈال جو کچھ تجھے

ہونا دلیل ہے اس کی کہ یہ اندیشہ کچھ بہت زیادہ نہیں، تھوڑا ہی سا پیدا ہوا تھا۔ التنکیر للتقلیل (تھانوی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اثبات ہے اس کا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام اپنے کمال کے مدعی نہ تھے۔ مدعی کمال کو خوف نہیں ہوتا۔ و۲ ے معاً تسکین غیب سے دی گئی کہ نہیں، تم کچھ پروانہ کرو، فتح تمہاری اور حق ہی کی ہوگی۔ اور تسکین بھی کس تاکید اور قطعیت کے ساتھ۔ ایک تو حرف اِنَّ خود تاکید کا، پھر ضمیر مخاطب کی تکرار، پھر اعلی پر لام معرفہ کا۔ اور پھر خود لفظ اعلٰی کہ علو و غلبہ نمایاں ہی کو ظاہر کرنے والا ہے (کبیر) و۳ ے (معجزہ کے مقابلہ میں) ارشاد ہوا کہ تمہارے مقابل جو کچھ ہے، دھوکے کی ٹٹی ہے، نمائش ہے، گڑھا ہوا سوانگ ہے۔ اس کی بساط ہی کیا حق کی ٹھوس چٹان کے مقابلہ میں یہ کہیں ٹھہر سکتا ہے۔ والمعنی ان الذی معک یا موسٰی معجزہ الٰھیة والذی معھم تمویھات باطلة فکیف یحصل التعارض (کبیر) صَنَعُوْا۔ یہاں بنا کھڑا کرنے کے معنی میں ہے۔ صنعوا ای زوّروا (بیضاوی) ساحر اور السّٰحِرُ دونوں سے آیت میں مراد عدد نہیں، جنس ساحر ہے۔ اسی لئے لفظ قصداً صیغۂ مفرد میں لایا گیا۔ انما وحد ساحر ولم یجمع لان القصد فی ھٰذا الکلام الی معنی الجنسیة لا الی معنی العدد فلو جمع لخیل ان المقصود ھو العدد (کشاف۔ مدارک) كَيْدُ سٰحِرٍ کے ساتھ ساحر نکرہ آیا ہے، مراد وہ خاص سحر ہے جس سے ان فرعونی ساحروں نے کام لیا تھا۔ اور لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ میں السّٰحِرُ معرفہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ جنس سحر یا جمیع اقسام سحر بے حاصل ہیں۔ (کبیر) و۴ ے (جب انہوں نے دیکھ لیا کہ ان کا سارا سوانگ اکارت ہی گیا، اور حضرت موسٰی علیہ السلام کا اژدہا ان کے سارے سانپوں کو نگل گیا، اور سمجھ گئے کہ یہ کرامت و اعجاز مافوق السحر ہے) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے یہ نکالا کہ عمل اختیاری موقوف ہے توفیق الٰہی پر۔ اور اس میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ حق تعالٰی کے الطاف جس بندہ کو چاہیں غایت کفر و عناد سے نہایت ایمان تک پہنچا دیں۔ و۵ ے یعنی ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں۔ حاشیہ سورۂ اعراف (پ ۹) میں گزر چکا۔ قَبْلَ سے یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ اجازت مانگنے کے بعد وہ اجازت ایمان لانے کی دے دیتا۔ معنی صرف "بدون" یا "بغیر" کے ہیں۔ جیسے سورۂ کہف کی آیت قبل قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ الخ کا یہ مفہوم نہیں کہ کلمات رب کبھی ختم بھی ہو چکیں گے، بلکہ وہاں بھی "قبل" کے معنی بدون یا بغیر ہی کے ہیں۔ و۶ ے (تا کہ دوسرے بھی عبرت حاصل کریں) سولی کی سزا دنیا کی قدیم ترین سزاؤں میں سے ہے۔ اور یہ ہاتھ پیر الٹے طرف سے کاٹنے کی سزا گو آج "وحشیانہ" معلوم ہو، لیکن قدیم قوموں کا معمول عام رہی ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ اعراف، پ ۹ کے حاشیے۔ و۷ ے یعنی ایک طرف میری حکومت کا عذاب اور دوسری طرف موسٰی، ان کی جماعت اور ان کے خدا کا عذاب۔

قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا

کرتا ہے تو تو بس اس دنیا ہی کی زندگی میں (جو کچھ کرنا ہے) کرسکتا ہے و۷۸ ہم تو اپنے پروردگار پر

بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ

ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے گناہ معاف کرے اور جو زور تو نے ہم پر جادو کے باب میں

السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ

ڈالا (اس کو بھی) و۷۹ اور اللہ ہی بہتر ہے اور پائندہ ہے و۸۰ ہے یہ کہ جو کوئی بھی اپنے پروردگار کے پاس مجرم

مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا

ہو کر حاضر ہوگا تو اس کے لئے دوزخ ہے اس میں وہ نہ مرے گا اور نہ

يَحْيٰى ﴿۷۴﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ

جئے گا و۸۱ اور جو کوئی اس کے پاس مومن ہو کر حاضر ہوگا جس نے نیک کام بھی کئے ہوں،

فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ

سو ایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں و۸۲ (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ

جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی ہے

جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ

انعام اس کا جو پاک ہوا و۸۳ اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ

اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا

میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ و۸۴ پھر ان کے لئے سمندر میں (عصا مار کر) خشک راستہ بنا لینا

لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

تم کو نہ پالئے جانے کا اندیشہ ہوگا اور نہ تم کو (اور کوئی) خوف ہوگا و۸۵ پھر فرعون نے اپنے لشکروں سمیت

ع ۳ / ۱۲

و۷۸ (جو بہر حال آنی و فانی ہے) ساحر اتنے ہی دیر میں ایمان کی برکتوں سے پوری طرح مشرف اور عزم و ارادہ کے پختہ ہو چکے ہیں۔ ایمان کی حلاوت ان کے رگ و پے میں نفوذ و سرایت کر چکی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ استعداد کا کامل ہونا مبتدی کو منتہی کے مقام پر پہنچا دیتا ہے، چنانچہ یہ جواب ساحروں کے منتہی ہونے پر دال ہے۔ و۷۹ وہ ساحر ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر از خود اور اپنی مرضی سے نہیں آئے تھے، سرکار کی دعوت پر آئے تھے، گویا سرکار کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ و۸۰ (اور تجھ میں نہ بذات خود خیر و خوبی، اور نہ تیری سزا و انعام کو بقاء) اللہ بہتر ہے اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے، اور پائندہ ہے عذاب و ثواب دینے کے لحاظ سے۔ و۸۱ نہ جیے گا، یعنی شدتِ عذاب و فرطِ آلام سے اس دوزخ کی زندگی پر زندگی کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ مُجْرِمًا۔ مجرم یہاں مومن کے مقابلہ میں آیا ہے۔ یعنی جرم بغاوت کا مجرم یا کافر۔ مجرما ای کافرًا (مدارک) ای کافرًا (جلالین) ای مشرکًا (معالم) و۸۲ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ یہ درجات عالیہ (الدرجت العلی) تو انہیں لوگوں کے لیے ہیں جو مومن کامل اور اعمالِ صالحہ میں راسخ ہیں۔ باقی ان درجات عالیہ سے اتر کر جو مرتبہ محض نجات و عفو کا ہے، وہ ان کلمہ گویوں کو حاصل ہوگا جو اتنے اونچے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ بلکہ صاحب کبائر ہیں۔ و فی الاٰیة تنبیهٌ علی حصول العفو لاصحب الکبائر لانه تعالٰی جعل الدرجات العلٰی من الجنة لمن اتی ربه بالایمان والاعمال الصالحة فسائر الدرجات التی هی غیر عالیة لابدوان تکون لغیر هم وما هم الا العصاة من اهل الایمان (کبیر) و۸۳ (چنانچہ ہم نے بھی اسی قانونِ الٰہی کے ماتحت کفر کو چھوڑ کر ایمان اختیار کیا) تَزَکّٰی یعنی کفر و معصیت سے پاک ہوا۔ و۸۴ (مصر سے باہر شام و فلسطین کے لیے) اب یہ اس وقت کا ذکر ہے جب گزشتہ واقعات، ساحروں کے مقابلہ وغیرہ کو ایک عرصہ ہو چکا ہے۔ اور فرعون اور حکومت فرعون پر حضرت موسیٰ و ہارون کی ساری تبلیغی کوششیں بے اثر رہ چکی ہیں۔ بِعِبَادِیْ 'میرے بندوں' سے سیاق عبارت میں مراد ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل ہیں۔ و۸۵ یعنی پانی پر عصا مارنا۔ بہ طور اعجاز اس میں خشک راستہ تمہاری قوم کے عبور کے قابل بن جائے گا۔ الْبَحْرِ سمندر سے مراد بحر احمر کا شمالی خلیج ہے۔ مفصل حواشی اس پر سورۂ بقرہ پ۱ رکوع ۶ کے تحت میں گزر چکے۔

بِجُنُوۡدِهٖ فَغَشِيَهُمۡ مِّنَ الۡيَمِّ مَا غَشِيَهُمۡ ؕ﴿۷۸﴾ وَ اَضَلَّ

ان کا پیچھا کیا ف۸۶ تو دریا جیسا ان پر آملنے کو تھا آ ملا ف۸۷ اور فرعون نے تو

فِرۡعَوۡنُ قَوۡمَهٗ وَ مَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ قَدۡ

اپنی قوم کو گمراہ ہی کیا تھا اور سیدھی راہ پر نہ لایا ف۸۸ اے بنی اسرائیل (دیکھو) ہم نے

اَنۡجَيۡنٰكُمۡ مِّنۡ عَدُوِّكُمۡ وَوٰعَدۡنٰكُمۡ جَانِبَ الطُّوۡرِ

تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے وعدہ کیا طور کی

الۡاَيۡمَنَ وَ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوۡا

داہنی جانب سے متعلق اور تمہارے اوپر من و سلوٰی اتارا ف۸۹ ان نفیس

مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ وَ لَا تَطۡغَوۡا فِيۡهِ فَيَحِلَّ

چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اس باب میں حد سے مت گزر جاؤ ف۹۰ ورنہ تم پر

عَلَيۡكُمۡ غَضَبِىۡ‌ ۚ وَمَنۡ يَّحۡلِلۡ عَلَيۡهِ غَضَبِىۡ فَقَدۡ

میرا غضب واقع ہو جائے گا اور جس پر میرا غضب واقع ہوا، وہ یقیناً

هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّىۡ لَـغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ

گر کر رہا ف۹۱ اور میں تو بڑا بخشنے والا ہوں اس کا جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل

صَالِحًا ثُمَّ اهۡتَدٰى ﴿۸۲﴾ وَمَاۤ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ

کرنے لگے اور پھر راہ پر قائم (بھی) رہے ف۹۲ اور اے موسٰی آپ کو اپنی قوم سے آگے جلدی آنے کا

يٰمُوۡسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمۡ اُولَاۤءِ عَلٰٓى اَثَرِىۡ وَعَجِلۡتُ

کیا سبب ہوا؟ ف۹۳ (موسٰی نے) عرض کیا، کہ وہ لوگ تو یہ کیا میرے پیچھے (پیچھے آرہے) ہیں ف۹۴ اور میں تو تیرے

اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ

پاس اے میرے پروردگار اس لئے جلدی چلا آیا کہ تو خوش ہو جائے گا ف۹۵ (اللہ نے) کہا کہ تمہاری قوم کو تو ہم نے

ف۸۶ (اور ساحل بحر پر اس وقت پہنچا، جب بنی اسرائیل حسب وعدۂ الٰہی پار ہو چکے تھے، اور راستے ہنوز اسی حالت میں تھے) تفصیلات توریت میں درج ہیں۔ (خروج۔ ۱۴: ۶، ۷، ۸، ۲۳) ف۸۷ یعنی دریا کا رُکا ہوا اور بیٹھا ہوا پانی ہر طرف سے سمٹ کر آ گیا اور سارے فرعونی غرق ہو کر رہ گئے۔ تفصیل توریت میں درج ہے۔ (خروج۔ ۱۴: ۲۸) نیز ملاحظہ ہوں سورۂ بقرہ پ۱ رکوع ۶ کے حاشیے۔
ف۸۸ (سو ایسے باغی طاغی کا ڈوب مرنا ہی خوب ہوا) فرعون کی رہنمائی دینی حیثیت سے جس قدر غلط تھی وہ تو تھی ہی، دنیوی حیثیت سے بھی اس کا انجام سب نے دیکھ لیا کہ آخر ہلاکت ہی پر ہوا۔
ف۸۹ (دشت تیہ میں) من و سلوٰی پر حاشیے سورۂ بقرہ پ۱ رکوع ۶ میں گزر چکے، اور طور پر سورۂ بقرہ کے رکوع ۸ میں۔ اور الطُّوۡرِ الۡاَيۡمَنِ پر سورۂ مریم کا حاشیہ نمبر ۷۹۔ وٰعَدۡنٰ۔ وعدہ یہ کہ تمہارے پیمبر اور تمہارے اکابر یہاں آئیں، اور تمہارے لیے احکام و ہدایات یہاں سے لے جائیں۔ ف۹۰ حد سے مراد حد شرعی ہے۔ اور اس سے گزرنے کی ایک صورت تو یہی ہے کہ حرام چیزیں استعمال میں لائی جائیں۔ دوسری یہ کہ اللہ کی نعمتیں کھا کھا کر اس کی معصیت کی جائے۔ الطَّيِّبٰتِ سے مراد وہ کل چیزیں ہیں جو شرعاً حلال ہیں اور طبعاً لذیذ ہیں۔ كُلُوۡا یہاں بطور حکم نہیں، بطور اجازت ہے۔ لیس امر ایجاب بل امر اباحة (کبیر) ف۹۱ یعنی بالکل گیا گزرا ہوا۔ هَوٰى کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ پہاڑ سے گرا اور ہلاک ہو گیا۔ اصله ان يسقط من جبل فيهلك (کشاف) یہاں مراد ہلاک و برباد ہو جانے سے ہے۔ اے تردّی و هلک (بیضاوی) ف۹۲ توبہ اور ایمان اور عمل صالح تو اس کے متعلق ہو سکتے ہیں جو پہلے ہدایت پا چکا اس لیے ثُمَّ اهۡتَدٰى سے مراد ہدایت پانا نہیں، بلکہ ہدایت پر قائم رہنا ہے اور اهتداء کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔ الاهتداء هو الاستقامة والثبات علی الهدٰی (کشاف) اے یعنی مستعینا باللہ فی ادامة ذٰلک من غیر تقصیر (کبیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ تحریر فرمایا ہے کہ جس طرح بندہ کے لیے اس کی کثرت ذنوب کی بناء پر تین درجے ہو سکتے ہیں، ایک ظالم، دوسرے ظلوم، تیسرے ظلام۔ حق تعالیٰ نے بھی اس کے مقابل اپنے تین نام رکھے ہیں۔ ایک غافر، دوسرے غفور۔ تیسرے غفار۔ ههنا نكتة هی ان العبد له اسماء ثلثة الظالم والظلوم والظلام و لله فی مقابلة کل واحد من هٰذا الاسماء اسم فکانه تعالٰی یقول ان کنت ظالمًا فانا غافر و ان کنت ظلومًا فانا غفور و ان کنت ظلّامًا فانا غفّارٌ (کبیر) ف۹۳ اس مکالمہ کا وقت وہ ہے جب حضرت موسٰی کو مع منتخب سرداران اسرائیلی طور پر حاضری کا حکم ملا ہے۔ آپ خود تو فرط اشتیاق سے پہلے پہنچ گئے ہیں اور وہ لوگ پیچھے رہ گئے ہیں۔ قوم سے یہاں مراد وہی ستر نقباء قوم ہیں۔ المراد بالقوم النقباء (کشاف) توریت میں ان ستر منتخب سرداروں کا قصہ موجود ہے (خروج۔ ۲۴: ۹، ۱۳، ۱۴) اہل اشارات نے کہا ہے کہ اس میں اشارہ ہے حضرت کلیم علیہ السلام کے وفور شوق و اضطراب کی جانب۔ ف۹۴ (اور کچھ دور نہیں ہیں) یہ حضرت موسٰی نے اپنے رفیقوں کی گویا سفارش میں اور ان کا جرم ہلکا کرنے کو کہا۔ ف۹۵ (اور زیادہ) حضرت موسٰی نے اپنے اجتہاد سے یہ خیال کیا کہ وعدہ گاہ پر حاضری میں پیش قدمی کرنا اور زیادہ خوشنودی کا سبب ہو گا۔ اللہ اللہ! اہل اللہ رضائے الٰہی کی دولت کے سمیٹنے اور جمع کرنے میں کتنے حریص ہوتے ہیں! اِلَيۡكَ (تیرے پاس) سے مراد ہے تجھ سے مکالمت و مخاطبت کے وعدہ کی جگہ۔ فقہاء نے آیت میں جواز اجتہاد کا استنباط کیا ہے۔ و هٰذا دلیل علی جواز الاجتهاد (مدارک)

بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى

تمہارے بعد ایک آزمائش میں ڈال دیا ہے ف۹٦ انہیں سامری نے گمراہ کر دیا ہے ف۹۷ غرض موسیٰ اپنی قوم کے پاس

قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ

آئے غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے ف۹۸ (اور) بولے اے میری قوم والو کیا تم سے تمہارے پروردگار نے ایک اچھا

وَعْدًا حَسَنًا ۬ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ

وعدہ نہیں کیا؟ ف۹۹ سو کیا تم پر (وعدہ سے) زیادہ زمانہ گزر گیا تھا یا تم نے یہ چاہا کہ

يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ

تم پر تمہارے پروردگار کا غضب واقع ہو کر رہے اس لئے تم نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا

مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا مَاۤ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَ لٰكِنَّا

اسی کی خلاف ورزی کرنے لگے۔ ف۱۰۰ وہ بولے ہم نے آپ سے جو وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی اپنی خوشی سے نہیں

حُمِّلْنَاۤ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ

کی البتہ ہوا یہ کہ ہم پر قوم (قبط) کے زیوروں سے بوجھ لدرہا تھا سو ہم نے اسے ڈال دیا ف۱۰۱ پھر اسی طرح سامری

اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ

نے بھی ڈال دیا ف۱۰۲ پھر (سامری نے) ان لوگوں کے لئے ایک گوسالہ ظاہر کر دیا کہ وہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی

خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَاۤ اِلٰهُكُمْ وَ اِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾

سو وہ لوگ (آپس میں) کہنے لگے کہ یہی تو ہے تمہارا (بھی) دیوتا اور موسیٰ کا (بھی) سو وہ تو (اسے) بھول گئے ف۱۰۳

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّ لَا يَمْلِكُ لَهُمْ

کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے کہ وہ نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان

ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾ وَ لَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ

یا نفع پر قدرت رکھتا ہے ف۱۰۴ اور ان لوگوں سے ہارون نے قبل ہی کہا تھا کہ

ع ۱۲ / ۱۳

ف۹٦ (بہ طور مسبب الاسباب کے، بطور فاعل تکوینی کے) اس آزمائش میں ڈالنے کو مرضی حق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بالکل اسی طرح اور اسی معنی میں صحیح ہے۔ جس طرح اور جس معنی میں اللہ ہر بیماری، ہر دکھ، ہر زہر کا بھی خالق ہے۔ یعنی محض اسباب تکوینی کا محرک اول ہے۔ توریت میں ہے:۔ "تب خداوند نے موسیٰ کو کہا کہ اتر جا۔ کیونکہ تیرے لوگ جنہیں تو مصر کے ملک سے چھڑا لایا خراب ہو گئے ہیں۔ وہ اس راہ سے جو میں نے فرمائی جلد پھر گئے ہیں انہوں نے اپنا ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور اسے پوجا اور اس کے لیے قربانی ذبح کر کے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے چھڑا لایا"۔ (خروج۔ ۳۲: ۷، ۸) ف۹۷ (نہ کہ معاذ اللہ ہارون نبی علیہ السلام نے) سامری شخص کا نام نہیں لقب ہے۔ منسوب ہے ہمارے قدیم مفسرین کی تحقیق کے بہ موجب قریہ سامرہ کی طرف، یعنی وہاں کا باشندہ۔ ممکن ہے کہ اس کا باپ دادا سامرہ سے آ کر بنی اسرائیل میں آبسا ہو اور بعد الحاق انہیں میں شمار کیا جاتا ہو"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) بعض جدید محققین کا خیال ہے کہ قدیم مصری زبان میں سمر کہتے ہیں، پردیسی، غیر ملکی، بیرونی کو۔ سامری سے مراد ہے کوئی شخص جو غیر اسرائیلی تھا اور مصر سے اسرائیلیوں کے ساتھ ہو گیا تھا۔ یہود ہاں کے ایک مستقل فرقہ کا نام بھی سامریہ (Samaritans) ہے، ان کی توریت اور سارے مذہبی صحیفے یہود کی مسلم ومتعارف توریت اور دوسرے صحیفوں سے کسی قدر مختلف ہے اور انہیں ناز اپنی توحید خالص پر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قرآن کے السامری اور اس فرقہ کے درمیان بھی کوئی علاقہ ہو، لیکن یہ فرقہ جہاں تک تاریخ یہود سے پتہ چلتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاصر نہیں، بہت بعد کے زمانہ کی پیداوار ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) قرآن مجید کو سامری کی تصریح کی ضرورت اس لیے بھی پڑی کہ اہل توریت نے خواہ مخواہ اس واقعہ اضلال کی ساری ذمہ داری حضرت ہارون پر ڈال دی اور اللہ کے اس نبی محترم کو (نعوذ باللہ) اتنے بڑے جرم شرک اور صنم پرستی کا مجرم بنا دیا! الفاظ توریت ملاحظہ ہوں:۔ "اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ پہاڑ سے اترنے میں دیری کرتا ہے تو وہ ہارون کے پاس جمع ہوئے اور اسے کہا کہ اٹھ ہمارے لیے معبود بنا کہ ہمارے آگے چلیں کیونکہ یہ مرد موسیٰ جو ہمیں مصر کے ملک سے نکال لایا ہم نہیں جانتے کہ اسے کیا ہوا۔ ہارون نے انہیں کہا کہ زیور سونے کے جو تمہاری جوروؤں اور تمہاری بیٹیوں کے اور تمہارے بیٹوں کے کانوں میں تھے توڑ توڑ کے مجھ پاس لاؤ۔ چنانچہ سب لوگ سونے کے زیور جو ان کے کانوں میں تھے توڑ توڑ کے ہارون کے پاس لائے اور اس نے ان کے ہاتھوں سے لے لیا اور ایک بچھڑا ڈھال کر اس کی صورت کو حکاکی کے ہتھیار سے درست کیا اور انہوں نے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے نکال لایا اور جب ہارون نے یہ دیکھا تو اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور ہارون نے یہ کہہ کے منادی کی کہ کل خداوند کے لیے عید ہے اور وہ صبح کو اٹھے اور سوختنی قربانیاں چڑھائیں اور سلامتی کی قربانیاں گزرانیں"۔ (خروج۔ ۳۲: ۱۔ ٦) لیکن اکابر یہود کی روایتوں میں بھی پایا جاتا ہے کہ اس گوسالہ پرستی کی طرف لانے والا شخص حضرت ہارون علیہ السلام کیا معنی کوئی بھی اسرائیلی نہ تھا۔ بلکہ ایک مصری شخص تھا، جو اسرائیلیوں کے ساتھ مصر سے باہر نکل آیا تھا۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) ف۹۸ (جیسا کہ غیرت دینی سے ہونا ہی چاہیے تھا) توریت میں ہے:۔ "اور یوں ہوا کہ جب وہ لشکر گاہ کے پاس آیا اور بچھڑا اور ناچ رنگ دیکھا تب موسیٰ کا غضب بھڑکا"۔ (خروج۔ ۳۲: ۱۹) ف۹۹ (جو یقیناً پورا ہونے والا تھا) وہ وعدہ نزول شریعت کا تھا، جس کے لیے حضرت موسیٰ کوہ طور پر طلب ہوئے تھے۔ ف۱۰۰ وہ وعدہ بھی دین توحید پر قائم رہنے کا تھا۔ حضرت موسیٰ ناگواری اور حیرانی کے لہجہ میں اپنی قوم سے خطاب کر رہے ہیں کہ آخر یہ حرکت کیا تھی؟ تمہیں سوجھی کیا؟ کیا سمجھے گئے ہوئے اتنا زمانہ گزر گیا تھا کہ تم میری واپسی سے بالکل مایوس ہو گئے تھے؟ یا یوں ہی بلا کسی وجہ کے، تم پر خود ہی شامت سوار ہوئی کہ عتاب الٰہی کو دعوت دے کر اپنے ہاں بلا دیا۔ ف۱۰۱ (آگ میں۔ سامری کے کہنے کے مطابق) یہ زیور وہی تھے جو بنی اسرائیل مصر سے نکلتے وقت اہل مصر سے مانگ کر لائے تھے۔ توریت میں ہے:۔ "اور انہوں نے مصریوں سے روپے کے برتن اور سونے کے برتن اور کپڑے عاریت لیے اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ انہوں نے انہیں عاریت دی"۔ (خروج۔ ۱۲: ۳۵) ف۱۰۲ (اپنے پاس کا زیور) فرعون اور فرعونیوں کی غرقابی کے بعد شریعت اسرائیلی کی رو سے یقیناً بنی اسرائیلی ان زیوروں کے مالک ہو گئے ہوں گے۔ ف۱۰۳ (کہ اسے چھوڑ چھاڑ کر طور پر خواہ مخواہ توریت لینے چلے گئے) اہل زیغ اپنی گمراہی کو حضرت موسیٰ تک کے سر چپکنے سے نہیں چوکتے۔ اور کہتے ہیں کہ غلط فہمی کچھ انہیں کو ہو گئی، ورنہ ہمارا دین اور طریقہ تو یہی ہے! او المعنی ان هذا الهكم واله موسٰى فنسى موسٰى ان هذا هو الاله فذهب يطلبه فى موضع اٰخرو هو قول اكثرين (کبیر) ف۱۰۴ اس گوسالہ پر حاشیے سورۂ بقرہ پارۂ اول میں گزر چکے۔

يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ

اے میری قوم والو تم اس کے باعث گمراہی میں پھنس گئے ہو اور بے شک تمہارا پروردگار خدائے رحمٰن ہے سو تم میری پیروی

وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ

کرو اور میرا حکم مانو ف١٠٥ وہ لوگ بولے ہم تو اسی (کی عبادت) پر جمے رہیں گے

حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ

تاآنکہ موسیٰ ہمارے پاس لوٹ آئیں ف١٠٦ (موسیٰ نے) کہا اے ہارون ف١٠٧

مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۙ﴿٩٢﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ

تمہیں کون سا امر مانع ہوا اس سے کہ میرے پاس چلے آتے جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ یہ بھٹک گئے ہیں؟

اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ

تو کیا تم نے بھی میرے کہے کے خلاف کیا؟ ف١٠٨ (ہارون نے) کہا اے میرے ماں جائے (بھائی) میری داڑھی

وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ

اور میرا سر نہ پکڑیے ف١٠٩ مجھے تو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان

بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿٩٤﴾ قَالَ فَمَا

تفریق ڈال دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا؟ ف١١٠ (موسیٰ نے) کہا اے سامری

خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا

تیرا کیا معاملہ ہے؟ ف١١١ وہ بولا مجھے ایسی چیز نظر آئی جو اوروں کو نظر نہ آئی تھی سو میں نے

بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا

(اس) فرستادہ (خداوندی) کے نقش قدم سے ایک مٹھی (خاک) اٹھالی تھی میں نے وہ (مٹی اسی قالب کے اندر) ڈال دی تھی

وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿٩٦﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ

ف١١٢ اور میرے جی کو تو یہی بات بھائی تھی ف١١٣ (موسیٰ نے) کہا تو بس تو جا

ف١٠٥ توریت موجودہ کے اتہامات کے مقابلہ میں قرآن مجید کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف سے ایسی کھلی ہوئی تبری اور صفائی پیش کی جائے۔ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ۔ تمہارا
[ور]دگار تو وہ خدائے رحمٰن ہے نہ کہ یہ گوسالہ۔ تمہیں اس خرافات پرستی سے کیا واسطہ۔ ف١٠٦ (اس وقت دیکھا جائے گا کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں) ف١٠٧ پہاڑ سے واپس آتے ہی پہلے تو
[ح]ضرت موسیٰ علیہ السلام حالت اشتعال میں اپنی گمراہ قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور اب حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو رہے ہیں، جنہیں وہ ذمہ دار اور اپنا نائب و جانشین چھوڑ کر طور پر گئے تھے۔ ف١٠٨
[...]کہ ایسے سخت مجرموں سے پورا قطع نہ کر لیا) اَلَّا تَتَّبِعَنِ میں لا زائد ہے۔ ولا مزیدة (بیضاوی) تَتَّبِعَنِ کے لفظی معنی ہیں کہ "میری پیروی کرتے"۔ مطلب یہ کہ میری راہ اختیار کرتے۔ جو میں
[ک]رتا وہی تم کرتے۔ بعض نے مراد مقاتلہ لیا ہے۔ ان تتبعنی فی الغضب لله
المقاتلة مع من کفربه (بیضاوی) اَلَّا تَتَّبِعَنِ یعنی رجوع کرتے اور
[می]رے پاس طور پر چلے آتے۔ ما منعک من ان تلحقنی الی جبل
[ال]طور (بحر) ان تاتی عقبی و تلحقنی (بیضاوی) ف١٠٩ (بلکہ میرا عذر تو
[س]ن لیجیے) بِرَاْسِيْ سے مراد ہے سر کے بال پکڑ کر گھسیٹنا۔ جیسا کہ شدید اشتعال
[و غ]ضبناکی کی حالت میں انسان اضطراراً کر گزرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ غصہ
[مس]تر غیرت دین سے تھا، اس لیے مباح ہی نہیں، داخل عبادت تھا۔ ملاحظہ ہو
[سو]رۃ الاعراف، پ٩ کا حاشیہ۔ يَبْنَؤُمَّ حضرت ہارون علیہ السلام کا یا ابن ام کہہ کر
[حض]رت موسیٰ کو مخاطب کرنا جلب شفقت و رأفت کے لیے ہے۔ اسرائیلیوں میں
[دس]تور بھی اسی طرز تخاطب کا تھا۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) ف١١٠ (بلکہ
[مف]سدین کی آزادی عمل کے لیے میدان خالی چھوڑ دیا)" حاصل مقام کا یہ ہے کہ
[یہ]اں دو اجتہاد ہیں ایک یہ کہ ترک مساکنت زیادہ نافع تھی دوسرا یہ کہ ترک
[م]ساکنت زیادہ مضر تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کا ذہن اجتہاد اول کی طرف گیا اور ہارون علیہ السلام
کا ذہن دوسرے اجتہاد کی طرف گیا"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) آیت سے یہ بھی نکل
[رہ]ا ہے کہ تفریق امت بدترین معاصی ہے حضرت ہارون علیہ السلام صریح کفر و شرک
[اپ]نے سامنے دیکھ رہے ہیں، لیکن تفریق امت کے ڈر سے عارضی طور پر اسے بھی
[برد]اشت کیے ہوئے ہیں۔ فقہاء نے یہاں سے دو مسئلہ اور بھی نکالے ہیں۔ ایک
[یہ] کہ خطاء اجتہادی قابل گرفت نہیں۔ چنانچہ حضرت ہارون اپنے اجتہاد کو اپنی
[بر]ات کی دلیل بتا رہے ہیں۔ دوسرا یہ کہ مامور و نائب کو اختیار حاصل ہے کہ حسب
[مص]لحت اپنے فرائض منصبی کے انجام آخر میں امیر کے حکم کا انتظام کرے۔
ف١١١ (تو نے یہ کیا حرکت کر ڈالی، تجھے یہ سوجھی کیا؟) حضرت موسیٰ ہارون علیہ السلام
[کی] صفائی سے مطمئن ہو کر اب اصل مجرم سامری کی طرف مخاطب ہوتے ہیں۔
[...] علیک له (کشاف) ف١١٢ (جس کے اثر سے اس بچھڑے کے بے جان
[قا]لب سے وہ بے معنی آواز نکلنے لگی) مِنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ سے مراد من اثر فرس
[ال]رسول ہے اور مضاف محذوف ہے۔ کما علیه اکثر المفسرین (روح)
[او]ر رسول سے مراد باتفاق مفسرین حضرت جبرئیل ہیں، اور یہی تفسیر تابعین و
[صح]ابہ سے بھی مروی ہے۔ هو المأثور عند الصحابة والتابعين رضی الله
[تع]الی عنهم و يتبعهم جل اجلة المفسرين (روح) اختلاف صرف ایک
[ابو] مسلم اصفہانی سے منقول ہے، ان کے اقوال تفسیر کبیر میں درج ملیں گے۔ بعض
[اہ]ل باطل بھی بڑے مرتاض ہوتے ہیں۔ اور ریاضتوں سے کشف حاصل ہو جاتا
[ہ]ے اسی طرح کا یہ شخص سامری معلوم ہوتا ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اس نے
[ح]ضرت جبرئیل کو گھوڑے پر سوار دیکھ لیا تھا کہ جہاں ان کے گھوڑے کا سم پڑتا ہے گھاس تر و تازہ ہو جاتی ہے اپنی فراست سے کام لے کر اس نے نتیجہ یہ نکالا تھا کہ ان کی سواری کے نقش قدم کی مٹی میں تازہ
[ح]یات بخشی کی تاثیر ہے۔ محققین صوفیہ کہتے ہیں کہ کشف و تصرف پر ناز کرنے کی کیسی ممانعت اس آیت سے نکل رہی ہے۔ ف١١٣ یعنی میرے پاس اپنے اس فعل کے لیے کوئی دلیل عقلی یا شرعی نہیں، میں
[...]نے سب اپنی خواہش نفس سے کیا۔ کشف و اشراقیت برابر اور بے تکلف عقائد باطلہ اور کفر و شرک کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ اس وقت بھی اس کا مشاہدہ ہندو جوگیوں، سنیاسیوں اور فرنگی طرز کے اسپرٹسٹ
(Spiritists) گروہ اور مسمریزم، ہپناٹزم اور کلیر وائنس والوں میں بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَ اِنَّ لَكَ

تیرے لئے (اس) زندگی میں (یہ سزا) ہے کہ تو یہ کہتا پھرے کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے وف ۱۱۴ اور تیرے لئے

مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ

ایک (اور) وعید ہے جو تجھ سے ٹلنے والی نہیں وف ۱۱۵ اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ جس پر تو

عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾

جما ہوا بیٹھا ہے ہم ابھی اسے جلائے ڈالتے ہیں پھر اس (کی راکھ) کو دریا میں بہائے دیتے ہیں وف ۱۱۶

اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ

تمہارا معبود تو بس وہی (ایک) اللہ ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے ہر شے کو

شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩٨﴾ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ

(اپنے) علم سے گھیر رکھا ہے وف ۱۱۷ اس طرح ہم آپ سے اور گزرے ہوئے (واقعات) کی خبریں

سَبَقَ ۚ وَ قَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾ ۖ مَنْ اَعْرَضَ

بیان کرتے ہیں، اور ہم نے اپنے پاس سے آپ کو ایک نصیحت نامہ دیا ہے وف ۱۱۸ جو کوئی اس سے

عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾ ۙ خٰلِدِيْنَ

روگردانی کرے گا وہ قیامت کے دن (بڑا) بوجھ اٹھائے ہو گا۔ وہ لوگ اس میں ہمیشہ

فِيْهِ ؕ وَ سَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿١٠١﴾ ۙ يَّوْمَ يُنْفَخُ

رہیں گے اور یہ قیامت کے دن ان کے لئے بڑا بوجھ ہو گا وف ۱۱۹ جس روز صور

فِي الصُّوْرِ وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾ ۚ ۖ

پھونکا جائے گا اور مجرموں کو ہم اسی روز یوں جمع کریں گے کہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے وف ۱۲۰

يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ

آپس میں چپکے چپکے باتیں کر رہے ہوں گے کہ تم لوگ تو بس دس (ہی دن) رہے ہو گے وف ۱۲۱ ہم ہی خوب جانتے ہیں

وف ۱۱۴ گویا اسے دنیا میں یہ سزا ملی کہ اسے حکماً "اچھوت" قرار دے دیا گیا اور ہمارے ہندوستان میں یہ جو چھوت چھات کا ملعون دستور چل پڑا ہے یہ قول فاضل گرامی مولنا مناظر احسن صاحب گیلانی زاد مجدہ عجب نہیں کہ اس کی اصل بھی اسی سامری کی "لامساسیت" سے نکلے فقہاء نے یہاں سے دو مسئلہ اخذ کیے ہیں ایک یہ کہ مجرم کے لیے سزائے حبس دوام جائز ہے (لامساس کا مضمون جس میں آچکا) دوسرے یہ کہ مجرم سے اختلاط وملاقات کا منع کر دینا جائز ہے۔ اہل اشارات نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ جو خطائیں بدون خبث وعدم بغاوت صادر ہو جاتی ہیں ان سے توبہ کی توفیق بھی اکثر نصیب ہو جاتی ہے جیسے یہاں سامری کو پوری سزا ملی اور عام اسرائیلیوں کی خطا توبہ کے بعد معاف ہو گئی۔ وف ۱۱۵ (آخرت میں) ایک سزا تو دنیا میں مل گئی دوسرے عذاب کے لیے ارشاد ہوا کہ اس کا ظہور آخرت میں ہو گا۔ وف ۱۱۶ (کہ اس کا کہیں نام ونشان تک نہ باقی رہ جائے) فقہاء نے لکھا ہے کہ آثار کفر وشرک کو مٹانا اور ان کی توہین مستحب ہے اور کسی نسبت باطل یا ادائے فاسد کی رعایت ہرگز ضروری نہیں جس طرح گوسالہ میں اثر رسول کی اور مسجد ضرار میں اسم مسجد کی کچھ رعایت نہ کی گئی ــــ تعزیہ وضریح والے اور عرس میلے والے کاش ان حقائق پر بھی غور کریں! وف ۱۱۷ (اور وہی اپنے بندوں میں سے جس کو جتنا چاہے علم عطا فرما دے) گوسالہ کی معبودیت کی تردید کرتے کرتے حضرت موسیٰ نے اپنی تقریر کو خاص سے عام کر دیا ہے۔ گویا آپ یہ فرما رہے ہیں کہ اس بے جان گوسالہ کی تو کیا بساط ہے، دنیا کی کوئی چیز بھی معبود بننے کے قابل نہیں اور صفات قدرت وغیرہ الگ رہیں۔ ایک علم ہی کو لو، اس صفت میں بھی تو کوئی اس کا ہمسر نہیں، کامل علم تو صرف اسی کا ہے۔ وف ۱۱۸ (جس میں علاوہ اخلاقی ہدایات وقانونی دفعات، معاشری آداب کے وہ خبریں بھی درج ہیں) كَذٰلِكَ یعنی اسی طرح جس طرح ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سامری کا قصہ بیان ہو چکا۔ نَقُصُّ ...... سَبَقَ۔ یعنی ہم ماضی کے ان واقعات وحالات پر آپ کو اس لیے مطلع کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی نبوت و رسالت وصداقت پر دلیلیں اور بڑھتی جائیں۔ وف ۱۱۹ اور یہ بڑا بوجھ ظاہر ہے کہ عذاب الٰہی کا ہو گا۔ فِيْهِ یعنی اسی عذاب الٰہی کے بوجھ کے اندر۔ وف ۱۲۰ (فرط دہشت وخوف سے) قرآن کے مخاطبین اول قوم عرب میں نیلی آنکھ خاص طور پر مبغوض ومکروہ سمجھی جاتی تھی اس لیے کہ ان کے دشمن بنی احمر یا اہل روم (یورپ والے) نیلی آنکھیں رکھتے تھے۔ اور اسی سے "ازرق العین" ان کے ہاں دشمن کا عام لقب ہی پڑ گیا تھا (کشاف) زرق کے دوسرے معنی (عمیا) اندھے کے بھی کیے گئے ہیں (راغب، کشاف، ابن جریر) اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ حشر کی کسی منزل میں اہل کفر کی آنکھیں نہ ہوں گی۔ الْمُجْرِمِيْنَ مجرمین سے مراد اہل کفر ہیں۔ المجرمین اے المشرکین (معالم) اهل الكفر بالله (ابن جریر) الذين اتخذوا مع الله الٰها اٰخر (کبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) وف ۱۲۱ (قبر میں) المراد منه اللبث فی القبر (کبیر) ما لبثتم فی القبور (روح) مطلب یہ کہ کافر اس روز فرط ہیبت و وحشت سے آہستہ آہستہ یہ آپس میں کہہ رہے ہوں گے کہ ہمارا اندازہ تو یہ تھا کہ مرنے کے بعد زندہ ہی نہ ہوں گے۔ خیر وہ خیال تو تمام تر باطل تھا ہی، زندہ بھی ہوئے تو اس طرح کہ قبر میں بھی دیر تک نہ رہنے پائے۔ بس رہے ہوں گے بھی کوئی دس دن۔ اس مدت کا یہ مختصر معلوم ہونا یوم قیامت کے شدائد اور ہولناکیوں کی بناء پر ہو گا۔ اور دوسرے معنی مدت قیام دنیا کے بھی کیے گئے ہیں۔ اے مالبثتم فی الدنیا (معالم) اے فی الدار الدنیا (ابن کثیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ما لبثتم فی الدنیا (ابن جریر) قوم ارادبه اللبث فی الدنيا (کبیر عن الحسن والقتادة والضحاک) عَشْرًا کے مطلق عدد سے مراد دنوں کی تعداد لی گئی ہے۔ لاكثرون على ان قوله عشرًا اے عشرة ایام (کبیر)

بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ

(اس مدت کو) جس کی نسبت وہ باتیں کر رہے ہیں جب کہ ان میں کا سب سے زیادہ صائب الرائے یہ کہتا ہوگا کہ تم تو بس

اِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا

ایک دن رہے! ف١٢٢ اور آپ سے پہاڑوں کی بابت پوچھتے ہیں ف١٢٣ آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار

رَبِّيْ نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرٰى

بالکل ان کو اڑا دے گا پھر زمین کو چٹیل میدان چھوڑے رکھے گا کہ اس میں تو

فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا

نہ کوئی ناہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی ف١٢٤ اس روز (سب) بلانے والے کے پیچھے ہولیں گے کہ اس کے سامنے کوئی

عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ

کجی نہ رہے گی ف١٢٥ اور (ساری) آوازیں خدائے رحمٰن کے سامنے دب جائیں گی سو تو بجز پیر کی چاپ کے اور کچھ

اِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ

نہ سنے گا ف١٢٦ اس روز شفاعت (کسی کو) نفع نہ دے گی مگر اس شخص کو

اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

جس کے حق میں خدائے رحمٰن نے اجازت دے دی ہو اور اس کے حق میں بولنا اس نے پسند کرلیا ہو ف١٢٧ وہ جانتا ہے سب

اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿١١٠﴾

کے اگلے اور پچھلے حالات کو اور (لوگ) اس کا (اپنے) علم سے احاطہ نہیں کر سکتے ف١٢٨

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ

اور چہرے جھکے ہوئے ہوں گے حی و قیوم کے سامنے ف١٢٩ اور قطعی ناکام رہے گا وہ جو ظلم لے

ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا

کر آئے گا ف١٣٠ اور جس کسی نے نیک کام کیے ہوں گے اور وہ ایمان والا بھی ہوگا سو اسے

ع ١٥ / ١٤

ف١٢٢ اس کو صائب الرائے اس لیے فرمایا کہ اس یوم کے طول اور ہول کے اعتبار سے یہی نسبت اقرب ہے۔ بس اس شخص کو حقیقت شدت کا زیادہ ادراک ہوا اس لیے اس کی رائے پہلے شخص کے اعتبار سے اصوب ہے اور یہ مقصود نہیں کہ یہ شخص مدت کی مقدار کی تحدید کرنے میں مصیب ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ دونوں مقداریں تحدیدًا صحیح نہیں۔ اور نہ ان قائلین کا یہ مقصود تھا"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف١٢٣ (کہ قیامت کے وقت ان کا کیا حشر ہوتا ہے؟) ف١٢٤ (مثل ٹیلہ، پہاڑ وغیرہ کے) خطاب اب یہاں عام ہے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں۔ يَنْسِفُهَا...... نَسْفًا یعنی انہیں ریزہ ریزہ کرکے اڑا دے گا۔ ف١٢٥ یعنی کسی کا ٹیڑھا پن اس کے سامنے نہ چل سکے گا۔ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اس کے حکم میں توقف کرے۔ اے لا يعوج له مدعوّبل يستوون اليه من غير انحراف متبعين لصوته (کشاف) الدّاعی سے مراد ہے خدائی بلانے والا، یعنی صور پھونکنے والا فرشتہ۔ سب مردے اپنی قبروں سے نکل نکل اس کے پیچھے ہولیں گے۔ ف١٢٦ (فرطِ ہیبت سے) کمال ہیبت و خوف کے موقعہ پر جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں کہ مارے ڈر کے گھگی بندھ گئی، عربی محاورہ میں اسی کنایہ سے ادا کرتے ہیں۔ هَمْسًا۔ همس کے لغوی معنی ہیں پست اور گھس پھس والی آواز کے۔ الهمس و هو الركز الخفی (کشاف) یہاں مراد پیر کی چاپ ہے۔ اے لا تسمع الاخفق الاقدام و نقلها الى المحشر (کشاف) ف١٢٧ مشرک قوموں نے اپنے دیوی دیوتاؤں اور اپنے آباؤ اجداد کو اپنا شافع گڑھ رکھا ہی تھا، خود مسیحیت کا سارا دارومدار ہی عقیدۂ شفاعت و کفارہ پر ہے۔ قرآن نے ہر جگہ اسی مشرکانہ عقیدۂ شفاعت مطلقہ پر ضرب لگائی ہے اور کسی مستقل مطلق شافع کے وجود سے بار بار انکار کیا ہے۔ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ اسلام جس شفاعت کا قائل ہے، اس کی پہلی اور سب سے بڑی شرط خود حق تعالیٰ کی اجازت ہے۔ شفاعت کوئی اپنے ارادہ و اختیار سے کر ہی نہیں سکتا، صرف وہی کر سکے گا جس کو خود حق تعالیٰ ایما فرمائیں گے۔ گویا یہ شفاعت ہی صرف ظاہری ورسمی ہوگی، ورنہ حقیقۃً تو اللہ ہی کا حکم ہوگا۔ رَضِيَ لَهٗ قَوْلًا۔ یعنی کسی شافع کا بولنا اس شخص کے حق میں جو منظور کرلیا گیا ہو یعنی اس شخص کے حق میں کلمہ خیر کہنے کی گنجائش ہو اور گنجائش ظاہر ہے کہ مومن ہی کے لیے نکل سکتی ہے۔ یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس کے کسی قول کو پسند کرلیا ہو — اور یہیں سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے شفاعت کی گنجائش فساق امت کے حق میں بڑے زور سے نکالی ہے کہ بڑے سے بڑا فاسق کلمہ گو بھی کلمہ شہادت کی حد تک قول پسندیدہ و مقبولہ کہہ ہی لیتا ہے۔ واعلم ان هذه الأية من اقوى الدلائل على ثبوت الشفاعة فى حق الفساق لان قوله و رضى له قولًا يكفى فى صدقه ان يكون الله تعالىٰ قد رضى له قولًا واحدًا من اقواله والفاسق قد ارتضى الله تعالىٰ قولًا واحدًا من اقواله و هو شهادة ان لااله الا الله فوجب ان تكون الشفاعة نافعة له (کبیر) ف١٢٨ "اس کا احاطہ نہیں کر سکتے"، یعنی اس کے علوم و معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مضاف یعنی معلومات یہاں محذوف ہے۔ اے ولا يحيطون بمعلوماته علمًا (بحر) یعنی ایسا تو کوئی امر نہیں جو خلق کو معلوم ہو اور اللہ تعالیٰ کو معلوم نہ ہو۔ اور ایسے بہت سے امور ہیں جو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں اور خلق کو معلوم نہیں۔ پس مخلوقات کے وہ سب احوال بھی اس کو معلوم ہیں جن پر شفاعت کی قابلیت یا عدم قابلیت مرتب ہے۔ سو جو اس کا اہل ہوگا اس کے واسطے سفارش کرنے کی شافعین کو اجازت ہوگی اور جو اہل نہ ہوگا اس کے لیے اجازت نہ ہوگی"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف١٢٩ ذکر روزِ حشر کا چل رہا ہے کہ اس روز بڑے بڑے متکبرین اور سرکش منکرین کا غرور و انکار ختم ہو چکے گا، اور کسی کو ہمت سر اٹھانے کی نہ ہوگی۔ ف١٣٠ ظلم کے عام و وسیع معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں لیکن یہاں بمعنی شرک آیا ہے۔ اے حمل شركًا (ابن جریر۔ عن قتادة) الظلم هٰهنا الشرک (ابن جریر۔ عن ابن زید) والظلم هو الشرک (معالم۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) الظلم الشرک (روح)

يَخَفُ ظُلْمًا وَّ لَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا

اندیشہ نہ زیادتی کا ہو گا نہ کمی کا و۱۳۱ اور اسی طرح اسے (قرآن) واضح کر کے

عَرَبِيًّا وَّ صَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ

نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے ہر طرح کی وعید بیان کی ہے و۱۳۲ تا کہ (لوگ) ڈریں

اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ

یا یہ کہ یہ (قرآن) ان کے لئے سمجھ پیدا کرے و۱۳۳ سو بڑا عالی شان ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے و۱۳۴

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ

اور آپ قرآن (کے پڑھنے میں) جلدی نہ کیا کیجیے قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل

وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ

ہو چکے و۱۳۵ اور آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار بڑھادے میرے علم کو و۱۳۶ اور (بہت زمانہ) قبل ہم آدم کو ایک

اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ ع

حکم دے چکے تھے سو ان سے غفلت ہو گئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی و۱۳۷

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے روبرو سجدہ کرو سو (سب نے) سجدہ کیا، مگر

اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ

ابلیس نے نہ کیا و۱۳۸ وہ انکار کر گیا پھر ہم نے کہا کہ اے آدم یقیناً یہ تمہارا

وَ لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾

اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے و۱۳۹ سو کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ و۱۴۰

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَ لَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ ۙ وَاَنَّكَ لَا

(یہاں اس) جنت میں تو یہ ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے ہو گے اور نہ ننگے اور یہ بھی ہے کہ نہ اس میں

ع ۱۱/۱۵

۱۳ یعنی مومن صالح کو ثواب کامل ملے گا۔ یہ نہ ہوگا کہ کوئی نیکی لکھنے سے رہ جائے، یا کوئی بدی خواہ مخواہ لکھ لی جائے۔ غیر مومن ظاہر ہے کہ اس طبقہ ہی سے سرے سے خارج ہیں۔ قید وشرط وَهُوَ مُؤْمِنٌ کی لگی ہوئی ہے۔ و۱۳۲ (قیامت کی، عذاب کی جہنم کی) كَذٰلِكَ یعنی اس طرح جس طرح اوپر کے مضامین صاف صاف ارشاد ہوئے ہیں۔ اَنْزَلْنٰهُ ضمیر مذکر غائب سارے قرآن کی جانب ہے۔ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا یعنی قرآن واضح، قرآن مفصح، عَرَبِيًّا پر حاشیہ سورۂ یوسف کے شروع میں گزر چکا۔ و۱۳۳ راہِ حق قبول کرنے کے دو ہی واسطے ہیں، یا بہ واسطہ جذبات یا بہ واسطۂ تعقل۔ دونوں آیت کے اس ٹکڑے میں جمع ہو گئے۔ یا یہ مراد ہو کہ بدیوں سے بچنے لگیں اور نیکیوں کی طرف بڑھنے لگیں۔ لاجل ان یصیروا متقین ای محترزین مما لا ینبغی و ھو یدعوھم الی الطاعات و فعل ما ینبغی (کبیر) یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ منکر تخویف وترہیب سے ایمان لائے اور جو مومن ہے اس کا مرتبہ فہم وتذکر قرآن سے اور دوبالا ہو جائے۔ و۱۳۴ (اور جس نے ایسا جامع، ایسا نافع، ایسا بلیغ دستور حیات اپنے بندوں کے ہاتھ میں دے دیا ہے)۔ و۱۳۵ (کہ ایسی صورت میں آپ پر قرآن سننے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے پڑھنے کا بار خواہ مخواہ پڑتا ہے) بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے قبل نزول وحی بعض مسائل میں حکم صادر فرما دیا تھا، آیت اس پر نازل ہوئی اس صورت میں مراد ہوگی کہ "آپ قبل نزول وحی (احکام میں) تعجیل نہ کیا کیجئے۔ و۱۳۶ اس میں یہ ارشاد ہوا کہ بجائے فی الفور سعی حفظ تدبیر کے، اس تدبیر دعا کو اختیار کیجئے۔ اور اس میں علم قرآن کی تحصیل، حفظ، فہم سب ہی کچھ آ گیا۔" اس میں علم حاصل کے یاد رہنے کی اور غیر حاصل کے حصول کی اور جو حاصل ہونے والا نہیں اس میں عدم حصول کے خیر سمجھنے کی اور سب علوم میں خوش فہمی کی، یہ سب دعائیں داخل ہیں"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) بعض اہل لطائف نے کہا ہے کہ علم بھی انہیں نعمتوں میں سے ہے جن کا حصول محض فضل پر موقوف ہے، اس لیے کہ قرآن میں جو دعائیں ہیں وہ ایسے ہی امور سے متعلق ہیں جو کسبی واختیاری نہ ہوں جیسے ہدایت، مغفرت وغیرہ۔ و۱۳۷ یہ پختگی نہ ہونا، اور عدم ثبات وعزم دانستہ نافرمانی اور ارادی سرکشی سے بالکل مختلف ہے۔ بعض اہل لطائف نے یہ معنی بھی کہے ہیں کہ "ہم نے ان میں ارادہ ہی نہ پایا" یعنی گناہ کا قصد انہوں نے کیا ہی نہیں محض ایک بدخیالی اور بداحتیاطی ان سے سرزد ہو گئی۔ یحتمل ولم نجد له عزما علی المقام علی المعصیة (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں دلالت ہے اس پر کہ ضعف طبعی اور کمال میں منافات نہیں۔ و۱۳۸ اس سجدہ کے حکم اور ابلیس کے انکار وغیرہ پر حاشیہ سورۂ بقرہ میں گزر چکے پ۱، رکوع ۴۔ و۱۳۹ (کہ تمہیں دونوں کے معاملہ میں اسے مردود ہونا پڑا تھا) و۱۴۰ یعنی ایسا نہ ہو کہ اس کے کہنے میں آ کر کوئی ایسا کام کر بیٹھو کہ جنت سے ہاتھ دھونا پڑے۔

و۱۴۱ (اور جنت سے باہر ان سب مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس لیے ان امور کو پیش نظر رکھ کر اپنے اس موذی دشمن کی طرف سے خوب ہوشیار اور خبردار رہنا) و۱۴۲ شیطان کا دام فریب یہی تھا اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے قسم کھا کر کہا کہ میں آپ کو ایسے درخت کا پتہ بتائے دیتا ہوں جس کے پھل پتی میں یہ تاثیر ہے کہ آپ غیر فانی ہو جائیں گے، اور ہمیشہ یہیں جنت میں مقیم رہیں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے بڑھ کر مقام قرب حق میں قیام کا حریص اور کون ہو سکتا تھا اور اس کا تو آپ تصور ہی نہیں فرما سکتے ہیں کہ جھوٹی قسم کھا کر کوئی اللہ کے نام کی بے وقعتی بھی کر سکتا ہے۔ جھٹ آپ اس کے کہے میں آگئے اور اس کے مشورہ کو رضاء حق ہی کی راہ کا ایک مشورہ سمجھے۔ (ملاحظہ ہو ضمیمہ سورۃ الاعراف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک نکتہ بہت خوب پیدا کیا ہے۔ فرمایا کہ آیت میں مذکور ہے ثمرات غیر مقصودہ کی طلب کا سالک کے حق میں مضر ہونا۔ کیونکہ یہ خلد جس کی تحصیل کا حکم نہیں کیا گیا تھا نیز ملکیت ایسی ہی غیر مطلوب تھی۔ و۱۴۳ یہ درخت وہی تھا جس کے قریب جانے کی بھی ممانعت ہو چکی تھی اور اس کے پھل ہی کھا لینے کا یہ طبعی اثر تھا جو فوراً ظاہر ہو کر رہا۔ و۱۴۴ اس سے ظاہر ہے کہ ستر پوشی امر طبعی اور داخل فطرت بشری ہے اور جو قومیں برہنہ یا نیم برہنہ رہنے میں کوئی عیب نہیں سمجھتیں ان کی فطرت مسخ ہو چکی ہے۔ و۱۴۵ (تحصیل مقصود خلود کے باب میں) اے ضل عن مطلوبه الذی هو الخلود و عن الرشد حیث اغتر بقول العدو (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں ذکر ہے خطاء اجتہادی کے صدور کا کاملین سے، نیز اس پر مواخذہ کا، برخلاف عوام کے کہ انہیں اس پر احیاناً اجر مل جاتا ہے۔ و۱۴۶ (جس پر وہ ہمیشہ قائم رہے) اجلب بالعفو و المغفرة و هداه لرشده حتّٰی رجع الی الندم والاستغفار (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اجتہاد جذب ہے اور ہدایت سلوک ہے۔ اس لیے آیت میں تقدیم ہے جذب کی سلوک پر۔ و۱۴۷ (اور زمین پر جاؤ) حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش تو معاف ہی ہو چکی تھی، تاہم طبعی اثرات اس ممنوع غذا کے استعمال سے مرتب ہو رہے تھے وہ جنتی ماحول کے بالکل منافی تھے۔ و۱۴۸ اس عالم عنصری کا تقاضائے طبعی ہی یہ ہے کہ آپس میں کشمکش اور پھر دشمنی پیدا ہو۔ اس زہر کا تریاق جہاں سے ممکن ہے اسی کا نام وحی الٰہی ہے۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ میں خطاب ذریت آدم سے ہے۔ والمراد الذریة (کبیر) و۱۴۹ (رسول یا کتاب کے ذریعہ سے) هُدًى کے معنی کسی نے رسول کے لیے ہیں کسی نے آیات کے، کسی نے دلائل کے، کسی نے قرآن کے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ہے کہ هُدًى یہاں مرادف ہے دلالة کے اور اس کے مفہوم میں یہ سب چیزیں شامل ہیں۔ والتحقیق الی الهدٰی عبارة من الدلالة فیه کل ذٰلک (کبیر) و۱۵۰ نہ بھٹکے گا دنیا میں اور نہ محروم رہے گا آخرت میں۔ بلکہ اپنی مدت حیات کے بعد سیدھا اپنے وطن اصلی جنت میں پہنچ جائے گا۔ و۱۵۱ (اسی دنیا میں) قال به جمع من المفسرین (کبیر) آخرت کی طرف سے بے خبر اور بے فکر اور عالم حکومت الٰہیہ سے منکر قناعت و توکل کے مفہوم سے ناآشنا رہنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان ساری عمر مال کی طلب میں، جاہ کی حرص میں، ''ترقی'' کی فکر و ہوس میں، نقصان اور کمی کے غم و اندیشہ میں گھل گھل کر گزارے۔ اور اس لیے آیت میں تنگی کا تعلق قلب سے ہے۔ بڑے بڑے دولتمندوں، خوشحالوں کی خودکشی کر لینے کی خبریں جو آئے دن اخباروں میں چھپتی رہتی ہیں، سب اسی تنگی قلب کے شواہد ہیں۔ ذکر سے مراد قرآن ہی لیا گیا ہے (معالم) لیکن بہتر یہی ہے کہ اس کو عام و وسیع معنی میں رکھا جائے اور مادی کسب و ہدایات آسمانی اس کے مفہوم میں شامل رکھا جائے (روح) و۱۵۲ یہ جسمانی بے بصری عکس ہوگی اس کی روحانی بے بصری کی، جو دنیا میں اس نے اپنے اوپر طاری رکھی تھی۔

تَظْمَؤُا فِيهَا وَ لَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ

پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ میں تپو گے و۱۴۱ پھر شیطان نے انہیں وسوسہ دلایا کہا کہ

قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا

اے آدم میں تمہیں بتلا نہ دوں ہمیشگی کا درخت اور بادشاہی جس میں کبھی ضعف

يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا

نہ آوے و۱۴۲ سو دونوں نے اس (درخت) سے کھا لیا سو ان پر ان کے پردہ کے مقامات ظاہر ہو گئے اور و۱۴۳

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَ عَصٰۤى اٰدَمُ

دونوں لگے اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے و۱۴۴ اور آدم سے اپنے پروردگار کا

رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ۖ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ

قصور ہو گیا، سو وہ غلطی میں پڑ گئے و۱۴۵ پھر انہیں ان کے پروردگار نے مقبول بنا لیا چنانچہ ان کی توبہ قبول کر لی

وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ

اور ہدایت دکھا دی و۱۴۶ (اللہ نے) کہا تم سب (اب) جنت سے اترو و۱۴۷ ایک کے دشمن

لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ

ایک ہو کر و۱۴۸ پھر اگر تم کو میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے و۱۴۹ تو جو کوئی میری ہدایت کی

هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ

پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا اور نہ محروم رہے گا و۱۵۰ اور جو کوئی میری نصیحت سے

ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اعراض رکھے گا سو اس کے لئے تنگی کا جینا ہو گا و۱۵۱ اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں

اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ

گے و۱۵۲ وہ کہے گا اے میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا درانحالیکہ میں

بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ

آنکھوں والا تھا و۱۵۳ (اللہ) کہے گا اسی طرح تیرے پاس ہماری نشانیاں پہنچی تھیں سو تو نے ان کا خیال نہ کیا اسی طرح

وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ

آج تیرا خیال نہ کیا جائے گا و۱۵۴ اور اسی طرح ہم ہر اس شخص کو سزا دیں گے جو

اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

حد سے نکل جائے اور اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان نہ لائے اور واقعی آخرت کا عذاب ہے

اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿١٢٧﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

بڑا سخت اور بڑا دیرپا و۱۵۵ کیا ان کو اس سے بھی ہدایت نہ ہوئی کہ ہم (اب تک) ان کے پیش رو کتنے گروہوں کو

مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

ہلاک کر چکے ہیں جن کے مسکنوں میں (اب) یہ لوگ چل پھر رہے ہیں و۱۵۶ بے شک اس امر میں

لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿١٢٨﴾ ع وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ

اہل فہم کے لئے نشانیاں موجود ہیں و۱۵۷ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے

رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا

نہ ہو چکی ہوتی اور ایک میعاد معین نہ ہوتی تو (ان پر عذاب) لازمی طور پر آجاتا و۱۵۸ سو آپ صبر کیجیے

يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

ان کی باتوں پر و۱۵۹ اور اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے رہیے حمد کے ساتھ آفتاب کے طلوع سے قبل

وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَاۤئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ

اور اس کے غروب سے قبل اور اوقات شب میں بھی تسبیح کیجیے اور دن کے بھی اول و آخر میں

النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا

تاکہ آپ خوش رہیں و۱۶۰ اور ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیے ان چیزوں کی طرف

ع ۱۴ / ۱۶

و۱۵۳ (دنیا میں) ''یعنی دنیا میں تو میں بڑا زباں آور تھا یہاں بالکل گنگ و لال ہو گیا کوئی بات نہ سوجھتی ہے اور نہ بولا جاتا ہے''۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اے لا حجة لی و قد کنت عالمًا بحجتی بصیرًا بها (بحر۔ عن مجاہد) اعمی عن حجته لا حجة له یهتدی بها (بحر عن ابن عباسؓ) اقبل اعمی عن کل شیء الاجهنم (بحر) و۱۵۴ (اور تجھے عذاب میں پڑا رہنے دیا جائے گا) نسیتها۔ تنسی۔ نسیان۔ یہاں بھول اور ذہول کے معنی میں نہیں، ارادی ترک توجہ و اغماض کے معنی میں ہے۔ النسیان هنا بمعنی الترک لا بمعنی الذهول (بحر) یعنی تیرے پاس ہمارے احکام انبیاء و علماء کے ذریعہ سے پہنچے تھے مع سارے واضح و روشن دلائل کے، اور تو باوجود بصیرت و بصارت ان کی طرف سے اندھا بنا رہا، اس لیے آج تیرا ارادی اندھاپن نمایاں کر دیا گیا۔ رحمت الٰہی جسے پھٹکارے، جس کی طرف سے اپنے کو غافل کرے اس سے بڑھ کر محرومی کسی کی ممکن ہی کیا ہے؟ اللّٰهم احفظنا۔ كَذٰلِكَ۔ جملہ کے شروع میں لا کر گویا عام قانون بتا دیا گیا کہ جیسا جرم ہوتا ہے اسی کے متناسب و مناسب حال سزا بھی ملتی ہے۔ و مثل ذلک الجزاء الموافق للجناية (روح) و۱۵۵ سخت اس قدر کہ اس کے آگے سختی کا کوئی درجہ انسان کے لیے متصور ہی نہیں، اور دیرپا ایسا کہ کبھی ختم ہی نہ ہوگا! اَسْرَفَ سے مراد ہے کہ حد عبودیت سے نکل گیا۔ یا اپنے مرتبہ عبویت کو دوسرے محل میں صرف کرنے لگا۔ و۱۵۶ اب روئے سخن ہر قرآن کے معاصر منکروں اور کافروں کی جانب ہے کہ ان کی آنکھیں اب بھی نہیں کھلتیں۔ تاریخ کی زبان سے یہ کتنی گردن کش قوموں کی تباہی و بربادی و ہلاکت کے قصے سن چکے ہیں۔ آج انہیں مردود، مغضوب قوموں کے وطن میں خود آباد ہیں، ان کے کھنڈروں پر سے سفر میں آتے جاتے رہتے ہیں، پھر انہیں کے انجام سے عبرت حاصل نہیں کرتے! و۱۵۷ نشانیاں یعنی مذہبی و ایمانی زندگی کے برحق ہونے اور شرک و بے دینی کی زندگی کے ناحق ہونے کے دلائل و شواہد۔ فِيْ ذٰلِكَ۔ ''اس امر میں'' یعنی اس مضمون میں جو ابھی بیان کیا گیا ہے۔ ذلک اشارة الی مضمون قوله تعالٰی کم اهلکنا قبلهم الخ (روح) و۱۵۸ یعنی ان کے کفر، شرک، بے دینی کا اقتضاء تو یہی ہے کہ ان پر عذاب فی الفور آ جائے لیکن دوسری حکمتوں اور مصلحتوں سے اس کے لیے ایک خاص وقت مقرر ہو چکا ہے، اس لیے اس وقت موعود کے قبل نہ آئے گا۔ لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ۔ اور وہ خدا کی بات یہی کہ تکوینی مصلحتوں کی بناء پر انہیں مہلت ملتی رہے گی۔ و۱۵۹ (یہ یقیناً ہر دیندار کے لیے اشتعال انگیز اور صبر آزما ہیں) و۱۶۰ (کہ دنیا کے آلام و افکار سے بچنے کا راستہ یہی عبادت میں مشغولیت کا ہے) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔ حمد و تسبیح سے مراد یہاں نماز لی گئی ہے۔ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ میں فجر کی نماز آ گئی اور قبل غروب میں ظہر و عصر کی نمازیں۔ اور اٰنَاۤئِ الَّيْلِ میں مغرب و عشاء کی نمازیں۔ اَطْرَافَ النَّهَارِ سے نماز فجر و مغرب کی مکرر تاکید ہو گئی۔ تکریر لصلاتی الصبح والمغرب ارادة الاختصاص (بیضاوی) بعض نے اس سے مراد نماز ظہر و عصر لی ہے اور بعض نے محض ظہر۔ امر بصلاة الظهر فانه نهاية النصف الاول من النهار و بداية النصف الاٰخر وجمعه باعتبار النصفين (بیضاوی)

مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

جن سے ہم نے ان کے گروہوں کو متمتع کر رکھا ہے ان کی آزمائش کے لئے و١٦١ کہ وہ محض دنیوی زندگی

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَاْمُرْ

کی رونق ہے اور آپ کے پروردگار کا عطیہ کہیں بہتر اور دیرپا ہے و١٦٢ اور اپنے گھر والوں

اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْــَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ

کو نماز کا حکم دیتے رہئے اور خود بھی اس کے پابند رہیے و١٦٣ ہم آپ سے معاش نہیں چاہتے،

نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا

معاش تو ہم خود آپ کو دیں گے و١٦٤ اور بہتر انجام پرہیزگاری ہی کا ہے و١٦٥ اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ یہ ہمارے پاس

يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي

کوئی نشان اپنے پروردگار کے پاس سے کیوں نہیں لاتے کیا ان کے پاس اس کا ظہور نہیں پہنچا جو کچھ

الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ

اگلے صحیفوں میں ہے و١٦٦ اور اگر ہم انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے اس (قرآن) کے

مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا

قبل ہی تو (یہ لوگ) کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں

رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾

نہ بھیجا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرنے لگتے بجائے اس کے کہ ہم بے قدر اور رسوا ہوں و١٦٧

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ

آپ کہہ دیجیے کہ سب ہی انتظار کر رہے ہیں سو تم بھی انتظار کرلو اب عنقریب ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا

مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾ ع

کہ کون راہ راست والے ہیں اور کون (منزل) مقصود تک پہنچے ہوئے ہیں و١٦٨

ع ٨ ١٧

و١٦١ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ سے مراد کافروں کی مختلف قسمیں ہیں۔ مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین وغیرہا۔ اے اصنافا من الکفرۃ (کشاف) تقدیر کلام یوں ہے متعنا بہ بعضا منھم ازواجا۔ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ۔ آزمائش سے مراد یہی ہے کہ کون ان نعمتوں کے حقوق ادا کرتا ہے اور کون ان کی ناقدری کرتا ہے۔ و١٦٢ آیت کے اس مختصر سے ٹکڑے میں اس مادی دنیا، اس کی آرائشوں، زینتوں، تکلفات کی

ل کائنات بیان کر دی کہ پورے تسلسل حیات سے جو یہاں سے لے کر آخرت
ک ہے قطع نظر کر کے صرف اس مادی زندگی پر قناعت کر لینا کس درجہ حمق اور
ام خیالی ہے — مال و دولت صرف وہی قابل قدر ہے جو آئندہ دور کی زندگی
ں بھی کام آنے والا ہے۔ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ زهره کے معنی لغت میں
زگی اور شادابی کے ہیں۔ حدیث کی کتابیں ابواب الزہد وغیرہ کے ماتحت اس
م کے مضامین سے بھری پڑی ہیں۔ بخاری کی مشہور حدیث ہے کن فی الدنیا
انک غریب او عابر سبیل۔ دنیا میں اس طرح رہ، کہ گویا تو غریب الوطن
ہے یا مسافر راہ رو۔ و١٦٣ (کہ اصل توجہ کے قابل تو یہ امور ہیں) اَهْلَكَ۔
ل کے لفظ میں خاندان اور عام مؤمنین دونوں کا مفہوم شامل ہے۔ فقہاء نے
یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ امر بالمعروف خصوصاً تاکید نماز اپنے متعلقین پر
جب ہے۔ آج جو لوگ ظہر کی نماز کے لیے دفتروں، کچہریوں وغیرہ کی
شغولیت کو اور عصر و مغرب و عشا وغیرہ کے لیے دوسری مشغولیتوں کو عذر بنا کر
ش کرتے ہیں آیت میں ان سب کا رد آ گیا۔ و١٦٤ یعنی مقصود اصلی اکتساب
یں بلکہ دین اور طاعت ہیں۔ اکتساب کی اس حالت میں اجازت یا امر ہے کہ
روری طاعت میں وہ مخل نہ ہوں"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔ عاقبۃ
سے مراد ہے حسن عاقبت، اور تقویٰ سے مراد اہل تقویٰ ہیں۔ اے العاقبۃ
المحمودۃ و للذوی التقوی (بیضاوی) فالمراد العاقبۃ الجمیلۃ
اہل التقوی (کبیر) و١٦٥ (اور تقویٰ ہی قابل التفات ہے) و١٦٦ یعنی
و قرآن جو ظہور ہے اگلی پیشینگوئیوں کا، اس سے نمایاں تر معجزہ اور کیا چاہیے؟
بَيِّنَةُ سے مراد قرآن بھی ہو سکتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک بھی
صل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ وَقَالُوْا یہ کہنے والے کفار و معاندین تھے۔
و١٦٧ یعنی آج جب قرآن اور رسول آ چکے ہیں، جب تو یہ ان کا یوں انکار کر
ہے ہیں، اور اگر کہیں قرآن اور رسول نہ آئے ہوتے تو قیامت کے روز یہ عذر
ش کر دیتے کہ ہمارے پاس رسول ہی کہاں آیا وہ آتا تو ہم اس کے مطیع ہو نہ
اتے؟ مِنْ قَبْلِ۔ عربی محاورہ میں یہ نفی کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی بجائے اس
کے کہ ہم حقیر و رسوا ہوتے یا ہم حقیر و رسوا نہ ہونے پاتے اور ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی
یروی کر لیتے۔ نَذِلَّ۔ یعنی بے قدر خود اپنی نظر میں ہوں۔ نَخْزٰى یعنی رسوا
وسروں کی نگاہ میں ہوں (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) الذل الھوان والخزی الافتضاح
بحر) مِنْ قَبْلِهٖ میں ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی لی گئی اور بینہ و تذکیر (بہ
عنی برہان) کی طرف بھی اور قرآن کی طرف بھی۔ الضمیر الراجع الی
بینۃ ھنا فی معنی البرھان (کشاف) والظاھر عودہ علی الرسول

بحر) و١٦٨ آیت کا انداز بیان ایک بلیغ انداز میں مضمون کے زور و تاکید کے لیے ہے۔ یہ مراد نہیں کہ متکلم یا قائل کو اس میں کچھ ضعف یا تردد ہے۔ و لیس ھو بمعنی الشک والتردید بل ھو
علیٰ سبیل التھدید والزجر للکفار (کبیر) فَسَتَعْلَمُوْنَ میں اس سے معنی عنقریب ہے، یعنی موت پر یا حشر میں۔

اٰیاتها ١١٢ ۔ ٢١ سُوْرَةُ الْاَنْۢبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ ٧٣ ۔ رکوعاتها ٧

اس میں ایک سو بارہ آیتیں ۔ سورۂ انبیاء مکی ہے ۔ اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ

قریب آ لگا لوگوں سے ان کے حساب (کا وقت) اور وہ غفلت ہی میں پڑے ہیں

مُّعْرِضُوْنَ ۝١ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ

اعراض کئے ہوئے ف١ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس جو بھی تازہ نصیحت

مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝٢ۙ لَاهِيَةً

آتی ہے اسے یہ اس حال میں سنتے ہیں کہ ہنسی کرتے ہوتے ہیں۔ ان کے دل (اس کی طرف سے)

قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ

بے توجہ۔ اور یہ لوگ یعنی ظلم کار اور اپنی سرگوشیوں کو چھپاتے رہتے ہیں ف٢ کہ یہ تو

هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ

محض تم جیسے ایک آدمی ہیں تو کیا تم جادو (کی بات) سننے کو جاؤ گے درانحالیکہ تم

تُبْصِرُوْنَ ۝٣ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ

سوجھ بوجھ رکھتے ہو ف٣ (پیغمبر نے) فرمایا کہ میرا پروردگار (ہر) بات کو جانتا ہے آسمان

وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٤ بَلْ قَالُوْٓا

اور زمین میں اور وہی خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ف٤ نہیں بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں

اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ښ

کہ (یہ قرآن) پریشان خیالات ہیں ف٥ نہیں بلکہ یہ کہ انہوں نے اسے گڑھ لیا ہے۔ ف٦ نہیں بلکہ وہ تو ایک شاعر

ف١ یعنی وقت قیامت ہے کہ ہر روز ان سے قریب تر ہوتا جاتا ہے، اور یہ لوگ ہیں کہ اس کے لیے تیاریاں تو کیا کرتے، اس خبر ہی کا نہیں یقین کر رہے ہیں۔ النَّاس۔ آیت میں اس سے مراد منکرین قیامت عموماً ہیں اور مشرکین عرب خصوصاً۔ قال ابن عباس المراد بالناس المشرکون وھذا من اطلاق اسم الجنس علی بعضه للدلیل القائم (کبیر) آج یورپ اور یورپ زدہ مشرق کی ساری آبادی کا بھی نقشہ غفلت واعراض کے لحاظ سے یہی ہے۔ حِسَابُهُمْ۔ مراد ہے وقت حساب یعنی روز قیامت۔ المعنی اقترب للناس وقت حسابھم (کبیر) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ غفلت مذموم وہ ہے جو اعراض کے ساتھ ملی جلی ہو، ورنہ مطلق غفلت سے تو عادۃً کوئی بھی خالی نہیں۔ ف٢ اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا سے مراد اسلام کے خلاف سازش کرنے والے منکرین ہیں۔ ابو جھل واصحابه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اور آج بھی جو لوگ عداوت اسلام ورسول اسلام میں اسی ابو جہلی روش پر چلیں اسی میں شامل ہیں۔ سازش کے لئے اخفاء لازمی ہے، اس لئے یہ لوگ اپنی کمیٹیوں، کانفرنسوں، مشورت کے جلسوں کو چھپا چھپا کر کرتے تھے۔ مَا يَاْتِيْهِمْ ...... يَلْعَبُوْنَ۔ ہر تازہ نشان کو، بجائے عنوان عبرت وتذکیر کے سرمایہ تفریح وتمسخر بنالینا منکرین کا عام دستور اگلوں پچھلوں سب میں مشترک ہے۔ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ۔ یعنی موعظہ ونصیحت کو اس کان سننا اور اس کان اڑا دینا یہ آخرت فراموشی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح جاہلیت قدیم میں عام تھا، آج جاہلیت جدید میں بھی رائج ہے۔ ان کے علوم وفنون میں، سائنس میں، آرٹ میں، التزام اس کا رہتا ہے کہ کوئی شے بھی آخرت کی یاد دلانے والی نہ آ جانے پائے۔ اور یہ آخرت فراموش نظام جو کہنا چاہیے کہ ساری مہذب ونیم مہذب دنیا پر مسلط ومستولی ہو چکا ہے۔ اس نے لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمانوں کو بھی آہستہ آہستہ دین فراموش وآخرت فراموش بنا دیا۔ ذکر رسول تو محفل میلاد وغیرہ کے نام سے بعض طبقوں میں خواہ رسماً سہی، پھر بھی قائم ہے، آخرت کی ذمہ داری اور یوم الحساب کا تذکرہ، اتنا بھی کہیں نہ سنائی دے گا۔ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ دین کے معاملات میں غیر ذمہ داری کی ہوا ہر سر میں سمائی ہوئی ہے۔ اَسَرُّوا النَّجْوَى۔ نجویٰ میں تو خود ہی پہلو اخفاء کا شامل ہے۔ اَسَرُّوا کے لفظ نے اس میں مزید تاکید اور زور پیدا کر دیا۔ معناه بالغوا فی اخفائها وجعلوها بحیث لا یفطن احد لتناجیھم (کبیر) ف٣ منکرین ومشرکین عرب اپنے میں سے کسی کو کمزور ومذبذب پا کر اس سے کہتے تھے کہ یہ جو رسالت کے مدعی ہیں، ان میں بات ہی کونسی نئی اور ہم سب سے انوکھی ہے۔ یہ نہ کوئی دیوتا ہیں، نہ کوئی اوتار، نہ کسی اور طرح پر فوق البشر، جیسے انسان ہم تم سب ویسے ہی انسان یہ بھی۔ ان میں بشریت کے علاوہ اور بشریت سے زیادہ ہے کیا، جو ہم ان کا دین اختیار کریں اور ان کی راہ پر چلنے لگیں۔ اور ان کے کلام قرآن میں جو اثر تم پاتے ہو وہ تو تمامتر ثمرہ ان کے سحر ساحری کا ہے۔ سو کیا تم سوجھ بوجھ رکھ کر ہوش وحواس رکھتے ہوئے بھی ادھر ادھر جاؤ گے؟ ...... یہ سب توضیح انہی سرگوشیوں کی ہے جن کا ذکر ابھی اوپر آ چکا ہے۔ ف٤ (چنانچہ وہ تمہارے بھی ان اقوال کفریہ سے خوب باخبر اور تمہاری سازشوں پر پوری طرح مطلع ہے) اسلام کا خدا جاہلی مذہبوں کے دیوتاؤں کی طرح ناقص العلم نہیں۔ حاضر وغائب، جلی وخفی اس پر سب یکساں روشن ہے۔ خفیہ سے خفیہ سازش بھلا اس سے کون مخفی رہ سکتی ہے؟ ف٥ مشرکین مکہ کے اسی گروہ کی نمائندگی آج یورپ اور یورپ زدہ طبقہ کر رہا ہے۔ ٹامس کارلائل (برطانوی) اور روس کے دیکھتے ہوئے اسلام کا بہت ہمدرد ہے اور قرآن کی خوبیوں کا معترف ہے وہ تک یہ لکھ گیا ہے کہ قرآن کیسی غیر مربوط، پریشان کتاب ہے تو دوسروں کا ذکر ہی کیا۔ ف٦ یہ پہلی تشخیص پر ترقی ہے۔ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ میں تو پھر ایک شان بے اختیاری اور مجذوبیت کی تھی۔ ایک گروہ نے کھلم کھلا کہنا شروع کیا کہ نہیں یہ کلام تو انہوں نے دیدہ ودانستہ اپنے دل سے تراش رکھا ہے۔

...وع سے آخر تک اعلیٰ شاعرانہ اور خیالی

اور ہم نے آپ سے قبل مردوں ہی کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا ہے جن پر ہم وحی کرتے رہے ہیں ف۱۰

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷ وَ مَا

سو تم اہل کتاب سے پوچھ دیکھو اگر تم علم نہیں رکھتے ف۱۱ اور نہ

جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ مَا كَانُوْا

ہم نے ان (رسولوں) کے جسم ایسے بنائے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ غیر فانی

خٰلِدِيْنَ ۝۸ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ

ہوئے ہیں ف۱۲ پھر ہم نے ان سے (کئے ہوئے) وعدہ کو سچا کر دیا ف۱۳ پھر ہم نے نجات دے دی ان کو

وَ مَنْ نَّشَآءُ وَ اَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝۹ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ

اور جن کو ہم نے چاہا، نجات دے دی ف۱۴ اور ہم نے حد سے گزرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ یقیناً ہم تمہاری طرف

اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰ ع وَ كَمْ

(ایسی) کتاب اتار چکے جس میں تمہارے لئے نصیحت موجود ہے تم کیا پھر بھی نہیں سمجھتے ف۱۵ اور ہم نے کتنی ہی

قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا

بستیاں غارت کر ڈالیں (جن کے رہنے والے) ظالم تھے اور ان کے بعد دوسری قوم

قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝۱۱ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ

پیدا کر دی ف۱۶ سو جب انہوں نے ہمارا عذاب (آتا ہوا) دیکھا تو لگے

ع۱

...بھیجا گیا ہے۔ اِلَّا رِجَالًا۔ بشر کے بجائے
...شارہ اس طرف بھی ہے کہ نبوت ہمیشہ مردوں
...تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں فرمایا کہ اسی اصل کی
...وں ہی کو دیتے ہیں۔ ف۱۱ (کہ تم تو سرے
...کے منکر ہو) مشرکین تو تمام تر بروز، حلول وغیرہ
...ت، رسالت نزول وحی کے اصول ومبادیات
...ے مراد اہل کتاب ہیں۔ اے اہل التوراۃ
...ے اہل الکتاب (روح۔ عن الحسن وقتادۃ
...یر) ف۱۲ مشرکین کے تہ بہ تہ جہل کا شافی
...یات غذا وغیرہ سے برتر ہوتا ہے اور نہ وہ غیر
...ترکیب جسمانی اور اس کی طبعی ضروریات سب
...ے بنے ہوئے ہر بشر کی ہوتی ہیں۔ اس کا اصل
...کو دنیا میں پھیلانا ہوتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
...اور علامات مقبولیت میں سے نہیں، جیسا کہ
...ں خیال کرتے ہیں۔ ف۱۳ وعدہ یہی تھا کہ
...نے والے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ اور
...ہری بے سروسامانی اور منکرین کی شوکت وقوت
...۔ ف۱۴ ان نجات پانے والوں میں مومنین تو
...ں بھی ممکن ہے کسی مصلحت تکوینی سے بچا دیئے
...کے معاصر منکرین سے ہے۔ ان سے ارشاد ہو
...ت تم پر اثر کرتی ہے، اور نہ تم گزشتہ منکرین کے
...ے۔ الذکر بمعنی التذکیر والمعنی فیہ

ہیں، ا...
آبادی کے لئے پیغمبر بنا کر نہیں...
رجل کے لفظ کے استعمال میں...
ہی کو ملی ہے نہ کہ عورتوں کو۔ عار...
بناء پر اہل طریق بھی خلافت مر...
سے سلسلۂ نبوت وطریق وحی ہی...
کے چکر میں پھنسے رہتے ہیں۔...
ہی سے منکر وبیگانہ۔ اَهْلَ الذِّكْرِ...
والانجیل (ابن عباس رضی اللہ عنہما)...
وغیرہا) وھم اھل الکتاب (...
جواب ہے۔ رسول نہ بشری ضرو...
فانی ہو کر دنیا میں آتا ہے اس کی...
وہی ہوتی ہیں جو گوشت پوست...
مشن تو بس محض صحیح خدائی تعلیم...
نے فرمایا کہ کھانا نہ کھانا کمالات...
بہت سے عوام اور بعض خواص...
ایمان لانے والے اور تصدیق...
انبیاء بھی باوجود اپنی ہر طرح کی...
کے بالآخر مظفر ومنصور رہیں گے...
یقیناً داخل ہیں، باقی بعض منکر...
گئے ہوں۔ ف۱۵ خطاب قرآن...
رہا ہے کہ نہ قرآن کی بلیغ موعظ...
انجام سے سبق حاصل کرتے...
موعظتکم (روح) ف۱۶ (ا...

...اللہ کی زمین ویران اور غیر آباد نہ رہی) قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً سے مراد وہ قومیں ہیں جو اپنے حق میں ظلم کرتی رہیں۔

مِّنۡهَا يَرۡكُضُوۡنَ ؕ ﴿۱۲﴾ لَا تَرۡكُضُوۡا وَارۡجِعُوۡۤا اِلٰى مَاۤ

اس بستی سے بھاگنے۔ بھاگو مت ف۱۷ اور واپس چلو اپنے

اُتۡرِفۡتُمۡ فِيۡهِ وَ مَسٰكِنِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوۡا

سامانِ عیش اور اپنے مکانوں کی طرف شائد کہ تم سے کوئی پوچھ پاچھ ہی ہو ف۱۸ وہ لوگ کہنے لگے

يٰوَيۡلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتۡ تِّلۡكَ دَعۡوٰٮهُمۡ

ہائے ہماری شامت، بے شک ہم ہی ظالم تھے ف۱۹ ان کی یہی پکار جاری رہی

حَتّٰى جَعَلۡنٰهُمۡ حَصِيۡدًا خٰمِدِيۡنَ ﴿۱۵﴾ وَ مَا خَلَقۡنَا

کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی، بجھی ہوئی آگ بنا دیا ف۲۰ اور ہم نے

السَّمَآءَ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا لٰعِبِيۡنَ ﴿۱۶﴾ لَوۡ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ

آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کو (اس طرح) نہیں بنایا کہ ہم کھیل کر رہے ہوں ف۲۱ اگر ہم کو یہی

نَّتَّخِذَ لَهۡوًا لَّاتَّخَذۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّاۤ ۖ اِنۡ كُنَّا فٰعِلِيۡنَ ﴿۱۷﴾

منظور ہوتا کہ ہم کھیل کے طور پر کریں تو ہم اپنے ہی پاس (کی چیز) کو (کھیل) بنا لیتے اگر ہم کو (یہ) کرنا ہی تھا ف۲۲

بَلۡ نَقۡذِفُ بِالۡحَـقِّ عَلَى الۡبَاطِلِ فَيَدۡمَغُهٗ فَاِذَا

ہم تو حق کو باطل کے اوپر پھینک مارتے ہیں سو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے تو وہ

هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَـكُمُ الۡوَيۡلُ مِمَّا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنۡ

دفعۃً مٹ جاتا ہے اور تمہاری (بڑی) کم بختی آئے گی اس سے کہ جو تم گڑھتے رہتے ہو ف۲۳

فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ

اور اسی کی ملک ہے، جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو اس کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے

عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسۡتَحۡسِرُوۡنَ ۚ‏ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوۡنَ الَّيۡلَ

عار نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیں ف۲۴ رات اور دن تسبیح کرتے

ف۱۷ یہ گویا ندائے غیبی ان کے کان میں آئی۔ "انہوں نے" یعنی انہیں ظالم، کافر و فاسق، عذاب زدہ لوگوں نے۔ ف۱۸ (از راہِ ہمدردی کہ کیا گزری) "مقصود اس سے تعریض ہے کہ نہ وہ سامان رہا نہ مکان رہا، نہ کسی ہمدرد کا نام ونشان رہا" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۱۹ عین نزولِ عذاب کے وقت بدکار و فسق پیشہ قومیں پچھتاتی ہیں، اپنے جرائم کا اعتراف کرتی ہیں، اور ہر طرح واویلا مچاتی ہیں۔ ف۲۰ یعنی آخر وقت میں ان کی آہ و فریاد کچھ ان کے کام نہ آئی اور وہ نیست و نابود اس طرح ہو گئے جیسے کٹی ہوئی کھیتی یا بجھی ہوئی آگ۔ ؎

اب نہ خود ہیں نہ ہے مکاں باقی نام کو بھی نہیں نشاں باقی

ف۲۱ (بلکہ ان کی تخلیق سے بے شمار حکمتیں اور اور مخلوق کی بے حساب مصلحتیں وابستہ ہیں) اس میں رد ہے ان مشرک قوموں کا جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ کائنات محض "ایشور کی لیلا" یا خدا کی تماشا گاہ ہے اور حق تعالیٰ کا مقصود اس سے کچھ نہیں، بجز تماشہ دیکھنے اور دکھانے کے۔ ف۲۲ یعنی بالفرض ہمیں تفریح و تماشہ ہی مقصود ہوتا تو ہم بلا واسطۂ مخلوقات اپنے ہی یا براہ راست تعلق رکھنے والی کسی چیز کو اختیار کر لیتے مثلاً اپنی صفات کمال کے مشاہدہ کو۔ ذی شعور مخلوق کو اس چکر میں کیوں ڈالتے۔ آیت سے معلوم ہوا کہ تخلیق کائنات خود مخلوق ہی کے نفع و مصلحت کے لئے ہے۔ عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

من نہ کردم امر تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

ف۲۳ (یعنی تمہارے شرک سے) یہ کائنات تماشا گاہ، تفریح گاہ نہیں۔ حق و باطل، صدق و کذب، نور و ظلمت کی جنگ گاہ، معرکہ گاہ ہے۔ ف۲۴ مراد فرشتہ ہیں۔ هم الملائكة باجماع الامة (کبیر) يعنى الملائكة المنزلين (بیضاوی) یہ خصوصیات انہیں کے بیان ہو رہے ہیں کہ وہ عبادت الٰہی سے کسی قسم کا عار محسوس کرنا الگ رہا، اس میں ہر وقت لگے رہنے کے باوجود اس سے تھکتے تک نہیں۔ مَنۡ عِنۡدَهٗ۔ یہ نزدیکی شرف و منزلت کے لحاظ سے ہے نہ بہ اعتبار مقام و مکان۔ لا يراد بها ظرف المكان لانه تعالى منزه عن المكان بل المعنى شرف المكانة وعلو المنزلة (بحر) والمراد بالعندية عندية الشرف لا عندية المكان (روح) هذه العندية عندية الشرف والرتبة لا عندية المكان والجهة (کبیر)

وَ النَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ

رہتے ہیں موقوف نہیں کرتے ف٢٥ کیا انہوں نے زمین سے (ایسے) معبود اختیار

الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾ لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا

کر رکھے ہیں جو (کسی کو) زندہ کرتے ہوں؟ ف٢٦ اگر ان دونوں (جگہوں) میں علاوہ اللہ کے کوئی معبود ہوتا تو یہ دونوں

اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا

درہم برہم ہو گئے ہوتے ف٢٧ اللہ مالک عرش، پاک ہے ان امور سے جو یہ لوگ

یَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾ لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَمِ

بیان کررہے ہیں ف٢٨ اور جو کچھ بھی کرے اس سے کچھ باز پرس نہیں کی جا سکتی، اور اوروں سے باز پرس کی جاتی ہے ف٢٩

اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا

کیا انہوں نے اللہ کے سوا معبود اختیار کر رکھے ہیں؟ آپ کہیے تم اپنی دلیل پیش تو کرو ف٣٠ یہ میرے

ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

ساتھ والوں کی کتاب اور مجھ سے قبل والوں کی کتاب (موجود) ہے لیکن اس پر بھی اکثر لوگ حق کا

یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا

یقین نہیں رکھتے پس اس سے اعراض کر رہے ہیں ف٣١ اور ہم نے آپ سے قبل

مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ

کوئی (ایسا) رسول نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے (یہ) وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا

اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ

کوئی معبود نہیں سو عبادت میری ہی کرو ف٣٢ اور یہ کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے

وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ ۙ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ

اولاد بنا رکھی ہے وہ پاک ہے (اس سے) البتہ وہ (فرشتے) بندے ہیں معزز ف٣٣ وہ اس سے آگے بڑھ کر بات

ف٢٥ ذکر فرشتوں کا چل رہا ہے۔ جاہلی مذہب والے انہیں تو اپنے جہل سے دیوی دیوتا قرار دے لیتے ہیں۔ آگے ذکر زمینی معبودوں کا آ رہا ہے۔ سیاق خود چاہتا ہے کہ یہاں ذکر آسمانی دیوتاؤں کا ہو۔ ف٢٦ سوال مشرکین کی حماقت محض سے ہے کہ آخر کیا سمجھ، کیا دیکھ کر انہوں نے مخلوق کو جو خود بے قدرت ہے اپنا معبود تسلیم کر لیا ہے؟ زمینی معبودوں اور دیوتاؤں کی مثالوں کے لئے ہندوستانیوں کو دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ارد گرد، حیوانات و نباتات، جمادات سب میں کثرت سے موجود ہیں گئو ماتا، گنگا مائی، سرجو مائی، بندھیا چل، گوری شنکر، ناگ (سانپ) ہنومان (بندر) پیپل، تلسی وغیرہا ف٢٧ یعنی نظام عالم میں ابتری پڑ جاتی، خدا کے تصور و تعریف ہی میں یہ امر داخل ہے کہ وہ مطلق الارادہ و مطلق الاختیار اور مالک کل ہو۔ اگر اس کے اختیارات یا اس کی ملک محدود و مقید ہوئی تو وہ خدا

ہی کیوں کہلائے گا۔ اس تعریف کو پیش نظر رکھنے کے بعد غور کیجئے کہ دو (یا زائد) خداؤں کے وجود کے معنی ہی کیا ہو سکتے؟ ایک خدا کی ملک سے کوئی بھی جزو موجودات اگر باہر رہا، یا اسے اپنا ارادہ کسی مصلحت سے مغلوب کرنا پڑا، یا اپنے اختیارات پر کسی ضرورت سے پابندی عائد کرنی پڑی تو اس کے خدا باقی رہنے کا امکان ہی کیا رہ گیا؟ تصادم و تزاحم بہر حال دو خداؤں کے درمیان ناگزیر ہے۔ اور کائنات کی تنظیم و ترتیب کا مشاہدہ خود اس تصادم و تزاحم کی تکذیب کر رہا ہے سو اس نظام کائنات کا وجود جس کے آگے بشری صناعوں کی بڑی بڑی صناعیاں گرد ہیں، دلیل قاطع ہے توحید صانع عالم پر، جس دلیل کو قرآن کریم نے اس قدر سادہ طور پر ادا کر دیا، اسی کو متکلمین نے حسن صنعت و نظم کائنات سے توحید صانع پر استدلال کا لقب دے کر اس سے بڑے بڑے کام لئے ہیں اور اسے شرح و بسط سے اور اپنی اصطلاحات کے ساتھ لکھا ہے اور اس کو برہانِ تمانع کا لقب دیا ہے۔ فِیْهِمَا سے مراد ظاہر ہے کہ آسمان اور زمین ہیں۔ لَفَسَدَتَا۔ قیامت میں جو دور فنا و ہلاکت کا آئے گا، وہ ایک نظم کے ماتحت اور ایک ضابطہ معین کے موافق ہوگا۔ (جیسا کہ آج بھی افراد اپنے وقت معین پر ہلاک ہوتے رہتے ہیں) اس پر اطلاق ''فساد'' کا کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ ف٢٨ عرش مخلوقات میں خود بھی سب سے اعظم و اشرف ہے، پھر جو اس کا بھی مالک و رب ہو، اس کی عظمت کا کیا ٹھکانا ہے! اللہ کی صفت یہاں رَبِّ الْعَرْشِ لا کر اس کی بے انتہا عظمت اور شرک کی بے عقلی کو اور زیادہ نمایاں کر دیا۔ ف٢٩ اس میں ان مشرک قوموں کا رد آ گیا جو خدا کو بھی محدود الاختیار، محدود القویٰ مانتے ہیں۔ یونان کے مشرک فلاسفہ کا یہی مذہب ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ ہندوستان میں عقیدۂ ''کرم'' کے ماننے والوں کا بھی یہی خیال ہے۔ ف٣٠ یعنی توحید پر تو بہت سی دلیلیں قائم ہیں عقلی بھی، نقلی بھی۔ تم شرک پر بھی کوئی دلیل پیش کر کے دکھاؤ...... افسوس ہے کہ ہمارے ہاں کے متکلمین نے اس پہلو پر اب تک بہت کم توجہ کی ہے۔ عموماً اب تک بجائے عقیدۂ شرک پر مطالبۂ دلیل کے دلائل توحید ہی پر قائم کئے جاتے رہے ہیں۔ ف٣١ یعنی چونکہ حق سے اعراض کئے ہوئے ہیں، اس کی طلب اور تڑپ اپنے دل میں رکھتے ہی نہیں، اس لئے ایمان و یقین کی دولت سے بھی محروم ہیں۔ المعنی فهم معرضون ولذٰلک لا یعلمون (بحر) هٰذَا...... قَبْلِیْ۔ مطلق ذِکْر سے یہاں مراد کتب الٰہی ہے۔ فالذکر هنا مراد به الکتب الالٰهیة (بحر) قیل المراد بالذکر الکتاب۔ ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ سے مراد قرآن ہے اور ذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ سے صحف قدیم ہیں۔ گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ ان کتابوں میں دیکھ لو، تعلیم کس عقیدہ کی موجود ہے۔ توحید کی یا شرک کی؟...... دلیل عقلی اثبات توحید پر ابھی اوپر پیش ہو چکی تھی۔ اب دلیل نقلی پیش ہو رہی ہے۔ ف٣٢ (اور اس میں کسی کو شریک نہ کرو) اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا۔ یہ عقیدہ ہوا توحید کا فَاعْبُدُوْنِ یہ عمل ہوا توحید کا۔ یہ دین توحید جس کا دوسرا نام دین اسلام ہے، دنیا کا قدیم ترین دین ہے۔ اور انبیاء کے ذریعہ سے ہمیشہ تبلیغ اسی دین کی ہوتی رہی ہے۔ دین شرک تمامتر ذہن انسانی کی اختراع ہے، اور بہت بعد کی پیداوار ہے۔ ف٣٣ ذکر ان مشرکوں کا ہے، جو فرشتوں کو خدا کی اولاد سمجھتے تھے۔ نزلت فی خزاعة حیث قالوا الملٰئکة بنات الله (کشاف) ان کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ توبہ توبہ خدائے برتر و قدوس کو اولاد سے کیا واسطہ، جن ہستیوں کو تم اس کی اولاد قرار دے رہے ہو، یہ سب تمامتر اس کے بندے ہیں، البتہ معزز و ذی رتبہ بندے۔

بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

نہیں کر سکتے و۳۴ اور وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں و۳۵ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے

اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ

آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے و۳۶ اور وہ شفاعت بھی نہیں کر سکتے (کسی کی) بجز اس کے کہ

ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ مَنْ

جس کے لئے (اللہ کی) مرضی ہو اور وہ (سب) اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں و۳۷ اور جو کوئی

يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ

ان میں سے یہ کہہ بھی دے کہ میں (بھی) معبود ہوں اللہ کے سوا سو ہم اسے جہنم کی

جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ

ع ۱۹ ۲

سزا دیں گے، ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں و۳۸ کیا جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں انہیں

كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ

علم نہیں کہ آسمان اور زمین بند تھے و۳۹ پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا و۴۰

وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور ہم نے پانی سے ہر جان دار چیز کو بنایا ہے کیا پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے؟ و۴۱

وَ جَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۪

اور ہم نے زمین میں پہاڑ اس لئے رکھ دیئے کہ وہ لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے و۴۲

وَ جَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنا دیئے تاکہ لوگ راستہ پاتے رہیں

وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّ هُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا

اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا و۴۳ اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے منہ پھیرے

و۳۴ (بلکہ اسی کے حکم کے منتظر رہتے ہیں) یہ کیفیت ہے ان مقرب بندوں کے ادب، خشوع وتعبد کی۔ و۳۵ اس میں رد آگیا یہود ونصاریٰ کی گمراہی کا جو "نافرمان" فرشتوں کے وجود کے قائل ہیں۔ یہاں ان کی صحیح کیفیت بیان کردی ہے کہ ان سے نہ قولی مسابقت ہی ہوتی ہے اور نہ فعلی مخالفت۔ والمعنی انهم يتبعونه في قوله ولا يقولون شيئا حتى يقوله وكما ان قولهم تابع قوله فعملهم ايضا كذلك مبنى على امره (کبیر) و۳۶ فرشتوں کو یہ بھی یقین ہے کہ اللہ سب کے اگلے پچھلے احوال خوب جانتا ہے، اس لئے اس کا جو اور جب حکم ہوگا حکمت کے موافق ہی ہوگا، اس لئے چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں۔ و۳۷ یہ نقشہ ہے ان کے ادب واطاعت گزاری، اور ان کی مغلوبیت ومحکومیت کا۔ فرشتوں والا شرک دنیا میں بہت پھیلا رہا ہے، اسی لئے اس کی تردید کی مفصل اور بار بار ضرورت ہوئی۔ ہندوستان میں دیوتا پرستی کے نام سے جو شرک چلا ہوا ہے وہ حقیقۃً یہی ملائکہ پرستی ہی ہے۔ و۳۸ یعنی جس طرح اور مخلوقات تمامتر خدا کے قابو اور اختیار میں ہے، فرشتے بھی ہیں۔ ان کا یہ قول کہ ہم بھی معبود ہیں، ظاہر ہے کہ بطور فرض محال نقل ہوا ہے۔ ومن يقل منهم على سبيل الفرض (روح) اور قرآن مجید میں ایسے مفروضات واحتمالات کا استعمال بار بار ہوا ہے۔ و۳۹ چنانچہ نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے پیداوار۔ آسمان اور زمین جامد محض ہیں۔ کوئی دیوی دیوتا یا صاحب اختیار مخلوق ہی سرے سے نہیں کہ خود بخود اپنے ارادہ ومرضی سے کسی کے کام آنے لگیں اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے مراد یہ ہے کہ یہ مشرکین جو توحید کے منکر ہیں، کیا طبعیات ومادیات کے ان حقائق پر بھی غور نہیں کرتے؟ آسمان اور زمین جیسے قوی الجثہ مخلوقات تک میں یہ قدرت کب تھی کہ اپنے ارادہ واختیار سے وہ کچھ کرنے لگیں؟ رؤیت سے مراد رؤیت عینی نہیں، رؤیت عقلی یا علم ہے۔ المراد من الرؤية هو العلم (کبیر) کانتا۔ سمٰوٰت صیغۂ جمع ہے۔ مراد یہاں مجموعۂ سمٰوٰت یا طبقۂ سمٰوٰت ہے۔ اسی لئے اسے بہ طور منفرد لاکر اس کے اور ارض کے لئے ضمیر تثنیہ کی لائی گئی۔ و۴۰ چنانچہ آسمان سے بارش ہونے لگی اور زمین سے نباتات پیدا ہونے لگی۔ و۴۱ (اور توحید کے قائل نہیں ہوجاتے) پانی سے مراد یہاں اگر بارش ہے تو بارش کے پانی سے براہ راست یا بالواسطہ ہر جاندار کا مستفید ہونا ظاہر ہی ہے۔ اے خلقنا من الماء كل حيوانٍ (کشاف) اور اگر مراد نطفۂ حیوانی لی جائے تو اس سے بھی ہر جاندار کا وجود میں آنا مشاہد ہے۔ قال قطرب وجماعة المراد بالماء النطفة (روح) جدید ماہرین علم الحیات کی تحقیق ہے کہ ہر جاندار کی ترکیب میں عنصر اصلی پروٹوپلازم (نخرمایہ) کا ہوتا ہے۔ اگر اسی کو مانا جائے تو اس جوہر میں بھی حصہ غالب پانی ہی کا ہوتا ہے! ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ کلّ۔ لفظ کل محاورہ میں تقریبا کل یا بہت بڑی اکثریت کے مرادف مستعمل ہے۔ اس لئے اگر کسی جاندار کی پیدائش کا استثناء اس قاعدہ سے ثابت ہو جائے تو یہ عموم قانون کے منافی نہیں۔ و۴۲ مراد یہاں ڈانواڈول حرکت سے ہے۔ نفی یہاں مطلق حرکت ارض کی نہیں بلکہ اس کی اضطرابی حرکت کی ہو رہی ہے۔ یہ پہاڑ جو ہیں گویا زمین کا توازن برابر رکھنے کا کام دے رہے ہیں کہ ایسا نہ ہو وہ ایک طرف کو جھک جائے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۹۹ الحجر پارہ ۱۴۔ و۴۳ یعنی ہر طرح کی شکست ریخت، نقصان سے محفوظ۔ آسمان کے چھت ہونے یا عمارت پر حاشیہ سورۂ بقرہ پ۱ رکوع ۳ میں گزر چکا۔ عدیم المثال بلندی اور عدیم المثال احاطت دونوں کے لحاظ سے آسمان کا جو بہترین صفاتی نام دیا جاسکتا ہے وہ چھت ہی کا ہوسکتا ہے۔ ہیئت وفلکیات کی ہر علمی اصطلاح سے کہیں بہتر اور کہیں واضح تر۔

وف۴۴ مقصود ان سارے مادی وطبعی حقائق کی طرف اشارہ کرنے سے یہ ہے کہ یہ سب اللہ کی توحید اور کمال صناعی ہی پر دلالت کر رہی ہیں۔ كُلٌّ۔ تنوین حذف مضاف کے ظاہر کرنے کو ہے۔ تقدیر کلام کلھم ہے۔ التنوین فیه عوض من المضاف الیه ای کلھم (کشاف) وف۴۵ (اور جو قاعدہ قانون ان کے لئے بنا دیا گیا ہے، اس سے باہر نہیں جا سکتے) اور یہ ضمیر هُمْ جنس طوالع کی جانب ہے۔ الضمیر للشمس والقمر والمراد بھما جنس الطوالع (کشاف) الغرض الدلالة علی الجنس (کشاف) وف۴۶ (سو آپ بھی غیر فانی بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں اور نہ کوئی

مُعْرِضُونَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

ہوئے ہیں وف۴۴ اور وہ وہی تو ہے جس نے رات کو اور دن کو

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَمَا

اور سورج کو اور چاند کو پیدا کر دیا ہے، سب (اپنے اپنے) دائرہ میں تیر رہے ہیں وف۴۵ اور ہم نے

جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ

آپ سے قبل بھی کسی بشر کو ہمیشگی کے لئے نہیں بنایا تھا وف۴۶ سو کیا اگر آپ کی وفات ہو جائے تو یہ

الْخٰلِدُوْنَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ

ہمیشہ رہیں گے؟ وف۴۷ ہر جان دار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور ہم تم کو آزماتے ہیں

بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَاِذَا رَاٰكَ

برائی سے اور بھلائی سے خوب طرح اور ہماری ہی طرف تم لوٹ کر آؤ گے وف۴۸ اور یہ کافر لوگ جب آپ کو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا

دیکھتے ہیں تو آپ سے بس تمسخر کرنے لگتے ہیں وف۴۹ کیا یہی وہ (حضرت) ہیں

الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ

جو تمہارے معبودوں کا ذکر (برائی سے) کیا کرتے ہیں درآنحالیکہ یہ لوگ خدائے رحمٰن کے ذکر پر

كٰفِرُوْنَ ﴿٣٦﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۭ سَاُورِيْكُمْ

کفر کرتے رہتے ہیں وف۵۰ انسان کی خلقت ہی جلدی (کے خمیر) سے ہوئی ہے وف۵۱ ہم عنقریب تم کو اپنی نشانیاں

اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿٣٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ

دکھا دیں گے سو تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ وف۵۲ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کس وقت پورا ہو گا

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ

اگر تم سچے ہو وف۵۳ کاش ان کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی

اور انسان مدارج قرب میں ترقی کرتے کرتے غیر فانی دیوتا بن سکا ہے) آیت میں تردید ہے یونان، ہندوستان وغیرہ کے اس مشرکانہ عقیدہ کی کہ فلاں فلاں انسان ترقی کرتے کرتے دیوتا بن گیا اور غیر فانیوں (HEROES) کی صف میں شامل ہو گیا۔ وف۴۷ (سو یہ کافر معاند آپ کی وفات کا خیال کر کر کے خوش کیوں ہو رہے ہیں؟) وف۴۸ یہاں انسان کے لئے تین قانون بیان کر دیئے۔ (۱) ایک یہ کہ ہر ذی حیات کے لئے موت لازمی ہے، خواہ جلد خواہ طویل ترین مدت کے بعد۔ (۲) انسان جب تک زندہ رہے گا اس کا امتحان برابر ہوتا رہے گا۔ کہ کن کن حالات میں وہ ایمان وطاعت کی طرف مائل رہتا ہے اور کن کن حالات میں کفر ومعصیت کی طرف جھک جاتا ہے۔ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ۔ شر سے مراد انسان کے مخالف طبع حالات ہیں مثلاً مرض، افلاس وغیرہ۔ خیر سے مراد انسان کے موافق طبع حالات ہیں۔ صحت، خوشحالی وغیرہ۔ ای بالمکروہ والمحبوب وتفسیر الشر والخیر مما ذکر مروی عن ابن زید وروی عن ابن عباس انھا الشدة والرخاء وقال الضحاک الفقر والمرض والغنی والصحة والتعمیم اولی (روح) (۳) ہر انسان کو اللہ ہی کے حضور میں واپس جا کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہے۔ فِتْنَةً۔ مصدر فِتْنَةً فعل نَبْلُوْكُمْ کی تاکید کے لئے ہے۔ اور تاکید کے موقع پر کبھی تو اسی فعل کا مصدر دہرا دیا جاتا ہے اور کبھی کوئی اس کا مرادف۔ مصدر موکد لنبلوکم من غیر لفظه (کشاف) وف۴۹ (آپس میں) کافروں کی اخلاقی پستی کا نقشہ ہے۔ آج بھی کتنے ہی بدنفس کافر ایسے موجود ہیں جو شریعت اسلامی کے احکام ومسائل کو کبھی سنجیدگی سے سنتے ہی نہیں۔ سرے سے تمسخر ہی کرتے رہتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل اللہ کی بے قدری اس تشنیع کے عموم میں آجاتی ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ وف۵۰ تو تمسخر واستہزاء کے مستحق اگر ہیں تو خود یہ لوگ ہیں جو دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے اہم حقیقت کو یوں ٹھکرائے ہوئے، یوں بھلائے ہوئے ہیں۔ يَذْكُرُ سے مراد ہے کہ برائی سے ذکر کرتے ہیں۔ ای بسوء وانما اطلقه بدلالة الحال (بیضاوی) وف۵۱ انسان سے مراد کافر قسم کا انسان ہے جس کا ذکر ہو رہا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس قسم کا انسان کچھ ایسا جلد باز ہوتا ہے کو گویا عجلت پسندی اس کے اجزاء عنصری اور ہیئت ترکیبی میں شامل ہے۔ آج کل کے دہریے اپنے کو سوشلسٹ، کیمونسٹ وغیرہ کے مختلف ناموں سے یاد کرنے والے نیم دہریے جن کا حق تعالیٰ کے وجود پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ کیسا قادر مطلق ومنصف مزاج خدا ہے جو ظالم کی گرفت اس کے ظلم پر فی الفور کیوں نہیں کرتا اور قاتل کو معاً مقتول کے وارثوں کی گرفت میں کیوں نہیں دے دیتا۔ ان کی ذہنیت بھی ٹھیک اس کلیہ کے ماتحت ہو جاتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ طریق تصوف میں اکثر تشویشات اسی عجلت پسندی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ وف۵۲ قدرت کا، قہر کا ہر نشان اپنے وقت پر قانون حکمت کے ماتحت ظاہر ہو کر رہے گا۔ خود کسی عذاب کی فوری آمد کا مطالبہ کرتے رہنا حماقت محض ہے۔ وف۵۳ وعدہ سے مراد وعدۂ قہر عذاب ہے۔ مشرکین معاندین یہ سوال مسلمانوں سے تمسخر اور بے یقینی کے لہجہ میں کیا کرتے۔

لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ

جب یہ آگ کو نہ روک سکیں گے نہ اپنے چہروں سے اور نہ اپنی پشتوں سے

وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ

اور نہ انہیں مدد پہنچ سکے گی و۵۴ بلکہ وہ (آگ تو) انہیں یک بیک آلے گی سو انہیں بدحواس کر دے گی

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَ لَقَدِ

پھر نہ انہیں اس کے دور کرنے کی مہلت ہو گی اور نہ انہیں مہلت ہی دی جائے گی و۵۵ اور یقینا

اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا

آپ سے پہلے بھی جو پیمبروں کے ساتھ تمسخر کیا جا چکا ہے، پھر جن لوگوں نے ہنسی اڑائی تھی ان کے اوپر

مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ

وہی (عذاب) آ واقع ہوا جس پر وہ تمسخر کر رہے تھے و۵۶ آپ کہیے وہ کون ہے جو تمہاری حفاظت کرتا

بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ

رہتا ہے رات اور دن میں خدائے رحمٰن سے؟ لیکن نہیں وہ اپنے پروردگار کے ذکر کی طرف سے

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا

روگرداں ہی ہیں و۵۷ کیا ان کے پاس ہمارے سوا (کوئی اور) معبود ہیں جو ان کی حفاظت کر لیتے ہوں؟ وہ تو

يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

خود اپنی نصرت کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہمارے مقابلہ میں ان کا ساتھ ہی دیا جا سکتا ہے

بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ

لیکن نہیں ہم نے تو انہیں اور ان کے باپ (دادوں) کو خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا و۵۸

اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ

سو کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم (ان کی) زمین کو (برابر) اس کی ہر طرف سے گھٹاتے ہی چلے آتے ہیں و۵۹

و۵۴ یعنی کاش ان منکروں کو اس وقت کا استحضار ہوتا جب آتش دوزخ ان پر ہر طرف سے بے پناہ حملے کرے گی اور انہیں بچاؤ کا، یا مدد کا، کسی طرف سے کوئی ادنیٰ بھی سہارا نہ ملے گا۔ تو آج یہ اس طرح کی بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناتے۔ و۵۵ وہ عذاب شدید اگر ان کے معلوم و متعین وقت پر آتا، جب بھی کچھ غنیمت تھا، وہ تو بالکل دفعۃً نازل ہوگا کہ یہ بالکل ہکا بکا رہ جائیں گے اور کچھ ان کے بنائے بن بھی نہ پڑے گی۔ و۵۶ ساری تاریخ انبیاء مکذب، منکر، معاند قوموں کی تباہی و بربادی سے بھری پڑی ہے۔ اور ہر دنیوی و مادی عذاب تو محض ایک ہلکا سا نمونہ ہے آخرت کے اشد العذاب کا۔ و۵۷ (اس لئے دلائل توحید پر غور ہی نہیں کرتے) مِنَ...... الرَّحْمٰنِ۔ یعنی اگر خدائے رحمٰن تمہیں گرفت میں لینا ہی چاہے تو دن رات میں کون اتنی مجال رکھتا ہے جو تمہارے بچاؤ میں کام دے سکے؟ یعنی عارفین نے لکھا ہے کہ اپنے نفس کی حفاظت کی طرف سے بے اختیاری میں تو مومن و کافر سب برابر ہیں البتہ فرق یہ ہے کہ مومن کی تائید، حفاظت و نصرت من اللہ و مع اللہ ہوتی رہتی ہے۔ اور کافر کی آس ادھر سے ٹوٹی رہتی ہے۔ و۵۸ (اور انہوں نے اپنے عیش و عشرت میں کوئی خلل پڑتے نہ دیکھا) سو ان کے اصرار علی الکفر اور جمود کی اصل بنیاد ان کی طویل غفلت ہے۔ و۵۹ (فتوح اسلامیہ کے ذریعہ سے) سو ان کی بیداری اور تنبیہ کے لئے اور انہیں غفلت کی نوم طویل سے چونکانے کے لئے تو یہی امر کافی ہو جانا چاہیے۔ ”ابتدا میں اسلام کا مغلوب ہونا اس کی اشاعت میں مخل تھا اور اس کی تبلیغ و اشاعت کافی ہو چکی جو اصل مقصود تھی۔ اب مغلوب ہونے سے وہ مفقود نہیں ہو سکتا چنانچہ مشاہد ہے۔“ (تھانوی علیہ رحمہ اللہ)

اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖؗ وَ لَا

بھلا یہ لوگ غالب آنے والے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو وحی کے ذریعہ سے تمہیں صرف ڈراتا ہوں ف۶۰

يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَئِنْ

اور بہرے تو پکار سنتے ہی نہیں جب ڈرائے جاتے ہیں ف۶۱ اور اگر

مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَاۤ

ان کو آپ کے پروردگار کے عذاب کا ایک جھونکا بھی چھو جائے تو یوں کہنے لگیں ہائے ہماری کم بختی،

اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ

بے شک ہم ہی خطاوار تھے ف۶۲ اور ہم قیامت کے دن میزان عدل

الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ

قائم کریں گے ف۶۳ سو کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہو گا۔ اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی

مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ لَقَدْ

(کسی کا کوئی) عمل ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے اور حساب لینے والے ہم ہی کافی ہیں ف۶۴ اور بالیقین

اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيَآءً وَّ ذِكْرًا

ہم موسیٰ و ہارون کو عطا کر چکے ہیں ایک چیز فیصلہ کی اور روشنی کی اور نصیحت کی

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ لا الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ هُمْ

پرہیزگاروں کے لئے ف۶۵ جو اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ

مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ

قیامت سے بھی ڈرتے رہتے ہیں ف۶۶ اور یہ (قرآن) ایک برکت والی (کتاب) نصیحت ہے

اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع وَ لَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ

کہ ہم نے اس کو اتارا ہے سو کیا تم اس کے منکر ہو؟ ف۶۷ اور بالیقین ہم (اس سے بھی) پہلے ابراہیم کو خوش فہمی

۲۱ : ۴۴

ف۶۰ (باقی عذاب لانا نہ لانا میرے اختیار میں بالکل نہیں) ف۶۱ (سو یہ بہرے جنہوں نے ہر دعوت حق کی طرف سے اپنے کان بہرے کر رکھے ہیں، ان پر بھلا میری تنبیہ کا کیا اثر ہوگا؟) ف۶۲ یعنی پورا عذاب تو الگ رہا، اس کا ایک شمہ بھی اگر ان پر نازل ہو جائے تو ان کی آنکھیں کھل جائیں، ہوش درست ہو جائیں، اور ساری غفلت اور تعلّی رفو چکر ہو جائے۔ ف۶۳ (اور اعمال کا وزن کریں گے) وزن اعمال پر حاشیہ سورۂ اعراف رکوع اول کے تحت گزر چکا۔ الْمَوَازِيْنَ۔ "موازین کا جمع لانا یا تو اس وجہ سے ہے کہ ہر شخص کے لئے جدا میزان عمل ہو، یا چونکہ ایک میزان میں بہت سے لوگوں کے اعمال کا وزن ہوگا اس لئے وہ ایک قائم مقام متعدد کے ہوگی۔" (تھانوی علیہ رحمۃ اللہ) موازین کے صیغۂ جمع کے ظاہری اقتضاء سے بعض نے یہ کہا ہے کہ قیامت میں میزانیں متعدد ہوں گی، مثلاً ہر امت کے لئے الگ الگ، ہر مکلّف کے لئے الگ الگ۔ وجمع الموازین ظاهر فی تعدد المیزان حقیقة (روح) لیکن قول معتبر یہ ہے کہ یہ تعدد حقیقی نہیں مجازی ہے، اور صیغۂ جمع محض اظہار عظمت کے لئے ہے۔ و الاصح الاشهرانهٗ میزان واحد لجمیع الامم ولجمیع الاعمال والتعدد اعتباری و قد یعبرعن الواحد بما یدل علی الجمع للتعظیم (روح) انما جمع الموازین لکثرة من توزن اعمالهم وهو جمع تفخیم (کبیر) الاکثر علی انهٗ انما هو میزان واحدٌ وانما جمع باعتبار تعدد الاعمال الموزونة فیه (ابن کثیر) ف۶۴ (بغیر میزان وغیرہ کی مدد کے بھی) مطلب یہ ہے کہ یہ سارے انتظامات تو تمہارے مزید اطمینان کے لئے ہوں گے، ورنہ رتی رتی کے حساب کے لئے تو ہم خود ہی بلا ان آلات و وسائط کی مدد کے کافی ہیں۔ بعض مشرک قوموں (مثلاً اہل مصر) نے ایک الگ "دیوتا" دنیا کے حساب کتاب کے لئے بھی گڑھ رکھا تھا۔ آیت میں ضمناً ان مشرکانہ توہمات کی بھی تردید آ گئی۔ ف۶۵ الْفُرْقَانَ سے مراد کتاب توریت ہے۔ اس کا نزول حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اصالتاً ہوا۔ حضرت ہارون علیہ السلام پر بطور ان کے نائب و شریک کے۔ ضِيَآءً وَّ ذِكْرًا بھی اسی کی صفات ہیں۔ الفرقان یعنی به الکتاب یفرق بین الحق والباطل (ابن جریر) هو التوراةفکان فرقانًا اذ کان یفرق بین الحق والباطل وکان ضیاءً اذ کان لغایة وضوحه یتوصل به الی طرق الهدی وکان ذکرٰی ای موعظة (کبیر) والمراد بالفرقان التوراة و کذا بالضیاء والذکر (روح) ف۶۶ متقین کے دو وصف خصوصی بیان ہوئے ہیں۔ ایک ان کی خشیت رب، دوسرے یوم حشر سے ان کا خوف۔۔۔ کاش ہمارے بے قید اور "آزاد" صوفیہ و مشائخ اس پر غور کرتے۔ نصیحت سے نفع یاب ہونے کا راز اسی دل کی کھٹک میں ہے۔ ف۶۷ یعنی تم ایسی کتاب کے منکر ہو جس کا نصیحت نامہ ہونا توریت سے بھی روشن تر ہے! مُبٰرَكٌ یعنی جس کا نفع بہت کثیر ہو۔

رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

عطا کر چکے تھے و٦٨ اور ہم ان کو خوب جانتے تھے و٦٩ (وہ وقت یاد کرو) جب انہوں نے اپنے باپ سے

وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿٥٢﴾

اور اپنی قوم والوں سے کہا یہ کیا (واہیات، خرافات) مورتیں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو و٧٠

قَالُوْا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿٥٣﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ

وہ بولے ہم نے تو اپنے باپ (دادوں) کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے و٧١ (ابراہیمؑ نے) کہا یقیناً

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٥٤﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا

صریح گمراہی میں مبتلا رہے تم (بھی) اور تمہارے باپ (دادا) بھی و٧٢ وہ بولے کیا تم سنجیدگی سے

بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿٥٥﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ

ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو یا دل لگی ہی کر رہے ہو و٧٣ (ابراہیمؑ نے) کہا ارے (دل لگی کیسی) تمہارا پروردگار

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ

تو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان (سب) کو پیدا کیا اور میں اس پر

مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ

گواہوں میں سے ہوں و٧٤ اور بخدا میں تمہارے بتوں کی گت بنا ڈالوں گا

بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا

جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے و٧٥ چنانچہ آپ نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر بھی ڈالا بجز

كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٨﴾ قَالُوْا مَنْ

ان کے بڑے (بت) کے تاکہ وہ لوگ اسی کی طرف رجوع کریں و٧٦ وہ لوگ (آکر) بولے یہ (حرکت) کس نے

فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا

ہمارے ٹھاکروں کے ساتھ کی ہے؟ بے شک اس نے تو بڑا ہی غضب کر دیا و٧٧ (بعض ان میں سے) بولے کہ ہم

و٦٨ (ان کے مرتبہ وحیثیت کے لائق ومتناسب) رشد سے مراد ہدایت بھی ہے اور مرتبہ نبوت بھی۔ فی الرشد قولان الاول انه النبوة والثانی انه الاهتداء لوجوه الصلاح فی الدین وفیه قول ثالث وهو ان تدخل النبوة والاهتداء تحت الرشد (کبیر) مِنْ قَبْلُ۔ کھلا ہوا تعلق دورِ موسوی سے قبل کا ہے۔ اے من قبل موسٰی وهٰرون (ابن جریر۔ کشاف) بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کا دور قبل بلوغ یا قبل ولادت مراد لیا ہے۔ اے هداه صغیرا (ابن جریر۔ عن مجاہد) وقیل من قبل ان یولد (روح) و٦٩ (کہ وہ کیسی سعادتیں اور صلاحیتیں اور کیسے کمالات علمی وعملی رکھنے والے ہیں) خدا کی بخششیں اندھادھند اور اٹکل پچو نہیں ہوتیں۔ تمامتر ظرف ومحل کی حکیمانہ رعایتوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اشیاء جو اپنے کمالات کے ساتھ مرتبہ علم الٰہی میں متصف رہتی ہیں۔ ان کا نام اصطلاح صوفیہ میں اعیان ثابتہ ہے۔ و٧٠ ملک بابل (موجودہ عراق) کی قدیم قوم شرک وبت پرستی میں مبتلا تھی۔ مظاہر پرستی، کواکب پرستی وغیرہ کے علاوہ مورتی پوجا کا بھی رواج ان میں پھیلا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی قوم کے درمیان پیدا ہوئے۔ آپؑ کے والد تارح (عربی تلفظ میں آزر) ایک بڑے صناع بت تراش وبت فروش تھے۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ شیخ اسمٰعیل شہید علیہ الرحمۃ نے اس آیت سے صوفیہ کے تصورِ شیخ کے ناجائز ہونے پر استدلال فرمایا ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ کی تحقیق ہے جو تصور شیخ غالی صوفیوں میں چلا ہوا ہے وہ تو بیشک ممنوع ہے لیکن اگر تصور شیخ ایسا ہو کہ نہ وہ بالاستقلال مقصود ہو اور نہ اس پر عکوف ہو، بلکہ محض غلبۂ محبت سے مثل دوسرے محبوبات کے وہ بھی ذہن کے سامنے آجائے اور جب وہ ذہن سے غائب ہونے لگے تو اہتمام اس کے باقی رکھنے کا بھی نہ کیا جائے تو ایسے تصور شیخ میں کوئی مضائقہ نہیں۔ و٧١ (تو اصلی اور قدیم دین اور اس لئے صحیح دین تو ہمارا ہی ہے تم البتہ خواہ مخواہ ایک نئی بات لے کر اٹھے ہو) جاہل مذہبوں کا بڑا سہارا ہمیشہ یہی رہا ہے۔ و٧٢ یعنی مجرد تقلید آباؤ واجداد بھی بھلا کوئی دلیل ہے؟ آیت میں رد ہے جاہل مریدین ومقلدین کا جو اکابر کی تقلید واتباع میں غلو رکھتے ہیں اور دلیل صحیح مل جانے پر بھی انہیں کے قول یا عمل کو حجت بنائے رکھتے ہیں۔ و٧٣ مشرک قوم توحید سے اس درجہ ناآشنا بیگانہ ہو چکی تھی کہ اسے یہ آواز بھی بالکل عجیب وغریب اور افسانہ نما معلوم ہوئی، اور وہ لوگ یہی سمجھے کہ معلوم ہوتا ہے یہ ہمارے ساتھ ہنسی دل لگی کر رہے ہیں، ورنہ سنجیدگی سے تو کوئی ایسا انوکھا پیام پیش ہی نہیں کر سکتا۔ بالحق اے بجد (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اے بالجد (روح) و٧٤ یعنی میں اس عقیدۂ توحید پر دلیل بھی رکھتا ہوں۔ و٧٥ یہ ضرور نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فقرہ مجمع عام کو مخاطب کر کے اور پکار کر کہا ہو۔ اغلب ہے کہ زیر لب کہا ہو اور صرف آس پاس کے دو ایک شخصوں نے سن لیا ہو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ دشمن کو مغالطہ دینا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس سے نقض عہد وتائید باطل لازم نہ آجائے۔ و٧٦ (اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان پر تشنیع وتعریض اور گرفت کا پورا موقع ہاتھ آجائے) اِلَيْهِ میں ضمیر کا مرجع اکثر نے اس بڑے بت ہی کو لیا ہے۔ اے الی کبیرهم (کشاف) والضمیر الیه عند الجمهور عائد علی ابرٰهیم علیه السلام (روح) اے الی الکبیر (جلالین) لیکن اگر اس کا مرجع خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانا جائے جب بھی نتیجہ وہی رہے گا کہ جب میری طرف تحقیق حال کی طرف رجوع کریں گے اس وقت خوب موقع مجھے قائل کرنے کا مل جائے گا۔ یحتمل رجوعهم الی ابراهیم علیه السلام ویحتمل رجوعهم الی الکبیر (کبیر) و٧٧ حضرت ابراہیم علیہ السلام ادھر اپنے ارادہ کو قوت سے فعل میں لا چکے ہیں اور اب منظر یہ ہے کہ مندر میں پوجا پاٹ کرنے والے جب پوجا کے لئے جمع ہوئے ہیں تو انہوں نے اپنی مورتیوں کی یہ گت بنی دیکھی۔ سناٹے میں آگئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ایسی شدید گستاخی کی جرأت آخر کی کس نے؟

و۷۸ یہ اکا دکا کہنے والے وہی تھے جنہوں نے اس روز حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ فقرہ سن لیا تھا۔ یَذْكُرُهُمْ کے معنی ہی ہیں بتوں کا ذکر برائی سے کرنا۔ یذکرھم بالکسر ویعیبھم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) و۷۹ (اور گواہی دیں) یَشْهَدُوْنَ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہی کہ سب لوگ مشاہدہ کریں۔ یعنی یہ آ کر دیکھیں کہ ہم ایسے مجرم کو کیسی سخت سزا دیتے ہیں۔ یحضرون عقوبتنا

فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝٦٠ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ

نے تو ایک نوجوان کو جسے ابراہیم کہا جاتا ہے ان کا ذکر برائی سے کرتے سنا تھا و۷۸ (وہ لوگ) بولے تو پھر اس کو

عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝٦١ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ

سب لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ دیکھیں و۷۹ وہ بولے ارے تم ہی وہ ہو

فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝٦٢ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ

جس نے ہمارے ٹھاکروں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم؟ (آپ نے) کہا کہیں اس نے نہ کی ہو

كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝٦٣

ان کے اسی بڑے نے سو انہیں سے پوچھ دیکھو اگر یہ بولتے ہوں و۸۰

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٦٤

اس پر وہ لوگ اپنے جی میں سوچنے لگے پھر بول اٹھے بے شک تم ہی (سرتاسر) ناحق پر ہو و۸۱

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ

پھر اپنے سروں کو جھکا لیا و۸۲ (اے ابراہیم) تمہیں تو خوب معلوم ہے کہ یہ (ٹھاکر)

يَنْطِقُوْنَ ۝٦٥ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا

کچھ بولتے نہیں و۸۳ (آپ نے) کہا تو کیا تم اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہو جو

لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ۝٦٦ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا

نہ تمہیں نفع پہنچا سکیں اور نہ تمہیں نقصان ہی پہنچا سکیں تف ہے تم پر بھی اور ان پر بھی

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝٦٧ قَالُوْا

جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو و۸۴ تو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے؟ (وہ لوگ) بولے

حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝٦٨

انہیں جلا دو اور اپنے ٹھاکروں کا بدلہ لے لو اگر تمہیں (کچھ) کرنا ہے و۸۵

(کشاف) اور دوسرے یہ کہ لوگ اس مجرم کے اقرار جرم کو سن کر اس کے گواہ بن جائیں۔ یشھدون علیه بما سمع منه (کشاف) و۸۰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طنزیہ انداز گفتگو شروع ہی سے ظاہر ہے۔ اسی لب ولہجہ میں آپ نے اس وقت بھی فرمایا کہ "جی اور کیا۔ اور کہیں ان سے بڑے ٹھاکر جی ہی نے یہ حرکت نہ کی ہو۔ آپ انہیں سے کیوں نہیں دریافت کر لیتے؟" حدیث صحیح میں ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے اس قول کو کذب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس سے منکرین حدیث کو بخاری، مسلم، ترمذی کے خلاف ایک طومار کذب باندھنے کا موقع مل گیا ہے۔ حالانکہ بالکل صاف ظاہر ہے کہ یہ کذب صرف صورۃً تھا۔ نہ حضرت علیہ السلام کی نیت کسی غلط بات کہنے کی تھی نہ اس کلام سے اس بڑے مجمع میں کسی ایک متنفس کو بھی دھوکا یا مغالطہ ہوا۔ مقصود تمام تر مشرکین پر حجت الزامی قائم کرنا تھی، اور اس کے لئے آپ اعلان پیشتر سے کر بھی چکے تھے۔ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ۔ یہ تو صرف ایک بلیغ، موثر، خطیبانہ پیرایہ گفتگو تھا موقع کے مناسب حال، ایسا کذب (اور کذب عربی میں ہرگز اردو کے جھوٹ کے مترادف نہیں بلکہ اس سے کہیں وسیع معنی رکھتا ہے) ہرگز عصمت انبیاء کے منافی نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک توجیہ یہ بھی نقل کی ہے کہ فاعل كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کو نہ مانا جائے بلکہ بجائے اس کے تقدیر کلام یوں مانی جائے۔ فعله من فعله یعنی یہ حرکت تو کی جس نے کی اور كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کا تعلق صرف عبادت اللہ سے جوڑا جائے۔ انه کنایة عن غیر مذکور ای فعله من فعله (کبیر) اور کسائی نحوی سے منقول ہے کہ وہ بَلْ فَعَلَهٗ پر پورا وقف کر لیتے تھے اور كَبِيْرُهُمْ هٰذَا سے نیا فقرہ شروع کرتے تھے۔ یروی عن الکسائی انه کان یقف عند قوله بل فعله ثم یبتدئ کبیرھم ھٰذا (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی مصلحت دینی کے سبب سے بعض بزرگوں سے جو کلام بطور توریہ منقول ہے۔ اس کی اصل یہی آیت ہے۔ و۸۱ یعنی سوچنے کے بعد جی میں تو قائل ہی ہو گئے کہ بیشک غلطی ہماری ہی ہے اور آپس میں کہنے بھی لگے۔ ای تفکروا وتدبروا وتذکروا (روح) و۸۲ (جیسا کہ شرمندگی کے وقت انسان سر جھکا ہی لیتا ہے) لفرط اطراقھم خجلاً وانکسارًا (کشاف) و۸۳ (سوال سے پوچھا ہی کیا) یہ جواب ظاہر ہے کہ بالکل مغلوبانہ لہجہ میں تھا۔ و۸۴ تف ہے تمہاری مورتیوں کی بے بسی اور بیچارگی پر اور تف ہے تمہاری عقل ودانش پر کہ ایسوں کو اپنا خدا مانے ہوئے اور بنائے ہوئے ہو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مبغوضین فی اللہ کے ساتھ سختی سے پیش آنے کی جو عادت بعض بزرگوں کی ہوتی ہے اس کا ماخذ یہی آیت ہے۔ و۸۵ مجرمین کو آگ میں ڈال کر جلا دینے کی سزا اس وقت مختلف قوموں کے قانون میں عام تھی۔ روایات یہود میں آتا ہے کہ بادشاہ بابل نے ایک خاص بھٹی اس کے لئے تیار کرائی، پانچ پانچ گز کے دور میں لکڑی کا ڈھیر لگا کر اس میں آگ لگائی گئی اور ابراہیم علیہ السلام کو اس میں پھینکا گیا۔

و۸۶ جو خدا آگ کو جلانے کا حکم دیتا رہتا ہے، وہ اس پر بھی اسی آسانی سے قادر ہے کہ اسے نہ جلانے کا بھی حکم دے دے، یہ کہنا کہ آگ تو جماد و لاعقل و بے شعور ہے، اس سے خطاب کیونکر ہوا ہو گا۔ عجیب احمقانہ اعتراض ہے۔ آگ کی جمادیت، بے شعوری وغیرہ اگر ہے تو ہماری نسبت سے ہے یا خود خالق کائنات کی نسبت سے بھی؟ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ کی قید سے قرینہ اس کا نکلتا ہے کہ آگ کی تبدیل ماہیت نہ ہوئی ہو، وہ وہی بدستور آگ ہی ہو البتہ موذی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں نہ رہی ہو یا اس کے علاوہ بھی کوئی صورت فرض کی جائے۔ واقعہ خارق عادت تو بہر حال و بہر صورت تھا۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَ اَرَادُوْا

ہم نے حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیم کے حق میں و۸۶ اور (لوگوں نے) ان کے ساتھ

بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾ وَ نَجَّيْنٰهُ

برائی کرنا چاہی تھی سو ہم نے انہیں (لوگوں) کو ناکام کر دیا و۸۷ اور ہم نے ان کو

وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور لوط کو ایسی سرزمین کی طرف بھیج کر بچا لیا جس کو ہم نے دنیا جہان والوں کے واسطے بابرکت بنایا ہے و۸۸

وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا

اور ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب "پوتا" عطا کیا اور ہر ایک کو ہم نے

صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

صالح بنایا و۸۹ اور ہم نے ان (سب) کو پیشوا بنایا، ہدایت کرتے تھے ہمارے حکم سے و۹۰

وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ

اور ہم نے ان کے پاس وحی سے حکم بھیجا نیک کاموں کے کرنے کا اور نماز کی پابندی کا

وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَ لُوْطًا اٰتَيْنٰهُ

اور ادائے زکوٰۃ کا اور وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے تھے و۹۱ اور لوط کو ہم نے

حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ

حکمت اور علم عطا کیا و۹۲ اور ہم نے انہیں اس بستی سے نجات دی جس کے

تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾

رہنے والے گندے کام کرتے رہتے تھے بے شک وہ لوگ بڑے ہی بدکار تھے و۹۳

وَ اَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا بے شک وہ بڑے نیک کاروں میں تھے و۹۴

سَلٰمًا حذف مضاف کے ساتھ ہے یعنی سلامتی والی والمعنی ذات برد وسلامة (کشاف) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض اولیاء امت سے جو اسی قسم کی کرامتیں منقول ہیں وہ اسی قصہ کی نظیر ہیں۔ و۸۷ (کہ ان کا مقصود یعنی ہلاکت ابراہیم علیہ السلام تو حاصل نہ ہوا، بلکہ الٹی حقانیت ابراہیم اور زیادہ روشن ہو گئی) و۸۸ مراد ہے سرزمین شام جو دینی و دنیوی برکتوں اور رحمتوں کی جامع ہے۔ دینی برکتیں یہ کہ حضرات انبیاء کثرت سے اس سرزمین پر آئے اور دنیا کے پھیلے ہوئے شرک کے مقابلہ میں یہاں توحید کی اشاعت خوب ہوئی۔ اور دنیوی برکتوں سے اس ملک کی خوشگوار و صحت بخش آب و ہوا اور اس سرزمین کی سرسبزی و شادابی ہے۔ توریت میں بھی شام کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ وَلُوْطًا۔ حضرت لوط آپ کے بھتیجے تھے، اور آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فریق مخالف کے ملک کو چھوڑ کر ہجرت کر جانا توکل کے منافی نہیں، بلکہ سنت انبیاء کے موافق ہے۔ و۸۹ یعنی صالحیت کے درجۂ کمال پر تھے۔ اس تصریح کی ضرورت اس لئے پڑی کہ اہل کتاب نے اپنی کتاب میں عجیب عجیب گندے الزامات ان مقدس حضرات پر لگا رکھے ہیں۔ قرآن ان سب سے ان حضرات کی تبری کرتا ہے۔ نَافِلَةً کے معنی علاوہ، زیادہ اور عطیہ کے پوتے کے بھی آئے ہیں۔ الولد الولد (کشاف) وھو ولد الولد (راغب) و۹۰ (خلق کو) صٰلِحِيْنَ میں ابھی یہ بیان آچکا ہے کہ یہ حضرات تکمیل نفس کے مدارج طے کئے ہوئے تھے۔ اب بیان اس کا ہو رہا ہے کہ دوسروں کی بھی تکمیل کر دیتے تھے۔ گویا اعلیٰ درجہ کے صالح ہی نہ تھے۔ اعلیٰ درجہ کے مصلح بھی تھے۔ و۹۱ عٰبِدِيْنَ کی تقدیم لَنَا پر تاکید و تخصیص کی مقتضی ہے، یعنی وہ بس ہماری ہی عبادت کرتے تھے۔ صٰلِحِيْنَ میں کمالِ نبوت کی طرف اور اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ میں کمالِ علم کی طرف اور كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ میں کمال عمل کی طرف اور اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ میں تکمیل للغیر کی طرف اشارہ ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) توریت موجودہ میں انبیاء کرام کو عموماً بس اس حیثیت سے پیش کیا گیا ہے کہ وہ ایک قسم کے کاہن یا پیشگوئیاں کرنے والے تھے۔ قرآن مجید کو اس کی تردید میں بار بار یہ وضاحت کرنی پڑی کہ پیمبروں کا اصلی کام ہدایت خلق ہے اور اپنے تزکیۂ نفس کی تکمیل کے بعد دوسروں کے تزکیۂ نفس کی تکمیل ہے۔ و۹۲ (ان کے مرتبہ و شان کے متناسب) حُكْمًا وَّ عِلْمًا۔ دونوں پر تنوین مرتبہ، حکمت و علم کی تعظیم و شان کے لئے ہے۔ اعلم ان ادخال التنوين عليهما يدل على علو شان ذلك العلم وذلك الحكم (کبیر) و۹۳ لوط علیہ السلام پر اور ان کی امت کی بدکاریوں پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے۔ ان کی اصلی اور سب سے بڑی بدکاری کا شارح تو خود لفظ لواطت ہے۔ باقی وہ قوم اور بھی اخلاقی پستیوں میں پڑی ہوئی تھی۔ روایات یہود میں آتا ہے کہ خیر و خیرات کرنا غریبوں کو کھلانا پلانا ان کی سوسائٹی میں ایک شدید جرم تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ قَرْيَة سے مراد اہل قریہ ہیں (ابن عباس رضی اللہ عنہما) و۹۴ (جیسا کہ ایک پیمبر کو ہونا ہی تھا، نہ کہ معاذ اللہ حرامکار و شہوت پرست، جیسا کہ یہود نے ان کے متعلق اپنی روایات میں گڑھ رکھا ہے، اور توریت تک میں ان کی زندگی کو شرمناک جرائم سے داغدار کر کے دکھایا ہے) ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ رحمة سے مراد لی گئی ہے اہل رحمت۔ في رحمتنا اى في اهل رحمتنا (کشاف)

وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ

اور نوح (کا تذکرہ کیجیے) جب کہ (اس سے) قبل و۹۵ جب کہ انہوں نے (ہم کو) پکارا تھا سو ہم نے ان کی سن لی

وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾ وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ

اور انہیں اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑے غم سے نجات دی و۹۶ اور ہم نے ان کا بدلہ لے لیا

الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ

ایسے لوگوں سے جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا بے شک وہ لوگ بہت ہی برے تھے

فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۷۷﴾ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ

سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا و۹۷ اور داؤد وسلیمان (کا بھی ذکر کیجیے) جب وہ کھیت کے بارہ میں

فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا

فیصلہ کر رہے تھے جب کہ اس میں لوگوں کی بکریاں رات کو جا پڑی تھیں و۹۸ اور ہم

لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَیْنَا

ان لوگوں سے متعلق فیصلہ کو دیکھ رہے تھے و۹۹ سو ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دے دی و۱۰۰ اور حکمت وعلم تو

حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؗ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ

ہم نے ہر ایک کو دیا تھا و۱۰۱ اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو کہ وہ اور پرندے

وَ الطَّیْرَ ؕ وَ كُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۷۹﴾ وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ

تسبیح کیا کرتے تھے اور (یہ) کرنے والے ہم تھے و۱۰۲ اور ہم نے انہیں زرہ کی صنعت تمہارے (نفع کے) لئے سکھلا

لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

دی تھی تاکہ وہ تم کو تمہاری لڑائی میں بچائے و۱۰۳ سو کیا تم شکر ادا کرو گے؟ و۱۰۴

وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَةً تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَی

اور ہم نے سلیمان (کے تابع) زور دار ہوا کو (بنا دیا تھا) کہ وہ ان کے حکم سے چلتی

و۹۵ یعنی زمانہ ابراہیم، لوط سے بھی قبل۔ و۹۶ (جس میں وہ کافروں کی تکذیب وایذاء سے مبتلا تھے) کرب عظیم سے مراد طوفان وغرقابی بھی ہوسکتی ہے۔ وهو الطوفان او اذية قومه (روح) اهل سے مراد نوح کے خاندان والے نہیں، دین والے ہیں۔ فالمراد بالاهل هٰهنا اهل دينه (کبیر) و۹۷ (ان کی بدکاری کی بناء پر) اٰیات سے مراد احکام بھی ہوسکتے ہیں۔ مِنَ الْقَوْمِ یہاں مرادف ہے علی القوم کے (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اور مِنْ یہاں علی کے معنی میں ہے۔ قبیلۂ ہذیل کی زبان سند ہے۔ زمخشری نے لکھا ہے کہ میں نے ایک ہذیلی کو علی کے موقع پر من بولتے سنا ہے۔ وہ چور کو بددعا دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا اللّٰهم انصرهم منه اے اجعلهم منتصرين منه (کشاف) اور یہی قول ابوعبیدہ لغوی کا ہے۔ قال ابو عبيده من بمعنى على (کبیر) و۹۸ (اور کھیت کو چر گئی تھیں) حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام دونوں پر مفصل حاشیے گزر چکے ہیں۔ یہ دونوں حضرات پیمبر ہونے کے ساتھ ہی حاکم وفرمانروا بھی تھے اور قدرتی طور پر مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ نَفَشَتْ۔ نفش رات میں جا پڑنے اور حملہ کرنے کو کہتے ہیں۔ قال الزهري النفش لا يكون الا بالليل (جصاص) آیت سے صاف ظاہر ہے کہ فرماں روا اور حکمراں ہونا نبوت تک کے منافی نہیں چہ جائیکہ ولایت کے۔ و۹۹ حکمهم میں ضمیر جمع قوم کی جانب ہے یا اس کے مفہوم مقدر پر اهل الحرث واهل الغنم کی جانب۔ یا پھر داؤد وسلیمان علیہما السلام اور قوم تینوں کی جانب۔ اے لحكم داؤد وسليمٰن والقوم الذين حكما بينهم (ابن جریر) و۱۰۰ یہاں یہ ارشاد نہیں کہ صحیح فیصلہ بذریعہ وحی حضرت سلیمان علیہ السلام پر القاء کیا گیا تھا۔ متبادر یہ ہوتا ہے کہ اصابت رائے وصحت فہم کی قوت حضرت سلیمان علیہ السلام کو زائد عطا ہوئی تھی اور اس میں کیا شک کہ سلیمان علیہ السلام کی حکمت ودانائی، خوش فہمی اور قوت فیصلہ آج تک یہود ومسیحی اقوام میں بہ طور ضرب المثل کے چلی آتی ہے۔ عارفین نے یہاں سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ صحت نظر وجودت قیاس بھی محض فضل ربانی ہے۔ چنانچہ اسے اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا کہ ہم نے سمجھا دیا، سمجھا دیا۔ ”صورت مقدمہ کی یہ تھی کہ جس قدر کھیت کا نقصان ہوا تھا اس کی لاگت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی۔ داؤد علیہ السلام نے ضمان میں کھیت والے کو وہ بکریاں دلوا دیں اور اصل قانون شرعی کا یہی مقتضا تھا۔ جس میں مدعی یا مدعا علیہ کی رضا بھی شرط نہیں۔ مگر چونکہ اس میں بکری والوں کا بالکل ہی نقصان تھا اس لیے سلیمان علیہ السلام نے بہ طور مصالحت کے جو کہ موقوف تھی تراضی طرفین پر۔ یہ صورت جس میں دونوں کی سہولت اور رعایت تھی تجویز فرمائی کہ چند روز کے لیے بکریاں تو کھیت والے کو دی جائیں کہ دودھ وغیرہ سے اپنا گزر کرے اور بکری والوں کو وہ کھیت سپرد کیا جائے کہ اس کی خدمت آبپاشی وغیرہ سے کریں۔ جب کھیت پہلی حالت پر آ جائے تو کھیت اور بکریاں اپنے اپنے مالکوں کو دے دی جائیں۔ پس اس سے معلوم ہو گیا کہ دونوں فیصلوں میں کوئی تعارض نہیں کہ ایک کی صحت دوسرے کی عدم صحت کو مقتضی ہو۔ اس لیے كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا بڑھا دیا گیا“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) و۱۰۱ (دونوں میں سے) اس سے ظاہر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی غلط یا علم وحکمت سے خالی نہ تھا البتہ فیصلۂ سلیمانی اس سے بہتر تھا۔ فقہاء نے اس سے متعدد مسائل مستنبط کیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ (۱) اظہار حق میں شرم وادب نہ چاہیے۔ ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کبھی اپنے والد بزرگوار کے فیصلہ کے خلاف زبان نہ ہلاتے (۲) اظہار حق بہ مصلحت شرعی کبھی واجب ہو جاتا ہے اور کبھی مستحب (۳) ایک قاضی کا فیصلہ دوسرے قاضی کے فیصلہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔ (۴) ایک مجتہد کو چاہیے کہ اپنے فیصلہ سے رجوع کر لے جب اسے دوسرا فیصلہ اپنے فیصلہ سے ارجح نظر آئے۔ و۱۰۲ (ان خوارق کے، نہ کہ کوئی اور۔ تو پھر ان کے واقع ہونے میں کوئی تعجب کیوں کرے!) سَخَّرْنَا۔ ”تسخیر جبال“ کے یہ معنی کرنا کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب پہاڑوں میں تسبیح میں مشغول ہوتے تھے تو پہاڑ ان کی آواز سے گونجنے لگتے تھے، قرآن کی تفسیر نہیں قرآن کی تحریف ہے۔ اول تو یہ کہیں سے نہیں ثابت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح وتہلیل کے وقت اپنے قصر وایوان ومسجد کو چھوڑ کر پہاڑوں کے اوپر یا پہاڑ کی کسی کھوہ میں تشریف لے جاتے تھے، دوسرے پہاڑ پر آواز گونجنے ہی کیوں لگی۔ اس کے لیے تو لازمی تھا کہ آپ تسبیح باواز بلند کرتے۔ تیسرے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ قرآن کی کہنے والی ہی کون سی بات ہے خصوصاً محل مدح واظہار نعمت میں۔ بلند آواز کی گونج تو پہاڑوں میں نبی غیر نبی، مومن وکافر ہر انسان بلکہ ہر جانور کی بھی اٹھتی ہی رہتی ہے۔ مَعَ۔ ”تسخیر سے مراد محض تبعیت واقتداء فی التسبیح ہے نہ یہ کہ ان کے فرمانے سے تسبیح کرتے تھے۔ گو ممکن یہ بھی ہے مگر محتاج دلیل ہے“ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) توریت کی کتاب زبور میں داؤد علیہ السلام کی زبان سے ہے:۔ ”پہاڑ اور سارے ٹیلے میوہ دار درخت اور سارے دیودار، جنگلی جانور اور سارے مواشی اور کیڑے مکوڑے اور پرندے ..... وہ خداوند کے نام کی پرستش کریں۔ کہ اس کا نام اکیلا عالی شان ہے۔ اسی کا جلال زمین اور آسمان کے اوپر پھیلا ہے۔“ (زبور ۱۴۸: ۹-۱۳) و۱۰۳ (ایک دوسرے کی زد سے) قرآن کے اس بیان سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ کے موجد بھی ہوں اور یہ صنعت آپ سے قبل نامعلوم ہو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے دو مسئلہ ثابت ہوتے ہیں۔ ایک دستکاری سے معاش حاصل کرنا۔ دوسرے اسباب عادیہ کا استعمال توکل کے منافی نہ ہونا۔ و۱۰۴ (اس نعمت کا) صنعت زرہ سازی کو قرآن نے خاص محل نعمت میں بیان کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فنون وصنائع حرب مطلق صورت میں حرام نہیں، بلکہ انہیں حرام ولغو مقاصد کے لئے نہ استعمال کیا جائے تو مستحسن وقابل قدر ہیں۔

الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْهَا ؕ وَ کُنَّا بِکُلِّ شَیْءٍ

اس سرزمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھ دی ہے ف۱۰۵ اور ہم تو ہر ایک چیز کا

عٰلِمِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ مِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ

علم رکھتے ہیں ف۱۰۶ اور شیطانوں میں ایسے بھی ہوئے ہیں جو ان کے (یعنی سلیمان کے) لیے غوطہ لگاتے تھے ف۱۰۷

وَ یَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِکَ ۚ وَ کُنَّا لَهُمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۲﴾

اور وہ (اور) کام بھی اس کے علاوہ کرتے رہتے تھے ف۱۰۸ اور ہم ہی ان کے سنبھالنے والے تھے ف۱۰۹

وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ

اور ایوب (کا تذکرہ کیجیے) ف۱۱۰ جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور تو سب

الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَکَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ

مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے ف۱۱۱ سو ہم نے ان کی (دعا) قبول کرلی اور انہیں جو تکلیف تھی اس کو دور کردیا

وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

اور ہم نے انہیں ان کا کنبہ عطا کر دیا اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاص کے باعث

وَ ذِکْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِدْرِیْسَ

اور تاکہ یادگار رہے اہل عبادت کے لئے ف۱۱۲ اور اسمٰعیل اور ادریس

وَ ذَا الْکِفْلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ

اور ذوالکفل کا (تذکرہ کیجیے) (یہ) سب ثابت قدم رہنے والوں میں تھے ف۱۱۳ اور ہم نے ان (سب) کو اپنی رحمت

رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ

(خاص) میں داخل کر لیا تھا بے شک وہ (سب) صالح لوگوں میں سے تھے ف۱۱۴ اور مچھلی والے (پیغمبر کا بھی ذکر کیجیے)

ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ فَنَادٰی فِی

جب کہ وہ خفا ہو کر چلے گئے ف۱۱۵ اور یہ سمجھے کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے ف۱۱۶ پھر انہوں نے اندھیروں میں سے

ف۱۰۵ یعنی ملک شام کی طرف کہ وہ جب کبھی باہر جاتے تو واپس ہوا کے ذریعہ سے آتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے معجزۂ تسخیر جبال کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزۂ تسخیر ہوا کا ذکر اب آیا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لطیفہ خوب لکھا ہے کہ باپ کا مسخر کثیف ترین جسم کیا گیا یعنی پتھر اور چٹان اور بیٹے کا مسخر لطیف ترین جسم کیا گیا یعنی ہوا۔ ف۱۰۶ (سو ہم جانتے تھے کہ سلیمان علیہ السلام کو یہ قوت دینا کس قدر مفید اور موافق مصالح ہوگا) ف۱۰۷ (سمندر اور دریا میں کہ موتی نکال نکال کر لائیں) فیخرجون من البحر الجواھر (ابن عباس رضی اللہ عنہما) شیطان سے مراد یہاں جن ہیں۔ الشَّیٰطِیْنِ۔ مراد جن ہیں جو اغلباً کافر تھے۔ شیطان کے لفظی مفہوم میں تو انسان، حیوان، جن ہر وہ مخلوق شامل ہے جو سرکش وخبیث ہو۔ ابوعبیدہ لغوی کا قول نقل ہوا ہے۔ الشیطان اسم لکل طارم من الجن والانس والحیوانات (راغب) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں اصل ہے اس قول کی کہ ؎ ہر کہ ترسید از حق وتقویٰ گزید ترسد ازوے جن وانس وہر کہ دید اور اگر اس کے خلاف کہیں واقع ہو تو وہ کسی عارض کی بنا پر ہوگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسخیر جنات وشیاطین کا ذکر روایات یہود میں بھی ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی ف۱۰۸ مثلاً یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تعمیری خدمات انجام دیں جیسا کہ کلام مجید ہی میں تصریح ہے یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ (سبا) ف۱۰۹ ایک تو جن، اور پھر سرکش شیطانی قسم کے۔ ارشاد فرمایا کہ ان کے سنبھالنے والے، انہیں قابو میں رکھنے والے، سلیمان علیہ السلام نامے انسان نہیں بلکہ ہم خود تھے...... اللہ اللہ! توحید کی تاکید وحفاظت کا کس درجہ اہتمام قرآن مجید کو رہتا ہے! ف۱۱۰ ایوب علیہ السلام اسرائیلی تو نہ تھے، اسحاقی وابراہیمی تھے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پانچویں پشت میں حضرت اسحٰق کے بڑے صاحبزادہ اور حضرت یعقوب کے بڑے بھائی عیص کی اولاد میں تھے۔ توریت میں ہے کہ "عوض کی سرزمین کے رہنے والے تھے۔ اور عوض سے متعلق علماء فرنگ کی تحقیق ہے کہ یہ عرب کے شمال ومغرب میں فلسطین کی مشرقی سرحد کے قریب کا ملک تھا۔ زمانہ آپ کا متعین نہ ہو سکا۔ علماء یہود کا بیان ہے کہ آپ کی عمر ۲۱۰ سال کی ہوئی۔ اور آپ فرزندان یعقوب کے ہمعصر ہیں۔ پیغمبر ہونے کے ساتھ ہی آپ امیر کبیر بھی تھے اور کثیر الاولاد بھی۔ توریت میں ہے:۔ "عوض کی سرزمین میں ایوب نامے ایک شخص تھا۔ اور وہ شخص کامل اور صادق تھا۔ اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا۔ اس کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ اس کے مال میں سات ہزار بھیڑیں اور تین ہزار اونٹ اور پانچ سو جوڑے بیل اور پانچ سو گدھیاں تھیں۔ اور اس کے نوکر چاکر بہت تھے۔ ایسا کہ اہل مشرق میں ایسا مالدار کوئی نہ تھا۔" (ایوب۔ ۱:۱۔۳) ف۱۱۱ (سو تو میری تکلیف کو بھی دور کردے) توریت میں آتا ہے کہ شیطان نے ایک روز دربار خداوندی میں عرض کیا کہ ایوب کے جس صبر وشکر کی اتنی دھوم مچی ہوئی ہے وہ تو بس اسی بناء پر ہے کہ تو نے اسے ہر طرح کی نعمتوں سے نواز رکھا ہے۔ ذرا یہ نعمتیں چھن جائیں تو حال معلوم ہو جائے۔ حکم ہوا، اچھا تجھے اختیار ہے۔ جا اور جس طرح چاہے ان کی آزمائش کر دیکھ۔ چنانچہ شیطان نے آکر ان پر طرح طرح کی مصیبتوں کے پہاڑ توڑنے شروع کئے۔ کہاں آج امیر کبیر تھے۔ کہاں دفعۃً مفلس قلاش ہو گئے۔ ساری کھیتیاں جل گئیں۔ سارے گلے مر گئے، سارے نوکروں چاکروں کو دشمنوں نے مار ڈالا۔ ساری اولاد اکبارگی مکان میں دب کر مر گئی۔ ان ناقابل یقین مصائب کے بھی یک بیک ٹوٹ پڑنے پر ایوب علیہ السلام نے کہا تو صرف اتنا کہا کہ "اٹھ کے اپنا پیراہن چاک کیا اور سر منڈایا اور زمین پر جھک پڑا اور سجدہ کیا اور کہا، اپنی ماں کے پیٹ سے میں ننگا نکل آیا اور پھر ننگا وہاں جاؤں گا، خداوند نے دیا اور خداوند نے لیا خداوند کا نام مبارک ہے۔ اس سارے مقدمہ میں ایوب نے گناہ نہ کیا اور نہ خدا پر بے وقوفی کا عیب لگایا۔" (ایوب۔ ۱:۲۱،۲۲) اس کے بعد شیطان نے ان پر پھوڑوں کی گندی بیماری مسلط کی اور سر سے پیر تک پھوڑوں میں لد گئے۔ توریت میں ہے:۔ ایسا کہ تلوے سے لے کے چاندی تک اسے جلتے پھوڑے ہوئے اور وہ ایک ٹھیکرا لے کے اپنے تئیں کھجلانے لگا اور راکھ پر بیٹھ گیا۔" (ایوب۔ ۲:۷،۸) ف۱۱۲ یعنی تاکہ اہل تقویٰ وعبادت یاد رکھیں کہ صابروں کو کیسے صلے ملتے ہیں۔ رَحْمَةً وَّ ذِکْرٰی۔ رحمت اور ذکری دونوں بطور سبب بیان ہوئے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ رحمت کی حیثیت علت فاعلی مؤثر کی ہے۔ اور وہ زمانا متقدم ہے۔ اور ذِکْرٰی کی حیثیت علت غائی مؤخر کی ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ماجرا رحمت تھا خود حضرت ایوب کے حق میں اور یادگار ان کے بعد والوں کے لئے کہ وہ بھی انکے نقش قدم پر چل کر ان کے سے مرتبے حاصل کریں۔ یعنی رحمة لایوب وتذکرة لغیرہ من العابدین لیصبروا کصبرہ (مدارک) توریت میں ہے:۔ "اور خداوند نے ایوب کی طرف توجہ کی...... اور خداوند نے ایوب کو آگے کی نسبت سے دونی دولت عنایت کی۔ اور اس کے سب بھائی اور سب بہن اور اس کے اگلے سب جان پہچان اس کے پاس آئے اور اس کے گھر میں انہوں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا...... اور خداوند نے ایوب کے آخر عمر میں ابتدا کی نسبت سے بہت برکت عطا کی، اور وہ چودہ ہزار بھیڑوں اور چھ ہزار اونٹوں اور ایک ہزار جوڑے بیل اور ایک ہزار گدھوں کا مالک ہوا۔" (ایوب۔ ۴۲:۱۰۔۱۳) آیت سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ دعا صبر کے منافی نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے دو مسئلے نکلتے ہیں ایک یہ کہ دعا منافی توکل نہیں، دوسرے احساس حاجت مندی سے (جو غلبۂ عبدیت سے پیدا ہوتی ہے) اللہ سے شکوہ کرنا رضا کے منافی نہیں۔ ف۱۱۳ (احکام تشریعی پر بھی اور تکوینی پر بھی) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر تو بار بار آچکا ہے اور حضرت ادریس پر بھی حاشیے پ۱۶ سورۂ مریم میں گزر چکے۔ حضرت ذوالکفل سے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ ترجیحی قول یہ ہے کہ آپ انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے اور توریت میں آپ کا نام حزقیل نبی آیا ہے۔ "اور تیسویں برس کے چوتھے مہینہ کی پانچویں تاریخ

الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ

پکارا ف۱۱۷ کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی (سب نقائص سے) پاک ہے بے شک میں ہی

مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ

قصوروار ہوں ف۱۱۸ سو ہم نے ان کی (پکار) سن لی اور انہیں غم سے نجات دے دی

وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۸﴾ وَزَكَرِیَّاۤ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ

اور ہم ایمان والوں کو ایسی ہی نجات دیا کرتے ہیں ف۱۱۹ اور زکریا (کا ذکر کیجیے) ف۱۲۰ جب کہ انہوں نے اپنے

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۸۹﴾

پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار مجھے لاوارث مت رکھ اور بہترین وارث تو تُو (خود ہی) ہے ف۱۲۱

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَهٗ

سو ہم نے ان کی (پکار) سن لی اور ہم نے انہیں یحییٰ کو عطا کیا ف۱۲۲ اور ان کی خاطر ہم نے ان کی بیوی کو

زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا

صحیح کر دیا ف۱۲۳ بے شک یہ (سب) نیک کاموں میں دوڑنے والے تھے اور ہم کو پکارتے رہتے تھے

رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ﴿۹۰﴾ وَالَّتِیْۤ

شوق اور خوف کے ساتھ، اور ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے ف۱۲۴ اور ان بیوی کا بھی (ذکر کیجیے)

اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا

جنہوں نے اپنے ناموس کو بچا لیا ف۱۲۵ پھر ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی ف۱۲۶

وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ

اور ہم نے ان کو اور ان کے فرزند کو دنیا جہان والوں کے لئے ایک نشان بنا دیا۔ ف۱۲۷ بے شک یہی ہے تمہارا طریقہ،

اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْۤا

طریقہ واحد ف۱۲۸ اور میں تمہارا پروردگار ہوں سو تم میری ہی پرستش کرو لیکن لوگوں نے آپس میں

میں ایسا ہوا کہ جب میں نہر کبار کے کنارہ پر اسیروں کے درمیان تھا تو آسمان کھل گیا اور میں نے خدا کی رویتیں دیکھیں اور اس مہینہ کے پانچویں دن یہی سہوتکین بادشاہ کی اسیری کے پانچویں برس میں ایسا ہوا کہ خداوند کا کلام بوزی کاہن کے بیٹے حزقی ایل کو جو کسوبون کے ملک میں نہر کبار کے کنارہ پر تھا پہنچا اور وہاں خداوند کا ہاتھ اس پر تھا۔" (حزقی ایل۔ ۱:۱۔ ۳) بخت نصر تاجدار اسیریا جب پر وشلم پر حملہ شدید کر کے ہزار ہا اسرائیلیوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ ۵۹۷ ق،م میں تو ان میں سے ایک آپ بھی تھے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۱۱۴ مسلمان کے لئے تو یہ عقیدہ کافی ہے کہ یہ حضرات جب نبی تھے تو صالح بدرجہ اولی ہوں گے۔ لیکن اسے کیا کیجئے کہ بائبل والوں نے اپنے پیمبروں کو بری طرح گناہوں میں مبتلا دکھایا ہے۔ نبوت ان کے ہاں گویا محض ایک قسم کی کہانت یا اشراقیت تھی اور اس کا تعلق اخبار بالغیب سے تو تھا لیکن تزکیۂ نفس یا تطہیر اخلاق سے بالکل نہیں۔ ف۱۱۵ (اپنی قوم سے جب کہ وہ لوگ ایمان نہ لائے) مغاضبا لقومه (بیضاوی) ای غضبان علی قومه (روح) بعض صحابہ و تابعین سے جو تفسیر مغاضبا لربه منقول ہے سو یہ تفسیر خود تشریح طلب ہے۔ لربه کے معنی یہاں کئے جاویں گے لاجل ربه و حمیة لدینه یعنی اپنے پروردگار کی خاطر، اور اپنی غیرت دینی کے باعث اور کلمه ل کو موصولہ نہیں بلکہ لام علت کے معنی میں لیں گے۔ لم یفعله الا غضبا لله والفة لدینه وبغضا للکفر (کشاف) ف۱۱۶ (ان کے بلا انتظار وحی چلے جانے پر) حضرت یونس علیہ السلام اپنے اجتہاد سے یہ سمجھے کہ جب قوم پر سے عذاب ٹل گیا تو اب یہاں ٹھہرنا ضروری نہیں اور نہ میرے چلے جانے میں کوئی ہرج ہے۔ اس لئے بلا انتظار نص و وحی وہاں سے چلے گئے۔ حالانکہ مرتبہ نبوت کے شایان شان یہی تھا کہ انتظار وحی کیا جاتا۔ لَنْ نَّقْدِرَ۔ قدر بمعنی استطاعت و قابو نہیں، ضیق و تنگی کے مفہوم میں ہے۔ قدرت سے نہیں تقدیر سے ہے۔ فسرت بالتضیق علیه (کشاف) ای ان لن نضیق علیه (کبیر) ذوالنون حضرت یونس علیہ السلام ہی کا لقب ہے اور حضرت یونس علیہ السلام پر حاشیے پارہ ۱۱ سورۂ یونس میں گزر چکے۔ ف۱۱۷ پارہ ۲۳ میں یہ قصہ ذرا تفصیل سے آئے گا۔ مختصر یہ کہ آپ جس جہاز پر تھے اس کے جہاز رانوں نے آپ کو مجرم سمجھ کر طوفان کے وقت سمندر میں پھینک دیا۔ کوئی ایک مچھلی شارک یا وہیل کے قسم کی آپ کو نگل گئی۔ یہ مناجات آپ شکم ماہی سے فرما رہے ہیں۔ ظُلُمٰت صیغۂ جمع ہے دریا کے نیچے کا اندھیرا، مچھلی کے پیٹ کے اندر کا اندھیرا۔ صیغۂ جمع سے متعدد تاریکیاں مراد ہیں۔ ف۱۱۸ (کہ میرے منصب کے مناسب وحی الٰہی کا انتظار کرنا تھا، میں بغیر اس انتظار کے نکل کھڑا ہوا) آپ کا اپنے کو ظالم کہنا اسی معنی میں ہے کہ میں ترک عزیمت و افضلیت کا مرتکب ہوا، ہر نعمت ایک خاص مقام عبودیت کو مقتضی ہوتی ہے اور ایک خاص درجہ ادائے حقوق کا چاہتی ہے۔ اس درجہ و مرتبہ کے ادائے حقوق میں کمی یا کوتاہی رہ جانا ظلم ہے۔ آپ ظلم کا اطلاق اپنے حق میں اسی معنی میں کر رہے ہیں۔ ف۱۱۹ یعنی ایک یونس ہی پر کیا موقوف ہے جو مومن بھی ہم سے دعا کرے اسے غم سے نجات دے دی جاتی ہے۔ بشرطیکہ اسے غم میں رکھنا ہی مصلحت نہ ہو۔ ف۱۲۰ حضرت زکریا پر حاشیے سورۂ آل عمران پارہ سوم میں گزر چکے۔ ف۱۲۱ یعنی حقیقی وارث تو اللہ ہی ہے جسے کبھی فنا نہیں لیکن میں جو ظاہری اور مادی وارث کو مانگ رہا ہوں وہ اس لئے جو خدمت دین کی کر رہا ہوں ان کا سلسلہ اس کے ذریعہ سے چلتا رہے اور میرے بعد ہی بند نہ ہو جائے۔ ف۱۲۲ (بطور فرزند صالح اور وارث کے) یحییٰ علیہ السلام پر بھی حاشیے گزر چکے۔ ف۱۲۳ (کہ وہ عاقر تھیں اب انہیں قابل اولاد بنا دیا) ای اصلحها للولادة (کبیر) بان جعلها ولودا (ابن جریر) سعید ابن جبیر قتادہ وغیرہ تابعین سے مروی ہے کہ بیوی صاحبہ کا شباب لوٹا دیا گیا تھا۔ برد شبابها الیها وجعلها ولودا کما روی عن ابن جبیر وقتادة (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس تفسیر سے یہ نکلتا ہے کہ استجابت دعا کے وقت اکثر عادت الٰہی یہ ہے کہ جو چیزیں عموماً و عادةً جن اسباب سے پیدا ہوتی ہیں اکثر ان کے لئے وجود میں لانے کے لئے وہی اسباب مہیا کر دیئے جاتے ہیں گو وہ قادر مطلق بلا اسباب ہی تکوین پر قادر ہے۔ ف۱۲۴ (کہ اس سے ان کی کمال عبدیت و عبودیت اور ہماری کمال عظمت و معبودیت ثابت ہوتی ہے) اہل خشوع و اہل تواضع کی مدح سے توریت و انجیل بھی لبریز ہیں۔ مثلاً "خداوند انہیں جو ٹھیرا گئے ہیں۔ سیدھا کھڑا کرتا ہے۔" (زبور۔ ۱۴۶:۸) "خداوند حلیموں کو سنبھالتا ہے۔ پر شریروں کو زمین پر پٹک دیتا ہے۔" (زبور۔ ۱۴۷:۶) "خداوند اپنے لوگوں سے خوش ہوتا ہے۔ وہ حلیموں کو نجات کی زینت بخشتا ہے۔" (زبور۔ ۱۴۹:۴) "مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کیونکہ وہی زمین کے وارث ہوں گے۔" (متی۔ ۵:۵) لانهم سے مراد وہ سب لوگ ہیں جن کا ذکر اسی سورت میں آ چکا ہے۔ رَغَبًا وَّرَهَبًا۔ یعنی عبادت کمال امید و بیم کے ساتھ کرتے رہتے ہیں جو عین علامت ہے ایمان کامل کی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ سابق نعمتوں کی علت کے موقع پر آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طاعت نعمت دنیوی کا بھی سبب بن جاتی ہے۔ ف۱۲۵ (مردوں سے تمامتر یعنی نکاح سے بھی اور ناجائز صورتوں سے بھی) مراد مریم بنت عمران علیہا السلام ہیں۔ حاشیے سورۂ آل عمران پ۳ میں گزر چکے۔ یہود جو گندے الزامات آپ پر لگا چکے تھے اور جو آج تک ان کی کتابوں میں منقول چلے آتے ہیں ان کے پیش نظر ایسی ہی وضاحت و تصریح سے آپ کی صفائی پیش ہونے کی ضرورت تھی۔ ف۱۲۶ (بہ واسطہ جبرئیل، اور اس سے ان کو بے شوہر حمل رہ گیا) نَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا۔ نفخ روح تو ہر انسان کے لئے ہوتا رہتا ہے، یہ نفخ روح ایک خاص طریقہ پر، معمول عام سے الگ، بہ واسطہ جبرئیل کیا گیا۔ اس کی تفصیلی کیفیت نہ معلوم ہو سکتی ہے، نہ معلوم کرنے کی ضرورت۔ یہاں تفہیم قرآنی کے سلسلہ میں

اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ

اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔ سب ہمارے پاس واپس آنے والے ہیں ف١٢٩ سو جو کوئی نیک کام

مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا

کرتا ہو گا اور وہ ایمان والا بھی ہو گا سو اس کی کوشش اکارت نہ جائے گی اور ہم تو

لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿٩٤﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا

اس کے لئے لکھ (بھی) لیتے ہیں ف١٣٠ اور ہم جس بستی کو ہلاک کر دیتے ہیں ناممکن ہے کہ وہ لوگ

يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٥﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ

پھر لوٹ کر آئیں ف١٣١ یہاں تک کہ یاجوج و ماجوج کھول دیئے جائیں

وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ

اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں ف١٣٢ اور سچا وعدہ قریب

الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

آ لگے تو بس یک بیک کافروں کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی

يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٩٧﴾

ہائے ہماری کم بختی ہم اس کی طرف سے غفلت میں پڑے تھے، نہیں بلکہ ہم ہی قصور وار تھے ف١٣٣

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ

بے شک تم (خود) اور جو کچھ تم اللہ کے سوا پوجتے رہے ہو (سب) جہنم کے کندے ہیں

اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ

اس میں تم (سب) کو داخل ہونا ہو گا ف١٣٤ اگر یہ لوگ (واقعی) خدا ہوتے تو اس میں کیوں جاتے

وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا

(لیکن اب تو) سب کو اس میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہو گا اس میں ان کا شور ہو گا اور وہ اس میں (کوئی اور بات)

ع ١٨/٦

صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ نفخ روح کی اضافت حق تعالیٰ کی طرف صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اظہار عظمت کے لئے ہے۔ والا ضافة اليه تعالىٰ لتشريف عيسىٰ عليه السلام (مدارک) ف١٢٧ (اپنی کمال قدرت کا کہ ہم ہر چیز کی تکوین پر قادر ہیں، اسباب عادیہ کے واسطہ سے بھی اور بلا واسطہ بھی،) ابنھا۔ فرزند مریم سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں...... عقیدۂ ابن اللہ کی تردید میں ابن مریم کی تصریح بار بار ضروری تھی۔ ف١٢٨ (جس میں کسی نبی اور کسی شریعت کا اختلاف نہیں اور جس پر قائم رہنا تمہیں واجب ہے) ای ان ملة التوحيد التي يجب ان تكونوا عليها فكونوا عليها (بیضاوی) ای يجب ان تكونوا عليها (جلالین) طریقہ سے مراد عقیدۂ توحید۔ البتہ گفتگو اس میں ہے کہ یہاں خطاب کس سے ہے ایک جماعت کا خیال ہے کہ مسلمانوں سے اور ھٰذِهٖ سے مراد امت مسلمہ ہے۔ والظاهر ان خطاب لمعاصرى الرسل صلی اللہ علیہ وسلم وهذه اشارة الى ملة الاسلام (بحر) دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ خطاب عام ہے ساری نسل انسانی کے لئے۔ اور طریقہ سے مراد ہے طریق انبیاء جن کا ذکر اوپر ہوتا چلا آتا ہے۔ ويحتمل ان تكون هذه اشارة الى الطريقة التي كان عليها الانبياء المذكورون من توحيد الله تعالىٰ (بحر) اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ یعنی وہ طریقہ جس کے اندر کسی شریعت کا اختلاف نہیں۔ غير مختلفة فيما بين الانبياء عليهم الصلاة والسلام (بیضاوی) ف١٢٩ (اور آ کر دین اصلی سے اپنے انحراف کا نتیجہ دیکھ لیں گے) آیت عام ہے تمام اہل زیغ وضلال کے لئے جو توحید کی صراط مستقیم سے الگ ہٹ ہٹ گئے ہیں۔ ف١٣٠ (سو ایک ذرہ بھی مومن کے عمل کا ضائع نہ جائے گا اور بلا اجر نہ رہے گا) وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ ایمان ہر حسن عمل کے لئے بنیادی شرط ہے۔ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ۔ فرشتوں کی کتابت اعمال کے فعل کو یہاں اپنی جانب منسوب کر کے فرمایا ہے۔ ف١٣١ (اس دنیا میں، حساب کتاب کے لئے) قَرْيَةٍ۔ قَرْيَةٍ بہ معنی اهل قريہ ہے۔ یعنی جو مر چکے ہیں، ان کے لئے اب قیامت تک واپسی ممکن نہیں۔ لا يرجعون الى الدنيا (کبیر۔ عن قتادة ومقاتل) لا يرجعون الى الدنيا قبل يوم القيمة (ابن کثیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وابو جعفر الباقر، وقتادة وغیر واحد) آیت کی ایک تفسیر یہ بھی آئی ہے کہ جن قوموں کے لئے ہلاکت علم الٰہی میں مقدر ہو چکی ہے وہ تو ہدایت کی جانب کسی طرح بھی رجوع نہ کریں گے۔ لا يرجعون عن الشرک ولا يتولون عنه (کبیر۔ عن الحسن ومجاہد) اَهْلَكْنٰهَا۔ اس دوسری تفسیر کی صورت میں اھلاک سے مراد صرف عزم اہلاک ہو گا اور يَرْجِعُوْنَ میں رجوع سے مراد کفر سے ایمان کی طرف رجوع ہو گا۔ ومعنى اهلكنا عزمنا على اهلاكها اوقدرنا اهلاكها ومعنى الرجوع الرجوع من الكفر الى الاسلام (کشاف) ف١٣٢ یعنی ہلاک شدہ قوموں کا عدم رجوع ایک خاص وقت تک کے لئے ممنوع و ممتنع ہے۔ البتہ قیامت کے وقت سب از سر نو زندہ ہو کر سامنے آئیں گے اور اس وقت موعود کے قرب کی ایک خاص علامت یہ ہو گی کہ یاجوج وماجوج سد ذوالقرنین سے رہائی پا جائیں۔ چھوٹ کر نکلیں اور ہر بلند مقام سے دندناتے ہوئے ابل پڑیں۔ انجیل کی عبارت ابھی آگے آ رہی ہے کہ "ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہو گا۔" يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ۔ یاجوج ماجوج پر حاشیے سورۃ الکہف پ١٦ میں گزر چکے۔ یاجوج وماجوج کا خروج انجیل میں بھی قرب قیامت کی علامت بتایا گیا ہے۔ چنانچہ مکاشفۂ یوحنا میں ہے:۔ "اور جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا، اور ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی یعنی یاجوج وماجوج کو گمراہ کر کے لڑائی کے لئے جمع کرنے کو نکلے گا، ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہو گا۔ اور وہ تمام زمین پر پھیل جائے گی اور مقدسوں کی لشکرگاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی۔ اور آسمان پر سے آگ نازل ہو کر انہیں کھا جائے گی اور ان کا گمراہ کرنے والا ابلیس آگ اور گندھک کی اس جھیل میں ڈالا جائے گا جہاں وہ حیوان اور جھوٹا نبی بھی ہو گا اور وہ رات دن ابد الآباد عذاب میں رہیں گے۔" (٢٠: ٨) ف١٣٣ جب وہ وقت موعود کافروں کے خیال کے مطابق بے شان وگمان اور اچانک آ پڑے گا۔ تو ان کی آنکھیں فرط دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ اور یہ پکار اٹھیں گے کہ ہائے ہماری کیسی شامت تھی کہ ہم اس گھڑی کی طرف سے غفلت میں پڑے رہے۔ اور غفلت کیسی، غفلت تو جب ہوتی جب کسی نے ہم کو آگاہ نہ کیا ہوتا۔ سچی بات یہ ہے کہ قصور سرتاسر ہمارا ہے۔ ہم تنبیہ کرنے والوں کے باوجود بھی بیدار نہ ہوئے! ف١٣٤ یہ اس وقت مشرکین سے کہا جائے گا۔ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے عموم سے وہ ہستیاں ظاہر ہے کہ مستثنیٰ رہیں گی جو بجائے خود مقبول ہیں اور جن کی رضا کو ان کی معبودیت میں اصلاً دخل نہیں۔ مثلاً ملائکہ وانبیاء معبودوں کا اپنے پرستاروں کے ساتھ داخل جہنم ہونا پرستاروں کے لئے اور زیادہ تکلیف وحسرت کا باعث ہو گا۔

يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ

سنیں گے (بھی) نہیں ف۱۳۵ بے شک جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے

اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ

وہ اس سے (بالکل) دور رکھے جائیں گے اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے ف۱۳۶

وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ

اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے ف۱۳۷ انہیں (یہ) بڑی

الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ

گھبراہٹ (ذرا بھی) غم میں نہ ڈالے گی، اور ان کا تو استقبال فرشتے کریں گے یہ ہے آپ کا وہ دن جس کا

الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ

آپ سے وعدہ کیا جاتا تھا ف۱۳۸ وہ دن (یاد رکھنے کے قابل ہے) جس روز ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جس

السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا

طرح طومار کاغذات لپیٹ لیا جاتا ہے، جس طرح ہم نے اول بار پیدا کرنے کے وقت ابتدا کی تھی اسی طرح اسے دوبارہ کر

عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ

دیں گے یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے، ہم ضرور اسے کر کے رہیں گے ف۱۳۹ اور ہم نے کتب آسمانی میں لکھ رکھا ہے ف۱۴۰ لوح

بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

محفوظ (میں لکھنے) کے بعد ف۱۴۱ کہ زمین (جنت) کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے ف۱۴۲

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ

بے شک اس (قرآن) میں (بڑی) تبلیغ ہے بندگی کرنے والے لوگوں کے لئے اور ہم نے آپ کو (اے پیمبر)

اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَآ

دنیا جہان پر (اپنی) رحمت ہی کے لئے بھیجا ہے ف۱۴۳ آپ کہہ دیجیے کہ میرے پاس تو صرف یہ ف۱۴۴ وحی آئی ہے کہ

ف۱۳۵ (اپنے ہی شور وغل، چیخ پکار میں) دوزخیوں کی خود ہی چیخ پکار اتنی ہوگی کہ کسی دوسرے کی کان پڑی آواز نہ سنائی دے گی۔ اہل دوزخ کو دوزخ میں رہنا ہی نہیں ہمیشگی کے لئے رہنا ہوگا۔ ف۱۳۶ (اس لئے کہ وہ جنت میں ہوں گے اور جنت دوزخ سے بالکل الگ اور فاصلہ پر ہوگی) اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی سے معنیٰ بعض صوفیہ نے یہ لئے ہیں کہ **سبقت محبتنا ایاہ فی الازل** یعنی ہماری محبت ان کے ساتھ ازل میں سابق ہوئی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی وہ استعداد سابق ہے، جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ محبت کی ابتداء محبوب کی جانب سے ہوتی ہے۔ ف۱۳۷ جنت کی ایک خاص اور امتیازی خصوصیت یہاں بہ کمال بلاغت ایک مختصر فقرہ میں بیان کردی گئی۔ یعنی وہ جگہ ایسی ہوگی جہاں سب کچھ انسان کی اپنی مرضی کے مطابق ہوگا۔ جو ہوا بھی چلے گی اس کی مرضی کے موافق، جو موسم بھی وہ چاہے گا وہی پیدا ہو جائے گا، جو غذا وہ چاہے گا وہی حاضر ہوگی، جو مشغلہ اسے پسند ہوگا وہی اس کے لیے موجود ہوگا، جو پڑھنا وہ چاہے گا وہی کتابیں اس کے لیے فراہم ہو جائیں گی۔ وقس علیٰ ہذا۔ دنیا کی مختصر سی زندگی میں اپنے کو قوانین الٰہی کے ماتحت کردینے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جنت میں سارے قوانین تکوینی خود اسی کے ماتحت ومحکوم ہوں گے اور پھر یہ کیفیت عارضی نہیں، وقتی نہیں، دائمی، لازوال، غیر منقطع ہوگی! ۔۔۔ کوئی انسانی دماغ پورا تصور بھی ان راحتوں اور مسرتوں کا نہیں کرسکتا ف۱۳۸ یہ وہی استقبال کرنے والے فرشتے مؤمنین سے کہیں گے۔ دہشت اور ہول کا وہ انتہائی وقت یقیناً ہوگا لیکن اہل ایمان کو دہشت کیوں ہونے لگی۔ انہیں تو خوابِ موت سے جاگتے ہی تسکین، تشفی، دلدہی کے لیے فرشتے مل جائیں گے، جو اعزاز و اکرام سے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں سے تائید ہوتی ہے اس مقولہ کی کہ اہل اللہ کو فرح دائم میسر رہتا ہے اور عظمت کبریا سے جو خوف ان کے دلوں پر طاری رہتا ہے وہ اس کے منافی نہیں بلکہ وہ تو عین مقتضا عبدیت کا ہے۔ ف۱۳۹ قرآن مجید وقوعِ قیامت اور اس روز کی ہولناکیوں اور بشارتوں دونوں کا ذکر اسی کثرت اور اسی قطعیت کے ساتھ اسی لیے کرتا ہے کہ مخاطبین کے دل میں عقیدۂ آخرت راسخ ہو جائے۔ ساری نیکیوں کی جڑ اور بنیاد یہی ہے کہ عقیدۂ آخرت محض ایک نظریہ یا وہم و گمان کی طرح نہ رہے بلکہ جزم کامل و وثوق کے ساتھ دل کی گہرائیوں میں اتر جائے اور قال حال بن جائے۔ ف۱۴۰ زبور کہتے ہیں ہر لکھی ہوئی کتاب کو اور الزبور اسم جنس ہے ہر کتاب آسمانی کے لیے۔ لغت کے حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو پ ۶ حاشیہ نمبر ۳۵ یہاں بھی محققین نے مراد اَلزَّبُوْرِ سے کل کتب آسمانی بہ طور اسم جنس لی ہیں۔ عنی بالزبور کتب ا نبیاء کلها التی انزلها علیهم (ابن جریر) مجاہد نے کہا ہے کہ اَلزَّبُوْرِ کتاب ہے۔ الزبور الکتاب (ابن جریر۔ عن مجاہد) ابن زید تابعی سے منقول ہے کہ اَلزَّبُوْرِ کتب آسمانی ہیں۔ الزبور الکتب التی انزلت علی الانبیاء (ابن جریر۔ عن ابن زید) ف۱۴۱ ذکر کے معنی حدیث صحیح میں لوح محفوظ کے آچکے ہیں۔ ایک حدیث کے درمیان آتا ہے کان الله و لم یکن شئ قبله و کان عرشه علی الماء و کتب فی الذکر کل شئ و خلق السمٰوٰت والارض (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق) یہی حدیث خفیف تغیر کے ساتھ کتاب التوحید میں بھی نقل ہوئی ہے۔ جہاں ذکر کے صریح معنی لوح محفوظ کے ہیں۔ ای فی محل الذکر ای فی اللوح المحفوظ (فتح الباری) ای اللوح المحفوظ (عینی) ای فی اللوح المحفوظ (مجمع البحار) آیت میں بھی مراد اس نوشتہ سے لی گئی ہے جو آسمان پر ہے یعنی وہی لوح محفوظ۔ عنی بالذکر ام الکتاب التی عنده فی السماء (ابن جریر) ابن زید تابعی مجاہد تابعی اور سعید بن جبیر تابعی سے بھی یہی معنی منقول ہے۔ الذکر الذی فی السماء (ابن جریر۔ عن سعید) الذکرام الکتب الذی تکتب فیه الاشیاء قبل ذٰلک (ابن جریر۔ عن ابن زید) الذکرام الکتب عند الله (ابن جریر۔ عن مجاہد) خود امام جریر نے بھی ترجیح اسی معنی کو دی ہے۔ و اولی هذه الاقوال عندی بالصواب فی ذٰلک ما قاله سعید بن جبیر و مجاهد۔ اور ثوری نے صراحت کے ساتھ اس کے معنی لوح محفوظ کے بتائے ہیں۔ هو اللوح المحفوظ (ابن کثیر۔ عن الثوری) ف۱۴۲ قرآن میں الارض کا اطلاق ارض جنت پر بھی ہوا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ (الزمر) چنانچہ یہاں بھی یہی معنیٰ محققین سے منقول ہیں اور اس طبقہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لے کر اکابر تابعین تک سب ہی شامل ہیں۔ قال ابن عباس ارض الجنة و کذاقال ابو العالیة و مجاهد و سعید بن جبیر والشعبی و قتادة والسدی و ابو صالح و الربیع بن انس والثوری (ابن کثیر) یعنی بذٰلک ان ارض الجنة یرثها عبادی العاملون بطاعته (ابن جریر) الفاظ کی اس تشریح کے بعد مطلب بالکل صاف ہے۔ یعنی لوح محفوظ میں لکھ دینے کے بعد ہم نے کتب آسمانی میں بھی یہ قاعدہ لکھ دیا ہے کہ زمین بہشت کے مالک تو بندگان صالح شریعت پر چلنے والے ہی ہوں گے۔ گویا آیت تمامتر مومنین کے حق میں ایک بڑی بشارت اخروی ہے۔ لیکن یہ معنیٰ بھی ہوسکتے ہیں کہ ''ہم نے کتاب زبور (صحیفۂ داؤد علیہ السلام نبی) میں لکھ رکھا ہے بعد نصیحت کے کہ زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے''۔ چنانچہ بہت سے اہل تفسیر ادھر بھی گئے ہیں۔ اس صورت میں یہ آیت مومنین کے حق میں ایک بشارت دنیوی نعمت یعنی زمینی بادشاہت کی ہوگی۔ اور اگر الارض سے مراد ارض موعود لی جائے، یعنی ملک شام (جیسا کہ بہت سے اہل تفسیر نے مراد بھی ہے) جب تو یہ پیشگوئی عہد صحابہ میں پوری طرح پوری ہوکر رہی۔ صحیفۂ زبور میں بھی یہ الفاظ ملتے ہیں:۔ ''صادق زمین کے وارث ہوں گے'' (۳۷: ۲۹) ف۱۴۳ اور وہ رحمت و مہربانی یہی ہے کہ قرآن

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٨﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا

تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے سو اب بھی تم مانتے ہو؟ پھر بھی اگر یہ لوگ سرتابی کریں

فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ

تو آپ کہہ دیجیے کہ میں تم کو نہایت صاف اطلاع کر چکا ف۱۴۵ اور میں نہیں خبر رکھتا کہ کہ تم سے جو وعدہ کیا گیا ہے آیا

بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٩﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ

وہ قریب آ گیا ہے یا وہ دور و دراز ہے ف۱۴۶ بے شک اللہ پکار کر کہی ہوئی بات کو بھی جانتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿١١٠﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ

اور اسے بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور میں خبر نہیں رکھتا ف۱۴۷ شاید کہ وہ تمہارے لئے امتحان ہی ہو

وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿١١١﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا

اور ایک (خاص) وقت تک کے لئے تمتع ف۱۴۸ (پیغمبر نے) کہا ف۱۴۹ کہ اے میرے پروردگار تو فیصلہ کردے حق کے موافق

الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿١١٢﴾

ف۱۵۰ اور ہمارا پروردگار بڑا رحمت والا ہے جس سے مدد چاہی جاتی ہے ان باتوں کے مقابلہ میں جو تم بتایا کرتے ہو ف۱۵۱

آیاتها ۷۸ — ۲۲ سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۳ — رکوعاتها ۱۰

اس میں ۷۸ آیتیں — سورۂ حج مدنی ہے — اور ۱۰ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ

اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو (کیونکہ) قیامت (کے دن) کا زلزلہ بڑی بھاری

شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿١﴾ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ

چیز ہے ف۱ جس روز تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے (بچہ) کو بھول

کے مخاطبین رسول کے پیام ہدایت کو قبول کریں اور اپنی زندگی کو انہی کے لائے ہوئے نظام کے سانچہ میں ڈھالیں۔ فلاح کونین وسعادت دارین صرف رسول کے اتباع میں ہے۔ یہاں تک کہ رسول کا غزا وقتال بھی دنیا کے حق میں سرتاسر رحمت ہی ہوتا ہے۔ اقبال نے کتنا سچ کہا ہے ؎

لطف و قہر او سراپا رحمتے — آں بہ یاراں ایں بہ اعدا رحمتے

مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے آیت سے ایک نکتہ یہ بھی استنباط کیا ہے کہ مقبولین کی برکات ان کے قصد کے بغیر بھی عالم کو پہنچتی رہتی ہیں۔ جیسے آفتاب کی شعاعیں کہ بلا اس کے قصد وعلم کے سب کو پہنچتی رہتی ہیں۔ ف۱۴۴ (اہل توحید واہل شرک کے اختلافات کے باب میں) ف۱۴۵ (احکام الٰہی کی بھی، اور ان احکام کی عدم تعمیل کے نتائج کی بھی، اس کے بعد اب نہ میرے اوپر کوئی ذمہ داری باقی رہی، نہ تمہارے پاس کوئی عذر معذرت) عَلٰی سَوَآءٍ سے مراد ہے خوب مفصل و مدلل۔ ف۱۴۶ پیمبر کو قطعی علم صرف وقوع عذاب اور وقوع آخرت کا رہتا ہے۔ وقت وزمانہ کی تعیین کا علم اسے نہیں دیا جاتا۔ علم کامل کی نفی جب پیمبر اور پیمبر بھی کون؟ اشرف الانبیاء سے کی جارہی ہے تو کسی مرشد یا ولی کے لیے علم غیب کا اعتقاد رکھنا ظاہر ہے کہ کیسی کھلی ہوئی نادانی وجہالت ہے۔ ف۱۴۷ یعنی تاخیر عذاب۔ ف۱۴۸ امتحان اس لحاظ سے کہ شاید اب یہ ایمان لے آئیں۔ یہ ظہور رحمت ہے۔ عارضی مہلت اس اعتبار سے کہ غفلت اور بڑھتی جائے، اور تحقق عذاب کے اسباب اور بڑھ لیں۔ یہ ظہور قہر ہے۔ پیمبر کی زبان سے یہ کہلایا جارہا ہے کہ مجھے ان مصالح تکوینی کا علم نہیں۔ امتحان الٰہی سے مراد ہمیشہ دنیا کی نظروں میں امتحان ہوگا۔ ورنہ علم الٰہی میں تو ظاہر ہے کہ سب ہی کچھ موجود ہے۔ ف۱۴۹ یہ اس وقت کہا، جب تبلیغ کے سارے مرتبے ختم ہو چکے اور اصلاح خاطر خواہ نہ ہوئی۔ ف۱۵۰ فیصلہ سے مراد عملی فیصلہ جو اندھوں کو بھی نظر آجائے۔ یعنی کافروں کی شکست وتباہی باوجود ہر ساز وسامان کے۔ ف۱۵۱ (مثلاً یہی کہ ہم عنقریب مسلمانوں کا نام ونشان مٹا کر رکھ دیں گے، یا اور کلمات کفر والحاد)

سورۂ حج ف۱ وہ ایسی چیز نہیں جسے کوئی صحیح الحواس انسان بھولا ہوا رہے یا جسے معمولی بات سمجھتا رہے۔ رو مرنے کا مقام ہے کہ جس چیز سے قرآن مجید نے انتہائی تخویف کا کام لیا ہے، اسی واقعہ کے ذکر کو آج غیروں نے نہیں خود "مسلمانوں" نے ایک موضوع تفریح وتفنن کا بنا لیا ہے۔ بدنصیب شاعروں کے ہاں تو روز ہجر وشب فراق، روز قیامت سے بڑھی ہوئی مدت دراز سے چلی آرہی تھی، اب نثر نویسوں نے قدم اس سے بھی آگے بڑھایا ہے اور قیامت کے دن پر تفریحی ڈرامے لکھنے شروع کردیے ہیں۔

ع ۷

عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا

جائے گی اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی

وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ

اور لوگ تجھے نشہ میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے، بلکہ

عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿٢﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي

اللہ کا عذاب ہے ہی سخت (چیز) ۲ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے باب میں بغیر علم (ودلیل) کے

اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ﴿٣﴾ كُتِبَ

جھگڑا کیا کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کے پیچھے ہو لیتے ہیں ف۳ اس (مردود) کی نسبت

عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَ يَهْدِيْهِ اِلٰى

تو یہ لکھا جا چکا ہے کہ جو کوئی بھی اسے دوست رکھے گا تو اسے وہ گمراہ ہی کرکے رہے گا اور اس کو (خدا اپنی مشیت تکوینی سے)

عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿٤﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ

عذاب دوزخ کی راہ دکھا دے گا ف۴ اے لوگو اگر تم (دوبارہ) جی اٹھنے کی طرف سے شک

مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

میں ہو تو (اس میں غور کر لو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ف۵ پھر نطفہ سے

ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ

پھر خون کے لوتھڑے سے پھر بوٹی سے (کہ بعض) پوری (ہوتی ہیں) اور (بعض)

مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ

ادھوری تاکہ ہم تمہارے سامنے (اپنی قدرت) ظاہر کر دیں ف۶ اور ہم رحم میں جس کو چاہتے ہیں ٹھہرائے رکھتے ہیں

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا

ایک مدت مقرر تک ف۷ پھر ہم تمہیں بچہ (بنا کر پیٹ سے) باہر لاتے ہیں تاکہ تم اپنی بھری جوانی تک

ف۲ اور اسی گھبراہٹ و بوکھلاہٹ کی شدید حالت لوگوں کی متوالوں کی سی معلوم ہوگی۔ یہ نقشہ سب اس وقت کا کھینچا ہے جب صور پہلی بار پھنکے گا، اور قیامت شروع ہوگی۔ اور یہ سب چیزیں محض بہ طور
ال اندازہ کے لیے بتائی گئی ہیں۔ ''مقصود یہ نہیں کہ بس اس زلزلہ کی ہیبت اتنی ہی ہوگی، بلکہ مخاطبین کے اذہان میں چونکہ یہ ہیبت بھی عظیم ہے جس پر آثار مذکورہ مرتب ہوں، اس لیے اس کو ذکر کر دیا
ں زائد کی نفی نہیں ہے''۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ
ہاں جو غیر سکر کو تشبیہاً سکر فرما دیا گیا، اس سے صوفیہ کی اس اصطلاح کی اصل
ل آئی کہ بعض حالات باطنی کو بھی اسی مشابہت و مماثلت کی بنا پر سکر کہہ دیا جاتا
ہے۔ ف۳ شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ آیت نضر بن حارث ایک
شہور معاصر کافر کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ یا پھر ابوجہل یا ابی بن خلف کے
ت میں۔ لیکن آج تو اس آیت کے مصداق ایک دو نہیں صدہا، ہزارہا ''پڑھے
لکھے'' نظر آئیں گے۔ کہیں نثر میں مضامین، ڈرامے اور افسانے لکھے جا رہے
ں کہ خدا مزدوروں مفلسوں کو مصیبت میں دیکھتا ہے اور اسے ذرا رحم نہیں آتا۔
ہیں نظم میں طبع آزمائی ہو رہی ہے کہ خدا سرمایہ داروں کے ظلم کو روکتا نہیں۔
ران کی اعانت کر رہا ہے وقس علیٰ ہذا گویا ان بے مغز بیہودہ نگاروں کے حسب
شورہ اگر کسی دنیا کی تخلیق ہوتی تو اس میں نہ کوئی چھوٹا ہوتا نہ بڑا، نہ کوئی امیر نہ
وئی مطاع، نہ کوئی دولتمند نہ کوئی مفلس، نہ کوئی بیمار نہ کوئی مجرم۔ گویا اس دنیا میں
اطاعت کے کوئی معنی ہوتے نہ سخاوت کے، نہ دادرسی کے نہ حذاقت کے نہ
ردی کے! اس لیے کہ یہ چیزیں تو اپنے ظہور کے لیے خود محتاج ہیں حاجت کی،
ربت کی، بیماری کی، مظلومیت کی! ـــ ایسی عجیب و غریب مساواتی دنیا کا تصور
ی جن دماغوں میں آ سکتا ہے، ان سب کی ذہنیت بس ایسی ہی ہوتی ہے کہ ہر
یطان کی دسترس اس پر بآسانی ہو جاتی ہے۔ اور وہ ہر باتونی شیطان کی
گمراہیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ف۴ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ شیطان اسے
گمراہ کر کے عذاب دوزخ تک پہنچا دے گا۔ كُتِبَ عَلَيْهِ۔ یعنی اس کی بابت
مقدر ہو چکا ہے۔ طے ہو چکا ہے۔ ف۵ یعنی نوع انسانی کی ترکیب میں عنصر
لب مٹی کا ہے۔ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ۔ تقدیر کلام یوں ہے کہ میں تمہیں تمہاری
لقت سے متعلق یہ خبر دیتا ہوں یا یہ کہ تم اپنے آغاز خلقت کو سوچو۔ اے
نظروا فی بدء خلقکم (بیضاوی) قیل التقدیر فاخبرکم واعلمکم
ا خلقنکم (روح) ف۶ وجود انسانی کی اس ساخت، ترکیب و ترتیب کی
یک طرف یکسانی و ہمرنگی، دوسری طرف باہمی تفاوت و اختلاف دونوں چیزیں
س طرح قدرت، حکمت و صنعت پر شاہد ہیں اسی طرح اس پر بھی کہ جو پہلے
س طرح عدم مطلق سے وجود میں لا چکا ہے، اسے اب اجزائے منتشرہ کو جوڑ
وڑ کر درست کر دینا کیا مشکل ہے۔ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ نوعی ترکیب کے بعد،
خلیق انفرادی کا یہ پہلا قدم ہے۔ نطفہ غذائے انسانی کا خلاصہ در خلاصہ ہوتا
ہے۔ عَلَقَةٍ۔ اس حالت کا نام ہے جب نطفہ میں سرخی اور غلظت پیدا ہو
ائے۔ مُضْغَةٍ۔ اس حالت کا نام ہے جب علقہ مرتب اور سخت ہو جائے۔
مُخَلَّقَةٍ۔ یعنی وہ حالت جب کہ پورے اعضا ترکیب پا جائیں۔ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ۔ یعنی وہ حالت جب کہ بعض اعضا ناقص رہ جائیں۔ ف۷ (یعنی وضع حمل کے عام اور معمولی وقت تک) اور جس کو
ٹھہرانا ہی نہیں منظور ہوتا اس کا اسقاط و اخراج قبل ہی کر دیتے ہیں۔

اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ

پہنچ جاؤ اور تم میں وہ بھی ہیں جو مر جاتے ہیں ف۸ اور تم میں وہ بھی ہیں جنہیں نکمی عمر تک

اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ

پہنچا دیا جاتا ہے جس سے وہ ایک چیز سے باخبر ہو کر بے خبر ہو جاتے ہیں ف۹

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ

اور تو زمین کو دیکھتا ہے ف۱۰ کہ خشک ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں

اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑤

تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوش نما نباتات اگاتی ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ

یہ (سب) اس سبب سے کہ اللہ ہی (کی ہستی) حق ہے ف۱۱ اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ ⑥ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ

اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اور (اس سبب سے بھی کہ) قیامت آنے والی ہے

لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ⑦

اس میں ذرا شبہ نہیں اور اللہ (دوبارہ) اٹھائے گا انہیں جو قبر میں ہیں ف۱۲

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا

اور انسانوں میں کوئی کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کے باب میں حجت کرتا رہتا ہے بغیر علم کے اور بدون

هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۙ ⑧ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ

دلیل کے بدون کسی روشن کتاب کے۔ تکبر و گردن کشی کرتے ہوئے تاکہ (دوسروں کو بھی)

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ

اللہ کی راہ سے بے راہ کردے ف۱۳ ایسے شخص کے لئے دنیا میں (بھی) رسوائی ہے اور قیامت کے

ف۸ (جوانی تک پہنچنے سے قبل ہی) انسان کی دو قسمیں بہ لحاظ ان کی عمر کے بیان ہوئیں۔ ایک وہ جو اپنی پختگی کو پہنچائے جاتے ہیں، دوسرے وہ جو اس سے قبل ہی اٹھا لیے جاتے ہیں۔ حکمت تکوینی دونوں ہی صورتوں میں عامل و مؤثر رہتی ہے۔ ف۹ یہ تیسری قسم کے لوگ ہوئے۔ شدت ضعیفی میں قوت حافظہ کا ضعف اور عام قوائے دماغی میں انحطاط روز مرہ کا مشاہدہ ہے۔ ف۱۰ (اے مخاطب!) پہلے استدلال کا خلاصہ یہ تھا کہ انسان کی خلقت پر غور کرو۔ تدریج و آہستگی کے ساتھ اس کو کتنی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور ہر ہر منزل کس حکیمانہ نظم و انتظام کے ساتھ گزاری جاتی ہے۔ پھر عمر کے لحاظ سے بھی ایک خاص ترتیب نظر آتی ہے۔ مصالح تکوینی کے ماتحت کسی کو نوعمر ہی مار دیا جاتا ہے۔ کسی کو اچھے سن وسال تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اور کسی کو اتنی عمر تک کہ قوت ضعف میں اور اختیار واقتدار انحطاط و بے کسی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ آدمی ان کی تفصیلات پر جتنا زیادہ غور کرتا جائے گا، یہ حقیقت اور زیادہ روشن ہوتی جائے گی کہ یہ نظام کائنات بخت واتفاق کے ماتحت نہیں چل رہا ہے، بلکہ اس پر کوئی عاقل ترین، قادر ترین، کامل ترین ہستی ہی حکمران ہے۔ آیت میں صنعت وحکمت الٰہی پر دوسرا استدلال نظام فضائی وکائنات قہری سے پیش ہو رہا ہے۔ زمین کا ایک خاص حالت میں ہونا، موسم میں ایک متعین کیفیت کا پیدا ہو جانا، آفتاب میں ایک خاص درجہ کی گرمی، سمندر کا اس سے ایک خاص درجہ پر تاثر، بخارات کا صعود، ہوا میں ایک خاص قسم کی حرکت اور ایک خاص درجہ کی برودت، پانی کا ایک معین مقدار میں اور ایک خاص صورت میں یعنی قطرہ قطرہ ہو کر نزول، زمین میں بارش کا جذب ہونا، نباتات کا اس سے اپنی غذا کا کام لینا، ان میں نشوونما کا ہونا وغیرہا علوم طبعی، کیمیاوی، ارضیاتی کے صدہا مسائل کو عملاً اس نظم وتدبیر کے ساتھ حل کرتے رہنا، کام یقیناً حکیم مطلق ہی کا ہو سکتا ہے۔ ف۱۱ (اور وہی یہ سب تغیرات ہر لمحہ وہر آن کرتی رہتی ہے) مشاہدات کائنات سے قرآن مجید کا مقصود ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے، یعنی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات۔ چنانچہ یہاں بھی مقصود ارشاد یہی ہے کہ یہ سارے واقعات دلیل ہیں اللہ کی قدرت، حکمت، صنعت، وحدانیت کے، اور انسان (فاعل بالارادہ مخلوق) کی مسئولیت کے۔ ف۱۲ مذاہب شرک تو بہت سے ایسے ہیں جو عقیدۂ جزا وسزا، حشر ونشر کے منکر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے معاصر جو اہل کتاب تھے یعنی یہود ونصاریٰ، ان میں بھی یہ عقیدہ بہت ضعیف ہو چلا تھا اور ان کے بعض بعض فرقے تو سرے سے منکر ہی ہو گئے تھے۔ ف۱۳ یعنی بجز بے عقلی اور بے علمی کی راہ سے ضلالت پھیلاتے رہنے کے یہ شخص نہ کوئی عقلی دلیل اپنے پاس رکھتا ہے اور نہ نقلی۔ هُدًى سے مراد ہے دلیل عقلی۔ اور كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ سے وحی الٰہی۔ اى لا سند له من استد لال او وحى (بیضاوی) ثَانِيَ عِطْفِهٖ۔ لفظی معنی ہیں اپنا شانہ پھیر لینے والا۔ مراد ہے تکبر کرنے والا، زعم وپندار میں مبتلا رہ کر اکڑنے والا۔ ثنى العطف عبارة عن الكبر والخيلاء (کشاف) شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ آیت میں اشارہ خصوصی ابوجہل سے متعلق ہے۔ آج ''روشن خیال'' و ''تجدد نواز'' طبقات بھی اسی ذہنیت کو لئے ہوئے ابھرے ہیں۔ صفات الٰہی پر بڑی بلند آہنگی سے گفتگو کے لئے نکلے ہیں۔ اور حال یہ ہے کہ جس طرح عقل ومنطق سے تہی دامن ہیں، اسی طرح

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۹﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

دن ہم اسے جلتی آگ کا عذاب چکھائیں گے ف۱۴ کہ یہ تیرے ہی ہاتھ کے کرتوتوں

يَدٰكَ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾ وَمِنَ

کا بدلہ ہے، اور یہ (ثابت ہی ہے) کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ف۱۵ اور

النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ

انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کی پرستش کنارہ پر (کھڑا ہو کر) کرتا ہے پھر اگر اسے کوئی نفع

خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ

پہنچ گیا (تو) وہ اس پر جما رہا اور اگر (کہیں) اس پر کوئی آزمائش آ پڑی تو وہ منہ اٹھا کر

عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ۫ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ

واپس چل دیا ف۱۶ (یعنی) دنیا و آخرت (دونوں) کو کھو بیٹھا یہی

الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا

انتہائی محرومی ہے وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے کو پکار رہا ہے جو نہ اسے

يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ ۚ

نقصان پہنچا سکے اور نہ اسے فائدہ پہنچا سکے، یہی تو ہے انتہائی گمراہی ف۱۷

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى

وہ ایسے کو پکارتا ہے، جس کا ضرر (واقعی) قریب تر ہے اس کے نفع (موہوم) سے۔ کیا ہی برا ہے (ایسا) کارساز

وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور کیا ہی برا ہے (ایسا) رفیق ف۱۸ بے شک اللہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

اور نیک عمل بھی کئے داخل کرے گا ایسے باغوں میں جن کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی

ع ۸

ف۱۴ دنیا میں رسوائی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ایسا شخص گفتگو ومناظرہ میں اہل حق کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ ف۱۵ یہ مجرمین سے فرشتے قیامت میں پکار پکار کر کہیں گے۔ ف۱۶ (کفر کی طرف) مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک مذہب کی صداقت وحقانیت بجائے خود کوئی معنی ہی نہیں رکھتی۔ اگر مسلمان رہنے سے انہیں کوئی دنیوی منافع حاصل ہو رہے ہیں تو یہ بھی اپنے کو مسلمان کہیں گے اور مسلمان سمجھیں گے۔ لیکن اگر دقتوں اور دشواریوں کا سامنا ہوا تو بس یہ جھٹ سے الگ ہو گئے۔ اور کھلم کھلا بھی اپنی بے دینی کا اظہار کرنے لگے۔ آج دنیا کے ۴۰ کروڑ مسلمانوں کے اندر بھی یہ مرض کس کثرت سے پھیلتا جا رہا ہے کہ اسلام کی قدر گویا صرف منافع دنیوی کے لحاظ سے، اور اس کی قیمت صرف مصالح مادی کے تناسب سے ہے۔ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ۔ یعنی اسلام اس نے قبول تو کر لیا ہے لیکن ایسی بے دلی کے ساتھ اور ایسے اوپری دل سے کہ جیسے کوئی شخص کسی چیز کے کنارے کھڑا ہو اور جیسے موقع پاتے ہی اسے چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہو۔ ذکر منافقین کا ہو رہا ہے۔ ف۱۷ توحید کی کھلی ہوئی شاہراہ کو چھوڑ کر انسان کا یہی حال ہوتا ہے۔ وہ کیسے کیسے معبودان باطل کو پکارنے لگتا ہے!...... یورپ کی ”روشن خیال“ ”عقل نواز“ قوموں نے توحید وخدا پرستی کی راہ چھوڑ کر بے شمار مخلوقات کو اپنا معبود بنا لیا ہے اور عملاً ان کے ساتھ وہی معاملہ شروع کر دیا ہے جو معبود کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یعنی انہیں کو نافع اور ضار سمجھنے لگے ہیں۔ ف۱۸ یعنی نہ بڑے کی حیثیت سے کچھ کام آ رہا ہے، نہ برابر والے کی حیثیت سے کچھ نفع پہنچا رہا ہے۔ مِنْ ضَرِّهٖ۔ جس کا ضرر یعنی جس کا موجب ضرر ہونا۔ محاورۂ عرب میں بے اصل اور غیر موجود شے پر بھی اطلاق بعید کا ہوتا ہے، بس نفع کا ابعد ہونا بہ معنی اس کے معدوم ہونے کے ہے۔ هٰذا علی عادة العرب فانهم يقولون لما لا يكون اصلاً بعيدًا من نفسه كقوله ذٰلك رجع بعيد اى لا رجع اصلاً (معالم) كان نفع الصنم بعيدًا علٰى معنى انه لا نفع فيه اصلاً (معالم)

إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ

بے شک اللہ کر ڈالتا ہے جو کچھ ارادہ کر لیتا ہے و۱۹ جو شخص یہ خیال رکھتا ہے کہ

يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ

اللہ اپنے رسول کی مدد دنیا اور آخرت میں نہ کرے گا تو اسے چاہیے کہ ایک رسی

اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ

آسمان تک تان لے پھر سلسلۂ وحی کو کاٹ دے، تو غور کرنا چاہیے کہ آیا اس کی تدبیر اس کی ناگواری کی چیز کو موقوف

مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّ اَنَّ

کرا سکتی ہے؟ و۲۰ اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے کھلی ہوئی نشانیاں (بنا کر) اور بات یہ ہے

اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ

کہ اللہ جس کے لئے ارادہ کرتا ہے اسے ہدایت کر ہی دیتا ہے و۲۱ بے شک ایمان والے اور جو لوگ

هَادُوْا وَ الصّٰبِـِٕيْنَ وَ النَّصٰرٰى وَ الْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ

یہود ہوئے ہیں اور صابی اور نصاریٰ اور مجوس اور جو

اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ

مشرک ہیں اللہ ان (سب) کے درمیان فیصلہ کر دے گا قیامت کے دن بے شک

اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ

اللہ ہر شے سے واقف ہے و۲۲ کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کو

يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ

سجدۂ (تسلیم) کرتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے

وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ

اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت

و۱۹ (اور اس نے اس جزا اور سزا کا ارادہ کرلیا ہے) خدا ہی قادر مطلق ہے۔ اسی کا ارادہ سب پر غالب ہے۔ وہ خود ہی قانون ساز ہے۔ کوئی قانون اس کے اوپر حاکم نہیں۔ اس میں رد آ گیا بہت سی مشرک قوموں اور مشرک فلسفیوں کا جنھوں نے خدا کو محدود الاختیار مانا ہے اور قادر کے اوپر بھی کسی ''قانون قدرت'' کو حاکم ونافذ سمجھا ہے۔ و۲۰ (اور ظاہر ہے کہ نہیں کرسکتی) مَا يَغِيْظُ۔ ناگواری کی چیز سے مراد ہے نصرِ وحی الٰہی۔ غاظهم الله به من نصرة النبی ﷺ ما ينزل عليه (ابن جریر۔ عن ابن زید) ای الذی يغيظه من نصر الله (بیضاوی) يَنْصُرَهُ میں ضمیر رسول کی طرف ہے۔ ای لن ينصره الله بنبيه (ابن جریر۔ عن قتادۃ) ای لن ينصره الله بنبيه (ابن جریر۔ عن ابن زید) ای لن ينصر الله محمدًا ﷺ (ابن کثیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) صحابہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما، تابعین میں کلبی، مقاتل، ضحاک، قتادہ، ابن زید، سدی اور اہل لغت ونحو میں فراء وزجاج سے یہی تفسیر منقول ہے۔ لِيَقْطَعْ میں مفعول 'وحی' مقدر ہے۔ ای ليقطع عن النبی ﷺ الوحی (ابن جریر۔ عن ابن زید) ای ليقطع الوحی ان ينزل عليه (کشاف) ''حاصل یہ ہوا کہ نصرت الٰہیہ آپ کے ساتھ بوجہ وحی ونبوت کے ہے، سو آپ کی ناکامی کی سعی کرنا اس وقت مفید ہوسکتی ہے کہ جب اس نبوت اور وحی کے قصہ کو پاک کر دیا جائے سو یہ ہونے کا نہیں۔ پس رہنما کے خلاف میں سعی کرنا موقوف ہے ظن عدم نصرت الٰہیہ للنبی پر۔ اور اس میں کامیابی کا سامان مجتمع کرنا موقوف ہے قدرت علی قطع النبوۃ پر۔ پس کلام میں اصل شرط اور جزا دونوں امر موقوف ہیں اور عبارت میں دونوں امر موقوف علیہ کو ان کے قائم مقام کر دیا گیا۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) وهو احسن التفاسير وابدعها عندی (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ابن جریر نے بھی ترجیح اسی تفسیر کو دی ہے۔ دوسرے اقوال جو نقل ہوئے ہیں مقصود وماحصل ان کا بھی یہی ہے۔ واعلم ان المقصد علی کل هذه الوجوه معلوم فانهٗ زجر للكفار عن الغيظ فی ما لا فائدة فيه (کبیر) بعض عارفین نے کہا ہے کہ آیت سے رضاء بہ قضاء کی ترغیب نکلتی ہے اور کراہت قضاء الٰہی کی مذمت۔

و۲۱ (اور ہدایت الٰہی ہی کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ جو بندہ اس کے لئے سعی وطلب کرتا ہے، اس کے حق میں اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کر ہی لیتا ہے) كَذٰلِكَ۔ یعنی اس میں بھی صرف ہمارے ہی ارادہ وقدرت کو دخل ہے۔ و۲۲ (چنانچہ ان سب کے کفر وایمان سے بھی خوب واقف ہے، اسے صحیح فیصلہ کرتے دیر ہی کیا لگ سکتی ہے) اِنَّ اللّٰهَ ...... الْقِيٰمَةِ۔ اس فیصلہ سے مراد عملی فیصلہ کا ظہور ہے۔ یعنی یہ کہ قیامت میں مسلمان جنت میں داخل ہو جائیں گے اور کافر دوزخ میں۔ الْمَجُوْسَ۔ مجوس وہ اہل عجم ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ ہم ایک نبی زرتشت نامے کی امت ہیں۔ لیکن اب وہ عملاً توحید کے بجائے ثنویت کے معتقد ہیں۔ یعنی ایک کے بجائے دو خدا قرار دے لئے ہیں۔ ایک یزدان یعنی خدائے نور وخدائے خیر۔ دوسرا اہرمن یعنی خدائے ظلمت وخدائے شر۔ اور کہتے ہیں کہ یہ کائنات انہیں دونوں کی کشمکش کی رزمگاہ ہے۔ فقہاء امت نے انہیں بھی اہل کتاب کے حکم میں رکھا ہے۔ چنانچہ اہل کتاب کی طرح یہ بھی جزیہ دے کر اور ذمی بن کر رہ سکتے ہیں۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، الَّذِيْنَ هَادُوْا، الصّٰبِـِٕيْنَ، النَّصٰرٰى، الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا۔ ان سب پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ ایک آیت اسی سے کچھ ملتی ہوئی سورۂ بقرہ پارۂ اول میں گزر چکی ہے۔

وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ

اور چوپائے اور کثرت سے انسان بھی ف۲۳ اور بہتوں پر عذاب (بھی) ثابت

الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ

ہو گیا ہے ف۲۴ اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کا کوئی عزت دینے والا نہیں بے شک

اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا

اللہ جو چاہے کرے ف۲۵ یہ دو فریق ہیں ف۲۶ جنہوں نے اپنے پروردگار

فِيْ رَبِّهِمْ ؗ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ

کے باب میں اختلاف کیا سو جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے

نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ ج يُصْهَرُ

جائیں گے ان کے سروں کے اوپر سے گرم پانی چھوڑا جائے گا اس سے گل جائیں گی

بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ ؕ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ

ان کے پیٹ کی چیزیں ف۲۷ اور کھالیں اور ان کے (مارنے کے) لئے گرز ہوں گے

حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ

لوہے کے وہ لوگ جب کبھی گھٹے گھٹے اس سے باہر نکلنا چاہیں گے

اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ ع اِنَّ اللّٰهَ

اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے (اب) جلنے کا عذاب چکھتے رہو ف۲۸ بے شک اللہ

يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ

ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے باغوں میں داخل کرے گا

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ

کہ ان کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی وہاں ان کو کنگن سونے کے

السجدۃ ۱۴

ع ۹/۲

ف۲۳ سجدہ سے مراد یہاں سجدہ شرعی نہیں، بلکہ لفظی معنٰی مراد ہیں۔ یعنی امور
وینی میں انقیاد واطاعت اور اسی اعتبار سے اپنے اپنے درجہ ومرتبہ کے لحاظ
سے ساری غیر مکلف مخلوق مطیع ومنقاد ہے۔ لیکن انسان چونکہ عقل کی بناپر مکلف
لوق ہے، اس سے اس کے درجہ ومرتبہ کے متناسب، علاوہ انقیاد وتسخیری کے
تیاد تشریعی بھی مقصود ومطلوب ہے اور وہ ساری نوع انسان میں نہیں پایا جاتا۔
س لیے انسان کے مطیع ومنقاد ہونے کو بہ طور کلیہ کے نہیں۔ بلکہ محض بطور
اکثریت کے ارشاد فرمایا گیا،" دیگر مخلوقات مذکورہ آیت چونکہ مکلف نہیں ہیں
س لیے ان کے مناسب صرف انقیاد تکوینی وتسخیری ہے اور وہ ان سب میں متحقق
ہے۔ اور انسان مکلف ہے۔ اس لیے اسی کے مناسب علاوہ انقیاد تسخیری وتکوینی
کے انقیاد تشریعی واختیاری ہی ہے۔ پس 'یَسْجُدُ' میں 'مناسب' کی قید لگا دینے
سے سجدہ کا تحقق دیگر مخلوقات کے لئے عام ہو گیا۔ اور انسان کے لئے صرف
بعض افراد کے اعتبار سے ہوا۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) "اور سجدہ کے معنی حقیقی کے
لئے جبہہ کا وجود ضروری ہے اور جبہہ ہر مخلوق میں معین ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)
سجدہ کے لغوی معنٰی پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ ف۲۴ (اسی لئے کہ وہ غیر
ساجد یعنی غیر منقاد ہیں) الْعَذَابُ۔ عذاب سے مراد استحقاق عذاب ہے۔
ف۲۵ وہ حکیم مطلق بھی ہے اور قادر مطلق بھی۔ وہ جسے چاہے اپنی قدرت سے
ہدایت دیدے اور جسے چاہے اقتضائے حکمت سے توفیق نہ نصیب کرے۔ وَ
مَنْ یُّھِنِ اللّٰہُ۔ اللہ کا کسی کو ذلیل کرنا یہی ہے کہ اسے توفیق ہدایت نہ رہے۔
ف۲۶ یعنی ایک طرف مومن، دوسری طرف کافر مع اپنے تمام اقسام کے۔
ف۲۷ توریت کا تو خیر ذکر ہی نہیں۔ انجیل جو عام طور پر تمامتر رحم وکرم، شفقت
ورحمانیت ہی کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس میں بھی دوزخ کے ہولناک مناظر بار
بار پیش کئے گئے ہیں۔ حوالے پیشتر گزر چکے۔ مَا فِیْ بُطُوْنِھِمْ۔ یعنی انتڑیاں
وغیرہ۔ ف۲۸ (ہمیشہ کے لئے اور تمہیں کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا) یہ فرشتے اہل
دوزخ سے کہیں گے۔

مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿٢٣﴾

اور موتی پہنائے جائیں گے وہاں ان کی ریشم کی پوشاک ہو گی ف٢٩

وَ هُدُوْۤا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَ هُدُوْۤا اِلٰى

اور ان کو ہدایت ہو گئی تھی کلمۂ طیبہ کی طرف اور ان کو ہدایت ہو گئی تھی (خدائے) لائق حمد کے

صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿٢٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ يَصُدُّوْنَ

راستہ کی جانب ف٣٠ بے شک جو لوگ کافر ہیں اور (لوگوں کو) روکتے ہیں

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ

اللہ کی راہ سے ف٣١ اور مسجد حرام سے ف٣٢ جس کو ہم نے مقرر کیا ہے

لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَ الْبَادِ ؕ وَ مَنْ يُّرِدْ فِيْهِ

لوگوں کے واسطے کہ اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا (سب) برابر ہیں ف٣٣ اور جو کوئی بھی اس کے اندر

بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٥﴾ع وَ اِذْ بَوَّاْنَا

کسی بے دینی کا ارادہ ظلم سے کرے گا ہم اسے عذاب دردناک چکھائیں گے ف٣٤ اور (وہ وقت یاد دلایئے) جب ہم

لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا

نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ بتا دی ف٣٥ (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا ف٣٦

وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْقَآئِمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ

اور میرے گھر کو پاک رکھنا طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود

السُّجُوْدِ ﴿٢٦﴾ وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا

کرنے والوں کے لئے ف٣٧ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے

وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿٢٧﴾ لا

اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی ف٣٨

ع ٣ / ١٠

ف٢٩ زیور اور ریشم اس دار العمل میں مردوں کے لئے ناجائز ہیں۔ جنت میں جو صرف دار الجزاء ہے اور جس کے قانون اور ضابطے دار العمل سے بالکل مختلف ہوں گے وہاں بالکل جائز ہو جائیں گے۔ ف٣٠ (اسی دنیا میں اور یہ جنت کا انعام و اکرام سب اسی ہدایت کا نتیجہ ہے) الطَّيِّبِ۔ طیب کا اطلاق ہر پاکیزہ نافع چیز پر ہو سکتا ہے۔ یہاں مراد ہے کلمہ طیبہ توحید۔ بعض نے مراد قرآن وغیرہ لی ہے۔ ماحصل ہر تفسیر کا ایک ہی ہے۔ ف٣١ یعنی دین کے کام سے۔ یہاں مراد عمرہ ہے۔ ٦ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت کثیر کے ساتھ مدینہ سے عمرہ کا قصد کیا تھا تو مشرکین مکہ نے آپ کو مقام حدیبیہ پر آ کر آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ اشارہ اسی طرف ہے۔ مفصل ذکر پ٢٦ سورۂ فتح کے ذیل میں آئے گا۔ ف٣٢ یعنی حرم مکہ ہے۔ شریعت کی مخالفت تو سب ہی جگہ موجب عذاب ہے۔ حرم کے اندر اور زیادہ موجب عذاب ہے۔ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ مسجد حرام سے مراد یہاں پورا رقبہ حرم ہے۔ والمراد بالمسجد الحرام مكة وعبّر به عنها (روح) فيه قولان......الثانی انهٗ اراد به الحرم كله (ابن العربی) ف٣٣ (اس کے مأمن و مرجع ہونے کی حیثیت سے) حرم محترم کے دروازہ ہر مومن موحد کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ کسی کے واسطے اسے کوئی خصوصیت نہیں۔ پردیسی اور وطنی، ملکی و آفاقی دونوں اس پر یکساں حق رکھتے ہیں۔ فقہاء حنفیہ نے اسی آیت سے اخذ کر کے لکھا ہے کہ حرم کی سرزمین مثل وقف کے ہے۔ کسی کو اس میں ملک کا دعویٰ کرنا یا کسی کو ان حدود میں انتفاع سے روکنا جائز نہیں، نہ یہاں اراضی کا کرایہ لینا درست ہے۔ مکہ کے مکانات کی بیع کی کراہت پر خود تابعین اور صحابہ کی روایات موجود ہیں، اور یہ بجائے خود دلیل ہے اس امر کی کہ ان کے نزدیک بھی مسجد حرام سے یہاں مراد سارا حرم مکہ ہے نہ کہ محض مسجد حرام روی عن الصحابة والتابعين ما وصفنا من كراهة بيع بيوت مكة وان الناس كلهم فيها سواءٌ وهٰذا يدل على ان تاويلهم لقوله تعالٰى والمسجد الحرام للحرم كله (جصاص) ف٣٤ جو کوئی ایسے خلاف دین کام کا ارادہ کرے گا اور پھر ظلم کے ساتھ، اسے یقیناً عذاب شدید بھی بھگتنا ہے۔ مَنْ...... بِظُلْمٍ۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ من يرد فيه الحادًا بظلم (ابن جریر) بِظُلْمٍ۔ ظلم سے مراد شرک بھی لی گئی ہے۔ ای بشرک (ابن عباس رضی اللہ عنہما) هو ان يعبد فيه غير الله (ابن جریر۔ عن مجاہد) وكذا قال قتادة وغير واحد (ابن کثیر) بالحاد میں ب زائد ہے۔ ف٣٥ الْبَيْتِ۔ بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ۔ بَوَّاْنَا یعنی خانہ کعبہ کی عمارت اس وقت موجود نہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہدایت غیبی پا کر خود وہاں تعمیر شروع کی۔ یہ سارا بیان حرم محترم کی عظمت مزید ظاہر کرنے کو اور مجرموں کی مزید تہدید کے لئے ہو رہا ہے۔ ف٣٦ (جیسا کہ اب تک بھی نہیں کیا ہے) ذکر بیت کے ساتھ ہی ممانعت شرک کا ذکر اس لئے نہایت ہی مناسب ہوا کہ کسی نافہم کو تعظیم بیت سے پرستش بیت کا اور اس کے معبد ہونے سے اس کے معبود ہونے کا وہم نہ پیدا ہو جائے۔ ان مفسرہ ہے اور قائلین له یہاں مقدر مانا گیا ہے۔ ان هی المفسره للقول المقدر ای قائلين لهٗ (مدارک) ف٣٧ اس حکم تطہیر میں نجاستیں مادی و معنوی دونوں قسموں کی آ گئیں۔ الفاظ آیت سے بعض عارفوں نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ بعض اوقات طالب کی بھی بعض خدمتیں شیخ کے ذمہ واجب ہو جاتی ہیں۔ ف٣٨ مقصود یہ ہے کہ جو آنے والے ہیں ہر حال میں آئیں گے۔ خواہ سواری نصیب نہ ہو، پیدل ہی آنا پڑے۔ سواری کے جانور ملیں مگر مشقت سفر سے وہ ہلکان ہو ہو جائیں۔ یا مسافت بہت دور دراز کی طے کرنا پڑے (ملاحظہ ہو ضمیمہ سورۃ ہذا) ابراہیم علیہ السلام کو اس اعلان کا حکم اس وقت ملا تھا جب دنیا نہ تار سے واقف تھی نہ ٹیلیفون سے نہ مائیکروفون سے نہ لاؤڈ اسپیکر سے۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام نے خدا معلوم کس لاہوتی اسٹیشن سے اور کس ملکوتی میٹر پر اس پیام کو نشر کیا کہ روئے زمین کے ہر براعظم کے ایک ایک گوشہ میں سمندر کے ایک ایک جزیرہ میں یہ آواز پہنچ گئی اور ہزاروں برس گزر چکے کہ خلقت آج تک اس بے آب و گیاہ سرزمین کی طرف کھنچی چلی آتی ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی) مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ حکم ملا ہے تو حضرت ابراہیم نے عرض کیا کہ اے پروردگار میری آواز کون سب کے کانوں تک پہنچائے گا؟ جواب ملا کہ ہم!— اتنا بلیغ، مؤثر، سچا جواب مخلوق کی زبان سے نکل نہیں سکتا تھا، خالق ہی کے لیے ممکن تھا۔ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ۔ مطلب یہ ہوا کہ سفر حج پیدل بھی اور سواری پر بھی دونوں طرح جائز ہے۔ يقتضی اباحة الحج ماشيًا وراكبًا ولادلالة فيه على الا فضل منها (جصاص)

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ

تاکہ اپنے فوائد کے لئے آ موجود ہوں ف۳۹ اور تاکہ ایام معلوم میں اللہ

مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ

کا نام لیں ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا کئے ہیں ف۴۰

فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا

پس تم بھی اس میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ ف۴۱ پھر لوگوں کو چاہئے

تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ

کہ اپنا میل کچیل دور کریں ف۴۲ اور اپنے واجبات کو پورا کریں ف۴۳ اور چاہیے کہ (اس) قدیم گھر کا

الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ

طواف کریں ف۴۴ یہ بات ہو چکی اور جو کوئی بھی اللہ کے محترم احکام کا ادب کرے گا سو یہ

خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا

اس کے حق میں اس کے پروردگار کے پاس بہتر ہوگا ف۴۵ اور اللہ نے حلال کردیئے ہیں تمہارے لئے چوپائے بجز

يُتْلٰی عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ

ان کے کہ جو تم کو پڑھ کر سنا دیئے گئے ف۴۶ سو تم بچے رہو بتوں کی گندگی سے

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ لا حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ

اور بچے رہو جھوٹی بات سے ف۴۷ جھکے رہو اللہ کی طرف اس کے ساتھ کسی کو شریک

بِهٖ ؕ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ

نہ کر کے اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو جیسے وہ گر پڑا آسمان سے

فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ

پھر پرندوں نے اسے نوچ ڈالا یا اس کو ہوا نے کسی دور دراز جگہ

ف۳۹ فوائد سے مراد اصلاً تو منافع اخروی ہیں مثلاً حج، عمرہ رضاء حق۔ اور ضمناً دنیوی بھی مثلاً تجارت، البتہ منافع دنیوی کو مستقل مقصود بنالینا ممنوع ہے۔ ظاھرہ یوجب ان یکون قدارید به منافع الدین و ان کانت التجارۃ جائزۃ ان تراد (جصاص) و یدخل فیها منافع الدنیا علی وجه التبع والرخصة دون ان تکون هی المقصودۃ بالحج (جصاص) اسلام کے ہر رکن اور ہر عبادت کی طرح حج کے فوائد و مصالح بھی بے شمار ہیں۔ انفرادی وشخصی بھی اور ملی و اجتماعی بھی، اور مادی و روحانی بھی۔ احکام الٰہی کی تعمیل بجائے خود ایک سب سے بڑی روحانی لذت ہے۔ پھر اسلام کے مولد، سردار اسلام کے وطن اور ان تمام مقامات کی زیارت جن سے اسلام و سردار اسلام دونوں کی اولین تاریخ وابستہ ہے کس درجہ سبق آموز، ولولہ انگیز و موثر ہو سکتی ہے۔ دنیوی و ملی حیثیت کو لیجئے تو مسلمانان عالم کے درمیان تبادلہ خیالات اور یک جہتی پیدا کرنے کے لیے، نیز بین الاقوامی تجارت و سیاست کے لیے اس سالانہ عالمگیر اجتماع سے بہتر ذریعہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ اور افراد کو جو تجربے لمبے اور اکثر بحری سفر کے ہوجاتے ہیں وہ اس سب کے علاوہ۔ (ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی) ف۴۰ چوپایوں سے مراد قربانی کے جانور، اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری ہیں۔ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ میں معلوم سے مراد قربانی کی تاریخ ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ ہیں۔ هی عشر ذی الحجة عندابی حنیفة و اٰخرها یوم النحر و هو قول ابن عباس رضی اللہ عنہما و اکثر المفسرین (مدارک) روی عن علیؓ و ابن عمر ان المعلومات یوم النحر و یومان بعده (جصاص) قربانی کا منکر سطحی دماغ والا گروہ حال میں پیدا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن میں کہیں قربانی کا ذکر نہیں ملتا۔ کاش وہ قرآن ہی پر غور کرنا سیکھے اور اس آیت سے قربانی کی اہمیت کا سبق لے۔ ف۴۱ فقہاء مفسرین نے تصریح کی ہے کہ صیغۂ امر یہاں استحبابی ہے۔ فرضیت کے مفہوم میں نہیں۔ الامر للاباحة (مدارک) ظاهرهٗ یقتضی ایجاب الاکل الا ان السلف متفقون علیٰ ان الاکل منها لیس علی الوجوب (جصاص) و لا خلاف من السلف و من بعدهم من الفقهاء ان قوله فکلوا منها لیس علی الوجوب (جصاص) ف۴۲ یعنی احرام (حج کی وردی) اتار دیں، حجامت بنوائیں، غسل کریں و قس علی هذا۔ احرام و لبیک کے ساتھ ہی حاجی پر ایک عاشقانہ و مستانہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ہزار ہا انسانوں اور جانوروں کے ہجوم میں دھکم دھکا، گرد و غبار، جسم اور جامۂ احرام گرد آلود۔ اجازت نہ خط بنوانے کی نہ ناخن کٹانے کی نہ تیل لگانے کی۔ اب حکم ہوتا ہے کہ وہ ممانعت کا زمانہ ختم ہوا۔ اب آزادی سے نہائیں دھوئیں، کپڑے بدلیں، تیل لگائیں، خط بنوائیں وغیرہا۔ ف۴۳ نذر کے تحت میں ہر وہ چیز داخل ہے جو اپنے اوپر واجب کر لی گئی ہو۔ یہاں وہ تمام اعمال مراد ہیں جو خود عمل حج کے ضمن و ذیل میں لازم ہوں، مثلاً منٰی میں تین نشانوں پر کنکریاں پھینکنا یا جو قربانیاں وغیرہ از خود اپنے اوپر لازم کر لی گئی ہوں۔ وَلْيُوْفُوْا۔ صیغہ امر وجوب کے معنٰی میں ہے۔ والامر علی الوجوب (جصاص) نذر جس مراد کے لیے بھی مانی جائے، چاہیے کہ ہمیشہ اللہ ہی کے نام کی ہو۔ کسی اور کے نام کی نذر حرام ہے۔ ف۴۴ یہ طواف فرض ہے اور اصطلاح فقہ میں طواف الزیارۃ یا طواف الافاضه کہلاتا ہے۔ وَلْيَطَّوَّفُوْا۔ یہاں بھی صیغۂ امر وجوب ہی کے لیے ہے۔ ظاهره یقتضی الوجوب لانهٗ امر والا وامر علی الوجوب (جصاص) الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ کے ایک معنٰی تو خانۂ قدیم کے ہیں۔ قیل للقدیم العتیق (راغب) العتیق القدیم (ابن جریر۔ عن ابن زید) العتیق القدیم قالهٗ الحسن و ابن زید (بحر) سمی به لانهٗ قدیم (معالم۔ عن الحسن و ابن زید) یعنی وہ گھر جو شروع ہی سے معبد الٰہی ہے۔ خانۂ کعبہ کی تاریخ اتنی پرانی ہو چکی ہے کہ خود تاریخ کو بھی اب یاد نہیں رہی ہے۔ اب اس کی قدامت کی شہادت خود مخالفین بھی دے رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ دوسرے معنٰی خانۂ محفوظ کے ہیں۔ یعنی وہ گھر جو امن کی جگہ بنا دیا گیا ہے اور جباروں کی گرفت سے آزاد رہا ہے۔ المقتضی من الجبابرۃ قاله ابن الزبیر و ابن ابی بخیح و قتادۃ (بحر) ف۴۵ یعنی احکام مخصوص کا بیان تو ہو چکا۔ اب عام کلیہ یہ بیان ہوتا ہے کہ جو بھی احکام الٰہی سنے، جو کوئی ان کا ادب و لحاظ رکھے گا علماً اس طرح کہ انہیں حاصل کرے اور عملاً اس طرح کہ ان کی خلاف ورزی نہ کرے۔ سو یہ احکام الٰہی کا ادب و احترام اسی کے کام آئے گا۔ اور سبب بن جائے گا بلندئ درجات کا، مقبولیت کا، حصول خیر و برکات کا۔ حُرُمٰتِ اللّٰهِ۔ جو چیزیں بھی محبت و تقرب سے اللہ کی جانب منسوب ہیں وہ سب اس میں داخل ہو گئیں مثلاً احکام الٰہی، کتب دین، مکانات مقدس، اوقات متبرک، بندگان مقرب (ملائکہ، انبیاء، صالحین) آثار کاملین وغیرہا۔ لهٗ میں ل تخصیص کا ہے۔ یعنی فائدہ خود اسی کا ہے۔ کسی اور کا نہیں۔ ف۴۶ یعنی بجز ان چوپایوں کے جن کی حرمت قرآن ہی کی دوسری آیتوں میں مذکور ہے اور سب چوپائے تمہارے لیے حلال ہیں۔ حدود حرم کے اندر ممانعت شکار کی ہے نہ کہ ذبح کی۔ ف۴۷ (خصوصاً شرک جیسے کذب اعظم سے) قَوْلَ الزُّوْرِ۔ جھوٹی بات کے تحت میں ہر جھوٹ آجاتا ہے۔ لیکن دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ کلمہ توحید کے برخلاف کلمۂ شرک کا اقرار ہے۔ الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ۔ گندگی یہی کہ بتوں کو معبودیت میں شریک کر لیا جائے۔

سَحِيۡقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۗ وَ مَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا

جا پھینکا ف۴۸ یہ بات ہو چکی۔ اور جو کوئی (دین) خدا کی یادگاروں کا ادب رکھے گا سو یہ (ادب) دلوں کی

مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ

پرہیزگاری میں سے ہے ف۴۹ تمہارے لئے ان سے فوائد حاصل کرنا (جائز ہیں) ایک

مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ﴿۳۳﴾ ع وَ لِكُلِّ

مدت معین تک ف۵۰ پھر اس (کے ذبح) کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے ف۵۱ اور ہم نے ہر ایک

اُمَّةٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَكًا لِّيَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا

امت کے لئے قربانی رکھ دی تھی ف۵۲ تاکہ وہ لوگ اللہ کا نام ان چوپایوں پر لیں جو

رَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ بَهِيۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

اس نے انہیں عطا کر رکھے ہیں ف۵۳ سو تمہارا خدا تو خدائے واحد ہی ہے ف۵۴

فَلَهٗۤ اَسۡلِمُوۡا ؕ وَبَشِّرِ الۡمُخۡبِتِيۡنَ ﴿۳۴﴾ لا الَّذِيۡنَ اِذَا

تم اسی کے آگے جھکو ف۵۵ اور آپ خوش خبری سنا دیجیے گردن جھکا دینے والوں کو ف۵۶ جن کے دل ڈر جاتے ہیں جب

ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَ الصّٰبِرِيۡنَ عَلٰى مَاۤ

اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے ف۵۷ اور جو مصیبتیں ان پر پڑتی ہیں ان پر

اَصَابَهُمۡ وَالۡمُقِيۡمِى الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ

صبر کرنے والوں کو اور نماز کی پابندی کرنے والوں کو اور (ان کو) جو خرچ کرتے رہتے ہیں اس میں سے جو ہم نے

يُنۡفِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾ وَالۡبُدۡنَ جَعَلۡنٰهَا لَكُمۡ مِّنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ

انہیں دے رکھا ہے ف۵۸ اور قربانی کے جانوروں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ (کے دین) کی یادگاریں بنا دیا ہے، ف۵۹

لَكُمۡ فِيۡهَا خَيۡرٌ ۖ فَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهَا صَوَآفَّ ۚ

تمہارے حق میں ان ہی کے اندر بھلائی (رکھ دی گئی) ہے سو تم انہیں کھڑے کر کے ان پر اللہ کا نام لیا کرو ف۶۰

ف۴۸ غرض یہ کہ بری طرح ہلاک ہی ہوا۔ تو جس طرح وہ بدنصیب منزل مقصود سے بہ مراحل دور پڑ گیا، اسی طرح یہ بدنصیب مشرک بھی راہِ حق بالکل کھو بیٹھا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ تشبیہ میں شکاری پرندوں سے مراد نفس کے اوہام اور وسوسے ہیں اور ہوا کے جھکڑ سے مراد شیطان کا حملہ ہے۔ ف۴۹ شَعَآئِرَ اللّٰهِ سے یہاں خاص طور پر قربانیاں مراد ہیں۔ مطلب یہ کہ احکام الٰہی کی عام تعظیم و احترام کا کلیہ تو بیان ہو چکا۔ اب تاکیدی حکم قربانیوں کے باب میں دیا جا رہا ہے۔ اوپر شرک کی مذمت بار بار ہو چکی تھی۔ اس آیت نے اسے کھول دیا کہ شرک بری چیز ہے لیکن غیر اللہ کی تعظیم بری نہیں۔ بلکہ جو چیزیں اللہ کی جانب منسوب و منتسب ہیں ان کی تعظیم و تکریم تو عین جزء دین ہیں۔ فقہاء نے کہا کہ تعظیم غیر اللہ مستقلاً ممنوع و ناجائز ہے۔ لیکن بہ لحاظ نسبت و تقرب ذات الوہیت جائز و مشروع ہے۔ بعض عارفوں نے یہاں سے دو مسئلہ نکالے ہیں۔ ایک یہ کہ تقوٰی کا اصل محل قلب ہے۔ دوسرے یہ کہ شعائر دین کی (جن کے اندر انبیاء و اولیا کے آثار بھی شامل ہیں) تعظیم حدودِ شرعی کے اندر خود مشروع ہے۔ ف۵۰ یعنی جب تک وہ جانور، بہ قاعدۂ شرعی "ہدی" نہ بنا دیا جائے، اس جانور سے اور کام لینا، مثلاً اس پر سواری، بار برداری، دودھ وغیرہ سب جائز ہیں۔ ف۵۱ یہاں بیت العتیق سے مراد کل حرم ہے۔ یعنی ذبح کی جگہ حدود حرم کے اندر ہے، اس سے باہر نہیں۔ اَلۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ کے لفظی معنٰی کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ ۴۴۔ ف۵۲ قربانی کا حکم کسی نہ کسی صورت میں ہر پچھلی شریعت میں موجود رہا ہے۔ یہ شریعت اسلامی کا کوئی نیا اور انوکھا حکم نہیں اور اہل کتاب کے مذہب (یعنی مذہب بنی اسرائیل) میں تو قربانی مذہب کا ایک اہم رکن ہے۔ حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ آج منکرین کا جو گروہ کہہ رہا ہے کہ قربانی کا حکم قرآن میں کہیں مذکور نہیں۔ کاش وہ آیت نمبر ۲۹ کی طرح اس آیت پر بھی غور کرنا سیکھے! لِيَذۡكُرُوا ...... الۡاَنۡعَامِ۔ یعنی مقصود اصلی تو بس اللہ کے نام کی تعظیم اور اللہ کے نام سے حصول تقرب رہا ہے، مذبوح اور مذبح کی حیثیت صرف آلہ اور ظرف کی ہے۔ بعض اہل علم صوفیہ نے مفہوم آیت کے عموم و اطلاق سے اہل باطن کے مسلکوں میں اختلاف کے باوجود اتحادِ مقصود کا نکتہ بھی نکالا ہے۔ ف۵۳ مقصود اصلی بس اسی کی تعظیم ہے۔ حرم، ہدی وغیرہ کے آداب و احکام سب اسی غایت کے لیے ہیں۔ ف۵۴ (سو نہ تو کسی غیر اللہ کے آگے بھینٹ چڑھاؤ اور نہ کسی مکان وغیرہ کو معظم بالذات سمجھ کر ہرگز اپنے اندر شائبہ شرک پیدا ہونے دو) ف۵۵ (جنت و رضاء الٰہی کی) الۡمُخۡبِتِيۡنَ۔ یعنی احکام شریعت کے آگے گردن جھکا دینے والوں کو۔ ف۵۶ یعنی اس کی ذات کا، صفات کا، احکام کا، وعدہ وعید کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ف۵۷ گویا توحید خالص چیز ہی ایسی بابرکت ہے کہ اس سے یہ تمام کمالات اخلاقی و روحانی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ف۵۸ (اور اس کی عظمت توحید کو اور زیادہ ظاہر کرنے والے۔ چنانچہ یہی حکم کہ اللہ کی جانب منسوب و نامزد ہو جانے کے بعد پھر اس جانور پر حکم اس کے مالک کا نہیں چل پاتا۔ مالک مجازی کی عبدیت اور مالک حقیقی کی معبودیت ظاہر کرنے کو بالکل کافی ہے۔ سو کہیں تم ان قربانی کے جانوروں ہی کو معظم بالذات نہ سمجھ بیٹھنا) الۡبُدۡنَ۔ بُدن جمع ہے بُدنہ کی۔ اصل معنٰی ہیں موٹے تازہ تیار اونٹ کے۔ الابل العظام الاجسام الضخام (ابن جریر) لیکن اہل عربیت نے اس سے گائے اور اونٹ دونوں مراد لیے ہیں اور یہی مذہب فقہاء حنفیہ کا ہے۔ البقرة والبعیر (ابن جریر۔ عن عطاء) ھی من الابل والبقر کالا ضحیة من الغنم (قاموس) و هو مذهب الحنفية و هو قول عطاء و سعيد بن المسيب (روح) قربانی کے دوسرے جانور یعنی بھیڑ اور بکری بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔ ف۵۹ اصل بھلائی تو یہی ہے کہ ان کے ذریعہ سے حصول اجر و رضاء الٰہی کا موقع ملتا ہے۔ اور ضمناً دنیوی فوائد بھی ہیں۔ مثلاً ان کا گوشت کھانا کھلانا۔ ای نفع فی الدنیا و اجر فی الأخرة (روح۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما والسدی) ای اجر و منافع (ابن جریر۔ عن مجاہد) ف۶۰ یہ خاص ذکر اونٹ کی قربانی کا ہے۔ اسی کو اس طریقہ پر ذبح کیا جاتا ہے۔ بدنة کا اصل اطلاق بھی اسی پر ہوتا ہے اور اسی کی قربانی افضل بھی ہے۔ لفظ صَوَآفَّ سے بعض صوفیہ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ حق تعالیٰ عبادات میں صف بندی کو پسند کرتا ہے۔ مثلاً نماز میں، جہاد میں، قربانی میں۔ اس لیے صوفیہ مشائخ کے حلقۂ ذکر بھی جو درحقیقت غیر اللہ کے مقابلہ کے لیے میدان جہاد اور خودی کے حق میں قربانگاہ ہیں اسی اصل کی ایک فرع ہیں۔

وا۶ (اور گر کر ٹھنڈے ہو جائیں) وہی اونٹ کے طریق ذبح کا بیان ہو رہا ہے۔ و۶۲ (کہ یہ دو قسمیں ہیں اہل حاجت کی) قانع وہ ہے جو صبر کیے بیٹھا ہے، جو کچھ بھی مل جائے، اسے قبول کر لیتا ہے۔ معتر وہ ہے جو بے قرار ہو کر مانگتا رہتا ہے۔ آیت میں امر دو آتے ہیں اور دونوں امر وجوب کے لیے نہیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ پہلا امر (یعنی كُلُوْا) اباحت و جواز کے لیے ہے۔ اور دوسرا امر (اَطْعِمُوْا) ندب واستحباب کے لیے ہے۔ لیکن بعض عارفین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قربانی کا گوشت اہتمام کے ساتھ تناول فرماتے تھے جو دلیل ہے اس کے مندوب ہونے کی، راز اس کا یہ ہے کہ جو چیز بھی اللہ کی جانب منسوب ہو جائے وہ ہے ہی اس قابل کہ اس سے رغبت کی جائے۔ اور اس بنا پر مباحات سے اس نیت کے ساتھ منتفع ہونا مطلوب ٹھہرا۔ و۶۳ (اس نعمت تسخیر پر) اونٹ اور گائے بیل کا انسان سے قوی تر ہونا ظاہر ہے۔ انسان کا باوجود اپنے ضعف کے ان پر قادر ہو جانا ایک مخصوص نعمت الٰہی ہے۔ قربانی دوسرے مذاہب میں ایک مشرکانہ رسم ہے۔ اسلام میں محض ایک

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ

پھر جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں وا۶ تو خود بھی ان میں سے کھاؤ اور بے سوال

وَ الْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور سوالی کو بھی کھلاؤ و۶۲ ہم نے اسی طرح ان (جانوروں) کو تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم شکر ادا کرو و۶۳

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ

اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون و۶۴ البتہ اس کے پاس تمہارا

التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ

تقویٰ پہنچتا ہے و۶۵ اسی طرح اللہ نے انہیں تمہارے زیر حکم کر دیا ہے تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ

عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ

اس نے تمہیں ہدایت دی و۶۶ اور آپ اخلاص والوں کو خوش خبری سنا دیجیے و۶۷ بے شک اللہ

يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ

ایمان والوں سے دور کر دے گا (مشرکوں کے غلبہ و اقتدار کو) و۶۸ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا کسی

خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ

دغاباز کفر والے کو و۶۹ (اب لڑنے کی) اجازت دی جاتی ہے انہیں جن سے لڑائی کی جاتی ہے و۷۰ اس لئے کہ ان پر

ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ

بہت) ظلم ہو چکا وا۷ اور بے شک اللہ ان کی نصرت پر (ہر طرح) قادر ہے و۷۲ جو

اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا

اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اس بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ

رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ

ہمارا پروردگار اللہ ہے و۷۳ اور اگر اللہ لوگوں کا زور ایک دوسرے سے

ع ۵ / ۱۲

توحیدی عبادت ہے۔ خدائے واحد کی طرف سے دھیان ہٹانے والی نہیں، عین اس کی طرف توجہ جمانے والی، رشتہ عبودیت کو اور محکم کرنے والی و۶۴ (جیسا کہ مشرک قوموں کا عقیدہ بھینٹ چڑھا کر اپنے دیوتاؤں خداؤں سے متعلق ہے) اہل کتاب تک قربانی یعنی جانوروں کے خون بہانے کو ایک ذریعہ کفارہ کا سمجھتے تھے۔ عہد عتیق میں ہے:۔ "بدن کی حیات لہو میں ہے۔ سو میں نے مذبح پر وہ تم کو دیا ہے کہ اس سے تمہاری جانوں کے لیے کفارہ ہو، کیونکہ وہ جس سے کسی جان کا کفارہ ہوتا ہے سو لہو ہے"۔ (احبار۔ ۱۷: ۱۱) اور عہد جدید میں ہے:۔ "تقریباً ساری چیزیں شریعت کے مطابق خون سے پاک کی جاتی ہیں اور بغیر خون بہائے معافی نہیں ہوتی"۔ (عبرانیون ۹: ۲۲) اور مشرک قوموں کا تو ذکر ہی کیا۔ اہل بابل کا عقیدہ تھا کہ دیوتاؤں کی دعوت آسمان پر ہوتی ہے۔ ان کے نام پر جو بھینٹ چڑھائی جاتی ہے وہ اس کی خوشبو محسوس کرتے ہیں، اسے کھاتے ہیں۔ وقس علی ہذا ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ نفس ذبح کی نیت جو ایک فعل قلب ہے، باری تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص رہنا چاہیے اور غیر اللہ کی رضا و تقرب کی خاطر جانور ذبح کرنا ایک صورت شرک کی ہے۔ البتہ گوشت کھانے کھلانے یا اسی قسم کے اور فوائد حاصل کرنے کے لیے ذبح بالکل جائز ہے کہ لحم و دم وغیرہ سے وہ ذات بالکل بے نیاز و بری ہے۔ و۶۵ یعنی اجر تو تمہارے اخلاص و نیت تقرب پر ملتا ہے آیت نے قربانی کے سلسلہ میں ایک بڑی اہم اصل کا بیان کر دیا"۔ و۶۶ (اور راہ حق پر قائم رکھا، ورنہ تم بھی مسیحیوں کی طرح کفارہ وغیرہ کے عقائد باطلہ و شرکیہ میں مبتلا ہو کر راہ حق سے بھٹک گئے ہوتے۔ و۶۷ (اے ہمارے پیغمبر!) احسان یہاں اخلاص کے معنٰی میں ہے۔ المحسنین اے المخلصین (بیضاوی) و۶۸ (مستقبل قریب میں چنانچہ مشرکین مکہ کو اس پر قدرت نہ باقی رہے گی کہ وہ مسلمانوں کو ادائے حج و عمرہ وغیرہ سے روک سکیں) آیت کا زمانہ نزول وہ ہے جب مکہ کی مشرک ریاست ہر طرح غالب و چیرہ دست تھی۔ اور مسلمان اس کے مقابلہ میں ہر طرح کمزور و بے بس۔ و۶۹ (سو وہ نصرت ان کی نہیں اہل ایمان کی کرے گا) کافروں، منکروں، بے دینوں کو جو مہلت مل جاتی ہے وہ اول تو عارضی ہوتی ہے، دوسرے کسی مصلحت تکوینی کے ماتحت۔ ورنہ نصرت الٰہی کے اصل اور مستقل مستحق تو اہل ایمان ہی ہیں۔ و۷۰ (خواہ مخواہ اور چھیڑ چھیڑ کر کافروں کی طرف سے) یعنی مسلمانوں کو اب تک مقابلہ اور لڑائی کی اجازت نہ تھی۔ ان پر ہر طرح کے ظلم و ستم ہوتے رہے۔ اور وہ یعنی خدائی فوج والے، خدائی ڈسپلن کے ماتحت ان مظالم اور چیرہ دستیوں کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ اب پہلی بار انہیں بھی جواب دینے کی اجازت مل رہی ہے۔ یہ آیت احکام قتال و جہاد میں اولین آیت ہے۔ اور مکی اسلام کے آخری زمانہ میں ہجرت نبوی سے کچھ ہی قبل نازل ہوئی۔ وا۷ (اور یہی مظلومیت چاہے بالفعل ہو یا بالقوی، حالی ہو یا امکانی، علت ہے مشروعیت جہاد کی)"بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا کی علت ہونے سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جو کفار ظالم نہ ہوں مگر اسلام کے زیر فرمان بھی نہ ہوں وہ محل قتال نہیں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اس علت میں انحصار کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ یکون الدین للہ کو غایت قرار دینے سے دوسری علت یہ بھی معلوم ہوئی"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۷۲ (چنانچہ عنقریب وہ انہیں باوجود ان کی ظاہری بے سروسامانی کے غالب کر کے رہے گا) و۷۳ ذکر مسلمانان مکہ کا ہے۔ ان سے مشرکوں کو کوئی یہ شکایت تھوڑے ہی تھی کہ یہ لوگ شورش پسند ہیں یا چوریاں کرتے ہیں یا ڈاکے ڈالتے ہیں۔ الزام تھا تو صرف یہی کہ یہ ہمارے آبائی دھرم اور باپ دادا کے وقت کے دیویوں دیوتاؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کے ہو رہے ہیں! بس اسی قصور پر بیچاروں کو وطن چھوڑنا پڑا۔ اور ہجرت پہلے حبشہ کی جانب اور پھر مدینہ کو کرنی پڑی۔

بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ
نہ گھٹاتا رہتا تو نصاریٰ کی خانقاہیں اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے
وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ
اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے (سب) منہدم ہوگئے ہوتے و۷۴ اور اللہ ضرور
اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾ اَلَّذِيْنَ
اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے و۷۵ بے شک اللہ قوت والا ہے غلبہ والا ہے و۷۶ (یہ لوگ ایسے ہیں کہ)
اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ
اگر ہم انہیں زمین میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں
وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ
اور (دوسروں کو بھی) نیک کام کا حکم دیں اور برے کام سے منع کریں و۷۷ اور انجام (سب) کاموں کا
عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ
اللہ ہی (کے ہاتھ) میں ہے و۷۸ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو (کیا ہوا) ان سے
قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَ قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ
قبل قوم نوح و عاد و ثمود اور قوم ابراہیم
وَ قَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى
و قوم لوط اور اہل مدین بھی (تو اپنے اپنے پیغمبروں کو) جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰ بھی جھٹلائے جا چکے ہیں و۷۹
فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ
سو (پہلے تو) میں نے کافروں کو مہلت دی پھر میں نے انہیں پکڑ لیا سو (دیکھو) میرا عذاب
نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ
کیسا ہوا و۸۰ غرض کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر ڈالا جو نافرمان تھیں

و۷۴ یعنی اگر یہ سنت اللہ ہمیشہ سے نہ چلی آئی ہوتی کہ ظالموں، سرکشوں، زبردستوں کا زور انسانوں ہی کے بعض گروہوں کے ہاتھ سے تڑوایا جاتا رہتا تو اب تک جو جو عمارتیں توحید کی مرکز رہی ہیں، لا مسجدیں جواب بھی اسی غرض کے لیے ہیں، اور اہل کتاب کی مذہبی عمارتیں جو اپنے اپنے زمانہ میں یہ کام انجام دے چکی ہیں، سب ختم ہوگئی ہوتیں۔ گویا جہاد کی مشروعیت و مطلوبیت اقامتِ توحید ں کی خاطر ہے۔ خوب خیال رہے کہ پرانی عبادتگاہوں کے سلسلہ میں بھی ذکر مندروں، شوالوں، ٹھاکردواروں کا نہیں بلکہ صرف انہیں مذاہب کا آنے پایا ہے جو بعد کو عملاً جیسے کچھ بھی ہوگئے ہیں، لیکن اصلاً بہرحال توحیدی ہی مذہب تھے۔ ''کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ گاہ گاہ اہل حق بھی تو مغلوب ہوتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اتنا غلبہ جس میں حق محو نہ ہوجائے، مقصود بالحکمت ہے۔ سو یہ حاصل رہا ہے''۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) و۷۵ یعنی یہ شرط ثبات انجام میں غلبہ اہل حق ہی کو ہوتا ہے۔ ''اور اعتبار ہر کام میں انجام ہی کا ہوتا ہے، جیسا دوران علاج میں مریض کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں مگر انجام اگر صحت ہے تو علاج کو نافع کہیں گے''۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) يَنْصُرُهٗ میں اللہ کی مدد سے مراد، اللہ کے دین کی مدد ہے۔ ينصرهٗ اے ينصر دينه (بیضاوی) انما المراد من نصرة الله نصرة دينه (کبیر) و۷۶ قوت وغلبہ کی آخری باگ اسی کے ہاتھ میں ہے اور اس کا ارادہ ہر مادی سامان اور ہر ظاہری تدبیر سے بالاتر ہے۔ و۷۷ یہ ہے اصلی اور سچی تصویر اسلامی طرز حکومت کی۔ گورنمنٹ اگر مسلمانوں، سچے مسلمانوں کی قائم ہوجائے تو مسجدیں آباد و پر رونق ہوجائیں۔ ہر طرف سے صدائیں تکبیر و تہلیل کی گونجا کریں۔ بیت المال کے بعد کوئی ننگا بھوکا نہ رہ جانے پائے۔ عدالتوں میں انصاف بکنے کے بجائے ملنے لگے۔ رشوت، جعلسازی، دروغ حلفی کا بازار سرد پڑ جائے۔ امیر کو کوئی حق، کوئی موقع، غریب کی تحقیر کا، ایذا کا نہ باقی رہ جائے۔ غیبتیں، بدکاریاں، چوریاں، ڈاکے، خواب وخیال ہوجائیں۔ آبکاری کے محکمہ کو کوئی پانی دینے والا بھی نہ رہے۔ مہاجنی کوٹھیوں، سود خوار ساہوکاروں، بینکوں کے ٹاٹ الٹ جائیں۔ گویے نچنیے اگر تائب نہ ہوں، شہر بدر کردیے جائیں۔ سینما، تھیٹر، تمام شہوانی تماشا گاہوں کے پردوں کو آگ لگا دی جائے۔ گندہ، فحش، افسانہ و شاعری کی جگہ صالح و پاکیزہ ادبیات لے لیں۔ غرض یہ کہ دنیا، دنیا رہ کر بھی نمونہ جنت بن جائے۔ مَكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ کی مناسبت سے بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت میں اشارہ ہے اہل تمکین کے مقام کی طرف ان کے ہاں شطحیات نہیں ہوتے اور ان کے کلمات سے کوئی گمراہ نہیں ہوتا۔ محققین نے آیت سے خلفاء اربعہ کی صحت امارت و امامت پر بھی استدلال کیا ہے کہ ان چاروں مہاجرین (یعنی الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق کے مصداقوں) کے دور حکومت میں ان اوصاف کا تحقق پوری طرح پایا گیا۔ و هو صفة الخلفاء الراشدين الذين مكنٰهم في الارض هم ابو بكر و عمر و عثمان و علي رضي الله عنهم و فيه الدلالة الواضحة على صحة امامتهم لاخبار الله تعالٰى بانهم اذا مكنوا في الارض قاموا بفروض الله عليهم (جصاص) و۷۸ (سو عارضی ناکامی و مغلوبیت سے اہل حق کو ہراساں و دل شکستہ نہ ہونا چاہیے) و۷۹ یعنی آپ کی قوم جو آپ کے پیام کی اور آپ کی پیامبری کی تکذیب کر رہی ہے۔ یہ کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں۔ سارے پیمبروں کو یہی معاملہ اپنی قوم کی طرف سے پیش آتا رہا ہے، اور یہ تو محض تاریخ اپنا اعادہ کر رہی ہے۔ نُوْح، عَاد، ثَمُوْد، اِبْرٰهِيْم، لُوْط، مَدْيَن، مُوْسٰى ان سب پر حاشیے گزر چکے ہیں۔ و۸۰ (یعنی وہ بڑی بڑی مہذب و متمدن، پرقوت و پرشوکت، دولت و تمول والی قومیں تباہ و بے نشان ہی ہو کر رہیں۔ اور ان کے علوم و فنون، ان کی صناعی اور انجینئری، ان کی سپاہ اور ان کی خوش تدبیریاں کوئی بھی ہلاکت سے آڑے نہ آسکیں) فَاَمْلَيْتُ۔ عام سنت اللہ ہے یہی کہ معاندوں، منکروں پر گرفت فی الفور نہیں ہوتی، بلکہ پہلے انہیں مہلت دی جاتی ہے۔

فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ

سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے ہی بے کار کنوئیں اور بہت سے قلعی چونے

مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ

کے محل! ف۸۱ سو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل

قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا

ایسے ہو جاتے جن سے یہ سمجھنے لگتے یا کان ایسے ہو جاتے جن سے یہ سننے لگتے ف۸۲ اصل یہ ہے

تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي

کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے

الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَ لَنْ

ہو جایا کرتے ہیں ف۸۳ اور آپ سے یہ لوگ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں درآنحالیکہ

يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ

اللہ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا اور آپ کے پروردگار کے پاس کا ایک دن

كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ

مثل ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے مطابق ف۸۴ اور کتنی ہی بستیاں ہیں

اَمْلَيْتُ لَهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَ اِلَيَّ

جنہیں میں نے مہلت دی تھی اور وہ نافرمان تھیں پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف

الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ ع قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ

(سب کی) واپسی ہے ف۸۵ آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو میں تو تمہارے لئے صرف ایک صاف صاف

مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ

ڈرانے والا ہوں ف۸۶ سو جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک کام کرنے لگے ان کے لئے

ف۸۱ یعنی ان کے ٹوٹے ہوئے قلعہ اور محل اور ان کے اُجڑے ہوئے کنوئیں اب تک ان کے گزشتہ تمدن کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ۔ کنووں کو قدیم تمدن و معاشرت میں مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ اب بھی جہاں پانی کے نلوں اور پمپوں کا رواج نہیں، کنواں آبادی و بستی کے اندر بڑی اہم چیز ہوتا ہے۔ ف۸۲ جغرافیہ، تاریخ، اثریات (آرکیالوجی) کا علم اگر محض علم و فن کی حیثیت سے نہیں بلکہ عبرت پذیری کی غرض سے پڑھا جائے تو داخل عبادت ہے۔ ف۸۳ سبق عبرت و موعظت حاصل کرنے کی جگہ دل ہے۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ ان نہ سمجھنے والوں کے دل ہی اندھے ہو گئے ہیں۔ ظاہری آنکھوں سے دیکھتے سب کچھ ہیں۔ گزشتہ برباد شدہ قوموں کے حالات، اور ان کی تہذیب و تمدن بھی۔ لیکن سبق ان سے کچھ نہیں حاصل کرتے۔ ف۸۴ (بہ لحاظ امتداد و بہ لحاظ اشتداد) مراد یہاں روزِ قیامت ہے۔ مقدار الحساب يوم القيمة الف سنة (ابن جریر۔ عن ابن عباس) اى من الايام الأخرة (ابن جریر۔ عن مجاہد) هٰذه ايام الأخرة (ابن جریر۔ عن مجاہد) عالم ناسوت کے ہزار سال کا عنداللہ ایک دن کے برابر ہونے کا محاورہ قدیم صحیفوں میں بھی آیا ہے:۔ ”ہزار برس تیرے آگے ایسے ہیں جیسے کل کا دن جو گزر گیا“۔ (زبور۔ ۹۰: ۴) اور انجیل میں ہے:۔ ”اے عزیزو، یہ خاص بات تم پر پوشیدہ نہ رہے کہ خداوند کے نزدیک ایک دن ہزار برس کے برابر ہے، اور ہزار برس ایک دن کے برابر“۔ (۲۔ پطرس۔ ۳: ۸) مِمَّا تَعُدُّوْنَ۔ یعنی تم اہل ناسوت کے حساب کے مطابق۔ مطلب یہ ہوا کہ کسی کی جلدی کرنے یا تقاضا کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ عذاب موعود تو اپنے وقت پر آ کر رہے ہی گا۔ اللہ کے احکام میں کسی تغیر و تبدل کا امکان کچھ تھوڑے ہی ہے۔ ف۸۵ اس مہلت سے انہوں نے فائدہ یہ اٹھایا تھا کہ بجائے اپنی حالت کی اصلاح کے الٹے اسی استہزاء و استعجال میں لگی رہیں۔ ف۸۶ (اور اس سے زیادہ میرا کوئی اختیار نہیں۔ سو اگر تمہاری حسب فرمائش میں عذاب نہ لا سکوں تو اس سے نفس وقوع عذاب کی تکذیب کیسے ہو گی؟)

ع ۱۰/۱۲

مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَ الَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا

مغفرت ہے اور عزت کی روزی اور جو لوگ کوشش کرتے رہتے ہیں ہماری نشانیوں کے باب میں

مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا

ہرانے کے لئے و۸۷ وہی لوگ دوزخی ہیں اور ہم نے آپ سے قبل

مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى

کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا مگر یہ کہ جب اس نے کچھ پڑھا ہو و۸۸ تو شیطان نے

الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى

اس کے پڑھنے کے باب میں شبہ ڈالا و۸۹ سو اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہ کو مٹا

الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ ۙ

دیتا ہے و۹۰ پھر اللہ اپنی آیات کو (اور زیادہ) مضبوط کردیتا ہے و۹۱ اور اللہ خوب علم والا ہے خوب حکمت والا ہے و۹۲

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

(اور یہ سب اس لئے ہوتا ہے) تاکہ اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے (شبہات) کو آزمائش بنادے ان کے حق میں جن

مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ

کے دلوں میں روگ ہے و۹۳ اور ان کے دل بالکل سخت ہیں اور بے شک ظالم لوگ بڑی دور کی مخالفت میں

شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ ۙ وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ

(پڑے ہوئے) ہیں و۹۴ اور (یہ سب اس لئے بھی) تاکہ جن لوگوں کو فہم عطا ہوا ہے وہ یقین کرلیں کہ یہ آپ کے

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ

پروردگار کی طرف سے حق ہے سو اس کے ایمان پر (اور زیادہ) قائم ہوجائیں و۹۵ پھر اس کی طرف ان کے دل (اور بھی)

وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

جھک جائیں اور بے شک اللہ ایمان والوں کو راہ راست دکھا کر رہتا ہے و۹۶

و۸۷ یعنی نبی کو اور اہل ایمان کو ہرانے کے لیے۔ اہل باطل کی کوششیں حق واہل حق کی مخالفت میں خواہ وہ فلسفہ یا سائنس کے نام سے ہوں یا ادب وشاعری کے یا حکومت وسیاست کے پردہ میں۔ غرض جس نام سے بھی ہوں سب اسی آیت کے تحت میں آجاتی ہیں۔ و۸۸ (احکام الٰہی سے) اِذَا تَمَنّٰى۔ منی کے معنی جس طرح تمنا کرنے کے ہیں، پڑھنے کے بھی ہیں۔ وقال رواۃ اللغۃ الامنیۃ القراۃ (کبیر) فی امنیتہ ای فی تلاوتہ (راغب) ای قرء و تلا (لسان) تمنّی الکتاب قراہ و کتبہ (لسان) چنانچہ شاعر اسلام حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا یہ شعر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مرثیہ کا اور ایک دوسرا شعر بھی بہ کثرت نقل ہوا ہے۔ لسان العرب کے الفاظ یہ ہیں:۔ تمنّی کتاب اللہ اخر لیلہ و اخرہ لا قی حمام المقادر + والتمنی التلاوۃ و تمنّی اذا تلا القرآن و قال اخر + تمنّی کتاب اللہ اخر لیلہ تمنّی داوٗد الزبور علی رسل + ان تینوں موقعوں پر تَمَنّٰی صاف تلاوت وقرأت کے معنی میں ہے۔ اور یہاں یہی مراد ہے۔ یعنی بالتمنی التلاوۃ والقراۃ (ابن جریر۔ عن الضحاک) ھذا القول اشبہ بتاویل الکلام (ابن جریر) و اکثر المفسرین قالوا معنی قولہ تمنّی یعنی تلا و قرأ کتاب اللہ تعالیٰ (معالم) رسول و نبی کے درمیان جو واوعطف آیا ہے بعض نے اسے تفسیری قرار دے کر دونوں کا مفہوم متحد قرار دیا ہے لیکن محقق قول اس بارہ میں یہ ہے کہ نزول وحی نبی و رسول دونوں میں مشترک ہوتا ہے۔ باقی رسول وہ نبی ہوتا ہے جو شریعت کے ساتھ بغرض تبلیغ احکام بھیجا جاتا ہے۔ والفرق بینھما ان الرسول من جمع الی معجزۃ الکتب المنزل علیہ والنبی من لم ینزل علیہ کتاب و انما امران یدعوا الی شریعۃ من قبلہ و قیل الرسول واضع شرع والنبی حافظ شرع غیرہ (مدارک) و۸۹ (منکرین ومذبذبین کے قلب میں اور اہل باطل نے اسی شیطانی حربہ سے کام لے کر مجادلہ ومقابلہ کیا، اپنے اپنے عہد کے رسل و انبیاء سے۔ سو آپ کے معاصر منکرین کا بھی آپ سے اسی القاء شیطانی سے مجادلہ ومقابلہ کرنا کوئی انوکھی مثال تاریخ انبیاء میں نہیں) والمعنی و ما ارسلنا من قبلک رسولاً و لا نبیاً الا وحالہ انہ اذا قرأ شیئاً من الآیات القی الشیطان الشبہ والتخیلات فی ما یقرأہ علی اولیائہ لیجادلوہ بالباطل و یردوا ما جاء بہ (روح) اَلشَّیْطٰنُ۔ شیطان سے یہاں مراد جنس شیطان لی گئی ہے۔ جو سارے شیاطین جن وانس کو شامل ہے۔ و قیل ان الشیطان ھنا ھو جنس یراد بہ شیاطین الانس (بحر) سمی الذی القی ذٰلک فی حال تلاوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیطاناً لانہ کان من شیاطین الانس (جصاص) یعنی وہ سارے انسان صورت شیطان بھی جو دوسروں کو قرآن واسلام اور حق کے خلاف بھڑکاتے، اکساتے رہتے ہیں۔ اس موقع پر بعض سادہ دل حضرات کی بے خیالی سے ایک لغو قصہ بھی نقل ہوگیا ہے۔ لیکن محققین نے اس کی پوری تردید کردی ہے اور وہ قصہ نہ روایۃً قابل قبول ہے نہ درایۃً چنانچہ مشہور وقدیم ترین سیرت نگار رسول ابن اسحٰق کا قول ہے کہ یہ قصہ زندیقوں کا گڑھا ہوا ہے۔ قال ھذا وضع من الزنادقۃ (کبیر) اور انہوں نے اس کے رد میں ایک پوری کتاب لکھ دی ہے۔ و صنف فی ذٰلک کتابا (کبیر) اور مشہور محدث امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ قصہ روایۃً بے اصل ہے۔ اس کے راوی مطعون ہیں اور یہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں نقل نہیں ہوا ہے (بحر) ھو مردود عند المحققین (بیضاوی) اما اھل التحقیق فقد قالوا ھذہ الروایۃ باطلۃ موضوعۃ واحتجوا علیہ بالقرآن والسنۃ والمعقول (کبیر) روایت جتنے طریقوں سے بھی آئی ہے کوئی سی بھی ان میں سے سند متصل کے ساتھ نہیں ہے۔ کلھا مرسلات و منقطعات (ابن کثیر) و۹۰ (جوابات قاطعہ سے، براہین ساطعہ سے، دلائل قاہرہ سے) عارفین صوفیہ کہتے ہیں کہ شیطان کے پیدا کیے ہوئے وسوسے، اسی سنت الٰہی کے مطابق خود بخود مضمحل ونابود ہوجاتے ہیں اور محققین اہل تربیت اسی لیے ان کے لیے کسی خاص مستقل تدبیر کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ و۹۱ یعنی ان کی قوت کو اور زیادہ واضح وروشن کردیتا ہے۔ و۹۲ اس کے علم وحکمت کے سامنے ان خرافاتی اعتراضات کی حقیقت ہی کیا ہے۔ و۹۳ (شک یا تذبذب یا کھلے ہوئے انکار کا) یہ مصلحت تکوینی بیان ہورہی ہے شیطان کے اختیار دوسوسہ اندازی کی۔ و۹۴ (کہ حق کو باوجود اس کے وضوح کے قبول نہیں کرتے) و۹۵ یعنی یہ شیطان کو جو حق تصرف شبہات ڈالنے کا دیا گیا ہے، یہ ایک طرف تو منکرین ومذبذبین کے حق میں آزمائش کا طریقہ ہے، دوسری طرف اہل حق کے لیے ان کے ایمان میں اضافہ اور نور ہدایت میں ترقی کا باعث ہے۔ و۹۶ راہ راست پر تو ایمان والے شروع ہی سے ہوتے ہیں، یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ اس زیادت یقین کی برکت سے انہیں راہ راست کے انتہائی مقامات تک پہنچا کر رہتا ہے۔

وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ
اور جو کافر ہیں وہ تو ہمیشہ اس کی طرف سے شک ہی میں پڑے رہتے ہیں ف۹۷
السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ
یہاں تک کہ ان پر قیامت یک بیک آ پہنچے یا ان پر بے برکت دن کا عذاب آ پہنچے ف۹۸ حکومت
يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا
اس روز اللہ ہی کی ہوگی ف۹۹ وہ ان (سب) کے درمیان فیصلہ کردے گا سو جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک
الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
عمل بھی کئے وہ عیش کے باغوں میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا
وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾
اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو ان کے لئے تو عذاب ذلت والا ہو گا
وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا
اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا پھر وہ مارے گئے یا مر گئے
لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ
اللہ انہیں یقیناً ایک بہترین رزق دے کر رہے گا ف۱۰۰ اور اللہ ہی سب رزق دینے والوں سے
الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَ اِنَّ
بہتر (اور بڑھ کر) ہے وہ انہیں ایسی جگہ داخل کرے گا جسے وہ (بہت ہی) پسند کریں گے اور بے شک
اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا
اللہ بڑا علم والا ہے ف۱۰۱ بڑا حلم والا ہے ف۱۰۲ یہ (بات تو ہو چکی) اور جو شخص اسی قدر تکلیف پہنچائے جتنی
عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
تکلیف اسے پہنچائی گئی، اور پھر اس پر زیادتی کی جائے ف۱۰۳ تو اللہ اس کی ضرور مدد کرے گا ف۱۰۴ بے شک اللہ

ع ۹ / ۱۴

ف۹۷ "شک" یعنی وہی شکوک وشبہات جو شیطان نے احکام الٰہی سے متعلق ان کے دلوں میں ڈال دیئے تھے جس طرح ایمان کی برکت سے قلب کی نورانیت روز بروز کامل تر ہوتی جاتی ہے، اسی طرح کفر کی نحوست وشامت سے ظلمانیت بھی برابر بڑھتی اور ترقی ہی کرتی جاتی ہے۔ منه میں ضمیر "اس" سے مراد وہ پڑھا ہوا حکم بھی ہوسکتا ہے جس سے متعلق شیطان نے وسوسہ اندازی کی ہے اور خود قرآن یا رسول اللہ بھی مراد ہوسکتی ہے۔ منه ای من القرأن اوالرسول او مما القی الشیطان فی امنیته (بیضاوی)

ف۹۸ یعنی قیامت کا محض آ پہنچنا ہی اپنی ہولناکیوں کے لحاظ سے کیا کم تھا، چہ جائیکہ اس کا عذاب بھی ان پر واقع ہو جائے۔ قیامت کا بالکل دفعۃً برپا ہونا انجیل میں بھی مذکور ہے:۔ "خداوند کا دن چور کی طرح آ جائے گا، اس دن آسمان بڑے شور وغل کے ساتھ برباد ہو جائیں گے"۔ (۲۔ پطرس۔ ۳:۱۰) ف۹۹ (براہ راست و بلا وسائط) حکومت تو اللہ کی آج بھی ہے، مگر آج اس پر صدہا پردے درمیانی وسائط کے پڑے ہوئے ہیں، اس روز یہ حجابات دور ہو جائیں گے اور ہر کس و ناکس کو مشاہدہ حکومت حق کا براہ راست ہونے لگے گا۔

ف۱۰۰ (جنت میں) یعنی لوگ راہ دین میں ترک وطن کے بعد یا شہید ہو گئے یا اپنی طبعی موت سے مر گئے۔ غرض کسی سبب سے بھی اہل کفر پر غلبہ وفتحمندی کے ثمرات سے اس دنیا میں محروم رہ گئے، وہ اطمینان کامل رکھیں کہ وہ جنت میں ضرور اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں سے مستفید ومحظوظ ہوں گے۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ "اللہ کی راہ" سے مراد اللہ کے دین کی راہ میں۔ رزق کا مفہوم بہت وسیع ہے صرف کھانا پینا ہی مراد نہیں۔ نعمتیں، راحتیں اور آسائشیں دنیوی واخروی ہر قسم کی اس میں آ گئیں۔ الرزق هو یقال للعطاء الجاری دنیویا کان او دینیا (ابو البقاء) ف۱۰۱ ہر واقعہ کی حکمت ومصلحت اس پر خوب روشن رہتی ہے۔ اہل ایمان کو دنیا میں اگر ناکامی بھی ہو تو اس سے مایوس وبددل ہرگز نہ ہونا چاہیے۔

ف۱۰۲ چنانچہ بڑے سے بڑے مجرموں، غداروں، باغیوں کو بھی ہمیشہ فوری ہی سزا نہیں دیتا۔ ف۱۰۳ یعنی ایک شخص پر اس کے دشمن نے ظلم کیا اور اس نے اپنا انتقام لے لیا، اور معاملہ برابر سرابر ہو گیا۔ لیکن اس پر بھی اس مظلوم پر ازسرنو زیادتی شروع ہوئی۔ ف۱۰۴ (دنیا میں نصرت شرعی ہے، آخرت میں نصرت معنوی ہے) "اور یہ جو اوپر قید لگائی گئی، بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ الخ سو اس مماثلت کی مراعاۃ مظلوم کے اجتہاد پر ہے جس میں اس نے اپنی وسعت حتی الامکان مبذول کی ہو اور اس پر بھی اگر مماثلت سے قدرے بیشی ہو جائے جو بوجہ غایت غموض وخفاء کے ضبط میں نہ آ سکے تو وہ موجب مؤاخذہ ومخل وعدۂ نصرت نہیں"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) "یہ رعایت مماثلت کا وجوب معاملات معاشرت میں ہے نہ کہ جہاد میں، چنانچہ ادلۂ شرعیہ سے یہ امر ظاہر ومشہور ہے۔ اور نیز جو افعال ہر حال میں معصیت ہیں وہ اس عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً کوئی کسی کے والدین کو برا کہے تو عوض میں اس کے والدین کو برا کہنا جائز نہ ہوگا"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿٦٠﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

بڑا معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے ف۱۰۵ یہ (یعنی مومنین کی نصرت وغلبہ) اسی سبب سے ہے کہ اللہ رات کو

وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾

داخل کر دیتا ہے دن میں اور دن کو داخل کر دیتا ہے رات میں ف۱۰۶ اور اس سبب سے کہ اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

دیکھنے والا ہے ف۱۰۷ یہ (نصرت) اس لئے بھی (ہوگی) کہ اللہ ہی تو بس حق ہے اور اس کے سوا یہ جس کو بھی پکار

هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ

رہے ہیں وہ (بالکل) باطل ہے ف۱۰۸ اور اللہ ہی تو عالی شان ہے سب سے بڑا ہے ف۱۰۹ کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ

اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ

اللہ ہی آسمان سے پانی برساتا ہے سو زمین

مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿٦٣﴾ ۚ لَهٗ مَا فِي

سرسبز ہو جاتی ہے بے شک اللہ بڑا مہربان ہے بڑا خبر رکھنے والا ہے ف۱۱۰ اسی کا ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہی بے نیاز ہے اور

الْحَمِيْدُ ﴿٦٤﴾ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ

ہر تعریف کا سزاوار ف۱۱۱ کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے تمہارے واسطے کام میں لگا رکھا ہے اس کو بھی جو کچھ

وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ يُمْسِكُ السَّمَآءَ

زمین پر ہے اور کشتی کو بھی کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے اور وہی آسمان کو اس سے روکے ہوئے ہے

اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ

کہ وہ زمین پر گر پڑے مگر ہاں کہ اسی کا حکم (ہو جائے) ف۱۱۲ بے شک اللہ انسانوں پر

ع ٨/١٥

ف۱۰۵ (سو وہ خفی و نازک دقائق پر گرفت نہیں کرتا) ف۱۰۶ (سو جس کی قدرت اس قدر کامل، اور جس کا انتظام اس قدر مستحکم ہو اس کے لیے نصرتِ مومنین میں تعجب کی کونسی بات ہے) رات جیسی مہیب، سنسان، کامل تاریکی والی ہستی کو روز روشن میں، اور دن جیسی چہل پہل، ہنگامہ وحرکت اور روشنی کامل والی ہستی کو شب تاریک میں تبدیل کرنا، قدرت کا کوئی معمولی نہیں، نہایت درجہ غیر معمولی کرشمہ ہے۔ بے حسی اس کی طرف سے ہم میں صرف اس سبب سے پیدا ہوگئی ہے کہ اس دائمی معجزہ کو دن رات آنکھوں کے سامنے دیکھتے رہتے ہیں۔

ف۱۰۷ وہ ظالموں کے اقوال کو سن رہا ہے، ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے، اسی طرح مظلوم کی مظلومیت قولی وفعلی سب اس پر روشن ہے۔ ف۱۰۸ ابھی ابھی قبل والی آیت میں مضمون یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ کی اطلاع بھی کامل، قدرت بھی کامل۔ اب بیان یہ ہو رہا ہے کہ وہی تو ایک کامل موجود ہستی ہے، واجب الوجود۔ اس کے مقابلہ میں جن معبودوں کی حمایت ونصرت پر بھروسہ کیے یہ اہل شرک بیٹھے ہیں، وہ تو خود ہیچ محض ہیں، وہ کسی کی نصرت وحمایت کیا کریں گے۔

ف۱۰۹ قدرت اسی کی کامل، نصرت اسی کی حقیقی، اختیارات اسی کے اصلی۔

ف۱۱۰ وہی اپنے بندوں کی ساری ضرورتوں سے خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، قومی ہوں یا ذاتی، جسمانی ہوں یا روحانی، مادی ہوں یا اخلاقی، ذرہ ذرہ واقف ہے۔ اور انہیں کی مناسبت سے بہ کمال مہربانی بڑے بڑے باریک طریقوں سے انتظام کرتا رہتا ہے۔ جاہل ومشرک قوموں ہی نے نہیں، بعض جاہلی فلاسفہ نے بھی خدا کی قدرت وعلم کو محدود وناقص تسلیم کیا ہے اس قسم کی آیتیں ایسے ہی عقائد کی تردید میں ہیں۔ ف۱۱۱ یعنی وہی سب کا مالک بھی ہے اور وہی ہر ضرورت سے، ہر حاجت سے پاک وبالاتر ہے۔ اور ہر ایک کی عبادت سے اور اعانت سے بے نیاز، اور وہی سرتاسر محمود وستودہ صفات ہے، جامع کمالات ہے۔

ف۱۱۲ یعنی اس سارے کارخانۂ حیات کو انسان کے کام میں لگا دینے والا، بحری قوتوں کو انسان کا مسخر کر دینے والا، زمین آسمان کو ان کی موجودہ ہیئتوں کے ساتھ موجودہ حالتوں پر قائم وبرقرار رکھنے والا، سب وہی اکیلا ہے، کوئی اور دیوی دیوتا ان کاموں میں شریک نہیں جیسا کہ بہت سی مشرک قوموں کا مفروضہ ہے۔ اصل مقصود توحید ہی پر استدلال ہے۔ باقی سماء سے مراد بارش اور ابر دونوں بھی ہو سکتے ہیں وسمی المطر سماءً لخروجه منها (راغب) السماء السحاب والسماء المطر (لسان) قيل للسحاب السماء لانها عالية (لسان) سمي السحاب سماء لعلوها (عن الزجاج) و سمي المطر سماء لخروجه من السماء (تاج)

لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٥﴾ وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۫ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ

بڑا شفقت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۱۱۳ وہ وہی تو ہے جس نے تم کو زندگی دی پھر تمہیں موت دے گا

ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ اُمَّةٍ

پھر تم کو جلائے گا بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے ف۱۱۴ ہم نے ہر امت کے واسطے

جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ

ایک طریقہ (ذبح وعبادت کا) مقرر کر رکھا ہے کہ وہ اس پر چلنے والے ہیں سو انہیں نہ چاہئے کہ آپ سے جھگڑا کریں

وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾

(اس) امر میں ف۱۱۵ اور آپ ان کو اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہیے بیشک آپ ہی سیدھے راستے پر ہیں ف۱۱۶

وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾ اَللّٰهُ

اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑے نکالتے رہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ف۱۱۷ اللہ

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٦٩﴾

تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا اس باب میں جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو ف۱۱۸

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ

کیا تمہیں علم نہیں کہ اللہ واقف ہے ہر اس چیز سے جو آسمان اور زمین میں ہے

اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٧٠﴾

یہ سب نامۂ اعمال میں (بھی درج) ہے بے شک یہ (یعنی فیصلہ) اللہ کے نزدیک آسان ہی ہے ف۱۱۹

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا

اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جن (کے جواز عبادت) پر اللہ نے کوئی حجت نہیں اتاری ہے اور نہ

لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿٧١﴾ وَ اِذَا

ان کے پاس اس کے لئے دلیل ہے اور نہ ان ظالموں کا کوئی مددگار ہو گا ف۱۲۰ اور جب

ف۱۱۳ اس کی صفات رافت ورحمت کی تجلیاں ہیں جو انسان کو کارگاہ حیات میں اس منزل ومرتبہ پر قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ف۱۱۴ (کہ اس یکتا وقابل پرستش معبود کی توحید کی ناقدری کر کے کفر وشرک کی طرف ڈھل جاتا ہے۔ هُوَ...... يُحْيِيْكُمْ یہاں اس عقیدہ کا اثبات ہے کہ پیدا کرنے، مارنے اور پھر جلا اٹھنے کی ساری قوتیں ایک ہی معبود یکتا کی ذات بے ہمتا میں جمع ہیں۔ اور سارے تصرفات کی مرکز اسی کی ذات ہے۔ اور اس میں ہندی مشرکوں کے اس عقیدہ کا رد آ گیا کہ پیدا کرنے والا کوئی اور ہے، اور باقی رکھنے والا کوئی اور، ہلاک کرنے والا اس کے بھی علاوہ کوئی اور۔ ف۱۱۵ یعنی یہ منکرین تو تقلید محض کے پجاری ہیں، انہیں اصلاً کیا حق آپ پر اعتراض وگرفت کا ہے۔ مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ۔ منسک سے مراد خصوصی اگرچہ موضع ذبح ہے لیکن لفظ جملہ عبادات کے لیے عام ہے۔ قال عكرمة ذبائح هم ذابحوه (جصاص) وليس يمنع ان يكون المراد جميع العبادات و يكون الذبح احد ما اريد بالأية (جصاص) محققین نے کہا ہے کہ منسک یہاں شریعت کے مرادف ہے۔ قال ابن عباس يعنى شريعة هم عاملون بها (معالم) فِي الْاَمْرِ۔ یعنی مسئلہ جواز ذبیحہ میں۔ يعنى فى امر الذبائح (معالم) شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ بعض مشرکوں نے مسلمانوں سے یہ عجیب کج حجتی شروع کی تھی کہ تم لوگ اپنے مارے ہوئے (ذبح کئے ہوئے) کو جائز اور اللہ کے مارے ہوئے (مردار) کو ناجائز سمجھتے ہو۔ ف۱۱۶ انہیں آپ کو ٹوکنے کا کوئی حق نہیں۔ البتہ آپ کو حق انہیں ٹوکنے کا ہے کہ آپ تو راہ صحیح پر ہیں۔ آنکھوں والے پر فرض ہے کہ وہ اندھوں کو راستہ بتلائے۔ اندھوں کو یہ حق آنکھوں والوں کے مقابلہ میں نہیں پہنچتا۔ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ۔ یعنی اپنے پروردگار کے دین کی طرف بلائیے۔ اے الى الايمان بربك (معالم) ف۱۱۷ (اور آپ خود زیادہ رد وقدح میں نہ پڑیے) صوفیہ عارفین نے منکر معاند سے جو طالب حق نہ ہو، ترک جدال کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کا مبنی ومآخذ مجملہ اور آیتوں کے یہ آیت بھی ہے۔ ف۱۱۸ فیصلہ سے مراد عملی مشاہد فیصلہ ہے۔ ورنہ دلائل وشواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ دنیا ہی میں ہو چکا ہے۔ ف۱۱۹ یعنی جب حکومت کے ساتھ ساتھ علم بھی اللہ کا کامل ہے تو اسے فیصلہ صادر کرنے میں دیر ہی کیا لگ سکتی ہے۔ کتاب سے مراد لوح محفوظ بھی ہو سکتی ہے۔ يعنى اللوح المحفوظ (معالم) اس وقت ذٰلک سے مراد معلومات الٰہی لی جائیں گی۔ ف۱۲۰ یعنی جن کو یہ خدا کا شریک ٹھہرائے ہوئے ہیں، ان کی معبودیت پر نہ کوئی دلیل اللہ نے اپنی کتابوں، صحیفوں کے ذریعہ سے نازل کی ہے۔ نہ اس پر کوئی دلیل علمی وعقلی قائم ہے اور ان معبودوں کی بے کسی اس سے ظاہر ہے کہ قیامت کے دن ان کی ذرا بھی مدد نہ کر سکیں گے۔

تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ

ان پر ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو آپ کافروں کے چہروں پر

كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ

برے آثار دیکھتے ہیں و۱۲۱ گویا یہ لوگ ان پر حملہ کر بیٹھیں گے جو انہیں

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ

ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں و۱۲۲ آپ کہہ دیجیے کہ کیا میں تمہیں اس سے بڑھ کر ناگوار چیز بتاؤں؟ و۱۲۳ (وہ) دوزخ

وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع

ہے اللہ نے اس کا کافروں سے وعدہ کر رکھا ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ

اے لوگو ایک بڑی بات بیان کی جاتی ہے و۱۲۴ سو

الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا

اے سنو جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی (تک تو) پیدا

وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا

کر نہیں سکتے چاہے سب ہی اس غرض کے لئے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان کے سامنے سے کچھ چھین لے جائے تو

يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾

وہ اس سے چھڑا تک نہیں سکتے و۱۲۵ لچر ہے (ایسا) طالب (بھی) اور (ایسا) مطلوب (بھی)!

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾

ان لوگوں نے تعظیم نہ کی اللہ کی جو اس کی تعظیم کا حق ہے و۱۲۶ بے شک اللہ بڑا قوت والا ہے، غالب ہے و۱۲۷

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ

اللہ انتخاب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے پیام پہنچانے والے اور آدمیوں میں سے بھی و۱۲۸

ع ۸ / ۱۶

و۱۲۱ (ان کی ناگواری اور غصہ کو ظاہر کرنے والے، مثلاً ان کے تیور پر بل پڑ جانا) قرآن مجید کے واضح احکام وہدایات سے تسلی حاصل کرنے کے بجائے منکرین شدت عناد سے الٹے غصہ سے بھر بھر جاتے تھے۔ اور ان کے دلی بغض کے آثار ان کے چہرے بشرے سے ظاہر ہو ہو کر رہتے تھے — آج بھی بہت سے دشمنانِ دین اور بعض ”روشن خیالوں“ کے چہروں کا انقباض سے کیا حال ہو جاتا ہے جب ان پر احکام الٰہی کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ و۱۲۲ يَكَادُوْنَ کے لفظی معنی کسی فعل یا عمل کے قریب ہو جانے کے ہیں۔ منکرین معاندین جب قرآن کی آیتیں سنتے تو غصہ سے بھر جاتے۔ معلوم ایسا ہونے لگتا کہ بس اپنے سنانے والوں پر حملہ کر ہی بیٹھیں گے۔ اور کبھی کبھی حملہ کر بیٹھتے بھی۔ و۱۲۳ ”ناگوار تر تمہارے نقطۂ خیال سے“ یعنی تم پر اس قرآن سے بڑھ کر گراں گزرنے والی، قرآن سے جو ناخوشی پیدا ہوتی ہے، اس کا تو خیر کچھ تدارک کر ہی لیتے ہو۔ دوزخ کے بے پناہ عذاب کے مقابلہ میں کیا کرو گے۔ اے اکرہ لكم من هٰذا القراٰن الذی تستمعون (معالم) و۱۲۴ جو بالکل واضح ہے اور ہر ایک کی سمجھ میں آ جانے والی ہے۔ و۱۲۵ تو ایسی عاجز، درماندہ مخلوق کو معبود ٹھہرا لینا کس درجہ حماقت وسفاہت ہے۔ یہ ساری مورتیاں مل ملا کر ایک مکھی جیسی حقیر وبے حقیقت مخلوق کو پیدا بھی تو نہیں کر سکتیں اور پیدا کرنا تو پھر بڑی چیز ہے، ان کے آگے نذر اور چڑھاوے کے جو ڈھیر لگے رہتے ہیں ان میں سے اگر وہ کچھ اٹھایا چاہے تو ان میں اتنی سکت بھی تو نہیں کہ اسی کو اس سے واپس لے لیں۔ و۱۲۶ یعنی اس کی وہ عظمت جو اس سے رشتہ عبدیت وتعلق عبودیت پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔ انسان اسی کا مکلف ہے اور اسی درجہ کی عظمت نہ محسوس کرنے کا کافروں پر الزام ہے۔ باقی اللہ کی شایانِ شان، اور سزاوار الوہیت عظمت کا اندازہ، تو وہ کون کر سکتا ہے۔ اور نہ اس کا کوئی بشر یا کوئی مخلوق مکلف ہے۔ آیت کے مخاطب تمام منکرین توحید ہیں۔ خواہ ثنویہ ہوں یا اہل تثلیث ہوں یا مشرکین ہوں۔ و۱۲۷ معبودیت والوہیت کا حق صرف اسی کو پہنچتا ہے نہ کہ بے قدرت، بے بس مخلوقات میں سے کسی کو۔ و۱۲۸ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا۔ فرشتے اللہ کا پیغام انبیاء تک لانے والے اور انہیں اور احکام پہنچانے والے۔ وَمِنَ النَّاسِ۔ اور نوع انسان میں سے اللہ کا پیغام نوعِ انسانی کو پہنچانے والے، اور اسے اس کے احکام سنانے والے (اصطلاحی نام انہیں کا رسل وانبیاء ہے) اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ۔ ان دونوں قسم کے پیغمبروں کا انتخاب تمامتر دست خداوندی میں ہے وہ جس کا بھی چاہے انتخاب کرے۔ ملائکہ میں سفیر اعلیٰ حضرت جبرئیل ہیں، قرآن مجید تمامتر انہیں کا لایا ہوا ہے باقی نفس سفارت کچھ انہیں پر منحصر وموقوف نہیں۔

۱۲۹ؔ وہی سب کی ظاہری و باطنی صلاحیتوں سے خوب واقف ہے۔ اور اس کے انتخاب میں کسی غلطی کا امکان نہیں۔ ۱۳۰ؔ اس پر سب کا مستقبل و ماضی مثل حال کے عیان و روشن ہے۔ ۱۳۱ؔ یعنی یہ سب اعمال اصل ایمان کی شاخیں ہیں۔ قبول اسلام کے بعد نماز اور اور سب عبادتوں کو بجالاتے رہو۔ اور دوسری نیکیوں میں بھی لگے رہو۔ وَافۡعَلُوا الۡخَیۡرَ۔ ہر فعل مباح، نیت عبادت کر لینے کے بعد خود عبادت بن جاتا ہے۔ لَعَلَّ سے متعلق شروع تفسیر میں تصریح کی جا چکی ہے کہ جب حق تعالیٰ کی زبان سے ادا ہو گا تو معنی صرف امید کے نہیں یقین کے دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ کا مفہوم پیدا کر دے گا۔ ۱۳۲ؔ مطلب یہ ہے کہ دین کے کاموں میں سستی اور بے دلی کو دخل نہ دو، بلکہ ہر کام اللہ کا کام سمجھ کر پوری مستعدی، توجہ و استحضار قلب اور اخلاص نیت کے ساتھ ہو۔ قال الضحاک یعنی اعملوا بالحق للہ عزوجل (جصاص) قال اکثر المفسرین حق الجھاد ان تکون بنیۃ خالصۃ صادقۃ للہ عزوجل (معالم) ای جھادًا فیہ حقًا خالصًا لوجھہ (بیضاوی) فِی اللّٰہِ کو یہاں للّٰہِ کے بھی مرادف لیا گیا ہے۔ ای اللہ من اجلہ (بیضاوی) حَقَّ جِہَادِہٖ۔ کی ترکیب معکوس سمجھی گئی ہے اور حق کی اضافت جہاد کی طرف تاکید اور زور کلام کے لیے خیال کی گئی ہے۔ عکس و اضیف الحق الی الجھاد مبالغۃ (بیضاوی) صوفیہ عارفین نے لکھا ہے کہ یہ آیت ہر قسم کے مجاہدات پر شامل ہے۔ مثلاً مجاہدۂ نفس، مجاہدۂ قلب، مجاہدۂ روح، مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں جاھدوا اعداء و منہ الظاھرۃ کاھل الزیغ والباطنۃ کالھوٰی والنفس (بیضاوی) قال عبداللہ بن المبارک حق جھادہٖ مجاھدۃ النفس والھوٰی والاولٰی ان یحمل ذٰلک علٰی کل التکالیف فکل ما امربہ و نھی عنہ فالمحافظۃ علیہ جھاد (کبیر) ۱۳۳ؔ (دوسری امتوں اور قوموں کے مقابلہ میں، اور تمہیں عالمگیر دعوتِ توحید کا حامل بنایا) اور ساری دینی دعوتیں جغرافی یا نسلی قیود سے محدود رہیں، صرف اسلام ہی کی دعوت ان قیود و حدود سے بالاتر، صحیح معنی میں عالمگیر دعوت ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں مدح صحابہ اور ان کی تطہیر ثابت ہوتی ہے۔ و فی ذٰلک مدح للصحابۃ المخاطبین بذٰلک و دلیل علٰی طھارتھم (جصاص) ۱۳۴ؔ یعنی اسے دوسرے ادیانِ مروج کی طرح محدود و مقید نہیں رکھا۔ دنیا جن مذہبوں کو جانتی پہچانتی ہے، ان میں کثرت سے تو مذاہب شرکیہ ہی ہیں۔ مثلاً ہندو مذہب، بودھ مذہب، مجوسی مذہب، عیسائی مذہب، اور شرک نام خود محدودیت و تنگ نظری کا ہے۔ مشرک کے مطمح نظر میں ہمہ گیر وسعت پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ مذاہب توحید لے دے کے صرف دو ہیں۔ ایک یہودیت دوسرے اسلام۔ یہودیت کا غیر تبلیغی ہونا اور نسل اسرائیل تک محدود رہنا بالکل ظاہر ہے۔ اس کے بعد صرف اسلام ہی ایسا دین باقی رہ جاتا ہے جس کی دعوت کسی ملک، قوم، نسل و قبیلہ کے ساتھ محدود نہیں۔ اس کا خطاب دنیا کے ہر فرد بشر سے ہے۔ اس کی تعلیم چھوٹے بڑے ہر انسان کے لیے ہے۔ پھر اس عالمگیری کے ساتھ ہمہ گیری تعلیم اسلام کی ہے۔ یعنی زندگی کا ہر شعبہ چھوٹے سے چھوٹا بھی اس کے دائرہ سے باہر نہیں بعض صوفیہ نے اس نفی حرج سے استدلال کیا ہے تربیت میں سالکین کی سہولت پر۔ ۱۳۵ؔ اسلام دوسرا نام ہے ملت ابراہیمی کا۔ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرٰہِیۡمَ۔ قرآن کے مخاطبین اول یعنی اہل عرب تو نسل ابراہیم علیہ السلام سے تھے ہی اور ان کے لیے یہ استشہاد دلا دینے سے ایک خاص پہلو تشویق و ترغیب کا بھی نکل رہا ہے۔ یعنی یہ مذہب کوئی انوکھا اور بیرونی نہیں، یہ تو عین تمہارے جد محترم ہی کا ہے۔ اور اگر مخاطب عامۂ مسلمین سمجھے جائیں تو اس لفظ کے لانے سے خاص تعلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعظیم و احترام کی مل رہی ہے۔ قیل خاطب بہ جمیع المسلمین و ابراھیم اَبٌ لھم علٰی معنٰی وجوب احترامہ و حفظ حقہ کما یجب احترام الاب (معالم) روی عن الحسن اللہ ارادان حرمۃ ابراھیم علی المسلمین کحرمۃ الوالد علی (جصاص) پہلے حکم ہوا تھا ایمان لانے کا اب حکم مل رہا ہے اس دین پر قائم رہنے کا۔ محققین نے شروع فقرہ میں کوئی فعل مثلاً اتبعوا یا الزموا محذوف مانا ہے۔ ۱۳۶ؔ ھُوَ سَمّٰىكُمُ ضمیر ھُوَ سے مراد اللہ تعالیٰ ہے، ابراہیم علیہ السلام مراد نہیں۔ خود سیاق کلام بھی اسی کا مقتضی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد تابعین سے منقول بھی یہی ہے۔ ای اللہ تعالٰی کما روی عن ابن عباس و مجاھد والضحاک و قتادۃ و سفیان و یدل علیہ ماسیأتی بعد فی الاٰیۃ (روح) مِنۡ قَبۡلُ۔ یعنی قرآن مجید سے پہلے۔ وَفِیۡ ھٰذَا یعنی قرآن مجید میں۔ قال مجاھد من قبل القراٰن و فی القراٰن (جصاص) یعنی من قبل نزول القراٰن فی الکتب المتقدمۃ و فی ھٰذا الکتاب ھٰذا قول اکثر المفسرین (معالم) ۱۳۷ؔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک و پاکیزہ سیرت، مکمل زندگی بطور معیار کے کام دے گی۔ حشر میں تمہیں اسی معیار سے جانچا جائے گا کہ تم نے اپنی زندگیوں کو کہاں تک اس نمونہ پر ڈھالا۔ ۱۳۸ؔ یعنی دوسری امتوں اور قوموں کے مقابلہ میں۔ مسلمانوں کو دین حق کی تبلیغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ اور مسلمانوں کے واسطہ سے دین حق ساری نسل انسانی کو پہنچا ہے۔ ۱۳۹ؔ اس میں خلاصہ اور لب لباب آ گیا تمام بدنی اور مالی عبادتوں کا۔ ۱۴۰ؔ عزم و ہمت کو قائم رکھنے والی اور کشاکش حیات میں ہر مصلحت نفس پر غالب رکھنے والی چیز یہی عقیدۂ توحید ہے۔ جس قدر یہ اعتماد علی اللہ قوی ہو گا، اسی درجہ میں انسان مراتب معرفت و قرب میں ترقی کرتا جائے گا اور ہر غیر الٰہی قوت کے مقابلہ میں دلیر تر ہوتا جائے گا۔ ۱۴۱ؔ انسان کو ضمیر کی پابندی سے ہٹانے والی چیز ہمیشہ یہی خوف ہوتا ہے کہ اگر فلاں کو میں نے خوش نہ رکھا تو وہ مجھے نقصان پہنچا دے گا۔ قرآن نے بار بار ضرب کاری اسی گمان فاسد پر لگائی ہے، اور بار بار اعلان کیا ہے کہ کام بنانے والا اور ہر طرح کی نصرت و اعانت کرنے والا تو صرف

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌۢ بَصِيۡرٌ ﴿۷۵﴾ يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ

بے شک اللہ خوب سننے والا ہے خوب دیکھنے والا ہے ۱۲۹ؔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے

وَمَا خَلۡفَهُمۡ‌ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۷۶﴾ يٰۤاَيُّهَا

اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے ۱۳۰ؔ اور اللہ ہی پر (تمام) کاموں کا مدار ہے۔ اے

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ارۡكَعُوۡا وَاسۡجُدُوۡا وَاعۡبُدُوۡا رَبَّكُمۡ وَافۡعَلُوا

ایمان والو رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اور (اور) نیکی

الۡخَيۡرَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۚ۩ ﴿۷۷﴾ وَجَاهِدُوۡا فِى اللّٰهِ حَقَّ

کرتے رہو، تاکہ کچھ فلاح پا جاؤ ۱۳۱ؔ اور اللہ (کے کام) میں کوشش کرتے رہو جو اس کی

جِهَادِهٖ‌ ؕ هُوَ اجۡتَبٰٮكُمۡ وَمَا جَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ

کوشش کا حق ہے ۱۳۲ؔ اس نے تمہیں برگزیدہ کیا ۱۳۳ؔ اور اس نے تم پر دین کے بارہ میں

مِنۡ حَرَجٍ‌ ؕ مِلَّةَ اَبِيۡكُمۡ اِبۡرٰهِيۡمَ‌ ؕ هُوَ سَمّٰٮكُمُ

کوئی تنگی نہیں کی ۱۳۴ؔ تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت (پر قائم رہو) ۱۳۵ؔ اسی نے تمہیں

الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۙ مِنۡ قَبۡلُ وَفِىۡ هٰذَا لِيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ

مسلم قرار دیا پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی ۱۳۶ؔ تاکہ رسول

شَهِيۡدًا عَلَيۡكُمۡ وَتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖ

تمہارے اوپر گواہ ہوں ۱۳۷ؔ اور تم (سب) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ٹھہرو ۱۳۸ؔ

فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعۡتَصِمُوۡا بِاللّٰهِ ؕ

سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو ۱۳۹ؔ اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو

هُوَ مَوۡلٰٮكُمۡ‌ ۚ فَنِعۡمَ الۡمَوۡلٰى وَنِعۡمَ النَّصِيۡرُ ﴿۷۸﴾

وہی تمہارا کارساز ہے سو کیا اچھا کارساز ہے ۱۴۰ؔ اور کیا اچھا مددگار! ۱۴۱ؔ

ف۱ فلاح کے مفہوم کی وسعت اور جامعیت پر حاشیہ سورۃ البقرہ کے رکوع اول میں المفلحون کے تحت میں گزر چکا۔ فلاح کی پہلی شرط مومن ہونا ہے۔ بغیر ایمان یا صحت اعتقاد کے کوئی سا بھی عمل مقبول نہیں۔ ف۲ (اور نماز خواہ فرض ہو یا غیر فرض) نماز کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اعمال میں سب سے پہلے جگہ اسی کو ملی۔ خٰشِعُوْنَ ”خشوع کی حقیقت ہے سکون۔ یعنی قلب کا بھی کہ خیالات غیر کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے۔ اور جوارح کا بھی کہ عبث حرکتیں نہ کرے۔ اور اس کی فرضیت میں کلام ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ صحت صلوٰۃ کا تو موقوف علیہ نہیں، اور اس مرتبہ میں فرض نہیں، اور قبول صلوٰۃ کا موقوف علیہ ہے اور اس مرتبہ میں فرض ہے“ (تھانوی علیہ الرحمۃ) روی عن ابراهیم ومجاهد والزهری الخشوع السکون (جصاص) ف۳ (خواہ وہ لغویت فعلی ہو یا قولی) اللَّغْوِ۔ لغو کہتے ہیں ہر اس حرکت کو جو عبث، بے حاصل، لایعنی ہو، آخرت یا صرف دنیا کے اعتبار سے بھی۔ اللغو ما لا يغنيك من قولٍ او فعلٍ (کشاف) اللغو هو الفعل الذی لا فائده فيه (جصاص) زندگی بڑی ہی قیمتی شے اور بڑی سنجیدہ واہم حقیقت ہے۔ مسلمان کی شان یہ نہیں کہ ایک لمحہ بھی کسی غیر مفید بات کی طرف توجہ کرے۔ سیر و تفریح، مشاغل نشاط، جس حد تک صحت جسم اور انبساط قلب کے لئے ضروری ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا شمار لغو میں نہیں۔ ”لغو کا ادنیٰ درجہ مباح ہے مگر ترک اس کا اولیٰ و موجب مدح ہے۔ لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت ہے اور اس کا ترک واجب۔“ (تھانوی علیہ الرحمۃ) امام رازی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ ہر لغویات سے بچنے کا ذکر جو خشوع صلوٰۃ کے معاً بعد اور حکم زکوٰۃ سے قبل ہی لے آیا گیا ہے اس کا راز یہ ہے کہ لغویات سے اجتناب صلوٰۃ کی عین تکمیل کرنے والا ہے۔ الاعراض عن اللغو من متممات الصلوٰة (کبیر) ف۴ (اعمال میں، اخلاق میں) الزکٰوة یہاں اصطلاحی معنیٰ میں نہیں لغوی معنیٰ میں ہے۔ ابومسلم سے یہی معنیٰ منقول ہیں۔ ان فعل الزکٰوة يقع علیٰ کل فعل محمود مرضی (کبیر) الظاهر ان المراد بالزکٰوة المعنی المصدری اعنی التزکیة (روح) لِلزَّكٰوةِ لِ یہاں غایت کے لئے ہے۔ اللام فيه للعلة والقصد (راغب) یعنی ان کا مقصود اعمال و افعال سے یہی ہوتا ہے کہ اپنے کو پاک وصاف کریں۔ يفعلون ما يفعلون من العبادة ليزكيهم اللّٰه تعالیٰ اوليزكوا انفسهم (راغب) قال صاحب الكشاف عنی عن الأية الذين هم لاجل الطهارة وتزكية النفس عاملون الخير (روح) قيل الزكٰوة هنا النماء والزيادة واللام لام العلة ومعمول فاعلون محذوف التقدير والذين هم لاجل تحصيل النماء والزيادة فاعلون الخير (بحر) الزکٰوة کے اگر اصطلاحی فقہی معنیٰ لئے جائیں جب بھی کوئی مضائقہ نہیں اور بہت سے حضرات اسی طرف گئے ہیں۔ ف۵ (اور بڑے سخت نافرمان) آیت کا مطلب یہ ہے کہ قضائے شہوت بجائے خود ہر گز محل الزام نہیں اور جس طرح بھوک، پیاس، نیند وغیرہ کی ضرورتیں فطری ہیں یہ خواہش بھی طبعی ہے۔ قابل الزام صرف اس کا بے محل استعمال ہے۔ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ۔ باندیوں سے مراد ظاہر ہے کہ صرف شرعی باندیاں ہیں نہ کہ عرفی۔ حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ بیویوں اور باندیوں کے حلال ہونے سے مراد ان کی جنس کا حلال ہونا ہے۔ نہ یہ کہ بیوی اور باندی سے صحبت ہر صورت اور حال میں جائز ہے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ میں علیٰ مرادف ہے مِنْ کے۔ فراء نحوی و ابن مالک نحوی وغیرہ سے یہی قول منقول ہے (بحر) وَرَآءَ ذٰلِكَ۔ فقہائے اہل سنت نے ان الفاظ سے متعہ کے حرام ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اس لیے کہ متعہ والی عورت نہ ازواج کے حکم میں ہوتی ہے نہ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ کے تحت میں۔ يقتضی تحريم نكاح المتعة اذليست بزوجة ولا مملوكة يمين (جصاص) زنا کاری اور شہوت رانی کی جتنی بھی غیر فطری صورتیں رائج ہو گئیں ہیں سب اسی کے حکم میں آ جائیں گی۔ ولا يخفى ان كل ما يدخل فی العموم تفيد الأية حرمة متعة علیٰ ابلغ وجهٍ (روح) یعنی ان ساری حرکتوں کے کرنے والے نافرمان مجرم ہیں۔ الْعٰدُوْنَ یعنی بڑے شدید نافرمان۔ الكاملون فی العدوان والمتناهون فيه (روح) ف۶ ”اپنی امانتوں“ سے مراد اپنی سپردگی میں لی ہوئی امانتیں ہیں۔ عَهْدِهِمْ۔ عہد کے تحت میں حقوق اللہ حقوق العباد ہر قسم سے متعلق عہد آ گیا۔ معاملات و عبادات کے سارے عہد اس میں شامل ہیں۔ ف۷ ابھی مومنین و مفلحین کی صفات حسنہ کا آغاز خشوع نماز کے ذکر سے کیا تھا۔ اختتام بھی نماز ہی کی محافظت و مداومت پر کیا — مقام عبرت ہے کہ جس امت کو انفرادی و اجتماعی ہر حیثیت سے فلاح کے لیے نماز کی اس قدر تاکید ہو رہی ہے وہ نماز ہی کی طرف سے اس غفلت میں پڑ جائے!

ایاتها ١١٨ — ٢٣ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ ٧٤ — ركوعاتها ٦

اس کی ١١٨ آیتیں — سورہ مومنون مکی ہے — اور ٦ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ

یقیناً (وہ) مومنین فلاح پا گئے ف۱ جو اپنی نماز میں

خٰشِعُوْنَ ۝٢ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝٣

خشوع رکھنے والے ہیں ف۲ اور جو لغو (بات) سے برکنار رہنے والے ہیں ف۳

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝٤ وَالَّذِيْنَ هُمْ

اور جو (اپنا) تزکیہ کرنے والے ہیں ف۴ اور جو

لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝٥ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ

اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں۔ ہاں البتہ اپنی بیویوں

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝٦

اور باندیوں سے نہیں کہ (اس صورت میں) ان پر کوئی الزام نہیں

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝٧

ہاں جو کوئی اس کے علاوہ کا طلب گار ہوگا، سو ایسے ہی لوگ تو حد سے نکل جانے والے ہیں ف۵

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝٨

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھنے والے ہیں ف۶

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝٩ اُولٰٓئِكَ

اور جو اپنی نمازوں کی پابندی رکھنے والے ہیں ف۷ (بس) یہی لوگ

هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ

وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے اور اس میں

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ

(ہمیشہ ہمیش) رہیں گے ف۸ اور بالیقین ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے

مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾

پیدا کیا ف۹ پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً

پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنا دیا

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ

پھر ہم نے بوٹی کو ہڈی بنا دیا پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا ف۱۰

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ

پھر ہم نے اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا ف۱۱ کیسی شان والا ہے اللہ تمام صناعوں

الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ؕ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ؕ ثُمَّ

سے بڑھ کر! ف۱۲ پھر تم اس (سب) کے بعد ضرور ہی مر کر رہو گے پھر

اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ

تم قیامت کے دن از سر نو اٹھائے جاؤ گے ف۱۳ اور ہم نے تمہارے اوپر

سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

سات آسمان بنائے اور ہم مخلوق کے باب میں بے خبر نہ تھے ف۱۴

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی

اور ہم نے آسمان سے اندازہ کے ساتھ پانی برسایا پھر ہم نے اسے زمین میں

ف۸ وارث ہونے کے معنٰی ہیں کہ جنت پر قابض و متصرف ہوں گے اور گویا اس کے مالک ہو جائیں گے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ جو حصر ہے وہ باعتبار استحقاق فردوس کے ہے جو بحسب احادیث جنت کا اعلیٰ درجہ ہے۔ ورنہ نفس جنت مطلق مومنین کے لیے عام ہوگی گو صفات مذکورہ میں کمی ہو''۔ ف۹ مٹی کا خلاصہ یعنی غذا۔ غذائے نباتی کا مٹی سے اگنا اور پیدا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اور غذائے حیوانی کا آخری ماخذ بھی جا کر نباتات کے واسطہ سے مٹی ہی ٹھہرتی ہے۔ ف۱۰ (جس سے وہ ہڈیاں ڈھک گئیں اور ڈھانچہ پر جلد چڑھ گئی) فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ یعنی رحم مادر میں۔ رحم کی مضبوطی اور محفوظیت پر تشریح الابدان کی کتابیں گواہ ہیں۔ فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا۔ یعنی بوٹی کے بعض اجزاء کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا۔ خلقت انسانی کے ان مراتب کی تفصیل طب قدیم و جدید کی کتابوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ ف۱۱ (روح انسانی ڈال کر اور حالات سابق سے بالکل ممتاز بنا کر) جمادیت و نباتیت کا ذکر نہیں، حیوانیت بلکہ حیوانیت اعلیٰ سے بھی انسان جس قدر ممتاز و بلند ہے اس کی شرح کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ کچھ مختصر حوالے انگریزی تفسیر القرآن میں ملیں گے۔ یہ خَلْقًا اٰخَرَ ہی وہ چیز ہے جہاں تک ڈارون غریب اور اس کے پیرووں کی نظر نہ پہنچ سکی اور یہ لوگ انسان کو ایک ترقی یافتہ حیوان ہی سمجھتے رہے۔ خَلْقًا اٰخَرَ کی تفسیر صحابہ اور تابعین کے کلام میں روح سے آئی ہے۔ قال ابن عباس والشعبی و ابو العالیة والضحاک و ابن زید ھو نفخ الروح فیه (بحر) ف۱۲ (جس کی قدرت اور صناعی تک کسی بڑے سے بڑے بھی صناع کی رسائی ممکن نہیں) دوسرے صناعوں کی قدرت صرف ترکیب و تحلیل تک محدود ہے۔ آفرینش جس چیز کا نام ہے یہ خاص اللہ ہی کا حصہ ہے۔ خلق عربی میں ایک تو ایجاد و ابداع یعنی نیست سے ہست کرنے کے معنٰی میں آتا ہے۔ اور اس معنٰی میں یہ اللہ کا وصف خصوصی ہے اور اسی معنٰی میں قرآن میں آیا ہے افمن یخلق کمن لا یخلق۔ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے؟ خالقین یہاں صانعین کے معنٰی میں ہے۔ احسن الصانعین (ابن جریر عن مجاہد) اور عربی میں ہر صانع کو خالق بھی کہا جاتا ہے۔ العرب تسمّی کل صانعٍ خالقًا (ابن جریر) اور آگے سند میں زہیر کا کلام پیش کیا ہے۔ ف۱۳ یہاں ایجاد یا ابداع اور افناء یا اہلاک اور احیاء تینوں مراتب کا بیان آگیا۔ ف۱۴ (کہ اناڑیوں کی طرح مخلوق کی ضرورتوں اور حکمتوں مصلحتوں کو نظر انداز کر جائیں) طَرَآئِقَ۔ طریقة کے لفظی معنٰی راستہ کے ہیں۔ مجازاً مراد یہاں آسمانوں سے لی گئی ہے۔ یعنی السمٰوٰت السبع (ابن کثیر عن مجاہد) الطرائق السمٰوٰت (ابن جریر عن ابن زید) اور بعض نے براہ راست ہی اس کے معنٰی آسمانوں کے لئے ہیں اور کہا ہے کہ جو چیز کسی چیز کے اوپر ہوتی ہے وہ بھی عربی میں طریقة ہی کہلاتی ہے۔ الطرائق السمٰوٰت لانه طوارق والعرب تسمّی کل شیءٍ فوق شیءٍ طریقة (ابن جریر) یا آسمانوں کو طرائق سے یہاں اس لئے تعبیر کیا گیا کہ ان میں فرشتوں کی آمد و رفت اور ستاروں کی گردش کے لئے راہیں اور راستے ہیں۔ بعضھا فوق بعض (کشاف) او لانھا طرق الملائکة وقیل الافلاک لانھا طرائق الکواکب فیھا مسیرھا (کشاف)

الْاَرْضِ ۖۗ وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ۚ فَاَنْشَاْنَا

ٹھہرایا اور ہم اس کے معدوم کرنے پر بھی قادر ہیں و۱۵ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے

لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا

تمہارے لئے کھجوروں کے اور انگوروں کے باغ اگائے ان میں تمہارے لئے

فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ۙ وَ شَجَرَةً

بہت سے میوے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو و۱۶ اور ایک اور درخت بھی (پیدا کیا)

تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ

جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے وہ اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے

لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ

سالن لئے ہوئے و۱۷ اور تمہارے لئے غور کا موقع مویشیوں میں ہے ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں

مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا

ان کے جوف میں کی چیز کو اور تمہارے لئے ان میں بہت سے فائدے ہیں و۱۸ اور ان میں سے (بعض کو)

تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ۙ وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ؑ وَ لَقَدْ

تم کھاتے بھی ہو اور ان پر اور کشتی پر سوار پھرتے ہو و۱۹ اور بے شک

اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

ہم نے نوحؑ کو بھیجا ان کی قوم کی طرف سو انہوں نے کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا

اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں؟ و۲۰ تو ان کی قوم میں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ

جو کافر رئیس تھے وہ کہنے لگے و۲۱ کہ یہ (شخص) اور ہے کیا بجز اس کے کہ تمہارا ہی جیسا انسان ہے و۲۲

وقف لازم

ع ۲۲

و۱۵ ان سب افعال تکوینی کی خالق تنہا وہی ذات واحد ہے۔ اندر دیوتا یا کوئی اور دیوی دیوتا اس کے شریک نہیں۔ بِقَدَرٍ یعنی مقدار معین ومناسب میں اور وقت مناسب پر۔ و۱۶ (بعض کو خشک کر کے بطور غذا کے) فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ۔ بہت سے پھل تر وتازہ کھائے جاتے ہیں۔ یہاں یہ بتایا کہ یہ عمل تکوینی بھی تمامتر حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ کھیت پات رزق کا دیوتا کوئی الگ نہیں۔ نَخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ۔ کھجور کی اہمیت اور اس لئے اس کے ذکر کی تخصیص اہل عرب کے لئے بالکل ظاہر ہے۔ انگور بھی عرب کے بعض حصوں کا خاص میوہ ہے۔ ملاحظہ ہو بقرہ (پ۳) آیت ۲۶۲ کا حاشیہ۔ و۱۷ یہاں کسی درخت کے نام کی تصریح نہیں لیکن سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد زیتون ہے۔ والمراد به هنا الزيت (روح) زیتون خاص پیداوار ہے ملک فلسطین اور اس سے ملحق جزیرہ نما سیناء کی۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۱۸ روغن زیتون کے فوائد غذائی بھی اور خارجی استعمال میں بھی طب قدیم وجدید دونوں کو مسلم ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ زیتون کا ذکر توریت وانجیل دونوں میں بھی بار بار آیا ہے۔ مثلاً استثناء ۸:۸۔ قاضیون ۹:۸۔ متی ۶:۷۔ اور ۲۵:۳۔ لوقا ۱۰:۳۴۔ و۱۹ جمادات ونباتات کی طرح چوپائے جانور اور مویشی بھی انسان کی خدمت ہی کے لئے ہیں۔ انہیں اپنا معبود یا مخدوم سمجھ لینا انسان کی انتہائی پستی اور نافہمی ہے۔ الْاَنْعَامِ پر حاشیے سورۂ انعام پ۸ اور سورۂ النحل پ۱۴ میں گزر چکے۔ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا۔ مراد دودھ کا ہونا ظاہر ہی ہے۔ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ۔ علاوہ غذائی مصرف کے۔ گائے بیل کی کھال۔ بھیڑی کی اون، بعض جانوروں کے سینگ وغیرہ یہ سب انسانوں کے کام کی چیزیں ہیں اور جانوروں کی تجارت ایک بڑی نفع بخش تجارت۔ وَ عَلَى الْفُلْكِ۔ بحری سواریاں جتنی بھی ایجاد ہوں سب فلک کے تحت میں آجائیں گی۔ و۲۰ (دوسروں کو شریک خدائی بنانے سے) حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے قوم کے معاملات پر حواشی سورۃ الاعراف پ۸ میں گزر چکے۔ و۲۱ (اپنی قوم کی عام پبلک سے) و۲۲ (اور جب خالی خولی انسان ہی ہے تو پھر خدا کا اوتار یا دیوتا وغیرہ کیسے ہوسکتا ہے) مشرک قوموں کی بنیادی غلطی بھی عقیدۂ رسالت میں گمراہی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی ہدایت کے لئے جب کوئی آئے گا وہ یا تو خود خدا ہوگا بہ شکل انسان، اور یا کوئی دیوتا۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے اس بنیادی گمراہی پر ضرب لگائی اور بار بار اعلان کیا کہ رسول تو محض بشر ہی ہوتا ہے مع تائید وحی کے۔ بجز دولت وحی کے کوئی شے بھی اس میں عام انسانوں سے زائد نہیں ہوتی۔ اہل توحید کو اور مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والوں کو یہ بات بالکل موٹی سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن مشرکوں کی سمجھ میں اتنی بات بھی نہیں آتی۔

يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ

چاہتا ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے اور اگر خدا (یہی) چاہتا تو وہ فرشتوں کو

مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ

بھیجتا ہم نے یہ بات اپنے پہلے بڑوں سے تو سنی ہی نہیں و۲۳ بس

هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾

یہ ایک آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے سو ایک خاص وقت تک انتظار کرو و۲۴

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ

(نوح نے) عرض کیا اے میرے پروردگار میرا بدلہ لے کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا و۲۵ پس ہم نے ان کے پاس حکم بھیجا

اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ

کہ کشتی ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے تیار کرو پھر جب ہمارا حکم (عذاب)

اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ

آ پہنچے گا۔ اور زمین سے پانی ابلنا شروع ہو جائے تو ہر قسم کے (جانوروں میں سے)

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ

دو دو عدد اس میں رکھ لو اور اپنے گھر والوں کو بھی اس میں (سوار کر لو) بجز اس کے جس پر ان میں سے حکم (غرق) نازل

مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ

ہو چکا ہے و۲۶ اور مجھ سے ظالموں (کی نجات) کے بارہ میں کچھ نہ کہنا بے شک وہ سب

مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ

غرق ہو کر رہیں گے و۲۷ پھر جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر

عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ

بیٹھ چکیں تو کہنا کہ (ساری) حمد ہے اللہ کے لئے جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے

و۲۳ یعنی کیسی انوکھی اس شخص کی دعوت ہے۔ دیوی دیوتا جنہیں ہم اور ہمارے باپ دادا ہمیشہ سے مانتے چلے آئے ہیں۔ ان کا یہ شخص منکر ہے۔ اور سب سے نرالی بات یہ کہہ رہا ہے کہ معبود بس خالی ایک ہی ہے!— منکرین دعوت پیغمبر ہر دور میں اپنے زمانہ کے نہایت جمود پسند (کنسرویٹو) قسم کے لوگ ہوا کیے ہیں۔ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ۔ برتری سے مراد دنیوی یعنی جاہ وریاست کی برتری مراد ہے— بدبخت منکروں نے ہمیشہ اپنے ظرف وطینت پر قیاس کر کے پیمبروں کی نیت سے بدگمانی کی ہے اور انہیں اپنا ہی جیسا طالب دنیا فرض کیا ہے۔ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِکَةً یعنی خدا کو ہماری اصلاح وہدایت ہی اگر منظور ہوتی تو اس غرض کے لئے کوئی فوق البشر ہستی نازل کی جاتی۔ کوئی دیوی دیوتا آتے، کوئی اوتار ظاہر ہوتے۔ و۲۴ (جب یہ خود ہی ایک وقت پر پہنچ کر ختم ہو جائے گا) بِهٖ جِنَّةٌ۔ یعنی اسے جنون ہو گیا ہے۔ یا یہ آسیب زدہ ہے۔ و۲۵ پیغمبروں کا صبر بھی آخر غیر محدود نہیں ہوتا۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے پیام حق کی برابر تکذیب ہی ہو رہی ہے تو ایک مدت مدید کے بعد آخر ان کا پیمانہ صبر بھی لبریز ہو جاتا ہے۔ اور وہ نصرت الٰہی کے اسی دنیا میں عملی ظہور کی دعا کرنے لگتے ہیں۔ و۲۶ (اس کے کفر کے پاداش میں) کافر نافرمان کے لئے کوئی گنجائش نجات ومغفرت کی نہیں۔ خواہ وہ نبی کا عزیز قریب ہی ہو۔ مِنْ کُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یعنی ایسے جانوروں میں سے جو کام آنے والے ہوں دو دو عدد۔ نوح۔ فلک۔ تنور وغیرہ پر حاشیے سورۂ ہود (پ۱۲) میں گزر چکے۔ و۲۷ (ان کے حق میں سعی سفارش سب لاحاصل ہے) اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا۔ اپنے حق میں ظلم کرنے والے یعنی کافر۔ محاورۂ قرآنی میں یہ استعمال عام ہے۔ ای فی الذین کفروا (ابن جریر)

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا

نجات دی ف۲۸ اور کہنا کہ اے میرے پروردگار مجھے برکت کا اتارنا

مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اتاریو اور تو سب اتارنے والوں سے اچھا ہے ف۲۹ اس (سارے واقعہ) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں

وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ

اور ہم آزماتے ہی رہتے ہیں ف۳۰ پھر ہم نے دوسرا گروہ ان کے

قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ ۚ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

بعد پیدا کیا پھر ہم نے ان کی طرف ایک پیغمبر کو انہیں میں سے بھیجا (یہ پیام دے کر)

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا

کہ اللہ ہی کی پرستش کرو تمہارا کوئی معبود اس کے سوا نہیں سو کیا تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ ع وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ڈرتے نہیں ہو! ف۳۱ ان کی قوم میں جو سردار تھے اور جو کافر

وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

اور آخرت کے آنے کے جھٹلانے والے تھے اور ہم نے انہیں دنیا کی زندگی میں عیش بھی دے رکھا تھا ف۳۲

مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ

وہ بولے کہ یہ تو بس تمہارے ہی طرح کے ایک آدمی ہیں وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو

وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ ۙ وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ

اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو ف۳۳ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے بشر کی راہ قبول کر لی

اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ ۙ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ

تو تم تو نرے گھاٹے ہی میں رہے ف۳۴ یہ (شخص) تم سے یہی کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے

۲ ع ۲

ف۲۸ انبیاء و مومنین کو ایک ایک ادب کی تعلیم اللہ کی طرف سے ہوتی رہتی ہے۔ اور ہر نعمت کو اسی کی جانب منسوب کرنا سکھایا جاتا ہے۔ ف۲۹ یہ تعلیم دعا اس وقت کے لئے ہے جب کشتی خشکی پر ٹھہرنے کے قریب ہو۔ ف۳۰ (اپنے بندوں کو ایسے ایسے حوادث تکوینی کے ذریعہ سے) لَاٰیٰتٍ۔ اس سارے واقعہ کے اندر بہت سی نشانیاں حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی ہیں۔ ف۳۱ (شرک اور انجام شرک سے) مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ یعنی قوم نوح علیہ السلام کے بعد جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ۔ یہ قوم کون سی تھی؟ عام رجحان یہ ہے کہ یہ قوم عاد یا قوم ثمود کی جانب اشارہ ہے۔ بہر حال کوئی نہ کوئی مشرک ہی قوم تھی۔ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔ سنت الٰہی یہی ہے کہ جس قوم کی ہدایت مقصود ہوتی ہے۔ اس کے لئے ہادی خود اسی قوم میں سے بھیجا جاتا ہے۔ اَنِ...... تَتَّقُوْنَ دعوت ہر نبی مرسل کی ہر زمانہ اور ہر ملک میں توحید ہی کی رہی ہے۔ ف۳۲ یہ آیت (دوسری متعدد آیات کی طرح) اس باب میں نص ہے کہ دولت و خوشحالی کفر و شرک کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے...... آج جو خامکار مصلحین اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ دنیوی اور مادی ترقیاں اسلام صحیح ہی سے پیدا ہو سکتی ہیں۔ وہ اس آیت کو اور ایسے ہی بہت سے دوسرے نصوص کو کیا کریں گے؟ ف۳۳ منکرین و مکذبین کی سب سے بڑی دلیل پہلے بھی یہی رہی ہے اور اب بھی یہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب مادی حیثیت سے ہم اور نبی یکساں ہیں۔ طبعی حاجتوں کے لحاظ سے ہم میں اس میں کوئی فرق ہی نہیں وہ ہماری ہی طرح کھاتا پیتا، چلتا پھرتا، سوتا جاگتا، لیٹتا بیٹھتا ہے تو اسے ہم نبی کیسے مان لیں؟ ”خدا کا اوتار تو وہ ہو سکتا ہے جو عجیب و غریب کرشمہ دکھائے، ہوا پر اڑے، جانوروں سے باتیں کرے، بھوک پیاس وغیرہ کی طلب سے آزاد ہو۔ غرض ہر مادی اعتبار سے انسان نہ ہو بلکہ کم از کم فوق البشر تو ضرور ہو! ف۳۴ (عقلی اور عملی نتائج کے لحاظ سے) یعنی اپنی رائے اور اپنے آزاد مشرب کو چھوڑ کر اگر تم ایک اپنے ہی جیسے انسان کی بتائی ہوئی راہ پر پڑ لیے تو اس سے بڑھ کر بیوقوفی اور کیا ہوگی؟ یہ تو بڑا نقصان عقل ہوا۔ اور پھر یہ تمہیں خدا معلوم کیسی کیسی مادی مضرتوں میں مبتلا کر دے!

وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ

اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم (پھر سے) نکالے جاؤ گے؟ بہت ہی بعید

هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

بہت ہی بعید ہے جو بات تم سے کہی جاتی ہے بس زندگی تو ہماری (یہی) دنیوی زندگی ہے

نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ

کہ ہم میں کوئی مرتا ہے اور کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم ہرگز (دوبارہ) اٹھائے جانے والے نہیں ف۳۵ یہ تو بس

اِلَّا رَجُلُ نِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ

ایک انسان ہے جس نے خدا پر جھوٹ گڑھ لیا ہے اور ہم تو ہرگز اس کو

بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ

ماننے والے نہیں ف۳۶ (پیغمبر نے) کہا اے میرے پروردگار میرا بدلہ لے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا (اللہ نے) فرمایا

عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ

عنقریب یہ لوگ پچھتا کر رہیں گے چنانچہ پھر انہیں ایک سخت آواز نے

الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ

موافق وعدۂ برحق کے آ پکڑا تو ہم نے ان کو خس و خاشاک بنا دیا ف۳۷ سو خدا کی مار

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا

ظالم لوگوں پر ف۳۸ پھر ہم نے ان کے بعد دوسرے گروہوں کو

اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا

پیدا کیا ف۳۹ کوئی امت اپنے مقرر وقت سے نہ پیش دستی کر سکتی ہے اور نہ وہ لوگ

يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ

پیچھے ہٹ سکتے تھے ف۴۰ پھر ہم نے اپنے پیغمبروں کو متواتر بھیجا۔ جب بھی کسی امت

ف۳۵ مادیت و دہریت کا پورا فلسفہ ان سطروں میں آ گیا۔ دین صحیح کے داعی کا اصلی کام انہیں خیالات وعقائد پر ضرب کاری لگانا ہے اور یہی خیالات وعقائد نام اور اصطلاحیں بدل بدل کر ہر زمانہ اور ہر ملک میں منکرین و مکذبین کی زبان سے ظاہر ہوا کئے ہیں۔ ف۳۶ خدا پر افتراء یہی کہ مثلاً خدا اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے۔ خدا اکیلا بغیر کسی شریک، سہیم و مصاحب کے ہے اس مادی زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی بھی پیش آنی ہے۔ وغیرہا۔ ملحد و مشرک قومیں ان عقائد کو تمامتر بے بنیاد سمجھتی رہتی ہیں۔ ف۳۷ یعنی ان قوموں کو ہلاک و برباد کرنے کے بعد ان کے مسکنوں تک کو ویران کر دیا۔ بِالْحَقِّ سے مراد ہے اس صحیح وعدہ کے مطابق جو رسول سے ہو چکا تھا۔ اے بالوعد الصدق الذی وعده الرسول (روح) الصَّيْحَةُ سے مراد تند آندھی بھی ہو سکتی ہے، زلزلہ بھی۔ غرض عذاب کی ہر صورت۔ عَمَّا میں عن مرادف ہے بعد کا۔ عن بمعنی بعدھنا (روح) قَلِيْلٍ کو زمان قلیل کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اے عن زمان قلیل (بیضاوی) ف۳۸ ظالم سے مراد کافر و منکر ہیں۔ بُعْدًا۔ عربی محاورہ میں یہ اسی موقع پر آتا ہے جیسے اردو میں "خدا کی مار" ف۳۹ (اور یہ مختلف امتیں بھی تکذیب انبیاء کی پاداش میں اپنے اپنے وقت پر ہلاک ہوتی رہیں) ف۴۰ (وقت ہلاکت کے لحاظ سے) یعنی جس قوم کو جس وقت ہلاک ہونا ہی تھا وہ عین وقت معین پر ہلاک ہوئی۔ نہ اس سے ذرا پہلے نہ اس سے ذرا پیچھے۔

اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا

کے پاس اس کا پیمبر آیا انہوں نے اُسے جھٹلایا سو ہم نے بھی انہیں ایک کے پیچھے ایک کو لگا دیا ف۴۱

وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے تھے ف۴۲

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ

پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو بھیجا اپنے احکام اور کھلی دلیل

مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ لا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا

کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس سو ان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ

قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ ۚ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا

تھے ہی متکبر ف۴۳ چنانچہ وہ بولے کیا ہم اپنے ہی جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں

وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ ۚ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ

درآنحالیکہ ان کی قوم (بھی) ہمارے زیر حکم ہے ف۴۴ غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے سو وہ

الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ

ہلاک ہو کر رہے اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تاکہ وہ لوگ

يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً

ہدایت پائیں ف۴۵ اور ہم نے ابن مریم اور ان کی والدہ کو ایک بڑا نشان بنایا ف۴۶

وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ ع يٰۤاَيُّهَا

اور ہم نے ان دونوں کو بلند زمین پر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل اور شاداب تھی ف۴۷ اے

الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ

پیغمبرو نفیس چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو ف۴۸ میں

ع ۱۸/۳

ف۴۱ (ہلاک ہونے میں) یعنی جوں جوں جو قوم اپنے رسول کی تکذیب کی مجرم ہوتی رہی اسی نسبت وترتیب سے وہ ہلاک و برباد کی جاتی رہی۔ ف۴۲ یعنی وہ ایسے نیست ونابود ہوئے کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔ بس محض ان کے تذکرے اور قصے رہ گئے کہ لوگ سنیں اور عبرت حاصل کریں۔ اے صاروا یتحدث بھم وبحالھم فی الاھلاک علی سبیل التعجب والاعتبار وضرب المثل بھم (بحر) احادیث جمع ہے احدوثۃ کی۔ ف۴۳ قبول حق واتباع ہدایت کی راہ میں بڑا مانع یہی جذبہ خود بینی واستکبار رہا ہے۔ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۔ یعنی احکام اور معجزۂ صریح کے ساتھ۔ ف۴۴ یعنی ایک تو یہ دونوں یوں ہی محض بشر ہیں ہمارے ہی جیسے۔ کوئی فوق البشر نہیں، کوئی دیوتا نہیں اور پھر بشر بھی کیسے ایسے پست وحقیر کہ ان کی قوم کی قوم ہماری محکوم وغلام ہے۔ اسے تو آزاد کرا سکتے نہیں اور چلے ہیں ہمارے سامنے پیمبری کا دعویٰ کرنے! شامت زدہ قوموں کی ہمیشہ یہ شامت رہی ہے کہ اصل مسئلہ پر خلوئے ذہن کے ساتھ غور ہی نہیں کرتے۔ صحیح تنقیح کو سامنے لاتے ہی نہیں، غیر متعلق اور دوسرے مسائل میں الجھ جاتے ہیں۔ وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ۔ حکمراں ظاہر ہے کہ فرعون تھا نہ کہ اس کی ساری قوم۔ لیکن وہی نفسیت بشری جو آج پھیلی ہوئی ہے اس وقت بھی تھی، یعنی حکمران قوم کا ایک ایک فرد اپنے کو بھی بجائے خود حکمران سمجھ رہا تھا اور پھر یہاں تو فرعون کے ارکان دربار کا ذکر ہے۔ یہ تو بہر حال اپنے کو حاکم سمجھتے ہی۔ اور اپنی ''محکوم رعایا'' کے ایک ایک فرد کو ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھتے ہی۔ ف۴۵ الْكِتٰبَ سے مراد ظاہر ہے کہ توریت ہے اور ذکر اب فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد اسرائیلیوں کا ہو رہا ہے۔ لَعَلَّهُمْ۔ ضمیر جمع غائب اسرائیلیوں یا قوم موسیٰ کی جانب ہے، نہ کہ قوم فرعون کی۔ ولا یجوز عود الضمیر الی فرعون وقومہ (بیضاوی) ف۴۶ (اپنی قدرت وصنعت کا، مثلاً یہی کہ عیسیٰ مسیح کو باپ کے بلا توسط پیدا کر دیا) اٰيَةً۔ کی تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے۔ اور بڑا نشان محاورۂ قرآنی میں وہ ہے جو معمولات عام سے ہٹ کر ہو۔ امام رازی علیہ الرحمۃ سے فرمایا کہ مریم وابن مریم دو ہستیوں کا ذکر لاکر قیاس یہ چاہتا تھا کہ اٰيَةً (واحد) کے بجائے صیغۂ مثنیہ ایتین استعمال ہوتا۔ لیکن قرآن مجید نے صیغۂ واحد لاکر ادھر اشارہ کر دیا کہ حضرت عیسیٰ کے معجزات مراد نہیں، بلکہ کسی ایک ایسے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جس میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ دونوں شریک ہیں اور ایسا عجیب وغریب واقعہ بجز ان کی بے باپ کی ولادت کے اور کوئی نہیں۔ سلسلۂ اسرائیلی کے انبیاء کا ذکر یہاں صرف دو بڑے پیغمبروں پر ختم کر دیا۔ ایک وہ جو اس امت کے لئے کتاب احکام ودستور شریعت لیکر آیا۔ دوسرا جو اس سلسلہ کا خاتم ہوا۔ ف۴۷ یہ مقام کون سا تھا؟ اور واقعہ کب کا ہے؟ بعض اہل تفسیر ادھر گئے ہیں کہ یہ ذکر حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت کا ہے۔ اس وقت حضرت مریم علیہا السلام کسی بلند ٹیلہ پر مقیم تھیں۔ اور نیچے چشمہ بہ رہا تھا جیسا کہ سورۂ مریم میں ہے۔ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا۔ ابن کثیر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ لیکن اکثر محققین کی رائے میں اس سے مراد ملک مصر ہے اور آیت کا تعلق ایک دوسرے قصہ سے ہے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے زمانہ میں ملک شام کا حاکم ہیرودیس (HEROD) تھا۔ اور وہ نجوم وکہانت کے عروج کا زمانہ تھا۔ انجیل کی روایت ہے کہ اسے نجومیوں سے یہ پتہ چلا کہ اسرائیلیوں کا آیندہ بادشاہ ایک گھر میں تولد ہو گیا ہے۔ اور وہ گھر حضرت مریم کے شوہر یوسف نجار کا تھا۔ اس نے چاہا کہ اس بچہ کو پکڑ کر قتل کر ڈالے اور آیندہ کے لئے اندیشہ ہی باقی نہ رہے۔ یوسف اس کے قبل ہی غیبی اطلاع پا کر مع حضرت مریم وعیسیٰ علیہما السلام کے وطن چھوڑ کر مصر کے لئے روانہ ہو گئے۔ ''خداوند کے فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا کہ اٹھ بچہ اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر کو بھاگ جا۔ اور جب تک میں تجھ سے نہ کہوں وہیں رہنا۔ کیونکہ ہیرودیس اس بچہ کو تلاش کرنے کو ہے تاکہ اسے ہلاک کردے پس وہ اٹھا اور رات کے وقت بچہ اور اس کی ماں کو ساتھ لیکر مصر کو روانہ ہو گیا۔ اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا۔'' (متی ۲: ۱۳، ۱۴) اٰوَيْنٰهُمَا سے بھی اشارہ یہی نکلتا ہے کہ موقع کوئی خطرہ کا تھا جس سے مریم کو بچایا گیا۔ اور مفسرین کا بھی ایک بڑا گروہ اسی طرف گیا ہے۔ لیس الربی الا بمصر (ابن کثیر۔ عن ابن زید) وروی عن وھب بن منبہ نحو ھذا (ابن کثیر) قال الکلبی وابن زید ھی بمصر (کبیر) رَبْوَةٍ کے لفظی معنی ٹیلہ یا بلند زمین کے ہیں۔ ھی الارض المرتفعۃ (کشاف) ھی ما ارتفع من الجبل دون الارض (روح) دوسرے مقامات مثلاً دمشق، رملہ، ایلیاء، بیت المقدس وغیرہ کے نام بھی نقل ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ف۴۸ اور پیمبروں ہی کے ضمن میں حکم ان کی امتوں کا بھی آ گیا۔ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ۔ میں ذکر تکوینی نعمت کا ہے۔ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا میں حکم تشریعی ہے۔ نفیس ولذیذ چیزوں سے مراد ظاہر ہے کہ صرف حلال غذائیں ہیں۔ حرام غذا میں اگر لذت ہے بھی تو محض عارضی وفوری، جس پر حقیقۃً لذت کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت میں رہبانیت کا بھی ابطال ہے، جس میں بعض غالی مبتلا ہیں۔

بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً

خوب جانتا ہوں تمہارے کئے ہوئے کاموں کو اور یہی تمہارا طریقہ ہے کہ وہ ایک ہی

وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ

طریقہ ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں سو مجھی سے ڈرتے رہو ف۴۹ پر ان (کی امتوں) نے دین میں اپنا طریقہ الگ الگ

بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

پیدا کر لیا ہر گروہ کے پاس جو (دین) ہے وہ اسی میں مگن ہے ف۵۰

فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ

سو آپ ان کو ان کی غفلت میں ایک خاص وقت تک پڑا رہنے دیجیے ف۵۱ کیا یہ لوگ یہ گمان کر رہے ہیں

اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ

کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی

فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ

فائدے پہنچا رہے ہیں نہیں بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ف۵۲ بے شبہ جو لوگ

مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ

اپنے پروردگار کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے پروردگار کی

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا

نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک

يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ

نہیں کرتے اور جو لوگ دیتے رہتے ہیں جو کچھ دیتے رہتے ہیں اور ان کے دل

وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ

اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ انہیں پروردگار کے پاس واپس جانا ہے ف۵۳ یہ لوگ

ف۴۹ (اور میرے احکام کی مخالفت نہ کرو) اللہ سے ڈرنے کے معنی بس اسی قدر ہیں کہ اس کے احکام کی مخالفت پر جرات اقدام باقی نہ رہے۔ یہ معنی ہرگز نہیں کہ (نعوذ باللہ) اسے ہوّا بنا کر اس طرح ڈرا جائے، جس طرح کسی جابر حاکم یا موذی دشمن سے ڈرا جاتا ہے۔ اللہ تو محبت ومحبوبیت کی چیز ہے، دہشت ووحشت کی نہیں۔ اس کا خوف، صرف خوفِ عقلی رہنا چاہیے نہ کہ خوفِ طبعی۔ اُمَّۃٌ سے یہاں مراد دین یا مسلک سے ہے۔ امتکم اے ملتکم وشریعتکم (روح) امة واحدة اے بالملة والدین (ابن جریر۔ عن ابن جریج) دین اللہ کی طرف سے ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ ف۵۰ (اور باوجود وضوح حق کے اپنے ہی دین وطریقہ سے چمٹا ہوا ہے) ف۵۱ (اے ہمارے پیغمبر۔ اور ان کی ضد اور اصرار علی الباطل پر زیادہ غم نہ کیجئے) یہ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر کفار کا ہے۔ حَتّٰی حِیْنٍ۔ مراد وقت موت تک ہے۔ ف۵۲ یہ دھوکا عام وعالمگیر ہے۔ آج تک ہزاروں لاکھوں مذہب اسی میں مبتلا ہیں۔ تکوینی عیش وراحت کو اپنی حقانیت ومقبولیت کی دلیل سمجھ رہے ہیں! حالانکہ نظام تکوینی میں قانونِ ربوبیت کے ماتحت تو سانپوں، بچھوؤں سب ہی کی پرورش وکفالت ہوتی رہتی ہے۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ جس طرح ظاہری نعمتوں سے دھوکا نہ کھانا چاہیے اسی طرح باطنی نعمتوں (احوال ومواجید وغیرہا) پر مطمئن ومغرور نہ ہو جانا چاہیے۔ ف۵۳ (تو دیکھئے کہ ہمارے اعمال خیر قبول بھی ٹھہرتے ہیں یا نہیں) اَلَّذِیْنَ...... مُشْفِقُوْنَ۔ خدائے نادیدہ سے ڈرتے رہتے ہیں، اور اس لئے اس کی معصیت ونافرمانی سے بھی بچتے رہتے ہیں۔ خوفِ الٰہی پر حاشیہ ابھی گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۴۹۔ اَلَّذِیْنَ...... یُشْرِکُوْنَ۔ مشرکین عرب کا اصلی مرض یہی تھا کہ اقرار الوہیت کے ساتھ ساتھ شرک بھی کیے جاتے تھے...... تنہا وجود باری کا اقرار شریعت میں اسی لئے مستند اور کافی نہیں۔ جب تک کہ نفی شرک بھی ساتھ ہی ساتھ نہ ہو۔ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا۔ ان کی یہ عطا وبخشش دین کی راہ میں، احکام الٰہی کے ماتحت ہوتی رہتی ہے۔ عارفین نے کہا ہے کہ سالک کو اپنے اعمال اور اپنے نفس پر کبھی مطمئن نہ ہونا چاہیے۔

يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿٦١﴾ وَلَا

(البتہ) فائدے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہی ان کی طرف دوڑ رہے ہیں و۵۴ اور ہم

نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ

کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بار نہیں ڈالتے و۵۵ اور ہمارے پاس ایک رجسٹر ہے جو ٹھیک ٹھیک بتا دے گا

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ

اور لوگوں پر ظلم ذرا نہ ہوگا و۵۶ لیکن ان (کافروں) کے قلوب اس (دین) کی طرف سے غفلت (وجہالت) میں

هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا

پڑے ہیں اور اس کے علاوہ بھی ان کے (برے) عمل ہیں جو یہ کرتے

عٰمِلُوْنَ ﴿٦٣﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ

رہتے ہیں و۵۷ یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیں گے

اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا

تو یہ فوراً چلا اٹھیں گے و۵۸ اب چلاؤ مت ہماری طرف سے تمہاری مطلق

تُنْصَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ

مدد نہ ہوگی و۵۹ میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو تم

عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا

الٹے پاؤں بھاگتے تھے تکبر کرتے ہوئے قرآن کا مشغلہ بناتے ہوئے

تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ

بیہودہ بکتے ہوئے و۶۰ کیا ان لوگوں نے (اس) کلام میں غور نہیں کیا، یا (یہ بات ہے کہ) ان کے پاس وہ بات آئی جو ان

يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ

کے اگلے بڑوں کے پاس (کبھی) نہیں آئی تھی؟ و۶۱ یا یہ لوگ اپنے رسول کو پہچان نہ سکے

و۵۴ یعنی یہ اہل ایمان واہل تقوی ہی نفع حاصل کرتے ہیں، نہ کہ وہ کافر بے دین جو اپنی دنیوی کامیابیوں اور کامرانیوں پر مغرور ہو کر اپنے کو برسرحق سمجھ رہے ہیں۔ نسارع لھم فی الخیرات کا گمان رکھنے والوں کی تردید میں الفاظ بھی انہی کے الٹ کر لے آئے گئے ہیں۔ اَلْخَيْرٰتِ یہاں طاعات کے معنی میں ہے، اور ان کی طرف اہل ایمان ہی سبقت کرتے ہیں۔ الخیرات هنا الطاعات یسارع الیها اهل الایمان بالله ویجتهدون فی السبق الیها رغبةً فیها وعلماً بمالهم بها من حسن الجزاء (جصاص) و۵۵ (چنانچہ ایمان وتقوی کے جو کام ادھر بتائے گئے وہ بالکل وسعت بشری کے حدود کے اندر ہیں) و۵۶ (بلکہ ہر ایک کی سعی پوری طرح مشکور ہوگی، اور ذرہ ذرہ ہر عمل خیر پر ثواب ملے گا) یہاں یہ بتا دیا کہ جس طرح اعمال خیر سہل ہیں، اسی طرح ان کا ثمرہ بھی یقینی اور غیر مشتبہ ہے۔ اس لئے سعی کے قابل تو بس یہی ایمانی زندگی ہے۔ كِتٰبٌ سے مراد نامۂ اعمال ہے۔ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ۔ یعنی اس میں غلطی اور سہو کا احتمال ہی نہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہی ٹھیک درج ہوگا۔ و۵۷ جس طرح مومنین کا سرمایہ، علاوہ ان کے ایمان کے اعمال حسنہ وصالحہ ہوں گے، اسی طرح کافر علاوہ کفر کے طرح طرح کے اعمال بد میں بھی مبتلا رہا کرتے ہیں۔ و۵۸ (اور اپنا کبر واستکبار بھول بھال، بے اختیار فریاد برپا کرنے لگیں گے اور عاجزی کے ساتھ رحم کی درخواست کرنے لگیں گے) مُتْرَفِيْهِمْ۔ یعنی ان کے بڑے بڑے لیڈر، سردار اور پیشوا جو اس وقت ہر طرح کا سامان جاہ وحشم رکھتے ہیں۔ بِالْعَذَابِ۔ عذاب سے یہاں مراد عذاب بعد الموت ہے۔ و۵۹ یہ دار العمل نہیں دار الجزاء ہے۔ یہاں چلانا عاجزی کرنا لاحاصل ہے۔ و۶۰ جو دار العمل تھا اس میں تو تمہاری یہ حالت تھی۔ شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ یہ فخر وناز کرنے والے قریش تھے۔ جنہیں فخر تولیت وخدمت کعبہ پر تھا۔ مشائخ محققین نے اس سے اخذ کر کے کہا ہے کہ اپنی کسی نسبت یا فضیلت اضافی پر، مثلاً یہ کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں، فلاں فلاں برکات کے حامل ہیں فخر کرنا مذموم ہے۔ و۶۱ (یعنی کیا تکذیب کی بنیاد یہ ہے کہ وحی ورسالت کا تخیل ہی ان کے لئے نامانوس ہے۔ اور یہ آواز پہلی بار ان کے کان میں پڑ رہی ہے؟) اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ۔ یعنی اگر یہ لوگ اس کلام پر غور کرتے تو اس کے اعجاز کے قائل ہو جاتے اور تکذیب سے باز آ جاتے۔۔ یہاں تکذیب کا اصل باعث بے التفاتی کو ٹھہرایا ہے۔

فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ

اور اس لئے ان کے منکر رہے؟ و۶۲ یا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہیں جنون ہے و۶۳ نہیں بلکہ

جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ

یہ (رسول) ان کے پاس حق لے کر آئے اور ان میں سے اکثر حق (ہی) سے نفرت رکھتے ہیں و۶۴ اور اگر

اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

(دین) حق کہیں ان لوگوں کی خواہشوں کا تابع ہو جاتا تو آسمان و زمین اور جو ان میں (آباد) ہیں

وَ مَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ

(سب) تباہ ہو جاتے و۶۵ بلکہ ہم نے تو ان کے پاس ان کی نصیحت (ہی کی بات) بھیجی سو یہ لوگ

ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ ۭ اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ

اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں و۶۶ کیا آپ ان سے کچھ معاش طلب کرتے ہیں و۶۷ سو معاش آپ کے

رَبِّكَ خَيْرٌ ڰ وَّ هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَ اِنَّكَ

پروردگار کی (دی ہوئی) سب سے بہتر ہے اور وہی سب روزی دینے والوں سے بہتر ہے و۶۸ اور یقیناً آپ تو

لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ

ان کو سیدھے راستہ کی طرف بلا رہے ہیں و۶۹ اور یقیناً جو لوگ

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾

آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ راہ سے بھٹکنے والے ہیں و۷۰

وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ

اور اگر ہم ان پر مہربانی کر دیں اور انہیں جو تکلیف ہے اسے دور بھی کر دیں تو بھی یہ لوگ اپنی گمراہی میں

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا

بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے رہیں و۷۱ اور بالیقین ہم نے انہیں عذاب میں ہی پکڑا لیکن

و۶۲ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ۔ یعنی رسول کے صدق سے، دیانت سے امانت سے ناواقف تھے؟ مطلب یہ ہے کہ ان کفار معاصرین کے انکار کی ممکن وجہ یہ ہے کہ یہ آپ کی سیرت سے، آپ کے اخلاق فاضلہ سے ناواقف ہیں! ظاہر ہے کہ یہ وجہ بھی نہیں ہو سکتی۔ وہ تو آپ کی پاکیزہ سیرت کے پورے گواہ تھے۔ و۶۳ نہیں بلکہ اس کے برعکس لوگ تو آپ کی اصابت رائے کے فہم و ذکاوت کے پوری طرح قائل تھے۔ سو اس وجہ کا بھی باطل ہونا بالکل ظاہر ہے۔ حیرت اور حیرت سے زیادہ عبرت کا مقام ہے کہ عرب کے ان جاہلین کے بالکل قدم بقدم آج یورپ کے جاہلین جدید بھی، ایک طرف آپ کے کمال حکمت و دانائی کے قائل ہیں یہاں تک کہ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی حکمت و خوش تدبیری سے قرآن نامے ایک جامع کتاب گڑھ لی، سارے ملک عرب کی بیسیوں ٹکڑیوں اور ٹولیوں کو متحد کر لیا۔ سب کو ایک دین کا پابند بنا لیا۔ بڑے بڑے پرقوت دشمنوں، مشرکین و یہود وغیرہ پر غالب آ گئے وقس علیٰ ہذا۔ ایک طرف تو آپ کی دانائی، فرزانگی، خوش تدبیری کا اعتراف اس زور شور سے ہے اور دوسری طرف آپ کو (نعوذ باللہ) نیم مجنون و صرع زدہ بتانے پر بھی اصرار جاری ہے! و۶۴ سو اصل وجہ ان فرض کی ہوئی وجوہ میں سے کوئی نہیں، بلکہ یہ ہے کہ انہیں حق ہی سے بیزاری ہے اور طلب حق تو ان میں کیا ہوتی، الٹی اس سے نفرت ہے۔ و۶۵ اگر دنیا سے نظام حق ناپید ہو جائے تو پہلے تشریعی حیثیت سے اور پھر اس کے نتیجہ کے طور پر تکوینی حیثیت سے نظام عالم ہی درہم و برہم ہو جائے۔ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ۔ یہ ان منکرین کی خواہش کی طرف اشارہ ہے — ان لوگوں کا مذاق اس قدر فاسد ہو چکا تھا کہ اتباع حق کرنا الگ رہا الٹا وہ دین حق کو اپنی ترمیمات کا تختۂ مشق بنانے کی فکر میں تھے۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ اسی طرح اہل طریق بھی مریدین کی خواہشوں کا اتباع نہیں کرتے، بلکہ صرف حکمت و مصلحت کا اتباع کرتے ہیں۔ و۶۶ (اور اپنے نفع نقصان کی طرف سے اتنے اندھے ہو چکے ہیں) و۶۷ (جیسا کہ اکثر جاہلی مذہبوں کے پروہت اور پجاری اپنے ماننے والوں سے طلب کیا کرتے ہیں) سوال کا مطلب یہ ہے کہ ایسے بے بنیاد وہم سے بھی تو یہ اپنی تکذیب کے لیے سہارا نہیں پا سکتے۔ و۶۸ (تو آپ اس حقیقت سے آشنا ہو کر تو کبھی اس خیال کی طرف رخ بھی نہیں کر سکتے) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ علماء اور واعظین کو اجرت طلب کرنا ناجائز ہے۔ محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ جس کی اصلاح کی جائے اس سے مال طلب کرنا مذموم ہے اور مقصود میں مخل ہوتا ہے۔ و۶۹ (علم، یقین و ایمان کی پوری مستحکم قوت کے ساتھ) و۷۰ (وہ تو ہر سیدھی بات کو ٹیڑھی بنا لیں گے) ہدایت کی طلب دل میں جبھی پیدا ہوتی ہے۔ جب پہلے آخرت کا یعنی اس ''آج'' کے بعد ایک ''کل'' کے ظہور کا یقین ہو لے۔ و۷۱ اس حد تک ان کی فطرت مسخ ہو چکی ہے اور کفر و انکار پر اتنا جمود انہیں ہو چکا ہے۔

اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَ مَا يَتَضَرَّعُونَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰٓى اِذَا

ان لوگوں نے نہ اپنے پروردگار کے سامنے فروتنی کی اور نہ عاجزی کی ف۷۲ یہاں تک کہ جب

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ

ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت یہ بالکل

فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ

حسرت زدہ رہ جائیں گے ف۷۳ اور وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے کان

وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَ هُوَ

اور آنکھیں اور دل بنائے (لیکن) تم لوگ بہت ہی کم شکریہ ادا کرتے ہو ف۷۴ اور وہ (اللہ) وہی تو ہے

الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾

جس نے تم کو زمین پر پھیلا رکھا ہے اور تم (سب) اسی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے ف۷۵

وَ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ وَ لَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ

اور وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے بس میں ہے رات اور دن

وَ النَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ

کا الٹ پھیر سو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ف۷۶ نہیں بلکہ یہ لوگ ویسی ہی بات کہتے ہیں جیسے اگلے (کافر)

الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا

کہتے آئے ہیں کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے

ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا

تو کیا ہم پھر سے اٹھائے جائیں گے؟ یہ وعدہ تو ہم سے اور ہمارے بڑوں سے پہلے ہی

مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ

سے ہوتا آیا ہے یہ کچھ بھی نہیں ہے بجز اگلوں کی بے سند باتوں کے ف۷۷ آپ کہہ دیجیے

ف۷۲ اشارۂ خصوصی معاصر معاندین رسول ﷺ کے سلسلہ میں قحط مکہ کی جانب ہے جو ۸ ؁ نبوی میں ہوا تھا۔ فَمَا اسْتَكَانُوْا، وَ مَا يَتَضَرَّعُوْنَ۔ استکانت اور تضرع مرادف نہیں اول کا تعلق ظاہر سے اور ثانی کا قلب سے ہے۔ ف۷۳ (کہ یہ کیا ہو گیا اور اس وقت سارے حواس درست ہو جائیں گے) عَذَابٍ شَدِيْدٍ۔ یہ عذاب شدید آخرت میں تو یقیناً ہو گا اور احتمال اس دنیا میں بھی ہے۔ ف۷۴ یعنی اتنا بھی تو نہیں کہ کم از کم ایسے قادر و منعم پر ایمان ہی لے آتے۔ ف۷۵ (قیامت میں) اس میں اشارہ ادھر آ گیا کہ اس وقت اس کفران نعمت کی حقیقت معلوم ہو گی۔ ف۷۶ (اور اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے؟) مطلب یہ ہے کہ ان ساری قوتوں کا مرجع و منبع تو وہی ایک ذات ہے یہ سب دلائل و شواہد اس کی توحید کے ہیں۔ پھر تم پر کیا حماقت سوار ہے کہ تم متفرق و متعدد دیویوں، دیوتاؤں کے قائل ہوا يُحْيٖ۔ يُمِيْتُ۔ ...... لَهُ...... وَ النَّهَارِ۔ زندہ کرنے اور رکھنے، ہلاک کرنے اور سارے تصرفات تکوینی سب اسی مالک واحد و خود مختار کے ہاتھ میں ہیں۔ ف۷۷ جزا و سزا، حشر و نشر سے انکار کوئی بیسویں صدی کی نئی روشن خیالی نہیں یہ قدیم گمراہی تو اتنی بوڑھی ہے کہ خود ابلیس کی ہم سن ہے۔

لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾

کہ (اچھا) زمین اور اس پر جو (رہتے بستے) ہیں کس کے ہیں اگر تم جانتے ہو؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ

یہ ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ کے ہیں تو کہیے کہ پھر کیوں نہیں غور کرتے ہو ف۷۸ آپ کہیے

رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾

کہ (اچھا) سات آسمانوں کا مالک اور عالی شان عرش کا مالک کون ہے؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ

تو ضرور وہ یہی جواب دیں گے کہ (یہ سب) اللہ کا ہے آپ کہیے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ ف۷۹ آپ کہیے وہ کون ہے جس

مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ

کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور کوئی اس کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے سکتا

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى

اگر تم جانتے ہو؟ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب (صفت) اللہ ہی کی ہے۔ آپ کہیے کہ پھر تمہیں کیسا

تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

خبط ہو رہا ہے؟ ف۸۰ اصل بات یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق بات پہنچا دی ہے اور یقیناً یہ لوگ جھوٹے ہیں

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا

اللہ نے کسی کو بھی بیٹا نہیں قرار دیا ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے اگر ایسا ہوتا تو

لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى

ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور (پھر) ایک دوسرے پر

بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ

چڑھائی کرتا اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں ف۸۱ وہ جاننے والا ہے پوشیدہ

ف۷۸ (اور کیوں نہیں یہ شرک سے دستبردار ہو جاتے ہیں) اللہ یعنی ایک رب الارباب کے وجود سے انکار کر کے چند خداؤں کا ماننا دنیا میں شاذ و نادر ہی رہا ہے۔ ورنہ عموماً شرک کے معنی تو بس یہ رہے ہیں کہ ایک طرف اقرار ایک رب الارباب کا بھی جاری ہے اور دوسری طرف کائنات کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر کے ایک ایک شعبہ کا ایک ایک مستقل خدا یا دیوتا مانا جاتا رہا ہے۔ زمین کا دیوتا الگ۔ آسمان کا الگ۔ ہوا کا دیوتا الگ۔ پانی کا دیوتا الگ۔ وقس علیٰ ہذا۔ قرآن گرفت اسی عام و عالمگیر مشرکانہ ذہنیت پر کر رہا ہے۔ ف۷۹ (اور اس کی قدرت کامل اور توحید کا انکار کیے جاتے ہو!) جاہلی مذہبوں میں ایک بڑی جہالت یہ پھیلی رہی ہے کہ توحید کے اجمالی اقرار و اعتراف کے بعد بھی مقتضیات توحید و مطالبات توحید پر ذرا سا بھی غور و توجہ کیے بغیر شرک بھی ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے۔ ف۸۰ (کہ مقدمات توحید تو تمہیں سب تسلیم ہیں اور اس کے قدرتی اور پھر لازمی نتیجہ سے نکلے جاتے ہو!) وَهُوَ يُجِيْرُ۔ یعنی وہ جسے چاہتا ہے اپنی پناہ میں لے آتا ہے۔ ف۸۱ مشرک قوموں کی خرافی روایات (میتھالوجی) ان قصوں سے بھری پڑی ہیں کہ فلاں دیوتا اور فلاں دیوتا میں یوں جنگ ہوئی۔ اُس نے اس پر یوں چڑھائی کی۔ وہ اس پر یوں غالب آیا۔ قرآن نے ایک مختصر سے بلیغ فقرہ میں ان لوگوں کی دیومالا کا گویا ست کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ۔ اللہ کے نہ کوئی بیٹا ہے۔ جیسا کہ بدنصیب مسیحیوں نے سمجھ رکھا ہے۔ اور نہ اس کے کوئی بیٹی ہے جیسا کہ بدبخت مشرکوں نے گڑھ لیا ہے۔ وَمَا كَانَ...... بَعْضٍ۔ استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر معبودوں میں تعدد ہوتا تو یہ نظام عالم پارہ پارہ ہو کر رہ جاتا۔ لیکن ایسا نہ ہونا بدیہی ہے اس لیے اس مفروضہ پر جمے رہنا گویا بداہت کا انکار کیے جانا ہے۔

وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ اِمَّا

اور ظاہر کا غرض ان لوگوں کے شرک سے بالاتر ہے آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار اگر آپ

تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ

مجھے وہ (عذاب) دکھادیں جس کا وعدہ ان سے کیا جارہا ہے تو اے میرے پروردگار مجھے ان ظالم لوگوں میں

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَ اِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ

شامل نہ کیجیو ف۸۲ اور ہم بے شک اس پر قادر ہیں کہ ہم جو وعدہ ان سے کر رہے ہیں

لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ

وہ آپ کو بھی دکھادیں ف۸۳ (ان کی) بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کیجیے جو بہت ہی اچھا ہو ف۸۴

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ

ہم خوب جانتے ہیں جو یہ (آپ کی نسبت) کہا کرتے ہیں ف۸۵ اور آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں

مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ

شیطانوں کے وسوسوں سے ف۸۶ اور اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ (یعنی شیطان) میرے پاس

يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ

بھی آئیں ف۸۷ (یہ کافر اپنی بکواس سے باز نہیں آتے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آ کھڑی ہوتی ہے ف۸۸ (اس

رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ

وقت) کہتا ہے کہ میرے پروردگار مجھے پھر واپس بھیج دے تا کہ جس (دنیا) کو چھوڑ کر آیا ہوں اس میں (پھر جا کر) نیک کام کروں۔

كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ

ہر گز نہیں یہ ایک بات ہی ہے جسے وہ کہے جا رہا ہے ف۸۹ اور ان کے آگے ایک آڑ ہے

اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ

(ان کے) دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک ف۹۰ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس روز نہ ان کے درمیان

ف۸۲ یہ تعلیم ہے دعا و آداب دعا کی۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مومن کو اللہ سے یہی دعا کرتے رہنا چاہیے کہ ''اردگرد کی پھیلی ہوئی برائیوں سے جب عذاب نازل ہونے لگے تو مجھے محفوظ و مستثنٰی کر دیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں میں بھی اسی لپیٹ میں آ جاؤں۔'' اور یہ مقام ہے کمال عبدیت کا۔ پیمبر یہاں محض واسطہ ہیں۔ مقصود امت کو تعلیم دینا ہے۔ ظاہر ہے کہ پیمبر کے لیے محل عذاب ہونے کا تو احتمال بھی نہیں۔ ''دعا اس وجہ سے نہیں ہے کہ (نعوذ باللہ) ایسا امر محتمل ہے بلکہ اظہار ہے تہویل عذاب کا کہ جو محل اس کا محتمل ہی نہیں ہے، جب وہاں امر ہے استعاذہ کا۔ تو جو مستحق ہیں ان کو تو بہت ہی ڈرنا چاہیے۔ اور صحت سوال موقوف نہیں احتمال وقوع پر، بلکہ مقدوریت بھی کافی ہے''۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۸۳ یعنی اللہ تو اس پر بھی قادر ہے کہ آپ کی زندگی ہی میں عذاب ان پر لے آئے۔ ف۸۴ (اور ان کی شرارتوں، خباثتوں کا انتقام اپنی طرف سے نہ لیجیے کیا عجب کہ دعوت و اصلاح کے حق میں آپ کی یہی بے نفسی مفید ہو جائے) انتقام اپنے نفس کے لیے بھی لینا بالکل جائز ہے۔ لیکن پیمبر کا مقام رخصت کا نہیں عزیمت کا ہوتا ہے اسے تعلیم اسی بلند مقام پر رہنے کی دی گئی ہے۔ یہ حکم اس وقت تک کے لیے ہے جب تک عذاب موعود نہ آئے۔ جہاد و قتال کا حکم، حقوق دین کے تحفظ کے لیے ہے اور یہ نرمی کی تعلیم حقوق نفس کے سلسلہ میں ہے۔ دونوں کا فرق خوب ملحوظ رہے۔ ف۸۵ (بس اس کا استحضار رہے۔ تو آپ کو انتقام لینے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے ہم خود ہی ہر سزا کے لیے کافی ہیں) ف۸۶ (کہ میں ان کافروں سے خلاف مصلحت مقابلہ پر آمادہ ہو جاؤں) پیمبر کے لیے اس کا تو احتمال ہی نہیں کہ شیطان انہیں کسی معصیت پر لا سکتا ہے۔ بس یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی ترغیبات سے کسی امر خلاف مصلحت پر آمادہ کر دے۔ یہاں اس سے بھی پناہ مانگنے کی دعا ارشاد ہو گئی ہے۔ عارفین نے کہا ہے کہ وسوسوں کا امکان جب منتہیوں کے لیے ہے تو مبتدی کہاں بچ سکتے ہیں۔ ف۸۷ وسوسہ ڈالنا الگ رہا شیطان تو پیغمبر کے پاس بھی نہیں پھٹکنے پاتے۔ اور یہی حاصل ہے اس دعاء استعاذہ کا۔ ف۸۸ حَتّٰۤى۔ اظہار غایت کے لیے ہے۔ یہاں اس کا تعلق يَصِفُوْنَ سے ہے۔ درمیانی آیت بہ طور جملہ معترضہ کے ہے۔ يتعلق بيصفون اے لايزالون على سوء الذكر الى هٰذا الوقت والأية فاصلة بينهما على وجه الاعتراض والتاكيد للاغضاء منهم (کشاف) ف۸۹ اس بدبخت کی یہ تمنا ہرگز پوری نہ ہو گی اور نہ اسے پورا ہونا چاہیے تھا۔ دنیا میں اس پر شامت اسی بنا پر سوار رہی کہ وہ غیب کو بھول گیا۔ یہی غیبیت جب پھر اس پر طاری ہو گی تو پھر وہ آخرت و احکام آخرت کو اسی طرح بھول جائے گا۔ ارْجِعُوْنِ۔ صیغہ جمع کا ہے۔ واحد کے لیے یہ جمع تعظیمی ہے۔ خطاب الله بلفظ الجمع للتعظيم (کشاف) ف۹۰ موت کے بعد روح انسانی ایک درمیانی عالم میں رہتی ہے۔ اور وقت حشر تک رہے گی۔ اسی کا اصطلاحی نام عالم برزخ ہے۔

بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ

رشتے ناطے رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا ف۹۱ البتہ جس کسی کا پلہ

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ مَنْ خَفَّتْ

بھاری ہو گا تو ایسے ہی لوگ تو کامیاب ہوں گے ف۹۲ اور جس کسی کا پلہ

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ

ہلکا ہو گا سو یہ لوگ وہ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا اور

جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَ هُمْ

جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے ان کے چہروں کو آگ جھلستی ہو گی اور اس میں ان کے منہ

فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

بگڑے ہوئے ہوں گے کیوں کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں

فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا

جنہیں جھٹلایا کرتے تھے؟ ف۹۳ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہماری بدبختی نے ہم

شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

کو گھیر لیا تھا اور ہم گمراہ لوگ تھے اے ہمارے پروردگار ہم کو اس (جہنم) سے

مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا

نکال دے اب اگر ہم پھر ایسا کریں تو بے شک ہم (پورے) قصوروار ہوں گے ف۹۴ ارشاد ہو گا دھتکارے ہوئے اسی میں

وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ

پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو ایک گروہ ایسا بھی تو میرے بندوں میں سے تھا

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَ اَنْتَ

جو (ہم سے) کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو تو

ف۹۱ جب قیامت واقع ہوگی تو اس کا ہول اور عذاب اور بھی شدید تر ہوگا۔ اس
وز دنیا کے رشتے ناطے، دوستی، تعارف کچھ کام نہ آئے گا۔ بعض محققین صوفیہ نے
ہا ہے کہ یہ وعید کافروں کے حق میں ہے اور وعید سے متعلق یہ قاعدہ مقرر ہو چکا
ہے کہ مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے۔ اس لیے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اہلِ ایمان کو نسبت
نے اپنے بزرگوں کے ساتھ نافع ہوگی۔ انشاء اللہ۔ ف۹۲ اس روز کام آنے
لی چیز صرف ایمان ہوگی۔ اور اہلِ ایمان کی شناخت یہ ہوگی کہ ان کے عقائد و
مال کا پلہ میزانِ عدل میں بھاری ہوگا۔ ف۹۳ یہ ان دوزخیوں سے اللہ تعالیٰ
واسطہ یا بہ واسطہ ارشاد کرے گا۔ ف۹۴ (اس وقت ہمیں سزا دے لینا۔ لیکن
ب تو چھوڑ ہی دے) وہاں پہنچ کر بڑے سے بڑا منکر اور مکذب بھی اقرار و
عتراف وندامت وحسرت پر اپنے کو مجبور پائے گا۔

خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى

سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر ہے تو تم نے انہیں تمسخر پر رکھ لیا تھا یہاں تک کہ

اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِىْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّىْ

(اس مشغلہ نے) تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی اور تم ان سے ہنسی کرتے رہے ف۹۵ میں نے

جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

آج ان کو ان کے صبر کا بدلہ یہ دیا کہ وہی (پوری طرح) کامیاب نکلے ف۹۶

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِى الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا

ارشاد ہوگا کہ (اچھا) تم برسوں کے حساب سے کتنی مدت زمین پر رہے؟ وہ کہیں گے

لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ

ہم ایک دن رہے ہوں گے یا دن کا بھی کچھ حصہ سو تو گننے والوں سے پوچھ لے ف۹۷ ارشاد ہوگا کہ

اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

بے شک تم (دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے کاش تم (اسے) سمجھے رہے ہوتے! ف۹۸

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا

ہاں تو کیا تمہارا خیال تھا کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بلا مقصد پیدا کر دیا ہے اور تم ہمارے پاس لوٹا کر لائے

تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

نہ جاؤ گے؟ ف۹۹ سو اللہ (بڑا) عالی شان ہے بادشاہ حقیقی ہے! اس کے سوا کوئی بھی

هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ

معبود نہیں عرش بزرگ کا مالک ہے ف۱۰۰ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور

اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ

خدا کو بھی پکارے حالانکہ اس کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں، سو اس کا حساب اس کے پروردگار کے ہاں

ف۹۵ کتنی صحیح، موثر و عبرتناک تصویر ہے! آج کتنے ہی منکر و کافر ہی نہیں، نام کے مسلمان بھی اپنی "روشن خیالی" کے زعم میں اسی طرح کا مضحکہ بیچارے سیدھے سادھے دیندار مسلمانوں سے برابر کرتے رہتے ہیں! اِنَّہٗ کلمہ تعلیل کا ہے۔ اس سے محققین صوفیہ نے یہ نکالا ہے کہ اولیاء اللہ کی بڑی شان ہوتی ہے۔ اور مقبولین سے گستاخی و تمسخر کا انجام نار ہے۔ اخْسَئُوْا فِیْھَا۔ اخساء کا ترجمہ اردو کے کسی ایک لفظ سے دشوار ہے۔ عربی میں یہ لفظ کتے کے دھتکارنے کے موقع پر آتا ہے۔ ای ابعدوا فیھا کما یقال للکلب اذا طرد اخساء (معالم) ف۹۶ (اور تم اپنی روشن خیالی پر گھمنڈ رکھنے والے اس ناکامی کے عذاب میں گرفتار نکلے۔ ان غریبوں کا کیا بگڑا جو تمہارے تختہ مشق تھے۔ چندروزہ کلفت کو صبر کے ساتھ برداشت کر لے گئے۔ مصیبت تو تمہارے ہی حصہ میں آئی) "مطلب جواب کا یہ ہوا کہ تمہارا قصور اس قابل نہیں کہ سزا کے وقت اقرار کرنے سے معاف کر دیا جائے۔ کیونکہ تم نے ایسا معاملہ کیا جس سے ہمارے حقوق کا بھی اتلاف ہوا اور حقوق العباد کا بھی۔ اور عباد بھی کیسے، ہمارے مقبول و محبوب، جو ہم سے خصوصیت خاصہ رکھتے تھے۔ کیونکہ ان کو تخریہ بنانے میں ان کی ایذاء کہ اضاعۃ حق العبد ہے اور تکذیب حق جو منشا تخریہ کا ہے کہ اضاعۃ حق اللہ ہے دونوں لازم آئے۔ بس اس کی سزا کے لیے دوام اور اتمام مناسب ہے۔ اور مومنین کو جزائے فوز دینا منجملہ تمام سزا ہے کفار کے لیے۔ کیونکہ اعداء کی کامیابی سے روحانی تاذی ہوتی ہے"۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۹۷ (ہمیں اب کچھ یاد و اد نہیں) یہ جواب ان کی زبان سے شدت سراسیمگی اور حواس کی گمشدگی میں ادا ہوگا۔ الْعَآدِّیْنَ۔ گننے والوں سے مراد فرشتے لیے گئے ہیں، کہ ان کے پاس بندوں کی ہر چیز کا حساب و کتاب رہتا ہے۔ الملئکۃ الذین یحفظون اعمال بنی ادم و یحصونھا علیھم (ابن کثیر) ف۹۸ ارشاد ہوگا کہ یہاں کے طول و دوام کے مقابلہ میں تم دنیا میں بیشک بہت ہی قلیل مدت کے لیے رہے، لیکن کاش تم نے دنیا ہی میں دنیا کے بے ثباتی اور زود فنا ہونے کا احساس کر لیا ہوتا۔ ف۹۹ تمہاری کیسی شدید حماقت تھی کہ تم اپنی تخلیق ہی کا مقصد نہ سمجھے اور اسی کے دلائل کو جھٹلاتے رہے! گویا جس طرح شمع یا چراغ گل ہو جاتا ہے، ایسے ہی انسانی روح بھی معدوم محض ہو جاتی ہے۔ قرآن اسی خیال باطل کی تردید کرتا ہے۔ اور انسان کی حیات دنیوی کا انجام پیش گاہ الٰہی میں حاضری بتاتا ہے — اسی میں رد آ گیا ان باطل مذہبوں کا جو انسان کا انجام فنائے محض سمجھے ہوئے ہیں — ف۱۰۰ عرش جو مخلوقات میں سب سے بڑی چیز ہے، یاد رہے کہ اللہ اس کا بھی مالک ہے، پروردگار ہے۔ نعوذ باللہ وہ خود کسی آسمان کے ساتھ متحد یا اس کا مترادف نہیں۔ جیسا کہ بعض "دانشمندوں" نے سمجھ رکھا ہے!

رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ

ہو گا یقیناً کافروں کو فلاح نہیں ہونے کی ف۱۰۱ اور آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار میری مغفرت کر

وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع

اور میرے اوپر رحم کر اور تو تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر ہے ف۱۰۲

اٰياتها ۶۴ | ۲۴ سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۲ | ركوعاتها ۹

اس میں ۶۴ آیتیں | سورۂ نور مدنی ہے | اور ۹ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ

(یہ ایک) سورت ہے کہ ہم (ہی) نے اس کو نازل کیا ہے اور ہم (ہی) نے اس کو مقرر کیا ہے اور ہم ہی نے اس میں کھلی ہوئی

بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱﴾ اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ

آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو ف۱ زنا کار عورت اور زنا کار مرد

فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّ لَا

سو (دونوں کا حکم یہ ہے کہ) ان میں سے ہر ایک کے سو سو درے مارو ف۲ اور تم لوگوں کو

تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنے پائے اگر تم

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا

اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو ف۳ اور چاہیے کہ دونوں کی سزا کے وقت

طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً

مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے ف۴ زناکار مرد نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زناکار عورت

ف۱۰۱ (بلکہ وہ ابدالآباد تک عذاب میں مبتلا رہیں گے) فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔ یہاں غافل انسان کے احساس ذمہ داری کو ایک بار پھر بیدار کیا ہے۔ اور یاد دلایا ہے کہ غیر اللہ سے لو لگانا کچھ بھی کام نہ آئے گا، پوری جوابدہی کرنی پڑے گی۔ ف۱۰۲ اس الحاح و لجاجت کے ساتھ دعا کرنے کی تعلیم افضل البشر کو مل رہی ہے۔ تو دوسروں کا ذکر! اللہ اللہ، کتنا زور عبدیت پر، اور کتنی تاکید توحید کی ہے! رَبِّ اغْفِرْ ہر شخص کی مغفرت اس کے درجہ و مرتبہ کے متناسب ہوتی ہے۔ پیمبر کی مغفرت ظاہر ہے کہ اعلیٰ ترین مرتبہ کی ہوگی۔ وَارْحَمْ۔ یہ طلب رحمت کی درخواست ہر حال اور ہر مقام کے لیے ہے۔ معاش میں رحمت، درجہ طاعات میں رحمت، مراتب نجات میں رحمت۔ وقس علیٰ ہذا۔ غفر و رحمۃ کے درمیان یہ فرق بھی کیا گیا ہے کہ غفر تو گناہوں کو مٹا دیتا، اور خلق کی نگاہ سے انہیں اوجھل کر دیتا ہے، اور رحمت اقوال و اعمال میں توفیق خیر دیتا ہے۔ الغفر اذا اطلق معناه محو الذنوب و ستره عن الناس والرحمة معناها ان يسدده و يوفقهٗ في الاقوال والافعال (ابن کثیر)

ف۱ (اور ان احکام پر عمل کرو) اَنْزَلْنٰهَا۔ یعنی اس کے الفاظ کو نازل کیا ہے۔ فَرَضْنٰهَا۔ یعنی اس کے مضامین و مطالب ہم نے مقرر کیے ہیں۔ مراد احکام سے ہے۔ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ۔ یعنی ان احکام پر کھلی ہوئی دلالت کرنے والی آیتیں۔ قرآن مجید تو ظاہر ہے کہ سارے کا سارا حق تعالیٰ ہی کا نازل کیا ہوا اور اس کے احکام اسی کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ پھر یہاں خصوصیت کے ساتھ ان چیزوں کو اپنی جانب منسوب کرنے کے معنی بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ اس سورت اور اس کے مندرج احکام کی اہمیت خاص طور پر ذہن نشین کرائی جائے ۔۔۔ حدیث صحیح میں بھی حکم آیا ہے کہ اپنی عورتوں کو سورۃ النور کی تعلیم دو۔ سورت کے مرکزی مطالب عورت کی عفت سے متعلق ہیں۔ عورت کی عفت و ناموس ہی خانگی زندگی کی جان ہے، اور یہ بنیادی نکتہ یاد رہے کہ اسلام نے معاشرہ کی بنیاد خاندان ہی کو قرار دیا ہے۔ اگر خاندان کا نظام صحیح اصول پر قائم ہو گیا تو اصلاح سارے معاشرہ کی ہو رہے گی۔ سورۃ کی اہمیت اس پہلو سے بھی ظاہر و روشن ہے۔ سورۂ ماقبل کے آخری اجزاء اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا الخ سے مفہوم یہ پیدا ہوا تھا کہ خلق انسانی کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان کو اس عالم میں احکام کا مکلف کیا جائے، اور انہیں کی اطاعت و مخالفت پر اس عالم میں جزا و سزا کا اجرا ہو۔ سورۂ موجودہ میں انہیں احکام میں سے بعض اہم اجزاء کی تفصیل ہے۔ ف۲ (اور اس جرم کو کوئی معمولی اور ہلکی بات ہرگز نہ خیال کرو) اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ۔ زنا لغت میں ہر اس ہمبستری کے لیے عام ہے جو قید نکاح سے باہر ہو۔ لیکن سنتِ رسول نے اس عموم کو یہاں سیاق میں مخصوص و مقید کر دیا ہے۔ جیسا کہ اور بہت سے موقعوں پر کیا ہے۔ یہاں مراد وہ زانی اور زانیہ ہیں جو آزاد ہوں، عاقل ہوں، بالغ ہوں لیکن ہنوز ان کا نکاح نہ ہوا ہو۔ یا نکاح تو ہو چکا ہو۔ لیکن ہمبستری کی نوبت ابھی نہ آئی ہو۔ مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ یہ سو تازیانوں کی سزا ایسوں ہی کے لیے ہے۔ باقی جو آزاد نہیں ان کی سزا اس کی نصف ہے۔ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (پ۵ سورہ النساء) اور جو عاقل و بالغ نہیں وہ مکلف ہی نہیں۔ جس مسلمان میں پوری صفتیں جمع ہوں، یعنی وہ آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو۔ نکاح و ہمبستری کر چکا ہو۔ اس کے لیے شریعت میں اصطلاح محصن یا محصنہ کی ہے۔ اس کے لیے سزائے زنا رجم یا سنگساری ہے، تا آنکہ وہ مرجائے۔ یہ سزا سنتِ رسول سے، تعاملِ صحابہ سے، مجتہدینِ امت کے اجماع سے، متفقہ طور پر ثابت ہے۔ اختلاف کسی سے منقول نہیں بجز خوارج، اور بعض خوارج جدید کے۔ و يكفينا في تعيين الناسخ القطع بامره ﷺ بالرجم و فعل في زمانه عليه الصلوٰة والسلام مرات فيكون من نسخ الكتب بالسنة القطعية و قد اجمع الصحابة و من تقدم من السلف و علماء الامة وائمة المسلمين على ان المحصن يرجم بالحجارة حتى يموت و انكار الخوارج ذٰلك باطل (روح) والظاهر انهٗ ليس على الزانية والزاني حد غير الجلد فقط و هو مذهب الخوارج و قد ثبت الرجم بالسنة المستيقنة و عمل به بعد الرسول خلفاء الاسلام ابو بكر و عمر و علي و من الصحابة جابر و ابو هريرة و بريدة الاسلمي و زيد بن خالد (بحر) فَاجْلِدُوْا۔ اس حکم کے مخاطب امراء اسلام ہیں۔ یعنی امیر المومنین یا ان کے مقرر کیے ہوئے قاضی و حاکم۔ اور اجراء حدود کا محل دارالاسلام ہے دارالحرب نہیں۔ الخطاب للائمة لان اقامة الحد من الدين (مدارک) لا حد على من زنى في دار الحرب (روح) لا خلاف ان المخاطب هٰذا الامر بالجلد الامام و من ناب عنه (ابن العربی) والامر للامام و نوابه بالجلد (نہر) فَاجْلِدُوْا میں ف سببیہ ہے (روح) حدّ۔ اصطلاح شریعت میں اس سزا کا نام ہے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہو، اور اس کی مقدار شارع کی معین کی ہوئی ہو۔ اس کا نفاذ حکم امیر اسلام کے بغیر جائز نہیں۔ اور اس میں تخفیف و ترحم کا حق امیر کو بھی حاصل نہیں۔ البتہ قبل ثبوت ابتداءً اس کی جانب سے اعراض و چشم پوشی اولیٰ ہے۔ انہیں حدود میں سے ایک حد زنا ہے۔ جو یہاں مذکور ہوئی۔ تجربہ شاہد ہے کہ آج بھی جن ملکوں مثلاً نجد، حجاز، یمن وغیرہ میں حد شرعی جاری ہے، وہاں جرم زنا آج بھی گویا عنقاء ہے۔ اجراء حد زنا کی شرط یہ ہے کہ چار کی تعداد میں مسلم، عاقل، بالغ و عادل گواہ۔ چشم دید تفصیلی شہادت دیں یا مجرم خود بار بار اقرار کرے۔ شبہ سے حد ساقط ہو جائے گی۔ عورت اگر مجنون، مجبور، بیہوش یا نیند سے معذور ہو تو سزا سے معاف رہے گی۔ اسی طرح مرد مجبور بھی ماخوذ نہ ہوگا۔ ف۳ مطلب یہ ہے کہ یہ حکم مؤکد ہے اور تمہارے ایمان کی پختگی کی آزمائش کا ذریعہ۔ پرانی امتیں انہی موقعوں پر بے جا مروت اور بے محل نرمی برتنے سے تباہ ہو گئی ہیں، یہود علی الخصوص۔ ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ اور غور کیجیے کہ یہ سزائے سخت بھی مجرموں کے حق میں سرتاسر رحمت ہی ہے۔ یہاں سزا بھگت لینے کے بعد انشاء اللہ وہاں پاک و صاف ہو کر اٹھیں گے۔ اور اس وقت قدر ہوگی کہ کیسے سستے چھوٹ کر رہے۔ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ۔

یعنی شریعت الٰہی کے نفاذ کے معاملہ میں۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی مروت اور بیجا نرمی تمہیں اجراء حد سے باز نہ رکھے۔ یہ مراد نہیں کہ سزا پانے والے کے ساتھ تم طبعی ہمدردی بھی نہ محسوس کرو۔ و۴ (تاکہ ایسے مجرموں کی تشہیر و تفضیح بھی ساتھ ہی ساتھ ہوتی جائے۔ اور دوسروں کو عبرت بھی پوری طور پر حاصل ہوتی رہے) چپ چپاتی سزائے جسمانی۔ چاہے وہ بجائے خود بھی کیسی ہی سخت ہو۔ بدرجہا زائد موثر ہو جاتی ہے اگر یہ تشہیر و تفضیح والا عنصر بھی اس کے ساتھ لگا رہے۔ و۵ مُشْرِكَةً۔ زَانِيَةً۔ مشرکہ سے مراد وہ مشرک عورت ہے جو حالت شرک میں ہو نہ کہ وہ جو کسی زمانہ میں مشرک رہ چکی ہو، اور اب تائب ہو کر مسلمان ہو چکی ہو۔ ایسی کے ساتھ نکاح بالکل درست ہے۔ اسی طرح زانیہ بھی وہ ہے جو فی الحال زنا میں مبتلا ہو نہ کہ وہ جس سے کسی زمانہ میں یہ معصیت صادر ہوئی اور اب وہ تائب ہو کر پاکبازی کی زندگی بسر کر رہی ہو۔ تائبہ سے نکاح کے عدم جواز کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہاں ممانعت تو صرف ان سے نکاح کی ہو رہی ہے جو فی الحال مشرکہ یا زانیہ ہیں۔ اس ایک حقیقت کو مستحضر رکھنے سے آیت

اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ

یا مشرکہ عورت کے و۵ اور زناکار عورت کے ساتھ بھی کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا

مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَ الَّذِيْنَ

مشرک کے و۶ اور اہل ایمان پر یہ حرام کر دیا گیا ہے و۷ اور جو لوگ

يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ

تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو و۸ اور پھر چار گواہ نہ لا سکیں

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً

تو انہیں اسی درے لگاؤ و۹ اور کبھی ان کی کوئی گواہی نہ قبول

اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ لا اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

کرو و۱۰ یہی لوگ تو فاسق ہیں و۱۱ ہاں البتہ جو لوگ اس کے بعد

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

توبہ کر لیں اور (اپنی) اصلاح کر لیں سو اللہ بڑا مغفرت والا ہے

رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ

بڑا رحم کرنے والا ہے و۱۲ اور جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں اور ان کے پاس

لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ

بجز اپنے (اور) کوئی گواہ نہ ہو تو ان کی شہادت یہ ہے کہ وہ (مرد) چار بار

شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۶﴾ وَالْخَامِسَةُ

اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے

اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۷﴾

کہ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں و۱۳

پر عاید ہونے والے اعتراضات از خود ختم ہوتے جاتے ہیں۔ و۶ بہت سی جاہلی قوموں میں یہ دستور بھی رہا ہے کہ عورت ایک طرف کسی کے نکاح میں بھی ہے اور دوسری طرف شوہر کے علم میں بلکہ اس کی اجازت سے زناکاری میں بھی مبتلا ہے۔ اور یہ دستور عرب میں بھی موجود تھا۔ آیت قرآنی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایسی بے عصمت عورت کی طرف کوئی رغبت کر بھی کیسے سکتا ہے۔ جب تک کہ وہ خود بھی ایسی ہی مسخ شدہ ذہنیت کا شکار نہ ہو۔ و۷ یعنی مشرکہ اور زانیہ دونوں سے نکاح معصیت ہے۔ مشرکہ سے جواز نکاح کی تو کوئی صورت ہی نہیں زانیہ سے نکاح قانونی حیثیت سے نافذ ہو جائے گا لیکن عند اللہ معصیت تو بہر حال رہے گا۔ و۸ (زنا کی) یعنی وہ لوگ جو پارسا بیویوں کو حرامکاری کی تہمت لگائیں۔ وَالْمُحْصَنٰتِ۔ محصنہ کی تعریف اس سیاق میں یہ ہے کہ آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، کوئی علامت زنا کی اس میں ظاہر نہ ہو۔ وَالَّذِيْنَ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ تہمت کی یہ سزا صرف مردوں تک محدود ہے۔ جو عورت کسی دوسری عورت یا مرد پر تہمت لگائے وہ بھی اسی حکم میں آتی ہے۔ و۹ اللہ اللہ! اللہ کو مسلمان مرد و مسلمان عورت کی عزت کے تحفظ کا کس درجہ اہتمام ہے! گواہ ایک نہیں دو بھی نہیں۔ اکٹھے چار چار گواہ وہ بھی چشم دید ہونا چاہیے۔ اگر اس تعداد میں ایک کی بھی کمی رہ جائے گی تو حد جاری نہ ہو سکے گی۔ اور جب چار چشم دید گواہ موجود نہیں اس لیے اجراء حد بھی نہ ہو سکے گا۔ جو بلا ضرورت ایسی بات زبان سے نکالتا ایک مسلمان کی خواہ مخواہ آبروریزی کرتا ہے۔ وہ شریعت اسلام اور خدائے اسلام کی نظر میں نہایت ناپسندیدہ ہے۔ یہ چاروں گواہ مرد ہونے چاہئیں۔ اس حد کو اصطلاح میں قذف کہتے ہیں۔ اس کا اجراء مقذوف کے مطالبہ ہی پر ہو سکے گا۔ یہ ساقط بھی ہو سکتی ہے اگر مقذوف معاف کر دے۔ غلام و باندی پر تہمت کی سزا نصف یعنی چالیس درے ہیں۔ فَاجْلِدُوْا کے مخاطب یہاں بھی امراء اسلام اور ان کے نائب ہیں۔ عفو و تخفیف ان کے اختیار میں بھی نہیں۔ البتہ اجراء حد کے لیے یہ ضروری ہے کہ تہمت کھلے الفاظ میں لگائی گئی ہو۔ و۱۰ (معاملات میں) یعنی بندوں کے باہمی مقدمات میں ایسے لوگوں کی شہادت بعد توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ البتہ جن امور کا تعلق دیانت محض سے ہے۔ مثلاً رویت ہلال رمضان، روایت حدیث وغیرہ ان میں توبہ کے بعد شہادت مقبول ہو جائے گی۔ و۱۱ جنہیں ایک عفیف یا عفیفہ کلمہ گو کی جانب ایسے بدترین جرم کو منسوب کرتے باک نہیں ہوتا) جب زناکاری خود ایک شدید گناہ ٹھہرا تو اس کی تہمت بھی کسی کلمہ گو کے حق میں اس کی شدید توہین کے مرادف ہوئی اور سزا بھی اس کے لیے ایسی ہی سخت لازم آئی۔ آج دنیا کے کسی دوسرے قانون میں معاشرہ کی پاکیزگی و صفائی کا اس درجہ اہتمام ولحاظ ہے؟ خود مسلمان آج ان احکام پر عمل کرنے لگیں تو باہمی رنجشوں، کدورتوں کا کیسا سد باب ہو کر رہے! و۱۲ (وہ آخرت میں اس پر رحم کرے گا، اور فسق کو جو سبب تھا استحقاق عذاب کا اس سے دور کر دے گا) تَابُوْا یعنی اللہ کے حضور میں توبہ کر لیں۔ وَاَصْلَحُوْا یعنی جس پر تہمت لگائی تھی اس سے اپنا قصور معاف کرا لیں۔ فقہاء نے کہا ہے کہ اجراء حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہو جاتی۔ و۱۳ اس بیان حلفی کا نام اصطلاح شریعت میں لعان ہے۔ اور اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں درج ہے۔ الزام بدکاری کے عام ثبوت کا تو قاعدہ وہی ہے "چار گواہوں کی چشم دید شہادت۔ لیکن شوہر جب بیوی سے متعلق یہ دعویٰ کرے اور چار چشم دید گواہ نہ پیش کر سکے تو خود اس کی یہ پانچ بار کی حلفی شہادت قائم مقام چار گواہوں کے سمجھی جائے گی اور بیوی پر حد زنا جاری کر دی جائے گی۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ

اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ اللہ کی قسم چار بار

بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۸﴾ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ

کھا کر کہے کہ بے شک مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ

غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۹﴾ وَلَوْ

مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر مرد سچا ہے و۱۴ اور اگر

لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ

اللہ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے

حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ

بڑا حکمت والا ہے (تو تم بڑی مصیبتوں میں پڑ جاتے) و۱۵ بے شک جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے و۱۶ وہ تم میں سے

مِّنْكُمْ ۭ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ

ایک (چھوٹا سا) گروہ ہے و۱۷ تم اس کو برا نہ سمجھو اپنے حق میں و۱۸ بلکہ تمہارے حق میں بہتر ہی ہے و۱۹

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ

ان میں سے ہر شخص کو جس نے جتنا کچھ کیا تھا گناہ ہوا و۲۰ اور جس نے

تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْلَآ اِذْ

ان میں سے سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لئے سزا بھی (سب سے بڑھ کر) سخت ہے و۲۱ جب تم لوگوں نے

سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ

یہ (افواہ) سنی تھی تو کیوں نہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں کے حق میں نیک

خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ

گمان کیا و۲۲ اور (یہ کیوں نہ) کہہ دیا کہ یہ تو صریح طوفان بندی ہے و۲۳ یہ لوگ اپنے قول پر

و۱۴ یعنی عورت بھی اگر اسی طرح پانچ بار حلفی شہادت مرد کی تکذیب میں دے تو حد زنا سے تو بچ جائے گی۔ البتہ اس مرد پر حرام ہو جائے گی۔ قاضی ان کے درمیان تفریق کرا دے گا۔ اور پھر تجدید نکاح بھی نہ ہو سکے گی۔ جب تک دونوں میں سے ایک اپنی خطا کا قائل اور دوسرے کا مصدق نہ ہو جائے۔ و۱۵ خطاب یہاں ساری امت کو ہے، مردوں عورتوں سب کو۔ مطلب یہ ہے کہ امت کے ہاتھ میں کیسا جامع، کیسا پر حکمت قانون دے دیا گیا ہے۔ زبردستوں، زیردستوں، عاصیوں، مظلوموں سب کی مصلحتوں کی رعایت کرنے والا۔ اتنا مکمل قانون صرف خدائی ہی قانون ہو سکتا ہے۔ و۱۶ ۶ھ ہجری کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ بنی مصطلق سے مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہمراہ تھیں، آپ کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا۔ اس پر ہودج تھا۔ آپ ہودج میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ جمّال ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر باندھ دیتے۔ آپ ہلکی پھلکی کم سن تھیں۔ ایک روز اتفاق سے ایک منزل پر آپ کو ہودج سے باہر ویرانہ کی طرف جانے کی ضرورت پیش آئی۔ واپس آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ ہودج پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ جمّالوں کا خیال بھی ادھر نہ گیا، کہ آپ موجود نہیں ہیں۔ اب جب آپ آئیں تو سخت متاسف ہوئیں۔ لیکن آپ نے خیال کیا کہ آگے چل کر جب میری تلاش ہوگی اور میں نہ ملوں گی تو کوئی ڈھونڈنے بہرحال یہاں ضرور ہی آئے گا۔ رات کا وقت چادر لپیٹ کر آپ وہیں بیٹھ گئیں۔ اور آپ کو نیند آ گئی۔ ایک صحابی حضرت صفوان رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی ڈیوٹی یہ تھی کہ قافلہ سے کچھ فاصلہ پر پیچھے پیچھے چلا کریں۔ گری پڑی چیز کی، بھولے بھٹکے کی خبر گیری کے لیے۔ وہ جب صبح سویرے یہاں پہنچے تو دیکھا کوئی انسان سو رہا ہے۔ قریب پہنچے تو پہچانا اور بے اختیار پکار اٹھے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ آواز سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی۔ منہ ڈھانپ لیا۔ انہوں نے اپنا اونٹ قریب لا کر بٹھا دیا۔ ام المؤمنین پردہ کے ساتھ سوار ہو گئیں۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل تھامے قافلہ میں جا کر ملا دیا۔ بات کچھ بھی نہ تھی لیکن مدینہ منافقوں کا گھر تھا۔ ان کے سردار عبداللہ بن ابی کو ایک شگوفہ ہاتھ آ گیا۔ اپنی خباثت سے خوب خوب حاشیہ آرائی کی۔ اور گنتی کے تین مسلمان بھی سنی سنائی اس کی باتوں کو دہرانے لگے۔ تمام پاکیزہ خصلت، پاکیزہ مزاج مسلمانوں کو اس گندے تذکرہ سے جیسی کلفت ہوئی ہوگی ظاہر ہی ہے۔ خصوصاً جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا اور خود حضرت رسول اللہ ﷺ کو۔ یہاں تک کہ ایک مہینہ کے بعد برأت کی یہ آیتیں خود قرآن مجید میں نازل ہو کر رہیں۔ نبی کی [illegible] ایک [illegible] امت کے حق میں رحمت ہے، برکت ہے۔ امت کی کتنی [illegible] یہاں سب بیچاریوں کو اس [illegible] و۱۷ یعنی ایک تو وہی منافقوں کا [illegible] تین مسلمان۔ [illegible] حسان بن ثابت اور [illegible]۔ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ سے اصل مراد تو [illegible] منافقوں کو بھی ان کے دعوی اسلام [illegible] کی مثال قرآن مجید میں بار ہا ملے گی۔ "گروہ قلیل" [illegible] حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے [illegible] و۱۸ خطاب [illegible] امت اسلامیہ سے ہے جیسے قدرۃً اس موقع پر غم بھی تھا اور [illegible] جن پر خود تہمت لگی تھی وہ تو بدرجہ اولیٰ اس کے مخاطب ٹھہرے۔ و۱۹ تہمت [illegible] کو بدنامی و رسوائی کا رنج ہونا ایک امر طبعی تھا۔ قرآن مجید انہیں تسلی دے رہا ہے کہ اول تو بدنامی ہی کیا۔ تہمت کا مخترع ایک مسلّم منافق (اور وہ بھی تعداد میں کل ایک) اور اس کے پھیلانے والے [illegible] اس میں شریک ہونے والے اسلامی آبادی کے کل تین بھولے بھالے فرد، پھر خیر تھوڑی بہت جو کچھ بھی یہ بدنامی و رسوائی ہوئی اس پر اجر بھی تو سوچو کتنا عظیم الشان ملے گا! اس کے سامنے اس دار آنی و فانی کی بدنامی کی حقیقت ہی کیا! اور سب سے بڑی نعمت یہ کہ خود قرآن مجید تمہاری صفائی پیش کر رہا ہے! ایسی نعمت کس کے نصیب میں آتی ہے۔ اتنا ہی نہیں! تمہارے ہی واقعہ سے ایک عام ضابطہ و قانون بھی تو امت کو ہمیشہ کے لیے مل رہا ہے۔ صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ مشائخ کو اس بات پر غمگین نہ ہونا چاہیے کہ منکرین ان سے تشنیع و انکار سے پیش آتے ہیں۔ اس سے تو اور ان کے مرتبہ میں ترقی ہوتی ہے۔ و۲۰ (اس کے درجۂ معصیت کے مطابق) مثلاً ایک تو وہ ہے جس نے اس فتنہ کا اختراع کیا۔ دوسرے وہ لوگ جنہوں نے اپنی زبان سے اسے دہرایا۔ تیسرے وہ جنہوں نے سن کر سکوت اختیار کیا۔ سو ضرر تو انہیں لوگوں کے حق میں ہوا۔ مسلمانوں کو تو بجائے ضرر کے نفع ہی ہوا۔ و۲۱ (اور وہ عذاب ہے دوزخ کا۔ اس کا مستحق تو اپنے کفر و عداوت رسول کی بنا پر وہ پہلے ہی سے تھا اب اور زیادہ مستحق عقوبت کا ہو گیا) مراد اس سے وہی مخترع افک، عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین ہے۔ و۲۲ یعنی ایک صحابی رسول ﷺ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ اور ایک زوج رسول ﷺ کے حق میں۔ اَنْفُسِهِمْ کا لفظ اس موقع پر لا کر قرآن مجید نے ایک تازہ سبق امت کو احساس وحدت کا دے دیا۔ امت کے ہر فرد کو دوسرے فرد کی بدنامی اسی طرح محسوس ہونی چاہیے جیسی خود اپنی رسوائی۔ الله جعل المؤمنين كالنفس الواحدة في ما يجرى عليها من الامور فاذا جزى على احدٍ مكروه فكانه جزى على جميعهم (کبیر) اَلْمُؤْمِنُوْنَ۔ مثلاً حسان و مسطح رضی اللہ عنہما۔ اَلْمُؤْمِنٰتُ۔ مثلاً حمنہ رضی اللہ عنہا۔ و۲۳ قرآن نے یہاں اس ضابطہ کی تعلیم دے دی کہ پہلے مسلمان سے متعلق ہر روایت کے وقت حسن ظن ہی سے کام لیتے رہنا چاہیے۔ تاآنکہ اس کے خلاف کوئی قطعی شہادت اور کافی ثبوت نہ مل جائے۔ نفی الزام کے لیے صرف عدم ثبوت و عدم شہادت کافی ہے۔ ثبوت عدم، شہادت عدم کی ضرورت ہرگز نہیں۔ یہ تو عام مسئلہ ہوا۔ باقی خود حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صفائی میں تو اب شہادت قرآنی مہیا ہو گئی۔ جس سے اونچی کوئی اور شہادت ممکن ہی نہیں۔ اب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت میں شک کرنا قرآن میں شک کرنے کے مرادف ہوگا۔ "مطلب یہ کہ اصل امر نزاہت ہے۔

عَلَيۡهِ بِاَرۡبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذۡ لَمۡ يَاۡتُوۡا بِالشُّهَدَآءِ

چار گواہ کیوں نہ لائے سو جب یہ لوگ گواہ نہیں لائے

فَاُولٰٓئِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَوۡلَا فَضۡلُ

تو بس یہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہی ہیں ف٢٤ اور اگر تم پر

اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَ رَحۡمَتُهٗ فِى الدُّنۡيَا وَ الۡاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمۡ

اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا دنیا میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) تو جس شغل میں تم

فِىۡ مَاۤ اَفَضۡتُمۡ فِيۡهِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۚ ﴿۱۴﴾ اِذۡ تَلَقَّوۡنَهٗ

پڑے تھے اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا ف٢٥ (عذاب عظیم کے مستحق تو اس وقت ہوتے) جب تم اپنی زبانوں سے

بِاَلۡسِنَتِكُمۡ وَتَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِكُمۡ مَّا لَيۡسَ لَكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ

اسے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے وہ کچھ کہہ رہے تھے جس کی تمہیں کوئی تحقیق نہ تھی

وَّتَحۡسَبُوۡنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوۡلَاۤ

اور تم اسے ہلکا سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی ف٢٦ اور تم نے جب

اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ قُلۡتُمۡ مَّا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ

اسے سنا تھا تو کیوں نہ کہہ دیا تھا کہ ہم کیسے ایسی بات منہ سے نکالیں

سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنۡ

توبہ یہ تو سخت بہتان ہے ف٢٧ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ

تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِهٖۤ اَبَدًا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ ﴿۱۷﴾ وَ يُبَيِّنُ

پھر اس قسم کی حرکت کبھی نہ کرنا اگر تم ایمان والے ہو ف٢٨ اور اللہ تم سے

اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ

صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ف٢٩ یقیناً جو لوگ

جب تک اس کا یقین رافع نہ ہو اسی کا یقین شرعاً واجب ہے۔ لان الیقین لایزول بالشک الابیقین مثلہ۔ بس اسی بنا پر نزاہت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یقین اور قذف کے مقابلہ میں اسی یقین کا اظہار واجب تھا۔ اور یہی یقین ہے جس کا ایسے امور میں عبد مکلف بنایا گیا ہے۔ بس محل افک میں قبل نزول آیات کے صرف عدم ثبوت بالدلیل تھا اور بعد آیات کے البتہ ثبوت عدم بالدلیل متحقق ہو گیا...... اس وقت یقین اصطلاحی کا مکلف نہیں فرمایا تھا۔ البتہ اب بعد نزول آیات چونکہ اس یقین اصطلاحی کا مبنیٰ کہ ثبوت عدم بالدلیل ہے۔ پایا گیا، اب اس کا بھی مکلف ہے۔ اور اس کا ترک یعنی احتمال مرجوح بھی کفر ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فقہاء نے کہا ہے کہ گو یہاں صیغہ امر نہیں لیکن کلمۂ تمنا امر سے بھی زیادہ مؤکد ہے بس مومن پر لازم ہے کہ جب کسی کی برائی سنے اور شہادت اس پر کافی نہ ہو تو اسے باور نہ کرے اور اپنے بھائی کو بری ہی قرار دیتا رہے۔ صوفیہ محققین نے کہا کہ اس میں صریح تاکید ہے کہ خبروں میں سخت احتیاط و تحقیق سے کام لینا چاہیے۔ چنانچہ اہل اللہ کی عادت ہے کہ بعید سے بعید احتمال سے کام لے کر حسن ظن ہی قائم رکھتے ہیں۔ ف٢٤ اثبات زنا کے لیے شرط چار گواہوں کی چشم دید شہادت ہے۔ عدم ثبوت خود ہی مرادف ہے قانون شریعت میں، عدم صدق یعنی کذب کے۔ پھر یہاں تو قانون کذب کے علاوہ واقعی کذب بھی موجود تھا۔ اہل افک کا دعویٰ نہ صرف غیر ثابت شدہ تھا بلکہ سرے سے واقعیت کے بھی خلاف تھا۔ عِنۡدَ اللّٰهِ۔ اللہ کے نزدیک سے مراد ہے شریعتِ الٰہی میں یا اللہ کے قانون میں۔ ورنہ اصل علم الٰہی کو ظاہر ہے کہ کسی بندہ کی شہادت وغیرہ کی کیا حاجت ہے۔ معنی عنداللہ یرید فی حکمہ لا فی علمہ (ابن العربی) عنداللہ ای فی حکمہ (کبیر) ای فی حکمہ و شریعتہ (مدارک) ای فیم محکومون بکذبھم عنداللہ فی ایجاب الحد علیھم (جصاص) فیقتضی ذٰلک الامر بالحکم بکذبھم فان کان جائزًا الا یکونوا صادقین فی الغیب عنداللہ (جصاص) شریعت کے احکام ظاہری کی ناقدری کرنے والے کاش دیکھیں کہ اس آیت میں احکام ظاہری کی بھی کس درجہ اہمیت کا سبق موجود ہے! ف٢٥ (جیسا کہ عبداللہ بن ابی کو بسبب عدم توبہ کے ہوگا) فَضۡلُ اللّٰهِ وَ رَحۡمَتُهٗ۔ فضل وکرم کا ہونا دنیا میں یہ کہ توبہ کی مہلت عطا ہوئی اور آخرت میں یہ کہ توبہ کی توفیق ملی اور توبہ قبول بھی ہوئی۔ فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ صحابہ مقبول التوبہ اور پاک ہو کر آخرت میں مرحوم ہیں۔ ف٢٦ یعنی ایک تو کسی پاک دامن مومنہ کا قذف بجائے خود ہی سخت معصیت ہے۔ پھر مومنہ بھی کون؟ ایک عالی مرتبت زوج رسول۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو جو اذیت پہنچی وہ مستزاد۔ هَيِّنًا۔ ہلکا، یعنی غیر موجب گناہ۔ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمٌ۔ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات۔ یعنی موجب گناہ عظیم۔ ف٢٧ یعنی تامل و تذبذب الگ رہا۔ تحقیق ہی کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھ کر انکار کر دینا تھا۔ سر ولیم میور کا شمار اسلام و شارع اسلام کے دوستوں میں نہیں، مخالفوں میں ہے۔ باوجود اس کے اقرار ہے:۔ "عائشہ کی سیرت سے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں...... ان کی زندگی واقعہ سے قبل بھی اور بعد بھی اس پر گواہ ہے کہ ہم انہیں اس الزام سے بالکل بری یقین کریں۔" (لائف آف محمد صفحہ ٣٠٣، ٣٠٤) بعض صحابہ کی جانب منقول بھی ایسا ہی قول ہے۔ انہوں نے جوں ہی یہ افواہ سنی تھی، فوراً ہی وہ یہ کہہ اٹھے تھے۔ و فی بعض الاخبار ان ام ایوب قالت لابی ایوب الانصاری اما بلغک ما یقول الناس فی عائشۃ قال ابو ایوب، سبحانک ھٰذا بھتان عظیم (معالم) یہاں تعلیم اس کی مل رہی ہے کہ سب کو یہی کہنا چاہیے تھا۔ ف٢٨ یعنی یہ تو عین تقاضائے ایمان ہے کہ ایسی باتیں زبان سے نکالنا تو کجا سنی بھی نہ جائیں۔ ف٢٩ چنانچہ تمہارے دلوں کا حال بھی اس پر خوب روشن ہے۔ اور تمہاری مجلسی و معاشری پاکیزگی کی مصلحتیں بھی اس پر عیاں ہیں۔ وہ جو بھی احکام دیتا ہے وہ اس کے علم کامل پر ہی مبنی ہوتے ہیں۔ اور اس کی حکمت مطلقہ پر بھی۔ الۡاٰيٰتِ۔ ان احکام کے تحت میں احکام اخلاقی (ملامت، نصیحت وغیرہ) اور احکام قانونی (حد قذف وغیرہ) سب آ گئے۔

يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ
چاہتے ہیں کہ مومنین کے درمیان بے حیائی کا چرچا رہے ف۳۰ ان کے لئے
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ
سزائے دردناک ہے دنیا میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) اللہ علم رکھتا ہے
وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
اور تم علم نہیں رکھتے ف۳۱ اور اگر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا
وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچتے) ف۳۲ اے ایمان والو
اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّبِعْ
تم شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو اور جو کوئی شیطان کے
خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ
قدم بہ قدم چلتا ہے تو وہ تو بے حیائی اور بیہودگی ہی کا حکم دیتا ہے ف۳۳
وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ
اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی
مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ
کبھی بھی پاک و صاف نہ ہوتا ف۳۴ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاک و صاف کر دیتا ہے اور اللہ
سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَ لَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ
بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے ف۳۵ اور جو لوگ تم میں بزرگی
وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ
اور وسعت والے ہیں وہ قرابت والوں کو اور مسکینوں کو

ف۳۰ یعنی جو لوگ ان آیتوں کی اور اس خدائی براءت کے نزول کے بعد بھی چاہتے ہیں کہ اس گندگی کے تذکرے قائم رہیں اور مقدسین سے متعلق تہمتیں پھیلی رہیں۔ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ آیت کا سبب خاص تو ظاہر ہے کہ وہی واقعۂ افک عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے۔ یعنی اشارہ قریب انھی لوگوں کی طرف ہے جو اس مخصوص تہمت کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ یا آج بھی زندہ رکھنا چاہ رہے ہیں۔ لیکن آیت کے مفہوم میں عموم بھی ہے۔ اور وہ سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں جو مسلمانوں کے کسی معاشرہ میں بھی گندی روایتوں کا چرچا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ ف۳۱ انفرادی واجتماعی مصلحتیں، جن پر یہ احکام اور یہ سزائیں مرتب ہیں وہ تو سب علم الٰہی ہی میں ہیں۔ محدود علم ونظر والے بندوں کو ان کا کیا علم۔ فِي الدُّنْيَا۔ دنیا کی سزا وہی حد قذف ہے۔ یعنی اسّی درّے۔ ف۳۲ (اس وعید سے) خطاب عام مسلمانوں کو ہے۔ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ توفیق توبہ کی اللہ کے اسی فضل وکرم سے ہوئی اور مقبولیت توبہ اسی شفقت ورحمت کے اثر سے ہوئی۔ امت اسلامیہ کے ساتھ بار بار اس تعلق شفقت ورحمت کا ذکر کر کے ان کے ساتھ اپنی تخصیص کو تازہ کرنا، ان کے دلوں کو گرمانا اور ان میں طاعت واطاعت کا مزید شوق پیدا کرنا ہے۔ ف۳۳ چنانچہ آج بھی مشاہدہ ہے کہ شیطان جدید عورت کے کان میں کیسے کیسے افسون ”آزادی“ و”مساوات کامل“ کے نام سے پھونک پھونک کر اسے انتہائی اخلاقی پستیوں کی منزل کی طرف لیے جا رہا ہے۔ ”مخلوط تعلیم“، تھیٹر، سینما بال روم ڈانس اور ہر شعبہ زندگی میں مرد وزن کا آزادانہ بے تکلف اختلاط! ف۳۴ یہ توفیق توبہ جو اہل ایمان کو ہو جاتی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم ہی سے ہوتی ہے۔ کوئی بندہ اسے اپنے ذاتی استحقاق کا نتیجہ نہ سمجھے۔ صوفیہ محققین کہتے ہیں کہ مدار کار فضل ورحمت ہے نہ کہ سعی ومجاہدہ۔ ف۳۵ (چنانچہ تمہاری بھی توبہ سن لی اور دلی ندامت جان لی) اصل خطاب تو اس وقت کے خاطی مسلمانوں سے ہے۔ لیکن ساتھ ہی عام قاعدہ بھی ہمیشہ کے لیے بیان ہو گیا۔

ع ۸/۱۰

وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا

اور ہجرت فی سبیل اللہ کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں ف۳۶ چاہیے کہ معاف کرتے رہیں

وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

اور درگزر کرتے رہیں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرتا رہے ف۳۷ بے شک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ

بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۳۸ جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان (بیویوں) کو جو پاک دامن ہیں

الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠

بے خبر ہیں ایمان والیاں ہیں ف۳۹ ان پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں ف۴۰

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ ۙ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ

اور ان کے لئے سخت عذاب (رکھا ہوا) ہے اس دن (جس دن) ان کے خلاف گواہی دیں گی

اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پیر ان کاموں کی جو یہ کیا کرتے تھے ف۴۱

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ

اس روز اللہ ان کو ان کا واجبی بدلہ پورا پورا دے گا اور یہ جان جائیں گے کہ

اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ

اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے بات کو کھول دینے والا ہے ف۴۲ گندی عورتیں گندے مردوں ہی کے لائق ہوتی ہیں

وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ

اور گندے مرد گندی عورتوں کے اور بہتر عورتیں بہتر مردوں کے لائق ہوتی ہیں

وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا

اور بہتر ہی مرد بہتر عورتوں کے ف۴۳ یہ لوگ اس بات سے پاک ہیں جو یہ (منافق)

ف۳۶ (بلکہ اپنے حسن سلوک وامداد کو جاری رکھیں) حضرت مسطح ایک صحابی تھے پورے مومن، مسکین بھی، مہاجر بھی، اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے عزیز بھی، محض اپنی سادہ دلی سے اس طوفان میں شریک ہوگئے۔ جب صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں آیات قرآنی نازل ہوئیں اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عفت مآبی اتنی روشن ہوگئی، جتنی بجز حضرت مریمؑ کے دنیا میں شاید کسی پاک دامن خاتون کی بھی نہ ہوئی ہوتو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی اس قابل فخر بیٹی کی نصرت وحمایت میں غصہ آنا بالکل طبعی تھا۔ آپ مسطح رضی اللہ عنہ کی ناداری پر ترس کھا کر مدد بھی فرماتے رہتے اس غیظ کی حالت میں قسم کھا بیٹھے کہ بس آج سے امداد موقوف۔ یہ بات مرتبہ صدیقیت کے شایاں نہ تھی۔ ارشاد ہوا کہ امداد جاری رکھو اور قسم کے مقتضا پر عمل نہ کرو۔ مسطح کی اس خدمت دینی، یعنی ہجرت فی سبیل اللہ کو یاد دلا کر یہاں گویا یہ بتادیا کہ اس نئے جرم سے انکا پچھلا عمل خیر باطل نہیں ہوگیا۔ صوفیہ محققین نے آیت سے اشارہ یہ نکالا ہے کہ بزرگوں کو مناسب یہی ہے کہ مریدوں کی لغزشوں پر اپنے فیض کو بند نہ کردیں۔ ف۳۷ (سو اس کا طریقہ یہی ہے کہ تم دوسروں کے قصور معاف کرتے رہو) ترغیب عفو کا پیرایہ اس سے مؤثر تر اور کیا ہوگا! وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا۔ عفو ودرگزر کا یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں، بندہ کو اس کے حق کے ترک پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ف۳۸ (سو تمہیں چاہیے کہ تم بھی اللہ ہی کے رنگ میں رنگ جاؤ) ف۳۹ عمل کرنا کیسا ان بیچاریوں کو تو خبر تک بھی نہیں ایسی گندہ باتوں کی۔ الْغٰفِلٰتِ۔ اردو محاورہ میں ایسے موقع پر بھولی بھالی، سیدھی سادی کہتے ہیں۔ اسلام نے شریف پاکدامن خاتونوں کا وصف یہ بیان کیا ہے— کھیلی کھائی ہوئی، چاروں کھونٹ گھومی گھامی ہوئی، اپنے حقوق کے لیے مرنے مارنے والیاں، اور کسی معاشرہ میں جو درجہ بھی رکھتی ہوں، اسلام میں تو یقیناً کوئی بلند مقام نہیں رکھتیں۔ ف۴۰ (بہ سبب ان کے کفر ونفاق کے) ان وعیدوں کے نزول کے بعد مومنات کے حق میں ایسی جرأتیں کرنے والے کافر ومنافق ہی ہوسکتے ہیں۔ اور ان کا دنیا وآخرت میں اللہ کی رحمت خاص سے مردود ومہجور ہونا بالکل ظاہر ہے اور یہی حاصل ہے لعنت کا۔ ف۴۱ مثلاً زبان یوں کہے گی کہ اس نے میرے ذریعہ سے فلاں فلاں کفر قولی صادر کیے۔ ہاتھ پیر یہ کہیں گے کہ اس نے فلاں فلاں کفر عملی میں ہم سے مدد لی۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جو مرتبہ حق تعالیٰ کے ہاں سے ہے اسی سے ظاہر ہورہا ہے کہ جس تفصیل واہتمام کے ساتھ ان کی صفائی قرآن میں پیش کی گئی ہے، کسی اور کی نہیں ہوئی ہے۔ ف۴۲ (اور یہ اس علم عینی کے بعد اپنی نجات سے بالکل مایوس ہوجائیں گے) ف۴۳ لِلْخَبِيْثِيْنَ، لِلطَّيِّبِيْنَ وغیرہ میں لِ لیاقت کا ہے۔ یعنی اہلیت وموزونیت کو ظاہر کرنے والا۔

ف۴۴ اُولٰٓئِكَ یعنی جو لوگ بہ سلسلۂ افک عائشہ ؓ متہم ہوئے۔ ف۴۵ یعنی پہلے ان گھروں میں رہنے والوں کو سلام کرکے ان سے اجازت لو، کہ ہم اندر آئیں؟" یہ مسئلہ استیذان کا مردانہ اور زنانہ سب گھروں کے لیے ہے۔..... استیذان واجب ہے اور تقدیم سلام سنت ہے۔ اور اپنے جس گھر میں یقیناً بجز منکوحہ یا مملوکہ شرعی کے کوئی نہ ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ ورنہ وہ بیوت بھی حکم میں غَيْرَ بُيُوتِكُمْ

يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ ع يٰۤاَيُّهَا

بکتے پھرتے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ف۴۴ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى

ایمان والو تم اپنے (خاص) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ

تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

اجازت حاصل نہ کر لو ف۴۵ اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا

تاکہ تم خیال رکھو ف۴۶ پھر اگر ان میں تمہیں کوئی (آدمی) نہ معلوم ہو

فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ

تو بھی ان میں نہ داخل ہو جب تک تم کو اجازت نہ مل جائے ف۴۷ اور اگر تم سے

لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو ف۴۸ یہی تمہارے حق میں پاکیزہ تر ہے اور اللہ تمہارے

تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا

اعمال کو خوب جانتا ہے ف۴۹ تم پر کوئی گناہ اس میں نہیں ہے کہ تم ان مکانات میں داخل ہو جاؤ

بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

(جن میں) کوئی رہتا نہ ہو (اور) ان میں تمہارا کچھ مال ہو ف۵۰ اور اللہ جانتا ہے

مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا

جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں

مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى

نیچی رکھیں ف۵۱ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی

کے ہو جائیں گے، لاشتراک العلۃ۔ اور وہ مکان مردانہ بھی اس سے مستثنیٰ ہے جہاں آدمی اس غرض سے بیٹھا ہو کہ جس کا دل چاہے ملنے کو آئے للاذن دلالۃ۔ اور جو مکان خلوت وآرام کے لیے مخصوص ہو۔ گو مردانہ ہی ہو۔ یا مکان ملاقات کا خلوت خانہ میں جانا کسی وقت قرائن سے معلوم ہو جائے وہاں استیذان کی حاجت ہوگی۔ اور ہر چند کہ یہاں خطاب مردوں کو ہے مگر عورتوں کا حکم بھی یہی ہے اور مردانہ میں بھی اور زنانہ میں بھی۔" (تھانوی ؒ) ایک صورت تو اذن صریح کی ہے، باقی اذن کبھی ضمنی بھی ہوتا ہے۔ مثلاً مشائخ کے ہمراہ خادموں وامراء کے ہاں ملازموں کے لیے۔ اور کبھی اذن حکمی بھی ہوتا ہے۔ مثلاً کسی حکم یا عرف یا قاعدہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ وقت عام ملاقات کا ہے۔ یا میرے لیے مخصوص ہے ایسے موقعوں پر دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک گھر کے اندر جب کئی درجہ ہوں تو ہر درجہ جس میں کوئی مستقل رہتا ہو۔ ایک مستقل گھر کے حکم میں ہے۔ اور اس میں جانے کے لیے اذن شرط ہے۔ تَسْتَاْنِسُوْا محض اجازت طلب کرنے کے لیے لفظ تستاذنوا کافی تھا۔ بجائے اس کے تَسْتَاْنِسُوْا لانے سے (جو انس سے ہے) مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسے اپنا نام و پتہ پوری طرح بتا دو تا کہ اسے وحشت نہ رہے۔ ف۴۶ یعنی اس اجازت لینے میں ہرگز اپنے لیے کوئی ذلت نہ سمجھو۔ یہ تو ذریعہ ہے بہت سے مفاسد کی جڑ کاٹ دینے کا۔ اور ہر طرح مفید ہی ہے۔ ذٰلِكُمْ۔ یعنی یہی اجازت طلبی اور سلام۔ اے الاستیذان والتسلیم (مدارک) ف۴۷ (کسی ایسے شخص کی طرف سے جو اجازت دینے کا اختیار رکھتا ہے) ف۴۸ (نہ یہ کہ اسے ناگوار محسوس کرکے وہاں لڑنا جھگڑنا شروع کردو) ف۴۹ (بس اگر خلاف حکم کروگے سزا کے مستحق ہوگے) اَزْكٰى سے مراد ہے کہ بلا تکدر واپسی میں صفائی وطہارت زائد ہے۔ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ۔ مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر اس نے بر بنائے تکبر وتحقر اجازت نہیں دی تو بھی ہم ہی جانتے ہیں، اور اگر واقعی کوئی عذر تھا تو اس سے بھی ہم واقف ہیں۔ هُوَ۔ یعنی یہی واپس چلا آنا۔ اے الرجوع (مدارک) ف۵۰ یہ حکم ان مکانات کا ہے، جس میں کسی شخص خاص کا سکونت نہ رکھنا متیقن ہو۔ اور دلالۃً وہاں جانے کی عام اجازت ہو۔ مثلاً دکان، مدرسہ، حمام، کارخانہ، خانقاہ وغیرہ، ایسی عمارتوں میں جانے کے لیے اجازت خاص کی ضرورت نہیں۔ لیکن جن کو اجازت نہ ہو ان کو ایسی عمارتوں میں بھی جانا جائز نہ ہوگا۔ مَتَاعٌ لَّكُمْ۔ متاع سے مراد کاروبار اور نفع کا سامان ہے۔ ف۵۱ چنانچہ جسم کے جن حصوں پر نظر کرنا سرے سے ناجائز ہے انہیں تو دیکھیں ہی نہ اور جنہیں دیکھنا جائز ہے انہیں بھی خواہش نفس کے ساتھ نہ دیکھیں) مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی ہر نظر حرام نہیں۔ صرف بعض نظریں حرام ہیں اور وہ حرام نظریں، نظر اجنبی و نظر شہوت ہیں۔ من للتبعیض والمراد غض البصر عما یحرم والاقتصار به علی ما یحل (مدارک) ذٰلِكَ۔ یعنی یہی نظروں کا نیچا رکھنا اور حفظ ناموس۔ اے غض البصر و حفظ الفروج (مدارک)

ف۵۲ بدکاری وبدنظری وغیرہ کے ارتکاب میں انسان خاص طور پر اہتمام ستر واخفاء کا رکھتا ہے۔ اس لیے یہاں یاد دلا دیا کہ تم چھپانے کی کتنی ہی کوشش کر ڈالو۔ بہرحال اس حاضر وناظر، ہمہ بین وہمہ دان سے تو نہیں چھپا سکتے ہو۔ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ میں صاف اشارہ اس طرف ہے کہ افعال غیر مرضیہ کے مقدمات کا بھی انسداد واجب ہے۔ اور اس اصل سے فقہاء وصوفیاء امت دونوں نے اپنے اپنے فن میں بڑا کام لیا ہے۔ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔ حکم کے عموم میں علاوہ زناکاری کے اور بھی سارے طریقے ناجائز شہوت رانی کے اور ان کے مقدمات ومبادی بھی آ گئے۔ لفظ حفظ نظر ولمس وغیرہ سب کے لیے عام ہے۔ الذی تقتضیه الظاهر ان یکون المعنی حفظها عن سائر ما حرم علیه من الزنا واللمس والنظر (جصاص) عاشقانہ افسانے اور ڈرامے، بے حیائی کے منظر دکھانے والے تھیٹر اور سینما، شہوت انگیز تصویریں وغیرہ سب اس کے تحت میں آ جاتی ہیں۔ ف۵۳ غض بصر اور حفظ فروج دونوں پر حاشیے ابھی ابھی گزر چکے۔ احکام جز ومؤمنین ومؤمنات، مسلمان مردوں ومسلمان عورتوں دونوں میں مشترک ہے۔ عورت کے لیے حجاب کے جو احکام خصوصی ہیں وہ اب آگے آ رہے ہیں۔ ف۵۴ (خواہ وہ جسم کا ہو یا متعلقات جسم کا) لفظ زینت عام ہے۔ الزینة ما زینت به المراة (مدارک) قیل المراد بالزینة ما یعم المحاسن الخلقیة والزینیة (بیضاوی) اس کے تحت میں ہر وہ چیز آ جاتی ہے جو مرد کے لیے باعث شوق ورغبت ہو سکے۔ خواہ خلقی ہو مثلاً حسن اعضاء، حسن صورت، خوش خرامی وغیرہا۔ خواہ کسبی ہو مثلاً لباس، خوشبو، زیور،

لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ وَ قُلْ

بات ہے بے شک اللہ کو سب کچھ خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں ف۵۲ اور آپ کہہ دیجئے

لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ

ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی

فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

حفاظت رکھیں ف۵۳ اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں ف۵۴ مگر ہاں جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے ف۵۵

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ

اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں ف۵۶ اور اپنی زینت

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ

ظاہر نہ ہونے دیں ف۵۷ مگر ہاں اپنے شوہر پر اور اپنے باپ پر

اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ

اور اپنے شوہر کے باپ پر اور اپنے بیٹوں پر اور اپنے شوہر کے بیٹوں پر اور اپنے بھائیوں پر اور

بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ

اپنے بھائیوں کے لڑکوں پر یا اپنی بہنوں کے لڑکوں پر ف۵۸ اور اپنی (ہم مذہب) عورتوں پر ف۵۹

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي

اور اپنی باندیوں پر ف۶۰ اور ان مردوں پر جو طفیلی ہوں (اور عورت کی طرف) انہیں

الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا

ذرا توجہ نہ ہو ف۶۱ اور ان لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی

عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ

پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوئے ہیں ف۶۲ اور عورتیں اپنے پیر زور سے نہ رکھیں

پوڈر، غازہ وغیرہ۔ ف۵۵ (عموماً وعادۃً) یعنی جسم کے وہ حصے مستثنیٰ ہیں جو اگرچہ زینت کے موقع ہیں، لیکن ان کے چھپائے رکھنے میں عموماً سخت حرج وزحمت ہے مثلاً چہرہ کی ٹکیا اور ہتھیلیاں اور پیر۔ مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ کی تفسیر چہرہ وکف دست سے خود حدیث میں آ چکی ہے۔ الکفان والقدمان (مدارک) اور حنفیہ میں یہی تفسیر مقبول ہے۔ قال اصحابنا المراد الوجه والکفان (جصاص) ای الامجرت العادة والجبلة علی ظهوره و هذا الوجه والکفان والقدمان (مدارک) اور اسی لیے حنفی فقہاء ومفسرین کے ہاں چہرہ اور کف دست اور پیروں کے دیکھنے کی اجازت ملتی ہے۔ یجوز النظر الی وجه الاجنبیة و کفها و قدمیها (مدارک) لیکن متاخرین فقہاء نے خوف فتنہ سے اب چہرہ کا کھلا رکھنا بھی ممنوع قرار دے دیا ہے۔ و اما فی زماننا منع (درمختار) ناف سے گھٹنے تک کا ستر مذہب اہل سنت میں سب پر واجب ہے۔ عورت کا عورت سے بھی، مرد کا مرد سے بھی۔ ف۵۶ (کہ سر اور سینہ دو مقام خاص طور پر زینت کے ہیں ان کے ڈھانپنے کا اور زیادہ اہتمام رکھیں) جاہلیت فرنگ ہی سے ملتا جلتا دستور جاہلیت عرب میں بھی یہ تھا کہ عورتیں لباس اس طرح کا پہنتیں کہ پشت کا حصہ تو خیر ڈھکا رہتا۔ باقی سامنے سے سینہ کا حصہ عریاں رہتا۔ کانت جیوبهن واسعة تبدوا منها صدورهن و ما حوالیها و کن یسدلن الخمر من ورائهن فتبقی مکشوفة (مدارک) نفسیات بشری کی محقق، راز داں اور بدکاری کے مبادی ومقدمات کی بیخ کنی کرنے والی شریعت اسلامی نے ٹھیک اس کے برعکس یہ فیشن چلایا کہ سینہ کا کوئی حصہ عریاں رہ جانا کیا معنی وہ تو خاص طور پر ڈھکا رہے۔ و فی ذلک دلیل علی ان صدر المراة و نحرها عورة لا یجوز لاجنبی النظر الیها منهما (جصاص) کانت جیوبهن واسعة تبدواهنا صدورهن و ما حوالیها و کن جیوبهن الخمر من ورائهن فیبقی مکشوفة (مدارک) ف۵۷ (کسی شخص پر بھی) زینة کی تشریح ابھی اوپر گزر چکی ہے کہ قدرتی یا مصنوعی ہر وہ شے ہے جو عورت کی جانب رغبت والتفات بڑھا دے۔ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ۔ پہلے موقع پر یہ فقرہ بہ لحاظ اعضاء وجسم تھا۔ یہاں بہ اعتبار اشخاص کے ہے۔ پہلے استثناء میں فلاں فلاں عضو شامل تھے اب استثناء میں فلاں فلاں اشخاص کی نشاندہی ہو رہی ہے۔ ف۵۸ یہ سب عزیز اصطلاح میں محرم کہلاتے ہیں۔ فقہاء نے محرموں کی بھی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک وہ جو محرم ابدی ہیں مثلاً باپ، چچا، بیٹا، پوتا وغیرہ۔ دوسرے وہ جو بعد زوال وصف اجنبی ہو جائیں۔ مثلاً شوہر طلاق کے بعد، مملوک آزاد ہونے کے بعد، بچہ جوان ہو جانے کے بعد۔ اِخْوَانِهِنَّ۔ بھائی جو محرم ہیں ان سے سگے بھائی یا ایک باپ کی اولاد یا ایک ماں کی اولاد یا دودھ شریکے مراد ہیں۔ اور کسی قسم کے بھائی چچیرے، خلیرے وغیرہ جو عرفاً ورواجاً ہندوستان میں محرم سمجھ لیے گئے ہیں، مراد نہیں ہے۔ اَخَوٰتِهِنَّ۔ علیٰ ہذا بہنوں سے بھی مراد سگی بہنیں یا ایک ماں یا ایک باپ کی اولاد یا دودھ شریکی بہنیں ہیں۔ عرفی بہنیں مثلاً چچیری، خلیری وغیرہ کے مراد نہیں۔ اٰبَآىِٕهِنَّ۔ دادا، نانا وغیرہ بھی اس کے باپ ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ و یدخل فیهم الاجداد (مدارک) اَبْنَآىِٕهِنَّ۔ اولاد ہی میں اولاد در اولاد پوتے نواسے وغیرہ شامل ہیں۔ و یدخل فیهم النوافل (مدارک) ان رشتوں کے علاوہ عورت کے چچا اور ماموں بھی اس کے محرم ہوتے ہیں۔ ”غرض مدار محرمیت پر ہے اور محرم وہ رشتہ دار ہے جس سے ابداً نکاح حرام ہو خواہ نسب سے ہو یا مصاہرۃ سے یا رضاع سے۔ البتہ بعض فقہاء نے زمانہ کے فتن کو دیکھ کر مصاہرت اور رضاع سے خلوت میں رہنے بیٹھنے کو منع کیا ہے“۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) اَوْ۔ اس آیت بھر میں اور (واو عاطفہ) کے معنی میں ہے۔ تردید وتخییر کے لیے نہیں۔ مشائخ صوفیہ کہتے ہیں کہ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ میں اشارہ اس طرف ہے کہ زینت اسرار کو نامحرم یعنی نااہل سے پوشیدہ رکھنا چاہیے۔ ف۵۹ نِسَآىِٕهِنَّ سے مراد مومن عورتیں ہیں۔ یعنی المومنات (بیضاوی) اراد نساء المومنات (جصاص) کافر عورت شریعت اسلام میں اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔ پردہ اس سے بھی اسی طرح واجب ہے۔ صحابہ میں حضرت عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تابعین میں مجاہد وغیرہ کا یہی مذہب منقول ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مکتوب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام کا نقل ہوا ہے کہ کتابیہ (یعنی مسیحی، یہودی عورتیں) مومن عورتوں کے ساتھ حمام میں نہ جانے

لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ

کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے۔ ف۶۳ اور تم سب اللہ کے سامنے

جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اَنْكِحُوا

توبہ کرو اے ایمان والو تاکہ تم فلاح پاؤ ف۶۴ اور تم اپنے بے نکاحوں کا

الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ

نکاح کرو ف۶۵ اور تمہارے غلام اور باندیوں میں جو اس کے (یعنی نکاح کے) لائق ہوں ان کا بھی ف۶۶

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ

اگر یہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا ف۶۷ اور اللہ

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ

بڑا وسعت والا ہے بڑا جاننے والا ہے ف۶۸ اور جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں انہیں چاہیے کہ

نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ الَّذِيْنَ

ضبط سے کام لیں، یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے ف۶۹ اور تمہارے

يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ

مملوکوں میں سے جو مکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو انہیں مکاتب بنا دیا کرو

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ

اگر ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ ف۷۰ اور اللہ کے اس مال میں سے بھی انہیں دو

الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ

جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے ف۷۱ اور اپنی باندیوں کو مت مجبور کرو زنا پر

اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ

جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہیں ف۷۲ محض اس لئے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ

پائیں۔ اللہ اللہ کہاں تاکید اس احتیاط کی تھی، کہاں اس امت کو فرنگیوں سے ارتباط واختلاط پر فخر رہنے لگا! فقہاء نے لکھا ہے کہ فاحشہ عورت اگرچہ مسلمان ہو، پاکدامنوں میں نہ آنے پائے۔ ایک تو نِسَآئِهِنَّ پر قیاس کر کے دوسرے بہ خوف اغوا وفتنہ۔ ف۶۰ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کا لفظ عام ہے لیکن حنفیہ کے ہاں صرف باندیاں مراد ہیں غلام مراد نہیں۔ غلام اجنبی مردوں کے حکم میں ہیں۔ اے اماتهن و لا يحل لعبد ها ان ينظر الى هذه المواقع (مدارک) مَا۔ یہاں اپنے عموم پر نہیں۔ ف۶۱ (بوجہ ان کے سلب حواس کے) التّٰبِعِيْنَ۔ تابعی یا طفیلی وہ ہے جو محض کھانے پینے کے واسطے پڑا رہتا ہو۔ الذی يتبعک ليصيب من طعامک (جصاص۔ عن ابن عباس وقتادة ومجاهد) ان کا ذکر اس لئے کیا کہ ایسے لوگ اس وقت موجود تھے۔ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ۔ هو الاحمق الذی لا ارب لهٗ فی النساء (جصاص) "مدار حکم سلب حواس پر ہے نہ کہ تابع ہونے پر۔ اس وقت وہ تابع ایسے ہی تھے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) خواجہ سرا وغیرہ کی آمد ورفت عورتوں میں فقہاء نے ممنوع لکھی ہے۔ عورت کو اجنبی مردوں سے ایسے کام لینا۔ جن میں جسم کو مس کرنا پڑے جائز نہیں۔ اسی طرح مرد کو اجنبی عورتوں سے اس قسم کے کام لینا یا خادمہ کو خلوت میں بلانا یا اس پر نظر کرنا جائز نہیں۔ ف۶۲ مراد اس سن کے بچے ہیں جو ابھی شہوانیت کے معنی ہی سے واقف نہیں۔ یہ معنی نہیں کہ ابھی باقاعدہ بالغ نہیں ہوئے ہیں۔ قال مجاهد هم الذين لا يدرون ما هن من الصغر (جصاص) اے لا يميزون من عورات النساء والرجال بصغرهم وقلة معرفتهم بذلک (جصاص) طفل یہاں بطور اسم جنس ہے اس لئے معاً بعد صیغہ جمع آگیا ہے۔

ف۶۳ فقہاء نے اس سے استنباط اور بالکل صحیح استنباط کیا ہے کہ ہر وہ آواز جو رغبت اور دلکشی کا باعث ہو، اسی پر محمول اور اسی لئے ممنوع ہوگی۔ اللہ، اللہ۔ عفت وطہارت کا کس درجہ اہتمام ہماری پاک شریعت میں ہے، اور فتنہ کے کیسے کیسے دروازوں اور چھپے ہوئے سوراخوں کو ہماری شریعت نے بند کیا ہے۔ ایک طرف یہ احتیاطیں و پابندیاں ہیں۔ دوسری طرف گانے اور طرح طرح کے سریلے باجوں کے ساتھ گانے ہی کی نہیں بلکہ ناچ اور مرد وعورت کے مشترک ناچ کی آزادیاں ہیں!...... دونوں زندگیوں کے نتائج بالکل ظاہر ہیں۔ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ۔ زیور سے یہاں مراد وہ زیور ہیں جو از خود نہیں بجتے بلکہ کسی چیز کی رگڑ سے بج اٹھتے ہیں۔ مثلاً چھڑے، کڑے۔ قرآن نے انہیں کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کی پہننے والیاں پیر زمین پر زور سے نہ رکھیں۔ گویا ان کا پہننا فی نفسہٖ درست ہے۔ لیکن ان کی آواز یا جھنکار بہ اندیشہ فتنہ درست نہیں۔ "اس سے یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ جب زیور کی صوت کے اخفاء کا اتنا اہتمام ہے تو صاحب زیور کی صوت کا کہ اکثر مورث فتنہ ومیلان ہو جاتی ہے اخفاء کیوں نہ قابل اہتمام ہوگا۔ نیز یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ جب صوت ایسی قابلِ اخفاء ہے تو صورت تو کیوں نہ قابلِ اخفاء ہوگی کہ اصل مبداء فتنہ ہے۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) قال ابو بكر قد عقل من معنى اللفظ النهى عن ابداء الزينة واظهارها بورد النص فى النهى عن سماع صوتها اذ كان اظهار الزينة اولى بالنهى مما يعلم به الزينة فاذا لم يجز اخفى الوجهين لم يجز ما ظهر هما (جصاص) اسی طرح وہ زیور جن میں از خود آواز پیدا ہوتی ہو، مثلاً گھنگرو، ان کا پہننا ہی سرے سے ناجائز ہے۔ حدیث میں جرس سے ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ف۶۴ (اور ان احکام میں جو کوتاہیاں ہو گئی ہوں وہ معاف ہوں) فلاح سے مراد یہاں فلاح کامل ہے۔ معصیتوں کا صدور نقصان فلاح کا باعث ہوتا ہے۔ آیت سے اہل سنت نے استدلال کیا ہے۔ کہ عصیان کا وجود ایمان کے منافی نہیں۔ ظاهر الأية يدله على ان العصيان لا ينا فى الايمان (مدارک) ف۶۵ ایم کے معنی ہیں عورت بلا شوہر، یا شوہر بلا عورت۔ عام ہے ہر مرد وعورت کے لئے جس کا نکاح یا تو سرے سے ہوا ہی نہ ہو۔ یا ہوا ہو اور بہ سبب وفات وطلاق کے تجرد ہو گیا ہو۔ الايم من النساء من لا زوج او بكرًا او ثيبًا ومن الرجال من لا امراة له (تاج) اسم الايامى ينتظم الرجال والنساء (جصاص) وَ اَنْكِحُوْا۔ حکم وجوبی نہیں استحبابی ہے۔ قد قامت الدلالة من اجماع السلف و فقهاء الامصار على انه لم يردبها الايجاب۔ و انها استحباب (جصاص) شریعت اسلام میں نکاح بجائے خود ایک فضیلت کی چیز ہے۔ مسیحیت کی طرح نکاح ایک ناگزیر برائی کا نام نہیں۔ ملاحظہ ہوں حواشی انگریزی۔ ف۶۶ صَالِحِيْنَ۔ یعنی حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق ہوں۔ اَنْكِحُوْا۔ "عام ہے معاونت وتوسط وتمکین سب کو جیسا جہاں موقع ہو، اور اس میں خطاب عام ہے اولیاء یعنی اقارب وسادات یعنی آقاؤں کو" (تھانوی) ف۶۷ (اپنی حسب مشیت) یعنی اگر غلاموں میں صلاحیت کسب معیشت کی موجود ہے، تو ان کے فقر وافلاس بالفعل کو مانع نکاح نہ قرار دو۔ فقر ونکاح میں کوئی منافات نہیں۔ جو سر دست فقیر ہے کیا عجب کہ حسب مشیت صاحب معاش ہو جائے۔ نکاح اس مشیت تکوینی میں مانع نہیں۔ "پس نہ عدم غنا کو مانع نکاح سمجھیں اور نہ نکاح کو مانع غنا، اس کا دارومدار مشیت پر ہے۔ اگر فقر کے ساتھ مشیت متعلق ہو جائے تو باوجود نکاح نہ ہونے کے بھی ہوگا۔ پس ایسے ارتباطات وہمیہ وباطلہ پر کیوں نظر کی جائے۔" (تھانوی) آیت میں کوئی وعدہ مراد نہیں کہ اہل فقر کو نکاح کے بعد خواہ مخواہ غنا حاصل ہی ہو جائے گا۔ اور اس طرح گویا نکاح بجائے خود ایک مستقل وسیلہ معاش ہے! بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ جب دوسرے حالات موافق جمع ہوں تو محض فقر کو مانع نہ قرار دو۔ فقر وغنا کو نکاح وعدم نکاح سے کوئی تعلق نہیں۔ الاصح ان هذا ليس وعدًا عن الله تعالىٰ اغناء من يتزوج بل المعنى لا تنظروا الى فقر من يخطب اليكم (كبير) ف۶۸ (جسے چاہے غنی کر سکتا ہے۔ خوشحالی سے نواز سکتا ہے، اس کے ہاں کوئی تنگی، کمی تو ہے نہیں اور پھر ہر ایک کی اہلیت وصلاحیت، ظرف وبساط سے خوب واقف جسے کفر کا اہل دیکھے گا اسے کافر ہی رکھے گا) معاشیات کو مسائل معاش کو ربوبیت الٰہی کے عام قانون سے عملاً خارج سمجھ لینا، عصر حاضر کی سب سے بڑی گمراہیوں میں سے ہے۔ قرآن نے بار بار اس گمراہی پر ضرب لگائی ہے۔ اور بار بار اعلان کیا ہے کہ جسمانیات وروحانیات کے سارے دوسرے مسائل کی طرح معاشیات بھی اسی کی مشیت کے محکوم وتابع ہیں۔ ف۶۹ (اور پھر نکاح کر

لیں) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی نکاح کے سامان سے محروم و معذور ہو تو اس کے لئے ہدایت یہی ہے کہ وہ صبر و عفت سے کام لئے بیٹھا رہے یہ اجازت ہرگز نہیں کہ کسی ناجائز طریقہ پر شہوت رانی کرنے لگے۔ جیسا کہ شدید بھوک کے موقع پر حرام کھا لینے کی اجازت ہے۔ شہوت جنسی کا ضبط بھوک پیاس کی طرح کچھ بہت دشوار نہیں۔ نسبتہً بہت آسان ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ **استعفاف**۔ یعنی پارسائی سے مراد ہے زنا اور اس کے مقدمات دونوں سے بچنا اور اپنی حفظ عفت کے لئے خاص اہتمام رکھنا۔ **ولیجتھد فی العفۃ** (کبیر) غنی سے مراد وہ شوہر ہے جو ادائے مہر و نفقہ پر قادر ہو۔ **و۷۰** مکاتبت اصطلاح شریعت میں غلام و آقا کے درمیان معاہدہ کا نام ہے۔ غلام آقا سے یہ کہے کہ میں کما کر اتنا مال تجھے دیدوں تو آزاد ہو جاؤں اور مالک اسے منظور کر لے اور یہ مکاتب اگرچہ ابھی غلام رہے گا، لیکن پیشہ یا تجارت اختیار کرنے کے باب میں خود مختار ہو جائے گا۔ پھر اگر شرط پوری ہو گئی تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ نہ پوری ہو سکنے کی صورت میں غلام یا تو خود ہی مکاتبت کو فسخ کرا لے۔ ورنہ قاضی فسخ کرا دے گا۔ خَیْرًا۔ **خیر** یعنی بہتری کے آثار سے مراد ہے کمانے کا سلیقہ، فضول خرچی سے بچنا آزاد ہو کر دوسروں کو تکلیف نہ دینا۔ **قال ابن عمر قوۃ علی الکسب وھو قول مالک وثوری** (معالم) **قال الشافعی واظھر معانی الخیر فی العبد الاکتساب مع الامانۃ** (معالم) **الاظھر انہ اراد الصلاح فینتظم ذلک الوفاء والصدق والامانۃ** (صاص) اگر یہ آثار نہ معلوم ہوتے تو خود معصیت و معصیت میں پڑتے، اور دوسروں کے لئے بھی

الدُّنْيَا ۚ وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِن بَعْدِ

تمہیں حاصل ہو جائے و۷۳ اور جو کوئی انہیں مجبور کرے گا سو اللہ ان کے مجبور کئے جانے

إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ

کے بعد بخشنے والا مہربان ہے و۷۴ اور ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام

مُّبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ

بھیجے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی حکایتیں

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٣٤﴾ ع ۸/۱۰ اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ

اور خدا سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت (کی باتیں بھی بھیجی ہیں) و۷۵ اللہ (ہی) آسمانوں

وَالْأَرْضِ ۚ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۖ

اور زمین کا نور ہے و۷۶ اس کے نور (ہدایت) کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے

الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ۖ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ

چراغ قندیل میں ہے قندیل گویا ایک چمک دار

دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ

ستارہ ہے چراغ روشن کیا جاتا ہے ایک نہایت مفید درخت (یعنی) زیتون سے جو نہ پورب رخ ہے

وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ

اور نہ پچھم رخ ہے و۷۷ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا اگرچہ آگ اسے نہ بھی

نَارٌ ۚ نُّورٌ عَلَىٰ نُورٍ ۗ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن

چھوئے و۷۸ نور ہی نور ہے و۷۹ اللہ اپنے اسی نور تک جس کو چاہتا ہے

يَشَاءُ ۚ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ

ہدایت دیتا ہے و۸۰ اور اللہ لوگوں کے لئے (یہ) مثالیں بیان کرتا ہے و۸۱ اور اللہ ہر چیز کا

باعثِ آزار بننے سے تو یہی بہتر ہے کہ وہ بجائے خود مختاری کے قید و غلامی میں رہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ عقد مکاتبت جائز، بغیر خیر ہی ہے۔ عَلِمْتُمْ۔ علم سے مراد ظن غالب ہے۔ **و۷۱** (تاکہ وہ جلد آزادی حاصل کر سکیں) مَالِ اللّٰہِ۔ مال کی اضافت اللہ کی طرف کر کے یہ حقیقت تازہ کر دی کہ یہ مال تمہارا اپنا ہے کب۔ جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ ہی کا تو مال ہوگا! اٰتُوْھُمْ۔ صیغۂ امر کے مخاطب عام مسلمین ہیں۔ امت کو حکم ہو رہا ہے کہ زکوٰۃ دے کر مکاتبین کی امداد کرو۔ اعانت مکاتبین مصارفِ زکوٰۃ میں سے ایک مصرف ہے۔ **و۷۲** (جیسا کہ جاہلیت عرب میں رواج تھا) بِغَآءِ کے معنی حرامکاری کے ہیں **البغاء ھو الزنا** (مجاہد) **البغاء ھو الزنا** (ابن جریر) فَتَیٰتِ کے لفظی معنی ہیں جوان عورتیں، یہاں مراد ہیں مطلق باندیاں خواہ کسی عمر کی ہوں۔ **فتیاتکم ای اماءکم** (راغب) یہ مراد نہیں کہ اگر وہ ابھی جوانی کو نہ پہنچی ہوں یا جوانی سے اتر چکی ہوں تو ان کے لئے یہ جائز ہوگا۔ **و۷۳** یہ دونوں قیدیں بہ طور قید واقعی ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے ہمعصر اہل جاہلیت واقعۃً اپنی باندیوں کو ان کی خواہش کے خلاف عصمت فروشی پر مجبور کرتے رہتے تھے۔ اور مقصود اس سے محض نفع مالی تھا۔ **وکذلک کانوا یفعلون فی الجاھلیۃ یؤاجرون اماءھم** (معالم) یہ مراد نہیں کہ اگر باندیاں از خود آمادہ ہوں یا ان کے مالک ان سے فیس نہ وصول کرتے رہیں تو عصمت فروشی ان کے حق میں جائز ہو جائے گی۔ **و۷۴** (ان مجبوریوں کے حق میں) **ای مکروھات مع الزناء** (ابن جریر۔ عن مجاہد) **عن ترکھن ما اکرھن علیہ** (ابن جریر عن الزہری) **لھن غفور رحیم** (صاص۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ”جس اکراہ سے منکرات پر مواخذہ نہیں وہ وہ ہے جس میں اتلافِ نفس یا اتلافِ عضو کا خوف ہو۔“ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فقہاء نے لکھا ہے کہ مجبور پر نہ حد جاری ہوگی نہ اس کے عمل کا شمار عصیان میں ہوگا۔ **قال ابو بکر اخبر تعالیٰ ان المکرھۃ علی الزنا مغفور لھا ما فعلتہ علی وجہ الاکراہ** (صاص) سورت میں شروع سے بے عصمتی کی تقبیح اور عصمت کی تاکید چلی آ رہی ہیں۔ غلاموں، کنیزوں کے نکاح کی تاکید، کنیزوں کی عصمت کا تحفظ سب اسی سلسلہ کی چیزیں ہیں۔ **و۷۵** (اس قرآن بلکہ اس سورت کے ذریعہ سے) وحی خفی جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتی ہیں۔ وہ بھی آیت کا مدلول بن سکتی ہیں۔ **و۷۶** یعنی اللہ ہی نور ہدایت بخشنے والا ہے اہل آسمان کو بھی، اہل زمین کو بھی، یعنی جملہ مخلوقات کو۔ **ای ھادی من فی السمٰوٰت والارض فھم بنورہ الی الحق یھتدون بھداہ من حیرۃ الضلالۃ یعتصمون** (ابن جریر) **یقول اللہ سبحانہ ھادی اھل السموات والارض** (ابن جریر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) **ھادی اھل السمٰوٰت والارض** (صاص عن انس) **ای مثل نور اللہ تعالیٰ فی قلب المؤمن ھو النور الذی یھتدی بہ** (معالم) انجیل میں بھی خدا کو نور کہا گیا ہے۔ یوحنا کے پہلے عام خط میں ہے:۔ ”خدا نور ہے اور اس میں ذرا بھی تاریکی نہیں“ (۱۔۵) اصل انجیل یوحنا باب اول کے شروع میں بھی اس قسم کی کچھ عبارتیں ہیں۔ نُوْر۔ اپنے لغوی معنی میں وہ روشنی ہے جس کا ادراک آنکھ سے ہو سکے۔ تو حق تعالیٰ پر اس کا اطلاق جب بھی ہوگا مجازی ہی معنی میں ہوگا۔ **النور فی کلام العرب الضوء المدرک بالبصر فاسنادہ الی اللہ تعالیٰ مجاز** (بحر) یا یوں کہا جائے کہ اس کی صفت نورانیت کے اظہار عظمت کے لئے ہے۔ **وتسمیتہ تعالیٰ بذلک لمبالغۃ فعلہ** (راغب) **و۷۷** یعنی نہ اس کے جانب شرقی میں کوئی آڑ ہے نہ جانب غربی میں۔ اس کا فیض شرق و غرب کے ساتھ مخصوص نہیں کوئی جانب اس سے خالی نہیں، وہ مقید کسی جہت کے ساتھ نہیں۔ زَیْتُوْنَۃٍ۔ روغن زیتون اپنی لطافت و صفائی و روشنی کے لئے مشہور ہے۔ عرب میں مشہور تر تھا۔ مَثَلُ۔ اہل تحقیق نے بہ طور عبارۃ النص یہاں لکھا ہے کہ اللہ کی صفات کی مثال بیان کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ خلاف آداب حضرت نہ ہو۔ اور نفی لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ میں جس چیز کی کی گئی ہے، وہ وجود مثل و نظیر کی ہے۔ **و۷۸** یعنی وہ روغن اپنی غایت تنویر سے از خود روشن ہو جانے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خود ایمان غایت وضوح سے کسی ایضاح خارجی کا محتاج نہیں۔ **و۷۹** نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کا یہ ترجمہ اردو محاورہ کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک تو اس میں خود قابلیت نور کی اعلیٰ درجہ کی تھی پھر ادھر سے فاعل یعنی نار کے ساتھ اجتماع ہو گیا۔ اور پھر اجتماع بھی ان کیفیات کے ساتھ کہ چراغ قندیل میں رکھا ہو۔ جس سے بالمشاہدہ چمک بڑھ جاتی ہے۔ اور

ہروہ ایسے طاق میں رکھا ہو جو ایک طرف سے بند ہے۔ایسے موقع پر شعاعیں ایک جگہ تیز ہو کر بہت تیز روشنی ہوتی ہے۔اور پھر تیل بھی زیتون کا جو مزید اشراق وقلت دخان میں مشہور ہے۔تو اس قدر روشنی ہوگئی کہ جیسے بہت سی روشنیاں جمع ہوگئی ہوں۔اس کو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ فرمایا۔یہاں مثال ختم ہوگئی۔بس اسی طرح مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ جب نور ہدایت ڈالتا ہے تو روز بروز اس کا انشراح قبول حق کے لیے بڑھتا چلا جاتا ہے۔اور ہر وقت احکام پر عمل کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔اور جب اس کو علم حاصل ہوجاتا ہے تو نورِ عمل یعنی عزم علی العمل کے ساتھ جو کہ ایک حال رفیع ہے، نورِ علم بھی منظم ہوجاتا ہے جسے وہ فوراً ہی قبول کرلیتا ہے، بس علم وعمل جمع ہو کر نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ صادق آجاتا ہے"۔(تھانوی علیہ الرحمۃ) و۸۰ (اور انہیں اپنے قانون تکوینی کے ماتحت منزل تک پہنچا دیتا ہے) اس نعمت پر اہل ایمان کو خوش ہونا چاہیے۔و۸۱ (تا کہ معقولات، مجردات، محسوسات کی مثالوں کے ذریعہ سے آسان اور قریب الفہم ہوجائیں، اور اس سے خوب ہدایت حاصل ہو)" یہ ہدایت جو ضرب امثال پر مرتب ہے عامہ

شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳۵﴾ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ

خوب جاننے والا ہے و۸۲ (وہ) و۸۳ ایسے گھروں میں ہیں جن کے لئے اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے

وَ یُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ

اور ان میں اس کا نام لیا جائے و۸۴ ان میں وہ لوگ صبح و شام اللہ کی پاکی

وَ الْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ

بیان کرتے ہیں و۸۵ ایسے لوگ جنہیں نہ تجارت غفلت میں ڈال دیتی ہے نہ (خرید و) فروخت

عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّکٰوةِ ۙ

اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے و۸۶

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾

وہ ڈرتے رہتے ہیں ایسے دن سے جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی و۸۷

لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ یَزِیْدَهُمْ

انجام یہ ہوگا کہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا اور ان کو

مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ

اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے دے گا اور اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار دے دیتا ہے و۸۸

حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ کَسَرَابٍۭ

اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال مثل سراب کے ہیں

بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ

چٹیل میدان میں کہ پیاسا اس کو پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا

یَجِدْهُ شَیْئًا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ

تو اسے کچھ بھی نہ پایا اور اس کے پاس (قضاء) الٰہی کو پایا و۸۹ سو اللہ نے اس کا حساب پورا چکا دیا و۹۰

ہے۔اور یَہْدِی اللّٰهُ میں ہدایت خاصہ ہے، اس لیے وہاں مَنْ یَّشَآءُ کے ساتھ متعلق ہے اور یہاں جمیع ناس کے لیے۔ پس باہم تعارض نہیں"۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) و۸۲ ہدایت کے طریقے بھی اس نے کافی بلکہ وافی اختیار کیے ہیں اور ہر ایک شخص کی صلاحیت ہدایت کا بھی صحیح علم اسی کو ہے۔و۸۳ یعنی یہی ہدایت پائے ہوئے اشخاص۔ و۸۴ مراد مسجدوں کا ہونا ظاہر ہے۔ اکثر المفسرین قالوا المراد المساجد (کبیر) قال ابن عباس رضی اللہ عنهما هذه البیوت هی المساجد و کذلک قال الحسن و مجاهد (جصاص) تُرْفَعَ۔رفع کے لفظی معنٰی بلند کرنے کے ہیں۔لیکن بلندی ہمیشہ مادی ہی نہیں ہوتی، معنوی بھی ہوتی ہے۔ الرفع قال تارة فی الاجسام الموضوعة ...... وتارة فی المنزلة اذا شرفها (راغب) ترفع ای تشرف (راغب) اور معنوی بلندی یہی ہے کہ مسجدوں کی تعظیم وتطہیر کا اہتمام رکھا جائے۔ای تعظم و تطهر عن الانجاس و عن اللغو من الاقوال (کبیر۔عن الزجاج) ای تعظم بذکرہ (کبیر۔عن مجاہد) فقہاء نے یہیں سے مسجد کی تعظیم وادب اور اس کے اندر بیٹھ کر دنیوی امور میں مشغولیت کی ممانعت نکالی ہے۔ هذا یدل علی انه یجب تنزیهها من القعود فیها لامور الدنیا مثل البیع والشراء و عمل الصناعات و لغو الحدیث الذی لا فائدة فیه والسعة وما جری مجری ذلک (جصاص) و۸۵ صبح و شام سے محاورہ میں مراد دوام سے ہوتی ہے۔اس سے قطع نظر اصیل کا وقت دن ڈھلنے کے بعد سے پوری رات تک رہتا ہے۔گویا نماز فجر اگر غدو میں آگئی تو ظہر سے لے کر عشاء تک کی نمازیں اصال میں۔و۸۶ احکام فرعی میں سے یہ دو نہایت اہم ہیں۔انہیں بطور نمونہ کے بیان کردیا گیا۔ذِکْرِ اللّٰهِ۔ اللہ کی یاد سے مراد اس کے احکام کی بجا آوری ہے۔تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ۔ خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے۔اس خاص فضیلت کے موقع پر ذکر کس کا فرمایا گیا۔گوشہ نشین، تارک دنیا زاہدوں راہبوں کا نہیں۔ بلکہ ان کا جو دنیا کے معاملات میں پوری طرح پڑے ہوئے ہیں۔بیع وتجارت میں لگے ہوئے ہیں۔پھر بھی دل ان کے کہیں اور ہی اٹکے ہوئے ہیں۔فرائض میں غفلت نہیں کرتے۔ادائے حقوق میں سستی نہیں برتتے۔روی عن الحسن فی هذه الاٰیة واللہ لقد کانوا یتبایعون فی الاسواق فاذا حضر حق من حقوق اللہ بدءوا بحق اللہ حتی یقضوه ثم عادوا الی تجارتهم (جصاص) صوفیہ کے مسئلہ خلوت در انجمن کی اصل یہیں سے نکلتی ہے۔و۸۷ یہ بیان ان کے کمال خشیت وتقویٰ کا ہے کہ باوجود پابندیٔ احکام کے ہر وقت روز جزا سے ڈرتے رہتے ہیں۔و۸۸ مفصل و مستقل ومتعین وعدہ، اہل ایمان سے جس جزا کا ہے وہ تو جنت ہے۔اس کے علاوہ محض اپنے فضل وکرم سے اللہ جس کو جتنا نواز دینا چاہے اس کے لیے کوئی حد وحساب ہی نہیں۔—اسلام کا خدا بعض دوسرے مذہبوں کی طرح کرم وعطا میں کنجوس نہیں۔و۸۹ یعنی تڑپ کر پیاس سے مرگیا۔یہ مثال ان کافروں، منکروں کی ہے جو اپنے اپنے باطل مذہب پر قائم، اپنے زعم میں عمر بھر اعمال صالحہ میں لگے رہے، اور جزائے آخرت کے امیدوار۔ان بدنصیبوں کی آخری مایوسی کی شدت کا کیا ٹھکانا ہے کہ جب حقیقت کا انکشاف ہوگا تو ان کی دل خوش کن امیدیں کچھ بھی کام نہ دیں گی۔اور غایت تحسر کے ساتھ انہیں قعرِ ہلاکت میں گرنا ہوگا۔و۹۰ یعنی عمر کا خاتمہ کردیا۔

وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ

اور اللہ بہت ہی جلد حساب کر دیتا ہے یا (وہ اعمال) ایسے ہیں جیسے بوئے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے

يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ

کہ اس کو ایک (بڑی) موج نے ڈھانپ لیا ہو پھر اس (موج) کے اوپر (ایک اور) موج ہو (پھر) اس کے اوپر بادل ہو

ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ

(غرض) اوپر تلے اندھیرے ہیں اگر کوئی اپنا ہاتھ نکالے تو اس کے

يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ

دیکھنے کا احتمال تک نہیں ف۹۱ اور جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اس کے لئے (کہیں سے)

نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

نور نہیں ف۹۲ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور

وَ الْاَرْضِ وَ الطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ

زمین میں ہیں اور پرند بھی جو پر پھیلائے ہوئے ہیں ف۹۳ ہر ایک کو معلوم ہے اپنی اپنی دعا

وَ تَسْبِيْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ لِلّٰهِ

اور اپنی تسبیح ف۹۴ اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ لوگ کرتے رہتے ہیں ف۹۵ اور اللہ ہی کی

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

ملک ہیں آسمان اور زمین اور اللہ ہی کی طرف واپسی ہے ف۹۶

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ

کیا تجھے یہ علم نہیں کہ اللہ ایک بادل کو چلاتا رہتا ہے پھر اس کو باہم ملا دیتا ہے پھر

يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ

اس کو تہ بتہ کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ وہ اس کے بیچ میں نکل کر آتی ہے

ع ۵ / ۱۱

ف۹۱ یہ مثال ان کافروں کی ہے، جو سرے سے ملحد یا لامذہب ہیں اور جنہیں کوئی وہمی سہارا بھی آخرت کا حاصل نہیں۔ ان کی غایت ظلمانیت کا کیا کہنا۔ ایک تو قعر سمندر کی تاریکیاں خود ہی معاذ اللہ کیا کم ہیں، اور پھر سطح سمندر کے اوپر موج در موج اور اس پر چھائی ہوئی گھٹائیں۔ غرض کیسا کچھ اندھیرا گھپ! ف۹۲ چنانچہ یہ بھی اپنے اعراض کے باعث ایسی تاریکیوں میں گھرے اور پڑے رہ گئے ہیں کہ اب ان کا کوئی سہارا نہیں! ــ انہیں چاہیے تھا کہ اتباع احکام الٰہی کا قصد اپنی طرف سے کرتے۔ حق تعالیٰ اپنی عادت کے موافق ان کے عزم پر فعل کو بھی ضرور مرتب کر دیتا۔ وَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا۔ اور اللہ کی طرف سے ہدایت سے محروم وہی رہتے ہیں جو خود ہی حصول ہدایت کا قصد نہیں کرتے۔ صوفیہ نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جس میں استعداد نہیں اس میں عقل بھی نہیں۔ ف۹۳ (اور بہ ظاہر زمین و آسمان کی درمیانی فضا میں معلق) اَلَمْ تَرَ۔ خطاب عام سننے والے سے ہے۔ یعنی کیا تجھ پر دلالت عقل و مشاہدات سے یہ بات واضح نہیں ہوتی؟ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ یہ تسبیح خواہ قالاً ہو یا حالاً ہر صنف موجودات کے اپنے اپنے مرتبۂ وجود کے مطابق ہوتی ہے۔ وَ الطَّيْرُ۔ پرند پرستی جاہلی قوموں میں سب سے زیادہ پھیلی رہی ہے۔ باز، عقاب، طوطا، نیل کنٹھ، ہنس، شکرہ اور خدا معلوم کتنے اور پرندے پج چکے ہیں۔ مخلوقیت و عبدیت کے موقع پر پرندوں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ، عجب نہیں کہ اسی مصلحت سے ہو۔ ف۹۴ (بہ طریق الہام) كُلٌّ۔ یہاں مراد پرند (الطیر) بھی ہو سکتی ہے۔ جو بالکل قریب ہے۔ اور ہر موجود و مخلوق بھی مراد ہو سکتی ہے۔ ف۹۵ (اور وہ ان کو وقت مناسب پر سزا دے کر رہے گا) اشارہ ہے ان لوگوں کی جانب جو دلالتوں کے باوجود توحید و ایمان سے اعراض و انکار کرتے رہتے ہیں۔ ف۹۶ اس وقت ملکیت و حاکمیت سب کے مشاہدہ میں آ کر رہے گی۔

وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْۢ بَرَدٍ

اور اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے

فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ

پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور اسے ہٹا دیتا ہے جس سے وہ چاہتا ہے

يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ

اس (بادل) کے بجلی کی چمک گویا اب بینائی جایا ہی چاہتی ہے و۹۷ اللہ رات اور دن کو

الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

الٹتا پلٹتا رہتا ہے اس میں اہل بینش کے لئے (بڑا) سبق ہے و۹۸

وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ

اور اللہ ہی نے ہر چلنے والے جانور کو پانی سے پیدا کیا ہے سو ان میں وہ بھی ہیں جو پیٹ کے بل

عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ

چلتے ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا

اور ان میں وہ بھی ہیں جو چار پیروں پر چلتے ہیں اللہ جو چاہتا ہے

يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ

پیدا کرتا ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے و۹۹ بے شک

اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ

ہم نے کھلے ہوئے نشان نازل کئے ہیں اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ کی طرف

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

ہدایت کر دیتا ہے و۱۰۰ اور یہ لوگ کہتے (تو) ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر

و۹۷ غرض اپنی مشیت تکوینی کے یہ عجائب و غرائب ہر لحظہ و ہر آن دکھاتا رہتا ہے۔ دیکھنے کے لیے صرف چشم بینا ہونا چاہیے — ایک مناسب وقت پر مناسب موسم میں، ابر کو پیدا کرنا، ایک مناسب بلندی پر لے جانا، ہوا میں مناسب حال تغیرات پیدا کرنا، ابر کے منتشر ٹکڑوں کو تلے اوپر جمع کر کے انہیں گھنگھور گھٹا کی شکل میں تبدیل کر دینا، پھر ایک مناسب مقدار میں مناسب مدت تک بارش کرتے رہنا یہ سب کام اسی صانع مطلق و حکیم برحق کے ہیں۔ مِنَ السَّمَآءِ۔ سمآء کے لغوی معنی پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ ہر بلند سائبان اور چھت پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ یہاں مراد ابر ہے۔ مِنْ جِبَالٍ۔ عربی محاورہ میں کثرت و عظمت کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ مثلاً کثرتِ علم کے موقع پر عندهٗ جبال من العلم۔ کثرت زر کے موقع پر فلان یملک جبالًا من ذهبٍ (بحر) اُردو محاورہ میں بھی بولتے ہیں، ''اس کے پاس تو سونے کے پہاڑ ہیں''۔ زجاج لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ مِنْ جِبَالٍ یہاں کجبال کے معنی میں ہے۔ حرف تشبیہ ک محذوف ہے۔ (بحر) سحاباً۔ لفظ واحد ہے۔ لیکن بہ طور اسم جنس جمع کے معنی میں ہے۔ المعنی یسوق سحابةً الی سحابةٍ (بحر) بَيْنَهٗ کو بین اجزائه کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ای یؤلف بین اجزائه (بحر) فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ جسے چاہتا ہے اپنی مشیت تکوینی کے مطابق مال اور جان کا نقصان پہنچا دیتا ہے۔ يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ۔ جس کو چاہے اپنی مشیت تکوینی کے مطابق محفوظ کر دیتا ہے۔ مِنَ السَّمَآءِ میں من ابتداء غایت کا ہے۔ اور مِنْ جِبَالٍ میں مِنْ تبعیض کا ہے اور مِنْۢ بَرَدٍ میں مِنْ تبیینِ جنس کا ہے۔ (جصاص) و۹۸ (اللہ کی توحید ربوبیت کا، اس کی صنعت کاملہ و قدرت مطلقہ کا) یہ ساری صناعیاں اسی صانع مطلق کی ہیں۔ کوئی دیوی دیوتا اس میں اس کا شریک نہیں۔ و۹۹ (اسے کچھ بھی مشکل نہیں۔ وہ جو جانور جس قسم کا بھی چاہے پیدا کر دے) يَمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ پیٹ کے بل چلنے والوں میں کل رینگنے والے جانور، حشرات الارض آگئے۔ مثل سانپ کے اور تیرنے والے جانور بھی مثل مچھلی کے۔ يَمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ۔ دو پایہ جانوروں کی مثال خود انسان ہے۔ نیز پرندے جب وہ زمین پر چل رہے ہوں۔ يَمْشِيْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ۔ چوپایہ جانوروں کی مثالیں بالکل ظاہر ہیں۔ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ۔ حاشیہ ۳۰ سورۃ الانبیاء میں گزر چکا۔ و۱۰۰ یہ احسان خاص ہے ہدایت یافتوں کے لیے۔ یہ ظہور ہے رحمت خاصہ کا۔ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ۔ یعنی دلائل حق سب کی ہدایت کے لیے نازل کیے ہیں۔ یہ ظہور ہے رحمتِ عامہ کا۔

وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ

ایمان لے آئے اور ان کا حکم مانا پھر ان میں کا ایک گروہ اس کے بعد سرتابی

بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِذَا دُعُوْۤا

کر جاتا ہے اور یہ لوگ (ہرگز) ایمان والے نہیں ف۱۰۱ اور جب یہ

اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کردیں تو ان میں کا ایک گروہ

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ

پہلو تہی کرتا ہے ف۱۰۲ اور اگر ان کا حق (نکلتا ہوتا) ہے تو (رسول) کی طرف سر تسلیم خم

مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ؕ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ

آجاتے ہیں ف۱۰۳ آیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں یا

يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ

ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم نہ کرنے لگیں (نہیں) بلکہ

اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ؑ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ

یہ لوگ تو خود ہی ظالم ہیں ف۱۰۴ ایمان والوں کا قول تو یہ ہے،

اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا

جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف کہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کردیں تو وہ کہہ اٹھتے ہیں

سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ مَنْ

کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا ف۱۰۵ تو ایسے ہی لوگ تو فلاح یاب ہیں اور جو کوئی بھی

يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ

کہا مانے گا اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے گا اور اس (کی نافرمانی) سے بچے گا تو بس ایسے ہی لوگ

ع ۱۰ / ۱۲

ف۱۰۱ ان لوگوں کے ایمان کامل کی نفی بیان کی جارہی ہے۔ یعنی دل میں ایمان تو کسی منافق کے بھی نہیں۔ لیکن ان کھلم کھلا عدول حکمی کر جانے والوں نے تو اس ایمان کا ظاہری پردہ بھی ہٹا دیا۔ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ۔ یعنی جب اس زبانی دعوٰی کے عملی ظہور کا وقت آتا ہے۔ ذکر منافقین کا ہے۔ زبان سے تو یہ لوگ بڑے دعوے ایمان و اطاعت کے کیا کرتے ہیں۔ مگر جب وقت اس دعوٰی کے ثبوت کا آتا ہے تو ان میں کا زیادہ شریر حصہ صاف نکل جاتا ہے۔ ف۱۰۲ (رسول کی خدمت میں حاضری دینے سے) یہ آیت اوپر کی آیت کی تفصیل کررہی ہے۔ یعنی اپنے قضیوں، جھگڑوں کے فیصلہ کے واسطے جب یہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں طلب کیے جاتے ہیں تو یہ لوگ یہ سمجھ کر کہ وہاں تو فیصلہ تمامتر حق و انصاف ہی کے مطابق ہوگا، اور کوئی خیانت، چالاکی چلنے نہ پائے گی۔ ٹال مٹول کر جاتے ہیں۔ دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی طلبی صرف بارگاہ رسول ہی میں ہوتی تھی مگر چونکہ رسول کے فیصلے عین خدائی ہی فیصلے کے نافذ کرنے والے ہوتے تھے اس لیے دعوا کے ساتھ اِلَى اللّٰهِ بڑھا دیا گیا۔ دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ میں دعوت حکم اللہ کی طرف ہے۔ دوربین فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ حاکم اسلام جب کسی مقدمہ کے تصفیہ کے لیے بلائیں تو حاضری لازمی ہے۔ معناہ الی حکم اللہ ھذا یدل علی من ادعی الی غیرہ حقا و دعاہ الی الحاکم فعلیہ اجابتہ والمصیر معہ الیہ (جصاص) ف۱۰۳ یعنی جب ان کا حق کسی اور کے ذمہ نکلتا ہوتا ہے اور یہ خود مظلوم ہوتے ہیں تو پھر بے تکلف چلے آتے ہیں اس اطمینان پر کہ وہاں تو حق رسی ہوہی گی۔ ف۱۰۴ (اور چونکہ خود برسر ظلم ہوتے ہیں) اس لیے ان مقدمات کو حضور نبوی میں لانے سے پہلو بچاتے ہیں کہ وہاں تو قلعی کھل کر رہے گی) اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ مرض سے مراد کفر قطعی ہے۔ یعنی آیا یہ انکار نبوت پر جرم میں مبتلا ہیں۔ اَمِ ارْتَابُوْۤا۔ یعنی آیا یہ نبوت و رسالت کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ف۱۰۵ (اور پھر فوراً حضور نبوی میں حاضر بھی ہوجاتے ہیں) یعنی اہل ایمان کے قول پر ان کا عمل گواہ رہتا ہے۔ اِلَى اللّٰهِ کے معنٰی کیے گئے ہیں کہ حکم الٰہی کی طرف۔ معناہ الی حکم اللہ (جصاص) اور فقہاء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حاکم شریعت جب طلب کرے حاضری ضروری ہوجاتی ہے۔ ھذا الأیۃ دلیل علی وجوب اجابۃ الدعوٰی الی الحاکم لان اللہ تعالٰی ذم من دعی الی رسول اللہ لیحکم بینہ و بین خصمہ فلم یجب باقبح المذمۃ (ابن العربی) تاکید لما تقدم ذکرہ من وجوب الاجابۃ الی الحاکم اذا دعوا الیہ وجعل ذٰلک من صفات المؤمنین (جصاص) اور فقہاء نے اسی معنٰی میں یہ حدیث نبوی بھی نقل کی ہے۔ من دعی الی سلطان فلم یجب فھو ظالم لا حق لہٗ (جصاص)

هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ

بامراد ہوں گے اور یہ لوگ بڑے زور سے اللہ کی قسم کھاتے رہتے ہیں

لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ

کہ اگر آپ ہمیں حکم دیں تو ہم نکل پڑیں ف۱۰۶ آپ کہیے کہ (بس) قسمیں نہ کھاؤ فرمانبرداری

مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا

معلوم ہے اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے ف۱۰۷ آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی

اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ

اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر روگردانی کروگے تو (سمجھ لو کہ) رسول کے ذمہ اسی قدر ہے جس کا

مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ

باران پر رکھا گیا ہے اور تمہارے اوپر اسی قدر جس کا بار تم پر رکھا گیا ہے ف۱۰۸ اور اگر تم نے ان کی اطاعت کرلی ف۱۰۹

تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

تو راہ سے جا لگو گے اور رسول کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے ف۱۱۰

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ

انہیں زمین میں حکومت عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت

مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى

دے چکا ہے ف۱۱۱ اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے واسطے قوت

لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ

دے گا ف۱۱۲ اور ان کے خوف کے بعد اس کو امن میں تبدیل کر دے گا

ف۱۰۶ (گھربار سب چھوڑ چھاڑ) اب ذکرانہیں منافقین کا ہے۔ ف۱۰۷ (اور اس نے مجھے بتادیا ہے) مطلب یہ ہے کہ زبانی ونمائشی دعووں سے کچھ بھی نہیں ہونے کا،ضرورت صرف مخلصانہ عمل کی ہے۔ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ۔ یعنی تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت خوب معلوم ہو چکی! ف۱۰۸ یعنی رسول کے ذمہ تو تبلیغ تھی۔ وہ اسے پوری طرح ادا کر چکے۔ اب آگے اس پر عمل تمہارا کام تھا۔ تم وہ نہیں کرتے سو خود ہی بھگتو گے، رسول کا اس سے کیا ضرر؟ ف۱۰۹ (جو عین اطاعت ہے اللہ کی) بندوں کے پاس اور کوئی ذریعہ ہی احکام الٰہی و مرضیات الٰہی کے علم کا نہیں بجز وساطت رسول کے۔ صوفیہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی سے کشف حقائق ہوتا ہے اور وہی حاصل ہے اہتداء کا۔ ف۱۱۰ (نہ کہ کسی کو ہدایت پر مجبور کر دینا) یہ بات بھی بار بار صاف کرنے کی تھی۔ دنیا کو کثرت سے اس باب میں ٹھوکر لگی ہے۔ تَهْتَدُوْا۔ یعنی ہدایت پا کر خود ہی فائدہ میں رہو گے۔ ف۱۱۱ (مثلاً قوم طالوت کو جالوت اور زبردست فلسطینیوں کے مقابلہ میں، یا یوشع بن نون کے زمانہ میں بنی اسرائیل کو زبردست قوم عمالقہ کے مقابلہ میں) مِنْكُمْ خطاب نوع انسانی سے ہے۔ یعنی تم انسانوں میں سے جو طبقہ بھی ایمان و مقتضیاتِ ایمان پر عمل کرے گا۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ۔ یہ استخلاف یا حکومت ارض اسی ایمان و عمل صالح کی برکت سے حاصل ہوگی۔ آیت کی پوری قدر اس وقت ہو گی۔ جب اس کا زمانہ نزول بھی ذہن میں رہے۔ نازل اس وقت ہوئی ہے جب مسلمان تمامتر حالت مغلوبیت میں تھے اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہو رہی تھی۔ اس وقت اس دھڑلے سے پیش گوئی کر دینا بجز حق تعالیٰ کے اور کسی کا کام ہو نہیں سکتا تھا۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہ گویا نص ہے خلفاء اربعہ کے برسر حق ہونے کی۔ ان کی ذات میں اللہ کا وعدہ استخلاف فی الارض تمکین دین پوری طرح پورا ہو کر رہا۔ البتہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس زمرہ میں شامل نہیں، کہ وہ نزول آیت کے وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ اور نص میں ان کی جانب اشارہ نہیں۔ و فیہ الدلالة علی صحة امامة الخلفاء الاربعة ایضاً لان اللّٰہ استخلفهم فی الارض و مکن لهم کما جاء الوعد ولایدخل فیهم معاویة لانه لم یکن مؤمنا فی ذلک الوقت (جصاص) الأیة اوضح علی صحة خلافة الخلفاء الراشدین رضی اللّٰہ عنهم اجمعین لان المستخلفین الذین اٰمنوا و عملوا الصالحات هم هم (مدارک) قال بعض السلف خلافة ابی بکر و عمر رضی اللّٰہ عنهما حق فی کتاب اللّٰہ ثم تلا هذه الأیة (ابن کثیر) ف۱۱۲ یہ گویا اس حکومت سے مقصود ہوگا۔ یعنی حکومت دنیوی مقصود بالذات نہ ہوگی، بلکہ ذریعہ اور واسطہ ہوگی اللہ کے پسند کیے ہوئے دینِ اسلام کی تقویت کا۔

يَعۡبُدُوۡنَنِيۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ بِيۡ شَيۡـًٔا ؕ وَ مَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ

(بشرطیکہ) میری عبادت کرتے رہیں کسی کو میرا شریک نہ بنائیں ف۱۱۳ اور جو کوئی اس کے بعد بھی کفر

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ

کرے گا سو ایسے ہی لوگ تو نافرمان ہیں ف۱۱۴ اور نماز کی پابندی رکھو

وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۵۶﴾

اور زکوٰۃ دیتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تاکہ تم پر رحمت (کامل) کی جائے ف۱۱۵

لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مُعۡجِزِيۡنَ فِي الۡاَرۡضِ ۚ

جو لوگ کافر ہیں ان کی نسبت یہ خیال نہ کرنا کہ وہ زمین میں (ہمیں) ہرا دیں گے

وَ مَاۡوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ لَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۵۷﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ

اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ف۱۱۶ اے

اٰمَنُوۡا لِيَسۡتَاۡذِنۡكُمُ الَّذِيۡنَ مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ وَ الَّذِيۡنَ

ایمان والو تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو (لڑکے)

لَمۡ يَبۡلُغُوا الۡحُلُمَ مِنۡكُمۡ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنۡ قَبۡلِ صَلٰوةِ

حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں ان کو تم سے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے ف۱۱۷

الۡفَجۡرِ وَ حِيۡنَ تَضَعُوۡنَ ثِيَابَكُمۡ مِّنَ الظَّهِيۡرَةِ وَ مِنۡۢ

(ایک) نماز صبح سے پہلے (دوسرے) جب دوپہر کو اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو

بَعۡدِ صَلٰوةِ الۡعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوۡرٰتٍ لَّكُمۡ ؕ لَيۡسَ

اور (تیسرے) بعد نماز عشا (یہ) تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں ف۱۱۸ ان (اوقات) کے سوا

عَلَيۡكُمۡ وَ لَا عَلَيۡهِمۡ جُنَاحٌۢ بَعۡدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ

نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر ف۱۱۹ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں

ع ۱۲

ف۱۱۳ یعنی توحید و مقتضیات توحید پر قائم رہیں۔ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمۡ ...... اَمۡنًا۔ یہ قوت دشمن کی طرف سے خوف ایذاء طبعی ہوتا ہے جو ایمان کامل کے منافی نہیں۔ لَا يُشۡرِكُوۡنَ بِيۡ شَيۡـًٔا کے ایک معنٰی تو یہی ہیں کہ کسی کو بھی میرا شریک نہ بنائیں۔ دوسرے معنٰی یہ ہو سکتے ہیں کہ کسی طرح کا بھی شرک میرے ساتھ نہ روا رکھا جائے۔ ف۱۱۴ (اور ان سے کوئی وعدہ استخلاف ارض کا نہیں) بَعۡدَ ذٰلِكَ سے مراد ہے اس وعدہ کے صدق کے ظہور کے بعد۔ اے بعد الوعد (مدارک) گویا اب کفر و فسق اور اشد ہے۔ اے هم الكاملون في فسقهم (مدارک) ف۱۱۵ (دنیا و آخرت دونوں میں) یعنی طاعات بدنی و مالی میں تمامتر مشغول رہو، اور رسول برحق کے جملہ احکام و ہدایات کی پابندی کرتے رہو — یہ تاکید ہے انہیں ارشادات کی جو اوپر گزر چکے۔ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ۔ حکم ابھی اوپر بھی آچکا تھا۔ یہ تکرار ظاہر کر رہی ہے کہ حکم اکد و اشد ہے۔ كررت طاعة الرسول تاكيدًا لوجوبها (مدارک) ف۱۱۶ یعنی آخرت میں تو ان کے لیے عذاب جہنم ہے ہی۔ دنیا میں بھی خیال نہ گزرے کہ ان کی چالیں خدائی تدبیروں پر غالب آسکتی ہیں۔ اور معاندین منکرین ہمارے قہر کی گرفت سے بچ کر کہیں نکل جاسکتے ہیں۔ خطاب یہاں عام ہے ہر پڑھنے والے سے۔ فِي الۡاَرۡضِ۔ یعنی زمین کے کسی حصہ میں بھی۔ ف۱۱۷ عام آنے جانے والوں، عاقلوں، بالغوں، آزادوں کے واسطے حکم اوپر گزر چکا ہے کہ گھروں میں جب آئیں اجازت لے کر آئیں۔ اب حکم مل رہا ہے مملوکوں کے لیے، غلاموں اور کنیزوں کے لیے، جنہیں گھروں میں بار بار آنے جانے کی ضرورت رہتی ہے نیز نابالغ بچوں کے لیے جو بلاضرورت بھی گھر کے اندر چکر لگاتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے اس عام حکم کی پابندیاں دشوار تھیں۔ اب ان کے باب میں حکم الگ نازل ہو رہا ہے — اللہ اللہ! مسلمان کے گھر کی اندرونی راحت کا اہتمام کس درجہ مدنظر ہے۔ کیسے کیسے جزئیات تک کے احکام اس غرض کے لیے صادر ہو رہے ہیں! اَلَّذِيۡنَ مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ۔ پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے ف۱۱۸ (کہ یہ تین وقت عام طور پر تخلیہ و استراحت کے ہوتے ہیں) "یعنی یہ اوقات چونکہ عادۃً اور غالبًا تخلیہ اور استراحت کے ہیں۔ ان میں اکثر آدمی بے تکلفی سے رہتے ہیں۔ اس لیے اپنے مملوکین اور نابالغ بچوں کو سمجھا دو کہ بے اطلاع اور اجازت لیے ہوئے تمہارے پاس نہ آیا کریں"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ کچھ تخصیص انہیں تین وقتوں کی نہیں۔ جہاں جیسی ضرورت ہو جو علت پر مدار ہے حکم معلول کا۔ اوقات خواب و تخلیہ تابع نص کے نہیں۔ بلکہ یہاں خود نص میں رعایت عرف عام کی ہے۔ ف۱۱۹ ان پر الزام بلا اجازت چلے آنے میں نہیں اور تم پر الزام انہیں منع نہ کرنے میں نہیں۔

بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

کوئی کسی کے پاس ف۱۲۰ اسی طرح اللہ تم سے احکام کھول کر بیان

الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ

کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ف۱۲۱ اور جب تم میں کے لڑکے بلوغ کو

مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ

پہنچ جائیں ف۱۲۲ تو انہیں بھی اجازت لینا چاہیے جیسا کہ ان کے اگلے لوگ اجازت

قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

لے چکے ہیں اسی طرح اللہ تم سے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے

حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ

اور بڑا حکمت والا ہے ف۱۲۳ اور بڑی بوڑھیاں جنہیں نکاح کی امید

نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ

نہ رہی ہو ف۱۲۴ ان کو کوئی گناہ نہیں (اس بات میں) کہ وہ اپنے زائد کپڑے اتار رکھیں ف۱۲۵ (بشرطیکہ) زینت

مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ

کو دکھلانے والیاں نہ ہوں ف۱۲۶ اور اگر (اس سے بھی) احتیاط رکھیں تو ان کے حق میں اور بہتر ہے ف۱۲۷

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا

اور اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے ف۱۲۸ نہ اندھے (آدمی) پر الزام ہے نہ

عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا

لنگڑے (آدمی) پر الزام ہے اور نہ بیمار (آدمی) پر الزام ہے اور نہ

عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

خود تم پر اس بات میں کہ تم اپنے گھروں میں سے کھانا کھا لو ف۱۲۹ یا اپنے باپ کے

ف۱۲۰ (اس کا مطلب موافق مذہب حنفیہ کے یہ ہے کہ غلام تو تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں نہ کہ عورتوں کے پاس کیونکہ غلام کا حکم غیر محرم مرد کا سا ہے۔ اور لونڈیاں عورتوں کے پاس بھی۔ اور اسی طرح نابالغ بچے سب جگہ آتے ہیں۔ پس ہر وقت اجازت لینے میں دقت ہے۔ اور چونکہ یہ وقت پردہ کے نہیں، اس لیے ان میں اعضائے مستورہ کو چھپائے رکھنا کچھ مشکل نہیں۔ پس مرد تو غلام کے سامنے ناف سے زانو تک چھپائے رکھے اور عورت کا فر لونڈی سے بجز مواقع زینت کے باقی سب چھپائے رکھے۔ اور مرد کو لونڈی سے اگر وہ اس کے لیے حلال ہے کسی بدن کا چھپانا ضروری نہیں اور اگر حرام ہے تو ناف سے زانو تک چھپائے رکھے اور عورت مسلمان لونڈی سے صرف ناف سے زانو تک چھپائے رکھے سو اس استتار میں کوئی دشواری نہیں۔ لہٰذا بے اذن آنا جائز ہوا۔ اور نابالغ بچہ کے روبرو مرد صرف زانو سے ناف اور عورت بہ استثناء مواقع زینت کے سب چھپائے رکھے۔ یہ بھی دشوار نہیں، اور ہر وقت اجازت لینے میں تنگی ہے۔ کیونکہ اس کی آمدرفت بھی بہت ہے"۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) یعنی ان بکم و بہم حاجة الى المخالطة والمداخلة یطوفون علیکم للخدمة و تطفون علیهم لاستخدام (مدارک) استیناف ببیان القدر المرخص فی ترک الاستیذان (بیضاوی) یشق علیهم الاستیذان فی کل وقت لکثرة دخولهم و خروجهم و هو معنی طوافون علیکم بعضکم علی بعض (جصاص) فقہاء مفسرین نے یہاں سے یہ بھی نکالا ہے کہ احکام مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں و فیه دلیل علی تعلیل الاحکام (بیضاوی) ف۱۲۱ (سو اس کی نظر انفرادی و اجتماعی ساری حکمتوں اور مصلحتوں پر ہے اس کے احکام میں سب ہی پہلوؤں کی رعایت ہوتی ہے) ف۱۲۲ یعنی بالغ یا تقریباً بالغ ہو جائیں۔ خطاب یہاں احرار مسلمین سے ہے۔ ممالیک کا ذکر تو ابھی اوپر آچکا۔ ف۱۲۳ (اس کے احکام کو خفیف اور اس کی ہدایات کو حقیر نہ سمجھو) یہ تاکید و تکرار اس امر کی صاف دلیل ہے کہ یہ احکام جو بظاہر محض ادنیٰ جزئیات معلوم ہوتے ہیں اللہ کے قانون میں حد درجہ اہمیت رکھتے اور حد درجہ اہتمام کے مستحق ہیں۔ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا...... مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی جب بچے سیانے ہونے لگیں تو جس طرح ان کے بڑوں پر اندر آنے کے لیے ہر وقت اجازت کی ضرورت تھی، ان پر بھی اجازت لینا انھیں تین اوقات میں نہیں، بلکہ ہر وقت واجب ہوگی۔ ای فی جمیع الاوقات کما استاذن الذین بلغوا الحلم من قبلهم و هم الرجال (مدارک) ف۱۲۴ یعنی وہ اس سن کو پہنچ گئی ہوں کہ اب اصلاً محل رغبت نہ رہیں۔ اور ان کی بے پردگی سے احتمال فتنہ کا نہ باقی رہے۔ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاۗءِ کے لفظی معنی ہیں خانہ نشین عورتیں۔ ف۱۲۵ یعنی نامحرم کے روبرو اس ہیئت سے آجائیں کہ ان کے جسم پر چادر وغیرہ لپٹی نہ ہو۔ یعنی به الرداء والمقنعة التی فوق الخمار و هو قول ابن مسعود (ابن العربی) ف۱۲۶ یہ قید یہاں بھی لگی ہوتی ہے۔ قدرتی یا مصنوعی سنگار کے موقعوں کو نامحرموں کے سامنے بے پردہ لانا اس سن کی بوڑھیوں کے لیے بھی جائز نہیں، جو حد نکاح سے گزر چکی ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جوان جہان عورتوں کو اپنے جسم کے اخفاء کے باب میں کتنا اہتمام چاہیے۔ یہاں تک کہ چہرہ اور ہتھیلیاں جو بالذات داخل ستر نہیں، بہ قول فقہاء کے احتمال فتنہ سے وہ بھی داخل ستر ہو جاتی ہیں۔ ف۱۲۷ خوب خیال کر لیا جائے۔ حجاب و ستر کی جو پابندیاں بوڑھیوں پر واجب نہیں، بہتر وہ بھی ان کے حق میں ہیں۔ ف۱۲۸ (تمہارا ظاہر و باطن، تمہارے رمز و کنائے، تمہارے ارادے اور نیتیں سب ہی اس پر روشن ہیں) ف۱۲۹ عرب جاہلیت میں کھانے پینے کے باب میں ایک ہلکی سی شکل کیمونزم (اشتمالیت) کی جاری تھی۔ دستور یہ تھا کہ جو جس کے ہاں پہنچ جاتا بے تکلفی سے اس کے ہاں کی چیزیں کھانا پینا شروع کر دیتا۔ یہ بے تکلفی بجائے خود تو اچھی چیز تھی۔ لیکن افراط اس میں اس قدر ہو گئی تھی کہ مستحقین پر نوبت ظلم کی پہنچ گئی تھی اور گھر والے اکثر گھاٹے میں رہنے لگے تھے۔ جب آیت لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ نازل ہوئی تو متقی مسلمان فرط خشیت سے بہت ہی زائد احتیاط کرنے لگے۔ اور وہاں بھی کھانے پینے سے پرہیز کرنے لگے جہاں رضا یقینی طور پر معلوم تھی۔ اور اپنے ساتھ میں اندھوں، لنگڑوں، بیماروں، معذوروں کا لے جانا تو بالکل ہی رک گیا۔ اس شدت احتیاط کو توڑنے اور اعتدال قائم کرنے کے لیے آیت بالا نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ جن گھروں کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے، یہاں خود کھا لینے یا اپنے ساتھ معذورین کو کھلا دینے میں جب کہ صاحب خانہ کی رضا کا یقین ہو، کوئی مضائقہ نہیں۔ مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ۔ اپنے گھروں میں بیوی اور اولاد کے گھر بھی داخل ہیں۔ عَلٰى یہاں فی کے معنی میں لیا گیا ہے۔ یعنی اندھوں، لنگڑوں وغیرہ کے باب میں نہ تم پر کوئی الزام ہے نہ ان پر۔

اٰبَآئِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اُمَّهٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اِخۡوَانِكُمۡ اَوۡ

گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا

بُيُوۡتِ اَخَوٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَعۡمَامِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ

اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں

عَمّٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَخۡوَالِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ خٰلٰتِكُمۡ اَوۡ مَا

سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے

مَلَكۡتُمۡ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوۡ صَدِيۡقِكُمۡ ؕ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ

یا (ان گھروں سے) جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہوں یا اپنے دوستوں (کے گھروں) سے ف۱۳۰ تم پر کچھ

جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا جَمِيۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ

الزام نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ ف۱۳۱ پھر جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں

بُيُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ تَحِيَّةً مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ

کو سلام کر لیا کرو ف۱۳۲ (جو) دعا کے طور پر اللہ کی طرف سے (مقرر) ہے

مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ

بابرکت (اور) عمدہ (چیز) اللہ اسی طرح تم سے کھول کر احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم

تَعۡقِلُوۡنَ ؑ (۶۱) اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ

سمجھو ف۱۳۳ بس مومنین تو وہی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ

وَرَسُوۡلِهٖ وَاِذَا كَانُوۡا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمۡرٍ جَامِعٍ لَّمۡ

اور اس کے رسول پر اور جب رسول کے پاس (کسی ایسے) کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے تو جب تک

يَذۡهَبُوۡا حَتّٰى يَسۡتَاۡذِنُوۡهُ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَسۡتَاۡذِنُوۡنَكَ

آپ سے اجازت نہیں لے لیتے جاتے نہیں ف۱۳۴ بے شک جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں

ع ۸ / ۱۴

ف۱۳۰ (کہ عادتاً اور اغلباً ان جگہوں میں رضا مل ہی جاتی ہے) اگر کہیں عدم رضا ہو تو فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ اس موقع پر یہ حکم ثابت نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر ان گھروں کے علاوہ بھی یہ رضا مل جائے تو وہاں یہ حکم ثابت ہو جائے گا۔ غرض یہ کہ مدار اس حکم کا صاحب خانہ کی رضا پر ہے۔ مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ کسی کے گھر کا کھانا بغیر اس کی اجازت کے جائز نہیں۔ البتہ اجازت کے لیے ضروری نہیں کہ ہمیشہ صریحی ہی ہو۔ ضمنی، حکمی، عرفی اجازت بھی اجازت ہی ہے۔ مَا مَلَكۡتُمۡ مَّفَاتِحَهٗۤ سے مراد وہ گھر ہیں جن کا یہ مخاطب امین، نگران وغیرہ ہو۔ بعض لوگ جہاں لڑکی بیاہی ہو یعنی اپنے سمدھیانہ میں کھانا پینا باعث عار سمجھتے ہیں۔ یہ تمامتر مشرکین ہند کی صحبت کا اثر ہے۔ ف۱۳۱ فرط تقویٰ ہی سے بعض صحابہ کو اپنے متعلق خیال یہ پیدا ہو گیا تھا کہ ساتھ کھانے میں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں زیادہ کھا جاؤں اور ساتھیوں کے حصہ کی حق تلفی ہو کر رہے۔ آیت میں بتایا گیا کہ اتنے دقیق احتمالات قابل اعتناء نہیں۔ ”دو تنگیاں تو اوپر رفع کی جا چکیں، تیسری تنگی جو ساتھ کھانے کے متعلق تھی وہ اب رفع کی جاتی ہے۔ یعنی ایسے ضعیف دسوسے کہ شاید میں زیادہ کھاؤں تو پرایا حق کھا لیا اور دوسرا کم کھائے تو اس کا حق رہ گیا۔ شریعت کو مطمح نظر نہیں ہیں۔ مخالطت میں ایسے دقائق کی تکلیف نہیں۔ البتہ اگر کسی کے کھانے پر گھر والے کی رضا نہ صراحۃً قال سے معلوم ہو نہ دلالت حال سے اس وقت جائز نہیں۔ اسی طرح جس مواکلت پر شریک بااختیار راضی نہ ہو اس کی تقسیم ضروری ہے۔ اور اگر شریک بااختیار نہیں ہے جیسے یتیم باعتبار اپنے وصی و قیم کے کہ اس کی رضا و عدم رضا بہ وجہ عدم بلوغ نامعتبر ہے وہاں بلا رضا بھی مخالطت درست ہے بشرط رعایت اس کے مصالح کے“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کھانے میں چھوت چھات کا دخل ہونا، اونچی ذاتوں کا نیچی ذاتوں کے ساتھ ایک کھانے پر نہ جمع ہونا، یہ دستور بہت سی مشرک قوموں کا رہا ہے۔ ہندوستان میں تو یہ دستور آج تک زندہ ہے۔ مصر قدیم میں بھی رہ چکا ہے۔ آیت میں اس عقیدۂ باطل کی بھی تردید کی طرف اشارہ ہے۔ ف۱۳۲ یعنی جو مسلمان وہاں موجود ہوں انہیں سلام کر لیا کرو۔ سعید بن جبیر، حسن بصری، قتادہ، زہری حضرات تابعین سے یہی معنی مروی ہیں (ابن کثیر) ف۱۳۳ ایک بار پھر اس کی تاکید کہ معاشری و خانگی زندگی کے یہ جزئی احکام حد درجہ اہم اور واجب الاعتناء ہیں۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ۔ ان احکام کے سلسلہ میں یہ فقرہ مکرر ہی نہیں، تیسری بار لایا گیا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ ان احکام کا کس قدر اہتمام مقصود ہے۔ کررہ ثلاثا لمزید التاکید و تفخیم الاحکام المختتمة به (بیضاوی) مُبٰرَكَةً۔ بابرکت اس اعتبار سے کہ سلام پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔ طَيِّبَةً۔ عمدہ اس اعتبار سے کہ مخاطبین کا دل اس سے خوش ہو جاتا ہے۔ ف۱۳۴ منافقین پر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک ہی میں حاضری بار تھی۔ پھر عبادت (مثلاً خطبہ جمعہ) میں حاضری تو اور زیادہ۔ جب موقع پاتے تو چپکے سے کھسک جاتے۔ ان کے مقابلہ میں یہاں مدح مومنین کی ہو رہی ہے کہ ان کی شان تو یہ ہے کہ اگر اتفاقاً نہیں کوئی ضرورت مجلس مبارک سے چلے جانے کی پیش آ جاتی ہے، تو بھی جب تک آپ سے اجازت لے نہ لیں اور آپ دے نہ دیں اپنی جگہ سے ہلتے نہیں۔ اَمۡرٍ جَامِعٍ کے معنی اہم مشورت کے بھی ہیں۔ جس میں ضرورت اہتمام و اجتماع کی پڑتی ہے۔ هو الامر الموجب للاجتماع (کبیر) یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ جس معاملہ میں خطاب عام (پبلک اسپیچ) کی ضرورت پڑے۔ كل شيء تكون فيه الخطبة (کبیر عن الضحاک)

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا

وہ تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ف۱۳۵ پھر جب

اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ

یہ لوگ آپ سے اجازت طلب کریں اپنے کسی کام کے لئے تو آپ ان میں سے جس کے لئے چاہیں

مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اجازت دے دیں ف۱۳۶ اور آپ ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا بھی کیجیے بے شک اللہ بخشنے والا ہے

رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ

مہربان ہے ف۱۳۷ تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک

بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ

دوسرے کو بلا لیتا ہے ف۱۳۸ اللہ خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو تم میں سے آڑ میں ہو کر

مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ

کھسک جاتے ہیں ف۱۳۹ ان لوگوں کو جو اللہ کے حکم کی مخالفت کر رہے ہیں ڈرنا چاہیے

اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَاۤ

کہ کہیں ان پر (دنیا ہی میں) کوئی آفت نہ نازل ہو جائے یا انہیں کوئی دردناک عذاب آ پکڑے ف۱۴۰ یاد رکھو

اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَاۤ

اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے ف۱۴۱ وہ اس کو بھی جانتا ہے جس

اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَ يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا

(حالت) پر تم اب ہو ف۱۴۲ اور اس دن کو بھی جب (سب) اس کے پاس لوٹائے جائیں گے پھر وہ انہیں جتلا دے گا جو کچھ

عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع ۱۵

انہوں نے کیا تھا اور اللہ سب ہی کچھ جانتا ہے ف۱۴۳

ف۱۳۵ یعنی جس طرح منافق اجازت نہیں لیتا اور مومن بغیر اجازت کے جاتا نہیں۔ اسی طرح جو اجازت لیتا ہے وہ مومن ہی ہوتا ہے، منافق نہیں ہوتا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الخ کا حاصل تو یہ ہے کہ ایمان بدون استیذان کے نہیں پایا جاتا، کیونکہ ہر مومن اجازت لیتا تھا۔ اور اِنَّ الَّذِيْنَ الخ کا حاصل یہ ہے کہ استیذان بغیر ایمان کے نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ کوئی منافق اجازت نہیں لیتا تھا"۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ...... يَسْتَاْذِنُوْهُ کا حاصل یہ ہے کہ ایمان بدون استیذان کے نہیں پایا جاتا — ہر مومن اجازت ضرور لیتا تھا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ...... رَسُوْلِهٖ کا حاصل یہ نکلا کہ استیذان بغیر ایمان کے نہیں پایا جاتا — کوئی غیر مومن (یعنی منافق) اجازت نہیں لیتا تھا۔ ف۱۳۶ یعنی آپ ان میں سے جن کے لیے مناسب سمجھیں اجازت دے دیں، اور جن کے لیے مناسب نہ سمجھیں نہ دیں، ضرورت کے اہم و غیر اہم ہونے کا فیصلہ تمامتر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں رہا۔ اور یہی اختیار امام المسلمین کو حاصل ہے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ بعض احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رائے پر چھوڑ دیئے گئے تھے۔ تفویض للامر الی رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واستدل به علی ان بعض الاحکام مفوضة الی رایه (بیضاوی) ف۱۳۷ (وہ تو گنہگاروں تک کو معاف کر دیتا ہے تو یہاں تو معصیت سے کم کا معاملہ ہے) استغفار کے ذکر سے یہ نکلا کہ گو اجازت لے کر چلا جانا جائز ہے، لیکن بہرحال کچھ بہتر نہیں بلکہ ایک صورت نقص ہی کی ہے۔ اور استغفار جس طرح تلافی معصیت کے لیے ہے تلافی نقص کے لیے بھی ہوتا ہے۔ وذکر الاستغفار للمستاذنین دلیل علی ان الافضل ان لا یستاذن (مدارک) ف۱۳۸ (کہ جی چاہا آئے نہ جی چاہا نہ آئے۔ بلکہ رسول کا بلانا ایک حاکمانہ حیثیت رکھتا ہے اجابت واجب ہے اور بلا اجازت چلا آنا حرام) ای لا تقیسوا دعاءه علیه الصلوٰة والسلام ایاکم علی دعاء بعضکم بعضاً فی حال من الاحوال (روح) قیل هٰذا هم عن الابطاء والتاخیر اذا دعاهم واختاره المبرد و القفال وهٰذا القول موافق لمساق الآیة و نظمها (بحر) فقہاء نے کہا ہے کہ یہی حکم امام کے لیے بھی ہے، امام المسلمین اگر اب بھی بلائے تو جانا واجب ہوگا اور بلا اجازت چلے آنا ناجائز۔ جو امور مباحات میں داخل نہیں امام کے حکم کے بعد واجب ہو جاتے ہیں۔ اور امت کا کسی جگہ جمع ہونا اور جمع رہنا، جب امام کے حکم سے ہوں، واجب ہو جائیں گے البتہ جب کسی اجتماع میں یہ معلوم ہو جائے کہ اب جمع رہنا امام کی طرف سے مامور نہیں تو بلا اجازت اُٹھ آنے میں بھی مضائقہ نہیں۔ دُعَآءَ الرَّسُوْلِ کی اس تفسیر میں مصدر کی اضافت فاعل کی جانب ہے۔ لیکن یہ بھی جائز ہے کہ مصدر کی اضافت مفعول کی جانب کی جائے۔ اس کے اعتبار سے معنٰی یہ ہوں گے کہ "اے لوگو رسول کو اس طرح نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے رہتے ہو"۔ مثلاً محض یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر — منقول یہ تفسیر بھی ہے، لیکن سیاق سے بہت بعید ہے۔ قال مجاهد و قتادة ادعوه بالخضوع والتعظیم نحو یا رسول اللہ یا نبی اللہ ولا تقولوا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لا تجعلوا تسمیته و نداءه بینکم کما یسمّٰی بعضکم بعضاً (کشاف) ذٰلک نبی من اللہ ان یدعوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغلظٍ و جفاءٍ و امرلهم ان یدعوه بلینٍ و تواضعٍ (ابن جریر) و تعقبه ابن عطیة بان لفظ الآیة یدفع هٰذا المعنٰی (روح) ف۱۳۹ اشارہ انہیں چپکے سے کھسک جانے والے منافقین کی طرف ہے ف۱۴۰ اس وعید سے ظاہر ہو گیا کہ امر سے امر ایجابی مراد ہے الآیة تدل علی ان الامر للایجاب (مدارک) الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ۔ مراد وہی منافقین ہیں۔ ای الذین یصدون عن امره دون المؤمنین و هم المنافقون (مدارک) عَنْ اَمْرِهٖ۔ یعنی ان کے دین سے یا ان کی طاعت سے۔ ای عن طاعته و دینه (مدارک) ف۱۴۱ (اور اختیار و اقتدار اسی کا کامل ہے) ف۱۴۲ (تو کیا بعید ہے کہ یہیں دنیا میں گرفت ہو جائے) ف۱۴۳ (اس کا علم جب دارین کے ساتھ متعلق ہے تو وہ سزا جب اور جہاں چاہے دے سکتا ہے)

آیاتھا ۷۷ ۲۵ سُورَةُ الفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ۴۲ رکوعاتھا ۶

اس کی ۷۷ آیتیں سورۂ فرقان مکی ہے اور ۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ

بڑی عالی ذات ہے وہ جس نے یہ فیصلہ (کی کتاب) اپنے بندۂ (خاص) پر اتاری تا کہ وہ (بندہ)

لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۟ۙ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

سارے دنیا جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو وہی ہے کہ آسمان اور زمین

وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ

اسی کی ملک ہیں اور اس نے کسی کو اپنی اولاد نہیں قرار دیا اور نہ اس کا کوئی حکومت میں

فِى الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۟

شریک ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا ۱

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ

اور (مشرکوں نے) اللہ کے علاوہ (اور ایسے) خدا قرار دے رکھے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں اور خود ہی

يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا

مخلوق ہیں اور خود اپنے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع کا

وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۟

اور نہ (کسی کی) موت کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (کسی کی) زندگی کا اور نہ (کسی کے) دوبارہ اٹھانے کا ۲

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ࣙافْتَرٰىهُ

اور جو لوگ کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) بس نرا جھوٹ ہے جس کو اس شخص نے گڑھ لیا ہے

ف۱ (اور کوئی شے نہ اس کے دائرۂ تخلیق سے باہر ہے نہ دائرۂ تقدیر سے
الْفُرْقَانَ۔ فرقان کے معنی پر حاشیہ سورۂ بقرہ پ۱ میں گزر چکا۔ یہاں الْفُرْقَانَ
سے مراد قرآن کے ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ ولا نزاع ان الفرقان ھو
القراٰن (کبیر) عَبْدِهٖ۔ مراد رسول اللہ ﷺ کا ہونا ظاہر ہے۔ عبد پر حاشیہ
سورۂ بقرہ پ۱ آیت وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا الخ پر گزر چکا۔ لِلْعٰلَمِيْنَ
عالمین کے لفظ نے ایک بار پھر واضح کر دیا کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے کوئی نسلی
قومی یا وطنی مذہب نہیں۔ قرآن کی مخاطب ساری دنیا ہے، کوئی مخصوص قوم نہیں۔
عموم الرسالة من خصائصه عليه الصلٰوة والسلام (مدارک)
يَتَّخِذْ...... الْمُلْكِ۔ مسیحی شرک کے مظہر خصوصی بھی دو ہیں۔ جن کی تردید یہاں کر
دی گئی۔ ملاحظہ ہو پ۱۵ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت۔ خَلَقَ...... تَقْدِيْرًا
یونان کے مشرک فلسفی تقدیر الٰہی کے منکر ہوئے ہیں، اور انہیں کی پیروی میں ان
کی "حکمت" سے مرعوب ہو کر یہود کا بھی ایک فرقہ تقدیر الٰہی کا منکر ہو گیا تھا
آیت کے اس جزو کا اشارہ اسی گمراہی کی جانب ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر
انگریزی۔ عقیدہ جس طرح جبر محض کا غلط ہے اسی طرح اختیار محض کا بھی، کائنات
میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے سب مشیت الٰہی تکوینی کے مطابق ہی ہو رہا ہے اور بند
کے اعمال اختیاری میں ارادۂ عبد اس کا منافی نہیں۔ ف۲ مشرکین کے جہل
غباوت کا بیان ہو رہا ہے کہ ایسے قادر مطلق ہمہ بین و ہمہ تواں، خدا کا شریک
بس مخلوق کو بھی بنائے جاتے ہیں، ان گڑھے ہوئے معبودوں کا اختیار اتنا بھی
نہیں کہ کوئی نقصان اپنے سے دور کر سکیں، کوئی نفع اپنے لیے حاصل کر سکیں۔ کسی
کی جان نکال سکیں، کسی میں جان ڈال سکیں، حشر میں دوبارہ کسی کو اٹھا سکیں۔
يَمْلِكُوْنَ...... نُشُوْرًا۔ مراتب وجود یہی تین، یعنی حیات و موت و نشور ہی ممکن
ہیں۔ اور ان سب پر قدرت کی یہاں نفی کی جا رہی ہے۔

وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا

اور دوسروں نے اس میں اس کی مدد کی ہے ف۳ یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے

وَّزُوْرًا ۚ ﴿۴﴾ وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ

مرتکب ہوئے ف۴ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو اگلوں کی بے سند باتیں ہیں جن کو اس شخص نے

تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۵﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ

لکھوالیا ہے پھر وہی اس (شخص) کو صبح وشام پڑھ کر سنایا جاتا ہے ف۵ آپ کہہ دیجیے کہ اس کو اس ذات نے اتارا ہے

السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا

جسے آسمانوں اور زمین کے ہر راز کی خبر ہے ف۶ بے شک وہ بڑا مغفرت والا ہے

رَّحِيْمًا ﴿۶﴾ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ

بڑا رحمت والا ہے ف۷ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیسا ہے یہ رسول جو کھانا کھاتا ہے

وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ

اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا

فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ﴿۷﴾ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ

کہ وہ اس کے ساتھ ڈراتا یا اس کے پاس کوئی خزانہ غیب سے آپڑتا یا اس کے پاس

لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ

کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا (پیتا) ف۸ اور (یہ) ظالم کہتے ہیں کہ تم لوگ تو بس

اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ

ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو ف۹ دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب

الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹﴾ ع تَبٰرَكَ

باتیں بیان کرتے ہیں سو وہ (بالکل) گمراہ ہو گئے پھر وہ (بالکل) راہ نہ پاسکے ف۱۰ وہ ذات بڑی عالی شان ہے

ف۳ بعینہٖ یہی جاہلانہ، بیدردانہ الزام آج بھی سینکڑوں یہودی، مسیحی، ملحد مستشرقین اپنی کتابوں میں دہرا رہے ہیں۔ اور اس جہل کو سند اپنی "روشن خیالی" کی سمجھ رہے ہیں!۔۔ فرماتے ہیں اور کس قدر مضحکہ انگیز نمائش علم وفضل کے ساتھ فرماتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) محمد تھے بڑے ذہین، زیرک وچالاک، ایک اثر انگیز کتاب اپنی طرف سے گڑھ کر اسے خدا کی جانب منسوب کر دیا! ف۴ (کہ حقیقت اور اصلیت سے اس قدر بعید، ثبوت وتحقیق سے اس قدر معرّیٰ، دعوٰی کر بیٹھے ثبوت کوئی ادنیٰ سا بھی پیش نہیں کر سکتے۔ ف۵ ملاحظہ ہو پ۱۴ سورۃ النحل آیت لقد نعلم انھم یقولون انما یعلمہ بشر کا حاشیہ۔ ف۶ (اور جس طرح اس کا علم کامل ہے جس سے مخلوقات کا علم کوئی نسبت نہیں رکھتا، اسی طرح اس کا کلام بھی بے شمار وجوہ اعجاز کا جامع ہے) ف۷ (اسی لیے وہ ایسا بیہودہ بکنے والوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا، بلکہ انہیں مہلت دیتا جاتا ہے۔ اور اگر وہ تائب ہو جائیں تو انہیں معاف بھی کر دے گا) ف۸ (اور اس کو فکر معاش سے غیبی طور پر فارغ البالی حاصل رہتی) جاہلی قوموں کے اصولی اعتراضات نقل ہو رہے ہیں۔ وحی ونبوت کا مسئلہ اصلاً ہی ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہی دیوی دیوتا والا، اوتار والا عقیدہ دلوں میں جما ہوا تھا۔ خدا خود تو دنیا میں آسکتا ہے۔ کسی انسان بلکہ حیوان کے قالب میں آسکتا ہے۔ لیکن کسی بشر کو اپنا نائب، اپنا سفیر، اپنا پیامبر بنانا کیا معنی؟۔۔ وہی بنیادی گمراہی جو جاہلی قوموں میں آج تک چلی آرہی ہے۔ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔ یعنی کھانے پینے، چلنے پھرنے، خرید وفروخت کی ضرورتیں پوری کرنے میں یہ تو بالکل عام انسانوں کی طرح ہیں۔ انہیں پیمبر کیسے مان لیا جائے؟۔۔ گویا پیمبری عام بشری ضرورتوں کے منافی تھی!۔۔ اسلام کی بنیاد خوارق پر نہیں بلکہ اصل تعلیمات پر ہے۔ بہ خلاف اس کے مسیحیوں خصوصاً فرقۂ کیتھولک کے ہاں تو مذہب کی روح یا جان ہی خوارق ہیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آیت سے مشی فی الاسواق کا غیر مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور حدیث میں جو اس کی کراہت آئی ہے تو وہاں بلاضرورت بازاروں میں گھومنا پھرنا مراد ہے۔ بلکہ اگر عدم مشی فی الاسواق از راہ تکبر ہے تو مذموم عدم مشی قرار پائے گی اور محمود مشی ٹھیرے گی۔ جاہل مسلمانوں نے بھی آج انہیں جاہلی قوموں کے اثر سے یہی توقعات اولیاء امت سے متعلق قائم کر لی ہیں۔ بجائے ان کی زندگی کی صالحیت اور پاکیزگی پر نظر کر کے تلاش ہر وقت عجائب وخوارق کی کی جاتی ہے، اور عوام کے خیال میں اب بزرگی اور مقبولیت کا اصل معیار کرامتیں ہی رہ گئی ہیں! ف۹ یہ وہ مسلمانوں کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ جب ان میں خدائی یا ملکوتی قوت کچھ بھی موجود نہیں اور پھر بھی یہ دعوٰی مامور من اللہ ہونے کا کیے جاتے ہیں تو لامحالہ ان کی عقل میں فتور ہے اور یہ سحر زدہ یا مجنون ہی ہیں۔ ف۱۰ قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ ذرا دیکھئے کہ یہ لوگ آپ کے دعوٰی نبوت کا انکار کر کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور ایک نبوت کو نہ مان کر کیسی کیسی عجیب اور بے سروپا باتوں کے ماننے پر مجبور ہو گئے! ان کی عقلوں پر یہ کیسے مار پڑ کر رہی! یہی حال آج یورپ کے بڑے بڑے نامور مستشرقین کا ہے۔ سیدھے سادہ دعوٰی نبوت سے انکار کے بعد انہیں کیسے کیسے بے سروپا نظریات ماننے اور فرض کرنے پڑتے ہیں!

الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ
کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو اس سے بھی بہتر چیز دے دے (یعنی بہت سے) باغات
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ يَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾
کہ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور آپ کو (بہت سے) محل دے دے ف۱۱
بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ
اصل یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کے منکر ہیں ف۱۲ اور ہم نے اس کے لئے جو قیامت کو جھٹلائے دوزخ تیار
سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾ ۚ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا
کر رکھی ہے وہ ان کو دور سے دیکھے گی تو یہ اس کا
تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَ اِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا
جوش و خروش سنیں گے ف۱۳ اور جب وہ اس میں کسی تنگ جگہ ہاتھ پاؤں جکڑ کر
مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ ؕ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا
ڈال دیے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے
وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ
آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بہت سی موتوں کو پکارو ف۱۴ آپ کہیے کہ آیا یہ (مصیبت) اچھی ہے
جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً
یا وہ ہمیشگی کی جنت جس کا وعدہ متقیوں سے کیا جا چکا ہے ف۱۵ وہ ان کے لئے صلہ ہے
وَّ مَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ
اور آخری ٹھکانا انہیں وہاں جو کچھ وہ چاہیں گے ملے گا وہ ہمیشہ رہیں گے (یہ) وعدہ ہے
عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَ مَا
ان کے پروردگار کے ذمہ (اور) قابل درخواست ف۱۶ اور جس روز (اللہ) جمع کرے گا انہیں اور ان لوگوں کو

ف۱۱ (اسی دنیا میں) یعنی یہ کافر تو صرف ایک باغ غیبی کی فرمائش آپ کے لیے کر رہے ہیں۔ ہماری مشیت تکوینی اگر ہوتی، تو ہم تو اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر چیزیں آپ کو یہیں اور ابھی دے دیتے۔ باغ ایک نہیں کئی ایک، قصر و محل متعدد وغیرہا۔ ف۱۲ یعنی یہ لوگ جو ایسے واہی تباہی مطالبات پیش کر رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ انہیں حق کی تلاش وطلب شروع ہوئی اور دوران تحقیق میں کچھ شبہات پیش آگئے، بلکہ دلوں میں انکار جزاء اعمال شروع سے بسا ہوا ہے۔ اس لیے سنجیدگی و ذمہ داری سے یہ مسائل دین پر غور و فکر کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے۔ اور ایسی بے سروپا باتیں زبان سے نکال ڈالتے ہیں۔ ف۱۳ یعنی دوزخ ان بدبختوں کو دیکھ کر اس قدر غضبناک ہوگی کہ یہ دور ہی سے اس کا جوش خروش سن لیں گے۔ رَاَتْهُمْ سے استدلال کیا گیا ہے کہ دوزخ بھی صاحب شعور و ادراک ہے۔ سَعِيْرًا۔ سعیر مذکر ہے، یہاں نار کے معنٰی میں ہے اور معنٰی کی مناسبت سے مؤنث لایا گیا ہے۔ لھا کی ضمیر مؤنث بھی اسی جانب ہے۔ انما جاء مؤنثًا علٰی معنی النار (کبیر) ف۱۴ وہ بدبخت دوزخی جو دوزخ ہی کی ناقابل برداشت ہولناکیوں سے گھبرا کر چیخ اٹھیں گے کہ کاش ہمیں موت آجاتی! انہیں جواب ملے گا کہ ایک ہی موت کیسی، اب تو تمہاری قسمت میں موتوں ہی موتوں کی تکلیفیں ہیں! ف۱۵ اب بھی سوچنے سمجھنے کی مہلت ہے۔ یہ لوگ خود غور کر کے یہ فیصلہ کریں کہ ایک طرف دوزخ کی یہ ناقابل برداشت مصیبتیں ہیں جو ثمرہ ہیں کفر و انکار کا، اور دوسری طرف جنت کی بے شمار راحتیں ہیں، جو موعود ہے ایمان و طاعت پر۔ ف۱۶ یعنی اللہ نے اپنے فضل و عنایت سے یہ اجرا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ اور یہ اس قابل ہے کہ اس کی درخواست کی جائے۔ مَسْـُٔوْلًا۔ یہاں قابل درخواست کے معنٰی میں ہے ای من حقه ان یکون مسئولا (کبیر) حقیقًا بان یسال و یطلب (بیضاوی) لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ۔ اہل جنت کا پہلا وصف یہاں یہ بیان ہوا کہ جنت میں انہیں کی مرضی کارفرما ہوگی — وہ جو کچھ بھی چاہیں گے جو بھی نعمتیں، راحتیں، لذتیں، مادی، روحانی جس قسم کی بھی انہیں مرغوب ہوں گی، بس وہ انہیں مہیا و حاضر مل جائیں گے — آج اپنی خواہشوں کو مرضیٔ الٰہی کے تابع کر دینے کا یہی نتیجہ کل نکلنا بھی چاہیے تھا۔ خٰلِدِيْنَ۔ دوسرا وصف یہ بیان ہوا کہ یہ نعمتیں ساری کی ساری دائمی، سرمدی اور غیر منقطع ہوں گی۔ ہرگز کسی تلف و نقصان و ختم و فنا کا اندیشہ نہ ہوگا — عجب کیا ہے جو اس عالم میں وقت کی رفتار ہی روک دی جائے۔ اور ہم جس حرکت فرمائی کے خوگر و مانوس ہیں سرے سے یہی باقی نہ رہے۔ یہ دو وصف ایسے جامع و مانع بیان ہو گئے کہ اب ان پر کسی اضافہ کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش ہی۔

يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ

جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے پھر ان سے کہے گا کہ کیا تمہیں نے میرے ان بندوں کو

عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا

گمراہ کیا تھا ف۱۷ یا یہ (خود ہی) راہ سے بھٹک گئے تھے؟ وہ کہیں گے

سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ

سبحان اللہ ہماری مجال نہ تھی کہ ہم تیرے سوا اور کارسازوں کو

مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا

تجویز کریں ہاں تو نے ان کو اور ان کے بڑوں کو خوب آسودہ کیا، یہاں تک کہ یہ (تیری) یاد ہی کو

الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًاۢ بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا

بھلا بیٹھے اور یہ لوگ برباد ہو کر رہے ف۱۸ سو (تمہارے معبودوں ہی نے) تمہاری باتوں کو

تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ

جھٹلا دیا سو (اب) تم نہ (تو خود) ٹال سکتے ہو اور نہ (تمہیں) مدد ہی پہنچ سکتی ہے۔ اور جو تم

يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا

میں سے ظلم کرے گا (اپنے اوپر) اسے ہم بڑا عذاب چکھائیں گے ف۱۹ اور ہم نے آپ سے

قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ

پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب کھانا بھی کھاتے تھے

وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ

اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے ف۲۰ اور ہم نے تم میں ایک کو دوسرے کے لئے

فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع

آزمائش بنایا ہے ف۲۱ تو اب بھی صبر کرو گے؟ اور آپ کا پروردگار بڑا دیکھنے والا ہے ف۲۲

ع ۲ ۱۷

ف۱۷ یہ سوال مشرکوں کو اور زیادہ قائل اور نادم کرنے کے لیے انبیاء، ملائکہ، اولیاء سے ہوگا۔ جنہیں مشرکین ان بیچاروں کے شائبہ رضا کے بغیر الوہیت وصفاتِ الوہیت میں شریک رکھتے تھے۔ ف۱۸ یعنی تو نے تو ان کے لیے اسباب شکر فراہم کر دیئے تھے، جن کا مقتضا یہ تھا کہ منعم کی معرفت اور اس کے شکر و اطاعت میں خوب لگ جاتے۔ لیکن انہوں نے اس کے برعکس راستہ اختیار کر کے انہیں کو اسبابِ کفر بنالیا۔ ف۱۹ (قیامت میں) وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ۔ ظلم سے مراد کفر و شرک ہے۔ ابن عباس صحابی اور تابعین سے یہی مروی ہے۔ اے یشرک باللہ (ابن کثیر) یشرک بہ (معالم) الظلم هنا الشرک قال ابن عباس والحسن و ابن جریج (بحر) ف۲۰ مشرکین کا اعتراض رسول اللہ ﷺ کی صفات بشری پر، اوپر نقل ہو چکا ہے۔ یہاں اسی کا جواب ہے کہ بشریت اور رسالت میں ذرا بھی منافات نہیں۔ سلسلۂ نبوت کے جتنے حامل گزرے ہیں یہ صفات بشری تو سب ہی کے ساتھ لگے ہوئے رہے ہیں۔ ف۲۱ (اے انسانو! چنانچہ انبیاء کو بھی ایسے حالات میں رکھا جن سے امت کی پوری آزمائش ہو جائے گی۔ کہ کون ان کے صفات بشری پر نظر کر کے تکذیب کرتا ہے، اور کون ان کے کمالاتِ نبوت پر نظر کر کے تصدیق) ف۲۲ (چنانچہ ان کے حالات بھی خوب دیکھ رہا ہے، اور وقتِ موعود پر انہیں سزا دے کر رہے گا)۔

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا

وہ لوگ جو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں رکھتے ف۲۳ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں

الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَوۡ نَرٰی رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسۡتَکۡبَرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ

آتے یا ہم اپنے پروردگار کو دیکھ ہی لیتے ف۲۴ یقیناً انہوں نے اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ لیا ہے

وَ عَتَوۡ عُتُوًّا کَبِیۡرًا ﴿۲۱﴾ یَوۡمَ یَرَوۡنَ الۡمَلٰٓئِکَۃَ لَا بُشۡرٰی

اور حد سے بہت ہی دور نکل گئے ہیں ف۲۵ جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اس روز مجرموں کے لئے

یَوۡمَئِذٍ لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ وَ یَقُوۡلُوۡنَ حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا ﴿۲۲﴾

کوئی خوشی کی بات نہ ہو گی اور یہ کہیں گے کہ پناہ پناہ! ف۲۶

وَ قَدِمۡنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰہُ ہَبَآءً

اور ہم ان کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے جو یہ کر چکے ہیں سو ان کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان

مَّنۡثُوۡرًا ﴿۲۳﴾ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ یَوۡمَئِذٍ خَیۡرٌ مُّسۡتَقَرًّا

غبار اہل جنت اس روز قیام گاہ میں بھی اچھے رہیں گے

وَّ اَحۡسَنُ مَقِیۡلًا ﴿۲۴﴾ وَ یَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالۡغَمَامِ

اور آرام گاہ میں بھی خوب اچھے ف۲۷ اور جس روز آسمان پھٹ جائے گا ایک بدلی پر سے

وَ نُزِّلَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ تَنۡزِیۡلًا ﴿۲۵﴾ اَلۡمُلۡکُ یَوۡمَئِذِ ۣ الۡحَقُّ

اور فرشتے بکثرت اتارے جائیں گے ف۲۸ اس روز حکومت حقیقی (خدائے)

لِلرَّحۡمٰنِ ؕ وَ کَانَ یَوۡمًا عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ عَسِیۡرًا ﴿۲۶﴾

رحمٰن ہی کی ہو گی ف۲۹ اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہو گا

وَ یَوۡمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیۡہِ یَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِی اتَّخَذۡتُ

اور جس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا کہے گا کہ کاش میں

ف۲۳ یعنی یوم حشر کے منکرین، ساتھ ہی شرک اور اوہام پرستی میں مبتلا — مشرکین عرب میں یہ دونوں باتیں موجود تھیں۔ ف۲۴ مشرکین عرب دیوتاؤں کے قائل تھے، اور انہیں کو فرشتہ کہتے تھے۔ دعویٰ رسالت سے انکار کے وقت کہتے تھے کہ یہ ''رسول'' اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو آسمانی دیوتا مجسم اور متشکل ہو کر ان کے ساتھ کیوں نہیں جو ان کے دعویٰ کی تصدیق کرتے رہیں، یا خود خدا ہی کو ہمیں کیوں نہیں دکھا دیا جاتا جو ہم براہ راست اسی کی زبان سے ان کے دعووں کی تصدیق سن لیں۔ ف۲۵ یعنی کافروں میں خود کفر و عدم ایمان ہی کی بناء پر، صلاحیت نہ رویت باری کی رہ گئی ہے اور نہ ملائکہ رحمت سے دوچار ہونے کی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو سلوک میں احوال باطنی غیر اختیاری کا منتظر رہتا ہے، اس کے انتظار کا منشاء یہی تکبر ہوتا ہے، گویا وہ اپنے اعمال و مجاہدات کو استحقاق کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ ف۲۶ کافروں کا سامنا فرشتوں سے جب بھی ہوگا عذاب ہی کے فرشتوں سے ہوگا، اور وہ وقت کافروں کی مسرت کا نہیں، انتہائی مصیبت کا ہوگا۔ حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا ایک محاورہ ہے عہد جاہلیت میں جب کسی کو کوئی بلا پیش آتی یا کوئی اپنے دشمن کو دیکھ پاتا اور خیال یہ ہوتا کہ وہ اس پر حملہ کرے گا تو یہی لفظ پکار کر کہتا۔ جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں دور، دور! **ھذہ کلمۃ کانوا یتکلمون بھا عند لقاء عدو موفور او ھجوم نازلۃ او نحو ذٰلک یضعونھا موقع الاستعاذۃ** (کشاف) **کان الرجل اذا لقی من یخاف یقول ذٰلک** (راغب) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلوک میں حالات محمود غیر اختیاری کا پیش آ جانا بعض طالبین کے حق میں مضر ہوتا ہے اور اس کی فہم مشائخ اہل تربیت رکھتے ہیں۔ ف۲۷ ماجرا قیامت کا بیان ہو رہا ہے۔ کافروں کو اپنے اپنے جن جن اعمال پر غرہ ہوگا کہ ہم نے دنیا میں فلاں فلاں اعمال خیر بھی تو کیے ہیں، چونکہ وہ ایمان سے خالی ہوں گے قیامت کے دن انہیں غبار پریشان کی طرح بالکل بے مصرف کر کے دکھا دیا جائے گا۔ مُّسۡتَقَرًّا...... وَّ مَقِیۡلًا۔ مستقر جائے قیام اور مقیل جائے آرام دونوں سے مراد جنت ہے۔ اور جنت کا ہر حیثیت سے بہترین ہونا ظاہر ہے۔ صوفیہ نے وَ قَدِمۡنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوۡا الخ سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ بدون باطن کے محض ظاہری عمل ہرگز معتبر نہیں۔ ف۲۸ (زمین پر) یہ وقت وہ ہوگا، جب صور کے نفخ ثانی کے بعد زمین و آسمان سب از سر نو درست ہو جائیں گے۔ حساب کتاب شروع ہو رہا ہوگا حق تعالیٰ کی ایک تجلی خاص حساب و کتاب کی غرض سے ہوگی۔ ملائکہ ارد گرد کثرت سے ہوں گے۔ سورۂ بقرہ کی آیت ہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمُ اللّٰہُ فِیۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ الخ میں بھی اسی موقع کا ذکر ہے۔ بِالۡغَمَامِ میں ب یا تو مرادف عن کے ہے یا سببیہ ہے بہ معنی **بسبب الغمام یا بسبب طلوعہ منھا**۔ اور یا حالیہ ہے یعنی **ملتبسۃ بالغمام** (جمل) تَشَقَّقُ السَّمَآءُ۔ آسمان کا یہ پھٹنا بطور کھلنے کے ہوگا۔ جو پھٹنا بطور تخریب و افناء کے ہوگا وہ نفخ اول کے وقت ہو چکا ہوگا۔ ف۲۹ (عیاناً و شہوداً ہی اور کسی کو ظاہراً گنجائش بھی کسی دخل و تصرف کی نہ ہوگی، جیسا کہ دنیا میں رہتی ہے)

مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا ﴿۲۷﴾ یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا

رسول کے ساتھ راہ پر لگ لیتا! ف۳۰ ہائے میری شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست

خَلِیْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ؕ

نہ بنایا ہوتا! یقیناً اس نے نصیحت آئے پیچھے مجھے اس سے بہکا دیا

وَ کَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ

اور شیطان تو انسان کو امداد کرنے سے جواب دے ہی دیتا ہے ف۳۱ اور رسول کہیں گے

یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

کہ اے میرے پروردگار میری (اس) قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا ف۳۲

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ؕ

اور ہم اسی طرح ہر نبی کے دشمن مجرم لوگوں میں سے بناتے رہتے ہیں ف۳۳

وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّ نَصِیْرًا ﴿۳۱﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

اور آپ کا پروردگار ہی کافی ہادی اور مددگار ہے ف۳۴ اور کافر یہ کہتے ہیں کہ

لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚۛ كَذٰلِكَ ۚۛ

اس شخص پر قرآن اکبارگی (پورا) کیوں نہیں نازل کر دیا گیا؟ ف۳۵ اس طرح

لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ﴿۳۲﴾ وَ لَا یَاْتُوْنَكَ

اس لئے کہ ہم اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اسے ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے ف۳۶ اور یہ لوگ جیسا

بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ﴿۳۳﴾ ؕ

بھی عجیب سوال آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں ہم اس کا جواب ٹھیک اور وضاحت میں بڑھا ہوا آپ کو بتاتے ہیں ف۳۷

اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے

ع

ف۳۰ یہ ہاتھوں کا کاٹنا فرط حسرت سے ہوگا۔ عض الیدین والاناصل کنایة عن الغیظ والحسرة (کشاف) من فرط الحسرة (بیضاوی) الظّالِمُ۔ ظالم سے مراد اردو کا ظالم نہیں بلکہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا، یعنی کافر یا منکر دین مراد ہے۔ ف۳۱ (چنانچہ قیامت میں زبانی ہمدردی تک کے بھی کام نہ آئے گا) یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ الخ۔ بڑا عبرت کا مضمون اپنے اندر رکھتا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی گمراہیاں آتی ہیں کسی نہ کسی انسانی ہی ذریعہ سے آتی ہیں اور شیطان جب آتا ہے، کسی دوست و آشنا راز دان ہی کے قالب میں آتا ہے۔ فقہاء نے اس آیت سے بہ طور اشارة النص نکالا ہے کہ صحبت بد کا ترک واجب ہے۔ خصوصاً اس شخص کا جو اغوا کرتا رہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آیت میں صحبت اشرار سے بچنے کی تعلیم ہے اور شریر کی تفسیر یہ ہے کہ جو کوئی ذکر الٰہی سے بعید ہونے کا سبب بن جائے۔ لَقَدْ...... جَآءَنِیْ۔ آیت میں صاف اشارہ اس طرف موجود ہے کہ جن کافروں پر مؤاخذہ کا ذکر ہے، یہ وہی ہیں جنہوں نے تبلیغ کے بعد اور تبلیغ کے باوجود کفر اختیار کیا۔ ف۳۲ ذکر وہی قیامت کا چل رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جناب باری میں بہ طور شکایت عرض کریں گے کہ جو قوم میری مخاطب دعوت تھی اس نے قرآن کو ماننا اور اس پر عمل کرنا الگ رہا، اسے قابل التفات ہی نہ سمجھا۔ قَوْمِیْ۔ قوم سے مراد صرف قوم قریش ہے یا امت دعوت۔ قریشاً (مدارک و بیضاوی) مَهْجُوْرًا۔ هجر کے ایک معنٰی تو اعراض کرنے کے ہیں، جیسا کہ متن ترجمہ میں درج ہوئے، اور دوسرے معنٰی ہذیان بکنے کے ہیں۔ منقول یہ دونوں معنٰی ہیں۔ یعنی متروكا فاعرضوا عنه و لم یؤمنوا به (معالم) من الایمان به مبعدًا مقصیًا من الهجر (بحر۔ عن النخعی ومجاہد واتباعہ) جعله بمنزلة الهجر و هو الهذیان (معالم عن النخعی ومجاہد) ای تركوا ولم یؤمنوا به من الهجران (مدارک) بہرحال اس شکایت کا تعلق منکرین قرآن سے ہے نہ کہ ضعیف العمل مسلمانوں سے۔ قرآن مجید سے تعلق واجب کا ادنٰی درجہ یہ ہے کہ اسے کلام الٰہی اور واجب العمل مانا جائے۔ اور یہ تعلق بھی اگر ٹوٹ گیا تو یہ کفر ہے۔ اعلٰی درجہ تعلق کا یہ ہے کہ قرآن کو قولاً وفعلاً تمام تر اپنے اوپر حاوی کر لیا جائے۔ اور اگر یہ درجہ نہیں قائم ہے۔ تو یا تو معصیت ہے، اور یا بعض صورتوں میں صرف حجاب۔ مہجوریت کا تعلق بالفرض مسلمانوں ہی سے سمجھا جائے، تو مراد اعلٰی اور اوسط درجہ کے تعلق کا ترک ہوگا۔ — اس سے زیادہ ترک تعلق کا اشارہ مسلمانوں کی جانب سمجھنا اہل سنت کا مذہب نہیں مسلک خوارج میں جو کچھ بھی ہو۔ ف۳۳ (اپنی مشیت تکوینی کے ماتحت) مطلب یہ ہے کہ ناحق شناس لوگ تو ہر زمانہ میں اپنے وقت کے پیمبر کے دشمن رہے ہیں، سو آپ کے بھی کفر پسند معاصرین آپ سے عداوت ٹھانے ہوئے ہیں آپ اس پر اتنا غم نہ کیجئے۔ عارفین کہتے ہیں چونکہ ہر ولی نبی ہی کے قدم پر ہوتا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ولی کا بھی ایک عدو ہوتا ہے۔ ف۳۴ (چنانچہ جن کے لیے ہدایت منظور ہے انہیں ہدایت ہوتی رہے گی، اور مجرموں، سرکشوں سے مقابلہ کی جب ضرورت ہوگی، آپ کی مدد بھی ہوتی رہے گی) ''یعنی غم کے دو سبب ہو سکتے ہیں۔ ایک ان کا گمراہ رہنا، اور دوسرا ان کا درپے ایذا ہونا۔ سو اللہ تعالٰی ہدایت کے لیے بھی کافی ہے اور اگر حکمت مقتضی ہوگی تو ہدایت کی توفیق دے دے گا۔ جب ہدایت نہیں ہوتی تو اسی میں حکمت ہے۔ اور ایذا کے دفع کرنے کے لیے بھی اللہ کافی ہے۔ اگر چندے دفع نہ کرے تو اسی میں حکمت ہوگی۔ غرض نہ اس سے غم کیجئے نہ اس سے''۔ (تھانوی علیہ الرحمہ) ف۳۵ یعنی اگر خدا کا کلام ہوتا تو رفتہ رفتہ کیوں نازل ہوتا۔ یہ تو (نعوذ باللہ) انہیں کا کلام ہے، سوچ سوچ کر حسب موقع تھوڑا تھوڑا تصنیف کرتے رہتے ہیں۔ ف۳۶ یعنی ایک بڑی مصلحت اس تدریجی نزول قرآن میں تو رسول کی تقویت قلب ہے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ ثمرات و مقامات میں جو تاخیر و تدریج ہوتی ہے اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ ثبات و رسوخ حاصل ہوتا جائے۔ جو چیز جلدی آتی ہے، وہ جلدی نکل بھی جاتی ہے — سالک کو دیر ہونے سے تنگ نہ ہونا چاہیے، بلکہ صبر کرنا چاہیے۔ علماء کے ہاں تعلیم کا سبقاً سبقاً ہونا اور مشائخ کے ہاں افادہ و افاضہ میں تدریج اسی آیت سراپا حکمت کی ماتحتی میں ہے۔ نیت کا مستحکم ہونا، قلب کا تحمل پر قادر ہونا، ملکۂ علمی کا راسخ ہونا، سب اسی کے برکات ہیں۔ ف۳۷ یعنی ایسا جواب جو قطعی بھی ہوتا ہے اور قریب الفہم بھی۔ ''جواب کی دو خوبیاں ہیں۔ ایک ذاتی کہ فی نفسہ قاطع مادہ شبہ ہو اور دوسری اضافی کہ اپنی وضاحت کے سبب قریب الفہم ہو۔ الحق میں خوبی اول اور احسن تفسیرا میں خوبی دوم کی طرف اشارہ ہے''۔ (تھانوی علیہ الرحمہ)

أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا

یہ لوگ جگہ کے لحاظ سے بدترین اور طریقہ میں بہت گمراہ ہیں ف۳۸ اور بہ تحقیق ہم نے

مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾

موسٰی کو کتاب دی تھی اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو ان کا معین بنا دیا

فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ

اور پھر ہم نے کہا کہ دونوں آدمی ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ہے سو ہم نے انہیں بالکل ہی

تَدْمِيْرًا ؕ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ

ہلاک کر دیا ف۳۹ اور ہم نے قوم نوح کو بھی (ہلاک کیا) جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا ف۴۰ ہم نے انہیں غرق کر دیا

وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا

اور ہم نے انہیں ایک نشان (عبرت) بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لئے ایک دردناک عذاب تیار

اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ

کر رکھا ہے ف۴۱ اور ہم نے (اسی طرح ہلاک کیا) عاد اور ثمود اور اصحاب رس کو اور ان کے درمیان میں

ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ؗ وَكُلًّا تَبَّرْنَا

بہت سی امتوں کو ف۴۲ اور ہم نے ہر ایک کے لئے عجیب عجیب مضامین بیان کئے اور ہر ایک کو ہم نے بالکل ہی

تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ

برباد کر دیا ف۴۳ اور (یہ لوگ) اس بستی پر سے گذر رہے ہیں جس پر پتھر بری طرح برسائے

السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ

گئے تھے ف۴۴ سو کیا یہ لوگ اس کو دیکھتے نہیں رہتے؟ ف۴۵ بات یہ ہے کہ یہ لوگ مر کر جی اٹھنے کا خیال ہی نہیں

نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا

رکھتے ف۴۶ اور آپ کو جب یہ دیکھ لیتے ہیں تو بس آپ کے حق میں تمسخر ہی کرنے لگتے ہیں کیا یہی وہ (حضرت) ہیں

ف۳۸ جگہ سے مراد دوزخ اور طریقہ سے مراد مسلک اور مذہب۔ اور یہ سزا متناسب اس لیے ہے کہ اعتراضات نگونساری عقل سے تھے سزا نگونساری بدن سے ہوئی"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اشارۃ النص سے یہ بات بھی صاف ہوئی کہ قادر مطلق اس پر پوری طرح قادر ہے کہ جس عضو جس قوت سے جو کام جس وقت چاہے لے لے۔ خواہ اس کی عام عادت و معمول کے موافق خواہ اس کے مخالف۔ اور ان فطرت پرستوں کی سطحیت اور بے مغزی بالکل آشکارا ہو جاتی ہے جو ہمہ تو ان خدا کی قدرت کو "نیچر کے قوانین" کا تابع و محکوم سمجھتے ہیں۔ ف۳۹ (چنانچہ قوم فرعون کی غرقابی مشہور واقعہ ہے۔ قرآن میں بھی بار بار اس کا ذکر آ چکا ہے) کلمہ ف ہمیشہ تاخر زمانی ہی کے لیے نہیں آتا۔ چنانچہ یہاں بھی معلوم ہے کہ نزول کتاب (توراۃ) کا واقعہ مخاطبہ قوم فرعون سے قبل کا نہیں بہت بعد کا ہے۔ اِذْهَبَا کا عطف قبل والی آیت کے جَعَلْنَا پر ہے اور جعل اور قول دونوں کے ماتحت واقعات کا وقوع ایتاء کتاب کے قبل کا ہے۔ فقولهٗ فقلنا اذهبا معطوف علٰی جعلنا و کل من الجعل و القول کان قبل ایتاء الکتب (جمل) اَلْكِتٰبَ سے مراد توریت کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ بِاٰيٰتِنَا۔ ایتنا میں دلائل سے مراد یا تو دلائل عقلیہ ہیں اور ظاہر ہے کہ بعد سمجھ جانے ان دلائل کے توحید کا انکار ضرور قابل زجر ہے۔ اور یا مراد دلائل نقلیہ ہیں جو انبیاء سابقین سے منقول ہوتے ہوئے ان لوگوں تک پہنچے ہوں گے۔ ان کے انکار کا مذموم ہونا ظاہر ہی ہے"۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) یہ بھی ممکن ہے کہ ایک طرف احکام و شرائع مراد ہوں اور دوسری طرف خوارق و معجزات۔ وَزِيْرًا۔ یہیں سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ وزارت نبوت کے منافی نہیں۔ والوزارة لا تنافی النبوة فقد کان فی الزمان الواحد انبیاء یوزر بعضهم بعضاً (بحر) فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا۔ تدمیر اہلاک کی شدید ترین شکل کا نام ہے۔ یعنی انہیں بالکل چور چور ریزہ ریزہ ہی کر ڈالا۔ والتدمیر اشد الاهلاک و اصله کسر الشیء علی وجه لا یمکن اصلاحه (بحر) ف۴۰ شرک و جاہلیت میں مبتلا قوم نوح کا انکار محض شخصی رسالتِ نوح کا انکار نہ تھا، سارے سلسلۂ انبیاء کا اور نفس مسئلہ نبوت کا انکار تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ (اور ان کے اتباع میں بعض دوسرے مفسرین) کی بھی نظر اس نکتہ تک پہنچ گئی تھی کہ ممکن ہے یہ لوگ براہمۂ ہند کی طرح سلسلہ نبوت ہی کے منکر ہوں۔ اما کانوا من البراهمة المنکرین بکل الرسل (کبیر) او کذبوا بعثة الرسل مطلقا کالبراهمة (بیضاوی) او لم یروا بعثة الرسل کالبرا همة (بحر) ف۴۱ (آخرت میں، جیسا کہ دنیا میں سزا غرقابی کی ملی) لِلظّٰلِمِيْنَ۔ ظالمون سے یہاں بھی مراد کافر ہی ہیں، جیسا کہ قرآن میں اکثر مقامات پر ہے۔ ف۴۲ (ان کے انکار، تکذیب و نافرمانی کی بنا پر) اَصْحٰبَ الرَّسِّ۔ اصحاب رس سے متعلق مختلف قول نقل ہوئے ہیں۔ رس محققین کے قول کے مطابق ایک شہر علاقہ یمامہ میں تھا۔ یہاں قوم ثمود کا کوئی قبیلہ آباد تھا۔ الرس قریة بفلج الیمامة و هم بقیة ثمود (کبیر) هم اهل قریة من قری ثمود (ابن کثیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) موجودہ نقشوں میں یہ مقام وادیٔ رُمّہ کے علاقہ میں ملتا ہے۔ طول البلد مشرقی ۴۳۔ عرض البلد شمالی ۲۶۔ ف۴۳ یعنی ان میں سے ہر امت کو تبلیغ ہر اعتبار سے مؤثر و بلیغ ہوتی رہی، اس کے بعد بھی جب یہ لوگ ایمان نہ لائے تو عذاب سے ہلاک کر دیئے گئے۔ ف۴۴ (اور جہاں ہو کر یہ منکرین اپنی آمد و رفتِ شام میں گزرتے رہتے ہیں) مراد ہیں سدوم وغیرہ قوم لوط کے علاقے۔ ف۴۵ (اور پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے؟) مطلب یہ ہے کہ خدائی قانون سے بغاوت و سرکشی کرنے والی قوموں کی عبرتناک سزائیں اور بربادیاں خوب ان کے علم میں ہیں۔ ان کے کھنڈر اور مٹے ہوئے آثار ان کے مشاہدہ میں آ چکے ہیں۔ ف۴۶ یعنی یہ اس کا یقین ہی نہیں رکھتے کہ عمل کی جزا و سزا کا ایک ضابطہ اور دستور و نظام ہے۔ اور ہر عمل پر ایک ثمرہ دنیا و آخرت میں مرتب ہوتا ہے۔ اس لیے یہ کفر کو موجب سزا و ہلاکت ہی نہیں تصور کرتے۔

الَّذِیۡ بَعَثَ اللّٰہُ رَسُوۡلًا ﴿۴۱﴾ اِنۡ کَادَ لَیُضِلُّنَا عَنۡ اٰلِہَتِنَا

جنہیں خدانے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ ۴۷ اس (شخص) نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا

لَوۡ لَاۤ اَنۡ صَبَرۡنَا عَلَیۡہَا ؕ وَ سَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ حِیۡنَ یَرَوۡنَ

اگر ہم ان پر قائم نہ رہتے ۴۸ اور عنقریب یہ جان لیں گے جب عذاب

الۡعَذَابَ مَنۡ اَضَلُّ سَبِیۡلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ

دیکھ لیں گے کہ کون (شخص) راہ سے ہٹا ہوا تھا؟ آپ نے اس کی بھی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی

اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَکُوۡنُ عَلَیۡہِ وَکِیۡلًا ﴿۴۳﴾ اَمۡ

خواہشوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے؟ کیا آپ اس کے ذمہ دار رہ سکتے ہیں ۴۹ یا

تَحۡسَبُ اَنَّ اَکۡثَرَہُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ یَعۡقِلُوۡنَ ؕ اِنۡ ہُمۡ

آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں یہ تو محض

اِلَّا کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ہُمۡ اَضَلُّ سَبِیۡلًا ﴿۴۴﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ

چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں ۵۰ کیا تو نے اپنے پروردگار پر نظر نہیں کی

کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوۡ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا

کہ اس نے سایہ کو کیوں کر پھیلا دیا ہے ۵۱ اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرایا ہوا رکھتا پھر ہم نے

الشَّمۡسَ عَلَیۡہِ دَلِیۡلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضۡنٰہُ اِلَیۡنَا قَبۡضًا

آفتاب کو اس پر ایک علامت مقرر کر دیا ۵۲ پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ

یَّسِیۡرًا ﴿۴۶﴾ وَ ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِبَاسًا وَّ النَّوۡمَ

سمیٹ لیا ۵۳ اور وہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو

سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّہَارَ نُشُوۡرًا ﴿۴۷﴾ وَ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ

آرام کی چیز اور دن کو (گویا) جی اٹھنے کا وقت بنا دیا ۵۴ اور وہ وہی ہے جو اپنی بارش رحمت سے پہلے

۴۷ اور وہ یہ فقرہ طنز و استہزاء کے طور پر کہتے تھے۔ یعنی اگر رسالت کوئی چیز ہے تو رسول کسی بڑے رئیس کو ہونا چاہیے تھا۔ نہ کہ ایک عامی معمولی شخص کو۔۔۔ مشرکین عرب کے خیال میں منصب رسالت اگر واقعی کسی کو ملنا تھا ہی تو کسی سردار قریش کو ملتا نہ کہ ایک معمولی تاجر کو۔ ھٰذَا۔ یہاں تحقیر کے لیے ہے۔ ۴۸ یعنی وہ تو کہو خیر ہوگئی کہ ہم اپنی استقامت سے اپنے طریق قدیم پر قائم رہے، ورنہ اس شخص میں قوت تسخیر و جادو بیانی اس غضب کی ہے کہ اس نے ہمیں اکھاڑ ہی دیا ہوتا۔ ۴۹ یعنی آپ ان پر مسلط کر کے تو بھیجے نہیں گئے ہیں، پھر آپ ان کی بے راہی پر غم کیوں کیجئے۔ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوٰىهُ سے یہ صاف ہو گیا کہ ان کی گمراہی کی بنیاد میں کوئی شبہ عقلی و اجتہادی نہیں، بلکہ محض اتباع ہوائے نفس ہے۔ جاہلیت عرب کے لوگ آج ہی کل کی فرنگی قوموں کی طرح ایک نیم دہری قسم کے الحاد پسند لوگ تھے۔ ان کی طبیعت ذکر و فکر آخرت کی طرف آمادہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ اور بت پرستی سے بھی بڑھ کر ہوا پرستی اور دنیوی لذات میں مبتلا رہتے تھے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ۵۰ (کہ وہ مکلف نہیں اور یہ مکلف ہو کر بھی نہ حق بات سنتے ہیں نہ فہم سے کام لیتے ہیں) کَالْاَنْعَامِ چوپایوں سے تشبیہ ان کی بے حسی اور عدم تاثر میں ہے ۵۱ (اے مخاطب!) یہاں مسئلہ یہ بیان ہوا ہے کہ چیزوں کے سایہ کا طلوع آفتاب کے بعد، صبح کے وقت بڑھنا اور آفتاب کے بلند ہونے پر خصوصاً دوپہر کے وقت بالکل گھٹ جانا اور پھر بڑھتے بڑھتے شام کو معدوم ہو جانا، یہ سب بہ تخلیق باری تعالیٰ ہے۔ ارادۂ حق کا محتاج اور اس کے ماتحت ہے۔ محض مقتضائے طبیعت سے خود بخود نہیں ہو رہا ہے۔ الظِّلَّ۔ صوفیہ کی اصطلاح میں ممکنات کو واجب الوجود کا ظل (سایہ) کہا گیا ہے۔ ۵۲ یعنی آفتاب کے طلوع و بلندی کو ایک ظاہری علامت سایہ کی درازی و کوتاہی پر بنا دیا۔ اہل اشارات نے یہاں یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ سارے عالم کی تخلیق و ربوبیت و فنا حق تعالیٰ کے آفتاب قدرت سے وہی نسبت رکھتی ہے جو سایہ کو نور آفتاب سے ہے۔ ۵۳ یعنی وہ سایہ جو اس کے نزدیک معدوم ہو جاتا ہے۔ لیکن علم الٰہی سے غائب نہیں ہو جاتا۔ ۵۴ بیان توحید و یکتائی ذات حق کا ہو رہا ہے۔ دن و رات اس نے بنائے۔ اپنی قدرت سے بلا کسی کی شرکت کے اور اپنی حکمت سے کسی خاص مقصد و مصلحت کے لئے۔ ایسے مضامین کی پوری قدر اسی وقت ہوتی ہے جب مشرک قوموں کے عقیدے بھی پیش نظر ہوں۔ جنہوں نے خود دن اور رات کو دیوتا قرار دیا ہے۔ انہیں کسی دیوی یا دیوتا کا پیدا کیا ہوا مانا ہے۔ وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا۔ نیند کا باعث تفریح تازگی ہونا ایک طبی حقیقت ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

ع ۲

و۵۵ ہوا، بارش وغیرہ سب کا خالق وہی ایک ہے۔ اندر دیوتا یا اور کوئی دیوی دیوتا وجود نہیں رکھتے۔ طَھُوْر فعول کے وزن پر طاہر کا صیغہ مبالغہ ہے، اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے اسے طاہر ہی کے معنٰی میں لیا ہے۔ دوسرے بعض فقہاء نے اسے مطہر کے معنٰی میں بھی لیا ہے۔ واختلف الناس فی معنی و صفہ بانہ طھور علی قولین احدھما انہ مطھر لغیرہ و بہ قال مالک و الشافعی و خلق کثیر سوا ھما والثانی انہ بمعنی طاھر و بہ قال ابو حنیفۃ (ابن العربی) فقہاء مفسرین نے آیت کے تحت میں طہارت آب کے متعلق طویل بحثیں چھیڑ دی ہیں جن کا تعلق تفسیر قرآنی سے نہیں، فقہیات سے ہے۔ یہاں صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ پانی کے اس وصفِ مخصوص سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ حکمی نجاستوں کے ازالہ اور طہارت کا کام صرف آب خالص ہی دے سکتا ہے۔ آب غیر خالص مثلاً عرق کیوڑہ، عرق گلاب، شربت انار گو کیسے ہی لطیف ہوں۔ صرف طاہر ہیں مطہر نہیں۔ و۵۶ (اور اس نتیجہ تک پہنچیں کہ یہ سارے طبعی تصرفات اور پھر انسانوں کے درمیان پانی کی حسب مصلحت تقسیم کسی بڑے قادر وحکیم ہی کے ہو سکتے ہیں) صَرَّفْنٰهُ میں ضمیر پانی کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے۔ اور قول کی جانب بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی ہم نے یہ حقیقت ان پرانی امتوں کے سامنے بار بار دہرائی ہے۔ بَلْدَةً مَّيْتًا سے مراد خشک زمین ہے۔ و۵۷ (اور سب سے بڑی ناشکری کفر وشرک ہے) و۵۸ (اور تنہا آپ پر اتنا بار نہ ڈالتے، لیکن ہماری مشیت تکوینی اس کی مقتضی نہیں ہم تو دنیا کی اصلاح کا کام آپ ہی کے ذریعہ سے لینا چاہتے ہیں) و۵۹ (جیسا کہ اب تک یہی کرتے رہے ہیں) یعنی کافر تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ ان کی آزادی میں فرق نہ پڑنے پائے۔ اور آپ تبلیغ کے کام میں سست پڑ جائیں۔ سو آپ کہیں ان کے کہے میں نہ آ جائیے گا۔ آپ قرآن کے قائم کیے ہوئے دلائل حق کے ساتھ اپنی تبلیغ عام وتام دونوں جاری رکھیے۔ فقہاء نے کہا ہے کہ اعلاء کلمۃ الحق اور ترک دعوت کے باب میں کافروں کی رعایت و اطاعت حرام ہے، اور اعلان قرآن وتبلیغ بالقرآن میں غایت سعی و جہاد واجب ہے۔ بِهٖ میں ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ ای بالقرآن (ابن جریر۔ عن ابن عباس) و۶۰ (جو خود تو مخفی اور غیر محسوس ہے لیکن اس کا اثر یعنی امتیاز دونوں پانیوں کے درمیان محسوس ہے) مراد ان دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں ندیاں اور نہریں بہتے بہتے سمندر میں آ کر گرتی ہیں، وہاں باوجود اس کے کہ اوپر سے دونوں کی سطح ایک معلوم ہوتی ہے لیکن قدرتِ الٰہیہ سے ان میں ایک ایسی حد فاصل ہے کہ ملتقی کے ایک جانب سے پانی لیا جائے تو شیریں ہے اور دوسری جانب سے جو کہ جانب اول کے بالکل قریب ہے پانی لیا جائے تو تلخ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ہندوستان میں دو دریاؤں کے درمیان اس قسم کے اختلاط صوری اور افتراق معنوی کا مشاہدہ متعدد مقامات پر ہو سکتا ہے۔ مثلاً مشرقی سرحد پر، اراکان (علاقہ برھما) اور چاٹگام کے درمیان اسی طرح ضلع باریسال (مشرقی بنگالہ) میں بھی دو ندیاں ایک دوسرے سے متصل اسی قسم کی بیان کی گئی ہیں۔ مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو فاضل جلیل مولنا شبیر احمد صاحب عثمانی کا حاشیہ ترجمۃ القرآن (مدینہ پریس، بجنور، یوپی) یہ معنٰی بھی ہو سکتے ہیں کہ دنیا میں پانی کے دو عظیم الشان ذخیرہ ہیں۔ ایک سمندری پانی جو کھاری اور پیاس بڑھانے والا ہوتا ہے۔ دوسرا پانی جو دریا، جھیل، تالاب، پہاڑی چشموں وغیرہ میں ملتا ہے اور شیریں اور مسکن ہوتا ہے۔ المراد من البحر العذب ھذہ الاودیۃ و من الاجاج البحار الکبار (کبیر) یہ دونوں پانی باہمی تعامل وتاثر کے باوجود اپنے الگ الگ خصوصیات پر قائم رہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اَلْبَحْرَيْنِ۔ صوفیہ نے اس نظیر سے فائدہ اٹھا کر معنوی حیثیت سے بھی دو بحر قرار دیے ہیں۔ ایک بحر روح، موصوف بصفات حمیدہ۔ دوسرا بحر نفس، موصوف بصفات ذمیمہ۔ اور کہا ہے کہ سطحی طور پر دونوں ایک دوسرے سے ملتبس ومختلط معلوم ہوتے ہیں، مگر واقع میں دونوں میں امتیاز ہے، جسے بصر معلوم کر لیتا ہے۔ و۶۱ یہاں پانی سے مراد نطفہ بشری لیا گیا ہے۔ یجوز ان یرید بہ النطفۃ التی خلق بھا ولد ادم (جصاص) یجوز ان یراد بالماء النطفۃ (روح) اگر مطلق پانی بھی مراد لیا جائے تو اس پر حاشیہ سورۃ الانبیاء پ۱۷ میں آیت وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ کے تحت میں گزر چکا۔ و۶۲ (کہ کیسی بہ ظاہر بے حقیقت چیز سے کتنے عظیم الشان اور دور دراز کے تعلقات قائم کر دیے) فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا۔ اسلام نے سارے انسانی معاشرہ کی بنیاد خاندان ہی پر رکھی ہے اور سسرال کو بھی خاندان ہی کا ایک جزو ٹھہرایا ہے۔ عقد مناکحت کی پوری اہمیت جبھی ذہن نشین ہوگی جب پہلے خاندان کی اہمیت اجتماعی زندگی میں ذہن نشین کر لی جائے۔

الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ

ہواؤں کو بھیج دیتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں

مَآءً طَهُوْرًا ۝۴۸ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا

خوب پاک وصاف (کرنے والا) و۵۵ تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے مردہ بستی میں جان ڈال دیں اور اپنے پیدا کیے ہوؤں

خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ۝۴۹ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ

میں سے بکثرت مویشیوں اور انسانوں کو سیراب کر دیں اور ہم اس پانی کو ان کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں

لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝۵۰ وَلَوْ شِئْنَا

تاکہ وہ غور کریں و۵۶ تاہم اکثر لوگ ناشکر گزار ہوئے بغیر نہیں رہتے و۵۷ اور اگر ہم چاہتے تو

لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ۝۵۱ ۖ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ

ایک ایک بستی میں ہم ایک ڈرانے والا بھیج دیتے و۵۸ سو آپ کافروں کا کہنا نہ مانئے

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝۵۲ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ

اور قرآن کے ذریعہ سے ان کا مقابلہ زور شور سے کیجیے و۵۹ اور وہی (اللہ) ہے جس نے دو دریاؤں کو

الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ

ملایا ایک شیریں تسکین بخش ہے اور ایک کھاری اور تلخ ہے

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝۵۳ وَهُوَ الَّذِيْ

اور دونوں کے درمیان ایک حجاب اور ایک مانع قوی رکھ دیا و۶۰ اور وہ وہی ہے جس نے

خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۗ وَكَانَ

انسان کو پانی سے پیدا کیا و۶۱ پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنایا اور آپ کا

رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝۵۴ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ

پروردگار بڑا قدرت والا ہے و۶۲ اور یہ (مشرک لوگ) اللہ کے مقابلہ میں ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں نفع پہنچا

وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ

سکیں اور نہ انہیں نقصان پہنچا سکیں اور کافر تو اپنے پروردگار کا مخالف ہی ہے و۶۳ اور ہم نے

اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ

تو آپ کو بس اس لئے بھیجا ہے کہ خوش خبری سنائیں اور ڈرائیں و۶۴ آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ تو

مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾

مانگتا نہیں و۶۵ ہاں (یہ البتہ چاہتا ہوں کہ) جو کوئی چاہے اپنے پروردگار تک راستہ اختیار کرلے

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ

اور آپ بھروسہ اسی زندہ پر رکھیے جسے کبھی موت نہیں اور اسی کی حمد میں تسبیح کرتے رہیے

وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾ۚۛ الَّذِيْ خَلَقَ

اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے (خوب) خبردار ہے و۶۶ (وہ) وہی ہے جس نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

آسمان و زمین اور جو کچھ دونوں کے درمیان ہے اسے پیدا کر دیا چھ دنوں میں پھر وہ

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚۛ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾

تخت پر قائم ہوگیا و۶۷ (وہی ہے خدائے) رحمٰن سو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھا چاہیے و۶۸

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ق

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (خدائے) رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن ہے کیا چیز؟ و۶۹

اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ تَبٰرَكَ الَّذِيْ

کیا ہم اسے سجدہ کرنے لگیں گے جس کے لیے تم ہمیں حکم دوگے اور انہیں اور زیادہ نفرت ہوگئی ہے و۷۰ بہت عالی شان

جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا

ہے وہ جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اس میں ایک چراغ اور نورانی

و۶۳ (سو مخالف کی فکر و غم ہی میں آپ کیوں پڑیے اور اس کے ایمان وہدایت کی کیوں اتنی پروا کیجئے) اَلْكَافِرُ۔ صورۃً مفرد ہے۔ بہ طور اسم جنس آیا ہے۔ والمراد بالكافر الجنس (بیضاوی) یرید بالكافر الجنس (کشاف) و۶۴ (اس تبشیر وانذار سے بڑھ کر کوئی ذمہ داری آپ پر ہرگز نہیں) و۶۵ (اور میری کوئی غرض، جاہی ومالی اس تبلیغ حق کے سلسلہ میں متعلق نہیں) پیمبر کے "تبلیغی لکچروں" کو گراں قدر فیسوں سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ پیمبر ایک پیکر بے غرضی و بے نفسی کا ہوتا ہے۔ و۶۶ (وہ خود ہی جب مناسب سمجھے گا انہیں پوری سزا دے لے گا) اسم باری حی الذی لا یموت ہم مسلمانوں کو ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے اور چونکہ کان شروع ہی سے اس کے عادی ہیں، حیرت اس پر ہوتی ہے کہ اس کے خلاف کوئی عقیدہ ممکن کیونکر ہے؟ یہ ہو کیسے سکتا ہے کہ کوئی خدا بھی ہو اور ساتھ ہی فانی بھی! لیکن دنیا کی دوسری قوموں میں خدائی کے تصور کے ساتھ یہ بقا و عدم فنا کا لزوم ہرگز قائم نہیں۔ مشرک قومیں کثرت سے اپنے دیوتاؤں کی مستقل یا عارضی وفات کی قائل ہیں اور صلیب پر ابن اللہ کی وفات (گو تین ہی دن کے لیے سہی) تو مسیحیت کا بنیادی و مرکزی عقیدہ ہے۔ و۶۷ تخت یعنی تخت حکومت۔ سِتَّةِ اَيَّامٍ، اِسْتَوٰى، عرش سب پر مفصل حاشیے سورۂ اعراف رکوع ۷ میں گزر چکے۔ و۶۸ (کافروں و مشرکوں، منکروں کو کیا خبر اور کیا قدر؟) مشرک جاہلی قومیں اپنے دیوی دیوتاؤں کو ہوا بنائے ہوئے ان سے محض ڈرنا، سہمنا، خوف کرنا جانتی ہیں۔ صفت رحمانیت کا مظہر کامل ہونا ان کی سمجھ میں ہی نہیں آتا ــــ خود مسیحیوں کو بھی اسی صفت باری کے سمجھنے میں ٹھوکر لگی، اور اسی سے انہیں کفارہ وغیرہ کے عقاید تراشنے کی ضرورت پڑی۔ بِهٖ میں ب عن کے معنی میں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سوال کا صلہ جس طرح عن آتا ہے ب بھی آتا ہے۔ اہل نحو سے دونوں قول منقول ہیں۔ والباء فی به صلة سئل كما تكون عن صلته (کشاف) والسوال كما یعدّی بعَنْ لتضمنه معنى التفتیش یعدّی بالیاء لتضمنه معنى الاعتناء (بیضاوی) قال الزجاج معناه عنه (کبیر) و۶۹ یہ سوال مشرکین عرب کی طرف سے پیش ہوتا تھا۔ وہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ اللہ تک تو خیر اسے تو معبود اعظم کی حیثیت سے ہم بھی جانتے ہیں، لیکن یہ دوسرا نام اَلرَّحْمٰن تم کیا لیا کرتے ہو۔ یہ کیا کوئی دوسرا خدا ہے۔ اس کی ماہیت اور صفات تو بیان کرو ــــ مشرکین حق تعالیٰ کی صفت رحمانیت سے، بہت ہی دور اور بیگانہ تھے۔ و۷۰ (اور بجائے اس کے کہ اسلام سے قریب ہوتے اور زیادہ دور ہوگئے)

مع ۵

السجدۃ ۷ ع ۱۲ ۵ ۲

و۷۱ سِرٰجًا۔ سراج سے مراد یہاں آفتاب ہے۔ یعنی الشمس (راغب) ویعبر به عن کل مضیء (راغب) وھی الشمس المنیرة التی ھی کالسراج فی الوجود (ابن کثیر) بُرُوْجًا۔ بروج کے معنی بڑے بڑے ستاروں کے ہیں۔ البروج ھی الکواکب العظام (کبیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) ھی الکواکب العظام (ابن کثیر، عن مجاہد وسعید بن جبیر وابی صالح والحسن و قتادة) فِیْهَا سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اجرام فلکی، فلک کے اندر ہی ہوں۔ **و۷۲** مطلب یہ ہے کہ یہ مہیب وعظیم الشان نورانی اجسام تو ایسے ہیں کہ مشرک قومیں انہیں کو دیوتا اور صاحب اختیار وتصرف خدا سمجھ بیٹھی ہیں۔ ان سب کا ایک نظام کے ماتحت ہونا، ایک آئین میں جکڑا ہونا، ان کے خالق وصانع کی قدرت، حکمت، صفت سب کے کمال، اور صفت یکتائی پر ایک دلیل قوی ہے۔ لِمَنْ...... شُكُوْرًا۔ یہ سب ''سمجھنے والے کی نظر میں استدلالات ہیں اور شکر گزاری کرنے والے کی نظر میں انعامات ہیں۔'' **و۷۳** یعنی بجائے فخر وغرور وتمکنت کے جو جاہلیت اور جاہلی قوموں کا شعار خاص ہے ان کے مزاج

مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ

چاند بنادیا **و۷۱** اور وہ وہی تو ہے، جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنادیا اس شخص کے لئے

اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ

جو سمجھنا چاہے یا شکر ادا کرنا چاہے **و۷۲** اور (خدائے) رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں

الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ

جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں **و۷۳** اور جب ان سے جہالت والے لوگ

الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ

بات چیت کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں خیر **و۷۴** اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے

سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ

سجدہ قیام میں لگے رہتے ہیں **و۷۵** اور وہ جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم

عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ اِنَّهَا

کے عذاب کو دور رکھیو کہ بے شک اس کا عذاب پوری تباہی ہے اور بے شک

سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا

وہ (جہنم) برا ٹھکانا ہے اور (برا) مقام ہے **و۷۶** اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگتے ہیں

لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور اس کے درمیان (ان کا خرچ) اعتدال پر رہتا ہے **و۷۷**

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ

اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے **و۷۸** اور جس (انسان کی) جان کو اللہ نے محفوظ

النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ

قرار دے دیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر ہاں حق پر **و۷۹** اور نہ زنا کرتے ہیں **و۸۰** اور جو کوئی

میں نرمی وتواضع غالب آ گئی ہے۔ یہاں تک کہ چال میں اس کا اثر ظاہر ہونے لگا ہے۔ — مقصود یہاں رفتار کی کوئی مخصوص ہیئت نہیں بلکہ محض تواضع وانکسار کا بیان ہے۔ المراد مدجسم بالسکینة والوقار فیه (روح) رکوع میں اللہ کے بندگان خاص کے جو اوصاف بیان ہو رہے ہیں، گو عمومی رنگ میں ہیں تاہم براہ راست اس کے مصداق خود رسول کے معاصر مومنین یعنی صحابہ کرام ہیں جو ابھی ابھی شرک کے دین اور جہالت کے آئین کو چھوڑ کر داخل اسلام ہوئے ہیں رسول کی صحبت سے ان کی قلب ماہیت ہو چکی ہے۔ رکوع کی تفسیر مزید کے لیے ملاحظہ ہو راقم آثم کا ایک مقالہ ''مردوں کی مسیحائی'' کے عنوان سے بہ طور ضمیمہ کے سورت کے خاتمہ پر۔ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ میں بندوں کی اضافت رحمٰن کی جانب ان کے اظہار خصوصیت وفضیلت کے لیے ہے۔ ورنہ تکوینی طور پر تو سارے انسان رحمٰن ہی کے بندے ہیں۔ ھذہ الاضافة للتخصیص و التفضیل والّا فالخلق کلھما عباداللہ (معالم) **و۷۴** (اور اپنے نفس کے لیے انتقام قولی وفعلی کے درپے نہیں ہو جاتے) سَلٰمًا۔ ''خیر'' اردو محاورہ میں ایسے ہی موقع پر آتا ہے۔ جہاں بات کو ختم کر دینا اور پی جانا منظور ہوتا ہے۔ یہ سلام ''تسلیم'' سے نہیں، ''تسلّم'' سے ہے جو علیحدگی وبرأت کے موقع پر آتا ہے۔ لیس سلامًا من التسلیم انما ھو من التسلّم۔ تقول العرب سلامًا ای تسلّما منک ای براء ة منک (قرطبی) یعنی یہ لوگ نہ صرف اپنے معاملات میں متواضع و منکسر ہیں بلکہ دوسروں کے مقابلہ کے وقت بھی ضبط وتحمل کے پیکر بنے رہتے ہیں اور از خود کسی پر زیادتی کرنا الگ رہا، جب دوسرے ان پر زیادتی کرنے لگتے ہیں، جب بھی اشتعال قبول کر کے آمادۂ جنگ نہیں ہو جاتے۔ غرض حقوق اللہ وحقوق العباد دونوں کی ادائی میں سرگرم رہتے ہیں۔ ''جو خشونت، تادیب واصلاح و سیاست شرعیہ یا اعلاء کلمة اللہ کے لیے ہو، اس کی نفی مقصود نہیں۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) الْجٰهِلُوْنَ۔ جہالت والوں سے مراد ہر وہ شخص ہوتا ہے جو بات جہالت کی کرے۔ مگر جس طرح جاہلیت کا اطلاق خاص طور پر شرک قبل الاسلام پر ہوتا ہے، الْجٰهِلُوْنَ سے بھی مراد خصوصیت کے ساتھ وہی دور قبل اسلام کے مشرکین ہیں۔ **و۷۵** یہ لوگ راتیں شراب خانوں میں، نشاط خانوں میں، ناچ گھروں میں نہیں گزارتے۔ سینما، تھیٹر وغیرہ میں مارے مارے نہیں پھرتے۔ جائز استراحت میں توغل سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ الٹے نماز وعبادت میں پوری پوری راتیں گزار دیتے ہیں۔ **و۷۶** باوجود طاعت وعبادت میں اس اہتمام تام کے ان کی خشیت قلب کی کیفیت یہ رہتی ہے۔ **و۷۷** یعنی مالی معاملات میں ان کا طریقہ عین اعتدال ومیانہ روی کا رہتا ہے۔ نہ وہ افراط کہ معصیت کی راہ میں خرچ کرنے لگیں۔ نہ یہ تفریط کہ طاعت وعبادت کے موقع پر بھی پیسہ اٹھانے سے بخل کریں۔ — مختصر آیت کے اندر صحیح معاشیات ملی وانفرادی کا اصل اصول بیان کر دیا ہے۔ **و۷۸** اور اپنے عقیدہ میں کوئی شائبہ شرک کا نہیں آنے دیتے) **و۷۹** یعنی بجز اس صورت کے کہ کسی کے قتل کے وجوب یا جواز پر کوئی شرعی سند ہی مل جائے، ان کا دامن قتل وخون سے تمام تر پاک رہتا ہے۔ اس کی پوری قدر اس وقت ہو گی جب یہ پیش نظر رہے کہ اہل عرب اسلام سے معاً قبل بھی قتل وخونریزی میں کس قدر غرق تھے۔ بات بات پر تلواریں نکل آتیں اور گردنیں کٹ جاتی تھیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ **و۸۰** حالانکہ چند ہی سال قبل ان کی سوسائٹی میں حرامکاری بالکل معیوب نہ تھی۔ بلکہ ٹھیک آج کل کی جاہلی فرنگی قوموں کی طرح اس جاہلی تہذیب میں بھی تھوڑی بہت حرامکاری اور ''خوش وقتی'' ''سیر وفیشن'' میں داخل تھی۔

يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ

ایسا کرے گا اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا قیامت کے دن اس کا عذاب

الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ

بڑھتا جائے گا وہ اس میں (ہمیشہ) ذلیل ہو کر پڑا رہے گا و٨١ مگر ہاں جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے

وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ

اور نیک کام کرتا رہے سو ایسے لوگوں کو اللہ ان کی بدیوں کی جگہ نیکیاں

حَسَنٰتٍ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾ وَ مَنْ تَابَ

عنایت کرے گا و٨٢ اور اللہ تو ہے ہی بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا و٨٣ اور جو کوئی توبہ کرتا ہے

وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَ الَّذِيْنَ

اور نیک کام کرتا ہے تو وہ بھی اللہ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے و٨٤ اور وہ لوگ

لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿٧٢﴾

ایسے ہیں کہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور جب وہ لغو مشغلوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گزر

وَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا

جاتے ہیں و٨٥ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے پروردگار کی آیات کے ذریعہ سے تو یہ ان پر

وَّ عُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ

اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے و٨٦ اور یہ وہ لوگ ہیں جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری

اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ

بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا

اِمَامًا ﴿٧٤﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ

سردار بنا دے و٨٧ ایسے لوگوں کو بالا خانے ملیں گے بوجہ ان کی ثابت قدمی کے اور ان کو

و٨١ ذٰلِكَ میں اشارہ ان تمام اعمال کی طرف آ گیا جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ یعنی شرک، قتل، زنا۔ عذاب کے ساتھ زیادتی عذاب، دوام عذاب اور اہانت کی قیدوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود یہاں کفار و مشرکین ہی ہیں۔ عاصی مومن پر عذاب اگر ہوگا بھی تو محض اصلاح و تطہیر کی غرض سے۔ و٨٢ یعنی جو شخص اپنے کفر کو اسلام سے بدل دے اور اپنے فسق کو طاعت سے اس کے گزشتہ یعنی زمانہ کفر کے گناہ تو اسلام کی برکت سے محو ہو ہی جائیں گے، اور اب التزام طاعت سے آئندہ نیکیاں ہی اس کے لیے لکھی جائیں گی۔ و٨٣ چنانچہ بہ اقتضائے مغفرت وہ گناہوں کو محو کر دیتا ہے، اور بہ اقتضائے رحیمیت حسنات کو ثبت فرماتا رہتا ہے۔ و٨٤ یہاں ذکر مومن عاصی کا ہے جو معصیتوں سے تائب ہو رہا ہے اور آئندہ نیکیاں کرتا ہے۔ یعنی ان معصیتوں کا اعادہ نہیں ہونے دیتا۔ مَتَابًا۔ متاب مصدر ہے جو فعل کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ یعنی مومن عاصی توبہ نصوح کر رہا ہے، اللہ کیوں نہ اسے قبول کرے گا۔ اے تاب حق التوبه و هی النصوح ولذا اكد بالمصدر. فمتابا مصدر معناه التاكيد كقوله كلّم الله موسٰى تكليمًا اے فانه يتوب الى الله حقًا فيقبل الله توبته حقًا (قرطبی) و٨٥ یعنی نظریں نیچی کیے ہوئے سلامت روی کے ساتھ ان بیہودگیوں سے گزر جاتے ہیں نہ ان لایعنی مشاغل کی طرف مشغول ہوتے ہیں، نہ عاصیوں کی تحقیر کر کے اپنا کبر ظاہر کرتے ہیں۔ الزُّوْرَ۔ زور کے معنٰی کذب اور میل عن الحق کے ہیں (راغب) یشهدون الزور سے مراد لی گئی ہے ناجائز مجمع میں حاضری۔ اے حضور مواضع الكذب (کبیر) و يحتمل كل موضع يجرى فيه مالا ينبغى (کبیر) اور اس کے تحت میں مشرکوں کے جشن اور فاسقوں کے جلسے سب داخل ہیں۔ يدخل فيه اعياد المشركين و مجامع الفساق (کبیر) عن عكرمة لعبٌ كان فى الجاهلية يسمّٰى بالزور (قرطبی) ہمارے زمانہ کے میلے ٹھیلے، مختلف "بازیوں" کے جمگھٹے، ناچ رنگ کی محفلیں، تھیٹر، سینما وغیرہ سب اس کے تحت میں داخل ہیں۔ دوسرے معنٰی جھوٹی گواہی دینے کے بھی کیے گئے ہیں۔ الزور يحتمل ان منه الشهادة الباطلة (کبیر) اے انهم لايشهدون شهادة الزور (کبیر) اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مراد مجالس زور ہیں، جن میں اللہ و رسول سے متعلق باتیں گڑھ گڑھ کر بیان کی جاتی ہیں۔ المراد مجالس الزور التى يقولون فيها الزور على الله تعالٰى و رسوله (کبیر) اور کوئی جھوٹی گواہی اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی کہ شرک کی گواہی دی جائے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سب معانی بیان کر کے لکھا ہے کہ درست یہ سب ہو سکتے ہیں۔ البتہ زور کا استعمال کذب کے معنٰی میں اکثر ہوتا ہے۔ كل هذه الوجوه محتملة و لكن استعماله فى الكذب اكثر (کبیر) وَاِذَا مَرُّوْا۔ یعنی جب کبھی اتفاقی طور پر ادھر ان کا گزر ہوتا ہے۔ بِاللَّغْوِ۔ لغو عملی یا زبانی ہر وہ لایعنی مسئلہ ہے جو بچنے کے قابل ہوتا ہے۔ گانے، تماشے خاص طور پر اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اے بما ينبغى ان يلقى و يطرح ممالا خير فيه (روح) و هو كل مسقط من قول او فعل فيدخل فيه الغناء واللهو و غير ذٰلك مما قاربه (قرطبی) لغو کے لیے ملاحظہ ہو پ١٨ حاشیہ نمبر ٣ و٨٦ یعنی قرآن کے حقائق و معارف کی طرف سے اندھے بہرے نہیں ہو جاتے بلکہ عقل و فہم کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوتے اور تعمیل احکام میں لگ جاتے ہیں۔ یہ انہیں بگوش قبول سنتے اور بچشم عبرت دیکھتے ہیں۔ ایات سے مراد احکام الٰہی بھی ہو سکتے ہیں اور اللہ کی نشانیاں بھی۔ و٨٧ یعنی ہمارے گھر والے، ہمارے بیوی بچے، سب ایسے دیندار و پابند شریعت ہوں کہ ہم انہیں دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہو جایا کریں۔ اور ہم کو تقوٰی میں کمال بھی اس درجہ کا عطا کر کہ دوسرے اہل تقوٰی ہم سے ہدایت پائیں۔ — انسان کا بجائے خود دیندار رہنا کافی نہیں، اپنے گھر والوں کی بھی دینداری کی دیکھ بھال اس پر لازم ہے۔ ضمناً یہ بات بھی نکل آئی کہ صاحب اہل و عیال ہونا، ایمان کیا معنٰی کمال ایمان و تقوٰی کے بھی منافی نہیں۔ اور اس میں رد ہے مسیحیوں اور بعض ان مشرک قوموں کا جنہوں نے تجرد و انقطاع و رہبانیت کو دلیل کمال سمجھا ہے۔

فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا ﴿٧٥﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ

وہاں دعا و سلام ملے گا و۸۸ اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے کیا اچھا ہے

مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا

وہ ٹھکانا اور مقام! آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار تمہاری پرواہ ذرا بھی نہ کرے گا اگر تم

دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾

عبادت نہ کرو گے سو تم خوب جھٹلا چکے سوعنقریب یہ (تکذیب) وبال بن کر رہے گی و۸۹

اٰيَاتُهَا ٢٢٧ ٢٦ سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ ٤٧ رُكُوْعَاتُهَا ١١

اس میں دو سو ستائیس آیتیں سورۂ شعرا مکی ہے اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰسٓمّٓ ﴿١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ لَعَلَّكَ

طا۔ سیم۔ میم و۱ یہ کتاب واضح کی آیتیں ہیں۔ شاید کہ آپ

بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٣﴾ اِنْ نَّشَاْ

ان کے ایمان نہ لانے پر جان دے دیں گے و۲ ہم اگر چاہیں

نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا

تو ان پر آسمان سے کوئی (ایسا) نشان اتار دیں کہ ان کی گردنیں اس کے آگے

خٰضِعِيْنَ ﴿٤﴾ وَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ

بالکل جھک جائیں و۳ اور ان کے پاس کوئی بھی تازہ فہمائش (خدائے) رحمٰن کی طرف سے

مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿٥﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا

ایسی نہیں آتی کہ یہ اس سے بے رخی نہ کرتے ہوں چنانچہ یہ جھٹلا کر رہے و۴

ع ٦ / ۴ — منزل ۵

و۸۸ (فرشتوں کی طرف سے بہ طور جنتیوں کی تعظیم واکرام کے) بِمَا صَبَرُوْا۔ ثابت قدمی سے مراد ہے دین پر ثابت قدمی۔ ہجوم مشکلات میں صبر واستقامت۔ و۸۹ (خواہ دنیا میں، خواہ آخرت میں، خواہ دونوں ہی جگہ) قُلْ...... دُعَآؤُكُمْ۔ اس میں رد آ گیا ان جاہل صوفیوں کا جو محض تبرکات یا کسی صالح کے ساتھ انتساب کو مقبولیت کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ حقیقۃً دربار خداوندی میں بندوں کی جو بھی قدر ہے ایمان وطاعت ہی کی بنا پر ہے۔

و۱ کہا گیا ہے کہ ط سے اشارہ ہے طرب قلوب عارفین کی طرف اور س سے سرور محبین کی طرف اور م سے مناجات مریدین کی طرف الطاء اشارة الی طرب قلوب العارفین والسین سرور المحبین والمیم مناجات المریدین (کبیر) دوسرا قول یہ ہے کہ ط "ذی الطول" کا مخفف ہے اور س قدوس کا اور م رحمٰن کا۔ عن محمد ابن کعب انه قال فی هٰذا الطاء من ذی الطول والسین من القدوس والمیم من الرحمٰن (روح) تِلْكَ۔ اشارۂ بعید ہے۔ لیکن یہاں مقصود علو منزلت کا اظہار ہے۔ اشارة الی السورة ما فی ذٰلک من معنی البعد للتنبیه علی بعد منزلة المشار الیه فی الفخامة (روح) و۲ یعنی آپ کے غم وتاسف سے معلوم کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ ایک نقشہ ہے رسول اللہ ﷺ کی غمخواری اور دلسوزی کا شدید منکروں اور کٹر کافروں تک کے لیے! قرآن کریم نے آپ کو سمجھایا ہے کہ اس قدر غم وتاسف بے کار ہے۔ ہمارا کام تو اثبات حق کے ساتھ صرف دلائل صحیح وواضح کا نازل کر دینا ہے۔ باقی ایمان لانا نہ لانا یہ خود لوگوں کے اختیار کی چیز ہے۔ صاحب روح المعانی نے آیت سے دو امر اخذ کیے ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت پر کمال شفقت رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ کافر کے ایمان پر حرص حکم ازلی کے منافی نہیں۔ اور عارف تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے ذیل میں فرمایا ہے کہ (۱) شیخ کو شفقت میں اعتدال مناسب ہے، جو ہدایت نہ پائے اس پر حزن نہ کیا جائے۔ (۲) کسی کی اصلاح شیخ کے اختیار وقدرت وتصرف میں نہیں۔ و۳ (اور انہیں چار وناچار ایمان لاتے ہی بنے) اِنْ نَّشَاْ۔ یعنی اگر مشیت یہ ہوتی کہ سب کے سب ایمان لے ہی آئیں، تو غیب سے کوئی نہ کوئی ایسا کھلا ہوا نشان دکھا دیا جاتا، جس کے بعد تردد وتامل، رد وانکار کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی اور سب کے سب ایمان لانے پر مجبور ومضطر ہو جاتے۔ لیکن پھر یہ عالم ابتلاء باقی نہ رہتا یہاں تو مقصود ہی ان کی قوت اختیار کا امتحان ہے۔ اور یہی دیکھنا ہے کہ کون کس حد تک اپنے ارادہ کو صحیح مصرف میں لاتا ہے۔ محقق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ خوب بیان کیا ہے کہ تصرف باطنی میں بھی ایک شان جبر وزبردستی کی ہے۔ اس لئے مشائخ محققین سلوک وارشاد میں اسے پسند نہیں کرتے۔ و۴ (پیامِ حق، اور پیامبر برحق دونوں کو) یہ تکذیب انتہائی درجہ ہے اس ابتدائی اعراض یا بے اعتنائی کا۔ پھر تکذیب بھی جب استہزاء کے ساتھ ملی جلی ہو! جرم کے یہاں تینوں مرتبے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ پہلے اعراض پھر تکذیب اور پھر استہزاء۔ مُحْدَثٍ۔ ذکر رحمانی کے لیے یہاں جو صفت محدث کی آئی ہے یہ حدوث ذات باری وصفات باری کے اعتبار سے، کہ وہ قدیم ہیں ممتنع ہے، اور وہ یہاں مراد بھی نہیں۔ البتہ باعتبار مخلوق بالکل جائز ہے، اور وہی یہاں مراد ہے اور یہیں سے معتزلہ کے قول کی کمزوری معلوم ہو گئی، جنھوں نے مُحْدَثٍ کو ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ سے متعلق کر کے اس کے اتیان کو قرآن کے مخلوق وحادث ہونے کے ثبوت میں پیش کرنا چاہا ہے۔ من ذکر من زائدہ تاکید عموم اور نفی کو زوردار بنانے کے لیے ہے۔ من مزیدة لتاکید العموم (روح)

و۵ یعنی موت اور حیات کے وقت انہیں ایک ایک حقیقت کا انکشاف ہو کر رہے گا۔ و۶ (ہمارے کمال قدرت اور توحید کی) فن نباتات میں اگر گہری نظر ہو اور نباتاتی حکمتیں اور صناعیاں پیش نظر ہوں، تو ممکن نہیں کہ دل صناع مطلق کی یکتائی پر گواہی نہ دے اٹھے۔ لَاٰیَۃً۔ اٰیۃ (پر تنوین) سے مراد عظیم الشان نشان ہے، جس کے بعد ایمان واجب ہو جاتا ہے۔ اٰیۃ عظیمۃ دالۃ علی ما یجب علیھم الایمان بہ (روح) و۷ (اور اس کی رحمت عام دنیا میں کافروں سے بھی متعلق ہے۔ اس لیے باوجود کمال قدرت انتقام اس نے انہیں مہلت دے رکھی ہے) اَلْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ۔ صفت عزیز کا

فَسَيَأْتِيهِمْ أَنْبَٰٓؤُا۟ مَا كَانُوا۟ بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦﴾ أَوَلَمْ

پس عنقریب ان کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کے ساتھ یہ استہزا کرتے رہے ہیں و۵ کیا انہوں نے

يَرَوْا۟ إِلَى ٱلْأَرْضِ كَمْ أَنۢبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ﴿٧﴾

زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کس قدر بوٹیاں عمدہ عمدہ قسم کی اگائی ہیں!

إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٨﴾

بے شک اس کے اندر ایک (بڑی) نشانی ہے و۶ لیکن ان میں کے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٩﴾ ع وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ

اور بے شک آپ کا پروردگار (بڑا) غالب ہے (بڑا) رحیم ہے و۷ اور (انہیں اس وقت کا قصہ یاد دلائیے) جب آپ

مُوسَىٰٓ أَنِ ٱئْتِ ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٠﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ

کے پروردگار نے موسیٰ کو پکارا کہ تم ان ظالم لوگوں یعنی قوم فرعون کے پاس جاؤ و۸

أَلَا يَتَّقُونَ ﴿١١﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّىٓ أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ﴿١٢﴾

کیا یہ لوگ نہیں ڈرتے؟ وہ بولے کہ اے میرے پروردگار مجھے بس اسی کا اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا ہی دیں گے و۹

وَيَضِيقُ صَدْرِى وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِى فَأَرْسِلْ إِلَىٰ

اور میرا سینہ تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان (خوب) نہیں چلتی ہے و۱۰ سو تو ہارون کے پاس

هَٰرُونَ ﴿١٣﴾ وَلَهُمْ عَلَىَّ ذَنۢبٌ فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ﴿١٤﴾

(بھی وحی) بھیج دے و۱۱ اور میرے ذمہ ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے سو مجھے اندیشہ ہے کہ مجھے قتل ہی کر ڈالیں گے و۱۲

قَالَ كَلَّا ۖ فَٱذْهَبَا بِـَٔايَٰتِنَآ ۖ إِنَّا مَعَكُم مُّسْتَمِعُونَ ﴿١٥﴾

ارشاد ہوا کہ ہرگز نہیں و۱۳ تم دونوں جاؤ ہمارے احکام کے ساتھ۔ ہم خود تمہارے ساتھ سنتے رہیں گے و۱۴

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَآ إِنَّا رَسُولُ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٦﴾ أَنْ

سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم پروردگار عالم کے رسول ہیں و۱۵ کہ

تقاضا یہ تھا کہ سب اس کے بس میں ہیں، وہ سب پر غالب ہے، ان مجرموں کو معاً ہلاک کر ڈالتا۔ لیکن ساتھ ہی وہ رحیم بھی ہے۔ اے ھو الغالب القاھر و مع ذلک فانہ رحیم بعبادہٖ (کبیر) و۸ (عبرت و موعظت کے لیے) اِذْ نَادٰی۔ اکابر اہل سنت کے درمیان اس پر بحث ہوئی ہے کہ یہ ندا جو حضرت موسیٰ کے کان میں آئی کون سی تھی، آیا حق تعالیٰ کا کلام قدیم غیر مخلوق، جیسا کہ امام ابوالحسن اشعری کا خیال ہے۔ یا حروف و اصوات سے مرکب آواز، جیسا کہ امام ابومنصور ماتریدی کا مسلک ہے۔ تفسیر کبیر میں دونوں قول نقل ہوئے ہیں۔ و۹ (قبل اس کے کہ میں پوری تبلیغ کر سکوں) حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ مجھے تعمیل ارشاد میں عذر ہی کیا ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ خیال ضرور ہوتا ہے کہ وہ لوگ میری تبلیغ کے تمام ہونے سے قبل ہی میری تکذیب شروع کر دیں گے۔ حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ اس کے قبل بھی کئی بار آ چکا ہے۔ و۱۰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ زیادہ خوش تقریر نہ تھے۔ روایات یہود میں آتا ہے کہ بچپن میں کوئی تین چار برس کے سن میں ایک جلتا ہوا انگارہ آپ نے اپنی زبان پر رکھ لیا تھا اس سے زبان میں لکنت یا ہکلاہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی ہمارے ہاں روایات اس معنی میں نقل ہوئی ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”تب موسیٰ نے خداوند سے کہا کہ اے میرے خداوند میں فصاحت نہیں رکھتا نہ تو آگے سے اور نہ جب سے کہ تو نے اپنے بندے سے کلام کیا اور میری زبان اور باتوں میں لکنت ہے۔“ (خروج ۴:۱۰) آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بعض نقصانات طبعی اور کمال روحانی کے درمیان کوئی منافاۃ نہیں۔ و۱۱ (اور انہیں شریک نبوت کر دیجیے) حضرت ہارون، حضرت موسیٰ علیہما السلام سے زیادہ خوش تقریر تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اور پھر ان پر کسی قبطی کے قتل وغیرہ کا کوئی الزام بھی نہ تھا۔ و۱۲ (قبل اس کے کہ میں فرائض تبلیغ ادا کر سکوں) جرم سے مراد ایک قبطی کا قتل ہے، جو حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے قبل نبوت اتفاقی طور پر ہو گیا تھا۔ وَلَھُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ سے یہ مراد نہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے اس کا جرم ہونا تسلیم بھی کر لیا تھا۔ آپؑ کا مقصود صرف یہ تھا کہ ”ان کے خیال میں میں ان کا مجرم بھی ہوں“ المراد لھم علی ذنب فی زعمھم (کبیر) و تسمیتہ ذنبا بحسب زعمھم بما ینبئ عنہ قولہ تعالٰی لھم (روح) و۱۳ یعنی ان کی اتنی مجال نہیں کہ وہ تمہیں قتل کر سکیں۔ معناہ ارتدع یا موسٰی عما تظن (کبیر) و۱۴ تسکین، تشفی، دلدہی کا یہ اعلیٰ مقام ہے۔ بندہ کو خود پروردگار عالم کی معیت کا یقین تازہ ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اطمینان اور ہو کیا سکتا ہے؟ بِاٰیٰتِنَا۔ ایات سے مراد احکام بھی ہو سکتے ہیں اور خوارق بھی۔ مَعَکُمْ۔ یہ معیت عامہ نہیں ہے جو حق تعالیٰ کی ہر بندہ کے ساتھ رہتی ہے۔ بلکہ معیت خاصہ مراد ہے جو معیت رافت و نصرت ہوتی ہے و۱۵ رسول، رب العالمین کے، سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے، نہ کہ ”بنی اسرائیل کے خداوند خدا“ یا ”عبرانیوں کے خدا“ یا تمہارے باپ دادوں کے خدا“ کی طرف سے، جس سے توریت بھری پڑی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب خروج، باب ۳) قرآن اور توریت کے بیانات میں یہی تو وہ نازک فرق ہیں جو ایک کا مرتبہ دوسرے سے کہیں ممتاز کر رہے ہیں۔ موسیٰ کے اس مختصر سے فقرہ میں سب سے پہلے تبلیغ توحید و رسالت دونوں کی آ گئی۔ گویا یہی نقطۂ آغاز ہے ان کی تبلیغ کا! اور یہ خصوصیت ہے ہر پیغمبرانہ دعوت کی۔

و١٦ (ان کے وطن ملک شام کو۔ اور اپنے بیگار اور ظلم سے انہیں رہائی دے) توریت میں ہے:۔"اب دیکھ بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی، اور میں نے وہ ظلم جو مصری ان پر کرتے ہیں دیکھا ہے۔ بس اب تو جا۔ میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں۔ میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں مصر سے نکال"۔ (خروج ۳:۹، ۱۰) مجموعۂ دعوت کا حاصل، دعوتِ توحید و رسالت اور پھر مخلوق میں ترک تعدی ہے۔ انْ یہاں مفسرہ ہے۔ ان مفسرة لتضمن الارسال المفهوم من الرسول (روح) و١٧ (اے موسیٰ) موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و تربیت سب شاہی ظلِ عاطفت میں ہوئی تھی۔ اور آپ قصرِ فرعونی میں سالہا سال تک رہے۔ قیام کی مدت روایات یہود میں مختلف آئی ہے۔ کوئی کہتا ہے ۱۸ سال کی عمر تک اور کوئی کہتا ہے ۲۰ سال کی عمر تک اور کسی کسی کی روایات ہے کہ چالیس برس کی عمر تک۔ وَلِيۡدًا۔ ولید وہ لڑکا ہے جس کی پیدائش کا ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے۔ الولید یقال لمن قرب عهده بالولادة (راغب) و١٨ اشارہ ہے اس نادانستہ قتل کی جانب۔ مفصل ذکر سورۂ قصص میں آئے گا۔ معناه و انت ممن عادتهٗ كفران النعم (کبیر) فرعون غصہ اور طنز کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ تم جو یہ سرکاری دھرم (State, Religion) قومی دین (National, Religion) کے مقابلہ میں نیا دین گڑھ کر لائے ہو، تو اس میں نئی بات کون سی ہے، تم تو شروع ہی سے اپنے محسنوں سے غداری کرتے آئے ہو۔ و١٩ (سو حقیقۃً قصور وار تو میں اس وقت بھی نہ تھا) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جرم قتل عمد سے تبری ضالین میں آجاتی ہے۔ ضال کے معنی ہی ہیں انجان کوئی حرکت کر بیٹھنے والا۔

اَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ؕ‏ ﴿۱۷﴾ قَالَ اَلَمۡ نُرَبِّكَ فِيۡنَا

تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے و١٦ (فرعون) بولا کیا ہم نے تمہیں بچپن میں

وَلِيۡدًا وَّلَبِثۡتَ فِيۡنَا مِنۡ عُمُرِكَ سِنِيۡنَ ۙ‏ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلۡتَ

پرورش نہیں کیا تھا اور تم ہم لوگوں میں اپنی اس عمر میں برسوں رہا کیے و١٧ اور تم نے وہ حرکت بھی تو کی

فَعۡلَتَكَ الَّتِىۡ فَعَلۡتَ وَاَنۡتَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ‏ ﴿۱۹﴾ قَالَ

جو کی تھی اور تم بڑے نا شکرے ہو و١٨ (موسیٰ نے) کہا

فَعَلۡتُهَاۤ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيۡنَ ؕ‏ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرۡتُ مِنۡكُمۡ لَمَّا

(واقعی) میں وہ حرکت کر بیٹھا تھا اور مجھ سے (نادانستہ) غلطی ہو گئی تھی و١٩ پھر جب مجھے

خِفۡتُكُمۡ فَوَهَبَ لِىۡ رَبِّىۡ حُكۡمًا وَّجَعَلَنِىۡ مِنَ

ڈر لگا تو میں تمہارے ہاں سے مفرور ہو گیا، پھر میرے پروردگار نے مجھے حکمت عطا کی اور مجھے پیمبروں میں

الۡمُرۡسَلِيۡنَ‏ ﴿۲۱﴾ وَتِلۡكَ نِعۡمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىَّ اَنۡ عَبَّدتَّ

شامل کر دیا و٢٠ اور یہی وہ احسان ہے جس کا تو بار مجھ پر رکھ رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو

بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ؕ‏ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرۡعَوۡنُ وَمَا رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ‏ ﴿۲۳﴾

سخت غلامی میں ڈال رکھا ہے و٢١ فرعون نے کہا کہ اچھا پروردگار عالم کیا چیز ہے؟ و٢٢

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ؕ اِنۡ كُنۡتُمۡ

(موسیٰ نے) کہا کہ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس (سب) کا، اگر تم کو

مُّوۡقِنِيۡنَ‏ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنۡ حَوۡلَهٗۤ اَلَا تَسۡتَمِعُوۡنَ‏ ﴿۲۵﴾ قَالَ

یقین حاصل کرنا ہو و٢٣ (فرعون نے) اپنے اردگرد والوں سے کہا کہ تم لوگ (کچھ) سنتے ہو؟ و٢٤ (موسیٰ نے) کہا

رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآٮِٕكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ‏ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوۡلَكُمُ

وہ پروردگار ہے تمہارا اور پروردگار ہے تمہارے اگلے بزرگوں کا و٢٥ (فرعون) بولا کہ یہ تمہارا رسول

تنبیہ ان ذٰلک منه سهو (راغب) المراد بذٰلک الذاهلین من معرفة مایؤول الیه من القتل (کبیر) المراد انی فعلت ذٰلک الفعل و انا ذاهل من کونه مهلکًا و کان منی فی حکم السهو (کبیر) عن قتادة انه فعل ذٰلک جاهلًا به غیر متعمد ایاه (روح) ضلال کا لفظ ارادی و غیر ارادی، بڑی اور چھوٹی ہر غلطی کے لیے عام ہے۔ یقال الضلال بکل عدول عن المنهج عمدًا کان او سهوًا یسیرًا کان او کثیرًا (راغب) اور اسی لیے اس کا اطلاق ضلال انبیاء و ضلال کفار دونوں پر ہوتا ہے حالانکہ اس ضلال اور اُس ضلال کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے صح ان یستعمل لفظ الضلال ممن یکون منه خطأ ما ولذٰلک نسب الضلال الی الانبیاء والی الکفار و ان کان بین الضلالین بون بعید (راغب) و٢٠ (چنانچہ اب میں خدا ہی کے حکم سے اس کے پیمبر کی حیثیت سے آیا ہوں) پیمبری کی استعداد خطاء عمد کے منافی ہے، نہ کہ اتفاقی غلطی، بھول چوک کے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ گفتگو فرعون کے سامنے بہت ہی سبق آموز ہے قتل، ظاہر میں دنیا کی نگاہ میں ایک کھلا ہوا دینی جرم ہے اور فرار ایک اخلاقی جرم۔ آپ ان دونوں ظاہری جرموں کا اقرار کھلے لفظوں میں اپنے کھلے ہوئے دشمن سے کر رہے ہیں۔ حالانکہ دنیا اس قسم کی کمزوریوں کو شدت سے چھپاتی ہے — مخلصین صادقین کے اخلاق ایسے ہی ہوتے ہیں۔ و٢١ یہ حضرت موسیٰ کی طرف سے فرعون کے احسان جتلانے کا جواب ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے پرورش کا جو احسان تو جتلاتا ہے خود اس کی بھی تو حقیقت یہ ہے کہ تیرے ہی ظلم کے باعث مجھے دریا میں بہا دیا گیا۔ تیرے گھر والوں نے لاوارث سمجھ کر نکال لیا اور پرورش کی۔ نہ یہ تیرا شدید ظلم اسرائیل کے بچوں پر ہوتا اور نہ مجھے یوں دریا میں ڈالا جاتا۔ محققین نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ کافر کا مجرد کفر اس کے احسان کو باطل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اعلم ان فی الأیة دلالة علی ان کفر الکافر لا یبطل نعمته علی من یحسن الیه ولا یبطل منته (کبیر) و٢٢ سوال فرعون کی طرف سے ہو رہا ہے۔ جو مجسمۂ شرک تھا، عقیدۂ توحید سے تمامتر نا آشنا۔ مصری عقیدہ میں سورج دیوتا سب سے بڑا دیوتا تھا اور خود فرعون اس کا اوتار یا مظہر۔ اسے بڑی حیرت ہوئی کہ موسیٰ یہ انوکھا لفظ رب العالمین کیا بول رہے ہیں؟ عالمگیر ربوبیت کا تخیل ہی مشرکانہ دماغ کی گرفت سے باہر رہتا ہے۔ جاہلی دماغ الگ الگ اصناف موجودات کے دیوی دیوتا تو سمجھ لیتا ہے، لیکن اس حقیقت کے قبول کرنے میں وہ اپنے کو تنگ پاتا ہے کہ کوئی ایک پروردگار ساری کائنات کا ہے۔ توریت میں ہے "فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے کہ میں اس کی آواز کو سنوں کہ بنی اسرائیل کو جانے دوں؟ میں خداوند کو نہیں جانتا اور نہ میں بنی اسرائیل کو جانے دوں گا۔" (خروج ۵:۳) و٢٣ موسیٰ علیہ السلام اپنے جواب میں سب سے زیادہ زور پروردگار عالم کی صفت ہمہ گیری پر دے رہے تھے۔ یعنی دائرۂ امکان میں کوئی شے بھی اس کی خالقیت، مالکیت، اور ربوبیت سے باہر نہیں۔ مصریوں کے ہاں آسمان، زمین اور فضائے درمیانی تینوں کے خدا الگ الگ تھے۔ قرآن مجید نے حضرت موسیٰ کے جواب کے الفاظ سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا۔ قَالَ...... وَمَا بَيۡنَهُمَا۔ اس سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ صورت و جسم سے پاک ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ موقع تھا کہ حضرت موسیٰ حضرت باری کی شکل و صورت کو بیان کر چلتے۔ الأیة تدل علی ان الله تعالیٰ لیس بجسم (کبیر) و٢٤ (کہ یہ شخص کیسی عجیب و غریب باتیں بے پر کی اڑا رہا ہے!) لِمَنۡ حَوۡلَهٗ سے مراد اہلِ دربار ہیں۔ ای اشراف قومه (کشاف) التفت فرعون الی من حوله من ملائه ورؤساء دولته (ابن کثیر) سب کے سب عقیدۂ توحید سے یکسر نا آشنا و نامانوس تھے۔ و٢٥ یعنی وہی ایک خدا ساری کائنات خارجی کا بھی ہے اور ساری نوع انسانی کا بھی۔ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ مصری مذہب انسانی آبادی کو مختلف بستیوں اور جغرافی ٹکڑوں میں تقسیم کیے ہوئے تھا اور سب کے دیوی دیوتا الگ الگ تھے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ مصریوں کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ خود مردہ اسلاف ہی معبودیت کے درجہ کو پہنچ جاتے تھے۔ حضرات انبیاء سب سے زیادہ حریص تبلیغ توحید ہی کے ہوتے ہیں۔ اپنے بیان میں اسی کو سب پر مقدم رکھتے ہیں۔

و۲۶ (جب ہی تو ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے کہ تعددِ آلہہ ہی سے انکار کر رہا ہے!) آج بھی دنیا کی مشرک قوموں کی سمجھ ہی میں یہ نہیں آتا کہ توحید خالص بھی کوئی صحیح مسلک ہوسکتا ہے۔ و۲۷ مصری شرک کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ سورج دیوتا کی پوجا کرنے والوں کے مقابلہ میں اللہ کو مشرق و مغرب کے خدائے واحد اور مالک کی حیثیت سے پیش کرنا بہت ہی بلیغ ہے۔ و۲۸

الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ

جو تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے یہ تو مجنون ہے و۲۶ (موسیٰ نے) کہا وہ پروردگار ہے مشرق و مغرب

وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَىِٕنِ

کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس سب کا، اگر تم عقل سے کام لو و۲۷ (فرعون) بولا اگر تم نے

اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ ﴿۲۹﴾

میرے سوا اور کوئی معبود تجویز کیا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا و۲۸

قَالَ اَوَ لَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ

(موسیٰ نے) کہا اور جو میں کوئی کھلی ہوئی بات پیش کر دوں تو؟ و۲۹ (فرعون) بولا، اچھا تو وہ لاؤ اگر

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ

تم سچے ہو پھر (موسیٰ نے) اپنی لاٹھی ڈال دی، سو وہ یک بیک ایک نمایاں

مُّبِیْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّ نَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۳۳﴾ ع

اژدہا بن گیا و۳۰ اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) باہر نکالا تو وہ یک بیک دیکھنے والوں کی نظر میں بہت ہی چمک دار ہو گیا

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾ یُّرِیْدُ اَنْ

و۳۱ (فرعون نے) اپنے اہل دربار سے جو اس کے آس پاس تھے کہا کہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے چاہتا یہ ہے کہ

یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖۗ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

تمہیں تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال دے و۳۲ سو اب کیا کہتے ہو؟

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ ابْعَثْ فِی الْمَدَآىِٕنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۳۶﴾

(درباریوں نے) کہا کہ آپ اسے اور اس کے بھائی کو کچھ مہلت دیجیے اور شہروں میں ہرکاروں کو بھیج دیجیے

یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ

کہ وہ جمع کر کے ماہر فن جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں و۳۳ چنانچہ جادوگر ایک معین دن کے خاص

ہندوستان میں سورج بنسی خاندان کی طرح مصر میں بھی ایک نسل رب الارباب یعنی سورج دیوتا کی نسل سے تھی۔ بادشاہِ وقت یا فرعون، اسی نسل کا سب سے بڑا نمائندہ اور سورج دیوتا کا مظہر یا اوتار ہوتا تھا۔ اس کی پرستش عین سورج دیوتا کی پرستش تھی۔ آج کے زمانہ (یعنی ۱۹۳۵ء) میں اس کی قریب ترین مثال ڈھونڈنا ہو تو ملک جاپان کے فرمانروا میکاڈو کو پیش نظر رکھا جائے۔ جاپانی میکاڈو کو محض بادشاہ نہیں، خدا یا بڑا دیوتا سمجھتے ہیں۔ اور سب معاملات اس کے ساتھ وہی برتتے ہیں جو سب سے بڑے دیوتا کے ساتھ برتنے چاہئیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ۔ فرعون کے زمانہ کے جیل اپنے شدائد کے لیے مشہور تھے۔ فرعون کی اس دھمکی میں یہ مضمون بھی شامل ہے کہ ان قیدیوں کا حال زار دیکھ لو یہی نوبت تمہاری بھی آنا ہے۔ و۲۹ فرعون اور فرعونی سحر وغیرہ کے خرافات میں غرق تھے۔ جب حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ نفس مسائل و حقائق ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے، تو فرمایا کہ تم جو خرق عادت ہی کو دلیل صداقت اور معیار حقانیت قرار دیتے ہو تو کہو، میں بھی کوئی خارقِ عادت ہی پیش کروں۔ و۳۰ نمایاں یعنی ایسا جسے سب نے دیکھا۔ حاشیے سورۂ اعراف پ۹ میں گزر چکے۔ ثُعْبَانٌ۔ ثعبان اور حیۃ میں فرق یہ ہے کہ ثعبان میں پہلو سانپ کے حجم اور قد و قامت کی بڑائی کا زیادہ ہے یعنی خوب موٹا تازہ سانپ۔ اور حیۃ میں اس کی تیز رفتاری کا۔ یعنی بڑی تیزی سے دوڑنے والا سانپ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حیۃ ہر قسم کے سانپ کے لیے عام ہے۔ ثعبان اسے اس کی بڑائی کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ اور جان اسے اس کے ہلکے پھلکے ہونے اور تیز رفتاری کی بناء پر۔ اما الحیة فهی اسم الجنس ثم انها لکبرها صارت ثعبانا و شبهها بالجان لخفتها و سرعتها (کبیر) و۳۱ ''بہت ہی چمکدار'' یعنی اس کو بھی سب نے نظر حسی سے دیکھا۔ توریت میں یہ معجزات حضرت ہارون کی جانب منسوب ہیں۔ قرآن نے حسب معمول اس موقع پر بھی توریت کی تصحیح کر کے بتایا کہ یہ معجزات حضرت موسیٰ کے تھے و۳۲ (اور خود مع اپنی قوم کے حکومت کرے) انسان اپنے ہی نفس پر دوسروں کو قیاس کرتا ہے، اور اپنے ہی ظرف کے پیمانہ سے سب کو ناپتا ہے۔ خارق عادت کی کوئی توجیہ ان مشرکوں کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتی تھی بجز سحر و ساحری کے۔ اور تبلیغ دین حق کا کوئی محرک ان کے خیال میں اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا بجز ہوس ملک گیری و اقتدار دنیوی کے۔ و۳۳ (اور پھر وہ جادوگر مقابلہ کر کے اس نئے ساحر کا زور توڑیں) سَحَّارٍ صیغۂ مبالغہ ہے ساحر کا۔ یعنی بڑے ماہر فن ساحر۔ علیم اسی صفت کو اور بڑھا رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سرکاری ماہرین فن بڑے بڑے باکمال تھے۔ سحر مصری تمدن میں آج کل کی طرح کوئی حقیر و بے حقیقت چیز نہ تھی۔ سائنس کی اعلیٰ شاخوں کی طرح اس کا شمار علوم عالیہ میں تھا۔ اور ساحر کا مرتبہ وہ تھا جو آج سائنس کے کسی اکسپرٹ کا ہوتا ہے۔ حٰشِرِیْنَ۔ یعنی وہ جو جمع کر کے لائیں۔

ف۳۴ جادوگر دار السلطنت میں آ کر اکٹھے ہوئے۔ مقابلہ کا وقت و مقام طے پا گیا۔ اور عام منادی سرکار کی طرف سے کردی گئی کہ سب لوگ آ کر غلبۂ حق (یعنی سرکاری مذہب کے غلبہ) کا تماشا دیکھیں۔

يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٣٨﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿٣٩﴾

وقت پر جمع کر لئے گئے لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ جمع ہو جاؤ

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا

تاکہ جادوگر اگر غالب ہو جائیں تو ہم انہیں کی راہ پر رہیں ف۳۴ پھر جب

جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ

جادوگر آئے تو فرعون سے بولے کہ ہم کو کوئی (بھاری) انعام ملے گا نا؟ اگر

كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ

ہم غالب رہے ف۳۵ (فرعون نے) کہا ضرور اور تم اس صورت میں ہمارے مقربوں میں

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ

داخل ہو جاؤ گے ف۳۶ موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا، ڈال چلو جو کچھ تمہیں

مُّلْقُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ

ڈالنا ہو سو انہوں نے ڈالیں اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ف۳۷ اور کہنے لگے کہ فرعون کے

فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ

اقبال کی قسم ف۳۸ غالب یقیناً ہم ہی رہیں گے پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا

فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿٤٥﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ

سو وہ لگا نگلنے ان کے بنائے ہوئے گورکھ دھندے کو ف۳۹ سو جادوگر سجدہ میں

سٰجِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ

گر پڑے ف۴۰ بولے کہ ہم ایمان لے آئے پروردگار عالم پر موسیٰ و ہارون کے

مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿٤٨﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ

پروردگار پر ف۴۱ (فرعون نے) کہا تم اس پر ایمان لے آئے بغیر اس کے کہ میں تمہیں

نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ ساحروں کی راہ کے اتباع پر حیرت نہ ہو یہی ساحر دین مصری کے اعیان و اساطین تھے۔ ساحر مصری تمدن میں باکمال ماہرین سائنس اور محققین مذہب دونوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ اِنْ...... الْغٰلِبِيْنَ۔ فرعون کو تو یقین تھا کہ ہمارے ہی جادوگروں کی پارٹی کامیاب رہے گی۔ اور اسی کو صداقت و حقانیت کا معیار قرار دے کر اس نے پکار کرادی تھی کہ آؤ سب لوگ اپنے ملکی اور سرکاری ماہرین فن کے کمالات کا مشاہدہ کرو اور مشاہدہ کے بعد اپنے اسی دین فرعونی کی صداقت پر اور زیادہ جم جاؤ۔ ف۳۵ طالبانِ دنیا کی نظر مہارت و کمالِ فن کے باوجود عموماً نفع عاجل ہی پر رہتی ہے ــــ برطانوی حکومت کے زمانہ میں ہندوستانیوں سے جب کوئی بڑا کارنمایاں انجام پا جاتا تھا، تو یہ برابر توقع خان بہادری کی، رائے بہادری کی، اور نائٹ ہڈ کی، اور دوسرے خطابات کی رکھتے تھے۔ ف۳۶ فرعون نے کہا کہ انعام محض مالی ہی نہ رہے گا، بلکہ "اسٹیٹ" تمہاری اور بھی ہر طرح سرپرستی کرے گی۔ مال و جان دونوں سے تمہاری حوصلہ افزائی ہوگی۔ ف۳۷ (اور وہ سحر کے اثر سے سب کو سانپ دکھائی دینے لگیں) مصری عقائد میں سانپ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ قَالَ...... اَلْقُوْا۔ موسیٰ علیہ السلام کے قول سے کیا یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ سحر کی اجازت دے رہے تھے؟ سحر ایسی معصیت ہے جو محض فسق ہی نہیں، بلکہ اس کے ڈانڈے کفر سے ملے ہوئے ہیں۔ تو کیا پیمبر اپنی رضاء کفر یا تقریباً کفر کو دے رہے تھے؟ صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ اس میں بظاہر امر ہے سحر کرنے کا، لیکن درحقیقت آپ نے انہیں اس عمل کا حکم دیا، جو آپ کو الہام یا فراست یا قرائن سے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کر کے رہیں گے۔ مقصود آپ کا رد تھا اس سحر کا اور خود وہ رد موقوف تھا سحر کے اظہار پر۔ بالکل ایسی ہی بات۔ جیسے زندیق سے کہا جائے کہ اپنے دعوئ باطل پر دلیل قائم کر، اور مقصود اس دلیل کا ابطال ہو۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ شبہ کے مٹانے کے لیے جب یہی صورت تھی تو یہ امر جائز ہو گیا تھا۔ لما تعین ذلک طریقا الی کشف الشبهة صار جائزا (کبیر) عارف تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سے یہ مسئلہ پیدا کیا ہے کہ بعض مشائخ سے جو کھلے ہوئے منکرات پر چشم پوشی منقول ہے۔ اس کی تہ میں کوئی مصلحت دینی ہی ہوتی ہے جو اس وقت خفی ہوتی ہے۔ اور بعد کو واضح ہو جاتی ہے ف۳۸ بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ ایسا ہی فقرہ ہے جیسا آج میلوں ٹھیلوں، کانگرسوں وغیرہ کے موقع پر "بھارت ماتا کی جے" "سری رامچند رکی جے" وغیرہ کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ ف۳۹ (یعنی جادو کے ان مصنوعی سانپوں کو) ف۴۰ (موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے متاثر اور اس کے سامنے لاجواب اور بے بس ہو کر) ف۴۱ یعنی شرک چھوڑ کر توحید پر ایمان لے آئے۔ "پروردگار عالم" کے تخیل ہی سے یہ اب تک نا آشنا تھے، اور اس کا نام بھی انہوں نے انہیں دونوں پیمبروں کی زبان سے سنا تھا۔

لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ

اجازت دوں ضرور یہی تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے اچھا تو تمہیں ابھی

تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے میں تمہارے ہاتھ کاٹوں گا ایک طرف کے اور تمہارے پاؤں دوسری طرف کے

وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ ۚ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰى

اور سولی پر تم سب کو چڑھاؤں گا و۴۲ (جادوگر) بولے کچھ ہرج نہیں ہم اپنے پروردگار

رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ ۚ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ

کے پاس جا پہنچیں گے و۴۳ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کرے

اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ؑ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ

اس لئے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لے آئے و۴۴ اور ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ شبا شب

اَسْرِ بِعِبَادِيْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ

میرے (ان) بندوں کو لے کر نکل جاؤ، تم لوگوں کا پیچھا (بھی) کیا جائے گا و۴۵ فرعون نے

فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ ۚ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ

شہروں میں ہرکارے بھیجے کہ یہ لوگ ایک چھوٹی سی

قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ ۙ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ ۙ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ

جماعت ہیں اور انہوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے اور ہم سب کو ان سے

حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ ؕ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ ۙ

خطرہ ہے و۴۶ پھر ہم نے انہیں نکال باہر کیا باغوں اور چشموں

وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ ۙ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ

اور خزانوں اور عمدہ مکانات سے و۴۷ یوں ہی ہوا اور ہم نے ان کے بعد ان کا مالک بنی اسرائیل کو

ع ۳/۱۸

و۴۲ سولی پر چڑھانے اور اعضاء کے قطع کر دینے کی سزائیں مصری حکومت میں رائج تھیں۔ مفصل حاشیہ کے لیے ملاحظہ ہوں سورۂ اعراف پ ۹ کے حاشیے۔ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ۔ قبل کے معنی یہاں پیشتر کے نہیں، اور نہ یہ مراد ہے کہ اگر فرعون سے اجازت لے لی جاتی تو وہ اس کی اجازت دے دیتا۔ بلکہ معنی بغیر یا بدون کے ہیں اور قبل کے اس مفہوم نفی پر حاشیہ اس سے قبل گزر چکا ہے۔ و۴۳ (جو حقیقی امن و عافیت اور دائمی راحت کا ٹھکانا ہے)۔ اللہ اللہ توحید کا عقیدہ بھی سکون خاطر بہم پہنچا دینے میں کس درجہ موثر ہوتا ہے! و۴۴ ''سب سے پہلے''یعنی مخالفین و منکرین کے اس مجمع میں سب سے پہلے۔ یا قوم فرعون میں سب سے پہلے۔ فالمراد لان کنا اول المومنین من الجماعة الذین حضروا ذٰلک الموقف (کبیر) اے من اھل زماننا (معالم) اَن یہاں لان کے مرادف ہے یعنی ''اس لیے کہ'' یا ''اس بنا پر کہ'' معناہ لان کنا (کشاف) اے بسبب انا بادرنا قومنا من القبط الی الایمان (ابن کثیر) و۴۵ اب یہ قصہ بعد کا ہے۔ جب حضرت موسیٰ کو تبلیغ کرتے ایک عرصہ گزر گیا۔ اور فرعون کی طرف سے اسرائیلیوں پر سلسلۂ آزار جاری رہا تو اب حضرت موسیٰ کو حکم الٰہی یہ ملا کہ ایک روز راتی رات اپنی قوم کو لے کر نکل جاؤ اگرچہ فرعون تمہارا تعاقب زبردست کرے گا۔ و۴۶ (امن عامہ کی خاطر ان کا قلع قمع فوراً کر دینا چاہیے) آج بھی قاہر اور چنگیزی حکومتیں اسی قسم کے اعلان شائع کرتی رہتی ہیں کہ بس ایک مٹھی بھر لوگ ہمارے خلاف شورش پھیلا رہے ہیں اور طرح طرح کی حرکتیں امن سوزی اور قانون شکنی کی کر رہے ہیں۔ اس لیے امن عامہ کی خاطر انہیں دبا ہی دینا چاہیے۔ قَلِيْلُوْنَ سے اشارہ علاوہ قلت تعداد کے، ان لوگوں کی بے وقعتی اور کم حیثیتی کا بھی نکلتا ہے۔ یجوز ان یرید بالقلة الذلة لا قلة العدد والمعنی انھم بقلتھم لا یبالی بھم ولا یتوقع غلبھم و علوھم (کبیر) و۴۷ یعنی ظالم فرعونیوں کی حکومت، ثروت، اقبال مندی سب مٹ کر رہی۔

اِسْرَآءِیْلَ ﴿٥٩﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ

بنادیا وا٤٨ غرض سورج نکلنے پر انہوں نے ان کو پیچھے سے جالیا وا٤٩ پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو

الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ

دیکھا تو موسیٰ کے ہمراہی (گھبرا کر) بول اٹھے کہ ہم تو بس پکڑے گئے وا٥٠ (موسیٰ نے) فرمایا کہ

كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿٦٢﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی

ہرگز نہیں کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھے ابھی راہ بتا دے گا وا٥١ پھر ہم نے موسیٰ کی طرف

مُوْسٰۤی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ

وحی بھیجی کہ اپنے عصا کو دریا پر مارو چنانچہ وہ دریا پھٹ گیا اور ہر حصہ

كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ﴿٦٣﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ﴿٦٤﴾

اتنا بڑا تھا جیسے بڑی پہاڑی اور ہم نے دوسرے فریق کو بھی اس مقام کے قریب پہنچا دیا

وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا

اور ہم نے موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں سب کو بچا لیا پھر دوسرے فریق کو

الْاٰخَرِیْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

غرق کردیا وا٥٢ بے شک اس واقعہ میں ایک بڑا نشان ہے وا٥٣ اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے

مُّؤْمِنِیْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿٦٨﴾

نہ تھے وا٥٤ اور آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے بڑا رحمت والا ہے وا٥٥

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ

اور آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیم کا قصہ بیان کیجیے (اس وقت کا) جب کہ انہوں نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا

مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا

تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ وہ بولے ہم تو بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ہم انہیں پر

وا٤٨ ”ھا“ کی ضمیر مطلق باغوں اور چشموں اور علامات امارت وغیرہ کی جانب ہے، خاص مصر ہی کے باغ اور چشمے مراد نہیں چنانچہ اسرائیلیوں کو ایک عرصہ کے بعد فلسطین میں حکومت مل گئی۔ اور داؤد و سلیمان علیہما السلام کی زبردست بادشاہتیں قائم ہوگئیں۔ اور اگر مصر ہی کے باغ اور چشمے مراد لیے جائیں، جب بھی حضرت سلیمان کے زمانہ میں مصر کے علاقے دار السلطنت میں شامل ہوگئے تھے۔ اور یرمیاہ نبی کے زمانہ میں تو مصر یہود کا وطن از سر نو بن گیا تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ وا٤٩ درمیان میں ایک جملہ معترضہ آگیا تھا اب پھر اس قصہ کا تسلسل شروع ہوا۔ توریت میں ہے:۔ ”اور جب شاہ مصر کو خبر دی گئی کہ وہ لوگ بھاگ گئے...... تب اس نے اپنی گاڑیاں جوتیں اور اپنے لوگ ساتھ لیے۔ اور اس نے چھ سو چنی ہوئی گاڑیاں اور مصر کی سب گاڑیاں ساتھ لیں اور ان سب پر سردار بٹھائے۔ اور خداوند نے شاہ مصر فرعون کے دل کو سخت کردیا اور بنی اسرائیل کے پیچھے چڑھ دوڑا“۔ (خروج ١٤:٥۔٨) وا٥٠ توریت میں ہے:۔ ”اور جب فرعون نزدیک ہوا اور بنی اسرائیل نے آنکھیں ادھر کیں۔ اور مصریوں کو اپنے پیچھے آتے ہوئے دیکھا اور وہ شدت سے ڈرے۔ تب بنی اسرائیل نے خداوند سے فریاد کی۔ اور موسیٰ سے کہا کہ کیا مصر میں قبروں کی جگہ نہ تھی کہ تو ہم کو وہاں سے بیابان میں مرنے کے لیے لایا“۔ (خروج ١٤:١٠ و ١١) وا٥١ ان لوگوں کا اپنے مقابلہ میں شاہی باقاعدہ فوج کو دیکھ کر گھبرا جانا ایک حد تک امر طبعی تھا۔ لیکن حضرت موسیٰ کو وعدۂ نصرت الٰہی پر بھروسہ تھا۔ آپ نے پیمبرانہ وقار و مسکنت کے ساتھ فرمایا کہ گھبراؤ نہیں ایسا ہرگز نہ ہونے پائے گا۔ میرے پروردگار نے میرا ساتھ کہیں چھوڑ تھوڑے ہی دیا ہے۔ وہ مخلصی کی راہیں ابھی ابھی مجھے دکھا کر رہے گا۔ توریت میں ہے:۔ ”تب موسیٰ نے لوگوں کو کہا، خوف نہ کرو، کھڑے رہو، اور خداوند کی نجات دیکھو، جو آج کے دن وہ تمہیں دیوے گا۔ کیونکہ ان مصریوں کو جنہیں تم آج دیکھتے ہو، تم انہیں پھر تا ابد نہ دیکھو گے۔ خداوند تمہارے لیے جنگ کرے گا، اور تم چپ چاپ رہو گے“۔ (خروج ١٤:١٣ و ١٤) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ”ان دس آیتوں کے مجموعہ میں مسئلۂ تدبیر و ترک تدبیر کے درمیان اعتدال و توسط کی تعلیم ہے۔ تدبیر تو یہ بتائی گئی کہ بنی اسرائیل کو لے کر شاشب چلے جاؤ۔ پھر جب انہوں نے پکڑے جانے کا اندیشہ ظاہر کیا، جس سے مقصود یہ تھا کہ کچھ اور تدبیر کی جائے، تو موسیٰ نے ان کو اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ فرما کر یہ بتلایا کہ حق تعالیٰ کی تدبیر کے ہوتے ہوئے ہماری کسی تدبیر کی ضرورت نہیں اور عارف کی بھی یہی شان ہے کہ وہ تمسک کرتا ہے اسباب سے۔ مگر توسط کے ساتھ اور اس میں مبالغہ نہیں کرتا۔“ وا٥٢ بحر قلزم کے کنارے فرعونیوں کے غرق ہونے پر مفصل حاشیے سورۂ بقرہ پ١ میں گزر چکے۔ كالطود العظيم۔ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابیوں، اور متعدد تابعین سے معنی یہی بڑی پہاڑی کے منقول ہیں۔ اے كالجبل الكبير قاله ابن مسعود و ابن عباس و محمد بن كعب و قتادة والضحاك و غيرهم (ابن کثیر) ثَمَّ۔ یعنی وہیں۔ اسی مقام تک۔ اے هنالك قال ابن عباس و عطاء الخراسانی و قتادة والسدی (ابن کثیر) الْاٰخَرِیْنَ۔ یعنی فرعون اور فرعونیوں کو۔ یعنی قوم فرعون (معالم) فرعون و جنودهٗ (ابن کثیر) فَاَوْحَیْنَاۤ الخ۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ تو بغیر عصائے موسیٰ کی ضرب کے بھی سمندر میں راستہ بنا دینے پر قادر تھا، لیکن اس واسطہ کے اختیار کرنے سے موسیٰ کلیم اللہ کی بھی عظمت کا اظہار ہوگیا۔ اور مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے ساتھ خوارق کے ظاہر کرنے کی یہی حکمت ہوتی ہے اور اسی لیے اسے کہتے بھی کرامات ہی ہیں۔ وا٥٣ (اللہ کی قدرت و حکمت کا اور مخالفین حق کی سزایابی کا) اے فی هذه القصة و ما فيها من العجائب والنصر و التأييد لعباد الله المؤمنين لدلالة و حجة قاطعة و حكمة بالغة (ابن کثیر) وا٥٤ یعنی قوم فرعون و اہلِ مصر میں سے۔ اے من اهل مصر (معالم) اے اكثر قوم فرعون و هم القبط (بحر) بعض نے رسول اللہ کے معاصر کفار اہلِ عرب بھی مراد لیے ہیں۔ وا٥٥ چنانچہ صفت عزیز کے تقاضہ سے وہ جب اور جسے چاہے سزا دے دے۔ لیکن صفت رحیم کے تقاضہ سے فوراً گرفت نہیں کرتا بلکہ بہت موقع دیتا رہتا ہے۔

عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ

جمے رہتے ہیں و٥٦ (ابراہیم نے) کہا اچھا تو یہ تمہاری سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ یا یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں یا

يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

ضرر پہنچا سکتے ہیں؟ و٥٧ وہ بولے (نہیں یہ کچھ نہیں) البتہ ہم نے اپنے بڑوں کو

كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ

اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے و٥٨ (ابراہیم نے) کہا بھلا تم نے ان کی (اصل حالت کو) دیکھا بھی ہے جن کی

تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَاِنَّهُمْ

تم عبادت کرتے ہو تم خود اور تمہارے پرانے بڑے بھی؟ یہ تو

عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ

میری نظر میں دشمن ہیں و٥٩ مگر ہاں پروردگار عالم (وہ ہے) جس نے مجھ کو پیدا کیا، پھر وہی

يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾ وَاِذَا

میری رہنمائی کرتا ہے اور وہی جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب

مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ

میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے و٦٠ اور وہی مجھے موت دے گا پھر

يُحْيِيْنِ ﴿٨١﴾ وَ الَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ

مجھے زندہ کرے گا اور وہی جس سے میں آس لگائے ہوں کہ وہ میری غلط کاری کو قیامت کے دن

يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٨٢﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ

معاف کر دے گا و٦١ اے میرے پروردگار مجھے حکمت عطا کر اور مجھے نیک لوگوں

بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي

کے ساتھ شامل کر اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں

و٥٦ آزر اور قوم ابراہیم کے مذہب شرک پر مفصل حاشیے اوپر گزر چکے۔ سورۃ الانعام، سورۂ ہود، سورۃ الانبیاء وغیرہ میں۔ و٥٧ یہ جرمیں بڑی وسعت واطلاق رکھتی ہیں۔ دنیا میں کسی بت پرست کے پاس انکا کوئی جواب نہیں۔ و٥٨ (اور اسی لیے ہم بھی یہی کر رہے ہیں) گویا اثبات شرک وبت پرستی پر نہ کوئی دلیل عقلی اور نہ کوئی دلیل نقلی بلکہ صرف اندھی تقلید۔ و٥٩ یعنی یہ معبود اور میرا سہارا تو کیا ہوتے، یہ تو اور دشمن ہیں، انہیں کے ذریعہ سے گمراہی پھیل رہی ہے۔ یہ تو واسطۂ شرک اور باعث تباہی وبربادی ہیں۔ عدو کا لفظ صدیق کی طرح واحد وجمع دونوں موقعوں پر آجاتا ہے۔ یہاں جمع کے معنی میں ہے۔ **والعدو والصدیق یجیئان فی معنی الوحدۃ والجماعۃ** (کشاف) و٦٠ یعنی اس خدائے واحد کی ذات تمام صفات کمال کی جامع ہے — وہی خالق ہے اور وہی ہادی ومدبر بھی۔ یہ نہیں کہ خلق کا کام کوئی اور دیوتا کرے اور انتظام وہدایت کا دیوتا کوئی اور ہو — کھانا اور پانی دونوں وہی خدائے واحد دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک دیوتا زراعت ونباتات کا ہو اور کوئی اور دیوتا بارش کا — صحت وشفا بھی وہی خدائے واحد دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ بیماری سے صحت بخشنے کے لیے کوئی الگ دیوی یا دیوتا ہو۔ مشرک جاہلی قوموں نے انہی صفات کے لیے برابر الگ الگ دیویوں، دیوتاؤں کے وجود کو تسلیم کیا ہے۔ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یہ استثناء اس لیے کہ مشرکین دوسرے دیویوں اور دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ کی بھی پرستش جاری رکھے ہوئے تھے۔ **انھم کانوا یعبدون الاصنام مع اللہ فقال ابراھیم کل من تعبدون اعدائی الارب العلمین** (معالم) فَهُوَ يَهْدِيْنِ۔ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ۔ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان فقروں کے اندر پوری تعلیم عبدیت اور ادب کی موجود ہے جاہل مدعیان زہد دنیوی نعمتوں کی تحقیر کرتے اور ان سے اپنا استغناء ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ یہاں ایک پیمبر کی زبان سے یہ کہلایا جارہا ہے کہ اسے تمنا جس طرح ہدایت کی ہے۔ اسی طرح کھانے اور پینے اور بیماری سے تندرست ہونے کی بھی ہے۔ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۔ آیت کے الفاظ پر غور ہو۔ حضرت یہ نہیں کہتے کہ وہی مجھے بیمار ڈالتا ہے اور وہی شفا دیتا ہے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ بیمار جب میں پڑتا ہوں، تو شفا وہی دیتا ہے۔ گویا بیماری یا نقص کا انتساب تمامتر اپنی جانب اور شفا بخشی یا کمال کا تمامتر حق تعالیٰ کی جانب — اسی کا نام رعایت ادب اور ادائے حق عبدیت ہے۔ و٦١ وہی الٰہ المعاد بھی وہی الٰہ المعاش بھی۔ وہی موت وفنا طاری کرنے والا بھی اور وہی جزاوسزا کے لیے دوبارہ جلانے والا بھی۔ یہ نہیں کہ افنا واہلاک کا دیوتا کوئی الگ ہو، اور حشر میں داوری کے وقت سامنا کسی اور کا کرنا پڑے۔ جیسا کہ عموماً مشرک ونیم مشرک قوموں نے فرض کیا ہے — اور پھر مغفرت کی امیدیں بھی تمامتر اسی خدائے واحد کی ذات سے ہیں۔ نہ کہ کسی اور سے۔ مشرک اور جاہلی قوموں کو شرک کی ٹھوکریں جب جب لگی ہیں، انہیں صفات ہی سے متعلق لگی ہیں۔ اَطْمَعُ ...... الدِّيْنِ الفاظ آیت کے اندر رعایت ادب کس درجہ موجود ہے! اول تو پیمبر صاف صاف اپنے لیے خطیئۃ کا وجود تسلیم کرتے ہیں، محض اجتہادی غلطی کہہ کر نہیں گزر جاتے اور پھر اپنی مغفوریت کو بھی جزم کے ساتھ نہیں بیان کرتے، اس کی صرف امید یا آس لگاتے ہیں — کہاں پیمبر جلیل حضرت خلیل علیہ السلام کا یہ ادب ودرجۂ تواضع۔ اور کہاں بعض صوفیہ خامکار کے یہ دعوے کہ ہم اپنے مریدوں میں سے جس کو چاہیں گے چھڑالیں گے!

وف۶۲ (تا کہ وہ لوگ میرے طریق پر چلیں اور میرے لیے اضافۂ ثواب وحسنات کا باعث ہوں) بِالصّٰلِحِيْنَ۔ صالحین سے یہاں مراد ان کی اعلیٰ فرد یعنی انبیاء عالی شان ہیں۔ هَبْ لِيْ حُكْمًا۔ نفس حکمت تو حضرت کو دعا کے وقت بھی حاصل تھی، دعا سے مقصود جامعیت علم وعقل میں مزید حصول کمال معلوم ہوتا ہے۔ رَبِّ هَبْ لِيْ۔ ابراہیم علیہ السلام خلیل ابھی تک برابر صیغہ غائب استعمال کر رہے تھے، هُوَ يَهْدِيْنِ، هُوَ يُطْعِمُنِيْ وغیرہ، صفات کمال بیان کرتے کرتے غلبۂ حضور سے براہ راست مناجات شروع کر دیتے ہیں۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ۔ فقہاء محققین نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ انسان کا اپنے ذکر خیر کو محبوب رکھنا اور اس کی تمنا کرنا مطلق صورت میں معیوب ومذموم نہیں۔ بلکہ یہ آیت تو عین محل ترغیب پر ہے۔ عن اشهب عن مالك قال لاباس ان يحب الرجل ان يثنى عليه صالحًا ويرعى فى عمل الصالحين اذا قصد به وجه الله تعالىٰ (قرطبی) قال المحققون من شيوخ الزهد فى هذا دليل على الترغيب فى العمل الصالح الذى يكسب الثناء الحسن (قرطبی) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ بعض بزرگوں سے جو اپنے سلسلہ کے بقاء وقیام کی تمنا ودعا منقول ہے، اس کی اصل اس آیت میں مل گئی۔ وف۶۳ (سو تو اس کے لیے مغفوریت کے اسباب، یعنی ایمان اور اس کے برکات میسر کر دے) دعا آزر کی زندگی ہی کے آخر زمانہ کی معلوم ہوتی ہے۔ وَاجْعَلْنِيْ…… النَّعِيْمِ۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کا رد نکل آیا جو جنت سے مستغنی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وف۶۴ (تو اسے البتہ کوئی کھٹکا نہ ہوگا) بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔ یعنی ایسا دل جو کفر وشرک کی آلائش سے پاک ہو۔ يعنى من الشرک (ابن کثیر) اے خالص من الشرک والشک (معالم) اے القلب السليم عن مرض الكفر و النفاق هو المأثور عن ابن عباس و مجاهد و قتادة و ابن سيرين و غيرهم (روح) یہ مراد نہیں کہ قلب گناہوں سے خالی ہو، کہ ایسا قلب کون سا ہو سکتا ہے۔ فاما الذنوب فليس يسلم منها احد هذا قول اكثر المفسرين (معالم) قاله قتادة و ابن زيد و اكثر المفسرين (قرطبی) ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ وہ ایسا قلب ہو جو بدعت سے خالی اور سنت پر مطمئن ہو۔ قال ابو اسحاق النيشا بورى هو القلب الخالى من البدعة والمطمئن على السنة (معالم) يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ۔ جاہلی قومیں جس ادھوری، مبہم، ناقص حد تک حشر کی قائل بھی تھیں، تو آخرت کو دنیا پر قیاس کر کے یہ فرض کیے رہتی تھیں کہ جس طرح دنیا میں کام آنے والی چیزیں مال واولاد ہیں آخرت میں بھی یہی کام آ جائیں گی۔ ہندوستان کی بھی بعض مشرک قومیں اس کی قائل تھیں کہ ان کی اولاد نرینہ ان کے بعد اگر ان کے نام پر ایک خاص طریق پر کھانا پانی تصدق کرے تو اس سے ان کی نجات ہو جائے گی۔ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ۔ اللہ اللہ! ابراہیم علیہ السلام پیمبر جلیل اور اپنے رب کے خلیل ہیں، اس پر بھی دعا ومناجات یہی کر رہے ہیں، کہ اے پروردگار قیامت کی رسوائی سے مجھے محفوظ رکھنا! وف۶۵ (تا کہ وہ اسے دیکھیں اور اس میں عنقریب داخلہ کی بشارت سے خوش ہوں) اللہ اکبر! مومنین ومتقین کے مرتبہ واکرام کا کیا کہنا بجائے اس کے کہ ان کا کوچ جنت کی طرف کرایا جائے۔ الٹی جنت ہی خود ان کی طرف بڑھ آئے گی وف۶۶ (تا کہ وہ اسے دیکھیں اور اس میں عنقریب داخلہ کی خبر سے اور زیادہ افسردہ ومایوس ہوں) بُرِّزَتِ۔ دوزخ تو شروع ہی سے ان خبیثوں کو گھیرے ہوئے تھی، آخرت میں فرق یہ ہوگا کہ وہ ان پر نمایاں اور ظاہر ہو کر رہے گی۔ وف۶۷ معبودان باطل کی غایت بے بسی وبیچارگی کا بیان ہے۔ کہ وہ دوسروں کو کیا چھڑائیں گے، خود اپنے کو بچانے پر بھی قادر نہیں۔ قِيْلَ…… تَعْبُدُوْنَ۔ یہ سوال ظاہر ہے کہ اہلِ دوزخ سے انہیں اور زیادہ جلانے کے لیے کیا جائے گا۔ وف۶۸ یہ کہنے والے وہی مشرکین اور دیوی دیوتاؤں کے پجاری ہوں گے۔ اور ان سے کہیں گے جنہیں دنیا میں وہ دیوتا دیوی، ٹھاکر، اوتار وغیرہ مانتے رہے تھے۔ وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ۔ اہلِ دوزخ، عابد ومعبود، برابر باہم لڑتے جھگڑتے رہیں گے۔

الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾

جاری رکھ وف۶۲ اور مجھے جنت نعیم کے مستحقوں میں سے کر دے

وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ

اور میرے باپ کی مغفرت کر کہ وہ گمراہوں میں سے ہے وف۶۳ اور مجھے رسوا نہ کرنا

يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا

اس دن جب سب اٹھائے جائیں گے جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد مگر ہاں

مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ

جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے وف۶۴ اور جنت متقیوں کے نزدیک

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِيْلَ

کر دی جائے گی وف۶۵ اور گمراہوں کے سامنے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی وف۶۶ اور ان سے کہا

لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ

جائے گا کہ (اب) وہ کہاں گئے جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے اللہ کے سوا کیا

يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ

وہ تمہارا ساتھ دے سکتے ہیں یا وہ اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں؟ وف۶۷ پھر وہ اور گمراہ لوگ اور

وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ

ابلیس کا لشکر سب کے سب اس میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے۔ وہ اس

فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾

(دوزخ) میں باہم جھگڑتے ہوئے کہیں گے وف۶۸ کہ بخدا بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے

اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا

جب کہ تم کو پروردگار عالم کے برابر کرتے تھے اور ہم کو تو بس ان (بڑے)

الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيقٍ

مجرموں نے گمراہ کیا سو اب کوئی ہمارا سفارشی نہیں اور نہ کوئی مخلص دوست

حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾

ہی ہے ف٦٩ سو کاش ہمیں (دنیا میں) پھر جانا ملتا تو ہم مومن ہو جاتے

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾

بے شک اس ماجرے میں ایک نشان ہے ف٧٠ اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ

اور بے شک آپ کا پروردگار بڑا قدرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے نوح کی قوم نے

نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا

پیمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کیا تم

تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

ڈرتے نہیں؟ میں ہوں تمہارا راست باز پیمبر ف٧١ سو اللہ سے ڈرو

وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ

اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا

أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ

میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے سو تم اللہ سے ڈرو

وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾ ۞ قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ

اور میرا کہا مانو ف٧٢ وہ بولے، تو کیا ہم تمہیں ماننے لگیں درآنحالیکہ تمہارے پیرو تو بس

الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾

رذیل ہی ہیں ف٧٣ (نوح نے) کہا ان کے کام سے مجھے کیا بحث

ع ٥

ف٦٩ (جو رہائی دلانا تو خیر دور رہا، کم از کم ایسا ہی ہوتا کہ خالی ہمدردی و دلسوزی ہی کی بات کرلے) ان الفاظ میں اہلِ دوزخ کی بے بسی کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔

ف٧٠ (ہماری توحید و قدرت کا) ”اس ماجرا میں“ یعنی یہی جو اوپر مذکور ہوا۔ حضرت ابراہیم کا قصہ اور قیامت کے دن کا نقشہ۔ ف٧١ (سو مجھ پر اور میرے لائے ہوئے پیام پر اعتماد کرو) نوحؑ اور قوم نوح دونوں پر حاشیے گزر چکے ہیں۔ اَمِيْنٌ یعنی متدین۔ دیانت و احتیاط کے ساتھ پیام الٰہی پہنچانے والا۔ الْمُرْسَلِيْنَ صیغۂ جمع شاید اس لیے لایا گیا کہ ایک پیمبر کی تکذیب سارے سلسلۂ نبوت کی تکذیب کو مستلزم ہے۔ اور جاہلی قوموں کا مقصود اصلی کسی پیمبر کی شخصی تکذیب ہوتی ہی نہیں۔ بلکہ وہ لوگ سرے سے اس تخیل رسالت ہی کے منکر ہوتے ہیں۔ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ۔ یعنی حضرت نوح جو انہیں لوگوں کے ہم قوم، ہم وطن و ہم نسل تھے۔ ف٧٢ یعنی توحید اور عقائد حقہ کے قائل ہو جاؤ۔ وَمَا ...... الْعٰلَمِيْنَ یہ مضمون کئی بار پیشتر بھی بیان ہو چکا ہے۔ پیمبر اپنی تبلیغ کی کوئی فیس نہیں طلب کیا کرتے، نہ نقد میں نہ جنس میں، نہ مال سے نہ جاہ سے، انہیں رضائے الٰہی کی دولت ہر دنیوی فیس اور معاوضہ سے مستغنی کر دینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

ف٧٣ پیمبروں، داعیانِ حق اور مصلحوں پر شروع شروع میں ایمان لانے والے اور ان کی دعوت کو قبول کرنے والے زیادہ تر غریب غربا عوام الناس ہی ہوتے ہیں۔ کہ ان پر حُبِّ جاہ و حُبِّ ریاست کی تہیں بہت ہلکی چڑھی ہوتی ہیں — حضرت مسیحؑ پر ابتدائی ایمان لانے والے تو تاریخ کی شہادت ہے کہ غریب مچھیرے (ماہی گیر) ہی تھے۔ اور خود ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ابتدائی لبیک کہنے والوں میں رؤسا و امراء سے کہیں زیادہ عوام و غرباء تھے الْاَرْذَلُوْنَ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی آبادی کے ایک حصہ کو نیچ اور اچھوت قرار دینے کا مرض مشرک جاہلی قوموں میں شروع سے چلا آ رہا ہے! مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض اہل اللہ سے جو لوگ استفادہ اس بناء پر نہیں کرتے کہ ان کی حیثیت ظاہری پست ہے وہ ایسی ہی ذہنیت میں مبتلا ہیں۔ محققین نے تنبیہ کی ہے کہ مسلمان مسلمان سب برابر و ہم سطح ہیں۔ اور فقہاء نے جو کفاءت کا باب باندھا ہے تو اس کا تعلق محض عرف عام اور دنیا کی انتظامی مصلحتوں سے ہے۔ نہ کہ قبولیت عنداللہ سے۔ و ما ذکره الفقهاء فی باب الکفاءة مبنی علی عرف العامة لانتظام امر المعاش و نحوه علی انه روی عن الامام مالک عدم اعتبار شیء من ذٰلک اصلا و ان المسلمین کیفما کانوا اکفاء بعضهم لبعض (روح)

اِنۡ حِسَابُهُمۡ اِلَّا عَلٰى رَبِّىۡ لَوۡ تَشۡعُرُوۡنَ ﴿١١٣﴾ وَمَاۤ

ان سے حساب لینا تو بس میرے پروردگار ہی کا کام ہے کاش تم اسے سمجھتے! اور میں

اَنَا بِطَارِدِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿١١٤﴾ اِنۡ اَنَا اِلَّا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿١١٥﴾

ایمان والوں کو (اپنے پاس سے) دور کرنے والا نہیں میں تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں ف٧٤

قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ يٰنُوۡحُ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمَرۡجُوۡمِيۡنَ ﴿١١٦﴾

وہ بولے کہ اگر اے نوح تم باز نہ آئے تو ضرور ہی سنگسار کر دیئے جاؤ گے ف٧٥ (نوح نے) دعا کی

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوۡمِىۡ كَذَّبُوۡنِ ﴿١١٧﴾ فَافۡتَحۡ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَهُمۡ

کہ اے میرے پروردگار میری قوم مجھے جھٹلا رہی ہے سو آپ ہی میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا ہوا فیصلہ

فَتۡحًا وَّنَجِّنِىۡ وَمَنۡ مَّعِىَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿١١٨﴾ فَاَنۡجَيۡنٰهُ

کر دیجیے اور مجھے اور میرے ساتھ جو ایمان والے ہیں انہیں نجات دیجیے چنانچہ ہم نے انہیں اور جو

وَمَنۡ مَّعَهٗ فِى الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا بَعۡدُ

ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے (سب) کو نجات دی پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو

الۡبٰقِيۡنَ ﴿١٢٠﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ‌ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ

غرق کر دیا اس ماجرے میں (بھی بڑا) نشان ہے ف٧٦ اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے

مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿١٢١﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿١٢٢﴾

نہ تھے اور بے شک آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے

كَذَّبَتۡ عَادُ اۨلۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿١٢٣﴾ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ هُوۡدٌ

قوم عاد نے بھی پیمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا ف٧٧

اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿١٢٤﴾ اِنِّىۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ میں تمہارا معتدین پیمبر ہوں سو اللہ سے ڈرو

ف٧٤ حضرت نوح نے جواب میں فرمایا کہ مجھے ان کے پیشوں، حرفوں، صناعتوں کے اعلیٰ وادنیٰ ہونے سے کیا بحث، اور اگر ان کا ایمان دل سے نہیں، صرف زبان سے ہے، جب بھی میرے اوپر کیا ذمہ داری۔ وہ جانے ان کا خدا جانے۔ میں بہرحال انہیں اپنے پاس سے تمہارے خوش کرنے کو کیسے ہٹا سکتا ہوں۔ میرا فرض تبلیغ پر ختم ہو جاتا ہے، دلوں کی ٹٹول اور احتساب میرا کام نہیں۔

ف٧٥ سنگساری، یاد رہے کہ دنیا کی قدیم ترین سزاؤں میں سے ہے۔ اور معاصرین نوح علیہ السلام انہیں اپنا قومی مجرم سمجھ کر اسی سزا دینے پر آمادہ تھے۔

ف٧٦ (ہماری قوت اور قدرت انتقام کا) قوم نوح کی غرقابی پر مفصل حاشیے سورۂ ہود وغیرہ میں گزر چکے۔ فَافۡتَحۡ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَهُمۡ فَتۡحًا۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص دین کو ضرر پہنچا رہا ہو اس کے لیے بددعا کرنا کمال صبر و حلم کے منافی نہیں۔

ف٧٧ ہود۔ قوم عاد وغیرہ پر حاشیے سورۂ اعراف پ٨ میں گزر چکے۔ كَذَّبَتۡ عَادٌ۔ لفظ عاد کے لیے فعل مؤنث قبیلۂ عاد یا جماعت عاد کی رعایت سے لایا گیا ہے۔ التانیث بمعنی القبیلة والجماعة (قرطبی) اَخُوۡهُمۡ۔ بھائی، ہم وطنی یا ہم نسلی کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ

اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا میرا

اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ

صلہ تو بس پروردگار عالم ہی کے ذمہ ہے تو کیا تم ایک محض فضول یادگار

رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ

ہر اونچے مقام پر بناتے ہو اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے تمہیں

تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

ہمیشہ ہی رہنا ہے و۷۸ اور جب تم کسی پر دارو گیر کرتے ہو تو بالکل جابر بن کر دارو گیر کرتے ہو و۷۹

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا

سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری مدد ان چیزوں سے کی جنہیں

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ

تم جانتے ہو تمہاری مدد کی مویشیوں اور بیٹوں اور باغوں

وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

اور چشموں سے و۸۰ مجھے تمہارے لئے اندیشہ ہے بڑے سخت دن کے

عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ

عذاب کا وہ لوگ بولے ہمارے لئے برابر ہے خواہ

مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

تم نصیحت کرو خواہ ناصح نہ بنو یہ تو بس اگلے لوگوں کی ایک رسم ہے

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ

اور ہم کو (ہرگز) عذاب نہیں ہونے کا و۸۱ غرض ان لوگوں نے (ہود کو) جھٹلایا سو ہم نے انہیں ہلاک کردیا و۸۲ بے شک

و۷۸ یہ قدیم شائستہ ومتمدن قوم بڑی صناع وکاریگر تھی۔ خصوصاً انجینئری اور فن تعمیرات کی ماہر۔ ملاحظہ ہوں ۵ سورۃ الاعراف کے حاشیے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خوب لکھا ہے کہ اس سورہ میں مختلف انبیاء کی دعوت میں بار بار انہی فقروں کی تکرار اس لیے ہے کہ ایک ہی طرز تبلیغ سب کا تھا۔ تَعْبَثُوْنَ سے ظاہر ہے کہ یہ شوق تعمیر کسی ضرورت کی بنا پر نہ تھا۔ محض جذباتِ فخر ونمائش کی تسکین کے لیے تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تعبثون سے عبث (محض فضول) کی مذمت صریح نکلتی ہے، خواہ وہ عبث بہ لحاظ قول ہو یا فعل۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ عقیدۃً یہ لوگ ان تعمیرات کے ذریعہ سے خلود کے قائل نہ تھے، مگر ان کا طرز عمل گویا اس قسم کے عقیدہ پر مبنی تھا اس لیے ان کو اسی عقیدہ کا معتقد فرمایا گیا۔ یہیں سے حضرات صوفیہ کے اس تعامل کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کافروں کے سے کام کرنے والوں کو کافر کہہ دیا جاتا ہے۔ اور حدیث میں بھی اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ بلا ضرورت بڑی بڑی عمارتیں نام کے لیے تعمیر کرانا سرتاسر داخلِ اسراف ہے۔ و۷۹ غفلت وسرمستی کی افراط کے ساتھ قوم عاد کی دوسری خصوصیت ان کا ظلم وتشدد تھا۔ قرآن مجید نے پچھلی مشرک ومعذب قوموں کا جہاں جہاں بیان کیا ہے، ان کے شرک وجہالت کے ساتھ، کہ وہ سب میں مشترک ہے، ذکر ان کے مخصوص قومی جرائم کا بھی کرتا گیا ہے۔ کوئی قوم تجارتی بددیانتی، خیانت وغبن فاحش میں خاص طور پر آلودہ گزری ہے کوئی ظلم وشقاوت وسنگدلی میں، کوئی بدچلنی وشہوت پرستی میں، وغیرہا۔ صاحب روح المعانی کہتے ہیں کہ اس سے مراد ایسی گرفت ہے، جس میں نہ رحم ہو، نہ اس سے تادیب کا قصد ہو، اور نہ اس میں انجام پر نظر رہے۔ اور مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس گرفت میں یہ امور ملحوظ رہیں وہ اصلاح ہے اور منافیٔ طریق نہیں۔ و۸۰ مطلب یہ ہے کہ تم کو جو ناز اپنی کثرت تعداد پر ہے نیز اپنے ملک کے باغ وسبزہ زار پر، اور اپنے ہاں کے نہر ودریا پر ہے یہ سب آخر انعاماتِ الٰہی ہی تو ہیں۔ یہ عطیے کسی دیوی دیوتا کے نہیں اور نہ تمہارے اپنے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ اسی معبود واحد ہی کے تو ہیں۔ توحید کا تو تمہیں اور زائد قائل ہونا چاہیے۔ قرآن مجید نے توحید پر استدلال جس طرح انسان کی غربت وافلاس سے کیا ہے اسی طرح اس کی خوشحالی وامارت سے بھی کیا ہے۔ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ قوم عاد، خیال رہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے شاداب وزرخیز ترین علاقہ میں آباد تھی یعنی یمن، حضرموت میں، خلیج فارس کے ساحل پر، اور عراق عرب کی سرحد تک۔ و۸۱ یعنی اس قسم کا وعظ وپند تو پرانے زمانہ کے لوگ ہمیشہ کرتے آئے ہیں، اس کے اندر حقیقت کبھی نہ دیکھی۔ هٰذَا۔ یعنی جو کچھ تم ہمیں سنا رہے ہو۔ اے هذا الذی جئتنابه (روح) و۸۲ (زبردست اور تند آندھیوں سے) قوم عاد کی ہلاکت کے لیے ملاحظہ ہوں ۵، سورۃ الاعراف کے حاشیے۔

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

اس میں ایک (بڑا) نشان ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾ ع كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

اور آپ کا پروردگار بے شک بڑا قوت والا ہے بڑا رحمت والا ہے قوم ثمود نے بھی

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا

پیمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کہ تم لوگ

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ ۚ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک متدین پیمبر ہوں سو اللہ سے ڈرو

وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ ۚ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ

اور میرا کہا مانو اور میں تم سے کوئی صلہ اس پر نہیں مانگتا

اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ ؕ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا

میرا صلہ تو بس پروردگارِ عالم کے ذمہ ہے و۸۳ کیا تم کو انہیں چیزوں میں

هٰهُنَاۤ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ ۙ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ ۙ وَّ زُرُوْعٍ

بے فکری سے رہنے دیا جائے گا باغوں اور چشموں اور کھیتوں

وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ ۚ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ

اور خوب گندھے ہوئے گپھے والے کھجوروں میں؟ اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر

بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ ۚ وَ لَا تُطِيْعُوْۤا

اتراتے ہوئے مکان بناتے ہو و۸۴ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور حدود سے نکل جانے والوں کا

اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ ۙ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ

کہا نہ مانو جو ملک میں فساد کرتے رہتے ہیں

ع ۱۸ / ۱۱

و۸۳ قوم ثمود اور حضرت صالح دونوں پر حاشیے سورۃ الاعراف پ۸ میں گزر چکے۔ اَخُوْهُمْ۔ "بھائی" سے مراد وہی وطنی یا نسلی برادری ہے نہ کہ دینی یا اعتقادی۔ باقی آیتیں اس سلسلہ کی بار بار آچکی ہیں، اور اوپر ان کے حاشیے گزر چکے۔

و۸۴ قوم ثمود کی تہذیب و تمدن اور فنونِ سنگ تراشی وغیرہ پر حاشیے پ۸ سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ۔ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ۔ قوم ثمود عرب کے شمالی و مغربی علاقہ میں جو خوب سرسبز و شاداب تھا آباد تھی۔

وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿١٥٢﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٥٣﴾

اور اصلاح نہیں کرتے وہ لوگ بولے کہ تم پر تو کسی نے سخت جادو کر دیا ہے ف۸۵

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚۖ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ

تم بس ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو سو کوئی نشان پیش کرو اگر تم

الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ

سچے ہو ف۸۶ (صالح نے) کہا یہ ایک اونٹنی ہے پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہے اور ایک

شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ

مقرر دن میں ایک باری تمہاری ف۸۷ اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تمہیں ایک

عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾

بڑے سخت دن کا عذاب آ پکڑے گا مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر (اس پر) پچھتائے ف۸۸

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا

پھر ان کو عذاب نے آ لیا بے شک اس ماجرے میں ایک (بڑا) نشان ہے اور ان

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے اور بے شک آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے،

الرَّحِيْمُ ﴿١٥٩﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٦٠﴾ اِذْ قَالَ

بڑا رحمت والا ہے قوم لوط نے بھی پیمبروں کو جھٹلایا جب کہ ان سے

لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٦١﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ

ان کے بھائی لوط نے کہا کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو ف۸۹ میں تمہارے لئے ایک متدین

اَمِيْنٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٦٣﴾ وَمَآ اَسْـَٔـلُكُمْ

پیمبر ہوں سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو! اور میں تم سے

ع ۸ ۱۹ ۱۲

ف۸۵ خداوندی قانون کو نہ ماننے اور اس پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ دنیا میں ہمیشہ خرابیوں ہی کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ شراب نوشی و زنا کاری، سود خواری، رشوت و خیانت، رشک وحسد سے ہمیشہ جسمانی اور اخلاقی بیماریاں ہی بڑھی ہیں۔ اور معاشری ابتری ہر قسم کی پیدا ہوتی رہی ہے۔ قرآن نے ان سارے انفرادی واجتماعی امراض کے لیے ایک جامع لفظ فساد فی الارض کا استعمال کر دیا ہے۔ الْمُسْرِفِيْنَ۔ قوت عقلی ہو یا فعلی یا اعتقادی ان کا بے جا صرف کرنا سب داخلِ اسراف ہے۔ ف۸۶ نشان یعنی خارقِ عادت۔ انبیاء کی دعوت کا اصل جوہر خود ان کی تعلیمات رہی ہیں۔ جاہلی قوموں نے بجائے ان تعلیمات کی قدر کرنے کے ہمیشہ مطالبہ خوارق و معجزات کا کیا ہے۔ اور پیمبروں کی بشریت ہی کو ان کی رسالت کا مانع اور اس کے منافی قرار دیا ہے۔ مظہر خدا، فرزند خدا، زوج خدا یہ سب کچھ تو وہ سمجھ سکتے تھے لیکن رسولِ خدا کا تصور ہی گویا ان کی دماغی گرفت سے باہر تھا۔ آج اولیاء اللہ کو بھی، بہت سے جاہل ان کے لوازم طبعی اور حوائج بشری کی بناء پر کم وقعت و حقیر سمجھتے ہیں۔ ف۸۷ یعنی ایک باری میں وہ اونٹنی پانی پیا کرے اور دوسری باری میں تمہارے جانور۔ مفصل حاشیے اس سارے ماجرے پر سورۃ الاعراف پ۸ میں گزر چکے۔ ف۸۸ (جب عذاب کی آمد دیکھ لی) یہ پچھتاوا ایک تو یوں بھی بیکار تھا اس لیے کہ ایک محض طبعی کیفیت تھی۔ تلافی و تدارک اور تجدید ایمان کا کوئی جزو اس کے ساتھ نہ تھا۔ اور پھر یہ بھی اس وقت جب آثار عذاب نمایاں ہو چکے تھے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ یہ ندامت اس لیے لاحاصل رہی کہ انہوں نے اپنے فعل کی تلافی ایمان سے نہ کی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ توبہ کے لیے ندامت طبعی کافی نہیں ندامت عقلی ہونا چاہیے۔ ف۸۹ حضرت لوط اور قوم لوط پر حاشیے سورۃ الاعراف پ۸ میں گزر چکے۔ الْمُرْسَلِيْنَ کے صیغہ جمع پر حاشیہ اوپر گزر چکا۔ اَخُوْهُمْ۔ اخ انہیں یہاں اس لحاظ سے کہا گیا کہ حضرت لوط عراق سے آکر انہیں کے ملک شرق یردن میں بس گئے تھے۔

عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ

اس پر کچھ صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو بس پروردگار عالم

الْعٰلَمِيْنَ ؕ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ لا

کے ذمہ ہے تمام دُنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے فعل کرتے ہو

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ

اور تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے بیویاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑے رہتے ہو بات یہ ہے کہ

اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ

تم حد سے گزر جانے والے ہی لوگ ہو ف۹۰ وہ لوگ بولے کہ اے لوط اگر تم باز نہ آئے تو تم ضرور

مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ ؕ

نکال دیئے جاؤ گے (لوط نے) کہا کہ میں تمہارے (اس) عمل سے سخت نفرت رکھتا ہوں ف۹۱

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ

اے میرے پروردگار مجھے اور میرے گھر والوں کو نجات دے اس کام (کے وبال سے) جو یہ کرتے رہتے ہیں سو ہم نے

اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ لا اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ۚ ثُمَّ دَمَّرْنَا

انہیں اور ان کے گھر والوں سب کو نجات دی البتہ ایک بڑھیا کہ وہ رہ جانے والوں میں رہ گئی ف۹۲ پھر ہم نے اور سب کو

الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ ۚ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ

ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا مینہ برسایا سو کیا برا مینہ تھا

الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

جو ڈرائے ہوؤں پر برسا ف۹۳ بے شک اس (ماجرے) میں ایک (بڑا) نشان ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾ ع

لانے والے نہ تھے اور آپ کا پروردگار بے شک بڑا قوت والا ہے بڑا رحمت والا ہے

ع ۱۲ / ۱۳

ف۹۰ ذکر قوم لوط کی اس غیر طبعی شہوت پرستی کا ہے جس میں وہ لوگ آج کل کی بھی بعض ''مہذب ومتمدن'' قوموں کی طرح شدت سے مبتلا تھے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ۔ یعنی ان بدفعلیوں کی محرک کوئی طبعی جنسی خواہش کسی درجہ میں بھی نہ تھی۔ یہ محض نفس کا خبث اور طبیعت کا شیطانی میلان تھا جو انہیں اغلام ولواطت کی طرف لے آیا تھا۔ ''حد سے گزر جانے والے'' یعنی حدود انسانیت سے گزر جانے والے یا جرائم پیشہ یا مجرمانہ فطرت کے لوگ۔ ف۹۱ (اور میں تمہاری ان دھمکیوں میں آ کر اپنے وعظ وپند وتبلیغ سے رک نہ جاؤں گا) اَلْقَالِيْنَ۔ قلی بغضِ شدید کو کہتے ہیں۔ القلی البغض الشدید (کشاف) القلی شدة البغض (راغب) پیمبر جیسے صالح الفطرت کی تو خود فطرت ایسے گندے جرم سے اباء کرنے لگتی ہے۔ انہیں تو جتنی بھی بیزاری ایسے جرم سے ہو کم ہے۔ ف۹۲ مراد زوجۂ لوط ہے تفصیلی قصہ سورۂ ہود پ۱۲ میں گزر چکا ہے۔ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ میں مضاف مقدر ہے۔ اے من عقوبة عملهم (کشاف) اے من شوم عملهم (روح) ف۹۳ ملاحظہ ہوں سورة الاعراف پ۸ اور سورۂ ہود پ۱۲ کے حاشیے

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧٦﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ

اصحاب ایکہ نے بھی پیمبروں کو جھٹلایا و۹۴ جب کہ ان سے

شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا

شعیب نے کہا کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک متدین پیمبر ہوں سو اللہ

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٧٩﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ

سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ تو مانگتا نہیں

اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٠﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا

میرا صلہ تو بس پروردگار عالم کے ذمہ ہے تم لوگ پورا ناپا کرو اور

تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ

نقصان پہنچانے والے نہ بنو اور صحیح ترازو سے

الْمُسْتَقِيْمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا

تولا کرو و۹۵ اور لوگوں کا نقصان ان کی چیزوں میں نہ کیا کرو اور ملک میں

تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ

فساد مت مچایا کرو و۹۶ اور اس (خدا) سے ڈرو جس نے

خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ

تمہیں اور (ساری) اگلی مخلوقات کو پیدا کیا و۹۷ وہ لوگ بولے کہ تم تو بس

الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٨٥﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ

سخت سحر زدہ ہو اور تم ہی کیا ہو بجز ہمارے ہی جیسے ایک آدمی کے اور ہم تو تم کو

لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿١٨٦﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ

جھوٹوں ہی میں سمجھتے ہیں اچھا تو تم ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا لا گراؤ اگر

و۹۴ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ پر حاشیہ سورۃ الحجر پ۱۴ میں گزر چکا۔ و۹۵ (یعنی نہ ڈنڈی ماراکرو، نہ تولنے کے باٹوں میں گڑبڑ کیا کرو) ہدایاتِ قرآنی کی مخاطب یہ کوئی زراعت پیشہ، تجارت پیشہ قوم تھی۔ کاروباری بداخلاقی، بددیانتی، خیانت میں مبتلا۔ تعلیم انہیں تجارتی اخلاق وشائستگی کی دی جارہی ہے۔ حاشیے سورۃ الاعراف پ۸ وسورۃ الحجر پ۱۴ وسورۂ ہود پ۱۲ میں گزر چکے۔ و۹۶ کاروباری بداخلاقی، بددیانتی کا انجام آخرکار اجتماعی فساد پر ہوتا ہے۔ و۹۷ خطاب، ہوسکتا ہے کہ یہاں عام نوعِ انسانی سے ہو۔ اور الْاَوَّلِيْنَ سے مراد اس صورت میں ان مخلوقات سے ہوگی جو انسان سے قبل خلعتِ وجود سے مشرف ہو چکی تھی، فرشتہ وجنات وغیرہا۔

وف۹۸ نبی کے سحر زدہ ہونے اور اس کی بشریت و رسالت کے درمیان حسب تخیل مشرکین تنافی پر حاشیے کئی بار اوپر گزر چکے۔ فَاَسۡقِطۡ...... السَّمَآءِ۔ شعیب کے قوم والے کہتے ہیں کہ اگر دعوائے نبوت میں برحق ہو تو کوئی ایسا نمایاں خارق عادت پیش کرو، جیسے یہی کہ آسمان کا کوئی ٹکڑا ٹوٹ کر ہم پر گر پڑے۔ اِنۡ...... الصّٰدِقِيۡنَ۔ گویا وبال نازل نہ ہونا ان جاہلوں کے خیال میں دلیل تھی ان کے انکار کے قبیح تر نہ ہونے کی۔ اور یہی ذہنیت آج بھی بہت سے جاہلیوں اور جاہلوں کی ہے۔ کسی بزرگ سے انکار پر وبال نازل نہ ہونے کو اس انکار کے قبیح نہ ہونے کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ وف۹۹ (سو تمہارے عمل کا جو مقتضا ہے یعنی عذاب کیا ہو اور کب ہو، اسے بھی وہی خوب جانتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ خوارق اہل اللہ کے بس میں نہیں۔ وف۱۰۰ عذاب کے وقت پہلے ایک ابر نمودار ہوا تھا، گرمی پہلے سے مسلط تھی۔ لوگ ٹھنڈی ہوا کے شوق میں اس کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس میں سے آگ برسنا شروع ہوئی اور سب جل گئے۔ وہ ابر سائبان سا تھا۔ اسی بنا پر اسے عذاب سائبان سے تعبیر کیا گیا۔ وف۱۰۱ یہاں قرآن مجید سے متعلق سب سے پہلی بات یہ ارشاد ہوئی کہ وہ کسی مخلوق کا نہیں، خود پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے، اور دوسری بات یہ کہ رسول ﷺ کے قلب مبارک تک جبرئیل امین جیسے زبردست محافظ نے پہنچایا ہے۔ جن کے لائے ہوئے پیام پر کسی غلطی و تحریف کا امکان نہیں۔ نَزَلَ بِهٖ نزل صلہ ب کے بعد انزل کے معنی میں ہے۔ اے انزل علی ان الباء للتعدية (روح) رُوۡحُ الۡاَمِيۡنُ۔ یعنی امانت دار فرشتہ مراد حضرت جبرئیل ہیں۔ اور ملت کا اس پر اتفاق ہے۔ و هو جبرئيل علیہ السلام قال غير واحد مں السلف۔ ابن عباس و محمد بن كعب و قتادة و عطية العوفى والسدى والضحاک والزهرى و ابن جريج و هذا مما لا نزاع فيه (ابن کثیر) ان کے وصف امانت کو یہاں نمایاں کرنے کے یہی معنی ہیں کہ انکا لایا ہوا پیام قطعاً اور تمام تر محفوظ ہے۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيۡنٍ۔ رسول اللہ ﷺ کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک یہ کہ آپ نبی عالم تھے۔ دوسرے یہ کہ آپ نبی عرب تھے۔ یہاں بھی آخری حیثیت مراد ہے اسی لیے زبان عرب کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ قرآن کے عربی زبان میں ہونے پر یہاں اور دوسرے مقامات پر جو زور دیا گیا ہے، اس سے بعض فقہاء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ غیر عربی قرآن پر یعنی کسی ترجمۂ قرآن پر حکم قرآن کا نہیں لگایا جا سکتا۔ عَلٰى قَلۡبِكَ۔ وحی کا مخاطب اصلی قلب ہی ہوتا ہے۔ اور باقی دوسرے اعضاء قلب کے ماتحت ہوتے ہیں۔ القلب هو المخاطب فى الحقيقة لانهٗ موقع التميز والاختيار و اما سائر الاعضاء فمسخرة لهٗ والدليل عليه القراٰن والحديث والمعقول (کبیر) محققین سے منقول ہے کہ نبی کے پاس قبول وحی کے لیے ایک قلب بھی مخصوص ہوتا ہے اور ایک مخصوص سامعہ و باصرہ بھی۔ وف۱۰۲ اِنَّهٗ میں مضاف مقدر ہے۔ عربی محاورہ میں عام طور سے آتا ہے۔ فلان فى دفتر الامير۔ اور فلاں سے مراد فلاں کے نام یا ذکر سے ہوتی ہے۔ اے اسمهٗ و ذكرهٗ فى دفتر الامير یہاں بھی تقدیر کلام کچھ یوں ہی معلوم ہوتی ہے۔ ان ذكرهٗ فى زبر الاولين۔ يعنى ذكرهٗ (کشاف) اے ذكر انزال القراٰن قالهٗ اكثر المفسرين (معالم) اے ذكر هذا القراٰن والتنويه به (ابن کثیر) يعنى ذكرهٗ ثبت فى سائر كتب السماوية (مدارک) لیکن بہر حال الفاظ قرآنی سے یہ بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ "قرآن" کا "زُبُرِ الۡاَوَّلِيۡنَ" میں ہونا ارشاد ہو گیا ہے، حالانکہ قرآن ان اگلی کتابوں میں بجنسہٖ عربی زبان میں نہیں اس لیے قرآن کا اطلاق غیر عربی کے قرآن پر بھی صحیح و صادق آتا ہے۔ هذا مما يحتج به فى ان نقله فى لغة اخرى لا يخرجه من ان يكون قراٰنا لاطلاق اللفظ بانهٗ فى زبر الاولين مع كونه فيها بغير اللغة العربية (جصاص) واحتج صاحب الكشاف والمدارک والهداية على ان القراٰن قراٰن و ان ترجم بغير العربية فيكون دليلا على جواز قراءة القراٰن با لفارسية فى الصلوٰة لانه لم يكن فى زبر الاولين الا بغير العربية (احمدی) فيه دليل على ان القراٰن قراٰن اذا ترجم بغير العربية فيكون دليلاً على جواز قراءة القراٰن با لفارسية فى الصلوٰة (مدارک) اور یہیں سے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے نماز میں فارسی ترجمہ قرآن خود قرآن کا قائم مقام قرار دیا ہے۔ واشتهر من الامام ابى حنيفة انه جوز قراءة القراٰن با لفارسية والتركية والهندية و غير ذٰلک من اللغات مطلقاً استدلالاً بهذه الاٰية و فى رواية تخصيص الجواز بالفارسية (روح) لیکن محققین کا بیان ہے کہ بعد کو امام نے اپنی رائے سے رجوع بھی کر لیا تھا۔ اور اپنے استدلال کی خامی انہیں خود نظر آ گئی۔ و قد صحح رجوعهٗ عن القول بجواز القراءة بغير العربية مطلقاً جمع من الثقات المحققين (روح) و كان رجوع الامام عليه الرحمة عما اشتهر عنه لضعف الاستدلال بهذه الاٰية عليه (روح) و قد صح رجوعه عن قوله و عليه الاعتماد (احمدی) وف۱۰۳ (اور کبھی اس کا اعتراف بھی کر لیتے ہیں) يَّعۡلَمَهٗ میں ضمیر قرآن مجید کی جانب ہے۔ لَّهُمۡ میں ضمیر قریش کی جانب ہے، جو علماء بنی اسرائیل کے علم و فضل کے خود بھی قائل و معتقد تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ امر تو ان کے نزدیک خود ایک دلیل معتبر ہونا چاہیے، کہ علماء بنی اسرائیل اپنے مقدس صحیفوں میں قرآن مجید کا ذکر اور اخبار پاتے ہیں۔ اے اولیس يكفيهم من الشاهد الصادق على ذٰلک ان العلماء من بنى اسرائيل يجدون ذكر هذا القراٰن فى كتبهم التى يدر سونها (ابن کثیر)

كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيۡۤ اَعۡلَمُ بِمَا

تم سچے ہو وف۹۸ (شعیب نے) کہا میرا پروردگار ہی خوب جانتا ہے جو کچھ

تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ يَوۡمِ الظُّلَّةِ ؕ

تم کرتے رہتے ہو وف۹۹ پھر ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا سو انہیں عذاب سائبان نے آ لیا

اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا

بے شک وہ بڑے سخت عذاب کا دن تھا وف۱۰۰ یقیناً اس (ماجرے) میں ایک (بڑا) نشان ہے اور

كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ

ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے اور آپ کا پروردگار بڑا قوت والا ہے،

الرَّحِيۡمُ ﴿۱۹۱﴾ ع وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۹۲﴾ ؕ نَزَلَ

بڑا رحم والا ہے اور بے شک یہ (قرآن) پروردگار کا عالم کا اتارا ہوا ہے اسے روح الامین نے

بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ﴿۱۹۳﴾ لا عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ

آپ کے قلب پر اتارا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں

الۡمُنۡذِرِيۡنَ ﴿۱۹۴﴾ لا بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍ ﴿۱۹۵﴾ ؕ وَاِنَّهٗ لَفِىۡ زُبُرِ

میں سے ہوں وف۱۰۱ صاف عربی زبان میں اور بے شک اس (کا ذکر) پہلی امتوں کی

الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمۡ يَكُنۡ لَّهُمۡ اٰيَةً اَنۡ يَّعۡلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِىۡۤ

کتابوں میں ہے وف۱۰۲ کیا ان لوگوں کے لئے یہ (کافی) دلیل نہیں کہ اسے علمائے بنی اسرائیل

اِسۡرَآءِيۡلَ ﴿۱۹۷﴾ ؕ وَلَوۡ نَزَّلۡنٰهُ عَلٰى بَعۡضِ الۡاَعۡجَمِيۡنَ ﴿۱۹۸﴾ لا

جانتے ہیں؟ وف۱۰۳ اور اگر ہم اس کو کسی عجمی پر نازل کرتے

فَقَرَاَهٗ عَلَيۡهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۹۹﴾ ؕ كَذٰلِكَ سَلَكۡنٰهُ

پھر وہ ان کے سامنے اسے پڑھ بھی دیتا جب بھی یہ لوگ اسے نہ مانتے وف۱۰۴ ہم نے اسی طرح اس (ایمان نہ لانے) کو

ہے کہ ایمان یہ اس صورت میں بھی نہ لاتے اور خدائی کلام اسے جب بھی نہ تسلیم کرتے۔ قال تعالٰی مخبرًا عن شدة کفر قریش و عنادھم لھٰذا القراٰن انہ لو نزل علٰی رجل من الاعاجم ممن لایدری من العربیة کلمة و انزل علیه ھٰذا الکتاب ببیانه و فصاحته لایؤمنون به (ابن کثیر) والمراد بیان فرط عنادھم و شدة شکیمتھم فی المکابرة کانه قیل و لونزلنا بھٰذا النظم الرائق المعجز علٰی من لا یقدر علی التکلم بالعربیة فقرأہ علیھم قراءۃ صحیحة خارقة للعادة (روح) اے لو نزلناہ علٰی بعض الاعاجم لایحسن العربیة فضلا عن ان یقدر علٰی نظم مثله فقرء ہ علیھم ھٰکذا معجزًا لکفروا به (مدارک) مَا کَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ۔ منکرین، معاندین کے ایمان کی طرف سے اتنی یاس دلانا غالبًا رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لیے ہے۔

فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰی یَرَوُا

ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے ف۱۰۵ یہ لوگ اس پر ایمان نہ لائیں گے جب تک

الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

عذاب دردناک کو نہ دیکھ لیں گے جو اچانک ان کے سامنے آ کھڑا ہوگا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی

فَیَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا

پھر (اس وقت) کہیں گے کیا (اب) ہمیں مہلت مل سکتی ہے؟ ف۱۰۶ یہ لوگ ہمارے عذاب (کو سن کر اس) کی

یَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ

کیا جلدی چاہتے ہیں ف۱۰۷ ذرا بتلا اگر ہم انہیں چند سال تک عیش میں رہنے دیں، پھر

جَآءَهُمْ مَّا کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا

جس (عذاب) کا ان سے وعدہ ہے وہ ان پر آجائے تو وہ ان کا عیش ان کے

کَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَ مَآ اَهْلَکْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا لَهَا

کیا کام آ سکتا ہے ف۱۰۸ اور ہم نے جتنی بھی بستیاں ہلاک کیں سب میں

مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِکْرٰی وَمَا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَ مَا

ڈرانے والے آچکے نصیحت کے واسطے ف۱۰۹ اور ہم کچھ ظلم کرنے والے تو تھے نہیں اور

تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّیٰطِیْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لَهُمْ وَ مَا

اس (قرآن) کو شیطان لے کر نہیں آئے اور نہ وہ اس قابل اور نہ یہ

یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا

ان کے بس کی بات ف۱۱۰ وہ تو (وحی کے) سننے سے محروم کیے جا چکے ہیں ف۱۱۱ آپ

تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَکُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِیْنَ ﴿۲۱۳﴾

اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکاریے، ورنہ آپ کو بھی سزا ہونے لگے گی ف۱۱۲

ف۱۰۵ اور وہ لوگ اپنے انکار پر ہٹ کی شدت کے ساتھ قائم ہیں۔ اَعجمی اور عجمی کے درمیان یہی فرق ہے کہ عجمی غیر عرب کے لیے آتا ہے اور اعجمی غیر فصیح کے لیے خواہ وہ عرب ہی ہو۔ العجم خلاف العرب و العجمی منسوب الیھم والاعجم من فی لسانه عجمة عربیا کان او غیر عربی (راغب) یقال رجل اعجمی و اعجم اذا کان غیر فصیح و ان کان عربیا و رجل عجمی و ان کان فصیحاً ینسب الٰی اصله (قرطبی) سَلَکْنٰهُ۔ میں ضمیر کفر و عدم ایمان کی طرف ہے، جو شامل ہے مَا کَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ میں۔ اے التکذیب و الکفر والجحود والعناد (ابن کثیر) قال ابن عباس و مجاھد ادخلنا الشرک والتکذیب (معالم) اے ادخلنا التکذیب او الکفر و ھو مدلول قوله ما کانوا به مومنین (مدارک) یہ دلوں میں کفر و تکذیب کا ڈال رکھنا ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے محض تکوینی حیثیت سے ہے۔ اور آیت اس پر دلیل ہے کہ امور تکوینی جتنے بھی ہیں، سب اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔ یدل علٰی ان الکل بقضاء اللہ و خلقه (کبیر) اور آیت سے اہل سنت نے معتزلہ کے مقابلہ میں استدلال کیا ہے کہ ہر فعل خیر و شر کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ و ھو حجتنا علی المعتزلة فی خلق افعال العباد خیرھا و شرھا (مدارک) ف۱۰۶ (حالانکہ وہ وقت نہ مہلت ملنے کا ہوگا نہ قبولِ ایمان کا) ف۱۰۷ (بہ راہِ انکار) کفار معاندین عذاب کی وعید سن کر کہتے ہیں، کہ اگر یہ خبر سچ ہے، تو عذاب آخر آ کیوں نہیں جاتا؟ ف۱۰۸ تو اگر انہیں مہلت مل بھی جائے تو اس سے حاصل کیا؟ جب عذاب ان پر آنا ہی ہے، اور انہیں ایمان نہ لانا ہی ہے، تو جیسے آج ویسے چند سال بعد، عارضی مہلت و التواسے کچھ جان تو ان کی بچ نہ جائے گی۔ ف۱۰۹ اور جب ان لوگوں نے پیمبر کی کچھ نہ سنی بلکہ الٹے اسی کے رد و مضحکہ میں لگ گئے، جب کہیں جا کر عذاب نازل ہوا۔ ف۱۱۰ (جو اس کے مضامین میں کسی خلط کا احتمال ہو، یا اسے غیر خدائی وضع و تحریف کا نتیجہ سمجھا جائے)۔ ف۱۱۱ (چنانچہ متعدد عرب کاہنوں اور مشرکوں سے ان کے جنات نے اس ناکامی کا خود اعتراف کیا، اور انہوں نے اس کی خبر دوسروں کو بھی دی) عرب، کاہنوں اور ساحروں کے خوگر، قرآن مجید کے اعجاز سے قائل و لاجواب ہو کر یہی سمجھنے لگتے تھے کہ ہو نہ ہو یہ "نبی" کوئی کاہن ہیں، ان کے پاس یہ کلام ان کے مؤکل شیاطین لے کر آئے ہیں۔ قرآن اس کے جواب میں کہتا ہے، کہ تم لوگ بھی کس درجہ بدعقل ہو، شیاطین تو تمام تر ظلمت و ضلالت ہیں، اور قرآن سرتاسر نور و ہدایت، قرآن کے مضامین عالیہ و علوم کو بھلا شیطانی ہفوات سے مناسبت کیا؟ اور پھر شیطانوں میں اتنی قوت و قدرت ہی کہاں، کہ وحی الٰہی کو گڑھ سکیں، یا اس میں اپنی طرف سے کوئی جزو ہی شامل کر سکیں! ف۱۱۲ یہ صیغۂ حاضر کمال تخویف اور انتہائی اہمیت کے اظہار کے لئے ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ پیمبر کو شرک سے مناسبت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ ولی سے کسی حال میں بھی تکلیف شرعی ساقط نہیں ہو سکتی۔

مع

وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ

آپ اپنے کنبہ کے عزیزوں کو ڈراتے رہئے ف۱۱۳ اور جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلے

لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ

تو آپ اس کے ساتھ (مشفقانہ) فروتنی سے پیش آیئے ف۱۱۴ لیکن اگر یہ آپ کا کہنا نہ مانیں تو آپ کہہ دیجیے

اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ

کہ میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں ف۱۱۵ اور آپ بھروسہ رکھئے بڑے قوت والے

الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي

بڑے رحم والے (خدا) پر جو آپ کو جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست برخاست کو

السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ

دیکھتا رہتا ہے ف۱۱۶ بے شک وہ بڑا ہی سننے والا بڑا جاننے والا ہے ف۱۱۷ اچھا تو میں تم کو بتاؤں کہ

عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ

شیطان کس پر اترا کرتے ہیں ف۱۱۸ ایسوں پر اترا کرتے ہیں جو (جھوٹے) لپاٹیے ہوں

اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾

بدکردار ہوں اور جو (ان کی طرف) کان لگائے رکھتے ہوں۔ اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہی ہوتے ہیں

وَ الشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ

ف۱۱۹ اور رہے شاعر تو ان کی پیروی بدراہ لوگ کرتے ہیں ف۱۲۰ کیا تجھے خبر نہیں کہ وہ (شاعر) ہر میدان میں

وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا

حیران پھرا کرتے ہیں ف۱۲۱ اور وہ کہتے وہ ہیں جو وہ کرتے نہیں ف۱۲۲ البتہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کیا

ف۱۱۳ چنانچہ آپ نے اس کی تعمیل میں اپنے عزیزوں کو بلا کر جمع کیا، اور ان پر تبلیغ کی۔ صحیح بخاری وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔۔۔۔۔قریبی عزیزوں کے ذکر کی تخصیص اس لئے ہے تاکہ انہیں بھی معلوم ہو جائے کہ نجات بغیر پیمبر کے اتباع کے نہیں اور آپ سے محض رشتہ داری ہرگز کافی نہیں۔ خصهم ليعلموا انه لا يغنى عنهم من الله شيئًا وان النجاة فى اتباعه دون قربه (مدارک) عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ وعظ فرض کفایہ ہے۔ شروع اپنے عزیزوں قریبوں سے کرے، اور پھر جہاں تک ہو سکے پھیلاتا جائے۔ ف۱۱۴ کہاں پیمبر اور کہاں امتی، شرف ومنزلت کے اعتبار سے دونوں کا مقابلہ ہی کیا۔ لیکن یہاں صراحت کے ساتھ حکم مخدوم وآقا کو مل رہا ہے کہ وہ اپنے متبعین کے ساتھ فروتنی سے پیش آئیں۔ یہ تعلیم اسلام کے سوا کہاں ملے گی؟ محققین نے کہا ہے کہ فروتنی کا حکم جب سردار ومخدوم کو اپنے خادموں کے مقابلہ میں مل رہا ہے تو خود خادموں، مریدوں، شاگردوں کو تو اپنے بزرگوں، مرشدوں، استادوں کے حضور میں کہیں زیادہ فروتنی کے ساتھ رہنا چاہیے!۔۔۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ خفض جناح کی صورتیں دو ہیں۔ ایک تو وہ جو اطاعت سے پیدا ہوتی ہے جیسے اولاد کی فروتنی والدین کے مقابلہ میں، دوسری وہ جو شفقت سے پیدا ہوتی ہے، وہی یہاں مقصود ہے ف۱۱۵ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ میں تعلیم ابھی ابھی حب فی اللہ کی تھی اب فَاِنْ عَصَوْكَ میں تعلیم بغض فی اللہ کی مل رہی ہے۔ ف۱۱۶ (اور وہی ہر ضرر سے آپ کی حفاظت کے لئے کافی ہے) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ ضرر حقیقی سے ہمیشہ محفوظ رہے۔ اور متوکل کو جو ضرر پہنچتا ہے، وہ صرف ضرر صوری ہوتا ہے، جس کے اندر ہزاروں نفع ہوتے ہیں، جن کا ظہور خواہ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں۔ اور مقام توکل صوفیہ کے ہاں ایک معروف ومسلم مقام ہے۔ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ۔ یعنی حالت نماز میں اى تقوم الى صلاتك من اكثر المفسرين (معالم) اللہ دیکھتا تو بہر حال اور ہر وقت ہی رہتا ہے، یہاں حالت نماز سے متعلق تخصیص ہے۔ يَرٰىكَ کہنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ عنایت خاص کی نظر سے دیکھتا رہتا ہے۔ تقلب کے لفظی معنی گھومنے پھرنے الٹ پلٹ کے ہیں۔ التقلب التصرف (راغب) مراد یہاں نشست وبرخاست سے لی گئی ہے۔ السّٰجِدِيْنَ کے لفظی معنی سجدہ کرنے والے کے ہیں۔ مراد نمازی ہیں، خود سجود کے مجازی معنی نماز کے ہیں۔ و قد يعبر به عن الصلوٰة (راغب) فى السّٰجدين اى فى المصلين (ابن جریر عن قتادۃ) الساجدين المصلين (ابن جریر۔ عن ابن زید) والمراد بالساجدين المصلين (کشاف) ف۱۱۷ آپ کی دعاؤں کا خوب سننے والا، آپ کے پاکیزہ حالات کا خوب جاننے والا ہے۔ آپ کے دشمنوں کی کھلی اور چھپی ہوئی دشمنی اس پر عیاں ہے۔ ف۱۱۸ (اور تمہارے اس فریب ذہنی کو بھی دور کر دوں؟) مشرکین مکہ کا ایک وسوسہ یہ بھی تھا کہ رسالت (نعوذ باللہ) ایک شعبہ کہانت کا ہے۔ اور کاہنوں کو غیب کی خبریں موکل شیطانوں کے ذریعہ سے مل جایا کرتی ہیں۔ قرآن مجید یہاں جواب ان کے اسی شبہ کا دے رہا ہے۔ ف۱۱۹ (اپنے دعوائے کہانت وغیب دانی میں) قرآن مجید خود مشرکوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ بات بک ڈالنے سے پیشتر یہ بھی تو سوچ لیا کرو، کہ کچھ لگتی ہوئی بھی ہے۔ شاگرد واستاد میں کچھ تو مناسبت ہونا چاہیے۔ شیطان سے تعلق رکھنے والے کون لوگ ہوتے ہیں؟ شیطان سے فیض پانے والے کس سیرت کس اخلاق کے ہوتے ہیں؟ شیطان کے تربیت یافتہ تو وہی ہوتے ہیں جو جھوٹے، لپاٹیے، بدکردار، گناہوں کی گندگی میں آلودہ ہوتے ہیں۔۔۔ یعنی ٹھیک ان پاکیزہ خو، فرشتہ صفت اصحاب نبوی کے برعکس، جن کے اوصاف ابھی سورۃ الفرقان میں بیان ہو چکے ہیں۔ ایسے متقیوں پاکبازوں کے سردار کو بھلا شیطان کے سایہ سے بھی کوئی مناسبت ہو سکتی ہے؟ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ میں اکثر سے مراد کل لی گئی ہے۔ یعنی یہ سب کے سب جھوٹے ہیں۔ وقد فسر الاكثر بالكل (بیضاوی) دوسرے معنی یہ کیے گئے ہیں کہ یہ لوگ کثرت سے جھوٹ بولنے والے ہیں۔ گویا کثرت کا تعلق تعداد سے نہیں، ان کے اقوال سے ہے۔ والاظهر ان الاكثرية باعتبار اقوالهم (بیضاوی) سب سے زیادہ دل نشین معنی وہ ہیں جو زمخشری نے کیے ہیں۔ یعنی ان میں سے اکثر خود دعویٰ کہانت ہی میں جھوٹے ہیں۔ شیاطین سے جو خبریں پانا بیان کرتے ہیں۔ خود اس دعوے میں یہ سچے نہیں۔ واكثر الافاكين كاذبون يفترون على الشيٰطين مالم يوحوا اليهم (کشاف) كاذبون فى مايقولون و يخبرون (ابن جریر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں یہ بڑا اشارہ ہے کہ شیطان طالب صادق ومتقی کے اندر ایسا تصرف نہیں کر سکتا، جس سے اس کے دین کو ضرر پہنچے۔ ف۱۲۰ دوسرا بڑا شبہ مشرکین ومنکرین کا آپ سے متعلق شاعر ہونے کا تھا۔ شاعر سے مراد ناظم نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں، جو خیالی فضا اور رنگین عبارت کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے ہیں۔ عرب جاہلی کی تہذیب وتمدن میں شعراء کا ایک خاص اور بڑا امتیاز مرتبہ تھا۔ عیب کو ہنر، ہنر کو عیب بنا دینا ان کا معمولی کرتب تھا۔۔۔ شاعروں کی ذریت تو انہیں لوگوں پر شامل رہتی ہے جو خود بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ الْغَاوٗنَ کے تحت میں وہ سب لوگ آ گئے، جن کے ایمان اور جن کے اخلاق کمزور ہیں۔ اى السفهاء او الراوون او الشياطين او المشركون (مدارک) ف۱۲۱ (خیالی مضامین کی تلاش میں ٹکریں مارتے، ٹھوکریں کھاتے) یعنی شاعروں کو واقعیت وحقیقت سے واسطہ کیا ہوتا ہے؟ یہ تو تمام تر تخیل پرستی میں مبتلا رہتے ہیں۔ قرآن جو سرتاسر دفتر حقائق ہے وہ تو شعر وشاعری کی بالکل ضد ہے۔ ف۱۲۲ شاعر کو عمل کی زندگی سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔ وہ مضامین شجاعت ومردانگی کے باندھے گا لیکن خود بھاگنے والوں میں سب سے آگے ہو

گا، وہ قصیدہ خوانی عفت وعصمت کی کرے گا، اور خود انتہا درجہ کا بدچلن اور سیاہ کار ہوگا۔ عام دستور ہر ملک وقوم کے شاعروں کا یہی ہے۔ قوم کی قوت عملی کو وہ اور کمزور کرتے رہتے ہیں۔ تاریخوں میں آتا ہے کہ دورِ اُموی کے مشہور عرب شاعر فرزدق نے جب اپنا وہ شعر جس میں اپنی حرامکاری کو مزے لے لے کر بیان کیا ہے خلیفۂ وقت سلیمان بن عبدالملک کو سنایا تو خلیفہ نے برجستہ کہا، کہ اس اقبالِ جرم کے بعد تم پر حد شرعی واجب آگئی، شاعر نے فوراً یہی آیت قرآنی اپنی صفائی میں پڑھ کر اپنی جان بچائی ـــ یعنی اس نے گویا یہ ظاہر کر دیا کہ ہم شاعر لوگ ہیں، ہمارے کلام سے ہمارے عمل کا بھلا کیا پتہ چل سکتا

وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ

اور بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا (اس کا) بدلہ لیا (تو وہ اس حکم میں داخل نہیں) ف۱۲۳ اور عنقریب

ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع

ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا جنھوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے ف۱۲۴

ع ۱۱ / ۱۵

اٰیاتها ۹۳ — ۲۷ سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ ۴۸ — رکوعاتها ۷

اور اس میں ترانوے آیتیں — سورۂ نمل مکی ہے — اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾ هُدًى

طا۔ سین یہ آیتیں ہیں قرآن اور ایک واضح کتاب کی (موجب) ہدایت

وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

و بشارت ایمان والوں کے لئے ف۱ جو نماز کی پابندی کرتے رہتے ہیں

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ

اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں ف۲ جو

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ

لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال ان کی نظر میں خوش نما بنا رکھے ہیں سو وہ

يَعْمَهُوْنَ ﴿۴﴾ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَ هُمْ

بھٹکتے پھرتے ہیں ف۳ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے سخت عذاب ہے ف۴ اور

فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾ وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ

آخرت میں تو وہ بڑا سخت نقصان اٹھانے والے ہیں ہی اور آپ کو یقیناً قرآن دیا جا رہا ہے

ہے۔ ف۱۲۳ اسلام اکثر "فنونِ لطیفہ" کی طرح عموماً شاعری کا بھی ہرگز قدرداں نہیں، اور نہ شاعروں کی ہمت افزائی کرنا چاہتا ہے۔ اسلام کے دربار میں کوئی کرسی ہرگز شاعروں کے لیے نہیں۔ اس لیے کہ عام شاعری میں بجز خیال آرائی اور مبالغہ پروری کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اعلم ان الأيات الدالة على تقبيح الشعر اكثر من ان يحصى (احمدی) لیکن اس عام بے راہ روی کی شاعری کے حکم سے وہ شاعری یقیناً مستثنیٰ ہے، جو حقائق اور صداقتوں کی جامع ہے، جو نصرت وحمایتِ حق میں کی جائے۔ جس سے کام دین کے غلبہ کا لیا جائے۔ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا۔ اسلامی نظمیں، جوشِ دینی پیدا کرنے والی، عصبیتِ اسلامی کو بیدار کرنے والی، سب ذکرِ الٰہی ہی کی فرد ہیں۔ شاعرِ دربارِ نبوت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے لے کر مولنا روم علیہ الرحمۃ اور پھر اقبال و جوہر و اکبر کی شاعری اسی طبقہ میں آتی ہے۔ ف۱۲۴ یعنی جہنم میں۔ اَیَّ مُنْقَلَبٍ کیسی جگہ سے مراد کیسی تکلیف ومصیبت کی اور بری جگہ ہے۔ یہ ان منکرین سے متعلق وعید ہے جو اب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہی پہنچاتے رہے۔ اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے، رسول کے، بندوں کے حقوق تلف کرتے رہے۔

ف۱ گویا آیتوں سے متعلق یہاں چار باتیں بیان ہوئیں۔ ایک یہ کہ یہ آیتیں جس کتاب کی ہیں وہ قرآن ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کتاب روشن وواضح ہے، تیسرے اور چوتھے یہ کہ آیات انھیں اہل ایمان کے لیے سبب ہدایت بھی ہیں اور ذریعہ بشارت بھی۔ تِلْكَ کا اشارۂ بعید قرآن کے شرف ومنزلت کے اظہار کے لیے ہے۔ لاداة البُعد للاشارة الٰى بُعد المنزلة فى الفضل والشرف (روح) كِتَابٍ۔ کتاب کی تنوین وتنکیر اظہارِ عظمت کے لیے ہے۔ و تنوينهٔ للتفخيم (روح) ف۲ یعنی عقائد واعمال دونوں کے باب میں بڑے پختہ ہیں۔ يُقِيْمُوْنَ...... الزَّكٰوةَ نماز گویا خلاصہ ہے طاعات بدنی کا اور زکوٰۃ طاعات مالی کا۔ وكنى باقامة الصلوٰة و ايتاء الزكوٰة عن عمل الصالحات مطلقًا (روح) وَ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ عقائد کے باب میں عقیدۂ آخرت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ انسان کو اپنی ذمہ داری، مسئولیت کا پورا احساس بغیر اس کے ہو نہیں سکتا۔ مشرکین کے ہاں تو یہ عقیدہ پہلے ہی سے مسخ شدہ تھا۔ یہود بھی آخرت کی سزا و جزا کو بھلا کر اسی دنیا پر قانع ہو گئے تھے۔ چنانچہ ان کی توریت اور دوسرے صحائف عالمِ آخرت سے خاموش ہی ہیں۔ ف۳ یہ مشاہدہ ہے کہ جن قوموں کے دل سے آخرت کا خیال مٹ جاتا ہے وہ اپنا سارا وقت، ساری قوت اسی دنیا کی دوڑ دھوپ، اسی کی ترقیوں کے لیے وقف رکھتے ہیں۔ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ۔ جو لوگ مذہب کا دامن چھوڑے ہوئے ہیں، قرآن مجید نے کتنی صحیح تشخیص ان کے بارے میں کر دی۔ اپنی اس مادی حسی دنیا کے سامان اور یہیں کی ترقیوں پر وہ پھولے اور اتراتے ہوئے۔ کس کس طرح ایک ایک نظریہ، ایک ایک فلسفہ کی آڑ ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور اس در سے اس در تک منڈلاتے ہی رہتے ہیں! ف۴ (اس دنیا میں بھی) موت کے وقت تو اس عذاب شدید کا نزول مشاہد اور قطعی ہے۔ باقی موت سے پہلے بھری پری زندگی ہی میں غور کر کے دیکھا جائے، تو آخرت فراموش قومیں کتنی ذہنی اذیتوں میں مبتلا بسر کرتی رہتی ہیں۔ برطانیہ، فرانس، امریکا، روس وغیرہ پر ان کی ساری ظاہری خوشحالیوں کے باوجود آج جو کچھ گزر رہی ہے، وہ کس کی نظر سے مخفی ہے؟

ف۵ (اور اس لیے وہ قرآن ہی ہر انسانی ضرورت کا ایک جامع نسخہ ہے) ف۶ ذکر حضرت موسٰیؑ کے مدین سے واپسی کے وقت کوہ طور سے قریب ہو کر گزرنے کا ہے۔ آپ مصر کی راہ بھول گئے تھے۔ سردی کا موسم اور اندھیری رات تھی۔ حاشیے سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکے۔ لِاَهۡلِهٖۤ۔ اهل پر بھی حاشیہ وہیں گزر چکا ہے۔ اگلی سورۃ القصص میں بھی یہی قصہ خفیف لفظی تغیرات کے ساتھ آرہا ہے۔ فقہاء مفسرین نے اس لفظی اختلاف ومعنوی اتحاد سے استدلال یہ کیا ہے کہ حدیث نبوی کی روایت بالمعنٰی جائز ہے۔ واختلاف الالفاظ فی هاتین السورتین والقصة واحدة دليل علٰى جواز نقل الحديث بالمعنٰى (مدارک) ف۷ یعنی ملائکہ۔ ای من فی مکان النار و هم الملائكة (مدارک) اَن۔ ان یہاں مفسرہ ہے اور تقدیر کلام یوں بھی سمجھی گئی ہے۔ نودی بانهٗ بورک۔ ان هی المفسرة لان النداء فيه معنى القول والمعنٰى قيل لهٗ بورک (کشاف وکبیر) نودی بانهٗ بورک (مدارک) ف۸ یعنی حضرت موسٰیؑ۔ ومن حول مكانها ای موسٰی (مدارک) بہت سے مفسروں سے اس کے بالعکس بھی منقول ہے یعنی مَنۡ فِی النَّارِ کو قرب نار کے معنٰی میں لے کر مراد اس سے حضرت موسٰیؑ لی ہے، اور مَنۡ حَوۡلَهَا سے فرشتہ۔ ف۹ (جہت، رنگ، مقدار، وزن وغیرہ تمام تعینات سے) یہ تنبیہ معاً اس لیے کر دی گئی ہے کہ کوئی اس تجلی کو جو بشکل نار محدود ومتقید تھی کہیں عین ذات واجب الوجود نہ سمجھ بیٹھے! معاذ اللہ۔ کہیں رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ کی سی ناقابل پیمائش وسعتیں رکھنے والی ذات بے ہمتا آگ کے چند شعلوں کے اندر حلول کر سکتی ہے! ای الذی یفعل مایشاء ولا یشبههٗ شیءٌ من مخلوقاته ولا یحیط به شیء من مصنوعاته و هو العلی العظيم المباين بجميع المخلوقات ولا يكتنفه الارض والسمٰوٰت بل هو الاحد الصمد المنزه عن مماثلة المحدثات (ابن کثیر) ''موسٰی علیہ السلام اگر اس مسئلہ سے خالی الذہن تھے تو یہ اس کی تعلیم ہے، اور اگر آپ کو دلائل عقلیہ اور فطرت صالحہ سے پہلے سے معلوم تھا تو زیادت تفہیم ہے'' (تھانوی) ف۱۰ (اور کوئی مادی مخلوق نہیں جو تم سے ہمکلام ہو رہا ہے) ف۱۱ خوف طبعی مرتبۂ نبوت کے بالکل منافی نہیں۔ اور پھر اگر یہ خوف عقلی تھا، جب بھی بسبب اس کے کہ اس میں کسی مخلوق کا واسطہ نہ تھا اس میں کوئی امر منافی شانِ نبوت نہیں (تھانوی) جانّ اور ثعبان اور حیہ سب پر حاشیے گزر چکے۔ ف۱۲ فقرہ صورۃً خبر ہے اور معنًی انشاء، یعنی ہدایت ہو رہی ہے کہ خوف نہ کرنا چاہیے۔ یہ خوف اگر طبعی تھا تو لَا تَخَفۡ الخ سے جواز الہ خوف کیا گیا ہے، اس کی تقریر یہ ہو گی کہ ایک کیفیت طبعیہ پر جب دوسری کیفیت طبعیہ غالب آجاتی ہے تو پہلی کیفیت زائل و مضمحل ہو جاتی ہے۔ بس تم یہ سمجھو کہ ہم نے تم کو نبوت دی ہے۔ اس عنایت متجددہ کا سرور طبعاً ایسا غالب ہو گا کہ اس خوف کا اثر نہ رہے گا۔ اور اگر خوف عقلی تھا تو تقریر یہ ہو گی کہ ہر چند کہ حوادث انبیاء پر بھی آتے ہیں، مگر ہم اپنی عادت سے اطلاع دیتے ہیں کہ خود معجزات سے اور بالخصوص عطائے نبوت کے وقت ابتلاء وتضرر نہیں ہوا کرتا بس اب خوف عقلی نہ رہے گا (تھانوی) ف۱۳ تو عام قاعدہ غفر ورحمت جب حقیقۃً عاصیوں اور خاطئوں کے حق میں ہے، تو حضرت موسٰیؑ تو حقیقۃً عاصی وخاطی تھے بھی نہیں۔ قتل قبطی میں ان کا ''ظلم''، محض صورۃً تھا نہ کہ معنًی وحقیقۃً۔

مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ عَلِيۡمٍ ﴿۶﴾ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِاَهۡلِهٖۤ اِنِّىۡۤ

ایک بڑے حکمت والے بڑے علم والے کی طرف سے ف۵ (یاد کیجیے وہ وقت) جب موسٰیؑ نے اپنے گھر والوں سے کہا میں نے

اٰنَسۡتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا بِخَبَرٍ اَوۡ اٰتِيۡكُمۡ بِشِهَابٍ

آگ دیکھی ہے میں ابھی وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں یا تمہارے پاس آگ کا شعلہ لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا

قَبَسٍ لَّعَلَّكُمۡ تَصۡطَلُوۡنَ ﴿۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوۡدِىَ اَنۡۢ

لاتا ہوں تاکہ تم تاپ سکو ف۶ پھر جب وہ اس (آگ) کے پاس پہنچے تو انہیں آواز دی گئی

بُوۡرِكَ مَنۡ فِى النَّارِ وَمَنۡ حَوۡلَهَا ؕ وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ

کہ برکت ہوان پر جو اس آگ کے اندر ہیں ف۷ اور اس پر بھی جو اس کے پاس ہے ف۸ اور پاک ہے اللہ

الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸﴾ يٰمُوۡسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۙ ﴿۹﴾

پروردگار عالم! ف۹ اے موسٰیؑ یہ تو میں ہوں اللہ بڑا غلبہ والا، بڑا حکمت والا ف۱۰

وَاَلۡقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهۡتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدۡبِرًا

اور تم اپنا عصا ڈال دو پھر جب انہوں نے اسے دیکھا کہ وہ حرکت کر رہا ہے جیسے سانپ (کرتا ہے)

وَّلَمۡ يُعَقِّبۡ ؕ يٰمُوۡسٰى لَا تَخَفۡ اِنِّىۡ لَا يَخَافُ لَدَىَّ

تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا ف۱۱ اے موسٰیؑ خوف نہ کرو ہمارے حضور میں پیمبر خوف

الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۰﴾ اِلَّا مَنۡ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسۡنًۢا بَعۡدَ

نہیں کرتے ف۱۲ ہاں البتہ جس سے کوئی قصور ہو جائے پھر برائی کے بعد بجائے اس کے

سُوۡٓءٍ فَاِنِّىۡ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَدۡخِلۡ يَدَكَ فِىۡ جَيۡبِكَ

نیک کام کرے تو میں بڑا مغفرت والا ہوں بڑا رحمت والا ہوں ف۱۳ اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر لے جاؤ

تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ فِىۡ تِسۡعِ اٰيٰتٍ اِلٰى

تو وہ بلا کسی عیب کے بالکل سفید ہو کر نکلے گا (یہ) نو معجزات میں سے ہیں فرعون

فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا

اور اس کی قوم کے مقابل بے شک وہ لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں ف۱۴ غرض جب

جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۳﴾ۚ

ان کے پاس ہمارے معجزات نہایت واضح پہنچے تو وہ بولے یہ تو کھلا ہوا جادو ہے

وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ؕ

ان (معجزات) سے بالکل منکر ظلم وتکبر کی راہ سے ہو گئے درآنحالیکہ ان کے دلوں نے اس کا یقین کر لیا تھا

فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴﴾ؑ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ

سو دیکھئے کیسا انجام ان مفسدوں کا ہوا ف۱۵ اور ہم نے داؤد

وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰى

اور سلیمان کو (ایک خاص) علم عطا فرمایا ف۱۶ اور وہ دونوں کہنے لگے (ساری) تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں

كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ

اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی ف۱۷ اور داؤد کے جانشین سلیمان ہوئے ف۱۸

وَ قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ

اور انہوں نے کہا اے لوگو ہم کو پرندوں کی بولی کی تعلیم دی گئی ہے اور ہم کو ہر قسم کی چیزیں

كُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾ وَ حُشِرَ

عطا ہوئی ہیں ف۱۹ بے شک یہ تو کھلا ہوا فضل ہے اور سلیمان کے لئے

لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّیْرِ فَهُمْ

ان کا لشکر جمع کیا گیا جن بھی اور انسان بھی اور پرندے بھی اور انہیں (صف بندی کے لئے)

یُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ

روکا جاتا تھا ف۲۰ یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے ف۲۱ ایک چیونٹی

ع ۱ / ۱۴ / ۱۲

ف۱۴ غَیْرِ سُوْٓءٍ۔ ید بیضاء پر اور تسع اٰیٰت۔ تو معجزات موسوی پر حاشیے سورۃ الاعراف پ۹ اور سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکے۔ ف۱۵ (کہ دنیا میں غرقابی نصیب ہوئی، اور آخرت میں عذاب شدید) جَآءَتْهُمْ ...... مُبِیْنٌ۔ یعنی وہ معجزات وخوارق تو ایسے صریح تھے کہ ان کے وقوع سے انکار ممکن ہی نہ تھا۔ ان کے نفس مشاہدہ کے بعد اب ان منکروں نے توجیہ وتاویل شروع کی، کہ ان کو حقانیت وللٰہیت سے کیا واسطہ، یہ تو عین سحر کی کارفرمائیاں ہیں۔ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ۔ یعنی وہ شواہد نبوت اندر ہی اندر تو اپنا کام کرتے گئے، اور ان لوگوں کے دلوں میں اتر گئے، پھر بھی یہ لوگ محض اپنی ضد، اکڑ اور نفسانیت سے انکار پر قائم رہے۔ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا۔ دونوں کے درمیان فرق یہ کیا گیا ہے کہ ظلم ان آیات وشواہد کو ان کے مرتبہ سے گھٹانا تھا اور علو اپنے کو اپنے درجہ سے بڑھانا تھا۔ ف۱۶ یعنی علم نبوت و ملک داری۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ نیز اسی تفسیر کے حاشیے سورۃ الانبیاء پ۱۷ میں۔ ف۱۷ (اور ہم اس پر ادائے شکر اور تحدیث نعمت کرتے ہیں) فَضَّلَنَا اظہار افضلیت مطلق صورت میں مذموم وممنوع نہیں، ممنوع صرف راہِ کبر وتفاخر سے ہے۔ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ افضلیت کل مومنین پر نہیں، صرف اکثر مومنین پر ہے، دعویٰ بس یہیں تک محدود ہے۔ دوسرے انبیاء آخر ان سے افضل بھی تو ہوئے ہیں۔ ضمناً اس میں رد آ گیا توریت کا، جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نعوذ باللہ ایک بد دین انسان کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غلبۂ فنا کے آثار کا دائم و مستمر رہنا کاملین کے لیے بھی لازم نہیں۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات اگرچہ فنا کے اعلیٰ مقام پر تھے تاہم اپنے کمالات کی طرف بھی التفات رہا۔ ف۱۸ (ملک وسلطنت میں) وَرِثَ سے مراد میراث اصطلاحی نہیں، بلکہ معنی مطلق کسی متقدم کے کمالات کے مالک ہو جانے کے ہیں۔ ف۱۹ (حکومت وسلطنت سے متعلق) مِنْ كُلِّ شَیْءٍ۔ مراد کثرت وافراط ہے، اور یہ عام محاورۂ زبان ہے۔ ای کثرة ما اوتی کما تقول فلان یقصده کل احد ترید کثرة قصاده (کشاف) المراد به کثرة ما اوتی (مدارک) اردو محاورہ میں بھی ایسے موقع پر بولتے ہیں ''اس کو اللہ نے سب ہی کچھ دے رکھا ہے''۔ اُوْتِیْنَا۔ عُلِّمْنَا۔ جمع کے صیغے اظہار عظمت کے لیے ہیں۔ جیسا کہ شاہی محاورہ ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ۔ اس طریق خطاب سے اشارۃً یہ نکل رہا ہے کہ آپ کو اس انعام الٰہی کی اشاعت خاص ہی منظور تھی۔ فالمقصود منه تشهیر نعمة الله تعالٰی والتنویه بها ودعاء الناس الی التصدیق بذکر المعجزة (کبیر) اس جاہ وحشم کا بیان توریت میں ان الفاظ میں ہے:۔ ''اور سلیمان بادشاہ کے پینے کے سب باسن سونے کے تھے...... سو سلیمان بادشاہ، دولت اور حکمت کی نسبت زمین کے سب بادشاہوں سے سبقت لے گیا۔ اور سارے جہان نے سلیمان کی طرف توجہ کی تاکہ اس کی حکمت کو جو خدا نے اس کے دل میں ڈالی تھی سنے۔ اور ان میں سے ہر ایک آدمی اپنا ہدیہ روپے کے باسن اور سونے کے برتن اور پوشاکیں اور سلاح اور خوشبوئیاں اور گھوڑے اور خچر جتنے ہر ایک سال کے لیے ٹھہرائے ہوئے تھے۔ اس کے آگے گزرانتے تھے۔ اور سلیمان نے گاڑیاں اور سوار بہت سے جمع کیے۔ اس کی ایک ہزار چار سو گاڑیاں تھیں اور بارہ ہزار سوار'' (۱۔ سلاطین۔ ۱۰۔ ۲۱۔ ۲۶) نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔

ف۲۰ (ان کی کثرت تعداد کی بنا پر) مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ۔ انسانوں کی سپاہ تو خیر ہوتی ہی ہے، جنات وطیور بھی جو عموماً وعادۃً کسی سلطان وملک کے تابع نہیں ہوتے، لشکر سلیمانی میں داخل تھے۔ ف۲۱ چیونٹیوں کا میدان اس لیے کہا گیا کہ وہاں جھنڈ کے جھنڈ چیونٹیاں جمع تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت سلیمان کا لشکر خشکی میں کسی سرزمین سے گزر رہا تھا کہ راہ میں ایسا قطعہ پڑا جہاں چیونٹیاں بکثرت آباد تھیں۔ اور وہیں یہ ماجرا پیش آیا۔

نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ

نے کہا کہ اے چیونٹیو اپنے سوراخوں میں جا گھسو کہیں سلیمان اور ان کا لشکر

سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ

تمہیں روند نہ ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو ف۲۲ (سلیمان) اس بات پر

ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ

مسکرا کر ہنس پڑے ف۲۳ اور کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے اس پر مداومت دے کہ

نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ

میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کیا کروں، جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا کی ہیں، اور اس پر بھی کہ میں نیک کام

صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ

کیا کروں جس سے تو راضی ہو ف۲۴ اور مجھے اپنی رحمت سے داخل رکھ اپنے نیک

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَاۤ اَرَى

بندوں میں ف۲۵ اور انہوں نے پرندوں کی حاضری لی تو بولے کہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد

الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا

کو نہیں دیکھتا کیا وہ غیر حاضر ہے؟ ف۲۶ میں اسے سخت سزا دے کر

شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾

رہوں گا یا اسے ذبح کر ڈالوں گا یا پھر وہ صاف عذر میرے سامنے پیش کرے ف۲۷

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ

سو تھوڑی دیر میں وہ آ گیا اور کہنے لگا کہ میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ف۲۸

وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً

اور میں آپ کے پاس (ملک) سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں ف۲۹ میں نے ایک عورت کو دیکھا وہ ان پر

ف۲۲ چیونٹی نہایت ذہین جانور ہوتی ہے۔ جیسا کہ ماہر فن کا بیان ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ نیز پارۂ ہذا کے صفحہ ۷۸۵ پر ضمیمہ — حیوانات سے عقل کی بالکلیہ نفی کرنا قول بلا دلیل ہے اور چیونٹی کے متعلق تو یہ خیال خلاف دلیل بھی ہے۔ چیونٹی کے باب میں تو ماہرین فن کا بیان ہے کہ ”تنظیم و تقسیم کار کے لحاظ سے ہو یا ذہانت وذکاوت کی بنا پر چیونٹی کی زندگی ہر طرح مربوط و مکمل ہوتی ہے“ منطق الطیر کا علم تو حضرت سلیمان کو حسب تصریح قرآنی تھا ہی، اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پرندوں کے علاوہ بھی حیوانات کی بولیوں کا علم آپ رکھتے تھے۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ سلیمان نبی معصوم تھے۔ ارادی ظلم آپ سے ممکن ہی نہ تھا۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اسی دفعِ دخل کے لیے ہے۔ یعنی یہ زیادتی بے خبری اور لاعلمی کی حالت میں ان کے لشکریوں سے نہ سرزد ہو جائے۔ ضمناً یہ بھی آیت سے نکل آیا کہ علم غیب ہرگز کوئی جزو نبوت نہیں (چہ جائیکہ جزو ولایت!) اس قصہ کے حوالے اسرائیلی مذہبی نوشتوں میں بھی آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ ف۲۳ (کہ اللہ رے احتیاط و دور اندیشی!) ضَاحِكًا۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس سے ثبوت ضحک کا انبیاء علیہم السلام سے ملتا ہے، اور حدیث نبوی میں جو اس کی نفی آئی ہے مراد اس سے نفی عادت ضحک کی ہے نہ کہ نفی بالکلیہ۔ تَبَسَّمَ ضَاحِكًا۔ ترکیب سے بعض اہل تفسیر نے بات یہ پیدا کی ہے کہ تبسم تو آپ نے اپنی عادت و معمول کے مطابق کیا، پھر وہ تبسم اضطراراً ضحک کے درجہ تک پہنچ گیا۔ ف۲۴ یعنی عمل مقبول عنایت ہو۔ نِعْمَتَكَ...... وَالِدَيَّ۔ نعمتوں سے مراد نعمت ایمان و نعمت علم ہیں۔ اور جہاں تک حضرت سلیمان علیہ السلام و حضرت داؤد علیہ السلام کا تعلق ہے نعمت نبوت بھی۔ جانوروں کی گفتگو سمجھ لینا ایک معجزہ اور نعمت عظیم ہے۔ حضرات انبیاء اپنے ان کمالات پر اتراتے نہیں جاتے بلکہ انہیں ایک نعمت سے دوسری نعمتوں کا استحضار ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا۔ قرآن مجید کی یہ ساری صراحتیں توریت موجودہ کے ان بیانات کی تردید کر رہی ہیں، جن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایمان اور اخلاق کو مجروح کیا گیا ہے۔ ف۲۵ (اور کبھی بھی اس نعمت قرب کو بعد سے تبدیل نہ کر) رَحْمَتِكَ۔ رحمت سے مراد رحمت خاصہ ہے اور الصّٰلِحِيْنَ سے مراد اعلیٰ درجہ کے نیک بندے یعنی انبیاء ہیں۔ ف۲۶ ہدہد ایک معروف پرندہ ہے، سر پر کلغی لئے ہوئے، جو ہندوستان کے ان اطراف میں موسم برسات میں اکثر دکھائی دیتا ہے۔ ملک فلسطین میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ جاڑوں میں مصر اور مضافات مصر کو چلا جاتا ہے اور مارچ کے مہینہ سے پھر فلسطین میں آ جاتا ہے۔ اڑان کی بڑی زبردست قوت رکھتا ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ف۲۷ یعنی وہ اپنی غیر حاضری کا کوئی معقول عذر میرے سامنے پیش کر دے تو البتہ سزا سے بچ سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سپرد بھی کچھ خدمات تھیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حاضری محض انضباط و انتظام کے لئے لی گئی ہو۔ اور فوج سے غیر حاضری خود ایک جرم ہے۔ لَاُعَذِّبَنَّهٗ...... مُّبِيْنٍ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام یہاں صرف اپنا ارادہ مشروط ظاہر کر رہے ہیں کہ اگر ملزم کوئی عذر ہی نہ پیش کر سکا، یا پیش بھی کیا تو بہت ضعیف تو وہ قابل تعزیر ہوگا۔ کوئی حکم شرعی نافذ نہیں کر رہے ہیں۔ اس لئے یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ فقہ اسلامی میں تو غائب پر قضا جائز نہیں، پھر یہ نبی کیسے غائب پر قضا جاری کر رہے ہیں۔ لَاُعَذِّبَنَّهٗ سے مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ حیوانات کو تعلیم کے لئے تادیب جائز ہے، اور دفع اذی کے لئے قتل بھی جائز ہے، لیکن وہیں جہاں تادیب و دفعِ اذی مرتب ہو ورنہ نہیں۔ چنانچہ ہدہد ہی ہے کہ اب نہ وہ قابل تادیب ہے اور نہ اس سے کوئی ایذا پہنچتی ہے۔ ف۲۸ یہ بات ایک نبی سے ایک امتی ہی نہیں، حیوان کہہ رہا ہے، اور قرآن مجید اس دعوے کو بلا شائبہ تردید دہرا رہا ہے۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہدہد کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ میری غیر حاضری کسی نافرمانی کی بناء پر نہیں، بلکہ کار سرکاری سے تھی۔ ف۲۹ ملک سبا، عرب کے مغربی جنوبی علاقہ کو کہتے ہیں۔ تقریباً وہی ملک جہاں آج یمن، حضر موت، عسیر واقع ہیں۔ اپنے زمانہ میں بڑا زرخیز و متمول ملک رہ چکا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾

حکومت کر رہی ہے اور اسے ہر سامان میسر ہے اور اس کے پاس ایک بڑا تخت ہے ف۳۰

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ

میں نے اسے اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر آفتاب کی پوجا کرتے ہیں ف۳۱

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ

اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نظر میں خوش نما کر رکھے ہیں سو انہیں راستہ سے ہٹا دیا ہے

فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۲۴﴾ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي يُخْرِجُ

چنانچہ وہ (راہ) ہدایت پر نہیں چلتے ف۳۲ یعنی اللہ کی عبادت نہیں کرتے جو باہر لاتا ہے

الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا

آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو

تُعْلِنُونَ ﴿۲۵﴾ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۲۶﴾

سب کو جانتا ہے ف۳۳ اللہ (وہ ہے کہ) سوا اس کے کوئی معبود نہیں، مالک ہے عرش عظیم کا ف۳۴

السجدۃ ۸

قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿۲۷﴾

(سلیمان نے) کہا ہم ابھی دیکھے لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِي هٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ

(اچھا تو) یہ میرا خط لے جانا اور اسے اس کے پاس ڈال دینا پھر ان کے پاس سے (ذرا) ہٹ جانا

فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ يٰأَيُّهَا الْمَلَؤُا إِنِّي

پھر دیکھنا آپس میں کیا سوال جواب کرتے ہیں ف۳۵ (بلقیس) نے کہا اے اہل دربار میرے پاس ایک

أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيمٌ ﴿۲۹﴾ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَإِنَّهُ

معزز خط ڈالا گیا ہے ف۳۶ وہ سلیمان کی طرف سے ہے، اور وہ یہ ہے

ف۳۰ اس ملکہ کا نام بلقیس تھا۔ اس کی دولت و امارت، ساز و سامان کے لئے انگریزی تفسیر القرآن ملاحظہ ہو۔ عَظِيمٌ۔ عظیم جو تخت کی صفت آئی ہے اس سے مراد گرانقدر اور بیش بہا بھی ہوسکتا ہے او
جسامت کے اعتبار سے بے حد بڑا بھی۔ اِمْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ۔ بجائے بادشاہ کے ملکہ کی فرمانروائی دنیا میں کوئی نو پیدا شے نہیں۔ جاہلی قوموں میں بہت قدیم زمانہ سے یہ ہوتا آیا ہے۔ أُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ كُلِّ شَيْءٍ سے یہاں بھی مراد انھیں چیزوں کی کثرت و افراط ہے جو ملکہ کو اپنے جاہ و حشم کے لئے ضروری تھیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۹ اِمْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ۔ عورتوں کے ہاتھ میں عہدہ اور منصب دے دینا یہاں تک کہ انہیں پورے ملک کی ملکہ یا فرمانروا بنا دینا، یورپ کی ایجاد نہیں۔ مشرک قوموں کے ہاں یہ دستور ہر زمانہ میں رہا ہے اور مصر، کلدانیہ، ایران کی جاہلی حکومتوں کے ہاں عورت کو اتنی آزادی ہمیشہ حاصل رہی ہے۔ یہ تو اسلام تھا جس نے آکر بریک لگایا، اور اس دستور کو ناجائز قرار دیا۔ صحیح بخاری کی صاف حدیث آئی ہے لن يفلح قوم ولوا امرهم امراة (بخاری۔ کتاب الفتن) وہ قوم فلاح یاب نہ ہوگی جو اپنی حکومت عورت کے سپرد کئے ہوئے ہے۔ ف۳۱ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس ملک میں سو سے اوپر دیوتا پجتے تھے۔ معبود اعظم سورج دیوتا تھا۔ جو دنیا کی بہت سی قوموں کا معبود اعظم رہ چکا ہے۔ ف۳۲ (اور راہِ ہدایت پانے کی کوشش درجۂ ضروری میں بھی نہیں کرتے) زَيَّنَ...... أَعْمَالَهُمْ۔ جیسا کہ ہر جاہلی اور خدا فراموش و آخرت فراموش قوم اپنی دنیوی، مادی ترقیوں میں مست اور مگن رہا کرتی ہے، یہ ”متمدن قوم“ بھی تھی۔ فقہاء و صوفیہ نے چونکہ یہ سارا قول ہدہد پرندہ ہی کا قرار دیا ہے۔ اس لئے اس سے نتیجہ بھی یہ نکالا ہے کہ بقدر ضرورت علم و معرفت حیوانات میں بھی موجود ہوتا ہے۔ ف۳۳ (اے انسانو!) الَّذِي يُخْرِجُ...... وَالْأَرْضِ۔ يَعْلَمُ...... تُعْلِنُونَ۔ یعنی اس کی قدرت بھی کامل اور اس کا علم بھی ہمہ گیر...... جاہلی مشرک قوموں کو مغالطہ عموماً انہیں دو صفات باری کے باب میں پیش آتا رہا ہے۔ اس لئے یہاں کھل کر دونوں کا اثبات کیا گیا۔ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔ پوشیدہ چیزوں کو آسمان، زمین سے نکالتا رہتا ہے، مثلاً پانی کو آسمان سے اور نباتات کو زمین سے۔ أَلَّا يَسْجُدُوا۔ اس ترکیب سے مفہوم وجوب سجدہ کا لیا گیا ہے قال اهل التحقيق قوله الا يسجدوا يجب ان يكون بمعنى الامر (کبیر) ف۳۴ (جس کے آگے تخت ملکۂ سبا کی حقیقت ہی کیا ہے) امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ملکۂ سبا کے تخت کو جو عظیم کہا گیا تھا وہ باعتبار معاصر ملوک و سلاطین کے تھا۔ اور یہاں جو عرش الٰہی کو عظیم کہا جا رہا ہے، یہ جملہ مخلوقات کے مقابلہ میں ہے۔ ف۳۵ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں اچھا ابھی امتحان ہوا جاتا ہے، یہ خط لے کر جا، بس حقیقتِ حال معلوم ہوئی جاتی ہے کہ تیرا بیان صحیح ہے یا غلط...... پرندوں کے ذریعہ سے خطوط رسانی کا طریقہ دنیائے قدیم میں عام رہا ہے۔ اور کبوتروں سے تو یہ خدمت یورپ میں آج تک لی جا رہی ہے۔ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ۔ ہٹ جانے کا حکم جو ہدہد کو دیا گیا، اس میں تعلیم ہے تہذیب و ادب مجلسِ ملوک کی (تھانوی) لیکن یہ مقصود بھی ہوسکتا ہے کہ غیر ملک کے سفیر کے بالکل سامنے وہ لوگ آزادی سے بات چیت نہ کر سکیں گے۔ ف۳۶ كَرِيمٌ۔ مکتوب کو معزز یا تو اس کے مضمون کی عظمت کے لحاظ سے کہا گیا ہے، اور یا اس لحاظ سے کہ اس کا بھیجنے والا معزز تھا۔ بکرم مضمونه او مرسله (بیضاوی) حسن مضمونه وما فيه او لانه من عند ملك كريم (مدارك)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَیَّ وَاۡتُوۡنِیۡ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تم لوگ میرے مقابلہ میں بڑائی مت کرو اور میرے پاس

مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِیۡ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ ۚ مَا

مطیع ہوکر چلے آؤ ف۳۷ (پھر) بولی اے اہل دربار مجھ کو میرے معاملہ میں رائے دو میں کبھی کسی معاملہ کا

كُنۡتُ قَاطِعَةً اَمۡرًا حَتّٰى تَشۡهَدُوۡنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوۡا نَحۡنُ اُولُوۡا

فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم (میرے پاس) موجود نہ ہو ف۳۸ وہ لوگ بولے ہم بڑے طاقتور

قُوَّةٍ وَّاُولُوۡا بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ ۙ وَّالۡاَمۡرُ اِلَيۡكِ فَانۡظُرِیۡ مَاذَا

اور بڑے لڑنے والے ہیں لیکن اختیار آپ ہی کو ہے آپ ہی دیکھ لیجیے آپ کو

تَاۡمُرِيۡنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتۡ اِنَّ الۡمُلُوۡكَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡيَةً

کیا حکم دینا ہے ف۳۹ وہ بولی کہ بادشاہ جب کسی بستی میں (فاتحانہ) داخل ہوتے ہیں

اَفۡسَدُوۡهَا وَجَعَلُوۡۤا اَعِزَّةَ اَهۡلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ

تو اسے تہ وبالا کردیتے ہیں اور وہاں والوں میں جو عزت دار ہوتے ہیں انہیں وہ ذلیل کردیتے ہیں اور اسی طرح

يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّیۡ مُرۡسِلَةٌ اِلَيۡهِمۡ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ

(یہ لوگ) کریں گے ف۴۰ اور میں ان لوگوں کے پاس ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی

بِمَ يَرۡجِعُ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيۡمٰنَ قَالَ

کہ ایلچی کیا (جواب) لے کر آتے ہیں ف۴۱ سو جب وہ (ایلچی) سلیمان کے پاس پہنچا تو آپ نے کہا

اَتُمِدُّوۡنَنِ بِمَالٍ فَمَاۤ اٰتٰٮنِۦَ اللّٰهُ خَيۡرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰٮكُمۡ ۚ بَلۡ اَنۡتُمۡ

کیا تم لوگ میری مدد مال سے کرنا چاہتے ہو! سو اللہ نے مجھ کو جو کچھ دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس

بِهَدِيَّتِكُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ ﴿۳۶﴾ اِرۡجِعۡ اِلَيۡهِمۡ فَلَنَاۡتِيَنَّهُمۡ

نے تم کو دیا ہے البتہ تم ہی اپنے ہدیہ پر اتراتے ہو گے! تو لوٹ جا ان لوگوں کے پاس ہم ان پر ایسی فوجیں

ع ٢ / ١٧

ف۳۷ خط کے مخاطب ملکہ کے علاوہ اعیان سلطنت بھی ہیں۔ اور تبعاً جملہ اہلِ سبا۔ اسی لئے صیغہ جمع مخاطب کا ہے۔ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ سے مراد جسمانی حاضری نہیں۔ محض دعوت اسلام واطاعت مقصود ہے المراد من المسلم اما المنقاد او المؤمن (کبیر) ای مومنین او منقادین (بیضاوی) یہ ضرور نہیں کہ خط کی عبارت بجنسہ یہی ہو۔ قرینہ روایت بالمعنٰی کا ہے۔ یہود کے مقدس نوشتہ تالمود میں جو عبارت مکتوب دی ہوئی ہے، اس کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مضمون مکتوب کے اس ایجاز سے امام رازی علیہ الرحمۃ نے یہ استنباط کیا ہے کہ کلام انبیاء میں طوالت نہیں ہوتی۔ بلکہ نفس مطلب پر اکتفا ہوتا ہے۔ الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لا یطیلون بل یقتصرون علی المقصود و ہذا الکتاب مشتمل علی تمام المقصود (کبیر) ف۳۸ (اور اس معاملہ میں شریک نہ ہولو) آیت سے ظاہر ہورہا ہے کہ سبا کا آئینِ حکومت جمہوری یا شورائی طرز کا تھا۔ ف۳۹ یعنی ہم تو صلح وجنگ ہر صورت میں آپ کی اطاعت کے لیے تیار ہیں، جو راہ چاہے اختیار کیجیے۔ باقی جنگی اعتبار سے آپ کمزور نہیں۔ ف۴۰ (اس لیے سردست جنگ تو مناسب نہیں) ملکہ، ہر جنگ عظیم کے نتائج، کشت وخون، تباہی و بربادی سے خوب واقف ہے، اس لیے جنگ سے بچنا چاہتی ہے۔ صاحب خلاصۃ التفاسیر (متوفی غالبًا ۱۹۰۵ء) اپنے استاد عالی مقام، فخر المتاخرین مولانا عبدالحی فرنگی محلی علیہ الرحمۃ کے حوالہ سے لکھتے ہیں، کہ انہوں نے اس آیت کے سبق میں فرمایا کہ ”مناسب نہیں کہ آدمی انقلاب کا خواہاں رہے، بلکہ یوں دعا کرے کہ اے اللہ بادشاہ وقت کو ایسی ایسی توفیق دے، یہ ہدایت کر، اور یہ نہ کہے کہ یہ بادشاہ معزول اور فلاں فرمانروا ہو۔ اس لیے کہ اس میں ہزارہا بے جرم وخطا ارباب شرف وذکا پس جاتے ہیں“۔ ف۴۱ ملکہ نے کہا کہ سردست تو میں اپنی طرف سے صلح و دوستی کی طرح ڈالتی ہوں، تحفہ تحائف دے کر کسی کو بھیجتی ہوں اس کا جواب آنے پر مکرر غور ہوگا۔ روایاتِ یہود میں ہے کہ ملکہ بلقیس نے یہ سفارت بحری راستہ سے روانہ کی۔ جس کے ساتھ علاوہ زر وجواہر کے چھ ہزار لڑکے اور لڑکیاں، ہم عمر، ہم قامت، ہم لباس بھی بطور غلاموں اور کنیزوں کے تھیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

بِجُنُوۡدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمۡ بِهَا وَلَنُخۡرِجَنَّهُمۡ مِّنۡهَاۤ اَذِلَّةً وَّهُمۡ

بھیجتے ہیں کہ ان لوگوں سے ان کا (ذرا بھی) مقابلہ نہ ہوسکے گا اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ

صٰغِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَيُّكُمۡ يَاۡتِيۡنِىۡ بِعَرۡشِهَا

ماتحت ہو جائیں گے و۴۲ (سلیمان نے) کہا اے درباریو تم میں کون ایسا ہے جو اس (بلقیس) کا تخت میرے پاس لے

قَبۡلَ اَنۡ يَّاۡتُوۡنِىۡ مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفۡرِيۡتٌ مِّنَ

آئے قبل اس کے کہ وہ لوگ مطیع ہو کر حاضر ہوں و۴۳ ایک شریر جن بولا

الۡجِنِّ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّىۡ

میں اسے آپ کی خدمت میں لے آؤں گا قبل اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں اور میں

عَلَيۡهِ لَقَوِىٌّ اَمِيۡنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِىۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمٌ مِّنَ

اس (کے لانے) پر قدرت رکھتا ہوں امانت دار ہوں و۴۴ (اور) اس نے کہا جسے علم کتاب

الۡكِتٰبِ اَنَا اٰتِيۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ يَّرۡتَدَّ اِلَيۡكَ طَرۡفُكَ ؕ فَلَمَّا

حاصل تھا و۴۵ کہ میں اسے تیرے پاس لے آؤں گا قبل اس کے کہ تیری پلک جھپکے پھر جب (سلیمان نے)

رَاٰهُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّىۡ ۖ

اسے اپنے پاس رکھا دیکھا تو بولے یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے

لِيَبۡلُوَنِىۡۤ ءَاَشۡكُرُ اَمۡ اَكۡفُرُ ؕ وَمَنۡ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ

تاکہ میری آزمائش کرے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے نفع ہی کے لئے

لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّىۡ غَنِىٌّ كَرِيۡمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ

شکر کرتا ہے اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار غنی ہے کریم ہے و۴۶ (پھر سلیمان نے) کہا

نَكِّرُوۡا لَهَا عَرۡشَهَا نَنۡظُرۡ اَتَهۡتَدِىۡۤ اَمۡ تَكُوۡنُ مِنَ

اس کے لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھیں کہ اسے اس کا پتہ لگ

و۴۲ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے دعوت تو اطاعت و اسلام کی دی تھی، یہ بلا اطاعت و قبولِ دعوت محض اظہار دوستی کیسا؟ یہ تو ایک صورت رشوت کی ہوئی۔ مال و قوت دونوں کے لحاظ سے تو میری سلطنت اللہ کے فضل و کرم سے بلقیس کے ملک سے کہیں بڑھی ہوئی ہے، میں ان ہدایا و تحائف کو واپس کرتا ہوں اور عنقریب فوج کشی کر کے ان بے دینوں کو کچل ڈالوں گا۔ فقہاء نے کہا ہے کہ کافروں کے ہدیہ کو رد کر دینا، جب اپنی مصلحت اسی میں ہو مستحب ہے۔ لَا قِبَلَ لَهُمۡ۔ قبل کے معنی طاقت، طاقت مقابلہ کے ہیں۔ اے لا یقدرون ان یقابلوهم (کبیر) اے لا طاقة و حقیقة القبل المقاومة و المقابلة (کبیر) اے لا طاقة لهم علی استقبالها و دفاعها (راغب) یقال لا قبل لی هکذا اے لا یمکننی ان اقابله (راغب) اَذِلَّةً وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ۔ ذلت، یہ کہ جو کچھ شوکت و حکومت ہے وہ سب یہیں چھن چھنا جائے گی اور صغار، یہ کہ غلامی و اسیری میں بسر کرنا ہوگی۔ و۴۳ وہ قاصد اب واپس پہنچتا ہے، اور حالات دربار سلیمان بیان کرتا ہے۔ بلقیس یہ سن کر حاضری کا قصد کرتی ہے۔ اس کی اطلاع حضرت سلیمان کو وحیِ الٰہی یا کسی اور ذریعہ سے آجاتی ہے۔ اس وقت وہ یہ گفتگو اپنے اہل دربار سے کرتے ہیں۔ عجب نہیں کہ اس خارقِ عادت کے ذریعہ سے مقصود حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنے کمالات باطنی کے ساتھ اپنی قوتِ اعجازی کا اظہار ہو۔ اس کے اعجازی پہلو کو سمجھنے کے لیے ملک یمن اور فلسطین کا درمیانی فاصلہ نظر میں رہے۔ بحری راستہ سے پہنچنے میں اس وقت مہینوں کا ذکر نہیں، دو دو تین تین سال لگ جاتے تھے! و۴۴ لَقَوِىٌّ اَمِيۡنٌ۔ قوی اس لیے کہ وہ تخت لاکھ وزنی سہی، لیکن اس پر بھی میں اسے لے آؤں گا۔ امین یوں کہ وہ ہزار قیمتی سہی، مرصع سہی، میں کسی طرح کی خیانت نہ کروں گا۔ عِفۡرِيۡتٌ۔ کے معنی شریر و سرکش قسم کے جن کے ہیں۔ هو العارم والخبیث (راغب) مَقَامِكَ یعنی اپنے اجلاس سے۔ لفظی معنی مکانِ قیام کے ہیں، اور مقامِ جلوس کے بھی۔ المقام مقام القیام و زمانه (راغب) قال الاخفش ان المقام المقعد (راغب) حضرت سلیمان روزانہ صبح سے دوپہر تک عدالت کیا کرتے تھے۔ و۴۵ قَالَ...... الۡكِتٰبِ۔ یہ کہنے والا کون تھا؟ اس باب میں اقوال مختلف ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہ کہنے والے جبرئیل یا اور کوئی فرشتہ تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ وزیر سلطنت حضرت آصف تھے اور یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جانب منسوب ہے اور جمہور نے بھی یہی اختیار کیا ہے۔ قاله الجمهور (بحر) و هو الاصح و علیه الجمهور (مدارک) قال اکثر المفسرین هو اٰصف بن برخیا (معالم) و هو المشهور من قول ابن عباسؓ (کبیر) تیسرا قول ہے کہ وہ خود حضرت سلیمان ہی تھے (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے قرائن قوی قائم کر کے ترجیح اسی آخری قول کو دی ہے لیکن مفسر ابن حیان نے اس قول کی تضعیف کی ہے۔ و من اغرب الاقوال انه سلیمان علیه السلام (بحر) الۡكِتٰبِ سے مراد توریت بھی ہو سکتی ہے، اور کوئی دوسری کتاب بھی جس میں اسماء الٰہی کی تاثیرات درج ہوں۔۔۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنس کتب الٰہی مراد ہے یا خود لوح محفوظ۔ المراد بالکتب جنس الکتب المنزلة او اللوح (بیضاوی) و۴۶ (اسے نہ کسی کی شکرگزاری سے نفع، نہ کسی کی ناشکری سے نقصان، جود و کرم تو بہر صورت اس کا شیوہ ہے) ملکہ کا تخت خواہ حضرت کی دعا سے، خواہ کسی اور خارق عادت طریق پر، سینکڑوں میل سے فی الفور اٹھ آیا ہے۔ اس موقع پر آپ کی فطرت پیغمبرانہ جوش شکرگزاری سے لبریز ہو کر یہ الفاظ زبان پر لاتی ہے۔

الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا

جاتا ہے یا وہ انہیں لوگوں میں ہے جنہیں پتہ نہیں لگتا وکے ۴ خیر جب وہ آئی تو اس سے کہا گیا کہ کیا تمہارا تخت

عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا

ایسا ہی ہے؟ وہ بولی کہ ہاں یہ تو گویا وہی ہے و۴۸ اور ہم کو علم (ایمانی) اس کے پیشتر ہی (حاصل) ہو چکا ہے

وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ

اور ہم مطیع ہو چکے ہیں و۴۹ اور اس کو غیر اللہ کی عبادت نے

دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾ قِيْلَ لَهَا

روک رکھا تھا اور وہ کافر قوم کی تھی و۵۰ اس سے کہا گیا

ادْخُلِى الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ

کہ محل میں داخل ہو تو جب اس نے اس کو دیکھا اسے پانی خیال کیا و۵۱ اور اپنی دونوں پنڈلیاں

عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ

کھول دیں و۵۲ (سلیمان نے) کہا یہ تو ایک محل ہے شیشوں سے بنایا ہوا و۵۳

قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ

وہ بولی اے میرے پروردگار میں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا اور (اب) میں سلیمان کے ساتھ (ہو کر)

سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ ۧ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ

اللہ پروردگار عالم پر ایمان لے آئی و۵۴ اور ہم نے قوم ثمود کے پاس

اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ

ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو و۵۵ سو ان میں دو فریق ہو گئے

يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ

باہم جھگڑنے والے و۵۶ (صالح نے) کہا اے میری قوم والو تم لوگ نیکی کے بجائے عذاب کو کیوں جلدی

ع ۳ / ۱۴ / ۱۸

و۴۷ (تاکہ اس سے خود ملکہ کے عاقل وذہین ہونے نہ ہونے کا فیصلہ ہو جائے) و۴۸ ملکہ نے جواب بڑی فہم ودانش سے دیا۔ نہ سرے سے انکار ہی کر دیا، اور کہہ دیا کہ نہیں وہ نہیں ہے۔ اور نہ جھٹ اقرار کر لیا کہ ہاں یہ تو وہی ہے۔ بلکہ جواب بین بین دیا۔ کہ ہاں یہ ہے تو اسی کی شکل، اسی جیسا۔ گویا اس کے اصل مادہ اور موجودہ بدلی ہوئی ہیئت، دونوں کی رعایتیں ملحوظ رکھ لیں۔ توریت میں بھی دربار سلیمانی میں ملکہ بلقیس کی حاضری کا ذکر ہے (ا۔ سلاطین ۱۰: ۱۔ ۱۳) مگر قرآن مجید سے ایک بالکل مختلف صورت میں۔ و۴۹ ملکہ کہتی ہے کہ ہم لوگ اس معجزہ کے صدور سے پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں، اور دل سے آپ کے فرمانبردار ہو چکے ہیں۔ اَلْعِلْمَ۔ علم یہاں علم توحید و نبوت کے معنی میں ہے۔ العلم باللّٰہ و بصحة نبوة سلیمان قبل ھٰذہ المعجزة (کبیر) و۵۰ قرآن کہتا ہے کہ ایسی عاقل وصاحب فہم خاتون جو چند روز تک ایمان نہیں لائی، سوا ئے بت پرستی، خدا پرستی سے روکے رہی تھی، غیر اللہ کی عبادت کی عادت روکے رہی تھی، اور عادت اس لیے پڑی تھی کہ آنکھ کھول کر اس نے اردگرد کفر ہی کفر دیکھا تھا۔ و۵۱ ''اس کو دیکھا''، یعنی محل کے صحن کو دیکھا۔ عبارت میں مضاف مقدر ہے۔ یہ صحن شفاف شیشہ سے بنا ہوا تھا، دیکھنے میں پانی کی طرح جھلجھلا رہا تھا۔ و۵۲ (جیسا کہ عموماً دامن اٹھانے اور پائنچے سمیٹتے وقت ہو جاتا ہے) یہ پائنچہ اٹھانے اور دامن سمیٹنے کا ذکر تالمود اور روایات یہود میں بتصریح مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ بغرض نکاح عورت پر نظر کرنے کی اجازت کی احادیث میں تو صراحت ہے ہی۔ فقہاء نے استنباط قرآن کے اس مقام سے بھی کیا ہے۔ و۵۳ (اور اس کا صحن تک شفاف شیشوں سے پٹا ہوا ہے۔ دامن اٹھانے کی ضرورت نہیں) قصر سلیمانی کے تجمل وتزئین کا نقشہ، جوزیفس قدیم یہودی مؤرخ کے حوالہ سے، انگریزی تفسیر میں درج ہو چکا ہے۔ و۵۴ ملکہ، حضرت سلیمان کی روحانی عظمت ونبوت کی قائل تو پہلے ہی ہو چکی تھی، اب جب یہ مشاہدہ کر لیا کہ دنیوی سلطنت ولباس وحشم میں بھی سلیمان علیہ السلام کا مرتبہ مجھ سے کہیں بڑھا ہوا ہے، اور ایسے کی محافظت دوسرے خطرات سے پناہ دینے میں کافی ہو جائے گی، تو اب کھلم کھلا ایمان لے آئی۔ مَعَ سُلَيْمٰنَ۔ یعنی سلیمان علیہ السلام کے طریق پر۔ اَسْلَمْتُ۔ ''كُنَّا مُسْلِمِيْنَ'' میں بھی اقرار ایمان کا ہے۔ مگر اس سے مقصود اخبار ہے اور ایمان مطلوب یعنی انشاء وہ اسی صیغہ سے حاصل ہوا ہے'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) بلقیس کے ایمان لانے کا ذکر توریت میں بھی موجود ہے۔ (ا۔ سلاطین۔ ۱۰: ۶۔ ۹) نیز ۲۔ تواریخ۔ ۹: ۸۔ روایاتِ یہود میں ہے کہ اس کے بعد ملکہ بلقیس حضرت سلیمان کے عقد میں آ گئیں۔ اور روایاتِ اسلامی بھی اس باب میں کچھ ایسی ہی ہیں۔ اگرچہ قرآن مجید وحدیث صحیح اس باب میں خاموش ہیں۔ والاظھر فی کلام الناس انه تزوجھا، و لیس لذلک ذکر فی الکتب ولا فی خبر مقطوع بصحته (کبیر)

و۵۵ (شرک وکفر چھوڑ کر) قوم ثمود وحضرت صالح دونوں پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ۸) میں گزر چکے۔ و۵۶ (دین کے باب میں) یعنی بجائے اس کے کہ سب کے سب دعوتِ توحید پر متفق ہو جاتے، صرف ایک فریق ایمان لایا۔ باقی لوگ ان سے جھگڑنے لگے۔

قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

مانگ رہے ہو؟ ف۵۷ تم لوگ اللہ سے مغفرت ہی کیوں نہیں طلب کرتے جس سے

تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ

تمہارے اوپر رحمت ہو وہ بولے ہم تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو منحوس سمجھ رہے ہیں ف۵۸ (صالح نے) کہا

طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ

تمہاری نحوست تو اللہ کے علم میں ہے البتہ تم ہی وہ لوگ ہو کہ عذاب میں پڑو گے ف۵۹ اور

فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ

شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے

وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ

اور اصلاح نہ کرتے تھے ف۶۰ وہ بولے آپس میں خدا کی قسم کھاؤ کہ ہم شب کے وقت صالح

وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ

اور ان کے متعلقین کو جا ماریں گے، پھر ان کے وارث سے کہہ دیں گے ف۶۱ کہ ہم ان کے متعلقین کے مارے

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا

جانے کے وقت موجود بھی نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں اور ایک چال وہ چلے اور ایک چال ہم چلے

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اور (ہماری چال کی) انہیں خبر بھی نہ ہوئی۔ ف۶۲ سو دیکھئے ان کی چال کا کیا

مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ

انجام ہوا ہم نے ان کو اور ان کی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا سو یہ ان کے

بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں ان کے کفر کے باعث بے شک اس (واقعہ) میں بڑا نشان ہے ف۶۳

ف۵۷ اَلْحَسَنَةِ یعنی توبہ وایمان یا عافیت ورحمت۔ المراد بالحسنة الثواب
(کبیر) العافية والرحمة (معالم) السَّيِّئَةِ۔ یعنی عذاب۔ المراد بالسيئة
العقاب (کبیر) البلاء والعقوبة (معالم) حسب دستور یہ کافر قوم بھی بجائے
ایمان لانے کے یہی کہنے لگی کہ عذاب ہے کہاں؟ لا کر دکھاؤ عذاب، اگر سچے
پیمبر ہو! قبل یہاں بھی پیشتر کے بجائے "بجائے" کے معنی میں ہے۔ ف۵۸
(کہ جب سے تم نے یہ نیا مذہب کھڑا کیا ہے قوم میں انتشار پیدا ہو گیا ہے)
ف۵۹ (اپنے اسی کفر کی بدولت) طٰٓئِرُكُمْ۔ نحوست یعنی اسباب نحوست۔ حضرت
نے فرمایا کہ تمہارے اعمال کفریہ اللہ کو خوب معلوم ہیں اور موجودہ مسائل انہی
اعمال کفریہ کا ثمرہ ہیں — سو ابھی کیا ہوا ہے، ابھی تو تمہیں اس کفر کی بدولت
عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔ طائر کم اے السبب الذی منه یجیء خیر کم
و شر کم عند اللہ (کبیر) ف۶۰ یعنی وہ سر تا سر مفسد ہی مفسد تھے۔ صالحیت کی
صلاحیت بھی گویا ان میں نہ تھی۔ ف۶۱ (جو خون کا دعویٰ کرے گا) یہ ولی یا قریب
ترین وارث، تو مومن ہی ہوگا، اور یا پھر محض غیرت قرابت سے طالب قصاص ہو
گا۔ المراد به طالب ثارة من ذی قرابته اذا قتل (روح) ف۶۲
لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا، اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ، وَمَكَرُوْا مَكْرًا۔ سرکش جاہلی قومیں
جس طرح دولت ایمان وتوحید سے معرا ہوئی ہیں، عموماً اسی طرح راستی ودیانت
واخلاق سے بھی کوری رہی ہیں۔ ف۶۳ (اللہ کی قدرت وحکمت اور انبیاء کی
صداقت کا) مدائن صالح کے کھنڈر ملک شام جاتے ہوئے تجارت پیشہ اہل مکہ
کے قافلوں کی راہ میں برابر پڑتے رہتے تھے۔

ضمیمہ پ۱۹ بہ سلسلہ حاشیہ نمبر ۲۲

چیونٹی

(روزنامہ رہبر دکن حیدر آباد کے سائنسی کالموں سے)

چیونٹی بظاہر بڑی حقیر اور بڑی غیر اہم معلوم ہوتی ہے لیکن محنت اور ذہانت کے لحاظ سے ایک ایسا نادر نمونہ ہے جس کی مثال ملنی دشوار ہے۔ یہ کبھی نہ نچلی بیٹھتی ہے نہ کبھی بیکار، ہر وقت مصروف، ہر وقت مشغول، اس کی زندگی کے مختلف ادوار اور اس کے رہنے سہنے کے طریقوں کا حال سنایا جائے تو آپ ششدر رہ جائیں۔ تنظیم اور تقسیم کار کے لحاظ سے ہو یا ذہانت اور ذکاوت کی بنا پر چیونٹی کی زندگی ہر طرح مکمل اور مربوط ہوتی ہے! حقیقت افسانہ سے زیادہ تعجب خیز ہوتی ہے۔ چیونٹی کسی طرح اشرف المخلوقات حضرت انسان سے کمتر نہیں ہے۔ یہ جانور پالتی ہے۔ ان کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتی ہے۔ فوج رکھتی ہے۔ دشمن پر حملہ کرتی ہے، اسے کھیتی باڑی کا سلیقہ بھی آتا ہے!!— کھیتوں میں ناگر چلاتی ہے، بیج بوتی ہے۔ کاشت تیار ہوتی ہے تو اسے دور کرتی اور احتیاط کے ساتھ تہ خانوں میں محفوظ اور منتقل کر دیتی ہے۔ مدارج کے فرق البتہ اس میں بھی پائے جاتے ہیں— اس قوم میں بھی حیدر آباد کا نظام جاگیرداری موجود ہے۔ ان کے جاگیردار ہمارے جاگیرداروں کی طرح مطلبی، آرام پسند، قومی فرائض سے غافل، خود پسند اور تن آسان ہوتے ہیں۔ ان کو کسی کام سے کوئی غرض نہیں ہوتی، دن بھر کھاتے اور پڑے اینڈا کرتے ہیں!

اب تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنی نوع سے ہٹ کر دوسری نوع کے جانوروں کو پالنا، ان سے فائدہ اٹھانا صرف اشرف المخلوقات کا حصہ ہے لیکن تجربات نے اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچا دی ہے کہ چیونٹی جیسی حقیر خلقت بھی اس خصوص میں انسان کی رقیب ہے، چیونٹی کی گائے، بھینس ایک قسم کے کیڑے ہوتے ہیں جن کو (Aphieds) افائیڈس کہا جاتا ہے۔ ان کے شکم میں شہد بھرا رہتا ہے۔ چیونٹیاں اپنے چھوٹے چھوٹے ڈنکوں کی مدد سے ان کیڑوں سے شہد حاصل کر لیتی ہیں۔ بعض مرتبہ چیونٹیاں ان دودھیلے جانوروں کو اپنے چھتوں میں اٹھا لاتی ہیں اور ان کے انڈے، بچوں کی بڑی سخت نگہداشت کی جاتی ہے۔

چیونٹی کی ایک قسم وہ بھی ہوتی ہے جو خود دودھ دیتی ہے۔ یہ میکسیکو اور آسٹریلیا کے بعض حصوں میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد اپنے دیگر ہم قوموں کو آرام اور غذا پہنچانا ہوتا ہے۔ ابتداء میں قومی مزدور اور رضا کاران کو گائے بھینسوں کی طرح اچھی اچھی غذا مہیا کرتے ہیں۔ یعنی خوب چارہ ڈال کر ان کو دودھ حاصل کرنے کی غرض سے پالا اور پرورش کیا جاتا ہے جس طرح کبوتر اپنے بچوں کو غذا بھراتا ہے۔

رضا کار چیونٹیاں ان گائے بھینسوں کو شہد بھرایا کرتی ہیں۔ جوں جوں یہ عمل جاری رہے گائے بھینسوں کا جثہ بڑھتا جاتا ہے...... یہاں تک کہ ان کے لیے چلنا پھرنا حتیٰ کہ سرکنا بھی دو بھر ہو جاتا ہے۔ یوں بھی ان کو چلنے پھرنے کی ضرورت نہیں رہتی اور یہ اپنے لیے بنے ہوئے مخصوص خانوں کی دیواروں سے چمٹ جاتی ہیں۔ یہ خاص کمرہ تقریباً تین انچ لمبا اور ایک انچ چوڑا ہوتا ہے۔ اس کی شکل کروی یعنی گول ہوتی ہے— یہ کمرے دراصل چوپال کا کام دیتے ہیں جہاں گائے بھینس باندھی جاتی ہیں!! ان کی دیواروں سے شہد بھری چیونٹیاں اس طرح لٹکی رہتی ہیں جیسے انگور کے خوشے لٹک رہے ہوں۔ مزدوروں اور رضا کاروں کو جب بھی بھوک ستائے وہ ان زندہ مرتبانوں کے پاس آ کر اپنی غذا لیتے اور پھر کام میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یوں تو عموماً چیونٹیوں کی یہ گائیں چل پھر سکنے سے معذور ہوتی ہیں لیکن اگر ان کے شکم میں بھرا ہوا شہد کم ہو جائے تو ان کو چلتے پھرتے بھی دیکھا گیا ہے۔ آئیے اب چیونٹیوں کے جاگیرداروں اور نوابین کا حال سن لیجئے۔ یہ دراصل مفت خورے ہوتے ہیں اور اپنی زندگی میں ایک آدھ مرتبہ مزدوروں رضا کاروں کے محلوں پر دھاوا بول کر ان کے انڈے اپنے پاس اٹھا لاتے ہیں اور جب ان سے بچے نکلتے ہیں تو ان سے ملازمین کا سا کام لیتے ہیں۔ گھر بار کی نگہداشت، صفائی، تعمیر و ترمیم، بچوں کی نگرانی، غذا کی فراہمی یہ سب ان ہی رضا کاروں کے ذمہ ہوتی ہے۔ مشہور فرانسیسی سائنس داں ہیو بر نے اس خصوص میں ایک بڑا دلچسپ تجربہ دہرایا ہے۔ اس نے تقریباً (۳۰) ''جاگیردار چیونٹیوں'' کو ان کے رضا کاروں سے علیحدہ کر کے ایک ڈبہ میں علیحدہ بند کر دیا۔ ہاتھ پیر ہلانے کی توفیق تو خدا نے ان کو دی نہ تھی دو دن کے اندر نصف سے زیادہ جاگیردار دوسری دنیا کو سدھار چکے تھے اور جو باقی تھے، وہ بھی لبِ گور، سکت جواب دے چکی تھی۔ چہرے زرد، موت آنکھوں کے سامنے کھیل رہی تھی— ہیو بر کو ان کی حالت پر رحم آ گیا۔ اس نے صندوق میں ایک رضا کار کو بھی منتقل کر دیا۔ اس رضا کار نے تن تنہا بغیر کسی دوسرے کی مدد کے سب کے رہنے کے لیے زمین میں ایک گھر بنا لیا سب کو اس میں منتقل کیا، غذا مہیا کی، بیماروں کی تیمارداری کی، ان کو بھلا چنگا بنایا، اور دیکھتے دیکھتے اس چھوٹی سی جگہ میں زندگی کی ہماہمی پھر سے پیدا ہو گئی!!

شہد کی مکھیوں کی طرح چیونٹیوں کی بھی تین گروہوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ نر اور مادہ اور غیر نمو یافتہ مادہ یا رضا کار— یہ امر تو ہمیں بہت قدیم سے معلوم ہے کہ چیونٹیاں کفایت شعار اور گرہستی بھی ہوتی ہیں۔ غذائی دانے محفوظ کر لینا ان کا ایک عام وطیرہ ہے۔ لیکن یہ حالیہ انکشاف بے حد تعجب خیز ہے کہ چیونٹیوں کی بعض انواع نہ صرف یہ کہ آئندہ کے استعمال کے لیے اپنی غذا محفوظ کرتی ہیں بلکہ ان کو باضابطہ طریقوں سے اور خوش سلیقگی سے کاشت کرنا بھی آتا ہے!

ان کسان چیونٹیوں کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔ یہ جسامت میں بھی دوسری چیونٹیوں کے مقابلہ میں بڑی ہوتی ہیں اور مناسب موسم آنے پر بالکل کسانوں کی طرح بیج بونے کی تیاریاں شروع کر دیتی ہیں۔ کھیت کے لیے زمین کے انتخاب کے بعد وہ ایک مٹی کا پٹھا بنا لیتی ہیں یہ چار تا چھ انچ اونچا ہوتا ہے پوری چوڑائی تین تا چار فیٹ ہوتی ہے۔ اس چھتہ کے اطراف تین چار فیٹ تک کی زمین بالکل صاف کر دی جاتی ہے— جیسے کسی پائیں باغ کی تیاری ہو! اس صاف شدہ اراضی پر کسی قسم کی نباتات اگنے نہیں دی جاتی ہے البتہ صرف ایک خاص قسم کی گھاس اگتی ہے جو بیج دار ہوتی ہے۔ یہی چیونٹیوں کا کھیت ہے، اگر دوسری قسم کی گھاس اس میں اگنے لگے تو بیکار گھاس کو چیونٹیاں فوراً علیحدہ کر دیتی ہیں۔ یہ بیج دار گھاس جو اہتمام سے اگائی جاتی ہے چاول سے بہت کچھ ملتی ہوتی ہے۔ فصل کے تیار ہونے پر چیونٹیاں بڑی احتیاط سے اس کو گودام میں منتقل کر دیتی ہیں۔ گودام میں منتقل کرنے کے بعد ان کی صفائی کی جاتی ہے اور بھوسہ دوبارہ باہر پھینک دیا جاتا ہے!!

اگر گودام میں غلہ نمی اور رطوبت کی وجہ سے خراب ہونے لگے تو کبھی کبھی باہر نکال کر دھوپ کھلا لیا جاتا ہے! یہ تمام تحقیق سب سے پہلے ڈاکٹر لنکم نے کی تھی اور پھر میک گک نے ۱۸۷۷ء میں اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد متواتر تجربات نے رہے سہے شبہ کو بھی بالکل دور کر دیا— یہ لوگ کہتے ہیں کہ سائنس اور مذہب میں بڑا اختلاف ہے۔ لیکن کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ سائنس دراصل اپنے ان تجربات اور معلومات سے ایک اَن دیکھے خدا کی عظمت اور قدرت کے تصور میں غیر معمولی اضافہ کر دیتا ہے۔

لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا

ان لوگوں کے لئے جو صاحب علم ہیں اور ہم نے ایمان و تقویٰ والوں کو

يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ

نجات دے دی و۶۴ اور لوط (کو بھی ہم نے پیمبر بنا کر بھیجا تھا) جب کہ انہوں نے اپنی قوم والوں سے کہا، کہ ارے

وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً

کیا تم یہ بے حیائی کا کام کرتے ہو، درآنحالیکہ سمجھ رکھتے ہو و۶۵ ارے اتم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو

مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا

عورتوں کو چھوڑ کرا مگر ہاں تم لوگ ہی ہو جاہلیت میں (مبتلا) و۶۶ سو

كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ

ان کی قوم کوئی جواب نہ دے سکی بجز اس کے کہ آپس میں یہ کہنے لگے کہ لوط والوں کو اپنی بستی

لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾

سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں سو ہم نے لوط اور ان کے متعلقین کو نجات دے دی

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ

بجز لوط کی بیوی کے۔ انہیں ہم نے رہ جانے والوں میں

الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ

تجویز کرلیا تھا اور ہم نے ان کے اوپر ایک نئی طرح کا مینہ برسادیا سو جو لوگ ڈرائے جاچکے تھے سوان کے لئے مینہ

الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ

کیسا برا ہوا! و۶۷ آپ کہہ دیجیے کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو

الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ ءٰٓاللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

جنہیں اس نے منتخب کیا۔ آیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ (اس کا) شریک کرتے ہیں و۶۸

۶۴ نجات اپنے عذاب سے بھی، اور نجات کفار کی سازشِ قتل سے بھی۔

۶۵ یعنی یہ تو بہت موٹی اور معمولی سمجھ بوجھ کی بات ہے۔ اس حرکت کے بیہودہ ہونے میں کسی قسم کا خفاء یا غموض نہیں۔ وَلُوْطًا میں عامل مقدر ہے۔ یعنی و ارسلنا لوطًا قصۂ لوط و قوم لوط پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ۸) میں گزر چکے۔

۶۶ دینِ فطرت کی طرح دینِ جاہلیت کا بھی ایک مستقل نظام ہے، زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی، جاہلی عقائد، جاہلی عبادات جاہلی اخلاق، جاہلی معاملات وغیرہا۔ اسی جاہلی اخلاق و معاشرت کا ایک مظہر غیر طبعی بہیمانہ شہوت رانیاں بھی ہیں۔ جن سے ہر سلیم الفطرت انسان ہی کو نہیں، حیوانات تک کو گھن آتی ہے۔ آج جاہلیت فرنگ میں پھر یہی بدکاریاں نئے نئے خوشنما ناموں کے ساتھ دنیا کے سامنے لوٹ کر آرہی ہیں۔ اَتَاْتُوْنَ اور اَئِنَّكُمْ دونوں میں ہمزہ استفہام کمال استعجاب کے لیے ہے۔ ترجمہ میں ''ارے'' دونوں جگہ اسی مفہوم کے لیے ہے۔

۶۷ (اور یہ اس لیے کہ یہ بدنصیب اس پر ذرا ملتفت نہیں ہوئے تھے) اَمْرَاَتَهٗ لُوْطٍ اور عذاب قوم لوط وغیرہ پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ و۶۸ آگے ایک مستقل خطبہ توحید پر آرہا ہے، یہ ایک آیت اس کے مقدمہ یا تمہید کے طور پر ہے۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ خیال رہے کہ حمد الٰہی زبان پر لانے کا یہ حکم عین ہلاکت کفار کے موقع پر مل رہا ہے۔ جیسا کہ صاحب روح المعانی نے توجہ دلائی ہے۔ اور مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے اس سے مزید استنباط یہ کیا ہے کہ معاندین کی ہلاکت پر مسرور ہونا جب کہ اس کا باعث دنیانہ ہو، اخلاقِ فاضلہ کے ذرا بھی منافی نہیں۔ بحمد اللہ جمعہ ۱۱ شوال ۱۳۶۶ھ بمطابق ۲۹ / اگست ۱۹۴۷ء کو قبل نماز جمعہ اس انیسویں پارہ کی نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔ اور نظر ثالث سے آج سہ شنبہ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۹ھ مطابق ۷ مارچ ۱۹۵۰ء کو قبل نماز ظہر۔

اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ اَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ

(آیا یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور تمہارے لئے آسمان سے

السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ ۚ

پانی اتارا اور اس کے ذریعہ سے بارونق باغ اگائے

مَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ

(ورنہ) تم سے تو ممکن نہ تھا کہ ان کے درختوں کو اگاؤ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟

بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ يَّعۡدِلُوۡنَ ؕ ﴿٦٠﴾ اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا

مگر ہاں یہ لوگ ہیں ہی حق سے عدول کرنے والے ف۶۹ (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ ذات جس نے زمین کو قرارگاہ بنایا

وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنۡهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِىَ وَجَعَلَ

اور اس کے درمیان درمیان ندیاں بنائیں اور زمین کی خاطر پہاڑ بوجھل بنائے اور دو دریاؤں کے

بَيۡنَ الۡبَحۡرَيۡنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ

درمیان حدِفاصل بنائی کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟ مگر ہاں ان میں سے اکثر تو

لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ ﴿٦١﴾ اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ

سمجھتے ہی نہیں ف۷۰ (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو بے قرار کی (فریاد) سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے

وَيَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَيَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰهٌ

اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ

مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ؕ ﴿٦٢﴾ اَمَّنۡ يَّهۡدِيۡكُمۡ

کوئی (اور بھی) خدا ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم غور کرتے ہو ف۷۱ (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو تمہیں راستہ سمجھاتا ہے

فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡبَـرِّ وَالۡبَحۡرِ وَمَنۡ يُّرۡسِلُ الرِّيٰحَ بُشۡرًا

خشکی اور تری کی تاریکیوں میں اور جو ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے

ف۶۹ (چنانچہ اس معاملہ میں بھی توحید کی سیدھی راہ چھوڑ بیٹھے) آیت ماقبل سے لے کر کئی آیتوں تک مسلسل مضمون توحید کا چلا گیا ہے۔ اور شرک کی تمام صورتوں کی تردید ہوتی گئی ہے۔ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ۔ آسمان، زمین سب کا پیدا کرنے والا، پانی برسانے والا، نباتات اگانے والا، وہ ایک اور یکتا خدا ہی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی میگھ دیوتا یا بارش کا خدا ہے، نہ ہوا، زراعت وغیرہ کے لئے کوئی دیوی دیوتا اور نہ زمین وآسمان کی خالقیت میں کوئی شریک۔ مَا كَانَ...... شَجَرَهَا۔ انسان خوب غور کر کے دیکھ لے، کاشتکاری ہو یا باغبانی۔ اس عظیم الشان نظام کے کسی جزء پر بھی اسے قدرت حاصل ہے؟ کیا زمین میں صلاحیت قبول رکھنا اس کا کام ہے؟ کیا خاک میں قوتِ نمو رکھ دینا اس کے بس کی بات ہے؟ کیا وقت مناسب پر اور مقام مناسب پر بارش لانا اس کے اختیار میں ہے؟ کیا بارش کے قطروں میں یہ اثر رکھ دینا کہ وہ نباتات اگائیں اس کے دخل وتصرف کی چیز ہے؟ درختوں، پودوں، سبزیوں کو آفتاب کی گرمی ایک خاص درجہ میں پہنچانا کیا اس کے اختیار کی چیز ہے؟ غرض کھاد، سورج۔ پانی وغیرہ میں پیداواری کی صلاحیتیں اور تاثیرات رکھ دینا اور ان ساری استعدادوں کو ایک متعین درجہ میں اور مناسب حد تک قوت سے فعل میں لانا، ان میں سے کوئی بھی شے انسان غریب کے دخل وتصرف میں ہے؟ مَا كَانَ...... شَجَرَهَا میں جب اس کی نفی ہوگئی کہ اس نظامِ نباتی کی کوئی سی کڑی بھی انسان کے اختیار کی ہے تو اب معاجرح یہ کی ہے کہ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ اچھا تمہارے اپنے بس کی نہ سہی تو پھر کیا کوئی اور غیر اللہ خدائی میں شریک ہے؟ يَعۡدِلُوۡنَ۔ عدول سے ہے۔ جس کے معنی حق سے انحراف اور کجی کے ہیں۔ من العدول بمعنى الانحراف اى بل هم قوم عادتهم العدول عن طريق الحق بالكلية فلذالک يفعلون ما يفعلون (روح) عن الحق الذى هو التوحيد (بیضاوی) ان آیات میں (اور اسی طرح اور بھی قرآن کے بے شمار مقامات میں) مسلسل دعوت دی گئی ہے، کائنات اور اس کے اجزاء وعناصر پر نظر کرنے کی۔ یہیں سے عارفین صوفیہ نے لکھا ہے کہ خلائق پر نظر مطلق صورت میں ممنوع نہیں۔ توحید کے منافی صرف وہ نظر ہے جو خود مقصود ہو۔ اور خلائق پر نظر کرنا جب کہ وصول الی الحق کے لئے ہو تو عین مطلوب ہے، اور توحید کے ذرا بھی منافی نہیں۔ ف۷۰ چنانچہ اتنی موٹی سی بات کو نہ کلدانیہ والے سمجھے نہ مصر والے۔ نہ ہندوستان والے نہ ایران والے۔ نہ یونان والے نہ رومہ والے سب نے اپنے "کمال تہذیب" و "عروجِ تمدن" کے زمانہ میں پرستش دوسروں کی کی ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ الۡبَحۡرَيۡنِ۔ ملاحظہ ہو سورۃ الفرقان آیت هُوَ الَّذِىۡ مَرَجَ الۡبَحۡرَيۡنِ الخ کا حاشیہ۔ لَهَا یعنی زمین کی خاطر۔ زمینی مصلحتوں کے لحاظ سے۔ اى لصلاح امرها (روح) ف۷۱ اوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ کی صفاتِ خالقیت، ناظمیت وربوبیت پر توجہ دلائی جا چکی۔ اس آیت میں اس کی صفاتِ فریادرسی اور تصرفِ تکوینی یاد دلائی گئی ہیں۔ اور پہلی آیتوں میں خطاب خاص اگر عام مشرکوں سے تھا تو اس میں مخاطبت خصوصی مسیح پرستوں، مریم پرستوں اور ہر قسم کے روح پرستوں اور پیر پرستوں سے ہے۔ يُجِيۡبُ اور يَكۡشِفُ سے یہ مطلب نہیں کہ اللہ ہمیشہ بندہ کے حسب مرضی فریاد قبول ہی کر لیتا ہے اور ہمیشہ مصیبت کو دور ہی کر دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کبھی بھی فریاد سنی جاتی اور دعا قبول ہوتی ہے تو یہ اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے کسی اور کی طرف سے نہیں ہوتی۔ مَا تَذَكَّرُوۡنَ۔ ما زائد قلت کو مؤکد کرنے کے لئے ہے۔ ما مزيدة لتاكيد معنى القلة التى اريد بها العدم (روح)

بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا
(دلوں کو) خوش کر دینے کے لئے کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟ اللہ برتر ہے ان لوگوں کے

يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ؕ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ مَنْ
شرک سے و۲ے (یہ بت بہتر ہیں) یا وہ جو مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور جو

يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ
تمہیں رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) خدا ہے؟

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا
آپ کہیے تم اپنے (دعوے پر) دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو و۳ے آپ کہہ دیجیے کہ

يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ
آسمانوں اور زمین میں جتنی (مخلوق) موجود ہے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ کے

وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ
اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ کب (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے و۴ے بات یہ ہے کہ آخرت کے باب میں

عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ
ان کا علم نیست ہو چکا بلکہ یہ اس کی طرف سے شک میں ہیں بلکہ

هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ع وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا
یہ اس کی طرف سے اندھے بنے ہوئے ہیں و۵ے اور یہ کافر کہتے ہیں کہ کیا ہم جب

تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا
خاک ہوگئے اور (اسی طرح) ہمارے باپ (دادا بھی) تو کیا ہم (قبر سے) نکالے جائیں گے اس کا تو وعدہ

نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ
ہم سے اور ہمارے باپ داداؤں سے پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے یہ تو بس اگلوں کی بے سند

ع ۵/۸

و۲ے آیت میں ربوبیت تکوینی ہی کے بعض اور پہلوؤں کو نمایاں کر کے توحید پر استدلال کیا گیا ہے۔ رَحْمَتِهٖ۔ رَحْمَةٌ یہاں بارش کے معنی میں ہے۔ یعنی المطر (بیضاوی) و۳ے یعنی حق تعالیٰ کی صفاتِ خالقیت، حاکمیت ورزاقیت تو ظاہر ہی ہیں تم اگر ان کا انتساب کسی اور کی جانب بھی کرتے ہو تو اپنے دعوئے شرک پر کوئی دلیل بھی تو پیش کروا گر کر سکتے ہو۔ و۴ے (چنانچہ یہ وقتِ قیامت کا تعین بھی انہیں مسائلِ غیب میں سے ہے) آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کو تو بے بتائے سب کچھ معلوم ہے اور کسی دوسرے کو بے بتائے کچھ بھی معلوم نہیں۔ عقیدۂ آخرت اہم ترین عقائد میں سے ہے اس لئے اس کا ذکر خاص طور پر کیا گیا۔ و۵ے منکرینِ آخرت کے کئی طبقے ہیں۔ قرآن نے ان کی نفسیات کی الگ الگ پوری تشریح کر دی۔ ایک طبقہ تو وہ ہے جس کا ظاہری، سطحی، مادی وحسی علم آخرت کے باب میں جواب دے جاتا ہے اور وہ طبقہ اپنے عدمِ علم پر قانع ومطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ یہ لوگ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ کے مصداق ہیں۔ دوسرا طبقہ، عدمِ علم سے آگے قدم بڑھا کر اس عقیدہ پر جرح وقدح شروع کرتا ہے اور اس باب میں تشکیک وارتیاب میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ گروہ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا کے تحت میں آیا۔ تیسرا طبقہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنی آنکھیں دلائل وشواہد کی طرف سے بند کر لیتا ہے اور اس کے برسرِ راہ آنے کی طرف سے قطعی مایوسی ہو جاتی ہے۔ ایسوں کے لئے کھلی ہوئی وعید بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ کی ہے۔

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

باتیں ہیں ف۷۶ آپ کہیے کہ تم زمین پر چلو (پھرو) پھر دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَ لَا تَحْزَنْ

کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا ہے! ف۷۷ اور آپ ان پر غم

عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

نہ کیجیے اور جو کچھ یہ چالیں چل رہے ہیں اس سے تنگ نہ ہو جیے ف۷۸

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور یہ پوچھتے ہیں کہ ف۷۹ یہ وعدہ (آخر) کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو؟

قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ

آپ کہہ دیجیے کہ جس (عذاب) کی تم جلدی مچا رہے ہو، عجب نہیں کہ اس کا کچھ حصہ تمہارے پاس ہی

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

آ لگا ہو ف۸۰ اور آپ کا پروردگار لوگوں پر بڑا فضل

النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَ اِنَّ

رکھنے والا ہے ف۸۱ لیکن اکثر انسان ہی شکر نہیں ادا کرتے اور بے شک

رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾

آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینہ چھپائے ہوئے (اس کو)

وَ مَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا فِيْ

اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں (اس کو) اور کوئی چیز مخفی آسمان اور زمین میں ایسی نہیں جو کتاب مبین میں

كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى

درج نہ ہو ف۸۲ بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر بہت سی ان

ف۷۶ (جو نہ آج تک واقع ہو کر رہی ہیں، نہ آیندہ ہو کر رہیں گی) اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ پر حاشیہ سورۃ الانعام پ۷ میں گزر چکا۔ ءَاِذَا كُنَّا۔ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ۔ ہمزۂ استفہام کی تکرار انکار میں تاکید ومبالغہ کے لیے ہے۔ و تکریر الهمزة للمبالغة فی الانکار (بیضاوی) ف۷۷ (اسی دنیا میں) مطلب یہ کہ جو قومیں خدا کی باغی یعنی توحید وآخرت کی منکر ہوئی ہیں، وہ باوجود اپنی ساری ظاہری شوکت وعظمت کے بالآخر اسی دنیا میں کیسی تباہ و برباد ہو کر رہی ہیں۔ ان کے قلعوں، ان کی عمارتوں، ان کے محلوں کے گرے پڑے، ٹوٹے پھوٹے کھنڈر، ان کے آثار قدیمہ عبرت کے لیے کافی ہیں۔ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ۔ سیر فی الارض اگر تذکر و عبرت پذیری کی راہ سے یا اور کسی دینی غرض سے ہو تو خود ایک عبادت بن جاتی ہے۔ لیکن بغیر اس قسم کی کسی غرض ومقصود کے اگر محض تفریح اور تماشہ کے مد میں یا جغرافی معلومات کی فراہمی کے لیے ہے تو عبادت نہیں۔ ف۷۸ (بلکہ اسے مستحضر رکھیے کہ دوسرے انبیاء کے ساتھ بھی برابر یہی معاملہ ہوتا رہا ہے) مشرکین معاندین کی مسلسل وشدید مخالفتوں کے دو ہی اثرات رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر پڑ سکتے ہیں۔ ایک آپ کا فرط شفقت سے ان کے حق میں غم کھانا اس کی تردید وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ میں آ گئی۔ دوسرے آپ کے دل کا اس خیال سے کڑھنا کہ کہیں ترقی اسلام کی رفتار میں اس سے رکاوٹ نہ پیدا ہو جائے سو اس کی پوری تردید لَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ سے کر دی گئی۔ اکبر الہ آبادی (اللہ ان کی تربت کو ٹھنڈا رکھے) نے اپنے ایک شعر میں آیۂ کریمہ کے اس ٹکڑے کی خوب تضمین کی ہے۔

آگ ان کی خود ہی دے گی ان کو بھون لَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ

ف۷۹ (طنز واستہزاء کے لہجہ میں) ف۸۰ چنانچہ قحط، قتل، ہزیمت وغیرہ کے تجربے تو اسی دنیا میں ہو کر رہے۔ رَدِفَ لَكُمْ پر نحوی حیثیت سے خاصی بحث ہوئی ہے۔ عام استعمال زبان میں بلا صلۂ لام کے ہے۔ ردفه امرء اَردفهٗ کما یقال تبعه واتبعه بعض اہل نحو نے کہا ہے لام اس وقت داخل کیا جاتا ہے جب اضافت کسی فعل کی جانب مقصود ہوتی ہے جیسے تعبرون و یرهبون میں للرءیا تعبرون ولربهم یرهبون (ابن جریر) اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے معنٰی میں زور پیدا ہو گیا ہے اور معنٰی "قریب آ لگا" کے ہو گئے ہیں۔ ادخل اللام فی ذٰلک المعنی لان معناه دنالهم۔ ابن جریر نے یہ سب نقل کر کے ترجیح اسی آخری قول کو دی ہے۔ و هٰذا القول الثانی هو اولٰهما عندی بالصواب (ابن جریر) سب سے بے تکلف اور بے غبار قول زمخشری کا ہے کہ ل یہاں تاکید کے لیے ہے۔ جیسا کہ کہیں کہیں ب بھی تاکید کے لیے آئی ہے۔ زیدت اللام للتاکید کالباء فی ولا تلقوا بایدیکم (کشاف) اللام مزیدة للتاکید (بیضاوی) ف۸۱ (اور وہ عذاب کو بہت ٹالتا رہتا، اور مہلت بہت دیتا رہتا ہے)۔ اور کثرت سے منکروں پر، کافروں پر تو اس دنیا میں اس کی نعمتوں کی بارش آخر وقت تک جاری رہتی ہے۔ ہوا، بارش، روشنی، کھانا، پانی، کسی پر ایک دن کے لیے بھی بند نہیں ہوتا۔ ف۸۲ یعنی حق تعالیٰ کو براہ راست علم تو ہے ہی۔ باقی باضابطہ اور ظاہری طور پر بھی ہر چیز خداوندی رجسٹر میں درج ہے۔ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ سے مراد لوح محفوظ ہے جس میں ہر چیز چھوٹی بڑی، اگلی پچھلی لکھی ہوئی موجود ہے۔ وهو ام الکتاب الذی اثبت ربه کل ما هو کائن من لدن ابتداء خلق خلقه الی یوم القیامة (ابن جریر) ای فی اللوح المحفوظ (معالم)

و۸۳ یعنی بنی اسرائیل پر بہت سے وہ حقائق روشن کردیئے جن کے باب میں وہ غلط فہمیوں میں مبتلا تھے۔ اور جن صداقتوں کو وہ بھلا چکے تھے انہیں پھر سے روشن کر دیا۔ یہود اپنے صحائف میں دانستہ و نادانستہ بہت کچھ تحریف وتصرف کر چکے تھے۔ قرآن نے بچے تلے فیصلے ان امور میں صادر فرما دیئے۔ اَكۡثَرَ یہاں کثیر کے معنٰی میں ہے۔ و۸۴ یعنی ہدایت خاص و رحمت بالاختصاص۔ ورنہ عموماً ہدایت و رحمت تو ساری دنیا کے لیے ہے۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے کہا کہ ہدایت باعتبار طاعات کے اور رحمت بلحاظ ثمرات کے۔ و۸۵ (اسے اپنے فیصلہ کے صادر کرنے اور نافذ کرنے میں دیر ہی کیا لگ سکتی ہے) یہاں فیصلہ سے مراد قیامت کے دن کا عملی فیصلہ ہے۔ ورنہ شرعی و عقلی فیصلہ تو آج بھی اسی دنیا میں موجود ہے۔ و۸۶ (اس لیے آپ معاندین منکرین کے مکر و کید کی مطلق پروانہ کیجئے اس عالم الغیب پر ان کی ایک ایک چال روشن ہے۔ امداد و نصرت اس قوت والے کی طرف سے ان کی نہیں، آپ کی ہوگی) و۸۷ (کوئی ایسی آواز و کلام جواب ان کے حق میں نافع ہو) مطلب یہ ہے کہ یہ معاندین تو مُردوں کی طرح ہیں، ان سے توقع ہی فہم وہدایت کی بیکار ہے انما شبهوا بالموتى لعدم انتفاعهم باستماع ما يتلى عليهم كما شبهوا بالصم (بیضاوی) بعض علماء نے آیت سے یہ مستنبط کیا ہے کہ مردے مطلقاً کلام نہیں سن سکتے۔ حالانکہ یہاں مقصود صرف تشبیہ ہے۔ اور اس کی بناء عرف و ظاہر پر ہے۔ کوئی مسئلہ فقہی بیان نہیں ہو رہا ہے اور پھر کافروں سے سمع و بصر کی نفی تو اور بھی متعدد مقامات پر قرآن میں آئی ہے۔ جس طرح وہاں مراد معرفت و ادراک لی گئی ہے یہاں بھی نفی سمع نفی قبول ہی پر محمول ہوگی۔ اس کے علاوہ موتٰی کا اطلاق تو جسدِ مردہ پر ہوتا ہے۔ روح کے سننے کی نفی تو اس سے بھی نہیں ہوتی۔ اور بعض محققین نے یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ تُسۡمِعُ باب افعال سے ہے۔ یعنی تم ان میں قوت سماع نہیں پیدا کر سکتے اور سماعِ عادی جو نام ہے تصادمِ صوت و سامعہ کا وہ ظاہر ہے کہ مُردوں میں مفقود ہے۔ و۸۸ (اور سننا ہی نہ چاہیں) مقصود اس تشبیہ سے بھی اس کا اظہار ہے کہ جب کوئی نفع حاصل کرنے کا ارادہ ہی نہ کرے، بلکہ اس کے برعکس کا ارادہ کرلے تو کوئی اسے نفع پہنچا سکتا ہی نہیں فان اسماعهم فى هذه الحالة ابعد (بیضاوی) یہ سنانے اور نفع پہنچانے کی نفی جب حضرات انبیاء سے کی جارہی ہے تو کسی شیخ یا مرشد غریب کے اختیار میں کب ہدایت کا دل میں اتار دینا ہے! و۸۹ یعنی آپ کی تبلیغ سے فائدہ اٹھانے والے صرف وہی ہو سکتے ہیں۔ و۹۰ قربِ قیامت کی علامتیں بہت سی حدیث صحیح میں وارد ہوئی ہیں۔ بہت سی عجیب و غریب چیزوں کا اس وقت ظہور ہوگا، اور عجیب چیزوں کا یہ خاصہ ہے کہ اپنے ظہور سے قبل سمجھ میں نہیں آتیں۔ ریل، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، وائرلیس وغیرہ تمام مادی ایجادیں ایسی ہیں جو پہلے سمجھ ہی میں نہیں آتی تھیں۔ جب ظہور میں آگئیں، جب ہی سمجھ میں آئیں۔ جس قسم کے جانور کا یہاں ذکر ہے روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ظہور بالکل آخر میں ہوگا اور خود الفاظ قرآنی بھی یہی معنٰی چاہ رہے ہیں۔ یہ آخرترین علامت اگر عجیب ترین بھی ہو تو اس میں عجب کیا ہے۔ حدیث میں اس عجیب ترین حیوان کا نام جساسہ آیا ہے۔ کافر اس وقت بالاضطرار اس خارق عظیم کی تصدیق کریں گے لیکن اضطراری تصدیق ظاہر ہے کہ مقبول نہ ہوگی۔ اَلۡقَوۡلُ۔ قول یہاں عذاب و قیامت موعود کے معنٰی میں ہے۔ وهو ما وعدوا به من البعث والعذاب (بیضاوی) مِنَ الۡاَرۡضِ۔ آیت میں مِنَ الۡاَرۡضِ کا لفظ بہت قابل غور ہے اس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ اس حیوان کی پیدائش عام حیوانات کی طرح بہ طریق توالد و تناسل نہ ہوگی بلکہ یہ ازخود پیدا ہو جائے گا۔ وفى تفسير اخراجها بقوله من الارض نوع اشارة الى ما قيل ان خلقها ليس بطريق التوالد بل هو بطريق التولد (روح) دَآبَّةً۔ یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ دَآبَّةً یہاں بطور اسم جنس کے آیا ہے۔ گویا یہ ایک جانور نہ ہوگا بلکہ ایسے بہت سے جانور ہوں گے۔ ہر ہر شہر سے ایک ایک جانور۔ روى انه يخرج فى كل بلد دابة مما هو مبثوث نوعها فى الارض وليست واحدة فيكون قوله دابة اسم جنس (بحر) حكى ابو حيان فى البحر والدميرى فى حياة الحيوان رواية انه يخرج فى كل بلد دابة مما هو مبثوث نوعها فى الارض فليست دابة واحدة وعليه يراد بدابة الجنس الصادق بالمتعدد (روح) روى انها تخرج فى كل بلد دابة مما هو مبثوث نوعها فى الارض وليست واحدة فيكون قوله دابة اسم جنس (نہر) دَآبَّةً کے بارہ میں روایتیں نقل بہت سی ہوئی ہیں لیکن بقول امام رازی علیہ الرحمۃ کتاب الٰہی اس باب میں ہر صراحت سے خاموش ہے۔ اب اگر کوئی بات قول رسول سے ثابت ہو جائے، وہ تو خیر مان لی جائے گی۔ باقی اور کوئی شے قابل التفات نہیں۔ اعلم انه لا دلالة فى الكتب على شىء من هذه الامور فان اصح الخبر فيه عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم قبل والا لم يلتفت اليه (کبیر)

بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَکۡثَرَ الَّذِیۡ هُمۡ فِیۡهِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۷۶﴾

باتوں کو ظاہر کرتا ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں و۸۳

وَ اِنَّهٗ لَهُدًی وَّ رَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ

اور بے شک وہ ایمان والوں کے حق میں ہدایت و رحمت ہے و۸۴ بے شک آپ کا پروردگار

یَقۡضِیۡ بَیۡنَهُمۡ بِحُكۡمِهٖ ۚ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۷۸﴾

ان کے درمیان فیصلہ اپنے حکم سے کر دے گا اور وہ غلبہ والا ہے علم والا ہے و۸۵

فَتَوَكَّلۡ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَی الۡحَقِّ الۡمُبِیۡنِ ﴿۷۹﴾

سو آپ اللہ پر توکل رکھیے بے شک آپ صریح حق پر ہیں و۸۶

اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی وَ لَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ

آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے و۸۷ اور نہ بہروں کو (اپنی) پکار سنا سکتے ہیں

اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ ﴿۸۰﴾ وَ مَاۤ اَنۡتَ بِهٰدِی الۡعُمۡیِ عَنۡ

جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں و۸۸ اور آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راستہ

ضَلٰلَتِهِمۡ ؕ اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمۡ

دکھانے والے نہیں آپ تو بس انہیں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں پھر وہ (انہیں)

مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَ اِذَا وَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَیۡهِمۡ اَخۡرَجۡنَا

مانتے ہیں و۸۹ اور جب وعدہ ان لوگوں پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین سے

لَهُمۡ دَآبَّةً مِّنَ الۡاَرۡضِ تُكَلِّمُهُمۡ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوۡا

ایسا جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری

بِاٰیٰتِنَا لَا یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ع وَ یَوۡمَ نَحۡشُرُ مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ

آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے و۹۰ اور جس دن ہم ہر امت سے ایک ایک گروہ ان لوگوں کا

فَوۡجًا مِّمَّنۡ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمۡ يُوۡزَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾

جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے سو وہ صف بستہ کھڑے کر دیئے جائیں گے ف۹۱

حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡ قَالَ اَكَذَّبۡتُمۡ بِاٰيٰتِىۡ وَلَمۡ تُحِيۡطُوۡا

یہاں تک کہ جب (سب) حاضر ہو جائیں گے تو (اللہ ان سے) کہے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا درآنحالیکہ

بِهَا عِلۡمًا اَمَّا ذَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الۡقَوۡلُ

تم انہیں اپنے احاطۂ علمی میں بھی نہیں لائے تھے، بلکہ اور ہی کیا کیا کرتے رہے تھے ف۹۲ اور (اب) ان پر وعدہ

عَلَيۡهِمۡ بِمَا ظَلَمُوۡا فَهُمۡ لَا يَنۡطِقُوۡنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا

پورا ہو گا بسبب اس کے کہ انہوں نے (بڑی) زیادتیاں کی تھیں سو وہ لوگ بات بھی نہ کر سکیں گے ف۹۳ کیا انہوں نے اسپر

جَعَلۡنَا الَّيۡلَ لِيَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ

نظر نہیں کی کہ ہم نے رات بنائی تا کہ اس میں لوگ آرام کریں اور دن بنایا جس میں دیکھیں بھالیں بے شک

فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۶﴾ وَيَوۡمَ يُنۡفَخُ

اس میں (بڑی) دلیلیں ہیں ف۹۴ ایمان والوں کے لئے ف۹۵ اور جس دن صور

فِى الصُّوۡرِ فَفَزِعَ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى

پھونکا جائے گا سو جتنے آسمان و زمین میں ہیں (سب) گھبرا

الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوۡهُ دٰخِرِيۡنَ ﴿۸۷﴾

جائیں گے بجز اس کے جس کے لئے اللہ کی مشیت ہو ف۹۶ اور سب اس کے آگے دبے جھکے حاضر ہوں گے۔

وَتَرَى الۡجِبَالَ تَحۡسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِىَ تَمُرُّ مَرَّ

اور تو پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے اور ان کے لئے خیال کر رہا ہے کہ وہ جنبش نہ کریں گے ف۹۷ درآنحالیکہ وہ بادلوں کی طرح

السَّحَابِ ؕ صُنۡعَ اللّٰهِ الَّذِىۡۤ اَتۡقَنَ كُلَّ شَىۡءٍ ؕ

اڑے پھریں گے ف۹۸ یہ کاریگری اللہ ہی کی ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے ف۹۹

ف۹۱ یُوْزَعُوْنَ کا مفہوم یہ ہے کہ اگلوں کو چلنے میں پچھلوں کے آملنے کے واسطے روکا جائے گا۔ یہ کنایہ کثرتِ انبوہ سے ہے۔ کہ کثرت انبوہ کے وقت ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ میں من تبعیض کا ہے۔ مِمَّنْ يُّكَذِّبُ میں من تبیین کا ہے۔ ف۹۲ مثلاً یہی کہ انبیاء و اہلِ ایمان کو ناحق ستایا، جو نفسِ تکذیب سے بھی بڑھا ہوا جرم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے جمع ہونے پر ان پر فردِ جرم لگ جائے گی اور الزام یہ قائم ہو گا کہ تم نے سنتے ہی بلا تدبر و تفکر تکذیب شروع کر دی اور تکذیب ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ اور بھی بہت کچھ کر گزرے۔ اَمَّا میں ام منقطعہ ہے۔ یعنی بل کے معنی میں۔ وام هنا منقطعة ينبغي ان تعدى ببل (بحر) ف۹۳ یعنی ثبوتِ جرم اتنا قوی، قطعی اور یقینی ہو گا کہ جواب دہی کرنا چاہیں گے بھی تو کچھ نہ بن پڑے گی۔ اللہ وہ وقت نہ اس نامۂ سیاہ خادمِ قرآن پر ڈالے نہ کسی اقرار شہادتین کرنے والے پر! بِمَا ظَلَمُوْا سے مراد کفر و شرک کی حرکتیں ہیں یا جامع لفظ میں یوں کہیے کہ تکذیب آیاتِ الٰہی۔ هو الكذيب بايات الله (بیضاوی) ف۹۴ (امکان بعث و قیامت پر) شب کا آرام مشابہ ہے موت کے اور دن کی بیداری مشابہ ہے اخروی زندگی کے۔ امکان بعث یوں بھی ایک صریح و واضح حقیقت ہے۔ یہ روزمرہ کی نظیر اس امکان کو کہیں زیادہ قوی کر دیتی ہے۔ ''موت کی حقیقت ہے زوالِ تعلق روح عن الجسد اور حیاتِ ثانیہ کی حقیقت ہے عوداس تعلق کا۔ اور نوم بھی من وجہ زوال ہے اس تعلق کا کیونکہ ضعف بھی اس شے کے مراتب وجود میں سے کسی مرتبہ کا زوال ہوتا ہے اور یقظہ عود ہے اس تعلق زائل کا۔ پس دونوں میں تشابہ تام ہوا، اور ایک نظیر کے ساتھ قدرت کا تعلق مشاہد ہے اور یہ تعلق معلل کسی علت سے ہے نہیں بلکہ ذاتِ واجب اس کو مقتضی ہے اور محلِ قدرت کا امتناع کسی دلیل سے ثابت نہیں اور امکان اولاً بدیہی ہے۔ پھر اس کی نظیر کا امکان اس بداہت کو اور قوی کرتا ہے پھر اس کے ساتھ تعلق قدرت میں کیا کلام ہے۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) لَاٰيٰتٍ۔ ایات بصیغہ جمع فرمایا ہے حالانکہ بظاہر دلیل واحد ہے یا تو اس وجہ سے کہ مدلول متعدد ہے مثلاً امکان شب و صدق آیات شب تو ہر مدلول کے اعتبار سے گویا ایک ایک دلیل ہے اور یا بوجہ عظیم ہونے کے ایک دلیل بجائے کئی دلیل کے ہے۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۹۵ یعنی یہ دلائل عقل و مشاہدہ پر مبنی عام تو ہیں سب ہی کے لئے لیکن نفع اس سے صرف اہلِ ایمان ہی اٹھاتے ہیں کہ وہی ان واقعات پر فکر و تدبر سے کام لیتے ہیں۔ ف۹۶ یعنی عام ضابطہ تو یہی ہے کہ آوازِ صور سے ساری مخلوق کیا زمینی اور کیا آسمانی گھبرا اٹھے گی لیکن اللہ کی مشیت معطل نہیں ہو جائے گی وہ جس سے متعلق بھی ہو گی وہ اس ہول شدید سے محفوظ رہے گا۔ ف۹۷ (اور بیشک ظاہری نظر میں وہ ہیں بھی ایسے ہی بھاری بھرکم) ف۹۸ یعنی نفخ صور جس طرح جانداروں پر اس قدر موثر ہو گا، بے جان چیزوں کو بھی متاثر اور درہم برہم کیے بغیر نہ رہے گا ان کے اجزاء تحلیل ہو جائیں گے، اور ان میں تخلخل واقع ہو کر رہے گا یہاں تک کہ اڑے اڑے پھرنے لگیں گے۔ حال کے ایک ہندی مفسر قرآن نے تَمُرُّ کے صیغۂ مضارع کو بجائے مستقبل کے صرف حال کے معنی میں لے کر آیت سے حرکت ارض پر استدلال کیا ہے، اور آیت کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ پہاڑ جو بظاہر بالکل جمے ہوئے نظر آتے ہیں، وہ دراصل بادل کی سی تیزی کے ساتھ رواں ہیں — یہ معنی اگرچہ سیاق قرآنی سے بہت دور ہیں تاہم تفسیر بالرائے نہیں کہے جا سکتے اور جواز کی گنجائش کسی نہ کسی حد تک رکھتے ہیں۔ ف۹۹ ہر شے کی مضبوطی اس کے مناسب حال ہی ہونا چاہیے جس وقت تک ان پہاڑوں کا قیام و بقا منظور ہے اپنی جگہ پر وہ کیسے جمے ہوئے رہتے ہیں اور جب حکمتِ کاملہ کو ان کا انہدام ہی منظور ہو جاتا ہے تو اب کاریگری کا عین تقاضا یہی ہے کہ ان کے اجزا میں انتہائی نرمی اور ڈھیلا پن پیدا ہو جائے۔ اتقن امر احكم خلقه و سواه على ما ينبغي (بیضاوی) صُنْعَ اللّٰهِ میں صُنْعَ مصدر مؤکد ہے جیسے وعد اللہ اور صبغۃ اللہ میں اپنے مؤکدہ محذوف ہے۔ (کشاف)

إِنَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَفۡعَلُونَ ﴿۸۸﴾ مَن جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ

بے شک اسے تمہارے افعال کی پوری طرح خبر ہے ف۱۰۰ جو کوئی نیکی (یعنی ایمان) لے کر آئے گا

فَلَهُۥ خَيۡرٌ مِّنۡهَا ۚ وَهُم مِّن فَزَعٍ يَوۡمَئِذٍ ءَامِنُونَ ﴿۸۹﴾

سو اس کو اس سے بہتر اجر ملے گا اور ف۱۰۱ وہ لوگ اس روز کی (بڑی) گھبراہٹ سے محفوظ رہیں گے ف۱۰۲

وَمَن جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتۡ وُجُوهُهُمۡ فِي النَّارِ ۖ

اور جو شخص بدی (یعنی کفر) لے کر آئے گا تو وہ لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈال دیے جائیں گے

هَلۡ تُجۡزَوۡنَ إِلَّا مَا كُنتُمۡ تَعۡمَلُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّمَآ أُمِرۡتُ

تم کو سزا اسی کرتوت کی مل رہی ہے جو (دنیا میں) تمہارے تھے (آپ کہہ دیجیے) مجھے تو یہی حکم ملا ہے

أَنۡ أَعۡبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ الۡبَلۡدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُۥ

کہ میں عبادت کروں اس شہر کے مالک (حقیقی) کی جس نے اسے محترم بنایا ہے اور سب چیزیں

كُلُّ شَيۡءٍ ۖ وَأُمِرۡتُ أَنۡ أَكُونَ مِنَ الۡمُسۡلِمِينَ ﴿۹۱﴾

اسی کی ملک ہیں اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں ف۱۰۳

وَأَنۡ أَتۡلُوَا الۡقُرۡءَانَ ۖ فَمَنِ اهۡتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهۡتَدِي

اور یہ بھی کہ میں قرآن پڑھ کر سناؤں سو جو کوئی راہ پر آئے گا وہ اپنے ہی لئے راہ پر

لِنَفۡسِهِۦ ۖ وَمَن ضَلَّ فَقُلۡ إِنَّمَآ أَنَا۠ مِنَ

آئے گا۔ اور جو کوئی گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجیے کہ میں تو بس ڈرانے والوں میں سے

الۡمُنذِرِينَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمۡ ءَايَٰتِهِۦ

ہوں ف۱۰۴ اور آپ کہہ دیجیے کہ ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے ف۱۰۵ وہ تم کو اپنی نشانیاں عنقریب دکھائے گا،

فَتَعۡرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُونَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۱/۲

سو تم انہیں پہچانو گے ف۱۰۶ اور آپ کا پروردگار ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم (سب) کر رہے ہو ف۱۰۷

ف۱۰۰ اور مجازاۃ و مکافاۃ کی شرط اول یہی علم محیط و کامل ہے) ف۱۰۱ یعنی جس اجر کا وہ مستحق ہے اس سے بھی کہیں بڑھ کر اسے اجر ملے گا۔ اَلۡحَسَنَةِ کی تفسیر کلمۂ توحید ہے اور اگلی آیت میں السَّيِّئَةِ کی تفسیر شرک ہے۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ صحابی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور بہ کثرت تابعین سے یہی منقول ہے۔ واراد بالحسنة علی ماروی عن ابن عباس و ابن مسعود و مجاهد و الحسن والنخعی و ابی صالح و سعید بن جبیر و عطاء و قتادة شهادة ان لا اله الا الله (روح) بلکہ بعض صحابیوں سے تو اس معنی کی سند خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ عن ابی هریرة و عن کعب بن عجرة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسرها بذلک (روح) اور اقرار توحید سے مراد اقرار مقبول ہے۔ والمراد بهذه الشهادة التوحيد المقبول (روح) ف۱۰۲ یہ فزع صور کے نفخۂ ثانی کے بعد ہوگا۔ فزع اولی مراد نہیں، وہ پہلا فزع طبعی ہوگا۔ اور اس دوسرے فزع کا تعلق مراتب ایمان سے ہے۔ سورۂ انبیاء کی آیت لَا يَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡأَكۡبَرُ میں بھی ذکر اسی دوسرے فزع کا ہے۔ ف۱۰۳ (جیسا کہ اب تک بھی رہا ہوں عقائد و اعمال دونوں میں) عبادت و تعمیل احکام سے جب سرور انبیاء مستثنیٰ نہیں تو ظاہر ہے کسی ولی، کسی بزرگ کا کیا ذکر ہے۔ هَٰذِهِ الۡبَلۡدَةِ یعنی شہر مکہ۔ اللہ مالک تو سب ہی شہروں، ملکوں کا ہے۔ مکہ کی تخصیص سے مقصود مکہ کے مرتبہ کا شرف و اعزاز ہے۔ وَلَهُۥ كُلُّ شَيۡءٍ۔ یعنی ہر چیز جب اسی کی ملک ہے، تو وہ جس چیز کو بھی چاہے محترم و متبرک ٹھہرا دے۔ ف۱۰۴ یعنی میرا کام تو صرف حکم پہنچا دینا، تبلیغ احکام کر دینا ہے۔ باقی جو کوئی مانے گا وہ خود اپنے اجر و ثواب و نجات کے لیے اور جو نہ مانے گا وہ بھی خود ہی بھگتے گا، میرا نہ اس سے کوئی نفع نہ اس سے کوئی ضرر۔ ف۱۰۵ (اور قدرت، ملک، علم، حکمت، سارے صفات کمال اسی کے لیے ثابت ہیں، سو اس کے علم کے موافق جب حکمت کا مقتضا ہوگا وہ اپنی قدرت سے اپنی مخلوق میں قیامت واقع کر دے گا) اہل اشارات نے کہا کہ سورہ کے خاتمہ پر اَلۡحَمۡدُ لانے میں تعلیم یہ ہے کہ مسلمان کو بھی اپنے سارے احوال و امور کا خاتمہ اللہ کی حمد و ثنا ہی پر کرنا چاہیے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واجب ہے کہ قبول کو منسوب اللہ تعالیٰ کی جانب کرے، اپنے مجاہدہ و عمل کی جانب نہ کرے۔ ف۱۰۶ (اور اب انکار کر رہے ہو) ءَايَٰتِهِۦ سے مراد واقعات و اہوال قیامت ہیں۔ بعض نے مراد فتوحات بدر وغیرہ بھی لی ہیں۔ اٰیاته القاهرة فی الدنیا او فی الأخرة (بیضاوی) قال الحسن و ذلک فی الأخرة و قال الکلبی فی الدنیا (بحر) مقصود بہر صورت یہ ہے کہ جب عذاب الٰہی مشاہدہ کر لو گے جب تو میری بات کا یقین کرو گے اور جب میری نصیحتوں کی قدر ہوگی۔ یریکم ربکم اٰیات عذابه و سخطه فتعرفون بها حقیقة نصحی کان لکم و یتبین صدق ما دعوتکم الیه من الرشاد (ابن جریر) ف۱۰۷ (سو سب کو جزا و سزا بھی اس کے مطابق ملے گی) عاصیوں نافرمانوں کے حق میں اس کا تنبیہ ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن ارباب باطن نے اس میں اہل ذوق کے لیے بھی بڑی بشارت سمجھی ہے کہ اہل سوز کی آہ و زاری محبوب حقیقی سے ذرا بھی مخفی نہیں۔ بلکہ ان کی ساری بے قراری اس پر آئینہ ہے۔

آیاتھا ۸۸ ۲۸ سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ ۴۹ رکوعاتھا ۹

اس میں اٹھاسی آیتیں سورۂ قصص مکی ہے اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰسٓمّٓ ۝١ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ نَتْلُوْا

طا۔ سیم۔ میم یہ کتاب واضح کی آیتیں ہیں ہم آپ کو

عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ

موسیٰ و فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں ان لوگوں کے لئے

يُّؤْمِنُوْنَ ۝٣ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ

جو ایمان رکھتے ہیں و۱ بے شک فرعون ملک میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا، اور اس نے وہاں کے

اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ

باشندوں کو طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا، ان میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا، ان کے بیٹوں کو ذبح

اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ

کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا واقعی وہ (بڑے) مفسدوں میں سے

الْمُفْسِدِيْنَ ۝٤ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ

تھا و۲ اور ہم کو یہ منظور ہوا کہ جن لوگوں کا زور

اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ

ملک میں گھٹایا جا رہا ہے ہم ان پر احسان کریں اور انہیں پیشوا بنائیں، اور انہیں (زمین کا)

الْوٰرِثِيْنَ ۝٥ لا وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ

مالک بنائیں و۳ اور ہم انہیں زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین

و۱ یعنی نفع اس سے وہی اٹھائیں گے، سبق اس سے وہی حاصل کریں گے جو صاحبِ ایمان ہیں خواہ حقیقۃً، یا حکماً، یعنی ایمان کا ارادہ رکھتے ہوں۔ مِنْ نَّبَاِ میں مِنْ تبعیضیہ ہے "کچھ" کے معنی میں۔ جیسا کہ ظاہر ہے، قصہ پورا نہیں بلکہ اس کا کچھ حصہ یہاں بیان ہو رہا ہے۔ بِالْحَقِّ بالکل صحیح و معتبر۔ توریت وغیرہ کے ذریعہ سے ناقص اور محرف قصہ پہلے سے مشہور تھا۔ و۲ ملک سے مراد ملک مصر ہے۔ الْاَرْضِ کا اطلاق جس طرح سارے روئے زمین پر ہوتا ہے اسی طرح اس کے ہر ٹکڑے پر۔ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یعنی بنی اسرائیل یہ فرعون کونسا تھا، کس زمانہ میں تھا۔ اس کے مظالم کی کیا نوعیت تھی۔ اسی قسم کے سارے سوالات کے جوابات تفسیر کے ابتدائی حصوں میں آچکے ہیں۔ و۳ یعنی ہماری مشیت میں یہ تھا کہ ہم انہیں دنیوی و دینی عروج دے کر رہیں۔ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً اس ارادۂ الٰہی کا ظہور دینی پیشوائی میں یوں ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام پر صحیفۂ آسمانی نازل ہوا۔ شریعت الٰہی اسی قوم پر اتری۔ انبیاء اس میں برابر پیدا ہوتے رہے۔ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ اس مشیت کا ظہور یوں ہوا کہ فرعون کی غلامی سے آزادی نصیب ہوئی اور آگے چل کر شام و فلسطین کی حکومت بھی مل گئی۔ نُمَكِّنَ...... الْاَرْضِ۔ بعض عارفوں نے اس سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ کمزور و مظلوم ہونا خود موجبِ التفات و نصرتِ الٰہی ہے۔

ف۴ (اور اپنی قضا و قدر کے سامنے ان کی ایک تدبیر بھی نہ چلنے دیں) ھَامٰنَ۔ ھامان کا نام یہاں پہلی بار قرآن میں آیا ہے۔ یہ کون شخص تھا؟ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ مصر میں کوئی شخص اس نام کا تھا ہی نہیں۔ البتہ ایران میں ایک شخص اس نام کا گزرا ہے۔ اور (نعوذ باللہ) قرآن نے دونوں میں خلط کر دیا۔ لیکن ہامان کو شخصی نام فرض ہی کیوں کیا جائے؟ جس طرح اس کا عطف ''فرعون'' کے ساتھ یہاں اور آگے چل کر بھی آیا ہے اس سے تو قیاس یہی ہوتا ہے کہ جس طرح فرعون شخصی نام نہیں بلکہ شاہی لقب تھا اسی طرح ہامان بھی کوئی سرکاری لقب ہی تھا۔ تاریخ سے اتنا تو بہرحال ثابت ہے کہ مصر کے ایک بہت بڑے دیوتا کا نام آمن (AMON) تھا۔ اس کے بڑے پجاری کے اختیارات بادشاہ سے بس کچھ ہی کم ہوتے تھے۔ عجب کیا کہ اس بڑے پجاری کا سرکاری لقب عربی تلفظ میں ہامان ہی ہو۔ (ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی) مَا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ۔ یعنی زوالِ سلطنت اور ہلاکت۔ اسی کا انہیں اندیشہ تھا اور یہی واقع ہو کر رہا۔ فِي الْاَرْضِ۔ یہ لازمی نہیں کہ اسرائیلیوں کو یہ تمکین و تمکن اسی ملک مصر ہی میں حاصل ہوا ہو۔ روئے زمین کے کسی حصہ میں بھی ہو جانا، وعدۂ الٰہی کے تحقق کے لیے کافی تھا۔

ف۵ بنی اسرائیل کی اولاد ذکور تو چن چن کر قتل کی ہی جا رہی تھی۔ حضرت موسٰی کی والدہ ماجدہ کو بھی قدرۃً یہ فکر پیدا ہوئی کہ اب ان کی بھی تلاش ہوگی۔ اس وقت ان کے دل میں بات غیب سے ڈال دی گئی۔ اَوْحَيْنَآ۔ وحی یہاں الہام یا القاء کے معنٰی میں ہے۔ اے القینا فی قلبها (ابن قتیبہ) الوحی کل ما دللت علیه من کلام او کتاب او اشارة او رسالة (ابن قتیبہ) اس اصطلاحی معنٰی میں نہیں جو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے، اس وحی کا ذکر سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکا ہے۔ بہرحال نہ یہ وحی، وحی رسالت تھی اور نہ والدۂ حضرت موسٰی نبی یا رسول تھیں۔ و لیس هٰذا وحی رسالة ولا تکون هی رسولا (مدارک) توریت میں ہے:۔ ''وہ عورت حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی اور اس نے اسے خوبصورت دیکھ کے تین مہینے تک چھپا رکھا اور جب آگے کو نہ چھپا سکی تو اس نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا بنایا اور اس پر لاسا اور رال لگایا اور لڑکے کو اس میں رکھا اور اس نے اسے دریا کے کنارہ پر جھاڑ میں رکھ دیا۔'' (خروج۔ ۲: ۱۔ ۳) ف۶ یعنی سر دست تو یہ کرو کہ ان کی رضاعت بدستور کرتی رہو۔ پھر جب دیکھو کہ افشاء راز ہوا جاتا ہے تو ایک صندوق میں انہیں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دو۔ نہ ان کے ڈوب جانے کا اندیشہ کرو نہ ان کی مفارقت کا غم کرو، ہم ایسا انتظام کیے دیتے ہیں کہ عنقریب ہی یہ پھر تمہارے پاس پہنچ جائیں اور پھر ایک خاص وقت پر انہیں پیمبری عنایت کر دیں گے۔ لَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ۔ جس خوف و حزن سے یہاں ممانعت ہے وہ عقلی و اختیاری تھا، اس خوف و حزن کے علاوہ جو طبعی اور غیر اختیاری ہوتا ہے۔ فِي الْيَمِّ۔ یم سے یہاں مراد مصر کا مشہور اور لمبا چوڑا دریائے نیل ہے۔ جو اسرائیلیوں کے محلہ سے ہوتا ہوا عین شاہی محل کے دامن سے گزرتا تھا۔ ف۷ حضرت موصوفہ نے ان ہدایتوں پر عمل کیا۔ دریائے نیل فرعون کے شاہی محل کے نیچے ہو کر بہتا تھا۔ صندوق بہتے بہتے وہاں پہنچا۔ فرعونیوں کی نظر پڑی جھپٹ کر نکالا۔ اس کے اندر سے ایک پیارا بچہ نکلا۔ اس کی پرورش کی گئی۔ اور اس طرح اپنے ہاتھوں اپنی ہلاکت اور مصیبت کا سبب بن گئے۔ اٰلُ فِرْعَوْنَ۔ یعنی فرعون کے لوگ۔ لِيَكُوْنَ میں ل عاقبت کا ہے یعنی ان کے اس بچہ کو اٹھا لینے کا نتیجہ یہی ہونا تھا۔ تعلیل لالتقاطهم ایاه بما هو عاقبته (بیضاوی) و هٰذه اللام تسمی لام العاقبة ولام الصیرورة لانهم لم یلتقطوه لیکون لهم عدوًا و حزنًا ولکن صار عاقبة امرهم الی ذٰلک (معالم) اے لیصیر الامر الی ذٰلک لانهم اخذوه لهٰذا کذا قاله الزجاج و عن هٰذا قال المفسرون ان هٰذه لام العاقبة والصیرورة (مدارک) ف۸ (اور ایسے ظالموں فاجروں کو سزا ملنی ہی تھی) جمہور مفسرین کا یہی مذہب ہے۔ و اما جمهور المفسرین فقالوا معناه کانوا خاطئین فی ما کانوا علیه من الکفر والظلم (کبیر) کانوا خاطئین سے دوسری مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اپنے اس عمل میں بڑے خطاکار، بڑے لغزش کرنے والے، بڑے چوکنے والے ثابت ہوئے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴿٦﴾

کو ان میں سے وہ کچھ دکھلائیں جن سے وہ بچنا چاہتے تھے ف۴

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا

اور ہم نے موسٰی کی والدہ کو الہام کیا کہ تم انہیں دودھ پلاؤ، پھر جب

خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ

تم کو ان کی نسبت اندیشہ ہو ف۵ تو تم انہیں دریا میں ڈال دو اور نہ اندیشہ کرو اور نہ غم کرو

اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧﴾

ہم ضرور ان کو تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور انہیں پیمبر بنا دیں گے ف۶

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۗ

چنانچہ فرعون کے لوگوں نے موسٰی کو اٹھا لیا تاکہ وہ ان کے لئے دشمن اور غم (کا باعث) بنیں ف۷

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ﴿٨﴾

بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین (بڑے) خطا کار تھے ف۸

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ۗ

اور فرعون کی بیوی بولیں کہ یہ (بچہ) میری اور تیری آنکھ کی ٹھنڈک ہے

لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا

اسے قتل مت کرنا عجب کیا کہ یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩﴾ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى

اور انہیں کچھ خبر نہ تھی (انجام کی) ف۹ اور والدہ موسٰی کا دل

فٰرِغًا ۗ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى

بے قرار ہوا (ایسا کہ) قریب تھا کہ وہ موسٰی کا حال ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے

سے یہی معنٰی مروی ہے۔قال الحسن معنٰی کانوا خاطئین لیس معنی الخطیئة بل المعنی ھم لایشعرون انهٗ الذی یذھب بملکھم (کبیر) یہ پہلو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے اور کہا گیا ہے کہ خطا شعاری تو ان میں رچی ہوئی تھی ہی۔سو اگر اس معاملہ میں بھی غلطی کر بیٹھے تو ان کے لیے کوئی انوکھی چیز نہ ہوئی۔ای کانوا خاطئین فی کل شیء فلیس خطؤھم فی تربیة علوھم ببدع منھم (مدارک) و ۹ (کہ اسی بچہ کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت غارت ہوگی) ای لا یشعرون ان ھلاکھم بسببه و علی یدہٖ و ھذا قول مجاھد و قتادة والضحاک و مقاتل (کبیر) اِمۡرَاَتُ فِرۡعَوۡنَ سے مراد حضرت آسیہ ہیں۔توریت محرف میں انہیں فرعون کی لڑکی بتایا گیا ہے۔قرآن نے اس پرانی تاریخی غلطی کی اصلاح کر کے بتایا کہ وہ خاتون بیٹی نہیں بیوی تھیں۔البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اصلاً بیٹی ہی ہو جس کے ساتھ بعد کو فرعون نے شادی کرلی ہو۔اس پر حیرت نہ کی جائے۔متعدد جاہلی شاہی خاندانوں میں عام رواج محرمات ہی سے شادی کرنے کا رہا ہے۔اور مصر کے شاہی (فرعونی) خاندان میں بادشاہ کا اپنی ہمشیر سے نکاح کرنے کا دستور تو عام تھا۔بیٹی سے شادی کر کے اسے ملکہ بنا لینے کا تاریخی ثبوت تو موجود نہیں، لیکن ہمشیر کے نکاح پر قیاس کر کے اس کا امکان تو بہرحال موجود ہے۔ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔توریت میں ہے:۔’’تب فرعون کی بیٹی غسل کرنے کو دریا پر اتری اور اس کی سہیلیاں دریا کے کنارہ پر پھرنے لگیں۔اس نے جھاڑ میں ٹوکرا دیکھ کر اپنی سہیلی کو بھیجا کہ اسے اٹھالے جب اس نے اسے کھولا تو لڑکے کو دیکھا، اور دیکھا کہ وہ روتا ہے۔اسے اس پر رحم آیا۔اور بولی یہ کسی عبرانی کا لڑکا ہے‘‘۔(خروج۔ ۲:۵و۶) عارفین نے کہا کہ اہل اللہ سے محبت رائیگاں نہیں جاتی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے محبت کا نتیجہ حضرت آسیہ نے مشاہدہ کرلیا کہ مشرف بایمان ہی نہیں ہوئیں بلکہ افضلِ نساء عالمین قرار پائیں۔مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس قول کا سبب محض حُبِ طبعی تھا لیکن اہل اللہ کے ساتھ حُبِ طبعی بھی، بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو، ایمان و ہدایت میں نافع ہوجاتی ہے۔

قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ

دل کو اسی لئے مضبوط نہ کیے رہتے کہ وہ یقین کیے رہیں و۱۰ اور انہوں نے موسیٰ کی بہن سے کہا

قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا

کہ موسیٰ کا سراغ تو لگانا، سو انہوں نے موسیٰ کو دور سے دیکھا اور وہ لوگ (یعنی فرعون والے)

يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ

بے خبر تھے و۱۱ اور ہم نے موسیٰ پر دائیوں کی بندش پہلے ہی کر رکھی تھی و۱۲

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ

سو وہ کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش

لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ

کریں اور ساتھ ہی اس کے خیر خواہ بھی ہوں و۱۳ غرض ہم نے موسیٰ کو ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا تا کہ

تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تا کہ غم میں نہ رہیں اور تا کہ اس بات کو جان لیں و۱۴ کہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے،

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ

البتہ اکثر لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے و۱۵ پھر جب وہ اپنی پختگی کو پہنچ گئے

وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى

اور درست ہو گئے ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا کیا و۱۶ اور ہم نیک کاروں کو ایسا ہی صلہ

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ

دیا کرتے ہیں و۱۷ اور وہ شہر میں ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے باشندے بے خبر تھے

مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫

تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے پایا

و۱۰ یعنی ادھر انہوں نے اپنے نور نظر کو سپرد دریا کیا اور ادھر ان کے قلب پر غم و صدمہ نے اتنا ہجوم کیا کہ قریب تھا کہ مضطر ہو کر وہ سب ہی راز ظاہر کر دیں لیکن ہم نے ان کے دل کو مضبوط رکھا تا کہ وہ ہمارے وعدہ پر یقین کیے بیٹھی رہیں۔ گویا طبعی تقاضا تو شدتِ غم و حزن میں اس راز کے افشاء ہی کا تھا لیکن تائید ایزدی ان کے شامل حال رہی اور انہوں نے طبیعت کے مقتضا پر عمل نہ کیا، عارفین نے لکھا ہے کہ کاملین بھی امورِ طبعیہ کے اثرات سے بالکل محفوظ نہیں ہو جاتے چنانچہ حضرت موصوفہ کو باوجود وعدۂ الٰہی کے تردد قلبی شدت کے ساتھ محسوس ہوا لیکن آپ نے بفضلِ الٰہی اس کے مقتضا پر عمل نہ کیا اور یہ شیوہ کاملین کا ہوتا ہے۔ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا سے مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ تکمیل اخلاق میں قوتِ بشری تنہا کافی نہیں، تائید الٰہی کا شامل ہونا ضروری ہے۔ و۱۱ (اس امر سے کہ وہ ان کی بہن ہیں اور اسی سراغ رسی میں آئی ہیں) وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ سے مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ افادہ کیا ہے کہ درجۂ اعتدال میں تدبیر اختیار کرنا مرتبۂ توکل کے منافی نہیں۔ توریت میں ان کا نام مریم آیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ "نبیہ" تھیں (خروج۔ ۱۰: ۲۰) اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی ہے۔ اسرائیلی اصطلاح دوسری تھی۔ وہاں "نبیہ" کے معنی صرف پیشین گوئی کرنے والی یا تقریبا کاہنہ کے ہیں۔ توریت میں یہ بھی ہے:۔ "اور اس کی بہن دور سے کھڑی دیکھتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے"۔ (خروج۔ ۲: ۴) و۱۲ (چنانچہ آپ کسی کا دودھ نہ لیتے تھے) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی و۱۳ محل والے پریشان تو ہو ہی رہے تھے کہ بچہ کسی دایہ گری نہیں قبول کر رہا ہے۔ خواہرِ موسیٰ نے اجنبی اور انجان بن کر ان سے کہا کہ میں تمہیں ایسے گھرانے کا پتہ بتا سکتی ہوں جو بچہ کی پرورش کا کام ہی نہ کر دیں بلکہ پوری دلسوزی سے اسے انجام دیں۔ وہ لوگ تو دل سے یہی چاہتے تھے فوراً راضی ہو گئے۔ والدۂ موسیٰ ایک اجنبی دایہ کی حیثیت سے بلائی گئیں۔ رضاعت شروع کی۔ کبھی اپنے گھر لاتیں، کبھی محل میں جا رکھتیں۔ روایاتِ یہود کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ و۱۴ (مشاہدہ و معائنہ کے مرتبہ میں) فَرَدَدْنٰهُ یعنی واپس پہنچا دیا، اپنے وعدہ کے مطابق۔ تَقَرَّ عَيْنُهَا یعنی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اپنی اولاد کو دیکھ کر۔ اور یہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ والدۂ موسیٰ نے اس ارضاع کی اجرت بھی لی تھی تو اپنے کو اجنبی اور انجان ظاہر کرنے کے بعد بھی بالکل قرین قیاس یہی ہے۔ رہا اس پر یہ فقہی شبہ کہ واجب پر تو اجرت جائز ہی نہیں۔ سو اس کے متعدد جوابات ممکن ہیں۔ اول تو یہ کیا ضرور ہے کہ فقہ اسرائیلی میں بھی یہ جزئیہ موجود ہو۔ اور پھر حربی کا مال اس کی رضامندی سے لینا، خواہ کسی طریق سے بھی ہو، ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔ ان کے علاوہ یہاں ضرورت و مصلحت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ و۱۵ تعریض ہے کافروں پر کہ ان بدبختوں کو وعدۂ الٰہی پر بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ ذرا سی دیر لگی، یا درمیان میں کوئی پیچ پڑا اور یہ بدعقیدہ ہو جاتے ہیں۔ و۱۶ یعنی فہم سلیم و عقل مستقیم بطور مقدمۂ نبوت کے۔ حضرت موسیٰ ابھی تک نبی نہ تھے، لیکن آثار نبوت سب بیدار ہو چکے تھے۔ اسْتَوٰى یعنی قوائے جسمانی و عقلی پورے بلوغ کو پہنچ لیے۔

و۱۷ یعنی عمل صالح سے فیضان علمی میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ نَجْزِى سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم سے مراد یہاں نبوت نہیں۔ کیونکہ نبوت جزاء اعمال واحسان نہیں، محض خدائے رحمٰن کا فضل خاص ہے (کبیر)

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ

ایک تو ان کی برادری کا تھا اور ایک ان کے مخالفین میں تھا ف۱۸ سو وہ جو ان کی برادری

الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ

کا تھا اس نے ان سے دادخواہی کی اس کے مقابلہ میں جو ان کے مخالفین میں تھا، سو موسیٰ نے اس کو

مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ

گھونسا مارا پس اس کا کام تمام کر دیا ف۱۹ (موسیٰ) بولے یہ تو شیطانی حرکت

الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ

ہوگئی بے شک شیطان کھلا ہوا دشمن بہکا دینے والا ہے ف۲۰ عرض کیا اے میرے پروردگار

اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ

مجھ سے قصور ہوگیا ف۲۱ سو تو بخش دے، پھر (اللہ نے) انہیں بخش دیا، بیشک وہ تو ہی ہے

الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ

بڑا بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا (موسیٰ نے) عرض کی اے میرے پروردگار تو نے مجھ پر (بڑے بڑے) انعامات کیے ہیں،

فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصْبَحَ فِي

سو میں بھی مجرموں کی مدد نہ کروں گا ف۲۲ پھر (موسیٰ کو) شہر میں

الْمَدِيْنَةِ خَآىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ

صبح ہوئی خوف و اندیشہ کی حالت میں کہ اتنے میں وہی جس نے کل ان سے مدد چاہی تھی ف۲۳

بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ۭ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ

(آج پھر) اسے پکار رہا ہے (موسیٰ نے) اس سے کہا تو بھی

لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ

بڑا ہی بد راہ ہے ف۲۴ پھر جب (موسیٰ نے) اس پر ہاتھ بڑھایا جو

ف۱۸ یعنی ایک اسرائیلی (سبطی) تھا اور ایک مصری (قبطی) اَلْمَدِيْنَةَ شہر سے مراد مصر کا قدیم شہر ممفس ہے اور توریت میں یہ نام موف کر کے آتا ہے اور ہمارے ہاں کی قدیم روایات میں منف کر کے۔ موجودہ دارالسلطنت شہر قاہرہ سے کوئی ۱۲ میل جنوب میں واقع تھا۔ اور اپنے زمانہ کا بڑا نامور شہر تھا۔ اب موقع مطرا ینہ اسی جگہ پر ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا۔ یعنی لوگ بے خبر پڑے سو رہے تھے۔ وقت غالباً دوپہر کا تھا۔ ف۱۹ حضرت موسیٰ نے پایا کہ مصری ظالم تھا اور اسرائیلی مظلوم آپ نے گھونسا محض رفع ظلم کے لیے تادیباً مارا۔ اور یہ محض اتفاق تھا کہ اس سے وہ مصری مر گیا۔ توریت میں یہ حکایت یوں درج ہے:۔ "جب موسیٰ بڑا ہوا تو اپنے بھائیوں کے پاس باہر گیا اور ان کی مشقتوں کو دیکھا اور دیکھا کہ ایک مصری ایک عبرانی کو جو اس کے بھائیوں میں سے ایک تھا مار رہا ہے۔ پھر اس نے ادھر اُدھر ہر طرف نظر کیا اور دیکھا کہ کوئی نہیں، تب اس مصری کو مار ڈالا۔ اور ریت میں چھپا دیا" (خروج۔ ۲: ۱۱ و ۱۲) یہ قتل نہ عمداً تھا نہ ظلماً محض خطأً تھا اور قتل خطا تو معصیت یوں ہی نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ جب مقصود اس سے اصلاح وخیر اور ایک مظلوم کی نصرت ورہائی ہو۔ یہ قتل ایسا ہی ہے جیسا ہماری شریعت میں کسی مجرم پر حد یا تعزیر جاری ہو اور وہ اتفاقاً اسی میں مر جائے تو نہ قاضی پر گناہ ہوگا نہ جلاد پر۔ ف۲۰ یعنی شیطان کا کام ہی انسان کو بہکانا، غلطیوں میں مبتلا کرنا ہے۔ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔ اس فرعونی کا قتل اس کے حربی ہونے کی بنا پر تو یوں ہی مباح تھا اور حق العبد نہ تھا۔ پھر قتل عمد نہیں قتل خطا تھا اور مقصود اس سے تادیب تھی۔ لیکن موسیٰ پیمبر تھے کمالِ خشیت سے خلافِ اولیٰ کو بھی گناہ قرار دیا (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) هٰذَا یعنی یہ قتل جو بالکل بے ارادہ عمل میں آ گیا۔ اشارة الى القتل الحاصل بغير قصد (مدارک) ف۲۱ (اور جو نتیجہ میں نہیں چاہتا تھا وہ نکل آیا) ظَلَمْتُ نَفْسِيْ۔ حضرت کا اپنی زبان سے یہ ادا کرنا ہرگز اثباتِ جرم کے مرادف نہیں۔ یہ تو کاملین کی عام عادت ہی ہوتی ہے کہ اپنی خفیف سی بے احتیاطی کو بھی گویا خطا ولغزش کا ایک پہاڑ بنا کر پیش کرتے ہیں انما عدهٗ من عمل الشيطان و سماه ظلما و استغفر منه على عادتهم في استعظام محقرات فرطت منهم (بیضاوی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ نے تو محض رفع ظلم چاہا تھا، قتل بلا قصد واقع ہو گیا۔ آپ کو بعد تامل معلوم ہوا کہ رفع ظلم دوسرے طریق سے بھی ممکن تھا جو قصد کے وقت سمجھ میں نہ آیا بس اس لیے آپ نے استغفار فرمایا۔ اس سے چند مسئلے ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ کاملین سے بھی بعض طبعیات مثلاً غضب کا صدور ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے حسنات الابرار سیئات المقربین اور یہاں وہ حسنہ دفع ظلم تھا تیسرے یہ کہ کاملین کو خشیت دوسروں سے کہیں زائد ہوتی ہے۔ ف۲۲ "یہاں مجرمین سے مراد وہ ہیں جو دوسروں سے گناہ کا کام کرانا چاہیں کیونکہ گناہ کسی سے کرانا یہ بھی جرم ہے۔ بس اس میں شیطان بھی داخل ہو گیا کہ وہ گناہ کراتا ہے اور گناہ کرنے والا اس کی مدد کرتا ہے خواہ عمداً یا خطأً" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) حضرت موسیٰ کو اس مغفرت ومغفوریت کا حال بطریق الہام معلوم ہو گیا تھا۔ جیسا کہ ہر ولی اللہ کو مکشوف ہو سکتا ہے۔ ف۲۳ (اور اس وقت کسی اور سے الجھ رہا تھا) يَتَرَقَّبُ یعنی آپ کو برابر یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں مصری پولیس گرفتار کرنے نہ آ رہی ہو۔ حضرت موسیٰ اس وقت تک نبی نہیں ہوئے تھے لیکن اگر ہوتے بھی تو طبعی خوف واندیشہ کسی بھی مرتبۂ کمال کے منافی نہیں۔ خَآىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو لوگ مطلقاً غیر اللہ کے خوف کو ناجائز بتاتے ہیں۔ یہ آیت ان کے خیال کی بالکل تردید کر رہی ہے۔ فيه دليل على انه لا باس بالخوف من دون الله بخلاف ما يقوله بعض الناس انه لا يسوغ الخوف من دون الله (مدارک) ف۲۴ (کہ روز ہی لوگوں سے الجھتا رہتا ہے) حضرت موسیٰ کو کل کی بات یاد آ گئی۔ اسی پر آپ کو ناخوشی پیدا ہوئی۔ توریت میں ہے:۔ "اور جب وہ دوسرے دن باہر گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ دو عبرانی آپس میں جھگڑ رہے ہیں، تب اس نے اس کو جو ناحق پر تھا کہا کہ تو اپنے یار کو کیوں مارتا ہے؟" (خروج۔ ۲: ۱۳)

هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ

ان دونوں کا مخالف تھا ف۲۵ تو وہ (اسرائیلی) بول اٹھا کہ اے موسٰی کیا اب مجھے قتل کرنا چاہتے ہو

كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ

جیسا کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو بس تم دنیا میں

تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ

اپنا زور بٹھانا چاہتے ہو اور (صلح و) اصلاح

الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ

نہیں چاہتے ف۲۶ اور ایک شخص شہر کے کنارہ سے ف۲۷ دوڑتا ہوا

يَسْعٰى ۫ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ

آیا کہنے لگا اے موسٰی اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں

لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾

کہ آپ کو قتل کر دیں ف۲۸ سو آپ چلے جائیے میں آپ کا بڑا خیر خواہ ہوں،

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ

سو موسٰی وہاں سے نکل کھڑے ہوئے خوف و اندیشہ کے ساتھ ف۲۹ بولے اے میرے پروردگار مجھے

مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ

ظالم لوگوں سے بچا لیجیے ف۳۰ اور جب (موسٰی) مدین کی طرف ہو لئے

قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾

تو بولے کہ امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھی راہ پر چلا دے ف۳۱

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ

اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو اس پر آدمیوں کا ایک مجمع

ع ۲ ۸ ۵

ف۲۵ (کہ اس کو ظلم و زیادتی سے روک دیں) مراد فرعونی ہے۔ جو حضرت موسٰی اور اس اسرائیلی فریادی دونوں کا مخالف تھا۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ کاملین جس طرح دشمن پر سیاست کرتے ہیں دوست پر بھی کرتے ہیں۔ جیسا جس کے حال کا مقتضا ہوا۔ چنانچہ یہاں آپ نے قول سے سیاست سبطی کی فرمائی اور ارادہ بطش سے قبطی کی۔ غرض ان میں عدل کامل ہوتا ہے۔ عصبیتِ قومی نہیں ہوتی۔ ف۲۶ وہ اسرائیلی جس پر ابھی ڈانٹ پڑ چکی تھی قدرۃً یہ سمجھا کہ اب کہ وار مجھ پر ہو گا۔ یہ سمجھ کر چلا اٹھا۔ بس اسی سے شہر میں خبر پھوٹ گئی۔ توریت میں ہے:۔ "وہ بولا کہ کس نے تجھے ہم پر حاکم یا منصف مقرر کیا ہے آیا تو چاہتا ہے کہ جس طرح تو نے اس مصری کو مار ڈالا، مجھے بھی مار ڈالے۔ (خروج۔ ۲:۱۴) ف۲۷ یعنی بڑے فاصلہ پر اس مقام سے جہاں شاہی کمیٹیاں منعقد ہوتی رہتی تھیں۔ رَجُلٌ یہ شخص حضرت موسٰی کا مومن مخلص تھا۔ ف۲۸ یعنی سرکاری کمیٹی میں گفتگو اس موضوع پر ہو رہی ہے کہ آپ کو اس مصری کے قتل کے جرم میں قتل کیوں نہ کر دیا جائے۔ توریت میں ہے:۔ جب فرعون نے یہ سنا تو چاہا کہ موسٰی کو قتل کرے۔" (خروج۔ ۲:۱۵) ف۲۹ توریت میں ہے:۔ "تب موسٰی ڈرا اور کہا کہ یقیناً یہ بھید فاش ہوا"۔ (خروج۔ ۲:۱۴) کاملین یہاں تک کہ انبیاء کے لیے بھی یہ ہرگز ضروری نہیں کہ امور طبعیہ میں وہ عام انسانوں سے الگ ہوں۔ فَخَرَجَ مِنْهَا ظاہر ہے کہ اب حضرت موسٰی کے لیے مملکت مصر میں کہیں بھی ٹھہرنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ جائے امن اب آپ کے لیے حدود مصر سے باہر ہی ہو سکتی تھی۔ مِنْهَا یعنی اس شہر سے۔ اے من المدینۃ (بیضاوی) ف۳۰ (اور امن کی جگہ پہنچا دیجئے) انبیاء اپنا تعلق ہر حال میں اللہ سے جوڑے رکھتے ہیں۔ ہجرت اس ملک سے خود کر رہے ہیں لیکن دعا حق تعالٰی سے کرتے جاتے ہیں۔ ف۳۱ (چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ مدین پہنچ گئے) مدین پر حواشی پہلے گزر چکے۔ سورۃ الاعراف (پ۸) وغیرہ میں — ملزم کی تلاش میں سڑکوں کی ناکہ بندی ہو چکی تھی۔ اس لیے آپ جنگل بیہڑ ہوتے ہوئے چلے۔

النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۟ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ

دیکھا پانی پلاتے اور ان لوگوں سے ایک طرف دو عورتیں دیکھیں

تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى

کہ وہ (اپنے جانور) روکے کھڑی ہیں و۳۲ پوچھا تمہارا کیا مقصود ہے؟ دونوں بولیں ہم پانی نہیں پلاتے جب تک

يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا

(یہ) چرواہے (اپنے جانوروں کو) ہٹا کر نہیں لے جاتے، اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں، و۳۳ پس (موسیٰ نے) ان

ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ

کے لیے پانی پلا دیا پھر ہٹ کر سایہ میں آ گئے اور عرض کی کہ اے میرے پروردگار تو جو نعمت بھی مجھے دے دے

مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى

میں اس کا حاجت مند ہوں و۳۴ پھر ان دو میں سے ایک لڑکی موسیٰ کے پاس آئی کہ شرماتی ہوئی

اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ

چلتی تھی بولی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تاکہ تم کو اس کا

اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَيْهِ

صلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر پانی پلا دیا تھا و۳۵ پھر جب ان کے پاس پہنچے اور ان سے حالات

الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ

بیان کیے تو انہوں نے کہا خوف مت کرو (اب) تم ظالم لوگوں سے

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ

بچ آئے و۳۶ (پھر) ان دو میں سے ایک لڑکی بولی اے ابا ان کو نوکر رکھ لیجیے کیونکہ

خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْۤ

اچھا نوکر وہی ہے جو قوت دار ہو، امانت دار ہو و۳۷ وہ بولے میں

۳۲ (وہ مردوں کے مجمع میں گھسی نہیں پڑتیں) مَآءَ مَدْيَنَ سے مراد شہر مدین کا کنواں ہے۔ قدیم تہذیب و تمدن میں کنوؤں کو بڑی اہمیت اور مرکزیت حاصل تھی۔ جس کا کچھ نمونہ آج بھی دیہات میں ظر آجاتا ہے۔ یہ دونوں نوجوان لڑکیاں شہر کے رئیس و چودھری اور اللہ کے پیمبر حضرت شعیب علیہ السلام کی تھیں۔ توریت میں ان کا نام رعاایل آیا ہے۔ اور اس موقع پر توریت کا بیان حسبِ ذیل ہے۔ ''موسیٰ رعون کے حضور سے بھاگا۔ اور مدیان کی زمین میں گیا اور ایک کنوئیں کے نزدیک بیٹھا اور مدیان کے کاہن کی سات بیٹیاں تھیں وہ آئیں اور پانی نکالنے لگیں اور کٹھروں کو بھرا تا کہ اپنے باپ کے گلے کو پانی لاویں''۔ (خروج۔ ۲:۱۶) قدیم تمدن میں اونچی اونچی شریف زادیوں کا بھی کنوئیں پر جا کر پانی بھرنا یا جانوروں کا پانی پلانا خلاف دستور نہ تھا۔ باہر نکلنا تو ہماری شریعت میں بھی جائز ہے بشرطیکہ حیاء و ردہ داری کے ساتھ ہو۔ تَذُوْدٰنِ اس میں خود اس طرف اشارہ ہو گیا کہ دونوں صاحبزادیاں الگ حیاء و تہذیب کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ مردوں کے مجمع میں گھسی نہیں پڑتی تھیں۔ و۳۳ (سووہ خود تو آنے سے معذور ہیں اور یہ کام ہمیں کو کرنا پڑتا ہے لیکن ہم اپنی طرف سے اتنی احتیاط رکھتے ہیں کہ اپنے جانوروں کو مردوں کے مجمع سے الگ کیے کھڑے رہتے ہیں۔ جب مردوں کا مجمع رخصت ہو لیتا ہے جب جا کر ہم اپنے جانوروں کو پانی پلاتے ہیں) شریف زادیوں کی یہ غیرت و حیاداری کتنی سبق آموز ہے۔

و۳۴ حضرت موسیٰ کا طویل سفر کے بعد بھوکا پیاسا، تھکا ماندہ ہونا بالکل قدرتی تھا۔ آپ سایہ میں آ کر بیٹھ گئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے رزق کے لیے دعا کی۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے حاجت صرف بقدر ایک کفِ دست کے بیان فرمائی تھی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر اس پر دلالت کرتی ہے کہ کاملین کی شان اپنی ہر حاجت قلیل و کثیر کا حق تعالیٰ کے سامنے ظاہر کرنا ہے۔ بخلاف مدعیان زہد کے جو حق تعالیٰ کی نعمتوں سے استغناء بلکہ نفرت ظاہر کیا کرتے ہیں۔ فَسَقٰى لَهُمَا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے ان عورتوں کی خاطر ان کے جانوروں کو پانی بھر کر پلا دیا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں دلالت ہے اس پر کہ کاملین کو خدمت خلق سے عار نہیں ہوتی۔ توریت میں ہے:۔ وہ آئیں اور پانی نکالنے لگیں اور کٹھروں کو بھرا تا کہ اپنے باپ کے گلے کو پانی پلا دیں۔ تب گڈریوں نے آ کے انہیں ہانکا۔ لیکن موسیٰ نے کھڑے ہو کر ان لڑکیوں کی مدد کی اور ان کے گلے کو پانی پلایا''۔ (خروج۔ ۲:۱۶، ۱۷) تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ یہاں یہ جتا دیا کہ حضرت موسیٰ دھوپ کے وقت سایہ کے بھی محتاج تھے۔ — کمال یہ ہرگز نہیں کہ کوئی بشر لوازمِ بشریت مثلاً بھوک، پیاس، گرمی، سردی کے احساس سے بے نیاز ہو جائے۔ رَبِّ...... فَقِيْرٌ کامل سے کامل بندے یہاں تک کہ انبیاء اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے مستغنی نہیں ہوتے۔ بھوک کے وقت للک کر اس کے لیے دعائیں، آرزوئیں کرتے ہیں۔ و۳۵ ادھر حضرت موسیٰ نے کھانے پینے کے لیے خدا سے دعا کی، ادھر یہ ہوا کہ لڑکیاں جو آج خلافِ معمول سویرے واپس آ گئیں تو حضرت شعیب نے سبب دریافت کیا۔ لڑکیوں نے اصل ماجرا سنا دیا۔ حضرت کی شرافت کب اسے گوارا کر سکتی تھی کہ ایسے محسن کو یوں ہی بالا بالا چلا جانے دیتے لڑکی کو بھیج اپنے گھر بلوایا کہ کچھ تو حق میزبانی کا ادا کریں۔ توریت میں ہے:۔ ''اور جب وہ اپنے باپ رعاایل کے پاس آئیں اس نے پوچھا کہ آج تم کیونکر سویرے پھریں؟ وہ بولیں ایک مصری نے ہمیں گڈریوں کے ہاتھ سے بچایا اور ہمارے لیے جتنا کافی تھا پانی بھرا۔ اور گلے کو پلایا۔ اس نے اپنی بیٹیوں سے کہا کہ وہ مرد کہاں ہے؟ تم اسے کیوں چھوڑ آئیں؟ اسے بلاؤ کہ روٹی کھاوے''۔ (خروج۔ ۲:۱۸۔۲۰) تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ میں صاف دلالت اس امر پر ہے کہ شریف زادیوں کے لیے چنچل مٹک، تیزی طراری نہیں، بلکہ غیرت و حیاء لجانا اور شرمانا امر طبعی ہے۔ تَذُوْدٰنِ۔ لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ۔ اور پھر اب تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ عورت کے لیے اگر غیرت و حیاداری اس درجہ میں مطلوب و مقصود نہیں تو آخر قرآن کو بار بار ان تصریحات کی ضرورت کیا تھی۔ اِحْدٰىهُمَا۔ ان صاحبزادی کا نام بی بی صفورہ تھا۔ روایاتِ اسلامی میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ جب روانہ ہوئے تو ان سے کہا کہ تم میرے پیچھے ہو جاؤ۔ میں پسند نہیں کرتا کہ نامحرم پر بلا ضرورت نظر بلا قصد بھی پڑے۔ و۳۶ (یہاں فرعون مصر کا حکم نہیں چلتا) مدین حدودِ مصر سے باہر تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان صاحبزادی کی زبان سے لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا سن کر چلا آنا اس پر دال ہے کہ اگر عمل بقصدِ عوض نہ ہو پھر بعد عمل کچھ عوض قبول کر لیا جائے تو یہ منافی اخلاص نہیں۔ و۳۷ یعنی جس کے قوائے جسمانی بھی اچھے ہوں، محنت سے اپنے کام انجام دے سکے اور اخلاقی صفات سے بھی متصف ہو۔ خدمت کی بجا آوری میں خیانت و بد دیانتی سے کام نہ لے۔ بی بی صاحبہ کو حضرت

أُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ
چاہتا ہوں کہ میں اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک تمہارے نکاح میں دے دوں اس شرط پر کہ
تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ
تم آٹھ سال میری نوکری کرو ف۳۸ اور اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے
عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْٓ
(احسان) ہے اور میں تم پر کوئی سختی نہیں چاہتا تم انشاءاللہ
اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ
مجھ کو خوش معاملہ پاؤ گے ف۳۹ (موسیٰ نے) کہا تو یہ بات میرے
وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ
اور آپ کے درمیان ہو گئی، میں ان دونوں میں سے جو مدت بھی پوری کر دوں مجھ پر کوئی جبر
عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع فَلَمَّا قَضٰى
نہ ہو گا، اور ہم جو کچھ کہہ (سن) رہے ہیں اللہ اس کا گواہ ہے ف۴۰ پھر جب موسیٰ اس مدت کو
مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ
پورا کر چکے اور اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ ہوئے ف۴۱ تو انہوں نے طور کی طرف
الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا
ایک آگ دیکھی ف۴۲ اپنے گھر والوں سے بولے کہ تم (یہیں) ٹھہرو میں نے تو آگ دیکھ لی ہے۔
لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ
شاید میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا آگ کا (کوئی) انگارا ہی لیتا آؤں
لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ
تاکہ تم سینک کر لو ف۴۳ سو جب وہ اس آگ کے پاس پہنچے تو انہیں آواز آئی،

ف۳۸ (اوراس نوکری کا بدل وہی نکاح ہے) یعنی آٹھ سال کی خدمت اس نکاح کا مہر قرار پایا۔ کسی مدت معینہ تک مویشیوں کی چرائی کا مہر مقرر ہو جانا فقہ اسلامی میں بھی جائز ہے۔ ''یہ بکریاں اگر ان صاحبزادی کی تھیں تب تو ان کا مہر ادا کیا جانا ظاہر ہے۔ اور اگر باپ کی تھیں تو بالغہ کی رضا سے ایسا معاملہ اس شریعت میں بھی جائز ہے''۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۳۹ حضرت شعیب نے فرمایا کہ تمہاری خوشی ہو تو تم دس برس رہ جانا، اس میں میری طرف سے کوئی جبر یا اصرار نہیں۔ میں تو کام کی تعداد، وقت کی پابندی وغیرہ ہر معاملہ میں تمہاری سہولت کو مدنظر رکھوں گا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ نوکری یا مزدوری یا دوسرے اسباب معاش منافی توکل نہیں۔ ف۴۰ حضرت موسیٰ نے کہا تو اچھا یہ معاملہ میرے آپ کے درمیان پختہ ہو گیا۔ خدائے حاضر و ناظر اس معاہدہ کا گواہ ہے۔ ف۴۱ (مصر کی طرف) اپنی مدت مقرر بسر کر کے حضرت موسیٰ مع اہل و عیال اب اپنے وطن مصر کو روانہ ہوئے ہیں۔ بِاَهْلِهٖ توریت میں تصریح ہے کہ ساتھ میں آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت صفورہ تھیں اور ان کے دونوں بچے تھے۔ (خروج۔ ۴: ۲۰) نیز ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ف۴۲ یعنی ایسی روشنی جسے وہ آگ سمجھے اور آگ ہی وہ معلوم ہوتی بھی تھی۔ ف۴۳ رات اندھیری تھی اور سردی کا موسم۔ راستہ بھی یہ چھوٹا سا قافلہ بھول گیا تھا۔ آگ کی روشنی آبادی کی علامت تھی۔ مفصل حاشیے سورۃ طٰہٰ پ ۱۶ میں گزر چکے، نیز سورۃ النمل پ ۱۹ میں۔

شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ

اس میدان کے داہنی جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت

الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٣٠

سے کہ اے موسیٰ یہ تو میں ہوں اللہ پروردگار عالم۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ

اور یہ بھی کہ تم اپنا عصا ڈال دو پھر جب انہوں نے اسے لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا (تیز) سانپ

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ

تو وہ پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا (حکم ہوا) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت۔

اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝٣١ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ

تم (ہر طرح) امن میں ہو ف۴۴ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو

تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ؗ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ

وہ روشن ہو کر نکلے گا بغیر کسی مرض کے اور خوف (رفع کرنے) کے واسطے

جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ

اپنا بازو پھر اپنے سے ملا لینا ف۴۵ سو یہ دو سندیں ہیں تمہارے

رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا

پروردگار کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس (جانے کے لئے) بے شک وہ بڑے نافرمان

فٰسِقِيْنَ ۝٣٢ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا

لوگ ہیں، (موسیٰ نے) عرض کیا اے میرے پروردگار میں نے ان میں سے ایک شخص کا خون کر دیا تھا

فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝٣٣ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ

سو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے ف۴۶ اور میرے بھائی ہارون کہ وہ مجھ سے زیادہ

ف۴۴ (اور یہ تو تمہارا معجزہ ہے) الْوَادِ الْاَيْمَنِ۔ میدان کی داہنی جانب۔ حضرت موسیٰ کی بھی داہنی جانب تھی۔ سارے واقعہ پر مفصل حاشیے سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکے، نیز سورۃ النمل پ۱۹، سورۃ الاعراف پ۸ میں۔ اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ کے ساتھ صفت رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کا اضافہ اس حقیقت کو اور مؤکد و مصرح کر رہا ہے کہ جو سارے عالم کا مالک و حاکم ہے وہ کسی محدود جگہ کے اندر گھر کیونکر سکتا ہے؟ وَلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ۔ سانپ، شیر وغیرہ زہریلے اور خطرناک جانوروں سے ڈرنا بالکل ایک امر طبعی ہے، اور بڑے سے بڑے کمالات ولایت، یہاں تک کہ نبوت کے بھی منافی نہیں۔ اور حضرت کلیم اللہ کا یہ خوف تمامتر خوف طبعی ہی تھا۔ آیت سے ضمناً اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ جاتی ہے کہ معجزہ تمامتر ایک فعل خداوندی ہوتا ہے، پیمبر اس کا صرف واسطہ ہوتا ہے پیمبر کو اس معجزہ کی تکوین میں مطلق دخل نہیں ہوتا۔ ورنہ کم از کم اپنے معجزہ سے تو حضرت کلیم اللہ خوف نہ کھاتے۔ ف۴۵ (جس سے ہاتھ اپنے اصلی رنگ پر لوٹ آئے گا اور یہ تمہارا طبعی خوف بھی جاتا رہے گا)۔ وَاضْمُمْ اِلَيْكَ الخ کی تعبیر و تقریر میں ائمہ مفسرین کو اشکالات پیش آئے ہیں یہاں ترجمہ و تقریر میں مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کی گئی ہے جو بالکل بے تکلف و بے غبار ہے۔ عصا کے بعد یہ ذکر دوسرے معجزہ ید بیضا کا ہے۔ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ۔ یہ تصریح توریت مروجہ کی تغلیط کے لیے ہے، جس کا بیان ہے کہ نعوذ باللہ آپ کو برص کا مرض تھا۔ (حاشیے سورۂ طٰہٰ وغیرہ میں گزر چکے) بُرْهَانٰنِ۔ یعنی سندیں اور دلیلیں جو مشرکوں کے بھی سمجھ میں آجائیں۔ ف۴۶ (اسی خون کے عوض میں، اور آگے کچھ میری سنیں ہی نہیں) فرعون کے سلسلہ میں یہ خوب ذہن نشین رہے کہ وہ ایک خود مختار، مطلق العنان جابر بادشاہ تھا۔ اس کے فیصلے کے خلاف اپیل کی کہیں گنجائش نہیں تھی۔ وہ اپنے اختیارات سے سب کچھ کر سکتا تھا۔ یہ مضمون بھی اوپر کئی بار آچکا ہے۔

مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۫ اِنِّيْٓ

خوش بیان ہیں انہیں بھی میرے ساتھ رسالت دے دیجیے مددگار بنا کر کہ وہ میری تصدیق کرتے رہیں، ف۴۷ مجھے

اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ

اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب بھی کریں گے (اللہ نے) فرمایا ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہاری قوت بازو

بِاَخِيْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ

بنائے دیتے ہیں اور ہم تم دونوں کو ایک شوکت (خاص) عطا کرتے ہیں، سو انہیں تم دونوں

اِلَيْكُمَا ۚۛ بِاٰيٰتِنَآ ۚۛ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

پر دسترس نہ ہوگی، ہمارے نشان لے کر جاؤ تم دونوں اور جو تمہارے پیرو ہوں گے غالب رہیں گے

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ

پھر جب موسٰی ان کے پاس ہمارے کھلے ہوئے نشان لے کر آئے ف۴۸ تو وہ بولے کہ یہ تو ایک

اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا

بس گڑھا ہوا جادو ہے اور ہم نے ایسی بات اپنے اگلوں باپ دادوں کے وقت تو

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَ قَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ

سنی نہیں ف۴۹ اور موسٰی نے کہا کہ میرا پروردگار خوب جانتا ہے اس کو جو

بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ

(دین) ہدایت لے کر اس کے پاس سے آیا ہے اور جس کو آخرت کا گھر ملنے والا ہے

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا

بے شک ظالم (کبھی) فلاح نہ پائیں گے ف۵۰ اور فرعون نے کہا اے

الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ

سردارو، مجھ کو تو اپنے سوا کوئی تمہارا معبود معلوم نہیں ف۵۱

معانقة ۱۱

ف۴۷ (اور گفتگو و مناظرہ کے لیے روانیٔ زبان و فصاحتِ بیان کی ضرورت بہت پڑا کرے گی) ھٰرُوْنُ اور ھُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ پر بھی حاشیے سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں گزر چکے۔ رِدْاً۔ ردء وہ چیز ہے جس کا سہارا لیا جائے۔ یہاں مراد مددگار ہے۔ معینا و ھوفی الاصل اسم مایعان بہ (بیضاوی) الردء الذی یتبع غیرہٗ معینا لہٗ (راغب) ف۴۸ معجزات و دلائل وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا۔ یہ یاد کر لیجیے کہ موسٰی و ہارون علیہما السلام دونوں محکوم قوم اور رعایا کے فرد تھے اور ان کا مقابلہ ایسے بادشاہ خود مختار سے ہو رہا تھا جس کی زبان خود ہی قانون تھی۔ اور جو ملک میں مطاعِ مطلق ہی کی حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ ملک کی اکثریت کے عقیدہ میں معبود و الٰہ (سب سے بڑے دیوتا کا اوتار) بھی تھا! اس استحضارِ حقیقت کے بعد اس رعب نبوت کی پوری قدر ہوگی۔ فرعون تو فرعون، اس کے درباری اور ارکانِ حکومت تک موسٰی اسرائیلی و ہارون اسرائیلی کی حقیقت کیا سمجھتے تھے اور اپنے کو ان کے پیس ڈالنے کے لیے کافی سمجھ رہے تھے۔ فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا اسی رعب خداداد کا یہ نتیجہ تھا کہ بڑے بڑے ہیکڑوں میں سے کوئی آپ دونوں پر دسترس نہ پا سکا۔ بِاٰيٰتِنَا۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ اِذْهَبَا بِاٰيٰتِنَا۔ ف۴۹ مصری قوم شرک در شرک میں مبتلا، عقیدۂ توحید و نبوت سے سرے سے نا آشنا تھی۔ پیام موسوی سن کر اور دلائل سے واقف ہو کر اور معجزات کے مشاہدہ ہونے کے بعد بولی کہ یہ تو محض ایک ساحرانہ کارروائی ہے اور اسے دل سے گڑھ کر خدا کی جانب منسوب کیا جا رہا ہے۔ ف۵۰ حضرت موسٰی نے منکروں کی ہٹ دھرمی دیکھ کر آخر میں عاجز آ کر کہا کہ خیر آج میری نہیں سنتے ہو تو نہ سنو اللہ کو تو خوب معلوم ہے کہ راہِ ہدایت پر کون ہے اور ظالم کون؟ عاقبت بخیر کس کی ہونا ہے اور محروم الفلاح کون؟ عَاقِبَةُ الدَّارِ۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ العاقبة المحمودة فی الدار الأخرة (جلالین) ف۵۱ میں ہی تمہارا اصلی اور قدیمی دیوتا ہوں۔ میری ہی پوجا تمہارے باپ دادا ہمیشہ سے کرتے چلے آتے ہیں تو اب یہ نیا نام کس خدا کا سننے میں آ رہا ہے۔ فراعنۂ مصر کی نسل مصریوں کے عقیدہ میں خدائی اوتار تھی اور بادشاہ سب سے بڑے دیوتا سورج کا زندہ نمائندہ ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو سورۃ الشعراء (پ۱۹) میں آیہ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ پر حاشیہ۔ [illegible]ز انگریزی تفسیر القرآن۔

يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ

تو اے ہامان و۵۲ میرے لئے مٹی کو آگ میں پکا پھر

اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ

میرے واسطے ایک بلند عمارت بناؤ تا کہ میں موسٰی کے خدا کو دیکھوں اور میں تو موسٰی کو جھوٹا ہی

الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ

سمجھتا ہوں و۵۳ اور فرعون اور اس کے تابعین نے ناحق ملک میں اپنا سر

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

اٹھا رکھا تھا اور یہ سمجھ رکھا تھا کہ انہیں ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں ہے و۵۴

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ

سو ہم نے اس کو اور اس کے تابعین کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا سو دیکھئے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً

ظالموں کا کیا انجام ہوا و۵۵ اور ہم نے انہیں (ایسا) پیشوا بنا دیا تھا

يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

جو (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے رہے، اور قیامت کے دن کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا و۵۶

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور دنیا میں بھی ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی و۵۷ اور قیامت کے دن بھی

هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

وہ بدحال لوگوں میں ہوں گے اور بالیقین ہم نے موسٰی کو کتاب دی تھی

مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ

اگلی امتوں کے ہلاک کیے پیچھے جو لوگوں کے لئے ذریعہ تھی

و۵۲ ہامان پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا نمبر ۴ یہاں بھی سیاقِ کلام سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ ہامان کسی اعلیٰ ترین عہدہ دار کا سرکاری لقب ہے۔ و۵۳ حق تعالیٰ گویا یہاں اور اور کہیں بھی نہیں ہے۔ بلکہ مجسم ہو کر آسمان پر بیٹھا ہوا ہے، اور اس تک رسائی کسی بڑی اونچی سیڑھی سے چڑھ کر یا فضا میں اڑ کر ممکن ہے۔ یہ عقیدہ آج بھی بہت سی قوموں کے عوام ہی میں نہیں، خواص میں بھی شائع ہے۔ چنانچہ ابھی چند ہی سال ہوئے سوویٹ روس سے اطلاع آئی تھی کہ دو ملحد ہوابازوں نے اپنا بیان شائع کیا ہے کہ ہم اتنا اونچا اڑ آئے، ہمیں تو کہیں خدا نظر نہیں آیا۔ مصری خاص طور پر اسی قسم کے شرک میں مبتلا تھے۔ فرعون نے انہیں عقائد و خیالات کے ماتحت ایک ان دیکھے خدا کے وجود کو باطل ثابت کرنے بلکہ اس کا مضحکہ کرنے کو یہ اپج کرلی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ اَوْقِدْ لِيْ...... عَلَى الطِّيْنِ۔ قرآن یہاں فرعون کی زبان سے یہ بھی کہلا سکتا تھا کہ "ہامان، میرے لیے پتھر کی عمارت تیار کر"۔ یا اینٹ پتھر وغیرہ کسی چیز کی تصریح ہی نہ کرتا۔ لیکن نہیں۔ قرآن کو تو علم صحیح کی بے شمار مثالوں میں سے ایک اور مثال پیش کرنی اور اپنے دعوائے اعجاز پر ایک اور دلیل قائم کرنی تھی۔۔۔ مصری قوم اینٹوں ہی کے کام کے لیے مشہور تھی یہاں تک کہ اس کی مشہور شاہی عمارتیں بھی پتھر کی نہیں، اینٹ ہی کی ہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ و۵۴ یہ فرعونیوں کے عام فسق اعمال و فساد عقائد کا بیان ہے۔۔۔ یوں بھی روزِ جزا کا اعتقاد اور پرسش اعمال کا یقین ان کے مذہب میں داخل نہ تھا۔ و۵۵ اس واقعۂ غرقابی کی تفصیل (سورۃ البقرپ ۱) کے علاوہ کئی جگہ گزر چکی۔ و۵۶ اس زندگی میں تو ضلالت کے لیڈر رہے، اور بے شمار مخلوق ان کے اشاروں پر حرکت کرتی رہی۔ قیامت کے روز ایسے بے کس رہ جائیں گے کہ کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔ جَعَلْنٰهُمْ میں حق تعالیٰ کا انتساب فعل اپنی جانب کرنا اپنی تمامتر تکوینی حیثیت سے بطور مسبب الاسباب کے ہے۔ نہ کہ اظہار رضامندی کے لیے۔ و۵۷ چنانچہ آج انہیں اچھا کہنے والا کوئی بھی نہیں، سب کی زبان سے برائی ہی نکلتی ہے۔ لَعْنَةً کے معنی رحمت خداوندی سے مجبوری اور محرومی کے پیشتر بیان ہو چکے ہیں۔۔۔ ان شامت زدوں کا دنیا ہی میں فضلِ خداوندی سے مجبور و محروم ہو جانا ایک مشاہد واقعہ ہے۔

وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ

دانش مندیوں اور ہدایت اور رحمت کی، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ف۵۸ اور آپ (پہاڑ کے)

بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا

مغربی جانب موجود نہ تھے ف۵۹ جب ہم نے موسیٰ کو احکام دیئے تھے اور نہ آپ

كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا

ان لوگوں میں سے تھے جو (اس وقت) موجود تھے ف۶۰ لیکن ہم نے (بہت سی) نسلیں پیدا کیں،

فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ

پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا ف۶۱ اور نہ آپ اہل مدین میں قیام پذیر

مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾

تھے کہ ہماری آیتیں ان لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہوں، لیکن ہم آپ ہی کو رسول بنانے والے تھے ف۶۲

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً

اور نہ آپ طور کے پہلو میں اس وقت موجود تھے، جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی تھی لیکن آپ اپنے

مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ

پروردگار کی رحمت سے (نبی بنائے گئے) تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا

مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْلَآ اَنْ

نہیں آیا، تاکہ وہ لوگ نصیحت قبول کریں ف۶۳ اور (ہم رسول نہ بھی بھیجتے) اگر

تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا

یہ بات نہ ہوتی کہ ان (بدبختوں) پر ان کے کرتوتوں کے سبب کوئی مصیبت نازل ہو جاتی تو یہ کہنے لگتے کہ

رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ

اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیج دیا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرتے

ف۵۸ ”دانشمندیوں اور ہدایت اور رحمت کا ذریعہ“ ہونا یہ سب صفت بیان ہوئی کتاب موسیٰ یعنی توریت کی۔ بَصَآئِرَ۔ هُدًى۔ رَحْمَةً۔ ”طالب حق کی اول فہم درست ہوتی ہے۔ یہ **بصیرت** ہے۔ پھر احکام قبول کرتا ہے، یہ **ہدایت** ہے۔ پھر ہدایت کا ثمرہ یعنی قرب و قبول عنایت ہوتا ہے۔ یہ **رحمت** ہے“۔ (تھانوی رحمہ اللہ علیہ) الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى۔ اگلی امتوں سے مراد اگلے پیمبروں کی نافرمان امتیں ہیں۔ قوم نوح، قوم لوط، قوم ہود، قوم صالح علیہم السلام وغیرہا۔
ف۵۹ جس چوٹی کا نام طور ہے وہ کوہستان سینا کی جانب مغرب میں واقع ہے۔۔۔ مطلب یہ ہوا کہ موسیٰ پر نزولِ وحی و کتاب کے وقت اے رسول آپ وہاں موجود نہ تھے۔ ف۶۰ یعنی یہ امور آپ کو مشاہدہ سے تو معلوم ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ ہماری وحی ہی سے معلوم ہو رہے ہیں۔ نہ آپ کو جسماً وہاں حضوری حاصل۔ نہ یہ چیزیں آپ کے مشاہدہ میں آئیں۔ پھر آپ جو انہیں اتنا صاف و صحیح بتا رہے ہیں تو بجز وحی کے اور کیا ذریعہ ہے؟ ف۶۱ (اور دنیا پھر نئے سرے سے ہدایت کی محتاج ہو گئی) اور خاتم الکتب قرآن کے نزول سے قبل ہر دور میں کچھ کچھ وقفہ کے بعد یہی ہوا بھی کرتا تھا۔ ف۶۲ (اس لیے آپ کو یہ سب صحیح صحیح خبریں وحی سے بتا دیں) مُرْسِلِيْنَ۔ جمع تعظیمی ہے۔۔۔ یا تقدیر کلام یوں رکھی ہے۔ مرسلین فی کل زمانٍ رسولاً (بحر وغیرہ) ف۶۳ (اور آپ کے اس دعوائے نبوت پر دلیل قائم کرنے کو آپ کو یہ تمام علوم صحیح عطا کر دیئے گئے ہیں) قَوْمًا ...... قَبْلِكَ۔ مراد مشرکین عرب ہیں جن کے پاس پشتہا پشت سے کوئی نبی نہیں آیا تھا گو توحید کی تعلیم ان کو بھی بالواسطہ پہنچ چکی تھی۔ ”ان آیات میں اولاً نفی کی گئی حضور عند عطاء التوراۃ کی جس کا وقوع سب کے بعد ہوا۔ پھر نفی کی گئی حضورِ وقتِ قیام مدین کی جو سب سے پہلے واقع ہوا پھر نفی کی گئی حضورِ وقت النداء کی جو درمیان میں واقع ہوئی۔ اس ترتیب بدلنے میں یہ نکتہ ہے کہ ہر موقع میں آپ کا تشریف نہ رکھنا مستقل دلیل ہو صاحب وحی ہونے، ورنہ اگر وقوع کے موافق ذکر میں ترتیب ہوتی تو مجموعہ دلیل واحد سمجھا جاتا۔ اور گو منفی ثانی و ثالث میں ترتیب وقوعی کے موافق ترتیبِ ذکری ہے مگر منفی اول و ثانی میں ترتیب بدلنے سے اشارہ ہو گیا تعددِ دلائل کے قصد کی طرف“ (تھانوی رحمہ اللہ علیہ)

وٰ ٦٤ مطلب یہ ہے کہ یہ تو ان کے حق میں رحمت مزید و عنایت خاص ہوئی کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک رسول بھی آ گیا ورنہ گرفت کے وقت (اور گرفت تو اس لیے ہوتی کہ ان کے کرتوت عقلاً بھی قبیح ہیں) انہیں یہ حسرت بھی رہ جاتی کہ کوئی پیمبر ہمارے پاس کیوں نہ آ گئے، آ جاتے تو ہم ضرور ان کے متبع ہو جاتے۔ لَوْلَا کا جواب محذوف ہے جو قوسین میں بڑھا دیا گیا ہے۔ والمعنی لو لا قولهم

وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ

اور ایمان والوں میں ہوتے وٰ ٦٤ سو جب ان لوگوں کے پاس ہماری طرف سے

مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ

امر حق پہنچا تو یہ کہنے لگے اس رسول کو وہ کیوں نہ ملا جیسا موسیٰ کو ملا تھا

اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا

کیا جو موسیٰ کو ملا تھا اس کے قبل یہ لوگ اس کے منکر نہ ہوئے وٰ ٦٥ یہ لوگ تو کہتے ہیں

سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۟ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ

کہ دونوں جادو ہیں ایک دوسرے کے مددگار، اور کہتے ہیں کہ ہم تو ہر ایک کے منکر ہیں وٰ ٦٦ آپ کہئے

فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ

کہ اچھا تو کوئی کتاب اللہ کے پاس سے ایسی لے آؤ جو ہدایت میں ان دونوں سے بہتر ہو

اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ

میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا، اگر تم سچے ہو وٰ ٦٧ پھر اگر یہ لوگ آپ کا یہ کہنا نہ کر سکیں

فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ

تو آپ سمجھ لیجیے کہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں وٰ ٦٨ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا

اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

جو شخص محض اپنی نفسانی خواہش پر چلے بغیر اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے، بے شک اللہ

يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ ع وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ

ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا وٰ ٦٩ اور ہم نے (اس) کلام کو ان لوگوں کے لئے یکے بعد دیگرے بھیجا

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ

تاکہ یہ لوگ نصیحت مانیں وٰ ٧٠ جن لوگوں کو ہم نے کتاب اس (قرآن) کے قبل دے

...... ما ارسلنک (بیضاوی) ای انما ارسلنک قطعا لعذرهم والزاما للحجة عليهم (بیضاوی) عربی اسلوب بیان میں ایسے موقع پر حذف و تقدیر کلام عیب نہیں، عین حسن اور داخل فصاحت ہے۔ وٰ ٦٥ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى کے تحت میں کتاب توریت اور معجزات سب آ گئے۔ معجزات مادی و حسی آپ کو بہت نہیں ملے تھے اور کتاب بھی آپ کو یکجائی نہیں ملی تھی۔ من الکتب جملة والید والعصا و غیرها (بیضاوی) من الکتاب المنزل جملة واحدة و من سائر المعجزات (کبیر) یہ موجودہ منکرین کہتے ہیں کہ یہ جو ہمارے زمانہ میں رسول بن کر آئے ہیں، ان کے پاس نہ تو موسیٰ کی طرح عصا اور ید بیضا کی طرح کھلے ہوئے مادی معجزے ہیں اور نہ اکبارگی لکھی لکھائی ہوئی تیار کتاب۔ قَالُوْا یہ کہنے والے رسول ﷺ کے معاصر مشرکین مکہ تھے۔ ای اولئک القوم والمراد بهم هنا اهل مكة الموجودين عندالبعثة (روح) اَوَلَمْ...... قَبْلُ جواب یہ ملتا ہے کہ اچھا موسیٰ کو یہ کچھ ملا تو نتیجہ کیا ہوا؟ آخر ان کی قوم نے بھی تو ان چیزوں کے باوجود انکار و نافرمانی کی۔ وہ چیزیں کہیں نافرمانی سے روک تھوڑے ہی بن گئیں۔ وٰ ٦٦ یہ مقولہ مشرکین کا تھا جو قرآن و توریت دونوں کے بلکہ سارے ہی سلسلۂ وحی کے یکساں منکر تھے۔ وٰ ٦٧ گویا کتاب الٰہی کا اہم ترین جوہر اس کا ہادی ہونا، اس کے مضامین کا پُر ہدایت ہونا اور اس کے قانون کا دنیا کے حق میں بہترین ہونا ہے۔ وٰ ٦٨ یعنی اگر آپ کا یہ چیلنج یہ لوگ نہ قبول کر سکیں، اور یقیناً نہ کر سکیں گے تو آپ یقین کر لیجیے کہ ان کے انکار کا منشا کوئی اشتباہِ عقلی کوئی نادانستہ غلط فہمی نہیں بلکہ محض ان کی خواہشِ نفس ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے بس انکار ہی کیے جانا چاہیے۔ وٰ ٦٩ ظالم لوگوں کو یعنی ایسے لوگوں کو جو اپنی ضلالت پر مصر ہیں اور قصداً ہی ہدایت پانے کا نہیں کرتے۔ وٰ ٧٠ یعنی بار بار تازہ بتازہ سننے سے امید اُن کے قبولیت ایمان کی زیادہ بڑھتی ہے اور اس لیے یہ کلام تھوڑا تھوڑا کر کے وقتاً فوقتاً نازل کیا گیا لیکن یہ بدبخت خود اپنی مصلحت کی بھی قدر نہیں کرتے اور الٹا اسی کو بنائے اعتراض قرار دے رہے ہیں۔ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ۔ توصیل قول کے معنی ہیں بات کو بار بار اور مسلسل بیان کرتے رہنا و توصيل القول هواتيان بيان بعد بيان (کبیر) وصلنا لهم القول ای اكثرنا لهم القول موصولاً بعضه ببعض (راغب) یہاں مراد یہ ہے کہ ہم قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے مسلسل نازل کرتے رہے اور اس کے نظم کو نہایت مرتبط رکھا۔ ای اتبعنا بعضه بعضاً فی الانزال لیتصل التذکیر او فی النظم لتتقرر الدعوة بالحجة والمواعظ بالمواعيد والنصائح بالعبر (بیضاوی) المراد منه انا انزلنا القرآن منجماً مفرقاً يتصل بعضه ببعض ليكون ذلك اقرب الى التذكير والتنبيه (کبیر) اور ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہمارا سلسلۂ وحی برابر شروع سے چلا آ رہا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا پیمبر آتا رہا۔

و۱ے یعنی وہ جو اُن میں سے منصف مزاج اور اپنے دینِ صحیح پر قائم ہیں۔ نزلت فی اناس من اھل الکتٰب کانوا علٰی شریعۃ حقۃ متمسکون بھا (کبیر) مفسرین نے مختلف طبقات و افراد کے

قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا

رکھی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں و۱ے اور جب یہ ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں

اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ

ہم اس پر ایمان لائے بے شک یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے اور ہم تو اس سے پہلے بھی (اسے)

مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا

مانتے تھے و۲ے ان لوگوں کو ان کا اجر دہرا ملے گا اس لئے کہ

صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

یہ پختہ رہے اور یہ لوگ بدی کا دفعیہ نیکی کے ساتھ کرتے رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دے رکھا ہے اس میں سے

يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا

(اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں، اور جب کوئی لغویات سنتے ہیں تو اسے ٹال جاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں

لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي

کہ ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے تم پر سلام ہو ہم

الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ

بے سمجھ لوگوں سے (تعلقات) نہیں چاہتے و۳ے جس کو آپ چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے البتہ

اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ج وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

اللہ ہدایت دیتا ہے اسے جس کے لئے اس کی مشیت ہوتی ہے، اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے و۴ے

وَ قَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت پر چلنے لگیں تو اپنی سرزمین سے مار

اَرْضِنَا ط اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ

کر نکال دیے جائیں و۵ے کیا ہم نے ان کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل

نام گنائے ہیں لیکن بقول صاحب بحر کے یہ سب نمونے اور مثالیں ہیں ان کل اہلِ کتاب کی جو بالآخر قرآن پر ایمان لائے۔ الظاھر انھا امثلۃ لمن اٰمن منھم (بحر) والضمیر فی بہ عائد علی القول و ھو القراٰن (بحر) اور امام رازی علیہ نے فرمایا کہ کسی خصوصی سبب نزول سے کیا ہوتا ہے اعتبار تو عموم عبارت کا کیا جائے گا بس جس کسی میں بھی یہ صفات پائے جائیں گے وہ آیت کے حکم میں داخل ہوگا۔ و قد عرفت ان العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب فکل من حصل فی حقہ تلک الصفۃ کان داخلًا فی الاٰیۃ (کبیر) و۲ے (اپنی کتابوں کی بشارتوں کی بناپر۔ اور اب بعد نزول اپنے اس ایمان کی تجدید کرتے ہیں) مُسْلِمِيْنَ کے لفظ پر حیرت نہ کی جائے ہر وہ شخص جو توحید و سلسلۂ وحی کا قائل ہو، مسلم کہا جاسکتا ہے۔ الاسلام صفۃ کل موحد مصدق بالوحی (بحر) و۳ے (ہمیں ایسی صحبتوں سے تو معاف ہی رکھو) ای لا نطلب مخالطتکم (بحر) لَنَا ...... الْجٰهِلِيْنَ۔ اس پورے فقرہ سے مقصود ان کی سلامت روی کا اظہار ہے۔ یہ مقصود نہیں کہ یہ اپنے مخالفین کو سلام کرتے رہتے ہیں۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ۔ سلام متارکت و علیحدگی مقصود ہے۔ سلام متعارف مراد نہیں۔ قال الزجاج سلام متارکۃ لا سلام تحیۃ (بحر) قال ابو بکر ھذا سلام متارکۃ و لیس بتحیۃ (جصاص) و من الناس من یظن ان ھذا یجوز علٰی جواز ابتداء الکافر بالسلام و لیس کذٰلک لما وضعنا عن ان السلام ینصرف علٰی معنیین احدھما المسالمۃ التی ھی المتارکۃ والثانی التحیۃ التی ھی دعاء بالسلامۃ والامن (جصاص) اللَّغْوَ سے مراد ہے ایسا قول جس کے سننے سے نہیں تکلیف ہوتی ہو قال مجاھد الاذٰی والسب (بحر) يَدْرَءُوْنَ ...... يُنْفِقُوْنَ۔ مفسر تھانوی نے لکھا ہے کہ یدرءون میں حبِ جاہ سے اور مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ میں حبِ مال سے ان کے خالی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ و۴ے رسول اللہ ﷺ کو اپنے عزیزوں قریبوں کے ایمان نہ لانے پر رنج قدرۃً اور زیادہ تھا اور شوق و اہتمام بھی انہیں کے ایمان لانے کا طبعًا زیادہ تھا۔ یہ آیت آپ کی تسلی کے لیے ہے کہ ہدایت کا تعلق تو مشیت تکوینی سے ہے اس میں آپ کی مرضی اور پسند کو دخل نہیں۔ لَا تَهْدِيْ۔ ہدایت کے ایک معنٰی تو راہ دکھانے، راہ طریق کے ہوتے ہیں۔ یہاں اس کی نفی پیمبر کی ذات سے نہیں ہو رہی ہے۔ وہ تو پیمبر کے عین فرائض میں داخل ہے۔ دوسرے معنٰی ہدایت کے منزلِ مقصود تک پہنچادینا۔ اور ایصال الی المقصود ہے، یہاں نفی اسی کی کی جارہی ہے کہ یہ رسول کے بس کی چیز نہیں تمام تر مشیتِ تکوینی کے تابع ہے۔ و۵ے (جیسے اور بہت سے مسلمان مارے نکالے جاچکے ہیں) آپ کے بعض کمزور معاصرین کا ایک عذر اپنے ایمان نہ لانے سے متعلق یہ تھا۔

ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

کھنچے چلے آتے ہیں ہمارے پاس سے بطور کھانے کے لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اتنی بات بھی)

يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ

نہیں جانتے و۷۶ اور ہم کتنی ہی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جنہیں اپنی خوش عیشی پر

مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ

ناز تھا یہ ان کے گھر (اجڑے ہوئے پڑے) ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے

اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ

مگر تھوڑی دیر کے لئے اور ہم ہی مالک رہے و۷۷ آپ کا پروردگار

مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا

بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ ان کے صدر مقام میں کسی پیمبر کو نہ بھیج لے جو انہیں ہماری آیتیں

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا

پڑھ کر سنا دے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے بجز اس حال کے کہ وہاں کے باشندے

ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ

شرارت کرنے لگیں و۷۸ اور تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کو برتنے

الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا

کے لئے ہے اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار تر بھی، سو کیا

تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ

تم لوگ نہیں سمجھتے؟ و۷۹ بھلا وہ شخص جس سے ہم نے پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے اور وہ اسے پا لینے والا ہے

كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اس جیسا ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ دے رکھا ہے اور وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں ہوگا

و۷۶ یعنی اس پر غور نہیں کرتے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ ہماری قدرت اور رزاقی پر غور نہیں کرتے کہ کہاں تو انہیں ایسے ویران اور بےبرگ و بار سر زمین پر پیدا کیا اور پھر ایک دن کے لیے بھوکا نہ رکھا، رزق کی ہر قسم کی افراط بھی رکھی اور ان کے وطن کو حرم قرار دے کر کشت و خون تک سے اسے محفوظ کر دیا۔ ایسے قادر و رزاق مطلق کے لیے مشکل کیا ہے جو اپنے ایمان والے بندوں، اپنے اطاعت شعار غلاموں کو اپنے افضالِ خاص سے مستفید اور تنگی و فلاکت سے برابر محفوظ رکھے؟ و۷۷ (اور کوئی ان کا ظاہری وارث بھی نہ رہا) اس میں ڈرایا ہے مکہ والوں کو کہ اپنی خوش عیشی و خوشحالی پر نازاں نہ ہوں۔ مکہ والوں کی خوشحالی آج بہت سے لوگوں کو ایک عجیب سی بات معلوم ہوگی۔ دماغ انہیں غربت زدہ، مفلوک الحال و نیم فاقہ کش سمجھتے رہنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ تصویر واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ مکہ کی منڈی اپنے زمانہ کی یوں بھی بہت بڑی تجارتی منڈی تھی، اس پر اضافہ تاجران مکہ کے شمالی اور جنوبی تجارتی سفر، ایک موسم میں شام اور دوسرے میں یمن کی جانب۔ اس صورت حال نے مل ملا کر اہل جاہلیت کے تاجروں کو امیر کبیر بلکہ کہنا چاہیے کہ لکھ پتی بنا دیا تھا۔ اور چونکہ تجارت میں شرکت اور حصہ داری کا طریقہ بھی جاری تھا اس لیے دولت کی تقسیم بھی عام تھی۔ شاید ہی کوئی گھرانہ اس تجارتی منافع سے محروم رہتا ہو۔ اور منافع کا اوسط اصل رقم پر ۴ یا ۵ فیصدی نہیں، اکثر ۵۰، ۵۰ فیصدی ہوتا رہتا۔ ایسی خوشحال آبادی کے سامنے عبرت و تخویف کے لیے مثال بھی قدرۃً کسی متمول و خوشحال ہی قوم کی پیش کرنی مناسب تھی۔ ایک طرف ہندوستان، ایران و عراق کے مال کی اور دوسری طرف مصر شام اور رومی ملکوں کی ساری تجارت اس وقت کہنا چاہیے کہ عربوں ہی کے ہاتھ میں تھی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ و۷۸ یہ قہر الٰہی کا ایک عام قانون بیان ہو رہا ہے۔ یعنی اول تو کسی آبادی پر عذاب آتا نہیں جب تک پہلے اس کے صدر مقام میں خوب تبلیغ نہ ہو لے۔ اور پھر وہاں کے باشندے ایک مدتِ مدید تک مسلسل نافرمانیاں نہ کر لیں۔ و۷۹ یعنی اس دنیا کی لذتوں اور آخرت کی راحتوں کا مقابلہ ہی کیا؟ اس دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی محض عارضی و چند روزہ۔ بخلاف عیش آخرت کے کہ وہ بلحاظِ نوعیت و کیفیت بھی کہیں اعلیٰ اور بلحاظِ بقا تو دائم و قائم ہے۔

مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ

جو گرفتار کر کے لائے جائیں گے ف۸۰ اور وہ دن (بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب (اللہ) ان سے پکار کر کہے گا کہ

شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالَ الَّذِيْنَ

کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کے باب میں تمہارا زعم (ہی) تھا، (اس پر) وہ لوگ کہیں گے

حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ

جن پر (اللہ کا) فرمودہ ثابت ہو چکا ہوگا، ف۸۱ اے ہمارے پروردگار یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں بہکایا تھا

اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا

ہم نے انہیں (بے شک) بہکایا تھا، جیسا کہ ہم خود بہکے تھے ف۸۲ ہم تیری پیشی میں دستبردار ہوتے ہیں ف۸۳ (اور) یہ

يَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ

لوگ کچھ ہم کو تو پوجتے نہ تھے ف۸۴ اور کہا جائے گا کہ اپنے (ان) شریکوں کو بلاؤ، چنانچہ وہ انہیں پکاریں گے سو وہ

يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَ رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا

انہیں جواب بھی نہ دیں گے اور یہ لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے ف۸۵ کاش یہ لوگ (دنیا میں)

يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ

راہ راست پر رہے ہوتے، اور جس دن (اللہ) ان سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے کیا جواب پیمبروں کو

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ

دیا تھا؟ ف۸۶ اس روز ان (کے دل) سے (سارے) مضامین گم ہو جائیں گے اور آپس میں

لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ

پوچھ پاچھ بھی نہ کر سکیں گے ف۸۷ البتہ جو کوئی توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک

صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

عمل کرے تو عجب نہیں کہ (ایسے لوگ) فلاح پانے والوں میں ہوں

ف۸۰ یعنی وہ متاعِ دنیوی میں بھولا رہنے والا کافر جو مجرم کی طرح قیامت میں پکڑ کر لایا جائے گا اور وہ مومن جس سے جنت کا وعدہ اور قطعی ایفا ہو کر رہنے والا وعدہ ہے، یہ دونوں کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ ف۸۱ یعنی فرمودۂ عذاب۔ ای حق علیه مقتضاه (کبیر) و هو قوله تعالٰی لاملئن جهنم من الجنة والناس اجمعین وغیره من ایات الوعید (بیضاوی) شُرَكَآءِيَ ...... تَزْعُمُوْنَ۔ مراد ان شرکاء مستحقِ عذاب سے شیاطین ہیں۔ ف۸۲ یعنی جس طرح ہم پر کسی نے جبر نہیں کیا تھا ہم اپنے ہی ارادہ سے بہکے، ہم نے بھی ان لوگوں پر جبر نہیں کیا، یہ لوگ بھی اپنے ہی ارادہ سے بہکے ہیں۔ ف۸۳ (اپنے ان کے تعلقات سے) مقصود یہ ہے کہ آج جن کی شفاعت پر مشرکوں کو بھروسہ ہے، کل وہ خود ہی کانوں پر ہاتھ رکھ کر علیحدہ ہو جائیں گے۔ ف۸۴ (بلکہ اپنے نفس و خواہش کے اشاروں پر چل رہے تھے) ف۸۵ (اس وقت اپنی آنکھ سے) منکرین کے سامنے ان کے حشر کی یہ تفصیلات لے آنے سے مقصود ان کے دلوں میں ان کے انجام کی ہیبت اور ہول کا اتارنا ہے۔ ف۸۶ سوال کے اندر خود متعدد علاشتیں پوشیدہ ہیں کہ تبلیغ تو تم پر ہو چکی، رسول تو تمہارے پاس آ چکے، اپنی بے خبری کا عذر تو پیش کر سکتے ہی نہیں ہو۔ اب یہ بتاؤ کہ تم نے تبلیغ سے اثر کیا قبول کیا؟ ف۸۷ اپنے انجام کو سامنے دیکھ کر مارے ہول کے ان کی عقلیں معطل ہو جائیں گی۔ دماغ جواب دے دیں گے اور کچھ بنائے نہ بن پڑے گی۔ نہ خود ہی جواب سوجھے گا نہ دوسروں سے صلاح و مشورہ کر سکیں گے۔

وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ

اور آپ کا پروردگار پیدا کرتا ہے، جس چیز کو بھی اس کی مشیت ہوتی ہے اور جو (حکم بھی) وہ پسند کرے ان لوگوں کو تجویز کا

الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

کوئی حق نہیں، ف۸۸ اللہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے ف۸۹

وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور آپ کا پروردگار سب کی خبر رکھتا ہے، جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے رہتے ہیں ف۹۰

وَ هُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى

اور اللہ وہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں (سب) تعریف اسی کی ہے دنیا میں (بھی)

وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ

اور آخرت میں (بھی) اور حکومت بھی اسی کی ہے اور اسی کے پاس تم (سب) لوٹ کر جاؤ گے ف۹۱

اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى

آپ کہیے بھلا یہ بتاؤ اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ

رات ہی رہنے دے تو اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی کر دے؟

اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ

تو کیا تم سنتے نہیں؟ آپ کہیے بھلا یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تم پر

النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ

ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو اللہ کے علاوہ کون معبود ہے جو

يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

تمہارے لئے رات کو لے آئے جس میں تم آرام پاؤ؟ تو کیا تم دیکھتے نہیں؟

ف۸۸ سارے تکوینی وتشریعی اختیارات اس کو اور صرف اس کو حاصل ہیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اپنے ارادہ و اختیار کے غیر مستقل ہونے کا علماً وعملاً استحضار رکھنا جبریتِ محمود ہے۔ ف۸۹ (بلحاظِ ذات بھی، بلحاظِ صفات بھی) یونان کے "حکماء" بھی اکثر مشرک ہوئے ہیں۔ خدا کا وجود تسلیم کرنے کے بعد بھی عجیب عجیب قیود سے اسے مقید مانا ہے۔ آیت توحید کامل کی شارح ان سب شرکوں کی جڑ کاٹ رہی ہے۔ ف۹۰ کھلا ہوا کفر اور چھپا ہوا نفاق سب اس پر روشن و آشکار ہے۔ ف۹۱ تاکید ہے اُس کے اکیلے ہونے کی۔ اور دوسرے خداؤں کی نفی قطعی کی۔ یہ نہیں کہ منجملہ اور معبودوں کے ایک وہ بھی ہو۔ اتنا تو مشرکین بھی مانتے تھے۔ حکومت آج بھی حقیقۃً اسی کی ہے۔ آخرت میں چونکہ بالکل بلاوسائط ہوگی، عیاں وظاہر اور ہر ایک پر منکشف ہو کر رہے گی۔ محققین نے لَهُ الْحَمْدُ الخ سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل بالآخر خیر محض ہی ہے۔ ورنہ ہر حال میں حمد اس کے لیے ثابت نہ ہوتی۔

ف٩٢ (اس کی دونوں نعمتوں کا) رات ہمیشہ ہوتا اس طور پر کہ کسی کواکب سے طلوع نہ ہونے دے یا اس کا نور سلب کرلے اور دن کا ہمیشہ ہونا کہ کسی کو غروب نہ ہونے دے یا بلا کسی ایسا نور پیدا کردے (تھانوی) وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ روزی کمانے کے دھندے کو مِنْ رَّحْمَتِهٖ رحمتِ الٰہی کے تحت میں لانا صاف اس امر پر دلیل ہے کہ معاشی مشغلے اسلام میں کتنی فضیلت کا درجہ رکھتے ہیں۔ حقیر و ذلیل نہیں معزز و مکرم ہیں۔ و فیها اشارة الٰی مدح السعی فی طلب الرزق و قد ورد الکاسب حبیب الله و هو لاینا فی التوکل (روح) مِنْ رَّحْمَتِهٖ میں من سببیہ قرار دیا گیا ہے۔ من هٰهنا للسبب ای و بسبب رحمته ایاکم (بحر) ف٩٣ مراد انبیاء علیہم السلام ہیں جو اپنی اپنی امت کے کفر پر گواہی دیں گے۔ حجت تو کافروں پر خود انہیں کے قول سے پوری ہو جائے گی۔ اہتمام

وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا

اور یہ اس کی رحمت ہی تو ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن بنا دیئے کہ تم اس میں آرام (بھی)

فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾

کرو اور تاکہ اس کی روزی (بھی) تلاش کرتے رہو، اور تاکہ تم شکر کرتے رہو ف٩٢

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ

اور جس روز اللہ انہیں پکار کر کہے گا کہ کہاں ہیں (اب) وہ جنہیں تم

كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَ نَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا

میرا شریک قرار دیتے تھے؟ اور ہم ہر ہر امت سے ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے ف٩٣

فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ

پھر ہم کہیں گے کہ کوئی دلیل اپنی پیش کرو سو (اس وقت) وہ (بالیقین) جان لیں گے کہ سچی بات اللہ کی تھی ف٩٤ اور

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ

جو کچھ گڑھا کرتے تھے وہ سب ان سے کنارہ کر جائے گا ف٩٥ قارون موسٰی کی قوم میں سے

قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ

تھا ف٩٦ سو اس نے ان کے مقابلہ میں گھمنڈ اختیار کیا ف٩٧ اور ہم نے اسے کتنے خزانے دے رکھے تھے

مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ

کہ اس کی کنجیاں زور آوروں کی ایک جماعت کو گرانبار کر دیتی تھیں ف٩٨ جب کہ اس کی قوم نے

لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿٧٦﴾

اس سے کہا کہ اترا مت بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا ف٩٩

وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ

اور جو کچھ تجھے اللہ نے دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کر اور دنیا سے (بھی)

مزید کے طور پر بیرونی شہادتیں بھی مہیا کر دی جائیں گی۔ ف٩٤ (جو انبیاء کے ذریعہ سے ان تک پہنچ چکی تھی مگر پھر بھی اپنی حماقت سے اسے جھٹلاتے رہے تھے) کافروں سے کہا جائے گا کہ کوئی عذر، کوئی جواب رکھتے ہو تو اب پیش کرو نا۔ انکشاف کامل ہو چکے گا، سب خاموش و لاجواب رہ جائیں گے۔ ف٩٥ جتنے سہارے انہوں نے گڑھ رکھے تھے کوئی ان میں سے ذرا بھی کام نہ آئے گا ف٩٦ یعنی اسرائیلی تھا، قبطی نہ تھا۔ اور صرف اسرائیلی ہی نہیں بلکہ حضرت موسٰی علیہ السلام کا ہم جد اور عزیز قریب بھی تھا۔ توریت میں نام قرح کرکے آیا ہے اور نسب نامہ یوں درج ہے۔ قرح بن اظہار بن قہات بن لادی بن اسرائیل۔ ہمارے ہاں کے نسب ناموں میں املاء یوں آیا ہے۔ قارون بن یصہر بن تاہث بن لادی بن یعقوب، تاہث پر جا کر موسٰی بن عمران کا بھی نسب نامہ مل جاتا ہے۔ اور تاہث بن لادی جس طرح حضرت موسٰی کے جد امجد تھے اسی طرح قارون کے بھی تھے۔ اس رشتہ سے قارون آپ کے سگے چچا کا لڑکا ٹھہرتا ہے۔ ف٩٧ (اپنی دولت و تمول کی بناء پر) یعنی اس نے جماعت اسرائیل کے مقابلہ میں شیوۂ تمرد و طغیان اختیار کیا اپنی دولت پر نازاں ہو کر۔ بکثرة ماله (ابن جریر۔ عن قتادة) بغی علیه کے ایک معنٰی حسد کرنے کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ یہاں یہ معنٰی بھی لیے گئے ہیں۔ توریت میں ہے کہ اس کو اصلی حسد و عناد حضرت ہارون و حضرت موسٰی سے تھا۔ اور اسرائیلیوں کی ایک چھوٹی سی ٹکڑی، کوئی ٢٥٠ افراد کی اس کے ساتھ بھی تھی، اور وہ اور بنی اسرائیل میں سے بعض لوگ یعنی اڑھائی سو شخص جو سرگروہ اور نامی اور جماعت کے مشہور تھے، موسٰی کے مقابلہ میں اٹھے اور وہ موسٰی اور ہارون کی مخالفت پر جمع ہوئے (گنتی۔ ١٦: ٢ و ٣) ف٩٨ یعنی وہ اتنا بڑا سرمایہ دار اور مہاجن تھا کہ ایک مستقل عملہ اس کے ہاں کنجی برداروں ہی کا تھا۔ مختلف تہ خانوں، چور دروازوں، کمروں، الماریوں، ان کے مختلف خانوں، تجوریوں، صندوقچیوں کی کنجیوں کی تعداد اگر پچاسوں بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں ہو تو اس میں استبعاد ذرا سا بھی نہیں آج بھی ہر کروڑ پتی سیٹھ ساہوکار کے ہاں منشیوں، خزانچیوں، سیاہہ نویسوں، محاسبوں اور ان کے نائبوں، مددگاروں، چپراسیوں، پہرہ داروں کا کتنا بڑا عملہ کام کرتا رہتا ہے۔ کنجیاں ظاہر ہے کہ مختلف اہل کار مزدوروں کی طرح سر پر رکھ کر تو چلتے نہ ہوں گے، جیبوں ہی میں رکھتے یا کمر میں باندھتے ہوں گے۔ پھر اگر سو دو سو کنجیاں دس بیس آدمیوں کے عملہ پر تقسیم ہوں تو اس میں استبعاد کا شائبہ ہی کیا ہے؟ روایاتِ یہود میں آتا ہے کہ یہ کنجیاں تین سو خچروں پر لد کر چلتی تھیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ مَفَاتِحَ کے اصلی معنٰی تو کنجی ہی کے ہیں۔ جمع مفتح و هو ما یفتح به (بیضاوی) و هو الذی یفتح به الابواب (ابن جریر) لیکن بعض نے اس سے مراد خزانہ بھی لی ہے۔ و قال بعضهم عنی بالمفاتح فی هٰذا الموضع الخزائن لتثقل العصبة (ابن جریر) قیل بل عنی بالمفاتح الخزائن انفسها (راغب) مَفَاتِحَ کے اگر یہ مجازی معنٰی لیے جائیں تو مراد یہ ہوگی کہ اس کے خزانہ کے حسابات، حفاظت و انتظام کے ماہرین (اولوا القوة) کا ایک بڑا عملہ موجود تھا۔ ف٩٩ اتراہٹ یہی ہے کہ گھمنڈ کے نشہ میں انسان خدا اور بندوں کے حقوقِ واجب کی ادائی میں غافل ہو جائے اور یہاں تو اس کی کم ظرفی اسے پیمبر برحق سے سرکشی پر ابھار لائی تھی۔

نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ

اپنا حصہ فراموش مت کر ف۱۰۰ اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ حسن سلوک کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) حسن

اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

سلوک سے پیش آ، اور روئے زمین پر فساد مت پھیلا بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو

يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ

پسند نہیں کرتا ف۱۰۱ اس نے کہا مجھ کو تو یہ سب میری ہنر مندی سے

عِنْدِيْ ؕ اَوَ لَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ

ملا ہے ف۱۰۲ کیا اسے یہ خبر نہ تھی کہ اللہ اس کے قبل کی امتوں میں ایسوں کو ہلاک

مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ

کر چکا ہے جو قوت میں بھی اس سے بڑھے ہوئے تھے اور مجمع بھی (ان کا) زیادہ تھا ف۱۰۳

وَ لَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى

اور مجرموں سے ان کے گناہوں کی بابت سوال نہیں کرنا پڑتا ف۱۰۴ پھر وہ اپنے قوم والوں

قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ

کے سامنے اپنے (تجمل و) آرائش کے ساتھ نکلا، جو لوگ دنیوی زندگی کے طالب

الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ

تھے ف۱۰۵ بولے کاش ہم کو بھی ویسا ہی (ساز وسامان) ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے بے شک وہ بڑا

حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ

خوش نصیب ہے ف۱۰۶ اور جن لوگوں کو (دین کی) فہم عطا ہوئی تھی وہ بولے تمہارے اوپر

ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا

نیکی پڑے اللہ (کے ہاں) کا ثواب کہیں بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اور وہ تو

ف۱۰۰ یعنی یہ کوئی نہیں کہتا کہ تو ساری کی ساری دولت بندگانِ خدا کو دے ڈال۔ فراغت سے کھا، پی، عیش کر، لیکن اپنے حدود کے اندر رہ۔ حقوقِ واجب کی ادائی پر توجہ کرکے اسی سرمایہ کو توشۂ آخرت بھی بنا لے۔ ولاتنس نصیبک من الدنیا و ھو ان تحصل بھا أخرتک و تاخذ منھا ما یکفیک (بیضاوی) ای لاباس بالتمتع بالوجوہ المباحۃ (کبیر) ای ما احل اللہ لک منھا (ابن جریر۔ عن الحسن) معنی ذٰلک لا تترک ان تطلب فیھا حظک من الرزق (ابن جریر) ف۱۰۱ راہِ کفر و معصیت کے ساتھ ساتھ بار بار فساد فی الارض کو لا کر قرآن نے بتا اور جتلا دیا ہے کہ غیر اسلامی طریقے اس دنیا کے بھی امن و نظام کے برہم زن ہیں۔ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ۔ معاشیات کا ہر طالب علم آج یہ جانتا ہے کہ ہر سرمایہ پرست معاشی توازن کو بگاڑ کر دنیا میں کتنی تباہی و بربادی کا باعث ہو سکتا ہے۔ ف۱۰۲ (اس میں کسی کے احسان کی کیا بات اور اس میں کسی کا استحقاق کیسا؟) ''روشن خیال'' قارون نے جواب دیا کہ یہ کیا دقیانوسیوں کی سی باتیں ہیں۔ میں مالیات و معاشیات کا ماہر ہوں۔ مجھے جو کچھ بھی ملا ہے، یہ میں نے اپنی قوتِ بازو سے، اپنے علم و ہنر کے زور سے کمایا ہے۔ نہ میرے اوپر کوئی احسانِ غیبی، نہ میری کمائی میں دوسرں کا حق۔ علی علم، قیل علم التجارۃ والامتعۃ وسائر المکاسب (بیضاوی) عارفین نے کہا ہے کہ علم و فضل، فن و ہنر کو اپنی جانب منسوب کرنا، اپنا ذاتی کمال سمجھنا اور اسے اللہ کا عطیہ نہ جاننا بھی اصل جڑ ہے مغضوبیت و مخذولیت کی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسی طرح طریقت میں بھی ثمرات کو بجائے فضل و انعامِ خداوندی کے اپنی سعی و مجاہدہ کی جانب منسوب کرنا مذموم ہے۔ ف۱۰۳ قارون کی حماقت و کج فہمی کا بیان ہو رہا ہے۔ اس کے اتنی عقل نہ آئی کہ اگر دولتمندی، ہنر مندی اور فن دانی ہی کا نتیجہ ہوتی تو پرانے بڑے بڑے سرمایہ دار اور ساہوکار اپنے کو تباہ ہی کیوں ہونے دیتے۔ اپنے کو ہمیشہ بربادی سے بچائے ہی کیوں نہ رکھتے؟ ف۱۰۴ یعنی ان جرائم کی تحقیقات سے متعلق کہ وہ تو خدا کو معلوم ہی رہتے ہیں۔ کسی پوچھ پاچھ کی ضرورت نہیں۔ ہاں اس کی رسوائی و تفضیح کے لئے اور اس پر مزید حجت قائم کرنے کی غرض سے سوالات کئے جائیں تو اور بات ہے۔ ف۱۰۵ یعنی ان کے اوپر محبت اسی دنیا اور اس کی مادی زیب و زینت کی غالب تھی۔ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ یعنی اسی زندگی کے زیب و زینت کو اپنا مقصد وجود بنائے ہوئے اور اپنا اصلی مطمحِ نظر قرار دیئے ہوئے تھے۔ ف۱۰۶ دوسروں کے ظاہری ساز و سامان یا ٹیپ ٹاپ پر پھسل پڑنا فطرتِ بشری میں ہمیشہ سے داخل رہا ہے۔ یہاں اہلِ ایمان بنی اسرائیل کی زبان پر اس کلمۂ رشک کا آنا۔ اسی فطرت بشری کا ظہور تھا۔ يٰلَيْتَ ...... قَارُوْنُ۔ ''یہ تمنا حرص کی بنا پر تھی۔ اس سے کافر ہونا لازم نہیں آتا۔ جیسا اب بھی بعضے آدمی باوجود مسلمان ہونے کے شب و روز دوسری قوموں کی ترقیاں دیکھ کر للچاتے ہیں اور اس کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) توریت میں آتا ہے کہ اسرائیلیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت قارون کے ساتھ ہو گئی تھی۔ اور روایات یہود میں مریدین کی ایک بڑی جماعت کا ذکر ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ کے مقابلہ میں یہ وَ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا اس پر دال ہے کہ علم معتبر وہ ہے جس سے دنیا مقصود نہ ہو۔

يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ

صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملتا ہے ف۱۰۷ پھر ہم نے اس (قارون) کو مع اس کے مکان کے زمین میں

الْاَرْضَ ۚ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ

دھنسا دیا، سو کوئی جماعت اس کے لئے ایسی نہ ہوئی جو اسے اللہ کے مقابلہ میں

اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ اَصْبَحَ

بچا لیتی اور نہ وہ خود ہی اپنے کو بچا سکا ف۱۰۸ اور کل جو لوگ

الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ

اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ (اب) کہنے لگے بس تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ ۚ

اپنے بندوں میں سے جس کو اس کی مشیت ہوتی ہے خوب روزی دے دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے)

لَوْ لَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ

تنگی سے دیتا ہے، اگر ہم پر اللہ نے (اپنا) کرم نہ کیا ہوتا تو ہم کو بھی دھنسا دیتا بس تو

لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ

معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی ف۱۰۹ یہ عالم آخرت تو ہم

نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ

انہیں لوگوں کے لئے خاص کر دیتے ہیں جو زمین پر نہ بڑا بننا چاہتے ہیں

وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ

نہ فساد کرنا اور انجام (نیک) تو متقیوں ہی کا (حصہ) ہے، ف۱۱۰ جو کوئی نیکی لے کر

بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ

آئے گا اس کو اس سے بہتر (بدلہ) ملے گا اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا

ف۱۰۷ اسرائیلیوں میں جو صاحب فہم وتقوٰی تھے انہوں نے اپنی قوم والوں کو سمجھایا کہ اس دنیوی ٹیپ ٹاپ میں کیا رکھا ہے، اصل شے تو خدا کے ہاں کا اجر ہے اور وہ مشروط ہے ایمان وطاعت کے ساتھ اور اجر میں بھی درجۂ کامل کا مستحق وہی ہوتا ہے جو اپنے نفس کو دنیوی حرص وطمع سے روکے رہے۔ وَیْلَکُمْ سے مقصود یہاں بددعا نہیں۔ عربی محاورہ میں ترحم یا تنبیہ کے موقع پر بھی آتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وَ لَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ دال ہے مطلوبیت مجاہدہ پر۔ ف۱۰۸ یعنی نہ اس کی اپنی ہی ہنرمندی اور کاروانی کام آئی، جس پر اسے ناز رہتا تھا۔ اور نہ ہمدردوں کا وہ جتھا ہی کام آسکا جو اس نے پیدا کر لیا تھا اور جس پر اسے گھمنڈ تھا۔ زمین میں دھنسنے کا ماجرا توریت میں ان الفاظ میں ہے:۔ ”تب خداوند کا جلال اس سارے گروہ کے سامنے ظاہر ہوا اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو خطاب کر کے فرمایا تم آپ کو اس گروہ سے جدا کر و تا کہ میں انہیں ایک پل میں ہلاک کروں...... تب خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو جماعت کو کہہ تم قرح اور داتن اور ابرام کے خیمہ کے گرداگرد سے دور ہو...... تب موسیٰ نے کہا تم اس سے جانیو کہ خداوند نے مجھے بھیجا ہے کہ یہ سب کام کروں اور کہ میں نے کچھ اپنی خواہش سے نہیں کہا۔ اگر یہ آدمی اسی موت سے مریں جس موت سے سب مرتے ہیں یا ان پر کوئی حادثہ ایسا نہ ہووے جو سب پر ہوتا ہے تو میں خداوند کا بھیجا ہوا نہیں۔ پر اگر خداوند کوئی نئی بات پیدا کرے اور زمین اپنا منہ پھیلائے اور ان کو اس سب سمیت جو ان کا ہے نگل جائے اور وہ جیتے جی گور میں جائیں تو تم جانیو کہ ان لوگوں نے خدا کی اہانت کی ہے اور یوں ہوا کہ جوں ہی موسیٰ یہ سب باتیں کہہ چکا تو زمین جو ان کے نیچے تھی فوراً پھٹی اور زمین نے اپنا منہ کھولا۔ اور انہیں اور ان کے گھروں اور ان سب آدمیوں کو جو قرح کے تھے اور ان سب کے مال کو نگل گئی سو وہ اور سب جو ان کے تھے جیتے جی گور میں گئے۔ اور زمین نے انہیں چھپا لیا۔ اور جماعت کے درمیان سے فنا ہو گئے (گنتی۔ ۱۶: ۲۰۔ ۳۳) مکانوں اور عمارتوں بلکہ پوری پوری آبادیوں کا زلزلہ وغیرہ کے اثر سے زمین میں دھنس جانا دنیا کی تاریخ میں نا معلوم نہیں اور پھر خدا اور بندوں کے ایسے مجرم کے لئے اس سزا سے دوچار ہونا تو کچھ ایسا غیر قدرتی بھی نہیں۔ ف۱۰۹ اب سب کے سب گھبرائے اور جو ابھی کل تک رشک کر رہے تھے یہ منظر دیکھ کر بولے کہ بیشک یہ ہماری حماقت تھی جو ہم دولت کی کمی بیشی کو بدنصیبی وخوش نصیبی سے تعبیر کر رہے تھے۔ یہ تقسیم تو سرتاسر حکمتِ تکوینی کے ماتحت ہے۔ حرصِ دنیا تو ہم پر بھی مسلط ہو چکی تھی۔ یہ کہو اللہ نے ہمیں بچا دیا ورنہ آج یہی حشر ہمارا بھی ہونا تھا۔ توریت میں ہے:۔ ”اور سارے بنی اسرائیل جو ان کے آس پاس تھے ان کا چلانا سن کر بھاگے کہ انہوں نے کہا، نہ ہو کہ زمین ہم کو بھی نگل جائے پھر خداوند کے حضور سے ایک آگ نکلی اور ان اڑھائی سو کو جنہوں نے بخور گزرانا تھا، کھا گئی“۔ (گنتی ۱۶: ۳۴ و ۳۵) وَیْکَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ آخری اور اختتامی فلاح بیشک کافر کے نصیب میں نہیں۔ ف۱۱۰ عُلُوًّا۔ علو سے مراد معصیتِ نفسانی لی گئی ہے۔ اور فساد سے گناہِ متعدی اور دوسرے معانی بھی منقول ہیں۔ علو اے بغیًا (ابن جریر) و ظلمًا (الضحاک) و کبرًا (مدارک) فسادًا اے عملًا بالمعاصی (مدارک) ”یہ علو اور فساد اگر حد کفر تک ہے تو مطلقاً مانع حصولِ ثوابِ آخرت ہے اور اگر حد کفر تک نہیں تو مانع حصولِ کمالِ ثوابِ آخرت ہے اور یُرِیْدُوْنَ کے لانے میں اشارہ ہے کہ عزم معصیت بھی معصیت ہے گو معصیت پر دسترس نہ ہو“ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) آیت قرآن کی ان آیات میں سے ہے جن میں چند مختصر الفاظ کے اندر گہرے اصول اور پورے پورے قانون بیان کر دیئے گئے ہیں اور اس قابل ہے کہ ہر پڑھا لکھا شخص اپنے اپنے کمرہ میں اس کا کتبہ لگا کر ٹانگ دے کہ ہر وقت پیش نظر رہے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اموی جنہیں پانچواں خلیفۂ راشد سمجھا گیا ہے۔ ان کی بابت تاریخوں میں درج ہے کہ نزع کے وقت یہی آیت زبان پر تھی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آخرت سے جس طرح عمل بالمعاصی مانع ہے اور فساد سے یہی مراد ہے اسی طرح کبر بھی اس سے مانع ہے اور علو سے یہی مراد ہے۔ اسی لیے اہلِ طریق ترکِ معاصی ہی کا سا اہتمام ازالۂ تکبر کا بھی کرتے ہیں۔ اَلْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ جس طرح کافر کی قسمت میں فلاحِ حقیقی سے محرومی ہے اسی طرح حسنِ عاقبت متقین کے نصیب کے ساتھ مخصوص ہے۔

ع ۱۱

فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا
سو ایسے لوگوں کو جو بدی کے کام کرتے ہیں بدلہ بس اتنا ہی ملے گا جتنا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ
وہ کرتے تھے ف۱۱۱ جس (خدا) نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے، وہ آپ کو آپ کے وطن میں
لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّيْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ
پھر پہنچا کر رہے گا ف۱۱۲ آپ کہہ دیجیے، میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین
بِالْهُدٰى وَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾ وَ مَا كُنْتَ
لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں مبتلا ہے ف۱۱۳ اور آپ کچھ (اس کا)
تَرْجُوْۤا اَنْ يُّلْقٰۤى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ
آسرا لگائے ہوئے نہ تھے کہ آپ پر (یہ) کتاب نازل کی جائے گی، مگر آپ کے پروردگار کی
رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ لَا يَصُدُّنَّكَ
رحمت سے (نازل ہوئی) سو آپ (ان) کافروں کی ذرا بھی تائید نہ کیجیے گا ف۱۱۴ اور جب اللہ کے احکام
عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَ ادْعُ اِلٰى
آپ پر نازل ہوں تو ایسا نہ ہونے پائے کہ یہ ان سے آپ کو روک دیں اور آپ اپنے پروردگار کی طرف
رَبِّكَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَ لَا تَدْعُ
(لوگوں کو) بلاتے رہیے اور (ان) مشرکوں میں شامل نہ ہو جائیے ف۱۱۵ اور اللہ کے ساتھ
مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَيْءٍ
کسی اور معبود کو نہ پکاریے، کوئی معبود نہیں اس کے سوا ہر شے فنا ہونے
هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾
والی ہے، بجز اس کی ذات کے ف۱۱۶ حکومت اسی (ایک) کی ہے اور اسی کی طرف تم (سب) لوٹائے جاؤ گے

ف۱۱۱ یعنی عالم آخرت کا قانون یہ ہے کہ بدی کا معاوضہ تو صرف اسی قدر ملے گا جتنا اس عملِ بد کا مقتضا ہے اور نیکی کا معاوضہ اس کے اصل مقتضا سے کہیں زیادہ ملا کرے گا جس کا اقل درجہ حدیثِ نبوی کے مطابق دس گنا ہے — قرآن کا خدا بندوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا کریم ورحیم، تواب وغفار ہے مشین کی طرح بیجان، بے ارادہ خدا نہیں۔ ف۱۱۲ (اور اس وقت آپ آزاد اور غالب اور صاحبِ حکومت ہوں گے) یہ آپ کی تسلی میں اس وقت ارشاد ہوا جب ہجرت کے بعد مفارقتِ وطن سے آپ کو طبعی صدمہ ہو رہا تھا۔ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ۔ یعنی قرآن کو بہ طور حکم کے آپ پر اتارا ہے۔ اس پر عمل آپ پر واجب کیا ہے۔ اے اوجب علیک العمل به (راغب) ف۱۱۳ مطلب یہ ہے کہ میرے حق ہونے اور تمہارے باطل ہونے پر تو دلائل قطعی موجود ہیں۔ ادنیٰ سے غور میں سمجھ میں آسکتے ہیں۔ جب ان سے کام ہی نہیں لیتے ہو تو خیر۔ اخیر جواب یہ ہے کہ اللہ ہی بتلادے گا۔ ف۱۱۴ (جیسا کہ اب تک بھی ان سے الگ تھلگ ہی رہے ہیں۔) آیت میں تردید ان لوگوں کی ہے جو کہتے تھے کہ اپنی محنت وکوشش کے بعد آپ نے دعوٰی مرتبۂ نبوت کا کر دیا ہے۔ ف۱۱۵ (بلکہ جیسا اب تک شرک سے معصوم رہے ہیں، آئندہ بھی رہیے)'' ان آیتوں میں کفار ومشرکین کو ان کی درخواستوں سے ناامید کرنا ہے اور روئے سخن انہیں کی طرف ہے کہ تم جو حضور ﷺ سے دین میں موافق ہونے کی درخواست کرتے ہو اس میں کامیابی کا کبھی احتمال نہیں، مگر عادت ہے کہ جس شخص پر زیادہ غصہ ہوتا ہے اس سے بات نہیں کیا کرتے۔ اپنے محبوب سے باتیں کر کے اسی شخص کو سنایا کرتے ہیں'' (تھانوی علیہ الرحمۃ) مفسرین نے کہا کہ لفظاً یہاں خطاب آپ سے ہے لیکن مراد آپ کی امت والے ہیں۔ الخطاب فی الظاهر للنبی ﷺ۔ المراد به اهل دینه (معالم۔ عن ابن عیاض) لعل الخطاب معه و لکن المراد غیره (کبیر) و هذه المناهی کلها ظاهرها انها للرسول و هی فی الحقیقة لاتباعه (بحر) ف۱۱۶ اس میں رد آ گیا ان ساری مشرک قوموں کا جنہوں نے صانع مطلق کے ساتھ ساتھ روح یا مادہ یا کسی اور چیز کو بھی ازلی وابدی تسلیم کیا ہے۔ وحدۃ الوجود کے ماننے والوں نے اس آیت سے اپنے عقیدہ پر بھی استدلال کیا ہے ان کی تقریر یہ ہے کہ آیت میں هَالِكٌ بصیغۂ اسم فاعل ہے، نہ کہ یهلک بصیغۂ مضارع وبمعنی مستقبل، گویا مراد یہ نہیں کہ عملی فنا آئندہ کسی زمانہ میں طاری ہوگا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ عملی فنا ہر موجود پر مستقلاً طاری ہوتا ہی رہتا ہے۔ اور اس کا تحقق اسی صورت میں ممکن ہے جب ہالک کو کالہالک اور معدوم کو کالمعدوم کے معنی میں لیا جائے اور مراد یہ سمجھی جائے کہ موجودات کا وجود ذاتی نہ ہونے کے سبب سے ہر وقت قابل عدم ہے اور وجود مثل لا وجود کے ہے۔ وَجْهَهٗ سے مراد ذات باری ہے۔ اے الا ذاته (بیضاوی) الوجه هو الوجود و الحقیقة (کبیر) والمراد کل شیء هالک الاهو (کبیر) اے الاایاه (ابن کثیر) الا ایاه قاله الزجاج (بحر) فالوجه یعبر به عن الذات (مدارک)

وقف لازم
ع ۹
۱۲

ایاتہا ۶۹ | ۲۹ سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ ۸۵ | رکوعاتہا ۷

اس کی انہتر آیتیں | سورۂ عنکبوت مکی ہے | اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا

الف۔ لام۔ میم۔ کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ محض یہ کہنے سے

اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ

کہ ہم ایمان لے آئے چھوٹ جائیں گے اور وہ آزمائے نہ جائیں گے ف۱ اور ہم تو انہیں بھی آزما چکے ہیں جو ان

قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ

سے قبل گزرے ہیں سو اللہ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر

الْكٰذِبِیْنَ ﴿۳﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ

رہے گا ف۲ ہاں تو کیا جو لوگ برے برے کام کر رہے ہیں وہ یہ بھی خیال کر رہے ہیں

اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾ مَنْ كَانَ یَرْجُوْا

کہ ہم سے نکل بھاگیں گے کیسی بیہودہ ان کی (یہ) تجویز ہے! جو کوئی اللہ سے

لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَ هُوَ السَّمِیْعُ

ملنے کی امید رکھتا ہو سو اللہ کا وہ معین وقت تو ضرور ہی آنے والا ہے ف۳ اور وہ بڑا سننے والا ہے،

الْعَلِیْمُ ﴿۵﴾ وَ مَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ

بڑا جاننے والا ہے ف۴ اور جو کوئی محنت کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے محنت کرتا ہے ف۵ بے شک

اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا

اللہ سارے عالم سے بے نیاز ہے ف۶ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل

ف۱ (طرح طرح کے مصائب سے) یعنی ایسے امتحانات ضرور پیش آئیں گے۔ اشارہ ہے ان مومنین کی طرف جو کفار کی ایذاء سے گھبرا گئے تھے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت اس امر پر دال ہے کہ مجاہدہ وصول الی المقصود کے شرائط عادیہ میں سے ہے۔ اگرچہ اضطراری ہی ہو۔ ف۲ یعنی جس طرح سابق امتوں کے مومنوں کی آزمائشیں ہو چکی ہیں، ان لوگوں کے ساتھ بھی یہ معاملات پیش آ کر رہیں گے، جو اپنے دعوے میں سچے ہوتے ہیں وہ امتحان سے اور پختہ ہو جاتے ہیں اور جن کے دعوے محض زبانی ہوتے ہیں وہ نکل بھاگتے ہیں۔ لَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ "اللہ جان کر رہے گا" یعنی علم ظاہری سے، خلقت کی نظر میں، ورنہ حقیقۃً تو اللہ کو علم شروع ہی سے ہے۔ ف۳ (سوایسوں کو تو ان واقعات سے پریشانی کی مطلق کوئی وجہ نہیں۔ وقت موعود پر ان کے سارے غم غلط ہو کر رہیں گے) اَمْ...... یَحْكُمُوْنَ۔ مشرک جاہلی قوموں کا اپنے دیوی دیوتاؤں پر قیاس کر کے خود حق تعالیٰ کے متعلق بھی یہ سمجھے رہنا کہ اس کی گرفت سے نکل جانا بالکل ممکن ہوگا، ذرا بھی تعجب انگیز نہ تھا۔ ف۴ ہر طاعت قولی سے واقف۔ ہر طاعت فعلی پر مطلع۔ اس کی راہ میں آج جتنی بھی کلفتیں انہیں اٹھانا پڑ رہی ہیں سب کی جزائے خیر ایک ایک کر کے انہیں مل کر رہے گی۔ خدائے اسلام جاہلی قوموں کے دیوتاؤں کی طرح نہیں کہ اس کا علم ناقص ہو، اس کے حواس محدود ہوں وغیرہا۔ ف۵ (نہ یہ کہ اس سے اس کے معبود کو کوئی نفع پہنچے) لِنَفْسِهٖ۔ یعنی اپنے ہی نفع و راحت کے لیے — اپنے نفع کا علم ہو جانے کے بعد قدرۃً ہر مشقت آسان ہو جاتی ہے۔ مشرک جاہلی قوموں کا فلسفہ یہ تھا کہ بندے جس طرح خدا کے محتاج ہیں، خدا بھی اسی طرح ان کا محتاج ہے اور جس طرح وہ ان کی نگرانی کرتا رہتا ہے یہ بھی تو برابر اس کی خدمت میں لگے رہتے ہیں! ف۶ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ "بے نیاز" یہاں اردو کے "بے پروا" کے معنی میں نہیں، غیر محتاج کے معنی میں ہے۔ یعنی تم جو خدا کو بھی کسی معنی میں اپنا محتاج و دست نگر سمجھ رہے ہو یہ تمام تر جہل ہے، وہ تو مخلوق میں سے کسی کا، کسی معنی میں بھی دست نگر نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں مجاہدہ کے بعد عجب اور دعویٰ استحقاق پیدا ہونے کی جڑ کاٹ دی گئی ہے۔

الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ

بھی کئے ہم ان کے گناہ ان سے دور کر کے رہیں گے وے اور ہم ان کو ان کے اعمال کا

اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٧ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ

زیادہ اچھا بدلہ دے کر رہیں گے و۸ اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو

بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا

اپنے والدین کے ساتھ سلوک نیک کا لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو کسی چیز کو میرا شریک بنا

لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ

جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں تو تو ان کا کہنا نہ ماننا تم سب کو میرے ہی پاس آنا ہے

فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٨ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا

میں تمہیں جتلا دوں گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہتے تھے و۹ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک

الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝٩ وَ مِنَ النَّاسِ

عمل کئے انہیں ہم نیک بندوں میں داخل کر کے رہیں گے اور بعضے آدمی ایسے ہیں

مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ

جو (زبان سے) کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے، پھر جب اللہ (کی راہ) میں تکلیف پہنچائی

فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَ لَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ

جاتی ہے تو لوگوں کی اذیت رسانی کو مثل عذاب الٰہی کے سمجھنے لگتے ہیں، و۱۰ اور اگر کوئی مدد آپ کے

رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ

پروردگار کی طرف سے آپہنچتی ہے، و۱۱ تو کہنے لگتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ تھے ہی و۱۲ کیا اللہ کو

بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠ وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

دنیا جہان والوں کے دلوں کی باتیں خوب معلوم نہیں؟ و۱۳ اور اللہ ایمان والوں کو بھی

وے چنانچہ مؤمنین صالحین کے بعض گناہ محض توبہ سے کہ وہ بھی ایک فرد ہے عمل صالح کی معاف ہو جائیں گے اور بعض دوسرے حسنات سے اور بعض محض فضلِ خداوندی سے۔ و۸ یعنی ان کے اعمال حسنہ کی جزا ان کے اصل استحقاق سے کہیں بڑھ کر۔ و۹ والدین کی اطاعت کا حکم تو قرآن میں عام ہے، بار بار آیا ہے۔ اس خاص آیت سے متعلق واقعہ نزول صحیح مسلم و جامع ترمذی دونوں میں یہ منقول ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص جب ایمان لے آئے تو ان کی مشرک والدہ بہت ہی ناخوش ہوئیں اور قسم کھا کر کہا کہ میں کھانا چھوڑتی ہوں اور چھوڑے رہوں گی جب تک تو اسلام ترک نہ کرے گا — یہ گویا تاریخ میں پہلی مثال بھوک ہڑتال (بلکہ بھوک اور پیاس ہڑتال) کی تھی — اس پر آیت نازل ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ایسی باتوں میں والدین کی اطاعت نہیں۔ لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ علم سے مراد دلیل، شہادت یا ثبوت ہے۔ و۱۰ (اور اس بشری گزند رسانی کے خوف سے نہ صرف زبان سے باطل کا کلمہ پڑھنے لگتے ہیں بلکہ دل تک کو انہیں عقائد باطلہ کے موافق بنا لیتے ہیں) فِي اللّٰهِ۔ فی سببیہ ہے۔ یعنی اللہ کی خاطر۔ اللہ کے سبب سے۔ یا اللہ کی راہ میں۔ اے لاجله عز و جل علی ان فی للسببية او المراد فی سبيل الله (روح) و۱۱ مثلاً جہاد ہوا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور یہ لوگ بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے۔ و۱۲ (دین و عقیدہ میں دل سے) یعنی جب مسلمانوں کے بس میں آجاتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو مسلمان شروع ہی سے تھے۔ کافروں کے ساتھ محض مجبوریوں اور مصلحتوں سے ہو گئے تھے۔ و۱۳ اللہ تعالیٰ ان کے قول کو رد کر کے فرماتا ہے کہ عالم الغیوب والسرائر سے بھی یہ چالاکی! تم مسلمان تھے ہی کب؟" ہر چند کہ اکراہ میں تلفظ بکلمۂ کفر کی اجازت ہے مگر ملامت اس پر ہے کہ دل سے کیوں کفر کیا تھا، جیسا صدور کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے"۔ (تھانوی علیہ الرحمہ)

اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝١١ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

معلوم کر کے رہے گا اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا اور کافر

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ

ایمان والوں سے کہتے ہیں ہماری راہ چلو اور تمہارے گناہ ہمارے ذمہ

وَ مَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ

حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی نہیں لے سکتے

اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝١٢ وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا

یہ بالکل جھوٹے ہیں اور یہ لوگ اپنے گناہ اپنے اوپر لادے ہوں گے اور اپنے گناہوں کے ساتھ

مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز وَ لَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا

کچھ اور گناہ بھی و۱۴ اور ان سے قیامت کے دن باز پرس ہو کر رہے گی جیسی جیسی باتیں

يَفْتَرُوْنَ ع ۝١٣ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ

یہ گھڑتے رہتے تھے، اور بالیقین ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف (پیمبر بنا کر) بھیجا تو وہ ان کے درمیان

فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ

پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے پھر ان کو طوفان نے

الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝١٤ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ

آ دبایا اور وہ (بڑے) ظالم لوگ تھے پھر ہم نے ان کو اور کشتی والوں کو

السَّفِيْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝١٥ وَ اِبْرٰهِيْمَ اِذْ

بچا لیا، اور ہم نے اس (واقعہ) کو دنیا جہان والوں کے لئے ایک نشان بنا دیا و۱۵ اور ابراہیم کو (بھی ہم نے

قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

پیمبر بنا کر بھیجا) جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی پرستش کرو اور اس سے ڈرو، یہ بہتر ہوگا تمہارے حق میں

ع ۱۳/۱۲

و۱۴ یہ دوسرے گناہ وہ ہوں گے جن کے یہ لوگ سبب و باعث بنے تھے گو اس سے سبکدوشی ان اصلی گنہگاروں کی بھی نہ ہو جائے گی۔ مِنْ خَطٰيٰهُمْ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ مِنْ شَيْءٍ میں مِنْ زائد تاکید استغراق یا تاکید نفی کے لیے ہے۔ یعنی ”کچھ بھی“ یا ”ذرا بھی“۔ من مزیدة لتاکید الاستغراق (روح)

و۱۵ حضرت نوح اور طوفانِ نوح وغیرہ پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ۸) اور سورۂ ہود (پ۱۲) میں گزر چکے۔ فَلَبِثَ ...... عَامًا۔ حضرت نوح کی عمر سے متعلق توریت میں ہے:۔ ”اور طوفان کے بعد نوح ساڑھے تین سو برس جیتا رہا اور نوح کی ساری عمر ساڑھے نو سو برس کی تھی۔ تب وہ مر گیا“ (پیدائش۔ ۹:۲۹) حضرت آدم سے اس وقت تک حسب تصریح توریت کل دس پشتیں گزری تھیں اور اوسط عمر بھی اس وقت کا آج کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تھا۔ اس لیے آپ کی اتنی عمر چنداں مستبعد بھی نہیں۔ خود آپ کے والد کی عمر ۷۷۳ سال کی ہوئی تھی اور آپ کے دادا کی عمر تو آپ سے بھی کچھ زائد ۹۶۹ سال کی ہوئی تھی۔ نو سو سال سے اوپر عمروں کا ہونا تو اس وقت سے ذرا پہلے معمول عام ہی تھا۔ اس لیے ان کی اس قدر عمر غیر محال بلکہ مستبعد تو کیا ہوتی اس وقت کے معیار کے لحاظ سے کچھ ایسی طویل بھی نہیں کہی جا سکتی۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ وَ جَعَلْنٰهَا۔ ھا کی ضمیر مؤنث عقوبة کی طرف سمجھی گئی ہے۔ اور جائز ہے کہ سفینة کی جانب لی جائے۔ اور سب سے بہتر ہے کہ نجات کی طرف سمجھی جائے۔ الهاء والالف فی جعلنا ها للسفينة اوللعقوبة او للنجاة (قرطبی)

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو تم تو اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو پوج
اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ
رہے ہو اور جھوٹ تراشتے ہو جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر
دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ
پوج رہے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے ہیں ف۱۶ سو تم لوگ رزق اللہ کے ہاں سے
الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾
تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو ف۱۷ اسی کے پاس تم سب کو لوٹ کر جانا ہے ف۱۸
وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا
اور اگر تم لوگ (مجھے) جھٹلا رہے ہو، تو تم سے پہلے بھی امتیں (اپنے پیمبروں کو) جھٹلا چکی ہیں، اور
عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٨﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ
پیمبر کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہوتا ہے ف۱۹ کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ
يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
اللہ کس طرح مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا، یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی
يَسِيْرٌ ﴿١٩﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ
آسان بات ہے، آپ کہیے تم لوگ زمین میں چلو پھرو، پھر اس پر نظر کرو اللہ نے کس طرح
الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
مخلوق کو اول بار پیدا کیا، پھر اللہ پچھلی بار بھی پیدا کرے گا بے شک اللہ ہر
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾ ج يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ
چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ف۲۰ عذاب دے گا اسے جس کی بابت اس کی مشیت ہوگی اور رحم کرے گا اس پر جسے

ف۱۶ نہ وہ ہوائیں چلانے پر قادر، نہ وہ برساتی بخارات اٹھانے پر قادر، نہ وہ فضا میں بادل کے پھیلانے پر قادر، نہ وہ پانی کو بوندوں کی شکل میں اتارنے پر قادر، نہ وہ زمین کے آفتاب سے تپانے پر قادر، نہ وہ زمین میں قوتِ نمو پیدا کرنے پر قادر، زراعت، فلاحت، تجارت، صنعت و حرفت غرض معاش کی کسی ایک صفت کے بھی اسباب مؤثر ان کے بس میں ذرا سے بھی نہیں۔ رِزْقًا کی تنوین و تنکیر رزق کی تقلیل و تحقیر کے لیے ہے یعنی کوئی ادنیٰ سا بھی رزق ان معبودانِ باطل کے بس میں نہیں۔ اِبْرٰهِيْمَ اور قوم ابراہیم پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ ف۱۷ (کہ وہی ہر قسم کے نفع کا مالک ہے۔ تمہارے ہر نفع کا منبع بھی وہی ہے) فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ۔ اللہ سے تمہارا تعلق محض بحیثیت الٰہ المعاد کے نہیں، الٰہ معاش بھی وہی تو تمہارا ہے۔ سارے معاشی واسطے اور وسیلے اسی سے نکلتے ہیں۔ اسی پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ الرِّزْقَ۔ رزق کا صیغہ معرفہ میں آنا اس کی کلیت و استغراق کے لیے ہے۔ یعنی سارے کا سارا رزق۔ ادل کله علی ان تعریف الرزق للاستغراق (روح) وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ۔ ہر قسم کے حقوق اسی کے مقرر کیے ہوئے ادا کرتے رہو۔ ف۱۸ جس طرح ہر نفع کا مالک وہی ہے، ہر ضرر کا بھی مالک وہی ہے۔ حساب کتاب اسی کو دینا ہوگا۔ آخری واسطہ اور سابقہ صرف اسی سے ٹھہرے گا۔ ف۱۹ (جس کے بعد اس کے اوپر امت کے کسی قول و فعل کی ذمہ داری نہیں) ف۲۰ (خلق اول پر بھی اور اعادۂ خلق پر بھی) اَوَلَمْ يَرَوْا۔ دعوتِ استدلال غور و فکر سے ہے۔ انسان اگر صرف اپنی ذات ہی میں، اپنے نیست سے ہست ہو جانے ہی پر غور کرے تو یہ حق تعالیٰ کی قوتِ ایجاد و ابداع پر اعتقاد پیدا کر دینے کے لیے کافی ہے۔ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ۔ دعوتِ استدلال مشاہداتِ مادی سے ہے۔ انسان اگر دوسری مخلوقات کے عجائبات پر نظر کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کی ہر قدرت کا کلمہ پڑھ اٹھے۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ان اہل طریق کا مستدل ہے جنہوں نے راہِ سیاحی اختیار کی ہے۔ یہ گھوم پھر کر احوالِ خلق سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور اس میں ان کی اور بھی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ مخلوق سے تعلقات میں کمی ہو اور زندگی، گمنامی، کسمپرسی، بے نشانی میں بسر ہو اور معصیتوں کے اسباب ہی پر دسترس کم سے کم ہو جائے۔

يَشَآءُ ۚ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ أَنتُم بِمُعْجِزِينَ فِي

وہ چاہے گا اور اسی کے پاس تم سب لوٹ کر جاؤ گے ف۲۱ اور تم نہ زمین میں ہرا

الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۖ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ

سکتے ہو اور نہ آسمان میں ۔ اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا

مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ

نہ کارساز ہے نہ مددگار ف۲۲ اور جو لوگ اللہ کی نشانیوں اور سامنے جانے کے

وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَئِسُوا مِن رَّحْمَتِي وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ

منکر ہیں وہی تو ہیں جو میری رحمت سے مایوس ہوں گے ف۲۳ اور وہی تو ہیں جنہیں

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّآ أَن قَالُوا

عذاب دردناک ہو گا سو ان (ابراہیم) کی قوم کا (آخری) جواب بس یہی تھا کہ کہنے لگے

اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

انہیں قتل کر ڈالو یا انہیں جلا ڈالو، سو اللہ نے ان کو (اس) آگ سے بچا لیا ف۲۴ بے شک (اس واقعہ) میں

لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن

نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ف۲۵ اور (ابراہیم نے یہ بھی) کہا کہ تم نے تو بس

دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ

اپنے باہمی تعلقاتِ دنیا کی بناء پر اللہ کو چھوڑ کر بت تجویز کر رکھے ہیں پھر

يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم

قیامت میں تم سے ایک دوسرے کا منکر ہو جائے گا اور ایک دوسرے پر لعنت

بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿۲۵﴾

کرے گا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہو گا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہو گا ف۲۶

ع ۲ / ۱۴

ف۲۱ اس ذرا سے فقرہ میں دو اہم حقیقتوں کا اثبات آ گیا۔ ایک یہ کہ سب کا حشر حق تعالیٰ ہی کے حضور میں ہو گا نہ کہ کسی اور کے — مسیحیوں اور دوسرے اہلِ باطل کی تردید۔ يُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ وَيَرْحَمُ مَن يَشَآءُ۔ یہ مشیت عذاب ہمیشہ اسی کے متعلق ہو گی جو مستحق عذاب ہو گا اور مشیت رحم اسی کے متعلق ہو گی جو رحمت کا اہل ہو گا۔ ف۲۲ یعنی اس کی تعذیب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ نہ اپنی کسی تدبیر سے بچ سکتے ہو نہ کسی دوسرے کی حمایت و نصرت سے۔ فِي الْأَرْضِ۔ یعنی تکوینی قوتیں تو ساری کی ساری اسی کی محکوم و تابع تھیں۔ وَلَا فِي السَّمَآءِ۔ نہ آسمان پر کوئی دیوی دیوتا تمہاری مدد کو موجود ہے۔ اسی سے ملتا جلتا ایک مضمون عہدِ عتیق میں ہے:۔ ”تیری روح سے میں کدھر جاؤں اور تیری حضوری سے میں کہاں بھاگوں؟ اگر میں آسمان کے اوپر چڑھ جاؤں تو تُو وہاں ہے اگر میں پاتال میں اپنا بستر بچھاؤں تو دیکھ تو وہاں بھی ہے۔ اگر صبح کے پنکھ لے کے میں سمندر کی انتہا میں جا رہوں تو وہاں بھی تیرا ہاتھ مجھے لے چلے گا“۔ (زبور، ۱۳۹: ۷-۹) ف۲۳ (قیامت کے دن) یعنی جب انکشافِ حقائق کا وقت ہو گا تو انہیں خود مشاہدہ ہو جائے گا کہ ہم تو محل رحمت ہی نہیں! يَئِسُوا۔ صیغۂ ماضی ہے لیکن یہاں مضارع کے معنی کھلے ہوئے ہیں۔ اور جس مستقبل کا تحقق یقینی ہے اس کے لیے ماضی کا صیغہ لے آنے کا دستور عربی فن بلاغت میں عام ہے۔ رَحْمَتِي۔ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عذاب کو یوں ہی مطلق چھوڑ دینا اور رحمت کا انتساب اپنی جانب صیغۂ واحد متکلم کے ساتھ کرنا، یہ خود غلبہ رحمت الٰہی کے آثار میں سے ہے۔ ف۲۴ ذکر وہی حضرت ابراہیم اور ان کی قوم کا چل رہا ہے۔ ان واقعات پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے۔ ف۲۵ (نشانیاں اللہ کے قادر مطلق ہونے کی پیمبرانِ برحق کے منصور ہونے کی اور کفر و شرک کے باطل ہونے کی) ف۲۶ مشرک جاہلی قوموں میں عموماً ہر ہر قبیلہ کے بت جداگانہ رہتے تھے اور قوم وار اور قبیلہ وار دیوی دیوتاؤں کی پرستش کا راز یہ بتایا جاتا ہے کہ اس سے قوم یا قبیلہ میں نظم یا جتھا قائم رہے گا۔ قیامت کے دن جب منکشف ہو جائے گا کہ یہ سیاسی یا معاشری مصلحتیں کس درجہ بے حقیقت تھیں تو احمق پجاری ایک دوسرے کے خلاف خوب دل کھول کر بخار نکالیں گے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو اتحاد و اتفاق سبب بن جائے فسادِ دین کا، اس کا ترک واجب ہے۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ

پھر لوط نے ان کی تصدیق کی ف۲۷ اور (ابراہیم) بولے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ترک وطن کرکے چلا جاؤں گا

هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ

بے شک وہی بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۲۸ اور ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب عطا کیا ف۲۹

وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْکِتٰبَ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ

اور ہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب کو قائم رکھا ف۳۰ اور ہم نے ان کو ان کا صلہ

فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾ وَلُوْطًا

دنیا میں (بھی) دیا اور آخرت میں یقیناً وہ (بڑے) نیک کاروں میں ہوں گے ف۳۱ اور لوط کو (بھی ہم نے پیغمبر بنا کر

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَکُمْ

بھیجا) جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک تم تو ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے

بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ

دنیا جہان والوں میں کسی نے نہیں کیا ف۳۲ ارے! تم تو مردوں سے

الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْکُمُ

فعل کرتے ہو اور تم رہزنی کرتے ہو اور تم بھری مجلس میں ممنوعات کا

الْمُنْکَرَ ؕ فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا

ارتکاب کرتے ہو ف۳۳ سو ان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہی تھا کہ ہم پر عذاب

بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ

لے آؤ اگر تم سچے ہو (لوط نے) دعا کی کہ اے میرے پروردگار

انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾ ع وَلَمَّا جَآءَتْ

مجھے (ان) مفسد لوگوں پر غالب کر دے ف۳۴ اور جب ہمارے قاصد

وقف لازم

ع ۱۵

ف۲۷ لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور آگے چل کر خود بھی نبوت سے مشرف ہوئے۔ مفصل حاشیے پچھلی سورتوں میں گزر چکے۔ ف۲۸ وہ میری حفاظت پر بھی ہر طرح قادر ہے اور میری رہنمائی پر بھی۔ اِلٰی رَبِّیْ۔ یعنی اس مقام کی طرف جو میرے پروردگار کا بتایا ہوا ہے۔ ای الی حیث امرنی بالتوجه الیه (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے کہ قرآنی فقرہ اِلٰی رَبِّیْ تفسیری فقرہ الی حیث امرنی ربی سے کہیں زیادہ بلند و بلیغ ہے۔ یہ کہ اس میں توجہ تمامتر پروردگار ہی کی طرف ظاہر ہو رہی ہے نہ کہ کسی جہت و مقام کی طرف۔ اِلٰی رَبِّیْ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اسی طرح طریقت میں اپنے رب کی طرف فنا و محو ہونا ہے اپنی خواہش و اختیار و ہستی کو ترک کرکے۔ ف۲۹ (بطور بیٹے اور پوتے کے) ان سب پر حاشیے اپنے اپنے مقام پر گزر چکے۔ ف۳۰ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ آپ کے بعد بھی مسلک توحید و رسالت کی دعوت آپ ہی کی اولاد اور اولاد در اولاد کے ذریعہ سے ہوتی رہی۔ قرآن مجید میں یہ کہیں بصیغۂ حصر تو وارد نہیں ہوا ہے لیکن جا بجا جہاں بھی اس نعمت کا ذکر آیا ہے سب کے سیاق پر غور کرنے سے معلوم یہی ہوتا ہے کہ منصب نبوت اور عقیدۂ توحید دنیا میں نسل ابراہیمی ہی کے ساتھ مخصوص رہا ہے، جس کی دو بڑی شاخیں اسرائیلی اور اسمٰعیلی ہیں۔ الْکِتٰبَ۔ کتاب سے مراد جنس کتاب ہے۔ قصد به جنس الکتاب (کشاف) ف۳۱ دنیا میں مال، جاہ، عزت، خوش اقبالی نے آپ کا ساتھ دیا اور آخرت میں آپ مراتب قبول و قرب سے نوازے گئے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیوی نعمتوں سے سرافرازی جیسا کہ بعض اہل اللہ کو ہوتی رہتی ہے آخرت میں ان کے مرتبہ کو گھٹا نہیں دیتی۔ ف۳۲ حضرت لوط اور ان کی قوم سے متعلق حواشی سورۃ الاعراف پ۸ میں گزر چکے۔ مَا سَبَقَکُمْ بِهَا سے معلوم ہوا کہ ایک زمانہ دنیا پر ایسا بھی گزرا ہے جب انسان بدکاری کی اس خاص صورت سے واقف بھی نہ تھا اور یہیں سے بعض فقہاء نے استدلال کیا ہے اس حرکت کے خلاف وضع فطرت ہونے پر۔ وہ کہتے ہیں کہ امر خلقی و طبعی محتاج کسب و تعلیم نہیں ہوتا۔ اور جب انسان اس فعل سے ہزار ہا سال تک واقف نہ ہوا تو یہ خواہش اس کی فطرت و طبیعت میں داخل نہیں ہو سکتی، اس گندی حرکت کے تاریخی پہلو پر بھی حاشیہ سورۃ الاعراف ہی کے ذیل میں آ چکا ہے۔ ف۳۳ قوم لوط علاوہ اس مخصوص گندگی کے اور بھی طرح طرح کے جرائم میں مبتلا تھی، حاشیے سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ فقہاء نے کہا ہے۔ ناچ رنگ اور عام منکرات کی محفلیں اسی حکم کے تحت میں آ جاتی ہیں ——— اور جب یہ حال ان مجلسوں کا تھا تو آج تھیٹر اور سینما اور میوزک ہال اور آپیرا ہاؤس اور پکچر گیلری و قس علیٰ ہذا کے جو احکام ہیں، وہ بالکل ظاہر ہیں۔ ف۳۴ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے اعداء دین پر بددعا کرنے کا جواز ثابت ہے۔ نیز یہ کہ ایسی بددعا حلم و کرم وغیرہ کمالاتِ اخلاق کے منافی نہیں۔

رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ

ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے ف۳۵ تو کہنے لگے ہم اس بستی والوں کو

هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۞۳۱ قَالَ اِنَّ

ہلاک کرنے والے ہیں بے شک اس کے باشندے بڑے بدکار ہیں ف۳۶ (ابراہیم نے) کہا (مگر)

فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڤ لَنُنَجِّيَنَّهٗ

وہاں تو لوط (بھی) ہیں (فرشتے) بولے ہم کو خوب معلوم ہے وہاں کون کون رہتا ہے ہم لوط اور ان کے گھر والوں کو

وَ اَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۞۳۲ وَ لَمَّآ

بچا دیں گے بجز ان کی بیوی کے کہ وہ (عذاب میں) رہ جانے والوں میں ہوگی ف۳۷ اور پھر جب

اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ

ہمارے (وہ) قاصد لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان (کے آنے) سے مغموم ہوگئے اور ان کے سبب سے

ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ ۗ اِنَّا مُنَجُّوْكَ

بہت گڑھے ف۳۸ (اس پر ان فرستادوں نے) کہا آپ اندیشہ نہ کریں اور مغموم نہ ہوں ہم بچالیں گے آپ کو

وَ اَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۞۳۳ اِنَّا

اور آپ کے گھر والوں کو بجز آپ کی بیوی کے کہ وہ (عذاب میں) رہ جانے والوں میں ہوگی ہم

مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ

اس بستی کے باشندوں پر ایک عذاب آسمانی ان کی بدکاریوں کی پاداش میں

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۞۳۴ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً

نازل کرنے والے ہیں اور ہم نے اس بستی کے کچھ نشان رہنے دیئے ہیں

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۞۳۵ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ

ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں ف۳۹ اور مدین (والوں) کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی شعیب کو (پیمبر بنا کر

ف۳۵ یہ قاصد انسانی شکل میں اللہ کے فرشتے تھے۔ جو حضرت ابراہیم کے پاس ان کے صاحبزادہ اسحٰق کی ولادت کی بشارت لے کر آئے تھے۔ ملاحظہ ہوں سورۃ اعراف (پ۸) اور سورۂ ہود (پ۱۲) کے حاشیے۔ رُسُلُنَا۔ رَسُوْل یہاں پیمبر کے اصطلاحی معنٰی میں نہیں۔ قاصد کے عام لغوی معنٰی میں ہے۔ اَلْبُشْرٰی۔ بشارت سے حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت مراد ہے۔ ف۳۶ مراد وہ بستیاں ہیں جن میں قوم لوط آباد تھی، یعنی شہر سدوم اور اس کے مضافات۔ ف۳۷ حضرات انبیاء شفقتِ مجسم ہوتے ہیں اور حضرت ابراہیم تو شاید شفقت میں اور زیادہ بڑھے چڑھے ہوئے تھے۔ فرشتوں سے سفارش ایک لطیف انداز میں کی۔ حضرت لوط کی بیوی اور ان کے انجام کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ سورۃ اعراف (پ۸) سورۂ ہود (پ۱۲)۔ لَنُنَجِّيَنَّهٗ۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے آیت سے استفادہ فرمایا کہ کسی مجمع میں اہل اللہ کا ہونا اس پر نزولِ عقوبت سے مانع ہو جاتا ہے اور اس سے اہل اللہ کا جدا ہو جانا تو اس مانع کا ارتفاع ہے۔ اِلَّا امْرَاَتَهٗ یہ بھی فرمایا کہ مقربین کے ساتھ محض قرابت کا تعلق بدون ایمان کے نافع نہیں۔ ف۳۸ (اپنی نالائق قوم کی حرکتوں کا خیال کر کے کہ وہ ضرور انہیں چھیڑیں گے) سِيْٓءَ...... ذَرْعًا۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے یہاں سے مستنبط فرمایا کہ طبعی غم اور حزن، کمال کے منافی نہیں جب کہ ان کے مقتضائے غیر مشروع پر عمل نہ کیا جائے۔ یہ فرشتے حسین نوجوان لڑکوں کی شکل میں تھے۔ اور سدوم والے یوں بھی پردیسیوں کے دشمن تھے۔ انہیں طرح طرح ستایا کرتے تھے۔ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا۔ عربی محاورہ میں یہ ایسے موقع پر بولتے ہیں جب شدتِ ناگواری برداشت سے باہر ہوئی جارہی ہو۔ اور انسان عاجز آیا جارہا ہو۔ و قد جعلت العرب ضيق الذراع والذرع عبارة عن فقد الطاقة (کشاف) اے عجز عنهم (راغب) ف۳۹ سدوم والوں کی تہ و بالا شدہ آبادیوں کے کھنڈر اب تک نگاہ عبرت کے لیے شرقِ یردن میں بحرِ مردہ (DEAD. SEA) کے مشرق میں موجود ہیں۔ اور بحرِ مردہ خود ایک عبرت گاہ ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ

بھیجا) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم والو اللہ کی عبادت کرو اور روز قیامت سے ڈرو

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ

اور ملک میں فساد مت پھیلاؤ سو ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

بس انہیں زلزلہ نے آ پکڑا وہ اپنے گھروں میں اوندھے گر کر رہ گئے ف۴۰

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ

اور عاد وثمود کو (بھی ہم نے ہلاک کیا) اور یہ تم پر ان کے مسکنوں سے ظاہر ہو چکا ہے ف۴۱

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ

اور شیطان نے ان کے اعمال (بد) کو ان کی نظر میں خوش نما کر دکھایا تھا اور ان کو راہ (حق) سے روک

السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ

رکھا تھا اور وہ لوگ (ویسے) ہوشیار تھے ف۴۲ اور قارون اور فرعون اور

وَهَامٰنَ ۗ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ

ہامان کو (بھی ہم نے ہلاک کیا) اور موسیٰ یقیناً ان لوگوں کے پاس کھلے نشان لے کر آ چکے تھے،

فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

لیکن انہوں نے زمین پر سرکشی کی اور بھاگ نہ سکے ف۴۳

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ

سو ہم نے (ان میں سے) ہر ایک کو اس کے گناہ کی پاداش میں پکڑ لیا، سو ان میں سے کسی پر تو ہم نے تند ہوا

حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ

بھیجی اور ان میں سے کسی کو ہولناک آواز نے آ دبایا ف۴۴

ف۴۰ شعیب علیہ السلام۔ مدین وغیرہ سب پر حاشیے اپنے اپنے مقام پر گزر چکے۔ ف۴۱ یعنی ان کی آبادی کے نشان ان کے موجودہ کھنڈروں اور آثار قدیمہ سے ظاہر ہیں۔ عاد، ثمود دونوں پر مفصل حاشیے سورۃ الاعراف (پ۸) میں گزر چکے ہیں۔ عرب تجارتی قافلے اپنے شام اور یمن کے سفروں میں اکثر ان مقامات سے گزرتے بھی رہتے تھے۔ ف۴۲ ان شامت زدہ قوموں میں لوگ ایسے نہ تھے جو عام طور سے احمق، بیوقوف، وحشی، لایعقل سمجھے جاتے۔ اچھے خاصے مہذب، شائستہ، متمدن لوگ تھے۔ دنیا کے اور سارے معاملات میں بڑے سوجھ بوجھ والے، بڑے بڑے تاجر، بڑے بڑے صناع، بڑے بڑے جہازراں، بس ایک دین ہی کے معاملہ میں غفلت کے پردے پڑے ہوئے تھے — گویا ہو بہو نقشہ آج کی مہذب ومتمدن قوموں کا! ف۴۳ (اور اپنی کسی حکمت وتدبیر، کسی صنعت وتزویر، کسی زور وقوت، کسی دولت وحشمت سے اپنے کو بچا نہ سکے) ف۴۴ فِرْعَوْنَ پر تو بار بار اور قَارُوْنَ وھَامٰنَ پر قریب میں حاشیے گزر چکے۔ (غرض کسی نہ کسی طریق پر وہ عذاب الٰہی کی گرفت ہی میں آ کر رہے) مَنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا۔ مثلاً قوم عاد پر۔ مَنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ۔ مثلاً قوم ثمود کو۔ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ۔ مثلاً قارون وبیت قارون کو۔ مَنْ اَغْرَقْنَا۔ مثلاً فرعون اور اس کے لشکر کو۔

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ خَسَفۡنَا بِهِ الۡاَرۡضَ ۚ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ

اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کسی کو ہم نے

اَغۡرَقۡنَا ۚ وَ مَا کَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَ لٰكِنۡ كَانُوۡۤا

غرق کر دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا البتہ یہ خود

اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۴۰﴾ مَثَلُ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ

اپنے اوپر ظلم کرتے تھے و۴۵ جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز تجویز

دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ كَمَثَلِ الۡعَنۡكَبُوۡتِ ۖۚ اِتَّخَذَتۡ

کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی مثال ہے اس نے ایک

بَيۡتًا ؕ وَ اِنَّ اَوۡهَنَ الۡبُيُوۡتِ لَبَيۡتُ الۡعَنۡكَبُوۡتِ ۘ

گھر بنایا اور مکڑی کا گھر سب گھروں سے زیادہ بودا ہوتا ہے و۴۶

لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يَدۡعُوۡنَ

کاش انہیں اس حقیقت کا علم ہوتا و۴۷ بے شک اللہ کے سوا جس کسی کو بھی پکارتے

مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۴۲﴾

رہتے ہیں و۴۸ اللہ ان سب کو جانتا ہے اور وہ بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے، و۴۹

وَ تِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعۡقِلُهَاۤ

ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انہیں بس علم والے

اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ

ہی سمجھتے ہیں و۵۰ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے

بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۴﴾ ع

(بالکل) ٹھیک طور پر، اس میں (بھی بڑی) دلیل ہے ایمان والوں کے لیے و۵۱

وقف لازم

ع ۴ ۱۴ ۱۶

و۴۵ یعنی یہ خود ہی اپنے کو مستحق عذاب بناتے اور عذاب الٰہی کی گرفت میں لاتے رہے۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے تو ان پر صورۃً بھی ظلم نہیں کیا یعنی یہ کہ انہیں بلاوجہ ظاہری سزا دے دیتا، واقعۃً وحقیقۃً تو حق تعالیٰ سے ''ظلم'' کا صدور کسی حال میں بھی ممکن نہیں۔ و۴۶ یعنی جس طرح وہ مکڑی کا گھر اپنے غایتِ ضعف کی بناء پر کالعدم ہوتا ہے ان کے یہ معبودانِ باطل بھی جن کی کارسازی پر انہیں بھروسہ ہے ان کے لیے لاشئے محض ثابت ہوں گے آسرے کے غایت ضعف کے موقع پر مثال اس مکڑی کے جالے کی قدیم صحیفوں میں بھی ملتی ہے۔ ''ان کی جو خدا کو بھول جاتے ہیں یہ راہیں ہیں اور ریاکار کی امید توڑی جاتی ہے۔ ان کی امید کی جڑ کٹ جاتی اور ان کی آس مکڑی کا جالا سا ہے'' (ایوب۔۸:۱۴) ''وہ ناگ کے انڈے سیتے ہیں اور مکڑی کی طرح جالا بنتے ہیں ——ان کے جالے کی اشاک بن نہیں سکتی، وہ اپنی بناوٹ یا آپ کو ڈھانپ نہیں سکتے''۔ (یسعیاہ۔۵۹:۶۰) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ و۴۷ (کہ شرک کس درجہ لچر، مہمل اور بیہودہ چیز ہے!) و۴۸ (درحقیقت یہی ان پر خوب روشن ہے کہ وہ سہارے کیسے بودے اور پھسپھسے ہیں) و۴۹ یعنی قوتِ عملی میں بھی کامل، اور قوتِ علمی میں بھی کامل —— وہ جب اور جو۔ جس سے چاہے ہر انتقام پر قادر ہے۔ پھر بھی جو فوراً نہیں لیتا ہے تو اپنے کمالِ حکمت سے کسی دوسرے وقت کے لیے اٹھائے ہوئے ہے۔ و۵۰ یعنی وہ لوگ جو حقائق کا علم رکھتے ہیں یا علم وحق کے طالب ہیں۔ ان احقائق کو اپنی گرفت میں وہی لاتے ہیں جو درجۂ ضروری میں اپنے عقل وعلم سے کام لیتے رہتے ہیں۔ و۵۱ (ایسے خالق وصانع کے معبود واحد ہونے کی) بِالۡحَقِّ۔ اس خلق کائنات سے بھی اسے مقصود احقاقِ حق ہی رہا ہے۔ اور لوگوں کو اپنی ذات وصفاتِ کمال کی طرف توجہ دلانا۔ اے محقا غیر قاصد به باطلاً فان المقصود بالذات من خلقها افادة الخير والدلالة على ذاته و صفاته (بیضاوی) اے محقاً مراعياً للحكم والمصالح (روح)

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ

جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے اسے پڑھا کیجیے اور نماز کی پابندی رکھیے ف۵۲ بے شک

الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ؕ وَ لَذِکْرُ اللّٰہِ

نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی رہتی ہے ف۵۳ اور اللہ کی یاد بہت

اَکْبَرُ ؕ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ

بڑی چیز ہے، اور اللہ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے ف۵۴ اور تم اہل کتاب سے مباحثہ

الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ٭ۖ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا

مت کرو بجز مہذب طریقہ کے سوا ان میں سے ان لوگوں کے

مِنْھُمْ وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ

جو زیادتی کریں، ف۵۵ اور کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اس (کتاب) پر بھی جو ہم پر نازل ہوئی اور ان (کتابوں)

وَ اِلٰھُنَا وَ اِلٰھُکُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں، اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود تو ایک ہی ہے اور ہم تو اسی کے فرمانبردار ہیں ف۵۶

وَ کَذٰلِکَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ

اور اسی طرح ہم نے آپ پر کتاب نازل کی، سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب

الْکِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ۚ وَ مِنْ ھٰٓؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِہٖ ؕ

دی ہے وہ اس پر ایمان بھی لے آتے ہیں ف۵۷ اور ان لوگوں میں سے بھی بعض اس پر ایمان لے آئے ہیں

وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ مَا کُنْتَ

اور ہماری آیتوں سے بجز (کٹے) کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا ف۵۸ اور آپ تو

تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ

اس (قرآن) سے قبل نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ اسے (یعنی کوئی کتاب) اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے

ف۵۲ اُتْلُ ...... اَقِمِ الصَّلٰوۃَ یعنی تشریع قولی اور تشریع فعلی، دین کے دونوں کاموں میں برابر لگے رہیے۔ اُتْلُ میں خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے اور اَقِمْ میں رسول و اُمت دونوں سے۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ۔ اقامت صلوٰۃ کے تحت میں نماز کے وقت کی پابندی اور اس کے ارکان و شرائط کی رعایت آگئی۔ اقامة الصلٰوة اداؤھا فی وقتھا بقراء تھا و رکوعھا و سجودھا و قعودھا و تشھدھا و جمیع شروطھا (قرطبی) اُتْلُ یعنی قرآن کی تلاوت خود بھی کیجیے اور دوسروں کو بھی سنائیے۔ علم عمل پر مقدم ہوتا ہے۔ اس ترتیب کے مطابق یہاں تلاوت قرآن کو اقامة الصلٰوة پر مقدم رکھا ہے۔ مِنَ الْکِتٰبِ میں من بیانیہ ہے۔ ف۵۳ یعنی نماز میں خاصہ طبعی یہی ہے کہ وہ عظمت الٰہی کا استحضار بار بار کرا کے ہر گناہ و معصیت سے روک دیتی ہے۔ اب اگر نماز کے شرائط ہی پوری طرح نہ ادا کیے جائیں تو اسی نسبت سے ادائے نماز ناقص رہے گی۔ اور پھر اسی مناسبت سے اس کی یہ طبعی خاصیت بھی ضعیف و مضمحل رہے گی۔ یہاں تک کہ جو نماز بالکل سطحی اور اوپری ہوگی اور روح نماز سے خالی، اس میں وہ برائیوں کے روک تھام والی قوت بھی گویا معدوم ہوگی۔ دوسرے معنٰی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ نماز جو یادِ الٰہی اور اس کی عظمت کے استحضار کی ایک اعلیٰ و مکمل شکل ہے اس کا اقتضاء یہی ہے کہ وہ ہر برائی سے روک دے۔ اس کا اثر ہونا بھی چاہیے، عام اس سے کہ کسی پر ہو یا نہ ہو۔ اَلصَّلٰوۃَ میں ال عہد کا ہے یعنی وہ نماز جو ظاہری و باطنی شرائط معین کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔ اَلْفَحْشَآءِ بے حیائی کے تصریحی ذکر میں نکتہ یہ ہے کہ اکثر دوسری قوموں اور مذہبوں میں بے حیائی صرف جائز ہی نہیں بلکہ ایک لازمی جزو عبادت و نماز کا ہے۔ اور مغربی فاضلوں کی تحقیق یہ ہے کہ بیسوائی کی ابتداء ہی مندروں اور مشرکانہ معبدوں کے سایہ میں پڑی ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ گویا یہاں یہ ارشاد ہوا کہ فحش دوسرے مذہبوں میں جزوِ عبادت ہو تو ہو، اسلامی عبادت تو اس کے جواز کی بھی روادار نہیں عین اسے توڑنے اور کاٹنے والی ہے۔ ف۵۴ اللہ کے یہی عالم کل ہونے کا مراقبہ ہی ہر مجاہدہ کو آسان بنا دینے اور قلب میں خشیت پیدا کر دینے کو کافی ہے۔ ذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ذکر الٰہی ہی کی افضل ترین و مکمل ترین فرد نماز ہے۔ وَ لَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ کے معنٰی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بڑائی تو بس اسی کے ذکر کی ہے نہ کہ کسی اور کے ذکر کی۔ اے لہ الکبر لالغیرہ (کبیر) اور ایک اور معنٰی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ جو تمہیں یاد کرے گا اس کا مرتبہ اس یاد سے بھی بڑھا ہوا ہے جو تم اس کی کرتے رہتے ہو۔ اے ذکر اللہ ایاکم افضل من ذکرکم ایاہ (معالم) اے ذکر اللہ لکم بالثواب والثناء علیکم اکبر من ذکرکم لہ فی عبادتکم و صلواتکم (قرطبی) ابن عباس، ابن مسعود ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ متعدد صحابیوں اور مجاہد و عکرمہ و سعید بن جبیر تابعین سے یہی معنٰی مروی ہیں۔ بلکہ ایک روایت میں تو خود رسول اللہ ﷺ سے۔ یروٰی ذٰلک عن ابن عباس و ھو قول مجاھد و عکرمة و سعید بن جبیر و یروٰی ذٰلک مرفوعًا عن ابن عمر عن النبی ﷺ (معالم) و قد روی ھذا من غیر وجہ عن ابن عباس و روی ایضاً عن ابن مسعودٍ و ابی الدرداء و سلمان الفارسی و غیرھم (ابن کثیر) امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ترجیح اسی توجیہ کو دی ہے۔ و اشبہ ھذہ الاقوال بما دل علیہ ظاھر التنزیل قول من قال لذکر اللہ ایاکم افضل من ذکرکم ایاہ (ابن جریر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اعمال سلوک کے اصول سب جمع ہو گئے یعنی تلاوت اور نماز اور ذکر اور مراقبہ۔ باقی جتنے اعمال و اشغال ہیں سب انہیں کے تابع ہیں۔ ف۵۵ (تو انہیں البتہ جواب ترکی بہ ترکی دینے میں مضائقہ نہیں) مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ تبلیغ کے سلسلہ میں موقعے مباحثہ و مناظرہ کے بھی آئیں گے۔ کتابی مذہب والوں یعنی جو توحید و سلسلۂ نبوت کے قائل ہیں ان سے مباحثہ کے وقت ہمیشہ نرمی، تہذیب اور ان کی دلجوئی سے کام لیتے رہو کہ اس سے انہیں ترغیب اسلام میں داخل ہونے کی ہوتی رہے گی۔ ہاں البتہ ان میں جو بدزبان ہوں انہیں حسب مصلحت ان کے رنگ میں بھی جواب دیا جا سکتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اس میں دلالت ہے کہ مخالف کے ساتھ اول نرمی برتے اور جب عناد ظاہر ہو تو خشونت کی اجازت ہے۔ چنانچہ یہی طریقہ ہے اہل اللہ کا مخالفین کے ساتھ۔ البتہ طالبین کے ساتھ طرز دوسرا ہے۔ یعنی ان کے ساتھ نرمی کی جائے جب تک عذر جہل باقی ہے۔ اور جب یہ عذر نہ رہے تو پھر سختی کی جائے۔ اور یہی معاملہ تھا رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کے ساتھ۔ ف۵۶ یعنی اہل کتاب کو سمجھاؤ کہ جب ہم تم میں اتنا اشتراک ہے کہ ہماری

طرح تم بھی توحید کے قائل ہو، اور بجائے ملکی یا قومی یا قبائلی خدا کے، ایک خدائے پروردگار عالم کے قائل ہو، ہماری طرح سلسلۂ وحی ونبوت کو مانتے ہو اور ہم تمہاری الہامی کتابوں کو مانتے ہیں، تو اب بات ہی کیا رہ جاتی ہے، جو تم ہمارے صحیفۂ آسمانی سے انکار کیے جاتے ہو؟ اٰمَنَّا...... اِلَيْكُمْ۔ مسلمان اپنے رسول کریم ﷺ کی وحی ونبوت کو دنیا سے بالکل الگ ومنفرد نہیں مانتا۔ وہ تو تسلسل وحی کا قائل ہے، وہ تو اس کا معتقد ہے کہ ہمارے نبی کے پاس وہی وحی آخر میں بطور خاتم الانبیاء واعظم الانبیاء ہونے کے آئی ہے، جو آپ سے قبل ابراہیم اور اسماعیل اور موسٰی اور عیسٰی علیہم السلام اور بیسیوں دوسرے پیمبران جلیل القدر پر آچکی تھی۔ وَاِلٰـهُنَا وَاِلٰـهُكُمْ وَاحِدٌ۔ ہمارے تمہارے درمیان یہ جھگڑا بھی تو نہیں کہ ہم فلاں فلاں دیویوں کے ماننے والے ہیں اور تم فلاں فلاں دیوتا کے پجاری۔ پروردگار عالم کی توحید اور اس کی عبادت تو ہم تم میں مشترک ہے ـــ اسلام کا یہ ایک امتیازی نشان تمام غیر کتابی مذہبوں کے مقابلہ میں خوب سمجھے رہنا چاہیے کہ اسلام ہی نے پروردگار عالم کا، الٰہ الکائنات کا تخیل دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ورنہ دنیا میں اب تک تو ہر ہر علاقہ، یا ہر ہر قوم کے الگ الگ دیوتا ہوتے تھے۔ **ف۵۷** چنانچہ ان لوگوں کا ذی فہم اور منصف مزاج طبقہ بالآخر اسلام لے ہی آیا۔ **یعنی مومنی اهل الکتب** (معالم) **اے الذین اخذوه فتلوه حق تلاوته من احبارهم العلماء الاذکیاء** (ابن کثیر) اَلْكِتٰبَ سے یہاں مراد جنس کتاب ہے۔ بِهٖ۔ یعنی قرآن پر۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ۔ کی ایک تفسیر امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے یہ بھی نقل کی ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب نہیں بلکہ خود انبیاء کرام ہیں کہ کتابیں براہ راست ودر حقیقت تو انہیں کو عطا ہوئی تھیں۔ **ف۵۸** (جو ہر طرح کے وضوح دلائل کے بعد بھی انکار پر اڑے ہوئے ہیں) مِنْ هٰٓؤُلَآءِ۔ یعنی مشرکین مکہ میں سے۔ **یعنی اهل مكة** (معالم) **یعنی العرب من قریش و غیرهم** (ابن کثیر) بِهٖ۔ یعنی قرآن پر۔ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ۔ یعنی بجز ضدی اور ہٹ دھرم کافروں کے۔ **الا المتوغلون فی الکفر فان جزمهم به یمنعهم عن التامل** (بیضاوی) امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے ایک تفسیر یہ نقل کی ہے کہ مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سے مراد بعض مشرکین مکہ نہیں بلکہ بعض اہل کتاب ہی ہیں۔ اور اسی تفسیر کو عقل ونقل سے قریب تر قرار دیا ہے۔ **اولی و اقرب الی العقل والنقل و اقرب الی الاحسن من الجدال المامور به** (کبیر)

إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي

ورنہ (یہ) ناحق شناس لوگ شبہ نکالنے لگتے و۵۹ بات یہ ہے کہ یہ (کتاب خود ہی بہت سی)

صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا

کھلی ہوئی نشانیاں ہے ان لوگوں کے ذہن میں جنہیں علم عطا ہوا ہے، و۶۰ اور ہماری آیتوں سے تو بس ضدی ہی لوگ

الظَّالِمُونَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ ۖ

انکار کرتے ہیں، و۶۱ اور کہتے ہیں کہ ان (پیمبر) پر کوئی نشان ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اترے و۶۲

قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۵۰﴾

آپ کہہ دیجیے کہ نشان تو بس اللہ کے قبضہ میں ہیں و۶۳ اور میں تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں و۶۴

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ

کیا ان لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ کے اوپر کتاب نازل کی ہے جو ان کو سنائی جاتی رہتی ہے و۶۵

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۱﴾ ع

بے شبہ اس (کتاب) میں بڑی رحمت اور نصیحت ہے ایمان والے لوگوں کے لئے و۶۶

قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۖ يَعْلَمُ مَا فِي

آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان بطور گواہ کے اسے ہر چیز کی خبر ہے جو کچھ

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا

آسمانوں اور زمین میں ہے و۶۷ اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے ہیں اور اللہ کے

بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ

منکر ہیں وہی تو ہیں بڑے گھاٹے میں پڑے ہوئے و۶۸ اور یہ لوگ آپ سے جلدی کر رہے ہیں

بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُسَمًّى لَجَاءَهُمُ الْعَذَابُ ۚ

عذاب کی و۶۹ اور اگر ایک میعاد متعین نہ ہوتی تو ان پر عذاب آ چکا ہوتا

و۵۹ یعنی اُس وقت کچھ تو منشاء اشتباہ ان لوگوں کے پاس ہوتا۔ اور یہ لوگ آپ کی بابت یہ کہنے لگتے کہ آدمی پڑھے لکھے ہیں کسی دوسری آسمانی کتاب سے مضامین چرا لیے ہیں حالانکہ قرآن کے وجوہ اعجاز اتنے کھلے ہوئے ہیں کہ اُس وقت بھی دعوے کو چلنے نہ دیتے۔ لیکن بہرحال کچھ تو گنجائش ہوتی۔ اور اب تو اتنی بھی نہیں۔ رسول کریم ﷺ کی اُمیت اور ناخواندہ ہونے پر اس سے بڑھ کر صریح شہادت اور کیا ہوگی۔ اس پر بھی ناحق شناسوں کا ایک گروہ (خصوصاً مسیحی پادریوں کا) آج تک اس پر مصر چلا آرہا ہے کہ آپ ضرور پڑھے لکھے تھے۔ اور اس پر رسالے اور کتابیں چھپتا چلا جاتا ہے!— باطل پرستی کی بھی کوئی انتہاء ہے! و۶۰ یعنی اس کے وجوہ اعجاز اتنے کھلے ہوئے اور متعدد ہیں، کہ یہ ایک کتاب بجائے خود بہت سے نشانوں کے قائم مقام ہے۔ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد مومنین ہیں۔ صُدُوْرِ کے معنی اگر لفظی یعنی سینہ کے لیے جائیں تو مراد ہوگی کہ یہ کتاب بطور نشان واضح کے سینہ بہ سینہ محفوظ چلی آتی ہے ہر امکان تحریف سے ماوراء۔ و۶۱ (ورنہ منصف مزاج کو تو ذرا شک نہیں رہ سکتا)۔ يَجْحَدُ۔ جحد کے معنی پہلے بیان ہو چکے ہیں کہ دل کو یقین تو کسی بات کا آ جائے۔ پھر بھی ضد و جہل سے زبان انکار پر اڑی رہے۔ اَلظّٰلِمُوْنَ۔ یعنی ضدی۔ ہٹ دھرم۔ اے المتوغلون فی الظلم بالمكابرة بعد وضوح دلائل اعجازها (بیضاوی) و۶۲ (ہماری خواہش و فرمائش کے مطابق) نشان سے مراد خارقِ عادت ہے۔ مشرک اور مشرک مزاج قوموں کو ہمیشہ گرویدگی عجائب و خوارق ہی سے رہی ہے۔ اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور پیام کو بالکل نظر انداز کر کے فرمائشیں بار بار ہوتی تھیں کہ فلاں اور فلاں معجزہ دکھاؤ!— گویا پیغمبر بھی ایک طرح کا بازیگر ہوتا ہے! و۶۳ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے قرآن میں یہ بار بار کہلایا گیا ہے کہ واقعات و حوادث تکوینی تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ چنانچہ خوارق و معجزات بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ میں جس طرح کسی واقعہ مطابق عادت کی تکوین میں بے بس محض ہوں اسی طرح واقعات خارق عادت میں بھی— اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے۔ یعنی میرا کسی عمل تکوینی سے قطعاً کوئی بھی تعلق نہیں۔ و۶۴ یعنی میری صداقت کی جانچ کرنا ہو تو میری تعلیمات کو دیکھو، پرکھو اور جو دین میں لایا ہوں، اس کی تحقیق کرو۔ و۶۵ جو ہر قسم کی معنوی گہرائیوں ادبی لطافتوں، مطالب کی ہمہ گیری، مضامین کی جامعیت و کاملیت سے معمور ہے۔ و۶۶ رَحْمَةً۔ تعلیم احکام کے پہلو سے۔ ذِكْرٰى۔ نصیحت و ترغیب و ترہیب کے اعتبار سے۔ و۶۷ (میرے دل میں ذرہ بھر بھی کھوٹ ہوگا تو اس سے نہیں چھپ سکتا) مطلب یہ ہے کہ کسی کے ماننے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ میری رسالت تو عند اللہ ثابت ہے— ایک حقیقی مذہبی شخص کے پاس اس سے بڑا واسطہ اور ہے ہی کیا کہ وہ خدا کو درمیان ڈال کر کسی بات کا اقرار کرے۔ و۶۸ جنہوں نے اللہ اور اس کی شریعت سے کفر کر کے باطل کو اپنا سہارا قرار دے لیا، تو انہوں نے تو ایک تمام تر غلط نقشہ زندگی ہی تیار کر لیا۔ اب انہیں فوز و فلاح نصیب ہی کہاں سے ہو سکتا ہے؟ و۶۹ (کہ اچھا اگر تم سچے ہو اور ہم نافرمان اہل باطل، تو ہم پر عذاب فوراً کیوں نہیں لے آتے ہو؟)

وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ

اور (وہ عذاب) ان پر اچانک آپڑے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی ف۷۰ آپ سے جلدی کر رہے ہیں

بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ۙ يَوْمَ

عذاب کی اور یقیناً دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے ف۷۱ جس دن

يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ

کہ عذاب ان پر چھا جائے گا ان کے اوپر سے بھی اور ان کے پیروں کے نیچے سے بھی

وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ

اور (اللہ) کہے گا (اب) مزہ چکھو اس کا جو کچھ کہ تم کرتے رہے ہو اے میرے ایمان دار

اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ

بندو میری زمین تو بہت وسیع ہے سو اکیلی میری ہی پرستش کرو ف۷۲ ہر

نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۟ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ

جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے ف۷۳ پھر تم سب ہماری طرف واپس لائے جاؤ گے ف۷۴ اور جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا

ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے ف۷۵ ہم ان کو جنت میں جگہ دیں گے، بالاخانوں پر

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ

جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے کیا اچھا اجر ہے

الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ ۖ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾

نیک کام کرنے والوں کا جنہوں نے صبر کیا اور اپنے پروردگار پر توکل کیا کرتے تھے ف۷۶

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا

اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے اللہ ہی انہیں روزی پہنچاتا ہے

ف۷۰ یعنی نزول عذاب کی ساعت تو علم الٰہی میں مقرر ہے۔ اس کی تاخیر کو صحت دعوئے نبوت کی تغلیط و تردید سے مربوط کرنا عجب طرح کا جہل بلکہ خبط ہے۔ لَيَاْتِيَنَّهُمْ...... لَا يَشْعُرُوْنَ۔ عذاب موت کا ہو یا قیامت کا۔ بہر حال جب بھی آئے گا ان شامت زدوں کی غفلت میں یک بیک ہی آئے گا۔ ف۷۱ (جس کا پورا ظہور قیامت میں ہو کر رہے گا) مُحِيْطَةٌ صیغہ اسم فاعل کا ہے۔ فعل مضارع کا نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ جہنم کہیں آگے چل کر انہیں گھیرے گی، بلکہ اسی وقت ہی گھیرے ہوئے ہے۔ اس سے بعض عارفین نے یہ نکالا ہے کہ اصل جہنم تو کفر و معصیت ہی ہیں۔ آخرت میں صرف اتنا ہوگا کہ اُن کا ظہور کامل ہو کر رہے گا۔ ف۷۲ (خواہ یہاں یا جہاں کہیں بھی، توحیدی عبادت ممکن ہے) یہ ترغیب ہے ہجرت یعنی اقامت دین کی خاطر ترکِ وطن کی۔ علماء نے اس سے یہ نکالا ہے کہ جہاں کفر و فسق کی شدت ہو اور خدا پرستی کا موقع نہ مل سکے۔ وہاں سے بندۂ مومن چلا جائے۔ اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ میں اشارہ ہے کہ اللہ کی نعمتیں کھانے پینے، رہنے سہنے سے متعلق کسی ایک خطہ یا علاقہ تک محدود نہیں۔ یہ تو وطن کے باہر بھی سب کہیں مل سکتی ہیں اُن کی طرف سے اتنا فکر مند کیوں ہوتے ہو — یہ مضمون زیادہ کھول کر پہلے ہی بیان ہو چکا ہے۔ يجد فى الارض مراغما كثيرا (سورۃ النساء) ف۷۳ (اور دنیا کے مرغوبات و مالوفات کو ایک دن تو بہر حال چھوڑنا ہی ہے، پھر آج اقامت دین ہی کی خاطر ترکِ وطن و اقارب کیوں نہ اختیار کیا جائے) ہجرت کے جو مانع نفس میں موجود ہیں ان میں ایک تو اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ سے رفع کیا جا چکا ہے۔ دوسرا جواب اب مل رہا ہے کہ جن چیزوں کا ترک و مفارقت آج شاق گزر رہی ہے اُن سے دُوری اور مہجوری ایک دن تو بہر حال ناگزیر ہی ہے۔ تو آج ہی اپنے قصد و اختیار سے کیوں نہ حاصل کر لی جائے کہ آئندہ ہر طرح کی نعمتوں کا استحقاق ہو جائے۔ فقال لهم ان ماتكرهون لابد من وقوعه فان كل نفس ذائقه الموت والموت مفرق الاحباب فالاولى ان يكون ذلك فى سبيل الله فيجازيكم عليه (کبیر) اى انتم لا محالة ميتون و محشورون الينا فالبدار الى طاعة الله والهجرة اليه والى ما يمتثل (قرطبی) ف۷۴ (تو اگر نافرمان ہو کر آئے تو کیسی گزرے گی) اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۔ ذرا سے دو لفظی فقرے میں دو اہم حقیقتوں کا اثبات آگیا۔ ایک یہ کہ موت، عدم محض و خلاء محض کا نام نہیں، موت کے بعد سزا جزاء، حساب و کتاب یقینی ہے۔ دوسرے یہ کہ سب کی پیشی حق تعالیٰ ہی کے حضور میں ہوگی کسی اور کے ہاں نہیں۔ ف۷۵ (اور انہیں نیک اعمال میں بوقت ضرورت ہجرت بھی ہے، جس کا ابھی اُوپر بیان آچکا ہے) ف۷۶ (چنانچہ اس صبر و توکل علی اللہ ہی کی بناء پر وہ اس فکر میں زیادہ نہیں پڑے کہ ہجرت کے بعد کھانا پینا کہاں سے چلے گا) اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْا۔ جو صالح بندے ہوتے ہیں، لازمی نہیں کہ انہیں سارے تکوینی حالات اپنی مرضی کے موافق ہی ملتے رہیں۔ ایسے موقعوں پر وہ بے صبری سے نہیں، صبر سے کام لیتے رہتے ہیں۔ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ بڑی بات ان نیک اور صالح بندوں میں یہ ہوتی ہے کہ وہ آخری اعتماد چھوٹی بڑی ہر چیز میں اللہ ہی پر رکھتے ہیں جھوٹے اور چھوٹے معبودوں کے پھیر میں پڑ کر اپنی قوتوں کو ضائع و منتشر نہیں کرتے رہتے۔

وَاِیَّاکُمۡ ۖ وَھُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿٦٠﴾ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَھُمۡ مَّنۡ

اور تم کو بھی اور وہی خوب سننے والا ہے (اور) خوب جاننے والا ہے ف۷۷ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ

وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اورسورج و چاند کو کام میں لگا دیا

لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ ۚ فَاَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ

تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے، تو پھر یہ کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں؟ ف۷۸ اللہ روزی کھول دیتا ہے اپنے بندوں

لِمَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ وَ یَقۡدِرُ لَہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ

میں سے جس کے لئے چاہتا ہے، اور (جس کے لئے چاہے) تنگ کردیتا ہے، بے شک اللہ ہی ہر چیز سے

شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿٦٢﴾ وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَھُمۡ مَّنۡ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ

خوب واقف ہے ف۷۹ اور اگر آپ ان سے پوچھئے کہ آسمان سے پانی کس نے برسایا

مَآءً فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِھَا لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ ؕ

پھر اس سے زمین کو اس کی خشکی کے بعد تروتازہ کر دیا، تو بھی یہ لوگ کہیں گے کہ اللہ نے،

قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُھُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿٦٣﴾ وَ مَا

آپ کہیے الحمدللہ ف۸۰ لیکن ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے ف۸۱ اور یہ

ھٰذِہِ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَآ اِلَّا لَھۡوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَ اِنَّ الدَّارَ الۡاٰخِرَۃَ

دنیوی زندگی بجز کھیل تماشہ کے کچھ ہے ہی نہیں ف۸۲ اور عالم آخرت ہی

لَھِیَ الۡحَیَوَانُ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿٦٤﴾ فَاِذَا رَکِبُوۡا فِی الۡفُلۡکِ

اصل زندگی ہے ف۸۳ کاش انہیں (اس کا) علم ہوتا! ف۸۴ اور جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں

دَعَوُا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۚ فَلَمَّا نَجّٰھُمۡ اِلَی الۡبَرِّ

تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو یہ لوگ

ع ٦ / ٢ — نصف الجزء

ف۷۷ سب کی ضرورتوں سے خبردار، سب کے حالات سے خوب واقف۔ وَکَاَیِّنۡ مِّنۡ ...... اِیَّاکُمۡ۔ ایک بار پھر یہ حقیقت دلوں میں اتاردی ہے کہ اللہ کا تعلق بندوں سے صرف معادی ہی زندگی کا نہیں، بلکہ اس ناسوتی زندگی اور اس کے معاشی پہلوؤں میں بھی پورا پورا ہے۔ اس کے ایک ایک جزئیہ کے ساتھ ہے — بے صبر اور تھڑدلے انسان کو سمجھایا ہے کہ جانوروں کی حالت پر غور کرو وہ کب اپنا رزق اپنے ساتھ لیے لیے گھومتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے انہیں بھی کہیں بھوکا نہیں رکھا جاتا ہے۔ اُن کی غذا انہیں بہم پہنچائی ہی جاتی ہے۔ تو انسان کیوں اپنے متعلق اتنا بے آس ہوا جاتا ہے؟ انسان کے لیے کیا اتنا بھی فکر و اہتمام نہ ہوگا جتنی پروا حیوانات کے لیے رکھی جاتی ہے؟ ف۷۸ یعنی توحید فی التکوین کے قائل ہو کر پھر معبودیت و الوہیت میں بھی توحید پر کیوں نہیں قائم رہتے، اور اس باب میں کیسے بھٹکے جا رہے ہو کہ آکاش دیوتا دھرتی مائی اور سورج دیوتا کے بھی قائل ہو رہے ہو! ف۷۹ (اور وہی جیسی مصلحت دیکھتا ہے روزی دیتا ہے۔ پھر رزق کے لیے شرک کرنا کیسی حماقت ہے!) یَبۡسُطُ ...... لَہٗ۔ رزق میں کسی بندہ کی کشادگی ہو یا تنگی، بہرحال کسی نہ کسی مصلحت تکوینی ہی کے ماتحت ہوتی ہے۔ ہر کشادگی اپنے ساتھ فرائض اور ذمہ داریوں کا ایک انبار ہی لاتی ہے جن کے ظرف اُن کا تحمل نہیں کرسکتے انہیں اس بار سے سرے سے سبکدوش کیا جاتا ہے۔ ف۸۰ یعنی تمہارے اس اقرار سے اس شرک کی جڑ تو کٹی، جو تمہیں ایک بارش کے دیوتا اور ایک زراعت کے دیوتا کی طرف لیے جاتا ہے۔ ف۸۱ (اس لیے صحیح مقدمات سے جو نتیجہ بالکل واضح طور پر نکلتا ہے وہ بھی یہ نہیں نکالتے، اور پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں) ف۸۲ (اپنے فانی، عارضی، بے ثبات ہونے کے لحاظ سے) لیکن اگر یہی حیاتِ دنیا تحصیل دین کا ذریعہ بن جائے تو یہی لہو و لعب خود دارِ آخرت کا ایک جزو بن جائے گا اور باعتبار ثمرات اس کا شمار بھی باقی میں ہو جائے گا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۸۳ (اپنے باقی، قائم و پائیدار ہونے کے اعتبار سے) حیوان۔ یہاں اپنے عام معنٰی میں جاندار یا ذی حیات کے مرادف نہیں، بلکہ مصدر ہے خود حیات کے معنٰی میں، البتہ اس کے معنٰی میں حیات سے زور زائد ہے۔ الحیوان مصدر حی کا لحیاۃ لکن فیھا مبالغۃ لیست فی الحیاۃ (کبیر) اور فقرہ کے معنٰی یہ ہوئے کہ اصلی اور حقیقی زندگی وہی آخرت کی زندگی ہے۔ فکانہٗ قال الحیاۃ الثانیۃ ھی الحیاۃ المعتبرۃ (کبیر) حیوان کے معنٰی مستقر حیات کے بھی کیے گئے ہیں۔ الحیوان المقر الحیٰوۃ[1] (راغب) ف۸۴ (تو فانی میں منہمک ہو کر باقی کو بھول نہ جاتے، اور غور و تدبر سے کام لے کر اپنی عقل کو شرک کے ترک اور ایمان کے اختیار پر مجبور پاتے) انسان اگر اس عالم کے عارضی ناپائیدار ہونے اور اُس عالم کے مستقل و پائیدار ہونے کو مستحضر رکھے تو زندگی کا نقشہ ہی سراسر بدل جائے۔

[1] غم وحسرت:۔ آج یوم جمعہ ۱۹ر رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ر جولائی ۱۹۴۳ء جبکہ قلم اِنَّ الدَّارَ الۡاٰخِرَۃَ لَھِیَ الۡحَیَوَانُ کی تلاوت سے فارغ ہو چکا تھا، اطلاع موصول ہوئی کہ مفسر جلیل، امام علم و عرفان، مجدد وقت، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وطن تھانہ بھون میں ۱۵، ۱۶ر رجب (دوشنبہ، سہ شنبہ) کی درمیانی شب میں رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔ آہ کہ اس دور کا بہترین مفسر و بہترین فقیہ، بہترین متکلم اور بہترین عارف، درویش اُٹھ گیا! آج تک انہیں بزرگ کے افادات مرشد تھانوی مدظلہٗ کے نام سے درج ہوتے رہے تھے۔ اب آج سے یہ ”مدظلہٗ“ ”رحمۃ اللہ علیہ“ میں تبدیل کرنا پڑا۔ آہ! کہ کس دل سے!

ف۸۵ مطلب یہ ہوگا کہ جہاں ظاہری سہارے ٹوٹے، بس خدائے واحد یاد آنے لگتا ہے، اور ادھر ذرا آس اپنے عادی سہاروں کی بناء پر قائم ہوئی پھر توحید چھوڑ اپنی پرانی گمراہیوں میں پڑ گئے۔ یہ مضمون پہلے بھی کئی بار آچکا ہے۔ ف۸۶ یعنی وقوع موت یا قربِ موت پر۔ لِیَكْفُرُوْا۔ لِیَتَمَتَّعُوْا۔ دونوں میں لؔ 'تا کہ' کے معنی میں ہے، کے کا مرادف۔ ای لکی یکفروا و کی یتمتعوا (مدارک) والمعنی یعودون الی شرکھم لیکونوا بالعود الی شرکھم کافرین بنعمۃ النجاۃ قاصدین التمتع بھا (مدارک) اور بعض نے کہا ہے کہ لؔ امر کا ہے اعملوا ما شئتم کا مرادف اور کمال غضب کا مظہر جیسے اُردو میں ایسے موقع پر کہا جائے گا کہ اچھا، خوب کفر کرلو، اور اس دنیائے چندروزہ کے خوب مزے لوٹ لو۔ او لام الامر علی التھدید (بیضاوی) ف۸۷ اشارہ مشرکین مکہ کی جانب ہے۔ حَرَمًا...... حَوْلِهِمْ۔ یعنی یہ مشرکین مکہ اس پر غور نہیں کرتے کہ اب تک ہم نے ان کے خاص شہر کو کیسا محفوظ رکھا ہے۔ درآنحالیکہ اردگرد کے سارے مقامات زد میں آچکے ہیں۔ نِعْمَةِ اللّٰهِ۔ میں نعمۃ بطور اسم جنس کے آیا ہے۔ مراد ساری ہی نعمتیں ہیں۔ ف۸۸ ایسے ناانصافوں کو جہنم کی سزا ملنا بالکل قدرتی ہے۔ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ افتراء علی اللہ سب سے بڑا یہی ہے کہ اللہ کا شریک کسی کو ٹھہرایا جائے۔ كَذَّبَ بِالْحَقِّ۔ تکذیب حق سب سے بڑی یہی ہے کہ توحید و رسالت سے انکار کیا جائے۔ ف۸۹ (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی) مَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اللہ کی معیت اُس کی نصرت و اعانت ہی کا دوسرا نام ہے۔ ای معیۃ النصرۃ والمعونۃ (روح) سُبُلَنَا۔ یعنی اللہ کے قرب کے راستے۔ سبلنا ای سبل السیر الینا والوصول الی جنابنا (بیضاوی) فِيْنَا۔ یعنی ہماری راہ میں یا ہماری خاطر۔ ای فی شاننا و من اجلنا ولوجھنا خالصًا (روح) فی حقنا (بیضاوی) اَلَّذِيْنَ...... سُبُلَنَا۔ انسان کے لیے بس جدوجہد شرط ہے۔ مجرد مجاہدہ پر ہدایت یابی کا وعدہ ادھر سے موجود ہی ہے۔ جَاهَدُوْا فِيْنَا۔ کے معنی، قدرت، صنعت، حکمت الٰہی کے دلائل پر غور و فکر کے بھی کیے گئے ہیں۔ ای الذین نظروا فی دلائلنا (کبیر) ف۱ حروف مقطعات پر حاشیہ پارۂ اوّل کے شروع میں گزر چکا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ حروف مقطعات قرآن مجید کی جن جن سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں، عموماً وہاں معاً بعد ذکر "قرآن" یا "کتاب" یا "تنزیل" کا بھی آیا ہے۔ عام قاعدہ یہی ہے۔ البتہ کل تین مقام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور انہیں تین مستثنیات میں سے ایک موقع یہ ہے۔ قرآن یا کتاب یا تنزیل کا ذکر اعجازی ہی حیثیت سے آیا ہے۔ یہاں اعجازی پہلو بجائے کسی لفظ کے نفس مضمون سے آشکار ہے۔ یعنی جو زبردست پیشگوئی یہاں فوراً بعد بیان ہورہی ہے، اس کا تمام تر پورا ہونا بجائے خود اعجاز قرآن کی ایک زبردست شہادت ہے۔ ف۲ اہل ایران سے تقریباً ۶۱۴ء، ۶۱۵ء میں) الرُّوْمُ۔ سے مراد قدیم "رومن ایمپائر" کا وہ مشرقی حصہ ہے، جو ۳۹۵ء میں اس سے کٹ کر خود ایک مستقل سلطنت بن گیا تھا۔ مسیحیوں کے قبضہ میں یہ سلطنت ۱۴۵۳ء تک رہی، اس کے بعد ترکوں کے قبضہ میں آگئی۔ اس کا دارالسلطنت استانبول یا قسطنطنیہ تھا۔ اور اسی کا قدیم نام "جدید رومہ" بھی ہے۔ شام، فلسطین، ایشیائے کوچک کے علاقے سب اسی میں شامل تھے۔ اَدْنَى الْاَرْضِ۔ یا "قرب کی زمین" سے مراد اس کے وہ علاقے ہیں جو عرب سے متصل تھے یعنی شام و فلسطین۔ آیت کا زمانہ نزول ۶ نبوی یا ۷ نبوی قبل ہجرت ہے یعنی ۶۱۵ء یا ۶۱۶ء عین قریبی زمانہ یعنی ۶۱۴ء میں مسیحی رومیوں کو مجوس ایران کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ اور آیت میں اسی جانب اشارہ ہے۔ مجوس ایران کا مذہب چونکہ مشرکین عرب سے ملتا جلتا تھا اور وہ لوگ بھی نبوت و رسالت کے قائل نہ تھے اس لئے قدرۃً اہل مکہ ان کی فتح کو اپنے نیم ہم مذہبوں کی فتح سمجھے اور بڑے خوش ہوئے اور آپس میں چرچے کرنے لگے کہ جیسے دیوتاؤں اور اوتاروں کے قائل ایران نے کتاب و نبوت کے قائل رومیوں پر فتح پالی ہے، ہم بھی اس کتاب اور رسول والے نئے دین (اسلام) کے مقابلہ میں فتح پائیں گے۔ مسلمانوں کی ہمدردی قدرۃً رومی مسیحیوں کے ساتھ تھی کہ بہرحال وہ سلسلۂ وحی اور کتابِ آسمانی کے تو قائل تھے۔

اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَ لِيَتَمَتَّعُوْا

فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں ف۸۵ یعنی جو (نعمت) ہم نے انہیں دی ہے اس کی ناشکری کرنے لگتے ہیں، یہ لوگ چندے اور حظ

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا

اٹھالیں، پھر تو انہیں عنقریب معلوم ہی ہوا جاتا ہے، ف۸۶ کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے (ان کے شہر کو) امن والا حرم

وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ

بنایا ہے اور ان کے گرد و پیش لوگوں کو نکالا جا رہا ہے تو کیا یہ لوگ جھوٹے معبودوں پر ایمان رکھیں گے

وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہی کرتے رہیں گے؟ ف۸۷ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ

جھوٹ افتراء کرے اور سچی بات جب اس کے پاس آئے تو اسے جھٹلائے، کیا کافروں کا ٹھکانا

جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا

جہنم میں نہ ہو گا؟ ف۸۸ اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ ع

ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھا دیں گے اور بے شک اللہ خلوص والوں کے ساتھ ہے ف۸۹

ع ۷/۲

اٰيَاتُهَا ۶۰ — ۳۰ سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ ۸۴ — رُكُوْعَاتُهَا ۶

اس میں ساٹھ آیتیں ہیں — سورۂ روم مکہ میں نازل ہوئی — اور چھ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْ

الف۔ لام۔ میم ف۱ اہل روم ایک قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے ف۲ اور وہ اپنی اس

ف۳ (عام اس سے کہ اس وقت کچھ آثار ہوں یا نہ ہوں) بِضْعِ سے مراد تین اور دس کے درمیانی اعداد ہوتے ہیں۔ المنقطع من العشرة ويقال ذلک لمابين الثلاث الى العشرة (راغب) گویا قرآن نے دعوے کے ساتھ پیش گوئی یہ کردی کہ اس نتیجہ جنگ پر خوش نہ ہو، نو سال کی قلیل مدت کے اندر ہی اندر پانسہ پلٹنے کو ہے اور جو آج فاتح نظر آرہے ہیں وہ مفتوح ہو کر رہیں گے۔ یہ پیش گوئی وقت کی جنگی صورت حال کے بالکل منافی تھی۔ خسرو دوم شہنشاہ ایران کی اقبال مندی اوج پر تھی۔ ہرقل (Herculoo) فرمانروائے روم کا عہد حکومت اس وقت بے تدبیری، بد اقبالی کا ایک مجسمہ تھا۔ افسران فوج نا اہل، خزانہ خالی، دلیر ودلاور سپاہ کا قحط، غرض ظاہری حالات واسباب تمامتر رومیوں کے مخالف ہی تھے۔ اور بڑے سے بڑے جنگی مبصر کی بھی پیش بینیاں وپیش قیاسیاں رومیوں کے مخالف ہی جارہی تھیں کہ یک بیک ۶۲۲ء میں ہرقل سنبھلا۔ اور بجائے مدافعانہ کے اب جارحانہ جنگ ایران کے مقابلہ میں شروع کردی۔ ایران کی قسمت دیکھتے ہی دیکھتے پلٹی۔ اور ۶۲۴ء میں اس کی قوت بالکل ٹوٹ کر رہ گئی۔ یہاں تک کہ ایرانیوں کے مقدس ترین آتش کدے برباد ہونے لگے۔ اور خود شہنشاہ کو بھاگنا پڑا۔ تاریخ ایران در عہد ساسانیاں (مصنفہ پروفیسر کرسٹنسن در فرنچ۔ ترجمہ اردو از ڈاکٹر شیخ محمد اقبال) میں ہے!'' اور آخر کار ہرقل ایرانی فوجوں کی فاتحانہ ترقی کو روکنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے ایشیائے کوچک کو دوبارہ فتح کرلیا، اور شہنشاہ کی فوجوں کو آرمینیہ اور آذر بائیجان تک پیچھے ہٹا دیا۔ ۶۲۳ء یا ۶۲۴ء میں اس نے ہنر گنزک کو فتح کرکے آتشکدہ آذر گشنپ کو برباد کردیا۔ خسرو وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور آتش مقدس کو ساتھ لیتا گیا...... از اں بعد قیصر وادی دجلہ پر حملہ آور ہوا، اور ۶۲۸ء میں اس نے دستگرد کے قصر شاہی کو لے لیا، اور طیسفون کے محاصرہ کی تیاری کرنے لگا۔ خسرو پایۂ تخت کو چھوڑ کر کسی محفوظ جگہ میں چلا گیا۔'' (صفحہ ۶۰۳) شائع کردہ (انجمن ترقی اردو، دہلی ۱۹۴۱ء) ف۴ فتح وشکست کے سارے اسباب اور حقیقی تصرفات سب اس کے ہاتھ میں ہیں۔ اس مغلوبیت سے قبل بھی حاکم علی الاطلاق ومتصرف وہی تھا۔ اور اس منصوریت کے بعد بھی متصرف وہی رہے گا...... آیت اس حقیقت کا ایک بار پھر اثبات کررہی ہے کہ عالم وما فی العالم میں جو کچھ بھی ہورہا ہے۔ سب محض اللہ ہی کی قدرت وارادہ سے ہو رہا ہے۔ اخبر تعالىٰ بانفراده بالقدرة وان ما فى العالم من غلبة وغيرها انما هي عنه، بارادته وقدرته (قرطبی) مومنین کو خوشی ایک تو اس روز ہوئی، جب بلا کسی سبب ظاہری کے۔ بلکہ خلاف اسباب ظاہر، رومیوں کو فتح ایرانیوں پر حاصل ہوئی۔ اور یہ عین وہ وقت تھا، جب ادھر خود مسلمانوں کو مشرکوں کے مقابلہ میں غزوۂ بدر میں بے شان وگمان نمایاں فتح حاصل ہوئی تھی۔ لیکن اس میں اشارہ ایک اور پر مسرت فتح عظیم کی طرف بھی نکل سکتا ہے۔ یہ اس روز جب خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں خود مسیحی رومیوں پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور سارا شام وفلسطین مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اس آیت کے مضمون کا استحضار اگر رہتا تو دنیا ستمبر ۱۹۳۹ء سے لے کر مسلسل تین چار سال تک جنگ عظیم میں ہٹلر کی کامیابی کا اس قدر جزم کے ساتھ ہرگز یقین نہ کئے رہتی۔ لِلّٰهِ الْاَمْرُ۔ امر سے مراد اجراء احکام لی گئی ہے۔ لله الامر اى انفاذ الاحكام (قرطبی) ف۵ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ۔ محققین نے تصریح کی ہے کہ نصرت الٰہی جب بھی ہوگی مومنین صادقین ہی کی ہوگی۔ اس لئے تفسیر میں من اولیائه محذوف ماننا پڑے گا۔ يعنى من اوليائه لان نصره مختص بغلبة اوليائه لاعدائه فاما غلبة اعدائه لاوليائه فليس بنصر و انما هو ابتلاء وقد يسمى ظفرا (قرطبی)...... وہ فتح وشکست اپنے مصالح تکوینی اور اپنی مشیت پر حکمت کے مطابق واقع کراتا رہتا ہے۔ اَلْعَزِيْزُ۔ وہ زبردست ہے کافروں کے مقابلے میں، جب چاہے انہیں ان کی ظاہری شان وشوکت کے باوجود مغلوب کر دکھائے! اَلرَّحِيْمُ۔ وہ رحیم ہے مسلمانوں کے حق میں جب چاہے ان کی ظاہری کمزوری اور بے سروسامانی کے باوجود انہیں فتح دیدے ف۶ (اس حقیقت کا کہ مؤثر وفاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے لئے تکوین باسباب وبلا اسباب، اسباب کے موافق، اسباب کے مخالف، ہر طرح آسان اور یکساں ہے) عارف رومی علیہ الرحمہ نے اسی مقام کی ترجمانی کی ہے جملہ قرآن است در قطع سبب: ۔ عز درویش وہلاکِ بولہب ف۷ ان کی ساری عقلیں، ساری کوششیں بس اسی مادی کائنات اور اس کے آئین وقوانین تک محدود ہیں۔ اس کے آگے اور اس کے ماوراء ذرا بھی اپنے ذہن کو نہیں لے جاتے...... گویا سلسلہ کائنات کے صرف اقل قلیل حصہ کا علم ان کے پلے پڑا ہے۔ اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ آخرت کے وسیع ولق ودق عالم کی طرف سے بیخبر ہی نہیں، بے پروا بھی ہیں۔ کوئی فکر بھی اس کے علم کی نہیں کرتے۔ مادیت اور آخرت فراموشی سے بڑھ کر سطح بینی اور جہالت اور ہو کیا سکتی ہے۔ شیطان نے آج اسی کو ''علم'' کا رنگ روپ دے دیا ہے۔ ف۸ مطلب یہ ہے کہ تکوینی کائنات خود اس امر کی مقتضی ہے کہ اس کے انجام کے ظہور کے لئے ایک یوم آخرت ہو، جس میں سلسلہ کائنات کی ہر کڑی اپنے اختتام کو پہنچے۔ امکان حشر سے ان کا انکار خود ان کی بے غوری کا نتیجہ ہے۔ اَوَ ...... اَنْفُسِهِمْ۔ انسان خود اپنی ہی خلقت میں اگر غور کرتا رہے تو وہ اسے اس نتیجہ تک کے پہنچا دینے کے لئے کافی ہے [illegible] یعنی جمیع سلسلہ موجودات وکائنات۔ اِلَّا بِالْحَقِّ کسی خاص مصلحت ومقصد کے ساتھ کسی حکمت [illegible]

بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ لِلّٰهِ الْاَمْرُ

مغلوبیت کے بعد عنقریب چند سال میں غالب آجائیں گے ف۳ اختیار اللہ کو

مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾

پہلے بھی تھا اور پیچھے بھی ہے اور اس روز اہل ایمان اللہ کی امداد پر

بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

خوش ہوں گے ف۴ وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے اور وہ زبردست ہے

الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ

رحیم ہے ف۵ (یہ) اللہ کا وعدہ ہے اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا البتہ

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ

اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ف۶ یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو

الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ اَوَلَمْ

جانتے ہیں اور آخرت سے (محض) بے خبر ہیں ف۷ کیا انہوں نے

يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ

اپنے دلوں میں غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے سب کو کسی حکمت ہی سے اور ایک میعاد معین تک کے لئے پیدا کیا ہے

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾

اور کثرت سے لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات کے منکر ہیں ف۸

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ یہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں،

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا

ان کا کیا انجام ہوا ہے وہ ان سے قوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے اور زمین کو

الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَاۤ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ جَآءَتْهُمْ

بویا جوتا تھا اور اسے آباد کر رکھا تھا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے اسے آباد کر رکھا ہے اور ان کے ہاں بھی

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ

ان کے پیمبر معجزے لے کر آئے تھے سو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن

كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ؕ﴿۹﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ

وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے تھے ف۹ پھر ان لوگوں کا انجام جنہوں نے

اَسَآءُوا السُّوْٓاٰۤى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا

برا کیا تھا برا ہی ہوا کہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور ان کی

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ؑ اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ

ہنسی اڑاتے رہے تھے ف۱۰ اللہ ہی خلق کو پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے دوبارہ بھی پیدا کر دے گا پھر

اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ

اسی کے پاس تم (سب) لائے جاؤ گے ف۱۱ اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز مجرم بے آس ہو

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا

کر رہ جائیں گے ف۱۲ اور ان کے (گڑھے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا

وَ كَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

اور یہ لوگ (خود) اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے اور جس روز قیامت قائم ہوگی

يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اس روز (سب لوگ) جدا جدا ہو جائیں گے ف۱۳ سو جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے نیک عمل

ع ۱۰ / ۴

ف۹ مراد یہ ہے کہ یہ اپنی مادیت میں مست وسرشار رہنے والے مشرکین مکہ تو اپنی تجارت کے سلسلہ میں برابر شام ویمن کی آمد ورفت رکھتے ہی ہیں۔ کیا اس پر غور نہیں کرتے کہ ان سے قبل کی بڑی بڑی مہذب ومتمدن وپرشوکت، لیکن خدا فراموش وآخرت فراموش قومیں مثلاً عاد وثمود کس طرح اپنے طغیان وعدوان کی پاداش میں برباد ہو کر رہی ہیں۔ ان کے آثار اور ان کے کھنڈر، انہیں یاد نہیں دلاتے کہ اللہ کی نافرمانی کے قدرتی انجام کو دنیا کی کوئی خوش تدبیری، کوئی اقبال مندی، کوئی مرفہ الحالی روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی ہے۔ ان بدبختوں پر کوئی گرفت اللہ کی طرف سے خواہ مخواہ تھوڑی ہی ہوئی ہے۔ یہ تو خود اپنی حرکتوں سے یہ وقت اپنے اوپر لایا کئے۔ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ فاطر کائنات کے تشریعی احکام اور تکوینی ضابطے توڑتے رہنا خود اپنی جانوں پر زیادتی کرنا ہے۔ ف۱۰ تمسخر کا درجہ تکذیب سے بڑھا ہوا ہے جو لوگ اس آخری منزل تک پہنچ جائیں ان کا انجام دوزخ ہونا ہی تھا۔ اٰيٰتِ اللّٰهِ۔ مثلاً قرآن کے احکام اور اس کی دی ہوئی خبریں۔ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا۔ یعنی اپنے انبیاء کو جھٹلاتے رہے۔ ف۱۱ خلق کی ایجاد وابداء (يبدؤا الخلق) اعادہ آفرینش (يعيده) آخری حساب کے لئے پیشی (اليه ترجعون) ان سب کا تعلق صرف ذات باری تعالیٰ سے ہے کوئی دوسری ہستی، کوئی دیوی دیوتا ان صفات وافعال میں اس کا شریک نہیں۔ ف۱۲ (ان سے کچھ کہتے سنتے نہ بنے گی) يُبْلِسُ۔ ابلاس۔ شدت خوف وغم سے یاس چھا جانے اور لاجواب ہو جانے کا نام ہے۔ الابلاس الحزن المعترض من شدة الباس (راغب) قيل ابلس فلان اذا سكت واذا انقطعت حجته (راغب) ف۱۳ یعنی مومن الگ اور کافر الگ۔ اے المؤمنون والكافرون (بيضاوی)

الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ

کئے تھے سو وہ باغ میں مسرور ہوں گے اور جن لوگوں نے

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ

کفر وتکذیب کی تھی ہماری نشانیوں سے اور آخرت کے پیش آنے سے سو وہ لوگ

فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ

عذاب میں گرفتار ہوں گے ف۱۴ سو اللہ کی تسبیح کیا کرو ف۱۵ شام کے

تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي

وقت بھی اور صبح کے وقت بھی اور آسمانوں اور زمین میں

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

حمد اسی کی ہوتی ہے اور بعد زوال بھی اور ظہر کے وقت بھی ف۱۶

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

وہ باہر لاتا ہے جان دار کو بے جان سے اور باہر لاتا ہے بے جان کو جان دار سے

وَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ ع

اور زمین کو سرسبز کرتا ہے اس کے خشک ہونے کے بعد، ف۱۷ اور اسی طرح تم لوگ باہر لائے جاؤ گے ف۱۸

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ

اور اسی (اللہ) کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تھوڑے ہی روز میں تم (سب)

بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ

آدمی (بن کر زمین پر) پھیل گئے ف۱۹ اور اسی کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی

مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ

جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے)

ع ۲ ۵

ف۱۴ ایک بار پھر جامع الفاظ میں اس حقیقت کو واضح کردیا گیا کہ جنت کا ترتب ایمان وعمل صالح پر ہوگا، اور عذاب جہنم کا کفر وتکذیب پر۔ رَوْضَةٍ کی تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے۔ عربی محاورہ میں جہاں کثرت یا عظمت کا اظہار منظور ہوتا ہے۔ اسم بجائے معرفہ کے نکرہ لاتے ہیں۔ کما یقال لفلانٍ مالٌ وجاہٌ ای کثیر وعظیم (کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں دو نکتے اور لکھے ہیں۔ ایک یہ کہ مومنین کی جزائے خیر کا ذکر صیغہ فعل یُحْبَرُوْنَ سے کیا ہے نہ کہ صیغہ اسم محبرون سے۔ بخلاف اس کے کافروں کے عذاب کا ذکر صیغۂ اسم سے کیا ہے۔ اس میں نکتہ بلاغت یہ ہے کہ صیغۂ فعل، تجدد فعل کی خبر دیتا ہے۔ یعنی اہل جنت ہر وقت خوش ہوتے رہتے ہیں۔ ہر گھڑی ان کی خوشی تازہ ہوتی رہتی ہے۔ یعنی یاتیھم کل ساعۃ امر یسرون بہ۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مومنین کی جزائے خیر کے موقع پر ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ عمل صالح معتبر وہی ہے جو ایمان پر مبنی اور متفرع ہو۔ دوسرے یہ کہ گویا اس امر کو صاف کردیا ہے کہ مراتب عالیہ کے لئے اعمال صالحہ بھی ضروری ہیں۔ گو نفس نجات کے لئے مجرد ایمان کافی ہے۔ بخلاف اس کے کافروں کی سزا کے سلسلہ میں اعمالِ سیئہ کا کوئی ذکر نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجرد کفر انتہائی سزا کے لئے کافی ہے۔ انسانوں کی دو قسموں کا حکم تو اس آیت سے صاف معلوم ہوگیا۔ ایک وہ جو ایمان کے ساتھ صاحب اعمالِ صالحہ ہیں۔ انہیں جنت کا اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ دوسرے وہ جو کافر ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ابدی ہے۔ مگر ایک تیسری قسم ابھی باقی رہ گئی۔ یعنی مومن تو ہیں مگر اعمالِ صالحہ زیادہ نہیں رکھتے۔ اس طبقہ کا ذکر آیت میں نہیں۔ محققین اہل سنت کی تحقیق یہ ہے کہ ایسے شخص کو شروع میں تو عذاب ہوگا لیکن پھر اس سے نجات پا جائے گا۔ دوام عذاب اس کے لئے نہیں۔ اور جنت میں اسے جگہ تو مل جائے گی، البتہ بلند ترین مرتبہ اس کے لئے نہیں۔ ھو فی الاول فی العذاب ولکن لیس من المحضرین دوام الحضور فی الاٰخرۃ ھو فی الریاض ولکنہ لیس من المحبورین غایۃ الحبور (کبیر) ف۱۵ (دل سے بھی۔ جس کے اندر ایمان وتصدیق آگئی، اور زبان سے بھی جس کے اندر اقرار اور اذکار آگئے اور عمل سے بھی جس کے اندر ساری عبادتیں آگئیں، خصوصاً نماز) فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ۔ صیغہ خبر کا ہے، لیکن معنیٰ امر کے ہیں۔ اور سبحان قائم مقام سبحوا کا ہے۔ اخبار فی معنی الامر (بیضاوی) ای سبحوا اللہ تسبیحًا (کبیر) ف۱۶ "کہ یہ اوقات تجدد نعمت وزیادت ظہور آثار قدرت کے ہیں۔ ان میں تجدید تسبیح کی مناسب ہے۔ بالخصوص نماز کے لئے یہی اوقات مقرر ہیں۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) تُمْسُوْنَ۔ میں مغرب وعشاء کی نمازیں آگئیں۔ تُصْبِحُوْنَ۔ میں صبح کی نماز کی طرف اشارہ ظاہر ہے۔ عَشِيًّا۔ میں اشارہ نماز عصر کی جانب ہے۔ تُظْهِرُوْنَ۔ سے مراد نماز ظہر ہے۔ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ لَهُ الْحَمْدُ۔ تسبیح قرب ذاتی کا مقام ہے اور حمد قرب صفاتی کا۔ ف۱۷ (اور اپنے ان تکوینی وتخلیقی عجائبات کے نمونے دن رات ہر آن دکھاتا رہتا ہے) يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ۔ جیسے انڈے سے مرغی کا پیدا کرنا۔ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔ جیسے مرغی سے انڈہ پیدا کرنا۔ ف۱۸ یہ مادہ پرست منکرین بعث وقیامت کے جواب میں ہے۔ قرآن اُن سے کہتا ہے کہ جس شے کو تم ناممکن کہہ رہے اور سمجھ رہے ہو اس کی نظیریں اور مثالیں تو اس زندگی میں اپنی آنکھ سے ہر روز دیکھتے رہتے ہو۔ اس کے عدم امکان پر جمے رہنا تو بے بصیرتی کی انتہا ہے۔ مِنْ اٰيٰتِهٖ۔ یعنی اس کی قدرت وحکمت وصنعت کی نشانیوں میں سے۔ مِنْ اٰيٰتِهٖ کا یہی مفہوم اس رکوع بھر میں ہر جگہ ہے۔ ف۱۹ (اور ساری نوع انسان کے درمیان طرح طرح کے خانگی، مجلسی معاشری، تمدنی تعلقات قائم ہوگئے)۔

بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّ رَحۡمَۃً ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ

درمیان محبت و ہم دردی پیدا کر دی، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام

یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ

لیتے رہتے ہیں ف۲۰ اور اس کی نشانیوں میں سے بنانا ہے آسمانوں اور زمین کا

وَ اخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِکُمۡ وَ اَلۡوَانِکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ

اور الگ الگ ہونا تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا بے شک اس میں (بھی) نشانیاں ہیں

لِّلۡعٰلِمِیۡنَ ﴿۲۲﴾ وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّہَارِ

علم والوں کے لئے ف۲۱ اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا ہے رات اور دن میں

وَ ابۡتِغَآؤُکُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ

اور اپنے لئے اس کی (دی ہوئی) روزی کا تلاش کرنا ہے، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے

یَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ یُرِیۡکُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا

جو سنتے ہیں ف۲۲ اور اس کی نشانیوں میں یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے خوف کی راہ سے بھی اور امید کی راہ

وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحۡیٖ بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ

سے بھی اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اس سے زمین کو شاداب کر دیتا ہے اس کے خشک

مَوۡتِہَا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴﴾

ہو جانے کے بعد، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں، ف۲۳

وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَ الۡاَرۡضُ بِاَمۡرِہٖ ؕ ثُمَّ

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں ف۲۴ پھر

اِذَا دَعَاکُمۡ دَعۡوَۃً ٭ۖ مِّنَ الۡاَرۡضِ ٭ۖ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ

جب وہ تمہیں پکار کر زمین سے بلائے گا تو تم یک بارگی

ف۲۰ آیت، آیات احکام میں بہت اہم ہے اور گویا اسلام کے مجلسی وخانگی نظام زندگی کے لئے سنگِ بنیاد ہے۔ یہاں تین باتیں بطور اصل کے بیان ہوئیں:۔(۱) مردوں کو بتایا گیا ہے کہ تمہاری بیویاں تمہاری ہی، ہم جنس مخلوق ہیں۔ ترکیب حیات میں تمہاری ہی مثل۔ تمہاری ہی جیسی خواہشیں، جذبات واحساسات رکھنے والی۔ مخلوق بے روح نہیں ہیں۔ مِنۡ اَنۡفُسِکُمۡ۔ (۲) ان کی غایت آفرینش یہی ہے کہ وہ تمہارے لئے سرمایہ راحت وتسکین وباعث سکون خاطر ہوں۔ تمہارا دل ان سے لگے۔ جی ان سے بہلے۔ لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡہَا۔ (۳) تمہارے ان کے تعلقات کی بنیاد ہی باہمی محبت، اخلاص وہمدردی پر ہونا چاہیے۔ جَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّ رَحۡمَۃً۔ اسلام میں عورت مرد کی کنیز نہیں، جیسا کہ بعض دوسرے مذاہب میں ہے بلکہ اس کی صاحبہ، انیس، رفیق ومصاحب ہے۔ ملاحظہ ہوں تفسیر انگریزی کے حاشیے۔ اِنَّ...... یَّتَفَکَّرُوۡنَ۔ ماہرین اجتماعیات چاہیں تو ایک پورا فلسفہ انہیں اصول اور بنیادی کلیات سے تیار کر سکتے ہیں۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ بیویوں کی طرف میلان والتفات ہونا منافی کمال نہیں جیسا کہ بعض زاہدان خشک سمجھتے ہیں۔ کیونکہ یہاں اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے موقع احسان پر کیا ہے۔ ف۲۱ (کہ اسی اختلاف لون وزبان سے تمدن زندہ ہے اور اس کا تنوع قائم ہے) یہ اختلاف طبعی اس لئے نہیں کہ اس کی بنیاد پر ایک دوسرے پر ظلم روا رکھا جائے اور ایک قوم دوسری قوم کو حقیر وذلیل سمجھنے لگے۔ اِنَّ...... لِّلۡعٰلِمِیۡنَ۔ ان بنیادوں پر چاہیں تو باخدا اہل علم علوم طبعی اور علوم اجتماعی کے پورے پورے دفتر تیار کر سکتے ہیں۔ ف۲۲ مِّنۡ فَضۡلِہٖ۔ فضل اللہ کے ایک معنٰی محاورہ میں اللہ کے دیئے ہوئے رزق کے بھی آتے ہیں۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ الرزق من کسبہ (کبیر) اے طلب معاشکم (بیضاوی) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ استراحت کے لئے سونا اور اسی طرح اسباب معاش کا حاصل کرنا منافی کمال نہیں کیونکہ موقع فضل وکرم میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ البتہ ان میں انہماک ممنوع ہے۔ ف۲۳ چنانچہ باخدا اہل علم اگر چاہیں تو ان اشارات سے فائدہ اٹھا کر پورے پورے علوم بارش اور زمین اور کائنات فضائی سے متعلق مرتب کر سکتے ہیں۔ یُرِیۡکُمُ...... طَمَعًا۔ یعنی ایک طرف تو تمہیں بافراط بارش سے امیدیں بڑی بڑی قائم ہو جاتی ہیں اور تم ان سے آس بھی ہر طرح کی لگانے لگتے ہو۔ اور دوسری طرف طوفانی بارش سے اندیشے بھی بہت زیادہ لگے رہتے ہیں...... آیت کے مفہوم میں اگر توسع سے کام لیا جائے تو زمانہ حال کی ساری برقی ترقیات بھی اس کے تحت میں آ جاتی ہیں۔ برقی آلات سے جدید انسان کیسی امیدیں زندگی کے ہر شعبہ میں ترقیوں کی بھی قائم کرتا ہے اور پھر یہی مشینیں کس درجہ اس کی ہلاکت وبربادی کا باعث بھی بن جاتی ہیں۔ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا دونوں کی شان کا پورا ظہور مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ خطاب اپنے عموم میں کاملین کو بھی شامل کئے ہوئے ہے۔ یہ عموم خطاب اس امر پر دال ہے کہ خوف وامید طبعی منافی کمال نہیں۔ ف۲۴ خود بخود نہیں بلکہ ارادۂ الٰہی سے۔ اوپر ذکر پیدائش کائنات کا تھا، اب ذکر نظام عالم کے قیام کا ہے۔ یہ سب اللہ کے ارادہ ومشیت کے ماتحت قائم ہے جو نہ کسی آلہ کا محتاج ہے نہ سہارے کا۔ والتعبیر بالامر للمبالغة فی کمال القدرة والغنی عن الالة (بیضاوی) تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَ الۡاَرۡضُ بِاَمۡرِہٖ۔ مادی علوم اسباب کا جال جتنا بھی پھیلاتے جائیں، آخر کہیں تو ان کا سلسلہ ختم ہوگا۔ اور اسی آخری سبب کا نام امر الٰہی ہے۔ پھر خود ہر سبب قریبی وظاہری بھی بغیر اس امر الٰہی کے تمامتر غیر موثر۔

تَخْرُجُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ

نکل پڑو گے ف٢٥ اور اسی کی ملک ہیں جو کوئی بھی موجود ہیں آسمانوں اور زمین میں سب

لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

اسی کے تابع ہیں ف٢٦ اور وہ وہی ہے جو اول بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا ف٢٧

وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ

اور یہ (تو) اس کے لئے اور زیادہ آسان ہے ف٢٨ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان

وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٧﴾ ضَرَبَ لَكُمْ

(سب سے) اعلیٰ ہے ف٢٩ اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے ف٣٠ (اللہ) تمہارے ہی متعلق

مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

ایک مضمون تم سے بیان کرتا ہے ف٣١ کیا تمہارے غلاموں میں کوئی

مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ

تمہارا شریک ہے اس روزی میں جو ہم نے تم کو دی ہے کہ تم (اور وہ) اس میں برابر ہو جائیں

تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

(اور) تم ان کا ایسا ہی خیال کرو جیسا کہ تم اپنے آپس والوں کا خیال رکھتے ہو؟ ہم اسی طرح دلائل

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا

صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں، ف٣٢ مگر اس پر بھی ظالموں نے بغیر دلیل کے

اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ

اپنی خواہشات کا اتباع کر رکھا ہے ف٣٣ سو اسے کون راہ پر لاسکتا ہے جسے اللہ گمراہ کرے

وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ

اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہو گا ف٣٤ تو تم یکسو ہو کر ف٣٥ دین (حق) کی طرف

ف٢٥ یہ اس وقت جب موجودہ نظام عالم کو درہم و برہم کر کے ایک دوسرا انتظام قائم کرنا اس کی مشیت وحکمت کو منظور ہو گا۔ ف٢٦ (تکوینی طور پر) یعنی فرشتہ، جن، انسان، جتنی بھی صاحب حیات وصاحب ارادہ مخلوق ہے۔ سب اضطراراً قانون الٰہی کی پابند ہے۔ کسی کو مجال سرتابی نہیں۔ کسی کے لئے ممکن نہیں کہ اس کے قوانین تکوینی کے حدود توڑ کر باہر جاسکے۔ ف٢٧ امکان حشر وبعث پر جو شبہ پیدا ہوتا تھا۔ اس کے ازالہ کے بار بار اس حقیقت کا استحضار کرایا ہے کہ جس خدا کا موجد اول ہونا، خالق کائنات ہونا تم خود تسلیم کرتے ہو، اسی کے لئے تو اس صفت احیاء کا اثبات کیا جارہا ہے۔ تم آخر اسے اس کے لئے ناممکن یا مستبعد ہی کیوں سمجھتے ہو؟ ف٢٨ (تمہارے معیار اور تمہاری عادت کے اعتبار سے) حقیقۃً اس قادر مطلق کے لئے تو زیادہ آسان اور کم آسان کا کوئی سوال ہی نہیں۔ یہ سب درجے اور اضافتیں تو ہماری نسبت سے ہیں۔ هُوَ۔ ضمیر اعادہ واحیاء کے لئے ہے۔ والضمير للاعادة (روح) ف٢٩ (کہ نہ آسمانوں میں کوئی ایسا بڑا ہے نہ زمین میں) جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ متکلمین نے لکھا ہے کہ اللہ کا علو اضافی نہیں، مطلق ہے۔ وہ اعلیٰ اس وقت سے ہے جب علو کے مقابل دنو کا وجود بھی نہ ہوا تھا فقہاء نے کہا ہے کہ صاحب مثل اعلیٰ کو ادنیٰ صفات سے ذکر کرنا ناجائز ہے۔ مثلاً عاقل شجاع وغیرہ۔ ملكًا و خلقًا۔ یعنی خالق بھی سب کا وہی ہے اور مالک بھی سب کا وہی۔ مَثَلُ۔ (بفتحتین) جس کے معنیٰ مثال کے ہیں، اور معنیٰ میں شریک فی الوصف کے ہے۔ اس کا اللہ کے لئے لانا جائز ہے۔ اور اللہ کے مِثل (بہ کسرہ میم) کا بیان کرنا، جس کے معنیٰ شریک فی النوع کے ہیں، ناجائز۔ الاعلى اى الذى ليس لغيره ما يساويه او يدانيه (بیضاوی) اى الوصف الاعلى الذى ليس لغيره (مدارک) ف٣٠ جب چاہے اپنی قدرت سے، حسب اقتضائے اسم العزيز قیامت کو واقع کر سکتا ہے۔ لیکن اپنی حکمت سے اسے واقع اسی وقت کرے گا جس حسب اقتضائے اسم الْحَكِيْمُ عین مصلحت ہو گی۔ ف٣١ (جس سے اسی مسئلہ شرک وتوحید پر مزید روشنی پڑے گی) ف٣٢ "ظاہر ہے کہ کوئی غلام اس طرح شریک نہیں ہوتا۔ پس جب تمہارا غلام جو نوع وغیرہ میں تمہارا شریک ہے۔ صرف ایک امر اضافی اس میں اور تم میں موجب امتیاز ہے، تمہارے خاص حق امتیاز میں تمہارا شریک نہیں ہو سکتا۔ تو تمہارے قرار دیئے ہوئے معبودات باطلہ کو جو کہ حق تعالیٰ کے غلام اور کسی کمال ذاتی یا وصفی میں خدا کے مماثل نہیں، بلکہ بعض تو ان میں سے خود مخلوقات الٰہیہ کے مصنوع ہیں۔ یہ معبودین خاص حق تعالیٰ کے حق معبودیت میں کس طرح اس کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) یہ انسان تو تمہارے محض مجازی غلام ہیں، انسانی اوصاف میں تمہارے شریک، تم ان کے خالق نہیں۔ ان کے مالک علی الاطلاق نہیں۔ حقیقی غلام تو انسان ہے تمام تر اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا۔ پھر یہ مال جو تمہارے پاس ہے یہ بھی ذاتی نہیں، محض عطیہ الٰہی ہے۔ بخلاف اس کے اللہ کے تمام صفات ذاتی اور دائمی ہیں۔ بس جب شرکۃ المساوات انسان کو اپنے غلاموں کی منظور نہیں، تو ظاہر ہے اس کا گزر جناب باری میں کہاں ہو سکتا ہے هَلْ لَّكُمْ ...... اَنْفُسَكُمْ۔ یہاں کوئی اخلاقی بحث مقصود نہیں کہ آیا ایسا ہونا چاہیے بھی، اور ہو تو کس حد تک۔ مقصود صرف ایک واقعہ سے، جیسا کہ وہ پایا جاتا ہے، استدلال کرنا ہے۔ كَذٰلِكَ ...... يَعْقِلُوْنَ۔ باخدا اہل علم چاہیں تو فطرت بشری سے اسی طرح کے استدلالات سے ایک پورا علم کلام مرتب کر سکتے ہیں۔ مِنْ شُرَكَآءَ۔ من زائد تاکید استفہام انکاری کے لئے ہے۔ من مزيدة لتاكيد الاستفهام الجاری مجری النفی (مدارک۔ بیضاوی) مِنْ اَنْفُسِكُمْ۔ من ابتداء کلام کے لئے ہے۔ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ من تبعیض کے لئے ہے۔ ف٣٣ یعنی باوجود اس تبیین وتفصیل اور اس توضیح وتشریح کے یہ لوگ دلائل پر غور نہیں کرتے۔ بے انصافی اور ہٹ دھرمی کے ساتھ اتباع اپنی خواہشوں کا کئے جاتے ہیں۔ ف٣٤ (جو انہیں عذاب سے رہائی دلا سکے) یہ ان گمراہوں کی معذوری کا بیان نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا جارہا ہے کہ ایسے بد پرہیز لاعلاج مریضوں کے حق میں زیادہ غم وتردد سے کام نہ لیجئے، ہماری طرف توجہ رکھیے۔ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ۔ اللہ کی طرف سے یہ اضلال یا گمراہی ان لوگوں کے عناد اور کجروی کے لازمی نتیجہ کے طور پر ہو گی۔ لَهُمْ۔ ضمیر کا صیغہ جمع مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ کے معنیٰ کے اعتبار سے ہے۔ والجمع باعتبار المعنى (روح) ف٣٥ صیغہ واحد اسی مناسبت سے ہے کہ خطاب مخاطبین کے ایک ایک فرد سے ہے۔

حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ

اپنا رخ رکھو اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے ف۳۶

لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ

اللہ کی بنائی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں، ف۳۷ یہی ہے سیدھا دین لیکن

اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ ﴿۳۰﴾ مُنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ وَاتَّقُوۡهُ

اکثر لوگ (اس حقیقت کا بھی) علم نہیں رکھتے ف۳۸ اسی (اللہ) کی طرف رجوع ہو اور اس سے ڈرو

وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ ﴿۳۱﴾ مِنَ

اور نماز کی پابندی رکھو اور شرک کرنے والوں میں مت رہو یعنی ان

الَّذِيۡنَ فَرَّقُوۡا دِيۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا

لوگوں میں جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور گروہ گروہ ہو گئے، ف۳۹ ہر گروہ نازاں ہے اس (طریق) پر جو

لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوۡا

اس کے پاس ہے ف۴۰ اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اپنے پروردگار کو

رَبَّهُمۡ مُّنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمۡ مِّنۡهُ رَحۡمَةً

اسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتے ہیں پھر جب (اللہ) انہیں اپنی طرف سے کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتا ہے

اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ بِرَبِّهِمۡ يُشۡرِكُوۡنَ ۙ ﴿۳۳﴾ لِيَكۡفُرُوۡا بِمَاۤ

تو پھر ان میں سے بعض لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں کہ ہم نے انہیں جو کچھ

اٰتَيۡنٰهُمۡ ؕ فَتَمَتَّعُوۡا ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۴﴾ اَمۡ اَنۡزَلۡنَا

دے رکھا ہے اس سے ناشکری کرنے لگتے ہیں سو (خیر) وقتی حظ حاصل کر لو پھر عنقریب ہی تم جان لو گے ف۴۱ کیا ہم نے ان پر

عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوۡا بِهٖ يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳۵﴾

کوئی سند اتاری ہے کہ وہ انہیں شرک کرنے کو کہہ رہی ہے،

ف۳۶ فطرت کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص میں اللہ تعالیٰ نے خلقۃً یہ استعداد رکھی ہے کہ اگر حق کو سنے اور سمجھنا چاہے تو وہ سمجھ میں آجاتا ہے، اور اس کے اتباع کا مطلب یہ ہے کہ اس استعداد اور قابلیت سے کام لے اور اس کے مقتضاء پر کہ ادارک حق ہے عمل کرے۔" یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ یہ دین تو عین فطرت انسانی کے مطابق ہے، اور فطرتِ بشری میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، اس لئے اس دین میں بھی کسی قسم کی ترمیم کی خواہش کرنا سر تا سر بے عقلی اور نادانی ہے۔ ف۳۷ مراد یہ ہے کہ یہ دین قدیم خلقی وازلی ہے، اس کے قبول کی صلاحیت بشر میں رکھدی گئی ہے۔ یہ ل نہیں سکتا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ فطریات میں تبدیلی نہیں ہوتی، یاضت سے صرف تعدیل ہو جاتی ہے۔ اور یہ فن طریق کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ ف۳۸ (بسبب اپنے اعراض و بے توجہی کے نہ اس لئے کہ خود اس کا فہم کچھ بہت وار ہے) ف۳۹ یعنی حق تو بس ایک ہی ہے، جیسے دو نقطوں کے درمیان خط تقیم، تو اگر یہ لوگ حق پر قائم رہتے، تو ایک ہی گروہ رہتے۔ البتہ باطل میں تعدد ثرت ہے۔ جیسے دو نقطوں کے درمیان خطوط منحنی۔ سو اہل باطل نے بھی یہی کیا ہے کہ کسی نے کہیں سے ایک ٹکڑا حق کا لے لیا ہے، کسی نے کہیں سے دوسرا۔ مِنَ ذِيۡنَ فَرَّقُوۡا۔ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ سے بدل ہے۔ بدل من المشركين عادة الجار (مدارک۔ روح۔ بیضاوی) اے لا تكونوا من المشركين لذين قد فرقوا دينهم (ابن کثیر) ان لوگوں سے مراد نصاریٰ و یہود کا ہونا عدد تابعین سے منقول ہے۔ وقال الربيع بن انس الذين فَرَّقُوۡا دينهم ل الكتب من اليهود والنصارٰى وقاله قتاده ومعمر (قرطبی) وهم یہود والنصارٰى (معالم) بعض صحابیوں اور تابعین سے یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ اس سے مراد خود اہل قبلہ کے بدعتی فرقے ہیں۔ تاوّلهٗ ابو ہريره وعائشه وابو ہ انه لاهل القبله من اهل الاهواء والبدع (قرطبی) وقيل هم اهل بدع من هٰذه الامة (معالم) وهٰذه الامة ايضًا اختلفوا فی ما بينهم لى نحل كلها ضلالة الاواحدة وهم اهل السنة والجماعة متمسكون بكتاب الله وسنة رسوله (ابن کثیر) ف۴۰ اہل باطل آج جو شمار ٹکڑیوں، ٹولیوں میں تقسیم ہیں، یہ قابل عبرت ہے۔ ہندوؤں اور مسیحیوں، ب کے اندر بے گنتی فرقے ہیں، ایک دوسرے کی تکذیب کرنے والے۔ سلمانوں کے اندر جو فرقے توحید، رسالت آخرت، قرآن، قبلہ، کلمہ کے قائل ں ان کے اندر کا اختلاف ظاہر ہے کہ بنیادی نہیں، صرف فرعی ہی ہو سکتا ہے۔ س لئے کہ بنیادی چیزیں تو بس یہی ہیں جو ابھی گنا دی گئیں۔ كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا يۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ۔ یہ حقیقت تو بالکل کھلی ہوئی ہے کہ ہر گروہ اور ہر ٹولی عام اس سے کہ وہ اہل حق میں سے ہو یا اہل باطل سے، بس اپنے ہی مزعومات و معتقدات، آج کل کی زبان میں اپنی آئیڈیالوجی ہی میں مست ہے۔ ف۴۱ یعنی حقیقت قریب ہی تم پر منکشف ہو کر رہے گی۔ وَاِذَا الخ۔ لِيَكۡفُرُوۡا الخ بيان ان نوں آیتوں میں عام فطرت بشری کا ہو رہا ہے۔ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ۔ میں یہ بھی شارہ ہے کہ انسان کی طبیعت مرکب ہے ہدایت وضلال سے۔ مصیبت کے قت ظہور ہدایت کا ہوتا ہے اور زوال مصیبت کے بعد ضلالت کا۔ (روح) لِيَكۡفُرُوۡا۔ ل عاقبۃ کا ہے۔ یعنی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کفر کرنے لگتے ہیں۔ واللام للعاقبة (بیضاوی) ل تہدید کے مفہوم میں بھی سمجھا گیا ہے۔ قيل للامر بمعنى التهديد (بیضاوی)

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ

اور ہم جب لوگوں کو کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان پر کوئی مصیبت

سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

آ پڑتی ہے ان اعمال کے بدلہ میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں تو بس وہ لوگ نا امید ہو جاتے ہیں ف۴۲

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ ہی کھول کر روزی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے

وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ

اور تنگ کر کے دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے) بے شک اس (امر) میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان والے ہیں ف۴۳ سو

ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ

(اے مخاطب) تو قرابت دار کو اس کا حق دیا کر اور (اسی طرح) مسکین اور مسافر کو ف۴۴ یہ

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ؗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ

ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب رہتے ہیں اور یہی لوگ تو

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۠ فِيْٓ اَمْوَالِ

فلاح پانے والے ہیں ف۴۵ اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر

النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ

زیادہ ہو جائے ف۴۶ سو وہ اللہ کے آگے نہیں بڑھتی ف۴۷ اور تم جو صدقہ دو گے

تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے ہی لوگ عنقریب بڑھاتے رہیں گے ف۴۸

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ

اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی پھر تمہیں موت دیتا ہے پھر

ف۴۲ اسی سے ملتی ہوئی ایک آیت سورۂ یونس (پ۱۱ ع ۲) میں آچکی ہے۔ وَ اِذَآ مَسَّ الْاِنْسَانَ الخ۔ آیت میں کھلا ہوا بیان فطرت بشری کا ہے۔ اَمْ ...... يُشْرِكُوْنَ۔ یعنی کوئی بھی دلیل عقلی یا نقلی ان کے پاس ایسی ہے جو شرک کا حکم دے رہی ہو؟...... دلائل توحید پر تو بیشمار ہیں شرک پر کوئی ایک بھی دلیل قائم کر کے دکھائی جائے۔ فَهُوَ يَتَكَلَّمُ۔ تکلم یہاں لفظی معنی میں نہیں، بلکہ ظہور دلالت کے معنی میں ہے۔ فَرِحُوْا بِهَا۔ اس اتراہٹ سے ان پر جو غفلت اور بے فکری طاری ہوتی ہے وہ انہیں تحقیق وفکر سے بے نیاز کر دیتی ہے، اور وہی انہیں کفر وشرک تک پہنچا دیتی ہے۔ فَرِحَ کا استعمال لغت عرب میں مدح وذم دونوں موقعوں پر آتا ہے۔ اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ دونوں معنی میں آیا ہے۔ کہیں تو موقع ذم پر، مثلاً اسی آیت میں۔ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ (قصص) اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ (هود) وغیرہ اور کہیں موقع مدح پر مثلاً فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ (آل عمران) بلکہ صیغۂ امر میں بھی مثلاً فَلْيَفْرَحُوْا (یونس) يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (عنکبوت)...... گو لفظ مشترک ہے لیکن مفہوم دونوں موقعوں پر الگ الگ ہے۔ اس لئے کوئی تعارض وتناقض نہیں۔ موقع مدح پر فرح سے وہ خوشی مراد ہوتی ہے جو شکر کی جانب لے جاتی ہے، اور ایک طبعی بشری کیفیت کا نام ہے۔ موقع ذم پر مراد فخر وخویش بینی ہوتی ہے۔ جو ایک نفسانی طغیانی کیفیت کا نام ہے۔ ف۴۳ (کہ وہ اہل ایمان وعرفان الہ المعاش بھی تمامتر اسی کو یقین کئے رہتے، اور معاش کی فراخی اور تنگی دونوں کے سارے اسباب بس اسی کے ہاتھ میں سمجھتے ہیں)۔ اَوَلَمْ ...... يَقْدِرُ۔ دو شخص ایک ہی معاشی جدوجہد میں مشغول ہوتے ہیں۔ بظاہر دونوں کی صلاحیتیں، قابلیتیں توانائیاں بالکل ایک تھیں، اس پر بھی ایک مالا مال ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے کی کوشش رائیگاں ہی رہتی ہے۔ وجہ صرف یہ کہ فلاح وکامیابی کے اسباب خفی ودقیق تمامتر اسی حکیم مطلق مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہیں جو اپنے مصالح تکوینی کے اعتبار سے جسے چاہتا ہے کامیاب بناتا ہے اور جسے چاہتا ہے ناکام رکھتا ہے۔ اسباب معاش اور ان کے درمیانی وسائط کا تمامتر حق تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہونا بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ معبودیت والوہیت کا حقدار بھی تنہا وہی ہے۔ ف۴۴ (اس کا اس کا حق) اسلامی نظام معاشیات میں درجہ بدرجہ عزیزوں کے اور پھر تمام دوسرے اہل حاجت کے حصے مقرر ہیں۔ حَقَّهٗ۔ لفظ حق بہت قابل غور ہے۔ ہر صاحب جائداد کے مال میں ان سب کے حق مقرر ہو گئے ہیں۔ ان کی ادائی خود اپنے سود وبہبود کے لحاظ سے واجب۔ دوسروں کو دیتے رہنا ان پر کوئی احسان کرنا اور منت رکھنا نہیں۔ فقہائے حنفیہ نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ قریب کے حاجت مند عزیزوں کا نفقہ واجب ہے۔ فيه دليل وجوب النفقه للمحارم كما هو مذهبنا (مدارک) ف۴۵ نظام معاشیات کو ان ضوابط الٰہی کے ماتحت چلانے والے، انفرادی طور پر بھی فلاح یاب رہیں گے اور اجتماعی طور پر بھی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ۔ اس قید نے یہ حقیقت صاف کر دی کہ خلعت قبول سے سرفرازی پانے کے لئے شرط لازمی یہ ہے کہ یہ خرچ جو کچھ بھی ہو، سب رضاء الٰہی کی نیت سے ہو محض جبری اور نمائشی چندے اور اسی قبیل کی دوسری چیزیں سب اس مد سے باہر ہیں۔ وَجْهَ کے معنی اس سیاق میں ذات کے ہوتے ہیں۔ یعنی مقصود محض رضا الٰہی ہوتی ہے۔ اي ذاته اي يقصدون بمعروفهم اياه خالصا (مدارک) ف۴۶ (اور پھر بڑھ کر اپنے ہی پاس واپس آجائے) رِبًا۔ ربا یہاں اپنے وسیع اور عام ولغوی معنی میں ہے۔ الزيادة على راس المال (راغب) الرِّبٰوا۔ یا ربائے اصطلاحی یا سود، اسی کی ایک مخصوص ومتعین شکل ہے۔ نیوتہ وغیرہ کے نام سے جن رقموں سے برادری کی اکثر تقریبات میں شرکت اس امید سے کی جاتی ہے کہ وہ رقم زائد ہو کر پھر اپنے پاس آجائے گی۔ اکثر محققین نے یہاں یہی مراد لی ہے۔ العطية التى تعطى للاقارب للزيادة فى اموالهم (ابن عباس) العطية التى يتوقع بها مزيد مكافاة (روح۔ عن ابن عباس ومجاہد وسعید والضحاک ومحمد بن کعب القرظی وطاؤس وغیرہم) روى عن ابن عباس ومجاهد هو الرجل يهب الشيء يريد ان يثاب افضل منه فذلك الذى لا يربوا عند الله ولا يوجر صاحبه فيه ولا اثم عليه (جصاص) قال عكرمة الربا ربوان ربا حلال وربا حرام فاما الربوا الحلال فهو الذى يهدى يلتمس ما هو افضل منه (قرطبی) ف۴۷ یعنی اسے اللہ کے ہاں سند قبول حاصل نہیں ہوتی۔ اللہ کے ہاں مقبول مطلقاً مال نہیں، بلکہ صرف وہی ہوتا ہے جس سے مقصود ومطلوب رضائے الٰہی ہو۔ ف۴۸ یعنی دنیا میں بھی برکت انفرادی، اجتماعی، ہر حیثیت سے اسی مال سے حاصل ہو گی، اور آخرت میں بھی اجر کئی گنا یہی مال دلائے گا...... یہی مال جو رضائے الٰہی کی نیت سے ادا کیا گیا تھا۔ نہ کہ سودی کاروبار اور نمائشی داد ودہش پر، حالانکہ ظاہراً پر منفعت تمامتر وہی معلوم ہوتا ہے۔ آیت میں تخاطب سود خوار کی طرف بالکل نہیں...... بعض مفسرین نے نکتہ یہ لکھا کہ وہ ملعون قابل خطاب بھی نہیں۔ مِنْ زَكٰوةٍ۔ زکوٰۃ سے یہاں اصطلاحی زکوٰۃ مراد نہیں۔ شریعت کی یہ اصطلاح تو بہت بعد کی ہے۔ بلکہ مطلق صدقہ مراد ہے، جو اللہ کی رضا جوئی کے لئے دیا جائے۔ اي من صدقة (ابن عباس) ما اتيتم من صدقة (معالم)

يُحْيِيكُمْ ۗ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ

تم کو جلائے گا و۴۹ کیا تمہارے شرکاء میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی

مِّنْ شَيْءٍ ۗ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ظَهَرَ

کر سکے؟ وہ "اللہ" ان کے شرک سے پاک و برتر ہے! بلائیں پھیل

الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ

پڑی ہیں خشکی و تری میں لوگوں کے کرتوت سے و۵۰

لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

اس غرض سے کہ اللہ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھائے، تاکہ وہ لوگ باز آ جائیں و۵۱

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

آپ کہیے کہ زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ جو لوگ پہلے گزرے ہیں

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۗ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ

ان کا انجام کیسا ہوا ہے ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے و۵۲ سو تو

وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ

اپنا رخ دین مستقیم کی طرف کر لے و۵۳ قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے

لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ

جس کے لئے پھر اللہ کی طرف سے ہٹنا نہ ہوگا اس روز (سب لوگ) جدا جدا ہو جائیں گے و۵۴ جو

كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ

کافر رہا ہے اس پر اسی کا کفر پڑے گا اور جو نیک عمل کر رہا ہے، سو ایسے لوگ اپنے ہی لئے

يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

(نفع وراحت کا) سامان کر رہے ہیں و۵۵ جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نیک

و۴۹ (قیامت میں) یعنی ایجاد و ابقاء و افناء تینوں صفات کا مالک صرف وہی ہے۔ پیدا کرنے والا، پالنے والا، فنا کرنے والا سب صرف وہی ایک ہے۔ الگ الگ اور تین تین ہستیاں نہیں۔ جیسا کہ برہما وشنو اور شیو کی تریموری کا عقیدہ ہے۔ اور پھر قیامت میں اٹھانے کا وصف بھی اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ و۵۰ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ یعنی جمیع کائنات میں ـــ بشری آبادی کے چونکہ بڑے اور نمایاں مظہر یہی دو ہیں۔ لہٰذا نام انہیں کے لیے گئے۔ الْفَسَادُ۔ فساد کا لفظ جامع ہے۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کی ہر قسم کی جسمانی، مادی، اخلاقی، معاشری ابتری اور بدنظمی اس کے تحت میں آجاتی ہے۔ خروج الشیء عن الاعتدال قلیلاً کان الخروج عنه او کثیرًا (راغب) انسان کے اپنے کرتوتوں، شرک، کفر، معصیت، غرض غیر اسلامی زندگی اور جاہلی نظام کے اتباع سے ہر طرح کے اخلاقی و معاشری مفسدوں کا اٹھ کھڑا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ البتہ آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مادی حوادث تکوینی (قحط، وبا، طوفان وغیرہ) بھی بہت دفعہ اسی جاہلی زندگی کے نتیجے ہوتے ہیں۔ نظام عالم قائم ہی ہے طاعت الٰہی سے یا طریق اسلام سے۔ اور اس راہ راست سے کجروی کا نتیجہ ہی یہ ہے کہ اخلاقی عمارت کے ستون گر جائیں۔ اور یہ جو روایات حدیث میں آتا ہے کہ آخر زمانہ میں عیسیٰ ابن مریم کے عہد حکومت میں زمین، عدل و امن سے بھر جائے گی، اس کا راز بھی یہی ہے کہ اُس وقت سکہ شریعت اسلامی کا چل رہا ہوگا۔ الْفَسَادُ۔ الْبَرِّ۔ الْبَحْرِ۔ تینوں میں کلمہ ال جنس فساد، جنس بر، جنس بحر کے لیے ہے۔ کوئی متعین بر و بحر اور کوئی متعین صورت فساد کی مقصود نہیں۔ اے ظهر جنس الفساد فی جنس البر و جنس البحر (روح) یہاں بیان عام ہے۔ کسی ملک، کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں۔ تاہم اس عموم کو اس زمانہ کے ساتھ ایک خصوص بھی حاصل ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی، اور قرآن کی روشنی اول بار طلوع ہو رہی تھی، عرب کا ملک تو تمام تر دین و دیانت سے معرا تھا ہی، پاس اور دُور کے سارے ملک۔ مصر، ہندوستان وغیرہ شرک کی گندگی اور بداخلاقی کی تاریکی میں یکساں مبتلا تھے۔ دنیا میں بڑی تہذیبیں اس وقت دو تھیں۔ ایک رومی مسیحی، دوسری ایرانی مجوسی۔ یہ دونوں تمدن خود انحطاط اخلاقی کی آخری پستیوں تک پہنچ چکے تھے۔ یہاں تک کہ قرآن نے آکر یہ اعلان کیا کہ ہر مرض کا مداوا تو میرے ہی شفاخانہ میں ہے ـــ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ اللہ ٹھنڈی رکھے ہمارے اسلاف کی تربت کو۔ ہمارے ہاں کے قدیم ترین مفسرین بھی اسی نتیجہ تک پہنچ گئے تھے۔ جو آج جدید ترین مؤرخ بیان کر رہے ہیں۔ ترجمان القرآن میں حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے یہ روایت آج تک منقول چلی آتی ہے۔ رویت عن ابن عباس و کان ظهر الفساد برًا و بحرًا وقت بعثة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وکان الظلم عم الارض فاظهر الله به الدین و ازال الفساد و احمده صلی اللہ علیہ وسلم (بحر) و۵۱ (اپنے نا کردنی اعمال سے، اور آئندہ کے لیے اصلاح کرلیں) لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ یہاں حوادث تکوینی کا راز بتا دیا۔ یہ بلائیں اسی لیے آتی ہیں کہ انسان ان سے اپنی طرف توجہ کرنا سیکھے۔ مقصود ان بلاؤں سے بھی اصلاح خلق ہی ہوتی ہے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ شر مقصود بالذات نہیں ہوتا اس کی حیثیت نشتر کی ہے۔ یعنی جس طرح نشتر کا زخم مقصود بالذات نہیں ہوتا۔ مقصود و مطلوب تو صحت ہوتی ہے، نشتر محض اس کا ذریعہ ہوتا ہے۔ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ مواخذہ شاید ہر گناہ پر نہیں ہوتا۔ کچھ مخصوص ہی معاصی اس کے لیے انتخاب کر لیے جاتے ہیں۔ لِيُذِيْقَهُمْ میں ل لام علت بھی مانا گیا ہے اور لام عاقبت بھی۔ واللام للعلة والعاقبة (بیضاوی) و۵۲ (سو وہ قومیں کیسی کیسی بلاؤں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئیں) و۵۳ (اے مخاطب) دین مستقیم کی طرف یعنی توحید اسلامی کی طرف۔ و۵۴ (باعتبار جزاء کے) یعنی اہل جہنم کا گروہ الگ ہو جائے گا اور اہل جنت کا الگ۔ فریق فی الجنة و فریق فی السعیر (بحر) يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ۔ یعنی آج جس طرح عذاب ٹلتا رہتا ہے، اس یوم موعود کے وعدہ پر۔ جب خود یوم موعود آجائے گا، تو اب کوئی صورت اُس عذاب کے ٹلنے کی باقی نہ رہے گی۔ و۵۵ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ...... فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ۔ اجزاء کلام کی یہ تقدیم و تاخیر زور و تاکید مفہوم کے لیے ہے۔ يَمْهَدُوْنَ۔ مہد کے لفظی معنی بچھانے کے ہیں۔ تو گویا یہاں ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جو اہل ایمان دنیا میں حسن عمل میں مصروف رہتے ہیں، وہ اپنے ہاتھ سے اپنے لیے راحت دائمی کا فرش بچھا رہے ہیں۔ اے فلانفسهم یستعدون و یسخرون المضجع لیسلموا من عقاب ربهم و نجوا من عذابه (ابن جریر) عَلَيْهِ كُفْرُهٗ کے صیغۂ واحد اور لانفسهم یمهدون کے صیغۂ جمع سے، امام المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ پہلو پیدا کیا ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب سے کہیں وسیع تر ہے۔ بدی کا بدلہ بدکار کی ذات تک محدود رہے گا۔ نیکی کی جزاء نیک کار کے عزیزوں قریبوں کو بھی اپنے اندر لے لے گی۔ اشارة الی ان الرحمة اعم من الغضب تشملهٗ و اهلهٗ و ذریتهٗ اما الغضب فمسبوق بالرحمة لازم لمن اساء (کبیر) امام موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ مَنْ كَفَرَ کے مقابلہ میں قرآن مجید نے من اٰمن نہیں کہا۔ بلکہ تقابل میں وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا کہا، تاکہ مومن کو ساتھ ہی عمل کی بھی ترغیب ہو جائے اور ایمان کی تکمیل عمل صالح ہی سے ہوتی ہے۔ و لم یقل من اٰمن و ذلک لان العمل الصالح به یکمل الایمان فذکرهٗ تحریضًا للمکلف علیه (کبیر)

و۵۶ (بلکہ سخت مبغوض رکھتا ہے) لان عدم المحبة كناية عن البغض فی العرب (روح) فان عدم المحبة من الله غاية العذاب (کبیر) مِنْ فَضْلِهٖ۔ پہلی آیت میں ذکر دو طبقوں کا تھا۔ ایک مَنْ كَفَرَ کفر اختیار کرنے والوں کا دوسرے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا راہ حسن عمل پر چلنے والوں کا۔ پہلے کے انجام عَلَيْهِ كُفْرُهٗ میں صاف علت انجام کا ذکر کر دیا۔ یعنی وبال کفر کفر ہی کی بنا پر پڑے گا۔ اور دوسرے کی جزاء میں ”بجائے علت کے مِنْ فَضْلِهٖ بڑھا دینا اشارہ ہے کہ سزا تو بلا علت نہیں ہوتی۔ لیکن رحمت بلا علت محض فضل سے ہوتی ہے“۔ وذكر من فضله للدلالة علی ان الاثابة تفضل محض (روح) لِيَجْزِيَ میں ل عاقبت کا ہے۔ تعلیل کا بھی مانا گیا ہے متعلق بيمهدون تعليل له (کشاف) و۵۷ (بارش کی) قرآن کے مخاطب اول، اہل عرب تھے۔ اور عرب جیسے ملک میں برساتی ہواؤں کی خوش گواری خود ایک مستقل نعمت ہے۔ اور عرب کو چھوڑ کر، ہندوستان اور پاکستان جیسے زراعتی ملکوں میں مانسون کسان کے لیے ایک بشارت عظیم نہیں؟ مِنْ اٰيٰتِهٖ۔ یعنی اس کی قدرت، شفقت و حکمت کی نشانیوں میں سے۔ و۵۸ یعنی پہلے تو بارشی ہواؤں سے تمہارا دل خوش کرے۔ پھر اصل بارش کے فائدے تمہیں عنایت کرے۔ رَحْمَتِهٖ سے مراد یا بارش ہے یا وہ منافع جو بارش پر مرتب ہوتے ہیں۔ یعنی المنافع التابعة لها (بیضاوی) و۵۹ (انہیں ہواؤں کے ذریعہ سے) یعنی ہواؤں کا ایک کام علاوہ بارش لانے کے، یہ بھی ہے کہ وہ بحری سفر کو ممکن بنا دے۔ اور اس طرح قوموں کی قومیں بحری تجارت کے ذریعہ سے بن جائیں۔ عربوں نے قرآن مجید کے ان اشارات سے جس قدر فائدہ اٹھایا۔ اس کا مفصل ذکر مولانا سید سلیمان ندوی کی کتاب ”عربوں کی جہاز رانی“ میں ملے گا۔ اور آج تو دنیا کی متمول ترین قوموں کا راز یہی بحری تجارت ہے۔ فَضْلِهٖ۔ فضل یہاں تجارت بحری کے معنی میں ہے۔ اور یہ سلف سے مسلم چلا آتا ہے۔ اور بعض نے عام تجارتی سفر مراد لیے ہیں۔ یعنی تجارة البحر (بیضاوی۔ مدارک) من رزقه بالتجارة فی البحر (معالم) ای فی التجارات و المعايش والسير من اقليم الی اقليم و قطر الی قطر (ابن کثیر) بِاَمْرِهٖ۔ امر یہاں تدبیر و تکوین کے معنی میں ہے۔ ای تدبيره و تكوينه (مدارک) و۶۰ مقصود ان تمام نعمتوں سے یہی ہے کہ ان نعمتوں کا استعمال مصرف صحیح میں کیا جائے — اور یہی وہ مقام ہے جو قرآن جیسی کتاب الہدیٰ کو تمام ”علوم“ و ”فنون“ کی کتابوں سے ممتاز کیے ہوئے ہے۔ قدم قدم پر سبق ساری مادی ترقیوں کے بعد انسان کو حدود عبدیت کے اندر رہنے کا۔ و۶۱ (اور وہ جرم یہی تھا کہ ان لوگوں نے ان دلائل حق کی تصدیق نہ کی، بلکہ الٹی اُن کی تکذیب کرتے رہے) فَانْتَقَمْنَا۔ بعض نافہموں نے انتقام حق کو اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی اور اس سے پست سمجھا ہے۔ یہ نتیجہ ہے تمامتر ”انتقام“ اور ”کینہ پروری“ کے درمیان خلط مبحث کر دینے کا۔ انتقام جس کے معنی مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے ہیں، وہ تو قیام عدل کے لیے لازمی ہے۔ ورنہ پھر نظام عدل ہی کو سرے سے خیر باد کہہ دیا جائے۔ و۶۲ (چنانچہ عذاب الٰہی سے کفار مغلوب و مقہور ہوئے اور اہل ایمان محفوظ و منصور رہے) یہاں مومنوں اور کافروں کی عام آویزش کا بیان نہیں اور نہ ہر حال میں مومنین کی نصرت کا کوئی عام وعدہ ہے۔ بیان صرف اُس وقت کا ہے جب پیمبروں کی تکذیب اور ان سے براہ راست مقابلہ کیا جائے۔ اس وقت آخری شکست منکروں اور باغیوں کی یقینی ہوتی ہے) و۶۳ يَبْسُطُهٗ۔ سے مراد یہ ہے کہ بادل کو مجتمع کر کے دُور تک پھیلا دیتا ہے۔ جس سے گھنگھور گھٹا چھا جاتی ہے۔ يَجْعَلُهٗ كِسَفًا کا مطلب یہ ہے کہ بادل کو گھنا نہیں ہونے دیتا متفرق پتلی پتلی بدلیاں رکھتا ہے۔ كَيْفَ يَشَآءُ۔ کا حاصل یہ ہے کہ بادل کو جس حالت میں چاہتا ہے رکھتا ہے۔ خواہ خوب گہری گھٹا بنا دے، خواہ ہلکی پھلکی بدلی رکھے۔ فِي السَّمَآءِ۔ سے مراد صرف ”سمت آسمان میں“ ہے۔ ای فی سمتها (بیضاوی) لا فی نفس السماء بالمعنى المتبادر (روح) و۶۴ یعنی اپنے بندوں کے جس ملک، جس سرزمین میں چاہتا ہے۔ لے جاتا ہے۔ یعنی بلادهم و اراضيهم (بیضاوی) اَلْوَدْقَ۔ ودق مرادف ہے مطر کے۔ الودق قيل ما يكون من خلال المطر كانه غبار و قد يعبر به عن المطر (راغب)۔

الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

عمل کیے (اللہ) انہیں اپنے فضل سے (نیک) جزا دے گا، واقعی اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا، و۵۶

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِيُذِيْقَكُمْ

اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے خوش خبری دیتی ہوئی و۵۷ اور تا کہ وہ تمہیں

مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا

اپنی رحمت کی لذت چکھائے و۵۸ اور تا کہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تا کہ تم اس کے فضل کی

مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا

تلاش کرو و۵۹ تا کہ تم شکر ادا کرو و۶۰ اور ہم نے آپ سے پہلے

مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

(بہت سے) پیمبر ان کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ ان کے پاس دلائل لے کر آئے

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا

پھر ہم نے ان لوگوں سے انتقام لے لیا جو جرم کرتے رہے تھے و۶۱ اور اہل ایمان کا غلبہ تو

نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ

ہمارے ذمہ تھا و۶۲ اللہ ایسا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے تو وہ بادلوں کو

سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَ يَجْعَلُهٗ

اٹھائے پھرتی ہیں، پھر اللہ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے

كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ

کر دیتا ہے و۶۳ پھر تو مینہ کو دیکھتا ہے کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے پھر اسے اپنے بندوں میں سے

بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

جس کو چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے و۶۴ تو بس وہ خوش ہونے لگتے ہیں

وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ

درآنحالیکہ وہ لوگ قبل اس کے کہ اس خوشی سے قبل ان پر برسے بالکل

لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ

مایوس ہورہے تھے و۶۵ سو ذرا رحمتِ الٰہی کے آثار کو دیکھو کہ اللہ زمین کو اس کے خشک ہونے کے بعد

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ

کس طرح شاداب کرتا ہے، و۶۶ بے شک وہی مردوں کا جلانے والا ہے و۶۷ اور وہی

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَ لَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ

ہر چیز پر (پوری) قدرت رکھنے والا ہے، اور اگر ہم (کوئی اور) ہوا چلا دیں، پھر یہ لوگ کھیتی

مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ

کو زرد ہوا دیکھیں تو یہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں و۶۸ آپ مُردوں کو تو نہیں سنا

الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾

سکتے اور نہ بہروں کو (اپنی) پکار سنا سکتے ہیں جب کہ وہ پیٹھ پھیرے چلے جا رہے ہوں

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا

اور آپ اندھوں کو بھی ان کی بے راہی سے راہ پر نہیں لا سکتے آپ تو بس انہیں کو سنا سکتے ہیں جو

مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع اَللّٰهُ الَّذِيْ

ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں، پھر وہ (انہیں) مانتے بھی ہیں و۶۹ (اور وہی) اللہ ہے جس نے

خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ

تم کو (تمہاری) ناتوانی کی حالت میں پیدا کیا، پھر ناتوانی کے بعد توانائی

قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ

عطا کی پھر توانائی کے بعد ناتوانی اور ضعیفی دی، وہ جو چاہتا ہے

ع ۵ ۱۳ ۸

و۶۵ یعنی ابھی تو مایوس ہو رہے تھے اور ابھی خوش ہو گئے۔ کاشتکار اور زراعت پیشہ کسی ملک وقوم کے بھی ہوں، جو لوگ اُن کی نفسیات سے واقف ہیں، قرآن مجید کے اس فقرہ کی دل کھول کر داد دیں گے۔ و۶۶ (اور یہ خود ایک نظیر ہے قدرت علی البعث کی) رَحْمَتِ اللّٰهِ۔ سے یہاں بھی مراد بارش ہے یا اس کے اثرات عالم میں نباتات پر۔ اے اثر الغیث من النبات والاشجار و انواع الثمار (بیضاوی) و۶۷ (قیامت کے دن، اور وہی روزمرہ تجدیدِ حیات کی نظیریں دکھاتا رہتا ہے) مطلب یہ ہے کہ خدا کی قدرتِ کاملہ اور اُس کی خلاقی کا استحضار اگر رکھو تو امکانِ بعث میں کوئی اشکال ہی نہ رہ جائے۔ و۶۸ (ساری پچھلی نعمتوں کو بھول بھال کر) مقصود غافلوں کی بے حسی کو دکھانا ہے۔ رِيْحًا سے مراد ہے کسی دوسری قسم کی ہوا، جو زراعت کو نقصان پہنچانے والی ہو۔ مثلاً بجائے پچھوا ہوا کے پُروا کی، یا بجائے پُروا کے پچھوا۔ رَاَوْهُ میں ضمیر کھیتی کی جانب ہے۔ اے رأوا النبت والزرع مصفرًا (معالم) اے رأوا اثر رحمة الله لان رحمة الله هی الغیث و اثرها النبات (کشاف) و هی النبات المفهوم من السیاق (بحر۔ روح) و۶۹ یعنی یہ لوگ بے ادراکی میں مُردوں، بہروں، اندھوں کی سطح پر ہیں آپ ان سے نہ ایمان کی توقع رکھیے نہ ان کے انکار و تکذیب پر غم و تردد کیجیے۔ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ مُردوں کے سننے نہ سننے پر حاشیہ سورۃ النمل (پ ۲۰) آیت اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ کے تحت میں گزر چکا — کسی بندہ سے یہ کہنا کہ تم مُردوں کو اپنی آواز سنا نہیں سکتے، اس کا مستلزم نہیں کہ سرے سے سماعِ میت کا انکار ہی مقصود ہے۔ کسی سے یہ کہنا کہ تم آسمان کی سیر نہیں کرا سکتے، اس کے مرادف نہیں کہ حق تعالیٰ بھی آسمان کی سیر نہیں کرا سکتا۔ سماعِ موتی اپنے حدود کے اندر اہلِ سنت کے ہاں ایک متفقہ مسئلہ ہے۔ اس سے کلیۃً انکار درست نہیں۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ یہاں تینوں جملے اس پر دال ہیں کہ ہدایت نہ کسی نبی کے قبضہ میں ہے اور نہ کسی ولی کے۔ پھر لوگ کیسے یہ گمان کر لیتے ہیں کہ کامل بنا دینا شیخ کے اختیار میں ہے۔ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ۔ میں ایمان سے مراد استعدادِ ایمان ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اصل ایمان تو سماع سے مؤخر ہے نہ کہ اس پر مقدم۔

مَا يَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ

پیدا کرتا ہے ف۷۰ اور وہ خوب جاننے والا ہے، ہر قدرت رکھنے والا ہے۔ ف۷۱ اور جس دن قیامت

السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ

قائم ہوگی مجرم لوگ قسم کھا بیٹھیں گے (کہ) ہم لوگ تو ایک ساعت سے زیادہ رہے ہی نہیں، ف۷۲

كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

اسی طرح یہ لوگ الٹے چلتے رہتے تھے ف۷۳ اور جن لوگوں کو علم و ایمان عطا ہوا ہے

وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۫

وہ کہیں گے کہ تم نوشتۂ الٰہی کے مطابق قیامت کے دن تک رہے

فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

سو یہی تو ہے قیامت کا دن البتہ تم ہی (اس کا) یقین نہیں کرتے تھے ف۷۴

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَا

غرض اس روز ظالموں کو ان کا عذر کرنا (کچھ) نفع نہ دے گا، اور نہ

هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا

ان سے تدارک چاہا جائے گا ف۷۵ اور ہم نے لوگوں کے لئے اس

الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ

قرآن میں ہر طرح کے مضمون بیان کئے ہیں ف۷۶ اور اگر آپ ان کے پاس کوئی نشان بھی لے کر آئیں تو بھی

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ

یہ لوگ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم (لوگ) اہل باطل ہو ف۷۷ جو لوگ

يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ

یقین نہیں رکھتے اللہ ان کے دلوں پر اسی طرح مہر کر دیا کرتا ہے ف۷۸ سو آپ صبر کیجیے

ف۷۰ ہر تصرف میں وہی آزاد و خود مختار ہے۔ وہی جب چاہے نیست سے ہست کرے، ضعیف سے قوی اور قوی سے ضعیف، کوئی اس کا مانع و مزاحم کسی درجہ میں بھی نہیں ہو سکتا۔ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ۔ اس ناتوانی سے مراد قبل پیدائش حالت جنین یا نطفہ کی بے حقیقتی اور کمزوری ہے۔ بَعْدِ ضُعْفٍ میں ضعف سے مراد بچپن کی ناطاقتی اور بے بسی ہے۔ قُوَّةً سے مراد جوانی اور قُویٰ کے بلوغ اور پختگی کا زمانہ ہے۔ ف۷۱ ہر ضرورت و مصلحت کا علم بھی اسی کو پورا ہے، اور ہر تصرف پر قدرت بھی پوری پوری اسی کو حاصل ہے۔ سو اس کے خلق و خلقت میں کسی کمی یا نقص کا امکان ہی نہیں۔ ف۷۲ (عالم برزخ میں یا دنیا میں) اَلْمُجْرِمُوْنَ۔ کافروں کو یوم حشر کی انتہائی گھبراہٹ اور بدحواسی میں محسوس واقعی ایسا ہی ہوگا کہ جیسے قیامت اپنے وقت موعود سے بہت پہلے آ گئی اور ان لوگوں کو کچھ مہلت ہی نہ ملی! مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ۔ یہ گھڑی بھر کی مدت قیام عالم برزخ میں بھی ہو سکتی ہے اور دنیا میں بھی۔ ائمہ مفسرین دونوں طرف گئے ہیں۔ فی قبورهم (معالم عن مقاتل والكلبی) فی قبورهم (ابن جریر) فی الدنیا (ابن کثیر) فی الدنیا (معالم) اے ما اقاموا فی القبور وروی غیر واحد عن قتادة انهم یعنون ما لبثوا فی الدنیا و رجح الاول بانه الاظهر (روح) ف۷۳ یعنی ادراک حقائق کے سلسلہ میں ان کی غلط بینیاں اور غلط اندیشیاں کچھ آج نئی نہیں، دنیا میں بھی تو ادراک حقائق کے سلسلہ میں یہ ایسے ہی کج اندیش تھے۔ ف۷۴ یہ جواب دینے والے وہ لوگ ہوں گے جنہیں دنیا میں اخبار شرعیہ کا علم تھا۔ فی كتاب الله ای فی ما كتب الله لكم فی سابق علمه من اللبث فی القبور (معالم) فی علم الله و قضائه او فی ما كتبهٗ اے اوجبهٗ بحكمته (کشاف) آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ روز حشر کا ہول و انتشار کفار ہی کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ شریعت پر عمل کرنے والے اہل ایمان انشاء اللہ اس وقت تمامتر محفوظ اور باحواس رہیں گے۔ اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ۔ بعض نے کہا۔ اس سے فرشتے مراد ہیں۔ اور بعض نے کہا انبیاء، بعض نے کہا علماء اُمت، اور بعض نے کہا کہ سارے مؤمنین۔ فقیل الملائكة و قیل الانبیاء و قیل علماء الامم و قیل جمیع المومنین (قرطبی) ف۷۵ یعنی ان ظالموں، کافروں کو اس کا موقع نہ دیا جائے گا کہ اُس روز توبہ کر کرا کے اللہ کو راضی کر لیں۔ اے لا یطلب منهم ازالة عتب الله تعالٰی والمراد به غضبه سبحانهٗ علیهم بالتوبة والطاعة (روح) يُسْتَعْتَبُوْنَ۔ استعتاب کے لفظی معنی ازالۂ عتاب یعنی توبہ کے ہیں، جو گناہوں کو مٹا دے۔ و هو ازالة العتب یعنی التوبة التی تزیل آثار الجریمة لا تطلب منهم لانها لا تقبل منهم (کبیر) یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ انہیں دنیا میں واپسی کا موقع نہ دیا جائے گا۔ ولا هم یرجعون الی الدنیا (ابن کثیر) ف۷۶ (جس کا مقتضی یہ تھا کہ منکرین ایمان لے آتے) لِلنَّاسِ۔ یعنی لوگوں کی ہدایت و نفع کی غرض سے۔ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ۔ یعنی ہر قسم کے عمدہ مفید مضمون۔ ف۷۷ کیا حد ہے اُن کے عناد و ضد اور حق طلبی کے فقدان کی! — کہاں تو خود ہی فرمائشی معجزوں کی بھرمار کر رہے ہیں۔ اور کہاں اگر معجزے دیکھ لیں تو الٹے مسلمانوں سے یہ کہنے لگیں کہ تم لوگ تو سحر کی باطل پرستیوں میں پڑے ہوئے ہو! اٰيَةٍ۔ یعنی کوئی ایسا نشان جس کی یہ خود فرمائش کرتے رہتے ہیں اُن کا فرمائشی نشان۔ اَنْتُمْ یعنی تم سب، پیمبر اور مؤمنین۔ ف۷۸ (اُن کی شدتِ عناد اور حق ناشناسی کی بناء پر) اور وہ دلوں پر مہر لگنا یہی ہے کہ روز بروز اُن کی قبول حق کی استعداد ضعیف و مضمحل ہوتی جاتی ہے۔ اَلَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ کے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں علم صحیح کی طلب نہیں ہوتی۔ اے لا یطلبون العلم (بیضاوی۔ روح)

ف۷۹ (کہ حق ایک روز منصور و کامیاب اور باطل بالآخر ناکام و سرنگوں ہو کر رہے گا) **ف۸۰** یعنی حالات کیسے ہی سخت اور صبر آزما ہوں، آپ کے ہاتھ سے دامن صبر و متانت و استقامت کسی حال میں بھی نہ چھوٹنے پائے۔ اور بے عقیدہ، بے ایمان لوگوں کو کوئی سا موقع ہنسی کا یا طنز کا نہ ملنے پائے۔ آیت میں تعلیم ہے ساری اُمت کے لیے۔ اکابر اُمت کو تو خصوصاً اپنے حال کا بڑا رکھ رکھاؤ چاہیے کہ حتی الامکان کافروں، فاجروں کو کوئی موقع اعتراض کا ہاتھ نہ لگنے پائے۔ لَا یَسْتَخِفَّنَّكَ خطاب براہ راست رسول سے ہے لیکن مفہوم کے اعتبار سے اُمت سے ہے۔ **والخطاب للنبی ﷺ والمراد امتہ** (قرطبی) **ف۱** آیت میں قرآن مجید کی اہمیت و عظمت کا بیان ایک عجیب لطیف انداز سے ہے۔ محسن ہونے کا اطلاق تو خود انہیں لوگوں پر ہوگا، جو قرآن پر عمل کر کے مرتبہ اخلاق میں بڑھے ہیں اور اب انہیں کے حق میں اشارہ ہو رہا ہے کہ قرآن ان کے لیے موجب ہدایت ہے۔ اَلْحَكِيْمِ۔ سے مراد پر حکمت بھی ہو سکتی ہے، اور بے عیب بھی اور حاکم بھی۔ **الحکیم المحکم ای لا خلل فیه ولا تناقض و قیل ذوالحکمة و قیل الحاکم** (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مراتب ہدایت کی حد و انتہا نہیں۔ محسنین تو خود ہی ہدایت کے مرتبہ اعلیٰ پر ہوتے ہیں۔ قرآن انہیں اور بڑھا رہا ہے۔ **ف۲** (دنیا و آخرت میں ہر طرح پر) عَلٰى هُدًى...... الْمُفْلِحُوْنَ۔ هُدًى۔ ہدایت ثمرہ ہے قرآن پر اعتقاد و عمل کا۔ اور فلاح ثمرہ ہے راہِ ہدایت کا۔ پارۂ اول کے رکوع اوّل میں انہیں سے ملتی ہوئی دو آیتیں آ چکی ہیں، وہاں کے حاشیے بھی ملاحظہ کر لیے جائیں۔ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔ هُمْ کی تکرار تاکید اور زور کلام کے لیے ہے۔ **اعید الضمیر للتاکید** (روح) **ف۳** لَهْوَ الْحَدِيْثِ۔ مراد اس سے عموماً غناء (موسیقی) سمجھی گئی ہے۔ **و فی الآیة عندالاکثرین ذمٌّ للغناء باعلیٰ صوت** (روح) **الغناء فی قول ابن عباس و ابن مسعود و غیرهما و هو ممنوع بالکتاب والسنة** (قرطبی) لیکن محققین کا فیصلہ ہے کہ اس میں گانے کا حصر و تعین نہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ **لهو الحدیث هو الغناء واشباهه**۔ یعنی اس سے مراد ہے گانا اور اس کے مشابہ چیزیں۔ گویا ہر بیکار، غیر مفید مشغلہ اس کے تحت میں داخل ہے جو حق کی طرف سے غفلت، بے رغبتی پیدا کرنے والا ہو، اس کے تحت میں آ جاتا ہے۔ **ما یلهی عما یعنی کالاحادیث التی لا اصل لها والاساطیر التی لا اعتبار بها والمضاحک و فضول الکلام** (بیضاوی) لَهْوَ الْحَدِيْثِ۔ غناء کے باب میں محدثین و فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔ جو گانا محض دل بہلانے یا باصطلاح فقہاء دفع وحشت نفس کے لیے ہو، اس میں مضائقہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک بھی نہیں۔ درمختار میں اسے سرخسی، عینی و عنایہ کے حوالہ سے جائز رکھا ہے۔ **و فی الدرالمختار التغنی لنفسه لدفع الوحشة لاباس به عندالعامة علیٰ ما فی العنایة و صححه العینی والیه ذهب شمس الائمة السرخسی** (روح) اور اگر اس میں کلام حکیمانہ اور مضامین اخلاق و معرفت کے ہوں جب تو بالکل ہی جائز ہے۔ **قال و لو فیه وعظ و حکمة فجائز اتفاقاً** (روح) لیکن جو گانا لوگوں کے سنانے کے لیے جشن عقد اور عید وغیرہ کے علاوہ ہو، خصوصاً جو "قوالی" کی محفلیں مسجدوں اور خانقاہوں میں مجمع فساق کے ساتھ ہوا کرتی ہیں اور جنہیں عبادت سمجھا جاتا ہے وہ تو اور زیادہ قابل ملامت ہیں۔ **و صاحب الهدایة والذخیرة سمیاه کبیرة هذا فی التغنی للناس فی غیر الاعیاد و الاعراس و یدخل فیه تغنی صوفیة زماننا فی المساجد والدعوات بالاشعار والاذکار مع اختلاط اهل الاهواء والمرد بل هذا اشد من کل تغنٍ لانهٗ مع اعتقاد العبادة** (روح) **فاما ما ابتدعته الصوفیة الیوم من الادمان علیٰ سماع المغانی بالآلات المطربة من الشبابات والطار و المعازف والاوتار فحرام** (قرطبی) بلکہ اس تواجد و تراقص کا شمار تو علاماتِ زندقہ میں سے کیا گیا ہے اور اس کا جائز سمجھنا حدود کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔ **و اماما ابتدعته الصوفیة فی ذٰلک فمن قبیل ما لا یختلف فی تحریمه لکن النفوس الشهوانیة غلبت علیٰ کثیر ممن ینسب الی الخیر حتیٰ لقد ظهرت فی کثیر منهم فعلات المجانین و الصبیان حتیٰ رقصوا بحرکات متتابعة و تقطیعات متلاحقة وانتهی التواقح بقوم منهم الیٰ ان جعلوها من باب القرب و صالح الاعمال و ان ذٰلک یثمر سنی الاحوال و هٰذا علی التحقیق من آثار الزندقة** (روح) **و اماما وسمهٗ اهل زماننا من انهم یهیئون المجالس و یرتکبون فیها بالشرب والفواحش و یجمعون الفساق والاماء یطلبون المغنین الطوائف و یسمعون منهم الغناء و یتلذذون بها کثیرًا من الهواء النفسانیة والخرافات الشیطانیة و یحمدون علی المغنین باعطاء النعم العظیم و یشکرون علیهم بالاحسان العمیم فلا شک ان ذٰلک ذنب کبیر و استحلالهٗ کفر قطعًا و یقینًا لانهٗ عین لهو الحدیث فی شانهم** (احمدی) يَّشْتَرِيْ کے لفظی معنٰی خرید کرنے کے ہیں۔ مراد ہے اختیار کرنا، خریدار ہونا، خواستگار ہونا، راغب ہونا، سب اس میں داخل ہے بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ یعنی نفس پرستی اور عرف فاسد پر مبنی، اور ہر علمی سند سے خالی۔ لِيُضِلَّ۔ میں لام تعلیل کا ہے۔ **واللام للتعلیل** (روح) سَبِيْلِ اللّٰهِ سے مراد اللہ کا دین ہے۔ یا کتاب اللہ کی تلاوت۔ **ای دینه او قراءة کتابه** (بیضاوی) آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہاں ذکر ایسے لہو و لعب کا ہے جو دینِ حق سے روکنے والے ہوں اور ان کا اثر دوسروں تک متعدی ہو رہا ہو، بلکہ دینِ حق کی تحقیر دلوں میں پیدا کرانے والے

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝۶۰ ع

بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے ف۷۹ اور جو لوگ بے یقین ہیں کہیں آپ کو بے برداشت نہ کر دیں ف۸۰

ایاتها ۳۴ — ۳۱ سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ ۵۷ — رکوعاتها ۴

اس کی چونتیس آیتیں — سورۂ لقمٰن مکہ میں نازل ہوئی — اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۲ هُدًى وَّرَحْمَةً

الف، لام، میم، یہ آیتیں ہیں ایک پُر حکمت کتاب کی جو ہدایت و رحمت ہے

لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝۳ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

نیک کاروں کے حق میں ف۱ جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے

الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى

رہتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں یہی لوگ ہیں

هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵

اپنے پروردگار کی طرف سے راہ ہدایت پر اور یہی لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں ف۲

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ

اور کوئی انسان ایسا بھی ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی باتیں خرید کرتا ہے تاکہ اللہ کی راہ سے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ

بے سمجھے بوجھے (دوسروں کو) گمراہ کرے اور اس راہ کی ہنسی اڑائے ف۳ ایسے ہی

لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۶ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى

لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے ف۴ اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا

مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِیْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ

ہوا منہ موڑ لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں گویا اس کے کانوں میں ثقل ہے،

فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

سو آپ اسے خبر سنا دیجئے عذاب دردناک کی ف۵ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ

کام بھی کئے ان کے لئے راحت کی جنتیں ہیں جن میں وہ (ہمیشہ) رہیں گے

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

(یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے ف۶ (اسی نے) آسمانوں کو

بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ

بلا ستون بنایا ہے تم ان کو دیکھ رہے ہو اور زمین پر بھاری پہاڑ ڈال رکھے ہیں

اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ

کہ کہیں تم کو لے کر ڈانواں ڈول نہ ہونے لگے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں، اور ہم نے آسمان سے

السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾ هٰذَا

پانی اتارا پھر اس (زمین) میں ہر طرح کے عمدہ اقسام اگائے ف۷ یہ تو

خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ

اللہ کی مخلوق ہوئی اب مجھے دکھاؤ کہ اس (اللہ) کے علاوہ جو ہیں انہوں نے کیا چیزیں پیدا کی ہیں

بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ

اصل یہ ہے کہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) ہیں ف۸ اور بے شک ہم نے لقمان کو

الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ

دانائی عطا کی ف۹ (اور یہ حکم) کہ اللہ کا شکر کرتے رہو، اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی (نفع کے) لئے

ع ۱۱ / ۱۰

ہوں، ظاہر ہے کہ ایسا مشغلہ صریح کفر کے درجہ میں آجائے گا۔ اور اس کی تائید شانِ نزول کی روایتوں سے بھی ہوتی ہے۔ جاہلیت میں کوئی ''قابل و فاضل'' شخص نضر بن الحارث نامی تھا۔ آس پاس کے ملکوں کا سیاح، وہاں سے جاہلی ''لٹریچر'' کی اعلیٰ درجہ کی کتابیں لاتا۔ انہیں لا کر اہل عرب کو سناتا۔ ایران کے بہادروں کے افسانے۔ حیرہ کے بادشاہوں کے قصے پڑھ کر سناتا اور کہتا جی ان میں لگاؤ، قرآن کے وعظ میں کیا رکھا ہے۔ ہمراہ کوئی حسین چھوکری بھی رکھتا۔ عملی دل بہلاوے کے لیے شراب و کباب کے ساتھ اس کی پیشکش بھی کرتا رہتا۔ اس سے بھی بڑھ کر ممنوع و ناجائز وہ سارے کھیل تماشے ہوں گے جو تہذیب و تمدن نے خدا اور آخرت کی طرف سے غافل کرنے کے لیے گڑھ لیے ہیں۔ سینما، تھیٹر، پکچر، گیلری وغیرہا۔ نیز ''ادبیات''، افسانہ و شعر کا وہ بہت بڑا ذخیرہ، جو آج ''آرٹ'' کے بڑے پُر فخر کارنامہ کی حیثیت سے پیش کیا جا رہا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں ہر اُس گانے کی حرمت آگئی جو عملاً دین سے غفلت کی طرف لے جانے والا ہو۔ یا اعتقاداً موجب ضلال ہو۔ اور قول فیصل یہ ہے کہ جو ان دونوں باتوں سے مبرا ہو، اس کا یہ حکم نہیں ہے۔ ف۴ (آخرت میں) آخرت کا ہر عذاب شدید و الیم تو ہے ہی، یہ عذاب اس کے ساتھ ذلت آفریں بھی ہوگا۔ جس نے زندگی بھر دین حق کی تحقیر اور بے وقعتی کی، وہ نالائق ہے ہی اسی قابل کہ کل اس کی بھی ہر طرح ذلت و رسوائی ہو لے۔ اس عذاب کا اصل ظہور تو آخرت ہی میں ہوگا۔ لیکن دنیا میں بھی ایک طرح اس کا ظہور مشاہد ہے، بھانڈ، نقال، گویئے، میراثی، کسبیاں، نچنیے، غرض تمام طبقہ لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے تعلق رکھنے والے دنیا میں بھی کیسے حقیر و رسوا رہتے ہیں، تا آنکہ کوئی معاشرہ مسخ ہو کر خود ہی اُن کے رنگ میں رنگ جائے، اور خود ہی فسق پیشہ بن جائے۔ ف۵ آیت ماقبل سے بھی ظاہر ہو گیا تھا، اور اس آیت نے اور زیادہ صاف کر دیا کہ یہاں مراد اس لہو و لعب اور ان اشغال تفریحی سے ہے جو دین اسلام سے ہٹنے اور ہٹانے، ضلال و اضلال کا باعث ہوں۔ ایسے مشاغل یقیناً حرام بلکہ ان میں سے بعض تو کفر کے درجہ میں داخل ہیں۔ باقی ''جو لہو اعمال فرعیہ شرعیہ سے باز رکھے یا کسی معصیت کا سبب ہو جائے وہ صرف معصیت ہے۔ اور جو لہو کسی امر واجب کا مفوت نہ ہو اور اس میں کوئی شرعی غرض و مصلحت بھی نہ ہو وہ مباح ہے۔ لیکن لا یعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہے۔ اور مسابقت فرس اور مسابقت سہم و ملاعبت اہل میں چونکہ معتد بہ غرض تھی، اس لیے حدیث میں اس کو لہو باطل سے مستثنیٰ فرمایا، اور مسئلہ غنا اور سماع کا اس آیت کا مدلول ہونا ضروری نہیں۔ اس کا حکم مفصل مستقلاً مثل دیگر اقسام لہو کے دوسرے دلائل حدیثیہ و فقہیہ سے اپنے محل پر ثابت ہے۔ اور اس تفصیل سے تمام مشاغل اور تفریحات کا حکم بھی جس میں اخبار اور ناول وغیرہ بھی آگئے معلوم ہو گیا''۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۶ اپنے کمال قدرت سے۔ ہر وعدہ کے واقع کرنے پر قادر ہے۔ اور اپنے کمال حکمت سے واقع اسی وقت کرتا ہے جب عین مصلحت ہوتی ہے۔ ف۷ (ہر طرح کے شجر و نباتات کے) خَلَقَ ...... تَرَوْنَهَا۔ آسمان جیسی عظیم الشان موجودات کو بغیر کسی ظاہری و مرئی سہارے کے قائم رکھنا کمال قدرت پر ایک دلیل قاطع ہے۔ ملاحظہ ہوں (پ۱۳) سورۃ الرعد کے حاشیے۔ فقرہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ ''بغیر ایسے ستونوں کے جنہیں تم دیکھ سکو بنایا''۔ اس صورت میں تَرَوْنَهَا کا تعلق السَّمٰوٰتِ سے نہیں، بلکہ عَمَدٍ سے ہوگا۔ مفسرین نے یہ ترکیب بھی جائز رکھی ہے تکون ترونها فی موضع خفض علی النعت لعمد فیمکن ان یکون ثم عمد و لکن لا ترٰی (قرطبی) بلکہ بعض صحابہ و تابعین سے بھی منقول یہی ہے۔ قال ابن عباس و عکرمه و مجاهد لها عمد لا ترونها (ابن کثیر) اَلْقٰى ...... بِكُمْ۔ ہلکی پھلکی سطح زمین پر اس مصلحت سے ایک خاص ترتیب و مناسبت مقام کے ساتھ بھاری بھاری پہاڑ نصب کر دینے کہ زمین کہیں اپنی اتنی تیز گردش سے ہلنے نہ لگے۔ کمال صنعت گری کی دلیل ہے ملاحظہ ہوں سورۃ النحل (پ۱۴) کے حاشیے۔ مِنَ السَّمَآءِ سے جیسا کہ پہلے کئی بار گزر چکا ہے مراد سمت آسمان سے یا بلندی سے ہوتی ہے۔ ابر وغیرہ سب اسی میں شامل ہیں۔ ف۸ (اور وہ گمراہی اُن کی صریح ضد کی ہے۔ تو یہ لوگ بھلا دلیل وغیرہ کیا پیش کر سکیں گے) اہل شرک کو چیلنج کر کے پکارا ہے کہ اللہ کی صنعت و قدرت و حکمت پر تو آسمان و زمین میں ایسے ایسے روشن دلائل موجود ہیں۔ اب تم تو ذرا بتاؤ کہ تمہارے دیویوں دیوتاؤں کے مخلوقات و مصنوعات کون سے ہیں؟ اَلظّٰلِمُوْنَ۔ ظالمون سے مراد مشرکین ہیں۔ یعنی المشرکین باللہ العابدین معهٗ غیرہ (ابن کثیر) ف۹ یہ لقمان کون تھے؟ اتنا تو بہر حال ظاہر ہے کہ کوئی مقبول، برگزیدہ بندہ تھے۔ اور ایسے کہ اہل عرب (قرآن کے مخاطبین اول) ان کے نام سے مانوس تھے۔ اس کے آگے اُن کی شخصیت کے بارہ میں اختلاف ہے۔ کلام جاہلیت میں ایک نہیں، اس نام کے تین تین شخصوں کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے لقمان ثانی کا لقب لقمان حکیم مشہور ہے۔ عجب نہیں کہ قرآن مجید کا اشارہ انہیں کی جانب ہو۔ ان سے متعلق روایات تاریخی میں آتا ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہمعصر تھے۔ ملک حبشہ کے رہنے والے تھے۔ اور ایک آزاد شدہ غلام تھے۔ (ارض القرآن جلد اول صفحہ ۱۸۰ الخ) بعض اکابر ان کی نبوت کے بھی قائل ہوئے ہیں۔ لیکن مسلک جمہور یہ ہے کہ نبی نہ تھے صرف حکیم تھے۔ یہ اختلاف سلف سے چلا آ رہا ہے کہ آیا آپ نبی تھے، یا محض ایک بندۂ صالح۔ دونوں قول منقول ہیں۔ لیکن اکثریت نے قول ثانی ہی اختیار کیا ہے۔ اختلف السلف فی لقمان هل کان نبیًا او عبدًا صالحًا من غیر نبوة؟ علی قولین الاکثرون علی الثانی (ابن کثیر) والجمهور علی انه کان حکیمًا و لم یکن نبیًا (مدارک) جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ نبی نہ تھے۔ صرف حکیم تھے۔ البتہ عکرمہ اس

کے قائل تھے کہ آپ نبی تھے۔ لیکن عکرمہ اپنی اس رائے میں متفرد ہیں۔ واتفق العلماء علی انه کان حکیمًا و لم یکن نبیًا الاعکرمة فانه قال کان لقمان نبیًا و تفرد بهٰذا القول (معالم)۔ تاریخ یونان میں ذکر ایک حکیم السیپ نامی کا آتا ہے (۶۱۹ تا ۵۶۴ ق،م) ان کے بعض حالات میں بھی حضرت لقمان کے ساتھ مشابہت ہے ہمارے ہاں کی روایتوں میں آتا ہے کہ آپ ملک نوبیا (افریقہ) یا سوڈان (افریقہ) کے ایک سیاہ فام غلام تھے۔ کان لقمان من سودان مصر ذا مشافر (ابن کثیر۔ عن سعید بن المسیب) و لقمان الحکیم کان اسود نوبیاذا مشافر (ابن کثیر۔ عن سعید بن المسیب) اَلْحِکْمَةَ حکمت سے مراد علم صحیح مع عمل صحیح ہے۔ اے الاصابة فی القول والعمل (مدارک) عبارة عن توفیق العمل بالعلم (کبیر)

ف۱۰ "کہ اس سے نعمت میں ترقی ہوتی ہے۔ دنیوی نعمت میں تو باعتبار نفس نعمت کے بھی اور باعتبار ثواب کے ہمیشہ اور دینی نعمت میں مثل علم وغیرہ کے دونوں طرح پر یعنی علم بھی بڑھتا ہے اور ثواب بھی ملتا ہے"۔ (تھانوی) **ف۱۱** وہ کامل الصفات اپنی ذات سے ہے۔ اسے اپنی تکمیل کے لیے کسی کے شکر وحمد وغیرہ کی حاجت نہیں — اس میں رَد آ گیا بہت سی مشرک قوموں کا، جو اپنے دیویوں دیوتاؤں کو اپنی ہی طرح محدود القویٰ، ناقص الصفات سمجھتے ہیں۔ **ف۱۲** (کہ اس کے سامنے اور سارے ظلم ہیچ ہیں) ظلم کی حقیقت ہے وضع الشیء فی غیر محله یعنی کسی شے کو اس کے خلافِ محل رکھنا اور شرک میں اس کا ظہور کامل ترین صورت میں ہوتا ہے۔ **ف۱۳** (اور اس وقت ادائے حقوق سے متعلق باز پرس ہوگی) لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ۔ معطوف و معطوف علیہ کا خیال رہے۔ والدین کے حق کی یہ عظمت اس درجہ کی ہے کہ اس کا عطف خود حق تعالیٰ کے حق کی ادائی پر کیا گیا ہے۔ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ یہ یاد دلا کر گویا یہ بھی بتا دیا کہ حکم کو معمولی نہ سمجھنا۔ سوال اس کی بابت رکھا ہوا ہے۔ حَمَلَتْهُ...... عَامَیْنِ۔ پورا فقرہ بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ والدہ کے حق کے بیان وتوضیح میں ...... وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ ایک مختصر سے دو لفظی فقرہ میں حاملہ کی ساری معذوریوں اور ناتوانیوں کی جانب اشارہ آ گیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ۔ یہ کوئی فقہی حکم نہیں۔ کہ مدتِ رضاعت پورے دو سال ہی رہنا چاہیے۔ محض عادت غالب اور عرف عمومی کا بیان ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت میں صراحت ہے کہ شکر منعم کی طرح، جو واسطہ نعمت ہو، اس کا شکریہ بھی مطلوب ہے۔ اور اس واسطہ کے عموم میں والدین اور استاد اور مرشد سب آ گئے۔ **ف۱۴** اطاعت والدین اپنی جگہ پر نہایت اہم اور ضروری شئے سہی۔ بلکہ اسلام کی مجلسی ومعاشری زندگی کی تو بنیاد ہی اتحادِ زوجین کی طرح اطاعت والدین پر ہے، لیکن جب توحید پر زد پڑ رہی ہو تو وہاں یہ فریضہ بھی ساقط ہو جائے گا۔ اور اطاعت عین معصیت بن جائے گی ...... وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا۔ یہ حکم اس حال میں بھی قائم ہے کہ دنیوی حاجات ومعاملات یعنی خور ونوش وغیرہ میں اُن کے ساتھ حسن سلوک برابر جاری رہے والدین کی شکر گزاری بہرصورت واجب ہے، بجز اس کے کہ وہ شکر گزاری اللہ کی ناشکری کے مستلزم ہو جائے۔ **ف۱۵** (دینی معاملات میں) یعنی جو دین حق کا تابع اور اسی پر عامل ہو۔ معاملاتِ دین میں مرافقت اسی کی کیا کرو۔ فقہاء نے کتاب وسنت وقیاس کے علاوہ جو چوتھا ماخذ احکامِ شریعت کا اجماعِ امت کو قرار دیا ہے، خود اس کی بنیاد علاوہ دوسرے نصوص کے یہ آیت بھی ہے۔ یدل علی صحة اجماع المسلین لامر اللّٰه تعالٰی ایانا باتباعهم (جصاص)

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۱۲﴾ وَ اِذْ قَالَ

شکر کرتا ہے **ف۱۰** اور جو کوئی ناشکری کرے سو اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے **ف۱۱** اور اس وقت کا ذکر کیجیے جب

لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ

لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے بیٹا اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا،

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ

بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے **ف۱۲** اور ہم نے انسان کو تاکید کی

بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ

اس کے ماں باپ سے متعلق، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا

فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿۱۴﴾

دودھ چھوٹنا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر، میری ہی طرف واپسی ہے **ف۱۳**

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ

اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی

عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ؗ

دلیل نہیں، تو تو ان کا کہا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کیے جانا **ف۱۴**

وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ

اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع کیے ہو **ف۱۵** پھر تم (سب) کو میرے پاس آنا ہے،

فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ

پھر جو کچھ تم کرتے رہتے تھے میں تمہیں سب جتلا دوں گا اے بیٹا اگر کوئی عمل

مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ

رائی کے دانہ کی برابر ہو پھر کسی پتھر کے اندر ہو یا

النصف

فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

آسمانوں میں ہو یا زمین کے اندر ہو اللہ اسے لے ہی آئے گا بے شک اللہ

لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ

بڑا باریک بیں ہے بڑا باخبر ہے ف۱۶ اے میرے بیٹے نماز کو قائم رکھ اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر

وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ

اور برے کام سے منع کیا کر اور جو کچھ پیش آئے اس پر صبر کیا کر بے شک یہ (صبر)

مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا

ہمت کے کاموں میں سے ہے ف۱۷ اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور

تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ

زمین پر اکڑ کر مت چل بے شک اللہ کسی

مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ

تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا ف۱۸ اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو

صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ

پست رکھ بے شک سب سے بری آواز گدھے کی ہوتی ہے ف۱۹ کیا تم لوگوں کی

تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

اس پر نظر نہیں کہ اللہ نے تمہارے ہی کام میں لگا رکھا ہے اس (سب) کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ

اور اس نے تم پر اپنی حسی اور معنوی نعمتیں پوری کر رکھی ہیں ف۲۰ اور انسان ایسے بھی ہوتے ہیں

مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ

جو اللہ کے باب میں بغیر واقفیت بغیر دلیل اور بغیر کسی روشن کتاب کے بحث

ع ۲/۸ ۱۱

ف۱۶ (چنانچہ کوئی عمل کیسا ہی دقیق ہو، اور کیسے ہی اسباب خفاء اس کے لیے جمع ہو جائیں، اس عالم الغیب والشہادۃ کے احاطہ علم وخبر سے بہر حال وہ باہر نہیں رہ سکتا) مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ۔ یعنی حَبَّةٍ میں بہ غایت صغیر ہو۔ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ۔ یعنی حجاب شدید کے اندر ہو۔ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ۔ یعنی غایت بُعد میں ہو ...... اَوْ فِي الْاَرْضِ۔ یعنی ظلمات درظلمات میں ہو۔ انسان کی نظر سے خفاء شئے کے اسباب عموماً یہی ہوتے ہیں۔ اور مشرک قوموں نے اپنے پر قیاس کر کے اپنی دیوی دیوتاؤں کو انہیں حالات میں معذور اور اُن کے علم کو ناقص سمجھا ہے۔ قرآن مجید نے ان میں سے ہر ممکن سبب کی تردید کر کے بتا دیا کہ حق تعالیٰ کے علم کامل و محیط کو کسی معنٰی میں اور کسی پہلو سے بھی ناقص، ناتمام، داغدار سمجھنا انتہائی جہل ہے۔ ف۱۷ (ہمیشہ مقبولین کی ایک خصوصیت۔ بلکہ بعض موقعوں پر واجب بھی) ذٰلِكَ۔ یعنی یہی صبر۔ یا وہ تمام اُمور جو مذکور ہو چکے۔ اشارة الى الصبر او الى كل ما امر به (بیضاوی) اَقِمِ الصَّلٰوةَ۔ نماز کی پابندی کا حکم التزام شرائط کے ساتھ۔ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ۔ نیکی و نیک کرداری کا حکم۔ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ بدی و بدکرداری سے بچنے بچانے کا حکم۔ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ۔ تکوینی طور پر جو بھی ناموافق حالات پیش آئیں۔ دنیا میں جو جو رنج اور مصیبتیں پڑیں، یا مسلمان بننے اور بنے رہنے میں (اقامت صلوٰۃ میں۔ امر بالمعروف میں نہی عن المنکر میں) جو جو بھی دقتیں اُٹھانی پڑیں۔ ان سب کو صبر کی سپر پر روکنے کا حکم۔ ف۱۸ (یہاں تک کہ چال ڈھال میں متکبرین کا تشبہ بھی مبغوض ہے) ف۱۹ (سو انسان کو چاہیے کہ گدھوں کی طرح چیخنے چلّانے نہ لگ جائے) سارے پند و موعظت کا خلاصہ یہ نکلا کہ چال ڈھال، بول چال، رفتار و آواز، غرض ہر چیز میں انسان کو متکبرین کی روش سے بچنا چاہیے — اخلاق و آداب کے جزئیات تک کی تعلیم ہماری شریعت دیتی ہے۔ ف۲۰ (اور وہ تکوینی نعمتیں، ہوا، آگ، روشنی، پانی، صحت، غذا، مکان، لباس وغیرہا، مومن و کافر ساری مخلوق بشری کے لیے عام ہیں) ظَاهِرَةً۔ وہ تکوینی نعمتیں جن کا ادراک حواس سے ہو سکے۔ بَاطِنَةً۔ وہ تکوینی نعمتیں جن کا ادراک عقل سے ہو سکے۔ سَخَّرَ ...... الْاَرْضِ۔ اس میں تعریض ہے مشرک اور جاہلی قوموں پر، کہ اللہ کی ساری مخلوق تو خود تمہاری خدمت کے لیے، یہ آسمان اور یہ زمین، یہ چاند، یہ سورج، سب ہی۔ پھر یہ تم پر کیا شامت سوار ہے کہ تم اُلٹے انہیں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔

مُّنِيْرٍ ۝۲۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ

کیا کرتے ہیں ف۲۱ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے اتاری ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں، ہم تو

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ

اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے کیا یہ جب بھی، جب شیطان ان (بڑوں) کو عذاب دوزخ

اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۲۱ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ

کی طرف بلا رہا ہو؟ ف۲۲ اور جو کوئی اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے

وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى

درآنحالیکہ وہ مخلص ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا اور سب کاموں کا اخیر

اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۲۲ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ

اللہ ہی تک پہنچے گا ف۲۳ اور جو کوئی کفر کرے سو آپ کو اس کا کفر غمگین نہ کرے

اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ

ان (سب) کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے سو ہم انہیں جتلا دیں گے، جو کچھ وہ کیا کرتے تھے، بے شک اللہ کو دلوں کے اندر کی باتیں

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۲۳ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى

خوب معلوم ہیں ف۲۴ ہم انہیں چند روزہ عیش دیے ہوئے ہیں، پھر ان کو سخت عذاب کی طرف

عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝۲۴ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

کشاں کشاں پہنچا دیں گے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا

وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

کیا ہے تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے، آپ کہیے کہ الحمد للہ ف۲۵ لیکن ان میں سے اکثر تو (اتنی بات بھی)

يَعْلَمُوْنَ ۝۲۵ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

نہیں جانتے ف۲۶ اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور زمین میں بے شک اللہ ہی

ف۲۱ یعنی اس جدال بے جا کی بنیاد نہ کسی علم صحیح پر ہے نہ کسی استدلال عقلی پر نہ کسی کتاب آسمانی پر، بلکہ محض اپنی کج فہمی پر۔ ف۲۲ یعنی اس قدر ان کی طبیعت میں ضد و فساد ہے کہ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل بھی محض اپنے گمراہ باپ دادوں کی روش پر چلے جارہے ہیں، اور وہ بھی جبکہ اس روش کے ناصواب ہونے پر انہیں صاف دلیل و بصیرت مل بھی چکی ہے۔ ف۲۳ اکبر الٰہ آبادی نے بھی معرفت کے رنگ میں خوب کہا ہے۔ ع اخیر کیوں کا جواب تو ہے! وَهُوَ مُحْسِنٌ۔ یعنی وہ مومن خالص بھی ہو۔ فَقَدِ...... الْوُثْقٰى۔ یعنی جس نے توحید کی مضبوط رسی تھام لی۔ وہ اب ہر طرح محفوظ ہوگیا۔ اسے اب صدمۂ ہلاکت کا ڈر نہ رہا۔ ف۲۴ (اس لیے آپ اتنا زیادہ فکر و تردد اپنے سر کیوں لیں)۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصلاح و ہدایت خلق کے باب میں بہت زیادہ اہتمام و مبالغہ نہ کیا جائے۔ ف۲۵ (کہ دلیل کا ایک اہم مقدمہ تو تمہیں بھی تسلیم ہے) اَلسَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ سے مراد ساری کائنات اور اس کے اعظم ترین قویٰ ہیں۔ استدلال کی منطقی شکل حسب ذیل ہوگی:۔ یہ عالم و ما فی العالم سارے کا سارا مخلوق و مصنوع اللہ کا ہے۔ کوئی مخلوق و مصنوع رب و معبود نہیں ہوسکتا اس لیے عالم و ما فی العالم کی کوئی بھی چیز رب و معبود بننے کے قابل نہیں۔ ف۲۶ (کہ جب سب کو مخلوق و مصنوع تسلیم کرلیا۔ تو پھر اُن کی الوہیت یا شرکت الوہیت کیا معنی) ہندوستان کے مشرکین میں بھی بکثرت ایسے ہیں جو ایک طرف ایک خالق اکبر، ایک رب اعظم کے قائل ہیں۔ لیکن ساتھ ہی بہتوں کو ارباب اصغر کی طرح اس کا شریک بھی مانتے جاتے ہیں۔ اور توحید کے مضمرات پر کبھی غور ہی نہیں کرتے۔

اَلْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ

بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے ف۲۷ اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر یہ سب قلم

اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ

بن جائیں ف۲۸ اور اس سمندر کے علاوہ سات سمندر اور ہو جائیں تو بھی اللہ کے کلمات (کی حکایت)

كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا

ختم نہ ہو بے شک اللہ بڑا زبردست ہے، حکمت والا ہے، ف۲۹ تم (سب) کا پیدا کرنا اور

بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۲۸﴾

دوبارہ اٹھانا بس ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا ف۳۰ بے شک اللہ بڑا سننے والا ہے، خوب دیکھنے والا ہے،

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ

کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ رات کو داخل کرتا رہتا ہے دن میں اور دن کو داخل کرتا رہتا ہے رات میں

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۫ كُلٌّ یَّجْرِیْۤ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّى

اور سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے، ہر ایک، ایک میعاد مقرر تک چلتا رہے گا

وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ

اور کیا اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ تمہارے سب عملوں کی پوری خبر رکھتا ہے ف۳۱ یہ اس سبب سے کہ اللہ ہی (کی ہستی) حقیقی ہے

وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ

اور اس لئے کہ اس کے سوا جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں سب ہیچ ہیں، اور اس لئے کہ اللہ ہی

الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ ﴿۳۰﴾ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ

بلند شان والا ہے بڑی شان والا ہے ف۳۲ کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی

بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ

سمندر میں چلتی ہے تاکہ تم کو (اللہ) اپنی نشانیاں دکھلائے بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر

ع ۱۲ / ۳

ف۲۷ اَلْغَنِیُّ۔ بے نیاز ہے اپنی ذات کے لحاظ سے اور اَلْحَمِیْدُ جامع تمام خوبیوں کا اپنی صفات کے لحاظ سے۔ ف۲۸ (چنانچہ ایک ایک درخت سے ہزارہا ہزار قلم تیار ہونے لگیں) ف۲۹ وہ قدرت میں بھی کامل ہے اور علم و حکمت میں بھی۔ اس کی قدرت اور حکمت کی شانیں لا انتہاء ہیں۔ انسان اپنی سمجھ کے لائق بس یہ فرض کرلے، کہ روئے زمین کے جنگلوں میں، باغوں میں، کھیتوں میں، مکانوں میں، راہوں اور سڑکوں پر جو بے شمار درخت ہیں، یہ سب بھی اگر بے گنتی قلموں میں تبدیل ہو جائیں، اور دنیا کے سمندری پانی کا موجودہ ذخیرہ کئی گنا بڑھ کر روشنائی کے سمندر تیار ہو جائیں، تو وہ سارے قلموں کے جنگل اور یہ ساری روشنائی کے سمندر مل کر بھی اللہ کی قدرت و حکمت کو احاطہ میں لانے میں کافی نہیں ہو سکتے۔ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۔ قدرت اور علم یہ وہ دو صفتیں ہیں جو تمام صفات و افعال سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لیے عموم کے بعد انہیں خصوصاً بھی بیان فرما دیا گیا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اَلْبَحْرُ۔ بحر سے مراد جنس بحر ہے۔ کوئی متعین سمندر مراد نہیں۔ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ۔ سبعة سے بھی مراد سات کا مخصوص و متعین عدد نہیں، بلکہ محاورۂ عربی کے مطابق محض کثرت۔ لیس لانحصارها فی سبعة و انما الاشارة الی المدد والکثرة و لو بالف بحر (کبیر) المراد بالسبعة الکثرة (روح) ف۳۰ اس کے نزدیک جیسے ایک کا جلانا ایسے سب کا جلا اُٹھانا۔ ف۳۱ یعنی تصرفات تکوینی تمامتر اسی کے ہاتھ میں ہیں، اور علم بھی اس کا کامل، محیط و ہمہ گیر ہے۔ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ یعنی یوم قیامت تک — یہاں گویا ضمناً یہ بھی بتلا دیا ہے کہ دنیا کے موجودہ نظام تکوینی کی مدتِ عمر قیامت تک ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرے ہی نظام کا دور شروع ہوگا۔ یُوْلِجُ ...... الْقَمَرَ۔ سیاہ رات اور روشن دن، اور سورج اور چاند سب اسی قادر مطلق کی مخلوق و مصنوع ہیں اور اُن سب کے تصرفات اسی کے حکم و مشیت کے محکوم ہیں۔ پھر یہ کیسی حماقت و سفاہت ہے کہ انہیں کو دیوی، دیوتا قرار دے کر معبود فرض کرلیا جائے۔ ف۳۲ (اور وہی اکیلا معبودیت کا مستحق) ذٰلِكَ۔ یعنی یہی مذکورۂ بالا دلائل و واقعات۔ اشارة الی الذی ذکر من سعة العلم و شمول القدرة و عجائب الصنع و اختصاص الباری بها (بیضاوی) واجب الوجود صرف اسی کی ذات، وجود حقیقی صرف اسی کا، صفات علو و کبریائی سے صرف وہی متصف، معبودیت و الوہیت کا صرف وہی مستحق۔

ف۳۳ اتھاہ اور بے پناہ جوش مارتے ہوئے سمندر پر انسان جیسے مشت خاک کو قدرت دینا اسے اتنی عقل وفہم سے بہرہ ور کرنا کہ وہ لکڑی کے تختوں کو جوڑ جاڑ، اور ان میں کیلیں ٹھونک ٹھانک اور ہوا اور بھاپ اور بجلی کی قوتوں سے کام لے کر چھوٹی بڑی کشتیاں اور آبدوزیں اور اسٹیمر اور لائنیر اور ڈریڈناٹ وغیرہ تیار کر سکے۔ اور ان کے ذریعہ سے سینکڑوں نہیں، ہزاروں میل کے فاصلے شدید خطرات وموانع کے باوجود طے کرتا رہے، اور بحری تجارت وسیاحت سے عظیم الشان نفع حاصل کرتا رہے، یہ سب فضل الٰہی (نعمة الله) ہی کے حکم میں داخل اور اس کی قدرت، رحمت، حکمت کی نشانیوں کے مشاہدہ ہی کے لیے ہیں۔ ذٰلِكَ۔ یعنی اس فضل خداوندی اور مشاہدۂ آیاتِ الٰہی میں۔ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ۔ مراد مومن ہی ہے کہ وہی صفاتِ صبر وشکر میں کامل ہوتا ہے۔ كناية عن المؤمن (روح) ان دوصفات کی تخصیص اس موقع پر اس لیے کہ بحری سفر وسیاحت میں خوب موقع ان دونوں صفات کے ظہور کا رہتا ہے۔ ف۳۴ (اور باقی پھر حق سے منحرف ہو جاتے ہیں) مُّقْتَصِدٌ۔ راہ اقتصاد واعتدال، توحید کی راہ ہے۔

صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ

صابر شاکر کے لئے ف۳۳ اور جب انہیں موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ

پکارنے لگتے ہیں پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو کچھ ان میں سے

مُّقْتَصِدٌ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

اعتدال پر رہتے ہیں، ف۳۴ اور ہماری آیتوں کے منکر تو بس وہی ہوتے ہیں جو بد عہد اور ناشکرے ہیں ف۳۵

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ

اور اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن کا خوف رکھو جب نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے

وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ

کچھ بدلہ ہو سکے گا اور نہ بیٹا ہی اپنے باپ کی طرف سے کوئی بدلہ بن سکے گا ف۳۶

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٙ وَ لَا

یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے سو دنیوی زندگی تمہیں کہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے اور نہ کہیں

يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ

وہ بڑا فریبیا تمہیں اللہ کے باب میں دھوکہ میں رکھے ف۳۷ بے شک اللہ ہی کو قیامت کی

السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ

خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے ف۳۸

وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِيْ

اور کوئی بھی نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا ف۳۹ اور نہ کوئی

نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع

یہ جان سکتا ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا ف۴۰ بے شک اللہ ہی علم والا ہے خبر رکھنے والا ہے ف۴۱

ع ۴ / ۱۳

شرک کی راہ سرتاسر کجی وکجروی ہے۔ كَالظُّلَلِ۔ سمندر میں طوفان وطغیانی کے وقت پانی کی موجیں سطح آب سے گزوں اونچی ہو ہو کر جب کشتیوں اور جہازوں پر تھپیڑے مارتی ہیں تو یہی معلوم ہونے لگتا ہے کہ جیسے بدلیاں چھا گئی ہیں — قرآن مجید اپنی تشبیہات کے ذریعہ سے گویا اصل منظر کو سامنے لا دکھاتا ہے۔ ف۳۵ (اور وہی کافر کہلاتے ہیں) خَتَّارٍ۔ بدعہدی کا ظہور یوں کہ توحید کا جو عہد وپیمان مضطر ومضطرب ہو کر کشتی میں کیا تھا، اسی کو اب توڑ دیا۔ كَفُوْرٍ۔ ناشکری کا صدور یوں کہ خشکی پر صحیح وسلامت آجانے کا جو مقتضا تھا، یعنی شکر، اسی کو چھوڑ دیا۔ ف۳۶ باطل مذہبوں میں جو اہمیت کفارہ اور معاوضہ کے عقیدوں کو حاصل ہے۔ آیت ان سب کی تردید کیے دے رہی ہے — وَالِدٌ اور مَوْلُوْدٌ کی تخصیص اس لیے کہ اول تو کوئی رشتہ اس سے قریب تر اور کیا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ بعض مذہبوں میں اولاد ہی کو ''پانی دے کر'' اپنے والد کا نجات دہندہ بتایا گیا ہے۔ ف۳۷ (کہ تم اسی دنیا کی چمک دمک پر فریفتہ ہو کر یاد آخرت سے غافل ہو جاؤ) اَلْغَرُوْرُ۔ غرور ہر وہ چیز ہے جو انسان کو غفلت اور دھوکہ میں ڈال دے، مال ہو، جاہ ہو، خواہش شہوانی ہو، یا خود شیطان ہو۔ الغرور كل ما يغر الانسان من مال وجاه و شهوة و شيطان (راغب) یہاں مراد شیطان ہے، جیسا کہ صحابہ وتابعین سے مروی ہے۔ قد فسر بالشيطان اذهو اخبث الغاوين (راغب) اى الشيطان كما روى عن ابن عباس و عكرمة و قتادة و مجاهد والضحاك (روح) اس بڑے فریبیے کا دھوکہ حق تعالیٰ کے باب میں یہی ہے کہ عذاب وعقاب کی خبریں سب غلط ہیں، نہ کوئی عالم آخرت ہے اور نہ وہاں حساب کتاب اور پکڑ دھکڑ۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ اللہ کا وعدہ یہی کہ حساب کتاب برحق ہے اور ہر ایک کو اپنے اعمال وافعال کی جواب دہی کرنا ہے۔ ف۳۸ مثلاً یہی کہ جنین مردہ ہے یا زندہ، حمل، خصوصاً اپنے ابتدائی زمانہ میں لڑکی کا ہے یا لڑکے کا، بچہ صحیح وسالم پیدا ہوگا یا مریض وناقص۔ ولادت طبعی طور پر پورے دنوں پر ہوگی، یا غیر طبعی طور پر اس کے قبل یا بعد، اور ہوگی تو ٹھیک کس دن، کس وقت ہوگی، وقس علیٰ ہذا۔ رحمیات سے متعلق ان تفصیلات کا پورا اور تحقیقی علم صرف ذات باری کو رہتا ہے۔ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ۔ یعنی اس کا پورا اور یقینی علم کہ بارش کب ہوگی، کہاں ہوگی، کس مقدار میں ہوگی، کتنی مدت تک رہے گی وقس علیٰ ہذا — فضائیات کے بارہ میں انسانی علوم کے ماہرین قرائن اور ظن وتخمین سے کام لے کر جس حد تک اندازہ لگاتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نہ اس کا شمار علم غیب میں ہے، اور نہ اس کی نفی یہاں مقصود ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ آگے کے دو جملہ فعلیہ ہیں، اور یہ جملہ اسمیہ ہے۔ یہ فرق غالباً اس لیے کہ عِلْمُ السَّاعَةِ ایک امر متعین ہے۔ بخلاف اس کے وہ دونوں اُمور، دنیا میں برابر واقع ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ف۳۹ یہاں بھی وہی کل کے علم قطعی وتفصیلی کی نفی مراد ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی پروگرام اجمالی صورت میں تو دوسرے دن کے لیے ہر انسان رکھتا ہی ہے — اور جب انسان کو اپنے ہی کل سے متعلق تفصیلی اور تحقیقی خبر نہیں ہو سکتی، تو ظاہر ہے کہ دوسروں کے مستقبل سے متعلق تو اتنی بھی نہیں ہو سکتی۔ ف۴۰ (اور جب ''کہاں'' کے متعلق کوئی تحقیقی خبر نہیں ہو سکتی تو ''کب'' کے متعلق تو اور بھی محال ہے) مکانِ موت تو بہرحال اس وقت بھی موجود ہے، اور عجب نہیں جو مرنے والے کے مشاہدہ میں بھی کبھی آ چکا ہو تو زمانِ موت جو حواس ظاہری سے تمامتر مستور ومخفی ہے، اس کی بابت نفی علم تو اور زیادہ ہوگی۔ ف۴۱ آیت کا حاصل یہ ہوا کہ علم غیب، یعنی ہر شے کا علم بلاواسطہ، اور جملہ اشیاء کا علم محیط، صرف حق تعالیٰ کو حاصل ہے کوئی بھی اس وصف میں اس کا شریک نہیں۔ یہ پانچ مسئلے صرف بطور مثال اور نمونے کے بیان ہوئے ہیں، اور ان کی تخصیص کی کھلی ہوئی وجہ یہ ہے، جیسا کہ شان نزول کی روایتوں میں متعدد طریقوں سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سوال انہیں پانچ مسئلوں کی بابت پیش کیا گیا تھا:۔

آیاتها ۳۰ | ۳۲ سُورَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ۷۵ | رکوعاتها ۳

اس کی تیس آیتیں | سورہ سجدہ مکہ میں نازل ہوئی | اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲

الف۔ لام۔ میم یہ نازل کی ہوئی کتاب اس کے اندر کوئی اشتباہ نہیں، عالموں کے پروردگار کی طرف سے ہے ف۱

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس (پیمبر) نے اسے گڑھ لیا ہے، ف۲ نہیں بلکہ یہ حق ہے آپ کے پروردگار کی طرف سے

قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ

(اترا ہوا) تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں، جس کے پاس آپ سے قبل کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا، شاید کہ وہ لوگ

يَهْتَدُوْنَ ۝۳ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا

راہ پر آ جائیں، ف۳ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا

بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ

کر دیا چھ دنوں میں پھر وہ قائم ہوا تخت (شاہی) پر ف۴ اس کے سوا کوئی

مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۴ يُدَبِّرُ

نہ تمہارا مددگار ہے اور نہ سفارشی سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ ف۵ آسمان سے

الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ

زمین تک وہی ہر امر کی تدبیر کرتا ہے ف۶ پھر (یہ امر) اس کے پاس پہنچ جائے گا ف۷ ایک ایسے دن

كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝۵ ذٰلِكَ عٰلِمُ

میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کی ہو گی ف۸ وہی جاننے والا ہے

ف۱ آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اس کتاب کے کتابِ الٰہی ہونے میں اصلاً شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن لَا رَيْبَ فِيْهِ کا ایک ذرا باریک پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ ریب وارتیاب، شک واشتباہ، تردد وتذبذب کا اس کتاب کے اندر کہیں گزر نہیں۔ اس کے مضامین تو سرتاسر مایہ تسکین وخزانہ سکون ہیں۔ یقین واطمینان اسی کتاب کے اندر ملے گا۔ ملاحظہ ہو۔ شروع سورۃ البقرہ کا حاشیہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ پر۔ نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ ف۲ یعنی کیا ان بدبخت منکرین کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ کتاب جو معنوی اور ادبی ہر حیثیت سے بےنظیر وعدیم المثال ہے ایک انسان کی جو اپنے کو پیمبر کہتے ہیں، گڑھی ہوئی ہے اور کسی انسانی دماغ کی پیداوار ہے؟ ف۳ یعنی اُن کی ہدایت یابی کا ایک متوقع ذریعہ تو یہ قرآن ہے، اب آگے چاہے وہ اس پر ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ قَوْمًا ...... قَبْلِكَ۔ قوم قریش اسمٰعیلی تھی۔ اور حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کا پیمبران برحق ہونا ظاہر ہے پھر اس ارشاد سے کیا مراد ہے کہ اس قوم کے پاس اس سے قبل کوئی نذیر نہیں آیا تھا؟ — مراد یہ ہے کہ دین ابراہیمی واسمٰعیلی کے چھوڑنے کے بعد جب سے یہ قوم، عرب میں آباد ہو کر کفر وشرک میں مبتلا ہو گئی تھی اس وقت سے کوئی پیمبر اُن میں نہیں آیا تھا۔ امام المفسرین امام رازی علیہ الرحمۃ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ اے بعد الضلال الذی کان بعد الهداية لم ياتهم نذير (کبیر) اور بعض ائمہ نے یہ قید لگا دی ہے کہ بعثت عیسوی وبعثت محمدی کے درمیانی زمانہ فترت میں کوئی نبی عربوں کے درمیان نہیں آیا۔ وقال ابن عباس و مقاتل ذاک فی الفترة التی کانت بین عیسٰی و بین محمد صلی اللہ علیہ وسلم (معالم) قیل المراد بالقوم اهل الفترة بین عیسٰی و محمد علیهما السلام (قرطبی) ف۴ یعنی اپنے تصرفات نازل کرنے لگا، اپنے احکام نافذ کرنے لگا۔ خَلَقَ ...... الْعَرْشِ۔ چھ دن کی مدت خلقت آسمان وزمین پر، نیز استواء علی العرش پر حاشیے (پ۸) سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ ف۵ (کہ ایسی ذات کا شریک کوئی بھی نہیں ہو سکتا) مراد یہ ہے اللہ کے سوا کوئی بھی مستقلاً نہ مددگار ہے نہ شافع، جیسا کہ تمام مشرکانہ مذہبوں نے سمجھ رکھا تھا۔ اسلام سے قبل تقریباً تمام مذاہب نے اللہ کے علاوہ مستقلاً کچھ حمایتی اور کچھ شفیع ٹھہرا لیے تھے۔ اور جزا وسزا کا تعلق خدائے تعالیٰ سے، بس محض برائے نام ہی رکھا تھا۔ اسلام نے آکر اس کی تردید کی۔ اور بار بار بتلایا کہ حکم نافذ کرنے والا، فیصلہ صادر کرنے والا دنیا کی طرح آخرت میں بھی صرف اللہ ہی ہے۔ البتہ اِلَّا بِاِذْنِهٖ کی قید لگا کر دوسری جگہ یہ بتا دیا ہے کہ وہ خود ہی جس طرح دنیا میں سلسلۂ اسباب ووسائط پھیلائے ہوئے ہے، آخرت میں بھی، اپنے ایماء سے ملائکہ کو، انبیاء کو اولیاء کو، صالحین کو، اطفال معصوم کو سفارش کے لیے اُٹھا کھڑا کرے گا۔ اور فساق مومنین کی مغفرت کا ذریعہ انہیں بنا دے گا۔ مِنْ دُوْنِهٖ۔ کی قید بہت قابل لحاظ ہے۔ اللہ کے مقابل کی حیثیت سے قطعاً کوئی بھی شفیع وناصر نہیں۔ ف۶ چھوٹی بڑی ہر چیز کی تربیت، تدبیر، انتظام سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ نہیں کہ اس نے ایک بار پیدا کر کے کارخانہ کائنات کو یوں ہی معلق چھوڑ دیا ہے، بلکہ ہر آن اُس کا دخل وتصرف بھی جاری رہتا ہے يُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ تدبیر کے ایک معنی انجام کار کے سوچنے کے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ یہاں مراد نہیں ہو سکتے۔ یہاں مراد کارسازی، انتظام ونفاذ احکام ہی ہو سکتے ہیں۔ قال ابن عباس ینزل القضاء والقدر (قرطبی) اے یحکم الامر و ینزل القضاء والقدر (معالم) مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ۔ یعنی سارے نظام کائنات کی۔ ف۷ یہ پہنچ جانے والی چیز وہی اَمر ہو گا جس کا ذکر ابھی یدبر الامر میں آ چکا ہے۔ و قیل اے یرجع ذٰلک الامر والتدبیر الیه بعد انقضاء الدنیا (قرطبی) ف۸ (اور وہ دن قیامت کا ہو گا، جب چھوٹا بڑا ہر عمل اللہ کے روبرو پیش ہو گا) والمراد یوم مقدارهٗ کذا یوم القیامة (روح) اسی دن کا طول بعض کو اشتداد کی بناء پر ہزار نہیں پچاس ہزار سال کا معلوم ہو گا۔ ملاحظہ ہو سورۃ المعارج (پ۲۹) کی آیت فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۔

ف۹ یعنی جس کو جس مصلحت کے لیے پیدا کیا، ٹھیک اسی کے مناسب حال اس کی ساخت وفطرت رکھی۔ ما من شیء خلقهٗ الا وهو مرتب علی ما تقتضیه الحکمة (بحر) یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ ہر مخلوق کو اس کی ضرورت کی چیزیں الہام فطری سے واضح کر دی گئیں۔ قال الفراء لهم کل شیء خلقهٗ فی ما یحتاجون الیه (بحر) ذٰلِکَ۔ ذٰلک یہاں انا کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ و ذٰلک بمعنی انا (قرطبی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر ہر مخلوق اپنی اپنی جگہ پر خوب اور حسن ہی ہے۔ یہاں تک کہ صفات کبر وبخل بھی اپنے محل استعمال میں خوب ہیں۔

اے بسا امساک کز انفاق بہ مال حق را جز بامر حق مدہ! ضرر صرف سوء استعمال سے پیدا ہو جاتا ہے۔ ف۱۰ یعنی نطفہ سے جو عرف عام میں ایک گندی چیز سمجھی جاتی ہے۔ مِنْ مَّآءٍ میں من بیانیہ ہے۔ ف۱۱ یعنی اس کے اعضاء وقویٰ ماں کے رحم میں درست کیے۔ ای عدلهٗ تکمیل اعضائه فی الرحم (روح) ف۱۲ رُّوْحِهٖ۔ میں اضافت تشریفی ہے، اظہار تعظیم کے لیے، جیسے بیت اللہ میں گھر کی اضافت اللہ کی طرف۔ یہ مراد نہیں، کہ نعوذ باللہ، اللہ کی بھی کوئی روح ہے، اور اس کا کوئی جزو انسان کے اندر پھونک دیا گیا۔ مراد صرف یہ ہے کہ وہ روح جسے اللہ نے معزز ومکرم بنایا ہے، اپنی خلافت سے۔ و اضافة الروح الی نفسه کاضافة البیت الیه لتشریف (کبیر) بعض نے اضافت تملیکی قرار دی ہے۔ یعنی وہ روح جو اللہ کی مملوک ہے۔ ای الروح التی هی ملکهٗ (کبیر)

الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦﴾ الَّذِيٓ اَحْسَنَ

ہر پوشیدہ اور ظاہر کا زبردست ہے رحیم ہے وہی جس نے جو چیز بنائی

كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ﴿٧﴾ ثُمَّ

خوب ہی بنائی ف۹ اور انسان کی پیدائش گارے سے شروع کی پھر

جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿٨﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ

چلائی اس کی نسل نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے ف۱۰ پھر اسے درست کیا ف۱۱

وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ

اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی ف۱۲ اور تم کو کان اور آنکھ اور

وَ الْاَفْئِدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٩﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا

دل دیے تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو ف۱۳ اور کہتے ہیں کہ بھلا جب ہم زمین میں

فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ۬ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ

نیست ونابود ہو گئے تو کیا کہیں پھر ہم نئے جنم میں آئیں گے؟ ف۱۴ بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار سے

رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٠﴾ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ

ملنے ہی کے منکر ہیں ف۱۵ آپ کہہ دیجیے تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر

وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿١١﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ

متعین کر دیا گیا ہے، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے ف۱۶ اور اگر آپ دیکھیں تو عجب حال دیکھیں کہ جب کہ

الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا

مجرم لوگ اپنے پروردگار کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے اے ہمارے پروردگار (بس اب) ہمارے آنکھ

وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿١٢﴾

کان ہو گئے ف۱۷ تو ہم کو پھر بھیج دے ہم نیک کام کیا کریں گے ہم کو پورا یقین آ گیا ف۱۸

و هی اضافة ملک الی مالک و خلق الی خالق تعالٰی (بحر) ف۱۳ یعنی ہر طرح کے حواس ظاہری وباطنی عطا کیے۔ اس کا مقتضا یہ تھا کہ سب کو اسی محسن اعظم کے کام میں لگاتے، کان سے آیات تنزیلی کو شوق کے ساتھ سنتے، آنکھوں سے آیات تکوینی کو بنظر امعان دیکھتے۔ دل سے دونوں پر غور کرتے۔ لیکن منکرین کا یہ حال ہے کہ توحید تک سے انہیں انکار ہے! لَكُمُ میں ل تخصیص کا ہے۔ یعنی جس کلیت اور وسعت وکمال کے ساتھ انسان میں حواس ظاہری کے ساتھ ادراک باطنی جمع کر دیا گیا ہے وہ انسان کے حق میں ایک انعام عظیم ہے اور مستحق صدمنت وشکر۔ اَلسَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ۔ سمع کے واحد اور ابصار و افئدہ کے بصیغۂ جمع لانے میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے نکتہ یہ لکھا ہے کہ سماعت ایک آن میں مختلف ومتعدد جہات کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتی۔ ہر حال میں حکم وحدت میں ہے۔ بخلاف اس کے بصارت، اور ادراک قلب، وقت واحد میں متعدد امور پر حاوی ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہاں صیغۂ جمع ہی لانا مناسب ہوا۔ مَا تَشْكُرُوْنَ۔ میں ما زائدہ موکدہ ہے (جلالین) جَعَلَ لَكُمُ۔ ابتک انسان کا ذکر صیغۂ غائب میں چلا آ رہا تھا۔ جَعَلَ نَسْلَهٗ۔ سَوّٰىهُ۔ نَفَخَ فِيْهِ۔ گویا انسان اب تک بے جان تھا۔ لیکن اب نفخ روح سے اس میں جان پڑ گئی۔ اور اب معاً خطاب براہ راست ہونے لگا۔ اور صیغہ بجائے غائب کے حاضر کا ہو گیا۔ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ۔ سے نصرانیوں کی بھی تردید نکل آئی جو مسیح علیہ السلام کو روح اللہ ہونے کی بناء پر ابن اللہ اور جزء خدا مان رہے ہیں۔ روح اللہ قرآن نے جس معنی میں حضرت مسیح کو کہا ہے اس طرح تو ہر انسان کو کہا ہے۔ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ۔ نفخ روح سے مراد نفخ مجازی ہی لیا گیا ہے۔ یعنی روح کو بدن سے متعلق کر دیا گیا۔ و نفخ الروح قیل مجاز عن جعلها متعلقة بالبدن (روح) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض متکلمین وفلاسفہ نے روح کو مجرد وغیر مادی قرار دیا ہے۔ بخلاف اس کے ابن قیم شد ومد کے ساتھ روح کے مجرد نہیں بلکہ جسم لطیف ہونے کے قائل ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تسویہ کے معنی اجزاء کے متساوی کرنے کے ہیں۔ جو خواص جسم میں سے ہے۔ اس کے بعد ہی نفخ روح کے ذکر سے ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روح جسم نہیں، چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ لیکن جمہور نے جسم لطیف کہا ہے۔ تو ان دونوں بیانات میں کوئی تناقض نہیں۔ ہو سکتا ہے، کہ اس مجرد کا تعلق بدن کے ساتھ اسی جسم لطیف کے واسطہ سے ہو۔ ف۱۴ منکرین قیامت کا ذکر ہے کہ وہ استعجاب کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ بھلا ایسا بھی کہیں ممکن ہے کہ جب ہمارے جسم خاک میں رل مل جائیں۔ خاک میں مل کر خود بھی خاک بن جائیں تو وہ جسم دوبارہ زندگی پائیں؟ عرب میں دین کے نام سے جو نظام عقائد رائج تھا، اس کا ایک اہم جزء معاد وآخرت سے انکار تھا۔ یونان وروما میں بہت سے فلسفی مادہ پرست ہو چکے تھے، اور آج بھی مہذب دنیا پر عملاً یہی مذہب مادیین چھایا ہوا ہے۔ جس کے نزدیک موت نام ہے معدومیت حیات کا اور بس۔ ءَاِنَّا۔ انکار میں تاکید پیدا کرنے کے لیے ہے۔ المراد تاکید الانکار (روح) ف۱۵ مطلب یہ ہے کہ محض حیرت واستعجاب ہی نہیں، ان منکرین کو تو سرے سے انکار ہی عقیدۂ حشر سے ہے۔ ف۱۶ سابقہ تم کو اللہ ہی سے آ کر پڑے گا۔ مَلَكُ ...... بِكُمْ۔ فرشتہ موت کوئی فاعل مختار نہیں۔ محض ایک درمیانی واسطہ ہے اور اللہ ہی کا مقرر کیا ہوا ہے۔ اس میں ان مشرک، جاہلی قوموں کا رد آ گیا جن کے ہاں موت کا دیوتا ایک مستقل ومتصرف حاکم ہے۔ اسی مضمون کی تائید میں ابن کثیر نے ایک طویل حدیث ابن ابی حاتم کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ اس میں ملک الموت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہیں۔ واللّٰه یا محمد لو انی اردت ان اقبض روح بعوضة ما قدرت علی ذٰلک حتی یکون اللّٰه هو الاٰمر بقبضها۔ قسم ہے اللہ کی کہ اگر میں ایک مچھر کی جان بھی اپنے ارادہ سے لینا چاہوں تو نہیں لے سکتا جب تک اللہ ہی کے ہاں سے اس کا حکم نہ ہو۔ ف۱۷ (اور پیمبروں کے قول کی پوری تصدیق ہو گئی) نَاكِسُوْا ...... رَبِّهِمْ۔ یہ سر غایت انفعال سے جھکے ہوئے ہوں گے۔ ف۱۸ یعنی اب ہم کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ ہو گیا۔ اب ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیجیے تو ہم ضرور ہی ایمان لے آئیں گے۔

وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَ لٰكِنْ حَقَّ

اور اگر ہم کو (یہی) منظور ہوتا تو ہم ہر ایک کو اس کی (راہ) ہدایت دے ہی دیتے ف۱۹ لیکن میری یہ بات

الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ

محقق ہو چکی ہے کہ میں دوزخ کو بھر کر رہوں گا جنات اور انسان

اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا

سب سے ف۲۰ سو لو اب اس کا مزہ چکھو کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے رہے تھے، ہم نے

نَسِیْنٰكُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

تمہیں بھلائے میں ڈال دیا ف۲۱ اور اپنے کرتوتوں کے بدلے ابدی عذاب کا مزہ چکھو

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا

ہماری آیتوں پر ایمان تو بس وہی لوگ لاتے ہیں کہ جن کو جب وہ یاد دلائی جاتی ہیں، تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں

وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کرنے لگتے ہیں، اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے،

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا

ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں، اپنے پروردگار کو وہ پکارتے رہتے ہیں خوف سے

وَّ طَمَعًا٘ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ

اور امید سے اور جو کچھ ہم نے دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں ف۲۲ سو کسی کو علم نہیں جو جو (سامان)

اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

آنکھوں کی ٹھنڈک کا ان کے لئے (خزانۂ غیب میں) مخفی ہے یہ صلہ ہے ان کے

یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا

(نیک) اعمال کا ف۲۳ تو کیا جو کوئی مؤمن ہے وہ اس جیسا ہے جو نافرمان ہے؟ (نہیں)

السجدۃ ۹

ف۱۹ (اور یہ عالم عالم ابتلاء رکھا ہی نہ جاتا۔ ہر ایک ہدایت پر مضطر و مجبول ہی ہوتا) ف۲۰ یعنی اگر ہم کو ہر ایک کو خواہ مخواہ راہ پر لے آنا ہی تکوینی حیثیت سے مطلوب ہوتا تو یہ درخواست منظور بھی ہو سکتی تھی۔ بلکہ اس کی نوبت ہی کیوں آتی۔ شروع ہی سے ہر شخص کو ہدایت اضطرارًا مل ہی نہ جاتی؟ لیکن ہماری مشیت تکوینی کو تو ہدایت کو ارادہ و اختیار پر مرتب کرانا مقصود ہے۔ اس لیے مشاہدہ کے بعد اضطرارًا ایمان لانے کا سوال ہی نہیں باقی رہتا۔ جو ارادۃً راہ کفر و ضلال اختیار کریں گے، انھیں نتائج بھی بھگتنے ہوں گے ف۲۱ یعنی اپنی رحمت سے تمہیں محروم کر دیا۔۔ اللہ کا کسی کو بھلا دینا ہمیشہ اسی مجازی معنی میں ہوگا۔ ف۲۲ اللہ کی رضا جوئی کے کاموں میں) دونوں آیتوں میں ایمان اور کمال ایمان دونوں کے صفات بیان کر دیئے ہیں۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ۔ پہلوؤں کے خواب گاہوں سے علیحدہ رہنے کے معنی یہ ہیں۔ کہ راتوں کو اپنے بستر چھوڑ چھوڑ عبادتوں میں لگے رہتے ہیں۔ یَدْعُوْنَ...... طَمَعًا۔ یہ لوگ اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں۔ خوف عذاب کی راہ سے بھی اور امید و ثواب کی راہ سے بھی۔ ف۲۳ حقیقۃً جنت کی نعمتوں کا پورا اندازہ انسان کو اپنے ان ناسوتی حواس کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے یہ جو حدیث قدسی مختلف طریقوں سے مروی ہوئی ہے کہ **قال اللہ اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر**۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے وہ وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے، اور جو نہ کسی انسان کے دل میں گذری ہیں۔ وہ گویا ٹھیک اسی آیت کی تفسیر ہے۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ یہ کہہ کر کہ یہ انتہائی نعمتیں صلہ ہیں اعمالِ حسنہ کا۔ خاص ترغیب ان اعمالِ حسنہ کی دلائی ہے۔

وقف غفران

ف۲۴ مؤمن اور فاسق کے تقابل سے صاف ظاہر ہے کہ فاسق یہاں اصطلاحِ فقہی میں نہیں، بلکہ لغوی معنٰی میں آیا ہے، اور مراد اس سے کافر مکذب ہے۔ هٰذا الكافر مكذب بوعد الله (ابن جریر) اے خارجا عن طاعة ربه مكذبا لرسل الله اليه (ابن کثیر) مُؤْمِنًا۔ فَاسِقًا دونوں سے مراد طبقۂ مومنین وطبقۂ کفار ہے نہ کہ کوئی فرد۔ انما ارید به جميع الفساق وجميع المؤمنين (ابن جریر)

يَسْتَوٗنَ ﴿١٨﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ

یکساں نہیں ہو سکتے ف۲۴ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کیے، سو ان کے لئے

جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٩﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

ہمیشہ کا ٹھکانا جنتیں ہیں جو ان کے (نیک) اعمال پر بطور مہمانی کے ہیں ف۲۵ اور جو لوگ

فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا

نافرمان رہے سو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جب بھی وہ لوگ اس سے باہر نکلنا

مِنْهَاۤ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ

چاہیں گے اسی میں دھکیل دیے جائیں گے، اور ان سے کہا جائے گا دوزخ کا وہ عذاب چکھو جسے تم

كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى

جھٹلایا کرتے تھے اور ہم انہیں قریب کا عذاب بھی

دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ

علاوہ اس بڑے عذاب کے چکھا کر رہیں گے شاید کہ یہ لوگ باز آجائیں ف۲۶ اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا

مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ

جسے اس کے پروردگار کی نشانیاں یاد دلا دی جائیں اور پھر وہ ان سے منہ پھیرے رہے ہم

الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿٢٢﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

مجرموں سے بدلہ لے کر رہیں گے اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی

فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْۤ

سو آپ اس (کتاب) کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجیے ف۲۷ اور ہم نے اس کتاب کو بنی اسرائیل کے لئے

اِسْرَآءِيْلَ ﴿٢٣﴾ ج وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

ذریعہ ہدایت بنایا تھا، ف۲۸ اور ہم نے ان میں جب کہ انہوں نے صبر کیا پیشوا بنا دیے تھے جو ہمارے حکم

وقف غفران ۱ — ع ۲ ۱۵

ف۲۵ حسن اعمال کی ترغیب وتشویق ابھی جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ سے ہو چکی ہے۔ اب نُزُلًا لا کر اہل جنت کا مزید اعزاز واکرام کیا گیا ہے۔ یعنی اشارہ اوپر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ تو حق تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ اور انہیں نعمتیں جو بھی ملیں گی، اعزاز واکرام وقدر کے ساتھ ملیں گی۔ نہ کہ ناقدری وبے وقعتی کے ساتھ جیسے کہ سائل ومحتاج کو دی جاتی ہیں۔ ف۲۶ (اپنے کفر وشرک سے) لَعَلَّهُمْ متعلق ہے لَنُذِيْقَنَّهُمْ سے۔ گویا مقصود اس عذاب الادنٰی سے ان کافروں کی اصلاح ہی ہے۔ عَذَابِ الْاَدْنٰى سے مراد اسی دنیا کا عذاب ہے۔ اے بلاء الدنيا (ابن عباس رضی اللہ عنہما) قال الحسن وابو العاليه والضحاک وابی بن كعب وابراهيم النخعی العذاب الادنٰی مصائب الدنيا واسقامها فيما يبتلی به العبيد حتى يتوبوا (قرطبی) مثلاً قحط، قتل، قید، شکست وبا، وغیرہ۔ جو کفار مکہ کے حق میں تو بالکل پورا اترا۔ عَذَابِ الْاَدْنٰى کی تفسیر عذاب الاصغر یا ہلکے عذاب سے بھی کی گئی ہے۔ وقيل الاقل (روح) اور ظاہر ہے کہ دنیا کا عذاب ہر صورت میں عذاب آخرت سے ہلکا ہی ہے۔ ذکر یہاں دو مختلف عذابوں کا ہے۔ ایک عَذَابِ الْاَدْنٰى دوسرا عَذَابِ الْاَكْبَرِ۔ لیکن تقابل کے لئے ہم وزن الفاظ یا تو عذاب الاصغر وعذاب الاكبر ہونا تھے، اور یا پھر عذاب الادنٰی وعذاب الاقصٰی۔ پھر آخر قرآن مجید نے بجائے ان کے مقابلہ کے لئے ایک طرف صفت ادنٰی (بمعنی قریب) اور دوسری طرف صفت اکبر کو کیوں رکھا؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے سوال پیدا کر کے حسب معمول نکتہ سنجی سے جواب دیا کہ ذکر عذاب سے مقصود تخویف ہے۔ اور یہ اثر پیدا نہیں ہو سکتا ہے اگر دنیا کے عذاب کو "ہلکا عذاب" یا آخرت کے عذاب کو "دور کا عذاب" کہہ کر پیش کیا جائے کہ اس صورت میں ایک عذاب کا ہلکا پن اور دوسرے عذاب کی دوری گہرے اثر تخویف کے منافی ہیں۔ اسے لئے قرآن نے بکمال بلاغت دونوں عذابوں کے وہی خصوصیات چن لئے جو اثر تخویف کو بڑھانے والے ہیں۔ یعنی دنیوی عذاب گو نسبتاً ہلکا ہو لیکن قریب کتنا ہے، اسے بس آیا ہی سمجھو۔ اسی طرح عذاب آخرت گو بجائے آج کے "کل" آئے گا، لیکن اس سے کس قدر شدید! ایک میں قرب کا خیال رکھا دوسرے میں شدت کا...... اللہ امام رحمۃ اللہ علیہ کی تربت کو رحمت کے پھولوں سے بھر دے۔ دُوْنَ۔ دون کے معنٰی قبل کے بھی کیے گئے ہیں۔ اے قبل العذاب الاكبر (ابن جریر) يعنی قبل عذاب الآخرة (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض صوفیہ کے نزدیک عذاب ادنٰی سے مراد حرص دنیوی ہے، اور عذاب اکبر سے اس حرص کی سزا۔ ف۲۷ (بلکہ ان کی نظیر سے، اور انہیں راہ تبلیغ واشاعت دین میں جو جو مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ ان سے صبر کا سبق حاصل کیجئے) لِقَآئِهٖ۔ ضمیر "ہ" اَلْكِتٰب کی طرف ہے۔ اے من لقائک الكتاب (بیضاوی) اے لقائک ذٰلک الجنس (روح) اَلْكِتٰب سے مراد جنس کتاب ہے۔ اے جنس الكتاب (روح) حضرت موسٰی علیہ السلام کے ذکر کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ آپ میں موسٰی علیہ السلام کے ساتھ بہت وجوہ مشابہت جمع تھے۔ ف۲۸ (اسی طرح آپ کی کتاب سے ابتداءً اور اصلاً قوم عرب کی اصلاح ہوگی، اور پھر بتدریج سارے عالم کی)۔

لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

سے ہدایت کیا کرتے تھے اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے ف۲۹ بے شک آپ کا پروردگار

يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

ان (سب) کے درمیان فیصلہ قیامت کے دن ان امور میں کردے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہتے تھے ف۳۰

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ

کیا یہ ان کی ہدایت کے لئے کافی نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کرچکے ہیں جن کے رہنے کے

يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا

مقامات میں یہ لوگ آتے جاتے ہیں اس کے اندر (صاف) نشانیاں ہیں تو کیا یہ لوگ

يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ

سنتے نہیں؟ ف۳۱ کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم خشک افتادہ زمین کی طرف پانی پہنچاتے

الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ

رہتے ہیں پھر اس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کر دیتے ہیں جس سے ان کے مواشی کھاتے ہیں

وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا

اور وہ خود بھی تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں؟ ف۳۲ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ (آخر) یہ فیصلہ

الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا

کب ہوگا اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو ف۳۳ آپ کہہ دیجیے (اس) فیصلہ کے دن

يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾

کافروں کو ان کا ایمان لانا (ذرا بھی) نفع نہ دے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ف۳۴

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

سو آپ ان کی باتوں کا خیال نہ کیجیے اور آپ انتظار کیجیے، یہ بھی منتظر ہیں ف۳۵

السجدة

ع ۸ / ۱۶

ف۲۹ (اور اسی لئے ان کی اشاعت اور خلق کی ہدایت میں مشقت گوارا کرتے تھے) اس میں مومنین کی تسلی ہے کہ تم لوگ صبر کرو اور جب تم صاحب یقین ہو اور یقین کا مقتضی صبر کرنا ہے تو تم کو صبر ضرور ہے۔ اس وقت ہم تم کو بھی ائمہ دین بنا دیں گے (تھانوی علیہ الرحمۃ) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس میں شیخ کامل کی علامتیں ہیں، اور جو بغیر ان علامتوں کے مرشد ہونے کا مدعی ہو وہ ضال و مضل ہے۔ ف۳۰ قیامت کے روز کے فیصلہ سے مراد عملی فیصلہ ہے ورنہ دلائل وشواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ جیسا کہ پہلے ہی کئی بار گزر چکا ہے۔ اس وقت بھی موجود ہے۔ وہ عملی فیصلہ بھی ہوگا کہ مومن جنت میں بھیج دیئے جائیں گے اور کافر دوزخ میں۔ ف۳۱ (ان مبغوض وہلاک شدہ قوموں کے قصبوں کو جو معروف ومشہور ہیں، اور تاریخوں میں مذکور) يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ۔ یعنی یہ عرب اپنے سفر شام ویمن کے سلسلہ میں، ان مغضوب قوموں، عاد وثمود وغیرہ کے عبرت زار کھنڈروں سے گزرتے ہیں۔ اور پھر بھی عبرت نہیں حاصل کرتے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ۔ یعنی جس طرح یا اپنے زمانہ کی بڑی ''ترقی یافتہ ومہذب'' قومیں قہر خدا سے نیست ونابود ہوگئی ہیں وہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ قومیں گمراہ اور مغضوب تھیں۔ فِيْ ذٰلِكَ۔ یعنی ان گمراہ قوموں کی ہلاکت میں۔ ای فی ذھاب اولئک القوم ودمارھم وماحل بھم بسبب تکذیبھم الرسل (معالم) ف۳۲ (ہماری ربوبیت، خالقیت، مالکیت اور احیاء اموات کی ان ہر روز پیش آنے والی مثالوں کو) قرآن مجید آثار تاریخی، جغرافی اور روزمرہ کے تصرفات تکوینی سب سے سبق وہی توحید ہی کا دینا چاہتا ہے۔ ف۳۳ منکر قیامت مشرکین، قیامت کی خبریں سن سنکر مسلمانوں سے بطور انکار، استہزاء واستبعاد پوچھتے تھے کہ آخر وہ دن کبھی آ بھی چکے گا؟ ف۳۴ ایمان مقبول ونافع صرف وہی ہے جو اس دنیا میں عالم ناسوت میں لایا جائے کہ یہ خود اختیاری ہے۔ ورنہ قیامت کے دن کشف حقائق کے وقت تو ایمان لانے پر بڑے سے بڑا کافر معاند بھی مجبور ومضطر ہو جائے گا۔ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ۔ یعنی نہ انہیں اس کی مہلت دی جائے گی کہ دنیا میں بھیج کر ان کا ایمان قبول کیا جائے۔ لا یمھلون بالاعادۃ الی الدنیا لیؤمنوا (کبیر) ف۳۵ اعراض۔ کا حکم رسول اللہ کے تسلیہ کے لئے ہے۔ منکروں اور کافروں کی دل آزار باتوں کا خیال کرتے رہنے سے خواہ مخواہ غم ہی بڑھتا تھا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جو لوگ عارفین اور سالکین کے کمالات کے منکر ہوں، اور ان کے ساتھ استہزاء کرتے ہوں، جب انہیں فہمائش نافع نہ ہو تو ان سے اعراض مناسب ہے، اور انتظار کرے کہ ان پر وبال نازل ہونے والا ہے:۔

آیاتہا ۷۳ ۳۳ سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ ۹۰ رکوعاتہا ۹

اس کی تہتر آیتیں ہیں سورۂ احزاب مدینہ میں نازل ہوئی اور نو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ

اے نبی اللہ سے ڈرتے رہئے و۱ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے و۲

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱ وَّ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ

بے شک اللہ بڑا جاننے والا ہے بڑا حکمت والا ہے و۳ اور جو حکم آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے

مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۲

وحی کیا جاتا ہے اسی کی پیروی کیجیے، اور اللہ، تم لوگ جو کچھ کرتے رہتے ہو، اس سے خوب باخبر ہے، و۴

وَّ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۳ مَا جَعَلَ اللّٰهُ

اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھیے اور اللہ ہی کارسازی کے لئے کافی ہے، و۵ اللہ نے کسی مرد کے

لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ

سینہ میں دو دل نہیں بنائے ہیں و۶ اور تمہاری بیویوں کو جن سے تم

الّٰٓئِيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ

اظہار کر لیتے ہو تمہاری مائیں نہیں بنا دیا ہے، اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو

اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَ اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ

تمہارا بیٹا بنا دیا یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے و۷ اور اللہ حق بات کہتا ہے

وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝۴ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ

اور وہی (سیدھا) راستہ دکھاتا ہے انہیں ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو کہ یہی اللہ کے نزدیک

و۱ (جیسا کہ اب تک ڈرتے رہے ہیں) اور جو اللہ سے ڈرے گا، وہ مخلوق کے ڈراوے دھمکیوں سے یقیناً بے نیاز و غیر متاثر رہے گا۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ۔ محققین نے کہا ہے کہ بجائے اسم علم کے اسی اسم وصفی سے مخاطب کرنا رسول کی عظمت و اکرام کے اظہار کے لئے ہے۔ ناداه جل وعلا بوصفه دون اسمه تعظيماً له وتفخيماً (روح) جعل نداءهٗ بالنبی والرسول كرامةً له وتشريفاً (کشاف) انما لم يقل يا محمد تشريفاً له وتنويها بفضله (مدارک) و۲ (جیسا کہ اب تک بھی نہیں مانا ہے) کافر تو دین کے خلاف مشورے کھلم کھلا دیتے ہی رہتے تھے اور منافقین در پردہ انہیں کے ہم رائے ہو جاتے تھے...... اصطلاح قرآن میں اَلْكٰفِرِيْنَ کھلے ہوئے کافروں کے لئے آتا ہے۔ اور اَلْمُنٰفِقِيْنَ چھپے ہوئے کافروں کے لئے۔ عقائد کفر کے لحاظ سے دونوں یکساں و ہم سطح۔ و۳ اور اس لئے اس کا ہر حکم حکمتوں اور مصلحتوں ہی پر شامل ہوتا ہے۔ کسی انسان کا یہ مشورہ دینا کہ فلاں حکم الٰہی خلاف مصلحت ہے، خود اپنے جہل و سفاہت کا ثبوت دینا ہے۔ و۴ (اس لئے پیمبر کی مخالفت و مزاحمت میں جو لوگ لگے ہوئے ہیں، خبردار رہیں کہ سب اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے) وَّ اتَّبِعْ ...... مِنْ رَّبِّكَ۔ یعنی نہ خود رائی سے کام لیجیے، نہ کسی اور کے مشوروں پر کان دھریئے۔ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ سارے مخاطبین مراد ہیں۔ اور یا جمع تعظیمی ہے۔ قيل الخطاب للرسولؐ والجمع للتعظيم (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کامل کسی حال میں بھی ایسے مقام پر نہیں پہنچ سکتا کہ تکلیفات شرعیہ اس سے ساقط ہو جائیں۔ و۵ یہاں یہ بتا دیا کہ کافر ہو یا منافق کسی کی بھی پیمبر سے تدبیر مخالفت اللہ کے مقابلہ میں چل نہیں سکتی۔ و۶ عرف عام میں یہ جو کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں کے ایک نہیں، دو زبانیں ہیں۔ تو کہیں اس کا یہ مطلب تھوڑے ہی ہوتا ہے کہ واقعۃً اس کے منہ کے جوف کے اندر دو زبانیں ہیں۔ اسی طرح زبان کے اس مجاز استعارہ کے کہ فلاں کے دل ایک نہیں دو ہیں، یہ مطلب قرار دینا ہرگز صحیح نہیں کہ اس کے جوف صدر کے اندر قلب بھی دو ہیں...... تو اسی طرح کسی کو مجازاً بیٹا کہہ دینے یا سمجھ لینے سے یہ کیوں لازم آ جائے کہ معاملات بھی اس کے ساتھ صلبی بیٹوں کی طرح برتے جانے لگیں۔ آیت میں کوئی مسئلہ تشریح الابدان (اناٹومی) کا نہیں بیان ہو رہا ہے صرف تمثیل کے پیرایہ میں یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ زبان میں جو مجاز مستعمل رہتے ہیں انہیں لفظی معنٰی میں واقعیت پر مبنی سمجھنے لگنا جہل و نادانی ہے ـــــ اس لئے اگر واقعی کبھی کسی انسان کے سینہ میں دو قلب نکل آئیں تو یہ کسی قرآنی بیان کے ذرا بھی معارض نہ ہو گا۔ قرآن اول تو کلیہ نہیں اکثریہ بیان کر رہا ہے۔ اور وہ بھی تشریح جسمانی سے ہٹ کر ایک بالکل دوسرے سیاق میں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے صوفیہ کے اس قول کی اصل نکل آئی کہ نفس ایک وقت میں دو طرف توجہ نہیں کرتا۔ یہ بھی فرمایا کہ اس سے اس شخص کا کذب ظاہر ہو گیا۔ جو تسبیح پھراتا جاتا ہے اور باتیں کرتا جاتا ہے۔ اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں عین گفتگو کے وقت بھی ذکر میں مشغول رہتا ہوں۔ بِاَفْوَاهِكُمْ۔ میں اشارہ ہے کہ تم صرف زبان سے یہ کہہ رہے ہو، ورنہ دل تمہارے بھی اس پر نہیں جمتے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کلام انسانی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ کلام جو دل سے نکلے۔ دوسرے وہ جنہیں انسان محض زبان سے بک دے ایسے خرافاتی اقوال کے موقع پر قرآن یہی لفظ لاتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ مسیحیوں کے قول مسیح کی ابن اللٰہیت سے متعلق ہے۔ قالت النصارٰی المسيح ابن الله ذٰلك قولهم بافواههم۔ يعنی انه لاحكم لهٗ وانما هو قول لا معنی له ولا حقيقة (جصاص) تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ۔ ظہار اسے کہتے ہیں کہ اپنی بیوی کی مثال اپنے ماں کے کسی عضو مستور سے دے دی جائے۔ مثلاً یہ کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسی میری ماں کی پشت۔ اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ۔ بس ایسا فقرہ بول کر عرب میں مرد اپنی بیوی کو ہمیشہ کے لیے اپنے اُوپر حرام کر لیتا تھا۔ و۷ (جو واقعہ کے مطابق نہیں بلکہ خلاف واقعہ ہے) وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ۔ ہر جاہلی قوم کی طرح عرب جاہلی بھی طرح طرح کی وہم پرستیوں میں مبتلا تھے۔ یہاں ان کی خانگی زندگی سے متعلق دو ریت رسموں کا ذکر ہے۔ ایک یہ کہ وہ منہ بولے لڑکے یا لے پالک (متبنّٰی) کو اپنے حقیقی یا صلبی فرزند کی طرح سمجھنے لگتے اور اس کی طلاق پائی ہوئی بیوی سے نکاح میں ان کے ہاں ایسی بدنامی ہوتی جیسے اپنی سگی بہو سے نکاح کرنے میں۔ تبنیت کی یہ اہمیت کیتھولک مسیحیوں اور ہندوؤں میں بھی مشترک ہے۔ اسلام نے اس رسم پر ضرب لگائی اور بتایا کہ متبنّٰی کی بیوی کو صلبی بیٹے کی بیوی پر قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اور نہ اس سے نکاح کرنا کسی طرح موجب طعن۔ وَ مَا جَعَلَ...... اُمَّهٰتِكُمْ۔ دوسرا رواج یہ تھا کہ بیوی کو اشارہ و کنایہ میں ماں کہہ دیتے اور اس بناء پر اسے اپنے نکاح سے خارج سمجھنے لگتے۔ اس کے حقوق زوجیت ذرا بھی ادا نہ کرتے۔ لیکن اس کے ساتھ اسے اپنے سے جدا اور آزاد بھی نہ کرتے کہ وہ جس سے چاہے دوسرا نکاح کر لے۔ قید میں اپنے پہلے شوہر کے بدستور رہتی۔ گویا ایک ہی وقت میں مطلقہ بھی اور معلقہ بھی۔ اسلام نے آ کر اس ظالمانہ دستور کا بھی خاتمہ کیا۔ اور بتایا کہ کوئی بیوی اس قسم کے فقروں سے ماں نہیں بن جایا کرتی۔ كانوا يظهرون من نسائهم فيقولون انت علی كظهر امی فاخبر الله تعالٰی انما لا تصير بمنزلة امه فی التحريم (جصاص)

و۸ چنانچہ اس آیت کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ کے آزاد شدہ غلام جنہیں اب تک عرب اپنے مذاق ومحاورہ کے مطابق رسول اللہ کی انتہائی شفقت ورحمت دیکھ کر زید بن محمد ﷺ کہتے تھے، اب زید بن حارثہ کہے جانے لگے۔ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ۔ وہی سیدھا راستہ دکھاتا اور ہر جہل سے نکالتا ہے۔ و۹ (تو انہیں پکارنے کے لئے یہ بھائی اور دوست کے رشتے کیا کچھ کم ہیں؟) اِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ۔ یعنی وہ تمہارے بھائی دینی اعتبار سے ہوں گے نسبی حیثیت سے نہیں کہ میراث وغیرہ جاری ہو سکے۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی سے بھائی کا رشتہ لے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن باپ کا رشتہ لینے میں، تاوقتیکہ نسب ہی مقصود نہ ہو، مضائقہ ہے۔ **فيه اباحة اطلاق اسم الاخوة وحظر اطلاق اسم الابوة من غير جهة النسب** (جصاص) فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ۔ فقہاء نے

عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ

راستی کی بات ہے و۸ اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو (آخر) وہ تمہارے دین کے تو بھائی ہی ہیں

وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ

اور تمہارے دوست و۹ تمہارے اوپر اس کا کوئی گناہ نہیں جو تم سے بھول چوک ہو جائے

وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵

ہاں (گناہ تو اس پر ہے) جو تم دل سے ارادہ کر کے کہو، اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے و۱۰

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ

نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں و۱۱ اور آپ کی بیویاں

اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ

ان کی مائیں ہیں و۱۲ اور کتاب اللہ میں رشتہ دار ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں

فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ

بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے و۱۳ مگر ہاں

تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ

تم اپنے دوستوں سے کچھ (سلوک) کرنا چاہو (تو وہ جائز ہے) و۱۴ یہ بات نوشتہ (الٰہی) میں لکھی

مَسْطُوْرًا ۝۶ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ

جا چکی تھی و۱۵ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے (تمام) پیمبروں سے عہد لیا و۱۶

وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى

اور آپ سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ

ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۷ ۙ لِّيَسْـَٔلَ

ابن مریم سے بھی اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا و۱۷ تاکہ ان

باقتضاء النص یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جو چھوٹا بچہ پڑا ملے یا دار الاسلام میں اسیر ہو کر آ جائے وہ مومن سمجھا جائے گا۔ و۱۰ (اس لئے اگر ایسا قصداً کہہ ڈالنے کے بعد بھی استغفار کر لو، تو اللہ معاف کر دے گا) ممانعت کسی کو متبنیٰ بنانے اور کہنے کی صرف ان اثرات مخصوص کے لحاظ سے ہے جو جاہلیت میں مرتب ہوتے تھے۔ باقی اگر کسی کو محض مجازاً وشفقۃً بیٹا کہا جائے، یا جاہلیت کے آثار مخصوصہ کے ترتب کے بغیر کسی کو فرزندی میں لے لیا اور اسے جائداد بھی ساری کی ساری بطور ہبہ دیدی جائے تو اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ **واما ما رسمهٗ اهل زماننا حيث يقيمون شخصًا مقامهم ويعطونهٗ مالًا ويجعلونهٗ وارثًا فليس ذٰلك بطريق الارث حقيقة بل بطريق الهبة وهو مشروع جدًا** (احمدی) مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ۔ کے تحت میں فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ نامحرم سے گفتگو کرنے میں نیت فاسد رکھنا یا اس کے تصور سے لذت حاصل کرنا یہ سب داخل معصیت ہے۔ و۱۱ کیا انتہاء ہے اس شفقت وتعلق کی جو ہمارے نبی کو اپنی تمام امت کے ساتھ ہے۔ انسان خود اپنا دشمن وبدخواہ تو ہو بھی سکتا ہے اور بعض اوقات جہل وغباوت کی بناء پر بھی ہو جاتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ سے تو جن پر خفی سے خفی مصالح ومنافع روشن ہیں کسی حال میں بھی بدخواہی کا امکان نہیں۔ **فانه لا يامرهم ولا يرضى منهم الا بما فيه صلاحهم ونجاحهم بخلاف النفس فلذالك اطلق** (بیضاوی) آیت سے ثابت ہے کہ آپ کی اطاعت مطلق اور تعظیم بدرجہ کمال واجب ہے اور اس کے اندر تمام احکام ومعاملات آ گئے۔ **اے اولى لهم فى الحكم عليهم ولزومهم اتباعهٗ وطاعتهٗ** (جصاص) **فى نفوذ حكمه فيهم ووجوب طاعته عليهم** (معالم) و۱۲ (وجوب تعظیم کے لحاظ سے) "ازواج کا امہات ہونا باعتبار تعظیم کے ہے اور تعظیم کی ایک نوع تحریم بھی ہے۔ اس لئے تحریم بھی واقع ہوئی۔ قال تعالیٰ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا۔ اور بے حجابی کا تعظیم سے کوئی تعلق نہیں بلکہ احتجاب اقرب الی التعظیم ہے۔ اس لئے ان احکام یعنی جواز خلوت ونظر ومس وامثالہا میں امومیت ثابت نہیں۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) **فيه وجهان احدهما انهن كالامهات لهم فى وجوب الاجلال والتعظيم والثانى تحريم نكاحهن وليس المراد انهن كالامهات فى كل شىء** (جصاص) **اے فى التحريم واستحقاق التعظيم لا فى ما عداه** (احمدی) **اے امهات المومنين فى تعظيم حقهن وتحريم نكاحهن على التابيد لا فى النظر اليهن والخلوة بهن** (معالم) و۱۳ (باعتبار ترکہ ومیراث کے) اُولُوا الْاَرْحَامِ۔ یعنی وہ رشتہ دار جن سے خون ملا ہو۔ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ یعنی شریعت الٰہی میں۔ **فى ما فرض الله** (بیضاوی) **اے فى حكم الله** (ابن کثیر) و۱۴ یعنی اصل میراث میں تو حق متوفی کے عزیزوں ہی کا ہوتا ہے، اور عامہ مہاجرین ومومنین کو جو اس میں حقدار بنا دیا گیا تھا وہ انتظام عارضی تھا۔ ہاں ان کے ساتھ کوئی حسن سلوک کرنا چاہے تو وصیت جو مقدار ترکہ کے ایک ثلث پر جاری ہو سکتی ہے۔ اس میں گنجائش اب بھی باقی ہے۔ و۱۵ (کہ شریعت اسلامی میں قانون میراث، عزیزوں ہی سے متعلق ہوگا) فِي الْكِتٰبِ۔ کتاب سے مراد لوح محفوظ لی گئی ہے۔ **اے فى اللوح** (بیضاوی) و۱۶ (احکام کے اتباع وتبلیغ کا) میثاق انبیاء پر حاشیہ سورۂ آل عمران (پ۳) میں گزر چکا۔ و۱۷ ان انبیاء کے ناموں کی تخصیص کی وجہ عجب نہیں کہ یہ ہو کہ یہ صاحب شریعت انبیاء تھے، یا جو بھی وجہ ہو۔ لفظ میثاق کے ساتھ غلیظ کے اضافہ سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ عہد وپیمان کو حلف یا دوسرے قیود کے ساتھ مؤکد کرنا اولیٰ ہے۔

و۱۸ (قیامت کے دن) اَلصّٰدِقِیْنَ۔ سچوں سے یعنی پیمبروں سے۔ لفظ اَلصّٰدِقِیْنَ لا کر یہ خود بتا دیا کہ انبیاء نے اپنا عہد پورا کیا، اور اقرار میں سچے تھے۔ لِیَسْئَلَ۔ میں ل۔ کَیْ کے مرادف ہے۔ لکیے یسال الصادقین (معالم) صِدْقِهِمْ۔ یعنی تبلیغ رسالت کے باب میں۔ اے من تبلیغهم الرسالة (معالم) و۱۹ (قیامت کے دن) الکافرین۔ میں وہ سب لوگ آ گئے، جو صاحب وحی کے اتباع کے منکر ہیں۔ و۲۰ (یعنی قریش مکہ کا لشکر، قبیلہ غطفان کا لشکر اور یہود کا لشکر) شوال ۵ ہجری کا واقعہ ہے کہ اسلام کے مخالفین نے ایکا کر کے مدینہ پر دھاوا بول دیا، اور شہر کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ تاریخ میں اس جنگ کا نام جنگ احزاب ہے۔ چار ہزار کی تعداد میں تو قریش ہی کا لشکر تھا۔ جس میں تین سو سوار اور ڈیڑھ ہزار شتر سوار تھے۔ مجموعی تعداد ان لشکروں کی کم از کم سات ہزار کی تھی۔ بعض تخمینے دس اور بارہ ہزار بلکہ بعض پندرہ ہزار کے بھی تھے۔ افسر اعلیٰ ابوسفیان قریشی تھا۔ عرب نے اتنی بڑی فوج کشی کی مثال اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ مسلمانوں کی جمعیت کل ۳ ہزار کی تھی۔ حضرت سلمان فارسی ؓ صحابی کے مشورہ پر لشکر اسلام کے سالار اعظم ﷺ نے خود گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کا دورہ کرنے کے بعد حکم دیا کہ شہر کے گرد جس جس رخ سے دشمن کا داخلہ ممکن ہے خندق کھود دی جائے۔ چنانچہ شہر کے شمالی

الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا

سچوں سے ان کے سچ کی بابت سوال کرے و۱۸ اور کافروں کے لئے (اللہ نے) عذاب دردناک تیار

اَلِیْمًا ﴿۸﴾ ع یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

کر رکھا ہے و۱۹ اے ایمان والو اللہ کا انعام اپنے اوپر

عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا

یاد کرو جب تم پر (کئی کئی) لشکر چڑھ آئے و۲۰ پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی

وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ﴿۹﴾

اور ایسی فوج جو تم کو دکھائی نہیں دیتی و۲۱ اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا تھا و۲۲

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ

جب کہ وہ لوگ تم پر آ پڑے تھے تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی و۲۳ اور جب کہ

زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ

آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے و۲۴ اور تم لوگ اللہ کے ساتھ

بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا

طرح طرح کے گمان کر رہے تھے و۲۵ اس موقع پر مسلمانوں کا (پورا) امتحان لیا گیا اور وہ سخت

زِلْزَالًا شَدِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ

زلزلہ میں ڈالے گئے اور جب کہ منافقوں اور ان لوگوں نے جن کے

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾

دلوں میں مرض ہے یوں کہنا شروع کیا تھا کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے تو محض دھوکے ہی کا وعدہ کر رکھا ہے،

وَ اِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ

و۲۶ اور یہ (اس وقت ہوا) جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا و۲۷ اے یثرب کے لوگو تمہارے ٹھہرنے کا

اور کسی قدر غربی رخ پر بھی ایک خندق تقریباً ساڑھے تین میل لمبی کھودی گئی۔ اور یہ کام ۳ ہزار رضا کاروں کی دس دس کی ٹولیوں پر تقسیم کر دیا گیا۔ غرض اس غزوہ کو غزوۂ خندق بھی اسی بناء پر کہتے ہیں...... عرب کے لئے یہ ایک نئی حکمت جنگ تھی، اور قریش اس پر دنگ رہ گئے۔ محاصرہ طول کھینچتا گیا۔ یہاں تک کہ شوال ختم ہونے پر آ گیا، اور ذی قعدہ شروع ہونے لگا جسے قبائل عرب صلح و امن کا مہینہ مانتے تھے۔ اور اس درمیان میں خود سپہ سالار اسلام ﷺ ہی کے حسن تدبیر سے دشمن اور حلیفوں کے آپس میں بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پھیل گئیں۔ سردار ابوسفیان بددل ہو ہی چلا تھا کہ حکم قضا سے ایک روز ایک طوفان آندھی اور بارش کا، زور شور کا آیا۔ اور اس کی پوری زد لشکر کفار پر پڑی، خیمے اکھڑ گئے، برتن لڑھک گئے، روشنیاں بجھ گئیں۔ غرض ابتری ہر طرح پھیل گئی۔ قریش کا لیڈر اس غیبی گولہ کی تاب اور بھی نہ لا سکا۔ میدانِ جنگ چھوڑ چل دیا۔ اور پھر اور سارے لیڈر بھی ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ و۲۱ مراد فرشتوں کی فوج ہے۔ وهم الملائكة (ابن کثیر۔ معالم) بعض صحابہ (مثلاً حضرت حذیفہ ؓ) کا جو فرشتوں کو دیکھنا مروی ہوا ہے۔ یہ لَمْ تَرَوْهَا کے منافی نہیں۔ لَمْ تَرَوْهَا سے مراد صرف اس قدر ہے کہ فرشتے عام طور پر غیر مرئی تھے۔ بطور کرامت و خرق عادت کسی خاص صحابی پر ان کا مکشوف ہو جانا اس عام قاعدہ عدم مرئیت کے معارض نہیں۔ و۲۲ (خصوصاً تمہاری ہمت و ثبات و استقلال، مستعدی، کار گزاری کو) و۲۳ یعنی کچھ فوجیں آ کر وادی مدینہ کے نشیبی حصہ میں خیمہ انداز ہو گئی تھیں۔ اور کچھ بالائی حصہ میں۔ مدینہ کی شرقی سمت اونچی ہے، اور غربی سمت نیچی، قبیلہ بنی اسد، قبیلہ غطفان کا لشکر سمت مشرق سے آیا تھا، اور قریش و بنی کنانہ کی فوجیں سمت مغرب سے۔ و۲۴ (مارے دہشت و ہیبت کے) محاصرۂ جنگ کی شدت کا بیان ہو رہا ہے۔ آنکھیں پھٹی رہ جانا، اور کلیجہ منہ کو آنے لگنا، انتہائی خوف و دہشت کی علامتیں ہیں۔ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ۔ کے لفظی معنٰی مراد نہیں۔ مقصود عربی محاورہ کے مطابق شدت خوف کو بیان کرنا ہے۔ یجوزان یکون ذلک مثلا فی اضطراب القلوب ووجیها وان لم تبلغ الحناجر حقیقةً (کشاف) و۲۵ اور موقع شدت پر وسوسوں کا طبعی طور پر پیدا ہونا ایمان کیا معنٰی کمال ایمان کے بھی منافی نہیں۔ و۲۶ اہل ایمان کی پختگی و استقامت کی یہ پوری اور سخت آزمائش تھی۔ شدید سردی کا موسم تھا، غلہ کی گرانی انتہائی تھی۔ صحابہ بلکہ خود رسول اللہ ﷺ تک بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔ اس پر بھی ہمت و استقلال کا یہ عالم تھا کہ سنگلاخ زمین کی کھدائی بغیر کسی ''سفرمینا'' کی پلٹن کے، بغیر (Sappers and Miner) کے کی دستے کے، اپنے ہاتھ سے جاری تھی۔ ظاہری مغلوبیت و بیچارگی کا یہ عالم تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک میں پھاوڑا لے کر ایک پتھر پر جو ضرب لگائی تو آگ کے شرارے پیدا ہوئے اور ایسا تین بار ہر ہر ضرب پر ہوا۔ اس روشنی میں آپ کی نگاہ کشفی کو ایران اور شام اور یمن کے محل دکھائے گئے۔ اور آپ نے اپنے رفیقوں کو بشارت دی کہ یہ سب ملک میری امت کو دے دیئے گئے ہیں۔ کچے اور کمزور ایمان والے تو دو دلے ہو ہی رہے تھے۔ اور اپنی جان کی خیر منا رہے تھے۔ منافقین نے طنز و استہزاء سے کہنا شروع کیا کہ ''یہ لیجئے حالت تو یہ ہو رہی ہے، اور خواب دیکھ رہے ہیں ایران اور روم کے شاہی محلوں کے۔'' هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الخ۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ بلاؤں کا پیش آنا، اور انہیں میں قبض وغیرہ مکروہات باطنی بھی داخل ہیں، کبھی امتحان صدق کے لئے بھی ہوتا ہے۔ پس سالک کو چاہئے کہ ان حالات میں صبر سے کام لے اور طاعت پر جما رہے۔ و۲۷ یعنی جب انہیں منافقین میں سے بعض لوگوں نے دوسروں کو مخاطب کر کے جنگ کے مورچوں پر کہا۔ مِنْهُمْ۔ ضمیر انہیں لوگوں کی طرف ہے جن کا ذکر ابھی ابھی آ چکا ہے۔ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔

فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ

موقع نہیں، سو (اپنے گھروں کو) واپس جاؤ ف۲۸ اور بعض لوگ ان میں سے نبی سے اجازت مانگتے تھے، کہتے تھے

بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا

کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ ذرا بھی غیر محفوظ نہیں ہیں، یہ محض بھاگنا ہی

فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا

چاہتے ہیں ف۲۹ اور اگر ان (لوگوں) پر (مدینہ کے) اطراف سے کوئی (لشکر کافروں کا) آگھسے، پھر ان سے فساد کی

الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا

درخواست کی جائے ف۳۰ تو یہ اسے منظور کرلیں اور (ان گھروں میں) بس برائے نام ہی ٹھہریں ف۳۱ درآنحالیکہ یہی

عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ

لوگ پیشتر اللہ سے عہد کرچکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے ف۳۲ اور اللہ سے جو عہد

اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ

کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہوگی ف۳۳ آپ کہہ دیجیے تمہیں بھاگنا کچھ بھی نفع نہیں دے سکتا اگر تم موت یا

الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ

قتل سے بھاگتے ہو اور اس سے تمتع بھی نہیں حاصل کرسکتے بجز چند روز کے ف۳۴ آپ کہہ دیجیے کہ وہ کون ہے

ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْۗءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ

جو تمہیں اللہ سے بچاسکے اگر (اللہ) تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے یا (اسے روک سکے جب) وہ تمہارے ساتھ

رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا

فضل کرنا چاہے ف۳۵ اور وہ لوگ اللہ کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ

نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَاۗىِٕلِيْنَ

مددگار ف۳۶ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو مانع ہوتے ہیں اور جو اپنے بھائیوں سے

منع

ف۲۸ (کہ اب مورچوں پر جمے رہنا صریحاً موت کے منہ میں جانا ہے) یَثْرِبَ مدینہ کا پرانا نام ہے۔ مدینة النبی تو ہجرت نبوی کے بعد نام پڑا۔ ف۲۹ بعض کج دلے اور منافق۔ سالار اعظم ﷺ کی خدمت میں آکر طرح طرح کے بہانے تراشتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ ہم اپنے گھروں کو غیر محفوظ حالت میں چھوڑ آئے۔ اور صرف عورتیں اور بچے ہیں۔ چوروں ڈاکوؤں کا ہر وقت خطرہ ہے۔ قرآن مجید جواب دیتا ہے کہ یہ عذرات ان کے گڑھے ہوئے ہیں۔ ان کے گھر خود ان کے خیال میں بھی غیر محفوظ نہیں۔ اور نہ ان کی جانے سے یہ نیت ہے کہ انتظام کرکے پھر چلے آئیں گے۔ یہ تو بس جنگ سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ عَوْرَةٌ یہاں ذات عَوْرَةٍ کے معنی میں ہے۔ یعنی شگاف زدہ جس کے اندر داخلہ ممکن ہو۔ والعورة ذات العورة (کشاف) اے متخرقة ممکنة لمن ارادها (راغب) وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ۔ قرآن مجید میں یہ ترکیب جہاں جہاں بھی آئی ہے۔ اس وصف کی نفی کامل مراد رہی ہے۔ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (ان میں ایمان ذرا بھی نہیں ہے) وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (آپ کا پروردگار بندوں کے حق میں ذرا سا بھی ظالم نہیں ہے) ف۳۰ یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں صف آرائی اور اس میں ان کی شرکت کی یا کفر کی۔ اے الردة ومقاتلة المسلمین (بیضاوی) وهی الدخول فی الکفر (ابن کثیر) اے القتال کما قال الضحاک (روح) ف۳۱ مطلب یہ ہے کہ اگر کہیں کافروں کا لشکر مدینہ میں داخل ہوجائے اور ان منافقوں سے کہے، کہ آؤ، ہم تم مل کر مسلمانوں سے مقابلہ کریں تو یہ لوگ بلا تامل آمادہ ہوجائیں، مسلمانوں کی لوٹ مار پر اٹھ کھڑے ہوں اور اس وقت ذرا خیال نہ کریں کہ آخر اب غیر محفوظ گھروں کی کون حفاظت کرے گا — یہ سب اُن کی انتہائی مذمت میں ارشاد ہو رہا ہے۔ و هذا ذم لهم فی غایة الذم (ابن کثیر) وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَا۔ ضمیر ها بیوت کی طرف ہے۔ الضمیر علی کل تقدیر للبیوت (روح) ف۳۲ بدر کے بعد جب بعض مخلص مسلمان حسرت کر رہے تھے کہ افسوس، ہم شرکت سے محروم رہ گئے، تو بعض منافقین بھی اس گفتگو میں شامل ہوگئے۔ اور کہنے لگے اب جو کوئی موقع آیا تو ہم کسی سے پیچھے نہیں رہنے کے۔ ف۳۳ قرآن مجید کا یہ ایک عام حکیمانہ اسلوب ہے کہ معین ومشخص واقعات کا ذکر کرتے کرتے عام اصول شریعت واخلاق بھی سنا دیتا ہے۔ ف۳۴ اور اس چند روز سے مراد عمر مقدر کا بقیہ حصہ ہے کہ یہ جو تم بھاگے بھاگے پھرتے ہو، اس سے عمر مقدر تو بڑھ نہیں سکتی۔ ف۳۵ برائی مثلاً یہی کہ وہ تمہیں ہلاک کرنا چاہے تو کون تمہیں بچا سکتا ہے؟ فضل مثلاً یہ کہ وہ تمہیں زندہ رکھنا چاہے تو کون اس میں مانع ہوسکتا ہے؟ ف۳۶ ولی یا حمایتی وہ جو نفع پہنچا سکے، نصیر یا مددگار وہ جو ضرر سے بچا سکے۔

لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٨﴾

کہتے رہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ ف٣٧ اور یہ لوگ لڑائی میں تو بس نام ہی کو آتے ہیں

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ

تمہارے حق میں بخیل (ہو کر) ف٣٨ پھر جب کوئی خطرہ پیش آتا ہے تو آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ

اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ

آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو

فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً

پھر جب وہ خطرہ دور ہو جاتا ہے تو تمہیں تیز زبانوں سے طعنہ دیتے ہیں مال (غنیمت) پر

عَلَى الْخَيْرِ ۗ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۗ

حرص لئے ہوئے ف٣٩ یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے چنانچہ اللہ نے ان کے اعمال بے کار کر رکھے ہیں، ف٤٠

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ

اور یہ بات اللہ کے لئے (بالکل) آسان ہے ان لوگوں کا خیال ہے کہ لشکر (ابھی تک)

لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ

گئے نہیں ف٤١ اور اگر (یہ) لشکر آ پڑیں تو یہ لوگ یہ چاہیں گے کاش! ہم دیہاتوں میں باہر

فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۗ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا

جا رہتے (اور وہیں سے) تمہاری خبریں پوچھتے رہتے ف٤٢ اور اگر تم ہی میں رہیں جب بھی

قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٢٠﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ

کچھ یوں ہی سا لڑیں رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے

حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ

لئے ف٤٣ یعنی اس کے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور روز آخرت سے اور ذکرِ الٰہی کثرت سے

ف٣٧ (تو تمہاری جان بچ جائے گی اور تم چین اور سکھ سے زندگی بسر کر سکو گے) اِخْوَانِهِمْ سے مراد وطنی یا قومی بھائی ہیں۔ ف٣٨ یعنی یہ اپنی کم ہمتی اور ضعف ایمان کی بناء پر لڑائی میں شریک ہی کب ہوتے ہیں، اور اگر کبھی محض نام کرنے کے لیے شریک ہو بھی گئے تو یہ انہیں گوارا نہیں ہوتا کہ مال غنیمت مسلمانوں ہی کو ملے۔ ف٣٩ یعنی مال غنیمت لینے کی خاطر مسلمانوں سے دلخراش باتیں کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہماری ہی مدد سے تمہیں یہ فتح میسر ہوئی۔ آیت میں منافقوں کی بزدلی اور حرص دونوں کا پورا بیان آ گیا۔ اَلْخَيْرِ۔ خیر سے مراد یہاں مال ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں اور متعدد موقعوں پر بھی ہے۔ المال والغنيمة (مدارک) اے علی الغنيمة (قرطبی) ف٤٠ یعنی اُن میں ایمان تو پہلے ہی سے نہ تھا، اور اسی لیے تو اُن کے کسی عمل اور ظاہری طاعت کا اجر نہیں۔ لَمْ يُؤْمِنُوْا۔ یہ منافق صرف زبان سے دعوٰی اسلام کرتے تھے۔ حقیقۃً ایمان سے بالکل خالی تھے۔ ف٤١ یہ اُن کی بزدلی کی انتہاء ہے کہ فوج چلی بھی گئی، اور یہ اب تک اس کے ڈر سے دبے سہمے ہوئے ہیں۔ ف٤٢ منافقوں کی انتہائی اور ضرب المثل بزدلی کا ایک اور نقشہ۔ ان میں ہمت اتنی بھی نہیں کہ ان جگر دوز معرکوں کو دیکھنے کی تاب بھی لا سکیں۔ چاہتے ہیں کہ کہیں دور دیہات میں چلے جائیں، اور وہیں سے بس خبریں سن لیا کریں۔ ف٤٣ (زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو میں، خصوصاً ثبات و استقامت میں) رسول اللہ ﷺ کا اتباع تو مومنین پر چھوٹے بڑے ہر امر میں واجب ہے اور آپؐ کی زندگی انسان کے لیے انفرادی و اجتماعی، خانگی و ملی، معاشری و اخلاقی ہر ہر گوشہ میں شمع ہدایت ہے، لیکن یہاں اشارۃً خصوصی معرکہ جنگ میں ثبات و استقامت سے متعلق ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ آیت کے اندر ایک اصل عظیم آ گئی ہے اور اس سے زندگی کے چھوٹے بڑے سارے معاملات میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء و پیروی کے وجوب پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ هٰذه الاٰية الكريمة اصل كبير في التاسي برسول الله ﷺ في اقواله و افعاله و احواله و لهٰذا امر تبارك و تعالٰى الناس بالتاسي بالنبي ﷺ يوم الاحزاب في صبره و مصابرته و مرابطته و مجاهدته و انتظاره الفرج من ربه عزوجل دائمًا الٰى يوم الدين (ابن کثیر) الاسوة القدوة والاسوة مايتاسى به اے يتعزّٰى به فيقتدٰى به في جميع افعاله ويتعزّٰى به في جميع احواله (قرطبی) فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ اس لفظ نے صاف کر دیا کہ یہ مقتدائی وصفِ رسالت کے اعتبار سے ہوگی۔ رَسُوْلِ اللّٰهِ میں لفظ اللہ سے یہ نکتہ پیدا کیا گیا ہے کہ رسول کے کمالات شخصاً آپؐ کی جانب نہیں، براہِ راست حق تعالٰی ہی کی جانب منسوب ہیں۔ لِمَنْ...... كَثِيْرًا۔ یعنی مومن کامل کے لیے۔

ع ۱۸/۲

كَثِيرًا ﴿٢١﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا

کرتا ہو اور جب اہل ایمان نے لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے یہی وہ (موقع) ہے

وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۫ وَ مَا

جس کی ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے خبر دی تھی اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور (اس سے)

زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿٢٢﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ

ان کے ایمان و طاعت میں ترقی ہی ہوئی، اہل ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے

صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى

اللہ سے جو عہد کیا تھا اس میں سچے اترے ف۴۴ سو ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی نذر

نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۫ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾

پوری کر چکے اور کچھ ان میں کے راستہ دیکھ رہے ہیں ف۴۵ اور انہوں نے ذرا فرق نہیں آنے دیا ف۴۶

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ

(یہ اس لئے ہوا) تاکہ اللہ سچوں کو صلہ دے ان کی سچائی کا اور منافقین کو اگر چاہے

اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا

سزا دے یا (چاہے تو) ان کی توبہ قبول کرلے بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے،

رَّحِيْمًا ﴿٢٤﴾ وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا

بڑا رحمت والا ہے ف۴۷ اور اللہ نے کافروں کو اس غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کے کچھ بھی ہاتھ

خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا

نہ لگا ف۴۸ اور جنگ میں اللہ اہل ایمان کے لئے کافی ہو گیا ف۴۹ اور اللہ تو ہے ہی بڑا قوت والا

عَزِيْزًا ﴿٢٥﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

بڑا زبردست ف۵۰ اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی (اللہ نے) انہیں ان کے قلعوں سے

ف۴۴ ”مراد ان معاہدین سے حضرت انس بن النضر ؓ اور اُن کے رفقاء ہیں۔ یہ حضرات اتفاق سے غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہونے پائے تھے۔ تو اُن کو افسوس ہوا اور عہد کیا کہ اگر اب کے کوئی جہاد ہو تو اس میں ہماری جان توڑ کوشش دیکھ لی جائے گی...... مطلب یہ تھا کہ منہ نہ موڑیں گے کہ مارے جائیں“۔ مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔ کو اگر وسیع و عام معنٰی میں لیا جائے تو اس میں وہ تمام امور آجائیں گے جنہیں ہم نے بضمن ایمان اجمالاً اور قرآن و حدیث سے تفصیلاً قبول کیا ہے۔ اور اس معنٰی میں اس کی مصداق ساری اُمت محمدی ﷺ ہوگی۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ کاملین کے لیے کبھی اُمور مکروہہ بھی، اور ان ہی میں قبض بھی شامل ہے، زیادتِ معارف کا سبب بن جاتے ہیں۔ ف۴۵ (شوق کے ساتھ، اس نذر کے پورے ہونے کا) وسیع معنٰی میں تمام زندہ مومنین صادقین اس میں داخل ہیں۔ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ۔ یعنی شہید ہوگئے اور آخر تک ثبات میں فرق نہ آنے دیا۔ نحب کے لفظی معنٰی نذر کے ہیں۔ اور قَضٰى نَحْبَهٗ کے معنٰی ہوئے کہ اس نے اپنی نذر اُتاری۔ النحب النذر المحکوم بوجوبہ فقال قضی فلان نحبہٗ ای وفی بنذرہ (راغب) محاورہ میں کنایہ وفات پا جانے سے ہوتا ہے۔ اور یہی معنٰی سلف سے منقول ہیں۔ و یعبر ذٰلک عمن مات (راغب) قال الحسن مات علی ما عاهد علیہ (جصاص) ف۴۶ (اپنے اس عزم راسخ میں۔ بلکہ اس پر بدستور ثابت ہیں) تَبْدِيْلًا۔ تنوین تصغیر کے لیے ہے۔ یعنی کسی نوع، کسی قسم کی ادنٰی تبدیلی ان میں نہیں ہوئی۔ ف۴۷ (اس کی وسیع رحمت سے کیا بعید ہے کہ وہ منافق کو مخلص بنا کر قابل مغفرت بنا دے) اس میں ترغیب آگئی توبہ و رجوع کی۔ الصّٰدِقِيْنَ سے مراد ظاہر ہے کہ سچے مسلمان ہیں۔ لِيَجْزِيَ۔ ل تعلیل کا ہے۔ والظاهر اللام للتعلیل (روح) لِيَجْزِيَ...... عَلَيْهِمْ۔ آیت سے یہ ظاہر ہے کہ مومن صادق کی نجات یقینی ہے، بخلاف اس کے منافق کی سزا مشروط ہے مصلحت تکوینی کے ساتھ۔ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ۔ یعنی اگر اس کی مشیت یہی ہوئی تو منافقین کو بھی آخرت میں سزا نہ ملے گی۔ ان کی تعذیب و مغفرت دونوں حق تعالٰی کی مشیت پر معلق ہیں۔ ای فلا یعذبهم بل یرحمهم سبحانہٗ ان شآء و ظاهرہٗ ان کلا من التعذیب والرحمة للمنافقین یوم القیامة و لو ماتوا علی النفاق معلق بمشیتہٖ تعالٰی (روح) آیت، مسلک خارجیت قدیم و جدید دونوں کی تردید کے لیے بالکل کافی ہے۔ منافقین حقیقۃً کافر ہی ہوتے ہیں۔ ایمان رتی بھر بھی ان میں نہیں ہوتا۔ اس پر بھی حکم ان کے معذب ہونے کا قطعی طور پر نہیں صادر ہوتا، بلکہ ان کی مغفرت و مغفوریت کی بھی گنجائش رکھ لی جاتی ہے۔ اور اس پہلو کو زوردار بنانے کے لیے اعلان اپنی عام غفوریت و رحیمیت کا بھی ساتھ ساتھ کر دیا جاتا ہے۔— کہاں حق تعالٰی کی طرف سے یہ گنجائشیں اور وسعتیں اور کہاں بعض نافہم بندوں کی یہ تنگیاں اور سختیاں کہ پختہ پختہ مسلمان بھی قابل نجات نہیں، اس لیے کہ ان سے فلاں فلاں لغزشیں بھی تو سرزد ہو چکی ہیں! ف۴۸ (اور انہیں محاصرۂ مدینہ سے ناکام، ناشاد، نامراد واپس جانا پڑا) خَيْرًا۔ یعنی جو بھلائی اُن کے خیال کے مطابق ہے۔ مراد فتح و کامیابی سے ہے۔ ای ظفرًا و سماہ خیرًا بزعمهم (مدارک) ف۴۹ (کہ بغیر کسی بڑی لڑائی کے انہیں نجات دلا دی) محمد بن عبداللہ (روحی فداہ) جس طرح حالت امن میں بہترین مدبر و بہترین منتظم تھے، اسی طرح حالت جنگ میں بہترین جنرل بھی تھے۔ ترتیب صفوف، مورچہ بندی وغیرہ تمام مسائل فن حرب میں بے مثال بصیرت رکھنے والے، لیکن باوجود اس سب کے، قرآن مجید آپ کے لشکروں کی فتح و ظفر کو آپ کے کمالاتِ سپہ سالاری کی جانب نہیں، بلکہ اپنی ہی قدرت و حکمت کی جانب منسوب کرتا رہتا ہے۔— اور قرآن کا مقصود ہی یہ ہے کہ زندگی کے ہر ہر شعبے میں بندہ کا تعلق براہ راست حق تعالٰی ہی سے جڑا رہے۔ ف۵۰ (اس کے لیے ایسا کرنا مشکل ہی کیا تھا)۔

مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا
اتار دیا ف۵۱ اور ان کے دلوں میں (تمہارا) رعب بٹھا دیا (پھر) بعض
تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿٢٦﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ
کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا اور تمہیں مالک بنا دیا ان کی زمین کا
وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ
اور ان کے گھروں کا اور ان کے مال کا اور اس زمین کا بھی جس پر تم نے (اب تک) قدم نہیں رکھا ہے ف۵۲ اور اللہ تو
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢٧﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ
ہر چیز پر قادر ہے اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجیے
اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ
کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار کو مقصود رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں
اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿٢٨﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ
کچھ متاع (دنیوی) دے دلا کر خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں ف۵۳ اور اگر تم
تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ
مقصود رکھتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو ف۵۴ تو اللہ نے تم میں سے
لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ
نیک کرداروں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے ف۵۵ اے نبی کی بیویو
مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا
تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی تو اسے
الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۗ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾
دہری سزا دی جائے گی ف۵۶ اور یہ اللہ کے لئے (بالکل) آسان ہے ف۵۷

ع ٣ ١٩

ف۵۱ ان اہل کتاب سے مراد یہود بنی قریظہ ہیں جو حوالی مدینہ میں اپنے بڑے بڑے مضبوط و مستحکم قلعوں اور گڑھیوں میں قلعہ بند رہا کرتے تھے۔ اور اس وقت تک مسلمانوں سے معاہدہ کیے ہوئے ان کے حلیف تھے۔ بعد کو عہد شکنی کرکے قتل و اسارت دونوں کے مستحق قرار پائے۔ صَيَاصِيْهِمْ۔ یعنی ان کے مایہ ناز مضبوط قلعے اور گڑھیاں۔ قیل فی الصیاصی انھا الحصون التی کانوا یمتنون بھا (جصاص) ف۵۲ یعنی ابھی تم ان مقامات تک پہنچے نہیں ہو، لیکن اس نے تو اپنے علم ازل میں تمہیں اس کا مالک کر دیا — اشارہ ہے قبائل یہود کی ساری زمینوں اور جائیدادوں کی طرف جو بالآخر کچھ روز بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ اس جزم کے ساتھ قبل از وقوع اعلان بجز حق تعالیٰ کے اور کر ہی کون سکتا تھا۔ اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا۔ کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ قیامت تک جو علاقہ بھی کبھی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، سب اس میں داخل ہے۔ وھی مکۃ او فارس والروم او خیبر او کل ارض تفتح الی یوم القیامۃ (مدارک) قیل کل ارض تفتح الی یوم القیامۃ (بیضاوی) وعد صادق فی فتح البلاد کالعراق والشام والیمن و مکۃ و سائر فتوح المسلمین (بحر) ف۵۳ یعنی طلاق دے دوں کہ جہاں چاہو آزادی سے رہ کر دنیا حاصل کرو۔ فتح خیبر کے بعد جب مسلمانوں کو مالی وسعت اچھی خاصی حاصل ہوگئی تو ازواج مطہرات کو، جو ظاہر ہے کہ نبی اور صاحب وحی نہ تھیں، محض امتی تھیں، قدرۃً یہ خیال گزرا کہ اب ہمارے نفقہ میں بھی معقول اضافہ ہونا چاہیے، اسی خواہش کا اظہار رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا اور ذرا تقاضا کے ساتھ، رسول، صاحب وحی کے قلب مبارک کی اذیت کے لیے دنیا طلبی کی اتنی جھلک بھی بہت تھی۔ یہ آیتیں اس پر نازل ہوئیں — یہ اختیار دینے کو تو دے دیا گیا، لیکن اس کے مل جانے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لے کر کسی ایک بیوی صاحبہ تک نے عیش دنیا کو ترجیح نہ دی۔ سب کی سب بدستور اللہ و رسول ہی کے ساتھ وابستہ رہیں۔ تعالین۔ اس کے لفظی معنی "آؤ" مراد نہیں۔ صرف یہ مراد ہے کہ "ادھر متوجہ ہو"، "یہ بات سنو"۔ جیسا کہ اُردو محاورہ میں بھی بولتے ہیں۔ ومعنی تعالین اقبلن بارادتکن و اختیار کن لاحد الامرین (مدارک) تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا۔ تُرِدْنَ کا لفظ بہت اہم ہے۔ دنیوی زندگی اور اس کے جائز عیش ہرگز ممنوع نہیں، ممنوع و مذموم انہیں مقصود بنا لینا ہے۔ تُرِدْنَ اسی مفہوم کا ترجمان ہے۔ مرشد تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دنیا اور اس کی زینتوں کی محبت اللہ اور رسول سے بُعد کا سبب ہے۔ ف۵۴ یعنی اگر تم عالم آخرت کے ان مدارج عالی کو دوست رکھتی ہو جو زوجیت رسول پر مرتب ہونے والے ہیں۔ اور رسول کی زوجیت میں صبر و قناعت کے ساتھ بسر کرنے پر تیار ہو۔ ف۵۵ یعنی جنت میں وہ درجات عالیہ جو زوجاتِ نبی کے لیے مخصوص ہیں۔ مِنْكُنَّ۔ من بیانیہ ہے۔ تبعیضیہ نہیں۔ ازواج نبی تو محسنات سب کی سب تھیں۔ یہ نہیں کہ بعض ان میں نہ ہوں۔ من للتبیین لانھن کلھن من محسنات (بیضاوی) من للبیان لا للتبعیض (مدارک) ف۵۶ (آخرت میں) یعنی جتنی دوسرے شخص کو ملتی، اس کی دوگنی سزا۔ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ۔ مراد وہ سوء معاشرت ہے جو رسول اللہ ﷺ کے تکدر قلب کا باعث ہو۔ یا مطلق معصیت صریح مراد لی جائے۔ المراد الفاحشۃ النشوز وسوء الخلق (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ای بمعصیۃ ظاھرۃ (معالم) و ینبغی ان تحمل الفاحشۃ علی حقوق الزوج و فساد عشرتہ (بحر) بعض محققین نے یہاں یہ خوب لکھا ہے کہ صفت مُّبَيِّنَةٍ کا اضافہ خود اس کی دلیل ہے کہ یہاں مراد زناکاری ہو نہیں سکتی، جو ایک چوری چھپے کی چیز ہے لامحالہ مراد سوء معاشرت اور عدم ادائے حقوق زوج سے ہوگی۔ اور اگر مراد زناکاری ہی لی جائے، جب بھی اس سے مرتبہ ازواج نبی کی منقصت ذرا بھی لازم نہیں آتی۔ اس لیے کہ یہ بات تو محض بطور فرض فرمائی گئی ہے اور بطور فرض اس سے بھی بڑھ چڑھ کر سخت اور شنیع چیزیں قرآن مجید میں مذکور ہو چکی ہیں۔ اور بعض اہل علم نے تو یہ صراحت کر دی ہے کہ لفظ فاحشۃ جب ال کے ساتھ معرفہ ہو کر آئے گا تو اُس کے معنی حرام کاری کے ہوں گے اور جب تنوین کے ساتھ صیغۂ نکرہ میں آئے گا، تو اُس کے مفہوم میں ہر قسم کی معصیت داخل ہوگی۔ اور جب موصوف ہو کر آئے گا (جیسا کہ یہاں صفت مُّبَيِّنَةٍ کے ساتھ ہے) تو مراد سوء معاشرت اور عدم ادائے حقوق زوجیت سے ہوگی۔ و قال قوم الفاحشۃ اذا وردت معرفۃ فھی الزنا واللواط واذا وردت منکرۃ فھی سائر المعاصی و اذا وردت منعوتۃ فھی حقوق الزوج و فساد عشرتہ (قرطبی) يُضٰعَفْ ...... ضِعْفَيْنِ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ خواص و علماء پر بمقابلہ عوام اُمت کے گرفت زیادہ سخت ہوگی اور اسی طرح ان کا اجر و ثواب بھی عوام سے کہیں زیادہ ہے۔ لان النعمۃ کلما عظمت کان کفر انھا اعظم فیما یستحق بہ من العقاب اذ کان استحقاق العقاب علی حسب کفران النعمۃ (جصاص) ولذا کان الذم للعاصی العالم اشد من العاصی الجاھل و ان المعصیۃ من العالم اقبح (مدارک) و سبب تضعیف العذاب ان الذنب منھن اقبح فان زیادۃ قبحہ تابعۃ لزیادۃ فضل المذنب والنعمۃ علیہ (روح) ف۵۷ یعنی یہ نہیں کہ اللہ کسی کی وجاہت کی مروت یا دباؤ میں آکر اپنی سزا کے نفاذ میں ترمیم کرنے لگے۔

وَ مَنۡ یَّقۡنُتۡ مِنۡکُنَّ لِلّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ تَعۡمَلۡ صَالِحًا

اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبردار رہے گی اور عمل صالح کرتی رہے گی

نُّؤۡتِہَاۤ اَجۡرَہَا مَرَّتَیۡنِ ۙ وَ اَعۡتَدۡنَا لَہَا رِزۡقًا کَرِیۡمًا ﴿۳۱﴾

تو ہم اس کا اجر دوہرا دیں گے، اور ہم نے اس کے لئے ایک (مخصوص) عمدہ نعمت تیار کر رکھی ہے ف۵۸

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیۡتُنَّ

اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو جب کہ تم تقویٰ اختیار کر رکھو ف۵۹ تو تم

فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَیَطۡمَعَ الَّذِیۡ فِیۡ قَلۡبِہٖ مَرَضٌ

بولی میں نزاکت مت اختیار کرو کہ (اس سے) ایسے شخص کو خیال (فاسد) پیدا ہونے لگتا ہے، جس کے قلب میں خرابی ہے ف۶۰

وَّ قُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ﴿ۚ۳۲﴾ وَ قَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجۡنَ

اور قاعدے کے موافق بات کہا کرو، ف۶۱ اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو ف۶۲ اور جاہلیت قدیم کے مطابق

تَبَرُّجَ الۡجَاہِلِیَّۃِ الۡاُوۡلٰی وَ اَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتِیۡنَ الزَّکٰوۃَ

اپنے کو دکھاتی مت پھرو ف۶۳ اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو

وَ اَطِعۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ

اور اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم مانو ف۶۴ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے (نبی کے) گھر والو تم سے

عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ﴿ۚ۳۳﴾

آلودگی کو دور رکھے اور تم کو خوب نکھار دے ف۶۵

وَ اذۡکُرۡنَ مَا یُتۡلٰی فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَ الۡحِکۡمَۃِ ؕ

اور تم اللہ کی ان آیتوں اور اس علم کو یاد رکھو جو تمہارے گھروں میں پڑھ کر سنائے جاتے رہتے ہیں ف۶۶

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیۡفًا خَبِیۡرًا ﴿۳۴﴾ ع اِنَّ الۡمُسۡلِمِیۡنَ

بے شک اللہ بڑا باریک بیں ہے پورا خبردار ہے ف۶۷ بے شک اسلام والے

ف۵۸ یہ صلہ جنت میں ازواج نبی کے لئے خصوصی ہوگا۔ رِزْقًا۔ رزق پر حاشیہ کہیں پہلے گزر چکا ہے کہ اس سے مراد محض کھانے پینے ہی کی نہیں، بلکہ ہر قسم کی نعمتیں ہوتی ہیں۔ عربی میں اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ۔ اہل خصوصیت کا عصیان بھی اوروں کے عصیان سے اشد ہوتا ہے اسی طرح ان کی طاعت بھی اوروں کی طاعت سے زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ بس وعدہ و وعید دونوں میں وہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اور خصوصاً مقام کلام میں یہ کہنا ممکن ہے کہ حضرات اُمہات المومنین سے خدمت واطاعت کا صدور حضور ﷺ کے قلب کو راحت افزا زیادہ ہوگا۔ اور اسی طرح اس کے خلاف کا صدور آپ کے لیے کلفت افزا زیادہ ہوگا“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اَعْتَدْنَا۔ میں اضافت تشریفی ہے۔ یعنی خود ہم نے تیار کیا ہے۔ مِنْكُنَّ۔ من یہاں بھی بیانیہ ہے۔ تبعیضیہ نہیں۔ وہ رزق کریم کیا ہے؟ اس کا تعین حد انسانی سے ماوراء ہے۔ بہر حال کوئی ایسا صلہ ہوگا جو دوسرے عطیوں سے ممتاز تر ہے۔ ف۵۹ ازواج نبی رضی اللہ عنھن کا مرتبہ وشرف اُمت کی عام عورتوں سے یقیناً کہیں زائد ہے۔ لیکن یہ شرط بہر حال ان کے ساتھ بھی لگی ہوئی ہے کہ جادۂ تقویٰ سے قدم نہ ہٹنے پائے۔ یا حرف خطاب جلب توجہ مزید کے لیے ہے۔ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔ یعنی تم میں صرف انسانیت ہی نہیں۔ بلکہ دوسرے اوصاف فاضلہ بھی ہیں۔ جن سے مساوات ومماثلت ممکن نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تینوں آیتوں کا مجموعہ اس پر دال ہے کہ جس کی فضیلت زیادہ ہے اس کا عصیان واطاعت دونوں اوروں سے اشد واکمل ہیں۔ اور یہی اصل ہے۔ ”نزدیکاں رابیش بود حیرانی“ کی۔ ف۶۰ عورت کی آواز میں جو قدرتی نرمی اور لوچ ہوتا ہے، اس کو بڑا دخل مرد کی خواہش نفسانی کے اُبھارنے میں ہے۔ چنانچہ جدید نفسیین نے بھی اس کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ اسلام کے ہمہ داں۔ ہمہ بیں۔ شارع عزوجل نے نفس کے اس محرک کو بھی اجراء احکام میں پوری طرح پیش نظر رکھا ہے۔ اس کی ہدایت اُمت کی ہر عورت کے لیے ہے کہ اپنی آواز کی نزاکت سے کسی نامحرم کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دے۔ اور ازواج نبی کے لیے ان کے شرف و احترام کی مناسبت سے اس کا اور زیادہ اہتمام ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اسباب فتنہ سے بچنے کا ارشاد ہے۔ اگرچہ اسباب بعید ہی ہوں۔ خصوصاً عورتوں کے باب میں۔ عرب کی تہذیب جاہلی میں آج کل کی جاہلی تہذیبوں کی طرح یہ دستور تھا کہ لیڈیاں تصنع کے بڑے بڑے طریقوں سے آواز اور لب ولہجہ میں طرح طرح کی رعنائی، نزاکت اور دلفریبی پیدا کرتی تھیں۔ یہ ہنر وہاں کی فیشن ایبل سوسائٹی میں داخل تھا، اس لیے اس کی ممانعت خاص طور پر ہوئی۔ كما كانت الحال عليه في نساء العرب من مكالمة الرجال ترغيبهم الصوت و لينه مثل كلام المريبات والمؤسات (قرطبی) اور جب مطلق گفتگو کے باب میں یہ اہتمام ہے تو نغمہ وموسیقی ظاہر ہے کہ عورت کے حلق ودہن سے نکلا ہوا نامحرم کے حق میں کیا حکم رکھے گا۔ ف۶۱ یعنی حیاء وعزت وآبرو کے جو قاعدے شرفاء میں چلے ہوتے ہیں، اپنا لب ولہجہ ان کے مطابق رکھو، تاکہ کسی بدکردار فاسد المزاج کو آگے بڑھنے کی ہمت ہی نہ پڑے۔ اس حکم کی جو اہمیت مدینہ کی ناموافق فضا میں تھی، وہی اہمیت عام مومنات کے لیے آج کی غیر صالح فاسقانہ فاجرانہ فضا میں بھی ہے۔۔۔ہاں مضبوط شریفانہ لہجہ اور ہے اور دلشکن اور دل آزار لہجہ اور۔ فقہاء نے اس پر قیاس کر کے لکھا ہے کہ اسی طرح مردوں کو بھی تلذذ فاسقانہ کی باتیں کرنا حرام ہیں۔ اور خود مردوں مردوں، عورتوں عورتوں کے درمیان بھی۔ اور فقہاء حنفیہ نے اس آیت کے ذیل میں متعدد مسئلے ذکر کیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ عورت کے لیے اتنی بلند آواز سے گفتگو کرنی درست نہیں جسے مرد سنیں۔ وفيه الدلالة على ان الاحسن بالمرأة ان لا ترفع صوتها بحيث يسمعها الرجال (جصاص) اور یہ بھی کہ عورت کے لیے اذان دینا ناجائز ہے۔ و فيه الدلالة على ان المرأة منهية عن الاذان (جصاص) اور یہ بھی کہ جب عورت کے پیر کے زیوروں کی آواز ممنوع ہے تو جوان عورت کے کلام کی آواز تو بدرجہ اولیٰ ممنوع ٹھہرے گی۔ و كذٰلك قال اصحابنا و قال الله تعالىٰ في اية اخرى ولا يضربن بارجلهن الخ فاذا كانت منهية عن السماع صوت خلخالها فكلامها اذا كانت شابة تخشى من قبلها الفتنة اولى بالنهي عنه (جصاص) ف۶۲ یعنی بلاضرورت گھروں سے باہر نہ نکلو۔ اور مردوں سے اختلاط کے مواقع نہ آنے دو۔ شرعی یا دنیوی ضرورتوں سے، بپابندیٔ ستر وحجاب باہر نکلنا اس سے مستثنیٰ ہے۔ فيلزمن البيوت فان مست الحاجة الى الخروج فليكن على تبذل و تستر تام (قرطبی) مقصود اس حکم سے اختیار عفت وپارسائی ہے۔ بس اگر کوئی عورت فاحشہ باوجود فحش کاری پردہ کرتی ہے تو وہ بھی اس حکم کی عاصی ہی کہی جائے گی۔ وَقَرْنَ۔ کو بعض مفسرین نے وقار سے مشتق قرار دیا ہے۔ ای کن اهل وقارٍ وهدوءٍ و سكينةٍ (جصاص) مقصود اس صورت میں بھی وہی رہتا ہے۔ و فيه الدلالة على ان النسآء مامورات بلزوم البيوت منهيات عن الخروج (جصاص) ای لا تخرجن منها ولا زمن الاقامة فيها (احمدی) ای الزمن بيوتكن فلا تخرجن لغير حاجة (ابن کثیر) ف۶۳ اس میں قانون ستر وحجاب کو توڑ کر باہر آزادانہ گھومنے پھرنے کی قطعی ممانعت ہے۔۔۔ ستر وحجاب کی اتنی تاکید وپابندی کے بعد بھی عورت کی ”آزادی“ کے دلائل قرآن مجید سے ڈھونڈے جانا جسارت اور ڈھٹائی کی انتہا ہے! اَلْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔ نظام جاہلی۔ ہر نظام غیر اسلامی ہے۔ جاہلیت اولیٰ سے مراد وہ مشرکانہ تہذیب وتمدن ہے، جو اسلام سے قبل، دنیا خصوصاً عرب میں یونانی و رومی تمدن کے اثر سے رائج تھی۔ مکہ و مدینہ میں عورتیں بن ٹھن کر اس طرح باہر

آزادانہ گھوما پھرا کرتی تھیں، جس طرح آج فرنگی قوموں میں دستور ہے۔۔۔اور یہ لفظ اولیٰ کا اضافہ خود اس کی دلیل ہے کہ ایک دوسری جاہلی تہذیب (الجاهلية الاخرىٰ) کا نقشہ شروع ہی سے اسلام کے پیش نظر رہا ہے۔ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ کی شرح سب نے یہی لکھی ہے کہ اس تہذیب کی عورتیں آزادی سے مردوں کے ساتھ چلتی پھرتی بنتی ٹھنتی بولتی رہتی تھیں۔اور یہاں ممانعت اسی سے آئی ہے۔ عن مجاهد قال كانت المرأة تمشى بين ايدى القوم فذلک تبرج الجاهلية (جصاص) عن قتادة قال كانت لهن مشية و تكسر و تغنج فنهاهن الله عن ذالک (جصاص) و قيل هو اظهار المحاسن للرجال (جصاص) ف۶۴ (اور اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں) ترتیب کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ عورت پر حیاداری، حفظ و ناموس کی تاکید نماز و زکوٰۃ کے حکم سے بھی مقدم رکھی گئی ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ آیت میں خطاب ازواج نبی سے ہے، لیکن جو تعلیم دی گئی ہے وہ ساری اُمت کی عورتوں کے لیے ہے۔ فهذه الامور كلها مما ادب الله تعالىٰ به نساء النبى ﷺ صيانة لهن و سائر نساء المومنين مرادات بها (جصاص) فقیہ مالکی قاضی ابوبکر عبداللہ بن العربی اندلسی (متوفی ۵۴۲ھ) کہتے ہیں کہ میں نے اپنی سیاحی میں کوئی ایک ہزار مقامات دیکھ ڈالے۔ نابلوس کی عورتوں سے بڑھ کر پاکدامن کہیں اور کی نہیں پائیں۔ ان کے درمیان میں مہینوں ٹھہرا رہا۔ شہر میں یہ کبھی چلتی پھرتی نظر نہ آئیں۔ بس صرف جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لیے نکلتی تھیں، اور بعد نماز اپنے گھروں میں

وَ الْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ

اور اسلام والیاں ف۶۸ اور ایمان والے اور ایمان والیاں ف۶۹ اور فرمانبردار مرد

وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ

اور فرمانبردار عورتیں ف۷۰ اور صادق مرد اور صادق عورتیں ف۷۱ اور صابر مرد اور

وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ

صابر عورتیں ف۷۲ اور خشوع والے اور خشوع والیاں ف۷۳ اور تصدق کرنے والے

وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ

اور تصدق کرنے والیاں ف۷۴ اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں اور اپنی شرم گاہوں کی

فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے

وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

اور یاد کرنے والیاں ان (سب) کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے ف۷۵

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ

اور کسی مومن یا مومنہ کے لئے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا

اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ

حکم دے دیں تو پھر ان کو اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے ف۷۶ اور جو کوئی

يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ﴿۳۶﴾ وَ اِذْ

اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں جا پڑا اور (اس وقت کو بھی یاد کیجیے) جب

تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ

آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے ف۷۷ جس پر اللہ نے بھی فضل کیا ہے اور آپ نے بھی اس پر عنایت کی ہے ف۷۸ کہ اپنی

پھر داخل ہوجاتی تھیں۔ اور پردہ داری اور باعصمتی کی کیفیت میں نے مسجد اقصیٰ کی معتکف عورتوں میں بھی پائی۔ ورنہ اور جگہ میں نے جہاں جہاں عورتوں کو بے پردہ چلتے پھرتے پایا۔ طرح طرح کی برائیوں اور فتنوں ہی میں مبتلا دیکھا۔ ولقد دخلت نيفًا على الف قرية من برية فمارايت اصون عيالًا ولا اعف نساءً من نسآء "نابلس" التى رمى فيها الخليل عليه السلام بالنار، فانى اقمت فيها اشهرًا فمارأيت امرأة فى طريق نهارًا الايوم الجمعة فانهن يخرجن اليها حتّٰى يمتلى المسجد منهن فاذا قضيت الصلاة و انقلبن الى منازلهن لم تقع عينى علىٰ واحدةٍ منهن الى الجمعة الاخرىٰ وسائر القرىٰ ترى نسآء ها متبرجات بزينة و عطلة متفرقات فى كل فتنة و عضلة و قدرأيت با لمسجد الاقصىٰ عفائف ماخرجن من معتكفهن حتّٰى استشهدن فيه (ابن العربی) یہ حال ۵۴۲ھ سے قبل کا ہے تو ظاہر ہے کہ آج ۱۳۶۹ھ میں کوئی غیر تمند مومن قاہرہ اور اسکندریہ، تہران و انقرہ، بغداد و دمشق، کراچی و لاہور، دہلی و لکھنؤ کی کھلم کھلا بےحیائیاں دیکھنے کی تاب کہاں سے لاسکتا ہے۔ نابلوس آج جس قدیم شہر کا نام ہے، وہ فلسطین میں بیت القدس کے شمال میں واقع ہے۔ توریت میں اس کا ذکر سیکم (Si-CHEM) کے نام سے آیا ہے۔ اب خدا معلوم شیخ ابن العربی کی مراد اسی شہر سے تھی یا کسی اور سے۔ ف۶۵ یعنی معصیت و نافرمانی کی آلودگی سے پاک کرکے، عقیدہ، عمل، ظاہر، باطن ہر چیز میں خوب جلا پیدا کردے۔۔۔شریعت الٰہی نے انسان کی آزادی پر جو بھی قیود و حدود عائد کیے ہیں سب کا منشا بس یہی ہے کہ انسان کو بہتر انسان بنادے، جسم، روح، عقل ہر اعتبار سے پاک صاف ہو نہ یہ کہ اس کی راہ کو خواہ مخواہ سخت و تنگ بنادے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ جب اللہ نے ارادہ کرلیا تو وہ اپنے ارادہ کو پورا کرکے بھی رہا۔ سیاق سے بالکل ظاہر ہے کہ اھل بیت سے مراد ازواج نبی ﷺ ہیں۔ اور یہی مفہوم سلف سے منقول بھی ہے۔ نزلت فى نسآء النبى ﷺ خاصةً (ابن جریر عن عکرمہ) اراده باهل البيت نسآء النبى۔ نزلت فى نسآء النبى خاصة (ابن کثیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) اہل سنت کا اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ آیت کا سبب نزول ازواج النبی ہی ہیں اور اہل بیت سے اولاً وہی مراد ہیں۔ البتہ گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ آیا ان کے علاوہ بھی کوئی مراد ہے؟ سو محققین اہل سنت کا فیصلہ ہے کہ لفظ کے عموم میں ازواج نبی کے علاوہ بھی ہستیاں داخل ہیں۔ قال عكرمة انها نزلت فى شان نسآء النبى ﷺ فان كان المراد انهن كن سبب النزول دون غيرهن فصحيح و ان اريد انهن المراد فقط دون غيرهن ففى هذا نظر فانهٗ قدوردت احاديث تدل على ان المراد اعم من ذلک (ابن کثیر) والذى يظهر من الأية انها عامة فى جميع اهل البيت من الازواج وغيرهن (قرطبی) اہلبیت کے جو متعارف معنی اُردو میں چلے ہوئے ہیں وہ بھی حدیث سے نکلتے ہیں۔ لیکن یہاں ذکر صرف اصطلاح قرآنی کا ہے۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی اہل بیت کا لفظ ایک پیمبر کی زوجہ محترمہ ہی کے لیے آیا ہے۔ (ہود۔ ع۔ ۷) رجس۔ معنی گندگی۔ گناہ۔ سوءِ خلق دونوں پر شامل ہے۔ يطهر۔ اوّل تو باب تفعیل ہے خود بھی مبالغہ کے لیے۔ مبالغہ، پھر تاکید مزید کے لیے تطهيرًا یعنی خوب ہی پاک و صاف کردے اور طہارت کا درجہ کامل و اعلیٰ نصیب کردے۔ جیسا کہ ازواج نبی کی شان رفیع کا مقتضی ہے یوری آیت رسول اللہ کے گھر والوں کے مزید شرف و احترام کے اظہار کے لیے ہے۔ ف۶۶ (اور خود بھی اس پر عمل کرو، اور دوسروں تک بھی اسے پہنچاؤ) امر الله ازواج رسوله بان يخبرن بما انزل الله من القرأن فى بيوتهن و ما يرين من افعال النبى ﷺ و اقواله فيهن حتّٰى يبلغ ذلک الى الناس فيعملوا بما فيه و يقتدوا به (ابن العربی) اور یہیں سے بعض نکتہ رس فقہاء نے مسائل دین میں خبر واحد کے قبول کا جواز نکالا ہے۔ وهذا يدل على جواز قبول خبر الواحد من الرجال والنساء فى الدين (ابن العربی) فِيْ بُيُوْتِكُنَّ رسول اللہ ﷺ کا کوئی الگ مستقل مکان حجرات ازواج کے علاوہ تو تھا نہیں۔ یہاں بُيُوْتِكُنَّ لاکر بیوی صاحبان کو اس شرف و فضیلت کی یاد دلائی گئی ہے کہ نزول وحی و حکمت خاص

عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ

بیوی کو اپنی (زوجیت میں) رہنے دے اور اللہ سے ڈر ؄۷۹ اور آپ اپنے دل میں وہ چھپاتے رہے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا،

مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ

اور آپ لوگوں (کی طرف) سے اندیشہ کر رہے تھے حالانکہ اللہ ہی اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرا جائے ؄۸۰

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ

پھر جب زید کا دل اس (عورت) سے بھر گیا ؄۸۱ تو ہم نے اس کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا ؄۸۲ تاکہ

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا

اہل ایمان پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارہ میں کچھ تنگی نہ رہے جب وہ ان سے

مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ

اپنا جی بھر چکیں ؄۸۳ اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہنے والا تھا ؄۸۴ نبی کے لئے اللہ

عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ

نے جو کچھ مقرر کر دیا تھا ؄۸۵ ان پر اس باب میں کوئی الزام نہیں، اللہ کا یہی معمول (رہا) ہے ان (پیمبروں) کے بارہ میں

فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا

جو (آپ سے) پیشتر ہو چکے ہیں ؄۸۶ اور اللہ کا حکم خوب تجویز کیا

مَّقْدُوْرَا ۙ ﴿۳۸﴾ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ

ہوا ہوتا ہے ؄۸۷ (یہ وہ لوگ ہیں) جو اللہ کے پیامات پہنچایا کرتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے

وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ مَا

اور بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے، اور اللہ حساب کے لئے کافی ہے ؄۸۸

كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ

محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ؄۸۹ البتہ اللہ کے رسول ہیں ؄۹۰

تمہارے ہی گھروں میں تو ہوتا ہے۔ تم سے بڑھ کر ان علوم وحقائق وشرائع کا حامل اور کون ہوگا۔ اٰیٰتِ اللّٰہِ۔ یعنی قرآن مجید۔ ای القراٰن (مدارک) اَلْحِکْمَۃِ۔ یعنی احکام شریعت وفہم قرآنی۔ ای السنۃ او بیان معنی القرآن (مدارک) ؄۶۷ (اس لیے اس کے احکام کی تعمیل کا اہتمام نہایت درجہ واجب ہے) لَطِیْفًا۔ لطیف وہ جو احوال قلوب کو بھی خوب جانتا ہے۔ خَبِیْرًا۔ خبیر۔ وہ جس پر اعمال پوشیدہ سے پوشیدہ بھی روشن ہیں۔ ؄۶۸ یعنی وہ مرد وزن جو اسلام کے اعمال ظاہری، نماز، روزہ وغیرہ پر قائم ہوں ۔۔۔ الفاظ کا رخ اقرار واعمال اسلامی کی طرف ہے۔ ؄۶۹ یعنی وہ مرد وزن جو عقائد صحیح کے پابند ہوں ۔۔۔ الفاظ کا اشارہ عقائد اسلامی کی جانب ہے۔ ؄۷۰ اعمال وعقائد دونوں کا ذکر اوپر آچکا۔ اب یہاں زور فرماں برداری پر ہے۔ یعنی یہ جو کچھ کررہے ہیں براہ انقیاد، بلاکراہت وپس وپیش کررہے ہیں، المرادین علی الطاعات القائمین بہا (روح) ؄۷۱ یہ صدق جامع ہے صدق قول، صدق عمل، صدق نیت، صدق ایمان، ہر قسم کے صدق کا۔ قیل فی القول والعمل (روح) ؄۷۲ صبر یعنی ثبات واستقامت، اپنے سارے عنوانات کے ساتھ۔ یعنی طاعتوں پر بھی، معاصی کی طرف سے بھی۔ مصائب پر بھی۔ علی المکارہ وعلی العبادات و من المعاصی (روح) ؄۷۳ یہ خشوع شامل ہے عبادات میں توجہ قلب پر اور عادات میں تواضع پر بھی۔ ؄۷۴ تصدق میں زکوٰۃ وصدقہ نفل وغیرہ سب آگئے۔ ؄۷۵ آیت میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی بھی تصریح برابر ہوتی چلی گئی ہے۔ حالانکہ قرآن کا عام دستور ہے کہ مردوں کے ذکر میں عورتیں ضمناً و تبعاً شامل ہی سمجھ لی جاتی ہیں۔ اہل تفسیر نے توجیہ یہ کی ہے کہ یہاں اصلاً ومستقلاً مدح ازواج پیمبر ہی کی مقصود تھی۔ اور جو مقصود ہوا سے ضمناً وتبعاً نہیں پیش کیا جاتا۔ مردوں کے لیے اَلْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَھُمْ اور عورتوں کے لیے صرف اَلْحٰفِظٰتِ گویا مردوں کے لیے تصریح اور عورتوں کے لیے کنایہ۔ اہل تفسیر نے اس کی بھی توجیہ دو طرح پر کی ہے۔ ایک یہ کہ اس میں عورتوں کو تعلیم ہے حیائے ذکری کی۔ وہ سمجھیں کہ اللہ ان کی تعلیم تک میں کنایہ پر کفایت کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مرد کے لیے صرف اعضائے مردانہ کا تحفظ کافی ہے۔ بخلاف اس کے عورت کی ہر چیز عورت ہوتی ہے۔ اسے اپنے حفظ کے لیے احتیاط اپنے رفتار وگفتار، لباس وآواز ہر چیز میں رکھنا لازمی ہے۔ ؄۷۶ حکم کا اطلاق عمومی ظاہر ہے۔ اس اعلان عام کے علاوہ اشارہ ایک واقعہ خاص کی جانب بھی ہے۔ زینب بنت جحش خاندان بنی اسد سے رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں۔ حسن صورت میں ممتاز لیکن ساتھ ہی مزاج کی بھی تیز، آپ نے ان کا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ صحابی سے کر دینا چاہا۔ اور وہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب خصوصی تھے۔ یہاں تک کہ مدتوں عوام میں زید بن محمد کر کے مشہور رہے، لیکن ایک زمانہ میں نصرانی غلام رہ چکے تھے۔ اور پھر صورت کے لحاظ سے بھی کچھ ممتاز نہ تھے۔ زینب اور ان کے بھائی کو نکاح اپنے شرف نسب کی بناء پر، ان آزاد شدہ غلام کے ساتھ پسند نہ آیا۔ تامل کرنے لگے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ جب رسول ایک امر کا فیصلہ کر چکے تو اب کسی اُمتی کو چون وچرا کی گنجائش ہی کہاں باقی رہی۔ آیت کی اس تنبیہ شدید کو سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے نکاح، انہیں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ منظور کر لیا۔ آیت سے یہ مسئلہ بھی صاف ہو گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کے جو احکام ہوتے ہیں وہ واجب التعمیل ہی ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اُن کی تعمیل وعدم تعمیل اپنی خوشی پر ہو۔ فیہ الدلالۃ علی ان اوامر اللہ تعالٰی و اوامر رسولہ للوجوب لانہ قد نفی بالاٰیۃ ان تکون لنا الخیرۃ فی ترک اوامر اللہ و اوامر الرسول ﷺ (جصاص) دل ذٰلک علی ان الامر للوجوب (مدارک) ؄۷۷ (بطور فہمائش ومشورہ، نہ بطور حکم وجوبی) ای امر ندب (بحر) ؄۷۸ مراد وہی حضرت زید صحابی ہیں۔ اللہ کا انعام تو ظاہر ہے کہ اسلام وایمان کی توفیق دی، جو سب سے بڑی دینی نعمت ہے۔ اور پھر غلامی سے نجات دلائی جو سب سے بڑی دنیوی نعمت ہے۔ اور رسول کی طرف سے انعام یہ ہے کہ آپ نے اُمور دین کی تعلیم فرمائی، غلامی سے آزاد کیا۔ اپنی قریبی رشتہ کی بہن سے نکاح کرا دیا۔ حدیث میں اُن کے لیے الفاظ آئے ہیں۔ کان من احب الناس الی، میرے محبوب ترین انسانوں میں ہیں۔ ؄۷۹ یعنی بیوی کے حقوق میں کوتاہی نہ کر۔ واتق اللہ فی معاشرتہا (بحر) زَوْجَکَ۔ یہ بیوی صاحبہ وہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ آخر ان شوہر کو بھی راضی نہ رکھ سکیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو فہمائش کی کہ جہاں تک بن پڑے نباہ کرو۔ اتَّقِ اللّٰہَ۔ قرآن مجید نے یہ ایک ایسی جامع ہدایت کر دی کہ خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے اور رکھنے کے لیے پھر اس کے بعد کسی اور ہدایت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ تقوی الٰہی پر اگر عمل ہو، تو ازدواجی زندگی بلکہ خانگی زندگی ہی پر کیا موقوف ہے۔ ہر شعبہ زندگی کی تلخیاں شیرینیوں میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔ ؄۸۰ جب شکایتیں اور رنجشیں حد سے بڑھ گئیں اور آپ کو خواہ وحی سے خواہ قرائن سے خواہ دونوں سے یقین ہو گیا کہ اب یہ تعلق ازدواج نبھ نہیں سکتا۔ تو قدرۃً آپ کو بڑی فکر اس کی پیدا ہوئی کہ اب آئندہ کے لیے انتظام کیا ہو۔ زینب رضی اللہ عنہا کی ایک دلشکنی تو پہلے ہو چکی تھی، جب اُن کا عقد اُن کی عالی نسبی کے باوجود ایک آزاد شدہ غلام سے کرایا گیا تھا۔ دوسرا داغ اس سے بڑھ کر اُن کی عزت عرفی اور نیک نامی پر یہ لگ رہا تھا کہ نباہ ان آزاد شدہ غلام کے ساتھ بھی نہ ہو سکا! طلاق ان سے بھی مل رہی ہے اور اب ساری زندگی ایک آزاد شدہ غلام کی مطلقہ ہی کہلا کر بسر کرنا ہو گی! یہ ننگ ورنگ جس قدر شاق ہوا ہو گا ظاہر ہے۔ اس موقع پر اشک شوئی اور دلشکنی کے تدارک کی صورت یہی تھی کہ سردار اسلام ﷺ زینب رضی اللہ عنہا کو خود اپنے عقد نکاح میں لا کر اُن کی دلجوئی اور قدر افزائی کریں۔ ساتھ ہی یہ خیال بھی تھا کہ قوم عرب جو منہ بولے بیٹے کے ساتھ نکاح کو اتنا معیوب سمجھ رہی ہے وہ کیا کہے گی، آپ اسی فکر وتردد میں تھے کہ حکم الٰہی ملا، کہ طعن خلق سے بے پرواہ ہو کر نکاح کر لیجئے۔ زینب کی اشک شوئی ودلدہی جو تھی، وہ تو تھی

وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿٤٠﴾ يٰۤاَيُّهَا

اور (سب) نبیوں کے ختم پر ہیں و۹۱ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے و۹۲ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿٤١﴾ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً

ایمان والو اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو و۹۳ اور صبح و شام اس کی

وَّ اَصِيْلًا ﴿٤٢﴾ هُوَ الَّذِیْ يُصَلِّیْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ

تسبیح کرتے رہو و۹۴ وہ ایسا ہے کہ وہ خود اور اس کے فرشتے (بھی) تمہارے اوپر رحمت بھیجتے رہتے ہیں و۹۵

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ

تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے و۹۶ اور وہ مومنین کے حق میں

رَحِيْمًا ﴿٤٣﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۖۚ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا

تو رحیم ہی ہے، جس روز وہ اس سے ملیں گے انہیں دعا (دی جائے گی) سلام سے و۹۷ اور اس نے ان کے لیے معزز صلہ

كَرِيْمًا ﴿٤٤﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا

تیار کر رکھا ہے، اے نبی بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے، بطور گواہ و۹۸ اور بشارت دینے والے

وَّ نَذِيْرًا ﴿٤٥﴾ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾

اور ڈرانے والے کے اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے کے و۹۹ اور بطور ایک روشن چراغ کے و۱۰۰

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿٤٧﴾ وَ لَا

آپ بشارت دیجیے ایمان والوں کو کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا ہی فضل ہے و۱۰۱ اور

تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ دَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى

کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ کیجیے و۱۰۲ اور ان کی اذیت رسانی کا خیال نہ کیجیے، و۱۰۳ اور اللہ پر

اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٤٨﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا

بھروسہ رکھیے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے و۱۰۴ اے ایمان والو! تم جب

ع ۵

ہی، اصلاح عامہ کی طرف بھی کتنا بڑا اقدم اس طرح اُٹھ گیا کہ متبنّٰی کی زوجہ سے نکاح کا جواز خود فعل رسول سے ثابت ہوگیا۔ وَتُخْفِيْ...... مُبْدِيْهِ۔ یعنی یہی ارادۂ نکاح جو بغرض اشکنِ شوئی و ولدی جس کا اظہار حق تعالیٰ نے کلام مجید کے ذریعہ سے کر دیا۔ یعنی من نکاحک لھا (ابن العربی) والمراد بالموصول ما اوحی اللہ تعالٰی بہ الیہ ان زینبؓ سیطلقھا زید و یتزوجھا بعد علیہ الصلٰوۃ والسلام والٰی ھذا ذھب اھل التحقیق من المفسرین (روح) وَتَخْشَى النَّاسَ۔ یعنی وہی عرف عام ورواج کے خلاف ہونے کی بنا پر اہل قوم وقبیلہ طرح طرح کے طنز کریں گے کہ دیکھئے منہ بولی بہو کے ساتھ نکاح کر لیا، اور آپ کو اپنی بدنامی کا اندیشہ تھا۔ ان یتکلموا فیک (ابن العربی) یہاں بعض اہل تفسیر کے قلم کو لغزش ہوگئی ہے، اور بعض ایسے قصے درج کر دیے ہیں، جو ایک طرف تو نقلاً بے سند ہیں اور دوسری طرف عقلاً بے سروپا اور شان رسالت کے منافی۔ یعنی ناقابل قبول نہ روایۃً نہ درایۃً، محققین مفسرین نے اسی لیے ایسے قصوں کی بلانقل کیے بھی تردید وتکذیب کر دی ہے۔ و لبعض المفسرین کلام فی الاٰیۃ یقتضی النقص من منصب النبوۃ ضربنا عنہ صفحًا (بحر) احببنا ان نضرب عنھا صفحًا لعدم صحتھا فلا نوردھا (ابن کثیر) وللقصاص فی ھذہ القصۃ کلام لا ینبغی ان یجعل فی حیز القبول (روح) مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ۔ کی تفسیر محبت وغیرہ سے کرنا جیسا بعض اقوال شاذہ غیر مستند الی الدلیل الصحیح میں ہے، صحیح نہیں، کیونکہ ان سے پوچھا جائے گا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا ابداء کہاں کیا۔ بخلاف تفسیر انکاح کے کہ زَوَّجْنٰكَهَا میں بھی ابداء ہوا ہے (تھانوی علیہ الرحمۃ) مسیحی اہل قلم نے خوب خوب اس موقع پر اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا ہے۔ لیکن خدا کی شان ہے کہ ایک ممتاز برطانوی مصنف باسورتھ اسمتھ (BOSWORTESMITE) نے ٹھیک اس کے برعکس نتیجہ حضور ﷺ کے کمال اخلاص کا اسی سورت سے نکالا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ تفسیر انگریزی۔ آیت سے معلوم ہوا کہ طعن عوام سے اندیشہ ایک امر طبعی ہے۔ اور منافی مرتبہ رسالت نہیں۔ پھر منافی کمالات ولایت تو اور بھی نہیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جس فعل میں کوئی دینی مصلحت ہو جیسے اس قصہ میں مصلحت تھی۔ اس میں ملامت کی پروا نہ کرنی چاہیے۔ اور یہ مصلحت وہ تھی جو لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ میں مذکور ہوئی۔ البتہ جس میں بجائے مصلحت کے عام مومنین کے لیے کوئی مفسدہ ومضرت ہو اس میں احتیاط کرنا چاہیے، جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے قصہ حطیم میں کیا۔ و۸۱ (اور کوئی واسطہ اس سے باقی نہ رہا) یعنی جب زید نے طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی۔ قضاء وطر کا اطلاق اس صورت میں ہوتا ہے جب کوئی بھی واسطہ فریقین میں باقی نہ رہ جائے۔ اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب طلاق پر مدت عدت بھی گزر جائے۔ والمعنی فلما لم یبق لزید فیھا حاجۃ و تقاصرت عنھا ھمتہٗ و طابت عنھا نفسہٗ و طلقھا وانقضت عدتھا (کشاف) ای طلقھا کما روی عن قتادۃ (روح) ای لما طلقھا زید وانقضت عدتھا (کبیر) قیل ان قضاء الوطر یشعر بانقضاء العدۃ (روح) تمام صحابیوں میں یہ شرف حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہے کہ ان کا نام صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے --- اور اسی بناء پر بعض لوگوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو افضل الصحابہ قرار دیا ہے۔ و۸۲ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جب عدت ختم ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے نکاح کا پیغام بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی کی معرفت بھیجا۔ ضیافت ولیمہ بڑے پیمانہ پر ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اور کسی بیوی صاحبہ کا ولیمہ اس پیمانہ پر اور اتنا اچھا نہیں کیا۔ زَوَّجْنٰكَهَا کے روشن ترین اعلان نکاح کے بعد حقیقۃً اب کسی ظاہری عقد نکاح کی ضرورت ہی نہیں باقی رہی تھی، لیکن اس کے باوجود اس عالم ظاہری میں بھی نکاح ہوا۔ یہ نکاح خود حضرت زینب کے بھائی ابو احمد بن جحش نے پڑھایا، اور رسول اللہ ﷺ نے مہر چار سو درہم کا رکھا۔ زوجھا ایاھا اخوھا ابو احمد بن جحش و امھر لھا رسول اللہ ﷺ اربع مائۃ درھم (ابن ہشام) لفظ زوجناک سے بعض فقہاء نے مسئلہ ولایت نکاح کا استنباط کیا ہے دلیل علٰی ثبوت الولی فی النکاح (قرطبی) و۸۳ لِكَيْ...... اَدْعِيَآئِهِمْ۔ مطلب یہ ہوا کہ اس عام تشریع کا اعلان تو ہمیں مقصود ہی تھا۔ فقہاء نے یہیں سے یہ استنباط کیا ہے کہ جو احکام تشریعی نبی کے لیے ہیں (جب تک ان کی خصوصیت کی تصریح نہ کر دی جائے) وہی ساری اُمت کے لیے بھی ہوتے ہیں۔ الامۃ مساویۃ للنبی ﷺ فی الحکم الا ما خصہ اللہ تعالٰی بہ لانہٗ اخبر اللہ احل ذٰلک للنبی ﷺ لیکون المؤمنون مساوین لہٗ (جصاص) و استدل بھٰذا علٰی ان ما ثبت لہٗ ﷺ من الاحکام ثابت لامتہ الا ما علم اللہ من خصوصیاتہ علیہ الصلٰوۃ والسلام بدلیل (روح) و۸۴ (کہ حکمت تکوینی مقتضی ہی اس کی تھی) و۸۵ (تکوینًا خواہ تشریعًا) یہاں مراد اسی نکاح زینب سے ہے۔ ای فی ما احل لہٗ وامرہٗ بہ من تزویج زینب (ابن کثیر) و۸۶ یعنی انبیاء سابقین کا یہی دستور رہا ہے کہ انہیں جس امر کی اجازت ہوتی ہے، اسے بلا تامل کر گزرتے ہیں، اور اس میں مورد طعن وملامت نہیں ہو سکتے۔ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ۔ سے مراد انبیاء سابقین ہیں، جیسا کہ آئندہ آیت میں تصریح سے آ رہا ہے۔ الذین یبلغون رسٰلٰت اللہ۔ ای من قبلک من الانبیاء علیھم الصلٰوۃ والسلام (روح) و۸۷ یعنی بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل دنیوی حکمرانوں کے احکام کی طرح فوری مقصد وضرورت پر مبنی نہیں۔ و۸۸ (چنانچہ آج جو آپ پر طعن کرنے والے ہیں وہ بھی کل حساب سے بچے نہ رہیں گے) يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ

نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ

مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر تم انہیں طلاق دے دو قبل اس کے کہ

تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا

تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو تو تمہارے لئے ان کے بارہ میں کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرنے لگو ف۱۰۵

فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ يٰٓاَيُّهَا

تو انہیں کچھ مال دے دو، اور انہیں خوبی کے ساتھ رخصت کر دو ف۱۰٦ اے

النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ

نبی ہم نے آپ کے لئے آپ کی (یہ) بیویاں حلال کی ہیں جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں ف۱۰۷

وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ

اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی ملک میں ہیں جنہیں اللہ نے آپ کو غنیمت میں دلوایا ہے ف۱۰۸ اور آپ کے چچا کی بیٹیاں

وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ

اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں ف۱۰۹ اور آپ کی ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں ف۱۱۰ جنہوں نے

هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا

آپ کے ساتھ ہجرت کی ف۱۱۱ اور اس مسلمان عورت کو (بھی) جو (بلاعوض) اپنے کو نبی کو

لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۤ خَالِصَةً لَّكَ

دے دے ف۱۱۲ بشرطیکہ نبی (بھی) اسے نکاح میں لانا چاہیں (یہ حکم) آپ کے لئے مخصوص ہے

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ

نہ کہ (اور) مومنین کے لئے ہم کو وہ (احکام) معلوم ہیں جو ہم نے ان کی

اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ

بیویوں اور ان کی باندیوں کے بارہ میں ان پر مقرر کیے ہیں ف۱۱۳ تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی

...اللہ۔ تبلیغ پیام الٰہی عام ہے قولی اور فعلی ہر قسم کی تبلیغ کے لیے انبیاء گزشتہ کے قصے محض آپؐ کی تقویت قلب کے لیے ہیں۔ ورنہ آپ تو یوں بھی کبھی غیر اللہ کے خوف کو خاطر میں نہ لائے۔ ف۸۹ (اور جب اُن کے کوئی بیٹا ہی نہیں تو بہو کے ساتھ نکاح کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا) اسم پاک محمد پر حاشیہ سورۂ آل عمران (پ۴) میں گزر چکا۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کے تحت میں ف۹۰ (اور اسی طرح ساری اُمت کے روحانی مربی) اس میں یہ بھی اشارہ نکل آیا کہ آپؐ کو اُمت کے ایک ایک فرد کے ساتھ جو تعلق شفقت ورحمت ہے وہ طبعی نہیں ماتحت رضاء الٰہی ہے۔ ف۹۱ (اس لیے آپؐ کی تربیت رُوحانی بھی غیر موقوف و غیر منقطع ہے) ختم نبوت کی یہ تصریح نہ ہوتی جب بھی دوسری آیات۔ مثلاً اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وغیرہ اس عقیدہ کی بنیاد بننے کے لیے کافی تھیں۔ جب کوئی درجہ مزید تعلیم و اصلاح کا باقی ہی نہ رہا تو اب کسی نئے نبی کی ضرورت ہی کیا رہی؟ لیکن اس غرض سے کہ آئندہ کسی جھوٹے مدعی نبوت کے لیے اتنی گنجائش بھی باقی نہ رہے، یہاں بتصریح یہ وارد کردی گئی۔ خَاتَمَ۔ خاتَم اور خاتِم دونوں کے معنی لغت میں آخر کے ہیں۔ خاتمھم و خاتمھم ای اٰخرھم (لسان) خاتم النبیین ای اٰخرھم (تاج) اور آپؐ کا لقب خاتم النّبیین ہے ہی اسی لیے کہ نبوت آپؐ پر ختم ہوگئی۔ اور نبوت کی تکمیل آپ کی آمد سے ہوگئی۔ و خاتم النبیین لانہٗ ختم النبوۃ ای تممھا بمجیئہٖ (راغب) ھو الذی ختم النبوۃ بمجیئہٖ (تاج) خاتم النبیین ای اٰخر الانبیاء (کشاف) والمعنی انہٗ لانبی احدٌ بعدہٗ (بحر) خاتم بفتح التاء ای اٰخرھم (معالم) ختم اللہ بہ النبوۃ (معالم) ھٰذہ الاٰیۃ نص فی انہٗ لانبی بعدہٗ۔ و بذالک وردت الاحادیث المتواترۃ عن رسول اللہ عن جماعۃ من الصحابۃ (ابن کثیر) خود قرآن مجید ہی میں دوسری قرأت خاتِم النّبیین کی بھی ہے وقرء الاٰخرون بکسر التآء علی الفاعل لانہٗ ختم بہ النبیین فھو خاتمھم (معالم) ختم نبوت یعنی ذات محمدی پر ہر قسم کی نبوت کا ختم ہو جانا اُمت کا اجماعی عقیدہ ہے اور جو اجراء نبوت کا اب بھی قائل ہے اہل تحقیق نے تصریح کردی ہے کہ وہ اجماع اُمت سے زندیق بلکہ حکومت اسلامی میں واجب القتل ہے۔ و من ذھب الی ان النبوۃ مکتسبۃ لا تنقطع فھو زندیق یجب قتلہٗ (بحر) واجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ و یقتل ان اَصرّ (روح) یہ ختم نبوت کا دعویٰ بھی اسلام کے امتیازی خصوصیات میں سے ہے۔ پیمبر اور ہادیان مذہب قرآن سے قبل بے شمار آ چکے تھے۔ کتابیں بھی نازل ہو چکی تھیں۔ مگر یہ دعویٰ کسی نے بھی نہیں کیا تھا کہ میں آخری پیمبر ہوں اور میرے بعد اب کوئی پیمبر نہ آئے گا۔ اور اس دعوے کی بولتی ہوئی سچائی دیکھئے کہ اس تیرہ چودہ سو برس کی مدت میں کوئی سنجیدگی کے ساتھ دعویدار نبوت ہوا ہی نہیں۔ مسیلمہ متنبی وغیرہ کا جو حشر ہوا وہ ظاہر ہی ہے۔ لے دے کے تمام ساری تاریخ میں صرف دو شخصوں کے اس سلسلہ میں لیے جا سکتے ہیں۔ ایک بہاء اللہ (بانی مذہب بہائی) دوسرے مرزا غلام احمد (بانی سلسلہ قادیانی) تو ان میں مرزا تو اپنے کو ظلِ محمدی اور تبع کامل دین احمدی کہتے ہیں۔ چنانچہ اُن کی نبوت تو اُن کے زعم و اصطلاح میں تمامتر اتباعِ رسول ہی ہے۔ رہا مذہب بہائی تو وہ بھی بڑی حد تک دین محمدی ہی کی تحریف شدہ شکل کا نام ہے۔ ف۹۲ (سو اس نے کسی مصلحت ہی سے رسول کو اس نکاح کا حکم دیا) ف۹۳ طاعتیں اور عبادتیں جتنی بھی ہیں، سب ذکر الٰہی ہی کی فرد ہیں۔ کل طاعۃ و کل خیر من جملۃ الذکر (کشاف) ف۹۴ یعنی اس کے ذکر و طاعت پر دوام رکھو۔ بکرۃ واصیلا اشارۃ علی المداومۃ (کبیر) ای کافۃ الاوقات (کشاف) ف۹۵ (اسی کے حکم سے) اللہ کا رحمت بھیجنا تو ظاہر ہی ہے۔ فرشتوں کا رحمت بھیجنا رحمت کی دُعا کرنا ہے۔ ف۹٦ (کہ اللہ کی رحمت اور ملائکہ کی دعاء کی برکت سے یہ نعمت تمہیں برابر حاصل ہوتی رہے) اَلظُّلُمٰتِ۔ سے مراد جہل وضلالت کی تاریکیاں ہیں۔ النُّوْرِ۔ سے مراد علم وہدایت کا نور ہے۔ ف۹۷ اللہ اپنے بندوں کو خود سلام کرے، جنت میں مؤمنین کے اعزاز و اکرام کی یہ انتہا ہوگی! و تحیۃ اللہ لھم یقول للمؤمنین السلام علیکم مرحبا بعبادی الذین ارضونی (بحر) یہی سلام اہل جنت کا آپس میں اور فرشتوں کی طرف سے بھی ہوگا۔ ف۹۸ اس صفت کا ظہور حشر میں ہوگا، جب آپؐ کی شہادت پر آپ کی اُمت کا فیصلہ ہوگا۔ شَاهِدًا۔ کے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ آپؐ تمام امتوں کے رسولوں پر بطور شاہد پیش ہوں گے کہ وہ ادائے رسالت کر چکے۔ قیل المراد شاھدًا علی جمیع الامم یوم القیامۃ بان انبیاء ھم قد بلغوھم الرسالۃ (روح) اور مولانائے رومی علیہ الرحمۃ نے تو یہ پہلو لیا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپؐ کو بندوں کے مختلف مراتب ومنازل سے مطلع کر رکھا ہے ؎ درنظر بودش مقامات العباد زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد ف۹۹ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ۔ پر ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۱۰۰ (سرتاپا نمونہ ہدایت ہونے کے لحاظ سے) مفسرین قدیم نے لکھا ہے کہ بجائے آفتاب کے چراغ سے آپؐ کے تشبیہ دینے میں یہ نکتہ ہے کہ نور آفتاب گو تیز وقوی ہوتا ہے۔ لیکن اس کا فیضان ضعیف ہے اپنا سا کسی کو نہیں بنا سکتا بخلاف اس کے چراغ سے صدہا ہزارہا چراغ جلتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ اُمت میں فیضانِ رسول سے قیامت تک اولیاء و ابرار ہوتے رہیں گے۔" احقر کے نزدیک چراغ سے تشبیہ دینے میں یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو چراغ تک رسائی آسان ہے۔ پھر چراغ سے ہر وقت نور حاصل کرنا ممکن ہے۔ پھر سہل الحصول ہے۔ پھر اس سے نور حاصل کرنے میں اکتساب اور قصد کو بھی دخل ہے۔ پھر صحیح المزاج اور صحیح البدن انسان کو اس سے ناگواری کسی وقت نہیں ہوتی۔ پھر اس میں شان انیس ہونے کی بھی ہے۔ اور ان سب صفات کو انبیاء علیہم السلام

حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ

نہ (واقع) ہو ۔ ف۱۱۴ اور اللہ تو بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۱۱۵ ان میں سے آپ جس کو چاہیں اپنے سے

مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ

دور رکھیں، اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں ف۱۱۶ اور جن کو آپ نے الگ کر رکھا تھا ان میں سے کسی کو

مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ

پھر طلب کر لیں جب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں، اس (انتظام) میں زیادہ توقع ہے اس کی کہ ان کی آنکھیں

اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ

ٹھنڈی رہیں گی اور آزردہ نہ ہوں گی اور اس پر راضی رہیں گی جو کچھ آپ انہیں دے دیں گے ف۱۱۷

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾ لَا

اور اللہ (خوب) جانتا ہے اسے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حلم والا ہے ف۱۱۸

يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ

ان عورتوں کے بعد آپ کے لئے کوئی جائز نہیں ف۱۱۹ اور نہ یہی کہ آپ ان بیویوں کی جگہ

اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ

دوسری کر لیں ف۱۲۰ چاہے آپ کو ان کا حسن بھلا ہی لگے مگر ہاں بجز ان کے کہ جو آپ کی

يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ ع۲ يٰٓاَيُّهَا

باندیاں ہیں، اور اللہ ہر شے کا (پورا) نگراں ہے ف۱۲۱ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ

ایمان والو نبی کے گھروں میں مت جایا کرو بجز اس وقت کے جب تمہیں کھانے کے لئے

اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ

(آنے کی) اجازت دی جائے (اور جب بھی) ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو، البتہ جب تم کو بلایا جائے

کی شان سے زیادہ مناسبت ہے (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۱۰۱ (آپ کے واسطہ سے) یعنی دنیا میں غلبہ ونصرت اور آخرت میں عفو ومغفرت۔ پھر ہر نعمت اخروی میں دوام وبقاء۔ ف۱۰۲ یعنی ایسا نہ ہو کہ ان کے طعن پیہم سے آزردہ ہو کر ان پر تبلیغ ہی ترک کر دیجئے۔ یہ تو نتیجہ اور مآل کے اعتبار سے عین انہیں کی رائے کا اتباع ہو گیا۔ ف۱۰۳ (جیسا کہ اس واقعہ نکاح میں کہ آپ کی طرف سے تبلیغ فعلی تھی، ان کی طرف سے سخت اذیت قولی آپ کو پہنچی) ف۱۰۴ (اور آپ کو ہر ضرر سے بچالے گا) اللہ کی کارسازی کا مراقبہ خود ہر تلخی کو شیرینی میں تبدیل کر دینے کے لیے کافی ہے۔ ف۱۰۵ (اور اس لیے انہیں فوری نکاح ثانی سے کوئی مدت عدت مانع نہیں در آنحالیکہ مدخولہ کی طلاق کے بعد عدت واجب ہو جاتی ہے) نَكَحْتُمُ۔ نکاح کے لغوی معنی تو صحبت یا جماع کے ہیں۔ مگر قرآن مجید میں عموماً عقد نکاح کے معنی میں آیا ہے۔ تَمَسُّوْهُنَّ۔ ہاتھ لگانا کنایہ صحبت سے ہے، حقیقۃً یا حکماً مثل خلوت صحیحہ کے۔ پس دونوں سے عدت واجب ہے (تھانوی علیہ الرحمۃ) والخلوة الصحيحة كالمس (مدارک) اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ۔ الفاظ آیت سے فقہاء مفسرین نے یہ نکالا ہے کہ نکاح گو جائز کتابیہ عورتوں سے بھی ہے۔ لیکن اولیٰ یہی ہے کہ مومنات کے ساتھ کیا جائے۔ و فی تخصیص المومنات مع ان الكتابيات تساوى المؤمنات في هذا الحكم اشارة الى ان الاولى بالمومن ان ينكح مؤمنة (مدارک) لَكُمْ۔ کی ضمیر مذکر سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ عدت حق زوج ہے، جیسا کہ ولد حق والد ہے۔ فيه دليل على ان العدة تجب على النساء للرجال (مدارک) ف۱۰۶ نکاح ہو، یا طلاق، رفاقت ہو یا افتراق، قرآن خوبی و خوش اسلوبی کی شرط ہر جگہ لگائے ہوئے ہے۔ جو کچھ بھی ہو سَرَاحًا جَمِيْلًا ہو، بالمعروف ہو، یعنی شریفانہ طرز پر ہو، حفظ وضع و پاس ناموس کے ساتھ ہو۔ تفضیح و بدنمائی کی صورت بہر حال نہ پیدا ہونے پائے۔ ف۱۰۷ (باوجود اس کے کہ وہ چار کے جائز عدد سے زائد ہیں) پیمبر کے شرف و امتیاز نیز آپ کی ضرورتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر آپ کی ازدواجی زندگی سے متعلق اب بعض مخصوص احکام کا بیان ہو رہا ہے۔ ف۱۰۸ (کنیز شرعی کی حیثیت سے) یعنی ان سب کے رکھنے کی آپ کو اللہ کی طرف سے اجازت ہے۔ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ۔ کی قید سے زر خرید باندیاں اس حکم اجازت سے نکل گئیں۔ ف۱۰۹ دونوں کا خلاصہ یہ کہ آپ کے والد کے خاندان کی بیٹیاں۔ ف۱۱۰ دونوں کا حاصل یہ کہ آپ کی والدہ کے خاندان کی بیٹیاں۔ ف۱۱۱ یعنی دادھیالی اور ننھیالی خاندانوں کی بھی سب عورتیں نہیں، بلکہ وہی جنہوں نے عمل ہجرت میں موافقت کی ہو غیر مہاجر بیویاں اس قید سے نکل گئیں۔ مَعَكَ۔ میں قید معیت زمانی کی نہیں۔ مراد صرف عمل مہاجرت میں موافقت سے ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ واسلمت مع سليمان و مع ليس للقران بل لوجودها (مدارک) المعية هنا الاشتراک فى الهجرة لا فى الصحبة فيها (قرطبی) ف۱۱۲ یعنی وہ زن مومنہ جو بلا مہر اپنے کو آپ کے نکاح میں لے آنا چاہے ــــ یہ اجازت آپ کے لیے مخصوص تھی۔ جیسا کہ ابھی آ رہا ہے۔ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ آپ کو یہ اجازت تھی۔ لیکن کبھی آپ نے اس اجازت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ یعنی کوئی نکاح بلا ذکر مہر نہیں کیا۔ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا۔ استنکاح۔ نکاح کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور طلب نکاح کے معنی میں بھی۔ اے ينكحها يقال نكح واستنكح مثل عجب و استعجب و يجوزان يرد الاستنكاح بمعنى طلب النكاح (قرطبی) ف۱۱۳ (اور جو ہم نے دوسری آیتوں یا روایتوں کے ذریعہ سے بندوں کو بھی معلوم کرا دیئے ہیں) خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حکم مخصوص (جس میں امت شریک نہیں) یہی تھا کہ آپ بلا مہر بھی بیویوں کو اپنے نکاح میں لے سکتے تھے۔ آیت کے اس جزو سے اس پر بھی روشنی پڑ گئی کہ یہ خاص حکم آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ ورنہ اور احکام مذکورۂ بالا آپ میں اور اُمت میں مشترک ہیں۔ اخبر انه مخصوص بذالک دون امته وانهٗ و اُمتهٗ سواء فى من تقدم ذكرهن (جصاص) ف۱۱۴ یعنی یہ عام مومنین کے احکام سے آپ کے حق میں بعض امتیازات وتخصیصات آپ کی مخصوص مصلحتوں کے لحاظ سے ہیں تاکہ آپ کے مقاصد پیمبرانہ و مصالح میں ہرج واقع نہ ہو۔ اخبر الله تعالىٰ بتوسعه على النبى صلی اللہ علیہ وسلم فى اباحته لهٗ و على المؤمنين فى ما اطلقهٗ لهم (جصاص) لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ کا ربط نحوی قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ سے ہے وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ ف۱۱۵ چنانچہ رحیمیت کی بناء پر احکام میں بڑی سہولتیں ملحوظ رکھتا ہے۔ پھر اگر سہل احکام کی تعمیل میں بھی غفلت ہو جائے تو غفوریت کی بناء پر جب چاہے معاف بھی کر دیتا ہے۔ ف۱۱۶ یعنی جس کو جتنی مدت تک چاہیں اسے باری نہ دیں اور اپنے سے الگ رکھیں۔ اور جس کو جتنی مدت تک چاہیں، باری دیتے رہیں اور اپنے پاس ہی رکھیں۔ یہ آپ ہی کی صوابدید مصلحت پر ہے۔ اس باب میں آپ پر وہ پابندیاں نہیں، جو عام اُمت پر ہیں۔ هذه الاٰية تدل على ان القسم بينهن لم يكن واجبًا على النبى صلی اللہ علیہ وسلم وانهٗ كان مخيرًا فى القسم لمن شاء منهن و ترک من شاء منهن (جصاص) مِنْهُنَّ۔ ضمیر ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات کی جانب ہے ذکر انہیں کا ہو رہا ہے۔ ف۱۱۷ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ پر ادائے حقوق زوجیت کے باب میں وہ متعدد پابندیاں عائد نہیں جو عام مسلمین کے لیے ہیں۔ اور بیویوں کو بہت سے معاملات میں آپ پر کوئی دعویٰ یا حق ہی نہیں، یہ محض آپ کی خوشی و مصلحت پر ہے کہ آپ فلاں فلاں اُمور میں ان کی دلجوئی و رعایت کرتے رہیں تو جب ازواج مطہرات کا استحقاق ہی باقی نہ رہا تو قدرۃً انہیں رنج بھی بہت کم ہوگا۔ عموماً و عادتاً تو رنج کی بنیاد یہی استحقاق ہی ہوتا ہے ــ جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ انتظامات حق تعالیٰ ہی کی جانب سے ہیں، تو اب بجائے رنج کے تعمیل احکام

فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ

تب جایا کرو و۱۲۲ پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو، اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے

لِحَدِیْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ ٝ

رہا کرو اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں و۱۲۳

وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا

اور اللہ صاف بات کہنے سے (کسی کا) لحاظ نہیں کرتا و۱۲۴ اور جب تم ان (رسول کی ازواج) سے کوئی چیز مانگو

فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ

تو ان سے پردہ کے باہر سے مانگا کرو و۱۲۵ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا

وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ

عمدہ ذریعہ ہے و۱۲۶ اور تمہیں جائز نہیں کہ تم رسول اللہ کو (کسی طرح بھی) تکلیف پہنچاؤ و۱۲۷ اور نہ یہ کہ

تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ

آپ کے بعد آپ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو و۱۲۸ بے شک یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی

اللّٰهِ عَظِیْمًا ۝۵۳ اِنْ تُبْدُوْا شَیْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ

بات ہے و۱۲۹ اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اسے (دل میں) پوشیدہ رکھو گے، تو اللہ

بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝۵۴ لَا جُنَاحَ عَلَیْهِنَّ فِیْۤ اٰبَآىِٕهِنَّ وَ لَاۤ

ہر چیز کو خوب جانتا ہے و۱۳۰ ان (رسول کی ازواج) پر کوئی گناہ نہیں (سامنے آنے میں) اپنے باپوں کے،

اَبْنَآىِٕهِنَّ وَ لَاۤ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَاۤ اَبْنَآءِ

اپنے بیٹوں کے اور اپنے بھائیوں کے اور اپنے بھتیجوں کے اور اپنے

اَخَوٰتِهِنَّ وَ لَا نِسَآىِٕهِنَّ وَ لَا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ ۚ

بھانجوں کے اور اپنی (شریک دین) عورتوں کے اور نہ اپنی باندیوں کے

ں اور مسرت ہوگی لانھن اذا علمن ان هذا التفويض من عندالله اطمأنت نفوسهن و ذهب التغاير و حصل الرضاء (مدارک) ذٰلِكَ۔یعنی یہی انتظامی سہولتیں اور رعایتیں جو آپ کے حق
ں اوپر مذکور ہوئیں ۔۔یا یہ کہ آپ کی مرضی پر چھوڑ دینے کا حکم۔ اے التفويض الى مشيتک (مدارک) و۱۱۸ وہ اپنے علم کامل سے ہر ایک کی بدگمانیوں اور گستاخانہ خیالات پر بھی مطلع ہے، جس کی جب
ہے گرفت کرے، لیکن اپنے کمال حلم سے فوراً گرفت نہیں کرتا۔سب کو موقع و مہلت دے رہا ہے۔ و۱۱۹ (چنانچہ اہل قرابت میں سے غیر مہاجر بیویاں حلال نہیں اور دوسری عورتوں میں سے غیر مؤمنات
ال نہیں) مِنْۢ بَعْدُ۔یعنی ان بیویوں کے علاوہ جن کے اوصاف ابھی بیان ہو چکے۔ قال عكرمة والضحاک معنى الأية لايحل لک النساء الا اللاتى احللنا لک بالصفة التى تقدم
کرھا (معالم) اے من بعد الاصناف التى سميت قاله ابى بن كعب و عكرمة و ابورزين و هو اختيار محمد بن جرير (قرطبی) و۱۲۰ ''اس طرح سے کہ ان میں سے کسی کو طلاق
ے دیں اور بجائے ان کے دوسری کر لیں، اور یوں بدون ان کے طلاق دیئے ہوئے اگر کسی سے نکاح کر لیں تو اس کی ممانعت نہیں۔اسی طرح اگر بلا قصد تبدل کسی کو طلاق دیں تو اس کی بھی ممانعت ثابت
یں۔ بلکہ لفظ تبدل اس مجموعہ کی ممانعت پر دال ہے، پس یہ تبدل ممنوع ہے''۔(تھانوی علیہ الرحمۃ) عرب میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ شوہر شوہر اپنی بیویوں کا تبادلہ آپس میں کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض
مفسرین نے آیت کے تحت میں اس رواج جاہلیت کا بھی ذکر کیا ہے۔ كانت العرب فى الجاهلية يتبادلون بازواجهم يقول الرجل للرجل بادلنى بامرأتک و ابادلک بامرأتى (معالم) قال ابن زيد هذا شیءٌ كانت العرب تفعله يقول احدهم خذ زوجتى واعطنى زوجتک (قرطبی) و۱۲۱ (تو اس کو اس کی بھی پوری خبر رہتی ہے کہ کون کس کو کس نظر سے دیکھتا ہے، اور اس سے تاثیر میں قصد و اختیار کو کتنا دخل ہے) اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ۔اس استثناء نے باندیوں میں تبدل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز کر دیا۔ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ۔قرآن مجید نے اول تو اسے محض بطور احتمال فرض کیا ہے۔ اور احتمالات اس سے کہیں بڑھ بڑھ کر بھی فرض کیے جا سکتے ہیں۔چنانچہ قرآن مجید نے فرض کیے بھی ہیں، لیکن اگر تحقق واقعۃً بھی کبھی ہو جاتا جب بھی محض اتنے میں کہ کسی نامحرم کے چہرہ پر نظر پڑ گئی، اور اس چہرہ کی زیبائی ادراک میں بھی آ گئی کوئی قباحت شرعی نہیں۔ یہ تو ایک امر غیر اختیاری ہوا۔مذموم جو کچھ ہے وہ بالقصد نظر کرنا اور بالقصد اس سے لذت حاصل کرنا ہے۔فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ نامحرم کے چہرہ پر نظر کرنی جائز ہے۔جبکہ اس سے یہ تاثر حسن نہ پیدا ہوتا ہو۔ يدل على جواز النظر الى وجه المرأة الاجنبية اذلايعجبهٗ حسنها (جصاص) فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ جس عورت سے شادی کا ارادہ ہو اس کا دیکھنا جائز ہے۔فى هذه الأية دليل على جواز ان ينظر الرجل الى من يريد زواجها (قرطبی) اور بعض نے اجازت سے بڑھ کر اس کو ارشاد کے معنی میں لیا ہے۔ الامر بالنظر الى المخطوبة انما هو على جهة الارشاد الى المصلحة (قرطبی) و۱۲۲ مطلب یہ ہے کہ اوّل تو بے دعوت جاؤ مت، اور دعوت پر جاؤ جب بھی اتنا قبل سے مت پہنچ جاؤ۔ بعض لوگ خدمت رسول میں کھانا کھانے کے لیے جاتے اور بہت قبل سے جا کر بیٹھ جاتے اور کھانے کے انتظار میں بیٹھے رہتے۔ آپ مروت کی بنا پر زبان سے تو کچھ نہ فرماتے، لیکن طبعاً گرانی ضرور ہی محسوس فرماتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔تہذیب مجلسی و آئین منزلی شریعت اسلامی کے اہم مقاصد میں سے ہے، قرآن کو اس باب میں ہدایات دینا ضرور تھا۔فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ گو نزول آیت آداب نبوی میں سے ہے مگر حکم عام ہے۔ وهذا الحكم و ان نزل خاصاً فى النبى صلی اللہ علیہ وسلم و ازواجه فالمعنى عام فيه وغيره (جصاص) ''یہ بتصریح علماء سرکار نبوی کے ساتھ خاص نہیں۔ یعنی اس قسم کی جو بات کسی کو گراں و ناگوار ہو وہ ناجائز ہے''۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ۔گھر میں کسی کے بھی بے اذن نہ جانا چاہیے، اور آستانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اذن کی اہمیت تو بدرجہ اولیٰ ہے۔ کسی کے کھانے میں نظر
لگانا اور بے بلائے دعوت میں طفیلی بن کر جانا جائز نہیں۔اسی طرح کسی کے گھر میں بے ضرورت اور خلاف اذن دیر تک بیٹھے رہنا جائز نہیں۔ حقوق جس طرح مہمان کے ہیں، میزبان کے بھی ہیں۔ کسی مہمان
کو یہ حق نہیں کہ اپنے کسی قول و فعل سے صاحب خانہ کو ایذاء پہنچائے۔ بُیُوْتَ النَّبِیِّ۔بیوت کی اضافت نبی کی جانب کی گئی ہے۔حالانکہ چند ہی آیتیں قبل وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ میں بیوت کی اضافت
ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کی گئی تھی۔دونوں اضافتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔وہ گھر رسول اللہ کے بھی تھے۔اس معنی میں کہ آپ ہی ان گھروں کے مالک تھے۔اور وہ گھر بیوی صاحبوں کے بھی تھے۔اس
معنی میں کہ مسکن انہیں کے تھے۔ اضافة البيوت الى النبى اضافة ملک و اضافة البيوت الى الازواج اضافة محل (ابن العربی) بدليل انه جعل فيها الاذن للنبى صلی اللہ علیہ وسلم والاذن
انما يكون للمالک (قرطبی) اس سے قطع نظر ایک فرق کھلا ہوا ہے۔وہاں مقصود تو ازواج کرام کو ان کے مسکنوں کے شرف و احترام کی یاد دہانی تھی۔اس لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو ان بیویوں ہی کا گھر کہنا
مناسب و موزوں تھا۔اس کے برعکس یہاں لوگ جس گھر میں جمع ہو رہے تھے وہ رسولؐ ہی کے گھر کی حیثیت سے جمع ہو رہے تھے اس لیے یہاں رسول ہی کا گھر کہنا مناسب تھا۔ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ۔اِنٰی۔کے معنی
وقت کے ... اور ناظر ... جس کا ... کی طرف اشارہ ہے۔ معناه غير منتظرين وقتهٗ والناظر هو المنتظر والانى هو الوقت (ابن العربی) و۱۲۳ (اس لیے صاف صاف نہیں کہتے)

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾

اور اللہ سے ڈرتی رہو بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر ناظر ہے ف١٣١

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں اے ایمان

اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو ف١٣٢ بے شک جو لوگ

يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے رہتے ہیں ف١٣٣ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے دنیا اور آخرت میں

وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور ان کے لئے عذاب ذلیل کرنے والا تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ ایذا پہنچاتے رہتے ہیں ایمان والوں کو

وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا

اور ایمان والیوں کو بدون اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو، تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار

وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ

(اپنے اوپر) لیتے ہیں ف١٣٤ اے نبی آپ کہہ دیجئے اپنی بیویوں اور بیٹیوں

وَنِسَاۗءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ

اور (عام) ایمان والوں کی عورتوں سے کہ اپنے اوپر نیچی کر لیا کریں اپنی چادریں تھوڑی سی ف١٣٥

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی اور اس لئے انہیں ستایا نہ جائے گا ف١٣٦ اور اللہ تو بڑا مغفرت والا ہے

رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

بڑا رحمت والا ہے، ف١٣٧ اگر منافقین اور وہ لوگ نہ باز آئے جن کے دلوں میں روگ

آیت سے رسول اللہ ﷺ کا کمال ذی مروت ہونا ظاہر ہے، امتی ظاہر ہے کہ سب آپ سے چھوٹے اور کتنا چھوٹے تھے۔ ان تک کا آپ اتنا لحاظ فرماتے رہتے تھے۔ ف١٢٤ (اس لئے تم سے صاف صاف کہا جا رہا ہے) اس سے یہ شبہ نہ گذرے کہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی اعلان حق سے مروت مانع ہو جاتی تھی۔ "اصل یہ ہے کہ جس حق کا اظہار واجب ہے۔ وہ حق اللہ ہے، اور جس سے آپ کا استحیاء واقع ہوا وہ حق للنفس تھا کہ اپنے اوپر کلفت اٹھائی۔ اس سے حکم شرعی کا اخفاء لازم نہیں آتا کہ منشاء وسوسہ ہو۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف١٢٥ یعنی اتنا پردہ تو ضرورت کے وقت بھی رہنا چاہئے اور بلا ضرورت تو اس کا اہتمام اور اشد ہے۔ المراة کلها عورة بدنها وصوتها کما تقدم فلا یجوز کشف ذلک الا لحاجة کالشهادة علیها اوداء یکون ببدنها اوسوالها عما یعرض وتعین عندها (قرطبی) یہ حکم بھی ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص نہیں۔ حجاب ہر نامحرم سے لازم ہے۔ ویدخل فی ذلک جمیع النساء بالمعنی (قرطبی) ف١٢٦ (جیسا کہ اب تک بھی جانبین کے دل پاک رہے ہیں) لفظ اطهر سے یہ نکتہ بھی نکالا گیا ہے کہ نفس طہارت تو تقویٰ ہی سے پیدا ہو جاتی ہے لیکن طہارت مزید یعنی خطرات قلب بھی دور ہو جائیں اس کا ذریعہ نامحرموں سے حجاب ہے۔ ف١٢٧ کوئی مسلمان دانستہ وارادۃً تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کو ایذاء پہنچانے کا خیال بھی نہیں لا سکتا۔ حکم سے مراد یہ ہے کہ اس کا اہتمام خاص رکھو، یہ نہ ہو کہ اپنی بے خیالی، بے توجہی، کم غوری کی بناء پر اپنے کسی قول وفعل سے رسول اللہ ﷺ کے حق میں ناگواری وگرانی کے باعث بن جاؤ۔ ف١٢٨ (کہ یہ بھی ایک فرد اسی نادانستہ ایذاء رسول کی ہے اور اس ممانعت میں رسول کے کمال شرف واحترام کا اظہار ہے) ف١٢٩ (کہ تم اپنی ماؤں، امت کی ماؤں سے متعلق ایسا خیال بھی دل میں لاؤ) ف١٣٠ (اور ہر شخص سے اپنے اسی علم محیط وکامل کے مطابق معاملہ کرے گا) یہاں چیزوں کے ابداء واخفاء دونوں کا تعلق ایذاء رسول ﷺ سے ہے۔ یعنی کوئی بھی ایسی چیز کرو گے جس سے رسول اللہ کو اذیت ہو تو خواہ اسے کھلم کھلا کرو، خواہ پوشیدہ رکھو، حق تعالیٰ کو بہرحال اس کی اطلاع رہے گی۔ ف١٣١ (اس لئے ان تمام احکام کی نگہداشت لازمی ہے) اوپر ازواج رسول ﷺ کے حجاب کا حکم مذکور ہو چکا۔ اب بیان یہ ہوا کہ فلاں فلاں کے سامنے، باحجاب آ جانا درست ہے۔ لیکن حصر ان میں مقصود نہیں۔ محرموں کا ذکر سورۃ النور (پ١٨) میں بھی آ چکا ہے۔ ف١٣٢ اللہ کا رحمت بھیجنا تو ظاہر ہی ہے۔ بندوں یعنی فرشتوں اور انسانوں کی صلوٰۃ بھیجنے کے معنی یہ ہیں کہ انہیں حکم مل رہا ہے کہ رسول پر اس رحمت خاص کی دعا کرتے، اور اسے ان کے حق میں طلب کرتے رہیں۔ اسی کو ہماری زبان میں درود بھیجنا کہتے ہیں۔ الصلوٰة من الله هی الرحمة ومن العباد الدعاء (جصاص) الصلوٰة من الله رحمته ورضوانه ومن الملٰئکة الدعاء والاستغفار ومن الامة الدعاء والتعظیم لامره (قرطبی) يُصَلُّوْنَ۔ صلوٰۃ سے یہاں مراد رحمت عام نہیں، رحمت خاص ہے، نبی کے شایان شان۔ یٰٓا ...... تَسْلِيْمًا۔ مومنین کو ذات رسالت کے ساتھ اس طریقہ پر جو ربط پیدا ہو سکتا ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ اور خود رسول اللہ ﷺ کے مراتب عالیہ میں بھی ان دعاؤں سے ترقی واضافہ ممکن ہے۔ "آپ پر سلام بھیجنے کے معنی مجموعہ دو امر کا ہے، ایک دعاء ہے سلامت عن الآفات کی۔ دوسرے ثناء ہے جو اس دعاء کے لئے لازم ہے۔ کیونکہ عرفاً یہ صیغہ مخصوص مستحق ثناء ہی کے لئے ہے۔ بس حالت حیات میں تو دونوں کا تحقق ہو سکتا ہے، اور بعد وفات مجرد معنی ثانی رہ جاتے ہیں۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) "چونکہ اس مقام کے مطالعہ کے وقت احتمال ہے کہ شاید ناظرین کو قصداً صلوٰۃ وسلام سے ذہول ہو جائے اس لئے ایک مختصر صیغہ عبارت میں لکھ دینا بھی مناسب ہے کہ لکھا ہوا تو ضرور ہی پڑھیں گے۔ اللهم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد وبارک وسلم" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) درود کے واجب ہونے پر تو ہر مذہب کے فقہاء کا اتفاق ہے۔ لیکن فقہاء حنفیہ اور بعض دوسرے ائمہ کی رائے ہے کہ عمر میں ایک بار بھی اگر پڑھ دیا تو فرض ادا ہو گیا۔ قد تضمن الامر بالصلوٰة علی النبی ﷺ وظاهره یقتضی الوجوب وهو فرض عندنا فمتی فعلها الانسان مرة واحدة فی صلاة او غیر صلاة فقد ادی فرضه وهو مثل کلمة التوحید والتصدیق بالنبی ﷺ متی فعله الانسان مرة واحدة فی عمره فقد ادی فرضه (جصاص) لا خلاف للعلماء فی ان هذا الامر للوجوب وانما الخلاف فی اوقاته واعداده فعند مالک والطحاوی یجب فی العمر مرة والباقی مندوب (احمدی) ولا خلاف فی ان الصلاة علیه فرض فی العمر مرة (قرطبی) عَلَی النَّبِيِّ۔ محققین نے کہا ہے کہ بجائے اسم ذات محمد لانے کے جیسا کہ قرآن کا عام دستور حضرات انبیاء کے معاملہ میں ہے۔ اسم صفت النبی لانا آپ کے مزید اعزاز واکرام کے لئے ہے۔ وعبر بالنبی دون اسمه ﷺ علی خلاف الغالب فی حکایته تعالیٰ عن انبیائه علیهم السلام اشعارًا بما اختص به ﷺ من مزید الفخامة والکرامة وعلو القدر (روح) ف١٣٣ (قصداً) ظاہر ہے کہ قصد کے ساتھ رسول کو ایذاء پہنچانا صرف کافروں اور منافقوں کا کام ہو سکتا ہے۔ جو مسلمان اپنی سادہ لوحی اور بے خیالی سے بلا ارادہ ایذاء رسول کا سبب بن جاتے تھے ان کا ذکر اوپر گذر چکا۔ اَللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ایذاء رسول کے ساتھ ایذاء الٰہی کو ضم کر دینا ایذاء رسول کی اہمیت واشدیت کے اظہار کے لئے ہے۔ اللہ کو ایذاء پہنچانا یہی ہے کہ اس کی مرضیات کے خلاف عمل کئے

مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا

ہے و۱۳۸ اور جو مدینہ میں افواہیں اڑایا کرتے ہیں و۱۳۹ تو ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط کریں گے و۱۴۰ پھر

يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٠﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۛ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا

یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بس قدرے قلیل رہنے پائیں گے (اور وہ بھی) پھٹکار پڑے ہوئے، جہاں کہیں بھی مل گئے

اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿٦١﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا

پکڑ لئے گئے اور ان کے ٹکڑے اڑا دیئے گئے و۱۴۱ اللہ کا یہی دستور رہا ہے ان لوگوں میں بھی جو (ان سے) پیشتر

مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٦٢﴾ يَسْـَٔلُكَ

گذر چکے ہیں اور آپ اللہ کے دستور میں رد و بدل نہ پائیں گے و۱۴۲ (یہ) لوگ آپ سے

النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا

قیامت کے بارہ میں دریافت کرتے ہیں و۱۴۳ آپ کہہ دیجیے اس کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے اور عجب نہیں

يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ

کہ قیامت قریب ہی آ لگی ہو بے شک اللہ نے کافروں کو

الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا

رحمت سے دور کر دیا ہے و۱۴۴ اور ان کے لئے دوزخ تیار کر دی ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ کوئی

يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي

یار پائیں گے اور نہ مددگار جس روز ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ

النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾

کئے جائیں گے وہ یوں کہیں گے کہ کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی،

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا فَاَضَلُّوْنَا

اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا سو انہوں نے ہمیں راہ سے

معانقة ١٣ — الربع

جائیں..... یا یوں کہا جائے کہ مقصود کلام ایذاء رسول ہے اور اللہ کے نام کے ساتھ عطف رسول کے اعزاز و اکرام کے لئے ہے۔ ای یوذون رسول الله وذکر اسم الله للتشریف (مدارک) اوعبر بایذاء الله ورسوله عن فعل ما لا یرضی به الله ورسوله کالکفر (مدارک) و۱۳۴ مسلمانوں کو اخلاق و اعلیٰ معاشرت کی تعلیم مل رہی ہے۔ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا۔ یعنی بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی ایسی بات کی ہو جس سے سزا و ملامت کے واقعی مستحق ہو جائیں۔ اس قید کے لگ جانے سے تادیب و سیاست حسب قواعد شرعی کا جواز نکل آیا۔ و۱۳۵ یعنی جب ضرورۃً باہر نکلنا ہو، تو اپنی چادریں اپنے اوپر سروں سے ذرا لٹکا لیا کریں، تاکہ چہرہ کے اطراف تو خوب ڈھک جائیں اور خود چہرہ کی ٹکیا بھی ایک حد تک۔ ہمارے ملک میں اسی کو گھونگھٹ نکالنا کہتے ہیں۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ محل فتنہ پورا چہرہ مع اطراف و جوانب کے ہے نہ یہ کہ ملحقات چہرہ کو چھپا کر صرف چہرے کی ٹکیا کھلی رہنے دی جائے، کوئی عضو بجائے خود کیسا ہی حسین ہو، دوسروں کو متاثر جب ہی کر سکتا ہے جب وہ اپنے حسن تناسب کو ظاہر کر رہا ہو اور اس حسن تناسب کا اظہار جبھی ممکن ہے جب اس عضو کے ملحقات بھی کھلے ہوں۔ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ۔ جلابیب جمع ہے جلباب کی اور جلباب بڑی چادر کو کہتے ہیں، جو سارے جسم کے ڈھانپنے کے کام آ جائے۔ وھو ثوب اکبر من الخمار والصحیح انه یستر جمیع البدن (قرطبی) اس قسم کے سارے احکام کا ماحصل عورت کے حجاب کامل کی تاکید ہے، بخلاف جاہلی تہذیبوں کے جہاں عورت کی نیم برہنگی ہی فیشن میں داخل رہی ہے اور آج بھی ہے۔ مفسرین نے آیت کے ذیل میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں قبیلہ بنو تمیم کی کچھ بیبیاں حاضر ہوئیں جو لباس بہت باریک پہنے ہوئے تھیں۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انہیں ڈانٹا، کہ کیسی مسلمان ہو، جو یہ نامسلموں کا لباس پہنے ہوئے ہو۔ ودخل نسوة من بنی تمیم علی عائشةؓ علیهن ثیاب رقاق فقالت عائشة ان کنتن مؤمنات فلیس هذا بلباس المؤمنات (قرطبی) و۱۳۶ یعنی اس شریفانہ لباس سے ہر شخص کو اول نظر میں معلوم ہو جائے گا کہ یہ شریف عزت دار بیبیاں ہیں، بے حیا نہیں ہیں اور اس لئے ان سے چھیڑ چھاڑ کی جرأت راہ چلتے ہوئے بدمعاشوں کو نہ ہوگی۔ عورت کی عصمت کے تحفظ میں بڑا دخل اس کی وضع و لباس کے وقار کو ہے جو عورت اپنی وضع قطع و پوشش سے آوارہ معلوم ہوتی ہے اسے دیکھ کر محض لفنگوں اور بدمعاشوں ہی کے نہیں، بلکہ دوسروں کی طبیعتوں میں بھی گدگدی پیدا ہوتی ہے، بخلاف اس کے جس عورت کی وضع قطع، چال ڈھال سنجیدہ، حیادارانہ و شریفانہ ہے اور وہ اپنا رکھ رکھاؤ قائم کئے ہوئے اسے چھیڑنے کی ہمت بدمعاشوں کو بھی مشکل ہی سے ہوتی ہے۔ فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ جوان عورت پر نامحرموں سے اپنے چہرہ کا پردہ واجب ہے، اور یہ بھی واجب ہے کہ جب باہر نکلے تو پردہ کا اہتمام کرے۔ وفی هذه الأیة دلالة علی ان المراة الشابة مامورة بستر وجهها عن الاجنبیین واظهار الستر والعفاف عند الخروج لئلا یطمع اهل الریب فیها (جصاص) و۱۳۷ (جو خواہ مخواہ اور بہت سختی سے گرفتیں نہیں کرتا رہتا) چنانچہ اس سر اور چہرہ کے ڈھانپنے کے حکم میں اگر بلا قصد کچھ کمی یا بے احتیاطی رہ جائے گی تو اسے معاف کر دے گا۔ و۱۳۸ (روگ آوارگی کا یا تاک جھانک کا) وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ مرض سے مراد ایمان کی کمزوری ہے۔ وھو ضعف الیقین (جصاص) وھم قوم کان فیهم ضعف ایمان وقلة ثبات علیه (روح) یہ وہ لوگ تھے جو مسلم کنیزوں سے راستہ اور گلی میں چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی ان کے شبہ میں، مسلم معزز و شریف عورتوں سے بھی۔ و۱۳۹ چھوٹی چھوٹی اور پریشان کرنے والی۔ مثلاً یہ کہ فلاں غنیم چڑھائی کرنے کو ہے..... آج کل کی اصطلاح میں، مسلم اسٹیٹ کو جنگ اعصابی میں مبتلا کرنے والے..... یہ لوگ اپنے اس پراپیگنڈا سے مسلمانوں پر اہل کفر کی دہشت اور رعب خواہ مخواہ طاری کرتے رہتے تھے۔ وأخرون ممن لا بصیرة لهٗ فی الدین یرجفون باجتماع الکفار والمشرکین وتعاضدهم ومسیرهم الی المؤمنین فیعظمون شان الکفار بذالک عندهم و یخوفونهم (جصاص) و۱۴۰ (کہ آپ ایسے نالائقوں سے اپنے شہر کو پاک کر کے رہیں)

آیت کے اس ٹکڑے سے صاف ظاہر ہے کہ مسلم کنیزوں اور باندیوں سے بھی چھیڑ چھاڑ ایسی چیز نہ تھی، جسے گوارا کر لیا گیا تھا، یا جس کا انتظام نظر انداز ہو گیا تھا۔ لَنُغْرِيَنَّكَ ..... بِهِمْ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ مؤمنین کے درمیان وحشت ناک افواہیں اور مؤمنین کو تکلیف پہنچانے والی خبریں پھیلانا اس کا مستوجب ہے کہ اس کا مرتکب سزا پائے اور شہر بدر کیا جائے۔ جب تک کہ اس سے توبہ نہ کرے۔ وفی هذه الأیة دلالة علی ان الارجاف بالمؤمنین والاشاعة بما یغمّهم ویؤذیهم یستحق به التعزیز والنفی اذا اصرّ علیه ولم ینته عنه (جصاص) و۱۴۱ نفاق کی حقیقت بھی کفر ہی ہے، اس پر صرف پردہ اسلام کا پڑا ہوتا ہے۔ اس لئے منافقوں کے ساتھ معاملہ اصلاً وہی ہونا چاہیے تھا جو کافروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ پناہ تو صرف اظہار اسلام کی بناء پر حاصل رہتی ہے۔ جب علانیہ مخالفتیں کرنے لگے تو یہ مانع بھی اٹھ گیا اور ان کے ساتھ معاملہ وہی ہوگا جو کفر کا مقتضائے اصلی ہے یعنی اخراج، قید، قتل سب جائز۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ ملخصاً) اِلَّا قَلِيْلًا۔ قدرے قلیل یعنی جب ان کے اخراج کا حکم ہوگا، تو اس کے لئے ایک مدت بھی معین ہو جائے گی۔ اتنی مدت کے لئے بسبب معاہدہ کے مامون رہیں گے۔ اس کے بعد جہاں ملیں گے، قید و قتل کی اجازت ہوگی (تھانوی علیہ الرحمۃ ملخصاً) و۱۴۲ یعنی باغیوں، غداروں کے ساتھ یہی معاملت قدیم آسمانی شریعتوں میں بھی رہی ہے۔ آپ کو کوئی نیا حکم نہیں مل رہا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۱۴۳ (کہ کب آئے گی) وقت قیامت سے متعلق یہ سوال، براہ طنز و اعتراض منکروں کی زبان سے ہو رہا تھا۔

ف۱۴۴ یعنی رحمت خاصہ سے، دنیا و آخرت دونوں میں۔ اور اسی لعنت ہی کا اثر دنیا میں قید و قتل ہے اور آخرت میں عذاب جہنم۔ ف۱۴۵ تینوں آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ جب دوزخ میں کافر ڈالے جائیں گے اور گھسیٹے جائیں گے جس سے ان کے چہرے الٹ پلٹ ہونے لگیں گے، تو کمال حسرت کا اظہار اپنے اسلام نہ لانے پر کریں گے اور کمال غضب کا اپنے گمراہ کرنے والے اکابر پر۔ یٰلَیْتَنَآ ...... الرَّسُوْلَا۔ آخرت میں کام آنے والی شے صرف اطاعت خدا و اطاعت رسول نکلے گی، باقی ہیچ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بڑوں کی مطلق تقلید ہرگز کوئی عذر نہیں، اور آجکل کے بدعات اختیار کرنے والے اپنے مشائخ کے رسوم سے اکثر تمسک کیا کرتے ہیں۔ ف۱۴۶ (طرح طرح کی تہمتیں لگا کر) بنی اسرائیل کا معاملہ اپنے سردار و پیمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عجیب و غریب تھا۔ یہ لوگ طرح طرح انہیں چھیڑتے ہر ہر طرح اُن کی نافرمانی کرتے، عجیب عجیب طرح انہیں غضب میں لاتے۔ یہاں ممکن ہے کہ اشارہ کسی خاص واقعہ کی جانب ہو، یا اسی عام مفسدانہ روش سے متعلق۔ آیت میں اشارہ نکلتا ہے ایذاء رسول اللہ کی حرمت کا، خواہ وہ ایذاء براہ راست ذات رسول سے متعلق ہو یا بواسطہ اصحاب و ازواج وغیرہ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں عام مسلمانوں کو بھی ممانعت ہے، جو اولیاء متقین کو ایسے امور کی تہمت سے تکلیف پہنچاتے رہتے ہیں جن کی ان کو خبر بھی نہیں۔ ف۱۴۷ (ہر ہر الزام اور تہمت سے جو آپؑ پر لگاتے رہتے تھے) چنانچہ نقصان آپؑ کو تو کچھ نہ پہنچا، مستحق عذاب وہی تہمت لگانے والے ٹھہرے۔

السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ

بھٹکا دیا، اے ہمارے پروردگار انہیں دہرا عذاب دے اور ان پر بڑی ہی لعنت

لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

نازل کر ف۱۴۵ اے ایمان والو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے

اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ

موسیٰ کو ایذا پہنچائی تھی ف۱۴۶ سو اللہ نے انہیں بری ثابت کر دیا ف۱۴۷ اور اللہ کے نزدیک وہ

وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا

بڑے معزز تھے ف۱۴۸ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو ف۱۴۹ اور راستی کی بات

سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ

کہو ف۱۵۰ (اللہ) تمہارے اعمال قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا ف۱۵۱

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ اِنَّا

اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچ گیا ف۱۵۲

عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ

ہم نے (یہ) امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی ف۱۵۳

فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ

سو ان سب نے انکار کیا اس سے کہ اسے اٹھائیں اور وہ اس سے ڈرے ف۱۵۴ اور اسے انسان نے اپنے ذمہ لے لیا ف۱۵۵

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ

بے شک وہ بڑا ظالم ہے بڑا جاہل ہے ف۱۵۶ انجام یہ ہوا کہ اللہ منافق مردوں

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى

اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو سزا دے گا اور ایمان والوں اور

ع ۱۰ / ۵

ف۱۴۸ اللہ نے ان کی برأت ظاہر فرما دی۔ اور آج تک ان کا نام دنیا میں روشن چلا آرہا ہے) وَجِيْهًا۔ وجیہ کے معنی عربی میں بڑے معزز، صاحب منزلت کے آتے ہیں۔ الوجيه عند العرب العظيم القدر الرفيع المنزلة (قرطبی) آپؑ کی وجاہت آخرت میں تو انشاء اللہ دوست و دشمن سب ہی کو نظر آجائے گی۔ باقی آج یہ حال ہے کہ ساری دنیا آپ کو ایک مقنن اعظم (A. great, low, giver) سمجھ رہی ہے اور دنیا کے تینوں کتابی مذاہب، یہودیت، اسلام، مسیحیت آپؑ کے پیمبر برحق ہونے پر متفق ہیں۔ ف۱۴۹ یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں خوفِ خدا کو بطور حال اپنے اوپر طاری کر لو۔ خطاب ایمان والوں سے ہے۔ ایمان کی دولت تو انہیں حاصل ہی ہے، اب ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ مرتبہ تقویٰ بھی حاصل کرو۔ ف۱۵۰ یعنی افراط و تفریط سے الگ اور عدل و اعتدال کے مطابق بات جچی تلی اور پکی منہ سے نکالو۔ ''قول سدید'' تو خود بھی تقویٰ ہی کی ایک فرد ہے، خصوصیت کے ساتھ اس کے الگ بیان کرنے سے مقصود زبان کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے۔ جہاں تک اعضاء و جوارح کا تعلق ہے جو اہمیت و مرکزیت و ہمہ جہتی زبان کو حاصل ہے۔ کسی اور عضو کو نصیب نہیں اور یہ اگر قابو میں آگئی تو انسان گناہوں کی کتنی بڑی تعداد سے بچ سکتا ہے۔ ف۱۵۱ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ یہ آیت وعدۂ الٰہی ہے کہ تقویٰ و قول صادق پر اصلاح اعمال اور مغفرت ذنوب مرتب ہو گی، اور وعدہ الٰہی میں تخلف محال ہے۔ وعد عزوجل بانه يجازي على القول السديد باصلاح الاعمال وغفران الذنوب وحسبک بذلک درجة ورفعة منزلة (قرطبی) انسان کی عادت اگر بات صحیح اور سچی، جچی تلی اور پکی کہنے کی پڑ جائے تو اس کی برکت سے سارے ہی اعمال زندگی درست ہو جائیں گے، اور باقی جو رہ گئے، ان کی مغفرت بآسانی ہو جائے گی۔ ف۱۵۲ دنیا و آخرت دونوں زندگیوں کے کامیاب دستور العمل ہی کا نام شریعت اسلامی ہے۔ اسے چھوڑ کر اور کسی طریق پر کامیابی کی راہ ڈھونڈنا سعی بے حاصل میں پڑنا ہے ف۱۵۳ (ان میں بقدر ضرورت شعور پیدا کر کے) الْاَمَانَةَ۔ کے معنی میں اختلاف بہت کچھ منقول ہے۔ لیکن بیشتر اختلافات ایسے ہیں کہ ان کے درمیان تطبیق بآسانی ممکن ہے۔ مثلاً راغب ہی نے اپنی لغت میں دو مختلف معنی لکھے ہیں، ایک توحید کے، دوسرے عقل کے اور ترجیح دوسرے معنی کو دی ہے۔ قيل هي كلمة التوحيد، قيل العقل وهو صحيح ...... وبه فضل على كثير ممن خلقه۔ لیکن جس سیاق میں لفظ اَمَانَةَ آیا ہے اس کے لحاظ سے توحید و عقل میں کوئی تضاد و تناقض نہیں۔ توحید الٰہی تو اصل فریضہ ہے، اور عقل اسی توحید کی معرفت و شناخت کا آلہ و معیار، عقل و قوت امتیاز ہی کی بناء پر تو احکام الٰہی انسان پر فرض ہوتے ہیں۔ اسی امانت کا بار اٹھا لینا ہی رحمت کا موجب ہے، اور اس کا ضائع کرنا ہی تعذیب کا سبب ہے۔ احکام کی تشبیہ امانت سے دینے سے غالباً مقصود ان کی ادائی کا وجوب ہے۔ اور امانة سے مراد طاعت ہی کا ہونا اکثر اہل تحقیق سے منقول ہے۔ یا پھر اصول و ارکان دین۔ يعني بالامانة الطاعة (ابن کثیر عن ابن عباس) قال مجاهد الامانة الفرائض وحدود الدين (معالم) و قال ابو العاليه ما امروا به ونهوا عنه (معالم) والامانة تعم جميع وظائف الدين على الصحيح من الاقوال (قرطبی) مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق میں امانت سے مراد تجلی ذاتی کی استعداد و قابلیت ہے۔ جنات عبادت سے صالح بن جاتے ہیں اور ملائکہ عصمت سے مقرب ہیں۔ مگر انوار صفات سے صعود کر کے تجلی ذات سے یہ دونوں اصناف بھی مشرف نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ تحمل نور ممکن نہیں بغیر ترکیب عنصر خاک کے۔ قیام انوار اجسام شفاف پر نہیں ہو سکتا۔ اس کے محل و محتمل اجسام کثیف ہی ہو سکتے ہیں۔ یہی نکتہ ہے کہ خلافت دنیوی کے قابل عنصر خاک ہی قرار پایا۔ ف۱۵۴ یعنی اس کے نہ اٹھ سکنے سے اور اپنے انجام سے ڈرے۔ مطلب یہ ہوا کہ انسان کے سوا باقی اور قوی سے قوی مخلوق نے اس کی ذمہ داریوں کے ڈر سے قوت، ارادہ و اختیار کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اَشْفَقْنَ۔ کی صراحت سے یہ حقیقت صاف ہو گئی کہ یہ اباء و انکار کسی تمرد و شرارت سے نہ تھا، بلکہ تمام تر خشیت پر مبنی تھا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ساتوں آسمانوں اور عرش سے خطاب ہوا کہ تم یہ امانت اور جو کچھ اس میں ہے اٹھاؤ گے؟ عرض کیا کہ اس میں کیا ہے؟

الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾ ع

ایمان والیوں پر توجہ فرمائے گا وے۱۵ اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے و۱۵۸

ایاتہا ۵۴ ۳۴ سُوْرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ ۵۸ رکوعاتہا ۶

اس کی چون آیتیں — سورۂ سبا مکہ میں نازل ہوئی — اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

(ساری) حمد اللہ ہی کے لئے ہے کہ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱﴾

اور اسی کی حمد ہے آخرت میں اور وہی بڑا حکمت والا ہے، بڑا خبر رکھنے والا ہے و۱

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ

وہ (سب) جانتا ہے جو کچھ زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے، اور جو کچھ آسمان سے

مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾

اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے، اور بڑا رحم والا ہے، بڑا مغفرت والا ہے و۲

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ

اور کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہ آئے گی، آپ کہہ دیجیے ضرور (آئے گی) قسم ہے میرے پروردگار

لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي

عالم الغیب کی وہ ضرور تم پر آئے گی اس سے کوئی ذرہ برابر بھی غائب نہیں

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ

آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی بڑی،

ارشاد ہوا کہ نیکی پر اجر وثواب اور بدی پر مواخذہ وعذاب۔ اس پر ان سب نے عذر کردیا۔ پھر اسی طرح زمین سے پھر پہاڑوں سے خطاب وجواب ہوا (ابن کثیر) اور ابن جریج کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ یہ معاملہ تین دن تک پیش رہا، اور سب نے بکمال خشیت عذر کیا کہ اے پروردگار! ہم تو محض تابع اور حکمبردار ہیں، ہم عذاب وثواب نہیں چاہتے۔ (ابن کثیر) و۱۵۵ (بغیر عواقب کا پورا لحاظ کئے ہوئے) الْاِنْسَانُ سے مراد جنس انسانی ہے، جیسا کہ بعض دوسری آیتوں میں بھی انسان اسی معنی میں آیا ہے۔ مثلاً اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ یا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى۔ اے هذا الجنس (روح) و۱۵۶ ظَلُوْمًا یعنی اپنی عملی زندگی میں بڑا حق ناشناس جَهُوْلًا۔ یعنی اپنی اعتقادی زندگی میں بڑا کوتاہ اندیش۔ و۱۵۷ (رحمت ومغفرت کے ساتھ) یعنی انسان کے اس انتخاب کا، اور بار امانت قبول کرلینے کا انجام یہ ہوا کہ ایک طبقہ اہل شرک ونفاق کا قرار پا گیا، اور ایک دوسرا طبقہ اہل ایمان کا، ایک اہل جہنم کا ایک اہل جنت کا۔ لِيُعَذِّبَ میں ل عاقبت کا ہے۔ لِيُعَذِّبَ الخ کا ربط نحوی حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ سے ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا درمیان میں بطور جملہ معترضہ آگیا ہے۔ **واللام متعلقة بحمل اے حملها ليعذب العاصى ويثيب المطيع فهى لام التعليل لان العذاب نتيجة حمل الامانة** (قرطبی) و۱۵۸ (چنانچہ جو احکام کی خلاف ورزی کرکے پھر باز آجاتے ہیں، ان کے ساتھ بھی وہ معاملہ مغفرت ورحمت کا کرنے لگتا ہے)

و۱ وہ حکیم ایسا کہ عالم کائنات کے ذرہ ذرہ کو منافع ومصالح سے بھر دیا ہے۔ وہ خبیر ایسا کہ موجودات کے گہرے سے گہرے نقوش اس پر عیاں۔ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ۔ یعنی جس طرح آج سزاوار حمد وہ ذات اپنے تمام مظاہر تکوینی کے لحاظ سے ہے کل بروز کامل اور انکشاف حقائق کے وقت بھی قابل حمد وہی نظر آئے گی...... یہ بھی کہا گیا ہے کہ قابل حمد ہے وہ ذات ابتداءً یعنی ازل میں باعتبار تخلیق وایجاد کے اور آخرت میں باعتبار ربوبیت وعطائے انعامات کے۔ لِلّٰهِ۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ۔ لَهُ الْحَمْدُ تینوں میں ل اختصاص کا ہے۔ و۲ رَحِيْمٌ مبداء کے لحاظ سے...... سب کو وجود میں لانے والی اس کی شانِ رحمت ہی ہے۔ غَفُوْرٌ منتہٰی کے لحاظ سے — سب کو حسن انجام تک پہنچانے والی اس کی شانِ غفوریت ہی ہے۔ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ۔ زمین کے اندر داخل ہونے والی چیزیں مثلاً بارش یا تخم نباتات وغیرہا۔ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا۔ زمین سے باہر نکلنے والی چیزیں مثلاً نباتات، معدنیات وغیرہا۔ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ۔ آسمان سے اترنے والی چیزیں مثلاً ملائکہ، احکام الٰہی وغیرہا۔ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا۔ آسمان پر چڑھنے والی چیزیں مثلاً ملائکہ۔ اعمال انسانی، دعائیں۔ يَعْلَمُ الخ آیت نے تمام اصناف معلومیت کا احاطہ کرلیا۔ یعنی بڑی چھوٹی، یہاں وہاں کی، کوئی شے بھی اس کے علم سے باہر نہیں...... جاہلی قوموں نے بڑی ٹھوکریں حق تعالیٰ کی صفت علم ہی کے بارہ میں کھائی ہیں۔ شاید اسی لئے اسی کی وضاحت قرآن مجید نے اس کثرت کے ساتھ کی ہے۔

اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳﴾ۙ لِّیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا

مگر یہ کہ (یہ سب) کتاب مبین میں (درج) ہے ف۳ (قیامت اس لئے آئے گی) تا کہ ان لوگوں کو صلہ دے جو ایمان

الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ﴿۴﴾

لائے اور نیک عمل کئے ایسے لوگوں کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ف۴

وَ الَّذِیۡنَ سَعَوۡ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیۡنَ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ

اور جو لوگ ہماری آیتوں کے باب میں کوشش کرتے رہتے ہیں ہرانے کے لئے، ایسے لوگوں کے لئے سختی کا

مِّنۡ رِّجۡزٍ اَلِیۡمٌ ﴿۵﴾ وَ یَرَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ الَّذِیۡۤ

دردناک عذاب ہو گا ف۵ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ اس قرآن کو

اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ہُوَ الۡحَقَّ ۙ وَ یَہۡدِیۡۤ اِلٰی

جو آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے اور وہ راستہ بتاتا ہے

صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ﴿۶﴾ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ہَلۡ

غلبہ والے قابل حمد (خدا) کا ف۶ اور کافر (آپس میں) کہتے ہیں (کہ آؤ)

نَدُلُّکُمۡ عَلٰی رَجُلٍ یُّنَبِّئُکُمۡ اِذَا مُزِّقۡتُمۡ کُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ

ہم تمہیں ایسے شخص کا پتہ بتا دیں نا؟ جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے

اِنَّکُمۡ لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ﴿۷﴾ۚ اَفۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَمۡ بِہٖ

تو تم ضرور ایک نئے جنم میں آؤ گے اس نے (یا تو) خدا پر جھوٹ بہتان باندھا ہے یا اسے

جِنَّۃٌ ؕ بَلِ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ فِی الۡعَذَابِ

جنون ہی ہے ف۷ بات یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہی عذاب

وَ الضَّلٰلِ الۡبَعِیۡدِ ﴿۸﴾ اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مَا

اور دور دراز کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں ف۸ تو کیا انہوں نے اپنے آگے اور اپنے پیچھے

ف۳ یعنی علاوہ حق تعالیٰ کے علم ذاتی کے وہ خدائی رجسٹر میں بھی باضابطہ درج ہے۔ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ یعنی لوح محفوظ۔ وھو اللوح المحفوظ عند الاکثرین (روح) فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ۔ یعنی کائنات میں کہیں بھی ہو۔ لَاۤ اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِکَ وَ لَاۤ اَکۡبَرُ۔ یعنی کسی مقدار و حجم کا بھی ہو۔ بَلٰی وَ رَبِّیۡ۔ ایک خدا پرست کے لئے خدا کی قسم سے بڑھ کر تاکید و توثیق کی اور کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ تَاۡتِیۡنَا کی ضمیر متکلم اور لَتَاۡتِیَنَّکُمۡ کی ضمیر جمع مخاطب دونوں سے مراد نوع انسانی ہے نہ کہ کوئی مخصوص قوم وقبیلہ، اراد بالضمیر المتکلم جنس البشر قاطبۃ لا انفسھم او معاصریھم (روح) ف۴ یہ بیان وقوع قیامت کی حکمت وغایت کا ہے کہ بغیر یوم حشر کے، بغیر سزا و جزا کے یہ سلسلہ کائنات ناتمام رہ جاتا ہے۔ لِیَجۡزِیَ میں ل عاقبت کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور تعلیل کا بھی۔ لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ الخ کا ربط نحوی پچھلی آیت کے لَتَاۡتِیَنَّکُمۡ سے ہے۔ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ۔ رزق پر حاشیہ پہلے گذر چکا ہے، کہ اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر قسم کے انعامات پر شامل۔ محض روزی اس کا بہت ناکافی ترجمہ ہے۔ ف۵ یعنی ایسے لوگوں کے لئے جو آیات الٰہی کے ابطال کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ ای المجاھدین فی ابطالھا (روح۔ عن ابن زید) مِنۡ رِّجۡزٍ میں من بیانیہ ہے۔ من للبیان (روح) ف۶ یعنی قرآن بجائے خود بھی ایک سچی کتاب ہے، اور رضائے الٰہی کا راستہ دکھانے والی بھی۔ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ۔ یعنی حقائق اشیاء کا ادراک اور کتب آسمانی کی معرفت رکھنے والے۔ یَرَی۔ یہاں یَعۡلَمُ کا مرادف ہے۔ رؤیت کا تعلق صرف بصارت ظاہری سے نہیں۔ قلب بشری سے بھی ہے۔ اور فہم بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ۔ خدائے غالب ومحمود کا راستہ۔ یعنی اس کی رضا کا راستہ۔ ف۷ یہ سارا قول مشرک منکرین قیامت کا نقل ہو رہا ہے وقوع قیامت کا تو ان کے زعم میں کوئی امکان ہی نہ تھا۔ اب جب وہ یہ عقیدہ پیمبر کی زبان سے سنتے، تو پہلے تو اسے ایک عجیب و غریب خبر سمجھ کر آپس میں اس کا تذکرہ، چرچا کرتے۔ اور پھر قائل کے قول کی توجیہ لامحالہ انہیں دو شقوں سے کرتے کہ قائل یا تو دانستہ ایک بات گڑھ کر بیان کر رہا ہے، اور یا نادان فاتر العقل ہے۔ ٹھیک اسی طرح آج بھی "مستشرقین اسلام" جب قلم اٹھاتے ہیں تو یہ تو بطور علوم متعارفہ فرض کر لیتے ہیں کہ دعوئ رسالت صحیح تو بہر حال ہو نہیں سکتا۔ اب مدعئ رسالت یا تو نعوذ باللہ خادع (Impostor) ہو گا اور یا نادان اور خود فریبی میں مبتلا!۔ رَجُلٍ...... جَدِیۡدٍ۔ یہ بات ایک دوسرے سے وہ حیرت واستعجاب اور تحیر واستہزاء کے لہجہ میں کہتے۔ ف۸ اور اس شدید گمراہی کا اثر فی الحال یہ ہے کہ انہیں سچے بھی مفتری اور مجنون نظر آتے ہیں اور فی المآل یہ ہو گا کہ انہیں عذاب بھگتنا پڑے گا۔ (تھانوی رحمہ اللہ)

خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ

آسمان و زمین کی طرف نظر نہیں کی و۹ ہم اگر چاہیں تو انہیں زمین میں

الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ

دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا

پوری دلیل ہے ہر جھکنے والے بندے کے لئے و۱۰ اور بالیقین ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے ایک

فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾

(بڑی) بڑائی دی تھی و۱۱ اے پہاڑو ان کے ساتھ تسبیح کرتے رہو و۱۲ اور پرندوں کو (بھی یہی حکم دیا) اور داؤد کے واسطے

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ

ہم نے لوہے کو نرم کر دیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور (ان کے) جوڑ میں (مناسب) اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کرو،

اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا

میں خوب دیکھ رہا ہوں جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو و۱۳ اور (ہم نے) سلیمان کے لئے ہوا کو (مسخر کر دیا) کہ اس کی صبح کی

شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ

منزل مہینہ بھر کی ہوتی اور اس کی شام کی منزل مہینہ بھر کی ہوتی و۱۴ اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا و۱۵

الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يَّزِغْ

اور جنات میں کچھ وہ تھے جو ان کے آگے ان کے پروردگار کے حکم سے (خوب) کام کرتے تھے و۱۶ اور ان میں سے جو کوئی

مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ

ہمارے حکم سے سرتابی کرے اسے ہم دوزخ کا مزہ بھی چکھا دیں گے و۱۷ سلیمان کے لئے

لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ

وہ، وہ چیزیں بنا دیتے جو انہیں (بنوانا) منظور ہوتیں (مثلاً) بڑی عمارتیں اور مجسمے اور لگن جیسے حوض

ع ۹

و۹ کہ وہی ان کے دل کو قدرت الٰہی کی عظمت کے دلائل سے لبریز کر دینے کے لئے کافی ہیں۔ جو ایسے اجرامِ عظیمہ کا ابتداءً پیدا کرنے والا ہے وہ کیا اجسامِ صغیرہ کے خلقِ ثانی پر قادر نہیں؟ و۱۰ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ۔ یعنی جس کے دل میں حق کی طلب اور اللہ کی طرف جھکاؤ ہے۔ مطلب یہ کہ دلیل تو قدرت الٰہیہ کی پوری پوری موجود ہے مگر ان لوگوں میں طلب ہی نہیں، اس لئے یہ محروم ہیں۔ اِنْ...... السَّمَآءِ۔ لیکن حکمت مقتضی ہے تاخیر کو، اور اس لئے انہیں مہلت دے رکھی گئی ہے۔ و۱۱ (کہ انہیں زمین کی ایک بڑی مملکت کا حکمراں بنا دیا تھا) فَضْلًا صیغہ نکرہ اظہار عظمت و اہمیت کے لئے ہے۔ والتنکیرہ للتفخیم (روح) مِنَّا۔ یعنی یہ فضل ہماری طرف سے بلا کسی واسطہ کے اور براہ راست تھا۔ ای بلا واسطة۔ لتاکید فخامته الذاتیة بفخامته الاضافیة (روح) آپ کی وسعت مملکت وغیرہ کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ خود حضرت داؤدؑ اور ان کی نبوت و سلطنت اور ان کے معجزات خاص پر حاشیے ان اوراق میں پہلے ہی گزر چکے۔ و۱۲ پہاڑوں اور پرندوں کو یہ حکم تکوینی طور پر ملا تھا۔ اَوِّبِيْ مَعَهٗ۔ یرجعی معه کے مرادف ہے۔ ای یرجعی معه قال ابن عباس وقتادہ وابن زید (روح) تسبیح جبال وطیور کی یہ ''عقلی'' تاویل کہ ان کی تسبیح زبانِ حال سے ہوتی رہتی ہے، عقلاً بھی بہت عجیب ہے، زبانِ حال سے تو ہر مخلوق کی تسبیح ہر وقت ہوتی ہی رہتی ہے۔ اسے حضرت داؤدؑ کے فضائل سے کیا تعلق ہے۔ مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپؑ کی آواز میں وہ درد و سوز اور وہ کیفیت خشوع رکھی گئی تھی کہ پہاڑ جیسی جامد اور سخت مخلوق اور پرند جیسی انسان سے دور دور گریزاں رہنے والی مخلوق تک بے تاثر نہ رہتی، اور اپنے کو ذکر الٰہی میں آپ کی ہم زبانی پر مضطر پاتی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی مطلب لیا ہے کہ تسبیح میں معیت انہیں دو مخلوق تک محدود نہیں، بلکہ جبال وطیور کا ذکر صرف انتہائی نمونوں کے طور پر کیا گیا ہے۔ لم یکن الموافق له فی التاویب منحصرًا فی الجبال والطیر (کبیر) و۱۳ (اس لئے رعایت حدود کا پورا اہتمام رکھو) حضرت داؤدؑ کی زرہ سازی پر حاشیے سورۃ الانبیاء پ۱۷ میں گزر چکے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ایک طرف نبوت و رسالت اور دوسری طرف حکومت و سلطنت کے باوجود اپنا مستقل ذریعۂ معاش صنعت زرہ سازی کو بنائے ہوئے تھے۔ اور اسی کی تجارت کرتے تھے۔ تو ایسے سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ صناعی و دستکاری منصب نبوت کے بھی منافی نہیں۔ چہ جائیکہ مرتبۂ ولایت کے! مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے تین مسئلے نکلے۔ ایک خرق عادت کا اثبات، دوسرے دستکاری سے کمانے کی فضیلت، تیسرے ہر کام میں اعتدال، انتظام و تناسب کی رعایت یہاں تک کہ امور حسی و دنیوی میں بھی۔ و۱۴ شَهْرٌ مرادف ہے مسیرۃ شہر کے یعنی مہینہ بھر کی راہ، اور راہ بھی وہ جتنی کہ ایک تیز رو اسپ سوار مہینہ بھر میں طے کرے۔ ای مسیرة شهر للراکب المسرع (مدارک) حضرت سلیمان علیہ السلام کی سیاحت ہوائی پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے...... گویا بڑے بڑے تیز رفتار ہوائی جہاز آپؑ کے تابع تھے۔ گو وہ بجائے تیل اور مشینری اور انجن وغیرہ کے براہ راست قدرتِ الٰہی سے چلتے ہوں۔ و۱۵ یعنی تانبے کو اس کے معدن میں رقیق سیال کر دیا تھا تاکہ اس سے بلا مدد آلات مصنوعات کے بنانے میں سہولت ہو۔ پھر وہ منجمد ہو جاتا۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ زیر زمین جہاں گرم اور رقیق تانبے کے چشمے ہیں۔ وہ آپ پر منکشف کر دیئے گئے تھے۔ و۱۶ بِاِذْنِ رَبِّهٖ۔ یعنی ان کے پروردگار کے حکم تسخیری و تکوینی سے۔ اس سے یہ بھی صاف ہو گیا کہ یہ نعمت پروردگار کی طرف سے عطا ہوئی تھی۔ وَمِنَ الْجِنِّ۔ جنات کی تفسیر قوی، ہیکل انسانوں سے کرنے والے کچھ اسی دور مادیت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ایسے ''روشن خیال'' پہلے بھی فرقہ باطنیہ اور دوسرے گمراہ فرقوں میں گزر چکے ہیں۔ جنہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح جبال سے مفہوم تسبیح بزبان حال کا لیا تھا۔ اور جنات کی تفسیر قد آور انسانوں سے کی تھی۔ وقس علی ہذا...... صاحب بحر نے ایسی ساری تحریفات کو باطنیہ اور ان کے ہم مشربوں کی جانب منسوب کیا ہے۔ ولبعض الباطنیة اومن یشبههم تحریف فی هذه الجمل۔ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اقوال کو بعض الناس کی جانب منسوب کیا ہے۔ اور دونوں بزرگوں نے ان اقوال کے لغو و مہمل ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ وهذا تاویل فاسد وخروج بالجملة عما یقوله اهل التفسیر فی الاٰیة (بحر) وهذا کلها فاسد (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تسخیر جنات اگر کسی عمل وغیرہ کے ذریعہ سے نہو، محض منجانب اللہ ہو تو عبدیت کے منافی نہیں۔ و۱۷ عذاب دوزخ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جنات کو علاوہ تکوینی محکومی کے حکم تشریعی بھی پیمبر وقت کے احکام کی تسلیم و انقیاد کا ملا تھا۔

وَقُدُوۡرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا ؕ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ

اور (بڑی بڑی) جمی ہوئی دیگیں وف۱۸ اے داؤد کے خاندان والو وف۱۹ تم شکریہ میں (نیک) کام کرو اور میرے بندوں میں

عِبَادِىَ الشَّكُوۡرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيۡنَا عَلَيۡهِ الۡمَوۡتَ مَا دَلَّهُمۡ

کم ہی شکر گذار ہوتے ہیں وف۲۰ پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم جاری کر دیا وف۲۱ تو کسی چیز نے ان کی موت کا پتہ

عَلٰى مَوۡتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ تَاۡكُلُ مِنۡسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا

نہ بتایا بجز ایک زمینی کیڑے کے کہ وہ سلیمان کے عصا کو کھاتا تھا، سو جب وہ

خَرَّ تَبَيَّنَتِ الۡجِنُّ اَنۡ لَّوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ الۡغَيۡبَ مَا لَبِثُوۡا

گر پڑے تب جنات پر حقیقت ظاہر ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی

فِى الۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ ؕ ﴿۱۴﴾ لَقَدۡ كَانَ لِسَبَاٍ فِىۡ مَسۡكَنِهِمۡ اٰيَةٌ ۚ

مصیبت میں نہ رہتے وف۲۲ سبا (والوں) کے لئے ان کے وطن (ہی) میں نشان موجود تھا

جَنَّتٰنِ عَنۡ يَّمِيۡنٍ وَّشِمَالٍ ؕ كُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّكُمۡ

دو (قطاریں تھیں) باغ (کی) داہنے اور بائیں وف۲۳ کھاؤ اپنے پروردگار کا (دیا ہوا) رزق

وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ بَلۡدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوۡرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعۡرَضُوۡا

اور اس کا شکر کرو عمدہ شہر اور مغفرت والا پروردگار وف۲۴ سو انہوں نے سرتابی کی وف۲۵

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ سَيۡلَ الۡعَرِمِ وَبَدَّلۡنٰهُمۡ بِجَنَّتَيۡهِمۡ

سو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا وف۲۶ اور ہم نے ان کے دو رویہ باغوں کے عوض

جَنَّتَيۡنِ ذَوَاتَىۡ اُكُلٍ خَمۡطٍ وَّاَثۡلٍ وَّشَىۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ

دو باغ اور دیئے جو بد مزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری والے تھے

قَلِيۡلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِمَا كَفَرُوۡا ؕ وَهَلۡ نُجٰزِىۡۤ اِلَّا

وف۲۷ انہیں ہم نے یہ سزا ان کی ناسپاسی کے سبب دی اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو

وف۱۸ یہ جنات جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع ومحکوم تھے۔ آپ کے لئے عمارتیں اور دیگیں اور لگنیں سب بڑی بڑی عظیم الشان تیار کرتے تھے۔ تمثال۔ جس قسم کی مورت کو کہتے ہیں، اسی کو آج کی اصطلاح میں مجسمہ سے موسوم کرتے ہیں۔ اگلی شریعتوں میں یہ چیز حرام نہ تھی۔ یدل علی ان عمل التصاویر کان مباحاً وھو محظور فی شریعة النبی صلی اللہ علیہ وسلم (جصاص) اسی لفظ تمثال سے سند پکڑ کر ایک قول تصویر سازی کے جواز میں نقل ہوا ہے۔ وحکی مکیٌ فی البدایة ان قوماً اجازوا التصویر (بحر) لیکن صاحب بحر نے اس کو نقل کر کے لکھا ہے کہ مجھے کسی عالم ربانی کا علم نہیں جس نے تصویر کو جائز رکھا ہو۔ وما احفظ من ائمة العلم من تجوزہٗ۔ اور صاحب روح نے بھی اسی کو نقل کر کے لکھا ہے کہ فلا یلتفت الی ھذا القول ولا یصح الاحتجاج بالاٰیة۔ نہ یہ قول قابل التفات ہے اور نہ آیت سے کوئی ایسا استنباط نکلتا ہے۔ ایک روایت یہ بھی نقل ہوئی ہے کہ یہ مجسمے انبیاء وملائکہ وصالحین کے تھے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعاء سے ان میں جان پڑ گئی تھی۔ لیکن بقول صاحب روح ھذا من عجب العجاب ولا ینبغی اعتقاد صحته وما ھو الاحدیث خرافة۔ یہ حکایت بہت ہی عجیب وغریب ہے، ہرگز یقین کرنے کے قابل نہیں۔ یہ محض ایک لغو روایت ہے۔ يَعۡمَلُوۡنَ...... مَحَارِيۡبَ۔ مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کی اور عبادت گاہیں آپ ہی کی تعمیر کرائی ہوئی ہیں اور لوگ آج بھی ان عمارتوں بڑے بڑے مقبروں کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ وف۱۹ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے متعلقین مراد ہیں یہ انہیں مخاطب کر کے حکم ہوا تھا۔ وف۲۰ شکر گزار بندوں سے مراد ہیں اپنی خدا داد صلاحیتوں، قابلیتوں، استعدادوں کے حق ادا کرنے والے یعنی اعمال صالحہ کرنے والے۔ وف۲۱ (اور ان کا انتقال ہوگیا) سلیمان علیہ السلام بھی بایں شان وشوکت بہرحال ایک دن وفات پا گئے آیت میں ضمناً یہ تعلیم آ گئی کہ سلیمان جب ہوا پر اُڑ کر اور جنات پر حکومت کر کے بھی موت سے نہ بچ سکے سو کسی دوسرے بشر کا کیا ذکر۔ تنبیھاً للخلق علی ان الموت لا بد منه ولو نجا منه لکان سلیمان اولٰی بالنجاة منه (کبیر) وف۲۲ آثار روایت میں آتا ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام کو اپنی موت کا قرب محسوس ہوا تو آپ تخت پر عصا کی ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور اسی ہیئت میں انفکاک روح ہوگیا۔ اور ایک طویل مدت تک اسی وضع پر بیٹھے رہے۔ جنات آپ کو بیٹھا ہوا دیکھ کر آپ کو زندہ سمجھے اور قریب آنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ بدستور اپنے اپنے کام میں لگے رہے۔ جب عصا میں گھن لگ گیا، عصا گرا اور آپ کا جسم بھی اس وضع پر قائم نہ رہ سکا، اور جنات کو اپنے غیب دانی کی حقیقت خوب روشن ہو کر رہی۔ دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ۔ سے مراد دیمک ہے یا لکڑی کا کوئی اور کیڑا۔ الۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ۔ سے مراد مشقتیں ہیں جو ان مملوکوں کے حق میں ذلت انگیز بھی تھیں۔ امام رازی علیہ رحمہ اللہ نے اسی لفظ سے استدلال کیا ہے کہ یہ جنات مومن قسم کے نہ تھے۔ مومنین پیغمبر کے عہد میں عذاب مہین میں مبتلا ہو نہیں سکتے۔ الۡجِنُّ۔ جنات پر حاشیہ ابھی نمبر ۱۶ میں گزر چکا ہے۔ آیت میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ کبھی قوی کو ضعیف سے بھی استفادۂ علمی ہو جاتا ہے۔ فیه اشارة الی ان الضعیف قد یفید القوی علماً (روح) وف۲۳ یعنی علاقہ میں دو طرفہ باغات کا سلسلہ متصل چلا گیا تھا۔ بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ ان باغوں کی وسعت ۳۰۰ میل مربع کی تھی۔ اور یہ سارا رقبہ خوشبودار درختوں اور طرح طرح کے لذیذ میووں اور پھلوں سے بھرا ہوا تھا۔ سَبَاٍ۔ یہ ملک سبا وہی ہے جو عرب کے جنوب میں اب علاقہ یمن کہلاتا ہے۔ نہایت سرسبز، شاداب، زرخیز خطہ تھا۔ اٰيَةٌ۔ یعنی اللہ کے کمال قدرت وصناعی کا نشان۔ علامة دالة علی وجود الصانع المختار واللہ قادر علی ما یشآء من الامور العجیبة (بیضاوی) وف۲۴ گویا اتنی دنیوی نعمتوں کا اجتماع تھا، اور مطالبہ صرف ادائے حقوق کا تھا۔ طَيِّبَةٌ سے اشارہ ہو سکتا ہے کہ شہر کی لطیف آب وہوا کی جانب ہو۔ یروی اللہ کان لطیفة الھواء حسنة التربة (روح) وف۲۵ یعنی کفر وشرک اور کثرت معاصی میں پڑ گئے اور ناصحین کی کچھ نہ سنی۔ وف۲۶ سد مأرب، ایک مشہور تاریخی بند ہے جو پہاڑوں کے پانی کے ذخیرہ کے لئے بنایا گیا ہے مأرب ملک سبا کا دار السلطنت تھا، موجودہ شہر صنعاء سے کوئی ۶۰ میل مشرق میں اور سطح سمندر سے کوئی ۳۹۰۰ فٹ بلند...... قوم سبا ایک بڑی متمدن قوم تھی۔ اس کا یہ کئی میل کا لانبا چوڑا بند سبا کے انجینئروں کی فنکاری کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ یہ عظیم الشان بند ظہور اسلام سے کچھ قبل ٹوٹا ہے، تخمیناً ۵۴۲ء میں۔ اس کی تباہ کاریوں کے آثار صدیوں بعد تک قائم رہے۔ چنانچہ ایک سیاح نے ۱۸۴۸ء میں معائنہ کئے۔ طول میں یہ بند ۱۵۰ فٹ اور عرض میں ۵۰ فٹ تھا۔ وف۲۷ یعنی وہ پرفضا باغات مٹ مٹا کر اب جنگلی خودرو جھاڑ جھنکاڑ باقی رہ گئے۔ خَمۡطٍ۔ خمط کے معنی پیلو کے درخت کے بھی ہیں۔ قیل ھو شجر الاراک (راغب) الخمط شجر الاراک (کشاف) الخمط الاراک (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ والحسن ومجاھد وقتادة والضحاک)

۲۷ ورنہ درگزر معمولی خطاؤں پر اور کثرت سے تو ہوتی ہی رہتی ہے) مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا الخ اور ذٰلِکَ جَزَیْنٰهُمْ الخ دونوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ طاعت کو دنیوی نعمت کے حصول اور معصیت کو اس کے زوال میں دخل ہے۔ ف۲۹ یعنی رات دن جب چاہو، بآرام واطمینان سفر کرسکتے ہو، نہ رہزن کا کوئی خطرہ، نہ کسی بے سروسامانی کا اندیشہ، راہ میں قدم قدم پر آبادیاں، اور جگہ جگہ کھانے پینے کا سامان بفراغت ـــــ گویا راستہ بھر حفاظت کے لئے پولیس کی چوکیاں اور کھانے پینے کے لئے ہوٹل۔ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا۔ مراد ملک شام کے مقامات ہیں۔ وهي قرى الشام (بیضاوی) والقرى التي بورك فيها بلاد الشام باجماع من المفسرين (بحر۔ عن ابن عطیہ) قُرًى ظَاهِرَةً۔ ایسے شہر جو عام شاہراہ سے بآسانی نظر آجائیں۔ یعنی لب سڑک آبادیاں۔ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ۔ یہ اہل سبا ایک بڑی تاجر قوم تھی۔ بحری تجارت ہمیشہ بیشمار دولت کا سبب بن جاتی ہے یہ لوگ بحری راستہ سے ہندوستان اور درمیانی ملکوں سے تجارتی سامان لاتے تھے۔ اور پھر یمن سے سمندر کے کنارے کنارے ملک شام کو لے جاتے تھے اور اس مسلسل دوہری تجارت سے مالامال ہوگئے تھے۔ لَيَالِيَ وَاَيَّامًا کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ آجکل کی ریلوں اور جہازوں کی طرح ان لوگوں کے تجارتی قافلے بھی دن رات مسلسل چلا کرتے تھے۔ اور اٰمِنِيْنَ سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ راستے بالکل محفوظ اور بے خطر ہوگئے تھے۔ لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ کا ایک مفہوم یہ بھی لیا گیا ہے کہ ساری عمر سفر کرتے رہو جب بھی امن نصیب رہے گا۔ اوسيروا فيها لياليكم وايامكم اي مدة اعماركم لا تلقون فيها الا الامن (روح) ف۳۰ یعنی نعمتوں کے حقوق تو کیا ادا کرتے، ان کی ظاہری قدر بھی نہ کی۔ اور الٹی تمنا یہ کرنے لگے کہ سفر کی منزلیں دور دور ہوتیں، تو کچھ مزہ بھی آتا۔ یہ کیا کہ وطن ومسافرت میں کچھ فرق ہی نہیں...... یہ (Adventure) کی حرص تمدن جدید کا بھی ایک عام مرض ہے اور فرنگیوں میں قابل فخر عادت سمجھی جاتی ہے۔ قَالُوْا ...... اَسْفَارِنَا۔ ضرور نہیں کہ زبان سے بھی یہی انہوں نے کہا ہو۔ دل کے اندر کی تمنا بھی مراد ہوسکتی ہے۔ ف۳۱ کچھ ہلاک ہوگئے، اور جو بچے رہے، ان کے بھی سامانِ تنعم چھن گئے۔ بحیثیت مجموعی سب کی حالت قابل عبرت رہ گئی۔ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی طرح طرح کی نافرمانیاں کیں۔ ف۳۲ (پند وعبرت کی) صابروں کے لئے تو یوں کہ معاصی سے نہ بچے، نفس کو نہ روکنے کا نتیجہ اس قصہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور شاکروں کے لئے یوں کہ نعمتوں کی قدر نہ کرنے کا انجام اس واقعہ سے روشن ہے اور صابروشاکر کا اطلاق تو ہر مومن پر ہوسکتا ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ انصار مدینہ یعنی قبائل اوس وخزرج انہیں اہل سبا کی اولاد میں سے تھے۔ ف۳۳ (کہ میں بنی آدم میں سے بہتوں کو محض سبز باغ دکھا کے گمراہ کرڈالوں گا، اور اپنے پیچھے لگالوں گا) ومنشاظنه رؤية انهماكهم في الشهوات (روح) اي ظنه انه يغويهم (کبیر) ف۳۴ (کہ بس وہ فریق محفوظ رہا) مِنْ یہاں بیانیہ ہے۔ اس ترکیب کے لحاظ سے لفظ فریق گویا مؤمنین کی تشریح وتوضیح ہی کررہا ہے، یہ مراد نہیں کہ مومنین میں سے ایک فریق محفوظ رہا، اور دوسرا شیطان کی راہ پر پڑلیا۔ اور تقدیر کلام یوں ہوگی۔ اي الافريقا هم المؤمنون لم يتبعوه۔ ف۳۵ (چنانچہ ہر ایک کے ایمان وعدم ایمان کی بھی اس کو خبر ہے) لِنَعْلَمَ یعنی ہم ظاہری طور پر بھی معلوم کرلیں۔ ان واقعات تکوینی سے مقصود ابتلاء وامتحان ہی تھا کہ مومن وکافر متعین ہوجائیں۔ لِنَعْلَمَ۔ ل تعلیل کا ہے۔ یعنی شیطان کے مسلط کرنے کی غایت تکوینی ہی یہ ہے کہ مخلص ومنافق کا امتیاز ہوجائے۔ ف۳۶ (اور انہیں خود علم ہوجائے گا کہ وہ کتنی قدرت تمہاری حاجت روائی کی رکھتے ہیں)

الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا

دیا کرتے ہیں ف۲۸ اور ہم نے ان کے اور ان کی بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے برکت رکھی تھی، بستیاں آباد کر رکھی تھیں

فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا

(دور سے) نظر آنے والی اور ہم نے اس میں سفر ٹھہرا دیا تھا سفر کرو ان میں

لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا

رات اور دن بے کھٹکے ف۲۹ پھر وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے سفروں میں درازی کردے ف۳۰

وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ

اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور ان کو بالکل تتر بتر

مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ

کر دیا ف۳۱ بے شک اس (واقعہ) میں ہر صابر شاکر کے لئے نشانیاں ہیں ف۳۲ اور واقعی

صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ

ابلیس نے اپنا گمان ان لوگوں کے بارہ میں صحیح پایا ف۳۳ چنانچہ یہ لوگ اسی کی راہ پر ہولئے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا

بجز ایمان والوں کے گروہ کے ف۳۴ اور اس کا جو تسلط ان لوگوں پر ہے وہ تو بس اسی لئے ہی ہے

لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ۭ

کہ ہم معلوم کرلیں ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے الگ جو اس کی طرف سے شک میں ہیں

وَرَبُّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ ع قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ

اور آپ کا پروردگار ہر چیز کا نگراں ہے ف۳۵ آپ کہیے تم انہیں پکارو تو جنہیں تم

زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي

اللہ کے سوا (شریک خدائی) سمجھ رہے ہو ف۳۶ وہ ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتے (نہ)

ف۳۷ (ایجاد و تخلیق عالم سے لے کر روزانہ کے تصرفات تک کسی چیز میں بھی) مِثْقَالَ سے مراد وہ اقل ترین مقدار ہے جس سے کم ذہن میں بھی نہ آئے۔ شرک کی جتنی قسمیں عام طور پر پھیلی ہوئی ہیں

السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ

آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے

وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ

اور نہ ان میں سے کوئی بھی اللہ کا مددگار ہے ف۳۷ اور نہ اس کے حضور میں (کوئی) سفارش کام آتی ہے مگر

عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ

ہاں اس کے حق میں جس کے لئے وہی اجازت دے دے، ف۳۸ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو

قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَ هُوَ الْعَلِيُّ

جاتی ہے تو وہ (آپس میں) پوچھتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا وہ کہتے ہیں کہ حق (بات کا حکم فرمایا) ف۳۹ اور

الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

(واقعی) وہ عالی شان ہے، سب سے بڑا ہے ف۴۰ آپ پوچھئے تم کو آسمانوں اور زمین میں کون روزی دیتا ہے؟

قُلِ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ

آپ کہیے کہ اللہ اور ہم یا تم ہی ضرور راہ راست پر ہیں یا صریح

مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَ لَا نُسْـَٔلُ عَمَّا

گمراہی میں ف۴۱ آپ کہہ دیجیے کہ نہ تم سے ہمارے جرائم کی بابت سوال ہوگا اور نہ ہم سے تمہارے اعمال کا

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا

سوال ہوگا ف۴۲ آپ کہہ دیجیے کہ ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک

بِالْحَقِّ ؕ وَ هُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ

فیصلہ کرے گا اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا ہے بڑا علم والا ہے ف۴۳ آپ کہیے کہ مجھے (ذرا) ان کو تو دکھاؤ جنہیں

اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

تم نے شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے، نہیں، بلکہ وہ اللہ ہی ہے زبردست حکمت والا ف۴۴

سب کی تردید آیت میں آگئی — نہ کوئی کسی چیز کا مستقلاً مالک ہے، نہ کوئی حق تعالیٰ کی صفت مالکیت میں شریک ہے، اور نہ کسی کو حق تعالیٰ نے اپنے اختیارات نیابۃً منسوب کر دیئے ہیں۔ ف۳۸ اور یہ معبودانِ باطل خود تو کسی کی حاجت روائی کیا کرتے ان میں سے کسی میں اتنا بس بھی تو نہیں کہ اللہ کے سامنے بلا اذن کوئی سفارش ہی پیش کر سکے۔ ہاں اللہ ہی کسی کی سفارش کرانا چاہے تو اس کے لیے انہیں حکم دے دے — مستقل شافع ہونے کا عقیدہ بھی دنیا میں شرک کا ایک بڑا سبب رہا ہے۔ یہاں تردید خصوصیت کے ساتھ ملائکہ پرستی کی ہو رہی ہے۔ ف۳۹ یہ فرشتوں کی عام حالت کا بیان ہے۔ ”جب کوئی حکم حضرت حق سے سنتے ہیں تو اُن کے مجمع میں ہلچل پڑ جاتی ہے، حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ اپنی فہم، اپنے حفظ کسی چیز پر اعتماد نہیں باقی رہ جاتا گھبرا گھبرا کر ایک دوسرے سے پوچھ پاچھ شروع کر دیتے ہیں، اور ایک دوسرے کی تسکین و تقویت قلب کا باعث بنتے ہیں کہ جو کچھ ارشاد ہوا، حق ہی ارشاد ہوا ہے“۔ جس مخلوق کی یہ حالت ہو، وہ ابتداءً خطاب کرنے کی جرأت بھلا کس طرح کر سکتی ہے۔ اور جب یہ حال ملائکہ جیسی مقبول ترین ہستیوں کا ہے تو غیر مقبولین کا ذکر ہی کیا ہے۔ آیت میں اشارہ ہے کہ ہیبت بھی کبھی مانع فہم ہو جاتی ہے۔ فیه اشارة الى ان الهيبة تمنع الفهم (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہیبت کبھی اس درجہ مانع فہم بن جاتی ہے کہ انسان کو معذور قرار دینا پڑتا ہے جیسا کہ بعض اہل حال کو۔ ف۴۰ (اس کی عظمت و ہیبت سے فرشتوں کے اس قدر گھبرا جانے میں حیرت کی کوئی بات ہی نہیں) بعض نے یہ پورا فقرہ فرشتوں ہی کا مقولہ قرار دیا ہے۔ ف۴۱ (اسی مسئلہ توحید و شرک میں) یعنی یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ قائلین توحید و منکرین توحید دونوں حق پر ہوں۔ اس طریق خطاب میں تعلیم ہے مجادلہ کے ساتھ لب و لہجہ میں ملاطفت کی۔ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمان سے مثلاً پانی برسا کر، زمین سے مثلاً نباتات نکال کر۔ ف۴۲ یہ منکرین کے لیے آخری جواب ہے کہ خیر اور کسی طرح نہیں مانتے ہو، نہ مانو ہم مجرم و خطاکار ہیں تو تم سے سوال نہ ہوگا۔ اور تمہاری بابت ہم سے سوال نہ ہوگا آیت میں ہر شخص کی ذاتی مسئولیت و ذمہ داری کی بھی تعلیم آگئی۔ ف۴۳ وہ نہ کسی فیصلہ سے عاجز ہے اور نہ اس کے کسی فیصلہ میں غلطی کا امکان ہے۔ ف۴۴ یعنی تم کیسی حماقت و ضلالت میں پڑے ہوئے ہو، اللہ تو بس ایک ہی ہے ہر ایک پر غالب اور حکیم مطلق۔ اَرُوْنِيْ۔ یعنی شرک پر کوئی دلیل تو قائم کر کے لاؤ۔ کوئی حجت تو پیش کر کے دکھاؤ۔ یہ مراد نہیں کہ آنکھ سے دکھلاؤ۔ ارى هنا بمعنى اعلم (بحر) المراد اعلمونی بالحجة والدليل (روح)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

اور ہم نے تو آپ کو سارے ہی انسانوں کے لئے (پیمبر بنا کر) بھیجا ہے بطور خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا

کے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے وہ۴۵ اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا

الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا

ہو گا اگر تم سچے ہو وہ۴۶ آپ کہہ دیجیے کہ تمہارے واسطے ایک خاص دن کا وعدہ ہے کہ

تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالَ

اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو وہ۴۷ اور کافر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ

کہتے ہیں کہ ہم نہ اس قرآن کو مانیں گے اور نہ اس سے پہلی

بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ

کتابوں کو اور آپ کاش وہ وقت دیکھیں جب یہ ظالم اپنے پروردگار کے رو برو کھڑے

رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ

ہوں گے ایک دوسرے پر بات ڈال رہا ہو گا وہ۴۸ ادنیٰ درجہ کے

الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا

لوگ بڑے لوگوں سے کہہ رہے ہوں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور

مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا

ایمان لے آئے ہوتے (اس پر) بڑے لوگ ادنیٰ درجہ کے لوگوں سے کہیں گے

اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ

کیا کہیں ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا تھا بعد اس کے کہ وہ تم تک پہنچ چکی تھی؟ نہیں بلکہ

وہ۴۵ اتنی صراحت کے ساتھ اپنے پیام ہدایت کی عالمگیری کا دعویٰ دنیا کے کسی دین نے کبھی نہیں کیا۔ یہ خصوصیت آسمانی کتابوں میں صرف قرآن کی ہے۔ قرآن ہی اعلان کے ساتھ کہتا ہے کہ پیام محمدی ہر ملک، ہر قوم، ہر طبقہ انسانیت اور ہر زمانہ کی ہدایت کے لیے ہے ـــ اسلام کے دو دعوے ایسے ہیں، جن میں دنیا کا کوئی دوسرا دین اس کا شریک نہیں۔ دونوں دعوے اسلام کے امتیازاتِ خصوصی میں سے ہیں۔ ایک یہ بار بار تصریح و وضاحت کے ساتھ کہنا کہ میری تعلیم ساری دنیا کے لیے ہے۔ (دوسرے مذاہب جیسے اپنی قوم یا ملک کے باہر کسی کو جانتے ہی نہیں) دوسرے پیمبر اسلام ﷺ کو سلسلۂ انبیاء کا خاتم قرار دینا۔ وہ۴۶ (اپنے اس دعوے میں کہ قیامت کا آنا برحق ہے) هٰذَا الْوَعْدُ۔ یعنی وعدۂ آمد قیامت۔ يَقُوْلُوْنَ۔ یہ کہنے والے مشرکین، منکرین قیامت تھے جو مسلمانوں سے طنز و استہزاء کی راہ سے یہ سوال کر رہے تھے ـــ جاہلی تہذیبوں کا سب سے بڑا فتنہ یہی آخرت فراموشی، آخرت بیزاری کا ہے اور یہ تقریباً سب میں مشترک رہا ہے۔ وہ۴۷ جواب جو رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ادا کرایا جا رہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کا ایک وقت علم الٰہی میں معین و مقرر ہے۔ وہ کسی کے طلب، تقاضہ، طنز و طعن سے نہیں آئے گی، اپنے وقت ہی پر آئے گی۔ جب بھی اس کا آنا حکمت الٰہی میں مناسب ہو۔ وہ۴۸ (اور اپنے کو ہر شخص الزام سے بچا رہا ہو گا) وَقَالَ...... يَدَيْهِ۔ یہ کہنے والے وہ مشرکین تھے، جو سرے سے سلسلہ وحی و نبوت ہی کے منکر تھے ـــ مشرکوں کو اعتراض صرف ذاتِ محمدی ﷺ پر نہ تھا۔ بلکہ نفس نبوت ہی کے تخیل سے انہیں انکار تھا۔

كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ

تم ہی قصور وار رہے ہو ف۴۹ اور وہ کم درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے

اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ

کہیں گے کہ نہیں بلکہ تمہاری ہی رات دن کی تدبیروں نے (روکا تھا) جب کہ تم ہمیں آمادہ کرتے رہتے تھے کہ ہم اللہ سے

بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا

کفر اختیار کریں، اور اس کے لئے شریک قرار دیں ف۵۰ اور وہ لوگ (اپنی) پشیمانی کو مخفی رکھیں گے جب کہ عذاب

الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

دیکھ لیں گے ف۵۱ اور ہم کافروں کی گردن میں طوق ڈالیں گے

هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ

جیسا کرتے تھے ویسا ہی تو بھر پایا اور ہم نے کسی بستی میں

قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ

کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو اس (دین) کے منکر ہیں جسے دے کر

كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ

(تمہارے زعم میں) تم کو بھیجا گیا ہے، اور انہوں نے کہا ہم تو مال واولاد میں (تم سے) زیادہ ہیں، اور ہم کو

بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

عذاب ہونا نہیں ف۵۲ آپ کہیے کہ میرا پروردگار زیادہ روزی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے

وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع وَمَآ اَمْوَالُكُمْ

اور تنگ کر دیتا ہے (روزی جس کے لئے چاہتا ہے) لیکن اکثر لوگ (اس کا) علم نہیں رکھتے ف۵۳ تمہارے مال

وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ

اور تمہاری اولاد (کوئی بھی) ایسی چیز نہیں جو تم کو کسی درجہ میں ہمارا مقرب بنا دے مگر ہاں جو کوئی ایمان لائے

ف۴۹ (کہ وقوع حق کے بعد بھی از خود قبول نہ کیا، اور اب ہمارے سر دھرتے ہو۔ ہم نے کیا کچھ زبردستی کی تھی؟) غرب یہ کہ ادنیٰ واعلیٰ سب اپنے اپنے کو بچا لیں گے اور اپنا الزام دوسرے کے سر ڈال لیں گے۔ اَنَحْنُ...... جَآءَكُمْ۔ اگر یہ شبہ ہو کہ بعض کفار نے تو اپنے اتباع پر زبردستی کی بھی ہے، تو جواب یہ ہے کہ اصل ایمان تو اعتقاد ہے اور اس کا محل قلب ہے۔ وہاں اکراہ ممکن نہیں (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

ف۵۰ (اور ہم تمہاری ان چالوں، تدبیروں کے شکار ہو گئے۔ سو ہماری گمراہی کے بھی اصلی ذمہ دار تمہیں ہو) مَكْرُ۔ یعنی ہر طرح کی ترغیب وترہیب، اور مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ کی تقدیر کلام یوں ہے۔ مکر کم هنا فی اللیل والنهار۔

ف۵۱ اپنے دل میں اپنے قصور پر حائل ہونے والے بڑے اور چھوٹے سب ہی ہوں گے۔ اپنی اپنی ذمہ داری سب محسوس کر کے رہیں گے۔ البتہ شماتت ہمسایہ کے خیال سے دوسروں پر اس کا اظہار حتی الامکان نہ ہونے دیں گے وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ۔ یہ اخفاء پشیمانی ایک دوسرے سے ہوگا اپنی مزید تفضیح ورسوائی کے خوف سے۔

ف۵۲ یہی خوشحال طبقہ (Well, todo, clase) ہر ملک اور ہر دور میں خدائی تعلیمات سے انکار میں آگے رہا ہے۔ وہ اپنے برسر حق ہونے اور اپنے مسلک کو حق بجانب قرار دینے میں اپنی کثرت آبادی اور مرفہ الحالی کو پیش کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ ہمیشہ یوں ہی اقبال مند بنا رہے گا۔ چنانچہ یہاں خوشحال منکرین کا طبقہ اپنے آخرت فراموش مسلک زندگی (آئیڈیالوجی) کے جواز میں اپنی کثرت آبادی اور اپنی قومی دولت کو پیش کر رہا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ منکرین میں سے ہر ہر فرد کثیر الاولاد اور صاحب ملک ومال تھا۔ بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ۔ منکرین کا یہ کہنا بطور استہزاء کے ہے، ورنہ وہ رسالت کے قائل ہی کب تھے۔

ف۵۳ قرآن مجید جواب دیتا ہے (اور ایک اسی جگہ نہیں بارہا کہہ چکا ہے) کہ ظاہری خوشحالی ہرگز دلیل صدق وحقانیت نہیں جیسا کہ اکثر اہل جاہلیت سمجھ رہے ہیں، یہ انتظامات تو تمام تر مشیت تکوینی اور مصالح انتظامی کے ماتحت ہوتے ہیں، مرضیاتِ الٰہی کے قانون سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اِنَّ...... يَقْدِرُ۔ یہاں پھر یاد دلا دیا ہے کہ سلسلۂ معاشیات میں بھی مسبب الاسباب حق تعالیٰ ہی ہے۔

وَ عَمِلَ صَالِحًا ۫ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا

اور نیک عمل کرے سو ایسے لوگوں کے لئے ان کے عمل کا کہیں بڑھا ہوا

عَمِلُوْا وَ هُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ

صلہ ہے اور وہ بالاخانوں میں چین سے بیٹھے ہوں گے ف۵۴ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے باب میں

فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

کوشش کر رہے ہیں (نبی کو) ہرانے کے لئے، تو وہی لوگ عذاب میں لائے جائیں گے

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور (جس کو چاہے)

وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ

تنگی سے دیتا ہے ف۵۵ اور جو چیز بھی تم خرچ کرو گے سو وہ اس کا عوض دے گا

وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ

اور وہی بہترین روزی دینے والا ہے ف۵۶ اور (وہ دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب اللہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر

يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا

فرشتوں سے پوچھے گا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کرتے رہے ہیں؟ ف۵۷ وہ عرض کریں گے

سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ

پاک ہے تو ہمارا تعلق تو صرف تجھ سے ہے، نہ کہ ان سے اصل یہ ہے کہ یہ لوگ جنات کی پوجا

الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ

کرتے تھے ان میں سے اکثر اعتقاد بھی انہیں پر رکھتے تھے ف۵۸ سو آج تم میں سے کوئی کسی کو

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

نہ نفع پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ

ف۵۴ آسمانی بادشاہت میں قدر و قیمت تو صرف صحیح ایمانی دستور العمل اور اس کے عملی نفاذ کی ہے۔ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ۔ آیت ماقبل کی طرح یہاں بھی ان الفاظ سے مراد لازمی طور پر شخصی جائیداد یں اور افراد کی اولادیں نہیں۔ قوم ہی کی کثرت آبادی اور قومی ہی ثروت مراد ہے۔ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا۔ یعنی ایمان و عمل صالح کو دستور حیات بنا لینے کے بعد پھر مال و اولاد باعث بُعد حق نہیں رہ جاتے بلکہ اور موجب برکت بن جاتے ہیں۔ قال سعید بن جبیر المعنی الا من امن و عمل صالحًا فلن یغیرہٗ مالہٗ وولدہٗ فی الدنیا (قرطبی) جَزَآءُ الضِّعْفِ۔ ضعف سے مراد مطلق زیادتی ہے محض دو گنا مراد نہیں۔ اے یجاوز الضعف الٰی عشر فما فوقہٗ (بیضاوی) اے لھم الجزاء المضعف للواحد عشرۃ الٰی ما یرید اللہ من الزیادۃ (قرطبی) حدیث میں ایک ایک عمل کا اجر دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک درج ہے۔ اٰمِنُوْنَ۔ اہل جنت کا ترددات دنیوی سے آزادی و رہائی پا جانا تو ظاہر ہی ہے۔ باقی اس لفظ سے اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ وہ نعمتیں دائمی اور ابدی ہوں گی۔ اگر منقطع ہو جانے والی ہوئیں تو پھر اُن کی طرف سے امن و اطمینان کہاں نصیب ہوا۔ انقطاع کا خطرہ ہی لگا رہے گا۔ اشارۃ الٰی دوام النعم و تابیدہٖ (کبیر)

ف۵۵ تونگری، خوشحالی، اور فقر و ناداری کا تعلق دنیا کے تکوینی و انتظامی معاملات سے ہے اسے حق و صداقت کا معیار قرار دینا خود ایک باطل پرستی ہے۔ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا۔ یہ کوششیں آیاتِ الٰہی کے ابطال کی تھیں۔ اے فی ابطالھا (مدارک) آیات کی تعمیم میں کلام الٰہی، احکام الٰہی، معجزاتِ نبوی ﷺ سب داخل ہیں۔

ف۵۶ (سو اس کے کاموں میں خرچ کرنے سے مفلسی کا ڈر کیوں مانع ہو) اِنَّ ...... لَهٗ۔ معاش کی ساری راہوں کی آخری کلید اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ۔ یعنی مرضیات الٰہی کے ماتحت جو خفیف سا بھی خرچ کرو گے۔ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ۔ یہ عوض آخرت میں تو بہرحال ملے گا۔ اور کبھی دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ یہ ایک بار دنیا کو پھر خبردار کیا جا رہا ہے کہ خدائے تعالیٰ صرف آخرت ہی کا حاکم نہیں، الٰہ المعاش بھی ہے۔ اور معاشیات کے سلسلہ کے بھی سارے اسباب اور تدبیروں کا آخری سرا اُسی کی ذات پر ختم ہوتا ہے۔ ملت اسلامی ہو یا مسلم افراد، کسی کے لیے معاشی فکروں اور تدبیروں میں بھی، اللہ سے بے تعلقی و بے نیازی کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

ف۵۷ دیوتا پرستی درحقیقت ملائکہ پرستی ہی کی ایک صورت ہے۔ مشرک قوموں نے مختلف ملائکہ موکلین کو کائنات کے مختلف شعبوں میں متصرف سمجھ رکھا ہے اور اسی شعبہ کا انہیں دیوتا سمجھتے ہیں۔ سوال ملائکہ کے حق میں الزامی نہیں، بلکہ مشرکین ہی کی مزید تفضیح و رسوائی کے لیے ہوگا۔ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا۔ ذکر قیامت کا ہونا ظاہر ہی ہے۔

ف۵۸ یعنی لزومًا و دلالۃً ہی نہیں، قصدًا و صراحۃً بھی جنات پرستی میں مبتلا رہتے تھے۔ اَلْجِنَّ۔ جن سے مراد یہاں شیاطین ہی لی گئی ہے کہ وہی غیر اللہ کی ترغیب دیا کرتے ہیں اور اُن کے اشارہ پر عمل کرنا گویا انہیں کی پرستش کرنا ہے۔ اے الشیاطین حیث اطاعوھم فی عبادۃ غیر اللہ (بیضاوی) اے الشیاطین کما روی عن مجاھد (روح) اے الشیاطین (مدارک) لیکن ہو سکتا ہے، کہ مشرک قومیں آج جن دیوتاؤں کی پوجا کر رہی ہیں یہ اپنے زمانہ کے پرقوت جنات رہے ہوں، اور آیت میں اشارہ بھی اسی جانب ہو۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اِذَا

جس دوزخ کے عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو ف۵۹ اور جب

تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ

انہیں ہماری صاف صاف آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص کا تو بس منشا اتنا ہے

اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَ قَالُوْا مَا هٰذَآ

کہ تم کو ان چیزوں سے باز رکھے جن کی پرستش تمہارے بڑے کرتے چلے آئے ہیں ف۶۰ اور کہتے ہیں کہ یہ (قرآن)

اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا

ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے، اور کافر (اس) امر حق کی نسبت کہتے ہیں جب وہ

جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾ وَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ

ان کے پاس پہنچا کہ یہ تو بس ایک کھلا ہوا جادو ہے ف۶۱ اور ہم نے انہیں نہ

مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَ مَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ

(آسمانی) کتابیں دی تھیں جنہیں وہ پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں، اور نہ آپ سے پہلے ہم نے ان کے پاس کوئی

مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ وَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَ مَا

ڈرانے والا بھیجا ف۶۲ اور ان سے پہلے جو لوگ ہوئے ہیں انہوں نے بھی تکذیب کی تھی اور یہ (کافر)

بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ

تو اس (سامان) کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے انہیں دے رکھا تھا، غرض انہوں نے میرے پیمبروں کی تکذیب کی

نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ ۧ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ

سو میرا کیسا عذاب ہوا ف۶۳ آپ یہ کہیے میں تم کو ایک بات سمجھاتا ہوں، وہ یہ کہ تم اللہ کے واسطے کھڑے ہو جاؤ

مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ

دو دو اور ایک ایک پھر سوچو کہ تمہارے ان ساتھی کو

ع ۵ | ۱۱

ف۵۹ یعنی اُس روز مشرکوں کو نظر آجائے گا کہ جیسے عاجز و بے حس وہ خود ہیں ویسے ہی اُن کے دیوی دیوتا بھی۔ ف۶۰ تا کہ اس تقریر سے عوام میں برہمی اور اشتعال اور زیادہ پیدا ہو۔ اور خلوئے ذہن کے ساتھ وہ پیامِ نبوت پر غور کرنے کے قابل ہی نہ رہ جائیں۔ یہ چلتا ہوا جادو اہلِ باطل کے ہاتھ میں ہمیشہ رہا ہے۔ اور آج بھی اس زبردست و مؤثر حربہ سے اہلِ حق کے مقابلہ میں برابر کام لیا جا رہا ہے۔ ف۶۱ (اور اسی سحر کے تقاضہ سے اس قدر مؤثر ہے) قرآن کے معجز ہونے سے تو منکرین بھی انکار نہیں کر سکتے تھے۔ بس شیطنت یہ تھی کہ اس کی قوتِ اعجازی کو وہ معمول سحر پر کر دیتے تھے ــــ ٹھیک اسی طرح آج بھی فرنگیوں کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجازی کارناموں سے مجال انکار ہی نہیں۔ البتہ بجائے اس کے کہ ان واقعات کو تائید غیبی پر اور آپ کی حقانیت پر محمول کریں۔ اُلٹے انہیں آپ کی (نعوذ باللہ) چالاکیوں کا ثمرہ قرار دینے لگتے ہیں۔ ف۶۲ (اور اس لیے اب جب انہیں پہلی بار نبوت اور کتاب کی دولت ملی تو انہیں نعمت کی قدر اور زیادہ کرنا چاہیے تھی) هُمْ ۔ هم ضمیریں بنی اسمٰعیل یا قوم عرب کی جانب ہیں کہ انہیں میں نبوت پہلی بار آئی تھی۔ قوم کے مورثِ اعلیٰ مراد نہیں کہ ان میں تو ابراہیم۔ اسمٰعیل ہود، صالح علیہم السلام وغیرہ متعدد انبیاء پیدا ہو چکے تھے۔ آیت کا یہ مطلب بھی لیا گیا ہے کہ ہم نے کوئی کتاب ان پر نازل نہیں کی، جس کے اندر شرک کی تعلیم ہو اور نہ کوئی رسول بھیجا جس نے یہ پیام دیا ہو کہ شرک نہ کرنے پر عذاب آئے گا۔ ف۶۳ (اور وہ کیسے تباہ و برباد ہو کر رہے) تو یہ موجودہ منکرین جو سامان مقاومت میں ان سے ہر طرح کمتر ہیں، یہ بیچارے کس شمار و قطار میں ہیں ــــ قدیم منکرین و مکذبین اور ان کے انجام کا ذکر قرآن جو اپنے معاصرین کے سامنے کرتا رہتا ہے اس سے مقصود یہی رہتا ہے کہ یہ لوگ اپنے انجام کی طرف سے غافل نہ رہنے پائیں۔ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ۔ یعنی سامانِ غفلت جو پچھلی، متمدن اور اقبال مند قوموں کو مل چکے ہیں (اُن کی دولت و ثروت، ان کی جسمانی قوت و توانائی، اُن کی درازِ عمری وغیرہ) اُن کا دسواں حصہ بھی قرآن کے مخاطب اوّل منکرین کو نہیں ملا ہے۔

جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَیْ عَذَابٍ

جنون تو نہیں ہے، یہ تو تم کو بس ایک ڈرانے والے ہیں عذاب شدید کی آمد سے

شَدِيْدٍ ﴿٤٦﴾ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ

پہلے و٦٤ آپ کہہ دیجیے کہ میں نے تم سے جو کچھ معاوضہ مانگا ہو وہ تمہارا ہی رہا میرا

اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٤٧﴾

معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر پوری اطلاع رکھنے والا ہے و٦٥

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٤٨﴾ قُلْ

آپ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار حق کو غالب کرتا ہے وہ غیوب کا جاننے والا ہے و٦٦ آپ کہہ دیجیے

جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿٤٩﴾ قُلْ اِنْ

کہ حق آ گیا اور باطل نہ کرنے کا رہا نہ دھرنے کا و٦٧ آپ کہہ دیجیے کہ اگر

ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا

میں گمراہ ہوگیا تو میری گمراہی کا وبال مجھ ہی پر رہے گا اور اگر میں ہدایت پر رہوں تو یہ اس وحی کی بدولت ہے

يُوْحِیٓ اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿٥٠﴾ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ

جو میرا پروردگار مجھے کرتا رہتا ہے بے شک وہ بڑا سننے والا ہے، بہت قریب ہے و٦٨ اور کاش آپ وہ وقت دیکھتے جب

فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٥١﴾ وَّقَالُوْٓا

یہ (کافر) گھبراتے پھریں گے، پھر بھاگ نہ سکیں گے اور پاس کے پاس ہی پکڑ لئے جائیں گے و٦٩ اور کہیں گے کہ

اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾ وَّقَدْ

ہم اس پر ایمان لے آئے، اور اتنی دور جگہ سے (ایمان ان کے) ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے و٧٠ درآنحالیکہ

كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ

پہلے سے یہ لوگ اس (حق) کا انکار کرتے رہے، اور بے تحقیق باتیں دور ہی سے ہانکا کرتے

و٦٤ یعنی آؤ تمہیں اپنے دعویٰ رسالت کی جانچ کا ایک آسان طریقہ بتاؤں۔ تم اخلاص نیت کے ساتھ خدا کو حاضر و ناظر جان کر، انفراداً بھی اور مجتمعاً بھی سوچو، کہ میں جو تمہارے درمیان ہر وقت رہتا ہوں اور جس کی امانت کا دیانت کا، اصابت رائے کا تم خود اور براہ راست تجربہ رکھتے ہو، کیا مجھے جنون ہوگیا ہے، جو ایسے بڑے بڑے دعوے کرنے لگا ہوں کہ دیوی دیوتاؤں کا وجود باطل ہے معبود صرف ایک ہے، یوم حشر کی آمد برحق ہے، یہ قرآن کلام الٰہی ہے وغیرہا۔ اَنْ تَقُوْمُوْا۔ کھڑے ہو جاؤ، یعنی مستعد و آمادہ ہو جاؤ۔ یہ مراد نہیں کہ اپنے دونوں پیروں پر کھڑے ہو۔ ان تجدوا و تجتهدوا فی الامر (روح۔ عن ابن جریج) لا یراد به المثول علی القدمین ولكن الانتصاب فی الامر والنهوض فيه بالهمة (کشاف) لِلّٰهِ۔ اللہ کے واسطے۔ یعنی نفسانیت ضد و تعصب سے پاک ہو کر، اخلاص کے ساتھ۔ خالصًا لوجه الله معرضًا للمراء والتقليد (روح) ای لوجه الله خالصًا لا لعُمية ولا عصبية بل لطلب الحق (مدارک) مَثْنٰی وَفُرَادٰی۔ دکیلے یا اکیلے۔ بعضوں کا دماغ تنہا سوچنے میں خوب چلتا ہے اور بعض سے مجمع کے اندر ہی رہ کر خوب سوچتے بنتا ہے۔ صَاحِبِكُمْ۔ تمہارے ساتھی۔ جن کا تمہارا ہر وقت کا ساتھ رہتا ہے، جن کا تمہارا عمر بھر کا سابقہ رہ چکا ہے بِصَاحِبِكُمْ۔ ب یہاں فی کے معنی میں ہے۔ الباء بمعنى فی (روح) مِنْ جِنَّةٍ۔ من بیانیہ ہے۔ من بيانية (روح) و٦٥ (سو یہ بھی اس پر روشن ہے کہ میرے پیام میں آمیزش دنیوی کہاں تک ہے اور حق و صداقت کہاں تک) آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب میری دعوت اسلام کا محرک نہ حُبِّ مال و جاہ ہے، اور نہ اس کے تحت میں کوئی جنون یا خلل دماغی کارفرما ہے، تو اب بجز خالص حق و حقانیت کے اور باقی کیا رہ جاتا ہے؟ — یہی معیار آج بھی زندہ قائم ہے۔ رسول کریم ﷺ کے حالات و سوانح تو تاریخ کا ایک اہم جزو ہیں۔ اور اُن کی روشنی میں آج بھی یہی سوال قائم کر کے جواب بعینہٖ یہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مَا ...... لَكُمْ۔ محاورہ میں یہ کنایہ ہے تاکید کے ساتھ طلب اجر کی نفی سے۔ معناه نفی مسئلة الاجر راسًا (مدارک) مِنْ اَجْرٍ۔ اجر کے تحت میں جاہ و مال ہر قسم کا معاوضہ آ گیا۔ و٦٦ اس پر وہ دُور دُور کی چیزیں بھی روشن ہیں، جو بندوں سے مخفی رہتی ہیں۔ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ۔ یہ غلبہ دلائل کی مدد سے تو ہمیشہ ہی ہوتا ہے، اور کبھی ظاہری قوت و شوکت سے بھی۔ و٦٧ یعنی اب دین حق کے آ جانے سے دین باطل کا بطلان بالکل واضح و روشن ہوگیا۔ باطل میں جان اس سے مقابلہ کرنے کی نہ رہی۔ مَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ۔ محاورہ میں مراد ہلاک اور بیجان ہونے سے ہوتی ہے۔ ای زال الباطل و هلک لان الابداء والاعادة من صفات الحی فعدمهما عبارة عن الهلاک (مدارک) و٦٨ (ہر ایک کو جزاء اُس کے مناسب حال دینے پر قادر) سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ۔ اس میں مشرکوں کی تردید آ گئی جو اپنے دیوتاؤں کو نہ حاضر و ناظر تسلیم کرتے تھے اور نہ ہمہ بیں و ہمہ داں۔ آیت بڑی سبق آموز ہے۔ رسول کو باایں جلالت و شرف حکم یہ ملتا ہے کہ کمزوری اور غلط روی کو اپنی ہی جانب منسوب کرو، اور ہدایت و استقامت حق کو وحی الٰہی کی جانب — تو جب رسول معصوم ﷺ کا یہ حال ہے تو غیر معصوموں کے لیے جو حکم ہوگا ظاہر ہے۔ لان النفس كل ماهو وبال عليها و ضار لها فهو بها و بسببها لانها الامارة بالسوء و ما لها مما ينفعها فبهداية ربها و توفيقه و هٰذا حكم عام لكل مكلف انما امر رسولهٗ ان يسنده الی نفسه لان الرسول اذا دخل تحتهٗ مع جلالة محله و سواء طريقته كان غيرهٗ اولٰی به (مدارک) و٦٩ (قیامت کے دن) فَزِعُوْا۔ یہ گھبراتے ہوئے پھرنا ہول قیامت سے ہوگا۔ فَلَا فَوْتَ۔ یعنی نہ جائے فرار ملے گی اور نہ اللہ سے بچ سکیں گے۔ ای لا مهرب اولا يفوتون الله ولا يستبقونهٗ (مدارک) مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ۔ یعنی میدانِ حشر سے دوزخ کی طرف۔ من الموقف الی النار (مدارک)۔ و٧٠ یعنی دارالعمل تو یہ دنیا ہے، ایمان یہیں کا معتبر ہے، اور اسے یہ لوگ کہیں پیچھے چھوڑ آئے۔ اب تو عالم آخرت میں ہیں جو دارالجزاء ہے۔ بِهٖ۔ یعنی اس دین حق پر — ضمیر کا مرجع قرآن، اللہ، بعث، رسول کو ہی سمجھا گیا ہے، اور مفہوم بہرصورت ایک ہی ہے۔ والاشارة الی الحق الذی اتٰی به محمد عليه الصلوٰة والسلام (کبیر) ای بالقراٰن، قال مجاهد بالله عزوجل والحسن بالبعث و قتادة بالرسول ﷺ (قرطبی) مَكَانٍ بَعِيْدٍ۔ عالم آخرت قبول توبہ، قبولِ ایمان کے لحاظ سے مکان بعید ہے۔ يريد ان التوبة كانت تقبل منهم فی الدنيا و قد ذهبت الدنيا و بعدت من الأخرة (مدارک) فانهٗ فی حيز التكليف و هم منه بمعزل بعيد (روح)

بَعِیۡدٍ ﴿۵۳﴾ وَ حِیۡلَ بَیۡنَہُمۡ وَ بَیۡنَ مَا یَشۡتَہُوۡنَ کَمَا فُعِلَ

تھے وا؎ اور ان میں اور ان کی آرزوؤں کے درمیان ایک آڑ حائل کردی جائے گی جیسا کہ ان سے قبل والے

بِاَشۡیَاعِہِمۡ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا فِیۡ شَکٍّ مُّرِیۡبٍ ﴿۵۴﴾ ع

ان کے ہم مشربوں سے بھی کیا جائے گا و۲؎ یہ (سب) بڑے شک میں تھے تذبذب میں پڑے ہوئے و۳؎

ع ۶/۱۲

ایاتھا ۴۵ ۔ ۳۵ سُوۡرَۃُ فَاطِرٍ مَکِّیَّۃٌ ۴۳ ۔ رکوعاتھا ۵

اس کی پینتالیس آیتیں ہیں ۔ سورۂ فاطر مکہ میں نازل ہوئی ۔ اور پانچ رکوع

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِکَۃِ

ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا و۱ (اور) فرشتوں کو پیام رساں

رُسُلًا اُولِیۡۤ اَجۡنِحَۃٍ مَّثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ یَزِیۡدُ

بنانے والا و۲ جو دو دو اور تین تین اور چار چار پر دار بازو رکھتے ہیں وہ پیدائش میں

فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾

جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے و۳ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے و۴

مَا یَفۡتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَۃٍ فَلَا مُمۡسِکَ

اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے کوئی اس کا بند کرنے والا

لَہَا ۚ وَ مَا یُمۡسِکۡ ۙ فَلَا مُرۡسِلَ لَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ ہُوَ

نہیں اور جو وہ بند کر دے اس کے بعد کوئی اس کا جاری کرنے والا نہیں، اور وہی

الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲﴾ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ

غلبہ والا ہے حکمت والا ہے و۵ اے لوگو! اللہ کے احسانات اپنے اوپر

وا؎ یعنی تحقیق حق سے بہت دُور رہے، اور اٹکل کے تکے چلاتے رہے۔ یَقۡذِفُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ۔ قذف بالغیب کے معنی اٹکل کے تکے چلانے کے ہیں۔ العرب تقول لکل من تکلم بما لا یحقہ ہو یقذف و یرجم بالغیب (قرطبی) بِہٖ۔ ضمیر یہاں بھی دین حق کی جانب ہے۔ مِنۡ قَبۡلُ۔ یعنی دنیا میں جو دار العمل تھی۔ عمل کی مہلت تو اسی عالم ناسوت کے ساتھ مخصوص ہے۔ و۲؎ (اور اُن کی یہ آرزو پوری نہ ہونے پائے گی) مطلب یہ ہوا کہ منکروں اور کافروں کی ساری اکڑ مرتے ہی ختم ہو جائے گی۔ اب گڑگڑائیں گے کہ توبہ قبول ہو، ایمان قبول ہو، دنیا میں واپس جانے کی اجازت ملے، عذاب سے نجات دی جائے، لیکن کوئی بھی آرزو قبول نہ ہوگی۔ ہر درخواست رَد کر دی جائے گی۔ مَا یَشۡتَہُوۡنَ۔ یعنی ان کی آرزو سے قبول ایمان۔ اس کی اور تفسیریں بھی آئی ہیں لیکن الفاظ قرآنی جامع ہیں، ہر تفسیر و تعبیر پر حاوی۔ و۳؎ (کہ یقین سے یقین دلائل کے باوجود بھی دولت ایمان سے بہرہ ور نہ ہو سکے) مُرِیۡبٍ۔ میں متشککین کا نقشہ کھینچ دیا ہے کہ شک میں پڑے رہنے والوں کو چین کہاں نصیب؟ یہ سکون و اطمینان سے محروم تو ہمیشہ تردد و تذبذب ہی میں پڑے حیران و سرگرداں رہا کرتے ہیں۔ و۱ آیت میں بتایا ہے کہ یہ آکاش دیوتا یہ دھرتی مائی قادر اور متصرف تو کیا ہوتے غیر مخلوق یا خود آفریدہ بھی نہیں جیسا کہ بہت سی مشرک قوموں نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ تمامتر مخلوق ہیں۔ اور اللہ ہی ساری مخلوقات کی طرح ان کا بھی خالق و فاطر ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ فَاطِرِ وہ ہے جو عدم سے وجود میں، نیستی سے ہستی میں لائے، نہ وہ کہ جو صرف ترتیب و تنظیم از سرِ نو کر دے۔ فطر اللہ الخلق و ہو ایجاد الشیء و ابداعہ (راغب) ای خالقہا و مبتدعہا علی غیر مثال سبق (معالم) الفطر الابتداع والاختراع (قرطبی) و۲ فرشتے نہ دیوی دیوتا ہیں نہ متصرف فی الامور، وہ اللہ کے صرف کارندے ہیں، جس خدمت پر بھی لگا دیئے جائیں اور ان کی ایک خاص خدمت ہے انبیاء کے پاس پیام رسانی، خواہ یہ پیامات احکام شریعت سے متعلق ہوں یا بشارتیں وغیرہ ہوں۔ و۳ (چنانچہ پروں اور بازوؤں کا بھی حصر اس تعداد پر نہیں) عالم غیب کی کسی بھی کیفیت کا پورا صحیح علم انسان کو اپنے ان قویٰ کے ساتھ ممکن نہیں۔ جتنی بھی صفات و کیفیات اس عالم سے متعلق یہاں بیان کی جاتی ہیں، وہ سب بطور مثال تقریب فہم کے لیے ہوتی ہیں۔ اسی عام قاعدہ کے ماتحت فرشتوں کے بازوؤں کو بھی سمجھنا چاہیے۔ انہیں تمامتر دنیا کے پرندوں کے پروں کا عکس سمجھ لینا صحیح نہیں۔ چنانچہ خود ثلٰث (تین تین بازوؤں) کا نقشہ تو دنیوی مشاہدہ کے خلاف ہی ہے۔ و۴ جس مخلوق کی جو خلقت چاہے رکھے۔ اور جو کام اس سے چاہے لے۔ تو کوئی فرشتوں کی تخلیق و غایت تخلیق پر حیرت ہی کیوں کرے۔ و۵ وہی نعمتوں کے بند کرنے پر بھی قادر، وہی کھولنے پر بھی قادر، اور ہر پہلو مصلحت و حکمت ہی کی بنا پر اختیار کرنے والا۔ بَعۡدِہٖ۔ یعنی اس کے امساک کے بعد۔ ای بعد امساکہ (بیضاوی۔ روح) بعض نے ضمیر اللہ کی جانب مانی ہے۔ اس صورت میں بعد مرادف ہوگا غیر کے۔ ای فلا یقدر علی ارسالہم غیر اللہ (قرطبی)

ف ۶ (اور دوسروں کو بھی شریک الوہیت و معبودیت کیے لیتے ہو) خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ۔ اشارہ ہے نعمت ایجاد کی طرف۔ (کبیر) يَرْزُقُكُمْ۔ اشارہ ہے نعمت ابقاء کی طرف (کبیر) مسیحی شرک کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب کی تعمیم پیام قرآنی کے عالمگیر اور ہمہ آفاقی ہونے کی ایک مزید دلیل ہے۔ ف ۷ (تو آپ اسی سے تسلی حاصل کیجئے اور زیادہ غم میں نہ پڑیے) ف ۸

عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ۖ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳

یاد کرو کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی بہم پہنچاتا ہے؟ کوئی معبود نہیں اس کے سوا، سو تم کہاں الٹے چلے جارہے ہو؟ ف ۶

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو آپ سے قبل بھی پیمبر جھٹلائے جاچکے ہیں ف ۷ اور اللہ ہی کی طرف (سب) امور واپس ہوں گے ف ۸ اے لوگو! اللہ کا وعدہ ضرور سچا ہے سو یہ نہ ہو کہ

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٚ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۵

دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں ڈال دے ف ۹ اور یہ نہ ہو کہ تم کو وہ بڑا فریبیا اللہ کی طرف سے دھوکے میں ڈال دے ف ۱۰

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۶ اَلَّذِيْنَ

بے شک (یہ) شیطان تمہارا دشمن ہے، سوتم اسے دشمن (ہی) سمجھتے رہو، وہ تو اپنے گروہ کو محض اس لئے بلاتا ہے کہ وہ لوگ دوزخیوں میں سے ہو جائیں ف ۱۱ جو لوگ کافر

كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

ہو گئے ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے ف ۱۲ تو کیا وہ جسے اس کا عمل خوش نما کر رکھا گیا اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگا (اور وہ جو باطل کو باطل ہی سمجھا دونوں کہیں برابر ہوسکتے ہیں) ف ۱۳ سو اللہ جسے چاہتا ہے

ع ۱۴

(وہ خود ہی سب سے نپٹ لینے کو کافی ہے، آپ کیوں زیادہ فکر و غم میں پڑیں) ف ۹ یعنی لذات دنیوی میں منہمک ہو کر تم آخرت سے غافل ہو جاؤ اور حلال و حرام، جائز و ناجائز میں امتیاز ہی نہ رکھو۔ اس فریب کا تعلق فسق کی عملی زندگی سے ہے اور یہ فریب نفس انسانی کی راہ سے آتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ۔ خطاب کی تعمیم پیام قرآنی کی عالمگیری پر ایک مزید دلیل ہے۔ وَعْدَ اللّٰهِ۔ وعدۂ الٰہی میں جزاء و سزا یقینی ہے۔ ف ۱۰ یعنی راہ حق سے منہ موڑ لو، اور سرے سے باطل پرستی کو اپنا شعار بنالو۔ اس فریب کا تعلق کفر کی اعتقادی زندگی سے ہے، اور یہ فریب براہِ راست شیطان کے اثر سے آتا ہے۔ — عقیدہ کی گمراہی عملی فسق سے ظاہر ہے کہ کہیں بڑھی ہوئی ہے۔ اَلْغَرُوْرُ۔ بڑا فریبیا، یعنی شیطان۔ اے المبالغ فی الغرور و ھو علی ماروی عن ابن عباس والحسن و مجاھد "الشیطان" (روح) ف ۱۱ شیطان اگر کوئی واقعی ایک خارجی مخلوق اور انسان کی اتنی شدید دشمن نہیں تو آخر قرآن مجید اس کثرت اور شد و مد سے اس کا اور اس کی خباثتوں کا ذکر کیوں کرتا ہے؟ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔ اس سے برتاؤ بھی وہی رکھو جو دشمن کے ساتھ رکھا جاتا ہے — قدم قدم پر اس کی مخالفت کرو۔ اور اس کی اصلی مخالفت یہی ہے کہ توحید و طاعت کی راہ اختیار کرو۔ حِزْبَهٗ۔ یعنی اپنے پیرووں کو۔ اِنَّمَا ...... السَّعِيْرِ۔ گویا دعوتِ شیطانی کا کھلا ہوا نتیجہ دوزخی ہونا ہے۔ لِيَكُوْنُوْا میں ل عاقبت کا ہے۔ اے انما یقصد ان یضلکم حتی تدخلوا معہ الی عذاب السعیر (ابن کثیر) ف ۱۲ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یہ پہلا گروہ وہی ہے، جس نے دعوتِ شیطانی کو قبول کرلیا۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یہ دوسرا گروہ وہی ہے، جو دعوتِ شیطانی سے الگ الگ رہا۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ۔ آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ مغفرت تو مرتب ہوگی ایمان پر اور اجر کبیر مرتب ہوگا اعمال صالح پر (کبیر) ف ۱۳ ترجمہ متن میں قوسین کے درمیان کا سارا فقرہ قرآن مجید میں محذوف ہے، اور ترجمہ میں اپنی طرف سے بڑھانا پڑے گا — قرآن کے اسلوب بلاغت میں اس حذف و تقدیر کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ حذف الجواب لدلالۃ (کشاف۔ بیضاوی) حذف ھذا الخبر لدلالۃ الکلام علیہ و اقتضاء النظم الجلیل ایاہ (روح) عربی کے اسلوب بیان اور اُردو کے اندازِ تحریر کے درمیان آسمان و زمین کا فرق بعض حیثیتوں سے ہے۔ اور انہیں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ عرب انشاء و خطابات میں محذوفات و مقدرات بکثرت آتے رہتے ہیں۔ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ۔ یعنی وہ گمراہی میں پڑ گیا۔ و معنی تزیین العمل والاضلال واحد (کشاف) قتادہ تابعی سے روایت ہے کہ یہ آیت فرقہ خوارج کے حق میں ہے کہ وہی لوگ مسلمانوں کا خون بہانا جائز سمجھتے ہیں۔ دوسرے اہل کبائر، کبائر کو بہرحال جائز تو نہیں سمجھتے۔ قال قتادۃ منھم الخوارج الذین یستحلون دمآء المسلمین و اموالھم فاما اھل الکبائر فلیسوا منھم لانھم لایستحلون الکبائر (معالم)

وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۖۗ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ

گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ دکھا دیتا ہے ف۱۴ سو ان پر افسوس کر کر کے کہیں آپ کی

حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۸﴾ وَاللّٰهُ الَّذِىْٓ

جان نہ جاتی رہے، بے شک اللہ ان کے کرتوتوں سے خوب واقف ہے ف۱۵ اور اللہ وہی ہے جو

اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ

ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں، پھر ہم اسے ہانک لے جاتے ہیں خشک

مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ

خطہ زمین کی طرف پھر ہم اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کی خشکی کے بعد سرسبز کر دیتے ہیں ف۱۶ اسی طرح

النُّشُوْرُ ﴿۹﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ

جی اٹھنا ہوگا ف۱۷ جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو تمام تر عزت اللہ ہی کے لئے ہے ف۱۸

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ

اسی تک اچھا کلام بلند ہوتا ہے اور عمل صالح اس کو بلند کرتا ہے

وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ

اور جو لوگ بڑی بڑی تدبیریں کرتے رہتے ہیں ف۱۹ انہیں سخت عذاب ہوگا

وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ﴿۱۰﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ

اور ان کا مکر (سب) نیست و نابود ہو کر رہے گا ف۲۰ اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ

پھر نطفہ سے (پیدا کیا) پھر اسی نے تمہیں جوڑے جوڑے بنایا اور عورت کو جو کچھ حمل

اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا

رہتا ہے یا جو وہ جنتی ہے سب اسی کے علم سے ہوتا ہے، اور نہ کسی کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور نہ

ف۱۴ (حسب تقاضائے حکمت و مصالح تکوینی) ضلال و ہدایت دونوں کا ترشح اس کی طرف سے بتقاضائے حکمت ہی ہوتا رہتا ہے — ایک کی آنکھوں پر گویا پٹی بندھ جاتی ہے اور اس کی عقل و فہم اندھی ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے کی آنکھیں کھلی اور روشن رہتی ہیں اور اس کی عقل و فہم درست و قائم رہتی ہے۔ ف۱۵ (اور وہی ان سے نپٹ لینے کے لیے بالکل کافی ہے) فَلَا ...... حَسَرٰتٍ۔ اس سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک میں کس درجہ درد تھا اور آپ کس کس طرح منکروں کی ہدایت کے لیے بے قرار رہا کرتے تھے۔ ف۱۶ یعنی زمین مردہ میں اسی کے متناسب جان ڈال دیتے ہیں۔ الرِّيٰحَ۔ سَحَابًا۔ فَسُقْنٰهُ۔ بارش اور برساتی ہواؤں پر حاشیہ سورۃ الروم (پ۲۱) میں گزر چکا۔ فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ۔ اور وہاں اس خشک علاقہ میں بارش ہو جاتی ہے۔ ایک بارش کے سلسلہ میں قدرت کی کارفرمائیوں کے جو انتظامات ہوتے رہتے ہیں۔ ایک خاص وقت پر زمین سے بخارات کا اُٹھنا۔ ایک خاص بلندی پر جا کر ان کا جم جانا، اس کثیف و باردار ہوا کا ایک خاص رفتار سے کسی خاص سمت کی طرف چلنا، کسی متعین علاقہ پر جا کر فضا میں اتنی گرمی پیدا ہونا کہ ایک متعین مقدار میں بارش کے قطرے زمین پر آ گریں۔ وغیرہ وغیرہ موسمیات (میٹریولوجی) کی ساری باریکیاں انسان کو خدائے حکیم و قدیر پر ایمان لے آنے کے لیے بالکل کافی ہیں۔ ف۱۷ (قیامت کے دن) واقعات تکوینی کی مثالوں کے پیش کرنے سے قرآن مجید کا مقصود ہمیشہ کسی اہم دینی ہی حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ ف۱۸ چنانچہ جو اس سے جس درجہ کا تعلق رکھتا ہے اسی مناسبت سے خود بھی اپنے حسب ظرف عزت حاصل کر سکتا ہے۔ فھی کلھا للہ و من یتذلل لہٗ فھو العزیز و من یتعزز علیہ فھو ذلیل (کبیر) آیت طالبان عزت و جاہ منکرین حق کے رد میں ہے۔ ف۱۹ (مخالفت دینی کی) الْكَلِمُ الطَّيِّبُ۔ کلام طیب میں اقرار ایمان اور ساری قولی نیکیاں داخل ہیں۔ الْعَمَلُ الصَّالِحُ۔ عمل صالح میں تصدیق قلبی اور ساری ظاہری و باطنی عملی نیکیاں شامل ہیں۔ يَرْفَعُهٗ۔ میں ضمیر الْكَلِمُ الطَّيِّبُ کی جانب ہے ھو الکلم الطیب ای الکلم الطیب یرفع العمل الصالح (کبیر) ف۲۰ یعنی اُن کی ہر تدبیر اُلٹی پڑے گی، اور ناکام رہے گی، چنانچہ یہی ہو کر رہا، مخالفین و معاندین نے منصوبے باندھے تو تھے اسلام و پیمبر اسلام کے مٹا دینے کے، لیکن خود ہی مٹ کر رہے۔

يُنقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

کم کی جاتی ہے مگر یہ (سب) لوح محفوظ میں ہے و۲۱ یہ سب اللہ کو

يَسِيْرٌ ۝۱۱ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ڰ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ

آسان ہے و۲۲ اور دونوں دریا برابر نہیں ہیں ایک شیریں پیاس بجھانے والا ہے

سَاۗىِٕغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ

اس کا پینا بھی آسان اور ایک شور تلخ ہے اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت

لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى

کھاتے ہو و۲۳ اور زیور نکالتے ہو جسے تم پہنتے ہو و۲۴ اور تو کشتیوں کو

الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ

اس میں پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتے دیکھتا ہے، تاکہ تم اس کی (دی ہوئی) روزی تلاش کرو، اور تاکہ تم

تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي

شکر گذار ہو و۲۵ وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل

الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ڮ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ

کر دیتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک وقت معین تک

مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

چلتا رہے گا یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی حکومت ہے، اور جنہیں تم اس کے علاوہ

مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝۱۳ اِنْ تَدْعُوْهُمْ

پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے و۲۶ اگر تم ان کو پکارو تو

لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ

وہ تمہاری سنیں گے بھی نہیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہارا کہا نہ کر سکیں اور قیامت کے

و۲۱ (لکھا ہوا اس کے علم ذاتی وقدیم کے موافق) آیت رَدِّ شرک میں ہے جاہلی مشرک قومیں اپنے دیوی دیوتاؤں کو صاحب علم تو مانتی تھیں لیکن ایسا علم جو ناقص ومحدود تھا۔ یہاں یہ اس کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ کا علم کامل ہے، اور ہر ہر جزئیہ پر محیط۔ بلکہ اس نے اپنے علم کے ماتحت مستقبل کے سارے واقعات لوح محفوظ میں درج بھی کر رکھے ہیں۔ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ۔ اس خلق کا تعلق نوع انسانی سے ہے۔ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ اس خلق کا تعلق ہر ہر فرد سے ہے۔ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ۔ یعنی نر یا مادہ جیسا بھی حمل اور بچہ ہو۔ و۲۲ اللہ کا علم ذاتی جس کے آگے مستقبل وماضی سب یکساں، اس کے لیے یہ چیزیں دشواری ہی کیا رکھتی ہیں۔ ذٰلِكَ۔ یعنی ان چیزوں کا احاطہ کرنا، یا ان میں کمی یا زیادتی۔ اے احصاءهٗ او زيادة العمر اونقصانهٗ (مدارک) و۲۳ (مچھلیوں کا) وَمِنْ كُلٍّ۔ کھانے والی مچھلیاں، نمکین وتلخ سمندر، اور شیریں وخوش ذائقہ دریاؤں سب میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ الْبَحْرٰنِ۔ دونوں قسم کے پانیوں پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ و۲۴ حِلْيَةً۔ یا زیور سے اس سیاق میں مراد موتی اور مونگا وغیرہ ہیں۔ جو انسانی لباس، زیور آرائش وغیرہ کے کام میں آتے ہیں۔ اے اللؤلؤ والمرجان (روح) والمراد اللآلی والیواقیت (بیضاوی) و۲۵ آیت میں ایک طرف تو دنیا کے نظام الٰہی کی وحدت، تنظیم ومنافع بخشی سے صانع کی توحید اور کمال قدرت اور کمال صنعت اور صفت نعمت بخشی پر استدلال ہے، اور دوسری طرف صاف ترغیب مل رہی ہے بحری تجارت کی — وہ تجارت جو آج بیسویں صدی عیسوی میں بھی شاید سب سے بڑا ذریعہ شخصی دولت اور قومی ثروت دونوں کا ہے اور جسے مسلمان گویا صدیوں سے بالکل بھول ہی چکے ہیں۔ ملاحظہ ہوں سورۂ لقمان (پ۲۱) کے حاشیے۔ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ۔ یعنی ان کشتیوں کے ذریعہ سے سفر وتجارت کر کے نفع حاصل کرو۔ بحری تجارت کی اہمیت ومنفعت عظیم کے قائل ہمارے مفسرین قدیم بلکہ تابعین بھی رہ چکے ہیں۔ اے باسفارکم بالتجارة من قطر الی قطر و اقليم الی اقليم (ابن کثیر) قال مجاهد التجارة فی الفلک الی البلدان البعيدة فی مدة قريبة (قرطبی) لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ یعنی ان کامیاب بحری تجارتوں کے بعد بہک نہ جاؤ۔ عیش وعشرت اور غفلت میں نہ پڑ جاؤ۔ دین واخلاق کی راہ پر قائم رہو۔ و۲۶ (پھر کیسی حماقت ہے کہ توحید کے ساتھ شرک کو کسی درجہ میں بھی شریک وشامل کر لیا جائے) مِنْ قِطْمِيْرٍ۔ محاورۂ عرب میں اس کے وہی معنی ہیں، جو ہماری زبان میں "ذرہ بھر" "رتی برابر" کے ہوتے ہیں۔ يُوْلِجُ ...... الْقَمَرَ۔ یہ روز روشن اور یہ شب تار، یہ گرم آفتاب اور یہ خنک ماہتاب قدرت کے اتنے بڑے بڑے عظیم الشان مظاہر، ان میں سے کون اپنی جگہ پر آزاد وخود مختار ہے؟ سب کے سب اللہ ہی کی مشیت تکوینی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ مشرک جاہلی قوموں نے سورج اور چاند اور رات اور دن، سب کو معبود سمجھا ہے۔ ابتدائی پاروں میں اس پر بار بار حاشیے گزر چکے۔ قرآن مجید اس مصلحت وضرورت سے بار بار ان چیزوں کے نام لے کر انہیں قدرت الٰہی کا مطیع ومسخر بتاتا ہے۔ كُلٌّ ...... مُّسَمًّى۔ ان میں سے کوئی بھی اس کے مقرر کیے ہوئے قاصدوں کی گرفت سے آزاد نہیں۔ آیت میں نظام شمسی کے حسن تنظیم سے استدلال ہے صانع کی توحید وحکمت پر۔ ذٰلِكُمُ ...... لَهُ الْمُلْكُ۔ حکومت وقدرت تو اُسی ایک کی ہے۔ جس کے یہ شواہد اور نمونے تم ہر وقت دیکھتے رہتے ہو۔ وَالَّذِيْنَ ...... قِطْمِيْرٍ۔ پھر کیسی حماقت ہے کہ تم ایسوں کو پکارتے ہو جنہیں قدرت ایک شمہ بھر بھی حاصل نہیں۔ آیت میں دیوی دیوتاؤں کی بے بسی اور بے اختیاری دکھائی ہے۔ يَوْمَ ...... بِشِرْكِكُمْ۔ مشرکوں سے خطاب ہے کہ اُس کشف حقائق کے دن یہ تمہارے معبود خود ہی تمہاری "عبادت" سے تبری وانکار کرنے لگیں گے۔ یہ مضمون اور بھی متعدد آیتوں میں آیا ہے۔ مثلاً كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا یا وَكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ۔ یا مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ۔

الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾ ع

دن وہ تمہارے شرک کرنے ہی سے منکر ہوں گے، اور تجھ کو (خدائے) خبیر کا سا کوئی نہ بتائے گا ف۲۷

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ

اے لوگو تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تمام تر بے نیاز ہے

الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ ۚ

(تمام) خوبیوں والا ہے ف۲۸ وہ اگر چاہے تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق موجود کر دے ف۲۹

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

اور یہ اللہ کو کچھ بھی مشکل نہیں ف۳۰ اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ

اُخْرٰى ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ

اٹھائے گا اور اگر کوئی بوجھ لدا ہوا کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا جب بھی اس میں سے کچھ بھی بوجھ

مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ

نہ اٹھایا جائے گا، اگرچہ وہ شخص قرابت دار ہی ہو ف۳۱ آپ تو بس انہیں کو ڈرا سکتے ہیں جو

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰى

بے دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں ف۳۲ اور جو پاک ہوتا ہے

فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا

وہ اپنی ہی جان کے لئے پاک ہوتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ف۳۳ اور نہ

يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ لا وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ لا

اندھا اور دیکھنے والا کہیں برابر ہیں اور نہ تاریکیاں اور روشنی ہی

وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ ۚ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ

اور نہ (ٹھنڈا) سایہ اور (جلتی ہوئی) دھوپ ہی اور نہ زندے اور مردے

ف۲۷ یعنی خدائے علیم وخبیر سے بڑھ کر کس کی بات پکی ہوگی، اور وہی تمہیں ان حقائق سے آگاہ کررہا ہے۔ ف۲۸ اس کی ذات میں کسی چیز کی کیا کمی اور کیا کسر ہے۔ وہ خود ہی سارے کمالات کا جامع ہے اور اس نے ایمان، اور احکام شریعت کی جو تلقین کی ہے، یہ تمہارے ہی نفع کے لیے۔ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ۔ انسان اپنے وجود میں، بقاء میں، فنا میں، جملہ حاجات میں محتاج اسی ذات واجب الوجود کا ہے۔ وجود، بقاء وفناء وغیرہ میں تو یہ محتاجی ظاہر ہی ہے۔ جن چیزوں میں بظاہر اختیار معلوم ہوتا ہے، مثلاً بولنے چالنے، دیکھنے سننے، چلنے پھرنے، ان میں بھی ایک ایک حرکت مشیتِ الٰہی، اذنِ خداوندی ہی کی محتاج ہے۔ هُوَ الْغَنِيُّ۔ یعنی اسے مخلوق کی امداد واعانت کی حاجت تو کجا، وہ تو اس کی مملوکیت وعبدیت کے تعلق سے بھی بے پرواہے۔ لیکن اس کا غناء محض غناء ہی نہیں، وہ ہمارے فقرو درماندگی کا چارہ ساز بھی ہے۔ اَلْحَمِيْدُ۔ یعنی وہ ہر حال میں تمام تر محمود ہی ہے دنیا کی ہر مدح اُسی کی حمد ہے۔ ان تمام صفات کے اثبات میں مشرکوں ہی کی پراگندہ خیالیوں کی تردید ہے۔ ف۲۹ (جو کفر وسرکشی نہ کرے) يُذْهِبْكُمْ۔ یعنی تمہارے کفر وسرکشی کی پاداش میں تمہاری نوع ہی کو سرے سے معدوم کردے۔ خَلْقٍ جَدِيْدٍ۔ اس خلق جدید میں جدت کی کیا کیا صورتیں ہوں۔ اس کا احاطہ ہمارا علم تو کیا ہمارا وہم وگمان بھی نہیں کرسکتا۔ ف۳۰ (لیکن وہ اپنی حکمتوں اور مصلحتوں سے فوری سزا کو ملتوی کیے ہوئے ہے) ذٰلِكَ۔ یعنی یہ تمہارا مٹانا اور دوسروں کا بنا دینا۔ اے ما ذكر من اذهابهم والاتيان بخلق جديد (روح) اے الانشاء والافناء (مدارک) ف۳۱ (پس اس بھروسہ پر رہنا کہ ہمارے آباء واجداد مقبولین میں ہوئے ہیں، کیسی شدید حماقت ہے) وَلَا تَزِرُ...... اُخْرٰى۔ یہ سب کشف حقائق وظہور نتائج کے دن، یعنی قیامت میں ہوگا۔ وِزْر سے مراد کفر ومعصیت کا بوجھ ہے۔ اور اس کا تعلق ذاتی عمل سے ہے۔ ورنہ اعانت جرم، یعنی اغواء واضلال تو خود ایک مستقل جرم ہے۔ آیت میں خاص طور پر رد ان مذہبوں کا ہے، جن کا دارومدار ہی کفارہ وشفاعت کے عقائد پر ہے۔ ف۳۲ (اور وہ مؤمنین ہیں) مطلب یہ ہوا کہ آپ کی تعلیم وتبلیغ سے نفع تو صرف وہی حاصل کرتے ہیں جو طالب حق ہوتے ہیں۔ ف۳۳ (اور وہی سب کے فیصلہ کے لیے کافی ہے) وَمَنْ...... لِنَفْسِهٖ۔ اس لیے اگر کوئی آپ کی پکار پر دھیان نہیں رکھتا، اور بدستور کفر کی آلودگی اور گندگی میں پڑا رہتا ہے تو اس میں آپ کا کیا نقصان ہے؟

وَ لَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ

برابر ہو سکتے ہیں ف۳۴ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے اور آپ

بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّاۤ

ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں ف۳۵ ہم ہی نے

اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ؕ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ

آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے کی حیثیت سے، اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی ہے

اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ﴿۲۴﴾ وَ اِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ

جس میں ڈرانے والا نہ گذرا ہو ف۳۶ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو ان کے قبل والوں

الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ

نے بھی تو جھٹلایا تھا ان کے پاس بھی ان کے پیمبر کھلے ہوئے نشان

وَ بِالزُّبُرِ وَ بِالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے تو میں نے (ان) کافروں کو پکڑ لیا

فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۲۶﴾ ع اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

سو (دیکھو) میرا کیسا عذاب ہوا ف۳۷ کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی

مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ

اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کے پھل نکالے

وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا

اور پہاڑوں میں بھی گھاٹیاں ہیں کوئی سفید اور کوئی سرخ ان کے رنگ مختلف ہیں

وَ غَرَابِیْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ

اور کوئی بہت گہرے سیاہ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی ایسے ہیں

ع ۳ / ۱۲ / ۱۵

ف۳۴ (اسی طرح کافر اور مومن بھی یکساں نہیں ہو سکتے) اَلْبَصِیْرُ۔ النُّوْرُ۔ الظِّلُّ۔ الْاَحْیَآءُ۔ ادراکِ حق ہونے کے لحاظ سے مومن کی مثال آنکھوں والے اور نور اور سایہ اور زندہ کی ہے۔ الْاَعْمٰی۔ الظُّلُمٰتُ۔ الْحَرُوْرُ۔ الْاَمْوَاتُ۔ ادراکِ حق نہ کرنے کے لحاظ سے کافر کی مثال نابینا اور تاریکی اور چلچلاتی دھوپ اور مردہ کی ہے۔ لَا۔ لَا۔ لَا۔ تاکید نفی کے لیے ہے، اور اس کی تکرار تاکید مزید کے لیے ہے۔ لا لتاکید نفی الاستوآء و تکریر ھا علی الشقین لمزید التاکید (بیضاوی) و زیادة "لا" لتاکید معنی النفی (مدارک) ف۳۵ (کسی کے دل میں ہدایت اتار دینا، کسی پر ہدایت ٹھونس دینا آپ کے بس میں نہیں) اِنَّ...... الْقُبُوْرِ۔ یعنی اللہ ہی ان کو ہدایت دے دے تو اور بات ہے، ورنہ بندوں کے بس میں تو یہ ہے نہیں۔ ف۳۶ (خواہ بحیثیت پیمبر خواہ بطور نائب پیمبر کے) یعنی ہر قوم کے اوپر تبلیغ حق کسی نہ کسی طریقہ پر ہو ضرور چکی ہے۔ ف۳۷ (اسی طرح ان کافروں پر بھی اُن کے وقت پر عذاب آئے گا) اس قسم کی آیتوں سے (جو قرآن مجید میں بکثرت ہیں) ایک مقصود تو رسول اللہ ﷺ کو تسکین دینا تھا۔ اور دوسرا معاصر کافروں کو یہ بتانا کہ مہلت مل جانے سے بے فکر نہ ہو جائیں۔ اپنے وقت معین پر عذاب کا آنا قطعی ہے۔

مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ

کہ ان کے رنگ مختلف ہیں وسو۳۸ اللہ سے ڈرتے تو بس وہی بندے ہیں جو

الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ

علم والے ہیں و۳۹ بے شک اللہ زبردست ہے بڑا مغفرت والا ہے و۴۰ بے شک جو لوگ کتاب اللہ کی

كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے پوشیدہ و علانیہ

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ

خرچ کرتے رہتے ہیں وہ ایسی تجارت کی آس لگائے ہوئے ہیں جو کبھی ماند نہ پڑے گی و۴۱ تا کہ ان کو ان کے

اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ

(اعمال کے) صلے (اللہ) پورے دے اور اپنے فضل سے ان میں (کچھ) بڑھا بھی دے، بے شک وہ بڑا مغفرت والا ہے،

شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ

بڑا قدر دان والا ہے و۴۲ اور جو کتاب ہم نے آپ کے پاس بطور وحی بھیجی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے جو اپنے سے

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾

پہلی کتابوں کی بھی تصدیق کردیتی ہے بے شک اللہ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے و۴۳

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ

پھر ہم نے یہ کتاب ان لوگوں کے ہاتھ میں بھی پہنچائی جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا و۴۴

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ

پھر ان میں سے بعض تو اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں سے متوسط ہیں اور بعض ان میں سے

سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ

اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں، یہ بہت ہی بڑا

و۳۸ توجہ ان تکوینی اختلافات پر دلائی گئی ہے کہ انہیں خیال میں رکھو، تو کافر و مومن کے فرق پر بہت زیادہ حیرت نہ ہو۔ اَنْزَلَ...... اَلْوَانُهَا۔ یعنی بارش کا پانی ایک ہی ہے، جو سب پھلوں کو پیدا کر رہا ہے، اس پر بھی ان کی شکلیں، مزے، تاثیریں سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جُدَدٌ۔ جدۃ کی جمع ہے جس کے معنی راستہ کے بھی اور خط یا دھاری کے ہیں۔ و۳۹ (جو اللہ کی عظمت کا علم رکھتے ہیں اور اسی لیے دلائل قدرت میں غور کرتے رہتے ہیں) مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ عظمت کا علم اگر اعتقادی ہوتا ہے تو خشیت بھی اعتقادی ہوتی ہے، اور اگر عظمت کا علم حالی ہوتا ہے تو خشیت بھی حالی ہوتی ہے۔ الْعُلَمٰٓؤُا۔ علماء سے اصطلاحی علماء مراد نہیں، جو فلاں فلاں کتابیں پڑھ چکے ہیں، یا فلاں امتحان کی سند رکھتے ہیں، بلکہ وہ اشخاص مراد ہیں جو اللہ اور ان کے احکام کی معرفت رکھتے ہیں۔ اور اُن کا عمل بھی اُن کے مرتبہ علم و معرفت کے متناسب رہتا ہے۔ العلمآء هم الذين علموه بصفاته و توحيده و ما يجوز عليه وما يجب له وما يستحيل تعظموه و قدروه حق قدره (بحر) المراد العالمون بالله عزوجل و بما يليق به من صفاته الجليلة و افعاله الحميدة وسائر شؤنه الجميلة لا العالمون بالنحو والصرف (روح) علم اور خشیت کے درمیان تعلق قدیم صحیفوں میں بھی مذکور ہے۔ مثلاً "اُس نے انسان کو کہا کہ دیکھو خدا کا خوف خرد ہے، اور بدی سے دور رہنا ہی فہمیدہ"۔ (ایوب۔ ۲۸:۲۸) فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ آیت دلیل ہے فضیلت علم پر، اور اس پر کہ اللہ سے خشیت و تقویٰ اسی راہ سے حاصل ہوتا ہے۔ فيه الابانة عن فضيلة العلم و ان به يتوصل الى خشية الله و تقوٰه (جصاص) و۴۰ وہ سب کچھ کر ڈالنے پر قادر ہے اور پھر بھی مجرموں کے حق میں بڑا مہربان بھی ہے۔ — گویا ہر عزت و خشیت کا مستحق اپنے ان دونوں صفات کے لحاظ سے بھی ہے۔ غَفُوْرٌ۔ صفت غفور اس موقع پر لانے سے عارفین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ اسی میں علماء خائفین کو تسکین بھی ہے کہ خطائے اجتہادی معاف کردی جائے گی۔ و۴۱ کبھی نہ ماند پڑنے والی تجارت سے مراد ظاہر ہے کہ جنت کی ابدی اور غیر منقطع نعمتیں ہیں۔ اَلَّذِيْنَ...... عَلَانِيَةً۔ یہ سب صفات انہیں خشیت رکھنے والے اہل علم کے بیان ہو رہے ہیں۔ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً۔ کہیں مصلحت دینی علانیہ ہی صرف کرنے کی ہوتی ہے، اور کہیں اس کے برعکس کی۔ یہ لوگ اس موقع و محل کو لحاظ میں رکھتے ہیں۔ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ۔ قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ تجارتی اور کاروباری اصطلاحات کے آنے سے ایک طرف تو اس پر روشنی پڑتی ہے کہ اُس وقت کے عربوں کے قومی مزاج پر تجارتی مذاق اچھا خاصہ غالب تھا، اور دوسری طرف اس پر کہ قرآن کو اسی مذاق کا اُمت اسلامی میں پھیلا رہنا مقصود بھی تھا۔ و۴۲ غَفُوْرٌ۔ بخشنے والا ایسا کہ اعمال کی کوتاہیوں، فرو گذاشتوں، لغزشوں کو بخش دے۔ شَكُوْرٌ۔ قدر دان ایسا کہ اعمال صالح کی قدر ان کے استحقاق سے بڑھ کر کرے۔ و۴۳ خَبِيْرٌ۔ اُن کے ہر حال کی خبر رکھنے والا۔ بَصِيْرٌ۔ ان کی ہر مصلحت پر نظر رکھنے والا۔ مِنَ الْكِتٰبِ۔ من بیانیہ ہے۔ من للتبيين (مدارک) و۴۴ (اور انہیں کا مجموعی نام ملت اسلامی یا اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط یہ کتاب الٰہی کی امانت اب اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں پہنچی ہے، اور وہی دنیا کی ساری ملتوں میں سے حق تعالیٰ کی پسند کی ہوئی جماعت ہے۔ اَلَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔ سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد اُمت مومنین ہے۔ وهم اهل الايمان و عليه الجمهور (مدارک) و هم كما قال ابن عباس وغيرهٗ امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم (روح) و هم هٰذه الامة (ابن کثیر) امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا گیا کہ آیت میں جن طبقات کا ذکر ہے، یہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا سب مسلمان ہیں۔ سئل ابو يوسفؒ عن هٰذه الأية فقال كلهم مومنون (مدارک)

ف۴۵ مسلمانوں کی یہاں تین قسمیں ہوئی ہیں۔ پہلی قسم۔ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ۔ یعنی ہیں تو مسلمان، لیکن گناہ کرکے اپنی جانوں پر ظلم کررہے ہیں۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے چند اور صفات بھی بیان کیے ہیں مثلاً ظالم وہ ہے جس کے سیئات زائد ہوں، یا جس کا ظاہر باطن سے بہتر ہو، یا جو صاحب کبیرہ ہو، یا جو بعد حساب قابل نار ہو۔ مُقْتَصِدٌ۔ یہ دوسری قسم ہے یعنی نہ تو گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور نہ طاعت ہی میں کچھ ترقی کرتے ہیں۔ بس بقدر ضرورت پر اکتفاء کیے ہوئے ہیں امام رازی علیہ الرحمۃ نے کچھ اور بھی خصوصیات ذکر کیے ہیں۔ مثلاً مقتصد وہ ہے، جس کے خیر وشر مساوی ہوں یا جس کا ظاہر وباطن یکساں ہو، یا جو صاحب صغیرہ ہو۔ یا جو بعد حساب نجات پائے۔ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ۔ یہ تیسری قسم ہوئی کہ گناہوں سے بچتے بھی ہیں اور طاعات میں فرائض کے علاوہ بھی بہت کچھ ہمت کیے رہتے ہیں۔ امام رازی علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ وہ ہے: جس کے حسنات زائد ہوں یا جس کا باطن ظاہر سے بہتر ہو، یا جو گناہوں سے محفوظ ہو، یا جو بے حساب وکتاب جنت میں جائے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی ایسی کامل کتاب کا مسلمانوں کو حامل بنادینا۔ ایرث الکتاب (مدارک) فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ۔ آیت کا یہ جز اس باب میں نص صریح ہے کہ مومن باوجود سخت گنہگار رہنے کے بہرحال مغفور ہی ہوتا ہے ـــ اور یہ تصریح مسلک خارجیت کی جڑ کاٹ دینے کے لیے کافی ہے۔ قال ابن عطاء و انما قدم الظالم لئلا ییأس من فضله و قیل انما قدمه لیعرفه ان ذنبه لا یبعده من ربه (مدارک) بعض تفسیری اقوال میں یہاں تک آگیا ہے کہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ وہ ہے جو بلاتوبہ کیے گناہ کبیرہ پر فوت ہو جائے۔ قال معاذ الظالم لنفسه الذی مات علی کبیرة لم یتب منها (روح) اور اقوال رجال سے قطع نظر خود لفظ قرآنی بھی اس طبقہ کی گنہگاری واضح کرنے کو کیا کم ہے۔ اس پر بھی ان سب کے مغفور ہونے پر نہ صرف جمہور اہلسنت کا اتفاق ہے۔ بلکہ احادیث نبوی میں متعدد طریقوں سے اس کی صراحت موجود ہے۔ ذیل کی حدیثیں بعض قرطبی میں بعض ابن کثیر میں اور بعض روح المعانی میں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت انس، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت اسامہ بن زید، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم صحابیوں کی روایت اور محدثین ابن مردویہ، ابن النجار، حکیم ترمذی، بیہقی، طیالسی، احمد بن حنبل، عقیلی، عبد بن حمید، حاکم، طبرانی، ابن جریر، ابن منذر وغیرہم کے حوالے سے درج ہوئی ہیں:۔ ھٰؤلاء کلهم بمنزلة واحدة و کلهم فی الجنة کلهم من ھذه الامة و کلهم فی الجنة. سابقنا سابقًا و مقتصدنا ناج و ظالمنا مغفور لهٗ. یہ سب طبقات ایک ہی حکم میں ہیں اور یہ سب اہل جنت ہیں یہ سب اسی امت میں ہیں اور سب اہل جنت ہیں ہمارے سابق (وہاں بھی) سابق ہوں گے، اور ہمارے مقتصد نجات یاب اور ہمارے ظالم مغفور ہوں گے۔

صاحب روح المعانی کہتے ہیں:۔ "والذی یعضده معظم الروایات والاٰثاران الاصناف الثلثة من اهل الجنة فلا ینبغی ان یلتفت الی تفسیر الظالم بالکافر." روایات اہم اور آثار سے تقویت اسی کی ہوتی ہے کہ تینوں طبقات اہل جنت ہی کے ہیں اس لیے ظَالِمٌ کی تفسیر کافر سے کرنا قابل التفات بھی نہیں"۔ اور پھر محدث بیہقی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔ قال البیهقی اذا کثرت الروایات فی حدیث ظهران للحدیث اصلًا و الاخبار فی ھذا الباب کثیرة و فی ما ذکر کفایة "جب کوئی حدیث کثیر طریقوں سے روایت کی گئی ہو تو اس حدیث کی اصلیت تو ضرور ہوتی ہے اور اس باب میں روایات کثرت سے آئی ہیں جتنی نقل کردی گئی ہیں وہ کافی ہیں"۔ اور ابن کثیر علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے:۔ والصحیح ان الظالم لنفسه من ھذه الامة و ھذا اختیار ابن جریر کما ھو ظاهر الاٰیة و کما جآئت به الاحادیث عن رسول الله ﷺ من طرق یشد بعضها بعضًا." صحیح یہی ہے کہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ اسی امت کے لوگ ہیں اور یہی ابن جریر علیہ الرحمۃ نے بھی کہا ہے جیسا کہ خود آیت قرآنی کا ظاہر ہے اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں میں ہے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچانے والے طریقوں سے وارد ہوئی ہیں"۔ اور امام رازی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ کافر تو ظالم علی الاطلاق ہوتے ہی ہیں، لیکن ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ کا مصداق مومن ہوتا ہے کہ وہی معصیت کے وقت اپنے نفس کو اس کے موضع صحیح سے ہٹا کر رکھتا ہے اور خود حضرت آدم علیہ السلام کی دعاء میں ان کے مقبول اور صاحب اصطفاء ہونے کے باوجود ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا کی صراحت موجود ہے (کبیر) اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس باب میں جو اثر محدث طیالسی نے نقل کیا ہے، وہ بدرجہ غایت بلیغ ہے۔ ایک سائل کے جواب میں آپ فرماتی ہیں:۔ یا بنی ھٰؤلآء فی الجنة اما السابق بالخیرات فمن مضی علی عهد رسول الله ﷺ و اما المقتصد فمن اتبع اثرهٗ من اصحابه حتی لحق به و اما الظالم لنفسه فمثلی و مثلکم." اے بیٹا! اہل جنت تو یہ سب طبقہ ہیں۔ ان میں سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ وہ ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں گزر گئے۔ اور مُقْتَصِدٌ وہ اصحاب رسول ہیں جو آپ کے بعد بھی آپ کی پیروی اپنے آخر دم تک کرتے رہے، اور ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ کا مصداق میں ہوں اور تم جیسے لوگ ہیں۔ ف۴۶ آیت سے معلوم ہوا کہ سونے کے زیور اور موتی اور ریشمی لباس اپنی اصل کے لحاظ سے گندے نہیں، ورنہ اہل جنت کے لیے موقع مدح پر ان کا ذکر کیوں آتا۔ البتہ دنیا میں یہاں کی مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر مردوں کے لیے حرام ہیں۔ ف۴۷ اکتاہٹ کی تھکن تو طبیعت پر اس وقت غالب ہونے لگتی ہے جب ایک ہی شے سے مسلسل سابقہ پڑتا ہے۔ لیکن جنت کی نعمتیں تو ہر دم "تازہ بہ تازہ نو بہ نو" ملتی رہیں گی۔ اس لیے وہاں

الْكَبِيْرُ ؁ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا

فضل ہے ف۴۵ وہ باغات ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے ان میں

مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا

انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کی پوشاک ریشم کی

حَرِيْرٌ ؁ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا

ہوگی ف۴۶ اور یہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے

الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ؁ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا

غم دور کیا بے شک ہمارا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے، بڑا قدر دان ہے۔ جس نے اپنے فضل سے

دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّ لَا

ہمیں ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا ہے جہاں ہمیں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ

يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ؁ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ

ہمیں تھکن ہی محسوس ہوگی ف۴۷ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے

لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ

نہ تو انکی قضا آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب ہی

مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ؁ وَ هُمْ

ہلکا کیا جائے گا ایسی ہی سزا ہم ہر کافر کو دیتے ہیں اور وہ اس کے

يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا

اندر چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو نکال (اب) ہم اچھے کام کریں گے

غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ

برخلاف ان کاموں کے کہ جو کیا کرتے تھے کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس میں جس کو سمجھنا ہوتا

مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ

سمجھ لیتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا و۴۸ سو مزہ چکھو کہ ظالموں کا (یہاں)

مِنْ نَّصِيْرٍ ۟ع اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

کوئی مددگار نہیں و۴۹ بے شک اللہ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا،

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۟ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ

بے شک وہی جاننے والا ہے دلوں کی باتوں کا و۵۰ وہی ایسا ہے جس نے تمہیں

خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَلَا يَزِيْدُ

زمین میں آباد کیا سو جو کوئی کفر کرے گا اس کا کفر اسی پر پڑے گا اور کافروں کے لئے

الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَ لَا يَزِيْدُ

ان کے پروردگار کے ہاں ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے اور کافروں کے لئے

الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۟ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ

ان کا کفر خسارہ ہی بڑھنے کا باعث ہوتا ہے و۵۱ آپ کہہ دیجیے تم نے اپنے خدائی شریکوں کے حال پر بھی نظر کی ہے،

الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا

جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ ذرا مجھے بھی تو بتاؤ کہ انہوں نے زمین کا

مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ

کون سا جزو بنایا ہے یا ان کا آسمان میں کچھ ساجھا ہے؟ یا ہم نے انہیں

كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ

کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اسی دلیل پر قائم ہیں؟ اصل یہ ہے کہ یہ ظالم ایک دوسرے سے

بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۟ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ

نرے دھوکہ (کی باتوں) کا وعدہ کرتے آئے ہیں و۵۲ بے شک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے

ع ۱۱/۱۲

تھکن اور اکتاہٹ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ ضمناً یہاں یہ حقیقت بھی آگئی، کہ بخلاف دنیا کی عیش وعشرت کے جس کی کثرت لازمی طور پر تھکا دینے والی ہوتی ہے۔ جنت کی لذتیں برابر راحت و سرور ہی بڑھانے والی ہوں گی — آج ذرا دیر تک مسلسل قہقہہ لگا کر دیکھیے یا مسلسل کئی کئی گھنٹے تھیٹر، سینما، ناچ دیکھنے کا ذرا تجربہ کر لیجیے۔ طبیعت میں لازمی طور پر افسردگی اور تھکاوٹ طاری ہو جائے گی۔ مسلسل وغیر منقطع تازگی، شگفتگی قائم رکھنا جنت ہی کی نعمتوں کا خاصہ ہوگا۔ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ۔ جنت میں ظاہر ہے کہ کسی قسم کی تکلیف کا کہاں گزر۔ اَلْحَزَنَ۔ حزن سے مراد دنیوی رنج والم بھی ہوسکتا ہے اور حساب وکتاب کا غم و اندیشہ بھی۔ دَارَ الْمُقَامَةِ۔ لفظی معنی ترجمہ میں آگئے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دَارَ الْمُقَامَةِ جنت کی دوسری منزل کا نام ہے۔ و۴۸ یہ سب اہل دوزخ سے اُن کے جواب میں کہا جائے گا۔ اَوَلَمْ ...... تَذَكَّرَ۔ آخرت میں اہل جہنم پر جو حجت قائم ہوگی، اس کا پہلا جزو یہی ہے۔ یعنی کیا تمہیں اتنی مہلت نہیں ملی تھی کہ تم آیات حق پر غور کر سکتے اور اپنا نفع ونقصان سوچ لیتے؟ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ۔ یہ جواب کا دوسرا جزو ہوا۔ یعنی کیا تمہیں انبیاء کی دعوت ہدایت، براہ راست یا بالواسطہ نہیں پہنچ چکی تھی؟ — نَذِيْرٌ عام ہے انبیاء اور اُن کے سب نائبین کے لیے۔ و۴۹ (جو اُن کی فریاد رسی کر سکے) حق تعالیٰ خود تو مددگار و فریاد رس اس لیے نہ ہوگا کہ وہ ناراض ہی ہوگا، اور کوئی دوسرا اس لیے نہیں کہ اسے اس کی قدرت ہی نہ ہوگی۔ و۵۰ یہ بیان ہوا حق تعالیٰ کے کمال علمی کا۔ صفت قدرت کے بعد صفت علم بھی تمام صفات باری تعالیٰ میں سے ایسی صفت ہے، جس کے باب میں مشرک، جاہلی قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکریں لگی ہیں۔ قرآن مجید کو اسی لیے ضرورت پیش آئی کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی کاملیت کو اور اسرار وخفاء یا جزئیات ودقائق پر اس کے محیط ہونے کو بار بار بیان کیا جائے۔ و۵۱ یہاں کفر اور اہل کفر سے متعلق تین حقیقتیں بیان ہوئی ہیں۔ فَمَنْ ...... كُفْرُهٗ۔ کفر کا وبال اسی کافر ہی پر پڑتا ہے، نہ کہ کسی دوسرے پر — پہلی حقیقت یہ ہوئی۔ اے وبال کفرہ لا یتعدی الی غیرہ (ابوسعود) وَلَا ...... مَقْتًا۔ اہل کفر ڈھیل پا کر اپنے کفر پر نازاں نہ ہوں۔ حق تعالیٰ کے ہاں ان کے ہر کفر سے ان کی مغضوبیت اور معتوبی اور بڑھتی جاتی ہے۔ اور اس کا تحقق اسی دنیا میں ہو جاتا ہے۔ وَلَا ...... خَسَارًا۔ کفر سے اہل کفر کا خسارہ آخرت میں بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اور وہ خسارہ کیا ہے؟ جنت سے محرومی، اور دوزخ میں دخول۔ و۵۲ (جو کبھی بھی پورے ہونے کے نہیں) آیت میں اثبات توحید وابطال شرک پر پوری حجت قائم کی گئی ہے۔ اَرَءَيْتُمْ۔ اِرَاءَة کے معنی یہاں دکھانے کے نہیں، بتانے یا خبر دینے کے ہیں۔ معنی ارء یتم اخبرونی (کشاف) المراد منه اخبرونی (کبیر) اَرُوْنِيْ ...... السَّمٰوٰتِ۔ یعنی شرک پر کوئی بھی دلیل، عقلی وتجربی قسم کی قائم ہے؟ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ۔ سے مراد خلقت آسمان میں شرکت ہے اے شرکة مع اللہ فی خلق السمٰوٰت (ابوسعود) اَمْ ...... مِنْهُ۔ یعنی شرک پر کوئی بھی دلیل، نقلی وکتب آسمانی سے ماخوذ قائم ہے؟

وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ

ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں و۵۳ اور اگر وہ ٹلنے لگیں بھی تو پھر اللہ کے سوا کوئی بھی

اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾ وَاَقْسَمُوْا

انہیں تھام نہیں سکتا و۵۴ بے شک وہ بڑا حلم والا ہے، بڑا مغفرت والا ہے و۵۵ اور ان (کفار) نے

بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ

اللہ کی بڑی زور دار قسم کھائی تھی کہ اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو ہم

اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ

ہرامت سے بڑھ کر ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے، لیکن جب ان کے پاس (وہ) ڈرانے والا آہی گیا

مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ

تو بس ان کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی، دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے، اور (ان کی) بری چالوں کو

السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ

(بھی ترقی ہوئی) اور بری چالوں کا وبال انہیں چال والوں پر پڑتا ہے و۵۶ سو کیا یہ

يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ

اسی آگے والوں کے دستور کے منتظر ہیں و۵۷ آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا

تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا

نہ پائیں گے اور نہ آپ اللہ کے دستور کو منتقل ہوتا ہوا دیکھیں گے و۵۸ کیا یہ لوگ زمین پر

فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

چلے پھرے نہیں جو دیکھتے بھالتے کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے

مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

قبل ہوئے ہیں درآنحالیکہ وہ قوت میں بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے و۵۹ اور اللہ

و۵۳ (اپنے انتظام معین وہیئت مقررسے) آیت میں بتایا ہے کہ حق تعالیٰ دنیا کا خالق وفاطر ہی نہیں، بلکہ اس کا منتظم، مدبر، حاکم بھی ہے، وہی اپنے دستِ قدرت سے اس کے سارے انتظامات بھی سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ نہیں کہ پیدا کرنے والے برہما جی ہوں، پالنے والے اور حفاظت کرنے والے، وشنو جی، اور مارنے والے شیو جی!— غرض مختصر سی عبارت سے متعدد جاہلی تخیلات پر ضرب لگ گئی۔ لفظ امساک سے یہ مراد لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ حق تعالیٰ (نعوذ باللہ) کسی بڑے عظیم الشان دیو پیکر دیوتا کی طرح زمین وآسمان کی باگیں اپنے ہاتھ میں پکڑے اور سمیٹے ہوئے بیٹھے ہیں! امساک سے مراد صرف ان اجرام کی ہیئت منتظمہ پر انہیں قائم رکھنا ہے، اور وہ چاہے جن قوانین طبعی کے واسطہ سے ہو قانون کشش اجسام وغیرہ یہ سب اللہ ہی کے امساک کے ذریعے اور واسطے ہیں۔ اَنْ تَزُوْلَا۔ زوال سے مراد صرف ہیئت موجودہ منتظمہ سے ان کا انتقال ہے نہ کہ مطلق حرکت۔ اس لیے آیت سے آسمان وزمین کے سکون وعدم حرکت پر استدلال کرنا تمام تر لغو ہے۔ و۵۴ تو جب دوسروں سے اس نظم عالم کی حفاظت ہی نہیں ہو سکتی، تو جواہر واعراض کے ایجاد واحداث کا کیا ذکر۔ لَىِٕنْ زَالَتَا۔ یعنی اگر وہ ٹلنے کے قریب ہو جائیں۔ ٹلنے پر آجائیں۔ ای ان اشرفتا علی الزوال (روح) مِنْ اَحَدٍ۔ مِنْ زائد ہے تاکید نفی کے لیے یعنی کوئی بھی۔ من مزیدة لتاکید النفی (مدارک) مِنْۢ بَعْدِهٖ۔ بعد یہاں بجز یا علاوہ کے معنی میں ہے۔ بعدہٗ ای سواہ (جلالین) و۵۵ حَلِيْمًا۔ اور اسی صفت حلم کے تقاضہ سے شرک جیسی کھلی ہوئی اور انتہائی گستاخی پر بھی انہیں فوراً سزا نہیں دیتا۔ غَفُوْرًا۔ اور اسی صفت غفر کے تقاضہ سے ان سے اب بھی درگزر کرنے کو تیار ہے اگر یہ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں۔ و۵۶ یہ کہنے والے مشرکین قریش تھے۔ یہ لوگ قبل بعثت نبوی زور دے دے کر کہا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل میں اس کثرت سے نبی آئے اور ان لوگوں نے ان کی قدر نہ کی۔ ہماری قوم میں اگر کوئی نبی آئے تو ہم البتہ اس کی پوری قدر کر کے دکھا دیں— پھر جب آپ آئے تو جیسی قدر کی ظاہر ہے۔ مَا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا اسْتِكْبَارًا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں وہی مذکور ہے جو صوفیہ کہا کرتے ہیں کہ جس کی استعداد فاسد ہے اس کا مرض اوراد واشغال سے اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے کو بزرگوں میں شمار کرنے لگتا ہے۔ و۵۷ (اور وہ دستور یہ ہے کہ وقت مقرر پر سزا وہلاکت آئے) سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ۔ وہ ماجرا جو ساری اگلی سرکش ونافرمان قوموں کو پیش آچکا ہے۔ یعنی عذاب الٰہی سے ہلاکت وبربادی۔ و۵۸ تبدیلی یہ کہ مثلاً ایسے مجرموں کو بجائے سزا وعقوبت کے انعام واکرام ملنے لگے۔ اور منتقلی یہ کہ مثلاً عذاب بجائے مجرموں کے کسی اور پر ہونے لگے۔ یا یہ مطلب لیا جائے کہ نہ تبدیلی نفس عذاب میں ہو سکتی ہے اور نہ منتقلی اس کے اوقات میں۔ سنة لا یبدلها فی ذاتها ولا یحولها عن

و۵۹ تاریخ عالم کا سبق یہی ہے کہ جو قوم بھی خدا فراموشی میں مبتلا ہوئی، وہ آخر کو ہلاک وبرباد ہو کر رہی۔ اَلَّذِيْنَ...... قُوَّةً۔ قوم عاد، قوم ثمود، اہل بابل وکلدانیہ۔ قبطیان مصر وغیرہا۔

ف٦٠ چنانچہ اپنے علم کامل سے وہ ہر ارادہ کے نفاذ کا طریقہ وتدبیر جانتا ہے، اور اپنی قدرت کامل سے اسے نافذ کردیتا ہے۔ اس لیے کائنات کی کوئی سی قوت اس سے مقابلہ کی مجال نہیں رکھتی۔ وَمَا كَانَ ...... الْاَرْضِ۔ مسلمانوں کو بتایا ہے کہ ان کا خدائے ذوالجلال مشرکوں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح محدود القوی نہیں کہ آج فلاں سے مغلوب ہوگئے اور کل فلاں سے۔ ف٦١ (اور ہر ایک سے اس کے

لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ

ایسا نہیں کہ کوئی بھی چیز آسمانوں میں یا زمین میں اسے ہرا سکے

اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿٤٤﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ

بے شک وہ بڑا علم والا ہے ف٦٠ بڑا قدرت والا ہے اور اگر اللہ ان لوگوں پر دارو گیر کرنے لگتا،

بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ

ان کے اعمال کے سبب، تو پشت زمین پر ایک بھی چلنے پھرنے والے کو بھی نہ چھوڑتا اللہ تو

يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ

انہیں مہلت دے رہا ہے ایک میعاد متعین تک، سو جب ان کی وہ میعاد آ پہنچے گی

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ ع

اللہ اپنے بندوں کو آپ ہی خوب دیکھ لے گا ف٦١

اٰیاتھا ٨٣ | ٣٦ سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ ٤١ | رکوعاتھا ٥

اس کی تراسی آیتیں ہیں | سورۂ یٰسٓ مکہ میں نازل ہوئی | اور پانچ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰسٓ ﴿١﴾ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣﴾ ۙ

یا۔ سین قسم ہے قرآن پُرحکمت کی کہ آپ پیمبروں میں سے ہیں

عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤﴾ ۭ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿٥﴾ ۙ

(اور) سیدھے راستہ پر ہیں ف١ (یہ قرآن) نازل کیا گیا (خدائے) غالب و رحیم کی طرف سے

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَاۗؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٦﴾ لَقَدْ

تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا ڈرائے نہیں گئے تھے، سو وہ (اس سے) بے خبر ہیں، ف٢ ان میں سے

مناسب حال برتاؤ کرے گا) وَلَوْ ...... دَاۗبَّةٍ۔ یعنی یہ تو مشیت تکوینی سرے سے ہے ہی نہیں کہ معاصی وذنوب پر گرفت فی الفور اور اسی دنیا میں ہوجایا کرے، یہ اگر ہوتا تو کوئی کافر زندہ ہی نہ رہنے پاتا، اور اہل ایمان اس لیے اُٹھالیے جاتے کہ نظام عالم مجموعہ کے ساتھ ہی وابستہ ہے اور جب انسان نہ رہتے تو کوئی حیوان بھی نہ باقی رہنے دیا جاتا۔ کہ حیوانات کی حیثیت تو محض انسانوں کے خادم کی ہے۔ مِنْ دَاۗبَّةٍ۔ اس سیاق میں دَاۗبَّةٍ سے کیا مراد ہے، اس پر اچھی خاصی بحث ہوئی ہے۔ ہر متحرک جانور، جن وانس، اور نوع انسانی یہ سب مراد لیے گئے ہیں۔ اور مآل ہر تفسیر کا ایک ہی ہے۔ قال ابن مسعود یرید جمیع الحیوان مما دبّ و درج و قال الکلبی یرید الجن و الانس دون غیرھما لانھما مکلفان بالعقل و قال ابن جریر والاخفش والحسن، بالفضل اے و بالدآبۃ ھنا الناس وحدھم دُون غیرھم (قرطبی) اے لاھلک جمیع اھل السمٰوٰت والارض و ما یملکونہ من دوآب و ارزاق (ابن کثیر)۔ ف١ (یہاں تک کہ جو آپ کی پیروی کرے وہ بھی سیدھے راستہ پر پڑجائے، اور اللہ تک پہنچ جائے) یٰسٓ۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ مخفف ہے، یا انسان کا۔ یٰسٓ بمعنی یا انسان (ابن کثیر۔ عن ابن عباس وعکرمۃ والضحاک والحسن وسفیان) وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ۔ یعنی اس قرآن کی حکیمانہ وپُر مغز تعلیمات خود اس کی گواہ ہیں کہ آپ مرتبہ رسالت پر فائز ہیں۔ کوئی غیر خدائی ماخذ ایسی تعلیمات کا ہو ہی نہیں سکتا۔ ف٢ یعنی انہیں اسی کا احساس نہیں کہ باز پرس اُخروی ہے کیا چیز اور رسالت اور توحید کے معنی کیا ہیں۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا۔ قوم سے مراد قریش یا قوم عرب ہے، جو پیام اسلام کی اولین مخاطب تھی۔ جس دور سے دنیا اُس وقت گزر رہی تھی۔ اور جس منزل میں اُس وقت تھی، لوگوں کی سمجھ میں یہی آنا ذرا مشکل تھا کہ کوئی نبی اپنی قوم یا قبیلہ کی اصلاح کے لیے بھی آسکتا ہے تو عالمگیر نبوت اور کائناتی پیامبری کا تخیل تو وقت کے عام ذہنوں کی گرفت سے بالکل ہی باہر تھا۔ یہی راز ہے اس کا کہ قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کے پیام کی عالمگیری کو اس تصریح اور اس تکرار کے ساتھ نہیں بیان کیا ہے۔ جس طرح آپ کی پیامبری خود آپ ہی کی قوم، قریش یا عرب کی طرف بیان کی ہے۔ نبوت محمدی ﷺ کی یہ عالمگیر حیثیت بھی بیان متعدد مقامات پر ہوئی ہے مثلاً لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وغیرہا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ وضاحت وتکرار کے ساتھ زور آپ کی قومی نبوت پر دیا ہے۔ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَاۗؤُهُمْ۔ خاص بنی اسماعیل میں کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ باقی دوسرے انبیاء کی تعلیمات اگر بالواسطہ اہل عرب تک پہنچ چکی ہوں تو وہ اس کے منافی نہیں۔ اس مفہوم کے حاشیے کئی بار گزر چکے ہیں۔

حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑦ اِنَّا

اکثر لوگوں پر یہ (تقدیری) بات ثابت ہو چکی ہے سو وہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ف۳ ہم نے

جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ

ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں، سو وہ ان کی ٹھوڑیوں تک آ گئے ہیں، جن سے ان کے سر

مُّقْمَحُوْنَ ⑧ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا

اوپر کو اٹھے رہ گئے، اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی ہے

وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ⑨

اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی ہے، جس سے ہم نے ان کو گھیر دیا ہے سو وہ دیکھ نہیں سکتے ف۴

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑩

اور ان کے حق میں (دونوں) برابر ہیں آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لانے کے ف۵

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ

آپ تو بس اسی کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور خدائے رحمٰن سے بے دیکھے خوف رکھے،

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ⑪ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى

آپ اس کو خوش خبری سنا دیجیے مغفرت اور عمدہ معاوضہ کی ف۶ بے شک ہم ہی تو مُردوں کو جِلائیں گے،

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ

اور ہم لکھتے جاتے ہیں اسے جو یہ آگے بھیجتے جاتے ہیں اور پیچھے چھوڑے جاتے ہیں ف۷ اور ہم نے ہر شی کو

فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ⑫ ۧ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ

ایک واضح کتاب میں درج کر رکھا ہے ف۸ اور آپ ان کے سامنے ایک قصہ بیان کیجیے ایک بستی

الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ⑬ ۚ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ

والوں کا جب کہ ان کے پاس رسول آئے ف۹ جب ہم نے ان کے پاس دو کو

وقف غفران — ع ۲/۱۸ — وقف لازم

ف۳ وہ بات تقدیری یہی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ تقدیری بات اللہ کے علم ازلی کے مرادف ہے۔ اور یہ علم ازلی ہرگز کسی شائبہ جبر و اکراہ کے ہی مرادف نہیں۔ اور نہ علم کسی طرح رضا کے مستلزم ہے۔ طبیب کی پیشگوئی اور پیش خبری کسی بد پرہیز مریض کے انجام سے متعلق ہرگز طبیب کی مرضی اور خواہش کی ترجمان نہیں۔ یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ ہدایت یابی کے جو قانون قاعدے شروع سے مقرر ہیں (مثلاً یہی کہ خلوئے ذہن کے ساتھ دعوتِ رسالت پر غور کیا جائے) یہ لوگ چونکہ انہیں پر عمل کرنے سے گریز کر رہے ہیں اس لیے قدرۃً ثمرۂ ہدایت سے محروم رہیں گے۔ ف۴ یعنی نہ آگے دیکھ سکتے ہیں نہ پیچھے۔ یہ ساری تمثیل ان لوگوں کے بُعد عن الایمان کی ہے۔ یعنی چونکہ انہوں نے خود قوت ارادی سے صحیح کام نہیں لیا، توفیق ہدایت بھی ان سے مطلق سلب ہوگئی۔ فی ان لا تامل لھم ولا تبصروانھم متعامون عن النظر فی ایات اللہ (مدارک) غفلت ان لوگوں کی ارادی اور مجرمانہ تھی، لیکن یہاں بحیثیت مسبب الاسباب کے ان حالات کو حق تعالیٰ نے منسوب اپنی ہی جانب کیا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنَا۔ وَجَعَلْنَا۔ فَاَغْشَيْنٰهُمْ۔ صیغۂ متکلم ان سب مقامات پر حق تعالیٰ کی جانب محض نظام تکوینی کے علت العلل کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے۔ ف۵ (سو آپ زیادہ غم و فکر میں نہ پڑیے، لیکن ساتھ ہی اپنی تبلیغ جاری رکھیے) ف۶ مغفرت گناہوں سے، اور عمدہ معاوضہ طاعت پر۔ یا یوں کہا جائے کہ مغفرت مرتب ہوگی ایمان پر، اور اَجْرٍ كَرِيْمٍ ملے گا اعمال صالح پر۔ اِنَّمَا...... بِالْغَيْبِ۔ یافت حاصل ہوتی ہے طلب سے لیکن خود طلب پیدا ہوتی ہے خوف وخشیت سے۔ اگر سرے سے خشیت ہی مفقود ہوئی تو تلاش وطلب ہی کیوں پیدا ہونے لگی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تربیت پر جو نفع مرتب ہوتا ہے وہ طالب ہی کی استعداد کا ظہور ہوتا ہے، نہ کہ مربی ظاہری کی عطاء پر۔ ف۷ یعنی ان کا ہر وہ عمل جس پر جزاء وسزا مرتب ہو سکتی ہے۔ برابر لکھا جاتا رہتا ہے۔ مَا قَدَّمُوْا۔ سے مراد ہیں وہ کام جو انہیں کی ذات پر ختم ہوگئے۔ یعنی اعمال ذاتی۔ وَاٰثَارَهُمْ۔ سے مراد ہیں ان کے وہ اعمال جو سبب بنے دوسروں کی ہدایت وضلالت کے یعنی اعمال متعدی۔ نَكْتُبُ۔ فرشتوں کے عمل کتابت اعمال کو اپنی جانب منسوب فرمایا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى۔ یعنی ہم ہی مُردوں کو دوبارہ اٹھا کر کھڑا کریں گے، اور اس وقت جزاء وسزا دونوں کا پورا ظہور ہوگا۔ ف۸ مراد ہے لوح محفوظ، جس میں چھوٹا بڑا ہر واقعہ درج ہے۔ ای اللوح المحفوظ (بحر۔ عن مجاہد وقتادہ وابن زید) یعنی اللوح المحفوظ لانہ اصل الکتب و مقتداھا (مدارک) اِمَام کے لغوی معنی میں ہر وہ چیز داخل ہے خواہ انسان ہو یا کتاب ہو یا کچھ اور جس کا اقتداء کیا جائے۔ الامام الموتم بہ انسانا کان او کتابا او غیر ذلک (راغب) فرقہ شیعہ کے غالیوں نے لفظ اِمَام کے اپنے اصطلاحی اور اختراعی معنی لے کر اِمَامٍ مُّبِيْنٍ سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے لی ہے۔ ولا یخفی ما فی ذلک من عظیم الجھل بالکتاب الجلیل (روح) ف۹ الْقَرْيَةِ۔ سے مراد شام کا شہر انطاکیہ (Antiaca) لیا گیا ہے۔ الْمُرْسَلُوْنَ۔ اس سے اصطلاحی رسول (یعنی اللہ کے فرستادے) نہیں، بلکہ رسولِ وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے بھیجے ہوئے نائبین مراد لیے گئے ہیں۔ لیکن کوئی حدیث صحیح اس باب میں موجود نہیں اور سیاق قرآنی سے بھی اس تفسیر منقول کی تائید نہیں ہوتی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس تفسیر پر اصل نکلتی ہے مشائخ کے اس طریق کی کہ اپنے خلفاء کو ارشاد خلق کے لیے مختلف شہروں، ملکوں میں بھیجتے رہتے ہیں۔

اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوٓا إِنَّآ إِلَيْكُم

بھیجا تو انہوں نے دونوں کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے سے ان کی تائید کی (انہوں نے) کہا ہم تمہارے پاس

مُّرْسَلُونَ ﴿۱۴﴾ قَالُوا مَآ أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَآ

بھیجے گئے ہیں وہ لوگ بولے تم تو بس ہمارے ہی جیسے انسان ہو اور

أَنزَلَ الرَّحْمَٰنُ مِن شَيْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ﴿۱۵﴾

خدائے رحمٰن نے کچھ بھی نہیں اتارا ہے تم نرا جھوٹ ہی بول رہے ہو ف۱۰

قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّآ إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ

(رسولوں نے) کہا کہ ہمارا پروردگار علیم ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہی گئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو

إِلَّا الْبَلَٰغُ الْمُبِينُ ﴿۱۷﴾ قَالُوٓا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِن لَّمْ

صرف کھلی ہوئی تبلیغ ہے وہ لوگ بولے ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں ف۱۱ اگر تم

تَنتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸﴾

باز نہ آئے تو تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے اور تم کو ہماری طرف سے سخت آزار پہنچے گا ف۱۲

قَالُوا طَٰٓئِرُكُم مَّعَكُمْ أَئِن ذُكِّرْتُم بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ

وہ (رسول) بولے کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی چلی ہوئی ہے، کیا (نحوست) یہ ہے کہ تمہیں نصیحت کی

مُّسْرِفُونَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ

گئی؟ اصل یہ ہے کہ تم، ہی حد سے نکل جانے والے لوگ، ف۱۳ اور ایک شخص اس شہر کے کسی دور مقام سے

يَسْعَىٰ قَالَ يَٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوا مَن

دوڑتا ہوا آیا (اور) کہنے لگا کہ اے میری قوم والو (ان) رسولوں کی راہ پر چلو، ان کی راہ پر چلو

لَّا يَسْـَٔلُكُمْ أَجْرًا وَهُم مُّهْتَدُونَ ﴿۲۱﴾

جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور خود راہ راست پر ہیں ف۱۴

ف۱۰ منکروں نے جواب میں کہا کہ تمہاری شخصی صداقت کا زیر بحث ہونا الگ رہا۔ ہم نفس مسئلہ رسالت ونبوت ہی کے قائل نہیں۔ نہ اوتار، نہ مظہر خدا، نہ دیوتاؤں کی اولاد، بلکہ محض انسان، اور وہ "پیمبر" ہو جائے یہ ہماری سمجھ میں تو آتا نہیں۔ مَآ أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ جاہل قوموں کو پیمبروں کی دعوت قبول کرنے میں سب سے بڑی ٹھوکر یہیں لگتی ہے کہ یہ ہماری ہی جیسی بشریت کے ساتھ ساتھ پیمبری کا دعویٰ کیسا۔ یہ سارے فقرے ذہن کو اسی طرف لیے جاتے ہیں کہ یہ لوگ براہ راست اللہ ہی کے رسول تھے۔ ف۱۱ (کہ تمہاری آمد سے ہمارے درمیان یہ فتنہ وفساد برپا ہو گئے) قَالُوا …… لَمُرْسَلُونَ، وَمَا …… الْمُبِينُ۔ یہ دونوں فقرے بھی ان مرسلین کی رسالت حقیقی ہی پر دلالت کر رہے ہیں۔ ف۱۲ (مختلف صورتوں سے) لَنَرْجُمَنَّكُمْ۔ رجم یا سنگساری، یاد رہے کہ دنیا کی قدیم ترین سلطنتوں اور تہذیبوں میں ایک عام سزا رہی ہے۔ ف۱۳ یعنی یہ کیا اندھیر ہے کہ عین جو طریقہ سعادت دارین اور فلاح دنیا وآخرت کا بتایا جاتا ہے، اسی کو نحوست قرار دے رہے ہو، اور نحوست تم جن واقعات کو قرار دے رہے ہو وہ تو خود تمہارے ہی کرتوت ہیں۔ تم ہی نے حق کے قبول سے انکار کیا، تو تمہارے اندر افتراق وتشتت پیدا ہوا۔ تمہیں نے پیام خداوندی کو ٹھکرایا۔ تو تمہارے سامان معاش میں بے برکتی پیدا ہوئی۔ وقس علی ہذا۔ طَٰٓئِرُكُم مَّعَكُمْ۔ قدیم جاہل قوموں میں سعد ونحس کا تخیل بہت زیادہ پھیلا ہوا تھا۔ بات بات میں شگون، فال وغیرہ کا رواج عام تھا۔ مکالمہ اسی فضا میں ہو رہا ہے۔ طَٰٓئِرُكُم۔ یعنی نحوست بقول تمہارے، نحوست تمہارے زعم میں۔ ف۱۴ یعنی ان بزرگوں کی پیروی سے امر مانع کون سا ہے۔ خود یہ لوگ تو راہ ہدایت ہی پر ہیں، اور پھر خود غرضی کا خیال ان کی طرف سے مرتفع، اس لیے کہ ہم سے جاہ ومال کسی قسم کا صلہ نہیں چاہتے۔ رَجُلٌ يَسْعَىٰ۔ یہ شخص اس وقت تک مومن ہو چکا تھا۔ مَن لَّا يَسْـَٔلُكُمْ أَجْرًا۔ پیمبروں کی یہ خصوصیت قرآن مجید میں بار بار بیان ہو چکی ہے کہ وہ تبلیغ ودعوت کسی قسم کے دنیوی معاوضہ کے لالچ میں نہیں کرتے۔

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور میرے پاس عذر ہی کیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم (سب) کو اسی کی طرف لوٹنا ہے

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا

کیا میں اسے چھوڑ کر (اور ایسے) معبود قرار دے لوں کہ اگر (خدائے) رحمٰن مجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہے تو

تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيْٓ اِذًا

ان (معبودوں) کی سفارش میرے کچھ کام نہ آئے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں اگر میں ایسا کروں

لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾

تو صریح گمراہی میں جا پڑا میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لے آیا سو میری سن لو ف۱۵

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا

ارشاد ہوگا کہ جا جنت میں داخل ہو ف۱۶ وہ کہنے لگا کاش میری قوم کو یہ معلوم ہو جاتا کہ

غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا

میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے معززین میں شامل کر دیا ف۱۷ اور ہم نے اس کی قوم پر

عَلٰي قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَمَا

اس کے بعد کوئی لشکر آسمان سے نہیں اتارا اور نہ ہم کو اتارنے کی

كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا

ضرورت تھی وہ (سزا) تو بس ایک چیخ تھی کہ سب اسی دم

هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ يٰحَسْرَةً عَلَي الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ

بجھ کر رہ گئے ف۱۸ افسوس (ایسے) بندوں کے حال پر! کبھی ان کے پاس کوئی رسول

رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا

نہیں آیا جس کی یہ ہنسی نہ اڑاتے ہوں ف۱۹ کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم ان کے قبل

ف۱۵ مردِ مومن کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ جب پروردگار وہی ایک اور داورِ حشر بھی وہی ایک، اور سارے دیوی دیوتا بے اختیار محض، تو آخر دین توحید چھوڑ کر شرک اختیار کرنے کے معنٰی ہی کیا؟ یہ تو سرتاسر محض بے عقلی ہی ہوئی۔ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ خالق بھی وہی داورِ حشر بھی وہی ـــ مبدا بھی وہی، منتہٰی بھی وہی۔ ہر سادہ وسلیم فطرت والا بعینہٖ یہی استدلال کرے گا۔ وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ۔ ءَاَتَّخِذُ۔ اِنِّیْٓ اِذًا۔ ہر جگہ صیغۂ واحد متکلم کے استعمال سے مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے یہ استنباط کیا ہے کہ مردِ مومن نے یہ سب اپنے اوپر رکھ کر اس لیے کہا کہ مخاطبین کو اشتعال نہ ہو، جو غور وتدبر کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔ اِنِّیْ ...... فَاسْمَعُوْنِ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ترغیب وتحریص خیر کے موقع پر اپنی کسی خوبی کا اظہار کر دینا جائز بلکہ اولٰی ہے۔ لَا تُغْنِ ...... لَا یُنْقِذُوْنِ۔ مشرکوں کے دیوتاؤں کی بیچارگی دکھائی ہے کہ نہ کسی معنٰی میں قادر، اور نہ اس قابل کہ قادرِ مطلق کے ہاں سفارش ہی کر سکیں۔ ف۱۶ مشرک قوم اپنے اس ہم قوم مردِ مومن کی دشمن ہوگئی۔ اور آخر اسے ہلاک کر ڈالا۔ جنت کی یہ بشارت اس شہید کو اپنی ہلاکت کے وقت مل رہی ہے۔ ف۱۷ اس شہید کو ہمدردی اپنی قوم کی، اور دھن اپنی ملت کی اس وقت بھی سوار رہی، اور حسرت کے لہجہ میں بولا کہ کاش میری قوم والوں کو بھی عالم جاودانی کے اعزاز وتکریم کا راز معلوم ہو گیا ہوتا، اور وہ سب بھی ایمان لے آئے ہوتے! بِمَا غَفَرَ ...... الْمُکْرَمِیْنَ۔ اس مغفرت اور مکرمت کا راز ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے، اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ اور اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ میں۔ یعنی یہ ثمرہ تمامتر ایمان اور اتباعِ مرسلین کا ہے۔ ف۱۸ وہ قوم انکار وتکذیب کی منزلیں طے کر چکنے کے بعد بالآخر ہلاک کر دی گئی ہے۔ یہ بیان اس وقت کا ہے۔ وَمَا کُنَّا مُنْزِلِیْنَ۔ خدائے قادر وغنی کو فرشتوں کا لشکر کا لشکر اتارنے کی احتیاج نہیں۔ بڑی سے بڑی آبادیوں کی ہلاکت کے لئے ایک ادنٰی سا اشارہ کافی ہے۔ مثلاً یہیں، ایک زور کی آواز (بادل اور بجلی کی کڑک ہو یا کچھ اور) کافی ہوگئی۔ اور بعض واقعات میں جو فرشتوں کے لشکر کا اتارنا مذکور ہے، وہ کسی وقتی حکمت ومصلحت کی بناء پر تھا۔ یہاں نفی صرف احتیاج کی ہو رہی ہے۔ خٰمِدُوْنَ۔ یعنی مرکھپ کر ایسے نیست ونابود ہو گئے جیسے خاکستر جلنے بجھنے کے بعد۔ ای میتون هامدون تشبيهًا بالرماد الخامد (قرطبی) ف۱۹ حق تعالیٰ کا یہ اظہار تاسف وملال اس کمال شفقت کے اظہار کے لئے انسانی محاورہ کے مطابق ہے، جو حضرت حق کو بندوں کے ساتھ ہے۔ ورنہ حقیقۃً وہ ذات پاک ہر قسم کے تاثر وانفعال سے بالاتر ہے۔

قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اِنْ

(بہت سی) امتیں ہلاک کر چکے ہیں کہ یہ لوگ ان کی طرف لوٹ کر نہ آئیں گے اور

كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ

ان سب میں کوئی بھی ایسا نہیں جو مجموعی طور پر ہمارے سامنے حاضر نہ کیا جائے ف۲۰ اور ایک نشانی ان لوگوں کے لئے

الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ

زمین مردہ ہے ہم نے اسے زندہ کیا اور اس میں سے غلے نکالے سو ان میں سے لوگ

يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ

کھاتے ہیں اور ہم نے اس (زمین) میں باغ لگائے کھجوروں اور انگوروں کے

وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ

اور اس (زمین) میں چشمے جاری کر دیئے ف۲۱ تاکہ لوگ اس (باغ) کے پھلوں سے کھائیں

وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ

اور اس (سارے انتظام) کو ان کے ہاتھوں نے نہیں پیدا کیا سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے ف۲۲ پاک ذات ہے وہ جس

خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ

نے تمام متقابل قسموں کو پیدا کیا نباتات زمین کے قبیل سے بھی اور ان شخصوں میں سے بھی اور ان چیزوں میں بھی

وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ

جن کو (عام لوگ) نہیں جانتے ف۲۳ اور ایک نشانی ان لوگوں کے لئے رات بھی ہے ہم اس پر سے دن کو اتار لیتے ہیں

فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ

سو یکایک لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں ف۲۴ اور ایک نشانی آفتاب بھی کہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے ف۲۵

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ

یہ اندازہ ٹھہرایا ہوا ہے زبردست (اور) علم والے (خدا) کا ف۲۶ اور (ایک نشانی) چاند بھی کہ ہم نے اس کے لئے منزلیں

ع ۲

ف۲۰ یعنی اس دنیوی ہلاکت سے قطع نظر اصلی سزا تو اسی عالم آخرت میں ہوگی، اور وہ دائمی اور غیر منقطع ہوگی۔ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔ یہ آیت یا اس کے ہم معنیٰ دوسری آیتوں میں صرف ایک عام قانون وعادت الٰہی کا بیان ہے۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ کہیں اور کسی خاص موقعہ پر بطور خرق عادت بھی ایسا نہیں ہوسکتا، جیسا کہ بعض کج فہموں نے ان آیتوں سے نکالا ہے۔ لَمَّا۔ ما زائد تاکید کے لئے ہے۔ ما مزیدۃ للتاکید (بیضاوی) ف۲۱ (باغ کی آبپاشی کے لئے) جَنّٰتٍ...... اَعْنَابٍ۔ کھجور اور انگور کے نام کی تصریح مذاق عرب (مخاطبین اول) کی رعایت سے ہے۔ کھجور تو کہنا چاہیے کہ عرب کے حق میں مایۂ زندگی ہے، اور انگور کے شاداب باغوں سے بھی اہل عرب واقف تھے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ اٰيَةٌ لَّهُمُ۔ سوکھی ہوئی زمین کا ازسرنو جی اٹھنا بجائے خود ایک سبق ہے حق تعالیٰ کی قدرت وربوبیت کا۔ ف۲۲ (ان دلائل قدرت کو دیکھنے کے باوجود) اور ادائے شکر کا پہلا زینہ توحید ہے۔ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ۔ نکتہ بہت قابل غور ہے ساری دنیا، خدائی قدرت وانتظام سے الگ ہوکر، اگر مل کر بھی کوشش کر ڈالے کہ تخم ریزی وآبپاشی کے نتائج غلہ پھل وغیرہ ہی کی شکل میں ظاہر ہوتے رہیں تو کامیابی ناممکن ہے یقینی طور پر ان مسببات کو انہیں نتائج کی صورت میں ظاہر کرنا خاص الخاص کرشمہ قدرتِ خداوندی ہے۔ وَمَا عَمِلَتْهُ، ما یہاں نافیہ ہے۔ ترجمہ اسی ترکیب کے مطابق کیا گیا۔ روی القول بان ما نافیة عن ابن عباس والضحاک (روح) دوسری ترکیب یہ بھی جائز ہے کہ ما کو موصولہ قرار دیا جائے۔ اس صورت میں فقرہ کا عطف ثَمَرِهٖ پر ہوگا، اور مطلب یہ ہوگا کہ اپنے پکے پکائے کھانے کو دیکھو تو اس میں بھی حق تعالیٰ ہی کی ربوبیت کی جھلک پاؤ گے۔ ما موصولة فی محل جر عطف علی ثمرہ (روح) ف۲۳ یعنی پاک وبالاتر ہے ایسی قادر مطلق ذات ہر قسم کے شرک سے۔ اَلْاَزْوَاجَ كُلَّهَا۔ ہر قسم کے جوڑے اور سارے موجودات کے اصناف وانواع مراد ہیں۔ الازواج الانواع والاصناف فکل زوجٍ صنف لانه مختلف فی الالوان والطعوم والاشکال والصغر والکبر فاختلافها هو ازدواجها (قرطبی) جدید سائنس کا یہ ایک مشہور مسئلہ ہے کہ نر و مادہ کا وجود کائنات کی ہر صنف موجود میں پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حیوانات سے گذر کر نباتات بلکہ جمادات میں بھی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ۔ نباتاتِ ارضی میں تقابل مماثلت کا بھی ہوسکتا ہے اور تضاد کا بھی۔ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ اشخاص میں تقابل یہ ہے کہ مثلاً مرد عورت، جوان بوڑھا، گورا کالا وغیرہ۔ ف۲۴ رات اور دن، دونوں تمام تر امر الٰہی کے مسخر ہیں۔ خود کوئی دیوی دیوتا نہیں جیسا کہ بعض مشرک جاہلی قوموں نے سمجھ رکھا ہے۔ ان کے درمیان یہ تقلب وتصرف سب قدرتِ الٰہی سے ہوتے رہتے ہیں۔ ف۲۵ (اپنی حرکت یومیہ میں بھی اور دورۂ سالانہ میں بھی) ف۲۶ (جس کے اندازہ میں دخل نہ بخت واتفاق کو ہوسکتا ہے اور نہ ظن وتخمین کو، بلکہ اس کا ہر قانون اپنی جگہ پر مستحکم اور اٹل ہوتا ہے اور حکمت ومصلحت پر مبنی بھی)

حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ

مقرر کی ہیں یہاں تک کہ وہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی و۲۷ نہ آفتاب کی

لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ

مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور سب ایک ایک

فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي

دائرہ میں تیر رہے ہیں و۲۸ اور ان کے لئے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی

الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا

کشتی میں سوار کیا اور ہم نے ان کے لئے اسی (کشتی) جیسی چیزیں (اور بھی) پیدا کیں جن پر یہ لوگ

يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ

سوار ہوتے ہیں و۲۹ اور اگر ہم چاہیں انہیں غرق کر دیں، تو نہ ان کا کوئی فریاد رس ہو اور نہ

يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا

یہ رہائی پائیں و۳۰ مگر ہاں یہ ہماری ہی مہربانی ہے اور ان کو ایک وقت معین تک فائدہ دینا مقصود ہے و۳۱ اور جب ان

قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ

سے کہا جاتا ہے کہ اس (عذاب) سے ڈرو جو تمہارے سامنے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر

تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ

رحمت کی جائے و۳۲ اور ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی بھی نشان ایسا ان کے پاس نہیں آتا

اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا

کہ یہ اس سے سرتابی نہ کرتے ہوں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو، تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں

و۲۷ (کہ پتلی اور خمدار ہونے میں ضرب المثل ہے) تشبیہ میں ممکن ہے کہ زردی رنگ بھی شامل ہو۔ و۲۸ اور اپنے خالق ومالک کے حکم کے مسخر اپنی اپنی رفتار سے چل رہے ہیں۔ اور نظام معین سے باہر نہیں ہو سکتے کہ رات دن کے حساب میں کچھ بھی خلل پڑ سکے۔ وَکُلٌّ۔ کل سے مراد سارے ہی اجرام فلکی لئے گئے ہیں یعنی من الشمس والقمر والنجوم (قرطبی) لَا...... الْقَمَرَ۔ آفتاب کی یہ مجال نہیں کہ کسی دن قبل از وقت طلوع ہو جائے۔ یعنی خورشید خاور بایں جاہ وجلال اور سورج دیوتا باوجود اپنی "دیوتائیت" کے تمامتر اسی قادر مطلق کے دست قدرت میں مسخر ہیں۔ وَلَا...... النَّهَارِ۔ یعنی ظہور ظلمت کے وقت معین سے پہلے شب تار کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے ارادہ وخواہش سے نور کو زائل کر دے۔ وَلَا...... النَّهَارِ۔ تقویم اسلامی میں رات دن پر مقدم ہے۔ چنانچہ شب غرۂ شوال شوال ہی میں، اور شب غرۂ رمضان رمضان ہی میں داخل سمجھی جاتی ہے۔ اور تراویح، اعتکاف وغیرہ کا شمار شام ہی کے وقت سے کیا جاتا ہے۔ یدل علی ان ابتداء الشهور من اول الليل (جصاص) و۲۹ اللہ ہی نے اپنی قدرت وحکمت وشفقت سے بندوں کو اس عقل وتدبیر کی تعلیم دی جس سے اس نے دریا اور سمندر کے پانی سے سواری کا کام لینا، اس کے طول وعرض کا عبور کرنا، اس کے مناسب حال کشتی بنانا، پھر کشتی چلانا وغیرہ وغیرہ سیکھ لیا۔ الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ۔ لدی پھندی کشتیوں سے صاف اشارہ بحری تجارت کی جانب ہے۔ بڑے بڑے تجارتی جہاز، اور سامان سے کھچا کھچ لدے ہوئے اسٹیمر سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ مِنْ مِّثْلِهٖ۔ کے اطلاق میں بڑی وسعت ہے، اسٹیمر، لائنز، کروزر، آبدوز کشتیاں، غرض ہر قسم کی بحری سواریاں ہی نہیں، بلکہ ان کے علاوہ ریل، موٹر، لاری، طیارہ، ہوائی جہاز وغیرہ سب ہی کچھ اس کے تحت میں آسکتے ہیں۔ عن مجاهد ان الابل سفن البر (جصاص) فسره مجاهد بالانعام والابل وغيرها (روح) والقول الثانی انه للابل والدواب وكل ما يركب۔ (قرطبی) مِنْ بیان کے لئے بھی مانا گیا ہے اور تبعیض کے لئے بھی۔ تحتمل ان تكون للبيان وان تكون للتبعيض (روح) و۳۰ نہ کوئی جل دیوتا ہے اور نہ کوئی اور فریادرس، جو غرق ہونے سے بچا سکے اور موت سے چھڑا سکے...... آیت میں تردید اس سلسلہ کے تمام مشرکانہ خیالات کی آگئی۔ یہ جو اخباروں میں آئے دن خبریں ہوائی جہازوں اور طیاروں کی، گر گر کر پاش پاش ہونے کی چھپتی رہتی ہیں آیت ان پر کتنی منطبق ہے! وائرلیس (لاسلکی) وغیرہ کے آلات سب دھرے کے دھرے رہ جاتے اور کوئی مدد کو تو کیا آئے، خبر بھی باہر والوں کو مدتوں نہیں پہنچ پاتی۔ اور پھر لاشوں کو سمندر کی گہرائیوں سے، یا پہاڑوں پر جمی ہوئی برف کے تودوں کے اندر سے کھود کھود کر یا گھنے جنگلوں کے اندر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنے کے مرحلے تو اور بھی صعب تر ہیں۔ و۳۱ (چنانچہ اسی لئے اس قادر مطلق وحکیم برحق نے مہلت دے رکھی ہے) بے بس اور بے کس بندوں کے لئے کتنا بڑا اسہارا اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا کا ہے۔ و۳۲ (اور تم قریب وبعید ہر قسم کے عذاب سے محفوظ ہو جاؤ) مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ۔ وہ عذاب جو سامنے کا ہے۔ یعنی اس دنیا کا عذاب اور اس کا ہر وقت احتمال۔ وَمَا خَلْفَكُمْ۔ وہ عذاب جو آخرت میں پیش آئے گا، اور اس کا وقوع یقینی ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ دعوت تقویٰ اسی جلب رحمت کی غرض سے دی جارہی ہے۔

اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ

کہ کیا ہم ان لوگوں کو کھانے کو دیں جنہیں اگر خدا چاہے تو (بہت کچھ) کھانے کو دے دے، تم تو نری

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ

کھلی غلطی میں پڑے ہوئے ہو ف۳۳ اور یہ کہتے ہیں کہ (آخر) یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً

تم سچے ہو یہ لوگ بس ایک آواز سخت کے منتظر ہیں کہ

تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً

وہ انہیں آپکڑے گی اور یہ لوگ آپس میں لڑجھگڑ رہے ہوں گے پھر نہ تو وصیت کرنے کی فرصت ہوگی

وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ؑ وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا

اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس جاسکیں گے ف۳۴ اور صور پھونکا جائے گا سو وہ لوگ

هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا

یک بیک قبروں سے (نکل نکل) اپنے پروردگار کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے، کہیں گے ہائے ہماری کم بختی

مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ

کس نے ہم کو ہماری خواب گاہوں سے اٹھایا؟ یہ وہی ہے جس کا (خدائے) رحمٰن نے وعدہ کیا تھا

وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً

اور پیمبروں نے سچ کہا تھا ف۳۵ وہ بس ایک زور کی آواز ہوگی

فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ

جس سے سب یکایک جمع ہوکر ہمارے سامنے حاضر کردیے جائیں گے ف۳۶ پھر اس دن کسی شخص پر

نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّ لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور تم کو بدلہ بھی بس انہیں کاموں کا ملے گا جو تم کیا کرتے تھے ف۳۷

ع ۳/۱۸

ف۳۳ یہ بیان ہے منکرین کی مستقل قساوت قلب اور عدم تاثر کا۔ مِنْ اٰيَةٍ۔ من زائدہ تاکید واستغراق کے لئے ہے۔ متکبرین رؤساء قریش سے جب کہا جاتا تھا کہ غریبوں مسکینوں کی اعانت کرو (جو عموماً مسلمان ہی تھے) تو وہ طنزیہ جواب یہ دیتے تھے کہ ہم سے ان غریبوں کی اعانت کو کہتے ہو، حالانکہ تمہیں یہ بھی کہتے ہو کہ تمہارا خدا رزاق مطلق ہے، وہ جس کو چاہے روزی دے، تو خود وہ کیوں نہیں انہیں روزی دیتا...... طنز عجیب مہمل تھا۔ خدا کی رزاقی بھی تو اسی کی ہر صفت کی طرح اسی عالم اسباب میں انسانوں ہی کے واسطہ سے ظہور کرتی ہے۔ مسلمانوں کا یہ دعویٰ کب تھا کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں عادۃً رزاق بلا واسطہ اور بلا ذریعہ اسباب ہے۔ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ۔ یعنی اپنی آمدنیوں میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے رہو...... قریش کے امراء ودولتمند عموماً کافر تھے اور مسکین افراد عموماً مسلمان۔ ف۳۴ قیامت کے فوری وناگہانی وقوع اور اس کی ہولناکیوں کا بیان ہے۔ هٰذَا الْوَعْدُ۔ یعنی وعدۂ قیامت۔ مَتٰى...... صٰدِقِيْنَ۔ سوال محض طنز وتعریض سے تھا۔ صَيْحَةً وَّاحِدَةً۔ مراد صور کا نفخہ اول ہے جب سب کے سب ہلاک ہوجائیں گے۔ صَيْحَةً۔ صیغۂ نکرہ کی تنوین اظہارِ عظمت وجلالت کے لئے ہے۔ تَوْصِيَةً۔ یعنی کسی قسم کی بھی وصیت۔ وصیت کا اشارہ تک۔ التنكير في التوصية للتعميم اى لا يقدر على توصية ما (کشاف)

ف۳۵ (چنانچہ یہ وقوع قیامت انہیں سچے وعدوں کا ظہور ہے) هٰذَا...... الْمُرْسَلُوْنَ۔ یہ پورا ٹکڑا قیامت کے دن فرشتوں کی زبان سے ادا ہوگا۔ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ۔ مراد صور کا نفخہ ثانی ہے۔ جب وہ از سر نو زندہ ہوکر اکٹھے ہو جائیں گے۔ مَرْقَدِنَا۔ مرقد صورۃً واحد ہے، مراد جمع ہے۔ يراد بالمفرد الجمع اى مراقدنا (روح) برزخ کی درمیانی زندگی حشر برپا ہوجانے پر خواب کی زندگی معلوم ہوگی۔ اسی لئے اہل حشر اس کو مرقد سے تعبیر کریں گے۔ ف۳۶ حق تعالیٰ کو قیامت برپا کرنے میں نہ کسی خاص اہتمام کی ضرورت ہوگی، نہ مشقت وتعب کی۔ بس ایک نفخ صور بالکل کافی ہوگا ف۳۷ وہ دن عدل کامل کے ظہور کا ہوگا۔ دودھ کا دودھ، پانی کا پانی، ہر ایک معاملہ کا الگ ہوکر رہے گا۔

اِنَّ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ الۡيَوۡمَ فِىۡ شُغُلٍ فٰكِهُوۡنَ ﴿۵۵﴾ هُمۡ

اہل جنت بے شک اس روز اپنے مشغلہ میں خوش دل ہوں گے وہ

وَاَزۡوَاجُهُمۡ فِىۡ ظِلٰلٍ عَلَى الۡاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوۡنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمۡ

اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھی ہوں گی ان کے لئے

فِيۡهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمۡ مَّا يَدَّعُوۡنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ

وہاں میوے ہوں گے اور ان کے لئے وہ (سب کچھ) ہوگا جو کچھ وہ مانگیں گے ف۳۸ سلام انہیں کہا جائے گا پروردگار

رَّبٍّ رَّحِيۡمٍ ﴿۵۸﴾ وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمۡ

مہربان کی طرف سے ف۳۹ اور آج الگ ہو جاؤ اے مجرمو ف۴۰ کیا میں نے

اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ ۚ اِنَّهٗ

تم کو تاکید نہیں کر دی تھی اے اولاد آدم کہ تم شیطان کی فرمانبرداری نہ کرنا

لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعۡبُدُوۡنِىۡ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ

وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور یہ کہ تم عبادت میری ہی کرنا یہی سیدھا

مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدۡ اَضَلَّ مِنۡكُمۡ جِبِلًّا كَثِيۡرًا ؕ اَفَلَمۡ

راستہ ہے وہ تم میں سے ایک بڑی مخلوق کو گمراہ کر چکا ہے سو کیا

تَكُوۡنُوۡا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۶۳﴾

تم اتنا نہیں سمجھتے تھے؟ ف۴۱ یہی ہے جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا

اِصۡلَوۡهَا الۡيَوۡمَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۶۴﴾ اَلۡيَوۡمَ نَخۡتِمُ عَلٰٓى

گھسو اس میں آج اپنے کفر کے بدلے آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا

اَفۡوَاهِهِمۡ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيۡدِيۡهِمۡ وَتَشۡهَدُ اَرۡجُلُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا

دیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے کہ یہ لوگ کیا

وقف غفران

ف۳۸ (بلکہ بلا طلب بھی پاتے رہیں گے) نقشہ جنت کی غیر فانی راحتوں اور لاثانی آسائشوں کا پیش ہو رہا ہے۔ فِىۡ شُغُلٍ۔ شغل سے ہر وہ دل پسند مشغلہ مراد ہے جو ذوق کو بالکل گھیر لے۔ العارض الذی یذھل الانسان (راغب) ھو الشان الذی یصدر المرء ویشغلہ عما سواہ من شئونہ لکونہ اھم عندہٗ من الکل (روح) اور انسان کے دل پسند مشغلوں کا نہ حصر ممکن ہے نہ شمار۔ اور لفظ شغل کے صیغۂ نکرہ سے مقصود بھی لذتوں کی وسعت واہمیت کا اظہار ہے۔ مَا يَدَّعُوۡنَ کی وسعت، اطلاق وجامعیت قابل لحاظ ہے۔ جسمانی، دماغی، روحانی، ہر قسم کی ہر ممکن لذت، راحت، مسرت، نعمت اس کے عموم میں آ گئی۔ اہل جنت جو کچھ بھی چاہیں گے، جو کچھ بھی مانگیں گے سب ہی کچھ ان کے لئے حاضر وموجود ہوگا۔ يَدَّعُوۡنَ کی تفسیر یہاں یتمنون سے بھی کی گئی ہے۔ گویا مانگنے کی ضرورت بھی نہ ہوگی، ادھر تمنا پیدا ہوئی اور ادھر وہ شے حاضر وموجود ہو گئی۔ قیل یتمنون (کشاف) ای یتمنون ویشتھون (معالم) لیکن اگر يَدَّعُوۡنَ کو طلب ہی کے معنی میں رکھا جائے جب بھی کیا مضائقہ ہے بلکہ کسی لذیذ ومحبوب شے کا طلب کرنا، جب کہ اس کا مل جانا اور فوراً مل جانا یقینی ہو، بجائے خود ایک لذت ہے۔ ف۳۹ یعنی حق تعالیٰ کریم ورحیم کی طرف سے انہیں سلام پہنچا رہے گا، خواہ فرشتوں کے واسطہ سے خواہ بلا واسطہ وبراہ راست...... اہل جنت کا یہ انتہائی اکرام ہے۔ اکرام کا کوئی درجہ اس کے بعد ممکن بھی کیا ہے۔ والمعنی ان اللہ یسلم علیھم بواسطۃ الملائکۃ او بغیر واسطۃ مبالغۃ فی تعظیمھم (کشاف) ھو اکمل الاشیاء وھو اٰخرھا الذی لا شیء فوقہ (کبیر) ف۴۰ (اہل ایمان سے) اَلۡمُجۡرِمُوۡنَ۔ مجرموں سے مراد کفر وشرک کے مجرم ہیں۔ الۡيَوۡمَ سے ظاہر ہے کہ یوم حشر مراد ہے۔ ف۴۱ یہ سب ان مجرموں کو قائل کرنے کے لئے ان سے حشر میں کہا جائے گا...... آگے بھی دو آیتوں میں یہی مضمون چلا گیا ہے۔ لَا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ۔ عبادت یہاں اطاعت کے معنی میں ہے۔ المراد بعبادۃ الشیطن طاعتہ (روح) وعبادۃ الشیطن طاعتہٗ فی ما یوسوس بہ الیھم ویزینہ الیھم (کشاف) ای لا تطیعوا الشیطن (معالم) اطاعت شیطان کی طرف سے شدت نفرت وبیزاری پیدا کرنے کے لئے اسے عبادت سے تعبیر فرمایا گیا۔ عبر عنھا بالعبادۃ لزیادۃ التحذیر والتنفیر عنھا (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ جو بعض صوفیہ نے اپنے لئے بت پرست وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں، ان سے بھی ان کی مراد اقرار کفر سے نہیں، بلکہ اپنے کو مطیع نفس ظاہر کرنے سے ہے۔

يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا

کرتے رہتے تھے ف۴۲ اور اگر ہم چاہتے ان کی آنکھوں کو ملیامیٹ کر دیتے پھر یہ راستہ کی طرف

الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ

دوڑتے پھرتے، سو ان کو کہاں نظر آتا؟ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی صورتیں

عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾ ع

جہاں کی تہاں مسخ کر ڈالتے نہ یہ آگے کو چل سکتے، نہ پیچھے کو لوٹ سکتے ف۴۳

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا

اور ہم جس کی عمر (بہت) زیادہ کر دیتے ہیں تو اسے (اس کی) خلقت میں الٹا کر دیتے ہیں سو کیا یہ لوگ (اتنا) نہیں سمجھتے؟ ف۴۴

عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ

اور ہم نے آپ کو شعر و شاعری نہیں سکھلائی اور نہ وہ آپ کی شایان ہے ف۴۵ یہ (قرآن) تو ایک نصیحت اور کھلی ہوئی

مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لا لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى

آسمانی کتاب ہے ف۴۶ تاکہ ایسے شخص کو ڈرائے جو زندہ ہو اور تاکہ کافروں پر حجت ثابت

الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ

ہو جائے ف۴۷ کیا ان (مشرک) لوگوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے لئے اپنے ہاتھ

اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا

سے بنائی ہوئی چیزوں میں مویشی پیدا کئے، پھر یہ لوگ ان کے مالک بن گئے ف۴۸ اور ہم نے ان (مواشی) کو ان کا تابع بنا

رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ

دیا سو ان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں، اور ان میں ان لوگوں کے اور بھی نفع ہیں

وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور پینے کی چیزیں بھی ہیں، سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے؟ ف۴۹ اور انہوں نے اللہ کے سوا

ف۴۲ (غرض یہ کہ ان کی کل روئداد زندگی رتی رتی حق تعالیٰ کے سامنے انھیں کے ہاتھوں پیروں کی زبانی پیش ہوگی) نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ۔ یہ منہ پر مہر لگنا یوں ہوگا کہ وہ کوئی جھوٹی داستان تصنیف کر کے پیش ہی نہ کر سکیں۔ تُكَلِّمُنَا ...... يَكْسِبُوْنَ۔ سورۃ النور میں اس سے ملتے ہوئے مضمون کی آیت تشهد عليهم السنتهم پر حاشیہ گذر چکا۔ ف۴۳ یعنی یہ سب سزائیں ہمارے امکان قدرت میں تھیں، لیکن وہ ان سے اس دنیا میں محفوظ رہے، اس سے انہیں مہلت مل گئی اور اصلاح حال کی ذمہ داری ان پر بڑھ گئی۔ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ۔ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ۔ یعنی یہ سب سزائیں اسی دنیا میں انہیں ان کی پاداش کفر میں دے دیتے۔ ف۴۴ یعنی اس روزمرہ کے مشاہدہ سے کیا وہ یہ سبق نہیں لیتے کہ ہم ہر مسخ و تغییر حالت پر قادر ہیں؟ فِى الْخَلْقِ۔ خلقت یا طبیعت سے مراد انسان کے جسمانی قوی اور رنگ و روغن، حسن و جمال وغیرہ ہیں۔ نُنَكِّسْهُ۔ قوی کے الٹا دینے سے مراد ہے ان کا انقلاب کامل سے ناقص اور اعلیٰ و اشرف سے ارذل و اسفل کی طرف۔ ف۴۵ (بحیثیت آپ کی پیمبری کے) قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ احمق مشرک آپ کے بیان کئے ہوئے مضامین عالیہ کو مؤثر پا کر اسے شاعری کی ساحری قرار دے رہے ہیں، جو ان بیچاروں کا منتہائے فکر ہے۔ شاعری یعنی تخیلی مضمون آفرینی کو مرتبۂ نبوت سے مناسبت ہی کیا آپ کے ہاں تو حقائق ہی حقائق ہیں، کہاں یہ، کہاں شاعر کی بہتر سے بہتر خیال بندیاں، وہ تو اس سے کہیں فرو مرتبہ چیز ہے۔ هذا رد لما كانوا يقولونه من ان القران شعر والنبى ﷺ شاعر وغرضهم من ذٰلك ان ما جآء به عليه الصلوٰة والسلام من القران افتراء تخيل (روح) الشِّعْرَ۔ شعر یہاں اپنے معروف و متعارف معنی میں مراد نہیں یعنی کلام موزوں و مقفٰی کا مرادف نہیں، بلکہ شعر سے یہاں مراد جھوٹی خیال آرائیاں اور حقیقت و واقعیت سے عاری منصوبہ بندیاں ہیں......شعر اور شاعر عربی میں گویا کذب و کاذب ہی کے مرادف ہیں۔ انها رموابا لكذب فان الشعر يعبربه من الكذب والشاعر الكاذب حتٰى سمّى قوم الادلة الكاذبة الشعرية (راغب) واما معنى فلان الشعر تخيلات مرغبة اومنفرة اونحو ذٰلك وهو مقر الاكاذيب (روح) وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ۔ یہاں سے شعر کی پستی کا استنباط کیا گیا ہے۔ وفى الاية دلالة على غضاضة الشعر وهى ظاهرة فى انه ﷺ لم يعط طبيعة شعرية اعتناءً بشانه ورفعًا لقدره (روح) ف۴۶ (ایسی پر حقائق و لبریز معارف تعلیمات کو شاعرانہ تخیل آرائی سے مناسبت ہی کیا) قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ۔ ”کھلی ہوئی کتاب“ اپنی تعلیمات اور اپنے احکام کی وضاحت کے لحاظ سے۔ ف۴۷ (نزول عذاب کے لئے) ف۴۸ (اور اپنے بغیر کسی استحقاق کے انھیں اپنے تصرف و قدرت میں لانے لگے) مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَا۔ اظہار تخصیص و اہتمام کے لئے ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ہر مخلوق اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ۔ آیت اس باب میں نص واضح ہے کہ حیوانات انسان کی ملک ہوتے ہیں، اور انسان کو ان پر تصرفات مالکانہ کے حق حاصل رہتے ہیں۔ ف۴۹ (اور ان نعمتوں کے استحضار کے باوجود کفران نعمت پر تلے ہوئے ہیں) خَلَقْنَا لَهُمْ۔ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ۔ گائے بیل وغیرہ سارے مویشی تو خود انسان کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ کمال حماقت ہے کہ انسان انھیں کی پرستش میں مبتلا ہو جائے!...... مویشی پرستی ہندوستان کے علاوہ مصر وغیرہ اور ملکوں میں بھی عام رہی ہے۔ مَشَارِبُ۔ دودھ، دہی وغیرہ سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔ مَنَافِعُ۔ چوپایوں کی ہڈیوں، بالوں، اور کھالوں کی تجارت، اور ان کے لئے بڑے بڑے کارخانے اور منڈیاں سب اس میں شامل ہوگئیں۔

اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ

اور بھی معبود قرار دے رکھے ہیں تا کہ ان سے انہیں مدد ملے (حالانکہ) وہ ان کی (کچھ بھی) مدد نہیں کرسکتے،

وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ

اور وہ ان کے حق میں ایک فریق ہو جائیں گے لاحاضر کیے ہوئے و۵۰ پس آپ کو ان لوگوں کا قول رنج میں نہ ڈالے

وقف لازم

اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ

بے شک ہم ہی جانتے ہیں جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں و۵۱ کیا انسان کی نظر اس پر نہیں

اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾

کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا سو وہ ایک کھلا ہوا معترض بن بیٹھا

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ

اور ہمارے شان میں عجیب (گستاخانہ) مضمون بیان کیا اور اپنی خلقت کو بھول گیا و۵۲ کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں

وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ

کو جب کہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں، آپ کہہ دیجیے انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں اول بار پیدا کیا تھا

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ﴿۷۹﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ

اور وہی سب طرح کا پیدا کرنا خوب جانتا ہے و۵۳ اور وہ ایسا ہے کہ ہرے درخت سے آگ تمہارے لئے

الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَلَيْسَ

پیدا کر دیتا ہے پھر تم اس سے (اور) آگ سلگا لیتے ہو و۵۴ تو کیا جس نے

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ

آسمانوں اور زمین کو پیدا کر ڈالا، وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے لوگوں کو (دوبارہ)

يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ڲ بَلٰي ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ

پیدا کر دے و۵۵ ضرور (قادر) ہے، اور وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے خوب جاننے والا ہے وہ تو بس

و۵۰ یعنی ان دیوی دیوتاؤں سے مشرک توقع تو یہ رکھتا ہے کہ وہ اس کے آڑے آئیں گے۔ سو یہ ہونا تو الگ رہا۔ حشر میں وہ اور اس کے فریق مخالف کی حیثیت سے پیش ہوں گے اور الٹے اسی پر الزام رکھیں گے۔ و۵۱ (اور ہم ہی ان سے وقت مناسب پر نبٹ لینے کے لئے کافی ہیں) فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ۔ یعنی جب وہ توحید تک میں ایسی سفاہت کی باتیں کرتے ہیں، تو پھر آپ کو اگر شاعر کہہ دیا، تو اس پر کیوں اتنا کڑھیے۔ ایے اذا کان حالهم مع ربهم عزوجل فلا تحزن بسبب قولهم عليك هو شاعر (روح) و۵۲ (کہ کیسی حقیر چیز سے اسے پیدا کیا، اور کیسی بے بسی کی حالت میں اسے رکھا) و۵۳ سو جو ابداء پر قدرت رکھتا ہے، اس کے لئے اعادہ کیا دشوار ہے۔ بلکہ جو ابداء پر قادر ہے اسے تو قیاس انسانی کے مطابق اعادہ پر اور زیادہ قادر ہونا چاہیے۔ فيه من اوضح الدليل علىٰ ان من قدر على الابتداء كان اقدر على الاعادة (جصاص) فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت سے قیاس منطقی وفقہی کی حجیت ثابت ہوئی ہے۔ وفيه الادلالة علىٰ وجوب القياس والاعتبار لانه الزمهم قياس النشأة الثانية على الاولىٰ (جصاص) ففي هٰذا دليل علىٰ صحة القياس لان الله عزوجل احتج علىٰ منكر البعث بالنشأة الاولىٰ (قرطبی) قَالَ...... رَمِيْمٌ۔ ”روشن خیال“ منکرین بعث کا بیان ہو رہا ہے، جن کی کمی کسی زمانہ بھی نہیں رہی ہے۔ وہی گستاخانہ اور تمردانہ لہجہ میں یہ سوال کرتے رہتے ہیں کہ ہڈیاں جب سڑگل گئیں تو ان کی حیات ثانی ممکن کیونکر ہے؟ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ۔ يُحْيِيْهَا، عظام کے ساتھ، احیاء کے اس اتصاف سے بعض فقہاء نے استدلال ہڈی کے ذی حیات یا جاندار ہونے پر کیا ہے لیکن محققین نے کہا ہے کہ یہ احیاء تو اسی مجازی معنی میں ہے، جس معنی میں ارض، (زمین) کے لئے آیا کرتا ہے۔

احتج بعضهم علىٰ ان العظم فيه حياة فيجعلهٗ حكم الموت بموت الاصل ويكون ميتة وليس كذٰلك لانه انما سماه حيًا مجازًا (جصاص) والمراد باحياء العظم ردها الى ما كانت عليه غضة رطبة في بدن حي حساس (مدارک) لیکن اگر ہڈی میں حیات کا وجود اس کے مناسب حال تسلیم کر لیا جائے، جب بھی کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ ہڈی فقہ اہل سنت میں نجس نہیں، طاہر ہے۔ وهي عندنا طاهرة (مدارک) اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ یعنی ایسی حالت میں انہیں پیدا کر دیا جب کہ وہ حیات سے بالکل بیگانہ وبعید تھیں۔ و۵۴ (تو جو رطوبت سے آگ پیدا کرتا ہے اس کے لئے جماد میں حیات پیدا کر دینا کیا مشکل ہے) مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ۔ دیا سلائی وغیرہ کے دور سے بہت قبل آگ عموماً چقماق سے پیدا کی جاتی تھی۔ اور عرب میں وہ مخصوص درختوں کی رگڑ سے پیدا کی جاتی تھی۔ جَعَلَ...... نَارًا۔ یہاں ضمناً آتش پرستی کا بھی رد آ گیا۔ آگ ایسی چیز ہے جو تمام تر مخلوق ہے۔ اس میں معبودیت والوہیت کا شائبہ تک نہیں۔ و۵۵ اول تو کہاں خلق اول، نیستی سے ہستی، عدم سے وجود میں لانا، اور کہاں حیات ثانی۔ اور پھر کہاں آسمان وزمین کا جثہ وجسامت اور کہاں انسان؟

اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٨٢﴾ فَسُبْحٰنَ

جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے ف٥٦ سو اسی کی پاک ذات ہے

الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٣﴾

جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے،

آیاتها ١٨٢ ۔۔۔ ٣٧ سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰتِ مَكِّيَّةٌ ٥٦ ۔۔۔ رکوعاتها ٥

اس کی ایک سو بیاسی آیتیں ۔۔۔ سورۂ صافات مکہ میں نازل ہوئی ۔۔۔ اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿١﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿٢﴾ فَالتّٰلِيٰتِ

قسم ہے صف باندھ کھڑے ہونے والے (فرشتوں) کی، پھر بندش کرنے والے (فرشتوں) کی، پھر ذکر کی

ذِكْرًا ﴿٣﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

تلاوت کرنے والے (فرشتوں) کی، کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے ف١ (وہ) پروردگار (ہے) آسمانوں اور زمین کا

وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿٥﴾ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ

اور جو کچھ ان کے درمیان ہے (اس کا) اور پروردگار مشرقوں کا ف٢ بے شک ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا

الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ﴿٦﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ

کو ستاروں کی آرائش کے ساتھ اور ہر شریر شیطان سے حفاظت کی

مَّارِدٍ ﴿٧﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ

غرض سے (بھی) وہ عالم بالا کی (باتوں کی) طرف کان بھی نہیں لگا سکتے ف٣ اور ہر طرف سے مار کر

مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿٨﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿٩﴾ اِلَّا

دھکے دے دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے عذاب دائمی ہو گا ف٤ مگر ہاں

ف٥٦ یعنی وہ خلاق مطلق ہے، محض اپنے ارادہ مشیت سے، معدوم کو موجود کر دینے والا، اسے حاجت نہ مادہ کی نہ روح کی نہ ہیولیٰ کی نہ کسی اور چیز کی۔ لَهٗ۔ ضمیر اس مخلوق کی اس صورت کی طرف ہے جو حق تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے۔ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ حاشیہ سورۃ البقر (پ١) میں گذر چکا۔ اِذَا ...... فَيَكُوْنُ۔ محاورہ میں یہ محض انتہائی سرعت تکوین کا بیان ہے۔ یہ مراد نہیں کہ حق تعالیٰ کی زبان سے حروف ک اور ن (جو خود ہی حادث ہیں) کا مرکب ادا ہوتا ہو۔ تذییل احادیث میں سورۂ یٰس کے فضائل بکثرت وارد ہوئے ہیں۔ اسے قلب قرآن سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور نزع کے وقت اسے بیمار کے اوپر پڑھ کر دم کرنے کو اکسیر بتایا گیا ہے۔ ٢٦۔ ربیع الاول ١٣٦٠ھ (١٣۔ اپریل ١٩٤١ء) کو میری ضعیف العمر والدہ ماجدہ نے اپنی شدت علالت کے وقت مجھ نامہ سیاہ سے اس سورہ کے پڑھنے کی فرمائش کی، اور یہی ان کا آخری کلام مجھ سے تھا۔ تعمیل ارشاد اسی وقت کر دی گئی، اور انہیں تسکین ہو گئی۔ چار ہی پانچ گھنٹہ کے بعد سکرات کی کیفیت طاری ہو گئی، اور ان کے سرہانے بیٹھ کر میں نے پھر یہی سورت شروع کی۔ ان کا دم کھنچتا جاتا تھا، اور میں باواز بلند پڑھتا جاتا تھا۔ آیہ کریمہ "سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ" کو تکرار کر کے تین بار پڑھا ادھر سورہ کی آخری آیت کے آخری لفظ "والیه ترجعون" زبان پر ادا ہوئے کہ ادھر اس شفقت مجسم کی روح نے جسد خاکی کو خالی کر دیا۔ انا لله وانا الیه راجعون۔ قارئین کرام سے التجا ہے کہ جب یہ سطریں ان کی نظر سے گذریں سو اس تباہ کار اور اس مرحومہ دونوں کے حق میں دعا خیر و دعا مغفرت کے لئے ایک منٹ کو رک جائیں عین کرم و احسان ہو گا۔

ف١ یعنی نہ تین نہ زائد۔ نہ تین میں سے ایک، نہ ایک تین میں تقسیم، بلکہ محض ایک۔ بیان توحید کا ہو رہا ہے۔ اور ہر قسم کے شرک اور توحید فی التثلیث کی تردید ہو رہی ہے۔ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا۔ یعنی ان فرشتوں کی قسم جو آسمان میں اللہ کی حمد و تسبیح میں اس کے احکام کی تعمیل میں صف بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا۔ یعنی ان فرشتوں کی قسم جو آسمانی خبر رسانیوں سے شیطانوں کی بندش کرتے رہتے ہیں۔ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا۔ یعنی ان فرشتوں کی قسم جو ذکر الٰہی کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں۔ ف٢ یعنی زمین و آسمان نہ خود دیوتا ہیں نہ ان کے الگ الگ کوئی اور دیوتا ہیں۔ نہ کوئی اگنی دیوتا، نہ کوئی سرسوتی دیوی، نہ کوئی اندر دیوتا، معبود و خالق بس ایک ہی۔ مَشَارِقِ سے آفتاب کے طلوع کرنے کے مواقع مراد ہیں۔ صیغۂ جمع اختلاف مطالع کے اعتبار سے ہے۔ ہر روز طلوع آفتاب کا زاویہ دوسرے دن سے کچھ نہ کچھ مختلف ہوتا ہے، اور اس طرح سال کے ٣٦٥ مشرق ہوتے ہیں۔ ای مطالع الشمس وھی ثلث مائة وخمس وستون مشرقا (مدارک) ف٣ یعنی اکثر اور بالعموم تو یہی حالت رہتی ہے کہ رجم کے ڈر سے دور ہی دور رہتے ہیں۔ آیت میں بتایا ہے کہ اس نظام کواکب سے دو کام لئے جاتے ہیں۔ ایک تو زیب و زینت، دوسرے شیطانوں کا دفاع۔ السَّمَآءَ الدُّنْيَا۔ یعنی قریب ترین آسمان۔ مراد وہی آسمان ہے جو ہماری زمین سے قریب ترین نظر آ رہا ہے۔ اپنی ساخت و ترکیب کے لحاظ سے وہ خواہ کچھ بھی ہو۔ بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ۔ یہ ستارے آسمان میں جڑے ہیں یا نہیں۔ قرآن مجید کو ان بحثوں سے نفیاً و اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ ستارے اس فضائے آسمانی کے لئے ذریعۂ زینت و سامان آرائش ہیں۔ اور یہی ایک حسی بلکہ بدیہی شے ہے۔ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ۔ یہ شیطانوں کے لئے روک کس چیز سے کر دی گئی ہے؟ عالم بالا کی باتوں اور فرشتوں کی باہمی گفتگو سے۔ شیطان کے رجم و استراق پر حاشیہ سورۃ الحجر (پ١٤) میں گزر چکا ہے ف٤ (آخرت میں) یعنی رجم و استراق تو اسی دنیا کی سزائیں تھیں، باقی آخرت کی دائمی سزا اس کے علاوہ ہے۔ اور یہ عذاب دائمی شیطانوں پر ان کے کفر کی بناء پر مرتب ہو گا۔ يُقْذَفُوْنَ ...... دُحُوْرًا۔ یعنی جو شیطان جدھر سے بھی جانے کی کوشش کرتا ہے، اسی طرف سے مرجوم ہوتا ہے۔

ع ٥ ۔ ٥

المنزل ٦

من خطف الخطفة فاتبعه شهاب ثاقب ﴿۱۰﴾

جو (شیطان) کچھ خبر لے ہی بھاگا تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ لیتا ہے ف۵

فاستفتهم اهم اشد خلقا ام من خلقنا ۭ انا خلقنهم

تو آپ ان سے پوچھئے کہ خلقت میں یہ لوگ زیادہ مضبوط ہیں یا وہ جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے، ہم نے ان لوگوں کو تو

من طين لازب ﴿۱۱﴾ بل عجبت ويسخرون ﴿۱۲﴾ واذا

چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے ف۶ اور آپ تو تعجب ہی کرتے ہیں، اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں ف۷ اور جب

ذكروا لا يذكرون ﴿۱۳﴾ واذا راوا اية يستسخرون ﴿۱۴﴾

انہیں سمجھایا جاتا ہے تو یہ سمجھتے نہیں اور جب کوئی نشان دیکھ لیتے ہیں تو اس کی ہنسی اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں

وقالوا ان هذا الا سحر مبين ﴿۱۵﴾ ءاذا متنا وكنا ترابا

کہ یہ تو صریح جادو ہے ف۸ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے

وعظاما ءانا لمبعوثون ﴿۱۶﴾ او اباؤنا الاولون ﴿۱۷﴾ قل

تو کیا پھر سے اٹھائے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ آپ کہہ دیجیے

نعم وانتم داخرون ﴿۱۸﴾ فانما هي زجرة واحدة فاذا

کہ ہاں (ضرور) اور تم ذلیل بھی ہو گے ف۹ قیامت تو بس ایک ہی للکار ہو گی سو یہ سب

هم ينظرون ﴿۱۹﴾ وقالوا يويلنا هذا يوم الدين ﴿۲۰﴾ هذا

دیکھنے بھالنے لگیں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی یہ تو وہی روز جزا ہے (بے شک) یہ (ہی)

يوم الفصل الذي كنتم به تكذبون ﴿۲۱﴾ احشروا

فیصلہ کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے ف۱۰ جمع کر لو

الذين ظلموا وازواجهم وما كانوا يعبدون ﴿۲۲﴾ من

مشرکوں اور ان کے ہم مشربوں کو اور ان کو جن کی وہ عبادت اللہ کو

ف۵ (اور اسے جلا پھونک کر رکھ دیتا ہے) گویا اگر کوئی شیطان آسمانی خبر کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو اس خبر کے پہنچانے اور پھیلانے میں تو بہر حال ناکام رہتا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ستارے جس مادہ سے بنے ہیں، اس میں کوئی خاص صلاحیت وقوت آگ سے بنے ہوئے شیطانوں کے مارنے اور بھگانے کی ہے۔ ف۶ (جو نہ قوت میں کوئی امتیاز رکھتی ہے نہ صلاحیت میں) اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا۔ اللہ کی مخلوق تو انسان بھی ہے۔ یہاں اشارہ ان مخلوقات کی جانب ہے جن کا ذکر ابھی گزر چکا ہے، ستارے، آسمان، شیطان، فرشتے وغیرہ۔ اور تقابل ان کا انسان سے کیا گیا ہے، جس کو طین لازب جیسی معمولی اور کمزور چیز سے بنایا گیا ہے۔ یرید ما ذکر من خلائقه من الملٰئکة والسمٰوٰت والارض وما بینهما (مدارک) فسئل هؤلاء المنکرین للبعث ایما اشد خلقا هم ام السمٰوٰت والارض وما بینهما من الملٰئکة والشیاطین والمخلوقات العظیمة (ابن کثیر) من ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔ یہاں یہ قاعدۂ تغلیب لایا گیا ہے۔ جیئ بمن تغلیبا للعقلاء علی غیرهم (مدارک) وغلب اولی العقل علی غیرهم (کشاف) هِمْ، هُمْ، هم۔ ان تمام ضمیروں سے مراد کافر انسان بلکہ خود نوع انسان ہے۔ الضمیر لمشرکی مکة (کشاف) الضمیر لمشرکی مکة او بنی ادم (بیضاوی) ف۷ (عقیدۂ حشر و جزا و سزا پر) یعنی یہ لوگ انکار ہی پر بس نہیں کرتے، بلکہ تمسخر کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔ عَجِبْتَ۔ یعنی آپ کو اس پر حیرت ہو رہی ہے کہ یہ لوگ انکار بعث میں، انکار قدرت خداوندی میں کتنے دلیر ہیں۔ بل عجبت من انکارهم للبعث (قرطبی) ف۸ مطلب یہ ہوا کہ امکانِ بعث پر جب ان کے سامنے تقریر کی جاتی ہے، اور دلائل عقلی قائم کئے جاتے ہیں، تو یہ لوگ تکذیب اور کٹ حجتی پر تل جاتے ہیں۔ اور جب اثبات نبوت کے لئے کوئی معجزہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، تو اس پر مشق تمسخر کرنے لگتے ہیں۔ ایۃ۔ ایسا خاص واقعہ جس سے اثبات رسالت ہوتا ہے۔ قَالُوْا...... مُبِیْنٌ۔ یعنی قرآن کے اعجازی اثر، نیز رسول کے ہر معجزہ کی تاویل یہ کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ تو اثر سحر کا ہے۔ قرآن مجید کی شدید اثر اندازی تو ایک حسی اور بدیہی واقعہ ہے۔ اس سے انکار تو ان منکروں سے بھی نہیں بن پڑتا۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کی بودی سی بودی توجیہ یہ کمزور سے کمزور اسباب سے کرنے لگتے ہیں...... وہی ذہنیت جو آج بھی یورپ کے بڑے بڑے مستشرقین کی ہے۔ ف۹ یہ منکرین بعث کی تقریر اور اس کا جواب مذکور ہوا۔ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ۔ منکرین کے جواب میں کہا جا رہا ہے کہ ہاں اٹھائے تو بہر حال جاؤ گے۔ اور تم اپنی ان منکرانہ گستاخیوں کی پاداش میں ذلیل وخوار بھی کئے جاؤ گے۔ ف۱۰ یہ منکروں کی صدائے حسرت ونالۂ درد کے جواب میں غیب سے ارشاد ہو گا۔ هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ۔ اشارہ صور کے نفخ ثانی کی جانب ہے وهی النفخة الثانیة (مدارک)

دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ

چھوڑ کر کیا کرتے تھے وا۱ پھر ان سب کو دوزخ کا راستہ بتلاؤ اور ان کو (ذرا) ٹھہراؤ

اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ

ان سے پوچھ گچھ ہوگی (اب) تمہیں کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے و۱۲ نہیں بلکہ وہ (سب)

الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

اس روز سرافگندہ ہوں گے اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر

يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْۤا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾

سوال و جواب کریں گے (تابعین) کہیں گے کہ تمہاری ہی آمد ہم پر بڑے زور سے ہوا کرتی تھی و۱۳

قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ

(سرغنہ) کہیں گے کہ نہیں، بلکہ تم خود ہی ایمان نہیں لائے، اور ہمارا تم پر کوئی زور تو

مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا

تھا نہیں بلکہ تم خود ہی سرکشی کیا کرتے تھے سو ہم (سب ہی) پر ہمارے پروردگار کی

قَوْلُ رَبِّنَاۤ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾

یہ بات محقق ہو چکی تھی کہ ہم (سب) کو مزہ چکھنا ہے سو ہم نے تمہیں بھی گمراہ کیا اور ہم خود ہی گمراہ تھے و۱۴

فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ

سو وہ (سب کے سب) اس روز عذاب میں شریک رہیں گے ہم (ایسے)

نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ

مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں یہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا

اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْۤا

کوئی معبود نہیں تو یہ لوگ تکبر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے

و۱۱ اَزْوَاجَهُمْ۔ زوج کے لفظی معنی ساتھی یا مقارن کے ہیں۔ اصل الزوج المقارن (روح) یقال لکل ما یقترن باخر مماثلًا لہٗ اومضادًا زوج (راغب) یہاں ازواج بیویوں کے معنی میں نہیں، بلکہ رفیقوں، ہم مشربوں کے مرادف ہے۔ اے اقرانھم المعتقدین بھم فی افعالھم (راغب۔ ابوالبقاء) تابعین بلکہ صحابہ سے یہی تفسیر مروی ہے۔ اخرج جماعة ابن عباس فی لفظ اشباھھم وفی لفظ نظراءھم وروی تفسیر الا زواج بذالک ایضًا عن ابن جبیر ومجاھد وعکرمة (روح) عن عمر بن الخطاب الزانی مع الزانی وشارب الخمر مع شارب الخمر وصاحب السرقة مع صاحب السرقة (قرطبی) وقیل قرنآء ھم من الشیاطین وروی ھذا عن الضحاک (روح) اے اشیاعھم واتباعھم امثالھم قال قتادة والکلبی کل من عمل مثل عملھم فاھل الخمر مع اھل الخمر واھل الزنا مع اھل الزنا (معالم) اے اضربائھم (ابن جریر، عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہما) مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ۔ اس کے تحت میں شیاطین واصنام سب آگئے، مطلب یہ ہوا کہ حشر میں منکروں کے رئیس اور عوام، سردار اور پیرو مع ان کے معبودانِ باطل کے سب اکٹھے کئے جائیں گے۔ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ کھلی ہوئی مراد مشرک کافروں سے ہے۔ جیسا کہ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ سے بالکل واضح ہو رہا ہے۔ ھم المشرکون (بیضاوی) و۱۲ (حالانکہ دنیا میں تو خوب کرتے رہتے تھے اور اپنی اسی باہمی اعانت ونصرت پر فخر وناز بھی رکھتے تھے) فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ۔ یعنی ان سب کو دوزخ کی طرف لے جاؤ۔ مطلب یہ ہوا کہ جب اہل کفر کے رئیس وعوام، مقتداء اور مقتدی سب جمع ہو جائیں گے تو حکم ہوگا کہ سب کو دوزخ کی طرف ہانک دیا جائے۔ و۱۳ عوام کفار اپنے سرداروں سے کہیں گے کہ بیشک تم نے ہمیں کفر پر صریحًا مجبور تو نہیں کیا تھا، لیکن تم ترغیب وتحریض کے مختلف طریقے اختیار کر کر کے ہر طرح کا زور ہم پر دیا کرتے تھے۔ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ۔ ایتاء عن الیمین کے معنی محاورہ میں زور اور دباؤ ڈالنے کے آتے ہیں۔ عن القوة والقھر اذ الیمین موصوفة بالقوة وبھا یقع البطش اے انکم تحملوننا علی الضلال وتقسروننا علیہ (مدارک) اے عن اقوی الوجوہ (بیضاوی) اے تخدعوننا وتفتنوننا عن طاعة اللہ (ابن قتیبہ) وقیل الیمین بمعنی القوة اے تمنعوننا بقوة وغلبة وقھر (قرطبی) عَنِ الْيَمِيْنِ سے کنایہ یہ بھی سمجھا گیا ہے کہ راہ حق کی طرف سے اس سے روکنے کے لئے آتے تھے۔ اے عن الناحیة التی کان ھنا الحق تصرفوننا عنھا (راغب) وقال مجاھد اے من قبل الحق اللہ معکم (قرطبی) و۱۴ رؤساء اور مقتدایانِ کفر اپنی صفائی میں کہیں گے کہ ہم کیا کریں، اسباب ہی ایسے اکٹھے ہو گئے کہ ہم خود بھی گمراہ ہوئے، اور اپنی گمراہی کو تم تک پہنچایا، تو تم بھی باختیار خود گمراہ ہوئے۔ ذمہ داری سے بری کوئی نہیں، سب کو اپنا کفر بھگتنا ہے۔ امام رازی علیہ الرحمة نے خوب لکھا ہے کہ اگر ہر گمراہ کی ذمہ داری مغوی پر ڈال دینے کا قاعدہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر دنیا میں کوئی شخص قابل سزا رہ ہی نہ جائے گا۔ کہ اس مغوی کا بھی تو کوئی اور مغوی ہوگا، اور اس کا کوئی اور۔ اس سے صاف دَور وتسلسل لازم آتا ہے۔ اور ذمہ داری ایک سے دوسرے پر برابر منتقل ہی چلی جائے گی۔

اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ

شاعر کی بات پر چھوڑ دیں گے؟ و۱۵ نہیں اصل یہ ہے، کہ وہ ایک سچا دین لے کر آئے ہیں اور (دوسرے) پیمبروں کی

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَ مَا

تصدیق کرتے ہیں، و۱۶ تم (سب) کو عذاب دردناک چکھنا پڑے گا اور

تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ

تم کو اسی کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے و۱۷ مگر ہاں جو اللہ کے خاص

الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ

کئے ہوئے بندے ہیں ان کے لئے غذائے معلوم ہے یعنی میوے

وَ هُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ

اور وہ عزت کے ساتھ راحت کے باغوں میں ہوں گے و۱۸ تختوں پر آمنے سامنے

مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾

بیٹھے ہوئے ان پر جام دور کرے گا بہتی ہوئی (شراب) سے (لبریز)

بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا

سفید سفید، پینے والوں کے حق میں خوب لذیذ اس سے نہ چکر آئے گا، اور نہ اس سے وہ بہکی بہکی

يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾

باتیں کریں گے و۱۹ اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں بڑی آنکھ والیاں ہوں گی،

كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

گویا وہ انڈے ہیں چھپے چھپائے (رکھے ہوئے) و۲۰ پھر ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت

يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾

کریں گے و۲۱ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ملاقاتی تھا

و۱۵ مشرکین عرب کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ دین جاہلیت کی ”تہذیب اعلیٰ وبرتر“ (SUPERIOR, CULTURE) پر نازاں ہیں، اور جب خالص اور کھری توحید ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے قبول کرنے میں اور اپنے مشرکانہ عقائد سے دستبردار ہونے میں اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ اور پیمبر کے لئے یہ نظریہ قائم کئے ہوئے کہ یہ تو ایک محض خیالی منصوبہ باز شخص ہے، اس کے کہے سے اپنے عقائد قدیم کیونکر بدل دیں۔ بِالْمُجْرِمِيْنَ۔ مجرمین سے مراد عام گنہگار نہیں، بلکہ جرم کفر کے مرتکبین مراد ہیں۔ ای بالمشرکین (بیضاوی۔ روح) اور صرف یہیں نہیں۔ بلکہ یہ لفظ اپنی مطلق صورت میں جہاں جہاں بھی قرآن مجید میں آیا ہے مراد کافر ہی ہیں۔ یدل علی ان لفظ المجرم المطلق مختص فی الفرقان بالکافر (کبیر) و۱۶ مشرکوں کو جواب مل رہا ہے کہ ان پیمبر کی زبان سے اظہار تمام تر حقائق ہی کا ہو رہا ہے۔ بھلا شاعری خیال بندی، منصوبہ بازی کو ان نبوی عقائد سے کیا مناسبت ہے؟ و۱۷ یعنی اس عام ومشترک سزا کے باب میں کوئی ظلم کسی قسم کا نہیں۔ نفس کفر وانکار میں تم سب شریک تھے، اس لئے لازم ہے کہ آج سزائے کفر میں بھی سب شریک ہو۔ و۱۸ چنانچہ یہ سارے ماکولات ان کے سامنے عزت واحترام کے ساتھ پیش کئے جائیں گے۔ یہ نہیں کہ جیسے گداگر کی جھولی میں کچھ ڈال دیا گیا۔ فَوَاكِهُ۔ عربی میں یہ لفظ بڑی وسعت رکھتا ہے اور اردو کے کسی ایک لفظ سے اس کا ترجمہ ممکن نہیں۔ عربی میں فاکهه سے مراد صرف میوے ہی نہیں، بلکہ ہر وہ لذیذ نفیس چیز ہے جو انسان پیٹ بھرنے کے لئے نہیں بلکہ ذائقہ کے لئے کھاتا ہے۔ جنت میں اہل جنت کے جسم کو تغذیہ کی سرے سے ضرورت ہی نہ ہوگی اس لئے کہ وہاں جسم فنا پذیر نہ ہوں گے۔ اہل جنت تو جو کچھ کھائیں پئیں گے صرف مزے اور لطف ہی کے لئے۔ وهی کل ما یتلذذ به ولا یتقوت کحفظ الصحة یعنی ان رزقهم کله فواکه لانهم مستغنون عن حفظ الصحة بالاقوات (کشاف) الفاکهة عبارة عما یؤکل لاجل التلذذ لا لاجل الحاجة (کبیر) الفاکهة ما یقصد للتلذذ دون التغذی (بیضاوی) جَنّٰتِ النَّعِيْمِ۔ ایسے باغ جن میں راحت ہی راحت ہوگی، تکلیف کا کہیں گزر بھی نہ ہوگا۔ فی جنٰت لیس فیها الا النعیم (بیضاوی) و۱۹ یعنی اس میں صرف سرور ہی سرور، لذت ہی لذت، لطافت ہی لطافت ہوگی۔ نشہ، خمار دوران سر، وغیرہ کی ساری تکلیف دہ کیفیات سے جو دنیا کی لطیف سے لطیف شرابوں کا بھی جزو ہوتی ہیں، وہ یکسر خالی ہوگی۔ غرض یہ کہ دنیا کی شرابوں اور اس شراب طہور کے درمیان بجز نام کے اور کوئی چیز مشترک نہ ہوگی۔ مِنْ مَّعِيْنٍ۔ اشارہ کثرت کی جانب ہے۔ یعنی شراب کے دریا بہ رہے ہوں گے۔ معین وہ چیز ہے جو پانی کی طرح چشمہ سے ابل رہی ہو۔ المعین ماخوذ من عین الماء ای یخرج من العیون کما یخرج الماء (کبیر) لذة میں حذف مضاف ہے، یعنی ذات لذة۔ قال الزجاج ای ذات لذة وعلی هذا حذف مضاف (کبیر) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وصف لذت کی زیادتی کے اظہار کے لئے لذیذ چیز کو نفس لذت سے اور صیغۂ مصدر سے تعبیر کر دیا گیا ہو۔ وصفت بالمصدر للمبالغة بجعلها نفس اللذة (روح) صاحب بحر نے دونوں ترکیبیں نقل کر دی ہیں۔ کاس۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں آیا ہے، مراد شراب ہی سے ہے۔ قال ابن عباس والضحاک والاخفش کل کاس فی القرآن فهو خمر (بحر) اور محاورۂ عرب میں بھی یہی ہے کہ شراب سے بھرے ہوئے ہی جام کو کاس کہتے ہیں ورنہ قدح یا اناء۔ والعرب تقول للاناء اذا کان فیه خمر کاس فاذا لم یکن فیه خمر قالوا اناء وقدح (قرطبی) غَوْلٌ کے معنی فساد کے بھی ہیں اور دردسر کے بھی۔ قال اللیث الغول الصداع (کبیر) و۲۰ (اور گرد وغبار وداغ سے بالکل محفوظ) تشبیہ صرف صفائی اور آب وتاب میں ہے، اردو خواں اس پر حیرت نہ کریں۔ محاورۂ عرب میں عورت کے گورے رنگ اور حسن کے لئے یہ تشبیہ عام ہے۔ کان هذا اللون فی غایة الحسن والعرب کانوا یسمون النساء بیضات الخدور (کبیر) العرب تشبه النساء ببیض النعام (ابن قتیبہ) والعرب تشبه المراة بالبیضة لصفائها وبیاضها (قرطبی) عِيْنٌ میں خلاصہ آ گیا ان کے حسن وجمال کا۔ اور قاصرات الطرف سے اشارہ ہو گیا کہ علاوہ حسن صورت کے غیرت وحسن عفت سے جنت میں بھی موصوف رہیں گی، و۲۱ انفرادی، مادی لذتیں بڑی سی بڑی بھی اہل جنت کے لئے کافی نہ ہوں گی۔ ہم مشربوں، دوستوں، عزیزوں کے اجتماع کا لطف ان سب لذتوں کو دوبالا ہوگا۔

يَّقُوۡلُ اَءِنَّكَ لَمِنَ الۡمُصَدِّقِيۡنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتۡنَا وَ كُنَّا

وہ کہا کرتا تھا کیا تو بھی (حشر کے) معتقدین میں سے ہے تو کیا جب ہم مر جائیں گے اور

تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيۡنُوۡنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلۡ اَنۡتُمۡ

مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو جزا وسزا دیے جائیں گے؟ ف۲۲ ارشاد ہوگا کہ کیا تم (اسے) جھانک کر

مُّطَّلِعُوۡنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىۡ سَوَآءِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ

دیکھنا چاہتے ہو؟ ف۲۳ سو وہ (شخص) جھانکے گا تو اسے وسط جہنم میں دیکھے گا ف۲۴ (اور) بول اٹھے گا

تَاللّٰهِ اِنۡ كِدۡتَّ لَتُرۡدِيۡنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوۡلَا نِعۡمَةُ رَبِّىۡ لَكُنۡتُ

اللہ کی قسم تُو تو مجھے ہلاک ہی کر ڈالنے کو تھا اور اگر میرے پروردگار کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی

مِنَ الۡمُحۡضَرِيۡنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحۡنُ بِمَيِّتِيۡنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوۡتَتَنَا

ماخوذ لوگوں میں ہوتا ف۲۵ تو کیا ہم (اب) نہ مریں گے بجز پہلی بار کے

الۡاُوۡلٰى وَمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِيۡنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡفَوۡزُ

مر چکنے کے اور نہ ہم کو عذاب ہو گا ف۲۶ بے شک بہت بڑی

الۡعَظِيۡمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثۡلِ هٰذَا فَلۡيَعۡمَلِ الۡعٰمِلُوۡنَ ﴿۶۱﴾ اَذٰ لِكَ

کامیابی یہی ہے ف۲۷ ایسی ہی (کامیابی) کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے، بھلا یہ دعوت

خَيۡرٌ نُّزُلًا اَمۡ شَجَرَةُ الزَّقُّوۡمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلۡنٰهَا فِتۡنَةً

بہتر ہے یا زقوم کا درخت؟ ف۲۸ ہم نے اس کو کافروں کے لئے (موجب)

لِّلظّٰلِمِيۡنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخۡرُجُ فِىۡۤ اَصۡلِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۶۴﴾

آزمائش بنایا ہے ف۲۹ وہ ایک درخت ہے جو قعر دوزخ میں سے نکلتا ہے

طَلۡعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوۡسُ الشَّيٰطِيۡنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمۡ لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡهَا

اس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپ کے پھن ف۳۰ تو وہ لوگ اس سے کھائیں گے

ف۲۲ یعنی دنیا میں میرا ایک ملنے والا تھا، وہ مجھ سے طنزاً کہا کرتا تھا کہ کیوں میاں اتم بھی حشر ونشر کے ڈھکوسلوں کے قائل ہو؟ ف۲۳ قَالَ کا فاعل حق تعالیٰ بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرار دیا اور بیضاوی وغیرہ میں بھی یہ قول نقل ہوا ہے، اور خود وہ جنتی بھی ہوسکتا ہے، جو اپنے رفیقوں، ہم نشینوں سے کلام کرے گا اور یہ قول جمہور مفسرین کا اختیار کیا ہوا ہے۔ یہ ہرگز ضروری نہیں کہ ساری جنت میں ایک ہی شخص اس کا قائل ہو۔ بلکہ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ کے صیغۂ جمع سے تو ظاہر ہو رہا کہ یہ بہتوں کا تجربہ ہوگا ف۲۴ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ کے لفظ سے یہ مراد نہیں کہ وہ جہنم کا وسط حقیقی ہے۔ محاورات میں ''بیچوں بیچ'' برابر بول دیتے ہیں، جب مراد صرف خوب گھرے ہوئے ہونے سے ہوتی ہے فَاطَّلَعَ۔ سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ جنت اعلیٰ میں اور دوزخ اسفل میں ہے اور اس وقت باہم ایسی غیبت ہوگی کہ جھانکنے سے نظر آ جائے گا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۲۵ یعنی تو نے مجھے خراب کرنے اور اپنا ہم خیال بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی، یہ محض فضل خداوندی تھا جس نے مجھے عقیدہ صحیح پر قائم رکھا۔ ف۲۶ یہ سب کچھ جوش مسرت میں اس جنتی کی زبان پر آ جائے گا۔ ف۲۷ یعنی جنت کی ان نعمتوں سے سرفرازی۔ الاشارة الى ماهم عليه من النعمة والخلود والامن من العذاب (بیضاوی) یہ حور اور قصور، جنت کی لذتیں اور سرور قابل مضحکہ نہیں کہ ہمارے صوفی اور شاعر انہیں طنز و تمسخر کا نشانہ بنائے رکھیں، یہ سب مطلوب شرعی ہیں۔ محل ومظہر رضاء الٰہی ہیں۔ قرآن مجید انہیں بار بار بطور مقصود کے پیش کر رہا ہے۔ افسوس اور صد ہزار افسوس ہے کہ ان پر فقرے کہہ کر اور پھبتیاں کس کر بھی ہمارے بہت سے شاعر اور صوفی، بزرگ اور مقبول سمجھے جا رہے ہیں۔ ف۲۸ الزَّقُّوْمِ ایک درخت ہے جو عرب میں اپنی تلخی کے لئے مشہور تھا۔ فارسی میں اسے حنظل اور اردو میں تھوہڑ کہتے ہیں۔ دوزخ میں آگ سے پیدا ہوگا، اور کسی طرح بھی انسانی غذا کے قابل نہ ہوگا۔ یوں بھی زہریلا اور تلخ ہوتا ہے، اور پھر دوزخ کے زقوم کا کہنا ہی کیا۔ مجازاً ہر زہریلی اور بدمزہ چیز کو کہہ سکتے ہیں۔ قال ثعلب الزقوم كل طعام يقتل (تاج) عبارة عن اطعمة كريهة فى النار (راغب) ف۲۹ (اسی دنیا میں) کہ دیکھیں کون اسے سن کر اس کی تصدیق کرتا ہے اور کون تکذیب وتضحیک) زقوم کے ایک اور معنی خرما اور سکہ کے بھی ہیں۔ مشرکین عرب نے یہی معنی لے کر مضحکہ شروع کر دیا تھا۔ الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالموں سے یہاں مراد کافر ہی ہیں۔ ف۳۰ جیسے ہندوستان میں ناگ پھنی کے پتے ہوتے ہیں، نواح یمن میں بھی اسی نام کا ایک بدمنظر پودا ہوتا ہے۔ نبت معروف قبيح الرأس (کبیر) شجرة معروفة تكون بناحية اليمن منكرة الصورة (روح) اور صاحب روح نے دو شعر بھی اسی معنی میں نابغہ اور اصمعی کے پیش کیے ہیں۔ الشَّيٰطِيْنِ۔ شیطان کے مجازی معنی بدہیئت سانپ کے ہیں۔ اور وہی یہاں مراد ہیں۔ قيل هى حية خفيفة الجسم (راغب) وقيل الشياطين حيات هائلة قبيحة المنظر (بیضاوی) وهى من اقبح الحيات وبها يضرب المثل فى القبح (کبیر)

فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا

اور اسی سے پیٹ بھریں گے پھر انہیں کھولتا ہوا پانی ملا کر

مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِ۟لَى الْجَحِيْمِ ﴿٦٨﴾

دیا جائے گا ف۳۱ پھر اخیر ٹھکانا ان کا دوزخ ہی کی طرف ہو گا

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ

انہوں نے اپنے بڑوں کو گمراہ پایا تھا سو یہ بھی انہیں کے قدم پر تیزی کے ساتھ

يُهْرَعُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٧١﴾

چل پڑے ف۳۲ اور ان سے پہلے بھی اگلوں میں اکثر گمراہ ہو چکے تھے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے بھیجے تھے سو دیکھ لیجیے ان کا

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَلَقَدْ

کیسا برا انجام ہوا جنہیں ڈرایا گیا تھا البتہ وہ نہیں جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے تھے، ف۳۳ اور ہم کو

نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ

نوح نے پکارا، اور ہم خوب فریاد کے سننے والے ہیں ف۳۴ اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑے

الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿٧٧﴾

بھاری غم سے نجات دی ف۳۵ اور ہم نے باقی انہیں کی نسل کو رہنے دیا

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٧٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي

اور ہم نے ان کے لئے پیچھے آنے والوں میں (یہ بات) رہنے دی کہ نوح پر سلام ہو

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٩﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ

عالم والوں میں ف۳۶ بے شک ہم مخلصین کو (ایسا ہی) صلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ ہمارے

ع ۲

ف۳۱ (غساق یعنی پیپ کے ساتھ) یعنی بھوک سے مضطر ہو کر زقوم سے پیٹ بھریں گے، اور پیاس سے بے قرار ہو کر کھولتا ہوا پانی پیپ ملا ہوا پیٹ میں انڈیلیں گے۔ ف۳۲ یعنی گمراہی کے راستہ میں بڑے شوق و رغبت سے چلنے لگے اِنَّهُمْ...... ضَآلِّيْنَ۔ آیت نے صاف کر دیا کہ اس نتیجہ کا ترتب اہل جہنم پر صرف اس لئے ہو گا کہ انہوں نے دلیل صحیح کی پیروی چھوڑ کر محض اندھی تقلید شروع کر دی تھی۔ والمقصود من الأية انه تعالٰى علل استحقاقهم للوقوع فى تلك الشدائد كلها بتقليد الاباء فى الدين وترك اتباع الدليل (کبیر) اور امام رازی نے لکھا ہے کہ اندھی تقلید کے ذم میں اگر کوئی اور آیت قرآن میں نہ ہوتی تو یہی ایک آیت کافی تھی۔ ولو لم يوجد فى القران غير هذه الأية فى ذم التقليد لكفى (کبیر) ف۳۳ (بلکہ وہ اس عذاب دنیوی سے بھی محفوظ نہ رہے) یعنی جنہوں نے پیمبروں کی نہ سنی، ان پر دنیا میں بھی کیسے کیسے عذاب آئے۔ عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ۔ یعنی اہل ایمان۔ ف۳۴ (چنانچہ ہم نے نوح کی بھی سن لی) وَلَقَدْ نَادٰىنَا۔ یعنی ہمیں اپنی نصرت اور کافروں سے انتقام کے لئے پکارا۔ وَاَهْلَهٗ۔ اھل سے مراد حضرت نوح کے خاندان والے نہیں، بلکہ ہم عقیدہ اہل ایمان لئے گئے ہیں۔ یعنی اهل دينه وهم من امن معه (قرطبی) ف۳۵ (اور کافروں کو غرق کر دیا) الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ سے مراد ہے کافروں کی تکذیب و ایذاء سے پیش آنے والا غم۔ قصۂ نوح پر حاشیے کئی بار گزر چکے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ طبعی غم کمال کے منافی نہیں، اقتضاءاتِ طبعی کاملین میں بھی باقی رہتے ہیں، اور اس کے خلاف جو کچھ منقول ہے وہ غلبۂ حال۔ ف۳۶ چنانچہ آج تک ملائکہ و مومنین ان پر سلام بھیجتے اور ان کے حق میں رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ وَجَعَلْنَا...... هُمُ الْبٰقِيْنَ۔ چنانچہ آج دنیا میں جتنی بھی آبادی ہے، سب حضرت نوح ہی کی نسل ہے۔

عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَ اِنَّ

ایمان دار بندوں میں تھے پھر ہم نے غرق کر دیا اوروں کو ف۳۷ اور ان کے طریقہ والوں

مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾

میں ابراہیم بھی تھے ف۳۸ (ان کا قصہ یاد کیجیے) جب وہ اپنے پروردگار کی طرف قلب سلیم کے ساتھ متوجہ ہوئے ف۳۹

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً

جب کہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس (واہیات) چیز کی عبادت کرتے ہو، کیا گڑھے ہوئے معبود

دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَنَظَرَ

اللہ کے سوا (معبود بنانا) چاہتے ہو؟ تو تمہارا پروردگار عالم سے متعلق کیا خیال ہے؟ ف۴۰ پھر ابراہیم نے

نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ

ستاروں کو ایک نگاہ بھر کے دیکھا، اور کہہ دیا کہ میں مضمحل ہوں غرض وہ لوگ ان کو چھوڑ کر

مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾

چلے گئے ف۴۱ تو یہ ان کے ٹھاکروں میں جا گھسے اور کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں ہو؟

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾

تمہیں کیا ہوا، تم بولتے ہی نہیں ہو؟ ف۴۲ پھر ان پر قوت کے ساتھ جا پڑے اور مارنے لگے ف۴۳

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾

پھر وہ لوگ ان کے پاس دوڑتے آئے ف۴۴ (ابراہیم نے) کہا کیا تم ان چیزوں کی پرستش کرتے ہو جنہیں (خود ہی) تراشتے ہو ف۴۵

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ

حالانکہ تم کو اور جو کچھ تم بناتے ہو (سب کو) اللہ ہی نے پیدا کیا ہے ف۴۶ وہ لوگ بولے اس کے لئے ایک آتش کدہ تعمیر کرو اور

فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

اس دہکتی ہوئی آگ میں اسے ڈال دو۔ غرض ان لوگوں نے اس کے ساتھ برائی کرنا چاہا، سو ہم نے انہیں کو نیچا دکھا دیا ف۴۷

وقف لازم

ف۳۷ یعنی دوسرے کیش اور مذہب والوں کو، مشرکوں کو۔ اے المغایرین لنوح واھلہ وھم کفار قومہ اجمعین (روح) ثُمَّ یہاں تراخی ذکری کے لئے ہے۔ ورنہ آسمانی اعتبار سے جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ اور اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ دونوں فعلوں کا وقوع ساتھ ہی ساتھ ہوا تھا۔ اِنَّا...... الْمُحْسِنِيْنَ۔ سے یہ لازم نہیں آتا کہ تشبیہ تمام امور میں ہے۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ محسنین کو جزائے حسن دیا کرتے ہیں، اب جس مرتبہ کا احسان، اس مرتبہ کی جزاء۔ بس انبیاء وغیر انبیاء میں تساوی لازم نہیں آتی (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۳۸ یعنی انھیں کے خاندان میں سے اور عقائد واصول میں ان سے متحد۔ اے ممن شایعہ فی الایمان واصول الشریعۃ (بیضاوی) اے من اھل بیتہ وعلی امتہ ومنھاجہ (کبیر) اے ممن شایعہ علی اصول الدین او شایعہ علی التصلب فی دین اللہ (مدارک) قال ابن عباس اے من اھل دینہ وقال مجاھد اے علی منھاجہ وسنتہ (قرطبی) اِبْرٰهِيْمَ، ذکر بارہا آچکا اور آپ پر حاشیے بھی گزر چکے۔ ف۳۹ یعنی جس دل میں عقیدۂ توحید خالص واخلاص کامل تھا، اس کے ساتھ، سیدخل فیہ کونہ سلیمًا عن الشرک وعن الشک وعن الغل والغش والحقد والحسد (کبیر) ف۴۰ (جو سورج اور چاند اور تمہارے سارے بڑے بڑے دیوتاؤں کا خالق ہے) حضرت ابراہیم اب توحید کی تبلیغ شروع کرتے ہیں۔ لِاَبِيْهِ۔ آپ کے والد کا نام آزر تھا۔ ان کی بت پرستی وبت تراشی پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ وَقَوْمِهٖ۔ آپ کی یہ قوم بابل یا کلدانیہ میں سکونت گزیں، ستارہ پرستی اور بت پرستی کے دہرے دہرے شرک میں مبتلا تھی۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ف۴۱ اب صورت واقعہ یہ ہے کہ قوم کے سالانہ میلہ کا وقت آ گیا ہے (جاہلی قوموں میں میلوں ٹھیلوں کی جو اہمیت ہوتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے) اور لوگ آپ کو اپنا ہم عقیدہ سمجھ کر آپ سے بھی ہمراہ چلنے کو کہتے ہیں۔ آپ عذر کر رہے ہیں...... یہ بیان اسی موقع کا ہے۔ نَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ۔ گھڑی کی ایجاد سے قبل وقت وغیرہ کے علم کے لئے نظر قدرۃً رات کے وقت ستاروں کی طرف اٹھا کرتی تھی۔ جیسا کہ آج بھی ان ملکوں میں دستور ہے جہاں گھڑیاں ابھی نہیں پہنچی ہیں۔ اور پھر اہل کلدانیہ (بابل) تو فن نجوم، جوتش وغیرہ کے پرستاروں میں تھے۔ فال وغیرہ کے کتنے احکام تاروں ہی سے لیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم نے نظر آسمان کی طرف اٹھائی، اور وہ لوگ اپنی حسب عادت یہ سمجھے کہ یہ ستاروں کی مدد سے اپنا مستقبل دریافت کر رہے ہیں۔ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ۔ آپ نے بطور عذر فرمایا کہ آج مضمحل ہوں اس لئے تمہارا ساتھ دینے سے معذور، سقیم۔ یہاں ایک مشہور سوال یہ چلا آ رہا ہے کہ حضرت ابراہیم تو مریض نہ تھے، پھر کیسے اپنے کو مریض ظاہر کر دیا؟ جوابات اس کے مختلف اور متعدد دیئے گئے ہیں، لیکن ایک سوال نفس سوال ہی پر پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ آپ کا مریض نہ ہونا کہاں سے فرض کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں تو اس کی صراحت کیا معنی اشارہ بھی نہیں۔ اور نہ کسی معتبر روایت میں یہ ذکر ہے۔ بالکل آسانی سے ممکن ہے کہ آپ مریض رہے ہوں گے اور اسی حال کا اظہار بھی آپ نے کر دیا۔ صرف ستاروں پر نظر کرنے کا جزو الگ تھا، اور وہ اس مصلحت سے تھا کہ اہل شرک کو مزید سوالات کا موقع نہ رہے۔ پھر سقیم کے معنی بھی مریض کیوں فرض کر لئے گئے؟ اور اس کا اردو ترجمہ بیمار سے کرنا کیونکر لازم آ گیا؟ سقیم کا اطلاق ہر مضمحل پر ہوتا ہے۔ جیسے خود قرآن مجید ہی میں، بلکہ اس کی اسی سورت میں آگے چل کر آ رہا ہے۔ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ (آیت نمبر ۱۴۵) یہاں کوئی اس کے معنی بیمار کے نہیں لیتا۔ اور پھر جیسا کہ علامہ راغب نے لکھا ہے، بیماری کا تعلق ماضی سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور مستقبل سے بھی اور حال سے بھی۔ اور صحت کامل تو کسی کی بھی نہیں ہوتی، کچھ نہ کچھ بیمار تو ہر شخص رہتا ہی ہے۔ اِنِّيْ سَقِيْمٌ کے معنی "میں بیمار ہونے کو ہوں" یا "بیمار ہونے کے قریب ہوں" بھی کیے گئے ہیں۔ اے مشارف للسقم (کشاف) اے ساسقم (مدارک) اے یشارف السقم (بحر) اراد انہ سقیم (روح) فالمعنی انی سقیم فی ما استقبل فتوھمھم انہ سقیم الساعۃ (قرطبی) ف۴۲ حضرت ابراہیم کی یہ ساری گفتگو ظاہر ہے کہ بطور تعریض کے ہے۔ اَلَا تَاْكُلُوْنَ۔ مورتیوں پر ان کے پجاری بڑے بڑے چڑھاوے چڑھاتے رہتے ہیں۔ آپ کا اشارہ انہی کی جانب ہے۔ ف۴۳ (جس سے وہ مورتیاں ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئیں) ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ۔ یعنی بڑی شدت وقوت کے ساتھ۔ وتقیید الضرب بالیمین للدلالۃ علی شدتہ وقوتہ (روح) اے ضربا شدیدا قویا (کشاف) ف۴۴ اس کی خبر آپ کے ہم قوموں کو ہوئی ہے، اور وہ اب دوڑے گھبرائے ہوئے اور غصہ میں بھرے ہوئے آتے ہیں۔ ف۴۵ (اور خدا اسے تسلیم کرتے ہو! جو خود تمہارا پیدا کیا ہوا اور تراشیدہ ہے!) ف۴۶ (اور مستحق عبادت صرف وہی ہے) متکلمین اہل سنت نے کہا ہے کہ یہ آیت اس باب میں نص ہے کہ انسان ہی کا نہیں، اس کے اعمال وافعال کا خالق بھی حق تعالیٰ ہی ہے۔ اور یہ آیت صاف تردید کر رہی ہے مسلک اہل اعتزال کی، جو اعمال کو غیر مخلوق سمجھتے ہیں۔ احتج جمھور الاصحاب علی ان فعل العبد مخلوق للہ تعالیٰ (کبیر) وھو دلیلنا فی خلق الافعال اے اللہ خالقکم وخالق اعمالکم (مدارک) وفی ھذا ابطال مذاھب القدریۃ والجبریۃ (قرطبی) مَا تَعْمَلُوْنَ میں ما مصدریہ ہے۔ اس لئے وما تعملون کے معنی وعملکم کے ہوئے اور تقدیر کلام یہ ہوئی، واللہ خلقکم وخلق عملکم۔ ما مصدریۃ اے وخلق اعمالکم (مدارک) البتہ صاحب بحر نے کہا ہے کہ مَا کو مصدری معنی میں لینا طریق بلاغت کے خلاف ہے۔ ف۴۷ اس قصہ پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے۔ اَلْجَحِيْمِ۔ جحیم کے ال معرفہ کے ساتھ آنے کے معنی یہ ہیں کہ اس عمارت کی بھٹی۔ والالف واللام فی الجحیم تدل علی الکنایۃ اے فی جحیم ذلک البنیان (قرطبی) بُنْيَانًا۔ بنیان کے لفظی معنی عمارت کے ہیں، یہاں مراد آگ کی بھٹی ہے۔ اے موقع ایقاد النار (بحر)

حانظا توقدون فیه النار (روح) ف۴۸ (منزل مقصود تک) اِلٰی رَبِّیْ۔ یعنی اپنے پروردگار کی راہ میں کسی طرف اس کے حکم کے مطابق۔ ای الی موضع امرنی بالذهاب الیه (مدارک) الی حیث امره بالمهاجرة الیه (کشاف) مراد ملک شام ہے۔ جو آپ کے وطن عراق سے شمال مغرب میں واقع تھا۔ سَیَھْدِیْنِ میں س تاکید وقوع کے معنی میں ہے۔ والسین لتاکید الوقوع فی المستقبل (روح) ف۴۹ مراد حضرت اسمٰعیل ہیں۔ حَلِیْمٍ۔ لڑکے کے لئے یہ صفت حلم مزاجی کی تصریح یہود ونصاریٰ کے رد میں ہے، جو آج تک حضرت اسمٰعیل کو تند مزاجی وبدخوئی میں ضرب المثل کی شہرت دیئے ہوئے ہیں۔ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ فرزند صالح کی دعا مانگتے رہنا کسی کمال روحانی کے منافی ہونا الگ رہا، عین سنت انبیاء رہا ہے۔ ف۵۰ حضرت اسمٰعیل جب سیانے ہو کر باپ کا ہاتھ بٹانے کے قابل ہو گئے تو حضرت ابراہیم نے عالم رؤیا میں دیکھا کہ آپ ان کو ذبح کر رہے ہیں۔ حضرات انبیاء کا خواب بھی وحی ہی کی ایک قسم ہوتا ہے۔ آپ اسے امر الٰہی سمجھے اور تعمیل پر آمادہ ہو گئے۔ یہ گفتگو اسی وقت کی ہے۔ قصہ کی تفصیلات احادیث نبوی میں آئی ہیں۔ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ تعمیل ارشاد میں صاحبزادہ کی تائید کے محتاج تھے...... آپ کا خیال ہوگا کہ لڑکا بھی اگر

وَ قَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ

اور ابراہیم نے کہا میں اپنے پروردگار کی طرف چلا جاتا ہوں، سو وہ مجھے پہنچا ہی دے گا ف۴۸ اے میرے پروردگار

لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا

مجھے ایک صالح (فرزند) دے سو ہم نے انہیں ایک حلیم المزاج لڑکے کی بشارت دی، ف۴۹ سو جب

بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ

وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو انہوں نے کہا بیٹا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں

اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ز

تمہیں ذبح کر رہا ہوں، سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے وہ بولے اے میرے باپ آپ کر ڈالیے جو کچھ آپ کو حکم ملا ہے،

سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا

آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے ف۵۰ پھر جب دونوں نے حکم کو تسلیم کر لیا

وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ ج وَ نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ لا قَدْ صَدَّقْتَ

اور (باپ نے بیٹے کو) کروٹ پر لٹا دیا ف۵۱ اور ہم نے انہیں آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو خوب سچ

الرُّءْیَا ج اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

کر دکھایا ف۵۲ (وہ وقت ہی عجب تھا) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ف۵۳ بے شک یہ تھا بھی

الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ

کھلا ہوا امتحان ف۵۴ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا ف۵۵ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں

فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ ۖ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِی

یہ بات رہنے دی کہ ابراہیم پر سلام ہو ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ

الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَ بَشَّرْنٰهُ

دیا کرتے ہیں ف۵۶ بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں تھے ف۵۷ اور ہم نے اسے بشارت دی

اس کی تائید کر دے تو دل اور قوی ہو جائے گا اور اگر اسے تائید میں تامل ہوا تو مزید گفتگو کر کے اسے آمادہ کر دیا جائے گا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ۔ اس فقرہ نے اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیا کہ آپ کو ذبح اسمٰعیل کے لئے حکم ملا تھا، اور آپ اسی پر مامور تھے۔ ظاهره یدل علی انه کان مامورًا بذبحه وقد اقتضی الامر قوله افعل ما تؤمر (جصاص) اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ۔ محققین نے اس ذیل میں لکھا ہے کہ نبی کا خواب حجت ہے۔ ورؤیا الانبیاء وحی کالوحی فی الیقظة (مدارک) رؤیا الانبیاء وحی کالیقظة (بحر) اس پر غیر نبی کے خواب کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ۔ یعنی جب آپ اپنے والد کے ساتھ دوڑنے دھوپنے کے قابل ہو گئے۔ ای بلغ ان یسعی مع ابیه فی اشغاله وحوائجه (کشاف۔ مدارک) ف۵۱ (جیسا کہ ذبح کے وقت جانور کو لٹاتے ہیں، اور گلے پر چھری پھیرا ہی چاہتے تھے) ف۵۲ یعنی خواب میں جو حکم ملا، اس پر اپنی طرف سے تو پورا عمل کر ہی گزرے۔ اب ہم اس حکم کو منسوخ کرتے ہیں۔ محققین نے لکھا ہے کہ عزم فعل پر جب کہ وہ من وجہ فعل سے مؤید ہو، اجر کامل مل جاتا ہے۔ یہ تکمیل اجر اتمام فعل پر موقوف نہیں۔ ف۵۳ کہ انہیں راحت کونین سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ اکابر اہل سنت نے (بخلاف معتزلہ کے) اس آیت اور واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ بالکل جائز ہے کوئی حکم نازل ہو اور قبل اس کے کہ اس پر عمل ہو، وہ منسوخ کر دیا جائے۔ وقد استدل بهذه الأیة والقصة جماعة من علماء الاصول علی صحة النسخ قبل التمکن من الفعل خلافًا لطائفة من المعتزلة والدلالة من هذه ظاهرة (ابن کثیر) ف۵۴ (جسے بجز مخلص کامل کے کوئی دوسرا برداشت نہیں کر سکتا تھا) خواب میں حکم ہونے کی شاید یہ حکمت ہو کہ ابراہیم علیہ السلام کا انقیاد زیادہ ظاہر ہو کہ خواب کو خیال نہیں سمجھا، اتنے بڑے کام پر آمادہ ہو گئے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۵۵ عَظِیْمٍ یہاں بمعنی عظیم القدر ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک دنبہ تھا جو جنت سے آیا تھا۔ اس پر یہ شبہ نہ ہو کہ جنت کی چیز نے فنا کیسے قبول کر لی۔ جب وہ ناسوت میں لایا گیا تو تاثیرات وخصوصیات بھی یہیں کی پیدا ہو گئیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ جنت میں شروع سے اسی غرض مخصوص کے لئے رکھا گیا ہو۔ فقہاء نے یہاں یہ سوال پیدا کیا ہے کہ آیا ذبح ولد کی نذر ماننا اور اس کا ایفاء بکری کے ذبح سے کرنا جائز ہے؟ اور پھر جواب دیا ہے کہ آیت کو نذر سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو محض امتثال امر تھا نہ کہ ایفاء نذر۔ لڑکے کے ذبح کرنے کی نذر بہر صورت اور بالاتفاق ناجائز ہے۔ لیکن اگر کوئی بدعقل ایسی نذر مان لے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے بدلہ بکری قربان کر دے۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ سرے سے معصیت ہے۔ جس پر اسے استغفار کرنا چاہیے۔ (ابن العربی) حنفیہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ بکری کی قربانی دینی چاہیے، کہ یہ شریعت ابراہیمی سے ثابت ہے، اور اس کا نسخ منقول نہیں۔ قال ابو حنیفة ومحمد علیه ذبح شاة وظاهر الأیة یدل علی قول ابی حنیفة (جصاص) لیکن امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ ایسی نذر ہی سرے سے باطل ہے، اس لئے اس کا کچھ کفارہ اور بدلہ بھی نہیں۔ وقال ابو یوسف لاشیء علیه (جصاص) ف۵۶ (کہ انہیں مورد دعا وبشارت بنا دیتے ہیں) ف۵۷ (توحید کامل کے علمبردار، عبدیت کامل کے مظہر) یہ موقع ابراہیم خلیل کی انتہائی مدح وثنا کا ہے۔ اس موقع پر بھی کیا ارشاد ہوتا ہے؟ یہ کہ وہ ہمارے بڑے اچھے بندے تھے!...... گویا مشرک وجاہلی قوموں کو یاد دلایا کہ کہیں انہیں خدائی کے مرتبہ پر نہ پہنچا دینا، اور ان کے نام کو برہما وغیرہ کی شکل میں بدل کر کہیں انہیں دیوتا نہ بنا لینا! اللہ اللہ کس درجہ اہتمام توحید ہے!

بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ بٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَ عَلٰۤى

اسحاق کی کہ نبی اور نیک بندوں میں ہوں گے وف۵۸ اور ہم نے ابراہیم پر اور اسحاق پر

اِسْحٰقَ ؕ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ

برکتیں نازل کیں وف۵۹ اور ان دونوں کی نسل میں بعض اچھے بھی ہیں اور بعض صریحاً اپنے اوپر

مُبِیْنٌ ﴿۱۱۳﴾ وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

ظلم کر رہے ہیں وف۶۰ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کیا

وَ نَجَّیْنٰهُمَا وَ قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَ نَصَرْنٰهُمْ

اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم سے نجات دی وف۶۱ اور ہم نے ان سب کی مدد کی،

فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَ اٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ ﴿۱۱۷﴾

سو یہی لوگ غالب رہے وف۶۲ اور ہم نے ان دونوں کو ایک واضح کتاب دی

وَ هَدَیْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِمَا

اور ہم نے انہیں سیدھے راستہ پر قائم رکھا وف۶۳ اور ہم نے ان دونوں کے لئے پیچھے آنے والوں میں

فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا

یہ بات رہنے دی، موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو ہم

كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا

مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں وف۶۴ بے شک وہ دونوں ہمارے (کامل) ایمان دار

الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ اِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ

بندوں میں تھے وف۶۵ اور الیاس بھی پیمبروں میں سے تھے وف۶۶ (اس وقت کا ذکر کیجیے) جب کہ انہوں نے

لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ

اپنی قوم سے کہا کہ تم (اللہ) سے ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تم بعل کو پکارا کرتے ہو اور اسے چھوڑے ہوئے ہو جو سب سے بڑھ کر

وف۵۸ یہ بنی اسمٰعیل کو خاص طور پر سنایا جارہا ہے، کہ کہیں بنی اسرائیل کے مطاعن اسمٰعیل اور بنی اسمٰعیل کے خلاف سنتے سنتے جواب میں یہ بھی حضرت اسحٰق کی نبوت وجلالت قدر سے انکار نہ کر بیٹھیں مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ اسرائیلیوں کے ہاں "نبی" کے ساتھ "صالح" ہونا لازمی نہ تھا۔ کاہن کی طرح صرف غیب بیں، غیب داں ہونا کافی تھا۔ قرآن اسی لئے بار بار انبیاء کے وصف صالحیت کو نمایاں کرتا رہتا ہے وف۵۹ (کہ دونوں کی نسل سے بکثرت انبیاء پیدا کیے گئے) انبیاء بنی اسرائیل ظاہر ہے کہ سب کے سب حضرت اسحٰق ہی کی اولاد میں تھے وف۶۰ (یہاں تک کہ ایمان سے محروم ہیں) ایسے لوگوں کے لئے پیمبر زادگی ہرگز کام نہیں آسکتی۔ ذُرِّیَّتِهِمَا کے صیغۂ تثنیہ سے اشارہ ادھر بھی ہوگیا کہ نسل ابراہیمی علاوہ حضرت اسحٰق کے کسی اور واسطہ سے بھی چلے گی۔ وف۶۱ یعنی ظالم ومشرک حکومت کے پنجہ سے رہائی دی۔ وَلَقَدْ...... هٰرُوْنَ۔ یعنی انہیں نبوت اور دوسرے کمالات سے مشرف کیا۔ وف۶۲ (اور فرعون باایں صولت وشوکت ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا، اور آخر خود ہی غرق ہو کر رہا) وف۶۳ (یہاں تک کہ وصف عصمت سے ممتاز کیا۔ جو ہدایت واستقامت کا بلند ترین مرتبہ ہے) اس میں رد آگیا یہود ونصاریٰ کا جو ہارون علیہ السلام کو بہت سے امور میں ضلالت وخطا پر سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ موجودہ توریت میں گوسالہ پرستی تک ان سے منسوب کر دی گئی ہے۔ اٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ۔ توریت موسیٰ علیہ السلام کو تو اصالۃً اور براہ راست عطا ہوئی تھی۔ شریک رسالت حضرت ہارون بھی تھے۔ اس لئے تبعاً وبالواسطہ "توریت" ان کی جانب بھی منسوب کی جاسکتی ہے۔ وف۶۴ (کہ ان کو مورد دعا و مستحق ثنا بنا دیتے ہیں) وف۶۵ (اس لئے صلہ بھی کامل عطا ہوا) قرآن مجید نے پیمبروں کے ذکر میں جو بار بار اس قسم کی تصریحات کی ہیں، ان کے مقصد دو ہیں۔ ایک تو پیمبروں کی مدح، ان کا مستحق دعا وثنا ہونا، ان کا قابل تقلید ہونا۔ اہل کتاب کی بدگوئی اور اتہام تراشیوں سے انہیں محفوظ رکھنا۔ اور ان کی طرف سے صفائی۔ ورنہ توریت موجودہ میں تو پیمبروں کی وہ بری گت بنائی گئی ہے کہ اخلاقی ودینی، عملی واعتقادی کبائر میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ان کی جانب منسوب نہ کر دیئے گئے ہوں۔ یہاں تک کہ (نعوذ باللہ) کفر وشرک بھی! دوسری غرض اس کے بالمقابل یہ بھی رہی ہے کہ انہیں ان کے مرتبہ سے زیادہ نہ بڑھایا جائے، انہیں ہر حال میں بندہ ہی سمجھا جائے، اور الوہیت کا کوئی جزو بھی شامل نہ ہونا سمجھا جائے۔ وف۶۶ اِلْیَاسَ ایک مشہور اسرائیلی نبی گزرے ہیں۔ توریت میں ان کا نام ایلیاہ (ELIJAH) آیا ہے۔ وہ بادشاہ اخی اب (AHAB) ہمعصر ہوئے ہیں، جو شمالی مملکت کا فرمانروا تھا۔ اس بادشاہ کا زمانہ ۸۷۶ تا ۸۵۴ ق،م ہوا ہے۔ توریت میں ان کے کرامات ومعجزات کا ذکر کتاب سلاطین حصہ اول ودوم دونوں میں ملتا ہے۔ یہودی عقیدہ ہے کہ آپ حضرت ادریس کی طرح آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی

ف٦٧ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ۔ کا لفظ لا کر حق تعالیٰ کے اس صفاتی پہلو پر بھی توجہ دلا دی گئی ہے کہ چھوڑے ہوئے بھی ہو تو کس کو؟ اس کو جو تمہارا پروردگار تمہارا خالق ہے! اور خالق بھی کیسا؟ ہر اعتبار سے اشرف واحسن!...... ذرا تو اپنی اس بغاوت وسرکشی کو سوچو سمجھو، اور اس پر شرماؤ۔ بعل، فینقی (فینیشین) قوم کے سب سے بڑے دیوتا کا نام تھا۔ اسرائیلی بادشاہ اخی اب نے جب غیر قوموں میں شادیاں کیں، تو ان میں سے کوئی بیوی اپنے ہمراہ بعل پرستی بھی شاہی محل میں لے آئی اور شاہی محل سے رفتہ رفتہ ساری اسرائیلی قوم میں سرایت کر گئی۔ انبیاء اسرائیل میں سے چند نے اس نئے شرک کا مقابلہ پورے زور وقوت کے ساتھ کیا، اور ان میں ممتاز نام حضرت الیاس ہی کا ہے۔ بعض روایتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعل نام کسی دیوتا کا نہیں، بلکہ سب سے بڑی دیوی کا تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

الْخَالِقِيْنَ ﴿١٢٥﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَ رَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٢٦﴾

بنانے والا ہے ف٦٧ اللہ ہی تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار،

فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿١٢٧﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ

سو ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا، پس وہ لوگ پکڑے جائیں گے ف٦٨ مگر ہاں جو اللہ کے خاص کئے ہوئے

الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٢٨﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٢٩﴾ سَلٰمٌ

بندے تھے (وہ ثواب واجر میں ہوں گے) اور ہم نے الیاس کے لئے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی کہ سلام ہو

عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿١٣٠﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣١﴾

الیاسین پر، ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ف٦٩

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾ وَ اِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ

بے شک وہ ہمارے (کامل) ایمان دار بندوں میں سے تھے، اور بے شک لوط بھی پیمبروں میں

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٣٤﴾ اِلَّا عَجُوْزًا

ہوئے ہیں (وہ وقت یاد کیجیے) جب ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں سب کو نجات دی تھی بجز ایک بوڑھی کے

فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٣٥﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٣٦﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ

(کہ) وہ رہ جانے والوں میں رہ گئی ف٧٠ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر مارا، اور تم تو ان پر صبح وشام

عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿١٣٧﴾ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٣٨﴾ وَاِنَّ

گزرا کرتے ہو، تو کیا، پھر بھی عقل سے کام نہیں لیتے ف٧١ اور بے شک

يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٩﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ

یونس پیمبروں میں تھے ف٧٢ (اس وقت کا قصہ یاد کیجیے) جب وہ بھاگ کر بھری ہوئی

الْمَشْحُوْنِ ﴿١٤٠﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿١٤١﴾

کشتی کے پاس پہنچے ف٧٣ پھر وہ بھی شریک قرعہ ہوئے تو وہ مجرم قرار پائے ف٧٤

ع ٥ / ٨

حضرت الیاس کی قوم فلسطین کے مغربی وسطی علاقہ سامرہ (SAMARIA) میں آباد تھی، اور وہیں بعل کی پوجا زور شور سے جاری تھی۔ ف٦٨ (عذاب آخرت میں اپنے اس جھٹلانے کی پاداش میں) ف٦٩ (کہ انہیں مستحق اجر وموردِ دعا وثنا بنا دیا) اِلْ يَاسِيْنَ۔ لفظ الیاس ہی کا یہ دوسرا تلفظ ہے۔ ف٧٠ (اور وہ آپ کی کافر بیوی تھی) حضرت لوط اور قوم لوط پر حاشیے کئی بار گذر چکے۔ خصوصاً سورۃ الاعراف (پ ٨) میں۔ ف٧١ (کہ کفر وعدوان کا آخری انجام کیا ہوتا ہے) الْاٰخَرِيْنَ۔ یعنی لوط واہل لوط کے علاوہ اور جو لوگ تھے۔ اِنَّكُمْ۔ خطاب قریش مکہ سے ہے، جن کے تجارتی قافلے ملک شام کو جاتے ہوئے برابر شرق اردن کے علاقوں سے گزرتے رہتے تھے۔ ف٧٢ یونس علیہ السلام اور آپ کے قصہ پر حاشیے بھی گزر چکے خصوصاً سورۂ یونس (پ ١١) میں۔ ف٧٣ (اور اس مسافروں اور سامان سے لدی ہوئی کشتی میں سوار ہو گئے) آپ نے اپنی نافرمان اور سرکش قوم کو بہ حکم الٰہی عذاب کی خبر سنائی۔ اور اس کے بعد اسی توقع پر شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ اور اس روانگی کے لئے کسی الگ اجازت کی ضرورت نہ سمجھی۔ قوم میں ابھی کچھ سمجھ باقی تھی۔ عذاب ابھی آنے پایا نہ تھا۔ محض دور سے اس کے ابتدائی آثار دیکھ ڈر گئے، اور توبہ واستغفار گریہ وزاری میں مشغول ہو گئے۔ اس پر عذاب ٹل گیا۔ آپ کو خبر پہنچی، تو آپ حیائے طبعی کے اثر سے وطن آنے کے بجائے، کسی بحری سفر پر روانہ ہو گئے۔ اور اس کے لئے بھی اجازت الٰہی کے انتظار کی ضرورت نہ سمجھی۔ توریت میں ہے:۔ ”یوناہ خداوند کے حضور سے ترسیس کو بھاگنے کے لئے اٹھا اور وہ یافا میں اتر گیا۔ اور وہاں ایک جہاز کو جو ترسیس کو جانے پر تھا پایا (یوناہ۔ ١: ٣) ترسیس اور یافا کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر بحر روم میں تھا۔ لیکن ہمارے ہاں کی روایات میں نام دجلہ کا آتا ہے، جو عراق کا مشہور اور بڑا دریا ہے جس کا طول ساڑھے گیارہ سو (١١½) میل کا ہے۔ ف٧٤ یعنی قرعہ میں نام انہیں کا نکلا۔ عقیدہ اس وقت یہ پھیلا ہوا تھا کہ کوئی بھگوڑا غلام یا کوئی مجرم اگر کشتی میں سوار ہو جاتا ہے، تو کشتی خطرہ میں آجاتی ہے۔ اور اس کا علاج یہی ہے کہ اس شخص کو اتار دیا جائے۔ حضرت یونس کی کشتی کو طغیانی وطوفان کا سامنا ہوا۔ ملاحوں نے مجرم کی تعیین کے لیے قرعہ اندازی پر اتفاق کیا، اور قرعہ میں نام حضرت یونس کا نکلا۔ اور ملاحوں نے آپ کو سمندر میں ڈال دیا۔ توریت میں ہے:۔ ”خداوند نے سمندر پر ایک بڑی آندھی بھیجی، اور سمندر کے درمیان طوفان نے شدت کی، ایسی کہ گمان تھا کہ جہاز تباہ ہو جائے گا، تب ملاح ہراساں ہوئے اور ہر ایک نے اپنے معبود کو پکارا...... اور انہوں نے آپس میں کہا کہ آؤ ہم لوگ قرعہ ڈال کر دریافت کریں کہ کس کے سبب سے ہم پر یہ بلا آئی، چنانچہ انہوں نے قرعہ ڈالا اور قرعے میں یوناہ کا نام نکلا۔ اور انہوں نے یوناہ کو اٹھا کر سمندر میں ڈال دیا اور سمندر کا تلاطم موقوف ہو گیا (یوناہ ١: ٣۔ ١٥) فَسَاهَمَ۔ اس سے بعض لوگوں نے غلام وغیرہ کے باب میں قرعہ اندازی کا جواز نکالا ہے، لیکن محققین فقہاء کا قول ہے کہ یہ اس وقت کے پیمبر کا ایک مخصوص فعل تھا، اس سے کوئی عام جواز نہیں نکل سکتا۔ ذٰلک لا یجوز عند احد من الفقهاء فدل علی انه خاص فیه علیه السلام دون غیره (جصاص)

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْ لَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ

انہیں مچھلی نے نگل لیا و۷۵ درآنحالیکہ وہ اپنے کو ملامت کر رہے تھے و۷٦ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں

الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ النصف

میں سے نہ ہوتے تو اسی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے و۷۷

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً

پھر ہم نے ان کو ایک میدان میں ڈال دیا اور وہ مضمحل تھے و۷۸ اور ہم نے ان پر ایک

مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴٦﴾ وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ

بیل دار درخت بھی اگا دیا و۷۹ اور ہم نے ان کو ایک لاکھ (آبادی) یا اس سے بھی زیادہ کی طرف

يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ

(پیمبر بنا کر) بھیجا تھا و۸۰ تو وہ لوگ ایمان لے آئے، سو ہم نے انہیں ایک زمانہ تک عیش دیا، اب آپ لوگوں سے پوچھئے

اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا

کہ کیا تمہارے پروردگار کے لئے تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے؟ و۸۱ کیا ہم نے فرشتوں کو عورت پیدا کیا

وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

اور وہ دیکھ رہے تھے و۸۲ خوب سن لو کہ وہ لوگ محض اپنی سخن تراشی سے کہہ رہے تھے

وَلَدَ اللّٰهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى

کہ اللہ کے اولاد ہے، اور یہ لوگ یقیناً بالکل جھوٹے ہیں، و۸۳ کیا اللہ نے بیٹیوں کو بیٹوں پر

الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

ترجیح دی؟ تمہیں کیا ہوا تم کیسا (بے ہودہ) حکم لگاتے ہو؟ کیا تم سوچ سے (ذرا) کام نہیں لیتے و۸۴

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵٦﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل بھی موجود ہے؟ تو اچھا اپنی وہ کتاب پیش کرو اگر تم

و۷۵ عجب نہیں کہ آپ پیرا کی جانتے ہوں، اور ممکن تھا کہ پیر کر کنارہ تک پہنچ جاتے کہ حکم خداوندی سے ایک بڑی قد آور مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ شارک وغیرہ کی قسم کی بڑی قد آور مچھلیوں کا انسان کو نگل لینا حال میں بھی مشاہدہ میں آچکا ہے — صاحب روح المعانی نے جو عراقی ہیں، اور یونس سے متعلق روایت توریت سے بھی خوف واقف ہیں، اپنا مشاہدہ دجلہ سے متعلق لکھا ہے:۔ و قد شاهدنا فيها حيتانا عظيمةً جدًا ہم نے اس میں بہت ہی عظیم الجثہ مچھلیاں دیکھی ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”خداوند نے ایک بڑی مچھلی مقرر کر رکھی تھی کہ یوفاہ کو نگل جاوے، اور یوفاہ تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہا (یوفاہ۔ ۱:۱۷) و۷٦ (اپنی اس اجتہادی غلطی پر) قرب عذاب کے وقت شہر چھوڑ کر چلا جانا کوئی معصیت نہ تھی۔ تاہم ایک پیمبر کے مرتبہ سے بعید تھا کہ ایماء خداوندی کے بغیر اتنا قدم بھی اٹھائے۔ اور اس پر بطور تنبیہ کچھ کلفت جسمانی اٹھانا پڑی، ورنہ حقیقی معصیت اور حقیقی عذاب سے تو کسی نبی کو کوئی واسطہ ہی نہیں ہو سکتا۔ و۷۷ یعنی انہیں مچھلی کے پیٹ سے نکلنا نصیب نہ ہوتا، اور وہ اسی کی غذا بنا دیئے جاتے۔ یہ مطلب نہیں کہ مچھلی کا پیٹ قیامت تک محفوظ و سالم رہتا۔ لَوْ...... الْمُسَبِّحِيْنَ۔ آیت سے معلوم ہوا کہ تسبیح و استغفار کی برکت سے جسمانی کلفتیں اور اذیتیں دور ہو جاتی ہیں۔ توریت میں ہے:۔ ”تب یوفاہ نے مچھلی کے پیٹ میں خداوند اپنے خدا سے دعا مانگی (یوفاہ۔ ۲۰:۱) اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ محاورہ میں مراد ہمیشہ تک رہنے سے ہوتی ہے۔ و۷۸ (شکم ماہی میں قید کے اثر سے) مچھلی نے جب بحکم خداوندی آپ کو ساحل پر اگل دیا تو آپ نے اپنے کو ایک چٹیل میدان میں پایا۔ عرآء سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی ایک بھی درخت اس میدان میں نہ ہو۔ توریت میں ہے:۔ ”اور خداوند نے مچھلی کو کہا، اور اس نے یوفاہ کو خشکی پر اگل دیا۔ (یوفاہ۔ ۳۰:۱۰) سَقِيْمٌ پر مفصل حاشیہ ابھی نمبر ۴۱ میں گزر چکا ہے۔ آپ شکم ماہی میں کتنی مدت رہے، اس کے جواب میں متعدد قول سلف سے نقل ہوئے ہیں، لیکن جیسا کہ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے کہا ہے۔ کسی بھی مدت کی تعیین پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ ولا ادری بای دلیل عینوا هذه المقادير (کبیر) و۷۹ (جو آپ کو مکھیوں وغیرہ سے محفوظ رکھتا تھا، اور جس کی ہوا صحت بخش تھی) يَقْطِيْنٍ کے لفظی معنی ہر بیلدار درخت کے ہیں، کدو، خربوزہ وغیرہ سب اس میں آجاتے ہیں۔ و كل شجرة لا تقوم على ساق كالدباء والبطيخ والحنظل و نحو ذلك فهي عند العرب يقطين (ابن جریر) روایتوں میں آتا ہے کہ مراد اس سے لوکی کا درخت ہے۔ و۸۰ یہ شہر نینوا تھا جو دریائے دجلہ کے داہنے کنارے پر واقع تھا۔ جہاں آج موصل واقع ہے ٹھیک اس کے مقابل۔ توریت میں اس کی آبادی ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں سے زیادہ درج ہے (یوفاہ۔ ۴:۱۱) کپتان جونس نے ۱۸۵۳ء میں جا کر شہر کے کھنڈروں کی باضابطہ پیمائش کی تھی۔ ان کی تحقیق میں شہر کا رقبہ ۱۱۸۰۰ ایکڑ تھا، اور ہر فرد کے لیے اگر ۵۰ گز مربع زمین فرض کی جائے، تو کل آبادی کا تخمینہ ایک لاکھ چوہتر ہزار یا ۷۵ ہزار تک پہنچتا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ او تخییر کے لیے ہے۔ یعنی اگر صرف عاقلوں، بالغوں کو رکھو تو ایک لاکھ، اور کل آبادی کو لو تو اور زائد۔ توریت میں ہے:۔ ”یوفاہ خداوند کے کلام کے مطابق اٹھ کر نینوا کو گیا، اور نینوا خدا کے سامنے ایک بڑا شہر تھا، کہ اس کا احاطہ تین دن کی راہ تھی“۔ (یوفاہ۔ ۳:۳) و۸۱ خطاب اس گروہ سے ہے جو اس کا قائل تھا کہ خدا کے بیٹیاں ہیں، جو دیویاں ہیں۔ مشرکین عرب کے معبودوں میں دیوتاؤں سے کہیں زائد دیویاں تھیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ میں ہمزہ انکار توبیخی یا انکار ابطالی کا ہے۔ (مفتی، جلد اول صفحہ ۱٦) و۸۲ یعنی جنہیں تم دیویاں قرار دے رہے ہو، اور در حقیقت وہ ملائکہ الٰہی ہیں، کیا ان کی نسوانیت تمہارے مشاہدہ میں آچکی ہے؟ مفصل حاشیہ سورۂ آل عمران (پ ۴) آیت ۱۱۷ کے تحت میں گزر چکا ہے۔ و۸۳ یعنی خدا کے صاحب اولاد ہونے کا عقیدہ کوئی بھی شائبہ حقیقت اپنے اندر نہیں رکھتا۔ و۸۴ ایک تو اللہ کے صاحب ولد ہونے کا دعویٰ خود ہی کس درجہ حماقت ہے، اور پھر اس پر مستزاد اولاد میں بھی لڑکوں کا نہیں، لڑکیوں کا تحقق جنہیں مشرکین خود ہی حقیر و ذلیل سمجھتے تھے۔

صٰدِقِیْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَ جَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَ لَقَدْ

سچے ہو ف۸۵ اور ان لوگوں نے اللہ اور جنات کے درمیان رشتہ قرار دے دیا ہے، حالانکہ

عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ۙ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا

خود جنات خوب سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ عذاب میں گرفتار ہوں گے ف۸۶ اللہ پاک ہے اس سے جو یہ

یَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ۙ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّكُمْ وَ مَا

بیان کرتے ہیں ف۸۷ مگر ہاں جو اللہ کے خاص کئے ہوئے بندے ہیں (وہ عذاب سے محفوظ رہیں گے) لیکن تم اور

تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ۙ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ بِفٰتِنِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ۙ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ

تمہارے معبود (سب مل کر بھی) کسی کو اللہ سے نہیں پھیر سکتے مگر ہاں اسی کو جو جہنم میں گرنے والا

الْجَحِیْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَ مَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ۙ وَّ اِنَّا لَنَحْنُ

ہی ہے ف۸۸ اور ہم میں سے ہر ایک کا ایک معین درجہ ہے اور ہم (سب) صف بستہ

الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ۚ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَ اِنْ كَانُوْا

کھڑے ہوتے ہیں اور ہم (سب) پاکی بیان کرنے میں لگے رہتے ہیں ف۸۹ اور یہ لوگ

لَیَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ۙ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ۙ لَكُنَّا

کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت (کی کتاب) پہلے لوگوں کی طرح آتی تو ہم

عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

اللہ کے خاص بندے ہوتے ف۹۰ پھر یہ لوگ اس کا انکار کرنے لگے، سو عنقریب ان کو معلوم ہی ہوا جاتا ہے ف۹۱

وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۷۱﴾ۚۖ اِنَّهُمْ لَهُمُ

اور ہمارا (یہ) قول ہمارے بندگان مرسل کے لئے پہلے سے مقرر ہو چکا ہے کہ بے شک غالب

الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ۖ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾

وہی کئے جائیں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے ف۹۲

ف۸۵ یعنی دلیل عقلی نہیں قائم کرسکتے ہو تو کوئی مستند مذہبی نوشتہ ہی پیش کرو، جس میں یہ عقیدہ درج ہو۔ ف۸۶ (تو حق تعالیٰ کے رشتہ داروں کا معاذاللہ جہنمی ہونا تمہاری موٹی عقل بھی قبول کرتی ہے؟) وَ جَعَلُوْا...... نَسَبًا۔ اس عقیدہ کے لیے ملاحظہ ہوں سورۂ سبا (پ۲۲) آیت ۴۰ و ۴۱ کے حاشیے۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں اشارہ عقائد مجوس کی جانب بھی ہو، جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے۔ مجوس کا عقیدہ ہے کہ یزدان واہرمن (خدا و ابلیس) دونوں ایک ہی جنس کی چیزیں ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اول خیر محض ہے اور دوسرا شر محض۔ لیکن بہرحال ہیں دونوں ہم نسب ہی۔ اَلْجِنَّةِ سے مراد کافر جنات ہیں۔ وَ لَقَدْ...... لَمُحْضَرُوْنَ۔ یعنی جنات خود اپنی حقیقت اپنی مسئولیت سے خوب واقف ہیں۔ لَمُحْضَرُوْنَ۔ محضرون سے مراد عذاب میں گرفتار ہونا ہے۔ اے محضرون فی العذاب (بیضاوی) اے واللہ لقد علمت الشیاطین اے جنسهم ان الله تعالٰی یحضرهم ولابدالنار و یعذبهم بها (روح)۔ اِنَّهُمْ۔ ھم کی ضمیر جائز ہے کہ جنات کی طرف نہیں، بلکہ ان کے اور حق تعالیٰ کے درمیان رشتہ داری کے قائلوں کی جانب لی جائے۔ یعنی قائلی هٰذا القول (معالم) اے الذین قالوا ذٰلک (ابن کثیر) ف۸۷ یعنی صاحب ولد ہونے سے، صاحب زوج ہونے سے، اور اس قسم کے سارے خرافاتی جاہلی دعووں اور عقیدوں سے۔ ف۸۸ (علم الٰہی میں) یعنی شیاطین میں اور کسی میں بھی، قوت نہیں کہ وہ مجرد اپنے ارادہ سے کسی کو گمراہ کرسکیں، گمراہ تو وہی لوگ ہوتے ہیں، جنہیں علم الٰہی مشیت تکوینی کے مطابق پہلے سے تجویز کیے ہوتا ہے — یہ علم الٰہی بھی ظاہر ہے کہ کسی بندہ کو کفر وضلالت کے اختیار پر مجبور نہیں کرتا۔ ف۸۹ خلاصہ یہ ہے کہ ہم عبد محض اور محکوم خالص ہیں، اپنی رائے سے کچھ نہیں کرسکتے۔ جو خدمت ہم میں سے جس کے سپرد ہے، بس وہ اسی میں لگا رہتا ہے — یہ سب مضمون فرشتوں کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ اس سے ایک طرف تردید ان جاہلی قوموں کی بھی ہو رہی ہے، جنہوں نے فرشتوں میں الوہیت اور معبودیت کی شان پائی ہے، اور دوسری طرف اہل کتاب کی بھی تردید ہے جنہوں نے بعض فرشتوں کو خطا کار وعصیاں شعار قرار دیا ہے وَ مَا...... مَعْلُوْمٌ۔ بعض نے اس سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ ملائکہ کے لیے مقامات معین ومعلوم ہیں، جن میں علو وترقی کی گنجائش نہیں، بخلاف انسان کے کہ وہ، جس قدر بھی جدوجہد کرے، قرب وعلو کے مراتب طے کرتا رہے گا۔ یشیر الٰی ان الملک لا یتعدی مقامه الی ما فوقهٗ ولا یهبط عنه الٰی ما دونهٗ و هٰذا بخلاف نوع الانسان فان من افرادهٖ من سار الٰی مقام قاب قوسین بل طار الٰی منزل او ادنٰی (روح) اور صاحب تفسیر مظہری نے سورۂ بقر میں قصۂ تخلیق آدم کے سلسلہ میں لکھا ہے:۔ ”مراد اس سے یہ ہے کہ ملائکہ مقام اسماء وصفات سے آگے مقام ذات تک ترقی نہیں کرسکتے۔ بخلاف بشر کے کہ وہ مقام محرومی سے مقام ظلال اور وہاں سے مقام صفات و اسماء اور شئونات اور پھر مقام ذات تک ترقی کرسکتا ہے“۔ ف۹۰ (اور تکذیب ومخالفت کرنے والوں میں نہ ہوتے) مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ کوئی نبی اگر ہم میں پیدا ہوا ہوتا اور اس پر کوئی کتاب نازل ہوئی ہوتی جیسے بنی اسرائیل پر نازل ہوئی تو ہم یقیناً تصدیق کرنے والوں میں ہوتے اور اطاعت الٰہی کا ایک نمونہ اپنی ذات میں پیش کردیتے۔ اور یہ ہی مضمون آیۃ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ لَّیَكُوْنُنَّ اَهْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ (سورۃ الفاطر، پ۲۲) کے تحت میں آچکا ہے۔ ف۹۱ (کہ کفر وتکذیب کا کیا انجام ہوتا ہے) فَكَفَرُوْا بِهٖ۔ یعنی اب جب ان کی تمنا کے مطابق رسول اور صاحب کتاب وشریعت رسول، ان کی قوم میں آگئے، تو یہ اپنے سب پچھلے قول اور قرار بھول بیٹھے۔ اور تکذیب وانکار میں پچھلی قوموں سے بازی لے گئے۔ سَوْفَ یَعْلَمُوْنَ۔ کفر کا انجام موت کے وقت تو بہرحال منکشف ہو جاتا ہے۔ باقی بعض عقوبتیں زندگی میں بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ ف۹۲ (انجام کار) غلبہ آخر کار حق ہی کو ہوتا ہے۔ باطل کی شان وشوکت محض عارضی اور کسی مصلحت تکوینی کے ماتحت ہوتی ہے۔ اور اگر غلبہ سے مراد بجائے مادی غلبہ کے محض قوت دلائل سمجھی جائے، تو یہ غلبہ تو ہر دور میں اور ہر وقت اہل حق کو حاصل رہا ہے، اور ہے۔ جُنْدَنَا۔ یعنی اہل حق۔ كَلِمَتُنَا۔ آگے جس وعدہ کا ذکر ہے، وہ تو ایک پوری عبارت ہے، اس کے لیے کلمہ بصیغۂ واحد یوں آیا ہے کہ ساری عبارت مل کر معنی ایک ہی دیتی ہے۔ اور کلمۃ کا لفظ اسی پورے مفہوم کے لیے ہے۔ وانما سماها کلمة و هی کلمات لانها لما انتظمت فی معنی واحد کانت فی حکم کلمة مفردة (مدارک)

فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبۡصِرۡهُمۡ فَسَوۡفَ

سو اب تھوڑے زمانہ تک ان کا خیال نہ کیجیے اور ذرا انہیں دیکھتے رہیے، سو عنقریب

يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ

یہ بھی دیکھ لیں گے ف۹۳ کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟ تو وہ جب ان کے روبرو

بِسَاحَتِهِمۡ فَسَآءَ صَبَاحُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ

آنازل ہوگا، سو وہ دن ان لوگوں کا جنہیں ڈرایا جاچکا ہے بہت برا ہوگا ف۹۴ اور آپ تھوڑے زمانہ تک

حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبۡصِرۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبۡحٰنَ

ان کا خیال نہ کیجیے، اور ذرا انہیں دیکھتے رہیے، سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے ف۹۵ پاک ہے

رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى

آپ کا پروردگار بڑی عظمت کا پروردگار ان چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، اور سلام ہو

الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۸۲﴾

پیمبروں پر اور ساری خوبیاں اللہ پروردگار عالم کے لئے ہیں ف۹۶

ع ۹ / ۵

ایاتھا ۸۸ — ۳۸ سُورَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ ۳۸ — رکوعاتھا ۵

اس میں اٹھاسی آیتیں ہیں — سورہ ص مکہ میں نازل ہوئی — اور پانچ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

صٓ وَالۡقُرۡاٰنِ ذِى الذِّكۡرِ ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِىۡ عِزَّةٍ

صاد ف۱ قسم ہے قرآن نصیحت والے کی (کہ کافروں کا انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں) ف۲ اصل یہ ہے کہ (یہ) کافر ہی تعصب

وَّشِقَاقٍ ﴿۲﴾ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ فَنَادَوْا

ومخالفت میں پڑے ہوئے ہیں، ف۳ کتنی ہی امتوں کو ان سے پہلے ہم ہلاک کرچکے ہیں سو انہوں نے بڑی ہائے پکار

ف۹۳ موت پر تو اپنا حال زار بہر حال دیکھیں گے، اور ممکن ہے دنیا میں بھی عذاب کی جھلک دیکھ لیں۔ فَتَوَلَّ...... حِيۡنٍ۔ یعنی چندے ان کی ایذا رسانیوں پر التفات نہ کیجئے۔ ف۹۴ یعنی جب وہ وقت موعود آجائے گا، پھر ٹالے ٹل نہ سکے گا۔ ساحة کے لفظی معنی صحن یا انگنائی کے ہیں۔ یعنی جب وہ عذاب ان سے ایسا متصل ہوجائے گا کہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہ رہے گی۔ ف۹۵ یعنی آپ کو تو ہمارے کہنے سے یقین ہی ہے، باقی معائنہ ومشاہدہ کے بعد انہیں بھی یقین ہو کر رہے گا۔ — مفسرین نے کہا ہے کہ ابھی ابھی یہ مضمون جو اوپر گزرا ہے۔ وہاں اس کا تعلق غلبہ اہل حق سے تھا، اور یہاں اس کا تعلق عذاب اہل باطل سے ہے۔ اس لیے مضمون کی تکرار صرف صورۃً ہے، معنًی نہیں۔ ف۹۶ (معبودیت، الوہیت، ربوبیت کا حقدار وہی اکیلا، بلا شائبہ شرکت غیرے ہے) سُبۡحٰنَ...... يَصِفُوۡنَ۔ حق تعالیٰ پاک ومنزہ ہے ان تمام لغویات وخرافات سے جو اہل شرک اس کی جانب منسوب کرتے رہتے ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرآن کا یہ فقرہ بڑا جامع ہے۔ معرفت باری کے سارے مدارج اس مختصر سے فقرہ میں آگئے۔ کلمة محتوية على اقصى الدرجات و اكمل النهايات فى معرفة الله العالم (کبیر) رَبِّ الۡعِزَّةِ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رب میں اشارہ ہے کمال حکمت ورحمت کی جانب، اور عزت میں کمال قدرت کی جانب۔ يَصِفُوۡنَ کے عموم واطلاق سے اہل لطائف نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ حق تعالیٰ جس طرح اہل شرک وضلالت کی یاوہ گوئیوں سے منزہ وبرتر ہیں، اسی طرح مومنین صادق کی غایت مدح وثنا اور عارفین کاملین کے احاطۂ فہم رسا سے بھی بالاتر ہیں — اور عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمانی اسی مقام کی کی ہے۔ ماہروں از پاک وناپاکی ہمہ — وزگراں جانی وچالاکی ہمہ۔ سَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ۔ حق تعالیٰ خود جن بندوں پر سلام بھیجیں، ان کا واجب الاتباع ہونا بالکل ظاہر ہے۔

ف۱ دوسرے مقطعات کی طرح اس حرف صٓ کے اصل معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں، البتہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کردیے ہیں۔ مثلاً۔
۱۔ صٓ مخفف ہے کسی اسم الٰہی کا، مثلاً صمد یا صادق الوعد، یا صانع المصنوعات۔
۲۔ صٓ مخفف ہے اس فقرہ کا کہ صدق محمد فى كل ما اخبر به عن الله
۳۔ صٓ مخفف ہے اس فقرہ کا، کہ صد الكفار عن قبول هٰذا الدين۔ اور محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے صٓ اسم الصمد اور صادق الوعد کا سر ہے (معالم) ف۲ مطلب یہ کہ قرآن کی اعلیٰ تعلیمات خود اس کی صداقت پر گواہ ہیں، اور یہ کافر جو اس کے کلام الٰہی ہونے اور آپ کی حالت سے انکار کررہے ہیں سو اس کی بنیاد کسی دلیل یا وجہ عقلی پر ہرگز نہیں۔ ذِى الذِّكۡرِ۔ یعنی یہ وعظ ونصیحت والا قرآن، یا عزت وعظمت والا قرآن۔ والمراد بالذكر العظمة او الشرف والشهرة (بیضاوی) ذى الشرف اى ذى الشان والمكانة (ابن کثیر۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وسعید بن جبیر وغیرہما) ف۳ (اور اس تعصب وعناد کا وبال بھی ایک روز ان پر پڑے گا) یہاں یہ بتادیا کہ مخالفت حق کا سبب کوئی اشتباہ عقلی ہرگز نہیں، محض ان لوگوں کی ضد، ہٹ دھرمی اور نخوت پسندی ہے۔ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ۔ دونوں کا تنوین نکرہ کے ساتھ آنا ان صفات کی شدت کے اظہار کے لیے ہے۔ یعنی یہ لوگ پرلے سرے کی ہٹ دھرمی سے کام لے رہے ہیں۔ والتنكير فى عزة و شقاق لدلالة على شدتها (کشاف)

وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝۳ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ

کی دراں حالیکہ وقت خلاصی کا گزر چکا تھا ۴ اور یہ اس پر حیرت کر رہے ہیں کہ ان کے پاس ایک ڈرانے والا

مِّنْهُمْ ز وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۴ اَجَعَلَ

انہیں میں سے آیا ۵ اور (یہ) کافر کہتے ہیں کہ یہ شخص ساحر ہے کذاب ہے ۶ ارے اس نے

الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝۵ وَانْطَلَقَ

خداؤں کو بس ایک خدا کر دیا! بے شک یہ بڑی انوکھی بات ہے ۷ ان لوگوں کے سردار

الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ

یہ کہتے ہوئے چلے کہ چلو اور اپنے دیوتاؤں پر قائم رہو

هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝۶ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ

اس میں بے شک اس شخص کا کوئی مطلب ہے ۸ ہم نے تو یہ بات (اپنے) پچھلے مذہب میں (کبھی) سنی نہیں،

اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ

ہو نہ ہو یہ اس کی گڑھت ہے ۹ تو کیا ہم سب میں سے بس اسی شخص پر کلام الٰہی

بَيْنِنَا ط بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا

نازل کیا گیا ۱۰ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ میری وحی ہی کی طرف سے شک میں پڑے، اصل یہ ہے کہ انہوں نے میرا عذاب

عَذَابِ ۝۸ ط اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ

اب تک نہیں چکھا ہے ۱۱ کیا ان لوگوں کے پاس خزانے ہیں ان کے پروردگار زبردست و فیاض کی

الْوَهَّابِ ۝۹ ۚ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

رحمت کے؟ ۱۲ کیا جو کچھ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان ہے، وہ ان کی حکومت

بَيْنَهُمَا ۣ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ۝۱۰ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ

میں ہے؟ تو انہیں چاہیے کہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں ۱۳ اس مقام پر یوں ہی ایک بھیڑ ہے منجملہ گروہوں کے

ف ۴ (چنانچہ ان کا شور و واویلا انہیں کچھ بھی نفع نہ دے سکا۔ اور یہی حشر ان کافروں کا بھی ہونا ہے) لَاتَ۔ لات لیس کی ایک غیر منصرف صورت ہے۔ تقدیر کلام خلیل وسیبویہ کے نزدیک یہ ہوگی۔ لیس الحین حین مناص (کبیر۔ بیضاوی) اور اخفش کے نزدیک یوں، ولاحین مناص (کبیر، بیضاوی) مَنَاصٍ۔ جائے خلاص یا جائے گریز۔ ف ۵ (کوئی فوق البشر نہیں، بلکہ انہیں جیسا بشر و انسان) مشرکوں کی سمجھ میں یہی تو نہیں آتا کہ ایک بشر مرتبہ رسالت پر کیسے پہنچ سکتا ہے۔ دیوتا پرستی ان کی سمجھ میں آجاتی ہے۔ اوتار، مظہریت، عینیت، حلول کے عقیدے عین ان کے مذاق طبیعت کے موافق ہیں۔ بس ایک نہ سمجھ میں آنے والی بات یہی مسئلہ سفارت الٰہی و رسالت ہے۔ بار بار اسی پر الجھتے تھے۔ ضمیر هم جنس بشری کی جانب ہے۔ رسول من جنسهم اے بشرًا (روح) یعنی استبعدوا ان یکون النبی من البشر (مدارک) ف ۶ "اس کے لائے ہوئے کلام میں اثر اور اس کے پیش کیے ہوئے معجزات تو نتیجہ ہیں اس کے کمال ساحری کا اور اس کا دعوئ نبوت و رسالت تمامتر بے بنیاد ہے"۔ جب نقطہ آغاز یہ ہوا کہ دعوائے نبوت صحیح ہو ہی نہیں سکتا، تو اب اس سے چارہ نہیں کہ مدعی نبوت کے وعظ و تبلیغ کے اثر کو سحر پر محمول کیا جائے۔ ساحر قرار دیتے ہوئے یہ احمق اتنا نہ سوچے کہ ساحر بھی کبھی دعوت توحید دیتا رہتا ہے؟ تزکیہ اخلاق کی طرف بلاتا رہتا ہے؟ عقائد صحیحہ و اعمال صالحہ کی تبلیغ کرتا رہتا ہے؟ بات کچھ نہ کچھ کہہ دینی ہی تھی، تو ایسی تو کہتے جو کچھ لگتی ہوئی ہوتی۔ یہ تشخیص تو سراسر الٹی اور بالکل ہی بے تکی تھی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آیت میں کام محض قالوا سے بھی نکل سکتا تھا، لیکن بجائے اس کے قَالَ الْكٰفِرُوْنَ کی صراحت میں اشارہ ان لوگوں کی کمال بدعقلی کی طرف کرنا ہے کہ ایسے مہمل ولایعنی قول کا مصدر و منشا کفر محض ہی ہو سکتا ہے۔ ف ۷ پیمبر برحق کا اصلی جرم ان کج فہموں کے نزدیک یہی تلقین توحید تھی۔ وہ کہتے تھے عالم میں قدم قدم پر تو تنوع، تعدد، اختلاف ہے، اس کثرت کا مصدر وحدت کو فرض ہی کیسے کیا جا سکتا ہے؟ رات الگ ہے، دن الگ، آگ اور شے ہے پانی اور۔ زمین الگ مخلوق ہے آسمان الگ، ان میں سے ہر ایک کے کاروبار کے لیے ایک مستقل حاکم، متصرف فرماں روا کی ضرورت ہے، اور یہی دیوی دیوتا ہیں۔ سب کو مٹا کر صرف ایک مؤثر حقیقی و فاعل اصلی کو ماننے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ عُجَابٌ۔ عجاب مرادف ہے عجیب کا، البتہ اس میں زور عجیب سے زیادہ ہے۔ هو العجیب الا انه ابلغ من العجیب (کبیر) اے بلیغ فی العجب (روح) ف ۸ یہ شخص بھی بہکا کر اپنا کوئی نہ کوئی کام ہم سے نکالنا چاہتا ہے، تم لوگ ہرگز اس کے کہے میں نہ آنا۔ اپنے دیوتاؤں کی نصرت میں لگے رہنا۔ قریش کے ائمہ و سردار کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ کی تقریر سننے کھڑے ہو جاتے تو اس کے بعد ذکر توحید کی تاب نہ لا کر اپنے پیروؤں سے یہ کہنے لگتے۔ ف ۹ مِلَّةِ الْاٰخِرَةِ سے مراد وہی ملت عرب ہے۔ یعنی ہم نے کبھی اپنے پیروں کے مذہب، اپنے باپ دادوں کے دین میں تو یہ عقیدہ پایا نہیں۔ دوسرے معنی "آخری مذہب" کے دین عیسوی کے بھی کیے گئے ہیں۔ یہ تفسیر بھی چسپاں ہو سکتی ہے۔ نصاری اپنے نقطہ نظر سے بالکل صحیح طور پر کہہ سکتے تھے، کہ یہ توحید خالص جس کی دعوت اسلام دے رہا ہے، ہم نے تو کہیں آبائے کلیسا سے سنی نہیں تھی؟ ف ۱۰ یعنی بالفرض نبوت یا پیمبری کی کچھ اصلیت ہوتی بھی، تو پیمبری ہمارے ہاں کے رؤسا و امراء کے ہوتے ہوئے آخر ایک یتیم و نادار شخص کو کیوں ملی! اہل لطائف نے کہا ہے کہ منشاء اس قول کا کبر تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبر ایسی بری چیز ہے جو کبھی کفر تک بھی پہنچا دیتی ہے۔ ف ۱۱ قرآن مجید کہتا ہے کہ انکار کا باعث محمد ﷺ کی شخصی تکذیب نہیں، بلکہ یہ اصل مسئلہ وحی میں بھٹک رہے ہیں، اور خود اس کی بنیاد عذاب الٰہی سے غفلت پر ہے۔ ف ۱۲ (اور نبوت بھی کیا ان کے قبضہ قدرت میں ہے، کہ جسے چاہیں اسے اس سے نواز دیں؟) نبوت کی عظمت و اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ اسلامی عقیدہ میں اسی پر تکوینی حیثیت سے دار و مدار نظام عالم کا ہے۔ چنانچہ جس وقت کوئی مومن یعنی نبی پر ایمان رکھنے والا سطح زمین پر نہ رہے گا، اس کائنات کا نظم بھی ختم ہو جائے گا، اور قیامت آجائے گی۔ ف ۱۳ (اپنی قدرت تصرف دکھانے کو) اَمْ...... بَيْنَهُمَا۔ سوال گویا دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ آیا انہیں ارضیات و سماویات کے مصالح کا علم ہے، جو یہ نبوت کی تقسیم کے بھی ذمہ دار بنتے ہیں۔

ف۱۴ مرادوہی اہل مکہ ہیں۔ پرقوت اہل مکہ کی بربادی کی پیشگوئی قطعیت کے ساتھ کردینا بجائے خود ایک قرآنی معجزہ ہے۔ اس پیش خبری کا تحقق میدان بدر میں ہوکر رہا۔ قال قتادة هنالک اشارة الی یوم البدر فاخبر الله تعالٰی بمکة انه سیهزم جند المشرکین فجاء تاویلها یوم بدر (کبیر) ف۱۵ متعین طور پر نام بھی قرآن نے پرانی پرقوت، پرشوکت قوموں کے بتادیے، کہ

مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ

جس کو شکست ہو گی ف۱۴ ان سے پہلے بھی قوم نوح و قوم عاد

وَّ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَ ثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ

اور فرعون نے جس کے کھونٹے گڑے ہوئے تھے اور ثمود اور قوم لوط

وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ اِلَّا

اور اصحاب ایکہ نے تکذیب کی تھی یہ (بڑے بڑے) گروہ والے ان سب نے

كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ وَ مَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا

رسولوں کو جھٹلایا تھا، سو میرا عذاب (ان پر) واقع ہو گیا ف۱۵ اور یہ لوگ تو بس ایک چیخ کے

صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَ قَالُوْا رَبَّنَا

منتظر ہیں جس میں دم لینے کی گنجائش نہ ہو گی، اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار

عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾ اِصْبِرْ عَلٰى مَا

ہم کو ہمارا حصہ روز حساب سے پہلے ہی دے دے ف۱۶ آپ ان لوگوں کے اقوال پر

يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا

صبر کیجیے، اور ہمارے بندے داؤد بڑی قوت والے کو یاد کیجیے، وہ بڑے رجوع کرنے والے تھے ف۱۷ ہم نے

سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾

پہاڑوں کو (ان کے) تابع کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام و صبح تسبیح کیا کرتے تھے

وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ

اور پرندوں کو بھی جو (ان کے پاس) جمع ہو جاتے تھے، سب ان کی وجہ سے بڑے رجوع کرنے والے تھے ف۱۸ اور ہم نے

وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا

ان کی سلطنت کو قوت دی تھی اور ہم نے انہیں حکمت اور فیصلہ کرنے والی تقریر عطا کی تھی ف۱۹ بھلا آپ کو ان اہل مقدمہ کی خبر

تکذیب انبیاء وتکذیب شریعت الٰہی ہی کی پاداش میں یہ لوگ ہلاک ہوتے تھے۔ وہی صورت آج کے منکرین کو بھی پیش آنی ہے۔ نُوْح، عَاد، فِرْعَوْن، ثَمُوْد، لُوْط، اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ۔ ان سب پر حاشیے اپنے اپنے مقام پر گزر چکے۔ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ سے مراد حضرت شعیب کی امت ہے۔ ذُو الْاَوْتَادِ۔ محاورہ میں اس سے مراد شوکت وحشمت والے سے ہوتی ہے۔ استعیر لثبات العز والملک واستقامة الامر (کشاف) اصل هٰذه الکلمة من ثبات البیت المطنب باوتاده ثم استعیر لاثبات العز والملک (کبیر) پرانی قوموں میں تعذیب کی ایک صورت مجرم کو چومیخا کردینے (یعنی لٹا کر ہاتھ پیروں میں میخیں ٹھونک دینے) کی جاری تھی۔ اور روایات میں ملتا ہے کہ فرعون کے دور میں بھی یہ سزا جاری تھی۔ ف۱۶ منکرین بطور استہزاء کہتے تھے کہ جو کچھ عذاب ہم پر ہونا ہے وہ ابھی لے آؤ، کل پر کیوں اٹھا رکھا ہے! اعلم ان الکفار لما بالغوا فی السفاهة علی رسول الله ﷺ حیث قالوا انه ساحر کذاب و قالوا له علی سبیل الاستهزاء عجل لنا قطنا امره الله بالصبر علی سفاهتهم (کبیر) ف۱۷ (اور ان کی مثال ونظیر سے صبر میں تقویت حاصل کیجیے۔) اس کے بعد آپ کی تقویت قلب کے لیے نو پیمبروں کی مثالیں درج ہورہی ہیں، ان میں سے تین کے قصے مفصل بیان ہوں گے اور چھ کا ذکر صرف اجمالاً آئے گا۔ ذَا الْاَيْدِ۔ یعنی بڑی قوت والے، ہمت والے، دین و تقویٰ کی راہ میں بڑے بڑے مجاہدے کرڈالنے والے۔ اے ذاالقوة فی الدین المضطلع بمشاقه و تکالیفه (کشاف) اے ذاالقوة علی اداء الطاعة والاحتراز عن المعاصی (کبیر) اَوَّابٌ۔ اللہ کی طرف بڑے رجوع کرنے والے۔ اواب رجاع الی مرضاة الله (کشاف) حضرت داؤد، نبی وسلطان کی قوت وحشمت ونیز زہد وتقویٰ پر ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن عَبْدَنَا۔ لفظ عبد کو ضمیر متکلم کی طرف مضاف کرکے قرآن مجید نے اس سے کام اظہار تخصیص وتشریف ہی کا لیا ہے۔ ف۱۸ سَخَّرْنَا الْجِبَالَ...... وَالطَّيْرَ۔ تسبیح جبال وطیور پر حاشیے سورة الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے۔ مَحْشُوْرَةً۔ یعنی ہر طرف سے آپ کے گرد جمع ہو جانے والے۔ اے محشورة الیه من کل جانب (بیضاوی) لَهٗٓ اَوَّابٌ۔ یعنی ان کی تسبیح کے باعث یہ بھی اواب ہوگئے تھے۔ اے کل واحد من الجبال والطیر لاجل تسبیحه رجاع الی التسبیح (بیضاوی) بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ۔ صبح وشام، کہ یہی ذکر وعبادت کے اوقاتِ خصوصی ہوتے ہیں۔ ف۱۹ ”فلسطین کی سب سے بڑی حکومت وہی تھی جو داؤد علیہ السلام کے عہد میں قائم ہوئی تھی“۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۷ صفحہ ۷۸) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن اَلْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ، اس کے معنی علم قضا کے بھی کیے گئے ہیں، اور فریقین کے درمیان فیصلہ صحیح کے بھی۔ الفصل بین الخصوم بالحق (جصاص) العلم بالقضاء (جصاص۔ عن الحسن)

الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ

پہنچی ہے جب وہ دیوار پھاند کر حجرہ میں داؤد کے پاس آ گئے

فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى

اور وہ ان سے گھبرا گئے تھے ف۲۰ وہ لوگ بولے آپ ڈریے نہیں ف۲۱ (ہم) دو اہل مقدمہ ہیں کہ ایک نے

بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى

دوسرے پر زیادتی کی ہے، سو آپ ہم میں انصاف سے فیصلہ کر دیجیے اور بے انصافی نہ کیجیے، اور ہمیں سیدھی راہ

سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۟ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ

بتا دیجیے ف۲۲ یہ شخص میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں

نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي

اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے، سو یہ کہتا ہے وہ بھی مجھ کو دے ڈال اور بات چیت میں

الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى

مجھے دباتا ہے ف۲۳ (داؤد) نے کہا کہ اس نے تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کی درخواست کر کے واقعی

نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى

تجھ پر ظلم کیا اور اکثر شرکا (یوں ہی) ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے

بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا

ہیں مگر ہاں وہ لوگ نہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کیے، اور ایسے لوگ

هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ

نہایت ہی کم ہیں ف۲۴ اور داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے، سو انہوں نے اپنے پروردگار کے سامنے توبہ کی اور وہ

رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى

جھک پڑے اور رجوع ہوئے ف۲۵ سو ہم نے انہیں معاف کر دیا اور ہمارے ہاں ان کے لئے (خاص) قرب

ف۲۰ (کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو بجائے دروازہ سے آنے کے عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر آ گئے ہیں دروازہ سے پہرہ داروں نے انہیں غالباً اس لیے آنے نہیں دیا تھا کہ وہ وقت آپ کی عبادت کا تھا، مقدمات فیصل کرنے کا نہ تھا۔ فَفَزِعَ مِنْهُمْ۔ یعنی اس مجمع کے یوں بے اجازت اور ناوقت آنے سے آپ کو قدرۃً ہراس پیدا ہوا کہ کہیں یہ کوئی خونی اور ڈاکو تو نہیں۔ طبعی جذبات وکیفیات (غصہ، غم، خوف، اندیشہ وغیرہ) کے طاری ہونے کو جو لوگ مرتبہ ولایت کے منافی سمجھتے ہیں، وہ حضرات انبیاء کے ان تاثرات طبعی کی مثالوں کو سامنے رکھ لیں۔ قرآن مجید نے یہ ساری تفصیلات بلاضرورت اور بے مصلحت تھوڑے ہی بیان کر دی ہیں۔ الْخَصْمِ۔ خصم کا اطلاق شخص واحد اور جماعت دونوں پر ہوتا ہے۔ الخصم اسم يقع على الواحد و على الجماعة (جصاص) اطلق على الجماعة (بیضاوی) و استعمل للواحد والجمع (راغب) الْمِحْرَابَ۔ محراب یہاں حجرہ کے معنی میں ہے۔ قیل المحراب الغرفة (جصاص) ف۲۱ (ہمارے اس طرح بے قاعدہ اور بے وقت چلے آنے سے۔ ہم دشمن نہیں دوست، خیر خواہ ہیں، آپ کی رعایا ہیں، ایک مقدمہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں) ف۲۲ (صورت معاملہ سے متعلق) حضرت داؤد نبی تو تھے ہی۔ بحیثیت حاکم وفرمانروا بھی اپنے عادلانہ اور جچے تلے فیصلوں کے لیے خاص شہرت وامتیاز رکھتے تھے۔ خَصْمٰنِ کے صیغہ تثنیہ سے یہ خیال نہ گزرے کہ یہ دو فرد تھے۔ یہ دو فریق تھے، اور آج بھی مستغیث اور ملزم دونوں کا یہ عام معمول ہے کہ اپنے ساتھ کئی کئی ہمدردوں کو لے کر عدالت جایا کرتے ہیں۔ تسوروا، دخلوا، منهم سب کے صیغہ جمع سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ دو نہیں کئی آدمی تھے۔ ای نحن فوجان متخا صمان (بیضاوی) ف۲۳ (اور اپنے آگے میری بات نہیں چلنے دیتا) اَخِيْ۔ اخ سے لازمی طور پر بھائی ہی مراد نہیں ہوتا، دوست یا دینی بھائی بھی مراد ہو سکتا ہے بالدين او بالصحبة (بیضاوی) والمراد اخوة الدين او اخوة الصداقة والالفة او اخوة الشركة والخلطة (مدارک) فَاحْكُمْ ...... لَا تُشْطِطْ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ فریق مقدمہ کے لیے جائز ہے کہ حاکم سے اس لہجہ میں خطاب کرے۔ يدل على ان للخصم ان يخاطب الحاكم بمثله (جصاص) لَهٗ ...... اَكْفِلْنِيْهَا۔ عہد داؤدی میں فلسطین میں بھیڑوں، دنبوں کی گلہ بانی کا عام رواج تھا۔ ف۲۴ حضرات انبیاء کوئی ضمنی اور اتفاقی موقع بھی تبلیغ کا ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ــــ یوسف علیہ السلام نے جیل خانہ میں ایک قیدی کے تعبیر خواب پوچھ لینے پر ان لوگوں کے سامنے ایک مستقل وعظ رد شرک واقرار توحید میں فرما ڈالا تھا۔ اِنَّ ...... بَعْضٍ۔ یہ سارا فقرہ مسلک شرک پر ایک تعریض ہے۔ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ۔ ما زائدہ ان کی قلت پر اظہار تعجب کے لیے ہے۔ و ما مزيدة للابهام والتعجب من قلتهم (بیضاوی) ف۲۵ (اپنے پروردگار کی طرف خاص طور سے) وَظَنَّ دَاوٗدُ۔ آپ کی اپنے نفس سے یہ بدظنی غایت خشیت وتقویٰ کی بنا پر تھی ــــ ظن کا لفظ خاص طور پر نظر میں رہے۔ قرآن مجید خود کسی واقعہ کا اثبات نہیں کرتا صرف آپ کے اس خیال کو بیان کر رہا ہے۔ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ۔ یعنی یہ مقدمہ بھیج کر خود ان کے صبر وتحمل کا امتحان لیا ہو ــــ ان مقدمہ والوں کے یوں بے محابا چلے آنے، پھر اپنی گفتگو میں آپ کا مرتبہ سلطانی ملحوظ نہ رکھنے سے متعدد پہلو آپ کے لیے ناگواری اور اشتعالِ طبع کے نکلتے تھے۔ امتحان اس کا مقصود تھا کہ آیا آپ ان گستاخیوں پر داروگیر کرتے ہیں، یا غلبہ نور نبوت سے عفو ودرگزر سے کام لیتے ہیں۔ فَاسْتَغْفَرَ۔ یہ استغفار ہر اس لغزش یا کوتاہی سے تھا، جو نبی معصوم سے ہو گئی ہو۔ خَرَّ رَاكِعًا۔ رکوع کو یہاں سجدہ کے معنی میں بھی سمجھا گیا ہے۔ روی ان معناه خر ساجدًا فعبر بالركوع عن السجود (جصاص) لا خلاف بين العلماء ان الركوع هاهنا السجود (ابن العربی)

وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي

اور نیک انجامی ہے وا۲٦ اے داؤد ہم نے آپ کو زمین پر خلیفہ

الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى

بنایا ہے سو لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرتے رہیے اور (آئندہ بھی) نفسانی خواہش کی پیروی نہ کیجیے

فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ

کہ وہ اللہ کے راستہ سے آپ کو بھٹکا دے گی، بے شک جو لوگ اللہ کے راستہ سے بھٹک

سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ

جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس پر کہ وہ روز حساب کو

الْحِسَابِ ﴿۲٦﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

بھولے رہے وا۲۷ اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے بے حکمت نہیں

بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ

پیدا کیا ہے، یہ تو ان لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں، سو کافروں کے لئے بڑی

كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

خرابی ہے یعنی دوزخ وا۲۸ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؗ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ

اچھے کام کئے ان کی برابر کردیں گے جو دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں، یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے

كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ

برابر کردیں گے؟ وا۲۹ یہ (قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے، جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے، تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں

وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ

غور کریں اور تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں وا۳۰ اور ہم نے داؤد کو سلیمٰن عطا کیا،

ع ۱۲/۱۱

وا۲٦ (ان کے مرتبۂ نبوت کے شایان شان) موجودہ بائبل میں حضرات انبیاء کی عجیب مٹی پلید کی گئی ہے اور اس میں کچھ کور کسر رہ گئی تھی وہ تالمود وغیرہ یہود کے دوسرے مذہبی نوشتوں نے پوری کردی۔ قرآن مجید انبیاء (خصوصاً انبیاء اسرائیل) کی مقبولیت وصالحیت کا پرزور اثبات بار بار انہیں اتہامات کی تردید کرتا جاتا ہے۔ فَغَفَرْنَا لَهٗ۔ یعنی ہم نے ان سے اس کمی کا بھی ازالہ کردیا، جو ان کے مرتبہ ومعیار کے مطابق ان کے اجر کمال صبر پر مرتب ہوتا۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہ خفیف سی غفلت اور ان کے مرتبۂ نبوت کے لحاظ سے لغزش۔ اى زلة (مدارک) یہاں بعض لوگوں نے ایک بے سروپا روایت اسرائیلیات سے لے کر نقل کردی ہے۔ لیکن محققین کا فیصلہ یہی ہے کہ ایسی روایت کسی عام مرد صالح کے حق میں بھی قابل قبول نہیں، چہ جائیکہ ایک نبی برحق کے حق میں۔ وا۲۷ (اور چونکہ آپ یوم حساب کو خوب یاد رکھے ہوئے ہیں، اس لیے آپ کے لیے ان وعیدوں کا احتمال ہی نہیں۔ خَلِيْفَةً اور مَلِک کے درمیان محققین نے یہی فرق کیا ہے کہ خلیفہ ہمیشہ عدل اور شفقت خلق ہی کو اپنا شعار بنائے رکھتا ہے۔ اور یہ جو بعض بدمذہبوں سے منقول ہے کہ خلیفہ وقت کا کوئی گناہ ہی نہیں لکھا جاتا، اور تکلیف شرعی اس سے ساقط ہوجاتی ہے، اسے محققین اہل سنت نے کفر صریح قرار دیا ہے۔ ويحكى عن بعض الزنادقة ان الخليفة لا يكتب عليه خطيئة ولا هو داخل فى رتبة التكليف لان مرتبةً مرتبة مستخلفة و هو كفر صرّاح (روح) وا۲۸ یہاں مومن وکافر کے اساسی نقطۂ نظر کا فرق بیان کردیا ہے۔ مومن کی نظر میں تکوینی مصلحتوں اور حکمتوں کا جلوہ حوادث کائنات کے ایک ایک جزئیہ سے نمایاں رہتا ہے۔ بخلاف اس کے جس کا ایمان توحید پر نہیں، وہ اس سارے کارخانہ کو بس مادی ہی قوانین کا محکوم وتابع سمجھتا ہے، اور اس کی نظر سے مقصدی حکمتیں بالکل گم ہوتی ہیں ——اور جو فلاسفہ مادیین کہلاتے ہیں، ان کا تو کھلا ہوا یہی مسلک ہے۔ مِنَ النَّارِ۔ مِن یہاں بیانیہ یا تشریحی ہے۔ اس لیے ترجمہ یعنی سے کیا گیا ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا...... بَيْنَهُمَا۔ متکلمین اہل سنت نے آیت کے اس جزو سے معتزلہ کے مقابلہ میں استدلال کیا ہے کہ حق تعالیٰ ہی بندوں کے افعال کا بھی خالق ہے۔ و احتج اصحابنا بان هذه الأية تدل على كونه تعالىٰ خالقا لاعمال العباد فقالوا هذه الأية تدل على كونه خالقاً لكل ما بين السمٰوٰت والارض و اعمال العباد حاصلة بين السمآء والارض فوجب ان يكون الله تعالىٰ خالقاً لها (كبير) بَاطِلًا۔ یعنی بے مقصد، بلاحکمت، یوں ہی بلا کسی غرض صحیح کے۔ وا۲۹ مطلب یہ ہوا کہ وقوع قیامت کی تو خود ایک بڑی حکمت وغایت یہی ہے کہ جزا وسزا کامل ہو، اور مفسدوں، بدکاروں، منکروں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ اب جو نادان وقوع قیامت کے منکر ہیں، وہ اس حکمت کو بھی ناقابل اعتناء سمجھ رہے ہیں۔ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ۔ یہ مفسدين فى الارض وہی لوگ ہیں، جو قانون شریعت سے بغاوت کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں، اور جس کا ایک لازمی نتیجہ فساد فی الارض ہے۔ وا۳۰ (اور اس تذکر یا نصیحت حاصل کرنے میں اعتقاد رسالت اور سب کچھ آگیا) لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ۔ یعنی اس کی آیتوں میں غور کر کے یہ دیکھیں کہ اس کا قانون کیسا جامع اور کامل ہے۔

نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ

وہ بہت اچھے بندے تھے، وہ بہت رجوع ہونے والے تھے وا۳ (وہ قصہ بھی قابل ذکر ہے) جب شام کے وقت ان کے

الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ۙ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ

روبرو اصیل عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے و۳۲ تو کہنے لگے میں اس مال کی محبت میں اپنے پروردگار کی یاد سے

عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ وقفة رُدُّوْهَا

غافل ہو گیا یہاں تک کہ (آفتاب) پردہ میں چھپ گیا و۳۳ ان گھوڑوں کو پھر میرے سامنے

عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا

لاؤ، پھر انہوں نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا و۳۴ اور ہم نے سلیمان کو

سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰي كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ

امتحان میں ڈالا اور ہم نے ان کے تخت پر ایک ادھورا جسم لا ڈالا پھر انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا و۳۵ دعا مانگی

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ

اے میرے پروردگار میرا قصور معاف کر اور مجھے ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی کو

بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ

میسر نہ ہو، بے شک تو بڑا ہی دینے والا ہے و۳۶ پھر ہم نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے

بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ۙ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ

جہاں وہ چاہتے نرمی سے چلتی اور سرکش جنوں کو بھی (ان کا تابع کر دیا) یعنی تعمیر کرنے والوں کو

وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ۙ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا

اور غوطہ خوروں کو، اور دوسروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے و۳۷ یہ

عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ

ہماری بخشش ہے سو خواہ کسی کو دو یا نہ دو تم پر کچھ حساب نہیں و۳۸ اور یقیناً

و۳۱ (اللہ کی طرف، اور اس کے بڑے سچے پرستار اور موحد تھے۔ نہ کہ معاذ اللہ مشرک۔ جیسا کہ بائبل اور دوسرے اسرائیلی نوشتوں میں آپ کو ظاہر کیا گیا ہے) حضرت سلیمان (۹۹۰ ق،م تا ۹۳۰ ق،م) حضرت داؤد کے فرزند و جانشین، علاوہ پیمبر برحق ہونے کے شام و فلسطین کے عظیم الشان بادشاہ بھی تھے۔ آپ پر مفصل حاشیہ سورۃ البقر (پ ۱) آیت و ما کفر سلیمٰن کے تحت میں گزر چکا ہے۔ نِعْمَ الْعَبْدُ۔ یہ وصف حضرت داؤد کا بھی ہو سکتا ہے، لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ یہ وصف حضرت سلیمان کا ارشاد ہوا ہے۔ المخصوص بالمدح فی نعم العبد محذوف فقیل هو سلیمان و قیل داؤد والاول اولی (کبیر) و۳۲ (اور ان کے ملاحظہ کرنے میں اتنی دیر لگ گئی کہ کچھ معمولات عبادت چھوٹ گئے) الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ۔ یہ گھوڑے بھی غزا و جہاد کے عین دینی اغراض ہی کے لیے رکھے جاتے تھے۔ آپ کے بارہ ہزار سواروں اور آپ کے گھوڑوں کے لیے ۴۰ ہزار تھانوں کا ذکر توریت میں بھی آتا ہے۔ ’’اور سلیمان کی گاڑیوں کے گھوڑوں کے لیے چالیس ہزار تھان تھے اور بارہ ہزار سوار تھے۔‘‘ (۱۔ سلاطین۔ ۴:۲۶) و۳۳ (پھر جب آپ کو خود ہی متنبہ ہوا تو آپ اپنے اوپر نفریں و ملامت کے لیے یہ کلمات زبان پر لانے لگے) کاملین اہل اللہ یوں ہی اپنی خفیف غفلتوں کے تدارک میں اہتمام عظیم کیا کرتے ہیں۔ تَوَارَتْ۔ تقدیر کلام یوں ہے، توارت الشمس (کشاف۔ مدارک) والاکثر فی التفسیر ان التی توارت بالحجاب هی الشمس (قرطبی) و۳۴ یعنی غیرتِ دینی کے جوش میں ان گھوڑوں ہی کو ذبح کر ڈالا، کہ جو چیز کچھ دیر کے لیے بھی یادِ الٰہی سے غفلت کا باعث ہوئی وہ اس قابل نہیں کہ باقی رکھی جائے۔ رُدُّوْهَا۔ ضمیر مؤنث گھوڑوں کی جانب ہے۔ والهاء فی ردوها للخیل (قرطبی) بعض نے یہ معنی بھی لیے ہیں کہ آپ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ جب جہاد محبوب و مقصود تھا تو جو چیزیں آلات و اسباب کا کام دے رہی تھیں قدرۃً وہ بھی آپ کے التفات کی پوری مستحق تھیں۔ فَطَفِقَ...... الْاَعْنَاقِ۔ مراد ان گھوڑوں کے ذبح کر ڈالنے سے ہے۔ قال الاکثرون معناه انه مسح السیف بسوقها و اعناقها ای قطعها (کبیر) بعض مشائخ اور صوفیہ نے جامہ دری وغیرہ کی سند اسی فعل سلیمانی سے نکالی ہے۔ و قد استدل الشبلی وغیره من الصوفیة فی تقطیع ثیابهم و تخریقها بفعل سلیمان هذا (قرطبی) و۳۵ ہمارے بعض مفسرین نے (اللہ ان کی اجتہادی غلطیوں کو معاف فرمائے) اس مقام پر بعض عجیب عجیب قصے یہود کی کتابوں سے نقل کر دیے ہیں، جو کسی طرح بھی حضرت سلیمان جیسے پیمبر برحق کے شایانِ شان نہیں۔ لیکن محققین نے ان کے قبول کرنے سے قطعی انکار کر دیا ہے۔

چنانچہ امام المفسرین امام رازی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

اقول انا شدید التعجب من الناس کیف قبلوا هذه الوجوه السخیفة مع ان العقل والنقل یردها و لیس فی اثباتها شبهة فضلاً عن حجة (کبیر)

مجھے بڑی حیرت ان لوگوں پر ہے کہ انہوں نے ایسی رکیک حکایات کو قبول ہی کیسے کر لیا، جبکہ عقل و نقل دونوں ان کی تردید کر رہے ہیں اور ان کی تائید میں کوئی دلیل تو کیا ہوتی، احتمالات تک بھی نہیں۔

اور مفسر ابو حیان نے لکھا ہے۔

نقل المفسرون فی هذه الفتنة والقاء الجسد اقوالا یجب براءة الانبیاء منها یوقف علیها فی کتبهم و هی منها لا یحل نقلها و هی اما من اوضاع الیهود او الزنادقة (بحر)

مفسرین نے اس فتنہ اور القاء جسد کے سلسلہ میں ایسی باتیں نقل کر دی ہیں جن سے حضرات انبیاء کی تبری کرنا واجب ہے ان روایتوں کو ان کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے یہاں نقل کرنا بھی جائز نہیں وہ یا تو یہود کی گڑھی ہوئی ہیں یا ملحدین کی۔

اور اس کی تائید صاحب روح المعانی نے بھی کی ہے --- روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان کے محل میں ۷۰ کی تعداد میں حرم تھے۔ اولاد کی خواہش خصوصاً غزا و جہاد کے اغراض سے دل میں پیدا ہونی قدرتی تھی۔ ایک روز آپ کے دل میں آیا کہ ایک شب میں اگر کل حرم حمل سے رہ جائیں، تو سو کڑیل جوان غزا و جہاد کے لیے ہاتھ آ سکتے ہیں --- یہ روایت جس صورت میں کہ بیان ہو رہی ہے عقلاً ذرا مستبعد ہے۔ لیکن اس پر کلی یا جزئی عمل ناممکن نہیں۔ بہر حال حسب روایت آپ نے ارادہ پر عمل بھی فرمایا لیکن نتیجہ حسب مراد نہ نکلا۔ صرف ایک خاتون کے حمل رہا اور ان سے بھی اولاد ناقص الخلقت پیدا ہوئی۔ جس کا جسم لا کر کرسی پر ڈال دیا گیا۔ ثُمَّ اَنَابَ۔ آپ کو اپنی اس غفلت پر، کہ حق تعالیٰ پر بھروسہ کے بجائے اپنی تدبیر پر اعتماد کیا، معاً تنبہ ہوا، اور آپ نے فوراً توبہ و استغفار کیا۔ یہ لغزش کوئی معصیت کے درجہ کی چیز ہرگز نہ تھی۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ لیکن آپ کے مرتبہ نبوت سے اتنی غفلت بھی فروتر تھی۔ بعض قصے اس سلسلہ میں سرتاسر مہمل، ہماری کتابوں میں بھی نقل ہو گئے ہیں۔ محققین ان کے یکسر منکر ہیں۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ واعلم ان اهل التحقیق استبعد وا هذا الکلام من وجوه محققین نے اس کلام کو دلائل کے ساتھ رد کر دیا ہے۔ اور ابن کثیر نے لکھا ہے:۔ و کلها متلقاة من قصص اهل الکتاب۔ یہ روایت ساری کی ساری اہل کتاب کے ہاں سے آئی ہے۔ اور یہ اہل کتاب وہی ہیں۔ و فیهم طائفة لا یعتقدون نبوة سلیمان علیه السلام والظاهر انهم یکذبون علیه۔ جن کا ایک گروہ حضرت سلیمان کی نبوت ہی کا منکر ہے اور یہ کھلی بات ہے کہ ان لوگوں نے آپ کے خلاف یہ گڑھ لیا ہے۔ و۳۶ حضرت کو احساس اس کا ہوا ہے کہ یہ جو یادِ الٰہی میں غفلت کسی درجہ میں بھی واقع ہوئی، اس کا منشاء سامان جہاد وغیرہ میں انہماک تھا۔ اور خود کثرت اولاد کی تمنا جو

عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰی وَ حُسۡنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ وَاذۡكُرۡ عَبۡدَنَاۤ

ان کے لئے ہمارے ہاں (خاص) قرب اور نیک انجامی ہے ف۳۹ اور آپ ہمارے بندے ایوب کو

اَیُّوۡبَ ۘ اِذۡ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الشَّیۡطٰنُ بِنُصۡبٍ

یاد کیجیے ف۴۰ جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج و آزار

وَّ عَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرۡكُضۡ بِرِجۡلِكَ ۚ هٰذَا مُغۡتَسَلٌۢ بَارِدٌ

پہنچایا ہے ف۴۱ اپنا پاؤں زمین پر مارو یہ ٹھنڈا پانی ہے نہانے کا اور

وَّ شَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اَهۡلَهٗ وَ مِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ رَحۡمَةً

پینے کا ف۴۲ اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا کیا اور ان کے ساتھ انہیں کے اتنے (اور بھی) اپنی رحمت خاصہ کے سبب سے

مِّنَّا وَ ذِكۡرٰی لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۴۳﴾ وَ خُذۡ بِیَدِكَ ضِغۡثًا

اور اہل عقل کے لئے یادگار رہنے کے سبب سے، ف۴۳ اور اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لے لو،

فَاضۡرِبۡ بِّهٖ وَلَا تَحۡنَثۡ ؕ اِنَّا وَجَدۡنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعۡمَ

اور اسی سے مارو، اور اپنی قسم نہ توڑو ف۴۴ ہم نے ان کو (بڑا) صابر پایا کیا اچھے

الۡعَبۡدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذۡكُرۡ عِبٰدَنَاۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ

بندے تھے، اور بڑے رجوع کرنے والے تھے ف۴۵ اور آپ یاد کیجیے ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق

وَیَعۡقُوۡبَ اُولِی الۡاَیۡدِیۡ وَ الۡاَبۡصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّاۤ اَخۡلَصۡنٰهُمۡ

اور یعقوب کو جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے ف۴۶ ہم نے

بِخَالِصَةٍ ذِكۡرَی الدَّارِ ۚ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّهُمۡ عِنۡدَنَا لَمِنَ

ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا وہ یاد آخرت ہے، ف۴۷ اور بے شک یہ لوگ ہمارے ہاں

الۡمُصۡطَفَیۡنَ الۡاَخۡیَارِ ؕ ﴿۴۷﴾ وَاذۡكُرۡ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ الۡیَسَعَ

منتخب اور سب سے اچھے لوگوں میں ہیں ف۴۸ اور اسمٰعیل اور الیسع

ع ۳ ۱۲ وقف لازم

آپ کے دل میں پیدا ہوئی تھی، اس کا منشا بھی یہی خیال جہاد تھا۔ لیکن اگر کسی معاصر کے پاس زیادہ قوت واقتدار ہی نہ ہو، تو اس سے مقابلہ ومقاتلہ کے لئے بھی زیادہ ساز وسامان کی ضرورت ہی باقی نہ رہے اور یہ ساز و سامان خود میری نبوت پر ایک مستقل دلیل بن جائے۔ ليصير اقتداری عليها معجزه تدل على صحة نبوتی ورسالتی (کبیر) مِنۡۢ بَعۡدِیۡ۔ بعد ہمیشہ تاخر زمانی ہی کے لئے نہیں آتا ہے۔ علاوہ اور سوا کے معنی میں بھی آتا ہے۔ خود قرآن مجید ہی میں ہے۔ فمن يهديه من بعد الله۔ یہاں بعد صاف غیر کے معنی میں ہے۔ چنانچہ یہاں بھی من بعدی، من غیری کے مرادف ہے۔ اے سوائی (جلالین) اے لا يصح لا حد غیری (روح) اے دونی (مدارک) رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ۔ یہ عین سنت انبیاء ہے کہ رب العزت کے حضور میں کوئی حاجت عرض کرنے سے قبل استغفار بھی کر لیتے ہیں۔ دلت هذه الاية على انه يجب تقديم مهم الدين على مهم الدنيا لان سليمان طلب المغفرة اولا ثم بعدهٗ طلب الملك (کبیر) ف۳۷ (کسی جرم کی بناء پر) مطلب یہ ہوا کہ ہم نے یہ سامان کثیر انہیں دے کر معاصر سلاطین کو ان سے پست ومغلوب کر دیا۔ فَسَخَّرۡنَا...... اَصَابَ۔ آپ کی تسخیر ہوائی پر حاشیے اوپر گزر چکے۔ وَالشَّیٰطِیۡنَ۔ آپ کی تسخیر جنات خبیث کا ذکر سورۃ الانبیاء (پ۱۷) کے حاشیوں میں آچکا۔ بَنَّآءٍ...... الۡاَصۡفَادِ۔ بعض جنات تعمیرات کے ماہرین میں تھے اور بعض غواصی کر کے موتی وغیرہ نکال لاتے تھے۔ اور انہیں میں سے جو مجرم ہوتے تھے، وہ بطور سزا زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے تھے۔ ف۳۸ یعنی تم اس سارے ساز وسامان، مال وجاہ کے محض خازن یا امین نہیں ہو۔ مالک ہو اور ہر طرح تصرف کے مجاز ومختار، تم سے حساب کتاب نہ دینے پر ہوگا اور نہ نہ دینے پر۔ اے لا حساب عليك فی ذلك (مدارک) اے مهما فعلت فهو جائز لك احكم بما شئت فهو صواب (ابن کثیر) آیت سے یہ ظاہر ہو گیا کہ شریعت اسلامی میں بادشاہ ہمیشہ اور لازمی طور پر خزائن ملک کا محض امین ومتولی ہی نہیں ہوتا مالک ومختار مطلق بھی ہو سکتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سالک کا بڑا سرمایہ جمعیت قلب ہے۔ اسی لیے محققین صوفیہ کو اس کا بڑا اہتمام رہتا ہے۔ ف۳۹ اوپر ساز وسامان دنیوی کا بیان تھا، اب مقبولیت عند اللہ واجر اخروی کا بیان ہے۔ حضرت سلیمان کی مقبولیت وبرگزیدگی کی یہ تصریحات بار بار اس لیے اور بھی آئی ہیں کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے نوشتوں میں آپ کو دل کھول کر بدنام کیا ہے، اور ہر طرح کی بدعقیدگی برگشتگی وغیرہ کے الزامات آپ پر تھوپ دیئے ہیں۔ ف۴۰ ایوب علیہ السلام کا وطن علاقہ عوض میں تھا، جو فلسطین کا مشرقی حصہ حدود عرب سے متصل ہے۔ روایات یہود سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۲۱۰ سال کی عمر پائی، اور آپ کا زمانہ فرزندان یعقوب کے خروج (یعنی مصر سے بنی اسرائیل کی رہائی) تک کا عہد ہے۔ توریت میں آتا ہے۔ ”عوض کی سرزمین میں ایوب نامی ایک شخص تھا اور وہ شخص کامل اور صادق تھا، اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا (ایوب ۱۔۱۰) پھر خداوند نے شیطان سے کہا کہ کیا تو نے میرے بندے ایوب کے حال پر غور کیا کہ زمین پر اس سا کوئی شخص نہیں ہے۔ وہ کامل اور صادق ہے، اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا ہے (۱:۔۸) آپ پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے۔ ف۴۱ (یعنی مجھے آلام دماغی وجسمانی میں مبتلا کر دیا ہے) اَنِّیۡ...... عَذَابٍ۔ برائی کو بجائے حق تعالیٰ کے شیطان کی جانب منسوب کرنا یہ عین خاصان حق کے آداب میں داخل ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غیر معصیت میں شیطان کا تسلط کاملین پر بھی ممکن ہے۔ انبیاء پر شیطان کا تسلط معصیت کے باب میں ممکن نہیں، باقی اور ہر باب میں ممکن ہے۔ بِنُصۡبٍ وَّعَذَابٍ۔ نصب سے مراد عام دکھ اور تکلیف ہے۔ اور عذاب سے مراد بیماری ہے۔ نصب هو المشقة والتعب والعذاب الالم يريد مرضه (کشاف) ف۴۲ دعا جو غایت تضرع وابتہال کے ساتھ کی گئی تھی، قبول ہوئی۔ حکم ملا کہ زمین پر ٹھوکر لگاؤ، چشمہ شفا یہیں جاری ہو جائے گا۔ آپ اس پانی سے نہائے بھی اور اسے پیا بھی۔ بالکل اچھے ہو گئے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ دو چشمے تھے۔ پہلا چشمہ امراض جلدی کے حق میں شافی تھا۔ دوسرا چشمہ چند قدم آگے بڑھ کر تھا۔ اس کا پانی امراض اندرونی کے حق میں آب حیات تھا۔ اُرۡكُضۡ بِرِجۡلِكَ۔ یہ جو ایک سخت مریض کو پیر زمین پر دے پٹخنے کا حکم مل رہا ہے، اس سے (جیسا کہ تفسیر قرطبی میں نقل ہوا ہے) بعض جاہل صوفیہ نے جواز رقص نکالا ہے! ــ اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ دین وشریعت کے ساتھ تلاعب وتمسخر کوئی چودھویں صدی ہجری کی نئی ایجاد ہے۔ استغفر اللہ۔ ف۴۳ یعنی تاکہ اہل عقل یاد رکھیں کہ حق تعالیٰ صابروں کو کیسی جزا دیتا ہے۔ وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ۔ توریت میں آتا ہے:۔ ”اور خداوند نے ایوب کو آگے کی نسبت سے دونی دولت عنایت کی اور اس کے بھائی اور سب بہن اور اس کے اگلے سب جان پہچان کے اس کے پاس آئے۔ اور اس کے گھر میں انہوں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ اور اس پر افسوس کیا۔ اور ان ساری بلاؤں کے لیے جو خداوند نے اس پر نازل کی تھیں تسلی دی، اور ان میں سے ہر ایک نے اسے ایک قسیط اور ہر ایک نے اسے سونے کا ایک کرن پھول بخشا۔ اور خداوند نے ایوب کے آخر عمر میں ابتداء کی نسبت سے بہت برکت عطا کی۔ اور وہ چودہ ہزار بھیڑوں اور چھ ہزار اونٹوں اور ایک ہزار جوڑے بیل اور ایک ہزار گدھوں کا مالک ہوا“۔ (ایوب۔ ۴۲:۱۲) ف۴۴ حضرت ایوب نے حالت مرض میں، جوش غیرت دین میں آکر قسم کھائی تھی کہ بعد صحت اپنی نافرمان اور کمزور عقیدہ والی بیوی کو سو تازیانے لگائیں گے، اب آپ خاص رعایت وکرم کے مورد قرار پائے، اور حق تعالیٰ نے بطور خاص آپ کے لیے یہ راہ کشائش کی پیدا کر دی۔ لیکن یہ خصوصیت تنہا حضرت ایوب علیہ السلام کی تھی۔ اس سے عامۂ مومنین کے لیے قسم کے پوری طرح پوری نہ کرنے کا جواز نہیں نکل آتا۔ آئمہ سلف اور فقہاء مفسرین سب نے اس کی تصریح کر دی ہے۔ ”اس طرح سے قسم پورا ہو جانا یہ مخصوص ایوب علیہ السلام کے ساتھ، اب اگر کوئی ایسی قسم کھاوے تو بدون معنی متبادر کے واقع کیے ہوئے قسم پوری نہ ہوگی۔ البتہ جہاں سزا دینا واجب نہ ہو۔ وہاں قسم توڑ دینا جائز، اور جہاں جائز

ہو وہاں واجب ہوگا۔ اور اس قصہ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ احکام میں ہر جگہ حیلہ جائز ہے۔ اس میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس حیلہ سے کسی حکمت شرعیہ وغرض شرعی کا ابطال مقصود ہو وہ حرام ہے، اور جس میں یہ امر نہ ہو
ے کسی امر مطلوب شرعی کی تحصیل مقصود ہو وہ جائز ہے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) عن ابن عباس لا یجوز ذلک لاحد بعد ایوب الا الانبیاء علیھم السلام (روح) محققین نے یہ تصریح بھی کردی ہے کہ احکام
رعی کے ابطال کے لئے جواز حیلہ کی کوئی سند اس آیت سے نہیں نکلتی۔ وکثیر من الناس استدل بھا علی جواز الحیل وجعلھا اصلاً لصحتھا وعندی ان کل حیلۃ اوجبت ابطال حکمۃ
رعیۃ لا تقبل کحیلۃ سقوط الزکاۃ وحیلۃ سقوط الاستبراء (روح) بہت سے لوگوں نے اسے احکام میں حیلہ پیدا کرنے کی اصل ومدار ٹھہرالی ہے، حالانکہ ہر ایسا حیلہ ناجائز ہے، جس سے حکم شرعی کا
طال ہو، مثلاً حیلۂ سقوط زکوۃ، حیلۂ سقوط استبراء وغیرہا۔ فَاضْرِبْ بِّہٖ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ استدلال کیا ہے کہ شوہر بغرض تادیب بیوی کو سزائے جسمانی دے سکتا ہے۔ وفی ھذہ الآیۃ دلالۃ علی ان
زوج ان یضرب امراتہ تادیباً (جصاص) تضمنت ھذہ الآیۃ جواز ضرب الرجل امراتہ تادیباً (قرطبی) لیکن یہ بھی محققین نے قصہ ہی سے نکالا ہے کہ سزا محض ہلکی اور تادیب بھر کی ہو اس سے زیادہ
ہو۔ وذلک انہ لیس للزوج ان یضرب امراتہ فوق حد الادب (قرطبی) حضرت ایوب کے اس قصہ پر حاشیے سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکے۔ ف۴۵ توریت میں جو مناجات ایوبی نقل ہوئی ہے

وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٨﴾ هَٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ

اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجئے اور یہ سب اچھے لوگوں میں ہیں ف۴۹ ایک نصیحت (کا مضمون) یہ ہوا، اور

لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٤٩﴾ جَنَّاتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ

پرہیزگاروں کے لئے اچھا ٹھکانا ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے دروازے ان کے لئے

الْأَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِئِينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ

کھلے ہوں گے ف۵۰ تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے ان (باغوں) میں اور وہ وہاں بہت سے میوے اور پینے

وَشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾

کی چیزیں منگوائیں گے، اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم سنیں ہوں گی ف۵۱

هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هَٰذَا لَرِزْقُنَا مَا

یہی وہ (نعمت) ہے جس کا تم سے وعدہ روز حساب کے آنے پر کیا جاتا تھا بے شک یہ ہماری عطا ہے، اس کا کہیں

لَهُ مِن نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾ هَٰذَا ۚ وَإِنَّ لِلطَّاغِينَ لَشَرَّ مَآبٍ ﴿٥٥﴾

خاتمہ ہی نہیں ف۵۲ یہ بات ہو چکی ف۵۳ اور سرکشوں کے لئے بے شک برا ٹھکانا ہے

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾ هَٰذَا فَلْيَذُوقُوهُ

یعنی دوزخ اس میں وہ داخل ہوں گے سو وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے یہ (موجود) ہے کھولتا ہوا پانی اور پیپ،

حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَآخَرُ مِن شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ هَٰذَا

سو یہ لوگ اس کو چکھیں اور اور بھی اس کی جنس سے طرح طرح کی چیزیں ف۵۴ یہ اور ان کی جماعت

فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۖ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ صَالُوا

جو تمہارے ساتھ گھس رہے ہیں، ان پر خدا کی مار یہ بھی دوزخ ہی میں

النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوا بَلْ أَنتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۖ أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا ۖ

گھس رہے ہیں ف۵۵ وہ کہیں گے نہیں بلکہ تمہارے ہی اوپر خدا کی مار ہو تمہیں تو یہ مصیبت ہمارے آگے لائے ف۵۶

اس کے آخری الفاظ یہ ہیں:۔ "میں اپنے ہی سے بیزار ہوں اور خاک اور راکھ پر بیٹھا توبہ کرتا ہوں" (ایوب۔ ۴۲: ۶) نِعْمَ الْعَبْدُ۔ توریت میں ہے "اور خداوند نے ایوب کی طرف توجہ کی" (ایوب، ۴۲: ۹) جیسے میرے بندے ایوب نے میری بابت حق باتیں کہیں، تم نے نہیں کہیں (ایوب ۴۲: ۸) ف۴۶ یعنی قوت عملی کے بھی مالک تھے اور قوت علمی کے بھی...... انبیاء کرام عموماً اپنے تمام قوائے علمی ونظری، عملی، جسمی کے لئے ممتاز رہے ہیں۔ عِبَادَنَا۔ اضافت تشریف وتکریم کی ہے، اور عبدیت خالصہ وخاصہ پر دلالت کرتی ہے۔ الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ۔ دونوں اپنے مطلق مفہوم میں ہیں۔ اور ہر قسم کی قدرت، اور ہر قسم کی بینائی کو شامل ہیں۔ جو شایان بشر اور سزاوار پیمبر ہو۔ بعض نے یہ معنی بھی کئے ہیں کہ صاحب قوت تھے۔ نفس اور شیطان اور شیطانی قوتوں کے مقابلہ میں، اور صاحب بصیرت تھے۔ نفس اور فعل اور قلب اور روح کے معاملات میں۔ اور بعض نے اعمال ظاہری وباطنی کی جامعیت مراد لی ہے۔ اے اولی الاعمال الظاھرۃ والفکر الباطنۃ (مدارک) ف۴۷ خاصان خدا اور مقبولین حق کی اصلی اور امتیازی خصوصیت ان کی یہی یاد آخرت اور اس کا استحضار ہوتا ہے۔ الدَّارِ سے مراد دار الآخرت ہے کہ وہی دار حقیقی ہے۔ وتعریف الدار للعھد فیہ اشعار بانھا الدار فی الحقیقۃ وانما الدنیا مجاز (روح) فقہاء اور متکلمین نے آیت سے مسائل ذیل کا بھی استنباط کیا ہے۔ ۱۔ إِنَّا أَخْلَصْنَاهُم سے ظاہر ہو رہا ہے کہ فضائل نبوت وہبی ہیں، کسبی نہیں۔ أَخْلَصْنَاهُم بِخَالِصَةٍ اس پر دلیل ہے کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ معصیت کی ہلکی سی آمیزش سے بھی خلوص کامل میں نقص آجاتا ہے۔ ۲۔ أَخْلَصْنَاهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ سے یہ نکلتا ہے کہ انبیاء مخصوص وماموربہدایت وحق نمائی ہی کے لئے ہوتے ہیں، دوسرے فنون کا ان سے استفادہ محض ایک ضمنی امر ہے۔ ف۴۸ یعنی منتخب مقبولان حق کی صف میں بھی افضل واعلیٰ۔ علماء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ انبیاء بہترین خلق اللہ ہیں۔ إِبْرَاهِيمَ، إِسْحَاقَ، يَعْقُوبَ۔ سب پر حاشیے گزر چکے۔ حضرت ابراہیم کے ساتھ ساتھ حضرت اسحٰق ویعقوب کا ذکر انتہائی مدح کے موقع پر ایک اسمٰعیلی نبی کی زبان سے ادا کرنا بجائے خود ایک دلیل آنحضرت کی صداقت کی ہے۔ ف۴۹ (نہ کہ جیسا ان کے دشمنوں نے انہیں بدنام کرکے اسرائیلی نوشتوں میں لکھ دیا ہے) اسمٰعیل پر حاشیہ سورۃ البقر (پ۱) میں اور الیسع پر سورۃ الانعام (پ۷) میں اور ذوالکفل پر سورۃ الانبیاء (پ۱۷) میں گزر چکا۔ الیسع میں ال تعریف کا ہے اصل اسم یسع پر داخل ہوا ہے۔ ف۵۰ جنتوں کے دروازے جنتیوں کے انتظار واشتیاق میں پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں گے۔ انہیں کسی انتظار یا تقاضہ کی نوبت نہ آئے گی۔ ف۵۱ یعنی حوریں۔ اور ہوسکتا ہے کہ اہل جنت کی بیویاں بھی مراد ہوں۔ غرض یہ کہ اہل جنت کے لئے مادی

عیش وراحت کے بھی کل سامان موجود ہوں گے۔ اور اس پر عقل سلیم کو اعتراض کی ذرا بھی گنجائش نہیں۔ مادی لذتوں سے لطف اٹھانا بجائے خود ہرگز شریعت اور قانون فطرت کی نظر میں معیوب نہیں۔ مذموم تو ان کی صرف
ناجائز صورتیں ہیں۔ فَاكِهَةٍ پر حاشیہ اوپر گزر چکا۔ کھانے پینے کی ہر لذیذ ومرغوب چیز مراد ہے۔ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ۔ یعنی بجز اپنے مردوں کے اور کسی پر نظر نہ ڈالنے والیاں۔ دنیا میں یہ وصف خاص طور پر محمود سمجھا جاتا
ہے، اس لئے اس کا ذکر جنت کی نعمتوں کے سلسلہ میں بھی کردیا گیا۔ أَتْرَابٌ۔ محض ہم عمری یا سن وسال میں مطابقت مقصود نہیں، بلکہ شوق وپسند میں ہم آہنگی، عادات وجذبات میں یکسانی، غرض ہر ایسی باہمی مناسبت
مراد ہے جو ازدیاد لطف وموانست کا باعث ہوسکے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عین موقع ترغیب میں یہ ذکر اس کی دلیل ہے کہ مباح عورتوں کی جانب رغبت نہ حب الٰہی کے منافی ہے نہ کسی اور کمال کے، جیسا کہ
صوفیہ ناقص یا بعض اہل باطل نے سمجھ رکھا ہے۔ ف۵۲ رِزْقُنَا میں رزق کی اضافت اپنی جانب کرنا اظہار تکریم وفضائل کے لئے ہے۔ یعنی یہ خاص ہمارا عطیہ ہوگا۔ جسے کسی طرح فنا وزوال نہیں۔ جتنا چاہو کھاؤ پیو۔ جس
قدر چاہو صرف کرو، اڑاؤ، ان نعمتوں کے ذخیرے کم ہی نہ ہونے پائیں گے تو ان کے ختم ہونے کا ذکر ہی کیا۔ جنت کی نعمتیں جس طرح مقدار میں بے نہایت اور تعداد میں بے شمار وعدد ہوتی ہیں، اسی طرح ہر نعمت ابدی،
دائمی اور غیر منقطع بھی ہوگی۔ ف۵۳ یعنی یہ بشارتیں اہل سعادت سے متعلق بیان ہوچکیں، اب آگے ذکر اہل شقاوت کا آتا ہے۔ ھذا خبر والمبتدأ محذوف۔ اے الامر ھذا او ھذا کما ذکر (مدارک)

فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا

سو (جہنم) بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے، یہ لوگ دعا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار جو ہمارے آگے یہ (مصیبت) لایا سو

ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ

اسے دوزخ میں دونا عذاب دیجیو اور کہیں گے یہ کیا بات کہ ہم ان لوگوں کو (یہاں) نہیں دیکھتے جنہیں ہم بُرے لوگوں

مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ

میں شمار کیا کرتے تھے کیا ہم ہی نے ان کی ہنسی کر رکھی تھی یا ان (کے دیکھنے) سے نگاہیں

الْاَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾ قُلْ

چکرا رہی ہیں ف۵۷ یہ یعنی اہل دوزخ کا آپس میں لڑنا جھگڑنا بالکل سچی بات ہے ف۵۸ آپ کہہ دیجیے

اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾

کہ میں تو محض ڈرانے والا ہوں اور خدا تو کوئی بھی نہیں بجز اللہ واحد اور غالب کے ف۵۹

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾

(وہی) پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان کی درمیانی چیزوں کا، وہ بڑا زبردست ہے، بڑا بخشنے والا ہے ف۶۰

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ

آپ کہہ دیجیے یہ ایک عظیم الشان مضمون ہے جس سے تم (بالکل) بے پروا ہو رہے ہو ف۶۱ مجھ کو

لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى

عالم بالا کی کچھ بھی خبر نہ تھی جبکہ وہ (یعنی فرشتے) گفتگو کر رہے تھے، میرے پاس وحی تو صرف

اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اس لئے آتی ہے کہ میں بس ڈرانے والا (بنا کر بھیجا گیا) ہوں ف۶۲ (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب آپ کے

اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿٧١﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ

پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں انسان کو پیدا کرنے والا ہوں گیلی مٹی سے، پھر جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس

ف۵۴ یعنی ایسی ہی ناگوار و موجب آزار چیزیں۔ فقرہ کی ترکیب اصل قاعدہ نحوی کے اعتبار سے یوں ہوگی۔ هذا حميم وغساق فليذوقوه۔ غَسَّاقٌ۔ اس کا ترجمہ پیپ قول اکثریت کے مطابق درج کر دیا گیا۔ لیکن اس کے ایک معنی ناقابل برداشت حد تک سرد کے بھی ہیں۔ غساق الزمهرير (ابوالبقاء) اور چونکہ مقابل ذکر حمیم (انتہائی گرم) کا آچکا ہے، اس لئے یہاں چسپاں بھی انتہائی سرد، کے معنی زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابن جریر نے بھی اس معنی کا ذکر کیا ہے، اور بعض تابعین سے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ هو البارد الذي لا يستطاع من بردهٖ (ابن جریر) بارد لا يستطاع او برد لا يستطاع (ابن جریر۔ عن مجاہد) ابرد البرد (ابن جریر۔ عن ضحاک) گویا یہ دونوں صفات پانی ہی کی بیان ہوئیں کہ یا تو وہ انتہائی گرم اور یا انتہائی سرد، غرض دونوں صورتوں میں ایک ناقابل برداشت عذاب۔ قيل الحميم يحرق بحره والغساق يحرق ببردهٖ (کشاف) قال مجاهد ومقاتل هو الثلج البارد الذي قد انتهى برده وقال غيرهما انه يحرق ببرده كما يحرق الحميم بحرّهٖ (قرطبی) اور عجب نہیں کہ گرمی اور سردی کی ان انتہائی صورتوں کے لانے سے اشارہ اہل جہنم کی دنیا میں عادات افراط وتفریط کی جانب ہو۔ اَزْوَاجٌ یہاں اجناس کے معنی میں ہے۔ اے اجناس (کشاف) اے اصناف والوان من العذاب (قرطبی) مِنْ شَكْلِهٖ۔ یعنی اس ناقابل برداشت مشروب یا اس عذاب شدید و ناقابل برداشت ہی کی طرح۔ اے من مثل هذا المذوق او العذاب في الشدة والفظاعة (روح) شكله۔ ضمیر حمیم وغساق کے مجموعہ کی جانب ہے، اور اس لئے بجائے تثنیہ کے واحد ہے۔ ف۵۵ یہ کافروں کے سرغنہ اور سردار کہیں گے، جب وہ جہنم میں اپنے پیرووں کی کسی ٹکڑی کو آتے دیکھیں گے۔ ف۵۶ (اور تمہیں نے تو ہمیں بہکایا) یہ مقلدین اور عوام اپنے سرداروں سے کہیں گے۔ ف۵۷ دوزخیوں کو اپنے اصل عذاب کے علاوہ ایک عذابی حسرت یہ بھی ہوگی کہ جب دوزخ میں کہیں اہل ایمان کا پتہ نشان نہ پائیں گے جنہیں دنیا میں مستحق صد تحقیر واستہزاء سمجھتے رہتے تھے، تو آپس میں کہیں گے کہ وہ لوگ تو کہیں دیکھ نہیں پڑتے جنہیں ہم دنیا میں اتنا برا سمجھا کرتے تھے۔ کہیں ہماری ہی ہنسی تو سراسر بیجا نہ تھی۔ یا یہ بات ہے کہ وہ ہیں یہیں لیکن ہماری نظر ان پر نہیں جمتی! ف۵۸ یہ سرتاسر حقائق ہیں۔ انہیں شاعری یا انشا پردازی سمجھ کر نظر انداز نہ کرو اور ہلکا نہ سمجھو۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی اہل جہنم کے درمیان منازعہ ومخاصمہ۔ اے الذي حكينا عنهم (مدارک) ف۵۹ (نعوذ باللہ مجھ میں کوئی شائبہ الوہیت تھوڑے ہی ہے، اور میں کیا کوئی دعوی کسی معنی میں بھی اپنی خدائی کا کرتا ہوں۔ معبود تو وہی ایک سب پر غالب ہے، اور میں اس کی طرف سے محض تنبیہ کرنے والا) مِنْ اِلٰهٍ۔ من زائدہ، استغراق نفی کے لئے ہے۔ الْوَاحِدُ۔ وہ جس طرح اپنی صفات میں یکتا ہے، عددی حیثیت سے بھی یکتا ہے۔ نہ کوئی اس کا ثانی نہ کوئی اس کا اقنوم یا مظہر۔ الْقَهَّارُ۔ وہی سب پر حاکم وغالب، اس پر کوئی بھی حاکم ومتصرف نہیں۔ اے هو وحده قد قهر كل شيء وغلبه (ابن کثیر) القهر الغلبة والتذليل معا...... والقهره سلط عليه (راغب) اسم ''قہار'' کو بعض لوگوں نے اردو کے ''قہار'' پر بڑے غصہ ور کے معنی میں لیا ہے جو سرتاسر مہمل ہے۔ ف۶۰ وہ اپنے ہر ارادہ پر قادر ہے، نیز ہر ایک کی مغفرت پر کوئی قید، کوئی شرط، نہ اس کی قوت وقدرت پر عائد ہوتی ہے نہ اس کی صفت غفاری پر۔ یہ رد ہے ان گمراہ قوموں کا جنہوں نے خدا کی قدرت وقوت کو محدود سمجھا ہے۔ اور یہ عقیدہ پھیلایا ہے کہ وہ ''کرم'' (مکافات) کے قاعدہ کے آگے خود مجبور ہے کسی کو اپنی طرف سے معاف کر ہی نہیں سکتا اور یہ کہ بغیر عوض وکفارہ کے وہ مغفرت سے معذور ہے۔ ف۶۱ (اور یہ بے پروائی تمہارے ہی آگے آئے گی) هُوَ۔ یعنی یہی مضمون توحید ورسالت يمكن ان يكون المراد ان القول بان الاله واحد نبأ عظيم و يمكن ان يقال المراد ان القول بالنبوة نبأ عظيم (کبیر) بعض نے هُوَ سے مراد قرآن بھی لیا ہے۔ ف۶۲ (اور مجھے اب جو اس کی خبر ہوئی ہے وہ محض وحی کے ذریعہ سے) يَخْتَصِمُوْنَ۔ اللہ سے فرشتوں کی گفتگو میں سوال وجواب تو بہرحال واقع ہوا ہی تھا اس کی اختصام سے تعبیر اسی ظاہری مشابہت کی بناء پر ہے۔ لا شك ان جزى هناك سوال و جواب و ذلك يشابه المخاصمة والمناظرة والمشابهة علة لجواز المجاز فلهذا السبب حسن اطلاق لفظ المخاصمة عليه (کبیر)

ف۶۳ خلق آدم، گفتگوئے ملائکہ وغیرہ پر تفصیلی حاشیے سورۃ البقرہ (پ۱) میں گزر چکے اور اس کے بعد بھی سورۃ الاعراف وغیرہ میں۔ سٰجِدِيْنَ۔ سجدہ کے معنی یہاں بطور تواضع محض کے بھی کیے گئے ہیں، اور سجدۂ تعظیمی کے بھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تھا۔ قيل كان انحناء يدل على التواضع و قيل كان سجدة لله او كان سجدة التحية (مدارک) مِنْ رُّوْحِيْ میں اضافت یا تو تملیکی ہے، یعنی ہماری مملوک و مخلوق خاص یا اضافت تشریفی، یعنی وہ روح جو ہماری نسبت سے مکرم و مشرف ہے۔ یا تخصیصی، یعنی وہ زندگی یا جان جس میں ہمارے سوا کوئی دوسرا تعلق نہیں امام رازی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ من روحي میں اللہ نے روح کو اپنی جانب نسبت دے کر اس امر کو ظاہر کر دیا ہے کہ روح ایک جوہر شریف و معظم ہے۔ و لما اضاف الروح الى نفسه دل على انه جوهر شريف علوي قوي (کبیر) امام رازی علیہ الرحمۃ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلقت انسانی کی تکمیل دو امور پر موقوف ہے، پہلے تسویہ جسد اور پھر نفخ روح پر۔ مِنْ طِيْنٍ "خلق آدم کا مادہ کہیں طین آیا ہے کہیں تراب کہیں صلصال من حما مسنون اور ان میں کچھ تعارض نہیں۔ کہیں مادۂ قریبہ بتلا دیا کہیں مادۂ بعیدہ" (تھانوی علیہ الرحمۃ) المادة البعيدة هو التراب و اقرب منه الطين و اقرب منه الحما المسنون و اقرب منه الصلصال فثبت انه لا منافاة بين الكل (کبیر) توریت میں ہے:۔ "اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا۔ سو آدمی جیتی جان ہوا"۔ (پیدائش ۲: ۷) ف۶۴ (اس صریح نافرمانی کے نتیجہ کے طور پر) عزازیل جس کا لقب بعد کو ابلیس پڑا فرشتہ نہ تھا، جن تھا۔ جیسا کہ سورۃ الکہف میں بصراحت مذکور ہے۔ تعظیم آدم کا حکم جب فرشتوں کو ہوا جو اشرف و اعلیٰ تھے تو جنات جو ان سے پست و فروتر تھے اس حکم کے مخاطب بدرجہ اولیٰ ہوئے۔ اِبْلِيْسَ۔ ابلیس پر مفصل حاشیے سورۃ البقر (پ۱) اور سورۃ الکہف (پ۱۵) میں گزر چکے۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ حکم سجدہ سے ضروری نہیں کہ یہی متعارف و اصطلاحی سجدہ مراد ہو۔ ہو سکتا ہے کہ مطلق انحناء اور محض تعظیم مراد ہو۔ حاشیے پہلے گزر چکے۔ ف۶۵ یعنی اس کی ایجاد کی طرف خاص عنایت ربانی متوجہ ہوئی۔ یہ تو اس کا شرف فی نفسہٖ ہوا۔ اور پھر اس کے روبرو سجدہ کرنے کا حکم بھی مل چکا (تھانوی علیہ الرحمۃ) بِيَدَيَّ۔ ید کے معنی یہاں قدرت کے بھی کیے گئے ہیں اور نعمت کے بھی۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ جب کوئی سلطان اعظم کسی عمل کو اپنے دست خاص کی جانب منسوب کرتا ہے تو اس سے اس کی مراد عنایت خاص ہوتی ہے۔ تخلیق آدم براہ راست اور بلا واسطہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ قيل لما خلقت بغير واسطة (قرطبی) يدى کے صیغۂ تثنیہ کی توجیہ میں بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ مراد صفات جمال و جلال ہیں۔ اور یہ ام الصفات ہیں۔ صفات لطف و قہری کی ایک تعبیر قوائے ملکوتی و قوائے حیوانی سے بھی کی جا سکتی ہے۔ ف۶۶ (جسے سجدے کا حکم ملنا ہی نہ تھا) اَسْتَكْبَرْتَ۔ استکبار سے مراد یہ ہے کہ واقع میں تو بڑا نہیں تھا، لیکن اپنے کو بڑا سمجھ لیا۔ ف۶۷ (اور آگ اس کے مقابلہ میں عالی و لطیف ہے۔ تو سافل و کثیف کے روبرو عالی و لطیف کیسے جھکے؟) ابلیس احمق اتنا نہ سمجھا کہ اول تو مٹی پر آگ کی ہر جہتی افضلیت و اشرفیت ہی مسلم نہیں، اور بالفرض ہو بھی تو کیا کسی مصلحت سے افضل کو غیر افضل، اشرف کو غیر اشرف کے آگے نہیں جھکایا جا سکتا؟۔۔۔ ایک مفسر نے اس حقیقت سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ ابلیس جب اتنا کج فہم ہے تو انسان کو اس سے ڈرنا ہی کیا، بجز اس کے کہ انسان اپنی قوت ارادی سے کام نہ لے کر خود ہی اپنے کو نور عقل سے محروم کر دے! مناظرہ ابلیس حضرت حق پر اور ابلیسی منطق کی سفاہت پر حاشیے پہلے بھی گزر چکے ہیں۔ ف۶۸ (اور جو اس وقت تک ملعون رہا، اس کے لیے اس کے بعد مغفوریت کا احتمال ہی نہیں) اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ محاورۂ زبان میں دوام اور ہمیشگی کے اظہار کے لیے ہے۔ یہ مراد نہیں کہ قیامت کے بعد ملعونیت مغفوریت سے بدل جائے گی۔ و لا يظن ان لعنته غايتها يوم الدين ثم تنقطع لان معناه ان عليه اللعنة في الدنيا وحدها فاذا كان يوم الدين اقترن بها العذاب (مدارک) مِنْهَا۔ ضمیر مؤنث غائب جنت کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور سماوات کی طرف بھی۔ اي من الجنة او من السمٰوٰت (مدارک) ف۶۹ (موت سے) اتنی طویل مہلت زندگی ابلیس نے یہ خیال کر کے مانگی کہ اس وقت تک خوب آدم و اولاد آدم سے اپنے مردود ہونے کا انتقام لیتا رہوں۔ ف۷۰ (کہ تو بھی اپنے دل کے حوصلے نکال دیکھ) ف۷۱ ابلیس اپنے سارے دم خم، اور اتنے بلند بانگ دعووں کے باوجود حق تعالیٰ کے ان بندوں کے سامنے شروع ہی سے ہار مانے ہوئے ہے جو اپنے کو اس کے اثرات سے بچانے کی فکر و اہتمام میں لگے رہتے ہیں اور ان کے حق میں اسے اغواء تک کی ہمت نہیں ہوتی۔ اِلَّا ...... الْمُخْلَصِيْنَ۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے یہاں یہ نکتہ کہا ہے کہ ابلیس نے یہ استثناء کر کے اپنی سچائی کو قائم رکھا۔ یعنی اندھا دھند یہ دعویٰ نہیں کر بیٹھا کہ میں سارے ہی انسانوں کو بہکا لوں گا، بلکہ اللہ کے نیک و پارسا بندوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا۔ تو جھوٹ ایسی گندی چیز ہے جس سے ابلیس تک کو حیا آئی، تو اس مسلمان کی حالت پر حیف ہے جو مومن ہو کر جھوٹ سے پرہیز نہ کرے! و عند هذا يقال ان الكذب شيء يستنكف منه ابليس فكيف يليق بالمسلم الاقدام عليه (کبیر) لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ شیطان اس فقرہ میں اغواء کو اپنی ذات کی جانب منسوب کر رہا ہے۔ گویا مذہب قدریہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ لیکن دوسرے موقعہ پر رب بما اغويتني کہہ کر اغواء کو حق تعالیٰ کا فعل قرار دے چکا ہے، گویا مسلک جبریہ کا اظہار کر چکا ہے۔ اور دونوں مقولوں کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں وہ حیران و متردد ہی ہے۔ و هذا يدل انه متحير في هذه المسئلة (کبیر) لَاُغْوِيَنَّهُمْ۔ لفظ اغواء پر خوب غور کر لیا جائے، اغواء کی حقیقت صرف وسوسہ اندازی کی ہے۔ ابلیس کے بس میں اس سے زیادہ

مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ

میں اپنی (طرف سے) جان ڈال دوں تو تم اس کے روبرو سجدہ میں گر پڑنا، ۶۳ چنانچہ سارے کے سارے

كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ

فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ہاں ابلیس نے (نہ کیا) وہ غرور میں آ گیا اور کافروں میں

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا

سے ہو گیا ۶۴ (اللہ نے) فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے اس کے روبرو سجدہ کرنے سے روکا جسے

خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾

میں نے اپنے دست خاص سے بنایا ۶۵ کیا تو غرور میں آ گیا، یا یہ کہ تو واقعی بڑے درجہ والوں میں سے ہے؟ ۶۶

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ

وہ بولا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے تو نے گیلی مٹی

طِيْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ

سے بنایا ۶۷ ارشاد ہوا تو پھر تو یہاں سے نکل، کیوں کہ بے شک تو مردود ہو گیا اور بے شک تجھ پر

لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ

میری لعنت رہے گی قیامت کے دن تک ۶۸ وہ بولا کہ اے میرے پروردگار تو مجھے لوگوں کے جی اٹھنے کے دن تک

يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ

مہلت دے، ۶۹ ارشاد ہوا جا تجھے مہلت دے دی جائے گی روز موعود

الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا

تک ۷۰ بولا کہ مجھ کو بھی تیری ہی عزت کی قسم کہ میں سب کو بہکاؤں گا بجز

عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ ؗ وَالْحَقَّ

ان میں سے ان بندوں کے جو منتخب کر لئے گئے ہیں ۷۱ ارشاد ہوا کہ سچ یہ ہے اور سچ تو میں (ہمیشہ)

کچھ بھی نہیں کہ وہ معصیتوں اور نافرمانیوں کو خوشنما اور خوش رنگ بنا کر پیش کر دے۔ وہ زیادہ سے زیادہ بس یہی کر سکتا ہے، اور اس سے آگے اپنے فخریہ اور تعلّی آمیز دعووں کے وقت بھی نہیں بڑھتا۔
و۲۷ یعنی تو اگر اپنے دعوے میں کامیاب ہو بھی گیا، تو اس میں حق تعالیٰ کا کیا ضرر۔ تو خود اور تیرے چیلے چانٹے، جو بھی تیرا دم بھریں گے خود ہی سزا بھگتیں گے۔ مِنۡكَ۔ مراد جنس شیطانی سے ہے۔ ای من جنسک و هم الشیاطین (کبیر) اس سے ملتا ہوا مضمون سورۃ الاعراف (پ۸) میں اور سورۂ ہود (پ۱۱) میں آچکا ہے۔ وہاں کے حاشیے بھی ملاحظہ کر لیے جائیں۔ و۳۷ (کہ اپنی عادت تصنع کے مطابق جھوٹا دعوئے نبوت کر رہا ہوں) جھوٹے دعوئے نبوت کے محرک دو ہی ممکن تھے۔ یا جاہ و مال کے قسم سے کسی معاوضہ کا خیال تو اس کی نفی مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ میں آگئی۔ اور یا محض عادت یا

قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ ... اَقُوۡلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ

کہتا ہی ہوں کہ میں بھی تجھ سے اور ان میں سے جو تیرا ساتھ دیں ان سب سے دوزخ کو

اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۸۵﴾ قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّمَاۤ

بھر دوں گا و۲۷ آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس (قرآن) پر کوئی بھی معاوضہ نہیں چاہتا ہوں اور نہ

اَنَا مِنَ الۡمُتَكَلِّفِيۡنَ ﴿۸۶﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۷﴾

میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں و۳۷ یہ (قرآن) تو دنیا جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے

وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِيۡنٍ ﴿۸۸﴾ ع

اور تھوڑے ہی دن بعد تم اس کا حال معلوم کر کے رہو گے و۴۷

آیاتها ۷۵ — ۳۹ سُوۡرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ ۵۹ — رکوعاتها ۸

اس کی پچھتر آیتیں — سورۂ زمر مکہ میں نازل ہوئی — اور آٹھ رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ

یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے، اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے و۱ بے شک ہم نے آپ کی طرف

اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّيۡنَ ﴿۲﴾

(اس) کتاب کو ٹھیک ٹھیک نازل کیا ہے، سو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کی عبادت کرتے رہیے و۲

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيۡنُ الۡخَالِصُ ؕ وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ

یاد رکھو عبادت خالص اللہ ہی کے لئے ہے، اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور شرکاء

اَوۡلِيَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى ؕ اِنَّ

تجویز کر رکھے ہیں (کہ) ہم تو ان کی پرستش بس اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں و۳ بے شک

ع ۵ ۲۴ ۱۲ — وقف لازم

اقتضاء طبعی۔ سو اس کی نفی وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَكَلِّفِيۡنَ سے ہو رہی ہے۔ و۴۷ یعنی مرنے کے ساتھ ہی حقیقت کھل جائے گی، لیکن اس وقت نفع کچھ بھی نہ ہوگا۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس سورت میں قرآن مجید کی مدح تین جگہ آئی اور تینوں جگہ اس کو ذکر سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ شروع میں ذی الذکر سے، درمیان میں لیتذکر سے اور آخر میں ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ سے۔ اِنۡ...... لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۔ یعنی یہ کلام تو تمہارے ہی نفع کے لیے ہے اور میں اس کی تبلیغ پر مامور و۱ (اور ان رسول کی گڑھی ہوئی نہیں) الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ۔ اسم عزیز کا تقاضا تو یہ تھا کہ انکار و تکذیب کرنے والوں کو سزا فوراً مل جاتی۔ اسم حکیم کے تقاضہ نے مہلت طویل کو ممکن کر دیا۔ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ۔ ترکیب نحوی میں مبتدا ہے۔ اور من اللہ خبر۔ و۲ (جیسا کہ اب تک بھی کرتے رہے ہیں) بِالۡحَقِّ۔ یعنی حکمت و مقصد کے ساتھ۔ یوں ہی بلا مقصد نہیں۔ اور جائز ہے کہ ب کو سببیہ قرار دے کر معنی یہ کیے جائیں کہ ہم نے یہ کتاب آپ پر تائید حق کی غرض سے نازل کی ہے۔ ای انزلناه بسبب الحق ای اثباته و اظهاره (روح) اَنۡزَلۡنَاۤ۔ ابھی ابھی قرآن مجید کے لیے تَنۡزِيۡلُ آچکا ہے، جس کے مفہوم میں تدریج داخل ہے، اور اب صیغہ انزال آ گیا جس سے بظاہر دفعۃً نزول معلوم ہوتا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے از خود سوال پیدا کر کے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جہاں انزال آیا ہے وہاں مراد یہ ہے کہ آپ پر کتاب نازل کرنے کا حکم ایک کلی صورت میں ہو گیا۔ اور جہاں تنزیل ہے وہاں مراد یہ ہے کہ واقعۃً و عملاً کتاب کا نزول تدریج کے ساتھ ہوا ہے۔ و۳ (اور باقی ان کی عبادت کو کچھ مقصود بالذات تھوڑے ہی سمجھتے ہیں) مَا نَعۡبُدُهُمۡ...... زُلۡفٰى۔ اس مختصر سے فقرہ کے اندر شرک کا سارا فلسفہ آ گیا ہے۔ حضرات انبیاء کی مسلسل تعلیم و تبلیغ توحید کا اثر دنیا پر یہ پڑا ہے کہ اب کوئی بڑے سے بڑا مشرک فرقہ بھی کھلم کھلا دو یا زائد خداؤں کا قائل نہیں رہا ہے۔ بلکہ ہر ایک اپنے کو مشرک کہلاتے شرمانے لگا ہے اور اپنے شرک کی طرح طرح تاویل کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ تو اب مشرکین کہتے کیا ہیں کہ خدائے عظیم و برتر تو بس ہمارا بھی ایک ہی ہے، لیکن بات یہ ہے کہ کائنات کے ہر ہر شعبہ حیات کا انتظام و تصرف تو الگ الگ دیوی دیوتا یا خدائے اصغر کے سپرد ہے۔ اور ہم تو ان دیوی دیوتاؤں کو محض ایک واسطہ یا وسیلہ اسی معبود اعظم تک رسائی کے لیے بنائے ہوئے ہیں۔ کچھ ہم اس کی توجہ کے منکر تھوڑے ہی ہیں۔ مسیحی و مشرکانہ عقائد کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيۡنُ الۡخَالِصُ یعنی اور کوئی اس کی معبودیت میں شریک نہیں۔ الا لله یفید الحصر و معنی الحصران یثبت الحکم فی المذکور و ینتفی عن غیر المذکور (کبیر) وَ الَّذِيۡنَ...... اَوۡلِيَآءَ۔ آیت کا مضمون ہم مسلمانوں کے بہت ڈرنے کا ہے۔ پیروں، بزرگوں، اولیاء و صالحین کو زندگی کے مختلف شعبوں میں (رزق دلانے میں، شفا بخشنے میں، مقدمہ جتا دینے میں، وغیرہا) حاکم و متصرف سمجھ لینے کا عقیدہ ہمارے اندر بھی کس کثرت و شدت سے شائع ہو گیا ہے! مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خواص باری تعالیٰ میں غیر کے لیے اثبات مطلقاً مذموم ہے۔ اور اس میں ما بالذات و ما بالغیر کا فرق معتبر نہیں"۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کی عبادت بہر صورت حرام ہے۔ خواہ بطور توسل اور بہ گمان رضاء الٰہی ہی ہو۔ فقہاء نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ توسل غیر اللہ اگر صرف درجہ تدبیر میں ہو تو بالکل جائز ہے، مثلاً مریض کا دوا پینا، یا اہل حاجت کا حکام و امراء سے رجوع کرنا، لیکن اگر کسی کو فاعل حقیقی، قادر، نافع و ضار سمجھ کر دعا کی یا کرائی، تو یہ صریح حرام ہے۔ صالحین و انبیاء کرام کی تعظیم صرف انہیں طریقوں سے جائز ہے، جن پر دلائل شرعی قائم ہیں۔ خواہ نصاً خواہ استنباطاً۔ فقہائے مالکیہ نے لِلّٰهِ الدِّيۡنُ الۡخَالِصُ سے یہ استنباط کیا ہے کہ ہر عمل کے لیے نیت عمل واجب ہے۔ خصوصاً وضو کے لیے (قرطبی)

اللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۬ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا

اللہ ان کے درمیان فیصلہ کردے گا جس بات میں یہ باہم اختلاف کررہے ہیں بے شک اللہ اسے راہ پر

يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴿۳﴾ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ

نہیں لاتا جو جھوٹا ہو، ناشکرا ہو ف۴ اگر اللہ کسی کو اولاد بنانے کا

وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ

ارادہ کرتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا انتخاب کرلیتا وہ پاک ہے ف۵ وہ اللہ

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۴﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ

واحد ہے زبردست ہے ف۶ آسمان اور زمین اس نے حکمت سے پیدا کیے ہیں وہ رات کو

يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ

لپیٹتا ہے دن پر اور دن کو لپیٹتا ہے رات پر اور اس نے سورج

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَلَا هُوَ

اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک وقت مقررہ تک چلتا رہے گا ف۷ یاد رکھو وہ

الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۵﴾ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ

غالب ہے بڑا بخشنے والا ہے ف۸ اسی نے تم لوگوں کو ایک ذات سے پیدا کیا پھر اسی سے

مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ

اس کا جوڑا بنایا ف۹ اور تمہارے لیے اس نے چارپایوں کے آٹھ (تعداد میں) جوڑے پیدا کیے ف۱۰

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ

وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ میں بناتا ہے ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر تین تین

ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

تاریکیوں میں ف۱۱ یہی ہے اللہ تمہارا پروردگار اسی کی حکومت ہے کوئی خدا بجز اس کے نہیں،

ف۴ (اس لیے کہ وہ یافت حق کا قصد ہی نہیں کرتا) بَيْنَهُمْ۔ یعنی اہل توحید واہل شرک کے درمیان۔ اِنَّ...... يَخْتَلِفُوْنَ۔ یہ فیصلہ یعنی عملی مشاہد فیصلہ اس صورت میں قیامت میں ہوگا کہ اہل ایمان جنت میں جگہ پائیں گے، اور اہل کفر دوزخ میں جھونک دیے جائیں گے — رسول اللہ ﷺ کو تسکین دی گئی ہے کہ آپ ان اہل باطل کی ہٹ دھرمی پر زیادہ غم وفکر نہ کریں انہیں قیامت کے دن پوری سزا مل کر رہے گی۔ كٰذِبٌ كَفَّارٌ۔ یعنی زبان پر عقیدۂ باطل، اور دل سے عقیدۂ کفریہ کا قائل۔ صوفیہ نے کہا ہے کہ اس میں اس شخص کے لیے بھی تہدید نکل آئی، جو اپنے لیے ولایت کے کسی مرتبہ کا جھوٹا دعوی کرتا ہے، اور لَا يَهْدِيْ میں اس کے حرمان کی طرف اشارہ ہے۔ علماء محققین نے کہا ہے کہ توفیق الٰہی مومن راستباز کے لیے ہے، نہ کہ کافر حیلہ باز کے لیے۔ ف۵ (کہ اس کو کسی ارادہ کی ضرورت لاحق ہو) انسان کو اولاد کی ضرورت اور خواہش جن جن اغراض سے بھی ہوتی ہے، حق تعالیٰ ان سب سے پاک و برتر ہے۔ ف۶ اسم الْوَاحِدُ میں اشارہ ہے توحید ذاتی کی طرف اور الْقَهَّارُ میں توحید صفاتی کی جانب۔ اردو میں قہر اور قہار، غضب اور غضبناک کے مرادف سمجھے جاتے ہیں، عربی میں الْقَهَّارُ غالب وزبردست کے معنی میں ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ واحد بھی ایک اور یکتا ہے، اور چونکہ کوئی اس جیسا غلبہ وقوت والا نہیں۔ اس لیے کسی میں صلاحیت بھی اس کے شریک بننے کی نہیں۔ ف۷ آسمان، زمین، رات، دن، سورج وچاند، سب اس کے مخلوق اور سرتاسر اس کے تابع ومحکوم ہیں۔ معبود یا دیوی دیوتا بننے کی صلاحیت ان میں سے ذرہ بھر بھی کسی میں نہیں — مشرک قوموں نے ان سب کی پوجا کی ہے۔ بِالْحَقِّ۔ متکلمین نے کہا ہے کہ یہ کارگاہ عالم بطور حقائق امور کے ہے بطور وہم وشک کے نہیں، جیسا کہ فلاسفہ سفسطائیہ کا مسلک ہے۔ ف۸ اسم عزیز کے تقاضہ سے ہر وقت ہر سزا پر قادر۔ اور اسم غفار کے تقاضہ سے ہر پچھلے کفر وطغیان کو معاف کرنے والا۔ بہرصورت مشرکوں کے دیویوں دیوتاؤں کی طرح معذور، مجبور، پابند کسی حال میں نہیں۔ ف۹ یعنی حضرت حوا، زوج آدم کو پیدا کیا۔ مِنْهَا۔ یعنی اسی ذاتِ واحد سے۔ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔ آیت میں خطاب عام نسل انسانی کو ہے۔ ''دانایانِ فرنگ''، جن کی ہر دانائی پر نادانی خندہ زن ہے، مدتوں اسی میں سرگرداں رہے کہ نسل انسانی کا مورث کوئی ایک ہی ہے، یا مختلف ومتعدد ہیں۔ اور اب کہیں جا کر وحدتِ نوع کے قائل ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم نے صدیوں پیشتر یہ فیصلہ ناطق سنا دیا تھا کہ گورے اور کالے، مشرقی اور مغربی زرد اور سرخ سب ایک ہی مورث کی اولاد ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی — نیز ملاحظہ ہو سورۃ النساء (پ۴) ف۱۰ یعنی بھیڑ اور بکری، اونٹ اور گائے کے نرومادہ کل آٹھ ہوئے۔ ف۱۱ (اور یہ سب اس کے حکیم ہونے کے شواہد ودلائل ہیں) فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ۔ جنین خود ایک جھلی کے اندر رہتا ہے، جھلی رحم کے اندر ہوتی ہے، اور خود رحم شکم کے حصہ زیریں میں چھپا ہوا ہے، یہ تین تین پردے اور تاریکیاں ہوئیں — ضلع الٰہ آباد کے قریب کے رہنے والے ایک نامور وممتاز ہندو ڈاکٹر جن کا انتقال ابھی چند سال ہوئے ہوا ہے، خاص شہر الٰہ آباد میں مطب کرتے تھے۔ ان کے متعلق ایک معتبر راوی نے بیان کیا کہ وہ درپردہ مسلمان ہوگئے تھے۔ اور قرآن کی صداقت کے قائل اسی آیت کی بنا پر ہوگئے تھے۔ کہتے تھے کہ ایک امی عرب کے لیے اس ظاہری طبی حقیقت سے، آج سے تیرہ چودہ سو برس پہلے واقف ہوجانا ناممکن تھا۔ فِيْ بُطُوْنِ۔ بطن کے معنی پیٹ کے ہیں، یعنی اس بڑے جوف یا ظرف کے، جس میں رحم، انثیین رحم، احشاء، امعاء سب کچھ شامل ہیں۔ سیاق میں اس لفظ کی وسعت قابل غور ہے۔ تاریکیوں یا تغیرات جنین کا تعلق رحم سے ہو یا ملحقاتِ رحم سے۔ جدید وقدیم طبی تحقیقات کے ماتحت جو کچھ بھی ہوتا ہے سب بطن ہی کے حدود کے اندر ہوتا ہے۔ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ۔ ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت، ایک تغیر کے بعد دوسرا تغیر، جو شخص بھی جنین کے تغیرات سے واقف ہے، اس پر روشن ہے کہ نو مہینہ تک کتنے تغیرات ہر روز ہوا کرتے ہیں۔

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۶﴾ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا

سو تم کہاں پھرے چلے جا رہے ہو و۱۲ اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تمہارا حاجت مند نہیں و۱۳ اور نہ

يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ

وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند کرتا ہے، اور اگر تم لوگ شکر کرو گے تو وہ اسے تمہارے لئے پسند کرتا ہے و۱۴

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ

اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا و۱۵ پھر تمہیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

جانا ہو گا سو وہ تم کو تمہارے (سارے) اعمال بتلا دے گا بے شک وہ دلوں تک کی باتوں کا

الصُّدُوْرِ ﴿۷﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ

جاننے والا ہے و۱۶ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے پروردگار کو اسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے،

ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ مِنْ

پھر جب اللہ اس کو اپنے پاس سے نعمت عطا کر دیتا ہے تو پیشتر جس کے لئے (اس کو) پکار رہا تھا

قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ

بھول جاتا ہے اور اللہ کے شریک بنانے لگتا ہے، جس سے وہ اللہ کی راہ سے (دوسروں کو بھی) گمراہ کرتا ہے، آپ کہہ

بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴿۸﴾ اَمَّنْ هُوَ

دیجیے کہ اپنے کفر کا مزہ کچھ دن اور اٹھا لے، تو دوزخیوں میں سے تو ہونے والا ہی ہے و۱۷ بھلا جو شخص

قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا

رات کے اوقات میں سجدہ و قیام کی حالت میں عبادت کر رہا ہو، آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کی

رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ

امید کر رہا ہو و۱۸ آپ کہیے کہ کیا علم والے اور بے علم کہیں برابر بھی

و۱۲ (اے مشرکو!) یعنی معبودیت و مالکیت، حاکمیت سب اسی کی ہے۔ کسی اور میں اس کی صلاحیت ہی کہاں ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ یہ جتنے تغیرات خلقت انسانی سے متعلق بیان ہوئے ان میں قطعاً کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں۔ و۱۳ اس میں بھی رد ہے ایک مشرکانہ عقیدہ کا، بہت سی جاہلی قوموں کا اعتقاد رہا ہے کہ ان کے ٹھاکر اور دیوتا خود اپنے پجاریوں کی پوجا اور بھینٹ کے محتاج ہیں، اور یہ اختیار میں پجاریوں کے ہے کہ جسے چاہیں دیوتا بنا لیں، اور جب جسے چاہیں اس منصب سے معزول کر دیں۔ و۱۴ مشیت الٰہی کا قانون تکوینی دوسرا ہے، یہاں بیان مرضیات الٰہی کے قانون تشریعی کا ہو رہا ہے۔ بندوں ہی کے نفع و مصلحت کی خاطر حق تعالیٰ کو پسند صرف طریق ایمان ہے۔ طریق کفر سرتاسر ناپسند اور نامقبول ہے۔ وَاِنْ تَشْكُرُوْا۔ مراد طریق توحید و ایمان ہے۔ و۱۵ (قیامت میں) اور دنیا میں بھی کافر کا کفر کسی دوسرے تک متعدی نہیں ہوتا ہے۔ اسی کی ذات تک رہتا ہے۔ بیان لعدم سرایة کفر الکافر الی غیرہ (روح) آیت عقیدۂ کفارہ کی بھی تردید کر رہی ہے، جس پر مسیحیت کا دار و مدار ہے۔ و۱۶ (اس کے لیے تمہارے ظاہر و باطن دونوں پر اطلاع کامل کیا دشوار ہے) و۱۷ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ۔ آیت میں انسان سے مراد ناشکر گزار، کافر و مشرک قسم کا انسان ہے۔ کہ جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے جب تو وہ اخلاص کے ساتھ توحید کا قائل ہو جاتا ہے اور اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ اور جب وہ تکلیف دور ہو جاتی ہے اور اس کی بجائے نعمت راحت و امن اُسے مل جاتی ہے، تو وہ اپنی اس تکلیف کو بھول بھال کر نہ صرف یہ کہ خود بدستور پھر گمراہی میں پڑ جاتا ہے، بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے لگتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے مہلت چندروزہ ہے اور انجام کار دوزخ ہے۔ الظاهر ان الانسان هنا جنس الكافر (بحر) و۱۸ (کہیں ایسا شخص اور مشرک برابر ہو سکتے ہیں؟) مراد ایسے شخص سے ہے جس کے عقائد بھی درست ہوں، اور اعمال بھی، باطن بھی آراستہ ہو اور ظاہر بھی، عقائد میں وہ توحید اور یوم جزاء پر ایمان رکھتا ہو۔ اور اعمال میں یہ کیفیت ہو کہ رات جو عموماً غفلت کا وقت ہوتا ہے، اس وقت بھی وہ سجود و قیام یعنی نماز و عبادت میں مشغول ہو۔ خلاصہ یہ کہ تمام آداب معبودیت کی ادائی کا اہتمام رکھتا ہو۔ بلا قصور و بلا فتور ظاہراً بھی باطناً بھی۔ يَحْذَرُ...... رَبِّهٖ۔ مقام خوف پر نام صرف آخرت کا آنے، اور محل رجاء میں رب کا ذکر آنے سے محققین عارفین نے یہی سمجھا ہے کہ حضرت حق میں رجا کا پہلو خوف پر غالب رہنا چاہیے۔ هذا يدل على ان جانب الرجاء اكمل واليق بحضرة الله تعالىٰ (کبیر)

لَا يَعْلَمُوْنَ ۗ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۹﴾ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ

ہوتے ہیں؟ نصیحت تو بس وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں و۱۹ آپ کہہ دیجیے اے میرے ایمان والے

اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۗ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

بندو اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو، جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے

حَسَنَةٌ ۗ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۗ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ

نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے و۲۰ ثابت قدم رہنے والوں کو بھی

اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ

اجر بے شمار ملے گا و۲۱ آپ کہہ دیجیے کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں اللہ کی عبادت خالص

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ

اسی کی عبادت کرتے ہوئے کروں، اور مجھے یہ بھی حکم ملا ہے کہ میں سب مسلمانوں میں

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ

اول ہوں، و۲۲ آپ کہہ دیجیے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو (اپنے لئے) ایک عظیم الشان دن کے

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ

عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں و۲۳ آپ کہہ دیجیے میں اللہ کی عبادت اس طرح کرتا ہوں کہ اپنے دین کو اس کے لئے

دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۗ قُلْ اِنَّ

خالص رکھتا ہوں، سو تمہارا دل جس چیز کو چاہے عبادت کرو اللہ کو چھوڑ کر و۲۴ آپ کہہ دیجیے

الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ

کہ پورے زیاں کار وہی لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارہ

الْقِيٰمَةِ ۗ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ

میں پڑے یاد رکھو کہ یہی صریح خسارہ ہے و۲۵ ان کے لئے اوپر سے بھی

ع ۱ ۱۵

و۱۹ (اور جو اپنی عقل وفہم کو کام ہی میں نہیں لانا چاہتے، وہ ساری حکمتوں اور دانائیوں کو سنی اَن سنی کر دیتے ہیں) اَلَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ۔ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ محاورۂ قرآنی میں علم سے مراد علم حقائق سے ہوتی ہے، اور بے علمی سے مراد اسی علم سے محرومی ہے۔ علم سے قرآن مجید نے کہیں بھی وہ چیزیں مراد نہیں لی ہیں جنہیں دنیا میں علوم وفنون کہا جاتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ کا لفظ قانت اور ساجد اور قائم کے لیے آیا ہے، یعنی ان لوگوں کے لیے جو صاحب عمل ہوتے ہیں، اور اس کے مقابلہ میں جو لوگ بے عمل ہوتے ہیں انہیں اَلَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ عمل کی کتنی فضیلت اسلام میں ہے۔ اور جو لوگ صرف علم پر، بلا عمل قانع رہتے ہیں، انہیں قرآن بے علم یا جاہل ہی قرار دیتا ہے۔ **و هو تنبيه على ان من لم يعمل فهو غير عالم** (کشاف۔ کبیر) **و فيه ازدراء عظيم بالذين يقتنون العلوم ثم لا يقتنون و يفتنون فيها ثم يفتنون بالدنيا فهو عندالله جهلة** (کشاف۔ کبیر) و۲۰ (اس لیے اگر کسی خاص سرزمین میں احکام دین پر عمل کا موقع نہیں ملتا تو ترک وطن کر کے کسی اور ملک میں چلے جاؤ۔) لِلَّذِیْنَ...... حَسَنَۃٌ۔ یہ صلۂ نیک آخرت میں تو ملتا ہی ہے، باقی دنیا میں بھی نیک کاروں کو تسکین وراحت خاطر کی حد تک ضرور مل جاتا ہے۔ یٰا...... رَبَّکُمْ۔ یہ تقویٰ اختیار کرنے کا حکم کن کو مل رہا ہے؟ ان کو جو پہلے ہی سے مومن ہیں۔ اور یہ خود ایک قوی دلیل ہے (معتزلہ وخوارج کے خلاف) اس حقیقت پر کہ ایمان، عدم تقویٰ یا فسق یا معصیت کے ساتھ جمع رہ سکتا ہے۔ **هذا من ادلّ الدلائل على ان الايمان يبقى مع المعصية** (کبیر) **و ذلک يدل على ان الفسق لايزيل الايمان** (کبیر) و۲۱ اِنَّمَا کے کلمۂ حصر سے یہ نکتہ نکالا گیا ہے کہ بلا صبر کے کوئی اجر نہیں، اور ہر اجر کے مقابلہ میں کوئی نہ کوئی درجہ صبر کا تو بہر حال ہونا چاہیے — اور ہر عمل عبادت میں نفس کی آزادی پر صبر ومجاہدہ کا بند کسی درجہ میں تو لگانا ہوتا ہی ہے۔ الصّٰبِرُوْنَ۔ یعنی دین پر ثابت قدم رہنے والوں کو — ابھی ذکر ہجرت کا تھا۔ لیکن کوئی مہاجر ایسا نہیں جسے شدید صعوبتوں کے اندر سے ہو کر نہ گزرنا پڑتا ہو۔ اس لیے معاً ذکر ان کے اجر اور اجر بے حساب کا کر دیا گیا۔ **والمراد الذين صبروا على مفارقة اوطانهم و عشائرهم و على تجرع الغصص و احتمال البلايا فى طاعة الله تعالى** (کبیر) و۲۲ دو حکموں کا ذکر ہے۔ پہلا حکم بلا شائبۂ شرک خالص توحیدی عبادتوں کا ہے۔ یہ حکم بحیثیت مسلم کے ملا۔ دوسرا حکم مسلمین میں سب سے اول ہونے کا بحیثیت نبی ہونے کا ملا۔ و۲۳ یعنی یوم قیامت کے عذاب کا۔ پیغمبر تو معصوم ہوتے ہیں، جن سے ترک توحید کا احتمال ہی نہیں، تو جب اندیشہ عذاب ان تک کے لیے ہے تو امت کے غیر معصوموں کا ظاہر ہے کہ کیا ذکر ہے۔ اِنِّیْٓ اَخَافُ۔ الفاظ سے یہ نکتہ بھی پیدا کیا گیا ہے کہ معصیت پر جو شے لازمی طور پر مرتب ہوتی ہے وہ اندیشہ عذاب ہے نہ کہ نفس عذاب۔ **دلت الأية على ان المرتب على المعصية ليس حصول العقاب بل الخوف من العقاب** (کبیر) و۲۴ (قیامت کے دن اس کا انجام آپ ہی دیکھ لوگے) ظاہر ہے کہ یہ پورا فقرہ تہدید کے لہجہ میں ہے، یہ مراد نہیں کہ مشرکوں کو اختیار دیا جا رہا ہے۔ مُخْلِصًا لَّہٗ دِیْنِیْ۔ یعنی اسی کے حکم کے مطابق، بلا شائبۂ شرک۔ محققین نے کہا ہے کہ اس سے وجوب عبادت واخلاص دونوں کا ثابت ہوتا ہے اخلاص بلا عبادت روح بے جسد ہے، اور عبادت بلا اخلاص جسد بے روح و۲۵ (کہ آخری فیصلہ کے دن خسارہ ہو۔ اور جان و متعلقین جو دنیا میں نفع وراحت وتمتع کا ذریعہ رہتے ہیں، وہ قیامت کے دن ذرا بھی یہ کام نہ دے سکیں گے) اَلَا...... الْمُبِیْنُ۔ یہاں خسران کی شدید تاکید ملحوظ رہے، ایک تو فقرہ کی ابتداء ہی کلمۂ تنبیہ سے کی، پھر خسران کو معرفہ بنا کر اَلْخُسْرَانُ کیا، اور پھر وصف مبین کا اضافہ کیا۔ الْخٰسِرِیْنَ۔ سے مراد ہر جہتی خسران کامل اٹھانے والوں سے سمجھی گئی ہے۔ **اے الكاملين فى الخسران الجامعين لو جوهه و اسبابه** (کشاف)

فَوۡقِهِمۡ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ

آگ کے محیط شعلے ہوں گے اور ان کے نیچے سے بھی محیط شعلے ہوں گے یہ وہی (عذاب) ہے

يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۱۶﴾ وَ الَّذِيۡنَ

جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے ف۲۶ اے میرے بندو مجھ سے ڈرو ف۲۷ اور جو لوگ

اجۡتَنَبُوا الطَّاغُوۡتَ اَنۡ يَّعۡبُدُوۡهَا وَ اَنَابُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ

اس سے بچے رہتے ہیں کہ شیطان کی پرستش کریں اور اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں ان کے لئے

الۡبُشۡرٰى ۚ فَبَشِّرۡ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ۙ الَّذِيۡنَ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ

بشارت ہے، سو آپ بشارت دے دیجیے میرے انہیں بندوں کو جو (اس) کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں،

فَيَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ

پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں ف۲۸ یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی

وَ اُولٰٓئِكَ هُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنۡ حَقَّ عَلَيۡهِ كَلِمَةُ

اور یہی ہیں جو ذی عقل ہیں ف۲۹ بھلا جس پر عذاب کی بات محقق

الۡعَذَابِ ؕ اَفَاَنۡتَ تُنۡقِذُ مَنۡ فِى النَّارِ ﴿۱۹﴾ۚ لٰكِنِ الَّذِيۡنَ

ہو چکی تو کیا آپ ایسے شخص کو جو دوزخ میں ہوگا، چھڑا سکتے ہیں؟ ف۳۰ البتہ جو لوگ

اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ غُرَفٌ مِّنۡ فَوۡقِهَا غُرَفٌ مَّبۡنِيَّةٌ ۙ تَجۡرِىۡ

اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں ان کے لئے بالاخانے ہیں جن کے اوپر بنے بنائے (تیار) بالاخانے ہیں ان کے نیچے

مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۙ وَعۡدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخۡلِفُ اللّٰهُ الۡمِيۡعَادَ ﴿۲۰﴾

نہریں چل رہی ہیں (یہ) اللہ کا وعدہ ہے (اور) اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ف۳۱

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيۡعَ فِى

کیا تو نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اسے زمین کے سوتوں میں داخل

ف۲۶ (اور اس سے بچنے کی تدبیریں بتاتا ہے۔ تاکہ وہ عذاب سے بچے رہیں) ظُلَلٌ کے لفظی معنی سائبان کے ہیں۔ سائبان کا اوپر ہونا ظاہر ہے سائبان کا نیچے ہونا اس معنی میں ہے کہ وہ اس سے نیچے والوں کے حق میں سائبان ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اہل جہنم ہر طرف سے آگ میں گھرے ہوں گے۔ اوڑھنا بچھونا سب آگ کا ہوگا۔ ف۲۷ یعنی دین حق پر عمل کرو تاکہ ہر عذاب سے محفوظ رہو۔ ف۲۸ (اور اس کی سب باتیں اچھی ہی ہیں) يَسۡتَمِعُوۡنَ۔ استماع کے معنی سمجھنے کے طور پر سننے کے ہیں۔ الۡقَوۡلَ سے مراد کلام حق ہے۔ اَحۡسَنَهٗ۔ احسن سے یہاں مراد حسن ہے۔ لَهُمُ الۡبُشۡرٰى۔ ترکیب کلام سے معنی حصر کے پیدا ہوگئے ہیں۔ یعنی بشارت ایسوں ہی کے حق میں ہے۔ سب کے لیے نہیں ہے۔ اے لهم لا لغيرهم (کبیر) الۡبُشۡرٰى۔ ا ل بھی اسی حصر کی تاکید مزید کے لیے ہے۔ ان هذه الماهية بتمامها لهؤلاء و لم يبق منها نصيب لغيرهم (کبیر) الطَّاغُوۡتَ۔ طاغوت ہر وہ ہستی ہے جو طغیان میں حد سے تجاوز کر جائے مراد یہاں شیطان یا شیاطین سے لی گئی ہے۔ فسره هنا بالشيطان مجاهد و يجوز تفسيرها بالشياطين جميعاً (روح) ف۲۹ قرآن مجید نے بار بار اہل عقل و فہم انہیں کو قرار دیا ہے جو راہ ہدایت اختیار کرتے، اور اس پر قائم رہتے ہیں۔۔۔۔ واقعہ ہے بھی یہی کہ جن لوگوں کو اپنی نجات کی فکر تک نہ ہو، اور دل میں تحقیق حق کا اہتمام ہی نہ ہو، انہیں عقل کے مبادی سے بھی بہرہ ور کیسے تسلیم کیا جائے۔ اُولٰٓئِكَ۔۔۔۔۔۔ اللّٰهُ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی اپنی طرف سے حصول ہدایت کا اہتمام رکھتا ہے، اس پر راہ ہدایت ضرور کھل جاتی ہے۔ ف۳۰ مطلب یہ ہوا کہ جو ایمان کا قصد ہی نہ کرے، اور اپنے کو اسباب ہلاکت سے بچانے کی فکر ہی نہ رکھے۔ اسے ایمان پر مجبور کر دینا، اور اسے نقطہ ایمان پر لے آنا آپ کے امکان و اختیار ہی سے خارج ہے۔ اور ایسے شخص پر تاسف و تردد ہی بے کار ہے۔ ف۳۱ یہ تصریح اس لیے بھی ضروری تھی کہ مشرک قوموں میں دیوی دیوتاؤں پر ایفاء عہد مطلق واجب نہ تھا۔ لٰكِنِ۔ لکن یہاں بطور حرف استدراک کے کسی قول سابق کی تردید کے لیے نہیں بلکہ ایک دوسری بات شروع کرنے کے لیے آیا ہے۔ لكن ليس للاستدراك لانه لم يات نفى بل هو لترك قصة الى قصة مخالفة للاولٰى (قرطبی)

الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ

کر دیا پھر وہ اس کے ذریعہ سے کھیتیاں پیدا کرتا ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے

فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى

سو تو اس کو زرد دیکھتا ہے، پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے اس (نمونہ قدرت) میں بڑی نصیحت ہے

لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ ع اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ

اہل عقل کے لئے وـ۳۲ سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا، اور وہ

عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ

اپنے پروردگار کے نور پر چل رہا ہے (کیا ایسا شخص اور اہل قساوت برابر ہو سکتے ہیں؟) سو بڑی خرابی ان لوگوں کے لئے ہے جن

اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ

کے دل اللہ کے ذکر کی طرف سے سخت ہیں، یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہیں وـ۳۳ اللہ نے بہترین کلام نازل

الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ

کیا ہے ایک کتاب باہم ملتی جلتی ہوئی اور بار بار دہرائی ہوئی وـ۳۴ اس سے ان لوگوں کی جلد

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ

جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، کانپ اٹھتی ہے پھر ان کی جلد اور ان کے قلب اللہ کے ذکر کے لئے نرم

اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

ہو جاتے ہیں وـ۳۵ یہ اللہ کی (طرف سے آئی ہوئی) ہدایت ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت کر دیتا ہے،

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ

اور اللہ جسے بے راہ کر دے اس کے لئے ہادی کوئی نہیں وـ۳۶ بھلا جو شخص قیامت کے دن

بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ

عذاب سخت کو اپنے چہرہ پر لے گا، اور (ایسے) ظالموں سے کہا جائے گا کہ

۳۱ اس آغاز اور اس انجام پر انسان غور کرے تو ایک کھلا ہوا نمونہ تو حیاتِ انسانی کے آغاز و انجام کا مل جاتا ہے۔ زندگی کے کیسے کیسے دور گزرتے ہیں، لیکن سب کا انجام وحاصل فنا، آخر فنا!۔۔۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ ان میں ایک ایک تغیر کتنی حکمتوں کا نتیجہ ہوتا ہے، اور پھر آخری تغیر کتنی زبردست حکمت اور کاریگری پر دلیل ہے۔ السَّمَآءِ۔ سابق کے حاشیوں میں کئی بار یہ امر صاف کیا جا چکا ہے، کہ السَّمَآء کی وسعت مفہوم کا کوئی لفظ اردو میں موجود نہیں۔ بارش کے سلسلہ میں جہاں جہاں یہ لفظ قرآن میں آیا ہے، بے تکلف معنی بادل کے لیے جا سکتے ہیں۔۔۔ سماء عربی میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں، جو انسان کے اوپر واقع ہو، یہاں تک کہ مکان کی چھت بھی۔ مَآءً۔۔۔۔ الْاَرْضِ۔ یہ پانی وہی ہے جو کنوؤں اور چشموں کے ذریعہ سے انسان کے کام میں آتا ہے۔ حُطَامًا۔ یہ وہی چیز ہے جسے ہماری زبان میں بھوسا کہتے ہیں۔ وـ۳۳ پہلا شخص وہ ہے جو ہدایت کے مقتضی پر چل رہا ہے، اور یقین صحیح پیدا کر کے اس کے مطابق عمل کر رہا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو کھلے ہوئے دلائل وشواہد کے باوجود ایمان نہیں لاتا اور اس سے بڑھ کر اس کے قساوتِ قلب کی مثال اور کیا ہوگی۔ اَفَمَنْ۔۔۔۔۔ رَّبِّهٖ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی کی روایت میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی تو ہم نے عرض کی، کہ یا رسول اللہ! یہ شرح صدر کیونکر ہوتا ہے؟ فرمایا جب دل میں نور داخل ہو۔ عرض کی کہ اس کی کیا علامت ہے؟ ارشاد ہوا کہ دار الخلود یا باقی کی طرف رغبت واستقامت، اور دار الغرور یا فانی کی طرف سے بے التفاتی اور موت کی طرف آمادگی۔ (معالم) فَوَيْلٌ۔ اس بڑی خرابی کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ لِلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ۔ یہ قساوت قلب، شرح صدر کے مقابلہ میں آئی ہے، رقت قلب کی طبعی کمی یا فقدان کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ شرح صدر کے جو خصوصیات بتائے گئے اس قساوت میں اس کے برعکس پیدا ہو جاتے ہیں۔ محققین نے آیت کے مضمون سے دو نکتے اور پیدا کیے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر مومن کسی درجہ میں بھی سہی، بہرحال صاحب معرفت ونور ہے۔ دوسرے یہ کہ جس اسلام سے معرفت ونورانیت پیدا ہوتی ہے۔ وہ، وہ ہے جو شرح صدر یعنی رغبت تام اور یقین کامل کے ساتھ ہو، نہ وہ جو منافقت یا جبر یا وہم وعادت کا ثمرہ ہے۔ وـ۳۴ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ۔ اس میں اس دعوے کا اثبات ہے کہ قرآن مجید بہترین کلام ہے۔ کوئی دوسرا کلام اس کی ٹکر کا نہیں، نہ باعتبار لفظ و عبارت، نہ بلحاظ معنی ومفہوم۔ كِتٰبًا۔ اس کلام کا نزول گو بتدریج کہیں ۲۲۔۲۳ سال میں ہوا، تاہم اس پر اطلاق ایک کتاب ہی کا رہا۔ مُّتَشَابِهًا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت، اجر، برکت معنویت کے لحاظ سے یہ کلام شروع سے آخر تک یک رنگ اور آپس میں ہم رنگ ہے۔ مَّثَانِيَ۔ اس کے اندر احکام واخبار، مسائل وحکایات بار بار تکرار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں کہ کسی کو عذر قصور فہم وسمع کا نہ رہے۔ وـ۳۵ یعنی وہ کتاب اللہ پر عمل کرنے لگتے ہیں اور اعمال قلب و اعمال جوارح میں خشوع وانقیاد کے ساتھ مشغول ہو جاتے ہیں۔ تَقْشَعِرُّ۔۔۔۔۔ رَبَّهُمْ۔ محققین نے تصریح کر دی ہے کہ یہ مطلق خوف سے کنایہ ہے۔ یہ لازمی نہیں کہ خوف کے آثار جسم پر بھی اس طرح نمایاں ہونے لگیں۔ محض عقلی وایمانی خوف کافی ہے۔ امام غزالی علیہ رحمۃ اللہ نے اپنی مشہور محققانہ کتاب احیاء علوم الدین میں لکھا ہے کہ بہت سے صوفیہ ایسے ہیں جن پر شاعروں کا کلام سن کر وجد طاری ہو جاتا ہے، اور قرآن مجید کی آیتوں سے نہیں ہوتا، اور اس کے بعد ان لوگوں کی اس کیفیت کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ اس جانب اشارہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

وانا اقول ان خلقت محروماً عن هٰذا المعنی فانی کلما تاملت فی اسرار القراٰن اقشعر جلدی و وقف شعری و حصلت فی قلبی دهشة و روعة و کلما سمعت تلک الاشعار غلب الهزل علی وما وجدت البتة فی نفس منها اثر و اظن ان منهج القویم و صراط المستقیم هو هٰذا (کبیر)

لیکن میں کہتا ہوں کہ میں تو اس تاثر سے خلقۃً محروم ہوں۔ میں نے تو جب جب مطالب قرآنی پر غور وتدبر سے کام لیا، جبھی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور دل کے اندر خشیت وہیبت ہی پیدا ہو گئی اور جب جب شاعروں کا کلام سنا تو دل اچاٹ ہو گیا اور طبیعت ذرا متاثر نہ ہوئی اور میں سمجھتا ہوں کہ صراط مستقیم اسی (قرآن) کا نام ہے۔

وـ۳۶ یعنی حق تعالیٰ کی مشیت تکوینی پر غالب اور اس پر حاکم اور کوئی قانون نہیں۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ۔ اوپر کئی بار گزر چکا کہ اضلال کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب صرف تکوینی حیثیت سے، یا بحیثیت علت العلل (مسبب الاسباب) کی ہوتی ہے۔ ہدایت یاب اور گمراہ دونوں کی مثالیں ابھی اوپر کی آیتوں میں گزر چکی ہیں۔

ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

جو کچھ تم کیا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو (تو کیا ایسا شخص اور جو ایسا نہ ہو برابر ہو سکتے ہیں؟) ف۳۷ ان کے قبل والوں نے بھی

فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ

(حق کو) جھٹلایا سو ان پر عذاب ایسے طور پر آپڑا کہ ان کو گمان بھی نہ تھا ف۳۸ سو اللہ نے انہیں دنیوی زندگی میں

الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ

رسوائی کا مزہ چکھا دیا اور آخرت کا عذاب تو اور سخت ہے

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا

کاش یہ لوگ سمجھ جاتے ف۳۹ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر قسم کے مضمون

الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ ۚ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

بیان کر دیئے ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کرتے رہیں قرآن واضح

غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

جس میں کوئی کجی نہیں تاکہ لوگ ڈرتے رہیں ف۴۰ اللہ مثال بیان کرتا ہے کہ

رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ

ایک شخص ہے جس میں کئی ساجھی ہیں آپس میں باہم ضد رکھنے والے اور ایک اور شخص ہے کہ پورا ہی ایک شخص کی (ملک) ہے

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

تو کیا دونوں کی حالت یکساں ہے؟ ف۴۱ الحمدللہ مگر ہے یہ کہ ان میں سے اکثر

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ۫ ثُمَّ اِنَّكُمْ

سمجھتے ہی نہیں ف۴۲ آپ کو بھی مرنا ہے اور انہیں بھی مرنا ہے پھر

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ ع

قیامت کے دن تم (دونوں فریق) اپنے پروردگار کے روبرو مقدمہ پیش کرو گے ف۴۳

وقف لازم ع ۱۷

ف۳۷ پورے پورے جملوں اور عبارتوں کا محذوف و مقدر رہنا عربی اسلوب انشاء میں منافی بلاغت نہیں بلکہ اپنے موقع پر داخل حسن وکمال انشاء ہے۔ ف۳۸ (سو اگر عذاب ابھی نہیں آیا ہے، تو یہ کافرو منکر بے فکر نہ ہو جائیں، اگلی قوموں پر بھی عذاب جب آیا ہے ان کے گمان و زعم کے خلاف ہی آیا ہے) ف۳۹ آخرت کے معمولی اور ہلکے سے عذاب کا بھی دنیا کے بڑے سے بڑے عذاب سے کیا مقابلہ! وہ تو اس سے کہیں شدید تر ہوگا۔ کاش یہ منکرین اس کا کچھ سرسری سا اندازہ بھی رکھیں! الْخِزْيَ...... الدُّنْيَا۔ یعنی وہ قومیں یا تو جہاد میں اہل ایمان کے ہاتھوں مغلوب و منہزم ہوئیں، یا اور کسی عذاب ناگہانی سے ہلاک ہو گئیں۔

ف۴۰ (ہر نافرمانی سے) قُرْاٰنًا۔ یہاں پہلا وصف القرآن کا یہ بیان ہوا کہ وہ ایک پڑھی جانے والی چیز ہے، چنانچہ قیامت تک مسجدوں میں پڑھا جائے گا۔ محرابوں میں سنایا جائے گا۔ گھروں میں اور مدرسوں میں اس کی تلاوت ہوتی رہے گی۔ معتقدوں کا نہیں منکروں کا بیان ہے کہ "قرآن" دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ قرآن، طبع یازدہم) عَرَبِيًّا۔ یعنی فصیح و بلیغ، واضح۔ والمراد الله اعجز الفصحاء والبلغاء عن معارفته (کبیر) غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ۔ یعنی جس کے اندر کجی کسی طرح کی بھی نہیں، نہ لفظی نہ معنوی۔ یہ قرآن مجید کا تیسرا وصف بیان ہوا۔

ف۴۱ (ظاہر ہے کہ نہیں ہے۔ بلکہ دونوں کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے) مومن مخلص ساری فکروں کو چھوڑ چھاڑ صرف ایک سے لو لگائے رہتا ہے۔ مثال کے ذریعہ سے بندۂ مومن و مشرک کے درمیان تقابل اور ان کے فرق کو واضح کرنا ہے۔ رَجُلًا...... مُتَشٰكِسُوْنَ۔ ایسا شخص ایک تو غلام و محکوم، اپنے ہر ارادہ سے محروم۔ اور پھر مالک ایک نہیں متعدد۔ غلام حیران و متردد کہ کس کا کہا مانوں، کس کا نہ مانوں۔ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اللہ سے غافل ملحد و مشرک دنیا میں سخت ترین کشاکش میں گرفتار رہا کرتا ہے۔ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ۔ مومن مخلص ساری فکروں کو چھوڑ چھاڑ صرف ایک سے لو لگائے رہتا ہے

جو غم ہوا اسے غم جاناں بنا دیا

ف۴۲ قرآن مجید مشرکوں کی اس بدفہمی پر (جو محض غفلت و بے غوری سے پیدا ہوتی ہے) بار بار تاسف کرتا ہے کہ شرک و توحید کے درمیان، انسان کے اپنے ذہنی اعتبار سے بھی جو زمین و آسمان کا فرق ہے، ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ف۴۳ (اور وہ دن عملی فیصلہ کے صدور و ظہور کا ہوگا) یہاں رسول اللہ ﷺ کو تشفی دی ہے کہ آپ زیادہ غم و تردد کو راہ نہ دیں۔ آپ کو بھی دنیا سے گزر کر اپنے رب تک پہنچنا ہے اور ان منکرین کو بھی یہیں آنا ہے۔ یہ خود آ کر اپنے کیے کو بھگت لیں گے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ۔ خطاب ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ لیکن جو حکم یہاں بیان ہوا ہے وہ امت کے لیے بھی عام ہے۔ والضمير فى انك خطاب للرسول و تدخل معه امته فى ذلك (بحر) ضمناً موافق و مخالف، دوست، دشمن سب کو یہ تعلیم مل گئی کہ نبی مرسل غیر فانی اور عمر جاودانی رکھنے والا نہیں ہوتا۔ سارے بندوں کی طرح وہ بھی فانی و فنا پذیر ہی ہوتا ہے۔ تَخْتَصِمُوْنَ۔ یہ جھگڑنے والے اور استغاثہ لانے والے کون لوگ ہوں گے؟ مومن و کافر بھی ہوں گے اور ظالم و مظلوم بھی۔ یعنی تخاصم الكافر والمومن والظالم والمظلوم (قرطبی)

بحمد اللہ آج جمعہ یکم ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ (مطابق ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء) کو تئیسویں پارہ کی نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔ اور آج چہار شنبہ ۷۔ رجب ۱۳۶۹ھ ۲۶۔ اپریل ۱۹۵۰ء کو نظر ثالث سے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ

تو اُس سے بڑھ کر بے انصاف کون ہے جو اللہ پر جھوٹ لگائے اور سچی بات کو جھٹلائے

اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

جبکہ وہ اُس کے پاس پہنچے، کیا (ایسے) کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہ ہو گا؟ ف۴۴

وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ

اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور (خود بھی) اُس کو سچ جانا تو یہی لوگ تو

الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا

پرہیزگار ہیں وہ جو کچھ چاہیں گے اُن کے لیے اُن کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے، یہ صلہ ہے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ ۚۖ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا

اہلِ اخلاص کا ف۴۵ تاکہ اللہ اُن سے اُن کے عمل کی برائیوں کو دُور کر دے اور اُن کے عمل

وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

کی نیکیوں کا انہیں (پورا) اجر دے ف۴۶

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ

کیا اللہ اپنے بندۂ (خاص) کے لیے کافی نہیں؟ اور یہ لوگ آپ کو اُن سے ڈراتے ہیں جو اللہ کے

دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ ۚ وَمَنْ يَّهْدِ

علاوہ ہیں ف۴۷ اور جسے اللہ گمراہ کر دے اُسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور جسے اللہ

اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ف۴۸ کیا اللہ زبردست (اور) انتقام پر قادر نہیں؟ ف۴۹

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہی کہیں گے کہ

ف۴۴ (یعنی ضرور ہوگا) استفہام انکاری سے اثبات قطعی کے معنی پیدا کرنا انگریزی اور اُردو اور فارسی کی طرح عربی میں بھی عام ہے۔ فَمَنْ ۔ف یعنی جبکہ اخیر فیصلہ یہی ہونا ہے کہ اہل کفر کو جہنم نصیب ہو اور اہل ایمان کو اجر ونجات۔ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ ۔ اللہ پر جھوٹ لگانا یہی ہے کہ اس کی صفت تفرد کا انکار کر کے کسی کو اس کا شریک قرار دیا جائے۔ اَلَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ ۔ الصدق یعنی پیغام حق۔ یہاں مراد قرآن ہے اور اس کے لانے والے رسول اللہ ﷺ تھے۔ قال مجاهد وقتادة والربيع بن انس وابن زيد هو الرسول (ابن کثیر) قال ابن عباس يعني رسول الله (معالم) كَذَّبَ...... جَآءَهٗ ۔ پیام حق پہنچنے کا ذریعہ خود رسول یا ان کے کوئی نائب ہی ہوتے ہیں۔ بعض اکابر نے کہا ہے کہ آیت اپنے عموم لفظ سے ان لوگوں کو بھی شامل ہے، جو دعوئے ولایت میں کاذب ہیں اور شریعت کو پس پشت ڈال کر اسے محض قشر بتاتے ہیں۔ ف۴۵ جنت کی نعمتیں بے شمار، اور لامتناہی ہیں۔ یہاں حیرت انگیز ایجاز وجامعیت کے ساتھ بیان کر دیا کہ اہل جنت کو وہ سب کچھ مل جائے گا، جو وہ چاہیں گے۔ اَلَّذِىْ ...... بِهٖ ۔ یعنی رسول اور ان کے متبعین۔ الذى جاء بالصدق الانبياء والذى صدق به الاتباع (کبیر) ف۴۶ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا ۔ اہل اخلاص کو اجر کا پورا پورا ملنا تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن یہاں تصریح ایک دوسری چیز کی بھی ہے (یعنی ان کی تکفیر ذنوب کی...... گویا اہل اخلاص (محسنین) بھی ذنوب ومعاصی سے خالی نہ ہوں گے۔ اس میں رد نکل آیا ایک طرف تو ان غالی صوفیہ ومشائخ کا جو اولیاء وصالحین کو ذنوب ومعاصی سے ماوراء ومنزہ، سمجھنے لگتے ہیں اور دوسری طرف ان خارجی اور نیم خارجی فرقوں کا جو زلات ومعاصی کی بناء پر مومنین کو دائرہ ایمان سے خارج کر دیا کرتے ہیں۔ وَيَجْزِيَهُمْ ...... يَعْمَلُوْنَ ۔ مقاتل بن سلیمان نے اس کے معنی یہ کیے ہیں کہ انہیں محاسن کا معاوضہ ملے گا، سیئات کی سزا نہ ملے گی۔ قال مقاتل ليجزيهم بالمحاسن اعمالهم ولا يجزيهم بالمساوى (کبیر۔ معالم) لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ مقاتل تو فرقہ مرجئہ کا سردار تھا، جن کے نزدیک جس طرح کافر کو کوئی طاعت نفع نہ پہنچائے گی، مومن کو بھی کوئی معصیت مضر نہ ہو گی۔ واعلم ان مقاتلا كان شيخ المرجئة وهم الذين يقولون لا يضر شيء من المعاصي مع الايمان كما لا ينفع من الطاعات مع الكفر (کبیر) ف۴۷ مشرکین عرب کے کمال حمق کا بیان ہے۔ اللہ کے نام سے ایک معبود اعظم کے وہ بھی قائل تھے۔ باوجود اس کے رسول اللہ ﷺ کو اپنے گڑھے ہوئے دیوی دیوتاؤں کے قہر وغضب وانتقام سے ڈراتے تھے۔ ان دیوتاؤں کا اولاً تو وجود ہی فرضی ووہمی اور پھر اگر حقیقی بھی ہو تو خود انہیں لوگوں کے مسلمات کے لحاظ سے یہ خدائے اعظم کے مقابلہ میں تو پست اور ہیچ ہی تھے۔ آیت کا مفہوم وسیع تر بھی ہے۔ اہل حق کو اہل باطل طرح طرح پر دھمکیاں دیتے آئے اور ڈراتے آئے ہیں۔ کبھی اپنے دیوی دیوتاؤں سے ڈراتے ہیں اور کبھی دنیوی حکومت وقوت سے۔ قرآن مجید جواب دیتا ہے کہ کائنات کی ہر ممکن مخالفانہ قوت سے دفاع کے لئے حق تعالیٰ خود بالکل کافی ہے۔ عَبْدَهٗ ۔ عبد سے مراد جیسا کہ سیاق کلام سے بالکل ظاہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جو خدائے قادر وتوانا اپنے ہر بندہ کی حفاظت کے لئے کافی ہے کیا اس بندۂ خاص کی حفاظت کے لئے کافی نہ ہوتا؟ ف۴۸ ہدایت وضلالت اپنے اسباب قریب وظاہری کے لحاظ سے بندہ کے افعال اختیاری میں ہیں اور اسی لئے ان پر ثواب وعذاب بھی مرتب ہوتے ہیں لیکن اپنے اسباب بعید وحقیقی کے لحاظ سے تمام تر مشیت تکوینی الٰہی کے ماتحت ہیں اور اسی لئے ان کا انتساب مسبب الاسباب اور علت العلل کی حیثیت سے حق تعالیٰ کی جانب بھی درست ہے۔ ...... اور ان حواشی میں اس کی صراحت کئی بار کی جا چکی ہے۔ ف۴۹ کیوں نہیں، قادر ہے اور ضرور قادر ہے۔ اسلام کا خدا اپنے ہر ارادہ پر پوری طرح قادر، متصرف، حاکم ہے۔ بعض جاہلی مذہبوں کے دیوتاؤں کی طرح معذور وبے بس نہیں۔

اللّٰهُ ۚ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ

اللہ نے، آپ کہہ دیجئے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اللہ کے سوا تم جنہیں پکارتے ہو اگر

اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِیْ

اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کی (دی ہوئی) تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اللہ مجھ پر عنایت کرنا

بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۚ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ۚ

چاہے تو یہ اُس کی عنایت کو روک سکتے ہیں؟ و۵۰ آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے تو اللہ کافی ہے

عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى

توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں و۵۱ کہہ دیجئے کہ اے میری قوم والو تم اپنی حالت پر

مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ

عمل کئے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں سو عنقریب تم جان لوگے کہ کون شخص ہے جس پر

عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا

اُسے رسوا کرنے والا عذاب آیا چاہتا ہے، اور جس پر عذاب مستقل نازل ہوگا و۵۲ ہم نے

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ

آپ پر یہ کتاب لوگوں کے لئے اتاری ہے حق کے ساتھ، سو جو کوئی راہ ہدایت اختیار کرے گا وہ اپنے ہی لئے،

وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ

اور جو کوئی بے راہ ہوگا تو اس کی بے راہی بھی اُسی پر پڑے گی اور آپ ان پر ذمہ دار نہیں

بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ ع اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ

کئے گئے ہیں و۵۳ اللہ جانوں کو قبض کرتا ہے اُن کی موت کے وقت اور اُن (جانوں) کو بھی

لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَيْهَا

جن کی موت نہیں آئی ہے اُن کے سونے کے وقت و۵۴ پھر وہ اُن (جانوں) کو تو روک لیتا ہے جن پر موت کا

و۵۰ بعض جاہلی مذاہب ایک خالق کائنات کے تو مقر و معترف ہیں، لیکن ساتھ ہی کائنات میں دخل، تصرف وحکومت کے لئے دوسرے دوسرے دیوی دیوتا بھی مان رکھے ہیں۔ پانی فلاں دیوتا برساتے ہیں، دولت فلاں دیوی دلواتی ہیں وقس علیٰ ہذا...... مشرکین قریش کا مذہب بھی اسی قسم کا شرک تھا۔ قرآن مجید نے ان کے اسی مسلمہ اول کو بار بار یاد دلا کر اور توحید کے مطالبات و مضمرات کو ان پر واضح کر کے ان پر جرح کی ہے۔ و۵۱ (جس کے بعد تمہاری اور تمہارے بتوں کی مخالفت کی کچھ پروا باقی نہیں رہ جاتی) حَسْبِیَ اللّٰهُ۔ جب خدا پر تکیہ کر لیا تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے ماتحت کائنات میں جتنی بھی مخلوقات ہیں۔ اب کسی کی طرف سے کھٹکا نہ رہا۔ و۵۲ یعنی جب تم اپنا طریقہ نہیں چھوڑتے، میں بھی اپنا طریقہ نہیں چھوڑتا۔ تم اپنے طریق پر عمل کیے جاؤ۔ میں اپنے طریق پر۔ عنقریب معلوم ہوا جاتا ہے، کہ بدراہ اور مستحق عذاب کون سا فریق ہے۔ مَنْ ...... يُخْزِيْهِ۔ مراد عذاب دنیوی ہے۔ چنانچہ یہ عذاب مشرکین مکہ پر فتح بدر کی صورت میں نازل ہوا۔ وَ...... مُقِيْمٌ۔ مراد عذاب آخرت ہے۔ و۵۳ (تو جس کا جی چاہے اسے مانے اور جس کا نہ چاہے نہ مانے) لِلنَّاسِ۔ یعنی لوگوں کے نفع وافادہ کے لیے۔ اے لا جلھم ولاجل حاجتھم الیه (مدارک) بِالْحَقِّ۔ یعنی عین حق وحکمت کے ساتھ دلائل وشواہد اور مقصد صحیح کے ساتھ۔ و۵۴ نفس۔ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ وہ روح کے مرادف ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک نفس حیاتی (یا فزیکل لائف) دوسرے نفس شعوری (یا سائیکل لائف) ولکل انسان نفسان احداھما نفس الحیاۃ وھی التی تفارقه عند الموت فتزول بزوالھا النفس والاخری نفس التمییز وھی التی تفارقه اذا نام وھو بعد النوم یتنفس (معالم ومدارک) ہر انسان کے دو نفس ہوتے ہیں ایک تو نفس حیاتی، جو موت کے وقت اس سے سلب ہو جاتا ہے کہ اس کے جانے سے جان چلی جاتی ہے اور دوسرا نفس ادراک وہ نیند کے وقت اس سے جدا ہو جاتا ہے اور نیند کے بعد واپس آ جاتا ہے۔ يَتَوَفَّى ...... مَوْتِهَا۔ یہ سلب روح من کل الوجوہ ہوتا ہے جس کے بعد نہ حیات جسمانی باقی رہ جاتی ہے نہ شعور نہ ادراک۔ وَالَّتِیْ ...... مَنَامِهَا۔ یہ سلب روح صرف جزئی حیثیت سے ہوتا ہے۔ جس سے حیات جسمانی جوں کی توں باقی رہتی ہے، لیکن شعور وادراک باقی نہیں رہتا۔ نیند کے وقت سلب صرف حیات شعوری کا ہوتا ہے۔

الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ فِي

حکم کرچکا ہے، اور باقی (جانوں) کو ایک میعادِ معین کے لئے رہا کردیتا ہے و۵۵ بے شک اس (سارے تصرف) میں

ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾ أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ

نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو سوچتے رہتے ہیں و۵۶ اچھا تو کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا

اللَّهِ شُفَعَاءَ ۚ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا

(دوسروں کو) سفارشی قرار دے رکھا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ (سفارشی) کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں

وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٣﴾ قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۖ لَّهُ مُلْكُ

اور نہ کچھ سمجھتے بوجھتے ہوں و۵۷ آپ کہہ دیجئے سفارش تمامتر اللہ ہی کے اختیار میں ہے اُسی کی سلطنت

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٤٤﴾ وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ

آسمانوں اور زمین میں ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے و۵۸ اور جب اکیلے اللہ کا ذکر

وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ

کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے اُن کے دل منقبض ہونے لگتے ہیں

وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٤٥﴾ قُلِ

اور جب اُس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُس وقت یہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں و۵۹ آپ دُعا کیجئے

اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

کہ اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے باطن اور ظاہر کے جاننے والے

أَنتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٤٦﴾ وَلَوْ

تو ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا جن اُمور میں یہ اختلاف کرتے رہتے تھے و۶۰ اور اگر

أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ

شرک کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اور بھی

و۵۵ (سو وہ معطل روحیں جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ہے نیند سے جاگ کر بدستور تصرفات جسمی میں مصروف ہو جاتی ہیں) فَيُمْسِكُ...... الْمَوْتَ۔ سو یہ روحیں پھر تصرفات جسمانی کی طرف واپس نہیں آتیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:۔ یخرج الروح عند النوم ویبقی شعاعہٗ فی الجسد فبذالک یری الرؤیا فاذا انتبہ من النوم عاد الروح الی جسدہٖ بامر ما من لحظۃ۔ (معالم۔ مدارک) ''اصل روح تو نیند کے وقت بھی جسم سے نکل جاتی ہے لیکن اس کا تعلق جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے (جیسے آفتاب کا شعاعی تعلق کروڑوں میل دور ہونے کے باوجود زمین سے قائم رہتا ہے) اور سوتا ہوا انسان (اسی جزئی تعلق کی بنا پر) خواب دیکھتا رہتا ہے پھر جب بیداری کا وقت آتا ہے تو یہ روح چشم زدن سے بھی کم میں جسم میں واپس آجاتی ہے۔'' اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:۔ فی ابن ادم نفس وروح بینھما شعاع مثل شعاع الشمس فالنفس ھی التی بھا العقل والتمییز والروح ھی التی بھا النفس والتحرک فاذا نام العبد قبض اللہ نفسہ ولم یقبض روحہٗ (مدارک) ''ابن آدم میں نفس بھی ہوتا ہے اور روح بھی، اور دونوں کا ایک شعاعی تعلق مثل شعاع آفتاب کے ہوتا ہے۔ بس نفس تو وہ ہے جو ادراک وشعور کا مبدأ ہے اور روح وہ ہے جس سے تنفس وحرکت قائم ہے اور انسان جب سوتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے نفس کو قبض کر لیتا ہے نہ کہ اس کی روح کو۔'' و۵۶ یعنی دلائل وشواہد اس حقیقت کے کہ اللہ حکیم وقدیر ہی ہر دقیق وخفی تصرف پر قادر ہے۔ نیند اور خواب کی باریکیوں پر ماہرین فن نے جو دفتر کے دفتر لکھ ڈالے ہیں وہ سب حکمت خداوندی ہی کی شرحیں اور تفسیریں ہیں۔ و۵۷ یعنی سفارشی بھی کون؟...... وہ بت اور مورتیاں جو عقل وقدرت تک سے محروم ہیں۔ اَمِ...... شُفَعَآءَ۔ مشرکوں نے ان ''سفارشیوں'' کو صرف عملاً ہی نہیں معبود قرار دے رکھا تھا بلکہ عقیدۃً بھی ایسا ہی سمجھ رکھا تھا۔ و۵۸ یعنی اس وقت بھی کائنات کے طول وعرض میں حکومت اسی اللہ کی ہے اور آخرت میں بھی فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہوگا۔ قُلْ...... جَمِيعًا۔ مشرک قوموں نے تو علی العموم اور اہل کتاب میں سے مسیحیوں نے شفاعت کو بھی ایک شعبہ الوہیت کا قرار دے کر شافع کو مستقلاً ایک قادر ومتصرف ہستی سمجھ لیا ہے اور عملاً اسی سے اپنا تعلق جوڑے رکھنا کافی سمجھتے ہیں جس کے بعد خالق کائنات سے تعلق قائم رکھنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ شفاعت اس معنیٰ میں اور اس مفہوم کے ساتھ ایک تمامتر مشرکانہ عقیدہ ہے، اور قرآن مجید نے اس معنیٰ میں کسی غیر اللہ کے شافع ہونے سے تمامتر انکار کیا ہے اور بتایا ہے کہ اختیار وتصرف یکسر حق تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ مسئلہ شفاعت انبیاء وغیرہ جس محدود ومقید معنیٰ میں حق ہے۔ اس کی وضاحت ان حواشی میں جابجا کی جا چکی ہے۔ و۵۹ توحید کامل کے ماننے والوں اور شرک آمیز عقیدۂ خدائی کے تسلیم کرنے والوں کے درمیان جو فرق عظیم ہوتا ہے اسے یہاں خوب واضح کر دیا گیا ہے۔ خیر جو کھلے ہوئے مشرک ہیں ان کا حال تو ظاہر ہی ہے لیکن خود ہماری قوم میں جو جھوٹے پیروں، فقیروں، جن وپری، ''شہید مرد'' اور ''شیخ سدو'' وغیرہ کے قائل ہیں خود ان کا کیا حال ہے؟ ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ'' کا وظیفہ پڑھنے والے مصیبت کے وقت ''یا غوث، یا غوث'' پکارنے والے، اجمیر کی درگاہ کے اردگرد ''یا خواجہ تو ہی دیتا ہے، تو ہی دلواتا ہے'' کی صدائیں لگانے والے ہمارے درمیان کس کثرت سے ہیں! و۶۰ الفاظ دعاء کے اندر توحید کی اعلیٰ تعلیم نہایت حکیمانہ انداز سے آگئی ہے، دعاء کا حاصل بس یہی ہے کہ زمین وآسمان کی پیدائش میں کوئی تیرا شریک نہیں، علم غیب میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ قادر وحاکم ہونے میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ خالق تو ہے، عالم الغیب تو ہے، مالک روز جزا تو ہے، ہمہ داں، ہمہ بیں تو ہی ہے۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ قدرت کاملہ میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ علم کامل میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ اَنْتَ...... يَخْتَلِفُوْنَ۔ فیصلہ روز جزا میں کوئی تیرا شریک نہیں۔ توحید میں غلطی وگمراہی کے عموماً یہی تین راستے رہے ہیں۔ آیت نے سب کی تردید کر دی۔

لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ

تو ان سب کو وہ قیامت کے دن عذاب سخت کے فدیہ میں دینے لگیں ف۶۱ اور اللہ کی طرف سے

مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ

سے انہیں وہ پیش آکر رہے گا جس کا انہیں گمان بھی نہ تھا ف۶۲ (اس وقت) ان پر ان کے (تمام) بُرے اعمال ظاہر ہو کر

مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾ فَاِذَا

رہیں گے اور انہیں وہ (عذاب) آ گھیرے گا جس پر وہ استہزاء کیا کرتے تھے ف۶۳ جس وقت

مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۫ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ

آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ ہم کو پکارتا ہے لیکن جب ہم اُسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ یہ کہتا ہے

اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

کہ یہ مجھے (اپنی) تدبیر سے ملی ہے ف۶۴ اصل یہ ہے کہ وہ ایک آزمائش ہے، لیکن اکثر لوگ

يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ

سمجھتے نہیں ف۶۵ یہ بات ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پیشتر ہو گذرے ہیں، سو ان کی کارروائی ان کے

مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ

کچھ بھی کام نہ آئی ف۶۶ بلکہ ان کی (ساری) بدعملیاں اُن پر آ پڑیں

وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا

اور اُن میں جو لوگ ظالم ہیں ان پر ان کی بدعملیاں ابھی آ پڑنے والی

كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

ہیں اور وہ ہرا نہیں سکتے ف۶۷ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

جس کا چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے اور وہی تنگ بھی کر دیتا ہے، بے شک اس میں نشانیاں ہیں

ف۶۱ یہ قیامت کی شدت اور ہولناکی کا نقشہ ہے۔ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ مراد مشرکین سے ہے۔ اے کفروا (مدارک) مَا...... مِثْلَهٗ۔ انسان کے محدود پیرایہ بیان میں مال کی زیادہ سے زیادہ ممکن مقدار کے لئے یہی پیمانہ ہو سکتا تھا۔ ف۶۲ یہ بے شان و گمان وقوع دو چیزوں کا پیش آئے گا۔ ایک تو نفس قیامت کہ وہ اسی کے منکر تھے، اور اسے "خلاف عقل"، "خلاف عادت"، قرار دیتے رہتے تھے۔...... اور دوسرے عذاب کا خود اپنے اوپر وقوع کہ وہ اپنے کو تو نیک کار اور برسر صواب سمجھ رہے تھے۔ ف۶۳ یہ غفلت کے پردے بس اسی دنیا کی حد تک ہیں۔ آخرت میں تو انکشاف تام بڑے سے بڑے منکر کو بھی ہو کر رہے گا۔ ف۶۴ عام بدسرشت انسان کی فطرت کا بیان ہے جہاں اسے اطمینان حاصل ہوا، وہ اپنی ہر کامیابی کو اپنی سعی و حسن تدبیر کی جانب منسوب کرنے لگتا ہے اور جادۂ توحید سے ہٹ جاتا ہے۔ مجازی واسطوں اور وسیلوں کا ذکر مطلق صورت میں ممنوع نہیں، صرف اس صورت میں حرام ہے جب نظر فاعل حقیقی سے ہٹ جائے۔ ف۶۵ یعنی ہر نعمت خدا کی دی ہوئی اور واسطہ اسباب سے حاصل کی ہوئی دراصل بندوں کے حق میں آزمائش ہوتی ہے کہ نظر علت حقیقی پر رہتی ہے یا علت قریبی صوری پر...... اور یہ مشرکین اس ایمانی حقیقت سے بھی جاہل ہیں۔ هِيَ۔ نِعْمَةٌ۔ لفظاً مؤنث ہے اور معنی کے اعتبار سے مذکر۔ اس لئے اس کے لئے ضمیریں مؤنث و مذکر دونوں جائز ہیں۔ اُوْتِيْتُهٗ میں ضمیر مذکر بھی اسی کی جانب ہے۔ اور هِيَ ضمیر مؤنث بھی اسی کی طرف۔ ف۶۶ (اور یہی حشر آج کے منکرین کا بھی ہونا ہے) قَدْ...... قَبْلِهِمْ۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ مغالطہ نفس بہت قدیم ہے، کچھ آج کا اور نو پیدا نہیں۔ قَالَهَا۔ ضمیر مؤنث کلمہ کی جانب ہے۔ مؤنث علی تانيث الكلمة (قرطبی) ف۶۷ (خدا تعالیٰ کو اور خدائی تدبیروں کو) یعنی انہیں سزا بہر حال مل کر رہے گی، جیسا کہ ان کے قبل والوں کو ملتی رہی ہے۔ اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا سے مراد مشرکین ہیں۔ اور مِنْ هٰٓؤُلَآءِ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ اے المشركين ومن للبيان فانهم كلهم كانوا ظالمين (روح) اے من هٰؤلاء المشركين (بیضاوی) سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا۔ سیات سے مراد جزاء سیات ہے اور یہ استعمال عام ہے۔ اے جزاء سيّات اعمالهم وقد يسمى جزاء السيئة سيئة (قرطبی)

لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾ ع قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی

ایمان والوں کے واسطے و۶۸ آپ (میری طرف سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جو اپنے اُوپر زیادتیاں

اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ

کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو و۶۹ بے شک اللہ سارے گناہ

الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۳﴾ وَ اَنِیۡبُوۡۤا اِلٰی

معاف کر دے گا و۷۰ بے شک وہ بڑا غفور ہے بڑا رحیم ہے و۷۱ اور اپنے پروردگار کی طرف

رَبِّکُمۡ وَ اَسۡلِمُوۡا لَہٗ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ ثُمَّ لَا

رجوع کرو اور اس کی فرمانبرداری کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب واقع ہونے لگے، جب تمہیں کوئی مدد نہ

تُنۡصَرُوۡنَ ﴿۵۴﴾ وَ اتَّبِعُوۡۤا اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ

پہنچ سکے و۷۲ اور اپنے پروردگار کی طرف سے اُترے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو

مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ بَغۡتَۃً وَّ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۵﴾ لا

قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آ پڑے اور تم کو اُس کا خیال بھی نہ ہو،

اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ یّٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُّ فِیۡ جَنۡۢبِ اللّٰہِ

(یہ حکم اس لئے دیا جاتا ہے کہ) کہیں کوئی یہ نہ کہنے لگے کہ افسوس میری اُس کوتاہی پر جو میں نے خدا کی جناب میں کی،

وَ اِنۡ کُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾ لا اَوۡ تَقُوۡلَ لَوۡ اَنَّ اللّٰہَ ہَدٰىنِیۡ

اور میں تو تمسخر ہی کرتا رہا یا کوئی یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ نے مجھے ہدایت دے دی ہوتی

لَکُنۡتُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۵۷﴾ لا اَوۡ تَقُوۡلَ حِیۡنَ تَرَی الۡعَذَابَ لَوۡ

تو میں (بھی) پرہیزگاروں میں ہوتا یا کوئی عذاب کو دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ کاش

اَنَّ لِیۡ کَرَّۃً فَاَکُوۡنَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰی قَدۡ جَآءَتۡکَ

میرا پھر جانا ہو جائے پھر میں نیک بندوں میں ہو جاؤں و۷۳ کیوں نہیں! ارے تجھ پر تو میری آیتیں یقیناً

ع ۵ / ۱۱ / ۲

و۶۸ یعنی اس قانون رزق، اس ضابطہ معاشیات کی باگ بھی ایک فاعل مختار، ایک قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے، نادان مشرک واسطہ کو مقصود سمجھ بیٹھتا ہے اور صاحب ایمان کہ صاحب فہم بھی ہوتا ہے، علت حقیقی کو سمجھے رہتا ہے۔ و۶۹ (یہ خیال کر کے کہ اللہ تعالیٰ کفر و شرک کے معاف کرنے پر قادر نہیں) یہ رد ہے ان مذاہب پر جو خدا کے وجود کے تو قائل ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہے جاتے ہیں کہ وہ عفو ذنوب پر قادر نہیں۔ اَلَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ۔ اسراف علی النفس سے مراد کفر و شرک سے ہے۔ و۷۰ (اسلام کی برکت سے) یعنی اب جب تم کفر و شرک ترک کر کے ایمان لا رہے ہو تو اب کیا ڈر ہے۔ اب تو تمہارے سارے گناہ دھل جائیں گے۔ دوسرے مذاہب کی تنگی کا تو ذکر ہی نہیں۔ خود مسیحیت جسے اپنی لینت وشفقت و ترحم پر ناز ہے اس کا حال انجیل کی زبانی سنیے:۔ ”میں تم سے کہتا ہوں کہ آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر تو معاف کیا جائے گا مگر جو کفر روح کے حق میں ہو وہ معاف نہ کیا جائے گا اور جو کوئی ابن آدم کے خلاف کوئی بات کہے گا وہ تو اسے معاف کی جائے گی مگر جو کوئی روح القدس کے برخلاف کوئی بات کہے گا وہ اسے معاف نہ کی جائے گی نہ اس عالم میں نہ آنے والے میں۔“ (متی۔ ۱۲:۳۲) یٰعِبَادِیَ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خطاب اور اس کے بعد کا وعدۂ رحمت و مغفرت مومنین کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے اور اَلَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ سے انہیں مومنین کے معاصی مراد لئے ہیں اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی اسی نقطہ نظر کی تائید کی ہے۔ واضافة العباد وتخصصه بالمومنين على ما هو عرف القرأن (بیضاوی) انا بينا في هذا الكتب ان عرف القرأن جارٍ بتخصيص اسم العباد بالمومنين (کبیر) وحمل غير واحد الاضافة في عبادى على العهد اوعلى التشريف وذهبوا الى ان المراد بالعباد المومنون فكانه قيل ايها المومنون المذنبون (روح) بہر صورت آیت میں وعدۂ رحمت و مغفرت ہے بڑی تاکید و شدت کے ساتھ۔ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ۔ خود ہی ادائے مقصد کے لئے کافی تھا۔ اس پر دوسرے فقرہ کا اضافہ پر قوت الفاظ کے ساتھ کیا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا۔ اعاد اسم الله وقرن به لفظة ان العقيدة لاعظم وجوه التاكيد وكل ذلك يدل على المبالغة في الوعد بالرحمة (کبیر) حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعی نے کہا ہے کہ اس وسعت کرم و شفقت کی کوئی انتہاء ہے کہ جنہوں نے اللہ کے دوستوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کئے انہیں کو دعوت توبہ و مغفرت دی جا رہی ہے۔ قال الحسن البصرى انظروا الى هذا الكرم والجود قتلوا اولياءهٗ وهو يدعوهم الى التوبة والمغفرة والأيات في هذا كثيرة جدًا (ابن کثیر) و۷۱ وہ کسی اور برتر قانون کا پابند و محکوم ہرگز نہیں۔ وہ رحمت و مغفرت میں کسی رنگ سے معذور نہیں وہ بغیر کسی ”کفارہ“ کے جس کسی کو چاہے بخش دے۔ اس کی صفت رحم پر کوئی قید عائد نہیں...... بجز اسی کی مشیت و ارادہ کے۔ صحابیان کرام سے مروی ہے کہ یہ آیت قرآن مجید میں وسیع ترین اور امید افزاء ترین ہے۔ وقال علي بن ابي طالب ما في القرأن اوسع من هذه الأية (قرطبی) وقال عبد الله بن عمر وهذه ارجى اية في القرأن (قرطبی) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ایک اور آیت اس سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ وَ اِنَّ رَبَّکَ لَذُوۡ مَغۡفِرَۃٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلۡمِہِمۡ ہے (قرطبی) و۷۲ یعنی اس مغفرت و رحمت کے لئے شرط بس یہی ہے کہ کفر سے رجوع کرو اور اسلام قبول کرو۔ قبل اس کے کہ اسلام نہ لانے کی صورت میں عذاب سے دوچار ہونا پڑے۔ و۷۳ یہ سب کافروں کی طرف سے قیامت میں پیش ہونے والے ممکن عذرات ہیں، یہاں ان سب کی جڑ ہی کاٹ دی گئی ہے۔ اَحۡسَنَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ۔ مراد قرآن مجید ہے۔ اضافت محض بیانیہ ہے۔ یعنی وہ اَحۡسَنَ جو مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ کی طرف منسوب ہے، یا قرآن کو غیر قرآن سے ممتاز کرتی ہے۔ هو القرأن وكله حسن (قرطبی) مِّنۡ رَّبِّکُمۡ۔ رب کا لفظ لانے میں خود ایک بڑا ترغیبی پہلو آ گیا ہے۔ یعنی وہ کلام تو اس کا نازل کیا ہوا ہے جو خود تمہارے حق میں سب سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ اَنۡ تَقُوۡلَ۔ اَنۡ یہاں لئلا کے مرادف ہے۔ اى لئلا تقول (مدارک) نَفۡسٌ۔ نفس صیغۂ نکرہ میں اس لئے ہے کہ صرف نفس کافر مراد ہے۔ انما نكرت لان المراد بها بعض الانفس وهى نفس الكافر (مدارک) فِیۡ جَنۡۢبِ اللّٰہِ۔ یعنی احکام خداوندی میں۔ اى في امر الله او في طاعته (مدارک)۔ والعرب تسمى السبب والطريق الى الشيء جنبًا اى لاجلك وسببك ولاجل مرضاتك (قرطبی) لَوۡ اَنَّ اللّٰہَ ...... الۡمُتَّقِیۡنَ۔ امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ معتزلہ سے زیادہ سمجھدار تو یہ کافر ہی ہے جو ہدایت کو تمام تر عطیہ خداوندی سمجھتا ہے۔ قال الامام ابو منصورؒ هذا الكافر اعرف بهداية الله من المعتزلة (مدارک)

اٰیٰتِیْ فَکَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾

پہنچ چکی تھیں سو تُو نے ان کو جھٹلایا اور تو نے تکبر کیا اور تو کافروں میں شامل ہو رہا ف۷۴

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ

اور آپ قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جنہوں نے اللہ پر

مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾

جھوٹ بولا تھا کیا (ان) متکبرین کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟ ف۷۵

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْۗءُ

اور جو لوگ بچ رہے تھے، اللہ ان لوگوں کو کامیابی کے ساتھ نجات دے گا اُن کو نہ تکلیف پہنچے گی

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰى

اور نہ یہ غمگین ہوں گے اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہر چیز کا

كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

نگہبان ہے ف۷۶ اُسی کے اختیار میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ

ع ۲/۱

اور جو لوگ اللہ کی آیتوں سے (اب بھی) انکار کئے جاتے ہیں وہی لوگ بڑے گھاٹے میں پڑنے والے ہیں ف۷۷ آپ کہہ دیجئے

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْۗنِّىْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ

کہ اے جاہلو کیا پھر بھی تم مجھ سے غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو؟ ف۷۸ اور واقعہ یہ ہے

اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ

کہ آپ کی طرف بھی اور جو آپ سے قبل گزر چکے ہیں ان کی طرف بھی یہ وحی بھیجی جا چکی ہے

لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ

کہ (اے مخاطب) اگر تو نے شرک کیا تو تیرا عمل (سب) غارت ہو جائے گا اور تو خسارہ میں پڑ کر رہے گا، تو تو اللہ ہی

ف۷۴ جواب یہ ملے گا کہ ہدایت کا سامان تو دنیا میں پورا مل چکا تھا۔ پھر جو تو ایمان نہیں لایا، اس کی تہ میں کوئی اشتباہ عقلی نہ تھا، صرف تیرے نفس کی شرارت وخباثت تھی۔ ف۷۵ (ہے اور ضرور ہے) اَلَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ۔ اللہ پر جھوٹ بولنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو بات نہیں فرمائی گئی ہے وہ اس کی جانب منسوب کر دی جائے دوسرے یہ کہ جو اس نے کہا ہے اسے اس کی جانب نسبت دینے سے انکار کر دیا جائے۔ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ۔ یہ چہرہ کی سیاہی آگ سے جلنے کا اثر بھی ہو سکتی ہے۔ اور خوف رسوائی کا نتیجہ بھی اور قلب کی سیاہی کا عکس بھی۔ قیل هو سواد قلوبهم ينعكس على وجوههم۔ (روح) ہو سکتا ہے کہ یہ سیاہی ان کے قلوب کی ہو جو چہرہ پر منعکس ہو گئی ہو۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عالم معاد کشف حقائق ہی کا تو عالم ہوتا ہے، اس لئے اس میں عجب کیا جو چہرہ پر عکس قلب کا نظر آنے لگا ہو۔ ف۷۶ مشرکوں کی سمجھ میں یہی موٹی بات نہیں آتی تھی کہ حق تعالیٰ جس طرح دنیا کا خالق اکیلا ہے اسی طرح متصرف، مدبر بھی اکیلا ہی ہے۔ بغیر کسی شریک وسہیم کے۔ ہندو مذہب علاوہ خالق اکبر (برہما) کے دو اور مستقل خداؤں کا قائل ہے ایک محافظ ومبقی (وشنو) اور دوسرے مہلک ومفنی (شیو) قرآن مجید اس قسم کے ہر شرک کی قدم قدم پر تردید کرتا جاتا ہے...... یہاں اس نے صراحۃً دو صفات باری کا اثبات کیا ہے۔ ایک یہ کہ وہی سب کا خالق وآفریدگار ہے، دوسرے وہی سب کا منتظم ومدبر۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ۔ نور وظلمت، خیر وشر، سعادت وہدایت سب کا خالق وہی ایک ہے، ثنویت کا اس کے ہاں گزر نہیں۔ وَيُنَجِّي...... لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ یہ آیت متعدد دوسری آیتوں کی طرح اس باب میں وعدۂ صریح ہے کہ مومنین کو قیامت میں کوئی وحشت اور گھبراہٹ نہ ہوگی۔ دلت الأية على ان المومنين لا ينالهم الخوف والرعب فى القيامة وتاكد هٰذا بقوله لا يحزنهم الفزع الاكبر (کبیر) ف۷۷ (آخرت میں جو کشفِ حقائق کا وقت ہوگا) بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ آیات الٰہی سے یہاں مراد اصولِ دین ہیں...... عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، عقیدۂ حشر۔ ف۷۸ یعنی اے مشرکو! اب تمہارا اندھاپن اتنا بڑھ گیا ہے کہ تم مجھ سے فرمائش کرنے لگے ہو کہ میں توحید جیسے فطری اور سادہ دین کو چھوڑ کر شرک کی احمقانہ وجاہلانہ وسفیہانہ راہ اختیار کر لوں!

فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ

کی عبادت کرنا اور شکر گزار رہنا ف۷۹ اور ان لوگوں نے اللہ کی عظمت نہ کی جیسی عظمت

قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ

کرنا چاہیے تھی ف۸۰ اور حال یہ ہے کہ ساری زمین اُسی کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان اُس کے

مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾

داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے وہ پاک ہے اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے ف۸۱

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي

اور صور پھونکا جائے گا تو اُن سب کے ہوش اُڑ جائیں گے جو آسمانوں اور

الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ

زمین میں ہیں بجز اس کے کہ جس کو اللہ چاہے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو دفعۃً سب کے سب

قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ

اُٹھ کھڑے ہوں گے دیکھتے بھالتے ہوئے ف۸۲ اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اُٹھے گی، اور نامۂ اعمال

الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

رکھ دیا جائے گا اور پیمبر اور گواہ حاضر کئے جائیں گے اور سب میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ

بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا

کیا جائے گا اور اُن پر ذرا بھی ظلم نہ ہو گا ف۸۳ اور ہر شخص کو اُس کے اعمال کا پورا بدلہ

عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

ملے گا اور اللہ سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے ف۸۴ اور جو کافر ہیں وہ گروہ گروہ

اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا

جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے ف۸۵ یہاں تک کہ جب اُس تک پہنچ جائیں گے تو اُس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے

ع ۴

ف۷۹ مطلب یہ کہ یہ توحید کی دعوت تو بالکل بنیادی اور عین مرکزی دعوت ہے، ہمیشہ ہی سے انبیاء کا معمول رہی ہے۔ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ۔ شکر گذاری کی بڑی فرد توحید پر ایمان ہے۔ ف۸۰ (اپنی وسعت وظرف کے اعتبار سے) مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ کی ذاتِ کاملہ کے حق اس کے مرتبہ کمال کے لحاظ سے تو کوئی ادا ہی نہیں کر سکتا۔ لیکن بندے اپنی وسعت وظرف کے لحاظ سے جس حد تک اس کے مکلف ہیں۔ ان ظالموں، بدبختوں نے اتنا بھی تو نہ کیا۔ اور اس مرتبہ حق کا اقل قلیل عقیدۂ توحید ہے۔ ف۸۱ (اور ہر قسم کی مادیت اور تجسیم کے شائبہ سے) قَبْضَتُهٗ...... بِيَمِيْنِهٖ۔ قبضة سے مراد قبضہ قدرت۔ قبضہ اختیار ہے۔ اور یمین سے بھی مراد دست قدرت لی گئی ہے۔ فالقبضة مجاز عن الملک او التصرف کما یقال بلد فلان فی قبضة فلان والیمین مجاز عن القدرة التامة (روح) یقال ما فلان الا فی قبضتی بمعنٰی ما فلان الا فی قدرتی وقد یکون القبض، والطی افناء الشیء واذهابه (قرطبی) قال الفراء والمبرد الیمین القوة والقدة (قرطبی) آیت سے مقصود محاورہ بشری کے مطابق عظمت واجلال الٰہی کی تصویر کھینچ دینا ہے اور ساتھ ہی یہ پہلو بھی اس میں آ گیا کہ ایسی حقیر مخلوقات کے فنا کر دینے میں اسے دِقت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ اس لئے قبضہ ویمین کے حقیقی اور مجازی معنی کی بحث میں زیادہ پڑنے کی ضرورت ہی نہیں۔ والمراد بهذا الکلام تصویر عظمته والتوقیف علٰی کنه جلاله لاغیر من غیر ذهاب بالقبضة ولا بالیمین الٰی جهة حقیقة اوجهة مجاز (مدارک) تنبیه علٰی عظمته وحقارة الافعال العظام التی تتحیر فیها الاوهام بالاضافة الٰی قدرته ودلالة علٰی ان تخریب العالم اهون شیءٍ علیه علٰی طریقة التمثیل والتخییل من غیر اعتبار القبضة والیمین حقیقة ولا مجازًا (بیضاوی) اللہ کے قبضہ اختیار اور دستِ قدرت میں تو ساری کائنات آج بھی ہے۔ قیامت کا ذکر تخصیص سے اس لئے ہے کہ اس روز کسی اور کو شرکت کا دعویٰ بھی نہ رہے گا۔ اور حقیقت سب کے مشاہدہ میں آ کر رہے گی۔ وانما خص یوم القیامة بالذکر وان کانت قدرته کاملة لکل شیء ایضًا لان الدعاوی تنقطع ذٰلک الیوم (قرطبی) ف۸۲ قیامت کے دونوں منظروں کا بیان ہے۔ پہلا منظر نفخ اول کا جب سب غش کھا کر ہلاک ہو جائیں گے اور منظر دوم نفخ ثانی کا جب سب نئے سرے سے جی اٹھیں گے۔ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ یعنی مخلوق میں سے اللہ جس کو چاہے گا غشی اور موت سے محفوظ رکھے گا۔۔۔ یہ کون لوگ ہوں گے؟ بہتر ہو گا کہ اسے یوں ہی مجمل رہنے دیا جائے۔ جیسا کہ قرآن وحدیث نے اسے مجمل رکھا ہے۔ قال قتادة اللہ اعلم بانهم من هم ولیس فی القرآن والاخبار ما یدل علٰی انهم من هم (کبیر) ف۸۳ (یوں کہ کسی کی جزائے خیر میں کمی ہو جائے یا کسی کی سزا میں زیادتی، یا کسی کا عمل نیک غائب کر دیا جائے اور کسی کا عمل بد بڑھا دیا جائے) وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا۔ یہ کوئی تجلی خصوصی اُس وقت ہو گی۔ اور عام معنی نور رب کے عدل رب یا قضائے رب کے کیے گئے ہیں۔ اے انارت و اضاءت بعدل اللہ و قضائه بالحق بین عباده (قرطبی) امام ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ممکن ہے حق تعالیٰ اُس وقت کوئی خاص نور پیدا کرے اور اس سے زمین موقف کو منور کر دے۔ و قال الامام ابو منصورؒ یجوز ان یخلق اللہ نورًا فینور به ارض الموقف (مدارک) وَوُضِعَ الْكِتٰبُ۔ کتاب۔ بطور اسم جنس آیا ہے۔ مراد نامۂ اعمال ہیں۔ اے صحائف الاعمال و لکنهٗ اکتفٰی باسم الجنس (مدارک) الشُّهَدَآءِ۔ شہید کے تحت میں ملائکہ ومومنین سب آ گئے جو اس وقت گواہی دیں گے۔ الذین یشهدون للامم و علیهم من الملائکة والمومنین (بیضاوی) بِنُوْرِ رَبِّهَا۔ نُور کی اضافت رب کی طرف اضافت تخصیصی ہے۔ جیسے بیت اللہ و ناقة اللہ میں۔ و اضافتهٗ الیه تعالٰی کبیت اللہ و ناقة اللہ (مدارک)

ف۸۴ (اُس کی عدالت میں یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی کی جزائے خیر میں کچھ بھی کمی رہ جائے) حق تعالیٰ کے علم کامل ومحیط کا بار بار تذکرہ اُن جاہلی مذاہب کی تردید میں ہے، جو خدا کے علم کو ناقص ومحدود سمجھتے تھے۔ ف۸۵ (ذلت وخواری کے ساتھ) زُمَرًا۔ کافروں کے یہ گروہ یا تو اقسام وانواع کفر کے لحاظ سے ہوں گے اور یا پھر مراتب ومدارج کفر کے لحاظ سے۔ علٰی تفاوت اقدامهم فی الضلالة والشرارة (بیضاوی)

وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ

اور اُن سے دوزخ کے محافظ کہیں گے، کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا

پروردگار کی آیتیں پڑھ کر سناتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے و۸۶ وہ (کافر) کہیں گے

بَلٰى وَ لٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

ہاں (کیوں نہیں) لیکن عذاب کی بات (آخر) کافروں پر پوری ہو کر رہی و۸۷

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ

(پھر) کہا جائے گا دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو (اور) اس میں (ہمیشہ) پڑے رہو تو غرض کہ بڑا برا

مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ

ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا و۸۸ اور جو لوگ اہل تقوٰی تھے وہ جنت کی طرف

اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا

گروہ گروہ روانہ کئے جائیں گے و۸۹ یہاں تک کہ جب اُس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوں گے

وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا

اور وہاں کے محافظ ان سے کہیں گے سلام علیکم مزہ میں رہو، سو اس میں ہمیشہ کے لئے

خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ

داخل ہو جاؤ و۹۰ اور وہ کہیں گے اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا

وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ

اور ہمیں (اس) زمین کا مالک کر دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں تو غرض کہ عمل کرنے والوں کا

اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ

کیسا اچھا انعام ہے و۹۱ اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ حلقہ باندھے ہوں گے عرش کے

و۸۶ دوزخیوں سے یہ ساری گفتگو انہیں قائل کرنے کے لیے اور اُن کی حسرتوں میں اضافہ کے لیے بطور زجر و ملامت ہوگی۔ رُسُلٌ مِّنْكُمْ۔ اپنے ہی ملک قوم و قبیلہ والوں سے حصول فیض آسان رہتا ہے۔ و۸۷ یہ آخری فقرہ بھی اگر دوزخیوں ہی کی زبان سے ادا ہوگا تو یہ اُن کی طرف سے اعتراف ہے کہ پیمبروں کی تبلیغ بلیغ کے باوجود ہم نے کفر و انکار سے کام لیا۔ اور جو عذاب موعود تھا وہ ہمارے ہاتھوں ہمارے سامنے آیا۔ قَالُوْا بَلٰى۔ وہ کہیں گے کہ ہاں کیوں نہیں آئے، آئے اور ضرور آئے۔ اور تبلیغ کا حق بھی پوری طرح ادا کر گئے۔ و۸۸ یعنی اُن لوگوں کے لیے جو اپنی ہوائے نفس اور اپنی چھوٹی سی عقل کو احکام الٰہی کے سامنے جھکانے میں عار محسوس کرتے تھے۔ اُدْخُلُوْٓا ...... فِيْهَا۔ چنانچہ اس کے بعد دوزخ کے دروازے دوزخیوں پر ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گے۔ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ و۸۹ (بڑی قدر و منزلت کے ساتھ) اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا۔ مدارج کفر و اقسام شرک کی طرح قرب کے بھی مدارج و مراتب اور تقوٰی کے بھی اصناف و انواع ہیں۔ و۹۰ (کہ اب اس جنت عیش سے کبھی باہر ہونے کا کوئی کھٹکا ہی نہیں) وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا یہ دروازے اہل جنت کے اکرام میں تو پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں گے اور انہیں توقف و انتظار ذرا سا بھی نہ کرنا پڑے۔ مفتحة لهم الابواب۔ و۹۱ اہل جنت جوشِ مسرت سے بے خود ہو کر یہ نعرہ لگائیں گے۔ اَلْاَرْضَ۔ ارض سے اس سیاق میں مراد سطح جنت ہے، جس پر اہل جنت چلتے پھرتے ہوں گے۔ عبارة عن المكان الذى اقاموا فيه واتخذوا مقرًا و متبوأ۔ (کشاف) یوں بھی ارض کا مفہوم عربی میں نہایت وسیع ہے اور جس طرح سماء کے اندر ہر وہ چیز داخل ہے جو سر کے اُوپر ہو اسی طرح ارض کے اطلاق میں ہر وہ چیز شامل ہے جو پیروں کے نیچے ہو۔ يعبر بها عن اسفل الشئ (راغب) نَتَبَوَّاُ ...... نَشَآءُ۔ جنت میں ہر شخص کے لیے الگ الگ مقام اُس کے مرتبہ تقوٰی و درجہ تقرب کے لحاظ سے ہوگا لیکن سیر کی آزادی جنت بھر میں حاصل ہوگی اور چونکہ رشک مفقود ہوگا اس لیے اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی شخص اپنے مقام سے غیر مطمئن دوسرے کے مرتبہ پر رشک کرتا ہوگا۔ پھر مقام کا تعین ہر شخص کی عین صلاحیت کے مطابق اور اس کے حسب حال ہوگا۔ اس لیے ہر شخص اس پر خوش ہوگا۔

الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ

گردا گرد اپنے پروردگار کی تسبیح و حمد کرتے ہوئے اور بندوں کے درمیان ٹھیک فیصلہ

بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

کر دیا جائے گا اور آواز آئے گی کہ ساری خوبیاں اللہ پروردگار عالم ہی کے لئے ہیں ف۹۲

ع ۸ / ۵

اٰیاتھا ۸۵ ۴۰ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ ۶۰ رکوعاتھا ۹

اس کی پچاسی آیتیں — سورۂ مومن مکہ میں نازل ہوئی — اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ

حا۔ میم ف۱ یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے، علم والا ہے ف۲ گناہ کا

الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ؕ

بخشنے والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے قدرت والا ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ

اُس کے سوا کوئی خدا نہیں، اسی کے پاس (سب کو) جانا ہے ف۲ اللہ کی آیتوں میں بس وہی لوگ جھگڑے نکالتے

اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۴﴾ كَذَّبَتْ

ہیں جو کافر ہیں سو اُن لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا کہیں آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے ف۳ ان سے

قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۪ وَ هَمَّتْ

قبل قوم نوح تکذیب کر چکی ہے اور ان کے بعد کے گروہ بھی اور ہر اُمت نے

كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَ جٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ

اپنے پیمبر کے گرفتار کرنے کا قصد کیا، اور ناحق کے جھگڑے نکالے،

ف۹۲ (جس نے اتنا بہتر فیصلہ کیا!) حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ۔ یہ عین اجلاس عدالت حشر کے وقت ہوگا۔ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ۔ یہ تسبیح وتحمید تو فرشتوں کی گویا غذا ہی ہے۔ وَقِيْلَ...... الْعٰلَمِيْنَ۔ اس نعرۂ مسرت وانبساط میں فرشتے اور انسان سب ہی شریک ہوں گے اور عجب نہیں جو اسی پر اجلاس عدالت برخاست ہو۔ ف۱ حٰمٓ۔ حروف مقطعات کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ البقرۃ کا حاشیہ الٓمّٓ پر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے اس کے تین معنی نقل ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ اللہ کا اسم اعظم ہے، دوسرا یہ کہ یہ قسم کے معنی میں ہے۔ تیسرا یہ کہ یہ الرحمن کا مخفف ہے اور یہی قول زجاج لغوی کا بھی ہے (روح) سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ تابعی اور عطاء خراسانی سے مروی ہے کہ ح مخفف ہے اسماء الٰہی حکیم۔ حمید۔ حی۔ حلیم۔ حنّان کا اور م مخفف ہے اسماء الٰہی ملک، مجید، منّان کا (معالم) ف۲ قرآن مجید کے نازل کرنے والے کے اسماء صفات قرآن مجید میں کسی اور جگہ بجز سورۂ حشر کے آخر کے یکجا نہ ملیں گے۔ اور ان میں سے ہر صفت قابل غور ولحاظ ہے۔ اَلْعَزِيْزِ۔ وہ غلبہ والا ہے۔ ہر چیز پر قادر۔ جو چاہے کر ڈالے۔ اَلْعَلِيْمِ۔ صاحب علم کامل ہے۔ جس پر کتاب اُتاری ہے، اُس سے اور جس غرض سے اتاری ہے اُس سے، جو اُن کے مخاطب ہیں، اُن سے، جو اور جتنی بھی اس کے اندر حکمتیں اور مصلحتیں رکھ دی ہیں اُن سے، غرض ان سب سے خوب واقف ہے۔ غَافِرِ الذَّنْۢبِ۔ گناہوں کو محض اپنے ارادہ ومشیت سے بخش دینے والا نہ کسی قانون عدل سے مجبور نہ "کفارہ" کا محتاج۔ قَابِلِ التَّوْبِ۔ وہ توبہ قبول کر سکتا ہے جس گناہ سے اور جب چاہے۔ وہ معطل اور محدود الاختیار خدا نہیں۔ شَدِيْدِ الْعِقَابِ۔ حسب ضرورت ومصلحت سزا بھی شدید ترین دے سکتا ہے۔ سو ڈرنا اسی کی نافرمانی سے چاہیے۔ ذِي الطَّوْلِ۔ بڑی قدرت والا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ وہ ہر طرح واحد، متفرد، بلاشریک ہے۔ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔ سب کا مرجع ومنتہٰی وہی ہے۔ یہ نہیں کہ کوئی اُس کے حضور میں آنے سے بچ جائے، سابقہ سب کو صرف اُسی سے پڑنا ہے۔ ف۳ (کہ یہ باوجود انکار شدید وعناد کے جب اس آزادی اور فارغ البالی کے ساتھ تجارت، حکومت، سیر وتفریح کے لیے زمین پر چل پھر رہے ہیں تو کہیں ایسا تو نہیں کہ سزا سے ہمیشہ ہی کے لیے بچ جائیں) منکروں ملحدوں اور مشرکوں کی ظاہری کامیابیاں، کامرانیاں، ترقیاں آج بھی کمزور مسلمانوں کے دلوں میں کیسی مرعوبیت اور اُن کی آنکھوں میں کیسی خیرگی پیدا کیے ہوئے ہیں۔ مَا...... كَفَرُوْا۔ توحید، معاد، رسالت کے بنیادی عقیدوں سے انکار کرنا کسی سلیم الفطرت انسان کا کام تو نہیں ہو سکتا۔ ان سے انکار تو بس وہی لوگ کرتے ہیں۔ جن کی فطرت ہی مسخ ہو چکی ہے۔ مَا يُجَادِلُ کے ظاہر سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جدال اپنی مطلق صورت میں ممنوع ومذموم ہے۔ جدال ممنوع صرف وہ ہے جو باطل کی نصرت وحمایت میں ہو۔ باقی جو جدال حق کی نصرت وحمایت میں اور طریق صحیح پر ہو وہ تو عین مطلوب ہے جیسا کہ متعدد آیتوں میں یہ صراحت ہے، وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اور وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ۔ وغیرھا۔ فاما الجدال فیھا لا یضاح ملتبسھا و حل مشکلھا واستنباط معانیھا و ردّ اھل الزیغ بھا اعظم جھاد فی سبیل اللہ (مدارک)

لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵

تاکہ اس ناحق سے حق کو دبالیں سو میں نے اُن کی گرفت کی سو میری طرف سے انہیں کیسی سزا ملی ف۴

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ

اور اسی طرح آپ کے پروردگار کی بات (تمام) کافروں پر پوری ہوچکی کہ وہ اہل دوزخ ہوں گے ف۵ جو (فرشتے) کہ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ

عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں، اور جو (فرشتے) اس کے گردا گرد ہیں

يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ

وہ اپنے پروردگار کی تسبیح حمد کے ساتھ کرتے رہتے ہیں اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا

استغفار کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے ف۶

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ

سوتو ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کرلی ہے اور تیرے راستہ پر چلتے ہیں، انہیں دوزخ کے عذاب سے

الْجَحِيْمِ ۝۷ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ

بچادے ف۷ اے ہمارے پروردگار انہیں ہیشگی کی بہشتوں میں داخل کردے جن کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ

اور ان کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں سے جو (بہشت کے) لائق ہوں سو انہیں بھی (داخل کردے) ف۸

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸ۙ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ

بے شک تُو تو زبردست ہے حکمت والا ہے ف۹ اور انہیں تکلیفات سے بچالے اور تُو نے جس کو

تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

اُس دن کی تکالیف سے بچا لیا اُس پر تو نے (بڑی) مہربانی کی اور یہی بڑی کامیابی

ف۴ (سو یہ ساری پچھلی تاریخ انبیاء عبرت اور سبق حاصل کرنے کے لیے ہے) وَهَمَّتْ...... لِيَاْخُذُوْهُ۔ یعنی ہر قوم نے یہی چاہا کہ اپنے پیمبر کو پکڑ کر قید یا قتل یا جلاوطن کردے۔ اُمَّةٍ۔ امت سے یہاں ظاہر ہے کہ منکرین اُمت مراد ہیں۔ وَالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ مراد منکرین کے وہ گروہ اور جتھے ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کے بعد گزرے ہیں۔ قوم عاد، قوم ثمود وغیرہا ف۵ یعنی جس طرح یہاں سزا ملی۔ آخرت میں بھی سزا مل کر رہے گی۔ ف۶ (سو اُن کا ایمان تو تجھ پر بدرجۂ اولیٰ روشن ہوگا، اور تو انہیں اپنی رحمت سے بدرجہ اولیٰ سرفراز کرے گا)

يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اللہ اللہ! ان مومنین کے مرتبہ قرب کا کیا ٹھکانا جن کے حق میں ملائکہ، مقربین استغفار کرتے رہتے ہیں۔ محققین نے یہیں سے یہ بھی نکالا ہے کہ مومنین کے حق میں دعائے خیر شعار ملائکہ اور موجب قرب وقبول ہے

و فیه اشارة الی شرف الایمان و جلالة قدر المؤمنین و الی الله ینبغی للمؤمنین من بنی ادم ان یستغفر بعضهم لبعض (روح) اس میں اشارہ ہے ایمان اور اہل ایمان کی عظمت وجلالت کی طرف اور اس طرف بھی کہ مومنین کو ایک دوسرے کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہنا چاہیے

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ جب ایمان مشترک ہو تو شفقت وخیر اندیشی کا تقاضا یہی ہے کہ ان لوگوں کے حق میں دعاء کی جائے اگرچہ دوسری قوم اور ملک کے لوگ ہوں۔ و فیه دلیلٌ علی ان الاشتراک فی الایمان یجب ان یکون ادعی شئی الی النصیحة والشفقة و ان تباعدت الاجناس والاماکن (مدارک) يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ۔ اس پر سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ جب فرشتوں کی تسبیح وحمد کا ذکر آ ہی چکا تھا تو پھر اب اُن کے ایمان کی تصریح کی کیا حاجت تھی؟ زمخشری "صاحب کشاف" نے کہا ہے کہ یہ ایمان ملائکہ کا تذکرہ موقع مدح پر آیا ہے لیکن حاملانِ عرش اگر مشاہدۂ حضرت حق کے بعد ایمان رکھے ہوتے تو اس میں کوئی بات خاص مدح وتحسین کی نہ تھی۔ یہ تو ایسا ہی تھا جیسا کوئی دن دہاڑے آفتاب روشن کو دیکھ کر اس کے وجود کا قائل ہو۔ مدح کی توجیہ بھی یہی ہے کہ رویت ومشاہدہ ان ملائکہ کو بھی نصیب نہیں اور ان کا ایمان تمامتر دلائل وشواہد پر مبنی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کو نقل کرنے کے بعد کمال فراخ دلی سے لکھتے ہیں:۔ رحم الله صاحب الکشاف فلو لم یحصل فی کتابه الا هٰذه النکتة لکفاه فخرًا و شرفًا۔ اللہ صاحب کشاف پر رحمت کرے اپنی کتاب میں اس ایک نکتہ کے سوا اور کچھ نہ لکھتے جب بھی ان کے فخر وشرف کے لیے کافی تھا۔ بیشک حق تعالیٰ کی شان تنزیہ ہے ایسی ہی عالی کہ اہل ناسوت کا کیا ذکر ملائکہ حاملانِ عرش تک اسے اپنے حواس کی گرفت میں نہیں لاسکتے۔ ف۷ اور یہی معنی ہیں مغفرت کے۔ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا یعنی کفر وشرک سے توبہ کرلے۔ عذاب کا سبب تو ذنوب ومعاصی ہی ہوتے ہیں جب وہ رفع ہوگئے تو عذاب بھی رفع ہوگیا۔ ف۸ (گو وہ اُن کے درجہ ومرتبہ کے قابل نہ ہوں) مَنْ صَلَحَ کا ٹکڑا قابل لحاظ ہے۔ ملائکہ کی دعائے علو مراتب مومنین کے اعزہ کے حق میں مطلق صورت میں نہ ہوگی بلکہ صرف انہیں کے حق میں ہوگی جن میں جنت کی صلاحیت ہوگی۔ یعنی اہل ایمان کے۔ کافر تو وہی ہے جو اپنے لیے بہشتی ہونے کی صلاحیت ہی کو فناء کردیتا ہے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ آخرت میں کسی کا نسب اُس کے کام نہ آئے گا وہاں مراد ہے کہ عدم ایمان کی حالت میں (مدارک، جصاص، ابن العربی) ف۹ ہر درجہ تقرب ومغفرت کے عطا پر قادر ہے اور ہر ایک کو اُس کے مناسب حال ہی درجہ عطا کرتا ہے۔

الْعَظِيْمُ ﴿۹﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ

ہے ف۱۰ یقیناً جو لوگ کافر ہیں انہیں پکارا جائے گا کہ جیسی تم کو اپنے سے نفرت ہے اس سے

مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ

بڑھ کر اللہ کو تم سے نفرت تھی جبکہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے

فَتَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ

اور تم انکار کرتے تھے ف۱۱ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار تو نے ہم کو دو بار مُردہ رکھا اور دو بار زندگی دی

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۱۱﴾ ذٰلِكُمْ

سو ہم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا کوئی صورت ہے نکلنے کی ف۱۲ وجہ اس (سزائے دائمی) کی

بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ

یہ ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کیا کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم

تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ

مان لیتے تھے، سو فیصلہ تو اللہ کا ہے جو عالیشان ہے بڑے رتبے والا ہے ف۱۳ وہ وہی ہے جو اپنی نشانیاں

اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ

تمہیں دکھاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے رزق اُتارتا ہے ف۱۴ اور نصیحت تو بس وہی قبول کرتا ہے جو (اللہ سے)

يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ

رجوع کرتا رہتا ہے، سو تم لوگ اللہ کو پکارو اس سے خالص اعتقاد رکھ کر گو کافروں کو

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ

ناگوار ہو ف۱۵ وہ مرتبوں کو بلند کرنے والا ہے مالک عرش کا ہے وہ بندوں میں سے جس پر چاہے

مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ

وحی یعنی اپنا حکم بھیجتا ہے تاکہ یوم الاجتماع سے

ع ۱

ف۱۰ (جس کے سامنے ساری دنیوی کامیابیاں پست، عارضی اور ہیچ ہیں) خوب خیال رہے کہ قرآن مجید نے مقصود اعظم اسی نجات اُخروی اور دخول جنت کو بتایا ہے اس کے علاوہ اور جتنے مقاصد ہیں سب پست اور محض ضمنی ہیں۔ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ۔ یعنی علاوہ دوزخ کے عذاب اعظم کے اور بھی روز قیامت کی ہر تکلیف سے بھی بچالے۔ السَّيِّاٰتِ کے معنی جزاء السیات کے سمجھے گئے ہیں۔ و قیل التقدیر قهم عذاب السیات (قرطبی) و من تق السیات ای جزاء ها (بحر) ف۱۱ یہ اُس وقت کا نقشہ ہے جب کافر دوزخ میں داخل ہو کر خود اپنے اوپر نفریں اور غصہ کریں گے کہ دنیا میں ہم کیسے اندھے ہو گئے تھے ــــ اور اس ندا سے مقصود اُس وقت اُن کی حسرت وندامت میں اور اضافہ کرنا ہوگا۔ ف۱۲ (اور دنیا میں دوبارہ جا کر اپنی خطاؤں کے تدارک وتلافی کی) ظاہر ہے کہ یہ درخواست قبول نہ ہوگی اور اہل جہنم پر یاس کامل طاری ہو کر رہے گی۔ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا۔ اس میں یہ اعتراف بھی آ گیا کہ جس زندگی سے ہمیں انکار تھا۔ اُس کا خود مشاہدہ وتجربہ ہو گیا۔ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ۔ دو مردہ حالتوں میں سے ایک تو یہی موت متعارف ہے۔ دوسرے قبل ولادت کی بے جان حالت یا جمادیت کی حالت۔ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ۔ دو زندگیاں۔ یعنی ایک زندگی دنیا کی، دوسری آخرت کی۔ ف۱۳ (سو انکار کی سزا بھی اُسی حاکم مقتدر کی جلالت قدر ومرتبہ کے لحاظ سے ملے گی) اِذَا...... تُؤْمِنُوْا۔ بس یہی خلاصہ ہے دین شرک کا، خدا کے وجود سے مشرکوں کو انکار نہیں، انکار صرف اُس کے خدائے واحد ہونے سے ہے۔ اُسے خدائے اعظم کی حیثیت سے مانا جائے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے خداؤں کی حیثیت تسلیم کر لی جائے تو ان مشرکوں کو بھی تامل نہ رہے۔ ف۱۴ (جو دلیل ہے اس کی کہ وہ رب اور منعم بھی ہے) اٰيٰتِهٖ۔ یعنی نشانیاں اپنی قدرت وتوحید کی۔ ف۱۵ یعنی ہر شائبہ شرک سے اور ہر آمیزش کفر سے پاک صاف ہو کر حق تعالیٰ کو پکارو اور یہ توحید خالص ہی تو کافروں کو شاق گزرتی ہے۔ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ۔ یعنی پند ونصیحت کارگر اُسی کے حق میں ہوتی ہے، جو حق تعالیٰ کی طرف قصد رجوع رکھتا ہو۔ غور وتامل اسی قصد رجوع سے پیدا ہوتا ہے۔ اور وہی حق تعالیٰ تک پہنچا دیتا ہے۔

التَّلَاقِ ⑮ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ

ڈرائے ف۱۶ (یعنی) اُس دن سے جس دن سب لوگ سامنے آموجود ہوں گے اُن کی کوئی بات اللہ سے مخفی

شَیْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ⑯ اَلْيَوْمَ

نہیں رہے گی آج کے روز کس کی حکومت ہے؟ بس اللہ واحد و غالب ہی کی ہے ف۱۷ آج

تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ہر شخص کو اُس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا آج کچھ ظلم نہ ہو گا اللہ بہت جلد

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑰ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ

حساب لے ڈالنے والا ہے اور آپ انہیں ایک قریبی مصیبت والے دن سے ڈرائیے جب کلیجے

لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا

منہ کو آجائیں گے (غم سے) گھٹ گھٹ جائیں گے ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہو گا اور نہ سفارشی

شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ؕ ⑱ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِى

جس کی بات مان ہی لی جائے ف۱۸ (اللہ) جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو اور جو کچھ سینہ میں چھپا ہوا ہے

الصُّدُوْرُ ⑲ وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

اُس کو بھی ف۱۹ اور اللہ ٹھیک ہی فیصلہ کرے گا، اور جن لوگوں کو یہ اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَیْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ

پکارتے ہیں وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے، اللہ ہی (سب کچھ) سننے والا ہے

الْبَصِيْرُ ⑳ ع اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

(سب کچھ) دیکھنے والا ہے ف۲۰ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں جو یہ دیکھ لیتے کہ ان سے قبل

عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ

والوں کا انجام کیسا ہوا وہ لوگ ان سے بھی بڑھے ہوئے تھے

ع ۲/۱

ف۱۶ يَوْمَ التَّلَاقِ۔ مراد ظاہر ہے کہ یوم آخرت سے ہے۔ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ۔ یہاں رافع الدرجات کے معنٰی میں ہے۔ یعنی بندوں کے درجات ومراتب کا بڑھانے والا۔ رافع درجات الانبیاء والاولیاء فی الجنة (معالم) اے رافع درجات المؤمنین و منازلھم فی الجنة (بحر) بعض نے مرتفع الدرجات کے معنٰی میں لیا ہے۔ یعنی صفات عظیم وبلند رکھنے والا۔ یحتمل ان یکون المراد منه الرافع و ان یکون المراد منه المرتفع (کبیر) ذُو الْعَرْشِ۔ لفظی معنٰی ہوئے عرش والا، اس سے یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ میاں عرش کے اُوپر بیٹھے ہوئے ہیں، حق تعالیٰ ہر جسمیت، ہر مکانیت سے پاک و برتر ہیں، مراد صرف یہ ہے کہ وہ اس کا بھی مالک اُس کا خالق اور اُس پر ہر طرح قادر ہے۔ و معناه انه مالک العرش و متدبرهٗ و خالقهٗ (کبیر) اے خالقه و مالکهٗ لا انهٗ محتاج الیه (قرطبی) اور مقصود اس سے اُس کے کمال قدرت اور منتہائے ہیبت کا اظہار ہے۔ والفائدة فی تخصیص العرش بالذکر هو انهٗ اعظم الاجسام (کبیر) الرُّوْحَ سے مراد وحی ہے۔ الروح من امره اے الوحی من امره (ابن جریر۔ عن قتادة) اختلفوا فی المراد بھذا الروح والصحیح ان المراد هو الوحی (کبیر) سماه روحًا لانهٗ تحیا به القلوب کما تحیا الابدان (معالم) اے الوحی والنبوة و سمی ذٰلک روحًا لان الناس یحیون بها (قرطبی) دوسرے معنٰی قرآن وکتاب کے لیے گئے ہیں۔ و قال اٰخرون عنی به القراٰن و الکتاب (ابن جریر) قاموس میں ہے کہ روح، قرآن ووحی کے معنٰی میں ہے، اور تاج میں ابو العباس کا قول نقل کیا ہے کہ جس طرح روح جسد انسانی کو زندہ کرتی ہے، وحی موت کفر سے نجات دیتی ہے اور ایمان کی زندگی پھونکتی ہے اس لیے وحی کو بھی روح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ف۱۷ حکومت تو آج بھی خدائے واحد وغالب ہی کی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اُس روز یہ سب پر بالکل عیاں وروشن ہو کر رہے گی۔ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ الْوَاحِدِ۔ اور القهار دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ ف۱۸ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ کے لفظی معنٰی "قریب آجانے والی" کے ہیں۔ قیامت بھی چونکہ برابر قریب آتی جارہی ہے اس لیے يَوْمَ الْاٰزِفَةِ ایک نام یوم قیامت کا بھی پڑ گیا۔ عبر عنها بساعة (راغب) یعنی یوم القیامة (ابن جریر) اَلْيَوْمَ...... كَسَبَتْ۔ آیت کے الفاظ سے یہ نکل رہا ہے کہ ثواب وعذاب بندہ ہی کا کسب کیا ہوا ہوتا ہے اور یہی اشاعرہ کا مذہب ہے۔ قال ابن عطیة و هٰذه الاٰیة نص فی ان الثواب والعقاب متعلق باکتساب العبد و هو علی طریقة الاشعریة (بحر) لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ۔ یعنی یہ نہ ہو گا کہ کسی کا اجر گھٹا دیا جائے اور کسی کا عذاب بڑھا دیا جائے۔ ف۱۹ یہاں یہ بتادیا کہ اقوال وافعال کیا معنٰی، احوال وکیفیات، جذبات وواردات قلب تک سب وہاں حاضر وعیاں ہوں گے ــــ یہ اور بات ہے کہ اضطراری اعمال وکیفیات معاف کردی جائیں۔ ف۲۰ یعنی وہی ان صفات کمال میں کامل اور دوسرے معبود ان صفات ہی سے عاری۔ اس لیے اس کے سوا کوئی اور فیصلہ کر ہی نہیں سکتا۔ آیت سے دو پہلوؤں پر اور زیادہ روشنی پڑ گئی۔ ایک شرکت الوہیت ومعبودیت کی نفی، دوسرے ان معبودوں کا نصرت سے عجز۔

قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ مَا

بلحاظ قوت اور زمین پر اپنے چھوڑے ہوئے نشانات کے، سو اللہ نے ان کی گرفت کی بہ سبب اُن کے گناہوں کے، اور

كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ

اُن کا کوئی اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا نہ ہوا و۲۱ یہ (گرفت) اس لئے ہوئی کہ اُن کے پاس ان کے پیمبر

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ

واضح دلیلیں لاتے رہے، اس پر بھی وہ کفر ہی کئے گئے، سو اللہ نے انہیں پکڑ لیا، بیشک وہ بڑی قوت والا ہے،

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا

سخت سزا دینے والا ہے و۲۲ اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام

وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ لا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ قَارُوْنَ

اور کھلی ہوئی دلیل دے کر فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا

فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا

تو وہ لوگ بولے یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے و۲۳ جب وہ لوگوں کے پاس دین حق ہمارے پاس سے لے کر آئے

قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَ اسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ

تو وہ لوگ بولے کہ جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہوئے ہیں اُن کے لڑکوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو

وَ مَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ

اور کافروں کی چال محض ناکام رہی و۲۴ اور فرعون بولا

ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَ لْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ

مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور یہ اپنے پروردگار کو پکار دیکھے و۲۵ مجھے ڈر ہے کہ

يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَ قَالَ

وہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا یہ کہ ملک میں فساد پھیلا دے گا و۲۶ اور موسیٰ نے

و۲۱ یہ تاریخ اور اثریات کے مطالعہ کے لیے اپیل ہے کہ ان فنون سے مدد لے کر دیکھو اور بڑی بڑی پر قوت سرکش قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرو۔ اٰثَارًا فِي الْاَرْضِ۔ مثلاً محل، قلعہ، باغ وغیرہا۔ اَلَّذِيْنَ ...... الْاَرْضِ۔ اشارہ اُن قبل اسلام کی متمدن و سربرآوردہ جاہلی قوموں کی جانب ہے جن کی ترقی تہذیب وتمدن کے نشان اب بھی کھنڈروں کی صورت میں موجود ہیں۔ و۲۲ (تو اس کی گرفت سے یہ لوگ کب تک باہر رہ سکتے ہیں) بِالْبَيِّنٰتِ بینات کے تحت میں عقلی دلائل اور عملی معجزے سب کچھ آگئے۔ و۲۳ قرآن جیسا کہ بار بار بیان ہو چکا ہے، کوئی تاریخ کی کتاب نہیں اس کے پیش نظر صرف مقاصد و نتائج رہتے ہیں۔ نبوت موسوی سے انکار کا جزء ان تینوں مشاہیر میں مشترک تھا اور یہاں اسی کے نتیجہ پر تنبیہ مقصود تھی اس لیے قرآن نے بھی تینوں کا نام ایک ساتھ لے دیا ورنہ ظاہر ہے، کہ قارون مصری نہیں اسرائیلی تھا اور اس کی تکذیب و انکار کا واقعہ زمانا بھی فرعون و ہامان سے متاخر ہے۔ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ قَارُوْنَ۔ فرعون پر حاشیے سورۃ البقرہ پ۱ میں گزر چکے اور ہامان و قارون پر سورۃ القصص پ۲۰ میں۔ قارون اسرائیلی نے جس شدومد سے حضرت موسیٰ سے انکار کیا ہے اور بغاوت پر آمادہ ہوا ہے اُس کا ذکر توریت میں بصراحت موجود ہے۔ و۲۴ کافروں کی چالیں تو مآلاً اور آخر کار تو ہمیشہ ہی ناکام رہتی ہیں اور کبھی حالاً اور فوری طور پر بھی ناکام رکھی جاتی ہیں۔ قَالُوْا۔ یہ مشورہ دینے والے اور آپس میں صلاح کرنے والے مصر کے اعیانِ سلطنت و ارکان حکومت تھے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ یہ ایمان لانے والے حضرت موسیٰ ہی کے ہم قوم بنی اسرائیل تھے۔ و۲۵ (دیکھیں تو سہی وہ ہمارے عتاب سے اسے کیونکر بچا لیتا ہے) قَالَ فِرْعَوْنُ۔ یہ فرعون نے جھنجھلا کر اپنے وزراء و اُمراء سے کہا۔ فرعون کی حکومت باوجود اس کے شخصی استبداد کے شورائی تھی، جیسا کہ قرآن مجید کی دوسری آیات سے بھی نکلتا ہے۔ و۲۶ دین سے مراد مصر کا قومی آبائی دین شرک ہے ــــ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔ فرعون نے دو خطرے اپنے اعیانِ سلطنت کو بھجائے ایک یہ کہ یہ مدعی نبوت اپنی تدبیروں اور نام نہاد اصلاحی مساعی سے اس دین آبائی میں خلل ڈال دے گا اور لوگوں کو دین شرک سے اُکھاڑ دے گا۔ دوسرے یہ کہ رعایا میں تاج کے خلاف شورش و بغاوت پھیلا دے گا۔

مُوْسٰٓى اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ

کہا میں اپنے اور تمہارے سب کے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر بڑائی مارنے والے سے جو روز حساب پر

بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

یقین نہیں رکھتا ف ۲۷ اور ایک مرد مومن نے جو خاندان فرعون سے تھے

يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّىَ اللّٰهُ وَقَدْ

اور اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے کہا ف ۲۸ کیا تم ایک مرد کو اس بات پر قتل کر ڈالو گے کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے

جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ

درآنحالیکہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلی ہوئی دلیلیں بھی لایا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اُس کا جھوٹ اسی پر

كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ يَعِدُكُمْ ۭ

پڑے گا اور اگر وہ سچا ہوا تو وہ جو کچھ پیش گوئی کر رہا ہے اُس میں سے کچھ تم پر (ضرور ہی) پڑے گا

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ

بے شک اللہ ایسے کو راہ (کامیابی) نہیں دکھاتا جو حد سے گزر جانے والا ہو جھوٹا لپاٹیا ہو ف ۲۹ اے میرے بھائیو! آج تمہاری

الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ

سلطنت ہے کہ اس سرزمین میں تم حاکم ہو لیکن اللہ کے عذاب سے ہمیں

بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى

کون بچائے گا اگر وہ ہم پر آ پڑا ف ۳۰ فرعون نے کہا میں تو تم لوگوں کو وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا ہوں

وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الَّذِىْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ

اور میں تو تم کو عین طریق مصلحت ہی بتاتا ہوں اور اُس ایمان لے آنے والے شخص نے کہا، اے میرے بھائیو!

اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ

مجھے تمہارے متعلق (دوسری) اُمتوں کے سے روز بد کا اندیشہ ہے جیسا کہ

ع ۳/۸

ف ۲۷ علماء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ شر سے بچنے کے لیے دعاء عمومی اور کلی رنگ میں اگر کی جائے تو بہتر ہے جیسا کہ یہاں ضرورت صرف فرعون کے شر سے پناہ مانگنے کی تھی لیکن حضرت موسٰی نے الفاظ جامع و عمومی استعمال کیے۔ ف ۲۸ معلوم ہوتا ہے کہ فرعونیوں میں سے کچھ لوگ حضرت موسٰی کی صداقت کے قائل ہو گئے تھے اور اتنا تو توریت میں بھی ہے کہ کچھ فرعونی خوفِ خدا رکھنے والے تھے۔ حضرت موسٰی کی ایک منذر پیشگوئی کے سلسلہ میں ہے:۔ ''فرعون کے نوکروں میں ہر ایک جو خداوند کے کلام سے ڈرتا تھا اپنے نوکروں اور اپنے مواشی کو گھروں میں بھگا لے آیا''۔ (خروج۔۹:۲۰) يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ۔ علماء محققین نے لکھا ہے کہ اسلام ہی کی مصلحت سے اپنے اسلام کا چھپانا بالکل جائز ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل باطل کے سامنے حق کا اخفاء خوف فتنہ سے منافی کمال نہیں، خصوصاً جبکہ سہولت ارشاد و تبلیغ کی مصلحت بھی شامل ہو۔ ف ۲۹ (اور دنیا کا کوئی اسراف و کذب جھوٹے دعوائے نبوت سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے) مرد مومن کا کہنا یہ ہے کہ موسٰی کا اوّل تو جرم ہی کیا ہے۔ بجز اقرار توحید کے اور پھر اقرار بھی بلا دلیل نہیں، آیات و معجزات سے مدلل، بالفرض وہ جھوٹے ہیں تو ایسے شدید قسم کے جھوٹ کی حق تعالٰی دنیا ہی میں سزا دے کر رہے گا۔ لیکن اگر ان کا دعوئے نبوت سچ نکلا تو تم اپنی خبر لو، تمہارا انجام کیا ہو کر رہے گا؟ وَاِنْ ...... كَذِبُهٗ۔ علماء محققین نے لکھا ہے کہ جھوٹے مدعیان نبوت بھی اگر کورے بچ کر نکل جائیں تو تلبیس علی الحق لازم آتی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے تحت میں اپنا ذاتی تجربہ بھی بیان کیا ہے کہ جب کبھی مجھے کسی شریر نے خواہ مخواہ نقصان پہنچانا چاہا، اور میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی، بلکہ معاملہ حق تعالٰی ہی پر چھوڑ دیا تو اللہ نے ہمیشہ کچھ نہ کچھ لوگ ایسے لا کھڑے کیے جو پوری طرح اس شر کے دفعیہ پر لگ گئے۔ و لقد جربت فی احوال نفسی انهٗ كلما قصدنی شریر بشر و لم اتعرض لهٗ و اكتفى بتفويض ذٰلک الامر الى الله فانهٗ سبحانهٗ يقيض اقوامًا لا اعرفهم البتة يبالغون فى دفع ذالک الشر (کبیر) ف ۳۰ (اور اس کا وقوع ایک سچے نبی کے قتل کے بعد یقینی ہے)

قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ وَالَّذِيۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ‌ؕ وَمَا اللّٰهُ

قوم نوح و عاد و ثمود اور اُن کے بعد والوں کا حال ہوا تھا اور اللہ

يُرِيۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعِبَادِ (٣١) وَيٰقَوۡمِ اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ يَوۡمَ

بندوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں کرنا چاہتا ف۳۱ اے میرے بھائیو مجھے تمہاری بابت پکار کے دن کی طرف سے بھی

التَّنَادِ ۙ (٣٢) يَوۡمَ تُوَلُّوۡنَ مُدۡبِرِيۡنَ‌ۚ مَا لَـكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ

اندیشہ ہے ف۳۲ جس روز تم پشت پھیر کر بھاگو گے تم کو اللہ کے مقابلہ میں کوئی

مِنۡ عَاصِمٍ‌ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ (٣٣) وَلَقَدۡ

بچانے والا نہ ہو گا ف۳۳ اور جسے اللہ گمراہ کرے اُسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور

جَآءَكُمۡ يُوۡسُفُ مِنۡ قَبۡلُ بِالۡبَيِّنٰتِ فَمَا زِلۡتُمۡ فِىۡ شَكٍّ

تمہارے پاس اس کے قبل یوسف بھی تو کھلے ہوئے دلائل لے کر آ چکے ہیں سو تم شک ہی میں پڑے رہے اُن امور سے متعلق

مِّمَّا جَآءَكُمۡ بِهٖ‌ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلۡتُمۡ لَنۡ يَّبۡعَثَ اللّٰهُ

جو وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے ف۳۴ یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم کہنے لگے کہ اب خدا اُن کے بعد کوئی

مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رَسُوۡلًا‌ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ هُوَ مُسۡرِفٌ

رسول نہ بھیجے گا اسی طرح اللہ گمراہی میں ڈالے رکھتا ہے اُن لوگوں کو جو حد سے نکل جانے والے

مُّرۡتَابُ ۚ (٣٤) اۨلَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ سُلۡطٰنٍ

ہوتے ہیں شک میں پڑے رہتے ہیں ف۳۵ (اور) جو اللہ کی نشانیوں کے باب میں بغیر اس کے کہ اس نے انہیں کوئی

اَتٰٮهُمۡ‌ؕ كَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا‌ؕ كَذٰلِكَ

سند دی ہو جھگڑے نکالتے رہتے ہیں (اس سے) بڑی بیزاری ہے اللہ کو اور ایمان والوں کو اسی طرح

يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلۡبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (٣٥) وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ

اللہ مہر کر دیتا ہے ہر مغرور و جابر کے قلب پر ف۳۶ اور فرعون نے کہا

ف۳۱ (لیکن جب تم خود ہی اس کے عذاب کو بلا رہے ہو تو ضرور کیفرِ کردار کو پہنچ کر رہو گے) مَا...... لِلۡعِبَادِ۔ اس فقرہ میں تعریض ہے مشرکوں کے خونخوار و خوں آشام دیوی دیوتاؤں پر۔ ف۳۲ یعنی سزائے دنیوی کے علاوہ عذاب آخرت کا بھی۔ يَوۡمَ التَّنَادِ۔ "پکار والا دن" یوم قیامت کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس روز بڑی ہی چیخ پکار پڑے گی۔ یوم ینادی الناس بعضهم بعضاً من فزع نفخة الفزع (ابن جریر) ف۳۳ روزِ حشر کی دہشت اور ہولناکی کا بیان ہے۔ یوم یولون هاربین فی الارض حذر عذاب الله وعقابه عند معاینتهم جهنم (ابن جریر) ف۳۴ یعنی تم نے تو ان کی نبوت کی بھی تصدیق نہ کی۔ وَلَقَدۡ جَآءَكُمۡ۔ یعنی وہ اسی ملک مصر میں، اہل مصر کے روبرو نبی ہو کر آئے تھے۔ ف۳۵ یعنی نبوت کی تو تم ان کے بھی قائل نہ تھے اور جب وہ وفات پا گئے، جب تم کھلم کھلا کہنے لگے کہ ہمیشہ کے لئے یہ جھگڑا پاک ہو گیا۔ كَذٰلِكَ...... مُّرۡتَابُ۔ یہ ایک عام قانون قاعدہ بتا دیا کہ ایسے بدتوفیقوں کو ہمیشہ گمراہی ہی میں پڑا رہنے دیا جاتا ہے۔ اِذَا هَلَكَ۔ قرآن مجید انبیاء صدیقین کے لئے بھی ایسے موقعوں پر بے تکلف وہی الفاظ لے آتا ہے جو عام افرادِ بشری کے لئے لائے جاتے ہیں، ہلاکت و موت کے قسم کے الفاظ جس طرح ہر بشر کے لئے آتے ہیں انبیاء کے لئے بھی لائے گئے ہیں۔ ف۳۶ (مغرور و جابر و متکبر و جبار) چونکہ حق طلبی اور حق جوئی سے کام نہیں لیتا، اس لئے رفتہ رفتہ اس میں صلاحیت حق فہمی کی بھی باقی نہیں رہ جاتی۔ يُجَادِلُوۡنَ...... سُلۡطٰنٍ۔ جدال بلا دلیل کی اس مذمت سے یہ نکلا کہ جدال حجت صحیحہ کے ساتھ کرنا مستحسن ہے فی ذمه لهم بانهم یجادلون بغیر سلطان دلالة علی ان الجدال بالحجة حسن وحق (کبیر)

يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝۳۶

اے ہامان میرے لئے ایک بلند عمارت بنوا کہ میں (اس سے) آسمان پر جانے کی راہوں تک

اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ

پہنچ جاؤں اور موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی

كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ

سمجھتا ہوں ف۳۷ اور اسی طرح فرعون کو اُس کی بدکرداری خوش نما کر دی گئی اور وہ راہ (راست) سے

السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝۳۷ وَقَالَ

رُک گیا اور فرعون کی ہر تدبیر غارت ہی گئی ف۳۸ اور وہی جو ایمان

الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝۳۸

لا چکا تھا بولا اے میرے بھائیو میری پیروی کرو میں تمہیں ٹھیک راستہ بتا رہا ہوں

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ

اے میرے بھائیو یہ دنیوی زندگی محض چند روزہ ہے اور ٹھہرنے کا ٹھکانا تو

هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝۳۹ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا

آخرت ہی ہے ف۳۹ جو کوئی گناہ کرتا ہے اُسے بدلہ بس برابر سرابر ہی

مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ

ملتا ہے اور جو کوئی نیک کام کرتا ہے وہ مرد ہو یا عورت ہاں بس

مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا

مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے جہاں انہیں رزق

بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۴۰ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ

بے حساب ملے گا ف۴۰ اور اے میرے بھائیو یہ کیا ہے کہ میں تو تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں

ف۳۷ فرعون اس مردِ مومن کی تقریروں کا تو کچھ جواب دے نہ سکا لاجواب ہو کر فرمائش ہامان سے یہ کر دی۔ یٰهَامٰنُ۔ ہامان پر حاشیہ سورۃ القصص (پ۲۰) میں گزر چکا۔ ہامان۔ جو دیوتا آمن کے مندر کا سب سے بڑا پروہت یا پجاری تھا۔ وہی سلطنت کا چیف انجینئر بھی ہوتا تھا ہامان سے متعلق اسی سابق حاشیہ میں گذر چکا ہے کہ یہ شخصی نام نہیں بلکہ ایک عظیم الشان سرکاری عہدہ کا لقب تھا جیسے فرعون خود شاہی لقب تھا۔ ابْنِ لِيْ صَرْحًا۔ روایات یہود میں بھی آتا ہے کہ شاہ مصر کے لئے زمین و آسمان کے درمیان ایک محل تعمیر ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ۔ لفظ ظن سے یہ خیال نہ گذرے کہ فرعون اس بات کو بطور فرض کے، یا شک کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ ظن یقین کے معنی میں بھی آتا ہے۔ قیل ان الظن بمعنی الیقین ای وانا اتیقن انه کاذب (قرطبی) ف۳۸ (اور بالآخر وہ اپنے لاؤ لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو کر رہا) وَكَذٰلِكَ یعنی جس طرح کے سوء اعمال کی خوشنمائی کی ایک مثال ابھی اوپر فرعون کے قول میں گزر چکی۔ ای مثل ذٰلک التزیین وذٰلک الصد (مدارک) زُيِّنَ...... عَمَلِهٖ۔ اس تزیین کی علت قریبہ تو ہمیشہ شیطان کی وسوسہ اندازی ہی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ وزین لهم الشیطان اعمالهم۔ لیکن علت بعیدہ تکوینی حیثیت سے خود ذاتِ حق ہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ زینا لهم اعمالهم فهم یعمهون۔ ف۳۹ مردِ مومن کا کہنا یہ ہے کہ حقیقی فوز و فلاح کا راستہ تو وہ ہے جسے میں بتا رہا ہوں نہ کہ وہ جس کی رہبری فرعون کر رہا ہے۔ اِنَّمَا...... الْقَرَارِ۔ عاجل اور آجل کے راستوں کا فرق جو آج نظر آ رہا ہے۔ یہی ہمیشہ رہا ہے۔ غافل نے اِدھر دیکھا عاقل نے اُدھر دیکھا۔ مَتَاعٌ۔ میں تنوین تقلیل کی ہے اظہار تحقیر کے لئے اور مَتَاعٌ کے لفظ میں خود ہی اس نفع کے عارضی اور زود فنا ہونے کا مفہوم شامل ہے۔ متعة تنتفعون بها مدة ثم تنقطع (معالم) ای یتمتع بها قلیلا ثم تنقطع وتزول (قرطبی) ف۴۰ یہاں ایک بڑی اصل پر روشنی پڑ گئی۔ اہلِ جنت کے اجر کی کوئی حد ہی مقرر نہیں۔ لیکن بدی کی سزا میں یہ قاعدہ مقرر نہیں۔ بدکار کو سزا صرف اسکے جرم کے متناسب ہی ملے گی۔ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔ عورت جس طرح دیوی اور کسی خاص تقدس و احترام کی حامل نہیں اسی طرح گندی اور ناپاک جنس بھی نہیں۔ عمل و ایمان کے نقطۂ نظر سے مرد و عورت دونوں بالکل یکساں و ہم سطح ہیں۔ جس کے جیسے عمل ہوں گے، اسی مناسبت سے اسے جزائے عمل بھی ملے گی۔ اس کی جنسیت کا اس پر کچھ بھی اثر نہیں پڑے گا جاہلی مذہبوں نے عورت کے بارہ میں جو جو بے اعتدالیاں روا رکھی ہیں ان کے پیش نظر قرآن مجید کو اس صراحت کی ضرورت تھی۔

وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝۴۱ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ

اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو تم مجھے اس طرف بلاتے ہو کہ میں اللہ سے کفر کروں

بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ

اور ایسی چیز کو اس کا شریک کروں جس کے (شریک ہونے) پر میرے پاس کوئی دلیل نہیں درآنحالیکہ میں تمہیں (خدائے) غالب وغفار کی

الْغَفَّارِ ۝۴۲ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ

طرف بلاتا ہوں ف۴۱ یہ یقینی بات ہے کہ جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو وہ پکارے جانے کے قابل نہ دنیا میں

فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ

ہے اور نہ آخرت میں اور یہ بھی کہ ہم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور یہ بھی کہ

الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۴۳ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ

حد سے نکل جانے والے سب دوزخی ہی ہوں گے ف۴۲ سو عنقریب تم میری بات کو یاد

لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ

کرو گے اور میں اپنا معاملہ تو اللہ کے سپرد کیے ہوئے ہوں، بے شک اللہ بندوں کا خوب

بِالْعِبَادِ ۝۴۴ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ

نگراں ہے ف۴۳ پھر اللہ نے اُس (مومن) کو اُن لوگوں کی مضر تدبیروں سے محفوظ رکھا اور

فِرْعَوْنَ سُوْۗءُ الْعَذَابِ ۝۴۵ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا

اہل فرعون کو موذی عذاب نے گھیر لیا وہ لوگ صبح و شام آگ پر پیش کیے

وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ

جاتے ہیں اور جس روز قیامت قائم ہو گی (یہ کہا جائے گا) اہل فرعون کو شدید ترین عذاب

اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝۴۶ وَاِذْ يَتَحَاۗجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ

میں داخل کرو ف۴۴ اور جبکہ (کافر) دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجہ کے لوگ

ف۴۱ خدائے غالب وزبردست ایسا کہ وہ گرفت کرے تو کوئی چھڑا نہ سکے اور غفار ایسا کہ وہ مغفرت کرنا چاہے تو کوئی اس میں حائل نہ ہو سکے۔ مَا لِیْ۔ کلمۂ استعجاب ہے، مطلب یہ کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ میں تو تمہیں راحت ابدی اور حقیقۃ الحقائق کی طرف بلا رہا ہوں اور تم اس کے بالکل برعکس مجھے عذاب دائمی اور باطل محض کی طرف لے جانا چاہتے ہو۔ ف۴۲ یعنی تمہاری دعوت تو حقیقت سے بالکل معرا ہے...... آخر شرک پر بڑی چھوٹی، عقلی، نقلی کوئی سی بھی دلیل قائم ہے؟ الْمُسْرِفِيْنَ۔ مسرفین۔ یہ عبودیت سے نکل جانے والے مشرکین ہوتے ہیں۔ قال قتادة وابن سیرین یعنی المشرکین (قرطبی) لَيْسَ...... الْاٰخِرَةِ۔ یعنی ان تمام تمہاری مورتیوں اور دیوی دیوتاؤں میں تو سرے سے صلاحیت ہی نہیں کہ اپنی معبودیت کا دعویٰ پیش کر سکیں۔ ف۴۳ (اس کی نظر سے کسی کے قول یا عمل کا پوشیدہ رہ جانا کیونکر ممکن ہے) فَسَتَذْكُرُوْنَ۔ س سے مراد ہے نزول عذاب کے وقت خواہ وہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ اے عند نزول العذاب (مدارک) عند معاینة العذاب (بیضاوی) اذا حلّ بکم العذاب (قرطبی) ف۴۴ یہ آیت اثبات عذاب قبر و وجود برزخ میں ایک نص صریح ہے۔ دل علی ان المراد النار یعرضون علیها قبل القیامة (جصاص) هذه الأیة تدل علی عذاب القبر (جصاص) والجمهور علی ان هذا العرض فی البرزخ (قرطبی) هذه الأیة دلیلٌ علی عذاب القبر (مدارک) وفیه دلیل علی بقاء النفس وعذاب البرزخ (بیضاوی) احتج اصحابنا بهذه الأیة علی اثبات عذاب القبر (کبیر) ذالک یدل علی اثبات عذاب القبر فی حق هٰؤلآء واذا ثبت فی حقهم ثبت فی حق غیرهم لانه لا قائل بالفرق (کبیر) وهذه الأیة اصل کبیر فی استدلال اهل السنة علی عذاب البرزخ فی القبور (ابن کثیر) هذه الأیة تمسک بها اهل السنة فی اثبات عذاب القبر صرح بذالک فی علم الکلام وکتب التفاسیر جمیعًا (احمدی) لیکن مفسر ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت سے برزخ میں صرف ارواح پر عذاب ثابت ہوتا ہے باقی ان روحوں کے سبب سے قبور میں جسموں کا بھی معذب ہونا، تو اس کا ثبوت احادیث نبوی سے ہوتا ہے۔ اور آگے احادیث نقل کی ہیں:۔ الجواب ان الأیة دلّت علی عرض الارواح علی النار غدوًا وعشیًا فی البرزخ ولیس فیها دلالة علی اتصال تألمها باجسادها فی القبور اذ قد یکون ذٰلک مختصًا بالروح فاما حصول ذٰلک للجسد فی البرزخ وتألّمهٗ بسببه فلم یدل علیه الا السنة فی الاحادیث المرضیة الأتی ذکرها۔ اور احادیث اس باب میں بکثرت ہیں۔ واحادیث عذاب القبر کثیرة جدًا (ابن کثیر) غُدُوًّا وَّعَشِيًّا۔ ایک معنی تو یہی صبح وشام کے ہیں یعنی ایسے اوقات میں جو ہمارے عالم ناسوت کے صبح وشام کے مقابل ہوں گے۔ قال الفراء فی الغداة والعشی بمقادیر ذٰلک فی الدنیا (قرطبی) دوسرا مفہوم ''ہمیشہ'' کا بھی ہو سکتا ہے۔ جوّز ان یکون المراد بالتابید اکتفاء بالطرفین المحیطین عن الجمیع (روح) لا یمتنع ان یکون ذکر الغدٰوة والعشیة کنایة عن الدوام (کبیر) اے ما دامت الدنیا کذالک قال مجاهد وعکرمه (قرطبی)

الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ

بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے ہی تابع تھے تو کیا تم ہم سے

مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا

آگ کا کوئی جز ہٹا سکتے ہو؟ ف۴۵ بڑے لوگ کہیں گے کہ

اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ

ہم سب ہی اس میں (پڑے) ہیں اللہ تو اب بندوں کے درمیان (قطعی) فیصلہ کر چکا ف۴۶ اور جو لوگ

الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا

آگ میں (پڑے) ہوں گے وہ دوزخ کے پہرہ داروں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی دن تو

يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ

ہم سے عذاب ہلکا کر دے ف۴۷ وہ کہیں گے اچھا تو کیا تمہارے پاس تمہارے پیمبر نشانات لے کر نہیں

بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ

آتے رہے تھے؟ ف۴۸ (دوزخی) بولیں گے کیوں نہیں (فرشتے) کہیں گے تو پھر تم ہی دعا کر لو اور کافروں کی دعا تو

اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ع اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي

بس بے اثر ہی ہے ف۴۹ بے شک ہم مدد کرتے رہتے ہیں اپنے پیمبروں کی اور ایمان والوں کی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ۙ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ

دنیوی زندگی میں بھی اور اس روز بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے ف۵۰ (یعنی) اسی دن جب کہ ظالموں کو ان کی معذرت

الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

کچھ نفع نہ دے گی اور ان کے لئے لعنت ہوگی اور ان کے لئے اس عالم میں خرابی ہوگی ف۵۱

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ

اور ہم بالیقین موسیٰ کو ہدایت نامہ دے چکے ہیں اور ہم نے بنی اسرائیل

ف۴۵ یعنی دنیا میں جن کی حیثیت پس روؤں اور تابعین کی تھی، وہ اپنے سرداروں، رئیسوں سے دوزخ میں کہیں گے کہ دنیا میں تو آپ ہم پر حاکم وبالا دست تھے، اب یہاں بھی اپنے اثر واقتدار سے کام لے کر کچھ ہماری مصیبت ہلکی کرائیے۔ ف۴۶ وہ بڑے لوگ جواب میں کہیں گے کہ واہ، جہاں تم وہاں ہم، ہم میں اگر کچھ قدرت ہوتی تو ہم اپنے ہی کو بچانے کی فکر نہ کرتے اور اب تو حق تعالیٰ کا آخری اور قطعی فیصلہ صادر ہو چکا، اب ہو ہی کیا سکتا ہے؟ ف۴۷ (کہ ہم کو تو ایک ہی دن کے عذاب میں تخفیف انتہائی نعمت معلوم ہوگی) خزنة جهنم۔ جہنم کے پہرہ دار ظاہر ہے کہ فرشتے ہوں گے۔ مفسرین نکتہ رس نے کہا ہے کہ اس موقع پر خزنتها بھی کافی ہوسکتا تھا کہ اسم نار تو ماقبل موجود ہی ہے لیکن قرآن مجید بکمال بلاغت جَهَنَّمَ کا نام تصریحاً لایا تاکہ تہویل وتخویف کا مقصد زیادہ حاصل ہو۔ وانما لم يقل لخزنتها لان في ذكر جهنم تهويلا وتفظيعا (مدارک) المقصود من ذكر جهنم التهويل والتفظيع (کبیر) ف۴۸ (اور انہوں نے تمہیں دوزخ سے بچے رہنے کے طریقے نہیں بتائے تھے؟) بِالْبَيِّنٰتِ۔ بینات کے تحت میں معجزات، دلائل عقلی وغیرہ ہر وہ چیز آئے گی جو ایمان ویقین پیدا کر سکتی ہے۔ ف۴۹ (آخرت میں) ایمان اجابت دعا کی شرط ہے اور اس کا موقع اس دنیا کے دار العمل میں تھا۔ آخرت کے دار الجزاء میں اس کا امکان ہی نہیں۔ فرشتے دعاء سے اس لئے انکار کریں گے کہ ایمان سے محروموں کے حق میں دعاء کا اذن ہی نہیں۔ لم يؤذن لنا في الدعاء لامثالكم (بیضاوی) وَمَا...... ضَلٰلٍ۔ دعاء کی اس بے اثری کا تعلق کافروں کی دعاؤں سے اور وہ بھی دنیا میں نہیں قیامت کے دن کا ہے۔ والحق بان الأية في دعاء الكفار يوم القيامة (روح) ف۵۰ یعنی قیامت کے دن۔ اَلْاَشْهَادُ۔ گواہوں سے یہاں مراد نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے ہیں۔ وہی قیامت میں اس کی بھی گواہی دیں گے کہ رسولوں نے تبلیغ کی اور کافروں نے اس کی تکذیب، انبیاء وعامہ مومنین بھی اس کے تحت میں آسکتے ہیں۔ قال مجاهد الاشهاد الملائكة (ابن کثیر) والمراد بهم من يقوم يوم القيامة للشهادة على الناس من الملائكة والانبياء والمؤمنين (بیضاوی) قال مجاهد والسدی الملائكة تشهد للانبياء بالابلاغ وعلى الامم بالتكذيب وقال قتادة الملائكة والانبياء (قرطبی) فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ مومنین کی منصوریت، حشر میں ہونا ظاہر ہی ہے۔ باقی دنیا میں بھی جہاں تک دلائل سے غلبہ کا تعلق ہے بالکل ظاہر ہے۔ اب لے دیکر دنیا میں غلبہ مادی رہ جاتا ہے۔ سو اس حیثیت سے بھی اہل حق انجام کار میں عموماً کامیاب ہی ہوتے ہیں اور ان کی کوششیں بالآخر رائیگاں نہیں جاتیں۔ ف۵۱ (اور آپ اور آپ کے پیرو منصور رہیں گے۔ سو آپ تسلی رکھئے) الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالمین سے جیسا کہ قرآن کی عام اصطلاح ہے یہاں بھی کافر ہی مراد ہیں۔

الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّ ذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ

کو ہدایت و نصیحت کی کتاب پہنچائی اہل عقل کے لئے ف۵۲ سو آپ صبر کیجئے،

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ

بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے ف۵۳ اور معافی مانگئے اپنی کوتاہی کی اور اپنے پروردگار کی

رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ

تسبیح و حمد شام اور صبح کرتے رہئے ف۵۴ جو لوگ جھگڑے نکالتے رہتے ہیں

اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ

اللہ کی آیتوں میں بغیر اس کے کہ کوئی سند اُن کے پاس موجود ہو اُن کے دلوں میں نری بڑائی ہی (بسی ہوئی) ہے

مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

کہ وہ اُس تک پہنچنے والے نہیں ف۵۵ سو آپ اللہ کی پناہ مانگتے رہئے بے شک وہی (سب) سننے والا ہے

الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ

(سب) دیکھنے والا ہے ف۵۶ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا آدمیوں کے پیدا کرنے سے یقیناً

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي

بڑھ کر (کام) ہے لیکن اکثر آدمی (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے ف۵۷ اندھا اور بینا

الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا

برابر نہیں ہو سکتے اور نہ وہ (برابر ہو سکتے ہیں) جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے

الْمُسِيْۗءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا

اور بدکار تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو ف۵۸ قیامت ضرور ہی آ کر رہے گی اس میں

رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ

کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں مانتے اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ

ف۵۲ یعنی نفع اس کتاب سے وہی اٹھاتے ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں اور جو عقل سے کام نہیں لیتے وہ نفع سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ف۵۳ (اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعات سے تسلی حاصل کیجئے) وَعْدَ اللّٰهِ۔ وعدہ سے مراد وعدہ نصرت الٰہی ہے یہ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا میں ابھی مذکور ہو چکا ہے۔ ف۵۴ (کہ یہ مشغولیت ذہن کو امور ملال انگیز کی طرف التفات کا موقع ہی نہ دے گی) لِذَنْۢبِكَ۔ عربی زبان میں ذنب اور اثم کے درمیان فرق ہے اردو میں ذنب کا مفہوم کوتاہی ہی سے ادا کیا جا سکتا ہے نحمله على التوبة عن ترک الاولٰی والافضل (کبیر) بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ۔ محاورہ میں اس سے مراد دوام یا ہمیشگی بھی ہے۔ اے دوّم علٰی عبادة ربک (کشاف) عبر بالطرفين واريد جميع الاوقات (روح) وبالجملة فالمراد منه الامر بالمواظبة علٰی ذکر الله (کبیر) ف۵۵ یعنی یہی اپنے کو بڑا سمجھنا ہی تو سبب مجادلہ باطل کا ہے دوسرے کے اتباع سے عار آتا ہے۔ سیادت کے مرتبہ پر خود ہی قائم رہنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ جس بڑائی کی ہوس میں ہیں وہ انہیں نصیب ہونا نہیں۔ عنقریب ذلیل وخوار ہوں گے۔ يُجَادِلُوْنَ...... اَتٰىهُمْ۔ یعنی بغیر اس کے کہ کوئی بھی وجہ یا بنیاد اشتباہ کی موجود ہو۔ ف۵۶ (اور آپ کی نصرت وحمایت پر ہر طرح قادر ہے) فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ یعنی اللہ سے پناہ مانگتے رہئے ان معاندین وحاسدین کے شر وفتنہ سے۔ ف۵۷ اشارہ منکرین قیامت کی طرف ہے۔ جس خالق اکبر کے لئے زمین وآسمان کا پیدا کرنا انہیں مسلم ہے اس کی بابت اس پر استعجاب کرنا کہ وہ انسانوں کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرے گا کیسی کم عقلی اور نافہمی کی بات ہے! ف۵۸ (ورنہ اب تک نابینا وفسق پیشہ نہ رہتے، سب کے سب بینا وباایمان ہو گئے ہوتے) الْمُسِيْۗءُ۔ لفظی معنی تو بدکار یا بدعمل کے ہیں، یہاں مراد کافر ہے۔ لایستوی المؤمنون الابرار و الکفرة الفجار (ابن کثیر)

ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ

مجھے پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا ف۵۹ جو لوگ میری عبادت سے سرتابی

عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ؑ ۶۰ اَللّٰهُ

کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے اللہ ہی ہے

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ

جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام پاؤ اور (اس نے) دن کو روشن بنایا بے شک

اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

اللہ لوگوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے لیکن اکثر آدمی شکر

يَشْكُرُوْنَ ۶۱ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

نہیں ادا کرتے ف۶۰ یہی تو اللہ ہے تمہارا پروردگار ہر شے کا پیدا کرنے والا اس کے سوا کوئی

هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۶۲ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ

خدا نہیں سو تم لوگ کہاں بھٹکے جا رہے ہو ف۶۱ اسی طرح وہ لوگ بھی بھٹکتے رہے ہیں جو اللہ کی نشانیوں کا

اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۶۳ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا

انکار کرتے رہتے تھے ف۶۲ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرار گاہ بنایا

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ

اور آسمان کو چھت اور تمہارا نقشہ بنایا سو تمہارا عمدہ نقشہ بنایا اور تم کو عمدہ عمدہ چیزیں

الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۶۴

کھانے کو دیں یہی تو ہے اللہ تمہارا پروردگار سو اللہ سارے عالم کا پروردگار بڑا عالی شان ہے ف۶۳

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ

وہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں سو تم اسی کو پکارا کرو خالص اعتقاد کر کے

ع ۶ / ۱۱ — وقف لازم

ف۵۹ (خواہ عاجلاً خواہ آجلاً اپنے قانونِ حکمت ومشیت کے ماتحت) خطاب یہاں عام نسل انسانی سے ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے عبدیت کی فضیلت اور اس کا منافی توکل ورضا ہونا ثابت ہے۔ ف۶۰ (اور شکر گذاری کی بڑی فرد منعم حقیقی کی توحید کا اقرار کرنا ہے) عوام کا ذکر نہیں، یونان، مصر، ہند وغیرہ کے بڑے بڑے ”فلاسفہ“ و ”حکماء“ تاثیر کواکب، تصرفات افلاک، تعدد آلہہ، عقل کل، رب النوع وغیرہ خدا معلوم کن کن خرافات کے قائل ہوئے ہیں۔ اَلَّذِيْ...... مُبْصِرًا۔ مشرک وجاہلی قوموں نے ”دن“ اور ”رات“ کو بھی بجائے مخلوق ہونے کے مستقل معبود مان کر ان کی پرستش کی ہے۔ قرآن مجید ان احمقوں کی برابر تردید کرتا جاتا ہے۔ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ۔ رات کا عام مخلوق کے لئے تو زمان استراحت ہونا ظاہر ہی ہے۔ رہے اہل ریاضات ومجاہدات تو ان کے تو عین لذت وحلاوت کی چیزیں یہی مشغلہ عبادت ومجاہدہ ہے اور وہ اپنی راتیں انہیں میں گذارتے ہیں۔ اِنَّ...... النَّاسِ۔ اس کا صاحب فضل عمیم ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ وہ مخلوق کی مصلحتوں کی کیسی کیسی رعایتیں ملحوظ رکھتا ہے۔ ف۶۱ (کہ اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کئے جاتے ہو) اَللّٰهُ...... هُوَ۔ خدائے واحد کی یہاں پہلی صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ ساری مخلوق کا پروردگار، یا پالنہار ہے۔ دوسری صفت یہ کہ موجودات میں سے بڑی، چھوٹی، بلا استثناء ہر چیز کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی ہے اور تیسری صفت یہ کہ معبودیت میں کوئی بھی کسی جہت سے اس کا شریک نہیں۔ ف۶۲ یعنی کچھ تم ہی پر موقوف نہیں، تم سے قبل بھی بہت سی قوموں نے تعصب وعناد سے یہی راہ تکذیب اختیار کی ہے۔ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ ایات سے یہاں تکوینی وتشریعی دونوں قسم کی آیات یا معجزات ودلائل اور احکام دونوں مراد ہیں۔ يَجْحَدُوْنَ۔ جحد پر اوپر کہیں حاشیہ گذر چکا ہے کہ اس سے مراد اس انکار سے ہوتی ہے جو ہٹ دھرمی پر مبنی ہوتا ہے۔ ف۶۳ یہاں یہ بتایا ہے کہ اللہ کائنات کا صرف خالق ہی ہو کر اب معطل نہیں ہو گیا ہے (جیسا کہ بعض جاہلی قوموں کا خیال ہے) بلکہ منتظم، مدبر، رازق بھی ہے۔ جَعَلَ...... بِنَآءً۔ یہ زمین وآسمان سب اسی کے قانون تکوینی کے ماتحت ومسخر ہیں۔ وَصَوَّرَكُمْ۔ مادہ کی طرح صورت کا خالق بھی وہی ہے...... جوہر وعرض سب اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔ ترکیب انسانی کے بہترین ہونے اور اس کے قویٰ واعضاء کے تناسب کی طرف اشارہ ہے۔ صوفیہ نے یہیں سے یہ رمز سمجھا ہے کہ انسان جمال وکمالِ خداوندی کا آئینہ ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۵﴾ قُلۡ اِنِّیۡ نُهِیۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ

ساری خوبیاں اللہ پروردگار عالم ہی کے لئے ہیں و۶۴ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اس سے منع کر دیا گیا ہے

الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الۡبَیِّنٰتُ مِنۡ

کہ میں ان (شریکوں) کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو جبکہ میرے پاس میرے پروردگار کی

رَّبِّیۡ ۫ وَ اُمِرۡتُ اَنۡ اُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیۡ

نشانیاں آچکیں اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں (صرف) پروردگار عالم کے آگے گردن جھکاؤں و۶۵ وہ وہی تو ہے

خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَةٍ ثُمَّ

جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر

یُخۡرِجُکُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّکُمۡ ثُمَّ لِتَکُوۡنُوۡا

تم کو بچہ کر کے نکالتا ہے پھر (مہلت دیتا ہے جب تک) تم اپنی جوانی کو پہنچو پھر (مہلت دیتا ہے جب تک کہ) تم

شُیُوۡخًا ۚ وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّتَوَفّٰی مِنۡ قَبۡلُ وَ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَجَلًا

بوڑھے ہو جاؤ، اور تم میں سے کوئی کوئی پہلے ہی مر جاتا ہے اور (مہلت دیتا ہے جب تک کہ) تم سب اپنے وقت مقرر تک

مُّسَمًّی وَّ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۚ فَاِذَا

پہنچ جاؤ اور تاکہ تم لوگ سمجھ لو و۶۶ اور وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب

قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۶۸﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلَی

وہ کسی کام کو پورا کرنا چاہتا ہے تو بس اُس کی نسبت کہتا ہے کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے و۶۷ کیا آپ نے ان

الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰی یُصۡرَفُوۡنَ ﴿۶۹﴾ الَّذِیۡنَ

لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے رہتے ہیں، یہ کہاں پھرے چلے جا رہے ہیں و۶۸ جن لوگوں نے

کَذَّبُوۡا بِالۡکِتٰبِ وَ بِمَاۤ اَرۡسَلۡنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۟ فَسَوۡفَ

اس کتاب کو جھٹلایا اور اُس چیز کو بھی جسے دے کر ہم نے اپنے پیمبروں کو بھیجا تھا، سو اُن کو ابھی

ع ۷/۸ ۱۲ معانقۃ ۱۳

و۶۴ (اور مخلوق کا ہر ظاہری کمال حقیقۃً اسی کمالِ خداوندی کا پرتو ہے) هُوَ الۡحَیُّ ...... هُوَ۔ یعنی صفت حیات صرف اسی مالک ومولیٰ کا خاصہ ہے۔ حیات ازلی وابدی میں اس کا کوئی شریک نہیں نہ مسیح نہ کوئی اور۔ دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اس حی وقیوم کو کبھی فنا نہیں اسے کہیں مشرک جاہلی قوموں کی دیویوں دیوتاؤں پر نہ قیاس کر بیٹھنا۔ جن کا حادث وفانی ہونا خود انہیں مسلم ہے۔ و۶۵ (تو میں اس مسلک توحید سے کہیں بال بھر بھی ادھر ادھر کیسے ہو سکتا ہوں) الۡبَیِّنٰتُ۔ بینات کا عموم ہر قسم کے دلائل وشواہد پر شامل ہے۔ و۶۶ یعنی اپنے وجود کے ان پُرحکمت اور تدریجی انقلابات وادوار پر غور کر کے حق تعالیٰ کی حکمت، عظمت، توحید پر ایمان لے آؤ اور بعث وحشر کی حکمتوں اور مصلحتوں کے قائل ہو جاؤ۔ لِتَبۡلُغُوۡۤا۔ لِتَکُوۡنُوۡا، لِتَبۡلُغُوۡۤا۔ ل ان سب مقامات پر عاقبت کا ہے۔ مِنۡ قَبۡلُ۔ یعنی جوانی اور بڑھاپے کی منزلوں پر پہنچنے سے قبل ہی۔ وَ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَجَلًا مُّسَمًّی۔ یعنی کسی کی موت خواہ بڑھاپے میں آئے یا جوانی میں یا اس سے بھی قبل، بہر حال سب کی اسی وقت مقرر پر آتی ہے جو حکیم مطلق کی مشیت اس کے لئے طے کئے ہوتی ہے۔ و۶۷ اس بنیادی حقیقت تکوینی کو عمل تخلیق کی تدریج کے مسئلہ سے نفیاً یا اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ آیت کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ارادۂ الٰہی اور عمل تخلیق کے درمیان چھوٹی بڑی کوئی دوسری شے حائل نہیں ہو سکتی نہ ارادۂ الٰہی پر کوئی دوسری شے ذرا سی بھی قید لگا سکتی ہے۔ یَقُوۡلُ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ یہ مضمون کئی بار قبل آچکا ہے۔ حاشیے وہیں گزر چکے۔ هُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ۔ یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ زندگی وموت دونوں تمامتر اسی کے ہاتھ میں ہیں ...... یہ نہیں کہ زندگی بخشنے والے دیوتا فلاں ہیں اور موت لانے والے دیوتا فلاں۔ و۶۸ (حق کو چھوڑے ہوئے) یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ۔ اللہ کے کھلے ہوئے احکام کو جو پیمبروں کی معرفت حاصل ہوں تسلیم کرنے سے انکار کرنا، اور واقعات تکوینی سے ایمان وتوحید کا درس حاصل نہ کرنا، یہ سب آیاتِ الٰہی سے مجادلہ کرنے میں داخل ہے۔

يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ

معلوم ہوا جاتا ہے جبکہ اُن کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گے، اُن کو گھسیٹتے ہوئے

يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ

کھولتے ہوئے پانی میں لے جایا جائے گا پھر یہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے ف۶۹ پھر

قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا

ان سے پوچھا جائے گا کہ وہ غیر اللہ کہاں گئے جن کو تم شریک (خدائی) ٹھہراتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ

ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ كَذٰلِكَ

وہ تو سب ہم سے غائب ہو گئے بلکہ ہم تو کسی کو بھی اس کے قبل نہیں پکارتے تھے اللہ اسی طرح

يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ

کافروں کو گمراہی میں رکھتا ہے ف۷۰ یہ (سزا) اس کی ہے کہ تم دنیا میں ناحق خوشی

فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾

مناتے تھے اور اس کی کہ تم اترایا کرتے تھے ف۷۱

اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى

(اب) گھسو دوزخ کے دروازوں میں اُس میں ہمیشہ پڑے رہنے کو، سو وہ بُرا ٹھکانا ہے

الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ

متکبرین کا ف۷۲ سو آپ صبر کیجئے، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پھر جس کا ہم اُن سے وعدہ کر رہے ہیں اگر

بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾

اُس میں سے کچھ تھوڑا ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دے دیں سو (بہر حال) ہمارے ہی پاس انہیں آنا ہوگا ف۷۳

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا

اور ہم نے آپ سے پیشتر بہت سے پیمبر بھیجے جن میں سے بعض کا حال ہم نے آپ سے بیان کیا ہے

ف۶۹ یہ نقشہ ہے حشر میں قابل صد تحقیر و موجب صد ہزار تعزیر مجرموں کے ساتھ برتاوے کا۔ بِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا۔ اس عموم کے اندر معجزات، احکام، دلائل سب آگئے۔ ف۷۰ (ان کی زندگی بھر ان کے کفر اختیاری کی پاداش میں) بَلْ ...... شَيْـًٔا۔ یعنی یہ حقیقت تو ہم پر اب منکشف ہوئی کہ ہم دنیا میں جن چیزوں کی عبادت کرتے تھے وہ تو نفی محض تھیں۔ ہم نے درحقیقت نفی محض کی عبادت میں اپنی عمریں گنوا دیں۔ ولیس هذا انكارًا لعبادة الاصنام بل هو اعتراف ان عبادتهم الاصنام كانت باطلة (قرطبی) ف۷۱ (اپنی حقیقت اور حقوقِ الٰہی کو بھول کر) مطلب یہ ہوا کہ متاع دنیا کو اصل مقصود سمجھ کر اس کے حصول پر دل میں بھی خوب خوش ہوتے تھے اور ظاہر میں بھی اس کے آثار خوب نمودار ہوتے تھے۔ تَفْرَحُوْنَ۔ تَمْرَحُوْنَ۔ فرح کا تعلق قلب سے ہے اور مرح کا جسم سے۔ آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فرح یا خوشی اپنی مطلق صورت میں ممنوع ہے۔ مذمت صرف اس فرح کی وارد ہوئی ہے جو آخرت فراموشی اور خدا فراموشی کا نتیجہ ہو یا اہل ایمان کے مصائب پر بطور طنز و تمسخر کے ہو۔ مسرتیں تو سب کی سب بالکل جائز ہیں اور جو خوشی اللہ کی نعمتوں پر یا اللہ کی رحمت کو یاد کر کے ہو وہ تو بجائے خود ایک عبادت ہے اور ہر طرح سے محمود و مستحسن۔ ف۷۲ (جن کے قبول حق کی راہ میں ان کا تکبر ہی مانع رہتا ہے) اَبْوَابَ جَهَنَّمَ۔ جہنم کے دروازے متعدد ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ ہر ہر طبقہ کے منکرین کے لئے الگ الگ دروازہ ہو ف۷۳ مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کا وعدہ تو ان کافروں سے مطلق صورت میں ہے کہ کفر فی نفسہٖ موجب تعذیب ہے۔ باقی اگر اس میں کچھ عذاب کا نزول آپ کی حیات ہی میں دنیا میں ان پر ہو جائے یا اس نزول کے قبل ہی آپ کی وفات ہو اور عذاب بعد میں نازل ہو یا نہ ہو، ہر حال میں اور ہر احتمال پر انہیں لوٹنا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور اس وقت یقیناً عذاب واقع ہوگا۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ وعدہ سے مراد وعید عذاب ہے۔ فَاِمَّا۔ ما زائد شرط کے موقع پر تاکید کلام کے لئے ہے۔ اور نون ثقیلہ بھی اسی لئے ہے۔ وما مزيدة لتوكيد معنى الشرط (مدارک) وما زائدة للتوكيد وكذا النون (قرطبی)

وے۷ (سو آپ سے یہ توقع رکھنا ہی عبث ہے کہ آپ ان کے فرمائشی معجزات کو اپنے آپ سے پورا کرسکیں گے) مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ۔ رسول جتنے دنیا میں آچکے ان کی صحیح تعداد تو اللہ ہی کے علم میں ہے۔ یہاں یہ اصولی حقیقت بیان کردی ہے کہ جتنے پیمبروں کا ذکر قرآن مجید میں لانا قرین مصلحت تھا۔ ان کے علاوہ بھی ایک تعداد پیمبروں کی ہوئی ہے وَمَا كَانَ...... اللهِ۔ یہ ایک بار پھر اس حقیقت کا اعادہ ہے کہ ظہور معجزات وخوارق پیمبر کے اختیار کی چیز نہیں ہوتی۔ یہ تمام تر تصرف خداوندی ہی ہے کہ جب کسی خارق یا معجزہ کا ظہور قرین حکمت ہوتا ہے، کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر کردیا جاتا ہے۔ اس سے وہ گروہ سبق لے جو "کرامات و خوارق" کو اولیاء اللہ ومقبولین حق کے لئے لازمی سمجھتا اور ان کے اختیار کی چیز مانتا ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ تصرفات مستقل پر اولیاء کے قادر ہونے کا رد آیت سے بدرجہ اولیٰ نکل آیا۔ وے۵ غرض یہ کہ حیوانات کو تمہارے خادم ہی کی حیثیت سے پیدا کیا کہ کہیں تو ان سے سواری کا کام لو اور کہیں انہیں اپنی غذا کے کام میں لاؤ تو یہ کس درجہ شدید حماقت اور جہالت ہے کہ تم الٹا انہیں کو اپنا مخدوم بلکہ معبود ماننے لگتے ہو اور انسان خلیفۃ اللہ واشرف الخلائق ہوکر حیوان پرستی میں مبتلا ہوجاتے ہیں! حیوان پرستی، شرک کا ایک بہت بڑا مظہر دنیا میں ہمیشہ سے رہا ہے۔ گاؤ پرستی کے منظر سے ہندوستان میں کون ناواقف ہے؟ ناگ پنچمی، ہنومان مندر وغیرہ کے قسم کی چیزیں ان کے علاوہ جنوبی ہند کے بعض علاقوں میں بھینس ایک "مقدس" جانور ہے، اور ہندوستان کے علاوہ بابل، مصر وغیرہ میں بھی حیوان پرستی کی بلا عام رہی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر القرآن انگریزی۔ لِتَرْكَبُوْا۔ ل تعلیل کا ہے۔ یعنی تمہاری مصلحت ونفع کی غرض سے۔ واللام للتعليل اى خلقها لاجلكم ولمصلحتكم (روح) هُنَالِكَ۔ ظرف مکان، یہاں بطور ظرف زمان آیا ہے۔ اسم مكان استعير للزمان (روح) وے۶ (اپنے مقاصد دنیوی کے لئے) مَنَافِعُ۔ اس کے تحت میں اگر ایک تجارت ہی کی مد کو لیجئے تو خدا معلوم اس کی کتنی شاخیں نکلتی چلی آئیں۔ کچے گوشت کی تجارت، خشک شدہ محفوظ گوشت کی تجارت، اون کی تجارت، کھالوں کی تجارت، آنت کی تجارت ہڈی کی تجارت، دانت کی تجارت، دودھ، دہی، پنیر، گھی، مکھن، کریم، بالائی کی تجارت، وقس علیٰ ہذا...... اور طبی فوائد کو کوئی گنانا چاہے تو وہ اس کے علاوہ! مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے ان جاہل صوفیہ کا بھی رد نکل آیا جو اسباب معیشت سے نفع اٹھانے کو طریق وسلوک کے منافی سمجھتے ہیں۔ حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ۔ اس کے تحت میں تفریحی سفر، تجارتی سفر، جنگی سفر، خانگی سفر، مذہبی سفر سب آجاتے ہیں۔ وے۷ (اور کب تک مسلک شرک پر جمے رہو گے؟) اٰيٰتِهٖ ...... اٰيٰتِ اللهِ مراد وہ سارے واقعات کائنات ہیں جن سے صانع عالم کی توحید پر، قدرت وعظمت پر اور صفت علم وحکمت پر روشنی پڑتی ہے۔ وے۸ تاریخ سے استدلال ہے کہ بڑی بڑی متمدن وپرشوکت قدیم قوموں کے انجام کو دیکھو، جب وہ خدائی قانونوں اور ضابطوں کے توڑنے پر اڑ بیٹھیں تو ان کی مادی ترقیاں اور طاقتیں ان کے کچھ بھی آڑے نہ آسکیں، اور بالآخر وہ تباہی کے گھاٹ اتر کر رہیں۔

عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ

اور ان میں سے بعض کا حال ہم نے آپ سے نہیں بیان کیا ہے، اور کسی رسول کے

لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ

لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی معجزہ بدون اذن الٰہی کے ظاہر کرسکے وے۴ پھر جس وقت اللہ کا حکم آپہنچے گا،

قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ ع اَللّٰهُ الَّذِيْ

ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہوجائے گا، اور اس وقت اہل باطل بڑے گھاٹے میں رہیں گے اللہ ہی وہ ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ

تمہارے لئے مویشی بنائے تاکہ ان میں سے بعض پر سوار ہو اور تم ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو وے۵ اور تمہارے لئے

فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ

ان میں (اور بھی) فائدے ہیں اور تاکہ تم ان پر (سوار ہوکر) اپنے دلوں کے مقصد تک پہنچو

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ

اور تم ان پر اور کشتی پر لدے لدے پھرتے ہو وے۶ اور وہ تم کو اپنی (اور بھی) نشانیاں دکھاتا ہے، سو تم

اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا

اللہ کی کن کن نشانیوں سے انکار کرو گے۔ وے۷ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں جو دیکھتے کہ

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ

جو لوگ ان سے پیشتر ہوئے ہیں، ان کا کیا انجام ہوا ہے وہ لوگ ان سے زیادہ تھے تعداد میں

وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا

اور (ان سے) بڑھ کر تھے قوت میں اور زمین پر جو اپنی یادگاریں چھوڑ گئے ہیں ان کے

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

لحاظ سے بھی، لیکن ان کی یہ کمائی ان کے کچھ بھی کام نہ آئی وے۸ غرض جب ان کے پیمبر ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے

فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا

تو وہ لوگ اُس علم پر (بڑے) نازاں ہوئے جو انہیں حاصل تھا اور اُن پر وہ (عذاب) آپڑا جس پر

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

وہ تمسخر کرتے تھے و۷۹ پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم خدائے واحد پر ایمان لے

وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ

آئے، اور اُن سب چیزوں سے منکر ہوگئے جنہیں ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے، سو انہیں ان کا (یہ) ایمان کچھ نفع نہ پہنچا

اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ

سکا، جبکہ انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا، اللہ نے اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو اس کے بندوں میں

فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ ع

ہوتا چلا آیا ہے اور اُس وقت کافر خسارہ میں رہ گئے و۸۰

اٰیاتها ۵۴ — ۴۱ سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة مَكِّيَّةٌ ۶۱ — رکوعاتها ۶

اس کی چون آیتیں — سورہ حم السجدۃ مکہ میں نازل ہوئی — اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ ۚ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ

حا۔ میم۔ (یہ کلام) رحمن ورحیم کی طرف سے نازل ہوا ہے و۱ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کر

اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ لا بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ

بیان کردی گئی ہیں یعنی فصیح قرآن (جو نافع ہے) دانشمند لوگوں کے لئے (انہیں) بشارت دینے والا اور ڈرانے والا و۲

فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا

لیکن ان میں سے اکثر نے رُوگردانی کی، سو وہ سنتے ہی نہیں و۳ اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل پردوں کے اندر ہیں

ع ۱۴

و۷۹ یہ ایک واقعۂ تاریخی ہے کہ انبیاء کرام نے جب جب اپنی دعوتیں دلائل وبراہین کے ساتھ پیش کی ہیں تو ان کی مخاطب "مہذب" قوموں اور "متمدن" امتوں نے اپنے علوم وفنون کے زعم میں اپنے علوم معاشی وسیاسی کے مقابلہ میں ہمیشہ ان دعوتوں کو ٹھکرا ٹھکرا دیا ہے۔ لیکن انجام میں یہ قومیں قانون الٰہی کی مخالفت کی پاداش میں تباہ ہی ہو کر رہی ہیں۔ یہاں ذکر اسی حقیقت تاریخی کا ہے۔ مَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ۔ یعنی ان کے علوم دنیوی۔ یرید علمهم بامور الدنيا (مدارک) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس میں ایسے علم پر فخر کرنے کی ممانعت ہے جو شریعت کے مخالف ہو اور اسی میں تصوف باطل بھی شامل ہے۔ و۸۰ مشاہدہ ومعاینۂ عذاب کے بعد جو ایمان حاصل ہوتا ہے وہ تو ایمان اضطراری ہے جو مقصود ومطلوب نہیں اور اس لئے اس موقع پر لاحاصل رہتا ہے۔ مقصود ومطلوب تو ایمان اختیاری ہے جس کا دوسرا نام ایمان بالغیب ہے۔ اصطلاح میں ایمانِ اضطراری وغیر مقصود کا نام ایمان یاس ہے۔ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ۔ ایمان کا لفظ ملحوظ رہے جو شے اس حالت میں غیر مقبول رہتی ہے وہ کفر سے رجعت ہے نہ کہ معصیت سے۔ کافر کا ایمان ایسے وقت میں غیر مقبول ونامعتبر رہے گا، لیکن مومن عاصی کی توبہ اس وقت بھی انشاء اللہ ضرور قبول ہو جائے گی۔ وهذا الحكم خاص بايمان الباس واما توبة الباس فهي مقبولة نافعة بفضل الله تعالىٰ وكرمه والفرق ظاهر (روح) هُنَالِكَ ہے تو ظرف مکان کے لئے۔ لیکن یہاں وقت کے لئے آیا ہے۔ بطور ظرف زمان۔ مكان مستعار للزمان (مدارک) اسم مكان قد استعير للزمان (روح)

و۱ (اور ان پیمبر کا اختراع کیا ہوا نہیں ہے) حٰمٓ پر ملاحظہ ہو سورۂ مومن کا حاشیہ نمبر ۱ بر صفحہ ۹۳۷ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ یہ کلام ان تمام ہدایتوں اور احکام پر شامل ہے۔ جن کی مصدر صفات رحمانیت ورحیمیت ہو سکتی ہیں۔ و۲ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ قرآن کا مخاطب تو سارا عالم انسانی ہے لیکن نفع اس سے بہرحال وہی اٹھاتے ہیں جو علم وفہم سے کام لیتے رہتے ہیں۔ بَشِيْرًا۔ بشارت دینے والا ان کے حق میں جو اس کے پیام کو سن لیں، مان لیں۔ نَذِيْرًا۔ ڈرانے والا ان کے حق میں جو اس کے پیام کو نہ سنیں، اس سے انکار کردیں۔ عَرَبِيًّا۔ عربی کے معنی تو کلام فصیح کے ہیں۔ لیکن اگر زبان عربی کا قرآن اس سے مراد لیا جائے تو اس کی یہ خصوصیت اس کے مخاطبین اول کی رعایت سے ہوگی۔ و۳ یعنی قرآن کی ان خصوصیات کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب ایمان لے آتے لیکن اکثر مخاطبین نے اپنے قصد واختیار سے اس کی طرف سے روگردانی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پھر ان میں سننے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔

فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ

اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے

بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ⑤ قُلْ اِنَّمَآ

اور آپ کے درمیان ایک حجاب ہے، سو آپ اپنا کام کئے جائیے ہم اپنا کام کر رہے ہیں، ف۴ آپ کہہ دیجئے

اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں (البتہ) مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ تمہارا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے

فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ⑥ لا

سو اسی کی طرف سیدھ باندھے رہو اور اسی سے معافی چاہتے رہو، ف۵ اور بڑی کم بختی ہے مشرکین کے لئے

الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ⑦

جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے تو وہ منکر ہی ہیں ف۶

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ

(البتہ) جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے کبھی نہ ختم ہونے والا

مَمْنُوْنٍ ⑧ ع قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ

اجر ہے آپ کہئے کہ ارے تم تو اس (خدا کی توحید) کے منکر ہو جس نے زمین کو دو روز میں

فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ⑨ ج

پیدا کر دیا اور تم شریک ایسے کے ٹھہرا رہے ہو وہی تو سارے جہانوں کا پروردگار ہے ف۷

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ

اور اسی نے زمین کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس (زمین) میں فائدہ کی چیزیں رکھ دیں اور اسی میں

فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ⑩ ثُمَّ

اس (پر رہنے والوں) کی غذائیں رکھ دیں (یہ سب) چار دن میں پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے ف۸ پھر

ع ۱۸/۱۵

ف۴ یعنی ہم اپنے طریقہ کو نہ چھوڑیں گے۔ ہم سے کوئی امید قبول کی نہ رکھیے۔ پھر بھی کہنے کو جی چاہے تو کہے جایئے۔ آپ جانیں اور آپ کا کام...... مشرکوں کا یہ قول از راہ فخر وعزمِ اصرار علی الکفر تھا۔ اسی لئے محل ذم میں نقل ہوا۔ ف۵ یعنی اس کی طرف کی سیدھی راہ، راہ توحید اختیار کرو۔ اور اب تک جو شرک میں مبتلا رہے ہو، اس سے تائب ہو جاؤ۔ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یعنی بیشک مجھ میں کوئی قدرت تم کو ایمان پر مجبور کر دینے کی نہیں بلحاظ بشریت جیسے تم ویسا ہی میں۔ رسول اور محبوب ترین رسول کے لئے بشریت کا اثبات اور بار بار اثبات، وہ بھی مِثْلُكُمْ کی تاکید کے ساتھ، قرآن مجید اور شریعت اسلامی کی خصوصیاتِ امتیازی میں سے ہے۔ يُوْحٰٓى...... وَّاحِدٌ۔ یعنی امتیازی حیثیت مجھ میں صرف اتنی ہے کہ میں بشر ہونے کے ساتھ صاحب وحی بھی ہوں...... اور وحی بھی ایسے مضمون کی جو عقلاً بھی قابل قبول ہے۔ یعنی توحید۔ ف۶ (اور مشاہدۂ دلائل کے بعد بھی اپنے طریقہ کو نہیں چھوڑتے) الزَّكٰوةَ۔ زکوۃ۔ یہاں بطور اصطلاح فقہی نہیں، لفظی معنی میں ہے۔ یعنی نیک راہ میں خرچ کرنا۔ اور یہ معنٰی بھی کئے گئے ہیں کہ اپنے آپ کو نجاست شرک سے پاک نہیں کرتے ہیں۔ اے لا یزکون انفسھم من لوث الشرک (کبیر) قیل الزکوۃ بالمعنی اللغوی اے لا یفعلون ما یزکی انفسھم وھو الایمان والطاعۃ (روح) وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۔ ھم کی تکرار اور کافرون پر بالاٰخرۃ کی تقدیم تاکید کلام کے لئے ہے۔ والتقدیم للاھتمام (روح) ف۷ وہ کوئی چھوٹا موٹا دیوتا نہیں، وہ تو سارے عالم ومافی العالم کا واحد خالق و پروردگار ہے! تم ایسے عظیم الشان وجلیل القدر آفریدگار کے باب میں اس کے تفرد کے قائل نہیں، اب اس سے بڑھ کر کھلی ہوئی حماقت وسفاہت اور کیا ہوگی۔ فِيْ يَوْمَيْنِ۔ یوم پر حاشیہ فی ستۃ ایام کے تحت میں گزر چکا ہے کہ اس سے مراد یہ ہمارا متعارف ۲۴ گھنٹہ کا دن نہیں، جس کا وجود آفرینش کائنات کے بعد ہی ہو سکا ہے بلکہ مطلق دو مختلف وقت مراد ہیں۔ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ۔ اَئن اور لَ معنٰی کفر کی تاکید کے لئے ہیں۔ ف۸ روایات نزول میں آتا ہے کہ خلقت زمین وآسمان کی بابت سوال، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا، جواب قرآن کے ذریعہ سے مل رہا ہے۔ رَوَاسِيَ پر حاشیہ پہلے گزر چکا۔ فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ۔ اوپر کی آیت کے يَوْمَيْنِ (دو روز) بھی اس مدت میں شامل ہیں۔ اس سے الگ نہیں۔

اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ

اُس نے آسمان کی طرف توجہ کی اس حال میں کہ وہ دھواں تھا پھر اُس سے اور زمین سے کہا

ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰهُنَّ

کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی، دونوں بولے ہم خوشی سے حاضر ہیں ف۹ پھر دو روز میں

سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ

سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اُس کے (مناسب) حکم بھیج دیا ف۱۰

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ

اور ہم نے اس قریب والے آسمان کو ستاروں کے ذریعہ سے رونق بھی دی اور حفاظت بھی کی، یہ انتظام ہے

الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً

خدائے ہمہ قوت وہمہ علم کا ف۱۱ تو اگر یہ لوگ (اب بھی) اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں

مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ ؕ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ

جیسی آفت عاد و ثمود (پر آئی تھی) ف۱۲ جب کہ اُن کے پاس اُن کے پیمبر آئے تھے اُن کے

بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا

آگے سے بھی اور اُن کے پیچھے سے بھی کہ بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کرو ف۱۳ وہ بولے

لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

اگر ہمارے پروردگار کو یہی منظور ہوتا تو وہ فرشتوں کو بھیجتا تو ہم تو اس (پیام) کے منکر ہیں جسے دے کر تم بھیجے گئے ہو ف۱۴

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ

پھر جو عاد کے لوگ تھے وہ ملک میں ناحق تکبر کرنے لگے اور بولے

اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ

کہ ہم سے کون قوت میں بڑھ کر ہے؟ اُن کی نظر اس پر نہ گئی کہ اُن سے قوت میں بڑھ کر اللہ ہے۔ جس نے انہیں

ف۹ یعنی زمین وآسمان کی آفرینش کے بعد ان سے سوال کیا گیا کہ جس درجہ اور کیفیت کا ادراک وشعور تمہیں عطا ہوا ہے اس کے لحاظ سے بتاؤ کہ تم جن احکام تکوینی کے محل بنو گے، ان پر راضی بھی رہو گے یا ان سے کراہت رکھو گے؟ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ ہم بسر وچشم حاضر ہیں۔ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا۔ یہاں ترکیب میں طَآئِعِيْنَ وَ كَارِهِيْنَ کے مرادف ہیں یعنی اگرچہ مصدر ہیں لیکن ان کا استعمال موقع حال پر ہوا ہے۔ انتصابها على الحال بمعنى طائعين او مكرهتين (کشاف) مصدران وقعا موقع الحال (بیضاوی) السَّمَآءِ۔ کئی بار گزر چکا ہے کہ عربی میں سماء ہر اس چیز کو کہتے جو مثل چھت کے بلند ہو۔ قرآن مجید کو زمین وآسمان کی جغرافی ماہیت سے مطلق بحث نہیں۔ وَهِيَ دُخَانٌ یعنی اس کا مادہ دھوئیں یا بخارات کی شکل کا تھا۔ دُخَانٌ سے یہاں وہ حقیقی دھواں مراد نہیں جو آگ کی گرمی سے پیدا ہوتا ہے بلکہ اسے محض مجازاً دُخَانٌ کہہ دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ دھواں بھی بغیر کسی مادی اور ظاہری سہارے کے چھایا ہوا رہتا ہے۔ ف۱۰ یہ احکام ان آسمانوں کے فرشتوں کو ملے یا جو مخلوق وہاں آباد ہو اس کو۔ اے اوحى الى اهلها باوامره ونواهيه (بیضاوی) فِيْ يَوْمَيْنِ۔ دو روز یہ، اور چار روز قبل والے، میزان وہی چھ روز کی ہوئی۔ ف۱۱ (اور اتنے محکم انتظامات بجز اس خدائے واحد، ہمہ تواں وہمہ داں کے اور کون کر سکتا ہے؟ وما احسن هذه الخاتمة لان تلك الاعمال لا تمكن الا بقدرة كاملة وعلم محيط (کبیر) الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔ الْعَزِيْزِ میں اشارہ ہے کمالِ قدرت کی جانب اور الْعَلِيْمِ میں کمالِ علم کی جانب۔ السَّمَآءَ الدُّنْيَا۔ قریب والے آسمان سے مراد اہل زمین سے قریب ترین آسمان ہے۔ یہی جو زمین سے دکھائی دے رہا ہے۔ حِفْظًا۔ حفاظت سے تاثیرات شیطانی سے حفاظت مراد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب اتنا اہتمام سب سے نچلے آسمان کا ہے تو اس سے اوپر والے آسمانوں کی محفوظیت تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہوگی۔ ف۱۲ یعنی جس طرح وہ قومیں دفعۃً ہلاک کر دی گئی تھیں۔ تم بھی کسی آفت ناگہانی میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیئے جاؤ۔ مِثْلَ صٰعِقَةِ۔ یہ تشبیہ یا مثلیت صرف فوری وقوع ہلاکت کے لحاظ سے ہے۔ فَاِنْ اَعْرَضُوْا۔ یعنی یہ لوگ اگر اتنے دلائل کے باوجود بھی اقرار توحید سے انکار و اعراض کرتے رہیں۔ عَادٍ وَّثَمُوْدَ۔ عاد وثمود کے نام قرآن مجید میں ایسے موقع انذار پر بار بار اس لیے آتے ہیں کہ عرب اُن کے حالات سے خوب واقف و مانوس تھے۔ ف۱۳ یعنی وہ ہر طرح کی سعی بلیغ انہیں اسی مسئلہ توحید کے سمجھانے کی کرتے رہے۔ اے اجتهدوا بهم واتوا بجميع الوجوه (کبیر) والجهتان كناية عن جميع الجهات والمراد باتيانهم من جميع الجهات ببذل الوسع فى دعوتهم (روح) جَآءَتْهُمُ۔ ھم ضمیر جمع ہے حالانکہ ذکر صرف دو کا گزرا ہے۔ عاد وثمود کا۔ لیکن تثنیہ کے موقع پر ضمیر جمع لانا عربی میں عام ہے۔ ففيه اطلاق الجمع على الاثنين و هو شائع (روح) ف۱۴ (اپنے خیال وپندار کے مطابق) ان قدیم منکروں کا جواب وہی تھا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی ان کی زبانوں پر رہا۔ یعنی اگر خدا کو واقعی ہماری ہدایت منظور تھی تو بجائے آدمیوں کے خود دیوی دیوتا ہی اُتر کر کیوں نہ ہمارے پاس آگئے جو ہم کو شک یا انکار کی گنجائش ہی نہ رہتی تو ہم تو تمہارے پیام وپیام کے قائل نہیں۔ بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ۔ کافروں نے یہ فقرہ پیمبروں کے خیال کی ترجمانی میں کہا۔ اور قرآن میں یہ اسلوب بیان عام ہے۔ اے على زعمكم (روح)

اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ؕ وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرۡسَلۡنَا

پیدا کیا اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے ف۱۵ ہم نے اُن پر تیز

عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا فِىۡۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيۡقَهُمۡ

آندھی بھیجی ایسے دنوں میں جو (ان کے حق میں) منحوس تھے کہ ہم انہیں (اسی) دنیوی زندگی میں

عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ

عذاب رسوائی کا مزہ چکھا دیں اور عذاب آخرت تو رسوا تر

اَخۡزٰى وَهُمۡ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَهَدَيۡنٰهُمۡ

ہوگا اور انہیں (کوئی) مدد نہ پہنچ سکے گی ف۱۶ اور جو ثمود والے تھے تو ہم نے انہیں راہ ہدایت دکھائی

فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰى عَلَى الۡهُدٰى فَاَخَذَتۡهُمۡ صٰعِقَةُ

مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو پسند کیا سو اُن کو عذاب سراپا ذلت کی آفت نے

الۡعَذَابِ الۡهُوۡنِ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۱۷﴾ۚ وَنَجَّيۡنَا الَّذِيۡنَ

آ پکڑا بسبب اُن کے کرتوتوں کے ف۱۷ اور ہم نے نجات دے دی ان لوگوں کو

اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ ﴿۱۸﴾ؑ وَيَوۡمَ يُحۡشَرُ اَعۡدَآءُ اللّٰهِ اِلَى

جو ایمان لائے اور ہم سے ڈرتے تھے اور (یاد دلایئے انہیں وہ دن) جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف جمع کر کے

النَّارِ فَهُمۡ يُوۡزَعُوۡنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوۡهَا شَهِدَ

لائے جائیں گے، پھر وہ روکے جائیں گے یہاں تک کہ وہ جب اُس تک پہنچ ہی جائیں گے

عَلَيۡهِمۡ سَمۡعُهُمۡ وَاَبۡصَارُهُمۡ وَجُلُوۡدُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا

تو اُن کے کان اور ان کی آنکھیں اور اُن کی جلدیں اُن پر اُن کے اعمال کی

يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوۡا لِجُلُوۡدِهِمۡ لِمَ شَهِدۡتُّمۡ عَلَيۡنَا ؕ قَالُوۡۤا

گواہی دیں گے ف۱۸ اور وہ لوگ اپنی جلد سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دے دی؟ وہ جواب دیں گی

ع ۲ / ۱۶

ف۱۵ یعنی خداوندی نشانات تکوینی اور آیات تشریعی دونوں کا انکار وابطال کر کے اپنے ہی ڈھرّے پر قائم رہے۔ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ ۔ بندوں کے لیے استکبار تو ہمیشہ ہی ناجائز ہے۔ بغیر الحق کے اضافہ نے یہ بتادیا کہ ان لوگوں کے پاس استکبار کی کوئی بنیاد خود ان کے معیار سے بھی نہ تھی۔ مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۔ یہ نعرۂ خودی، اپنی قوت کا زعم، اپنے قانون و آئین کی بالادستی، یہ ساری خدا فراموش اور آخرت فراموش متمدن قوموں میں مشترک رہی ہے۔۔۔ یہی نعرۂ خودی آج روس کا بھی ہے، امریکہ کا بھی ہے، اور ان سے دھیمے لہجہ میں برطانیہ کا بھی۔ اور ابھی کل تک کس زور شور کے ساتھ جرمنی اور اٹلی اور جاپان کا تھا۔ اَوَلَمۡ...... قُوَّةً ۔ یعنی ان کج فہموں کی سمجھ میں اتنی موٹی سی بات نہ آئی کہ بندہ کو تو بہر حال و بہر صورت خدائی قانون کا محکوم و پابند ہو کر رہنا ہے۔ اس کے سوا دنیا میں کوئی صورت بامن و عافیت بسر کرنے کی نہیں۔ ف۱۶ یعنی عذاب آخرت جو کہیں زیادہ سخت اور سارے اہل محشر کی نظر میں ہونے کے باعث کہیں زیادہ رسوا کن بھی ہوگا وہ تو بہر حال ابھی پردۂ غیب میں ہے۔ یہ عذاب ہلاکت جو ہم نے ان پر دنیا میں نازل کیا، اس سے یہ دنیا ہی میں خلقت کی نظر میں حقیر و ذلیل ہو کر رہے کہ قوت و شوکت کے اتنے دعووں کے باوجود اپنے کو بچانے پر ذرا بھی قادر نہ ہو سکے۔ فِىۡۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ ۔ نحس سے صرف یہ مراد ہے کہ وہ وقت اسی نزول عذاب الٰہی کے باعث ان لوگوں کے حق میں منحوس نکلا۔ عن مالک یعنی شدائد لا خیر فیھا (ابن العربی) ورنہ کسی متعین دن یا مخصوص زمانہ کے ''منحوس'' ہونے کا عقیدہ ہی سرے سے اسلام میں نہیں۔ و لیس ھذا مما یزعمہ الناس من خصوصیات الاوقات (روح) یہ تو ان مشرک قوموں کا عقیدہ ہے جو تاثیر و تصرفات کواکب کے قائل ہیں۔ فقیہ ابن العربی ان ضعیف و موضوع روایتوں کا ذکر کر کے جن میں یوم چہار شنبہ کی ''نحوست'' وارد ہوئی ہے لکھتے ہیں۔ ان ھذا لھو الجھل المبین اور پھر مغازی کی اس روایت کا ذکر کر کے جس میں دو شنبہ سے لے کر چہار شنبہ تک کی فضیلت آئی ہے، لکھتے ہیں۔ فالاثار الصحاح دلیل علی فضل ھذا الیوم و کیف یدعی فیہ تقریر النحس باحادیث لا اصل لھا۔ کہ جب مستند آثار سے اس روز کی فضیلت ثابت ہو گئی تو کیسے اسے بے اصل روایتوں کی بناء پر منحوس ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اور پھر کہتے ہیں کہ بعض قوموں نے شمسی مہینوں کے بعض سعد و نحس تاریخوں کا نقشہ تیار کیا ہے۔ مسلمانوں کو جو اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں، اُن کی طرف توجہ کرنا بلکہ اُن پر نظر کرنا ہی جائز نہیں۔ و قد صور قوم ایاماً من الاشھر الشمسیۃ ادعوا فیھا الکرامۃ لا یحل للمسلم ان ینظر الیھا ولا یشغل بالاتھا واللہ حسیبھم۔ اَيَّامٍ ۔ سورۃ الحاقہ میں تصریح ملے گی کہ یہ مدت پورے ایک ہفتہ کی تھی۔ ف۱۷ اس آخری تصریح نے ایک بار اور اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ عذاب الٰہی جب بھی آتا ہے، بندوں کی اختیاری بددینی کی پاداش ہی میں آتا ہے۔۔۔ اور اس طرح کے تصریحی فقرے قرآن مجید میں بڑی کثرت سے آئے ہیں۔ فَهَدَيۡنٰهُمۡ ۔ یہ ہدایت ثمود کو اُن کے پیمبروں کے واسطہ سے پہنچی تھی۔ فَهَدَيۡنٰهُمۡ...... الۡهُدٰى ۔ اس تصریح نے ایک بار پھر یہ صاف کر دیا کہ ہدایت و ایمان کا رد و قبول بالکل اختیار عبد کی چیز ہے اور اسی پر عذاب یا اجر مرتب ہوتا ہے۔ ف۱۸ یہ منظر اُس وقت کا ہے، جب عرصہ محشر میں ان لوگوں کو دوزخ کے قریب لے آیا جائے گا، اور آگ ہی آگ انہیں ہر طرف نظر آئے گی، حساب کتاب اُس وقت شروع ہو رہا ہوگا۔ مَا جَآءُوۡهَا ۔ ما زائدہ یعنی تاکید کے لیے ہے۔ ما مزیدۃ للتاکید (مدارک) فَهُمۡ يُوۡزَعُوۡنَ ۔ دوزخیوں کا جھنڈ بے شمار ہوگا۔ ایک خاص مقام پر پہنچ کر آگے چلنے والوں کو روک دیا جائے گا کہ پیچھے والے بھی برابر آجائیں۔ ای یحبس اولھم علی اخرھم لیتلاحقوا و ھو کنایۃ عن کثرتھم (روح)

اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ

ہم کو اُسی اللہ نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی دی ہے اور اُسی نے تو تم کو اول بار

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ

پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس پھر لائے گئے ہو و۱۹ اور تم اس بات سے اپنے کو چھپا نہیں سکتے تھے

اَنْ یَّشْهَدَ عَلَیْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَ لَا جُلُوْدُكُمْ

کہ تمہارے خلاف تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری جلدیں گواہی دیں

وَ لٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَعْلَمُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

لیکن تم تو اس گمان میں رہے کہ اللہ کو تمہاری اکثر باتوں کی خبر ہی نہیں و۲۰

وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ

اور تمہارے اسی گمان نے جو تم اپنے پروردگار کے ساتھ رکھتے تھے تمہیں برباد کیا اور تم گھاٹے میں

مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ یَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ

پڑ کر رہے و۲۱ سو اگر یہ لوگ صبر کریں جب بھی دوزخ ہی اُن کا ٹھکانا ہے اور اگر

یَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَ قَیَّضْنَا لَهُمْ

وہ عذر کرنا چاہیں تو اُن کی معذرت قبول نہ ہوگی و۲۲ اور ہم نے اُن کے لئے کچھ ساتھ

قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ حَقَّ

رکھنے والے مقرر کر رکھے تھے، سوانہوں نے ان کے کرتوت اگلے اور پچھلے اُن کی نظر میں خوشنما کر دکھائے تھے اور اُن کے

عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ

حق میں بھی ان سے قبل گزرے ہوئے جنات اور انسانوں کی قوموں کے ساتھ (اللہ کا)

الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۵﴾ ع وَ قَالَ الَّذِیْنَ

قول پورا ہو کر رہا بے شک وہ (سب) خسارہ میں رہے و۲۳ اور کافر کہتے

ع ۱۷

و۱۹ آج جو اعضاء خاموش وغیر گویا ہیں، کل گویا ہو کر کتنی سیدھی اور سچی بات کہیں گے کہ تم ہمیں تو خاموش وغیر متکلم سمجھ رہے تھے، یہ بتاؤ کہ زبان جسے تم گویا و ناطق سمجھ رہے تھے، خود اس مضغۂ گوشت میں یہ قوت گویائی کہاں سے آ گئی؟ کیا اُس نے یہ قدرت از خود حاصل کر لی تھی؟ اس میں بھی یہ قوت ایک قادر مطلق ہی کے حکم و مشیت سے تو آئی۔ اس ایک چیز کے سوا اُس میں اور ہم میں کوئی ذرہ بھر فرق بھی تو نہیں۔ تو پھر بعینہ وہی مشیت اس وقت جب ہم سے متعلق ہو گئی تو ہم بھی ٹھیک زبان ہی کی طرح ناطق ہو گئے۔ اس میں حیرت کی بات ہی کیا؟ وَ قَالُوْا...... عَلَیْنَا۔ اہل دوزخ دنگ و حیران رہ کر اپنے ہی اعضاء جسم سے سوال کریں گے کہ ارے یہ تمہیں ہو کیا گیا؟ یہ آج تم بولنے کیسے لگ گئے؟ ہم نے تو یہ جو کچھ کیا دھرا تھا، سب تمہارے ہی واسطے تو کیا تھا؟ و۲۰ کثرت سے مشرک ”حکماء و فلاسفہ“ نے علم الٰہی کو ناقص سمجھا ہے۔ کسی نے یہ کہا ہے کہ خدا کو علم صرف کلیات کا ہوتا ہے جزئیات کا نہیں، اور کسی نے کچھ اور۔ بہر حال مشرکین کو صفاتِ کمالیۂ الٰہی ہی کے سمجھنے میں شدید ٹھوکر لگی ہے، خصوصاً صفت علم کے باب میں۔ و۲۱ مشرکانہ عقائد ہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان برابر بدکاریوں میں پڑا رہتا ہے اور اس کا پورا انجام حشر میں جا کر ظاہر ہوگا۔ و۲۲ یعنی اگر یہ تن بتقدیر ہو کر صبر و خاموشی سے کام لیں، اور کوئی عذر و معذرت نہ پیش کریں، جب بھی ان کے حق میں کوئی رعایت نہ ہوگی، جیسا کہ دنیا میں کبھی ہو جاتا ہے۔ اور عذر خواہی بھی اگر کرنا چاہیں تو اُس دار الجزاء میں بالکل بیکار ثابت ہوگی۔ آخرت تو صرف ظہور نتائج کا محل ہے وہاں اگر دار العمل والے قانون کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو سب سے پہلے ابلیس ہی نہ اپنی توبہ کے لیے اس گنجائش سے فائدہ اُٹھاتا؟ و۲۳ ہر بدی، ہر نافرمانی، ہر معصیت، کسی نہ کسی دوست، رفیق ہی کی ترغیب و تشویق کا آخری نتیجہ ہوتی ہے۔ اسی حقیقت کی جانب یہاں اشارہ ہے۔ فِیْۤ اُمَمٍ۔ فی مرادف ہے مع کے (ابو مسعود)

و۲۴ (اور یہ پیمبر ہار کر، تھک کر چپ ہو جائیں) مکہ کے مشرکوں نے جب دیکھا کہ پیمبر ﷺ اپنی تبلیغ سے رکتے نہیں اور قرآن برابر دلوں میں گھر کرتا جاتا ہے تو ایک تدبیر یہی سمجھ میں آئی کہ سرے سے قرآن کی آواز ہی کو کانوں تک نہ پہنچنے دیا جائے، اور قرآن جب رسول ﷺ سنا رہے ہوں تو اتنا غل مچایا جائے کہ اُن کی آواز سن ہی نہ پڑے۔ و۲۵ یہ گفتگو دوزخ میں ہوگی، جب کافر اپنے کو جتلائے عذاب پائیں گے۔ انتہائی جھنجھلاہٹ اور جوش غیظ میں یہی چاہیں گے کہ اپنے گمراہ کرنے والوں کو (حالانکہ وہ بھی اسی دوزخ ہی میں کہیں گے) اپنے قریب موجود پائیں اور اپنے پیروں سے رَوند

كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے درمیان میں غل مچا دیا کرو، شاید (اسی طرح)

تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا

تم غالب آ جاؤ و۲۴ سو ہم (ان) کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے

وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ

اور جو بُری بُری حرکتیں یہ کرتے رہے ہیں ان کی سزا دے کر رہیں گے یہی سزا ہے

جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ

اللہ کے دشمنوں کی یعنی دوزخ وہاں ان کے لئے ہمیشگی کا مقام ہوگا اس کی سزا میں

بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہتے تھے اور کافر (اُس وقت) کہیں گے کہ

رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا

اے ہمارے پروردگار ہمیں وہ شیطان و انسان دونوں دکھا دیجئے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا

تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

ہم انہیں اپنے پیروں کے نیچے ڈال دیں کہ وہ خوب ذلیل ہوں و۲۵ بے شک جن لوگوں نے

قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (اس پر) قائم رہے و۲۶ اُن پر فرشتے اتریں گے

اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ

کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور خوش ہو جنت (کے ملنے) پر جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا

تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي

رہا ہے و۲۷ ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی

کرر کھ دیں۔ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ یہ نص اس باب میں صاف و واضح ہے کہ انسان کی گمراہی شیطان (جنات خبیث) کی طرف سے بھی آتی ہے اور انسانوں کی طرف سے بھی۔ و۲۶ یعنی مذہب شرک چھوڑ کر دین توحید اختیار کیا اور اسی پر ثابت قدم رہے۔ اس سے ان کا قدم ڈگمگانے نہیں پایا۔ ثم ثبتوا علی الاقرار و لم یرجعوا الی الشرک (روح) معناہ و لم یشرکوا بہ شیئاً و لکن تموا علی التوحید (ابن جریر) عن مجاھد اسلموا ثم لم یشرکوا بہ حتی لحقوا بہ (ابن جریر) عن عکرمۃ استقاموا علی شھادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ (ابن جریر) صدیق اکبر حضرت ابوبکر سے یہی معنی مروی ہیں۔ ھم الذین لم یشرکوا باللّٰہ شیئا (ابن جریر، عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ) لم یرجعوا الی عبادۃ الاوثان (روح عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ) آیت سے منافق اور مرتد تو خارج ہو ہی گئے (منافق سے استقامت کیونکر ممکن ہے اور مرتد وہ ہے جو اقرار ایمان پر قائم نہ رہا) باقی اخفاء ایمان کا رَد بھی لفظ قَالُوْا سے نکل رہا ہے یعنی کوئی شخص دل سے تو توحید کا قائل ہو مگر اقرار نہ کر رہا ہو، وہ مستحق اس بشارت کا نہیں۔ رَبُّنَا۔ صفت ربوبیت کی تخصیص اس لیے فرمائی گئی کہ مشرکوں کو سب سے زیادہ دھوکا اسی صفت ربوبیت میں ہوا ہے۔ کارساز ہی وہ دوسرے کو جانتے ہیں، ورنہ خالق تو شاید ہی کسی کافر نے کبھی غیر اللہ کو سمجھا ہو۔ ضرورت اسی صفت ربوبیت پر استقامت کی تاکید کی تھی۔ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ استقامت اپنے اطلاق کے لحاظ سے ہر درجہ و مرتبہ استقامت کو شامل ہے۔ و۲۷ (پیمبروں، اور صدیقوں کی زبان سے) مومن ناظر کو چاہیے کہ جب اس آیت پُر بشارت پر پہنچے تو آگے بڑھنے سے قبل ذرا اپنی موت کے وقت کا اس وعدۂ الٰہی کے ساتھ مراقبہ کر لے۔ نزع میں کہ انتہائی بے بسی کا وقت ہوتا ہے یہ مژدۂ رحمت کس درجہ باعث بشارت و شادمانی ہوگا!۔۔۔ زبان کا کوئی لفظ مسرت و انبساط کی اس انتہائی کیفیت کو ادا کر ہی نہیں سکتا۔ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الصدور میں تمیم داری صحابی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ایک بڑی طویل حدیث اس مضمون کی نقل کی ہے کہ مومن صالح کی روح کے قبض کے وقت فرشتہ موت اس کے پاس اس کی دلچسپیوں کا بہتر سے بہتر سامان لے کر آتا ہے اور جس طرح بچہ کے نشتر لگنے کے وقت اُسے بہلا پھسلا لیا جاتا ہے اس احتضار والے مومن کو انہیں دلچسپیوں میں بہلا کر چپکے سے بلا شائبہ تکلیف اُس کی روح جسم سے باہر لے آتا ہے اس گھڑی جسم روح کو مبارکباد دیتا ہے اور روح جسم کو، فرشتے اس کے حق میں دعائیں اور طلب مغفرت کرتے ہیں اور شیطان پچھاڑیں کھاتا ہے کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا! تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ یہ فرشتے رحمت اور بشارت کے ہوں گے اور ان کا نزول پہلے موت کے وقت ہوگا، پھر قبر میں اور پھر بعثت کے وقت ۔۔۔ بلکہ محققین عارفین نے تو ترقی کر کے یہاں تک کہا ہے کہ ملائکہ رحمت کا نزول تو مومنین صادقین پر ہر وقت اور ہر آن ہوتا رہتا ہے۔ قال المفسرون یعنی عند الموت و انا اقول فی کل یوم و اَشد الایام یوم الموت و حین القبر و یوم الفزع الاکبر (ابن العربی) قیل عند الموت و قیل فی مواقف ثلاثۃ عند الموت و فی القبر و عند البعث الی القیامۃ (کبیر) وَلَا تَخَافُوْا۔ کسی عذاب کا اندیشہ نہ کرو، نہ برزخ میں نہ آخرت میں۔ وَلَا تَحْزَنُوْا۔ یعنی دنیا اور یہاں کے مانوسات و مالوفات کی مفارقت پر ذرا غم نہ کرو۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ آیت مومن کے حق میں بہت بڑی بشارت ہے اور ایک وعدہ اس امر کا ہے کہ اُسے کوئی غم وحزن نہ موت کے وقت ہوگا نہ قبر میں نہ حشر میں، بلکہ ان سارے موقعوں پر وہ مطمئن و پر سکون رہے گا۔

الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا

رہیں گے و۲۸ اور تمہارے واسطے اس (جنت) میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کو تمہارا جی چاہے، اور تمہارے واسطے موجود ہے

مَا تَدَّعُوْنَ ۝۳۱ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝۳۲ ع وَ مَنْ

جو کچھ بھی تم مانگو و۲۹ (یہ) بطور مہمانی کے (غذائے) غفور و رحیم کی طرف سے و۳۰ اور اس سے

اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ

بہتر بات کس کی ہے جو (دوسروں کو) اللہ کی طرف بلائے اور (خود) نیک عمل کرے اور کہے کہ

اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۳۳ وَ لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا

میں تو فرمانبرداروں میں سے ہوں و۳۱ اور نیکی اور بدی برابر

السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ

نہیں ہوتی آپ نیکی سے (بدی کو) ٹال دیا کیجیے تو پھر یہ ہو گا کہ جس

وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝۳۴ وَ مَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا

شخص میں اور آپ میں عداوت ہے وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے و۳۲

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝۳۵

اور یہ بات انہیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کرتے رہتے ہیں، اور اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہوتا ہے و۳۳

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ

اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے وسوسہ آنے لگے تو آپ اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۳۶ وَ مِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَ النَّهَارُ

وہی (سب) سننے والا ہے (سب) جاننے والا ہے و۳۴ اور اس کی نشانیوں میں رات ہے اور دن ہے

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ

اور سورج ہے اور چاند ہے و۳۵ (بس) تم لوگ نہ سورج کو پوجو اور نہ چاند کو

و۲۸ نیکی کے فرشتے مومن صالح کے رفیق اس دنیا میں برابر رہا کرتے ہیں، اور ہر وقت اُسے صالحیت کی ترغیب بطریق الہام دیتے رہتے ہیں۔ اور آخرت میں ان کی ملاقات و رفاقت کا ذکر تو قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ امتحان ظاہری و باطنی کے موقع پر فیض ملائکہ نزول سکینت و برکت کرتا رہتا ہے۔ و۲۹ جنت اور آخرت کی نعمتوں کی کوئی حد اور کوئی شمار ہے الفاظ کا عموم و جامعیت ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ جو کچھ بھی تم طلب کرو گے۔ ہر چیز تمہارے لیے حاضر و مہیا ہوگی۔ اور اس میں ساری ہی مادی و روحانی لذتیں اور حسی و معنوی راحتیں آگئیں! اور پھر اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر، "جو کچھ تمہارا جی چاہے گا وہ بھی"۔ خواہ زبان سے مانگو یا نہ مانگو --- حق ہے کہ مومن ناظران بشارتوں کو پڑھ کر وجد میں آ جائے۔ مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ۔ اس کے اندر وہ ساری لذتیں اور راحتیں آ گئیں! جن کی طلب انسان کے لیے طبعی و اضطراری ہے۔ مَا تَدَّعُوْنَ۔ اس کے تحت میں وہ ساری نعمتیں شامل ہیں جن کی طلب انسان کے لیے عقلی و اختیاری ہے۔ و۳۰ یعنی یہ بے انداز و بے حساب نعمتیں ملیں گی بھی تو اس طرح نہیں جیسے سائل یا گداگر کو بھیک مل جاتی ہے، بلکہ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ملیں گی جیسے معزز مہمان کو میزبان کی طرف سے پیش ہوتی رہتی ہیں --- اور میزبان کون ہوگا؟ خود حق تعالیٰ، صفات مغفرت و رحمت سے خاص طور پر متصف! و۳۱ ابھی ذکر حسن مآل کا تھا۔ اب ذکر حسن عمل کا ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا۔ دعوت الی اللہ کے ساتھ ضرورت خود بھی حسن عمل کی ہے بلکہ اس قید نے یہ اشارہ کر دیا کہ عالم بے عمل اور واعظ غیر متقی اس بشارت سے خارج ہے۔ المراد ان يتبع القول العمل (ابن العربی) قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ مومن کو چاہیے کہ اپنی بندگی پر فخر کرے، اس میں کوئی عار نہ سمجھے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ عَمِلَ صَالِحًا کی قید سے معلوم ہوا کہ شیخ کو خود بھی عامل ہونا چاہیے ورنہ اس کی تعلیم میں برکت نہ ہوگی۔ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ۔ ظاہر لفظ سے بعض علماء نے اشارہ اذان کی جانب سمجھا ہے۔ اور استدلال اسی سے عمل اذان کی فضیلت پر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اذان کی افضلیت اپنی جگہ بالکل مسلم، بلکہ حدیث میں مؤذن کے لیے یہ بشارت آچکی ہے کہ اللہ نے اس کا گوشت آگ پر حرام کر دیا ہے۔ لیکن یہاں مفہوم عام ہے۔ اور ہر داعی الی اللہ اس کے تحت میں آ جاتا ہے خواہ وہ حاکم عادل ہو یا فوجی مجاہد، مدرس ہو یا واعظ، شیخ طریقت ہو یا دینی کتابوں کا مصنف۔ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ۔ فقہاء نے اس کے تحت میں لکھا ہے کہ خلوت و اعتزال و سکوتِ زاہدانہ سے امر بالمعروف اولیٰ و اشرف ہے۔ وَمَنْ...... اللّٰهِ۔ فقہاء نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بہترین قولی عبادت دعوت الی اللہ ہی ہے۔ فيه بيان ان ذالك احسن قول (جصاص) اور پھر اس فرع پر فرع یہ مرتب کیا ہے کہ دعوت الی اللہ فرض ہے، ورنہ اگر یہ فرض نہ ہو بلکہ صرف نفل ہو تو نفل کا فرائض سے بہتر ہونا لازم آتا ہے۔ و دلّ بذالک علی لزوم فرض الدعاء الی الله و اذ لا جائز ان یکون النفل احسن من الفرض (جصاص) و۳۲ (بلکہ کہیں تو جانی دشمن واقعۃً دلی دوست و خادم بن جاتے ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تعامل مسلسل کے بعد ابوسفیان جیسے شدید دشمن بالکل حلقہ بگوش ہو گئے) وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ۔ دونوں یکساں نہیں، بلکہ ہر ایک کا اثر جداگانہ ہوتا ہے۔ بدی کی مکافات بدی سے کرنے میں عداوت بڑھتی ہے اور نیکی سے کرنے میں (بشرط سلامت طبع) عداوت گھٹتی ہے۔ وَلَا السَّيِّئَةُ میں لا زائدہ تاکید نفی کے لیے ہے۔ لا الثانية مزيدة لتاكيد النفى (روح) كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ۔ كَاَنَّهٗ نے یہ صاف کر دیا کہ یہ لازمی نہیں کہ اس برتاؤ کے بعد وہ دشمن دوست بن ہی جائے، البتہ مشابہ دوست کے ضرور ہو جائے گا --- مشہور غیر مسلم لیڈر گاندھی جی نے جو اپنا فلسفہ شانتی اور اہنسا کا چلایا ہے، عجب نہیں، جو اُس کا ماخذ اصلی یہی آیاتِ قرآنی ہوں۔ و۳۳ یعنی اس دفاع احسن کی، بدی کی مکافات بھلائی سے کرنے کی توفیق ہر کس و ناکس کو نہیں حاصل ہو جاتی۔ یہ تو صرف خوش نصیبوں ہی کے حصہ میں آتی ہے یعنی اُن کے حصہ میں جو اپنے کو صبر کا خوگر بنا چکے ہوتے ہیں۔ وَمَا يُلَقّٰىهَا ...... صَبَرُوْا۔ اس میں ذکر ان نیک بندوں کے اخلاق و عادات کا ہے۔ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ۔ یہ خوش نصیبی ان کے مرتبہ و اجر و ثواب کے لحاظ سے بیان کی گئی ہے۔ و۳۴ (جس سے نہ کسی کے الفاظ و اقوال مخفی ہیں نہ کسی کے اعمال و احوال) وَاِمَّا...... نَزْغٌ۔ نزغ یا وسوسہ سے یہاں مراد غصہ و انتقام کا وسوسہ ہے۔ معاندین کی مخالفت شدید و پیہم کے وقت اس کا پیدا ہو جانا ایک حد تک امر طبعی ہے۔ تاہم پیمبر کے مرتبہ سے فروتر چیز ہے، اس لیے قرآن نے ہر امر مذموم و معیوب کی طرح اسے بھی شیطان کی جانب منسوب کیا ہے۔ محققین عارفین نے مفہوم میں توسع پیدا کر کے اور مخاطبت میں مراد ساری اُمت کو لے کر دوسرے شیطانی تاثرات و تصرفات مثلاً حسد، ریا، کبر، کینہ، کذب وغیرہ کی تحریکات کو اسی حکم کے تحت میں لے لیا ہے۔ ابھی ابھی حکم صبر کا ملا تھا، صبر ہی اساس اخلاق ہے، اور سعادت اُخروی و بہبود دنیوی کی اصل۔ اس آیت سے مقصود اسی کے حفظ و بقاء کی تاکید ہے۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ اللہ سے پناہ مانگنے اور پناہ خداوندی میں آ جانے کا حکم اس لیے کہ بشر بلا امداد الٰہی شیطان کے دفع کرنے پر قادر نہیں۔ حکم سے یہ بھی اشارہ نکل آیا کہ بندۂ مومن کو غافل و بے فکر کسی وقت بھی نہ ہونا چاہیے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت سے تین مسئلے مستنبط ہوتے ہیں ایک اصلاح اخلاق کی ضرورت، دوسرے اس کے لیے مجاہدہ کا شرط ہونا۔ تیسرے یہ کہ وسوسہ شیطانی کا امکان کاملین کے لیے بھی ہے اور وہ التجاء الی اللہ میں مانع نہیں۔ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ وہ آپ کا استعاذہ بھی سن رہا ہے اور آپ کی نیت و صالحیت سے بھی خوب واقف ہے۔ آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ نزغ یا غصہ کے وقت استعاذہ مستحب ہے۔ و فسر عبدالرحمن بن زيد النزغ بالغضب و استدل بالآية على

استحباب الاستعاذة عندہٗ (روح) ف۳۵ (نہ یہ کہ یہ کوئی مستقل دیوی دیوتا ہیں) آیت میں رَد آ گیا، تمام ستارہ پرست، آفتاب پرست، ماہتاب پرست جاہلی قوموں کا۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ رات

وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾

بلکہ صرف اللہ ہی کو پوجو جس نے ان سب کو پیدا کیا اگر تم واقعی اُس کے پرستار ہو ف۳۶

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ

پھر اگر یہ لوگ اکڑے رہیں تو (فرشتے) جو آپ کے پروردگار کے مقرب ہیں وہ رات اور دن اُسی کی تسبیح

وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْــَٔـمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى

کرتے رہتے ہیں اور (وہ اس سے ذرا) نہیں اکتاتے ف۳۷ اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تو زمین کو

الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ

دیکھتا ہے دبی دبائی پڑی ہے لیکن جب ہم اُس پر پانی برسا دیتے ہیں تو وہ اُبھرتی اور پھولتی

وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ

ہے تو وہی جس نے اس (زمین) کو جی اُٹھایا وہی مُردوں کو بھی جی کھڑا کرے گا، بے شک وہی ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ

قادر ہے ف۳۸ بے شک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں وہ ہم سے مخفی

عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ

نہیں ہیں سو بھلا جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن امن وامان کے

الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾

ساتھ آئے ف۳۹ (خیر) جو جی چاہے کر لو، وہ تمہارا کیا ہوا سب کچھ دیکھ رہا ہے ف۴۰

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ

جو لوگ اس (کتاب) نصیحت کا انکار کرتے ہیں جبکہ وہ ان کے پاس پہنچ گئی سو وہ بڑی معزز

عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ

کتاب ہے اس میں باطل نہ آگے سے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے

السجدۃ ۱۱

ہو، یا دن، سورج ہو یا چاند، یہ تو سب حق تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی علامتیں اور نشانیاں ہیں اور اُس کی توحید و عظمت، حکمت وصناعی پر مستقل دلائل وشواہد، انہیں خود معبود سمجھ لینا کس درجہ کی حماقت و سفاہت ہے۔ ملاحظہ ہوں تفسیر انگریزی کے حاشیے۔ ف۳۶ اہل شرک پر حجت قائم کی ہے کہ اگر تم توحید کے مدعی ہو، اور ایک خدا کے ماننے والے ہو، تو یہ آفتاب پرستی، ماہتاب پرستی، اس دیوتا کی پرستش اور اُس دیوی کی پوجا کے کیا معنٰی؟ تم کو چاہیے کہ سارے دیوی دیوتاؤں سے منہ موڑ کر صرف اُن کے خالق یعنی حق تعالیٰ ہی سے اپنا تعلق جوڑے رکھو۔

لَا تَسْجُدُوْا...... اسْجُدُوْا۔ سجدہ سے یہاں اسلامی نماز کا اصطلاحی سجدہ مراد نہیں۔ عام عبادت و پرستش مقصود ہے۔ جیسا کہ اس کے قبل بھی کئی بار ذکر آ چکا ہے۔ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ۔ آفتاب پرستی و ماہتاب پرستی، دنیا میں شرک کے یہ دو مظہر سب سے بڑھ کر رہے ہیں۔ اس لیے تصریح کے ساتھ نام انہیں دونوں کا ارشاد ہوا ہے۔ ف۳۷ مسلک توحید وایمان اختیار کرنے میں بہر حال اپنے طریق آبائی کو چھوڑنا اور نبی کا اتباع کرنا پڑتا تھا، اور یہ بہت سے طبائع کو گراں گزرتا تھا۔ یہاں اشارہ اسی جانب ہے۔ فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ۔ فرشتوں کا ذکر فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا کے مقابلہ میں لانے سے اس طرف بھی اشارہ منظور ہے کہ ملائکہ مقربین مرتبہ ومنزلت میں ان اشخاص سے ہزار ہا ہزار درجہ زائد ہیں۔ ف۳۸ بعث وحشر کے امکان پر، اس امکان کے منکروں کو، اس قریب کی اور روزمرہ پیش آنے والی نظیر سے توجہ دلائی ہے۔ ف۳۹ (ظاہر ہے کہ ہرگز وہ دوزخی بہتر نہیں) اَلَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا۔ منکروں اور مکذبوں سے مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن علماء محققین نے لکھا ہے کہ وعید ان باطل فرقوں پر بھی شامل ہے، جو آیات قرآنی کے معنٰی گڑھ گڑھ کر اور مسخ کر کر کے ایسے بیان کرتے ہیں جو حدود تاویل سے بالکل خارج ہوتے ہیں۔ متکلمین واصولیین اہل سنت نے یہ تصریح کر دی ہے کہ ہر نص اپنے ظاہر ہی پر محمول ہوگی، تاوقتیکہ کوئی دلیل قطعی تاویل کی مقتضی نہ مل جائے۔ لغت، زبان، قواعد نحوی سے الگ ہو کر ایسے معنٰی گڑھنا جس سے احکام شریعت ہی باطل ہو جائیں، باطنیہ وزنادقہ کا شیوہ رہا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کے تحت میں وہ غالی صوفیہ بھی آ جاتے ہیں جو منقول اور ماثور تفسیروں سے انکار کر کے اپنی اختراعی تاویلیں پیش کرتے رہتے ہیں۔ اَمْ...... الْقِيٰمَةِ۔ قیامت کے روز امن وامان میں رہنے والا وہی ہوگا جو دنیا میں صاحب ایمان تھا۔ ف۴۰ (جو آخرت میں جو دارالجزاء ہے، پوری سزا دے گا۔ اور یہاں دارالعمل میں اس نے آزادیٔ عمل دے رکھی ہے)۔

خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا

سے (یہ کلام) نازل ہوا ہے (خدائے) باحکمت و پر حمد کی طرف سے ف۴۱ آپ کے لئے تو وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو

قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ

آپ سے قبل رسولوں کے لئے کہی جا چکی ہیں ف۴۲ بے شک آپ کا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے

وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْ

اور دردناک سزا دینے والا ہے ف۴۳ اور اگر ہم اسے قرآن عجمی بناتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف

لَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ

کیوں نہیں بیان کی گئیں یہ کیا کہ عجمی (کتاب) اور عربی (رسول) ف۴۴ آپ کہہ دیجئے کہ یہ (قرآن) ایمان والوں

اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ

کے لئے ہدایت و شفاء ہے اور جو ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں

وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ

ڈاٹ ہے اور وہ (قرآن) اُن کے حق میں نابینائی ہے یہ لوگ وہ ہیں جو کسی بڑی دور جگہ سے پکارے

بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْ

جا رہے ہیں ف۴۵ اور ہم نے موسٰی کو بھی کتاب دی تھی اُس میں بھی اختلاف پڑا بس اگر

لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ

ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے، تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور یہ لوگ

شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ

اس کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جس نے انہیں تردد میں ڈال رکھا ہے ف۴۶ جو کوئی نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے نفع کے

وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

لئے کرتا ہے اور جو کوئی برا عمل کرتا ہے اس کا بھی وبال اس پر پڑے گا اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا (ہرگز) نہیں ف۴۷

قرء حفص بتسهيل الهمزة الثانية ۱۲

ع ۵/۱۲ ۱۹

ف۴۱ (اور مصنف ہی جلّ وعلا کا پرتو تصنیف شریف میں بھی نظر آرہا ہے) لَا...... خَلْفِهٖ۔ اس کتاب آسمانی میں کسی پہلو اور کسی جہت سے بھی تحریف وتلبیس کا امکان نہیں۔ بعض علماء راسخین نے یہیں سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ اس طرح قرآن سے تمسک کرنے والے بھی باطل سے محفوظ رہتے ہیں۔ ف۴۲ یعنی جس طرح ان کی تکذیب کی گئی اور انہیں اذیت پہنچائی گئی، وہی سب آپ کے لئے بھی پیش آرہا ہے تو جس طرح انہوں نے صبر کیا تھا، آپ بھی صبر سے کام لیجئے۔ ف۴۳ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اصل صفت تو غفوریت ہی کی ہے، لیکن اگر مشرکین ومکذبین عناد سے باز آکر مستحق مغفرت نہ ہوگئے تو پھر سزا بھی ان کے لئے شدید دردناک رکھی ہوئی ہے۔ ف۴۴ بعض معاند منکروں نے یہ کہنا شروع کیا تھا کہ سارا قرآن عربی ہی میں کیوں ہے۔ کچھ عجمی میں بھی ہوتا تو البتہ ہم یقین کر لیتے کہ یہ نبی عربی ہیں۔ عجمی زبان پر انہیں قدرت نہیں۔ لامحالہ یہ وحی غیبی ہے۔ یہاں اسی اعتراض کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ معاند ایمان تو جب بھی ہرگز نہ لاتے اور اس وقت یہ کہنے لگتے کہ سارا قرآن عربی ہی کیوں نہیں یہ کیسی بے جوڑ بات ہے کہ رسول خود تو عرب ہوں، اور پیام وکلام لے کر آئیں عجم کی زبان میں! فقہاء محققین نے اسی آیت سے استنباط کیا ہے کہ قرآن کا اطلاق عجمی قرآن پر بھی جائز ہے اور اختلاف لسان کی بنا پر قرآن غیر قرآن نہیں ہو جاتا، بلکہ ترجمہ قرآن پر بھی قرآن ہی کا اطلاق رہتا ہے۔ وهذا يدل على ان نقله الى لغة العجم لايخرجه ذلك من ان يكون قراٰنا (جصاص) لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز بھی بجائے قرآن کے ترجمہ قرآن پڑھنے سے ادا ہو جائے گی۔ لان المامور به قراءة القراٰن وهو اسم للمنزل باللفظ العربى المنظوم بهذا النظم الخاص المكتوب فى المصاحف المنقول الينا نقلا متواترا (درالمختار) ف۴۵ (کہ محض آواز سن رہے ہیں اور سمجھتے بوجھتے خاک نہیں) هُدًى۔ راہنما عمل صالح کی طرف۔ شِفَآءٌ۔ باعث شفاء امراض باطنی ہے۔ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ۔ کانوں میں ڈاٹ یوں کہ یہ منکرین ومعاندین اس آواز حق کو باوجود اس کے وضوح کے انصاف کے کانوں سے سنتے ہی نہیں۔ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى۔ چنانچہ معاندین کی یہ ارادی نابینائی ان کے حق میں اور زیادہ موجب ضلالت بنتی جاتی ہے۔ ف۴۶ (اور چونکہ یہ یقین وایمان سے محروم ہیں، اس لئے قدرۃً سکون و اطمینان کی دولت سے بھی محروم ہیں) وَلَقَدْ...... فِيْهِ۔ چنانچہ اسی توریت ہی کی طرح آج قرآن کے بارہ میں بھی لوگ اختلاف کر رہے ہیں، اور بہت سے اشرار اسے کلام الٰہی تسلیم کرنے سے انکار کر رہے ہیں — مقصود رسول کو تسکین دینی ہے کہ خلقت کی یہ عادتِ انکار تو پہلے سے چلی آرہی ہے۔ لَوْلَا...... رَبِّكَ۔ اور وہ ٹھہرائی ہوئی بات یہی ہے کہ پورا عذاب آخرت ہی میں ہوگا۔ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ۔ وہ فیصلہ یہی کہ منکرین پر عذاب اسی دنیا میں آگیا ہوتا۔ ف۴۷ (کہ کسی کی کی ہوئی نیکی کو شمار سے چھوڑ دے اور یا کسی کی نہ کی ہوئی بدی کو لکھ لے) وَمَا...... لِلْعَبِيْدِ۔ آیت کے اس ٹکڑے میں تردید آگئی ان مشرک جاہلی قوموں کے عقیدہ کی جو اپنے دیویوں دیوتاؤں کی جانب ظلم وجبر، شقاوت وسفاکی کی صفات منسوب کرنا ذرا بھی ان کی الوہیت کے منافی نہیں سمجھتے تھے۔ مَنْ عَمِلَ...... فَعَلَيْهَا۔ اسلام کی ایک بنیادی حقیقت یعنی شخصی ذمہ داری کا ایک بار پھر اعادہ واثبات کر دیا گیا۔ اور اس جہل کی ایک بار پھر اصلاح کر دی گئی کہ مقبولین سے محض نسبی نسبت رکھنا کافی ہے — بحمد اللہ! آج یکشنبہ ۱۸ر ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲ر نومبر ۱۹۴۷ء کو اس چوبیسویں پارہ کی تفسیر کی نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ

اُسی (اللہ) کی طرف قیامت کے علم کا حوالہ دیا جا سکتا ہے اور کوئی پھل اپنے خول میں سے

اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ

نہیں نکلتا، اور نہ کوئی عورت حمل سے رہتی ہے اور نہ (بچہ) جنتی ہے بغیر اُس کی اطلاع کے ف۴۸

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ

اور جس روز (اللہ) ان (مشرکوں) کو پکارے گا کہ (اب) میرے شریک کہاں ہیں؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم تو آپ سے یہی عرض

شَهِيْدٍ ۚ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ

کریں گے کہ ہم میں سے کوئی (اس کا) مدعی نہیں، ف۴۹ اور جن جن کی یہ لوگ پہلے پوجا کیا کرتے تھے وہ سب اُن سے غائب ہو

وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾ لَا يَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ

جائیں گے اور وہ لوگ یہ سمجھ لیں گے کہ اب کوئی صورت بچاؤ کی نہیں ف۵۰ انسان کا ترقی کی آرزو سے جی

دُعَآءِ الْخَيْرِ ۫ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ

نہیں بھرتا اور اگر اُسے تکلیف پہنچ جاتی ہے تو مایوس و ہراساں ہو جاتا ہے ف۵۱ اور اگر

اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ

ہم اپنی طرف سے اُسے مہربانی کا مزہ چکھا دیتے ہیں بعد کسی تکلیف کے جو اُسے واقع ہوئی تھی تو وہ کہنے لگتا ہے

هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ

کہ یہ تو میرے لیے ہونی ہی تھی اور میں قیامت کو آنے والا نہیں خیال کرتا، اور اگر میں اپنے پروردگار کے پاس

اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ

پہنچایا بھی گیا تو میرے لیے تو اس کے پاس بھی ضرور ہی بہتری ہی ہے ف۵۲ سو ہم کافروں کو اُن کے کرتوت

كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۫ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾

ضرور بتا دیں گے اور انہیں عذاب سخت کا بھی مزہ چکھا کر رہیں گے

ف۴۸ حق تعالیٰ کی صفت علم کا اثبات ہو رہا ہے کہ اُس کا علم کامل اور ہر ہر جزئیہ کو محیط ہے اور وہی وقت قیامت کا علم رکھتا ہے۔ اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ یہ منکرین کے اس تعریضی سوال کے جواب میں ہے کہ قیامت آخر کب آئے گی۔

ف۴۹ (اور اپنی غلطی کے بالکل معترف ہیں) اَيْنَ شُرَكَآءِيْ۔ یعنی جنہیں تم اپنے زعم و پندار میں ہمارا شریک و ہمسر سمجھا کرتے تھے۔ انہیں بلاؤ، وہ اب آ کر بچائیں — شرکاء کی اپنی جانب نسبت و اضافت میں ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے مشرکین کے عقائد پر تعریض کی ہے۔ اضافهم الٰی نفسه علٰی زعمهم و فيه تهكم و تقريع (مدارک) مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ۔ یعنی آج ہم میں سے کوئی بھی اس کا مدعی نہیں کہ تیرا کوئی بھی شریک ہے۔ ای ما منا احد اليوم يشهد بان لك شريكا (مدارک)

ف۵۰ (اس لئے اب کسی اور سے آس لگانا حماقت محض ہے) وَظَنُّوْا۔ ظن یہاں گمان کے معنی میں نہیں، یقین کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اور بھی متعدد موقعوں پر ہے۔ ای ايقنوا كما قال السدی وغيره لانه لا احتمال لغيره هنا والظن يكون بمعنى العلم كثيرًا (روح) ای ايقنوا وعلموا (قرطبی) وهذا بمعنى اليقين (ابن کثیر)

ف۵۱ مومن کو اپنی ہر تکوینی اور غیر اختیاری مصیبت پر توقع اجر کی قائم رہتی اور بھروسہ کسی نہ کسی درجہ میں خدا پر رہتا ہے۔ منکر توحید و منکر آخرت سکینت قلب کی اسی دولت سے، زخم کے اسی ٹھنڈے مرہم سے محروم، حسرت و یاس کے ساتھ اپنے کو لوٹنے پر، تڑپنے پر مضطر پاتا ہے۔ اَلْاِنْسَانُ۔ ذکر یہاں کافر، ناشکرے انسان اور اس کے کمال حرص کا ہو رہا ہے۔ قال السدی والانسان ههنا يراد به الكافر (قرطبی) الكافر (معالم) اَلْخَيْرِ۔ خیر سے یہاں مراد دنیوی و مادی ہی ترقیاں ہیں۔ والخير هنا المال والصحة والسلطان والعز (قرطبی) وهو المال وصحة الجسم وغير ذالك (ابن کثیر)

ف۵۲ یعنی اول تو میں اسی کا قائل نہیں کہ کوئی روز جزا بھی آنا ہے اور اگر بالفرض آئے بھی تو میں جس طرح یہاں خوش اقبال ہوں، وہاں بھی خوش اقبالی ہی میری رفیق رہے گی۔ هٰذَا لِيْ۔ یعنی میری تدبیر و قابلیت مقتضی ہی اسی کی تھی۔ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ۔ غرض یہ کہ خوشحالی میں بھی سرکش و باغی، خدا فراموش و آخرت فراموش انسان اپنے مالک و مولیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی ہی ذات پر گھوم پھر کر رہتا ہے۔ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى۔ اِنَّ خود کلمۂ تاکید ہے۔ پھر لی کی تقدیم نے اس تاکید کو مضاعف کر دیا ہے، پھر لَلْحُسْنٰى میں ل الگ تاکید کا۔ اس دوہری تاکید کی رعایت سے ترجمہ میں "ضرور ہی" بڑھا دیا گیا ہے۔

وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰبِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا

اور ہم جب انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا اور کروٹ پھیر لیتا ہے، اور جب

مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ

اُسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے وف۵۳ آپ کہئے کہ بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن)

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِیْ

اللہ کے ہاں سے آیا ہوا ہو اور پھر تم اس سے انکار کر رہے ہو تو اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو (ایسی)

شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ

دور دراز مخالفت میں پڑا ہو وف۵۴ ہم عنقریب اُن کو اپنی نشانیاں (اسی) دنیا میں دکھائیں گے اور خود اُن کی ذات میں بھی،

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ

یہاں تک کہ اُن پر کھل کر رہے گا کہ یہ (قرآن) حق ہے وف۵۵ کیا آپ کے پروردگار کا یہ وصف کافی نہیں کہ وہ

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْيَةٍ مِّنْ

ہر (چھوٹی بڑی) چیز کا شاہد ہے وف۵۶ یاد رکھو یہ لوگ اپنے پروردگار کے روبرو جانے کی طرف سے

لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾ ع ۶

شک میں پڑے ہیں یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے وف۵۷

اٰیاتھا ۵۳ | ۴۲ سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ ۶۲ | رکوعاتھا ۵

اس کی ترپن آیتیں ہیں — سورۂ شوریٰ مکہ میں نازل ہوئی — اور پانچ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ كَذٰلِكَ يُوْحِیْٓ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ

حا۔میم۔ عین۔سین۔قاف۔ اسی طرح اللہ غلبہ والا، حکمت والا وحی بھیجتا

وف۵۳ یہ دعائیں زوال نعمت پر محض جزع وفزع کی راہ سے ہوتی ہیں نہ کہ منعم حقیقی کی طرف توجہ ورجوع کے طور پر۔ الْاِنْسَانِ۔ ذکر اسی کافر، ناشکرے انسان کا چل رہا ہے۔ یرید الکافر (قرطبی) فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ۔ عَرِيْضٍ کا لفظ کثیر کے معنی میں محاورۂ عرب میں عام ہے العرب تستعمل الطول والعرض فی الکثرة (قرطبی) والعرب تستعمل الطول والعرض فی الکثرة یقال اطال فلان الکلام والدعاء واعرض ای اکثر (معالم) وف۵۴ مطلب یہ ہوا کہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی اتنی اندرونی اور بیرونی شہادتوں کے ہوتے ہوئے کم ازکم درجۂ احتمال میں تو اسے خدائی کلام سمجھو اور پھر اس احتمال ہی کی بنیاد پر سوچو کہ اگر قرآن کا برحق ہونا ہی نکل آیا تو تم ضلالت کے کس درجۂ اشد میں اپنے کو پاؤ گے؟ وف۵۵ یعنی غلبۂ حق کی ان مادی علامتوں کو دیکھ کر یہ ایک حد تک اضطراراً اعتراف پر مجبور ہو جائیں گے...... چنانچہ نہ صرف علاقہ حجاز بلکہ سارا ملک عرب اور اس کے اطراف ونواح اسلام کے مسخر ہوئے اور بڑے بڑے رؤساء وسرداران ریاست مکہ مرکٹ کر رہے۔ الْاٰفَاقِ۔ اس کا ترجمہ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”ان کے گردونواح“ سے کیا ہے اور حاشیہ یہ دیا ہے۔ اشارة الی ان الالف واللام عن المضاف الیه وهو من المواهب۔ اٰيٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ۔ آیاتِ الٰہی آفاقی اور آیاتِ الٰہی انفسی ان دونوں سے کیا مراد ہے؟ عجب نہیں کہ آیاتِ آفاقی سے مراد وہ واقعات ودلائل خارجی ہوں جو ہر فطرت سلیم کو توحید وحکمت الٰہی کی طرف لاتے ہیں، اور اس کے تحت میں طبیعیات عنصریات، فلکیات کی قسم کے سارے علوم وفنون آجاتے ہیں۔ اور آیاتِ انفسی سے اشارہ نفس بشری کے اسرار وعجابات کی جانب ہو، اور اس میں نفسیات، اخلاقیات، اجتماعیات کی ساری شاخیں آجاتی ہیں...... خارجی وداخلی دونوں قسم کے علم وفن اگر صحیح طور پر مطالعہ کئے جائیں، تو دلائل حکمت وصنعت باری ہی کا کام دے سکتے ہیں۔ اللہ تربت ٹھنڈی رکھے متعدد مفسرین کرام کی کہ اپنے اپنے رنگ میں اسی طرف اشارہ کر گئے ہیں۔ وقال عطاء وابن زید فی الاٰفاق یعنی اقطار السموات والارض من الشمس والقمر والنجوم واللیل والنهار والریاح والامطار والرعد والبرق والصواعق والنبات والاشجار، والجبال والبحار وغیرها...... وفی انفسهم من لطیف الصنعة وبدیع الحکمة حتّٰی سبیل الغائط والبول...... وبدیع صنعة اللّٰه وحکمته فی عینیه...... وفی اذنیه (قرطبی) ویحتمل ان یکون المراد من ذٰلک ما الانسان مرکب منه وفیه وعلیه من المواد والاخلاط والهیاٰت العجیبة کما هو مبسوط فی علم التشریح الدال علیٰ حکمة الصانع تبارک وتعالیٰ وکذٰلک ما هو مجبول علیه من الاخلاق المتباینة من حسن وقبح وغیر ذٰلک وما هو متصرف فیه (ابن کثیر) وقال عطاء وابن زید فی اٰفاق السماء وارادان الاٰیات فی فنی الشمس وغیر ذٰلک وفی انفسهم عبرة الانسان بجسمه وحواسه وغریب خلقته وتدریجه فی البطن ونحو ذٰلک (بحر) وف۵۶ (اور وہ آپ کی سعی وکاوش واہتمام تبلیغ کو بھی دیکھ رہا ہے۔ اور ان منکروں کی ہٹ اور انکار کو بھی) اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ۔ یعنی آپ کی تسکین وتسلی کے لئے یہ امر کافی ہونا چاہیے۔ اَنَّهٗ ...... شَهِيْدٌ۔ آیت میں ان جاہلی قوموں کا رد ہے جنہوں نے حق تعالیٰ کی صفت ہمہ بینی میں کلام کیا ہے۔ وف۵۷ (تو کاش ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی ان صفات ہمہ بینی وہمہ دانی کا استحضار ہوتا!) اَلَآ ...... رَبِّهِمْ۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ حق کی طلب وجستجو ان میں اس لئے نہیں کہ خود آخرت ہی کا اعتقاد انہیں نہیں اور طبیعت میں تحقیق وجستجو کی طرف سے تساہل وبے رغبتی تو آخرت کی اسی بے یقینی نے پیدا کر دی ہے۔ اِنَّهٗ ...... مُّحِيْطٌ۔ آیت میں ان جاہلی قوموں کا رد ہے جنہوں نے حق تعالیٰ کی صفات ہمہ دانی وہمہ توانی میں کلام کیا ہے۔

مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

رہا ہے آپ پر اور آپ سے قبل والوں پر ف۱ اُسی (اللہ) کا ہے جو کچھ بھی آسمانوں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿٤﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ

میں ہے اور زمین میں ہے اور وہی برتر ہے، عظیم الشان ہے ف۲ کچھ بعید نہیں کہ آسمان

يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

اپنے اُوپر سے پھٹ پڑیں ف۳ اور فرشتے اپنے پروردگار کی تسبیح وحمد کرتے رہتے ہیں

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ

اور اہل زمین کے لئے طلب مغفرت کرتے رہتے ہیں ف۴ یاد رکھو اللہ ہی بڑا مغفرت کرنے والا ہے،

الرَّحِيْمُ ﴿٥﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ

بڑا رحیم ہے ف۵ اور جن لوگوں نے اس کے سوا (دوسرے) کارساز (خدا) ٹھہرا رکھے ہیں، اللہ انہیں دیکھ بھال

عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ

رہا ہے اور آپ ان کے کوئی ذمہ دار نہیں ہیں ف۶ اور آپ پر اسی طرح یہ قرآن

اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ

عربی میں وحی کیا گیا ہے تاکہ آپ مکہ والوں کو اور ان کو جو اس کے آس پاس رہتے ہیں ف۷ جمع ہونے کے

يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي

دن سے ڈرائیں جس میں ذرا شک نہیں ف۸ ایک گروہ جنت میں (داخل) اور ایک گروہ

السَّعِيْرِ ﴿٧﴾ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ

دوزخ میں اور اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو وہ ان سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا لیکن

يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ

جس کے لئے اُس کی مشیت ہوتی ہے اسی کو وہ اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے، اور ان ظالموں کا کوئی نہ حامی

ف۱ (اصول دین کی تحقیق وتعیین کے لئے) كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح یہ سورت نازل کی۔ اسی طرح اس نے دوسری سورتوں اور آیتوں کی وحی آپ پر کی ہے۔ ای مثل ذلک الوحی (کشاف) ای یوحی مثل ما فی ھذہ السورۃ من المعانی (روح) حٰمٓ۔ عٓسٓقٓ۔ حضرت ابن عباسؓ کی جانب یہ قول منسوب ہوا ہے کہ حٰمٓ ایک اسم الٰہی ہے اور ع سے اشارہ عذاب بدر کی جانب ہے اور س سے اشارہ اس آیت کی طرف ہے سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ اب رہا ق تو حضرت ابوذرؓ صحابی کی جانب یہ قول منسوب ہے کہ اس سے صور قیامت مراد ہے۔ لیکن محققین کے نزدیک نہ یہ دونوں روایتیں ثابت شدہ ہیں نہ اور کوئی روایت۔ ذکر المفسرون فی حٰمٓ عسق اقوالاً مضطرباً لا یصح منھا شیء (بحر) والذی یغلب علی الظن عدم ثبوت شیء من الروایتین (روح) ف۲ تو اس کا اور کسی مخلوق کا مقابلہ ہی کیا؟...... برتری اور عظمت صرف اسی کا حق ہے۔ دنیا جہان کی بڑی بڑی اونچی، ہستیاں اس کے آگے بساط ہی کیا رکھتی ہیں۔ آیت سے مقصود حق تعالیٰ کی ملکیت کاملہ اور اس کی عظمت کا اثبات ہے اور اس سے مشرکین جاہلین کے عقائد کا ابطال بالکل ظاہر ہے۔ السَّمٰوٰتُ۔ امام رازیؒ نے اس آیت کے تحت میں پھر ایک بار یاد دلا دیا ہے کہ انسان سے اوپر کی طرف جو کچھ بھی واقع ہے سب پر اطلاق سمآء ہی کا ہوتا ہے۔ کلما سماک فھم سماء (کبیر) الْعَلِيُّ حق تعالیٰ کی بلندی جہت ومکان کے لحاظ سے تو مراد ہو ہی نہیں سکتی، لامحالہ مراد یہ ہے کہ وہ ذات پاک ممکنات ومخلوقات کی مشابہت سے بالاتر ہے۔ لا یجوز ان یکون المراد بکونه علیاً العلو فی الجھة والمکان لما ثبت الدلالة علی فسادہ (کبیر) وجب ان یکون المراد من العلی المتعالی من مشابھة الممکنات ومناسبة المحدثات (کبیر) الْعَظِيْمُ۔ حق تعالیٰ کی عظمت بلحاظ جسم وجثہ تو مراد ہو ہی نہیں سکتی، لامحالہ عظمت بلحاظ قدرت وکمالات مراد ہوگی۔ لا یجوز ان یکون المراد من العظیم العظمة بالجثة وکبر الجسم (کبیر) وجب ان یکون المراد من العظیم العظمة بالقدرۃ القھر بالاستعلاء وکمال الالٰھیة (کبیر) ف۳ (ہیبت حق سے، یا کثرت ملائکہ کے ثقل سے) مفسرین نے یہ دونوں قول نقل کئے ہیں:۔ ای یتشققن من عظمة اللہ تعالیٰ (روح۔ عن قتادہ) یتفطرن من الثقل (روح۔ عن ابن عباسؓ) پیرایۂ بیان دونوں صورتوں میں دنیا والوں کی سمجھ کے لائق اختیار کیا گیا ہے۔ مِنْ فَوْقِهِنَّ۔ عربی اسلوب بلاغت کے مطابق یہ زور بیان اور تاکید معنی کے لئے لایا گیا، ورنہ عام قاعدہ کے لحاظ سے تو من تحتھن ہوتا۔ بولغ فی ذلک فجعلت موثرۃ فی جھة الفوق کانه قیل یکون یتفطرن من الجھة التی فوقھن دع الجھة التی تحتھن (کشاف) ف۴ (اور نظام عالم انہیں معصوموں کی دعاء واستغفار سے تھما ہوا ہے) لِمَنْ فِي الْاَرْضِ کے عموم میں مومن وکافر دونوں داخل ہیں۔ مومنوں کے حق میں استغفار یہ کہ اللہ ان کی لغزشوں اور خطاؤں کو نظر انداز کرے۔ کافروں کے حق میں استغفار یہ کہ اللہ ان کے دل میں توفیق ایمان ڈال دے۔ اما فی حق الکفار فبواسطة طلب الایمان لھم واما فی حق المؤمنین فبالتجاوز عن سیئاتھم (کبیر) وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ۔ ملائکہ کوئی خود مختارانہ یا معبودانہ حیثیت نہیں رکھتے۔ وہ تو خود ہی دوسرے بندوں کی طرح اپنے پروردگار کی حمد وتسبیح میں لگے رہتے ہیں۔ ف۵ یعنی مغفرت ورحمت صرف اسی کے اختیار کی چیز ہے۔ فرشتوں کے بس کی نہیں۔ فرشتے تو صرف طلب مغفرت ودعائے مغفرت (استغفار) کر سکتے ہیں۔ ف۶ ایک بار پھر اس حقیقت کا اعلان کہ معاملات تکوینی میں قادر ومتصرف صرف ذات حق تعالیٰ ہے۔ رسول ﷺ کے ذمہ صرف پیام واحکام کی تبلیغ وتلقین ہے۔ کسی کے ماننے نہ ماننے کی ذمہ داری ان کے اوپر ذرا سی بھی نہیں۔ اللہ خود ہی وقت مناسب پر سب سے نپٹ لے گا۔ ف۷ اُمَّ الْقُرٰى۔ اُمّ۔ عربی میں ہر وہ چیز ہے جو دوسری چیزوں کا مبداء مرکز ومصدر ہو۔ والعرب تسمی اصل کل شیء امه (کبیر) یقال لکل ما کان اصلاً لوجود شیء او تربیته او اصلاحه او مبدئه (راغب) تو ام القری کے لفظی معنی بستیوں کی ماں یا آبادیوں کے مرکز کے ہوئے۔ مراد شہر مکہ سے ہے قیل لمکة ام القری وذلک لماروی ان الدنیا دحیت من تحتھا (راغب) وھی مکة وسمیت بھذا الاسم اجلالاً لھا (کبیر) لفظ سورۃ الانعام پ۷ میں قریب ختم پارہ کے آیا ہے۔ وہاں کا حاشیہ ملاحظہ کر لیا جائے۔ وَمَنْ حَوْلَهَا۔ صرف آس پاس ہی کی بستیاں اور آبادیاں مراد نہیں، بلکہ سارا عالم مراد ہے۔ مرکز سے قطع نزدیک ہو یا دور۔ بہرحال اس مرکز ہی سے اس کا تعلق قائم رہے گا۔ ای الارض کلھا (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) الی المشرق والمغرب (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) دخل فیه سائر البلدان والقری (کبیر) كَذٰلِكَ۔ اس اسم اشارہ کا مشار الیہ آیت ماقبل کا مفہوم ہے۔ ذلک اشارۃ الی معنی الاٰیة قبلھا من ان اللہ تعالیٰ ھو الرقیب علیھم وما انت برقیب علیھم ولکن نذیرًا لھم (کشاف) ف۸ یعنی قیامت کے دن سے روز حشر یا یوم احتساب کا ڈر اور اصلاح عقائد واخلاق میں فطرت بشری کے لیے خاص طور پر موثر ہے۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یہ صفت یوم الجمع کی ہے۔

وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۸﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ

نکلے گا نہ مددگار ف۹ کیا اُن لوگوں نے (اللہ) کے سوا کارساز ٹھہرا رکھے ہیں؟ سو کارساز تو بس

الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۹﴾ وَمَا

اللہ ہی ہے اور بس وہی مُردوں کو زندہ کر دے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ف۱۰ اور

اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

جس چیز میں تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے ف۱۱ یہی اللہ

رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۱۰﴾ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ

میرا مددگار ہے میں اسی پر توکل رکھتا ہوں، اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ف۱۲ (وہی) پیدا کرنے والا ہے

وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ

آسمانوں اور زمین کا (اُسی نے) تمہارے لئے تمہارے جنس کے جوڑے بنائے اور مویشیوں کے

الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ

جوڑے بنائے، اور اس کے ذریعہ سے تمہاری نسل چلاتا رہتا ہے، کوئی چیز اُس کے مثل نہیں اور وہی

السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۱﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

(ہر بات کا) سننے والا ہے (ہر چیز کا) دیکھنے والا ہے ف۱۳ اُسی کے اختیار میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

وہ جسے چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور (جسے چاہے) کم دیتا ہے، بے شک وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے ف۱۴

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ

اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کا اُس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس

اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا

وحی کیا ہے، اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اس دین کو

ف۹ مطلب یہ ہوا کہ کہ اگر مشیت تکوینی یوں ہی ہوتی تو سب ایک ہی دینی طریق پر خلق کئے جاتے لیکن بیشمار حکمتوں اور مصلحتوں سے یہ منظور نہ ہوا۔ اب سب کے سب اضطراراً ہدایت یاب نہ ہوں گے۔ بلکہ صرف وہی مخصوص گروہ ہدایت یاب ہوگا۔ جس پر مخصوص رحمت الٰہی بھی ہوگی اور منکرین وکافرین قیامت کے دن بالکل بے سہارے کے ہوں گے۔ وَالظّٰلِمُوْنَ۔ ظالمون۔ سے یہاں بھی مراد اہل کفر وشرک ہیں۔ اے الکافرون (معالم) ف۱۰ (تو اس کے سوا تو کسی میں کارساز بننے کی صلاحیت ہی نہیں) مقصود مشرکوں اور اہل کتاب دونوں کے عقائد شرکیہ کی تردید ہے۔ ف۱۱ (دنیا میں دلیل صحیح سے اور آخرت میں فیصلہ کے عملی نفاذ سے) فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ۔ حکم اِلَی اللہ۔ کے تحت میں حکم منصوص وحکم مستنبط دونوں آگئے اور حکم نص واستنباط دونوں پر حاوی ہے — اس حقیقت کے سمجھ لینے سے خوارج اور منکرین فقہ دونوں کے بہت سے مغالطوں کا جواب نکل آتا ہے۔ ف۱۲ (اور ظاہر ہے کہ جو دنیا وآخرت کے ہر امر میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرے گا اور اسی پر بھروسہ رکھے گا اسے کسی مخلوق سے خوف ہی کیا ہوسکتا ہے) قرآن نے بار بار زور اس حقیقت پر دیا ہے کہ اللہ کو ایک فلسفیانہ نظریہ کے ماتحت محض مسبب الاسباب یا خالق کل سمجھے رہنا ہرگز کافی نہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ اس کے ساتھ انسان تعلق اپنی ہر ضرورت کا جوڑے رہے۔ اور اسی کو مدبر عالم وکارساز کائنات سمجھتا رہے۔ مشرک قوموں کی اصل گمراہیاں اسی باب میں تھیں۔ ذٰلِكُمْ۔ یعنی وہی جو میرے تمہارے درمیان حاکم ہے۔ اے ذالکم الحاکم بینکم ھو ربی (کبیر) ف۱۳ (اور وہ جاہلی مشرک قوموں کے دیوی دیوتاؤں کی طرح نہیں جس کا علم وادراک وہ خود ہی ہر طرح ناقص ومحدود تسلیم کرتے ہیں) فِيْهِ۔ فی یہاں ب کے معنٰی میں ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ یہ اصل اصول ہے صفات تنزیہ کی۔ کوئی شے بھی پیش کی جائے اللہ کی ہم جنس، ہم نوع، ہمسر، ہم صف، غرض کسی طرح بھی "مثل" نہیں ہوسکتی۔ كَمِثْلِهٖ۔ ک زائد تاکید معنٰی کے لئے ہے۔ الکاف الزائدة للتاکید (روح۔ عن الزجاج وابن جنّی والاکثرین) والمعنی لیس کھو شیء علی سبیل المبالغة (کبیر) ف۱۴ ابھی ابھی ذکر آچکا ہے کہ زمین وآسمان، ساری کائنات کا خالق حق تعالٰی ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ محض خالق وفاطر ہی نہیں بلکہ رازق قادر، حاکم ومتصرف بھی وہی ہے، اور وہ بھی یوں ہی اٹکل پچو نہیں، بلکہ رتی ماشہ پورے پورے حساب کے ساتھ...... اور اس کا علم کلیات تک محدود نہیں، کلیات وجزئیات، ظواہر وخفایا سب پر یکساں حاوی۔

الدِّیۡنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡہِ ؕ کَبُرَ عَلَی الۡمُشۡرِکِیۡنَ مَا

قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا ف١٥ مشرکین پر وہ بات بہت گراں ہے جس کی طرف

تَدۡعُوۡہُمۡ اِلَیۡہِ ؕ اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡۤ

آپ انہیں بلا رہے ہیں، اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے، اور اپنی طرف رسائی دیتا ہے

اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ ﴿١٣﴾ وَ مَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ

ہر اس شخص کو جو (اس کی طرف) رجوع کرے ف١٦ اور تفرقے تو اس وقت سے اُن لوگوں نے پیدا کئے جب اُن کے پاس علم

الۡعِلۡمُ بَغۡیًۢا بَیۡنَہُمۡ ؕ وَ لَوۡ لَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّکَ اِلٰۤی

(صحیح) پہنچ چکا تھا (وہ بھی) آپس کی ضدا ضدی سے ف١٧ اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات ایک وقت

اَجَلٍ مُّسَمًّی لَّقُضِیَ بَیۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡرِثُوا الۡکِتٰبَ

معین تک کے لئے طے نہ ہو چکی ہوتی تو اُن کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا ف١٨ اور جن لوگوں کو کتاب (الٰہی) اُن کے بعد

مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡہُ مُرِیۡبٍ ﴿١٤﴾ فَلِذٰلِکَ فَادۡعُ ۚ

دی گئی وہ اُس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے متردد ہو رہے ہیں ف١٩ آپ اسی بناء پر (انہیں) بلائے جایئے،

وَ اسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ ۚ وَ قُلۡ اٰمَنۡتُ

(دین حق کی طرف) اور قائم رہئے جس طرح آپ کو حکم ملا ہے اور اُن کی خواہشوں پر نہ چلئے، اور آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے

بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنۡ کِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَیۡنَکُمۡ ؕ اَللّٰہُ

جو بھی کتابیں نازل کی ہیں میں اُن پر ایمان لاتا ہوں، اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ (اپنے اور) تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ

رَبُّنَا وَ رَبُّکُمۡ ؕ لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَ لَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ ؕ لَا حُجَّۃَ بَیۡنَنَا

ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے، ہمارے لئے ہمارے عمل اور تمہارے لئے تمہارے عمل ہماری تمہاری

وَ بَیۡنَکُمۡ ؕ اَللّٰہُ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا ۚ وَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿١٥﴾ؕ وَ الَّذِیۡنَ

کوئی بحث نہیں اللہ ہی ہم سب کو جمع کرے گا اور اُسی کے پاس جانا ہے ف٢٠ اور جو لوگ

ف١٥ آیت میں ایک بڑے اہم مسئلہ وحدتِ دین کا بیان ہے۔ دین اصلاً شروع سے بالکل ایک رہا ہے۔ تفصیلات شریعت (یعنی احکام واعمال) ہر دور کی مناسبت سے بدلتی رہتی ہیں، لیکن نفس دین (یعنی عقیدۂ اساسی) شروع ہی سے دین توحید ہے۔ اور اسی کا ایک لازمی جزء مسئلہ نبوت ہے۔ نُوۡحًا۔ نوح علیہ السلام وہ سب سے پہلے پیمبر ہیں جن سے باقاعدہ سلسلہ نبوت حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک برابر قائم رہا۔ نُوۡح۔ اِبۡرٰہِیۡمَ۔ مُوۡسٰی۔ عِیۡسٰی سب پر حاشیے گذر چکے۔ کَبُرَ ...... اِلَیۡہِ۔ یہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ توحید کی دعوت (مع اس کے مضمرات ومتضمنات کے) اہل جاہلیت کو ہمیشہ اور ہر جگہ بہت گراں گزری ہے۔ ف١٦ یعنی جس سے اس کی مشیت متعلق ہو جاتی ہے، اسے وہ دین حق کی توفیق دے دیتا ہے اور جو اس کی طرف جھکتا ہے، اسے وہ اپنا تقرب دے کر رہتا ہے۔ ”یعنی توفیق ایمان کے بعد اگر انابت واطاعت ہو تو اس پر قرب الٰہی وثواب غیر متناہی مرتب ہوتا ہے۔“ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) روح المعانی میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے جذب وسلوک کی طرف۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اجمال کی تفصیل یہ کی کہ جبی (مادۂ اجتباء) کے معنی ہیں جذب کے اور ہدایت کے معنی ہیں سالک کو راہ دکھانے کے۔ ف١٧ یہاں ایک بار پھر اس حقیقت کا اعادہ ہے کہ دین اصلی اور دین قدیم تو دین توحید ہی ہے۔ اور شرک مبتدع ومخترع ادیان کی ایجاد تو بہت بعد کی چیز ہے اور اس کی بنیاد بھی کسی اجتہادی غلطی پر نہیں، بلکہ تمامتر نفسانیت پر ہے۔ ف١٨ (عملاً اور عیاناً اسی دنیا میں) کَلِمَۃٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّکَ۔ وہ طے شدہ بات یہی کہ پورا عذاب آخرت میں ہوگا۔ آیت مومنین کی تسکین وتسلی کے لئے ہے کہ یہ مجرم جواب تک بچے ہوئے ہیں۔ یہ اپنے کسی ذاتی استحقاق کی بناء پر نہیں، بلکہ اس لئے کہ اللہ نے اپنی تکوینی حکمتوں اور مصلحتوں سے ان کی سزا کو دار العمل میں نہیں بلکہ دار الجزاء کے لئے ملتوی رکھا ہے۔ ف١٩ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر اہل کتاب۔ اهل الكتاب الذين كانوا في عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم (کبیر) قال الاكثرون هم اليهود والنصارى (کبیر) مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ۔ ضمیر هم منکرین سابقین اہل کتاب کی جانب ہے۔ اے من بعد انبيائهم وقيل من بعد الامم الخالية (معالم) لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡہُ مُرِیۡبٍ۔ یعنی اپنے ہی دین اور اپنی ہی کتابوں کی حقیقت کی طرف سے شک وشبہ، تردد وتذبذب میں مبتلا ہیں۔ اور ان پر اس طرح ایمان نہیں رکھتے جو ایمان کا حق ہے۔ ضمیرہ کتاب کی طرف ہے۔ ف٢٠ (اور وہی سب کا فیصلہ کر دے گا۔ ابھی بحث بیکار ہے۔ البتہ تبلیغ کئے جائیں گے) لِاَعۡدِلَ۔ ل مرادف اَنۡ کے ہے اے امرت ان اعدل (روح) اُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَیۡنَکُمۡ۔ یعنی تمہارے حق میں انصاف کو ملحوظ رکھوں اور تمہارے اوپر اس سے زائد بار نہ ڈالوں جتنے کا شریعت نے تمہیں مکلف کیا ہے۔ اور ہر حال میں تمہارے معاملہ میں عدل سے کام لیتا رہوں۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہ امرت ان لا احيف عليكم باكثر مما افترض الله عليكم من الاحكام وقيل لا عدل بينكم في جميع الاحوال والاشياء (معالم) اے في الحكم كما امرني الله (ابن کثیر) فَلِذٰلِکَ۔ یعنی ان کے اسی تفرق کی بناء پر۔ فلاجل ذٰلک التفرق او الکتب او العلم الذی اوتیتہ (بیضاوی) لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا الخ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ ہدایت ایسے موقع کے لئے ہے جب مناظرہ ختم ہو جائے، پھر بھی قبول حق کی توقع نہ ہو۔

يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ

اللہ کے باب میں جھگڑے نکالتے ہیں، بعد اس کے کہ اس کو مان لیا گیا، اُن کی حجت اُن کے

دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ عَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ

پروردگار کے نزدیک باطل ہے اور اُن پر غضب (نازل ہونے والا) ہے اور اُن کے لئے

شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا

عذاب سخت ہے ف۲۱ اللہ ہی تو ہے جس نے کتاب کو حق اور انصاف کے ساتھ نازل کیا اور

يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا

آپ کو کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی ہو ف۲۲ اس کے لئے جلدی وہی لوگ مچا رہے ہیں جو

يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ

اُس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں

اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍ

کہ وہ برحق ہے ف۲۳ یاد رکھو کہ لوگ قیامت کے باب میں جھگڑے نکالتے ہیں دور دراز کی گمراہی میں

بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ

مبتلا ہیں، اللہ اپنے بندوں کے باریک امور سے خوب باخبر ہے، جس کو چاہتا ہے روزی دیتا ہے، اور وہ بڑا قوت والا ہے

الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ

بڑا زبردست ہے ف۲۴ جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طالب ہے ہم اُسے اُس کی کھیتی میں ترقی دیں گے،

وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ

اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا طالب ہے ہم اُسے کچھ دنیا میں سے دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ

مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ

حصہ نہ ہوگا ف۲۵ تو کیا ان کے (تجویز کئے ہوئے) کچھ شریک ہیں جنھوں نے اُن کے لئے ایسا دین مقرر کردیا

ف۲۱ فی اللہ۔ یعنی اللہ کے دین وشریعت کے باب میں۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ۔ لهٗ میں ضمیر اللہ یا اس کے دین کی طرف ہے۔ اے من بعد ما استجاب الناس لله عزوجل اولدينه ودخلوا فيه۔ (روح) حُجَّتُهُمْ ...... رَبِّهِمْ۔ اس بطلان حجت کا ظہور کامل حشر میں ہوگا۔ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ۔ یعنی حق تعالیٰ کے دین حق کے باب میں جھگڑا مسلمانوں سے نکالتے رہتے ہیں۔ يُحَآجُّوْنَ...... لَهٗ۔ فقہاء نے باشارۃ النص اس سے یہ نکالا ہے کہ اجماع امت کا انکار ضلالت ہے۔ ف۲۲ رسول کے علم غیب کلی کا اثبات جس کا دعویٰ اس زمانہ کے بعض عالم نما جاہلوں نے کیا ہے، ایک بدیہی البطلان دعویٰ ہے۔ قرآن مجید نے جہاں اس کی اور بیسیوں طریقوں سے صراحت کی ہے وہاں آپ کی ذات سے وقت قیامت کے علم کی نفی بھی بار بار کرکے کی ہے۔ الْمِيْزَانَ۔ میزان کے معنی عدل کے بھی لئے گئے ہیں اور شریعت کے بھی اور حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ وهو العدل والانصاف قال مجاهد و قتادة (ابن کثیر) قال قتادة و مجاهد و مقاتل العدل (معالم) اے العدل كما قال ابن عباس ومجاهدو قتادة وغيرهم اوالشرع الذى يوزن به الحقوق (روح) ف۲۳ یعنی قیامت کو اگر آنا ہے تو آ کیوں نہیں جاتی۔ تقاضا بطور استہزاء تو منکرین ہی کی طرف سے ہوتا رہتا ہے۔ باقی جو اہل ایمان ویقین ہیں وہ تو اس کے یقینی وقوع سے اور اپنے اعمال کی کوتاہیوں پر نظر کرکے ہمیشہ اس سے عقلاً خائف ہی رہتے ہیں (گو کبھی حالاً واضطراراً اس کا شوق غالب بھی آجائے) ف۲۴ (اور ان صفات کا پورا ظہور ان لوگوں کے حق میں آخرت میں ہوگا) اَللّٰهُ ...... يَشَآءُ۔ یعنی حق تعالیٰ ہی اپنے بندوں کے مصالح خفی ومنافع بعید سے خوب واقف ہے۔ وہی حسب مصالح تکوینی جس کو جس قدر چاہتا ہے روزی دیتا ہے۔ رزق کی افراط یا تفریط، زر ومال کی کثرت یا افلاس۔ یہ سب انتظامی امور ہیں۔ انہیں کسی کے حق وباطل ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ ف۲۵ (اس لئے کہ آخرت میں حصہ ملنے کی پہلی شرط ایمان ہے اور وہی یہاں مفقود ہے) مطلب یہ ہوا کہ طلب کے قابل صرف آخرت ہے (دنیا اس میں ضمناً خود ہی آجائے گی) نہ کہ دنیا کہ وہ حسب تمنا نصیب نہیں ہو پاتی اور اس میں پڑنے سے آخرت سے بالکل حرمان ہی ہوجاتا ہے۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ۔ یعنی اس کا مطمح نظر تمامتر دنیا ہی ہے۔ اس کی کسی سعی وتدبیر کا آخرت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ ایسے شخص سے ظاہر ہے کہ ایمان تک مفقود ہوگا۔ اہل ایمان اس کے برعکس نہ دنیا کو سرے سے ترک کردیتے ہیں۔ نہ اسے اپنا مطمح نظر بنائے رکھتے ہیں بلکہ دنیا کو آخرت کا ذریعہ بناتے ہیں۔ حَرْثَ الدُّنْيَا۔ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ۔ خوب خیال کرلیا جائے کہ قرآن مجید تجارتی، مالی، کاروباری اصطلاحات کے ساتھ ساتھ زراعت وفلاحت کی اصطلاحیں بھی کثرت سے لاتا ہے۔

ع ۲/۲

مَالَمْ يَأْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ

ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے؟ اور اگر ایک قول فیصل نہ ہوتا تو ان کے درمیان (عملی) فیصلہ اب تک ہو چکا ہوتا

وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ

اور کافروں کو ضرور عذاب دردناک ہو گا و۲۶ آپ کافروں کو دیکھیں گے

مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ڈرتے ہوئے اپنے کرتوتوں سے اس حال میں کہ (وبال) ان پر پڑ کر رہے گا اور جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ

اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے وہ بہشتوں کے باغوں میں ہوں گے (اور) جس چیز کو بھی چاہیں گے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ

ان کے پروردگار کے پاس انہیں ملے گی، بس یہی تو بڑا انعام ہے و۲۷ یہی وہ بشارت ہے جو

يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ

اللہ اپنے ان بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے آپ کہہ دیجئے

لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ

کہ میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں طلب کرتا، ہاں رشتہ داری کی محبت ہو و۲۸ اور جو کوئی

يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

نیکی کرے گا ہم اس کی نیکی میں اور خوبی زیادہ کر دیں گے، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا ہے

شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ

بڑا قدر دان ہے، و۲۹ کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسی (شخص) نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ رکھا ہے و۳۰ تو اللہ اگر چاہے

اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ

تو آپ کے قلب پر مہر لگا دے، اور اللہ باطل کو مٹایا کرتا ہے اور حق کو اپنے احکام سے

و۲۶ (آخرت میں) شُرَعُوْا...... اللّٰهُ۔ شرک کے ساتھ ساتھ آیت کے اس جزء میں بدعت یعنی دین میں اپنی طرف سے بات نکالنے کا بھی استیصال ہے۔ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالمین۔ یہاں بھی قرآن مجید کے اکثر مقامات کی طرح کافروں کے معنی میں ہیں۔ اے المشرکین (معالم) و۲۷ (نہ کہ وہ عیش و آرام جو اسی دنیا تک محدود و مخصوص رہے) الظّٰلِمِيْنَ۔ یہاں بھی مراد کافر ہی ہیں۔ اے المشرکین (معالم) دنیا میں ہیبت حق سے اہل ایمان ڈرتے رہتے ہیں اور منکرو کافر آخرت کی طرف سے بے فکر رہتے ہیں۔ آخرت میں جب مشاہدۂ احوال ہونے لگے گا یہ ترتیب الٹ جائے گی۔ مومنین کے چہرہ پر اطمینان و بشاشت کے انوار ہوں گے اور کافروں منکروں کے منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی ہوں گی۔ الْجَنّٰتِ۔ جنات کو صیغۂ جمع میں اس لئے لائے کہ بہشت کے مختلف طبقہ اور درجہ ہیں۔ ہر طبقہ خود ایک بہشت ہے، پھر ہر طبقہ کے اندر باغات متعدد ہیں۔ اپنے اپنے درجہ و مرتبہ کے مطابق کوئی کہیں ہوگا اور کوئی کہیں۔ لَهُمْ...... عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ ”وہ جو کچھ بھی چاہیں گے اپنے پروردگار کے ہاں حاصل کرلیں گے۔“ ان چند الفاظ کے اندر اہل جنت کے لئے ہر ممکن لذت و راحت و آسائش کی بشارت آگئی۔ امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ انعامات جنت لامتناہی ہوں گے۔ کیونکہ انسان کی خواہشیں تو کسی منزل و مقام پر بھی پہنچ کر رک نہیں جاتیں۔ وہ تو اور اس کے بعد کا بھی درجہ چاہا ہی کرتا ہے۔ يدخل فی باب غیر المتناهی لانه لا درجة الا والانسان یرید ما هو اعلیٰ منها (کبیر) اور یہ بھی کہا ہے کہ اس درجہ کی کنہ و ماہیت تک بجز حق تعالیٰ کے کسی کا ذہن نہیں پہنچ سکتا۔ وفی ذٰلک علیٰ ان ذٰلک الجزاء قدبلغ الی حیث لا یعلم کنهه الا الله تعالیٰ (کبیر) ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ۔ متکلمین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ آخرت میں جو کچھ بھی انعامات حاصل ہوں گے وہ اگرچہ عمل ہی پر مرتب ہوں گے تاہم بطریق استحقاق نہ ہوں صرف بطریق فضل ہوں گے۔ اللہ کے ذمہ واجب نہیں ہے، بلکہ بطور فضل و لطف حاصل ہو جائے گا۔ واصحابنا استدلوا بهذه الأية علیٰ ان الثواب غیر واجب علی الله وانما یحصل بطریق الفضل من الله تعالیٰ (کبیر) وهذا تصریح بان الجزاء المرتب علی العمل انما حصل بطریق الفضل لا بطریق الاستحقاق (کبیر) و۲۸ (اے اہل قریش) عزیزوں، قریبوں کی محبت اور ایک دوسرے کی خیر خواہی ضرب المثل کی حد تک شہرت رکھتی ہے۔ عرب میں حقوق قرابت کی پاسداری اور زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ یہ انہیں کے جذبات شرافت سے اپیل ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ کہہ رہے ہیں اور کچھ نہ سہی، تو عزیز داری ہی کا خیال کر کے میرے اوپر ظلم و زیادتی سے باز رہو...... صحیح بخاری، و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ایسے ہی معنی بیان ہوئے ہیں۔ قال ابن عباس ومجاهد وقتادة والضحاک والسدی معناه الا ان لا تؤذونی لقرابتی منکم (جصاص) وبه قال مجاهد وعکرمة وقتادة والسدی وابو مالک وعبد الرحمن بن زید بن اسلم وغیرهم (ابن کثیر) فِي الْقُرْبٰى۔ فی سببیہ ہے ل کے مرادف۔ اے لقرابتی منکم ففی للسببية بمعنی اللام لتقارب السبب والعلة والیٰ هذا ذهب مجاهد وقتادة وجماعة (روح) امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ جب مودۃ بین المسلمین اور افراد امت کی ایک دوسرے کے ساتھ محبت، متعدد آیات و احادیث کی بنا پر واجب ہے تو پھر امت کے اشرف ترین کے ساتھ کیوں واجب نہ ہوگی۔ والأیات والاخبار فی هذا الباب کثیرة واذا کان حصول المودة بین جمهور المسلمین واجبًا فحصولها فی حق اشرف المسلمین واکابرهم اولیٰ (کبیر) آیت سے اصحاب رسول کے ساتھ بھی محبت کا حکم نکلتا ہے۔ فیه منصب عظیم للصحابة لانهٗ تعالیٰ قاله والسابقون السابقون اولٰئک المقربون فکان کل من اطاع الله کان مقرباً عند الله تعالیٰ فدخل تحت قوله الا المودة فی القربیٰ (کبیر) امام رازی علیہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ آیت رسول کے آل و اصحاب دونوں کی محبت کو جمع کرتی ہے اور یہی مسلک اہل سنت کا ہے۔ والحاصل ان هذه الأية تدل علیٰ وجوب حُبّ اٰل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وحُبّ اصحابه وهذا المنصب لا یسلم الاعلیٰ قول اصحابنا اهل السنت والجماعة الذین جمعوا بین حب العترة والصحابة (کبیر) الْقُرْبٰى۔ مراد اهل القربیٰ ہے۔ المراد فی اهل القربیٰ (کشاف) مفسر تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ مودۃ فی القربیٰ کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے بعد ایمان مطلوب ہی نہیں، بلکہ یہ تو ایمان ہی کا تدریج و لطافت کے ساتھ طریق موصل بتایا ہے۔ و۲۹ (مطیعوں کے حق میں) چنانچہ مسلم مطیع سے جب لغزش ہو جاتی ہے تو وہ رب غفور اسے معاف آسانی سے کر دیتا ہے اور جب وہ نیکی کرتا ہے تو رب شکور اسے اجر بھی استحقاق سے کہیں زائد دے دیتا ہے۔ نَزِدْ...... حُسْنًا۔ یعنی جس قدر اجر اس نیکی کا حق ہے، ہم اجر اس سے کہیں زائد دے دیں گے) و۳۰ (اور نعوذ باللہ وحی و نبوت کا دعویٰ خلاف واقع کر دیا ہے)

بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ

ثابت کیا کرتا ہے وہ دلوں تک کی باتیں خوب جانتا ہے ف۳۱ اور وہ وہی ہے جو اپنے بندوں کی

التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا

توبہ قبول کرتا ہے اور وہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ

تَفْعَلُوْنَ ۙ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اس سب کو جانتا ہے، اور اُن لوگوں کی عبادت قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے

وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ

اور اُن کو اپنے فضل سے اور بڑھاتا رہتا ہے ف۳۲ اور کافروں کے لئے تو سخت عذاب

شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ

(مقرر) ہے اور اللہ اگر اپنے بندوں کے لئے رزق فراخ کر دیتا تو وہ روئے زمین پر سرکشی کرنے لگتے،

وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾

لیکن وہ جتنا چاہتا ہے انداز (مناسب) سے اُتارتا ہے وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر ہے اور خوب دیکھنے والا ہے، ف۳۳

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ

اور وہ وہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے

رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ

اور وہ بڑا کارساز ہے (ہر طرح) قابل حمد ہے، ف۳۴ اور اُس کی نشانیوں میں سے پیدا کرنا ہے آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ

اور زمین کا اور اُن جانداروں کا جو اُسی نے دونوں جگہ پھیلا رکھے ہیں، اور وہ اُن کے جمع کر لینے پر

اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ع وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا

جب وہ چاہے قادر ہے ف۳۵ اور جو مصیبت بھی تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے

ف۳۱ (چہ جائیکہ زبان سے ادا ہونے والے الفاظ واقوال) مطلب یہ ہوا کہ اگر اس احتمال میں شائبہ بھی صداقت کا ہوتا تو اللہ ایسے مدعیٔ کاذب کو پھلنے پھولنے، کامیاب ہونے ہی کیوں دیتا۔ اس کی زبان سے ادا ہونے والے خارق عادت پیام کو پھیلنے کا موقع ہی نہ دیتا اور مدعیٔ کاذب کی زبان ہی خاموش کر دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ وہ تو اس کے برعکس ان رسول کے ہاتھ تائیدی معجزات سے اور زیادہ قوی کرتا جاتا ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ یہ سرتاسر حق وصداقت پر ہیں۔ اور جو دلوں کے اندر تک کے بھید جانتا ہو۔ اس کے لئے الفاظ ظاہر پر گرفت کرنا کیا مشکل تھا۔ بِكَلِمٰتِهٖ۔ کلمات سے یہاں مراد احکام تکوینی وتنزیلی دونوں ہیں۔ ف۳۲ یعنی جو عمل نیک ہیں وہ مقبول تو ہوتے ہی ہیں اور ان پر اجر ان کے استحقاق اصلی سے اور زیادہ ملتا رہتا ہے۔ يَقْبَلُ...... السَّيِّاٰتِ۔ چنانچہ کوئی کافر اگر کفر سے توبہ کر لے تو اس کی وہ توبہ بھی قبول ہو جائے گی اور جو گناہ اس نے حالت کفر میں کئے ہیں، وہ بھی سب معاف ہو جائیں گے۔ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ اور اسی علم کل کا ایک مظہر یہ ہے کہ توبہ کا اخلاص وعدم اخلاص بھی اس سے مخفی نہیں رہتا۔ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ۔ یہ گناہ کہیں تو توبہ کے واسطہ سے معاف ہوتے ہیں اور کہیں بلا واسطہ توبہ یوں ہی معاف ہو جاتے ہیں۔ تارة يعفوا بواسطة قبول التوبة وتارة يعفوا ابتداءً من غير توبة (کبیر) ف۳۳ یعنی اللہ سے بڑھ کر اپنے بندوں کی مصلحتوں، صلاحیتوں، استعدادوں کا جاننے والا اور ان کے احوال واعمال پر نظر رکھنے والا اور کون ہوگا، وہ ہر بندہ کو اس کے ظرف، ضرورت ومصلحت کے لائق ہی روزی دیتا ہے۔ ورنہ اگر وہ بے تحاشا سب کو خوشحال ہی بنا دے تو انسان کے عام طبائع ایسے ہیں کہ بجائے امن وآشتی کے فتنہ وفساد برپا ہو جائے اور سب ایک دوسرے کے دشمن ہو کر کفر ونافرمانی میں مبتلا ہو جائیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسی طرح بسط باطنی بھی بعض طالب حق کے حق میں مضر ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے نہ ہونے سے مغموم نہ ہونا چاہیے۔ ف۳۴ یہ کارساز، ستودہ صفات اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کوئی پانی برسانے والا دیوتا، اندر وغیرہ نہیں۔ رَحْمَتَهٗ۔ رحمت سے یہاں مراد بارش ہے۔ بعض نے تقدیر کلام اثار رحمة بھی ہے۔ یہ ترکیب مان کر مراد نباتات وثمرات سے ہوگی۔ ف۳۵ (چنانچہ قیامت کے دن سب کو دوبارہ زندہ کر کے اکٹھا کرے گا) فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ۔ سے یہ لازم نہیں آتا کہ دو جگہیں فرداً فرداً مراد ہوں بلکہ ہو سکتا ہے کہ صرف دونوں کا مجموعہ مراد ہو۔ اور وجود حیوانات کا اثبات صرف دونوں جگہوں کے مجموعہ کے لئے ہو۔ اور اگر آسمانوں کو بھی حیوانات کا مستقر مانا ہے جائے تو جنت میں تو آخر حیوانات ہیں ہی۔ ”اور اگر دَآبَّةٍ مجازاً بمعنی مطلق ذی روح لیا جائے تب تو آسمان پر ملائکہ کا ذی روح ہونا ظاہر ہے۔“ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ستاروں میں حیوانی آبادی اگر کسی دلیل قوی سے ثابت ہو جائے تو آیت کے معنی پر مزید روشنی پڑ جائے گی۔

كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ

ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے سے پہنچتی ہے، اور (اللہ) بہت سے تو درگزر کر دیتا ہے ف۳۶ اور تم زمین

فِى الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

(کے کسی حصہ میں بھی) ہرا نہیں سکتے اور تمہارا اللہ کے سوا کوئی بھی نہ کارساز ہے نہ مددگار ف۳۷

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ

اور اُس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے سمندر میں پہاڑ جیسے جہاز ہیں ف۳۸ اگر چاہے تو ہوا کو

الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

ٹھہرا دے تو وہ جہاز سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں بے شک اس میں نشانیاں

لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ

ہر صابر شاکر کے لئے ہیں ف۳۹ یا (چاہے تو) تباہ کر دے اُن جہازوں کو بسبب ان لوگوں کے کرتوتوں کے اور بہت لوگوں سے

كَثِيْرٍ ۝ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِىْٓ اٰيٰتِنَا ۗ مَا لَهُمْ مِّنْ

درگزر بھی کر جائے ف۴۰ اور اُن لوگوں کو معلوم ہو جائے جو ہماری آیتوں میں جھگڑے نکالتے رہتے ہیں کہ اب اُن کے بچاؤ کی

مَّحِيْصٍ ۝ فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ

کوئی صورت نہیں غرض جو کچھ بھی تم کو دیا گیا ہے وہ دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے

الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى

ہے ف۴۱ اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ بہتر ہی ہے اور پائیدار تر بھی، وہ اُن لوگوں کے لئے ہے جو ایمان والے ہیں اور اپنے

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ

پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں، اور جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے

وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ

بچتے رہتے ہیں اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں ف۴۲ اور جن لوگوں نے

ف۳۶ خطاب عاقل بالغ اہل ذنوب سے ہے۔ بچے، مجنون وغیرہ اس سے خارج ہیں خطاب مع من یفهم ویعقل فلا یدخل فیه البهائم والاطفال (کبیر) مَا...... مِنْ مُّصِيْبَةٍ۔ سے یہاں واقعی وحقیقی مصیبت مراد ہے۔ بعض نعمتیں جو صرف صورۃً ہی مصیبتیں ہیں وہ درحقیقت عیش کے زینہ ہیں، ان پر مصیبت کا اطلاق ہی نہ ہوگا۔ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ کثیر سے مراد کثیر من الذنوب بھی ہو سکتی ہے یعنی بہت سے گناہ بے گرفت ومواخذہ کے بھی چھوڑ دیتا ہے اور کثیر من الناس بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یعنی گرفت ہر بندہ پر نہیں کرتا۔ بہت سے بندوں کو بے گرفت ومواخذہ بھی چھوڑ دیتا ہے۔ ای من الذنوب اوعن کثیر من الناس (مدارک) ای عن الذنوب وجوز کون المراد بالکثیر کثیر من الناس (روح) ف۳۷ یہ سب مشرک، جاہلی قوموں کے رد میں ہے۔ جو سمجھتے تھے کہ فلاں جگہ پناہ لے لینے سے خدائی گرفت کی دسترس سے باہر ہو جائیں گے یا بعد موت فلاں فلاں دیوی دیوتا گاڑھے وقت کام آ جائیں گے۔ ف۳۸ یعنی ایسے اونچے اونچے جہاز کہ گویا پہاڑ تیرنے لگے۔ ان عظیم الشان جسامت والوں کا پانی پر رواں دواں ہونا حق تعالیٰ کی کمال صناعی کی دلیل ہے۔ جس محل ترغیب پر اور جس سیاق میں ان اونچے اونچے جہازوں کا ذکر آیا ہے اس سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ جہاز رانی اور جہاز سازی اسلام کی نظر میں مبغوض وناپسندیدہ نہیں، بلکہ گونہ پسندیدہ ہے۔ ف۳۹ یعنی اس کی قدرت وصناعت پر دلالت کرنے والی نشانیاں کہ وہی ہوا کو چلاتا ہے، اور ہوا جہاز کو حرکت میں لاتی ہے۔ الرِّيْحَ۔ ریح (ہوا) کا مفہوم بہت وسیع ہے دخانی جہازوں کی اسٹیم بھی ہوا ہی کی ایک شکل ہے۔ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ۔ بندہ کے لئے زندگی بھر دو ہی حالتیں ممکن ہیں۔ یا غم وحرمان کی اور یا مسرت وراحت کی۔ مومن پہلی صورت میں صبر وتسلیم سے کام لیتا رہتا ہے۔ اور دوسری صورت میں شکر گزاری سے اور یہ دونوں صورتیں حق تعالیٰ سے جڑے رہنے ہی کی ہیں۔ حق تعالیٰ سے غفلت کا مجرم وہ بہرحال کسی صورت میں بھی نہیں ہوتا۔ وان یکون امافی البلاء واما فی الآلاء فان کان فی البلاء کان من الصابرین وان کان فی النعماء کان من الشاکرین فانه لا یکون البتة من الغافلین (کبیر) ف۴۰ یعنی جس طرح جہازوں اور عظیم الشان جہازوں کو چلتے چلاتے، متحرک رکھنا اس کی قدرت عظمت، صنعت کی ایک دلیل ہے۔ اسی طرح یہ بھی اس کی مشیت وقدرت میں داخل ہے کہ جب چاہے ان جہاز والوں کی بداعمالی کی پاداش میں ان جہازوں کو طوفان لا کر تند وتیز ہوا چلا چلا کر تباہ بھی کر دے۔ يُوْبِقْهُنَّ۔ ھن کا مضاف اھل مقدر ہے۔ اصل ترکیب کلام یوں ہے۔ اویوبق اھلھن والمراد علی ما قال غیر واحدٍ اھلاک اھلھا (روح) ف۴۱ (کہ خاتمۂ عمر کے ساتھ اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا) اور اسی سے ظاہر ہے کہ مطلوب ومقصود بنانے کے قابل دنیا نہیں صرف آخرت ہے۔ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ حیات دنیا کے ساتھ متاع کا لفظ اس کی ذلت وحقارت کے لئے ہے۔ سمّاہ متاعاً تنبیهاً علی قلته وحقارته (کبیر) ف۴۲ آیت کے الفاظ قابل غور ہیں۔ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ۔ بڑے چھوٹے سارے گناہوں سے ہمیشہ بچے رہنا صالحین غیر معصوم کے لئے بھی ممکن نہیں۔ اس لئے بشریت کی اس کمزوری کی رعایت سے ممدوحین تک کے لئے یہ قید لگا دی کہ وہ وہ ہیں جو بڑے بڑے گناہوں سے بچے رہتے ہیں۔ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ۔ اسی طرح موقع مدح وتحسین پر ہی یہ ارشاد نہیں ہوتا کہ صالحین وابرار کو غصہ سرے سے آتا ہی نہیں۔ غصہ کا اپنے موقع ومحل پر نہ آنا دلیل حلم نہیں، دلیل جبن وبے حمیتی ہے۔ کمال نہیں، نقص ہے، ہنر نہیں عیب ہے، کمال اور ہنر صرف یہ ہے کہ بندہ کہ جب بے محل وبیجا غصہ آ جائے تو اس کے مقتضا پر عمل نہ کرے، بلکہ اپنی طبیعت کو قابو میں رکھے۔ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ۔ مراد غالباً اعتقادی گناہوں سے ہے۔ قیل المراد بکبائر الاثم ما یتعلق بالبدع واستخراج الشبهات (کبیر) وَالْفَوَاحِشَ۔ مراد غالباً ان گناہوں سے ہے، جن کا تعلق بے حیائی اور شہوانیت سے ہے۔ قیل المراد بالفواحش ما یتعلق بالقوة الشهوانية (کبیر)

اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَأَمْرُهُمْ شُورٰى

اپنے پروردگار کا حکم مانا اور نماز کی پابندی کی اور اُن کا (یہ اہم) کام باہمی مشورہ سے

بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۚ (۳۸) وَالَّذِينَ إِذَآ أَصَابَهُمُ

ہوتا ہے اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں ف۴۳ اور وہ ایسے ہیں کہ جب اُن پر ظلم

الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ (۳۹) وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ

واقع ہوتا ہے تو وہ (برابر کا) بدلہ لے لیتے ہیں ف۴۴ اور بُرائی کا بدلہ بُرائی ہے ویسی ہی

فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ

لیکن جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ رہا بے شک اللہ ظالموں

الظّٰلِمِينَ (۴۰) وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَأُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ

کو پسند نہیں کرتا ف۴۵ اور جو اپنے اُوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ (برابر کا) لے لے، سو ایسے لوگوں پر کوئی

مِّنْ سَبِيلٍ ۗ (۴۱) إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ

الزام نہیں ف۴۶ الزام تو اُن لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے

وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

اور زمین پر ناحق سرکشی کرتے (پھرتے) ہیں ایسوں کے لئے دردناک

أَلِيمٌ (۴۲) وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۧ (۴۳)

عذاب ہے ف۴۷ اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے، یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے ف۴۸

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَتَرَى

اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی چارہ ساز نہیں ف۴۹ اور آپ

الظّٰلِمِينَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ

کافروں کو دیکھیں گے کہ جب وہ عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو کہتے ہوں گے کہ آیا واپس جانے کی

ع ۱۴ / ۵

ف۴۳ یہ سارے اوصاف مومنین صادقین کے بیان ہورہے ہیں۔ انفرادی واجتماعی دونوں قسم کی نیکیاں ان میں آگئیں۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ۔ باہمی مشورہ کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ شوریٰ کا ذکر نماز وزکوٰۃ کے ساتھ فرمایا گیا ہے...... اجتماعی صورت میں اس حکم کی تعمیل کی صورت یہ ہے کہ حکومت، حکومت شوریٰ ہو۔ جیسی کہ خلفاء راشدین کی تھی۔ فقہاء مفسرین نے شوریٰ کی اہمیت کو خوب سمجھا ہے۔ يدل على جلالة موقع المشورة لذكره لها مع الايمان واقامة الصلٰوة ويدل على انا ما مورون بها (جصاص) البتہ شوریٰ کے سلسلہ میں یہ یاد رہے کہ مشورہ صرف انہیں امور میں پسندیدہ ہے، جو بجائے خود قابل مشورہ ہوں بھی۔ اور جو چیزیں احکام قطعی میں داخل ہیں مثلاً نماز پنجگانہ، رمضان کے روزے وغیرہا۔ سو ان میں مشورہ نہیں۔ ف۴۴ (اور ظلم وزیادتی کے جواب وانتقام میں خود بھی ظلم وزیادتی نہیں کرنے لگتے) آیت کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ معاف کرنا نہیں جانتے۔ والمعنى ان يقتصروا فى الانتصار على ما يجعله الله لهم ولا يعدونه (کبیر) انهم الاخصاء بالانتصار وغيرهم يعدوا ويتجاوز (روح) وقال السدى معناه ممن بغى عليهم من غير ان يعتدوا عليهم (جصاص) ف۴۵ (خواہ وہ ظالم، ظلم کی ابتداء کرنے والے ہوں یا جواب وانتقام میں حدود سے تجاوز کر جانے والے ہوں) جَزٰٓؤُا...... مِثْلُهَا۔ جزائے سیئہ کو سیئہ کہنا ظاہر ہے کہ مجازاً ہے۔ ورنہ درحقیقت یہ تو برائی کی سزا ہوئی نہ کہ خود کوئی برائی۔ وَاَصْلَحَ۔ یعنی اپنے باہمی معاملات کو درست کرلیا۔ اے بينه وبين خصمه بالعفو و الاغضاء (مدارک) مِثْلُهَا۔ یعنی سزائے جرم بھی درجہ جرم کی مناسبت ہی سے دی جائے۔ اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔ والمعنى انه يجب اذا قوبلت الاساءة ان تقابل بمثلها من غير زيادة (مدارک) هذه الاٰية اصل كبير فى علم الفقه فان مقتضاها ان تقابل كل جناية بمثلها (کبیر) ف۴۶ یہاں دو اصول ارشاد ہوئے ہیں:۔ (۱) ایک قانون عدل، کہ جو جیسا کرے گا۔ ویسا پائے گا۔ مثلاً دانت کا بدلہ دانت اور آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ لیکن یہاں بھی یہ شرط ہے کہ وہ شے فی نفسہٖ ممنوع وحرام نہ ہو۔ مثلاً لوٹ کا بدلہ لوٹ اور زنا کے عوض زنا، کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ (۲) دوسرا قانون فضل۔ یعنی رحم ورعایت کا قانون۔ آیت سے انتقام کا صرف جواز نکلتا ہے نہ کہ اس کی ماموریت۔ ومقتضى ذلك اباحة الانتصار لا الامر به (جصاص) ف۴۷ یہاں یہ حقیقت بیان کر دی کہ تشدد مطلق صورت میں اسلام میں ممنوع نہیں۔ ممنوع وحرام تو صرف تشدد بے جا ہے۔ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ اس سے اس جانب بھی اشارہ ہوگیا کہ کبر نفس ہی ظلم وزیادتی کی جانب لے آتا ہے۔ ف۴۸ یہاں سے یہ مسئلہ صاف ہوگیا کہ انتقام کی بھی جائز حدود کے اندر پوری اجازت اسلام میں ہے، لیکن اولیٰ وافضل معاف ہی کر دینا ہے۔ فطرت بشری کی کیسی ٹھیک ٹھیک اور پوری رعایت ہماری شریعت میں موجود ہے۔ ف۴۹ (کہ وہ اسے زبردستی راہ راست پر لے آئے) وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ۔ یہ اضلال اسی بناء پر ہوگا کہ اس بندہ کے اندر حق کی طلب وتلاش موجود نہیں۔

سَبِيلٍ ﴿٤٤﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خٰشِعِينَ مِنَ

کوئی صورت ہے؟ اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ کے روبرو لائے جائیں گے ذلت سے

الذُّلِّ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۗ وَقَالَ الَّذِينَ اٰمَنُوٓا

جھکے ہوئے سست نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ف۵۰ اور ایمان والے کہیں گے

اِنَّ الْخٰسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيهِمْ يَوْمَ

کہ (اصلی) خسارہ والے تو وہ لوگ ہیں جو اپنی ذات سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے

الْقِيٰمَةِ ۗ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ﴿٤٥﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ

دن خسارہ میں پڑے، یاد رکھو کہ کافر عذاب دائمی میں رہیں گے ف۵۱ اور ان کے کوئی چارہ ساز

مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ

نہ ہوں گے جو اللہ سے الگ ہو کر اُن کی مدد کر سکیں اور جس کو اللہ

اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيلٍ ﴿٤٦﴾ اِسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ

گمراہ کرے اس کے لئے کوئی راہ نہیں ف۵۲ کہنا مان لو اپنے پروردگار کا قبل اس کے

اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ

کہ ایسا دن آپہنچے جس کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی ہٹنا نہیں، تم کو اس روز کوئی پناہ نہ ملے گی،

وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيرٍ ﴿٤٧﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ

اور نہ تمہارے بارہ میں کوئی روک ٹوک کرنے والا ہے ف۵۳ یہ لوگ اگر پھر بھی اعراض کئے رہیں تو ہم نے آپ کو

عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۗ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۗ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا

ان پر کوئی نگران کر کے نہیں بھیجا ہے، آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے ف۵۴ اور ہم انسان کو جب کچھ

الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا

اپنی عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے، اور اگر ایسے لوگوں پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے اُن

ف۵۰ (جس طرح ایک خوفزدہ انسان دیکھتا ہے) الظّٰلِمِينَ۔ ظالم۔ یہاں بھی کافر کا مرادف ہے ف۵۱ ایسے ظالم جو عذاب ابدی کے مستحق ہیں ظاہر ہے کہ صرف کافر و مشرک ہی ہو سکتے ہیں۔ ورنہ جو کسی درجہ میں بھی مومن ہوگا وہ بہر حال آخرکار جنتی ضرور ہو جائے گا۔ ف۵۲ (نہ نجات کی، نہ معذرت کی، نہ نصرت کی) وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ۔ یہ اضلال ان لوگوں کے عدم تلاشِ حق کی پاداش میں ہو گا...... یہ اضلال کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب ہمیشہ تکوینی ہی حیثیت سے بطور مسبب الاسباب کے ہوگی۔ ف۵۳ (جو اتنا پوچھ ہی لے کہ ان لوگوں کا یہ حال کیوں بنایا ہے) يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ۔ یعنی دنیا میں تو عذاب کا ہٹ جانا ممکن بھی ہے وہاں مہلت و توقف کی کوئی صورت ہی نہ ہوگی۔ ف۵۴ (ہمارے احکام و پیامات کا) مطلب یہ ہے کہ اتنے سمجھانے بجھانے کے بعد بھی یہ لوگ بدستور ایمان سے منکر رہیں تو آپ زیادہ فکر و تردد میں نہ پڑیئے۔ آپ سے ان کے اعمال سے متعلق باز پرس کا احتمال ہی نہیں۔

و۵۵ (بجائے اس کے کہ حق تعالیٰ کی طرف بطریق توبہ والتجا، رجوع کرے) اِنْسَانَ سے آیت میں دونوں جگہ کافر قسم کا انسان مراد ہے۔ اِذَا...... بِھَا۔ یعنی بجائے اس کے کہ منعم کی جانب منسوب کرکے اس کی شکر گذاری میں لگ جائے۔ یہ اسے اپنی جانب منسوب کرکے بے جا طور پر اترانے لگتا ہے۔ و۵۶ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے۔ کسی کے اولاد خوب ہوتی ہے، کوئی لاولد رہتا ہے۔ کسی کے صرف بیٹیاں ہوتی ہیں۔ کسی کے صرف بیٹے۔ کسی کے دونوں۔ سو یہ سب کچھ محض اٹکل پچو۔ اندھا دھند نہیں ہو رہا ہے۔ فرد، جماعت، کائنات سب کی بے انتہا حکمتوں اور بیشمار مصلحتوں کے پیش نظر ایک حکیم مطلق کے زیر انتظام ہو رہا ہے۔ پھر اسی حکیم مطلق کی قدرت اور اختیارات بھی محدود نہیں، لامحدود ہیں۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ۔ اس کی قوتِ تخلیق بھی غیر محدود ہے۔ جس کو جب اور جس طرح چاہے پیدا کرے۔ آیت میں عام قدرت الٰہی کا بیان ہے۔ کسی خاص واقعہ کی تعیین مراد نہیں۔ وقال الاکثرون من المفسرین ھٰذا الحکم عام فی حق الناس لان المقصود بیان نفاذ قدرۃ اللہ فی تکوین الاشیاء کیف شاء واراد فلم یکن للتخصیص معنًا (کبیر) و۵۷ یہاں یہ مسئلہ بیان فرمایا گیا ہے کہ عام فطری قوائے بشری اس قابل ہی نہیں کہ حق تعالیٰ سے براہِ راست عزت ہمکلامی حاصل کرسکیں۔ مخاطبت کے ممکن طریقے صرف تین ہیں:۔ (۱) بطریق وحی، یعنی بلا واسطہ مدرکات طبعی قلب میں کوئی بات ڈال دی جائے۔ (۲) بواسطہ حجاب کچھ کلام کیا جائے۔ حجاب کا تعلق تجلی حق سے نہیں ضعف ادراک سے ہے۔ حجاب، حجاب عظمت ہے جو مشاہدۂ تجلیات سے بشر کو روک دیتا ہے ذات حق محجوب نہیں۔ ”اور یہ حجاب کوئی جسم حائل نہیں۔ اور نہ یہ حجاب حق تعالیٰ کے نور وذات کو مخفی کرسکتا ہے۔ بلکہ حقیقت اس حجاب کی بشر کا ضعف ادراک ہے۔ جس سے باوجود کمال ظہور نور ذات کے یہ ادراک سے قاصر ہے۔“ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ولیس المراد بہ حجاب اللہ تعالیٰ لان اللہ تعالیٰ لا یجوز علیہ ما یجوز علی الاجسام من الحجاب ولکن المراد بہ ان السامع محجوب عن الرؤیۃ فی الدنیا (مدارک) (۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ فرشتہ کے ذریعہ سے وحی بشر کو بھیج دی جاتی ہے۔ اس وحی کے مخاطب حضرات انبیاء تو قطعی ہوتے ہیں اور غیر انبیاء کے لئے بھی اس کی گنجائش ہے جیسا کہ حضرت مریمؑ کے معاملہ میں قرآن مجید ہی سے ثابت ہے۔ اور یہ منکرین ومشرکین جو خود مخاطبہ الٰہی کی تمنا میں ہیں ان کا ظرف ان میں سے کسی طریق کے بھی قابل نہیں۔ و۵۸ عَلِیٌّ۔ وہ بلند شان ہے۔ اور اس کی علو شان کا تقاضا یہی ہے کہ بندہ کو اس سے ہمکلامی کی مجال ہی نہ ہو۔ حَکِیْمٌ۔ لیکن وہ حکیم مطلق بھی ہے۔ اس لیے اس نے بندوں کے مصالح پر نظر کرکے اپنی ہمکلامی کے تین طریقے نکال دیئے۔ و۵۹ (اور آپؐ کو نبی بنا کر آپ کی نبوت پر دلائل قائم کئے ہیں) روح سے یہاں مراد قرآن یا وحی ہے۔ جبرئیل یا فرشتہ مراد نہیں۔ وما اوحی الیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اوالقراٰن الذی ھو للقلوب بمنزلۃ الروح للابدان (روح) والمراد بہ القراٰن وسمّاہ روحًا لانہٗ یفید الحیاۃ من موت الجھل اوالکفر (کبیر) کَذٰلِکَ۔ یعنی جس طرح ہم انبیاء قدیم پر وحی نازل کرتے رہے ہیں۔ اے کما اوحینا الی الرسل قبلک (مدارک) و۶۰ یہاں اس عام حقیقت کا اظہار ہے کہ بلا فیضانِ الٰہی، کامل ترین استعداد وصلاحیت رکھنے والا بھی بیکار ہے اور اس خاص حقیقت کا اعلان کہ قبل نبوت آپ کی یہ لاعلمی ہرگز ان کمالات کی قادح نہیں جو بعد نبوت آپ کو حاصل ہوئے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ کمالات سب کے سب موہوب ہیں۔ جس کو ہبہ کمالات پر قدرت ہے۔ اس کو سلب کمالات پر بھی قدرت ہے تو کسی کو بھی اپنے کمال پر ناز نہ چاہیے۔
و۶۱ (اسی کتاب کے ذریعہ سے) یہاں اس حقیقت کا اعادہ ہے کہ محمد بن عبداللہ نامی شخص نہ اپنے ارادہ واختیار سے رسول وصاحب وحی بن گئے نہ اپنے ارادہ واختیار سے قرآن اپنے اوپر اتار لائے اور نہ بندوں کی عام ہدایت یابی ان کے اختیار میں ہے...... یہ سارے کام صرف حق تعالیٰ کے ہیں۔ ہٗ ضمیرہٗ الکتٰب کی طرف ہے۔

قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ

کرتوتوں کے بدلہ میں جو وہ پہلے اپنے ہاتھوں کرچکے ہیں تو انسان ناشکری کرنے لگتا ہے و۵۵ اللہ ہی کی سلطنت ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ

آسمانوں اور زمین میں، وہ جو چاہتا ہے پیدا کردیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے (اولاد) مادہ عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے

اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا

(اولاد) نرینہ عنایت کرتا ہے، یا اُن کو نر و مادہ (کی صورت میں) جمع بھی

وَّاِنَاثًا ۚ وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾ وَمَا

کردیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لاولد رکھتا ہے بے شک وہ بڑا علم والا ہے، بڑا قدرت والا ہے و۵۶ اور یہ

كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ

کسی بشر کا مرتبہ نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر ہاں یا تو وحی سے یا کسی آڑ سے،

اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِیٌّ

یا کسی (فرشتہ) قاصد کو بھیج دے، سو وہ وحی پہنچا دے اللہ کے حکم سے، جو اللہ کو منظور ہوتا ہے و۵۷ بیشک وہ عالیشان ہے،

حَكِیْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا

حکمت والا ہے و۵۸ اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے و۵۹ آپ کو

كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا

نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے، اور نہ یہ کہ ایمان (کیا چیز ہے) و۶۰ لیکن ہم نے اس (قرآن) کو نور بنا دیا ہے

نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی

کہ اس کے ذریعہ سے ہم ہدایت کرتے ہیں بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ

صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی

راہ راست ہی کی ہدایت کررہے ہیں و۶۱ یعنی راہ اسی اللہ کی کہ آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ ع

زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اُسی کا ہے یاد رکھو سب اُمور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں ف۶۲

آیاتہا ۸۹ — ۴۳ سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ ۶۳ — رکوعاتہا ۷

اس کی نواسی آیتیں — سورۂ زخرف مکہ میں نازل ہوئی — اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا

حا۔ میم قسم ہے (اس) کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے

لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۳﴾ وَاِنَّهٗ فِيْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ

تاکہ تم (خوب) سمجھ جاؤ ف۱ اور بیشک وہ لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے بڑے مرتبہ کا،

حَكِيْمٌ ﴿۴﴾ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ

حکمت سے بھرا ہوا ف۲ کیا ہم تم سے (اس) نصیحت نامہ کو اس لیے ہٹا لیں گے کہ تم

قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴿۵﴾ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶﴾

حد سے گزر جانے والے ہو ف۳ اور ہم پہلے لوگوں میں بہت سے نبی بھیجتے رہے ہیں

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۷﴾

اور اُن (لوگوں) کے پاس کوئی نبی (ایسا) نہیں آیا جس سے انہوں نے تمسخر نہ کیا ہو ف۴

فَاَهْلَكْنَاۤ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾

پھر ہم نے اُن لوگوں کو جو ان (موجودہ مخاطبین) سے بھی زیادہ زور آور تھے غارت کر ڈالا اور پہلے لوگوں کی یہ حالت گزر

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ

چکی ہے۔ ف۵ اور اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہ یقیناً کہیں گے

ف۶۲ (اور کسی مخلوق کو نہ کوئی اختیار ان تصرفات کا ہے، نہ کوئی شرکت آسمان وزمین میں ہے) یہاں صفات باری میں سے دو صفات کمال کا اثبات ہے۔ ایک حق تعالیٰ کی ملکیت کاملہ کا، دوسرے اس کی طرف مرجعیت مطلقہ کا۔ ف۱ (اہل عرب بطور مخاطب اول کے) وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ قرآن ایک بالکل واضح کتاب بلحاظ اپنے پیش کئے ہوئے مہمات عقائد کے بھی ہے اور بلحاظ اپنے احکام اساسی واوّلی کے۔ وَ۔ کلام عرب میں تاکید وزور کلام کے موقع پر قسم لانے کا دستور عام ہے، اور استشہاد کا پہلو جو قسم میں ہوتا ہے، وہ اس خاص موقع پر عیاں وظاہر ہے۔ یعنی قرآن پر غور کرنے سے خود اس کے مضامین کا اعجاز ظاہر ہوا جارہا ہے۔ عربی اسلوب بیان ہی سے کہ مثلاً جب عرب ادیب، خطیب، شاعر کو اپنی شجاعت ودلیری کا اظہار مقصود ہوگا تو بجائے اس کے کہ اردو محاورہ کے مطابق وہ یہ کہے کہ میرے کارناموں پر میری تلوار گواہ ہے، وہ یہ کہے گا کہ مجھے تلوار کی قسم ہے۔ اقسام قرآنی کی حقیقت کے لئے ملاحظہ ہوں۔ ''قرآنی قسمیں'' بطور (پ۱۴، سورۃ الحجر کے) ضمیمہ کے۔ جَعَلْنٰهُ۔ ضمیرہ ظاہر ہے کہ الْكِتٰبِ کی جانب ہے۔ حٰمٓ۔ اس پر حاشیہ گذر چکا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنٰهُ۔ بڑی پرانی بحث چلی آرہی ہے کہ قرآن مجید قدیم، غیر مخلوق ہے یا حادث ومخلوق۔ آیت کے لفظ جَعَلَ سے اہل اعتزال کو اپنے مسلک حدوث قرآن کی گویا سند ہاتھ آگئی ہے، القائلون بحدوث القراٰن احتجوا بھٰذہ الاٰیۃ (کبیر) اہل سنت کا مذہب صحیح یہ ہے کہ قرآن مجید کی حیثیتیں دو ہیں۔ ایک معنوی، دوسرے تعبیری، معنوی حیثیت سے یعنی فی نفسہٖ کلام ہونے کے اعتبار سے دوسری صفات الٰہی کی طرح وہ بھی قدیم اور غیر مخلوق اور ہر عرض (صوت، صورت، حروف ولغت وغیرہ) سے منزہ ومبرا ہے، رہی اس کی دوسری یا تعبیری حیثیت، سو ہماری فہم وادارک کی گرفت میں لانے کے لئے وہ مجموعہ اعراض ہے اس میں حروف ہیں، کلمات ہیں، نقوش ہیں وقس علیٰ ہذا۔ اور اس اعتبار سے اس کا حادث ومخلوق ہونا بالکل ظاہر ہے۔ الْمُبِيْنِ۔ صفت مبین کا ایک پہلو تو ظاہر لفظ وعبارت کے لحاظ سے ہے۔ اور اس معنٰی میں وہ اپنے مخاطبین اول یعنی قوم عرب کے لئے بالکل واضح ہے۔ اور دوسرا پہلو اس کے معانی ومطالب کے لحاظ سے ہے کہ اس نے راہ ہدایت واصلاح کو طریق کفر وضلالت سے بالکل واضح وممتاز کر دیا ہے۔ اور اس معنٰی میں اس کی ابانت کا تعلق سارے عالم سے ہے۔ وفی وصف الکتب بکونہ مبینا وجوہ الاول انہ المبین للذین انزل الیھم لانہٗ بلغتھم ولسانھم والثانی المبین الذی ابان طریق الھدٰی من طریق الضلالۃ وابان کل باب عما سواہ وجعلھا مفصلۃ ملخصۃ (کبیر) ف۲ (اپنے نازل کرنے والے کے ہم صفت) لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔ سورۂ ماقبل کے ختم کے قریب حق تعالیٰ کی شان انہیں صفات کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ اب ذکر اس کا ہے کہ کلام بھی متکلم ہی کی شان کے مطابق بڑے رتبہ والا ہے، خاک کو پاک بنا دینے والا ہے اور حکمتوں اور دانائیوں سے لبریز ہے...... جس کتاب پر دار ومدار سارے عالم کی ہدایت ورہنمائی کا ہو، بیشک اسے ہونا بھی ایسا ہی تھا۔ الْكِتٰبِ۔ سے یہاں مراد لوح محفوظ ہے (ابن جریر) لَدَيْنَا۔ باعتبار شرف واختصاص کے ہے۔ یہ قرب رتبہ ہے، قرب مکان نہیں۔ ف۳ یعنی کیا قرآن کا نزول اور اس کی تبلیغ اس لئے موقوف کر دی جائے گی کہ تم اس پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ عین حکمت ورحمت دونوں کا تقاضا ہے کہ یہ فیض کامل برابر جاری رہے۔ ھٰذا الکلام یحتمل وجھین الاول الرحمۃ والثانی المبالغۃ فی التغلیظ (کبیر)

ف۴ (لیکن اس تکذیب واستہزاء کے باوجود سلسلہ ارشاد وہدایت برابر ہی جاری رہا) یہاں دو تاریخی حقیقتوں کا اعلان ہے۔ ایک یہ کہ زمانہ ماضی میں انبیاء کثرت سے آتے رہے۔ دوسرے یہ کہ ان کے ساتھ منکرین کی طرف سے تمسخر واستہزاء کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔ ف۵ (اس لئے آپ فکر نہ کریں۔ ان کا بھی یہی انجام ہونا ہے۔ اور خود یہ بھی مطمئن نہ رہیں کہ آخر پرانے نمونے ان کے سامنے موجود ہی ہیں)

و۶ جہاں تک نفس تخلیق کا سوال ہے۔ مشرکین بھی اکثر اور عموماً توحید ذات ہی کے قائل ہیں اور صفت خالقیت میں بہت کم کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ سارا زور شرک کا صفاتِ ربوبیت وغیرہ میں اچھل پڑتا ہے۔ مشرکین عرب بھی خالق کو واحد ہی تسلیم کرتے تھے۔ و۷ مشرکین کو قائل کرنے کے لئے اب ذات خالق واحد کی دوسری صفات کا بیان ہو رہا ہے۔ یعنی جس خالق کو یکتا تم خود تسلیم کرتے ہو۔ اسی کے صفات و کمالات یہ بھی تو ہیں۔ کائنات کے سارے انتظامات میں بھی تو وہی لاشریک لہ ہے۔ زمین کی یہ خاص ہیئت اسی کی حکمت کاملہ نے بنائی ہے کہ اس پر انسان کا رہنا ممکن ہو۔ سطح زمین کے راستوں، سڑکوں میں تقسیم یہ بھی اسی حکیم مطلق کا فعل ہے کہ تم باسانی چل پھر سکو۔ آسمان کی طرف سے پانی برسانا ایک خاص مقدار میں، ایک معین وقت پر، حسب ضرورت و مصلحت، یہ سب بھی بس اسی کا کام ہے۔ پھر اس بارش سے زمین خشک کو سبزہ زار بنا دینا اسی کی حکمت و صنعت ہے۔ جو بعث و حشر پر بھی اسی طرح قادر ہے۔ اور جو اس کے یہ ہلکے نمونے روزمرہ تمہاری آنکھوں کے سامنے لاتا رہتا ہے۔

خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ

کہ انہیں پیدا کیا ہے (اسی خدائے) ہمہ تواں نے ہمہ داں نے و۶ وہی جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش کو بنادیا

مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠﴾

اور اُس میں اُس نے تمہارے لیے راستے بنا دیے، تاکہ تم راہ پاتے رہو

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً

اور جس نے آسمان سے پانی ایک خاص انداز سے برسایا، پھر ہم نے اس سے خشک زمین کو

مَيْتًا كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١١﴾ وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا

زندہ کیا اسی طرح تم بھی (اپنی قبروں سے) نکالے جاؤ گے، اور جس نے تمام اقسام بنائیں

وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ﴿١٢﴾ لِتَسْتَوُوا

اور تمہارے لئے وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو و۷ تاکہ تم ان کی پیٹھ

عَلَىٰ ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ

پر جم کر بیٹھو پھر جب تم اس پر جم کر بیٹھ چکو تو اپنے پروردگار کی (اس) نعمت کو

عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا

یاد کرو اور کہو کہ پاک ذات ہے وہ جس نے ہمارے تابع کر دیا اس (سواری) کو اور ہم تو ایسے تھے نہیں کہ

لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿١٣﴾ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴿١٤﴾ وَجَعَلُوا

اس کو قابو میں کر لیتے، اور ہم کو تو اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹنا ہے و۸ اور ان لوگوں نے اللہ کا جزء

لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُبِينٌ ﴿١٥﴾ ع۵

اللہ کے بندوں میں سے ٹھہرا لیا، بے شک انسان کھلا ہوا ناشکرا ہے و۹

أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُمْ بِالْبَنِينَ ﴿١٦﴾ وَإِذَا

(ہاں تو) کیا (اللہ) نے مخلوق میں سے اپنے لئے بیٹیاں پسند کر لیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا؟ دراں حالیکہ

پھر اشیاء مخلوق کی بے شمار قسمیں، باہم متناسب نمودار کرنا یہ بھی اسی کی کارسازی ہے اور بحری و بری سواریاں بہم پہنچا دینا یہ بھی اسی کا احسان عظیم ہے۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ...... سُبُلًا۔ زمین کے سارے جغرافی تغیرات جن سے انسان کو مدد مل سکتی ہے، اس کے تحت میں آ گئے۔ وَالَّذِیْ...... مَیْتًا۔ بادل بارش، کاشتکاری، باغبانی کے سلسلہ کے چھوٹے بڑے جتنے تغیرات ہیں سب اس میں شامل ہیں۔ وَالَّذِیْ...... کُلَّھَا۔ مخلوقات کی تنویع، تقسیم، تزویج سب اس کے تحت میں آ گئی۔ قال ابن عباس والازواج الضروب والانواع کالحلو والحامض والابیض والاسود والذکر والانثی (کبیر) وَجَعَلَ...... مَا تَرْکَبُوْنَ۔ دریائی اور زمینی جتنی بھی سواریاں ہیں، سب اسی میں داخل ہیں۔۔۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ مخلوقات جتنی بھی ہیں، سب جوڑے جوڑے ہیں مثلاً ذات وصفات، آگے پیچھے، داہنے بائیں، اوپر نیچے، ماضی، مستقبل، اچھا، برا وغیرہ اور یہی دلیل ہے اس کے حادث و ممکن الوجود ہونے کی۔ قال بعض المحققین کل ماسوی اللہ فھو زوج کالفوق والتحت والیمین والیسار و کونھا ازواجًا یدل علی کونھا ممکنة الوجود فی ذواتھا محدثة (کبیر) صرف ذات واجب الوجود فرد مطلق ہے، ہر رشتہ تضاد و تقابل و شرکت سے ماوراء ومافوق۔ فاما الحق سبحانهٗ فھو الفرد المنزہ عن الضد والند والمقابل والمعاضد (کبیر) و۸ اسلام زندگی کے ہر ہر شعبہ کے لئے ایک مکمل دستور العمل ہے۔ وہ انسان کو خدا کی حاکمیت اور اپنی عبدیت کی طرف سے غفلت کی اجازت کسی وقت اور کسی حالت میں نہیں دیتا۔ سواری اچھے گھوڑے کی ہو یا موٹر کی یا ریل کی یا جہاز کی۔ انسان جب کبھی اس نعمت سے مستفید و محظوظ ہوتا ہے تو اکثر اس میں ایک گونہ تفاخر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اسے وہ اپنے کمال واستحقاق کی جانب منسوب کر کے فخر کرنے لگتا ہے۔ قرآن نے اس کی جڑ کاٹ دی اور ارشاد فرما دیا کہ جب سواریوں سے فائدہ اور لطف اٹھاؤ تو پہلے دل میں خدائی نعمتوں کا استحضار کر لو۔ اور یہ خیال تازہ کر لو کہ یہ جو کچھ بھی مل رہا ہے۔ سب عنایت وافضال الٰہی سے مل رہا ہے اسی نے تم میں اتنی طاقت، ہمت و تدبیر دے دی ہے اور بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی یہ کہہ ڈالے کہ ہم میں کوئی ذاتی استحقاق اس کا کب تھا۔ ہم ایسے طاقتور، یا ایسے ہنرور کب تھے کہ ان سواریوں کو قابو میں لے آتے۔ یہ تو محض آپ کا فضل و کرم ہے اور ہم کو عین وقت فرح و مسرت میں اپنا انجام یاد ہے کہ ہم اور ہماری لذتیں فانی ہیں، باقی نہیں، ہم سب کو اپنے پروردگار کے حضور میں حساب و جواب کے لئے حاضری دینا ہے...... جس قوم کے دل میں اپنی عبدیت کا یہ استحضار اور جس کی زبان پر اس قسم کے کلمات خود شناسی رہیں۔ کہیں اسے بھی گھمنڈ اور دعوٰی اپنے ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور دوسری ہلاکت بار مشینوں کا ہو سکتا ہے؟ و۹ یہ عام فطرت بشری کا بیان ہے کہ انسان بجائے نعمتوں کی شکر گذاری کے الٹا ناسپاسی و نافرمانی کی طرف چلا جاتا ہے۔ وَجَعَلُوْا...... جُزْءًا۔ مثلاً مسیحی جو الوہیت کے اجزاء روح القدس و مسیح کو بھی قرار دیئے ہوئے ہیں۔ المراد انھم اثبتوا لہ ولدًا (کبیر) فلسفۂ قدیم کی اصطلاحوں میں مسئلہ کی تقریر یہ ہوگی کہ خدا کو جب خالق مان لیا تو لازم ہے کہ وہ قدیم بھی ہو کیونکہ حادث موجدِ کل ہو ہی نہیں سکتا۔ اور جب وہ قدیم ٹھہرا تو اس سے عدم ترکیب بھی اس کے لئے لازم آئی۔ جو مرکب ہے وہ قدیم کیونکر ہو سکتا ہے تو جو قدیم، غیر مرکب ہے اس کا کوئی جزء تسلیم کرنا اسے مرکب و حادث قرار دینا ہوا! آیت کے ایک معنٰی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے مخلوقات کے درمیان تقسیم کر دی، کچھ کو اللہ کے لئے رکھا اور کچھ کو غیر اللہ کے سپرد کر دیا۔ زعموا ان کل العباد لیس للہ بل بعضھا للہ و بعضھا لغیر اللہ (کبیر) جَعَلُوْا۔ جَعَلَ آیت میں حکم لگانے یا قرار دینے کے معنٰی میں ہے۔ ومعنی الجعل ھٰھنا الحکم بالشیء (معالم)

بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ

ان لوگوں میں سے خود جب کسی کو اُس کی بشارت دی جاتی ہے جسے (خدائے) رحمٰن کا نمونہ قرار دے رکھا ہے تو اس کا چہرہ دن بھر

مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ﴿١٧﴾ اَوَ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ

اُداس رہتا ہے اور وہ اندر ہی اندر گھٹتا رہتا ہے ف۱۰ تو کیا جو زیورات میں پرورش پائے

وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿١٨﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ

اور مباحثہ میں بھی ژولیدہ بیان ہو (وہ اللہ کی اولاد بننے کے قابل ہے؟) ف۱۱ اور انہوں نے فرشتوں کو

الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ

جو (خدائے) رحمٰن کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے تو کیا یہ اُن کی پیدائش کے وقت موجود تھے،

سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ﴿١٩﴾ وَ قَالُوْا لَوْ شَآءَ

اُن کا دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور اُن سے باز پرس ہو گی ف۱۲ اور یہ کہتے ہیں کہ اگر (خدائے) رحمٰن کو

الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ

(یہی) منظور ہوتا تو ہم فرشتوں کی پرستش (ہی) نہ کرتے انہیں اس بارہ میں کچھ بھی تحقیق نہیں، محض

هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٢٠﴾ؕ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ

اٹکل سے کام لے رہے ہیں ف۱۳ ہم نے کیا اس (قرآن) سے قبل انہیں کوئی کتاب دے رکھی ہے جس سے

بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿٢١﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ

یہ سند پکڑ رہے ہیں؟ ف۱۴ نہیں بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک خاص طریقہ پر پایا ہے

وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ

اور ہم انہیں کے نقش قدم پر قدم رکھ رہے ہیں ف۱۵ اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں

قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ

کوئی پیمبر نہیں بھیجا، مگر یہ کہ وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو

ف۱۰ بہت سی مشرک قوموں نے دیویوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا ہے۔ مشرکین عرب میں یہ مرض اور زیادہ تھا۔ مشرک قوموں نے عموماً اور عرب نے خصوصاً بیٹیوں کو ذلیل بھی بہت سمجھا ہے تو یہاں مقصود کلام یہ ہے کہ یہ احمق ایک تو اللہ کی اولاد فرض کرتے ہیں۔ اور پھر اولاد بھی بیٹیاں جنہیں خود اپنے لئے باعث ننگ وعار سمجھتے ہیں۔ ف۱۱ آیت سے فطرت نسوانی کے متعلق دو حقیقتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ زیور، آرائش ونمائش کا شوق عورت کی سرشت میں داخل ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی قوت استدلال ضعیف ہی ہے۔..... ان دونوں کے لئے ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ۔ آج دیکھ لیا جائے کہ یورپ اور امریکہ کی زنِ جدید اپنی آرائش وزیبائش کے سامان پر، اپنی تزئین جمال اور اپنے بناؤ سنگھار پر کتنی دولت ہر سال بے دریغ خرچ کرتی رہتی ہے۔ ف۱۲ فرشتوں کی نسائیت پر حاشیے اس کے قبل گذر چکے ہیں پ۵ اور پ۱۵ میں۔ محققین نے آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ کسی عقیدہ کا بلا دلیل قائل ہو جانا قابل ملامت ہے اور تقلید جامد جو محض رسم پرستی کی مرادف ہے مورد وعید ہے۔ هذا يدل على ان القول بغير دليل منكر وان التقليد يوجب اللذم العظيم والعقاب الشديد (کبیر) ف۱۳ مشرکوں کا کہنا یہ تھا کہ یہ شرک اگر ایسی ہی بری چیز تھی تو خدا نے آخر ہمیں اس پر قدرت کیوں دی؟ اسے یہی منظور ہوتا تو وہ ہمیں شرک کرنے ہی نہ دیتا۔— گویا استدلال یہ تھا کہ چونکہ اس نے ہمیں گناہ پر قادر کر دیا ہے۔ اس لئے وہ گناہ پر راضی بھی ہے! بالکل ظاہر ہے کہ انسان کو اختیار جو ملا ہے وہ تو محض اسے مکلف بنانے کے لئے۔ اسے محل احتساب، مستوجب عذاب وثواب بنانے کے لیے ہے۔ اختیار ہی اگر نہ ہوتا تو وہ تو بالکل مشین کے حکم میں داخل ہوتا اور عذاب وثواب کا کوئی سوال ہی نہ باقی رہتا۔ ف۱۴ مشرکوں کے استدلال عقلی کی تردید ابھی ہو چکی۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کے پاس شرک پر کوئی دلیل نقلی ہے؟ کسی قدیم نوشتۂ الٰہی کی سند ہے؟..... قرآن مجید نے بار بار مشرکوں کی یہ دکھتی ہوئی رگ پکڑی ہے، اور بار بار ان سے مطالبہ کیا ہے کہ اثبات شرک پر، اثبات تعداد الٰہہ پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی کسی قسم کی ہو، تو پیش کرو۔ ف۱۵ یعنی بجز اندھی تقلید کے ان کے پاس دلیل کے نام سے کوئی چیز ہی نہیں۔ نہ عقلی نہ نقلی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ آباء پرستی وتقلید جامد کی مذمت میں قرآن مجید میں اگر اور کہیں کچھ نہ ہوتا۔ جب بھی یہی آیات بالکل کافی تھیں۔ ولم یکن فی کتاب اللہ الا هذه الأيات لكفت فی ابطال القول بالتقلید (کبیر)

اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَ لَوْ

ایک (خاص) طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں و۱۶ (اس پر ان کے پیمبر نے) کہا کہ اور اگر

جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰی مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَیْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا

میں اس سے بہتر طریقہ منزل پر پہنچا دینے کے اعتبار سے لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ وہ بولے (جب

بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَیْفَ

بھی) ہم اُس کے تو ماننے والے نہیں جسے دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے، سو ہم نے اُن سے انتقام لے لیا، سو دیکھئے

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۵﴾ ع وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖٓ

تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا و۱۷ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا

اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ لا اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ

کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں، جن کی تم پرستش کرتے ہو و۱۸ ہاں البتہ پرستش اس کی کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی

سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾ وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ

میری رہنمائی کرتا ہے و۱۹ اور وہ اس (عقیدۂ توحید) کو اپنے اخلاف میں ایک قائم رہنے والی بات کر گئے تا کہ (مشرک آیندہ بھی

یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰی جَآءَهُمُ

توحید کی طرف) رجوع کرتے رہیں و۲۰ اصل یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں اور ان کے باپ دادوں کو (خوب سا) سامان دے دیا

الْحَقُّ وَ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۹﴾ وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا

یہاں تک کہ اُن کے پاس (کلام) حق اور ایک روشن رسول آ گیا و۲۱ اور جب اُن کے پاس (کلام) حق آ گیا تو وہ بولے کہ یہ

سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ

تو جادو ہے اور ہم اُس کے منکر ہیں اور کہنے لگے کہ یہ قرآن دو (مشہور) بستیوں کے کسی بڑے

عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ

آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا و۲۲ تو کیا آپ کے پروردگار کی

و۱۶ یعنی یہ آباء پرستی اور جمود و تقلید پسندی کوئی نئی بات نہیں، گمراہوں کا شعار ہمیشہ سے رہی ہے۔ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا۔ پیمبروں کی مخالفت کے لیڈر اور سرغنہ، قوم کے امراء و رؤساء ہی ہمیشہ ہوتے ہیں۔ عوام نے ان کی صرف تقلید کی ہے۔ و۱۷ ان آیتوں کا خلاصہ مطالب یہ ہے کہ پیمبر جب اور جہاں کہیں اصلاح امت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ حق، دلیل و برہان انہیں کے ساتھ رہا ہے۔ منکرین و مخالفین کے پاس بجز تعصب، ہٹ دھرمی، آبائی پاسداری، رسم و رواج کی شدت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ وہ پیمبرانہ حقائق کے مقابلہ میں صرف اپنے ہاں کے رسوم اور دستوروں کو پیش کرتے ہیں اور اس ضد و عناد میں ان کے رؤساء و سردار آگے آگے ہوتے ہیں، پیمبروں کے دلائل و شواہد، وہ سب بے اثر رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ قوم تباہ و ہلاک ہو کر رہتی ہے۔ اَوَ...... اٰبَآءَكُمْ۔ پیمبروں کا جواب ہمیشہ یہی رہا ہے کہ اپنے آبائی ریت و رسم اور ہماری لائی ہوئی شریعت کا مقابلہ کر کے دیکھ لو نا! کہ کون عملی، اخلاقی، ہر اعتبار سے بہتر ہے۔ رسول کے پیش کئے ہوئے دلائل پر غور نہ کرنے اور اپنی ضد، ہٹ، تعصب تقلید پرستی پر قائم رہنے کی پوری مذمت آیت سے نکلتی ہے۔ فیه الدلالة علی ابطال التقلید لذمه ایاهم علی تقلید اٰبائهم و ترکهم النظر فی ما دعا هم الیه الرسول ﷺ (جصاص) و۱۸ قوم عرب جو قرآن کی مخاطب اول تھی اور سب سے زیادہ تقلید آبائی اور جمود میں گرفتار، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی نسل سے تھی۔ حالانکہ آپ خود موحد اعظم تھے۔ ایک خاص غایت اس محل پر آپ کے ذکر کی یہ بھی ہے۔ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ۔ ابراهیم اور آپ کے والد آزر دونوں پر حاشیے پہلے گذر چکے۔ قَوْمِهٖ۔ ضمیرہ۔ ابراھیم کی طرف بھی جا سکتی ہے اور ابیہ کی طرف بھی حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ۔ کلدانی قوم بت پرستی اور ستارہ پرستی کے دہرے شرک میں مبتلا تھی۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق سابق کے حاشیوں میں گذر چکا۔ و۱۹ ایک موحد کی یہی شان ہے کہ وہ اسی طرح شرک و متعلقاتِ شرک سے اپنی بے تعلقی و بیزاری کا اظہار کرتا رہے۔ آیت میں اثبات توحید دو گونہ صفات کے لحاظ سے ہے۔ سب کا فاطر و خالق بھی وہی ہے اور سب کا ہادی و مرشد حقیقی بھی وہی۔ و۲۰ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام خود ہی تنہا موحد نہ تھے بلکہ اپنے سلسلہ میں بھی یہی پیام توحید چھوڑ گئے۔ جَعَلَهَا۔ ضمیر ھا کلمۂ توحید کی جانب ہے۔ ای کلمة التوحید التی تکلم بها (کبیر) و۲۱ (اور وہ اسی متاع دنیوی میں مشغول و منہمک ہو کر دین حق کی طرف سے غافل بلکہ منکر ہو بیٹھے) هٰٓؤُلَآءِ۔ یعنی قوم عرب جس کا ذکر ابھی فِیْ عَقِبِهٖ میں ضمناً آ چکا ہے۔ یعنی اهل مکة وهم من عقب ابراهیم بالمد فی العمر والنعمة (کبیر) قال مجاهد وقتادة یعنی کلمة التوحید (معالم) الْحَقُّ۔ یعنی قرآن مجید۔ یعنی القراٰن (معالم) رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ۔ یعنی محمد مصطفےٰ ﷺ۔ و۲۲ یہ آخری اعتراض ہے جو رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر معاندین کی طرف سے ساحر وغیرہ قرار دیئے جانے کے بعد عائد کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ اگر یہ واقعی رسول ہیں تو یہ ہم میں سے کوئی بہت بڑے آدمی بلحاظ جاہ و تمول کے کیوں نہ ہوئے؟ کہ عوام اپنے رؤساء کی راہ پر قدرۃً چلنے لگتے ہیں۔ گویا اعتراض کی اصل یہ تھی کہ ان لوگوں کے زعم میں جاہ و ریاست لوازم نبوت و مقبولیت میں سے ہے۔ هٰذَا...... كٰفِرُوْنَ۔ معاندین نے اعجاز قرآنی سے عاجز و لاجواب ہو کر یہی کہنا شروع کیا تھا کہ یہ کلام جو اس درجہ موثر ہے، یہ تو سحر و ساحری کا نتیجہ ہے۔ اَلْقَرْیَتَیْنِ۔ دو شہروں سے مراد مکہ و طائف ہیں جو اس وقت حجاز کے مرکز تہذیب و تمدن تھے۔ عَظِیْمٍ۔ یہ صفت رَجُلٍ کی ہے۔ مراد یہ ہے کہ قرآن کو نازل ہی ہونا تھا تو کسی صاحب مال و جاہ یا صاحب ریاست پر کیوں نہ نازل ہوا۔ هو الذی یکون کثیر المال والجاه (کبیر) قریش کے ہاں اکثر جاہلی قوموں کی طرح کسی شخص کا اولاد اکبر میں سے ہونا ایک بڑا معیار ریاست و سرداری کا تھا۔ ہمارے حضور ﷺ کے والد اول تو اپنے والد کی اولاد اکبر نہ تھے۔ اور پھر حضور ﷺ کی پیدائشی یتیمی، جس کی بناء پر آپ اپنی کفالت کے لیے پہلے دادا اور پھر ایک نسبتاً مفلس چچا کے دستِ نگر رہے۔ یہ سب باتیں مل ملا کر آپ کو کسی طرح بھی قریش کی نظر میں "عظیم" نہیں بننے دیتی تھیں۔

رَحۡمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى

رحمت (خاصہ) کو تقسیم یہ لوگ کرتے ہیں ف۲۳ ہم نے تو اُن کے درمیان اُن کی دنیوی زندگی (تک) میں

الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ

ان کی روزی تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کے درجے دوسرے سے بلند کر رکھے ہیں

لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا ؕ وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ خَيۡرٌ

تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے، اور آپ کے پروردگار کی رحمت اس سے (کہیں) بہتر ہے

مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ النَّاسُ اُمَّةً

جسے یہ لوگ سمیٹے رہتے ہیں ف۲۴ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقہ کے

وَّاحِدَةً لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ يَّكۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُيُوۡتِهِمۡ سُقُفًا

ہو جائیں گے تو جو لوگ (خدائے) رحمٰن سے کفر کرتے ہیں اُن کے گھروں کی چھتیں

مِّنۡ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيۡهَا يَظۡهَرُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوۡتِهِمۡ اَبۡوَابًا

ہم چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی (چاندی کے کر دیتے) جن پر یہ چڑھا کرتے اور اُن کے مکانوں کے دروازے (تک بھی)

وَّسُرُرًا عَلَيۡهَا يَتَّكِـُٔوۡنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخۡرُفًا ؕ وَاِنۡ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا

اور وہ تخت بھی جس پر یہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سونے کی بھی (یہ چیزیں کر دیتے) ف۲۵ لیکن یہ سب سامان

مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۵﴾

صرف دنیاوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے، اور آخرت تو آپ کے پروردگار کے ہاں خداترسوں ہی کے لئے ہے ف۲۶

وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ

اور جو کوئی بھی (خدائے) رحمٰن کی نصیحت کی طرف سے اندھا بن جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہ اس کے

قَرِيۡنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمۡ لَيَصُدُّوۡنَهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ وَيَحۡسَبُوۡنَ

ساتھ رہتا ہے ف۲۷ اور وہ (شیاطین) ان لوگوں کو راہ (راست) سے روکتے رہتے ہیں اور یہ (اپنے لئے) خیال کرتے رہتے

ع ۱۰ / ۹

ف۲۳ کیا یہ احمق یہ سمجھتے ہیں کہ نبوت جو اللہ کا سب سے بڑا ممکن عطیہ ہے اور خاص الخاص رحمت وعنایت، اس کی تقسیم ان لوگوں کے صلاح ومشورہ سے کی جاتی ہے؟ اللہ ہی سب کی صلاحیتوں، اہلیتوں استعدادوں کا علم کامل رکھتا ہے اور اسی نے اپنے اس ہمہ گیر علم کی مناسبت سے موزوں ترین شخص کو اس منصب پر مامور کیا ہے۔ رَحۡمَتَ رَبِّكَ۔ رحمة کے عام معنٰی کے علاوہ یہاں خصوصی اشارہ نبوت کی جانب بھی سمجھا گیا ہے۔ ای النبوة (مدارک) ف۲۴ مطلب یہ ہوا کہ دنیوی نعمتیں جو اس قدر حقیر ہیں، ان تک کی تقسیم اور ان کا انتظام ہم نے اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا ہے تو نبوت جیسی گراں بہا نعمت کسی مخلوق کے ہاتھ میں کیسے چھوڑی جاسکتی تھی؟ اس کی تقسیم اور اس کا انتظام تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ آیت سے دو اور امور بھی مستنبط ہوتے ہیں:۔(۱) دنیا میں معاشی تقسیم یوں ہی اٹکل پچو نہیں، ایک خاص نظام تکوینی کے ماتحت چل رہی ہے۔ (۲) معاشی حیثیت سے بھی درجات کا فرق بالکل فطری وطبعی ہے۔ کوئی دائن ہوگا، کوئی مدیون، کوئی دولت مند، کوئی بے مایہ۔ رَفَعۡنَا...... سُخۡرِيًّا۔ معاشرہ میں فرق مراتب بالکل فطری وطبعی ہے۔ کوئی دولت مند ہوگا کوئی نادار، کوئی افسر کوئی ماتحت۔ بے طبقات معاشرہ (Jassless, Society) کا لفظ ہی سرے سے بے معنٰی ہے...... اسلام صرف جور وجبر کو روکتا ہے۔ کسی پر ظلم کی گنجائش شریعت اسلامی میں نہیں۔ باقی بڑے چھوٹے کا نفس فرق تو قائم رہے گا۔ اور اسے قائم رہنا چاہئے۔ رَحۡمَتُ رَبِّكَ۔ رحمة سے یہاں بھی مراد نبوت یا دین الٰہی سے لی گئی ہے۔ ای النبوة او دین اللہ (مدارک) ف۲۵ مطلب یہ ہوا کہ دنیا اور اس کا سارا ساز وسامان اللہ کے ہاں اس قدر حقیر و بے وقعت ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ خلقت کا رجحان تمام تر کفر کی جانب ہوجاتا اور قریب قریب سب ہی ملت کفر اختیار کرنے لگتے تو اللہ صرف کافروں ہی کو دولت دنیوی وسامان مادی سے نواز دیتا۔ یہاں تک کہ ان کے گھر، در فرنیچر سب کو چاندی سونے سے منڈھ دیتا، سب کو چاندی سونے کا بنا دیتا، لیکن اگر ایسا ہوتا تو لوگ یہی سمجھنے لگتے کہ مقبولیت طریق کفر کو حاصل ہے، اور اسی طرف جھک پڑتے۔ والمقصود من هذا الكلام تحقير الدنيا و بيان ما فى المال والجاه من المضار العظيمة وذلک لان كثرة المال والجاه تجعل الانسان كالاعشى عن مطالعة ذكر الله تعالىٰ ومن صار كذلک صار جليسًا للشيطان (کبیر) آیت سے یہ بھی نکل آیا کہ مال وجاہ کی افراط نقصان وحرمان ہی کا باعث ہوتی ہے۔ تثبت بما ذكرنا ان كثرة المال والجاه توجب كمال النقصان والحرمان فى الدين والدنيا (کبیر) آیت سے ان "مصلحین" کی روش پر بھی روشنی پڑ گئی جو اپنی تحریروں، تقریروں میں یورپ اور امریکا کے مال ودولت کا ذکر للچائے ہوئے لہجہ میں کرتے رہتے اور مسلمانوں کو اس طرح ترغیب دیتے رہتے ہیں کہ جیسے یہ زرداری ہی ترقی کی معراج ہے۔ ف۲۶ یعنی دنیا تو پوری کی پوری ہاتھ آجانے کے بعد بھی بہرحال فانی ہی فانی ہے۔ سرتاسر ناقابل قدر وناقابل طلب۔ قابل قدر وقابل طلب تو صرف آخرت ہے اور وہ تقوی یعنی ایمان وطاعت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ علماء حق نے کہا ہے کہ آیت سے چار مضمون پیدا ہوتے ہیں:۔(۱) مؤمنین کے حق میں رعایت کہ کہیں یہ پھسل نہ جائیں اور دولت کو رضاء الٰہی سمجھنے لگیں۔ (۲) آخرت کی تخصیص مومنین متقین کے ساتھ (۳) دنیا کی تحقیر اور اس کی اصلاً تخصیص کافروں کے ساتھ۔ (۴) چاندی اور سونے کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ، کہ جو چیز کافروں کے سزاوار ہے، مومن کے پسند کی نہ ہونا چاہیے۔ ف۲۷ (اور ہر وقت اُسے بدی کی ترغیب دیتا رہتا ہے) نُقَيِّضۡ...... قَرِيۡنٌ۔ یعنی انسان جب اپنے قصد وارادہ سے کج روی اختیار کر لیتا ہے تو قوائے شیطانی بھی خارج سے برابر اس کی کج روی وگمرہی کو تقویت پہنچاتے رہتے ہیں۔ ایسا شخص گو سزائے ظاہری سے سر دست محفوظ ہو، لیکن یہ عذاب کچھ کم ہے کہ ترقی سیئات ہی میں کرتا چلا جارہا ہے۔ اس فعل تقییض کی نسبت اللہ کی طرف بالکل ایسی ہی ہے جیسے فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ میں ازاغۂ قلب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ محض علت علل یا تکوینی مسبب الاسباب کی حیثیت سے۔ اس تقییض سے مراد تقییض خصوصی ہے، جس سے ضلالت مرتب ہی ہوجائے۔ ورنہ شیطان تو عمومی رنگ میں ہر انسان کے ساتھ رہتا ہی ہے جیسا کہ حدیث نبوی میں آچکا ہے۔ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ۔ یعنی قرآن اور وحی الٰہی کی طرف سے۔ وَمَنۡ...... الرَّحۡمٰنِ۔ اشارہ قرآن کے مخاطبین اول کی جانب ہے جو رسالت کے دلائل اور اعجاز قرآنی کی طرف سے قصداً آنکھیں بند کیے رہتے تھے۔ آیت سے جب یہ معلوم ہوگیا کہ قرآن وذکر الٰہی کی طرف سے ارادی غفلت ہی تسلط شیطانی کا باعث ہوتی ہے تو اس مصیبت سے بچنے کا یہ کھلا ہوا علاج بھی نکل آیا کہ قرآن وذکر کی جانب مشغولی دوام رہے۔ وفيه اشارة الى ان من داوم عليه لم يقرنه الشيطان (مدارک)۔

اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيۡتَ بَيۡنِىۡ

ہیں کہ ہم راہ یاب ہیں وہ ۲۸ (یہ تغافل قائم رہتا ہے) یہاں تک کہ جب وہ شخص ہمارے پاس آجاتا ہے تو (شیطان اُس سے) کہتا

وَبَيۡنَكَ بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَيۡنِ فَبِئۡسَ الۡقَرِيۡنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنۡ يَّنۡفَعَكُمُ

ہے کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا تو وہ (شیطان) کیسا برا ساتھی ہے وہ ۲۹ اور آج یہ بات بھی

الۡيَوۡمَ اِذۡ ظَّلَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ فِى الۡعَذَابِ مُشۡتَرِكُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنۡتَ

تمہارے کام نہ آئے گی، جب کہ تم خود کفر کر چکے ہو کہ تم عذاب میں (دوسروں کے ساتھ) شریک ہو وہ ۳۰ تو کیا آپ

تُسۡمِعُ الصُّمَّ اَوۡ تَهۡدِى الۡعُمۡىَ وَمَنۡ كَانَ فِىۡ ضَلٰلٍ

بہروں کو سنا سکتے ہیں؟ یا اندھوں کو اور اُن لوگوں کو جو صریح گمراہی میں ہیں رستہ

مُّبِيۡنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذۡهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنۡهُمۡ مُّنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۴۱﴾

دکھا سکتے ہیں وہ ۳۱ پھر اگر ہم آپ کو اُٹھا لیں تو بھی ہم ان (کافروں) سے بدلہ لے کر رہنے والے ہیں

اَوۡ نُرِيَنَّكَ الَّذِىۡ وَعَدۡنٰهُمۡ فَاِنَّا عَلَيۡهِمۡ مُّقۡتَدِرُوۡنَ ﴿۴۲﴾

یا اگر ہم انہیں وہی دکھلا دیں جس کا ہم نے اُن سے وعدہ کر رکھا ہے تو ہم اس پر بھی قادر ہیں وہ ۳۲

فَاسۡتَمۡسِكۡ بِالَّذِىۡۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ‌ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ

بہر حال آپ اس (کلام) سے تمسک کئے جایئے جو آپ پر وحی کیا گیا ہے، آپ بے شک سیدھے راستہ

مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكۡرٌ لَّكَ وَلِقَوۡمِكَ‌ۚ وَسَوۡفَ

پر ہیں، اور یہ (قرآن) آپ کے اور آپ کی قوم کے لئے بڑے شرف کی چیز ہے اور عنقریب

تُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ

تم سب سے پوچھا وہ ۳۳ جائے گا اور آپ اُن (سب) پیمبروں سے جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے، دریافت کر لیجئے

اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِهَةً يُّعۡبَدُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَلَقَدۡ

کہ کیا ہم نے (خدائے) رحمٰن کے سوا دوسرے خدا ٹھہرا دیئے تھے کہ اُن کی پرستش کی جائے؟ وہ ۳۴ اور

ع ۱۰

وہ ۲۸ (اوراس غلط اطمینان اور تغافل کی بدولت کبھی ضرورت ہی مزید تحقیق وکاوش کی نہیں سمجھتے) کیا حد ہے ان کی گمراہی کی کہ عین گمراہی کو ہدایت سمجھ رہے ہیں! وَاِنَّهُمۡ...... السَّبِیۡلِ۔ لوگوں کو راہ حق سے روکنا بھی تسلط شیطانی ہے۔ اَنَّهُمۡ میں ضمیر ھم شیاطین کی طرف ہے۔ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ۔ اس میں ضمیریں سب انہیں اندھے بن جانے والے انسانوں کی طرف ہیں۔ای العاشون (مدارک) وہ ۲۹ انکشاف حقیقت کے وقت انسان حسرت وندامت میں سب کچھ کرے گا کہ کیوں شیطان کا ساتھ ہوا۔ لیکن اس وقت سب بیکار ہوگا۔ ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ کافر کا شیطان خواب وخور میں اس کا شریک رہتا ہے۔ اور مومن کا شیطان منتظر رہتا ہے کہ کب اسے غفلت ہو اور پہنچے اور اسے دبائے۔ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا۔ یعنی یہ تغافل اور یہ مغالطہ بس وہی دنیوی زندگی تک رہتا ہے۔ اس کے ختم ہوتے ہی کشف حقائق ہونے لگتا ہے۔ بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَيۡنِ سے محاورہ میں مراد دو مشرقوں سے نہیں بلکہ مشرق ومغرب سے ہوتی ہے۔ یرید المشرق والمغرب والاصل بعد المشرق من المغرب والمغرب من المشرق (کشاف) ومن عادة العرب تسمیة الشیئین المتقابلین باسم احدھما (کبیر) وہ ۳۰ یعنی جو لوگ دنیا میں کافر مرے، ان کی تسکین اس سے ذرا بھی نہ ہو سکے گی کہ دوسرے بھی بہت سے ان کے ساتھ دوزخ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور مرگِ انبوہ جشنے دارد کا قانون وہاں بالکل نہ چل سکے گا۔ اِذۡ ظَّلَمۡتُمۡ۔ ظلم یہاں بھی کفر ہی کے معنی میں ہے۔ ای اشرکتم فی الدنیا (معالم) وہ ۳۱ یعنی ایسے ارادی کج رووں اور گمراہوں کی ہدایت آپ کے اختیار سے خارج ہے۔ آپ ذرا بھی اس کے درپے نہ ہوں۔ وہ ۳۲ مطلب یہ ہوا کہ ان کا عصیان وطغیان خالی جانے والا نہیں۔ عذاب ان پر ضرور مرتب ہوگا۔ خواہ آپ کی حیات ہی میں ہو یا آپ کے بعد ہو، ہم بہر صورت قادر ہیں۔ وہ ۳۳ (کہ اپنے اپنے ذمہ کے حقوق قرآن کہاں تک ادا کئے) آپ سے سوال تبلیغ سے متعلق ہوگا۔ اور ان لوگوں سے اس پر عمل کا۔ ذِکۡر یہاں شرف کے معنی میں ہے۔ ای شرف لک ولقومک (راغب) معناہ لشرف لک ولقومک قالہ ابن عباس ومجاھد وقتادة والسدی وابن زید واختارہٗ ابن جریر (ابن کثیر) ای انہ یوجب الشرف العظیم لک ولقومک (کبیر) لَّكَ وَلِقَوۡمِكَ۔ موجب شرف ہونا آپ کے لئے تو اس لئے کہ آپ براہ راست مخاطب تھے اور آپ کی قوم کے لئے اس واسطے کہ وہ بالواسطہ مخاطب تھی اور اس طرح اس کے واسطے سے آپ کی اور آپ کی قوم دونوں کی نیک نامی اور بلند نامی قیامت تک قائم رہے گی۔ فقہاء مفسرین نے یہاں سے یہ پہلو بھی پیدا کیا ہے کہ بندۂ مومن کو اپنی نیک نامی دل سے عزیز رکھنا چاہیے۔ واعلم ان ھذہ الاٰیة تدل علی ان الانسان لابد وان یکون عظیم الرغبة فی الثناء الحسن والذکر الجمیل ولو لم یکن الذکر الجمیل امرًا مرغوبًا فیہ لما منّ اللہ بہ علٰی محمد ﷺ (کبیر) قوم سے مراد قوم عرب بھی ہو سکتی ہے اور ساری امت بھی۔ القوم ھم العرب فالقراٰن لھم شرف اذا نزل بلغتھم (معالم۔ عن مجاہد) والقوم علٰی ھذا قریش ثم العرب قالہ ابن عباس ومجاھد وقتادة والسدی وابن زید (بحر) وقال الحسن القوم ھنا امة (بحر) ای لامتک (مدارک) فَاسۡتَمۡسِكۡ بِالَّذِىۡۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ۔ قرآن مجید کی تبلیغ بھی تمسک بالقرآن ہی کی ایک فرد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیرت انگیز ومعجزانہ استقامت پر فرنگی شہادت کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ وہ ۳۴ یعنی ان کی کتابوں اور صحیفوں سے جیسے کچھ وہ موجود ہیں تحقیق کر لیا جائے۔ لیس المراد بسؤال الرسل حقیقة السؤال ولکنہ مجاز عن النظر فی ادیانھم والفحص عن مللھم (مدارک) والمراد بہ الاستشھاد باجماع الانبیاء علی التوحید (بیضاوی) "اس سے اوروں کا سنانا منظور ہے کہ جس کا جی چاہے تحقیق کر لے اور کتابوں میں دیکھنے کو رسولوں سے پوچھنا مجازاً کہہ دیا۔ جیسے ہمارا بھی محاورہ ہے کہ کسی مسئلہ طبیہ مختلف فیہا کو مختلف کتابوں میں دیکھا ہو، پھر کہتے ہیں کہ آؤ ذرا شیخ بو علی سینا سے پوچھیں کہ وہ کیا کہتا ہے اور یہ کہہ کر قانون شیخ دیکھنے لگیں۔" (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیۡ

ہم نے موسٰی کو اپنے نشانات کے ساتھ فرعون اور اُس کے امراء کے پاس بھیجا تھا تو انھوں نے فرمایا کہ میں

رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِاٰیٰتِنَاۤ اِذَا هُمۡ مِّنۡهَا

پروردگار عالم کی طرف سے پیمبر ہوں لیکن جب وہ ہمارے نشانات لے کر آئے تو اُن لوگوں نے کیا کیا کہ لگے

یَضۡحَكُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِیۡهِمۡ مِّنۡ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكۡبَرُ مِنۡ اُخۡتِهَا ۫

اُن پر ہنسنے اور ہم اُن کو جو بھی نشانی دکھاتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑی ہوتی تھی

وَاَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡعَذَابِ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوۡا یٰۤاَیُّهَ

اور ہم نے انھیں عذاب میں پکڑا کہ شاید وہ باز آ جائیں ف۳۵ اور وہ بولے کہ اے

السّٰحِرُ ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنۡدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۴۹﴾

جادوگر اپنے پروردگار سے ہمارے حق میں اس چیز کی دعا کر جس کا اُس نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے (اب) ہم ضرور راہ

فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِذَا هُمۡ یَنۡكُثُوۡنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰی

پر آجائیں گے ف۳۶ پھر جب ہم نے اُن سے عذاب ہٹا دیا، جبھی انھوں نے عہد بھی توڑ دیا ف۳۷ اور فرعون نے

فِرۡعَوۡنُ فِیۡ قَوۡمِهٖ قَالَ یٰقَوۡمِ اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡكُ مِصۡرَ

اپنی قوم میں منادی کرا دی یہ کہا کہ اے میری قوم والو کیا مصر کی سلطنت میری نہیں

وَهٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِیۡ ۚ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۵۱﴾ ؕ اَمۡ

اور یہ نہریں میرے تخت میں بہہ رہی ہیں، کیا تم (سب) یہ نہیں دیکھتے ہو؟ ف۳۸ تو (بھلا بتاؤ) کہ کیا

اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ هُوَ مَهِیۡنٌ ۬ۙ وَّلَا یَكَادُ یُبِیۡنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوۡ

میں افضل (نہیں) ہوں اس شخص سے جو بے وقعت ہے اور بولنا تک اسے نہیں آتا ف۳۹ سو

لَاۤ اُلۡقِیَ عَلَیۡهِ اَسۡوِرَةٌ مِّنۡ ذَهَبٍ اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ

اس کے (ہاتھوں میں) سونے کے کنگن کیوں نہیں پڑے ہوئے ہیں ف۴۰ یا اس کے جلو میں فرشتے ہی

ف۳۵ (اپنے کفر و عناد سے) وَمَا نُرِیۡهِمۡ...... اُخۡتِهَا۔ یہاں ایت یا نشانی سے قحط وغیرہ کے تو مشہور معجزے یا خوارق مراد ہیں۔ ’’مطلب یہ کہ سب نشانیاں بڑی ہی تھیں۔ اور یہ مطلب نہیں کہ ہر نشانی ہر نشانی سے بڑی تھی۔ یہ ایک محاورہ ہے۔ جب کئی چیزوں کا کمال بیان کرنا ہوتا ہے تو یوں ہی بولتے ہیں کہ ایک سے بڑھ کر ایک۔‘‘ (تھانوی علیہ الرحمۃ) وَلَقَدۡ...... فِرۡعَوۡنَ۔ ایات سے مراد یہاں دلائل ومعجزات دونوں ہیں۔ مُوۡسٰی، فِرۡعَوۡنَ۔ ان پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ قوم فرعون ایک پروردگار عالم کے تخیل سے بھی نا آشنا تھی اور نبوت و رسالت کے عقیدہ سے بھی۔ قرآن مجید کے مختصر سے فقرہ میں دونوں عقیدوں کی تبلیغ آ گئی۔ اِذَا هُمۡ مِّنۡهَا یَضۡحَكُوۡنَ۔ پیام موسوی پر ایمان لانا تو الگ رہا۔ معجزات موسوی و دلائل موسوی کو سرے سے نا قابلِ التفات سمجھتے اور الٹا ان پر مضحکہ کرتے رہتے تھے۔ ف۳۶ فرعون اور فرعونی گو حضرت موسٰی علیہ السلام کے شدید مخالف اور عقیدۂ نبوت کے یکسر منکر تھے تاہم ایک زبردست عامل کی طرح آپ کو سحر و کہانت وغیرہ میں کامل سمجھتے اور آپ کی قوتِ تسخیر تکوینی کے پوری طرح قائل تھے اور یہ یقین رکھتے تھے کہ دنیوی بلائیں اور مصیبتیں آپ کی وساطت سے آ بھی سکتی ہیں اور دور بھی ہو سکتی ہیں۔ توریت میں اس موقع پر ہے:۔ ’’تب فرعون نے موسٰی اور ہارون کو بلایا اور کہا کہ خداوند سے شفاعت کرو کہ مینڈکوں کو مجھ سے اور میری رعیت سے دفع کرے اور میں ان لوگوں کو جانے دوں گا تا کہ وہ خداوند کے لئے قربانی کریں۔ (خروج۔ ۸:۸)‘‘ اور فرعون بولا کہ میں تمہیں جانے دوں گا تا کہ تم خداوند اپنے خدا کے لئے بیابان میں قربانی کرو۔ لیکن تم بہت دور مت جاؤ۔ میرے لئے شفاعت کرو (۸:۲۸) یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ۔ اہل مصر حضرت موسٰی کی قوتِ اعجازی کے پوری طرح قائل تھے البتہ وہ اس کو آپ کی صداقت کی دلیل نہ سمجھتے اور نبوت و رسالت کا تو مسئلہ ہی سرے سے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور آپ کے لائے ہوئے تمام خوارق کو آپ کی زبردست قوتِ تسخیر تکوینی پر محمول کر رہے تھے۔ اِنَّنَا لَمُهۡتَدُوۡنَ۔ یعنی اب ہم قائل ہو جائیں گے اور اس کے بعد وہی ماننے لگیں گے۔ جو آپ علیہ السلام ہم سے منوانا چاہتے ہیں۔ ف۳۷ توریت میں ہے:۔ ’’پھر جب فرعون نے دیکھا کہ مہلت ملی تو اس نے اپنا دل سخت کیا اور جیسا خداوند نے کہا تھا ان کی نہ سنی۔‘‘ (خروج۔ ۸:۱۵) ’’فرعون نے اس بار بھی اپنا دل سخت کیا ان لوگوں کو ہرگز جانے کی رخصت نہ دی۔‘‘ (۸:۳۲) ’’تو بھی فرعون کا دل سخت ہوا اور اس نے لوگوں کو جانے نہ دیا۔‘‘ (۹:۷) ’’اور خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا۔ اور اس نے جیسا کہ خداوند نے موسٰی سے کہا تھا ان کی نہ سنی۔‘‘ (۹:۱۲) غرض جب جب مصیبت ان سے دور ہو جاتی تھی یہ اپنے سارے عہد و پیمان بھول بھال پھر وہی حضرت موسٰی کی مخالفت اور سرکشی پر آ جاتے تھے ف۳۸ فرعون کے اس اعلان خسروی کا مضمون یہ تھا کہ حکومت، جائز و قانونی حکومت تو مصر بھر اور اس کے توابع پر میری ہے، میری حکومت کے خلاف یہ باغی ہے کون جو کھڑا ہوا ہے؟ الۡاَنۡهٰرُ۔ انہار کے مفہوم دو ہو سکتے ہیں اور اردو میں ان کے لئے لفظ بھی دو ہیں۔ ایک تو انسانی صنعت سے تیار کئے ہوئے پانی کے چشمے اور دھارے۔ انھیں اردو میں نہر کہتے ہیں۔ دوسرے قدرتی ندیاں یا دریا۔ یہاں دونوں مراد ہو سکتی ہیں۔ ندیاں تو عظیم الشان مصری دریا نیل کی شاخیں ہیں۔ آگے چل کر دریائے نیل متعدد چھوٹی چھوٹی شاخوں میں تقسیم ہو گیا ہے اور اگر نہریں سمجھی جائیں تو وہ نہریں مراد ہوں گی جن کا جال فرعونانِ مصر نے ملک بھر میں بچھا رکھا تھا۔ مِنۡ تَحۡتِیۡ۔ یعنی میری ماتحتی میں۔ میرے احکام کے مطابق۔ ای من تحت امری (روح) ف۳۹ حضرت موسٰی کی قومی برتری کی نفی تو فرعون ابھی اوپر کر چکا۔ اب ذاتی و شخصی تنقیص کر رہا ہے۔ کہتا ہے۔ اسے تقریر تو آتی نہیں۔ اَمۡ۔ مفسرین اور اہل نحو کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ ام یہاں کلمہ استفہام نہیں بلکہ بل کے مرادف ہے۔ ام بمعنی بل ولیس بحرف عطف علی قول اکثر المفسرین (معالم) قال السدی یقول بل انا خیر من هذا الذی هو مهین وهکذا قال بعض نحاة البصرة ان ام ههنا بمعنی بل (ابن کثیر) لَا یَكَادُ یُبِیۡنُ۔ خوش تقریری اس دور تمدن میں بھی ایک اعلیٰ کمال و فضیلت سمجھی جاتی تھی۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کی قوتِ تقریر کی کمی پر ملاحظہ ہو سورۂ طٰہٰ (پ۱۶) کے حاشیے۔ هٰذَا الَّذِیۡ هُوَ مَهِیۡنٌ۔ یعنی یہ شخص تو کوئی چھوٹا موٹا سا حاکم بھی نہیں بلکہ الٹا مع اپنے سارے کنبہ قبیلہ کے میری ادنیٰ رعایا ہے۔ ف۴۰ (جو جاہلی تہذیب و تمدن میں ایک اعلیٰ معیار منصب و اعزاز تھا) مصری نظامِ حکومت میں جب بادشاہ کی خاص نظر عنایت کسی پر ہوتی تھی۔ کسی معمولی انسان کو نواب یا رئیس با اختیار بنایا جاتا تھا تو بطور اعزاز اُسے سونے کے زیور پہنائے جاتے تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

ف۴۱ مشرکوں کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ کوئی انسان محض عام اور معمولی انسانیت کے ساتھ نبی کیونکر ہوسکتا ہے۔ ان کے عقیدہ میں خدا کا اوتار جب دنیا میں آئے گا تو لازم ہے کہ فوق الانسان ہستیوں کے پورے ساز وسامان کے ساتھ آئے۔ ف۴۲ یعنی مصری قوم بھی اپنے بادشاہ کی ہم زبان وہم خیال ہوگئی اور وہ تھی بھی پہلے ہی سے گمراہ...... عقیدے تو مصریوں کے وہی تھے ہی جو خود فرعون کے تھے۔ اب سیاسی حیثیت سے بھی موسیٰ علیہ السلام کے باب میں قوم اپنے بادشاہ کی ہم خیال ہوگئی۔ ف۴۳ یعنی بعد کی نسلیں ان کی سرکشی اور پھر غرقابی کے قصے یاد کر کے ان کے حال سے عبرت پکڑیں۔ اٰسَفُوْنَا۔ پر ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ غرقابی فرعون پر حاشیے سورۃ البقرہ (پ۱) میں گذر چکے۔ ف۴۴ قرآن مجید میں دوسرے پیمبروں کی طرح حضرت مسیح کا بھی ذکر بارہا بطور نمونہ ونظیر کے آیا ہے۔ مشرکین عرب ان کا معبود مانا جانا بھی سن چکے تھے۔ اب جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ان کی مدح وتوصیف سنی تو اپنی سفاہت وحماقت سے مارے خوشی کے اچھل پڑے۔ گویا کوئی بڑی سخت گرفت ان کے ہاتھ آگئی۔ وہ بول اٹھے کہ جب مسیح باوجود اپنی معبودیت کے قابل مدح وداد ہوسکتے ہیں تو پھر آخر ہمارے دیوتاؤں، ٹھاکروں نے کیا برائی کی ہے! کیوں نہ مسیح کی طرح یہ بھی بزرگ ومقبول سمجھے جائیں؟ ف۴۵ نہ کہ تحقیق وطلب حق کے لئے) مشرکوں نے عیسائیوں کے مسیح، اور قرآنی مسیح کے درمیان خلط کردیا۔ کمال حماقت سے مسلمانوں کو مسیحی سمجھ لیا اور ان کے سامنے بطور حجت الزامی وہ چیز پیش کی جو صرف مسیحیوں کے مقابلہ میں پیش کی جاسکتی ہے۔ مسلمان حضرت مسیح علیہ السلام کو معبود سمجھتے ہی کب اور کہاں

مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

پرے باندھے ہوئے آتے ف۴۱ غرض اُس نے اپنی قوم کو مغلوب کرلیا اور انہوں نے اس کا کہا مان لیا، وہ لوگ تھے ہی

قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

شرارت سے بھرے ف۴۲ پھر جب ان لوگوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے اُن سے بدلہ لے لیا، اور ہم نے ان سب کو

اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَمَّا

ڈبو دیا، تو ہم نے انہیں پچھلوں کے حق میں (ایک خاص قسم کا) پیشرو اور نمونہ (عبرت) بنادیا ف۴۳ اور جب

ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْۤا

ابن مریم کو نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا تو آپ کی قوم والے یہ سن کر (مارے خوشی کے) اُچھل پڑے اور بول اٹھے

ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ

کہ اچھا تو افضل ہمارے دیوتا ہوئے یا وہ؟ ف۴۴ (حقیقت یہ ہے کہ) انہوں نے یہ آپ کے سامنے محض کٹ حجتی کے طور پر پیش

قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ

کیا ہے ف۴۵ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو ف۴۶ وہ تو بس ہمارے ایک بندہ تھے کہ ان پر ہم نے اپنا فضل کیا تھا اور انہیں

مَثَلًا لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً

بنی اسرائیل کے لئے ایک نمونہ بنایا تھا ف۴۷ اور اگر ہم چاہتے تو ہم تم سے فرشتے پیدا کر دیتے

فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ

جو زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کرتے ف۴۸ اور وہ تو ایک ذریعہ ہیں قیامت کے یقین کا ف۴۹ تو تم لوگ اس میں شک

بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ

مت کرو، اور تم لوگ میری پیروی کرو، یہی سیدھی راہ ہے ف۵۰ اور شیطان تمہیں ہرگز

الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى

روکنے نہ پائے وہ بے شک تمہارا صریح دشمن ہے اور جب عیسیٰ کھلے نشان

ع ۱۱

ہیں؟ وہ تو عین اس عقیدہ پر لاحول پڑھتے ہیں اور اسے کھلا ہوا شرک سمجھتے ہیں۔ معبودیت والے جزء کا جواب تو مسیحیوں سے طلب کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کو اس عقیدہ سے کیا سروکار۔ قرآن تو اور اس کی تردید ہی بار بار کر رہا ہے...... آج ہندوستان میں بھی اچھے خاصے پڑھے لکھے ہندو لفظ مسیح کو مشترک پاکر اسلامی مسیح اور مسیحی مسیح کو ایک سمجھ رہے ہیں اور حضرت مسیح کے بارے میں اسلام اور مسیحیت کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں کرتے۔ ف۴۶ یعنی حق کی طلب نہ رکھنے والے بلکہ صرف کج بحثی میں لگے رہنے والے۔ چنانچہ اس مسئلہ میں بھی عیسائیوں کے عقیدہ کو خواہ مخواہ مسلمانوں پر چپیک دیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت واحترام میں بے شک مسلمان اور عیسائی متحد ہیں، لیکن بس اس کے آگے زمین وآسمان کا فرق ہے مسیحی ان کی معبودیت کے، الوہیت کے قائل ہیں۔ اسلام اس عقیدہ پر لعنت بھیجتا ہے۔ مشرکوں کی غباوت وجہالت ملاحظہ ہو کہ عیسائیوں کی مزعومہ الوہیت ومعبودیت کو بطور استدلال مسلمانوں کے مقابلہ میں پیش کر رہے ہیں۔ لیکن قصور اس معاملہ میں سو فیصد مشرکین عرب کا ہی نہ تھا۔ اس لئے کہ مسیحیت جس طرح کہ وہ اس وقت عرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ خود ہی خالص مسیحیت نہ تھی بلکہ مسیحیت اور شرک کی ایک ملی جلی صورت تھی۔ اور مسیح علیہ السلام کا شمار گویا عرب کے بیشمار دیوتاؤں میں سے بطور ایک نئے دیوتا کے ہونے لگا تھا۔ نیویارک (امریکا) کے مشہور مسیحی سہ ماہی مسلم ورلڈ کے اکتوبر ۱۹۴۱ء نمبر میں ایک مقالہ یونیورسٹی کالج کورنڈ کے استاد الیف۔ وی۔ وینٹ (Winnete) کے قلم سے ہے۔ اس میں وہ یمن وشام، عرب جنوب، عرب شمال کے قدیم کتبات کا جائزہ لے کر لکھتے ہیں کہ "ہمیں جو مرقع نظر آتا ہے وہ مسیحیت اور جاہلیت کا مخلوطہ ہے۔ مسیح نے قدیم دیوتاؤں کو بے دخل نہیں کیا۔ اُن کی فہرست میں خود مسیح کا ایک اضافہ ہوگیا۔ جانور مسیح کے نام پر بھینٹ چڑھائے جاتے تھے۔ ان سے دعائیں اسی طرح کی جاتی تھیں جیسے دوسرے دیوتاؤں سے۔" (صفحہ ۵۳، صفحہ ۵۴) ف۴۷ اسلام کا دعویٰ تو بس اسی قدر ہے۔ وہ تو مسیح کو صرف ایک عبد مقبول ومحترم کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ اس کے اس عقیدہ پر کسی کے عقیدۂ الوہیت ومعبودیت سے آخر کیا زد پڑ سکتی ہے؟ اسلام میں بلند ترین مقام کمال بھی عبدیت کا مقام ہے۔ مَثَلًا لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ۔ نمونہ سے مراد نمونہ قدرت بھی ہوسکتی ہے (جس سے اشارہ حضرت مسیح علیہ السلام کی فوق العادۃ طریق ولادت کی طرف نکلتا ہے) اور یا یہ مراد ہو کہ وہ اُمت اسرائیلی کے لیے بطور نمونہ وقدوہ کے بھیجے گئے تھے۔ ف۴۸ اور یہ چیز تو مسیح علیہ السلام کی بن باپ کی پیدائش سے کہیں بڑھ کر ہوتی) مطلب یہ کہ اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ بے باپ کی ولادت سے بھی کہیں زیادہ عجیب وغریب چیزوں پر۔ وَلَوْ نَشَآءُ۔ یعنی اگر ہماری مشیت تکوینی بھی ہوتی۔ ف۴۹ یہ اشارہ ہے مسیح کی آمد ثانی کی طرف۔ یعنی آپ کا دوبارہ ظہور قرب قیامت کی ایک یقینی علامت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور ثانی کی پوری تفصیلات کتب حدیث میں ملے گی۔ ابواب الفتن، اشراط الساعۃ وغیرہا میں۔ عِلْمٌ یہاں شرط کے معنی میں ہے۔ اے شرط من اشراطها علم به فسمی الشرط علما لحصول العلم (کشاف) لان حدوثه اونزوله من اشراط الساعة یعلم به دنوها (بیضاوی) صحابہ وتابعین سب سے یہی معنی منقول ہیں۔ یدل علی قرب قیامها اذ خروجه شرط من اشراطها وهو نزوله من السمآء فی اٰخر الزمان (بحر) (عن ابن عباسؓ ومجاهد وقتاده والحسن والسدی والضحاک وابن زید) اٰیة الساعة خروج عیسٰی ابن مریم علیه السلام قبل یوم القیامة وهکذا مروی عن ابی هریرة وابن عباس وابی العالیة وابی مالک وعکرمة والحسن وقتادة والضحاک وغیرهم (ابن کثیر) عِلْم کی قرأت بھی یہاں بعض صحابیوں اور تابعین کی روایت سے عَلَم بالفتح ہے۔ جو خود علامت کے معنی میں ہے۔ قرء ابن عباس العَلَم وهو العلامة (کشاف) وقرء ابن عباس وابوهریرة وقتادة بفتح اللام والعین اے امارة وعلامة (معالم) ف۵۰ یعنی پیمبر کی پیروی ہی سیدھی راہ ہے اور اس میں عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، عقیدۂ معاد سب آگئے۔ بِهَا ضمیر السَّاعَةِ کی طرف ہے۔ یعنی

بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ

لے کر آئے ف۵۱ تو انہوں نے فرمایا میں تمہارے پاس حکمت کی باتیں لے کر آیا ہوں، اور اس لئے تاکہ تم پر واضح کروں وہ بعض

الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ

باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو سو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ف۵۲ بے شک اللہ ہی

هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾

میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے اسی کی عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے ف۵۳

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

پھر بھی (مختلف) گروہوں نے آپس میں اختلاف ڈال لیا پس بڑی خرابی ہے ان ظالموں کے لئے

مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ

ایک پُر درد دن کے عذاب سے ف۵۴ یہ لوگ یوم قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں

اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ

کہ وہ بس اُن پر یکبارگی آ پڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو ف۵۵ اُس روز (دنیا کے) جگری دوست

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ

ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر ہاں متقین (نہیں) ف۵۶ اے میرے بندو آج تم پر کوئی

عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے ف۵۷ (یہ وہ لوگ ہیں) جو ہماری آیتوں پر

بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ

ایمان لائے اور (ہمارے) فرمانبردار تھے تم اور تمہاری بیویاں خوش خوش

وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ

جنت میں جا داخل ہو ان کے پاس سونے کی رکابیاں لائی جائیں گی

ع ۱۱/۱۲

وقوع حشر ہرگز کوئی شک وشبہ والی چیز نہیں۔ فی وقوعها (روح) ف۵۱ بَیِّنٰتِ میں احکام، دلائل وخوارق سب آگئے۔ اے بالمعجزات وبالشرائع البینات الواضحات (کبیر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کے جو سلسلہ بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے، ظہور و پیام پر حاشیے پہلے گذر چکے ہیں۔ ف۵۲ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہود مختلف فرقوں میں شدید باہمی اختلافات کے ساتھ بٹے ہوئے تھے اور عقائد واحکام کے باب میں سخت خانہ جنگی برپا تھی یہ اشارے صاف اسی طرف ہیں اور قرآن کے اعجاز پر ایک دلیل مزید ہے۔ عرب کے ایک غریب اُمی کو ایک بالکل دوسری قوم اور دوسرے ملک کے اور وہ بھی ساڑھے پانسو سال قبل کے شدید باہمی اختلافات کی خبر از خود ہو ہی کیا سکتی تھی؟ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ۔ معارف وحقائق کا درس پیمبر سے بڑھ کر اور کون لاتا ہے۔ انہیں علوم حقیقی کو الحکمۃ کے جامع لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۔ ان الفاظ سے صاف اشارہ اس طرف ہوگیا کہ اتباع نبی کی راہ میں اصلی رکاوٹ خوف خدا کا فقدان ہی ہے۔ آپس کی نفسانفسی ضد اور جمود طلب حق کی طرف سے بے التفاتی سب اسی تقوائے الٰہی کی کمی سے پیدا ہوتی ہیں۔ ف۵۳ دین کا اصل الاصول یہی مسئلہ توحید ہے۔ اِنَّ...... رَبُّكُمْ۔ وہ ایک خدا جس طرح تمہارا پروردگار، میرا بھی پروردگار، جیسے تم اس کے بندے میں بھی اس کا بندہ...... مسیحیت پر خاص زد ہے۔ ف۵۴ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ ظلم یہاں بھی کفر کے مرادف ہے۔ اور الذین کفروا کے معنی کافرون ہی کے ہیں۔ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ۔ یعنی حضرت عیسیٰ تو سیدھے سادے مذہب توحید کی دعوت دے گئے تھے۔ یہ تو ان کے مخاطبین تھے۔ جنہوں نے مسلک توحید سے ہٹ کر طرح طرح کے مذہب تراش لئے۔ ان خرافات کی ذمہ داری مذہب اسلام پر یا حضرت مسیح علیہ السلام کی اصل تعلیمات پر کیا آسکتی ہے۔ ف۵۵ ذکر منکرین قیامت کا ہے۔ یہ منکرین انہیں غفلتوں میں پڑے ہوں گے کہ قیامت یک بیک آ واقع ہوگی۔ ف۵۶ عالم آخرت کشف حقائق کا عالم ہے۔ دنیا کی جتنی بھی دوستیوں، محبتوں کی بنیاد باطل پر ہے سب کا بطلان وفساد اس وقت قدرۃً آئینہ ہو کر رہے گا۔ اور ان دوستوں اور محبوں سے نفرت وبیزاری بھی اسی درجہ شدت کے ساتھ پیدا ہو جانی ناگزیر ہے۔ بخلاف اس کے جن دوستیوں، محبتوں کی بنیاد حق وصلاح پر ہوگی۔ ان کا نفع واجر بھی قدرۃً اس وقت پوری طرح مشاہدہ میں آ جائے گا، اور اس لئے ایسے محبوبوں کے ساتھ محبت اور بڑھے گی۔ ف۵۷ یہ ندا حشر میں مومنین کو حق تعالیٰ کی طرف سے دی جائے گی۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے۔ اور حزن کا تعلق ماضی سے۔ یعنی نہ آئندہ کی کسی تکلیف کا اندیشہ کرو۔ اور نہ اب ماضی کی یاد تمہارے دل میں کوئی کیفیت غم کی پیدا کرے گی۔

ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ ۚ وَ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ

اور گلاس (بھی) اور وہاں وہ سب کچھ ملے گا جس کا جی چاہے گا اور جس سے آنکھوں کو

الْاَعْيُنُ ۚ وَ اَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ۚ وَ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ

لذت ملے گی، اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے اور یہی وہ جنت ہے جس کے

اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ

اپنے اعمال کے عوض میں تم مالک بنا دیئے گئے ہو ف۵۸ تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں

مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ

جن سے تم کھا رہے ہو بے شک نافرمان لوگ دوزخ میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ۚ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَ هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ۚ وَ مَا

ہمیشہ رہیں گے وہ اُن سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں مایوس پڑے رہیں گے اور ہم نے

ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ

اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی (اپنے حق میں) ظالم رہے ہیں ف۵۹ اور یہ لوگ پکاریں گے کہ اے مالک

لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ

تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردے وہ کہے گا تمہیں تو (اسی حال میں) پڑا رہنا ہے ف۶۰ بالیقین ہم نے سچا دین

بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا

تم تک پہنچادیا لیکن تم سے زیادہ تر سچے دین سے بیزاری ہی رکھتے ہیں ف۶۱ تو کیا انہوں نے کوئی انتظام کر رکھا ہے؟

فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ۚ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ

ہاں تو ہم نے بھی انتظام کر رکھا ہے، کیا اُن کا یہ خیال ہے کہ ہم اُن کے رازوں کو اور اُن کی سرگوشیوں کو

وَ نَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَ رُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ قُلْ اِنْ

سن نہیں رہے ہیں؟ ضرور (سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھتے (بھی) جاتے ہیں، ف۶۲ آپ کہہ دیجئے کہ اگر

ف۵۸ (جس سے اب کبھی بے دخل نہ ہوگے) یہ منظر سب جنت کے ہیں، ہر نعمت، ہر سرور، ہر لذت، مادی ومعنوی، جسمانی وروحانی ہر قسم کی اہل جنت کو حاصل ہوگی، اس میں کوئی استثناء ہی نہیں۔ وَ فِيْهَا۔ ضمیر ھا جنت کی طرف ہے۔ وَ اَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ اور پھر یہ نعمتیں علاوہ بے انداز وبے حساب ہونے کے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دائمی ہوں گی جن کے قطع ہونے کا کبھی خطرہ ہی نہیں۔ فِيْهَا ...... الْاَعْيُنُ۔ نفس وعین کی لذات کی اس تصریح نے حسی وبصری لذات کی اس صراحت نے ان باطل فرقوں کی جڑ کاٹ دی جو سمجھتے ہیں کہ جنت صرف کیفیات روحانی کا محل ہے۔ اور لذات مادی کا وہاں پتہ نشان بھی نہ ہوگا۔ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ اہل جنت کو بار باراس کا بھی یقین دلا دیا جائے گا کہ تم اب ان نعمتوں کے مالک بنا دیئے گئے ہو۔ بے کھٹکے ان سے جس طرح چاہو لذت گیر ہو۔ اور یہ سب تمہیں اپنے اعمال کے حق سے ملا ہے۔

ف۵۹ (کہ پیام اسلام کو سنا ان سنا کرکے اور کفر وشرک کرکے اپنے ہاتھوں اس مصیبت میں پڑے) الْمُجْرِمِيْنَ۔ مجرمین سے مراد کفر وشرک کے مرتکبین ہیں نہ کہ مطلقاً عاصی۔ اے الراسخين فی الاجرام الكاملين فيه وهم الكفار (روح) اے المشركين (معالم) وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ۔ یہ خدائے اسلام کے صفات میں سے نہیں کہ وہ کسی کو ناحق دوزخ میں ڈال دے۔ یا خواہ مخواہ عذاب میں مبتلا کردے۔ الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالم یہاں بھی کافر کے مرادف ہے۔ اے واضعين الكفر موضع الايمان (بحر) ف۶۰ (نہ مرنا ہے نہ اس سے نکلنا ہے) يٰمٰلِكُ۔ مالک اصطلاحی نام داروغہ جہنم کا ہے۔ يٰمٰلِكُ ...... رَبُّكَ۔ انتہائی اضطرار میں یہ سمجھ کر کہ شاید موت ہی ساری اذیت کا خاتمہ کردے، اہل دوزخ تمنا کرنے لگیں گے کہ کاش ہمیں موت ہی آجائے! ...... اور اس درخواست میں داروغہ جہنم سے سفارش چاہیں گے۔ ف۶۱ دین حق کی تبلیغ کے بعد اس سے اسی انکار وکراہت اعتقادی ہی کا نتیجہ تو دوزخ کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ ف۶۲ (تو بھلا ہم کسی ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیہ سے بھی لاعلم وبے خبر رہ سکتے ہیں!) اَمْ يَحْسَبُوْنَ ...... نَجْوٰىهُمْ۔ یہ مشرکین جو اسلام وبانی اسلام کے خلاف چپکے چپکے اتنی سازشیں اور کمیٹیاں کر رہے ہیں تو کیا یہ احمق یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم ان کے کسی جزئیہ سے ناواقف بھی ہیں؟ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ۔ سر یعنی جو کچھ اپنے دلوں میں یہ منصوبہ باندھتے رہتے ہیں اور اس کو سب سے راز رکھے ہوئے ہیں۔ اور نجوی یعنی جو کچھ یہ اپنے راز دار دوستوں سے چپکے چپکے صلاح ومشورہ کرتے رہتے ہیں۔

كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿٨١﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ

(خدائے) رحمٰن کے اولاد ہو تو سب سے اول عبادت کرنے والا تو میں ہوں و٦٣ پاک ہے آسمانوں کا

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٨٢﴾

اور زمین کا پروردگار، عرش کا پروردگار، اُن چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کر رہے ہیں و٦٤

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَ يَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ

تو آپ انہیں پڑا رہنے دیجئے کہ (یہی) شغل وتفریح کرتے رہیں یہاں تک کہ اس دن سے انہیں سابقہ پڑ جائے جس کا

يُوْعَدُوْنَ ﴿٨٣﴾ وَ هُوَ الَّذِىْ فِى السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِى الْاَرْضِ

ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، و٦٥ اور وہ وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی

اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٤﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ

خدا ہے اور وہی حکیم کل ہے، علیم کل ہے و٦٦ وہ ذات بڑی عالی شان ہے جس کی ملک

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ

آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، وہ سب ہے، اور اُسی کو قیامت کی خبر ہے

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَ لَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ

اور اسی طرف (تم سب) واپس کئے جاؤ گے و٦٧ اور جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انہیں تو

دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾

سفارش (تک) کا اختیار نہیں، ہاں جن لوگوں نے حق کا اقرار کیا اور وہ تصدیق بھی کرتے رہے (وہ البتہ سفارش کر سکیں گے) و٦٨

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں، کہ انہیں کس نے پیدا کیا، تو یہ ہی کہیں گے کہ اللہ نے، پھر آخر یہ کدھر

يُؤْفَكُوْنَ ﴿٨٧﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ ۘ

اُلٹے چلے جارہے ہیں و٦٩ اور (اسے) رسول کے اس کہنے کی (بھی خبر ہے) کہ اے میرے پروردگار یہ لوگ ایسے ہیں کہ ایمان

و٦٣ (اس لئے کہ خدازادہ بھی لامحالہ تمام اوصاف الوہیت ومعبودیت ہی سے متصف ہوگا) اِنْ...... وَلَدٌ بطور فرض محال اگر واقعی اس کے اولاد ہو جیسا کہ مسیحیوں کا عقیدہ ہے...... اسلوب بیان میں عقیدۂ ولدیت کی کمال نفی ہے۔ هٰذا كلام وارد على سبيل الفرض والتمثيل لغرض وهو المبالغة فى نفى الولد والاطناب فيه (کشاف۔ بحر) فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ امر محال کا فرض کرنا اور پھر اس پر احکام کا ترتب دونوں بالکل جائز ہیں۔ و٦٤ جو بات فرض محال کے طور پر ابھی پیش ہوئی تھی اب اس کی تردید ہورہی ہے، کہ ”مگر نہیں۔ توبہ، توبہ ایسا کہاں؟ ایسا ہونا ممکن ہی کیوں کر ہے؟ اس کی صفات میں جس قدر بھی شرک یہ ظالم مشرکین کررہے ہیں وہ ان سب سے ارفع ومنزہ ہے۔ اس کی ناقابل پیائش عظمت کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ وہ خالق ومالک زمین کا بھی ہے، آسمانوں کا بھی، اور عرش کا بھی اس کی شریک معبودیت ان عظیم ترین، ہستیوں میں سے کوئی بھی نہیں۔ وہ یکتا وقدوس ہر شریک اور ہر شرکت سے بالاتر ہے۔“ و٦٥ (اس وقت ساری حقیقت کھل جائے گی) ذکر ان گمراہوں کا ہورہا ہے جو باوجود وضوح حق کے اپنے عناد سے باز نہیں آتے۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ انہیں ان کی حالت پر پڑا رہنے دیجئے اور ان کی طرف سے غافل وبےفکر ہوجایئے یا یہ کہ تبلیغ بند کردیجئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی مخالفت کی طرف زیادہ التفات نہ کیجئے اور ان کی محرومی پر زیادہ غم وتاسف نہ کیجئے۔ فَذَرْهُمْ۔ صورۃً امر ہے لیکن مقصود کمال توہین واظہار غضب ہے۔ و٦٦ (کہ نفس الوہیت وربوبیت میں کوئی اس کا شریک کیا ہوتا۔ ان صفاتِ علم وحکمت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں) بہت سی مشرک قوموں میں (اور انہیں میں قدیم ہندی قوم بھی ہے) عقیدے یہ رہے ہیں کہ فلاں فلاں دیوتا زمین کے ہیں۔ فلاں فلاں آسمان پر رہتے ہیں، فلاں فلاں فضائے آسمانی کے ہیں۔ یہاں اس عقیدہ کی تردید ہورہی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وَهُوَ الَّذِىْ...... الْاَرْضِ اِلٰهٌ۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ آیت ان لوگوں کی قطعی تردید کررہی ہے جو حق تعالیٰ کا مستقر آسمان کو سمجھے ہوئے ہیں اس کا تعلق آسمان سے بھی بس وہی ہے جو زمین سے ہے اور زمین کا مستقر الٰہی نہ ہونا ظاہر ہی ہے۔ هذه الأية من اوّل الدلائل على الله تعالىٰ غير مستقر فى السماء (کبیر) و٦٧ (نہ کہ کسی اور کی طرف) داور محشر صرف وہی ذات حق تعالیٰ ہے۔ اس کے اس وصف میں بھی کوئی شریک نہیں۔ اس تردید کی زد براہ راست عیسائیوں پر پڑتی ہے، جنہوں نے داور محشر حضرت مسیح علیہ السلام کو قرار دے رکھا ہے۔ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ یعنی آمد قیامت کے ٹھیک وقت کی خبر صرف حق تعالیٰ کو ہے دوسروں کو اختیار تو اور کیا ہوتا، اس اطلاع تک میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ لَهٗ...... بَيْنَهُمَا۔ اس کی مالکیت کامل ومحیط وبلاشریک ہے...... صفت علم وصفت قدرت وملک کا اثبات قرآن مجید میں اکثر ساتھ ہی ساتھ آیا ہے۔ و٦٨ مسئلہ شفاعت جیسا کہ مسیحیوں اور بعض دوسری قوموں میں چلا ہوا ہے، سر تا سر باطل وبےاصل ہے۔ اس عقیدہ کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور ہستی بھی ہے جو اس معنٰی میں خدائی طاقت رکھتی ہے اور قیامت میں سابقہ اسی سے پڑے گا۔ وہ جسے چاہے معاف کردے۔ پھر یہ کہ وہ خدائے تعالیٰ پر زور اور دباؤ ڈال کر فیصلہ اپنی اولاد اور اپنے متوسلین کے حق میں کرالے گا۔ اسلام نے ان سب لغویات کی تردید کی۔ اس نے بار بار بتایا کہ فیصلے تو سارے کے سارے صرف حق تعالیٰ کرے گا۔ علم اس کا کامل، مصلحتوں پر پوری پوری نظر اس کی۔ پھر اسے حاجت ہی کسی کی شرکت یا اعانت کی کیا ہے، البتہ خالق کے حضور میں مخلوق دوسرے مخلوق کی صرف شفاعت کرسکتی ہے۔ سو شفاعت بھی مطلق نہیں۔ بلکہ ان قیدوں کے ساتھ:۔ (۱) وہ شفاعت اذن الٰہی کے بعد ہو۔ کوئی شخص ازخود شفاعت کی جرأت نہیں کرسکتا۔ (۲) شفاعت جس کی کی جائے وہ خود بھی صاحب ایمان ہو۔ وَلَا يَمْلِكُ...... الشَّفَاعَةَ۔ بچا لینے یا معاف کردینے یا اس احکم الحاکمین کے کسی فیصلہ سے معارضہ کرنے کی تو خیر کسی کی کیا مجال ہوتی، حق تعالیٰ کے حضور میں سعی وسفارش کے لئے لب کھولنے کا اختیار بھی ہر ایک کو نہیں۔ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ۔ شہادت بالحق یعنی کلمہ توحید کا اقرار۔ من شهد بالحق بكلمة التوحيد (مدارک) وهو توحيد الله (کشاف) وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ یعنی اس کا علم ویقین رکھتے ہیں کہ خدائے واحد کے بجز کوئی شفاعت کا مختار نہیں۔ يَعْلَمُوْنَ ان الله ربهم حقا ويعتقدون ذلک هو الذى يملک الشفاعة (مدارک) و٦٩ (کہ خالق تو صرف اسی ایک کو مانتے ہیں اور پھر صفات ربوبیت وغیرہ میں دوسروں کو شریک کئے جاتے ہیں) کثرت سے مشرکین دنیا میں اس قسم کے گزرے ہیں کہ ایک طرف زبان سے ایک خدائے اعظم وبرتر کا اقرار ہے اور دوسری طرف بیسیوں سینکڑوں چھوٹے چھوٹے صاحب اختیار وتصرف خدا یا دیوتا بھی مانے جاتے ہیں۔

فَاصۡفَحۡ عَنۡهُمۡ وَ قُلۡ سَلٰمٌ ؕ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۹﴾

نہیں لاتے ؀ ۷ تو آپ ان سے بے رخ رہئے اور کہہ دیجئے کہ (تم کو) سلام سو عنقریب انہیں معلوم ہو کر رہے گا ؀ ۱

آیاتہا ۵۹ ۴۴ سُوۡرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ ۶۴ رکوعاتہا ۳

اس کی انسٹھ آیتیں سورۂ دخان مکہ میں نازل ہوئی اور تین رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ﴿۲﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

حا۔ میم قسم ہے (اس) کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے ؀ ۱

اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ ﴿۳﴾ فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ﴿۴﴾

(کیونکہ) ہم (بندوں کو) خبردار کردینے والے تھے ؀ ۲ اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہو کر طے کیا جاتا ہے ؀ ۳

اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرۡسِلِيۡنَ ﴿۵﴾ رَحۡمَةً

ہم (آپ کو پیمبر بنا کر) بھیجنے والے تھے بسبب اس رحمت کے

مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۶﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ

جو آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے، ؀ ۴ بے شک وہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے ؀ ۵ پروردگار آسمانوں

وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۘ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِيۡنَ ﴿۷﴾ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا

اور زمین کا اور ان دونوں کے درمیان کا ہے، اگر تم یقین لانا چاہو ؀ ۶ کوئی خدا اُس کے سوا نہیں

هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ؕ رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۸﴾ بَلۡ هُمۡ

وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے، پروردگار تمہارا بھی ہے اور پروردگار تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی ہے ؀ ۷ لیکن یہ لوگ

فِىۡ شَكٍّ يَّلۡعَبُوۡنَ ﴿۹﴾ فَارۡتَقِبۡ يَوۡمَ تَاۡتِى السَّمَآءُ بِدُخَانٍ

تو شک میں پڑے کھیل میں لگے ہوئے ہیں ؀ ۸ تو آپ انتظار کیجئے اس روز کا جب آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں

؀ ۷ (باوجود میری ہر کوشش اور فہمائش کے) قِيۡلِهٖ۔ ضمیرہ رسول کی طرف ہے۔ والھاء یعود الی محمد ﷺ (مدارک) وھو قول الرسول (بیضاوی) قیل۔ قول ہی کی طرح مصدر اور اس کے مرادف ہے۔ القیل مصدر کالقول (کبیر) القول والقیل واحدٌ (راغب) ؀ ۱ (اور مرتے ہی ان پر سب حقیقت کھل جائے گی) فَاصۡفَحۡ عَنۡهُمۡ وَقُلۡ سَلٰمٌ۔ یعنی ان کے ایمان کی زیادہ امید نہ رکھیے اور نہ زیادہ اس کاوش میں پڑے رہیے اور ان سے یہ کہہ بھی دیجئے کہ اب آگے میں تم سے کچھ تعلق وعلاقہ نہیں رکھتا۔ فاعرض عن دعوتھم یائساً عن ایمانھم وودعھم وتارکھم (کشاف۔ مدارک۔ بیضاوی) سَلٰمٌ۔ سلام تحیت کے معنی میں نہیں۔ سلام متارکت ہے۔ ای تسلم منکم ومتارکۃ (کشاف، مدارک، بیضاوی) وعیدلھم وتھدید ومواعدۃ (بحر) فلیس ذلک امرًا بالسلام علیھم والتحیۃ وانما ھو امر بالمتارکۃ (روح) ؀ ۱ (لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ مراد شب قدر ہے جو حدیث نبوی ﷺ کے مطابق ماہ رمضان کے آخری عشرہ کی کسی طاق رات میں واقع ہوتی ہے۔ ھی لیلۃ القدر علی ماروی عن ابن عباس وقتادۃ وابن جبیر ومجاھد وابن زید والحسن وعلیہ اکثر المفسرین (روح) ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد نصف شعبان کی رات ہے۔ لیکن محدثانہ رنگ کے مفسر ابن کثیرؒ نے اس کی تردید زور سے کی ہے۔ وقد ذکرنا الاحادیث الواردۃ فی ذلک فی سورۃ البقرۃ بما اغنی من اعادتہ ومن قال انھا لیلۃ النصف من شعبان کما روی عن عکرمۃ فقد ابعد النجعۃ (ابن کثیر) ملاحظہ ہو ضمیمہ ''رحمت والی رات'' صفحہ نمبر ۹۸۹ پر۔ حٰمٓ وَالۡكِتٰبِ۔ ان پر حاشیے پیشتر گذر چکے۔ اَنۡزَلۡنٰهُ۔ ضمیرہ الۡكِتٰبِ کی جانب ہے۔ ؀ ۲ (اپنی غایت شفقت وکرم سے) یہ انذار ہمیشہ بندوں ہی کی مصلحت سے، انہیں کو عواقب امور سے مطلع ومتنبہ کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ ؀ ۳ یعنی مشیت تکوینی جس طور پر جس کام کی انجام دہی منظور ہوتی ہے وہ اسی متعین طور پر ملائکہ متعلقہ کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ بشری حساب وتخمینہ کے حساب سے ایک سال کی مدت کے لئے۔ وھکذا روی عن ابن عمر ومجاھد وابن مالک والضحاک وغیر واحد من السلف (ابن کثیر) حَكِيۡمٍ کے معنی پُر حکمت کے ہیں۔ یجوز ان یکون المعنی کل امر متلبس بالحکمۃ (روح) كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ۔ ہر حکمت والے معاملے سے یہ مراد نہیں کہ کچھ معاملے حکمت والے نہیں ہوتے۔ باحکمت تو سب ہی معاملات ہوتے ہیں۔ حکیم کی قید، قید واقعی ہے۔ حَكِيۡمٍ۔ کے دوسرے معنی محکم ومضبوط کے ہیں۔ ووضع حکیم موضع محکم (ابن جریر) الامور الحکمۃ (بیضاوی) والحکیم بمعنی المحکم لانہ لا یبدل ولا یغیر بعد ابرازہ للملائکۃ علیھم السلام (روح) حکیم ای محکم لا یبدل ولا یغیر (ابن کثیر) یعنی اللہ کے اٹل قوانین سالانہ کے اجرا کا وقت یہی ہوتا ہے۔ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا۔ امرًا کے صیغہ کا نکرہ ہونا اظہار عظمت وشان کے لئے ہے۔ وتنکیرہ للتفخیم (روح) امر کے ساتھ حکیم کا اضافہ خود ہی اظہار عظمت وجلالت کے لئے تھا۔ پھر اس پر اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا کے مزید اضافہ نے اس عظمت وجلالت کو اور کئی گنا بڑھا دیا۔ ؀ ۴ (کہ آپ کے ذریعہ سے بندوں کو حق وباطل، خیر وشر کی راہوں سے پوری طرح آگاہ کر دیں) رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ۔ رحمۃ للعالمین۔ اس معنی میں کہ آپ ہی کے ذریعہ سے کل بندوں کو بلا امتیاز وتفریق نیکی وبدی کے راستوں سے آگاہ کر دیا گیا۔ وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ۔ مومنین کے حق میں آپ رؤف ورحیم اس معنی میں کہ انہیں نے آپ کے پیام کو قبول کیا اور آپ کی ہدایت سے پوری طرح مستفید ہوئے۔ اور رحمت خاص خود آپ کے حق میں، اس معنی میں کہ آپ ہی کو ذریعہ وواسطہ اس رحمت عالم کا بنایا۔ ؀ ۵ (تو اس سے بڑھ کر بندوں کی ضرورتوں کو جاننے والا اور ان کی مصلحتوں کی رعایت کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟) ؀ ۶ یعنی اگر تم میں طلب صادق ہے، حق کی جستجو وتلاش ہے۔ رَبِّ...... بَيۡنَهُمَا۔ ساری کائنات کے اسی خدائے واحد کی ملک ومملوک ہونے کا ایک بار پھر اثبات...... کسی گوشۂ ہستی میں کسی جہت واعتبار سے بھی کوئی دوسرا مالک ومتصرف نہیں۔ ؀ ۷ آیت ماقبل کی طرح اس میں بھی توحید ہی کے مختلف پہلوؤں کی تاکید اور شرک کے مختلف مظاہر کی تردید ہے۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اس کی صفت الوہیت میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ۔ جان ڈالنے اور جان لینے کی قوتیں بھی صرف اسی کے ہاتھ میں ہیں...... زندگی کے کوئی الگ دیوتا اور موت کے کوئی الگ دیوتا نہیں۔ رَبُّكُمۡ...... الۡاَوَّلِيۡنَ۔ وہ کوئی نو پیدا معبود نہیں۔ دنیا جب سے قائم ہے اس کا وہی ایک اور اکیلا پروردگار رہا ہے...... بعض جاہلی قوموں نے اپنے اسلاف قدیم کو معبود مانا اور ان کی پرستش کی ہے۔ آیت میں اس اسلاف پرستی کی بھی تردید آ گئی۔ ؀ ۸ (اور اس لیے حق کے واضح دلائل وصریح شواہد کی طرف توجہ والتفات ہی نہیں کرتے) فِىۡ شَكٍّ۔ شک کی تنوین تعظیم کے لیے ہے۔ یعنی بڑے شک میں پڑے ہوئے ہیں ــــ یہ لوگ توحید وآخرت کی طرف سے عجب بے یقینی کی حالت میں مبتلا ہیں۔ يَلۡعَبُوۡنَ۔ یعنی سنجیدگی سے کبھی حقائق پسندی کی طرف آتے ہی نہیں۔ ان اہم ترین حقائق ومسائل کو بس ایک کھیل تماشہ سمجھ رکھا ہے۔

"رحمت والی رات"

(متعلقہ حاشیہ نمبر ۱ سورۃ الدخان)

جان جب جسم کے پردہ میں ظاہر ہونے لگتی ہے، بے صورتی جب صورت پکڑنے لگتی ہے، اطلاق جب تعین قبول کرنے لگتا ہے، تو لازمی ہے کہ وہ اپنے لئے بھی وہ تمام قیود و خواص اختیار کرلے، جو جسم، صورت، اور تعین مادی کے لئے ضروری ہیں۔ عالم جسم و کائناتِ مادہ میں داخلہ کے دو بڑے دروازے زمان و مکان ہیں۔ لطیف سی لطیف نورانیت بھی جب سطح زمین پر نازل ہوگی، تو انہی دروازوں میں ہو کر داخل ہوگی۔ برکت و رحمت جیسی لطافتیں بھی (جو بارِ الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں) کرۂ خاکی کو جب اور جہاں بھی سرفراز کریں گی، وقت اور جگہ، زمان و مکان کی قید اور پابندی کے ساتھ ہی کریں گی۔ قدرت نے وقت کی تقسیم جو مختلف حصوں میں کر رکھی ہے، یہ بے معنی نہیں، ہر موسم، ہر فصل، ہر گھڑی، اپنے اعتبارات دوسروں سے الگ رکھتی ہے۔ صرف اپنی بیرونی اور ظاہری تاثیرات ہی کی حیثیت سے نہیں، بلکہ اپنی اندرونی اور روحانی کیفیتوں، صلاحیتوں، اور مناسبتوں کے لحاظ سے بھی۔ مہینے سال میں بارہ ہوتے ہیں، لیکن حج صرف ایک ہی مہینے میں ادا ہو سکتا ہے۔ دن ہفتہ میں سات ہوتے ہیں، لیکن جمعہ صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ گھنٹے دن میں چوبیس ہوتے ہیں، لیکن ہر نماز ہر وقت ادا نہیں کی جا سکتی۔ وقت کا کوئی ٹکڑا جب آتا ہے تو اپنے ساتھ اپنی ساری مناسبتوں کو بھی لاتا ہے، اور اپنی ساری کیفیتوں کو پھیلا دینا چاہتا ہے۔ رات کا سناٹا جب چھانے لگتا ہے تو چرند پرند اور انسان سب اپنے اپنے کاموں کو روک کر آرام کرنا چاہتے ہیں۔ آفتاب کی سرگرمیاں جب شروع ہوتی ہیں، تو حیوان اور انسان سب کو اپنے اپنے کام یاد پڑ جاتے ہیں۔ برسات میں جب آبِ زندگی آسمان سے اترنے لگتا ہے تو زمین کی بھی ساری سوئی ہوئی زندگیاں نئے سرے سے بیدار ہو جاتی ہیں۔ بہار کا موسم آتا ہے، تو کلیوں کے کھلنے اور کلوں کے پھوٹنے کے ساتھ ہی انسانی دلوں کی کلیاں بھی کھلنے لگتی ہیں، اور طرح طرح کی امنگیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی قسم کی مناسبتوں کو روح کی بولی میں دنوں کی فضیلتیں اور کرامتیں اور راتوں کی بزرگیاں اور برکتیں کہتے ہیں۔ پھر یہ بھی فطرت کا ایک دستور ہے کہ جو واقعہ، روحانیات کے عالم میں جس درجہ کا پیش آتا ہے اسی کی اہمیت کی مناسبت سے اس کی یادگار بھی اسی زمانہ کو قرار دے دیا جاتا ہے۔ اللہ کے خلیل نے ایک خاص موسم میں اپنے لختِ جگر کو قربانی کے لئے پیش کیا، عین اسی زمانہ کو فریضۂ حج و قربانی کے واسطے سارے فرماں بردار بندوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ عاشورۂ محرم کو روایات کے مطابق، متعدد انبیائے کرام کو اہم واقعات و معاملات پیش آئے، اس روز کے روزہ کی فضیلتیں بیان کر دی گئیں۔ دو شنبہ کے روز دنیا کو رحمت کا پیامِ عام سنانے والا آیا، اس یوم مبارک کی یاد دل سے کیونکر مٹ سکتی ہے۔ اللہ کی اتاری ہوئی ہر نعمت بڑی ہی نعمت ہے، لیکن اس کی ساری بڑی نعمتوں میں اگر کوئی نعمت سب سے بڑی قرار دی جا سکتی ہے، تو یہ ہے کہ اس نے ہر تاریکی کو روشن کرنے، ہر کجی کو درست کرنے، ہر پستی کو بلند کرنے، ہر مرض کو شفا دینے، ہر دکھ کو مٹا دینے کے لئے، ہر موسم اور ہر زمانہ، ہر خطہ اور ہر ملک، ہر قوم اور ہر امت، ہر فرد اور ہر جماعت، ہر مرد اور ہر عورت، ہر بوڑھے اور ہر جوان کے ہاتھ میں ایک کامل و مکمل ہدایت نامہ، اور ایک جامع و مفصل دستور العمل دیدیا ہے، جس کے بعد کسی انسان کو کسی علم و فن، کسی حکمت و صنعت کسی استاد و مرشد، کسی مدرسہ اور مکتب کی قطعاً کوئی حاجت ہی نہیں باقی رہ جاتی۔ جس گھڑی اس آفتابِ ہدایت کا طلوع ہوا ہے، وہ وقت رات کا تھا۔ اس مبارک رات کی بزرگیوں اور سعادتوں کا کوئی انسانی دماغ احاطہ کر سکتا ہے؟ جس شب مبارک کو خود خالق لیل و نہار "شب مبارک" ارشاد فرمائے، کس بشر کے قلم میں یہ قوت ہے کہ اس کی کرامتوں اور فضیلتوں کی شرح کر سکے؟ کوئی لفظ، کوئی عبارت، کوئی عنوان تحریر، ایسا ممکن ہے جو اس پاک رات کی پاکیزگیوں اور ستھرائیوں، رحمتوں اور برکتوں، نعمتوں اور دولتوں کی تفسیر کے لئے کافی ہو سکے؟ پھول بہار ہی میں کھلتے ہیں، اور کلے بہار ہی میں پھوٹتے ہیں۔ گلستانِ دہر اور چمن حیات کے اس سب سے زیادہ خوش رنگ، شاداب اور دلکش پھول کے لئے کیونکر ممکن تھا کہ بجز موسم گل و فصل بہار کے کسی اور وقت کھلتا، چنانچہ خود صدق مطلق کی لسانِ حق کا بیان ہے کہ عین اسی موسم میں، جو ازل سے نعمتوں اور برکتوں کی بارش کے لئے مخصوص ہو چکا تھا، گلشنِ کائنات کے اس سدا بہار پھول نے اپنی عطر بیزیوں سے اہل ذوق کے مشام جان کو معطر کیا۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ "یہ رمضان کا وہی مہینہ ہے، جس میں قرآن اتارا گیا۔" اسی مبارک ماہ کی ایک شب تھی جب اس شاہد رعنا نے اپنے چہرہ سے نقاب الٹا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اسے ایک شب مبارک میں اتارا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ۔ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۚ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ (دخان۔ ع ۱) "ہم ہمیشہ اسی طرح ڈراتے رہے ہیں، اسی شب میں ہر حکمت والی بات کا فیصلہ ہوتا رہتا ہے۔

چنانچہ یہ حکم بھی ہماری ہی طرف سے ہے، اور ہم ہمیشہ بھیجتے ہی رہتے ہیں۔ یہ تیرے رب کی طرف سے رحمت ہی ہے، جو سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان سب کا وہی پروردگار ہے، اگر تم یقین رکھتے ہو۔ وہی معبود جس کے سوا کوئی نہیں، زندگی اور موت سب اسی کے ہاتھ میں ہے، اور وہی رب ہے تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا"۔ اہل تفسیر میں اس کی بڑی بحث چلی آتی ہے کہ "امر حکیم" (حکمت والی بات) کے فیصلہ سے کیا مراد ہے، حالانکہ سیاق عبارت پر اگر نظر رہے، اور "رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ" - "هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ" - "رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ" اور "هُوَ يُحۡيٖ وَيُمِيۡتُ" - "رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ" کے لطیف اشارات کی روشنی سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ "سب کے حالات سے واقف"، "سب کے پرورش کرنے والے" اور "سب کی زندگی اور موت پر حاکم" کے ہاں سے جس "رحمت کا نزول" ہوگا، وہ یہی ہو سکتی ہے کہ سب کو ربوبیت کے قانون سے آگاہ کر دیا جائے، اور سب کو زندگی اور موت (زندگی کا لفظ شخصی و قومی ہر زندگی پر حاوی ہے) کے اصول بتائے ہیں۔ قرآن حکیم کا اصلی کام یہی ہے، اور اس کی تعلیم ربوبیت کے قانون کی توضیح کرتی ہے، اور افراد و اقوام کو زندگی بخشتی ہے۔ نزول قرآن۔ اسی معنٰی میں دنیا کے لئے سب سے بڑی رحمت اور نعمت ہے، یہی سب سے بڑی رحمت اس شب مبارک کو نازل ہوئی تھی، اور اسی کی یادگار میں، اسی کے ماتحت ہر سال اسی شب کو جزئیات و تفصیلات سے متعلق ہر "امر حکیم" ہر حکمت والی بات کا نزول و تصفیہ ہوتا رہتا ہے[1]۔ قرآن حکیم ہی کی ابتدائی نزول کی گھڑی کو، جسے ایک جگہ شب مبارک (لیلۃ مبارکۃ) سے موسوم کیا گیا ہے، دوسری جگہ شب قدر" (لیلۃ القدر) کے خطابِ گرامی سے یاد فرمایا ہے۔ "اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِيۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۖۚ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ؕ لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ"۔ ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے، اور تم سمجھے کہ شب قدر ہے کیا چیز؟ شب قدر وہ برتر اور گرامی شب ہے، جو ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے! بعض اہل شرح کی طرح یہاں اس الجھاؤ میں پڑنے کی مطلق حاجت نہیں کہ "قدر" یہاں اپنے کسی لغوی معنٰی میں آیا ہے، آیا بمعنٰی حکم و قضا اور یا بمعنٰی شرف و تعظیم! بہر صورت جو بھی پہلو اختیار کیا جائے، اس شب مبارک کی بے حد و حساب بزرگی، خود آیۃ کریمہ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ بیان کر رہی ہے۔ یعنی وہ ایک رات جو ہزار مہینوں، ہزار ہا ہزار مہینوں، بلکہ ہر محدود اور شمار کی ہوئی مدت سے بڑھ چڑھ کر ہے! جس مبارک رات کو قرآن جیسی بے نظیر نعمت دنیا کو ملی ہو، آسمانوں اور زمینوں کے فرمانروا نے خاک کے پتلے کو اپنے محفوظ کلام کے شرف سے سرفراز کیا ہو، اس کی رحمتوں اور برکتوں کا احاطہ کرنا، انسانی دماغ کے تراشے ہوئے علم الحساب کے اعداد سے بھلا کس طرح ممکن ہے[2]؟ یہ شب مبارک آتی کب ہے؟ روح و جان کے عالم میں بہار کے موسم کا نام، ماہ رمضان ہے، اس ماہ مبارک کا سب سے زیادہ مبارک زمانہ اس کا آخری عشرہ ہوتا ہے۔ پھول کوئی بھی کھلتا ہے، چمن مہکنے لگتا ہے، لیکن گلاب کی کلی جب کھلتی ہے تو اس وقت چمن کی مہک ہی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ رمضان کا آخری عشرہ چمن میں گلاب کے کھلنے کا زمانہ ہوتا ہے۔ پاکوں اور پاکبازوں کا سردار، اس عشرہ بھر، ذکر و عبادات الٰہی کے لئے وقف رہتا تھا۔[3] (گو وہ کون سا زمانہ ہوتا تھا جب وہ عبادات الٰہی کے لئے وقف نہ ہوتا تھا؟)۔ اسی عشرہ کی کسی مقدس رات میں وہ مقدس گھڑی آجاتی ہے، جس کی فضیلتوں اور برکتوں کی شرح و تفصیل کے لئے لفظ و عبارت کا دفتر ناکافی ہے۔ اسی دولتِ بے بہا کی تلاش میں اگر انسان اپنی راتوں کی نیند بھی نہ قربان کر سکے، تو یقیناً اس کے دل کو اس قدر والی رات کی ذرا بھی قدر نہیں! اس کے تعین سے اسی لئے قصداً و مصلحتاً بے التفاتی برتی گئی ہے، اور وہ رات جو، سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ "شام سے صبح تک سرتاسر رحمت ہی رحمت ہے"۔ اس کی بابت دنیا کا سب سے بڑا حکیم اپنی امت سے یہ ارشاد فرما گیا ہے کہ "اس کو تلاش کرو آخر عشرۂ رمضان کی طاق راتوں میں[4]"۔ جن جاگے ہوئے دلوں کی آنکھیں "آج" ان راتوں کو کسی کی یاد میں جاگ جاگ کر کاٹیں گی۔ "کل" وہ خود محسوس کریں گے کہ ان کی آنکھیں نہیں، ان کا نصیبہ جاگ رہا تھا! (منقول از سچ، لکھنؤ۔ ۱۹ اپریل ۱۹۲۶ء)

[1] ایک قلیل گروہ اس جانب گیا ہے کہ اس شب مبارک سے مراد شعبان کی پندرھویں ہے، لیکن محققین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد لیلۃ القدر ہی ہے۔ اور لیلۃ القدر، بلا اختلاف، رمضان مبارک ہی کی کوئی آخری شب ہے۔ عن قتادة فی قوله لیلة مبارکة قال هی لیلة القدر (ابن جریر) قال ابن زید فی قوله تعالٰی انا انزلنه فی لیلة مبارکة قال تلک اللیلة لیلة القدر (ایضاً)

[2] التحدید بالالف لا مفهوم لا بل الغرض منه التکثیر (مفتی محمد عبدہ مصریؒ) بیضاوی، بحر المحیط، روح المعانی سب میں یہ قول نقل ہوا ہے کہ ہزار راتوں سے مراد کوئی متعین عدد نہیں، بلکہ محض تکثیر مراد ہے۔

[3] عن عائشةؓ قالت کان رسول الله ﷺ یجتهد فی العشر الاواخر مالا یجتهد فی غیره (مسلم)

[4] عن عائشةؓ ان رسول الله ﷺ قال تحروا لیلة القدر فی الوتر من العشر الاواخر من رمضان (بخاری)

ف۹ روایات متفق ہیں کہ اس مصیبت سے مراد وہ شدید قحط ہے جو اہل مکہ پر پڑنے والا تھا اور کچھ روز بعد پڑا۔ ہوا یہ کہ جب ہجرت کے بعد بھی اہل مکہ کا عناد کم نہ ہوا بلکہ بڑھتا گیا تو عاجز آکر رسول اللہ ﷺ نے اُن کے حق میں بددعا کی۔ اثر کا ظہور یوں ہوا کہ ادھر بارش رکی اور ادھر یمامہ (علاقہ یمن) کے رئیس ثمامہ نے جو اب مسلمان ہو چکے تھے غلہ بھیجنا بند کر دیا۔ مکہ کی غلہ کی منڈی یمامہ ہی سے تھی، ب قحط پورا ہوگیا۔ ذلک حین دعا رسول اللہ ﷺ علی قریش ربه تبارک وتعالی ان یاخذهم بسنین کسنی یوسف فاخذوا بالمجاعة (ابن جریر) حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی ؓ نے بڑے زور و تاکید کے ساتھ آیت کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ قحط اتنا سخت تھا کہ لوگوں نے مردار کا گوشت، کھال ہڈیاں سب کھانا شروع کردی تھیں۔ وفی روایة اخری صحیحة ...... حتی اکلوا المیتة والجلد والعظام (روح) دُخَانٍ مُّبِیْنٍ۔ بھوک کی شدت اور دماغ کی خشکی میں، فضائے آسمانی میں دھواں سا نظر آنے لگتا ہے۔ اسی کو یہاں آسمانی دھوئیں سے تعبیر کیا ہے۔ یقال ان الجائع کان یری بینه وبین السماء دخاناً من شدة الجوع (تاج) عنی بالدخان ما کان یصیبهم حینئذٍ فی ابصارهم من شدة الجوع من الظلة کهیئة الدخان (ابن جریر) دُخَانٍ کا اطلاق عربی میں مطلق موذی پر بھی مجازاً واستعارۃً ہوتا ہے۔ وتصوّر منه التاذی به فقیل هو دخن الخلق (راغب) دُخَانٍ۔ کے معنی خشکی کے اور بھوک سے فضا کی دخان منظری کے بھی آئے ہیں۔ بلکہ خود شدت بھوک کے معنی بھی۔ والدخان الجدب والجوع (تاج) وقیل بل قیل للجوع دخان (تاج) فالدخان یحتمل ان یراد به الشدة والشر مجازًا وان یراد به حقیقةً (روح) ف۱۰ یہ پیش گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ قریش کے سردار ابو سفیان وغیرہ نے آپ کو لکھا بھی اور آپ کے پاس آئے بھی کہ آپ سے دعاء کرائیں۔ لمّا اشتد القحط بقریش مشٰی ابو سفیان الٰی رسول اللہ ﷺ وناشده الرحم وواعده ان دعالهم وزال مابهم اٰمنوا (روح)

ف۱۱ بیسویں صدی کے بڑے بڑے فرنگی ”علماء و محققین“ آخر اس منزل سے آگے نہ بڑھ سکے جو معاند کفار و مشرکین قریش کی تھی! وہ لوگ بھی قرآن کے لفظی ومعنوی اعجاز کی طرف سے آنکھیں بند کئے یہی رٹ لگائے ہوئے تھے کہ یہ کلام کسی اور کا سکھایا پڑھایا ہوا ہے۔ اور آج یورپ وامریکہ کے بڑے بڑے مستشرقین کا بھی ”منتہائے تحقیق“ بس اسی قدر ہے کہ یہ کتاب محمد عربی ﷺ نے کچھ ادھر ادھر سے سن سنا کر تیار کردی ہے! رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ۔ یعنی ایسے پیمبر جن کی صداقت وحقانیت دلائل ومعجزات کی کثرت سے بالکل واضح وظاہر ہے۔ ای رسول عظیم الشان ظاهر امر رسالته بالاٰیات والمعجزات (روح) وهو ما ظهر علی رسول اللہ ﷺ من الاٰیات والبینات من الکتاب المعجز وغیرہ من المعجزات (کشاف) ف۱۲ یعنی اتمام حجت کے لئے ہم اس بھوک کے عذاب کو دور بھی کردیں گے لیکن اس سے حاصل کیا ہوگا ایمان لانا تو الگ رہا۔ یہ جو نرمی اور شگفتگی پیدا ہو رہی ہے، یہ بھی جاتی رہے گی اور بدستور عناد واستکبار پر آجاؤ گے۔ یہ سب بطور پیش گوئی کے تھا۔ اور واقع میں ظہور اس کا یوں ہوا کہ آپ نے دعا فرمائی اور ثمامہ نے بھی آپ کا سفارش نامہ پاکر غلہ کی بندش دور کردی۔ لیکن اس فارغ البالی کے نصیب ہو جانے پر مشرکین کی مخالفت کا زور شور لوٹ آیا۔ ف۱۳ یعنی پوری سزا آخرت میں ملے گی۔ ف۱۴ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اہل فرعون کے پاس آنے اور حق تعالیٰ کا پیام پہنچانے کا ذکر ایک نئے عنوان سے ہے۔ قَبْلَهُمْ۔ ضمیر هُمْ معاصر مشرکین مکہ کی جانب ہے۔ ای قبل هٰٓؤُلَآءِ المشرکین (مدارک) رَسُوْلٌ کَرِیْمٌ۔

مُّبِیْنٍ ﴿۱۰﴾ یَّغْشَی النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا

پیدا ہو جو (ان سب) لوگوں پر چھا جائے، یہ ایک عذاب دردناک ہوگا ف۹ اے ہمارے پروردگار

اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰی لَهُمُ الذِّکْرٰی

ہم سے اس عذاب کو دور کردیجئے، ہم ضرور ایمان لے آئیں گے ف۱۰ ان کو کب (اس سے) نصیحت ہوتی ہے،

وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا

حالانکہ ان کے پاس پیمبر کھلے ہوئے (دلائل کے ساتھ) آچکا ہے پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے

مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا کَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا اِنَّکُمْ

کہ یہ سکھایا ہوا ہے دیوانہ ہے، ف۱۱ بے شک ہم چندے اس عذاب کو ہٹالیں گے اور تم بھی (اپنی پہلی حالت پر)

عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْکُبْرٰی ۚ اِنَّا

لوٹ آؤ گے ف۱۲ جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے (اس روز) ہم

مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَ لَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ

پورا بدلہ لے لیں گے ف۱۳ اور ہم نے اُن سے پہلے قوم فرعون کی آزمائش کی تھی

وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ کَرِیْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ

اور ان کے پاس ایک معزز پیمبر آئے تھے (یہ پیام لے کر) کہ اللہ کے ان بندوں کو میرے حوالہ کردو میں

لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَی اللّٰهِ ۚ اِنِّیْٓ

تمہارا معتبر پیمبر ہوں اور یہ کہ تم اللہ سے سرکشی نہ کرو میں

اٰتِیْکُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۹﴾ ۚ وَ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ

تمہارے سامنے واضح دلیل پیش کرتا ہوں، اور میں پناہ چاہتا ہوں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی اس سے

اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾

کہ تم مجھے سنگسار کرو ف۱۴ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہی رہو ف۱۵

کھلی ہوئی مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے۔ اَنْ اَدُّوْٓا۔ اَنْ یہاں تفسیری ہے۔ اَنْ...... اللّٰهِ۔ عباد اللہ سے مراد بنی اسرائیل ہیں، کہ انہیں میرے سپرد کردو۔ میں انہیں لے کر مسلک توحید پر چلانے کے لئے اپنے پرانے وطن شام کی طرف چلا جاؤں گا۔ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ۔ اس کے تحت میں دلائل وخوارق سب آگئے۔ اِنِّیْ...... تَرْجُمُوْنِ۔ صاف اشارہ اس طرف ہے کہ فرعونیوں یا مصریوں نے آپ علیہ السلام پر سنگباری کی ٹھان لی تھی۔ توریت میں بھی اشارے موجود ہیں: ”اگر ہم مصریوں کی آنکھوں کے آگے وہ قربانی کریں، جس سے وہ بیزار ہیں، تو کیا ہمیں وہ پتھراؤ نہ کریں گے۔“ (خروج۔۸: ۲۶) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کے تحت میں یہ نکتہ ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کے سامنے التجا کرتے رہنا اور اپنی قوت کا دعویٰ نہ کرنا عین اظہار عبدیت ہے۔ ف۱۵ یعنی کم از کم اتنا ہی کرو اور میری ایذاء کے درپے ہوکر اپنے جرم کو اور شدید تر تو نہ بناؤ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں ایسے شخص سے قطع تعلق پر دلالت ہے، جس کی اصلاح کی امید نہ ہو۔

وَ۱۶ (معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے اور وقت ان کی گرفت ہی کا آپہنچا ہے) وَ۱۷ یعنی آپ ﷺ کے لئے تو سمندر میں راستہ کر دیا جائے گا اور سمندر کا کچھ حصہ آپ ﷺ کے لئے خشک کر دیا جائے گا۔ آپ ﷺ اسے اسی سکون کے حال میں چھوڑ کر چلے جایئے گا۔ اور اسی فکر واندیشہ میں نہ پڑیئے گا کہ فرعون بھی تو اسی راستہ سے آجائے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ اس ارشاد باری کی تعمیل میں بنی اسرائیل کو لے کر راتی راتا ہی نکل گئے اور صبح کو آپؑ کا تعاقب بھی ہوا۔ وَ۱۸ یعنی اسی نسل کے بعد ایک دوسری نسل متصرّ اور اس کے سارے تعیشات پر حاکم و متصرف ہو گئی اور ان لذتوں اور راحتوں کے سامان پر فرعونیوں کو دوام نہ ہو سکا۔ کَمْ تَرَكُوْا۔ کم اظہار کثرت کے لئے ہے۔ کم عبارة عن الكثرة (مدارک) قَوْمًا اٰخَرِيْنَ۔ اس سے اشارہ اگر بنی اسرائیل ہی کی طرف سمجھا جائے جیسا کہ بعض مفسرین نے سمجھا ہے تو اَوْرَثْنٰهَا سے مراد یہ نہ رہے گی کہ انہیں بعینہٖ فرعونیوں ہی کی چھوڑی ہوئی نعمتیں عطا کیں، بلکہ مراد نفس وہ نعمتیں (سرسبز کھیتیاں ،شاداب باغ بہتے ہوئے چشمے وغیرہ) ہوں گی۔ جو بنی اسرائیل کو شام و فلسطین یا کہیں بھی عطا ہوئی ہوں۔ وَ۱۹ پہلے یہ حقیقت ذہن نشین کر لی جائے، کہ کائنات کی کوئی سی بھی شے ہو۔ بڑی سے بڑی یا چھوٹی سے چھوٹی۔ احساس وشعور کسی نہ کسی درجہ میں ضرور رکھتی ہے۔ اس کے بعد یہ سمجھئے کہ آسمان اور زمین میں بھی ان کے مرتبہ کے لائق شعور موجود ہے۔ اسی سے وہ مومن کے مرتبہ کا ادراک کر کے اس کی وفات پر غمگین ہوتے ہیں۔ حکیم کائنات و دانائے فطرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:۔ ما من عبد الاوله فی السماء بابان باب يخرج منه رزقه و باب يدخل منه عمله و كلامه فاذا مات فقداه وبكيا عليه (جامع ترمذی) مومن جب مرجاتا ہے تو آسمان کا وہ دروازہ جس سے اس کے عمل کا صعود ہوتا تھا اور وہ دروازہ جس سے اس کے رزق کا نزول ہوتا تھا اس پر روتے ہیں۔ اور آپؐ کے رفیق و تلمیذ خاص حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ:۔ واخرج ابن المنذر وغيره عن علیؓ انه قال ان المؤمن اذا مات بكى عليه مصلاه من الارض ويصعد عمله من السماء (روح) ''جب مومن مرتا ہے تو زمین میں اس کے نماز پڑھنے کی جگہ اور آسمان میں اس کے عمل کے صعود کرنے کی جگہ یہ دونوں اس پر روتی ہیں۔'' عَلَيْهِمُ...... كَانُوْا۔ ضمیر جمع غائب سے دونوں جگہ مراد وہی قوم فرعون ہے جس کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ فَمَا...... الْاَرْضُ۔ یہ اثر تھا ان لوگوں کی کمال مبغوضیت کا۔ زمین، آسمان کسی کو بھی ان پر رونا نہ آیا، اور کسی کو بھی ان سے ہمدردی پیدا نہ ہوئی۔ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ۔ یہ اثر تھا ان کے کمال مغضوبیت کا کہ ذرا بھی مہلت نہ پائی۔ اگر ابھی مہلت زندگی پا جاتے تو عذاب الٰہی سے چندے اور بچے رہتے۔ وَ۲۰ بنی اسرائیل کی فضیلت و فوقیت کا بیان کئی بار آچکا ہے۔ اور اس کی توضیح سورۃ البقرۃ (پ۱) کے حاشیوں میں آچکی ہے۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ افضلیت واشرفیت یوں ہی اٹکل پچو بلاوجہ نہ تھی۔ خاص مصالح تکوینی کے ماتحت تھی۔ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ۔ فِرْعَوْنَ۔ فرعون، بنی اسرائیل اور ان پر سختیاں، ان سب پر حاشیے سورۃ البقرۃ (پ۱) میں گزر چکے۔ وَ۲۱ مثلاً دولت توحید، نعمت رسالت، اور پھر دنیوی حکومت واعزاز۔ بَلٰٓؤٌا۔ یہاں مصیبت کے معنی میں نہیں، انعام کے معنی میں ہے۔ اے نعمة ظاهرة (کشاف۔ روح) بلاء کے عام متداول معنی بھی لئے جا سکتے ہیں۔ یعنی ان نشانات کے ذریعہ سے خوب آزمائش اور تجربہ ہو گیا۔ اے اختبار ظاهر جلی لمن اهتدى به (ابن کثیر) اختبار ظاهر لننظر كيف يعملون (روح)

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ

تب (موسیٰ نے) اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ (بڑے سخت) مجرم لوگ ہیں وَ۱۶ تو اب میرے بندوں کو بھی تم

لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ

رات ہی میں لے کر چلے جاؤ تمہارا تعاقب ہوگا، اور تم اس دریا کو سکون کی حالت میں چھوڑ نا، اُن لوگوں کا لشکر

مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ

غرق ہو کر رہے گا وَ۱۷ وہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیتیاں

وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۣ

اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان جن میں رہا کرتے تھے چھوڑ گئے، (یہ قصہ) اسی طرح واقع ہوا

وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاۗءُ

اور ہم نے ان (چیزوں) کا مالک ایک دوسری قوم کو بنا دیا، وَ۱۸ تو ان پر نہ تو آسمان اور زمین

وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ

روئے، اور نہ انہیں مہلت ہی ملی وَ۱۹ اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو

اِسْرَاۗءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ

فرعون کے سخت ذلت والے عذاب سے نجات دی

اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ

واقعی وہ بڑا سرکش حد سے نکل جانے والوں میں تھا ہم نے بنی اسرائیل کو دنیا جہان پر

عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ

فضیلت (اپنے) علم کے ماتحت ہی دی تھی وَ۲۰ اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دی تھیں جن میں

بَلٰۗـؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِىَ اِلَّا

کھلا ہوا انعام تھا وَ۲۱ یہ لوگ تو یہی کہتے ہیں کہ بس یہی موت ہی

مَوۡتَتُنَا الۡاُوۡلٰی وَ مَا نَحۡنُ بِمُنۡشَرِیۡنَ ﴿۳۵﴾ فَاۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمۡ خَیۡرٌ اَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٍ ۙ وَّ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ اَهۡلَکۡنٰهُمۡ ۫ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ ﴿۳۷﴾ وَ مَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَهُمَا لٰعِبِیۡنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقۡنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ مِیۡقَاتُهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۴۰﴾ ۙ یَوۡمَ لَا یُغۡنِیۡ مَوۡلًی عَنۡ مَّوۡلًی شَیۡئًا وَّ لَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۱﴾ ۙ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۴۲﴾ ع اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ﴿۴۳﴾ ۙ طَعَامُ الۡاَثِیۡمِ ﴿۴۴﴾ ۚۖۛ کَالۡمُهۡلِ ۚ یَغۡلِیۡ فِی الۡبُطُوۡنِ ﴿۴۵﴾ ۙ کَغَلۡیِ الۡحَمِیۡمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوۡهُ فَاعۡتِلُوۡهُ اِلٰی سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ﴿۴۷﴾

(ہمارا آخری انجام) ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے سو لاؤ تم (اے مسلمانو) ہمارے باپ دادوں کو اگر تم سچے ہو، ف۲۲ تو کیا یہ لوگ بڑھ چڑھ کر ہیں یا قوم تبع والے اور جو لوگ ان سے بھی پیشتر ہوئے ہیں، ہم نے ان تک کو ہلاک کر ڈالا اس لئے کہ وہ نافرمان تھے ف۲۳ اور آسمان اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے، یہ سب ہم نے یونہی خواہ مخواہ نہیں بنا ڈالا، ہم نے ان کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ف۲۴ بے شک فیصلہ کا دن ان سب کا وقت مقرر ہے جس دن کوئی تعلق والا کسی تعلق والے کے کام نہ آئے گا اور نہ اُن کی حمایت ہی کی جائے گی ہاں مگر اللہ ہی کسی پر رحم فرمائے، بے شک وہ زبردست ہے، رحیم ہے ف۲۵ بے شک زقوم کا درخت بڑے مجرم کا کھانا ہو گا تیل کی تلچھٹ کی طرح پیٹ میں کھولے گا تیز گرم پانی کی طرح اس کو پکڑو، پھر گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ دوزخ کے بیچ تک

ع ۲ / ۱۵ — معانقۃ ۱۳

ف۲۲ یہ کہنے والے عصرِ قدیم کے ”روشن خیال“ مادیین اور عرب کے فطرت پرست دہریین تھے۔ حشر ونشر وعالم آخرت کے قطعی منکر۔ یہ مسلمانوں کو چیلنج دے کر اور اپنی ”روشن خیالی“ کے پرفخر مظاہرہ کے ساتھ کہتے تھے کہ ہم مذہب وذہب کے ڈھکوسلوں کے سرے سے قائل ہی نہیں۔ ہم تو صرف حواس ظاہری ومشاہدہ کو مانتے ہیں۔ تو اگر واقعی کسی مُردہ کو زندہ کر کے دکھا دو تو بے شک ہم قائل ہو جائیں۔ مغیبات مجردات میں آج بھی مشاہدہ و تجربہ کا مطالبہ اس قدیم ذہنیت کی صدائے بازگشت ہے۔ ف۲۳ یعنی نافرمانی وقانون شکنی تو ایسی چیز ہے جس کی سزا ان مجرموں سے کہیں زائد قوت ومقدرت والوں کو مل کر رہی ہے۔ تو یہ بیچارے کس شمار وقطار میں ہیں۔ خَیۡرٌ۔ خیر کا مفہوم ہمیشہ اخلاقی وروحانی ہی پہلو نہیں رکھتا، مادی، مالی، جسمانی فوقیت کا اظہار بھی اسی لفظ سے ہوتا رہتا ہے یہاں اسی دنیوی جاہ وحشم مادّی قوت وسامان میں اظہار فوقیت کے لئے ہے۔ قَوۡمُ تُبَّعٍ۔ جس طرح ملوکِ مصر کا لقب فرعون تھا۔ اسی طرح جنوب عرب کی سلطنت یمن کے بادشاہوں کے ایک خاندان کا لقب تبّع تھا۔ یہ اپنے وقت کے بڑے عظیم الشان وجلیل القدر فرمانروا تھے۔ اور ان کے حدودِ سلطنت علاوہ حمیر، حضر موت اور سارے علاقہ سبا کے شمال میں شمالی عرب تک اور مغرب میں افریقہ تک وسیع تھے۔ اور یہ خاندان کوئی ڈھائی سو سال فرماں روا رہا۔ اور ان کے زمانہ کا تخمینہ ظہور اسلام سے سات آٹھ صدیوں قبل کا کیا گیا ہے۔ اہل لغت کا بیان ہے کہ تبّع ان بادشاہوں کو ان کی کثرت اتباع کی بنا پر کہتے ہیں۔ ابن ہشام میں ابن اسحٰق کے حوالہ سے ہے کہ:۔ قال ابن اسحق و کان قد جعل طريقة حين اقبل من الشرق على المدينه و كان قد مربها في بدء ته۔ ”اس نے مدینہ سے (یمن تک) سڑک بنوادی تھی، جب مشرق سے مدینہ کو آیا تھا اور اسی سڑک سے اپنے وطن کو آتا جاتا تھا۔“ بہر حال اہل عرب تبّع کی عظمت وشان سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔ بلکہ ان کے ہاں تبّع کی عظمت وجلالت بطور ضرب المثل کے مشہور وزبان زد تھی۔ هُمۡ۔ ضمیر عرب معاصرین کی جانب ہے جن کا ذکر ابھی آیاتِ ماقبل میں آیا ہے۔ ف۲۴ اس میں رد آ گیا ان ساری جاہلی قوموں کا، جو یہ سمجھتی ہیں کہ یہ ساری کائنات محض ایک تماشہ گاہ ہے اور خالق کائنات کو (نعوذ باللہ) محض ایک میلہ رچانا، (تماشہ کرنا) مقصود تھا۔ قرآن مجید اس کی بار بار تردید کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس کارخانہ آفرینش سے بڑے بڑے اہم مقاصد مقصود ہیں...... اکبر الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ؎ اکبر اس فطرتِ خاموش کو بے حس نہ سمجھ:۔ ہاں بصیرت سے تہی دیدۂ نرگس نہ سمجھ۔ مَا خَلَقۡنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ۔ یعنی ان کی آفرینش میں بڑی بڑی غایتیں اور مصلحتیں پنہاں ہیں۔ اور ان میں سے ایک بڑی حکمت قانون مجازات ومکافات کا اجراء ونفاذ ہے۔ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ۔ کثرت سے لوگ عقیدہ حشر ہی کے منکر ہیں اور جو مانتے ہیں ان میں بھی بہت سے عملاً اس کی اہمیت کو بھلائے ہوئے ہیں۔ ف۲۵ چنانچہ اپنی صفت عزیزیت کے تقاضہ سے کافروں کو خوب مغلوب کرے گا۔ اور صفت رحیمیت کا ظہور اہل ایمان پر پوری طرح فرمائے گا۔ لَا یُغۡنِیۡ...... یُنۡصَرُوۡنَ۔ مطلق دنیوی تعلق حشر میں ہرگز کسی ایک کا دوسرے سے کام نہ آئے گا۔ بلکہ اس کی بناء پر کوئی کسی کی مدد تک نہ کر سکے گا۔ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ اللّٰهُ۔ اور اللہ کی رحمت کا اثر یہ ظاہر ہو گا کہ وہ کسی مومن کے حق میں شفاعت کا اذن دیدے۔

ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ

پھر اس کے سر کے اوپر گرم پانی کا عذاب نازل کرو، لے اس کا مزہ

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ

تُو تو بڑا معزز مکرم ہے نا یہی وہ چیز ہے جس کے باب میں

تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ

تم شک کیا کرتے تھے و۲۶ اللہ سے ڈرنے والے بے شک امن کی جگہ میں ہوں گے (یعنی) باغوں میں

وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ

اور نہروں میں لباس پہنے ہوں گے باریک اور دبیز ریشم کا

مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۴﴾

آمنے سامنے بیٹھے ہوئے یہ بات اسی طرح ہے، اور ہم اُن کی زوجیت میں دے دیں گے گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں کو،

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ

وہ وہاں ہر قسم کے میوے منگائیں گے اطمینان سے و۲۷ وہ وہاں موت کا مزہ بھی

فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ

نہ چکھیں گے ہاں بجز اُس پہلی موت کے اور اللہ انہیں دوزخ سے

عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ

بچائے گا (یہ سب) آپ کے پروردگار کے فضل سے ہو گا، یہی بڑی

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ

کامیابی ہے و۲۸ سو ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ یہ لوگ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

نصیحت حاصل کریں تو آپ بھی منتظر رہیے، یہ لوگ تو منتظر ہی ہیں و۲۹

ع ۳ ۱۲

و۲۶ عذاب جسمانی کے ساتھ ساتھ اہل جہنم کی اذیت قلب کے بڑھانے کو یہ بھی بطور طعن واستہزاء کہا جائے گا...... دوزخیوں کے مقدر میں تو ہر قسم کی انتہائی اذیت ہے۔ جسمانی و مادی کے علاوہ ذہنی وقلبی بھی۔ الْاَثِيْمِ۔ بڑے مجرم سے مراد کافر ہے۔ اے الکثیر الاثام والمرادبه الکافر لدلالة ما قبله و ما بعدهٗ علیه (بیضاوی) الاثیم اے فی قوله وفعله وهو الکافر (ابن کثیر) الْاَثِيْمِ کے صیغۂ مفرد سے مراد جنس کافر ہے کوئی مخصوص فرد یا متعین شخصیت مراد نہیں۔ المراد به جنس الکافر لا واحد بعینه (روح) اور یہ جو بعض اقوال میں آیا ہے کہ اس سے مراد ابوجہل یا فلاں متعین کافر ہے۔ سو یہ قول خلاف تحقیق وبلا دلیل ہے۔ لیس بشیء ولا دلیل علی ذٰلک (روح) وذکر غیر واحد انه ابوجهل ولا شک فی دخوله فی هٰذه الأیة ولکن لیست خاصة به (ابن کثیر) شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ۔ زقوم (تھوہر) پر حاشیہ سورہ والصافات (پ ۲۳) میں گزر چکا۔ زَقُّوْم کے معنی کسی کسی نے یہ بھی بیان کئے ہیں کہ یہ قوم بربر کی زبان میں کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں۔ اس پر فقیہ مالکی مفسر ابن العربی علیہ رحمۃ اللہ بڑے غصہ کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ایسے قول کسی جاہل ہی کے ہو سکتے ہیں۔ ویحکی عن بعضهم ان الزقوم هو التمر والزبد بلسان البربر والله ولهٰذا القائل وامثاله الذین یتکلمون فی الکتاب بالباطل وهم لا یعلمون۔ روح المعانی میں صوفیہ کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ:۔

هی شجرة الحرص وحبّ الدنیا تظهر یوم القیامة علٰی اسوء حال واخبث طعم۔

یہ درخت حرص وحب دنیا کا درخت ہے جو حشر میں اس شکل میں متشکل ہو جائے گا۔

و۲۷ یعنی اہل جنت علاوہ روحانی نعمتوں کے ہر قسم کی مادی و جسمانی لذتوں سے بھی پوری طرح لذت گیر ہوں گے۔ یہ نہ ہوگا کہ یہاں کی جسمانی لذتوں سے انہیں وہاں خواہ مخواہ بے جرم محروم کر دیا جائے...... ہمارے ہاں کے جن جدید اہل قلم نے جنت کی لذاتِ جسمانی کی تاویلیں کر کر کے انہیں خواہ مخواہ بدل دینا چاہا ہے۔ وہ در حقیقت خود مسیحیت اور دوسرے باطل مذہبوں سے کسی حد تک مرعوب ہیں جنہوں نے جسم وجسمانیات ہی کو مطلق شر تسلیم کیا ہے۔ مَقَامٍ اَمِيْنٍ۔ یعنی ایسی جگہ جو ہر مصیبت، ہر ناخوشگواری سے محفوظ ہو۔ و۲۸ (جس کے سامنے اور کسی کامیابی کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا) لَا ...... اُوْلٰى۔ یعنی یہ ساری نعمتیں لازوال وغیر منقطع ہوں گی۔ اور آئندہ ان کے ختم وانقطاع کا کوئی خطرہ نہ ہوگا۔ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى۔ یعنی وہی موت جو دنیا میں واقع ہوئی تھی۔ اور جو انہیں اس عالم آخرت میں لانے اور انہیں غیر فانی بنانے کا ذریعہ ہوئی۔ و۲۹ یعنی آپ تبلیغ کے علاوہ اور کسی فکر وتردد میں نہ پڑیے اور ان پر نزول ضرر کے منتظر رہیے۔ جس طرح یہ اپنی حماقت سے آپ پر نزول ضرر کے منتظر ہیں۔ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۔ یعنی آپ کی زبان میں قرآن کے نازل ہونے کی ایک مصلحت یہ ہے کہ آپ کے یہ مخاطبین اسے داعیٔ اول ﷺ ہی کی زبان سے خوب سمجھ کر اس سے نفع حاصل کریں:۔

آیاتھا ۳۷ — ۴۵ سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ ۶۵ — رکوعاتھا ۴

اس کی سینتیس آیتیں ہیں — سورۂ جاثیہ مکہ میں نازل ہوئی — اور چار رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲ اِنَّ فِي

حا۔ میم (یہ) کتاب نازل کی ہوئی ہے اللہ غالب اور حکمت والے کی طرف سے ف۱ بے شک

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا

آسمانوں اور زمین میں نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لئے اور خود تمہاری اور ان حیوانات کی

يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۴ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ

آفرینش میں جن کو اس نے پھیلا رکھا ہے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں، ف۲ اور (اسی طرح) رات اور

وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ

دن کے الٹ پھیر میں اور اس رزق میں جس کو اللہ نے آسمان سے اُتارا پھر اس زمین کو

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ

تر و تازہ کیا اس کے خشک ہوئے پیچھے، اور ہواؤں کے ادل بدل میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے

يَّعْقِلُوْنَ ۝۵ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ

جو عقل رکھتے ہیں ف۳ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جو صحیح طور پر ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں تو پھر

حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ

اللہ اور اس کی نشانیوں کے سوا اور کون سی بات ہوگی جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے، بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لئے جو جھوٹ لگانے

اَثِيْمٍ ۝۷ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ

والا ہے، نافرمان ہے، اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جب وہ اس کے روبرو پڑھی جاتی ہیں پھر بھی تکبر کرتا ہوا اڑا رہتا ہے، جیسے

ف۱ (اور اس لئے اس کے مضامین بھی نہایت ہی قابل توجہ ہیں) حٰمٓ۔ ملاحظہ ہو حاشیہ سورۂ مومن نمبر ا پ ۲۴ تَنْزِيْلُ...... الْحَكِيْمِ۔ اس میں منکرین قدیم و جدید کے اس اتہام کی بھی تردید آگئی کہ یہ کلام رسول کا گڑھا ہوا ہے۔ مِنَ...... الْحَكِيْمِ۔ کلام میں خود مصنف کا اثر آگیا ہے۔ اور کتاب اسی شان اور اسی پایہ کی ہوگئی ہے۔ جیسی الْعَزِيْزِ اور الْحَكِيْمِ کی کتاب کو ہونا چاہیے۔ ف۲ (اللہ کی قدرت و حکمت کی اور اس کی توحید کی) جن کے دلوں میں ایمان گھر کر چکا ہے۔ اور جن کی بصیرت مومنانہ بن چکی ہے۔ انہیں اس کارخانہ کائنات میں قدم قدم پر اللہ کی حکمتوں، صنعتوں، قدرتوں کے نمونے ملتے ہیں۔ اور وہ سب اس کی توحید ہی کی طرف لے جاتے ہیں، نہ کہ معبودوں کے تعدد کی جانب۔ ف۳ (قدرت الٰہی اور توحید الٰہی کی) مطلب یہ ہے کہ کائنات کے جتنے بھی شعبے ہیں طبعی، نفسیاتی، حیوانی، فضائی وغیرہ۔ سب میں غور کرنے والے اور انصاف و طلب حقیقت رکھنے والے انسان کے لئے دلائل و شواہد حق تعالیٰ کی توحید اور قدرت کاملہ ہی کے ملتے ہیں۔ وَفِيْ خَلْقِكُمْ۔ انسان کی جسمی ساخت و ترکیب و فعلیت سے متعلق جتنے بھی علوم و فنون ہیں۔ تشریح الابدان، عضویات، نفسیات وغیرہا۔ ان سب کے قوانین و ضوابط سے انسان معرفت الٰہی ہی کے سبق لے سکتا ہے۔ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ۔ اس کے تحت میں سارے علوم حیوانیات مع اس کے متعلقات کے آگئے۔ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ ہیئت، ریاضیات، فضائیات، طبعیات مع اپنی تمام شاخوں کے اس کے تحت آگئے۔ مِنَ السَّمَآءِ...... الرِّيٰحِ۔ معاشیات، حیاتیات، نباتیات، ارضیات، فضائیات کے سارے علوم مع اپنی شاخوں اور متعلقات کے اس کے تحت میں آگئے۔ رِّزْقٍ سے مراد مادۂ رزق یعنی بارش ہے۔ ای من مطر وسماہ رزقاً لانہ سببہ (بیضاوی) ای ما انزل اللہ تبارک وتعالیٰ من السحاب من المطر فی وقت الحاجۃ الیہ وسماہ رزقاً لانہ بہ یحصل الرزق (ابن کثیر) یعنی الغیث الذی ارزاق العباد (معالم) لیکن اگر یہ تاویل مجازنہ کی جائے۔ جب بھی خود پانی بھی تو رزق ہے۔ ولو لم یؤول صح لانہ فی نفسہ رزق ایضاً (روح) بِهٖ میں ضمیر مادۂ رزق یعنی بارش کی طرف ہے۔ سماء سے ایسے موقع پر ہمیشہ مراد صرف سمت بلندی کی جانب اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ ای جھۃ العلو (روح) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان تین آیتوں کے ختم پر لفظ تین مختلف آئے ہیں۔ پہلے للمومنین، پھر لقوم یوقنون اور پھر لقوم یعقلون۔ ان میں ایک خاص ترتیب ہے۔ گویا مخاطبین سے کہا یہ گیا ہے کہ تم اگر ایمان والے ہو تو خود ہی ان دلائل کو سمجھ جاؤ گے لیکن اگر ایمان سے محروم ہو جب بھی حق کے طالب تو ہو گے۔ جب ہی انہیں سمجھ سکتے ہو۔ اور یہ بھی نہ ہو تو آخری درجہ میں بہر حال صاحب فہم تو ہی ہو اسی فہم سے کام لو۔ جب بھی کافی ہے۔

لَمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑧ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا

اس نے انہیں سنا ہی نہیں سو اُسے عذاب دردناک کی خوشخبری سنا دیجئے ف۴ اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے

شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑨ۭ مِنْ

کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اُڑاتا ہے، یہی لوگ تو ہیں جن کے لئے ذلت کا عذاب ہے ف۵ اُن کے

وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا

آگے جہنم ہے اور اُن کے کام نہ تو وہ چیزیں کچھ بھی آئیں گی جو یہ کما گئے اور نہ وہ جن کو

اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑩ۭ هٰذَا

انہوں نے اللہ کے سوا کارساز تیار کیا تھا اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے ف۶ یہ (قرآن)

هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ

ہدایت ہی ہے اور جو لوگ اپنے پروردگار کی نشانیوں سے کفر کرتے ہیں اُن کے لئے سختی کا عذاب

اَلِيْمٌ ⑪ اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ

دردناک ہے اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر بنایا تاکہ اس میں اس کے حکم سے کشتیاں

بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫ۚ

چلیں اور تاکہ تم اس کی (دی ہوئی) روزی تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر کرو ف۷

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ

اور اُس نے تمہارے لئے مسخر بنایا جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ⑬ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بے شک اس میں اُن لوگوں کے لئے نشان ہیں جو غور کرتے رہتے ہیں ف۸ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں آپ اُن سے کہہ دیجئے

يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا

کہ اُن سے درگزر کریں جو اللہ کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے، تاکہ اللہ ایک قوم کو اُن کے

ع ۱۱/۱۷

ف۴ (کہ وضوحِ حق کے بعد روشِ استکبار کی سزا عذاب الیم ہی ہے) فَبِاَيِّ ...... يُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی توحید، معاد، نبوت وغیرہ مسائل حقہ کا اثبات انہیں آیات ہی سے تو ہوتا ہے۔ سو اب اور کون چیز باقی ہے جس پر ان کے ایمان لانے کی توقع کی جاسکے۔ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ۔ مراد بعد ایات اللہ ہی ہے الفاظ جس ترتیب وترکیب کے ساتھ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ اس نے کلام میں زور وتاکید پیدا کردی ہے۔ تقدیم اسم الله للمبالغة و التعظیم (بیضاوی) بَعْدَ اللّٰهِ میں بعد سے مراد بعض نے بعد کتاب الله لی ہے۔ اور کتاب کو محذوف سمجھا ہے۔ بَعْدَ اللّٰهِ میں بعد کے معنی "اس سے بڑھ کر" کے ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت سے یہ نکتہ بھی اخذ کیا ہے کہ ایمان میں تقلید کافی نہیں۔ ہر مکلف کو دین الٰہی کے دلائل پر غور وتفکر بھی کرنا چاہے۔ ابطل بهذاقول من یزعم ان التقلید کاف وبیّن انه یجب علی المکلف التامل فی دلائل دین الله (کبیر) ف۵ چونکہ انکار وتکذیب کی بنیاد استکبار نفس پر تھی، اس لئے عذاب مہین (ذلیل ورسوا کرنے والے) کی مناسبت بالکل ظاہر ہے۔ اِذَا ...... هُزُوًا۔ استہزاء وتمسخر کا درجہ محض انکار وتکذیب سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔ ف۶ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ کی تصریح سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ وہ عذاب علاوہ مُهِيْنٌ ہونے کے باعث تفضیح و رسوائی ہونے کے شدید بھی بہت سخت ہوگا۔ مَا كَسَبُوْا۔ اس کے عموم میں دنیا کے احوال، اعمال سب داخل ہیں۔ ف۷ اور اس شکر گزاری کی سب سے بڑی فرد یہ ہے کہ اللہ کی توحید و ربوبیت کا اقرار کرو، اور اس کے احکام کی تعمیل۔ سَخَّرَ لَكُمْ۔ یعنی تمہارے نفع کے لئے اپنے احکام تکوینی کا تابع بنایا۔۔۔ خطاب یہاں عام نوع انسانی سے ہے۔ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ۔ یعنی تاکہ تم ان کشتیوں پر سوار ہو کر اور سفر کرکر کے ہر طرح کے نفع حاصل کرو۔ مِنْ فَضْلِهٖ۔ فضل۔ یہاں بہت وسیع معنی میں ہے۔ بحری تجارت، بحری شکار، جہاز رانی سیپی، موتی، مونگے کا کاروبار، غواصی وغیرہ سب کچھ اس میں آ جاتا ہے۔ التجارة والغوص والصیدوغیرها (بیضاوی) بِاَمْرِهٖ۔ میں اشارہ کردیا کہ سمندر کا اتنا مسخر ہو جانا یہ تمام تر احسان خداوندی ہے۔ بندہ اسے اپنی قابلیت وقوت ایجاد کی جانب منسوب کرکے اپنے اوپر نازاں نہ ہو۔ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ۔ ایات رب سے یہاں مراد قرآن بھی لی گئی ہے۔ لان أیات ربهم هی القرأن ای هٰذا القرأن کامل فی الهدایة (مدارک) ف۸ غور وفکر کی قوتیں بھی اللہ کی دی ہوئی ہیں اور ان سے اگر صحیح طور پر کام لیا جائے، تو ہدایت ومعرفت ہی کی راہیں کھلتی رہیں گی۔۔۔ اصطلاحی فلسفہ قدیم یونان کا ہو یا یورپ کا وہ عقل واستدلال کے استعمال کا نہیں، سوء استعمال کا نمونہ ہے، اور غور وفکر کو ایک مسخ شدہ صورت میں پیش کرتا ہے۔ سَخَّرَ ...... مِّنْهُ۔ اس آیت نے اسے صاف کردیا کہ سورج، چاند، ستارے، ہوا، خشکی، تری، کی جتنی بھی قوتیں ہیں۔ انسان ان سب کو اپنے کائناتی تصرف میں لائے گا اور جوں جوں قوانین فطرت کا زیادہ راز دار ہوتا جائے گا، منشاء فطرت اور زیادہ پورا ہوتا جائے گا۔ مِنْهُ۔ اس تصریح نے اسے صاف کردیا کہ یہ تسخیر فطرت کی بھی ساری نعمت تمام تر اللہ ہی کی دی ہوئی ہے، کوئی دیوی دیوتا اس میں شریک نہیں۔ یعنی انه سبحانهٗ مکونها وموجدها بقدرته وحکمته ثم مسخرها لخلقه (روح) قَوْمًا۔ ایک قوم کو یعنی اہل ایمان کو۔

يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَسَآءَ

اعمال کا صلہ دے ۔ و۹ جو کوئی بھی نیک عمل کرتا ہے، سو اپنی ذات کے لئے کرتا ہے اور جو کوئی برائی کرتا ہے

فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿١٥﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ

اس کا بھی وبال اسی پر رہتا ہے پھر تم کو واپس اپنے پروردگار کی طرف جانا ہے و۱۰ اور ہم نے بنی اسرائیل کو

اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ

کتاب اور حکمت اور نبوت دی تھی اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزیں

الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ ۚ وَ اٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ

مہیا کر دیں اور ہم نے انہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دی تھی و۱۱ اور ہم نے انہیں دین کے باب میں کھلی ہوئی

الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًا

دلیلیں دی تھیں سو انہوں نے علم آنے کے بعد بھی باہم اختلاف کیا آپس کی

بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ

ضد سے و۱۲ بے شک آپ کا پروردگار اُن کے درمیان اُن امور میں فیصلہ کر دے گا جن میں یہ

يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٧﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا

اختلاف کیا کرتے تھے و۱۳ پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ اسی پر چلے جائیے

وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ

اور بے علموں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے و۱۴ یہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں آپ کے ذرا بھی

مِنَ اللّٰهِ شَيْــًٔا ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ

کام نہیں آ سکتے، ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں،

وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ

اور پرہیزگاروں کا دوست تو اللہ ہے و۱۵ یہ (قرآن) لوگوں کے لئے دانشمندیوں (کا سبب) اور ہدایت (کا ذریعہ) ہے اور

و۹ يَغْفِرُوْا۔ غفر۔ یہاں عفو کے مرادف ہے۔ اے یعفوا ویصفحوا (بیضاوی) لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے اہم سے اہم جو معاملات بندوں کے ساتھ حشر میں پیش آئیں گے۔ مثلاً یہ کہ فرمانبرداروں پر عطاؤ بخشش ہوگی اور نافرمانوں پر نزول عذاب وشدت ہوگا۔ منکرین قیامت ان سارے امور کی طرف سے اپنے کو غافل ہی بنائے ہوئے ہیں۔ اَيَّامَ اللّٰهِ۔ پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔

و۱۰ (وہاں مطیعون کو اپنی طاعتوں کا بدل بلکہ نعم البدل ملے گا اور سرکشوں کو اپنے کرتوتوں کا بدلہ۔ دنیا میں ان نافرمانوں سے درگزر ہی مناسب ہے) آیت کا مقصود اس انتقام سے روکنا ہے جس سے مقصود اپنے غیظ کی تسکین ہوتی ہے۔ باقی قتال جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہوتا ہے اس سے نفیاً واثباتاً آیت کو کوئی تعلق نہیں۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ۔ یہ اس حقیقت کا اعلان ہے کہ جو کوئی بھی نیک عمل کرتا ہے اپنے ہی نفع کے لئے کرتا ہے کسی دوسرے پر احسان نہیں کرتا — جاہلی قومیں یہ سمجھتی تھیں کہ کسی دیوی دیوتا کی پوجا کرنا خود اس پر کرم کرنا اور اس کو زیربار منت کرنا ہے۔ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا۔ یہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ بدی کا وبال خود اس بدی کے مرتکب پر پڑتا ہے۔ دوسروں کو اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ و۱۱ (بحیثیت علمبردار توحید ہونے کے دنیا کی ساری مشرک قوموں کے درمیان) الْكِتٰبَ۔ یعنی توریت نیز بعض دوسرے انبیاء بنی اسرائیل پر اتارے ہوئے دوسرے صحیفے الْحُكْمَ۔ یعنی حکمت ومعرفت۔ النُّبُوَّةَ۔ قدیم قوموں میں جب تک تقسیم کی بنیاد نسل پر رہی۔ شرف و امتیاز نبوت نسل اسرائیل ہی کو حاصل رہا۔ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ۔ الطیبات کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر حلال، نفیس، پاکیزہ چیز اس کے تحت میں آجاتی ہے۔ اشارہ خصوصی حکومت ملک شام کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ جو اپنی نفیس پیداوار کے لئے خاص طور پر مشہور تھا۔ و۱۲ کیا ٹھکانا تھا ان کی ضد، جہالت ونفسانیت کا کہ جو شے دافع اختلاف ہو سکتی تھی۔ یعنی العلم یا وحی، عین اسی کو باعث تفریق وشقاق بنا لیا! بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ۔ الامر سے مراد دین ہے۔ اور بینات کے تحت میں دلائل ومسائل یعنی حسی اور معنوی اور علمی ہر طرح کی ہدایتیں آگئیں۔ و۱۳ (سو آپ یہاں ان کی ہدایت کے زیادہ درپے نہ رہیں) آخرت میں فیصلہ عملی اور مشاہداتی رنگ میں ہوگا۔ دلائل وشواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ آج بھی موجود ہے۔ و۱۴ یہ شیوہ تو ظالموں، فاسقوں کا ہے کہ ایک دوسرے کی راہ پر چلنے لگتے ہیں۔ آپ کو بھلا اس سے کیا مناسبت ہے۔ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ۔ یعنی آپ کو نبوت سے سرفراز کیا۔ الْاَمْرِ سے مراد دین ہے۔ اے من امر الدین۔ (بیضاوی) الْاَمْرِ۔ ہو سکتا ہے کہ ال استغراق کا ہو۔ تو مراد یہ ہوگی کہ ہم نے ہر امر عظیم ومہتم بالشان میں آپ کو راہ دکھا دی اور آپ کسی امر میں بھی بے راہ نہیں رہے۔ فَاتَّبِعْهَا۔ یعنی دینِ حق کا اتباع اپنے عمل سے بھی کرتے رہئے، اور تعلیم و تبلیغ سے بھی۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ شریعت کی مخالفت کر کے قرب و کمال کا دعویٰ کرنا تمام تر دعوئے باطل کرنا ہے۔ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی جو لوگ علم حقیقت سے بے بیگانہ ہیں، نا آشنائے ایمان، منکرین حق۔ و۱۵ (تو آپ تو پرہیزگاران عالم کے سرور وسردار ہیں، حق تعالیٰ آپ کا دوست وکارساز تو بدرجہ اولیٰ ہوگا) اِنَّ — بَعْضٍ۔ ظالم سے یہاں بھی مراد کافر ہی ہیں۔ نافرمانوں اور سرکشوں کی باہمی نصرت ومعاونت کی ایک تازہ اور نمایاں مثال عین اس تفسیر کی تحریر کے وقت پیش نظر ہے۔ مسیحیوں کو یہود سے اور یہود کو مسیحیوں سے جو عداوت وبیزاری ہے۔ تاریخ کے اوراق سے ظاہر ہے اور قاتلانِ "ابن اللہ" اور پرستارانِ "ابن اللہ" کے درمیان یہی ہونا بھی تھا۔ لیکن بایں ہمہ اس وقت علاقہ فلسطین میں یہود کی آبادی یہود کی مستقل حکومت کے قیام اور یہودیت کے فروغ میں سب سے زیادہ کوشاں یورپ اور امریکہ کی مسیحی ہی سلطنتیں ہیں!

لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾ اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ

یقین لانے والوں کے لئے بڑی رحمت ہے ف١٦ کیا جو لوگ بُرے بُرے کام کررہے ہیں اس خیال میں ہیں کہ

اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ كَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً

ہم انہیں اُن جیسا رکھیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کی زندگی

مَّحۡیَاهُمۡ وَمَمَاتُهُمۡ ؕ سَآءَ مَا یَحۡكُمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ

اور ان کی موت یکساں ہی رہیں سو کیسا برا حکم یہ لوگ لگاتے ہیں ف١٧ اللہ نے آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَلِتُجۡزٰی كُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا

زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اُس کے کئے کا

كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ

بدلہ دیا جائے اور اُن پر ذرا ظلم نہ کیا جائے گا ف١٨ سو کیا آپ نے اُس شخص کی بھی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی خواہش نفسانی کو

هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلۡمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمۡعِهٖ وَقَلۡبِهٖ وَ

اپنا خدا بنا رکھا ہے اور اللہ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور اُس

جَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنۡ یَّهۡدِیۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ ؕ

کے کان اور اُس کے دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے ف١٩ سو ایسے کو بعد اللہ کے اور کون ہدایت کرے

اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوۡا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ

تو کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے؟ ف٢٠ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں ہم (بس ایک ہی بار)

وَنَحۡیَا وَمَا یُهۡلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ ۚ وَمَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ

مرتے اور (بس ایک ہی بار) زندگی پاتے اور ہم کو صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے درآنحالیکہ اُن کے پاس اُس کی کوئی دلیل نہیں،

اِنۡ هُمۡ اِلَّا یَظُنُّوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ مَّا كَانَ

یہ محض اٹکل سے ہانک رہے ہیں، ف٢١ اور جب اُن کے سامنے ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو اُن کے پاس

ع ٢ / ١٨

ف١٦ هٰذَا...... هُدًی۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا مجموعۂ بصیرت و ہدایت ہونا ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے۔ اس کی ان خصوصیات سے فائدہ سب ہی اٹھا سکتے ہیں۔ وَرَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ۔ لیکن ثمرۂ عمل یعنی رحمت خاصہ یہ مخصوص اہل ایمان ہی کے ساتھ ہے۔ بَصَآئِرُ بعض محققین نے کہا ہے کہ بَصَآئِرُ بصیغۂ جمع لانے میں نکتہ یہ ہے کہ قرآن مجید سارے ہی مہمات کے لئے کافی ہے۔ ایک دو کے لئے نہیں۔ ف١٧ مطلب یہ ہے کہ نافرمان جس طرح اپنے اکثر حالات و آثار تکوینی کے لحاظ سے فرمانبرداروں کے ساتھ دنیا میں ملے جلے رہتے ہیں اور موت، بیماری، رزق وغیرہ کے اعتبار سے کوئی ظاہری فرق، کھلا ہوا امتیاز، محض سرکشی واطاعت کی بنیاد پر دیکھنے میں نہیں آتا، کیا اس طرح کا خلط ملط عالم ابتلاء کے بعد بھی قائم رہے گا؟ ہرگز نہیں، عالم حقائق میں اہل طاعت اور اہل طغیان کے حالات و آثار تو ایک دوسرے سے بیّن طور پر ممتاز اور نمایاں طور پر جدا ہوں گے۔ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ۔ سیات کے تحت میں کفر، شرک، معصیت سب شامل ہیں، لیکن یہاں ایمان و عمل صالح کے مقابلہ میں آنے سے اغلبًا مراد سیات کفر ہی سے ہے۔ والمراد بها سيّات الكفر (روح) والسيّات هنا سيّات الكفر (بحر) سَآءَ مَا یَحۡكُمُوۡنَ۔ دونوں میں یکسانی اگر واقعی اور مستقل رہی تو پھر تو قانون مجازات باطل ہی گیا۔ اور مکافاتِ عمل کے کوئی معنیٰ ہی نہ رہے۔ ف١٨ یعنی اس بدلہ میں ظلم زیادتی ذرا سی بھی نہ ہوگی۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ آسمان و زمین کا محض خالق ہی نہیں بلکہ حکمتوں اور مقصدوں کے ساتھ ان کا خالق ہے۔ اور یہ ایک حکمت یہی قانون مجازات ہے، دنیا میں پورا پورا بدلہ ملتا نہیں۔ اس لئے لازمی ہے کہ ایک دوسرا عالم ہو۔ جس میں انصاف رتی رتی کا کیا جائے۔ اور سب کے سب اسے محسوس بھی کریں۔ ف١٩ (کہ حق کو سننے سمجھنے کے باوجود بھی اتباع خواہش نفس سے گمراہ ہوگیا) مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ۔ خداوندی ضابطوں کو یکسر بھلا کر زندگی اور اجزائے زندگی کا حاکم اپنی عقل کو یا کسی بشری قانون اعلیٰ کو بنا لینا عملاً اپنی خواہش نفس ہی کی پوجا کرنا ہے۔ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلۡمٍ۔ حق تعالیٰ کا اسباب ضلالت کو تکوینی طور پر خلق کر دینا یہی اس کی طرف سے اضلال ہے۔ خَتَمَ...... غِشٰوَةً۔ یہ کان اور دل پر مہر لگ جانا اور آنکھوں پر پردہ پڑ جانا ابتداءً حق تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہوا، بلکہ یہ تو عین نتیجہ نکلا۔ ان کی ارادی پیروی نفس کا ــــ ان حاشیوں میں اس مسئلہ کی تصریح بار بار کی جاچکی ہے۔ ف٢٠ سمجھنے سے مراد ایسا سمجھنا ہے جو نافع ہو اور ہدایت کی طرف لے آئے۔ باقی سمجھنا اگر اپنے عام مفہوم میں بھی نہ ہوتا تو سرے سے یہ لوگ قابل خطاب وعتاب ہی نہ رہ جاتے، بلکہ معذور سمجھ لئے جاتے۔ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ۔ بعد یہاں غیر یا سوا کے معنیٰ میں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اور متعدد مقامات پر آیا ہے۔ قيل المعنى فمن يهديه غير الله سبحانه (روح) بعض نے کہا ہے کہ مراد بعد اضلال اللہ سے ہے۔ یعنی اللہ کے گمراہ کر دینے کے بعد سے۔ اى من بعد اضلاله (بیضاوی) اى من بعد ان اَضَلَّهُ اللّٰهُ (کبیر) مطلب یہ ہوا کہ ایسوں کی استعداد قبول حق اتنی مضمحل ہو جاتی ہے کہ کوئی توقع کسی انسانی تدبیر سے ان کی اصلاح کی نہیں رہ جاتی۔ ف٢١ عرب خصوصاً وسطی اور جنوبی عرب میں کثرت سے لوگ اس عقیدہ ومشرب کے تھے کہ نہ کوئی حیاتِ اخروی ہے نہ کوئی جزا وسزا۔ جو کچھ ہو رہا ہے سب قوانین مادی و طبعی کے لحاظ سے ہو رہا ہے۔ انہیں کی ماتحتی میں انسان کو موت بھی آجاتی ہے اور انہیں کے مطابق انسان پیدا بھی ہوتا ہے۔ ان کے بڑے بڑے شاعر یہی مضمون باندھ گئے ہیں۔ گویا جاہلیت کے ''روشن خیال'' کا ٹھیک وہی مسلک تھا جو آج کے مہذب ''روشن خیال'' فرنگی کا ہے۔ مادیت (میٹریلزم) کا مسلک دنیا کا ''جدید ترین'' نہیں، بہت قدیم مذہب ہے۔ قال ذلک مشر کو قریش (جصاص عن قتادة) هذا قول زنادقة قريش الذين كانوا ينكرون الصانع الحكيم وان الزمان ومضى الاوقات هو الذى يحدث هذه الحوادث (جصاص) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی اَلدَّهۡرُ۔ بعض عرب ''دہر'' یا ''زمان'' کو ایک مستقل دیوتا کی حیثیت سے مانتے تھے۔ وَمَا لَهُمۡ...... یَظُنُّوۡنَ۔ یہ ان مدعیانِ عقل و ''روشن خیالی'' کی تجہیل ہے۔ وجود باری اور وقوع قیامت پر جو دلائل قائم ہیں ان کی تو یہ کچھ تردید کر پاتے نہیں۔ اور خود جو دعویٰ نفی جزاء وسزا کا اور اثبات دہریت کا کرتے ہیں۔ اس پر کوئی دلیل ضعیف سی بھی نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ ادھر اُدھر کی جو خیالی باتیں کر رہے ہیں وہ سرتاسر سطحی بلکہ بالکل بے مغز ہیں۔

حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قُلِ

کوئی اور جواب نہیں ہوتا بجز اس کے کہ کہنے لگتے ہیں کہ (اچھا تو) اگر (بڑے) سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو لے آؤ ف ٢٢

اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ (ہی) تم کو زندہ رکھتا ہے پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے پھر وہی تمہیں قیامت کے دن اکٹھا کرے گا

رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ ع وَلِلّٰهِ مُلْكُ

جس میں ذرا شبہ نہیں لیکن اکثر لوگ (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے ف ٢٣ بس اللہ ہی کی سلطنت ہے

ع ٣ ١٥ ١٩

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ

آسمانوں اور زمین میں اور جس روز قیامت قائم ہو گی اُس روز اہل باطل

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى

بڑے خسارہ میں ہوں گے ف ٢٤ اور آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ دوزانو ہوں گے، ہر جماعت اپنے رجسٹر کی طرف

اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٨﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا

بلائی جائے گی آج تمہیں تمہارے کئے کا بدلہ ملے گا ف ٢٥ یہ ہمارا رجسٹر ہے

يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ

جو تمہارے حق میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے تم جو کچھ بھی کرتے رہتے تھے، ہم سب لکھواتے

تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

جاتے تھے ف ٢٦ سو جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے تھے

فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٠﴾

تو اُن کو اُن کا پروردگار اپنی رحمت میں داخل کرے گا صریح کامیابی یہی تو ہے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۫ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

اور جو لوگ کافر تھے سو (اے کافرو) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں

ف ٢٢ (از سر نو زندہ کر کے) گویا کوئی بندہ جب چاہے مردہ کو زندہ کر کے لاسکتا ہے! کسی مومن کا دعویٰ کسی نبی، رسول یا فرشتہ کے متعلق کبھی یہ رہا ہے؟ حواس پرستوں کی عقلیں ایسی ہی ماری جاتی ہیں! — عقلی دلیل کو مشاہدہ کی سطح پر اتار لانے اور اسی میں اس کو محدود و محصور رکھنے کے لحاظ سے کس قدر مشابہت عرب کے "دہری" اور فرنگستان کے (Materialist) کے درمیان ہے۔ ف ٢٣ یعنی یہ احیاء و اماتت، زندگی بخشنے اور موت واقع کرنے کے اعمال تو حق تعالیٰ جو قادر مطلق ہے وہی صادر کرتا رہتا ہے اور وہی قیامت کے دن احیاء ثانی بھی کرے گا — یہ کسی بندہ کے اختیار کی، تصرف کی بات ہی کب ہے۔ جو تم اس کا عملی اور مشاہداتی ثبوت ہم مسلمانوں سے چاہتے ہو۔ ف ٢٤ (جب دیکھیں گے کہ اب کوئی سہارا نام کو بھی موجود نہیں اور کچھ بھی کسی صورت سے بنائے نہیں بنتی) وَلِلّٰهِ...... الْاَرْضِ۔ زمین و آسمان میں کہیں بھی کسی دوسرے کی ملکیت و شرکت نہیں۔ وہی اکیلا مالک و متصرف ہے جب اور جس طرح جو کچھ چاہے کرے۔ ف ٢٥ یہ ہر امت سے پکار کر کہا جائے گا۔ اَلْيَوْمَ۔ مراد یوم حشر کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ جَاثِيَةً۔ کھلے ہوئے معنی تو یہ ہیں کہ حساب کے وقت سب ادب سے دوزانو ہوں گے۔ دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ خوف سے زانو کے بل گر پڑیں گے۔ وهي هيئة المذنب الخائف المنتظر لمايكره (روح) اس معنی میں آیت مخصوص ہوگی غیر مقبولین اہل باطل کے ساتھ۔ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا۔ رجسٹر کی طرف بلائی جائے گی۔ یعنی اس رجسٹر کے مطابق حساب و کتاب کے لئے طلب کی جائے گی۔ ورنہ نفس رجسٹر یا نامہ عمل تو ظاہر ہے کہ خود ہی سب کے ہاتھ میں ہوگا۔ ف ٢٦ (فرشتوں سے اور ان کے لکھنے میں کسی غلطی کے رہ جانے کا احتمال و امکان ہی نہیں) یہ سارا قول ان اہل دوزخ سے پکار کر کہا جائے گا۔ كِتٰبُنَا۔ یعنی ہمارا لکھوایا ہوا رجسٹر۔ ابھی ابھی كِتٰبِهَا میں اس رجسٹر کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی تھی۔ اس حیثیت سے کہ رجسٹر میں اعمال تو بندوں ہی کے درج ہوں گے۔ اور اب اسی کتاب کی نسبت حق تعالیٰ اپنی جانب کر رہا ہے۔ یہ اس اعتبار سے کہ وہ رجسٹر لکھوایا ہوا تو حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ۔ تمہارے خلاف صاف صاف گواہی دے رہا ہے۔ تمہاری بدکرداریوں کو پوری طرح ظاہر کر رہا ہے۔ بِالْحَقِّ۔ بالکل ٹھیک ٹھیک، نپی تلی بات، بغیر کمی و زیادتی کے شائبہ کے۔

فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ

لیکن تم اکڑے رہے اور تم لوگ بڑے مجرم تھے ۲۷؎ اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ

اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا

اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو تم کہا کرتے تھے ہم نہیں جانتے

السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾

قیامت ہے کیا چیز، ہاں ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے اور ہم (اس پر) یقین کرنے والے نہیں ۲۸؎

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

(آج) ان پر ان کے اعمال کی ساری برائیاں کھل گئیں، اور انہیں گھیر لیا اس چیز نے جس کی

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ

یہ ہنسی اڑایا کرتے تھے ۲۹؎ اور (ان سے) کہا جائے گا کہ آج ہم تمہیں بھلائے دیتے ہیں جیسا کہ تم نے اپنے اس دن کے

يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ

آنے کو بھلا رکھا تھا اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ۳۰؎ یہ (سزا) اس لئے ہے

بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ

کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو ہنسی بنا رکھا تھا اور تم کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا تو آج تو یہ لوگ

لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

نہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے (اللہ کی) خفگی دور کی جائے گی ۳۱؎ خوبیاں (سب کی سب) اللہ ہی کے لئے

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ

ہیں (جو) آسمانوں کا پروردگار ہے، زمین کا پروردگار ہے، سارے جہانوں کا پروردگار ہے، ۳۲؎ بس اسی کے لئے

الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

آسمانوں اور زمین میں بڑائی ہے اور وہی زبردست ہے، حکمت والا ہے ۳۳؎

ع ۱۱/۲۰

۲۷؎ یہ پورا فقرہ کافروں سے خطاب کرکے قیامت میں کہا جائے گا۔ صیغۂ غائب سے معاً صیغۂ مخاطب کی طرف منتقل ہو جانا تاکہ کلام میں اثر و قوت زیادہ پیدا ہو جائے۔ عربی اسلوب بلاغت میں عام تھا اور اس کو صنعت التفات کہتے ہیں — اور یہاں اس سے مقصود عتاب کی اہمیت ہے۔ ۲۸؎ اور یہی جواب آج کل کے "روشن خیالوں" کی زبانوں پر بھی چڑھا ہوا ہے۔ قُلْتُمْ...... السَّاعَةُ۔ یہ جواب تم دیا کرتے اور بڑی بے پروائی اور شان استغناء کے ساتھ دیا کرتے تھے۔ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا۔ ایسا ظن و گمان جو ہر سنی سنائی بات کے متعلق کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے۔ حضرت اکبر الہ آبادی علیہ الرحمۃ کا ایک شعر آج کل کے روشن خیالوں کو مخاطب کرکے ہے۔

جو ذکر آتا ہے آخرت کا تو آپ ہوتے ہیں صاف منکر
خدا کی نسبت بھی دیکھتا ہوں یقین رفت و گمان کافی

۲۹؎ حقائق سارے کے سارے آئینہ ہو کر رہے۔ اور اسی میں ان کا اپنا معذب ہونا بھی آگیا۔ وَحَاقَ...... يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ یہ گھیر لینے والی چیز جس کی یہ ہنسی اڑایا کرتے تھے ظاہر ہے کہ عذاب آخرت ہی ہے۔ ۳۰؎ (جو تمہاری سزا کچھ ہلکی ہی کرا سکے) نَنْسٰىكُمْ فعل انساء (بھلا دینا) جب حق تعالیٰ کی جانب منسوب ہوتی ہے تو نعوذ باللہ کوئی سہو یا ضعف حافظہ تو مراد ہو نہیں سکتا — یہ تو ملائکہ تک کے حق میں ممکن نہیں — مراد صرف مجازی ہی سے ہو سکتی ہے، یعنی کافروں کو رحمت حق کے التفات سے محروم کر دیا جائے گا۔ ۳۱؎ یعنی قیامت میں اس کا موقع ہی نہ ہوگا کہ توبہ کرکے اللہ کی ناراضگی کو دور کیا جائے۔ وَغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ انکار آخرت کی اصل بنا یہی دنیا کی مشغولی اور اس میں انہماک تھا۔ ۳۲؎ یعنی نہ آسمان اور نہ زمین اور نہ یہ جہان خود کسی جہت سے معبود یا قابل پرستش ہے جیسا کہ مشرکوں نے سمجھ رکھا ہے اور نہ کوئی اور دیوی دیوتا ہی قابل پرستش ہے۔ رَبِّ السَّمٰوٰتِ۔ آسمان یا فضائے آسمانی میں کہیں کسی دیوی دیوتا کا وجود نہیں۔ رَبِّ الْاَرْضِ۔ سارے روئے زمین کے کسی چپہ پر کوئی دیوی دیوتا وجود نہیں رکھتا۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ کائنات بھر میں کسی مقام پر کسی دیوی دیوتا کا وجود نہیں۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔ ۳۳؎ وہ سب پر غالب و زبردست ہے۔ جب چاہے اپنی بڑائی کا علانیہ اظہار کرکے سب کی نام نہاد بڑائیوں کا خاتمہ کر دے لیکن اس کی صفت حکمت بھی سب پر غالب ہے، اپنی تکوینی مصلحتوں اور حکمتوں سے اسی عالم ابتلاء میں وہ اپنی کبریائی کا مشاہدہ اس اعلان کے ساتھ نہیں کراتا۔ وَلَهُ...... الْاَرْضِ۔ ترکیب کلام یعنی لہٗ کی تقدیم نے مفہوم میں حصر پیدا کر دیا ہے۔ یعنی کبریائی صرف اسی ایک کی ہے۔ کوئی اور اس میں شریک و سہیم نہیں۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں نہ کائنات کے کسی گوشہ میں۔

بحمد اللہ آج دوشنبہ ۳ محرم ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۷ نومبر ۴۷ء کو اس چھبیسویں پارہ کی تفسیر پر نظر ثانی سے فراغت پائی۔ اور نظر ثالث سے آج سہ شنبہ ۲۷ رجب ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۶ مئی ۱۹۵۰ء کو قبل ظہر۔

آیاتها ٣٥ ٤٦ سورة الاحقاف مكية ٦٦ ركوعاتها ٤

اس کی پینتیس آیتیں سورۂ احقاف مکہ میں نازل ہوئی اور چار رکوع ہیں

بسم الله الرحمن الرحيم

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حم ۝١ تنزيل الكتب من الله العزيز الحكيم ۝٢

حا۔ میم (یہ) کتاب نازل کی ہوئی ہے اللہ غالب اور حکمت والے کی طرف سے ف١

ما خلقنا السموت والارض وما بينهما الا بالحق

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حکمت ہی کے ساتھ، اور ایک میعاد مقرر کے ساتھ

واجل مسمى وَالذين كفروا عما انذروا

پیدا کیا ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ اس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے،

معرضون ۝٣ قل ارءيتم ما تدعون من دون الله

بے رخی کئے ہوئے ہیں ف٢ آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ کہ جن چیزوں کو تم پکارتے ہو، اللہ کے سوا،

اروني ماذا خلقوا من الارض ام لهم شرك في

مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کون سی زمین پیدا کی ہے یا یہ کہ اُن کا ساجھا

السموت ائتوني بكتب من قبل هذا او اثرة من

آسمان میں ہے میرے پاس کوئی کتاب لاؤ جو اس سے پہلے کی ہو یا کوئی مضمون منقول (معتبر)

علم ان كنتم صدقين ۝٤ ومن اضل ممن يدعوا

لاؤ اگر تم سچے ہو ف٣ اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہو گا جو اللہ کے سوا

من دون الله من لا يستجيب له الى يوم القيمة

کسی اور کو پکارے جو قیامت تک بھی اُس کی بات نہ سنے

ف١ پس جب متکلم ایسا ہے جو سب پر غالب وقادر بھی ہے اور سب سے بڑا حکیم بھی تو اس کا کلام بھی بہت اہم اور نہایت درجہ قابل غور ہے۔ حٰمٓ اور اس پوری آیت پر حاشیے قریب ہی کی سورتوں میں کئی بار گذر چکے ہیں۔ ف٢ کافروں اور منکروں کی اصلی بدبختی یہ ہے کہ وہ حقائق کی طرف توجہ والتفات ہی نہیں کرتے۔ آیت سے تین عقیدوں کی تعلیم نکلی، اور تین زبردست گمراہیوں کی تردید۔ وَمَا خَلَقْنَا الخ سارے موجوداتِ عالم کا خالق حق تعالیٰ ہی ہے۔ کوئی شے خود بخود وجود میں نہیں آگئی ہے...... عقیدۂ دہریت وقدامت مادہ وروح وغیرہ کی تردید۔ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ ہر شے کسی نہ کسی خاص حکمت یا مقصود کے ساتھ ہی پیدا کی گئی ہے جو خالق کائنات ہے وہ حکیم کل بھی ہے...... عقیدۂ آفرینش بے مقصد اور بعض اقسام شرک کی تردید۔ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى۔ ہر شے فناء پذیر ہے، اور ایک مدت ومیعاد مخصوص ہی کے لئے پیدا کی گئی ہے...... عقیدہ معاد کا اثبات اور عقیدہ مخلوق غیر فانی کی تردید۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توحید ومعاد پر دلائل قائم کر دیئے، رسول پر رسول بھیجے، کتابوں پر کتابیں نازل کیں، رسولوں نے آکر ایک ایک تک پیام پہنچایا، ہر شبہ کو دور کیا، یہ سب کچھ ہوا، لیکن جو ہٹ دھرم کافر ہیں، وہ اپنے جمود پر اڑے رہے، انہوں نے غور والتفات ہی کو گناہ سمجھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ فکر واستدلال سے کام لینا واجب ہے اور کام نہ لینا موجب ملامت۔ وهذا يدل على وجوب النظر والاستدلال وعلى ان الاعراض عن الدليل مذموم فى الدين والدنيا (کبیر) السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا۔ فقرہ سے مراد محاورۂ قرآنی میں ساری کائنات ہوتی ہے۔ ف٣ لوگ عموماً اثباتِ توحید پر دلائل قائم کرتے رہتے تھے۔ قرآن مجید نے اس سے آگے بڑھ کر الٹے مشرکوں سے اثباتِ شرک پر دلیل کا مطالبہ اور دہرا مطالبہ کیا ہے۔ اَرُوْنِيْ ...... السَّمٰوٰتِ۔ اے اہل شرک، ذرا بتاؤ کہ تمہارے دیوتاؤں کی شرکت خلقت زمین یا آسمان میں آخر کس حیثیت سے اور کس حد تک بھی ہے؟ جب تم زمین وآسمان کو بھی اللہ ہی کا مخلوق سمجھ رہے ہو تو یہ تو تم نے تسلیم کر لیا کہ یہ مخلوق معبود نہیں ہو سکتے، بلکہ ان کی معبودیت کی تو عین نفی ان کی مخلوقیت سے نکل آئی۔ پھر آخر تم شرک پر کس عقلی دلیل کا سہارا پکڑے ہوئے ہو؟ یہ پہلا مطالبہ عقلی دلیل کا ہوا۔ اِيْتُوْنِيْ ...... مِّنْ عِلْمٍ۔ میری لائی ہوئی وحی کو جانے دو، تو اچھا یہی بتاؤ کہ کسی پچھلے نوشتہ آسمانی میں حکم شرک درج ہے؟ ...... یہ دوسرا مطالبہ نقلی دلیل کا ہوا۔ اَثٰرَةٍ۔ تنوین اظہار تقلیل کے لئے ہے۔ التنوين للتقليل (روح) یعنی ثبوت قطعی نہ سہی، ثبوت ظنی ہی سہی۔ محققین عارفین نے آیت سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ دین کے باب میں کوئی بھی دعویٰ بغیر دلیل معتبر کے مسموع نہ ہو گا، یہاں تک کہ دعویٰ کشف والہام بھی نہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ یعنی اگر تم اپنے دعوائے اثبات شرک میں صادق ہو۔ الْاَرْضِ۔ سے مراد ممکن ہے کہ جملہ سفلیات ہوں۔ يجوز ان يراد بالارض السفليات مطلقاً ولعله اولىٰ (روح) السَّمٰوٰتِ۔ سے بھی اسی طرح مراد ممکن ہے کہ جملہ علویات ہوں۔ لعل الاولى فيها ايضاً ان تفسر بالعلويات (روح)

وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۵﴾ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا

بلکہ انہیں اُن کے پکارنے کی خبر تک نہ ہو اور جب سب لوگ اکٹھے کئے جائیں تو وہ

لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۶﴾ وَ اِذَا تُتْلٰى

اُن کے دشمن نکلیں اور اُن کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں ف۴ اور جب اُن لوگوں کے

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا

روبرو ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، تو جو لوگ کافر ہیں وہ اس سچائی کی بابت جب وہ اُن تک

جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ اِنِ

پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے ف۵ تو کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس (شخص) نے قرآن گڑھ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے

افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا هُوَ اَعْلَمُ بِمَا

کہ اگر میں نے اسے گڑھ لیا ہے تو تم لوگ مجھے اللہ سے ذرا بھی بچا نہیں سکتے ف۶ وہ خوب جانتا ہے جو جو باتیں

تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَهُوَ

تم قرآن کے باب میں بنا رہے ہو وہی میرے تمہارے درمیان کافی گواہ ہے اور وہ

الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۸﴾ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ

بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحیم ہے ف۷ آپ کہہ دیجئے کہ میں رسولوں میں کوئی انوکھا تو ہوں نہیں، میں تو یہ بھی نہیں

اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ

جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا میں تو بس اُسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے

وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ

اور میں تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا ف۸ ہوں، آپ کہئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن) اللہ ہی کی

اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى

طرف سے ہو اور پھر تم اس سے کفر کر رہے ہو، اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس جیسی کتاب پر

ف۴ حاصل یہ کہ جن معبودوں سے تم لو لگائے بیٹھے ہو، ان کی معبودیت کا مقتضا تو کوئی ایک بھی نہیں۔ البتہ ان کی عدم معبودیت کے مقتضا ایک چھوڑ کئی کئی موجود ہیں۔ پھر بھی انہیں معبود سمجھے چلے جانا کتنی بڑی حماقت اور کیسی شدید گمراہی ہے! كٰفِرِيْنَ۔ کفو۔ یہاں مطلق انکار وتکذیب کے معنی میں ہے۔ اے مکذبین (روح) ف۵ (جو ہم پر مؤثر ہو جاتا ہے۔ لیکن حقیقت وحقانیت سے معری ہے) قرآن مجید کے متعلق ماضی کے "روشن خیال" کی تشخیص یہی تھی، اور حال کے "روشن خیال" کی "تحقیق" بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں، جب وہ یہ کہتا ہے کہ "موافق ماحول اور مناسب فضا نے محمد ﷺ کے کلام وپیام کو اس درجہ مؤثر وکامیاب بنادیا۔" اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ۔ بَيِّنٰتٍ۔ میں صاف اشارہ اس طرف ہو گیا کہ قرآن مجید کا معارضہ ممکن نہیں۔ حالانکہ سحر جو اور جیسا بھی ہو اس کا معارضہ برابر ممکن رہتا ہے۔ قرآن مجید کی نفس تاثیر شدید سے انکار مشرکین عرب کے لئے بھی ممکن نہ تھا، فقط وہ اس کی توجیہ وتاویل دوسری کرلیا کرتے تھے اور ٹھیک وہی کج نظری آج تک یورپ اور یورپ زدہ حلقوں میں متوارث چلی آرہی ہے۔ ف۶ (وہ مجھے ایسی شدید جسارت پر یقیناً عتاب میں مبتلا کرے گا) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ۔ یعنی یہ کلام میں نے اپنی طرف سے گڑھا۔ اور پھر اسے منسوب حق تعالیٰ کی جانب کر دیا۔ ابھی ایک تشخیص "سحر" بیان ہوئی تھی، اب یہ دوسری تشخیص "افتراء" بیان ہو رہی ہے...... اور افتراء (ارادی واختیاری) کا سحر (اضطراری وغیر ارادی) سے بدتر وقبیح تر ہونا ظاہر ہی ہے۔ ف۷ (اپنے عام بندوں کے حق میں) هُوَ ...... فِيْهِ۔ اس پر خوب روشن ہے کہ تم روز روشن سے انکار کئے چلے جا رہے ہو...... اس طرح کے اقوال رسول کی زبان سے بار بار اسی لئے ادا کر دیئے گئے ہیں کہ مخاطبین کا احساس ذمہ داری بیدار ہو، اور انکار قرآن زبان پر خوب سوچنے سمجھنے کے بعد لائیں۔ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ سو اب بھی اگر اپنی غلطیوں اور گمراہیوں کا اقرار کرلو تو اس کی مغفرت ورحمت تمہیں اپنے آغوش میں لے لینے کے لئے کھلی ہوئی ہے۔ ف۸ میں اپنے لئے نہ غیب دانی کا مدعی ہوں نہ مافوق الفطرت قوتوں کا۔ جیسے اللہ کے سب بندے، ویسا ہی میں بھی۔ فرق صرف اتنا کہ میرا رشتہ وحی الٰہی سے جڑا ہوا ہے اور میں توحید اور دین حق کی تبلیغ پر مامور ہوں۔ مَا ...... الرُّسُلِ۔ سلسلہ نبوت ورسالت تو بہت قدیم ہے۔ خدا کو معلوم ہے کہ مجھ جیسے کتنے پیمبر پہلے بھی دنیا میں آچکے ہیں۔ وَمَا ...... بِكُمْ۔ بغیر وحی الٰہی مجھے تو نہ اپنا حشر معلوم نہ تمہارا۔ اہل بدعات نے رسول ﷺ کے علم غیب وغیرہ سے متعلق جو عقیدے گڑھ رکھے ہیں، یہ آیت ان کے حق میں کیسی ضرب کاری ہے۔ لَا بِكُمْ۔ لَا معنیٰ نفی کی تاکید کے لئے ہے۔ ولا لتاكيد النفي المشتمل على ما يفعل بي (بیضاوی)

مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ

گواہی دے اور ایمان لے آئے، اور تم تکبر ہی میں رہو ف۹ بے شک اللہ بے انصاف لوگوں کو

الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ

ہدایت نہیں دیتا ف۱۰ اور یہ کافر ایمان والوں کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) اگر کوئی

خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ

اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ کر جاتے، اور جب ان لوگوں کو ہدایت نصیب نہ ہوئی تو کہنے لگتے ہیں

هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿١١﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا

کہ یہ وہی پرانا جھوٹ ہے ف۱۱ حالانکہ اس کے قبل موسیٰ کی کتاب بھی رہنما اور رحمت تھی

وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ

اور یہ کتاب اس کی تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے تاکہ

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

ظالموں کو ڈرائے ف۱۲ اور نیک لوگوں کے حق میں بشارت ہے، جن لوگوں نے کہا

قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (اس پر) قائم رہے سو اُن لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿١٣﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

غمگین ہوں گے یہی لوگ تو اہل جنت ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ

بعوض اُن کاموں کے جو وہ کرتے رہتے تھے ف۱۳ اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک

اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ

کرتا رہے، اُس کی ماں نے اُس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اُسے جنا

ف۹ (تو تمہارا انجام کیا ہوگا) یعنی یقین واعتقاد کر کے نہ سہی، بطور فرض واحتمال بھی اگر اسے مان لو کہ یہ قرآن واقعی کتابِ الٰہی ہے اور تم اس سے خواہ مخواہ بھاگ رہے ہو، تو ذرا سوچو تو کہ کیسے خسارہ میں رہو گے؟ وَشَهِدَ ...... مِثْلِهٖ۔ قرآن مجید نے تو شَاهِدٌ بصیغۂ واحد کہا، اور صرف ایک ہی متدین وصاحب علم اسرائیلی کی شہادت کو فرض کیا تھا۔ واقعۃً وعملاً تو اس سے بڑھ کر معاملہ رہا۔ یعنی ایک نہیں متعدد متدین وصاحب علم اسرائیلی قرآن پر ایمان لا کر رہے۔ بنی اسرائیل کا نام اس لئے لیا کہ وہی ایک صاحب کتاب قوم موجود تھی۔ اور اس قوم کا علم وفضل قریش کو بھی مُسلّم تھا۔ شَاهِدٌ کی تنوین اظہار عظمت وقدر کے لئے ہے۔ والتنوین للتفخیم (روح) شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ۔ سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہی لی گئی ہے۔ اور مثلہ سے مراد توریت ہے۔ عن مسروق قال التوزیة مثل القراٰن وموسٰی مثل محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ابن جریر) وقال الاٰخرون الشاهد هو موسٰی بن عمران (معالم) ف۱۰ (اور بے انصافی میں تم سے بڑھ کر اور کون ہوگا؟) یہاں اس قانون تکوینی کا اعلان ہے کہ جو لوگ خود اپنی ہدایت نہیں چاہتے، خلوئے ذہن کے ساتھ حقائق پر غور والتفات ہی نہیں کرتے۔ ہدایت ان کے سر زبردستی چپیک بھی نہیں دی جاتی۔ اور وہ ہدایت سے ہمیشہ محروم ہی رہتے ہیں۔ ف۱۱ (اور نبوت کے جھوٹے دعوے جس طرح ہمیشہ سے لوگ کرتے آئے ہیں، اسی طرح کا ایک جھوٹا دعویٰ یہ بھی ہے) لَوْ ...... اِلَيْهِ۔ رؤسائے یہود اور سردارانِ قریش دونوں فخر وپندار تفوق میں جتلاء عوام عرب کو اسلام کی طرف بڑھتے دیکھ کر کہتے کہ یہ نیا دین قابل تصدیق ہوتا تو ہم ہی نہ سب سے پہلے اس کی طرف بڑھتے؟ تو جب ہم اس کی جانب نہیں بڑھے، تو اس کے معنٰی ہی یہ ہیں کہ یہ دین خیر سے خالی ہے۔ مفسر ابن کثیر علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اہل سنت یہ فقرہ لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَيْهِ ذرا سا بدل کر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق کہا کرتے ہیں کہ فلاں عمل اگر اچھا ہوتا تو حضرات صحابہ نہ اس کی جانب بڑھتے؟ اور جب انہوں نے سبقت نہ کی تو اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ عمل بدعت ہے اور خیر سے خالی۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ اشارہ رؤساء یہود اور سردارانِ قریش کی طرف ہے جو اس وقت تک انکار ومخالفت پر قائم تھے۔ من الیهود وقال قتادہ نزلت فی مشرکی مکة (معالم) لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اشارہ عوام عرب کی طرف ہے جو اس وقت تک ایمان لا چکے تھے۔ وَاِذْ ...... قَدِيْمٌ۔ آج بھی "روشن خیال" فرنگی نبوت کو ایک قدیم، متوارث شعبۂ جنون ہی کہنے پر مصر ہے۔ ف۱۲ تو یہ بہت قدیم جھوٹ نہیں، بہت قدیم سچ ہے۔ حضرت موسیٰ کی کتاب توریت جو اپنے وقت میں اپنی قوم کے لئے رہنما اور باعث رحمت تھی۔ یہ نئی کتاب عین اس کی تصدیق کرنے والی ہے۔ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ ظلم یہاں بھی کفر کے معنٰی میں ہے۔ اے کفروا (مدارک) وَمِنْ قَبْلِهٖ۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔ اے ومن قبل القراٰن (معالم) لِلْمُحْسِنِيْنَ۔ محسنین سے مراد صاحب عمل مسلمان ہیں۔ المؤمنین المطیعین (مدارک) لِسَانًا عَرَبِيًّا۔ اس میں اشارہ کلام مجید کی فصاحت ووضاحت بیان کی طرف بھی آ گیا۔ کلام عربی کے معنٰی کلام فصیح کے ہی ہیں۔ اے فصیحًا بینًا واضحًا (ابن کثیر) ف۱۳ جن لوگوں نے صدق دل سے اللہ کی توحید کا اقرار کیا اور پھر اسے چھوڑا نہیں، آخر وقت تک اسی عقیدہ پر قائم رہے تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں نہ کوئی خوف وہراس ہوگا اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے لئے جنت ہی جنت ہے، چین ہی چین ہے اور یہ سب ان کے حسن عمل کا صلہ ہوگا۔ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا اقرار توحید کے بعد پھر اس پر قائم وثابت قدم رہنا اور ہر آزمائش میں پورے اترتے رہنا بہت بڑی چیز ہے اور مدح خاص کی مستحق۔ عین جس وقت ان سطروں پر نظر ثالث ہو رہی ہے (۱۹۵۰ء میں) ہندوستان یا بھارت میں آیت کے اس جزء کی قدر خاص طور پر ہو رہی ہے۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ (پ۲۴) میں بھی یہی مضمون ایک آیت میں آ چکا ہے۔

وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ

اور اُس کا حمل اور اُس کی دودھ بڑھائی تیس مہینوں میں ہو پاتی ہے ف۱۴ یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری پختگی کو پہنچ جاتا ہے اور

اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ

چالیس سال کو پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار مجھے اس پر مداومت دے کہ تیری نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہوں

اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ

جو تو نے مجھ کو اور میرے والدین کو عطا کی ہیں اور اس پر کہ میں نیک عمل کرتا رہوں کہ تو خوش ہو

وَ اَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ؕۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّيْ مِنَ

اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صالحیت پیدا کردے، میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں، اور میں

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا

فرمانبرداروں میں سے ہوں ف۱۵ یہی وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے اچھے عمل کو

عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ

قبول کریں گے اور اُن کے گناہوں سے درگزر کریں گے (یہ) اصحاب جنت میں سے (ہوں گے)

وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱٦﴾ وَ الَّذِيْ قَالَ

اُس سچے وعدہ (کی بناء) پر جس کا اُن سے وعدہ کیا جا چکا تھا ف۱٦ اور جس شخص نے

لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِيْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَ قَدْ خَلَتِ

اپنے ماں باپ سے کہا کہ تف ہے تم پر کیا تم مجھے یہ خبر دیتے ہو کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا درآنحالیکہ مجھ سے

الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖۗ

پہلے (بہت سی) اُمتیں گزر چکی ہیں ف۱۷ اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں (اور اس اولاد سے کہہ رہے ہیں) ارے

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ

تیری کم بختی تو ایمان لا، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے ف۱۸ تو (اس پر) وہ کہتا (کیا) ہے کہ یہ تو بس اگلوں کے

ف۱۴ (علی العموم اور اکثر) مدت حمل، ٦ ماہ کم سے کم ہے۔ اور مدت رضاعت ۲ سال زیادہ سے زیادہ ہے۔ یہ ملا کر کل ۳۰ مہینہ ہو گئے...... یا یہ حساب رکھا جائے کہ طبعی مدت حمل ۹ مہینہ اور طبعی مدت رضاعت ۲۱ مہینہ کل اڑھائی برس یوں بھی ہو گئے۔ سورۂ لقمان (پ۲۱) میں بھی ایک آیت اسی مضمون کی آچکی ہے۔ وَوَصَّيْنَا...... اِحْسٰنًا۔ سورۂ بنی اسرائیل (پ۱۵) میں ایک آیت اسی قسم کی گزر چکی ہے۔ حَمَلَتْهُ...... وَضَعَتْهُ كُرْهًا۔ ماں کی خدمت کی اہمیت خصوصی اس کی ان مصیبتوں سے واضح ہے جو اسے حمل و وضع حمل کے سلسلہ میں جھیلنی پڑتی ہیں۔ ان حقائق کی طبی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ف۱۵ حاصل یہ نکلا کہ جو بندہ سعید ہوتا ہے وہ اللہ کے براہِ راست حقوق تو ادا کرتا ہی ہے۔ اور ساتھ ہی بندوں کے حقوق بھی درجہ کمال میں پہچانتا ہے۔ اور انہیں بندوں کے حقوق میں ایک بڑا افضل اشرف حق والدین کی اطاعت وخدمت گزاری ہے۔ چنانچہ بندۂ سعید دن رات اپنی عبدیت کے اقرار اور عبادت کے عزم واہتمام میں لگا رہتا ہے۔ اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ۔ یعنی نشوونما پا کر پورا مرد ہو جاتا ہے۔ مختلف مفسرین وفقہاء نے اس کے لئے مختلف عمریں ٹھہرائی ہیں۔ کسی نے ۱۸ سال، کسی نے ۲۵ سال، کسی نے ۳۰ سال، کسی نے کچھ اور، لیکن سب سے زیادہ محقق قول اس باب میں حسن تابعی کا ہے، جنہوں نے فرمایا کہ جس عمر میں بھی انسان اپنے اعمال کا پوری طرح ذمہ دار ہو جائے۔ اور اس پر حجت قائم ہو جائے۔ بس وہی اس کی عمر کا اشد ہے۔ **قال الحسن اشده قيام الحجة عليه** (جصاص) وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً۔ قوائے عقلی اپنے حد کمال پر چالیس سال کی عمر میں جا کر پہنچتے ہیں۔ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ۔ یعنی میری اولاد کو بھی توفیق خیر دے اور محل صالحیت بنا دے۔ **اي اجعل ذريتي موقعاً للصلاح ومظنة له** (مدارک) **اي اجعل الصلاح ساريا في ذريتي راسخا فيهم** (روح) صالح اولاد بھی حق تعالیٰ کی اعلیٰ ترین نعمتوں میں سے ہے...... بڑے بڑے کاملین ومقبولین اس کی دعائیں مانگتے اور اس کی آرزو کرتے رہتے ہیں۔ اس سے شرماتے نہیں۔ اِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ "مسلم" کا لقب ان حضرات اہل جنت کے شرف وافتخار کے لئے بالکل کافی ہے۔ یہ اور بڑھ بڑھ کر دعویٰ نہیں کرتے۔ صرف اپنے تائب اور مسلم ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ ف۱٦ (دنیا میں) وَعْدَ الصِّدْقِ۔ وہ سچا وعدہ یہی کہ حسن عمل کے اجر بہت بڑے بڑے ہیں۔ وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں بیسیوں بار آچکی ہے۔ اور یہاں ایک بار پھر اسی کا اعادہ ہے کہ بڑے بڑے کاملین اور مقبولین بھی گناہوں سے خالی نہیں ہوتے۔ ان کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ ان کی خطاؤں سے درگزر کر دی جاتی ہے۔ اگر سیئات کا وجود ہی سرے سے نہیں ہوتا تو درگزر یا معافی ہی کس چیز سے ملتی ہے؟ آیت کی زد فرقہ خوارج پر بھی پڑتی ہے۔ جن کے نزدیک ہر مومن کو عملاً معصوم ہی ہونا چاہیے۔ ف۱۷ (اور کسی کے بھی مشاہدہ وتجربہ میں یہ مُردوں کا دوبارہ زندہ ہونا نہ آیا) ذکر یہاں کافر اولاد کا ہے۔ حقوق اللہ وحقوق العباد دونوں سے یکساں غافل۔ ایسی اولاد بجائے اطاعت وخدمت والدین کے دعوت اسلام پر الٹ کر یہ جواب دے رہی ہے اور بکمال "روشن خیالی" کہتی ہے کہ قیامت کا بس ذکر ہی ذکر سنتے چلے آئے ہیں۔ آج تک تو کسی مُردہ کو زندہ ہوتے دیکھا یا سنا نہیں...... مادیین منکرین آخرت کے دعوے پر خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے اس کا ماحصل سوا اس کے اور ہے کیا۔ اُفٍّ لَّكُمَا۔ **ولا تقل لهما اف**۔ پر حاشیہ سورۂ بنی اسرائیل (پ۱۵) میں ملاحظہ ہو۔ ف۱۸ (تو توحید کی طرح تو روز جزاء پر بھی اعتقاد رکھ) وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ۔ نالائق اولاد کے کفر وبے دینی سے گھبرا کر مومن والدین حق تعالیٰ سے فریاد کر رہے ہیں...... نئی نسل سے متعلق کتنے تجربے اس قسم کے پرانی نسلوں کو نہیں ہوتے رہتے ہیں!

الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ

ڈھکوسلے ہیں ف١٩ یہی وہ لوگ ہیں کہ اُن کے حق میں ان لوگوں کے ساتھ (اللہ کا) قول پورا

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

ہو کر رہا جو ان سے قبل جنات اور انسانوں میں گزر چکے ہیں، بے شک یہ لوگ

خٰسِرِيْنَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ

خسارہ میں رہے ف٢٠ اور ہر ایک کے لئے اُن کے اعمال کے مطابق (الگ الگ) درجے ہیں تاکہ (اللہ) اُن کے اعمال

اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ

کی جزا پوری دے اور اُن پر ظلم (کسی طرح کا بھی) نہ ہو گا ف٢١ اور جس روز کافر لوگ

كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا

آگ کے سامنے لائے جائیں گے کہ تم اپنی لذت کی چیزیں (سب) دنیا ہی میں حاصل کر چکے

وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ

اور اُن کا خوب مزہ اٹھا چکے ف٢٢ سو آج تمہیں ذلت کی سزا دی جائے گی

بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا

اس لئے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس لئے کہ تم

كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿٢٠﴾ع وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ

نافرمانیاں کیا کرتے تھے ف٢٣ اور آپ (ان سے) ذکر کیجئے قوم عاد کے بھائی کا جبکہ انہوں نے اپنی قوم کو ڈرایا،

بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ

ریگ کے تودوں (کی بستی) میں، ف٢٤ اور اُن سے پہلے اور اُن سے پیچھے بھی ڈرانے والے

خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ

گزر چکے ہیں اس بات سے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو، مجھے تمہارے لئے اندیشہ ایک بڑے (سخت) دن کے

ع ١٠/٢

ف١٩ (حق وصداقت سے خالی) هٰذَآ۔ یعنی یہی وعدۂ آخرت وعذاب آخرت۔ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ یعنی یہ کیا وہی افسانہائے کہن شروع کر دیئے؟...... ٹھیک وہی فقرہ جو آج بھی کتنے "روشن خیالوں" کے حلق وزبان سے مذہب کے خلاف نکل رہا ہے۔ ف٢٠ (جس کا پورا انکشاف جا کر آخرت میں ہوا) اَلْقَوْلُ۔ سے مراد یہی وعدۂ گرفت وعذاب ہے۔ مِنَ الْجِنِّ۔ جنات پر حاشیے پہلے گذر چکے۔ ف٢١ اور حشر کی عدالت کے فیصلے رتی رتی حق وعدل پر مبنی ہوں گے۔ ظلم، زیادتی، دھاندلی کا گزر ہی کہیں نہ ہوگا۔ لِكُلٍّ...... عَمِلُوْا۔ ان درجات میں دوزخ اور جنت دونوں کے درجے آ گئے۔ لِيُوَفِّيَهُمْ۔ ل تعلیل کا ہے۔ یعنی یہ قیام حشر اور ہر ایک کا اس کے حسب استحقاق درجہ سب اسی لئے ہوگا کہ ہر ایک کے حق میں عدل پورا پورا ہو جائے۔ ف٢٢ (یہاں تک کہ ان میں منہمک ومستغرق ہو کر اپنے انجام اور اپنے خالق کو بھی بالکل بھلا بیٹھے تھے) وَاسْتَمْتَعْتُمْ۔ استمتاع سے یہاں مطلق استمتاع لذات مراد نہیں کہ وہ ہرگز ممنوع یا مذموم نہیں۔ بلکہ صرف وہ استمتاع لذات مراد ہے جو آخرت فراموشی اور خدا فراموشی کی طرف لے جائے اور جس میں حلال وحرام کا کوئی امتیاز ہی نہ باقی رہ جائے۔ اَذْهَبْتُمْ...... الدُّنْيَا۔ یعنی اس طرح اوندھے منہ تم ان دنیوی ومادی لذتوں پر جھکے اور گرے کہ اب عالم آخرت میں عیش سرمدی وراحت ابدی سے لطف اٹھانے کی اپنے میں صلاحیت ہی باقی نہ رکھی۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت سے دلالت زہد پر نکلتی ہے نیز اس طرف اشارہ کہ لذات دنیوی میں توسع موجب خطر ہے۔ مگر مطلقاً نہیں بلکہ حُبّ معاصی کے ساتھ۔ ف٢٣ غرض یہ کہ عذاب جو کچھ بھی ہوگا انسان کے سب اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہی ہوگا۔ فِي الْاَرْضِ کی تصریح سے اشارہ یہ نکلا کہ اللہ کی بنائی اور بسائی ہوئی زمین پر چلنا پھرنا، رہنا بسنا اور پھر زمین کے فاطر وپروردگار سے تکبر وبغاوت کرنا اور بھی کھلی ہوئی ڈھٹائی ہے۔ تَسْتَكْبِرُوْنَ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ یہاں استکبار سے مراد استکبار عن الایمان ہے کہ عذاب خلود اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ کبر واستکبار تو بجائے خود ناحق ہمیشہ ہی ہوگا۔ قید کے اضافہ سے مراد یہ ہے کہ یہ کبر خود تمہارے بشری معیار سے بھی بیجا اور بالکل باطل تھا۔ ف٢٤ اَخَا عَادٍ۔ یعنی حضرت ہود علیہ السلام پیغمبر۔ قوم عاد اور مسکن عاد پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ٨) میں گزر چکے۔ الْاَحْقَافِ۔ احقاف کے لفظی معنی ریگ کے مستطیل تودوں کے ہیں۔ عرب قدیم کے لوگ ایسے مقامات پر بستیوں اور آبادیوں سے ناآشنا نہ تھے۔ دہنہ عرب جنوب کے اس طویل علاقے کا نام ہے جو شرقاً غرباً عمان سے یمن تک اور شمالاً جنوباً نجد سے حضر موت تک، ٣ لاکھ مربع میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے۔ اس وسیع خطہ کے مغربی حصہ کی زمین سرخ رنگ کی ریگ کی ہے۔ اور یہی علاقہ الاحقاف کہلاتا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا

عذاب کا ہے و۲۵ وہ لوگ بولے تو کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دو، تو ہم پر

تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ

لا واقع کرو (وہ عذاب) جس کا تم ہم سے وعدہ کر رہے ہو، اگر تم سچے ہو و۲۶ انہوں نے فرمایا کہ (پورا) علم تو بس اللہ ہی

اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا

کو ہے میں تو تمہیں وہی پہنچاتا ہوں جس کا پیام دے کر مجھے بھیجا گیا ہے البتہ تمہیں کو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نری جہالت کی

تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٣﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ

باتیں کر رہے ہو، و۲۷ پھر جب ان لوگوں نے بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتے دیکھا

قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ

تو بولے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا نہیں بلکہ یہ تو وہ ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے

بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٤﴾ ۙ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا

یعنی ایک آندھی جس میں دردناک عذاب ہے وہ ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے ہلاک کر دے گی

فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ

چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ بجز اُن کے مکانات کے اور کچھ دیکھنے کو نہیں رہا، ہم مجرموں کو یوں ہی سزا

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ

دیا کرتے ہیں و۲۸ اور ہم نے اُن لوگوں کو جو قدرت دی تھی وہ قدرت تم لوگوں کو نہیں دی

وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ڮ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ

اور ہم نے ان کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے تھے، سو نہ اُن کے کان اُن کے ذرا بھی

سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ

کام آئے اور نہ اُن کی آنکھیں اور نہ اُن کے دل جب کہ

و۲۵ یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ دعوت توحید کوئی نرالی اور انوکھی چیز تو ہے نہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے بھی اس کی تبلیغ بار بار ہو چکی تھی اور اس کے بعد سے بھی برابر ہوتی چلی آئی ہے۔ و۲۶ اس قوم نے بھی حسب معمول دعوت کی اصل خوبیوں پر غور ہی نہ کیا، بلکہ اس دعوت کو اپنے رواجی پیمانہ سے ناپ کر اس سے بے تحاشا انکار ہی شروع کر دیا۔...... قوم عاد اپنے زمانہ کے ایک بڑے زبردست تمدن کی مالک تھی۔ اس نے وہی جواب دیا، جو آج بھی "مہذب" "ومتمدن" قوموں کی زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ و۲۷ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ تم عجیب الٹے پلٹے مطالبے مجھ سے کر رہے ہو۔ میرا کام تو صرف عقائد صحیح کی تبلیغ ہے یعنی توحید، رسالت وعقیدۂ معاد، تو ان کی صداقت ومعقولیت پر مجھ سے جتنی چاہو گفتگو کر لو۔ باقی مجھے یہ چیلنج دے کر کہ اگر میں سچا ہوں تو تمہارے سر پر ابھی قیامت لا کھڑی کروں، اس سے تو تم اپنی ہی بے مغزی وکج فہمی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی قیامت کے متعلق تفصیلات وجزئیات کا علم کہ وہ کب آئے گی، کس وقت آئے گی وغیرہا، تو یہ تو صرف حق تعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ۔ جہل وجہالت کا اردو میں ایک مفہوم یہ بھی چلا ہوا ہے کہ وہ ناخواندگی کا مرادف اور حرف شناسی کی ضد ہے۔ عربی کے تَجْهَلُوْنَ کو اس مفہوم سے کوئی واسطہ نہیں۔ عربی میں اس کا مفہوم ہے نادانی اور بے مغزی کی باتیں کرنا اور ضد یا نفسانیت کی بناء پر قبول سے اغماض کرنا۔ و۲۸ قوم عاد کی آخری تباہی کا ذکر ہے کہ پہلے تو وہ بدلی سی اٹھتی ہوئی دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ بارش کا بادل ہے۔ کچھ ہی دیر بعد معلوم ہو گیا کہ نہیں وہ تو عذاب کا طوفان ہے۔ اَوْدِيَتِهِمْ۔ وادی کے لفظی معنیٰ اس نشیب کے ہیں جس میں پانی جمع ہو جائے۔ تُدَمِّرُ...... مَسٰكِنُهُمْ۔ یعنی نہ کوئی انسان زندہ بچا نہ کوئی حیوان اور نہ ان کی وہ عالی شان آراستہ پیراستہ عمارتیں ہی باقی رہیں۔ صرف اجڑے ہوئے اور گرے پڑے مکان اور کھنڈر باقی رہ گئے۔ كَذٰلِكَ...... الْمُجْرِمِيْنَ۔ عام قانونِ الٰہی کا بھی اعلان کر دیا گیا کہ یہ غیبی ہلاکت عادی مجرموں اور نافرمانوں ہی کے نصیب میں آتی ہے اور اس میں کوئی تخصیص قوم عاد کی نہ تھی۔ جو قوم بھی نافرمانی کرے گی وہ اسی سزا کی مستحق ہو جائے گی۔ بِاَمْرِ رَبِّهَا۔ اس تصریح نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ آندھی میں خود کوئی اختیار نہ تھا، نہ کوئی الگ دیوتا ہوا اور آندھی کا ہے بلکہ یہ جو کچھ بھی پیش آیا، تمامتر پروردگار عالم ہی کے حکم سے پیش آیا۔

كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
وہ لوگ اللہ کی آیتوں کے خلاف ہٹ کرتے رہے اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی کیا کرتے تھے اسی نے اُن کو

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٢٦﴾ ع وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى
آ گھیرا ف۲۹ اور ہم نے تمہارے گرد و پیش کی (اور) بستیوں کو بھی غارت کر دیا

وَ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ
اور (اپنی) نشانیاں بھی پھیر پھیر کر بیان کر دی ہیں کہ شاید وہ باز آ جائیں ف۳۰ سو اُن کی مدد اُن لوگوں نے کیوں نہ کی جنہیں

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا
انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھا تھا، تقرب کے لئے وہ تو اُلٹے اُن سے غائب

عَنْهُمْ ۚ وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ
ہو گئے، اور یہ محض ان کی تراشی ہوئی اور گڑھی ہوئی بات تھی ف۳۱ اور (اُس وقت کا ذکر کیجئے) جب ہم جنات کی ایک

اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا
جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے تھے غرض جب

حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ
وہ لوگ آپ کے پاس آ پہنچے تو کہنے لگے کہ خاموش رہو ف۳۲ پھر جب وہ ختم ہو چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس ڈرانے

مُّنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ
کے لئے گئے ف۳۳ کہنے لگے اے ہمارے قوم والو، ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل

مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى
کی گئی ہے جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور حق اور راہِ راست

طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٠﴾ يٰقَوْمَنَاۤ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا
کی طرف رہنمائی کرتی ہے اے ہمارے قوم والو، کہنا مانو اللہ کی طرف بلانے والے کا، اور اس پر ایمان

ف۲۹ یعنی جب ان کی، جو تم سے کہیں زیادہ صاحب اقتدار و مالک جاہ و حشم تھے۔ کوئی عقلی تدبیر اور مادی قوت انہیں اس انجام سے نہ بچا سکی تو تم کب تک عذاب الٰہی سے بچے رہ سکتے ہو...... چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کا عرب، قوم عاد و قوم ثمود کے آغاز و انجام سے خوب واقف تھا۔ اس لئے اس کے سامنے ان قوموں کی مثالیں خاص طور پر مؤثر تھیں۔ وَ لَقَدْ ...... فِيْهِ۔ یعنی جو تہذیبی و تمدنی عروج انہیں حاصل تھا وہ تمہیں کہاں نصیب۔ وَ جَعَلْنَا ...... اَفْئِدَةً۔ یعنی ہر قسم کی جسمی و عقلی صلاحیتیں انہیں حاصل تھیں۔ اے الات الدرک والفھم (مدارک) آیت سے بقاعدۂ عبارۃ النص یہ بھی نکلا کہ انسان کو مادی و عقلی جتنی بھی صلاحیتیں اور قوتیں عطا ہوئی ہیں، وہ اسی لئے ہیں کہ انہیں رضائے الٰہی کے کاموں میں لگایا جائے۔ ف۳۰ (کفر و شرک اور تکذیب رسول ﷺ سے) وَ لَقَدْ ...... الْقُرٰى۔ یہ اہلاک اسی جرم کفر و تکذیب کی پاداش میں ہوا تھا۔ مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى۔ اطراف عرب کی مشہور متمدن و ہلاک شدہ قومیں قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط وغیرہ تھیں، جو یمن، عمان، عراق، عرب، شام و فلسطین میں آباد تھیں۔ لکم میں ضمیر جمع مخاطب سے مراد اہل عرب ہیں، جو قرآن مجید کے مخاطب اول تھے۔ وَ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ۔ یعنی ان کے ہلاک کرنے سے قبل بطور فہمائش و تنبیہ انہیں بار بار آگاہ بھی کیا گیا۔ ایات کے تحت میں ہر قسم کے دلائل و شواہد آ گئے۔ اے کررنا علیھم الحجج وانواع العبر (مدارک) اے الحجج والدلائل والعظات (بحر) لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ مقصود یہ تھا کہ وہ لوگ اپنے کفر و شرک سے باز آ جائیں۔ پھر بھی وہ باز نہ آئے۔ انہیں حرکتوں پر مصر رہے۔ اور بالآخر ہلاک ہوئے۔ ف۳۱ یعنی کہیں واقع میں وہ شفیع یا معبود یا صاحب تصرف تھوڑے ہی تھے۔ یہ تو محض جاہلی مذہب والوں نے افسانے گڑھ رکھے تھے۔ اِفْكُهُمْ سے اس مشرکانہ عقیدہ کی کامل تردید ہو گئی کہ خدائی بھی کوئی تدریجی درجہ بندی کی چیز ہے۔ اور ایک معبود اعظم کے ماتحت چھوٹے چھوٹے دیوی، دیوتا اور بھی ہوتے ہوں! اَلَّذِيْنَ ...... اٰلِهَةً۔ یعنی انہوں نے ان ہستیوں کو معبود اس غرض سے تراش رکھا تھا کہ وہ آڑے وقت کام آئیں گی۔ ف۳۲ (اور غور اور ادب سے اس کلام کو سنو) شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب رسول اللہ ﷺ اپنے قیام مکہ کے زمانہ میں طائف تبلیغ دعوت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اور بظاہر وہاں سے بالکل ناکام اور شکستہ خاطر واپس آ رہے تھے۔ شب کے وقت نخلہ میں آپ قرآن مجید نماز میں باواز بلند پڑھ رہے تھے کہ جنات کی ایک جماعت کا ادھر سے گزر ہوا اور وہ قرآن سننے لگے۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف (پ۸) کے حاشیے۔ حَضَرُوْهُ۔ یعنی قرآن پڑھے جانے کے موقع پر آ گئے۔ ف۳۳ یعنی قرآن کی اہمیت سے مطلع کرنے اور اس کے احکام کی نافرمانی کے نتائج سے خبردار کرنے کے لئے۔

ف٣٤ آیت اس باب میں تو صاف وصریح ہے کہ جنات ایمان لے آنے کے بعد عذابِ الٰہی سے بچ جائیں گے۔ لیکن اس باب میں ناطق وصریح نہیں کہ ایمان لانے پر جنت میں بھی داخل ہوجائیں گے۔ ان کے دخولِ جنت کے باب میں خاموشی ہے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ سے غایت احتیاط کی بناء پر جنات کے دخولِ جنت کے بارہ میں سکوت وتوقف منقول ہے۔ قال ابو حنيفة لا ثواب لهم الا النجاة من النار لهذه الاية (مدارک) وقال النسفى فى التيسير توقف ابو حنيفة فى ثواب الجن فى الجنة ونعيمهم لانه لا استحقاق للعبد على الله تعالى ولم يقل بطريق الوعد فى حقهم الا المغفرة والاجارة من العذاب واما نعيم الجنة فموقوف على الدليل (روح) البتہ دوسرے ائمہ نے جنات کے مستحق جنت ہونے کو بلاتامل تسلیم کرلیا ہے۔ قال النووى فى شرح مسلم والصحيح انهم يدخلونها ويتنعمون فيها بالاكل والشرب وغيرهما وهذا مذهب الحسن البصرى ومالك بن انس والضحاک وابن ابى ليلى وغيرهم (روح) وقال مالك ابن ابى ليلى وابويوسف ومحمد رحمهم الله لهم الثواب والعقاب وعن الضحاک انهم يدخلون الجنة وياكلون ويشربون (مدارک) اِلَى الْحَقِّ۔ الحق سے مراد اصول دین ہیں۔ یعنی عقائد اساسی۔ اى فى الاعتقادات (ابن کثیر) اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ طریق مستقیم۔ سے مراد تفصیلاتِ شریعت ہیں، یعنی احکام عبادات ومعاملات وغیرہا۔ اى فى العمليات (ابن کثیر) دَاعِيَ اللّٰهِ۔ سے مراد رسول اللہ سے ہونا ظاہر ہی ہے۔ قرآن مجید بھی مراد ہوسکتا ہے۔ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ۔ مراد اس سے بعض گناہ نہیں بلکہ کل گناہ ہیں۔ من صلة اى ذنوبكم كلها (معالم) ف٣٥ (کہ باوجود وضوح حق وقیام دلائل کے داعی حق کی بات پر کان نہیں دھرتے اور اُس کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں) ف٣٦ (تو وہ وقت مناسب پر مُردوں کے زندہ کرنے پر قادر کیوں نہ ہوگا؟) یعنی امکان بعث تو قدرت حق کے مشاہدۂ آثار سے بالکل ظاہر ہے۔ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ۔ یہ تردید ہے اسی یہود اور مسیحی عقیدہ کی کہ خدا چھ روز میں آفرینش کائنات کے بعد تھک گیا تھا۔ اور ساتویں دن اس نے آرام کیا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ بَلٰى ...... قَدِيْرٌ۔ یہ تردید ہے مشرک قوموں اور جاہلی فلسفیوں کے اس زعم کی کہ خدا موجود تو ہے لیکن اس کی قدرت محدود ہے اور اس کے اختیارات ایک خاص درجہ اور حد سے زیادہ نہیں۔ یورپ میں ایک گروہ موحدون (DEISTS) کے نام سے گزرا ہے۔ یہ لوگ وجود باری کے تو قائل تھے، لیکن جزاء وسزائے آخرت اور رسالت وغیرہ کے منکر۔ قدیم قوموں میں بھی یہ گمراہی اچھی خاصی شائع رہی ہے۔ ف٣٧ اور اس کفر میں آخرت وجہنم کا انکار بھی داخل ہے۔ هٰذَا۔ یعنی یہ عذاب جس کا اب وقوع ہو رہا ہے۔ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ۔ یعنی حقیقت سے دوچار ہونے کے بعد ابھی تمہارے وہی دلائل قائم ہیں؟ ف٣٨ (انتقام الٰہی کی) امت اسلامیہ کی نصرت کے خیال سے آپ کے دل میں تقاضا طبعاً پیدا ہوتا تھا کہ مخالفین معاندین پر گرفت اگر جلد ہوجاتی تو اچھا تھا۔ فَاصْبِرْ ...... الرُّسُلِ۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ صبر بدرجہ کمال انبیاء کرام کی خصوصیات میں سے ہے۔ انبیاء کی سی عالی ہمتی نہ کسی غیر نبی کی قدرت میں ہے اور نہ وہ اس پر مامور ہے۔ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ من تبعیضیہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں مراد منتخب مشاہیر رسل سے ہوگی۔ اور ان کی تعیین میں اختلاف ہے۔ مفسرین کی ایک بڑی جماعت اسی ترکیب کی طرف گئی ہے۔ وعن عطاء الخراسانى والحسن بن الفضل والكلبى ومقاتل وقتاده وابى العاليه وابن جريج واليه ذهب اكثر المفسرين ان من للتبعيض فاولوا العزم بعض الرسل عليهم السلام واختلف فى عدتهم وتعيينهم على اقواله (روح) وقد اختلف فى تعداد اولى العزم على اقوال (ابن کثیر) اور جائز ہے کہ من کو بیانیہ بھی سمجھا جائے۔ اس صورت میں اولوا العزم کا اطلاق سارے ہی انبیاء پر ہوگا۔ محققین کی ایک مختصر تعداد نے اسی ترکیب کو صحیح مانا ہے۔ او للبيان فيكون اولوا العزم صفة الرسل كلهم (مدارک) ومن بيانية فيكون اولوا العزم صفة جميعهم واليه ذهب ابن زيد والجبائى وجماعة (روح) وقد يحتمل ان يكون المراد باولى العزم جميع الرسل فتكون من لبيان الجنس (ابن کثیر) قال ابن زيد كل الرسل كانوا اولى العزم لم يبعث الله نبيا الا كان ذا عزم وحزم ورأى وكمال عقل وانما ادخلت من للتجنيس لا للتبعيض (معالم)

بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (٣١)

لے آؤ، اللہ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تمہیں محفوظ رکھے گا عذاب دردناک سے ف٣٤

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ

اور جو کوئی اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا، تو وہ زمین میں کہیں بھی (اللہ کو) نہیں ہرا سکتا،

وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (٣٢)

اور نہ اللہ کے سوا کوئی حامی ہوگا یہی لوگ تو صریح گمراہی میں (پڑے) ہیں ف٣٥

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ

کیا ان لوگوں نے یہ نہ جانا کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور

يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى

اُن کے پیدا کرنے سے (ذرا بھی) نہ تھکا، وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ مُردوں کو زندہ کردے کیوں نہیں بے شک وہ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (٣٣) وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ہر چیز پر قادر ہے ف٣٦ اور جس روز کافر لوگ دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (اور اُن سے پوچھا

عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ

جائے گا کہ) یہ حقیقت ہے یا نہیں، تو وہ کہیں گے کہ بے شک ہے ہم کو قسم ہے ہمارے پروردگار کی (تب) ارشاد ہوگا

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (٣٤) فَاصْبِرْ كَمَا

کہ اچھا تو چکھو عذاب اپنے کفر کے بدلہ میں ف٣٧ آپ صبر کیجیے جیسا

صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ

کہ ہمت والے پیمبروں نے صبر کیا تھا اور ان لوگوں کے حق میں جلدی نہ کیجیے ف٣٨

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً

جس روز یہ دیکھ لیں گے اس (عذاب) کو جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے تو اس وقت (انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ) گویا دن

مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۳۵

بھر میں کل ایک گھڑی رہے ہیں (یہ اللہ کی طرف سے) تبلیغ ہے، سو برباد تو وہی ہوں گے جو نافرمان ہوں گے و۳۹

ایاتھا ۳۸ ۴۷ سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ ۹۵ رکوعاتھا ۴

اس کی اڑتیس آیتیں سورۂ محمد مدینہ میں نازل ہوئی اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ

جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے روکا بھی (اللہ نے) اُن کے اعمال

اَعْمَالَهُمْ ۝۱ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا

کالعدم کردیے و۱ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کیے اور اُسی (سب) پر ایمان لائے

بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ

جو محمد پر نازل کیا گیا اور وہ امر حق اُن کے پروردگار کی طرف سے ہے، اللہ اُن کے

سَيِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

گناہوں کا کفارہ ان کی طرف سے کردے گا اور اُن کی حالت درست رکھے گا و۲ یہ اس لئے ہے کہ کافروں نے تو باطل کی

اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ

پیروی کی اور ایمان والوں نے اپنے پروردگار کی طرف سے آئے ہوئے حق کو

رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝۳ فَاِذَا

اختیار کیا اللہ اسی طرح لوگوں کے لئے اُن کے حالات بیان کرتا ہے و۳ سو جب

لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ

تمہارا مقابلہ کافروں سے ہو جائے تو (ان کی) گردنیں مار چلو یہاں تک کہ جب ان کی

و۳۹ (اور اتمام حجت کے بعد بھی نافرمان ہی رہیں گے) كَاَنَّهُمْ...... نَهَارٍ۔ یعنی مشاہدہ عذاب آخرت کے وقت دنیوی زندگی کی طویل سے طویل مدت بھی چشم زدن کی سی معلوم ہوگی۔ بَلٰغٌ۔ یعنی رسولوں کی معرفت اتمام حجت ہو چکا۔ الْفٰسِقُوْنَ۔ یہاں مراد محض گنہگار نہیں، بلکہ دائرہ اسلام سے خارج رہنے والے کافر مراد ہیں۔ جن پر تبلیغ حق کا کوئی اثر ہی نہ ہوا۔ اے المشرکون الخارجون عن الاتعاظ به والعمل بمواجه (مدارک) فاسق کا اصطلاحی مفہوم، اسے کافر سے ممتاز کرنے والا تو بہت بعد کا ہے، قرآن مجید میں وہ اپنے وسیع و عمومی مفہوم میں آیا ہے۔ مطلق نافرمان کے مرادف

و۱ یعنی جن اعمال کو یہ غیر مسلم اپنے خیال میں نیک اور صالحانہ سمجھ رہے تھے، وہ آخرت میں انکشافِ حقیقت کے وقت بے وزن اور ناکارے نکلے اور اس لئے غیر مقبول ٹھہرے۔ اَلَّذِيْنَ...... اللّٰهِ۔ منکرین کے سرداروں کی یہ عادت ہر زمانہ میں رہی اور اب بھی ہے، وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ محققین نے تصریح کر دی ہے کہ حبط اعمال کے لئے، اعمال کے نامقبول ٹھہر جانے کے لئے، محض کفر کافی ہے۔ دوسروں کو ایمان سے روکنا یا اس کی شرط نہیں ہے۔ یہ تو ان سردارانِ کفر کی محض واقعی حالت کا بیان ہے۔ و۲ (دنیا و آخرت دونوں میں) كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ۔ یعنی ان کے گناہوں سے درگزر کردے گا...... گناہوں سے پاک تو بجز انبیاء معصومین کے اور کوئی ہو نہیں سکتا۔ چنانچہ یہاں قرآن مجید "سیّات" کو کھلم کھلا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (مومنین صالحین) ہی کی جانب منسوب کر رہا ہے۔ مومنین صادقین کے فخر و شرف کے لئے بس اس قدر کافی ہے کہ ان کے اعمال صالحہ کے انبار عظیم کے ساتھ جو گنے چنے ہوئے چند گناہ ہوں گے، وہ بالکل معاف کر دیئے جائیں گے۔ مُحَمَّدٍ۔ اسم پاک محمد ﷺ پر حاشیہ سورۂ ال عمران (پ۴) میں گزر چکا۔ نیز ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ اَصْلَحَ بَالَهُمْ۔ یہ اصلاح حال دنیا میں تو اس طرح ہوگی کہ مومنین کی توفیق عمل صالح بڑھتی جائے گی۔ اور آخرت میں اس طرح کہ انہیں نجات کامل مل جائے گی۔ و۳ (کہ وہ ان سے ہدایت و بصیرت کے سبق لیں) ذٰلِكَ۔ یعنی مومنوں اور کافروں کے درمیان یہ فرق عظیم۔ لِلنَّاسِ۔ یعنی نفع رسانی خلق کی غرض سے۔ اے لاجل الناس لیعتبروا بهم۔ (مدارک)

و۴ یعنی سب کو قید کر لو۔ کوئی بھاگ کر نکل نہ جانے پائے۔ اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۔ مراد میدانِ جنگ و جہاد میں مڈبھیڑ ہونے سے ہے...... یہ مراد نہیں کہ حالت امن وصلح میں راستہ گلی میں چلتا ہوا کوئی کافر دکھائی دے۔ فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۔ یعنی انہیں مار ہی ڈالو۔ جو مقصود حکم قتال وفریضہ جہاد کا ہے...... یہ مراد نہیں کہ ہمیشہ گردن ہی پر وار کرو، کسی اور طریقہ پر قتل نہ کرو۔ عبارة عن القتل لا ان الواجب ان تضرب الرقاب خاصة دون غیرها عن الاعضاء (مدارک) حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ ۔ اس اثخان یا کافی خونریزی کا معیار فقہاء نے یہ قرار دیا ہے کہ اب اگر قتل کے بجائے قید ہی پر اکتفاء کی جائے تو جب بھی غلبہ کفار اور مضرت مسلمین کا احتمال نہ رہے۔ ذلک حین لا یبقی شوکة للکافرین (مدارک) اس حکم قتل وخونریزی سے بچے، عورتیں اور زیادہ بوڑھے یعنی غیر مقاتلین مستثنیٰ ہیں۔ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۔ یعنی انہیں خوب احتیاط وہوشیاری سے اپنی قید میں رکھو۔ یہ لفظی معنیٰ مراد نہیں کہ ہمیشہ انہیں رسی سے باندھ ہی کر رکھو۔ و۵ یعنی یہ حکم جہاد وقتال اسی طرح اور انہیں صورتوں کے ساتھ فرض ہے۔ فَاِمَّا...... فِدَآءً ۔ یعنی قتل واسیری کے بعد اب حکم رہائی ہی کا ہے، خواہ باخذ معاوضہ وفدیہ، خواہ یوں ہی بلا معاوضہ...... کافر حربی بھی جب اسلام قبول کر لیں یا محض اتنا ہی کر لیں کہ حکومت اسلامی کی اطاعت قبول کر کے ذمیت کے حقوق حاصل کر لیں تو اب نہ ان کا قتل جائز رہے گا اور نہ قید ہی...... اب وہ آزاد ہیں۔ فقہاء نے یہاں متعدد صورتیں لکھی ہیں اور انتخاب کا اختیار حسب مصالح آیت، امام مسلمین کے ہاتھ میں چھوڑا ہے...... وہ چاہے تو قتل کر دے، چاہے یوں ہی بھی چھوڑ دے۔ چاہے مالی معاوضہ لے کر چھوڑ دے۔ چاہے غلام بنا لے۔ چاہے مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں چھوڑے۔ حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۔ یعنی کافر مقاتل ہتھیار ڈال دیں، خواہ دین اسلام قبول کر کے، خواہ اسلام کی حاکمیت وحکومت قبول کر کے۔ قال الکلبی حتی یسلموا اویسالموا (معالم۔ خازن) قال الفراء حتی لا یبقی الا مسلمٌ اومسالمٌ (معالم۔ خازن) اَلْحَرْبُ ۔ یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ قرآن مجید نے جہاں کہیں بھی حرب یا اس کے مشتقات کا استعمال کیا ہے، کافروں ہی کی جنگ کے سلسلہ میں کیا ہے۔ مسلمانوں کی جنگ کے لئے قتال وغیرہ دوسرے لفظ آئے ہیں۔ و۶ اشارہ حکم جہاد کی بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی جانب ہے...... ایک طرف مجاہدین کو تعمیل ارشاد کا اجر ملے۔ دوسری طرف کافروں اور منکروں کو موقع رہے کہ اب بھی حق کو قبول کر لیں۔ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۔ یعنی اگر اس کی مشیت تکوینی یوں ہی ہوتی تو وہ تمہارا واسطہ ڈالے بغیر یوں ہی اپنے کسی اشارہ تکوینی سے ان کا خاتمہ کر دیتا۔ آخر پچھلی نافرمان امتوں کے ساتھ یہ معاملہ پیش ہی آچکا ہے، اور کسی کو غرقابی سے، کسی کو طوفان تند سے، کسی کو زلزلہ سے ہلاک ہی کیا جا چکا ہے۔ و۷ یہ وعدۂ الٰہی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے کسی کشتہ کا خون ضائع نہیں کیا جائے گا۔ ایسا نہیں ہونے کا کہ مقتول کی شہادت کا کوئی نتیجہ ہی نہ مرتب ہو۔ و۸ (جس سے ہر شہید بے تکلف اپنی دائمی آرام گاہ تک پہنچ جائے گا) سَیَهْدِیْهِمْ ۔ یعنی ان کے منزل مقصود کے پہنچنے تک ہر قدم پر ان کی رہنمائی اور دستگیری ہوتی رہے گی۔ یُصْلِحُ بَالَهُمْ ۔ قبر میں، حشر میں، پل صراط پر، ہر جگہ ان کی نصرت ویاوری جاری رہے گی۔ و۹ (دشمن کے مقابلہ میں۔ اور تم کبھی اس کے مجمع اور قوت وشوکت سے مرعوب نہ ہو گے) اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ ۔ یعنی اللہ کے دین کی مدد ونصرت کرتے رہو گے۔ یَنْصُرْکُمْ ۔ یعنی غلبہ ہو یا مغلوبیت، ہر حال اور ہر صورت میں تائید خداوندی تمہارے ساتھ رہے گی۔ یُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ ۔ فن حرب کے جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ میدانِ جنگ میں کتنی اہمیت عظیم اسی ہمت اور ثابت قدمی کو ہے۔ مسلمانوں کی اس ثابت قدمی پر اغیار کی شہادت کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ مومنین عارفین نے کہا ہے کہ یہ ثابت قدم رکھنے کا وعدہ عام ہے ہر شعبہ زندگی کے لئے۔ محض میدانِ جنگ کے ساتھ مخصوص ومحدود نہیں۔ اللہ کے دین کی نصرت کرنے والوں کے ساتھ نصرت الٰہی کارگاہ زندگی کے ہر لمحہ میں موجود رہے گی۔ خواہ وہ وسوسہ شیطانی ہو یا لغزش نفسانی۔ علی محجة الاسلام (کشاف۔ مدارک) والمراد یقویکم ویوفقکم للدوام علی الطاعة (روح) و۱۰ (آخرت میں) چنانچہ جب وہ انکشافِ حقائق کی گھڑی سامنے آئے گی تو منکرین کو اپنے حق میں جن جن نیک اعمال پر تکیہ اور غرہ تھا وہ سب بے وزن اور ناکارے ثابت ہوں گے۔ فَتَعْسًا لَّهُمْ ۔ یہ بربادی انجام کے لحاظ سے تو یقیناً ہو گی، باقی احتمال اس کے وقوع کا مستقبل قریب میں بھی ہے۔ و۱۱ (اس لئے کہ ان سارے اعمال کا مبنیٰ ومنشاء تو کفر ہی تھا، جو بغاوت کی فرد اعلیٰ ہے) کَرِهُوْا ۔ کراهت سے یہاں کراہت طبعی مراد نہیں۔ بلکہ کراہت عقلی مراد ہے۔ جس کا اظہار کافر کے نہ صرف عمل سے بلکہ عقیدہ سے بھی ہر وقت ہوتا رہتا ہے۔

أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا

خوب خونریزی کر چکو تو خوب مضبوط باندھ لو و۴ پھر اس کے بعد یا محض احسان رکھ کر (چھوڑ دو)

فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَاءُ

یا معاوضہ لے کر (چھوڑ دو) تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے (یہ حکم) اسی طرح ہے و۵ اور اگر اللہ کی مشیت

اللَّهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِنْ لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ

ہوتی تو وہ ان سے انتقام لے لیتا، لیکن (حکم اس لئے دیا) تاکہ تم میں سے ایک کا دوسرے کے ذریعہ سے امتحان کرے و۶

وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿٤﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا و۷

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿٥﴾ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ

اللہ انہیں سنبھالے رہے گا اور اُن کی حالت درست رکھے گا اور انہیں جنت میں داخل کرے گا

عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ

جس کی انہیں (خوب) پہچان کرا دے گا و۸ اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے،

يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴿٧﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَهُمْ

تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے گا و۹ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے بربادی ہے

وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿٨﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ

اور (اللہ) اُن کے اعمال کالعدم کر دے گا و۱۰ یہ اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ کے اتارے ہوئے (احکام) کو ناگوار جانا

فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٩﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا

اس نے اُن کے اعمال کو اکارت کر دیا و۱۱ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں، جو یہ دیکھتے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ

کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیا انجام ہوا اللہ نے انہیں ہلاک کر مارا

معانقہ — ولقد یبتدا بقوله ذلک ولکن حسن الصلة بما قبله ویوقف علی ذلک ۱۲

وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ﴿۱۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور (ان) کافروں کے لئے بھی ایسے ہی (معاملات) ہونے کو ہیں و۱۲ یہ اسی سبب سے کہ اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے،

وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ

اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں و۱۳ بے شک اللہ اُن لوگوں کو جو

اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے ندیاں پڑی

الْاَنْهٰرُ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ

بہ رہی ہوں گی، اور جو کافر ہیں وہ عیش کر رہے ہیں اور کھا (پی) رہے ہیں جس طرح چوپائے

الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ

کھاتے (پیتے) ہیں، آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے و۱۴ اور کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپ کی

قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا

اس بستی سے بڑھی ہوئی تھیں جس کے رہنے والوں نے آپ کو (وہاں سے) نکالا، ہم نے انہیں ہلاک کردیا، اور کوئی اُن کا

نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ

مددگار نہ ہوا و۱۵ تو کیا جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پر ہیں وہ اُن لوگوں کی طرح ہو جائیں گے جن کی بد

لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ

عملی ان کی نگاہ میں خوش نما کردی گئی ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چل رہے ہیں و۱۶ جس جنت کا

وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ

متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے، اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں نہریں متغیر نہ ہونے والے پانی کی ہوں گی، اور نہریں

مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ

ذائقہ نہ بدلنے والے دودھ کی ہوں گی اور نہریں پینے والوں کے لئے خوش ذائقہ

ع ۱۱ / ۵

و۱۲ (اس لئے کہ کفر جو علت ہلاکت و بربادی ہے، وہ ان میں اور اُن میں مشترک ہے) كَيْفَ ...... قَبْلِهِمْ۔ علم آثارِ قدیمہ آج جن جن قوموں کے کھنڈر اور ویرانے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال رہا ہے وہ سب قومیں اپنے اپنے زمانہ میں تہذیب وتمدن اور ترقی ودولت کی چوٹی پر پہنچی ہوئی، لیکن منکر ونافرمان ہی ہوئی ہیں۔ اَمْثَالُهَا۔ یہ مثلیت صرف وقوعِ عذاب کے لحاظ سے ارشاد ہوئی ہے نہ کہ نوعیت عذاب کے لحاظ سے۔ و۱۳ (جو اللہ کے مقابلہ میں ان کے کام آسکے) بِاَنَّ ...... اٰمَنُوْا۔ اور وہی اللہ دنیا وآخرت میں مومنین کے کام بناتا رہتا ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی مومنوں کی نصرت اور کافروں کی بدانجامی۔ اے نصر المؤمنين وسوء عاقبة الكافرين (مدارک) و۱۴ (اس لئے کہ انہوں نے ساری زندگی سوال آخرت اور دینی ذمہ داری سے بالکل بے فکر ہوکر گزاری تھی) يَاْكُلُوْنَ۔ تاكل۔ اکل کا ترجمہ دونوں جگہ اردو محاورہ کے لحاظ سے "کھانے پینے" ہی سے ہوسکتا ہے۔ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ۔ یعنی جس طرح مویشیوں کو کھانے سے مقصود بس پیٹ بھرنا ہی ہوتا ہے اور اور کوئی غرض ان کے سامنے نہیں ہوتی، منکرین آخرت اور مادیین کے سامنے بھی پیٹ ہی کا سوال اصل سوال ہوتا ہے۔ جس کے آگے اور کچھ نہیں۔ کھانے پینے کا مآل کیا ہے اور اس کھانے پینے کے لئے حدود وقیود کیا ہیں ان سارے سوالات کی طرف سے یہ لوگ بے فکر ہی رہتے ہیں۔ و۱۵ تو آپ کے ہم وطن کس زعم وپندار کی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں) اَشَدُّ قُوَّةً۔ جسمانی، مادی، مالی، عددی، ہر اعتبار سے ان اہل عرب سے برتر۔ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ۔ قریہ سے مراد مکہ کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اَهْلَكْنٰهُمْ۔ قریہ سے مراد اہل القریہ تھی۔ ضمیر جمع مذکر هُمْ انہیں کی جانب ہے۔ و۱۶ یعنی کیا دونوں کے درمیان عمل ومحرک عمل کا یہ واضح ونمایاں فرق، ثمراتِ عمل میں واضح ونمایاں فرق نہ پیدا کردے گا؟

لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَ لَهُمْ فِيْهَا

شراب کی ہوں گی اور نہریں شہد صاف کی ہوں گی اور وہاں اُن کے لئے

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ

ہر قسم کے پھل ہوں گے اور اُن کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہوگی ف۱۷ (تو کیا ایسے لوگ) ان لوگوں جیسے ہوسکتے ہیں جو

فِي النَّارِ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾ وَ مِنْهُمْ

ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی انہیں پینے کو دیا جائے گا، وہ اُن کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا، اور لوگوں میں

مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ

سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اُن کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو

قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

جو صاحب علم ہیں اُن سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے کیا کہا تھا، یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے

طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَ الَّذِيْنَ

دلوں پر مہر کر دی ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چل رہے ہیں ف۱۸ اور جو لوگ

اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ

راہ پر ہیں اللہ انہیں اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انہیں تقویٰ کی توفیق دیتا ہے ف۱۹ سو یہ لوگ بس قیامت

اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى

ہی کے منتظر ہیں کہ اُن پر دفعۃً آ پڑے سو اُس کے آثار تو پیدا ہی ہو چکے ہیں، سو جب وہ

لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

ان کے سامنے آ کھڑی ہوگی تو ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا؟ ف۲۰ تو آپ اس کا یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں

وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ

اور اپنی خطا کی معافی مانگتے رہئے اور سارے ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لئے بھی، اور اللہ خوب خبر رکھتا ہے

ف۱۷ خلاصہ یہ کہ اہل جنت ہر قسم کی مادی وروحانی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے۔ دنیا کی ہر مادی نعمت فناء پذیر ہوتی ہے۔ پانی سڑ جاتا ہے، دودھ بگڑ جاتا ہے، شراب میں تلخی ہوتی ہے شہد میں گدلا پن شامل رہتا ہے۔ آیت میں ان سب چیزوں کی نفی کر کے بتلا دیا ہے کہ جنت کی کسی مادی نعمت میں کوئی خرابی نہ پیدا ہونے پائے گی۔ جنت کا ماحول، ناسوت کے ماحول سے بالکل مختلف ہوگا، اس لئے وہاں کی ''مادیات'' کا بھی یہاں کی مادیات سے بالکل مختلف ہونا قرین قیاس ہے۔ وہاں کی مادیات بس صرف لفظاً ہی مادیات ہوں گے۔ مَآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ۔ یعنی پانی ہوگا مگر دنیوی پانی کے برخلاف وہ کبھی سڑے گا نہیں...... زندگی قائم رکھنے والا۔ لَبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ۔ یعنی دودھ ہوگا مگر دنیوی دودھ کے برخلاف وہ کبھی بگڑے گا نہیں— قوت دینے والا۔ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ۔ یعنی شراب ہوگی مگر دنیوی شراب کے برخلاف ہر تلخی سے پاک اور ہر سکر وخمار سے بری— سرور ولذت پیدا کرنے والی۔ عَسَلٍ مُّصَفًّى۔ یعنی شہد ہوگا مگر دنیوی شہد کے برعکس ہر آمیزش سے پاک— شفا بخشنے والا۔ ف۱۸ (ہدایت سے روز بروز دُور ہو کر) وَمِنْهُمْ...... اِلَيْكَ۔ یعنی اُن کے چہرہ، بشرہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی گفتگو کو غور وتوجہ سے سن رہے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں۔ بیان منافقین کا ہو رہا ہے۔ حَتّٰى...... اٰنِفًا۔ یعنی مجلس رسول ﷺ میں بیٹھنے کے بعد بھی ایسے کورے رہتے ہیں کہ جب باہر نکلتے ہیں تو اہل علم وایمان سے پوچھتے ہیں کہ یہ ابھی کیا ارشاد ہوا تھا— محض صحبت وہم نشینی بڑے سے بڑے مرشد کے پاس بھی بے اثر رہتی ہے۔ جب تک بیٹھنے والے کے دل میں قصد استفادہ نہ ہو۔ اُولٰٓئِكَ...... قُلُوْبِهِمْ۔ یہ طبع قلب (دل پر مہر لگ جانے) کا عمل حق تعالیٰ کی جانب سے ابتداءً نہیں ہوتا۔ محض بطور نتیجہ کے ہوتا ہے۔ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ۔ اُن کی اِرادی بے توجہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی توجہ کی صلاحیت بھی روز بروز کمزور ہوتی گئی۔ ف۱۹ چنانچہ ایمان کے بعد وہ احکام پر بھی عمل کرتے رہتے ہیں۔ راہ ہدایت پر چلنے اور احکام پر عمل کرتے رہنے سے ایک خاص برکت یہ پیدا ہوتی ہے کہ ہدایت اور بڑھتی رہتی اور عمل کی توفیق اور زیادہ پیدا ہوتی رہتی ہے۔ ف۲۰ یعنی سمجھنے سمجھانے کا وقت تو اب ہے۔ قیامت کے آ جانے پر اسے سمجھے بھی، تو یہ سمجھ مفید کیا خاک ہوگی؟ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا۔ قرب قیامت کی ابتدائی علامتوں میں مثلاً جھوٹے مدعیانِ نبوت کا ظہور، تو نزولِ قرآن کے زمانہ ہی میں شروع ہو گیا تھا۔

رکوع ۸/۲

مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ اٰمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ

تم (سب) کے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی و۲۱ اور جو لوگ ایمان والے ہیں، وہ کہتے رہتے ہیں کہ کوئی (نئی) سورت کیوں نہ

سُورَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ

نازل ہوئی و۲۲ سو جس وقت کوئی سورت صاف صاف مضمون کی نازل ہوتی ہے اور اس میں قتال کا ذکر ہوتا ہے،

رَاَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُونَ اِلَيْكَ

تو آپ اُن لوگوں کو دیکھے گا جن کے دلوں میں روگ ہے کہ آپ کی طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں،

نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ ۚ طَاعَةٌ

جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو و۲۳ عنقریب اُن کی شامت آنے والی ہے و۲۴ (اُن کی) اطاعت

وَّقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ ۣ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ

اور بات چیت (کی حقیقت) معلوم ہے، لیکن جب سارا کام تیار ہی ہو جاتا ہے تو (اس وقت بھی) اگر یہ لوگ اللہ سے

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ ۚ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ

سچے رہتے تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا و۲۵ اگر تم کنارہ کش رہو تو تم کو یہ احتمال بھی ہے

تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ

کہ تم لوگ دنیا میں فساد مچا دو گے اور آپس میں قطع قرابت کر لو گے و۲۶ یہی لوگ تو ہیں

الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا

جن پر اللہ نے لعنت کی ہے سو انہیں بہرا کر دیا، اور اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے و۲۷ تو کیا

يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِينَ

یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں؟ و۲۸ بے شک جو لوگ

ارْتَدُّوا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ

پشت پھیر کر ہٹ گئے بعد اس کے راہِ ہدایت اُن پر صاف ظاہر ہو چکی تھی

و۲۱ یعنی وہ باخبر ہے تمہارے سارے ہی اعمال و احوال سے، سو اُسی کے وعدوں کے اُمیدوار اور اُسی کے وعیدوں سے خائف ہونا چاہیے۔ لِذَنْۢبِكَ۔ ذنب کا لفظ رسول ﷺ سے متعلق قرآن کریم میں جا بجا آیا ہے۔ ایک اصولی بات ہمیشہ یاد رہے کہ ذنب معصوم کے سلسلہ میں جب بھی آئے گا، مراد اُس سے صرف ذنب صوری یا اجتہادی ہوگا، ورنہ کلام میں صریح تناقض واقع ہوگا۔ اس کے بعد انشاء اللہ کوئی اشکال نہ رہے گا۔ فَاعْلَمْ۔ یعنی اس یقین پر آئندہ بھی قائم رہیے جیسا کہ اب تک رہے ہیں۔ و۲۲ (کہ اگر کسی حکم سابق کی تاکید ہو تو ہمیں بھی مزید ثبات کی نعمت حاصل ہو اور اگر کوئی حکم جدید ہو تو اس کی تعمیل کی دولت) وَيَقُولُ الَّذِينَ اٰمَنُوا۔ مومنین یہ غایت شوق سے کہتے اپنا ایمان تازہ کرنے کی غرض سے۔ و۲۳ یعنی ایسی بھیانک اور وحشت ناک نظروں سے دیکھتے ہیں جیسی سکرات کے وقت ہو جاتی ہیں مطلب یہ ہوا کہ احکام قتال سن سن کر اُن کے کلیجے دہلنے لگتے ہیں، رنگ فق ہو جاتے ہیں، چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگتی ہیں۔ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ۔ ذکر منافقین کا ہو رہا ہے۔ دل کے مرض سے مراد نفاق ہے۔ و۲۴ (خواہ دنیا میں، خواہ آخرت میں، خواہ دونوں جگہ) فَاَوْلٰى لَهُمْ۔ محاورۂ عرب میں کلمۂ وعید و تہدید ہے۔ و عید بمعنی فویل لهم و معناه الدعاء عليهم بان يليهم الكره (کشاف) و۲۵ یعنی ایمان میں اگر شروع سے صادق نہ تھے تو خیر۔ آخر میں منافقت سے تائب ہو جاتے، جب بھی ان کا ایمان مقبول ہو جاتا۔ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ۔ یعنی اُن کی باطنی حالت کا اظہار ان آیات قتال کے نزول کے بعد سب پر ہو گیا۔ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ۔ یعنی نزول حکم قتال کے بعد جب سارا سامان جہاد کا تیار ہو گیا۔ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ۔ یعنی دعوئ ایمان کے مقتضیٰ پر عمل کرتے۔ اور صدق دل سے جہاد پر آمادہ ہو جاتے۔ و۲۶ حکم جہاد۔ ایک بڑی تمدنی و عقلی مصلحت، قیام عدل و اصلاح و امن ہے۔ اگر جہاد کو ترک کر دیا جائے تو مفسدین کا غلبہ ہو جائے۔ امن عالم برہم ہو جائے، اور دنیا بھر میں ہنگامۂ غدر برپا ہو جائے۔ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ۔ یعنی اگر جہاد سے تم منہ موڑ رہے ہو — خطاب براہ راست منافقین سے ہے۔ ضمناً دوسرے لوگ بھی جہاد سے کنارہ کش رہنے والے اس میں شامل ہو گئے۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ۔ یعنی یہ احتمال تو تمہیں ہونا چاہیے۔ عَسَيْتُمْ۔ تَوَلَّيْتُمْ۔ اُوپر سے صیغۂ غائب چلا آ رہا تھا۔ اب دفعۃً صیغۂ مخاطب کی طرف انتقال توبیخ و ترہیب کے لیے ہے۔ وَتُقَطِّعُوٓا اَرْحَامَكُمْ۔ دنیا اگر شریعت اسلامی سے محروم ہو جائے تو آخری انجام سب کا خانہ جنگی ہی پر ہو۔ و۲۷ (کہ نہ ندائے حق گوش قبول سے سنتے ہیں اور نہ راہ حق دیکھتے ہیں) الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ۔ یعنی حق تعالیٰ نے انہیں ان کے نفاق کی پاداش میں اپنی رحمت خاصہ سے دُور کر دیا ہے، سو اب اُن میں احکام پر عمل کی توفیق ہی نہ رہی۔ و۲۸ (جس سے وہ ہر ہدایت سے غیر متاثر رہنے لگے ہیں) اَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْاٰنَ۔ قرآن مجید پر اگر وہ جذبہ حق طلبی و انصاف کے ساتھ غور و فکر کرتے رہتے تو اس کے اعجازی مضامین اُن پر یقیناً کشف حقائق کر کے رہتے۔ عارفین نے اس آیت سے نکالا ہے کہ طولِ امل یعنی ہمیشہ بڑی بڑی آرزوؤں میں پڑے رہنا اور انہیں میں لگے رہنا ممنوع ہے۔ اَمْ یہاں بل کے معنی میں بھی لیا گیا ہے اور ترجمہ اس صورت میں یوں ہوگا کہ "یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، بلکہ ہے یہ کہ اُن کے دلوں میں قفل لگ رہے ہیں"

الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا

انہیں شیطان نے چکمہ دیا، اور انہیں دور دور کی سجھائی ف۲۹ یہ اسی سبب سے ہوا کہ انہوں نے

لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ

ان لوگوں سے جو اللہ کے اتارے ہوئے احکام کو ناگوار سمجھتے ہیں کہا کہ ہم چند اُمور میں تمہارا کہنا

الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲٦﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ

مان لیں گے، اور اللہ اُن کی خفیہ باتیں کرنے کو خوب جانتا ہے ف۳۰ سو اُن کا کیا حال ہوگا، جب فرشتے اُن کی جان

الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ

قبض کر رہے ہوں گے، اور اُن کے چہروں پر اور پشتوں پر مارتے جاتے ہوں گے یہ (سب)

بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ

اس سبب سے ہوگا کہ یہ اس راہ پر چلے جو طریقہ اللہ کی ناخوشی کا تھا اور اس کی رضا سے بیزار رہے سو اللہ نے اُن کے اعمال

اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ ع اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ

اکارت کر دیئے ف۳۱ کیا جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ

لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ

اللہ کبھی اُن کی دلی عداوتوں کو کھول نہ دے گا؟ اور اگر ہم چاہتے تو ہم آپ کو ان کا پورا پتہ بتا دیتے

فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ

تو آپ انہیں اُن کے حلیہ سے پہچان لیتے، اور آپ انہیں (اُن کے) طرزِ کلام سے ضرور پہچان لیں گے، اور اللہ

يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ

تمہارے (سب کے) اعمال کو خوب جانتا ہے ف۳۲ اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے، تاکہ تم میں سے جہاد کرنے والوں

مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۠ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور تم میں سے ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کر لیں اور تاکہ تمہاری حالتوں کی جانچ کر لیں ف۳۳ بے شک جو لوگ

ف۲۹ (کہ رسول پر ایمان لے آنے سے فلاں فلاں مصلحتیں فوت ہو جائیں گی اور فلاں فلاں نقصان لازم آ جائیں گے) مِنۢ ...... الْهُدَى۔ یعنی یہ لوگ دلائل عقلی ونقلی کے واضح ہو جانے کے باوجود ضد اور خبثِ نفس سے کام لے کر قبولِ حق سے انکار کر رہے ہیں۔ تسویلاتِ شیطانی سے بس اللہ ہی محفوظ رکھے۔ اچھے اچھے مومنین تک اس مردود فریبے کے کہے میں آ جاتے ہیں تو جو پہلے ہی سے ناقص الایمان یا ضعیف الایمان ہیں ان کا ذکر ہی نہیں۔ ف۳۰ (اور وہی وحی کے ذریعہ سے اپنے رسول ﷺ کو ان لوگوں کی خفیہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے باخبر کرتا رہتا ہے) بِاَنَّهُمْ۔ ضمیر ھم۔ منافقین مشرکین کی طرف ہے۔ لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ۔ مراد رؤساء واکابر یہود ہیں، جنہیں از راہ حسد وعناد، نزولِ قرآن ورسالت محمدی ﷺ سخت گراں گزر رہی تھی۔ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ۔ یعنی گو ہم بظاہر اسلام قبول کر لیں گے، لیکن باطناً وعقیدۃً تمہارے ہی ساتھ رہیں گے۔ ف۳۱ یعنی ان کے جو اعمال بظاہر خوشنما ومقبول معلوم ہوتے تھے۔ انہیں بالکل بے وزن وبے حقیقت کر کے دکھلا دیا، اور ان کا انہیں کچھ صلہ نہ دیا۔ یہ اعمال حقیقۃً مردود وغیر مقبول تو شروع ہی سے تھے۔ اس لئے کہ ان کا مبنیٰ ومنشاء ایمان تھا ہی نہیں، البتہ ان کی اس مردودیت کا ظہور کامل آخرت ہی میں ہو گا۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی مرتے وقت ان کی سزائے سخت۔ مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ۔ مثلاً کافروں کے ساتھ شرکت اور ان کی معاونت۔ رِضْوَانَهٗ۔ مثلاً مومنین کے ساتھ شرکت اور ان کی معاونت۔ ف۳۲ (اس لئے مومنین کے لئے ایمان پر جزاء اور منافقین کے لئے نفاق پر سزا یقینی ہے) وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ۔ یعنی باوجود ہمارے مفصل نہ بتانے کے آپ اپنی فراست ایمانی کی مدد سے ان کے لب ولہجہ پر غور کرنے سے اب بھی انہیں پہچان لیں گے۔ صوفیہ عارفین نے لکھا ہے کہ یہ آیت اصل ہے فراست کی۔ لیکن فراست کی بناء پر جزم جائز نہیں۔ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ دل کے روگ سے مراد وہی نفاق و منافقت ہے۔ ف۳۳ (ظاہری طور پر بھی) جانچ سے مراد صرف یہ ہے کہ یہ علم اور یہ جانچ کھلے خزانہ سب کے روبرو ہو جائے۔ ورنہ حق تعالیٰ کے علم ازلی میں تو ظاہر ہے کہ ہر واقعہ ہمیشہ ہی سے موجود ہے۔

كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ شَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ

کافر ہوئے اور انہوں نے اللہ کے راستہ سے روکا (بھی) اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

کہ راہ راست اُن پر واضح ہو چکی تھی ہرگز یہ لوگ اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے

وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ

اور اللہ اُن کی کارروائیوں کو اکارت کر کے رہے گا و۳۴ اے ایمان والو، اطاعت کرو اللہ کی

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو رائیگاں مت کر دو و۳۵ بے شک جو لوگ

كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ

کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے انہوں نے روکا پھر وہ کافر ہی مر بھی گئے

فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ

تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا و۳٦ سو تم ہمت مت ہارو اور انہیں صلح کی طرف مت بلاؤ،

وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ

اور تم ہی غالب رہوگے، اور اللہ تمہارے ساتھ ہے و۳۷ اور وہ تمہارے اعمال (کے اجر) میں ہرگز کمی نہیں کرے گا (یہ) دنیوی

اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ اِنْ

زندگی تو محض ایک کھیل اور تماشہ ہے، اور اگر تم ایمان لاؤ، اور تقویٰ اختیار کرو تو (اللہ) تم کو تمہارے اجر عطا کرے

تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ لَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳٦﴾

گا، اور تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرے گا و۳۸ وہ اگر تم سے تمہارے مال طلب کرے اور آخری درجہ تک

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾

تم سے طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو اور (اللہ) تمہاری ناگواری ظاہر کر دے و۳۹

و۳۴ یعنی اللہ کے دین وشریعت کی تباہی وبربادی کی جو کوششیں یہ لوگ کر رہے ہیں وہ ہرگز کامیاب نہ ہونے پائیں گی۔ اور حکمت الٰہی ان کی ساری کوششوں اور سازشوں کو کچل کر رکھ دے گی۔ حبط اعمال کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۳۱۔ مِنْ...... الْهُدٰى۔ اس تبیین ہدایت کے اندر دلائل عقلی وشواہد نقلی سب آ گئے۔ و۳۵ (کافروں کی طرح رسول کی نافرمانی کر کے) فرق یہ ہے کہ کافر کی نافرمانی اصول وعقائد تک پہنچ جاتی ہے اور مسلمان کی نافرمانی فروع واعمال تک محدود رہتی ہے۔ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ رسول کی اطاعت کرو۔ جو احکام الٰہی ہی کے مبلغ ومناد ہیں اور اس طرح ان کی اطاعت عین حق تعالیٰ ہی کی اطاعت ہوئی۔ و۳٦ مغفرت کی پہلی اور لازمی شرط ایمان ہے۔ اس کی تصریح قرآن مجید میں بار بار ہوئی ہے۔ ایمان تخم کے درجہ میں ہے، اور مغفرت اسی تخم کا شجر وثمر ہے۔ بغیر تخم کے شجر وثمر کے وجود میں آجانے کی کوئی شکل ہی نہیں۔ و۳۷ یعنی اللہ نہ دنیا میں تمہارا ساتھ چھوڑے گا نہ آخرت میں۔ دوسری جگہ قرآن مجید نے اسی اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کو اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے ساتھ مقید ومشروط کیا ہے۔ یعنی غلبہ کی شرط ایمان کامل ہے۔ فَلَا تَهِنُوْا سے مراد یہ ہے کہ پست ہمتی کے مقتضیٰ پر عمل نہ کرو۔ اور مایوسی کے خیال کو اپنے عمل پر غالب نہ آنے دو۔ ورنہ اعداء کی کثرت تعداد اور ساز وسامان اور اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی دیکھ کر طبیعت میں کمزوری اور پستی پیدا ہو جانا تو ایک امر طبعی ہے۔ ممانعت صرف اس کے مقتضاء پر عمل کی ہے۔ وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ۔ یعنی تمہیں کافروں کے مقابلہ میں ہمت ہار کے اور ان سے دب کر خواہشِ صلح کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ تم اللہ کے محبوب ہو۔ کفار اس کے مبغوض ہیں۔ فقہاء مفسرین نے تصریح کر دی ہے کہ جس دعوتِ صلح کی یہاں ممانعت ہے وہ وہی ہے جو ضعف ہمت کی بناء پر کی جائے ورنہ نفس دعوتِ صلح جبکہ وہ کسی مصلحت امت پر مبنی ہو، ہرگز ممنوع نہیں۔ و۳۸ (اپنے نفع کے لئے) اِنَّمَا...... لَهْوٌ۔ یعنی ایسی دنیا جو خیال آخرت سے الگ ہو، اس سے وابستہ نہ ہو۔ اس کی عمر ہی کیا؟ اور اس کی بساط ہی کیا؟ جو تم آخرت کے مقابلہ میں اسے عزیز رکھے ہوئے ہو قرآن مجید نے دنیوی زندگی کو لہو ولعب جہاں بھی قرار دیا ہے۔ ہمیشہ آخرت کے مقابلہ میں رکھا ہے۔ نامتناہی اور متناہی کا مقابلہ ہی کیا۔ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا۔ اسی ایمان وتقویٰ کا ایک جزء جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ۔ حق تعالیٰ تمہیں اجر عطا کرے گا نہ یہ کہ الٹا تم سے اپنے نفع کا طالب ہو۔ وَ لَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ۔ مراد یہ ہے کہ مال جو جان سے کہیں ہلکی چیز ہے وہ تک بھی حق تعالیٰ تم سے اپنے نفع کے لئے طلب نہیں کرتا۔ و۳۹ یعنی تمہارے نہ خرچ کرنے سے جو ایک عمل ظاہری ہے، تمہاری گرانی طبع وناگواری کا پتہ چلتا ہے۔ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا۔ یعنی اگر وہ تم سے مال تمہارے ہی نفع واجر کے لئے بطور امتحان طلب کرے۔ فَيُحْفِكُمْ۔ یعنی سارے کا سارا مال طلب کرے۔

ف۴۰ (اوراس نے تمہاری حاجت مندی ہی کی رعایت سے اس کے رفع کرنے کے لئے احکام تمہارے حق میں نازل فرمائے ہیں) لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ یہ انفاق فی سبیل اللہ ہمیشہ بندوں ہی کے نفع کے لئے، اورانہیں کی مصلحتوں کی رعایت سے ہوتا ہے۔ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ۔ اور ایسا شخص خرچ نہ کرکے اپنے ہی کو نفع دائمی سے محروم کردیتا ہے۔ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ۔ وہ ہرطرح بے نیاز وغیر محتاج ہے۔ اس کا احتمال ہی نہیں کہ تمہارے بخل سے نقصان کچھ اس کا ہو۔ دنیا میں بہت سی مشرک جاہلی قوموں نے خود خدا تعالیٰ کی ذات کو محتاج تکمیل مانا ہے۔ اس قسم کی آیتیں برابر ان خرافات کی بھی تردید کررہی ہیں۔ ف۴۱ (عدم تعمیل احکام میں۔ بلکہ نہایت فرمانبردار ہوں گے) اس میں تعلیم ہے اس کی کہ انسان کبھی کسی خدمت دین کو اپنی ذات پر موقوف نہ سمجھے، اور عجب وپندار میں مبتلا ہوکر اپنے کو ہرگز مدار دین نہ سمجھنے لگے۔ وَإِن تَتَوَلَّوْا۔ یعنی تعمیل احکام سے روگردانی کرتے رہوگے، يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ۔ وہ کسی دوسری قوم کو لاکھڑا کرے گا اور اپنی تکوینی حکمتوں کی تکمیل کا کام انہیں سے لے گا۔ ف۱ (جس سے آپ کو آئندہ پھر نہ دبنا پڑے) فَتْحًا مُّبِينًا۔ مراد صلح حدیبیہ ہے۔ جس کے بعد اہل عرب کثرت سے اور جوق جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ نزلت هذه السورة الكريمة لما رجع رسول الله ﷺ من الحديبية (ابن کثیر) والا كثرون على انه صلح الحديبية (معالم) ٦ھ ہجری کا ماہ رجب (مطابق مارچ ۶۲۸ء) تھا۔ اور حکومت مکہ پر ابھی بدستور

هَآأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَمِنكُم

ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ تمہیں بلایا جاتا ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے، سو تم میں بعض وہ ہیں

مَّن يَبْخَلُ ۚ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ ۚ

جو بخل کرتے ہیں اور جو کوئی بخل کرتا ہے وہ (درحقیقت) خود اپنے سے بخل کرتا ہے

وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ

اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں، بلکہ تم (سب اُس کے) محتاج ہو ف۴۰ اور اگر تم روگردانی کروگے تو (اللہ) تمہاری جگہ

قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوٓا أَمْثَالَكُم ﴿٣٨﴾

دوسری قوم پیدا کردے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے ف۴۱

آیاتها ٢٩ — ٤٨ سُورَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ ١١١ — رکوعاتها ٤

اُس کی انتیس آیتیں — سورۂ فتح مدینہ میں نازل ہوئی — اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿١﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ

بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ آپ کی (سب)

مِن ذَنۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكَ

اگلی پچھلی خطائیں معاف کردے اور آپ پر احسانات کی (اور زیادہ) تکمیل کردے،

وَيَهْدِيَكَ صِرَٰطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢﴾ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ

اور آپ کو سیدھے راستہ پر لے چلے اور اللہ آپ کو

نَصْرًا عَزِيزًا ﴿٣﴾ هُوَ الَّذِيٓ أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ

باعزت غلبہ دے ف۱ وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے اہل ایمان کے دلوں میں تحمل

ع ٨

مشرکین قریش کا قبضہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک خواب کی بناء پر کعبہ کی زیارت وعمرہ کا خیال پیدا ہوا۔ اور آپ تقریباً چودہ سو احرام پوش صحابیوں کی جماعت کے ساتھ طواف کعبہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ شہر مکہ سے تین میل شمال میں ایک مقام حدیبیہ ہے۔ ابھی یہ قافلہ وہیں پہنچا تھا کہ ادھر سے حکومت مکہ کی طرف سے مزاحمت کی اطلاع ملی۔ آپ نے آگے بڑھنے کے بجائے وہیں قیام فرمادیا۔ اور ایک قاصد کے ہاتھ اہل مکہ کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ ہم لڑنے کو نہیں، بلکہ صرف صلح وآشتی کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کو آئے ہیں۔ جواب نہ آیا۔ تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ ان کی واپسی میں بھی تاخیر ہوئی۔ اور یہ خبر مشہور ہوگئی کہ یہ سفیر رسول شہید کردیئے گئے۔ اس پر آپ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے جہاد کی بیعت لی مشرکوں نے یہ سن کر حضرت عثمان کو واپس بھیج دیا۔ اب مکہ کے چند سردار بھی آپ کی خدمت میں آئے اور گفتگو کے بعد ایک صلح نامہ مرتب ہوا جس کی اکثر دفعات سے بظاہر مسلمانوں کی سبکی ہوتی تھی۔ اور اس لئے بعض صحابیوں کو درمیان میں بہت جوش بھی آگیا، مگر آپ نے سب کو روکا اور بالآخر مشرکوں ہی کے شرائط پر صلح نامہ مرتب ہوگیا اور آپ مع جاں نثار صحابیوں کے احرام اتار کر بغیر مکہ مکرمہ تک پہنچے واپس آگئے۔ ......اس ظاہری شکست کو فتح ہی سے نہیں "فتح مبین" سے تعبیر کرنا حق تعالیٰ ہی کا کام تھا۔ کوئی بندہ تو ایسی خلاف ظاہر پیش خبری کی جرأت کر نہیں سکتا تھا۔ مؤرخین متفق ہیں کہ فتح مکہ، فتح خیبر بلکہ آئندہ کی ساری اسلامی فتوحات کا سنگ بنیاد یہی صلح حدیبیہ ہے۔ قال الزهرى لم يكن فتح اعظم من صلح الحديبية وذلک ان المشركين اختلطوا بالمسلمين فسمعوا كلامهم فتمكن الاسلام فى قلوبهم اسلم فى ثلاث سنين خلق كثيروكثربهم سواد الاسلام (معالم) والمراد به صلح الحديبية فانه حصل بسببه خير جزيل وأمن الناس واجتمع۔ لِيَغْفِرَ لَكَ۔ یعنی اس کثرت اجر وقرب کی برکت سے جو آپ کو اس واقعہ سے حاصل ہوا ہے۔ آپ کے مراتب اور بڑھادے۔ مِن ذَنۢبِكَ۔ رسول ﷺ معصوم کے سلسلہ میں جہاں کہیں بھی ذنب یا اس کا مرادف آتا ہے مراد اس سے ہمیشہ صرف صوری غلطیاں یا اجتہادی لغزشیں ہوتی ہیں جیسا کہ پیشتر حاشیوں میں کئی بار گزر چکا ہے۔ يُتِمَّ نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكَ۔ یعنی آپ کے ہاتھ پر بکثرت لوگوں کو مسلمان کرکے اور اس طرح آپ کے اجر ومراتب قرب میں بدرجہا اضافہ کرکے آپ پر اپنے انعام وافضال کی تکمیل کردے۔ آپ کی اجتہادی لغزشوں ہی سے درگزر نہ ہو بلکہ جو سلسلہ آپ پر انعام وافضال کا چل رہا ہے۔ اس کی بھی تکمیل ہوجائے۔

نِعْمَتَهُۥ۔ آپ کو نبوت ملی، قرآن ملا، معجزات ملے، علوم ومعارف ملے، یہ سب اسی انعام وافضال الٰہی کی فردیں ہیں۔ يَهْدِيَكَ صِرَٰطًا مُّسْتَقِيمًا۔ یعنی آئندہ بلا کسی روک ٹوک بلا حکومت مکہ کی طرف سے کسی مزاحمت کے آپ کے قدم آگے بڑھتے رہیں۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ اس واقعہ کے بعد سے پھر سرداران مکہ میں آپ سے مقابلہ کا دم خم باقی نہ رہا۔ يَهْدِيَكَ۔ يَنصُرَكَ۔ نکتہ سنجوں نے کہا ہے کہ یھدیک سے مراد نفی مغلوبیت یا دفع معضرت ہے۔ اور يَنصُرَكَ کا حاصل اثبات قابلیت یا حصول منفعت ہے۔ لِيَغْفِرَ لَكَ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ل تعلیل کے مرادف ہے۔ معناه انا فتحنالک فتحاً مبيناً لكى يجتمع لک مع المغفرة تمام النعمة فى الفتح (معالم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا تعلق اس آیت سے ہے۔ واستغفر لذنبک وللمؤمنين والمؤمنات۔ قال الحسن بن الفضل هو مردود الى قوله واستغفر لذنبک (معالم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ فتح سبب مغفرت نہیں۔ بلکہ لیغفرلک سے متصل قبل فاستغفر محذوف ہے۔ الفتح ليس بسبب للمغفرة والتقدير انا فتحنالک فتحاً مبيناً فاستغفر ليغفرلک (مدارک)

الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ

پیدا کیا تا کہ (اپنے) پہلے ایمان کے ساتھ (ان کا) ایمان اور زیادہ ہو جائے، اور اللہ ہی کی ملک

جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۴

آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ بڑا جاننے والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۲

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

(اور یہ اس لئے) تا کہ وہ ایمان والوں اور ایمان والیوں کو ایسے باغوں میں داخل کردے جن کے نیچے نہریں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ

بہ رہی ہوں ان میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور تا کہ ان کے گناہ اُن سے دور کر دے

وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝۵ وَّيُعَذِّبَ

اور یہی اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے ف۳ اور تا کہ وہ

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ

نفاق کرنے والوں اور نفاق والیوں اور شرک والوں اور شرک والیوں کو عذاب دے

الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ

جو اللہ کے ساتھ برے برے گمان رکھتے ہیں ف۴ اُن پر برا وقت آنے والا ہے

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ

اور اللہ اُن پر غضبناک ہوگا، اور انہیں رحمت سے دور کردے گا، اور اُن کے لئے اُس نے دوزخ تیار کررکھی ہے

وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝۶ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ف۵ اور اللہ ہی کی ملک آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۷ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا

اور اللہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۶ بے شک ہم نے آپ کو گواہ

ف۲ (چنانچہ جب مصلحت قتال کی ہوگی، حکم قتال کا دے گا، ہر حکم بہرصورت اس علیم کے علم کامل اور حکیم کی حکمت کامل کے ماتحت ہی ہوگا۔ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ۔ سکینۃ کے معنٰی تسلی اور اطمینان قلب کے ہیں۔ اور یہی شے استقامت اور صبر وثبات کی بنیاد ہے۔ اور یہ لفظ اہل لغت کی تحقیق میں نور اور قوت اور روح کا جامع ہے۔ السكينه السكون والطمانية (كشاف) فسروها بشيء يجمع نورًا وقوتًا وروحًا بحيث يسكن اليه ويتسلى به الحزين (روح) اس موقع خاص پر سکینت الٰہی کا ظہور دو طرح پر ہوا۔ ایک تو یوں کہ بیعت جہاد کے وقت صحابہ باوجود اس کے کہ گھر سے نکلتے وقت کوئی خیال بھی قتال کا نہ تھا۔ عزم جہاد پر ثابت ومستعدر ہے دوسرے اس طرح کہ مسلمانوں نے مشرکین مکہ کی سرتاسر بیجا ضد دیکھی، لیکن نہ قابو سے باہر ہوئے، نہ جوش سے بیخود ہو گئے۔ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ۔ یعنی اس خاص سکینت قلب کے پیدا ہو جانے سے اہل ایمان کے قلب میں اور زیادہ انشراح اور ان کے نور باطنی میں اور زیادہ نورانیت پیدا ہوگئی اور ایمان استدلالی وبرہانی کے ساتھ ساتھ ایمان عیانی بھی نصیب ہو گیا۔ **فيحصل لهم الايمان العيانى والايمان الاستدلالى البرهانى** (روح) طاعت میں یہ خاصہ بھی ہے کہ ہر نئے امر طاعت سے نور ایمان میں اور ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ جو ہمارے امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ **الايمان لا يزداد ولا ينقص** (ایمان میں نہ کمی ہوتی ہے نہ بیشی) سو اس سے ان کی مراد ذات ایمان یا نفس ایمان سے ہے جو قابل تجزی نہیں۔ باقی اس کے اوصاف وآثار میں کمی بیشی تو روزمرہ کا مشاہدہ ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ وَلِلّٰهِ...... الْاَرْضِ۔ تو تم اپنی قلت تعداد اور بے سروسامانی پر نظر نہ کرو۔ خدا اپنے خدائی لشکروں سے تمہاری امداد وتائید ہر طرح کر سکتا ہے۔ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ ان آسمانی اور زمینی لشکروں کے تحت میں فرشتہ اور ساری مخلوقات ہر نوع اور ہر طبقہ کی آ گئی۔ ف۳ یہاں یہ تعلیم ہے کہ فوری، ظاہری، مادی فتح نہیں، بلکہ جنت کے امتحان میں کامیابی ہی اصلی کامیابی ہے۔ لِيُدْخِلَ...... سَيِّاٰتِهِمْ۔ یعنی یہ ادخال جنت اور کفارۂ سیئات جو کچھ بھی ہوگا، سب اطاعت امر ہی کی بدولت ہوگا...... گویا اس کلیہ کا اثبات کہ فضیلت ومقبولیت کا مدار اطاعت ہی ہے۔ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔ اس تصریح نے یہ بتا دیا کہ وجوب اطاعت احکام اور پھر اس کے ثمرہ میں حصول قرب وفضیلت کے لحاظ سے مرد وعورت ہر دو جنس یکساں ہیں۔ ف۴ (اور اللہ سے بدگمانی کے تحت میں تکذیب رسول اور جملہ عقائد کفر وشرک داخل ہیں) وَيُعَذِّبَ...... الْمُشْرِكٰتِ۔ عذاب منافق ومشرک دونوں کو کفر مشترک کی پاداش میں ہوگا...... مشرکین ومشرکات کا جرم تو ظاہر ہی ہے کہ وہ رسول اور صحابہ رسول کی مزاحمت کر رہے تھے اور منافقین اس جرم میں شریک اس حیثیت سے تھے کہ وہ بھی اسلام سے اپنے بغض وعناد کی بنا پر آرزو مند اسی کے تھے کہ مسلمان جنگ سے زندہ بچ کر واپس نہ آئیں۔ الظَّاۗنِّيْنَ...... السَّوْءِ۔ غلبہ اسلام ومسلمین کے جو وعدے تھے، مشرکین ومنافقین انہیں سب جھوٹ سمجھ رہے تھے۔ ف۵ برا وقت تو دنیا ہی میں پڑا تھا، لیکن اب اس سے کہیں بڑھ کر عذاب آخرت کا ہے۔ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ۔ یہ برا وقت دنیا میں مشرکین مکہ پر یوں پڑا کہ چند ہی روز میں قتل وگرفتاری سے ہر طرح مغلوب ومقہور ہو کر رہے اور منافقین کی باقی ساری عمر مسلمانوں کی ترقی وغلبہ سے جل جل کر اور کڑھ کڑھ کر کٹی۔ ف۶ (اس لئے مصلحتوں اور حکمتوں ہی کے تقاضہ سے نزول عذاب میں توقف کر رہا ہے حالانکہ وہ بربادئ کفار پر ہر وقت ہر طرح قادر ہے۔ جب چاہے دم بھر میں صفایا کردے) لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہ الفاظ ابھی پہلے بھی گزر چکے ہیں، مگر وہاں ان سے مقصود تھا، مومنین کے غالب کرنے پر قادر ہونا جس کا حاصل تسلیہ ہے، اور اب مقصود ہے کفار کے مقہور کرنے پر قادر ہونا جس کا حاصل تہدید ہے۔ اسی لئے یہاں حَكِيْمًا کے ساتھ عَزِيْزًا فرمایا۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ)

وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٨﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ

اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، وے (اس لئے) تا کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد

وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

کرو اور اس کی تعظیم کرو، اور صبح و شام میں اس کی تسبیح میں لگے رہو و۸ بے شک جو لوگ

يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ

آپ سے بیعت کر رہے ہیں، وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے و۹

فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا

سو کوئی عہد توڑے گا تو اس کے عہد توڑنے کا وبال اس پر پڑے گا و۱۰ اور جو کوئی اس چیز کو پورا کرے گا جس کا

عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٠﴾ سَيَقُوْلُ

اس نے اللہ سے عہد کیا ہے، تو اللہ اُسے عنقریب بڑا اجر دے گا و۱۱ جو دیہاتی (اس سفر میں) پیچھے رہ

لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا

گئے وہ عنقریب آپ سے (آکر) کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال اور ہمارے عیال نے فرصت نہ لینے دی

فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ

تو آپ ہمارے حق میں معافی کی دعا کر دیجئے و۱۲ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہیں،

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا

آپ پوچھئے کہ وہ کون ہے جو اللہ کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا بھی اختیار رکھتا ہے، اگر (اللہ) تمہیں کوئی نقصان

اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١١﴾

یا کوئی نفع پہنچانا چاہے، نہیں بلکہ اللہ ہی تمہارے سب اعمال سے (خوب) باخبر ہے و۱۳

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى

اصل یہ ہے کہ تم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ رسول اور مومنین اپنے گھر والوں میں لوٹ کر بھی

ع ۹

و۷ چنانچہ بشارت اور انذار کا ظہور تو اسی دنیا میں ہوا اور آپ مومنین کے حق میں مُبَشِّر ثابت ہوئے اور کافروں کے حق میں نذیر۔ لیکن آپ کے شاہد ہونے کا ظہور آخرت میں ہوگا۔ جب آپ قیامت کے دن اعمال امت پر گواہی دیں گے۔ تشھد علی امتک یوم القیامة (مدارک) و۸ اس تسبیح وتقدیس کی تفسیر نماز سے بھی کی گئی ہے۔ اس صورت میں مراد اس سے فرض نمازیں ہوں گی۔ یرید تصلوا اللہ (معالم) اور مطلق ذکر بھی اس کے معنی کئے گئے ہیں۔ اس صورت میں مراد ذکر مندوب ہوگا۔ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ بعض نے صبح وشام سے مراد عموم اوقات یعنی دوام لی ہے۔ یحتمل ان یکون اشارة الی المداومة (کبیر) تُعَزِّرُوْهُ۔ اس کی مدد کرو، یعنی اللہ کے دین کی مدد کرو۔ تُوَقِّرُوْهُ۔ یعنی اللہ کی تعظیم عقیدہ میں بھی کرو اور عمل سے بھی۔ عقیدةً یوں کہ اسے جامع کمالات واصاف حسنہ سمجھو۔ ہر عیب، ہر نقص سے پاک وبالاتر۔ اور عملاً یوں کہ اس کی اطاعت کرو، آیت میں ضمیر واحد چاروں جگہ حق تعالیٰ ہی کی جانب ہے۔ الضمائر للہ عزوجل والمراد بتعزیر اللہ تعزیر دینه ورسوله ومن فرق الضمائر فقد ابعد (کشاف، مدارک) والظاهر ان الضمائر عائدة الی اللہ تعالٰی (بحر) بعض نے تعزروہ اور توقروہ کی ضمیریں رسول اللہ ﷺ کی جانب پھیری ہیں۔ وهذه الكنايات راجعة الی النبیؐ (معالم) اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ آپ کی سنت کے اتباع واجراء میں جان ومال سے شریک رہو۔ آپ کی اعانت وتعظیم کا تارک، عاصی ہوگا۔ و۹ (اور آپ سے ان کی بیعت گویا حق تعالیٰ ہی سے ان کی بیعت ہوئی) اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ یہ بیعت صحابہ نے حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر عزم جہاد پر کی تھی، جب یہ خبر اڑی تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو بحیثیت سفیر رسول مکہ میں گئے ہوئے تھے، انہیں مشرکوں نے شہید کر ڈالا۔ اور اس پر یہ رائے ٹھہری تھی کہ اب مشرکوں سے جنگ ناگزیر ہوگئی ہے۔ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔ یہ اس لئے کہ حقیقةً ان کا مقصود طاعت الٰہی ہی پر بیعت کرنا تھا۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ یہ بھی بیعت ہی سے کنایہ ہے۔ اس لئے گویا ماقبل کی اور تاکید ہوگئی۔ اكده تاكيدًا علی طريق التخييل (کشاف) موكد له علی سبيل التخييل (بیضاوی) يريد ان يد رسول اللہ ﷺ التی تعلوا يدی المبايعين هی يد اللہ (مدارک) ید کے معنی محاورہ میں غلبہ ونصرت کے بھی آتے ہیں۔ یقال الید لفلان ای الغلبة والنصرة والقهر (کبیر) اور یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے ہاتھ کہاں؟ یا کوئی سا بھی وصف جسمانی ومادی کہاں؟ اللہ منزه عن الجوارح وعن صفات الاجسام (مدارک) و۱۰ یعنی جو کوئی بجائے طاعت کے مخالفت کرے گا، سو وہ خود ہی اپنی سزا کو پہنچے گا، خود ہی بھگتے گا، کسی کا کیا بگڑے گا۔ فقہاء نے کہا ہے کہ چونکہ الفاظ عام ہیں، اس لئے وعید کچھ اسی بیعت رضوان کے ساتھ مخصوص نہیں، جو کوئی جس عہد واجب الایفاء کو توڑے گا وہ اسی حکم میں داخل ہے۔ فَمَنْ نَّكَثَ۔ وعید کے تحقق کے لئے ضروری ہے کہ نقض عہد عمداً ہوا یا دانستہ بے اعتنائی سے۔ باقی اگر کسی نے مجبوری سے یا محض سہو سے ایسا کیا اور اب نادم وخائف ہے تو وہ ناکث نہیں، شریعت کی نگاہ میں محض خاطی ٹھہرے گا۔ و۱۱ عَلَيْهُ۔ ایک انگریز نے اپنی عربی دانی کے غلط زعم میں اس اعراب پر اعتراض کر کے یہ کہا ہے کہ اسے قاعدہ سے بجائے علیہُ کے علیہِ ہونا چاہیے۔ پرچہ "صدق" میں اس کے متعدد شافی جوابات مختلف اہل علم کے قلم سے درج ہو چکے ہیں۔ لیکن ایک اصولی سوال یہ ہے کہ خود اعتراض ہی کی بنیاد کیا ہے؟ یہی نا کہ "خلاف قاعدہ"؟ لیکن خود "قاعدہ" کہاں بنا ہے؟ کیا "قاعدہ" پر کوئی وحی آئی ہوئی ہے؟ قاعدہ تو خود ہی فصحاء واہل زبان کے کلام سے مستنبط ہوتا ہے تو جو کلام سارے اہل زبان کے نزدیک سب سے افصح ہے، جب اس نے اس اعراب کو استعمال کر دیا تو اس کے خلاف کوئی قاعدہ مستنبط ہی کہاں سے ہوا؟ اور ایسے باقاعدہ قاعدہ کا استنباط خود قاعدہ ساز یا قاعدہ گر کے سہو نظر پر محمول کیا جائے گا۔

و۱۲ یعنی اللہ تعالیٰ سے سفارش کر دیجئے کہ ہمارے اس عذر کی بناء پر ہم سے مؤاخذہ ترک جہاد کا نہ کیا جائے۔ استغفار کی درخواست باوجود عذر صحیح کے اگر غیر مخلص کی طرف سے ہو تو ریاء فی الاخلاص پر محمول ہوگی اور اگر مخلص کی طرف سے ہو تو اس کی بناء یہ ہے کہ عذر کا عذر ہونا اکثر امر اجتہادی ہوتا ہے اور اجتہاد کا مدار تحری پر ہوتا ہے، اس میں بعض اوقات تسویل نفسانی وشیطانی سے تامل یا عمل بمقتضاء تامل میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا استغفار کی حاجت ہوتی ہے۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) سَيَقُوْلُ لَكَ۔ یعنی آپ کے مدینہ پہنچنے پر کہیں گے...... سورۃ کا نزول دوران سفر ہی میں ہوا تھا۔ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا۔ یعنی ہم اپنی مالی اور خانگی ضرورتوں میں ایسے الجھے رہے کہ ارادہ ونیت رکھنے کے باوجود نوبت شرکت جہاد کی نہ آسکی...... یہ سب بطور سخن تراشی تھا۔ اَلْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ۔ یہ دیہاتی عرب، روایتوں میں آتا ہے کہ قبیلہ غفار ومزنیہ وجہنیہ واسلم واشجع ودیل کے تھے...... و۱۳ (اور وہی تمہارے تخلف کے اصلی وجوہ سے بھی مطلع کر سکتا ہے) يَقُوْلُوْنَ...... قُلُوْبِهِمْ۔ یعنی ان کی یہ ساری ہی تقریر منافقانہ ہے۔ نہ ان کی یہ معذرت ہی صحیح ومطابق واقعہ ہے اور نہ وہ آپ کی نبوت کے معتقد اور آپ کے استغفار کے قائل ہیں— اس تصریح نے یہ بات صاف کر دی کہ یہ لوگ کمزور قسم کے مسلمان نہ تھے، بلکہ پورے منافق تھے۔ فَمَنْ...... نَفْعًا۔ تو قضاء الٰہی کے مقابلہ میں تم اپنے مال وعیال کے کسی نقصان کو روک سکتے تھے؟

اَهۡلِيۡهِمۡ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَ ظَنَنۡتُمۡ ظَنَّ

نہ آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں کو خوش نما بھی معلوم ہوئی تھی، اور تم نے برے برے گمان

السَّوۡءِ ۖۚ وَ كُنۡتُمۡ قَوۡمًۢا بُوۡرًا ﴿۱۲﴾ وَ مَنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ

قائم کئے اور تم برباد ہونے والے لوگ ہو گئے ؏۱۴ اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان

وَ رَسُوۡلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ سَعِيۡرًا ﴿۱۳﴾ وَ لِلّٰهِ

نہ لائے گا سو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور اللہ ہی کی

مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ

ملک ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب

مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۴﴾ سَيَقُوۡلُ

دے اور اللہ تو بڑا بخشنے والا ہے، بڑا رحمت کرنے والا ہے ؏۱۵ یہ پیچھے رہ جانے والے

الۡمُخَلَّفُوۡنَ اِذَا انْطَلَقۡتُمۡ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاۡخُذُوۡهَا ذَرُوۡنَا

عنقریب جب تم غنیمتیں لینے چلو گے تو کہیں گے کہ ہم کو بھی اجازت دو ہم تمہارے ساتھ

نَتَّبِعۡكُمۡ ۚ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّبَدِّلُوۡا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنۡ

ہو لیں ؏۱۶ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو بدل ڈالیں آپ کہہ دیجئے تم ہرگز

تَتَّبِعُوۡنَا كَذٰلِكُمۡ قَالَ اللّٰهُ مِنۡ قَبۡلُ ۚ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ بَلۡ

ہم لوگوں کے ساتھ نہیں چل سکتے، اللہ نے پہلے سے یوں ہی فرما دیا ہے ؏۱۷ اس پر یہ لوگ کہیں گے کہ نہیں بلکہ

تَحۡسُدُوۡنَنَا ؕ بَلۡ كَانُوۡا لَا يَفۡقَهُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ

تم ہم سے حسد کرتے ہو اصل یہ ہے کہ یہ لوگ بہت ہی کم بات سمجھتے ہیں ؏۱۸ آپ ان

لِّلۡمُخَلَّفِيۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ سَتُدۡعَوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍ اُولِىۡ

پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجئے کہ عنقریب تم ایسے لوگوں کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت

؏۱۴ یعنی اپنے ان خیالات کفریہ کی بنا پر ہر طرح مستحق عذاب و ہلاکت ہو گئے۔ بَلْ...... قُلُوْبِكُمْ۔ یعنی تم اس خیال میں مگن تھے کہ اب کی سرداران مکہ ان بے سروسامان مسلمانوں کا بالکل قلع قمع ہی کر دیں گے۔ اور انہیں زندہ سلامت واپس ہی نہ آنے دیں گے۔ ظَنَنْتُمْ...... قُلُوْبِكُمْ۔ خطاب منافقین کو ہے۔ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ۔ حق تعالیٰ سے بدگمانیاں یہی تھیں کہ اب کفر و شرک کو فروغ ہوگا، اور اسلام کی بات نیچی ہو جائے گی۔ ؏۱۵ (چنانچہ مشرک بھی جو ہر طرح مستحق عذاب ہو چکتا ہے، اگر ایمان لے آوے تو بخش دیا جاتا ہے) وَلِلّٰهِ...... الْاَرْضِ۔ عالم ناسوت یا عالم آخرت۔ ہر عالم میں سکہ حکومت بس اسی خالق یکتا و بے ہمتا کا چلتا ہے۔ وہی ایک مطلق الاختیار ہے۔ قوت مدبرہ سارے کائنات میں اسی ایک کی ہے۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی مغفور ہونے اور معذب ہونے دونوں کے اسباب اسی کے قوانین تکوینی کے ماتحت ہیں۔ ساری کائنات اور اس کے حوادث اسی کی مشیت کے مسخر ہیں۔ ؏۱۶ صلح حدیبیہ کے کچھ ہی روز بعد معرکہ خیبر پیش آیا۔ جس میں مسلمانوں نے دولت مند و پر قوت یہودیوں پر فتح عظیم پائی۔ آیت میں اسی پیش آنے والے واقعہ کا ذکر بصورت پیش خبری ہے۔ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ۔ اخلاص منافقین کے اس قول میں بھی نہ ہوگا۔ اب جو ساتھ چلنے کو کہیں گے تو محض مال غنیمت کی حرص و طمع میں۔ اِذَا...... لِتَاْخُذُوْهَا۔ جنگ ابھی نہ ہوئی ہے، نہ باسباب و قرائن ظاہرا ابھی شروع ہونے کو ہے۔ قرآن مجید دعویٰ و تحدی کے ساتھ نہ صرف وقوع جنگ کی پیش گوئی کر دیتا ہے، بلکہ نتیجہ جنگ یعنی مسلمانوں کی فتح اور یہود کی مغلوبیت و ہزیمت کا بھی اتنے قبل سے اعلان کئے جا رہا ہے!...... بجز عالم الغیب والشہادۃ کے کوئی بھی ایسی پیشگوئیوں کی جرأت کر سکتا ہے؟ اِذَا انْطَلَقْتُمْ۔ واقعہ مستقبل کا ذکر صیغۂ ماضی سے عربی میں اسی وقت آتا ہے، جب اُس واقعہ آئندہ کا وقوع یا پیشگوئی کا تحقق بالکل قطعی اور یقینی ہو۔ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا۔ اس میں اشارہ منافقین کی حرص و طمع کی طرف بھی آ گیا۔ ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ۔ منافقین کو اب شرکت جہاد سے ممانعت کر دی گئی تھی۔ یہ درخواست اسی حکم امتناعی کی منسوخی کے لئے ہو رہی ہے۔ اِنْطَلَقْتُمْ۔ نَتَّبِعْكُمْ۔ تم اور کم کی ضمیریں (جمع مخاطب کی) مسلمانوں کے لئے ہیں۔ ؏۱۷ یہ جواب رسول ﷺ کی زبان سے ادا کرایا جا رہا ہے۔ كَلٰمَ اللّٰهِ۔ یعنی حق تعالیٰ کا یہ حکم کہ خیبر بجز، اہل حدیبیہ کے اور کوئی نہ جائے۔ كَلٰمَ۔ کی دوسری تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسے حق تعالیٰ کے وعدۂ تکوینی کے معنی میں لیا جائے۔ اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ اللہ نے مومنین مخلصین سے یہ جو وعدہ کر رکھا ہے کہ خیبر کی غنیمت صرف تمہیں کو ملے گی، اسے یہ منافقین خود شریک ہو کر جھٹلا دینا چاہتے ہیں۔ لَنْ تَتَّبِعُوْنَا۔ لَنْ یہاں مطلق تابید کے لئے نہیں، بلکہ صرف غزوۂ خیبر تک کے لئے محدود ہے۔ كَذٰلِكُمْ...... قَبْلُ۔ یعنی ہم تمہاری درخواست ہرگز منظور نہیں کر سکتے۔ ہم کو پہلے ہی سے یہ حکم مل چکا ہے کہ ان کو مت ساتھ لے جانا۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم زبان سے کچھ بھی کہو، تم بہر حال ہمارے ساتھ جانے پر قادر نہ ہو سکو گے وعدۂ الٰہی یہی ہے اور وہ غلط نہیں ہو سکتا۔ ؏۱۸ منافقوں کی کم فہمی بلکہ نافہمی اسی سے ظاہر ہے کہ مومنین صادقین و مخلصین جن کے ہاں حسد و نفسانیت کا گزر نہیں، ان کے صحیح اور واقعی جواب کو حسد و نفسانیت پر محمول کر رہے ہیں۔ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا۔ یعنی یہ منافقین کہیں گے کہ یہ کوئی حکم خداوندی نہیں، بلکہ تم ہی یہ نہیں چاہتے ہو کہ ہم اس نفع میں شریک ہوں، اس لئے ہم سے یہ بہانے تراش رہے ہو۔ انسان اپنے ہی پیمانے سے دوسروں کو ناپتا ہے۔ منافقین نے اپنے ہی نفس پر قیاس کر کے یہ بات مسلمانوں کے حق میں کہہ دی۔ بَلْ...... قَلِيْلًا۔ منافقین اور وہ بھی دیہات عرب کے۔ سمجھ ہی کیا سکتے تھے کہ مجاہد کا ظرف کتنا بلند ہوتا ہے۔

بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِیْعُوْا

لڑنے والے ہوں گے یا تو اُن سے لڑتے رہو یا وہ مطیع (اسلام) ہو جائیں و۱۹ سو اگر تم (اُس وقت) اطاعت کرو گے

یُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّیْتُمْ

تو اللہ تمہیں نیک عوض دے گا اور اگر روگردانی کرو گے جیسا کہ اس کے قبل روگردانی

مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱٦﴾ لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى

کر چکے ہو تو وہ تمہیں عذاب درد ناک کی سزا دے گا و۲۰ کوئی گناہ نہ اندھے پر

حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ ؕ

ہے اور نہ کوئی گناہ لنگڑے پر ہے اور نہ کوئی گناہ بیمار پر

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ

اور جو کوئی بھی اللہ اور اُس کے رسول کا کہنا مانے گا، اُسے وہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے ندیاں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۷﴾ ع

بہ رہی ہوں گی اور جو کوئی روگردانی کرے گا اُسے وہ عذاب درد ناک کی سزا دے گا و۲۱

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ

بے شک اللہ خوش ہوا ان مسلمانوں سے جب کہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے

الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ

درخت کے نیچے، اور اللہ کو معلوم تھا جو کچھ اُن کے دلوں میں تھا، سو اللہ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا

وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾ لا وَّ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ؕ

اور ان کو ایک لگتے ہاتھ فتح بھی دے دی و۲۲ اور بہت سی غنیمتیں بھی جنہیں یہ لوگ لے رہے ہیں

وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً

اور اللہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے و۲۳ اللہ نے تم سے (اور بھی) بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے

و۱۹ (خواہ مسلمان ہو کر خواہ ذمی بن کر) مِنَ الْاَعْرَابِ۔ دوبارہ اس کی تصریح ہے کہ یہ منافقین شہری نہیں، دیہاتی تھے۔ اور دیہاتیوں کا درجۂ کفر و نفاق شہریوں سے بڑھا ہوا تھا۔ الاعراب اشد کفرا و نفاقا۔ قَوْمٍ...... شَدِیْدٍ۔ اس پیش گوئی میں صاف اشارہ رومہ اور ایران کی مسیحی و مجوسی باقاعدہ اور آلات جدیدہ سے مسلح فوجوں اور لشکروں کی جانب ہے۔ بعض نے لشکر بنو حنیفہ بھی مراد لی ہے جن کے خلاف حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جہاد کیا تھا۔ اور فقہاء مفسرین نے اس سے خلیفہ اول و دوم کے خلیفۂ راشد ہونے پر استدلال کیا ہے۔ فهو دليل على صحة امامة ابى بكرؓ وعمرؓ وعثمانؓ لان ابا بكر دعاهم الى قتال بنى حنيفة ودعاهم عمر الى قتال فارس والروم انه الزمهم الله طاعة من يدعوهم اليه (جصاص) وفى الاية دلالة صحة خلافة الشيخين حيث وعدهم الثواب على طاعة الداعى عند دعوته (مدارک) سَتُدْعَوْنَ...... شَدِیْدٍ۔ یعنی اگر اجر حاصل کرنا مقصود ہے تو اس کی تخصیص کچھ اسی موقع کے ساتھ نہیں۔ خیبر کے بعد بھی شدید معرکے ہوں گے۔ ان میں شریک ہو جانا۔ یُسْلِمُوْنَ۔ اسلام۔ یہاں لغوی معنی میں ہے۔ یہ لازمی نہیں کہ فریق محارب اپنا دین بدل کر اسلام اصطلاحی ہی قبول کر لے۔ بلکہ جزیہ دے کر رعایائے اسلام بن جانا اور حکومت اسلام کی اطاعت قبول کر لینا بھی یُسْلِمُوْنَ ہی کے مفہوم میں داخل ہے۔ و۲۰ یہ منافقین کو ایک موقع اور دیا جا رہا ہے۔ اب بھی ان کے لئے مہلت و گنجائش ہے کہ چاہیں تو اسلام کو مستند و مصدق کرا لیں۔ فَاِنْ تُطِیْعُوْا۔ یعنی اگر اب بھی تم لوگ حکم خداوندی کی اطاعت کرو گے، شریک جہاد ہو جاؤ گے۔ یُؤْتِكُمْ...... حَسَنًا۔ پچھلی غلطیاں اب بھی معاف ہو سکتی ہیں۔ یہ نہ ہو گا کہ ان کے انتقام میں تم اپنی فی الوقت طاعت و عبادت کے اجر سے محروم رکھے جاؤ۔ وَاِنْ...... اَلِیْمًا۔ آیت کے اس جزء سے مزید روشنی خلافت اول و دوم کی حقانیت پر پڑ گئی۔ فدل على صحة امامتهما اذا كان المعرض عن طاعتهما مستحقا للعقاب (جصاص) فوجب ان يكون الداعى مفترض الطاعة (مدارک) و۲۱ اطاعت و اعراض دونوں راہیں کھلی ہوئی ہیں...... ان دونوں کے ثمرات، نجات و عذاب بھی بالکل واضح ہیں۔ لَیْسَ...... الْمَرِیْضِ حَرَجٌ۔ یعنی یہ شرکت جہاد کا حکم علی الاطلاق ہر فرد کے لئے نہیں ہے۔ جو معذور یا بیمار ہیں، وہ اس حکم سے شروع ہی سے مستثنیٰ ہیں۔ عتاب تو صرف ان پر ہے جو بلا کسی عذر قوی کے خواہ مخواہ غیر حاضر رہے۔ و۲۲ اشارہ فتح خیبر کی جانب ہے...... خیبر، مدینہ سے سو میل کے فاصلہ پر، شام کے راستہ پر یہود کی ایک مستحکم گڑھی تھی۔ اور یہیں دولت مند و پُر قوت یہود کی ایک بستی بھی آباد تھی، اس جنگ میں کل ۱۹ مسلمان شہید ہوئے۔ یہود کے ۹۳ آدمی کام آئے۔ اور زمین حجاز پر ان کا سب سے زیادہ مضبوط قلعہ مسخر ہو گیا۔ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ۔ اس بیعت کا ذکر ہے جو آپ ﷺ نے مقام حدیبیہ میں مسلمانوں سے عزم جہاد پر حضرت عثمان ؓ کی خبر شہادت سن کر لی تھی۔ اسی بیعت کا مشہور نام بیعت الرضوان ہے۔ لَقَدْ...... الْمُؤْمِنِیْنَ۔ یہ ان خوش نصیب مومنین کے لئے مستقل پروانہ رحمت ہے...... اللہ، محض عزم جہاد پر اصل جہاد کا اجر دے دیا۔ آیت ان اصحاب بیعت کی صحت ایمان پر ایک شہادت نصی ہے۔ فيه الدلالة على صحة ايمان الذين بايعوا النبى ﷺ بيعة الرضوان بالحديبية (جصاص) فدل على انهم كانوا مؤمنين على الحقيقة اولياء الله اذ غير جائز ان غير الله يرضاه عن قوم باعيانهم الا وباطنهم كظاهرهم فى صحة البصيرة وصدق الايمان (جصاص) تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ یہ درخت کیکر (سمرہ) کا تھا...... بعض روایتوں میں (اور یہ روایتیں کچھ زیادہ قوی نہیں) آتا ہے کہ یہ درخت حضرت عمر ؓ کے زمانہ تک قائم و سلامت رہا۔ مگر آپ ؓ نے جب دیکھا کہ لوگوں کا حسن اعتقاد اس درخت کے حدود سے متجاوز ہو کر ضعیف الاعتقادی اور وہم پرستی تک پہنچا جاتا ہے، تو آپ ؓ نے اسے کٹوا ڈالا۔ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ۔ ان مومنین صادقین کے دلوں کا جذباتِ اخلاص و وفاداری سے لبریز ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ ممکن ہے اپنی بے سروسامانی پر نظر کر کے قوت طبعی میں بھی کسی درجہ ضعف ہو۔ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ۔ اور اس نزول سکینت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کو حکم الٰہی کے ماننے میں ذرا پس و پیش نہ رہا۔ فقہاء نے اس سے یہ استنباط بھی کیا ہے کہ نیت اگر صادق ہے تو توفیق الٰہی ضرور دستگیری کرے گی۔ وهذا يدل على ان التوفيق يصحب صدق النية۔ (جصاص) فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ۔ اس سے ان اصحاب بیعت کے صدق ایمان و صدق نیت کی اور زیادہ تاکید اور تقویت ہو گئی۔ اخبر انه علم من قلوبهم صحة البصيرة وصدق النية وان ما ابطنوه مثل ما اظهروه (جصاص) و۲۳ وہ اپنی قدرت سے جس کو بھی چاہے اور اپنی حکمت سے جب بھی چاہے فتح و غلبہ دے دیتا ہے۔ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا۔ مشہور مسیحی سیرت نگار سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ اتنا مال غنیمت اس سے قبل کبھی مسلمانوں کو نہیں ملا تھا۔ کھجور، تیل، شہد، جو کے عظیم الشان ذخیرے، بھیڑوں کے گلے، اونٹوں کی قطاریں، اور ان سب کے علاوہ بکثرت نقدی اور زیورات یہ سب ہاتھ لگے۔

تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ

کہ تم انہیں لوگے سو (ان میں سے) یہ (فتح) تمہیں سردست دے دی ہے (غیر) لوگوں کے ہاتھ

عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ يَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا

تم سے روک دیئے اور تاکہ یہ اہل ایمان کے لئے ایک نمونہ ہو جائے اور تاکہ تم کو ایک سیدھی راہ پر

مُّسْتَقِيْمًا ۙ ﴿۲۰﴾ وَّ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ

ڈال دے وا۲۴ اور ایک اور (فتح) بھی ہے جو (ابھی) تمہارے قابو میں نہیں آئی ہے اللہ نے احاطہ (قدرت) میں

بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَ لَوْ قٰتَلَكُمُ

لئے ہوئے ہے اور اللہ تو ہر شئی پر قادر ہے وا۲۵ اور اگر تم سے یہ کافر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا

لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے اور پھر انہیں نہ کوئی یار ملتا نہ

نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَلَنْ تَجِدَ

مددگار وا۲۶ اللہ نے یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے، اور آپ

لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ

اللہ کے دستور میں کوئی ردو بدل نہ پائیں گے وا۲۷ وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے اُن کے ہاتھ تم سے

وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ

اور تمہارے ہاتھ اُن سے بطن مکہ میں روک دیئے، بعد اس کے کہ تم کو اُن پر قابو

عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِيْنَ

دے دیا تھا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھ رہا تھا وا۲۸ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر

كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا

کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور کو جو رکا ہوا رہ گیا تھا

وا۲۴ (اور وہ سیدھی راہ اللہ کے وعدوں پر وثوق واعتماد کی ہے) وَعَدَكُمُ...... تَاْخُذُوْنَهَا۔ یہ غنائم کثیر کے وعدے پہلے خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اور پھر خلافتِ راشدہ کے دور میں بار بار اور کثرت سے پورے ہوتے رہے۔ خطاب یہاں عام امت سے ہے۔ فَعَجَّلَ...... عَنْكُمْ۔ یعنی ان اغیار واشرار پر تمہارا رعب بیٹھ گیا اور انہیں ہمت ہی تم سے زیادہ مقابلہ کی نہ پڑی۔ النَّاسِ کا اشارۂ خصوصی یہود خیبر اور ان کے حلیفوں کی جانب ہے۔ یعنی ایدی اھل خیبر وحلفائھم (مدارک) هٰذِهٖ۔ یعنی یہی فتح خیبر اور اس کی غنیمتیں۔ یعنی مغانم خیبر (مدارک) لِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی مومنین کا ایمان اور مضبوط ہو گیا...... یہ ایک خالص علمی واعتقادی نفع ہوا۔ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔ یعنی اللہ کے وعدوں پر اعتماد اور قوی ہو گیا...... یہ ایک خالص عملی واخلاقی نفع ہوا۔ گویا علاوہ مادی ومالی نفع کے یہ دینی نفع بھی دو دو حاصل ہو کر رہے۔ وا۲۵ (اور ایک اسی واقعہ کی کیا تخصیص ہے) وَّاُخْرٰى۔ اشارہ فتح مکہ کی جانب ہے لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا۔ وہ فتح ابھی تک تمہارے بس میں نہیں آئی ہے۔ لیکن اس کا اشتیاق درجۂ کمال میں رکھتے ہو۔ قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا۔ اور اللہ جب چاہے گا اسے واقع کر دکھائے گا۔ وا۲۶ (جو انہیں قہر الٰہی کی اس گرفت سے بچا سکتا) الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ اشارۂ خصوصی یہود خیبر کی طرف ہے۔ انہیں کو مدد کی امیدیں مشرکین عرب کے قبائل بنو غطفان وغیرہ سے تھیں۔ انہوں نے عین وقت پر صاف جواب دے دیا۔ وا۲۷ یعنی اللہ نے جو ضابطے قاعدے مقرر کر رکھے ہیں۔ مجال نہیں کہ کوئی مخلوق اس میں کچھ دخل دے سکے۔ سُنَّةَ...... قَبْلُ۔ یہ اہل حق کے غلبہ اور اہل باطل کی مغلوبیت کا (بشرطیکہ کوئی وقتی حکمت ومصلحت اس کے معارض نہ ہو) دستور آج سے نہیں شروع سے چلا آرہا ہے۔ وا۲۸ (چنانچہ ایسا کام اس نے تمہارے ہاتھ سے نہ ہونے دیا جس کا نتیجہ قتال ہوتا) وَهُوَ...... عَنْهُمْ۔ یعنی تم مسلمانوں اور مشرکوں کو باہمی قتل وقتال سے روک دیا۔ كُمْ صیغۂ جمع مخاطب مسلمانوں کے لئے ہے اور هُمْ صیغۂ جمع غائب مشرکین مکہ کے لیے ـــ اشارہ صلح حدیبیہ کی جانب ہے۔ بِبَطْنِ مَكَّةَ۔ بطن مکہ۔ سے مراد حدیبیہ ہے جسے کمال قرب واتصال کی بناء پر بطن مکہ ہی قرار دے دیا گیا۔ فقہاء حنفیہ کے ہاں، حرم مکہ میں حدیبیہ کا ایک جزء بھی شامل ہے۔ مِنْ...... عَلَيْهِمْ۔ امام ابو حنیفہ علیہ رحمۃ اللہ نے اس سے اشارہ فتح مکہ کی جانب سمجھ کر استنباط یہ کیا ہے کہ مکہ صلح کے ذریعے سے نہیں بلکہ جنگ سے مسلمانوں کے ہاتھ میں آیا۔ و به استشهد ابو حنيفة على ان مكة فتحت عنوة لا صلحا (مدارک)

اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَ لَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ

اس کے موقع میں پہنچنے سے روک دیا ف۲۹ اور اگر (بہت سے) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں

مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِیْبَكُمْ مِّنْهُمْ

نہ ہوتیں جن کی تمہیں خبر بھی نہ تھی یعنی اُن کے کچل جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کے باعث تمہیں بھی نادانستگی میں

مَّعَرَّةٌۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ لِیُدْخِلَ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ۚ لَوْ

ضرر پہنچتا (تو ابھی سب قضیہ طے کر دیا جاتا ف۳۰ لیکن ایسا نہیں ہوا) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے جس کو چاہے ف۳۱

تَزَیَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ

اگر یہ (بے کس مسلمان) ٹل گئے ہوتے تو اُن میں جو کافر تھے انہیں ہم دردناک عذاب دیتے ف۳۲ (اور وہ وقت بھی یاد کرو)

جَعَلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ

جب (ان) کافروں نے اپنے دلوں میں عصبیت، عصبیت جاہلی کو جگہ دی

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ

لیکن اللہ نے اپنی طرف سے تحمل اپنے رسول اور مومنین کو عطا کیا ف۳۳

وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ

اور (اللہ نے) انہیں تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا، اور وہ اس کے مستحق بھی ہیں اور اہل بھی اور اللہ تو

بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۲۶﴾ ع لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا

ہر شے کا (پورا) علم رکھتا ہے ف۳۴ بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا مطابق

بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ۙ

واقع کے تم لوگ مسجد حرام میں ان شاء اللہ ضرور داخل ہو گے امن وامان کے ساتھ

مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ

سر منڈاتے ہوئے اور بال کترتے ہوئے اور تمہیں اندیشہ (کسی کا بھی) نہ ہوگا ف۳۵ سو اللہ کو وہ (سب کچھ)

ف۲۹ (اور اس طرح جرم در جرم کے مرتکب ہو چکے تھے) اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ اس کے تحت میں خانہ کعبہ اور اس کے ملحقات وتوابع سب داخل ہیں۔ وَالْهَدْیَ...... مَحِلَّهٗ۔ یعنی قربانی کے جانور کو منیٰ کی قربانگاہ میں پہنچنے سے روک دیا۔ مسلمان عمرہ کی نیت سے گئے تھے اور قربانی کے جانور ساتھ لے گئے تھے۔ یہی خیال تھا کہ منیٰ پہنچ کر جانور بھی قربان کریں گے۔ والمراد المحل المعهود و هو منی (مدارک) فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ قربانی کی جگہ حدود حرم کے اندر ہی ہے۔ و فی الأية دلالة علی ان المحل هو الحرم فلو كانٍ محله غير الحرم لما كان معكوفًا عن بلوغه (جصاص) ف۳۰ یعنی ابھی تمہیں قتال کا حکم دے کر سب کا کام تمام کرا دیا جاتا۔ لیکن اس حکم نہ دینے کی ایک مصلحت یہ تھی کہ تمہاری بے خبری و لاعلمی میں مکہ کے مسلمانوں کا خون ہو جاتا۔ اور تمہیں اس سے جو غم وصدمہ یا گناہ ہوتا وہ الگ۔ ”اگر یہ شبہ ہو کہ بے خبری میں گناہ ہی کیوں ہوگا تو جواب یہ ہے کہ جہاں بے خبری کا رفع قدرت میں ہو اور رفع میں کوشش نہ کی جائے، اس کا گناہ ہوگا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس کا احتمال کب ہے کہ وہ کوشش میں کوتاہی کرتے۔ جواب یہ ہے کہ بعض اوقات اس طرف التفات نہیں ہوتا کہ ہم سے کوتاہی ہوئی، اور صحابہ سے بے التفاتی کا صدور محل اشکال نہیں“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) وَلَوْ...... تَعْلَمُوْهُمْ۔ بہت سے کلمہ گو مرد اور عورتیں دونوں مکہ معظمہ میں مشرک حکومت کے درمیان محبوس ومظلوم موجود تھے۔ ف۳۱ (چنانچہ یہاں بھی ہوا۔ اور اندرون مکہ، بیرون دونوں کے مسلمانوں پر اللہ کا فضل خاص رہا) ف۳۲ یعنی مسلمانوں ہی کے ہاتھوں انہیں قتل کرا دیتے۔ لَوْ تَزَیَّلُوْا۔ یعنی مسلمان اگر مکہ سے باہر چلے گئے ہوتے اور شہر میں موجود نہ ہوتے۔ مِنْهُمْ۔ یعنی اہل مکہ میں سے۔ ف۳۳ (اور اس سکینت الٰہی کا اثر یہ ہوا کہ مسلمان جوش میں آ کر لڑ نہیں بیٹھے) مشرکین کی بے جا ضد اور مسلسل اشتعال انگیزی کا طبعی تقاضہ تو بالکل یہی تھا کہ مسلمان بھی لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے۔ اِذْ...... الْجَاهِلِیَّةِ۔ یعنی جب مشرکوں کی طرف سے بے دینی والی عصبیت کا اظہار ہونے لگا تھا — جب صلح نامہ مرتب ہونے لگا اور مسلمانوں کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی کتابت کرنے لگے تو مشرک گورنمنٹ کے نمائندوں نے اشتعال انگیز مطالبے اس قسم کے شروع کیے:۔ (۱) معاہدہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھی جائے۔ (۲) معاہدہ پر صرف محمد بن عبد اللہ لکھا جائے۔ محمد رسول اللہ نہ لکھا جائے۔ وقس علیٰ ہذا۔ رسول اللہ ﷺ اس قسم کے سارے مطالبات کو منظور فرماتے چلے گئے۔ ف۳۴ (تو مسلمانوں کی ان کیفیات کا اُسے مفصل ومکمل علم کیسے نہ ہوتا) كَلِمَةَ التَّقْوٰی۔ یہاں تقویٰ کی بات رسول کی اطاعت تھی۔ اور یہ اسی کا مقتضا تھا۔ جس سے پرجوش مسلمانوں نے اپنے کو قابو میں رکھا۔ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا۔ اس احساس تقویٰ کا تعلق اسی دنیا سے ہے۔ یعنی مسلمانوں کے قلوب میں طلب حق ہے اور یہی انہیں اطاعت رسول پر جمائے ہوئے رہی۔ وَاَهْلَهَا۔ اس اہلیت تقویٰ کا تعلق عالم آخرت سے ہے۔ یعنی اس کا اجر وثواب انہیں آخرت میں ملے گا۔ ف۳۵ یعنی بالکل امن وامان کے ساتھ، بغیر کسی خطرہ کے۔ اَلْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔ یہاں بھی مراد خانہ کعبہ اور اُس کے ملحقات وتوابع ہیں۔ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ۔ حلق۔ (سر کے بال منڈانا) اور قصر (سر کے بال کترانا) شعائر حج وعمرہ میں سے ہیں۔ لَقَدْ...... بِالْحَقِّ۔ مطلب یہ ہے کہ نفس مشاہدہ جو رسول ﷺ کو خواب میں کرایا گیا۔ وہ بالکل سچا تھا۔ یعنی یہی کہ آپ مع مومنین یقیناً زیارت و طواف کریں گے لیکن خواب میں یہ تو نہ تھا کہ یہ اسی سال واقع ہوگا۔ — آخر آپ نے ایک سال بعد ذی قعدہ ۷ھ میں عمرہ ادا فرمایا۔

مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ

معلوم ہے جو تمہیں معلوم نہیں پھر اُس نے اس سے پہلے ہی ایک لگتے ہاتھ فتح دے دی ف۳۶ وہ (اللہ)

الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ

وہی تو ہے جس نے اپنے پیمبر کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام

عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ

دینوں پر غالب کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے ف۳۷ محمد اللہ کے پیمبر

اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ

ہیں ف۳۸ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ تیز ہیں کافروں کے مقابلہ میں (اور) مہربان ہیں آپس میں ف۳۹

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ

تو انہیں دیکھے گا (اے مخاطب) کہ (کبھی) رکوع کر رہے ہیں (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں، اللہ کے فضل اور رضامندی کی

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ

جستجو میں لگے ہوئے ہیں، اُن کے آثار سجدہ کی تاثیر سے اُن کے چہروں پر نمایاں ہیں ف۴۰ یہ اُن کے اوصاف

فِي التَّوْرٰىةِ ړ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڗ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ

توریت میں ہیں ف۴۱ اور انجیل میں اُن کا وصف یہ ہے کہ وہ جیسے کھیتی کہ اُس نے اپنی

شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ

سوئی نکالی، پھر اُس نے اپنی سوئی کو قوی کیا، پھر وہ اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ

الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی ف۴۲ (یہ نشو و نما صحابہ کو اس لیے دیا) تاکہ کافروں کو اُن سے جلائے، اور اللہ نے ان سے جو

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ ع

ایمان لائے ہیں اور (جنہوں نے) نیک کام کیے، مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے ف۴۳

معانقة ۱۵ ع ۱۲

ف۳۶ (اس خواب کی تعبیر فوراً نہ پوری ہونے کی تلافی کے طور پر) فَتْحًا قَرِيْبًا۔ مراد اسی فتح خیبر سے ہے جیسا کہ اُوپر بھی ذکر آچکا ہے۔ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا۔ اس ایک سالہ مدت کی تاخیر میں جو حکمتیں اور مصلحتیں تھیں، ان کا بندوں کو کیا علم۔ ف۳۷ (آپ کی رسالت کا) اور اللہ کی گواہی کا ظہور دنیا میں یوں ہوا کہ اللہ نے آپ کی رسالت پر دلائل قوی قائم کر دیئے۔۔۔ بلحاظ اعجاز قرآنی بھی اور بلحاظ آپ کے دوسرے کمالات اعجازی کے بھی۔ رَسُوْلَهٗ۔ کھلی ہوئی مراد حضرت محمد ﷺ سے ہے۔ بِالْهُدٰى۔ سامانِ ہدایت یا قرآن۔ دِيْنِ الْحَقِّ۔ یعنی دین اسلام۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ یہ غلبہ معنوی حیثیت سے، یعنی بلحاظ قوت دلائل تو ہمیشہ ہی قائم رہا ہے۔ باقی مادی وصوری حیثیت سے بھی جب تک اہل دین میں صلاح ہے۔ برابر قائم رہے گا۔ ف۳۸ (سچے اور برحق) اس میں یہ اشارہ کر دیا کہ آپ کا نام قیامت تک اس طرح پر چلانے کے تو ہم ضامن ذمہ دار ہیں، اس ایک صلح نامہ پر اس کے درج ہونے نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ لفظ محمدؐ پر حاشیہ سورۂ آل عمران (پ۴) میں گزر چکا۔ اسی اپریل ۱۹۵۰ء میں مسیحیوں کے مشہور امریکی سہ ماہی رسالہ مسلم ورلڈ میں ایک مسیحی فاضل نے لکھا ہے کہ اسم محمد ﷺ (اور اس کے متقاربات احمد ﷺ ومحمود ﷺ وغیرہ) سے زیادہ کوئی بھی مردانہ نام دنیا میں چلا ہوا نہیں ہے! ف۳۹ اس خدائی صداقت نامہ کے اندر سارے صحابۂ رسول داخل ہیں، خصوصاً وہ جو حدیبیہ میں آپ کے ہمراہ تھے۔ قال الجمهور جميع اصحابه (روح) مَعَهٗ۔ معیت کا اطلاق کثیر وقلیل ہر مدت صحبت پر ہوتا ہے۔ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔ یعنی کافروں کے مقابلہ میں اُن کے کفر ہی کی بناء پر مضبوط وثابت قدم ہیں۔ اُن کے مقابلہ میں ڈھیلے نہیں پڑتے۔ کسی طرح پر اُن سے مرعوب نہیں ہوتے بغض فی اللہ کے یہی معنٰی ہیں۔ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ۔ یعنی اُن کا برتاؤ اپنے دینی بھائیوں یعنی مسلمانوں کے ساتھ شفقت، محبت وہمدردی کا رہتا ہے۔ حب فی اللہ کے یہی معنٰی ہیں۔ یہ عام حکم ہر مسلمان کے لیے ہے۔ ہر مسلمان میں یہ دونوں خصوصیات ہونی چاہئیں۔ اب آج مسلمان اس آیت کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ کر اپنے حال پر غور کر لیں کہ کفر کے مقابلہ میں سختی اور ایمان کے معاملہ میں نرمی کتنی کم باقی رہ گئی ہے۔ فقہاء مفسرین نے یہ تصریح کر دی ہے کہ کسی مخصوص حالت میں اگر مومن کے ساتھ سختی کا اور کافر کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا پڑ جائے تو وہ اس عام حکم کے منافی نہیں۔ صوفیہ کی اصطلاح میں یہ کہا جائے گا کہ مومنین اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ کے اقتضاء سے صفات جلال کے اور رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ کے اقتضاء سے صفات جمال کے جامع ہوتے ہیں۔ ف۴۰ یہ آثار خشوع وخضوع کے انوار ہوتے ہیں جو ہر مومن متقی کے چہرہ میں مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا۔ یعنی ہر وقت عبادت الٰہی میں لگے رہتے ہیں۔ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ۔ یعنی ہر وقت اجر کی فکر وجستجو میں لگے رہتے ہیں۔ وَرِضْوَانًا۔ یعنی ہر وقت قرب الٰہی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ ف۴۱ توریت موجودہ میں صدہا تحریفات وتصرفات کے بعد بھی یہ الفاظ باقی رہ گئے ہیں۔ "فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا"۔ (استثناء۔ ۳۳: ۲)۔۔۔ فاران مکہ معظمہ ہی کی ایک پہاڑی کا نام ہے۔ اور فتح مکہ کے وقت ۱۰ ہی ہزار صحابی آپ کے جلو میں تھے۔ "اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشین شریعت اُن کے لیے تھی"۔ (ایضاً) قرآن کا بیان ابھی گزر چکا ہے۔ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔ "ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے"۔ (ایضاً)۔۔۔ قرآن کے الفاظ ابھی گزر چکے ہیں۔ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ۔ "اس کے سارے مقدس تیرے ساتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے"۔ قرآن کی عبارت ابھی ابھی گزر چکی ہے۔ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔ ف۴۲ موجودہ محرف ومسخ شدہ انجیل میں بھی یہ عبارتیں مل جاتی ہیں:۔ "آسمان کی بادشاہت اس رائی کے دانہ کے مانند ہے جسے کسی آدمی نے اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے۔ مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں میں بسیرا کرتے ہیں"۔ (متی۔ ۱۳: ۳۱۔ ۳۲) "پھر اسی نے کہا کہ ہم خدا کی بادشاہت کو کس سے تشبیہ دیں اور کس تمثیل میں اسے بیان کریں؟ وہ رائی کے دانہ کی مانند ہے کہ جب زمین میں بویا جاتا ہے تو زمین کے سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے۔ مگر جب بو دیا گیا تو اُگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے۔ اور ایسی بڑی ڈالیاں نکالتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کے سائے میں بسیرا کر سکتے ہیں۔ (مرقس۔ ۴: ۳۰۔ ۳۲) نیز لوقا (۱۳: ۱۸، ۱۹) قرآنی الفاظ نے آغاز اسلام کے ضعف اور پھر اس کے تدریجی قوت وتقویت کی کتنی صحیح تصویر کھینچ دی ہے۔ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ۔ کسانوں کی تخصیص اس لیے کہ کھیتی باڑی کے معاملہ میں وہی صاحب بصیرت ہوتے ہیں۔ جب کھیتی انہیں بھلی لگنے لگی تو ضرور ہے کہ واقع میں بھی بھلی ہو۔ ف۴۳ یہ ایک بڑی جامع وبلیغ مدح صحابہ ہے جو خود قرآن مجید نے بیان کر دی ہے اور شاتمین صحابہ کے خلاف ایک حجت قوی ودلیل قطعی ہے۔ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔ کافر عہد صحابہ کی فتوحات اور ترقیوں سے آج تک جلتے چلے آرہے ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے فرقہ شاتم صحابہ کے کفر پر استدلال کیا ہے۔ قال مالك بن انس من اصبح و فى قلبه غيظ على اصحاب رسول الله فقد اصابته هذه الاية (معالم) لیکن جیسا کہ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ استدلال کمزور ہے۔ صحابہ پر کافروں کے ذی غیظ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو بھی صحابہ پر ذی غیظ ہو وہ کافر ہے۔ مِنْهُمْ۔ من یہاں بیان کے لیے ہے۔ تبعیض کے لیے نہیں۔ لبيان الجنس لا للتبعيض (کبیر) من هنا لبيان الجنس (ابن کثیر) اس لیے مراد سارے ہی صحابہ ہیں۔

آیاتھا ١٨ ٤٩ سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ ١٠٦ رکوعاتھا ٢

اس کی اٹھارہ آیتیں ہیں سورۂ حجرات مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ

اے ایمان والو! تم اللہ اور اُس کے رسول سے پہلے (کسی کام میں)

وَ رَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ① يٰۤاَيُّهَا

سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ف١ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو

وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ

اور نہ اُن سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہو ف٢ کہ

تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِيْنَ

کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں، اور تمہیں خبر تک نہ ہو ف٣ بے شک جو لوگ

يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اپنی آواز رسول اللہ کے سامنے پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں

امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ

جن کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر

عَظِيْمٌ ③ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ

عظیم ہے ف٤ بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں

ف١ خوب سننے والا سارے الفاظ و اقوال کا، خوب جاننے والا سارے احوال و اعمال کا۔ ظاہر و باطن کی بڑی چھوٹی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ لَا ...... رَسُوْلِهٖ۔ یعنی جب تک رسول اللہ ﷺ اذن صریح نہ دے دیں یا قرینہ سے اذن صریح نہ معلوم ہو جائے۔ اپنی طرف سے کسی قول یا فعل میں مبادرت نہ کرو۔ یہ حکم تو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تھا۔ اب حضور ﷺ کے بعد اس حکم پر عمل یوں ہوگا کہ پہلے تو ہر مسئلہ میں آپ کے قول یا فعل کی صراحت تلاش کی جائے گی، اور جب صراحت نہ ملے گی تو نصوص منقول میں فکر و تامل کر کے انہیں سے استنباط کیا جائے گا۔ ف٢ (جس وقت کہ آپ سے کلام کر رہے ہو) لَا ...... النَّبِيِّ۔ رسول ﷺ کے مقابلہ میں اپنی آواز کے پست رکھنے کا حکم اُس وقت کے لیے نہیں، جبکہ گفتگو آپس میں ہو رہی ہو۔ لَا تَرْفَعُوْۤا۔ کی نہی کو فقہاء نے اپنی اصطلاح میں نہی تحریمی قرار دیا ہے۔ اور بعض فقہاء نے اس ایک لفظ سے نتائج ذیل برآمد کیے ہیں:۔ (١) آپ کے حضور میں گفتگو زور سے نہ کی جائے نہ اپنی بات کو اس طرح بالا کیا جائے، جس سے ارشاد والا کی تردید نکل رہی ہو ــــ یہ تو صاف عبارۃ النص ہے۔ (٢) درشت کلامی، لڑائی جھگڑا اور ہر قسم کی بے ادبی آپ کے مواجہہ میں ناجائز ہے ــــ یہ دلالۃ النص ہوئی۔ (٣) زیادہ بک بک آپ کے مواجہہ میں ممنوع ہے ــــ یہ بقاعدۂ اشارۃ النص نکلا۔ (٤) آپ کے حضور میں گستاخ، بے باک بن جانا یا خائف و باادب نہ رہنا ناجائز ہے ــــ یہ اقتضاء النص سے ثابت ہوا۔ ف٣ مطلب یہ ہوا کہ مسلمان تو اتباع رسول ﷺ اور آپ کی تعظیم و احترام کا مدعی رہتا ہے اس التزام کا ترک آپ کے لیے طبعاً ناگواری و انقباض کا باعث ہو سکتا ہے اور یہ تاذی رسول ممکن ہے کہ بعض حالات میں حبط اعمال کا سبب بن جائے۔ اس لیے قاعدہ یہی ہے کہ عملاً ہر حال میں ادب ملحوظ رکھو۔ ف٤ (تو تم جو اجر و مغفرت کے حریص ہو، کیوں نہ اسی امتحان میں پورے اترو گے) احادیث صحیح میں آتا ہے کہ آیہ لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ الخ کے نزول کے بعد سے فلاں اور فلاں صحابی اس باب میں بڑے خائف اور محتاط ہو گئے تھے اور غایت احتیاط سے کام لینے لگے تھے۔ اَلَّذِيْنَ ...... لِلتَّقْوٰى۔ یعنی اس باب میں دو صفت کمال تقویٰ کے ساتھ موصوف ہیں۔

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۴﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتّٰى تَخْرُجَ

اُن میں اکثر عقل سے کام نہیں لیتے و۵ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود اُن کے پاس

إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۵﴾ يٰٓأَيُّهَا

باہر آ جاتے تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا، اور اللہ بڑا مغفرت والا، بڑا رحم والا ہے و۶ اے

الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا أَنْ تُصِيبُوا

ایمان والو! اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ کہیں تم نادانی سے

قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِينَ ﴿۶﴾

کسی قوم کو ضرر پہنچا دو (اور) پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ و۷

وَاعْلَمُوٓا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللّٰهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ

اور جانے رہو کہ تم میں رسول اللہ (موجود) ہیں بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ اُن میں اگر وہ

مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ

تمہارا کہنا مان لیں تو تم کو تکلیف پہنچے و۸ لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی

وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ

اور اُسے تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا، اور کفر اور فسق اور عصیان سے

وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُونَ ﴿۷﴾ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ

تمہیں نفرت دے دی ایسے ہی لوگ تو راہ راست پر ہیں اللہ کے فضل اور

وَنِعْمَةً ۚ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۸﴾ وَإِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ

انعام سے و۹ اور اللہ خوب جاننے والا ہے بڑا حکمت والا ہے و۱۰ اور اگر مسلمانوں کے

الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۚ فَإِنْۢ بَغَتْ

دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں، تو اُن کے درمیان اصلاح کر دو و۱۱ پھر اگر ان میں کا

و۵ (ورنہ ایسی جسارت نہ کرتے) شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ بنی تمیم کا ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ مکان کے اندر تشریف رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے باہر ہی سے آپ کو پکارنا شروع کر دیا وہ بھی محض نام لے کر کہ "یا محمد اخرج الینا۔" اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور امت کو ہمیشہ کے لیے ادب کی تعلیم عملی مل گئی۔ و۶ (اس لیے وہ لوگ اب بھی توبہ کرلیں تو معاف ہو جائیں گے) لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ یہ بات ان کے حق میں بہتر اس لیے ہے کہ یہ ان کے ادب و احترام کا ثبوت ہوتا۔ اِلَيْهِمْ۔ یعنی آپ خاص انہیں سے ملنے کو باہر تشریف لائیں۔ یہ نہیں کہ آپ کسی بھی ضرورت سے باہر تشریف لے آئیں، اور یہ لوگ آپ پر ہجوم کرنے لگیں۔ رسول کے ادب و احترام کے علاوہ عام افراد امت کو انضباط اوقات کی تعلیم بھی آیت سے ملتی ہے۔ — رسول اللہ ﷺ تک کے لیے بایں خوش اخلاقی یہ ممکن نہ تھا کہ خلقت سے چوبیس گھنٹہ گھرے ہوئے رہیں اور اپنے لیے کوئی فارغ وقت سرے سے رکھیں ہی نہیں۔ و۷ (تو ایسے امکانات جب رسول اللہ ﷺ کی خود حیات مبارک میں تھے تو اب تو ظاہر ہے کہ یہ احتمالات بہت زائد ہیں) بِنَبَإٍ۔ نباء۔ سے اس سیاق میں مراد ایسی چیز ہے جس میں کسی کی شکایت نکلتی ہو، اور اس پر عمل کرنے سے کسی کا ضرر لازم آتا ہو۔ فَتَبَيَّنُوا۔ یعنی بلا تحقیق عمل نہ کر بیٹھو۔ بلکہ عمل سے قبل خوب چھان بین کرلو۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اس اجمالی حکم تحقیق کے اندر چند تفصیلات ہیں:۔ (۱) تحقیق واجب — مثلاً خلیفہ جب یہ سنے کہ فلاں شخص مرتد ہو رہا ہے یا فلاں شخص قتل و غارت کا اقدام کر رہا ہے وقس علیٰ ہذا۔ ایسے موقع پر تحقیق نہ کرنے سے کسی واجب کا فوت لازم آتا ہے۔ (۲) تحقیق جائز — مثلاً کسی نے یہ سنا کہ فلاں شخص مجھے مالی یا جسمانی ضرر پہنچانا چاہتا ہے۔ دفع مضرت کے لئے ایسے موقع پر یہ تحقیق بالکل جائز ہے۔ (۳) تحقیق حرام...... مثلاً کسی کے لئے یہ سنا کہ وہ خفیہ شراب پیتا ہے۔ ایسے موقع پر تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی ضرر نہیں اور تحقیق کرنے سے اس شخص کی رسوائی و فضیحت ہوتی ہے۔ و۸ (اور اس وقت الٹے خود تم ہی کو ندامت ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے بجائے اپنی رائے مبارک پر عمل کے ناحق ہم لوگوں کے مشورے سے موافقت کی) وَاعْلَمُوا...... اللّٰهِ۔ (اور رسول ﷺ کا تمہارے درمیان میں موجود ہونا ایک انتہائی نعمت ہے، جس کے ادائے حقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی معاملہ میں آپ کی رائے کے خلاف عمل نہ کیا جائے) وَاعْلَمُوا۔ عِلْمُ ظاہر ہے کہ بیان استحضار کے مفہوم میں ہے۔ لَوْ...... الْأَمْرِ۔ ظاہر ہے کہ یہ احتمال صرف امور دنیوی و تجربی سے متعلق ہو سکتا ہے۔ ورنہ احکام شریعت میں تو اس کی گنجائش سرے سے تھی ہی نہیں۔ و۹ (اور ایسے ہی خلفاء، خلفاء راشدین کہلانے کے مستحق ہیں) وَلٰكِنَّ...... نِعْمَةً۔ یعنی تم میں تو یہ ساری خوبیاں موجود ہیں، اور انہیں کے تقاضہ سے تمہیں ہر وقت رسول ﷺ کی رضا جوئی رہتی ہے اور یہی تمہیں بڑی معصیتوں سے بچائے رکھتی ہے...... اور یہ سرتاسر اللہ ہی کے فضل و کرم کا نتیجہ تو ہے۔ ساری آیت ایک قرآنی مدح صحابہ ہے۔ الْإِيمَانَ۔ ایمان۔ سے اس سیاق میں مراد ایمان کامل ہے۔ الْفُسُوقَ۔ یعنی بڑے گناہ۔ الْعِصْيَانَ۔ یعنی چھوٹے گناہ۔ و۱۰ چنانچہ اپنے اس علم کامل و محیط کی بناء پر وہی ہر ہر حکم کی حکمتوں اور مصلحتوں کو بھی خوب جانتا ہے اور اپنی صفت حکمت کاملہ ہی کے تقاضہ سے اس نے یہ احکام صادر کئے ہیں اور ان کی تعمیل واجب کی ہے۔ و۱۱ یعنی امر مابہ النزاع رفع کرا کے لڑائی موقوف کرا دو...... خوب خیال رہے کہ باہمی جنگ کی حالت میں بھی قرآن دونوں فریقوں کو مسلمان ہی تسلیم کرتا ہے، مجرد جنگ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کر دیتی۔

اِحۡدٰىهُمَا عَلَى الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ حَتّٰى

ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اُس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ

تَفِىۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا

وہ رجوع کرلے اللہ کے حکم کی طرف و۱۲ پھر اگر وہ رجوع کرلے تو ان کے درمیان اصلاح کر دو

بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ﴿۹﴾

عدل کے ساتھ اور انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے و۱۳

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ وَاتَّقُوا

بے شک مسلمان (آپس میں) بھائی ہی بھائی ہیں و۱۴ سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا کرو، اور

اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَسۡخَرۡ

اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے و۱۵ اے ایمان والو! نہ

قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٌ

مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے، کیا عجب کہ وہ اُن سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں

مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُنَّ خَيۡرًا مِّنۡهُنَّ ۚ وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا

کو عورتوں پر (ہنسنا چاہئے) کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں و۱۶ اور نہ ایک دوسرے کو

اَنۡفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ ؕ بِئۡسَ الِاسۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ

طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو ایمان کے بعد گناہ کا نام ہی برا

الۡاِيۡمَانِ ۚ وَمَنۡ لَّمۡ يَتُبۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۱۱﴾ يٰۤاَيُّهَا

ہے و۱۷ اور جو (اب بھی) توبہ نہ کریں گے وہی ظالم ٹھہریں گے و۱۸ اے

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا كَثِيۡرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ

ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ

ع ۱۰ / ۱۴

و۱۲ (اور وہ حکم الٰہی یہاں صلح و ترک قتال کا ہے) یہ حکم اصالتاً امام مسلمین کو ہے بشرط قدرت و استطاعت۔ ورنہ ہو تو عامہ مسلمین کے لئے ہے۔ بعض حنابلہ نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ باغیوں سے قتال، جہاد کفار سے اہم تر و افضل ہے۔ اور سند میں حضرت علیؓ کے عمل کو پیش کیا ہے کہ آپ نے اپنے دور خلافت میں بجائے جہاد کے قتال اہل بغاوت ہی کو جاری رکھا۔ وصرح بعض الحنابلة بان قتال الباغين افضل من الجهاد احتجاجًا بان عليًا كرم الله تعالىٰ وجهه اشتغل فى زمان خلافته بقتالهم دون الجهاد (روح) لیکن محققین حنفیہ کی تحقیق میں یہ مطلق صورت میں درست نہیں بلکہ صرف اس صورت میں صحیح ہے جب باغیوں کی وجہ سے اتنا بڑا فساد ہو جائے کہ ان سے قتال کرنا کافروں سے جہاد سے بڑھ کر ضروری ہو جائے۔ و الحق ان ذلك ليس على اطلاقه بل اذاخشى من ترك قتالهم مفسدة عظيمة رفعها اعظم من مصلحة الجهاد (روح) فَاِنۡ ...... الۡاُخۡرٰى۔ یعنی سعی اصلاح و مصالحت کے باوجود بھی وہ صلح نہ کرے اور جنگ برابر جاری رکھے۔ فَاِنۡ ...... تَبۡغِىۡ۔ فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ قتال فساد عقائد کی بناء پر نہ کیا جائے گا بلکہ جرم بغاوت کی بناء پر کیا جائے گا۔ و فى هذه الاٰية دلالة على ان اعتقاد مذاهب اهل البغى لا يوجب قتالهم مالم يقاتلوا (جصاص) فانما امر بقتالهم اذابغوا على غيرهم بالقتال (جصاص) مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا۔ یہ امر بہت زیادہ قابل لحاظ ہے کہ جنگ و جدل کرنے والے ان دونوں گروہوں کو ایک کے ناحق پر ہونے کے باوجود قرآن مجید "مومن" ہی کہتا ہے۔ قتال اور پھر بغاوت سے بڑھ کر شدید جرم اور کون ہو سکتا ہے؟ اس کے باوجود بھی باغی بہر حال مومن ہی رہتا ہے۔ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ اکابر اہل سنت نے یہیں سے یہ مسئلہ (خوارج و معتزلہ کے برعکس) نکالا ہے کہ بڑے سے بڑے گناہ سے بھی مومن دائرۂ اسلام و ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا۔ سماهم مومنين مع الاقتتال وبهذا استدل البخارى وغيره على انه لايخرج عن الايمان بالمعصية وان عظمت لاكما يقوله الخوارج ومن تابعهم من المعتزلة ونحوهم (ابن کثیر) هذا دليل على ان المؤمن بالكبيرة لايخرج عن كونه مومنا لان الباغى جعله من احدى الطائفتين وسما هما مؤمنين (کبیر) و۱۳ جب کوئی فریق معقول فیصلہ نہ سن رہا ہو تو ثالث کو غصہ آ جانا امر طبعی ہے اس کی روک تھام کے لئے مزید ترغیب توازن قائم رکھنے کی ہے۔ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ۔ یعنی محض ترک قتال کو کافی نہ سمجھو، بلکہ نفس معاملہ قانون شریعت کے ماتحت طے کرا دو۔ فقہاء نے کہا ہے جو مسلمان فریق شکست کھائے۔ نہ اس کا مال مال غنیمت سمجھا جائے گا اور نہ اس کے قیدی لونڈی غلام بنائے جائیں گے۔ البتہ توبہ کے وقت تک وہ قید رہیں گے اور ان کا مال قرق۔ بعد توبہ انہیں بھی رہائی مل جائے گی اور ان کا مال بھی انہیں واپس دے دیا جائے گا۔۔۔ مزید تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملیں گی۔ وَاَقۡسِطُوۡا۔ یہ تاکید ہے اس کی کہ اپنے فیصلہ کو تمامتر عدل پر مبنی رکھو۔ کسی فریق سے انتقام یا غصہ کا جذبہ اپنے اوپر نہ غالب آنے دو۔ و۱۴ (اور جب بھائی ہی ہیں، تو بھائیوں بھائیوں میں لڑائی ہی کیسی) اسلام یعنی دین فطرت نے ایک طرف تو غربت، امارت وغیرہ کے مختلف طبقات قائم رکھے اور ان کے مٹا ڈالنے کی خلاف فطرت کوشش میں قوت اور وقت کو ضائع نہیں کیا، لیکن دوسری طرف یہ بھی بتا دیا کہ دین کا اشتراک ہر مادی، مالی، نسبی، نسلی تفریق و امتیاز سے بالاتر ہے اور بڑے چھوٹے امیر غریب شریف غیر شریف سب کو اخوت کے رشتہ میں پرو کر صحیح اور سچی سوشلزم (اشتراکیت) کی بنیاد قائم کر دی۔ یہیں سے یہ بھی نکل آیا کہ مسلم قومیت کی بنیاد نسلی، وطنی، لسانی وغیرہ نہیں، صرف اعتقادی ہے۔ اور اشتراک و اخوت کا سنگ بنیاد صرف وحدت کلمہ ہے۔ اِخۡوَةٌ۔ اخوت کا رشتہ تو انتہائی محبت کا مظہر ہے۔ اس کے استحضار کے بعد پھر کیسا جدال، کیسا قتال؟ اخوة۔ اخ کی جمع، اخوة تو حقیقی بھائیوں کے لئے ہے۔ رشتے ناتے کے بھائیوں کے لئے اخوان آتی ہے۔ قرآن نے یہاں اخوة لا کر گویا بتا دیا کہ مسلمانوں کا ایک دوسرے سے تعلق و رشتہ بالکل بھائیوں کا ہے۔ قال بعض اهل اللغة الاخوة جمع الاخ من النسب والاخوان جمع الاخ من الصداقة فالله تعالىٰ قال انما المومنون اخوة تاكيدا للامر واشارة الى ان بينهم ما بين الاخوة من النسب والاسلام كالاب (کبیر) اِنَّمَا۔ کے کلمہ حصر نے اسے صاف کر دیا کہ یہ رشتہ اخوت صرف مومن ہی مومن کے درمیان ہے، مومن و کافر کے درمیان نہیں ہو سکتا۔ انما للحصر اى لا اخوة الابين المومنين واما بين المومن والكافر فلالان الاسلام هو الجامع (کبیر) و۱۵ اس میں کمال ترغیب ہے اصلاح بین المسلمین کی۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ تقوٰی ہی کی ایک اعلیٰ فرد اصلاح بین المسلمین ہے۔ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ۔ رحمت الٰہی کا ترتب اسی تقوٰی شعاری پر ہوگا۔ و۱۶ یعنی کسی کو کیا خبر کہ اللہ کے نزدیک بہتر اور قابل عزت کون ہے، ہنسنے والا ہے یا وہ جس پر ہنسا جا رہا ہے۔ اس احساس کو بیدار کر کے قرآن نے گویا معاشرہ اسلامی کے اندر تمسخر و تفضیح کی جڑ ہی کاٹ دی ہے۔ تعلیم ہمارے ہاں کی یہ تھی اور عمل یہ ہے کہ دوسرے پر ہنسنا، بنانا، علانیہ اس کی رسوائی کرنا، عیب نہیں رہا بلکہ داخل ہنر ہو گیا ہے۔ لَا يَسۡخَرۡ۔ تمسخر وہ ہنسی ہے جس سے دوسرے کی تحقیر و دل شکنی و دل آزاری ہو اور وہ حرام ہے، باقی ایسی ہنسی جس سے دوسرے کا دل خوش ہو وہ مزاح اور خوش طبعی کہلاتی ہے اور ایسی ہنسی جائز ہے بلکہ بہت سے حالات میں مستحب ہے۔ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ۔ مراد جنس رجال ہیں خواہ ایک ہو یا بہت سے ہوں۔ نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ۔ مراد جنس نساء ہیں خواہ ایک ہو یا بہت سی ہوں حاصل

اِثۡمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوۡا وَلَا يَغۡتَبْ بَّعۡضُكُمۡ بَعۡضًا ؕ اَيُحِبُّ

ہوتے ہیں ف۱۹ اور ٹوہ میں مت لگے رہو ف۲۰ اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے ف۲۱ کیا تم میں سے

اَحَدُكُمۡ اَنۡ يَّاۡكُلَ لَحۡمَ اَخِيۡهِ مَيۡتًا فَكَرِهۡتُمُوۡهُ ؕ وَاتَّقُوا

کوئی اس کو گوارا کرلے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے ضرور ہی تمہیں کراہت آتی ہے ف۲۲ اور اللہ سے

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ

ڈرتے رہو بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، بڑا مہربان ہے ف۲۳ اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو

مِّنۡ ذَكَرٍ وَّاُنۡثٰى وَجَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ

ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے ف۲۴ اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو ف۲۵

اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰٮكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ ﴿۱۳﴾

بے شک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے ف۲۶ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے پورا خبردار ہے ف۲۷

قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰـكِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا

(یہ بعض) گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے ہو، یہ کہو کہ ہم مطیع ہو گئے ہیں

وَلَمَّا يَدۡخُلِ الۡاِيۡمَانُ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ‌ ؕ وَاِنۡ تُطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ

اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہوا نہیں ہے اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مان لو

لَا يَلِتۡكُمۡ مِّنۡ اَعۡمَالِكُمۡ شَيۡــئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۴﴾

تو وہ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کم نہ کرے گا بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحم والا ہے ف۲۸

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ لَمۡ يَرۡتَابُوۡا

مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لے آئے پھر (اس میں بھی) شک نہیں کیا

وَجٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓـئِكَ هُمُ

اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو یہی لوگ

کلام یہ کہ امت کا کوئی سا بھی طبقہ ایک دوسرے کی ہنسی نہ اڑائے۔ عَسٰۤى اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ۔ عَسٰۤى اَنۡ يَّكُنَّ خَيۡرًا مِّنۡهُنَّ۔ دوسرے پر ہنسی، تمسخر، طنز کی بنیاد عموماً کیا ہوا کرتی ہے؟ یہی نا کہ دوسرے میں فلاں فلاں عیب ہیں اور ہم ان عیوب سے کہیں بالاتر ہیں۔ قرآن مجید نے انتہائی حکیمانہ ژرف نگاہی کے ساتھ اس بنیاد پر ضرب لگا دی، اور اس طرح اس عمارت ہی کو منہدم کر دیا۔ انسان کو اگر اپنا عیب دار، داغدار ہونا یاد پڑ جائے تو دوسرے پر زبان کھولنے کی کبھی ہمت ہی نہ پڑے۔ ف۱۷ (اور یہ سب باتیں گناہ کی ہیں) سبب یہ ہے کہ مسلمان پر گناہ کا نام لگنا ہی برا اور قابل نفرت ہے اور ان حرکتوں کے بعد یہی کہا جائے گا کہ یہ مسلمان، مسلمان ہو کر اللہ کی نافرمانی کرتا ہے! فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ کسی کو عیب دار نام سے یاد کرنا صرف اس صورت میں حرام ہے، جب وہ بلا غرض صحیح ہو، لیکن اگر کوئی شخص پکارا اور پہچانا ہی ایسے نام سے جاتا ہے اور اس میں وہ اپنی کوئی توہین محسوس نہیں کرتا تو اسے اس کے ظاہر میں عیب دار نام سے یاد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مثلاً حکیم نابینا، لنگڑے حافظ، گنجے وکیل، وغیرہ۔ وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ۔ اَنۡفُسَكُمۡ۔ یہاں ''ایک دوسرے کے'' معنی میں ہے جیسا کہ بعض اور مقامات پر بھی قرآن ہی میں آیا ہے۔ عن ابن عباس وقتادة ای لایطعن بعضکم عن بعض (جصاص) بِالۡاَلۡقَابِ۔ لقب کے معنی یہاں برے نام کے ہیں یعنی کسی شخص کو ایسے نام سے پکارنا جو اسے ناگوار ہو۔ واللقب ھنا اسم مکروہ عندالسامع (ابن العربی) ف۱۸ (اپنے حق میں اور اللہ کے یہاں) یعنی حقوق العباد کے تلف کرنے والے۔ اور جو سزا ظالموں کے لئے ہے اس کے مستحق نہ ہوں گے — ان تمام احکام میں واضح ہو رہا ہے کہ شریعت کو مجلسی اور معاشرتی اصلاح کے باب میں کس درجہ اہتمام ہے، اور جو معاشرہ ان ہدایات وقوانین پر عامل ہو جائے اس میں کبھی بھی باہمی رنجشیں رخنہ انداز ہو سکتی ہیں؟ خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے کتنی رنجشوں اور عداوتوں کی بنیاد کسی نہ کسی بیہودہ دل لگی، پھبتی گوئی یا کسی کو بنانے کی کوشش ہی پر نکلے گی۔ ف۱۹ (اس لئے ضرور ہے کہ اقسام گمان کو سمجھ کر حدود جواز کے اندر رہو) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان رکھنا واجب ہے اور حق تعالیٰ اور عام مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی ممنوع وناجائز ہے۔ فحسن الظن باللہ فرض وسوء الظن بہ محظور منھی وکذٰلک سوء الظن بالمسلمین اللذین ظاھر ھم العدالة محظور مزجور عنه (جصاص) بدگمانیوں کی عام عادت جو بطور وباء کے ہم لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ آیت اس پر کیسی ضرب لگا رہی ہے۔ بات بات پر بلا وجہ بھائیوں سے بدگمانی، بیوی بچوں سے بدگمانی، پڑوسیوں سے بدگمانی، نوکروں چاکروں سے بدگمانی، گویا بدگمانی کو ہم لوگوں نے اوڑھنا، بچھونا بنا رکھا ہے۔ یہ بدگمانی کی خلش اگر دل سے دور ہو جائے تو ہم میں ہر ایک کی زندگی کتنی راحت سے بسر ہونے لگے۔ بَعۡضَ الظَّنِّ۔ بعض جمیع کے مقابلہ میں ہے اور کثیر بھی ''بعض'' کے اندر شامل ہے۔ اقتضت الأیة النھی عن بعض الظن لا عن جمیعه (جصاص) فقیہ مفسر علامہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ظن کی حسب ذیل قسمیں اور احکام بیان کئے ہیں:۔ (۱) ظن واجب۔ مثلاً حق تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن یا غیر منصوص میں ظن حقیقی۔ (۲) ظن مباح۔ یعنی ایسی بدگمانیاں جن کے لئے کھلے ہوئے قرینہ اور قیاس موجود ہوں۔ مثلاً ایسے شخص سے فسق کا گمان رکھنا جو شراب خانوں یا قحبہ خانوں میں آمد ورفت رکھتا ہو مگر شرط یہ ہے کہ بدگمانی گمان میں رہے۔ حد یقین تک نہ پہنچا دیا جائے۔ نیز ایسی بدگمانیاں جو غیر اختیاری ہوں۔ یہاں بھی شرط یہ ہے کہ ان کے مقتضا پر عمل نہ کرے بلکہ حتی الامکان انہیں دفع کرتا رہے۔ (۳) ظن حرام۔ عقائد دین یا احکام مسائل شریعت، بلا دلیل محض اپنے گمان سے گڑھ لینا یا کسی شخص میں خفیف وضعیف علامات فسق دیکھ کر اس کی طرف سے بدگمانی جما لینا۔ ف۲۰ یعنی اوروں کے عیبوں اور کمزوریوں کی تلاش وجستجو میں نہ پڑو، تاوقتیکہ کوئی مصلحت یا ضرورت ہی اس کی نہ آ پڑے — چھپ کر باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سن لینا یہ سب تجسس میں داخل ہے، البتہ اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے اس کے مضرت رساں ارادوں اور تدبیروں کا تجسس کرے تو جائز ہے۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ کسی مسلمان کے چھپے ہوئے عیب کی پردہ دری کرنا ممنوع وناجائز ہے بلکہ اس کی پردہ پوشی کرتے رہنا واجب ہے۔ عن زید بن وھب قال اتی ابن مسعودؓ فقیل ھٰذا فلان تقطر لحیتہ خمرا فقال عبداللہ انا قد نھینا عن التجسس لکن ان یظھر لنا شیء ناخذ به (جصاص) عن مجاھد خذوا بما ظھر لکم ودعوا ما ستر اللہ فنھی اللہ فی ھٰذہ الأیات عن سوء الظن بالمسلم الذی ظاھرہ العدالة والستر ودل به علیٰ انهٗ یجب تکذیب من قذفهٗ بالظن (جصاص) فقد اقتضی ذٰلک النھی عن تحقیق المظنون وعن اظھارہٖ ونھی عن التجسس بل امر بالستر علی اھل المعاصی مالم یظھر منھم اصرار (جصاص) ف۲۱ کسی کی عدم موجودگی میں اس کا یا اس کی کسی چیز کا ذکر اس طرح کرنا کہ اسے ناگوار ہو۔ عام اس سے کہ وہ صحیح ہے یا غلط، یہی غیبت ہے اور اسی کو قرآن مجید نے اس شد ومد سے روکا ہے۔ حدیث شریف میں غیبت کی تفسیر اس طرح آئی ہے۔ ''ذکرک اخاک بما یکرہ۔'' اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرنا جو اسے ناگوار گزرے۔ غیبت کا گناہ شدید ہونا اس آیت سے ظاہر ہے۔ حدیث میں ''الغیبة اشد من الزنا'' تک وارد ہو چکا ہے۔ فقہاء نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے اور مشائخ وصوفیوں نے اس سے بچنے کے طریقے اور تدبیریں بتائی ہیں۔ جن جن موقعوں پر غیبت جائز ہے ان کی تفصیل کتب فقہ میں مل جائے گی۔ اردو

میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا ایک مبسوط اور مفصل رسالہ اس موضوع پر زجر الشبان والشیبۃ عن ارتکاب الغیبۃ کے نام سے موجود ہے۔ قرآن مجید کی ان اخلاقی اور معاشری ہدایتوں پر عمل کرنا اگر ہم لوگ سیکھ جائیں تو آج دنیا میں بھی ایک حد تک جنت کا مزہ آنے لگے۔ ۲۲ؔ ایسی گھناؤنی چیز سے تشبیہ دے کر قرآن نے ہر مسلمان کا دل ہی غیبت کی طرف سے متنفر و بیزار کر دیا ہے۔ وجہ شبہ بعض علماء نے یہ لکھی ہے کہ جس طرح گوشت کے نوچے جانے سے جسم کو جسمانی اذیت ہوتی ہے، آبروریزی سے بھی قلبی تالم ہوتا ہے اور چونکہ وہ شخص سامنے موجود نہیں ہوتا، اس لئے عدم حس میں مشابہ مردہ کے ہے۔ ۲۳ؔ تو چاہئے کہ اب ساری پچھلی غلطیوں اور بدکرداریوں پر نادم ہو کر اور ان کا تدارک کر کے حق تعالیٰ کے فضل و کرم کے مستحق بن جاؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ بڑی چھوٹی ہر برائی سے بچنے کے لئے آسان ترین نسخہ یہی تقویٰ الٰہی ہے۔ جتنی زیادہ کسی کے دل میں خشیت الٰہی موجود ہوگی، اسی قدر اس کے لیے ہر ترغیب شیطانی و نفسانی کے مقابلہ میں صبر و ضبط سے کام لینا اور ثابت قدم رہنا آسان رہے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ۔ بڑی بشارت اس میں اپنی پچھلی غلطیوں اور گناہوں پر نادم ہونے والوں کے حق میں ہے۔ ارشاد گویا یہ ہو رہا ہے کہ اب تک جو کچھ بھی کرتے رہے ہو۔ جن جن بھی اخلاقی آلودگیوں میں مبتلا رہ چکے ہو، اب اس تازہ ہدایت کے بعد ان سے دستبردار ہو اور ان پر نادم ہوتے رہو، کہ حق تعالیٰ بڑے توبہ قبول کرنے والے بھی ہیں۔ اور فضل و کرم کرنے والے تو ہیں ہی۔ ۲۴ؔ یعنی آدم وحوا سے۔ اور اس لحاظ سے سارے انسان یکساں و ہم سطح ہوئے۔ ای انکم متساوون فی النسب (معالم) قال تعالٰی تنبیھا علی تساویھم فی البشریۃ (ابن کثیر) فجمیع الناس فی الشرف بالنسبۃ الطینیۃ الی ادم وحوا سواء (ابن کثیر) وحدت نوع انسانی، اسلام میں ایک نظریہ نہیں، ایک موکد حقیقت ہے، اس نے ان تمام جاہلی نظریات کی جڑ کاٹ دی، جو انسان کی مختلف نسلوں کو مختلف مورثوں کی اولاد سمجھتے ہیں اور ہندوستان کی ذات پات والی پیدائشی تفریق کے حق میں اس آیت کا سم قاتل ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ دل بذالک علی انہ لافضل لبعضھم علی بعض من جھت النسب۔ اذکان جمیعًا من اب وام واحدۃ (جصاص) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی نیز سورہ النساء (پ ۴) اور سورہ الزمر (پ ۲۳) کے حاشیے اسی مضمون سے متعلق۔ ۲۵ؔ (اس لئے مختلف قوموں میں اور پھر خاندانوں میں تقسیم بنیاد تفاخر کی نہیں ہو سکتی، بنیاد باہمی امتیاز و تعارف کی البتہ ہے) نسل پرستی، قوم پرستی، رنگ پرستی جس میں جاہلیت قدیم سے لے کر جاہلیت جدید تک ساری قومیں مبتلا رہی ہیں، ان پر پوری ضرب اس آیت نے لگا دی ہے۔ خَلَقْنٰكُمْ۔ جَعَلْنٰكُمْ۔ دونوں لفظوں سے صاف طور پر اشارہ اس طرف کر دیا کہ یہ تو جو کچھ کیا، ہم نے کیا ہے۔ تمہارے امتیاز و افتخار کا اس میں کون سا پہلو ہے؟ شُعُوْبًا۔ نوعِ انسانی کی پہلی اور بڑی تقسیم یعنی قومیں یا نسلیں۔ قَبَآئِلَ۔ قدیم انسان کی دوسری اور ضمنی تقسیم، یعنی کنبے اور قبیلے۔ ۲۶ؔ یعنی اللہ کے ہاں شرف، فضیلت و مقبولیت تمام تر ذاتی پرہیزگاری ہے، نہ کہ فخر نسلی و قومی و آبائی۔ نہ کسی کے برہمن اور چھتری ہونے میں اس کی عزت، نہ کسی کے چمار پاسی ہریجن ہونے میں ذلت۔ اسلام نے انسانی آبادی کی تقسیم صرف دو ہی طبقوں میں رکھی ہے متقی و غیر متقی۔ اس کے علاوہ اس کے ہاں حقیقی تقسیم نہ امیر و غریب کی ہے نہ نسلی شریف و نسلی رذیل کی، نہ گورے اور کالے کی بلکہ صرف متقی و غیر متقی کی۔ فابان ان الفضیلۃ والرفعۃ انما تستحق بتقوی اللّٰہ وطاعتہ (جصاص) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ۲۷ؔ (اور اس پر روشن ہے کہ کون واقعی کس حد تک پرہیزگار ہے) سو یہ تقویٰ بھی دنیا میں کسی کی شیخی، تعلّی و تفاخر کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ ۲۸ؔ (تو اس کی مغفرت بے نہایت و رحمت بے پایاں سے فائدہ اٹھانے کے مواقع اب بھی حاصل ہیں) وَاِنْ...... رَسُوْلَهٗ۔ یعنی اگر واقعی ایمان لے آؤ۔ اور دل سے اللہ اور رسول کے احکام کی تصدیق کرنے لگو۔ لَا...... شَيْئًا۔ اللہ تعالیٰ تو سارے اعمال ایمانی کا پورا پورا اجر دے گا۔ وَلَمَّا...... قُلُوْبِكُمْ۔ محققین اہل سنت نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ اسلام عام ہے اور ایمان اس سے خاص تر ہے۔ وقد استفید من ھذہ الاٰیۃ الکریمۃ ان الایمان اخص من الاسلام کما ھو مذھب اھل السنۃ والجماعۃ (ابن کثیر) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ابراہیم نخعی اور قتادہ اور ابن جریر نے بخلاف امام بخاری کے آیت سے یہی استدلال کیا ہے کہ جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے۔ وہ منافق نہ تھے۔ تھے مسلمان ہی، اگرچہ ان کا ایمان کمزور تھا۔ دل ھذا علی ان ھؤلاء الاعراب المذکورین فی ھذہ الاٰیۃ لیسوا بمنافقین وانماھم مسلمون لم یستحکم الایمان فی قلوبھم فادعوا لانفسھم مقامًا اعلٰی مما وصلوا الیہ فادبوا فی ذلک وھذا معنی قول ابن عباسؓ وابراھیم النخعی وقتادۃ واختارہ ابن جریر وانما قلنا ھذا لان البخاری رحمہ اللّٰہ ذھب الی ان ھؤلآء کانوا منافقین یظھرون الایمان ولیسوا کذلک (ابن کثیر) کوئی شخص اسلام کا دعویٰ کر رہا ہو تو جزم کے ساتھ اس کی تکذیب (جیسی کہ یہاں وارد ہوئی ہے) کا حق صرف حق تعالیٰ عالم الغیب ہی کو پہنچتا ہے۔ ورنہ بندوں کا کام تو عام طور پر اس مدعی کے بیان کو تسلیم ہی کر لینا ہے۔ اشارۃ ان عمل القلب غیر معلوم واجتناب الظن واجب وانما یحکم بالظاھر فلایقال لمن یفعل فعلًا ھو مرائی ولا لمن اسلم ھو منافق ولکن اللّٰہ خبیر بما فی الصدور اذا قال فلان لیس بمؤمن فحصل الجزم (کبیر) آیت سے ظاہر ہو گیا کہ اسلام اور ایمان کے دو الگ الگ مفہوم ہیں۔ اسلام صرف ایک ضابطہ کی چیز ہے۔ جس کا تعلق قول اور ظاہر سے ہے۔ ایمان اس کے برعکس ایک باطنی حقیقت ہے جس کا تعلق قلب کی تصدیق سے ہے۔ فاخبر ان حقیقۃ الایمان التصدیق بالقلب وان الاقرار باللسان واظھار مرافعۃ بالابدان لایکون ایمانًا دون التصدیق بالقلب والاخلاص (معالم)

الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ

راست باز ہیں و۲۹ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو اپنے دین کی خبر دے رہے ہو؟ و۳۰ درآنحالیکہ اللہ کو

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کی (پوری) خبر ہے اور اللہ (اور بھی) ہر شے کا

عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا

علم رکھتا ہے و۳۱ یہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ مطیع ہوگئے ہیں و۳۲ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے مطیع ہوجانے کا

عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ

احسان نہ رکھو البتہ یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی

لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

ہدایت دی بشرطیکہ تم (دعوائے ایمان میں) سچے ہو و۳۳ بے شک اللہ آسمانوں اور

غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع

زمین کی مخفی باتوں کو جانتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو بھی خوب دیکھ رہا ہے و۳۴

ع ۲/۸/۱۴

اٰیاتھا ۴۵ — ۵۰ سُوْرَۃُ قٓ مَکِّیَّۃٌ ۳۴ — رکوعاتھا ۳

اس کی پینتالیس آیتیں — سورۂ ق مکہ میں نازل ہوئی — اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قٓ ۚ وَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴿۱﴾ ۚ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ

قاف و۱ قسم ہے قرآن بزرگ کی (کہ ہم نے آپ کو نذیر بنا کر بھیجا ہے) لیکن یہ لوگ اس پر حیرت

مُنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۲﴾ ۚ

کر رہے ہیں کہ ان کے پاس ایک ڈرانے والا انہیں میں سے آیا و۲ سو کافر کہتے ہیں کہ یہ تو (بڑی) عجیب بات ہے۔

المنزل ۷

و۲۹ (اپنے دعوائے ایمان وتصدیق میں) الْمُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی دین کی پوری طرح اور درجہ کمال میں تصدیق کرنے والے۔ مومنین حقیقی۔ مومنین کامل۔ اے المومنون الکمل (ابن کثیر) فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ اگر کمال تصدیق نہ ہو، نفس تصدیق حاصل ہو جب بھی ایمان ثابت ہو جائے گا۔ اَلَّذِيْنَ...... سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی ہر طرح دین کی خدمت کی، اسی راہ میں سختیاں جھیلیں۔ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا۔ زندگی کی کسی منزل اور ماحول کی کسی کشمکش میں بھی ایمان وتصدیق کی شاہراہ سے ڈانواں ڈول نہ ہونا بڑی نعمت ہے۔ و۳۰ (درآنحالیکہ اس کو خبر نہیں) خطاب جھوٹے مدعیانِ دین ومنافقین اعراب سے ہے کہ اللہ کو تو تمہارے دین کی خبر ہے نہیں اور تم اسے خبر دینا چاہتے ہو۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ تم ایسی جھوٹی اور بے اصل بات زبان سے نکال رہے ہو۔ و۳۱ (تو ایسے کامل وجامع علم رکھنے والے کو بھلا کوئی کیا بتلائے گا) مشرک جاہلی قوموں کو ٹھوکر اللہ کے صفت علم ہی میں کثرت سے لگی ہے، قرآن اسی لئے بار بار اس کو توضیح کرتا جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ ...... الْاَرْضِ۔ یعنی کوئی بھی شے اللہ کے احاطہ علم سے باہر نہیں۔ وَاللّٰهُ...... عَلِيْمٌ۔ یعنی جو بھی چیز ہے، اللہ کے احاطہ علم کے اندر ہے۔ و۳۲ (بے لڑے بھڑے بخلاف دوسرے قبائل کے) اشارہ انہیں قبائل بنی اسد وغیرہ کی جانب ہے جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ انہیں نے آکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہا تھا کہ ہم خاص مراعات کے مستحق ہیں۔ دوسرے کتنے مقابلہ ومقاتلہ کے بعد کہیں ہتھیار رکھتے ہیں، اور ہم کو دیکھئے کہ ہم بغیر کسی جدوجہد کے آپ کی مخالفت سے باز آگئے۔ و۳۳ یعنی اگر تم واقعی مسلمان ہو بھی گئے ہو (جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے) تو یہ میرے اوپر احسان کیا ہوا، یہ تو اللہ کا احسان تمہارے اوپر ہوا کہ اس نے تمہیں دائمی نجات کی راہ دکھادی، اور دنیا میں بھی تمہیں قتل، قید وغیرہ سے بچادیا۔ و۳۴ (سو اس کے سامنے بھلا کوئی مکروفریب چل سکتا ہے؟) بندہ کو حق تعالیٰ کے علم کے کامل ومحیط کل ہونے کا جس درجہ میں استحضار رہے گا۔ اسی نسبت سے اس کا درجہ اخلاص بھی بڑھا ہوا رہے گا۔ اِنَّ ...... الْاَرْضِ۔ موجوداتِ عالم کی کوئی پوشیدہ سے بھی پوشیدہ چیز علم الٰہی سے پوشیدہ نہیں۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ بندہ کا براہ راست تعلق تو اللہ کے اسی علم سے ہے جو وہ ان بندوں کے اعمال وجزئیات اعمال سے متعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اس پہلو کی تصریح اور تاکید قرآن مجید میں بار بار آئی ہے۔ و۱ عربی اسلوب بیان میں قسم کا مفہوم تاکید کا ہوتا ہے۔ اور جواب قسم یعنی قسم کے بعد کا مضمون اکثر بغیر کسی تصریح کے محض سیاق سے سمجھ لیا جاتا ہے۔ قسموں کی بحث کا تعلق تمامتر اسلوب بیان وبلاغت سے ہے۔ قٓ۔ مخفف اس فقرہ کا سمجھا گیا ہے۔ **حکمة هی قولنا قضی الامر** (کبیر) ایک قول یہ ہے کہ: **قفا اثره** کا مخفف ہے۔ **قیل یجوز ان یکون ق امرًا من مفاعلة قفا اثره اے تبعه والمعنی اتبع القران واعمل بمافیه** (روح) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قف کے معنی میں امر ہے۔ **قیل انه امر بمعنی قف اے قف عندماشرح لک ولاتجاوزه** (روح) حروف مقطعات کے لئے ملاحظہ ہو پ۱ میں الٓمٓ پر حاشیہ۔ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ۔ قرآن مجید کی قسم کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ یہ کتاب اپنے مضامین کی بے نظیر بلندی اور معنویت کے لحاظ سے خود اپنی صداقت اور آپ کی رسالت پر گواہ ہے۔ الْمَجِيْدِ۔ یعنی بزرگی اور شرف والا قرآن — آج دنیا کی کون سی کتاب اپنی معنویت اور بلندی کے لحاظ سے اس کے ٹکر کی ہے؟ کسی صحیفۂ مذہب کو اس کی جامعیت وہمہ گیری کے مقابلہ میں لایا جاسکتا ہے؟ و۲ (حالانکہ اس نذیر کی سچائی پر ہر طرح کے دلائل صحیح قائم ہو چکے ہیں) مِنْهُمْ۔ انہیں میں سے، یعنی محض بشر ہو کر، یہی جسم اور یہی اس کے خصوصیات رکھ کر۔ مشرکین کی بڑی چڑھ اسی عقیدۂ رسالت سے ہے۔ وہ دیوتا کے قدموں پر گر پڑنے کو تیار رہتے ہیں۔ لیکن کسی فانی انسان کو خدا کا قاصد سمجھنا ان کی عقل کی گرفت سے بالکل باہر ہوتا ہے۔ آیت میں ایک حقیقت صحیح وثابت کے مقابلہ میں حیرت وشک کو باطل ٹھہرایا ہے۔ اس سے بعض اصولیین نے بقاعدۂ اقتضاء النص یہ مسئلہ نکالا ہے کہ مجرد شک وعجب کسی دلیل کا معارض نہیں ہوسکتا۔

ف۳ (عقل وقیاس سے) یعنی ایک تو بشر کی زبان سے دعوائے رسالت خود ہی عجیب اور پھر ساتھ ہی یہ عقیدہ حشر ونشر کا۔ ہم "روشن خیالوں" کی عقلیں اسے کیسے قبول کرلیں کہ جب ایک چیز فناہو گئی، اس کے اجزاء بکھر کر پارہ پارہ ہو گئے تو وہ دوبارہ پھر موجود ہو جائے گی۔ اعادۂ معدوم تو ہمارے تجربہ، مشاہدہ، عقل، سب کے خلاف ہے۔ ف۴ "روشن خیال" دحواس پرست مشرکوں کے دعوے پر جرح ہو رہی ہے کہ تم اس بازگشت کو محال آخر کس بنا پر کہہ رہے ہو؟ کیا اس لئے کہ اس ہستی میں قابلیت حیات نہیں؟ اگر یہ مراد ہے تو یہ تو خود تمہارے مشاہدہ کے بھی خلاف ہے۔ پھر کیا ہے کہ ہمارے علم اور ہماری قدرت کو تم ناقص، محدود ونا کافی سمجھتے ہو؟ تو ہمارا علم تو ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیات تک محیط ہے اور یہ علم بھی کچھ نوپیدا اور حادث نہیں، قدیم ہے۔ قبل وقوع ہی سے ہے۔ مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ۔ یعنی ان کے جسم کے وہ اجزاء جنہیں مٹی کھا جاتی ہے۔ كِتٰبٌ حَفِيْظٌ۔ ایسا رجسٹر جس میں جسم کے ہر ہر جزء کی وضع، مقدار، کیفیت سب ہی کچھ درج ہے — مراد لوح محفوظ سے ہونا ظاہر ہے۔ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ۔ حق کے ترک وانکار کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ ان لوگوں پر شک وارتیاب، تذبذب اور بے یقینی کی لعنت مسلط ہو جائے۔ عن قتادة قال من ترک الحق مرج علیه رأیه والتبس علیه دینه (جصاص) ف۵ (کہ حق پر انہیں قرار ہی نہیں۔ کبھی تکذیب سے کام لیتے ہیں، کبھی تشکیک سے) بَلْ ..... هُمْ۔ ان کی عادت ہی ہر سچائی سے انکار کی پڑ گئی ہے۔ ف۶ کمال علم کے بعد اب یہ بیان کمال قدرت کا ہو رہا ہے — ایک آسمان ہی پر جو کس وناکس ہر ایک کے مشاہدہ میں آ رہا ہے، اور اس کی صناعی پر، عظمت وپہنائی پر، قوت واستحکام پر، ہر چیز پر غور کرو تو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ تم امکان بعث سے انکار واستبعاد پر کتنی نادانی پر ہو۔ كَيْفَ۔ اس میں اشارہ آسمان کی رفعت وعظمت، وسعت وپہنائی، استحکام وخوشنمائی سب کی جانب آ گیا۔ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ۔ یعنی کسی قسم کا نقص وضعف اس میں نہیں۔ ہر طرح مکمل ہی مکمل ہے۔ وَزَيَّنّٰهَا۔ آسمان کی آراستگی وزیبائی بھی چاند، سورج ستاروں وغیرہ سے ہے۔ ف۷ آسمان کے بعد اب زمین کی صناعیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور مطلب یہ ہوا کہ یہ آسمان وزمین کی ساخت وترکیب، ان کے اندر کی گوناگوں صناعیاں، زمین پر پہاڑوں کا قیام، ان سب پر اگر انسان غور کرے تو قدرت الٰہی کے کتنے زبردست شواہد ان میں قدم قدم پر ملیں گے۔ لیکن یہ سبق بھی ہر شخص نہیں لیتا۔ یہ درس تو وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو نیت وقصد بھی اسی کا رکھتے ہیں۔ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا۔ زمین کے عظیم الشان پھیلاؤ کی طرف اشارہ ہے۔ وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ۔ پہاڑوں کے قائم اور نصب کرنے کی ساری حکمتیں اس کے اندر آ گئیں۔ تَبْصِرَةً ..... مُّنِيْبٍ۔ ان عظیم الشان وحیرت انگیز مظاہر قدرت سے بھی عبرت وتذکر کا سبق لینا ہر ایک کا کام نہیں۔ چشم بینا ودل دانا اس کے لئے لازمی ہے۔ انابت واحساس عبدیت تو شرط اولیں ہے۔ ف۸ یہاں گویا یہ فرمایا کہ تم جس طرح بارش ہوئے پر خشک زمین کو از سر نو سرسبز وشاداب ہوتے ہوئے روزمرہ دیکھتے ہو، اسی طرح حکمت الٰہی مردہ انسانوں کو بھی زمین سے لا نکال کھڑا کرے گی — اور اس کا ناممکن ہونا تو خیر الگ رہا، اس میں استبعاد کی بھی کونسی بات ہے؟

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴿۳﴾ قَدْ عَلِمْنَا

بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے (تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے؟) یہ رجعت تو (بہت ہی) بعید ہے ف۳ لیکن ہم تو اُن کے

مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿۴﴾

اجزاء تک کو جانتے ہیں جنہیں زمین (کی مٹی) کم کرتی ہے اور ہمارے پاس تو (پورا) رجسٹر (ہی) محفوظ ہے ف۴

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿۵﴾

اصل یہ ہے کہ یہ لوگ تو سچ ہی کو جھٹلاتے ہیں جب وہ اُن کے پاس آ گیا، غرض یہ کہ وہ ایک متزلزل حالت میں ہیں، ف۵

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا

کیا انہوں نے اپنے اُوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اُسے کیسا بنایا اور ہم نے اُسے آراستہ کیا

وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿۶﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا

اور اُس میں کوئی رخنہ (تک) نہیں ف۶ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں

رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿۷﴾ ۙ تَبْصِرَةً

پہاڑوں کو جما دیا اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اُگائیں جو ذریعہ ہے بینائی

وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۸﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

اور دانائی کا، ہر رجوع ہونے والے بندے کے لئے ف۷ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی

مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ﴿۹﴾ ۙ وَالنَّخْلَ

برسایا پھر ہم نے اُس سے باغ اور کھیتی کا غلہ اور لمبی لمبی کھجور کے

بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿۱۰﴾ ۙ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا

درخت جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے رہتے ہیں اگائے، بندوں کو روزی دینے کے لئے، اور ہم نے اس کے ذریعہ سے

بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ

مردہ زمین کو زندہ کیا، اسی طرح (زمین سے حشر میں) نکلنا ہی ہو گا ف۸ ان لوگوں کے قبل قوم

نُوۡحٍ وَّ اَصۡحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوۡدُ ﴿۱۲﴾ وَ عَادٌ وَّ فِرۡعَوۡنُ
نوح اور اہل رس اور ثمود اور عاد اور فرعون

وَ اِخۡوَانُ لُوۡطٍ ﴿۱۳﴾ وَّ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ وَ قَوۡمُ تُبَّعٍ ؕ کُلٌّ
اور لوط والے اور اہل ایکہ اور قوم تبع سب ہی

کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیۡدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَیِیۡنَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ ؕ
تکذیب پیمبروں کی کر چکے ہیں، سو میری وعید پوری اُتری و۹ تو کیا ہم پہلی بار کی پیدائش سے تھک چکے ہیں؟

بَلۡ ہُمۡ فِیۡ لَبۡسٍ مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ﴿ع۱۵﴾ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا
اصل یہ ہے کہ یہ لوگ ازسرنو پیدائش ہی کی طرف سے شبہ میں پڑے ہیں و۱۰ اور ہم نے انسان کو

الۡاِنۡسَانَ وَ نَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِہٖ نَفۡسُہٗ ۚۖ وَ نَحۡنُ اَقۡرَبُ
پیدا کیا ہے، اور ہم (خوب) جانتے ہیں ان وسوسوں (تک) کو جو اس کے جی میں آتے رہتے ہیں ہم تو اس کی رگ گردن

اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ ﴿۱۶﴾ اِذۡ یَتَلَقَّی الۡمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ
سے بھی بڑھ کر اس کے قریب ہیں و۱۱ (انہیں اُس وقت کی یاد دلایئے) جب دو گرفت میں لینے والے فرشتے

الۡیَمِیۡنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیۡدٌ ﴿۱۷﴾ مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ
داہنے اور بائیں بیٹھنے والے گرفت میں لاتے رہتے ہیں و۱۲ وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا

اِلَّا لَدَیۡہِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ ﴿۱۸﴾ وَ جَآءَتۡ سَکۡرَۃُ الۡمَوۡتِ
مگر یہ کہ اُس کے آس پاس ہی ایک تاک میں لگا رہنے والا تیار ہے و۱۳ اور آ پہنچی موت کی بے ہوشی

بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِکَ مَا کُنۡتَ مِنۡہُ تَحِیۡدُ ﴿۱۹﴾ وَ نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ ؕ
سچائی کے ساتھ و۱۴ یہی وہ (حقیقت) ہے جس سے تو بدکتا رہتا تھا و۱۵ اور صور پھونکا جائے گا

ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡوَعِیۡدِ ﴿۲۰﴾ وَ جَآءَتۡ کُلُّ نَفۡسٍ مَّعَہَا سَآئِقٌ
یہی دن ہے وعید کا و۱۶ اور ہر شخص اس طرح آئے گا کہ ایک (فرشتہ) تو اس کے ساتھ ہمراہ لانے والا ہوگا

و۹ (اور یہ سب کے سب تکذیب انبیاء ہی کی پاداش میں اسی دنیا میں اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر رہے) کُلٌّ کَذَّبَ الرُّسُلَ۔ منکروں نے انبیاء کرام کی تکذیب دین کے عقائد اساسی کے باب میں کی ہے اور وہ یہ تین مسئلے ہیں۔ توحید، حشر ونشر، رسالت۔ قَوۡمُ نُوۡحٍ۔ اَصۡحٰبُ الرَّسِّ۔ ثَمُوۡدُ۔ عَادٌ۔ فِرۡعَوۡنُ۔ اِخۡوَانُ لُوۡطٍ۔ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ۔ قَوۡمُ تُبَّعٍ، ان سب پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ و۱۰ (یوں ہی بلا کسی شبہ معقول یا کسی دلیل صحیح کے) اَفَعَیِیۡنَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ۔ یعنی بار اول میں عدم محض سے تو سب چیزوں کا ہمارا خالق ہونا تو تمہیں خود تسلیم ہے۔ تو پھر کیا یہ مانتے ہو کہ اب ہماری قدرت تخلیق جواب دے گئی ہے اور اب ہم تخلیق ثانی پر قادر نہیں رہے؟ اَفَعَیِیۡنَا بعض گمراہ قوموں نے واقعۃً بھی خستگی اور تھکن کو حق تعالیٰ کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ یہود اور نصرانیوں نے بھی۔ و۱۱ (جو منتہاء ہے کمال قرب کا) انسانی محاورہ میں انتہائے قرب کا کامل ترین تصور یہی ہے کہ اُسے رگ جان کے برابر قریب سمجھا جائے۔ آیت کا مضمون ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑھ کر قریب ہے، گویا ہر انسان کے تخیل سے بھی قریب تر۔ یہ قرب تکوینی عام ہے نیک و بد، بلکہ ہر مخلوق کے لیے۔ قرب مرتبہ البتہ مخصوص ہے مقبولین کے لیے۔ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ۔ اس رگ کا نام ہے جو سارے جسم میں خون پہنچاتی ہے، استعارۃً مراد عین جان ہے۔ ای من روحہ (راغب) نَحۡنُ...... الۡوَرِیۡدِ۔ اس میں ان جاہل، مشرک قوموں کی تردید بھی آ گئی جو خدائے تعالیٰ کو بندوں سے دُور اور بہت دُور سمجھے رہتے ہیں۔ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ۔ اس میں مضمون آ گیا حق تعالیٰ کے کمال قدرت کا۔ یعنی ہم سے بڑھ کر انسان اور کس کے قبضۂ قدرت میں ہے؟ وَ نَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِہٖ نَفۡسُہٗ۔ اس میں مضمون آ گیا حق تعالیٰ کے کمال واحاطۂ علم کا یعنی ہم سے انسان کا کون سا راز مخفی رہ سکتا ہے؟ حق تعالیٰ پر تو انسان کے وسوسے تک عیاں و روشن رہتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ اس علم محیط و کامل کے باوجود رحمت کاملہ نے گرفت وسوسوں پر نہیں رکھی۔ ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ (پ۳) (آیت وَ اِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡہُ یُحَاسِبۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ۔ کا حاشیہ۔ و۱۲ حدیث میں آتا ہے کہ دو فرشتے ہر وقت اور ہر حال میں انسان کے ساتھ رہتے اور اس کے ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کو نیک ہو یا بد، دیکھتے رہتے ہیں، اور کسی حال میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑتے، یہاں تک کہ انسان کی ناپاکی وغیرہ کے اوقات میں، جس سے فرشتے طبعی انقباض کی بناء پر اس سے جسماً الگ بھی ہو جاتے ہیں، ان اوقات میں انسان جو کچھ عمل کرتا رہتا ہے اس کی علامتیں کچھ ایسی اس پر نقش ہو جاتی ہیں کہ فرشتے انہیں کو پڑھ کر انہیں اپنے رجسٹر میں درج کر لیتے ہیں۔ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ۔ داہنی طرف کا فرشتہ نیکی کے اعمال لکھتا رہتا ہے اور بائیں طرف کا بدی کے اعمال۔ قَعِیۡدٌ۔ یعنی بیٹھے رہنے والے یہ انسانی محاورۂ عادت کے مطابق فرشتوں کی ہمہ وقتی حاضری و موجودگی کے لیے فرمایا گیا ہے۔ بندوں کے اعمال کے احاطہ کامل کے لیے تو اللہ کی صفت علم محیط و کامل خود ہی بالکل کافی ہے۔ فرشتوں کے اس ہمہ وقتی معیت اور باضابطہ اندراج سے بندوں کے دل میں اس کی اہمیت اور کیفیت استحضار کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ و۱۳ اعمال کے بعد اب ذکر اقوال کا ہو رہا ہے۔ منہ سے ادھر بات نکلی نہیں کہ اُدھر کاتب فرشتوں نے اُسے نوٹ کر لیا۔ بات اگر اچھی ہے تو اُسے بھی اور بری ہے تو اُسے بھی! اللہ اکبر! کیا ٹھکانا ہے انسان کی ذمہ داریوں کا، وہ اللہ کا نائب بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ وہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں کے لیے۔ گھنٹے کے ہر منٹ کے ہر پل کے لیے ذمہ دار ہے۔ غفلت کی مہلت اسے ایک پل کے لیے بھی نہیں۔ آیت کا استحضار رہے تو مسلمان سے کبھی بھی گناہ صادر ہو سکے؟ اللہ نے اپنے ہاں کا یہ ضابطہ بتا کر مسلمان کے لیے راہِ عمل کتنی آسان کر دی ہے! و۱۴ یعنی موت کی بیہوشی کا آنا تو بالکل برحق ہے۔ سَکۡرَۃُ۔ کے معنی بیہوشی کے ہیں۔ السکر حالة تعترض بين المرء و عقله (راغب) اس ایک ذرا سے لفظ کے اندر موت کی پوری حقیقت آ گئی۔ موت بذاتِ خود کوئی ڈرنے کی چیز نہیں۔ وہ تو نیند کی طرح صرف ایک احساس و ادراک کے ذہول کا نام ہے۔ فرق یہ ہے کہ نیند کی کیفیت ہلکی اور عارضی ہوتی ہے اور موت کی یہ کیفیت مستقل اور زیادہ قوی ہوگی۔ اس کو ''بیہوشی'' حواس دنیوی کی نسبت اور تعلق سے کہا گیا ہے ورنہ اس موت ناسوتی کے طاری ہونے میں معاً دوسرے اور اُن سے کہیں لطیف و برتر قسم کے ہوش و حواس عطا ہو جاتے ہیں۔ و۱۵ یعنی اس وقت کی آمد سے وحشت کرتا تھا۔ اور اس سے کترا کر نکل جانا چاہتا تھا۔ موت سے گریز ایک حد تک امر طبعی ہے۔ وہ یہاں مراد نہیں، جو آخرت سے انکار یا اس عقیدہ میں اشتباہ کی بناء پر، حب دنیا سے پیدا ہو جاتا ہے۔ و۱۶ موت کے بعد اب ذکر قیامت کا شروع ہوا۔ وَ نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ۔ نفخ صور سے یہاں مراد نفخ ثانی ہے جس سے سب مُردے زندے ہو جائیں گے۔

وَّ شَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا

اور ایک (فرشتہ) گواہ ہو گا وکا تو اسی دن سے بے خبر تھا سو ہم نے تجھ پر سے

عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ وَ قَالَ قَرِيْنُهٗ

تیرا پردہ ہٹا دیا سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے و۱۸ اور اس کے ساتھ والا (فرشتہ) کہے گا

هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾

کہ یہ وہ (روزنامچہ) ہے جو میرے پاس تیار ہے و۱۹ ڈال دو تم دونوں جہنم میں ہر ایسے شخص کو جو کفر کرنے والا ہو ضد رکھنے والا ہو

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ﴿۲۵﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ

نیک کام سے روکنے والا ہو، حد سے نکل جانے والا ہو، شبہ رکھنے والا ہو، جس نے اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا

اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ

تجویز کر رکھا ہو سو ایسے کو تم دونوں عذاب سخت میں ڈال دو و۲۰ (تب) اس کے ساتھ والا (شیطان) کہے گا

رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَ لٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ

اے ہمارے پروردگار میں نے اسے نہیں بھٹکایا تھا بلکہ یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں تھا و۲۱ ارشاد ہو گا

لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا

کہ میرے سامنے جھگڑو مت اور میں تو پہلے ہی تمہارے پاس وعید بھیج چکا تھا و۲۲ سو میرے ہاں

يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ

بات نہیں بدلی جائے گی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں و۲۳ (اور انہیں یاد دلائیے) وہ دن

نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾

جب ہم دوزخ سے کہیں گے کہ تو بھر بھی گئی؟ اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟ و۲۴

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ

اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی کہ کچھ دور نہ رہے گی یہی وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا

ع ۲ ۱٦

و۱۷ یہ دونوں فرشتے وہی کاتب اعمال ہوں گے۔ عرف عام میں انہیں کو کراماً کاتبین کہتے ہیں۔ ان فرشتوں اور اُن کی کارروائیوں کا استحضار اگر قلب میں رہے تو انسان سے بھلا کوئی لغزش کسی وقت بھی صادر ہو سکے؟ ان کی طرف سے غفلت ہی تو بڑی چھوٹی ہر برائی کی طرف لے جاتی ہے۔ و۱۸ (اور آج ہر حقیقت تجھ پر بے پردہ منکشف ہو رہی ہے) یہ خطاب کافر سے ہوگا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کشف بلا مجاہدہ تو کافروں تک کو حاصل ہو جائے گا۔ سو محض کشف جو کافروں میں مشترک ہے، مومن کا مطلوب یقیناً نہ ہونا چاہیے۔ و۱۹ یعنی نامۂ اعمال۔ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ۔ حدیث میں آتا ہے کہ ہر انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی ایک فرشتہ اور ایک شیطان بھی اس کے ساتھ کر دیا جاتا ہے۔ فرشتہ نیکیوں کی راہ دکھاتا رہتا، اور شیطان بدیوں کی راہ سجھاتا رہتا ہے اس آیت میں قول فرشتہ کا نقل ہو رہا ہے۔ و۲۰ یہ سب قیامت کے دن فرشتوں کو حکم ہوگا۔ ہر قسم کے کافر کے لیے۔ اَلْقِيَا۔ اس کے عام معنٰی تو صیغۂ تثنیہ ہی کے ہیں۔ ”یعنی اے دونوں فرشتو! تم ڈال دو“۔ لیکن اس صیغہ کا ایک استعمال واحد کے لیے بھی بقصد تاکید ہے۔ ایسے موقع پر القیا مرادف الق۔ الق (مکرر) کا ہوتا ہے۔ یجوزان یکون خطابًا للواحد علٰی وجهين احدهما قول المبرد انّ تثنية الفاعل نزلت منزلة تثنية الفعل لاتحادهما كانهٗ قيل الق الق للتاكيد (کشاف) كَفَّارٍ۔ یعنی عقائد حق سے انکار کرنے والا۔ عَنِيْدٍ۔ یعنی حق سے ایسی ضد رکھنے والا کہ اس کے بار بار وضوح کے باوجود بھی اسے قبول نہ کیا۔ مُعْتَدٍ۔ یعنی حدود عبدیت سے باہر نکل جانے والا۔ مُرِيْبٍ۔ یعنی عقائد دین تک میں شک کرنے والا۔ و۲۱ (اپنے ارادہ و اختیار سے) ہر انسان کے ساتھ جو ایک ہمزاد شیطان ہوتا ہے تو کافر انسان کا شیطان الزام اپنے اوپر آتے دیکھ کر اُس کو انسان ہی پر اُلٹ دے گا اور یہ کہے گا۔ و۲۲ (کہ جو کوئی بھی کفر کرے گا، خواہ ابتداءً خواہ کسی کے کہنے سننے سے، سب کی سزا جہنم ہی ہے) یہ اہل دوزخ سے قطع حجت کے لیے کہا جائے گا۔ یعنی اب تم عذر ہی کیا کر سکتے ہو۔ یہ سب کچھ تو تمہیں تمہاری زندگی میں اچھی طرح بتا ہی دیا گیا تھا۔ و۲۳ یعنی آج تو میری زمینی وعیدوں کا بس ظہور ہی ہے، اُن کے علاوہ اور کوئی نئی بات نہیں۔ اور ظلم و زیادتی میری طرف سے کسی بندہ پر ذرا بھی نہیں۔ ظلام۔ صیغہ مبالغہ ہے۔ لیکن کبھی محض ظالم یا ذی ظلم کے مرادف بھی آتا ہے۔ ظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۔ ظلام کو اگر صیغۂ مبالغہ کی رعایت سے اس کے عام معنٰی میں لے کر ”ظالم ترین“ یا ”شدید“ ”ظالم“ کا مرادف سمجھا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ اگر قبل سے پوری طرح آگاہ کیے بغیر ہم مبتلائے عذاب کر دیتے تو اس صورت میں ہمارا شاید ظالم ہونا لازم آتا ہے اور وہ ہم سرے سے ہیں نہیں۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مشرک، جاہلی قوموں نے اپنے بعض دیوی دیوتاؤں کو جلاد اور خونخوار قسم کا سمجھا تھا۔ قرآن مجید حق تعالٰی کی تنزیہ اس وصف سے بھی پوری طرح کر رہا ہے۔ و۲۴ جہنم کی شدت غیظ ظاہر کرنے کو ہے اور مقصود اس سے کافروں کے دل میں مزید دہشت بٹھانا ہے۔ هَلِ امْتَلَاْتِ۔ یعنی ان کافروں سے جو تیرے اندر پہنچ چکے ہیں، تو بالکل بھر گئی ہے۔

لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿٣٢﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ

کہ وہ ہر رجوع ہو جانے والے، پابندی رکھنے والے کے لئے ہے، ف٢٥ (غرض) جو کوئی بھی (خدائے) رحمٰن سے بے دیکھے ڈرتا ہوگا

وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ﴿٣٣﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ

اور رجوع ہونے والا دل لے کر آئے گا (اُس کو حکم ہوگا کہ) داخل ہو جاؤ اس جنت میں سلامتی کے ساتھ، یہ دن

الْخُلُوْدِ ﴿٣٤﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿٣٥﴾ وَكَمْ

ہمیشگی کا ہے ف٢٦ اُن لوگوں کو وہاں سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زائد ہے اور ہم ان سے قبل

اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا

بہت سی اُمتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے کہیں بڑھ کر تھے اور (تمام) شہروں کو

فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى

چھانتے پھرتے تھے (سو) انہیں کہیں بھاگنے کی جگہ بھی ملی؟ اس (اہلاک) میں اُس کے لئے بڑی عبرت ہے

لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ

جس کے پاس دل ہے یا وہ متوجہ ہو کر کان ہی لگا دیتا ہے ف٢٧ اور

خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا کر دیا

وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿٣٨﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ

اور ہم کو تکان نے چھوا تک نہیں ف٢٨ سو آپ اُن کی باتوں پر صبر ہی کیجئے

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ

اور اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کرتے رہئے آفتاب نکلنے سے پہلے اور (اس کے) چھپنے سے

الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿٤٠﴾

پہلے بھی ف٢٩ اور رات میں بھی اُس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی ف٣٠

ف٢٥ آیت میں بشارت ہے متقین کو، کہ جنت گو دُور ہے لیکن تمہارے لیے نہیں۔ تمہیں وہاں تک پہنچنے میں تو کوئی تعب و مشقت ہوگی نہ توقف و انتظار کرنا ہوگا۔ وہ تو خود ہی تم تک لے آئی جائے گی۔ یہ وعدہ تو بہرحال قطعی ہے۔ رہی اس کیفیت کی تفصیل تو اس کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے۔ اَوَّابٍ۔ یعنی اللہ اور احکام الٰہی کی طرف تہ دل سے رجوع ہونے والا۔ حَفِيْظٍ۔ یعنی حدودِ الٰہی کا محافظ۔ اعمال و طاعات کی پابندی کرنے والا۔ ف٢٦ یعنی آج کی نعمتوں کو نہ فنا ہے نہ زوال۔ بِالْغَيْبِ۔ یعنی جنت کی نعمتیں اور دوزخ کی سختیاں دنیا میں تو سب غیب ہی میں تھیں۔ یہ لوگ دنیا ہی میں ان دھمکیوں کو حقائق جان کر ان سے پوری طرح متاثر ہو چکے تھے۔ ف٢٧ یعنی جو لوگ قلب سلیم رکھتے ہیں، ان کے لیے تو یہ سارے حکایات و قصص ذخیرہ عبرت رکھتے ہی ہیں، باقی جو لوگ محض توجہ سے ان تذکروں کو سن لیں تو اُن کے لیے بھی اُن کے اندر کافی سامانِ ہدایت موجود ہے۔ ف٢٨ (تو ایسے قادر مطلق و ہمہ تواں کے لیے اعادۂ خلق کیا دشوار ہے؟ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ مراد چھ متعارف دن نہیں، بلکہ محض چھ زمانے یا چھ وقت ہیں۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف (پ٨) آیت متعلقہ کے حاشیے۔ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔ دنیا کے کروڑوں مسیحیوں اور یہودیوں کا ایمان آج تک یہ چلا آ رہا ہے کہ حق تعالیٰ نے چھ دن میں آسمان و زمین کی آفرینش کے بعد ساتویں دن آرام کیا۔ قرآن مجید کو اسی گمراہی کی تردید مقصود ہے۔ توریت مروجہ میں ہے:۔ ”خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین، دریا اور سب کچھ جو اُن میں ہے بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ (خروج۔ ٢٠: ١١) ”چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا“۔ (خروج۔ ٣١: ١٧) اور انجیل مروجہ میں ہے:۔ ”خداوند نے اپنے سارے کاموں کو پورا کر کے ساتویں دن آرام کیا“۔ (عبرانیون۔ ٤: ٤) اور اسی کتاب ”عبرانیون“ میں ”آرام“ کا یہ تلازمہ بہت دُور تک چلا گیا ہے۔ ف٢٩ (کہ اس ذکر الٰہی میں لگے رہنے سے آپ کی توجہ ہی ان کافروں کے معاندانہ اقوال و اعمال کی طرف کم رہے گی۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت میں صاف دلالت اس پر ہے کہ شدائد میں تسلی کا قوی ترین ذریعہ اللہ کی طرف توجہ ہے۔ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ۔ اشارہ نماز فجر کی طرف ہے بمعنی صلاۃ الصبح (معالم) وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔ تسبیح سے یہاں مراد نماز ہی ہے۔ اراد به الصلٰوة (جصاص) اے فصل له (ابن کثیر) اے صل حمدًا لله (معالم) ف٣٠ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ۔ سجود سے یہاں مراد نماز ہے۔ و قد یعبر به عن الصلٰوة (راغب) اَدْبَارِ السُّجُوْدِ اے ادبار الصلٰوة (راغب) اے و اعقاب الصلٰوت (بیضاوی) وَمِنَ الَّيْلِ۔ رات کی نمازوں میں مغرب اور عشاء کی نمازیں آ گئیں۔ حرف من سے اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ مراد ساری رات نہیں، بلکہ اُس کا صرف ایک حصہ، نماز، ذکر و تسبیح کے لیے مخصوص کر لینا کافی ہے۔ اے اصرف من الیل طرفًا الی التسبیح (کبیر) اے و سبحه بعض الیل (بیضاوی) فَسَبِّحْهُ۔ تسبیح سے یہاں مراد فرض نمازوں کے بعد کے نوافل و اوراد و اذکار لیے گئے ہیں۔ و هو التسبیح بعد الصلٰوة لان التسبیح تنزیه لله عما لا یلیق به و الصلٰوة تشتمل علٰی قراءة القراٰن و اذکار هی تنزیه لله تعالٰی (جصاص)

وَ اسْتَمِعْ یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ﴿۴۱﴾ۙ

اور سن رکھ (اے مخاطب) کہ جس دن ایک پکارنے والا پاس ہی سے پکارے گا،

یَّوْمَ یَسْمَعُوْنَ الصَّیْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾

جس دن اس چیخ کو بالیقین (سب) سن لیں گے وہ نکلنے کا دن ہو گا (قبروں سے) ف۳۱

اِنَّا نَحْنُ نُحْیٖ وَ نُمِیْتُ وَ اِلَیْنَا الْمَصِیْرُ ﴿۴۳﴾ۙ یَوْمَ تَشَقَّقُ

بے شک ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف بازگشت ہے ف۳۲ جس روز زمین

الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَیْنَا یَسِیْرٌ ﴿۴۴﴾

ان پر سے کھل جائے گی جبکہ وہ دوڑتے ہوں گے یہ جمع کر لینا ہمارے لئے آسان ہے

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫

ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اور آپ اُن پر جبر کرنے والے (بنا کر) نہیں (بھیجے گئے) ہیں،

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ﴿۴۵﴾ ع

سو آپ قرآن کے ذریعہ سے نصیحت کرتے رہئے اُسے جو میری وعید سے ڈرتا ہو ف۳۳

اٰیاتها ۶۰ | ۵۱ سُوْرَةُ الذّٰرِیٰتِ مَكِّیَّةٌ ۶۷ | رکوعاتها ۳

اس کی ساٹھ آیتیں | سورۂ ذاریات مکہ میں نازل ہوئی | اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَ الذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ۙ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ۙ فَالْجٰرِیٰتِ

قسم ہے اُڑانے والی ہواؤں کی پھر بوجھ اُٹھانے والے بادلوں کی، پھر نرمی سے چلنے والی

یُسْرًا ﴿۳﴾ۙ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۴﴾ۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ﴿۵﴾ۙ

کشتیوں کی، پھر چیزیں تقسیم کرنے والے فرشتوں کی کہ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل برحق ہے

ف۳۱ ذکر صور کے نفخۂ اولیٰ کا ہے۔ الْمُنَادِ۔ یہ ندا دینے والے حضرت اسرافیل فرشتہ ہیں۔ حدیث صحیح کے بموجب قیامت کے لیے نفخ صور کی خدمت انہیں سے متعلق ہے۔ مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ۔ وہ آواز اتنی بلند ہوگی کہ کوئی مقام ان کے لیے کہیں سے بھی دُور نہ ہوگا جو آواز ہلکی یا ناصاف ہو کر پہنچے، ہر شخص کے پاس خواہ وہ کہیں بھی ہو، یکساں قوت کے ساتھ پہنچے گی۔ ف۳۲ یہ سب گمراہ و جاہلی قوموں کے عقائد کی تردید اور اس امر کے اثبات میں ہے کہ پیدا کرنے والا، پالنے والا، ہلاک کرنے والا، اور پھر حشر میں فیصلہ صادر کرنے والا وہی ایک اور اکیلا پروردگار ہے۔ ان سب کے لیے کوئی الگ الگ دیوتا یا خدا موجود نہیں۔ ہندوؤں نے تخلیق کائنات برہما جی کے ذمہ اور ربوبیت وشنو جی کے ذمہ اور اہلاک و افنا، شیو جی کے ذمہ ڈالا ہے۔ اور مسیحیوں نے حشر میں فیصلہ مسیح ابن اللہ کے ہاتھ میں رکھا ہے۔ ف۳۳ یعنی تذکیر نافع صرف اُسی کو ہوگی، باقی سب کو ہدایت پر لے آنا آپ کے اختیار میں نہیں۔ سو اختیار سے باہر چیز کا غم نہ کیجئے۔ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ۔ یعنی انکار قیامت سے متعلق یہ لوگ جو کچھ بکتے رہتے ہیں۔ وہ سب ہم پر خوب روشن ہے اور ہم ہی انہیں پوری سزا دینے کے لیے بھی کافی ہیں۔ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ۔ یعنی آپ تو صرف مبلغ، معلم، منذر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نتائج کی ذمہ داری آپ پر ذرا بھی نہیں۔ فَذَكِّرْ …… وَعِیْدِ۔ قرآن مجید کے مضامین سے وعظ و تذکیر کے مخاطب سب ہی ہیں۔ البتہ اس سے نفع یاب وہی ہوں گے، جن کے دلوں میں پہلے سے خوف خدا موجود ہے۔

وَّ اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿٦﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ﴿٧﴾ اِنَّكُمْ

اور جزا ضرور ہی ہونے والی ہے ف۱ قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں کہ تم

لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ﴿٨﴾ یُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ؕ﴿٩﴾ قُتِلَ

مختلف گفتگوؤں میں (پڑے) ہو ف۲ اس سے پھرتا وہی ہے جسے پھرنا ہی ہوتا ہے ف۳ غارت ہوں

الْخَرّٰصُوْنَ ۙ﴿١٠﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۙ﴿١١﴾

اٹکل پچو باتیں بنانے والے جو کہ غفلت (جہالت) میں بھولے پڑے ہیں ف۴

یَسْـَٔلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ؕ﴿١٢﴾ یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ

پوچھتے ہیں کہ روزِ جزا کب ہو گا؟ یہ دن (وہ ہو گا) جب وہ لوگ آگ پر

یُفْتَنُوْنَ ﴿١٣﴾ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ

تپائے جائیں گے، اپنی سزا کا مزہ چکھو یہی ہے جس کی تم

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٤﴾ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۙ﴿١٥﴾

جلدی مچایا کرتے تھے ف۵ بے شک پرہیزگار لوگ بہشتوں اور چشموں میں ہوں گے،

اٰخِذِیْنَ مَاۤ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ

لے رہے ہوں گے جو اُن کے پروردگار نے انہیں عطا کیا ہو گا، بے شک یہ لوگ اس کے قبل

مُحْسِنِیْنَ ؕ﴿١٦﴾ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾

نکوکار تھے ف٦ رات کو بہت کم سوتے تھے ف۷

وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٨﴾ وَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ

اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے ف۸ اور ان کے مال

حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿١٩﴾ وَ فِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ

میں حق رہتا تھا سوالی اور غیر سوالی (سب) کا ف۹ اور زمین میں (بہت سی)

ف۱ (اس لیے تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے عمل کی ذمہ داری پوری محسوس کرے) قرآن مجید کے پیش نظر ایک ایسی اُمت تیار کرنا ہے۔ جس کا ہر ہر فرد اپنے ایک ایک عمل میں زندگی کے ایک ایک جزئیہ میں، اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس رکھتا ہو۔ اور کسی حال میں اس کے قدم کو لغزش نہ ہو ـــ انسان کو ہمہ وقت صراط مستقیم پر قائم رکھنے کے لیے حشر کا اعتقاد ہی نہیں، بلکہ اس کا استحضار بھی لازمی ہے۔ الذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا۔ مراد وہ ہوائیں ہیں جو غبار وغیرہ اڑاتی رہتی ہیں۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا۔ مراد وہ بادل ہیں جو بارش سے لدے رہتے ہیں۔ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا۔ مراد وہ فرشتے ہیں جو مخلوقات میں مادّی و غیر مادّی ہر طرح کی تقسیمات بامر الٰہی کرتے رہتے ہیں۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ۔ یعنی جس روز حشر کی آمد کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ برحق ہے۔ کائنات کے یہ سارے انتظامات جو ہواؤں، بادلوں، کشتیوں اور فرشتوں کے ساتھ اس انضباط واہتمام کے ساتھ ہر وقت ہوتے رہتے ہیں، اس پر برہان قاطع ہیں کہ یہ ناسوتی زندگی بے مقصد نہیں ضرور اس کے ہر تصرف، ہر تغیر میں کوئی نہ کوئی مقصد رکھا ہے۔ حشر نام ہے اہم ترین مقصد کا۔ حشر نہ ہو تو یہ سارا انتظام واہتمام ہی بالکل بے مقصد اور اکارت ہوا جاتا ہے ـــ اور یہی مقصود قرآنی قسموں کا ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پ۱۴، سورۃ الحجر کا ضمیمہ ''اقسام قرانی''۔ بعض اہل اشارات نے لکھا ہے کہ آگے چونکہ ذکر حشر ہی کا آ رہا تھا۔ اس لیے یہاں قسم کے ذریعہ سے شہادت میں بھی ایسی ہی چار چیزیں پیش کی گئیں جن سے اشارہ فناء، انتشار اجزاء، اعادہ اور ترکیب کے مدارج چہارگانہ کی طرف نکلتا ہے۔ ف۲ (عقیدہ حشر سے متعلق کہ کوئی تو اس عقیدہ کی تکذیب ہی کر رہا ہے، اور کوئی اس کے متعلق تذبذب اور گوگو میں پڑا ہوا ہے، اور کسی نے اس سے دنیا میں نیا جنم مراد لے کر اسے مسخ ہی کر ڈالا ہے) ذَاتِ الْحُبُكِ۔ ان راستوں سے مراد فرشتوں کے چلنے پھرنے کے علاوہ ستاروں کی گردش کے بھی مدار یا راستے لیے گئے ہیں۔ ھی ذات الطرائق فمن الناس من تصور ھٰھنا الطرائق المحسوسة بالنجوم و منھم من اعتبر ذٰلک بما فیه من الطرائق المعقولة المدرکة بالبصیرة (راغب) لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ۔ ایک مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تم لوگ قرآن اور رسول کے متعلق مختلف اقوال اور مضطرب آراء کے چکر میں پڑے ہوئے ہو۔ اے فی القراٰن و فی محمد ﷺ (معالم) فی الرسول ﷺ او فی القراٰن (بیضاوی) ف۳ (راہِ خیر وسعادت سے) عَنْهُ۔ ضمیر عقیدۂ وقوعِ قیامت کی جانب ہے۔ ف۴ (اور یہ غفلت چونکہ اختیار ہی سے پیدا ہوئی ہے اس لیے اس پر مواخذہ بھی ہے) الْخَرّٰصُوْنَ۔ خرّاص۔ حقیقۃً وہ شخص ہے جو بغیر کسی دلیل قطعی کے، یوں ہی ظن وتخمین سے کام لیتا رہے خواہ اتفاق سے کبھی اُس کا گمان صحیح بھی ثابت ہو جائے۔ کل قول مقول عن ظن و تخمین یقال خرص سواء کان مطابقًا للشئی او مخالفًا لهٗ (راغب) کثرت سے ''قدیم معقولی'' اور ''جدید فلسفی'' بلا علم وتحقیق الٰہیات پر رائے زنی کرنے والے۔ خراصون ہی کے تحت میں آتے ہیں۔ ف۵ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے کہ یہ جواب اس طرز کا ہے جیسے کسی مجرم کو پھانسی کی سزا کا حکم ہو جائے مگر وہ احمق محض اس بناء پر کہ تاریخ اور وقت نہیں بیان کیا گیا ہے۔ طنزاً یہ کہتا ہے کہ اچھا تو وہ دن آخر کب آئے گا؟ یَسْـَٔلُوْنَ۔ یہ سوال بطور طنز واستہزاء کے ہوتا تھا۔ ف٦ (تو ایسوں کو جنت بھلا کیوں نہ ملتی؟) قَبْلَ ذٰلِكَ۔ یعنی اپنی دنیوی زندگی میں۔ ف۷ (اور رات کا معقول حصہ ذکر وفکر، تسبیح وتلاوت ہی میں صرف کیا کرتے تھے) یہ مراد (نعوذ باللہ) تو نہیں ہو سکتی کہ راتوں کو سینما اور تھیٹر، ناچ ورنگ اور طرح طرح کی رنگ رلیوں اور فحش کاریوں میں جاگ جاگ کر برباد کرتے تھے۔ جو لوگ شب میں نوافل تک کے لیے یہ اہتمام رکھتے ہوں، ظاہر ہے کہ فرائض وواجبات کی ادائی کا وہ شب وروز کیا التزام رکھتے ہوں گے۔ ف۸ یعنی کمال پر کمال یہ تھا کہ باوجود اس اہتمام عبادت کے نظر اپنی عبادت پر نہ تھی، بلکہ اپنے کو عبادت میں کوتاہی کرنے والا ہی سمجھتے تھے۔ کیا ٹھکانہ ہے خشیت قلب کا! رات کا بیشتر حصہ جاگ جاگ کر عبادت میں کاٹ دیتے ہیں اور سحر کے وقت استغفار اس طرح کرتے ہیں کہ گویا رات عبادت میں نہیں، جرم ومعصیت میں گزاری ہے۔ ف۹ یعنی ایسے التزام واہتمام سے اُن کو دیتے تھے کہ جیسے ان کے ذمہ اُن کا کچھ تھا۔ السَّآىِٕلِ۔ وہ جو منہ سے سوال کرے۔ الْمَحْرُوْمِ۔ وہ جو منہ سے سوال نہ کرے مگر ہو حاجتمند۔ ان نفل طاعتوں اور عبادتوں کے ذکر سے مقصود ان کے ثمرات عالیہ کا اظہار کر دینا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ جنات، عیون کے انعامات بغیر اُن کے ملیں گے ہی نہیں۔

ف۱۰ یعنی انسان اگر خود اپنے حالاتِ ظاہری و باطنی کا جائزہ لیتا رہے، اگر آیاتِ آفاقی و انفسی پر غور کرتا رہے تو وقوع حشر کی ضرورت کا وہ ضرور قائل ہو جائے گا۔ لِّلْمُوْقِنِیْنَ۔ یعنی اُن لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں یقین کی طلب اور حق کی جستجو ہے۔ وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ۔ یعنی وقوع قیامت و جزاء کے آفاقی دلائل و شواہد۔ دنیا میں جتنے بھی علوم و فنون نظر آتے ہیں۔ یہ سب کیا ہیں؟ موجوداتِ عالم اور ان کے مختلف اصناف کے متعلق قاعدے اور کلیے ہی تو ہیں۔ آفتاب و ماہتاب سے لے کر ریگستان کے ذروں اور دریا کے قطروں اور گھاس کی پتیوں اور ننھے سے ننھے کیڑوں تک بڑی چھوٹی چیزیں جو کچھ بھی کائنات میں ہیں۔ سب کیسی قاعدوں میں بندھی ہوئی اور ضابطہ کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں۔ تو یہ سارا عقلوں کو حیران کرنے والا، عظیم الشان نظام اور دماغوں کو حیرت میں ڈال دینے والا بے انتہاء وسیع انتظام جس کے اندر بخت و اتفاق کی کوئی ہلکی سی بھی گنجائش نہیں، یہ سب ایک کردگار حکیم و مختار کے وجود کے دلائل و شواہد نہیں تو اور کیا ہیں؟ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ۔ یعنی وقوع قیامت و جزاء کے انفسی دلائل و شواہد۔ انسان اگر خود اپنے ہی جسم اور اعضاءِ جسم کی حکیمانہ ترکیب و تناسب پر اور اپنے ہی ذہن و عقل کی انتہائی حکیمانہ ترتیب و ساخت پر غور کرنا شروع کرے تو اُس کا دل اور دماغ دونوں گواہی دے اُٹھیں گے کہ یہ ساری صنعت گری بجز ایک حکیم مطلق کے اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ کا جو عطف فِی الْاَرْضِ پر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جاہل صوفیہ کا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ سے تجلی حق پر استدلال کرنا باطل محض ہے۔

لِّلْمُوْقِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لئے اور خود تمہاری ذات میں بھی تو کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟ **ف۱۰**

وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ

اور آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، **ف۱۱** سو قسم ہے آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ ع

زمین کے پروردگار کی کہ وہ برحق ہے (اسی طرح) جیسے کہ تم بات چیت کر رہے ہو **ف۱۲**

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ

کیا آپ تک ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت پہنچی ہے؟ **ف۱۳** جب کہ

دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ج

وہ اُن کے پاس آئے، پھر (اُن کو) سلام کیا (انہوں نے بھی) کہا سلام (یہ) انجان لوگ (تھے) **ف۱۴**

فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ ﴿۲۶﴾ لا فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیْهِمْ

پھر آپ اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا لے آئے پھر اسے اُن کے پاس لا کر رکھا

قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا

(اور) کہا کہ آپ کھاتے کیوں نہیں؟ **ف۱۵** پھر آپ اُن سے دل میں خائف ہوئے وہ بولے

لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ

آپ ڈریئے نہیں، اور اُن کو ایک بڑے عالم لڑکے کی بشارت دی **ف۱۶** اتنے میں ان کی بیوی بولتی

فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ﴿۲۹﴾

پکارتی ہوئی آئیں، پھر ماتھے پر ہاتھ مار کر بولیں کہ بڑھیا بانجھ (کے اولاد) **ف۱۷**

قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۰﴾

وہ بولے کہ آپ کے پروردگار نے ایسا ہی فرمایا ہے، اور کچھ شک نہیں کہ وہ بڑا حکمت والا ہے، بڑا علم والا ہے **ف۱۸**

ع ۲۳/۱۸ — وقف لازم

ف۱۱ یعنی قیامت کا۔ وَفِی السَّمَآءِ۔ یعنی لوح محفوظ میں۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوا کہ رزق مقدر کا اور قیامت کا سب کا علم لوح محفوظ میں مندرج ہے۔ لیکن عام طور پر مفسرین نے معنی یہ لیے ہیں کہ اسباب رزق (مثلاً بارش) وغیرہ کا اصل نزول آسمان ہی سے ہوتا ہے۔ **ف۱۲** یعنی جس طرح تم اپنی بات چیت میں کبھی شک و شبہ نہیں کرتے، وقوع قیامت کو بھی یقینی اور قطعی سمجھو۔ اِنَّهٗ۔ یعنی یہی وقوعِ قیامت و جزاء و سزا۔ ای ان ماوعدتم به من امر القیامة، البعث والجزاء کائن لا محالة و هو حق لامریة فیه (ابن کثیر) یا یہ کہ اُوپر جو کچھ مذکور ہو چکا ہے۔ سب کی طرف یہ ضمیر اشارہ کر رہی ہے اور تابعی ابن جریج سے یہی منقول ہے۔ عن ابن جریج ان جمیع ماذکرناه من اول السورة الی هنا الحق (روح) **ف۱۳** حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قصہ مع حواشی متعلقہ کے پیشتر بھی گزر چکا ہے۔ الْمُكْرَمِیْنَ۔ فرشتے عنداللہ تو مکرم و معزز ہیں ہی، بحیثیت مہمان کے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظر میں بھی معزز تھے۔ ای مکرمین عنداللہ او عند ابراهیم (بیضاوی) ای عنداللہ عزوجل کما قال الحسن او عندابراهیم کما فی بعض الأثار (روح) و انما وصفهم بالمکرمین اما لکونهم عبادًا مکرمین واما لا کرام ابراهیم علیه السلام ایاهم (کبیر) حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ۔ امام احمد بن حنبل اور بعض فقہاء نے آیت سے مہمانداری کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ وقد ذهب الامام احمد و طائفة من العلماء الی وجوب الضیافة للنزیل و قدوردت السنة بذالک کما هو ظاهر التنزیل (ابن کثیر) **ف۱۴** (ابراہیم علیہ السلام کی نظر میں) یعنی آپ نے انہیں پہچانا نہیں، محض اجنبی مہمان سمجھ کر اُن سے صاحب سلامت کی۔ یہ فرشتے انسانی لباس میں تھے۔ ملاحظہ ہوں سورۂ ہود (پ ۱۲) کے حاشیے۔ **ف۱۵** فرشتے جو انسانی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان تھے۔ انہوں نے آپ کے اصرار کے بعد بھی آپ کے پیش کیے ہوئے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ۔ آپ نے ان تازہ وارد مہمانوں کو دیکھتے ہی ایک خوب تیار تلے ہوئے یا پکے ہوئے بچھڑے سے اُن کی میزبانی کی۔ **ف۱۶** یعنی اسحٰق نبی کی۔ فرشتوں نے پہلے تو آپ کو تشفی دی کہ آپ ہم سے بدگمان و خائف نہ ہوں، ہم انسان نہیں، فرشتے انسانی قالب میں ہیں، پھر اس کے بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی۔ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ۔ مخلوق میں سب سے زیادہ علم انبیاء علیہم السلام کو ہوتا ہے، عجب نہیں جو یہاں صفت علم کا انتساب نبی کی جانب اسی لحاظ سے کیا ہو۔ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً۔ آپ کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں یہ لوگ قزاق و رہزن تو نہیں —— اُس دورِ تمدن میں ایک دستور یہ تھا کہ قزاق یا رہزن جس کسی پر غارتگری کرنا چاہتے تھے، اُس کا نمک کھانے سے احتراز رکھتے تھے۔ **ف۱۷** یہ آپ نے کمال تعجب سے فرمایا کہ ایک تو میں بوڑھی اور پھر عقیم، میرے اولاد ہونے کی کیا صورت ہے؟ فَاَقْبَلَتِ ...... صَرَّةٍ۔ حضرت سارہ جواب تک پردہ کی آڑ میں تھیں۔ یہ سن کر یک بیک سامنے آگئی تھیں۔ **ف۱۸** فرشتوں نے جب دیکھا کہ حضرت سارہ پر عالم اسباب ہی کی رعایت غالب ہے۔ تو جھٹ یہ یاد دلا دیا کہ یہ فرمان تو حضرت حق کے ہاں سے جاری ہو چکا ہے —— وہی حضرت حق، جن کی حکمت اور جن کا علم ہر مخلوق کی حکمت اور علم پر غالب ہے —— خاندانِ نبوت کے ایک رکن کے لیے یہ استحضار کافی سے زائد اور ہر دلیل سے قوی تر تھا۔

الحمدللہ کہ اس چھبیسویں پارہ کے ترجمہ و تفسیر کی نظر ثانی سے یوم شنبہ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ مطابق ۹ دسمبر ۱۹۴۷ء کو قبل عصر فراغت پائی اور نظر ثالث سے آج یکشنبہ ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۱ جون ۱۹۵۰ء کو بعد نماز چاشت۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ

(ابراہیم نے) کہا (اچھا) تمہیں کیا بڑی مہم درپیش ہے (اے آسمانی) قاصدو، ف۱۹ وہ بولے کہ ہم

اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً

ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر کھنگر کے پتھر برسائیں جن پر

مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾

آپ کے پروردگار کے پاس نشان خاص بھی پڑے ہوئے ہیں، حد سے نکل جانے والوں کے لئے،

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا

تو ہم نے جتنے اہل ایمان تھے اُن کو وہاں سے الگ کر دیا، سو ہم نے وہاں

وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا

بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے (کوئی گھر مسلمانوں کا) نہ پایا، ف۲۰ اور ہم نے

فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾ وَفِيْ

اس (واقعہ) میں ایک نشانی اُن لوگوں کے لئے رہنے دی جو عذاب دردناک سے ڈرتے رہتے ہیں ف۲۱ اور

مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

موسیٰ (کے قصہ) میں بھی (نشانی ہے) جب کہ ہم نے انہیں فرعون کے پاس بھیجا، ایک کھلی ہوئی دلیل دے کر ف۲۲

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ

لیکن اُس نے اپنی قوت (کے زعم) میں سرتابی کی اور کہنے لگا یہ ساحر یا مجنون ہیں، سو ہم نے اُس کو

وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ عَادٍ

اور اس کے لشکر کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا اور وہ تھا ہی قابل ملامت ف۲۳ اور عاد (کے قصہ میں بھی عبرت ہے)

اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ

جب کہ ہم نے اُن پر نامبارک آندھی بھیجی جس چیز پر بھی

ف۱۹ آپ نے فراست نبوت سے سمجھ لیا تھا کہ یقیناً کسی اور اہم مقصد کے لئے یہ ملائکہ کی سفارت روانہ ہوئی ہے۔ سورۂ ہود میں فرشتوں کا یہ قول مکالمۂ حضرت سارہ کے قبل مذکور ہے۔ اور یہاں بعد مکالمہ کے مذکور ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ قول مکالمۂ سارہ سے قبل ہی ادا ہوا ہے۔ اور چونکہ یہاں کوئی حرف ترتیب کا نہیں۔ اس لئے ترتیب ذکری سے ترتیب وقوعی پر استدلال نہ کیا جائے گا۔ اور دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) خطب۔ اس اہم مقصد کو کہتے ہیں جس میں تخاطب کی ضرورت کثرت سے ہوتی ہے۔ الخطب الامر العظيم الذی يكثر فيه التخاطب (راغب) اور یہاں تو فرشتے ہی اس مشن کے حامل خصوصی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس لئے قدرۃً ابراہیم خلیل پیغمبر کو اس سفارت کی عظمت کا خیال پیدا ہوا۔ واما الخطب فهو الامر العظيم عظم الشان يدل على عظم من على يده ينقضی (کبیر) ف۲۰ (اور وہ ایک گھر حضرت لوط پیمبر ہی کا تھا) قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ۔ ذکر حضرت لوط علیہ السلام کی بے دین و بدعمل قوم کا ہے...... مفصل حاشیے کئی بار گزر چکے۔ فَاَخْرَجْنَا...... الْمُسْلِمِيْنَ۔ اس بستی بھر میں کوئی دوسرا شریف و مومن بجز حضرت لوط پیمبر کے گھرانے کے اور تھا ہی نہیں۔ حضرت لوط حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہما السلام) کے بھتیجے تھے، اور شرق اردن میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ لِنُرْسِلَ...... لِلْمُسْرِفِيْنَ۔ اس شامت زدہ قوم کی ہلاکت آسمانی پتھراؤ سے ہوئی تھی۔ الْمُسْلِمِيْنَ۔ ابھی ابھی ان کے لئے لفظ المومنین کا آ چکا تھا۔ بعض مفسرین نے اس سے استدلال یہ کیا ہے کہ اسلام (باصطلاح شرعی) اور ایمان باہم مرادف ہیں۔ فيه دليل على ان الايمان والاسلام واحد (مدارک) واستدل بالاٰية على اتحاد الايمان والاسلام للاستثناء المعنوی (روح) لیکن امام رازی علیہ الرحمۃ کا فرمانا یہ ہے کہ لفظ مسلم مومن سے عام تر ہے اور لفظ عام کا خاص پر برابر اطلاق ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس سے دونوں کا اتحاد مفہوم لازم نہیں آتا اور اس کی تائید مفسرین محققین اہل سنت نے بھی کی ہے۔ والدلالة على ان المسلم بمعنى المؤمن ظاهرة والحق ان المسلم اعم من المؤمن واطلاق العام على الخاص لا مانع منه فاذا سمی المؤمن مسلمًا لايدل على اتحاد مفهومهما (کبیر) فالاستدلال بها على اتحاد همافيه ضعيف (روح) وقال الرمانی الاٰية تدل على ان الايمان هو الاسلام وكذا قال الزمخشری وهما معتزليان (بحر) واستدل به على اتحاد الايمان والاسلام وهو ضعيف لان ذٰلک لا يقتضی الاصدق المؤمن والمسلم على من اتبعه وذٰلک لا يقتضی اتحاد مفهومهما لجواز صدق المفهومات المختلفة على ذات واحدة (بيضاوی) وهٰذا الاستدلال ضعيف لان هٰؤلآء كانوا قومًا مؤمنين وعند نا ان كل مؤمنٍ مسلمٌ ولا ينعكس فاتفق الايمان ههنا لخصوصية الحال ولا يلزم ذٰلک فی كل حال (ابن کثیر) ف۲۱ (چنانچہ عذاب الٰہی سے خوف کھانے والے آج تک اس قوم کی داستانِ ہلاکت سے عبرت و نصیحت حاصل کرتے رہتے ہیں) بحر مردہ یا بحر لوط، اور آس پاس شہر سدوم کے کھنڈر آج تک ہر صاحب دل کو داستانِ عبرت سنا رہے ہیں۔ ف۲۲ یعنی معجزات صریح و واضح دے کر۔ سلطان کا اطلاق واحد و جمع دونوں پر آتا ہے۔ هو ما ظهر على يديه من المعجزات الباهرة والسلطان يطلق على ذٰلک مع شموله للواحد والمتعدد لانهٗ فی الاصل مصدر (روح) ف۲۳ (اور مستحق عذاب) بِرُكْنِهٖ۔ اپنی قوت یا اپنے ساز و سامان کے زعم و پندار میں۔ رکن کے معنی قوت یا ساز و سامان کے بھی آتے ہیں۔ اور اس ترکیب کو مان کر ب باء تعدیہ ہوگی۔ يستعار للقوة (راغب) قيل بقوته و سلطانه (بحر) والركن ما يركن اليه الانسان من مال و جند (مدارک) ''اپنے زور پر'' (شاہ عبدالقادر علیہ الرحمۃ دہلوی)۔ والباء للتعدية حينئذٍ بمعنى فقوى بجنده (کبیر) رکن کے معنی قوم کے بھی لیے گئے ہیں۔ اس صورت میں ب باء مصاحبۃ ہوگی، اور ترجمہ ہوگا، ''مع اپنی قوم کے''۔ الباء للمصاحبة والركن اشارة للقوم (کبیر) وَهُوَ مُلِيْمٌ۔ یعنی یہ سزائے غرقابی اُس کے حق میں ظلم ذرا سی بھی نہ تھی۔ مُلِيْمٌ۔ اسم فاعل یہاں اسم مفعول یعنی ملوم مستحق ملامت کے معنی میں ہے۔ الام ای استحق اللوم (راغب) هو مليم ای هو ملوم (ابن کثیر) امام رازی علیہ الرحمۃ نے یہاں قرآن مجید کی دوسری آیت نقل کر کے جس میں یہی لفظ وَهُوَ مُلِيْمٌ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق بطن حوت سے نجات کے سلسلہ میں آیا ہے۔ استنباط یہ کیا ہے کہ مومن کا گناہ تو ظہور یاس کے وقت مغفور رہتا ہے۔ لیکن کافر کا ایمان غیر مقبول۔ فذنب المؤمن وقت ظهور الياس مغفور و ايمان الكافر غير مقبول (کبیر) اَوْ۔ کلمہ او ہمیشہ شک و اشتباہ ہی کے موقع پر نہیں آتا۔ ابہام کے لیے بھی لایا جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اسی مفہوم میں آیا ہے۔ ابوعبید لغوی و نحوی کا قول نقل ہوا ہے کہ یہاں او واؤ علت کا مرادف ہے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دونوں باتیں کہی تھیں۔

شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ ۝۴۲ وَ فِیْ ثَمُوْدَ

گزرتی تھی اُسے ایسا کر چھوڑتی تھی جیسے کوئی چیز گل کر ریزہ ریزہ ہو جائے، و۲۴ اور ثمود (کے قصہ میں بھی

اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰی حِیْنٍ ۝۴۳ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ

عبرت ہے) جبکہ ان لوگوں سے کہا گیا کہ کچھ دن اور چین کر لو، پر انہوں نے اپنے پروردگار کے

رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ یَنْظُرُوْنَ ۝۴۴ فَمَا

حکم سے سرکشی کی، سو انہیں عذاب نے آ لیا اس حال میں کہ وہ دیکھ رہے تھے و۲۵ سو نہ تو

اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِیَامٍ وَّ مَا كَانُوْا مُنْتَصِرِیْنَ ۝۴۵

وہ کھڑے ہی ہو سکے اور نہ (ہم سے) بدلہ ہی لے سکے

وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝۴۶

اور (ان سے) بہت پہلے قوم نوح (کا بھی یہی حال ہو چکا تھا) وہ بڑے نافرمان لوگ تھے

وَ السَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝۴۷ وَ الْاَرْضَ

اور ہم نے آسمان کو دستِ قدرت سے بنایا اور ہم وسیع القدرت ہیں و۲۶ اور زمین کو

فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝۴۸ وَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ

ہم نے فرش بنایا و۲۷ سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو

خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۴۹ فَفِرُّوْٓا اِلَی

دو دو قسم کی بنایا تاکہ تم سمجھو و۲۸ بس تم اللہ ہی کی طرف

اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۵۰ وَ لَا تَجْعَلُوْا

دوڑو، میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں و۲۹ اور اللہ کے ساتھ

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۵۱

کوئی اور معبود مت قرار دو میں تمہارے لئے اُس کی طرف سے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں و۳۰

ع ۲

و۲۴ (اور یہی اُس آندھی کا نامبارک ہونا تھا) طوفان باد قوم عاد پر اس غضب کا آیا تھا کہ اُس سے وہاں کی ہر قابل اہلاک چیز کی ہلاکت کامل واقع ہوگئی تھی — قوم عاد اور حضرت ہود علیہ السلام پر حاشیے کئی بار گزر چکے ہیں۔ و۲۵ قوم ثمود۔ حضرت صالح علیہ السلام کی سرگذشت کئی بار قرآن مجید میں آچکی ہے اور حاشیے وہیں گزر چکے ہیں۔ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ۔ اس قول کے قائل پیمبر وقت حضرت صالح علیہ السلام تھے۔ تَمَتَّعُوْا حَتّٰی حِیْنٍ۔ یعنی اگر کفر و سرتابی سے باز نہ آئے تو یہ دنیوی عروج و اقبال چند ہی روز کا مہمان ہے اور اس کے بعد پھر ہلاکت ہی ہلاکت۔ و۲۶ (سو کسی مذہب والے کا حق تعالیٰ کی صفت قدرت کو محدود جاننا حد درجہ نادانی و جہل ہے) بِاَیْىدٍ۔ ید۔ کے معنی قوت کے ہیں۔ قرآن مجید ہی میں متعدد بار اسی معنی میں آیا ہے۔ مثلاً اولی الایدی والابصار۔ واذکر عبدنا داود ذاالاید۔ چنانچہ یہاں بھی یہی معنی بلا تکلف ہیں۔ قال ابن عباس ومجاهد وقتادة بقوة (روح) والاید القوة هذا هوالمشهور (کبیر) ای بقوة قاله ابن عباس ومجاهد وقتادة والثوری وغير واحد (ابن کثیر) آیت سے مسائل ذیل بھی روشنی میں آگئے، اور ہر ہر مسئلہ کے اثبات کے ساتھ ساتھ اس کے مقابل جاہلی مشرکانہ خیال کی تردید بھی ہوگئی:۔ (۱) آسمان ساری دوسری مخلوقات کی طرح حادث و مخلوق ہی ہے، قدیم و غیر مخلوق نہیں۔ (۲) آسمان نہ دیوتا ہے نہ کسی دیوی دیوتا کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اللہ ہی کا خلق کیا ہوا ہے۔ (۳) حق تعالیٰ کی قدرت تخلیق آسمان کی تخلیق سے بھی بڑھ کر چیزوں پر قادر ہے۔ و۲۷ زمین کی اصل ہیئت، علماء ہیئت کی تحقیق میں گروی، بیضوی، جیسی کچھ بھی ہو، یہاں اس سے مطلق تعرض نہیں۔ انسان بہرحال و بہر صورت اس کی سطح پر چلنے پھرنے کا کام لیتا ہے اور اس کے اسی وصف کو یہاں بیان کیا، ملاحظہ ہو سورۃ البقرۃ (پ ۱) آیۃ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا پر حاشیہ، زمین نہ خود کوئی دیوی دیوتا ہے نہ کسی دیوی دیوتا کی مخلوق جیسا کہ بہت سی مشرک قوموں نے سمجھ رکھا ہے بلکہ ساری دوسری مخلوقات کی طرح اللہ ہی کی ایک مخلوق۔ و۲۸ (اور غور و فکر سے کام لے کر اس حکمت و صناعی سے استدلال توحید پر کرو)۔ زَوْجَیْنِ سے یہاں مراد متقابل کی چیزیں ہیں۔ مثلاً گرمی سردی، جوہر عرض، آسمان زمین، پستی بلندی، بڑی چھوٹی، الٹی سیدھی، وحدت کثرت، نور ظلمت وقس علیٰ ہذا۔ کائنات بھری پڑی ہے ایسی ہی اضداد یا متقابلات سے۔ و۲۹ (اور میری ساری تنبیہوں کا خلاصہ بس یہی ہے کہ شرک والحاد چھوڑ کر توحید کی راہ پر قائم ہو جاؤ) فَفِرُّوْٓا۔ ف تعقیب کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اتنی مشرک گمراہ قوموں کے تذکرے اور اللہ کی قدرت کاملہ کا بیان سن لینے کے بعد اب تو سارے عالم سے بھاگ کر اللہ کے ہو جاؤ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لفظ فرار سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ توجہ الی اللہ خوب شوق کے ساتھ ہونا چاہیے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلا موقع توحید کے ایجابی و اثباتی پہلو پر زور دینے کا ہے اور دوسرا سلبی و منفی پہلو کی اہمیت کے اظہار کا۔ و۳۰ (اور میری تبلیغ اور تاکید یہی ہے کہ شرک کے ہر پہلو سے دستبردار ہو جاؤ) اِنِّیْ ...... مُّبِیْنٌ۔ آیت کی تکرار تاکید کلام کے لئے ہے۔ جوشِ بیان کے وقت تکرار کلام ہر خطیب و انشاء پرداز کی زبان پر آجاتی ہے اور اثبات توحید سے بڑھ کر اور کونسا موقع جوشِ بیان کا قرآن مجید کے لئے ہو سکتا ہے۔ تكرير للتاكيد (بیضاوی) لیکن شاید زیادہ مناسب ہو اگر یہ کہا جائے کہ آیت ماقبل میں یہ جملہ توحید کے ایجابی و اثباتی پہلو پر زور دینے کے لئے تھا اور اب جو اس کی تکرار ہوئی ہے وہ سلبی و منفی پہلو کی اہمیت کے اظہار کے لئے ہے۔ وكرراني لكم منه نذير مبين عند الامر بالطاعة والنهي عن الشرک (روح)

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ

اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں اُن کے پاس کوئی پیمبر ایسا نہیں آیا

اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ

جسے انہوں نے ساحر یا مجنون نہ کہا ہو، کیا اس بات کی ایک دوسرے کو ریت کرتے آئے ہیں؟ نہیں بلکہ

هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ

یہ لوگ (سب کے سب) ہوئے ہی سرکش ہیں و۳۱ تو آپ اُن کی طرف التفات نہ کیجئے کیونکہ آپ پر

بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

کوئی الزام نہیں، اور (انہیں) سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا نفع دیتا ہے ایمان والوں کو و۳۲

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ

اور میں نے تو جنات اور انسان کو پیدا ہی اسی غرض سے کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں و۳۳ میں

اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾

اُن سے نہ روزی چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھلایا کریں

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ

اللہ تو خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا ہے و۳۴ قوت والا ہے مضبوط ہے و۳۵ سو جو

لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ

یہ ظالم لوگ ہیں اُن کی بھی باری ہے جیسے ان کے ہم مشربوں کی باری تھی،

فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

سو یہ لوگ مجھ سے جلدی طلب و۳۶ نہ کریں غرض ان کافروں کے لئے اُس دن کے آنے سے

يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

بڑی خرابی ہے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے

و۳۱ یہاں خطیبانہ انداز میں پہلے تو سوال قائم کیا ہے کہ جس تسلسل وتواتر کے ساتھ شروع سے اب تک انبیاء کرام کی مخالفت ہوتی آئی ہے۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اب تک پہلی نسل اپنی پچھلی نسل کو اس کی وصیت ہی کرتی چلی آئی ہے، تو کیا ایسا ہی ہے؟ اور پھر جواب دیا ہے کہ نہیں، ایسا نہیں، بلکہ طغیان وسرکشی سب میں مشترک رہی ہے اور وہی تکذیب وانکار کی محرک رہتی ہے۔ اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ مراد ظاہر ہے کہ پرانی کافر قومیں ہیں۔ كَذٰلِكَ...... مَجْنُوْنٌ۔ پوری آیت میں تسکین وتسلی ہے رسول اللہ ﷺ کے لئے۔ آپ سے قبل ہر نبی کے ساتھ یہی معاملہ تکذیب وانکار کا پیش آچکا ہے اور اسے ساحر ومجنون کے خطاب مل چکے ہیں۔ و۳۲ (اور منکروں پر اتمام حجت کرتا رہتا ہے) گویا تذکیر وتبلیغ نافع بہر حال، بہر صورت ہے، کوئی ایمان لائے یا نہ لائے۔ فَتَوَلَّ...... بِمَلُوْمٍ۔ یعنی آپ ان کی مخالفت کی پروا اور غم زیادہ نہ کیجئے۔ آپ کے فرائض میں یہ تو کہیں سے داخل نہیں کہ آپ انہیں ایمان لانے پر مجبور ہی کریں۔ و۳۳ عبادت۔ سے یہاں مراد فقہ کی کتاب العبادات والی عبادت پنجگانہ مراد نہیں، بلکہ اپنے وسیع وعام مفہوم میں طلب رضاء الٰہی کے مرادف مراد ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ساری عبادتوں کا خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک امر الٰہی کی تعظیم، دوسرے خلق اللہ پر شفقت...... دوسرے لفظوں میں حقوق اللہ کی ادائی، حقوق العباد کی ادائی۔ ما العبادة التی خلق الجن والانس لها قلنا التعظیم لامر الله والشفقة علٰی خلق الله فان هٰذین النوعین لم یخل شرع منهما (کبیر) اَلْجِنَّ وَالْاِنْسَ۔ مخلوقات میں یہ دو قسمیں ایسی ہیں جن میں خالق نے پورا احساس ذمہ داری رکھ دیا ہے۔ اور ان کے اندر ابتلاء واختیار دونوں کی صلاحیتیں جمع کردی ہیں۔ بخلاف فرشتوں کے جو ابتلاء سے خالی رکھے گئے ہیں۔ اور بخلاف حیوانات کے جنہیں اختیار کی پوری قوت نہیں دی گئی ہے۔ پوری طرح پر ذمہ دار ہستیاں بنا کر یہی دو مخلوق دنیا میں بھیجی گئی ہیں۔ ان کی اپنی تکمیل ذات کے لئے یہ لازمی ہے کہ یہ جو کچھ بھی کریں عبادت ہی کی راہ سے کریں۔ کھائیں پئیں، بولیں چالیں، چلیں، پھریں، کمائیں، خرچ کریں، ہر فعل ہر عمل سے مقصود اصلی رضاء الٰہی کا حصول ہی رکھیں۔ اپنے وجود کی علت غائی اسی کو سمجھیں، یہی معنٰی ہیں ان کی عبادت کے۔ عبدیت وعبادت سے خود انسانیت ہی کو پورے نشوونما کا موقع ملتا ہے۔ اور جتنی اس میں کمی رہ جائے گی، اسی نسبت سے انسان کا منشائے تکمیل ناتمام رہے گا۔ لِيَعْبُدُوْنِ۔ ل تعلیل کا ہے۔ لیکن مقصود تخلیق سے اشارہ غرض وغایت تشریعی کی جانب کرنا ہے، نہ کہ مقصد تکوینی کی جانب۔ و۳۴ (نہ یہ کہ کوئی اسے کھلائے پلائے، کوئی اس کا سہارا بن جائے) عبد ومعبود، بندہ وخالق کے باہمی تعلق کے باب میں یہ عقیدہ مشرک قوموں میں کثرت سے شائع رہا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ خدا کا کام یہ ہے کہ بندوں کو روزی دے، ان کے لئے پانی برسائے، ان پر ہوا چلائے، انہیں روشنی دے، گرمی پہنچائے، اور بندوں کا کام یہ ہے کہ اس کے آگے نذرانہ پیش کرتے رہیں، اس کے سامنے بھینٹ چڑھاتے رہیں۔ اس کے استھانوں پر چڑھاوے چڑھاویں، وہ بھوکا ہو تو یہ اسے کھانے پینے کو دیں وقس علٰی ہٰذا۔ قرآن نے آکر اس نظریۂ شرک پر ضرب لگائی اور توحید کا نعرہ لگا کر کہا کہ یہ کیا واہیات خرافات ہے۔ اللہ کی ذات پاک ہر قسم کی حاجت سے بری ہے۔ وہ کسی معنی میں بھی کسی کا محتاج نہیں، وہ غنی کامل ہے۔ اس نے جو تمہیں عبادت کا حکم دیا ہے۔ وہ خود تمہاری ہی تکمیل کے لئے ہے ورنہ اسے کسی رزق کی کیا حاجت ہے۔ اس کے متعلق ایسا گمان رکھنا اسے خدائی کے مرتبہ سے نعوذ باللہ معزول کردینا ہے۔ مشرک جاہلی قوموں کے عقائد باطلہ کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ و۳۵ (اور اس میں عجز، ضعف اور اور کسی قسم کی احتیاج کا احتمال عقلی ہی نہیں) ان تمام صفاتِ الٰہیہ کا اثبات مشرک، جاہلی قوموں کے عقائد باطلہ کی تردید میں ہے۔ و۳۶ (وہ عذاب موعود) یعنی عذاب الٰہی تو اپنے وقت پر حکمت الٰہی کے موافق اور مصلحت ربانی کے ماتحت ہی آکر رہے گا۔ کسی کے جلدی مچانے سے کیا ہوتا ہے۔ اِنَّ...... ذَنُوْبًا۔ یعنی علم الٰہی میں ان منکرین ومکذبین کے عذاب کے لئے بھی ایک وقت مقرر وموعود ہے۔ یہ لوگ اسے سن رکھیں۔ مِثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ۔ اس میں اس اصولی حقیقت کا بیان آگیا کہ گناہوں میں مماثلت سزا میں بھی مماثلت کی مقتضی ہے۔ اَصْحٰبِهِمْ۔ مراد گذشتہ پر قوت قومیں ہیں، جو اسی انکار وکفر کی پاداش میں ہلاک ہوچکی ہیں۔ نظرائهم فی الامم السالفة (بیضاوی، روح) اصحابهم الذین اهلكوا من قوم نوح وعاد وثمود (معالم)

اٰیاتھا ۴۹ ۵۲ سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ ۷۶ رکوعاتھا ۲

اس کی انچاس آیتیں سورۂ طور مکہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالطُّوْرِ ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿۳﴾

قسم ہے پہاڑ کی اور اس کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے کھلے کاغذ میں

وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ﴿۴﴾ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ﴿۵﴾ وَالْبَحْرِ

اور بیت معمور کی اور اونچی چھت کی اور پانی سے

الْمَسْجُوْرِ ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنْ

لبریز سمندر کی کہ بے شک آپ کے پروردگار کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا ف۱ کوئی بھی اُسے ٹال

دَافِعٍ ﴿۸﴾ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴿۹﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ

نہیں سکتا، (یہ اُس روز ہو گا) جس روز آسمان تھرتھرانے لگے گا اور پہاڑ پھٹ پھٹ

سَيْرًا ﴿۱۰﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ

جائیں گے ف۲ سو بڑی شامت اُس روز جھٹلانے والوں کی ہے جو بیہودگی کے ساتھ

فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ

مشغلہ (تکذیب) میں لگے ہوئے ہیں یہ وہ دن ہو گا جب انہیں ڈھکیل ڈھکیل کر آتش دوزخ کی طرف

دَعًّا ﴿۱۳﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾

لائیں گے، یہ وہی دوزخ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے،

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِصْلَوْهَا

تو کیا یہ بھی سحر ہے یا تمہیں نظر نہیں آتا؟ ف۳ (اب) اس میں داخل ہو،

وقف لازم

ف۱ یعنی یہ سارا نظامِ کائنات، سارا کارخانۂ فطرت بزبانِ حال گواہ ہے کہ جزائے اعمال ضرور مل کر رہے گی اور اسی جزائے عمل کے مکان وزمان کا نام حشر یا قیامت ہے۔ وَالطُّوْرِ۔ یعنی پہاڑ گواہ ہیں جو آج اپنی جگہ پر اتنے مضبوط ومستحکم نظر آرہے ہیں۔ الطور۔ سے مراد جزیرہ نمائے سینا کا کوہ طور بھی ہوسکتا ہے، چنانچہ متعدد مفسرین اسی طرف گئے ہیں۔ لیکن لغت میں طور کا مفہوم عام ہے۔ یعنی مطلق پہاڑ اور وہی سیاق کے زیادہ مناسب ہے۔ قیل اسم لکل جبل (راغب) اسم لکل جبل علی ما قیل فی اللغة العربیة عند الجمهور (روح) الطور الجبل بالسریانیة اوماطار من اوج الایجاد الی حضیض المواد (بیضاوی) هو اسم الجنس (کبیر) وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ۔ یعنی نامۂ اعمال کا وجود گواہ ہے جس میں سارے ہی اعمال محفوظ ومندرج رہتے ہیں۔ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ۔ فرشتوں کا عبادت خانہ ساتویں آسمان پر گواہ ہے جس کے عین محاذ میں زمین پر خانہ کعبہ واقع ہے۔ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ۔ یعنی آسمان گواہ ہے۔ والطور سے لے کر والبحر تک و پانچ بار آیا ہے۔ ان میں سے واو اول قسم کا ہے۔ اور باقی و عطف کے ہیں۔ الوا والاولی للقسم والبواقی للعطف (مدارک) ف۲ یعنی ایسی چیزیں جو وسعت، شان، صلابت و پائیداری میں آج اپنی نظیر آپ ہی سمجھی جاتی ہیں سب اپنے صفات وسعت وثبات وصلابت وغیرہ سے معرّیٰ ہو کر سامنے آجائیں گی۔ مِنْ دَافِعٍ۔ من زائدہ تاکید کے لئے ہے۔ یعنی کوئی سی بھی چیز اسے ٹال نہیں سکتی۔ من مزیدة للتاکید (روح) ف۳ ملامت مزید کے طور پر اہل دوزخ کو قائل کیا جائے گا کہ دنیا میں تو دوزخ کے بیان کو خوب جھٹلاتے اور سحر پر محمول کرتے رہے۔ اب کہو، اب مشاہدہ کے بعد بھی اس کے سحر ہی ہونے کے قائل ہو یا یہ ہے کہ دنیا کی طرح یہاں بھی، یہ تمہیں نظر نہیں آرہا ہے؟ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ۔ اس میں اشارہ اس حقیقت کی طرف بھی آگیا کہ یہ منکرین ومکذبین اب بھی ان حقائق ومسائل پر اس سنجیدگی سے غور وفکر نہیں کرتے جو ان حقائق کی اہمیت کی متقاضی ہے بلکہ بے فکری، بے غوری، بے خیالی کے ساتھ ان پر سے یوں ہی سرسری گذرتے چلے جاتے ہیں۔

فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ

پھر خواہ اس پر صبر کرنا یا نہ کرنا تمہارے حق میں (سب) برابر ہے تم کو وہی بدلہ تو دیا جا رہا ہے

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۶ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ

جیسا کہ تم کیا کرتے تھے ف۴ بے شک متقی لوگ باغوں اور سامان عیش میں

وَّنَعِيْمٍ ۝۱۷ۙ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ

ہوں گے خوش ہو رہے ہوں گے اس سے جو کچھ کہ اُن کے پروردگار نے انہیں دیا ہوگا، اور اُن کا پروردگار انہیں

عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۱۸ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْۗـــًٔا بِمَا كُنْتُمْ

عذاب دوزخ سے محفوظ رکھے گا خوب (مزے سے) کھاؤ پیو اُن (نیکیوں) کے بدلہ میں جو

تَعْمَلُوْنَ ۝۱۹ۙ مُتَّكِـــِٕيْنَ عَلٰي سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ

تم کرتے رہے ہو، تکیہ لگائے ہوں گے برابر بچھے ہوئے تختوں پر، اور ہم اُن کی تزویج کر دیں گے گوری گوری

بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝۲۰ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّــتُهُمْ

بڑی بڑی آنکھ والیوں کے ساتھ ف۵ اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے بھی ایمان میں

بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ

ان کا ساتھ دیا ہم ان کے ساتھ اُن کی اولاد کو بھی شامل کر دیں گے اور ہم ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہ

عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِیٴٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝۲۱

ہونے دیں گے ف۶ ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس رہے گا ف۷

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝۲۲

اور ہم انہیں میوے اور گوشت جیسے بھی مرغوب ہوں گے روز افزوں دیتے رہیں گے،

يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ۝۲۳

ہاں آپس میں جام (شراب) پر چھینا جھپٹی بھی کریں گے کہ اس (شراب) میں نہ بک بک لگے گی اور نہ اور کوئی بیہودہ بات، ف۸

ف۴ یعنی تمہارا جرم تو کفر ہے...... اللہ کے کمالاتِ غیر متناہی کا کفران...... سو تمہارے لئے سزا بھی دوزخ میں خلود کی ہے۔ اِنَّمَا...... تَعْمَلُوْنَ۔ انما کلمۂ حصر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہیں بس اتنا ہی عذاب تو ہو رہا ہے، جس کے تم مستحق ہو گئے تھے۔ اس سے زائد سزا تو نہیں مل رہی ہے۔ فَاصْبِرُوْا...... عَلَيْكُمْ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ تمہاری ہائے واویلا سے تمہیں نجات ہو جائے، اور نہ یہی ہوگا کہ تمہارے سکوت وانقیاد سے تم پر ترحم کیا جائے (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف۵ غرض یہ کہ وہ سارے مادی عیش اور لذائذ جو دنیا میں ممکن تھے سب جنت میں بھی انہیں نصیب ہوں گے۔ یہ نہ ہوگا کہ جنت میں ان کا کوئی انعام کسی قسم کا کٹ بھی جائے۔ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ۔ ان تصریحات سے قرآن مجید کے دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ نہ عمل تزویج میں کوئی امر شرمناک ہے، اور نہ گوری گوری بڑی آنکھوں والیوں کے حسن کا ذکر اپنے جائز محل پر قابل ملامت ہے جیسا کہ بعض جدید فرقوں نے مسیحیت یا بدھ ازم کے اثر سے سمجھ لیا ہے۔ ف۶ یعنی اس کی صورت یہ نہ ہوگی کہ متقی اسلاف کے اعمال میں سے کچھ کم کر کے انہیں اور ان کی پست عمل اولاد کو ایک درجہ میں رکھ دیا جائے۔ ذُرِّيَّتُهُمْ۔ ذریت۔ کے لفظ میں گنجائش ہے۔ علاوہ صلبی اولاد کے دوسرے اعزہ واقربا، احباب ومسترشدین بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ اور حدیث میں تو ذریت کا عطف ہی لفظ ولد پر ہے۔ جس سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ ذریت سے یہاں مراد مطلق توابع ہیں۔ وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ۔ مراد ایسی ذریت ہے جو صاحب ایمان تو اپنے اسلاف ہی کی طرح ہو، البتہ اعمال میں اتباع شریعت میں ان سے بہت پیچھے ہو۔ بِاِيْمَانٍ۔ اس ایمان کی قید سے فقہاء مفسرین نے یہ نکالا ہے کہ یہاں ذکر بالغ اولاد کا ہے جو اپنے ارادہ سے ایمان لائے، اس لئے کہ بچے تو بہرحال اپنے والدین کے حکم میں رکھے ہی جائیں گے۔ یعنی اولادھم الصغار و الکبار فالکبار بایمانھم انفسھم والصغار بایمان اٰبائھم فان الولد الصغیر یحکم باسلامہ تبعًا لا حد الابوین (معالم) بِاِيْمَانٍ۔ صیغۂ نکرہ تنوین کے ساتھ یا تو تکریم ایمان کے لیے ہے، اور یا اس اظہار کے لیے کہ درجہ آباء سے مقبولین تک پہنچا دینے کے لیے نفس ایمان میں اتباع کافی ہے۔ و تنکیرہ للتعظیم او الاشعار بانہ یکفی للالحاق المتابعۃ فی اصل الایمان (بیضاوی) اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔ یہ اُن اسلاف مقبولین کے اکرام اور ازدیاد لطف وسرور کے لیے ہوگا کہ اُن کی ذریات کو بھی باوجود اُن کے درجہ عمل کی پستی کے اُن کے ساتھ ملحق اور ہم مرتبہ کر دیا جائے گا۔ مِنْ عَمَلِهِمْ۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آیت میں بجائے من اجرھم کے من عملھم کے لانے میں نکتہ یہ ہے کہ اُن لوگوں کا عمل تو جوں کا توں رہے گا اور اس پر بہت زیادہ اجر ملتا رہے گا۔ من اجرھم کے لانے سے یہ زیادتیٔ اجر والی بات نہ پیدا ہوتی۔ دلیلٌ علی بقاء عملھم کما کان والاجر علی العمل مع الزیادۃ فیکون فیہ الاشارۃ الی بقاء العمل الذی لہ الاجر الکبیر الزائد یمکنہ العظیم العائد الیہ (کبیر) بعض فقہاء نے آیت سے نکالا ہے کہ نو مسلم سے وہ مسلمان افضل ہے جس کے باپ دادا بھی مومن ہوں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے شرافت نسب کا آخرت میں مفید ہونا نکلتا ہے۔ لیکن شرافت دینی کا، نہ کہ عرفی دنیوی شرافت کا۔ آیت میں بہت بڑی بشارت اہل ایمان کے لیے ہے۔ اپنا ایمان اگر صحیح وسلامت ہے تو انشاء اللہ رحمتِ الٰہی ہر کلمہ گو کے مدارج بلند کر کے اُسے اُس کے بلند پایہ اسلاف مقبولین کے درجہ تک پہنچا ہی دے گی۔ ف۷ یہاں مراد کافر شخص ہے۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اجر وثواب میں تو فضل خداوندی کسی کو اُس کے عزیزوں اور بزرگوں کی ہم سطح کر دے گا۔ لیکن عذاب وگرفت میں یہ ہرگز نہ ہوگا۔ قال مقاتل کل امرئ کافر بما عمل من الشرک مرتھن فی النار (معالم) لما اخبر من مقام الفضل و ھو رفع الدرجۃ الذریۃ الی منزلۃ الاباء من غیر عملٍ یقتضی ذٰلک اخبر عن مقام العدل و ھو انہ لا یؤاخذ احدًا بذنب احدٍ (ابن کثیر) قال الواحدی ھٰذا عود الی ذکر اھل النار فانھم مرتھنون فی النار اما المؤمن فلایکون مرتھنا قال تعالٰی کل نفسٍ بما کسبت رھینۃ الا اصحاب الیمین و ھو قول مجاھد (کبیر) کفر کے ساتھ نجات ہی کی کوئی صورت نہیں۔ چہ جائیکہ درجات کی بلندی — اُوپر کی بشارت جو کچھ بھی ہے صاحب ایمان ذریت کے لیے ہے نہ کہ کافر اولاد کے لیے۔ ف۸ مسلمان کی جنت ہر بیہودگی، ہر گندگی سے تو یقینا خالی ہوگی۔ لیکن اس کے سوا باقی ہر طرح کی تفریح، زندہ دلی، ہنسی مزاح کا وہ ایک مستقل گھر ہوگی۔ زاہدانِ خشک کے مزاج ومسلک سے الگ اور بہت الگ۔ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا۔ یعنی دنیا میں جیسے بے تکلف دوستوں کے درمیان ہنسی کھیل میں چھین جھپٹ ہوتی رہتی ہے ویسے ہی لطف وخوش طبعی کے ساتھ وہاں بھی رہے گی۔ لَا لَغْوٌ فِيْهَا۔ لغو کی نفی سے معلوم ہو گیا کہ وہ شراب سکر پیدا کرنے والی نہ ہوگی۔ وَلَا تَاْثِيْمٌ۔ تاثیم کی نفی سے معلوم ہو گیا کہ وہ شراب عقل ومتانت کو زائل کرنے والی نہ ہوگی۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿٢٤﴾

اور اُن کے پاس لڑکے آئیں جائیں گے جو اُن کے لئے ہیں، گویا وہ محفوظ موتی ہیں ف۹

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا إِنَّا

وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے (اور یہ بھی) کہیں گے کہ ہم تو

كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا

اس سے پہلے اپنے گھر میں بہت ڈرا کرتے تھے ف۱۰ سو اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا

وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾ إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ

اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا لیا ہم اس سے پہلے اس کی دعائیں مانگا کرتے تھے،

إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾ فَذَكِّرْ فَمَا أَنتَ بِنِعْمَتِ

واقعی وہ بڑا محسن ہے، مہربان ہے ف۱۱ تو آپ سمجھاتے رہئے کیونکہ آپ اپنے پروردگار کے

رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿٢٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ

فضل سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون ہیں ف۱۲ ہاں کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں

نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي

اور ہم تو اُن کے بارے میں حادثۂ موت کا انتظار کر رہے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے (بہتر ہے) انتظار کرو اور میں بھی

مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿٣١﴾ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُم

تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ف۱۳ کیا ان کی عقلیں انہیں باتوں کی تعلیم

بِهَٰذَا ۚ أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٣٢﴾ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَل

کرتی ہیں یا یہ ہے کہ یہ ہیں ہی شریر لوگ؟ ف۱۴ ہاں یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے (قرآن) کو گڑھ لیا ہے؟ اصل یہ ہے

لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا

کہ ان میں ایمان ہی نہیں، اچھا تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام لے آئیں، اگر یہ (اپنے دعوے میں)

ع ۲۸/۳

ف۹ (کہ ان پر ذرا گرد و غبار نہیں، اور ان کی آب و تاب اعلیٰ درجہ کی ہے) عربی محاورہ میں یہ کنایہ غایت حسن و جمال سے ہوتا ہے۔ اور جب خادموں کا یہ حال ہوگا تو مخدوموں کے حسن و جمال کا کیا ٹھکانہ! ف۱۰ (اپنے انجام کار سے) قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا۔ یعنی جب دنیا میں اپنے گھر والوں کے ساتھ رہتے سہتے تھے۔ ف۱۱ (تو ہماری دعائیں کیوں نہ قبول کر لیتا) آیت سے معلوم ہوا کہ آخرت کو بکثرت یاد کرتے رہنا، اپنے انجام سے ڈرتے رہنا، اپنے انجام بخیر کی دعائیں کرتے رہنا مقبولین و متقین کی علامتوں میں سے ہیں۔ اِنَّا...... نَدْعُوْهُ۔ یعنی ہم دنیا میں برابر یہ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ پروردگارا ہمیں دوزخ سے بچانا اور جنت میں داخل کرنا — سو ہماری دُعا سن لی گئی۔ ف۱۲ (جیسا کہ بعض بدنصیب یہود و مشرکین کا خیال ہے) عرب جاہلیت میں شاعروں کا بڑا زور اور اثر تھا، جیسا کہ یونان اور روما میں خطیبوں کا زور رہ چکا تھا یا آج فرنگی قوموں میں اخبار نویسوں اور ایڈیٹروں اور مشہور افسانہ نگاروں اور ڈراما نگاروں کا ہے۔ مشرکوں کے ایک روشن خیال گروہ نے یہ رائے قائم کی کہ (نعوذ باللہ) یہ مدعی نبوت شاعر ہیں اور جس طرح اور شاعر مر مرا گئے ایک روز یہ بھی ختم ہو جائیں گے اور ان کا چلایا ہوا کلام اور مذہب بھی نسیاً منسیاً ہو جائے گا کسی بڑے شاعر کے منہ آتے ہوئے اہل عرب خود ڈرتے اور جھجکتے تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک روز جمع ہو کر باہم مشورہ ہوا اور آخر یہ قرار پایا کہ ان نئے شاعر صاحب سے زیادہ مقابلہ و مزاحمت کی ضرورت کیا ہے۔ آخر جس طرح زہیر، اعشیٰ، نابغہ بڑے بڑے شعراء نامدار و قادر فناء ہو چکے ہیں یہ بھی ایک دن مع اپنے اس کلام کے ختم ہو جائیں گے اور ان کا نقش خود بخود دلوں سے مٹ جائے گا۔ رَيْبَ۔ کے معنی حادثہ و گردش کے ہیں جو جس وقت بھی پیش آجائے فالانسان ابدًا فی ریب المنون من جهة وقته لا من جهة كونه (راغب) ما يقلق به النفوس و يشخص بها من حوادث الدهر (کشاف) منون کے معنی ہیں موت یا دہر و زمانہ۔ قیل هو اسم للموت (کبیر) و قيل المنون الدهر و ريبهٗ حوادثهٗ (کبیر) و تفسير المنون بالدهر مروی عن مجاهد و عليه قول الشاعر (روح) ف۱۳ یعنی اچھی بات ہے۔ تم میرا انجام دیکھو میں تمہارا انجام دیکھتا ہوں۔ ''اس میں اشارۂ پیش گوئی ہے کہ میرا انجام فلاح و کامیابی ہے اور تمہارا انجام فساد و ناکامی ہے''۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۱۴ (جو محض شرارت، ضد و خباثت سے ایسے نتائج پر مصر ہیں) اَمْ...... بِهٰذَآ۔ سردارانِ قریش اپنی عقل و تدبیر و دور اندیشی کے لحاظ سے دُور دُور مشہور تھے۔ قرآن مجید کی تعریض ہے کہ کیا یہی ان کی عقلیں ہیں؟ جو عقل انہیں ان نتائج پر لا رہی ہے، اسی عقل پر انہیں ناز ہے؟

صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ

سچے ہیں ف۱۵ کیا یہ لوگ بغیر کسی کے (پیدا کیے) پیدا ہو گئے یا یہ کہ خود (اپنے)

الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا

خالق ہیں؟ ف۱۶ یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر لیا ہے؟ اصل یہ ہے، ان میں

يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ

یقین ہی نہیں ف۱۷ کیا ان لوگوں کے پاس آپ کے پروردگار کے خزانے ہیں، یا یہ لوگ

الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ

حاکم (مجاز) ہیں؟ ف۱۸ کیا اُن کے پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس کے ذریعہ سے باتیں سن لیا کرتے ہیں؟ تو ان میں سے جو

مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ

سن آتا ہو وہ لائے (اپنے دعویٰ پر) کوئی کھلی دلیل ف۱۹ کیا اللہ کے لئے تو بیٹیاں ہوں اور تمہارے لئے

الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ

بیٹے؟ ف۲۰ یا آپ ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں، سو وہ اس تاوان کے بوجھ سے

مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾

دبے جاتے ہیں؟ کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ وہ اسے لکھ لیا کرتے ہیں؟

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۚ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾

کیا یہ لوگ برائی کا ارادہ رکھتے ہیں؟ سو یہ کافر خود ہی برائی میں گرفتار ہوں گے ف۲۱

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾

کیا ان کا اللہ کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ پاک ہے اللہ اُن کے شرک سے

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا

اور اگر یہ آسمان کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو بھی یہی کہیں کہ

ف۱۵ یعنی اگر واقعی یہ منکرین یہی سمجھتے ہیں کہ قرآن ایک انسانی گڑھت ہے تو یہ بھی تو آخر انسان ہیں اور بڑے "روشن خیال" "عالی دماغ" صاحب زبان قسم کے انسان۔ یہ خود مل کر کیوں نہیں کوئی ایسی ہی کتاب تیار کر دیتے ہیں جو مغز و معنویت یا زبان و انشاء کسی حیثیت سے بھی اس کی ہم سطح ہو؟ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی ان کی یہ تکذیب قرآن و تکذیب رسول کسی عقلی غلط فہمی کا نتیجہ نہیں بلکہ تمامتر ان کی قوت یقین و ایمان کی کمی کا ثمرہ ہے۔ ف۱۶ یعنی کیا یہ اس کے قائل ہیں کہ یہ محتاج تو کسی خالق کے ہیں لیکن وہ خالق خود آپ ہی ہیں۔ مشرک فلاسفہ کا ایک مذہب یہ بھی ہوا ہے کہ عالم محتاج تو ایک خالق کا ہے لیکن وہ خالق کوئی غیر نہیں بلکہ نفس عالم ہی ہے، اس مذہب الحاد کے جواب میں اتنا ہی کافی ہے کہ علت و معلول ایک ہی جہت سے ایک ذات میں جمع ہو نہیں سکتے۔ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ۔ یعنی کیا یہ اس کے قائل ہیں کہ عالم اپنے وجود میں کسی کی تخلیق کا محتاج نہیں بلکہ خود بخود قائم ہے؟— یہ مذہب خالص اور غالی اہل دہریت کا ہوا ہے اور اس کے جواب میں اسی قدر کافی ہے کہ ممکنات کے پہلوئے وجود کو ترجیح ہو نہیں سکتی جب تک کوئی مرجح نہ موجود ہو اور وہی علت مرجح خالق کائنات ہے۔ ف۱۷ اصل یہ ہے کہ ان تینوں شقوں میں سے یہ کسی کے بھی قائل و معتقد نہیں لیکن محض جہل اور بے غوری سے توحید کا انکار کیے چلے جاتے ہیں۔ اَمْ ...... الْاَرْضَ۔ یعنی کیا یہ کہ خدا کی صفت خالقیت میں خود اپنے کو شریک سمجھتے ہیں اور تعدد صانع عالم کے قائل ہیں؟ ف۱۸ (اور یہ جسے چاہیں نبوت دلوا دیں) اب تک ذکر منکرین توحید کا تھا۔ اب ذکر منکرین رسالت کا شروع ہوتا ہے۔ خَزَآئِنُ رَبِّكَ۔ خزائن پروردگار سے مراد اُس کی نعمتوں اور رحمتوں کے خزانے ہیں۔ ف۱۹ یعنی کیا یہ لوگ اس کے مدعی ہیں کہ "ہمارے پاس ایک سیڑھی ہے۔ اُس پر چڑھ کر ہم آسمان کی باتیں سن آیا کرتے ہیں"؟ اگر یہ ان کا دعویٰ ہے تو چاہیے کہ اپنے دعوے کو ثابت کریں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جو قطعی و آسمانی علم کے مدعی ہیں تو اُن کے پاس اپنے خرافاتی دعووں پر کوئی وزنی دلیل بھی ہے؟ ف۲۰ یعنی اپنے لیے تو وہ چیزیں پسند کرتے ہو جنہیں اپنے نزدیک اعلیٰ درجہ کی سمجھتے ہو اور اللہ کے لیے وہ چیزیں جو تمہارے معیار سے ادنیٰ درجہ کی ہیں۔ آیت میں اشارہ اس گروہ مشرکیہ کی طرف ہے جو دیویوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتا تھا۔— مشرکین عرب کے ہاں بچی کے ناپسندیدہ و مکروہ ہونے پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ ف۲۱ یعنی اپنے اسی کید کے وبال میں خود ہی گرفتار ہوں گے، قید ہوں گے، قتل ہوں گے، شکست و ناکامی کی ذلتیں اور مصیبتیں اُٹھائیں گے۔ قریش کے عین دور غلبہ و اقبال میں جبکہ اسباب ظاہری سب اسلام کی مغلوبی ہی کے تھے، ایسی پیشگوئی بجائے خود اعجاز قرآنی کی ایک دلیل ہے۔

سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ

یہ تو تہ بہ تہ جما ہوا بادل ہے، تو انہیں چھوڑے رہئے، یہاں تک کہ انہیں اپنا وہ دن پیش آئے

الَّذِىْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ

جس میں اُن کے ہوش اُڑ جائیں گے ف۲۲ جس دن اُن کی تدبیریں اُن کے کچھ بھی کام نہ

كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّ لِلَّذِيْنَ

آئیں گی اور نہ انہیں مدد ہی ملے گی ف۲۳ ان ظالموں پر

ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

قبل اس کے بھی عذاب (ہونے والا) ہے لیکن ان میں سے اکثر (اس کا) علم

يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا

نہیں رکھتے ف۲۴ آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر سے قائم رہئے اس لئے کہ آپ تو ہمیں ہماری حفاظت میں ہیں ف۲۵

وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَ مِنَ

اور آپ اپنے پروردگار کی حمد وتسبیح کیا کیجئے جب اُٹھا کیجئے، اور رات میں بھی

الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

اُس کی تسبیح کیجئے اور ستاروں سے پیچھے بھی ف۲۶

ایاتها ۶۲ ۵۳ سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ۲۳ رکوعاتها ۳

اس کی باسٹھ آیتیں سورۂ نجم مکہ میں نازل ہوئی اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا

قسم ہے ستارہ کی جب وہ ڈوبنے لگے کہ یہ تمہارے ساتھ رہنے والے نہ بھٹکے، اور نہ

ف۲۲ (اور اُسی دن انہیں حقیقت حال معلوم ہو کر رہے گی۔ اُس کے ادھر نہیں) فَذَرْهُمْ۔ یعنی ان کے باب میں اب زیادہ فکر و تردد کو کام میں نہ لائیے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑے ہوئے رہیے۔ ف۲۳ (کسی طرف سے نہ مخلوق کی طرف سے کہ اس کا امکان ہی نہیں اور نہ خالق کی طرف سے کہ اس کا وقوع نہیں ہونے کا) كَيْدُهُمْ۔ کید سے مراد ان کی وہ تدبیریں اور سازشیں ہیں جو یہ اپنی کامیابی اور اسلام کی مخالفت میں برابر کام میں لاتے رہتے تھے۔ ف۲۴ (اور اسی لیے اُس کے باب میں کوئی فکر و اہتمام نہیں کرتے) عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ۔ یعنی اُس اُخروی دائمی عذاب کے علاوہ دنیا میں بھی عنقریب ان کو سزا ملنے والی ہے، قحط، قید، قتل، شکست و ہزیمت وغیرہ کی شکل میں۔ ف۲۵ (اور مخالفین و معاندین آپ کو ضرر نہیں پہنچا سکتے) بِاَعْيُنِنَا۔ عین کے یہاں مجازی معنی حفاظت و ذمہ داری کے ہیں۔ اے فی حفظنا و حراستنا فالعین مجاز عن الحفظ (روح) العین کا صیغۂ جمع اظہار عظمت و کمال کے لیے ہے اور قرآن مجید میں اس کی مثالیں اور بھی موجود ہیں۔ معناه التعظيم والتفخيم و نظيرهٗ فى الجمع للتفخيم والتعظيم قوله تعالٰى تجرى باعيننا و قوله تعالٰى مما عملت ايدينا انعامًا (غرائب القرآن۔ للبجستانی) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مراقبہ حضوری کو دخل عظیم طمانینت و سکون قلب میں ہے۔ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ۔ یعنی ان معاندین سے انتقام کی عجلت نہ کیجئے، صبر و تحمل سے کام لیتے رہیے۔ ف۲۶ یعنی ستاروں کے غروب کے بعد اور مثلاً نماز فجر کے وقت۔ حِيْنَ تَقُوْمُ۔ مثلاً اپنی مجلس سے اُٹھتے وقت یا رات کو تہجد سے اُٹھتے وقت۔ غرض اپنے دل کو ذکر الٰہی و تسبیح میں لگائے رہیے۔ اس سے فکر و غم کا غلبہ نہ ہوگا۔

ع ۲ ۱

غَوٰی ۝۲ وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا

غلط راستہ پر ہو و۱ لئے، اور نہ وہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں و۲ (ان کا کلام تو) تمامتر

وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝۴ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ

وحی ہی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے و۳ انہیں بڑی قوت والا (فرشتہ) سکھاتا ہے و۴ پیدائشی طاقتور

فَاسْتَوٰی ۝۶ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ۝۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝۸

پھر وہ اصلی صورت پر ظاہر ہوا، و۵ اس حال میں کہ وہ آسمان کے بلند کنارہ پر تھا و۶ پھر وہ نزدیک ہوا، اور زیادہ نزدیک ہوا و۷

فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝۹ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ

سو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم و۸ پھر (اللہ نے) اپنے بندہ پر وحی نازل کی جو کچھ کہ نازل کیا

مَاۤ اَوْحٰی ۝۱۰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۝۱۱ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ

و۹ قلب نے کوئی غلطی نہیں کی، دیکھی ہوئی چیز میں و۱۰ تو کیا ان (پیمبر) سے اُن چیزوں میں نزاع کرتے ہو

عَلٰی مَا یَرٰی ۝۱۲ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۝۱۳ عِنْدَ

جو اُن کی دیکھی ہوئی ہیں، و۱۱ اور انہوں نے اس (فرشتہ) کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے

سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ۝۱۴ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ۝۱۵ اِذْ

سدرۃ المنتہیٰ کے قریب و۱۲، کہ اس کے قریب جنت الماویٰ ہے جب کہ اُس سدرہ کو لپٹ رہی تھیں، جو

یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ۝۱۶ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا

چیزیں کہ لپٹ رہی تھیں و۱۳ ان (پیمبر) کی نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ

طَغٰی ۝۱۷ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۝۱۸ اَفَرَءَیْتُمُ

بڑھی و۱۴ انہوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے، بھلا تم نے

اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی ۝۱۹ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ۝۲۰ اَلَكُمُ

لات اور عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں بھی غور کیا ہے؟ و۱۵ کیا تمہارے لئے تو

و۱ یعنی جس طرح ستارہ طلوع سے غروب تک ساری مسافت میں اپنی باقاعدہ رفتار قائم رکھتا ہے اور ذرا ادھر سے اُدھر نہیں ہوتا، اسی طرح یہ پیمبر امین ساری عمر ضلال وغوایت کے اثر سے محفوظ رہے اور افراط وتفریط دونوں سے الگ، ٹھیک حق کی صراط مستقیم پر قائم ہیں۔ وَالنَّجْمِ۔ ستارہ سے مراد یہاں ستارہ کی جنس ہے۔ گو بعض نے ستارہ ثریا سے مراد لی ہے۔ الثریا او جنس النجوم (کشاف) اقسم بالثریا او بجنس النجوم (مدارک) ستارہ کو اپنی باقاعدہ رفتار سے ادھر اُدھر جس طرح طلوع سے غروب تک نہیں ہوتا اسی طرح غروب سے طلوع تک بھی نہیں ہوتا۔ لیکن یہ دوسری کیفیت مرئی ومحسوس نہیں۔ اور وہ پہلی کیفیت مشاہد ہے۔ اس لئے ذکر اسی قید کے ساتھ کیا گیا۔ مَا ضَلَّ۔ ضلال یہ کہ بالکل راستہ بھول کر کھڑا رہ جائے۔ مَا غَوٰی۔ غوایت یہ کہ غیر راہ کو راہ سمجھ کر چلتا رہے۔ صَاحِبُكُمْ۔ یعنی یہ تمہارے ہر وقت کے اور سامنے سامنے ساتھ رہنے والے، جن کے کردار، اقوال، احوال، اعمال سے تم خوب واقف ہو۔ و۲ (اور اپنے گڑھے ہوئے کلام کو خدا کی جانب منسوب کر دیتے ہیں، جیسا کہ تم سمجھ رہے ہو) مطلب یہ ہوا کہ دین کے باب میں جو کچھ بھی آپ ﷺ کے منہ سے نکلتا ہے وہ کسی خواہش نفس سے نہیں۔ و۳ یہ وحی خواہ لفظی ہو جو قرآن کہلاتی ہے، خواہ محض معنوی ہو، جو سنت کہلاتی ہے۔ اور خواہ محض کسی قاعدہ کلی کی ہو جس سے آپ ﷺ اجتہاد کرتے ہوں۔ مقصود زعم کفار کی نفی ہے یعنی صرف اس حقیقت کا اظہار کہ آپ کسی غلط بات کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب نہیں کر دیتے۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) هُوَ۔ یعنی دین کے باب میں آپ کا تکلم۔ اے مانطقهٗ فی الدین (معالم) و۴ (اس وحی کو اللہ کی طرف سے) یہاں ذکر واسطہ وحی کا ہے۔ مشرکین عرب معتقد تھے کہ کاہنوں کے پاس غیبی معلومات شیطانوں کے واسطہ سے پہنچتے ہیں۔ یہاں اس کی تردید میں ارشاد ہوا کہ یہاں درمیانی واسطہ شیطان کا نہیں جو ان پیمبر پر کاہن ہونے کا احتمال بھی ہو سکے بلکہ واسطہ بھی فرشتہ کا ہے۔ یعنی سرچشمۂ وحی رحمانی اور واسطۂ وحی ملکوتی۔ شَدِیْدُ الْقُوٰی۔ وہ پرقوت فرشتہ جس پر کسی شیطانی اثر سے تاثر ومغلوبیت کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔— قوت واجلال کے مظہر اتم۔ اے ملک شدید قواہ وهو جبریل علیه السلام عند الجمهور (مدارک) هو جبریل علیه السلام کما قال ابن عباسؓ وقتادة و الربیع (روح) و۵ (ان رسول کے روبرو) اس میں کمال اکرام واعزاز ہے رسول ﷺ کا۔ کہ آپ ﷺ کے لئے ایک بار وہ حجابات دور کر دیئے گئے جن کے اندر جبریل انسانی آنکھ کے سامنے جلوہ گر ہو سکتے ہیں۔ ذُوْ مِرَّةٍ۔ پیدائشی طاقتور ایسے کہ شیطان کی مجال نہیں جو ان کے سامنے پر مار سکے۔ ذُوْ مِرَّةٍ۔ کے ایک معنی حسین وپاکیزہ رو کے بھی کئے گئے ہیں۔— حسن وجمال کے مظہر اتم۔ عن ابن عباس ذو منظر حسن (مدارک) گویا جلال وجمالِ الٰہی دونوں کے مظہر اتم۔ ایک معنی ذُوْ مِرَّةٍ۔ کے یہ بھی کئے گئے ہیں۔ کہ عقل ونظر کے لحاظ سے کامل، جس طرح شَدِیْدُ الْقُوٰی کے معنی کئے گئے ہیں۔ قوت جسمانی کے لحاظ سے کامل۔ ذو مرة اے ذو حصانة واستحکام فی العقل فکانه الاول وصف بقوة الفعل وهٰذا وصف بقوة النظر والعقل (روح) و۶ (جانب مشرق میں) اے مطلع الشمس (مدارک) وهو اقصی الدنیا عند مطلع الشمس (معالم) اس نظارہ کی تفصیلات حدیث میں آئی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جدھر سے صبح صادق طلوع ہوتی ہے ادھر رسول ﷺ کو ابتداء نبوت میں حضرت جبریل علیہ السلام ایک بار اپنی اصلی صورت میں کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ آسمان اس وقت ایک سرے سے دوسرے سرے تک ان کے وجود سے پُر معلوم ہو رہا تھا۔ یہ مہیب وحیرت انگیز منظر آپ نے پہلی بار دیکھا تو طبیعت میں قدرۃً کچھ گھبراہٹ کے آثار پیدا ہوئے اس پر سورۃ المدثر نازل ہوئی۔ و۷ یعنی وہ فرشتۂ وحی صورت وسیرت میں کامل، پُرقوت وپاکیزہ رُو رسول ﷺ سے بالکل متصل وملحق ہو کر رہا۔ دَنَا فَتَدَلّٰی۔ دنو کے معنی خود ہی قریب ونزدیکی کے ہیں۔ تدلّٰی قرب مزید کے معنی میں لا کر اس کی اور تاکید وتوثیق کر دی۔ دنا اور تدلّٰی دونوں کی ضمیریں فرشتہ وحی، جبریل امین علیہ السلام شدید القوی کی جانب ہیں۔ و۸ محاورۂ عرب میں مراد اس سے کمال قرب ہوتی ہے۔ جب دو عرب آپس میں کوئی نہایت مضبوط عہد وپیمان کرنا چاہتے تھے تو اپنی اپنی کمانوں کو نکال کر انہیں باہم ملاتے تھے۔ یہاں تک کہ دونوں کے چلے مل جاتے، پھر دونوں کو اکٹھا کھینچتے اور دونوں سے ایک ہی تیر چلاتے۔ یہ گویا علامت تھی "من تو شدم تو من شدی" ہو جانے کی۔ رفتہ رفتہ زبان میں یہ محاورہ کمال قرب وغایت اتحاد و اتصال کے لئے استعمال ہونے لگا۔ مقصود یہاں فرشتہ وحی اور رسول صاحب وحی کے درمیان غایت قرب واتصال کو دکھانا ہے۔ والمقصود تمثیل ملكة الاتصال و تحقیق استماعه لما اوحی الیه بنفی بعد المجلس (بیضاوی) یکون ذٰلک اشارة الی ان رضا احدهم رضا الأخرو سخطة سخطهٗ لا یمکن خلافه (روح) وردهٗا علی استعمال العرب وعادتهم (کبیر) اَوْ اَدْنٰی۔ اس میں اشارہ آ گیا رسول ﷺ اور جبریل علیہ السلام کے درمیان کمال قرب صوری کے علاوہ غایت مناسبت روحانی کی جانب بھی جو مدار اعظم معرفت تام کی ہے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اَوْ۔ یہاں شک کے لئے نہیں، تاکید اور وثوق میں زیادتی کے لئے ہے اور اس امر کے اظہار کے لئے کہ فاصلہ اتنی مقدار سے زائد بہرحال نہ تھا کم جتنا بھی ہو۔ قد تقدم ان هٰذه الصفة تستعمل فی اللغة لاثبات المخبر عنه ونفی مازاد علیه (ابن کثیر) والمراد افادة شدة القرب (روح) فَكَانَ...... اَدْنٰی۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ غایت قرب واتصال ظاہر ہے کہ انہی فرشتہ وحی کو حاصل ہوا۔ تابعین ہی نہیں، اجل صحابہ

سے بھی یہی منقول ہے۔ هذا المقترب الدانی الذی صار بینه وبین محمد ﷺ انما هو جبریل علیه السلام هو قول ام المؤمنین عائشة وابن مسعود ابی ذروابی هریرة (ابن کثیر) و۹ (اس فرشتہ کے ذریعہ سے، آپ ﷺ کے افاقہ کے بعد) یعنی اللہ جیسے حاکم ذوالجلال وبااقتدار نے وحی بھیجی بھی تو ایسے پرقوت اور مقتدر فرشتہ کے ذریعہ سے اور اس فرشتہ نے بھی آپ سے اس درجہ متصل ہوکر پہنچائی۔ مَآ اَوۡحٰی۔ کلمہ تفخیم ہے۔ محاورۂ عرب میں اس کا استعمال موقع کمال عظمت پر ہوتا ہے، جہاں انتہائی تعظیم مقصود ہوتی ہے وہاں بجائے تفصیلات میں جانے کے صیغہ اجمال وابہام کا استعمال کیا جاتا ہے۔ تفخیم للوحی الذی اوحی الیه (کشاف ومدارک) و۱۰ ادھر بیان ہو چکا ہے کہ وحی کا سرچشمہ خود حضرت رحمٰن و سبحان ہیں جہاں غلطی کا امکان ہی نہیں اور پھر واسطہ وحی، فرشتہ جبریل کہ وہاں بھی غلطی کا گزر نہیں۔ اب رہے وہ صاحب جن پر وحی نازل ہوئی، یہاں تصریح اس کی ہوگئی کہ وہ بشر ہونے کے باوجود ہر غلطی سے محفوظ ومامون۔ گویا اتصال وحی وقبول وحی کے سلسلہ میں سارے احتمالات خطاء منتفی۔ فؤاد اور رؤیت دونوں کے اجتماع سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے چشم دل سے بھی دیکھا اور چشم جسم سے بھی۔ آنکھ نے بھی صحیح دیکھا اور دل نے بھی تصدیق کی۔ بصارت اور بصیرت دونوں اس مشاہدہ یا نظارہ پر متفق رہے۔ و۱۱ کیسے غضب کی بات ہے کہ تم نبی علیہ السلام سے نزاع اس چیز میں کر رہے ہو، جو اس کی سنی سنائی ہوئی یا خیال وگمان کی ہوئی نہیں، خوب اچھی طرح دیکھی بھالی، جانچی پڑتالی ہوئی اور تخیلات ومعقولات ومسموعات کے عالم سے کہیں گزر کر اس کے لئے دائرۂ مشاہدات میں آچکی ہے۔ و۱۲ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰی۔ سِدۡرَة۔ کے لفظی معنی بیری کے درخت کے ہیں۔ اور سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰی اصطلاح میں وہ بیری کا درخت ہے جو چھٹے یا ساتویں آسمان یا دونوں پر ہے ایک سے لے دوسرے تک اور گویا اس عالم اور اس عالم کے درمیان ایک نقطۂ اتصال ہے۔ عالم بالا سے جتنے احکام وغیرہ صادر ہوتے ہیں وہ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰی ہی تک پہلے آتے ہیں اور پھر ملائکہ وہاں سے زمین پر لاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں سے جو اعمال صعود کرتے ہیں وہ بھی پہلے سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰی تک پہنچتے ہیں۔ پھر وہاں سے اوپر اٹھالئے جاتے ہیں۔ عن ابن مسعود والضحاک سدرة المنتهی فی السماء السادسة والیها ینتهی مایعرج الی السماء (جصاص) الجمهور علیٰ انها شجرة تبقی فی السماء السابعة علیٰ یمین العرش (مدارک) وهی فی السماء السابعة الیها ینتهی مایعرج به من الارض فیقبض منها والیها ینتهی ما یهبط به من فوقها فیقبض منها (معالم) التی ینتهی اعمال الخلائق وعلمهم اوما ینزل من فوقها ویصعد من تحتها (بیضاوی) المشهور ان السدرة شجره فی السماء السابعة علیها مثل النبق وقیل فی السماء السادسة (کبیر) آسمانوں کے اوپر درخت اور بیری کے درخت کے تسلیم کرنے میں دشواری کچھ بھی نہیں۔ آخر جنت میں دودھ، شہد، پانی وغیرہ کے ساتھ درخت اور باغ کثرت سے ہی ہیں۔ تو ایک بیری ہی کے درخت میں کیا خاص اشکال واستبعاد ہے؟ البتہ یہ ظاہر ہے کہ جس طرح جنت اور آسمان کی ہر نعمت دنیا کی نعمتوں سے مشابہ لیکن بہت مختلف ہوگی۔ اسی طرح یہ بیری بھی دنیا کی بیریوں سے یقیناً بہت کچھ مختلف ہوگی اور کچھ اور ہی آثار وخواص رکھتی ہوگی۔ وَلَقَدۡ...... اُخۡرٰی۔ یعنی اس فرشتہ کو دوبارہ ہیئت اصل پر دیکھا پہلی بار اسی سطح ارضی پر دیکھا تھا اور اب کی دوبارہ شب معراج میں۔ عن ابن مسعود وعائشة ومجاهد والربیع قالوا رأی جبریل فی صورته التی خلقه الله علیها مرتین (جصاص) فهٰذه هی لیلة الاسراء والاولیٰ کانت فی الارض (ابن کثیر) هٰذه هی المرة الثانیة التی رأی رسول ﷺ فیها جبریل علیٰ صورته التی خلقه الله علیها وکانت لیلة الاسراء (ابن کثیر) و۱۳ یہ لپٹنے والی چیزیں روایات کے مطابق فرشتے تھے جو بکثرت دیوانہ وار گر رہے تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ انوار وتجلیات جمال مطلق تھے جو سدرہ کو لپٹے ہوئے تھے اور فرشتے انہیں پر عاشقانہ گر رہے تھے۔ غشیها نور الرب وغشیتها الملائکه من حب الله (ابن جریر۔ عن الربیع) قد تقدم فی احادیث الاسراء انه غشیتها الملائکه مثل الغربان وغشیها نور الرب وغشیها الوان ما ادری ما هی (ابن کثیر) مایغشی کلمہ تفخیم ہے۔ اہل عرب کمال عظمت کے اظہار کے موقع پر ایسا ہی صیغہ اجمال وابہام کا لاتے ہیں۔ تعظیم وتکبیر لما یغشها (کشاف۔ مدارک) وفی ابهام ما یغشی من التفخیم مالا یخفی (روح) عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰی۔ پہلے فقرہ میں اس مقام کی نشان دہی کی تھی جہاں فرشتہ اعظم کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس فقرہ میں اس مقام کے شرف وامتیاز کا ذکر ہے۔ ماْوٰی کے لفظی معنی ٹھہرنے کی جگہ یا ٹھکانے کے ہیں۔ جنت چونکہ مقبولین کے رہنے اور ٹھہرنے کا ٹھکانا ہے۔ اس لئے اسے جنت الماوی کہتے ہیں۔ و۱۴ ان چیزوں سے جن کی رویت کا حکم نہیں ہوا تھا۔ مَا زَاغَ الۡبَصَرُ۔ یعنی ان چیزوں سے نہ ہٹی جن کی رویت کا حکم ہوا تھا۔ و۱۵ (کہ وہ کوئی بھی شائبہ الوہیت کا اپنے اندر رکھتی ہیں اے مشرکو!) لات۔ عزیٰ اور منات تینوں مشرکین عرب کے مشہور بت تھے۔ اللّٰتَ۔ عرب کی بہت مشہور وقدیم دیوی تھی۔ نباطی کتبات تک میں اس کا نام موجود ہے، یہ سورج دیوتا کی مظہر تھی، اور قبیلہ ثقیف کی دیوی تھی۔ اس کا بت طائف میں نصب تھا۔ اور حال میں بعض سیاحوں نے اسے دیکھا ہے چنانچہ ڈاوٹی۔ DOUGHTY کی (ARABIA-DISERTA) جلد دوم میں اس کا فوٹو بھی دیا ہوا ہے۔ الۡعُزّٰی یہ قوت وطاقت کی دیوی تھی جیسے ہندوستان میں دُرگا دیوی۔ یونان وروما کی زہرہ دیوی کی قائم مقام۔ ظہور اسلام کے وقت عربوں میں اس کا سب سے زیادہ شہرہ تھا۔ اس کا بت نخلہ میں نصب تھا اور یہ دیوی قبیلہ غطفان کی تھی۔ مَنٰوةَ۔ یہ دیوی تقدیر کی حکمران تھی۔ اس کا بت قدید میں نصب تھا۔ مدینہ کے اوس وخزرج والے اس کے خاص طور پر معتقد تھے ـــ عجب نہیں کہ تحقیقات کے بعد اس کا تعلق ہندوستان کے مشہور بت وبتکدہ "سومنات" سے بھی ثابت ہو جائے تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی۔ مشرکین عرب کے عقیدہ میں یہ تینوں دیویاں خدا کی بیٹیاں تھیں۔ اَفَرَءَيۡتُمُ۔ کے حرف ف میں ادھر اشارہ ہے کہ پیمبر کی عظمت وصداقت کے محقق ہو جانے کے بعد تو تم کو سمجھ جانا چاہئے تھا۔ الۡاُخۡرٰی۔ ذم وتحقیر کے لئے ہے۔ هی صفة ذم ای المتاخرة الوضیعة المقدار (کشاف) وقال بعض الاجلة الثالثة للتاکید والاخریٰ للذم بانها متاخرة فی الرتبة وضیعة المقدار (روح)

الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ اِنْ

بیٹے ہوں اور اللہ کے لئے بیٹیاں؟ یہ تو بڑی ہی بے ڈھنگی تقسیم ہے ف۱۶ یہ تو

هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ

نرے نام ہی نام ہیں جو تم نے، اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھہرا لئے ہیں اللہ نے تو اس پر

اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ

کوئی دلیل اتاری نہیں ہے ف۱۷ یہ لوگ نرے اٹکل پر اور اپنے نفس کی

وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ

خواہش پر چل رہے ہیں، درآنحالیکہ ان کے پاس اُن کے پروردگار کی طرف سے

الْهُدٰى ﴿۲۳﴾ ؕ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ ۫ۖ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ

ہدایت آچکی ہے ف۱۸ بھلا کہیں انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے؟ (نہیں بلکہ ہر تمنا) اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے

وَ الْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ ع وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ

آخرت (کی بھی) ف۱۹ اور دنیا (کی بھی) اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں کہ اُن کی سفارش

شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ

ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر ہاں، بعد اس کے کہ اللہ اجازت دے دے جس کے لئے وہ چاہے

وَ يَرْضٰى ﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ

اور اُس کی رضا ہو ف۲۰ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو

الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ

زنانے نام سے نامزد کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں، یہ لوگ

يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ

محض اٹکل پر چل رہے ہیں، اور اٹکل حق کے مقابلہ میں ذرا بھی کام

ع ۵ ۵

ف۱۶ یعنی شرک پر مستزاد یہ کہ اپنے لئے تو اپنے رواج وعرف کی بناء پر اچھی چیز یعنی بیٹے تجویز کرتے ہو اور خدا کے لئے اپنے رواج وعرف کے معیار سے بھی ناقص اور گھٹیا چیز یعنی بیٹیاں تجویز کئے ہوئے ہو۔ تِلْكَ...... ضِيْزٰى۔ یعنی یہی کہ کسی کو دیوی ٹھہرائی کسی کو دیوتا، کسی کا نام ہوا کا خدا رکھ دیا، کسی کو رزق وبارش کا دیوتا کہنے لگے۔ ان اسماء والقاب کو حقیقت سے کوئی دور کا بھی واسطہ تو نہیں۔ ف۱۷ یعنی نظریہ شرک پر کوئی دلیل نہ تو عقل سے ملتی ہے نہ نقل سے۔ نہ کوئی الہامی ثبوت نہ کوئی علمی وتجربی شہادت۔ مَا...... سُلْطٰنٍ۔ قرآن مجید نے محض اثبات توحید ہی پر دلائل نہیں قائم کئے ہیں بلکہ بار بار مدعیان شرک کو چیلنج کیا ہے کہ تم اثبات شرک پر کوئی ایک دلیل کسی درجہ کی بھی تو پیش کر کے دکھاؤ!۔ ف۱۸ (پیمبر کے ذریعہ سے) یعنی بلا دلیل وبلا ثبوت ان اوہام فاسدہ میں مبتلا ہو جانا یوں بھی بڑے غضب کی بات تھی۔ چہ جائیکہ جب اس کے خلاف دلائل اور ثبوت پیمبر برحق کی معرفت پہنچ جائیں۔ اِنْ...... الْاَنْفُسُ۔ ان کی یہ خواہشات نفس بھی انہیں اوہام اور بے عقلی کے خیالات پر مبنی ہیں۔ ف۱۹ (تو پھر ان مشرکوں کی یہ کیسی حماقت ہے کہ اپنی دیویوں دیوتاؤں سے اس کی آس لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ ان کی آرزوؤں، تمناؤں کے مطابق ان کے کام آئیں گے اور ان کی سعی وسفارش کریں گے) اَمْ...... تَمَنّٰى۔ یہ کتنی گہری اور اہم حقیقت کا اعلان ہے۔ اگر انسان کو اسی کا استحضار رہے تو کتنی مایوسیوں، ناکامیوں، نامرادیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَ الْاُوْلٰى۔ انسان کی فوری اور انجامی دونوں طرح کی بھلائیاں صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ توقع جو کچھ بھی کی جائے۔ بس اسی سے کی جائے۔ لِلْاِنْسَانِ۔ انسان سے یہاں مراد کافر انسان سے لی گئی ہے۔ یعنی الکافر (مدارک) ایظن الکافر ان لہ ما یتمنٰی (معالم) ف۲۰ مطلب یہ ہوا کہ ان بتوں، مورتیوں کا تو خیر ذکر ہی نہیں جو شفاعت کی سرے سے کوئی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔ ملائکہ مقربین تک کی یہ مجال نہیں کہ اپنی رائے وارادہ سے جس کسی کی چاہیں بے دھڑک سفارش کر ڈالیں۔ بلکہ وہ بھی صرف اجازت الٰہی کے بعد ہی اس کی جرات کر سکتے ہیں۔ وَكَمْ...... السَّمٰوٰتِ۔ فِي السَّمٰوٰتِ کا اضافہ عجب نہیں جو ملائکہ کے مزید تقرب وشرف واکرام کے اظہار کے لئے ہو۔ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ اس کے اندر ساری مشیت تکوینی کا قانون آگیا۔ یعنی اجازت بھی صرف اسی کے حق میں سفارش کی ملے گی، جسے خود حضرت حق کی مشیت تکوینی چاہ رہی ہو۔ وَيَرْضٰى۔ یہ قید غالباً اس لئے بڑھادی کہ کہیں دنیا والوں کی طرح وہاں بھی یہ نہ قیاس کیا جائے کہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ کو بھی کسی کی مروت ولحاظ یا خوف سے اپنی مرضی کے خلاف اجازت دے دینا پڑتی ہے۔ مرضی حق خود ہی سب سے بالاتر ہے، جس کے اوپر کوئی مؤثر نہیں۔

ف۲۱ الظَّنَّ۔ ظن سے مراد تخمین وقیاس ہے اور وہ بھی ایسا جو نہ کسی دلیل شرعی پر مبنی ہو نہ کسی قاعدۂ عقلی سے مستنبط۔ مِنْ عِلْمٍ۔ علم یہاں تحقیق یا حقیقت رسی کے معنٰی میں ہے اور ظن یا تخمین کے ٹھیک مقابل مِن نے موقع نفی پر آ کر معنٰی میں استغراق پیدا کر دیا، یعنی کوئی بھی دلیل ان کے پاس نہیں۔ ف۲۲ (اور یہی دلیل ہے ان کی کج فہمی اور بے غوری دونوں کی) مبلغ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہو رہی ہے کہ ان دنیا پرستوں سے جب قبول حق کی کوئی توقع ہی نہیں تو آپ بھی ان کی پروانہ کیجئے اور ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑے رہیے۔ عَنْ ذِكْرِنَا...... الدُّنْيَا انسان کی حماقت وسفاہت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ وہ ہاتھی کے جسم کی ساری بڑائی کو چھوڑ چھاڑ کر اس کی دم کے صرف آخری سرے کو یا پیر کے ناخنوں کو پکڑ لے، اور اسی سے ہاتھی کی جسامت، ساخت، ترکیب سے متعلق رائے قائم کرنے لگے ـــ اس سے ہزار اور لاکھ درجہ بڑھ کر اور قابل رحم ان ''روشن خیالوں'' یا ''بے فکروں'' کا حال ہے، جو مابعد الموت جیسے بیحد وسیع عالم سے بالکل قطع نظر کئے ہوئے ساری توجہ اور ''علم'' و ''تحقیق'' کا موضوع اسی چند سالہ زندگی کو بنائے ہوئے ہیں! ان سے بڑھ کر اندھا اور کون ہو سکتا ہے؟ ف۲۳ یعنی یہی مادی، عنصری، زود فنا، سریع الزوال، چند روزہ دنیوی زندگی۔ کتنے افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ آج مہذب اور ترقی یافتہ قوموں کا سارا مبلغ علم اور منتہائے پرواز خیال اسی محدود و مختصر عنصری زندگی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اپنی اس تنگ نظری پر انتہائی فخر وناز ہے! ف۲۴ (کہ علم اسی کا کامل ہے) ف۲۵ (کہ قدرت اسی کی کامل ہے) ف۲۶ یعنی اس کے علم کامل وقدرت کامل کے مجموعہ کا مقتضا یہ ہے کہ مکلفین کے انجام دو قسم کے ہوں۔ اہل ضلالت کا انجام عذاب پر ہو اور اہل ہدایت کا مسرت وراحت پر۔ لِيَجْزِيَ میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی انجام کار یہ ہونا تھا۔ قال الواحدی اللام للعاقبة (کبیر) والتحقیق فیه هو انّ حتّٰی ولام الغرض متقاربان فی المعنی لان الغرض نهاية العقل وحتّٰی للغاية المطلقة فبينهما مقاربة يستعمل احدهما مكان الأخر (کبیر) ف۲۷ (کبھی کبھار۔ تو وہ درجہ محسنیت اور محبوبیت کے منافی نہیں) ''جو محبوبیت یہاں بقرینہ مقام مدح مذکور ہے اس کا مصداق بننے کے لئے کبائر سے بچنا تو شرط ہے لیکن صغائر کا احیاناً صدور اس کے لئے موقوف علیہ نہیں البتہ عدم اصرار شرط ہے۔'' (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اِلَّا اللَّمَمَ۔ لمم اور الالمام وہ معصیت ہے جو کبھی کبھی اور اتفاقاً سرزد ہو جائے۔ یقال فلان یفعل کذا لممًا ای حینًا بعد حین (راغب) واصل اللمم والا لمام مایعمله الانسان الحين بعد الحين ولايكون لهٗ عادة ولا اقامة عليه (روح) ای مایاتی به المومن ویندم فی الحال وهو من اللمم الذی هو مس من الجنون (کبیر) مقصود کلام یہ ہے کہ انسان گناہ پر جما نہ رہے۔ گناہ اس سے سرزد ہوتے رہیں اور وہ ان پر توبہ واستغفار کرتا رہے ـــ مذہب اہل سنت میں مقبولین ومحبوبین کے لئے ضروری شرط گناہوں سے محفوظیت ہرگز نہیں بلکہ یہی گناہوں پر توبہ، ندامت، انفعال واستغفار ہے۔ صحابیوں اور تابعین سب سے یہی مذہب منقول ہے۔ و معنی الأية الا ان يلم بالفاحشة مرة ثم يتوب ويقع الوقعة ثم ينتهی وهو قول ابی هريرةؓ ومجاهد والحسن و رواية عطاء عن ابن عباس (معالم) عن ابی هريرة قال اللمة من الزنا ثم يتوب ولا يعود واللمة من السرقة ثم يتوب ولا يعود واللمة من شرب الخمر ثم يتوب ولا يعود قال كذالک الالمام (ابن کثیر) بعض اقوال اس مضمون کے بھی نقل ہوئے ہیں کہ لمم کے تحت میں بڑے چھوٹے سارے ہی گناہ آ جاتے ہیں، بجز شرک کے۔ قال عبدالله بن عمر وبن العاص واللمم مادون الشرک (معالم) غرض یہ کہ آیت سے یہ بالکل ظاہر ہو جاتا ہے کہ گناہوں کا کبھی کبھی سرزد ہوتے رہنا جب درجہ محسنیت کے منافی نہیں تو عامہ مومنین کے مقام سے تو اسے اور بھی تنافی حاصل نہیں۔ ف۲۸ (تو سب بندوں کو چاہئے کہ تھوڑا سا صرف ہمت کر کے اور اپنی بدکرداریوں کا تدارک کر کے اس کی مغفرت وسیع میں داخل ہو جائیں) ف۲۹ (کہ کون متقی ہے اور کون نہیں، گو افعال تقوی صورۃً دونوں سے صادر ہوتے ہوں) آیت میں اہل طاعت کو تنبیہ ہے کہ اپنے متعلق عُجب وپندار میں نہ مبتلا ہو جائیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دعوٰی تقدس سے صریح ممانعت ہے۔ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ یعنی جب تم سب کو تمہارے جد اعلیٰ آدم علیہ السلام کے واسطہ سے پیدا کیا تھا ـــ یہ ذکر انسان کی خلقت نوعی کا ہوا۔ وَاِذْ...... اُمَّهٰتِكُمْ۔ یہ بیان انسان کی خلقت شخصی کا ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ انسان سے متعلق علم کامل تو صرف اللہ ہی کو ہے۔ باقی انسان پر تو ایسی حالتیں گزرتی ہیں کہ اسے خود اپنی حالت کا شعور واحساس نہیں ہوتا۔ مِّنَ الْاَرْضِ۔ یعنی زمین کی خاک سے۔

شَيْئًا ﴿۲۸﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ

نہیں دیتی ف۲۱ تو آپ اس کی طرف سے خیال ہی ہٹا لیجئے جو بے پروائی اختیار کئے ہوئے ہے ہماری نصیحت کی طرف سے اور

اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۭ اِنَّ

اس کا کوئی مقصود ہی نہیں، بجز دنیوی زندگی کے ف۲۲ ان لوگوں کے علم کی رسائی کی حد بھی بس یہی ہے ف۲۳

رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ

آپ کا پروردگار ہی بے شک خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے، اور وہی اس کو بھی خوب جانتا ہے

بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ

جو راہ راست پر ہے ف۲۴ اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے ف۲۵

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ

انجام کار یہ ہے کہ وہ برائی کرنے والوں کو ان کے عمل کی پاداش میں بدلہ دے گا اور نیک کام

اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ

کرنے والوں کو نیک بدلہ دے گا ف۲۶ وہ لوگ ایسے ہیں جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے

وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ

بچے رہتے ہیں، مگر ہاں یہ کہ ہلکے ہلکے گناہ ہو جائیں ف۲۷ بے شک آپ کا پروردگار بڑی وسیع مغفرت والا ہے ف۲۸

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ

وہ تم کو خوب جانتا ہے جب کہ تم کو زمین سے پیدا کیا تھا اور جب تم

اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ

ماؤں کے پیٹ میں بطور جنین کے تھے تو تم اپنے آپ کو مقدس نہ سمجھو، بس وہی

اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى

خوب جانتا ہے تقوٰی والوں کو ف۲۹ بھلا آپ نے اس شخص کے حال پر نظر کی ہے، جس نے روگردانی کی، اور

ع ۲

قَلِيۡلًا وَّاَكۡدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡغَيۡبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمۡ

مال قلیل دیا اور (اب) بند کر دیا ف۳۰ کیا اس شخص کے پاس علم غیب ہے کہ (اُسے) دیکھ رہا ہے؟ ف۳۱ کیا

لَمۡ يُنَبَّاۡ بِمَا فِىۡ صُحُفِ مُوۡسٰى ﴿۳۶﴾ وَاِبۡرٰهِيۡمَ الَّذِىۡ

اُسے خبر نہیں پہنچی اس (مضمون) کی جو موسیٰ کے صحیفوں میں تھے اور ابراہیم کے بھی، جنہوں نے (احکام کی) پوری

وَفّٰٓى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنۡ لَّيۡسَ

بجا آوری کی کہ کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا ف۳۲ اور انسان کو صرف

لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعۡيَهٗ سَوۡفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾

اپنی ہی کمائی ملے گی اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھ لی جائے گی ف۳۳

ثُمَّ يُجۡزٰٮهُ الۡجَزَآءَ الۡاَوۡفٰى ﴿۴۱﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الۡمُنۡتَهٰى ﴿۴۲﴾

پھر اُسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور یہ کہ (سب کو) آپ کے پروردگار کے پاس ہی پہنچنا ہے ف۳۴

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضۡحَكَ وَاَبۡكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحۡيَا ﴿۴۴﴾

اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا اور جلاتا ہے

وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوۡجَيۡنِ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰى ﴿۴۵﴾ مِنۡ نُّطۡفَةٍ

اور یہ کہ اُسی نے نر و مادہ دونوں جنسوں کو نطفہ سے پیدا کیا ہے

اِذَا تُمۡنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيۡهِ النَّشۡاَةَ الۡاُخۡرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ

جب وہ ڈالا جاتا ہے ف۳۵ اور یہ کہ دوبارہ پیدائش اسی کے ذمہ ہے اور یہ کہ

هُوَ اَغۡنٰى وَاَقۡنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعۡرٰى ﴿۴۹﴾

وہی غنی کرتا ہے اور (سرمایہ) باقی رکھتا ہے ف۳۶ اور یہ کہ وہی پروردگار ہے شعریٰ کا بھی ف۳۷

وَاَنَّهٗۤ اَهۡلَكَ عَادَا۟ ۨالۡاُوۡلٰى ﴿۵۰﴾ وَثَمُوۡدَا۟ فَمَاۤ اَبۡقٰى ﴿۵۱﴾

اور یہ کہ اسی نے قوم عاد اول کو ہلاک کیا اور ثمود کو بھی کہ کسی کو باقی نہ چھوڑا ف۳۸

ف۳۰ یعنی اپنے ہی مطلب کے لئے مال دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اور پھر اس کا بھی پوری طرح ایفاء نہ کیا تو ایسا شخص بھلا دوسروں کی نفع رسانی کے لئے کھلے دل سے کیا خرچ کرے گا؟ حدیث میں ایک شخص متعین کا ذکر آتا ہے۔ ولید بن مغیرہ نامی کا، کہ اس کا میلان اسلام کی طرف دیکھ کر ایک دوسرے مشرک نے اس سے کہا کہ کیوں اس فکر میں گھلا جاتا ہے۔ مجھے اتنا روپیہ دے میں سب تیری طرف سے اوڑھے لیتا ہوں۔ ولید نے وعدہ کر لیا، لیکن کچھ تھوڑا ابت دے کر اسے بھی بند کر دیا۔ الَّذِىۡ تَوَلّٰى۔ یعنی دین حق سے وہ شخص پھر گیا۔ ف۳۱ (اور یقینی طور پر جان رہا ہے کہ فلاں شخص میری طرف سے عذاب کا متحمل ہو جائے گا) ف۳۲ (ایمانیات میں) یعنی ایک کا ایمان دوسرے کے کام نہ آئے گا۔ الَّذِىۡ وَفّٰى۔ سورۃ البقرۃ پ۱ آیہ کریمہ وَاِذِ ابۡتَلٰۤى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ کے ماتحت حاشیے ملاحظہ کر لئے جائیں۔ ف۳۳ (سو اس اطلاع اور اعلان کے بعد بھی انسان کا اپنی ذاتی ذمہ داری کی طرف سے غافل رہنا کیسا عجیب ہے) لِلۡاِنۡسَانِ۔ الانسان سے یہاں مراد کافر انسان لی گئی ہے، نہ کہ مطلق انسان سے۔ وقال الربيع الانسان هنا الكافر واما المؤمن فله ما سعى وما سعى له غيرهٗ (روح) وقال الربيع بن انس يعنى الكافر (معالم) وَاَنۡ...... سَعٰى۔ یعنی ایک کا ایمان دوسرے کے کام نہ آئے گا۔ مشرک جاہلی قوموں میں تو خیر یہ وبا عام تھی ہی۔ یہود اہل کتاب کے ہاں بھی یہ عقیدہ پختہ طور پر قائم ہو گیا تھا کہ موروثوں اور بزرگوں کا مقبولین میں سے ہونا۔ اخلاف و اولاد کے لئے بالکل کافی ہے اور جو لوگ پیمبروں کی نسل میں سے ہیں انہیں کچھ ہاتھ پیر ہلانے بلکہ تصحیح عقائد تک کی ضرورت نہیں اور مسیحیت نے تو نجات کا سارا دارومدار ہی آکر کفارہ و شفاعت کے عقائد پر ٹھہرا دیا۔ قرآن مجید اس کے برعکس سارا زور ہر فرد کی ذمہ داری اور مسئولیت پر دیتا ہے اور نجات کا دارومدار بعد فضل خداوندی کے اسی کو ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اسی مسئلہ کا اثبات ہے — رہا یہ مسئلہ کہ کوئی شخص اپنے کسی دوست، عزیز، بزرگ وغیرہ کے لئے اپنے کچھ حقوق اپنی خوشی سے چھوڑ دے تو یہ اس آیت کے ہرگز منافی نہیں۔ یہ تو مومن کے حق میں دوسرے مومن کی طرف سے صورت دعا کی ہے، یہ کیوں نہ قبول ہوگی۔ اور مسئلہ ایصال ثواب اموات کا احادیث صحیحہ متعددہ کی بناء پر اپنی جگہ پر بالکل ثابت ہے۔ وردت اخبار صحيحة بنفع الصدقة عن الميت منها ما اخرجه مسلم والبخارى و ابوداؤد والنسائى (روح) اور فقہاء مفسرین نے اس کی متعدد توجیہات درج کی ہیں۔ واما ماصح فى الاخبار من الصدقة عن الميت والحج عنه فقد قيل ان سعى غيره لما لم ينفعه الا مبنيًا على سعى نفسه وهو ان يكون مؤمنًا كان سعى غيره كانه سعى نفسه لكونه تابعًاله وقائما بقيا مه ولان سعى غيره لا ينفعه اذا عمله لنفسه ولكن اذانواه به فهو بحكم الشرع كالنائب عنه والوكيل القائم مقامه (مدارک) ف۳۴ (سو ان اطلاعات کے باوجود بھی انسان کا اپنے انجام کی طرف سے نڈر اور اپنی فلاح کی طرف سے غافل اور اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ رہنا کیسا عجیب ہے) الۡجَزَآءَ الۡاَوۡفٰى۔ اس میں تنبیہ ہے کہ جزائے اعمال بالکل پوری پوری ملے گی۔ وہاں کے حساب کتاب میں کسی غلطی، دھوکے، فروگذاشت، بھول چوک کا امکان نہیں۔ اِلٰى رَبِّكَ الۡمُنۡتَهٰى۔ اتنے جزء سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ ہر آغاز کا ایک انجام ہوتا ہے کوئی چیز لاانتہاء اور بے نہایت نہیں ہوتی، دوسرے یہ کہ ہر شے کا آخری رجوع حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے نہ کہ کسی اور کی طرف۔ ف۳۵ (رحم مادر میں) آیت کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ تمام واقعات غم و مسرت، سارے اسباب موت و حیات، ہر قسم کی تخلیق کی اصلی اور آخری علت صرف ذات حق تعالیٰ ہے، کوئی ان صفات میں اس کا شریک و سہیم نہیں اور نہ اس کے یہ صفات و افعال مختلف دیویوں و دیوتاؤں کے درمیان تقسیم ہیں کہ جلانا اور پیدا کرنا کسی اور کے ہاتھ میں اور مارنا اور فنا کرنا کسی اور کے اختیار میں۔ خوش نصیبی کا تعلق فلاں سے ہو اور بد نصیبی کا فلاں سے۔ ف۳۶ یعنی دھن دولت، سرمایہ دیتا بھی ہے اور وہی اسے محفوظ بھی رکھتا ہے۔ لکشمی دیوی وغیرہ کسی اور کا اس میں دخل نہیں۔ النَّشۡاَةَ الۡاُخۡرٰى۔ یعنی وہ بعث ثانی جو قیامت کے دن ہوگا۔ عَلَيۡهِ۔ یعنی اس کا وقوع ایسا ضروری ہے، کہ حق تعالیٰ پر وہ گویا واجب ہے یا حق تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ حالانکہ حقیقۃً کوئی شے بھی حق تعالیٰ پر واجب نہیں ہو سکتی۔ واجب ہونے کے معنی کسی برتر قانون کے ماتحت پابندی کے ہیں۔ اور ارادہ الٰہی سے بڑھ کر کون قانون ہو سکتا ہے جس کا وہ ماتحت یا پابند ہو۔ اسی لئے اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر واجب کوئی سی بھی چیز نہیں۔ ف۳۷ (جسے تم معبود سمجھ کر پرستش کر رہے ہو) الشِّعۡرٰى۔ شعریٰ سے مراد مطلق ستارہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن الشِّعۡرٰى یا شعرائے یمانی نام ستارہ جوزاء کا ہے۔ علماء ہیئت کی تحقیق میں یہ آسمان کا روشن ترین ستارہ ہے۔ اس کی پرستش نہ صرف عربوں میں بلکہ متعدد قدیم مشرک، جاہلی قوموں، مصریوں، یونانیوں، رومیوں وغیرہ میں کثرت و شدت سے ہوتی رہی ہے۔ قرآن مجید نے اس کا نام اس سیاق میں لا کر سارے نظام ستارہ پرستی پر ضرب لگا دی۔ ذو الشعریٰ۔ کی مورتی ایک چوکور سیاہ پتھر کی تھی اور زمین سے چار فٹ بلند اور دو فٹ چوڑی زمین پر نصب رہتی تھی — مغربی محققین کا بیان ہے کہ الحجر کے نباطی عہد کے کتبوں میں اس دیوی کا نام منات دیوی کے نام کے ساتھ ساتھ ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۳۸ (اور یہ ساری ہلاکتیں جرم کفر و شرک ہی کی پاداش میں ہوئیں)

وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ

اور ان سے پہلے نوح کی قوم کو (ہلاک کیا) بے شک وہ اور بھی بڑھے ہوئے ظالم

وَ اَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا

و سرکش تھے اور الٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا، پھر اُن بستیوں کو گھیر لیا، جس چیز نے کہ

غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِیْرٌ

گھیر لیا ۳۹ سو تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں میں شک کرتا رہے گا؟ ۴۰ یہ ڈرانے والے (پیمبر) بھی پہلے

مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَیْسَ لَهَا

ڈرانے والوں میں سے ہیں وہ قریب آ جانے والی چیز قریب آ گئی، اللہ کے سوا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ

اُس کا کوئی ہٹانے والا نہیں ۴۱ سو کیا تم لوگ اس کلام سے

تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اَنْتُمْ

تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو؟ ۴۲ اور تم

سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

تکبر کرتے ہو غرض یہ کہ اللہ کی اطاعت کرو اور عبادت کرو ۴۳

السجدۃ ۱۳ ع ۳

رکوعاتها ۳	۵۴ سورۃ القمر مکیۃ ۳۷	اٰیاتها ۵۵
اور تین رکوع ہیں	سورۂ قمر مکہ میں نازل ہوئی	اس کی پچپن آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿۱﴾ وَ اِنْ یَّرَوْا اٰیَةً

قیامت نزدیک آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا ۱ اور یہ اگر کوئی نشان دیکھ لیتے ہیں

و۳۹ یعنی عذاب الٰہی نے۔ وَالْمُؤْتَفِكَةَ۔ الٹی ہوئی بستیوں سے مراد قوم لوط کے شہر ہیں، مغربی شام میں، بحر مردہ کے نواح میں۔ مَا غَشّٰى۔ یہ ابہام، اسلوبِ عرب کے مطابق، عذاب الٰہی کی عظمت وہولناکی کے اظہار کے لئے ہے۔ وَقَوْمَ...... اَطْغٰى۔ نوح وقوم نوح دونوں پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ و۴۰ (اے مخاطب!) مقصود کافر مخاطب کی حماقت پر اظہار تاسف ہے کہ اے احمق بجائے اس کے کہ ان مضامین کی تصدیق سے تو فائدہ اٹھاتا تو الٹا ان سے انکار وشک کر رہا ہے۔ اٰلَآءِ رَبِّكَ۔ ان سارے مضامین سے آگاہی۔ ان کے متعلق احکام وہدایات یہ سب بھی تو اللہ کی نعمتیں ہی ہیں۔ و۴۱ (تو کسی اور کے بھروسہ پر اُدھر سے بے خبر رہنا انتہائی محرومی اور بدبختی کی بات ہے، چاہئے کہ ان پیمبر کا کہنا مانو) هٰذَا۔ اشارہ رسول ﷺ کی جانب ہے اور جائز ہے کہ قرآن کی جانب سمجھا جائے۔ و۴۲ (خوف مؤاخذۂ آخرت سے) تَعْجَبُوْنَ۔ یعنی بے یقینی کے ساتھ اور اسے مستبعد سمجھ کر اس پر اظہار حیرت کر رہے ہو۔ وَتَضْحَكُوْنَ۔ اور انکار واستہزاء کیساتھ اس کی ہنسی اڑا رہے ہو۔ و۴۳ (حسب تعلیم وہدایت پیمبر، تا کہ فلاح دارین حاصل کرو) سٰمِدُوْنَ۔ یعنی اپنے جہل وغفلت کی بناء پر طاعتِ الٰہی سے عار محسوس کر رہے ہو۔ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ۔ سجدہ۔ یہاں اپنے لفظی معنی، خضوع واطاعت کے مفہوم میں لیا گیا ہے۔ ای فاخضعوا الله واخلصوا ووحدوہ (ابن کثیر) لیکن آیت حنفیہ کے نزدیک سجدہ کی ہے، اور اس پر پہنچ کر رسول ﷺ سے سجدہ کرنا منقول ہے۔ هٰذه اٰية سجدة عند اكثر اهل العلم وقد سجد النبی ﷺ عندها (روح) و۱ معجزہ شق القمر رسول ﷺ کے مشہور معجزات میں سے ہے۔ حضور ﷺ کا قیام مکہ میں تھا اور ہجرت کو ابھی ۵ سال کا زمانہ باقی تھا کہ ایک مرتبہ غالباً بتقریب حج جب منٰی میں اجتماع تھا تو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ سے معجزہ کی فرمائش کی۔ آپ ﷺ نے باذنِ الٰہی چاند کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور وہ لوگوں کو دو ٹکڑوں میں پھٹا ہوا نظر آیا۔ یہاں اس معجزۂ روشن کا ذکر ہے۔ جو لوگ اپنے خدا کو عاجز اور محدود الاختیار اور ناقص القویٰ سمجھتے ہیں یا اپنی نافہمی سے سرے سے امکان معجزہ وخرق عادت ہی کے قائل نہیں، ان سے تو گفتگو دوسرے رخ سے کی جائے گی (اور جا بجا ان سے یہی خطاب ان حاشیوں میں آ چکا ہے) البتہ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ خدائے تعالٰی اپنی حکمت لامحدود اور قدرت نامتناہی کے لحاظ سے جو واقعہ اور جس طرح جب چاہے دنیا میں واقع کر سکتا ہے اور کرتا رہتا بھی ہے، ان سے عرض ہے کہ ایسے سارے واقعات کا ثبوت صرف تاریخی ہی ہو سکتا ہے۔ اور اسی کا نام دلیل نقلی ہے۔ (جو کوئی حقیر چیز نہیں بلکہ دلیل عقلی ہی کے مساوی الوزن اور ہم مرتبہ ہے) اور اس واقعۂ خاص کے ثبوت میں شہادتیں بڑی کثرت سے اور بڑی وزن کی موجود ہیں۔ چنانچہ:۔

قد كان هٰذا فی زمان ﷺ كما ورد ذالک فی الاحادیث المتواترة بالاسانید الصحیحة وهٰذا امر متفق علیه بین العلماء ان انشقاق القمر قد وقع فی زمان النبی صلی الله علیه وسلم وانه كان احدی المعجزات الباهرات (ابن کثیر)

یہ واقعہ رسول ﷺ کے زمان مبارک میں پیش آیا جیسا کہ متعدد احادیث میں اسنادِ صحیح کے ساتھ آ چکا ہے اور اس مسئلہ پر سارے اہل علم کا اتفاق ہے کہ شق قمر رسول ﷺ کے زمان مبارک میں واقع ہوا ہے اور اس کا شمار آپ کے مشہور معجزات میں ہے۔

یہاں تک کہ بہتوں نے اس کے تواتر کا بھی دعویٰ کیا ہے:۔

وذلک علی عهد رسول الله ﷺ قبل الهجرة بنحو خمس سنین ......والاحادیث الصحیحة فی الانشقاق كثیرة واختلف فی تواترهٖ فقیل هو غیر متواتر و فی شرح المواقف الشریف انه متواتر وهو الذی اختاره العلامة ابن السبكی قال فی شرحه لمختصر ابن الحاجب الصحیح عندی ان انشقاق القمر متواتر منصوص علیه فی القراٰن مروی فی الصحیحین و غیر هما من طرق شتّٰی بحیث لایمتری فی تواتره (روح)

یہ واقعہ رسول ﷺ کے عہد مبارک میں ہجرت سے ۵ سال قبل پیش آیا تھا اور شق کے بارے میں صحیح حدیثیں کثرت سے آئی ہیں۔ اور اس خبر کے متواتر ہونے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ یہ قول بھی ہے کہ خبر غیر متواتر ہے اور شریف کی شرح مواقف میں ہے کہ یہ خبر متواتر ہے اور یہی مسلک ابن السبکی کا بھی ہے جنہوں نے المختصر لابن حاجب کی شرح میں لکھا ہے کہ شق قمر کی خبر متواتر ہے، جس پر خود قرآن کی نص اور صحیحین وغیرہ کی نص متعدد طریقوں پر اس طرح گواہ ہیں کہ اب اس کے تواتر میں کلام نہیں کیا جا سکتا۔

قد تواتر الخبر به عن الصحابة ولم ینكر به منهم احد (جصاص)۔ ''حضرات صحابہ سے یہ نقل متواتر ہو کر پہنچی ہے اور اس کا انکار کسی صحابی نے بھی نہیں کیا''۔ احادیث میں یہ خبر ایک نہیں، دس دس صحابیوں سے روایت ہوئی ہے۔ جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس بن مالک وغیرہم شامل ہیں۔ روی انشقاق القمر عشرة من الصحابة منهم عبدالله بن مسعود و ابن عمر وانس وابن عباس وحذیفه وجبیر بن مطعم فی اٰخرین كرهت ذكر اسانیدها للاطالة (جصاص) آیت کا یہ مطلب تو کھلا ہوا، الفاظ قرآنی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نہایت قریب آ گئی ہے اور اس کے آثار وعلامات قرب میں سے یہ واقعہ شق القمر واقع ہو گیا ۔۔۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واقعہ شق قمر خود ایک دلیل وقوع قیامت پر اور

اس کی ایک نظیر ہے۔ جس طرح آج یہ چاند دو ٹکڑے ہوگیا، اسی طرح اس روز کائنات کی ہر چیز پارہ پارہ ہو کر رہے گی۔ ف۲ (جیسا کہ ہر سحر ایک عارضی چمک دمک کے بعد فنا ہو جاتا ہے) ذکر مشرکین مکہ اور ان کی شدت ضد و عناد کا ہو رہا ہے کہ یہ لوگ صریح سے بھی صریح واضح سے بھی واضح نشان غیبی دیکھ کر اس کی طرف اصلاً التفات نہیں کرتے بلکہ اسے سحر پر محمول کر کے اس کی طرف سے بے پروا ہو جاتے ہیں اور یہی کہنے لگتے ہیں کہ بس جیسے اور جادو کے کرشمے وقتی اور چند روزہ ہوتے ہیں، یہ جادو بھی ایک مدت کے اندر ختم ہو جائے گا۔ مُسْتَمِرٌّ۔ مٹ جانے والا، عارضی، فانی، اے ذاھب قالہ مجاھد وقتادۃ وغیرھما اے باطل مضمحل لا دوام لہ (ابن کثیر) ف۳ یعنی بعد چندے ہر امر کی اصلی حالت معین ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس دین سے متعلق بھی نظر آجائے گا کہ آیا یہ کوئی سحر یا ڈھکوسلا ہے اور یا کوئی باقی رہ جانے والی حقیقت۔ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ۔ اس سے اس جانب اشارہ ہو گیا کہ تکذیب و اعراض بھی محض ہوائے نفس سے تھا۔ اس کی تہ میں کوئی عقلی اشتباہ نہ تھا۔ ف۴ (اور ان سے پورا اور واضح نتیجہ عقوبت عاجل سے متعلق نکل سکتا ہے) مِنَ الْاَنْبَآءِ۔ یعنی پرانی نافرمان قوموں کے زیر عذاب آنے اور ہلاک و برباد ہونے کے متعلق خبریں۔ ف۵ یعنی آپ ایسے لوگوں کے متعلق جن کا یہ حال ہو چکا ہے اور جو اس درجہ مسخ ہو چکے ہیں، کچھ زیادہ فکر و تردد میں نہ پڑیے۔ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ۔ یہ بیان ہو رہا ہے ان لوگوں کے غایت جمود و شدت تصلب کا کہ یہ انذاری نشانات سے کچھ بھی عبرت و ہدایت حاصل نہیں کرتے۔ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ۔ یہ قرآن اعلیٰ حکمتوں اور دانشمندیوں کا مجموعہ ہے۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اس میں جو سامان عبرت پرانے قصص سے رکھ دیا گیا ہے وہ نہایت پُرحکمت ہے۔ ف۶ (اور واقع میں وہ وقت کافروں کے لئے انتہائی سخت ہوگا بھی) بیان روز حشر کی ہولناکیوں اور دہشت انگیزیوں کا ہو رہا ہے۔ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ۔ منکروں کی آنکھیں اس روز تو کچھ ندامت سے اور کچھ ہیبت سے اور پھر کچھ احساس ذلت سے بہرحال زمین کی طرف لگی ہوں گی۔ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ۔ انسانوں کے اس انبوہ عظیم کی قریب ترین مثال جو اس دنیا میں دی جا سکتی ہے وہ ٹڈی دَل ہی کی ہے۔ ٹڈی دَل جب کبھی اپنی پوری قوت کے ساتھ ظہور پذیر ہوتا ہے تو ساری فضائے آسمانی پر میلوں بلکہ منزلوں تک ٹڈیوں کے دَل بادل تہ بہ تہ چھا جاتے ہیں اور دن کی روشنی ماند ہو کر تاریکی پھیل جاتی ہے۔ مبصرین کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مشرقی افریقہ میں جب ٹڈی دَل پوری قوت کے ساتھ آیا ہے تو عرض میں تین میل اور طول میں ساٹھ میل تک تھا! اور ٹڈیوں کی تعداد کا تخمینہ اس وقت سو کھرب یا ایک نیل (۱،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰۰) کا کیا گیا! — اور بعض دَل اس سے بھی بڑے بڑے مشاہدہ میں آچکے ہیں! ف۷ (سنگساری وغیرہ۔ آزار رسانی کی) سنگساری کی دھمکی کی تصریح تو سورۃ الشعراء میں آ بھی چکی ہے۔ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ۔ عَبْدَنَا سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کا ہونا بالکل ظاہر ہے — عبد کا لفظ جب اس کی اضافت حق تعالیٰ کی جانب ہو، قرب یا مرتبہ خصوصی کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ اور عبدنا یا عبد اللہ کا استعمال محاورۂ قرآنی میں ہمیشہ لطف و رحمت ہی کے مخصوص موقعوں پر ہوا ہے۔ ف۸ (کہ میں عاجز و ناتواں ان لوگوں سے مقابلہ نہیں کر سکتا، اللہ اللہ! کیا شان بے نیازی ہے۔

يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝٢ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا

تو (اسے) ٹال جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں (یہ) جادو ہے جو ابھی ختم ہو جائے گا ف۲ اور ان لوگوں نے جھٹلایا اور

اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝٣ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ

اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر بات کو قرار آجاتا ہے ف۳ اور ان لوگوں کے پاس

الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝٤ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ

خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں کہ جن میں کافی عبرت ہے ف۴ اعلیٰ درجہ کی دانشمندی ہے، مگر ڈرانے والی چیزیں

النُّذُرُ ۝٥ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ

انہیں کچھ فائدہ نہیں دیتیں، سو آپ ان کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے ف۵ جس روز ایک بلانے والا (فرشتہ)

نُّكُرٍ ۝٦ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ

انہیں ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا، ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی، قبروں سے (اس طرح) نکل رہے ہوں گے

كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝٧ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ

جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے دوڑے چلے آ رہے ہوں گے بلانے والے کی طرف، کافر لوگ کہتے

الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝٨ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ

ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے ف۶ ان لوگوں سے پہلے نوح کی قوم والے تکذیب

فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝٩ فَدَعَا رَبَّهٗٓ

کر چکے ہیں، سو انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ مجنون ہیں اور (نوح کو) دھمکی بھی دی گئی ف۷

اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝١٠ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ

اس پر انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں درماندہ ہوں سو تو بدلہ لے لے ف۸ سو ہم نے آسمان کے دروازے کھول

مُّنْهَمِرٍ ۝١١ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى

دیئے بکثرت برسنے والے پانی سے، اور زمین میں چشمے چھوڑ دیئے سو پورا پانی مل گیا اس کام کے لئے

وقف لازم

پیمبر عین داعی حق بنا کر بھیجے جاتے ہیں اور وہ جا کر باغیوں، منکروں کے ہاتھوں اتنی ایذائیں اٹھاتے ہیں کہ ہر طرح اپنی مغلوبیت اور بے بسی محسوس کر کے آخر کار دعاء اور دعائے انتقام پر مجبور ہو جاتے ہیں! سچ کہا ہے کسی عارف نے ؎

ما پروریم دشمن وما می کشیم دوست — کس را رسد نہ چون وچرا در قضائے ما

اَمۡرٍ قَدۡ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ وَ حَمَلۡنٰهُ عَلٰی ذَاتِ اَلۡوَاحٍ وَّ دُسُرٍ ﴿۱۳﴾

جو تجویز ہو چکا تھا و۹ اور ہم نے نوح کو سوار کر دیا تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر

تَجۡرِیۡ بِاَعۡیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنۡ کَانَ کُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَ لَقَدۡ تَّرَکۡنٰهَاۤ

جو ہماری نگرانی میں رواں تھی و۱۰ (یہ سب) انتقام میں اس شخص کے تھا جس کا انکار کیا گیا تھا و۱۱ اور ہم نے اس واقعہ کو نشان

اٰیَةً فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ﴿۱۵﴾ فَکَیۡفَ کَانَ عَذَابِیۡ وَ نُذُرِ ﴿۱۶﴾

(عبرت) کے طور پر رہنے دیا، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا و۱۲ سو (دیکھو) میرا عذاب اور میری تنبیہیں کیسی ہیں؟ و۱۳

وَ لَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ﴿۱۷﴾ کَذَّبَتۡ

اور ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ و۱۴ عاد نے بھی

عَادٌ فَکَیۡفَ کَانَ عَذَابِیۡ وَ نُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ

تکذیب کی، سو (دیکھو) میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی رہیں؟ ہم نے اُن پر ایک

رِیۡحًا صَرۡصَرًا فِیۡ یَوۡمِ نَحۡسٍ مُّسۡتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنۡزِعُ

تند ہوا مسلط کی ایک دائمی نحوست کے دن و۱۵ لوگوں کو (اس طرح) اکھاڑ پھینکتی تھی

النَّاسَ ۙ کَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ مُّنۡقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَکَیۡفَ کَانَ

کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں و۱۶ سو (دیکھو) میرا

عَذَابِیۡ وَ نُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَ لَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَهَلۡ مِنۡ

عذاب اور میری تنبیہیں کیسی رہیں؟ اور قرآن کو ہم نے آسان کر دیا ہے نصیحت حاصل کرنے کو، سو ہے کوئی نصیحت حاصل

مُّدَّکِرٍ ﴿۲۲﴾ کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرًا مِّنَّا

کرنے والا و۱۷ ثمود نے بھی تنبیہ کرنے والوں کی تکذیب کی، اور بولے کہ کیا ہم اپنے ہی ہم جنس

وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِیۡ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلۡقِیَ

ایک انسان کی پیروی کریں اور وہ بھی اکیلا پھر تو ہم نرے بیوقوف اور مجنون ٹھہرے و۱۸ کیا ہم سب میں سے

و۹ اور وہ امر مقدر یا تجویز شدہ کیا تھا؟ منکروں، سرکش منکروں کی غرقابی فَفَتَحۡنَاۤ ...... مُّنۡهَمِرٍ۔ یعنی اوپر آسمان سے بھی خوب بارش ہوئی۔ وَّ فَجَّرۡنَا الۡاَرۡضَ عُیُوۡنًا۔ یعنی ادھر زمین کے بھی سوتے ابل پڑے۔ فَالۡتَقَی ...... قُدِرَ۔ غرض یہ کہ اوپر کے پانی اور نیچے کے پانی دونوں نے مل ملا کر خدائی منصوبہ کی تکمیل کر دی۔ قصہ طوفان نوح پر مفصل حاشیے سورۂ ہود (پ۱۲) میں گزر چکے۔ و۱۰ (اور اس لئے ہر قسم کے گزند و آفت سے معجزانہ طور پر محفوظ تھی) حَمَلۡنٰهُ۔ کشتی میں حضرت نوح کے ساتھ ساتھ ان کے متبعین مؤمنین بھی سوار تھے۔ ذَاتِ اَلۡوَاحٍ وَّ دُسُرٍ۔ آہنی آلات سے چرے ہوئے چوبیں تختے اور لوہے کی بنی ہوئی ڈھلی ہوئی کیلیں اور باقاعدہ کشتی سازی یہ سب شہادتیں ہیں اس امر کی کہ قوم نوح ایک اچھی مہذب و متمدن قوم تھی۔ و۱۱ (اور جس کے لائے ہوئے پیام کو جھٹلایا گیا تھا) اس پیام کا جزء اعظم توحید تھا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں دلالت اس امر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبولین کی طرف سے بھی انتقام لے لیا کرتا ہے۔ و۱۲ (عبرت و موعظت کے ان کھلے ہوئے مضامین کو سن کر) وَلَقَدۡ تَّرَکۡنٰهَاۤ اٰیَةً۔ یہ نشان عبرت محفوظ کر دیا گیا لوگوں کے حافظہ میں، تاریخ کے اوراق میں۔

و۱۳ یعنی میرا وعدۂ عذاب کیسا پورا ہو کر اور نفس عذاب کیسا واقع ہو کر رہا۔

و۱۴ (عبرت و موعظت کے ان کھلے ہوئے مضامین کو سن کر) وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ۔ یَسَّرۡنَا۔ سے اشارہ اس حقیقت کی جانب ہو گیا کہ یہ محض توفیق و احسان الٰہی ہے، جس نے قرآن کو آسان کر دیا ہے، ورنہ یہ چیز انسانی فہم و دماغ کے بس کی نہ تھی۔ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ۔ لِلذِّکۡرِ کی قید نے اسے صاف کر دیا کہ قرآن مجید آسان تو بے شک ہے، لیکن صرف عبرت و تذکیر، ترغیب و ترہیب کے اعتبار سے۔ استنباط مسائل بجائے خود ایک مستقل و دقیق فن ہے۔ ملکۂ خصوصی و مہارت تحقیقی کا محتاج۔ و۱۵ (ایسی مستقل و پائدار نحوست ان کے حق میں لے کر، کہ پھر وہ عذاب الٰہی ان سے زندگی بھر بھی نہ ٹلا۔ بلکہ بعد موت بھی انہیں عذاب آخرت کے حوالہ کرے گا) یَوۡمِ۔ مراد مطلق زمانہ سے ہے۔ کوئی ایک متعین و محدود مدت مراد نہیں۔ و۱۶ اس طوفانی آندھی نے اس مضبوط و تنومند، توانا اور لحیم و شحیم قوم کو یوں اٹھا اٹھا کر پٹخا جیسے کسی تیز و تند آندھی کے اثر سے بڑے بڑے کھجوروں کے جمے جمائے ہوئے تنے دور دور جا کر گرتے ہیں۔ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس قرآنی تشبیہ میں علاوہ ان لوگوں کے پھینکے جانے کے اشارہ ان کے قوی جسموں اور طویل قامتوں کی طرف بھی نکلتا ہے۔ قوم عاد کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کئی بار آچکا ہے۔ حاشیے بار بار گزر چکے۔

و۱۷ بڑا ہی بدنصیب ہے وہ جو قرآن مجید کے پر عبرت و سبق آموز قصوں سے گزرے اور محض گزرتا چلا جائے، ان سے انجام بینی کے سبق نہ حاصل کرے۔

و۱۸ یعنی یہ کوئی دیوی دیوتا ہوتا، کوئی خدائی اوتار ہوتا، جب تو خیر ایک بات بھی تھی۔ لیکن جب یہ کچھ بھی نہیں، اپنے ہی ہم جنس، اپنے ہی جیسے ایک انسان کے پیچھے لگ جانا، اس کی راہ پر چل پڑنا، اور پھر وہ انسان بھی کیسا، نہ اس کے ساتھ کوئی کر و فر نہ کوئی جاہ و شکوہ، یہ بھی بھلا عقل کی کوئی بات ہے؟ ساری دنیا ہمیں کیسا اُلو بنائے گی! اَبَشَرًا مِّنَّا۔ پیمبر کی یہ بشریت ہی سب سے بڑی رکاوٹ، مشرکوں اور شرک پیشہ لوگوں کے قبول حق کی راہ میں رہی ہے۔

الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿۲۵﴾

اسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ بلکہ یہ بڑا جھوٹا ہے، شیخی باز ہے و۱۹

سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿۲۶﴾ إِنَّا مُرْسِلُوا

انہیں عنقریب کل ہی معلوم ہوا جاتا ہے کہ بڑا جھوٹا اور شیخی باز کون تھا و۲۰ ہم اونٹنی کو ظاہر

النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ

کرنے والے ہیں اُن کی آزمائش کے لئے سو انہیں دیکھتے بھالتے رہنا اور صبر سے بیٹھے رہنا، اور خبر دے دینا کہ

الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا

پانی اُن کے درمیان بانٹ دیا گیا ہے ہر ایک باری پر باری والا حاضر ہوا کرے و۲۱ پھر انہوں نے

صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي

اپنے رفیق کو بلایا، سو اُس نے (اس پر) وار کیا اور (اس کو) ہلاک کر ڈالا، سو دیکھو میرا عذاب اور

وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا

میری تنبیہات کیسی رہیں؟ ہم نے اُن پر ایک ہی نعرہ مسلط کیا سو وہ ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑ

كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ

لگانے والے کا چورا و۲۲ اور ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے نصیحت حاصل کرنے کے لئے، سو ہے کوئی

مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا

نصیحت حاصل کرنے والا؟ لوط کی قوم نے ڈرانے والوں کی تکذیب کی، ہم نے اُن پر

عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ ۖ نَّجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾

پتھر برسائے، بجز خاندان لوط کے کہ انہیں صبح تڑکے بچا لیا

نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي مَن شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ

اپنی طرف سے فضل کر کے و۲۳ جو شکر کرتا ہے اُسے ہم صلہ ہی ایسا دیا کرتے ہیں و۲۴ اور

و۱۹ (جو شیخی کے مارے باتیں ایسی بڑائی کی کرتا ہے کہ اسے سرداری مل جائے) اللہ اللہ! یہ پیمبر کا درجہ ہے۔ منکروں، مسخ شدہ ذہنیت والے منکروں کی نظر میں!۔ شیطان کے تسلط کے بعد کوئی حد ہی انسان کی سخافت فکر کی نہیں رہ جاتی! و۲۰ غَدًا۔ مراد "مرتے ہی" ہے۔ دنیوی عذاب کی آمد بھی مراد ہو سکتی ہے۔ مقصود بہر صورت متوقع عذاب کی تاکید و تیقن ہے۔ عند نزول العذاب بھم او یوم القیامة (مدارک) الْكَذَّابُ۔ جھوٹے اور سخت جھوٹے یہ لوگ ثابت ہوں گے بلحاظ انکار توحید و رسالت کے۔ الْأَشِرُ۔ شیخی باز یہ لوگ ثابت ہوں گے اس لحاظ سے کہ انہیں نبی کے اتباع میں عار آتا تھا۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اصلاح سے مایوس ہو جانے کے بعد اہل طریق بھی اسی طرز پر معاندین کو جواب دیتے ہیں۔ و۲۱ یعنی اونٹنی اپنی باری پر پانی پینے آئے اور لوگوں کے جانور اپنی باری پر۔ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ۔ یعنی ہم اونٹنی کا ظہور بطور معجزہ کے کریں گے۔ حضرت صالح اور قوم ثمود کا ذکر اوپر کئی بار آ چکا۔ اور حاشیے بھی بار بار گزر چکے۔ و۲۲ یعنی جیسے مواشی وغیرہ سے حفاظت کے لئے کھیت کے گرد کانٹوں کی باڑ لگا دیتے ہیں اور چند روز بعد وہ سب چورا چورا ہو جاتی ہے، بس اسی طرح پر وہ پُر قوت و پُر عظمت قوم ہلاک و برباد ہو کر رہی۔— تشبیہ خاص عربوں کے مذاق کی ہے جسے وہ خوب اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ و۲۳ یعنی انہیں بستی سے باہر نکال کر عذاب سے محفوظ کر دیا۔ إِلَّا آلَ لُوطٍ۔ عذاب سے محفوظ صرف خاندان لوط رکھا گیا۔ لیکن نہ اس لئے کہ وہ لوگ نبی کے خاندان سے تھے بلکہ اس لئے کہ وہی لوگ تو ایمان لائے اور نبی کی تصدیق کرنے والے تھے ورنہ اگر محض اس خاندان سے ہونا محفوظیت کے لئے کافی ہوتا تو خود زوجہ حضرت لوط کیوں مبتلائے عذاب ہوتیں۔ بِالنُّذُرِ۔ نذر۔ نذیر کی جمع اور مراد پیمبر کی توجیہ، محض حضرت لوط کی تکذیب کی بنا پر یہ ہو سکتی ہے کہ ایک پیمبر کی تکذیب سارے پیمبروں کی تکذیب کو مستلزم ہے۔ و۲۴ یعنی اپنے قہر و عذاب سے بچا لیا کرتے ہیں۔ مَن شَكَرَ۔ شکر ادا کرنے سے یہاں مراد ایمان لانے سے ہے۔

اَنۡذَرَهُمۡ بَطۡشَتَنَا فَتَمَارَوۡا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَ لَقَدۡ رَاوَدُوۡهُ عَنۡ

لوط نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا تھا، سو انہوں نے (اس) ڈرانے میں جھگڑے نکالے ف۲۵ اور انہوں نے لوط سے

ضَيۡفِهٖ فَطَمَسۡنَاۤ اَعۡيُنَهُمۡ فَذُوۡقُوۡا عَذَابِىۡ وَ نُذُرِ ﴿۳۷﴾

اُن کے مہمان کو بارادہ بد لے لینا چاہا، تو ہم نے اُن کی آنکھیں پٹ کر دیں کہ لو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو،

وَ لَقَدۡ صَبَّحَهُمۡ بُكۡرَةً عَذَابٌ مُّسۡتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوۡقُوۡا

اور صبح سویرے ہی اُن پر عذاب دائمی آ پہنچا کہ لو میرے عذاب

عَذَابِىۡ وَ نُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَ لَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ

اور ڈرانے کا مزہ چکھو اور ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے نصیحت لینے کو سو ہے کوئی نصیحت

مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ وَ لَقَدۡ جَآءَ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوۡا

لینے والا؟ اور فرعون والوں کے پاس ڈرانے کی (بہت سی) چیزیں پہنچیں ف۲۶ انہوں نے ہماری

بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذۡنٰهُمۡ اَخۡذَ عَزِيۡزٍ مُّقۡتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمۡ

ساری نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے (انہیں) زبردست صاحب قدرت کی پکڑ پکڑی ف۲۷ تو کیا تمہارے (زمانہ کے) کافر

خَيۡرٌ مِّنۡ اُولٰٓئِكُمۡ اَمۡ لَكُمۡ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ

ان اگلے لوگوں سے کچھ بہتر ہیں؟ یا تمہارے لئے (آسمانی) نوشتوں میں کوئی معافی (درج) ہے؟ ف۲۸ یا یہ لوگ یہ کہتے ہیں

نَحۡنُ جَمِيۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَ يُوَلُّوۡنَ

کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہیں گے؟ ف۲۹ (سو) عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر

الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوۡعِدُهُمۡ وَ السَّاعَةُ اَدۡهٰى

بھاگیں گے ف۳۰ لیکن ان کا (اصل) وعدہ تو قیامت (کے دن) کا ہے اور قیامت بڑی سخت

وَ اَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الۡمُجۡرِمِيۡنَ فِىۡ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوۡمَ

اور ناگوار چیز ہے، (یہ) مجرمین بڑی غلطی اور بے عقلی میں (پڑے ہوئے) ہیں جس روز

ع ۱۸ وقف لازم

ف۲۵ (جیسا کہ ہر شریر و سرکش قوم نکالتی ہی رہتی ہے۔ فَتَمَارَوۡا بِالنُّذُرِ۔ یعنی کسی طرح آپ ﷺ کی تنبیہات پر یقین نہ کیا اور ان میں برابر حجتیں ہی نکالتے رہے۔ ف۲۶ ڈرانے کی متعدد چیزوں سے مراد حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے ارشادات بھی ہیں جو منذر تشریعی تھے اور معجزات بھی جو منذرات تکوینی تھے۔ ف۲۷ یعنی قہر و غلبہ کے ساتھ پکڑا جس کے دفع کرنے پر کوئی بھی قادر نہ ہوسکا۔ عَزِيۡزٍ مُّقۡتَدِرٍ۔ زبردست اور قدرت والا۔ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے؟ چنانچہ اسی مناسبت سے اس کی گرفت بھی سخت اور بے پناہ رہی۔ بعض مشرک جاہلی قوموں نے خدا کو خدا مان کر بھی صفات قہر وغضب سے محروم و معریٰ تسلیم کیا ہے۔ عزیز و مقتدر۔ جیسے صفاتی نام لانے سے ایک مقصود ان غلط عقائد کی تردید بھی ہے۔ ف۲۸ (اس لئے ہر کفر و شرک کے باوجود عذاب سے محفوظیت بھی) اکفارکم۔ خطاب اہل عرب سے ہے۔ یا معشر العرب (بیضاوی) الخطاب مع اهل مكة (کبیر) اُولٰٓئِكُمۡ۔ یعنی تمہارے وہ لوگ جن کی سزاؤں کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔ یعنی من الذين تقدم ذكر هم ممن اهلكوا بسبب تكذيبهم الرسل وكفر هم بالكتب (ابن کثیر) اَكُفَّارُكُمۡ خَيۡرٌ مِّنۡ اُولٰٓئِكُمۡ۔ یعنی کیا یہ آج کل کے کافر ارتکاب جرم کرتے رہیں گے۔ اور پھر بھی ان میں کوئی ایسی بات ہے جس سے یہ سزایابی سے بچے رہیں گے؟ ف۲۹ (ہمیشہ اور ہر حال میں) مطلب یہ ہوا کہ ان تین شقوں میں سے یہ کون سی شق اپنے لئے فرض کئے ہوئے ہیں؟ ف۳۰ سو اس طرح تینوں احتمالات کا کذب عنقریب اسی دنیا میں ظاہر ہو کر رہے گا۔ ریاست مکہ کے عین شباب، قوت اور غلبہ کے سارے ظاہری آثار و قرائن کے وقت ایک بظاہر بالکل بے یار و یاور شخص کی زبان سے ایسی زبردست پیشگوئی کا ادا ہونا اور پھر اس کا لفظ بلفظ پورا ہو جانا اعجاز قرآنی کے دلائل میں سے ایک زبردست دلیل ہے۔

يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ

یہ لوگ اپنے چہروں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے، تو اُن سے کہا جائے گا کہ دوزخ کے لگنے کا

سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا

مزہ چکھو ہم نے ہر چیز کو (ایک خاص) انداز سے پیدا کیا ہے ف۳۱ اور ہمارا حکم بس ایسا

وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ

یک بیک ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکا، ف۳۲ اور ہم تمہارے ہم طریقہ لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں،

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ

سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ ف۳۳ اور جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں وہ (سب) نوشتوں میں (درج) ہے، اور ہر

صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ

چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے ف۳۴ جو پرہیزگار ہیں ان باغوں اور نہروں کے

وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ لا فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ ع

درمیان ہوں گے، ایک اعلیٰ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے نزدیک ف۳۵

ع ۳ / ۱۵

اٰیاتها ۷۸ — ۵۵ سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ ۹۷ — رکوعاتها ۳

اس کی اٹھتر آیتیں — سورۂ رحمٰن مدینہ میں نازل ہوئی — اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ لا عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ ؕ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾ لا عَلَّمَهُ

خدائے رحمٰن ہی نے قرآن کی تعلیم دی ف۱ اسی نے انسان کو پیدا کیا، اس کو

الْبَيَانَ ﴿۴﴾ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿۵﴾ ص وَّالنَّجْمُ

گویائی سکھلائی ف۲ سورج اور چاند تک حساب کے (پابند) ہیں ف۳ اور سبزیاں

ف۳۱ (اوراسی انداز معین ومقرر میں تعین زمان بھی شامل ہے جب علم الٰہی کے مطابق وقت مناسب آئے گا اس وقت قیامت لازماً واقع ہو کر رہے گی نہ کہ اس کے قبل) اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ۔ مجرموں سے مراد یا تو مشرکین ہیں، یا وہ سارے فرقے جو یوم آخرت کی طرف سے ترددوارتیاب میں پڑے ہوئے ہیں۔ المشرکین (معالم) هذا يشتمل كل من اتصف بذلك من كافر و مبتدع من سائر الفرق (ابن کثیر) اِنَّ......سُعُرٍ۔ دنیا کی کوئی حماقت ونافہمی اس سے بڑھ کر اور ہو کیا سکتی ہے کہ جو چیز سب سے زیادہ قطعی اور یقینی ہے۔ انسان اس کی طرف سے غافل وبے فکر رہے۔ ف۳۲ عام فہم انسانی میں وقت کی جو قلیل سے قلیل اور مختصر ترین مدت آسکتی ہے وہ یہی آنکھ کی جھپک ہے۔ اور اسی لئے قرآن مجید نے بھی اسی چلے ہوئے انسانی محاورہ کو استعمال کیا ہے ورنہ امر الٰہی کی حقیقی سرعت کا اندازہ تو انسان غریب نہ خود کر سکتا ہے نہ اس کے بنائے ہوئے آلات پیمائش وقت۔ ف۳۳ (اے کافروا تم میں سے) مطلب یہ ہوا کہ جب طریق زندگی آج کے کافروں اور پچھلے منکروں میں مشترک ٹھہرا۔ تو عذاب بھی پچھلوں پر یقیناً اگلوں ہی کا سا آکر رہے گا۔ اَشْيَاعَكُمْ۔ یعنی پرانی قوموں میں سے جو تمہاری ہی مشابہ قومیں گزری ہیں۔ اے اشباهكم من الامم (مدارک) ف۳۴ (اور یہ نہیں کہ کچھ لکھا گیا ہو اور کچھ رہ گیا ہو) فِي الزُّبُرِ۔ یعنی اعمالناموں میں۔ اے مكتوب فی كتب الحفظة (بیضاوی) فی دواوین الحفظة (بحر) یہ نوشتوں کا پیش ہونا ثبوت جرم کی مزید اکملیت کے لئے ہوگا ورنہ ثبوت کی قطعیت کے لئے تو محض علم الٰہی کافی ہے۔ ف۳۵ یہ بشارت مزید ہے کہ جنت میں اور ساری مادی اور روحانی نعمتیں اور لذتیں تو خیر ہوں ہی گی۔ ان سب کے ساتھ دولت قرب بھی حاصل ہوگا۔ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ۔ یعنی اعلیٰ درجہ کے دلپسند وخوشگوار مقام میں۔ فی مكان مرضی (بیضاوی) عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔ دنیا میں تجربہ ہے کہ جو بادشاہ جتنا بڑا اور پرقوت، اتنا ہی اس کا قرب بھی باعث نفع ولذت چہ جائیکہ اس ملک الملوک، شہنشاہ اعظم وملیک مقتدر کا قرب! كلما كان الملك اشد اقتدارًا كان التقرب منه اشد التذاذًا (کبیر) عِنْدَ۔ قرب الٰہی سے مراد قرب معنوی ہے نہ کہ قرب مادی۔ والمراد منه قرب المنزلة والشان لا قرب المادة والمكان (کبیر) عندية منزلة و كرامة لا مسافة ومماسة (مدارک) نَهَرٍ۔ اسم جنس ہے صورۃً واحد۔ معنیً جمع۔ نهر فی معنى الجمع لكونه اسم جنس (کبیر)

ف۱ اور قرآن چونکہ سرتاسر رحمت اور فلاح دنیوی واخروی دونوں کے لئے بہترین ہدایت نامہ اور جامع ترین دستور العمل ہے اس لئے اس کا نزول اور انسان کو اس کی تعلیم بھی شان رحمانیت کا سب سے بڑا مظہر ہے اور اسی مناسبت سے سورت کی ابتداء اسی کے ذکر سے ہو رہی ہے۔ ف۲ نطق وبیان کی نعمت تکوینی حیثیت سے بہت بڑی نعمت ہے۔ انسانیت کے لئے بھی مایۂ شرف اور حیوانیت وانسانیت کے درمیان یہی فارق ہے۔ منطقیوں اور فلسفیوں نے انسان کی تعریف ہی جو حیوان ناطق سے کی ہے وہ سب اسی جانب مشیر ہے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ۔ انسان کا مقصد تخلیق چونکہ اسلام میں بہترین وبرترین اخروی نعمتوں سے سرفراز ہونا ہے اس لئے انسان کا خلعت وجود سے مشرف ہونا بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ دولفظی آیت سے اور بھی متعدد تعلیمات نکلتی ہیں:۔ (۱) ایک یہ کہ انسان خود بخود وجود میں نہیں آ گیا۔ کسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ (۲) پیدا کیا ہوا بھی خدائے رحمٰن کا ہے۔ اس لئے اس کی خلقت سرتاسر رحمت وحکمت ہی کا ثمرہ ہے۔ (۳) انسان اپنے خالق ورب سے متحد نہیں۔ اس کا مخلوق ہے۔ ف۳ یہ نمایاں ترین اور روشن ترین اجرام فلکی دن اور رات، ماہ وسال کے وجود میں لانے والے اور فصل وموسم کے تغیرات پیدا کرنے والے، اپنی رفتار میں طلوع وغروب میں گھٹاؤ، بڑھاؤ میں، ہر چیز میں خود ایک باقاعدہ حساب اور پورے ضابطہ کے پابند ہیں اور دیوی دیوتا بننے کی صلاحیت کا شائبہ ہی نہیں رکھتے۔ پرانی تحقیق یہ تھی کہ آفتاب زمین کے گرد گردش کرتا ہے۔ نئی تحقیق یہ ہے کہ آفتاب کسی اور مدار کے گرد گردش کر رہا ہے۔ بہرصورت اس کی نفس گردش اور کسی ضابطہ گردش کی پابندی مسلم ہے اور قرآن کی غرض صرف اسی حقیقت پر توجہ دلانا ہے۔

وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿٦﴾ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ

اور درخت دونوں (اُسی کے) مطیع ہیں ف۴ اور آسمان کو اُسی نے اُونچا کیا ف۵ اور اُسی نے ترازو

الْمِيزَانَ ﴿٧﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ﴿٨﴾ وَاَقِيمُوا الْوَزْنَ

وضع کر دی کہ تم تولنے میں گڑبڑ نہ کرو اور وزن کو ٹھیک رکھو

بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴿٩﴾ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا

انصاف کے ساتھ اور تول کو گھٹاؤ مت ف۶ اور اُسی نے زمین کو خلقت کے واسطے

لِلْاَنَامِ ﴿١٠﴾ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿١١﴾

رکھ دیا ف۷ کہ اُس میں میوے ہیں اور غلاف دار کھجور کے درخت ہیں

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اور (اس میں) غلہ بھی بھوسہ والا اور (اور) غذا کی چیز بھی ف۸ سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿١٣﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾

جھٹلاؤ گے؟ ف۹ اُسی نے انسان کو پیدا کیا (ایسی) مٹی سے جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿١٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اور جنات کو پیدا کیا خالص آگ سے ف۱۰ سو تم (اے جن وانس) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿١٦﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ فَبِاَيِّ

جھٹلاؤ گے؟ ف۱۱ وہ دونوں مشرقوں کا پروردگار ہے اور وہی دونوں مغربوں کا پروردگار ف۱۲ سو تم (اے جن وانس)

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٨﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾

اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اُسی نے دو دریاؤں کو ملایا کہ باہم ملے ہوئے بھی ہیں

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢١﴾

(اور) دونوں کے درمیان ایک حجاب (بھی) ہے کہ دونوں (آگے) بڑھ نہیں سکتے ف۱۳ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں

ف۴ (اور اسی کے قوانین تکوینی کے آگے سربجود) يَسْجُدٰنِ۔ سجدہ کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ یہاں اصطلاحی سجدۂ شرعی نہیں، محض انقیاد تکوینی مراد ہے۔ ای ينقاد ان لله تعالٰی (مدارک) وَالنَّجْمُ۔ نجم۔ وہ پودا جس میں تنا نہ ہو، مثلاً گھاس، ترکاریاں، بیلدار درخت۔ شرک کا ایک بڑا مظہر دنیا میں شجر پرستی اور نباتات پرستی بھی رہا ہے۔ آیت اس کی جڑ کاٹ رہی ہے ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۵ اور اتنا اونچا کہ انسانی عمارتیں، اور اونچے سے اونچے مینار و گنبد اور اونچے سے اونچے پہاڑ اور ہوائی جہازوں کی پرواز اس میں بآسانی و بفراغت تمام سما جاتے ہیں۔ آسمان بھی کوئی دیوی دیوتا نہیں جیسا کہ ساری قدیم متمدن مشرک قومیں سمجھتی رہی ہیں) بلکہ اللہ ہی کی دوسری مخلوقات کی طرح ایک مخلوق اور اس کی صنعت گری کا بہترین آئینہ دار ہے اور بس۔ ف۶ (اور اسی طرح معاملت کے ہر شعبہ میں پوری احتیاط برتو) وَوَضَعَ الْمِيزَانَ۔ یعنی زمین میں ایسی کارآمد چیز ایجاد کردی۔ ذرا خیال تو کیجئے کہ آج اگر انسان کے پاس بڑی اور چھوٹی، بھاری اور ہلکی چیزوں کے وزن کرنے کا آلہ موجود نہ ہوتا تو تجارت اور تجارتی منڈیاں درآمد برآمد، خرید و فروخت بیوپار اور ساہوکارہ، تھوک فروشی اور خوردہ فروشی بازار اور اس کی دوکانیں، غرض یہ کہ سارا کاروبار اور کاروباری تمدن کا کہیں بھی وجود ہوتا؟ الْمِيزَانَ۔ میزان کے معنی عدل کے بھی کئے گئے ہیں۔ قيل المراد من الميزان العدل و وضعه شرعه (کبیر) تجارت اور تجارتی معاملات میں تقوی، دیانت و احتیاط کی اہمیت اسی ایک حکم سے ظاہر ہے — عالم کے فلاح و بہبود کا مدار بڑی حد تک اسی حکم کی تعمیل پر ہے۔ ف۷ یعنی خلقت کے نفع و خدمت کے لئے۔ زمین تو خود انسان کے کام میں آنے کے لئے ہے نہ یہ کہ انسان اپنی جہالت سے الٹی اس کی پرستش شروع کر دے، اور دھرتی مائی وغیرہ کسی دیوی کی پوجا کرنے لگے۔ ف۸ (اور یہ سب نعمتیں انسان ہی کے کام میں آنے کے لئے ہیں، مراد ہر قسم کے نباتات، میوہ جات، پھل پھلاری، ترکاریاں وغیرہ ہیں) — قرآن مجید نے ان مادی، حسی، غذائی نعمتوں کو نعمتوں ہی کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ باطل اور مسخ شدہ مذہبوں کے زیر اثر ان نعمتوں کی تحقیر کرنا، یا اپنے کو ان سے ماوراء اور مافوق سمجھنا کفرانِ نعمت کی ایک فرد ہے۔ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ۔ جس طرح غلہ انسان کی غذا ہے، بھوسی بھوسہ گھاس وغیرہ جانوروں کی غذائیں ہیں۔ اور اس طرح بالواسطہ وہ بھی انسان ہی کے کام کی ہیں۔ الرَّيْحَانُ۔ ریحان کے دوسرے معنی خوشبودار پھول کے بھی ہیں۔ گویا یہ ارشاد ہوا کہ زمین سے ایسی چیزیں بھی نکلتی ہیں جو گو براہِ راست غذا میں نہیں کام آتیں۔ پھر بھی انسان ان سے خوشبو وغیرہ کا کام لیتا ہے۔ ف۹ (اور نعمتوں کے حقوق کی ادائی یہی ہے کہ منعم کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ اور دنیا میں اس کے قانون کے نفاذ میں مدد دی جائے) یہ خاص آیت اس سورت میں ۳۱ بار آئی ہے اور ہر بار ایک نئے سیاق میں اور نعمت کے ایک نئے مصداق کے ساتھ اس لئے تکرار صرف صوری ہے معنوی نہیں۔ لیکن بالفرض معنوی بھی ہوتی تو ظاہر ہے کہ جب اہل زبان نے اسے فصاحت زبان اور سلاستِ بیان میں مخل نہ سمجھا بلکہ اس میں ممد و معاون سمجھا اور اس کا شمار خاص ادبی صنعتوں میں کیا تو عربی ادب کے اس ہنر اور حسن کو اردو یا انگریزی یا ہندی یا چینی یا کسی بھی اور زبان و ادب کے معیار سے دیکھنا اور جانچنا جہل صریح نہیں تو اور کیا ہے؟ اور پھر اس کی نظیر سے تو نہ دنیا کے ادبی ذخیرے خالی ہیں نہ دنیا کے مذہبی نوشتے — دنیا کے ادیبانہ خطبات سے قطع نظر خاص کتاب زبور میں جو مناجات ۱۳٦ پر ۲٦ آیتوں کی ہے اس میں ایک خاص فقرہ "کہ اس کی رحمت اب تک ہے" کی تکرار بھی ۲٦ ہی بار آئی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نعمتوں کی جمیع اقسام سے نفع اُٹھانا تو خود مطلوب و مقصود ہے اور نہ زہد کے منافی ہے نہ تعلق مع اللہ کے مانع۔ جیسا کہ بعض اہل تقشف نے سمجھ رکھا ہے۔ ف۱۰ انسان اور جن کا مخلوق کی دو ۲ مختلف نوعیں ہونا یہاں جس صراحت سے مذکور ہے اس کے آگے صراحت کا کوئی اور درجہ ہو کیا سکتا ہے۔ حیرت اور اس سے زیادہ افسوس کا مقام ہے کہ ایسی ایسی متعدد قرآنی صراحتوں کے باوجود بعض باطل فرقوں کی کوششیں اب بھی جاری ہیں کہ جس طرح بھی کھینچ تان کر اور لغت اور نصوص قرآنی سے جس طرح بھی کشتی لڑ لڑ کر ممکن ہو جنات کو انسان ہی کی ایک قسم ثابت کر دکھائیں! — اس لئے اور محض اس لئے کہ فرنگیوں کو ابھی تک اپنی کسی تحقیق سے وجود جنات کا ثبوت نہیں ملا ہے! اکبرالہ آبادی کیا خوب فرما گئے ہیں ۔ کیونکر خدا کے عرش کے قائل ہوں یہ عزیز۔ جغرافیہ میں عرش کا نقشہ نہیں ملا! ف۱۱ جن مادی روحانی نعمتوں کا ذکر اس سیاق و سباق میں چل رہا ہے اس سے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جنات بھی ان سے اسی طرح مستفید ہو رہے ہیں جس طرح انسان۔ ف۱۲ مشرقین و مغربین۔ کے صیغۂ تثنیہ سے مراد چاند اور سورج کے طلوع ہونے والے دو ۲ افق اور انہیں دونوں کے غروب ہونے والے دو ۲ افق ہیں۔ ای مشرق الشمس والقمر ومغربهما (کبیر) محض سورج ہی کے دو ۲ مشرق اور دو ۲ مغرب (جاڑے اور گرمی کی فصلوں کی مناسبت سے) بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ ای مشرق الشتاء ومشرق الصيف (کبیر) ف۱۳ ماہرینِ فن کا بیان ہے کہ سطح زمین کے نیچے پانی کے دو مستقل نظام جاری ہیں۔ ایک سلسلہ آب شور کا ہے جو سمندروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرا سلسلہ آب شیریں کا ہے جو عموماً کنوئیں، دریاؤں، جھیلوں سے نکلتا رہتا ہے۔ کائنات انسانی کے واسطے دونوں اپنی اپنی جگہ نہایت ضروری ہیں۔ آیت میں اس حکمت و صنعت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دونوں نظام پوری طرح قائم بھی ہیں اور پھر ایک دوسرے سے گڈمڈ اور مدغم نہیں ہونے پاتے۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الفرقان (پ۱۹) کے حاشیے۔

و۱۴ موتی اور مونگے دونوں کے تجارتی، طبی، معاشی، معاشری منافع اور ان کے وجود کا نعمت میں سے ہونا بالکل ظاہر ہے۔ قرآن مجید کا ان قیمتی اور بحری موجودات کا محل نعمت میں ذکر کرنا خود اس امر پر ایک دلیل ہے کہ اسلام نہ کوئی خشک وزاہدانہ وراہبانہ اور تمدن بیزار مذہب ہے اور نہ یہ دین صرف صحرائے عرب کے باشندوں کی ضروریات تک کے لئے محدود ہے۔ مِنۡهُمَا۔ اس ضمیر تثنیہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں چیزیں دونوں ہی نظامات آبی میں موجود ہوں۔ دونوں کے صرف مجموعہ میں ان کا موجود ہونا بالکل کافی ہے۔ و۱۵ جہازوں کے بھی تمدنی، معاشری، سیاسی، تجارتی منافع بالکل ظاہر ہیں — قرآن مجید نے بحری تجارت کو بار ہا سراہا ہے۔ کہیں صراحۃً اور کہیں دلالۃً وتضمناً۔ اور یہاں تو جہازوں سے جو اور کام بھی لئے جاسکتے ہیں، جنگی اغراض، تفریحی اغراض، جغرافی اغراض وغیرہا ان سب کی طرف اشارہ آگیا ہے۔ كَالۡاَعۡلَامِ۔ اس تشبیہ سے یہ بھی صاف ہوگیا کہ قرآن مجید کے پیش نظر محض معمولی ہلکی کشتیاں، ڈونگی وغیرہ کے قسم کی نہیں، بلکہ بڑے بڑے قد آور بادبانی، دخانی، جنگی جہاز وغیرہ جو بعد کو ایجاد ہوئے۔ یہ سب اس کے پیش نظر تھے۔ قرآن مجید ان ایجادات واختراعات کا مخالف نہیں، صرف ان کے سوء استعمال کا مخالف ہے۔ لَهُ۔ یہ لاکر یہ جتادیا کہ ان ایجادات واختراعات کو کہیں غفلت وخدا فراموشی میں پڑکر اپنی ذات کی جانب نہ منسوب کرنے لگنا۔ بلکہ خدا اور آخرت کو یاد رکھ کر یہ سمجھتے رہنا کہ یہ سارے کمالات محض توفیق الٰہی سے مرحمت ہوئے ہیں، اور آخرت میں ان سب کے صحیح مصرف کی بابت جواب دینا ہے — یہ احساس ذمہ داری رکھنے والی قوم کبھی بھی جابر، قاہر، دوسروں کے حق میں غیر عادل ہوسکتی ہے؟

يَخۡرُجُ مِنۡهُمَا اللُّؤۡلُؤُ وَالۡمَرۡجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الۡجَوَارِ الۡمُنۡشَـٰٔتُ فِى الۡبَحۡرِ كَالۡاَعۡلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبۡقٰى وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ يَسۡـَٔلُهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِىۡ شَاۡنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفۡرُغُ لَـكُمۡ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ فَانۡفُذُوۡا‌ ؕ لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ‌ ﴿۳۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ يُرۡسَلُ

ان دونوں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتے ہیں و۱۴ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اور اسی کے اختیار میں ہیں جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہیں و۱۵ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ زمین پر جو بھی ہیں سب فنا ہونے والے ہیں، اور صرف آپ کے پروردگار کی ذات، عظمت واحسان والی، باقی رہ جانے والی ہے و۱۶ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اسی سے سب آسمان اور زمین والے طلب کرتے ہیں وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے و۱۷ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ سو ہم عنقریب اے جن وانس تمہارے لئے فارغ ہوئے جاتے ہیں و۱۸ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اے گروہ جن وانس اگر تمہیں یہ قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کے حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو نکل دیکھو (لیکن) بغیر زور کے نکل سکتے ہی نہیں ہو و۱۹ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ تم (دونوں) پر

و۱۶ یہاں یہ صاف بتادیا کہ زمین پر موجودات جتنی اور جس قسم کی بھی ہے، چاہے وہ مادہ ہو، یا روح۔ سب کی سب فانی اور غیر باقی ہے۔ باقی اور قائم ودائم صرف الحی والقیوم کی ذات پاک ہے۔ عَلَيۡهَا۔ ضمیر ھا کا الۡاَرۡضِ کی طرف راجع ہونا بالکل ظاہر اور غیر اختلافی ہے۔ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ صفت جلال میں اشارہ ہے افناء عالم کی طرف اور صفت اکرام ابقاء کی طرف مشیر ہے جس کا تعلق نشاۃ ثانیہ سے ہے۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ الجلال کے تحت میں تمام صفات سلبی ومنفی حق تعالیٰ کے آگئے۔ اور الاکرام کے ماتحت تمام صفات اثباتی وایجابی۔ وَجۡهُ۔ وجہ سے مراد ذات ہوتی ہے اور اس پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ الوجه يطلق على الذات (کبیر) و۱۷ یعنی کائنات میں تصرفات جو ہر لحظہ اور ہر آن جاری رہتے ہیں۔ یہ نتیجہ ہیں تمامتر اللہ تعالیٰ کی ہمہ وقتی توجہ والتفات کا، یہ ممکن نہیں کہ حق تعالیٰ پر غفلت اور بے التفاتی ایک آن کے لئے بھی طاری ہو — یہیں سے رد نکل آیا ان گمراہ قوموں کا جن کے نزدیک خدا دنیا کو ایک بار پیدا کرکے اب معطل اور اس سے بے تعلق ہو بیٹھا ہے، یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا ایک بار کے عمل تخلیق کے بعد اب معطل ہے۔ اسلام کے عقیدہ میں اس خالق اکبر وقادر مطلق کی کن فیکونی قوت کا ظہور ہر آن ہر لمحہ کائنات کی ادنیٰ سی ادنیٰ حرکت وتصرف میں ہوتا رہتا ہے۔ آگ اس لئے نہیں جلاتی اور پانی اس لئے نہیں دھوتا کہ آگ اور پانی میں کوئی فطری خاصیت جلانے اور دھونے کی موجود ہے، بلکہ صرف اس لئے کہ جلانے اور دھونے کے ہر ہر جزئی واقعہ سے متعلق مشیت کا حکم ہی یہی ہوتا رہتا ہے! اسلام کا خدا اپنی خلاقی اور فعالی کے تجلیات ہر لحظہ اور ہر آن دکھاتا رہتا ہے۔ كُلَّ يَوۡمٍ۔ یوم سے مراد یہ متعارف دن رات نہیں بلکہ مطلق وقت اور اس کا ہر حصہ مراد ہے۔ يَسۡـَٔلُهٗ ...... الۡاَرۡضِ۔ یعنی ساری کی ساری مخلوقات چاہے وہ آسمانی ہو یا زمینی، اپنی اپنی حاجتیں اور مرادیں اسی حق تعالیٰ سے طلب کرتی رہتی ہیں۔ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔ کے اطلاق میں حضرات انبیاء کے علاوہ جنات، فرشتے سب ہی آگئے۔ مخلوق کوئی سی بھی ایسی نہیں جو اپنے اپنے مرتبہ وجود کے لحاظ سے صاحب حاجت نہ ہو، اور حاجت روا سب کا حق تعالیٰ ہی ہے۔ و۱۸ یعنی عنقریب تمہارا حساب وکتاب شروع کرنے والے ہیں۔ سَنَفۡرُغُ۔ فراغت یا فارغ ہونے کا لفظ جہاں محاورۂ انسانی کے مطابق محض بطور مجاز ومبالغہ کے استعمال ہوا ہے مراد صرف توجہ تام کو ظاہر کرنا ہے جو انسان کو عموماً دوسرے کاموں سے فراغت کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے ورنہ ذات باری کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس کی ایک مشغولی دوسری طرف توجہ سے مانع ہوجائے۔ سَنَفۡرُغُ میں س عنقریب کے معنی میں ہے۔ یعنی اس دنیا کے کاروبار کو ہم عنقریب ختم کرکے دوسرا دور جزائے اعمال کا شروع کرنے والے ہیں۔ ثَقَلٰنِ سے مراد جنس جن وجنس انس ہیں۔ الثقلان الانس والجن لانهما فضلا بالتمييز الذى فيهما على سائر الحيوان (تاج) سميا ثقلين لتفضيل الله تعالى اياهما على سائر الحيوان المخلوق فى الارض بالتمييز والعقل الذى خصّابه (لسان) و۱۹ (اور وہ زور تمہیں میسر ہے نہیں) مقصود اس سے وقوع حساب کی تاکید ہے یعنی اس کا احتمال ہی نہیں کہ کوئی بچ کر نکل جائے اور جب آج بھی اس کا امکان نہیں تو قیامت میں تو مخلوق کا عجز اور زیادہ ظاہر ونمایاں ہوگا۔

عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۚ﴿۳۵﴾

آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا سو تم نہ ہٹا سکو گے ف۲۰

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ غرض جب آسمان پھٹ جائے گا

فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۚ﴿۳۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اور سرخ ہو جائے گا مثل سرخ نری کے ف۲۱ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ

جھٹلاؤ گے؟ اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے جرم کے باب میں

وَّلَا جَآنٌّ ۚ﴿۳۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ

نہ پوچھا جائے گا ف۲۲ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ مجرم لوگ

الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۚ﴿۴۱﴾

تو اپنے حلیہ ہی سے پہچان لئے جائیں گے اور پھر پیشانیوں اور پیروں کے بل پکڑ لئے جائیں گے ف۲۳

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ یہی وہ جہنم ہے جسے مجرم لوگ

بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۘ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۚ﴿۴۴﴾

جھٹلاتے رہے تھے ان لوگوں پر پھیرا ہوتا رہے گا اس کے اور گرم کھولتے پانی کے درمیان ف۲۴

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾ ع وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہے اس کے لئے

جَنَّتٰنِ ۚ﴿۴۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۙ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۚ﴿۴۸﴾

دو دو باغ ہوں گے ف۲۵ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (اور وہ باغ بھی) خوب شاخوں والے ف۲۶

وقف لازم — ع ۲ / ۱۲

ف۲۰ مجرموں کا اپنے جرائم کی ناگزیر پاداش سے قبل از وقت مطلع و آگاہ و خبردار ہو جانا بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ توبہ و کفارہ کا موقع ابھی باقی ہے اور اسی لئے قرآن مجید نے اس اطلاع و اعلام کا شمار بھی نعمتوں ہی میں کیا ہے۔ ف۲۱ (اور یہ سب قیامت کے دن واقع ہوگا) كَالدِّهَانِ۔ دھان کے مختلف معنی منقول ہوئے ہیں۔ یہاں اتباع حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا کیا گیا ہے۔ قال الضحاک عن ابن عباس الادیم الاحمر (ابن کثیر) قال الکلبی ای کالادیم الاحمر (معالم) ف۲۲ (عالم الغیب کی واقفیت کے لیے کہ اُسے خود ہی سب کچھ معلوم ہے) جس سوال کی یہاں نفی ہو رہی ہے وہ علم و اخبار کی غرض سے ہے۔ باقی جو سوال و حساب دوسروں کو معلوم کرائے یا خود مجرم پر حجت قائم کرے یا اسے عار دلائے، یا اُس پر کسی اور نوع سے مزید عذاب کے لیے ہو، ان میں سے کسی کی نفی یہاں مقصود نہیں۔ ف۲۳ (اور طرح طرح کی تعذیب کے ساتھ دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے) يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ۔ یعنی منکروں، مجرموں کا چہرہ خود ان کے جرائم کا آئینہ ہوگا، فرشتوں کو کسی مزید تحقیق کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ صوفیۂ عارفین کی تحقیق ہے کہ ناسوت میں ہر معصیت کے نقوش چہرہ اور سارے جسم پر مرتسم ہو جاتے ہیں۔ اور آخرت میں یہی نقوش جو آج خفی ہیں خوب واضح و نمایاں ہو جائیں گے ۔

سیرتے کو بر نہادت غالب ست
ہم برآں تصویر حشرت واجب است
حشر پُر حرص سگ مردار خوار
صورت خو کے بود روز شمار
زانیاں را گندہ اندام نہاں
خمر خواراں را بود گندہ دہان

(مثنوی مولانائے روم علیہ الرحمۃ)

ف۲۴ یعنی کبھی اس طرح معذب ہوں گے کبھی اُس طرح — کبھی انہیں سابقہ دہکتی ہوئی آگ کے عذاب سے پڑے گا اور کبھی کھولتے ہوئے پانی کے عذاب سے۔ ف۲۵ یہ ذکر خواص اُمت اور اعلیٰ متقیوں کا ہے جو برابر ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ وَلِمَنْ ...... رَبِّهٖ۔ جو کوئی حق تعالیٰ کے سامنے حاضری سے ڈرتا ہے اور اُس ڈر سے برابر طاعت حق میں لگا رہے۔ محدثین نے آیت کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے ڈرنے والے کو جنت کی بشارت دی، اس پر صحابی ابو درداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر ایسا بندہ چوری اور زنا کرے تو بھی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ ہاں بندہ اگر چوری اور زنا کرے تو بھی۔ اس پر صحابی نے حیرت سے دوبارہ وہی سوال کیا۔ مکرر وہی جواب ارشاد ہوا۔ یہاں تک کہ تیسری بار کے سوال کے جواب میں ارشاد ہوا کہ ہاں، چاہے ابو درداء کو کیسا ہی ناگوار گزرے۔ تفصیل حافظ ابن کثیر کی تفسیر میں ملے گی — بندۂ مومن کے لیے اس کی کمزوریوں کے باوجود کیسی کیسی بشارتیں اہلِ حق کے مذہب میں موجود ہیں! ف۲۶ جن کا سایہ بھی خوب گھنا اور گنجان ہوگا، اور جو پھل پھلاریوں سے بھی خوب لدے ہوں گے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان باغوں میں دو دو چشمے بھی بہتے ہی چلے جائیں گے،

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اور ان باغوں میں ہر میوہ کی دو دو قسمیں

زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى

ہوں گی و۲۷ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ وہ لوگ تکیہ لگائے فرشوں پر

فُرُشٍۢ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَ جَنَا الْجَنَّتَيْنِ

بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے و۲۸ اور دونوں باغوں کے پھل بہت ہی قریب

دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ

ہوں گے و۲۹ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اُن (مکانات) میں نیچی نگاہ والیاں

الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾

ہوں گی کہ ان لوگوں سے پہلے اُن پر کسی انسان نے تصرف کیا ہو گا نہ جن نے و۳۰

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ

سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ گویا وہ یاقوت

وَ الْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ

اور مرجان ہیں و۳۱ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ بھلا

جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

کمال اطاعت کا بدلہ بجز کمال عنایت کے کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟ و۳۲ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اور ان باغوں سے کم درجہ میں دو اور باغ بھی ہیں و۳۳ سو تم (دونوں) اپنے پروردگار

و۲۷ یہ غالباً تلذذ میں تنوع کے بیان کے لیے ہے غرض یہ کہ روحانی، عقلی، فکری لذتوں کے ساتھ ساتھ جسمانی و مادّی لذتیں بھی پوری طرح ہوں گی۔ و۲۸ (اور جب استر یعنی اندر کا حصہ ایسا نفیس ہوگا تو ابرا یعنی باہر کا حصہ جیسا ہوگا ظاہر ہے) و۲۹ (اہل جنت سے ہر حال میں) یعنی اہلِ جنت انہیں کھڑے، لیٹے بیٹھے، ہر حال اور ہر وضع میں بلا ادنیٰ مشقت و تعب حاصل کر لیا کریں گے۔ و۳۰ (یعنی ہر طرح غیر مستعمل اور اچھوتی) اس میں ایک بار پھر بشارت اور صراحت ہے کہ روحانی نعمتوں کے ساتھ ساتھ مادی لذتیں بھی اپنی تفصیلات و جزئیات کے ساتھ اہل جنت کو پوری طرح حاصل رہیں گی۔ اس دنیا سے کم نہیں زائد ہی۔ و۳۱ یعنی خوب سرخ و سفید، گوری چٹی، حسن و جمال مجسم۔ و۳۲ یہ سب ذکر خواص اہل جنت کا ہو رہا ہے۔ اِحْسَانٌ کے معنی حسن پیدا کرنے کے ہیں۔ جب بندوں نے طاعت و اطاعت میں حسن پیدا کر کے دکھا دیا تو کیسے ممکن ہے کہ مالک کی طرف سے صلہ و انعام بھی حسن کاری کی حد تک نہ پہنچے۔ و۳۳ خواص کے بعد اب ذکر عامۂ اہل جنت کی نعمتوں کا شروع ہو رہا ہے۔

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ دونوں گہرے سبز رنگ کے، سوتم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں میں دو چشمے ہوں گے جوش مارتے ہوئے سوتم (دونوں) اپنے پروردگار کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾

کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں میں میوے ہوں گے اور خرمے اور انار

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ

سوتم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اُن میں اچھی سیرت والیاں اچھی صورت والیاں ف۳۴

حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ

ہوں گی، سوتم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ گورے رنگ والیاں

مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

خیموں میں محفوظ ہوں گی ف۳۵ سوتم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾

جھٹلاؤ گے؟ اُن پر اُن کے قبل نہ کسی انسان نے تصرف کیا ہو گا اور نہ کسی جن نے ف۳۶

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ

سوتم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ یہ لوگ تکیہ لگائے ہوں گے

خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

مشجر سبز اور عجیب خوبصورت کپڑوں (کے فرش) پر سوتم (دونوں) اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾ ع

جھٹلاؤ گے؟ بڑا بابرکت نام ہے آپ کے پروردگار عظمت والے احسان والے کا ف۳۷

ف۳۴ جنت کی مادی نعمتوں کا بیان اجمالاً نہیں۔ بلکہ ایک ایک جزئیہ کی صراحت کے ساتھ ہو رہا ہے۔ فِيْهِنَّ ضمیر هن سے مراد یہ ہے کہ اُن باغوں، چمنوں، گلشنوں کے اندر جو آراستہ و پیراستہ کوٹھیاں بنگلے، حویلیاں، محل سرائیں ہوں گی، اُن میں۔ ف۳۵ یعنی ہر طرح پاک دامن اور اچھوتی، جن کا تخیل بھی کسی ذوق سلیم رکھنے والے کو گراں نہ گزرے۔ حُوْرٌ۔ لفظی معنٰی گورے رنگ والی کے ہیں۔ مراد جنت کی نسوانی مخلوق سے ہے، جس کے ذکر سے خدا معلوم آج کی "روشن خیالی" کو اتنی حیا کیوں آتی ہے! سوا اس کے کہ اس کو مسیحیت سے دماغی مرعوبیت پر محمول کیا جائے۔ وہ مسیحیت جس کے نزدیک عورت معصیت مجسم ہے، اور اس کا نام لینا بھی باعثِ شرم و موجبِ ذلت۔ ف۳۶ آیت ابھی اُوپر گزر چکی ہے — مقصود یہ ہے کہ جنت کی یہ نعمت عظیم خواص اہل جنت اور عامۂ اہل جنت دونوں کے لیے عام ہوگی۔ ف۳۷ (اور جس کے اسم میں یہ برکت و عظمت ہے، تو ظاہر ہے کہ اُس اسم کا مسمّٰی کیسا مبارک اور کیسا کامل اکمل ہوگا! اسمٌ پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ۱) عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے تحت میں گزر چکا — اسم سے یہاں مراد صفات ہیں جو ذات باری سے غیر نہیں۔ قيل الاسم يعنى الصفة لانها علامة على موصوفها (روح)

آیاتها ۹۶ ۵۶ سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ ۴۶ رکوعاتها ۳

اس کی چھیانوے آیتیں سورۂ واقعہ مکہ میں نازل ہوئی اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝۲

جب قیامت واقع ہو گی جس کے واقع ہونے میں کوئی خلاف نہیں،

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝۳ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝۴

تو وہ پست کر دے گی (اور) بلند کر دے گی و۱ جب کہ زمین کو سخت زلزلہ آئے گا

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝۵ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝۶ وَّ كُنْتُمْ

اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر وہ پراگندہ غبار بن جائیں گے اور تم

اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝۷ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ

تین قسم کے ہو جاؤ گے و۲ سو جو داہنے والے ہیں، وہ داہنے والے

الْمَيْمَنَةِ ۝۸ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ

کیسے اچھے ہیں و۳ اور جو بائیں والے ہیں وہ بائیں والے

الْمَشْئَمَةِ ۝۹ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝۱۰ اُولٰٓئِكَ

کیسے برے ہیں و۴ اور جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ اعلیٰ ہی درجہ کے ہیں، وہ خاص

الْمُقَرَّبُوْنَ ۝۱۱ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۱۲ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳

قرب والے ہیں و۵ یہ لوگ عیش (وآرام) کے باغوں میں ہوں گے (ان میں) ایک بہت بڑا گروہ اگلوں کا و۶ ہوگا

وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۴ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝۱۵

اور تھوڑے سے پچھلوں میں و۷ یہ (مقربین) سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر

و۱ کسی کو پست کرے گی اور کسی کو بلند۔ یعنی کافروں کی ذلت اور مومنین کی رفعت کا پورا ظہور اُسی دن ہوگا۔ و۲ (اے انسانو! بلحاظ اپنے انجام وثمرات عمل کے) آخرت میں نسل انسانی تین طبقوں میں منقسم نظر آئے گی۔ ایک خواص مومنین یا مقربین، دوسرے عوام مومنین، تیسرے منکرین یا کفار۔ پچھلی صورت میں بھی ذکر انہیں تین طبقات کا تھا۔ كُنْتُمْ۔ خطاب یہاں موجودہ اُمت اور سابق اُمتوں سے مجموعی طور پر ہے۔ خطاب للامة الحاضرة و الامم السالفة تغليبًا كما ذهب اليه الكثير (روح) اَزْوَاجًا۔ زوج۔ یہاں صنف یا قسم کے معنٰی میں ہے۔ ازواجًا اے اصنافًا (کشاف) و۳ مراد عام مومنین ہیں یا وہ لوگ جن کا نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ و۴ مراد منکرین و کفار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ و۵ مراد حضرت انبیاء کرام اور پھر اُن کے بعد اولیاء اُمت اور متقین کاملین ہیں۔ وَالسّٰبِقُوْنَ۔ یعنی اپنی طاعت وعبدیت کے لحاظ سے درجۂ اوّل والے۔ اے السابقون الى الخير (روح) والسابقون الى طاعة الله (روح) السّٰبِقُوْنَ۔ یعنی اپنے اجر وصلہ اور مرتبۂ اُخروی کے لحاظ سے درجۂ اوّل والے۔ اے السابقون الى الجنة (روح) السابقون الى رحمة سبحانه (روح) و۶ اگلوں سے مراد حضرت آدم سے لے کر خاتم النبیین تک ساری اگلی امتوں کے لوگ ہیں۔ اے من الامم الماضية من لدن آدم عليه السلام الى زمان نبينا ﷺ (معالم) المراد بالاولين الامم الماضية هٰذا رواية من مجاهد والحسن البصری و هو اختيار ابن جرير (ابن کثیر) و هم الامم من لدن آدمَ الى محمد ﷺ (کشاف) اس آخری اُمت کا زمانہ چونکہ قرب قیامت کا زمانہ ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اگلی اُمتوں کے مجموعہ نے اس سے بہت زیادہ زمانہ پایا ہے اور اسی لیے اُن میں مقربین کی تعداد بھی اسی نسبت سے بہت زائد ہوگی۔ ثُلَّةٌ۔ اتنے بڑے اژدہام کو کہتے ہیں جو گننے میں نہ آئے۔ الجماعة غير محصورة العدد۔ (معالم) الامة من الناس الكثيرة (کشاف) و۷ یعنی اُمتِ محمدیہ میں۔ والمراد بالآخرين هٰذه الامة (ابن کثیر) ملاحظہ ہو حاشیۂ ماقبل۔

مُّتَّكِـِٔيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ان کے پاس لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی

مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ

رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمدورفت رکھیں گے آبخورے اور آفتابے اور بہتی ہوئی شراب سے

مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَفَاكِهَةٍ

لبریز جام جس سے نہ ان کو دردسر ہوگا اور نہ اُس سے عقل میں فتور آئے گا ف۸ اور میوے جن کو

مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ

وہ پسند کریں اور پرندوں کا گوشت جو انہیں مرغوب ہو اور گوری

عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

بڑی آنکھوں والیاں، جیسے پوشیدہ رکھا ہوا موتی یہ اُن کے عمل کے صلہ میں

يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا

ملے گا ف۹ وہ وہاں نہ بک بک سنیں گے نہ اور کوئی بیہودہ بات بس (ہر طرف) سلام ہی

سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ

سلام کی آواز آئے گی ف۱۰ اور جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے

الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾

کیسے اچھے ہیں، وہ وہاں ہوں گے جہاں بے خار بیریاں ہوں گی، اور تہ بہ تہ کیلے ہوں گے

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ

اور لمبا سایہ ہوگا اور چلتا ہوا پانی ہوگا اور کثرت سے

كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ

میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ اُن کی روک ٹوک ہوگی ف۱۱ اور اُونچے فرش

ف۸ یعنی اُس شراب میں سرور ہی سرور ہوگا، باقی جتنے نقصانات اس دنیا کی شراب میں ہوتے ہیں، وہ کوئی بھی اُس میں موجود نہ ہوں گے۔ یہ قرآن مجید کا کمال بلاغت ہے کہ دو مختصر فقروں میں اُس نے شراب کی ساری ہی خرابیوں کی نفی کردی۔ هما لفظتان جمعتا جميع عيوب الخمر (ابن قتیبہ) عَنْهَا۔ عن سببہ ہے۔ اے بسببها (مدارک) ف۹ اس قسم کے مضمون سے مقصود حسن عمل کے لیے ترغیب اور ہمت افزائی ہے اور قرآن مجید ایسی آیتوں سے بھرا پڑا ہے۔ جنت کی مادی لذتیں کیا یہاں اور کیا قرآن کے دوسرے مقامات میں جو بیان ہوئی ہیں، ان میں قدرۃً سب سے مقدم اہل عرب کے مذاق کو رکھا گیا ہے کہ وہی مخاطب اوّل تھے۔ اگر ایسی نعمتوں کی تصریح کی جاتی جو مذاق عرب سے بالکل مختلف چین یا جاپان یا جرمنی یا فرانس والوں کے ذوق کی ہوتیں تو ظاہر ہے کہ اہل عرب انہیں میں اُلجھنے لگتے اور مخاطبین اول کو خواہ مخواہ جھگڑے بکھیڑے کے لیے ایک اور موقع نکل آتا۔ قرآن مجید نے غایت ژرف نگاہی اور کامل نکتہ سنجی سے کام لے کر عام اور عالمگیر مذاق کی نعمتوں اور لذتوں کا ذکر صرف اجمالی اشارات کرکے چھوڑ دیا ہے۔ اور تفصیل جو بیان کی ہے، وہ صرف مخاطبین اوّل کے مذاق کی رعایت ہے۔ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ۔ تشبیہ سے مقصود غایت حسن و غایت عصمت دونوں کا اظہار ہے۔ ف۱۰ (فرشتوں کی طرف سے بھی اور باہم اہلِ جنت کی زبان سے بھی) خلاصہ یہ کہ لذت و مسرت ہی ہر طرح حاصل رہے گی، جسمانی بھی، روحانی بھی۔ ...... تَاْثِيْمًا۔ یعنی کوئی آواز اُن کے عیش کو مکدر کرنے والی اُن کے کان میں نہ پڑنے پائے گی۔ ف۱۱ بخلاف دنیا کے میووں اور پھلوں کے کہ فصل کے ختم پر یہ بھی ختم ہو جاتے ہیں اور ان کے لیے روک ٹوک بھی ان کے مالکوں کی طرف سے جاری رہتی ہے۔ اب بیان المقربون السابقون (حضرت انبیاء وغیرہم) کے بعد اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ (عامۂ مومنین) کی خوش عیشیوں کا ہو رہا ہے۔

مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ

ہوں گے ہم نے وہاں کی عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے، یعنی ہم نے انہیں ایسا بنا دیا ہے کہ

اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ

وہ کنواری رہیں گی اور، محبوبہ اور ہم عمر (انہیں) داہنے والوں کے لئے ف۱۲ اُن کا ایک بڑا گروہ

مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاَصْحٰبُ

اگلوں میں سے بھی ہو گا اور ایک بڑا گروہ پچھلوں میں سے بھی ف۱۳ اور وہ جو بائیں

الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾

والے ہیں وہ بائیں والے کیسے برے ہیں لو کی لپٹ میں ہوں گے اور کھولتے ہوئے پانی میں،

وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا

اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں جو نہ ٹھنڈا ہو گا نہ فرحت بخش ف۱۴ وہ لوگ اس کے قبل

قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ

بڑے خوشحال تھے اور بڑے بھاری گناہ پر اصرار کرتے

الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا

رہتے تھے ف۱۵ اور کہا کرتے تھے کہ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں

وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾

(ہو کر) رہ گئے تو کیا (پھر سے) زندہ اُٹھائے جائیں گے؟ اور ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟ ف۱۶

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى

آپ کہہ دیجئے کہ اگلے اور پچھلے سب ہی جمع کئے جائیں گے، ایک

مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ

یوم معین کے وقت پر پھر تم کو اے گمراہو!

ع ۱/۱۴

ف۱۲ اہل جنت کی خوش عیشی کی تکمیل کے لیے دوسری لذتوں کے ساتھ لذت مواصلت کا ذکر بھی ضروری تھا، یہاں یہ بتایا کہ جنت کی عورتوں کی (اور اس میں حوریں بھی داخل ہو گئیں اور اس دنیا کی جنتی بیویاں بھی) بناوٹ ایک خاص قسم کی ہوگی، ان کا شباب، ان کا حسن و جمال، دلکشی اور اہل جنت کے ساتھ ان کی ہم عمری یہ سب چیزیں مستقل، پائدار اور دائمی ہوں گی، اس دنیا کی نعمتوں کی طرح فناء پذیر نہ ہوں گی۔ ف۱۳ یعنی عام مومنین اسی اُمت کے بھی بڑی کثرت سے ہوں گے۔ ”مقربین کی جزاء میں وہ سامان عیش زیادہ مذکور ہے جو اہل شہر کو زیادہ مرغوب ہے۔ اور اصحٰب الیمین کی جزا میں وہ سامان عیش زیادہ مذکور ہے جو اہل قریہ کو زیادہ مرغوب ہے۔ پس اشارہ اس طرف ہو گیا کہ اُن میں ایسا تفاوت ہوگا جیسا اہل شہر و اہل قریہ میں“۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ”اور بعض روایات میں جو آیا ہے، هما جميعاً من هٰذه الأية۔ یہ اس طور پر ماؤل ہے کہ مقصود تفسیر آیت کی نہ ہو بلکہ مطلب یہ ہو کہ جس طرح قرآن میں مذکور ہے کہ اوّلین میں مقربین زیادہ ہیں اور آخرین میں کم، اسی طرح خود اس آیت میں بھی یہی نسبت ہوگی کہ قرون اولیٰ میں مقربین زیادہ ہوں گے۔ اور متاخرین میں کم۔ گو یہ قرآن کا مدلول نہ ہو۔“ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ثُلَّةٌ۔ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ۔ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۔ ان سب پر حاشیے ابھی قریب ہی میں گزر چکے۔ ف۱۴ یعنی دنیا میں سایہ سے جو نفع بھی خیال میں آتے ہیں، خواہ جسمانی ہوں مثلاً برودت یا نفسیاتی مثلاً لذت، یہ سب اُس دوزخی سایہ سے منتفی ہوں گے اور سایہ صرف نام ہی کا ہوگا ورنہ وہ نہ ٹھنڈک پہنچانے والا ہو گا نہ اور کسی طرح پر آرام دہ۔ فِيْ سَمُوْمٍ۔ سَمُوْمٍ کے معنی لو کی تیز لپٹ کے ہیں جو جسم کے اندر تک جھلس دے۔ السموم الريح الحارة التي تؤثر تاثير السم (راغب) في السموم اے في حرّ نار ينفذ في المسام (کشاف) اَصْحٰبُ الشِّمَالِ یعنی وہ جن کے بائیں ہاتھ میں ان کا نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ کا ذکر ابھی اُوپر گزر چکا ہے۔ وَلَا كَرِيْمٍ۔ عربی زبان میں کرم بہت وسیع معنی میں ہے۔ ہر قابل مدح صفت کو صفت کرم سے تعبیر کر دیتے ہیں اور موقع نفی پر اس کا استعمال اکثر ہوتا ہے۔ و كل شيء شرفت في بابه فانه يوصف بالكرم (راغب) والعرب تتسع هٰذه اللفظة في النفي فيقولون هٰذا الطعام ليس بطيب و لا كريم هٰذا اللحم ليس بسمين ولا كريم و هٰذه الدار ليست بنظيفة ولا كريمة (ابن جرير) لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ۔ مراد یہ ہے کہ وہ سایہ دنیا کے متعارف سایہ کے برعکس اور گرمی پہنچانے والا اور تکلیف دہ ہوگا۔ سماه ظلاً ثم نفى عنه برد الظل وروحهٗ و نفعه (کشاف) والمعنى انهٗ ظل حارٌّ ضارٌّ (کشاف) ف۱۵ یعنی کفر و شرک پر۔ والمراد كمارُوي عن قتادة والضحاك و ابن زيد الشرک و هو ظاهر (روح) قَبْلَ ذٰلِكَ۔ یعنی دنیا میں۔ اِنَّهُمْ...... مُتْرَفِيْنَ۔ یعنی اپنی خوشحالی کے غرہ میں دنیوی مادی زندگی میں مست تھے۔ اور ایمانی صداقتوں سے انکار پر مصر تھے۔ ف۱۶ یہ وہی گروہ ہے، جس کی جانشینی اور ترجمانی آج مادی تہذیب و تمدن میں مبتلا بیسویں صدی کی ”روشن خیال“ دنیا کر رہی ہے۔ مصری، یونانی، رومی، ہر جاہلی تمدن میں ایک گروہ ان خیالات کا ترجمان رہا کیا ہے، اور آج یورپ اور یورپ زدہ سارے ملکوں کا تمدن اسی انکار آخرت کے عقیدہ میں شریک ہے۔

الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾

جھٹلانے والو درخت زقوم میں سے کھانا ہو گا

فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ

پھر اُس سے پیٹ بھرنا ہو گا پھر اُس پر کھولتا پانی

الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ

پینا ہو گا اور پینا بھی پیاس کے مارے ہوئے اُونٹ کا سا و۱۷ یہ ہو گی اُن کی دعوت

يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

قیامت کے دن ہم ہی نے تو تم کو پیدا کیا ہے سو تم (بعث ثانی) کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ و۱۸

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ

اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم جو منی پہنچاتے ہو تو آدمی تم بناتے ہو یا (اس کے) بنانے

الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ

والے ہم ہیں و۱۹ ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کو ٹھہرا رکھا ہے و۲۰ اور ہم اس سے

بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ

عاجز نہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے (دوسرے آدمی) پیدا کر دیں اور تمہیں ایسی صورت میں بنا دیں

فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْ

جن کو تم جانتے ہی نہیں و۲۱ اور تم کو خوب علم ہے پیدائش اول کا پھر تم

لَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ

سمجھتے کیوں نہیں؟ و۲۲ اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جو کچھ تم بوتے ہو اُسے تم

تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ

اُگاتے ہو یا (اس کے) اُگانے والے ہم ہیں و۲۳ اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو

و۱۷ (جو خوب ڈگڈگا کر پانی سوکھتا چلا جاتا ہے اور پھر بھی اس کی پیاس نہیں بجھتی) جہنم کے شدائد کا بیان ہے جو کافروں کو چارو ناچار بھگتنے ہوں گے — اور حشر کا منظر تو سب کو پیش آنا ہے۔ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ۔ زَقُّوْم پر حاشیہ سورۃ الصافات (پ۲۳) میں گزر چکا۔ مِنْ زَقُّوْمٍ میں من بیانیہ ہے۔ شُرْبَ بالضم مصدر ہے اور اسم کے بھی معنی دیتا ہے۔ مشروب کے مرادف۔ الشرب بالضم مصدر قیل اسم لما یشرب (روح) و۱۸ منکروں پر حجت الزامی ہے۔ یعنی ہمارا تم کو پیدا کرنا اور نیست سے ہست کرنا تو تمہیں بھی تسلیم ہے تو پھر آخر بعث ثانی میں تمہیں عقلی اشکال یا دشواری ہی کیا نظر آ رہی ہے؟ و۱۹ یعنی اسباب وجود کو فراہم کر دینا ہمارے اختیار کی چیز ہے یا تمہارے؟ مَا تُمْنُوْنَ۔ یعنی عورت کے رحم میں جو تم تلقیح کرتے ہو۔ و۲۰ (ایک وقت معین و مناسب پر) یعنی وجود میں بھی ہم ہی لائے، بقائے وجود کے اسباب بھی ہم ہی نے فراہم کیے اور فنائے وجود بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ تخلیق، ابقاء، افناء کی تینوں قوتیں ہم ہی میں جمع ہیں، کوئی الگ الگ تین خدا نہیں، جیسا کہ بعض مشرک، جاہلی قوموں نے سمجھ لیا ہے۔ و۲۱ (مثلاً تمہارا حلیہ بگاڑ کر کچھ ایسا کر دیا جائے جس کا تمہیں گمان بھی نہ ہو اور تم اس صورت میں پھر ان چیزوں سے نفع بھی نہ حاصل کر سکو) و۲۲ یعنی جب تمہیں بخوبی اس کا علم و یقین ہے کہ ہم ہی نے اپنی قدرت سے تمہیں اول بار پیدا کیا تو اب تمہیں بعث حشر کے تسلیم کرنے میں تامل کیا ہے؟ فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ فقہاء مفسرین نے آیت کے اس جزء سے صحت قیاس فقہی کا استنباط کیا ہے۔ فیه دلیل علی صحة القیاس من حیث جعلهم فی ترک قیاس النشاۃ الاخری علی الاولی (مدارک) و۲۳ زمین میں یہ صلاحیت رکھنا کہ دانہ کو نشو و نما دے سکے۔ دانہ میں یہ استعداد کہ مٹی سے نمو حاصل کر سکے، گرمی، روشنی، ہوا، پانی وغیرہ سے استفادہ کی قابلیت، ان سب کو قوت سے فعل میں لانا، وقت مناسب پر مقدار مناسب میں بارش، اوقات مقرر پر مقدار مقرر میں آفتاب کی تابش، غرض نظام زراعت کی ساری عظیم الشان مشینری کو حرکت میں لانا بندہ کی قدرت میں ہے یا اللہ کی۔

و۲۴ یعنی سارا سرمایہ نقصان میں آ گیا، بلکہ سرمایہ سارا ہی گیا گزرا ہوا۔ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا۔ یعنی ہم چاہیں تو اسی پیداوار کو چورا چور کردیں یا مثل سوکھے ہوئے بھوسہ کے ریزہ ریزہ کر دیں۔ و۲۵ اب استدلال حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور توحید پر نظامِ کائنات کے چوتھے شعبہ سے ہے سال کی خاص خاص فصلوں اور مناسب زمانہ میں زمین کو ایک خاص حد تک بنانا، حرارت پہنچانا، سمندر سے ایک خاص اندازہ کے مطابق بھاپ اُٹھانا، بخارات کو فضا میں ایک خاص بلندی تک لے جانا، یہاں ہوا میں ایک خاص درجہ کی برودت پیدا کر کے بخارات میں انجماد پیدا کر کے انہیں بادل کی شکل دینا ایک مناسب مدت تک اس ابر کو بلند رکھنا، پھر فضاء میں ایک اور تبدیلی پیدا کر کے ابر کو پانی کے قطروں کی شکل دے کر انہیں زمین پر برسانا، بارش کو ایک مقدار مناسب میں نازل کرنا پھر اس سے خلقت کو براہِ راست اور بالواسطہ فائدے پہنچانا، یہ ساری کاریگری اُسی قادر مطلق اور صناع کامل کی ہے یا یہ بندوں کے بس کی چیز ہے؟ مِنَ الْمُزْنِ۔ لفظ مزن سے بارش کے پانی کی شیرینی وخوشگواری کی طرف اشارہ آ گیا۔ قيل هو السحاب الابيض خاصة و هو اعذب ماء (کشاف) و۲۶ (اور ادائے شکر کی پہلی منزل اقرار توحید و ربوبیت) اُجَاجًا۔ اجاج سے مراد وہ کھاری پانی ہے جو نمکینی کی شدت سے تلخ ہو جائے جس سے نہ پیاس جا سکے اور نہ وہ اور کسی کام آ سکے۔ ملحًا زعاقًا لا يقدر على شربه (کشاف) اے زعاقًا مرا لايصلح لشرب و لا زرع (ابن کثیر)

حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ (٦٥) اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ (٦٦) بَلْ

چورا چورا کر دیں پھر تم حیرت کرنے لگو (اب کی تو) ہم پر تاوان پڑ گیا بلکہ

نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ (٦٧) اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ (٦٨)

ہم (بالکل ہی) محروم رہ گئے و۲۴ اچھا پھر یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو

ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ (٦٩)

اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا (اس کے) برسانے والے ہم ہیں؟ و۲۵

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ (٧٠) اَفَرَءَيْتُمُ

اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر ڈالیں تو تم شکر کیوں نہیں کرتے و۲۶ اچھا پھر یہ بتلاؤ

النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ (٧١) ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ

کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو اس درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا

نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ (٧٢) نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا

ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم ہی نے اس کو یاد دہانی کی چیز اور مسافروں کے

لِّلْمُقْوِيْنَ (٧٣) فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ (٧٤) فَلَآ

نفع کی چیز بنایا ہے و۲۷ سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے و۲۸ سو میں

اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ (٧٥) وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ

قسم کھاتا ہوں ستاروں کے ڈوبنے کی اور اگر تم سمجھو تو یہ ایک بڑی

عَظِيْمٌ (٧٦) اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ (٧٧) فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ (٧٨)

قسم ہے کہ یہ ایک معزز قرآن ہے ایک محفوظ کتاب میں (پہلے سے درج) و۲۹

لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (٧٩) تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ

جسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا بجز پاکوں کے و۳۰ اُتارا ہوا ہے پروردگار عالم کی

ع ۲ ۱۵

و۲۷ اب استدلال حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ، ربوبیت و توحید پر نظامِ کائنات کے ایک پانچویں شعبہ آگ اور اس کے متعلقات سے ہے۔ تَذْكِرَةً۔ ضمیرها اگر النار (آگ) کی طرف ہے تو آگ تو یاد دلانے والی آتش دوزخ کی بھی ہو سکتی ہے اور حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی یاد دلانے والی بھی۔ تذكير النار جهنم (کشاف) قال مجاهد و قتادة تذكر النار الكبرى (ابن کثیر) قال عطاء موعظة يتعظ بها المؤمن (معالم) شَجَرَتَهَا۔ شجر آتش کا ذکر سورۃ یٰسٓ (پ۲۳) میں قریب ختم کے آیا ہے۔ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ۔ آگ کا وجود ایک بہت بڑی نعمت تو مسافر و مقیم، شہری و بدوی سب ہی کے لیے ہے اور ہر زمانہ میں رہا ہے لیکن عہد قدیم میں مسافروں کے حق میں تو ایک عظیم ترین نعمت تھی۔ عن مجاهد يعنى المستمتعين من الناس اجمعين و كذا ذكر عن عكرمة (ابن کثیر) و هٰذا التفسير اعم من غيره فان الحاضر والبادى من غنى و فقير الجميع محتاجون اليها للطبخ والاصطلاء والاضاءة و غير ذٰلك من المنافع (ابن کثیر) و۲۸ (جو حیات اور سلب حیات اور زراعت اور بارش اور آگ، سارے نظامات تکوینی کا تنہا خالق اور بلا کسی کی شرکت کے پروردگار ہے) شرک عموماً مشرک جاہلی قوموں میں جن جن مشہور راہوں سے آیا ہے ان سب کی ان آیتوں میں پوری تردید آ گئی۔ و۲۹ (اور بالکل منضبط) كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۔ سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یعنی یہ قرآن کریم شروع سے لوح محفوظ میں منضبط چلا آ رہا ہے۔ الاصح انه لوح محفوظ (کبیر) المراد به اللوح المحفوظ كمارُوى عن الربيع بن انس وغيره (روح) مَّكْنُوْنٍ صفت کتٰب کی ہے۔ یعنی وہ لوح غیروں کی مداخلت بلکہ دسترس سے بالکل محفوظ ہے۔ كَرِيْمٌ۔ صفت قرآن کی ہے۔ یعنی دنیوی و اُخروی ہر قسم کی صلاح و فلاح کی تعلیمات سے لبریز۔ لَآ اُقْسِمُ۔ لا یہاں نفی کا نہیں، تاکید کا ہے۔ لا مزيدة للتاكيد (بیضاوی) لا مزيدة مؤكدة (کشاف) لَا...... عَظِيْمٌ۔ قرآن مجید میں قسمیں، شہادت بزبان حال کے معنی میں آئی ہیں اور قسموں کو بار بار لانا عربی اسلوب بلاغت میں ایک خاص صنعت ہے قرآنی قسموں پر ملاحظہ ہو پ۱۲ کا ضمیمہ۔ مَوٰقِعِ النُّجُوْمِ۔ اس کے ایک معنی قرآن کی آیتوں کے بھی کیے گئے ہیں جو آہستہ آہستہ اُترتی رہی ہیں۔ قيل النجوم نجوم القراٰن و مواقعها اوقات نزولها (بیضاوی) اے نجوم القراٰن و كذا قال عكرمة و مجاهد والسدى و ابوحرزة (ابن کثیر) اور بالکل متصل جو کلام آ رہا ہے اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ اس کے لحاظ سے یہی معنی زیادہ چسپاں بھی معلوم ہوتے ہیں۔ و۳۰ (جو شائبہ گناہ سے بھی پاک ہیں یعنی فرشتے) اُن کے فرشتہ ہونے پر علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس صحابی اور حضرت انس صحابی کے تابعین کی بہت بڑی جماعت متفق ہے۔ ان المراد بالمطهرين الملائكة عليهم السلام مروى عن عدة طرق عن ابن عباس و كذا اخرجه جماعة عن انس و قتادة و ابن جبير و مجاهد و ابى العاليه و غيرهم (روح) عن ابن عباس يعنى الملائكة و كذا قال انس و مجاهد و عكرمة و سعيد بن جبير والضحاك و ابو الشعثاء جابر بن زيد و ابو نهك والسدى و عبدالرحمٰن بن زيد بن اسلم وغيرهم (ابن کثیر) يَمَسُّهٗ۔ میں ضمیر لوح محفوظ کی طرف ہے۔ الضمير عائد الى الكتاب على الصحيح (کبیر) قرآن مجید یا مصحف مکتوبی کو بھی بلا طہارتِ جسم چھونا درست نہیں۔ لیکن یہ مسئلہ بالکل الگ ہے اور خود اپنی جگہ پر دلائل رکھتا ہے۔ اس آیت قرآنی کا مدلول نہیں۔ الْمُطَهَّرُوْنَ۔ فرشتے مراد ہونے پر علاوہ بعض صحابیوں کے تابعین کی ایک بڑی جماعت متفق ہے۔ كون المراد بالمطهرين الملائكة عليهم السلام مروى عن عدة طرق عن ابن عباس و كذا اخرجه جماعة عن انس و قتادة و ابن جبير و مجاهد و ابى العالية و غيرهم (روح) صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ اسرار و دقائق قرآن تک بھی وہی پہنچ سکتے ہیں جو ہوائے نفس کی آلودگیوں سے پاک اور طاہر ہوں۔

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿٨١﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿٨٣﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

طرف سے تو کیا تم اس کلام کو سرسری سمجھے ہوئے ہو؟ ف۳۱ اور تکذیب کو اپنی غذا بنا رہے ہو؟ سو جس وقت روح حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اُس وقت تکا کرتے ہو ف۳۲ اور ہم تم سے بھی زیادہ قریب اُس شخص کے ہوتے ہیں البتہ تم نہیں سمجھتے ہو ف۳۳ تو اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں تو تم اس (روح) کو پھر کیوں نہیں لوٹا لاتے، اگر تم سچے ہو ف۳۴ تو جو کوئی مقربین میں سے ہو گا تو اس کے لئے راحت ہے، غذائیں ہیں اور عیش کی جنت ہے ف۳۵ اور جو کوئی داہنے والوں میں سے ہو گا تو (اُس سے کہا جائے گا) تیرے لئے امن و امان ہے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے ف۳۶ اور جو کوئی جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہو گا، تو اس کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی سے ہوگی، اور (اُسے) دوزخ میں داخل ہونا ہوگا ف۳۷ بے شک یہ تحقیقی

ف۳۱ یعنی ایسے مہتم بالشان کلام پر بھی ایمان لانا واجب نہیں جانتے ہو؟ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ مطلب یہ ہوا کہ شیطان مردود کا گزر تو اس کلام پاک کے اردگرد بھی نہیں، جہاں سے یہ نقل ہو کر آیا ہے۔ وہ تمامتر فرشتوں کے پہرہ میں پھر دنیا میں اس کا نزول حق تعالیٰ کی نگرانی میں۔ شیطان کو اس کی ہوا بھی کسی منزل میں نہیں لگنے پاتی۔ ف۳۲ (بیکسی اور حسرت کی تصویر بنے ہوئے) فَلَوْلَآ ...... الْحُلْقُوْمَ۔ موت اور قبض روح کے وقت کا منظر ہے۔ وَتَجْعَلُوْنَ ...... تُكَذِّبُوْنَ۔ یعنی تکذیب بھی کس درجہ اور شدت کی؟ گویا تکذیب حقائق کو اپنی غذا ہی بنائے ہوئے ہو۔ ف۳۳ یعنی اُس کے حالات ظاہری وباطنی سے تم سے کہیں زیادہ ہم واقف ہیں۔ اِلَيْهِ ضمیرہ محتضر کے لیے ہے جو سیاق کلام سے ظاہر ہے۔ المحتضر المفهوم من الكلام (روح) ف۳۴ (اپنے دعوٰی انکار بعث میں) مطلب یہ ہوا کہ جس وقت تمہارے کسی عزیز قریب کی جان نکلنے لگتی ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ تم کسی حکمت، کسی تدبیر، کسی کوشش وکاوش سے اس کی جان روک لو؟ اور جب تم پر اپنی بے بسی، قانون موت وحیات کے باب میں یوں عیاں وروشن ہوگئی تو یہ کیسے ممکن سمجھتے ہو کہ حشر میں اللہ تعالیٰ کو مُردوں کے اُٹھانے سے روک سکو گے؟ تَرْجِعُوْنَهَا۔ ضمیر ھا نفس یا روح کی طرف ہے۔ ف۳۵ اور مقربین وہ ہیں جن کا ذکر اس سورت کی آیت ۱۱، ۱۲ میں آچکا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ وَجَنَّتُ نَعِيْمٍ۔ یہاں بھی مقربین کا اور اہل یمین اور اہل شمال کا ذکر اسی ترتیب سے ہو رہا ہے۔ رَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ۔ رَوح کے معنی رحمت اور ریحان کے معنی خوشبو کے بھی ہیں۔ دوسرے معنی مغفرت اور استراحت اور دوزخ سے نجات اور جنت میں دخول کے بھی کیے گئے ہیں۔ قاله قتادة الروح الرحمة وقيل هو الرحمة و هو قول مجاهد و قال سعيد بن جبير وغيرهٗ و قال الضحاك مغفرة و رحمة (معالم) و ريحان استراحة و قال مجاهد و سعيد بن جبير ايضاً (معالم) قال ابو بكر الوراق الروح النجاة من النار والريحان دخول دار القرار (معالم) تفسیر کبیر میں جو یہاں پہنچ کر افسوس ہے کہ خود امام المفسرین کی نہیں بلکہ ان کے بعض شاگردوں کی تفسیر رہ گئی ہے یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ روح و ریحان و جنت نعیم کی یہ سہ گانہ بشارتیں ان کی زندگی کے تین شعبوں، عقیدۂ حق اور کلمۂ طیبہ اور اعمالِ حسنہ کے مقابل ہیں اور اس سے اشارہ ان کے قلب، ان کی زبان اور ان کے اعضاء ظاہری تینوں کی سلامت ذوق کی جانب ہوگیا۔ ف۳۶ (ہر آفت اور خطرہ سے) یہ اصحب الیمین وہی آیت ۲۷ والے اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ اور آیت ۸ والے اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ہیں۔ اَمَّآ اِنْ كَانَ۔ یہ فقرہ ان تینوں آیتوں میں جہاں جہاں آیا ہے، مراد اس سے متوفی یا محتضر ہے۔ ف۳۷ (جس کے شدائد کی تفصیل بارہا پیشتر گزر چکی ہے) تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ کے معنی علاوہ ادخال نار کے، آگ سے ہر طرف سے گھر جانے کے بھی کیے گئے ہیں۔ اے و تقرير له فى النار التى تغمره من جميع جهاته (ابن کثیر) یہ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ وہی آیت ۹ والے اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ، آیت ۴۱ والے اَصْحٰبُ الشِّمَالِ اور آیت ۵۱ والے الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ہیں۔

و۳۸ (جس کی قدرت وحکمت کے یہ سارے تصرفات ہیں) هٰذَا۔ اشارہ مرنے والوں کے ان سہ گانہ درجات کی طرف ہے۔ یعنی ما ذکر من قصة المحتضرین (معالم) حَقُّ الْيَقِيْنِ۔ اس دُہری تاکید سے مراد یہ ہے کہ یہ امر اس درجہ یقینی اور قطعی ہے کہ اس سے زیادہ تحقیق کی کوئی اور گنجائش ہی نہیں۔ ذلک نوع تاکید قال هٰذا من حق الحق و صواب الصواب اے غایتهٗ و نهایته التی لا وصول فوقه (کبیر۔ عن ابن عطیة) و۱ اور غور وتامل سے کام لیا جائے تو پھر ہر مخلوق سے توحید وتنزیہ کی دلیل مل رہی ہے) سَبَّحَ لِلّٰهِ۔ یہ تسبیح ہر ہر مخلوق کی اُس کے اپنے مرتبۂ

حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾

یقینی بات ہے سو آپ اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجیے و۳۸

ع ۳ ۲۲ ۱۲

اٰیاتها ۲۹ | ۵۷ سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ ۹۴ | رکوعاتها ۴

اس کی انتیس آیتیں ہیں — سورۂ حدید مدینہ میں نازل ہوئی — اور چار رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں و۱ اور وہی زبردست ہے

الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ

حکمت والا ہے و۲ اُسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں وہی حیات دیتا ہے اور (وہی) موت دیتا

وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲﴾ هُوَ الْاَوَّلُ

ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے و۳ وہی ہے (سب سے) پہلے

وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳﴾

اور (سب سے) پیچھے اور (وہی) ظاہر ومخفی بھی اور وہی ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے و۴

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کر دیا

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ

پھر تختِ شاہی پر قائم ہو گیا و۵ وہ اُسے بھی جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے

وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ

اور (اُسے بھی جانتا ہے) جو چیز اُس میں سے نکلتی ہے، اور جو چیز آسمان سے اُترتی ہے اور جو چیز اُس میں

وجود کی مناسب زبان میں ہوتی ہے۔ انسانوں کے لیے کسی کی زبان، زبانِ قال ہے۔ اور کسی کی محض زبانِ حال۔ و۲ الْعَزِيْزُ۔ زبردست ایسا کہ اُس کی مشیت پر کوئی روک، کوئی دباؤ نہیں، اس کا ارادہ سب پر غالب، وہ جو بھی چاہے کر ڈالے۔ الْحَكِيْمُ۔ مصلحت سنج ایسا کہ اس کا ہر ادنٰی سے ادنٰی فعل بھی انتہائی حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز ہوتا ہے۔ جو کچھ بھی وہ کرتا ہے محض اپنی حکمت تکوینی کے ماتحت ومطابق ہی کرتا ہے۔ و۳ اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ملکیت وحکومت میں، نہ جان ڈالنے میں، نہ جان نکالنے میں اور نہ قدرت واختیار میں یہ سب تردید میں ارشاد ہو رہا ہے اُن مشرک جاہلی قوموں کے، جنھوں نے یا تو اُس کی قدرت واختیار کو محدود سمجھا ہی یا اُس کی ملکیت ومالکیت میں دوسروں کو شریک سمجھا ہے اور یا موت وحیات کے دیوتا الگ الگ سمجھے ہیں۔ و۴ (کہ چھوٹی بڑی کوئی سی چیز کہیں کی بھی اس کے دائرہ علم سے باہر نہیں) پہلی آیت کمالِ قدرت کے بیان میں تھی، یہ آیت کمال علم واحاطہ علمی کے بیان میں ہے۔۔۔ مشرک قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکر صفتِ قدرت وصفتِ علم ہی کے باب میں لگی ہے۔ هُوَ الْاَوَّلُ۔ اس موجود حقیقی کا وجود، ہر دوسرے وجود سے یہاں تک کہ وجود زمان سے بھی مقدم وسابق رہا ہے۔ عدم سابق کبھی اس پر طاری ہی نہ ہو سکا ۔۔۔ بعض مشرک قوموں نے اُسی کی ذات کو بھی حادث سمجھا ہے۔ یعنی هو الاول قبل کل شیء بلا ابتداء بل کان هو و لم یکن شیء موجودًا (معالم) هو القدیم الذی کان قبل کل شیء (مدارک) السابق علی جمیع الموجودات فهو سبحانه موجود قبل کل شیء حتی الزمان لانهٗ جل و علا الموجد و المحدث للموجودات (روح) وَالْاٰخِرُ۔ اس موجود حقیقی کا وجود، ہر مخلوق کے فنائے ذاتی وصفاتی کے بعد بھی علٰی حالہ قائم وباقی رہے گا۔ عدم سابق کی طرح عدم لاحق کا بھی اُس پر طاری ہونا محال ہے۔۔۔ بعض مشرک قوموں نے اُس کی ذات کو بھی فانی سمجھا ہے۔ اے الأخر بعد فناء کل شیء بلا انتهاء تفنی الاشیاء و یبقی هو (معالم) الذی یبقی بعد هلاک کل شیء (مدارک) هُوَ الظَّاهِرُ۔ ہر موجود کا وجود وظہور اسی کے وجود وظہور سے ہے۔ اپنے دلائل وشواہد کے اعتبار سے اور مطلق وجود کے مرتبہ میں روشن ترین وظاہر ترین۔ الظاهر بوجوده (روح) وَالْبَاطِنُ۔ اپنے آثار وصفات کے اس شدت ظہور کے ساتھ ساتھ اُس کی کنہ ذات ہر عقل وادراک کی رسائی سے باہر۔ تو اس سے بڑھ کر مخفی اور کون ہو سکتا ہے۔ اپنی تفصیلات وجود کے مرتبہ میں مخفی ترین۔ والباطن بکنهه سبحانه (روح) ایک حدیث میں دعاء کے یہ الفاظ آئے ہیں۔ و انت الظاهر فلیس فوقک شیء و انت الباطن فلیس دونک شیء (صحیح مسلم۔ مسند احمد) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یحیٰ بن زیاد الفراء کے حوالہ سے یہ معنی نقل کیے ہیں۔ الظاهر علی کل شیء علمًا و الباطن علی کل شیء علمًا (صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر) و۵ اس کی صفتِ خالقیت وصفتِ حاکمیت کا اثبات۔ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ ان دونوں پر حاشیے سورۃ الاعراف میں اور کئی بار گزر چکے۔

فِيهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

چڑھتی ہے ۔ ف۶ اور وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو اور وہ خوب دیکھتا رہتا ہے جو کچھ بھی تم

بَصِيرٌ ﴿۴﴾ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ؕ وَإِلَى اللّٰهِ

کرتے رہتے ہو ف۷ اُسی کی سلطنت ہے، آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ہی کی

تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۵﴾ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ

طرف (سب) اُمور لوٹ جائیں گے ف۸ وہی داخل کرتا ہے، رات کو دن میں اور وہی داخل کرتا ہے دن کو

فِي اللَّيْلِ ؕ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۶﴾ اٰمِنُوا بِاللّٰهِ

رات میں اور وہ دلوں (کی بات) تک خوب جانتا ہے ف۹ ایمان لاؤ اللہ اور

وَرَسُولِهٖ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ؕ

اُس کے رسول پر اور جس مال میں اُس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے اُس میں سے خرچ کرو،

فَالَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿۷﴾ وَمَا لَكُمْ

سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں انہیں بڑا اجر ہوگا ف۱۰ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے

لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ

جو تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے ہو، درآنحالیکہ رسول تمہیں بلا رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ

وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۸﴾ هُوَ الَّذِي

اور (اللہ خود) تم سے اس کا اقرار لے چکا ہے، ف۱۱ اگر تم کو ایمان لانا ہو وہ وہی ہے جو

يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ

اپنے بندہ پر صاف صاف آیتیں اُتارتا ہے تاکہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف

إِلَى النُّورِ ؕ وَإِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۹﴾ وَمَا لَكُمْ

نکال لائے اور بے شک اللہ تمہارے اُوپر شفیق ہے بڑا مہربان ہے ف۱۲ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ

ف۶ (غرض یہ کہ وہ ہر طرح اور ہر اعتبار سے ہمہ داں، ہمہ بیں ہے۔ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ۔ مثلاً بارش کا پانی۔ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا۔ مثلاً نباتات۔ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ۔ مثلاً ملائکہ اور احکام تشریعی اور تکوینی۔ مَا يَعْرُجُ فِيهَا۔ مثلاً ملائکہ اور اعمال صالحہ ف۷ حق تعالیٰ کی ہمہ گیری، ہمہ توانی، ہمہ بینی کی مزید تاکید۔ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ اس کی معیت علمی سے مخلوق کا کوئی بھی مرتبہ وجود خالی نہیں۔ ف۸ (نہ کہ کسی اور کی طرف) الْأُمُورُ۔ کے عموم میں جوہر و عرض سب ہی آگئے — حشر میں سب کی راجعیت صرف ذات حق تعالیٰ ہی کی جانب ہوگی۔ اس میں بہت سے باطل مذہبوں کی تردید آگئی۔ جنہوں نے حشر میں مرجعیت عام کے متعلق کسی اور ذات کو قرار دے رکھا ہے۔ ف۹ اس کے علم کی طرح اُس کی قدرت بھی ہر جزء و کل کو محیط ہے۔ ہر ہر شی میں جاری وساری ہے۔ یہ نہیں کہ خدا موجود تو ہے، مگر اُس کا علم صرف کلیات تک ہے۔ جزئیات کو حاوی نہیں جیسا کہ بعض جاہلی فلاسفہ نے کہا ہے۔ يُولِجُ اللَّيْلَ ...... اللَّيْلِ۔ دن اور رات دونوں اُسی کی مخلوق ہیں اور تمام تصرفات و تکوینیات میں اُسی کی قدرت کے محکوم و محتاج — یہ نہیں کہ دن اور رات کوئی دیوی دیوتا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ف۱۰ (کہ وہ مال کو اسی اصل مالک اور دینے والے کی راہ میں خرچ کر رہے ہیں) مَا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ۔ اس میں صاف اور واضح اشارہ اس طرف آگیا کہ یہ مال تم سے پہلے کسی اور کا تھا اور تمہارے بعد کسی اور کا ہو جائے گا۔ یہ کون سی ایسی چیز ہے جس کا تم اتنا غم کر رہے ہو کہ اسے اللہ کے حکم سے اپنی ضرورتوں میں بھی خرچ کرنے میں بخل کر رہے ہو — مالی جہاد کی ترغیب کا یہ طریقہ کتنا حکیمانہ و مصلحانہ ہے۔ ف۱۱ یعنی کمال حیرت کی بات ہے کہ تم جب بھی ایمان اور پورا ایمان نہیں لاتے ہو۔ جبکہ دو دو زبردست داعی اس دعوت ایمان کی قبولیت کے موجود ہیں — ایک تو رسول ﷺ جیسا حکیم اعظم مبلغ۔ دوسرے توحید کا داعیہ خود تمہاری فطرت کے اندر موجود۔ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ۔ یعنی ایسا ایمان جو اللہ پر ایمان لانے کا حق ہے۔ ایمان باللہ کے تحت میں رسول ﷺ پر ایمان، حشر پر ایمان، کتب الٰہی پر ایمان، سارے بنیادی عقائد ایمانی آگئے۔ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ۔ میثاق سے مراد بیعت رسول ﷺ بھی سمجھی گئی ہے۔ اور میثاق صلب آدم علیہ السلام بھی لی گئی ہے۔ یعنی بذلک بیعت الرسول ﷺ و زعم ابن جریر ان المراد بذلک المیثاق الذی اخذ علیھم فی صلب ادم و ھو مذھب مجاھد (ابن کثیر) ف۱۲ اور اس سے بڑھ کر اس کی شفقت و رحمت اور کیا ہوگی کہ اُسی نے ایسے حکیم و شفیق رسول ﷺ کو تمہارے لیے داعی و مبلغ بنا کر بھیجا جو دلائل حقانیت اس طرح کھول کھول کر پیش کرتا ہے۔ عَبْدِهٖ۔ عبد سے مراد عبد کامل یعنی رسول اسلام ﷺ کی ذات ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ البقرۃ (پ۱) آیت وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا الخ پر حاشیہ۔ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ۔ مضامین قرآنی معجزات محمدی، سب اس کے تحت میں آگئے۔ والظاھر ان المراد بھا اٰیات القراٰن و قیل المعجزات (روح) مِنَ ...... النُّورِ۔ کفر و شرک و معاصی کی تاریکیوں سے نور ہدایت و ایمان کی طرف۔

اَلَّا تُنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ لِلّٰہِ مِیۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ

تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہو درآنحالیکہ آسمان اور زمین سب آخر میں اللہ ہی کے

وَ الۡاَرۡضِ ؕ لَا یَسۡتَوِیۡ مِنۡکُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ

رہ جائیں گے ف۱۳ تم میں جو لوگ فتح (مکہ) سے قبل ہی خرچ کر چکے اور لڑ چکے (وہ ان کے برابر نہیں

الۡفَتۡحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعۡظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیۡنَ

جو بعد فتح لڑے اور خرچ کیا) وہ لوگ درجہ میں بڑھے ہوئے ہیں اُن لوگوں سے جنہوں نے

اَنۡفَقُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَ قٰتَلُوۡا ؕ وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الۡحُسۡنٰی ؕ وَ اللّٰہُ

بعد کو خرچ کیا اور لڑے، اور اللہ نے بھلائی کا وعدہ تو سب ہی سے کر رکھا ہے، اور اللہ کو

بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۱۰﴾ ع مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا

ع ۱۰/۱۷

تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے ف۱۴ کوئی شخص ہے جو اللہ کو اچھی طرح قرض کے طور پر دے پھر

حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَ لَہٗۤ اَجۡرٌ کَرِیۡمٌ ﴿۱۱﴾ ج یَوۡمَ تَرَی

اللہ اُسے اُس شخص کے لئے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لئے اجر پسندیدہ ف۱۵ ہے وہ دن (بھی یاد رکھنے کے قابل ہے)

الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ یَسۡعٰی نُوۡرُہُمۡ بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ

جب ایمان والوں اور ایمان والیوں کو دیکھیں گے کہ اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کی داہنی طرف

وَ بِاَیۡمَانِہِمۡ بُشۡرٰىکُمُ الۡیَوۡمَ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا

دوڑتا ہو گا ف۱۶ آج تم کو بشارت ہے باغوں کی جن کے نیچے سے نہریں

الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۲﴾ ج یَوۡمَ

جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہو گے (اور) یہی بڑی کامیابی ہے ف۱۷ یہ وہ دن ہو گا

یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا انۡظُرُوۡنَا

جب منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گی کہ ہمارا انتظار کر لو

ف۱۳ تو جب سارا مال آخر ایک روز چھوڑنا ہی ہے تو ابھی سے اپنی خوشی سے طاعتِ حق کی راہ میں کیوں نہ دے دیا جائے۔ اہل ایمان کو دینی اور ملی مقاصد میں مالی شرکت کے لیے آمادہ و مستعد کیا جارہا ہے۔ ف۱۴ (تو کسی کو یہ وہم نہ ہونے پائے کہ اس کا اجر چھوٹ جائے گا) قَبۡلِ الۡفَتۡحِ۔ الفتح سے اکثر نے مراد فتح مکہ لی ہے۔ عن قتادة هو فتح مكة (جصاص) يعني فتح مكة في قول اكثر المفسرين (معالم) والجمهور على ان المراد بالفتح ههنا فتح مكة (ابن کثیر) اور بعض قول صلح حدیبیہ سے متعلق بھی ہیں۔ روی عن الشعبی قال فصل ما بين الهجرتين فتح الحديبيه و فيه انزلت هذه الاٰية (جصاص) بہرحال دونوں صورتوں میں جو مجاہدین و مقاتلین شروع زمانۂ اسلام میں ہوئے ہیں جبکہ اُن کی تعداد بھی بہت قلیل تھی اور وہ ہر طرح ضعیف و درماندہ بھی تھے۔ انہوں نے اپنے اُوپر جیسے جیسے شدید مجاہدے گوارا کر کے اور اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر بے دریغ اپنا سرمایہ اسلام کی خدمات کی نذر کر دیا، ان کے مرتبہ کا کیا پوچھنا، باقی جن اہل ایمان نے اُس وقت اپنے اخلاص کا ثبوت جہاد مالی و قتال سے دیا جب اسلامی سلطنت کی جڑ مضبوط ہو چکی تھی اور مسلمان کثرت تعداد اور جاہ و مال ہر لحاظ سے بڑھ چکے تھے تو اجر ان کا بھی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اُن السابقون الاولون کے درجہ کا تو نہیں۔ وَکُلًّا ...... الۡحُسۡنٰی۔ جملہ مومنین کو اطمینان دلایا ہے کہ اپنے اپنے مرتبہ کے لحاظ سے اجر ملے گا سب ہی کو، محروم کوئی نہ رہے گا۔ ف۱۵ یہ ساری عبادت جہاد مالی کی ترغیب و تشویق کے لیے ہے۔ قَرۡضًا حَسَنًا۔ قرض کا لفظ اس اشارہ کے لیے ہے کہ اجر کا ترتب اس قدر یقینی اور قطعی ہے کہ گویا وہ اللہ پر قرض ہے ورنہ لفظی معنی کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کو "قرض" دے ہی کون سکتا ہے؟ استعير لفظ القرض ليدل على التزام الجزاء (مدارک) فَیُضٰعِفَہٗ۔ اس میں اشارہ اجر کی کمیت و مقدار کی جانب ہو گیا — اصل سرمایہ سے کہیں زیادہ دوگنا، چوگنا، دس گنا بلکہ اس سے بھی بہت زائد ہو گا۔ کَرِیۡمٌ۔ اس سے اشارہ اس اجر کی نوعیت و کیفیت کی طرف ہو گیا — خوب جی بھرا اجر ملے گا۔ ف۱۶ یہ منظر حشر میں پل صراط پر سے گزرتے ہوئے ہر مومن کا ہو گا — ہر مومن کے ساتھ ساتھ اُس کا نور بقدر اس کے درجہ و مرتبۂ ایمان کے ہو گا۔ ف۱۷ یہ بشارت کا پیام سنانے والے جنت کے فرشتے ہوں گے۔

نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا

کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ حاصل کر لیں و۱۸ (ان سے) کہا جائے گا تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر (وہیں)

نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ

روشنی تلاش کرو و۱۹ پھر ان (فریقین) کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا کہ

الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ

اس کی اندرونی جانب میں رحمت ہوگی، اور اُس کے بیرونی جانب کی طرف عذاب ہوگا و۲۰ (منافقین) پکار کر

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

(مومنین سے) کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے، وہ کہیں گے ہاں تھے تو لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا

وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ

اور تم راستہ دیکھا کرتے تھے اور تم شک رکھتے تھے اور تم کو تمہاری بیہودہ تمناؤں نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا، یہاں تک کہ

اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ

اللہ کا حکم آپہنچا، اور تم کو بڑے فریبیے نے اللہ کے ساتھ فریب میں ڈالے رکھا و۲۱ غرض آج نہ تم سے کوئی معاوضہ

فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ

لیا جائے گا اور نہ کافروں سے، تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے وہی

مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

تمہاری رفیق ہے، اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے و۲۲ کیا ایمان والوں کے لئے وقت نہیں آیا

اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ

کہ اُن کے دل اللہ کی نصیحت اور جو دین حق نازل ہوا ہے اُس کے آگے جھک جائیں

وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ

اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں اُن کے قبل کتاب ملی تھی پھر اُن پر

و۱۸ یہ اُس وقت ہوگا جب اہل ایمان اپنے اعتقاد و اعمال کی برکت سے بہت آگے بڑھ جائیں گے اور منافقین یعنی اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے والے لیکن درحقیقت کافر و منکر پیچھے بالکل اندھیرے میں رہ جائیں گے۔ یہ منافقین یا تو نور سے شروع ہی سے محروم ہوں گے اور یا ان کے پاس شروع میں کسی قدر نور ہو (اس مناسبت سے کہ مسلمانوں کے ساتھ ظاہری اعمال میں انہیں اشتراک حاصل تھا) اور فقدان ایمان و تصدیق کی بناء پر بعد کو بالکل مفقود ہو جائے اور ان کے جرم نفاق یا خداع ایمانی کی مناسبت سے لگتی ہوئی بات تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ پہلے انہیں نور مل جائے۔ اور پھر بلا شان و گمان یک بیک انہیں اُس سے محروم کر دیا جائے۔ و۱۹ مقصود کہنے کا یہ ہوگا کہ یہ نور تو دنیا ہی کے اعمال پر مرتب ہوا ہے۔ ہو سکے تو وہیں سے جا کر اسے حاصل کرو۔ یہ احمق یہ سمجھیں گے کہ یہیں کہیں قریب ہی جانے سے مل جائے گا! قِيْلَ۔ یہ کہنے والے فرشتے ہوں گے۔ قالہٗ قتادة تقول لهم الملائكة (معالم) یا ممکن ہے کہ مومنین ہی ہوں۔ قال ابن عباس يقول لهم المؤمنون (معالم) و۲۰ یعنی اہل ایمان تک پہنچنا تو منافقوں کو کیا نصیب ہو گا اُلٹے ان کے اُن کے درمیان ایک آڑ قائم کر دی جائے گی۔ اور ادھر یہ پشت پھیریں گے کہ اُدھر وہ وہی پہلی روشنی جو دُور سے انہیں نظر آ رہی تھی وہ بھی غائب کر دی جائے گی اور یہ اندھیرے گھپ میں پڑے رہ جائیں گے۔ بَيْنَهُمْ۔ یعنی مومنوں اور منافقوں کے درمیان۔ اے بين المؤمنين والمنافقين (مدارک) بَاطِنُهٗ۔ اندرونی جانب یعنی مومنین کے رخ والی سمت۔ ظَاهِرُهٗ۔ بیرونی جانب یعنی کافروں کے رخ والی سمت۔ و۲۱ (اور آخر وقت تک کبھی توبہ و رجوع کی توفیق نہ ملنے دی) اہل ایمان جواب دیں گے کہ بیشک تم بظاہر تو ہمارے ساتھ تھے اور ہم میں ملے جلے ہوئے تھے۔ لیکن ایسا ساتھ کس کام کا جبکہ دل سے تم اسلام اور پیمبر اسلام کے دشمن تھے؟ اور آخر وقت تک وہی ابلیسی مغالطہ کے شکار رہے۔ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ۔ یعنی کیا ہم اعمال میں اور طاعات میں تمہارے شریک نہیں رہتے تھے؟ وَتَرَبَّصْتُمْ۔ یعنی اسلام کے مٹ جانے ہی کا انتظار کرتے اور اُس کی آس لگائے بیٹھے رہے۔ وَارْتَبْتُمْ۔ اور تمہیں اسلام کی صداقت و حقانیت میں شبہ ہی رہا کیا۔ الْاَمَانِيُّ۔ بیہودہ تمنائیں یہی کہ ہم اپنے جس طریقہ پر ہیں، یہی ہماری نجات کے لیے کافی ہے۔ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ۔ اللہ سے متعلق دھوکا یہی کہ مذہب کفر حق ہے اور دین اسلام نعوذ باللہ ایک ڈھکوسلا ہے۔ اَمْرُ اللّٰهِ۔ یعنی موت۔ اے الموت (مدارک) حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ۔ یعنی عمر بھر انہیں کفریات میں پڑے رہے اور توبہ نہ کی۔ یہاں تک کہ موت آ گئی۔ الْغَرُوْرُ۔ بڑا فریبیا یعنی شیطان۔ و۲۲ (کہ یہ دار الجزاء ہے، دار العمل نہیں۔ اور تمہاری معیت ظاہری یہاں نجات کے لیے ہرگز کافی نہیں ہو سکتی) مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یعنی نہ چھپے ہوئے کافروں (منافقوں) سے اور نہ کھلے ہوئے کافروں سے۔

عَلَيۡهِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ‌ؕ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ

ایک لمبا زمانہ گزر گیا تو اُن کے دل خوب سخت ہو گئے اور اُن میں کے بہت سے

فٰسِقُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يُحۡىِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا‌ؕ

کافر ہیں ف۲۳ جانے رہو کہ اللہ ہی زمین کو اُس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے

قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ الۡمُصَّدِّقِيۡنَ

ہم نے مثالیں تمہارے سامنے کھول کر پیش کر دی ہیں تا کہ تم سمجھو ف۲۴ بلاشبہ صدقہ دینے والے

وَالۡمُصَّدِّقٰتِ وَاَقۡرَضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ

اور صدقہ دینے والیاں (یہ جو) اللہ کو خلوص کے ساتھ (قرضہ دیں) تو وہ صدقہ اُن کے لئے بڑھایا جائے گا اور اُن کے لئے

لَهُمۡ وَلَهُمۡ اَجۡرٌ كَرِيۡمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ

اجر پسندیدہ ہے ف۲۵ اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیمبروں پر (پورا) ایمان رکھتے ہیں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيۡقُوۡنَ‌ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ؕ

وہی تو اپنے پروردگار کے ہاں صدیق اور شہید ہیں،

لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ وَنُوۡرُهُمۡ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ

اُن کے لئے اُن کا اجر اور اُن کا نور (خاص) ہوگا ف۲۶ اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا

اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۹﴾ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا

وہی لوگ دوزخی ہیں خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض

لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ وَّزِيۡنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيۡنَكُمۡ وَتَكَاثُرٌ فِى الۡاَمۡوَالِ

ایک کھیل کود اور (ظاہری) خوشنمائی اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے پر

وَالۡاَوۡلَادِ‌ؕ كَمَثَلِ غَيۡثٍ اَعۡجَبَ الۡكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيۡجُ

اپنی برتری جتلانا ہے ف۲۷ گویا کہ مینہ ہے کہ اُس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر خشک ہو جاتی ہے

ع ۲ ۱۸

ف۲۳ یعنی بجز ایک قلیل تعداد کے جو اُن میں سے مسلمان ہو گئی باقی کثرت سے ان لوگوں کو قبول حق سے عار آنا شروع ہو گیا۔ اور نبی کریم ﷺ کی عداوت اُن کے دلوں میں خوب گہری بیٹھ گئی۔ اَلَمۡ ...... الۡحَقِّ۔ ذکر اُن مومنین کا ہے جو صاحبِ ایمان تو ہیں لیکن ان کے عمل میں کثرت سے کوتاہیاں ہیں، اُنہیں کو ترغیب دی جا رہی ہے کہ ترک معاصی، اور طاعات ضروری کی پابندی کا عزم دل سے کر لیں اور اس توبہ و رجوع میں جلدی کریں۔ اَلَمۡ يَاۡنِ۔ مراد یہ ہے کہ رجوع و توبہ میں تاخیر و تساہل ہی کیوں ہو؟ كَالَّذِيۡنَ ...... قَبۡلُ۔ مراد یہود و صاحب صحائف اسرائیلی ہیں۔ كَالَّذِيۡنَ ...... قُلُوۡبُهُمۡ۔ قدیم اہل کتاب نے جب اپنی اپنی کتاب کے ہدایات کے برخلاف شہوات و معاصی میں انہماک پیدا کر لیا تو رفتہ رفتہ ان کی قساوت قلب کی اب یہ نوبت پہنچ گئی کہ ندامت و ملامت اضطراری کی بھی اہلیت باقی نہ رہ گئی۔ آیت سے ایک عملی سبق یہ ملا کہ خود مسلمانوں کو معاصی سے توبہ و رجوع میں عجلت کرنا چاہیے ورنہ بعض اوقات رفتہ رفتہ توبہ کی توفیق ہی جاتی رہتی ہے۔ اور پھر عیاذاً باللہ نوبت کفر تک پہنچ جاتی ہے۔ الأية تدل علٰی ان كثرة المعاصی و مساكنتها والفها تقسی القلب و تبعد عن التوبة (جصاص) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آیت سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک خشوع کا لزوم و دوام، دوسرے یہ کہ طول غفلت سے قساوت قلب پیدا ہو جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ قساوت کا علاج ذکر اللہ کی کثرت ہے۔ ف۲۴ (کہ جس طرح اللہ بارش بھیج کر خشک زمین کو از سر نو تازہ و سرسبز کر دیتا ہے۔ اسی طرح توبہ کے اثر سے وہ خالق ذوالجلال قلب مردہ کو بھی زندہ اور درست کر دیتا ہے۔ اس لیے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں) ف۲۵ اس آیت کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ ہذا کا حاشیہ نمبر ۱۵۔ قرض حسنہ۔ اصطلاح شریعت میں ایسے مال کو کہتے ہیں جو حلال کمائی سے خوشدلی اور اخلاصِ نیت کے ساتھ صاحبِ احتیاج کو دیا جائے۔ والقرض الحسن ان يتصدق من الطيب عن طيبة النفس و صحة النية على المستحق للصدقة (مدارک) ف۲۶ یعنی جن لوگوں نے تصدیق ایمانی اور پابندئ طاعات پوری طرح کر کے مومن ہونے کا حق ادا کر دیا، وہ اللہ کے ہاں تو مرتبہ صدیقیت و شہادت پر پہنچ گئے۔ الصِّدِّيۡقُوۡنَ۔ صدیق یہاں اسی معنٰی میں ہے، جس معنٰی میں اُردو میں "ولی" بولتے ہیں۔ لفظی معنٰی اس شخص کے ہیں جو بڑی کثرت سے صدق سے کام لیتا ہو، یا جو اپنی زبان سے، قلب سے، عمل سے سب سے تصدیق کرتا ہو۔ والصديق من كثر منه الصدق (راغب) قيل بل لمن صدق بقوله و اعتقاده و حقق صدقه بفعله (راغب) الصديق كثير الصدق (معالم) اے السابقون فی التصديق (جلالین) وَالشُّهَدَآءُ۔ شہید یہاں لغوی معنٰی میں ہے۔ یعنی حق کے گواہ۔ اے هم الذين استشهدوا فی سبيل الله (مدارک) واراد بالشهدآء المؤمنين المخلصين (معالم) باقی اگر شہید سے یہاں مراد اصطلاحی شہید یا قتیل فی سبیل اللہ ہو، جیسا کہ بعض اکابر مفسرین کا قول ہے۔ تو معنٰی یہ کیے جائیں گے کہ مومن کامل اپنی جان و مال دونوں کو اپنی جگہ پر تو اللہ کی راہ میں وقف اور خدمت دین کی نذر کر ہی دیتا ہے۔ رہا یہ کہ اس کے بعد بھی جان گئی یا رہی تو یہ تو اس کے اختیار کی چیز نہیں۔ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ۔ یعنی حکم الٰہی میں۔ پروردگار کے نزدیک۔ اے فی حكمه و علمه سبحانه (روح) المراد اولئک فی حكم الله تعالٰی بمنزلة الصديقين والشهداء المشهودين بعلوالرتبة و رفعة المحل (روح) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مومنین کو مطلقاً صدیق و شہید فرما دینا دلیل ہے اس پر کہ ان میں بھی مراتب ہیں اور ادنیٰ مرتبہ ہر مومن کو حاصل ہے جیسا کہ ولایت عامہ ہر مومن کے لیے عام ہے۔ ف۲۷ (اس لیے بحیثیت مقصود کے ہرگز قابل توجہ و التفات نہیں) یہاں یہ بتا دیا ہے کہ دنیا کے مقاصد سب کے سب فانی و سریع الزوال ہوتے ہیں اور اہل دنیا عمر کے ہر دَور میں انہیں کے اُلٹ پھیر میں رہتے ہیں۔ لڑکپن کا زمانہ کھیل کود کی نذر ہو جاتا ہے۔ سن اور بڑھا، تو حسن و عشق کے جھمیلے میں پڑ گئے۔ یا تجارت، ملازمت وغیرہ زرکشی کے پیشوں میں لگ گئے۔ سن کہولت آنے لگا تو اب ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر و مسابقت مال و جاہ و شرافت خاندانی وغیرہ کی بنیادوں پر ہونے لگا۔ غرض ساری عمر انہیں بے بنیاد و بے ثبات مقصدوں کے پیچھے دوڑتے رہنے میں گزر جاتی ہے۔ اور آخرت جو مقصود اصلی ہے اور حیات لافانی ہے وہ عمر کے کسی حصہ میں خیال میں نہیں آتی۔ آیت کے مفہوم کا انطباق جس طرح دنیا پرست افراد و اشخاص پر ہوتا ہے اسی طرح آخرت فراموش و دنیا پرست قوموں، حکومتوں اور نسلوں پر بھی ہوتا ہے۔ مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت سے صریح تعلیم دنیا سے زہد اور بے رغبتی کی نکلتی ہے۔

و۲۸ تشبیہ سے مقصود بہار دنیا کے بالکل عارضی ہونے اور پھر اس کے زوال واضمحلال کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ و۲۹ (عالم آخرت کی بقاء و پائداری کے مقابلہ میں) دنیا کی بے ثباتی اور فنا پذیری پر ایک بار پھر زور دیا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اس عارضی وفانی دنیا وسامان دنیوی کے برعکس عالم آخرت باقی ولازوال ہے اور وہاں کی کیفیتیں دو ہیں۔ دونوں ثابت وباقی۔ ایک کافروں کے لیے اور وہ عذاب شدید ہے، دوسری ایمان والوں کے لیے اور وہ اللہ کی مغفرت ورحمت ہے۔ اب انسان کو اختیار ہے کہ ان دو میں سے جس کو چاہے اپنا مقصود اعظم بنالے۔ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ۔ مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ مغفرت عامۂ مومنین کے حصہ میں آئے گی اور رِضْوَانٌ خواص وعاشقین کے نصیب میں۔ مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ یہ دنیا دھوکے کی ٹٹی بس انہیں لوگوں کے حق میں ہے جو اس میں پڑے رہتے اور اسی پر بھروسہ کیے رہتے ہیں، آخرت کو بھلائے ہوئے۔ لمن رکن الیها و اعتمد علیها (مدارک) ای هی متاع فان غار لمن رکن الیه فانه یغتربها و تعجبه حتی یعتقد انه لا دار سواها ولا معاد وراءها (ابن کثیر) لمن لم یشتغل فیها بطلب الأخرة (معالم، عن سعید بن جبیر) لمن اطمأن بها و لم یجعلها ذریعة للأخرة (روح) و۳۰ یعنی بے انتہاء وسیع۔ قرآن محاورۂ انسانی میں ہے اور محاورۂ انسانی میں زمین وآسمان کی سی وسیع کے معنٰی ہی بے انتہاء وسیع کے ہیں۔ قرآن مجید کی بلاغت ملاحظہ ہو جونہی اس متاع دنیا کے فانی اور ہیچ ہونے اور دولت آخرت کے باقی وقائم ہونے کا نقش دل میں بیٹھا، معاً جنت کی طرف دوڑ کرنے کا پیام پہنچا دیا ـــ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ الخ۔ و۳۱ (وہ صرف خواص اور مجاہدین یا عاشقین ہی کو نہیں، ہر عامی مومن کو بھی اپنے فضل وکرم کے بحر بیکراں سے سیراب کرے گا) اُعِدَّتْ ...... رُسُلِهٖ۔ اس میں جتا دیا کہ جنت تو ہر مومن کا مستقر اصلی ہے ہی۔ ذٰلِكَ ...... يَّشَآءُ۔ اس میں یہ اشارہ کردیا کہ کوئی اپنے اعمال پر مغرور نہ ہوجائے۔ یعنی یہ تو محض ہمارا فضل وکرم ہے جو جنت میں پہنچا دیتا ہے اور اس کا مدار ہماری مشیت پر ہے گو ہم نے اپنی رحمت سے اپنی مشیت ان عمل کرنے والوں ہی کے ساتھ وابستہ کردی ہے۔ و۳۲ (کیونکہ اُس کے علم میں حال و مستقبل سب یکساں ہے) مَا ...... نَّبْرَاَهَا۔ یعنی جتنی بھی مصیبتیں انسان کے لیے ممکن ہیں خواہ داخلی ہوں یا خارجی۔ سب ازل سے مقدر ہیں۔ كِتٰبٍ۔ مراد لوح محفوظ ہے۔ و هو اللوح المحفوظ ای مکتوبة فیه (بحر) یعنی اللوح المحفوظ (معالم) ذٰلِكَ۔ یعنی قبل وقوع ان کا لکھ دینا۔ ای تقدیر ذلک و اثباته فی کتاب (مدارک) نَّبْرَاَهَا۔ ضمیر ھا، انفس کے لیے ہے۔ والضمیر علی ما روی عن ابن عباس و قتادة والحسن و جماعة للانفس (روح) و۳۳ یعنی کوئی نعمت یا عطیۂ الٰہی تمہارے دلوں میں اتراہٹ یا فخر کے جذبات نہ پیدا کرنے پائے جو طاعتِ الٰہی سے مانع ہوجاتا ہے ـــ باقی رہی طبعی مسرت تو وہ تو جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ اتراہٹ تو اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان کسی خوبی کو اپنے ذاتی استحقاق کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ قرآن مجید نے اس کی جڑ کاٹ دی، جب نعمت کے لیے محض حق تعالٰی کے حکم و مشیت کا استحضار ہوگیا تو اب اتراہٹ ہونے ہی کیوں لگی؟ عَلٰى مَا فَاتَكُمْ۔ جو چیز تم سے جاتی رہے تمہارے محبوبات ومرغوبات میں سے مثلاً مال یا اولاد یا صحت و عافیت یا حسن وشباب یا کوئی عزیز یا دوست۔ لِكَيْ اس کا عامل اخبرنا کم مقدر ہے۔ لَا تَاْسَوْا۔ یعنی رنج وغم حد سے زیادہ نہ کرو۔ جو طاعت الٰہی میں حائل ہو جائے۔ صدمۂ طبعی سے کوئی ممانعت مقصود نہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں علاج ہے حزن کا تقدیر کے یاد کرلینے سے نیز یہ اشارہ ہے کہ اس میں ضرور ہماری ہی مصلحت ہوگی گو ہمیں تفصیل سے علم نہ ہو۔ و۳۴ یہ وعید ہے اتراہٹ پر۔ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔ مُخْتَالٍ اور فَخُوْرٍ دو لفظ آئے ہیں۔ اختیال کی بنیاد کمالات داخلی پر ہوتی ہے۔ مثلاً علم عبادت وغیرہ اور فخر کی بنیاد کمالات خارجی پر مثلاً مال و جاہ وغیرہ۔ و۳۵ (حُبّ دنیا کی بنیاد پر) يَّبْخَلُوْنَ۔ الْبُخْلِ۔ بخل کے عام ووسیع معنٰی ہیں، حق اللہ وحق العباد کو ضائع کردینے اور انہیں ادا نہ کرنے کے۔ یہاں خصوصیت کے ساتھ اشارہ ہے طاعات ضروری میں خرچ کرنے سے رُک جانے پر۔ آیت سے اشارہ اس طرف ہوگیا کہ حُبّ دنیا ایسی چیز ہے کہ جس سے اکثر صفات ذمیمہ پیدا ہوجاتے ہیں، مثلاً اختیال اور افتخار اور بخل وغیرہ ذٰلک (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ؕ وَ فِى الْاٰخِرَةِ

سو تو اُسے زرد دیکھتا ہے، پھر وہ چُورا چُورا ہو جاتی ہے و۲۸ اور آخرت میں

عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ

عذاب شدید بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی،

وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰى

اور دنیوی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے و۲۹ دوڑو اپنے پروردگار کی

مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ

مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت

وَ الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ

کی سی ہے و۳۰ تیار کی گئی ہے اُن لوگوں کے لئے جو اللہ اور اُس کے پیمبروں پر ایمان رکھتے ہیں، یہ

فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جسے چاہے عطا کرے، اور اللہ ہی بڑے

الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَ لَا

فضل والا ہے و۳۱ کوئی سی بھی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ

فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ

خاص تمہاری جانوں میں، مگر یہ کہ (سب) ایک رجسٹر میں (لکھی ہیں) قبل اس کے کہ ہم اُن جانوں کو پیدا کریں، یہ

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا

اللہ کے لئے آسان ہے و۳۲ (یہ بات بتادی گئی ہے) تاکہ جو چیز تم سے لی جارہی ہے اُس پر (اتنا) رنج نہ کرو، اور جو چیز

تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ

اُس نے تمہیں دی ہے اُس پر اتراؤ نہیں و۳۳ اور اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو

فَخُوْرِۨ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ

پسند نہیں کرتا ۳۴ (وہ لوگ ایسے ہیں) جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم

بِالْبُخْلِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

دیتے رہتے ہیں ۳۵ اور جو کوئی روگردانی اختیار کرے گا، تو اللہ تو (سرتاسر) بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے ۳۶

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ

ہم نے اپنے پیمبروں کو کھلی ہوئی چیزیں دے کر بھیجا ۳۷ اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب کو

وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ

اور انصاف کرنے کو نازل کیا، تا کہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں ۳۸ اور ہم نے لوہے کو (بھی) نازل کیا

فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ

کہ اس کے اندر شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی فائدے ہیں ۳۹ اور اس لئے بھی تا کہ اللہ جان لے

مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

کہ بے دیکھے اُس کی اور اس کے پیمبروں کی مدد کون کرتا ہے ۴۰ بے شک اللہ (بڑا) قوت والا ہے (بڑا) زبردست ہے ۴۱

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا

اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو پیمبر بنا کر بھیجا اور دونوں کی نسل میں

النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ

نبوت اور کتاب جاری کر دی ۴۲ سو اُن میں سے ہدایت یافتہ بھی ہوئے، اور اکثر اُن میں کے

فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا

نافرمان نکلے ۴۳ پھر ہم اُن کے بعد اپنے اور پیمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور اُن کے بعد ہم نے

بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَ جَعَلْنَا

عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا ۴۴ اور ہم نے انہیں انجیل دی ۴۵ اور جن لوگوں نے اُن کی

ف۳۶ یعنی حکم انفاق کے بعد بھی بخل کرتے رہو گے تو اس میں ضرر صرف تمہارا ہی ہے، حق تعالیٰ کا اس میں کیا نقصان، وہ ذات پاک تو اپنی ذات وصفات دونوں کے لحاظ سے خود ہی ہر طرح کامل واکمل ہے بلکہ استکمال بالغیر تو اس کے لیے محال ہی ہے۔ آیت سے اس عقیدۂ جاہلیت کی بھی تردید مقصود ہے کہ پجاریوں کی خدمات سے خود دیوتا اور خدا مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ ف۳۷ (اسی اصلاح اُخروی کی غرض سے) الْبَيِّنٰتِ۔ کے تحت میں احکام، ہدایات، دلائل ومعجزات سب آگئے۔ ای الحجج والمعجزات (روح) ف۳۸ حقوق اللہ میں حقوق العباد میں غرض سارے اجزائے شریعت میں) وَاَنْزَلْنَا ...... بِالْقِسْطِ۔ یعنی انہیں آسمانی کتابوں میں احکام بندوں کی باہمی معاملت ومعاشرت سے متعلق دیئے، اور ہدایات عدل اور ادائے حقوق کے بارہ میں نازل کیے۔ شریعت اسلامی کا تعلق صرف فلاح آخرت سے نہیں بلکہ اس دنیا کے بھی پورے انتظامات سے ہے اور شریعت کے اس دنیوی اور انتظامی جزء کی اہمیت خصوصی آیت کے الفاظ سے ظاہر ہو رہی ہے۔ الْكِتٰبَ۔ کتب ظاہر ہے کہ یہاں جنس کتاب کے لیے ہے اور اس سے مراد تمام کتب وصحائف آسمانی ہیں۔ ای جنس الکتب الشامل للکل (روح) الْمِيْزَانَ۔ میزان سے مراد عدل یا احکام عدل سے لی گئی ہے۔ المیزان اشارۃ الی حمل الناس علی تلک الاحکام المبنیة علی العدل والانصاف (کبیر) یعنی العدل (معالم) و ھو العدل قالہ مجاھد و قتادۃ و غیرھما (ابن کثیر) و اکثر المتاولین علی ان المراد بالمیزان العدل (بحر) بعض محققین نے اس لفظ سے مراد عقل سلیم یا معرفت حق یا ضمیر لی ہے، جو ہر انسان کی سرشت میں داخل ہے اور دعوتِ انبیاء ہی کی طرح اس کے بھی بغیر حجت الٰہی انسان پر قائم نہیں ہوتی چنانچہ بچہ اور مجنون اسی لیے تو تکلیف شرعی سے بری ہیں کہ ان کی عقلیں اور ان کے ضمیر کامل اور نمو یافتہ نہیں۔ المیزان ھو الذی یتمیز به العدل عن الظلم والزائد عن الناقص (کبیر) لِيَقُوْمَ میں ل تعلیل کا ہے۔ علة لانزال الکتاب والمیزان و القیام بالقسط (روح) یعنی ہدایت خلق انہیں دو اُمور تعلیم کتاب ومیزان سے قائم ووابستہ ہے۔ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کتاب سے اشارہ قوت نظری کی جانب ہے اور میزان سے اشارہ قوت عملی کی جانب۔ والحاصل ان الکتاب اشارۃ الی القوۃ النظریة والمیزان الی القوۃ العملیة (کبیر) ف۳۹ الْحَدِيْدَ۔ یہی لوہا ہے جسے ہم آپ سب جانتے پہچانتے ہیں۔ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ۔ معمولی اور گھریلو چاقو، چھری، استرہ قرولی سے لے کر تلوار، نیزہ، سنگین، خنجر، پستول، رائفل، مشین گن، توپ وغیرہ سے ہوتے ہوئے جدید ترین قسم کے آلات مہلک، ایٹم بم وغیرہ پر نظر کر جایئے۔ ہر ایک میں کارفرمائی اسی مہلک اور پرہیبت دھات، لوہے ہی کی نظر آئے گی اور پھر ہتھیاروں یا اسلحہ کے علاوہ دوسرے قسم کے مہلک آلاتِ حرب، ٹینک، جیپ، آرمرڈ کار، ڈریڈناٹ جہاز، آبدوز کشتیاں، جاہ کن کشتیاں، بمبار طیارے، شکاری طیارے وغیرہا، ان سب کو بھی نظر میں رکھیے جب جا کر لفظ قرآنی کی حیرت انگیز ومعجزانہ جامعیت کی قدر ہوگی۔ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ آج دنیا جس کارخانہ عالم کو کارگاہِ تہذیب وتمدن کے نام سے یاد کرتی ہے، اس سے لوہے کے چھوٹے بڑے سارے مصنوعات، گھریلو ہل اور سوئی اور نب اور پن اور سیفٹی پن اور قینچی اور ہولڈر اور پھاوڑہ اور بیلچہ اور کدال اور اُسترے اور ناخن گیر اور کرچھے اور دست پناہ اور کھرپے اور بسولے اور ہنسیا اور گنڈاسے اور کلہاڑی اور چھلنی اور ہاون دستہ اور کرنی اور ہتھوڑے اور انگیٹھی اور ترازو کے پلڑے اور ترازو کے باٹ اور کیل اور برنجی کیل اور موٹے چولھے اور کنجی اور قفل اور چتر اور آرے اور قبضے اور پیچکش اور سنکھی اور زنجیر اور کنڈی اور چھتری کی تیلیوں اور سائیکل کی تیلیوں اور پانے اور تانگوں گاڑیوں، اکوں کی کمانیاں اور دھونکنی اور سلائیں اور توے اور پہیوں کے آہنی خول اور موٹر اور موٹر سائیکلیں، ریلوے انجن اور فائر انجن اور ٹیلیفون اور ٹیلیگراف اور ریڈیو کے تار اور ریل کی پٹریاں اور خود اور ٹراموے اور ان سب کے اندر کے بیشمار پرزوں اور جنگی وغیر جنگی، رزمی، بزمی، اَن گنت بڑی اور چھوٹی مشینوں کو ذرا معدوم فرض کر کے دیکھئے کہ اعلیٰ شہری تمدن تو خیر بڑی چیز ہے ادنیٰ دیہاتی تمدن بھی باقی رہ جاتا ہے؟ یہ سارے جائزے لے ڈالنے کے بعد الفاظ قرآنی کی معجزانہ جامعیت پر بے اختیار قربان ہو جانے کو جی چاہے گا! ف۴۰ یعنی تا کہ یہ نمایاں اور ظاہر ہو جائے کہ کون کون ان نعمتوں سے دین کی اقامت ونصرت اور جہاد فی سبیل اللہ میں کام لیتا ہے۔ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ۔ اللہ کے معلوم کر لینے کے معنی ہوتے ہیں کسی شی کے علانیہ ثابت ہو جانے اور ظہور پذیر ہو جانے کے۔ بِالْغَيْبِ۔ یعنی محض اپنی قوت ایمانی کے سہارے ایسے خدا اور اُس کے دین کی نصرت کریں جو اُن کی نظر سے مخفی ومستور ہے۔ ای غائبًا منھم (روح، مدارک) ای قام بنصرۃ الدین ولم یر اللہ ولا الاٰخرۃ (معالم) ف۴۱ اسے کوئی حاجت کسی قسم کی بھی کسی بندہ کی نصرت واعانت کی نہیں، احکام جہاد وغیرہ جو مل رہے ہیں سب بندوں ہی کے اخلاص کی جانچ پڑتال کے لیے ہیں۔ ف۴۲ اس میں اس بڑی اہم تاریخی حقیقت کا اعلان آگیا کہ نبوت وشریعت آسمانی کا سلسلہ بنی نوح میں نسل ابراہیمی کے واسطہ سے چلا اور دوسری نسلیں طرح طرح کے شرک اور وہم پرستیوں میں پڑی رہ گئیں۔ ف۴۳ فَمِنْهُمْ۔ ضمیر ھم ان پیمبروں کی ذریت کی جانب بھی ہو سکتی ہے اور اُمتانِ دعوت کی جانب بھی۔ ای فمن الذریة اومن المرسل الیھم (کبیر) فٰسِقُوْنَ۔ یہاں لفظی معنی میں ہے۔ اصطلاح فقہ میں نہیں، مراد یہاں کافر ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اور بھی متعدد مواقع پر ہے۔ یعنی الذین ترکوا الایمان بعیسٰی و محمد علیھما الصلوٰۃ والسلام (معالم) فارقون عن حدود دینھم (روح) ف۴۴ (جو سلسلہ انبیاء اسرائیل کے خاتم ہوئے ہیں اور ان کے اور خاتم النبیین ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں بجز یحییٰ علیہ السلام کے جو عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے معاصر بھی تھے) ف۴۵ یہ دعویٰ تو مسلمانوں کا ہے کہ قرآن کی طرح انجیل نامی بھی ایک کتاب آسمانی نازل ہو چکی ہے، لیکن موجودہ مسیحیت صدیوں سے اس دعوے سے کلیۃً دستبردار ہو چکی ہے وہ تو اس کی قائل ہے کہ مسیح علیہ السلام سرے سے کوئی پیامبر ہی نہ تھے جو کسی اور کا پیام یا کسی کی طرف سے کتاب لے کر آتے۔ وہ تو خود (نعوذ باللہ) مظہر ذات باری تھے، اور اُن کی زبانی بعض بشارتیں سن کر اور اُن کے معجزات وخوارق دیکھ کر بعض لوگوں نے زبانی یا تحریراً دوسروں تک پہنچا دیے۔ اور ان دوسروں نے ان انسانی نوشتوں کے مختلف مجموعوں کو مختلف انجیلوں کے نام سے شائع کر دیا — قرآن مجید کے الفاظ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ۔ سے گو اوّل

نظر میں متبادر یہی ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی قرآن مجید کی طرح ایک کتاب انجیل نامی نازل ہوئی تھی لیکن یہ معنی بالکل قطعی اور لازمی نہیں۔ اور یہ تو بہرحال قطعی ہے کہ جس وحی شدہ انجیل کا یہاں ذکر ہے۔ وہ اس نام کی وہ کتاب تو ہرگز نہیں جو اس وقت مسیحیوں کے ہاتھ میں ہے۔ و۴۶ (اور یہ علامت اُن کے صحیح اتباعِ مسیح علیہ السلام کی تھی) اَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ۔ خوب خیال رہے کہ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً کی صفات مدحیہ اُن واقعی متبعین مسیح علیہ السلام کے حق میں ارشاد ہو رہی ہیں، نہ کہ نصرانیوں کے حق میں۔ و۴۷ یعنی اس سے مقصود ان لوگوں کا اپنے دین وایمان کا تحفظ بلکہ کمال روحانی حاصل کرنا تھا۔ وَرَهْبَانِيَّةَ۔ رہبانیت کے معنی ترکِ لذات وتحمل شدائد کے ہیں اور بعض اہل لغت کے نزدیک محض زیادتی اور افراط کے۔ الرهبانية غلو فی تحمل التعب من فرط الرهبة (راغب) قال القاری واصل الرهبانية من الرهبة ثم صارت اسمًا لما فضل عن المقدار و افرط فيه (تاج۔لسان) مسیحیوں نے ابتدائی صدیوں ہی سے بعض مشرک فلاسفہ یونان ومصر وغیرہ کے اثر سے اپنا مسلک رہبانیت یا ترکِ دنیا کا اختیار کرلیا تھا، جس کے تحت میں ترکِ نکاح، ترکِ لذائذ غذائی، ترکِ حیوانات، ترکِ خانماں، ترکِ طہارت، ترکِ اختلاط اور صحرا گزینی وغیرہ سب آگئے۔ والمراد من الرهبانية ترهبهم فی الجبال فارين من الفتنة فی الدين مخلصين انفسهم للعبادة متحملين كلفاً زائدة على العبادات التی كانت واجبة عليهم من الخلوة واللباس الخشن والاعتزال عن النساء والتعبد فی الغيران والكهوف (کبیر) ابتدعوها۔ اس نے صاف کردیا کہ یہ مسلم ترکِ دنیا ہرگز تعلیم ربانی کے مطابق وماتحت نہ تھا۔ نہ صراحتہً اُس سے ماخوذ ومستنبط۔ مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ۔ مزید تاکید وزور کے لیے پھر فرمادیا گیا کہ یہ مسلک ترکِ دنیا شریعت ربانی کا جزء ہرگز نہ تھا۔ تمام تر ایک انسانی اختراع تھی۔ صوفیہ محققین نے لکھا ہے کہ سلوک وتصوف سے مقصود تمام تر رضاء الٰہی ہی رکھنا چاہیے نہ کہ تفاخر وحصول مراتب ودرجات عالیہ۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ۔ اس کا تعلق ابتدعوھا سے ہے۔ یعنی اُن کی نیت اس بدعت سے اتباعِ رضاء الٰہی ہی تھی۔ انهم قصد وا بذلک رضوان الله تعالٰى قاله سعيد بن جبير و قتادة (ابن کثیر) و۴۸ (اور یہی ہوا کہ اپنے لگائے ہوئے قیود اور اپنے عائد کیے ہوئے شرائط خود ہی نہ نباہ سکے اور پھسل پھسل گئے) ابھی آچکا ہے کہ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ یعنی اُن کی نیت بخیر تھی یہ اپنے اُوپر مشقتیں اور کلفتیں انہوں نے تقرب خداوندی ہی کی غرض سے عائد کی تھیں، لیکن بدعت بہرحال بدعت تھی۔ نباہ یہ اس کا بھی نہ کرسکے۔ رہبانیت کی ساری تاریخ خود مسیحیوں کے قلم کی لکھی ہوئی، ایک بڑی حد تک فسق وفجور ہی کی تاریخ ہے۔ قرآن مجید نے حکیمانہ ایجاز کے ساتھ صرف اشارہ کردیا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ آیت میں راہبین نصاریٰ کی مذمت دو دو حیثیتوں سے ہے۔ ایک تو دین میں بدعت یا نئی راہ نکالنے کی حیثیت سے، دوسرے اس پر کہ اپنے بدعی عبادات والتزامات کو بھی نباہ نہ سکے۔ و هذا ذم لهم من وجهين احدهما الابتداع فی دين الله ما لم يامر به الله و الثانی فی عدم قيامهم بما التزموه مما زعموا انه قربة يقربهم الى الله عز و جل (ابن کثیر) و۴۹ (چنانچہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان نہیں لا رہے ہیں) فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ ...... اَجْرَهُمْ۔ یعنی جنہوں نے اپنے پیمبر وقت کی تصدیق کی اور اُن پر پوری طرح ایمان لائے، انہیں اجر بھی پورے کا پورا ملا۔ و۵۰ کتابی مومن کے اجر کا دوگنا ہونا ظاہر ہے۔ ایک اجر اپنے نبی سابق کی تصدیق کا۔ دوسرا پیمبر وقت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یہاں خطاب حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان رکھنے والوں سے ہے۔ اور انہیں دعوت خاتم النبیین پر ایمان لانے کی دی جارہی ہے۔ فی رواية النسائی عن ابن عباس انه حمل هذه الاٰية على مؤمن اهل الكتاب (ابن کثیر) الخطاب لاهل الكتابين من اليهود والنصارٰى (معالم) الذين امنوا بعيسٰى (جلالین) اتَّقُوا اللّٰهَ۔ دعوت ایمان سے معاً پہلے اتقوا الله لانے میں اشارہ ہے کہ معاصرین اہل کتاب کی راہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی بڑی روک تقویٰ کی کمی تھی اور ایمان لانے میں بڑا دخل تقویٰ کو تھا۔ "اس آیت میں جو اہل کتاب کو يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے تعبیر فرمایا ہے۔ باوجودیکہ عادت قرآنیہ اس لفظ سے صرف مسلمانوں کو خطاب کرنے کی ہے، اس میں نکتہ غالباً یہ ہے کہ چونکہ یہ ایمان اُن کا ایمان بالرسول کے بعد ایمان مقبول ہوجائے گا، اس لیے اس کو ایمان معتدبہ سے تعبیر فرمایا"۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ۔ ملاحظہ ہو سورۃ القصص (پ۲۰) آیت اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ کا حاشیہ۔ و۵۱ (اور ان صفات غفر و رحمت کے ظہور کامل کا وقت حشر ہی میں ہوگا) يَجْعَلْ ...... بِهٖ۔ یعنی ایسا نور ایمان عطا کردے گا جو یہاں سے لے کر پلِ صراط تک برابر تمہارا رفیق رہے گا۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ۔ یعنی باوجود تمہارے پچھلے کفر اور شدید نافرمانیوں کے بھی تمہاری مغفرت ایمان لانے کے بعد کردے گا۔ و۵۲ (اسے یہ سرکش ونافرمان ذرا سا بھی موقع دیتے تو اُن کی نجات و مغفرت رکھی ہوئی تھی) اَهْلُ الْكِتٰبِ۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہیں ابھی ابھی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مخاطب کیا گیا تھا۔ انہیں محض اَهْلُ الْكِتٰبِ کہنے میں اشارہ یہ ہے کہ ابھی یہ صرف اہل کتاب ہیں محض انبیاء قدیم حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ پر ایمان ظاہر کرنا اور جتلانا انہیں مومن رہنے کے لیے کافی نہیں۔ لِئَلَّا يَعْلَمَ۔ علم یہاں تحقیق کے معنی میں ہے۔ اے ليتحققوا (ابن جریر) لِئَلَّا یہاں کہے یا ل کے مفہوم میں ہے۔ اے ليعلم ولا مزيدة (کشاف) اکثر المفسرين والنحوين على ان لا زائدة والمعنى ليعلم (نیشاپوری) اعلم ان اكثر المفسرين على ان لا ههنا صلة زائدة والتقدير ليعلم اهل الكتاب (کبیر) لِئَلَّا يَعْلَمَ۔ یہ تحقق قیامت کے دن ہوگا۔ جو ہر حقیقت کے انکشاف کامل کا وقت ہوگا۔ اَلَّا ...... فَضْلِ اللّٰهِ۔ یعنی اہل کتاب عدم ایمانِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت میں فضل خداوندی سے ذرا بھی مستفید نہ ہوسکیں گے۔ ـــ یہ اہل کتاب کے اس زعمِ باطل کی تردید میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم موسیٰ اور عیسیٰ کا دامن پکڑے ہوئے ہیں ہمیں کیا غم واندیشہ ہے۔ اَنَّ ...... يَّشَآءُ۔ اور اسی کی مشیت اپنے فضل کو اہل ایمان کے ساتھ متعلق ومخصوص کرنے کی ہے۔ بحمد اللہ اس پارہ ۲۷ کی نظر ثانی سے فراغت دوشنبہ ۲۴ر صفر المظفر ۱۳۶۷ھ (مطابق ۲۹ر دسمبر ۱۹۴۷ء) کو قبل ظہر پائی۔ اور نظر ثالث آج جمعرات ۷ر شعبان ۱۳۶۹ھ (مطابق ۲۴ر مئی ۱۹۵۰ء) کو وقت چاشت۔

فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ
پیروی کی، اُن کے دلوں میں ہم نے شفقت اور نرمی رکھ دی تھی و۴۶ اور رہبانیت کو
ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ
انہوں نے خود ایجاد کرلیا، ہم نے اُن پر واجب نہیں کیا تھا، بلکہ انہیں نے اللہ کی رضامندی کی خاطر (اسے اختیار کر
اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
لیا تھا) و۴۷ سو انہوں نے اس کی رعایت پوری پوری نہ کی و۴۸ سو اُن میں سے جو (اب) ایمان لائے ہم نے انہیں
مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ يٰۤاَيُّهَا
اُن کا اجر دیا اور زیادہ تو اُن میں کے نافرمان ہی ہیں و۴۹ اے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ
ایمان والو اللہ سے ڈرو، اور اُس کے پیمبر پر ایمان لاؤ اللہ تم کو اپنی
كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ
رحمت سے دو حصہ دے گا و۵۰ اور تمہارے لئے (وہ) نور پیدا کر دے گا کہ تم اُسے لئے
بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ
چلو پھرو گے، اور وہ تم کو بخش دے گا، اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحم کرنے والا ہے و۵۱ (اور یہ دولتیں اس لئے عطا کرے گا)
اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ
تاکہ اہل کتاب کو (قیامت میں) معلوم ہو جائے کہ انہیں اللہ کے فضل کے کسی چیز پر
اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
بھی دسترس نہیں، اور یہ کہ فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عطا کرے،
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ ع
اور اللہ بڑے فضل والا ہے و۵۲

ع ۲۰

آیاتہا ۲۲ ۵۸ سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۵ رکوعاتہا ۳

اس کی بائیس آیتیں ہیں سورۂ مجادلہ مدینہ میں نازل ہوئی اور تین رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا

اللہ نے بے شک اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں رد و بدل کہہ رہی تھی

وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور اللہ سے فریاد کر رہی تھی ف۱ اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اللہ تو (سب کچھ)

سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝۱ اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ

سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے، ف۲ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں

مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ

تو وہ (بیویاں) ان کی مائیں (کچھ ہو) نہیں (جاتی) ہیں، ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے

لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ

یہ لوگ یقیناً ایک نامعقول بات اور جھوٹ کہہ رہے ہیں ف۳ بے شک اللہ بڑا معاف کر دینے والا ہے

غَفُوْرٌ ۝۲ وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ

بڑا بخشنے والا ہے ف۴ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی

لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ

تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمہ قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں ایک مملوک کو آزاد کرنا ہے ف۵ اس سے

تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝۳ فَمَنْ لَّمْ

تمہیں نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ کو پوری خبر ہے اس کی جو تم کرتے رہتے ہو ف۶ پھر جس کو یہ

ف۱ ان بی بی صاحبہ کا نام خولہ بنت ثعلبہ تھا۔ ان کے شوہر اوس بن صامت نے ایک بار غصہ میں آکر ان سے کہہ دیا اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ (تو میرے حق میں ایسی ہے جیسی میری ماں کی پشت) اس کو اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں اور عرب جاہلیت میں اس سے طلاق واقع ہو جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان بی بی کا قصہ سن کر اسی قول مشہور کے مطابق فرمایا کہ میری رائے میں تو تو حرام ہو گئی۔ انہوں نے احتجاج کیا کہ شوہر نے لفظ طلاق تو کہا ہی نہیں، اور حق تعالیٰ سے فریاد کرنے لگیں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ آیت سے ایک علم یہ بھی حاصل ہو گیا کہ اللہ اپنے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ بندہ اور بندی کی باتیں سنتا رہتا ہے۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ۔ قد توقع کے جواب میں اور اس کے پورے ہونے کے موقع پر آیا کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی رسول اللہ ﷺ اور ان صحابیہ دونوں کو توقع یہی تھی کہ اس مستغیثہ کی سن لی جائے گی۔ معناه التوقع لان رسول الله ﷺ والمجادلة كانا يتوقعان ان يسمع مجادلتها وشكواها وينزل في ذالك مايفرج عنها (کشاف) تُجَادِلُكَ۔ جدال یہاں اپنے معروف معنی میں نہیں، بلکہ گفتگو کے رد و بدل کے معنی میں ہے۔ اے تراجعک الکلام فی شانہ (روح) ف۲ (اور اس جیسے خبیر و علیم، سمیع و بصیر کے لئے لوگوں کی مشکلات کی کشائش کرتے رہنا کیا دشوار ہے) سَمِیْعٌ۔ الفاظ و اقوال کا سننے والا۔ بَصِیْرٌ۔ نیتوں اور دلوں کا حال جاننے والا۔ ف۳ (کہ بیوی کو ماں کہہ دینے، یا ماں کے کسی حصۂ جسم سے تشبیہ دے دینے سے حرمت لازم آ جاتی ہے) یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ۔ ظہار۔ اصطلاح شریعت میں یہی ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے کہے کہ اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ۔ مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ۔ نہ وہ بیویاں ان الفاظ کے تلفظ سے مائیں بن گئیں، اور نہ کوئی اور سبب حرمت کا پیدا ہو گیا۔ ف۴ (چنانچہ اس بارہ میں بھی اگر گناہ کا تدارک کر لیا جائے تو گناہ معاف ہو جائے گا) ف۵ اور مملوک میں غلام اور باندی دونوں شامل ہیں۔ رَقَبَةٍ کے لفظی معنی ''گردن'' کے ہیں، قرآنی کنایہ میں مراد مملوک سے ہوتی ہے۔ فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ۔ غلاموں، باندیوں کی گلوخلاصی اور آزادی کو مختلف گناہوں کا کفارہ بنا دینا اس کے مرادف تھا کہ یہ گلوخلاصی اسلام میں بہرحال ایک امر مستحسن ہے۔ ثُمَّ ...... قَالُوْا۔ یعنی تحریم زوجہ سے رجوع کرنا چاہتے ہیں۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا۔ یعنی قبل اس کے کہ میاں بیوی اختلاط کریں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ مس یا اختلاط ادائے کفارہ کے بعد ہو۔ لیکن اگر کسی نے ادائے کفارہ سے قبل ہی مس یا اختلاط کر لیا، تو اب اور کوئی مزید جزاء اس پر لازم نہ آئے گی، وہی کفارہ کافی ہوگا۔ البتہ اپنے اس عمل پر ندامت و توبہ بہرحال کرنی چاہیے۔ رَقَبَةٍ۔ حنفیہ اور بعض دوسرے فقہاء قدیم اور بعض تابعین کے ہاں مملوک مطلق ہے، کافر و مسلم کے لئے عام ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ و امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مملوک مسلمان ہونا چاہیے۔ فقال عطاء ومجاهد وابراهيم، واحدی الروایتین، عن الحسن يجزئ الكافر وهو قول اصحابنا والثوری والحسن بن صالح، وروی عن الحسن انه لايجزى فی شیء من الكفارات الا الرقبة المؤمنة وهو قول مالک والشافعی (جصاص) ف۶ یعنی تمہاری لغزشوں اور خطاؤں سے بھی اور ان کے کفارہ سے بھی، سب سے باخبر ہے۔ قرآن مجید چونکہ احکام ظاہری ہی کی تعمیل کافی نہیں سمجھتا، بلکہ قلب میں بھی تقویٰ پیدا کرانا چاہتا ہے، اس لئے تقریباً ہر حکم فقہی کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ کے عالم کل اور خبیر مطلق ہونے کا بھی استحضار کراتا رہتا ہے۔ دنیوی حاکموں کو دھوکا دے لینا بہرحال ممکن ہے۔ اصل ضرورت تو آسمانی عدالت سے ڈرنے کی ہے۔ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ۔ یعنی تمہیں زجر و نصیحت اس حکم کفارۂ مالی کے ذریعہ سے کی جاتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کفارۂ مالی کو موجب وعظ و زجر فرمانا اس کی دلیل ہے کہ مالی بار کو بھی اصلاح نفس میں دخل ہے۔ اور یہیں سے مشائخ طریقت نے یہ تدبیر اخذ کی ہے کہ مریدوں سے ان کے نفس پر جرمانہ بھی کراتے ہیں، گو خود اسے وصول نہیں کرتے۔

يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ

میسر نہ ہو تو قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں اس کے ذمہ دو متواتر مہینوں

يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ

کے روزے ہیں وے پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کے ذمہ کھلانا ہے ساٹھ مسکینوں کا و۸

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ

یہ (احکام) اس لئے ہیں تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور یہ اللہ کی حدیں ہیں و۹

وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ

اور کافروں کے لئے عذاب دردناک ہے و۱۰ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت

وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ قَدْ

کرتے رہتے ہیں یہ خوار ہوں گے جیسے ان کے قبل کے لوگ خوار ہو چکے ہیں و۱۱ اور ہم نے

اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵﴾ ۚ يَوْمَ

کھلے کھلے احکام نازل کئے ہیں اور کافروں کے لئے ذلت کا عذاب ہونا ہے و۱۲ اس روز

يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ

جس روز اللہ ان سب کو اٹھائے گا پھر ان کا سب کیا ہوا انہیں جتلائے گا، اللہ نے اسے

اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۶﴾ ع اَلَمْ

محفوظ رکھا اور یہ لوگ اسے بھول گئے اور اللہ تو ہر چیز پر مطلع ہے و۱۳ کیا آپ نے

تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا

اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے کوئی

يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ

سرگوشی تین (آدمیوں) میں ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو، اور نہ پانچ (آدمیوں) کی

ع ۱

و۷ یہاں یہ بتایا کہ جس کسی کے پاس غلام یا باندی سرے سے ہو نہیں (خواہ اس لئے کہ اسے اتنی مقدرت ہی نہ ہو اور خواہ وہ ملک ایسا ہو جہاں مملوک شرعی کا وجود نہ پایا جاتا ہو۔ مثلاً آج کا ہندوستان) تو اس کے لئے دوسرا متبادل کفارہ یہ مسلسل دو۲ مہینہ کے روزے ہیں۔ و۸ تیسرا متبادل کفارہ یہ ہوا۔ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ایک ہی مسکین کو ۶۰ دن تک کھلاتے رہیں، تو بھی درست ہے۔ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ۔ غیر مستطیع سے اس سیاق میں وہ شخص مراد ہے جو بسبب ضعف یا مرض روزہ پر قادر نہ ہو۔ و۹ (انہیں معمولی بات سمجھ کر نظر انداز نہ کرو۔ یاد رکھو کہ یہ الٰہی ضابطے ہیں) ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ۔ ایمان پر مضبوطی احکام کی تعمیل و پابندی ہی سے قائم رہتی ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی تعلیم جو ابھی اوپر ملی ہے۔ اشارة الی مامرّ من البیان (روح) و۱۰ کافروں سے یہاں مراد وہ لوگ ہیں، جو خداوندی احکام اور ضابطوں کی تصدیق نہیں کرتے — محض تارکین نہیں، منکرین احکام مراد ہیں۔ قال ابن عباس لمن جحده وکذب به (معالم) ای الذین لم یؤمنوا ولا التزموا باحکام هٰذه الشریعة (ابن کثیر) ای الذین لا یقبلونه، (بیضاوی) لمن جحد هٰذا وکذب به (کبیر) جن مفسرین نے تارکین احکام مراد لی ہے، انہوں نے اطلاق کفر کو یہاں حقیقی معنیٰ میں نہیں لیا ہے، بلکہ اسے صرف تہدیدی مفہوم میں لیا ہے۔ جیسا کہ بعض اور بھی آیات قرآنی میں آیا ہے۔ واطلق الکافر علی متعدی الحدود تغلیظاً لزجره ونظیر ذٰلک قوله تعالیٰ ومن کفر فان اللّٰه غنی عن العالمین (روح) و۱۱ (قتل سے، قید سے، شکست سے وغیرہا) اَلَّذِيْنَ...... رَسُوْلَهٗ۔ اس کے تحت میں ریاست مکہ کے مشرکین اور یہود عرب دونوں آگئے۔ اور سزائے سخت یعنی حقیر و ذلیل ہونے کی پیشگوئی دونوں کے حق میں جلد ہی پوری ہو کر رہی۔ یہ لوگ وہی ہوتے ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کئے ہوئے حدود کو چھوڑ کر اپنی طرف سے حدود وضع کرتے ہیں۔ ای یضعون او یختارون حدودًا غیر حدودها (بیضاوی) آیت کو وسیع مفہوم میں لے کر بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ جو مسلمان ملوک و امراء سوء نے شریعت اسلامی سے الگ ہو ہو کر قانون نکالے ہیں، وہ سب اسی وعید کے تحت میں آجاتے ہیں۔ لیکن صاحب روح نے ایک اسی قسم کے رسالہ کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ کاش رسالہ مذکور میری نظر سے بھی گزرا ہوتا، اس لئے کہ اتنی سی بات پر اطلاق کفر دشوار ہے۔ پھر آگے لکھا ہے۔ ثم ان لا شبهة فی اللّٰه لاباس بالقوانین السیاسیة اذا وقعت باتفاق ذوی الأراء من اهل الحل والعقد علیٰ وجه یحسن به الانتظام ویصلح امر الخاص والعام ومنها تعیین مراتب التادیب والزجر علی معاصٍ وجنایات لم ینص الشارع علیٰ حدٍ معین بل فوض الامر فی ذٰلک لرأی الامام فلیس ذٰلک من المحادّة للّٰه تعالیٰ ورسوله ﷺ فی شیء۔" ایسے قوانین سیاسی میں تو مطلق مضائقہ نہیں جو اہل حل وعقد کے اتفاق رائے سے منظور ہوں اور جن کی غایت حسن انتظام اور معاملات کی درستی ہوتی ہے۔ اور انہیں میں سے یہ امر بھی ہے کہ جن گناہوں اور جرموں کے بارہ میں شریعت نے کوئی سزائے معین نہیں رکھی ہے، بلکہ ان کی تفصیل امام پر چھوڑ دی ہے تو ایسے قوانین پر اللہ و رسول کے احکام کی مخالفت کا اطلاق ذرا بھی نہیں ہوتا۔ كُبِتُوْا۔ اس سزائے خواری کا تعلق اس دنیا سے ہے — قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان یاد رہے کہ مستقبل کے قطعی ویقینی واقعات کا ذکر صیغۂ ماضی ہی میں کیا جاتا ہے۔ و۱۲ (آخرت میں) سزائے دنیوی کا ذکر ابھی گزر چکا۔ اب بیان سزائے آخرت کا ہو رہا ہے۔ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ۔ اس میں یہ اشارہ آگیا کہ ایسے کھلے ہوئے احکام وہدایات کی مخالفت یقیناً مستوجب تعزیر ہوگی۔ و۱۳ (اس کے علم میں اور اس کے حساب و کتاب میں کسی غلطی یا اختلال کا احتمال بھی نہیں) نَسُوْهُ۔ مراد نسیان طبعی واضطراری نہیں، بلکہ نسیان ارادی ہے، ان کی دانستہ بے التفاتی و بے فکری کا نتیجہ۔ وَاللّٰهُ...... شَهِيْدٌ۔ مشرکین جاہلین کے استحضار کے لئے حق تعالیٰ کے عالم جزئیات وکلیات ہونے اور اس کی صفات ہمہ بینی و ہمہ دانی کی تکرار وتاکید کی ضرورت بار بار تھی۔

اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ

جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر یہ کہ وہ

مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ

ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے خواہ وہ کہیں ہوں، پھر وہ اُن کو اُن کے کرتوت قیامت کے دن

الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٧﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى

جتلا دے گا بے شک اللہ کو ہر چیز کی پوری خبر ہے ف۱۴ کیا آپ نے ان لوگوں (کے حال) پر

الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ

نظر نہیں کی جنہیں سرگوشی سے روک دیا گیا تھا، پھر بھی وہ وہی کرتے ہیں جس سے انہیں روکا گیا تھا،

وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۫

اور سرگوشیاں گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں ف۱۵

وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ

اور وہ جب آپ کے پاس آتے ہیں آپ کو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں کیا ف۱۶ اور اپنے

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ

آپس میں کہتے ہیں کہ اللہ ہم کو ہمارے اس کہنے پر (فوراً) سزا کیوں نہیں دے دیتا؟ ان کے لئے جہنم

جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

کافی ہے کہ اس میں یہ داخل ہوں گے سو وہ برا ٹھکانا ہے ف۱۷ اے

اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

ایمان والو جب تم کسی سے سرگوشی کرو تو سرگوشی گناہ اور زیادتی

وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا

اور نافرمانی رسول کی نہ کرو ف۱۸ اور نیکی اور پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو، اور اللہ سے

ف۱۴ یہ تنبیہ وسرزنش یہود ومنافقین پر ہے جو اکثر باطل کے لئے سرگوشیاں آپس میں کیا کرتے، اور یہ سمجھے رہتے کہ اس کی خبر نہ مسلمانوں کو ہوگی نہ ان کے خدا اور رسول کو۔ اَلَمْ ...... الْاَرْضِ۔ چنانچہ انسانوں کا کوئی بڑے سے بڑا مخفی راز بھی حق تعالیٰ کے لئے راز نہیں۔ نَجْوٰى۔ اس کے لفظی معنٰی تو مطلق سرگوشی کے ہیں، لیکن یہاں مراد وہ اسرار مخفی ہیں جو کسی بے گناہ کی اذیت رسانی یا امر حق کی مخالفت میں ہوں۔ ف۱۵ یعنی یہ بدسرشت لوگ حکم امتناعی کے باوجود سرگوشیاں کر کر کے تین تین قانونی دفعات کے تحت میں مجرم ہوتے ہیں۔ الْاِثْمِ۔ قانون کی خلاف ورزی بجائے خود ایک گناہ ہے، یہ پہلا جرم ہوا۔ وَالْعُدْوَانِ۔ یعنی مسلمانوں کو دکھ پہنچانے اور ان کی طبیعت کو ملول ومکدر کرنے کا گناہ ــــ یہ دوسرا جرم ہوا۔ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ۔ یعنی رسول کی براہ راست نافرمانی ــــ یہ تیسرا جرم ہوا۔ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى۔ خفیہ سرگوشی بجائے خود کوئی جرم نہیں۔ یہاں مفاسد اور شرانگیزیوں کی بناء پر ممنوع قرار پائی ــــ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ امام کو اختیار ہے، اپنے اجتہاد واحتیاط کی بناء پر جس امر مباح سے چاہے رعایا کو روک دے۔ ف۱۶ یہود مدینہ کی بدنفسی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جب مجلس نبوی ﷺ میں آتے، اور عام ملکی تہذیب کے لحاظ سے شرما شرمی سلام کرنا ہی پڑتا، تو اس میں بھی ایک پہلو اپنے خبث اور بے تمیزی کا ڈھونڈھ لیتے، یعنی زبان سے بجائے "السلام علیکم" کے السام علیکم، تلفظ کرتے، جس کے معنٰی ہیں کہ تم پر موت آئے۔ حَيَّوْكَ ...... اللّٰهُ۔ آج کل سلام کے جو غیر اسلامی صیغے، آداب، اور کورنش اور بندگی اور مجرا وغیرہ نکل آئے، اور اس سے بھی بڑھ کر اب جو "جے ہند" وغیرہ نکل رہے ہیں، فقہاء عصر نے آیت کے اس جزء سے استدلال کر کے ان سب کو بدعت قرار دیا ہے۔ ف۱۷ (اور عذاب عاجل تو دوسری حکمتوں اور مصلحتوں سے سردست ملتوی ہو گیا ہے) وَيَقُوْلُوْنَ ...... نَقُوْلُ۔ یعنی اگر یہ واقعی رسول ہیں، اور ہم ان کے ساتھ گستاخیاں کر رہے ہیں، تو آخر ہمیں سزا فوراً کیوں نہیں مل جاتی؟ ف۱۸ (جیسا کہ کافر اور منافق کرتے رہتے ہیں) یہاں یہ بتا دیا کہ سرگوشی بجائے خود کوئی جرم نہیں، اسے جرم تو محض ان اغراض ومقاصد نے بنا دیا ہے، جنہیں لے کر منافقین آپس میں سرگوشیاں کرتے رہتے ہیں۔

اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٩﴾ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ

ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے ف۱۹ (ایسی) سرگوشی بس شیطان ہی کی

الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ

طرف سے ہے تاکہ وہ مسلمانوں میں رنج ڈالے اور انہیں کچھ بھی ضرر نہیں

شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠﴾

پہنچا سکتا مگر ہاں اللہ کے ارادہ سے ف۲۰ اور ایمان والوں کو تو بس اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے ف۲۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجٰلِسِ

اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو

فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا

تو جگہ کھول دیا کرو اللہ تمہیں کھلی جگہ دے گا اور جب کہا جائے کہ اُٹھ کھڑے ہو،

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو ف۲۲ اللہ تم میں ایمان والوں کے اور اُن کے جنہیں علم عطا ہوا ہے درجے بلند

دَرَجٰتٍ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١١﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

کرے گا اور اللہ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے ف۲۳ اے

اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ

ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی سے قبل کچھ خیرات

صَدَقَةً ۗ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۗ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا

دے دیا کرو ف۲۴ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ لیکن اگر تم مقدرت نہ رکھتے ہو،

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا

تو اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ف۲۵ کیا تم اس سرگوشی کرنے کے قبل خیرات کرنے

ف۱۹ رازدارانہ سرگوشیوں کی ضرورت آخر مسلمانوں کو بھی کبھی کبھی پڑ جاتی تھی، یہاں ارشاد ان سے ہو رہا ہے کہ ضرورت کے وقت نفس سرگوشی کی ممانعت نہیں لیکن یہود و منافقین کا تشبہ ہلکا سا بھی نہ پیدا ہونے پائے، تمہارا موضوع ومقصود، بجائے اثم و عدوان ومعصیت رسول کے برو تقویٰ ہی رہے۔ اَلْبِرِّ وَالتَّقْوٰى اہل نظر نے کہا ہے کہ آیت میں اَلْبِرّ سے مراد خیر متعدی، اور اَلتَّقْوٰى سے مراد خیر لازمی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ کے لئے تخلیہ میں تعلیم وگفتگو کی گنجائش اس آیت سے نکلتی ہے۔ ف۲۰ شیطان مردود میں قوت ہی کیا ہے۔ اس سے کسی صاحبِ ایمان کا ہراساں ہونا بالکل بے معنی ہے۔ مسلمان کو اس کے اثر سے جو کچھ مضرت پہنچتی ہے وہ بھی تمامتر حق تعالیٰ ہی کی مشیت تکوینی کے ماتحت۔ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ۔ اس نجویٰ، (سرگوشی) سے مراد وہی مفسدانہ وشر انگیز سرگوشیاں ہیں۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اذن۔ پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ۱) وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کے تحت میں گزر چکا۔ ف۲۱ (اور ادھر اُدھر اپنے خیالات کو ڈانوا ڈول ہونے ہی نہ دینا چاہئے) مومن اگر اللہ پر پورا پورا توکل واعتماد کرے تو پھر ہمیشہ کے لئے شیطان اور ہر مخلوق کی طرف سے خطرہ سے نجات ہو جاتی ہے۔ ف۲۲ غرض یہ کہ صدر مجلس کے ہر حکم کی تعمیل بے چون وچرا کیا کرو۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ...... الْمَجٰلِسِ۔ اب تعلیم آدابِ مجلس کی مل رہی ہے، خصوصاً مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ــــ شریعت کی ہمہ گیری سے زندگی کا کونسا شعبہ بچا رہ سکتا ہے۔ اِذَا قِيْلَ لَكُمْ۔ یہ حکم صدر مجلس کی طرف سے ملے گا، کسی ضرورت یا مصلحت کی بناء پر۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ طریقت اگر اپنی مجلس کے کچھ آداب وضوابط مقرر کرے، تو اسے اس آیت سے اصل مل سکتی ہے۔ ف۲۳ (چنانچہ اس کی بھی کہ کون تعمیل ارشاد، محض دنیوی مصلحت سے کر رہا ہے بلاشائبۂ ایمان، اور کون پورے ایمان، اخلاص وخشیت کے ساتھ کر رہا ہے) اَلَّذِيْنَ...... دَرَجٰتٍ۔ ان قیدوں کے لگ جانے سے، درجاتِ عالی کے وعدہ سے منافقین نکل گئے، اور یہ وعدہ درجات عالی، مجموعہ مخاطبین میں سے صرف اہلِ ایمان اور اہلِ علم کے لئے، ان کے غایتِ خلوص وغایت خشیت کی بناء پر مخصوص رہ گیا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کہ شیخ کے لئے جائز ہے کہ اپنے اصحاب کے درمیان خواص وعوام کے فرق کی رعایت کرے اور اس کا مدار شیخ کی رائے پر ہوگا نہ کہ اصحاب شیخ کی رائے پر۔ ف۲۴ حکم اغنیائے امت کو مل رہا ہے کہ تم رسول سے اگر تخلیہ چاہتے ہو تو کچھ نہ کچھ نذرانہ فقرائے امت کے لئے پیش کیا کرو۔ اس حکم کا امت کی انتظامی مصلحتوں پر مبنی ہونا بالکل ظاہر ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ سے تخلیہ چاہنا ایک امر اہم ہے، بلاضرورت اس کی درخواست ومبادرت نہ کرے۔ ف۲۵ (چنانچہ ناداروں کے حق میں تخلیہ کے لئے اس نے کوئی ایسی قید یا شرط نہیں رکھی) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا۔ آیت کے شروع میں ان الفاظ مخاطبت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اب گفتگو منافقین سے نہیں صرف مخلصین سے ہو رہی ہے۔ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ۔ جب ہر طاعت کفارۂ سیئات کا سبب ہوتی ہے، تو یہ طاعت بھی لامحالہ اغنیائے امت کے کفارۂ سیئات کا باعث ہوگی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اس شخص کے لئے تسلی ہے، جو صاحب مقدرت نہ ہو، اور شیخ کو ہدیہ دینے پر قادر نہ ہو۔

بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ

(کے حکم) سے ڈر گئے؟ سو (خیر) جب تم نہ کر سکے اور اللہ نے تمہارے حال پر

اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا

توجہ فرمائی تو تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور کہا مانو اللہ اور

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اَلَمْ تَرَ

اُس کے رسول کا اور اللہ کو پوری خبر ہے تمہارے اعمال کی ف۲۶ کیا آپ نے

اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ

ان لوگوں پر نظر نہیں کی جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ نے غضب نازل کیا ہے، یہ لوگ نہ تو تم میں ہیں

مِّنْكُمْ وَ لَا مِنْهُمْ ۙ وَ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ

اور نہ انہیں میں ہیں جھوٹی بات پر قسم کھا جاتے ہیں، درآنحالیکہ (اسے خوب)

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ

جانتے ہیں ف۲۷ اللہ نے اُن کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے، بے شک (بہت) برے ہیں

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا

وہ کام جو وہ کیا کرتے ہیں ف۲۸ انہوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے پھر (اوروں کو) اللہ کی راہ سے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾ لَنْ تُغْنِىَ

روکتے ہیں سو اُن کے لئے ذلت کا عذاب ہونے والا ہے ف۲۹ اُن کے مال اور اُن کی اولاد

عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْــًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ

اللہ (کے عذاب) سے انہیں ذرا نہ بچا سکیں گی یہ لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ

دوزخ والے ہیں اسی میں ہمیشہ رہیں گے ف۳۰ جس روز اللہ ان سب کو

ع ۲

ف۲۶ یعنی اس حکم منسوخی کے بعد بھی قرب ووصول کے لئے تمہارے لئے دوسرے احکامِ شریعت پر عمل ومداومت عمل کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اسے بالکل ہی منسوخ کرکے اس حکم کی تعمیل سے معاف کردیا۔ ءَاَشْفَقْتُمْ...... صَدَقٰتٍ۔ روایات حدیث میں آتا ہے کہ جب حکم تخلیۂ رسول سے قبل صدقہ پیش کرنے کا نازل ہوا تو بہت سے صحابی ڈر گئے، اور ضروری باتیں پوچھنے سے بھی رُک گئے، یہ صحابی یقیناً نادار ہوں گے، انہیں ایک طرف تو یہ احساس کہ ہم اپنی ناداری کی بناء پر ادائے صدقہ کے قابل نہیں، دوسری طرف فرط خشیت سے اپنے متعلق اس میں بھی شک کہ آیا ہم حقیقۃً مقدور اور اس حکم صدقہ سے مستثنیٰ ہیں بھی۔ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ حق تعالیٰ خبردار ہے اعمال کی ظاہری صورت سے بھی اور ان کی باطنی کیفیات سے بھی۔ ف۲۷ (کہ حلف جھوٹا اٹھالیتے ہیں) اَلَّذِيْنَ تَوَلَّوْا۔ مراد منافقین ہیں، جس میں سے بہت سے خود بھی یہود تھے اور میل جول بھی یہود ہی سے زیادہ رکھتے تھے۔ قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ مراد یہود ومشرکین ہیں۔۔۔ زیادہ تر مراد یہود ہی لئے گئے ہیں۔ وهم اليهود (روح) مَا ...... مِنْهُمْ۔ یعنی یہ نہ ادھر کے نہ اُدھر کے، منافقین نہ تو امت اسلامی ہی کے جزو ہیں، اور نہ ان کا شمار کھلے ہوئے باغیوں اور منکروں میں ہے۔ مِنْكُمْ میں ضمیر جمع مخاطب سے مراد مومنین ہیں، اور مِنْهُمْ میں ضمیر جمع غائب سے مراد وہی قوم مغضوب۔ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ۔ اور ان کا سب سے بڑا کذب ان کا یہی دعوائے اسلام وایمان تھا، يَحْلِفُوْنَ کے صیغۂ مضارع سے اشارہ یہ ہو رہا ہے کہ یہ لوگ ایمان واسلام کا جھوٹا حلف اٹھاتے ہی رہتے ہیں۔ وصيغة المضارع للدلالة على تكرار الحلف (روح) ف۲۸ ظاہر ہے کہ کفر اور پھر منافقت کے ساتھ اخفائے کفر سے بڑھ کر برا کام اور کون سا ہوگا۔ اِنَّهُمْ...... يَعْمَلُوْنَ۔ اس فقرہ نے یہ بتادیا کہ ان کے معذب ہونے کی بنیاد و باعث ان کا یہی کفر وسوء عمل ہے۔ عَذَابًا شَدِيْدًا اسے یہاں مراد عذاب قبر بھی لی گئی ہے۔ والمراد منه عند بعض المحققين عذاب القبر (کبیر) ف۲۹ عذاب شدید کا ذکر ابھی آچکا ہے، اسی کی تاکید ہے کہ وہ عذاب شدید ہونے کے ساتھ ہی ذلیل ورسوا کرنے والا بھی ہوگا، گویا آزار جسمانی واذیت قلبی کا جامع۔ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً۔ یعنی اپنے بچاؤ کے لئے اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔۔۔ مسلمانوں کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کی جھوٹی قسمیں کھانے سے جانتے تھے کہ اب مسلمان ان کے جان ومال سے تعرض نہ کریں گے۔ ف۳۰ آج بھی دنیا میں جو قومیں آخرت کی طرف سے غافل وبیخبر ہیں، انہیں بڑا غرہ اپنی وسیع مالیانہ اور کثیر آبادی ہی کا رہتا ہے۔

اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ

دوبارہ اُٹھائے گا یہ اُس کے سامنے (اس طرح) قسمیں کھائیں گے جیسے تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ

اور یہ خیال کریں گے کہ ہم کسی اچھے حال میں ہیں ف۳۱ تو خوب سن لو کہ یہ لوگ

الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ

بڑے ہی جھوٹے ہیں ف۳۲ ان پر شیطان چھا گیا ہے سو اس نے انہیں

ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ

اللہ کی یاد بھلا دی ہے، یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں خوب سن لو کہ شیطان کا گروہ

الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ

ٹوٹے ہی میں پڑ کر رہنے والا ہے ف۳۳ بے شک جو لوگ اللہ اور اُس کے پیمبر کی مخالفت

وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا

کرتے ہیں یہ لوگ ذلیل ترین ہیں ف۳۴ اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیمبر غالب

وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا

آ کر رہیں گے، بے شک اللہ بڑا قوت والا ہے، بڑا غلبہ والا ہے ف۳۵ جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر

يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ

ایمان رکھتے ہیں، آپ انہیں نہ پائیں گے کہ وہ ایسوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اُس کے پیمبر کے

وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ

مخالف ہیں، خواہ وہ لوگ اُن کے باپ یا اُن کے بیٹے یا اُن کے

اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ

کنبے والے ہی کیوں نہ ہوں یہ وہ لوگ ہیں کہ (اللہ نے) اُن کے دلوں میں ایمان ثبت کر دیا ہے،

ف۳۱ یعنی یہ سمجھیں گے کہ دنیا میں مسلمان کی حیثیت سے رہنے کی جھوٹی قسم کھا کر عذاب جہنم سے بچ جائیں گے۔ جیسے دنیا میں قانون شریعت کی گرفت میں آنے سے، جھوٹ بول بول کر اور مکر کر کر کے بچ جاتے تھے۔ ف۳۲ (کہ حق تعالیٰ کے سامنے تک جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسم کھانے سے نہ چوکے) جن لوگوں کی ساری عمر مسلسل کذب ومنافقت کی نذر رہو ہی، عجب کیا، جو حشر میں اپنی اسی عادت مستمر کی بنا پر، ان کی زبان جھوٹ پر کھل جائے، اور حق تعالیٰ اس طرح عرصۂ حشر میں ان کی مزید تفضیح ورسوائی کا سامان کر دیں۔ ف۳۳ (آخرت میں تو یقیناً، اور دنیا میں بھی احیاناً) اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ۔ چنانچہ اسی کے چھا جانے سے انہوں نے اس کے اثر اضلال واغواء کو قبول کر لیا ہے۔ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ۔ چنانچہ یہ احکام الٰہی کو بالکل چھوڑے بیٹھے ہیں۔ ذکر الٰہی سے غفلت اور شیطانی تسلط کی خاص علامت یہ ہے کہ انسان کو احکام الٰہی سے، علماء وصلحاء کی صحبت سے، رفتہ رفتہ وحشت وبیزاری ہونے لگتی ہے، اور دل اہل غفلت کی صحبتوں میں غفلت ومعصیت ہی کے مشغلوں اور چرچوں میں لگنے لگتا ہے۔ ف۳۴ (جس کا کامل ومستقل ظہور آخرت میں ہو کر رہے گا، اور کبھی کبھی دنیا میں بھی) ساری مخلوقات میں اس سے بڑھ کر ذلیل وحقیر کون ہوگا جو خود امن وصداقت کے خلاف جنگ کر رہا ہو۔ ف۳۵ (اس کے لئے کیا دشوار ہے کہ خلاف اسباب ظاہر بھی جس کو چاہے غلبہ دے دے) حق وباطل کے معرکہ میں حق کا غلبہ بلحاظ قوت دلائل تو ہمیشہ ہی رہتا ہے، اور بہت موقعوں پر اس کا ظہور مادی وظاہری حیثیت سے بھی ہو جاتا ہے۔ كَتَبَ اللّٰهُ۔ یہ وعدۂ حق لوح محفوظ میں مکتوب ہے۔ اے فی اللوح (مدارک) اے اثبت فی اللوح المحفوظ (روح)

وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ یُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ

اور انہیں اپنے فیض سے قوت دی ہے ف۳٦ اور انہیں ایسے باغوں میں جا داخل کرے گا جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

نہریں جاری ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ اُن سے خوش ہو گا

وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ

اور وہ اللہ سے خوش ہوں گے، یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں خوب سن لو کہ اللہ ہی کے

اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٢٢ ع

گروہ والے فلاح پانے والے ہیں ف۳۷

ایاتها ٢٤ ٥٩ سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِیَّةٌ ١٠١ رکوعاتها ٣

اس کی چوبیس آیتیں سورۂ حشر مدینہ میں نازل ہوئی اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ

اللہ ہی کی پاکی بیان کرتے ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہ

الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝١ هُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

بڑا قوت والا ہے (بڑا) حکمت والا ہے ف۱ وہ وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا

اُن کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کر کے نکال دیا ف۲ تمہارا

ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ

گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور خود اُن کا خیال یہ تھا کہ اُن کے قلعے اُن کو اللہ (کی گرفت) سے

ف۳٦ چنانچہ وہ لوگ ظاہر میں احکام پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ اور باطن میں اسی سے سکون بھی حاصل کرتے رہتے ہیں) لَا تَجِدُ...... عَشِیْرَتَهُمْ۔ مومن کامل ومخلص کی ایک خاص علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوست بھی اپنے محبوب حقیقی کے دوستوں اور مخلصوں ہی کو رکھتا ہے اور اس کے باغیوں، منکروں کو اپنا بھی دشمن سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی طبعی محبتوں پر بھی حق تعالیٰ کی عقلی محبت غالب آجاتی ہے ـــــ یہ چند رشتے صرف نمونہ کے طور پر گنا دیئے گئے۔ انہیں رشتوں کی تعیین وتخصیص مراد نہیں۔ ولیس المراد من ذکر خصوصهم وانما المراد الاقارب مطلقا (روح) بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔ یعنی وہ سکینت یا نورانیت جو حیاتِ معنوی کو قائم رکھتی اور ترقی دیتی رہتی ہے۔ وهو نور القلب (بیضاوی) وتسمیته روحا مجاز مرسل لانه سبب للحیاة الطیبة الابدیة (روح) ف۳۷ (آخرت میں تو تمام تر اور دنیا میں بھی اکثر) اَلَاۤ ...... الْمُفْلِحُوْنَ۔ شیطان والے گروہ کا ذکر ابھی گزر چکا ہے، اب ذکر اس کے مقابلے میں اللہ والے گروہ کا ہے، مستقل اور پائدار جنتی بھی نعمتیں ہیں، وہ سب فلاح میں شامل ہیں اور ان سب کا وعدہ اسی گروہ سے ہے۔ اس گروہ کی خاص شناخت یہ بتائی کہ اللہ ان کی طاعت سے خوش رہے گا اور یہ اس طاعت کے انعام سے جی بھر کر خوش اور مطمئن ہو جائیں گے۔ حِزْبُ اللّٰهِ۔ مومنین متقین کے کمال شرف وامتیاز کے لئے یہ بس ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کا انتساب خاص اپنی ذات کے ساتھ کر کے انہیں یاد فرمایا ہے۔ ف۱ (ایسا حکمت والا کہ ہر مخلوق سے اطاعت وطاعت کا وہی کام لیتا ہے جس کی وہ اہل ہے، سَبَّحَ تسبیح سے یہاں اختیاری تعبدی تسبیح مراد نہیں جس کا مکلف انسان وجنات کو کیا گیا ہے بلکہ تکوینی تسخیری تسبیح مراد ہے۔ جس پر ساری مخلوق یکساں مضطر ہے ـــــ مطلب یہ ہوا کہ ہر ہر مخلوق بلا استثناء تسبیح حق اپنے اپنے مرتبہ وجود کے مطابق کیا کرتی ہے۔ مَا۔ ما بے جان کے لئے آتا ہے۔ اس لئے ترجمہ بجائے "جو کوئی" کے "جو کچھ" سے کیا گیا ہے۔ الْعَزِیْزُ۔ اسم لاکر یاد دلا دیا کہ بڑی سی بھی بڑی مخلوق کونسی ایسی ہے جو اس کے حلقۂ طاعت و اطاعت سے باہر رہ سکے؟ ف۲ مراد یہود مدینہ کا قبیلۂ بنی نضیر ہے۔ یہود کا یہ قبیلہ مدینہ سے ٢½ دو میل کے فاصلہ پر آباد تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے، تو منجملہ اور یہود کے اُن سے بھی معاہدہ صلح کا ہو گیا تھا۔ ربیع الاول ۴ھ میں آپ ﷺ ایک بار ان کے ہاں گئے، تا کہ خوں بہا کے چندہ میں انہیں بھی شریک کر لیں۔ انہوں نے ایک جگہ آپ کو بٹھا کر سازش یہ کی کہ اوپر سے ایک پتھر آپ پر گرا کر آپ کو ہلاک کر دیں، اور مرگ اتفاقیہ کی شہرت دے دیں۔ خدائے حافظ وناصر نے آپ ﷺ کو وحی سے مطلع کر دیا، اور آپ ﷺ سازشوں کے قریب بچ کر نکل آئے۔ یہ بنو نضیر والے چند ماہ قبل غزوۂ اُحد کے موقع پر بھی مسلمانوں کے ساتھ غداری کر چکے تھے۔ اب اس تازہ واقعہ کے بعد یہ جرم اور زیادہ سنگین ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کے پاس کہلا بھیجا کہ تمہاری اس شدید غداری کی سزا جلا وطنی سے جان بچانا منظور ہو تو دس دن کی مہلت ہے، اس مدت کے اندر اپنا ضروری سامان (بجز اسلحہ کے) لے کر منتقل ہو جاؤ، ورنہ نکالے جاؤ گے۔ یہود کو اپنی مستحکم قلعہ بندی پر ناز تھا۔ شہ اس سے اور مل گئی کہ منافقین مدینہ کے لیڈروں نے زبردست کمک کا بھی وعدہ کر لیا تھا۔ رسول ﷺ کے پاس جواب انکار میں کہلا بھیجا۔ آپ ﷺ نے لشکر کشی کی۔ منافقین مدینہ کی امداد کا وعدہ تو جھوٹا نکلا۔ یہود قلعہ بند ہو گئے۔ آپ ﷺ نے محاصرہ کر لیا، اور ان کے باغوں پر جو ان کی اصل جائیداد تھے، تصرف کرنا شروع فرما دیا۔ یہود گھبرا کر نکلے، اور کچھ شام کی اور کچھ خیبر کی طرف منتقل ہو گئے۔ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ۔ پہلی ہی بار۔ یعنی اس کے قبل یہ مصیبت انہیں پیش نہیں آئی تھی۔ لفظ میں ایک لطیف اشارہ یہ ہے کہ جلاء وطنی دوبارہ بھی انہیں جھیلنی پڑے گی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں سارے جزیرۂ عرب کو یہود سے خالی کرا لیا۔ واما اٰخر حشر هم فهو اجلاء عمر ایاهم من خیبر الی الشام (کبیر) کافروں کی جلاوطنی کی سزا بعض فقہاء نے اب منسوخ قرار دی ہے۔ لیکن محققین کا فیصلہ راجح حکم کے نفاذ کے حق میں ہے۔ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ۔ ل وقت کے بیان کے لئے ہے۔ ای عند اول الحشر (کبیر) فی اول الحشر (ابو سعود)

مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۚ وَ قَذَفَ

بچالیں گے وٚ۳ سو اللہ (کا عذاب) ان پر ایسی جگہ سے پہنچا کہ انہیں خیال بھی نہ تھا اور اللہ نے اُن کے دلوں میں

فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ

رعب ڈال دیا تو وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے ہی اُجاڑ رہے تھے

وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۲ وَلَوْ

اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی وٚ۴ سو اے دانش والو! عبرت حاصل کرو وٚ۵ اور اگر

لَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ

اللہ نے اُن کے حق میں جلا وطنی نہ لکھ دی ہوتی تو وہ دنیا ہی میں انہیں (قتل کا) عذاب دیتا،

وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا

اور آخرت میں تو اُن کے لئے عذاب دوزخ ہی ہے وٚ۶ یہ سب اسی سبب سے ہے کہ انہوں نے اللہ اور

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو کوئی اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو پھر اللہ سزا دینے میں

الْعِقَابِ ۝۴ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً

بڑا سخت ہے وٚ۷ جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹے یا انہیں اُن کی جڑوں پر قائم

عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

رہنے دیا، سو یہ دونوں اللہ ہی کے حکم کے موافق ہیں وٚ۸ اور تاکہ اللہ نافرمانوں کو رسوا کرے وٚ۹

وَ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ

اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے بطور فے دلوایا، سو تم نے اس کے لئے نہ

عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ

گھوڑے دوڑائے اور نہ اُونٹ وٚ۱۰ بلکہ اللہ اپنے پیمبروں کو جس پر چاہے

وٚ۳ انہیں اپنی قلعہ بندیوں کے استحکام پر اعتماد ہی ایسا تھا۔ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا۔ یعنی ان کا ساز و سامان و شان و شوکت دیکھ کر، اے مسلمانو! تمہارا ابھی یہ خیال نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ نکلنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ مَانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ۔ هم کی دونوں ضمیر یہود بنو نضیر کی جانب ہونا تو ظاہر ہی ہیں۔ لیکن یہ بھی جائز ہے کہ مطلق یہود کی جانب ہوں۔ مِنَ اللّٰهِ۔ یہاں سے رسول اللہ ﷺ کے کمال و شرف پر استدلال کیا گیا، اس معنی میں کہ یہود سے معاملہ تو رسول اللہ ﷺ کا ہو رہا تھا، لیکن قرآن مجید نے اسے منسوب خود حق تعالیٰ کی جانب کر دیا۔ فی الأیة تشریف عظیم لرسول الله فانها تدل علی ان معا ملتهم مع رسول الله هی بعینها نفس المعاملة مع الله (کبیر) وٚ۴ مسلمان تو خیر اس بدعہد قوم کو نقض عہد کی پاداش میں خانہ ویران کرہی رہے تھے، مگر یہ بدنصیب خود بھی اپنے مکانوں کو لکڑی، تختے وغیرہ کھود کر انہیں ویران کئے جاتے تھے۔ فَاَتٰىهُمُ...... يَحْتَسِبُوْا۔ مسلمانوں کی ظاہری بے سروسامانی اور کمزوری دیکھ کر یہود کو اس کا وہم بھی نہیں گزرتا تھا کہ سزائے غیبی ہمیں ان کے ہاتھوں ملے گی۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اہل حرب کے مال و جائداد کو (کہ باغ بھی انہیں میں شامل ہیں) جلانا، کاٹنا، تباہ کرنا حسب مصلحت بالکل جائز ہے۔ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ۔ اللہ۔ اللہ ایک زمانہ وہ تھا کہ بڑے بڑے پُر قوت و مہذب اعدائے اسلام اسلام کی اقبالمندیوں سے مرعوب تھے۔ ایک آج کا زمانہ ہے، الٹے مسلمان ہی نصاریٰ، یہود، ہندو سب ہی سے مرعوب ہیں۔ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ۔ جنگ یورپ کے زمانہ سے ہندوستان کا بھی اخبار بین طبقہ بھاگنے والی فوج کی (Scorched Earth Policy) کی اصطلاح سے خوب واقف ہو گیا ہے قرآن مجید یہود کی اسی پالیسی کی جانب اشارہ کررہا ہے۔ وٚ۵ ان مخالفین اسلام کی حالت سن کر، اور یہ سوچ کر کہ حق کی دشمنی کا برا انجام اس دنیا ہی میں نکل آتا ہے، فقہاء مفسرین نے آیت سے استنباط و قیاس فقہی کا وجوب نکالا ہے۔ اشارۃ النص سے۔ فیه امر بالاعتبار والقیاس فی احکام الحوادث ضرب من الاعتبار فوجب استعمالهٗ بظاهر الأیة (جصاص) واستدل به علی ان القیاس حجة من حیث انه امر بالمجازوة من حال الی حال وحملها علیها فی حکم لما بینها من المشارکة المقتضیة له (بیضاوی) وقال الخفاجی فی وجه الاستدلال قالوا انا امرنا فی هٰذه الأیة بالاعتبار وهورد الشیء الی نظیره بان بحکمم علیه بحکمه وهٰذا یشمل الاتعاظ والقیاس العقلی والشرعی وسوق الایة للاتعاظ فتدل علیه عبارة وعلی القیاس اشارة (روح) واشتهر الاستدلال بالأیة علی مشروعیة العمل بالقیاس الشرعی قالوا انه تعالٰی امر فیها بالاعتبار وهو العبور والانتقال من الشیء الی غیره وذٰلک متحقق فی القیاس اذفیه نقل الحکم من الا صل الی الفرع (روح) اعلم انا قد تمسکنا بهٰذه الأیة فی کتاب المحصول من اصول الفقه علی ان القیاس حجة فلا نذکر هٰهنا (کبیر) فالله تعالٰی امرنا بالاعتبار وهو التامل فی المثلات المذکورة والقیاس نظیرهٗ بعینه لان الشرع شرع احکامًا بمعان اشار الیها کما انزل مثلات باسباب فقهیا وحینئذٍ یکون اثبات حجة القیاس عقلیا اے ثابتة بدلالة النص المشابه للقیاس لاثابتًا بعین القیاس والایلزم الدور (احمدی) وٚ۶ جلاوطنی سے بھی سخت تر سزا آخر یہود ہی کے ایک دوسرے قبیلہ کو مل کر رہی۔ وٚ۷ دنیا و آخرت دونوں میں ہر سزا دینے پر قادر۔ یہود کا یہ جرم دہرا تھا ایک تو سرے سے انکار و تکذیب رسالت، دوسرے غدر و بدعہدی۔ سزا بھی اسی مناسبت سے دہری ملی، ایک تو جلاوطنی دوسرے عذاب دوزخ۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی سزا جو انہیں مل چکی، اور جو آیندہ بھی ملنے والی ہے۔ اے ماحاق بهم وما سیحیق (ابوسعود) وٚ۸ یعنی شرعًا دونوں ہی کی گنجائش تھی۔ دشمن کو تکلیف پہنچانے کے لئے درختوں کے کاٹ دینے کی بھی، اور اپنے آئندہ نفع کے خیال سے ان کے باقی رکھنے کی بھی۔ مِنْ لِّيْنَةٍ۔ لینة ہر قسم کے کھجور کو کہتے ہیں، اور ایک قول ہے کہ عمدہ قسم کے کھجوروں کو۔ قال مجاهد وعمرو بن میمون کل نخلة لینة وقیل اللینة کرام النخل (جصاص) من نخلة ناعمة (راغب) وهی اجود النخل (کشاف) فقہاء نے یہیں سے استنباط کیا ہے کہ اختلاف مسلک جبکہ حدود شرعی کے اندر اور اخلاص کے ساتھ ہو، مضر نہیں۔ اور ایک کو دوسرے پر عیب لگانے کا حق نہیں۔ وٚ۹ (اور مسلمانوں کو عزت دے) چنانچہ ترک باغات میں بھی مسلمانوں کی کامیابی کا تیقن تھا اور قطع باغات میں بھی مسلمانوں کی دوسری کامیابی یعنی آثار غلبہ کا ظہور تھا۔ اور کافروں کا غیظ اور مقہوری دونوں صورتوں میں مشترک۔ جائز دونوں ہی فعل ہیں، اور دونوں ہی حکمت و مصلحت پر بھی مبنی ہیں، اس لئے قبیح بھی کوئی نہیں۔ مسلمانوں نے جو قیاس فقہی اس وقت قائم کیا تھا۔ اس میں قیاس کے مبنی بھی دونوں قسم کے نصوص تھے۔ جنہوں نے درخت کاٹے یا جلائے انہوں نے نصوص تخریب و انہدام آثار کفر سے کام لیا۔ جنہوں نے درخت باقی رہنے دیئے انہوں نے نصوص اصلاح و حفظ اموال کو سامنے رکھا۔ ہر دو فریق نے اپنے اپنے اجتہاد سے کام لیا تھا۔ اور حق تعالیٰ نے دونوں کے عمل کی جو صورۃً ایک دوسرے کے منافی اور متناقض تھے، تصویب فرمائی۔ صوب الله الذین قطعوا والذین ابوا و کانوا فعلوا ذٰلک من طریق الاجتهاد (جصاص) اور یہیں سے فقہاء نے یہ قاعدہ بھی اخذ کیا ہے کہ مجتہد بہر حال مستحق اجر ہوتا ہے۔ وهٰذا یدل علی ان کل مجتهد مصیب (جصاص) وٚ۱۰ یعنی اس کے لئے نہ تمہیں منزل در منزل سفر کی مشقتیں طے کرنا پڑیں، اور نہ قتل و قتال کی نوبت آئی۔ اس لئے تمہارا کوئی حق ہی اس مال کی تملیک و تقسیم پر قائم نہیں ہوتا، جیسا کہ جنگ و قتال کے بعد مال غنیمت کے جیتنے پر ہو

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۶﴾ مَآ اَفَآءَ

غلبہ دے دیتا ہے اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے ف۱۱ جو کچھ اللہ

اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ

اپنے رسول کو (دوسری) بستیوں والوں سے بطور فئے دلوا دے، سو وہ اللہ ہی کا حق ہے اور رسول کا

وَ لِذِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ

اور (رسول کے) عزیزوں کا، اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا ف۱۲

كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَ مَآ اٰتٰىكُمُ

تاکہ وہ (مال فئے) تمہارے تونگروں ہی کے قبضہ میں نہ آجائے ف۱۳ تو رسول جو کچھ تمہیں

الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا

دے دیا کریں وہ لے لیا کرو، اور جس سے وہ تمہیں روک دیں، رک جایا کرو ف۱۴ اللہ سے

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۷﴾ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ

ڈرو، بے شک اللہ سخت سزا دینے میں بڑا سخت ہے ف۱۵ اُن حاجت مند مہاجروں کا

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ

(یہ خاص طور پر) حق ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے جدا کر دیئے گئے ہیں، اللہ کے فضل

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ

اور رضامندی کے طلبگار ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی مدد کرتے ہیں،

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۸﴾ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ

یہی لوگ تو صادق ہیں ف۱۶ اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالاسلام

وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ

اور ایمان میں ان کے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں محبت کرتے ہیں اس سے جو اُن کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے

وقف لازم

جاتا ہے۔ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ۔ فئے اصطلاح فقہ میں وہ مال ہے جو اہل حرب سے بلا قتل حاصل ہو جائے۔ قال الازھری الفیء ما ردہ اللہ علی اھل دینہ من اموال من خالف اھل دینہ بلا قتال (کبیر) بنی نضیر سے یہ حاصل کیا ہوا مال اسی قبیل سے تھا، اور فدک اور نصف خیبر بھی اسی کے تحت میں آتے ہیں۔ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ۔ یہ جائدادیں رسول اللہ ﷺ کی ملک تھیں۔ لیکن آپ ﷺ کے بعد یہ محل میراث نہ تھیں، بلکہ وقف تھیں، اور یہ حکم خصوصیات ذات رسالت ﷺ میں سے تھا۔ ان کے مصارف کا حکم جو بھی آرہا ہے: وہ اسی طرح کا ہے، جیسے اہل نصاب کے لئے زکوٰۃ وصدقہ کے مصارف ہیں۔۔۔ فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ حربی کافروں کے قلعوں کو آلات کی مدد سے توڑنا پھوڑنا، ان کے مکانات کو گرانا، اجاڑنا، ان کے باغوں کو کاٹ ڈالنا، ویران کر دینا، سب جائز ہے۔ احتج العلماء بھذہ الایۃ علی ان حصون الکفرۃ ودیارھم لاباس ان تھدم وتحرق وتفرق وترمی بالمجانیق وکذلک اشجارھم لاباس بقلعھا مثمرۃ کانت اوغیر مثمرۃ (کبیر) ف۱۱ (پس وہ جس طرح بھی چاہے دشمنانِ دین کو مغلوب ومقہور کرے، اور جس طرح بھی چاہے اپنے رسول کو مختار ومتصرف بنا دے) لٰكِنَّ۔۔۔۔۔۔ يَّشَآءُ۔ چنانچہ کبھی حسب مقتضائے حکمت ومصلحت وہ بلا مشقت وتعب بھی انہیں غلبہ دے دیتا ہے۔۔۔ اس وقت بھی اس نے اسی طرح بے لڑے بھڑے اپنے رسول کو غلبہ دے دیا، اس لئے اس میں تمہارا کوئی حق نہیں، مالکانہ تصرف صرف رسول کی رائے پر ہے۔ ف۱۲ (اور یہ سب حصے بس اسی حیثیت سے قائم ہوں گے، جو یہاں بیان کر دیئے گئے، یعنی یا بحیثیت قرابتدار رسول، یا بحیثیت یتیم، یا بحیثیت مسکین، یا بحیثیت مسافر، نہ بحیثیت شریک جہاد کے، اور پھر یہ سب بھی رسول ﷺ ہی کی حسب صوابدید) مَا۔۔۔۔۔۔ الْقُرٰى۔ جیسا کہ بعد کو فدک اور نصف خیبر بھی اللہ نے اسی طرح اپنے رسول کو دلوا دیا۔ فَلِلّٰهِ۔ اللہ ہی جس طرح چاہے اس کے بارہ میں حکم دے دے۔ تمہیں کوئی استحقاق تملک کا نہیں، تمہیں تو جہاد تک میں نہیں شریک ہونا پڑا۔ ف۱۳ (جیسا کہ جاہلیت میں سب غنیمتیں مالدار اور ذی اختیار ہی لوگ کھا جاتے تھے، اور نادار سپاہی بدستور نادار ہی رہ جاتے تھے، جیسا کہ اس "تہذیب وتمدن" کے دور میں بھی ادنیٰ واعلیٰ سپاہیان لشکر ہر حصۂ غنیمت سے محروم ہی رہتے ہیں) قرآن نے اس کی تقسیم رسول معصوم ﷺ کی رائے پر رکھی۔۔۔ اور پھر اس کی مدیں بھی بتلا دیں۔ تاکہ آپ ﷺ باوجود مالک ہونے کے اس سرمایہ کو اہل حاجت اور مصلحت عامہ کے مواقع ہی میں صرف فرمائیں۔ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ۔ دُوْلَةً کے لفظی معنٰی دست بدست پھیرنے کے ہیں۔ فقہاء نے آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ بیت المال سے مدد اسی حد تک لینا چاہئے کہ نوبت تمول، تونگری، ذخیرۂ مال وسرمایہ داری کی نہ آجائے۔ محققین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت میں صراحت کے ساتھ ذکر اگرچہ صرف فئے کا ہے، لیکن اس سے استنباط یہی ہوتا ہے کہ اسلام بالعموم یہی سرمایہ داری (کیپٹلزم) یا سرمایہ کے اجتماع ومرکزیت کے حق میں نہیں۔ ف۱۴ مَا عام ہے۔ مَآ اٰتٰىكُمُ ہر امر کو اور وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ ہر نہی کو شامل ہے۔ اس لئے جمہور محققین کا مسلک ہے کہ گو نزول آیت عطا مال فئے میں ہوا ہے۔ لیکن حکم اس کا عام ہے، اور حضرت رسالت کے جملہ اوامر واحکام واجب القبول ہیں۔ وھو عام فی کل ما امر بہ النبی ونھی عنہ (معالم) ای مھما امرکم بہ فافعلوا ومھما نھاکم عنہ فاجتنبوہ (ابن کثیر) فخذوہ ای فتمسکوا بہ لانہ واجب الطاعۃ (بیضاوی) ف۱۵ (اور اس حقیقت کا استحضار ہر معصیت، ہر نافرمانی کی راہ میں مانع قوی ثابت ہوگا) اسلام کا خدا "خدا" ہے، حلم کے موقع پر حلیم، اور غضب وانتقام کے موقع پر غضبناک ومنتقم۔ مشرک قوموں کے بعض دیوتاؤں اور خداؤں کی طرح قوت قہری سے محروم ومعری اور سرکشوں ومعاندوں کے مقابلہ میں معذور اور بے دست وپا نہیں۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اس تقوائے الٰہی کے بعد، خواہ معاملت ہو، خواہ معاشرت، ہر صیغہ کا ہر حکمی جزئیہ آسان اور خوشگوار ہو جاتا ہے۔ ف۱۶ (اپنے دعوئ ایمان وحُبِّ خدا ورسول میں) یہ صاف وصریح قرآنی مدح صحابہ ہے۔ اشارہ ہو رہا ہے کہ یہ ہجرت کسی دنیوی غرض سے نہیں، محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے کر رہے ہیں۔ ان کے ایمان میں کسی طرح کھوٹ نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے دین کی خدمت ونصرت ہی ان کی زندگی کا مشن ہے۔ الَّذِيْنَ۔۔۔۔۔۔ اَمْوَالِهِمْ۔ یعنی جبراً وظلماً اپنے گھروں سے نکالے، اور اپنی جائدادوں سے بے دخل کئے گئے۔ مشرکوں نے انہیں اتنا تنگ اور مجبور کیا کہ یہ گھر بار چھوڑ کر ہجرت پر آمادہ ہو گئے۔ لفظ فقرآء سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ کافر جب مال مسلم پر قابض ومسلط ہو جائیں، تو وہ اس کے قانوناً مالک سمجھ لئے جائیں گے۔ چنانچہ شرفاء مسلمین جو مکہ میں مالدار تھے، جب وہ مدینہ میں مہاجر کی حیثیت سے آئے تو کل مال وجائداد کی ملکیت ان سے ساقط ہو گئی، اور قرآن مجید نے انہیں فقراء قرار دیا۔ وفیہ دلیل علی ان الکفار یملکون بالاستیلاء اموال المسلمین لان اللہ تعالٰی سمی المھاجرین فقراء مع انہ کانت لھم دیار و اموال (مدارک) اور اس مسئلہ کی فرع یہ ہے کہ جب اسی مال سے انہیں کافروں کے ہاتھ سے بطور بیع یا ہبہ یا اور کسی جائز طریقہ پر مسلمانوں کو کچھ ملے تو اس کا قبول کرنا جائز ہوگا۔ لیکن قانونی تملیک صرف مال کی حد تک جائز ہوگی، نفوس مسلم پر اس کا اطلاق صحیح نہ ہوگا۔ مسلمان کی ذات یا جان پر کافر کا دعوئ تملیک کسی صورت میں بھی جائز نہ ہوگا۔

وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا

اور اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں اس سے جو کچھ کہ انہیں ملتا ہے

وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۛ

اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود فاقہ میں ہی ہوں و۱۷

وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۹

اور جو اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے، سو ایسے ہی لوگ تو فلاح پانے والے ہیں و۱۸

وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

اور ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو ان کے بعد آئے، (اور وہ) یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے

وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ

اور ہمارے بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی

قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰

طرف سے کینہ نہ ہونے دے اے ہمارے پروردگار تو تو بڑا شفیق ہے بڑا مہربان ہے و۱۹

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ

کیا آپ نے منافقین کے حال پر نظر نہیں کی کہ اپنے بھائیوں سے کہ کفار اہل کتاب ہیں

كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ

کہہ رہے تھے کہ اگر تم نکالے گئے تو قطعاً ہم بھی

مَعَكُمْ وَ لَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّ اِنْ قُوْتِلْتُمْ

تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کبھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے، اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوگئی

لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۱ لَئِنْ

تو ہم یقیناً تمہاری مدد کریں گے، حالانکہ اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں و۲۰ (حالانکہ) اگر

و۱۷ صحابیوں میں مہاجرین کے بعد اب یہ مناقب وفضائل حضرات انصار کے بیان ہو رہے ہیں --- قرآنی مدح صحابہ کا دوسرا جزو۔ الدَّارَ۔ دار الاسلام یا مدینہ منورہ۔ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی مہاجرین کے ورود مدینہ سے قبل۔ اے من قبل قدوم المهاجرين عليهم (معالم) دار الہجرت اصلاً تو مدینہ منورہ ہی تھا۔ باقی ہر دوسرا مقام بھی دار الہجرت ہو سکتا ہے، جہاں توحید پرستی کے لئے پناہ وفراغت مل سکے۔ لَا...... اُوْتُوْا۔ حَاجَةً کے اصل معنی طلب کے ہیں۔ مطلب آیت کا یہ ہوا کہ مہاجرین کو تقسیم غنیمت وغیرہ میں سے جو کچھ ملتا رہتا ہے، یا اور انہیں جو شرف ومرتبہ حاصل ہو چکا ہے، اس کی طرف یہ انصار کبھی اپنا خیال بھی نہیں لے جاتے۔ قال الحسن يعنى انهم لايحسدون المهاجرين على فضل الهم الله (جصاص) يعنى الحسد (ابن کثیر) ولايجدون فى انفسهم حسدا للمهاجرين فيما فضلهم الله به من المنزلة والشرف والتقديم فى الذكر و الرتبة (ابن کثیر) يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ۔ مہاجرین سے محبت رکھنے کی فضیلت پر یہ صاف نص قرآنی ہے۔ اور یہ خبر متواتر سے معلوم ہے کہ خلفائے راشدین چاروں کے چاروں مہاجر تھے۔ تو ان خلفاء اربعہ سے محبت رکھنا علامت کمال ایمان ٹھہری --- اور اس کے برعکس ان حضرات سے بیزاری، علامت نقص ایمان! وَيُؤْثِرُوْنَ...... خَصَاصَةٌ۔ یہ فضیلت کا اعلیٰ درجہ اور انتہائی مرتبہ ہے جو حضرات انصار کے لئے ارشاد ہو رہا ہے۔ یہ حضرات مہاجرین کے حصہ پر رشک تو کیا کرتے، خود اپنے پاس سے انہیں کھلاتے پلاتے رہتے ہیں، چاہے خود اپنے فاقہ ہی کی نوبت کیوں نہ آ جائے۔ الخصاصة الحاجة مدح الله عليهم بايثارهم المهاجرين على انفسهم فى ماينفقونه، عليهم وان كانوا هم محتاجين اليه (جصاص) خَصَاصَةٌ۔ شدت فقر واحتیاج کو کہتے ہیں۔ عبر عن الفقر الذى لم يسد بالخصاصة (راغب) اے فاقة وحاجة الى مايؤثرون (معالم) و۱۸ (جیسے کہ یہ حضرات انصار ہیں کہ حرص اور اس کے مقتضا پر عمل کرنے سے حق تعالیٰ نے انہیں محفوظ کر دیا ہے) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو حرص وطمع جبلی وطبعی ہے وہ محل ملامت نہیں، ملامت اس کے مقتضائے نامشروع کے عمل پر ہے۔ الشح ان تاخذ مال اخيك بغير حق (جصاص) الشح بخل مع حرص (راغب) وقيل الشح هو الحرص الشديد الذى يحملهٗ على ارتكاب المحارم (معالم) و۱۹ (اس لئے ہماری یہ دعا دنیا و آخرت دونوں میں ضرور قبول کرے گا) یہ قرآنی مدح صحابہ کا تیسرا جزو ہے، اور مہاجرین وانصار دونوں کے حق میں جامع --- یہ لوگ وہ تھے کہ اپنے سے اگلوں کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے، اور اپنے سامنے والوں اور اپنے پچھلوں کے ساتھ محبت وشفقت۔ اور اپنی دعائے خیر سب کے لئے عام رکھتے تھے۔ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ یعنی ان مہاجرین وانصار کے بعد، دنیا میں آئیں گے، یا اسلام میں داخل ہوں گے، یا ہجرت میں شریک ہوں گے --- تقسیم فے کا یہ سلسلہ قیامت تک برابر امت میں جاری رہے گا۔ اور یہ قول خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ صحابیوں، تابعین اور فقہاء کی ایک بڑی جماعت کا ہے:۔ قال عمرؓ دخل فى هذا الفىء كل من هو مولود الى يوم القيامة فى الاسلام (مدارک) هم التابعون بعد قرن الصحابة الى يوم القيامة وهو اختيار جماعة منهم مالك بن انس (ابن العربی) فهى فى جميع التابعين والأتين بعد هم الى يوم الدين ولاوجه لتخصيصها (ابن العربی) وهم المؤمنون بعد الفريقين الى يوم القيامة ولذٰلك قيل ان الأية قد استوعبت جميع المؤمنين (بیضاوی) وقيل هم المؤمنون بعد الفريقين الى يوم القيامة وكلام كثير من السلف كالصريح فيه فالأية قد استوعبت جميع المؤمنين (روح) مصارف فے تو قرآن مجید نے خود ہی متعین کر دیئے تھے، (ملاحظہ ہو آیت نمبر ۷) البتہ ان کی تقسیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر مالکانہ حیثیت سے موقوف رکھی تھی۔ وفات شریف کے بعد یہ تفویض رائے کا پہلو تو ختم ہو گیا۔ البتہ آئندہ اہتمام وانتظام خلفاء اور جانشینوں کے لئے مالکانہ حیثیت سے نہیں، صرف حاکمانہ حیثیت سے باقی رہ گئی۔ رَبَّنَا...... بِالْاِيْمَانِ۔ یہ دعائے خیر متقدمین اور سابقین کے حق میں ہے۔ وَلَا...... اٰمَنُوْا۔ اس دعائے خیر کا زیادہ تعلق معاصرین سے ہے۔ رَبَّنَا...... بِالْاِيْمَانِ۔ اپنے سے پہلے کے ایمان والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرنا علامات ایمان سے ہے۔ اور حضرات صوفیہ کے ہاں تو سلف کے لئے دعائے خیر کرتے رہنا معمولات میں داخل ہے۔ محققین ومتکلمین نے لکھا ہے کہ جب دوسرے مومنین کے لئے دعاء استغفار اور ان کی طرف سے حسد وبغض سے براءت عامۂ مومنین کی شان ہے تو صحابۂ رسول، جو امت کے خواص ہی میں نہیں، اخص الخواص تھے، ان کے لئے یہ کیسے قابل تسلیم ہو سکتا ہے کہ وہ عارضی اختلافات اور تنازعات کی بناء پر ایک دوسرے کے بدخواہ، اور ایک دوسرے کے حق میں لعّان ہو گئے ہوں گے۔ لِاِخْوَانِنَا۔ یہ اخوت محض عقائد ایمان کی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ قومی، نسلی، لسانی، وطنی، لونی، غرض بجز وحدت اعتقادی کے اور حیثیت سے مومنین کے گروہ ایک دوسرے سے مختلف ہی ہوتے ہیں۔ و۲۰ (ہرگز اپنے وعدوں پر عمل نہ کریں گے) ذکر منافقین مدینہ کا ہو رہا ہے، جو ایک بہت بڑی تعداد میں تھے۔ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا۔ مراد عبد اللہ بن ابی اور اس کے جتھے کے دوسرے منافقین مدینہ ہیں۔ لِاِخْوَانِهِمُ...... الْكِتٰبِ۔ مراد یہود ہیں، خصوصاً قبیلۂ بنی نضیر کے یہود --- یہ اخوت عقائد کفریہ کی تھی، ورنہ ظاہر ہے کہ منافقین مدینہ (جو مشرکین عرب میں سے تھے) اور یہود (جو بنی اسرائیل تھے) نسلاً متحد نہ تھے۔ لَئِنْ...... لَنَنْصُرَنَّكُمْ۔ یعنی جلاوطنی ہو تو،

اور قتال ہو تو ہم ہر حال اور ہر صورت میں تمہارے رفیق اور یاور و ناصر ہیں۔ یہ زبردست پیشگوئی جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی، بجائے خود ایک دلیل صداقت رسول کی تھی۔ و۲۱ یعنی جو ناصر بن کر، اور نصرت کے دعویدار بن کر آئے تھے، وہ تو نکل ہی گئے، اور دوسرا کوئی ناصر ہوگا تو یہ لامحالہ مغلوب و مقہور ہوں گے۔ پوری آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ منافقین مدینہ جو یہود بنی نضیر کی حمایت ورفاقت کا وعدہ کر رہے ہیں، اول تو وقت پڑے پران کا ساتھ دیں گے نہیں، نہ جلاوطنی میں نہ جنگ میں، اور بالفرض ساتھ دیا بھی تو ان کی امداد بالکل بے نتیجہ وغیر مؤثر رہے گی۔ یہ خود ہی پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ۔ قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان عام ہے۔ بار ہا اس نے مستبعدات بلکہ محالات کو بھی فرض کر کے اس پر آگے گفتگو کی ہے۔ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ الخ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ الخ اسی کی نظیریں ہیں۔ و۲۲ (اللہ کی عظمت کے باب میں) یعنی اگر یہ سمجھ سے کام لے کر خدا کی عظمت کے دل سے قائل ہو گئے ہوتے تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ تم سے ڈرتے اور خدا سے نہ ڈرتے! لَاَنْتُمْ۔ خطاب مسلمانوں سے ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ منافقین حق تعالیٰ سے تو ڈرتے نہیں، ورنہ کفر چھوڑ کر ایمان ہی نہ لے آتے؟ اور ایمان کے جھوٹے دعوے سے باز ہی نہ آ جاتے؟ البتہ مسلمانوں کا رعب واقعی ان کے دلوں پر چھایا ہوا ہے، اور اس لئے یہ بنی نضیر سے جا ملنے کی ہمت نہیں رکھتے، خشیتِ الٰہی کی کمی کا حاصل اس مقام پر ایمان باللہ میں کمی ہے۔ ورنہ اگر محض طبعی قوت، مثلاً کسی خطرناک جانور کا یا دشمن ہیبت ناک کا خوف خدا سے زیادہ ہے تو یہ داخل معصیت نہیں۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس موقع پر مومنین کو جو ملامت نہیں کی گئی، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر کسی کے ساتھ کوئی معاملہ خلاف شریعت کیا جائے، مثلاً سجدہ تعظیمی، اور وہ اس سے اپنی ناخوشی کا اظہار کر دے، تو پھر دوسرا مانے یا نہ مانے، تو وہ معذور ہے ذٰلِكَ۔ یعنی ان کافروں کے دلوں میں بمقابلہ حق تعالیٰ کے مسلمانوں کی ہیبت و وحشت کا زیادہ ہونا۔ اے ماذکر من کونکم اشد رهبة فی صدورهم من الله تعالٰی (روح) و۲۳ (سوائے مسلمانو! تم ان سے کچھ اندیشہ، ہراس نہ کرو) قُرًى مُّحَصَّنَةٍ۔ عام ہے، حفاظت خواہ خندق سے ہو یا حلقہ بندی سے ہو، یا اور کسی طریق پر۔ جَمِيْعًا۔ یعنی منافقین مدینہ اور یہود کے مختلف قبائل سب مل کر اور اکٹھے ہو کر بھی۔ مجتمعين يعني اليهود والنصارٰی (مدارک) مطلب یہ ہوا کہ ان مخالفین میں لڑنے کی ہمت اور حوصلہ ہی کہاں۔ اول تو لڑیں گے نہیں، اور اگر لڑے بھی تو میدان میں سامنے آ کر نہیں بلکہ اس طرح بچ بچ کر اور ڈرتے ہوئے۔ یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ منافقین کو تو کبھی لڑنے ہی کی ہمت سرے سے نہ ہوئی۔ ہاں یہود خیبر اور بنی قریظہ نے مقابلہ کیا تو وہ اسی طرح پر۔ و۲۴ (دین کے بارہ میں) اور اس لئے سب کے سب بس اپنے ہی اغراض کے تابع ہیں۔ بَأْسُهُمْ...... شَتّٰى۔ یعنی گو اہل ایمان کے ساتھ عداوت میں یہ سب شریک ہیں، لیکن ان کا آپس کا افتراق بھی حد درجہ شدید ہے۔۔۔ اسی قسم کا افتراق شدید جس کا نمونہ آج بھی (یعنی ۱۹۴۵ء میں) برطانیہ اور روس، روس اور امریکہ، فرانس اور اسپین اور ساری فرنگی حکومتوں کے درمیان نظر آ رہا ہے۔۔۔ خود غرضیوں اور خود پرستیوں کا لازمی نتیجہ!۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہ تفرق و تشتت باہمی۔ اے التفرق (مدارک) اے ماذکر من تشتت قلوبهم (روح) و۲۵ (آخرت میں، جو اس دنیوی سزا کے علاوہ ہوگا) یہ حال یہود بنی نضیر کا بیان ہو رہا ہے، اور انہیں کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ كَمَثَلِ۔ یعنی یہود بنی نضیر کی مثال۔۔۔ تشبیہ محرومی دارین میں ہے۔ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا۔ یعنی یہود بنی قینقاع۔ یہ بھی مدینہ و حوالی مدینہ میں آباد تھے۔ ۲ھ میں غزوۂ بدر کے بعد اس قبیلہ نے بدعہدی کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محاربہ کیا۔ مغلوب ہوئے اور پھر جلاوطن۔ عن ابن عباس يعني بني قينقاع (ابن جریر) بعض نے مراد اہل بدر سے بھی لی ہے۔ عن مجاهد قال كفار قريش (ابن جریر) وَبَالَ اَمْرِهِمْ۔ یعنی عداوتِ رسول کا خمیازہ۔ و۲۶ یہاں مراد منافقین ہیں۔۔۔ اور تشبیہ عین وقت پر نکل جانے اور کام نہ آنے میں ہے۔ اے مثل المنافقين فی اغرائهم اليهود على القتال (مدارک)

اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا

(اہل کتاب) نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی

يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا

مدد نہ کریں گے اور اگر ان کی مدد کی بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر اُن کی کوئی

يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَاَانْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ

مدد نہ ہو گی و۲۱ بے شک تم لوگوں کا خوف ان کے دلوں میں اللہ سے بھی

اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ

زیادہ ہے یہ اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے و۲۲ یہ لوگ تو سب مل کر بھی تم سے

جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ

نہ لڑیں گے مگر ہاں حفاظت والی بستیوں یا دیواروں کی آڑ میں و۲۳

بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ

ان کی لڑائی آپس (ہی) میں بڑی تیز ہے تو انہیں متفق خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے قلب

شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ

غیر متفق ہیں یہ اس لئے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل کو کام میں نہیں لاتے و۲۴ (ان کی) مثال ان لوگوں کی سی ہے

مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

جو اُن کے کچھ ہی قبل ہوئے ہیں، جو اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں اور اُن کے لئے دردناک

اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا

عذاب ہے و۲۵ (ان کی) مثال شیطان کی سی ہے و۲۶ جو انسان سے کہتا ہے کہ کافر ہو جا، پھر جب وہ

كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

کافر ہو جاتا ہے تو (شیطان) کہنے لگتا ہے، میرا تجھ سے کچھ واسطہ نہیں میں تو اللہ پروردگار عالم سے

ف۲۷ یعنی جس طرح شیطان پہلے تو انسان کو بہکاتا، بھڑکاتا ہے، اور پھر وقت پڑنے پر ساتھ نہیں دیتا۔ اسی طرح منافقین مدینہ نے پہلے تو بنی نضیر کو خوب بڑھاوے دیئے، لیکن جب وقت آیا تو صاف نکل گئے۔ فَلَمَّا كَفَرَ۔ یعنی جب کفر اور وبال کفر کا تحقق انسان پر ہو جاتا ہے۔ اس کا ظہور خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ الشَّيْطٰنِ...... لِلْاِنْسَانِ۔ دونوں سے مراد جنس شیطان وجنس انسان ہے۔

الْعٰلَمِينَ ﴿١٦﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ

ڈرتا ہوں ف۲۷ سو آخری انجام دونوں کا یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں گئے جہاں ہمیشہ

فِيهَا ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِينَ ﴿١٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا

رہیں گے اور یہی سزا ہے ظالموں کی ف۲۸ اے ایمان والو

اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ

اللہ سے ڈرتے رہو، اور ہر شخص دیکھ لے کہ اُس نے کل کے واسطے کیا بھیجا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو،

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ وَ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ

بے شک اللہ کو تمہارے اعمال کی (پوری) خبر ہے ف۲۹ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیو جنہوں نے

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿١٩﴾ لَا

اللہ کو بھلا دیا، سو اللہ نے خود ان کی جانوں کو اُن سے بھلا دیا، یہی لوگ تو نافرمان ہیں ف۳۰

يَسْتَوِيٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ اَصْحٰبُ

اہل دوزخ اور اہل جنت برابر نہیں اہل جنت تو

الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُونَ ﴿٢٠﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى

کامیاب لوگ ہیں ف۳۱ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر

جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ

نازل کرتے تو تُو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے خوف سے دب جاتا پھٹ جاتا ف۳۲

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾

اور ہم ان عجب (مؤثر) مضمونوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ سوچیں ف۳۳

هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ

اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جاننے والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کا وہی

ع ۵

والمجہور علٰی ان المراد بالشیطٰن والانسان الجنس (روح)

ف۲۸ (جو اپنے ہاتھوں اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں) عَاقِبَتَهُمَا۔ ھما کی ضمیر تثنیہ سے مراد وہی کافر انسان اور شیطان ہیں۔ ای الانسان الکافر والشیطان (مدارک) ذٰلِكَ۔ یعنی یہی جہنم میں حبس دوام۔ ای الخلود فی النار (روح) ف۲۹ (اس لئے طاعات کی طرف بڑھنا، اور معاصی سے محترز رہنا تمہارے لئے لازم ہے) يٰٓاَيُّهَا...... اللّٰهَ۔ یعنی اے ایمان والو، تمہارا محض دعوی ایمان کافی نہیں۔ نافرمانیوں سے ہمیشہ بچتے رہنا چاہئے، خصوصاً ان نافرمانوں کے حالات سن لینے کے بعد۔ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔ یعنی یہ دیکھتے رہا کرو کہ طاعات اور اعمال صالح کا کتنا ذخیرہ اب تک بھیج چکے۔ اتَّقُوا اللّٰهَ۔ اس تقوی کا تعلق طاعات کی طرف بڑھنے سے ہے جیسا کہ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ سے اشارہ ہو رہا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس تقوی کا تعلق معاصی سے بچنے سے ہے، جیسا کہ خَبِيرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُونَ سے اشارہ ہو رہا ہے۔ لِغَدٍ۔ غد کا صیغہ نکرہ اس کی عظمت وہیبت کے اظہار کے لئے ہے۔ وتنکیرہ لتعظیم امرہ (مدارک) ف۳۰ (پورے پورے، یعنی کافر) الْفٰسِقُونَ۔ یہاں قرآن مجید کے اکثر موقعوں کی طرح الکافرون کے معنی میں ہے۔ الْفٰسِقُونَ یعنی فسق میں کامل۔ طاعت الٰہی سے بالکل ہی خارج، اور یہ وہی ہو سکتے ہیں، جو کافر ہوں۔ ای الکاملون فی الفسوق (بیضاوی) نَسُوا اللّٰهَ۔ یعنی حق تعالی اور اس کے احکام وہدایات کی طرف سے عمداً اعراض برتنے لگے۔ اَنْفُسَهُمْ۔ یعنی حق تعالی نے ان کی عقل ایسی ماردی کہ یہ نہ اپنے نفع کو پہچانتے ہیں، اور نہ اس کے حاصل کرنے کی فکر کرتے ہیں۔ ف۳۱ (درآنحالیکہ اہل دوزخ سرتاسر ناکام ونامراد ہیں) لَا ...... الْجَنَّةِ۔ دونوں فریق کا برابر اور یکساں ہونا کیسا، وہ تو ایک دوسرے کی ضد ہیں، اپنے مآل اور حقیقت حال کے لحاظ سے — خلط اور التباس تو صرف اسی دنیا میں رہتا ہے۔ صرف یہیں سب ملے جلے اور یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ آخرت میں تو اہل جنت وہ ہوں گے، جو دنیا میں حکم اتَّقُوا اللّٰهَ پر عامل رہے۔ یعنی اہل تقوی۔ اور اہل دوزخ وہ ہوں گے، جو دنیا میں الَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ اور اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ کے مصداق رہے۔ ف۳۲ (مضامین قرآنی کی عظمت وہیبت سے) یعنی قرآن مجید بجائے خود اس درجہ مؤثر اور فاعل قوی ہے۔ لَوْ...... جَبَلٍ۔ یعنی پتھر کا پہاڑ، جو جمود اور بے حسی کا انتہائی نمونہ معلوم ہوتا ہے، اس پہاڑ پر اگر ہم قرآن نازل کرتے، اور پہاڑ میں بقدر ضرورت فہم وعقل کا مادہ رکھ دیتے، تو پہاڑ تک فرط تاثر سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ ف۳۳ (اور نفع حاصل کریں) کافر بلکہ فاسق انسان کی بھی تاثر پذیری، بسبب غلبہ ہوائے نفس فاسد ہو جاتی ہے، اور اسی سے اس میں جمود اور عدم احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ ہوائے نفس کو مغلوب کرنے اور قرآن مجید سے تاثر وتذکر کی قابلیت کو بڑھانے میں بڑا دخل صحبت صالحین کو ہے۔

الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ ﴿٢٢﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

نہایت مہربان ہے، بار بار رحم کرنے والا ہے ف٣٤ اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں

اَلۡمَلِكُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُهَيۡمِنُ الۡعَزِيۡزُ

وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سالم ہے امن دینے والا ہے، نگہبانی کرنے والا ہے، زبردست ہے،

الۡجَبَّارُ الۡمُتَكَبِّرُ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿٢٣﴾ هُوَ اللّٰهُ

خرابی کا درست کرنے والا ہے بڑا عظمت والا ہے پاک ہے اللہ لوگوں کے شرک سے ف٣٥ وہی اللہ تو

الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى ؕ يُسَبِّحُ

پیدا کرنے والا ہے ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے صورت بنانے والا ہے اُسی کے اچھے اچھے نام ہیں اُسی کی تسبیح

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿٢٤﴾ ع ٣

کرتی ہیں جو چیزیں بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست ہے حکمت والا ہے ف٣٦

اٰياتها ١٣ ٦٠ سُوۡرَةُ الۡمُمۡتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ ٩١ رکوعاتها ٢

اس کی تیرہ آیتیں ہیں سورۂ ممتحنہ مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّىۡ وَعَدُوَّكُمۡ

اے ایمان والو تم میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست

اَوۡلِيَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَيۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّةِ وَقَدۡ كَفَرُوۡا بِمَا جَآءَكُمۡ

نہ بنا لینا کہ اُن سے محبت کا اظہار کرنے لگو درآنحالیکہ تمہارے پاس جو (دین) حق آ چکا ہے

مِّنَ الۡحَـقِّ ۚ يُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَاِيَّاكُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا

اس کے وہ منکر ہیں رسول کو اور خود تم کو اس بناء پر شہر بدر کر چکے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر

ف٣٤ اور یہی وہ صفاتِ کاملہ ہیں، جن سے مشرک قوموں کے معبود، اور اہلِ باطل کے خدا خالی ہیں۔ هُوَ...... اِلَّا هُوَ۔ حق تعالیٰ کی یکتائی اور توحید کامل کا اثبات اس سے ہوگیا۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ حق تعالیٰ کا علم فلاسفہ مصر و یونان وغیرہ کے خدا کی طرح، محدود و ناقص قسم کا نہیں، ہر طرح کامل اور جزئیات و کلیات سب کو محیط ہے۔۔۔ اسی صفت علم کا علم صحیح نہ رکھنے سے مشرکین کو خدا جانے کتنے دیوتا گڑھنے پڑے۔ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ حق تعالیٰ کی صفتِ رحم ہر طرح کامل اور غیر محدود ہے۔۔۔ اسی صفت کے بارہ میں ٹھوکر لگنے سے مسیحیوں کو "کفارہ" کا عقیدہ تراشنا پڑا، اور پھر ایک خدا کے "اکلوتے بیٹے" کی تلاش ہوئی، جس کو ساری گنہگار مخلوق کی طرف سے کفارہ میں پیش کیا جائے! ف٣٥ یعنی ہر قسم کے شرک اور شائبۂ شرک سے، جو لوگ اس کی ذات و صفات میں کرتے رہتے ہیں۔۔۔ کوئی مخلوق، کیسی ہی اشرف و اعلیٰ ہو، اس کی شریک کسی حیثیت سے، کسی درجہ میں نہیں ہوسکتی۔ هُوَ...... اِلَّا هُوَ۔ توحید ذات کا مکرر اثبات، تاکید کی غرض سے۔ اَلْمَلِكُ۔ ملکیت، مالکیت، حاکمیت کے سارے اختیارات اور جملہ حقوق اسی کو حاصل ہیں۔ کسی کو کسی حیثیت سے بھی اس ذات پاک پر دسترس حاصل نہیں۔ اَلْقُدُّوْسُ۔ وہ ذات پاک، ہر عیب، ہر نقص ہر کوتاہی سے بالاتر ہے۔ اور یہ مشرکین کا جہل محض ہے جو اس کی جانب بعض نالائق صفات کو منسوب کردیا ہے۔ اَلسَّلٰمُ۔ اس کی ذات میں اس کا امکان ہی نہیں کہ آیندہ بھی کوئی نقص، کوئی عیب اس میں پیدا ہوسکے۔ اَلْمُؤْمِنُ۔ یعنی اپنے بندہ سے ہر خوف کو دور کرتا رہتا ہے، ہر آئی ہوئی آفت کو ٹالتا رہتا ہے۔۔۔ مشرک قومیں ہر آئی ہوئی مصیبت سے بچنے کے لئے فلاں دیوی اور فلاں دیوتا کی دہائی دیتی رہتی ہیں۔ اَلْعَزِيْزُ۔ اس اسم میں حق تعالیٰ کی صفت قدرت کا اثبات ہے۔۔۔ مشرکین نے اپنے دیوتاؤں کو کمزور اور غیر قادر مانا ہے۔ اَلْجَبَّارُ۔ یعنی ہر قسم کی اصلاح کرنے والا ہے۔ مُجبر اسے کہتے ہیں جو ٹوٹی ہوئی یا اکھڑی ہوئی ہڈی پھر سے بٹھادے۔ ای الذی جبر حالهم بمعنی اصلحهٗ (بیضاوی) اَلْمُتَكَبِّرُ۔ یعنی وہ ذات جس کے آگے مخلوق کی ساری عظمتیں ہیچ ہیں۔ اور جس کی تحقیر یا تصغیر کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ف٣٦ (سوایسے باعظمت اور باحکمت کے احکام کی پابندی نہایت درجہ ضروری ہے) صفات حسنہ کمالیہ کا مزید اثبات۔۔۔ سورۃ الحشر کی ان دونوں آیتوں کے جوشِ بلاغت اور زورِ کلام کو حال کے ملحد اور مسیحی ماہرین عربیت نے بھی سراہا ہے۔ اَلْخَالِقُ۔ یعنی صفت تخلیق و تکوین و ایجاد میں کوئی اس کا سہیم و شریک نہیں۔ اَلْبَارِئُ۔ یعنی روح و مادہ، ہیولیٰ و صورت، جوہر و عرض، سب کا موجد، سب کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی ہے۔ اَلْمُصَوِّرُ۔ یعنی ہر چیز کو ٹھیک ٹھیک آئین حکمت کے مطابق ہی اس نے صورت و وجود سے مشرف کیا ہے۔ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ صفات کمالیہ کی جامع اسی کی ذات ہے۔ يُسَبِّحُ...... الْاَرْضِ۔ اسی کی حمد و ثنا کی تسبیح چھوٹی بڑی، آسمانی زمینی، ہر مخلوق اپنی اپنی بساطِ فہم اور مرتبۂ وجود کے مطابق کرتی رہتی ہے۔

بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ

ایمان لے آئے ہو، اگر تم میرے راستہ میں جہاد کرنے اور

وَابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِيْ ڰ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا

میری رضا کی تلاش میں نکلے ہو و۱ تم ان سے چپکے چپکے محبت کرتے ہو، اور مجھے

اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ

خوب علم ہے جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کر کے کرتے ہو، اور جو کوئی تم میں سے

مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ① اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ

ایسا کرے گا، وہ راہ راست سے بھٹک گیا و۲ اگر انہیں تم پر دسترس ہو جائے

يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَاۗءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ

تو اظہار عداوت کرنے لگیں، اور تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور

وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْۗءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ

زبان درازی کرنے لگیں اور وہ تو یہ چاہتے ہی ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ و۳ تمہارے رشتہ دار

اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ڔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ڔ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ

اور تمہاری اولاد تمہارے کچھ کام نہ آئے گی قیامت کے دن (اللہ ہی) تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ

اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے و۴ بے شک تمہارے لئے ایک عمدہ نمونہ

حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ

ہے ابراہیم اور ان کے شریک حال لوگوں میں و۵ جبکہ ان لوگوں نے اپنی قوم والوں

اِنَّا بُرَءٰۗؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ

سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، ان سب سے بیزار ہیں، ہم تمہارے منکر ہیں

و۱ اس فقرہ اِنْ كُنْتُمْ الخ کا تعلق آیت کے پہلے حکم لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ سے ہے۔ یعنی اگر تم واقعی ہماری رضاء کی طلب اور ہماری راہ میں جہاد کو نکلے ہو، تو ان دشمنان دین سے دوستی اور محبت کا برتاؤ کیسا؟ عَدُوِّيْ۔ یعنی اللہ اور اس کے دین سے بیر رکھنے والے۔ عَدُوَّكُمْ۔ یعنی امت اسلامی سے اس کے اسلام کی بناء پر بیر رکھنے والے۔ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ۔ یعنی دلی محبت و دوستی رکھنا تو خیر الگ ہے، ان دشمنان خدا و دشمنان امت سے عملی برتاؤ بھی دوستوں کا سا رکھنا کب روا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اس خطاب کے معاً بعد ذکر بعض مسلمانوں کے ایک گناہ کبیرہ کا یعنی دشمن سے مکاتبت و مراسلت کا آ رہا ہے، لیکن اس ارتکاب کبیرہ کے بعد بھی مومن مومن ہی رہا، دائرۂ ایمان سے خارج نہیں ہو گیا — اور یہیں سے اہل سنت کو خوارج کے مقابلہ میں یہ دلیل ہاتھ آئی کہ مومن کبیرہ کے بعد بھی مومن ہی رہتا ہے۔ وفيه دليل على ان الكبيرة لاتسلب اسم الايمان (مدارک) اَنْ تُؤْمِنُوْا۔ یعنی اخراج کی علت تمہارا یہی ایمان باللہ ہے۔ تعليل ليخرجون (مدارک) فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ مال و اولاد کے تحفظ کے خیال سے تقیہ جائز نہیں۔ و في هذه الاٰية دلالة على ان الخوف على المال والاولاد لايبيح التقية في اظهار الكفر وانه لايكون بمنزلة الخوف على نفسه (جصاص) وما ذكرناه يدل على صحة قولنا ويدل على ان الخوف على المال والاهل لا يبيح التقية ان الله فرض الهجرة على المؤمنين ولم يعذرهم في التخلف لاجل اموالهم واهلهم (جصاص) وَقَدْ…… الْحَقِّ۔ یہ تشریح مزید ہے عَدُوِّيْ کی۔ يُخْرِجُوْنَ…… رَبِّكُمْ۔ یہ تشریح مزید ہے عَدُوَّكُمْ کی۔ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ۔ یعنی اپنے اپنے گھروں سے یہ مقاصد حصول رضائے الٰہی و جہاد فی سبیل اللہ لے کر نکلے ہو۔ بِالْمَوَدَّةِ۔ ب زائدہ تاکید کے لئے ہے۔ الباء زائدة مؤكدة للتعدی (مدارک) و۲ (اور بھٹکے ہوؤں کا جو انجام ہونا ہے وہ بھی خوب معلوم ہے) تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ۔ اس اخفاء سے شبہ ان کے ساتھ مزید دوستی اور خصوصیت کا ہوتا ہے اور اس لئے یہ اور بھی برا ہے۔ حاطب ابن ابی بلتعہ یمنی ثم مکی ایک بڑے صحابی تھے، بدری مرتبہ کے، خود تو ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے، خاندان سارا مکہ ہی میں تھا، فتح مکہ سے ذرا قبل اپنے خاندان والوں کو خط لکھا کہ عنقریب مکہ پر چڑھائی ہونے والی ہے۔ آنحضرت ﷺ کو وحی الٰہی سے خبر ہو گئی۔ آپ ﷺ کے حکم سے وہ عورت پکڑ آئی، جو چھپا کر خط لئے جا رہی تھی۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیان میں کہا کہ ”میری نیت بری نہ تھی۔ میں نے تو محض یہ سمجھ کر لکھا تھا کہ اسلام کا اس سے کوئی ضرر نہیں۔ آپ ﷺ کو فتح تو بحمد اللہ ضرور ہی ہو کر رہے گی، ہاں میری اس اطلاع سے اہل مکہ ضرور میرے احسان مند ہو جائیں گے، اور میرے خاندان والوں کی رعایت کریں گے کہ مجھ پردیسی اور میرے خاندان کا اہل مکہ پر کوئی حق قرابت وغیرہ بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے حسن نیت کی تصدیق کر کے فرمایا کہ تم سچے ہو، بلکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عام جوش دینی کے تحت میں اس دفعہ کا نفاذ کرانا چاہا بھی جو دشمن سے مل جانے والوں اور انہیں خبر پہنچانے والوں کے لئے ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو بدری ہیں اور تمہیں معلوم نہیں کہ اہل بدر کے خلوص و ایمان کی جانچ خود اللہ تعالیٰ کر چکا ہے۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ پر صحابی اور پھر بدری صحابی ہونے کے باوجود جو اتنی سخت گرفت ہوئی، اس سے ظاہر ہے کہ شریعت اسلامی میں دشمن حربی سے خط و کتابت رکھنا یا تعلقات قائم رکھنا کس درجہ شدید جرم ہے! وَاَنَا…… اَعْلَنْتُمْ۔ حق تعالیٰ کی صفت عالم الغیبی کا استحضار کرا کے اوپر اشارہ کر دیا کہ یہ تو مانع مزید ہونا چاہئے تمہارے اور ان دشمنانِ دین کے درمیان خفیہ دوستی کا۔ بِالْمَوَدَّةِ۔ ب سببیہ بھی قرار دی گئی ہے۔ یعنی تم نے یہ جو خبر دی تو بسبب محبت کے۔ اے بسبب المودة (مدارک) الاخبار بسبب المودة (بیضاوی) و۳ غرض یہ کہ یہ کافر تو دنیوی اور دینی ہر اعتبار سے تمہارے دشمن اور بدخواہ ہیں — آیت میں مسلمانوں کے ساتھ کافروں کی مستقل دشمنی و عناد اور بدخواہی کا بیان آ گیا۔ و۴ (پس ہر عمل کا فیصلہ بھی بالکل ٹھیک ہی ٹھیک کرے گا) لَنْ…… الْقِيٰمَةِ۔ کافروں اور بے دینوں سے تعلقات بڑھانے کا محرک اکثر یہی اہل و عیال کی فلاح و نفع کا خیال ہوتا ہے، یہاں اسی کی جڑ کاٹی ہے۔ یعنی جن عزیزوں قریبوں کی خاطر آج تم اللہ کی نافرمانی کر رہے ہو، وہ آخرت میں جو مستقل فیصلہ کا وقت ہوگا تمہیں ذرا بھی نہ بچا سکیں گے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دنیوی علاقوں، رابطوں کی رعایت معاملات دینی میں ناجائز ہے۔ و۵ یعنی پیروی اس نمونۂ حسنہ کی کرو جو ابراہیم اور ان کے ساتھ مومنین، کافروں اور اعدائے دین کے ساتھ تعلقات رکھنے کے باب میں قائم کر گئے ہیں — قرآن مجید اپنے حسب معمول حکم دینے کے ساتھ ساتھ مزید رغبت و شوق پیدا کرنے کے لئے، نیز عمل میں مزید سہولت پیدا کرنے کے لئے، ماضی سے عملی نظیریں بھی پیش کرتا جاتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ۔ حضرت ابراہیم خلیل کے ساتھ یہ معیت یا شرکت ایمان و اطاعت میں تھی۔

وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا

اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا جب تک کہ تم

بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ

اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ ف۶ البتہ ابراہیم نے یہ اپنے باپ سے کہا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا،

وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ

اور مجھے اللہ کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں ف۷ اے ہمارے پروردگار ہم تجھ پر

تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۴﴾ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

توکل کرتے ہیں، اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی ف۸ طرف لوٹنا ہے، اے ہمارے پروردگار ہمیں

فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

کافروں کا تختۂ مشق نہ بنانا، اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کردے، بے شک تو ہی زبردست ہے،

الْحَكِيْمُ ﴿۵﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ

حکمت والا ہے ف۹ بے شک ان لوگوں میں تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ

كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ

اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہے، اور جو کوئی روگردانی کرے گا، سو اللہ تو (بالکل)

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶﴾ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ

بے نیاز ہے اور سزاوار حمد ہے ف۱۰ عجب نہیں کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان

وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ

جن سے تم سے دشمنی ہے دوستی پیدا کر دے، اللہ بڑا قدرت والا ہے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ

اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۱۱ اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور

ع ۱

ف۶ (اور اس لئے تم سے قولاً و فعلاً ہر طرح قطع تعلق کرتے ہیں) اِنَّا...... بُرَءٰٓؤُا۔ یعنی ہم تمہارے عقائد سے بیزار ہیں، اور تمہارے معبودوں کی الوہیت کے منکر ہیں ــ یہ تبرّی بلحاظ عقائد ہوئی۔ وَبَدَا ...... اَبَدًا۔ یعنی ہمارا تمہارا برتاؤ بھی دشمنوں کا سا رہے گا ــ یہ تبرّی بلحاظ معاملت و معاشرت ہوئی۔ عین جس وقت یہ اجزاء تفسیر زیر تحریر ہیں۔ ہندوستان میں ایک شور برپا ہے کہ پیمبروں نے اپنے منکروں اور مکذبوں تک کو اپنا ہم قوم کہہ کر پکارا ہے۔ اس لئے ہندوستان میں بھی مسلموں اور مشرکوں کو ایک ''قوم'' میں کر دینا چاہئے، اور مسلمانوں کو ان سے اس طرح گھل مل جانا چاہئے۔ جس طرح ایک قوم کے لوگ فرنگستان میں گھلے ملے ہوئے ہوتے ہیں! ــ یہ قرآن مجید کے ساتھ کیسا تلعب اور مفہوم ''قوم'' کی کیسی تحریف ہے! رئیس الموحدین حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام اور ان کے رفقاء مومنین اپنے ''ہم قوم'' کافروں کے ساتھ جو برتاؤ قولاً و فعلاً رکھتے ہیں، وہ قرآن مجید سے خود ہی پوری طرح ظاہر ہو رہا ہے ــ اور تنہا اسی آیت پر موقوف نہیں۔ قرآن مجید تو اس مضمون کی تاکید اور تصریح سے لبریز پڑا ہوا ہے۔ حَتّٰى ...... وَحْدَهٗ۔ یہ قید لگا کر اسے صاف کر دیا کہ ہماری تمہاری دشمنی کچھ نسلی تھوڑے ہی ہے، وہ تو صرف عقائد کی بناء پر ہے۔ تم آج شرک چھوڑ کر عقیدۂ توحید اختیار کر لو، تو یہ عداوت ابھی ختم ہو سکتی ہے۔ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ۔ یہ عداوت و بغض اور احکام تبرّی و قطع تعلق صرف دین سے متعلق ہیں۔ باقی صلۂ رحم یا اعزہ و اقرباء کے ساتھ دنیوی حسن سلوک کا حکم الگ ہے، اور وہ بھی نصوص ہی سے ماخوذ ہے۔ قَدْ ...... مَعَهٗ۔ آیت اس کا حکم دے رہی ہے کہ کافروں سے دشمنی رکھنے اور ترکِ موالات کرنے کے باب میں مسلمانوں کو ابراہیم اور ابراہیمیوں کی پیروی کرنا چاہئے۔ امر الناس بالتاسی بھم فی اظھار معاداۃ الکفار وقطع الموالاۃ بیننا وبینھم (جصاص) ف۷ (کہ اس سے اپنی دعا و عرضداشت خواہ مخواہ قبول ہی کرا لوں) لِاَبِيْهِ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر پر جو مشرک اور بت تراش تھے۔ حاشیے پہلے گذر چکے ہیں۔ قَوْلَ ...... لَكَ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ میں حق تعالیٰ سے یہ دعا ضرور کروں گا کہ وہ تمہیں زندگی ہی میں راہ ہدایت دکھا دے، تا کہ بعد موت نجات حاصل ہو جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ تمہارے بحالت کفر مرنے پر بھی تمہاری بخشش چاہوں گا۔ اس وعدہ و گفتگو پر حاشیہ سورۃ البراءۃ کی آیت وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ الخ کے تحت میں گزر چکا۔ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ۔ یعنی مشرک باپ کے لئے دعائے مغفرت کرنے میں ابراہیم علیہ السلام کی پیروی نہ کرنا۔ یعنی فی ان لا یتاسوا بہ فی الدعاء للاب الکافر (جصاص) امر اللہ تعالٰی بالتاسی بابراھیم فی کل امورہٖ الا فی الاستغفار للاب الکافر (جصاص) ای اقتدوا بہ فی اقوالہ ولاتاسوا بہ فی الاستغفار لابیہ الکافر (مدارک) ای لیس لکم فی ذٰلک اسوۃ ای فی الاستغفار للمشرکین ھکذا قال ابن عباس ومجاھد وقتادۃ و مقاتل وابن حبان والضحاک وغیر واحد (ابن کثیر) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے کیا خوب بات اس موقع پر فرمائی کہ جو بغض فی اللہ ہوتا ہے وہ شفقت و خیر خواہی کو قطع نہیں کرتا، بخلاف بغض نفسانی کے۔ ف۸ (چنانچہ ہماری یہ اپنے ہم قوموں سے اپنے عزیزوں قریبوں سے تبرّی و قطع تعلق تیرے ہی حکم کی تعمیل میں اور تکمیل دین ہی کے لئے ہے) رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا۔ یہاں یہ اشارہ کر دیا کہ مسلمان جب اپنی قوم کے کافروں کا بائیکاٹ کریں گے، تو اغلب ہے کہ خود بھی مادی و مالی نقصان اٹھائیں، ایسے موقع پر عمق قلب کے ساتھ توکل و اعتماد حق تعالیٰ ہی پر پیدا کر لینا چاہیے۔ ف۹ (تیرے لئے ہماری اس عرضداشت کو قبول کر لینا کیا مشکل ہے) لَا ...... كَفَرُوْا۔ یعنی اس مقاطعہ و تبرّی کے بعد ایسا نہ ہونے پائے کہ یہ کافر ہم کو ہر طرح ستانے اور مصیبت میں ڈالنے پر قادر ہو جائیں۔ وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا۔ جتنی کوتاہیاں اور لغزشیں ہم سے تیرے ارشاد کی تعمیل میں ہو جائیں۔ تو ان سب کو معاف اور نظر انداز کر کے ہمیں اپنے دامنِ رحمت ہی سے وابستہ رکھیو۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ایسے اسباب فتنہ سے جن سے اہل حق پر اہل باطل کا شبہ ہونے لگے، بچنا ہی عین مطلوب ہے، اور ان میں جو اسباب غیر اختیاری ہیں، ان سے بچنے کی تدبیر یہی ہے کہ دعا کریں۔ ف۱۰ (ہر حال میں اپنے جامع صفات کمالیہ ہونے کی بناء پر۔ فِيْهِمْ۔ ضمیر ھم ابراہیم علیہ السلام اور اصحاب ابراہیم (والذین معہٗ) کی جانب ہے۔ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ فقہاء نے کہا ہے کہ سنت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سنت ابراہیمی علیہ السلام کا اتباع بھی مومنین کے حق میں سرتاسر خیر اور علامات ایمان میں سے ہے۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّ۔ اور جو کوئی روگردانی اور بے التفاقی کرے گا اس حکم تبرّی و مقاطعہ کی تعمیل یا کسی حکم الٰہی کی بھی تعمیل سے۔ هُوَ الْغَنِيُّ۔ ضرر اس ذات بے نیاز کا بالکل نہیں، ضرر تمام تر اسی نافرمان بندہ کا ہے۔ ف۱۱ (چنانچہ اب تک اس حکم کی تعمیل میں جن سے کوتاہیاں ہوئی ہیں، وہ اگر توبہ و استغفار کر لیں تو اللہ کی مغفرت و رحمت دونوں سے مستفید ہو سکتے ہیں) عَسَى ...... مَوَدَّةً۔ یعنی انہیں کافروں اور مسلمانوں کے شدید دشمنوں میں سے بعض کو اسلام کی ہدایت دے دے۔ حضرت ابوسفیان بن حرب وغیرہ کا اسلام لانا اسی پیشگوئی کے ظہور عملی کی مثال ہے۔ مسلمانوں نے حکم الٰہی کی تعمیل میں مشرکین سے قطع تعلق کر تو لیا تھا لیکن قرابتوں اور رشتہ داریوں کی بناء پر کسی درجہ میں غم محسوس کرنا بالکل طبعی تھا۔ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ۔ تو ایسے قادر مطلق کی قدرت سے یہ بعید ہی کیا ہے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو کافر اہل حرب میں سے نہ ہوں بلکہ ذمی ہوں، ان کے لئے صدقات بالکل جائز ہیں۔ عموم فی جواز رفع الصدقات الی اھل الذمۃ اذلیس ھم من اھل قتالنا (جصاص)

لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے بارہ میں نہیں لڑے

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بے شک اللہ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں ہی کو

الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۸﴾ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ

دوست رکھتا ہے وٹ۱۲ اللہ تو تمہیں صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو تم سے دین کے

فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى

بارہ میں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں

اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ

مدد کی وٹ۱۳ اور جو کوئی دوستی کرے گا اُن سے، تو یہی لوگ تو

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ

ظالم ہیں وٹ۱۴ اے ایمان والو جب تمہارے پاس

الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ

مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو اُن کا امتحان کر لیا کرو اللہ اُن کے ایمان سے

بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ

خوب واقف ہے وٹ۱۵ پس اگر انہیں مسلمان سمجھ لو تو انہیں کافروں کی طرف مت

اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ

واپس کرو وہ عورتیں ان (کافروں) کے لئے نہ حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) اُن کے لئے حلال ہیں وٹ۱۶

وَ اٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ

اور ان (کافروں) کو وہ ادا کر دو جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہے وٹ۱۷ اور تم کو اُن عورتوں سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہیں

وٹ۱۲ (اور انصاف کا اولین مقتضی یہ ہے کہ ہر شخص سے معاملہ اس کے درجہ وحیثیت کے لائق کیا جائے۔ اَنْ...... اِلَيْهِمْ۔ یہاں برّ و قسط (حسن سلوک وعدل) سے مراد ان کا عام و مطلق مفہوم نہیں کہ وہ تو بہر صورت ہر انسان بلکہ ہر حیوان کے لئے واجب ہے، بلکہ مراد اس شفقت ورعایت کے برتاؤ سے ہے، جو ذمی یا مصالح ہونے کی بناء پر، کافر کے ساتھ بھی لازم آتا ہے۔ گویا بالواسطہ یہاں یہ ارشاد ہوا کہ شفقت ورعایت کا برتاؤ ذمی اور مصالح کے حق میں جائز ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ بعض بزرگوں کی جو عادت کافروں سے نرمی، ملاطفت برتنے اور ان کے ہدیے اور تحفے قبول کر لینے کی ہے، اس کی سند یہاں سے نکل آتی ہے۔ وٹ۱۳ ایسے محارب کافروں کے ساتھ معاملہ کے احکام ذمیوں اور غیر محاربین کے ساتھ برتاؤ کے احکام سے بالکل مختلف ہیں۔ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ۔ یہ قتال خواہ بالفعل واقع ہو چکا ہو یا بالعزم واقع ہونے کو ہو۔ وَاَخْرَجُوْكُمْ...... اِخْرَاجِكُمْ۔ یہ اخراج یا معاونت علی الاخراج خواہ بالفعل واقع ہو چکی ہو یا بالعزم واقع ہونے کو ہو۔ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ۔ ولایت یا دوستی سے یہاں بھی مراد وہی شفقت ورعایت والا برتاؤ ہے۔ وٹ۱۴ (اور حق تعالیٰ کے نافرمان) الظّٰلِمُوْنَ۔ یعنی اپنے حق میں ظالم۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ۔ ولایت یا دوستی کے یہاں بھی معنی دوستی کا عملی برتاؤ رکھنے کے ہیں۔ وٹ۱۵ فَامْتَحِنُوْهُنَّ...... بِاِيْمَانِهِنَّ۔ یہاں مسلمانوں سے یہ کہا جا رہا ہے کہ جب دارالحرب سے ہجرت کر کے بیویاں تمہارے پاس آئیں تو تم اس کی جانچ کر لیا کرو آیا وہ ظاہری اعتبار سے مومن ہیں بھی —— اور یہ ظاہری جانچ پڑتال انتظامی ضرورتوں اور دنیوی مصلحتوں سے ہے۔ ورنہ عالم الغیب کو کسی جانچ پڑتال کی کیا حاجت، اور پھر ایمان حقیقی کی تحقیق تو بندوں کے بس کی چیز ہے بھی نہیں۔ اِذَا...... مُهٰجِرٰتٍ۔ یعنی جب دارالحرب سے یہ بیویاں تمہارے پاس دارالاسلام حکمی یا حقیقی میں آئیں۔ الْمُؤْمِنٰتُ...... مُؤْمِنٰت سے مراد اس سیاق میں وہ بیویاں ہیں، جو اپنے کو مسلمان کہتی تھیں —— قرآن مجید نے محض ان کے دعوی اسلام پر انہیں مُؤْمِنٰت کے لقب سے یاد فرمایا۔ سماھن مؤمنات لنطقھن بکلمۃ الشھادۃ (مدارک) وٹ۱۶ (اس لئے کہ نہ مسلمہ کافر شوہر کے عقد میں باقی رہ سکتی ہے، اور نہ حربیہ مسلمان شوہر کے عقد میں۔ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ۔ یعنی اگر وہ عورتیں تمہاری جانچ پڑتال میں مسلمان ثابت ہو جائیں۔ علم یہاں محض ظن غالب کے معنی میں ہے جو ظاہری علامات سے پیدا ہو جاتا ہے۔ وھو الظن الغالب بظھور الامارات (مدارک) المراد بہ العلم الظاھر لاحقیقۃ الیقین لان ذٰلک لاسبیل لنا الیہ (جصاص) ای العلم الذی یمکنکم تحصیلہ وھو الظن الغالب بالحلف و ظھور الامارات (بیضاوی) فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ "اختلاف دارین کی بناء پر زوجین میں تفریق کر دی جائے گی"، یعنی اس صورت میں کہ زوجین میں سے ایک دارالاسلام میں رہ جائے، اور دوسرا دارالحرب ہی میں رہے۔ وفی ھذہ الآیۃ ضروب من الدلالۃ علی وقوع الفرقۃ باختلاف الدارین بین الزوجین واختلاف الدارین ان یکون احد الزوجین من اھل دارالحرب والآخر من اھل دارالاسلام (جصاص) وٹ۱۷ (ان بیویوں پر، مہر وغیرہ کے قسم سے) مسلمان عورت کو کافر شوہر نے جس قدر مہر دیا ہو مسلمان وہ مہر اس کافر شوہر کو واپس کر دیں۔ یہ ادائی مہر خواہ اب نئے مسلمان شوہر کی طرف سے ہو، یا بیت المال سے۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اب یہ حکم باقی نہیں۔ یہ عارضی طور پر صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں تھا۔

اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ

جبکہ تم اُن کے مہر اُن کے حوالہ کر دو اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو مت باقی رکھو

الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ

ف١٨ اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے وہ ان (کافروں سے) طلب کرلو، اور جو کچھ ان کافروں نے خرچ کیا ہے وہ تم سے مانگ

حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ وَاِنْ

لیں، یہ اللہ کا حکم ہے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف١٩ اور اگر

فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ

تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی کافروں میں رہ جانے سے تمہارے ہاتھ نہ آئے، پھر (کافروں کو مہر دینے کی) تمہاری نوبت

فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ

آئے، تو جن کی بیویاں ہاتھ سے نکل گئیں، جتنا (مہر) انہوں نے (ان بیویوں پر) خرچ کیا تھا، اس کے برابر تم اُن کو دو،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ

اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس پر تم ایمان رکھتے ہو ف٢٠ اے پیغمبر

اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ

جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آئیں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ نہ کسی کو

بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ

شریک کریں گی اور نہ چوری کریں گی، اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی

وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ

اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گڑھ لیں

وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ

اور مشروع باتوں میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو آپ ان کو بیعت کرلیا کیجئے ف٢١ اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت

ف١٨ یعنی جو تمہاری بیویاں دارالحرب میں کفر کی حالت میں رہ گئیں۔ ان سے تمہارا نکاح زائل ہوگیا، ان کے تعلقات کا کوئی اثر باقی مت سمجھو۔ ف١٩ (چنانچہ اس کے یہ احکام بھی اس کی صفات علم وحکمت ہی پر مبنی ہیں) وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ۔ یعنی اپنی ان بیویوں پر جو اب تم سے چھوٹ رہی ہیں۔ ان پر تم نے مہر وغیرہ کے قسم سے جو کچھ خرچ کیا ہے، اس کا مطالبہ ان کافروں سے کرو۔ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا۔ ابھی اسی آیت کے اندر اوپر آچکا ہے اب پھر اسی کی تاکید مزید وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا سے ہورہی ہے۔ مفسر تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے اس سے نکتہ یہ نکالا ہے کہ دوسروں کا حق جو اپنے ذمے رہ جائے وہ زیادہ موکد ہے۔ ف٢٠ (اور اسی کے خوف کا استحضار کر کے ہرگز کسی خیانت، تساہل یا چالاکی کے مرتکب نہ ہو) وَاِنْ...... فَعَاقَبْتُمْ۔ یعنی نہ وہ بیوی ہی ملے، اور نہ اس کے بجائے اس کے مہر کی رقم ہی تمہیں ملے۔ یہ عاقبتم۔ عقاب سے نہیں عقب سے ہے، اور مراد یہ ہے کہ تمہاری کوئی بیوی کافروں کے پاس چھوٹ جائے، یا تمہارے ذمہ کسی کا مہر واجب الاداء رہ جائے۔ من العقبة لامن العقاب وحاصل المعنى ان لحق احد من ازواجكم بالكفار او فاتكم شيء من مهورهن ولزمكم اداء المهر كما لزم الكفار (روح) فَاٰتُوْا...... اَنْفَقُوْا۔ یعنی یہ رقم واجب الاداء بجائے ان کافروں کو دینے کے ان مسلمان شوہروں کو دے دو، جو کافر بیویوں اور ان کے معاوضہ مہر وغیرہ کی رقم دونوں سے محروم ہوچکے ہیں۔ ”اگر کفار ایسی عورتوں کا مہر ان کے مسلمان شوہروں کو واپس نہ کریں تو جو مہر کفار کا مسلمانوں کے ذمہ واجب الادا ہے، وہ ان کفار کی جگہ ان مسلمان شوہروں کو دے دیا جائے، برابری کی صورت میں تو کچھ تکلف نہیں، اور کمی بیشی میں یہ حکم تھا کہ جو کفار کا بچے وہ کفار کو دے دیا جائے اور جو اپنا رہے اس کا مطالبہ ان سے کیا جائے۔ اور یہ حکم بھی مخصوص تھا اسی واقعہ کے ساتھ (تھانوی علیہ رحمۃ اللہ) ف٢١ (بلا لحاظ ان کے تاریک اور گندے ماضی کے) اَنْ...... شَيْـًٔا۔ شرک کے مرض میں تو جاہلیت عرب کی ساری ہی عورتیں مبتلا تھیں۔ وَلَا يَسْرِقْنَ۔ چوری بھی جاہلیت کے قانون اور رواج میں اس درجہ معیوب وشرمناک نہ تھی۔ وَلَا يَزْنِيْنَ۔ حرامکاری تو تہذیب عرب میں اسی طرح داخل فیشن تھی جیسی آج جاہلیت فرنگ کی تہذیب میں ہے۔ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ۔ اس کے تحت میں دختر کشی و اولاد کشی بلکہ اسقاط اور منع حمل کی چلی ہوئی ساری صورتیں آگئیں۔ وَلَا...... اَرْجُلِهِنَّ۔ عربی محاورہ میں اس کا مطلب ہے اپنی بدکاری کی اولاد کو اپنے شوہر کی اولاد بنا دینا، یا کسی غیر کا بچہ اٹھا لا کر اسے اپنی اور اپنے شوہر کی اولاد مشہور کردینا۔ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ۔ اس کے اندر تمام احکام شرعی آگئے۔ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ الخ۔ محققین نے کہا ہے کہ بیعت رسول کی ان تمام شرطوں کو اعتقاد کے ساتھ تسلیم کرنا شرط ایمان تھا، اور ان پر عمل کا التزام شرط کمال ایمان

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

طلب کر لیا کیجئے، بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ف۲۲ اے ایمان والو

لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ

ان لوگوں سے دوستی مت رکھو جن پر اللہ نے غضب نازل کیا ہے،

الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع

وہ آخرت سے ایسے مایوس ہو گئے جیسے قبروں والے کافر مایوس ہیں ف۲۳

آیاتها ۱۴ ۶۱ سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۹ رکوعاتها ۲

اس کی چودہ آیتیں سورۂ صف مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ

اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے جو چیز بھی آسمانوں میں ہے اور جو چیز بھی زمین میں ہے، اور وہی

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ

زبردست ہے حکمت والا ہے ف۱ اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو

مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا

جو کرتے نہیں ہو اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو

مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ

جو کرو نہیں ف۲ اللہ تو ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح

سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾ وَاِذْ قَالَ

مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں ف۳ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے

ف۲۲ (وہ ان کے حق میں مغفرت ورحمت دونوں کو کام میں لائے گا) آیت ان غالیوں کے رد کے لئے بالکل کافی ہے، جو کسی پیشہ ور بیسوا کے تائب ہونے اور بعد توبہ کسی کے نکاح میں آنے ہی کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ فَبَايِعْهُنَّ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت، بیعت کے اغراض ومقاصد کے باب میں بالکل صریح ہے۔ اور اس سے اُس رسمی بیعت کا ابطال لازم آتا ہے، جس میں عمل کا اہتمام ہی نہ ہو۔ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرید کا یہ ایک حق ہے کہ اس کے حق میں دعا کی جائے۔

ف۲۳ یعنی جس طرح ملحدین ومنکرین آخرت میتوں اور مردوں کی طرف سے ہر طرح کی آس توڑے رہتے ہیں۔ اسی طرح یہ مغضوب ومقہور قوم یہود بھی آخرت سے اپنا رشتہ توڑے ہوئے ہیں۔ قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ اشارہ یہود کی جانب ہے، انہیں کے لئے قرآن مجید میں دوسری جگہ صراحت کے ساتھ مغضوبیت کا ذکر ہے۔ عن الحسن وابن زید ومنذر بن سعید انهم اليهود لانه عزوجل قد عبّر عنهم فی غير هذه الاٰية بالمغضوب عليهم (روح) وهم اليهود (معالم) يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ۔ یہود ایک خالص دینی اور موحد قوم تھی، لیکن رفتہ رفتہ یاد آخرت کو بالکل بھلا چکی تھی، ان کی توریت کے اندر آج بھی جتنے صحیفے اور نوشتے موجود ہیں، سب میں ذکر فلاح دنیوی کا تو کثرت سے ملتا ہے، لیکن اجر آخرت کا تذکرہ تو شاید ڈھونڈنے کے بعد بھی نہ ملے۔ لَا تَتَوَلَّوْا۔ الخ مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جواز دوستی سے تو مطلق کفر ہی مانع ہے۔ البتہ جس کی گمراہی اشد ہوگی، اس سے دوستی کا عدم جواز بھی اشد ہوگا۔ ف۱ (اس کی صفات قوت وحکمت کا عین مقتضی بھی یہی ہے کہ سب کے سب اس کی حمد وثنا کریں) سَبَّحَ …… الْاَرْضِ۔ یہ تسبیح ہر مخلوق اپنے اپنے مرتبۂ وجود وشعور کے مطابق ومتناسب ہی کرتی ہے۔ ف۲ اسلام ہر مسلمان کو عملی انسان، سیرت کا پختہ اور کردار کا مضبوط اور مجاہد بنانا چاہتا ہے، اور نفاق بلکہ شائبۂ نفاق سے بھی دور رکھنا چاہتا ہے۔ اسی لئے وہ قول وعمل کی مطابقت پر شدت سے مصر رہا۔ ان آیتوں کے نزول کا سبب قریب روایتوں میں یہ آیا ہے کہ بعض مسلمانوں نے آپس میں کہا تھا کہ ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے ہاں محبوب تر عمل کونسا ہے، تو ہم ضرور اسے کر ڈالیں، حالانکہ اس کے قبل معرکۂ احد میں، بعض حضرات جہاد کے موقع پر ثابت قدم نہیں بھی رہے تھے، یہاں اسی پر گرفت ہے۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ حاصل یہ کہ واعظ اور داعی کے لئے باعمل ہونا اور زیادہ ضروری ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ بے عمل یا ضعیف العمل کے لئے دعوت ووعظ ناجائز ہے۔ ف۳ اپنی صف وقطار میں ذرا شگاف نہیں پیدا ہونے دیتے) آیت میں حق تعالیٰ کے ہاں محبوبیت کا راز بتا دیا۔ قتال فی سبیل اللہ، جم کر اور صف بستہ ہو کر۔ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے ساتھ مسلمان سپاہ کی قطار کی تشبیہ ثبات واستحکام کے لحاظ سے ہے۔

ع ۲ ۸

مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ

اپنی قوم سے کہا کہ اے میرے قوم والو تم مجھے کیوں ایذاء پہنچاتے ہو، درآنحالیکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں

رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ

تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں ف۴ پھر جب اُن لوگوں نے کجی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں کو کج کردیا ف۵

وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵ وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى

اور اللہ (ایسے) نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ف۶ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب عیسیٰ ابن مریم نے

ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ

کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا پیمبر آیا ہوں

مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا

تصدیق کرنے والا تورات کی جو مجھ سے پیشتر سے ہے ف۷ اور ایک رسول کی

بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

بشارت دینے والا، جو میرے بعد آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا ف۸ پھر جب وہ اُن کے پاس

بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ

کھلے نشانات لائے، تو وہ لوگ بولے کہ یہ تو صریح جادو ہے ف۹ اور اس سے بڑھ کر ظالم

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ

اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے درآنحالیکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو ف۱۰

وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۷ يُرِيْدُوْنَ

اور اللہ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ف۱۱ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ

لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ

اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافروں کو (کیسا ہی)

ف۴ (اور تمہارا یہ تمرد و سرکشی ہرگز کسی اجتہادی غلطی یا عقلی غلط فہمی کا نتیجہ نہیں) وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ۔ اسرائیلیوں نے اپنی قوم کے پیمبر اعظم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نافرمانی، سرکشی، عصیان وطغیان کا جو معاملہ تسلسل اور شدت کے ساتھ جاری رکھا تھا، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر بکثرت آیا ہے، اور توریت میں تو اس سے بھی کہیں زیادہ تفصیل وتکرار کے ساتھ ملتا ہے لیکن اتنی تصریح تو قرآن مجید میں ہی موجود ہے کہ یہ تمرد تمامتر قصدًا اور ارادۃً تھا، کسی عقلی غلط فہمی کا نتیجہ نہ تھا۔ ف۵ (اور زیادہ) قرآن مجید اس ضابطۂ تکوینی کا ذکر اسی کی اہمیت کی مناسبت سے بار بار اور مختلف طریقوں پر کرچکا ہے کہ انسان جب اپنے ارادہ واختیار سے غلط کام لے کر غلط راستہ پر چلنے لگتا ہے تو ارادۂ الٰہی نتیجہ بھی اسی ارادہ انسانی پر مرتب کردیتا ہے۔ اور انسان کی غلط روی پر برابر اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ فَلَمَّا زَاغُوْا۔ یعنی جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی ساری سعی تبلیغ ناکام رہی، اور یہود حضرت علیہ السلام کی اتنی افہام وتفہیم کے بعد بھی اپنی اسی روش تمرد پر قائم رہے۔ ف۶ یعنی جو دانستہ غلط راہ پر چلنے پر مصر ہیں، اور اپنے قصد صحیح سے کام لے کر راہ حق میں غور وتامل ہی نہیں کرتے، انہیں حق تعالیٰ ہدایت کی توفیق بھی نہیں دیتا کہ ایسے ضدی کج رؤں کو ہدایت بخشنے کے معنی تو انہیں ہدایت پر مجبور کردینے کے ہوئے، اور یہ نظام تکوینی کی حکمتوں ہی کے سرے سے منافی ہے۔ یہاں سے اور قرآن مجید کی اور بھی دوسری آیات سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ جب ضد اور عناد کسی قوم میں اس قدر راسخ ہوجائے اور اس کی اصلاح کی امید باقی نہ رہ جائے تو پھر دفع مضرت کے لئے آخری تدبیر قتال کی ہے ف۷ تصدیق تو ہر پیمبر اپنے سے قبل کے تمام الہامی نوشتوں کی کرتا ہے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اسرائیلی تھے، اور ان کے مخاطب بھی تمامتر اسرائیلی ہی تھے۔ اس لئے ذکر تصریح کے ساتھ صرف توریت ہی کا مناسب تھا۔ بنی اسرائیل پر، اور عیسیٰ ابن مریمؑ پر، اور آپؑ کی تصدیق تورات پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ۔ اس ذرا سے فقرہ کے اندر ہی بہت سی گمراہیوں کی تردید آگئی۔ چنانچہ اس کا اثبات ہوا کہ:۔ (۱) آپؑ کی بعثت بنی اسرائیل کی جانب تھی، کل دنیا کی جانب نہ تھی۔ موجودہ مسیحیت کی تردید۔ (۲) اس کا اثبات کہ آپؑ حق تعالیٰ کی طرف سے رسول برحق تھے۔ نعوذ باللہ کوئی مفتری نہ تھے — یہود کی تردید۔ (۳) آپؑ حق تعالیٰ کے ایک ممتاز ترین ومقرب ترین بندہ تھے۔ نعوذ باللہ خود الوہیت کے مدعی کسی معنی میں بھی نہ تھے — مسیحیت کی تردید۔ ف۸ انجیل آج جس صورت میں بھی مسیحیوں کے ہاتھ میں موجود ہے، احکام ومسائل شریعت یا قانون خداوندی کی دفعات سے یکسر خالی ہے اور اسے مسیحی وغیر مسیحی ہر ایک دیکھ کر اپنا اطمینان کرسکتا ہے کہ احکام ومسائل شریعت کی ضرورت اس کے بعد بھی جوں کی توں باقی ہے، حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی لئے فرمایا تھا کہ میرے بعد ایک اور رسول آئے گا۔ انجیل برنابا کے نام سے آج جو انجیل حواری برنابا کی جانب منسوب، دنیا میں موجود ہے اس میں تو یہ پیشگوئیاں بہت صاف اور بالکل کھلے لفظوں میں ہیں، لیکن خود مسیحیوں کو بھی جو چار انجیلیں مسلّم ہیں، ان میں سے بھی ایک میں یہ عبارتیں آج تک مل رہی ہیں:۔ ”میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا۔ شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔“ (یوحنا۔ ۱۴:۱۶) ”جب وہ مددگار یا وکیل یا شفیع آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا، یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ (۱۵:۲۶)“ وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارہ میں قصوروار ٹھہرائے گا“۔ (۱۶:۷) مسیحی جس یونانی لفظ کے ترجمہ سے خود مطمئن نہیں ہیں، اور اس کا ترجمہ کبھی ”تسلی دہندہ“ سے کرتے ہیں کبھی ”مددگار“ سے، کبھی ”وکیل“، کبھی ”شفیع“ سے وہ اصل میں (PERICLUTOS) ہے، جو صحیح ترجمہ لفظ ”احمد“ ہی (بمعنی محمود وستودہ) کا ہے۔ ف۹ حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر یہود نے انہیں تمامتر سحر پر محمول کرنا شروع کردیا تھا۔ اناجیل مروجہ میں اس کے اشارے موجود ہیں:۔ ”اور فقیہ جو یروشلم سے آئے تھے یہ کہتے تھے کہ اس کے ساتھ بعلز بول ہے، اور یہ بھی کہ وہ بدروحوں کے سردار کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے۔“ (مرقس ۳:۲۲) ”فریسیوں نے سن کر کہا کہ یہ بدروحوں کے سردار بعلز بول کی مدد کے بغیر بدروحوں کو نہیں نکالتا“۔ (متی۔ ۱۲:۲۴) ”فریسیوں نے کہا کہ یہ تو بدروحوں کے سردار کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے۔“ (متی۔ ۹:۳۴) اور تالمود میں تو یہود کے قلم سے صراحتیں لکھی چلی آئی ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ جَآءَهُمْ میں واحد کی ضمیر فاعلی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے، اور ھم کی جمع ضمیر مفعول بنی اسرائیل یا اُن کے سرداروں کی جانب ہے۔ ف۱۰ یعنی دعوت اور تنبیہ کا پورا سامان موجود ہے، اور پھر بھی وہ متنبہ نہ حاصل کرے! افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ بشر کو بشریت کے مرتبہ سے خدا کے درجہ تک پہنچادینا، کتب سماوی میں تحریف وتصرف کردینا کفارہ وغیرہ کے گڑھے ہوئے عقیدوں کو حق تعالیٰ کی جانب منسوب کردینا سب مثالیں افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ ہی کی ہیں۔ ف۱۱ ابھی جو حاشیہ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ پر گزرا ہے، اسے ملاحظہ کرلیا جائے۔ الظّٰلِمِيْنَ سے مراد وہی اپنے حق میں ظلم کرنے والے، اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى

گراں گزرے ف۱۲ وہ (اللہ) وہی ہے جس نے اپنے پیمبر کو ہدایت اور سچا دین دے کر

وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ

بھیجا ہے، تاکہ اس (دین) کو تمام دینوں پر غالب کر دے، گو مشرکوں کو (کیسا ہی)

الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى

گراں گزرے ف۱۳ اے ایمان والو کیا میں تمہیں ایسی

تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ

سوداگری بتا دوں، جو تمہیں عذاب دردناک سے بچا دے؟ ف۱۴ (وہ یہی ہے کہ) تم لوگ

بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

اللہ اور اس کے پیمبر پر ایمان لاؤ، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور

بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

جان سے جہاد کرو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے اگر تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ یُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ

علم رکھتے ہو ف۱۵ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں باغوں میں داخل کرے گا

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ

جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں (داخل کرے گا) جو ہمیشہ رہنے والے باغوں میں

عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾ وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ

ہوں گے، یہی بڑی کامیابی ہے ف۱۶ اور ایک اور (ثمرہ بھی) کہ وہ تمہیں محبوب ہے

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳﴾

(یعنی) اللہ کی طرف سے مدد اور جلد فتح یابی اور آپ ایمان والوں کو بشارت دے دیجئے ف۱۷

ع ۹

ف۱۲ یعنی اللہ تو بہر حال اپنے دین کی جڑوں کو مضبوط جما کر رہے گا۔ مخالفین ومعاندین کی ساری کوششوں اور مزاحمتوں کے باوجود۔ یُرِیْدُوْنَ...... بِاَفْوَاهِهِمْ۔ مخالفین ومعاندین علاوہ عملی تدبیروں کے، زبان اور منہ سے بھی تو رد واعتراض کی باتیں کیا کرتے تھے اور قوی شبہات دلوں میں ڈالتے رہتے تھے۔ یُرِیْدُوْنَ کی ضمیر جمع فاعلی سے اشارہ سارے ہی مخالفین اسلام کی جانب ہو گیا۔ نُوْرَ اللّٰهِ۔ یعنی دینِ اسلام۔ ف۱۳ (اور وہ کیسی ہی جان توڑ کوششیں اس کی مخالفت میں کر ڈالیں) لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔ یعنی سارے باطل ادیان ومذاہب اس دینِ حق کے دلائل وبراہین کے آگے دب جائیں۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ دینِ توحید کے استحکام وترقی سے جلنے والا اور ناگواری محسوس کرنے والا مشرکوں سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے؟ ف۱۴ سوال کا جواب اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ اس طرح کے درمیانی سوالات کرتے جانا عربی خطابت میں عام تھا اور عربی اسلوب بلاغت کا ایک اہم جزو۔ عَلٰى تِجَارَةٍ۔ قرآن کے مخاطبین اول قریش عرب ایک زبردست تجارت پیشہ قوم اور بڑے کاروباری لوگ تھے قرآن مجید کا ان سے مخاطبت میں تجارتی، معاشی، کاروباری اصطلاحیں، بیع، شراء، مال، ربح، خسران، اشتراء، ثمن، قرض، قرض حسن، دَین، ربٰو وغیرہ لانا ان مخاطبین کی خاص رعایت رکھنا ہے۔ ف۱۵ (حقائق اُمور کا) انوکھی تجارت کی تفسیر اس آیت نے خود کر دی۔ ف۱۶ جو قومیں آخرت پر یقین رکھنے کا دعوٰی کرتی ہیں، وہ اسے خوب سمجھے رہیں کہ انسان کی اصلی کامیابی یہی عالمِ آخرت کی مستقل پائیدار کامیابی ہے — لازوال مسرت بے پایاں راحت اور غم والم سے نجات۔ ف۱۷ (دنیا میں اسی قریبی فتح ونصرت کی) وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا۔ یعنی اس اُخروی ثمرہ کے علاوہ ایک اور ثمرۂ ایمان وطاعت، جو تمہیں طبعاً محبوب بھی ہے — ثمرات آخرت کیسے ہی بیش بہا، گراں قدر، بے مثال ہوں بہر حال انتظار طلب ہیں انسان طبعی وخلقی طور پر اس بڑے اور انتہائی ثمرہ کے علاوہ، ثمراتِ عاجل کا بھی طلبگار رہتا ہے۔ اور قرآن سے بڑھ کر بشری جذبات کی رعایت کرنے والا اور کون ہو گا؟ نَصْرٌ...... قَرِیْبٌ۔ مسلمانوں کی عظیم الشان اور حیران کن فتح مندیوں کی پیشگوئی کا ظہور ووقوع جس شاندار طریقہ پر سارے حجاز کے ایک ایک غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں، اور پھر خلافت راشدہ کے زمانہ میں، ایران، اور روما اور شام اور مصر، اور عراق کی سرزمینوں پر ہو کر رہا۔ اس کی گواہ دنیا کی ساری تاریخ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ

اے ایمان والو مددگار ہو جاؤ اللہ کے (دین کے) جیسا

عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ لِلۡحَوَارِيّٖنَ مَنۡ اَنۡصَارِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ‌ؕ

کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے فرمایا کہ کون میرا مددگار ہوتا ہے، اللہ کے واسطے؟ ف۱۸

قَالَ الۡحَوَارِيُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتۡ طَّآئِفَةٌ

حواری بولے کہ ہم مددگار (ہوتے) ہیں اللہ کے (دین کے) پھر بنی اسرائیل میں سے

مِّنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ وَكَفَرَتۡ طَّآئِفَةٌ‌ ۚ فَاَيَّدۡنَا

ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ منکر رہا ف۱۹ پھر ہم نے

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا عَلٰى عَدُوِّهِمۡ فَاَصۡبَحُوۡا ظٰهِرِيۡنَ ۞ع

ایمان والوں کا ساتھ اُن کے دشمنوں کے مقابلہ میں دیا سو وہ غالب ہو گئے ف۲۰

ع ۲/۱۰

آیاتها ۱۱ ۶۲ سُوۡرَةُ الۡجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۰ رکوعاتها ۲

اس کی گیارہ آیتیں سورہ جمعہ مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ الۡمَلِكِ

(اسی) اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کچھ بھی آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ بھی زمین میں ہیں (جو) بادشاہ ہے

الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ‏ ۞ هُوَ الَّذِىۡ بَعَثَ فِى

مقدس ہے، زبردست ہے، حکمت والا ہے ف۱ وہی تو ہے جس نے اُمی لوگوں میں

الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ

انہیں میں سے ایک پیمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے

ف۱۸ یعنی دینِ حق کی تبلیغ کے معرکوں میں کون میرا شریک و رفیق ہوتا ہے؟ حَوَارِیّٖنَ۔ پر حاشیے سورۃ آل عمران (پ۳) میں گزر چکے، اور عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ پر اس کے قبل۔ کَمَا ...... اللّٰہِ۔ یہ حضرت عیسیٰ نے اس وقت فرمایا، جب آپؑ مخالفوں اور دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے۔ اناجیل مروجہ میں آپؑ کی اس نصرت طلبی کے سلسلہ میں ہے:۔ ''اس نے بارہ کو مقرر کیا تا کہ اس کے ساتھ رہیں، اور وہ انہیں بھیجے کہ منادی کریں''۔ (مرقس۔ ۳:۱۴) ''وہ ان سے کہنے لگا کہ فصل تو بہت ہے لیکن مزدور تھوڑے ہیں، اس لیے فصل کے مالک کی منت کرو کہ اپنی فصل کاٹنے کے لیے مزدور بھیجے (لوقا۔ ۱:۱۰، ۲) اَنۡصَارَ اللّٰہِ۔ مراد انصار دین اللہ سمجھی گئی ہے۔ اے انصار دین اللہ (کبیر) کُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰہِ۔ یعنی اللہ کے دین کی نصرت مستقلاً اختیار کرلو۔ اور اسی پر جمے رہو۔ امر بادامة النصرة والثبات علیه اے دوموا علی ما انتم علیه من النصرة (کبیر) کَمَا قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ۔ الخ تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ تم بھی نصرت دین میں اسی طرح ہو جاؤ جس طرح حواریین عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ آیت سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ نصرت دین کا اور انصار اللہ بننے کا حصر کچھ قتال و جہاد ہی پر نہیں، اس لیے کہ حضرت عیسیٰ نے تو قتال ایک بار بھی نہیں کیا تھا۔ اور پھر بھی آپ کے حواریوں کی نصرت دین کو بطور نمونہ پیش کیا گیا۔ ف۱۹ (انہیں حواریوں کی کوشش کے باوجود) فَاٰمَنَتۡ طَّآئِفَةٌ۔ ان ایمان لانے والوں کی تعداد، روایاتِ یہود کے مطابق ۳۰۰ سے لے کر ۳۳۰ تک پہنچتی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف۲۰ چنانچہ تبلیغ دین حق کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکی۔ اور مخالفین اپنے سارے اثر، قوت، غلبہ، وجاہت کے باوجود مسیح کی دعوت کو پھیلنے سے نہ روک سکے۔ حضرت مسیح کو اپنی زندگی میں مقابلہ دہری مخالفتوں کا کرنا پڑا۔ ایک تو خود آپ کی قوم یہود جسے اس وقت اس کے وطن فلسطین میں ایک نیم خود مختارانہ حکومت حاصل تھی۔ آپؑ کی شدید ترین مخالف ہوگئی تھی۔ اور پھر حکومت وقت رومی سلطنت کا مذہب شرک، بت پرستی تھا صدائے توحید اُن کے لیے تازیانہ کا حکم رکھتی تھی۔ اس ساری مخالفانہ فضا کے باوجود آپؑ کو جو بھی کامیابی ہوئی، تمامتر تائید غیبی کا نتیجہ تھی۔ آیت سے کتنا بڑا درس ہمت و عزیمت کا مسلمانوں کو مل رہا ہے۔ ف۱ تسبیح جملہ مخلوقات پر یہ حاشیہ کئی بار گزر چکا ہے کہ مراد ہر ہر مخلوق کی، اپنے اپنے مرتبہ وجود کے مطابق تسبیح ہے۔ زبانِ حال سے بھی اور زبانِ قال سے بھی۔ اَلۡمَلِکِ۔ یعنی وہ بادشاہ مطلق الاختیار ہے۔ اس کے اقتدار اور اس کے اختیارات پر کوئی قید کسی قسم کی بھی نہیں۔ جو قانون وہ چاہے مقرر کر دے۔ جس کو اور جب جو حکم وہ چاہے، دے دے۔ اَلۡقُدُّوۡسِ۔ ہر عیب، ہر نقص، ہر کمی اور کوتاہی سے وہ منزہ اور برتر ہے۔ اَلۡعَزِیۡزِ۔ زمین و آسمان کی ساری قوتیں، مادی یا غیر مادی، اسی کی محکوم و تابع فرمان ہیں۔ وہ سب پر حاکم ہے، کوئی اس کا مزاحم نہیں ہو سکتا۔ اَلۡحَکِیۡمِ۔ اس کی ہر کارروائی بے انتہا مصلحتوں اور حکمتوں پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کی صناعیوں کو سطحی نظر سے دیکھنا محض حماقت ہے،

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ

اور انہیں کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے درآنحالیکہ یہ لوگ پہلے سے

لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا

کھلی ہوئی گمراہی میں تھے ف۲ اور دوسروں کے لئے بھی ان میں سے (آپ کو بھیجا) جو ابھی ان میں شامل

بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ

نہیں ہوئے، اور وہ (بڑا) زبردست ہے، حکمت والا ہے ف۳ یہ اللہ کا فضل ہے وہ اسے

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۴

جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ف۴

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا

جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کا حکم دیا گیا تھا پھر انہوں نے اس پر عمل نہ کیا

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ

ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں لادے ہو (کیسی) بری مثال ہے اس قوم والوں کی

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

جنھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اللہ ظالم لوگوں کو (توفیق) ہدایت نہیں

الظّٰلِمِيْنَ ۝۵ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ

دیا کرتا ف۵ آپ کہیے اے یہودی ہو جانے والو، اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے

اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ

کہ تم ہی تم، بلا شرکت غیرے اللہ کے چہیتے ہو تو موت کی تمنا کر دکھاؤ،

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا

اگر تم سچے ہو ف۶ اور وہ کبھی بھی اس کی تمنا نہ کریں گے بسبب

ف۲ (اور جو قوم بھی تعلیمات نبوت سے محروم ہوتی ہے۔ ایسی ہی ظلمتوں اور ضلالتوں میں گھری رہتی ہے) فِي الْاُمِّيّٖنَ۔ یعنی قوم عرب کے درمیان۔ الامی منسوب الی امۃ العرب (کبیر) امیّ پر حاشیہ سورۃ آل عمران (پ۳) میں گزر چکا۔ صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ جب رسول اور رسول اعظم بھی امی یا علوم رسمی سے ناآشنا ہو سکتا ہے، تو کسی ولی کے امی یا ان پڑھ ہونے میں کیا اشکال ہے، البتہ علوم شرعی سے بقدر ضرورت اسے واقفیت ہونا چاہیے۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ۔ پہلا کام اس عربی رسول کا اہلِ عرب کے سامنے کلامِ الٰہی کی آیتوں کو پڑھ کر سنانا ہے۔ وَيُزَكِّيْهِمْ۔ رسول کا کام آیاتِ الٰہی کی تلاوت اور کلامِ الٰہی کے سنانے کے بعد عقائد باطلہ اور اخلاق رذیلہ سے پاک صاف کرنا ہوتا ہے۔ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ رسول ﷺ کا کام تبلیغ اور تزکیہ پر ختم نہیں ہو جاتا۔ وہ اپنے مخاطبین کو کتاب الٰہی کے مضامین کی نیز اپنی لائی ہوئی حکمت کی تعلیم بھی دیتا رہتا ہے۔ مسائل کی توضیح و تشریح، تعمیم، تخصیص، تبیین، تفسیر سب اس کے تحت میں آ گئے۔ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کی دعوت صرف قوم عرب کی جانب تھی۔ كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ وغیرہ متعدد آیتوں سے آپ ﷺ کی دعوت کا عموم اور عالمگیری بجائے خود ثابت اور قطعی ہے۔ اور یہ ضرور نہیں کہ صراحت و تکرار ہر موقع پر اسی کی ہوتی رہے۔ ف۳ اٰخَرِيْنَ ۔ سے مراد وہ لوگ ہیں جو نزول قرآن کے وقت موجود نہ تھے۔ آگے چل کر کسی زمانہ میں ایمان لانے والوں میں شامل ہوں گے۔ اور یوں وہ سارے لوگ جو قیامت تک اسی دین حق میں داخل ہوں گے، سب اٰخَرِيْنَ کے تحت میں آ گئے۔ و قال ابن زید هم جمیع من دخل فی الاسلام بعد النبی ﷺ الی یوم القیٰمة و هی روایة ابن نجیح عن مجاهد (معالم) قال مجاهد و غیر واحد هم الاعاجم و کل من صدق النبی من غیر العرب (ابن کثیر) هم سے تعبیر ان غیر موجودین کو بحیثیت ان کے اسلام کے کیا گیا ہے۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اور اسی قدرت والے اور حکمت والے نے اپنی قدرت و حکمت سے ایسا رسول مبعوث کر دیا۔ ف۴ ایک بگڑی ہوئی قوم کی قوم کو راہ ہدایت دکھا دینا، اور بے شمار مخلوق کو راہ ہدایت پر لے آنا اُس کے فضل عظیم کے سامنے کیا مشکل ہے؟ پھر اُس کے عموم فضل کو کسی ایک نسل یا قوم کے ساتھ ہمیشہ کے لیے محدود و محصور سمجھنا بھی حماقت ہی ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی رسول کے ذریعہ سے، ضلال مبین سے نکل کر کتاب و حکمت و ہدایت کی روشنی میں آ جانا۔ ف۵ الظّٰلِمِيْنَ ۔ سے مراد وہی لوگ ہیں، جو دین حق سے عناد رکھتے ہیں، اور اسی خبث و عناد کی بناء پر کبھی دلائل و حقائق پر غور نہیں کرتے — ایسوں کو سنا دیا گیا کہ جب تک وہ اپنی طرف سے عناد ترک نہ کریں گے، انہیں ہدایت نصیب نہ ہوگی۔ مَثَلُ …… كَمَثَلِ الْحِمَارِ۔ یہ مثلیت اور تشبیہ نفع سے محرومی کے لحاظ سے ہے — جس طرح کتابوں کے بوجھ سے لدا ہوا گدھا کتابوں کے نفع سے محروم محض رہتا ہے، اسی طرح یہ اہل توریت، توریت پر عمل نہ کرنے کے باعث، اس کے فوائد سے کورے رہ گئے۔ كَمَثَلِ الْحِمَارِ۔ حمار گدھے کی تخصیص اس لیے کہ جانوروں میں اس کی بلادت اور نافہمی ضرب المثل کی حد تک مشہور ہے، اور اہل عرب کو بالکل مسلّم تھی۔ و هٰذا التمثیل لاظهار الجهل والبلادة ذٰلک فی الحمار اظهر (کبیر) و فی الحمار من الذل و الحقارة ما لا یکون فی الغیر (کبیر) حُمِّلُوْا۔ حمل یہاں ادائے حقوق اور مکلّف کیے جانے کے معنٰی میں ہے۔ حملوا ای کلفوا ان یحملوها ای یقوموا بحقها (راغب) ف۶ (اپنے دعوٰی محبوبیت مطلقہ میں) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا۔ خطاب اُن اہل عرب سے ہے، جو یہود کے طور طریقے، وضع و معاشرت، شعائر و عقائد اختیار کرتے کرتے رفتہ رفتہ خود بھی یہودی بن گئے تھے — جیسے ہندوستان میں انگریزوں کے زمانہ عروج خصوصاً شروع انگریزی دور میں، ہزار ہا اہل ہند نے انہیں کا تمدن اختیار کر کے رفتہ رفتہ اپنے کو "کرسٹان" بنا لیا تھا۔ یہودی مذہب اصلاً تبلیغی مذہب نہیں، نسلی مذہب تھا، صرف نسل اسرائیل کے لیے محدود۔ لیکن یہود کے علم و فضل، ثروت و تمدن سے مرعوب و مسحور ہو کر کثرت سے مشرکین عرب نے بھی چپکے چپکے دبے پاؤں اپنے اُوپر یہودیت (تہوّد) طاری کر لی تھی۔ اَنَّكُمْ …… النَّاسِ۔ یہود نے اپنے دل سے یہ عقیدہ گڑھ لیا تھا کہ ہم کچھ بھی کریں، جس طرح بھی رہیں سہیں، بہرحال ہماری پیمبر زادگی ہمارے آڑے آتی رہے گی، اور ابراہیم خلیل ؑ کی جانب نسلی انتساب ہمیں اللہ کی ہر نافرمانی پر گرفت سے ہمیشہ محفوظ ہی رکھے گا۔ اور یہ امتیاز بجز ہمارے نسل آدم میں کسی کو بھی حاصل نہیں — قرآن مجید بار بار اُن کے اسی خطرناک نظریہ پر ضرب لگاتا ہے۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ۔ یہاں وہ تمنائے موت مراد نہیں جو عدم ثبات و عدم توکل کی بناء پر کسی دنیوی مصیبت سے گھبرا کر کی جاتی ہے بلکہ وہ تمنائے موت مراد ہے، جو شوق جنت اور اشتیاق لقاء رب میں ہر مومن کے دل میں پیدا ہوتی رہتی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ولایت و مقبولیت کی علامتوں سے مومن کے لیے آرزوئے موت بھی ہے، اگرچہ صرف عقلی ہی حد تک رہے۔

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ

اُن (اعمال) کے جواپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں، اور اللہ خوب واقف ہے (ان) ظالموں سے وے آپ کہہ دیجیے

اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ

کہ جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ ضرور تمہیں آ پکڑے گی

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ

پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے (خدا) کے پاس لائے جاؤ گے، پھر وہ تم کو تمہارے

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا

سب کیے ہوئے کام جتلا دے گا وٛ اے ایمان والو جب

نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى

جمعہ کے دن اذان کی جائے نماز کے لئے تو چل پڑا کرو

ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

اللہ کی یاد کی طرف و۹ اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم کچھ

تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي

سمجھ رکھتے ہو و۱۰ پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر

الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ

چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت

كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً

یاد کرتے رہو، تاکہ تم فلاح پاؤ و۱۱ اور (بعض لوگوں نے) جب کبھی ایک سودے یا

اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا

تماشہ کی چیز کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑتے ہوئے بکھر گئے اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ دیا و۱۲، آپ کہہ دیجیے

ع ۸ — ۱۱

و۷ یعنی معاندین حق سے۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ پر تو ان لوگوں کا عناد حق وخبث باطن عیاں ہی ہے، اُسے اپنے معلوم کرنے کے لیے کسی امتحان کی ضرورت نہیں۔ لیکن دوسروں پر ظاہر کرنے کے لیے اُس نے یہ ایک موٹی سی پہچان بتادی — زبان سے اپنی محبوبیت مطلقہ کا دعویٰ کرتے ہو، تو پھر ذرا اپنے اس قید دنیا سے آزاد ہو جانے کی آرزو کر دکھاؤ۔ لیکن کرو گے کیسے؟ حُبّ دنیا میں تو اتنا جکڑے ہوئے ہو، اور اُخروی وروحانی لذائذ سے اتنا بُعد رکھتے ہو کہ اس آرزو کی کبھی ہمت ہی نہ کر سکو گے! و۸ (اور اپنے اسی علم کامل وقطعی کے مطابق سزا بھی دے گا) موت سے ناگواری تو انسان کے لیے ایک امر طبعی ہے اس سے یہاں تعرض نہیں۔ لیکن جو صاحب ایمان ہوتا ہے، وہ اس طبعی گرانی وناگواری کے باوجود عقلی وایمانی اعتبار سے ہمیشہ موت کی پیشوائی ہی کے لیے تیار رہتا ہے۔ اِنَّ...... مِنْهُ۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ موت کا استحضار ضمیر کی بیداری کی خاص علامت ہے۔ اور قلب کی قساوت کا خاص علاج۔ و۹ اس ذکر اللہ کے عموم میں نماز فرض اور خطبۂ واجب دونوں آگئے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ۔ اس کے عموم سے وہ لوگ خارج ہیں، جن پر جمعہ واجب ہی نہیں، عورتیں، بچے، مریض، مسافر وغیرہ۔ لِلصَّلٰوةِ۔ ال عہد کا ہے، اور لِلصَّلٰوةِ سے مراد لوقت الصلٰوة ہے۔ الصلٰوة سے مراد صلٰوة الجمعة ہے۔ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ۔ مِنْ یہاں فی کے معنی میں ہے۔ اے فی یوم الجمعة (مدارک) فَاسْعَوْا۔ سعی یہاں اپنے لفظی معنی میں، یعنی دوڑنے کے مرادف نہیں۔ بلکہ اس سے مقصود چلنے میں توجہ و اہتمام کی تاکید ہے۔ السعی یستعمل للجدفی الامر (راغب) المراد بالسعی القصد دون العدو (کشاف) و لیس المراد من السعی الاسراع انما المراد منه العمل والفعل (معالم) و لیس المراد بالسعی ھٰھنا المشی السریع و انما هو الاهتمام بها (ابن کثیر) نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ۔ مراد نماز جمعہ کی اذان سے ہے۔ يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ جمعہ کا دن کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہم پرست مسیحیوں کے ہاں ''منحوس'' سمجھا جاتا ہے، اور شادی بیاہ سے اس دن خاص طور پر بچا جاتا ہے۔ ''نحوست'' کی دلیل یہ ہے کہ ''ابن اللہ'' کو سولی پر اسی دن چڑھایا گیا تھا۔ و۱۰ (اور حقائق اُمور کی طرف متوجہ ہو) وَذَرُوا الْبَيْعَ۔ بیع کا ذکر محض مزید تاکید واہتمام کے لیے ہے، ورنہ حکم فقہی میں تخصیص کچھ بیع وتجارت ہی کی نہیں۔ اراد الامر بترک ما یذھل عن ذکر الله من شواغل الدنیا (مدارک) مراد صرف یہ ہے کہ ادھر مؤذن کے منہ سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہو اور اُدھر ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ دنیا کے جس حال اور جس مشغلہ میں ہو مسجد کا رُخ کر دے اور نماز جمعہ کی تیاری و اہتمام میں لگ جائے — گویا یہ مسلمان کی ہفتہ وار پریڈ ہے کہ ہر مسلمان بگل کی آواز سنتے ہی اپنے کو حاضری پر مجبور پائے! فقہاء نے یہاں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اصل مقصود وقت نماز کا آجانا ہے۔ جب وقت آجائے تو ہر مسلمان جس پر نماز جمعہ واجب ہے، اس پر نماز کے لیے تیاری واجب ہو جاتی ہے یہ ضرور نہیں کہ اذان کی آواز ہی کان میں پڑے۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ اس حکم کی پابندی شخصی وانفرادی حیثیت سے بھی پہلوئے خیر رکھتی ہے اور قومی واجتماعی حیثیت سے بھی — دنیوی، مادی اعتبار سے یوں کہ نماز جمعہ تنظیم اُمت کا ایک بہترین نسخہ ہے اور اُخروی، رُوحانی اعتبار سے یوں کہ آخرت کا نفع باقی دنیا کے ہر نفع فانی سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ و۱۱ یعنی جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اب اجازت ہے کہ اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاؤ، اور اپنے جمعہ کو مسیحیوں کے اتوار اور یہود کے شنبہ کی طرح دنیوی کاروبار سے تعطل کا دن نہ فرض کرلو۔ ہاں دنیوی کاروبار میں اشتغال خدا فراموشی کے مرادف نہیں۔ احکام الٰہی کا استحضار کاروبار میں بھی پوری طرح رہے۔ دیانت امانت تقویٰ، تجارت اور ہر قسم کے دنیوی مشغلہ میں مسلمان کے لیے لازمی ہیں — آیت میں جو حکم ہے، اُس کی پوری قدر جب ہوگی، جب یہود ونصاریٰ کا معاملہ جو انہوں نے اپنے اپنے ہفتہ وار تہواروں کے ساتھ کر رکھا ہے، پیش نظر ہو۔ و۱۲ بعض صحابیوں کی طرف اشارہ ہے جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، اور شریعت کے قوانین واحکام ابھی ان میں پوری طرح راسخ نہیں ہوئے تھے۔ مدینہ میں ایک بار خطبۂ جمعہ کے وقت (جو اُس وقت تک بعد نماز ہوتا تھا) تجارتی قافلہ غلہ لے کر آیا، اور اعلان کے لیے دف بھی بج رہا تھا۔ ۱۲ پختہ وراسخ صحابیوں کو چھوڑ کر، باقی دوسرے حضرات یہ سمجھ کر کہ نماز تو ختم ہی ہو چکی ہے، تجارتی قافلہ کی طرف چل پڑے۔ یہ تنبیہ اُن کی اسی اجتہادی غلطی پر کی جارہی ہے۔ وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا۔ ان الفاظ سے اس مسئلہ پر کہ خطیب جمعہ کو خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہیے۔ ایک قرآنی دلیل قائم ہو رہی ہے۔ دلیل علی ان الامام یخطب یوم الجمعة قائم (ابن کثیر) سُئِلَ عبدالله بن عمر اکان النبی یخطب قائما او قاعدًا قال اما تقرأ و ترکوک قائمًا (معالم)

عِنۡدَ اللّٰهِ خَیۡرٌ مِّنَ اللَّهۡوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ؕ

کہ جو چیز اللہ کے پاس ہے وہ تماشہ اور سودے سے کہیں بہتر ہے

وَاللّٰهُ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ﴿۱۱﴾ ع

اور اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے ف۱۳

آیاتها ۱۱ ۶۳ سُوۡرَةُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ مَدَنِیَّةٌ ۱۰۴ رکوعاتها ۲

اس کی گیارہ آیتیں سورۂ منافقون مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا جَآءَكَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوۡلُ

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے

اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوۡلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَشۡهَدُ

رسول ہیں تو اللہ کو تو یہ معلوم ہی ہے کہ آپ اُس کے رسول ہیں، لیکن اللہ (اس کی بھی) گواہی دیتا ہے کہ

اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۱﴾ ع اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَهُمۡ جُنَّةً

منافق جھوٹے ہیں ف۱ ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے،

فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا

پھر یہ لوگ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں بے شک کیسے برے اُن کے کرتوت

یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا ثُمَّ كَفَرُوۡا فَطُبِعَ

رہے ہیں ف۲ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لے آئے، پھر کافر ہو گئے ف۳ سو اُن کے دلوں پر

عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا یَفۡقَهُوۡنَ ﴿۳﴾ وَ اِذَا رَاَیۡتَهُمۡ

مہر کر دی گئی تو یہ (اب) نہیں سمجھتے ف۴ اور جب آپ اُن کو دیکھیں تو

ع ۲ ۱۲

ف۱۳ یہاں یہ بتایا ہے کہ معاشیات و مالیات میں بھی اصل بھروسہ اپنے اسی رحیم و شفیق خالق و مالک پر رکھو۔ اجر آخرت سے قطع نظر، دنیوی اسباب رزق کے سلسلہ کا بھی آخری سرا تو اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ مَا عِنۡدَ اللّٰهِ۔ یعنی اجر آخرت اور حق تعالیٰ کا قرب۔ ف۱ (اپنے اس دعوے میں کہ ہم آپ کے رسول ہونے کے گواہ ہیں) قَالُوۡا...... اللّٰهِ۔ یعنی اپنے اصلی اور دلی اعتقاد کے خلاف آپ ﷺ کے سامنے آ کر آپ کی تصدیق رسالت کا نمائشی اظہار کرتے ہیں۔ لَكٰذِبُوۡنَ۔ اس کذب کا تعلق ظاہر ہے کہ خبر سے نہیں، مخبر سے ہے۔ یعنی بات بجائے خود تو سچی ہے، مگر یہ کہنے والے اُسے سچ جان کر نہیں کہہ رہے ہیں۔ ف۲ یہ منافقین خود تو ایمان سے محروم تھے ہی، دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے رہتے تھے۔ اور اس لیے اُن کا جرم دہرا جرم تھا۔ اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَهُمۡ جُنَّةً۔ یعنی یہ لوگ اگر علانیہ اپنے کفر و عداوتِ اسلام کا اظہار کر دیں تو اُن کا شمار بھی کافروں میں ہونے لگے اور اُن کے مقابلہ میں جہاد واجب ہو جائے۔ اس لیے یہ اپنے جان اور مال کے بچانے کی خاطر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے کو مسلمان ظاہر کر رہے ہیں۔ —— کوئی شخص جب تک زبان سے اسلام کا اقرار کر رہا ہے، خواہ وہ حقیقۃً کیسا ہی دشمن اسلام ہو، اسلام اُسے قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ۔ یعنی دوسروں کو بھی راہ حق سے روک کر اپنے جرم کا درجہ دُگنا کر رہے ہیں۔ سَآءَ مَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ۔ سآء۔ میں ہمیشہ ایک پہلو تعجب کا شامل رہتا ہے، گویا سامعین سے کہا جا رہا ہے کہ دیکھو تو سہی، کیسے برے اُن کے کرتوت رہے ہیں! و فی ساء معنی التعجب الذی ھو تعظیم امرھم عندالسامعین (مدارک) ف۳ یعنی پہلے مومنین کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کیا، پھر اپنے رازداروں کی مجلس میں جا کر کلمات کفر کہے۔ اے نطقوا بکلمۃ الشھادۃ ثم ظھر کفرھم بعد ذلک (مدارک) او نطقوا بالایمان عندالمؤمنین ثم نطقوا بالکفر عند شیاطینھم (مدارک) ذٰلِكَ۔ یعنی اُن کے کرتوتوں کا برا اور بہت برا ہونا۔ اشارۃ الٰی قولہٖ ساء ما کانوا یعملون (مدارک) بِاَنَّهُمۡ۔ میں ب سببیہ ہے۔ اے بسبب انھم (مدارک) ف۴ (دین کے روشن ترین دلائل و حقائق کو بھی) فَطُبِعَ۔ دلوں پر یہ مہر اُسی ارادی منافقت کی عادت کی بنا پر لگی۔ اور پھر اس نتیجہ کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کے ذہنوں سے صلاحیت ہی حقائق دین کی فہم کی جاتی رہی۔

وقف لازم

ف۵ (کہ دیکھنے میں تو لمبی، چوڑی، موٹی، شاندار مگر بے جان محض روح سے خالی) وَ اِذَا …… اَجْسَامُهُمْ۔ یہ خوشنمائی اُن کے ظاہری شان وشوکت اور مادی تن وتوش کی بناء پر ہوگی — آج بھی

تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ

اُن کے قدوقامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ بات کرنے لگیں تو آپ اُن کی باتیں

لِقَوْلِهِمْ ۭ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ

سننے لگیں، گویا یہ لکڑیاں ہیں سہارے سے لگائی ہوئی ف۵ ہر غل پکار کو یہ اپنے ہی اُوپر

صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ

سمجھنے لگتے ہیں یہی لوگ (پورے) دشمن ہیں پس آپ ان سے ہوشیار رہئے اللہ اُن کو

اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۴ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

غارت کرے، کہاں پھرے چلے جاتے ہیں ف۶ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ،

يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ

رسول اللہ تمہارے لئے استغفار کر دیں تو وہ اپنا سر پھیر لیتے ہیں، اور آپ انہیں دیکھیں گے

يَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵ سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ

کہ بے رخی کر رہے ہیں تکبر کرتے ہوئے ف۷ اُن کے حق میں برابر ہے

اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ

خواہ آپ اُن کے لئے استغفار کریں یا آپ اُن کے لئے استغفار نہ کریں، اللہ انہیں بہرحال نہ

لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶ هُمُ

بخشے گا بے شک اللہ (ایسے) نافرمان لوگوں کو (توفیق) ہدایت نہیں دیتا ف۸ یہی

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰي مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ

لوگ تو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس جمع ہیں اُن پر کچھ خرچ مت کرو

اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَ لِلّٰهِ خَزَاۗىِٕنُ السَّمٰوٰتِ

یہاں تک کہ وہ (آپ ہی) منتشر ہو جائیں گے ف۹ حالانکہ اللہ ہی کے تو ہیں آسمانوں اور زمین

منافقوں، زندیقوں، بیدینوں کے مجمع میں کیسے کیسے خوش پوش اور کیسے کیسے خوش ظاہر نظر آتے ہیں۔ وَ اِنْ …… لِقَوْلِهِمْ۔ جاذب توجہ اُن کی تقریر کی ظاہری شستگی اور آراستگی ہوگی — آج بھی منافقوں، زندیقوں، بے دینوں کے مجمع میں کیسے کیسے خوش تقریر، خوش تحریر، خطیب وادیب نظر آتے ہیں! ف۶ (دین حق سے) قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ۔ عربی زبان میں ایک بددعاء کا کلمہ ہے۔ ایک مومن آج جب قرآن مجید میں منافقین کی ایسی ایسی تکلیف دہ اور مسلم آزار کیفیتیں سنتا ہے، تو قدرۃً اس کے دل میں اُن کی طرف سے سخت غصہ پیدا ہوتا ہے، اور جوش میں بیساختہ اُن پر لعنت بھیجنے کو جی چاہتا ہے۔ قرآن مجید نے بکمال بلاغت عین موقع پر بندوں کے جذبات کی ترجمانی کردی — یہ نکتہ حکیم الامت تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے اپنی مجلس میں یہ کہہ کر ارشاد فرمایا، کہ یہ اُن کے بڑے گھر میں جو کچھ ایسی پڑھی لکھی بھی نہیں، اُن سے بیان فرمایا۔ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ۔ منافق کا ضمیر اُسے کبھی چین نہیں لینے دیتا۔ افشائے راز اور کشف حقیقت کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا ہے وہ ہر چرچے کو اپنے ہی متعلق سمجھتا ہے۔ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ۔ یعنی ایسے لوگ اسلام اور مسلمانوں کے بڑے سخت دشمن ہیں، اُن کے مکر وکید و ضرر رسانی سے ہمیشہ ہوشیار رہنا۔ هُمُ الْعَدُوُّ۔ یعنی بڑے سخت دشمن اے الکاملون فی العدواۃ (مدارک) ف۷ حاصل یہ کہ نفاق کے ساتھ ساتھ مرض رعونت وخود بینی میں بھی یہ لوگ مبتلا تھے۔ اور اسی لیے نہ کسی قسم کی معذرت کی ضرورت سمجھتے تھے نہ توبہ واستغفار کی۔ ف۸ (جو فسق عملی واعتقادی میں غرق ہو چکے ہیں، اور قبول حق وہدایت کا قصد ہی نہیں کرتے) قرآن مجید حق تعالیٰ کے اس قانون تکوینی کی تکرار بار بار کر چکا ہے، تاکہ بندوں کو خوب اس کا استحضار رہے۔ سَوَاۗءٌ …… لَهُمْ۔ رسول تک کے استغفار کی شرط قبولیت وجود ایمان ہے۔ جو دل ایمان ہی سے خالی ہیں، اُن کے لیے رسول اللہ تک کا استغفار لاحاصل ہے، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اے ماداموا علی النفاق (مدارک) اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہرحال بشر ہی ہیں۔ سید البشر اور کامل الفراست ہونے کے باوجود ممکن ہے کہ اُن کے زبانی دعوے اور ظاہری بیان کا اعتبار کرلیں۔ الْفٰسِقِيْنَ۔ فاسق کے عموم میں کافر، منافق، مستکبر وہ سب جمع ہوگئے۔ جن کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔ اے الذی سبق ذکرهم وهم الكافرون والمنافقون والمستكبرون (کبیر) ف۹ روایتوں میں آتا ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر انصار ومہاجرین کے درمیان بے لطفی اور رنجش ہوگئی تھی۔ منافقین کو موقع مل گیا۔ انصار کے ہمدرد وغمخوار بن کر اُن سے بولے کہ تمہیں نے تو رشتۂ مواخات قائم کر کر کے ان کے حوصلے بڑھا دیئے، اُن کے دماغ خراب کر دیئے، تم آج خرچ دینا بند کردو تو ابھی تو یہ مجمع منتشر ہوا جاتا ہے۔ يَقُوْلُوْنَ۔ منافقین یہ انصار مدینہ سے کہتے تھے۔ مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ اشارہ مہاجرین مکہ کی جانب ہے۔

وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۷﴾ يَقُوْلُوْنَ

کے خزانے البتہ منافقین ہی نہیں سمجھتے ف۱۰ کہتے ہیں کہ

لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا

اگر ہم اب مدینہ میں لوٹ کر جائیں گے تو غلبہ والا وہاں سے مغلوبوں کو نکال باہر

الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

کرے گا ف۱۱ حالانکہ عزت تو بس اللہ ہی کی ہے، اور اس کے پیمبر کی اور ایمان والوں کی،

وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

البتہ منافقین (ہی اس کا) علم نہیں رکھتے ف۱۲ اے

اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ

ایمان والو کہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں،

وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾

اور جو کوئی ایسا کرے گا، تو وہی لوگ تو گھاٹے میں رہنے والے ہیں ف۱۳

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

اور ہم نے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کر لو قبل اس کے کہ تم میں سے

اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى

کسی کی موت آ کھڑی ہو، پھر وہ کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے اور کچھ دن مہلت

اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾

کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کاروں میں شامل ہو جاتا ف۱۴

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ

اور اللہ کسی کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جب اس کی میعاد مقرر آ جاتی ہے اور اللہ کو

ع ۱/۸ ۱۴

ف۱۰ (بلکہ بکمالِ حماقت و نادانی یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ مہاجرین کے رزق کا مدار انصار مدینہ کے چندہ اور عطیہ پر ہے) ف۱۱ یعنی ہم کہ ہمارا شمار مدینہ کے اکابر و اہل اقتدار میں ہے، ان غریب نوواردوں اور مکی پردیسیوں کو اپنے شہر سے نکال باہر کریں گے۔ رَجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ۔ یہ گفتگو مدینہ سے باہر غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر ہو رہی تھی۔ ف۱۲ (کہ غلبہ اور مغلوبی، عزت و ذلت کا حقیقی اور تکوینی معیار کیا ہے) وَ لِلّٰهِ ...... لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ حق تعالیٰ کا غالب اور صاحب عزت ہونا بالذات اور اصالۃً ہے۔ اور ہر صفت کے اعتبار سے بالکل کامل و مکمل ـــ اور رسول ﷺ کا سبب ان کے تعلق اور ربط باللہ کے، اور بلحاظ اُن کے لائے ہوئے کلام کے اعجاز اور اُن کے دین کے دلائل و بینات کے ـــ اور مومنین کا بسبب ان کے تعلق باللہ اور تعلق بالرسول کے اور باعتبار اُن کی فتح و نصرت کے۔ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ۔ عزۃ کے معنی یہاں غلبہ و اقتدار کے ہیں۔ دنیا میں عزۃ یعنی علو و غلبہ کے بڑے اور اصلی مظہر بھی دو ہیں۔ ایک مال، دوسرے جاہ۔ قرآن مجید نے اہل ایمان کو یہ حقیقت بتائی ہے کہ یہ دونوں مقصد، مرکز حقیقی ہی سے تعلق جوڑے رکھنے سے حاصل ہو سکتے ہیں نہ کہ اُس سے کٹ جانے سے ـــ پہلی حقیقت کا اظہار آیت ماقبل میں ہو چکا ہے، اور دوسری حقیقت کا اس آیت میں ہو رہا ہے۔ ف۱۳ (کہ دنیوی لذت، عیش و راحت تو بہر حال ایک دن ختم ہو جانے والی ہیں۔ البتہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں جتنی کوتاہیاں رہ گئیں اس کا وبال باقی رہ جانے والا ہے) عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ اس ذکر الٰہی کی بڑی فرد اطاعت احکام الٰہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مال و اولاد تو خود اسی لیے عطا ہوئے ہیں کہ اللہ سے متعلق جو حقوق عائد ہوتے ہیں انہیں پورا کر کے اپنے مدارج روحانی کی تکمیل کرو۔ لیکن اگر کہیں انہیں چیزوں کو جو ذریعۂ عبادت اور سبب طاعت ہیں۔ تم نے اصل مقصود و مطلوب بنا لیا، تو تم عین گمراہی میں پڑ گئے۔ ف۱۴ یہ قول بطور تمنا و حسرت زبان پر اُس وقت آئے گا، جو عین انکشافِ حقیقت کی گھڑی ہو گی۔ وَ اَنْفِقُوْا۔ یعنی ادائے حقوق واجب میں، طاعتِ الٰہی میں خرچ کرو۔ فَاَصَّدَّقَ۔ ف یہاں حتیٰ کے مرادف ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ کلمۂ لَوْلَا جو ابھی گزر چکا ہے اس کے جواب میں ہے۔

خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع

تمہارے کاموں کی (پوری) خبر ہے ف۱۵

آیاتھا ۱۸ | ۶۴ سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۸ | رکوعاتھا ۲

اس کی اٹھارہ آیتیں | سورۂ تغابن مدینہ میں نازل ہوئی | اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ

اللہ ہی کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کچھ کہ آسمانوں اور جو کچھ کہ زمین میں ہیں، اسی کی

الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ ۫ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾

حکومت ہے اور اسی کی (ہر) تعریف ہے، اور وہی ہر شے پر قادر ہے ف۱

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ

وہ وہی ہے جس نے تم (سب) کو پیدا کیا، سو بعض تم میں سے کافر ہیں اور بعض تم میں سے مومن،

وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

اور اللہ تمہارے (سارے) اعمال کو دیکھ رہا ہے ف۲ اسی نے آسمانوں اور زمین کو

وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ

ٹھیک ٹھیک پیدا کیا اور تمہارا نقشہ بنایا، سو تمہارا (کیسا) اچھا نقشہ بنایا

وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

اور اسی کی طرف (سب کی) واپسی ہے ف۳ وہ سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں،

وَ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

اور وہ سب کچھ جانتا ہے جو تم پوشیدہ کرتے ہو اور جو تم علانیہ کرتے ہو اور اللہ تو دلوں تک کی بات

ع ۲/۱۴

ف۱۵ (اس کے ہاں جزاء و سزا میں کسی غلطی کا امکان نہیں) وَلَنْ ...... اَجَلُهَا۔ یہاں یہ بتادیا کہ جب وہ وقت موعود آجائے گا، تو ساری حسرت وتمنا بیکار رہے گی۔ ف۱ (اور وہی ساری صفاتِ کمال وجمال کا جامع ہے) يُسَبِّحُ ...... الْاَرْضِ۔ یہ تسبیح ہر مخلوق کی اس کے مرتبۂ وجود کے مطابق ومتناسب ہوگی، کہیں زبانِ حال سے کہیں زبانِ قال سے۔ لَهُ الْمُلْكُ۔ حکومت وملکیت صرف اسی ذات پاک کی ہے۔ وَلَهُ الْحَمْدُ۔ محمودیت کی مرکز صرف وہی ذات پاک ہے۔ ف۲ اس لیے حشر وجزائے اعمال کے وقت سب یکساں ہوں گے۔ خَلَقَكُمْ۔ خطاب عام نوع بشری سے ہے۔ مرتبۂ مخلوقیت میں سب یکساں ہیں۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ۔ اور جب وہ سب کا خالق ہے تو اس کی خالقیت کا عین مقتضا یہ تھا، کہ تم سب کے سب اس کے مطیع ہوتے۔ فَمِنْكُمْ ...... مُّؤْمِنٌ۔ بشر کے درمیان حقیقی اور بنیادی تفریق صرف مومن وکافر کی ہے۔ ایک طرف چین کے مسلم، مصر کے مسلم، ہند کے مسلم، امریکہ کے مسلم، آسٹریلیا کے مسلم۔ رنگ کے، نسل کے، زبان کے، وطن کے اختلافات کے باوجود سب کے سب مسلم۔ اور دوسری صف میں ساری دنیا کے کافر۔ بس حقیقی قومیں کل یہی دو ہیں — مومن وکافر یا مطیع وسرکش یا مسلم ومنکر۔ ف۳ یہاں جتنی صفات الٰہی بیان ہوئی ہیں، بہت سی آیات قرآنی کی طرح، ان میں سے ہر صفت کا اثبات کسی نہ کسی مشرکانہ گمراہی کی تردید، کسی نہ کسی جاہلی عقیدہ کے ابطال ہی میں ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ آسمان وزمین نہ دیوی دیوتا ہیں، نہ خود آفریدہ بلکہ حق تعالیٰ کے خلق کیے ہوئے ہیں، جس طرح اور ساری مخلوق ہے۔ بِالْحَقِّ۔ یہ سارا کارخانہ کائنات، جس کی پوری پیمائش کسی بندہ سے نہ آج تک ہو سکی ہے، نہ آئندہ کبھی ہو سکے گی، یوں ہی بلا مقصد، محض تماشہ وتفریح کی خاطر وجود میں نہیں لے آیا گیا ہے، بلکہ مخصوص ومتعین اعلیٰ مقاصد ہی کے ماتحت ایک حکیم مطلق کے ارادہ وتجویز کے مطابق وجود میں لایا گیا ہے۔ وَصَوَّرَكُمْ۔ مادہ وروح، ہیولیٰ اور صورت، سب کا خالق وموجد وہی ہے۔ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔ انسان کی خلقت وترکیب سب بہترین آئین حکمت کے مطابق ہے۔ محض اتفاقی اجتماع عناصر کا نتیجہ نہیں۔ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔ ہر مخلوق کو اپنی زندگی کی میعاد پوری کر کے واپس بھی اسی کے حضور میں ہونا ہے۔ کسی اور دیوی دیوتا، ابن اللہ وغیرہ سے سابقہ پڑنا نہیں ہے۔

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴﴾ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

خوب جاننے والا ہے ؀۴ کیا تمہیں اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو (تم سے) قبل کفر

مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ

کر چکے ہیں سو انہوں نے اپنے کرتوت کا وبال چکھا اور اُن کے لئے عذاب

اَلِيْمٌ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ

دردناک ہے ؀۵ یہ اس سبب سے کہ اُن کے پاس اُن کے پیمبر کھلے ہوئے نشان

بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا

لے کر آئے اس پر وہ بولے کہ کیا انسان ہم کو ہدایت کریں گے؟ غرض انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا،

وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۶﴾ زَعَمَ الَّذِيْنَ

اور اللہ نے (ان کی کچھ) پروا نہ کی، اور اللہ بے نیاز ہے ستودہ صفات ہے ؀۶ جو لوگ کافر ہیں اُن کا

كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ

خیال ہے کہ وہ (دوبارہ) اُٹھائے نہ جائیں گے آپ (اُن سے) کہئے ضرور، اور قسم ہے میرے پروردگار کی،

ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

تم ضرور اُٹھائے جاؤ گے، پھر جو کچھ تم کر چکے ہو اس کی تمہیں خبر دی جائے گی، اور یہ اللہ پر (بالکل)

يَسِيْرٌ ﴿۷﴾ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِيْٓ

آسان ہے ؀۷ تو اب اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اُس نور پر بھی جو ہم نے

اَنْزَلْنَا ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ

نازل کیا ہے اور اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے ؀۸ وہ دن (یاد رکھو جب) وہ تمہیں اس جمع کرنے والے

لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ

دن میں جمع کرے گا یہی (دن) بے نقصان (ونفع) کے ظاہر ہونے کا دن، اور جو کوئی اللہ پر ایمان

؀۴ حاصل یہ کہ اُس کی قدرت کی طرح اُس کی صفت علم بھی کامل و مکمل ہے، جزئیات وکلیات، غیب وشہادت سب پر یکساں حاوی۔ ؀۵ (آخرت میں) یعنی وبال عاجل کے علاوہ، جس کا مشاہدہ ہر شخص اوراق تاریخ کی مدد سے کرسکتا ہے، ان سرکش و نافرمان قوموں کے لیے آخرت کا عذاب آجل بھی ہے۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ۔ اس میں وہ تمام قومیں آگئیں، جو اسلام سے قبل دنیا میں نمودار ہوئیں، اور خدائی قانون کی مخالفت کر کر کے دنیا سے نابود ہوگئیں۔ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ۔ یعنی اسی دنیا میں اپنے کفر وطغیان کا مزہ چکھا، اور ہلاک و برباد ہوکر رہے۔ ؀۶ (اُس کو نہ کسی کی طاعت سے نفع، نہ کسی کی معصیت سے ضرر) فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا۔ وہ لوگ حیرت وانکار کے لہجہ میں بولے کہ بھلا بشر بھی کہیں ہادی ورہنما ہوسکتا ہے؟ کوئی دیوی دیوتا ہوتا تو خیر ایک بات بھی تھی۔ بشریت کو جاہلی قوموں نے ہمیشہ رہبری ورہنمائی کے منافی سمجھا ہے، اور وہی ذہنیت آج تک چلی آرہی ہے۔ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔ آیت اُن جاہلی قوموں کے رَد میں ہے جن کے عقیدہ میں دیوتا بھی اپنے پجاریوں کے درجۂ اقرار وانکار، عبودیت واعراض سے متاثر ہوتے رہتے تھے۔ ذٰلِكَ۔ اشارہ وبال دنیوی وعذابِ آخرت دونوں کی جانب ہے۔ اشارة الى ما ذكر من الوبال الذى ذاقوه فى الدنيا و ما اعدّلهم من العذاب فى الأخرة (مدارک) ؀۷ بَلٰى وَرَبِّيْ۔ کے ٹکڑے سے مقصود عربی اسلوب بیان کے مطابق تاکید کلام اور وقوع حشر میں قطعیت کا پیدا کرنا ہے، وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۔ حق تعالیٰ کی قدرت وعظمت کا استحضار اگر ذہن میں رہے، تو وقوع حشر میں کوئی استبعاد ذرا سا بھی نہ رہے۔ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ لفظ زَعَمَ سے اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ منکروں کا یہ قول بلادلیل محض اٹکل اور خیال سے ہے۔ ؀۸ کوئی عمل نفاق، کوئی عمل کفر اُس کی نگاہ سے مخفی نہیں۔ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا۔ مراد قرآن کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ

رکھتا ہو گا اور نیک کام کرتا ہو گا اللہ اُس کے گناہ اس سے دور کر دے گا

وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور اُسے باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٩﴾

اُن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی ہی کامیابی ہے ف٩

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور جو لوگ کافر رہے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے رہے تھے، یہ لوگ

النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٠﴾ ع مَآ

دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور برا ٹھکانہ ہے کوئی

ع ١٥

اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ

مصیبت ایسی نہیں آتی جو بجز اللہ کے حکم کے ہو اور جو کوئی

يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اُسے راہ دکھا دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب ہی

عَلِيْمٌ ﴿١١﴾ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ

جانتا ہے ف١٠ تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی پھر اگر

تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٢﴾ اَللّٰهُ

تم نے روگردانی کی تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے ف١١ اللہ وہی ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٣﴾

جس کے سوا کوئی خدا نہیں، اور ایمان والے بس اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں ف١٢

ف٩ (جس کے سامنے دنیا کی بڑی سی بڑی ممکن کامیابی بھی ہیچ محض ہے) ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ۔ یعنی وہ دن کافر ومنکر کی حسرت وزیاں کا ہوگا، اور مومن کی راحت ومسرت کا۔ وَمَنْ...... سَيِّاٰتِهٖ۔ آیت اُن خارجی اور نیم خارجی گروہوں کے مزید رد میں ہے، جو معصیت کو ایمان کے منافی سمجھتے ہیں۔ مومن سے اگر گناہ سرزد ہی نہ ہوں، تو یہ کفارہ کاہے کا ہوگا؟ اور قرآن مجید مومنین کے کفارۂ معاصی کا بار بار اثبات ہی کیوں کر رہا ہے؟ وَيَعْمَلْ...... سَيِّاٰتِهٖ۔ قرآن مجید کی یہ بار بار کی بشارت کہ نیکیاں گناہوں کے محو کرنے میں وہ کام دیں گی، جو پنسل کی تحریر کے حق میں ربڑ کرتی ہے۔ ہم عاصیانِ اُمت کے لیے کتنی بڑی بشارت ہے! ف١٠ (بشری ضروریات وجذبات کا کونسا جزئیہ اس سے پوشیدہ رہ سکتا ہے؟) مَا...... اللّٰهِ۔ اس خیال کا استحضار مصیبت زدوں کے لیے کتنی بڑی تسلی وتسکین کا باعث اور جادۂ تسلیم ورضاء پر قائم رکھنے میں کتنا زیادہ معین ہو سکتا ہے! بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اذن سے مراد اس سیاق میں حکم تکوینی ہے، جو مرضیٔ الٰہی کو مستلزم نہیں۔ اے بعلمه و تقديره و مشية (مدارک) قال ابن عباس بعلمه و قضائه (کبیر) وَمَنْ...... قَلْبَهٗ۔ ایمان باللہ میں تاثیر ہی یہ ہے کہ وہ قلب کو تسلیم ورضاء کا راستہ دکھاتا رہے — جس کا درجۂ ایمان جتنا زیادہ مستحکم و بلند، اُسی قدر ہجوم مصائب کے وقت سکون قلب بھی اُس کو زیادہ نصیب۔ چیز تجربہ کی ہے، جو چاہے تجربہ کر دیکھے۔ ف١١ (اور وہ فریضۂ تبلیغ سے ادا ہو چکے) وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ اطاعت حق تعالیٰ کی تو براہِ راست اور اصالۃً مقصود ہے اور رسول ﷺ کی اُس کے نائب معصوم کی حیثیت سے۔ ف١٢ (خواہ وہ مصیبت اُن پر محض تکوینی حیثیت سے، بیماری، قحط وغیرہ کے سلسلہ میں آپڑے، خواہ راہِ حق پر رہنے کے سلسلہ میں مخالفین ومعاندین کی طرف سے اُن پر ستم توڑے جائیں)۔

و۱۳ (کہ کہیں تم اُن کی محبت طبعی میں غلو کے باعث معاصی میں جتلا نہ ہونے لگو) یعنی بعض اوقات بیوی بچوں کی محبت مفرط ہی غلط راستہ پر ڈال دیتی ہے اور انسان اُن کی پُر معصیت فرمائشوں کی تعمیل میں لگ جاتا ہے۔ سو ایسے بیوی بچوں سے ہوشیار اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اُوپر مصیبتوں کا ذکر تھا کہ وہ کہیں تمہیں راہِ تسلیم و رضا سے ڈگا نہ دیں۔ اب نعمتوں کا ذکر ہے کہ کہیں اُن میں پڑ کر احکامِ خداوندی کی طرف سے غافل نہ ہو جاؤ اور اس سلسلہ میں صراحت کے ساتھ ذکر صرف بیوی بچوں کا کیا ہے کہ حقیقۃً یہی دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہیں۔ اور انسان کو طبعی کشش بھی انہیں کی جانب سب سے زیادہ ہوتی ہے — مومن و مسلم کا کام ہر حال اور ہر کیفیت میں، چاہے وہ مصیبت ہو یا راحت، آفت ہو یا نعمت، یہی ہے کہ اپنے رشتۂ عبدیت کو اپنے مالک و مولیٰ کے ساتھ یکساں جوڑے رہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ

اے ایمان والو تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد ہی میں سے

عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا

تمہارے دشمن ہیں، سو اُن سے ہوشیار رہو و۱۳ اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر جاؤ

وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ

اور بخش دو تو اللہ بڑا بخشنے والا ہے بڑا رحم کرنے والا ہے و۱۴ تمہارے مال

وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اور تمہاری اولاد تو بس آزمائش ہی (کی چیزیں) ہیں اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے و۱۵

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا

سو اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے اور سنتے رہو اور اطاعت کرتے رہو،

وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ

اور اپنے حق میں بھلائی کے لئے خرچ کرتے رہو و۱۶ اور جو کوئی محفوظ رہا

نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا

حرص نفسانی سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں و۱۷ اگر تم اللہ کو اچھی طرح

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ

قرض دو گے تو وہ اُس کو تمہارے لئے بڑھاتا چلا جائے گا اور تمہیں بخش دے گا، اور

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

اللہ بڑا قدرداں ہے بڑا بردبار ہے و۱۸ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے،

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

زبردست ہے، حکمت والا ہے و۱۹

عَدُوًّا۔ عدو کے معنی بدخواہ کے ہیں، خواہ وہ بدخواہی عمداً ہو یا نادانستہ۔

و۱۴ (بس تمہارا معاف کرنا اور رحمت و مہربانی سے کام لینا تو عین اخلاقِ الٰہی کی پیروی کرنا ہے) وَاِنْ تَعْفُوْا۔ یعنی جب تمہاری بیوی بچے توبہ، ندامت و معذرت سے کام لینے لگیں، اور تم انہیں معاف کرنے لگو۔ وَتَصْفَحُوْا۔ یعنی نہ سزا دو اور نہ زیادہ مواخذہ و ملامت ہی کرو۔ وَتَغْفِرُوْا۔ یعنی دل اور زبان سے بھی اُن کے قصور کو بھلا دو۔ آیت میں صاف تعلیم مل رہی ہے کہ بیوی بچوں کا رکھ رکھاؤ اگر صحیح اسلامی طریقہ پر نہ کیا گیا تو یہی لوگ جو اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمتیں ہیں، انسان کے دشمن اور بدخواہ بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ وَاِنْ…… رَّحِيْمٌ۔ اس میں صاف ترغیب ان قصوروار بیوی بچوں کو معاف کر دینے اور اُن سے درگزر کرنے کی مل رہی ہے۔ و۱۵ (اور یہ اجر عظیم اُن لوگوں کا حصہ ہے جو ان طبعی نعمتوں کا استعمال صحیح طور پر کرتے ہیں) اِنَّمَا…… فِتْنَةٌ۔ یہاں یہ بتا دیا کہ مال و اولاد کا اگر صحیح استعمال کیا جائے۔ تو یہ تو عین عبادت ہے لیکن اگر غلط اور بیجا قسم کا کام لیا گیا، تو یہی تمہارے حق میں مصیبت بھی بن جائیں گے۔ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ۔ ضمیر جمع مخاطب سے مراد اگر افراد اُمت کے بجائے اُمت بحیثیت مجموعی سمجھی جائے، تو آجکل کے ماہرینِ فن و مبصرین کا یہ بیان پیش نظر رہے کہ فتنۂ جنگ کے سب سے بڑے اسباب یہی دو ہیں — افراطِ زر، و افراط آبادی!

و۱۶ اور اپنے حق میں بھلائی یہی کہ تعمیل احکامِ الٰہی میں خرچ کرتے رہو۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ تقویٰ الٰہی کے حکم کے ساتھ اسی مَا اسْتَطَعْتُمْ کی قید نے تعمیل حکم ہم ضعیف و ناتواں بندوں کے لیے بہت آسان کر دی، ورنہ ظاہر ہے کہ جو حق تقویٰ الٰہی کا ہے، وہ کون ادا کر سکتا ہے۔ صوفیۂ محققین نے مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ سے یہ استنباط کیا ہے کہ سلوک و اصلاح نفس میں تدریجی اقدام کافی ہے۔ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا۔ یعنی احکامِ الٰہی سنتے رہو، اور اُن کی اطاعت کرتے رہو۔ و۱۷ (دنیا و آخرت دونوں میں) لفظ فلاح بہت ہی وسیع و جامع ہے۔ عاجل و آجل، مادی و روحانی، انفرادی و اجتماعی ہر قسم کی بھلائیاں اس کے اندر آ گئیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر البقرۃ، رکوع اول میں هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ پر حاشیہ۔ وَمَنْ…… نَفْسِهٖ۔ یعنی وہ شخص خرچ کے موقعوں پر خوش دلی کے ساتھ خرچ کرتا رہا۔ و۱۸ لفظ قرض پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ قَرْضًا حَسَنًا۔ یعنی اخلاص قلب کے ساتھ قرض دے گا۔ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ۔ اللہ کو قرض دینا یہی ہے کہ دولت اس کے بتائے ہوئے موقعوں پر اس کے احکام کے مطابق خرچ کی جائے۔ اُسے لفظ قرض سے تعبیر کرنا حکم کی اہمیت کے اظہار اور تاکید و ترغیب کے لیے ہے۔ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ وہ قدرداں ایسا کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے بھی عمل صالح کو قبول کر لیتا ہے، اور بردبار ایسا کہ بڑی سے بڑی نافرمانیوں پر بھی گرفت فی الفور نہیں کرتا۔ و۱۹ ان سب صفاتِ الٰہی کا اثبات بھی، پچھلے موقعوں کی طرح، جاہلی قوموں کے عقائد باطلہ کے رَدّ میں ہے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ سب کچھ اس پر روشن — یہ نہیں کہ خفیف جزئیات اُس کی نگاہوں سے مخفی رہ جائیں۔ یا یہ کہ اُس کے سامنے کوئی جھوٹا عذر چل سکے۔ الْعَزِيْزُ۔ وہی سب پر غالب و حاکم — یہ نہیں کہ "کرم" (قانون مکافات) وغیرہ کی کوئی دفعہ اس کے ارادہ و مشیت پر بھی غالب آ جائے۔ الْحَكِيْمُ۔ اُس کا ہر ہر فیصلہ حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتا ہے — یہ نہیں کہ کبھی اُس پر سہو، نسیان، غفلت طاری ہو جائے۔

ایاتہا ١٢ ٦٥ سُوْرَۃُ الطَّلَاقِ مَدَنِیَّۃٌ ٩٩ رکوعاتہا ٢

اس کی بارہ آیتیں سورۂ طلاق مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡہُنَّ

اے نبی (لوگوں سے کہہ دیجئے) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو اُن کو اُن کی عدت پر

لِعِدَّتِہِنَّ وَ اَحۡصُوا الۡعِدَّۃَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمۡ ۚ لَا

طلاق دو ف١ اور عدت کو خیال میں رکھو اور اپنے پروردگار اللہ سے ڈرتے رہو ف٢ انہیں

تُخۡرِجُوۡہُنَّ مِنۡۢ بُیُوۡتِہِنَّ وَ لَا یَخۡرُجۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ

اُن کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں ف٣ بجز اس صورت کے کہ

یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ؕ وَ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ

وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں ف٤ یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں

وَ مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَہٗ ؕ

اور جو کوئی اللہ کے حدود سے تجاوز کرے گا اُس نے اپنے اُوپر ظلم کیا

لَا تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا ﴿۱﴾

تجھے خبر نہیں شاید کہ اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے ف٥

فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَہُنَّ فَاَمۡسِکُوۡہُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ

پھر جب وہ اپنی میعاد کو پہنچنے لگیں تو انہیں (یا تو) قاعدہ کے مطابق (نکاح میں) رہنے دو،

اَوۡ فَارِقُوۡہُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَّ اَشۡہِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ

یا انہیں قاعدہ کے مطابق رہائی دو ف٦ اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ

ف١ بلاشمار عدت سے قبل، حالتِ طہر میں۔ عدت کی میعاد تین حیض ہیں (جیسا کہ سورۃ البقرۃ کے حاشیوں میں صاف کہا جاچکا ہے) حیض سے قبل طلاق دینے میں مصلحت یہ ہے کہ پورے تین حیض شمار میں آجائیں گے اور حساب میں کچھ گڑبڑ نہ ہوگا۔ ورنہ اگر دورانِ حیض میں طلاق دی تو لامحالہ یا تو اس حیض کا کچھ حصہ چھوڑنا پڑے گا، اور یا اُسے ملانا پڑے گا۔ دونوں صورتوں میں عدت کی اصل میعاد (تین حیض) سے کچھ نہ کچھ کمی یا زیادتی ضرور کرنی پڑے گی۔ یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ۔ خطاب براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے ہونے کی حکمت بعض علماء نے یہ لکھی ہے کہ افرادِ امت تو تبعًا اس میں شامل ہو ہی جائیں گے۔ اور صالحین وشرفاء کو اس میں عار بھی نہ آئے گا کہ ضرورت تو جب حضور ﷺ کو بایں رافت وحلم پڑ سکتی ہے (بلکہ واقعۃً پڑی تھی) تو دوسروں کا کیا ذکر ہے۔ اکتفاء بعلم المخاطبین بان ماخوطب به النبی ﷺ خطاب لهم اذ کانوا مامورین بالا قتداء به (جصاص) اور یہ ترکیب بھی صحیح مانی گئی ہے کہ قُلۡ لِاُمَّتِکَ یہاں محذوف ومقدر ہے۔ تقدیرهٗ یایها النبی قل لامتک (جصاص) اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ۔ النساء سے وہ بیویاں مراد ہیں جن کے ساتھ صحبت حقیقۃً یا حکمًا ہوچکی ہو۔ لِعِدَّتِہِنَّ۔ حذف مضاف ہے۔ یعنی فی قبل عدتهن ای طلقوهن مستقبلات لعدتهن (مدارک) ایک فقہی اختلاف خود لفظ قبل کی تشریح میں ہوا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس کے معنی آمد واستقبال کے ہیں۔ شافعیہ نے مراد ابتداء لی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ لِ توقیت یا اظہار وقت کا ہے۔ یعنی وہ وقت جس سے عدت بلاتردد شمار کی جاسکے۔ ف٢ یعنی عبادات ہی کی طرح ان دنیوی معاملات اور قانونی احکام میں بھی یاد رکھو کہ یہ بھی سب خدائے قادر مطلق ہی کے دیئے ہوئے ہیں۔ جس کے ارشادات کا ایک ایک جزئیہ اپنی جگہ پر پوری اہمیت رکھتا ہے ــــ اور پھر وہ اللہ بھی کیسا تمہارا پروردگار! ہر ہر حکم اور ہر ہر ہدایت میں تمہاری ہی تربیت کا، تمہاری ہی مصلحتوں کا لحاظ رکھنے والا! وَ اَحۡصُوا الۡعِدَّۃَ۔ یعنی طلاق دینے کے بعد زمانۂ عدت کو دھیان میں رکھو، اس حساب میں گڑبڑ نہ ڈالو۔ فقہاء حنفیہ نے کہا ہے کہ طلاق اگر حالت حیض میں دے دی ہے تو رجوع کرنا واجب ہے، اس لیے کہ وہ وقت عدت نہیں، فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس حکم کے اندر تین طلاقیں دفعۃً دے بیٹھنے اور طلاق حالت حیض میں دینے، دونوں کی ناپسندیدگی ضمنًا آگئی ہے۔ ف٣ یعنی اُن گھروں سے جن میں وہ طلاق کے وقت رہ رہی تھیں۔ بُیُوۡتِہِنَّ۔ سے مراد وہی شوہروں کے گھر ہیں، جن میں بیویاں رہتی ہوتی ہیں۔ انہیں بجائے شوہروں کے بیویوں کی جانب منسوب اس لیے کیا کہ ان میں رہتی تو وہی لوگ تھیں۔ و هی بیوت الازواج واضیفت الیهن لاختصا صها من حیث السکنٰی (مدارک) آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مطلقہ کا یہ حق سکونت مکان محض حق العبد نہیں، جس کا معاف کردینا خود مطلقہ کے اختیار میں ہو۔ وَ لَا یَخۡرُجۡنَ۔ فقہاء نے اس سے یہ نکالا ہے کہ زمانۂ عدت بھر عورت کو باہر نہ نکلنا چاہیے بلکہ اپنے اسی مکان میں عدت میں قیام واجب ہے۔ و فیه دلیل علٰی وجوب السکنٰی لها ما دامت فی العدة (جصاص) زمانۂ عدت بھر منکوحہ کی طرح مطلقہ کا بھی حقِ سکونت مکان قائم رہتا ہے۔ ف٤ (جب البتہ بطور سزا نکالی جائیں گی) فَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ۔ اس کے تحت میں بدکاری اور چوری دونوں آگئیں۔ بعض محققین نے زبان درازی کو بھی جس سے گھر میں ہر وقت کوفت ورنجش اور تکرار رہے اس میں داخل کیا ہے۔ ف٥ (تیرے دل میں) خطاب یہاں طلاق دینے والے اور طلاق میں عجلت کرنے والے سے ہے کہ کیا معلوم آگے چل کر تجھے اپنے عاجلانہ عملِ طلاق پر ندامت ہی ہو۔ بَعۡدَ ذٰلِکَ۔ یعنی بعد ایقاع طلاق۔ آیت میں صاف ترغیب اس کی موجود ہے کہ تینوں طلاقیں دفعۃً واقع نہ کر دی جائیں۔ اس لیے کہ طلاق مغلظہ کے بعد پھر کوئی موقع تدارک کا باقی نہ رہے گا (بجز صورت حلالہ کے) دوسرے ائمہ کے ہاں تو دفعۃً تین طلاقیں ایک ہی طلاق کے حکم میں رہیں گی۔ حنفیہ کے ہاں قانونًا واقع ہوجائیں گی۔ لیکن فقہاء حنفیہ نے یہ لکھا ہے کہ ایسی طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَہٗ۔ اور یہ اپنے حق میں ظالم شخص اس ظلم نفس کے نتیجے بھی بھگتے گا۔ تِلۡکَ ...... نَفۡسَہٗ۔ قرآن مجید نے اپنے عام معمول کے مطابق یہاں بھی بندوں کو ڈرایا ہے کہ بندوں کے آپس کے معاملات کو امر خفیف نہ سمجھیں۔ اللہ کے ان احکام سے بھی بے پروائی پوری طرح قابل مؤاخذہ ہے۔ محققین نے آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ جس امر کی مختلف شقوں میں مختلف مصالح ہوں، اُن کے انتظامی فیصلہ میں جلدی نہ کی جائے۔ ف٦ مطلب یہ ہوا کہ انہیں طلاق ہی دینا ہو، تو ہر نشیب وفراز خوب سوچ سمجھ کر تین مہینہ کی لمبی مہلت لے کر دو۔ اور انہیں شریفانہ طور پر عزت کے ساتھ رخصت کردو۔ ورنہ پھر طلاق رجعی سے رجوع کر کے انہیں عزت وشرافت کے ساتھ اپنی بیوی بنے رہنے دو۔ یہ نہ ہو کہ محض ستانے کے لیے انہیں قید نکاح میں معلق رکھو ــــ غرض یہ کہ علیحدگی ہو تو، اور یکجائی بدستور رہے تو، دونوں صورتوں میں عزت وشرافت کا سررشتہ کسی طرح بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ ھُنَّ۔ یہ ضمیر جمع مؤنث جہاں جہاں آئی ہے، اس سے مراد وہی بیویاں ہیں، جنہیں طلاق صرف رجعی ہوئی ہے۔ اور رجوع کی گنجائش ابھی باقی ہے۔

مِّنۡكُمۡ وَ اَقِيۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمۡ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ
ٹھہرا لو اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے دو، اس (مضمون) سے اُس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو

كَانَ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۙ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ
اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے ف٧ اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے

يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۙ‏ ﴿۲﴾ وَّ يَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ
اللہ اس کے لئے کشائش پیدا کر دیتا ہے، اور اُسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اُسے گمان بھی

لَا يَحۡتَسِبُ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ؕ
نہیں ہوتا ف٨ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے گا سو اللہ اس کے لئے کافی ہے

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمۡرِهٖ ؕ قَدۡ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَىۡءٍ
اللہ اپنا کام (بہر حال) پورا کر کے رہتا ہے، اللہ نے ہر شے کا ایک انداز مقرر

قَدۡرًا‏ ﴿۳﴾ وَالّٰٓـئِىۡ يَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِيۡضِ مِنۡ نِّسَآئِكُمۡ
کر رکھا ہے ف٩ اور تمہاری مطلقہ بیویوں میں سے جو حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہیں

اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشۡهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـئِىۡ لَمۡ
اگر تمہیں شبہ ہو تو اُن کی عدت تین مہینے ہیں ف١٠ اور (اسی طرح) اُن کی بھی

يَحِضۡنَ ؕ وَاُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ يَّضَعۡنَ
جنہیں ابھی حیض نہیں آیا ف١١ اور حمل والیوں کی میعاد اُن کے حمل کا

حَمۡلَهُنَّ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ
پیدا ہو جانا ہے ف١٢ اور جو کوئی اللہ سے تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ اُس کے (ہر) کام میں آسانی

يُسۡرًا‏ ﴿۴﴾ ذٰلِكَ اَمۡرُ اللّٰهِ اَنۡزَلَهٗۤ اِلَيۡكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ
پیدا کر دے گا ف١٣ یہ حکم ہے اللہ کا جو اُس نے تمہارے پاس بھیجا ہے، اور جو کوئی اللہ سے تقویٰ

ف٧ (اور اسی میں ایمان بالرسول بھی آگیا) وَاَشۡهِدُوۡا۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں صیغۂ امر وجوب کے لیے نہیں، محض استحباب کے لیے ہے۔ هذا الاشهاد مندوب اليه (مدارک) و هذا امر ندب (روح) دو عادل گواہوں کا یہ حکم استحبابی رجوع وافتراق دونوں صورتوں کے لیے ہے۔ امر بالاشهاد على الرجعة والفرقة ايهما اختار الزوج (جصاص) يعنى الرجعة والفرقة جميعًا (مدارک) اور دونوں صورتوں میں گواہیاں کرالینا، تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ بہت سے جھگڑوں سے بچنے کے لیے مفید ہی ہوتا ہے۔ وَاَقِيۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ۔ یعنی شہادت بالکل سچی، محض حق تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ہو۔ کسی کی رُورعایت، کسی کی دوستی، دشمنی کو اس میں دخل نہ ہو۔ ذَوَىۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ۔ گواہوں کو عادل یعنی سچا نہ صرف اس معاملہ بلکہ ہر معاملہ میں ہونا چاہیے۔ ذٰلِكُمۡ يُوۡعَظُ بِهٖ۔ اشارہ ان تمام احکام طلاق ومتعلقات طلاق کی طرف آگیا جو ابھی مذکور ہو چکے ہیں۔ والاولى كما فى الكشف ان يكون اشارة الى جميع ما مر من ايقاع الطلاق (روح) ذٰلِكُمۡ ...... الۡاٰخِرِ۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ ان احکام سے نفع تو صرف وہی اُٹھائیں گے، جن کے دلوں میں حق تعالیٰ کا اور یوم حساب کا استحضار رہتا ہے۔ ف٨ آیت میں صاف اس کی تعلیم ہے کہ دشواریوں اور تنگیوں سے نکلنے کی کنجی تقویٰ الٰہی ہے۔ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا۔ یعنی اُسے ہر قسم کی مشکلات سے نجات دلا دیتا ہے۔ وَيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ۔ قرآن مجید کی جن چند آیتوں کی صداقت وحقانیت پر، اپنے ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی بناء پر بے اختیار وجد کرنے کو جی چاہتا ہے، اُن میں ایک یہ آیت بھی ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسے ایسے راستوں اور وسیلوں سے کھلاتا، پلاتا، آمدنیاں دلاتا ہے کہ اُدھر اُن کا وہم وگمان بھی نہیں جا سکتا تھا — اپنے اور دوسروں کے لیے روز مرہ اس کے مشاہدے ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ کی قید کے بغیر بھی! تقویٰ کے بغیر بھی عجیب عجیب اور حیرت انگیز طریقوں سے روزی پہنچاتا رہتا ہے۔ ف٩ (اور وہ انداز معین ہمیشہ حکمت ہی پر مبنی ہوتا ہے) یعنی خدائی کارخانہ میں کوئی چیز یوں ہی الکل پچو تھوڑے ہی ہو جاتی ہے۔ اس نظام عالم کا ادنیٰ سے ادنیٰ جزئیہ ایک حکیمانہ قانون کا پابند اور اسی سے وابستہ ومنسلک ہے۔ وَمَنۡ ...... حَسۡبُهٗ۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ حق تعالیٰ ہی کی ذات تو تمام اسباب ظاہری کا آخری سرچشمہ اور اُن پر حاکم ومتصرف ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمۡرِهٖ۔ یہاں یہ بتایا کہ جن چیزوں کو تم اسباب عادی سمجھ رہے ہو، اُن کا اسباب عادی ہونا تو تمہارے ہی نقطہ نظر سے ہے۔ حق تعالیٰ تو بہرحال ان قوانین کا یا کوئی بھی قوانین ہوں، اُن کا ہرگز محکوم وپابند نہیں۔ ف١٠ قرآن مجید علاوہ اپنی دوسری حیثیتوں کے ایک فقہی وقانونی کتاب کے لحاظ سے بھی ہر طرح جامع ومکمل ہے۔ بشری ضروریات کا کوئی بھی گوشہ، جو ذرا سی بھی اہمیت رکھتا ہے، اس سے چھوٹنے نہیں پایا ہے — اور حیرت وعبرت دونوں کی بات ہے کہ اپنی اپنی ناقص کتابیں رکھنے والے دوسرے اہل مذاہب اس کمال اور ہنر کو اُلٹا نقص اور عیب شمار کر رہے ہیں! وَالّٰٓـئِىۡ يَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِيۡضِ۔ یہ مایوسی سن کی زیادتی کے باعث بھی ہو سکتی ہے اور مرض سے بھی۔ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ۔ یعنی اُن کی تعیین عدت کے باب میں اگر تمہیں شبہ ہے۔ ف١١ (بسبب کم سنی کے) یہاں یہ بتا دیا کہ ان دونوں قسم کی بیویوں کی عدتِ طلاق کی مدت پورے تین مہینہ ہے۔ ایک فقہی استنباط آیت سے یہ بھی ہوا کہ لڑکیوں کا نکاح قبل بلوغ یا کم سنی میں بھی بالکل جائز ہے — جب طلاق قبل بلوغ ہو سکتی ہے تو ظاہر ہے کہ نکاح تو طلاق سے قبل ہی ہوگا۔ ف١٢ (خواہ یہ وضع حمل اپنی طبعی مدت سے قبل ہی ہو جائے) قرآن مجید کی اس تصریح کے بعد قدرۃً فقہاء بھی سب اس پر متفق ہیں کہ حاملہ مطلقہ کی عدت بس وضع حمل تک ہے۔ لم يختلف السلف والخلف بعدهم ان عدة المطلقة الحامل ان تضع حملها (جصاص) ف١٣ (اگر حسًّا وظاہرًا نہیں بھی، جب بھی معنًا وباطنًا تو ضرور ہی) وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ۔ تقویٰ الٰہی سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام کی پابندی زندگی کے ہر ہر شعبہ میں بلا استثناء رکھی جائے۔

وَ۱۴ گویا اس طرح وہ نفیاً و اثباتاً دونوں طرح مزے میں رہے گا — ایک طرف سلب مضرت " یُکَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ " دوسری طرف جلب منفعت یُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا۔ ذٰلِكَ۔ یعنی جو اُوپر مذکور ہو چکا۔ اشارة الی ما ذکر من الاحکام (روح) وَ۱۵ مثلاً کوئی ایسی بات کرنا کہ وہ پریشان ہو کر گھر چھوڑ دینے پر آمادہ ہو جائیں — عزم افتراق، بلکہ خود افتراق کے بھی معاً بعد شریعت کا حکم ہے کہ عدت بھر سابق بیوی کا اعزاز و اکرام برقرار رکھا جائے۔ اَسْكِنُوْهُنَّ۔ یعنی اُن مطلقہ بیویوں کو زمانہ عدت بھر رہنے کا مکان دو، عام اس سے کہ طلاق رجعی یا بائن ہو چکی ہو۔ وجب ذلک للجمیع من البائن و الرجعی (جصاص) مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ۔ مطلقہ کی سکونت کا مکان (عدت بھر کے لیے) شوہر کی حیثیت و مرتبہ کے لائق ہونا چاہیے۔ وَ۱۶ (خواہ وہ وضع حمل تین مہینہ کے اندر ہی ہو جائے، یا اس سے بہت زیادہ مدت لے) عام مطلقہ بیویوں کے لیے عدت کی میعاد معین تین مہینہ کی ہے لیکن بیوی اگر حاملہ ہے تو اس کی میعاد عدت وہی وضع حمل ہے۔ اولاد اگر دوسرے ہی دن پیدا ہو جائے تو عدت اسی وقت ختم ہو جائے گی۔ اور انتظار زچگی میں اگر چھ مہینہ لگ جائیں، جب بھی عدت ختم نہ ہوگی، قائم رہے گی۔ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ۔ مطلقہ بیویوں کی سکونت کے لیے مکان ہی دینا نہیں، بلکہ عدت بھر اُن کے کھانے پینے وغیرہ کے ضروری مصارف بھی شوہر کے ذمہ واجب ہیں — یہ ہیں اُس شریعت کے احکام جسے ظالموں نے "سخت" مشہور کر رکھا ہے۔ دنیا میں کوئی شریعت، میں بقسم کہتا ہوں کہ ہر مخلوق کے حق میں عدل کرنے والی، اور کمزوروں کے حق میں رحیم و شفیق اسلامی شریعت سے بڑھ کر نہیں مل سکتی۔ صحابیوں میں سے حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور فقہاء میں سے تمام حنفیہ اور بعض دوسرے ائمہ فقہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ مکان سکونت اور نفقہ ہر قسم کی مطلقہ کے لیے زمانہ عدت بھر کے لیے ہے۔ فقال اصحابنا و الثوری والحسن بن صالح لکل مطلقة السکنی و النفقة ما دامت فی العدة حاملًا کانت او غیر حامل وروی مثلهٗ عن عمرؓ و ابن مسعودؓ (جصاص) وَ۱۷ یعنی رضاعت کی اُجرت آپس میں مناسب شرح کے مطابق طے کر لیا کرو — یہ نہ ہو کہ عورت تو اپنی شرح بڑھاتی ہی چلے جائے، اور مرد اتنے کے لیے بھی تیار نہ ہو جس سے عورت اپنا گزر بھی کر پائے۔ یعنی لا تشط المرأة علی الزوج فی ما تطلبه من الاجرة ولا یقصر الزوج لها عن المقدار المستحق (جصاص) وَاْتَمِرُوْا۔ ائتمار باب افتعال سے ہے تفاعل کے معنی میں۔ گویا ایک لفظ سے فریقین کے باہمی مشورہ کی جانب اشارہ کر دیا۔ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ۔ یعنی جو اولاد تم سے ہو، اُس کی رضاعت کرنے کو تیار ہو جاؤ۔ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ یعنی جو معاوضہ طے ہو جائے، اُسے حسب قرارداد دیتے رہو۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی قرارداد نہیں ہوئی ہے، تو اُجرت واجب نہ ہوگی۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب طلاق واقع ہو گئی، تو اب ماں کے لیے اپنی اولاد کی رضاعت پر اُجرت لینا جائز ہے۔ اور باپ (یا جو کوئی ولی ہو، اُس) پر اس اُجرت کا ادا کرنا واجب۔ وَاْتَمِرُوْا بَیْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ۔ مرشد تھانویؒ نے اس سے اہل طریق کے کام کی یہ بات نکالی ہے کہ انسان کو چاہیے نہ خود تنگی میں پڑے، نہ دوسرے کو تنگی میں ڈالے۔ جس سے اپنی یا دوسرے کی آزادی میں خلل پڑے۔ وَ۱۸ یہ تو ایک طبعی چیز ہوئی۔ لیکن فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں خبر بمعنی امر ہے۔ یعنی یہ محض خبر نہیں دی جا رہی ہے، بلکہ حکم دیا جا رہا ہے کہ دوسری اَنا تلاش کر لی جائے۔

اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَ یُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ﴿۵﴾

اختیار کرے گا، اللہ اُس کے گناہ اُس سے دور کر دے گا اور اُس کو بڑا اجر دے گا وَ۱۴

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا

اُن (مطلقات) کو اپنی حیثیت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور انہیں

تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ

تنگ کرنے کے لئے انہیں تکلیف مت پہنچاؤ وَ۱۵ اور اگر وہ حمل والیاں

حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ

ہوں تو انہیں خرچ دیتے رہو اُن کے حمل کے پیدا ہونے تک وَ۱۶ پھر وہ لوگ

اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَیْنَكُمْ

تمہارے لئے رضاعت کریں تو تم انہیں اُن کی اُجرت دو اور باہم مناسب طور پر

بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰی ؕ ﴿۶﴾

طے کر لیا کرو وَ۱۷ اور اگر تم باہم کشاکش کرو گے تو رضاعت کوئی دوسری کرے گی وَ۱۸

لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ

وسعت والے کو خرچ اپنی وسعت کے موافق کرنا چاہئے اور جس کی آمدنی کم ہو

رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا

اُسے چاہئے کہ اُسے اللہ نے جتنا دیا ہے اُس میں سے خرچ کرے اللہ کسی پر اس سے زیادہ بار نہیں ڈالنا چاہتا

مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا ﴿۷﴾ ع وَ كَاَیِّنْ

جتنا اسے دیا ہے، اللہ تنگی کے بعد جلد فراغت بھی دے دے گا وَ۱۹ اور کتنی ہی

مِّنْ قَرْیَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا

بستیاں ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار اور اُس کے پیمبروں کے حکم سے سرتابی کی، تو ہم نے اُن کا

ع ۱۷

وَ۱۹ اولاد پر خرچ کرنا بہت مرتبہ انسان کو اپنے حُبِّ مال کی بناء پر گراں گزرتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض جاہلی اور "مہذب قوموں" نے اولاد پر خرچ کرنے کے مقابلہ میں اولاد کو قتل کر ڈالنا تک گوارا کر لیا ہے، وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ۔ قرآن مجید اس شجر خبیث کی جڑ بار بار کاٹتا ہے۔ لِیُنْفِقْ...... اللّٰهُ۔ یعنی جو امیر ہیں وہ اپنی امارت کے لائق، اور جو غریب ہیں وہ اپنی بساط کے موافق، اولاد کی رضاعت و پرورش پر خرچ کرنے سے دریغ نہ کریں۔

حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸﴾ فَذَاقَتْ

سخت حساب کیا اور انہیں سزا بھی بڑی بھاری دی غرض انہوں نے اپنے

وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿۹﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ

کرتوت کا وبال چکھا ف۲۰ اور اپنے انجام کار میں گھاٹا بھی اُٹھایا اللہ نے اُن کے لئے

لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ ۚ

ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے ف۲۱ سو اللہ سے تقویٰ اختیار کئے رہو، اے سمجھ والو!

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿۱۰﴾ ۙ رَّسُوْلًا

جو ایمان لا چکے ہو ف۲۲ اللہ نے تمہارے پاس نصیحت نامہ اُتارا، (اور ایسا) رسول (بھیجا)

يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ

جو تم کو اللہ کے کھلے ہوئے احکام پڑھ کر سناتا ہے تاکہ اُن لوگوں کو جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ

ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے ف۲۳

وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ

اور جو کوئی اللہ پر ایمان لائے گا، اور نیک عمل کرے گا اللہ اُسے ایسے باغوں میں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ

داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں، اُن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، بے شک

اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ

اللہ نے ایسے شخص کو بہت ہی اچھی روزی دی ہے ف۲۴ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان

سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ

پیدا کئے اور انہیں کی طرح زمین بھی ان (سب) میں (اللہ کے) احکام

ف۲۰ (اسی دنیا میں) دنیا میں کسی قوم پر عذاب آنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ خود وہ قوم یا اس کی تہذیب وتمدن مٹ جائیں۔ ف۲۱ یعنی آخرت میں — اور یہ اُخروی عذاب اس دنیوی عذاب کے علاوہ ہے۔ ف۲۲ (کہ ایمان اور فہم دونوں کا تقاضہ یہی ہے) آج کی ''روشن خیال'' دنیا میں عقل وفہم کے معنیٰ بھی مسخ ہو کر اور اُلٹ کر رہ گئے ہیں۔ اب کمال ''عقل'' کے معنیٰ تمام تر آخرت فراموشی کے سمجھ لیے گئے ہیں۔ ف۲۳ جس طاعت وتقویٰ کی طرف ابھی دعوت دی گئی تھی، وہ یہی ہے کہ انسان کفر، جہل وعصیان کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں سے نکل کر ایمان، علم و عمل صالح کی نورانیت میں آجائے۔ ذِكْرًا ۙ رَّسُوْلًا۔ جائز ہے کہ ذکر سے مراد رسول اللہ ﷺ ہی سے لی جائے کہ آپ گویا مجسم ذکر وتذکیر تھے۔ اور رَّسُوْلًا کو اس کا بدل قرار دیا جائے۔ هو النبى ﷺ عبر به عنه لمواظبته على تلاوة القرآن الذى هو ذكر او تبليغه والتذكير به و رسولا بدل منه (روح) رسولًا بدل من ذكرًا كانه فى نفسه ذكر (مدارک) لیکن عام طور پر ذِكْرًا سے مراد قرآن ہی لی گئی ہے۔ والظاهر ان الذكر هو القرآن والرسول هو محمد ﷺ (بحر) اے القرآن (مدارک) رَسُوْلًا۔ کو جو بعض اہل نحو نے ذِكْرًا کی صفت بھی مانا ہے مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترکیب کے لحاظ سے فرمایا کہ اس سے دلالت دونوں کے اتحاد پر نکلی، اور جب یہ ہے تو اس سے یہ نتیجہ بھی نکلا کہ شیخ طریق جو واسطۂ ذکر ہوتا ہے اس سے مصاحبت ومکالمت منافی ذکر نہیں بلکہ گویا عین ذکر ہی ہے۔ ف۲۴ یہاں ایک بار پھر یقین دلا دیا کہ کسی کا حسنِ عمل اور دوامِ طاعت بے نتیجہ وبے ثمر ہرگز نہیں رہے گا۔

بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ

نازل ہوتے رہتے ہیں، تا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے،

وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿١٢﴾ ع

اور یہ کہ اللہ ہر شے (اپنے) علم سے گھیرے ہوئے ہے ف۲۵

اٰيَاتُهَا ۱۲ ۶۶ سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۷ رُكُوْعَاتُهَا ۲

اس کی بارہ آیتیں سورۂ تحریم مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ

اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے اُسے آپ کیوں حرام کر رہے ہیں،

مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١﴾

اپنی بیویوں کی خوشی حاصل کرنے کے لئے ف۱ اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحیم ہے ف۲

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ

اللہ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کھولنا مقرر کر دیا ہے ف۳ اور اللہ تمہارا کارساز ہے

وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٢﴾ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ

وہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۴ اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب پیمبر نے ایک بات اپنی کسی

اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ

بیوی سے چپکے سے فرمائی پھر جب اُن بیوی نے وہ بات (کسی اور کو) بتلا دی اور اللہ نے پیمبر کو

عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا

اس کی خبر کر دی تو پیمبر نے اُس کا کچھ حصہ بتلا دیا، اور کچھ کو ٹال گئے ف۵ پھر جب

ف۲۵ یعنی حق تعالیٰ کی صفات قدرت وعلم ہر طرح کامل، جامع وہمہ گیر ہیں۔ وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ۔ اس سے عام طور پر یہ استدلال کیا گیا ہے کہ زمینیں بھی تعداد میں سات ہی ہیں۔ اور یہ احتمالات بھی مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ اور دوسرے محققین سے منقول ہیں، کہ ممکن ہے، یہ زمینیں ایسی ہوں جو نظر نہ آتی ہوں یا یہ کہ انہیں کو لوگ مریخ وغیرہ کواکب کے نام سے موسوم کرتے ہوں۔ اور صاحب روح المعانی نے جس کی تاریخ اختتام ۱۲۶۷ھ یا انیسویں صدی عیسوی کا وسط ہے، ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس سے مراد زمین کے سات بڑے خطے امریکہ، ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ ہیں۔ اور محقق موصوف نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ ممکن ہے کرۂ قمر وغیرہ کی مزید تحقیق کے بعد وہاں بھی زمین ثابت ہو۔ اور اس طرح زمینوں کے تعدد پر حس ومشاہدہ کی بھی گواہی ہو جائے۔ اس عاجز کے ذہن میں تو مثلیت کا اصل تعلق عدد سبع سے نہیں بلکہ فعل خلق سے ہے۔ یعنی یہ زمین یا زمینیں بھی آسمان ہی کی طرح مخلوق ہیں — اور یہ کہ ہر آسمان اور ہر زمین پر مخلوق بھی اسی کے ماحول کے متناسب آباد ہے۔ اور دلی مسرت ہوئی، جب ان سطور کی تحریر کے بعد مثلیت کے متعلق یہی قول بعض تفسیروں میں بھی نظر پڑ گیا۔ و قیل المثلیة فی الخلق لا فی العدد ولا فی غیرہ (روح) حدیث میں جو ان زمینوں کا اس زمین کے تحت میں ہونا وارد ہے، ممکن ہے وہ باعتبار بعض حالات کے ہو اور بعض حالات میں وہ زمین سے فوق ہو جاتی ہوں (تھانوی علیہ الرحمۃ) اس عاجز کے خیال میں تو یہ بھی آسانی سے ممکن ہے کہ مراد اسی زمین کی سات پرتوں یا سات تہوں سے ہو کہ اس سطح زمین کے نیچے ۶ پرت یا ۶ تہیں اور ہیں۔ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ۔ نزول احکام سے مراد احکام تشریعی کا نزول بھی ہو سکتا ہے اور احکام تکوینی کا بھی اور دونوں کے مجموعہ کا بھی۔ اسی نزول امر کا آسمانوں پر ملائکہ کے لیے ہوتے رہنا تو ظاہر ہی ہے اور تصرفات تکوینی کا اسی طرح ہر ممکن زمین پر ہوتے رہنا بھی اسی طرح ظاہر ہے۔ لِتَعْلَمُوْٓا الخ۔ یعنی یہ علم تمہیں اس لیے دے دیا گیا، تا کہ تم کو حق تعالیٰ کی قدرت کامل اور علم محیط پوری طرح معلوم ہو جائے۔

ف۱ شانِ نزول کی دو مختلف روایتیں ہیں۔ دونوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی صاحبہ کی دلجوئی کے لیے عہد کر لیا تھا کہ فلاں نعمت سے آئندہ تمتع نہ کریں گے۔ یہ عمل اگرچہ بجائے خود بالکل جائز تھا۔ ہر مسلمان کو اختیار ہے کہ جس حلال چیز سے چاہے ہمیشہ کے لیے دستبردار ہو جائے اور دستبرداری کا اعلان بھی کر دے۔ لیکن یہ پیمبر کی شایانِ شان نہ تھا، اور وہ بھی ایک داعیٔ ضعیف کی بناء پر۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہمرنگ عتاب ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہے کہ کسی حلال چیز کو حرام نہیں فرما رہے تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے بعد صرف وجوب امتناع میں وہ چیز مثل حرام کے ٹھہر رہی تھی، اس لیے تنبیہا اُسے تحریم سے تعبیر کیا گیا۔ ف۲ (جو معصیت تک کو معاف کر دیتا ہے اور پھر یہ عمل تو معصیت کے درجہ کا ہے بھی نہیں، صرف خلافِ عزیمت اور خلاف شانِ پیمبری ہے) ف۳ (تو آپ اگر قسم بھی کھا چکے ہیں، تو کفارۂ حلف دے کر اس سے آزادی حاصل کر سکتے ہیں) روایتوں میں حضرت انس بن مالک کے حوالہ سے آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ میں ایک غلام آزاد فرمایا۔ لَكُمْ...... اَيْمَانِكُمْ۔ ابھی خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے انفرادًا تھا۔ معًا اب اُمت سے بصیغۂ جمع مخاطب ہونے لگا۔ ف۴ (جس نے اپنے علم وحکمت سے کام لے کر تمہاری ضرورتوں اور مصلحتوں کا خیال کر کے دشواریوں کو تمہارے لیے آسان کر دیا ہے) ف۵ یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوج مبارک سے کوئی بات مصلحتًا رازدارانہ ارشاد فرمائی تھی، اور منشائے مبارک یہ تھا کہ پھیلنے نہ پائے۔ لیکن اُن بیوی صاحبہ نے وہ بات ایک دوسری بیوی صاحبہ تک پہنچا دی۔ اور ادھر بذریعۂ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کل واقعہ کی اطلاع کر دی گئی۔ تو پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پہلی بیوی صاحبہ سے اس شکایت کے وقت بھی پوری بات نہ دُہرائی کہ انہیں شرمندگی اور زیادہ ہوتی، بلکہ صرف اتنا ہی جزو فرمایا کہ تم نے ہماری آپس کی بات کو دوسری تک بلا اجازت کیوں پہنچا دیا — کیا ٹھکانہ ہے رسول کے حلم اور کرم وشفقت کا، کہ عین ناگواری کے وقت بھی دوسروں کے جذبات کا اس درجہ خیال! نَبَّاَتْ بِهٖ۔ یعنی اُن بیوی صاحبہ نے اس بات کو ایک دوسری بیوی صاحبہ تک پہنچا دیا۔ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ یعنی حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس ساری کارروائی کو اپنے رسول پر کھول دیا۔

ف ٦ (یعنی حق تعالیٰ نے) قرآن مجید ہی کی طرح رسول اللہ ﷺ کی بات بات میں تعلیم، تربیت واصلاح کے پہلو موجود ہوتے ہیں۔— آپ ﷺ بیوی صاحبہ کے پوچھنے پر جھٹ سے یہ نہیں فرمادیتے کہ "خبر دیتا کون" کیا خود مجھے کشف سے، الہام سے، وحی سے، فرشتوں کے ذریعہ سے نہیں معلوم ہوسکتا"۔ بلکہ اپنے کسی کمال کی طرف اشارہ کیے بغیر اس علم کو منسوب تمام تر حق تعالیٰ کی جانب کردیتے ہیں! مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس علم کو تمام تر حق تعالیٰ کی جانب منسوب کردینے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ بیوی صاحبان توبہ ورجوع کی طرف متوجہ اور زیادہ ہوں۔ ف ٧ (کہ آپ ﷺ کا

نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ

پیمبر نے اُن بیوی کو وہ بات بتلادی تو وہ بولیں کہ آپ کو کس نے اس کی خبر دی؟ آپ نے کہا مجھے خبر دی

الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝۳ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ

ہر علم رکھنے والے اور ہر خبر رکھنے والے نے ف ٦ اے دونوں (بیویو) اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کرلو تو تمہارے دل (اسی طرف)

قُلُوْبُكُمَا ۚ وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ

مائل ہورہے ہیں ف ٧ اور اگر پیمبر کے مقابلہ میں تم کارروائیاں کرتی رہیں، تو پیمبر کا رفیق تو اللہ ہے

وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ بَعْدَ

اور جبریل ہیں اور نیک مسلمان ہیں اور اُن کے علاوہ فرشتے

ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ ۝۴ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ

مددگار ہیں ف ٨ (اور) اگر پیمبر تمہیں طلاق دے دیں تو اُن کا پروردگار تمہارے عوض انہیں

اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ

تم سے بہتر بیویاں دے دے گا، اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں

تٰٓىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓىِٕحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ۝۵

توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں، شوہر دیدہ بھی اور کنواریاں بھی ف ٩

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا

اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے

وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىِٕكَةٌ غِلَاظٌ

جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں ف ١٠ اُس پر تندخو بڑے مضبوط فرشتے (مقرر)

شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا

ہیں وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو وہ اُن کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے

دل دوسری بیوی صاحبوں کی طرف سے ہٹا کر بالکل اپنا بنالیں) یہ امر باعتبار اس کے کہ اس کا اصل مقتضی حبِّ رسول وحبِّ شوہر ہے، قبیح نہیں۔ لیکن چونکہ اس کا ایک دوسرا پہلو دوسروں کے حقوق کا اتلاف بھی ہے، اس لیے اس سے توبہ کرانا ضروری قرار پایا۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) ف ٨ (تو ایسے شخص کو کسی کی سازشوں سے گزند کیا پہنچ سکتا ہے، نقصان جو کچھ ہوگا خود سازش کرنے والوں کا ہوگا) فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ۔ یہ حق تعالیٰ کی رفاقت اپنے رسول ﷺ کے ساتھ تو حقیقی و اصلی ہے۔ وَ جِبْرِیْلُ۔ یہ جبریل علیہ السلام کی رفاقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس معنی میں ہے کہ وہی تو واسطہ وحی وفیض، حق تعالیٰ اور رسول ﷺ کے درمیان ہیں۔ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ مومنین صالحین کی رفاقت اس معنی میں ہے کہ وہ سب رسول ہی کے تو مطیع ومخلص وتابع ہیں۔ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ۔ عام فرشتوں کی رفاقت اس معنی میں ہے کہ تصرفات تکوینی سب انہیں کے واسطے سے تو ہوتے ہیں۔ بَعْدَ ذٰلِكَ۔ جیسے اُردو محاورہ میں کہتے ہیں کہ "اس کے علاوہ"۔ یعنی حضرت حق اور جبرئیل اور مومنین صالحین تو ان رسول کے رفیق و شریک ہی ہیں، ان کے علاوہ عام فرشتے بھی اُن کی رفاقت ونصرت پر رہتے ہیں۔ ف ٩ (غرض سیرت کے اعتبار سے ہر طرح کامل ومکمل) تو ایسے مرد کو کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ وچار وناچار موجودہ ہی بیویوں کو غنیمت سمجھتا رہے۔ خَیْرًا مِّنْكُنَّ۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس وقت بھی ان بیویوں سے کوئی بہتر بیوی موجود تھی۔ بلکہ صرف اتنا ہے کہ اگر تبدیلی واقع ہوتی تو اللہ تعالیٰ اُن نئی بیویوں کو ان موجودہ بیویوں سے بہتر بنانے پر قادر تھا۔ سٰٓىِٕحٰتٍ۔ محققین نے یہاں بھی اس کے معنی السائحون ہی کی طرح روزہ داروں کے لیے ہیں۔ ای صائمات (راغب) ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا۔ شوہر کو مرغوب وپسندیدہ ہر حال اور ہر صورت میں کنواریاں اور کم سنیں ہی نہیں ہوتیں، بلکہ بعض صورتوں میں اور بعض اعتبارات سے بیوہ یا مطلقہ ہی محل رغبت وپسند ہوسکتی ہیں اس لیے موقع رغبت پر اُن کا ذکر بھی فطرت بشری کے خالق وراز دار نے نظر انداز نہیں کیا۔ ف ١٠ احکام الٰہی کی تعمیل خود کرنا، اور گھر والوں میں بقدر امکان ان احکام کی تبلیغ کرنا اور ان کی تعمیل کرانا، یہی دوزخ سے اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو بچانا ہے۔ اَهْلِیْكُمْ۔ اھل۔ کے تحت میں انسان کے سارے ہی متعلقین، متوسلین آگئے۔ بیوی، بچے، ملازم، رعایا، شاگرد، مرید وغیرہ— ان سب تک بقدر وسعت و امکان احکام الٰہی پہنچانا واجب ہے۔ یدل علی ان علینا تعلیم اولادنا و اھلینا الدین والخیر وما لا یستغنی عنه من الأداب و یدل علی ان الاقرب فالاقرب منا مزیدۃ فی لزومنا تعلیمهم و امرهم بطاعۃ اللہ (جصاص) اہل فہم یہاں خوب سمجھ لیں، کہ احکام کے اتباع واطاعت سے جب پیمبر معصوم تک کے گھر والوں کو مفر نہیں، تو پھر کسی بزرگ کسی شیخ کی اولاد یا اعزہ کا اپنے کو اس پابندی سے مستثنیٰ سمجھے رہنا کتنا بڑا حمق ونادانی ہے۔ الْحِجَارَةُ۔ اس پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (پ ١) رکوع ٣ میں گزر چکا ہے۔

يُؤْمَرُوْنَ ﴿٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا

اُسے (فوراً) بجا لاتے ہیں ف۱۱ اے کافرو آج کچھ عذر معذرت

الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧﴾ يٰٓاَيُّهَا

مت کرو تمہیں سزا بس اسی کی مل رہی ہے جو تم کرتے رہے ہو ف۱۲ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى

ایمان والو، اللہ کے آگے سچی توبہ کرو عجب کیا

رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ

کہ تمہارا پروردگار (اس سے) تمہارے گناہ تم سے دور کر دے اور تمہیں باغوں میں داخل کر دے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ

جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہیں (اس دن) جس دن اللہ نہ نبی کو رسوا

النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ

کرے گا اور نہ اُن لوگوں کو جو اُن کے ساتھ ایمان لائے ہیں ف۱۳ اُن کا نور دوڑ رہا ہو گا

اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا

اُن کے سامنے اور اُن کے داہنے (اور) وہ کہتے جاتے ہوں گے اے ہمارے پروردگار ہمارے لیے اس نور کو اخیر تک

وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٨﴾ يٰٓاَيُّهَا

رکھیو، اور ہماری مغفرت کرئیو، بے شک تُو تو ہر چیز پر قادر ہے ف۱۴ اے

النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ

نبی آپ جہاد کیجئے کافروں سے اور منافقوں سے اور اُن پر سختی کیجئے

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٩﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ

اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے ف۱۵ اللہ اُن لوگوں کے لئے

ع ۱۹

ف۱۱ عمل یا زبان سے نافرمانی تو کیا کرتے، دل تک میں اس کا خیال نہیں لاتے ہیں۔ لَا...... يُؤْمَرُوْنَ۔ آیت کے اس جزو سے دہری دہری گمراہیوں کی تردید ہو رہی ہے — ایک طرف تو اُن جاہلی مشرک قوموں کی جنہوں نے ملائکہ کو (دیوتاؤں کا لقب دے کر) معبود سمجھا ہے۔ انہیں بتایا گیا کہ فرشتے بھی تمام دوسری مخلوقات کی طرح اللہ کے مخلوق ہی ہیں، اور مخلوق بھی کیسے، نہایت درجہ مطیع اور دوسری طرف یہود اور نصاریٰ کے اس باطل عقیدہ کی کہ بعض فرشتے نافرمان و سرکش بھی ہوئے ہیں جن کا سرغنہ و سرخیل ابلیس ہوا ہے۔ غِلَاظٌ شِدَادٌ۔ ایسے سخت و درشت کہ نافرمانوں اور مجرموں پر رحم کرنا جانتے ہی نہیں، اور ایسے زبردست و پر قوت کہ کوئی اُن سے مزاحمت پر قادر نہیں۔ ف۱۲ (دار العمل یعنی دنیا میں) لَا تَعْتَذِرُوا۔ اب عذر و معذرت نہ کرو، دار الجزاء میں یہ سب بیکار ہے — یہ اُس وقت کہا جائے گا، جب منکرین دوزخ میں ڈالے جا رہے ہوں گے۔ ف۱۳ محققین نے لکھا ہے کہ مقصود صرف مومنین کو اطمینان دلانا اور مژدۂ امن سنانا ہے، پیمبر ﷺ کا ذکر اس سیاق میں تو محض تقویت اثبات کے لیے ہے۔ یعنی جس طرح پیمبر ﷺ کا محفوظ رہنا یقینی ہے، مومنین اُمت بھی اپنی محفوظیت یقینی سمجھیں۔ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ سچی اور مخلصانہ توبہ کی علامت یہ ہے کہ ماضی پر دل سے اور کامل ندامت ہو، اور مستقبل میں بقدر امکان پورا عزم ترک معصیت کا ہو۔ اے توبة بالغة فی النصح (کبیر) لَا يُخْزِي اللّٰهُ۔ خزی سے یہاں مراد وہ رسوائی ہے جو کفر ہی کی جزاء ہے۔ ف۱۴ (تیرے لیے ہماری آرزوؤں کو پورا کرنا اب کیا مشکل ہے) نُوْرُهُمْ...... بِاَيْمَانِهِمْ۔ یہ اُس وقت ہو گا جب اہل ایمان پل صراط سے گزر رہے ہوں گے۔ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ نہ ہو کہ ہمارا نور منافقین کی طرح راستہ ہی میں بجھ کر رہ جائے۔ يَقُوْلُوْنَ...... قَدِيْرٌ۔ بعض علماء محققین نے عالم آخرت کی اس دعاء سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بندہ کی حاجتمندی اور عبودیت کسی حال اور کسی عالم میں بھی اس سے زائل نہ ہو گی۔ ف۱۵ بلحاظ انجام آخرت دونوں کا ٹھکانہ ایک ہی ہے۔ جہنم دونوں کے لیے مشترک ہے۔ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ۔ نفس جہاد یا جہد شدید تو کافروں اور منافقوں دونوں کے حق میں عام ہے، البتہ یہ حسب موقع و مصلحت ہونا چاہیے۔ کافروں کے مقابلہ میں تو یہ جہاد، قتال و غزاء کے معنی میں ہتھیاروں سے ہو گا۔ اور منافقین کے مقابلہ میں زبان سے۔ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ سختی، مضبوطی، ثابت قدمی، کافروں اور منافقوں دونوں کے مقابلہ میں لازمی ہے۔ فيه الدلالة على وجوب الغلظة على الفريقين من الكفار والمنافقين و نهي عن مفازتهم و معاشرتهم (جصاص) کہاں ہماری شریعت کے یہ احکام، اور کہاں ہمارا یہ عمل کہ ہر ''ترقی یافتہ'' و ''مہذب'' غیر مسلم کی وضع لباس، زبان، معاشرت کی تقلید پر ٹوٹے پڑتے ہیں، اور اس کو اپنے لیے باعثِ فخر و کمال خیال کر رہے ہیں!

مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ

جو کافر ہیں مثال بیان کرتا ہے ف١٦ نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی

كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ

وہ دونوں ہمارے (خاص) صالح بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں،

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ

لیکن انہوں نے اُن کے حق ضائع کیے، تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلہ میں اُن کے ذرا کام نہ آسکے، اور دونوں

ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿١٠﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

عورتوں کو حکم ملا کہ تم بھی دوزخ میں داخل ہوا ور داخل ہونے والوں کے ساتھ ف١٧ اور اللہ اُن لوگوں کے لئے جو

لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ

مومن ہیں مثال بیان کرتا ہے ف١٨ فرعون کی بیوی کی، جبکہ انہوں نے دعا کی کہ اے پروردگار

لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ

میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنا دے، اور مجھ کو فرعون اور اُس کے عمل (کے اثر) سے

وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١١﴾ وَ مَرْيَمَ

بچا دے اور مجھے ظالم لوگوں سے بھی بچا دے ف١٩ اور (دوسری مثال بیان کرتا ہے)

ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا

مریم بنت عمران کی جنہوں نے اپنے ناموس کو محفوظ رکھا، تو ہم نے اُن (کے چاک گریبان) میں

فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا

اپنی روح پھونک دی، اور انہوں نے اپنے پروردگار کے پیاموں کی اور اس کی کتابوں کی

وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿١٢﴾ ع

تصدیق کی ف٢٠ اور وہ اطاعت کرنے والوں میں سے تھیں ف٢١

وقف لازم

ع ٢ / ٢٠

ف١٦ (یہ ظاہر کرنے کو کہ کسی صالح یہاں تک کہ پیمبر سے محض مادّی وطبعی تعلق وانتساب بلا ایمان اور اپنی سعی اصلاح کے ہرگز کافی ومفید نہیں) ف١٧ (اپنے کفر کی پاداش میں) امْرَاَتَ نُوْحٍ۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر تو بار بار اور آپ کے نافرمان لڑکے کا ذکر ایک بار پہلے گزر چکا ہے۔ اب یہ معلوم ہوا کہ آپ کی رفیق حیات بھی مومن نہیں بلکہ کافرہ تھی۔ امْرَاَتَ لُوْطٍ۔ حضرت لوط پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ آپ کی ان کافر بیوی کا ذکر بھی دو بار سورۃ الاعراف (پ ٨) اور سورۃ ہود (پ ١٢) میں آچکا ہے۔ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ۔ یعنی وہی حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام — پیمبر تک حق تعالیٰ کی نظر میں صرف "عبد صالح"! نہ اوتار، نہ مظہر خدا، نہ سایۂ خدا! تَحْتَ عَبْدَيْنِ لفظ تحت سے صاف اشارہ اس طرف ہوگیا کہ بیوی شوہر کی ماتحت ہی ہوتی ہے۔ فَخَانَتٰهُمَا۔ سب سے بڑا حق یہی ضائع کیا کہ اپنے اپنے شوہروں کی نہ نبوت کی تصدیق کی، نہ اُن پر ایمان لائیں۔ قِيْلَ ...... الدّٰخِلِيْنَ۔ یعنی جس طرح اور سارے کافر دوزخ میں جھونکے جاتے ہیں، تم بھی وہیں جلو مرو، تم میں اور عام کافروں میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔ ف١٨ (یہ ظاہر کرنے کو کہ اپنا ایمان اور اپنی صالحیت بالکل کافی ہیں۔ اور جب یہ موجود ہوں، تو پھر کسی غیر مؤمن سے مادّی تلبث یا انتساب راہ فلاح میں ہرگز حائل نہیں ہوسکتا) ف١٩ یعنی ان کافروں کے شر سے، اوران کے ضرر حسی اور معنوی سے۔ امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ۔ فرعون موسوی پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ زوجہ فرعون سے مراد حضرت بی بی آسیہ ہیں، جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شیر خوارگی کے زمانہ میں دریائے نیل سے نکال کر اُن کی پرورش کی تھی۔ حاشیہ اُن پر بھی گزر چکا۔ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ۔ یعنی اے پروردگار، کہیں فرعون اور اُس کے اعمالِ کفر کا وبال میرے اُوپر نہ پڑنے لگے! آیت سے معلوم ہوا کہ ہر بلا ومصیبت سے اپنی نجات دنیوی واُخروی کے لیے حق تعالیٰ سے دعا ومناجات کرتے رہنا سیرت صالحین میں سے ہے۔ و فیه دلیل علی ان الاستعاذة بالله والالتجاء الیه و مسئلة الخلاص منه عندالمحن والنوازل من سیرالصالحین (مدارک) مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالمین یہاں بھی کافرین کے مرادف ہے، اے الکافرین (معالم) ف٢٠ (یہ ظاہر کرنے کو، کہ جب اپنے میں ایمان وصالحیت موجود ہوں، تو پھر کسی صالح سے عدم تعلق وانتساب مضر نہیں) مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ۔ حاشیے سورۂ آل عمران (پ ٣) اور سورۂ مریم (پ ١٦) میں گزر چکے۔ فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ یہ نفخ روح بواسطہ فرشتہ جبرئیل علیہ السلام کے ہوا تھا۔ اس نفخ روح پر حاشیے سورۃ آل عمران (پ ٣) وغیرہ میں گزر چکے۔ فِيْهِ ضمیرہ جسم مریم علیہا السلام کی جانب بھی ہوسکتی ہے، اور گریبان مریم علیہا السلام کی جانب بھی، اور خود حمل مریمؑ کی جانب بھی۔ و ضمیر فیه للفرج و جوز فی ضمیر فیه رجوعه الی الحمل (روح) رُّوْحِنَا۔ روح کی اضافت حق تعالیٰ نے اپنی جانب اُس کے اظہار عظمت کے لیے کی ہے۔ والاضافة للتشریف والمراد من روح خلقناه بلا توسط اصل (روح) صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ۔ یہ تصریح آپ کے ایمان اور عقائد کی ہوئی — آپ مؤمنہ وعارفہ اور اُس وقت تک کی کتب آسمانی (توریت وغیرہ) کی تصدیق کرنے والی تھیں۔ نعوذ باللہ خود کسی معنی میں مدعیٔ الوہیت یا شریک الوہیت نہ تھیں — پوری تردید مسیحیوں کے غلو کی ہوگئی۔ ف٢١ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۔ یہ تصریح آپ کے حسن اعمال کی ہوئی — آپ نعوذ باللہ کسی طرح کی بدکار نہ تھیں۔ یہ پوری تردید یہود کے ناپاک افتراؤں اور گندے الزاموں کی ہوگئی۔ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا۔ کلمات رب سے مراد شرائع الٰہی بھی لی گئی ہیں۔ یعنی مریم صدیقہ نے عملاً بھی تمام حقائق دین کی تصدیق کی۔ وقال ابو علی القاری الکلمات الشرائع التی شرع لها دون القول فکان المعنی صدقت الشرائع و اخذت بها (کبیر)

بحمد اللہ! آج جمعہ ٢٣ جنوری ١٩٤٨ء (مطابق ١٠ ربیع الاول ١٣٦٧ھ) کو بعد نماز جمعہ اس اٹھائیسویں پارہ کی نظر ثانی سے فراغت پائی۔ نظر ثالث یوم شنبہ ٢٨ اکتوبر ١٩٥٠ء، مطابق ١٤ محرم الحرام ١٣٧٠ھ کو ختم ہوئی۔

ایاتھا ۳۰ ۶۷ سُورَۃُ الْمُلْکِ مَکِّیَّۃٌ ۷۷ رکوعاتھا ۲

اس کی تیس آیتیں ہیں سورۂ ملک مکہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ ۫ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ

بڑا عالی شان ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں (ساری) حکومت ہے، اور وہی ہر چیز پر

قَدِیْرُ ۨ ۝۱ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ

قادر ہے ف۱ وہ وہی ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ

اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ ھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ ۝۲ الَّذِیْ خَلَقَ

عمل میں کون بہتر ہے ف۲ اور وہ بڑا زبردست ہے، بڑا مغفرت والا ہے ف۳ جس نے

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ

سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کر دیے تو (خدائے) رحمٰن کی صنعت میں کوئی فتور

تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳ ثُمَّ

نہ دیکھے گا سو تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟

ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا

پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ نگاہ (ہی آخر) ذلیل، درماندہ ہو کر تیری طرف

وَّ ھُوَ حَسِیْرٌ ۝۴ وَ لَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ

لوٹ آئے گی ف۴ ہم نے بے شک قریب کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر رکھا ہے

وَ جَعَلْنٰھَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابَ

اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے اور ہم نے اُن کے لئے دوزخ کا عذاب بھی

ف۱ ملکیت اور قدرت دونوں اسی ذاتِ واحد کی کامل اور غیر مشترک ہیں — کلمۂ ملک میں خود ہی یہ مفہوم آ گیا تھا۔ آیت کے دوسرے جزء نے اور زیادہ تصریح وتاکید کر دی۔ بعض محققین سے یہ نکتہ بھی منقول ہے کہ بادشاہت اور حکومت عموماً محل موجود اور کیفیت حاضر تک محدود سمجھی جاتی ہے۔ قدرت اس کے مقابلہ میں عام ووسیع ہے تو آیت کے جزء ثانی نے یہ صاف کر دیا کہ صرف موجودات ہی کی بادشاہت وحکومت نہیں بلکہ سارے آیندہ ممکنات پر بھی حق تعالیٰ کی ملکیت اور قدرت اسی طرح وسیع ہے۔ بِیَدِہٖ۔ ید کے لفظی معنی ہاتھ کے ہیں، لیکن یہاں مراد اس کے مجازی معنی قبضہ یا تصرف کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ خود اردو میں بھی ایسے موقع پر "ہاتھ" سے مراد یہ جسمانی عضو نہیں۔ بلکہ قبضہ، اختیار، ملک وتصرف ہی ہوتی ہے۔ اور حکومت یا بادشاہت کسی بھی بادشاہ کے "ہاتھ" میں نہیں بلکہ ملک وتصرف ہی میں ہوتی ہے۔ اس لئے آیت میں یَدْ کے مجازی معنی حق تعالیٰ کے اعتبار سے نہیں، بلکہ اَلْمُلْکُ ہی کے لحاظ سے کرنا پڑے۔ اَلْمُلْکُ۔ ال استغراق کا ہے یعنی جو کچھ بھی ہے تصور میں آ سکے یا نہ آ سکے سب اسی کا مملوک ومحکوم ہے۔ ملک وقدرت ان دونوں صفات میں مشرک قوموں کو بڑی ٹھوکریں لگی تھیں،۔ قرآن مجید اسی لئے اس کثرت سے ان کا اثبات حق تعالیٰ کے حق میں کرتا ہے۔

ف۲ اور اسی کے لحاظ سے آخرت میں جزاء وسزا دے گا۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ۔ یہاں یہ بتا دیا کہ خود موت وزندگی بھی تمام دوسری ایجابی وسلبی مخلوقات کی طرح حق تعالیٰ کی مخلوق ہی ہیں۔ کوئی دیوی دیوتا نہیں، جیسا کہ بہت سی جاہلی قوموں نے سمجھ رکھا ہے۔ خَلَقَ الْمَوْتَ۔ موت عدم محض یا فقط سلب حیات کا نام نہیں، جیسا کہ بعض جاہلی فلاسفہ نے خیال کیا ہے، ایک مستقل وجودی مخلوق ہے۔ واستدل بھٰذہ الأیۃ من قال ان الموت امر وجودیّ لانہ مخلوق (ابن کثیر) والموت علٰی ماذھب الیہ الکثیرون من اھل السنۃ صفۃ وجودیّۃ تضاد الحیٰوۃ (روح) قال اصحابنا انہ صفۃ وجودیۃ مضادۃ للحیاۃ (کبیر) یہود کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ صرف حیات حق تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے باقی موت تو شیطان نے نافرمانی کر کے پیدا کرا دی ہے۔ آیت سے اس اعتقاد کی تصحیح بھی مدنظر ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ اَلْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ۔ حیات۔ کا محل عمل یا ظرف عمل ہونا تو بالکل ظاہر ہی ہے۔ یہ مہلت اور موقع اگر نہ حاصل ہو تو انسان اچھا برا عمل کرے ہی کس وقت۔ اور موت حسنِ عمل کے لئے بمنزلۂ شرط ہے۔ موت کے مشاہدہ سے دنیا کے فانی ہونے کا۔ اور آخرت کے اعتقاد سے وہاں کے اجر کا اگر یقین نہ ہو تو انسان حسنِ عمل کے لئے کوشش ہی کیوں کرے۔ ف۳ (جس کو چاہے بلا معاوضہ اور بلا کفارہ معاف کر دے اور جس حسن عمل پر جتنا چاہے اجر دے ڈالے) اَلْعَزِیْزُ۔ ہر جزاء وسزا پر قادر۔ عقاب وثواب دونوں اس کے اختیار میں۔

ف۴ (اے مخاطب!) آیت سے مقصود آسمانوں کی تعداد یا ہیئت یا جمود وغیرہ کا بیان کرنا نہیں بلکہ مقصود حق تعالیٰ کا فاطر کائنات کے کمال صناعی وصنعت گری کا اظہار ہے۔ آسمان، اس کی ماہیت وحقیقت جو کچھ بھی ہو۔ بہر حال حسن صنعت کا بہترین وکامل ترین نمونہ ہے، ہر عیب، ہر نقص سے پاک، تو جب اس مخلوق اعظم کا یہ حال ہے تو اور ساری مخلوق اس سے تو فروتر ہی ہے۔ ان کا اتنا مرتب ومحفوظ اور حسین وجمیل رکھنا اس کے لئے کیا دشوار ہے۔ آیت منکرین صنعت باری کے لئے ایک چیلنج ہے کہ ہر مخلوق کو چھان بین کر کے خوب غور سے دیکھ لیں کسی میں کوئی بات خلاف حکمت نہ پائیں گے۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ۔ محققین نے کہا ہے کہ یہ پہلی نظر عوام کی ہے جو صرف وجود اور حسن ظاہر دیکھ کر کمال صانع کے قائل ہو جاتے ہیں۔ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ۔ اہل نظر نے کہا ہے کہ یہ دوسری نظر اہل نظر واہلِ حکمت کی ہے جو ہر ہر مخلوق کے مصالح کو دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ جو نظم تکوینی موجود ہے اس سے بہتر ہونا محال تھا اور اس پر مجال حرف گیری نہیں۔ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ۔ عارفین نے کہا ہے کہ یہ تیسری نظر خواص اہل حق کی ہے جو اپنی نظر سے خود نادم ہو کر اپنے عجز وجہل کے معترف ہوتے ہیں۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ۔ امر فارجع تکلیفی وتشریعی نہیں تعجیزی ہے یعنی تم دیکھ لو، تجربہ کر لو، آخر خود ہی تھک جاؤ گے۔ کَرَّتَیْنِ صیغہ تثنیہ یہاں محض اظہار تعدد کے لئے ہے دو کا متعین عدد مراد نہیں۔ والمراد بالتثنیۃ التکریر والتکثیر کما فی لبیک وسعدیک (بیضاوی)

السَّعِيْرِ ⑤ وَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ

تیار کر رکھا ہے وھ اور جو لوگ اپنے پروردگار سے کفر کرتے ہیں اُن کے لئے دوزخ کا عذاب ہے

وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑥ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا

اور وہ (بہت ہی) برا ٹھکانا ہے اس میں جب یہ لوگ ڈالے جائیں گے تو اس کی (بڑی) زور کی گرج سنیں گے

وَّ هِيَ تَفُوْرُ ۙ ⑦ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا

اور وہ اس طرح جوش مار رہی ہوگی کہ گویا ابھی غصہ سے پھٹنے کو ہے، جب جب اُس کے اندر کوئی

فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ⑧ قَالُوْا بَلٰى قَدْ

گروہ (کافروں کا) ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ اُن لوگوں سے پوچھیں گے، کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا و٦ وہ کہیں

جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖۚ

گے کیوں نہیں، ضرور ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا، لیکن ہم نے اُس کو جھٹلایا اور کہا کہ خداوند نے کچھ بھی نازل نہیں کیا،

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ⑨ وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ

تم خود ہی ایک بڑے خبط میں پڑے ہوئے و٧ اور (یہ بھی) کہیں گے کہ ہم اگر سن لیتے یا عقل ہی سے کام لیتے

مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑩ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ

تو ہم اہلِ دوزخ میں سے نہ ہوتے و٨ غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے

فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑪ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ

سو لعنت ہے اہلِ دوزخ پر بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے

رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑫ وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ

بے دیکھے ڈرتے ہیں اُن کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے و٩ اور تم لوگ (خواہ) چھپا کر کہو

اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑬ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ

یا پکار کر کہو وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے

و۵ شیطانوں کے لئے عذاب جہنم کا تیار رہنا ایک معلوم و معروف مسئلہ ہے۔ بِمَصَابِيْحَ۔ مصابیح" سے مراد ستاروں کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ وھی الکواکب التی وضعت فیھا من السیارات والثوابت (ابن کثیر) وَ ...... بِمَصَابِيْحَ۔ ستاروں سے ایک بڑی غرض آسمانِ دنیا کی زینت و آرائش ہے، یہ قرآن مجید میں پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ وَ ...... لِّلشَّيٰطِيْنِ۔ ستاروں کے رجم شیاطین پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ سورۃ الحجر (پ۱۴) سورۃ الصافات (پ۲۳) وغیرہ میں۔ آیت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ بجنسہٖ کوئی ستارہ ہی شیطان کو پھینک مارا جاتا ہو، بلکہ جیسا صاحب تفسیر عزیزی نے لکھا ہے ممکن ہے کہ ملائکہ اجزاء ہوا اور بخارات کو ستاروں سے روشن کر کے شیطانوں پر مارتے ہوں۔ و٦ (جس نے تم کو اس عذاب سے ڈرایا ہو؟) كُلَّمَآ ...... نَذِيْرٌ۔ دوزخ میں کافروں کے مختلف گروہ اپنے اپنے مرتبۂ کفر کے لحاظ سے ڈالے جائیں گے۔ یہ سوال ہر نئے گروہ سے ہوگا۔ فرشتوں کے سوال کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ شدید عذاب تو ایسی چیز تھی کہ تمہیں اس کی خبر اگر بدرجۂ احتمال پہنچتی، جب بھی تمہیں اس سے اپنے کو بچانا واجب تھا تو کیا ایسے ہولناک انجام کی تمہیں سرے سے خبر ہی نہیں پہنچی تھی؟ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ۔ یہ فقرہ جہنم کے جوش و خروش کی بے انتہا شدت ظاہر کرنے کو ہے۔ و٧ (کہ وحی اور ثبوت اور آخرت وغیرہ کے ڈھکوسلوں میں پڑے ہوئے ہو) قَالُوْا ...... نَذِيْرٌ۔ منکرین حشر اب دوزخ میں پہنچ کر اقبال کریں گے کہ منذرین کی آواز کانوں میں پڑنا کیسا پوری کی پوری تعلیم ہم تک پہنچ چکی تھی، یہ شامت تو ہماری خود ہی تھی کہ ہم ڈھٹائی کیساتھ پیمبروں کی تکذیب کرتے اور الٹا انہیں کو خبطی قرار دیتے رہے، اِنْ ...... كَبِيْرٍ۔ آج ہمارے "روشن خیالوں" اور عقلیین کا جو فتویٰ اہل مذہب کے متعلق ہے، وہ کیا اس سے کچھ بہت مختلف ہے؟ و٨ منکرین اب اعتراف کریں گے کہ یہ توحید، رسالت و آخرت کے عقائد تو ایسے کھلے ہوئے اور عقلِ سلیم کے اس قدر مطابق تھے کہ ہم نے خود ہی اگر اپنی عقل و دماغ سے کام لیا ہوتا تو انہیں نتیجوں تک پہنچ جاتے، چہ جائیکہ جب راست باز متدین یقین دلانے والے اس کا یقین دلا رہے تھے ہماری شامت کی انتہا تھی کہ پھر بھی ہم انکار ہی پر تلے رہے۔ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ۔ نسمع سے مراد دلیل سمعی اور طریق تقلید لی گئی ہے۔ اَوْ نَعْقِلُ۔ نقل سے مراد دلیل عقلی اور طریق تحقیق لی گئی ہے۔ و٩ (جس کا ظہور کامل آخرت میں ہوگا) يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ۔ یہی خشیتِ الٰہی ہی تو ہے جو انہیں ایمان وطاعت کی طرف لاتی ہے۔ بِالْغَيْبِ۔ ایمان بالغیب کی طرح یہ خشیت بالغیب کی بھی تصریح اس امر کو ظاہر کر دیتی ہے کہ کسی کا مرتبہ ایمان و خشیت جس درجہ کا بھی ہو، بہر حال کوئی نہ کوئی درجۂ غیب ان کے لئے بھی باقی رہے گا۔ یہ شہود کامل اس عالم ناسوت میں بشر کے لئے ممکن نہیں۔

خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۱۴﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ

پیدا کیا ہے؟ وہ تو (بڑا ہی) باریک بین اور (پورا) باخبر ہے ف۱۰ وہ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے

الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ ؕ

مسخر کر دیا تو تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ کی (دی ہوئی) روزی میں سے کھاؤ (پیو)

وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿۱۵﴾ ءَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ

اور اسی کے پاس زندہ ہو کر جانا ہے، ف۱۱ کیا تم اس سے نڈر ہو گئے ہو کہ جو آسمان میں ہے، وہ کہیں تم کو زمین میں

بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴿۱۶﴾ أَمْ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ

دھنسا نہ دے اور وہ تھرتھرانے لگے؟ ف۱۲ کیا تم اس سے نڈر ہو گئے ہو کہ جو آسمان میں ہے

أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ

وہ تمہارے اوپر ہوائے تند بھیج دے؟ سو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا

نَذِيرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ

کیسا تھا؟ ف۱۳ اور ان سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انہوں نے بھی تو جھٹلایا تھا، سو میرا عذاب کیسا

نَكِيرِ ﴿۱۸﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ ؕ

(ان پر واقع) ہوا؟ ف۱۴ کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں پر نظر نہیں کی کہ پر پھیلائے ہوئے ہیں اور سمیٹ بھی لیتے ہیں

مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ﴿۱۹﴾

انہیں کوئی اور نہیں تھامے رہتا ہے بجز خدائے رحمٰن کے، وہی ہر چیز کو خوب دیکھے بھالے ہوئے ہے ف۱۵

أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ جُنْدٌ لَكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِنْ دُونِ

بھلا (خدائے) رحمٰن کے سوا وہ کون ہے جو تمہارا لشکر بن کر تمہاری

الرَّحْمَٰنِ ۚ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ﴿۲۰﴾ أَمَّنْ هَٰذَا

نصرت کر سکے؟ کافر تو بڑے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں ف۱۶ بھلا وہ کون ہے

ف۱۰ ان مشرک جاہلی قوموں کی حماقت پر تعریض ہے جو ایک طرف خدا کو خدا بھی مانتے جاتے ہیں اور دوسری طرف اس کے علم کو ناقص اور جزئیات پر غیر حاوی بھی تسلیم کرتے ہیں! اللَّطِيفُ۔ لطیف۔ سے مراد ہے بڑی بڑی نازک و دقیق حکمتوں اور تدبیروں والا۔ یراد بہ دقائق تدبیر لهم وفيهم (کبیر) ف۱۱ بندوں کو ترغیب ہے کہ زمین سے جو چاہو کام لو، جس طرح چاہو برتو، بس صرف اتنا یاد رہے کہ تم بندے ہو، خدا نہیں ہو، خود مختار و مطلق العنان نہیں ہو، خدا کے قانون کے محکوم و پابند ہو اور اسی کے سامنے اپنے ہر عمل کے جوابدہ ہو۔ مِنْ رِزْقِهِ۔ یاد دلا دیا کہ جو کچھ تمہیں کھانے پینے کو مل رہا ہے یہ سب حق تعالیٰ کا ہی عطیہ تو ہے۔ هُوَ...... ذَلُولًا۔ یہ ارشاد ہوا کہ زمین میں تمہارے لئے ہر قسم کے تصرفات کی اہلیت رکھ دی گئی ہے، تم تو خود اس پر حاکم و متصرف ہو، الٹے اسی کو دیوی سمجھ لینا کیسی حماقت ہے۔ ف۱۲ یعنی کیا تم نے اپنے کو عذابِ الٰہی کی گرفت سے محفوظ و مصئون سمجھ لیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو یہ مجرمانہ غفلت کی انتہاء ہے۔ مَنْ فِي السَّمَاءِ۔ سے یہ مراد تو ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ آسمان پر کہیں بیٹھا ہوا ہے۔ وهذا الأية لايمكن اجراؤها على ظاهرها باتفاق المسلمين (کبیر) مراد وہ ذاتِ اعظم ہے جس کا حکم و تصرف آسمان پر چل رہا ہے۔ تقدير الأية من فى السماء سلطانه وملكه قدرته والغرض من ذكر السمآء تفخيم سلطان الله وتعظيم قدرته (کبیر) اے من ملكوته فى السمآء لانها مسكن ملائكته ومنها تنزل قضاياه وكتبه واوامره ونواهيه (مدارک) بعض نے مَنْ فِي السَّمَاءِ سے مراد آسمانی ملائکۂ عذاب سے لی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ السمآء کا لفظ محض جہت علو اور غایت شرف کے اظہار کے لئے ہو۔ ف۱۳ یعنی کیسا صحیح، کتنا مطابقِ واقعہ اور کتنا شدید! فَسَتَعْلَمُونَ۔ س سے مراد ہے کہ موت کے ساتھ ہی۔ مَنْ فِي السَّمَاءِ پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔ ف۱۴ اگر ماضی سے نمونے ہی اس عذاب کے تلاش کرنے ہیں تو تاریخ و سیر کے صفحات کا مطالعہ کر لیں کہ کیسی کیسی پر قوت قومیں اور امتیں سرکشی کی پاداش میں ہلاک ہو چکی ہیں۔ ف۱۵ (اور جس میں جو تصرف چاہے، اپنے حسبِ مرضی و مشیت کرتا رہتا ہے) پرندوں کی قوتِ پرواز، ان کا وہ ہوا کی موجوں کو چیرتے ہوئے جانا، ان کا وہ اتنی بلندیوں پر اپنے جسم کا توازن قائم رکھنا، یہ سب انسان کے لئے کیسے حیرت انگیز مشاہدات ہیں اور ان سے کیسا سبق حق تعالیٰ کی صناعی کا ملتا ہے۔ ف۱۶ اور کافر تو وہی ہیں جو خدائے واحد کے بجائے ادھر ادھر کے سہاروں اور آسروں میں الجھے رہتے ہیں) أَمَّنْ...... الرَّحْمَٰنِ۔ مثال دفع مضرت کی ہے۔ بتایا ہے کہ اس پر بجز خدائے رحمٰن کے کوئی قادر نہیں۔

الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ

جو تمہیں روزی پہنچا سکے اگر اللہ اپنی روزی بند کر لے؟ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ جمے ہی ہوئے سرکشی

وَّ نُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی

اور نفرت میں ہیں ف۱۷ سو کیا جو شخص اپنے منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو کیا وہ بہتر رہرو ہوگا

اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ

یا وہ جو سیدھا ایک ہموار سڑک پر چلا جا رہا ہو؟ ف۱۸ آپ کہہ دیجئے

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ

کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے

وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ

(مگر) تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ وہی ہے جس نے

ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ

تمہیں زمین پر پھیلایا اور تم اُس کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے ف۱۹ اور یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ

مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ

یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا اگر تم سچے ہو ف۲۰ آپ کہہ دیجئے کہ (متعین) علم تو بس

عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ

اللہ ہی کو ہے، اور میں تو بس ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں ف۲۱ پھر جب وہ اس (قیامت) کو

زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ

پاس آتا دیکھ لیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا یہی ہے وہ جسے

كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ

تم طلب کیا کرتے تھے ف۲۲ آپ کہئے کہ اچھا یہ بتلاؤ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو

ف۱۷ (اور بلا کسی شائبہ سو دلیل کے کفر و شرک میں مبتلا ہیں) اَمَّنْ ...... رِزْقَهٗ ۔ مثال ایصال نفع کی ہے کہ اس پر بھی بجز خدائے رحمٰن کے کوئی قادر نہیں۔ ف۱۸ آیت کے اندر پہلی مثال کافر کی ہے، اور دوسری مثال مومن کی۔ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ ...... وَجْهِهٖ ۔ کافر کا راستہ ہی زیغ و ضلالت کا ہوتا ہے، اور وہ سر کے بل گرتا ہی جاتا ہے ہلاکتوں میں اس کا نقطۂ نظر ہی کائنات کی ہر شے سے متعلق اوندھا ہوتا ہے۔ اَمَّنْ ...... مُّسْتَقِیْمٍ ۔ مومن سیدھے قد کے ساتھ تنا ہوا چلتا ہے۔ افراط و تفریط کے غاروں، گڑھوں سے بچتا ہوا۔ ف۱۹ تمہیں چلنا اس کے قانون پر ہے جو انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کی نعمتوں کا جامع اور مالک ہے۔ قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ الخ۔ اس آیت میں خطاب افراد انسانی سے ہے۔ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ الخ اس آیت میں خطاب اجتماع انسانی سے ہے۔ ف۲۰ (اے مسلمانو!) منکرین حشر اہل ایمان سے یہ سوال طنز و استہزاء کی راہ سے کیا کرتے تھے۔ ف۲۱ (اور عبد محض، مجھے غیب کی کیا خبر۔ قیامت کا واقع کر دینا نہ میرے اختیار میں نہ اس کا وقت میرے علم میں) مشرکوں کے سوال پیمبر سے اپنے عقیدہ میں بس وہی حلول و مظہریت کا اعتقاد رکھتے تھے۔ ف۲۲ یہ کہنے والے فرشتے ہوں گے اور یہ اہل جہنم سے ان کی مزید توبیخ اور زیادہ دل جلانے کے لئے کہا جائے گا۔ رَاَوْهُ ۔ ضمیرہٗ اسی یوم موعود کی جانب ہے۔ اے الوعد یعنی العذاب الموعود (مدارک) یعنی العذاب فی الأخرة علیٰ قول اکثر المفسرین (معالم) سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۔ یعنی جب قیامت واقعۃً آنے لگے گی تو منکرین کے چہرے فرط ہیبت و دہشت سے بگڑ کر رہ جائیں گے۔

وٓ۲۳ مقصد یہ ہے کہ ہم پر دنیا میں جو گزرے گی وہ تو گزر کر رہے گی۔ اور کامیابی ہو یا ناکامی، ہر حالت میں اس کا انجام مومنین کے حق میں اچھا ہی ہے۔ تم اپنی خبر لو، اور اپنے لئے فکر کرو، کہ تمہارے کفر وانکار کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اِنْ ...... مَعِیَ۔ یعنی اگر تمہاری آرزو اور تمہارے گمان کے مطابق میری اور میرے ساتھیوں کی ہلاکت بھی ہو جائے۔ اَوْ رَحِمَنَا۔ یعنی اگر وعدۂ الٰہی اور ہماری امید کے مطابق ہم پر نزولِ رحمت ہی رہے۔ وٓ۲۴ یعنی جب اپنے کو مبتلائے عذاب اور ہمیں اس سے محفوظ دیکھ لوگے جب تو عیاناً جان لوگے کہ ضلالت کی راہ تمہاری ہی تھی۔ اٰمَنَّا بِهٖ۔ اور ایمان کی برکت

وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ

ہلاک کر دے یا ہم پر رحمت کر دے تو کافروں کو عذاب دردناک سے کون

اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ

بچالے گا؟ وٓ۲۳ آپ کہئے وہی خدائے رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے اور اسی پر ہم توکل کرتے ہیں،

فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

سو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کھلی ہوئی گمراہی میں کون ہے وٓ۲۴ آپ کہیے کہ اچھا یہ بتلاؤ

اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع

کہ اگر تمہارا پانی نیچے کو غائب ہی ہو جائے تو کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے؟ وٓ۲۵

ع ۲ ۱۶ ۲

اٰیاتها ۵۲ ۶۸ سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ ۲ رکوعاتها ۲

اس کی باون آیتیں سورۂ قلم مکہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ ۙ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ

نون، قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ (فرشتے) لکھتے ہیں وٓ۱ کہ آپ اپنے پروردگار کے فضل سے

بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾ ۚ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ ۚ وَاِنَّكَ

مجنون نہیں ہیں وٓ۲ اور بے شک آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں وٓ۳ اور بے شک آپ

لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴿۵﴾ ۙ بِاَيِّكُمُ

اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں وٓ۴ عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے

الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ

کس کو (واقعی) جنون تھا وٓ۵ بے شک آپ کا پروردگار وہی خوب جانتا ہے اس کو جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے

انشاء اللہ ہم کو عذابِ آخرت سے محفوظ کر دے گی۔ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا۔ اور توکل کی برکت انشاء اللہ حوادث دنیوی کو دفع یا سہل کر دے گی۔ وٓ۲۵ (پس جب حق تعالیٰ کے مقابلہ میں معمولی طبعی واقعات میں کسی کو تصرف کی قدرت نہیں تو عذابِ آخرت سے بچانے کی کس کی مجال ہو سکتی ہے۔ وٓ۱ (نامۂ اعمال میں) نٓ۔ حروف مقطعات میں سے ہے۔ اور مقطعات کے لئے ملاحظہ ہو شروع سورۃ البقرۃ میں الٓمٓ پر حاشیہ صحیح معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ محققین سے دوات کے معنی منقول ہیں۔ عن الحسن والقتادة قالا هی الدواة (ابن کثیر) عن ابن عباس ان الله خلق النون وهی الدواة (ابن جریر) وقال الحسن وقتادة والضحاک النون الداوة (معالم) وَالْقَلَمِ۔ یہ قلم وہی ہے جس سے تمام خلق کی تقدیریں لوحِ محفوظ میں لکھ دی گئی ہیں۔ وَمَا يَسْطُرُوْنَ۔ فعل کے فاعل کاتب اعمال فرشتے ہیں۔ ای مایسطره الحفظة (مدارک) ای ماتکتب الملٰئکة الحفظة من اعمال بنی اٰدم (معالم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد کاتبانِ لوح محفوظ سے ہے۔ وقال اٰخرون بل المراد ههنا بالقلم الذی اجراه الله بالقدر حین کتب مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السمٰوٰت والارضین (ابن کثیر) وٓ۲ (جیسا کہ ان دشمنانِ دین ودشمنانِ عقل نے ٹھہرا لیا ہے بلکہ سب ہوشمندوں سے بڑھ کر ہوش مند اور دانا ترین ہیں) قسم کے مفہوم کے لئے ملاحظہ ہو پارہ ۱۴ کے آخر میں ضمیمہ "اقسام قرآن" پر۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ کاتب قدرت کے لئے قلم اور روشنائی اور خود کتابت لوح کی گواہی یہی ہے جو آگے کی آیتوں میں آرہی ہے — آپ ﷺ کے کمال دانائی کی شہادت تو سارے ہی صحائف تکوینی پیش کریں گے۔ کسی معاصر احمق وجاہل کی تکذیب وتعریض سے ہوتا کیا ہے۔ وٓ۳ (اس لئے آپ ان مطاعن کو چندے صبر کے ساتھ برداشت کر لیجئے) لَاَجْرًا۔ یہ اجر بے نہایت ادائے فرائض نبوت پر ملے گا۔ وٓ۴ اور وہ بھی اس مرتبہ پر کہ آپ ﷺ کی سیرت تو نظیر اور نمونہ کا کام دے گی زندگی کے ہر ہر شعبہ میں اور وہ بھی کسی ایک قوم، کسی ایک زمانہ کے لئے نہیں، ہر ملک، ہر قوم، ہر زمانہ کے لئے ایسی عدیم النظیر سیرت والے کی جانب جنون کی نسبت دینا خود اپنے پاگل پن کا ڈھنڈورا پیٹنا ہے۔ وٓ۵ محمد رسول اللہ ﷺ کو جن کا نام رہتی دنیا تک مشہور سے مشہور تر ہی ہوتا چلا جائے گا؟ یا ابوجہل اور ابولہب اور عناد ومخالفت کے دوسرے بڑے بڑے لیڈروں کو؟ فَسَتُبْصِرُ۔ یہ علم عنقریب ہو کر رہے گا۔ دنیا میں پوری طرح اور آخرت میں تو اس سے بھی زیادہ روشن ہو کر۔ بِاَيِّكُمُ۔ ب زائد ہے اور مراد اَيُّكُمْ ہے یعنی تم میں سے کون۔ وقال

خرون الباء فیه زائدة معناه ایکم المفتون (معالم) انما دخلت الباء فی قوله بایکم یقول علٰی تضمین العقل فی قوله فستبصرو یبصرون (ابن کثیر) وهو قول الاخفش

ابی عبیده وابن قتیبة ان الباء صلة زائدة والمعنٰی اَيُّكُمُ المفتون (کبیر)

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۷ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۸ وَدُّوْا

اور وہی خوب جانتا ہے راہ پائے ہوؤں کو و۶ تو آپ تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانئے یہ لوگ تو یہی چاہتے ہیں کہ

لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝۹ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝۱۰

آپ ڈھیلے پڑ جائیں تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں و۷ اور آپ ایسے شخص کا بھی کہنا نہ مانئے گا جو بڑا قسمیں کھانے والا ہے، ذلیل ہے،

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝۱۱ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝۱۲

طعنہ باز ہے، چلتا پھرتا چغل خور ہے، نیک کام سے روکنے والا ہے، حد سے گزرنے والا ہے،

عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝۱۳ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝۱۴

سخت گنہگار ہے، سخت مزاج ہے، اس کے علاوہ بدنسب بھی ہے، اس نظر سے کہ وہ مال اور اولاد والا ہے، و۸

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۵ سَنَسِمُهٗ

جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو اگلوں کے خرافات ہیں تو ہم عنقریب اس کی ناک

عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝۱۶ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ

پر داغ لگائیں گے و۹ ہم نے اُن کی آزمائش کر دی ہے و۱۰ جیسا ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی

اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝۱۷ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝۱۸

جب کہ ان لوگوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم اس کا پھل ضرور صبح چل کر توڑ لائیں گے اور انہوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا تھا،

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝۱۹

سو اس (باغ) پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک پھرنے والا (عذاب) پھر گیا اس حال میں کہ وہ سو رہے تھے

فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۝۲۰ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۝۲۱ اَنِ

تو وہ (باغ) ایسا رہ گیا جیسا کٹا ہوا کھیت، پھر وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ

اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝۲۲ فَانْطَلَقُوْا

اپنے کھیت پر سویرے چلو اگر تمہیں پھل توڑنا ہے، غرض وہ چلے

و۶ (اس لئے فیصلہ اسی پر چھوڑے رہئے اس کے احاطۂ علم سے کوئی بھی باہر نہیں وہی ہر ایک کو جزا و سزا بھی اس کے مناسب حال دے لیگا) و۷ یعنی ان کی تو عین تمنا ہی یہ ہے کہ آپ اپنے فرائض تبلیغ میں ڈھیلے پڑ جائیں تو یہ بھی اپنی شدت مخالفت وعناد میں ڈھیلے پڑیں۔ لیکن آپ ان کے کہے میں ہرگز نہ آئیے گا۔ جیسا کہ اب تک بھی نہیں آئے ہیں۔ کہاں آپ سرتاسر حق پر اور کہاں وہ سرتاسر باطل پر! و۸ یعنی ایسا نہ ہونے پائے کہ آپ اس خیال سے کہ فلاں شخص سے اس بناء پر کہ وہ صاحب وجاہت اور صاحب اثر ہے، باوجود اس کی ان ساری خباثتوں کے اشتراک عمل کر لینا بھی مصلحت خیال کرنے لگیں۔ اَنْ كَانَ۔ ان الفاظ کا تعلق آیت ماقبل کے ابتدائی لفظ ولاتطع سے ہے۔ متعلق بقوله ولاتطع (مدارک) بعض نے یہ ترکیب بھی صحیح قرار دی ہے کہ ان کان کے قبل یکفر یا یجحد محذوف ہے اور ان کان اس سے متعلق اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ وہ خبیث کفر وانکار اسی گھمنڈ میں آکر کرتا ہے کہ وہ دولت مند اور صاحب اولاد کثیر ہے۔ آیت اپنے عموم مفہوم کے لحاظ سے تو ہر خبیث ورذیل خصائل والے کا فر معاند کے حق میں عام ہے۔ لیکن شان نزول کی روایتوں میں ایک مخصوص ومتعین شخص ولید بن مغیرہ کا نام بھی آیا ہے جو انہیں صفات کا حامل تھا۔ والمراد الوليد بن المغيرة عندالمجهور (مدارک) حَلَّافٍ۔ ایسا شخص جو جھوٹی سچی قسمیں عادت کی بناء پر کھاتا رہتا ہو۔ قيل من يحلف بالله كاذبًا (بصاص) كثير الحلف بالباطل (معالم) كثير الحلف فى الحق والباطل و كفى به مزجرة لمن اعتاد الحلف (کبیر) مَهِيْنٍ۔ ایسا شخص جو اپنی کمینی حرکتوں کی بناء پر خالق ومخلوق دونوں کی نظر میں ذلیل وخوار اور ہر طرح بے وقعت وبے اعتبار ہو چکا ہو۔ هَمَّازٍ۔ ایسا شخص جو طنز وتعریض سے دل دکھاتا رہتا ہو۔ اَثِيْمٍ۔ یعنی فسق پیشہ ہے۔ الصفة السابعة كونه اثيما وهو مبالغة فى الاثم (کبیر) بعد یہاں مع کے معنی میں ہے۔ اے مع ذٰلک (معالم) زَنِيْمٍ۔ ایسا شخص جو کسی قوم یا قبیلہ سے نہ ہو مگر اس کی جانب منسوب کر دیا گیا ہو۔ انما الزنيم فى لغة العرب هو الدعى فى القول قالهٗ ابن جرير وغير واحدٍ من الائمة (ابن کثیر) وهو الدعى الملصق بالقوم وليس منهم (معالم) و۹ یعنی اس کے کفر حیثانہ کی پاداش میں اس کے چہرہ اور ناک کو داغدار کر دیں گے۔ الْخُرْطُوْمِ۔ خرطوم ہاتھی کی سونڈ کو کہتے ہیں۔ انسان کی ناک یا چہرہ کے لئے اس کا استعمال محل ذم وتحقیر پر ہے۔ قال المبرد الخرطوم ههنا الانف وانما ذكر هذا اللفظ على سبيل الاستخفاف به (کبیر) والخرطوم انف الفيل فسمى انفه خرطومًا استقباحًاله (راغب) سَنَسِمُهٗ۔ س۔ یعنی ”عنقریب“ کو حشر سے متعلق سمجھا گیا ہے۔ قال ابو العالية ومجاهد اے نسود وجهه فنجعل له علمًا فى الأخرة يعرف به (معالم) منهم من قال هذا الوسم يحصل فى الأخرة (کبیر) بعض اقوال اس دنیا سے متعلق بھی ہیں۔ قال ابن عباس سنخطمه بالسيف وقد فعل ذٰلک يوم بدر (معالم) ومنهم من قال يحصل فى الدنيا (کبیر) اور ممکن ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں ہی عالم مراد ہوں کہ ایسے خبیث کو روسیاہی دونوں ہی جہانوں میں نصیب ہوتی ہے۔ مال ابو جعفر ابن جرير الى الله لامانع من اجتماع الجميع عليه فى الدنيا والأخرة وهو متجه (ابن کثیر) و۱۰ (کہ دیکھیں کون ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے اور کون ناشکری کی راہ اختیار کرتا ہے) بَلَوْنٰهُمْ۔ هم سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ خصوصًا ان کا خوش حال وخوش عیش طبقہ۔

وَ هُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿٢٤﴾ وَّ غَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٢٧﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿٣١﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٣٤﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٥﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ

اور آپس میں باتیں چپکے چپکے کرتے کہ آج وہاں کوئی محتاج تم تک نہ آنے پائے اور اپنے کو اس نہ دینے پر قادر سمجھے ف۱۱ تو جب اُس (باغ) کو دیکھا تو بول اُٹھے کہ یقیناً ہم راستہ بھول گئے ف۱۲ نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی ف۱۳ پھر اُن میں سے جو (نسبۃً) بہتر تھا وہ بولا کہ کیوں میں نے تم سے کہا نہ تھا سو (اب) تسبیح کیوں نہیں کرتے ہو؟ ف۱۴ وہ لوگ بولے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہم ہی قصوروار ہیں ف۱۵ پھر ایک دوسرے کی طرف مخاطب ہوئے باہم الزام دیتے ہوئے ف۱۶ (پھر سب) بولے (کہ) ہائے ہماری شامت کہ ہم ہی سرکشی کرنے والے تھے، شاید کہ ہمارا پروردگار ہمیں اس سے بہتر (باغ) بدلہ میں دے دے، ہم تو (اب) اپنے پروردگار کی طرف رجوع ہوتے ہیں، ف۱۷ عذاب اسی طرح (ہوا کرتا ہے) اور آخرت کا عذاب کہیں بڑھا ہوا ہے کاش یہ لوگ (اسے) جان لیتے ف۱۸ بے شک پرہیزگاروں کے لئے اُن کے رب کے پاس آسائش کے باغ ہیں ف۱۹ تو کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کا سا کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا! تم کیسا

ف۱۱ یہ کن باغ والوں کا ذکر ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ کوئی باغ حبشہ میں تھا۔ قیل کانوا من اهل الحبشة (ابن کثیر) عن عکرمة قال هم ناس من الحبشة (ابن جریر) ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ باغ یمن میں تھا۔ عن ابن عباس قال کان بستان بالیمن (معالم) قال سعید بن جبیر کانوا من قریة یقال لها فروان علی ستة امیال من صنعاء (ابن کثیر) بہرحال جہاں کہیں بھی ہوا ایسا باغ تھا جس کی تلمیح سے اہلِ عرب خوب واقف تھے۔ اور قصہ کا ماحصل یہ ہے کہ جو اہل غفلت اپنی تدبیروں پر نازاں اور اہل حقوق کی حق تلفی میں لگے رہتے ہیں، وہ آخر خود ہی خسارہ میں رہتے ہیں۔ وَ لَا يَسْتَثْنُوْنَ۔ یعنی انہیں اس درجہ وثوق اپنے صبح کے پروگرام پر تھا کہ انہوں نے شب کی تجویزوں میں حق تعالیٰ کے ارادہ کا خیال ہی نہ آنے دیا۔ فَطَافَ ...... نَآئِمُوْنَ۔ یہ لوگ تو سوتے کے سوتے رہے اور ادھر رات ہی بھر میں کوئی زمینی یا آسمانی آفت آ کر باغ کا صفایا کر گئی۔ باغوں اور کھیتوں پر ایسی ناگہانی مصیبتیں ہر فصل اور ہر زمانہ میں برابر آتی ہی رہتی ہیں، کبھی گرم اور تیز لو نے سبزہ زار کو جھلسا دیا، کبھی تند آندھی نے درختوں کا ناس مار دیا۔ کبھی اتنا پالا پڑ گیا کہ کھیتی برباد ہو گئی۔ کبھی آسمان سے اولے ایسے پڑے کہ پتے پتیاں تک باقی نہ رہ گئیں وقس علیٰ ہذا۔ وَ هُمْ ...... مِّسْكِيْنٌ۔ خدا فراموشی اور آخرت فراموشی کے ساتھ ساتھ یہ باغ والے، مسکینوں محتاجوں کے حصہ کے بھی روادار نہ تھے۔ کمال بخل یا شدت حرص سے ف۱۲ (جو کہیں یہاں نکل آئے) باغ اب باقی ہی کہاں تھا۔ جسے وہ لوگ دیکھ کر پہچانتے۔ یہی سمجھے کہ ہم کسی غلط جگہ آ گئے ہیں۔ ف۱۳ (کہ بھلا چنگا باغ یوں لٹ گیا) یہ انہوں نے اس وقت کہا جب باغ کی بربادی کا پورا یقین آ گیا۔ ف۱۴ یعنی توبہ و استغفار سے اپنی غلطی کا تدارک کیوں نہیں کرتے۔ اَوْسَطُهُمْ۔ یعنی ان لوگوں میں سے بہترین شخص۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی اور ائمۂ تابعین نے یہی معنی لئے ہیں۔ ای اعدلهم و اعقلهم و افضلهم (معالم) قال ابن عباس مجاهد وسعید بن جبیر وعکرمة ومحمد بن کعب والربیع بن انس والضحاک وقتادة ای اخیر هم (بن کثیر) بعض نے لفظی معنی لے کر باغ کے مالکوں میں سے منجھلے بھائی سے مراد لی ہے۔ قَالَ ...... لَكُمْ۔ یہ شخص وہ تھا جس کا عقیدہ تو صحیح تھا لیکن عملاً یہ بھی ان لوگوں کا شریک حال ہو گیا تھا۔ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ تسبیح کے عموم میں توبہ، استغفار وغیرہ سب شامل ہیں۔ ای لولا تذکرون الله وتتوبون الیه من خبث نیتکم (مدارک) کہنے والے کا مطلب یہ تھا کہ پچھلے گناہ کی معافی اور آیندہ کے لئے احتیاط کی فکر کرو۔ ف۱۵ اس ذرا سے فقرہ کے اندر تمہید استغفار اور نفس استغفار دونوں آ گئے۔ ف۱۶ جیسا کہ کام بگڑ جانے پر دنیا میں عموماً و عادتاً ہوا کرتا ہے۔ ف۱۷ یعنی توبہ و تدارک کرنے میں۔ يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا۔ بدل عام ہے خواہ دنیا میں ملے خواہ آخرت میں اور عجب نہیں کہ دونوں جگہ ہو۔ صحابی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل ہوا ہے کہ بہتر باغ انہیں دنیا ہی میں مل گیا۔ اور مجاہد تابعی علیہ رحمۃ اللہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ عن ابن مسعودؓ المعنی انهم اخلصوا فابدلهم به جنّة (مدارک) عن مجاهد تابوا فابدلوا خیرا منه (مدارک) ف۱۸ کاش بندوں کو اس حقیقت کا علم ہوتا اور استحضار رہا کرتا کہ معصیت و نافرمانی کی پاداش میں جو عذاب اس دنیا میں کبھی کبھی ہوتا رہتا ہے۔ جب اس کا نمونہ یہ ہے تو کفر و انکار پر عذاب جس کا پورا ظہور آخرت ہی میں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس سے کس درجہ بڑھا ہوا ہوگا۔ ف۱۹ یہاں یہ بتلا دیا کہ جنات النعیم میں داخلہ کا سبب تقویٰ ہوگا اور تقویٰ کا ابتدائی اور لازمی درجہ ایمان ہے۔

تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّ لَكُمْ

فیصلہ کرتے ہو؟ و٢٠ کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے، جس میں تم پڑھتے ہو کہ اُس میں تمہارے لئے

فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿٣٨﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ

وہ چیز (درج) ہے جسے تم پسند کرتے ہو؟ و٢١ کیا ہمارے ذمہ کچھ تمہارے حق میں کھائی ہوئی قسمیں ہیں قیامت تک باقی

الْقِيٰمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٩﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ

رہنے والی کہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جن کا تم فیصلہ کر رہے ہو؟ و٢٢ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس کا

زَعِيْمٌ ﴿٤٠﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا

ذمہ دار ہے؟ کیا اُن کے ٹھہرائے ہوئے کچھ شریک (خدائی) ہیں تو اچھا تو یہ پیش کریں اپنے ان شریکوں کو اگر

صٰدِقِيْنَ ﴿٤١﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى

یہ سچے ہیں و٢٣ وہ دن (یاد کرنے کے قابل ہے) جب ساق کی تجلی فرمائی جائے گی، اور سجدہ کی طرف

السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٤٢﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ

بلایا جائے گا، تو سجدہ نہ کر سکیں گے و٢٤ اُن کی آنکھیں جھکی ہوں گی

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَ قَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ

اور اُن پر ذلت چھائی ہوگی، اور یہ لوگ سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے اس حال میں کہ وہ

سٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَذَرْنِيْ وَ مَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ

صحیح سالم تھے و٢٥ تو آپ رہنے دیجئے مجھے اور انہیں جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَ اُمْلِيْ لَهُمْ ؕ

ہم انہیں آہستہ آہستہ لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ انہیں خبر نہیں اور میں انہیں مہلت دیتا ہوں،

اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿٤٥﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ

بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے و٢٦ کیا آپ اُن سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں کہ وہ (اس) تاوان سے

و٢٠ (جو اتنے کھلے ہوئے فرق کو محسوس نہیں کرتے) مطلب یہ ہوا کہ متقین کو یہ درجہ اگر نہ ملے تو گویا مطیع و نافرمان دونوں برابر ٹھہرے۔ اَلْمُسْلِمِيْنَ۔ یہ مراد وہ لوگ ہیں جو عادتاً مطیع حق رہے ہیں۔ اَلْمُجْرِمِيْنَ۔ مراد وہ لوگ ہیں جو عادتاً نافرمان وقانون شکن رہے ہیں۔ و٢١ یعنی آخرت میں نجات اور کامیابی۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہارے عقائد کی صحت کی پشت پر کوئی خدائی سند، کوئی آسمانی شہادت ہے؟ و٢٢ یعنی جنت اور اجر۔ و٢٣ منکرین سے پھر حجت وبرہان کا مطالبہ ہے آخر کس چیز نے انہیں اب تک انکار پر جما رکھا ہے؟ کس سہارے اور کس کے بھروسہ پر وہ اب تک اپنے عقائد باطلہ پر اڑے ہوئے ہیں۔ و٢٤ (یہ منکرو کافر لوگ) يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ۔ اس دن سے مراد روز حشر کا ہونا تو سب کے نزدیک مسلم ہے سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ کشف ساق سے کیا مراد ہے؟ سَاقٍ۔ کے لفظی معنی تو پنڈلی کے ہیں۔ مابين الكعب والركبة (قاموس) مابين الركبة و القدم (لسان) محققین کا قول ہے کہ صفات باری میں سے یہ کوئی مخصوص صفت ہے۔ جس کی تجلی اس وقت ہوگی اور اسے کسی خاص ہی مناسبت سے ساق سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ قرآن مجید ہی میں حق تعالیٰ کے لئے آخر وجہ (چہرہ) اور ید (ہاتھ) اور حدیث میں رجل، اور قدم (پیر) کے الفاظ بھی تو آتے ہیں۔ اور یہ سب کلمات متشابہات کہلاتے ہیں۔ لیکن ان کی متعدد توجیہات وتاویلات ہو سکتی ہیں۔ ایک بدیہی اور صاف سی بات یہ ہے کہ خود محاورۂ عرب میں کشف ساق سے مراد امر صعب وامر دشوار کے اہتمام سے ہوتی ہے۔ عن ساق اے عن شدة (قاموس) يكشف عن ساق اے عن شدة امرٍ كما يقال قامت الحرب على ساق (تاج) الساق فى اللغة الامر الشديد وكشفه مثل فى شدة الامر كما يقال للشحيح يده مغلولة ولايد ثم ولاغل وانما هو مثل فى شدة البخل وكذٰلك هٰذا۔ (لسان) قال بعضهم انه اشارة الى شدة فجعل لكل امرٍ فظيعٍ (راغب) يوم يشتد الامر ويصعب ولاكشف ثمه ولا ساق (مدارک) ائمہ تفسیر بلکہ صحابہ وتابعین سے بھی یہاں یہی معنی منقول ہیں۔ قال جماعة من الصحابة والتابعين من اهل التاويل يبد وعن امر شديد (ابن جریر) عن ابن عباس قال هو يوم كرب وشدة (ابن جریر) عن ابن عباس هوالامر الشديد المفظع عن الهول يوم القيامة (ابن جریر) الى نحو هٰذا ذهب مجاهد وابراهيم النخعى وعكرمة وجماعة وقد روى ايضًا عن ابن عباس (روح) والجمهور على ان الكشف عن الساق عبارة عن شدة الامرو صعوبة الخطب فمعنى يوم يشتد الامرو يصعب ولاكشف ثمه ولاساق (مدارک) وَيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ۔ یہ سجدہ کا حکم مومن وکافر سب کے لئے عام ہوگا۔ یہ حکم تشریعی تو ہو نہیں سکتا، اس لئے کہ آخرت دار التکلیف نہیں دار الجزاء ہے۔ لامحالہ یہ حکم کافروں کے حق میں محض توبیخی ہوگا گویا اس تجلی ساق کی یہ ایک تاثیر طبعی ہوگی کہ کافر ومومن سب ہی سجدہ کرنا چاہیں گے۔ مومن بآسانی قادر ہو جائیں گے، کافر ومنافق قادر نہ ہو پائیں گے۔ لاتكليفا ولكن توبيخا على تركهم السجود فى الدنيا (مدارک) لايدعون الى السجود تعبدًا وتكليفًا ولكن توبيخًا وتعنيفًا على تركهم السجود فى الدنيا (کبیر) فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ۔ اس سے یہ نکلا کہ کافر ومنافق بھی اس وقت ارادہ سجدہ کا کریں گے لیکن اس پر قادر نہ ہو پائیں گے۔ وفيه دلالة على انهم يقصدونهٗ فلايتاتى منهم (روح) و٢٥ (اور اس وقت سجدہ سے انکار رکھتے تھے) خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ۔ یہ آنکھوں کا جھکا ہونا انتہائے شرم وندامت وحسرت سے ہوگا۔ قرآن مجید میں ذکر کبھی نگاہوں کے اٹھے رہنے کا بھی آیا ہے۔ اور یہ دونوں بیانات باہم متناقض نہیں، حشر میں شدید ہولنا کی کے تو مختلف احوال پیدا ہوں گے، اور انہیں کے لحاظ سے اہل دوزخ کے تاثرات بھی ادلتے بدلتے رہیں گے، کبھی غلبہ انتہائی ندامت کا ہوگا، اس وقت نظریں نیچی ہو کر زمین پر گڑ جائیں گی۔ کبھی غلبہ حیرت واستعجاب کا ہوگا اس وقت نظریں اوپر کو اٹھ جائیں گی۔ وَقَدْ كَانُوْا...... سٰلِمُوْنَ۔ یعنی دنیا میں جب انہیں پوری طرح قدرت حاصل تھی۔ اس وقت تو حکم کی تعمیل سے دانستہ گریز کرتے رہے۔ اب وہ کیفیت ان پر قدرۃً لیس دی گئی ہے۔ اب یہ اگر چاہیں جب بھی نہیں کر سکتے۔ و٢٦ (اور عذاب وگرفت میں جو توقف ہو رہا ہے اس کی آپ کچھ فکر نہ کیجئے) فَذَرْنِيْ...... الْحَدِيْثِ۔ یعنی آپ ہمارے ہی اوپر ہر طرح اعتماد وتوکل رکھیے ان سارے مجرموں اور منکروں سے نپٹ لینے کے لئے ہم ہی کافی ہیں۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ۔ ہماری مشیت تکوینی انہیں آہستہ آہستہ دوزخ کی طرف لئے جا رہی ہے۔ وَاُمْلِيْ لَهُمْ۔ یعنی انہیں تو مہلت دی جا رہی ہے اور یہ نہیں ہوتا، کہ فوراً ہی ان پر دنیا میں عذاب نازل کر دیا جائے۔ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ کافروں اور منکروں کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں احساس ہی نہیں کہ حکمت الٰہی انہیں چپکے چپکے کدھر لئے جا رہی ہے۔

مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

دبے جاتے ہیں؟ ف۲۷ کیا اُن کے پاس (علم) غیب ہے کہ یہ (اُسے) لکھ لیا کرتے ہیں؟ ف۲۸

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ

تو آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہئے اور مچھلی والے (پیمبر) کی طرح نہ ہو جائیے جب کہ

نَادٰى وَ هُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ لَوْ لَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ

انہوں نے (اپنے پروردگار کو) پکارا اس حال میں وہ غم میں گھٹ رہے تھے ف۲۹ اگر اُن کے پروردگار کا فضل اُن کی دستگیری

رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ

نہ کرتا تو وہ میدان میں ڈال دیئے جاتے بدحالی کے ساتھ ف۳۰ پھر اُن کے پروردگار نے انہیں (اور) برگزیدہ کر لیا

فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَ اِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور اُن کو (اور زیادہ) صالحین میں کر دیا ف۳۱ اور یہ کافر ایسا معلوم ہوتا ہے

لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ يَقُوْلُوْنَ

کہ آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرا دیں گے، جب کہ قرآن سنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾

یہ تو مجنون ہیں حالانکہ یہ قرآن نصیحت ہی نصیحت ہے، دنیا جہان والوں کے لئے ف۳۲

آیاتھا ۵۲ — ۶۹ سُورَةُ الْحَآقَّةِ مَكِّيَّةٌ ۷۸ — رکوعاتھا ۲

اس کی باون آیتیں ہیں — سورۃ الحاقۃ مکہ میں نازل ہوئی — اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَآقَّةُ ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۲﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۳﴾

وہ ہونے والی چیز! کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز، اور آپ کو کیا خبر کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز! ف۱

ف۲۷ اور اس لئے آپ کی اطاعت اور قبول دعوت سے بھی گریز کر رہے ہیں۔ قرآن مجید کا جتنا حصہ مدنی سورتوں پر شامل ہے ان میں زیادہ تر احکام وقوانین، مسائل وقصص کا سادہ بیان ہے۔ اس حصہ میں قدرۃً سوال وجواب کی گنجائش کم تھی لیکن قرآن مجید کا یہ آخری حصہ جو زیادہ تر مکی سورتوں پر شامل ہے، اس میں عموماً دعوت اصلاحِ عقائد کی ملتی ہے اور منکرین کو توحید، رسالت وآخرت کی طرف بلایا جا رہا ہے اس لئے قدرۃً ان سورتوں کا اسلوب بیان زیادہ خطیبانہ ہے اور اس میں خطبات عرب (اور عرب کیا معنٰی ساری دنیا کے خطبات) کے دستور کے مطابق مؤثر انداز میں سوالات واستفہامات بھی زائد ہیں۔ ف۲۸ (اور اس طرح غیب سے براہِ راست تعلق پیدا کر کے آپ کی اطاعت سے بے نیاز رہ گئے ہیں) ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۶ ف۲۹ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ۔ سے مراد ارض نینوا کے پیغمبر حضرت یونس بن متی علیہ السلام ہیں جن پر حاشیے سورۂ یونس، سورۂ ہود وغیرہ میں مفصل گزر چکے۔ فَاصْبِرْ۔ آپ صبر سے کام لیتے رہئے۔ اور ان لوگوں پر فوری عذاب نہ آنے سے بددل نہ ہو جائیے۔ اِذْ نَادٰى۔ ندا سے یہاں مراد اپنے پروردگار کو توبہ واستغفار کی راہ سے پکارنا ہے۔ وَ لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ۔ یعنی ان پیمبر کی طرح کہیں نہ ہو جائیے گا، جو وقت پر عذاب موعود کے ٹل جانے سے بددل وملول کی خاطر ہو کر بلا اجازت صریح کہیں اور چلے گئے تھے۔ وَهُوَ مَكْظُوْمٌ۔ آپ کو غم اور صدمے کئی کئی طرح کے تھے۔ اور وہ سب اکٹھے ہو گئے تھے۔ ایک رنج تو قوم کے ایمان نہ لانے کا۔ دوسرا آئے ہوئے عذاب کے ٹل جانے کا۔ تیسرا بلا اذن صریح اپنے مقام سے چل کھڑے ہونے کا۔ اور چوتھا شکم ماہی میں محبوس ہو جانے کا۔ وَ لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ صاحب حال کا فعل صاحب مقام کے لئے۔ اور صاحب مقام کا فعل صاحبِ مقام الٰہی کے لئے کبھی کبھی نقص کا حکم رکھتا ہے اس لئے اس سے روکا جاتا ہے۔ ف۳۰ یعنی اگر ان کی توبہ قبول نہ ہو جاتی اور ملامت خطائے اجتہادی پر برابر قائم رہتی تو وہ دریا سے نکال کر میدان میں حالت مذموم کے ساتھ ڈال دیئے جاتے۔ لیکن توبہ قبول ہو گئی، ملامت کا شائبہ نہ رہا اور حالت بجائے مذموم ہونے کے ممدوح ہو گئی۔ ف۳۱ مقام اجتباء وصالحیت پر تو آپ پہلے سے ہی تھے۔ اب ان مقامات میں اور زیادہ ترقی ہو گئی۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ شاید اس تتمیم قصہ سے مقصود یہ ہو کہ اپنے اجتہاد پر عمل کرنا ان پیمبر کو کیسا مضر ہوا اور توکل کیسا نافع، اس طرح عذاب کے بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی رائے سے عجلت نہ کیجئے۔ بلکہ اللہ ہی پر توکل رکھئے تو انجام بہتر ہوگا۔ ف۳۲ یہ کافروں اور منکروں کے انتہائی سفاہت وحمق کا بیان ہے کہ اللہ جو کلام ایک ہی ملک وقوم کے نہیں، ساری دنیا کی ہدایت واصلاح کے دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کے قانون اور ضابطے اور ہدایتیں دنیا کی کیا انفرادی اور کیا اجتماعی، کیا اخلاقی اور کیا سیاسی، کیا معاشری اور کیا خانگی، ہر قسم کی صلاح وفلاح کی ضامن تھیں، اسی کو یہ لوگ مجنون کا کلام بتا رہے ہیں—! یہ خود ان کا جنون نہیں تو اور کیا ہے۔ وَمَا هُوَ۔ ضمیر ھو سے مراد پیمبر علیہ السلام کا لایا ہوا کلام یا قرآن ہے۔ لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ۔ زلق بالابصار محاورۂ عرب میں کنایۃً شدتِ عداوت سے ہے۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ تم تو مجھے ایسی بری آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ جیسے کھا ہی جاؤ گے۔ والمعنی انھم بشدة عداوتھم ینظرون الیک شزرا بحیث یکادون یزلون قدمک اویھلکونک (بیضاوی) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے اس آیت کے تحت میں ایک بڑے نکتہ کی بات سمجھائی ہے کہ تصرفات تکوینی اہلِ باطل بھی کر سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تاثیرات طبعیہ میں وہ اہل حق پر غالب آ جائیں۔ ان تصرفات نفسانی کو دلیل ولایت ومقبولیت سمجھنا ہی محتمل ہے۔

ف۱ سورۃ کو استفہامی فقروں سے شروع کرنا مخاطب کو سوال کر کے توجہ دلانا عین بلاغت وخطابتِ عرب کے اسلوب کے مطابق ہے۔ اَلْحَآقَّةُ۔ حاقہ کے لفظی معنٰی اس چیز کے ہیں جو بہر حال ہو کر رہے۔ الحاقة التی یحق وقوعھا (بیضاوی) مراد حشر کا ہولناک دن ہے جس دن جزاء وسزا واقع ہو کر رہے گی۔ اشارة الی القیامة لانه یحق فیه الجزاء (راغب)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَ عَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ④ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا

ثمود اور عاد نے تکذیب کی اُس کھڑکھڑا دینے والے واقعہ کی، سو ثمود تو ایک زور کی آواز سے

بِالطَّاغِيَةِ ⑤ وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ⑥ لا

ہلاک کر دیئے گئے اور رہے عاد سو وہ ایک تیز و تند ہوا سے ہلاک کیے گئے ۲ؑ

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى

(اللہ نے) اسے ان پر مسلط کر دیا تھا سات راتوں اور آٹھ دنوں تک لگاتار تو تُو وہاں

الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ⑦ ج

اس قوم کو یوں گرا ہوا دیکھتا ہے کہ گویا وہ گری ہوئی کھجور کے تنے پڑے ہیں

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ⑧ وَ جَآءَ فِرْعَوْنُ وَ مَنْ

سو کیا تجھ کو ان میں سے کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے ۳ؑ اور فرعون اور اُس کے قبل والوں نے

قَبْلَهٗ وَ الْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ⑨ ج فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ

اور الٹی ہوئی بستیوں والوں نے (بڑے بڑے) قصور کیے تھے ۴ؑ تو انہوں نے اپنے پروردگار کے رسول کی نافرمانی کی

فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ⑩ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ

سو (اللہ نے) ان کو بہت سخت پکڑا ہم ہی نے جب کہ پانی میں طغیانی ہوئی تمہیں کشتی میں

فِي الْجَارِيَةِ ⑪ لا لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَآ اُذُنٌ

سوار کیا تاکہ اس (واقعہ) کو ہم تمہارے لئے یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان

وَّاعِيَةٌ ⑫ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ⑬ لا

اس کو یاد رکھیں ۵ؑ غرض جب صور یکبارگی پھونک دیا جائے گا

وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ⑭ لا

اور زمین اور پہاڑ اُٹھا لئے جائیں گے پھر دونوں ایک دفعہ میں ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے،

۲ؑ یہ قوم ثمود قوم عاد جو شمالی و مغربی عرب اور جنوبی و شرقی عرب کی اپنے اپنے زمانہ میں مہذب ترین و متمدن ترین قومیں رہی ہیں۔ ان کا اصلی جرم انکار آخرت تھا۔ جو حق تعالیٰ کے ضابطۂ تعزیرات میں انکار توحید کے بعد شدید ترین جرم ہے۔ اور ان دونوں کا اسی بنیادی جرم کی پاداش میں دنیا میں یہ حشر ہوا کہ ان کا نام و نشان تک مٹا کر رکھ دیا گیا۔ آج کی آخرت فراموش "روشن خیال" و "مہذب" قوموں کا جن کے صحیفۂ تہذیب و روشن خیالی کی پہلی ہی سطر آخرت فراموشی ہے، حشر کیا ان سے کچھ مختلف ہونا ہے؟ اَلْقَارِعَةُ۔ قرع اس آواز کو کہتے ہیں جو کسی سخت چیز پر ضرب لگنے سے پیدا ہوتی ہے اور قارعة سخت قسم کی کھڑکھڑاہٹ ہے۔ القرع ضرب شیء علی شیء (راغب) القارعة هی التی تقرع الناس بالافزاع والاسهال (کبیر) مراد قیامت کا دن ہے۔ اجمعوا علی ان الحاقة هی القیامة (کبیر) ثَمُوْدُ وَ عَادٌ۔ ان قوموں پر اور ان کی تباہی و بربادی پر مفصل حاشیے سورۃ الاعراف وغیرہ میں گزر چکے۔ **۳ؑ** یہ منظر ہلاکت و تباہی کے بعد اس قوم کی مردہ لاشوں کا دکھایا ہے۔ كَاَنَّهُمْ ...... خَاوِيَةٍ۔ کٹے ہوئے درختوں کے تنے کے ساتھ یہ تشبیہ قوم عاد کی جسمانی تنومندی اور قد آوری کے لحاظ سے نہایت موزوں اور برمحل ہے۔ **۴ؑ** (اور سب سے بڑھ کر انکارِ آخرت) فرعون کا ذکر بار بار آ چکا ہے۔ اَلْمُؤْتَفِكٰتُ۔ یہ الٹی ہوئی بستیاں قوم لوط کی تھیں۔ حضرت لوط اور ان کی قوم پر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ **۵ؑ** یعنی سننے والوں کو چاہئے کہ عبرت کے کانوں سے اس واقعہ کو سنیں اور اسے یاد رکھ کر موجبات عقوبت سے بچیں۔ اِنَّا ...... الْجَارِيَةِ۔ اشارۃ واقعہ طوفان نوح کی جانب ہے۔ حَمَلْنٰكُمْ۔ ضمیر جمع مخاطب سے مراد موجودہ نسل مخاطبین کے اسلاف ہیں۔ لِنَجْعَلَهَا۔ ضمیر ھا اس واقعہ غرقابی کی طرف راجع ہے جو مخاطبین کو خوب اچھی طرح معلوم تھا، گو یہاں مذکور نہ ہو، ایسے موقع پر محض ضمیر سے کام لینا عربی اسلوب بیان کے عین مطابق ہے۔ قال الزجاج انہ عائد الی الواقعة التی هی معلومة وان کانت ههنا غیر مذکورة (کبیر) الضمیر للفعلة وهی نجاة المؤمنین و اغراق الکفرة (کشاف)

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ لا وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ

تو اُس روز وہ ہونے والی چیز ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ

يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ لا وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ط وَيَحْمِلُ

اس روز (بالکل) بودا ہو گا اور فرشتے اس کے کنارے پر ہوں گے ف۶ اور آپ کے پروردگار کے

عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾ ط يَوْمَئِذٍ

عرش کو اپنے اوپر اس روز آٹھ (فرشتے) اٹھائے ہوں گے ف۷ جس روز

تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ

تم پیش کئے جاؤ گے تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ رہے گی تو جس شخص کا نامۂ عمل اس کے

كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ لا فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿١٩﴾ ج اِنِّيْ

داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا لو میرا نامۂ اعمال پڑھ لو میں تو

ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ ج فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ

جانے ہوئے تھا کہ مجھے ضرور میرا حساب پیش آنے والا ہے ف۸ تو وہ شخص خوب مزے کے

رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ لا فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ لا قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ كُلُوْا

عیش میں ہو گا بہشت بریں میں ہو گا جس کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے کھاؤ

وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓــئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾

اور پیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے بدلے میں جو تم گزشتہ ایام میں کر چکے ہو ف۹

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ لا فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ

اور رہا وہ جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، تو وہ کہے گا کیا اچھا ہوتا جو مجھے میرا

اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾ ج وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ ج يٰلَيْتَهَا كَانَتِ

نامۂ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھے خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے کاش موت ہی خاتمہ

ف۶ (جس وقت آسمان پھٹنا شروع ہوگا) ذکر ان فرشتوں کا ہے جو آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ۔ یعنی اپنے اپنے مقام وحیز سے یہ چیزیں ہٹادی جائیں گی۔ ذکر قیامت کے نفخۂ اول کا چل رہا ہے۔ وَالْمَلَكُ۔ ملک۔ یہاں بطور اسم جنس آیا ہے۔ صورۃً مفرد ومعنیً جمع۔ للجنس بمعنى الجمع (مدارک) لم يرد به ملكا واحدا بل اراد الجنس والجمع (کبیر) ف۷ (جیسا کہ اس وقت چار اٹھائے ہوئے ہیں) عرش الٰہی کی کیفیت یا ماہیت اور اس کی تفصیلات سب علم وشعور انسانی کی موجودہ سطح سے بالاتر ہیں اس لئے بجز اجمالی بیان سن لینے اور اس کی اجمالی تصدیق کر دینے کے بندوں کے لئے کوئی چارہ نہیں۔ البتہ محققین نے لکھا ہے کہ عرش الٰہی کو اس وقت جو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، یہ محض سطوت وجبروت شہنشاہی کے اظہار کے لئے ہے ورنہ عرش تو ثقل مادی سرے سے رکھتا ہی نہیں۔ البتہ نورانیت وہیبتِ الٰہی کا بار رکھتا ہے۔ سو آخرت میں شانِ جبروتی کا ظہور کامل ہوگا اس لئے چار حامل اور بڑھ جائیں گے یہ کہنا کہ فرشتوں کا حامل عرش ہونا حق تعالیٰ کی شان قیومیت کے منافی ہے محض اپنی سطحیت کا اظہار کرنا ہے۔ اگر قیومیت کے یہ معنی لے لئے جائیں تو ایک اسی مسئلہ پر کیا موقوف ہے، ملائکہ کو واسطہ بنا کر ان سے کام لیتے رہنے کا سارا نظام ہی باطل ہوا جاتا ہے۔ يَوْمَئِذٍ۔ سے مراد مجموعی وقت قیامت ہے اس کے نصف اول (جب نفخۂ اولیٰ ہوگا) کا بیان پہلے ہو چکا، اب ذکر نصف ثانی کا ہو رہا ہے۔ جب نفخۂ ثانی ہوگا۔ ف۸ یعنی میں تو خود دنیا میں ایمان وتصدیق رکھتا تھا اور یوم آخرت اور وقوع جزاء کا شروع ہی سے معتقد تھا۔ لَا...... خَافِيَةٌ۔ یعنی اے انسانو! حق تعالیٰ سے اس وقت تمہارا کوئی سا بھی راز چھپا ہوا نہ ہوگا۔ فَاَمَّا...... بِيَمِيْنِهٖ۔ نامۂ اعمال کا داہنے ہاتھ میں ملنا جنتی ہونے کی علامت ہوگا۔ فَيَقُوْلُ۔ وہ جنتی خوش ہو کر اپنے آس پاس والوں سے کہے گا۔ هَآؤُمُ۔ ھا کے معنی "لو" کے آئے ہیں اور ھاؤم کا استعمال موقع جمع پر ہوتا ہے۔ هاؤ صوت يصوت فيفهم به معنى خذ (کبیر) ويقال للاثنين هاؤما وللجمع هاؤموا وهاؤم (کبیر) ها كلمة فى معنى الاخذ وهو نقيض هات اى اعط ويقال هاؤم و هاؤما وها ؤموا (راغب) فَيَقُوْلُ...... كِتٰبِيَهْ۔ یہ جنتی نامۂ اعمال کو داہنے ہاتھ میں پا کر فرط مسرت میں پکار اُٹھے گا جیسا آج دنیا میں بھی انتہائی مسرت کے جوش میں انسان دوسروں کو بھی پکار پکار کر اپنی مسرت میں شریک کرتا ہے۔ دل ذلك على انه بلغ الغاية فى السرور (کبیر) ف۹ (یعنی دنیا میں) قُطُوْفُهَا...... دَانِيَةٌ۔ یعنی جنت میں میوہ دار درختوں کے لذیذ پھل اور خوشے اہل جنت پر جھکے ہوئے ہر حال میں ان سے ایسے قریب ہوں گے کہ وہ بیٹھے لیٹے، کھڑے، جس وضع وحالت میں بھی چاہیں گے انہیں پا سکیں گے۔ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ۔ جنت کی زندگی ہر قسم کے فکر وتردد، مرض ومصیبت، زوال وموت، عیب ونقص سے قطعاً خالی ہوگی، اس ساری کیفیت کو ایک مختصر لفظ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ سے تعبیر فرما دیا گیا ہے۔ بِمَآ اَسْلَفْتُمْ۔ اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ اعمال طاعت موجبات اجر وصلہ ہوتے ہیں۔ اور اہلِ جنت کو جو صلہ ملے گا اس کے وہ مستحق ہوں گے۔ يدل على انهم انما استحقوا ذلك الثواب بسبب عملهم وذلك يدل على ان العمل موجب للثواب (کبیر)

اَلْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّيْ

کر چکی ہوتی ف١٠ میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا میرا جاہ (بھی) مجھ سے

سُلْطٰنِيَهْ ﴿٢٩﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿٣١﴾

گیا گزرا ہوا ف١١ پکڑو اس کو اور طوق پہناؤ اس کو، پھر اس کو دوزخ میں داخل کرو

ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿٣٢﴾

پھر ایک ایسی زنجیر میں اسے جکڑو جس کی پیائش ستر گز ہے ف١٢

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى

اس کا نہ ایمان ہی خدائے بزرگ پر تھا اور نہ یہ غریب آدمی کے

طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿٣٤﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿٣٥﴾

کھلانے کی ترغیب دیتا تھا ف١٣ سو آج اس کا نہ کوئی دوست ہے اور نہ اسے کوئی کھانا نصیب ہے،

وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿٣٦﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿٣٧﴾

بجز زخموں کے دھوون کے، جسے کوئی بھی نہ کھائے گا بجز سخت گنہگاروں کے ف١٤

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّهٗ

پھر میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو، اور جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو یہ (قرآن)

لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿٤٠﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا

کلام (الٰہی) ہے ایک معزز فرشتہ کا (لایا ہوا) ف١٥ اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں بہت ہی کم ایمان

تُؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾

تم لاتے ہو اور یہ کسی کاہن کا بھی کلام نہیں بہت ہی کم تم سمجھتے ہو ف١٦

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ

(یہ کلام) اتارا ہوا ہے پروردگار عالم کی طرف سے ف١٧ اور اگر (یہ پیغمبر) ہمارے ذمہ کچھ باتیں

ع ١ / ٥

ف١٠ (ہمیشہ ہمیش کے لئے اور آج اس جزاء وسزا کی نوبت ہی نہ آتی) یہ کلمات اہل دوزخ کی زبان پر انتہائی حسرت ویاس کی حالت میں آئیں گے۔ وَاَمَّا مَنْ ...... بِشِمَالِهٖ۔ نامۂ اعمال کا بائیں ہاتھ میں ملنا دوزخی ہونے کی علامت ہوگا۔ يٰلَيْتَهَا۔ ضمیر ھا موت کی جانب ہے۔ اگرچہ لفظ موت مذکور نہیں۔ شدت ظہور کے باعث ضرورت بھی اس کے ذکر کی نہ تھی۔ الضمير يعود الى الموتة الاولى وهى وان لم تكن مذكورة الا انها لظهورها كانت كالمذكور (کبیر) ف١١ یعنی دنیا کا مال وجاہ لینے میں پڑا ہوا میں مست وغافل اور آخرت کی طرف سے بھولا ہوا رہتا تھا۔ ان کی بے حقیقتی آج عیاں ہو رہی ہے۔ دنیا میں غفلت پیدا کرنے والی چیزیں یہی دو ہوتی ہیں ایک مال دوسرے جاہ، اس لئے صراحت سے ذکر انہیں دونوں کا کیا گیا۔ ف١٢ دوزخی ابھی حسرت وندامت میں مبتلا ہی ہوگا کہ ادھر سے فرشتوں کو یہ احکام صادر ہو جائیں گے۔ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا۔ یہ گز عالم آخرت کے ہوں گے دنیا کی پیائش اور پیمانوں سے آخرت کی پیائش اور پیمانے ظاہر ہے کہ کتنے مختلف ہوں گے۔ اور پھر بھی ضرور نہیں کہ اس سے کوئی متعین پیائش ہی مقصود ہو، بلکہ ہوسکتا ہے کہ زنجیر کا محض طویل ہونا مقصود ہو۔ ليس الغرض التقدير بهذا المقدار بل الوصف بالطول كما قال ان تستغفر لهم سبعين مرة يريد مرات كثيرة (کبیر) يجوز ان يراد المبالغة فى طولها وان لم يبلغ هذا العدد (بحر) ف١٣ (مرتبۂ واجب میں) اِنَّهٗ ...... الْعَظِيْمِ۔ یعنی یہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات پر اس طرح ایمان نہ لایا، جس طرح کی تعلیم حضرات انبیاء ومرسلین دے گئے تھے۔ وَلَا ...... الْمِسْكِيْنِ۔ یعنی یہ خود تو غریبوں، مسکینوں، کی خدمت کیا کرتا۔ دوسروں تک کو اس کی صلاح وترغیب نہیں دیتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ اللہ کے حق اور بندوں کے حق دونوں کو بھولا ہوا تھا۔ ف١٤ یعنی ان کافروں مجرموں کو دوزخ میں غذائیں بھی ملیں گی، تو اتنی نفرت انگیز اور گندی کہ کوئی اور انسان تو ادھر رخ بھی نہیں کر سکتا! الْخَاطِئُوْنَ۔ مراد خطا پیشہ یعنی منکرین وکافرین ہیں۔ الكافرون (مدارک، معالم) وهم المشركون (کبیر) ف١٥ یعنی موجودات مرئی وغیر مرئی سب اس پر شاہد ہیں کہ قرآن جس پر آیا وہ حق تعالیٰ کا معزز قاصد ہے۔ قسم کے متعلق بار بار بیان ہو چکا ہے کہ عربی اسلوب بیان میں اس سے مقصود محض تاکید کلام ہوتی ہے۔ بِمَا ...... لَا تُبْصِرُوْنَ۔ قرآن مجید کو دنیا میں لانے والا ایک غیر مرئی مخلوق یعنی فرشتہ تھا، اور دنیا کے سامنے اس کا پیش کرنے والا ایک مرئی مخلوق یعنی پیمبر۔ اس لئے حقانیت قرآن کے سلسلۂ سیاق میں موجودات کی ان دو قسموں کی طرف توجہ دلانا بہت پُر معنی ہے۔ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ۔ رسول کا استعمال اس سیاق میں فرشتہ جبرئیل کے لئے ہے۔ والاكثرون هناك على ان المراد به جبريل عليه السلام (کبیر) قال ابن السائب ومقاتل وابن قتيبة هو جبريل عليه السلام (بحر) قرآن کا انتساب حضرت جبرئیل علیہ السلام کی جانب بھی صحیح ہے کہ وہی آسمان سے اس کے لانے والے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بھی صحیح کہ وہی ہم سب کو سنانے والے تھے۔ نعوذ باللہ اگر اسے فرشتہ ہی کا مستقل کلام قرار دے لیا جائے، تو اس کا وصف امی رسول ہی باطل ٹھہرا جاتا ہے۔ يكفى فى سوق الاضافة ادنى سبب فهو كلام جبرئيل بمعنى انه هو الذى انزله من السموات الى الارض وهو كلام محمد بمعنى انه هو الذى اظهره للخلق ودعا الناس الى الايمان به (کبیر) ف١٦ غرض یہ کہ یہ پُر حکمت وعظمت کتاب نہ شعر ہے، نہ کہانت، اور تم لوگ جو ایسی بیہودہ رائے زنی کر رہے ہو، ایمان وعقل دونوں سے خالی ہو۔ قَلِيْلًا ـ قَلِيْلًا۔ یہ قلت دونوں جگہ عدم کے معنی میں ہے۔ وقليل يعبر به عن النفى، (راغب) القلة فى معنى العدم (کشاف) والعرب يقولون قلما يا تينا يريدون لا يا تينا (کبیر) بِقَوْلِ شَاعِرٍ۔ مشرکین مکہ کے ایک "روشن خیال" گروہ کی تشخیص یہی تھی۔ بِقَوْلِ كَاهِنٍ۔ مشرکین مکہ کے ایک دوسرے "روشن خیال" گروہ نے یہی فتویٰ دے رکھا تھا۔ قرآن مجید کی معجزانہ تاثیر سے تو اہل عرب کو بھی مجال انکار نہ تھی۔ جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ شخصیت کے اثرات سے آج فرنگیوں کو بھی مجال انکار نہیں، البتہ جس طرح آج کے فرنگی سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر کامیابی کے لئے توجیہیں ساری دنیا کی ڈھونڈ نکالتے ہیں، بجز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئ رسالت کی تصدیق کے۔ ساری طرح قریش کے "روشن خیال" بھی مجبور وعاجز ہو کر انہیں تاویلوں پر اتر آتے تھے کہ یا تو اسے شاعر کا کلام قرار دیں یا کاہن کا۔ شاعری اور کہانت، ادب کے انہیں دو مؤثر، پر زور حربوں سے وہ واقف تھے۔ ف١٧ (ساری خلق کی ہدایت واصلاح کے لئے)

ف۱۸ یعنی ان کا دعویٰ کسی طرح سرسبز نہ ہونے دیتے۔ اور اسے یہیں سزا دے دیتے۔ وَلَوْ...... الْاَقَاوِیْلِ۔ یعنی جو کلام حق تعالیٰ کا نہیں اسے یہ حق تعالیٰ کا کلام قرار دے کر نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیتے۔

الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا

لگا دیتے تو ہم اُن کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم اُن کی رگِ دل

مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾

کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی ان کا اس (سزا) سے بچانے والا نہ ہوتا ف۱۸

وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ

اور یہ (قرآن) بے شک نصیحت ہے متقیوں کے لئے ف۱۹ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تمہارے درمیان

مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَ اِنَّهٗ

تکذیب کرنے والے بھی ہیں اور یہ (قرآن) کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے ف۲۰ اور یہ (قرآن)

لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

تحقیقی یقینی بات ہے ف۲۱ سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے ف۲۲

ع ۱۵ ۲

آیاتها ۴۴ ۷۰ سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ ۷۹ رکوعاتها ۲

اس کی چوالیس آیتیں سورہ معارج مکہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ

مانگا، ایک مانگنے والے نے عذاب کو جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے ف۱ جس کا کوئی دفع کرنے

دَافِعٌ ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ

والا نہیں (اور جو) اللہ کی طرف سے ہوگا (جو) زینوں کا مالک (ہے) ف۲ فرشتے اور روحیں

وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ

اس کے پاس چڑھ کر جائیں گی، ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی

لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ۔ قطع وتین سے مراد ہلاک کر دینا ہے۔ قال ابن قتيبة لم يرد انا نقطعه بعينه بل المراد انهٗ لو كذبه لاماتناه (کبیر) الْاَقَاوِیْلِ۔ گڑھی ہوئی باتوں کے لئے قول کی جمع اقاویل بروزن اعاجیب و اضاحیک۔ اس کی تحقیر وذم کے لئے لائی گئی ہے۔ سمی الاقوال المتقولة اقاويل تحقيرًا لها كقولك الاعاجيب والاضاحيك (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسی طرح جھوٹا مدعیٔ ولایت بھی ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ مگر نبوت چونکہ ایک امر ظاہر ہے اس لئے اس کا جھوٹا مدعی ظاہرًا بھی ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور ولایت چونکہ امر باطنی ہے اس لئے اس کا جھوٹا مدعی صرف باطنًا ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور اہلِ باطن اس کا ادراک کر لیتے ہیں اور اس مدعی کے اندر انہیں آثار ممات وخذلان محسوس ہو جاتے ہیں۔ پس جس مدعی سے اکثر اہل اللہ بیزار ہوں اس سے بچتے رہنا چاہیے۔ ف۱۹ یعنی اس نصیحت نامہ، ہدایت نامہ سے فائدہ تو وہی لوگ اٹھائیں گے، جن کے دلوں میں خوفِ خدا موجود ہے۔ ف۲۰ اس معنٰی میں کہ وہ اس کی تکذیب کریں گے۔ اور اس طرح وہ ان کے حق میں بالواسطہ سبب تعذیب بن جائے گا) ف۲۱ ابھی ابھی قرآن مجید کا وصف کمالی اضافی بیان ہو چکا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ خدا ترسوں کے حق میں موجب نصیحت وہدایت ہے۔ اب اس کا وصف کمالی ذاتی بیان ہو رہا ہے۔ یعنی وہ بجائے خود ایک محقق وصادق کلام ہے۔ ف۲۲ یعنی اس کے نام کی، جس کا یہ کلام ہے۔ اور منکرین مکذبین کی پروا مطلق نہ کیجئے۔ ف۱ (کہ آخر وہ آ کیوں نہیں چکتا جس کا اتنی مدت سے وعدہ کیا جا رہا ہے) سَاَلَ سَآئِلٌ۔ یہ سوال اور مطالبہ ظاہر ہے کہ تضحیک وتعریض کی راہ سے تھا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ کہنے والا نضر بن الحارث المکی تھا۔ بعض روایتوں میں ابوجہل کا نام آیا ہے۔ بِعَذَابٍ۔ ب یہاں عن کے مرادف ہے۔ ف۲ (یعنی آسمانوں کا مالک) ذِی الْمَعَارِجِ۔ معرج جس کی جمع معارج ہے اس کے لفظی معنٰی آلۂ عروج یا سیڑھی کے ہیں یہاں مراد آسمانوں سے ہے جو ایک کے اوپر ایک ہیں اور اس پر فرشتے چڑھتے اترتے رہتے ہیں۔ مِنَ اللّٰهِ۔ اس کا تعلق لفظ متصل دافع سے بھی سمجھا گیا ہے۔ اور آیت ماقبل کے لفظ واقع سے بھی۔ یعنی یہ مراد بھی لی جا سکتی ہے کہ اس عذاب کا اللہ کی طرف سے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور یہ مراد بھی کہ وہ عذاب کافروں پر اللہ کی طرف سے واقع ہوگا اور حاصل دونوں ترکیبوں کا ایک ہی ہے۔ اہلِ لطائف ومشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ اللہ کی صفت ذِی الْمَعَارِجِ لانے میں دو نکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں طالب سالک کے لئے تسکین وتسلی ہے کہ وہ اپنی سعی واستعداد کے مطابق جس مقام پر بھی قدم رکھے گا، ذات کبریائی اس کی پذیرائی کرے گی۔ دوسرے یہ کہ اس میں طالب سالک کی شوق افزائی کی ہے کہ وہ جس منزل پر بھی پہنچ چکا ہو، اس پر قناعت نہ کرے، بلکہ آگے ہی بڑھتے رہنے کی کوشش کرے!

سَنَةٍ ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ

ہوگی ف۳ سو آپ صبر کیجئے اور صبر بھی جمیل ف۴ یہ لوگ اس دن کو دور دیکھ

بَعِيْدًا ﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿۷﴾ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿۸﴾

رہے ہیں اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں ف۵ جس دن کہ آسمان تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا

وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۹﴾ وَ لَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ

اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے اور کوئی دوست کسی دوست کو

حَمِيْمًا ﴿۱۰﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ

نہ پوچھے گا حالانکہ وہ انہیں دکھا بھی دیئے جائیں گے ف۶ مجرم (تو اس روز بس) اس کی تمنا کرے گا کہ

مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ ﴿۱۲﴾

اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بدلہ میں فدیہ دے دے اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو

وَ فَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

اور اپنے کنبہ کو جس میں وہ بسر کرتا ہے اور تمام اہل زمین کو (کہ)

ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾

پھر (یہ فدیہ) اسے (عذاب سے) بچالے ف۷ یہ ہرگز نہ ہوگا وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے کہ کھال (تک) اتار دے گی،

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾

اور وہ اس شخص کو بلا وادے گی جس نے پیٹھ پھیری ہوگی اور روگردانی کی ہوگی اور (مال) جمع کیا ہوگا، اور اس کو اٹھا اٹھا

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ

رکھا ہوگا ف۸ انسان بے ہمت پیدا ہوا ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو

جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا

جزع فزع کرنے لگتا ہے، اور جب اسے خوشحالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے ف۹ ہاں البتہ

ف۳ (اس دنیا کی مقدار مدت کے حساب سے) اتنی طویل مدت (جیسا کہ سیاق اشارہ کررہا ہے) کافروں ہی کو معلوم ہوگی۔ اور ان کے حق میں یہ امتداد، اشتداد ہی کی طرح خود ایک عذاب الیم ہوگا۔ رہے اہل ایمان، جن کی شان میں بار بار لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ اور وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ وغیرہ کی بشارتیں قرآن مجید میں آچکی ہیں۔ حسب تصریح احادیث یوم حشر ان کے لئے بالکل ہلکا پھلکا ہوگا۔ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ۔ یہ فرشتے اور ارواح انہیں آسمانی زینوں سے چڑھتے اترتے رہتے ہیں۔ اَلرُّوْحُ۔ روح بطور اسم جنس کے آیا ہے۔ اور مراد اہل ایمان کی روحیں ہیں۔ الیه مراد عالم بالا کے وہ مقامات ہیں جو فرشتوں اور روحوں کے منتہائے عروج ہیں۔ ای الی عرشه و مهبط امره (مدارک) لفظ الی سے حق تعالیٰ کی تجسیم و مکانیت پر استدلال سرتاسر لغو ہے الی کا منسوب الیہ جب کبھی بھی غیر مادی یا غیر مکانی ہوتا ہے تو الی کے مفہوم میں صرف توجہ والتفات شامل رہتا ہے۔ مثلاً الی الکفر، الی الایمان، الی الخیر وغیرہ میں، اور خود قرآن مجید کی اس قسم کی آیات میں۔ وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ وغیرہ۔ فلیس المراد منه المکان بل المراد انتهاء الامر الی مراده (کبیر) ف۴ جس میں شکوہ وشکایت کا نام بھی نہ ہو۔ فَاصْبِرْ۔ یعنی آپ معاندین کے طنز واستہزاء پر صبر کرتے رہیے۔ ف۵ (اور انہیں اس کے قرب سے آگاہ بھی کرتے جاتے ہیں) نَرٰىهُ قَرِيْبًا۔ حق تعالیٰ کا دیکھنا چونکہ ہمیشہ مطابق واقع ہی ہوتا ہے۔ اس لئے گویا یہ بتا دیا کہ وہ دن واقعۃً بہت ہی قریب آلگا ہے۔ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا۔ ان کا اس دن کو دور سمجھنا تمام تر ان کی ارادی غفلت و مدہوشی کا نتیجہ ہے۔ بَعِيْدًا۔ قَرِيْبًا۔ بعید سے مراد بعید از قدرت اور قریب سے مراد اندرون قدرت لی گئی ہے۔ فالمراد بالبعید البعید من الامکان وبالقریب القریب منه (کبیر) ف۶ یعنی ایسی نفسی نفسی اس وقت پڑی ہوگی کہ غیر تو کیا کام آئیں گے خود اپنے قریبی بھی بات تک نہ پوچھیں گے۔ يَوْمَ۔ یعنی کافروں پر یہ عذاب اس دن واقع ہوگا، جس کی کیفیت اب بیان ہو رہی ہے ـــ امتداد یوم حشر کا بیان ابھی ہو چکا ہے۔ اب تفصیلات اس روز کے اشتداد کی بیان ہو رہی ہیں۔ كَالْمُهْلِ۔ یعنی تلچھٹ کی طرح سیاہی مائل انتہائی سرخی کے ڈانڈے سیاہی سے مل جاتے ہیں۔ اس لئے اس بیان اور كَانَتِ السَّمَآءُ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ میں کوئی تناقض نہیں ـــ اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ سرخی اور میلان بسیاہی یہ دو مختلف رنگتیں دو مختلف حالتوں کی ہوں۔ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ۔ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ۔ جب آسمان اور پہاڑ جیسی زبردست اور مستحکم چیزیں یوں نکمی نکل جائیں گی تو دوسری موجودات کا کیا ذکر! تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ۔ پہاڑوں کی تشبیہ رنگین اون سے شاید اس لئے دی گئی کہ پہاڑ بھی مختلف رنگ کے ہوتے ہیں۔ ف۷ اَلْمُجْرِمُ۔ مجرم سے مراد کافر ہے۔ ای المشرک (معالم۔ مدارک) المجرم هو الکافر (کبیر) کافروں کی حالت اس روز یہ ہوگی کہ دنیا میں جس جس پر جان فدا کرتے تھے۔ ان تک کو اپنی جان بچانے کے لئے عذاب الٰہی کے حوالے کرتے جائیں گے۔ ف۸ (دوسروں کا حق کاٹ کاٹ کر) كَلَّا ...... لِلشَّوٰى۔ ذکر دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ کا ہے کہ وہ کسی کی رو رعایت کرنا کیا جانے۔ اور اس کے سامنے ذکر عوض وفدیہ کا کیسا! اَوْعٰى۔ کنایہ ہے کمال بخل سے۔ یہ ضرور نہیں کہ کوئی شخص واقعۃً اپنے نقد و مال کو اٹھا اٹھا کر الماریوں اور تجوریوں کے اندر سمیٹ کر رکھے۔ مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى۔ یعنی جب دنیا میں ایمان وطاعت کی طرف بلائے جاتے تھے تو بلانے والے کی طرف سے اعراض ونفرت کرتے ہوئے بھاگتے تھے۔ مطلب دونوں آیتوں کو ملا کر یہ ہوا کہ حقوق اللہ وحقوق العباد دونوں کو کافر نے دنیا میں ضائع کیا۔ اور اس سے فساد عقائد اور فساد اخلاق دونوں کی جانب اشارہ ہو گیا۔ کافر کے نفس عذاب کے لئے تو کفر ہی کافی ہے عذاب میں مزید اشتداد البتہ فروع کی بناء پر ہوگا۔ ف۹ الْاِنْسَانَ۔ انسان سے اس سیاق میں مراد کافر انسان ہے جیسا کہ مابعد اہل ایمان کے استثناء سے ظاہر ہو رہا ہے۔ هَلُوْعًا۔ اس بدہمتی سے مراد طبعی، جبلی بدہمتی مراد نہیں بلکہ اس کے اختیاری واکتسابی آثار مادی مراد ہیں۔ جَزُوْعًا۔ یعنی جزع فزع کرنے میں قدم حد اباحت سے آگے بڑھا رہتا ہے۔ مَنُوْعًا۔ یعنی ادائے حق ضروری میں بھی بخل کرنے لگتا ہے۔

الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

وہ نمازی (اس حکم میں داخل نہیں) جو اپنی نماز میں برابر لگے رہتے ہیں

وَ الَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ

اور جو اپنے مال میں حق رکھتے ہیں جانا ہوا سوالی اور بے سوالی

وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾

(سب) کا اور جو جزاء کے دن کی تصدیق کرتے رہتے ہیں ف۱۰

وَ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ

اور جو لوگ اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہنے والے ہیں بے شک

عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

ان کے پروردگار کا عذاب نڈر رہنے والی چیز ہے بھی نہیں اور جو لوگ کہ اپنی شرمگاہوں کو

حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

محفوظ رکھنے والے ہیں ہاں اگر اپنی بیویوں اور باندیوں سے (حفاظت نہ کریں) تو

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ

ان پر کوئی ملامت نہیں البتہ جو کوئی اس کے علاوہ (شہوت رانی کا) طلبگار ہوا،

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ

تو یہ لوگ حد (شرعی) سے نکل جانے والے ہیں ف۱۱ اور جو لوگ اپنی امانتوں

وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ

اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو لوگ اپنی گواہیوں کے ادا

قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾

کرنے والے ہیں ف۱۲ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی پابندی رکھتے ہیں

ف۱۰ اور اس بنیادی عقیدۂ تصدیق سے اہل ایمان کے سارے اعمالِ طاعت کی شاخیں ہوگئی ہیں۔ اَلَّذِیْنَ ...... دَآئِمُوْنَ۔ یعنی اپنی نمازوں کی پوری محافظت ومداومت رکھتے ہیں۔ انہیں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتے۔ عن عائشةؓ قالت كان احب الصلوة الى رسول الله ﷺ ماديم عليه (جصاص) قيل المراد بذلك الذين اذا عملوا عملاً اداموا عليه واثبتوه (ابن کثیر) یہ معنٰی بھی ہوسکتے ہیں کہ ہروقت نماز کے خیال میں لگے رہتے ہیں کہ ادھر وقت آئے اور ادھر نماز شروع کردیں۔ عن ابن مسعودؓ قال دائمون على مواقيتها (جصاص) قيل معناه يحافظون على اوقاتها و واجباتها قال ابن مسعود ومسروق و ابراهيم النخعي (ابن کثیر) مرشد تھانوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ نمازیوں کا ہلوع یعنی بدہمت نہ ہونا دلیل ہے اس کی کہ طاعات کو قوت قلب وتحمل شدائد میں دخل عظیم ہے۔ اور اس اثر کا مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ فِیْ ...... الْمَحْرُوْمِ۔ طاعاتِ بدنی کا اجمالی ذکر ابھی نماز کے ضمن میں آچکا ہے۔ طاعاتِ مالی کا ذکر اب آرہا ہے۔ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ۔ یعنی وہ حق جو شرعاً معین ہے یا عقلاً مسلم ہے۔ لِلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ یعنی جس کا جو درجہ شریعت نے مقرر کردیا ہے بس اس کے مطابق وماتحت۔ اَلْمَحْرُوْمِ۔ محروم کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ ہر وہ شخص ہے جو کوئی ذریعہ معاش نہ رکھتا ہو۔ عن ابن عباس المحروم الذى لايستقيم له تجارة (جصاص) قال ابو قلابة المحروم من ذهب ماله (جصاص) اے الذى لم يوسع عليه الرزق كما وسع على غيره (راغب) ف۱۱ ان سب آیتوں کے لئے ملاحظہ ہوں سورۃ المؤمنون (پ۱۸) کے پہلے رکوع کے ابتدائی حواشی۔ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ اس سے ادھر اشارہ ہوگیا کہ علاوہ حرامکاری کے اس کے مبادی ومقدمات بھی ناجائز ہیں۔ فَمَنِ ...... الْعٰدُوْنَ۔ اس آیت نے غیر طبعی اور غیر شرعی شہوت رانی کی ساری صورتوں کو حرام قرار دے دیا۔ وهذه الأية تدل على حرمة المتعة ووطئ الذكران والبهائم والاستمناء بالكف (مدارک) ف۱۲ (ٹھیک ٹھیک اور بغیر کمی بیشی کے، بغیر کسی کی رورعایت کے، بلاکسی دباؤ یا لالچ کا اثر لئے ہوئے) لِاَمٰنٰتِهِمْ۔ یعنی ان امانتوں کا خیال رکھنے والے جو انہوں نے اپنی سپردگی میں لی ہیں۔ وَ عَهْدِهِمْ۔ یعنی ان عہدوں کو پورا کرنے والے جو وہ دوسروں سے کرچکے ہیں۔

ع ۱ / ۵

اُولٰٓئِكَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَالِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

یہی لوگ بہشتوں میں عزت سے داخل ہوں گے ف۱۳ تو ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ

قِبَلَكَ مُهْطِعِیْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ

آپ پر دوڑے چلے آتے ہیں داہنے سے اور بائیں سے ٹولیاں

عِزِیْنَ ﴿۳۷﴾ اَیَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ

بن بن کر ف۱۴ کیا ان میں سے ہر شخص اس کی ہوس رکھتا ہے کہ آسائش کی جنت میں داخل کر

نَعِیْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ

لیا جائے گا؟ ہرگز نہیں، ہم نے انہیں پیدا کیا ہے اس چیز سے جس سے سب واقف ہی ہیں ف۱۵ تو میں قسم کھاتا ہوں

بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰۤى اَنْ

مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی ف۱۶ کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ

نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ

اُن کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں، اور ہم کچھ عاجز تو ہیں نہیں ف۱۷ تو آپ ان کو (پڑا) رہنے دیجئے

یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰى یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ

(اس) شغل اور تفریح میں یہاں تک کہ انہیں اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو

یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا

جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، (یعنی) وہ دن جب کہ یہ قبروں سے نکل کر (اس طرح) دوڑیں گے

كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ

کہ گویا وہ کسی پرستش گاہ کی طرف دوڑے جاتے ہیں اُن کی آنکھیں جھکی ہوں گی

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

ان پر ذلت چھا رہی ہوگی یہی ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا ف۱۸

ع ۲ / ۸

ف۱۳ محققین نے کہا ہے کہ اعمال حسنہ کی فہرست کو شروع بھی نماز کے ذکر سے کرنا اور ختم بھی اسی پر کرنا اس کی دلیل ہے کہ اعمال طاعت میں اولین وعظیم ترین اہمیت نماز ہی کو حاصل ہے۔ فافتتح الکلام بذکر الصلوٰة واختتمہ بذکرھا فدل علی الاعتناء بھا والتنویہ بشرفھا (ابن کثیر) ف۱۴ (ان مضامین وتعلیمات کی تصدیق کے لئے نہیں بلکہ الٹے ان کی تکذیب وتضحیک کے لئے) فَمَالِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ ف سے ادھر اشارہ ہو گیا کہ ان موجبات سعادت وشقاوت کی پوری تحقیق ہو جانے کے بعد بھی۔ ف۱۵ (اور پھر بھی یہ امکان بعث میں شک ہی کئے جاتے ہیں۔ اور ہماری قدرت پر ذرا غور نہیں کرتے) اَیَطْمَعُ۔ اس سے ادھر اشارہ ہو گیا کہ اپنی حماقت وسفاہت سے یہ اپنے ہی کو حق پر سمجھے ہوئے اس خیال خام میں ہیں کہ مرنے کے بعد ان کے لئے چین ہی چین ہے۔ كَلَّا۔ موجبات عذاب کے تحقق کے ساتھ عیش بعد الموت کیسے جمع ہو سکتا ہے! مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ۔ یعنی نطفہ جیسی حقیر چیز سے۔ ف۱۶ (یعنی خود اپنی) آگے ذکر قدرت کاملہ کا ہے اس مناسبت سے یہاں اپنا ایک اسم وصفی لا کر گویا اسی وصف کو بطور شہادت کے پیش کیا ہے۔ مشارق جمع ہے مشرق کی اور مغارب جمع ہے مغرب کی۔ آفتاب کے طلوع وغروب کے نقاط سال میں برابر بدلتے رہتے ہیں، جیسا کہ علم ہیئت کے ہر طالب علم پر واضح ہے۔ قرآن مجید نے ہر ہر نقطہ طلوع کو ایک مشرق اور ہر ہر نقطہ غروب کو ایک مغرب قرار دے کر اسی فلکیاتی حقیقت کی جانب اشارہ کر دیا۔ مشرک اور جاہلی قوموں نے مشرق، اور مغرب، جنوب مشرق، جنوب مغرب، شمال مغرب، شمال مشرق وغیرہ کے جوالگ الگ دیوتا، یا، لوک پال تجویز کر رکھے تھے، اسی ایک نام رَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ کو لا کر قرآن نے اس سارے عقیدہ کی تردید کر دی کہ یہ کیا مہملات وخرافات ہیں، ہر سمت اور ہر جہت کا مالک وہی ایک پروردگار برحق ہے۔ ف۱۷ خلاصہ استدلال یہ کہ جب ہم بالکل نئی مخلوق کے پیدا کرنے پر، جن میں صفات کمال بھی تم سے زائد ہوں، قادر ہیں، تو تم کو دوبارہ پیدا کر دینے میں کیا دشواری ہے؟ اِنَّا ...... مِنْهُمْ۔ یعنی اس دنیا میں ان سے بہتر مخلوق لا دکھائیں۔ ف۱۸ (اور دنیا میں اس کی ہمیشہ تکذیب ہی کرتے رہے تھے) فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان بدمستوں اور غفلت میں پڑے رہنے والوں کے حق میں زیادہ فکر وتردد نہ کیجئے — یہ مطلب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر تبلیغ بھی ترک کر دیجئے۔ كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ۔ یعنی جس طرح دنیا میں چڑھاوا چڑھانے کے لئے اپنی پرستش گاہوں کی طرف لپکتے ہوئے جاتے تھے۔ نُصُب۔ ملاحظہ ہو وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ پر حاشیہ سورۃ المائدہ (پ ۶) کے رکوع اول میں۔ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ۔ یہ آنکھوں کا جھکا ہونا افراط خوف وندامت سے ہوگا۔ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ۔ اردو محاورہ میں "ان کے چہروں پر پھٹکار برس رہی ہوگی"۔

آیاتها ۲۸ | ۷۱ سُوْرَةُ نُوْحٍ مَّكِّيَّةٌ ۷۱ | رکوعاتها ۲

اس کی اٹھائیس آیتیں | سورۂ نوح مکہ میں نازل ہوئی | اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ

ہم نے نوح کو بھیجا اُن کی قوم کے پاس کہ ڈراؤ اپنی قوم کو

قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ

قبل اس کے کہ ان پر عذاب دردناک آپہنچے ف۱ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے لئے

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ② لا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَ اَطِيْعُوْنِ ③ لا

صاف صاف ڈرانے والا ہوں، (یہ یاد دلا کر) کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو اور میرا کہنا مانو

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ط

وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں وقت مقرر تک مہلت دے گا

اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ م لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ④

وقف لازم

بے شک اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آ جائے گا ٹلے گا نہیں کاش تم جان لیتے ف۲

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا وَّ نَهَارًا ⑤ لا فَلَمْ

(پھر نوح نے) دعا کی کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی قوم کو رات اور دن دعوت دی سو

يَزِدْهُمْ دُعَآءِىْٓ اِلَّا فِرَارًا ⑥ وَ اِنِّىْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ

میرے بلاوے نے اُن کا گریز اور بڑھا ہی دیا ف۳ اور میں نے جب کبھی انہیں بلایا

لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا

تاکہ تو انہیں بخش دے تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں، اور (اپنے اُوپر) اپنے کپڑے

ف۱ (ان کے کفر وطغیان کی پاداش میں خواہ اسی دنیا میں خواہ آخرت میں) اِنَّآ ...... قَوْمِهٖ۔ نوح اور قوم نوح پر مفصل حاشیے سورۂ ہود (پ۱۲) وغیرہ میں گزر چکے۔ انسانی نسل کا مستقل اور غیر منقطع سلسلہ آپؑ ہی کے وقت سے چلا ہے۔ اور اس لئے آپؑ کی شخصیت تاریخ انبیاء میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ۔ یعنی کفر وطغیان کے وبال وپاداش سے ڈرایئے۔ ف۲ یعنی یہ حقائق جو میں بیان کررہا ہوں کاش تم پر بھی روشن ہوگئے ہوتے! اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ۔ یعنی پرستش صرف حق تعالیٰ کی کرو۔ اپنے سارے جھوٹے معبودوں، ٹھاکروں، مورتیوں کو ٹھکرا کر۔ وَاتَّقُوْهُ۔ یعنی خوف اپنے دلوں میں اس خدائے واحد کا جماؤ نہ کہ اپنے گڑھے ہوئے معبودوں کا۔ وَ اَطِيْعُوْنِ۔ پیمبر کی اطاعت میں اطاعتِ الٰہی بھی ہوتی ہے۔ يَغْفِرْ ...... يُؤَخِّرْ۔ یعنی موت طبعی جو کفر وعدم ایمان کا ثمرہ نہیں، وہ تو بہرحال اپنے وقت موعود ومقرر پر آ کر رہے گی۔ البتہ عذاب جو ثمرہ ہے کفر کا اس سے تم ایمان لا کر محفوظ ہو جاؤ گے۔ ف۳ یہ سب عرض ومعروض آپؑ نے اس وقت کی ہے جب آپؑ ہر ممکن تبلیغ ودعوت اور صدہا سال کے تجربہ کے بعد اپنی قوم کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں اور برابر یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ جتنی بھی کوشش آپؑ کی جانب سے اصلاح کی ہوتی رہی، ادھر سے اور ضد، انکار واستکبار ہی بڑھتا گیا۔

ثِيَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝۷ ثُمَّ اِنِّيْ
لپیٹ لئے، اور اڑے رہے اور نہایت درجہ کا تکبر کرتے رہے ف۴ پھر (بھی) میں نے

دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝۸ ثُمَّ اِنِّيْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ
اُن کو باآواز بلند بھی بلایا پھر میں نے انہیں علانیہ بھی سمجھایا اور بالکل خفیہ بھی

اِسْرَارًا ۝۹ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰
سمجھایا ف۵ چنانچہ میں نے کہا اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے

يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝۱۱ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ
وہ تم پر کثرت سے بارش بھیجے گا اور تمہارے مال و اولاد میں

وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝۱۲ مَا لَكُمْ
ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا اور تمہارے لئے دریا بہا دے گا ف۶ تمہیں کیا ہوا کہ

لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝۱۳ وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝۱۴ اَلَمْ
تم اللہ کی عظمت کے قائل نہیں ہو حالانکہ اسی نے تم کو طرح طرح سے بنایا ف۷ کیا

تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝۱۵ وَّجَعَلَ
تم نے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کئے ہیں اور ان میں

الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝۱۶ وَ اللّٰهُ
چاند کو نور (کی چیز) بنایا اور آفتاب کو چراغ (کی طرح روشن) بنایا ف۸ اور اللہ نے

اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝۱۷ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا
تم کو زمین ہی سے ایک خاص طور پر پیدا کیا پھر وہ تم کو اسی میں لے جائے گا،

وَ يُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝۱۸ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ
اور (اسی سے) تمہیں باہر لے آئے گا اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو

ف۴ (قبول حق سے اور میری تعلیمات کی پذیرائی سے) كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ یعنی جب جب انہیں مسلکِ توحید وراہ ایمان کی دعوت دی۔ لِتَغْفِرَ لَهُمْ۔ یعنی تاکہ یہ ایمان لے آئیں اور مغفرت اس پر قدرۃً مرتب ہو جائے۔ جَعَلُوْا...... ثِيَابَهُمْ۔ یہ سب کچھ انہوں نے غایت نفرت وکراہت سے کیا۔ یعنی تاکہ نہ داعیٔ حق کی آواز ان کے کانوں تک پہنچے، اور نہ یہ داعیٔ حق کو دیکھیں اور نہ وہ ان کو دیکھ سکے! اِسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ۔ قدیم قوموں کا لباس، یاد رہے کہ بالکل ڈھیلا ڈھالا ہوتا تھا۔ دھوتی یا تہمد اور چادر وغیرہ۔ فرنگیوں کے موجودہ چست کوٹ واسکٹ، پتلون وغیرہ پر اسے نہ قیاس کیا جائے۔ ف۵ (غرض یہ کہ تبلیغ ودعوت کے سارے ہی طریقے استعمال کر دیکھے) اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا۔ یعنی میں نے پبلک تقریریں کیں، اور وعظ وخطاب عام سے کام لیا۔ اِنِّيْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ۔ یعنی میں نے خطاب خاص سے کام لے کر افراد سے الگ الگ بھی کھلم کھلا گفتگو کی۔ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا۔ یعنی بالکل نجی اور تخلیہ کی صحبتوں میں بھی افراد کو الگ الگ سمجھایا۔ ف۶ یعنی میں نے تو یہ بھی کہہ کہہ کے دیکھ لیا کہ علاوہ نفع اخروی کے وہ مقصود اصلی ہے، تمہیں دنیوی فوائد بھی حاصل ہوں گے۔ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ۔ یہ استغفار ظاہر ہے کہ ایمان کے بعد ہی اور ایمان ہی کے واسطے سے ممکن تھا۔ يُرْسِلِ السَّمَآءَ...... اَنْهٰرًا۔ یہ آیت ایمان کی مادی اور دنیوی برکتوں کے باب میں نص ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔ یعنی یہ نہیں کہ وہ تمہارے گناہ ابھی ہی بخش دے گا، بلکہ مغفرت تو اس کی عادت وصفت ہی ہے، اور کچھ آج سے نہیں، ہمیشہ ہی سے رہی ہے۔ كانّهٗ يقول لاتظنوا ان غفاريته انما حدثت الأن بل هو ابدا هٰكذا كان فكان هٰذا به حرفتهٗ وصنعتهٗ (کبیر) ف۷ (اور تمہیں خلقت کے مختلف ادوار سے گزارا ہے) لَا...... وَقَارًا۔ اگر حق تعالیٰ کی عظمت تمہارے دلوں میں ہوتی تو خود بخود شرک سے نفرت اور بت پرستی سے بیزاری تمہیں پیدا ہو جاتی۔ ف۸ ان چیزوں کا خدا کی بڑی نعمتوں میں سے ہونا تو ظاہر ہی ہے، اور اس سے اس کی قدرت کاملہ اور خلاقی پر استدلال بھی بالکل صریح ہے۔ اسی کے ساتھ ضمناً یہ حقیقت بھی سامنے آ جاتی ہے کہ آسمان اور چاند اور سورج سب کے سب اللہ ہی کی مخلوق اور سرتاسر محکوم ہیں۔ ان میں نہ کوئی دیوی ہے نہ کوئی دیوتا۔۔۔ قوم نوح علیہ السلام خصوصیت کے ساتھ انہیں "پرستیوں" یعنی فلک پرستی، ماہتاب پرستی اور آفتاب پرستی میں مبتلا تھی۔ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۔ سماء اور سَبْعَ سَمٰوٰتٍ دونوں پر حاشیے گزر چکے۔

وٖ۹ نہ شجر پرستی کوئی مغز و معنیٰ رکھتی ہے، اور نہ دھرتی مائی کوئی دیوی ہیں۔ زمین اور جو کچھ بھی اس پر ہے یہ سب تو خود ہی انسان اور اس کی ضروریات میں صرف میں لانے کے لئے مخلوق ہوئی ہے۔ وَاللّٰهُ...... نَبَاتًا۔ یہ اس اعتبار سے فرمایا گیا کہ انسان کی ترکیب میں غالب عنصر اجزائے ارضی ہی کے ہیں۔ یُعِیْدُكُمْ فِیْهَا۔ یعنی بعد موت انسان کے اجزائے ارضی پھر اسی زمین میں مل ملا جائیں گے۔ وَیُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا۔ یعنی حشر کے وقت انسان کامل طور پر اسی زمین سے از سر نو برآمد کر لیا جائے گا۔ لِتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا۔ یہ سطح زمین پر چلنا پھرنا تو موقوف ہی ہے زمین کے فرش ہونے پر۔ وٖ۱۰ یعنی بجائے میری پیروی کے اپنی قوم کے امراء اور رؤساء ہی کی پیروی کرتے رہے، اور ان سرداروں کا مال و اولاد ان کے حق میں مزید غفلت و طغیان ہی کا سبب بنا رہا۔ مَنْ۔ خَسَارًا۔ محققین نے کہا ہے کہ کافر کے حق میں کوئی نعمت، نعمت ہی نہیں، ہر نعمت اس کے لئے ایک سبب عذاب ہی کی حیثیت رکھتی ہے۔ **واستدل بهذه الأية من قال انه ليس لله على الكافر نعمة لان هذه النعم استدراجات ووسائل الى العذاب الابدى فكانت كالعدم** (کبیر) وٖ۱۱ یعنی دین حق کی توقیر مٹانے اور اس سے مقابلہ کے خوب خوب منصوبے باندھے۔ اور شرک و جاہلیت کی حمایت و نصرت کے لئے بڑی بڑی اسکیمیں تیار کیں۔ اور ان پر عمل بھی جی بھر کر، کر دیکھا۔ مَكَرُوْا۔ یہ جوڑ توڑ کرنے والے وہی سرداران قوم تھے۔ جن کی پیروی عوام کرتے تھے۔ **والماكرون هم الرؤساء** (مدارک) كُبَّارًا۔ کبار کبیر کا صیغۂ مبالغہ ہے۔ اور

بِسَاطًا ۝١٩ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝٢٠ قَالَ نُوْحٌ

فرش بنایا تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو وٖ۹ نوح نے عرض کی کہ

رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ

اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میری نافرمانی کی، اور پیروی ایسوں کی کی جن کے مال و اولاد نے انہیں نقصان

اِلَّا خَسَارًا ۝٢١ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۝٢٢ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ

ہی زیادہ پہنچایا وٖ۱۰ اور انہوں نے بڑے بڑے مکر کر ڈالے وٖ۱۱ اور انہوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو

اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ

ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ وَدّ کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث، یعوق، نسر (غرض کسی کو بھی نہ)

وَنَسْرًا ۝٢٣ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا

چھوڑنا وٖ۱۲ اور ان لوگوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا ہے، تو (ان) ظالموں کی گمراہی تو اور

ضَلٰلًا ۝٢٤ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ

بڑھا دے وٖ۱۳ (چنانچہ) اپنے (انہیں) گناہوں کے باعث وہ غرق کئے گئے، چنانچہ وہ آگ میں پہنچ گئے تو

يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۝٢٥ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ

اللہ کے مقابلہ میں انہیں کچھ بھی حمایتی میسر نہ ہوئے وٖ۱۴ اور نوح نے یہ بھی عرض کی کہ اے

لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝٢٦ اِنَّكَ اِنْ

میرے پروردگار زمین پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی (جیتا) مت چھوڑ اگر تو انہیں

تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝٢٧

رہنے دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ ہی کرتے رہیں گے وٖ۱۵ اور ان کے محض کافر و فاجر ہی اولاد پیدا ہوتی رہے گی وٖ۱۶

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا

اے میرے پروردگار مجھے بخش اور میرے ماں باپ کو، اور جو بھی میرے گھر میں داخل ہو بحیثیت مومن کے

یہ مکر عظیم ترین، توحید کی مخالفت اور شرک کی حمایت میں تھا۔ یہیں سے متکلمین نے یہ نکالا ہے کہ علم کلام جو توحید کی حمایت اور رد شرک کا علم ہے وہ افضل ترین علوم ہے۔ **واستدل بهذا من فضل علم الكلام على سائر العلوم فقال الامر بالشرك كبار فى القبح والخزى فالامر بالتوحيد والارشاد وجب ان يكون كبارا فى الخير والدين** (کبیر) وٖ۱۲ یہ سب نام قوم نوح کے خاص خاص دیوتاؤں کے ہیں۔ اور انہیں کی مورتیں ملک میں پجتی رہتی تھیں۔۔۔ ان کے ناموں کی تصریح کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ ان کی پرستش عین نزول قرآن کے زمانہ میں بھی عرب و اطراف عرب میں جاری رہی۔ وَقَالُوْا۔ یعنی سرداران قوم نے یہ اپنے پیروی کرنے والوں اور عوام سے کہا۔ **اى الرؤسا الى سفلتهم** (مدارک) وَدًّا۔ یہ دیوتا قوت مردانہ اور عشق و محبت کا تھا۔ اس کی مورت قوی ہیکل مرد کی شکل میں تھی۔ اہل عرب اس سے خوب مانوس تھے۔ اس کی پوجا شمالی عرب میں جاری تھی۔ ''عبد وُد'' عرب میں ایک نام کثرت سے لوگوں کا ہوتا تھا۔ سُوَاعًا۔ یہ دیوتا حسن و محبوبی کا تھا۔ اس کی مورتی حسین عورت کی شکل میں تھی۔ اس کی پوجا قبیلہ ہذیل میں جاری تھی۔ یَغُوْثَ۔ یہ دیوتا جسمانی قوت و طاقت کا تھا۔ اس کی مورت شیر اور بیل کی شکلوں میں ہوتی تھی۔ یمن میں اس کی پوجا کا رواج تھا۔ اور ''عبد یغوث'' نام کا رواج عرب کے شمال و مشرق میں تھا۔ یَعُوْقَ۔ یہ دوڑ بھاگ کا دیوتا تھا۔ اس کی مورت گھوڑے کی شکل کی ہوتی تھی۔ اس کی بھی پوجا یمن میں پائی گئی۔ نَسْرًا۔ یہ دور بینی اور حدتِ نظر کا دیوتا تھا۔ اس کی مورت پرندہ (باز یا عقاب) کی شکل کی ہوتی تھی۔۔۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ وٖ۱۳ (تاکہ یہ لوگ مستحق ہلاکت ہو جائیں) مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دعاء سے مقصود ضلال میں زیادتی نہیں، بلکہ استحقاق ہلاکت تھا۔ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا۔ یعنی یہ لوگ خود ہی گمراہ نہیں ہیں۔ بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہتے ہیں، اور اب اتنی کوششوں کے بعد ان کی اصلاح کی طرف سے مایوسی ہو چکی ہے۔ حضرت علیہ السلام نے یہ دعائے عذاب و ہلاکت اس وقت فرمائی جب آپ کو خود وحی الٰہی ان ظالموں کے عدم قبول ایمان سے مطلع کر چکی تھی۔ ملاحظہ ہو سورۂ ہود (پ۱۲) رکوع ۴ کی آیت لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ۔ الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالمین کا یہاں کافرین کے معنیٰ میں ہونا بالکل ظاہر ہے۔ وٖ۱۴ قوم نوح کی غرقابی اور طوفان نوح پر حاشیے پیشتر گزر چکے۔ سورۂ یونس (پ۱۱) سورۂ ہود (پ۱۲) میں۔ فَاُدْخِلُوْا نَارًا۔ یعنی غرق ہوتے ہی آتش برزخ میں جھونک دیئے گئے۔ آیت سے عذاب قبر کے وقوع اور عالم برزخ کے وجود پر استدلال کیا گیا ہے۔ **تمسك اصحابنا فى اثبات عذاب القبر** (کبیر) **تدل على انه حصلت تلك الحالة عقيب الاغراق فلايمكن حملها على عذاب الأخرة والابطلت دلالة هذه الفاء** (کبیر) **والفاء للايذان بهم بانهم عذبوا بالاحراق عقيب الاغراق فيكون دليلا على اثبات عذاب القبر** (مدارک) فَلَمْ ...... اَنْصَارًا۔ یعنی نہ ان کے دیوتا اور دیویاں اور نہ ان کی مورتیاں کوئی بھی عذاب الٰہی سے انہیں نہ بچا سکیں۔ مِمَّا۔ مِن یہاں سببیہ ہے۔ **والمعنى من خطايا هم اى من اجلها و بسببها** (کبیر) اور مَا تاکید کلام کے لئے ہے۔ **واكد هذا المعنى بزيادة ما** (مدارک) وٖ۱۵ کہ ان سب پر تیری حجت پوری ہو چکی ہے۔ اور یہ سب کے سب میرے مکذب ہیں۔ عَلَى الْاَرْضِ۔ مراد ارض عراق ہے۔ زمین پر انسانی آبادی اس وقت کل اسی علاقہ میں تھی۔۔۔ اس لئے جس نے یہ کہا کہ طوفان نوح سے صرف قوم نوح غرق ہوئی، اس نے بھی ٹھیک کہا اور جس نے کہا کہ اس میں ساری انسانی آبادی (بجز چند نفوس کے) غرق ہو گئی، اس نے بھی ٹھیک ہی کہا۔ وٖ۱۶ (جیسا کہ اب تک کا تجربہ، مشاہدہ ثابت کر رہا ہے) حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی طویل العمری کی بناء پر خوب تجربہ اپنی قوم و وطن والوں کی سرشت و افتاد مزاج کا ہو چکا تھا۔ ایسے صاحب تجربہ کی زبان سے ایسے حکم کا نکلنا کچھ زیادہ عجیب یوں بھی نہیں اور پھر آپؑ تو صاحب وحی تھے۔ اس بارہ میں آپؑ کو تو عین وحی ہی سے علم ہو چکا تھا کہ اب ان لوگوں میں سے کسی کے نصیب میں ایمان لانا نہیں۔ **فان قيل كيف عرف النوح عليه السلام ذلك قلنا للنص والاستقراء** (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس طرح کی دعا غیر صاحب وحی کے لئے جائز نہیں۔

وَّلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع

اور کل ایمان والوں اور ایمان والیوں کو اور (ان) ظالموں کی ہلاکت تو بڑھاتا ہی جا وکا!

آیاتھا ۲۸ ۷۲ سُوۡرَةُ الۡجِنِّ مَكِّيَّةٌ ۴۰ رکوعاتھا ۲

اس کی اٹھائیس آیتیں سورۂ جن مکہ میں نازل ہوئی، اور دو رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلۡ اُوۡحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا

آپ کہئے کہ میرے پاس وحی آئی اس بات کی کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا، پھر انہوں نے کہا کہ ہم نے

سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ يَّهۡدِيۡۤ اِلَى الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ

ایک عجیب قرآن سنا ہے وا جو راہ راست بتلاتا ہے، سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے،

وَلَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّاَنَّهُ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا

اور ہم اپنے پروردگار کا شریک کسی کو نہ بنائیں گے اور ہمارے پروردگار کی شان بڑی ہے اُس نے

اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّاَنَّهُ كَانَ يَقُوۡلُ سَفِيۡهُنَا

نہ کسی کو بیوی بنایا اور نہ اولاد و۲ اور ہم میں جو احمق ہوئے ہیں، وہ اللہ کی شان میں

عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ

حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے ہیں اور ہمارا تو خیال یہ تھا، کہ انسان اور جنات کبھی اللہ کی شان میں

وَالۡجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّاَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ

جھوٹ بات نہ کہیں گے و۳ اور انسانوں میں بہت سے لوگ ایسے ہوئے ہیں کہ

يَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ فَزَادُوۡهُمۡ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾

وہ جنات میں سے بعض لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے، سو انہوں نے ان (جنات) کی نخوت اور بڑھا دی و۴

و۱۷ (کہ ان کی نجات کی کوئی صورت ہی نہ رہے، اور عذاب کا پورا تحقق ان پر ہوجائے) رَبِّ اغۡفِرۡ لِيۡ۔ دعائے نوح علیہ السلام میں ترتیب دعاء قابلِ غور وسبق آموز ہے۔ سب سے پہلے دعاء خود اپنے حق میں کی۔ وَلِوَالِدَيَّ۔ اس کے بعد اپنے والدین کا نام لیا۔ وَلِمَنۡ دَخَلَ بَيۡتِيَ مُؤۡمِنًا۔ پھر نمبر اپنے مومن متعلقین کا آیا۔ وَّلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ۔ پھر سارے اہلِ ایمان کو اس میں شامل کرلیا۔ حق تعالیٰ اپنے اس مقبول پیمبر کی دعاء کی برکت سے ہم سب کو بھی اسی زمرہ میں شامل کرلے۔ و۱ (اور ایسا عجیب کہ مخلوق کے کلام میں تو اس کی نظیر نہیں ملتی) فَقَالُوۡۤا۔ یہ ان جنات نے واپس جا کر اپنی قوم والوں سے کہا)۔ یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا۔ اس کے لئے ملاحظہ ہو سورۃ الاحقاف (پ۲۶) کے حاشیے۔ و۲ (جیسا کہ بہت سی مشرک، جاہلی قوموں نے فرض کر رکھا ہے) وَلَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا۔ یہ اس ایمان لانے کی تفسیر وتتمیم ہے۔ اور اس سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوگئی کہ ایمان کا جوہر یا جزء اعظم عقیدۂ توحید ہی ہے۔ مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا۔ جو لوگ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے۔ وہ اس کا گمان بھی نہیں رکھتے کہ دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ بیویوں، اور اولاد کا دُم چھلا دنیا کی بڑی بڑی "مہذب"، جاہلی قوموں اہل مصر، اہل عراق، اہل یونان، اہل چین، اہلِ ہند، اہلِ ایران وغیرہ کی دیومالا کا کیسا جزو لاینفک رہا ہے۔ و۳ (چہ جائیکہ شرک جیسا بیاکانہ جھوٹ، جس سے بڑھ کر کوئی اور چیز خیال میں نہیں آسکتی) كَانَ...... شَطَطًا۔ سب سے بڑھ کر سفاہت یہ کہ توحید جیسے صاف وصریح مسئلہ کے بھی منکر ہوگئے۔ و۴ (اور یہ جنات اپنے دل میں کمال حماقت سے یہ خیال کرنے لگے کہ ہم بھی کوئی چیز ہیں جبھی تو انسان ہماری اتنی تعظیم اور قدر کرتا ہے) رِجَالٌ...... الۡجِنِّ۔ دیو، پری، بھوت پریت وغیرہ کے عقیدے ہندوستان، ایران عرب بکثرت قوموں میں پھیلے رہے ہیں۔ اور اسی سلسلہ میں عرب جاہلیت کی ایک عادت یہ تھی کہ جب کسی نئے مقام میں پہنچتے تو اپنے آپ کو وہاں کے سردار جنات کی حفاظت میں سونپ دیتے تھے۔ وھو قول جمھور المفسرین ان الرجل فی الجاھلیة اذا سافر فامسٰی فی قفر من الارض قال اعوذ بسید ھذا الوادی او بعزیز ھذا المکان من شر سفھاء قومه فیبیت فی جوار منھم حتّٰی یصبح (کبیر) کان الرجل من العرب اذا نزل بمخوف من الارض قال اعوذ بسید ھذا الوادی من سفھاء قومه یرید کبیر الجن (مدارک) ہماری قوم کے "عامل" حضرات جو اپنے نقش، فلیتہ وغیرہ "حاضرات" کے لئے اب بھی جنات اور موکلوں سے استمداد کیا کرتے ہیں، ایسی آیتوں سے ڈریں۔

وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴿۷﴾ وَّ اَنَّا

اور انہوں نے بھی گمان کر رکھا تھا جیسا کہ تم نے گمان کر رکھا ہے کہ اللہ کسی کو دوبارہ نہ اُٹھائے گا اور ہم نے

لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا

آسمان کی تلاشی لینا چاہی تو ہم نے اس کو شدید پہرے اور شعلوں سے

وَّ شُهُبًا ﴿۸﴾ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ

بھرا ہوا پایا اور ہم آسمان کے موقعوں پر جا بیٹھا کرتے تھے (خبریں) سننے کے لئے، سو جو کوئی

يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿۹﴾ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْۤ

اب سننا چاہتا ہے، اپنے لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے و۵ اور ہم نہیں جانتے کہ

اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۰﴾

زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا اُن کے پروردگار نے انہیں ہدایت دینے کا قصد کیا ہے و۶

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ

اور ہم میں نیک بھی ہوئے ہیں اور ہم میں بعض اور طرح کے، (غرض) ہم مختلف

قِدَدًا ﴿۱۱﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ

طریقوں کے تھے و۷ اور ہم نے تو سمجھ لیا ہے کہ ہم زمین پر اللہ کو (کہیں بھی) نہیں ہرا سکتے اور نہ

نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾ وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ

اسے بھاگ ہی کر ہرا سکتے ہیں و۸ اور ہم نے جب ہدایت کی بات سن لی تو اس پر ایمان لے آئے، اور جو کوئی

يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّ اَنَّا مِنَّا

اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے گا اسے اندیشہ نہ کسی کمی کا رہے گا اور نہ زیادتی کا و۹ اور ہم میں

الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ

بعض مسلم ہیں اور بعض ہم میں سے بے راہ ہیں تو جس نے اسلام قبول کر لیا، اس نے تو

و۵ فضائے آسمانی کے آتشیں تیروں اور گرزوں اور شہاب ثاقب پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ سورۃ الصافات (پ۲۳) وغیرہ کے ذیل میں۔ اَلْاٰنَ۔ یعنی نزول قرآن اور ظہور محمدی ﷺ کے بعد۔ اے بعد البعث (مدارک) فَوَجَدْنٰهَا ...... شُهُبًا۔ یعنی اب دفع التباس کے لئے باب کہانت بالکل بند ہو گیا ہے۔ نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ۔ آسمانوں کے موقعوں سے مراد فضائے آسمانی ہے۔ نفس آسمان کا جسم اس سے لازم نہیں آتا۔ جنات ناری مخلوق ہیں۔ انہیں اپنی لطافت وعدم ثقل کے باعث فضائے آسمانی کو اپنا مستقر بنالینا خاکی مخلوق کے مقابلہ میں کہیں زیادہ آسان ہے۔ جیسے پرندوں کو بمقابلہ چرندوں اور درندوں کے۔ و۶ (اپنے اس رسول کی بعثت اور قرآن کے نزول سے) یعنی اس جدید رسالت کے مقصود تکوین کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ خدا معلوم لوگوں کو ہدایت ہی ہو جائے گی، یا انکار واعراض کر کے لوگ اپنی سزا بھگتیں گے۔ اَنَّا لَا نَدْرِيْ۔ عرب جاہلی جو جنات کی غیب دانی کے معتقد تھے۔ ان کی بھی تردید اس سے پوری طرح ہو گئی۔ بےبسی اور کم علمی میں جہاں انسان وہیں جنات۔ و۷ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ جنات بھی انسانوں ہی کی طرح ایک مکلف مخلوق ہیں۔ اور شریعت کے ماننے والے اور انکار کرنے والے سب طرح کے فرقے ان کے ہاں بھی ہیں۔ و۸ یعنی نہ روئے زمین پر، نہ زمین سے کہیں بھاگ کر، غرض کہیں بھی اسے ہرا نہیں سکتے۔۔۔ یہاں بھی تردید ان جاہلی قوموں کی ہو رہی ہے، جو یہ سمجھتی تھیں کہ خداؤں کی نظر سے بھی بچ کر کہیں جا چھپنا ممکن ہے۔ اَنَّا۔ ضمیر متکلم سے مراد مومن قسم کے جنات ہیں۔ و۹ یعنی نہ اس کا اندیشہ کہ کوئی نیکی لکھنے سے رہ جائے نہ اس کا کہ کوئی بدی زیادہ لکھ لی جائے۔۔۔ بھول چوک، سہو نسیان، ظلم وزیادتی کا خدائے اسلام کے ہاں کوئی امکان ہی نہیں، جیسا کہ جاہلی قوموں کے دیوتاؤں کے ہاں برابر ہوتا رہتا ہے۔

تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿١٤﴾ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ

بھلائی کا راستہ ڈھونڈ نکالا اب رہے وہ جو بے راہ ہیں تو وہ دوزخ کے

حَطَبًا ﴿١٥﴾ وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ

ایندھن ہیں ف١٠ اور اگر یہ لوگ راستہ پر قائم ہو جاتے تو ہم انہیں فراغت کے پانی سے

مَّآءً غَدَقًا ﴿١٦﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ

سیراب کرتے، تاکہ اس میں ان کا امتحان کریں اور جو کوئی اپنے پروردگار کی یاد سے

رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾ وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا

روگردانی کرے گا تو اللہ اسے سخت عذاب میں داخل کرے گا ف١١ اور جتنے سجدے ہیں (سب) اللہ کا حق ہیں، سو

تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿١٨﴾ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ

اللہ کے ساتھ (اور) کو مت پکارو ف١٢ اور جب اللہ کا بندہ (خاص) کھڑا ہوتا ہے اس کی عبادت کرنے کو

كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَاۤ

تو یہ لوگ اس پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں ف١٣ آپ کہہ دیجئے میں تو بس اپنے پروردگار ہی کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے

اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴿٢٠﴾ قُلْ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا

ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتا آپ کہہ دیجئے میں تمہارے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ

رَشَدًا ﴿٢١﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ

(تمہاری) ہدایت کا ف١٤ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اللہ سے کوئی بھی نہیں پناہ دے سکتا اور نہ

اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ

میں اس کے سوائے کوئی پناہ پا سکتا ہوں ف١٥ البتہ اللہ کی طرف سے پہنچانا اور اس کے پیغاموں کا ادا کرنا (میرا کام ہے)

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، تو یقیناً ایسے لوگوں کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں

ف١٠ اس مقام پر جنات کا قول ختم ہو گیا جو آیت اول میں فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا سے شروع ہوا تھا۔ ف١١ اب ذکر معاصر مشرکین کا ہو رہا ہے۔ جو اس وقت قحط کے عذاب میں مبتلا تھے۔ عَلَى الطَّرِيْقَةِ۔ یعنی مسلک معروف وطریق مشروع پر۔ ال عہد کا ہے۔ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا۔ یعنی قحط وخشک سالی دور کر دیتے۔ لِنَفْتِنَهُمْ۔ یعنی اس کی جانچ ہو جاتی کہ کون کون شکر نعمت ادا کرتا ہے۔ اور کون کون سرکشی ونافرمانی کی راہ اختیار کرتا ہے۔ یہ حکمت امتحان ایک اسی نعمت پر موقوف نہیں، ہر نعمت میں ملحوظ ومرعی رہتی ہے۔ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ۔ یعنی ایمان وطاعت سے۔ ف١٢ یعنی یہ جائز نہیں کہ عبادت کا کچھ حصہ حق تعالیٰ کے لئے ہو اور کچھ دوسروں کے لئے۔ الْمَسٰجِدَ۔ مساجد سے یہاں مراد اعضاء سجود سے لی گئی ہے اور حکم کے معنی یہ ہیں کہ سجدہ وعبادت غیر اللہ کے لیے جائز نہیں۔ عن سعید بن جبیر قال ان المراد بالمساجد الاعضاء التی یسجد علیها الانسان (معالم) قال سعید بن جبیر نزلت فی اعضاء السجود ای هی لله فلا تسجدوا بها لغیره (ابن کثیر) قیل المساجد مواضع السجود (راغب) ف١٣ بیان مشرکین مکہ کی شدت عداوت ونفرت کا ہو رہا ہے۔ ہجرت مدینہ سے قبل اپنے قیام مکہ کے زمانہ میں جب آپ ﷺ مشرکین قریش کی طرف سے مایوس ہو کر رؤساء مکہ کی تفریح گاہ شہر طائف کو تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے ہیں تو وہاں کے لوگ آپ ﷺ کے ساتھ بڑی ہی بدتمیزی سے پیش آئے۔ یہاں اشارہ اسی طرف ہے۔ عَبْدُ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کا خاص الخاص بندہ "عبد کامل"۔ مراد ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ف١٤ پہلی آیت میں توحید کامل اور ہر طرح کے رد شرک کا اثبات ہے۔ اور دوسری آیت کا مضمون یہ ہے کہ کہیں خود مجھی کو مقصود اور پھر اس طرح مسجود ومعبود نہ سمجھ لینا۔ میرے اختیار میں تو اتنا بھی نہیں کہ تم پر عذاب لے آؤں، یا ایمان ہی پر تمہیں مجبور کر دوں۔ "یاروں نے بت شکن کو بت ہی بنا کے چھوڑا" کا معاملہ حضرات انبیاء کی تاریخ میں بار بار دہرایا جاتا رہا ہے۔ قرآن مجید اسی فتنہ کے خطرہ سے بار بار تاکید وتصریح رسول اللہ ﷺ کے عبد محض ہونے کی کرتا جاتا ہے۔ ف١٥ ایک بار پھر تصریح وتوضیح منصب رسالت کی ہو رہی ہے۔ رسول کا کام تو اللہ کی طرف سے محض پیام رسانی (مع اس کے طبعی لوازم کے) ہے۔ اِنِّيْ ...... مُلْتَحَدًا۔ یہ سب چیزیں محض اس مفروضہ پر مبنی ومشروط ہیں کہ رسول ﷺ اگر خدانخواستہ خود ہی احکام الٰہی سے سرتابی کرنے لگیں۔ قرآن مجید نے ایسے بعید ترین احتمالات کو جا بجا فرض کر لیا ہے۔

ع ١٩

فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ

وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے (یا اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے) یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا اُن سے وعدہ کیا

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ

جاتا ہے، تو اس وقت جان لیں گے کہ مددگار کس کے کمزور ہیں، اور تعداد کس کی کمتر ہے ف۱۶ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے معلوم نہیں کہ

اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ

جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ آیا قریب آ گئی ہے یا اس کے لئے میرے پروردگار نے کوئی مدت دراز رکھی ہے ف۱۷ وہی

الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى

غیب کا جاننے والا ہے، سو وہ (ایسے) غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا ہاں البتہ کسی برگزیدہ پیمبر کو

مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ

(جب کسی غیبی علم سے مطلع کرنا چاہتا ہے) تو اُس کے آگے اور پیچھے نگہبان

خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ

بھیج دیتا ہے ف۱۸ تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیامات پہنچا دیئے ف۱۹

وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَ اَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

اور اللہ ان (پیامبرداروں) کے احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اور ہر شئے کو وہ شمار میں لئے ہوئے ہے ف۲۰

آیاتھا ۲۰ ۷۳ سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ ۳ رکوعاتھا ۲

اس کی بیس آیتیں ہیں سورۂ مزمل مکہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ

اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کیجئے ف۱ مگر ہاں تھوڑی رات یعنی آدھی رات

ف۱۶ مطلب یہ ہے کہ آج یہ کافر غفلت واستکبار میں پڑے ہوئے فخر وناز کر رہے ہیں کہ دیکھو ہمارا جتھا ہمارا گروہ کتنا بڑا ہے، اور ہمیں قوت وجاہ کیسی حاصل ہے۔'' اور کوئی دلیل عقلی یا نقلی انہیں اس سفاہت سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو رہی ہے۔ مرتے ہی ان پر کھل جائے گا کہ خود وہی ایسے تھے۔ جن کے کام کوئی نہ آسکا۔ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا۔ اس میں نفی ہو گئی، نفع اعلیٰ کی۔ وَاَقَلُّ عَدَدًا۔ اس میں نفی ہو گئی نفع ادنیٰ کی۔ ف۱۷ (چنانچہ مجھے بھی مطلع نہیں کیا ہے) مَا يُوْعَدُوْنَ۔ یعنی یوم حشر اور اس دن کا عذاب۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کی نفس آمد یقینی ہے اور ہر شک وشبہ سے بالاتر، رہیں اس کے وقت وغیرہ کی تفصیلات تو اس کا تعلق غیب سے ہے، اور اس کا علم مجھے حاصل نہیں، نہ علوم نبوت سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ۔ یعنی غیب ذاتی تو صفت خاصہ حق تعالیٰ کی ہے۔ الغیب میں ال استغراق کا ہے۔ یعنی حقیقی واضافی جمیع اقسام غیب۔ فَلَا يُظْهِرُ۔ مفہوم سلب کا عمومی ہے۔ یعنی غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا۔ قُلْ...... اَمَدًا۔ جاہلوں میں جو یہ موضوع حدیث مشہور ہو گئی ہے کہ رسول ﷺ کو تربت مبارک میں ایک ہزار سال بھی نہ گزرنے پائیں گے کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔ اس کی قطعی تردید کے لئے یہ آیت بالکل کافی ہے، جیسا کہ آٹھویں صدی ہجری ہی کے مفسرین، محققین اس پر متنبہ کر چکے ہیں۔ وفی هذه الاٰية الكريمة دليل على ان الحديث الذى يتداوله كثير من الجهلة من انه عليه الصلوة والسلام لا يولف تحت الارض كذب لا اصل له ولم نره فى شیء من الكتب (ابن کثیر) ف۱۸ حاصل یہ کہ حق تعالیٰ جو حقیقی عالم الغیب ہے۔ وہ اپنے غیوب کا صرف اتنا حصہ جس کا تعلق علوم نبوت سے ہوتا ہے اپنے مقبول انبیاء ومرسلین پر منکشف کر دیتا ہے۔ وہ بھی حفاظت کے اس پورے اہتمام واحتیاط کے ساتھ کہ وحی الٰہی بغیر کسی ادنیٰ خارجی دخل وتصرف کے بندوں تک تمام کی تمام پہنچ جائے۔ مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ اس قید سے ظاہر ہو گیا کہ یہاں غیب سے مراد اسرار شرعی ہیں ورنہ اسرار کونی تو مشاہدہ سے ظاہر ہے کہ اہل اشراق واہل نجوم کو، قدیم کہانت والوں کو، اور جدید مسمریزم اور امپر یچولزم والوں غرض ہر قسم کے غیر مقبولین کو بھی بعض ریاضتوں اور مشقوں سے کسی نہ کسی درجہ میں منکشف ہوتے ہی رہتے ہیں۔ محققین نے کہا ہے کہ اولیائے امت جو حضرات انبیاء کے اظلال واتباع ہوتے ہیں، ان پر جو اسرار شرعی منکشف ہوتے ہیں وہ انہیں انبیاء کے واسطہ سے۔ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ۔ یعنی نزول وحی کے وقت تمام جہات میں ہر طرف سے۔ فَاِنَّهٗ...... رَصَدًا۔ یہ اہتمام وانتظام سب اس لئے ہوتا ہے کہ وحی الٰہی ہر خلط نفسانی اور خباثت شیطانی سے کامل طور پر محفوظ رہے۔ رَصَدًا۔ لفظی معنی نگہبانی کے ہیں۔ الرصد الاستعداد للترقب (راغب) یہاں مراد نگہبان یا محافظ فرشتے ہیں۔ اور واحد وجمع دونوں پر اس کا اطلاق جائز ہے۔ ف۱۹ (بحفاظت تمام بغیر کسی طرح کے دخل وتصرف کے) لِيَعْلَمَ یعنی وہ ظاہری طور پر اور وقوع کے بعد بھی جان لے ورنہ اپنے علم ازلی کے لحاظ سے تو وہ جانتا ہی تھا۔ لیعلم کی ضمیر فاعلی کس کی جانب ہے۔ اس پر بہت قیل وقال ہوئی ہے۔ لیکن راقم آثم کو بعض اکابر کے اتباع میں وہی ترکیب مناسب معلوم ہوئی جو یہاں اختیار کی گئی۔ يحتمل ان يكون الضمير عائدًا الى الله عزوجل وهو قول حكاه ابن الجوزى فى زاد المسير (ابن کثیر) اى ليعلم الله (مدارک) وهو اختيار اكثر المحققين (کبیر) اَبْلَغُوْا۔ صیغۂ جمع غائب سے مراد وہی حضرات انبیاء ہیں۔ اى الرسل (معالم۔ مدارک) بعض نے فرشتے بھی مراد لئے ہیں۔ ف۲۰ (چنانچہ وحی کے بھی سب اجزاء ایک ایک کر کے اس کے شمار میں ہیں) اَحْصٰى۔ میں حفاظت نسیان سے بھی آ گئی۔ گویا اول سے آخر تک سب حفاظتوں کا انتظام ہو گیا۔ حاصل کلام ایک بار پھر نظر کے سامنے لے آیئے۔ قیامت کے وقت کا علم علوم نبوت میں سے نہیں اس لئے رسول کو اس کا علم نہ ہونا ان کے دعوائے رسالت کے ذرا بھی منافی نہیں۔ اور دعوائے وقوع قیامت کو تو اس سے ضرر ادنیٰ درجہ کا بھی نہیں پہنچتا۔ پیمبروں کو وہی غیوب عطا کئے جاتے ہیں جن کا تعلق علوم نبوت سے ہوتا ہے۔ اور وہی مقصود بعثت ہوتے ہیں۔ ان میں امکان خطا ولغزش کی جہت سے بھی نہیں ہوتا۔ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ۔ پیمبروں کی امانت ودیانت اور حاملین وحی فرشتوں کی قوت ہر اعتبار سے غیر مشتبہ ہے۔ اور حق تعالیٰ ان حقائق کا علم خود ہی رکھے ہوئے ہے۔ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا۔ یعنی ایک اسی مسئلہ پر کیا موقوف ہے۔ حق تعالیٰ کا علم کامل ومحیط تو مسائل کائنات کے ایک ایک جزئیہ پر حاوی ہے — جزئیات سے کلیات اور فروع سے اصول تک پہنچ جانا تو قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے۔ ف۱ (آپ ان معاندین کے ہفوات کا خیال نہ کیجئے توجہ حق تعالیٰ ہی کے ذکر وعبادت کی طرف رکھیے) مستند حدیثی روایتوں میں آتا ہے (جو ہر ''تاریخی'' روایت سے مستند تر ہیں) کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں تبلیغ ودعوت کا کام شروع فرما دیا، تو بڑے بڑے ''عقلاء قوم'' نے (آج کل ہی کے عقلاء فرنگ'' کی طرح) آپ ﷺ کے متعلق غور وخوض شروع کیا کہ آپ ﷺ کے دعوے صحیح تو بہرحال ہو ہی نہیں سکتے پھر (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کا اصل مرض ہے کیا۔ اپنے کمیٹی گھر (دار الندوہ) میں جمع ہوئے اور کسی نے کہا کہ ''یہ کاہن ہو گئے ہیں'' ''غیب کی خبریں دینا اور سچی پیشگوئیاں کرنا کہانت ہی کا ایک حصہ ہے''۔ بعض نے کہا کہ ''نہیں یہ تو دماغی عارضہ معلوم ہوتا ہے، جس وقت جنون کا دورہ پڑتا ہے۔ اسی جوش وخروش کے عالم میں ایسا پر زور وپر جوش کلام دماغ سے ابلنے لگتا ہے''۔ ایک اور بزرگوار بولے ''یہ کچھ نہیں اصل میں یہ ساحر ہیں، یہ اثر سحر ہی کا ہے کہ اپنے کلام سے بھائی بھائی میں جدائی ڈلوا دی''۔

اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ
یا اس سے کچھ کم رکھیے یا اس سے کچھ بڑھا دیجئے اور قرآن خوب صاف صاف
تَرْتِيْلًا ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ
پڑھیے و۲ ہم آپ پر عنقریب ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں و۳ بے شک رات کے وقت
الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ
اٹھنے میں (دل وزبان کا) خوب میل رہتا ہے، اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے و۴ بے شک آپ کے لئے دن میں
سَبْحًا طَوِيْلًا ﴿۷﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ
بہت مشغولی ہے و۵ اور آپ اپنے پروردگار کے نام کو یاد کرتے رہئے اور سب سے ٹوٹ کر اسی کی طرف
تَبْتِيْلًا ﴿۸﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ
متوجہ رہئے و۶ وہ پروردگار ہے مشرق ومغرب کا کوئی معبود اس کے سوا نہیں، اسی کو (اپنا) چارہ ساز
وَكِيْلًا ﴿۹﴾ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا
بنائے رکھیے و۷ اور ان باتوں پر صبر کئے رہئے جو یہ لوگ کہتے رہتے ہیں، اور ان سے خوبصورتی کے ساتھ
جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَ ذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ
الگ ہو جائیے و۸ اور مجھے اور ان صاحب نعمت اہل تکذیب کو چھوڑے رہئے اور ان لوگوں کو تھوڑی مہلت
قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّ جَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ
اور دیتے رہئے و۹ ہمارے ہاں تو بیڑیاں ہی ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والی غذا ہے
وَّ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ
اور عذاب دردناک ہے، (یہ اس روز) جس روز کہ ہلنے لگیں گے زمین اور پہاڑ
وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ
اور پہاڑ ریگ رواں ہو جائیں گے و۱۰ بے شک ہم نے تمہارے پاس ایک

وقس علی ہذا۔ آپ ﷺ کو جب یہ خبریں پہنچیں تو قدرۃً آپ ﷺ کو انقباض قلب ہوا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ آپ حالت غم میں کپڑے اوڑھ لپیٹ کر لیٹ رہے تھے۔ ملاطفت خاص کے طور پر آپ ﷺ کو مخاطب بھی اسی نام سے کیا گیا۔ بعض صوفیوں نے اپنے ہاں کی خرقہ پوشی کی سند بھی اس لفظ مزمل سے حاصل کی ہے۔ شب بیداری کا معمول بھی مشائخ وصوفیہ نے انہیں آیتوں سے نکالا ہے۔ فقہاء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ قیام اللیل (رات کو سو اٹھ کر کی جانے والی عبادت) فرض نہیں ہے۔ البتہ اس کا اجر ومرتبہ بہت زائد ہے اور احادیث اس کے فضائل سے لبریز ہیں۔ لاخلاف بین المسلمین فی نسخ فرض قیام اللیل وانہ مندوب الیہ ترغب فیہ وقد روی عن النبی ﷺ اثار کثیرۃ فی الحث علیہ والترغیب فیہ (جصاص) و۲ (کہ سامعین کو ایک ایک لفظ صاف سنائی دے اور سمجھ میں آجائے) قال ابن عباس بیّنہ تبیینا (جصاص) قال طاؤس بیّنہ حتی یفھمہ (جصاص) نِّصْفَهٗٓ...... قَلِيْلًا۔ یہ سب قَلِيْلًا اول کی تشریح ہے۔ کل کے مقابلہ میں نصف کو قلیل ہی کہا جائے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ کم وبیش نصف حصہ شب میں آرام کیجئے۔ باقی نصف میں ذکر وعبادت۔ مِنْهُ...... عَلَيْهِ۔ ضمیرہ دونوں جگہ نِصْفَهٗ کی جانب ہے۔ یعنی من النصف او علی النصف۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا۔ ترتیل کے معنی لفظ کو منہ سے صاف طور پر ادا کرنے کے ہیں۔ الترتیل ارسال الکلمۃ من الفم بسھولۃ واستقامۃ (راغب) و۳ یعنی قرآن جیسی عظیم الشان کتاب نازل کرنے کو ہیں۔۔۔ رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی کو ابھی کچھ ہی روز ہوئے تھے، یہ آیتیں اسی وقت کی ہیں۔ قَوْلًا ثَقِيْلًا۔ قول ثقیل سے مراد اس کلام کا صاحب جلالت وعظمت ہونا ہے۔ نزول وحی ثقیل مادی وجسمانی اعتبار سے بھی تھا۔ روایتوں میں آیا ہے کہ نزول وحی کے وقت سردی کے موسم میں بھی آپ ﷺ کے پسینہ آجاتا، اور اگر آپ ﷺ اونٹنی پر ہوتے تو وہ بوجھ سے بیٹھنے لگتی۔ بعض نے قول ثقیل سے کنایہ بقائے دوام سے مراد لیا ہے۔ و۴ رات کے سناٹے میں ذکر وعبادت میں جی کا لگنا، نماز وتلاوت قرآن میں حلاوت کا زیادہ محسوس ہونا، طبیعت میں نشاط کا پیدا ہونا، یہ سب چیزیں تجربہ ومشاہدہ کی ہیں۔ جس کا جی چاہے خود تجربہ کرلے۔ پیمبر اور پھر پیمبر اعظم کے لئے اس حکم کی اہمیت بالکل ظاہر ہی ہے۔ نَاشِئَةَ الَّيْلِ۔ یعنی رات میں سونے کے بعد پھر کھڑا ہونا۔ وَطْاً۔ وطا کے لفظی معنی کچلنے کے ہیں۔ گویا رات کو سو کر نماز کے لئے اٹھنا نفس کو روند ڈالنا، کچل ڈالنا ہے۔ اور اس سے نفس شکستہ اور منکسر ہوجاتا ہے۔ اور انسان کے ظاہر وباطن میں، یا زبان ودل کے درمیان موافقت خوب پیدا ہوجاتی ہے۔ عن الحسن اشد موافقۃ بین السر والعلانیۃ (مدارک) والمقصود ان قیام اللیل ھو اشد مواطاۃ بین القلب واللسان (ابن کثیر) و۵ محمد ﷺ بن عبداللہ مکی سے بڑھ کر مشغول پروگرام آج تک دنیا میں کسی کا نہیں ہوا ہے۔ ہر لمحہ طاعت الٰہی وخدمت خلق ہی کی نذر رہتا تھا۔ ضائع آپ ﷺ نے اپنی عمر گرامی کا ایک منٹ بھی نہیں ہونے دیا۔ سَبْحًا طَوِيْلًا۔ سبح کے لفظی معنی تیرنے اور تیز چلنے کے ہیں، اور اس کے تحت میں آپ ﷺ کی دینی ودنیوی ہر ہر مشغولی آگئی۔۔۔ حقیقتاً آپ ﷺ کی تو ہر دنیوی مشغولی بھی دینی ہی تھی۔ اور ضروری آرام وتفریح بھی عین طاعت ہی تھے۔ و۶ یعنی اللہ کے ساتھ تعلق ہر دوسرے تعلق پر غالب وحاکم رہے۔ اذْكُرْ و تَبَتَّلْ۔ یہ دونوں حکم بلا قید وقت کے ہیں۔ صوفیہ نے یہیں سے دوام ذکر کا مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ لیکن محققین صوفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ ان احکام کی تعمیل کے لئے ذکر و تبتل کا درجۂ ادنیٰ بھی کافی ہے۔ وَاذْكُرِ...... تَبْتِيْلًا۔ ذکر لسانی کی تعلیم یہاں ترتیباً پہلے واقع ہوئی ہے اور مراقبہ کی اس کے بعد۔ عارفین نے اس سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ مقامِ ذکر مقدم ہے اور مقامِ فکر مؤخر۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ۔ ذکر الٰہی کے عموم میں نماز، تلاوت، اشغال، اذکار، درس علوم دین سب شامل ہیں۔ وذکر اللہ یتناول التسبیح والتھلیل والتکبیر والصلٰوۃ وتلاوۃ القراٰن ودراستہ العلم (مدارک) و۷ اس آیت پر پہنچ کر ذرا ملک کی اس فضا کا نقشہ ذہن کے سامنے لے آیئے۔ جس میں توحید کی یہ آواز اول اول بلند ہوئی تھی۔ ایک تجارت پیشہ قوم جو اپنی آزادی وخود مختاری، اپنی اقبال مندی، اور اپنی شرافت نسب پر نازاں تھی، اور اپنے جاہلی دین واخلاق اور مشرکانہ تہذیب وتمدن میں مست، توحید اور پاکبازی کے نام سے ناآشنا۔ اس مغرور قوم کے آگے اس کا ایک فرد، جو اس وقت تک نہ ثروت ووجاہت میں ممتاز تھا نہ ملک گیری وفوج کشی میں، تن تنہا کھڑے ہو کر صدا یہ بلند کر رہا ہے کہ جن دیویوں دیوتاؤں کی پرستش تم پشتہا پشت سے کرتے چلے آرہے ہو۔ سب کو چھوڑ چھاڑ کر صرف ایک کو مانو، اپنے فیشن کو بدلو، اپنے دین کو بدلو، شرابیں چھوڑو، بیحیائیاں چھوڑو، عریانیاں چھوڑو، قماربازیاں چھوڑو خونخواریاں چھوڑو، سودی کاروبار چھوڑو، غرض دین کے ساتھ ساتھ اپنی دنیا بھی بدل ڈالو۔ خیال تو کیجئے کہ اس داعی کو کس دل وجگر، کس ہمت وعزم کا ہونا چاہیے۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ ان الفاظ سے شرک کے ان تمام پہلوؤں کی بھی تردید نکل آئی جو مشرک جاہلی قوموں نے آفتاب وماہتاب، طلوع وغروب، دن اور رات اور مختلف سمتوں کے تقدس وغیرہ سے متعلق قائم کر رکھے ہیں۔ و۸ (یعنی ان سے شکایت وانتقام کی فکر میں بھی نہ پڑیئے۔ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۔ ہجو جمیل یہ ہے کہ ترک تعلق تو تمام تر کرلیا جائے۔ لیکن نفرت وحقارت کے ساتھ نہیں بلکہ خیر خواہی کے ماتحت اور حق تعالیٰ کے لئے۔ صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ سالک اہل دنیا سے احتراز تو رکھے، لیکن ساتھ ہی ان کی ہدایت کی دعا میں بھی لگا رہے۔ و۹ (میں خود ہی وقت مناسب پر ان سے نپٹ لوں گا) وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ۔ یعنی میرے اور ان مکذبین کے باب میں صبر وانتظار سے کام لیجئے۔

رَسُوْلًا ۙ۬ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿١٦﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ۖ﴿١٧﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿١٨﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿١٩﴾ ع

رسول بھیجا ہے، تم پر گواہ بنا کر جس طرح ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا وا تو فرعون نے اپنے رسول کی نافرمانی کی، تو ہم نے اُن کو خوب سخت پکڑ میں لیا و۱۲ سو تم اُس دن (کی مصیبت) سے کیسے بچو گے، جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا (اور) جس سے آسمان پھٹ جائے گا، بے شک (اللہ کا) وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا و۱۳ یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے، سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف کا راستہ اختیار کر لے و۱۴

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ

آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے کچھ لوگ رات کی دو تہائی اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات کھڑے رہتے ہیں، اور رات اور دن پورا اندازہ اللہ ہی کر سکتا ہے و۱۵ اسے معلوم ہے کہ تم لوگ اسے پورے احاطہ میں نہیں لا سکتے، سو اس نے تمہارے حال پر توجہ کی، سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو، و۱۶ اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض آدمی بیمار ہوں گے اور بعض سفر کریں گے ملک میں اللہ کی روزی کی

اُولِي النَّعْمَةِ۔ یہ قریش مکہ ایک تجارت پیشہ، مرفہ الحال قوم تھے، انہیں کی طرف اشارہ ہے۔ و۱۰ (اور اڑتے پھریں گے) یہاں پھر ایک بار ذہن کے سامنے اس قوم کو لے آیئے، جو قیامت اور روز جزاء کے یکسر منکر ہیں۔ اور حشر ونشر کے تخیل ہی کو مضحکہ خیز اور اپنی روشن خیالی پر ایک داغ سمجھ رہے ہیں۔ و۱۱ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ۔ یعنی یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے متعلق حشر میں یہ گواہی آکر دیں گے کہ ان لوگوں نے میری تبلیغ ودعوت سے اثر کس کس قسم کا لیا۔ و۱۲ (انہیں کا سا انجام تمہیں بھی پیش آنے والا ہے، اگر تم نے اصلاح حال نہ کر لی) فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا حوالہ ممکن ہے اس لئے دیا گیا ہو کہ یہود عرب کے توسط سے قریش حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کارناموں سے اور فرعون کے انجام سے خوب واقف ہو چکے تھے۔ و۱۳ عرب کا ٹھیک، آج کے فرنگستان کی طرح اصلی روگ آخرت فراموشی بلکہ آخرت سے انکار تھا۔ قرآن مجید اس لئے ابتدائی مکی سورتوں میں بار بار اور مؤثر انداز میں اسی موضوع کو دہرا دہرا کر کے لاتا ہے۔ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا۔ عربی محاورہ میں یہ کنایہ ہے غایت شدت وہیبت سے۔ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ۔ یعنی آسمان یوم قیامت کی سختی سے پھٹ جائے گا۔ ب سببیہ ہے۔ به اے بیوم القیامة یعنی انها تنفطر بشدة ذٰلک الیوم (مدارک) اے بسببه یعنی بشدته وهوله (ابن کثیر) وَعْدُهٗ۔ ضمیرہٗ فاعل یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب ہے۔ اے الفاعل وهو الله عز وجل۔ (مدارک) یہ بھی جائز ہے کہ مفعول کی جانب سمجھی جائے اور معنٰی یہ لئے جائیں کہ وہ یوم موعود ضرور واقع ہو کر رہے گا۔ المصدر مضاف الی المفعول وهو الیوم (مدارک) و۱۴ یعنی یہ قرآن ہدایت نامہ ہے تو سب ہی کے لئے لیکن اس سے فائدہ وہی اٹھائیں گے، جو اٹھانا چاہیں گے، جو فائدہ اٹھانے کا قصد کریں گے۔ تَذْكِرَةٌ۔ یعنی ہدایت نامہ اور وہ بھی کیسا جامع، بلیغ، مؤثر ودلنشین! فَمَنْ ...... سَبِيْلًا۔ متکلمین نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ بندہ کسب افعال پر قادر ہے۔ مشائخ صوفیہ نے آیت سے یہ استدلال کیا ہے طالب سالک محروم نہیں رکھا جاتا۔ و۱۵ (جو تم نہیں کر سکتے) اِنَّ ...... مَعَكَ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ ایک گروہ صحابہ کی بھی شب بیداری کی یہ شہادت قرآن مجید خود دے رہا ہے۔ مستند روایتوں میں آتا ہے کہ یہ حضرات اتنی اتنی دیر تک رات میں کھڑے رہتے تھے کہ پیروں پر ورم آ جاتا تھا۔ انهم قاموا حتّٰی انتفخت اقدامهم۔ (مدارک) اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ۔ مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ ان الفاظ میں نظر رحمت اور توجہ خاص چھپی ہوئی ہے۔ یعنی جو شب بیداری کرتے ہیں ان پر نظر خاص ہے۔ و۱۶ یعنی تمہارے اخلاص نیت لیکن اس کے ساتھ تمہاری عملی دشواریوں کو دیکھ کر تمہارے اوپر نماز تہجد فرض نہیں۔ تاہم بطور استحباب جتنا چاہو قرآن اس میں پڑھ لیا کرو۔ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ۔ یعنی حق تعالیٰ نے خوب دیکھ لیا کہ تم لوگ اتنی مدت تک قیام بڑی مشقت اور تعب کے بعد ہی کر سکتے ہو۔ اے لن تطيقوا قيامه علٰى هٰذه المقادير بشدة ومشقة (مدارک) فَتَابَ عَلَيْكُمْ۔ یعنی جب تمہارے رسوخ فی الدین کی خوب آزمائش ہو گئی، تو اب تہجد گزاری کی فرضیت تم سے ساقط کی جاتی ہے۔ فخفف علیکم واسقط منکم فرض قیام اللیل (مدارک) فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ قرآن کو یہاں صلوٰۃ کے معنٰی میں لے کر یہ مراد بھی لی گئی ہے کہ جتنی نماز آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔ وقیل ان المراد بالقرآن الصلٰوة لانه بعض ارکانها اے فصلوا ماتیسر علیکم (مدارک)

و۱۷ یہاں دشواری اور تعب کی بنیادیں دوسری ہیں۔اس لئے حکم تیسیر بھی یہاں از سرِ نو ارشاد ہوا۔ آیت میں تین قسم کے لوگ بیان ہوئے،جن پر تہجد کی پابندی دشوار تھی۔ سَیَکُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰی۔ پہلی قسم کے معذور، یہ لوگ ارشاد ہوئے یعنی مریض، اس حکم کی علت اپاہجوں اور زیادہ بوڑھوں کو بھی شامل ہے۔ اٰخَرُوْنَ...... فَضْلِ اللّٰهِ۔معذوروں کی یہ دوسری قسم مسافروں کی ارشاد ہوئی،اس کے تحت میں کل وہ لوگ آگئے جو وطن سے خواہ تجارت کے لئے نکلے ہوئے ہوں۔خواہ طلب علم کے لئے یا اور کسی جائز غرض سے۔ وَاٰخَرُوْنَ...... سَبِیْلِ اللّٰهِ۔اس کے تحت میں سارے غازی اور مجاہدین آگئے۔ فقہاءِ مفسرین نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ قرآن مجید نے یہاں تاجروں اور مجاہدوں کو مساوی درجہ میں رکھ دیا ہے۔اور کیوں نہ ہو حلال ذریعہ معاش کی تلاش بھی تو جہاد ہی ہے۔ سوّی بین المجاهد والمکتسب لان کسب الحلال جهاد (مدارک) مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ طالبین سالکین کے ساتھ مجاہدات واوراد میں مرشدین جو رعایت وسہولت کا برتاؤ رکھتے ہیں، اس کی ماخذ یہی آیتیں ہیں۔ و۱۸ یعنی حق تعالیٰ کی راہ میں اور اس کے دین کے شیوع واستحکام کے لئے اخلاص، حسن نیت وخوشدلی کے ساتھ خرچ کرو۔ قَرْضًا حَسَنًا۔اس پر حاشیے پہلے گزر چکے۔ الزَّکٰوۃَ۔عبادت بدنی اور مالی کے یہ احکام تو مستقل اور ہر ملک وزمانہ کے لئے ہیں۔ و۱۹ (تو تمہارے طلب مغفرت پر کیوں نہ تمہارے ساتھ مغفرت ورحمت کا برتاؤ کرے گا) هُوَ...... اَجْرًا۔ یعنی دنیوی اغراض میں خرچ کرنے سے جو عوض اور نفع مرتب ہوتا ہے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر یہ پائدار اور دائمی اجر ملے گا۔ وَمَا...... عِنْدَ اللّٰهِ۔کوئی خفیف سا خفیف بھی عمل خیر حق تعالیٰ کے ہاں ضائع جانے والا نہیں۔

مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۖۗ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۰﴾

تلاش میں اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو و۱۷ اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور اللہ کو اچھی طرح قرض دو و۱۸ اور جو بھی نیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دو گے، اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور اجر میں بڑھا ہوا پاؤ گے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو، بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔ و۱۹

ع ۲ ۱۴

اٰیاتها ۵۶ ۷۴ سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّیَّةٌ ۴ رکوعاتها ۲

اس کی چھپن آیتیں سورۂ مدثر مکہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿۳﴾ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿۶﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿۷﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾

اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھئے پھر (کافروں کو) ڈرائیے و۱ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے، اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے و۲ اور بتوں سے الگ رہیے، اور کسی کو اس غرض سے مت دیجئے کہ زیادہ معاوضہ ملے اور اپنے پروردگار (کی رضا) کے لئے صبر کیجئے و۳ پھر جس وقت صور پھونکا

و۱ ان آیتوں کا پس منظر یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے تو سورۃ العلق کی ابتدائی آیتیں (اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الخ) نازل ہوئیں۔اس کے بعد کسی مصلحت وحکمت خداوندی سے کوئی اور وحی ایک عرصہ دراز تک نہ آئی۔پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مدت اعتکاف پوری کر کے کوہ حراء سے اتر کر اپنے کاشانہ مبارک کو آرہے تھے کہ دفعۃً میدان میں ایک زور کی آواز سنائی دی۔نظر اوپر اٹھائی تو کیا ملاحظہ کرتے ہیں، کہ جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی شکل وہیئت میں بصد جاہ وجلال ایک نورانی تخت پر فضائے آسمانی میں جلوہ افروز ہیں، بشر (وہ سید البشر سہی) پر یہ پہلی بار تجلی ملکوتی اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ ہوئی اور بشریت کے طبعی تقاضوں کا ظہور ہوا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکمال اضطراب فوراً کاشانہ مبارک میں آگئے اور جیسے جسم میں سردی لگ جانے کے وقت ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے اوڑھ کر لیٹ رہے اس پر یہ آیتیں سورۃ المدثر کی نازل ہوئیں۔ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ اَلْمُزَّمِّلُ کی طرح اَلْمُدَّثِّرُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صفاتی نام ہے۔نزول آیت کے وقت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع وہیئت کو ظاہر کرتا ہے۔اور حق تعالیٰ کی طرف سے کمال لطف والتفات کا مظہر ہے۔ آیت سے ظاہر ہو گیا کہ آثار بشری کا صدور وظہور کسی ولی سے تو کیا، کسی نبی بلکہ سید الانبیاء تک سے ممنوع ومرفوع نہیں۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔یعنی فرائض رسالت کی ادائی میں تندہی اور سرگرمی سے مستعد ہو جایئے۔ قُمْ کے مفہوم میں کمال اہتمام وآمادگی داخل ہے۔ فَاَنْذِرْ۔امر وجوبی ہے۔اور اس سے مراد ساری ہی تعلیم وہدایت ہے۔ محققین نے لکھا ہے کہ فرائض تبلیغ میں عذاب دوزخ سے بچانا ترتیباً بشارت جنت پر مقدم ہے۔ و۲ یعنی طہارت ظاہری کا اہتمام رکھیے۔ یدل علی وجوب تطهیر الثیاب من النجاسات للصلوٰة (جصاص) فقہی احکام وہدایات کا نزول ابتدائے وحی ہی سے شروع ہو گیا تھا، اور یہ آیت احکام فقہی کی اولین آیات میں سے ہے۔ دوسرے معنی محاورۂ عرب کے مطابق یہ بھی کئے گئے ہیں کہ اپنے دامن کو ہر خطا ومعصیت کی آلودگی سے پاک وصاف رکھیے۔ قال ابن عباس لاتلبسها علی معصیة (ابن کثیر) والعرب تقول فی وصف الرجل بالصدق والوفاء انه طاهر الثیاب (معالم عن ابن عباس) وقلبک فطهر من الصفات المذمومة وهو قول اکثر المفسرین (کبیر) تطهیر الثیاب کنایة عن تطهیر النفس عما تذم بها من الافعال وکلمات جمهور السلف دائرة علی نحو هذا المعنی فی هذه الأیات الکریمة (روح) قیل معناه نفسک فنقها من المعائب (راغب) لیکن ابوبکر جصاص رازی حنفی نے ان معانی سے بشدت انکار کیا ہے، اور کہا ہے۔ هذا الکلام شدید الاختلال و الفساد والتناقض (احکام القرآن) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔یعنی اللہ ہی کی بڑائی کا اثبات کیجئے بخلاف ان مشرکوں کے جو اپنے دیوتاؤں کے ساتھ اس کا نام لے کر اس کی توہین کیا کرتے ہیں ساری تبلیغ کی اصل اصول تو یہی مسئلہ توحید ہے۔ و۳ (ان سختیوں پر جو راہ تبلیغ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئیں گی، بنیادی عقائد کے بعد اب تعلیم فضائل اخلاق کی مل رہی ہے۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۔اپنے اعمال کو کثیر جاننا اُن کے عوض میں رجوع خلق یا مدح کی آس لگائے رہنا۔یہ سب شریعت میں قطعاً ناجائز ہے۔ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ۔یعنی راہ حق میں صبر، رضائے حق ہی کی خاطر کیجئے۔ای فاصبر علی طاعته واوامره ونواهیه لاجل ثواب الله (معالم) لوجه ربک عزوجل (ابن کثیر) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔یعنی باطنی نجاستوں سے بھی الگ رہیے۔جس میں شرک کا نمبر اول ہے۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔رجز کے معنی بت پرستی اور شرک کے ہیں۔الرجز عبادة الاوثان (قاموس۔لسان) وقیل هو الشرک (لسان) خود بت بھی اس کے معنی کئے گئے ہیں۔وقیل هو صنم (لسان۔راغب)

فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ

جائے گا، سو وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہو گا نہ کہ

يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ

آسان ف۴ چھوڑ دیجئے مجھے اور اس کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ف۵ اور اس کو کثرت سے

مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ

مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے اور (سب طرح کا) سامان اس کے لئے میں نے

تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا

خوب مہیا کر دیا، پھر بھی وہ اس کی طمع رکھتا ہے کہ میں اور زیادہ دوں ف۶ ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا

عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ

مخالف ہے، میں اُسے عنقریب دوزخ کے پہاڑ پر بجبر چڑھادوں گا ف۷ اس شخص نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی سو وہ

كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ

غارت ہو کیسی بات تجویز کی پھر غارت ہو کیسی بات تجویز کی ف۸ پھر دیکھا پھر منہ بنایا اور زیادہ منہ بنایا

وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا

ف۹ پھر منہ پھیرا اور تکبر ظاہر کیا ف۱۰ پھر کہا یہ تو نرا

سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِيْهِ

منقول جادو ہے، یہ تو نرا آدمی ہی کا کلام ہے ف۱۱ میں اس کو جلدی ہی دوزخ میں

سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾

داخل کروں گا، اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ دوزخ ہے کیا چیز؟ وہ نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَآ

جلد کی حیثیت بگاڑ کر رکھ دے گی ف۱۲ اس پر انیس (فرشتے) ہوں گے ف۱۳ اور ہم نے دوزخ کے کارکن

ف۴ ابتدائی مکی سورتوں میں عقیدۂ توحید کے بعد قدرۃً سب سے زیادہ زور عقیدۂ آخرت ہی پر ہے۔ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ۔ اس قید نے یہ صاف کر دیا کہ یوم حشر کے شدائد علی الاطلاق نہ ہوں گے، بلکہ کافروں، منکروں کے ساتھ مخصوص ہوں گے، اور مومنین انشاء اللہ حور وقصور، بلکہ سارے لذائذ قرب ولقاء سے محظوظ ہوں گے۔ ف۵ (کہ ہم اس سے نپٹ لینے کے لئے کافی ہیں) مراد کافر انسان سے ہے۔ وَحِیْدًا۔ ظاہر ہے کہ ہر انسان دنیا میں اکیلا ہی آتا ہے۔ نہ مال اس کے ساتھ ہوتا ہے نہ اولاد۔ ف۶ یعنی ساری موجود نعمتوں کو کفران اور بے قدری کی راہ سے حقیر سمجھتا ہے اور ناسپاسی کے باوجود مزید حرص وہوس میں مبتلا رہتا ہے۔ آیت عام ہے۔ سارے ناشکرے کافروں کے لئے، لیکن تلمیح خاص ہے۔ ولید بن مغیرہ کی طرف۔ جو اہل مکہ میں ایک بڑا ذی اثر شخص اور مال دار اور کثیر العیال تھا۔ وَبَنِیْنَ شُهُوْدًا۔ یعنی یہی نہیں کہ اس کے کئی کئی لڑکے موجود ہیں، بلکہ اس کے سامنے ہی رہتے ہیں جس سے وہ مزید لطف ومسرت حاصل کرتا ہے اور اس کی نظروں سے غائب نہیں۔ وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا۔ یعنی جاہ ومال دونوں سے اسے مالا مال کر دیا۔ ای اتممت علیه نعمتی الجاه والمال واجتماعهما هو الکمال عند اهل الدنیا (کبیر۔ مدارک) ف۷ (جب اسے اپنی سرکشی ونافرمانی کا مزہ معلوم ہوگا) سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا۔ صعود۔ دوزخ کی ایک پہاڑی کا نام ہے دوزخی اس پر چڑھے گا اور پھر گرے گا۔ گرے گا اور پھر چڑھے گا، اور عذاب کی یہ صورت دائمی رہے گی۔ اور یہ سزا اس کے اس عناد کی ہوگی جو اسے حق کے ساتھ دنیا میں رہا کیا تھا۔ كَلَّا۔ یعنی وہ ہرگز اس قابل نہیں۔ لِاٰيٰتِنَا۔ ایات سے مراد کلام الٰہی ہے۔ ف۸ (جو صحت کا کوئی امکان بعید بھی نہیں رکھتی) کلمات تعجب کی یہ تکرار غایت ذم واستبعاد کے لئے ہے۔ اِنَّهٗ فَكَّرَ۔ اور یہ سوچا کہ قرآن مجید کی بابت کیا رائے قائم کروں۔ وَقَدَّرَ۔ سوچ بچار کے بعد رائے بھی قائم کی تو کیسی مہمل اور بے جوڑ کہ قرآن کو نتیجۂ سحر بتایا! ف۹ (قرآن مجید سے غایت کراہت وانقباض ظاہر کرنے کو) ثُمَّ نَظَرَ۔ یعنی اِدھر اُدھر حاضرین کے چہروں کی طرف داد طلب انداز میں دیکھا۔ ف۱۰ قرآن مجید کی اس منظر کشی کا ایک ایک جزئیہ قابل داد ہے۔ انسان اظہار نفرت وکراہت کے وقت منہ ہی نہیں بناتا، بلکہ گردن بھی پھیر لیتا ہے۔ اور اس چیز کی تحقیر کرتا ہوا اپنی بڑائی کی طرف بھی اشارہ کر جاتا ہے۔ ف۱۱ (جو خدا کا کلام ہو ہی نہیں سکتا) سِحْرٌ يُّؤْثَرُ۔ ایسا سحر جو اہل بابل وغیرہ سے منقول ہو کر آیا ہے۔ ای یروی ویتعلم من سحرة بابل ونحوهم (روح) ف۱۲ ذکر اس یوم آخرت کے سلسلہ میں جہنم کی شدت عذاب اور ہولنا کیوں کا ہو رہا ہے۔ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ۔ دوسری زبانوں کی طرح عربی فن بلاغت میں بھی کلام میں زور، اثر، جوش وتاکید کے موقع پر سوالات سے کام لیا جاتا ہے۔ لَا تُبْقِيْ۔ یعنی کوئی کافر دوزخی ایسا نہ ہوگا جسے وہ اپنے اندر جلانے سے باقی رہنے دے۔ وَلَا تَذَرُ۔ یعنی کسی کافر کو اپنے اندر لے لینے سے نہ چھوڑے گی۔ ف۱۳ (جو دوزخیوں کو انواع واقسام کے عذاب دیتے رہیں گے) عجب نہیں جو عذاب دوزخ کے ۱۹ صیغے ہوں اور یہاں مراد ان صیغوں کے افسر فرشتوں کی تعداد کو بیان کرنا ہو۔

اَصۡحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِکَۃً ۙ وَّ مَا جَعَلۡنَا عِدَّتَہُمۡ اِلَّا

صرف فرشتوں ہی کو بنایا ہے اور ہم نے ان کا عدد کافروں کی آزمائش

فِتۡنَۃً لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۙ لِیَسۡتَیۡقِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ

ہی کے لئے رکھا ہے ف١٤ نتیجہ یہ ہو گا کہ اہل کتاب تو یقین کر لیں گے

وَ یَزۡدَادَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِیۡمَانًا وَّ لَا یَرۡتَابَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا

اور ایمان والوں کا ایمان بڑھ جائے گا اور اہل کتاب اور مومنین

الۡکِتٰبَ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ وَ لِیَقُوۡلَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ

شک و شبہ نہ کریں گے ف١٥ اور نتیجہ یہ ہو گا کہ جن کے دلوں میں

مَّرَضٌ وَّ الۡکٰفِرُوۡنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِہٰذَا مَثَلًا ؕ کَذٰلِکَ

مرض ہے اور کافر لوگ کہیں گے کہ آخر خدا کا مقصود اس بیان سے کیا ہے ف١٦ اللہ اس

یُضِلُّ اللّٰہُ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ مَا یَعۡلَمُ

طرح جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے اور آپ کے پروردگار کے لشکروں

جُنُوۡدَ رَبِّکَ اِلَّا ہُوَ ؕ وَ مَا ہِیَ اِلَّا ذِکۡرٰی لِلۡبَشَرِ ﴿٣١﴾ ع کَلَّا

(کی تعداد) تو بس وہی جانتا ہے اور یہ (دوزخ کا بیان) انسان کی صرف نصیحت کے لئے ہے، ف١٧ تحقیقاً

وَ الۡقَمَرِ ﴿٣٢﴾ ۙ وَ الَّیۡلِ اِذۡ اَدۡبَرَ ﴿٣٣﴾ ۙ وَ الصُّبۡحِ اِذَاۤ اَسۡفَرَ ﴿٣٤﴾ ۙ اِنَّہَا

قسم ہے چاند کی اور رات کی، جب وہ جانے لگے، اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائے کہ

لَاِحۡدَی الۡکُبَرِ ﴿٣٥﴾ ۙ نَذِیۡرًا لِّلۡبَشَرِ ﴿٣٦﴾ ۙ لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ اَنۡ

دوزخ ایک بہت ہی بھاری چیز ہے، بڑا ڈراوا انسان کے لئے یعنی تم میں سے اس کے لئے جو

یَّتَقَدَّمَ اَوۡ یَتَاَخَّرَ ﴿٣٧﴾ ؕ کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا کَسَبَتۡ رَہِیۡنَۃٌ ﴿٣٨﴾ ۙ

آگے بڑھنا چاہے، یا پیچھے ہٹنا چاہے ف١٨ ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس ہو گا

ع ١ / ١٥

ف١٤ (کہ وہ اس عدد متعین کو سن کر اس پر طرح طرح سے مضحکہ کریں گے) وَمَا...... مَلٰٓئِکَۃً۔ یعنی یہ دوزخ کے کارکن انسان وغیرہ نہیں فرشتے ہی ہوں گے۔ جو ہر قسم کی بشری کمزوریوں سے پاک ہیں۔ اور امرِ الٰہی کی تعمیل کے سوا اور کچھ جانتے ہی نہیں۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ عقائد قطعی اللہ پر ایمان، انبیاء پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، حدوث عالم کا اعتقاد وغیرہا تعداد میں انیس ہی ہوتے ہیں۔ اور عذاب کفار کی اصل چونکہ انہیں عقائد اسلامی کی مخالفت ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ ایک ایک فرشتہ انہیں ١٩ عقائد اصلی میں سے ایک ایک کے مقابلہ پر ہو، یا یہ کہا جائے کہ انسان کے نفس میں عذاب دوزخ کی بھڑکانے والی انیس رنگ کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ ف١٥ یہ آیت قرآن مجید کے ان دو چار مشکل مقامات میں سے ہے، جن کے متعلق علوم کا باب انشاءاللہ آئندہ کے کسی خوش نصیب مفسر کے لئے ضرور کھلے گا۔ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے ہاں بھی انیس ١٩ کے عدد سے متعلق کچھ پیشگوئیاں موجود چلی آتی ہیں۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اہل کتاب کی نفی ریب لغوی معنٰی میں ہے اور مومنین کی شرعی معنٰی میں۔ ف١٦ (اور ان لوگوں کا یہ سوال طنز و تعریض کی راہ سے ہو گا) الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ۔ مرض شک و انکار میں مبتلا منافقین یا چھپے ہوئے کافر۔ اے من المنافقین (ابن کثیر) اور جن مفسرین نے یہ کہا ہے کہ سورت تو مکی ہے، اور منافقین کا وجود مکہ میں نہ تھا۔ انہوں نے مرض سے مراد اضطراب اور ضعف ایمان لی ہے۔ و قال الحسن بن الفضل السورة مكية ولم يكن بمكة نفاق وانما المرض فى الأية الاضطراب وضعف الايمان (بحر) لیکن تفسیر کبیر میں اس قول کو نقل کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے اور تائید و توثیق قول جمہور کی کی گئی ہے۔ ف١٧ (کہ اسے سن کر ان کے دلوں میں خوف و خشیت پیدا ہو اور وہ ایمان لائیں) کَذٰلِکَ...... یَشَآءُ۔ یعنی لوگوں کی ضلالت و ہدایت یوں ہی انکل پچو نہیں، بلکہ اللہ کے قانون مشیت تکوینی ہی کے ماتحت انجام پاتی رہتی ہے۔ وَمَا...... ہُوَ۔ یعنی جو تعداد ملائکہ یہاں بیان کی گئی ہے وہ تو کسی حکمت ہی کے ماتحت ہے۔ ورنہ اللہ کے لشکر کا شمار تو بس اسی کے علم میں ہے انسان کے بس میں کہاں ہے۔ ف١٨ یعنی اس کے لئے بھی جو خیر و فلاح کی طرف قدم بڑھانا چاہے اور اس کے لئے بھی جو خیر و فلاح سے پیچھے ہٹنا چاہے۔ غرض یہ کہ جملہ مکلفین کے لئے۔ وَالۡقَمَرِ...... الۡکُبَرِ۔ موقع قسم پر یہاں تین چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ چاند اور رخصت ہوتی ہوئی رات اور روشن ہوتی ہوئی صبح، اور یہ تینوں چیزیں خاص مناسبت واقعۂ قیامت سے رکھتی ہیں، جس پر بطور شہادت انہیں پیش کیا گیا ہے — چاند کا اول بڑھنا اور پھر گھٹنا، یہاں تک کہ نظروں سے معدوم ہو جانا ایک نمونہ اور مثال ہے، اس کائنات کے وجود و حدوث، اور نشو و نما کا، اور پھر اضمحلال و انحطاط، یہاں تک کہ فناء کا۔ اسی طرح اس عالم کو آخرت کے ساتھ اختفاء اور انکشاف حقائق میں بھی وہی نسبت ہے جو رات کو دن کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس عالم کا ختم ہو جانا مشابہ رات کے گزر جانے کے ہے، اور آخرت کا ظہور مشابہ طلوع صبح کے ہے۔ اِحۡدَی الۡکُبَرِ۔ ایک ہی بھاری چیز جس کی کوئی نظیر نہیں جیسے اردو محاورہ میں بھی کہتے ہیں کہ "وہ ایک ہی ہے"۔ یا نظیر کے معنٰی میں اے لانظير لها كما تقول هو احد الرجال وهى احدى النساء (بحر)

لِمَنۡ شَآءَ۔ اس لفظ سے اجازت کا کوئی پہلو ہرگز نہ سمجھا جائے، یہ بیان صرف ارادۂ عبد کا ہو رہا ہے اور اہل سنت ارادۂ عبد کی نفی نہیں کرتے، اس کا تو عین اثبات کرتے ہیں۔ نفی صرف اس امر کی کرتے ہیں کہ عبد اپنے ارادہ کا خالق بھی ہے۔

ف۱۹ (خود انہیں کفار مجرمین سے) سوال سے محض استفسار حال مقصود نہ ہوگا، اہل دوزخ کی مزید تذلیل و سرزنش بھی مقصود ہوگی۔ کُلُّ ...... رَهِيْنَةٌ۔ یہ محبوسی دوزخ کی ہے، ہر شخص اپنی پاداش عمل میں گرفتار و ماخوذ ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ عفو خداوندی کسی کے جرائم ہی کو نظرانداز کردے۔ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ۔ یعنی اہل جنت جنہیں نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھوں میں ملے گا۔ وہ اس حبس سے ہر طرح محفوظ و مستثنیٰ ہوں گے۔ اَلْمُجْرِمِيْنَ۔ مراد کفار اہل دوزخ ہیں۔ ف۲۰ (اور ہم انہیں غفلتوں اور سرشاریوں میں پڑے رہ گئے) نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ۔ خوض سے مطلق مشغلہ نہیں بلکہ ایسا مشغلہ مراد ہے جو دین اور واجبات دین سے غافل کردے۔ الخوض الشروع فی الباطل ومالا ینبغی (کشاف) والمراد منه الاباطیل (کبیر) کافروں کی تقریر کا حاصل یہ ہوگا کہ

اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾

مگر داہنے ہاتھ والے نہیں کہ وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے، اور مجرموں کی بابت پوچھ پاچھ

عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ

کر رہے ہوں گے ف۱۹ کہ تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لائی؟ وہ کہیں گے ہم تو

نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾

نہ نماز پڑھا کرتے تھے، اور نہ ہم غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے

وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ

اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں پڑے رہتے تھے، اور ہم روز جزا کو جھٹلایا

الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ

کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی ف۲۰ سو اُن کو سفارش کرنے والوں کی سفارش (کوئی)

الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ

نفع نہ دے گی ف۲۱ انہیں کیا ہو گیا کہ نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں گویا وہ

حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ

وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے جا رہے ہیں ف۲۲ اصل یہ ہے کہ ان میں سے

كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا

ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے نوشتے دے دیے جائیں ف۲۳ ہرگز نہیں

بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ

بلکہ اصل یہ ہے کہ یہ آخرت کا خوف ہی نہیں رکھتے ف۲۴ نہیں بلکہ یہ (قرآن ہی کافی) نصیحت ہے، سو جو چاہے

شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

اس سے نصیحت حاصل کرے، اور نصیحت تو یہ لوگ اس صورت میں حاصل کریں گے جب اللہ کی مشیت ہوگی

ہم نے نہ حقوق اللہ ہی ادا کیے نہ حقوق العباد، اور ادائے حقوق تو کیا کرتے سرے سے روز حشر کی آمد ہی سے انکار کرتے رہے۔ اور ابطالِ دین کو ایک مشغلہ سا بنا کر اسی میں لگے رہے۔ توبہ و انابت کی توفیق کبھی نہ ہوئی اور موت ہی اس حالت میں آگئی۔ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ۔ یقین کے معنی یہاں عام طور پر موت ہی کے لئے گئے ہیں۔ وقال المفسرون الیقین الموت (بحر) ای الموت ومقدماته کما ذهب الیه جلّ المفسرین (روح) عذاب قیامت بھی مراد لی گئی ہے۔ اس لئے کہ یہی شئی ہے جس پر یقین لاتا ہے۔ یہ لوگ زندگی بھر گریز کرتے رہے اور بعد موت مشاہدہ کر کے جب یقین کیا۔ وانها الیقین الذی عنوا فی هذه الأیة الشیء الذی کانوا یکذبون به وهم احیاء فی الدنیا فتیقنوه بعد الموت (بحر) ف۲۱ مراد یہ ہے کہ ایسوں کی شفاعت جب سرے سے ہوہی گی نہیں تو کارگر کیا ہوتی۔ ای لا یقدرون علی شفاعتهم فتنفعهم. ای لاشفاعة شافعین لهم فتنفعهم۔ (بحر) مَا تَنْفَعُهُمْ۔ لفظ نفع، منع عذاب و تخفیف عذاب دونوں کو عام ہے۔ اس کی نفی کے معنی یہ ہوئے کہ یہ نہ عذاب سے ہی بچ سکیں گے اور نہ کوئی رعایت ہی حاصل کر سکیں گے۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ آیت سے مومنین کے حق میں شفاعت کا اثبات نکلتا ہے۔ وفیه دلیل ثبوت الشفاعة للمؤمنین (مدارک) وفی هذه الأیة دلالة واضحة علی ان الله تعالٰی مشفع بعض خلقه فی بعض (ابن جریر) بلکہ اہل سنت نے تو یہ کہا ہے کہ آیت سے فساق امت تک کی شفاعت کا اثبات ہوتا ہے۔ واحتج اصحابنا علی ثبوت الشفاعة للفساق بمفهوم هذه الأیة وقالوا ان تخصیص هٰؤلآء بانهم لاتنفعهم شفاعة الشافعین یدل علی ان غیرهم تنفعهم شفاعة الشافعین (کبیر) فاسقوں کی شفاعت سے انکار صرف معتزلہ سے منقول ہے۔ وفیه دلیل علی ان غیرهم تنفعهم الشفاعة وذالک لغیر الفساق عندالمعتزلة (نیشاپوری) ف۲۲ (بالکل اندھا دھند منہ اٹھائے ہوئے) گدھے اور پھر وحشی جنگلی گدھے کمال بلادت کے لئے ضرب المثل ہیں۔ معمولی اور بالکل بے ضرر چیزوں سے بھی بدکتے اور بھاگتے رہتے ہیں اور پھر جب شیر سے بھاگیں گے تو ان کی وحشت اور بدحواسی کا کیا ٹھکانا۔ تشبیہ سے مقصود قرآن مجید سے ان لوگوں کے انتہائی بُعد و تنفر کا اظہار ہے اور تشبیہ صرف فرار اور عدم فرار میں ہے دوسرے آثار میں نہیں۔ قَسْوَرَةٍ۔ کے معنی اور بھی کئے گئے ہیں۔ لیکن صحابہ اور محققین نے شیر ہی کے معنی لئے ہیں۔ وقال ابوہریرةؓ هی الاسد وهو قول عطاء الکلبی (معالم) قال ابوهریره وابن عباس فی روایة عنه وزید بن اسلم وابنه عبدالرحمٰن (ابن کثیر) اور ماہرین لغت سے بھی یہی منقول ہے۔ وجمهور اللغویین علی انه الاسد (روح) ف۲۳ (آسمان سے اترے ہوئے) قرآن مجید اپنے مخاطبین کو دعوت غور و فکر ایک خاص قسم کی دیتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ لوگ اس کے پیش کیے ہوئے دلائل و حقائق پر غور کر کے ایمان تک پہنچیں۔ احمق اور سنجیدگی فکر سے محروم اور سطحی نظر رکھنے والے منکرین اس قوت فکری کا استعمال بھی اپنے لئے بار سمجھتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ شہادتیں انہیں جو بھی ملیں کھلی ہوئی مادی، حسی، خوارق کے قسم کی ملیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے مذمت اس طالب کی نکل رہی ہے جو کاملین کے اتباع سے عار محسوس کرتا ہے۔ اور خود اپنے واردات و احوال کی توقع و طلب میں لگا رہتا ہے۔ ف۲۴ قرآن مجید ان منکرین کی نفسیت کی تشخیص یہ کرتا ہے کہ ان کے اعراض و انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں سرے سے اندیشۂ آخرت اور طلب حق ہے ہی نہیں۔ كَلَّا۔ یعنی ایسا ہرگز نہ کیا جائے گا۔ ان کے ہوائے نفس کے پورا ہونے کا موقع انہیں ہرگز نہ دیا جائے گا۔

هُوَ اَهۡلُ التَّقۡوٰی وَ اَهۡلُ الۡمَغۡفِرَةِ ﴿۵۶﴾ ع

وہی ہے ڈرنے کے قابل اور (وہی) مغفرت والا ہے ف۲۵

ایاتھا ۴۰ ۷۵ سُوۡرَةُ الۡقِیٰمَةِ مَکِّیَّةٌ ۳۱ رکوعاتھا ۲

اس کی چالیس آیتیں سورۂ قیامت مکہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ ﴿۱﴾ وَ لَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾

میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں نفس ملامت گر کی ف۱

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ

کیا انسان یہ خیال کر رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے، ضرور جمع کریں گے ہم تو اس پر قادر ہیں

عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلۡ یُرِیۡدُ الۡاِنۡسَانُ لِیَفۡجُرَ

کہ اس کی انگلیوں کے پوروں تک کو درست کر دیں ف۲ اصل یہ ہے کہ انسان تو یہی چاہتا ہے کہ آیندہ بھی

اَمَامَهٗ ﴿۵﴾ یَسۡـَٔلُ اَیَّانَ یَوۡمُ الۡقِیٰمَةِ ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ ﴿۷﴾

فسق و فجور ہی کرتا رہے ف۳ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا سو جس روز آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی

وَ خَسَفَ الۡقَمَرُ ﴿۸﴾ وَ جُمِعَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ ﴿۹﴾ یَقُوۡلُ

اور چاند بے نور ہو جائے گا اور چاند اور سورج ایک حالت کے کر دیے جائیں گے اس روز

الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍ اَیۡنَ الۡمَفَرُّ ﴿۱۰﴾ کَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰی رَبِّكَ

انسان کہے گا کہ اب کدھر بھاگوں؟ ف۴ ہرگز نہیں کہیں پناہ کی جگہ نہیں اُس وقت ٹھکانا صرف

یَوۡمَئِذِ الۡمُسۡتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ یُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ

آپ کے پروردگار کے پاس ہو گا، اس روز انسان کو سب اگلا پچھلا کیا ہوا جتلایا دیا

ف۲۵ تقوٰی بھی صرف اسی سے اختیار کرنا چاہیے، اور مغفرت بھی صرف وہی کر سکتا ہے۔ دوسروں سے خوف یا طمع دونوں لاحاصل ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس آیت کی تفسیر یوں آئی ہے۔ قال ربکم انا اهل ان اتقی فلا یشرک بی شیء فاذا اتقانی عبدفانا اهل ان اغفرلهٗ۔ ”حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہی اس قابل ہوں کہ بندہ مجھ سے ڈرے اور میرے ساتھ کسی کام میں کسی کو شریک نہ کرے تو جب بندہ مجھ سے ڈرا، تو میری بھی شان یہ ہے کہ اس کی مغفرت کر دوں“۔ كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذۡكِرَةٌ۔ اسی قرآن ہی پر غور، تامل و تدبر سے پورا ایمان و ایقان حاصل ہو سکتا ہے۔ فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ۔ جو شخص طلب و قصد رکھے، قرآن مجید سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔۔۔ اس فقرہ میں ارادۂ عبد کسب و اختیار فعل کا اثبات ہو گیا۔ وَمَا۔۔۔۔ اللّٰهُ۔ یہیں سے اہل سنت کا یہ مسلک ہے کہ مشیت عبد و مشیت شخصی تابع و ماتحت رہتی ہے مشیت ازلی الٰہی کے۔ ف۱ (جو اپنے اوپر ملامت کرتا رہتا ہے) لَاۤ اُقۡسِمُ۔ اقسام قرآنی کی حقیقت کے لئے ملاحظہ ہو ضمیمہ پ۱۴۔ لَا۔ قسم کے ساتھ تاکید معنیٰ کے لئے آتا ہے۔ اور اس کا یہ استعمال کلام عرب میں عام ہے۔ ادخال لا النافیة علی فعل القسم مستفیض فی کلامهم واشعارهم وفائدتها توکید القسم (کشاف) لاقبل القسم لتاکید النفی (ابن کثیر) بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ۔ نفس لوامہ یہ ہے کہ بندہ سے جب عمل خیر صادر ہو تو یہ اس پر جرح کر کر کے اس میں عیب نکالا کرے کہ اس میں اخلاص شامل نہ تھا، عمل میں فلاں جزء کی کمی رہ گئی۔ وقس علی ہذا۔ اور جب معصیت سرزد ہو جائے تو اس پر بہت ہی نادم و سرنگوں ہو۔ الاشبه بظاهر التنزیل انها اللتی تلوم صاحبها علی الخیر و الشروتندم علی مافات (ابن کثیر) قرآن مجید میں نفس کے تین اوصاف بیان ہوئے ہیں:۔ (۱) نفس امّارة۔ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ۔ یہ نفس سرکشوں، خود سروں، مجرموں کا ہوتا ہے۔ (۲) نفس لوّامة۔ وہی جس کا یہاں ذکر ہے، ادھر غفلت اور شامت سے کوئی لغزش ہوئی اور ادھر نفس کو توبہ و ندامت کی بھی توفیق ہو گئی۔ یہ شان مومنین صالحین کی ہوتی ہے۔ (۳) نفس مطمئنة۔ یہ نہ تخیلات شیطانی سے متزلزل ہوتا ہے۔ نہ تحریکات نفسانی سے منتشر۔ یہ حضرات انبیاء کے ساتھ اور اولیاء میں اخص خواص کے ساتھ مخصوص ہے۔ ف۲ (تو جو اس تک پر قادر ہے۔ اس کے لئے ہڈیوں کا اٹھا کھڑا کرنا اور ان میں جان ڈال دینا کیا مشکل ہے!) الۡاِنۡسَانُ۔ اس سیاق میں انسان سے مراد ملحد، کافر و منکر قیامت انسان ہے۔ ای الکافر المنکر للبعث (مدارک) یعنی الکافر (معالم) نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ۔ پور پور کو ترکیب دے دینے سے مراد جسم کی آخری اور نازک ترین ترکیبوں کا اعادہ ہے۔ ملحدوں کے انکار قیامت کی بنیاد اور کچھ نہیں، صرف اس حقیقت کا استبعاد تھا۔ آج کل کے مادیین اور کسی حد تک ”نیچریوں“ کی طرح اس سطحی عقل والوں کے نزدیک جو چیز بھی معمول عام سے، ہٹی ہو بس محال تھی! قرآن نے اسی لئے جواب میں بار بار یہی پہلو اللہ کی قدرت کاملہ کے استحضار کا اختیار کیا ہے۔ ف۳ (اور اس کی لذت پرستیوں میں کبھی فرق نہ پڑنے پائے) یعنی وہ چونکہ اپنے کو بازپرس سے دور رکھنا اور دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے قائل بھی ایسے عقیدہ کا نہیں ہوتا جس سے لذتوں سے دستبرداری لازم آتی ہو ــــ یہی ایک ذہنیت قدیم و جدید ساری مادہ پرست قوموں میں مشترک رہی ہے۔ لِیَفۡجُرَ۔ فجور سے یہاں مراد کافرانہ اعمال ہیں۔ واصل الفجور المیل وسمی الفاسق والکافر فاجرًا لمیله عن الحق (معالم) اور اس سوال سے اس کی غرض جستجوئے حق اور استفسار محض نہیں ہوتی، بلکہ سوال طنز و تعریض کے ساتھ کرتا ہے۔ ف۴ (اور یہ کلمہ انسان کی زبان پر کمال اضطراب و سراسیمگی کے عالم میں آئے گا) قرآن مجید نے بکمال حکمت و بلاغت ادھر توجہ ہی نہیں کی کہ وقوع قیامت کی صدی اور وقت اور تاریخ کی تعیین کی جائے۔ بلکہ عین اس وقت کی کیفیات کی تصویر پیش کر دی کہ قیامت اس وقت آئے گی جب نظام کائنات یوں اور یوں درہم برہم ہو جائے گا اور انسان ہر طرف یوں بلبلایا ہوا بدحواس بھاگتا پھرتا ہو گا۔ فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ۔ آنکھوں پر یہ چکاچوند کی کیفیت اس وقت کے انتہائی ہیبت ناک منظروں سے طاری ہو جائے گی۔ وَ خَسَفَ الۡقَمَرُ۔ چاند کی اس بے نوری کی تصریح میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ عرب جاہلیت میں چاند دیوتا بہت بڑا دیوتا تھا۔ جس طرح مصر اور بعض دوسری جاہلی قوموں میں مسجود اعظم سورج رہا ہے۔ وَ جُمِعَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ۔ یہ آج کا نظام مادی تکوینی اس وقت بالکل الٹ جائے گا۔ یہاں تک کہ جو چیزیں آج محال اور غیر ممکن معلوم ہو رہی ہیں اس وقت واقع ہو ہو کر رہیں گی۔

ف۵ یہ جتلانا اس معنٰی میں نہ ہوگا کہ ایک بے خبر اور ناواقف کو باخبر اور واقف کیا جا رہا ہے بلکہ یہ جتلانا بطور اتمام حجت وقطع جواب کے ہوگا۔ بِمَا قَدَّمَ۔ اس سے مراد وہ عمل خیر ہے جو انسان دنیا میں کر گزرا ہے۔ وَاَخَّرَ۔ اس سے مراد اس عمل سے لی گئی ہے جو انسان نہ کر پایا۔ ف۶ (محض اپنے مقتضائے طبیعت سے) مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان تو اپنی حالت پر خود گواہ ہوگا۔ اور بغیر جتلائے ہوئے بھی اسے اپنا حال خوب معلوم ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ حیلے اور حجت بھی اپنے بچاؤ کے تراشتا رہے۔ یہ ماجرا تو روز حشر کا بیان ہو رہا ہے۔ لیکن یہ مفہوم بھی نکل سکتا ہے کہ آج اور اس وقت بھی انسان حیلے حوالے کتنے ہی پیش کرتا رہے، اپنے دل میں حقیقت حال کو خوب سمجھے رہتا ہے اور اس کا ضمیر خود اس کے جرائم پر گواہ رہتا ہے۔ بَصِیْرَةٌ۔ یا تو حجت کے مفہوم میں ہے اے ھو حجة علٰی نفسه (مدارک) اے حجة بیّنة واقعة علٰی نفسه (روح) عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ۔ لفظ علٰی سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ اعمال سوء ہی پر مطلع ہونا یہاں مراد ہے۔ شاهدة بما صدر منه من الاعمال السیئة كما یُؤْذِنُ به كلمة علٰی (روح) اور یا پھر اس میں ہ مبالغہ کی ہے جیسے علامہ میں۔ قال ابو عبیدة الهاء لاجل المبالغة (کبیر) التانیث للمبالغة (روح) محققین عارفین نے کہا ہے کہ معرفت حق ہر انسان میں ودیعت کر دی گئی ہے۔ کوئی عارف بالفعل ہوتا ہے کوئی بالقوۃ، اور قیامت میں یہی استعداد عرفان اس پر حجت ہوگی۔ ف۷ نزول وحی کے دوران میں آپ ﷺ اس خیال سے کہ کہیں یہ الفاظ ذہن سے نکل نہ جائیں، خود بھی جلدی جلدی انہیں کو دہرانے لگتے تھے۔ یہاں یہ حکم مل رہا ہے کہ آپ نزول وحی کے وقت بس سکون وخاموشی سے سنتے ہی رہا کیجئے اور یہ اندیشہ بھی دل میں نہ لایئے کہ وحی کا کوئی خفیف سا جزو بھی قلب سے نکل جائے گا۔ اس کی محفوظیت کے ذمہ دار تو ہم خود ہیں۔ بِهٖ۔ بِهٖ دونوں جگہ ضمیر قران کی طرف راجع ہوتی ہے۔ جَمْعَهٗ۔ یعنی قرآن کا آپ کے سینہ میں جمع کر دینا۔ معناه علینا جمعه فی صدرك وحفظك (کبیر) وَقُرْاٰنَهٗ۔ یعنی پورے کے پورے قرآن کا آپ کی زبان سے پڑھوا دینا۔ انا سنقرئك یا محمد الٰی ان تصیر بحیث لاتنساه (کبیر) اثبات قراءته فی لسانك (مدارك) اے قراء تك ایاه (بحر) ف۸ یعنی ادھر ہی متوجہ ہو جایئے اور اس کے دہرانے کی فکر میں نہ رہیے۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ۔ یعنی جب ہمارا فرشتۂ وحی اسے سنایا کرے۔ حق تعالٰی نے یہیں فرشتۂ وحی کے سنانے کو اپنے ہی سنانے سے تعبیر فرمایا ہے۔ اے اتممنا قراءته علیك بلسان جبرئیل المبلغ عنا فالاسناد مجازی (روح) محفوظیت وجامعیت متن قرآنی پر یہ آیت ایک مستقل نص کا کام دے رہی ہے۔ اشارۃً اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نزول وحی میں فرشتہ جبرئیل علیہ السلام کا مقام تعلیم وافادہ کا نہیں، صرف تبلیغ واعادہ کا ہے۔ جیسے جمعہ یا عیدین کی نماز میں مکبرین امام کی تکبیر وتسبیح کو صرف دہرا دیتے ہیں، کسی اور حیثیت سے نائب امام نہیں ہوتے۔ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ یعنی فرشتۂ وحی کی قراءت کا اتباع کرتے رہیے۔ فاتبع قراٰنه اے لاینبغی ان تكون قراءتك مفارقة بقراءة جبرائیل (کبیر) ف۹ (اور یہ رسول کے ذریعہ سے ہوگا) قرآن کو رسول تک بجنسہٖ پوری حفاظت کے ساتھ پہنچا دینا جو حق تعالٰی نے اپنے ذمہ لیا تھا۔ اس کا انصرام تو فرشتہ کی وساطت سے ہوا۔ اب رہا دوسرا وعدۂ الٰہی یعنی قرآن کی تبیین وتشریح یہ کس کے ذریعہ سے ہوگی؟ یہ رسول ﷺ کے ذریعہ سے — گویا حق تعالٰی سے رسول ﷺ تک متن قرآن پہنچانے کا ذمہ دار تو فرشتہ وحی ٹھہرا۔ اور رسول ﷺ سے امت تک متن قرآن وشرح قرآن پہنچانے کے ذمہ دار رسول کریم ﷺ قرار پائے۔ اے ثم ان علینا ان نبیّنهٗ بلسانك (روح) اے بعد حفظه وتلاوته نبیّنهٗ لك ونوضحه ونفهمك معناه علٰی اردنا وشرعنا (ابن کثیر) آج جس نو پیدا گروہ نے رسول اللہ ﷺ کی حیثیت صرف ایک خطوط رساں یا ڈاکیہ کی تسلیم کر رکھی ہے، کاش اس آیت سے اس کی آنکھیں کھلتیں۔ ف۱۰ (کہ قیامت نہ آئے گی جیسا کہ یہ احمق منکرین اپنے زعم فاسد میں سمجھے ہوئے ہیں) کَلَّا کو حقًا کے بھی مرادف سمجھا گیا ہے اور معنٰی یقینًا کے کئے گئے ہیں۔ قال سائر المفسرین كلا معناه حقًا تحبون العاجلة وتذرون الاٰخرة (کبیر) ف۱۱ (اسی محبت دنیا کے انہماک میں) یہاں یہ بتا دیا کہ انکار آخرت کی بنیاد بھی یہی دنیوی زندگی میں انہماک وغفلت ہے۔ ف۱۲ مسئلہ رویت باری ودیدار الٰہی اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے اور اس آیت سے بخوبی ثابت ہے۔ اعلم ان جمهور اهل السنة یتمسكون بهذه الاٰیة فی اثبات ان المؤمنین یرون الله تعالٰی یوم القیٰمة (کبیر) مسئلة النظر ورؤیة الله تعالٰی مذكورة فی اصول الدین (بحر) قال ابن عباس واكثر الناس تنظر الٰی ربها عیانًا بلاحجاب (معالم) وقد ثبتت رؤیة المؤمنین لله عزوجل فی الدار الاٰخرة فی الاحادیث الصحاح من طرق متواترة عند ائمة الحدیث لایمكن دفعها ولا منعها (ابن کثیر) وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ۔ جملہ اسمیہ ہے اور جملہ کی ترکیب دلالت حدوث وزوال پر نہیں کرتی بلکہ اس پر کہ یہ بشاشت وشگفتگی دائمی ہوگی۔ اس بشاشت وسرور کی وجہ بھی معًا بعد مذکور ہے۔ یعنی یہ کیفیت اضطراری اور خود بخود طاری نہ ہوگی۔ بلکہ یہ تلذذ ونشۂ ثمرۂ رویت ہوگا۔ اِلٰی سے بعض عارفین نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ کمال قرب وکثرت انوار کے باوجود نظارہ کرنے والے میں احساس تشخص ودرک باقی رہے گا۔ تلذذ وتکیف پوری طرح ہو سکے گا فنائے محض کی کیفیت طاری نہ ہوگی۔ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ فعل نظر کا صلہ جب الٰی کے ساتھ آتا ہے، تو اس کے معنٰی

وَ اَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّ لَوْ

جائے گا ف۵ (بلکہ) اصل یہ ہے کہ انسان خود ہی اپنی حالت پر خوب مطلع ہو گا گو وہ

اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ﴿۱۵﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾

اپنے حیلے پیش لائے ف۶ آپ اس کو (یعنی قرآن کو) جلدی جلدی لینے کے لئے اس پر زبان نہ ہلایا کیجئے ف۷

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾

یہ تو ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوانا، سو جب ہم اسے پڑھنے لگیں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے ف۸

ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾

پھر اس کا بیان کرا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے، ف۹ ہرگز ایسا نہیں ف۱۰ اصل یہ ہے کہ تم دنیا سے تو محبت رکھتے ہو،

وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰی

اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو ف۱۱ (کتنے ہی) چہرے اس روز بشاش ہوں گے، اور

رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَ وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ

اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، ف۱۲ اور (کتنے ہی) چہرے اس روز بے رونق ہوں گے، اور سمجھ رہے ہوں گے

یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ﴿۲۶﴾ وَ قِیْلَ

کہ اب ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا ف۱۳ (دنیا محبوب بننے اور آخرت متروک ہونے کے قابل) ہرگز

مَنْ ٚ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ

نہیں ف۱۴ جب جان ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے اور پکارا جانے لگتا ہے کہ ارے کوئی جھاڑنے والا بھی ہے ف۱۵ اور (مرنے والا) سمجھ لیتا

بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَىِٕذِ الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ

ہے کہ اب مفارقت (کا وقت) ہے اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹنے لگتی ہے ف۱۶ اس روز تیرے پروردگار ہی کی طرف جانا ہوتا ہے اس

وَ لَا صَلّٰی ﴿۳۱﴾ وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤی

(کافر) نے نہ تو تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی ف۱۷ بلکہ تکذیب کی تھی اور منہ موڑا تھا پھر فخر کرتا ہوا

ع

اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿٣٣﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٤﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ

اپنے گھر چل دیتا تھا و۱۸ تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے پھر تیری کم بختی پر کم بختی

فَاَوْلٰى ﴿٣٥﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾ اَلَمْ

آنے والی ہے و۱۹ کیا انسان اس خیال میں ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ و۲۰ کیا یہ

يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ

شخص (محض) ایک قطرۂ منی نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا و۲۱ پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا، پھر (اللہ نے اسے انسان) بنایا،

فَسَوّٰى ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿٣٩﴾

پھر اعضا ٹھیک کیے، پھر اس کی دو قسمیں کر دیں، مرد اور عورت و۲۲

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿٤٠﴾

تو کیا ایسی (ذات) اس پر قدرت نہیں رکھتی کہ مُردوں کو زندہ کر دے و۲۳

ع ۲ / ۱۸

آیاتھا ۳۱ ۷۶ سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ ۹۸ رکوعاتھا ۲

اس کی اکتیس آیتیں سورۂ دہر مدینہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ

بے شک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی

شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴿١﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ

قابل ذکر چیز ہی نہ تھا و۱ بے شک ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا مخلوط نطفہ

اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿٢﴾ اِنَّا هَدَيْنٰهُ

سے کہ ہم اسے آزمائیں، سو ہم نے اسے سنتا دیکھتا بنایا و۲ ہم ہی نے اس کو

ولا یُعذّی بالی الابمعنی الرؤیة (مدارک) و۱۳ یعنی نہایت شدت کا معاملہ۔ فَاقِرَةٌ۔فقر ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں۔اس کو توڑ دینے والی چیز سے کنایہ ہوتا ہے انواع عذاب وغایت مصیبت سے۔ وُجُوْهٌ کے صیغۂ نکرہ ہونے سے یہ مستفاد ہوا ہے کہ کچھ ہی بدقسمت اس میں گرفتار ہوں گے، سب نہیں۔ و۱۴ اس تردید کا تعلق آیت ۲۰،۲۱ سے ہے بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ سے۔ و۱۵ (جواب آکر اچھا کرے) راقی کے لفظی معنی جھاڑنے پھونکنے والے کے ہیں۔قرآن مجید کے مخاطب اول یاد کر لیجئے کہ عرب تھے،اور پھر یہ سورت تو نزول میں بھی بہت ابتدائی ہے۔اس وقت ان سے وہی بات اس زبان میں کہی گئی، جس سے وہ مانوس اور جس کے وہ خوگر تھے،دوسری مشرک قوموں کی طرح ان میں بھی بڑا زور جھاڑ پھونک کا تھا،اور مرتے ہوئے شخص کو بچانے کی آخری اور انتہائی تدبیریں ان کے درمیان اسی قسم کی ہوتی تھیں۔اس وقت اگر ان کے سامنے انجکشن دینے یا مصنوعی تنفس کے سامان کا ذکر کیا جاتا،تو بجز اس کے کہ وہ حیرت سے بھوچکے رہ جاتے اور کوئی حاصل بھی نہ تھا— یہاں مراد مطلق معالج ہے۔طبیبا یشفیه وراقیا یرقیه (کبیر) لعله ارید به مطلق الطبیب (روح) اے من یرقی ویطبب ویشفی وغیر ذٰلک مما یتمناه له اهله (بحر) اے من طبیب شافٍ وکذا قال قتادة والضحاک وابن زید (ابن کثیر) اے هل من طبیب یرقیه ویداویه فیشفیه برقیته اودوائه وقال قتادة التمسوا له الاطباء (معالم) و۱۶ (سکرات موت کی شدت سے) ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ۔ظن۔یہاں یقین کے معنی میں ہے۔ واکثر المفسرین علی تفسیره بالیقین (روح) وتظن بمعنی توقن (بحر) و۱۷ یعنی نہ ایمان لایا تھا نہ اعمال کی پروا کی تھی۔ فَلَا صَدَّقَ۔تصدیق سے مراد توحید و رسالت کی تصدیق ہونا ظاہر ہے۔ الفاظ آیت کی ترکیب سے ایک اشارہ پیدا کیا گیا ہے کہ جس طرح نماز بغیر ایمان صحیح نہیں ہوتی،اسی طرح ایمان بھی بغیر نماز کے کامل نہیں ہوتا۔ علماء نے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ ایمان کے بعد نماز سے بڑھ کر کوئی عمل اہم وموکد نہیں۔یہ مسئلہ بھی نکالا گیا ہے کہ مستحق زجر و ملامت جس طرح عدم ایمان ہے،اسی طرح ترک نماز بھی۔اعلم ان الأیة دالة علی ان الکافر یستحق الذم والعقاب بترک الصلٰوة کما یستحقهما بترک الایمان (کبیر) و۱۸ یعنی اپنے کفر و عصیان پر فخر کرتا ہوا اپنے خدم وحشم میں جا کر اور زیادہ غافل ومغرور ہو جاتا تھا۔ و۱۹ یہ تکرار اور تاکید پر تاکید،دوسری زبانوں کی طرح عربی اسلوب بیان میں بھی کمال غضب اور وعید شدید کے اظہار کے لئے ہے۔روایتوں میں آتا ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ابوجہل کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی، ثُمَّ اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی،اس نے ہاتھ چھڑا لیا اور یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ نہ تم میرا کچھ کر سکتے ہو نہ تمہارا خدا،حق تعالیٰ نے بجنسہٖ اس فقرہ کو قرآن میں نازل فرما دیا۔ و۲۰ (بلا حساب وکتاب اور بغیر جزاء وسزا کے) الْاِنْسَانُ۔انسان سے یہاں مراد کافر، ناسپاس،منکر حشر انسان ہے۔ و۲۱ (عورت کے رحم میں) اشارہ ہے انسان کی اصل حقیر کی طرف— دنیا میں مشرک،جاہلی قومیں ایسی بھی گزری ہیں جو منی کے تقدس اور نطفہ کے احترام کی قائل ہوئی ہیں۔قرآن مجید کی اس مضمون کی آیتیں ضمناً اس جاہلانہ عقیدہ کی بھی تردید کرتی جاتی ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ و۲۲ (تو جس کی محض پیدائش میں یہ اہتمام وانضباط ہو اور جس کی خلقت،ترکیب وارتقاء میں اتنی صنعت صرف ہو،کیا اس کے انجام کار کی طرف سے غفلت اور اسے محض بخت واتفاق پر چھوڑے رہنا عقل سلیم کسی طرح بھی قبول کرتی ہے؟) والمقصود هنا اثبات المعاد والرد علی من انکره من اهل الزیغ والجهل والعناد (ابن کثیر) و۲۳ یعنی جو قادر مطلق وصانع برحق ابتداءً محض اپنی قدرت سے یہ سب کچھ کر سکتا اور نیست کو ہست کر سکتا ہے وہ اب صرف اعادہ پر بھی قدرت نہیں رکھتا؟ و۱ یعنی انسان اپنی پیدائش سے قبل جبکہ بحیثیت انسان معدوم تھا۔ هَلْ یہاں بالاتفاق قَدْ کے معنی میں ہے یعنی ضرور یا یقیناً۔هل بمعنی قد (کشاف) هل اتٰی بمعنی قد وبذٰلک فسر قوله تعالیٰ هل اتٰی علی الانسان الخ (مغنی۔عن ابن عباس والکسائی والفراء) وعن سیبویه ان هل بمعنی قد (مغنی) و۲ یعنی صاحب عقل بنایا اور ایسی ہیئت اور صفات کے ساتھ پیدا کیا کہ اس میں احکام کا مکلف بننے کی قابلیت ہو۔ نُطْفَةٍ اَمْشَاجٍ۔یہ اختلاط وامتزاج ممکن ہے کہ مرد وعورت کے مادوں کی ترکیب کے لحاظ سے ہو اور ہو سکتا ہے کہ خود منی ہی کے اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے ہو۔فالاکثرون علی انه اختلاط نطفة الرجل بنطفة المرأة (کبیر) ذٰلک عبارة عما جعله الله تعالیٰ بالنطفة من القوی المختلفة (راغب) یہ بیان عام خلقت انسانی کا ہوا اور اس طرح کے بیانات قرآن مجید میں ہمیشہ صرف عمومی حیثیت رکھتے ہیں۔اس سے یہ استدلال کرنا کہ کسی بھی انسان کی خلقت بجز معروف ومتعارف طریقہ کے ہو ہی نہیں سکتی تمامتر سطحیت وبے مغزی ہے۔ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔علم ومعرفت کے لئے حواس میں بڑا دخل آنکھ اور کان ہی کو ہے اس لئے صراحت سے نام انہیں دو قوتوں کا لیا گیا۔

السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوۡرًا ﴿۳﴾ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا

راستہ بتایا (پھر) یا تو وہ شکر گزار (ہوا) اور یا کافر (ہوگیا) وٚ٣ ہم ہی نے کافروں کے لئے

لِلۡكٰفِرِيۡنَ سَلٰسِلَا۟ وَ اَغۡلٰلًا وَّ سَعِيۡرًا ﴿۴﴾ اِنَّ الۡاَبۡرَارَ

زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، بے شک نیک لوگ

يَشۡرَبُوۡنَ مِنۡ كَاۡسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوۡرًا ﴿۵﴾ عَيۡنًا

ایسے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہو گی یعنی ایسے چشمہ سے

يَّشۡرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوۡنَهَا تَفۡجِيۡرًا ﴿۶﴾ يُوۡفُوۡنَ

جس سے اللہ کے (خاص) بندے پئیں گے جسے وہ بہاتے ہوئے لے جائیں گے وٚ٤ یہ لوگ واجبات کو

بِالنَّذۡرِ وَيَخَافُوۡنَ يَوۡمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسۡتَطِيۡرًا ﴿۷﴾

پورا کرتے رہتے اور اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس کی سختی عام ہو گی

وَيُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسۡكِيۡنًا وَّيَتِيۡمًا وَّاَسِيۡرًا ﴿۸﴾

اور کھانا کھلاتے رہتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور غریبوں کو اللہ کی محبت سے وٚ٥

اِنَّمَا نُطۡعِمُكُمۡ لِوَجۡهِ اللّٰهِ لَا نُرِيۡدُ مِنۡكُمۡ جَزَآءً وَّلَا

ہم تو تم کو بس اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں، اور نہ تم سے (اس کا) عوض چاہیں اور نہ

شُكُوۡرًا ﴿۹﴾ اِنَّا نَخَافُ مِنۡ رَّبِّنَا يَوۡمًا عَبُوۡسًا قَمۡطَرِيۡرًا ﴿۱۰﴾

شکریہ ہم تو اپنے پروردگار کی طرف سے اندیشہ رکھتے ہیں ایک سخت اور تلخ دن کا وٚ٦

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الۡيَوۡمِ وَلَقّٰهُمۡ نَضۡرَةً وَّسُرُوۡرًا ﴿۱۱﴾

سو اللہ ان کو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا کرے گا

وَجَزٰهُمۡ بِمَا صَبَرُوۡا جَنَّةً وَّحَرِيۡرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّكِـِٕيۡنَ فِيۡهَا

اور ان کے صبر (وثبات) کے صلہ میں انہیں جنت اور ریشمی لباس دے گا اس حال میں کہ وہ وہاں

وٚ٣ یعنی وہ اس بتائے ہوئے راستہ پر یا تو چلا یا نہ چلا، اگر چلا تو مومن وشکر گزار ٹھہرا، نہ چلا تو کافر اور ناشکرا نکلا۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ اسباب وحالات اور توفیق اللہ نے خلق فرمائیں اور اختیار وصرف ہمت انسان کی رائے پر چھوڑا۔ اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ۔ یعنی ہم نے انہیں احکام کا مکلف بنایا۔ وٚ٤ (جہاں چاہیں گے) اسے اہل جنت کی ایک کرامت سمجھئے یا جنت کی خصوصیت مقامی کہ جنت کی نہریں، ندیاں سب ان کے تابع اور ان کے حکم کی مسخر ہوں گی۔ كَافُوۡرًا۔ کافور کے بے انتہاء فوائد اس دنیا میں بھی اطباء کو مسلم ہیں۔ اور پھر وہ کافور تو جنت کا کافور ہوگا۔ اس کی خوبیوں کا کیا پوچھنا یہاں یہ خوب خیال رہے کہ دنیا کی جس چیز سے بھی جنت کی کسی نعمت کو تشبیہ دی جاتی ہے وہ تشبیہ اس چیز کی صرف حسن وخوبی کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ کہ کسی ضرر یا قبح کے لحاظ سے دنیا کے کافور میں اگر کچھ مضرتیں ہوں بھی تو جنت کے کافور پر ان کا کیا اثر، ٹھیک اس طرح جیسے دنیا کی شراب کے سکر وفتور عقل کا مطلق کوئی اثر شراب جنت کی لذت وسرور پر نہیں۔ عِبَادُ اللّٰهِ۔ اضافت تشریفی یا تخصیصی ہے اور مراد اہل بہشت ہیں۔ المقربون من عباداللہ (ابن کثیر) قال ابن عباس اولیاء اللہ (معالم) وٚ٥ (غرض یہ کہ مالی عبادتوں میں بھی اخلاص کامل ملحوظ رکھتے ہیں) يُوۡفُوۡنَ بِالنَّذۡرِ۔ نذر ہر وہ عبادت ہے جو اپنے اوپر واجب کر لی جائے خواہ بالکل اپنی طرف سے خواہ اس لئے کہ اس کا حکم ہی ہو۔ المراد بالنذر ھھنا کل ماوجب علیہ سواء وجب بایجاب اللہ تعالٰی ابتداء اوبان اوجبہ المکلف علٰی نفسہ فیدخل فیہ الایمان وجمیع الطاعات (کبیر) يُوۡفُوۡنَ...... مُسۡتَطِيۡرًا۔ یعنی عبادتوں کی ادائی میں پورا اخلاص برتتے ہیں، اور اپنی ذمہ داری اور پرسش آخرت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ مُسۡتَطِيۡرًا۔ وہ چیز ہے جو خوب پھیلے ہوئے اور خوب گھیرے ہوئے ہو۔ عَلٰى حُبِّهٖ۔ ضمیرہ بھی اللہ کی جانب ہے۔ یعنی حق تعالٰی کی محبت میں، حق تعالٰی کی رضا جوئی کے لئے۔ اطعاما کا ئنا علٰی حبہ تعالٰی و لوجہہ سبحانہٗ وابتغاء مرضاتہ والیہ ذھب الفضیل بن عیاض و ابو سلیمان الدارانی (روح) اَسِيۡرًا۔ مسکین ویتیم تو اس وقت مسلمانوں میں بھی تھے لیکن "اسیر" تو نزول آیت کے وقت بہرحال مشرکین ہی تھے۔ قال قتادة کان اسیر ھم یومئذ نِ المشرک (جصاص) وعن الحسن قال کانوا مشرکین (جصاص) والاظھر الاسیر المشرک لان المسلم المسجون لایسمّٰی اسیرا علی الاطلاق (جصاص) قال ابن عباس وقتادة والحسن انہ الاسیر من المشرکین (کبیر) یعنی اسراء الکفار (بیضاوی) اور اس سے یہ نکلا کہ غیر مسلم اسیروں کی بھی امداد واعانت موجب اجر آخرت ہے گو بعض فقہاء نے اس میں قیدیں لگا دی ہیں۔ ففیہ دلیل علٰی ان اطعام الاسارٰی وان کان من اھل الشرک حسن ویرجی ثوابہ (معالم۔ روح) وَيُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ۔ محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ خلقت کے ساتھ حسن سلوک کی ساری ہی صورتیں آیت میں شامل ہیں جس کی ایک اہم فرد کھانا کھلانا بھی ہے۔ واطعام الطعام کنایة عن الاحسان الی المحتاجین والمواساة معھم بای وجہٍ کان وان لم یکن ذٰلک بالطعام بعینہٖ (کبیر) اقول وھٰذا یدل علٰی ان المرادمن قولہ انما نطعمکم لیس ھو الاطعام فقط بل جمیع انواع المواساة من الطعام والکسوة (کبیر) فکانۂ ینفعونہٗ بوجوہ المنافع (روح) وٚ٦ (اور ہم یہ اعمال اس لئے بجالاتے ہیں کہ اس دن کی سختیوں سے محفوظ رہیں) یہ آیتیں مسلسل اسی تاکید اخلاص کے لئے چلی آتی ہیں، اس قسم کی آیتیں ان تمامی غیر محقق صوفیہ کی تردید کے لئے کافی ہیں جنہوں نے خوف آخرت سے کسی عمل کے کرنے کو خلاف اخلاص سمجھا ہے۔

عَلَى الْأَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا ﴿۱۳﴾

مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوں گے اور نہ وہاں تپش پائیں گے اور نہ سردی

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴿۱۴﴾

اور درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور ان کے میوے ان کے بالکل اختیار میں ہوں گے ف۷

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِآنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّأَكْوَابٍ كَانَتْ

اور اُن کے پاس لائے جائیں گے چاندی کے برتن اور گلاس جو شیشے کے

قَوَارِيرَا ﴿۱۵﴾ قَوَارِيرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿۱۶﴾

ہوں گے (اور وہ) شیشے چاندی کے ہوں گے جنہیں بھرنے والوں نے مناسب انداز سے بھرا ہوگا ف۸

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا

اور ان میں انہیں ایسا جام (شراب) پلایا جائے گا جس میں آمیزش زنجبیل کی ہوگی ف۹ یعنی ایسے چشمے سے

فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

جو وہاں ہوگا اور اس کا نام سلسبیل ہوگا، اور ان کے پاس ہمیشہ لڑکے رہنے والے لڑکے

مُّخَلَّدُونَ ۚ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا ﴿۱۹﴾

آمدورفت رکھیں گے، اگر تو انہیں دیکھے تو سمجھے کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں ف۱۰

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَّمُلْكًا كَبِيرًا ﴿۲۰﴾ عَالِيَهُمْ

اور اگر تو اس جگہ کو دیکھے تو تجھے بڑی نعمت اور بڑی سلطنت دکھائی دے ف۱۱ ان (جنتیوں) پر

ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَّحُلُّوا أَسَاوِرَ مِنْ

باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں

فِضَّةٍ ۚ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿۲۱﴾ إِنَّ هَٰذَا كَانَ

گے اور ان کا پروردگار ان کو پاکیزہ شراب پینے کو دے گا ف۱۲ یہ تمہارا

ف۷ (کہ ہر وقت ہر طرح بلا مشقت حاصل ہوسکیں گے) قرآن کے مخاطبین اول یاد رہے کہ عرب تھے، اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کی ضرورت تھی کہ جنت کی نعمتوں، لذتوں، راحتوں کی ایک ایک تفصیل ان کے مذاق کے مطابق بیان کی جائے، کلام اس سے ان کے لئے خاص طور پر مؤثر ہوگیا تھا۔ مخاطبین اول کے فہم و مذاق کی رعایت خصوصیت کے ساتھ رکھنا بلاغت کلام اور فن خطابت دونوں کے اصول اعلیٰ میں داخل ہے۔ ف۸ یعنی پینے والوں کی ٹھیک خواہش کے مطابق۔ قَوَارِيرَا مِنْ فِضَّةٍ۔ چاندی کے شیشے کے معنٰی یہ ہیں کہ سفیدی چاندی کی سی ہوگی اور شفافی شیشہ کی سی۔ ف۹ زنجبیل کے طبی فوائد آج بھی کافور ہی کے منافع کی طرح دنیا کی ہر طب میں مسلم و مشہور ہیں اور پھر وہ تو دنیا کی نہیں، جنت کی زنجبیل ہوگی۔ يُسْقَوْنَ۔ میں اکرام و تعظیم کا پہلو اہل جنت کے لئے يَشْرَبُونَ سے بھی زیادہ ہے۔ ف۱۰ (موتی تو رنگ کی صفائی کے لحاظ سے اور بکھرے ہوئے یوں کہ ہر وقت چلتے پھرتے رہیں گے) يَطُوفُ ...... مُخَلَّدُونَ۔ یہ بطور خادم کے چیزیں لے لے کر ہر وقت آتے جاتے رہیں گے۔ ف۱۱ یعنی وہاں کا ہر ہر سامان اسی افراط، اسی ریل پیل کے ساتھ ہوگا۔ ف۱۲ ایسا پاکیزہ و لطیف مشروب، جو دوسروں کو بھی پاک و لطیف بنا دے گا۔ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّإِسْتَبْرَقٌ۔ ہر دو قسم کے لباس ریشمین الگ الگ لطف و لذت دیں گے۔ ثِيَابُ ...... فِضَّةٍ۔ ہر موطن کا مقتضا جداگانہ ہوتا ہے، ریشم اور زیور اس دنیا میں مردوں کے لئے بعض مفاسد کی بناء پر ممنوع و معیوب ہے۔ جنت کی فضا میں وہ سارے مفاسد غیر موجود ہوں گے۔ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ۔ اہل جنت کے اعزاز و اکرام کی ترتیب اس سورت میں دیکھتے آیئے۔ پہلے ارشاد ہوا يَشْرَبُونَ یعنی وہ خود وہاں پئیں گے۔ پھر وارد ہوا يُسْقَوْنَ (بصیغہ مجہول) یعنی انہیں پلایا جائے گا۔ پلانے والے مجہول رہے، چاہے فرشتے ہوں یا جنت کے کوئی دوسرے خدام ہوں۔ اب کی ارشاد ہو رہا ہے کہ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ ساقی براہ راست ذات باری تعالیٰ ہوگی — کیا ٹھکانا ہے اس اعزاز و اکرام کا۔ شَرَابًا۔ شراب عربی میں ہر مشروب (پینے والی چیز) کو کہتے ہیں۔ وکل مائع ماءٍ کان او غیرہ (راغب) اس سے ذہن اردو کے لفظ شراب اور اس کے گندے، نشیلے مفہوم کی طرف کہیں منتقل نہ ہو جائے۔ طَهُورًا۔ صیغہ مبالغہ ہے یعنی ایسا مشروب جو نہ صرف نہایت پاک و پاکیزہ ہے بلکہ پاکیزہ گر بھی ہے۔

لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا

صلہ ہے اور تمہاری کوشش مقبول ہوئی ف۱۳ ہم ہی نے آپ پر قرآن

عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ

تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر مستقل رہئے اور ان میں سے کسی

مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾

فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے ف۱۴ اور اپنے پروردگار کا نام صبح وشام لیتے رہیے،

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ

اور رات کے بھی کسی حصہ میں اسے سجدہ کیا کیجئے اور اس کی تسبیح رات کے بڑے حصہ میں کیا کیجئے ف۱۵ یہ لوگ تو بس دنیا سے

يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾

دل لگائے ہوئے ہیں اور اپنے آگے (آنے والے) ایک بھاری دن کو (بالکل) چھوڑے ہوئے ہیں ف۱۶

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ

ہم ہی نے انہیں پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے اور ہم ہی جب چاہیں انہیں جیسے

اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ

لوگ ان کی جگہ بدل دیں ف۱۷ یہ (بیان) نصیحت ہے، سو جو کوئی چاہے

اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ

اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرے اور تم چاہ بھی تو بس وہی سکتے ہو جو اللہ

اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ

چاہے، بے شک اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ف۱۸ وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں

فِيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کے لئے اس نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے ف۱۹

ف۱۳ (جو تم دنیا میں طاعاتِ الٰہی میں کرتے رہتے تھے) یہ اہل جنت سے ان کے مزید اکرام واعزاز کے طور پر کہا جائے گا۔ ف۱۴ (کہ ان میں سے کسی کی ترغیب یا فرمائش پر دعوت وتبلیغ ہی چھوڑ بیٹھئے) مشرکین کی انتہائی تمنا یہی تھی، کہ آپ ﷺ دعوت وتبلیغ کا سلسلہ کسی طرح بند کردیں۔ اِنَّا ...... تَنْزِيْلًا۔ اور اس تدریجی تنزیل میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ اسے تھوڑا ہی تھوڑا کر کے امت تک بسہولت پہنچاتے رہے۔ اور انہیں بھی قبول کرنے میں آسانی رہے۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ۔ اور انہیں احکام الٰہی میں ایک بڑا فریضہ تبلیغ ودعوت کا ہے۔ ف۱۵ یعنی شروع رات میں نماز فرض اور آخر میں تہجد کا اہتمام رکھیے۔ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا۔ یعنی رات میں دیر تک تہجد میں لگے رہئے۔ وتهجد له تعالٰى قطعًا من اليل طويلا (روح) فَاسْجُدْ لَهٗ۔ سجود۔ سے یہاں کنایہ اصل صلاۃ کی طرف ہے۔ فاسجد اے فصل (بیضاوی، روح) السجود مجاز عن الصلوة بذكر الجزء وارادة الكل (روح) ف۱۶ یہاں تمام لامذہبوں کی اصلی ذہنیت (سائیکالوجی) بے نقاب کردی ہے کہ عمق اور دور بینی سے یہ کورے ہوتے ہیں۔ صرف حاضر پرست یا "آج" پرست ہوتے ہیں ان کی عقلیں سطحی اور ان کے فیصلے تمامتر سرسری ہوتے ہیں، یہ محض حواس پرست اور ہوا پرست ہوتے ہیں، عقل ودور اندیشی سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ يَوْمًا ثَقِيْلًا۔ وہ دن جو کافروں اور منکروں پر بہت ہی بھاری ہو گا۔ الْعَاجِلَةَ۔ سے مراد دنیا اور اس کی ساری آنی فانی لذتیں ہیں۔ ف۱۷ یعنی ان کی خلقت اور ان کی ترکیب حکیمانہ دونوں سے قدرت الٰہی بالکل ظاہر ہے، پھر بعث میں کون امر ایسا دشوار ہے کہ اس پر قدرت نہ ہو؟ وَاِذَا شِئْنَا الخ سے مراد یہ بھی لی گئی ہے کہ ہم جب چاہیں گے ان کے امثال واشباہ بدل دیں گے، انہیں مار کر پھر سے جلائیں گے اور عالم برزخ وآخرت میں لے جائیں گے جہاں ان کی صورتیں ان کے اعمال ہی کی مماثل ہوں گی۔ اہل جہنم حسب اعمالِ قبیحہ اور اہل جنت حسب مقدار اعمالِ حسنہ، قبح اور حسن کے درجہ پر ظاہر کردیئے جائیں گے۔ ف۱۸ (اس لئے اس کی مشیت بھی ہمیشہ علم اور حکمت ہی پر مبنی ہوتی ہے) فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ اور اس راہ ہدایت کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنے ارادہ واختیار سے صحیح کام لے۔ وَمَا ...... اللّٰهُ۔ یعنی یہ بشری ارادہ بھی حق تعالٰی کی مشیت تکوینی کے ماتحت ہی ہوتا ہے، اس سے الگ اور بے نیاز نہیں۔ ف۱۹ الظّٰلِمِيْنَ۔ ظالم سے مراد سیاق میں حسب محاورۂ قرآنی کافر ہی ہیں، جنہوں نے اپنے ارادہ واختیار سے صحیح کام ہی نہ لیا۔ اے الكافرين (مدارک) اے المشركين (معالم) وهم الكافرون (جلالین) يُدْخِلُ ...... رَحْمَتِهٖ۔ اور رحمت میں داخل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا سینہ ایمان واسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

اٰیاتھا ۵۰ ۷۷ سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ ۳۳ رکوعاتھا ۲

اس کی پچاس آیتیں سورۂ مرسلٰت مکہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ

قسم ہے ان ہواؤں کی جو بھیجی جاتی ہیں، پھر اُن کی جو تندی سے چلتی ہیں، اور اُن ہواؤں کی جو (بادلوں کو)

نَشْرًا ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا

پھیلاتی ہیں، پھر اُن کی جو (انہیں) متفرق کر دیتی ہیں، پھر اُن کی جو یاد (الٰہی) کا القاء کرتی رہتی ہیں توبہ سے

اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ

یا ڈرانے سے، جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور واقع ہو کر رہے گی ف۱ سو جس وقت کہ ستارے بے نور

طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ

ہو جائیں گے اور جس وقت آسمان پھٹ جائے گا اور جس وقت پہاڑ اُڑتے

نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾

پھریں گے ف۲ اور جب (سب) پیمبر وقت (معین) پر جمع کئے جائیں گے (وہ وقت فیصلہ کا ہوگا) ف۳ کس دن کے لئے

لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾

یہ ملتوی رکھا گیا ہے؟ فیصلہ کے دن کے لئے آپ کو معلوم ہے کہ فیصلہ کا دن کیسا کچھ ہے ف۴

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ

بڑی خرابی ہے اُس روز جھٹلانے والوں کے لئے، کیا ہم اگلوں کو ہلاک نہیں کر چکے ہیں؟ پھر

نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾

ہم پچھلوں کو بھی ان کے ساتھ کر دیں گے ف۵ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی (معاملہ) کیا کرتے ہیں

ف۱ یعنی یہ سارا نظام کائنات خود ہی گواہی دے رہا ہے وقوع قیامت کی۔ قرآنی قسموں کے لئے ملاحظہ ہو پ۱۲ کا ضمیمہ زیر عنوان ”قرآنی قسمیں“۔ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا۔ یعنی وہ ہوائیں جو نفع پہنچانے ہی کے لئے بھیجی جاتی ہیں۔ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا۔ یہ تند و تیز ہوائیں، یا آندھیاں ہر قسم کے خطرات کا امکان لئے ہوئے ہوتی ہیں۔ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا۔ یعنی برساتی ہوائیں یا مانسون۔ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا۔ یعنی وہی برساتی ہوائیں جو پانی لاتی تھیں بادلوں کو منتشر کر دیتی ہیں۔ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا۔ توجہ الی اللہ کے ذریعے دو مختلف ہیں۔ ایک ترغیب دوسرے ترہیب — ہوائیں اگر خوشگوار و نفع بخش ہوئیں۔ تو اللہ کی نعمت ہیں اور ان کا اثر بندہ پر یہ پڑنا چاہیے کہ وہ ادائے شکر اور عذر تقصیر کی جانب آئے۔ اور اگر اس کے برعکس دہشت اور وحشت پیدا کرنے والی ہوئیں تو ان کا طبعی اثر بندہ پر یہ ہونا چاہے کہ وہ معاصی سے توبہ پر متوجہ ہو۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ۔ وہ موعود شے روز حشر ہے۔ حشر کے نفخۂ اول کا حاصل کیا ہے؟ ہر موجود شی کا فنا ہو جانا — اس کے کتنے متناسب اور مشابہ اس دنیا میں عاصفٰت، فارقٰت ہوتی ہیں۔ حشر کے نفخۂ ثانی کا خلاصہ کیا ہے؟ ہر فنا شدہ چیز میں از سر نو جان پڑ جانا — اس کے کتنے متناسب اور مشابہ آثار اس دنیا میں مرسلات و ناشرات کے ہوتے ہیں۔ حشر کے دونوں اجزاء پر سلسلۂ تکوینیات کے ان دونوں اجزاء کو بطور گواہ پیش کرنا کتنا مناسب و موزوں رہا۔ خصوصاً مذاق عرب کا لحاظ کر کے۔ ف۲ خلاصہ یہ کہ اس گھڑی یہ سارا معلوم و معروف نظام کائنات تمامتر درہم برہم ہو کر رہے گا۔ اور اس کی ایک سے ایک بڑھ کر ثابت اور ٹھوس چیز اپنی جگہ پر نہ باقی رہنے پائے گی — ستارے، آسمان، پہاڑ، یہ سب عام فہم مثالیں زیادہ سے زیادہ ثابت اور ٹھوس موجودات کی ہیں۔ ف۳ پیمبروں کا یہ جمع ہونا اپنی اپنی امت کے متعلق اظہار دینے اور ان پر شہادت پیش کرنے کے لئے ہوگا۔ وھو یوم القیامة لیشھدوا علی الامم (معالم) ف۴ سوال مزید تہویل و تخویف کے لئے ہے۔ یعنی وہ دن کتنا ہولناک، کیسا ہیبت ناک ہوگا۔ جوش و اثر کے موقع پر تقریر میں خطیبانہ سوالات، خطبات عرب ہی میں نہیں، یونانی، انگریزی، اردو، کہنا چاہے کہ سب ہی زبانوں میں مسلم و متعارف ہیں۔ ف۵ (ان کے عذاب میں) اَلْاَوَّلِيْنَ۔ یعنی پرانی سرکش قومیں جو عذاب سے ہلاک ہو چکی ہیں۔ قوم عاد، قوم ثمود و قوم فرعون وغیرہ۔ الْاٰخِرِيْنَ۔ یعنی خود مشرکین قریش اور ان کے بعد کی نسلیں جو کفر و تکذیب کے لحاظ سے انہیں اولین کے نقش قدم پر تھیں۔ ای ممن اشبھھم (ابن کثیر) ای سالکین سبیلھم فی الکفر والتکذیب (معالم)

ف٦ (جو ہمارے اس نظامِ آخرت اور سارے سلسلۂ جزاء وسزا سے انکار کرتے رہتے ہیں) ف٧ (تو ممکن نہیں کہ ہمارے اندازہ میں کسی خطا وغلطی یا بھول چوک کی گنجائش ہو) مِنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ۔ یعنی نطفۂ منی سے — باغی وسرکش انسان کی تحقیر تو اس بیان سے ظاہر ہی ہے، باقی یہ بھی مستحضر رہے کہ دنیا میں بعض مشرک قومیں نطفۂ منی کے تقدس واحترام کی بھی قائل ہوئی ہیں۔ اور قرآن مجید ضمناً اس جہل کی

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝١٩ اَلَمۡ نَخۡلُقْكُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ

بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ف٦ کیا ہم نے تمہیں ایک بے قدر پانی سے نہیں

مَّهِيۡنٍ ۝٢٠ فَجَعَلۡنٰهُ فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ۝٢١ اِلٰى قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۝٢٢

بنایا ہے؟ پھر ہم نے اسے ایک وقت مقرر تک ایک محفوظ جگہ میں رکھا، غرض ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا،

فَقَدَرۡنَا ۖ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ ۝٢٣ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝٢٤

اور ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھہرانے والے ہیں ف٧ بڑی خرابی ہے اُس روز جھٹلانے والوں کے لئے ف٨

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ كِفَاتًا ۝٢٥ اَحۡيَآءً وَّاَمۡوَاتًا ۝٢٦ وَّجَعَلۡنَا

کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مُردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ اور ہم نے اس میں

فِيۡهَا رَوَاسِىَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسۡقَيۡنٰكُمۡ مَّآءً فُرَاتًا ۝٢٧

اُونچے اُونچے پہاڑ ٹھہرا دیئے، اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا،

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝٢٨ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ

بڑی خرابی ہے اُس روز جھٹلانے والوں کے لئے ف٩ چلو تم اس (عذاب) کی طرف جسے

تُكَذِّبُوۡنَ ۝٢٩ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِىۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۝٣٠

تم جھٹلایا کرتے تھے چلو تم تین شاخوں والے سایبان کی طرف

لَّا ظَلِيۡلٍ وَّلَا يُغۡنِىۡ مِنَ اللَّهَبِ ۝٣١ اِنَّهَا تَرۡمِىۡ بِشَرَرٍ

جس میں نہ سایہ ہے اور نہ وہ سوزش سے بچاتا ہے ف١٠ وہ انگارے برسائے گا

كَالۡقَصۡرِ ۝٣٢ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ ۝٣٣ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ

جیسے بڑے بڑے محل گویا وہ زرد زرد اونٹ ہیں ف١١ بڑی خرابی ہے اس روز

لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝٣٤ هٰذَا يَوۡمُ لَا يَنۡطِقُوۡنَ ۝٣٥ وَلَا يُؤۡذَنُ

جھٹلانے والوں کے لئے ف١٢ آج وہ دن ہے کہ اس میں یہ لوگ بول ہی نہ سکیں گے، اور نہ انہیں اس کی

بھی تردید کرتا جارہا ہے۔ فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ۔ یعنی رحم مادر میں۔ فَقَدَرۡنَا۔ یعنی ان سارے تصرفات کا ایک اندازہ ٹھہرالیا۔ اِلٰى قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ۔ یعنی وقت کی ایک مقدار معلوم تک۔ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ قادرون یہاں مقدرون کے معنی میں ہے۔ ف٨ (جو ہمارے آئین حکمت اور عموم قدرت سے انکار کرتے رہتے ہیں) ف٩ (جو ہمارے سارے سلسلۂ ربوبیت کا انکار کررہے ہیں) كِفَاتًا اَحۡيَآءً وَّاَمۡوَاتًا۔ زمین کا زندوں کی سمیٹنے والی ہونا تو ظاہر ہی ہے کہ انسان زندگی بھر اسی پر چلتا پھرتا، اٹھتا بیٹھتا رہتا بستا ہے، اور مُردوں کی سمیٹنے والی یوں کہ موت کے بعد بھی اسی میں دفن ہوتا ہے۔ اور جو مُردے نہیں بھی دفن ہوتے ان کے بھی اجزاء ارضی آگ سے جلنے یا پانی میں ڈوبنے کے بعد، بہرحال کسی نہ کسی واسطہ سے اسی زمین ہی میں جذب ہوتے ہیں۔ رَوَاسِىَ شٰمِخٰتٍ۔ پہاڑوں اور پہاڑیوں کے بھی منافع ومصالح انسانی زندگی کے لئے ظاہر ہیں۔ وَّاَسۡقَيۡنٰكُمۡ مَّآءً فُرَاتًا۔ ان ساری نعمتوں کے استحضار سے مقصود ومدعا یہی کہ تم اپنی توجہ اپنے اس واحد مالک ومربی کی جانب رکھو۔ بعض فقہاء نے ارض کے سلسلہ میں امواتا کے آجانے سے میت کے زمین میں دفن ہونے کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ وھٰذا یدل علٰی وجوب مواراۃ المیت ودفنہ ودفن شعرہ وسائر مایزایلہ (جصاص) ف١٠ اب ذکر ظاہر ہے کہ میدان حشر کا ہورہا ہے اور یہ اہل دوزخ سے کہا جائے گا۔ اِلٰى ظِلٍّ۔ ظل یا سائبان سے یہاں مراد ایک دھواں ہے جو دوزخ سے نکلے گا۔ اور شدت اور کثرت سے نکلے گا کہ اوپر جاکر کئی ٹکڑوں میں پھٹ جائے گا۔ اور حساب چک جانے کے وقت تک کافر اسی دھوئیں کے احاطہ میں گھرے رہیں گے جیسے کہ مقبولین سایہ عرش میں ہوں گے۔ ذِىۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ۔ محققین عارفین نے کہا ہے کہ علم صحیح کی راہ میں حجابات تین ہوتے ہیں۔ (١) حس (٢) خیال اور (٣) وہم اور عمل صحیح کی راہ میں بھی تین حجابات ہوتے ہیں۔ (١) قوت وہمیہ (٢) قوت غضبیہ (٣) قوت شہویہ۔ جدید نفسیات کی اصطلاح میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ انسان کو عذاب کی طرف لے جانے والی تین ہی قوتوں کے غلط استعمال ہیں۔ (١) عقل وادراک کی گمراہیاں (٢) جذبات وشہوات کی لغزشیں (٣) قوت ارادی کی کجراہیاں۔ لَّا ظَلِيۡلٍ...... اللَّهَبِ۔ مطلب یہ ہوا کہ دھوئیں کے بادل سے جو صورت سایہ کی پیدا ہوجاتی ہے، وہ بھی کام سایہ کا نہ دے گی، بلکہ اور اذیت رساں ہی ہوگی۔ ف١١ دونوں تشبیہیں ایک دوسرے کی منافی نہیں، ایک ہی چیز کی دو تشبیہیں دو مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے ہیں۔ بِشَرَرٍ كَالۡقَصۡرِ۔ وہ جہنم کے انگارے اپنی بڑائی کے لحاظ سے بڑے بڑے محل جیسے ہوں گے۔ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ۔ یہ تشبیہ رنگ کے لحاظ سے ہے۔ ف١٢ (جو جہنم کے شدائد کو آج بھلائے ہوئے ہیں)

لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾
اجازت ہو گی کہ عذر معذرت کر سکیں بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ف۱۳

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ
یہ ہے فیصلہ کا دن ہم نے جمع کر لیا تم کو اور اگلوں کو تو آج

لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع
کوئی چال چلانا ہو تو میرے مقابلہ میں چلاؤ، بڑی خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے ف۱۴

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا
پرہیزگار لوگ بے شک سایوں اور چشموں اور مرغوب میووں میں

يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ
ہوں گے خوب مزے سے کھاؤ پیو اپنے اعمال کے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ
صلہ میں ہم نیک کاروں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ف۱۵ بڑی خرابی ہے

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ
اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ف۱۶ کھا لو اور برت لو تھوڑے ہی دن کے لئے کہ تم بے شک

مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا
مجرم ہو بڑی خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ف۱۷ اور جب

قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو تو نہیں جھکتے بڑی خرابی ہے اس روز

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع
جھٹلانے والوں کے لئے ف۱۸ آخر یہ اس (قرآن) کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے ف۱۹

ف۱۳ (جو یومِ حشر اور اس کی ہولناکیوں کی واقعیت سے اب تک انکار کر رہے ہیں) وَلَا ...... يَعْتَذِرُوْنَ۔ بولنے کی اجازت بھی اسی لئے نہ ہوگی کہ کوئی عذر ہی موجود نہ ہوگا جسے پیش کر سکیں۔

ف۱۴ (جو اس یقینی طور پر واقع ہونے والے دن کے وقوع کو آج محض وہم وخیال سمجھ رہے ہیں) هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ۔ یہی تو ہے وہ فیصلہ کا دن جس کی تکذیب میں تم لگے رہتے تھے۔ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ۔ اب وہ تمہارے انکاری وتکذیبی سارے دلائل وبمیہ وخرافیہ کیا ہو گئے، کدھر چلے گئے؟ آج تو تمہارا "ناممکن" ممکن کیا معنی واقع ہو کر رہ گیا! اور تم اور تمہارے اگلے سب کے سب فیصلہ کے لئے اکٹھے کر لئے گئے۔ فَاِنْ ...... فَكِيْدُوْنِ۔ دنیا میں تمہیں اپنی تدبیروں اور چالاکیوں پر بڑا غرہ رہتا تھا اب آج ممکن ہو تو ہماری گرفت سے بچنے کے لئے کوئی تیر اپنے ترکش سے چلاؤ تو! جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ۔ مراد اس امت کے بھی مکذبین ہیں، اور پچھلی امتوں کے مکذبین بھی۔ یعنی مکذبی هذه الامة والاولين الذين كذبوا انبياء هم (معالم) ف۱۵ یہ سب مؤمنین متقین کو مخاطب کر کے کہا جائے گا۔ اِنَّا ...... الْمُحْسِنِيْنَ۔ اس میں مخاطبین کو ترغیب ہے محسن (نیک کار) بن جانے کی، جو بھی محسن ہوگا اس مرتبہ ومنزلت کا حقدار ہو جائے گا۔ ف۱۶ (جو جنت کی نعمتوں اور اہل جنت کی بشارتوں سے بھی انکار پر اڑے ہوئے ہیں) ف۱۷ (جو آج دنیا میں بار بار کی تنبیہوں اور فہمائشوں کے بعد بھی انکار واعراض سے باز نہیں آتے) قَلِيْلًا۔ یعنی اس دنیوی زندگی کی چند روزہ مدت میں۔ كُلُوْا ...... مُّجْرِمُوْنَ۔ یہ دنیا میں کافروں سے خطاب ہو رہا ہے۔ ف۱۸ (جو کسی دعوت وتبلیغِ حق کا اثر نہیں قبول کرتے، بلکہ ہر ربانی صداقت سے انکار ہی پر مصر ہیں اور اپنے جرم کو جرم ہی نہیں سمجھتے) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا۔ یعنی جب انہیں یہ پیام ملتا ہے کہ ایمان اور عبدیت کی راہ اختیار کرو۔ رکوع ہمیشہ اپنے اصطلاحی معنی یعنی ایک رکن نماز ہی کے معنی میں نہیں بلکہ کبھی اپنے لغوی مفہوم یعنی خشوع وتواضع کے معنی میں بھی آتا ہے۔ الركوع يستعمل تارة فى التواضع والتذلل (راغب) اور یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ اے خشعوا لله وتواضعوا له بقبول وجهه واتباع دينه (کشاف۔ مدارک) صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ قبولِ حق کا مقدمہ خشوع وتواضع ہی ہے۔ اور بڑا مانع راہ نخوت ہے۔ ف۱۹ (تو اب اے پیمبر آپ ان کے قبولِ حق کی کوئی امید ہی نہ رکھیے کہ جب اس بلیغ ترین، مؤثر ترین کلام سے بھی ان کے دل نہیں پگھلتے تو پھر یہ آخر کس چیز سے متاثر ہوں گے) بَعْدَهٗ۔ ضمیرہ قرآن مجید کی جانب ہے۔ اے بعد القرآن (کشاف۔ مدارک) بحمد اللہ آج شنبہ ۲۱ فروری ۱۹۴۸ء مطابق ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ کو قبل نماز ظہر اس انتیسویں پارہ کی نظر ثانی سے فراغت پائی۔ دوشنبہ ۲ اکتوبر ۱۹۵۰ء مطابق ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ قبل نماز ظہر نظر ثالث سے فراغت پائی۔

ف ۱ (اہلِ حق سے) یَتَسَآءَلُوْنَ۔ یعنی یہ منکرین حشر اہل جاہلیت بطورِ طنز وتعریض سوال کررہے ہیں۔ سوالات اور سوالیہ فقروں سے خطبات کی ابتداء کرنا دوسری زبانوں کی طرح خطبات عرب میں حسن انشاء وخطابت کا ایک بہترین نمونہ سمجھا گیا ہے۔ ف ۲ زور وجوش کے موقع پر، فقروں کی یہ تکرار عربی حسنِ خطابت اور اسلوب بلاغت کا ایک خاص نمونہ ہے...... اردو محاورہ میں بھی تو زور وجوش کے موقع پر کہتے ہیں۔ ''اجی یہ دیکھیں گے، اور پھر دیکھیں گے۔'' ف ۳ (جو اپنے ثقل سے توازن پیدا کئے، اور زمین کو ڈانواڈول حرکت سے روکے ہوئے ہیں) پہاڑوں کی اس حیثیت کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آچکا ہے۔ الْاَرْضَ مِهٰدًا۔ زمین کے فرش ہونے کا بھی ذکر پیشتر کئی بار آچکا ہے...... اسی فرش پر تو ہم آپ سب چلتے پھرتے، دوڑتے، بیٹھتے، اٹھتے، سوتے، کھاتے پیتے ہیں۔ ف ۴ (جو قیامِ حیات کے لئے لازمی ہے) ذکر یہاں غذائی نعمتوں کا اور حق تعالیٰ کی شان بندہ پروری کا ہو رہا ہے۔ اسی سلسلہ میں نیند کا بھی ذکر ہے۔ اور نیند کا انسانی زندگی کے حق میں ایک نعمتِ عظیم ہونا بالکل ظاہر ہے۔ ضمناً اس حقیقت اور اہم حیاتیاتی حقیقت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ نیند ایک ایجابی شے ہے محض ایک سلبی کیفیت یا عدم بیداری کا نام نہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ ف ۵ حیات کی ابتدائی صورتوں میں، یعنی نباتات اور ادنیٰ درجہ کے حیوانات میں تو غذا کا حاصل کرنا مخصوص ہی ہے دن کی روشنی کے ساتھ۔ رہا انسان تو اس کے بھی معاشی مشاغل کا عام اور اکثری وقت دن ہی کا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا۔ یعنی رات ہر چیز کو اپنی تاریکی کی چادر سے ڈھانپ لیتی ہے۔ لباس کے معنی آرام وتسکین خاطر کے بھی کئے گئے ہیں۔ لباسا ای سکنا (ابن قتیبۃ) رات کا وقت جو فاطر کائنات نے انسان کے تھکے ہوئے جسم اور دماغ کے لئے سکون وراحت کا اور عباداتِ خلوت کا وقت بنایا ہے۔ ''روشن خیال'' و''مہذب'' دنیا نے عین اسی کو اپنے تعیشات اور نفس پرستیوں کے لئے مخصوص کرلیا ہے...... سینما اور تھیٹر اور بال اور آپیرا وغیرہا۔ ف ۶ (اسی آسمان میں) مراد آفتاب ہونا ظاہر ہے...... آسمان اور آفتاب جیسی زبردست وعظیم الشان موجودات حق تعالیٰ کی محض مخلوق ہی ہیں ساری مخلوقات کی طرح بے بس، نہ کہ خود آفریدہ یا نعوذ باللہ شریک خدائی۔ ف ۷ (تو کیا ایسا حکیم، ایسا صناع، ایسا قادر، قیامت لانے پر قادر نہیں؟) حاصل یہ کہ اس ساری صنعت گری سے ہمارا کمال قدرت بالکل عیاں ہے تو آخر حشر اجساد پر ہمارے قادر ہونے سے انکار کیوں ہے؟ لِنُخْرِجَ بِهٖ۔ ضمیر ہٖ۔ ماء، پانی کی جانب ہے۔ ای بذلک الماء وهو علی ظاهره عند السلف ومن اقتدی بهم وقالت الاشاعرة ای عنده (روح)

آیاتها ۴۰ ۷۸ سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ ۸۰ رکوعاتها ۲

اس کی چالیس آیتیں سورۂ نبا مکہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝۱ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝۲ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ

یہ لوگ کس چیز کی بابت دریافت کررہے ہیں؟ اُس بڑے واقعہ کی بابت جس کے بارہ میں یہ لوگ

مُخْتَلِفُوْنَ ۝۳ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝۴ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝۵ اَلَمْ

جھگڑ رہے ہیں ف ۱ ہرگز ایسا نہیں (کہ قیامت نہ آئے گی) ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے، اور پھر ہرگز ایسا نہیں (کہ قیامت نہ آئے

نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝۶ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝۷ وَّخَلَقْنٰكُمْ

گی) انہیں ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ ف ۲ کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنا دیا ہے؟ ف ۳ اور ہم ہی نے تم کو

اَزْوَاجًا ۝۸ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝۹ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ

جوڑا جوڑا بنا دیا اور ہم ہی نے تمہاری نیند کو راحت (کا ذریعہ) بنا دیا ف ۴ اور ہم ہی نے رات کو

لِبَاسًا ۝۱۰ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝۱۱ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا

پردہ کی چیز بنا دیا اور ہم ہی نے دن کو معاش (کا وقت) بنا دیا ف ۵ اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان)

شِدَادًا ۝۱۲ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝۱۳ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ

بنائے ہیں اور ہم ہی نے ایک روشن چراغ بنا دیا ہے ف ۶ اور ہم ہی نے

الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝۱۴ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝۱۵

بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا کہ ہم اس کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی

وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝۱۶ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۝۱۷ يَّوْمَ

اور گنجان باغ پیدا کریں ف ۷ بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے (یعنی) وہ دن

يُّنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ

جب صور پھونکا جائے گا تو تم لوگ گروہ گروہ ہو کر آؤ گے ف۸ اور آسمان کھل جائے گا،

فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾

سو اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے، اور پہاڑ (جگہ سے) ہٹا دیئے جائیں گے سو وہ ریت (کی طرح) ہو جائیں گے ف۹

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ

بے شک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے سرکشوں کا ٹھکانا ہے جس میں وہ

فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا

قرنوں پڑے رہیں گے ف۱۰ اس میں نہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا ہاں البتہ

حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ

گرم پانی اور پیپ (ملے گا) (یہ) مناسب حال بدلہ ہے ف۱۱ یہ لوگ حساب (قیامت) کا (مطلق) اندیشہ

حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ

نہیں رکھتے تھے اور ہماری نشانیوں کو برابر جھٹلایا ہی کرتے تھے اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر منضبط

كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ

کر رکھا ہے، سو مزہ چکھو کہ ہم تمہیں عذاب بڑھاتے ہی چلے جائیں گے ف۱۲ بے شک پرہیزگاروں کے لئے

مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّ كَاْسًا

کامیابی ہے، یعنی باغ ہیں اور انگور اور نوخاستہ ہم عمر عورتیں، اور لبالب

دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ

جام (شراب)، وہاں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ یہ بدلہ ہو گا

رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا

(کافی) انعام تیرے پروردگار کی طرف سے ف۱۳ پروردگار آسمانوں اور زمین کا اور اُن

ف۸ مثلاً موحد الگ، مشرک الگ، کافر الگ، متقی الگ، فاسق الگ وغیرہا۔ ف۹ صور کے نفخۂ اول کے وقت جب یہ سارا نظام تکوینی درہم و برہم ہو گا، اس وقت کی شکست و ریخت کی یہ تفصیلات بیان ہو رہی ہیں۔ وَفُتِحَتِ ...... اَبْوَابًا۔ یعنی آسمان بالکل ہی کھل کر رہے گا۔ ف۱۰ (جن کا کوئی شمار نہیں) اِنَّ ...... مِرْصَادًا۔ یعنی دوزخ کے فرشتے اسی انتظار اور تاک میں لگے ہوئے ہیں کہ کافر آئے تو اسے عذاب کی گرفت میں لیں۔ اَحْقَابًا۔ حقب کے معنی زمانہ طویل و مسلسل کے ہیں۔ وهو الدهر (مدارک) قالَ الفراء اصل الحقب من الترادف والتتابع (کبیر) احقاب کے بصیغۂ جمع آ جانے سے کوئی گنجائش دوزخ کے عدم خلود کے قائلوں کے لئے نہ رہی۔ ولم يرد به عدد محصور بل الابد كلما معنى حقب تبعه أخر الى غير نهاية ولا يستعمل الحقب الا اذا اريد تتابع الازمنة وتواليها (مدارک) عن قتادة وهو مالا انقطاع له (ابن کثیر) والصحيح انها لا انقضاء لها كما قال قتادة والربيع (ابن جریر) قال الحسن فوالله ما هو الا انهٗ اذا مضى حقب دخل أخر ثم أخر الى الابدفليس للاحقاب عدة الا الخلود (معالم) قال الفراء اے دهورًا متتابعة يتبع بعضها بعضا (کبیر) وهو على ما روى عن الحسن زمان غير محدود ونحوه تفسير بعض اللغويين له بالدهر (روح) والمعنى هنا حقبًا بعد حقب كلما مضى حقب تبعه أخر الى غير نهاية ولا يكاد يستعمل الحقب الاحيث يراد تتابع الازمنة (بحر) ف۱۱ (ہر ایک کے درجۂ کفر و فسق کے متناسب) موافقًا لحالهم (مدارک) اے هذا الذى صاروا اليه من هذه العقوبة وفق اعمالهم الفاسدة التى كانوا يعملونها فى الدنيا قاله مجاهد وقتادة وغير واحدٍ (ابن کثیر) لَا يَذُوْقُوْنَ ...... شَرَابًا۔ یعنی نہ کوئی ایسی خنکی نصیب ہو گی جو باعث راحت بن سکے اور نہ کوئی پینے ہی کی ایسی چیز جو پیاس بجھا سکے۔ غَسَّاقًا۔ غساق کے ایک معنی نہایت شدید سردی کے ہیں۔ اے ابرد البرد (لسان) قال ابن عباس الغساق الزمهرير يحرقهم ببرده (معالم) هو الشيء البارد الذى لا يطاق وهو الذى يسمّى بالزمهرير (کبیر) یہ معنی لے کر وعید کا مفہوم یہ ہو گا کہ کسی کو کھولتا ہوا پانی ملے گا، اور کسی کو غضب کی بے پناہ سردی، غرض اہل افراط اور اہل تفریط دونوں کو انتہائی شدید سزا اپنے اپنے حسب حال۔ ف۱۲ منکرین مکذبین کے عذاب روز افزوں کا بیان ہو رہا ہے۔ وَ كُلَّ ...... كِتٰبًا۔ یعنی ہر شے تمہارے نامۂ اعمال میں منضبط کر رکھی گئی ہے، سو خود تمہارے معیار سے بھی صحت و تحقیق کا خاص اہتمام ہے، اور کسی عمل کی کمی کا کوئی احتمال نہیں۔ اِنَّهُمْ ...... حِسَابًا۔ ان کا اصلی اور بنیادی جرم ان کی یہی آخرت بیزاری تھی۔ وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا۔ کذابا کی قید واقعی ہے احترازی نہیں۔ یعنی ان کافروں کی حالت کا بیان ہے کہ وہ آخرت فراموشی کے ساتھ طرح طرح کی تکذیبوں میں بھی مبتلا تھے۔ یہ مراد نہیں کہ بغیر اتنی تکذیبوں کے مجرم نہ قرار پائیں ...... جرم کفر تو کسی بھی عقیدۂ دینی میں شک و تردد سے لازم آ جاتا ہے۔ فَذُوْقُوْا۔ اوپر سے صیغہ غائب کا چلا آ رہا تھا، یہاں یک بیک بقاعدۂ التفات صیغۂ حاضر میں تبدیل ہو گیا۔ اس سے مقصود شدتِ غضب کا اظہار ہے۔ الالتفات شاهد على شدة الغضب (مدارک) وهى أية فى غاية الشدة ...... وبمجيئها على طريقة الالتفات شاهدًا على ان الغضب قد تبالغ (کشاف) حدیث نبوی میں آیا ہے کہ یہ آیت عذاب کی شدید ترین آیت ہے۔ وفى الحديث هذه الأية اشد ما فى القرأن على اهل النار (مدارک) عن عبد الله بن عمرؓ وقال لم ينزل على اهل النار أية اشد من هذه الأية (ابن کثیر) ف۱۳ اہل جنت کے انعامات کا بیان ہو رہا ہے۔ انہیں وہ ساری کی ساری مادی لذتیں اور نعمتیں بھی حاصل رہیں گی جن سے وہ دنیا میں برابر لذت گیر ہوتے رہتے تھے، جنت میں جانے سے کوئی نعمت سلب نہیں ہو جائے گی۔ حَدَآئِقَ۔ (سرسبز باغ) اَعْنَابًا (انگور) كَوَاعِبَ اَتْرَابًا۔ (نوجوان، نوخیز، ہمسن بیویاں) كَاْسًا دِهَاقًا (لبالب جام) یہ سب ایک کامل و مکمل مرقع عیش کا نقشہ پیش کر رہے ہیں۔ لَا يَسْمَعُوْنَ ...... كِذّٰبًا۔ یہاں یہ بتا دیا کہ وہاں کے پاکیزہ اور ستھرے عیش کو دنیا کی بیہودہ رنگ رلیوں پر قیاس نہ کیا جائے۔ وہاں کسی قسم کی رکاکت و ابتذال کا پرتو بھی نہ پڑنے پائے گا۔ خالص لطف و سرور ہی حاصل رہے گا۔ جَزَآءً ...... حِسَابًا۔ جَزَآءً اور عَطَآءً اور حِسَابًا تین مختلف کلمے لا کر یہاں تین مختلف کیفیتوں کی طرف اشارہ کر دیا ...... جَزَآءً کا مفہوم مزد و اجرت کا ہے۔ یعنی اس کے حصول کے لئے کچھ کرنا چاہئے، اور عمل صالح سے اس کا استحقاق پیدا کرنا چاہیے۔ عَطَآءً کا اشارہ بخشش و رحمت پروردگار کی جانب ہے۔ یعنی امیدوار فضل و کرم کے رہیں، اور سارا بھروسا اپنے عمل پر نہ کر بیٹھیں۔ حساب میں یہ پہلو آ گیا کہ جو کچھ بھی ملے گا، اندھا دھند اور بے قاعدہ نہیں، امتیاز مراتب کے ساتھ اخلاص نیت وغیرہ کو ملحوظ رکھ کر ملے گا۔

بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ

دونوں کے درمیان جو کچھ ہے اُس کا خدائے رحمٰن کسی کی مجال اس سے عرض و معروض کی نہیں ف۱۴ اس دن جب کہ روح

الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙۗ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ

اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے کہ جس کو خدائے رحمٰن

الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ

اجازت دے اور وہ کہے بھی ٹھیک (بات) ف۱۵ یہ یقینی دن ہے سو جو چاہے اپنے پروردگار کے

اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ

پاس اپنا ٹھکانا بنا رکھے ف۱۶ ہم نے تمھیں تنبیہ کردی ہے ایک نزدیک والے عذاب کی (جو) اُس دن (واقع ہوگا) جب ہر شخص

مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع

دیکھ لے گا اُس کو جو کچھ کہ وہ آگے بھیج چکا ہے اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہو جاتا! ف۱۷

ع ۲

ایاتها ۴۶ ۷۹ سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ ۸۱ رکوعاتها ۲

اس کی چھیالیس آیتیں سورۂ نازعات مکہ میں نازل ہوئی اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَ النّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿۱﴾ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿۲﴾ وَّ السّٰبِحٰتِ

قسم ہے جان سختی سے نکالنے والوں کی، اور بند آسانی سے کھول دینے والوں کی ف۱ اور پیرتے ہوئے

سَبْحًا ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿۵﴾ يَوْمَ

چلنے والوں کی، پھر تیزی سے دوڑنے والوں کی، پھر ہر امر کی تدبیر کرنے والوں کی ف۲ (کہ قیامت آ کر رہے گی) جس دن

وقف لازم

تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿۶﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿۷﴾ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ

ہلا ڈالنے والی چیز ہلا ڈالے گی جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجائے گی ف۳ (بہت سے) دل اُس روز دھڑک

ف۱۴ کسی مقرب سے مقرب مخلوق کی بھی یہ مجال نہیں کہ بلا اذن خود بخود اس ذات پاک کے حضور میں کلام بھی کر سکے...... دیوی دیوتاؤں کے عقیدہ پر ایک اور ضرب۔ اور حق تعالیٰ کی شان تنزیہ کا مزید اثبات۔ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ آسمان و زمین جنھیں جاہل قومیں دیوی دیوتا سمجھ رہی ہیں، حق تعالیٰ ان سب کا مالک و پروردگار ہے۔ وَ مَا بَيْنَهُمَا۔ جاہلی قوموں نے زمین و آسمان کی درمیانی فضا کو بھی اپنے معبودوں سے بھر رکھا تھا۔ قرآن مجید نے اس جزئیہ کا ذکر کر کے اس عقیدہ پر بھی ضرب لگا دی۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ف۱۵ (حق تعالیٰ کے حضور میں ادب و خشوع کے لوازم کے ساتھ۔ الرُّوْحُ۔ روح سے اس سیاق میں مراد ذی روح مخلوقات لی گئی ہے۔ لَا ...... الرَّحْمٰنُ۔ مسیحیوں اور بعض باطل مذہب والوں کے ہاں مرکزی عقیدہ شفاعت کا ہے۔ اور "خدا کا بیٹا" تو گویا شفیع ہی کے مستقل منصب پر فائز ہے۔ قرآن مجید اس باطل عقیدہ پر مختلف عنوانات سے مختلف مقامات میں ضرب لگاتا گیا ہے۔ وَ قَالَ صَوَابًا۔ یعنی اجازت حاصل کرنے کے بعد جب بولنا ہوگا، وہ بھی محدود و مقید ہوگا۔ یہ نہیں کہ جو کچھ اور جس طرح وہ چاہے بولنے لگ جائے۔ ف۱۶ یعنی جو چاہے ایمان و تصدیق اختیار کر کے اور اچھے عمل کر کر کے اچھے ٹھکانے کے لئے اپنا استحقاق پیدا کر لے۔ اتَّخَذَ۔ اس سے صاف اشارہ اس طرف ہو گیا کہ جو کوئی اس راہ کو ڈھونڈے گا اسے وہ مل کر رہے گی۔ ذٰلِكَ۔ اشارہ اسی یوم قیامت کی جانب ہے۔ اور اشارہ بعید مشارٌ الیہ کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ للایذان لعلو درجتہ وبعد منزلتہ فی الھول والفخامۃ (روح) ف۱۷ (اور اس عذاب و عقاب سے بچ گیا ہوتا!) کافروں کی زبان پر یہ کلمہ میدان حشر میں انتہائی حسرت کے موقع پر آئے گا۔ يَنْظُرُ ...... يَدٰهُ۔ یعنی اپنے اعمال کو اپنے سامنے موجود حاضر پائے گا۔ الْكٰفِرُ۔ کافر یہاں بطور اسم جنس ہے۔ الْمَرْءُ۔ مرء سے مراد کافر شخص ہے۔ المرء الکافر (مدارک)

ف۱ مراد دونوں لفظوں سے فرشتے ہیں، جو کافروں کی جان انتہائی سختی کے ساتھ ان کے پور پور میں گھس کر، اور رگ رگ میں ڈوب کر نکالتے ہیں، اور مومنوں کی اس آسانی کے ساتھ کہ گویا بند کھول دیا ہے۔ قسم کی حقیقت کے لئے ملاحظہ ہو پ۱۴، سورۃ الحجر کا ضمیمہ۔ ف۲ ان تینوں لفظوں سے بھی اشارہ فرشتوں ہی کی جانب ہے۔ جو روحوں کو لیکر آسمان کی طرف تیز گویا ہوا میں پیرتے جاتے ہیں، اور ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیزی سے دوڑتے رہتے ہیں، گویا ایک دوسرے کے آگے نکل جائیں گے اور ثواب و عقاب ہر امر انتظامی و تکوینی کی تدبیر کرتے رہتے ہیں۔ ملائکہ کا یہ سارا نظم و نظام بجائے خود اس کا گواہ اور اس کی دلیل ہے کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی۔ ف۳ یعنی صور کا نفخۂ ثانی جو ہر مردہ چیز کو از سر نو زندہ کھڑا کر دے گا۔ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ۔ یعنی صور کا نفخۂ اولیٰ جو چھوٹی بڑی ہر زندہ مخلوق کو فنا کر دے گا۔

وٓ یَقُوْلُوْنَ۔ قَالُوْا۔ یہ کہنے والے وہی رسول اللہ ﷺ کے معاصر منکرین حشر تھے۔ اور یہ فقرے انکار و استبعاد کے لہجہ میں طنز و تعریض کی راہ سے کہتے تھے...... ترجمانی اس میں آج کے بھی ''روشن خیال'' مادیین کی آگئی۔ ءَاِذَا...... نَّخِرَۃً۔ مادہ پرست اور روحانیت سے ناآشنا قوموں نے انسان کے فناء و بقاء کو تمامتر اس کے جسم ظاہری کے فناء و بقاء کا مرادف سمجھا ہے۔ قُلُوْبٌ...... خَاشِعَۃٌ۔

وَّاجِفَۃٌ ﴿۸﴾ اَبْصَارُهَا خَاشِعَۃٌ ﴿۹﴾ یَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ

رہے ہوں گے، اُن کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی یہ کہتے ہیں کہ بھلا کیا ہم پھر واپس ہوں گے

فِی الْحَافِرَۃِ ﴿۱۰﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَۃً ﴿۱۱﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا

پہلی حالت کی طرف؟ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے (تو پھر واپس ہوں گے) کہتے ہیں کہ اس صورت میں

كَرَّۃٌ خَاسِرَۃٌ ﴿۱۲﴾ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمْ

واپسی بڑے خسارہ کی ہوگی وٓ تو وہ تو بس ایک ہی للکار ہوگی جس سے لوگ فوراً میدان میں

بِالسَّاهِرَۃِ ﴿۱۴﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰىهُ

آموجود ہوں گے وٓ آپ کو موسٰی کا بھی قصہ پہنچا ہے؟ وٓ (یاد کرو وہ وقت) جب انہیں ان کے پروردگار نے

رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ

ایک پاک میدان (یعنی) طوٰی میں پکارا کہ آپ فرعون کے پاس جائیں، اُس نے سرکشی

طَغٰی ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤی اَنْ تَزَكّٰی ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِیَكَ اِلٰی

اختیار کی ہے وٓ سو اُس سے کہیے کیا تو چاہتا ہے کہ تو درست ہو جائے، اور میں تیری رہنمائی تیرے

رَبِّكَ فَتَخْشٰی ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰیَۃَ الْكُبْرٰی ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ

پروردگار کی طرف کر دوں جس سے تو خشیت اختیار کرلے وٓ پھر ہم نے اُسے بڑی نشانی دکھائی لیکن اُس نے جھٹلایا

وَعَصٰی ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰی ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰی ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا

اور کہنا نہ مانا پھر وہ جدا ہو کر کوشش کرنے لگا وٓ اور (لوگوں کو) جمع کیا پھر بلند آواز سے تقریر کی اور کہا کہ میں ہوں

رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی ﴿۲۵﴾ اِنَّ

تمہارا رب اعلیٰ وٓ اس پر اللہ نے اُسے پکڑ لیا آخرت اور دنیا کے عذاب میں، بے شک

فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ﴿۲۶﴾ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ

اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے اُس کے لئے جو خشیت رکھتا ہو وٓ بھلا تمہارا (دوبارہ) پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا

وقف لازم — وقف لازم — وقف لازم — ع ۱

آیت میں قُلُوْبٌ و اَبْصَارُ دونوں کی کیفیت بیان کرکے اہل کفر کے اضطراب باطنی و ظاہری دونوں کی پوری تصویر سامنے کردی۔ اَبْصَارُهَا۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ ابصار اصحابها۔ معناه ابصار اصحابها (کشاف) ای ابصار اهلها (روح) وٓ یعنی قادر مطلق کے لئے قیامت کے برپا کرنے میں دشواری ہی کیا ہے، اور اسے کوئی خاص اہتمام کرنا ہی کیا ہے؟ اس کے حکم سے تو بس ادھر ایک دفعہ زور کی للکار پڑی، اور اُدھر سب کچھ ہو ہوا گیا! هِیَ۔ ضمیر صور کے نفخۂ ثانی کی جانب ہے۔ وهی النفخة الثانیة (روح) وٓ (جن کا سابقہ فرعون اور فرعونیوں سے ہوا تھا) قصہ کے یاد دلانے سے مقصود دو ہیں۔ ایک مکذبین کی تخویف، دوسرے رسول اللہ ﷺ کی تسلی...... حضرت موسٰی علیہ السلام کا قصہ متعدد مقامات پر پہلے گزر چکا ہے۔ مثلاً سورۃ الاعراف (پ ۹) میں، سورۂ طٰہٰ (پ ۱۶) میں وغیرہا۔ وٓ (اور اس پر دین حق کی تبلیغ کریں) الْوَادِ الْمُقَدَّسِ، طُوًی، فِرْعَوْنَ۔ ان سب پر حاشیے گزر چکے۔ وٓ (اور پاک و صاف بن جائے) هَلْ لَّكَ اِلٰی۔ عربی محاورہ میں هل ترغب الیه کے مرادف ہے۔ هَلْ لَّكَ کی اصل ترکیب هَلْ مَیْلٌ لك بھی سمجھی گئی ہے۔ ای هل لک میل الٰی ان تزکّٰی (روح) هَلْ...... تَزَكّٰی۔ شہنشاہِ مصر، فرعون قاہر و جابر کی اسرائیلی رعایا کے ایک فرد موسٰی عمران کو حکم ملتا ہے کہ جا کر اپنے فرمانروا پر توحید کی تبلیغ کرو۔ لیکن حکمت و خوش اسلوبی کے کن دقائق کو ملحوظ رکھ کر۔ آپ اس سے جا کر کہتے ہیں کہ دینی فلاح تو سب ہی کو عزیز ہوتی ہے، آپ کو بھی ہوگی۔ تو آپ ہی کی خیر خواہی میں صلاح و فلاح کی تدبیریں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ وَاَهْدِیَكَ اِلٰی رَبِّكَ۔ یعنی میں آپ کے پروردگار کی ذات و صفات کا صحیح بیان کرکے اس کی معرفت آپ کو کرائے دیتا ہوں۔ فَتَخْشٰی۔ اصلاح و فلاح کی ساری تعمیر اسی خشیت ہی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اِلٰۤی اَنْ تَزَكّٰی۔ الٰی یہاں فی کے معنی میں لیا گیا ہے۔ وٓ (موسٰی رسول اللہ اور آپ کے لائے ہوئے پیام کی تردید و تکذیب کی) الْاٰیَۃَ الْكُبْرٰی۔ یہ نشانی یا نشانیاں ظاہر ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کی تصدیق نبوت و رسالت کی تھیں۔ الاٰیة کے صیغۂ واحد سے یہاں عموماً معجزۂ عصا سے مراد لی گئی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ الاٰیة کو اسم جنس قرار دے کر سارے معجزات موسوی اس کے تحت میں داخل سمجھے جائیں۔ وجوز ان مراد بها مجموع معجزاته علیه السلام (روح) وٓ مصریوں کے عقیدہ میں سب سے بڑا دیوتا سورج تھا، اور جو بادشاہ وقت ہوتا وہ اسی معبود اعظم کا اوتار ہوتا، اور اسی طرح خود بھی معبود اعظم کا درجہ رکھتا تھا۔ یہی بادشاہ فرعون کہلاتا تھا۔ شاہ پرستی کا یہ مذہب بابل (کلدانیہ) میں بھی رہ چکا ہے، اور آج بھی (۱۹۴۴ء میں) اس کا نمونہ جاپان میں مل سکتا ہے۔ میکاڈو گویا ترجمہ ہے فرعون کا...... ملاحظہ ہوں سورۃ الشعراء (پ ۱۹) اور سورۃ القصص (پ ۲۰) کے حاشیے۔ نیز حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وٓ یعنی جن کے دل میں خشیت ہے، وہی اس واقعہ سے عبرت و نصیحت کا پورا سبق حاصل کریں گے۔ نَكَالَ الْاٰخِرَۃِ۔ یعنی آگ میں حرق۔ وَالْاُوْلٰی۔ یعنی پانی میں غرق۔

السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ۟ۥ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۟ۙ وَ اَغْطَشَ

آسمان کا؟ و۱۲ اسی نے اس کو بنایا، اُس کی چھت کو بلند کیا اور اسے درست بنایا، اور اس کی رات کو

لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۟ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۟ؕ

ڈھانپا اور اُس کے دن کو ظاہر کیا و۱۳ اور اس کے بعد زمین کو بچھایا

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰىهَا ۟ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۟ۙ

(اور) اس سے اس کا پانی اور اس کا چارہ نکالا، اور پہاڑوں کو قائم کر دیا

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۟ؕ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۟ؗ

(یہ سب) تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے و۱۴ سو جب وہ بڑا ہنگامہ آئے گا

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۟ۙ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ

(یعنی) جس دن انسان اپنے ہر کئے ہوئے کو یاد کرے گا، اور ہر دیکھنے والے پر دوزخ ظاہر کر

يَّرٰى ۟ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۟ۙ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۟ۙ فَاِنَّ

دی جائے گی و۱۵ تو جس کسی نے سرکشی کی ہو گی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہو گی سو ایسے کا

الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۟ؕ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى

ٹھکانا بس دوزخ ہی ہو گا و۱۶ اور جو کوئی ڈرا ہو گا اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے

النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۟ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۟ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ

اور نفس کو خواہش سے روکا ہو گا، تو ایسے کا ٹھکانا جنت ہی ہے و۱۷ یہ لوگ آپ سے قیامت

عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۟ؕ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ۟ؕ

کی بابت سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہو گا سو اس کے بیان (کرنے) سے آپ کو کیا سروکار؟ و۱۸

اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ۟ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ۟ؕ

اُس کا مدار تو (صرف) آپ کے پروردگار کی طرف ہے، آپ تو بس اُسی کو ڈرا سکتے ہیں، جو اُس سے خوف رکھتا ہو و۱۹

و۱۲ (خود اپنے ہی معیار سے جواب دو) منکرین پر حجت قائم کی ہے کہ آسمان کا پیدا کرنے والا تو قادر مطلق کو تم خود تسلیم کرتے ہو، یہ بھی تمہیں تسلیم ہے کہ آسمان کی تخلیق انسان کی تخلیق سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے، پھر جب آسمان اس نے بنالیا، تو انسان کو دوبارہ پیدا کرتے اسے کیا دیر لگ سکتی ہے؟ و۱۳ اس میں اوپر اشارہ آگیا کہ رات اور دن کا دارومدار آفتاب ہی کے طلوع وغروب پر ہے، اور آفتاب کا تعلق آسمان سے ہے۔ فَسَوّٰىهَا۔ آسمان کا انتظام ایسا درست وکامل رکھا کہ اس کے نظام میں کہیں کوئی رخنہ نہ مل سکے گا۔ و۱۴ یعنی یہ سارے انتظامات انسان ہی کے لئے نہیں بلکہ اس کے خدمت گزار چوپایوں کی خدمت وسہولت کے لئے بھی ہیں۔ بَعْدَ ذٰلِكَ۔ خوب خیال رکھا جائے کہ اس خاص آیت میں ذکر زمین کی آفرینش کا نہیں، صرف اس کے بچھائے جانے کا ہے۔ دَحٰىهَا۔ دحی کے معنی کسی چیز کو اس کے اصل مقر سے ہٹا دینے کے ہیں۔ دحاها اے ازالها عن مقرها (راغب) اس سے گویا اشارہ اس طبیعیاتی حقیقت کی طرف ہو گیا کہ کرۂ ارض کسی اور بڑے جرم سماوی کا ٹکڑا ہے جو اس سے کٹ کر ایک مستقل وجود میں آگیا ہے۔ و۱۵ (اسی چشم ظاہری سے) دیدۂ بصیرت سے تو آج بھی غیب پر ہر ایمان رکھنے والا دوزخ کو دیکھ رہا ہے آخرت میں وہ مومن وکافر سب کے رویت ومشاہدہ میں انہیں ظاہری آنکھوں سے آجائے گی۔ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى۔ طامة۔ وہ شے ہے جو دوسری چیزوں پر غالب آجائے۔ الطامة الداهية التی تطم علی الدواهی اے تعلو وتغلب (کشاف) قیامت چونکہ ہر چیز کی حالت بدل دے گی، اور سارے ممکنات وموجودات پر غالب آجائے گی، اس لئے قدرۃً اس کا لقب الطامة الکبریٰ قرار پایا۔ مَا سَعٰى۔ ما کے عموم سے یہ نکلا کہ دنیا کا کیا ہوا ہر عمل، اچھا ہو یا برا، بڑا ہو یا چھوٹا، اس وقت پیش نظر ہو جائے گا۔ و۱۶ مجرموں، کافروں کا ذکر ہو رہا ہے۔ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ یعنی اخروی زندگی سے منکر ہو کر اسی ناسوتی زندگی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ ذکر یہاں عاصی، خاطی کا نہیں، منکر وکافر کا ہے۔ دوزخ مستقل ٹھکانا صرف اسی کا ہو سکتا ہے۔ وهو الکافر الذی یکون عقابه مخلدًا وتخصیصه بهٰذه الحالة یدل علی ان الفاسق الذی لا یکون کذٰلک لا تکون الححیم ماوی له (کبیر) و۱۷ اب ذکر فرمانبرداروں کا ہو رہا ہے۔ ان کا ٹھکانا جنت کے سوا اور کہیں نہیں۔ هِيَ الْمَاْوٰى میں هی کلمۂ تخصیص ہے۔ و نهی النفس عن الهوٰی۔ هوٰی سے مراد حرام خواہش ہے۔ تو جس نے نفس کو حرام خواہشوں سے روکے رکھا" کے معنی یہ ہوئے کہ جس نے عقیدۂ صحیح کے ساتھ عمل صالح کو بھی جمع رکھا۔ نهی النفس۔ یعنی کمال رغبت وشوق کے باوجود بھی اپنے کو روکے رکھا۔ عن الهوٰی۔ هوٰی کے عموم میں ایسی خواہش داخل ہے جسے نفس محبوب رکھے، اور اُس میں رضائے حق وخشیت الٰہی کا کوئی لحاظ نہ ہو۔ محققین اہل سنت کہتے ہیں کہ ہر ذکر وعبادت ومجاہدہ بھی، جو کتاب وسنت سے ماخوذ نہ ہو، لذت نفس ہی کے لیے کیا جاتا ہے۔ اور هوٰی کے حکم میں داخل ہے، اور اسی لیے باطل فرقوں کو اہل بدعت کی طرح اہل ہوٰی کہنا بھی درست ہے۔ صوفیۂ محققین نے آیت سے ضبط نفس کی فضیلت پر استدلال کیا ہے۔ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ۔ صوفیۂ عارفین نے خوف کے تین درجے بتائے ہیں۔ پہلا درجہ یہ کہ قول اور عمل میں مؤاخذۂ اُخروی کا دھڑکا لگا رہے۔ یہ مقام اہل تقویٰ کا ہوتا ہے۔ دوسرا درجہ یہ کہ وقوع خطا ولغزش سے محبوب کی نظر سے گر جانے کا دھڑکا لگا رہے۔ یہ مقام اہل محبت کا ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ کسی نتیجہ کے خیال کے بغیر محض ہیبت وعظمت ذات سے لرزتا رہے۔ یہ مقام عبدیت ہے — اور عبد محض کا مرتبہ کہتے ہیں کہ متقین وعشاق دونوں سے بلند تر ہے۔ و۱۸ یعنی آپ کو جب خود ہی اس کے وقت کا علم تعین کے ساتھ نہیں دیا گیا ہے تو آپ انہیں کیا بتائیں گے۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ۔ یعنی یہ سوال، تعریض وانکار کی راہ سے کر رہے ہیں۔ و۱۹ اور جن کے دلوں میں سرے سے قیامت کا عقیدہ اور اس کی طرف سے اندیشہ ہی نہیں، اُن کے لیے آپ کی ساری تبلیغ بے اثر ہے۔ يَخْشٰىهَا۔ ضمیر ها، الساعة کی طرف ہے۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾ ع

جس روز یہ اس کو دیکھیں گے (انہیں یہ معلوم ہوگا کہ) گویا یہ لوگ صرف ایک شام یا (دن کے) اول حصہ میں رہے ہیں ف۲۰

اٰیاتها ۴۲ — ۸۰ سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ ۲۴ — رکوعها ۱

اس کی بیالیس آیتیں — سورۂ عبس مکہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

عَبَسَ وَتَوَلّٰۤى ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴿۲﴾ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ

(پیمبر) چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا، اس بات پر کہ اُن کے پاس نابینا آیا ف۱ اور آپ کو کیا خبر، شاید وہ

يَزَّكّٰۤى ﴿۳﴾ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ﴿۵﴾

سنور ہی جاتا، یا نصیحت قبول کر لیتا، اور اس کو نصیحت کرنا فائدہ ہی پہنچاتا ف۲ سو جو شخص (دین سے) بے پروائی کرتا ہے،

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ﴿۶﴾ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ

آپ اس کی تو فکر میں پڑ جاتے ہیں، درآنحالیکہ آپ پر کوئی الزام نہیں اگر وہ نہ سنورے ف۳ اور جو شخص آپ کے پاس

جَآءَكَ يَسْعٰى ﴿۸﴾ وَهُوَ يَخْشٰى ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ﴿۱۰﴾ ع

دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ خشیت رکھتا ہے، تو آپ اس سے بے اعتنائی برتتے ہیں،

كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ

ہرگز ایسا نہ کیجئے ف۴ قرآن تو بس ایک نصیحت ہے سو جس کا جی چاہے اسے قبول کرے ف۵ وہ (ثبت) ہے

مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ

معزز، بلند، پاک صحیفوں میں (جو) مکرم اور نیک لکھنے والوں کے ہاتھوں میں

بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ

(رہتے) ہیں ف۶ انسان پر اللہ کی مار وہ کیسا ناشکرا ہے! (اللہ نے) اسے کس (حقیر) چیز سے

ف۲۰ یعنی دنیوی عمر کی ساری مدت طویل انہیں سمٹ سمٹا کر بہت ہی مختصر معلوم ہوگی۔ اور جس عذاب کی جلدی آج طنز و تعریض کی راہ سے مچا رہے ہیں جب وہ آ ہی جائے گا، تو اُسے واقعۃً بھی یہ بہت ہی جلد آ پڑنے والا سمجھیں گے۔ انتہائے ہراس و یاس کے وقت دنیا میں بھی طویل سی طویل گزشتہ مدت چشم زدن میں گزری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ف۱ ایک صحابی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نامی نابینا تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور تبلیغ کا ابھی ابتدائی زمانہ تھا کہ ایسے وقت آپ کے پاس آئے، اور کوئی مسئلہ دریافت کرنے لگے۔ جب آپ کے پاس قریش کے بڑے بڑے سردار بیٹھے ہوئے تھے۔ جاہلی تہذیبوں میں اُونچ نیچ کا فرق (Social Status) ہمیشہ بہت ہی مبالغہ آمیز رہا ہے، برہمن کے برابر شودر بھلا کہیں بیٹھ سکتا ہے؟ لارڈز کے ساتھ (Commoner) کھانے کی ایک میز پر کہیں جمع ہو سکتا ہے؟ قریش کے جاہلی تمدن میں بھی ایک غریب آدمی کی جسارت بڑی بدتہذیبی میں داخل تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ و اشاعتِ دین کی دُھن میں اُن لوگوں کی تالیف قلب خاص طور پر مدنظر تھی۔ ایسے موقع پر اُن نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کی نادانستہ مداخلت آپ کو قدرۃً ناگوار گزری۔ عَبَسَ۔ تَوَلّٰى۔ اَنْ جَآءَهُ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہاں بجائے حاضر کے غائب کے صیغہ کا استعمال مخاطب کی رعایت عظمت کے لیے ہے۔ الْاَعْمٰى۔ اُن صحابی کے نام یا کسی اور اسم وصفی کے بجائے اُن کی صفت نابینائی کے ذکر سے ادھر صاف اشارہ ہو گیا کہ سائل آپ کی شفقت و توجہ کا مزید مستحق تھا۔ ف۲ یعنی کسی جزئیہ میں تو انہیں رہنمائی ہو ہی جاتی، اور روشنی مل جاتی۔ يَزَّكّٰى۔ صیغۂ مبالغہ ہے — یعنی تزکیہ پورا پورا ہو جاتا۔ اور تصفیہ ظاہری و باطنی دونوں ہو جاتا۔ لَعَلَّهٗ۔ لعل زور دینے کے لیے ہے۔ یعنی نفع کا اگر ظن ہوتا، جب بھی توجہ اُسی طرف پوری کرنا تھی، چہ جائیکہ جب تزکیہ یا تذکیر یقینی تھا۔ ف۳ (آپ کا کام تو صرف تبلیغ و دعوت پر ختم ہو جاتا ہے) مَنِ اسْتَغْنٰى۔ استغناء کا لفظ لا کر آپ کو توجہ اس طرف دلا دی گئی کہ ان لوگوں کو آپ کی یا دین کی فکر و پرواہ کب ہے؟ ف۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر اور اعلم الناس تھے۔ آپ نے انتہائی اجتہاد بشری سے کام لے کر یہ خیال فرمایا، اور بالکل صحیح طور پر، کہ کلی گمراہی، جزئی ناواقفیت سے کہیں زیادہ اہم ہے اور اصول فروع پر کہیں مقدم ہیں۔ قرآن میں آپ کو علم بشری محدود نہیں، علم الٰہی غیر محدود تنبیہ کر رہا ہے کہ ایک میں تو اصلاح کی طلب تھی، وہ خود دوڑتا ہوا حاضر ہوا تھا۔ دوسرا فریق سرے سے اپنی ضرورت اصلاح سے غافل اور آپ کے مصلح ہونے ہی کا منکر تھا۔ اس لیے آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اپنی توجہ اسی پہلے شخص کے حق میں مقدم رکھتے۔ ف۵ (اور جو نہ قبول کرے گا وہ خود بھگتے گا۔ آپ اُس کے لیے اتنا زیادہ اہتمام و فکر ہرگز نہ کریں) انها میں ضمیر راجع ہی ذکری کی طرف اور کنایہ ہے قرآن سے۔ ف۶ یعنی فرشتوں کے۔ فِيْ ...... مُطَهَّرَةٍ۔ یہ پاک و متبرک صحیفہ لوح محفوظ ہی کے مختلف اجزاء ہیں۔ مَّرْفُوْعَةٍ۔ یہ رفعت یا بلندی جہت و مکان کے لحاظ سے بھی ہو سکتی ہے اور مرتبہ و منزلت کے اعتبار سے بھی۔ مُّطَهَّرَةٍ۔ یعنی ہر قسم کی معنوی آلائشوں سے پاک و منزہ۔ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ۔ یہ اوصاف فرشتوں کے بیان ہوئے، جنہوں نے بحکم الٰہی ان صحیفوں کی کتابت لوح محفوظ میں کی — مجازاً یہ اوصاف اُن خادمان کے بھی ہو سکتے ہیں، جنہوں نے ابتداءً کتابت وحی کی، اور اس کے بعد سے اب تک قرآن کے بھی پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔

خَلَقَهُ (۱۸) مِنْ نُّطْفَةٍ ۚ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ (۱۹) ثُمَّ السَّبِيلَ

پیدا کیا! نطفہ سے ف۷ اُسے پیدا کیا، پھر اُسے انداز (مناسب) سے ف۸ بنایا پھر اس کے لئے راستہ

يَسَّرَهُ (۲۰) ثُمَّ اَمَاتَهُ فَاَقْبَرَهُ (۲۱) ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهُ (۲۲) كَلَّا

آسان کردیا ف۹ پھر اُسے موت دی، پھر اُسے قبر میں لے گیا ف۱۰ پھر جب چاہے گا اُسے دوبارہ زندہ کردے گا

لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهُ (۲۳) فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ (۲۴)

(اس نے شکر) ہرگز نہیں (ادا کیا اور اللہ نے) جو حکم اُسے دیا تھا اُسے بجا نہیں لایا، سو انسان ذرا دیکھے تو اپنے کھانے کی

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا (۲۵) ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا (۲۶)

طرف ف۱۱ ہم نے خوب پانی برسایا پھر ہم نے زمین کو خوب پھاڑا

فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا (۲۷) وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا (۲۸) وَّزَيْتُوْنًا

پھر ہم نے اُگایا اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون

وَّنَخْلًا (۲۹) وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا (۳۰) وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا (۳۱) مَّتَاعًا

اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارے تمہارے

لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (۳۲) فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ (۳۳) يَوْمَ يَفِرُّ

اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے ف۱۲ تو جس وقت شدید شور برپا ہوجائے جس روز انسان

الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ (۳۴) وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ (۳۵) وَصَاحِبَتِهٖ

بھاگنے لگے اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے

وَبَنِيْهِ (۳۶) لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ (۳۷)

اور اپنی اولاد سے اُن میں سے ہر شخص کو اُس وقت اپنی ہی پڑی ہوگی دوسروں سے بے توجہ کردینے والی ف۱۳

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ (۳۸) ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ (۳۹)

(بہت سے) چہرے اُس روز چمکتے ہوئے ہنستے ہوئے بشاش ہوں گے ف۱۴

ف۷ (اور پھر کیسی کیسی نعمتوں سے سرفراز و سربلند کیا! مطلب یہ ہوا کہ اگر اور کچھ نہیں تو انسان انہیں چیزوں کا خیال کرلے، جب بھی اس میں ادائے شکرِ نعمت کی تحریک پیدا ہوسکتی ہے۔ قُتِلَ۔ صیغۂ ماضی میں، عربی محاورہ میں، بددعاء کے لیے آتا ہے۔ الْاِنْسَانُ۔ مراد کافر انسان ہے۔ مِنْ اَيِّ...... نُّطْفَةٍ۔ نطفہ کی تحقیر سے ضمناً اُن جاہلی قوموں کی تردید بھی نکل آئی، جنھوں نے اسے ایک مقدس شے قرار دیا ہے۔ ف۸ یعنی نہ صرف عملِ تخلیق بلکہ ترکیب انسانی میں تناسب و توازن اور قویٰ، اعضاء وغیرہ کی ساخت ترتیب، ہر شے قدرتِ الٰہی و حکمت کاملہ پر دلیل کا کام دے رہی ہے۔ ف۹ (تحصیل خیر و شر کا، تحقیق حق و باطل کا اور معرفت نفع و ضرر کا) السَّبِيلَ سے مراد وہ نظرِ مستقیم ہے جو انسان کو ایمان کی طرف لاتی ہے، اور انسان کو جو نعمتِ عقل عطا ہوئی ہے، یہ اُس میں آسانی پیدا کردیتی ہے۔ السبيل اے النظر القويم المؤدى الى الايمان و تيسيره له هو هبة العقل (بحر۔ عن ابن عباس وقتادة ابي صالح والسدی) السبيل العام اسم الجنس فی هدى و ضلال اے يسر قوما بهذا (بحر۔ عن مجاہد والحسن وعطاء وابن عباس) ف۱۰ یہ اشارہ ہے، زندگی کی مختلف منزلوں کی طرف۔ پہلے انسان بہترین قویٰ و استعداد لے کر وجود میں آتا ہے۔ پھر ایک مدت تک زندگی بسر کرنے کے بعد اُسے موت آتی ہے۔ پھر وہ عالمِ قبر میں جاتا ہے۔ اَقْبَرَهُ۔ اس سے مراد انسان کا قبر میں لے جایا جانا ہے۔ اس کے مصداق کے لیے تدفین ظاہری لازم نہیں۔ آگ میں جل کر، پانی میں غرق ہو کر درندوں کی غذا بن کر ہر حال میں اور ہر صورت سے انسان جاتا عالمِ قبر ہی میں ہے۔ ف۱۱ (کہ اس کی غذا کی تیاری کے لیے ہم نے کیسے کیسے انتظامات کیے ہیں، اور فطرت کی بڑی بڑی قوتوں کو کس طرح کام میں لگا رکھا ہے۔ ربوبیت و رزاقیت کی اتنی زبردست مشنری کے مشاہدہ کے بعد بھی اعراض اور ادائے شکر سے انکار کیسی شدید ناشکری ہے۔ ایجاد و تخلیق کا ذکر پہلے ہوچکا۔ اب انسان کو توجہ اس کے سامان پرورش و بقاء کی طرف دلائی جاتی ہے۔ ف۱۲ گویا نباتیات کا یہ سارا انتظام، انسان بلکہ اُس کے خادم چوپایوں ہی کی خدمت اور ضرورت کے لیے ہے۔ ف۱۳ یہ وقت وہ ہوگا، جب قریب سا قریب عزیز اور عزیز سا عزیز دوست و رشتہ دار، نہ کسی کے کام آئے گا، اور نہ اُس سے ہمدردی تک کرسکے گا) الْمَرْءُ۔ انسان سے ایسے سارے موقعوں پر مراد کافر ہی انسان سے ہوتی ہے۔

ف۱۴ اور یہ اثر طاعت کا، اور یہ برکت ایمان کی ہوگی۔

وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾

اور (بہت سے) چہروں پر اس روز سیاہی ہو گی ان پر کدورت ہو گی ف۱۵

اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ ع

یہی لوگ تو ہیں کافر فاجر ف۱۶

ع ۱ / ۵

آیاتہا ۲۹ — ۸۱ سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ ۷ — رکوعہا ۱

اس کی اُنتیس آیتیں ہیں — سورۂ تکویر مکہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿۱﴾ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ﴿۲﴾

جب آفتاب لپیٹ لیا جائے اور جب ستارے بے نور رہ جائیں

وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿۳﴾ وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿۴﴾

اور جب پہاڑ چلا دیئے جائیں اور جب اونٹنیاں چھٹی پھرنے لگیں

وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ﴿۵﴾ وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿۶﴾

اور جب وحشی جانور اکٹھے کر دیئے جائیں اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں ف۱

وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴿۷﴾ وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ﴿۸﴾

اور جب ایک ایک قسم کے لوگ یکجا کر دیئے جائیں ف۲ اور جب زندہ دفن کی ہوئی (لڑکی) سے سوال کیا جائے

بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾ وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾

کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی ف۳ اور جب (اعمال کے) صحیفے کھول دیئے جائیں ف۴

وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾ وَ اِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾

اور جب آسمان کھول دیا جائے اور جب دوزخ خوب دہکا دی جائے

ف۱۵ چہروں پر سیاہی اثر ہوگا کفر کا، اور چہروں پر کدورت علامت ہوگی غمنا کی اور بدانجامی کی۔ ف۱۶ اَلْكَفَرَةُ۔ کفر سے اشارہ ہوگیا ان لوگوں کے فساد عقائد کی جانب۔ اَلْفَجَرَةُ۔ فجور سے اشارہ ہوگیا ان لوگوں کے فساد اعمال کی جانب۔ ف۱ یعنی اُن کا پانی آگ اور بھاپ میں تبدیل ہو جائے۔ یہ سارے واقعات وکیفیات صور قیامت کے نفخۂ اوّل کے بیان ہورہے ہیں۔ عالم کائنات جو اُس وقت تک آباد ہوگا، صور کی پہلی آواز پر یوں ہلاک وبرباد ہونا شروع ہوگا۔ اور اُس کی بڑی بڑی مضبوط و مستحکم موجودات یوں درہم وبرہم اور ریزہ ریزہ ہونا شروع ہوں گی۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔ یعنی کرۂ آفتاب کی لمبی لمبی شعاعیں جو سارے عالم کو منور کرتی رہتی ہیں، لپیٹ کر رکھ دی جائیں یا بے نور ہو جائیں، جس سے عالم تیرہ وتار ہو جائے۔ آفتاب جو محسوسات ومرئیات میں آسمان ہی کی طرح اعظم ترفین مخلوق ہے، جب وہ فناء پر مجبور ہو جائے تو پھر دوسری اور اس سے ادنیٰ مخلوقات کا کیا ذکر ہے!— آفتاب کی فناء پذیری کی تصریح میں ضرب آفتاب پرستی پر بھی ہے۔ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ۔ ستارے تو نور مجسم سمجھے جاتے ہیں، اور شب کے وقت سارے عالم کو منور کرنے والے۔ وہ تک صور قیامت کے وقت پیلے اور بے نور ہو جائیں گے، اُن کا نور سلب ہو جائے گا، اور وہ نہ کسی کو روشن کر سکیں گے، نہ خود روشن رہ سکیں گے— ستاروں کی بے نوری اور بے بسی کی تصریح میں ضرب ستارہ پرستی پر بھی ہے۔ وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ۔ پہاڑ جو دنیا والوں اور زمینی مخلوق کی نظر میں ثبات واستحکام کا ایک نمونہ ہوتے ہیں، وہ تک اس وقت اپنا سارا ثبات واستحکام کھودیں گے۔ وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔ عشار اُن اونٹنیوں کو کہتے ہیں جو دس مہینے کی حاملہ اور وضع حمل کے قریب ہوں۔ عرب میں اُن کی بڑی ہی قدر وقیمت تھی تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جب ہلچل ایسی سخت ہو کہ اتنی قیمتی اور قابل قدر جنس کا بھی کسی کو ہوش نہ رہے، اور مخلوق میں یکسر نفسی نفسی پڑ جائے۔ وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ۔ یعنی جب انتہائی اضطراب واضطرار میں وحشی جانور تک ایک دوسرے کی دشمنی بھول بھال باہم گڈمڈ ہو جائیں— ایک ہلکے پیمانہ پر اس کا نمونہ آج بھی دیکھنے میں آسکتا ہے، جب شدید طغیانی وسیلاب میں سانپ انسان کے ساتھ بہتا بہاتا اپنی زہریلی فطرت بھولا ہوا نظر آتا ہے۔ آیت کے یہ معنی لینا، کہ ”جس زمانہ میں جانوروں کے عجائب خانے کھلنے لگیں“ قرآن حکیم پر ظلم اور اپنی فہم واستعداد کے ساتھ تمسخر ہے۔ ف۲ مثلاً مومن مومن اکٹھے کر دیئے جائیں اور کافر کافر۔ واقعات فناء کے بعد اب صور کے نفخۂ ثانی کے بعد، خلق کی آفرینش ثانی کا بیان ہو رہا ہے۔ ف۳ سوال سے مقصود نا خدا ترس ظالموں پر مزید حجت قائم کرنا ہوگا۔ مَوْءٗدَةُ۔ وہ لڑکی ہے جو زندہ دفن کر دی جائے۔ شرفاء عرب کے مختلف قبیلوں میں یہ رسم کثرت سے پھیلی ہوئی تھی۔ ہندوستان کے راجپوتوں اور دوسری قوموں میں اور دوسرے ملکوں میں بھی یہ رواج رہا ہے۔ اور اسی کی ذرا ہلکی شکل آج ”منع حمل“، ”کنٹراسپشن“، ”برتھ کنٹرول“ وغیرہ کے خوشنما ناموں سے بڑے بڑے مہذب ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے— ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ دوسرے معاصی کو چھوڑ کر اس کا ذکر آثار قیامت واحوال حشر میں کرنے سے اشارہ یہ نکلتا ہے کہ سب سے پہلے پرسش خون کی ہوگی، اور خون کے مقدمات میں اس دفعہ کے مجرم سب سے پہلے پیش ہوں گے۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مواخذہ مساوی ہے، چاہے لڑکی اس طرح زندہ دفن کی جائے چاہے لڑکا۔ صیغۂ مؤنث صرف اس لیے استعمال ہوا ہے کہ عرب میں دستور لڑکی ہی کے دفن کا تھا۔ سُىِٕلَتْ۔ بعض اہل ذوق نے لکھا ہے کہ یہاں بجائے قاتل کے خود مقتولہ سے خطاب کرنے میں اشارہ نکلتا ہے کہ وہ مردود قابل خطاب بھی نہیں۔ هو توبيخ لقاتلها بصرف الخطاب عنه (مدارک) فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ دو مسئلے بھی نکالے ہیں۔ ایک یہ کہ مشرکوں کے بچوں پر عذاب نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ کسی پر عذاب بغیر صدور گناہ کے نہیں ہوتا۔ و فيه دليل على ان اطفال المشركين لا يعذبون و على ان التعذيب لا يكون بلا ذنب (مدارک) ف۴ (کہ لوگ اپنے اپنے عمل اپنے نامۂ اعمال میں دیکھ لیں) آیت کے یہ معنی کرنا کہ ”جب اخبارات ورسالے شائع ہونے لگیں“۔ اپنے جہل محض کا پردہ اپنے ہاتھ فاش کرنا ہے۔

ف۵ (اور یہ علم ایسا یقینی اور قطعی ہوگا کہ اس کے بعد کسی مزید قیل وقال چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں رہے گی، اور ہر شخص کو اپنا انجام سامنے نظر آنے لگے گا) وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ۔ لفظی معنی یہ ہیں کہ جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے۔ مراد یہ کہ جب آسمان کے اوپر کی چیزیں بھی بے پردہ نظر آنے لگیں۔ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ۔ جہنم تو آج بھی دہکی ہوئی ہے۔ اُس وقت اور زیادہ دہکا دی جائے گی۔ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ۔ یعنی اُس وقت خود جنت اہلِ جنت کے بالکل قریب لے آئی جائے گی۔ ف٦ (اور اس کے لائے ہوئے کلام میں یہ شبہ بھی نہیں ہوسکتا کہ شیطانی تصرف ہوا ہو، یا کہانت کی آمیزش کہیں سے ہوگئی ہو) ان صفات والے سے مراد فرشتۂ وحی حضرت جبرئیل ہیں، جن کا ذکر سورۂ والنجم میں گزر چکا ہے، آیت عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى الخ کے تحت میں۔ رَسُوْلٍ۔ یہ لفظ خود بتا رہا ہے کہ اسے کہیں کلام جبرئیل نہ خیال کرلینا، اُن کی حیثیت اس کلام کے سلسلہ میں تو محض قاصد کی ہے۔ یہ اوصاف جبرئیلی جو بیان ہوئے ان سے معلوم ہوا کہ فرشتۂ وحی منصبِ رسالت کا پوری طرح متحمل اور اسرار وانوار کا ہر طرح محافظ ہے۔ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ۔ عند یہاں قرب جسمانی کے لیے نہیں کہ حق تعالیٰ ہر جسمانیت ومکانیت سے برتر ہیں، بلکہ مراد محض قرب قبول اور بلندیٔ مرتبہ ہے۔ وهذه العندية ليست عندية المكان و ليست عندية الجهة بل عندية الاكرام والتشريف والتعظيم (کبیر) عندلفظ موضوع للقرب فتارة يستعمل فی الزلفٰی والمنزلة (راغب) اور یہ قرب خاص خود اس کا مستلزم ہے کہ پیام رسانی وحی میں امکان نہ سہو کا رہا نہ غلطی کا نہ غفلت کا۔ آیت کا حاصل یہ نکلا کہ فطرت کے فلاں فلاں زبردست آثار ومظاہر خود اس کی دلیل ہیں کہ یہ کلام حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ قرآنی قسموں کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الحجر، پ۱۴ کا ضمیمہ۔ بِالْخُنَّسِ۔ یہ وہ سیارے ہیں جو سیدھے چلتے چلتے پیچھے کی طرف چلنے لگتے ہیں۔ اصطلاح فلکیات میں انہیں خمسۂ متحیرہ کہتے ہیں اور اُن کے نام زحل[1]، مشتری[2]، عطارد[3]، مریخ[4] اور زہرہ[5] ہیں — یہ سب دیوی دیوتا بھی متعدد مہذب جاہلی قوموں میں مانے گئے ہیں۔ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ۔ یہ وہ سیارے ہیں جو پیچھے ہی کی طرف چلتے رہتے ہیں، اور پیچھے ہی چلتے چلتے اپنے مطلع میں جا چھپتے ہیں۔ ف۷ یہ قرآن کا لانے والا فرشتہ جب ان اوصاف کا مالک ہے تو نہ یہ ممکن ہے کہ خود اس کی طرف سے کوئی خیانت ہوئی ہو، اور نہ یہ ممکن ہے کہ کسی خارجی ذریعہ سے اس کلام میں کہانت کی آمیزش ہو — یہ سب اُن منکرین کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو (نعوذ باللہ) کاہن سمجھ رہے تھے اور قرآن کو آپ کا کلام۔ مُطَاعٍ۔ یعنی فرشتۂ وحی حضرت جبرئیل تو فرشتوں میں بھی سروری، سرداری کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ اے فی السمٰوٰت يطيعهٗ من فيها او عندالله يطيعه ملائكة المقربون يصدرون عن امره و يرجعون الٰی رأيه (مدارک) اَمِيْنٍ۔ اس وصف سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوگیا کہ اُن کی پیام رسانی میں ادنیٰ دخل بھی خیانت کو نہیں، نہ لفظاً نہ معنیً، نہ سہواً نہ عمداً۔ ف۸ یہ اُن منکرین کے جواب میں ہے، جو پیمبر اسلام علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) مجنون قرار دے رہے تھے۔ صاحب۔ یعنی ساتھی سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک ہے۔ لفظ خود اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ کے رہنے سہنے والے ہیں، اُن کی ساری زندگی تمہارے سامنے ہے۔ کہیں کوئی بھی شائبہ جنون اُن کی سیرت اقدس کے کسی شعبہ میں پایا جاتا ہے؟ ف۹ (جس میں کسی دھوکے یا اشتباہ کا امکان نہیں) منکرین کے جواب میں گویا قرآن کا استدلال یہ ہوا کہ یہ قرآن جو تمہیں پہنچ رہا ہے، بجنسہٖ اور لفظ بلفظ کلام الٰہی ہے۔ اللہ سے رسول تک اس کا پہنچانے والا ایک معزز، متدین، پُرقوت فرشتہ ہے، اُس کی پیامبری میں کسی خلط کا امکان نہیں، اور فرشتہ سے تم تک منتقل کرنے میں واسطہ رسول کا ہے۔ یہ واسطہ بجائے خود ہر قسم کے شک واشتباہ سے ماوراء ہے۔ عام بندوں تک قرآن پہنچنے کے واسطے یہی دونوں ہیں، فرشتہ اور پیمبر، اور یہ دونوں اعتماد واستناد کے انتہائی نقطہ پر ہیں۔ الْاُفُقِ الْمُبِيْنِ۔ سے مراد آسمان کا بلند کنارہ ہے — ملاحظہ ہوں سورۂ والنجم کی آیات متعلقہ کے حاشیے۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ۔ محدثین

وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾

اور جب جنت نزدیک کردی جائے، (اُس وقت) ہر شخص جان لے گا (ان اعمال کو جن کو) وہ لے کر آیا ہے ف۵

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا

میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے (ستاروں) کی، چلتے رہنے والوں جا چھپنے والوں کی، اور قسم ہے رات کی جب

عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ

وہ جانے لگے اور صبح کی جب وہ آنے لگے، کہ یہ (قرآن) ایک کلام ہے

رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾

ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) جو قوت والا ہے اور ذی مرتبہ ہے مالکِ عرش کے نزدیک ف٦

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ وَ مَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾

وہاں اُس کا کہا مانا جاتا ہے (اور وہ) امانت دار ہے ف۷ اور (یہ) تمہارے ساتھی کوئی مجنون نہیں ہیں ف۸

وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ

اور وہ اُس (فرشتہ) کو (آسمان کے) روشن کنارہ پر دیکھ بھی چکے ہیں ف۹ اور وہ غیب کے بارہ میں

بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ

بخیل بھی نہیں ف۱۰ اور نہ یہ (قرآن) کسی شیطان مردود کا کلام ہے، سو تم لوگ کدھر

تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ

جارہے ہو؟ ف۱۱ بس یہ تو ایک نصیحت نامہ ہے دنیا جہان والوں کے لئے (یعنی) اس کے لئے جو

شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ

تم میں سے سیدھا چلنا چاہے ف۱۲ اور تم بغیر اس کے چاہ بھی تو نہیں سکتے کہ

اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

پروردگار عالم چاہ لے ف۱۳

ع ۲۹ / ۲

کے ہاں روایت حدیث میں جو شرط لقاء کی ہے، اُسے بعض نکتہ رس فاضلوں نے یہیں سے اخذ کیا ہے۔ ف۱۰ (کہ کچھ پیام پہنچائیں اور کچھ چھپا جائیں) ایک امکانی شبہ کاملیت قرآن میں یہ بھی ہوسکتا تھا۔ اُسے قرآن نے یوں رفع کردیا۔ بعض محدثین عارفین نے یہ اشارہ یہیں سے اخذ کیا ہے کہ راویٔ حدیث دوسرے تک کلام رسول کا سنانا پہنچانا اپنے اُوپر لازم سمجھے اور اس میں بخل نہ کرے۔ ف۱۱ (کہ ایسی سیدھی سی بات کو چھوڑ کر ادھر اُدھر بھٹک رہے ہو) اُوپر بیان یہ تھا کہ نزول قرآن کے جو دو واسطے ہیں، یعنی ایک فرشتۂ وحی اور دوسرے پیمبر اسلام علیہ السلام، یہ دونوں حد درجہ مضبوط، مستحکم و ناقابل اشتباہ ہیں۔ اب بیان اس کا ہے کہ اپنی اصل اور ماخذ کے لحاظ سے بھی قرآن سرتاسر حق ہی ہے۔ ف۱۲ مطلب یہ کہ اس ہمہ گیر وہر جہتی دستور العمل کے مخاطب تو سب ہی ہیں۔ البتہ فائدہ اس سے وہی اُٹھا سکتے ہیں، جو خود فائدہ اُٹھانا چاہیں بھی۔ حصول نفع کے لیے قصدِ انتفاع لازمی ہے۔ ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ میں پھر ایک بار اس حقیقت کا اعلان ہے کہ اسلام کا پیام عالمگیر ہے۔ یہ کسی قبیلہ کا، قوم کا، یا نسل کا مخصوص ومحدود دین نہیں۔ لِمَنْ ...... يَسْتَقِيْمَ۔ پورا فقرہ بدل ہے للعٰلمین کا۔ و هو بدل من العٰلمين (کبیر) ف۱۳ یہاں اس حقیقت کا ایک بار پھر اعادہ کردیا کہ بندہ کا ارادہ مطلق العنان اور

اٰیاتہا ۱۹ | ۸۲ سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَارِ مَکِّیَّۃٌ ۸۲ | رکوعہا ۱

اس کی اُنیس آیتیں ہیں | سورۃ الانفطار مکہ میں نازل ہوئی | اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿۲﴾

جب آسمان پھٹ جائے اور جب ستارے جھڑ پڑیں،

وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾ عَلِمَتْ

اور جب سمندر بہ پڑیں ف۱ اور جب قبریں شق کر دی جائیں ف۲ (تو اُس وقت) ہر شخص

نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ﴿۵﴾ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا

اپنے اگلے اور پچھلے اعمال کو جان لے گا اے انسان تجھے (آخر) کس چیز

غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ﴿۶﴾ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ

نے اپنے پروردگار کریم سے متعلق بھول میں ڈال رکھا ہے ف۳ (وہ پروردگار) جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست کیا

فَعَدَلَكَ ﴿۷﴾ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿۸﴾ كَلَّا

پھر تجھے اعتدال پر بنایا (اور) جس صورت میں بھی چاہا تجھے ترکیب دے دیا ف۴ (تجھے مغرور) ہرگز

بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ﴿۹﴾ وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ﴿۱۰﴾

نہیں (ہونا چاہیے تھا) اصل یہ کہ تم جزاء ہی کو جھٹلاتے ہو ف۵ درآنحالیکہ تمہارے اوپر (ہماری طرف سے)

كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ﴿۱۱﴾ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ

یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے (مقرر) ہیں وہ جانتے ہیں اس کو جو کچھ تم کر رہے ہو ف۶ نیک لوگ

لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿۱۴﴾ یَّصْلَوْنَهَا

بے شک آسائش میں ہوں گے، اور بدکار لوگ بے شک دوزخ میں اس میں داخل ہوں گے

ف۱ (یعنی سب مل کر ایک دل ہو جائیں) یہ تینوں واقعات یعنی آسمان کا پھٹ جانا، ستاروں کا جھڑ پڑنا، سمندروں کا اُبل نکلنا، صورِ قیامت کے نفخۂ اول کے وقت ہوں گے۔ اور نظامِ آسمانی و زمینی کے درہم برہم ہونے کے مظہر۔ ف۲ (اور ان کے اندر سے مردے نکل نکل پڑیں) یہ بیان صورِ قیامت کے نفخۂ ثانی کا ہے ف۳ (جو تو اس کے ادائے حقوق کی ذرا فکر نہیں کرتا) سوال سے مقصود غیرت دلانا ہے کہ ان نعمتوں کا مقتضا تو یہ تھا کہ تو ادائے شکر کرتا۔ چہ جائیکہ تو اس ناشکری پر آمادہ ہو گیا۔ رَبِّكَ الْكَرِیْمِ۔ ایک تو رب خود، اور پھر اس پر کریم کا اضافہ اسی غیرت کی کیفیت میں اور اضافہ کرنے کے لیے ہے۔ جو مالک و مولیٰ ساتھ رحیم و شفیق بھی ہو، اس کے بارِ احسان سے تو سر اور بھی ہرگز ہرگز نہ اُٹھنا چاہیے۔ الْاِنْسَانُ۔ انسان سے مراد اس سیاق میں کافر انسان ہے۔ ف۴ انسان کی خلقت و ترکیب، اور پھر اس کے مختلف و متضاد قویٰ میں ترتیب و تناسب، صفاتِ قدرت و صنعت و حکمت کا بہترین نمونہ ہے۔ اور قرآن مجید نے اس حیثیت سے انہیں بار بار پیش کیا ہے۔ مَا شَآءَ۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ انسان کی صورت و سیرت جو کچھ ہے، تمامتر اللہ کے اپنے ارادہ و مشیت کا نتیجہ ہے، باہر سے کوئی قوت اللہ کے ارادہ کو مجبور یا متاثر کرنے والی نہیں۔ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ۔ اَیِّ کے بعد ما تاکید کلام کے لیے ہے۔ ما مزیدۃ للتوکید (مدارک) ف۵ (اور خوفِ خدا ہو یا احساسِ ذمہ داری یا طلبِ حق، سب اسی عقیدۂ روزِ جزاء سے پیدا ہوتی ہیں) ف۶ یعنی جزاء و سزا نہ صرف واقع ہو کر رہے گی بلکہ اس کے لیے پورے انتظامات اور ایک مکمل نظام ابھی سے موجود ہے۔ اللہ کے فرشتے اعمال کی پوری رپورٹ لکھنے کے لیے مقرر ہیں۔ امین و متدین ایسے کہ حق تعالیٰ انہیں ''معزز'' کے لقب سے پکارتا ہے۔ اور نظر اُن کی اتنی گہری کہ باریک سے باریک اور خفی سے خفی عمل و محرکِ عمل بھی اُن سے چھوٹنے نہیں پاتے۔ حٰفِظِیْنَ۔ اس میں اشارہ ہے کہ اُن سے فروگذاشت ممکن نہیں۔ كِرَامًا اس میں اشارہ ہے کہ کوئی امر خلافِ دیانت یا خلافِ حکم اُن سے صادر ہونا ممکن نہیں۔ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ اس میں اشارہ ہے کہ کوئی عمل، خفی سا خفی بھی ہو، اُن کی نظروں سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اصلاحِ عمل کے لیے ان آیتوں کا مراقبہ بہت مفید ہے۔

يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ

روز جزاء کو، اور (پھر) اس سے باہر نہ ہوں گے وے اور آپ کو کیا خبر کہ

مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ

روز جزاء کیا ہے؟ ہاں آپ کو کیا خبر کہ روز جزاء کیا ہے؟ وہ دن وہ ہے

لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

کہ کسی کا بس کسی کے لئے کچھ بھی نہ چلے گا اور حکومت اس روز (تمامتر) اللہ ہی کی ہو گی وہ

ع ۱۹

ایاتھا ۳۶ | ۸۳ سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ ۸۶ | رکوعھا ۱

اس کی چھتیس آیتیں ہیں سورۃ المطففین مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ

بڑی خرابی ہے (ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کی، کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیں پورا ہی

يَسْتَوْفُوْنَ ﴿۲﴾ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿۳﴾ اَلَا

لے لیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں وا کیا انہیں

يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿۴﴾ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ

اس کا یقین نہیں کہ وہ زندہ اُٹھائے جائیں گے ایک بڑے سخت دن میں، جس دن کہ (تمام) لوگ

النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ

پروردگار کے روبرو کھڑے ہوں گے و۲ ہرگز (ایسا) نہیں (کہ جزاو سزا نہ ہو) بے شک بدکاروں کا نامۂ عمل

سِجِّيْنٍ ﴿۷﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴿۸﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۹﴾ وَيْلٌ

سجین میں رہے گا، اور آپ کو کیا خبر کہ سجین (والا نامۂ عمل) ہے کیا چیز؟ ایک رجسٹر ہے نشان کیا ہوا، و۳ بڑی خرابی ہے

وے (اور ہمیشہ اُسی میں رہیں گے) یہ نص ہے دوزخ کے دوام وخلود پر۔ و۸ (نہ کہ اور کسی کی) یہ درمیانی وسائط اور اسباب قریبہ کے جو پردے دنیا میں پڑے ہوئے ہیں، یہ سب اُس روز اُٹھ جائیں گے۔ اور اللہ کی براہ راست حکومت قاہرہ کا مشاہدہ ہر ایک کو ہونے لگے گا — عالمِ اسباب وجہانِ ابتلاء میں تو ان حجابات کی ضرورت ومصلحت تھی، اس لیے یہ سب تھے اُس روز کشف حقائق کے وقت اُن کی حاجت ہی کیا رہے گی، اور اس لیے سارے حجابات کثیف ولطیف یکسر برطرف ہو جائیں گے۔ وَمَا ...... الدِّیْنِ۔ دُہرے دُہرے سوالات عربی اسلوب بلاغت وخطابت کے مطابق، اہمیت خصوصی کے اظہار کے لیے ہیں۔ وا قرآن مجید، جیسا کہ بار بار گزر چکا ہے، کوئی کتاب محض الٰہیات یا عقائد کی نہیں، بلکہ اخلاق ودیانات کے بھی سارے شعبوں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ یہاں تعلیم تجارتی اخلاق کی مل رہی ہے — اور قریش ایک زبردست تجارت پیشہ قوم تھے۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ کمی وبیشی عرف عام یا کسی شرط معلوم و متعارف کی صورت میں جائز ہے۔ عَلَى النَّاسِ۔ علی یہاں مِنْ کے مرادف ہے۔ آیت نے ایسے لوگوں کی بد دیانتی کے ساتھ ساتھ ان کی خود غرضی کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ خریداری کے وقت تو خوب ہوشیار اور بڑے چوکس رہتے ہیں، ایک ایک چیز خوب ناپ جوکھ کر کے اور خوب پرکھ کر کر کے لیتے ہیں۔ اور بیچتے وقت اس کے برعکس ہو جاتے ہیں۔ عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ۔ نحو عربی کا قاعدہ ہے کہ جب مفعول کو فعل پر مقدم لاتے ہیں، تو معنی مفعول میں تخصیص وتحدید کے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی یہی مفہوم پیدا ہو گیا ہے کہ جب دوسروں سے لینا ہوتا ہے، جب تو پورا ہی لیتے ہیں۔ و یقدم المفعول علی الفعل لافادة الخصوصیة ای یستوفون علی الناس خاصة فاما انفسهم فیستوفون لها (کشاف) آیت تجارتی اخلاق کی ایک بنیادی اور کلیدی آیت ہے۔ جس سے بیسیوں مسئلے نکل سکتے ہیں اور قرآن مجید کی اُن چند آیتوں میں سے ہے، جس کی مدح وتوصیف مسیحی پادریوں نے بھی کی ہے — ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ المطففین۔ بعض محققین نے تطفیف کو عام و وسیع معنی میں لیا ہے، یعنی کمی اور کوتاہی کو صرف وزن وپیمائش کی چیزوں تک محدود نہیں رکھا ہے۔ بلکہ طاعت وعبادت کی ہر چیز کو اس میں داخل رکھا ہے۔ جیسے کہ چوری صرف مال ہی میں نہیں، ہر شے میں ممکن ہے۔ قال علماء الدین التطفیف فی کل شیء فی الصلوٰة والوضوء والکیل والمیزان قال ابن العربی کما ان السرقة فی کل شئ (ابن العربی) و۲ (اور اس دن انہیں اپنی ان بے ایمانیوں کا بھی جواب دینا ہوگا) تجارتی دیانت وامانت اور کاروبار میں حسنِ معاملت کے سیاق میں حشر اور اس کی باز پرس کی یاددہانی انہیں اور مؤکد بنانے کے لیے ہے۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں تجربے گواہ ہیں کہ فرد و قوم دونوں کو دیانتدار بنانے میں جرمانہ کی سزاؤں اور جیل کی دھمکیوں سے کہیں زیادہ مؤثر وکارگر اندر کا تقویٰ اور خوفِ آخرت ہی ہوتا ہے، اور قرآن حکیم ایسے موقعوں پر اسی حربہ سے کام لیتا ہے۔ يَوْمَ ...... الْعٰلَمِيْنَ۔ ل سے مراد ہے کہ رب العٰلمین کے حکم سے اور اس کی نافذ کی ہوئی سزا وجزاء بھگتنے کے لیے۔ ای لامرہ و جزائه (مدارک) ای لامرہ ولجزائه و لحسابه (معالم) یا یہ مراد ہو کہ رب العالمین کی عظمت وتعظیم کے لیے حدیث نبوی میں یہی تفسیر آئی ہے۔ عن ابن عمرؓ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول یوم یقوم الناس لرب العٰلمین لعظمة الرحمٰن عزوجل (ابن کثیر) و۳ (جس میں کسی تغیر و تبدل، ترمیم وتنسیخ کا احتمال ہی نہیں) مطلب یہ ہوا کہ ہر شخص کے اعمال سارے کے سارے منضبط ومحفوظ ہیں۔ سِجِّيْنٍ۔ سجن (قید خانہ) ہی کے معنی میں ہے، اور حرف ی کی زیادتی معنی میں زیادتی کے اظہار کے لیے ہے۔ زید لفظة تنبیها علی زیادة معناه (راغب) تشریح میں مختلف قول نقل ہوئے ہیں۔ حاصل ولب لباب یہ ہے کہ وہ عالم غیب میں کوئی ایسا مقام ہے، جہاں مجرموں، منکروں کے اعمال نامے محفوظ رہتے ہیں۔ مَا سِجِّيْنٌ۔ تقدیر کلام ما کتاب سجین ہے۔ اور حذف مضاف قرآن کے اسلوب بیان میں بہت عام ہے۔ الْفُجَّارِ۔ فجار سے مراد وہی لوگ ہیں جو غرق فجور رہے ہیں اور ایمان وتصدیق تک کی نیکی سے محروم۔

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۱۱﴾ وَمَا

اُس روز جھٹلانے والوں کے لئے جو روز جزاء کو جھٹلا رہے ہیں، اور اُس کو تو

يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ

بس وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرنے والا ہو، گناہوں میں پڑا ہوا ہو (اور) جب اُسے ہماری آیتیں سنائی جاتی ہوں تو کہتا ہو کہ

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا

یہ تو اگلوں کے خرافات ہیں ف۴ ہرگز (ایسا) نہیں (کہ جزاء وسزا نہ ہو) اصل یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ان کے کرتوتوں کا زنگ

يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾

بیٹھ گیا ہے ف۵ ہرگز (ایسا) نہیں (کہ جزاء وسزا نہ ہو) یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے روک دیے جائیں گے

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ

پھر یہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے ف۶ پھر کہا جائے گا کہ یہی وہ ہے جسے تم

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾

جھٹلایا کرتے تھے ہرگز (ایسا) نہیں (کہ جزاء وسزا نہ ہو) بے شک نیک کاروں کا نامۂ عمل علیین میں رہے گا،

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ

اور آپ کو کیا خبر کہ علیین (والا نامۂ عمل) ہے کیا چیز؟ نشان کیا ہوا رجسٹر ہے، جس کو مقرب (فرشتے)

الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ

دیکھتے ہیں ف۷ بے شک نیک کار بڑی راحت میں ہوں گے، مسہریوں پر سے

يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ

دیکھ رہے ہوں گے ف۸ تو اُن کے چہروں ہی سے راحت کی بشاشت جان لے گا ف۹ اُنہیں پینے کو

مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ

شراب خالص ملے گی، جس پر مشک کی مہر ہو گی ف۱۰ ایسی ہی چیز کی

ف۴ یعنی رسول کی تکذیب پر مصر اور دلیر تو وہی لوگ ہیں، جو فسق وفجور کی کثرت وشدت سے اپنی اخلاقی صلاحیتوں کو پہلے ہی برباد کر چکے ہیں۔ قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ قرآن کے مکذبین ومنکرین میں بھی ایسے بہت سے گزرے ہیں، اور اب بہت سے ایسے ہیں جو اس کی آیتوں اور اُن کے مضامین کو سن کر بول اُٹھتے ہیں کہ یہ بے سند اور بے بنیاد باتیں تو اگلے صحیفوں اور پرانے نوشتوں سے منقول چلی آ رہی ہیں — گویا حقانیت قرآن کے خلاف یہ بھی کوئی دلیل ہو سکتی ہے کہ اس کی بیان کی ہوئی بعض روایتیں کسی نہ کسی بگڑی ہوئی شکل میں پہلے ہی بیان ہو چکی ہیں! عجب مسخ شدہ ذہنیت منکرین قرآن کی ہر زمانہ میں رہی ہے۔ قرآن کوئی نئی تعلیم پیش کرے تو یہ کہہ کر اُسے رَد کر دیجئے کہ یہ نئی بات دل کی گڑھی ہوئی ہے، اگر صحیح ومستند ہوتی تو آخر پہلے بھی تو کبھی سننے میں آئی ہوتی! اور قرآن اگر قدیم حقیقتوں کو ان کی اصلی اور غیر محرف شکل میں پیش کرے، تو بس یہ کہہ کر انکار کر دیجئے کہ یہ تو پہلے صحیفوں کی نقل یا سرقہ ہے! ف۵ (جس سے اُن کی استعداد ہی قبول حق کی فاسد ہو گئی ہے اور اسی سے وہ انکار وتکذیب پر براہ عناد تلے رہتے ہیں) آیت میں اشارہ اس طرف ہے کہ آدمی اپنی اصل وسرشت سے متمرد ومنکر نہیں، بلکہ اس کے ارادی واختیاری اعمال ہی اس کے دل کو تاریک اور چشم بصیرت کو بے نور اور قبول حق سے دُور کر دیتے ہیں۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ظلمت قلب جس کا ذکر صوفیہ کے ہاں بکثرت آتا ہے اُس کی سند اسی آیت میں ملتی ہے۔ ف۶ (اور یہ دیدار حق سے محجوبی بجائے خود ایک بہت بڑی سزا ہے، جس کا اندازہ کچھ اُسی دن ہو گا) یہاں محجوبون مقدم ہے، اور داخلۂ جہنم مؤخر، ثم کے تحت میں۔ اس سے عارفوں نے نکتہ یہ پیدا کیا ہے کہ اصل سزا دوزخ نہیں بلکہ دیدار الٰہی سے محرومی ہی ہے، اور دوزخ محض اس کا نتیجہ ہے۔ ثم بعد کونهم محجوبين عن ربهم لداخلون النار (مدارک) آیت سے یہ استنباط بھی کیا گیا ہے کہ مومنین کو رؤیت باری ہو گی، ورنہ کافروں کے لیے بطور سزا اس نعمت سے محرومی کے کوئی معنٰی نہ تھے۔ قال الزجاج فی الأية دليل على ان المؤمنين يرون ربهم والا لا يكون التخصيص مفيدًا (مدارک) فلا يرونه بخلاف المؤمنين (بیضاوی) قال الامام ابو عبدالله الشافعي و فى هذه الأية دليل على ان المؤمنين يرونه عزوجل يومئذ و هذا الذى قاله الامام الشافعي فى غاية الحسن و هو استدلال بمفهوم هذه الأية كما دل عليه منطوق قوله تعالىٰ وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة و كما دلت على ذلك الاحاديث الصحاح المتواترة (ابن کثیر) ف۷ (ذوق وشوق کے ساتھ) اس سے مقصود مرتبۂ ابرار کے فضل وعظمت کا اظہار ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح مجرموں اور نافرمانوں کے لیے عذاب وعقاب یقینی ہے، اسی طرح مطیعون اور فرمانبرداروں کا اجر وثواب بھی برحق ہے۔ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ یہاں ملائکہ مقربین مراد ہیں۔ المقربون من الملٰئكة (کبیر) و هم الملائكة قال قتادة (ابن کثیر) عِلِّيِّيْنَ۔ سِجِّيْنٍ کے مقابلہ کی چیز ہے، اور کوئی ایسا مقام عالم غیب میں ہے، جو نیک کاروں کے اعمال ناموں کے لیے مخصوص ہے۔ ف۸ (جنت کے عجائب ومناظر) ہو سکتا ہے کہ دیدار جمال الٰہی مراد ہو۔ اور چونکہ يَنْظُرُوْنَ، محجوبون کے مقابلہ میں آیا ہے، اس لیے قرینہ بھی اسی معنٰی کو چاہتا ہے۔ ف۹ (اے مخاطب) مطلب یہ کہ اہل جنت کی مسرتیں نمایاں ہوں گی، اور اُن کے چہروں ہی سے جھلک رہی ہوں گی۔ ف۱۰ یعنی نہایت پاکیزہ، خوش ذائقہ وخوش رائحہ۔ يُسْقَوْنَ۔ کا صیغۂ مجہول اہل جنت کے مرتبہ وعظمت پر دلالت کر رہا ہے۔

فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝٢٦ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ۝٢٧ عَيْنًا

حرص کرنا چاہیے حرص کرنے والوں کو ف۱۱ اور اُس کی آمیزش تسنیم سے ہوگی وہ چشمہ

يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ۝٢٨ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ

جس سے مقرب بندے پئیں گے ف۱۲ اور جو لوگ مجرم تھے وہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ۝٢٩ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ۝٣٠

ایمان والوں پر ہنسا کرتے تھے، اور جب اُن کے سامنے سے گزرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارہ کرتے جاتے تھے،

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ۝٣١ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا

اور جب اپنے گھروں کو جاتے تھے تو دل لگیاں کرتے ف۱۳ اور جب انہیں دیکھتے تو کہا کرتے تھے

اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَضَاۗلُّوْنَ ۝٣٢ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ۝٣٣

کہ یہ لوگ کیسے بھٹکے ہوئے ہیں ف۱۴ حالانکہ یہ اُن پر نگراں کر کے نہیں بھیجے گئے ف۱۵

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ۝٣٤ عَلَى

سو آج ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے، مسہریوں پر

الْاَرَاۗىِٕكِ ۙ يَنْظُرُوْنَ ۝٣٥ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝٣٦ ع ۸

بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے ف۱۶ واقعی کافروں کو اُن کے کرتوتوں کا بدلہ خوب مل کر رہا ف۱۷

اٰیاتها ۲۵ — ۸۴ سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ۸۳ — رکوعها ۱

اس کی پچیس آیتیں ہیں — سورۂ انشقاق مکہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا السَّمَاۗءُ انْشَقَّتْ ۝١ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝٢ وَاِذَا

جب آسمان پھٹ جائے اور اپنے پروردگار کا حکم سن لے ف۱ اور وہ اسی لائق ہے اور جب

ف۱۱ یعنی تحصیل کے لائق اور شوق کے قابل یہ نعمتیں ہیں نہ کہ دنیوی نعمتیں۔ اور ان کی تحصیل کا طریق ایمان وطاعت ہیں۔ ذٰلِكَ۔ اشارہ رحیق کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور نعیم کی طرف بھی۔ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ اے فی الرحیق او النعیم (مدارک) ف۱۲ تَسْنِيْمٍ۔ جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ مقربین اس میں سے برابر پیتے ہی رہیں گے۔ اور ابرار کو بھی شراب خالص کے ساتھ کوئی جزو اس آبِ تسنیم کا مرحمت ہوتا رہے گا۔ صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ آبِ تسنیم میں شاید کوئی قوت خاص ہے، جو لذاتِ جسمانی اور غباتِ نفسانی سے چھڑا کر تمام تر شوق حضور وسرور لقاء پیدا کر دیتی ہے۔ عوام اہل جنت کو اسی لیے اس میں سے کچھ کچھ بقدر اُن کے تحمل کے عطا ہوتا رہے گا۔ ف۱۳ یہ سب ذکر اسی دنیا کا ہو رہا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس دنیا میں سامنے اور پیچھے ہر طرح ہر وقت اہل ایمان کی تحقیر واستہزاء کا مشغلہ جو لوگ جاری رکھتے تھے۔ اَلَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا۔ یعنی منکرین ومکذبین — جرم آیت میں قرآن کی متعدد دوسری آیتوں کی طرح، ایمان کے مقابلہ میں ہے۔ المراد من قوله ان الذين اجرموا اكابر المشركين (کبیر) اے اشركوا (معالم) اَلْمُقَرَّبُوْنَ۔ یہ جنت کے افضل ترین مرتبہ والے ہیں، جن کا ذکر سورۃ الواقعہ (پ ۲۷) میں آچکا ہے۔ بعض محققین نے مراد یہ لی ہے کہ جنت میں مقربین تو مشاہدۂ ذات کی لذت میں مستغرق رہیں گے، اور اصحب الیمین یا ابرار مشاہدۂ ذات میں بھی رہیں گے اور مشاہدۂ مخلوقات میں بھی۔ فالمقربون لايشربون الامن التسنيم اے لا يشتغلون الا بمطالعة وجهه الكريم واصحاب اليمين يكون شرابهم ممزوجاً فتارة يكون نظرهم اليه و تارةً الى مخلوقاته (کبیر) ف۱۴ (اور ایسے احمق جو آج کی دم نقد لذتوں کو "کل" کے خیالی وعدوں کے پیچھے چھوڑے ہوئے ہیں!) اسی زمانہ کے نہیں، آج بیسویں صدی کے بھی ابوجہل اور ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل مسلمانوں کو "رجعت پسند" اور "دقیانوسی" اور "تاریک خیال" کے خطابات دے دے کر اپنے دل کا بخار نکال رہے ہیں۔ بعض شاعروں نے اپنی حماقت سے جنت اور اہل جنت پر چوٹیں کی ہیں، آیت کے مضمون سے انہیں بھی ڈرنا چاہیے۔ ف۱۵ (انہیں اہل ایمان پر طنز ومضحکہ کا حق ہی کیا تھا) اس میں ان لوگوں کی مزید حماقت کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے انجام کی طرف سے تو غافل ہیں، اور اہل ایمان کی فکر میں خواہ مخواہ پڑ گئے ہیں۔ ف۱۶ (جہنم میں منکروں اور کافروں کا حال زار) الیوم۔ یعنی آخرت میں، جنت سے۔ فَالْيَوْمَ ...... يَضْحَكُوْنَ۔ ہنستے اس پر ہوں گے کہ یہ لوگ کس درجہ احمق تھے کہ اتنی واقعہ شہادتوں کے باوجود بھی آخرت کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور بدستور دنیا پرستی اور مادیت ہی میں غرق رہے۔ ف۱۷ (یہاں تک کہ مومنین سے کافروں کا مضحکہ وطنز بھی بغیر انتقام نہ رہا) هَلْ یہاں سوالیہ نہیں مؤکدہ ہے، قد کے معنی میں، جیسا کہ سورۃ الدہر کے بھی بالکل شروع میں آچکا ہے۔

ف۱ (اور مان لے) یہ واقعات قیامت کے نفخۂ ثانی کے وقت کے بیان ہو رہے ہیں:۔ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا۔ اذن یا حکم سے مراد پھٹ جانے کا حکم تکوینی ہے۔ انْشَقَّتْ۔ انفطار۔ اور انشقاق اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ سے قدیم اہل تفسیر نے یہ نکالا ہے کہ اجرام علوی میں خرق والتیام کی قابلیت موجود ہے۔ اور عجب نہیں کہ مزید تحقیقات کے بعد ماہرین فلکیات کو بھی اسی کی تصدیق کرنا پڑے۔

الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝۳ وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ۝۴ وَ اَذِنَتْ

زمین کھینچ (کر بڑھا) دی جائے و۲ اور اپنے اندر کی چیزوں کو نکال پھینکے اور خالی ہو جائے، اور اپنے پروردگار کا حکم

لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۝۵ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ

سن لے، اور وہ اسی لائق ہے و۳ اے انسان تو کام میں جتا رہتا ہے اپنے پروردگار کے پاس

كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝۶ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝۷

پہنچنے تک پھر اُس سے جا ملے گا و۴ تو جس کسی کا نامۂ عمل اُس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا،

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝۸ وَّ يَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ

سو اُس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے والوں کے پاس خوش خوش

مَسْرُوْرًا ۝۹ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝۱۰ فَسَوْفَ

لوٹ کر آئے گا و۵ اور جس کسی کا نامۂ عمل اُس کی پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا سو وہ

يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝۱۱ وَّ يَصْلٰى سَعِيْرًا ۝۱۲ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ

موت کو پکارے گا و۶ اور جہنم میں پڑے گا وہ اپنے والوں میں خوش خوش

مَسْرُوْرًا ۝۱۳ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝۱۴ بَلٰۤى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ

رہا کرتا تھا اُس نے خیال کر رکھا تھا کہ اُسے لوٹنا نہیں ہے، ضرور ہے، اُس کا پروردگار

كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝۱۵ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝۱۶ وَ الَّيْلِ وَ مَا

اُسے خوب دیکھتا رہتا تھا و۷ میں قسم کھاتا ہوں شفق کی، اور رات کی اور اُن چیزوں کی جنہیں

وَسَقَ ۝۱۷ وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝۱۸ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ

وہ سمیٹ لیتی ہے، اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے و۸ کہ تم کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر

طَبَقٍ ۝۱۹ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰ وَ اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ

پہنچنا ہے، و۹ سو انہیں کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے اور جب اُن کے سامنے قرآن

معانقة ۷

و۲ (جیسے آج بھی ربڑ کھینچ کر بڑھا دی جاتی ہے) وَ حُقَّتْ۔ یعنی آسمان، محکوم و مسخر قدرت ہونے کے باعث ہے ہی ایسا کہ جس امر کی مشیت اُس کے متعلق ہو، اس کا وقوع ضرور ہو کر رہے۔ جاہلی فلاسفۂ یونان و مصر وغیرہ نے آسمان کو مستقل صاحب ارادہ و تصرف ہستی، اور خدا تعالیٰ کی محکومیت سے آزاد و خود مختار سمجھا ہے۔ آیت ان خرافات کی بھی تردید کر رہی ہے۔ و۳ مَا فِيْهَا کے عموم میں ہر وہ چیز داخل ہے جو بطن زمین کے اندر ہے، مُردوں کے جسم، خزانے وغیرہا۔ اَذِنَتْ۔ حُقَّتْ۔ دونوں پر حاشیے ابھی گزر چکے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں ان کا تعلق آسمان سے تھا، اس آیت میں زمین سے ہے۔— مقصود دونوں جگہ یہ ہے کہ جس حاکم علی الاطلاق کی اطاعت سے آسمان و زمین تک کو مفر نہیں، انسان اس کے احکام تشریعی سے انکار کی جرأت کر رہا ہے! و۴ مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان مرتے دم تک کسی نہ کسی شغل میں، اچھا ہو یا برا، بہرحال لگا ہی رہتا ہے۔ كَادِحٌ۔ كَدْحًا۔ کدح کے معنٰی سعی و جہد کے ہیں۔ الكدح سعی الانسان و جهده فی الامر (معالم) جب مشقت و تعب انسان کے لیے زندگی میں بہرصورت ناگزیر ہے، جب تو یہ بات اور زیادہ دیکھ لینے کی ہے کہ انسان خیر یا شر کس قسم کا کسب اعمال کر رہا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ۔ خطاب جنس انسانی سے ہے۔ و۵ (کہ میں تو خوب سستا چھوٹ آیا) حِسَابًا يَّسِيْرًا۔ حساب کی آسانی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ سرے سے کوئی باز پرس ہی نہ ہو۔ اور محض ضابطہ کی پیشی ہو کر رہ جائے۔ و۶ (جیسا کہ دنیا میں بھی انسان انتہائی مصیبت کے وقت پکارتا ہے) وَ اَمَّا ...... ظَهْرِهٖ۔ ذکر کفار اہل جہنم کا ہو رہا ہے۔ انہیں نامۂ اعمال پشت کی طرف سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ و۷ (اس کے اقوال، احوال، اعمال سب کو) اور اُس وقت جو اُسے فی الفور سزا نہیں ملی، تو اس لیے کہ حکمت الٰہی، اور مشیت مطلق جزاء کا ایک وقت خاص مقرر کر چکی تھی۔ اِنَّهٗ ...... مَسْرُوْرًا۔ یہ دنیا میں اس طرح مگن اور سرمست تھا کہ آخرت کی طرف سے بالکل بے پروا و غافل ہی ہو گیا تھا۔ و۸ یعنی بدر کامل بن جائے۔ فَلَاۤ اُقْسِمُ۔ جن چیزوں کی قسمیں آگے آ رہی ہیں، یہ سب زبان حال سے گواہی دے رہی ہیں وقوع آخرت پر— اقسام قرآنی کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الفجر (پ۳۰) کا ضمیمہ۔ بِالشَّفَقِ۔ جس طرح شفق سے رات کا آغاز ہوتا ہے، موت سے عالم آخرت کی ابتداء ہوتی ہے۔ وَ الَّيْلِ۔ جس طرح دن کے بعد رات میں ایک نئی حیات نومی کا تجربہ ہوتا ہے، حیات ناسوتی کے بعد ایک نئی حیات برزخی ملتی ہے۔ وَ مَا وَسَقَ۔ اس کے عموم میں وہ سارے جاندار بھی آ جاتے ہیں، جو رات کو آرام لینے کے لیے اپنے اپنے ٹھکانے پہنچ جاتے ہیں۔ وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ۔ چاند کہاں تو غائب ہوتا ہے، اور کہاں پھر بدر کامل بن کر نمودار ہوتا ہے۔ فنائے عالم کے بعد اسی طرح ایک کامل حیات اُخروی نصیب میں آئے گی۔ و۹ (اور ایک حالت پر قائم و دائم رہنا ہرگز نہیں ہے) عَنْ طَبَقٍ۔ عن یہاں بعد کے مرادف ہے۔ حالاً بعد حالٍ (معالم، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) و عن للمجاوزة و قال غير واحدٍ هی بمعنی بعد و المجاوزة و البعدية متقاربان (روح) آیت میں یہ بتایا ہے کہ انسان ایسی مخلوق نہیں، جسے شروع سے آخر تک ایک حالت پر جامد رکھا جائے۔ سارا نظام عالم گواہ ہے کہ انسان ایک ترقی پذیر مخلوق بنایا گیا ہے۔ ابھی زندہ تھا ابھی مردہ ہو جائے گا۔ ابھی مردہ سے پھر زندہ کر دیا جائے گا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ آیا ہے کہ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے مخصوص ہے۔ یہ مان لینے کے بعد آیت سے مراد مراتب قرب میں ترقی ہو گی۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی شان وارثِ رسول عارف کی مراتب و احوال میں ہوتی ہے۔

الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۩ ﴿٢١﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿٢٢﴾

پڑھا جاتا ہے تو جھکتے نہیں ف١٠ 　 بلکہ یہ کافر اُلٹی تکذیب کرتے ہیں

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٤﴾ اِلَّا

اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ یہ لوگ جمع کر رہے ہیں، سو آپ انہیں ایک عذاب دردناک کی خبر دے دیجیے، البتہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿٢٥﴾

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے ان کے لئے تو ایسا اجر ہے جو کبھی موقوف ہونے والا نہیں ف١١

اٰياتها ٢٢ 　 ٨٥ سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ ٢٧ 　 ركوعها ١

اس کی بائیس آیتیں ہیں 　 سورۂ بروج مکہ میں نازل ہوئی 　 اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿١﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿٢﴾ وَشَاهِدٍ

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدہ کیے ہوئے دن کی ف١ 　 اور حاضر ہونے والے (دن) کی

وَّمَشْهُوْدٍ ﴿٣﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿٤﴾ النَّارِ ذَاتِ

اور جس میں حاضری ہو ف٢ 　 غارت ہوئے خندق والے، 　 ایندھن کی

الْوَقُوْدِ ﴿٥﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿٦﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ

آگ والے جس وقت وہ لوگ اُس (آگ) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اور اپنے اس کرتوت کو دیکھ رہے تھے

بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿٧﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا

جو وہ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے ف٣ اور انہوں نے ان (ایمان والوں) میں اور کیا عیب پایا تھا بجز اس کے کہ وہ

بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿٨﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست ہے سزاوار حمد ہے اُسی کی سلطنت ہے آسمانوں

السجدة ١٣ 　 ع ٢٥

ف١٠ (اللہ کے آگے کمال شقاوت سے) لَا يَسْجُدُوْنَ۔ سجدہ۔ یہاں اصطلاحی معنی میں نہیں، انقیاد و کمال تعظیم کے لغوی معنی میں ہے۔ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ اپنی بصیرت پر ایسے غفلت کے پردے انہوں نے ڈال رکھے ہیں کہ مشاہدات فطرت سے ذرا سبق ایمان کا نہیں لیتے۔ وَاِذَا...... يَسْجُدُوْنَ۔ اور اس سے بھی بڑھ کر کمال شقاوت یہ ہے کہ قرآن جو ان غفلت کے پردوں کو اُٹھاتا جاتا ہے، اور اسی لیے ہے، اس سے بھی ہدایت کا اثر نہیں قبول کرتے۔ فقہاء نے آیت سے سجدۂ تلاوت کا وجوب نکالا ہے۔ يستدل به على وجوب سجدة التلاوة للذم لتارك السجود عند سماع التلاوة (جصاص) ف١١ اور یہی معنی ہیں جنت اور اہل جنت کے دوام و خلود کے۔ بِمَا يُوْعُوْنَ۔ یعنی اعمال کفریہ کا ذخیرہ حق سے دشمنی، رسول حق سے بغض و عناد، وغیرہا۔ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ ان کافروں کی سعی ناحق بھی رائیگاں نہ جائے گی۔ ایک ایک چیز کا بدلہ مل کر رہے گا۔ ف١ یعنی قیامت کے دن کی۔ الْبُرُوْجِ۔ بروج۔ سے مراد ستارے ہیں جن کی منزلیں مقرر رہتی ہیں۔ الواحد برج و به سمى بروج النجوم لمنازلها المختصة بها (راغب) و قال مجاهد والحسن و عكرمة و قتادة هو النجوم (روح) ف٢ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ شاہد یوم جمعہ ہے، یہ شاید اس لیے کہ ہر ہفتہ یہ مسلمانوں پر آتا رہتا ہے، اور مسلمان اس کے لیے کہیں باہر نکل کر نہیں جاتے۔ اور مشہود یوم عرفات ہے کہ اُس روز دنیا کے مسلمان اپنے اپنے مقام سے سفر کر کے وہاں جمع ہوتے ہیں۔ و اخرج الترمذى و جماعة عن ابى هريرة مرفوعًا الشاهد يوم الجمعة والمشهود يوم العرفة و روى ذلك عن ابى مالك الاشعرى وجبير بن مطعم مرفوعًا ايضًا و اخرجه جماعة عن علىؓ وغيره عن الصحابة والتابعين (روح) شَاهِدٍ۔ مَشْهُوْدٍ دونوں کا صیغۂ نکرہ میں ہونا اُن کے اظہار تعظیم کے لیے ہے، و تنكير الوصفين للتعظيم (روح) بعض محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ شَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ دونوں کا مفہوم عموم کامل رکھتا ہے۔ ہر حاضر ہونے والا، ہر دیکھنے والا شاہد ہے اور جو دکھلایا جائے اور جو حاضر کیا جائے، مشہود ہے۔ ف٣ آیت میں ایک خاص واقعہ کی تلمیح ہے۔ ٥٢٣ء میں یمن کا بادشاہ ایک ظالم یہودی ذونواس نامی حمیری خاندان کا تھا۔ مذہب حق اُس وقت نصرانیت تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی صحیح تعلیمات کے مطابق۔ نصرانیوں پر اُس نے شدید ظلم توڑنے شروع کیے۔ یہاں تک کہ آگ کی ایک بڑی بھٹی بنا کر اس میں انہیں جھونکا۔ اور ہزارہا کی تعداد میں انہیں بھون ڈالا۔ روم کے تخت پر اُس وقت شہنشاہ جسٹینین فرمانروائی کر رہا تھا۔ اُس کی تحریک اور ایماء سے حبشہ کے مسیحی بادشاہ (نجاشی) نے یمن پر حملہ کر کے بالآخر اس پر اپنا قبضہ کر لیا۔ تاریخی حیثیت سے یہ خود تو اس کی تعدی خاص اہمیت رکھتی ہے، اور قرآن کی اس تلمیح میں خود اس کی اہمیت کی تصدیق موجود ہے۔ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ۔ وہی آتشیں خندق بنا کر اس میں مومنین کو جھونکنے والے ظالم ہیں۔

ف۴ (اوراس لیے ظالموں کاظلم وستم اور مظلوموں کی مظلومیت و بے کسی دونوں اُس پر خوب روشن ہیں) وَمَا...... الْحَمِيْدِ۔ یہ اس کی تصریح ہے کہ یہ جنگ کوئی ملکی یا سیاسی آویزش نہ تھی۔ خالص مذہبی و اعتقادی بنیاد پر زیردستوں پر ظلم ہو رہے تھے۔ الَّذِیْ...... شَهِيْدٌ۔ یہ اس کی تصریح ہے، کہ خدائے اسلام، جاہلی مذہبوں یا مشرک فلسفیوں کے خدا کی طرح کوئی ناقص یا محدود علم یا محدود قدرت رکھنے والا خدا نہیں۔ اُس کی قدرت، اس کا علم، اس کے جملہ صفات کامل و لامحدود ہیں — ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ قرآن مجید کے اسلوب بیان کی یہ ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ بیان واقعات اور ذکر حکایات کے ضمن میں بھی مسائل کی توضیح اور عقائد کی تصحیح کرتا جاتا ہے، چنانچہ اسی کی ایک نظیر یہ آیت بھی ہے۔ ف۵ عَذَابُ جَهَنَّمَ عام ہے۔ جہنم میں عذاب طرح طرح کے ہوں گے۔ جلنے کا عذاب شدید ترین ہے، اُسے تخصیص کے ساتھ بیان کیا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوْا۔ فتنه یہاں عذاب کے معنی میں ہے۔ و معنی فتنوهم عذبوهم بالنار و احرقوهم (کشاف) ف٦ جنت اور جنت کی نعمتوں کو حقیر سمجھنے والے خواہ وہ قدیم صوفیۂ غیر محققین ہوں، یا جدید قسم کے ''روشن خیال''، بہرحال اگر ان کا ایمان قرآن پر ہے تو دیکھیں کہ قرآن مجید جنت اور نعمائے جنت کا ذکر کیسے کیسے شوق و رغبت دلانے والے الفاظ میں کرتا رہتا ہے۔ اور کس طرح جنت ہی کو انسانی کوشش کا منتہائے مقصود بتلاتا ہے۔ حقیقی کامیابی صرف اُخروی کامیابی ہے۔ اس کے مقابلہ میں دنیا کی ہر ''علمی تحقیق'' ہر ''سیاسی ترقی''، ہر ''ملکی فتحمندی''، ہیچ اور بے مایہ۔ جو اہل ایمان آج بھی ظلم و ستم کے ہدف ہیں۔ اُن کے لیے بھی آیت سرمایۂ تسکین و تشفی ہے۔ دنیوی تکلیفوں کی پروا بھی بہت زیادہ ہی کیوں کی جائے، پائیدار و حقیقی کامیابی اہل ایمان کا حصہ ہے۔ ف٧ خلق و بعث سب اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں — وہی سب کا پیدا کرنے والا بھی، وہی جلا اُٹھانے والا بھی۔ وہی کڑی گرفت کرنے والا بھی۔ ف٨ ان تمام صفات کا اثبات کسی نہ کسی عقیدۂ شرکیہ کی تردید و ابطال کے لیے ہے۔ ذُو الْعَرْشِ۔ یعنی عرش جیسی بزرگ ترین مخلوقات کا خالق و مالک۔ ای صاحبه والمراد مالکه او خالقه و هو اعظم المخلوقات (روح) الْمَجِيْدُ۔ کی ایک قرأت کسرۂ دال کے ساتھ بھی ہے۔ ذوالعرش المجید اس صورت میں مجید صفت عرش کی ہوگی۔ اور معنی ہوں گے کہ وہ مالک ہے عرش بزرگ کا۔ و بالجر صفةٌ للعرش و مجد العرش علوهٗ و عظمةٗ (مدارک) ف٩ (کوئی اس کا ہاتھ پکڑ لینے والا کوئی اس کے ارادہ میں دخل دینے والا موجود نہیں۔ اس کی قدرت لامحدود، اس کی طاقت لامتناہی ہے) سارے قانون اس کے پابند ہیں، وہ خود کسی قانون سے مقید نہیں — یہ اُن مذاہب جاہلی کی تردید میں ہے، جنہوں نے حق تعالیٰ کی قدرت مطلق و کامل کو بھی کسی نہ کسی قانون کا مطیع قرار دے رکھا ہے۔ مثلاً قانون مکافات عمل یا ''کرم'' کا۔ ف١٠ (کہ انہوں نے کس کس طرح کفر کیا، اور پھر کس طرح کیفر کردار کو پہنچے) فِرْعَوْنَ اور ثَمُوْدَ دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ قوم فرعون اور قوم ثمود دونوں مثالیں انتہائی پُرقوت قوموں کی ہیں۔ ف١١ (کہ وہ اُس کے قبضۂ قدرت و پنجۂ عقوبت سے کسی طرح بچ کر نہیں جا سکتے) بَلْ...... تَكْذِيْبٍ۔ یہ کفار نا ہنجار، بجائے اس کے کہ ان واقعات و حکایات پر غور کرتے، اور ان سے سبق لیتے، اُلٹے اُن کی تردید و تکذیب ہی میں لگے ہوئے ہیں۔ ف١٢ (جس میں کسی طرح کے تغیر و تبدل کا امکان نہیں، اور وہاں سے وہ نہایت حفاظت کے ساتھ صاحب وحی کے پاس پہنچ جاتا ہے)

وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور زمین کی، اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے ف۴ بے شک جن لوگوں نے

فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ

ایمان والوں اور ایمان والیوں کو ستایا اور پھر توبہ نہیں کی تو اُن کے لئے جہنم کا

جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿١٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

عذاب ہے اور ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے ف۵ بے شک جو لوگ ایمان لائے،

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا

اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے، اُن کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں

الْاَنْهٰرُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿١١﴾ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ

جاری ہوں گی، اور یہی بڑی کامیابی ہے ف٦ بے شک آپ کے پروردگار کی دارو گیر

لَشَدِيْدٌ ﴿١٢﴾ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿١٣﴾ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ

بڑی سخت ہے وہ وہی تو ہے جو (اول بار) پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا، ف٧ اور وہی بڑا بخشنے والا ہے،

الْوَدُوْدُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٦﴾

بڑا محبت کرنے والا ہے، عرش کا مالک ہے، عظمت والا ہے ف٨ وہ جو چاہے سب کچھ کر گزرتا ہے ف٩

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿١٨﴾

ہاں کیا آپ کو اُن لشکریوں کا بھی قصہ پہنچا ہے (وہی) فرعون اور ثمود کا ف١٠

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِیْ تَكْذِيْبٍ ﴿١٩﴾ وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ

اصل یہ ہے کہ کافر تکذیب میں لگے ہوئے ہیں، اور اللہ اُنہیں ادھر اُدھر سے

مُّحِيْطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾

گھیرے ہوئے ہے ف١١ اصل یہ ہے کہ یہ بزرگی والا قرآن ہے، لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ف١٢

آیاتها ۱۷ ۸۶ سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ ۳۶ رکوعها ۱

اس کی سترہ آیتیں ہیں سورۃ الطارق مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ

قسم ہے آسمان اور رات کو نمودار ہونے والی (چیز) کی، اور آپ کو کیا خبر کہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے؟ وہ روشن

الثَّاقِبُ ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ

ستارہ ہے، کوئی جان ایسی نہیں کہ اُس پر ایک یاد رکھنے والا (فرشتہ) مقرر نہ ہو ف۱ سو انسان کو

الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْ

دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، وہ ایک اُچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے، جو

بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾ يَوْمَ

پشت اور پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے وہ (اللہ) اُس کے دوبارہ پیدا کرنے پر یقیناً قادر ہے ف۲ (سو) جس روز

تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ

(سب) راز فاش ہو جائیں گے تو انسان کو نہ خود قوت ہوگی اور نہ کوئی (اس کا) مددگار ہوگا ف۳ قسم ہے بارش والے

ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ

آسمان کی، اور پھٹ جانے والی زمین کی کہ یہ (قرآن) ایک قول

فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾

فیصل ہے، ف۴ اور یہ کوئی لغو کلام نہیں ف۵ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں،

وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

اور میں بھی تدبیر کر رہا ہوں، سو آپ کافروں کو یوں ہی رہنے دیجیے، کچھ روز یوں ہی رہنے دیجیے ف۶

ف۱ (اور اعمال پر محاسبہ یقینی ہے) مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آسمان پر ستارے موجود تو ہر وقت ہیں مگر اُن کا ظہور شب ہی میں ہوتا ہے، اسی طرح اعمال سب کے سب نامۂ اعمال میں محفوظ اس وقت بھی ہیں، مگر اس کا ظہور قیامت میں ہوگا۔ (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ف۲ (اور اس کو مستبعد سمجھنا خود ایک تمامتر احمقانہ خیال ہے) فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ...... دَافِقٍ۔ یعنی انسان اپنے آغاز وابتداء پر غور کیا تو کرے۔ اس مراقبہ سے موت و معاد کی یاد تازہ ہوتی رہے گی۔ ؎
بہ آغاز روکن کہ پایاں ہمین است رَجْعِهٖ۔ ضمیر انسان کی طرف ہے۔
ف۳ یعنی نہ خود اس میں مدافعت کی قوت ہوگی، اور نہ باہر سے کوئی حمایتی ہاتھ آئے گا۔ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ۔ یہ وقت وہ ہوگا جب انکشاف حقائق ہر قسم کا واقع ہو کر رہے گا۔ اور اخفاء کسی قسم کا کسی سے ممکن نہ ہوگا۔ ف۴ قولِ فیصل حق اور باطل کے باب میں بھی، اور قولِ فیصل اپنے ثبوت اعجاز کے اعتبار سے بھی۔ — تاکید اور زور کے موقع پر قسمیں کھانا اسلوب عرب میں عام تھا۔ ذَاتِ الصَّدْعِ۔ زمین جو بیج نکلتے وقت شق ہو جاتی ہے، اُس کی طرف اشارہ ہے۔ — مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس طرح بارش آسمان سے آتی ہے، اور عمدہ زمین کو فیضیاب کرتی ہے، اس طرح قرآن مجید بھی آسمان ہی سے اُترا ہے، اور جس سینہ میں قبول کی قابلیت ہوگی، اسے مالامال کر دے گا۔ ف۵ (جیسا کہ یہ احمق فرض کر رہے ہیں) ف۶ (اور نہ ان کی مخالفت سے گھبرائیے، اور نہ اُن کے جلد ہی معذب ہونے کی کوشش کیجیے) اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا۔ یعنی یہ حق کی مخالفت میں ہر طرح کا زور لگا رہے اور ساری ہی چالیں چل رہے ہیں۔ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا۔ یعنی اُدھر سے خدائی تدبیریں اُن کے انتقام و عقوبت کی ہو رہی ہیں۔ کید پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔ حق تعالیٰ کی جانب منسوب ہو کر جب یہ لفظ آتا ہے، تو مراد ہوتی ہے معاندین کی چالوں کو اُلٹ دینے سے۔

ع ۱۷ / ۱۱

آیاتها ١٩ ٨٧ سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ ٨ رکوعها ١

اس کی اُنیس آیتیں ہیں سورۂ اعلیٰ مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ﴿١﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ﴿٢﴾

آپ تسبیح کیجئے اپنے عالی شان پروردگار کے نام کی، جس نے خلق کیا، پھر ٹھیک ٹھیک بنایا ف١

وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۙ﴿٣﴾ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۙ﴿٤﴾ فَجَعَلَهٗ

اور جس نے انداز دیا پھر راہ بتلائی ف٢ اور جس نے چارہ (زمین سے) نکالا، پھر اُسے

غُثَاۗءً اَحْوٰى ۭ﴿٥﴾ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ﴿٦﴾ اِلَّا مَا شَاۗءَ

سیاہ کوڑا کردیا ف٣ ہم آپ کو (قرآن) پڑھا دیا کریں گے پھر آپ (اُسے) نہ بھولیں گے ہاں البتہ اللہ ہی جو کچھ

اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۭ﴿٧﴾ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ښ﴿٨﴾

(بھلا دینا) چاہے ف٤ وہ ہر ظاہر اور ہر مخفی کو جانتا ہے ف٥ اور ہم اس آسان (شریعت) کے لئے آپ کو سہولت ف٦ دے دیں گے،

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۭ﴿٩﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۙ﴿١٠﴾

سو آپ نصیحت کرتے رہیے اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو ف٧ نصیحت مانتا وہی ہے جو خشیت رکھتا ہے،

وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۙ﴿١١﴾ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿١٢﴾ۚ

اور اس سے گریز وہ کرتا ہے جو سخت بدنصیب ہے، جو (آخر) بڑی آگ میں پڑے گا،

ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۭ﴿١٣﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ﴿١٤﴾

پھر اُس میں نہ مر ہی جائے گا نہ جئے گا ف٨ بامراد ہوا وہ جو پاک ہو گیا،

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۭ﴿١٥﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ

اور اپنے پروردگار کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا ف٩ اصل یہ ہے کہ تم مقدم دنیوی زندگی کو

ف١ کمالات الٰہی میں سے یہاں دو الگ الگ کمالات کا ذکر ہے۔ پہلا کمال عمل خلاقی کا کہ ایک ایک معدوم کو موجود کر دیا۔ دوسرا کمال عمل صناعی کا، کہ ہر شے کو اس کے ہر ہر جز و میں بالکل ٹھیک اور ہر طرح کے تناسب و موزونیت کے ساتھ بنایا۔ سَبِّحِ...... الْاَعْلٰی۔ یہی وہ تسبیح ہے جو سجدۂ نماز کی حالت میں ساری اُمت کے لیے لازمی قرار دے دی گئی۔ ف٢ (ہر جاندار کو اُس کے مناسب اعمال اور ضروری اشیاء کی طرف) یعنی ہر ایک کی طبیعت میں اُن مناسب حال چیزوں کا تقاضا پیدا کر دیا۔ الَّذِیْ قَدَّرَ۔ یعنی مناسب ماحول ہر جاندار کے لیے انداز دے دیا۔ ف٣ پہلے مثالیں حیات حیوانی میں تصرفات کی بیان ہوئیں، اب حیات نباتی میں تصرفات کی بیان ہو رہی ہیں۔ وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی۔ یہ چارہ کی سبز، خوشنما حالت کی طرف اشارہ ہے۔ ف٤ (اپنی کسی مصلحت سے، سو وہ اس پر بھی قادر ہے) بہرحال اس کلام کا یاد رکھانا ہو تو اور اُس کے کسی جزو کو بھلا دینا ہو تو ہمیشہ وہی قرین حکمت و مطابق مصلحت ہی ہو گا۔ سَنُقْرِئُكَ۔ اشارہ قرآن مجید کی جانب ہے، جو طریق طاعت بتانے ہی کے لیے ہے۔ ف٥ (اور اُس سے کسی چیز کی کوئی بھی مصلحت مخفی نہیں) چنانچہ کسی کلام کا محفوظ رکھنا ہی جب مصلحت ہوتا ہے، حق تعالیٰ اُسے محفوظ رکھتا ہے اور جب اُسے بھلا دینا ہی مصلحت ہوتا ہے تو وہ اُسے بھلا بھی دیتا ہے۔ ف٦ (اور اُس کے تحت میں سہولت حفظ، سہولت فہم، سہولت عمل، سہولت تبلیغ، ہر قسم کی سہولتیں آ گئیں) ف٧ (اور فی نفسہٖ تو وہ نصیحت مفید ہے ہی) فَذَكِّرْ۔ یعنی اسی تسبیح و تقدیس کی نصیحت کرتے رہیے۔ حاصل کلام یہ کہ آپ اپنی بھی تکمیل کیجئے۔ اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کیجئے۔ چیز فی نفسہٖ بھی ضروری اور ہم خود آپ کے معاون۔ ف٨ یعنی نہ اس معنٰی میں مرے گا کہ درد و اذیت کا احساس باطل ہو جائے، اور نہ جئے گا اس معنٰی میں کہ راحت و لذت کسی قسم کی بھی محسوس کر سکے۔ ف٩ یعنی عقائد و اعمال میں راہ طاعت پر قائم رہا۔ مَنْ تَزَكّٰی۔ یعنی جس نے اپنے کو قرآن اور رسول ﷺ کے ذریعہ سے، عقائد و اخلاق کی ساری خباثتوں سے پاک صاف کر لیا۔ قَدْ اَفْلَحَ۔ فلاح کا مفہوم دنیوی و اُخروی ساری کامیابیوں کا جامع ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ دو مختصر آیتیں اہل طریق کے اعمال مقصودہ کی جامع ہیں۔

الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِى

رکھتے ہو، حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے ف۱۰ بے شک یہ (مضمون) اگلے

الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ﴿۱۹﴾

صحیفوں میں ہی ہے (یعنی) ابراہیم اور موسٰی کے صحیفوں ف۱۱

ع ۱۹/۱۲

اٰیاتھا ۲۶ ۸۸ سُوْرَةُ الْغَاشِیَةِ مَکِّیَّةٌ ۶۸ رکوعھا ۱

اس کی چھبیس آیتیں ہیں سورۃ الغاشیہ مکہ میں نازل ہوئی، اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴿۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ

آپ کو اُس محیط عام واقعہ کی بھی خبر پہنچی ہے؟ ف۱ (بہت سے) چہرے اُس روز

خَاشِعَةٌ ﴿۲﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿۳﴾ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ﴿۴﴾

ذلیل ہوں گے، مصیبت جھیلتے ہوں گے، خستہ ہوں گے، جلتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ﴿۵﴾ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ

کھولتے ہوئے چشمے سے انہیں پانی پلایا جائے گا، انہیں کوئی کھانا نہ ملے گا، بجز خاردار

ضَرِيْعٍ ﴿۶﴾ لَّا يُسْمِنُ وَ لَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ﴿۷﴾ وُجُوْهٌ

(درخت) کے، کہ نہ وہ فربہ کرے گا، اور نہ بھوک ہی رفع کرے گا ف۲ (بہت سے) چہرے

يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿۸﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿۹﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۱۰﴾

اُس روز بارونق ہوں گے، اپنے کام کی بدولت خوش ہوں گے، بہشت بریں میں ہوں گے،

لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿۱۱﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فِيْهَا سُرُرٌ

اُس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے، اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے ف۳ اس میں اُونچے اُونچے تخت بھی

وقف لازم

ف۱۰ یہاں اہلِ طغیان کی غفلت کا اصل راز بتادیا۔ اور اُن سے کہہ دیا کہ تم جو ہدایت یاب نہیں ہوتے، تو اس کی اصل بنیاد یہ ہے کہ آخرت کی تمہارے اندر کوئی طلب ہی نہیں، تم سارے عظیم الشان نظام کائنات کے چھوڑے ہوئے اپنی سطحیت وحمق سے اُس کے صرف ایک اقل قلیل جز یعنی اسی ناسوتی، مادی زندگی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہو! ف۱۱ صحفِ موسٰی سے مراد حضرت موسٰی علیہ السلام پر نازل شدہ اصلی صحیفے ہیں۔ یعنی یہ جزاء وسزا اُخروی کا مضمون کچھ آج کا نو پیدا نہیں، حضرات انبیاء کے ذریعہ سے جو تعلیمات الٰہی دنیا کو پہنچی ہیں، یہ اُس کا جزو ہمیشہ رہا ہے۔ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ۔ ابراہیمی نوشتے بھی آج اُسی طرح گم ہیں، جس طرح اور بہت سے انبیاء کے صحیفے — البتہ ۱۸۹۲ء میں، ام، آر جیمس نے یونانی زبان سے ایک قدیم ''صحیفۂ ابراہیمی'' کا ترجمہ کیمبرج سے شائع کیا تھا، اور پھر اور بھی یورپی زبانوں میں اُس کے ایڈیشن نکلے تھے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔ وَمُوْسٰى۔ صحف موسٰی سے مراد وہی اصل صحیفے ہو سکتے ہیں جو خود حضرت موسٰی پر نازل ہوئے تھے۔ موجودہ بائبل کے ابتدائی پانچ صحیفے انہیں صحف موسٰی کی محرف یادگاریں ہیں۔ ف۱ سورۃ کی ابتداء سوالیہ جملہ سے خطبات عرب کے عین اسلوب بیان کے مطابق ہے اس طرز خطاب سے مقصود سامعین کے دل میں مزید اشتیاق وجستجو پیدا کرنا، نیز موضوع خطاب کی اہمیت جتلانا ہے۔ اَلْغَاشِيَةِ۔ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ وہ دن صحیح معنٰی میں غاشیہ ہی ہوگا کہ اس کا اثر تمام عالم کو محیط ہوگا، اور کوئی چیز بھی اُس سے باہر نہ رہے گی۔ ف۲ (کہ یہی دو مقصد غذا کے ہو سکتے ہیں) لَيْسَ...... ضَرِيْعٍ۔ طعام کا حصر آیت میں حصر اضافی ہے۔ مقصود صرف ایسی غذاؤں کی نفی ہے، جو جزو بدن بن سکیں، کھانے کے لائق ہوں، معدہ وطبیعت کے لیے قابل قبول ہو کر بھوک کی تکلیف دُور کر سکیں۔ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ۔ لفظی معنٰی ہیں ''بڑے محنت اُٹھانے والے، بہت خستہ ہونے والے''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے اس کے معنٰی نساک اہل کتاب مروی ہیں، یعنی اہل کتاب میں سے بڑی بڑی ریاضتیں کرنے والے۔ **هؤلاء النساک من الیهود و النصارٰی کما اخرجه ابن ابی حاتم عن ابن عباس** (روح) اور انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما صحابی سے متعلق صحیح بخاری میں یہ مذکور ہے کہ آپ ان الفاظ سے نصاریٰ مراد لیتے ہیں۔ **و قال البخاری قال ابن عباس عاملة ناصبة النصارٰی** (ابن کثیر) بعض نے وسعت دے کر کل اہلِ باطل و اہلِ ضلال کے عابدوں اور مرتاضوں کو اس میں شامل کر لیا ہے۔ **قال عطاء عن ابن عباس یعنی الذین عملوا و نصبوا فی الدنیا علٰی غیر دین الاسلام من عبدة الاوثان و کفار اهل الکتاب مثل الرهبان و غیرهم** (ابن کثیر) **قیل هم اصحاب الصوامع من الیهود والنصارٰی و عبدة الاوثان والمجوس والمعنی انها خشعت لله و عملت و نصبت فی اعمالهم من الصوم الدائب والتهجد الواصب** (کبیر) **و یشمل غیرهم مما شاکلهم من نُسّاک اهل الضلال** (روح) **والاٰیة فی القسّیسین و عباد الاوثان و کل مجتهد فی کفره** (بحر) اگر مزید توسع سے کام لیا جائے تو آجکل کے بڑے بڑے صناع اور انجینئر اور دوسرے ماہرین فن، جو دن رات کامل آخرت فراموشی کے ساتھ، اپنی اپنی صنعتوں، حرفتوں اور ہنرمندیوں میں منہمک ومستغرق رہتے ہیں، سب اسی وعید کے تحت میں آجاتے ہیں۔ ف۳ لَا...... لَاغِيَةً۔ ماحول کے انتہائی خوشگوار ودلپذیر ہونے کا بیان ہے کہ اہل جنت کے کان میں بھنک تک کسی ایسی آواز کی نہ پڑے گی، جو طبعی یا عقلی یا کسی اور حیثیت سے گراں گزرے۔ عَيْنٌ۔ صورۃً مفرد ہے، معنًی جمع ہے، یعنی اسم جنس۔

مَّرْفُوْعَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّ نَمَارِقُ

(بچھے ہوئے) ہیں، اور آبخورے ہیں سامنے چنے ہوئے، اور گدے ہیں

مَصْفُوْفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿۱۶﴾ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى

برابر سے لگے ہوئے، اور قالین ہیں (سب طرف) پھیلے ہوئے ف۴ یہ لوگ کیا اُونٹ پر نظر نہیں

الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَ اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾

کرتے کہ وہ کیسی (عجیب) طرح پیدا کیا گیا ہے، اور آسمان پر کہ کیسی (عجیب) طرح بلند کیا گیا ہے،

وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَ اِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ

اور پہاڑوں پر کہ کیسی (عجیب) طرح کھڑے کیے گئے ہیں، اور زمین پر کہ کیسی (عجیب) طرح

سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ

بچھائی گئی ہے؟ ف۵ تو آپ نصیحت کر دیا کیجئے، آپ تو صرف نصیحت ہی کرنے والے ہیں، آپ اُن پر کچھ

بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ

مسلط تو ہیں نہیں ف۶ ہاں البتہ جو روگردانی کرے گا اور کفر کرے گا، تو اللہ اُس کو بڑی ہی سزا

الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾ ع

دے گا بے شک اُن کا آنا ہمارے ہی پاس ہوگا، پھر ہمارا ہی کام اُن سے حساب لینا ہوگا ف۷

اٰیاتها ۳۰ ۸۹ سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۰ رکوعها ۱

اس کی تیس آیتیں ہیں سورۃ الفجر مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ اِذَا

قسم ہے فجر کی، اور دس (متبرک) راتوں کی، اور جفت کی اور طاق کی، اور رات کی جب وہ

ف۴ غرض یہ کہ مادی سامان راحت ہر قسم کا اور انتہائی ترتیب وسلیقہ کے ساتھ چنا ہوا موجود ملے گا۔ ف۵ (اور وہ سب اس صنعت گری پر نظر کر کے قدرت الٰہی وصنعت الٰہی پر استدلال نہیں کرتے؟) الْاِبِل، السَّمَآء، الْجِبَال، الْاَرْض ان چار چیزوں کی تخصیص وتصریح اس لیے کہ مخاطب اوّل عرب تھے، اور عرب کا سابقہ انہیں چاروں سے ہر وقت رہتا تھا، صحرا میں پھرتے پھراتے رہتے تو ساتھ اونٹ ہوتے تھے، اور اطراف میں پہاڑ، اُوپر نظر اُٹھائی تو آسمان، نظر نیچی کی تو زمین — ان کے سامنے بحر اوقیانوس اور دریائے گنگا کا نام لینے کے کوئی معنی ہی نہ تھے۔ آیت میں ضمناً یہ بھی آ گیا کہ نہ آسمان، نہ زمین، نہ پہاڑ، نہ جانور کوئی بھی شائبۂ معبودیت والوہیت اپنے اندر نہیں رکھتا۔ جیسا کہ مشرک قوموں نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ یہ سب تمام تر مصنوع ومخلوق ہیں، اور خود وجود صانع عالم پر ایک دلیل۔ الْاِبِل۔ اُونٹ کا وجود راجپوتانہ، سندھ، بلوچستان، صوبہ سرحدی، منگولیا مشرقی ترکستان، ایشیائے کوچک، عراق، شام، فلسطین، مصر، طرابلس، مراقش وغیرہ افریقہ اور ایشیاء کے اکثر علاقوں میں جیسی نعمت ہے، اور عرب کے سارے علاقوں میں جو غیر معمولی نعمت کی حیثیت رکھتا ہے، وہ ہر صاحب خبر پر روشن ہے۔ ف۶ (اس لیے آپ کو زیادہ فکر، تردد وتعب میں پڑنے کی ضرورت نہیں) ف۷ ایاب اور حساب۔ مراجعت اور حساب کتاب اور جزاء وسزا، سب کا تعلق صرف ذات باری سے ہے۔ نہ کوئی شافع مطلق ہے، نہ مختار کل — یہ ضرب مسیحی عقیدۂ شفاعت مطلق پر تو کھلی ہوئی ہے، اور ضمناً دوسرے اہل باطل پر بھی۔

ع ۲۱/۱۳

يَسِّرِ ﴿۴﴾ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ﴿۵﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ

چلنے لگے و۱ یقیناً اس میں قسم ہے صاحب فہم کے لئے و۲ کیا آپ کو خبر نہیں کہ آپ کے پروردگار نے کیا معاملہ

رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي

قوم عاد کے ساتھ کیا، یعنی قوم ارم ستون جیسے قد والی، جس کا مثل شہروں میں پیدا

الْبِلَادِ ﴿۸﴾ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾ وَفِرْعَوْنَ

نہیں کیا گیا و۳ اور قوم ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جو وادیوں میں پتھروں کو تراشتے تھے و۴ اور فرعون

ذِي الْاَوْتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا

میخوں والے کے ساتھ (کیا کیا) و۵ جن (سب) نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا، اور ان میں بہت ابتری

الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ اِنَّ

پھیلا دی تھی، سو آپ کے پروردگار نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسایا و۶ بے شک

رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ

آپ کا پروردگار تاک میں ہے و۷ لیکن انسان! اُسے اُس کا پروردگار جب آزماتا ہے،

فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا اِذَا

یعنی اُسے انعام اکرام دیتا ہے، تو کہتا ہے میرے پروردگار نے میری قدر بڑھا دی و۸ اور جب وہ

مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾

اُسے (اس طرح) آزماتا ہے کہ اس کی روزی اُس پر تنگ کر دیتا ہے، تو کہتا ہے میرے پروردگار نے مجھے بے قدر کر دیا و۹

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ

یہ بات نہیں و۱۰ اصل یہ ہے کہ تم لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے ہو، اور دوسروں کو بھی مسکین کے کھانا دینے کی

الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ

ترغیب نہیں دیتے ہو، اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو، اور مال سے بہت

و۱ یعنی گزرتی ہوئی رات کی۔— گویا یہ لفظ ٹھیک فجر کے مقابلہ میں ہے۔ وَلَيَالٍ عَشْرٍ۔ ذی الحجہ کی پہلی دس تاریخیں مراد ہیں، جن کی بڑی فضیلتیں احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ۔ اپنے عموم اطلاق کے لحاظ سے یہ دو لفظ حاوی ہیں دنیا کے ہر زوج اور ہر فرد پر۔ اور اس طرح کائنات کی ساری ہی اشیاء ان کے تحت میں آجاتی ہیں۔ وَالشَّفْعِ۔ ذی الحجہ کی متبرک دسویں تاریخ مراد لی گئی ہے۔ جسے یوم منٰی بھی کہتے ہیں۔ معابعد حج منٰی میں قیام اور باقی شعائر حج کی ادائی کی تاریخ ہوتی ہے۔ وَالْوَتْرِ۔ ذی الحجہ کی متبرک ترین نویں تاریخ مراد لی گئی ہے۔ جو عین یوم الحج اور عرفات میں حاضری کی تاریخ ہوتی ہے۔ و۲ یعنی اوپر جو قسمیں مذکور ہوئیں، ان میں سے ہر قسم اہل فہم کے لئے تاکید کلام ہی کا پہلو رکھتی ہے۔ هَلْ۔ یہاں استفہامی نہیں، تاکید مفہوم کے لئے ہے۔ ذٰلِكَ۔ یعنی جو ابھی مذکور ہو چکا۔ اے فی ماذکرت (معالم) ذِيْ حِجْرٍ۔ صیغہ کی تنکیر سے مفہوم یہ نکلا کہ ہر شخص جس میں کچھ بھی فہم ہے وہ ایسی قسموں کو معظم سمجھے گا۔ و۳ (زور قوت، قد و قامت کے لحاظ سے) بِعَادٍ۔ قوم عاد پر حاشیہ سورۃ الاعراف (پ۸) میں گزر چکا۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ۔ قوم عاد سے مراد عاد اولیٰ ہے اور ارم اسی کے شجرۂ نسب میں کوئی بڑا شخص ہوا ہے، جس کی جانب وہ قوم منسوب تھی۔ وهم ولد عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح (ابن کثیر) تسمية لهم باسم جدهم (کشاف) هو اسم لجد عاد (کبیر) ارم نسبة لهم باسم جدهم (بحر) الَّتِيْ۔ یعنی وہ قوم یا قبیلہ۔ اے تلک القبيلة (معالم) المراد من السياق انما هو الاخبار عن القبيلة (ابن کثیر) اِرَمَ...... الْبِلَادِ۔ بعض اہل تفسیر نے (اللہ انہیں معاف فرمائے) ارم کے معنی بہشت کے لے کر اور اسے کوئی شہر قرار دے کر بہشت شداد کے قصے عجائب کی تفصیلات کے ساتھ نقل کر دیئے ہیں۔ محققین کا فیصلہ ہے کہ یہ ساری حکایتیں سرتاسر لغو و موضوع ہیں۔ فان هذا كله من خرافات الاسرائيليين من وضع بعض زنادقهم ليختبروا بذالک القول الجهلة من الناس ان تصدقهم فی جميع ذلک (ابن کثیر) وخبر شداد المذکور افوه فی الضعف بل لم تصح روايته كما ذكره الحافظ بن حجر فهو موضوع كخبر ابن قلابة (روح) و۴ قوم ثمود جو اپنے زمانہ میں سنگ تراشی، تعمیر عمارات اور انجینئری میں ممتاز تھی، اس پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ۸) میں گزر چکے۔ و۵ فرعون پر حاشیے بار بار گزر چکے۔ ذِي الْاَوْتَادِ۔ محاورۂ عرب میں اس سے مراد صاحب شوکت و حشمت ہونے سے ہوتی ہے۔ اے ذی الملک والرجال (کبیر) پھر بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ سزا و عذاب کا ایک طریقہ فرعون کے ہاں یہ بھی رائج تھا، کہ مجرم کو زمین پر لٹا کر اس کے ہاتھوں پیروں میں میخیں ٹھونک دی جاتی تھیں۔ ذِي الْاَوْتَادِ کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا۔ علت، کفر سب میں مشترک تھا، اسی طرح معلول، عذاب بھی سب میں مشترک رہا۔ و۶ ان تینوں قوموں کا تعلق مختلف ملکوں اور سرزمینوں سے تھا۔ تاریخی زمانے بھی ان کے الگ الگ ہوئے ہیں۔ جو شے ان سب میں مشترک تھی، وہ ان کی توحید بیزاری اور آخرت فراموشی تھی۔ لازماً عذاب میں بھی تینوں شریک رہے۔ الْفَسَادَ۔ فساد عربی میں صلاح کی ضد ہے، اور فسق و معصیت کی ہر قسم کو شامل۔ الفساد ضد الصلاح فكما ان الصلاح يتناول جميع اقسام البر فالفساد يتناول جميع اقسام الاثم (کبیر) الفساد خروج الشیء عن الاعتدال قليلًا كان الخروج عنه او كثيرا ويضاده الصلاح (راغب) صَبَّ۔ سوط عذاب۔ عذاب کو 'تازیانہ' سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اور اس کے نازل کرنے کو برسانے سے۔ ان استعاروں سے شدت عذاب کا اظہار ہے۔ قال اهل المعانی هذا على الاستعارة لان السوط استعارة عن هم غاية العذاب يجرى ذلک لكل نوع من العذاب (معالم) و۷ (چنانچہ اگلے سرکشوں کو تو وہ ہلاک ہی کر چکا ہے، اور موجودین کی طرف سے بھی غافل نہیں ہے) و۸ ناشکرے انسان کا بھی عجب حال ہوتا ہے۔ جب حق تعالیٰ کی طرف سے اسے جاہ، مال وغیرہ کسی قسم کا بھی اکرام و اعزاز عطا ہوتا ہے، تو مقصود اس سے اس کی شکر گزاری کا امتحان ہوتا ہے، لیکن وہ اپنی حماقت سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ جو کچھ مجھے حاصل ہوا ہے، میری ذاتی قابلیت کا قدرتی ثمرہ ہے، اور میں تو مستحق ہی اسی اکرام و اعزاز کا تھا۔— گویا مقصود بالذات اسی دنیا کو سمجھتا، اور اس کی فراخی کو دلیل اپنی کامیابی کی قرار دیتا ہے۔ الْاِنْسَانُ۔ انسان سے مراد کافر، منکر و مکذب انسان ہے۔ المراد كل من كان موصوفا بهذا الوصف وهو الكافر الجاحد ليوم الجزآء (کبیر) و۹ ناشکرے انسان پر جب مال کی تنگی کر دی جاتی ہے تو مقصود اس سے اس کے صبر و تسلیم کا امتحان ہوتا ہے لیکن وہ ہر طرف شکایت و حکایت کا دفتر کھولے پھرتا ہے، اور دنیا کی کمی کو اپنی محرومی اور بدنصیبی پر محمول کرتا ہے۔ و۱۰ کافر انسان کے یہ سارے خیالات موہوم اور مزعومات باطل ہیں۔ نہ دنیا مقصود بالذات ہے، نہ خوشحالی اترانے کی چیز اور نہ بدحالی دلیل بدنصیبی ہے۔— مقصود تو ہر حال میں انسان کے ظرف کا امتحان ہی رہتا ہے۔

و۱۱ (اور حب مال کے اسی غلو سے مغلوب ہو کر خالق و مخلوق کے حقوق اور شریعت کے قائم کئے ہوئے حدود، سب بھول جاتے ہو) لَا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ۔ یتیم بیچارہ تو اس کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کا اعزاز و اکرام کیا جائے، تم الٹا اسے حقیر و ذلیل سمجھتے ہو۔ اس کے حقوق غصب کرتے ہو، اس کا مال تک کھا جاتے ہو۔ وَلَا ...... الْمِسْكِيْنِ۔ مفلسوں کے حقوق تو شریعت الٰہی نے یہ قائم کر دیئے ہیں کہ انہیں خود کھلاؤ، اور دوسروں کو ان کے کھلانے پلانے پر آمادہ کرتے رہو۔ تم خود تو کیا کھلاتے پلاتے، دوسروں کو بھی اس پر آمادہ نہیں کرتے! وَتَأْكُلُوْنَ ...... لَمًّا۔ یعنی دوسروں کے حقوق تلف و غصب کر لینے میں کیسے دلیر و بیباک ہو۔ وَتُحِبُّوْنَ ...... جَمًّا۔ مال کی نفس محبت تو ایک امر طبعی ہے۔ البتہ اس محبت میں غلو، جس سے دوسروں کی حق تلفی کی نوبت آجائے، سرتاسر ممنوع ہے۔ اور قرآن مجید میں بار بار گرفت اسی پر آئی ہے۔ و۱۲ یعنی اب شہود حقائق کے وقت سمجھ آئی بھی تو کیا، اس کا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کام کی بات تو جب تھی، جب اُس دار الجزاء میں نہیں، اسی دار العمل میں سمجھ درست ہو گئی ہوتی! إِذَا ...... دَكًّا۔ یعنی زمین کی بلندیوں کو توڑ پھوڑ کر ساری سطح ایک کر دی جائے گی۔ وَجَآءَ رَبُّكَ۔ حق تعالیٰ کے تشریف لے آنے سے مراد حشر میں کسی ایسی تجلی کا ظہور ہے، جو اس وقت ناقابل فہم ہے ـــ اور اسی لئے آیت کا شمار متشابہات میں ہے۔ بعض اکابر سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور تقدیر کلام یوں ہے۔ وَجَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ یعنی حق تعالیٰ کے احکام یا فیصلوں کا ظہور ہونے لگے گا۔ قال الحسن جاء امره وقضاءه وقال الكلبي ينزل حكمه (معالم) اے جاء امر ربک بالمحاسبة والمجازاة (کبیر) قيل الكلام على حذف المضاف للتهويل اے وجاء امر ربک وقضاءه سبحانه (روح) وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ۔ یعنی دوزخ میدانِ حشر میں کھینچ کر لے آئی جائے گی۔ الْإِنْسَانُ۔ یہاں بھی انسان سے مراد کافر انسان ہے۔ و۱۳ یہ الفاظ زبان پر کمال حسرت و یاس کے عالم میں آئیں گے۔ لِحَيَاتِيْ۔ خوب خیال کر لیا جائے، یہاں حیات اخروی کو مطلق حیات سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور ہے بھی یہی واقعہ۔ حیات کا اطلاق تو بس اسی حیات پر صحیح ہو سکتا ہے، جس کے بعد موت کی کوئی صورت ہی نہ ہو۔ و۱۴ یعنی وہ سزا اور جزاء ایسی سخت ہوگی کہ اس کی کوئی نظیر و مثال نہیں۔ آیت کے الفاظ عرف انسانی کے مطابق ہیں۔ ہم لوگ آپس میں یونہی بولتے ہیں کہ کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ و۱۵ یہ بشارت ہر مومن کو عین اس وقت ملے گی، جو وقت اس مادی جسم سے انقطاعِ روح کا ہوگا۔ قال ابن زيد وجماعة ان ذلک القول عندالموت (روح) اس وقت اس صدائے بشارت کی جو اہمیت اور معنویت اور ضرورت ہوگی، اسے کوئی اچھا بھلا چنگا انسان، الفاظ کے ذریعہ سے، دوسرے زندہ سلامت تک کیونکر پہنچا دے! اس کی قدر، اور الفاظ کے ذریعہ سے ناقابل اظہار قدر تو عین اسی وقت ہوگی ـــ اب یہ کیا بتایا جائے کہ یہ صدائے جاں نواز کس کی ہوگی! عِبَادِيْ اور جَنَّتِيْ دونوں میں یائے متکلم کے بعد کسی تصریح کی ضرورت ہی کب باقی رہ جاتی ہے؟ يٰٓأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ خطاب اس روح سے ہوگا، جسے حقانیت اسلام پر ایقان و اذعان ہوگا، اور کسی طرح کا شک ہوگا نہ انکار۔ اور ان شاء اللہ اس کا مصداق ہر مومن کی روح ہوگی۔ اصطلاح صوفیہ میں نفوس مطمئنہ وہ نفوس مقدس ہیں، جو رضائے الٰہی اور احکام شرعیہ میں ایسے مطمئن ہو گئے ہیں کہ مخالفت کیا معنی، کراہت و گرانی کا بھی وہم باقی نہیں رہا ہے۔ اور ایسے نفوس حضرات انبیاء کے علاوہ، اولیاء کاملین کے بھی ہوتے ہیں۔ ارْجِعِيْٓ إِلٰى رَبِّكِ۔ یعنی اے روح مطمئن، اپنے پروردگار کے جوار رحمت کی طرف چل۔ اے الى محل عنايته تعالى وموقف كرامته (روح) اے الى جواره وثوابه (ابن کثیر) رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ یعنی اس حالت میں چل کہ اللہ تجھ سے خوش ہو اور تو اللہ سے خوش۔ فِيْ عِبٰدِيْ۔ مرتبۂ عبدیت کی افضلیت بالکل اس لفظ سے ظاہر ہے، عارفین محققین نے کہا ہے کہ مرتبۂ عبودیت مراتب عالی کا آخر ترین اور اعلیٰ ترین مقام ہے، اس لئے کہ اس میں داخلہ کا حکم مقام اطمینان کے بعد ہو رہا ہے۔ جَنَّتِيْ۔ ضمیر واحد متکلم شرف و اختصاص کے لئے ہے۔ قرآن مجید کی جو آیتیں ہر عاصی مایوس کے لئے آخری سہارا اور تن مردہ کے لئے حیات بخش ہیں۔ ان میں سورۃ الفجر کی یہ چار مختصر آیتیں بھی ہیں۔ ہر صاحب دل کے لئے وجد آفریں ـــ اے اللہ تو اس نامۂ سیاہ راقم تفسیر کو بھی آخری وقت اسی صدائے دلنواز سے مشرف کر، اور اس کے ہر عزیز قریب، مخلص و متوسل کو بھی، بلکہ ہر کلمہ گو کو!

الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝٢٠ كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝٢١

ہی زیادہ محبت رکھتے ہو۔ و۱۱ یہ بات ہرگز نہیں (کہ عذاب نہ ہوگا) جس وقت زمین کو توڑ توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا،

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝٢٢ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ

اور آپ کا پروردگار اور فرشتے آئیں گے، اور جہنم کو اُس روز

بِجَهَنَّمَ ۚ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝٢٣

لایا جائے گا اُس روز انسان کو سمجھ آئے گی اور اب سمجھ آنے کا موقع کہاں رہا و۱۲

يَقُولُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ۝٢٤ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ

اور کہے گا کہ کاش میں اپنی زندگی کے لئے کوئی عمل پہلے بھیج چکا ہوتا و۱۳ غرض اُس روز نہ تو اللہ کے عذاب کی طرح کوئی

عَذَابَهٗٓ أَحَدٌ ۝٢٥ وَّلَا يُوثِقُ وَثَاقَهٗٓ أَحَدٌ ۝٢٦ يٰٓأَيَّتُهَا

عذاب دینے والا نکلے گا، اور نہ اُس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نکلے گا و۱۴ اے

النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝٢٧ ارْجِعِيْٓ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً

اطمینان والی روح، تو اپنے پروردگار کی طرف چل، خوش ہوتی ہوئی

مَّرْضِيَّةً ۝٢٨ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝٢٩ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝٣٠

اور خوش کرتی ہوئی، پھر تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا، اور میری جنت میں جا داخل ہو۔ و۱۵

ع ۱۴

آیاتہا ۲۰ ۹۰ سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ٣٥ رکوعہا ۱

اس کی بیس آیتیں ہیں سورۃ البلد مکہ نازل ہوئی، اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لَآ أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝١ وَأَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝٢

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی، اور آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے و۱

و۱ شہر سے مراد شہر مکہ ہے، جہاں ان آیات کے نزول کے وقت تک رسول اللہ ﷺ مقیم تھے۔ لَآ أُقْسِمُ۔ اس ترکیب الفاظ پر حاشیہ پہلے گذر چکا، اقسام قرآنی کے لئے ملاحظہ ہو پ۱۴ کا ضمیمہ۔ وَأَنْتَ ...... الْبَلَدِ۔ یہ پیشگوئی بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ اور آپ ﷺ کے رسول برحق ہونے پر خود ایک مستقل دلیل ـــ مکہ کی اس مجبوری، محصوری مظلومی کی زندگی میں کوئی بشر خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ ﷺ بھی کبھی جہاد و قتال (اور وہ بھی فاتحانہ) کا اعلان کر سکیں گے۔ مسیحی مؤرخ سر ولیم میور نے کہا ہے کہ سورت کا اصل موضوع، یعنی خیر و شر کے دو راہے کا اعلان، پیمبر ﷺ کی ایماندارانہ جستجوئے حق کا ثبوت ہے ـــ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

ف۲ وَالِدٍ۔ سے مراد ہر باپ بھی ہوسکتا ہے، اور سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام بھی۔ اسی طرح مَاوَلَدَ سے مراد فرداً فرداً ہر بیٹا بھی ہوسکتا ہے، اور پوری نسل آدم بھی۔ وقال مجاهد وابو صالح وقتادة والضحاک وسفیان الثوری و سعید بن جبیر والسدی والحسن البصری وخصیف وشرجیل بن سعد وغیرهم یعنی بالوالد ادم وماولد ولده وهذا الذی ذهب الیه مجاهد واصحابه (ابن کثیر) واختار ابن جریر انه عام فی کل والد وولده وهو محتمل ایضًا (ابن کثیر) ف۳ (جس کا مقتضا یہ تھا کہ اس میں احساس عجز و درماندگی اور زیادہ پیدا ہوتا رہتا) مراد یہ ہے کہ انسان کی ساخت و ترکیب ہی ایسی رکھ دی گئی ہے کہ اسے ساری عمر دقتوں کا، اور کسی نہ کسی اعتبار سے مصیبتوں ہی کا سامنا رہے۔ آج دوکان ٹوٹ گئی، کل کاروبار بیٹھ گیا۔ آج فلاں دشمن ستا رہا ہے۔ کل فلاں مرض نے آدبایا، کبھی خود بیمار، کبھی بیوی بچہ بیمار۔ کبھی اس عزیز کی موت کا صدمہ، کبھی اس دوست کی بیوفائی کا رنج۔ ساری عمر غم و صدمات ہی کے الٹ پھیر میں گزر جاتی ہے۔ اور انسان کو اپنے عجز و بے بسی کا مشاہدہ قدم قدم پر ہوتا رہتا ہے۔ اس سے طبیعت میں قدرۃً شکستگی پیدا ہونی چاہئے، اور خودی و خود بینی کو تو پاس بھی نہ پھٹکنا چاہئے۔ لیکن کافران سارے واقعات سے مطلق سبق نہیں لیتا۔ مومن کو تو ہر شے میں حکمت الٰہی کی جھلک نظر آجاتی ہے، اور وہ ربوبیت مطلقہ پر اعتماد و اطمینان رکھ لیتا ہے۔ لیکن کافر کو دماغی الجھن اور قلبی ادھیڑ بن سے کسی حال میں مفر نہیں۔ اور نہ اس کی حرص و ہوس کی آگ کبھی بجھتی ہے۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ؕ﴿۴﴾

اور قسم ہے باپ کی اور اولاد کی ف۲ کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت کے لئے پیدا کیا ہے ف۳

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ

کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہ چلے گا؟ ف۴ کہتا ہے کہ میں نے اتنا ایک مال

مَالًا لُّبَدًا ؕ﴿۶﴾ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ؕ﴿۷﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ

اُڑا ڈالا، کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اُسے کسی نے دیکھا نہیں؟ ف۵ کیا ہم نے نہیں بنائیں

لَّهٗ عَیْنَیْنِ ۙ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ ۙ﴿۹﴾ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ۚ﴿۱۰﴾

اس کے لئے دو آنکھیں، اور ایک زبان اور دو ہونٹ؟ ف۶ اور ہم ہی نے اُسے دونوں راستے بتلا دیئے ف۷

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۖ﴿۱۱﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ؕ﴿۱۲﴾ فَكُّ

مگر وہ (شخص) گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا ف۸ اور آپ سمجھے کہ گھاٹی کیا ہے؟ وہ گردن کا

رَقَبَةٍ ۙ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ۙ﴿۱۴﴾ یَّتِیْمًا

چھڑانا ہے، یا کھانا کھلانا ہے فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار

ذَا مَقْرَبَةٍ ۙ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ؕ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ

یتیم کو یا کسی خاک نشین محتاج کو ف۹ اور تو اور، یہ اُن لوگوں میں سے نہ ہوا

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ؕ﴿۱۷﴾

جو ایمان لائے اور (جنھوں نے) ایک دوسرے کو ثبات کی فہمائش کی اور ایک دوسرے کو رحم کی فہمائش کی تھی ف۱۰

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ؕ﴿۱۸﴾ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا

یہی لوگ داہنے والے ہیں ف۱۱ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے

هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ؕ﴿۱۹﴾ عَلَیْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۠﴿۲۰﴾

تو وہ لوگ بائیں والے ہیں، اُن پر بند کی ہوئی آگ محیط ہو گی ف۱۲

وقف لازم — ع ۱ / ۱۵

فِیْ كَبَدٍ۔ فی کا مفہوم اس سیاق میں اردو "کے لئے" ہی سے ادا ہوسکتا ہے۔ فی یہاں ل کے معنی میں ہے۔ وحرف فی واللام متقاربان بان تقول انما انت للعناء والنصب وانما انت فی العناء والنصب (کبیر) الْاِنْسَانَ۔ انسان سے یہاں بھی مراد کافر، ناشکرا انسان ہے جسے زندگی کے کسی پہلو میں بھی چین نہیں۔ ف۴ یعنی وہ اتنی غفلت اور بھول میں پڑ گیا ہے کہ اپنے کو گویا اللہ کے حدود قدرت سے بھی خارج سمجھنے لگا ہے۔ ف۵ کیا وہ غافل و سرکش انسان اس بھول میں پڑا ہوا ہے کہ اس کی یہ مسرفانہ نافرمانیاں ایک ایک کر کے دیکھی نہیں جارہی ہیں، اور رتی رتی کا حساب کیا اسے دینا نہ ہوگا؟ یَقُوْلُ۔ یعنی یہ وہ بڑے فخر اور شیخی کے ساتھ کہتا ہے۔ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا۔ ڈھیروں مال کا یہ اڑا ڈالنا یا لٹا ڈالنا ظاہر ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کی معصیتوں ہی میں ہوا۔ لَمْ یَرَهٗۤ۔ لم یہاں لن کے معنی میں ہے۔ تحقق وقوع کے اظہار کے لئے۔ ولم بمعنی لن ویعبر بها لتحقق الوقوع (روح) ف۶ (اور ان ساری نعمتوں کا مقتضا کیا یہ نہ تھا کہ وہ طاعت و شکر گزاری میں لگ جاتا؟) آنکھیں انسان کے لئے خارج کے محسوسات و مدرکات کے باب میں سب سے بڑی نعمت ہیں، اور زبان اور ہونٹ مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ شاید اسی لئے یہی تین نعمتیں نام کی صراحت کے ساتھ یہاں بیان ہوئیں۔ ف۷ (کہ خیر و ہدایت کا راستہ چلنے کے لئے ہے، اور شر و خلاف کا بچنے کے لئے) ف۸ (باوجود ان سارے مقتضیات کے) اَلْعَقَبَةَ۔ لفظی معنی پہاڑ کی گھاٹی کے ہیں۔ العقبة طریق وعر فی الجبل (راغب) یہاں مراد دین کی گھاٹی ہے۔ اور دین کے کاموں کو گھاٹی اس لئے کہا گیا کہ وہ بھی نفس پر شاق گزرتے ہیں۔ ضمیر فاعلی برابر کافر انسان کی طرف چل رہی ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دین کو گھاٹی سے تشبیہ دینے سے ترغیب مجاہدہ کی نکلتی ہے۔ ف۹ قرآن مجید نے اپنے لائے ہوئے لفظ اَلْعَقَبَةُ کی یہ خود تفسیر کر دی یعنی دین کے کاموں سے مراد اس قسم کے کام ہیں:۔ غلاموں کو آزاد کرنا، قحط و گرانی کے زمانہ میں بھوکوں کو کھانا کھلانا، یتیموں کی خدمت کرنا، محتاجوں کی خبر لینا --- مکی سورتیں اس قسم کے اخلاقی احکام کی تاکید و تفصیل سے بھری پڑی ہے۔ مَسْغَبَةٍ۔ سغب کے معنی میں، اور مقربة قرابت کے معنی میں اور مَتْرَبَةٍ فقر کے معنی میں، تینوں، مصدر میمی ہیں۔ ف۱۰ ثُمَّ یہاں تفخیم مرتبہ کے لئے ہے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) یعنی وہ پہلی فضیلتیں تو یہ بدبخت کافر کیا حاصل کرتا، اس سے اتنا بھی نہ ہوا کہ یہ ایمان تو لے آتا اور اقل مرتبہ صبر و رحمت ہی کی تلقین و تبلیغ کرتا۔ فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ آیت سے فضیلت تین چیزوں کی نکلی۔ ایک ایمان لانے کی، دوسرے اس پر ثابت رہنے کی، تیسرے ترک ظلم کی۔ پوری آیت کا عطف فقرۂ منفی یعنی فلا اقتحم العقبة پر ہے۔ عطف علی المنفی اعنی اقتحم فکانه قیل فلا اقتحم ولا امن (روح) وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ تمام حقوق اللہ کی ادائی کا جامع ہے، جس طرح تواصوا بالمرحمة تمام حقوق العباد کی ادائی کا جامع۔ وذکر امرا تواصوا بالصبر اشارة الی تعظیم امر اللہ و تواصوا بالمرحمة اشارة الی شفقة علی خلق اللہ وهما اصلان علیهما مدار الطاعة (روح) ومدار امر الطاعات لیس الاعلی هذین الاصلین وهو الذی قال بعض المحققین ان الاصل فی التصوف امران صدق مع الحق وخلق مع الخلق (کبیر) ف۱۱ یعنی نیک بخت، خوش نصیب، اہل ایمان اور نجات پا جانے والے --- یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر ابھی متصل آیت میں آچکا۔ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ۔ پر حاشیے پ۲۹ میں گزر چکے۔ ف۱۲ داہنے ہاتھ والوں کے مقابلہ میں یہ بائیں ہاتھ والے بدبخت و منحوس کافر اور اہل جہنم ہوں گے --- اصحاب الشمال پر حاشیہ پ۲۹ میں گزر چکا۔ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا۔ یہ لوگ ایمان تک نہ لائے کفر ہی میں مبتلا رہے۔ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ۔ کافروں کو جہنم سے نکلنا تو نصیب ہوگا نہیں، اس لئے دوزخ کے دروازے بھی ان پر ہر طرف سے بند کر دیئے جائیں گے۔ آیت کے ان الفاظ سے صاف اشارہ خلود عذاب جہنم کی طرف نکل رہا ہے۔ قال مقاتل یعنی ابوابها مطبقة فلا یفتح لهم باب ولا یخرج منها ولا یدخل فیها روح ابد الآباد (کبیر)

ایاتها ۱۵ ۹۱ سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ ۲۶ رکوعها ۱

اس کی پندرہ آیتیں ہیں سورۃ الشمس مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ﴿۱﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ﴿۲﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا

قسم ہے آفتاب اور اُس کی روشنی کی، اور چاند کی جب وہ آفتاب کے پیچھے آئے ف۱ اور دن کی جب وہ

جَلّٰىهَا ﴿۳﴾ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰىهَا ﴿۴﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ﴿۵﴾

آفتاب کو خوب روشن کردے، اور رات کی جب وہ آفتاب کو چھپالے ف۲ اور آسمان کی اور اس کی جس نے اُسے بنایا،

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ﴿۶﴾ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا

اور زمین کی اور اُس کی جس نے اسے بچھایا اور جان کی اور اس کی جس نے اُسے درست بنایا ف۳ پھر اُس کی بدکرداری

فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿۸﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ

اور اس کی پرہیزگاری (دونوں) کا اُسے القاء کیا ف۴ کہ وہ یقیناً بامراد ہوگیا جس نے اپنی جان کو پاک کرلیا اور وہ یقیناً

خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾

نامراد ہوا جس نے اُس کو دبا دیا ف۵ قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر تکذیب کی،

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ

جب کہ اس (قوم) کا سب سے بڑا بدبخت اُٹھ کھڑا ہوا ف۶ اور اُن لوگوں سے اللہ کے رسول نے کہا کہ اللہ کی

اللّٰهِ وَسُقْیٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۪ فَدَمْدَمَ عَلَیْهِمْ

اونٹنی اور اس کے پانی پینے سے خبردار رہنا ف۷ پر انہوں نے پیمبر ہی کو جھٹلایا اور اس اونٹنی کو مار ڈالا تو اُن کے پروردگار نے ان پر

رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا یَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾ ع

اُن کے گناہ کے سبب ہلاکت نازل کی، پھر اُسے عام کردیا، اور اس کے اخیر (نتیجہ) سے اُسے کوئی اندیشہ نہیں پیدا ہوا ف۸

ف۱ یعنی غروب آفتاب کے بعد طلوع ہو۔ ضُحٰىهَا۔ اس میں اشارہ ہے سورج کے کمال نور کی طرف۔ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا۔ اس فقرہ میں اشارہ ہے چاند کے کمال نور کی جانب۔۔ جن راتوں میں چاند سورج ڈوبتے ہی طلوع ہو جاتا ہے۔ وہی راتیں اس کے کمال عروج کی ہوتی ہیں۔ ف۲ یعنی اس کی روشنی کا کچھ اثر نہ باقی رہ جائے۔ جَلّٰىهَا۔ یَغْشٰىهَا۔ دونوں میں ضمیر ھا آفتاب یا الشَّمْس کی جانب ہے۔ ف۳ شکل، ترکیب اعضاء وغیرہ ہر اعتبار سے۔ وَمَا بَنٰىهَا۔ وَمَا طَحٰىهَا۔ وَمَا سَوّٰىهَا۔ ما تینوں مقاموں پر من کے مرادف ہے، اور اس کے لانے سے مقصود کمال عظمت کا اظہار ہے۔ السَّمَآء۔ الْاَرْض، نَفْس۔ تینوں کا ذکر جن الفاظ میں آیا ہے، اس نے یہ بھی صاف کردیا کہ آسمان اور زمین اور جان، یہ سب مخلوق ومصنوع ہی ہیں۔ کوئی بھی ان میں سے معبود یا نیم معبود نہیں۔ نَفْس۔ صیغۂ نکرہ۔ بطور اسم جنس، اظہار کثرت کے لئے ہے۔ والتنکیر للتکثیر (روح) ای نفوس (جلالین)
ف۴ (تکوینی اور تخلیقی اعتبار سے) یعنی قلب میں جو نیکی کا رجحان ہے یا بدی کا میلان ہوتا ہے، دونوں کا خالق اللہ ہی ہے۔ گو القاء اول الذکر میں واسطہ فرشتہ ہوتا ہے اور القاء ثانی الذکر میں واسطہ شیطان ہوتا ہے (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اس میں تردید آگئی اس مسیحی عقیدہ کی کہ ہر انسان فطرۃً گنہگار ہی بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ فَاَلْهَمَهَا۔ ف تعقیب کے لئے ہے۔ مراد یہ ہے کہ انسان کی جب مادی وجسمانی ترکیب مکمل ہولی تو اسے فطرت اخلاقی عطا ہوئی۔ ف۵ (فسق وفجور سے) آیت میں اسی الہام فطری کی تشریح ہے۔ یعنی انسان کی طبیعت میں یہ القاء کردیا گیا کہ نجات وفلاح اس کے لئے ہے، جس نے نفس کو راہ فجور سے پاک کرکے طریق طاعت وتقوٰی اختیار کرلیا۔ اور عقاب دنیا بھی اس کے لئے ہے، جس نے اپنے کو فجور سے مغلوب ہوجانے دیا۔ دوسرے لفظوں میں نجات وعقاب دونوں کی کوشش انسان کے اپنے اختیار کی چیز ہے۔ اس میں تردید ہوگئی ہندو اور بدھ عقیدہ کی کہ ہر عمل انسانی پچھلے جنم کے ''کرم'' کا ناگزیر نتیجہ ہوتا ہے، اور اس طرح انسان اس سے جکڑا ہوا ہے۔ ف۶ (مخالفت رسول اور قتل ناقہ پر) قوم ثمود، پیمبر صالح علیہ السلام۔ ناقۂ صالح، سب پر حاشیے سورۃ الاعراف (پ۸) میں گزر چکے۔ ف۷ یعنی اسے قتل نہ کرنا اور پانی پینے سے نہ روکنا۔ نَاقَةَ اللّٰهِ۔ یعنی اونٹنی جو اللہ کی طرف سے ایک دلیل نبوت کا کام دے رہی ہے۔ ف۸ یعنی جیسا کہ بعض دنیوی ملوک وسلاطین کو بعض وقت سزا دینے میں طرح طرح کے مفسدوں کے اندیشے ہوتے ہیں، اس احکم الحاکمین کو کسی طرح کی بھی خرابی یا ابتری کا اندیشہ نہ ہوا۔ اس میں تردید آگئی اس مسیحی اور مشرکانہ عقیدہ کی کہ خدا کو بھی اپنے افعال پر کبھی ندامت اور پچھتاوا ہوتا ہے۔ فَسَوّٰىهَا۔ یعنی سزائے ہلاکت کو ساری قوم پر عام کردیا۔

ایاتہا ۲۱ ۹۲ سُوْرَةُ الَّیْلِ مَكِّیَّةٌ ۹ رکوعہا ۱

اس کی اکیس آیتیں ہیں سورۃ الیل مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ

قسم ہے رات کی جب وہ ڈھانپ لے، اور دن کی جب وہ روشن ہو جائے، اور اُس کی جس نے

الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰۤی ﴿۳﴾ اِنَّ سَعْیَكُمْ لَشَتّٰی ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنْ

نر اور مادہ کو پیدا کیا ف۱ کہ بے شک تمہاری کوششیں مختلف ہیں ف۲ سو جس نے

اَعْطٰی وَاتَّقٰی ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ﴿۶﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ

دیا اور (اللہ سے) ڈرا اور اچھی بات کو سچا سمجھا، سو ہم اس کے لئے راحت کی چیز

لِلْیُسْرٰی ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ

آسان کر دیں گے ف۳ اور جس نے بخل کیا، اور بے پروائی برتی اور اچھی بات کو

بِالْحُسْنٰی ﴿۹﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ﴿۱۰﴾ وَمَا یُغْنِیْ

جھٹلایا، سو ہم اس کے لئے مصیبت کی چیز آسان کر دیں گے ف۴ اور اُس کا مال

عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ﴿۱۱﴾ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی ﴿۱۲﴾ وَاِنَّ

اُس کے کچھ کام نہ آئے گا جب وہ برباد ہونے لگے گا ف۵ بے شک ہمارے ہی ذمہ راہ بتانا ہے، اور بے شک

لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰی ﴿۱۴﴾

ہمارے قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا بھی ف۶ تو میں تو تم لوگوں کو ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں

لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَی ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۱۶﴾

اس میں وہی بدبخت داخل ہو گا جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی، ف۷

ف۱ یعنی حق تعالیٰ نے۔ اِذَا یَغْشٰی۔ یعنی رات جب دن کو اور آفتاب کی روشنی کو ڈھانپ لے۔ آیت نے اس پہلو کو روشن کر دیا کہ رات اور دن، اندھیرا اور اجالا، نر اور مادہ، غرض کائنات کے سارے اضداد کی خالق وہی ایک ذات ہے۔ وَمَا۔ ما یہاں من کے مرادف ہے۔ وما بمعنی من (جلالین) ف۲ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح رات اور دن، تاریکی اور روشنی، نر اور مادہ باہم مختلف آثار رکھتے ہیں انسان کی جدوجہد بھی جو صدور اعمال میں ہوتی رہتی ہے، اپنے آثار وثمرات کے لحاظ سے الگ الگ حیثیت رکھتی ہے۔ ف۳ یعنی جنت تک اسے آسانی سے پہنچا دیں گے۔ اسے ایسی توفیق دیں گے کہ راہ کی مشکلات وہ آسانی سے طے کرتا چلا جائے گا۔ مَنْ اَعْطٰی۔ یعنی جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا۔ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی۔ یعنی دین اسلام کی تصدیق کی۔ الحسنٰی۔ سے مراد دین اسلام ہی ہے۔ ای بالملة الحسنٰی وھی ملة الاسلام (روح) ای بالكلمة الحسنٰی وھی كما قال ابو عبدالرحمٰن السلمی وغیرہ و روی ذٰلک عن عبداللہ بن عباس لاالٰہ الا اللہ (روح) لِلْیُسْرٰی۔ الیسرٰی سے مراد جنت ہے، جہاں ہر طرح اور ہر طرف سہولتیں اور راحتیں ہی ہوں گی۔ ف۴ یعنی ایسے منکر معاند کو دوزخ ہی کا راستہ آسان معلوم ہونے لگے گا۔ مَنْۢ بَخِلَ۔ یعنی جس نے مَنْ اَعْطٰی کے مقابلہ میں ادائے حقوق واجب میں بخل سے کام لیا۔ وَاسْتَغْنٰی۔ یعنی جس نے مَنِ اتَّقٰی کے مقابلہ میں اللہ کی طرف سے بے پروائی کی راہ اختیار کی، اور اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لِلْعُسْرٰی۔ العسرٰی سے مراد دوزخ ہے، جہاں ہر طرح اور ہر طرف سختیاں ہی سختیاں ہوں گی۔ ف۵ یعنی جب وہ واصل جہنم ہونے لگے گا، تو اسے خود مشاہدہ ہو جائے گا کہ مال و دولت جس پر اسے اتنا غرہ تھا اس کے کچھ بھی کام نہیں آرہا ہے۔ ف۶ یعنی دونوں میں ہماری ہی حکومت ہے، چنانچہ دنیا میں ہم نے احکام مقرر کر دیئے۔ اور آخرت میں انہیں کی مخالفت یا موافقت پر ثمرات کا ظہور ہوگا۔ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی۔ یعنی خیر و شر، نجات و عقاب دونوں کے راستوں کو کھول کر بتلا دینا ہمارے ذمہ تھا چنانچہ اسے ہم نے خوب واضح کر دیا۔ ف۷ یہاں یہ صاف صاف بتلا دیا کہ جہنم اصل ٹھکانا صرف کافروں منکروں ہی کا ہے — مومن عاصی کا قیام اگر اس میں ہوگا بھی تو محض عارضی و ہنگامی۔ ومعنی لایصلٰھا لایلزمھا فی حقیقة اللغة یقال صلے الكافر النار اذا لزمھا مقاسیا شدتھا وحرّھا وعندنا ان ھٰذہ الملازمة لاتثبت الاللكافر اما الفاسق فاما ان لا یدخلھا اوان دخلھا تخلص منھا (كبیر) وھولا یدخلھا للخلود فیھا (مدارک)

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴿١٨﴾

اور اس سے پرہیزگار دور ہی رکھا جائے گا، جو اپنا مال اس لئے دیتا ہے کہ پاک صاف ہو جائے ف۸

وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ

اور اس کے اوپر کسی کا احسان نہیں کہ وہ اس کا بدلہ اتارے، بلکہ وہ صرف اپنے عالیشان

وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ﴿٢١﴾

پروردگار کی رضاجوئی کے لئے کرتا ہے، اور وہ عنقریب یقیناً خوش ہو جائے گا ف۹

آیاتہا ۱۱ ۹۳ سُورَةُ الضُّحَى مَكِّيَّةٌ ۱۱ رکوعہا ۱

اس کی گیارہ آیتیں ہیں سورۃ الضحیٰ مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالضُّحَى ﴿١﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى ﴿٢﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ

قسم ہے دن کی روشنی کی، اور رات کی جب وہ قرار پکڑے ف۱ کہ آپ کے پروردگار نے آپ کو نہ چھوڑا ہے

وَمَا قَلَى ﴿٣﴾ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَكَ مِنَ الْأُولَى ﴿٤﴾

اور نہ آپ سے بیزار ہوا ہے ف۲ اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے (بدرجہا) بہتر ہے ف۳

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى ﴿٥﴾ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا

اور عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے ف۴ کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا

فَآوَى ﴿٦﴾ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى ﴿٧﴾ وَوَجَدَكَ عَائِلًا

پھر (آپ کو) ٹھکانا دے دیا، اور آپ کو بے خبر پایا، سو راستہ بتا دیا، اور آپ کو نادار پایا

فَأَغْنَى ﴿٨﴾ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿٩﴾ وَأَمَّا السَّائِلَ

تو مالدار بنا دیا ف۵ تو آپ بھی یتیم پر سختی نہ کیجئے اور سائل کو

ع ۱۷/۲۱

ف۸ (گناہوں سے) اس میں اشارہ ہے کہ متقی مخلص کا مقصود صرفِ مال سے صرف اللہ کی رضاجوئی ہی رہتی ہے۔ ف۹ (ان نعمتوں سے جو اسے جنت میں حاصل ہوں گی) حدیث صحیح میں آیا ہے کہ یہ بشارت جب نازل ہوئی، تو حضور ﷺ نے دوسری بڑی بشارت اپنی زبان مبارک سے دی، یعنی یہ فرمایا کہ میں تو اسی وقت خوش و مطمئن ہوں گا، جب میری امت میں سے ایک فرد بھی دوزخ میں نہ رہ جائے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ آیت سے اشارہ خصوصی صدیق امت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جانب ہے، جس طرح کہ اس سے قبل کی آیتوں میں اس کے مقابل الاشقی سے اشارہ خصوصی ابوجہل کی طرف ہے۔ وَلَسَوْفَ۔ ل تاکید مضمون کے لئے ہے۔ واللام الداخلة على سوف لام الابتداء المؤكدة لمضمون الجملة (مدارک) آیت سے مومن متقی کے کمال اخلاص کا اظہار منظور ہے۔ کسی کے احسان کا بدلہ اتارنا بھی کوئی امر قبیح نہیں، بلکہ یہ تو بجائے خود ایک فضیلت کی چیز ہے۔ لیکن یہ مزید شرف و فضل مومن متقی کا ہے کہ وہ اپنے خرچ میں بجز حق تعالیٰ کی رضاجوئی کے کوئی دوسرا مقصد شریک نہیں ہونے دیتا۔ ف۱ یعنی دن کی خوب پھیلی ہوئی روشنی اور رات کی خوب گہری تاریکی، دونوں اس حقیقت پر جو بھی آگے آ رہی ہے، زبان حال سے شہادت دے رہی ہیں۔ سَجٰی کے دو مفہوم ہیں۔ ایک یہ کہ رات کی تاریکی خوب گہری ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ اس میں ہر جاندار کی آوازیں چلنے پھرنے، بولنے چالنے کی ساکن ہو جائیں۔ ف۲ (بلکہ آپ ﷺ تو پہلے ہی مورد الطاف تھے، اور آئندہ بھی مورد الطاف ہی رہیں گے) ۱۳ء قبل ہجرت میں ایسا ہوا کہ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہونے لگی، تو اس کے کچھ ہی روز بعد، کسی حکمت و مصلحت سے سلسلۂ نزول موقوف رہا، اس پر معاندوں کو طرح طرح کی حاشیہ آرائی کا موقع مل گیا۔ آیت کا مضمون انہیں بداندیشوں کے جواب میں ہے۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ۔ حق تعالیٰ اپنے کسی پیمبر کو بھی نہیں چھوڑ دیتا، تو بھلا آپ ﷺ کو کیا چھوڑ دے گا۔ آیت سے ضمناً مسیحیوں کے اس عقیدہ کی بھی تردید نکل آئی کہ خدا اپنے پیمبروں کو کبھی کبھی چھوڑ دیتا ہے، یہاں تک کہ اپنے "محبوب اکلوتے فرزند" کو بھی۔ "اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا، ایلی، ایلی، لما سبقتنی یعنی اے میرے خدا، اے میرے خدا، تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا"۔ (متی۔ ۲۶:۴۶) نیز مرقس (۱۵:۳۴) ف۳ یعنی وہاں آپ کو نعمتیں اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ملیں گی۔ اٰخرۃ کے لفظی معنیٰ لے کر ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ "آپ ﷺ کی پچھلی حالت پہلی حالت سے بہتر رہے گی"۔ مراد یہ ہو گی کہ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر دور اپنے دور ماقبل سے بہتر ہی ہو گا۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی ہر لاحق حالت سابق حالت سے افضل و اکمل تھی۔ ف۴ بشارت اور وعدۂ الٰہی کا تعلق آخرت اور دنیا دونوں سے ہو سکتا ہے۔ ف۵ (سو جو بندہ ماضی میں اتنے التفات و اکرام کا مورد رہ چکا ہے، اس کا مستقبل تو اور زیادہ روشن و شاندار ہو کر رہتا ہے) أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَى۔ یعنی دنیا میں جب آپ لائے گئے، تو ہر طرح کیسی بے سروسامانی، اور اسباب ظاہری سے کس درجہ محرومی تھی، اس کے باوجود بھی اس نے کس کس طرح آپ ﷺ کو ہر طرح مطمئن کر دیا، اور ہر طرح کا سامان اطمینان آپ ﷺ کے لئے بہم پہنچا دیا! وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى۔ آپ ﷺ ابتداءً واصلاً اصول وارکان شریعت سے بیگانہ محض تھے، پھر اسی نے تو آپ ﷺ کو دین و شریعت کا پورا پورا علم دے دیا۔ ضَالًّا۔ ضال کے معنیٰ حیران و سرگرداں کے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ دولت رسالت سے تو بعد کو مشرف ہوئے ہیں۔ اپنی قوم کی اصلاح کی فکر اور تڑپ آپ ﷺ کو بہت قبل سے تھی، اور اسی دھن میں آپ ﷺ برابر لگے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے وحی کی راہ آپ ﷺ پر کھول دی۔ اور سارے حقائق دین آپ ﷺ پر منکشف کر دیئے۔ سو ضال آپ ﷺ کو آپ کی زندگی کے دور قبل نبوت کے اعتبار سے فرمایا، جب آپ ﷺ راہ فلاح و اصلاح کے لئے بے چین تھے۔ ای غیر مهتد لما سبق الیک من النبوة (راغب) ای غیر عالم ولا واقف علی معالم النبوة واحكام الشريعة وماطريقة السمع (مدارک) ای غافلا عن الشرائع التی لا تهتدی اليها العقول وعلی هذا كما قال الواحدی اكثر المفسرين وهو اختيار الزجاج (روح) فَهَدَى۔ چنانچہ اس نے آپ ﷺ کو دین و شریعت کا پورا علم دے دیا، اور اصلاح و ہدایت کے دقائق و حقائق آپ کو بجھا دیئے۔ ای فعرفک الشرائع والقرآن (مدارک) مفسر ابوحیان غرناطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اس آیت کی ترکیب پر غور کر رہا ہوں تو میرے ذہن میں آیا کہ یہاں مضاف رهط محذوف ہے جیسا کہ وسئل القرية میں اهل محذوف ہے۔ ولقد رأيت فی النوم انی افكر فی هذه الجملة فاقول علی الفور ووجدک ای وجد رهطک ضالا فهداه بک ثم اقول علی حذف مضاف نحو وسئل القرية (بحر) وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى۔ آپ ﷺ تو مادی و معاشی اعتبار سے بھی شروع شروع بڑے صاحب احتیاج تھے، پھر اسی کے فضل و کرم نے کس طرح آپ ﷺ کی کفالت و دستگیری فرمائی۔

فَلَا تَنْهَرْ ۝١٠ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝١١

مت جھڑکیے، اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا تذکرہ بھی کرتے رہا کیجیے و٦

ع ١٨

رکوعھا ١	٩٤ سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ ١٢	اٰیاتھا ٨
اور ایک رکوع ہے	سورۂ الم نشرح مکہ میں نازل ہوئی	اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝١ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝٢

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا ہے و١ اور ہم نے آپ پر سے وہ آپ کا بوجھ اتار دیا

الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝٣ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝٤ فَاِنَّ

جس نے آپ کی پشت توڑ رکھی تھی و٢ اور آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کر دیا و٣ سو

مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٥ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٦ فَاِذَا

مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے، بے شک مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے و٤ تو جب

فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝٧ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝٨

آپ فارغ ہو جایا کیجیے، ریاضت کیا کیجیے و٥ اور اپنے پروردگار ہی کی طرف توجہ رکھیے و٦

ع ١٩

رکوعھا ١	٩٥ سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ ٢٨	اٰیاتھا ٨
اور ایک رکوع ہے	سورۃ التین مکہ میں نازل ہوئی	اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالتِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ ۝١ وَ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝٢ وَ هٰذَا الْبَلَدِ

قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طور سیناء کی اور اس امن والے

و٦ یعنی ان نعمتوں کا شکریہ قولی وفعلی ہر طرح ادا کرتے رہیے۔ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ عرب جاہلیت میں یتیم بیچارے کی کوئی قدر نہ تھی، اور وہ کسی عزت یا جائداد کا حقدار نہ تھا۔ وكذا كانت العرب تفعل في امر اليتامى تاخذ اموالهم وتظلمهم حقوقهم (معالم) اور تنہا عرب ہی نہیں، بہت سی جاہلی تہذیبوں کا یہی حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو ہدایت ہو رہی ہے کہ آپ ﷺ بھی اپنی یتیمی کو یاد کر لیا کیجیے۔ اور اس غریب مخلوق یعنی یتیم کے ساتھ ہر طرح کا حسن سلوک ومدارات برتا کیجیے۔ یہ آیت ماقبل کی آیت اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى کے مقابلہ پر ہے۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ جاہلی تہذیبیں ایسی بکثرت گزری ہیں، جن میں محتاج سائل کا کوئی حق کسی قسم کا تسلیم ہی نہیں کیا گیا تھا آپ ﷺ کو تعلیم مل رہی ہے کہ خود اپنی حاجت مندی کے زمانہ کو یاد کر لیا کیجیے۔ اور کسی صاحب احتیاج سائل کو جھڑکنا الگ رہا، اس سے بحسن مدارات پیش آتے رہیے۔ یہ آیت وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى کے مقابل ہے۔ آیت سے یہ فقہی استنباط کہ سائل کو کسی حال میں بھی جھڑکنا نہ چاہیے، شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ اسے محض سوال کرنے پر بے شک جھڑکنا نہ چاہیے۔ بلکہ انکار کی صورت میں صرف نرم الفاظ میں معذرت کر دینی چاہیے۔ لیکن سائل اگر پیچھا نہ چھوڑے، اور اپنی بات پر اڑا رہے، جس سے انقباض وتکدر پیدا ہونا امر طبعی ہے، تو اسے جھڑک دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ تم النهى على النهر على ماقالوا اذالم يلح في السوال فان الح ولم ينفع الرداللين فلا باس بالزجر (روح) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ جب کبھی اپنے کمالات کا اظہار کرتے ہیں تو مقصود ادائے شکر ہوتا ہے، نہ کہ عجب وریاء۔ و١ (اور اسے معارف وحقائق سے بھر نہیں دیا؟) شرح صدر وہ مقام ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طلب وآرزو کے بعد عنایت ہوا تھا۔ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ (طٰہٰ) المراد من شرح الصدر ما يرجع الى المعرفة والطاعة (كبير) وشرح الصدر تنويره بالحكمة وتوسيعه لتلقى مايوحى اليه قاله الجمهور (بحر) صوفیۂ محققین کے ہاں شرح صدر بڑی دولت ہے۔ و٢ وزر کے اصل معنی صرف بوجھ یا بار کے ہیں۔ الوزر الثقل (راغب) سو اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسا ایسا عظیم الشان بار آپ ﷺ پر تھا، جس سے آپ ﷺ اتنا گرانبار ہو رہے تھے، اور قرآن کہتا ہے کہ وہ آپ سے دور کر دیا گیا؟ وہ بار صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ قبل نبوت اپنی قوم کی حالت پر تأسف وحسرت اور ان کی فلاح واصلاح کی فکر۔ اس کا توڑ تو یوں ہوا کہ آپ ﷺ پر راہ ہدایت پوری تفصیلات کے ساتھ واضح کر دی گئی، اور آپ ﷺ کے سپرد خلق کی رہنمائی کر دی گئی۔ بعد نبوت سب سے بڑی فکر آپ ﷺ کو تبلیغ احکام اور اس کے نتائج کی رہی۔ قرآن مجید نے اس غم سے بھی آپ ﷺ کو یہ کہہ کر سبکدوش کر دیا کہ آپ ﷺ پر کسی کے ایمان لانے نہ لانے کی کوئی ذمہ داری نہیں لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ اور وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى اور لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین وغیرھا۔ وزر کے معنی گناہ کے بھی کیے گئے ہیں۔ يُعَبَّر بذلك عن الاثم (راغب) اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ ہم نے آپ ﷺ سے گناہوں کو دور رکھا ہے، جن کی فکر آپ ﷺ کو کھائے جاتی تھی۔ و٣ (چنانچہ کلمۂ شہادت میں، اذان میں، اقامت میں، تشہد میں، خالق کے نام کے ساتھ ساتھ اگر مخلوق میں سے کسی کا نام آتا ہے تو وہ آپ ﷺ ہی کا) رَفَعْنَا ضمیر متکلم قابل غور ہے۔ یہ آپ ﷺ کا آوازہ تو ہم نے بلند کر رکھا ہے۔ نہ کسی کی مخالفت چلنے پائی، نہ کسی معاند کی کوئی تدبیر کارگر ہونے پائی۔ لک۔ ل تخصیص کا ہے۔ یعنی ایسی رفعت آپ ہی کے لئے ہے، کوئی اس میں آپ ﷺ کا شریک نہیں۔ رفع ذکر۔ (آوازۂ بلند) کی ایک فرد یہ بھی ہے کہ منکرین ومعاندین میں جو چوٹی کے سردار واکابر ہیں، ان تک کو آپ ﷺ کی عظمت وجلالت کا اعتراف ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔ و٤ (اور اس پر یقین واعتماد رکھیے کہ عناد ومخالفت کے یہ سارے بادل چھٹ کر رہیں گے اور مظفر ومنصور آپ ہی ہوں گے) آیت کی تکرار، وعدہ کی تاکید کے لئے ہے، تاکہ مسلمانوں کے دل بڑھے ہوئے رہیں، اور ان پر امید کا پہلو غالب رہے۔ كرره لتاكيدالوعد وتعظيم الرجاء (معالم) و٥ یعنی کثرت عبادات ومجاہدات میں مشغول رہا کیجیے کہ آپ کی شان کے یہی مناسب ہے۔ فَاِذَا فَرَغْتَ۔ یعنی جب آپ ﷺ اپنے منصب ومرتبہ کے فرائض یا تبلیغ احکام رسالت سے فرصت پائیے۔ و٦ (بلا واسطۂ مخلوق، اور براہ راست) عبادت اور بہترین عبادت کے حکم میں تو آپ کی مشغولی تبلیغ واصلاح خلق بھی داخل تھی، لیکن بہرحال اس میں ایک واسطہ مخلوق کا رہتا تھا، آیت میں حکم یہ مل رہا ہے کہ اس نوعیت کی عبادت کے علاوہ براہ راست توجہ الی الحق بھی رکھیے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ جب ارشاد وافادہ سے فارغ ہو جائے تو چاہیے کہ خلوت میں ذکر ومناجات میں لگ جائے، اور اپنے کو مجاہدہ سے مستغنی نہ سمجھے۔

الْاَمِيْنِ ۝٣ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝٤

شہر کی و١ کہ ہم نے انسان کو بہترین انداز کے ساتھ پیدا کیا ہے و٢

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝٥ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

پھر ہم اُسے پستوں سے بھی پست کر دیتے ہیں و٣ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝٦ فَمَا يُكَذِّبُكَ

نیک عمل بھی کئے تو اُن کے لئے اجر غیر منقطع ہے و٤ تو کون سی چیز تجھ سے جزاء کی تکذیب

بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝٧ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝٨

کرا رہی ہے؟ و٥ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟ و٦

ع ٢٠

اٰيَاتُهَا ١٩ ۝ ٩٦ سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ ١ ۝ رُكُوْعُهَا ١

اس کی انیس آیتیں ہیں سورۃ العلق مکہ نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝١ خَلَقَ الْاِنْسَانَ

آپ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ و١ جس نے (سب کو) پیدا کیا ہے، جس نے انسان کو خون کے

مِنْ عَلَقٍ ۝٢ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝٣ الَّذِيْ عَلَّمَ

لوتھڑے سے پیدا کیا ہے و٢ آپ (قرآن) پڑھا کیجئے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سے

بِالْقَلَمِ ۝٤ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝٥ كَلَّآ اِنَّ

تعلیم دی ہے و٣ (جس نے) انسان کو اُن چیزوں کی تعلیم دے دی جنہیں وہ نہیں جانتے تھے و٤ ہاں ہاں بے شک

الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝٦ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝٧ اِنَّ اِلٰى

انسان حد سے نکل جاتا ہے اس بناء پر کہ اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے و٥ تیری واپسی

و١ یعنی مکہ معظمہ کی۔ طُوْرِ سِيْنِيْنَ۔ جزیرہ نمائے سینا کا وہ پہاڑ ہے، جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قانون شریعت ملا تھا۔ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ۔ انجیر وزیتون دونوں کے درخت شام اور اس کے اطراف میں کثرت سے پائے جاتے تھے۔ اور ان کے پھل منافع سے لبریز ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ سے اشارہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو۔ اور طُوْرِ سِيْنِيْنَ سے شریعت موسوی کی طرف اور زیتون سے مواعظ مسیحی کی جانب (حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنا مشہور وعظ کوہ زیتون ہی پر ارشاد فرمایا تھا) اور انجیر سے بعض علماء عصر کا خیال ہے کہ ہندوستان کے گوتم بدھ کی طرف اشارہ (بشرط اثبات نبوت) نکل سکتا ہے۔ و٢ نظام عام تکوینی کی فکر واہتمام، یا ان چاروں نظامات تشریعی کی حفاظت وانتظام کی ذمہ داری خود اس کی دلیل ہے کہ انسان کی آفرینش یوں ہی الکل پچو نہیں کردی گئی ہے، بلکہ یہ انتہائی حکمتوں اور صناعیوں کا مجموعہ ہے۔ الْاِنْسَانَ۔ مراد جنس انسان ہے۔ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ تقویم کے معنی تعدیل وتحقیق کے ہیں۔ وتقويم الشيء تثقيفه (راغب) بہترین ساخت وترکیب کے عموم میں صورت ومعنی دونوں شامل ہیں۔ ہیئت ونقشہ اور حواس اور مظہریت صفات حق سب اس کے اندر آگئے۔ ذلک اشارة الی ماخص به الانسان من بین الحیوان من العقل و الفهم وانتصاب القامة الدالة علی استیلائه علی کل ما فی هذا العالم (راغب) آیت نے ضمناً اس مسیحی عقیدہ کی تردید بھی کردی کہ انسان خلقۃً ایک گنہگار مخلوق ہے۔ و٣ (اگر وہ اپنے قوی کا صحیح استعمال نہیں کرتا) یہ پستی تمامتر روحانی، اخلاقی ودینی اعتبار سے ہوتی ہے۔ و٤ یعنی انسان اپنا بہترین قوام قائم رکھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ قانون الٰہی پر چلتا رہے۔ و٥ یعنی اللہ کی قدرت کے اتنے شواہد دیکھ کر بھی اے ناشکر گزار اور کافر انسان، تو آخر کس دلیل سے یوم جزاء کا منکر ہو رہا ہے؟ و٦ یعنی ایسی موٹی بات بھی تیری سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ تو ہر تصرف پر قادر ہے۔ اور وہی سب حاکموں کے اوپر حاکم ہے، تو وہ آخری عدالت برپا کئے، اور ہر ہر جزئی کا آخری صحیح وصادق فیصلہ کئے بغیر کیسے رہ سکتا ہے؟ یوم الحساب کا وقوع تو حق تعالیٰ کے حاکم اعلیٰ ہونے کا عین قدرتی نتیجہ ہی ہونا چاہیے۔ مَا یعنی کون سا سبب؟ ای فما سبب تکذیب بالجزاء (مدارک) و١ (اس قرآن کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اب نازل ہونا شروع ہوا ہے) سورۂ اقرأ کی یہ ابتدائی پانچ آیتیں سب سے پہلی وحی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب قریب چالیس کے پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ خلوت پسند ہوگئی اور شہر مکہ سے متصل ایک پہاڑی حرانامی کے غار میں آپ اکثر جا کر معتکف رہنے لگے۔ جیسا کہ مرتاض زاہدوں کا اکثر معمول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ودیانت، آپ کا تقویٰ واخلاص، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن خلق پہلے ہی سے قوم میں مسلّم تھا۔ ایک شب میں کہ وہ رمضان ١٣ ق۔ ھ (جولائی ٦١٠ء) کی کوئی تاریخ تھی کہ دفعۃً فرشتۂ اعظم حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نمودار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اِقْرَاْ یعنی پڑھیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ما انا بقاری، میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ اس پر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سے لپٹایا اور بھینچا، اور پھر اسی طرح مکالمہ ومعانقہ کا اعادہ ہوا۔ گویا بار وحی کے اٹھانے کے لئے جن قوتوں کی ضرورت ہے وہ ملکوتی واسطہ سے بشری جسم میں پوری طرح سرایت کردی گئیں۔ اور تیسری بار کی تکرار کے بعد پوری پانچ آیتیں اِقْرَاْ سے لے کر مَا لَمْ يَعْلَمْ تک فرشتۂ اعظم نے پڑھ کر رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا دیں۔ ہیبت وحی سے خصوصاً جب کہ اس کا بالکل پہلا تجربہ تھا، تاثر اور خوف ورعشہ بالکل طبعی تھا (اسی اضطراری جسمانی کیفیت کو بعض بے دانشوں نے عظمت رسول کے منافی سمجھا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر آکر رفیق زندگی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ماجرا بیان فرمایا۔ انہوں نے تسلی دی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مشورہ سے ورقہ بن نوفل کے پاس گئے جو اس وقت کے عابد وزاہد موحد مسیحی تھے۔ اور ان کے بیان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایقان کو تقویت مزید پہنچی، جیسا بعض دفعہ استاد کامل کو اپنے ایک شاگرد کے تائیدی بیان سے ہو جاتی ہے۔ اِقْرَاْ۔ لفظ قرأت مطلق پڑھنے کے معنی میں بھی آتا ہے اور تحریر کے پڑھنے کے معنی میں بھی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حرف ناشناس ہونے کی بناء پر قرأت سے معذرت کرنا بھی بالکل صحیح تھا۔ رَبِّكَ۔ رب کا لفظ لانے میں اشارہ ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال تربیت کریں گے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچائیں گے۔ و٢ الَّذِيْ خَلَقَ یہاں یہ یاد دلا دیا کہ ربوبیت مطلق وہی کر رہا ہے جو ساری کائنات کا خالق بھی ہے --- جو سب کو محض اپنی قدرت سے نیستی سے ہستی میں لے آیا ہے۔ خَلَقَ ...... عَلَقٍ۔ اور پھر انسان کو یاد دلا دیا ہے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے --- ساری مخلوق کی خلقت کے بعد انسان کا نام تصریح لینا نعمت عامہ کے بعد نعمت خاصہ پر توجہ دلاتا ہے۔ الَّذِيْ خَلَقَ۔ کے بعد کُلّ شی ءٍ محذوف ہے۔ تقدیره خلق کل شیء فیتناول کل مخلوق (مدارک) و٣ یعنی جس نے پڑھے لکھے ہوؤں کے لیے تعلیم کا واسطہ قلم کو بنایا۔ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ۔ وہ جس نعمت سے جسے چاہے سرفراز کرے، چنانچہ آپ کو اُس نے خاص ترین نعمت سے نوازا۔ اِقْرَاْ۔ ابھی اوپر آچکا تھا، اب دوبارہ تاکید مضمون کے لیے لایا گیا۔ و٤ نوع بشر کو ماضی وحال میں جو کچھ بھی معلوم ہوا ہے، یا آئندہ جو کچھ بھی معلوم ہو سکے گا، یہ سب اگر فیضان الٰہی کا پرتو نہیں تو اور کیا ہے؟ انسان کو اپنے جن جن علوم وفنون، معارف وصنائع پر ناز ہے، یہ سب اگر حق تعالیٰ ہی کے سکھائے ہوئے، بتائے ہوئے، سمجھائے ہوئے نہیں تو اور کیا ہیں؟ قرآن مجید نے یہاں اسی گہری حقیقت کو یاد دلایا ہے۔ الْاِنْسَانَ۔ انسان سے مراد جنس انسانی ہے۔ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ سے مراد بعض نے وہ قواعد علمی لئے ہیں، جن سے ہر مجہول معلوم بن سکتا ہے۔ اور بعض نے وہ اسرار وعلوم نبوت مراد لئے ہیں، جن کے لئے عقل وحواس بشری کافی نہ تھے صرف حق تعالیٰ نے انہیں رسول پر وحی کر کے سارے انسانوں تک پہنچا دیئے۔ و٥ یہاں یہ بتایا کہ انسان کے حد عبودیت سے نکل جانے اور سرکشی اور طغیان کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے کو اپنے خالق کی طرف سے بے نیاز سمجھنے لگتا ہے۔ كَلَّآ۔ ہمیشہ تردید ہی کے

معنٰی میں نہیں، بلکہ کبھی زور وتاکید کے موقع پر "یقیناً" کے معنٰی میں بھی آتا ہے۔ وقدجاء بمعنی حقًا (ابوالبقاء) و۶ (تو اے مخاطب تو اس پروردگار سے مستغنی کیسے رہ سکتا ہے؟) قلب میں انابت وشکستگی پیدا کرنے کا اس سے زیادہ مؤثر کوئی طریقہ نہیں کہ استحضار اپنے اسی انجام وعاقبت کا ہوتا رہے۔ و۷ (اور وہ روکنے والا نماز اور عبادت کو مبغوض رکھتا ہے) عَبْدًا۔ بندۂ خاص سے اشارہ رسول اللہ ﷺ کی جانب ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اور روکنے والے سے مراد ابوجہل سے لی گئی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی مقتضائے شرعی ہی سے کسی کو نماز سے روکا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ اس وعید میں نہیں آتا۔ و۸ (تو اے عبادت سے روکنا کس درجہ اپنی شقاوت وخباثت کا ثبوت دینا ہے) اِنْ...... بِالتَّقْوٰی۔ یعنی وہ بندہ، کمالات لازمی ومتعدی کا جامع ہو۔ و۹ (تو اس کی یہ روک تھام کس درجہ شقاوت وخباثت پر دال ہوگی!) اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى۔ کذب کا تعلق اعتقاد سے ہے۔ اور تولّی کا عمل سے۔۔۔ یعنی عقیدہ وعمل دونوں کے اعتبار سے وہ ضال کامل ہو۔ و۱۰ چنانچہ اس کے اس طغیان کو بھی دیکھ رہا ہے، اور اس پر اسے پوری سزا بھی دے گا۔ و۱۱ ہر زبان کے اسلوب بیان الگ الگ ہوتے ہیں۔ جس طرح اردو محاورہ میں "سر پر غرور" "خرام ناز" وغیرہ چلے ہوئے ہیں عربی محاورہ میں پیشانی کو خطا آلود و دروغ آلود کہنے کا رواج ہے۔ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ۔ یہ پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹنا کنایہ ذلت وخواری سے ہے۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ۔ سے فقہاء مفسرین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ توبہ ہر حال میں مقبول اور موجب دفع عذاب ہے۔ خَاطِئَةٍ۔ یعنی اپنے فہم اور اعمال میں خطار کار۔ و۱۲ (تو یہ مجرم اپنے دل کا حوصلہ نکال دیکھے، اور معلوم کرلے کہ وہ کتنے پانی میں ہے) ابوجہل وغیرہ کو بڑا ناز اپنے جتھے پر تھا۔ انہیں سے کہا جارہا ہے کہ اپنے جتھے والوں کو بلا دیکھیں۔ الزَّبَانِيَةَ۔ لفظی معنٰی پیادوں یا سپاہیوں کے ہیں۔ مراد دوزخ کے ملائکۂ عذاب سے لی گئی ہے۔ والزبانية هم الشرط فی کلام العرب...... والمراد ملائكة العذاب (کشاف) و۱۳ (کہ قرب حاصل کرنے کا ذریعہ یہی نماز وعبادت ہے) كَلَّا ۚ لَا تُطِعْهُ۔ یعنی جس طرح اب تک آپ ﷺ نے ان موذیوں خاطیوں کا کہا نہیں مانا ہے، آئندہ بھی ان کے بہکانے دھمکانے، کسی چیز میں نہ آئیے گا۔ اور اس حکم کی بڑی تاکید جانے رہیے۔ وَاسْجُدْ۔ سجود سے یہاں مراد نماز وعبادت ہی سمجھی گئی ہے۔ وعند اکثر اهل التاویل اراد به صلّ وتوفر علی عبادة الله تعالٰی فعلًا وابلاغًا (کبیر) وَاقْتَرِبْ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ سجدہ میں نیت ثواب وتقرب واجب ہے۔ مفسر تھانوی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ میں ضمناً یہ وعدہ لطیف بھی شامل ہے کہ حق تعالیٰ آپ ﷺ کو ان لوگوں کے ضرر سے محفوظ رکھے گا۔ کیونکہ نماز سے قرب حاصل ہوتا ہے، اور قرب موجب عصمت ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ خشوع جو سجدہ کی روح ہے وہی اصل مدار قرب ہے۔ و۱ اس شب مبارک ومعظم میں اس کلام مقدس کے نزول کی ابتداء کی ہے۔ قال الشعبی ابتدئ بانزاله لیلة القدر (کبیر) یا یہ معنٰی لئے جائیں کہ اس شب میں یہ کلام عرش بریں پر لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتار دیا گیا ہے۔ قال ابن عباس انزل الی سماء الدنیا جملة لیلة ثم الی الارض نجومًا (کبیر) کل قرآن مجید کو رسول اللہ ﷺ پر رفتہ رفتہ نازل ہونے میں ۲۲۔۲۳ سال کی مدت لگی۔ اَنْزَلْنٰهُ۔ ضمیر ہ بلا اختلاف قرآن مجید کی طرف ہے۔ اور بجائے صراحت کے اس اضمار میں عظمت قرآن مجید کی زائد ہے۔ اجمع المفسرون علی ان المراد انا انزلنا القرأن فی لیلة القدر ولکنه تعالٰی ترک التصریح بالذکر لان هذا الترکیب یدل علی عظم القرأن (کبیر) الضمیر عند الجمهور للقرأن وادعی الامام دفیه اجماع المفسرین (روح) اِنَّا ضمیر جمع متکلم حصر وتاکید کے لئے ہے۔ یعنی یہ کلام ہم ہی نے اتارا ہے، کسی دوسرے کی شرکت اس میں نہیں۔ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ سب سے پہلی وحی رسول اللہ ﷺ پر ماہ مبارک رمضان کے آخری عشرہ کی کسی طاق تاریخ میں ہوئی تھی۔ حدیث صحیح کے مطابق یہ شب قدر ہر سال آخر عشرۂ رمضان کی کسی طاق تاریخ میں آیا کرتی ہے۔ والصحیح الذی علیه الاکثرون انها فی العشر الاواخر من شهر رمضان (معالم) الاکثرون علی انها فی العشر الاواخر لکثرة الاحادیث الصحیحة فی ذلک واکثرهم علی انها فی اوتارها لذلک ایضًا (روح) اور اس رات میں دعاء وعبادت کے بڑے بڑے فضائل احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ احناف نے اس کے وقوع کے لئے ۲۷ ویں شب رمضان کا قول اختیار کیا ہے۔ وهی لیلة السابع والعشرین من رمضان کذاروی ابوحنیفةؒ عن عاصم عن زرّان ابی بن کعب کان یحلف علی لیلة القدر انها لیلة السابع والعشرین من رمضان و علیه الجمهور (مدارک) وکثیر منهم ذهب الی انها اللیلة السابعة والعشرین من تلک الاوتار وصح من روایة الامام احمد ومسلم وابی داؤد و الترمذی والنسائی وابن حبان وغیر هم ان زربن حبیش سال ابی بن کعب عنها فحلف لایستثنی انها لیلة سبع وعشرین (روح) و۲ یعنی کیسی بزرگیوں اور فضیلتوں والی رات ہے۔۔۔ سوال خطبات عرب کے خصوصاً قرآن مجید کے اسلوب بلاغت کے مطابق زیادت تشویق کے لئے ہے۔ اور خود اس دوسرے جملہ میں لیلۃ القدر کو دہرانا محض اس کی اہمیت وعظمت خصوصی کے اظہار کے لئے ہے۔ وفی اظهار لیلة القدر فی الموضعین من تاکید التعظیم والتفخیم ما لا یخفی (روح) لَيْلَةُ الْقَدْرِ۔ قدر سے اس سیاق میں کیا مراد ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ رات ہے جس میں قضا وقدر کے امور طے ہوتے ہیں۔ ای لیلة قیضها لامور مخصوصة (راغب) وتسمیتها بذلک لشرفها اولتقدیر الامور فیها (بیضاوی) نقل عن الزهری انهٗ قال لیلة القدر لیلة العظمة والشرف (کبیر) اور بعض نے کہا ہے کہ قدر سے یہاں شرف

رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۞ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۞ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۞ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۞ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۞ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۞ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۞ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۞ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۞ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۞ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۞ كَلَّا ۚ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۞

تیرے پروردگار ہی کی طرف ہوگی و۶ کیا اُس شخص کا حال تو نے دیکھا جو بندہ (خاص) کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے و۷ کیا تو نے دیکھا کہ وہ بندہ اگر حق پر ہو یا وہ تقویٰ کی ہدایت کررہا ہو و۸ کیا تو نے یہ دیکھا کہ وہ (دوسرا شخص) اگر جھٹلا رہا ہو اور روگردانی کرتا ہو؟ و۹ کیا اُسے خبر نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے و۱۰ ہاں ہاں، اگر یہ شخص باز نہ آیا تو ہم اُسے پیشانی (کے بل) پکڑ کر گھسیٹیں گے پیشانی (بھی کیسی؟) دروغ وخطا میں آلودہ و۱۱ اچھا تو یہ اپنے ہم جلسہ لوگوں کو بلالے ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلاتے ہیں و۱۲ خبردار! آپ اس کا کہنا نہ مانیے اور نماز پڑھتے رہیے اور قرب حاصل کرتے رہیے و۱۳

اٰیاتها ۵ — ۹۷ سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ ۲۵ — رکوعها ۱

اس کی پانچ آیتیں ہیں — سورۃ القدر مکہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۞ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۞ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۞ تَنَزَّلُ

بے شک ہم نے اسے (قرآن کو) شب قدر میں اُتارا ہے و۱ اور آپ کو خبر ہے کہ شب قدر ہے کیا؟ و۲ شب قدر ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے و۳ اس رات

کیاہے، اس کے ہاں انعامات اور بخششوں کا کچھ ٹھکانہ ہے! بشارت یہ مل رہی ہے کہ عبادت کا اجر یوں ہی معمولاً کیا عالم ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ رات نزول قرآن کی سالگرہ والی آتی ہے، تو وہ اجر بھی بڑھ ہی نہیں جاتا، بلکہ ہزار گنے سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے! اَلْفِ شَهْرٍ۔ حساب سے ہزار مہینوں کے تقریباً تراسی ۸۳ سال ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی عدد متعین مراد نہ ہو، بلکہ محاورۂ عرب کے مطابق محض تکثیر عدد مراد ہو۔ وذکر الالف اما للتکثیر (بیضاوی) وقیل المعنی خیر من الدهر کله لان العرب تذکر الالف فی غایة الاشیاء کلها (بحر) وتخصیص الالف بالذکر قیل اماللتکثیرو کثیرا ما یراد بالاعداد ذلک (روح) ف۴ (زمین کی طرف) اس شب میں عام ملائکۂ رحمت اور حضرت جبرئیل کی تجلیات زمین پر کسی مخصوص نوع کی ہوتی ہیں، جس کی تفصیل کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ سے مراد ملائکہ رحمت ہیں، اور الروح سے مراد روح الامین یعنی فرشتۂ اعظم حضرت جبرئیل۔ والاصح ان الروح ھٰھنا جبریل وتخصیصه بالذکرلزیادة شرفه (کبیر) الروح عندالجمهور هو جبریل علیه السلام وخص بالذکرلزیادة شرفه (روح) بِاِذْنِ رَبِّهِمْ۔ یعنی یہ نزول ملائکہ وروح القدس بھی ازخود نہیں ہو جاتا، بلکہ تمامتر امر الٰہی کی ماتحتی میں ہوتا ہے۔ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ۔ تقدیر کلام یہاں من اجل کل امر سمجھی گئی ہے۔ گویا من ل تعلیلی کے معنی میں ہے۔ اے من اجل کل امرقا له غیر واحد فمن بمعنی اللام التعلیلیة متعلقة بتنزل (روح) من کو بائے سببیہ کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ اور مفہوم اس ترکیب کا بھی وہی ہے۔ وقال ابو حاتم من بمعنی الباء اے تنزل بکل امروجعلة الباء علیه بسببیة (روح) ف۵ یعنی وہ رحمت کسی خاص حصہ شب کے ساتھ مخصوص نہیں صبح تک برابر اس کی بارش جاری رہتی ہے۔ سَلٰمٌ۔ کے معنی ہر خوف سے نجات کے ہیں۔ اس میں یہ اشارہ بھی آگیا کہ جو قانون قرآن لایا ہے، اور جس کی سالانہ یادگار کا نام شب قدر ہے، وہ قانون بندوں کو دنیوی واخروی ہر خوف سے نجات دلانے والا ہے۔ ایک اشکال یہ ہے کہ اختلاف مطالع ومغارب کی وجہ سے شب قدر کا ہر جگہ جدا ہونا لازم آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی محذور لازم نہیں آتا کہ یہ برکات کسی کو کسی وقت میں ملیں اور کسی کو کسی وقت میں۔ اس طرح نزول ملائکہ کا ہر جگہ مختلف وقت میں ہونا۔ (تھانوی علیہ الرحمۃ) سَلٰمٌ ...... الْفَجْرِ۔ یعنی اس شب میں خیر ہی خیر ہے، صبح تک کوئی شر ہے ہی نہیں۔ وقال قتادة وابن زید یعنی هی خیر کلها لیس فیها شرالی مطلع الفجر (معالم) عن مجاهد قال هی سالمة لایستطیع الشیطان ان یعمل فیها سوءًا اویعمل فیها اذی (ابن کثیر) سَلٰمٌ مصدر ہے، اور یہاں ترکیب میں خبر مقدم ہے۔ جس سے مفہوم میں زور وتاکید اور معنی حصر پیدا ہو گئے ہیں۔ وتقدیم الخبرللحصر کما فی تمیمی انا وا لاخبار بالمصدر للمبالغة اے ما هی الاسالمة جدًا حتی کانها عین السلامة (روح)

الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ

فرشتے اور روح القدس اُترتے ہیں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر

اَمْرٍ ﴿۴﴾ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾

کے لئے ف۴ سلامتی (ہی سلامتی) ہے وہ رہتی ہے طلوع فجر تک ف۵

ع ۵ / ۲۲

اٰیاتها ۸ | ۹۸ سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۰ | رکوعها ۱

اس کی آٹھ آیتیں ہیں | سورۃ البینۃ مدینہ میں نازل ہوئی | اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ

جو لوگ کافر تھے اہل کتاب اور مشرکین میں سے،

مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۱﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ

وہ باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ اُن کے پاس ایک واضح دلیل نہ آتی (یعنی) اللہ کا ایک رسول جو انہیں

يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿۲﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿۳﴾ وَ مَا

پاک صحیفے پڑھ کر سنائے، جن میں درست مضامین درج ہوں ف۱ مگر جو لوگ

تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ

اہل کتاب تھے وہ تو اس دلیل کے آنے کے بعد ہی

الْبَيِّنَةُ ﴿۴﴾ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ

مختلف ہوئے ف۲ حالانکہ انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ دین کو اُسی کے لئے

لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ

خالص رکھیں یکسو ہو کر اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ

ف۱ ظہور اسلام سے قبل دنیا اتنی شدید جہالتوں اور ضلالتوں اور ایسے گہرے کفر میں مبتلا تھی کہ بغیر اس کے کہ ایک مصلح اعظم آئے، اور اپنے ہمراہ ایک مکمل نظام نامہ لائے۔ کوئی توقع اصلاح کی نہ تھی۔ چنانچہ مشیت الٰہی نے اپنی حجت کو واضح طور پر پورا کرنے کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ لَمْ ...... مُنْفَكِّيْنَ۔ ذکر زمانہ قبل ظہور اسلام کا ہو رہا ہے۔ مُنْفَكِّيْنَ۔ یعنی کفر کو چھوڑنے والے، کفر سے ہٹنے والے۔ الْبَيِّنَةُ ...... اللّٰهِ۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صراحت کے ساتھ ایک دلیل واضح قرار دیا ہے۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ بدل ہے الْبَيِّنَةُ کا۔ اے الحجة الواضحة والمراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم (مدارک) الْبَيِّنَةُ۔ ال کے ساتھ صیغۂ معرفہ میں لا کر گویا اس طرف اشارہ کر دیا کہ وہ بہت بڑی دلیل ہے، جس پر کسی اضافہ کی گنجائش نہیں۔ اور پھر معاً بعد رَسُوْلٌ تنوین کے ساتھ صیغۂ نکرہ میں لا کر اس سے بھی یہی کام لیا ہے۔ انها للتفخیم اے هو البینة التی لامزید علیها او البینة کل البینة لان التعریف قدیکون للتفخیم وکذا التنکیر وقد جمعهما الله ههنا فی حق الرسول علیه السلام (کبیر) اور اسی کی ایک نظیر اسی پارہ کی سورۃ البروج میں گزر چکی ہے، جہاں حق تعالیٰ نے اپنے کو بصیغۂ معرفہ المجید کہا، اور پھر معاً بعد بصیغۂ نکرہ فعال فرما دیا۔ مُطَهَّرَةً۔ یعنی ہر باطل سے پاک ومنزہ۔ اے مطهرة عن الباطل (کبیر) الَّذِيْنَ ...... وَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ قرآن واسلام کے منکرین میں دو طرح کے لوگ تھے، اور آج تک یہ تقسیم چلی آرہی ہے۔ ایک وہ لوگ جن کے ہاں توحید ونبوت کے بنیادی خیالات موجود تھے، البتہ وہ لوگ اپنے ہاں کی اصل تعلیمات سے بہت دور جا پڑے تھے۔ دوسرے وہ جو سرتاسر شرک میں غرق تھے۔ اور جو توحید ونبوت کے بنیادی خیالات سے بھی ناآشنا تھا۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ مفسر واحدی نے اس آیت کو نظم وتفسیر کے لحاظ سے قرآن مجید کی دشوار ترین آیتوں میں شمار کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اچھے اچھے صاحب علم اس میں غوطہ کھا گئے ہیں، لیکن دشواریوں کی کوئی نوعیت بالتفصیل بیان نہیں کی ہے۔ قال الواحدی فی کتاب البسیط هذه الاٰیة من اصعب ما فی القراٰن نظما وتفسیرًا وقد تخبط فیها الکبار من العلماء ثم انه رحمه الله تعالی لم یلخص کیفیة الاشکال فیها (کبیر) مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ من یہاں تبیین کے لئے ہے نہ کہ تبعیض کے لئے۔ کلمة من ههنا لیست للتبعیض بل للتبیین (کبیر) لیکن بعض اکابر اس کے خلاف بھی گئے ہیں۔ ومن للتبعیض کما قال علم الهدی الشیخ ابو منصور الماتریدی فی التاویلات لاللتبیین (روح) ف۲ یعنی اہل کتاب جو توحید، نبوت، کتاب، حشر وغیرہ کے بنیادی عقائد سے فی الجملہ آشنا و مانوس تھے، اور جن سے اس کی توقع بہت زیادہ کی جاسکتی تھی کہ کتاب ہدیٰ کے آجانے کے بعد اسی کو قول فیصل سمجھ کر اس کا اتباع کریں گے اور اپنے باہمی دینی مناقشوں میں اسی کو حَکم بنائیں گے، وہ اور الٹے اس کی مخالفت میں پیش پیش ہو گئے۔ وَ مَا ...... الْكِتٰبَ۔ اہل کتاب کے تفرق سے مراد مسیحیوں اور یہود، اور پھر ان کے اندرونی فرقوں کے آپس کے شدید تفرقے اور مناقشے ہیں۔ الْبَيِّنَةُ۔ مراد قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ الْبَيِّنَةُ کے اگر عام معنی ہی لئے جائیں، تو آیت سے مراد یہ ہوگی کہ یہ تو اہل کتاب کا شروع سے دستور چلا آرہا ہے کہ یہ حجت قائم ہونے کے

بعد ہی بگڑتے رہے ہیں، تو آج ان کا بگڑنا کوئی نئی بات نہیں۔ ف۳ (اور جب انہیں تعلیمات کو ان لوگوں نے نہ مانا، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ خود اپنی کتابوں کے عملاً منکر و مخالف ہو گئے ہیں) وَمَآ

وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِؕ ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ

دیا کریں یہی طریقہ ہے (ان) درست مضامین کا ف۳ جو لوگ اہل کتاب

الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاؕ

اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ دوزخ کی آگ میں پڑیں گے جس میں ہمیشہ رہیں گے

اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِؕ ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

یہی لوگ بدترین خلائق ہیں ف۴ جو لوگ کہ ایمان لائے اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِؕ ﴿۷﴾ جَزَآؤُهُمْ

نیک عمل کئے تو یہی لوگ بہترین خلائق ہیں ف۵ اُن کا صلہ

عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اُن کے پروردگار کے نزدیک ہمیشگی والی بہشتیں ہیں جن کے نیچے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًاؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

نہریں جاری ہوں گی جہاں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اللہ اُن سے خوش رہے گا

وَرَضُوْا عَنْهُؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ﴿۸﴾

اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے، یہ اُس کے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے ف۶

ع ۱ / ۲۴

اٰیاتها ۸ — ۹۹ سُوْرَةُ الزَّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ ۹۳ — رکوعها ۱

اس کی آٹھ آیتیں ہیں — سورۃ الزلزال مدینہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَاۙ ﴿۱﴾ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ

جب کہ زمین اپنی جنبش سے خوب ہی ہلا ڈالی جائے، اور زمین اپنے بوجھ باہر

اَمِرُوْٓا۔ یعنی یہ حکم انہیں خود انہیں کی کتابوں میں مل چکا ہے۔ مُخْلِصِيْنَ...... حُنَفَآءَ۔ اور اسی اخلاص فی الدین کے اندر خاتم النبیین ﷺ کی تصدیق اور قرآن مجید پر ایمان بھی داخل ہیں۔ ذٰلِكَ۔ یعنی یہی امور جن کا ذکر ماقبل ہو چکا ہے! عبادت الٰہی اخلاص و حنیفیت کے ساتھ اور اقامت صلوٰۃ ادائے زکوٰۃ۔ اشارة الى ماذكر من عبادة الله بالاخلاص واقامة الصلوة وايتاء الزكوة (روح) دِيْنُ الْقَيِّمَةِ۔ قیمة صفت ہے موصوف محذوف الملّة کی۔ ای دين الملّة القيمة (مدارک) قال المبرد والزجاج ذٰلک دين الملّة القيّمة فالقيّمة نعت لموصوف محذوف (کبیر) ف۴ یہاں یہ بتا دیا کہ جو لوگ قانون الٰہی کے باغی و منکر ہیں، ان کا ماضی جو کچھ بھی ہو، اور وہ دوسری حیثیتوں سے جیسے کچھ بھی ہوں، اللہ کی عدالت میں ''شرّیت'' میں کامل ہیں۔ ف۵ یعنی جو لوگ قانون الٰہی کے تصدیق کرنے والے اور وفادار ہیں، وہ دوسری حیثیتوں سے جیسے کچھ بھی ہوں، اللہ کی عدالت میں ''خیریت'' میں کامل ہیں۔ ف۶ (اور یہ خشیت ہی تو انسان کو ایمان و عمل صالح پر لاتی ہے جس کی جزاء جنت اور نعماء جنت ہیں) خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۔ ابداً کا اضافہ خلود جنت کے مفہوم کو مؤکد و غیر منقطع بنا دینے کے لئے ہے۔ قیام جنت محض طویل و ممتد ہی نہ ہوگا، زمانہ نامتناہی کے لئے ہوگا۔ عجب نہیں جو الفاظ آیت سے مقصود تردید ان گمراہ گروہوں کی ہو، جن کے خیال میں، جنت بھی ایک طویل مدت کے بعد فنا ہو جائے گی، اور دنیا کی تخلیق اس کے بعد پھر سے ہوگی۔ رَضِيَ اللّٰهُ...... عَنْهُ۔ اللہ ان بندوں سے ہر طرح خوش و مطمئن ہوگا۔ اور یہ بندے بھی اللہ سے ہر طرح خوش و مطمئن ہوں گے — ایسے خوش نصیب بندوں کی خوش نصیبی پر کسے رشک نہ آئے گا؟ ذٰلِكَ۔ یعنی یہ جنت اور رضاء۔ ای المذکور من الجزاء ورضوان (بیضاوی) خَشِيَ رَبَّهٗ۔ داخلہ جنت کا مدار ایمان و عمل صالح پر ہوا، لیکن خود یہ تو خشیت الٰہی ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ۔ جنت کو حق تعالیٰ نے کہیں جنات عدن سے تعبیر فرمایا ہے، اور کہیں جنات النعیم سے، اور کہیں دار السلام سے۔ محققین نے کہا ہے کہ خود ایمان کی ترکیب عقیدہ اور قول اور عمل کے اجزائے سہ گانہ سے ہوئی ہے، تو ہر ہر جزو کے مقابلہ میں ایک ایک صفت جنت کو بیان کیا گیا ہے۔ اعلم ان الله سبحانهٗ وصف الجنة مرّةً بجنات عدن ومرّة بجنات النعيم ومرّةً بدار السلام وهٰذه الاوصاف الثلاثة انما حصلت لانک رکبت ایمانک من امور ثلاثة اعتقادٍ وقولٍ وعملٍ (کبیر)

اَثۡقَالَهَا ۝۲ وَقَالَ الۡاِنۡسَانُ مَالَهَا ۝۳ يَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ

پھینک نکالے، اور آدمی بول اُٹھے کہ اسے (یہ) ہوا کیا؟ ف۱ اُس روز زمین اپنی (سب) خبریں

اَخۡبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰى لَهَا ۝۵ يَوۡمَئِذٍ يَّصۡدُرُ

بیان کر گزرے گی، یہ اس لئے کہ آپ کے پروردگار کا حکم اُسے یہی ہو گا ف۲ اُس روز لوگ گروہ گروہ

النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۙ لِّيُرَوۡا اَعۡمَالَهُمۡ ۝۶ فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ

واپس ہو رہے ہوں گے کہ اپنے اعمال کو دیکھیں ف۳ سو جو کوئی ذرہ بھر بھی

ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸

نیکی کرے گا، اُسے دیکھ لے گا اور جس کسی نے ذرہ بھر بھی بدی کی ہو گی اُسے بھی دیکھ لے گا ف۴

ایاتها ۱۱ ۱۰۰ سُوۡرَةُ الۡعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ۱۴ رکوعها ۱

اس کی گیارہ آیتیں ہیں سورۃ العٰدیٰت مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالۡعٰدِيٰتِ ضَبۡحًا ۝۱ فَالۡمُوۡرِيٰتِ قَدۡحًا ۝۲ فَالۡمُغِيۡرٰتِ

قسم ہے گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں، پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج

صُبۡحًا ۝۳ فَاَثَرۡنَ بِهٖ نَقۡعًا ۝۴ فَوَسَطۡنَ بِهٖ جَمۡعًا ۝۵

کرتے ہیں، پھر اُس وقت غبار اُڑاتے ہیں، پھر اُس وقت جماعت میں جا گھستے ہیں، ف۱

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوۡدٌ ۝۶ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيۡدٌ ۝۷

بے شک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے اور وہ خود بھی اس پر گواہ ہے ف۲

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الۡخَيۡرِ لَشَدِيۡدٌ ۝۸ اَفَلَا يَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ

اور وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے ف۳ اس کو وہ وقت کیا معلوم نہیں جب زندہ کئے جائیں گے

ف۱ یہ سب واقعات حشر کے سلسلہ میں نفخۂ اول کے وقت کے ہیں۔ اَثۡقَالَهَا۔ زمین کے بوجھ سے مراد مردے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور زمین کے دفینے اور معدنیات وغیرہا بھی۔ اِذَا...... زِلۡزَالَهَا۔ غرض یہ کہ زمین کی اس جنبش اضطرابی سے سارا عالم زیروزبر ہو جائے گا۔ وَقَالَ الۡاِنۡسَانُ مَالَهَا۔ انسان گھبرا کر اور سراسیمہ ہو کر پکار اٹھے گا کہ زمین کو آخر یہ ہو کیا گیا؟ الۡاِنۡسَانُ۔ انسان سے اس سیاق میں مراد کافر انسان ہے، جسے سارا بھروسہ مادی ہی طاقتوں کا رہتا ہے، اور جو مسبب الاسباب کی قدرت وحکمت کا منکر یا عملاً منکر رہتا ہے۔ قیل هذا قول الكافر لانه كان لايؤمن بالبعث (مدارک) قال الجمهور الانسان هو الكافر يرى مالم يظن (بحر) ف۲ اس وقت حکمت ومشیت یہی ہو گی کہ زمین ناطق ہو جائے جیسے آج حکمت ومشیت یہ ہے کہ زمین ساکت وبے زبان رہے۔ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا۔ ظاہر ہے کہ مومن وکافر ہر انسان سے عمل، اچھے برے جو کچھ بھی صادر ہوتے ہیں، اسی زمین ہی پر ہوتے ہیں۔ قدرۃً زمین ہی، چھوٹے بڑے، اچھے برے، ہر ہر واقعہ کی پوری پوری شہادت پیش کرے گی۔ بِاَنَّ...... لَهَا۔ زمین میں یہ قوت گویائی اس وقت خود بخود نہیں، قادر مطلق کے حکم سے پیدا ہو گی۔ اہل سنت کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ حیات اور اس کے سارے آثار، انعامات الٰہی ہیں۔ جس وقت جس عضو سے جو کام وہ حکیم مطلق چاہے، لے لے۔ بِاَنَّ۔ میں ب سببیہ ہے۔ ف۳ (خواہ جنت خواہ دوزخ میں) يَصۡدُرُ النَّاسُ۔ لوگ اس وقت حساب سے اپنی اپنی منزل کی طرف واپس ہو رہے ہوں گے ـــ ذکر اب نفخۂ ثانی کے بعد کے واقعات کا ہو رہا ہے۔ اَشۡتَاتًا۔ یعنی کچھ گروہ اہل جنت کے ہوں گے، اور کچھ گروہ اہل دوزخ کے۔ اَعۡمَالَهُمۡ۔ مراد اپنے اعمال کے ثمرات وعواقب ہیں۔ اے جزاء اعمالهم (مدارک) قال ابن عباس ليروا جزاء اعمالهم (معالم) ف۴ حدیث نبوی ﷺ میں ان دو ۲ آیتوں کے لئے الجامعۃ الفاذہ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی جو اصل ان میں بیان کر دی گئی ہے وہ جامع اور منفرد ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ آیتیں قانون مجازات کی تصویر کشی نہایت خوبی وخوش اسلوبی وجامعیت کے ساتھ کر رہی ہیں۔ خَيۡرًا يَّرَهٗ۔ اس اقل قلیل خیر کو بھی جنت میں پالے گا ـــ خیر کے خیر باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ اسے کفر سے فنا نہ کر دیا گیا ہو۔ شَرًّا يَّرَهٗ۔ اس اقل قلیل شر کو بھی دوزخ میں پالے گا ـــ ”شر“ کے شر باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ اسے توبہ اور ایمان سے زائل نہ کر دیا گیا ہو۔ ف۱ ان گھوڑوں سے مراد لڑائی کے گھوڑے ہیں، جن کے اوصاف سے اہل عرب خوب واقف تھے۔ ضَبۡحًا۔ گھوڑے عادۃً تیز دوڑ کے بعد ہانپنے لگتے ہیں۔ فَالۡمُوۡرِيٰتِ قَدۡحًا۔ یعنی ان کی نعلوں سے پہاڑوں کے پتھر آگ دے اٹھتے ہیں۔ کنایہ کمال گرم رفتاری سے ہے۔ فَالۡمُغِيۡرٰتِ صُبۡحًا۔ عرب میں عام دستور صبح سویرے تاخت کرنے کا تھا۔ فَاَثَرۡنَ بِهٖ نَقۡعًا۔ کمال تیز رفتاری کے باعث ان کے قدموں سے غبار اڑتا ہے۔ فَوَسَطۡنَ بِهٖ جَمۡعًا۔ یعنی جماعت اعداء میں در آتے ہیں۔ بہ میں ب زائدہ تاکید کے لئے ہے۔ حضرات صوفیہ نے ان صفات سے اپنے مذاق کے مطابق اشارات معرفت خوب نکالے ہیں۔ مثلاً! کچھ ”اشغال حرکت نفس“ میں مشغول رہتے ہیں، دل سے ”شعلہائے آتشیں“ بلند کرتے یا ”شمع معرفت“ روشن کرتے ہیں۔ صبح کو جو وقتِ رحمت ہوتا ہے دولتِ دیدار لوٹتے اور نفس پر حملۂ قوی کرتے ہیں۔ اور غبار سے مراد آثار لی ہے۔ ف۲ (خواہ وہ گواہی زبانِ حال ہی سے کیوں نہ ہو) فالشهادة بلسان الحال الذى هو افصح من لسان المقال (روح) الۡاِنۡسَانَ۔ انسان سے مراد ایسے ہر سیاق میں کافر انسان سے ہوتی ہے۔ اِنَّهٗ ضمیرہٗ انسان کی طرف ہے۔ اے الانسان كما قال الحسن ومحمد بن كعب (روح) یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے کفر پر قیامت میں ضرور گواہی دے گا۔ عَلٰى ذٰلِكَ۔ یعنی اپنی اسی ناشکری پر۔ اے على كنوده (کشاف)

ف۳ (اور کفر اور ناشکری کی علت اکثر یہی ہوتی ہے) الۡخَيۡرِ۔ خیر۔ یہاں مال کے معنی میں ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی بعض اور آیتوں میں بھی آیا ہے۔ الخير المال من قوله تعالى ان ترک خيرًا (کشاف) اے المال الكثير۔ (راغب) وقال قتادة الخير من حيث وقع فى القراٰن هو المال (بحر) یہ بھی جائز ہے کہ یہاں خیر دنیوی مراد لی جائے، اس مفہوم میں جو آخرت فراموش اس کا سمجھتے ہیں، اور اس کے تحت میں مال، جاہ، صحت وغیرہ تمام مقاصد دنیوی لے لئے جائیں۔ قال ابن عطية يحتمل ان يراد هذا الخير الدنيوى من مال وصحة وجاه عند الملوك ونحوه لان الكفار والجهال لايعرفون غير ذلک (بحر) لِحُبِّ الۡخَيۡرِ میں ل اگر تعلیل کا مانا جائے، اور تقدیر کلام یوں سمجھی جائے کہ انه لاجل حب المال تو آیت کا ترجمہ یوں ہو گا:۔ ”اور مال کی محبت کے پیچھے بڑا بخیل ہے“۔ شدت حُبِ مال سے یہاں مراد وہی بیجا اور مفرط دولت پرستی ہے، جو انسان کی عقل سلیم کو بالکل اندھا کر دیتی ہے، اور تمامتر کفران وعدوان کی طرف لے جاتی ہے، ورنہ جائز حدود کے اندر مال کی تھوڑی محبت تو ایک امر طبعی ہے۔ لَشَدِيۡدٌ۔ شدید یہاں بخیل وممسک کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ الشديد البخيل الممسک (کشاف) الشديد المتشدد البخيل (راغب)

مَا فِي الْقُبُوْرِ ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ

جتنے (مردے) قبروں میں ہیں اور آشکارا ہو جائے گا جو کچھ دلوں میں ہے ف۴ بے شک

رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ ع

اُن کا پروردگار اُن کے حال سے اس روز پورا پورا آگاہ ہوگا ف۵

ع ۱۱ ۲۵

آیاتها ۱۱ ۔ ۱۰۱ سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۰ ۔ رکوعها ۱

اس کی گیارہ آیتیں ہیں ۔ سورۃ القارعۃ مکہ میں نازل ہوئی ۔ اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا

وہ کھڑکھڑانے والی چیز! کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز! آپ کو خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے

الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿۴﴾

وہ کھڑکھڑانے والی چیز! ف۱ جس روز آدمی پریشان پروانوں کی طرح ہو جائیں گے

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنْ

اور پہاڑ دھنکی ہوئی اُون کی طرح ہو جائیں گے ف۲ پھر جس کسی کا

ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۷﴾ وَ اَمَّا

پلہ بھاری نکلے گا وہ خاطر خواہ آسائش میں ہو گا ف۳ اور جس کسی کا

مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾ وَمَآ

پلہ ہلکا نکلے گا ۔ اُس کا ٹھکانہ ہاویہ ہو گا اور آپ کو

اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾ ع

کچھ خبر ہے کہ وہ ہے کیا چیز وہ آگ ہے دہکتی ہوئی ف۴

ع ۱۱ ۲۶

ف۴ (کہ ان چیزوں کا استحضار اسے متنبہ اور ہوشیار کر دینے کے لئے کافی ہے) مَا فِي الْقُبُوْرِ۔ مَا یہاں بھی مَنْ کے مرادف ہے۔ ف۵ (چنانچہ ان کی ناشکر گزاری سے بھی اور اس کی موجبات ومحرکات سے بھی آگاہ ہوگا) رَبَّهُمْ۔ بِهِمْ جمع غائب کی یہ ضمیریں آیت ۶ کے الْاِنْسَان کی جانب ہیں، جو معنًی جمع تھا۔ والانسان على معنى الجمع (کبیر) ضمیر مبعوثین کی جانب بھی سمجھی جا سکتی ہے۔ بِهِمْ...... لَخَبِيْرٌ۔ یعنی ان لوگوں کے اعمال، اقوال، احوال سب کی ایک ایک تفصیل سے آگاہ۔

ف۱ سوالات اور پھر پیہم سوالات، خطبات عرب کے دستور کے مطابق، کلام میں زور واثر پیدا کرنے کے لئے، اور مخاطبین کے جلب توجہ کے لئے ہے۔ اَلْقَارِعَةُ۔ سے مراد صور قیامت کے نفخۂ اول سے ہے، جس کی مہیب آواز دلوں اور کانوں دونوں کو کھڑکھڑا کر رکھ دے گی عموماً اہل جاہلیت کی طرح عرب جاہلیت کے بھی کفر واعراض کی اصل بنیاد آخرت فراموشی پر تھی۔ آغاز وحی میں سب سے زیادہ زور عین ترتیب حکیمانہ کے مطابق اسی موضوع پر دیا گیا۔ ف۲ یعنی جس طرح دھنکی ہوئی اون ہلکی پھلکی پارہ پارہ ہو کر ہوا میں اڑنے لگتی ہے، یہ بھاری بھر کم پہاڑ بھی اس روز ہلکے پھلکے ہو کر اُڑے اُڑے پھرتے ہوں گے۔ يَكُوْنُ...... الْمَبْثُوْثِ۔ وجوہِ تشبیہ پروانوں اور مجمع حشر کے درمیان متعدد ہیں۔ مثلاً تعداد کا بے شمار ہونا، منتشر ہونا، بے بس ہونا، سب کا ایک ہی طرف بے اختیار کھنچے چلے جانا وغیرہ۔ ف۳ یعنی جنت کے دائمی عیش میں۔ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ۔ یعنی جس کے اعمال وزنی نکلیں گے ـــ اعمال میں وزن جبھی پیدا ہوتا ہے، جب وہ مومن سے شریعت کے موافق صادر ہوں۔ منکر کے اعمال، اور مسلم کے خلافِ شریعت اعمال سب بے وزن رہ جاتے ہیں۔ رَاضِيَةٍ۔ یہاں مرضية (پسندیدہ) کے معنًی میں ہے۔ قال المفسرون تفسيرها مرضية على معنى يرضاها صاحبها (کبیر) ف۴ جس کے اعمال وعقائد دونوں خلاف شریعت ہوں گے۔ وہ کافر ہی ہوگا۔ اور اس کا پلڑا میزان قیامت میں بالکل بے وزن نکلے گا۔ هَاوِيَةٌ۔ اس کے لفظی معنًی عمیق گڑھے کے ہیں۔ نَارٌ حَامِيَةٌ۔ ایسی بھڑکتی ہوئی آگ، جس کے سامنے دنیا کی ہر آگ سرد ہی نظر آئے گی۔ والمعنى ان سائر النيران بالنسبة اليها كانها ليست حامية (کبیر)

وا (دنیائے وفات پاکر) آیت میں اس عام حقیقت کا بیان ہے کہ دنیوی جاہ و مال، سامان وقوت وشوکت پر فخر وناز اوران کی محبت وطلب، آخرت فراموش انسان کے قلب پر غفلت کے پردے ڈالے رہتی ہیں، اوراس میں خوف خدا وخشیت الٰہی پیدا ہی نہیں ہونے دیتیں، یہاں تک کہ موت کا وقت آجاتا ہے، اور انسان قبر میں پہنچ جاتا ہے۔ اَلْهٰكُمُ۔ الھاء۔ کے معنی لہو میں ڈال دینے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ دنیوی مشاغل میں انہماک چیز ہی ایسی ہے، جو انسان کا خیال، آخرت کی طرف جانے ہی نہیں دیتی اور اسے سدا فکر آخرت سے غافل رکھتی ہے۔ التَّكَاثُرُ۔ یعنی سامان دنیوی کی حرص وہوس، دنیا کا ہوکا، اور مال وجاہ میں ایک دوسرے پر تفوق وغلبہ کی طلب۔ التباری فی کثرة المال والعزّ (راغب) التباری بکثرة الجاه والمال والمناقب (کبیر) یہاں اس کے تحت میں دنیوی مفاخرت کی ساری ہی چیزیں داخل ہیں۔ يدخل فيه التكاثر بالعدد و بالمال و الجاه والاقرباء والانصار والجيش و بالجملة فيدخل فيه التكاثر بكل مايكون من الدنيا ولذاتها وشهواتها (کبیر) شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ جاہلیت میں ہر قبیلہ کی عام عادت دوسرے قبیلہ پر اپنی کثرت آبادی اور کثرت سامان کی بناء پر تفوق جتانے کی تھی — جیسے

ایاتها ۸ ۱۰۲ سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ ۱۶ رکوعها ۱

اس کی آٹھ آیتیں ہیں سورۃ التکاثر مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ① حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ② كَلَّا

فخر کرنا تمہیں غافل کئے رہتا ہے تا آنکہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو وا ہاں ہاں

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ③ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ④

تمہیں عنقریب معلوم ہوا جاتا ہے، ہاں ہاں پھر تمہیں عنقریب معلوم ہوا جاتا ہے و۲

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ⑤ لَتَرَوُنَّ

ہاں اور ہاں کاش تم یقینی طور پر جان لیتے! و۳ تم یقیناً دوزخ کو

الْجَحِيْمَ ⑥ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ⑦ ثُمَّ

دیکھ کر رہو گے و۴ پھر یقیناً تم لوگ اُسے ایسا دیکھنا دیکھو گے جو خود یقین ہے و۵ پھر

لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ⑧ ع

اُس روز تم سے (ہر) نعمت کی پوچھ ہو گی و۶

ایاتها ۳ ۱۰۳ سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۳ رکوعها ۱

اس کی تین آیتیں ہیں سورۃ العصر مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِيْنَ

قسم ہے زمانہ کی، کہ انسان بڑے خسارہ میں ہے وا مگر وہ لوگ نہیں جو

ع ۸ / ۲۷

آج بیسویں صدی کی "مہذب" حکومتوں کو فخر وناز اپنی اپنی (Man-Power.) پر رہا کرتا ہے۔ و۲ (مرتے ہی اور قبر میں پہنچتے ہی) یعنی یہ ساری غفلتیں محض عارضی ہیں، آنکھ بند ہوتے ہی عالم برزخ شروع ہو جائے گا، اور اسی کے ساتھ کشف حقائق بھی — خود ہی جان لوگے، کہ اصل حقیقت کیا تھی، اور تم اس دنیا میں کیسی شدید حماقت اور بھول میں پڑے رہے! كَلَّا۔ ثُمَّ كَلَّا۔ جملہ کی تکرار تاکید مضمون کی غرض سے ہے۔ وذكروا للتكرير انه للتاكيد وانه وعيد بعد وعيد (کبیر) مضمون کے مکرر آنے سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے، کہ اشارہ عذاب برزخ اور عذاب آخرت کی دو مختلف حالتوں کی جانب ہے، اور یہ استدلال امیر المومنین حضرت علی ؓ کی جانب منسوب ہے۔ ان احدى الحالتين عذاب القبر والاخرى عذاب القيامة (کبیر) عن ذرؓ قال سمعت على بن ابى طالبؓ يقول ان هذه الأية تدل على عذاب القبر (کبیر) قال على بن ابى طالب الاول فى القبور والثانى فى النشور (روح) عربی فصاحت وبلاغت پر جب بھی غور کیا جائے گا، عربوں ہی کے معیار سے کیا جائے گا، نہ کہ کسی اور ملک وقوم کے معیار سے۔ علامۂ آلوسی سورۃ الکافرون کی تفسیر کے تحت میں امام لغت ونحو فراء کا قول نقل کرتے ہیں کہ فصحائے عرب ایسے موقع پر تکرار سے کام لیتے ہیں، اور سننے والے یا تو اقرار میں بلٰی، بلٰی کہتے جاتے ہیں، اور یا انکار میں لا، لا۔ قال الفراء ان القرأن نزل بلغة العرب ومن عادتهم تكرار الكلام للتاكيد والافهام، فيقول المجيب بلى بلى والممتنع لا لا۔ (روح)

و۳ (اسی دنیا میں دلائل صحیح پر غور کر کے۔ یعنی بعد مرگ تو یقین کرنا ہی پڑے گا، کاش اسی زندگی میں تم عقل سلیم سے کام لے کر نتیجہ یقین تک پہنچ گئے ہوتے۔ عِلْمَ الْيَقِيْنِ۔ فقہاء نے بالاتفاق لکھا ہے کہ اعمال میں محض ظن غالب کافی ومعتبر ہے۔ البتہ اعتقادیات میں، متکلمین کہتے ہیں کہ جانب مخالف کا احتمال بھی نہ رہنا چاہیے، اور یہی علم الیقین ہے۔ و۴ (اور یہ دیکھنا معاً بعد مرگ عالم برزخ میں ہوگا) و۵ یعنی وہ رؤیت استدلالی نہیں، رؤیت مشاہدہ ہوگی جس میں انکشاف استدلالیات سے کہیں زیادہ اور صریح ہوتا ہے — آگ میں گرنے والے کو آگ کی سوزش اور حرارت کا یقین کہ یہ عین الیقین ہے۔ آگ کے قریب بیٹھنے والے کے یقینِ سوزش وحرارت سے کہ یہ علم الیقین ہے، کہیں بڑھ چڑھ کر ہوتا ہے۔ و۶ (کہ ہر نعمت کا حق، یعنی ایمان وطاعت بجالائے یا نہیں) ثُمَّ۔ مفسرین نے کہا ہے کہ خطاب یہاں نوع انسان کو عام ہے، کفار ومشرکین کے ساتھ مخصوص نہیں، اور ثُمَّ اس لحاظ سے مفید ترقی ہے، یعنی یہ سوال جب غیر مجرمین تک سے ہوگا، جن پر کوئی ضرر اس سے مترتب نہ ہوگا، تو پھر مجرمین کے لئے اس سوال کی جو اہمیت، اشدیت اور ہیبت ہے، ظاہر ہی ہے۔ النَّعِيْمِ۔ اس میں دنیا کی ہر وہ چیز آگئی، جو کسی نہ کسی جہت سے مفید یا لذیذ ہو۔ يجب حمله على جميع النعم (کبیر) والنعيم عام لكل مايتلذذبه من مطعم ومشرب ومفرش ومركب (روح) وا (بسبب اپنی فرصت عمر کے تلف وضائع کر ڈالنے کے) اَلْعَصْرِ۔ زمانہ جو ہر لحہ انتہائی سرعت کے ساتھ گزرتا چلا جاتا ہے، وہی تو وہ ظرف ہے جس کے اندر انسان سب ہی کچھ کرتا رہتا ہے، اور سب ہی کچھ اس پر گزرتی رہتی ہے۔ اسی میں وہ کھوتا بھی ہے، اور اسی میں وہ پاتا بھی ہے۔ رنج وحرمان، نقصان وخسران بھی اسی میں اس پر واقع ہو کر رہتا ہے۔ — محض وقت کا مفہوم ادا کرنے کے لئے عربی زبان میں زبان دہر وغیرہ اور لفظ بھی تھے۔ لیکن گزرتے ہوئے زمانہ کی طرف، مرور ایام کی طرف خاص اشارہ کرنے والا لفظ یہی "عصر" ہے۔ وقسم بالزمان لما فى مروره من اصناف العجائب (کشاف) عمر انسانی کے لحات دیکھتے دیکھتے کس تیزی سے گزر جاتے ہیں، اور انسان خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔ اسی کو گواہ کر کے قرآن مجید کہتا ہے کہ کافر انسان بھی کیسا بد قسمت اور حرماں نصیب ہے! وقت کی پوری قدر کرنا، عمر کے ایک ایک لحظہ اور پل کا حساب رکھنا کہ اس سب کا سوال ہوگا، اسلام کی اہم تعلیمات میں سے ہے۔ الْاِنْسَانَ۔ انسان۔ سے اس سیاق میں بھی مراد وہی کافر انسان ہے۔

اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬

ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کئے، اور ایک دوسرے کو فہمائش کرتے رہے حق کی،

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾ ع

اور ایک دوسرے کو فہمائش کرتے رہے پابندی کی و۲

ایاتھا ۹ ۱۰۴ سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۲ رکوعھا ۱

اس کی نو آیتیں ہیں سورۃ الہمزہ مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ﴿۱﴾ ۙ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا

کم بختی ہے پس پشت عیب جوئی کرنے والے کے لئے اور طعنہ دینے والے کے لئے، جو مال جمع کرتا (رہتا) ہو

وَّ عَدَّدَهٗ ﴿۲﴾ ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ﴿۳﴾ ج كَلَّا

اور اُسے گنتا رہتا ہو، وہ یہ خیال کر رہا ہے کہ اُس کا مال اُس کے پاس سدا رہے گا و۱ ہاں ہاں

لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ﴿۴﴾ ز وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا

وہ ضرور توڑنے پھوڑنے والی آگ میں جھونکا جائے گا اور آپ سمجھے کہ وہ توڑنے پھوڑنے والی

الْحُطَمَةُ ﴿۵﴾ ط نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿۶﴾ ۙ الَّتِيْ تَطَّلِعُ

آگ ہے کیا؟ وہ اللہ کی آگ ہے (اللہ کے حکم سے) سلگائی ہوئی جو دلوں تک

عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿۷﴾ ط اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۸﴾ ۙ

جا پہنچے گی و۲ وہ آگ اُن پر بند کر دی جائے گی

فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾ ع

بڑے بڑے لمبے ستونوں میں و۳

ع ۱ / ۲۸

ع ۱ / ۲۹

و۲ یعنی خسران و محرومی تو منکروں اور کافروں کے حصہ میں آئی ہے جنہوں نے وقت کی قدر نہ پہچانی اور ساری فرصت عمر برباد کردی۔ نہ کہ اُن لوگوں کے جنہوں نے اپنی عمریں قانون الٰہی کے مطابق بسر کیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ مکہ کے مشہور تاجر ابوبکر بن ابی قحافہ جب دعوت اسلام کے بالکل شروع ہی میں ایمان لے آئے تو ایک معاصر نے ان سے کہا کہ تم معاملات میں تو بڑے ہوشیار تھے، لیکن اس باب میں سخت دھوکا کھا گئے۔ اپنے کو فلاں فلاں ٹھاکروں اور دیوتاؤں کی توجہ، شفقت و سفارش سے محروم کردیا، اور لائق و فائق اسلاف کے طور طریقوں کو چھوڑ دیا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ جس میں بتایا گیا کہ محروم رہ جانے والے حقیقۃً کون ہیں۔ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ۔ یعنی اعتقاد حق پر قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہے۔ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ حسرت وحرمان سے بچے رہنے والے خوش نصیب انسانوں کی چار صفات کا یہاں بیان ہوا ہے۔ ان میں سے پہلی دو یعنی ایمان اور عمل صالح، صفات ذاتی وانفرادی اور بطور کمال لازم کے ہیں۔ باقی دو یعنی تواصی بالحق وتواصی بالصبر، صفات ملی واجتماعی بطور کمالات متعدی کے ہیں۔۔۔ اسلام تو اصلاح، انفرادی واجتماعی، ذاتی وملی دونوں قسم کی ساتھ ساتھ چاہتا ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فرصتِ عمر نعمت مغتنم ہے، ضائع کوئی لمحہ نہ ہونا چاہئے۔ ساری عمر تحصیل کمال یا تکمیل ہی میں بسر ہونا چاہیے۔

و۱ یعنی اس کے عمل سے تو ایسا ظاہر ہو رہا ہے کہ گویا وہ اپنے مال، دولت، خزانہ کے خلود کا معتقد ہے، جبھی تو اس کے ساتھ اس درجہ اشتغال وانہماک رکھتا ہے۔۔۔ انسان دولت کثیر کے ساتھ ہی کیسے کیسے دور دراز کے منصوبے باندھنے اور کیسی کیسی لمبی اسکیمیں بنانے لگتا ہے۔ اور زبان سے کہے یا نہ کہے، لیکن بہرحال دل سے تو یہی سمجھنے لگتا ہے کہ اب حلال مشکلات میرے ہاتھ آ گیا، ہر افتاد کا توڑ اپنی اسی دولت کے زور سے کرلیا کروں گا۔ قرآن مجید نے اپنے جامع وبلیغ لفظوں میں اس ساری بشری ذہنیت کی طرف اشارہ کردیا۔ وَيْلٌ...... لُّمَزَةٍ۔ اس میں اجتماعی زندگی کے دو بڑے امراض، پس پشت عیب رکھنے۔ اور رُو در رُو طعنہ دینے کا علاج آ گیا۔ الَّذِيْ...... عَدَّدَهٗ۔ اس میں اشارہ اس طرف آ گیا کہ اجتماعی اخلاقی امراض کی بنیاد زیادہ تر کبر وبخل پر ہوتی ہے۔ اور یہ عموماً افراط حُبِ مال سے پیدا ہوتے ہیں۔ جَمَعَ مَالًا۔ غایت حرص وشدت بخل سے مال کے جمع رکھنے کی دھن میں لگا رہتا ہے۔۔۔ مال سے طبعی تعلق مذموم نہیں، مذموم اس تعلق میں غلو وانہماک ہے۔ وَعَدَّدَهٗ۔ بار بار گنتے اور حساب کرتے رہنا علامت ودلیل ہے غایت حُبِ مال اور اس میں شغف وانہماک کی۔ بینک کی پاس بک کی بار بار الٹ پلٹ کرتے رہنا، بینک اور کھاتے اور سیاہے کے پھیر میں دن رات پڑے رہنا، سٹہ اور صرافہ اور (Share Market) کی خبروں کی ٹوہ میں ہر وقت لگے رہنا، یہ سب گننے ہی کے حکم میں داخل ہے۔ مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جمع مال مذموم وہ ہے جو شغف اور محبت کے ساتھ ہو، اور اسی کے آثار میں سے یہ بار بار کا گننا بھی ہے۔ و۲ (اور چونکہ اللہ کے حکم سے سلگائی ہوئی ہے، کسی کے بجھائے بجھ بھی نہ سکے گی) یہ سب تفصیل بیان ہو رہی ہے آغاز سورت کے لفظ وَيْلٌ یعنی شامت اور کمبختی کی۔ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ۔ دلوں تک معاً جا پہنچنا، یہ بیان ہے اس آگ کی سرعت نفوذ وسرایت کا۔ نَارُ اللّٰهِ۔ اضافت اظہار عظمت واہمیت خصوصی کے لئے ہے۔ یعنی وہ آگ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ دنیا کی کسی آگ پر اسے قیاس نہ کرو۔ فالاضافة للتفخيم اى هى نار لا كسائر النيران (کبیر) الْحُطَمَةِ۔ ایسی آگ کہ جو کڑی سی کڑی چیز بھی اس میں پڑے، اس کو بھی وہ توڑ پھوڑ کر رکھ دے۔ و۳ یعنی آگ کے ایسے بڑے بڑے شعلے ہوں گے جیسے لمبے لمبے ستون، اور وہ لوگ ان میں مقید ہوں گے۔ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ۔ یعنی ہر طرف سے دروازے بند کردیے جائیں گے۔ دوزخیوں کے لئے کوئی راستہ نکلنے کا نہ رہے گا، ہمیشہ ہی وہیں پڑے جلتے رہیں گے۔

ف ١ یعنی انہیں کس طرح ہلاک و برباد کر ڈالا۔ اَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ۔ سال عیسوی ٥٧٠ یا ٥٧١ تھا، اور ولادت نبوی ﷺ میں ابھی چند ہفتوں کا زمانہ باقی تھا کہ حجاز کے پڑوس میں جو حبشہ کی پُرقوت مسیحی سلطنت قائم تھی اور جس کی وسعت حدود عرب تک پہنچی ہوئی تھی، اس کے گورنر علاقہ یمن ابرہہ نے حجاز بلکہ خود خانہ کعبہ پر چڑھائی کردی۔ حاکم یمن یوں بھی وقت کی ایک زبردست سلطنت کا نمائندہ تھا۔ پھر اس کی بنوائی ہوئی مسیحی عبادت گاہ کی شدید توہین بھی کسی بے ادب عرب نے کردی تھی۔ ابرہہ کو قدرۃً اس پر سخت غصہ آیا۔ اور اس نے فوج کشی پوری قوت کے ساتھ کی۔ اس کی فوج میں ہاتھی بھی تھے، جو عرب میں ایک بالکل نئی چیز تھے۔ جیسے کہ آج کل کی جنگ میں ٹینک جیپ آتشیں اژدھے وغیرہ۔ یہ فوج کشی ایک تاریخی واقعہ ہے، دوست دشمن سب کو مُسلّم۔ عربوں نے اس کی اہمیت اتنی محسوس کی کہ اس سال کا نام ہی عام الفیل (ہاتھیوں کا سنہ) رکھ دیا۔ اور اسی واقعہ سے اپنے سنہ کی ابتداء کی۔ کانوا یؤرخون فی کتبھم ودیونھم من سنة الفیل وفیھا ولد رسول الله ﷺ فلم تزل قریش والعرب بمکة جمیعًا تؤرخ بعام الفیل۔ (تاریخ مکہ۔ ازرقی۔ جلد اول صفحہ ٩٦) اَلَمۡ تَرَ۔ واقعہ فرط شہرت و تواتر سے مثل مشاہدہ کے تھا۔ ف ٢ (جو اس نے خانہ کعبہ کے ہدم و تخریب کا سوچا تھا) والئ یمن اور صوبہ دار حبشہ کا سارا پروگرام الٹ گیا، بنا بنایا کھیل بگڑ گیا، اور بجائے خانہ کعبہ کے برباد کرنے کے خود ہی مع اپنے لشکر کے برباد ہوگیا۔ ہوا یہ کہ یک بیک سمندر (بحر احمر) کی طرف سے پرندوں کا ٹڈی دل نظر آیا، جن کے پنجوں اور چونچوں میں کنکریاں تھیں، جن سپاہیوں پر وہ کنکریاں پڑتیں وہ چیچک میں مبتلا ہو جاتے۔ ابرہہ یہ ماجرا دیکھ پریشان ہو کر بھاگا، اور یمن پہنچتے ہی پھنسیوں میں لدا ہوا دنیا سے رخصت ہوگیا۔

آیاتھا ٥ ١٠٥ سُوۡرَةُ الۡفِیۡلِ مَکِّیَّةٌ ١٩ رکوعھا ١

اس کی پانچ آیتیں ہیں سورۃ الفیل مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ۝١

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں سے کیا معاملہ کیا ف ١

اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ۝٢ وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ۝٣ تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۝٤ فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ۝٥

کیا ہم نے اُن کا داؤں بالکل اُلٹ نہیں دیا؟ ف ٢ اور اُن پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیج دیئے وہ اُن پر کھنگر کی کنکریاں پھینکتے تھے سو (اللہ نے) انہیں کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح کر دیا ف ٣

آیاتھا ٤ ١٠٦ سُوۡرَةُ قُرَیۡشٍ مَکِّیَّةٌ ٢٩ رکوعھا ١

اس کی چار آیتیں ہیں سورۃ قریش مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۝١ اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَالصَّیۡفِ ۝٢

قریش کو خوگر ہونے کی بناء پر، اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہونے کی بناء پر چاہیے تھا

فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ ۝٣ الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ

کہ اس خانہ (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں ف ١ جس نے اُن کو بھوک میں

ف ٣ (پامالی اور پراگندگی کے لحاظ سے) سِجِّیۡلٍ۔ سنگِ گِل کا معرب ہے۔ حجرٌ وطینٌ مختلط واصله فی ماقیل فارسی معرب (راغب) قال ابن عباسؓ سجیل معناہ سنک وکل یعنی بعضه حجر وبعضهٗ طین (کبیر) ھو معرب من سنک کل وعلیه الجمھور (مدارک) قرآن مجید میں لغت قریش سے باہر کے لفظ بہت کم آتے ہیں۔ جو معدودے چند آئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے۔ اَبَابِیۡلَ۔ اس کے معنی جھنڈ کے ہیں۔ قال ابو جیدة ابابیل جماعة فی تفرقة (کبیر) قال الزجاج جماعات من ھھنا وجماعت من ھھنا (مدارک) ائمہ لغت میں سے بعض نے کہا ہے کہ اس کا کوئی واحد نہیں آتا اور بعض نے اس کا واحد ابیل ابالہ یا ابیالہ یا ابول کو بتایا ہے۔ فیه قولان والاول ھو قول الاخفش والفراء انه لاواحد لھا (کبیر) الواحد ابیل (راغب) جمع ابالة بکسر الھمزة وتشدید الباء وقیل واحده ابول مثل عجول (روح) سارے قصہ کا خلاصہ یہ نکلا کہ احکام الٰہی کی بے حرمتی کرنے والوں کو عتاب الٰہی سے ڈرتے رہنا چاہیے، خواہ وہ آخرت میں واقع ہو یا اسی دنیا میں۔

ف ١ یعنی کم از کم ایسی ایسی نعمتوں کے شکریہ ہی میں قریش کو چاہیے تھا کہ جس مقدس مکان کے وہ ہمسایہ و مجاور ہیں، اور جس کی دینی و دنیوی دونوں قسم کی برکتوں سے وہ برابر فیضیاب ہوتے رہتے ہیں، اس کے مالک و خالق کو تو پہچانتے، اور شرک چھوڑ کر توحید کی راہ اختیار کرتے ــــ توحید تو بہرحال مذہب حق ہے، اور ہر قسم کے دلائل سے ثابت، لیکن ماں تا کے مارے ماں باپ اولاد کو راہ راست پر لانے کے لئے انتہائے شفقت میں صرف دلائل عقلی و نقلی ہی پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ اولاد کو غیرت دلانے کے لئے طرح طرح کے واسطے بھی دلایا کرتے ہیں۔ پھر حق تعالیٰ کی شفقت تو شفقت والدین سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتی۔ قرآن اس مؤثر طریقہ ترغیب سے کیسے کام نہ لیتا۔ قُرَیۡشٍ۔ شمالی اہل عرب کی نسل میں شریف ترین اور مشہور ترین قبیلہ کا نام قریش تھا۔ رسول اللہ ﷺ اسی کی ایک شاخ بنی ہاشم میں ظاہر ہوئے۔ نسبًا یہ قبیلہ نضر بن کنانہ کی نسل سے تھا۔ وقریش ولد النضر بن کنانة وھو اصح الاقوال واثبتھا عند القرطبی قیل وعلیه الفقھاء (روح) پیشہ ان لوگوں کا تجارت تھا۔ اور تجارت ہی کے سلسلہ میں دُور دُور کی سیاحی کرآتے تھے۔ بڑے معاملہ فہم سمجھے جاتے تھے اور اپنے وقت و ملک کی تہذیب و تمدن کے علمبردار تھے۔ اِیۡلٰفِ۔ لفظ ”ایلاف“ کی تکرار تاکید مضمون اور اس احسان عظیم کے اظہار عظمت کے لئے ہے۔ التکریر تفخیمًا لامر الایلاف وتذکیر العظیم المنة فیه (کبیر) رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَالصَّیۡفِ۔ قریش اپنی تجارتی سیاحتوں کے لئے نام پائے ہوئے تھے۔ ان کے تجارتی سلسلے ایک طرف بحر ہند سے بحر قلزم بلکہ بحر روم تک قائم تھے۔ اور دوسری طرف جنوب عرب میں عمان و یمن سے لے کر شمال میں فلسطین و شام تک کی شاہراہیں ان کے قبضہ میں تھیں۔ اور انہیں پر ان کے بڑے بڑے تجارتی قافلے بین الاقوامی مال و سامان سے لدے ہوئے برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ خود ان کا وطنی علاقہ مکہ تو بے آب و گیاہ تھا۔ ان کے معاشی اور مالی سہارے یہی تجارتی سفر تھے۔ الشِّتَآءِ۔ سردی کے موسم میں ان کے قافلے جنوب میں یمن کی طرف جاتے۔ وَالصَّیۡفِ۔ گرمیوں کے زمانہ میں ان کی تجارت شمال کی طرف شام میں جاری رہتی۔ غرض سال بھر بحری و بری تجارت زور و شور سے جاری رہتی۔ آبادی کا بڑا حصہ اپنا سرمایہ اسی تجارت میں لگائے رہتا۔ قافلے واپس آتے، تو شہر بھر میں خوب منافع (Dividends.) تقسیم ہوتا۔ اور لوگ سال بھر خوش حالی سے بسر کرتے۔ ہٰذَا الۡبَیۡتِ۔ یعنی خانہ کعبہ۔ اسم اشارہ اس سیاق میں تعظیمی پہلو رکھتا ہے۔ الاشارة الی البیت فی ھذا النظم تفید التعظیم (کبیر) رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ۔ یعنی خدائے واحد، اکیلے اور یکتا خدا۔ اِیۡلٰفِ۔ ہمارے زمانہ کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدرآبادی ثم پاکستانی نے ”ایلاف“ کا ترجمہ تجارتی معاہدہ سے کیا ہے، اور اپنی محققانہ کتاب رسول اکرم کی سیاسی زندگی“ میں لکھا ہے کہ ”چین و ہندوستان کی تجارت عرب ہی سے ہو کر یورپ جاتی تھی۔ قریش کا عرب کی تجارت پر حاوی رہنا، مصر و شام، عراق و ایران، یمن و عمان، حبش و سندھ وغیرہ سے انہوں نے جو تجارتی معاہدے (ایلاف) کر رکھے تھے اور رحلة الشتاء والصیف کے باعث شمال و جنوب کے جس طرح قلابے ملاتے رہتے تھے وہ سب جانتے ہیں“۔ (ص ٣٧) اور پھر لکھا ہے کہ ”......غرض عرب کا شمال، جنوب، مشرق، مغرب اور وسط ہر حصہ قریشی ایلاف کی زنجیروں سے جکڑ گیا تھا۔ ان کے میلے اور ان کے کاروان، جتنے مفید ثابت ہوئے ان کو قرآن نے دو معجز نما لفظوں میں یوں یاد دلایا ہے کہ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَہُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ (فاقہ

مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ﴿۴﴾

کھانے کو دیا اور انہیں خوف سے امن دیا ف۲

آیاتها ۷ — ۱۰۷ سُوۡرَةُ الۡمَاعُوۡنِ مَكِّيَّةٌ ۱۷ — رکوعها ۱

اس کی سات آیتیں ہیں — سورۃ الماعون مکہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِ ؕ﴿۱﴾ فَذٰلِكَ الَّذِىۡ يَدُعُّ

بھلا تو نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جو روز جزاء کو جھٹلاتا ہے؟ سو وہ وہ شخص جو یتیم کو

الۡيَتِيۡمَ ۙ﴿۲﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ؕ﴿۳﴾ فَوَيۡلٌ

دھکے دیتا ہے اور محتاجوں کے لئے کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا ف۱ سو بڑی خرابی ہے

لِّلۡمُصَلِّيۡنَ ۙ﴿۴﴾ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ ۙ﴿۵﴾

ایسے نمازیوں کے لئے، جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں

الَّذِيۡنَ هُمۡ يُرَآءُوۡنَ ۙ﴿۶﴾ وَ يَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ﴿۷﴾

(اور) جو ایسے ہیں کہ ریاء کاری کرتے ہیں ف۲ اور حقیر چیزوں تک کو روکے رہتے ہیں ف۳

آیاتها ۳ — ۱۰۸ سُوۡرَةُ الۡكَوۡثَرِ مَكِّيَّةٌ ۱۵ — رکوعها ۱

اس کی تین آیتیں ہیں — سورۃ الکوثر مکہ نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ ؕ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ ؕ﴿۲﴾

ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کی ہے ف۱ سو آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے ف۲

کی جگہ کھانا اور خوف کی جگہ امن) اس نے قریش کو پورے عرب میں ایک مرکزیت و معزز جمعیت دے دی" صفحہ ۴۵ ف۲ رزق اور امن، یہ دو نعمتیں ہر ملک کے لئے ہر زمانہ میں انفرادی و اجتماعی ہر حیثیت سے، سب سے بڑی اور قابل قدر نعمتیں رہی ہیں۔ عرب خصوصاً حجاز کی جغرافی حالت کے لحاظ سے ان نعمتوں کی اہمیت کئی گنی اور بڑھی ہوئی تھی، اور گویا ایک بالکل معجزانہ حیثیت رکھتی تھی۔ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ۔ بھوک کا سوال۔ پیٹ کا سوال، روٹی کا سوال، ملک کا معاشیاتی سوال ہر جگہ نمبر اول پر اہم رہا ہے۔ چہ جائیکہ حجاز کی سرزمین، جو خشک و نا قابل زراعت تھی۔ پھر وہاں کے لوگ اور اتنے خوشحال رہیں، یہ جوار کعبہ کی برکت کا معجزہ نہ تھا، تو اور کیا تھا۔ وَاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ۔ ماحول ایسا کہ رہزنی ایک عام صورت حال۔ لیکن اسی مجاورت حرم کی برکت سے قریش کے تقدس کی عظمت ایسی دلوں میں بیٹھی ہوئی کہ یہ لوگ بے کھٹکے سفر کرتے، اور کوئی ان کی طرف بری نیت سے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا، بلکہ اور ان کی خاطر اور احترام ہی ہر جگہ ہوتا۔ جُوۡعٍ ۔ خَوۡفٍ۔ دونوں کا صیغہ نکرہ بھوک اور خوف کی شدت اور اہمیت کے اظہار کے لئے ہے۔ والتنکیر فی جوع وخوف بشدتهما یعنی اطعمهم من جوع شدید وامنهم من خوف عظیم (کشاف) المراد من التنکیر التعظیم (کبیر) مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جس کسی کو کسی امر دینی کے واسطہ سے جاہ یا مال نصیب ہو (جیسے یہاں قریش کو بیت اللہ کے واسطہ سے تھا) اسے چاہیے کہ بجائے فخر و دعویٰ کے شکر و طاعت کا اور زیادہ اہتمام رکھے۔ ف۱ یعنی وہ بد دین شخص ایسا سنگدل اور تنگدل ہے کہ خود تو بیچارے یتیموں کے ساتھ حسن سلوک تو کیا کرے گا، الٹا ان کے ساتھ بیدردی کا برتاؤ کرتا ہے اور دوسروں تک کو مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک پر آمادہ نہیں کرتا ــ حق تلفیوں میں جسارت وقساوت اسی کے دل میں پیدا ہوتی ہے جو آخرت کا منکر یا عملاً منکر ہوتا ہے۔ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِ۔ دین سے یہاں عموماً مراد جزاء و حساب ہی سے لی گئی ہے۔ وهو قول اکثر المفسرین ان المراد رأیت الذی یکذب بالحساب والجزاء (کبیر) ارأیت۔ ہمزہ استفہام مخاطبین کے ذہن میں مکذب کے تعارف کے لئے شوق و جستجو پیدا کرنے کو ہے۔ استفهام ارید به تشویق السامع الی تعرف المکذب (روح) رأیت۔ رؤیت سے یہاں لازمی طور پر رؤیت بصری ہی مراد نہیں ہوسکتا ہے کہ محض جاننا مراد ہو۔ والرؤیة بمعنی المعرفة (روح) ذٰلک۔ اشارۂ بعید ان لوگوں کی بعد منزلت کو ظاہر کرنے کو ہے۔ ان کی انہی بداعمالیوں کی بناء پر۔ قیل ان اسم الاشارة هنا مقحم للاشارة الی بُعد المنزلة فی الشر والفساد۔ (روح) الذی۔ لفظاً واحد ہے مگر معنیً جمع۔ مراد ریاکار نمازیوں کی جنس ہے۔ معناه الجمع لان المراد به الجنس (کشاف) يَدُعُّ الۡيَتِيۡمَ۔ یتیموں کے ساتھ بدسلوکی اور ان کی حق تلفی عرب جاہلیت میں عام طور سے شائع تھی۔ طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ۔ عرب بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے۔ کھانا کھلانا ان کے ہاں بہترین بھلائی سمجھا جاتا تھا۔ اور بخیل اپنی برائی میں بطور سند کے پیش کیا جاتا۔ ف۲ یعنی نماز اگر پڑھتے بھی ہیں، تو نمائش اور دکھاوے کی۔ جسے اصل عقیدہ سے کوئی تعلق ہی نہیں، گویا بندوں کے حق ضائع کرتے کرتے خالق کے حق ضائع کرنے میں بھی دلیر ہوگئے ہیں۔ عام خیال یہ پھیلا ہوا ہے، اور اپنی جگہ پر صحیح بھی ہے کہ حقوق العبد، حقوق اللہ پر مقدم ہیں۔ لیکن یہ تقدم صرف زائد مؤکد اور اشد ہونے کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ فی نفسہٖ اہمیت تو ظاہر ہے کہ حقوق اللہ ہی کی ہے۔ حقوق العبد بھی تو اسی لئے فرض ہیں کہ اللہ کے بتائے ہوئے احکام ہیں۔ مفسر تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے یہاں تنبیہ فرمائی ہے کہ سورت میں ذکر ان افعال کا ہے جو تکذیب دین سے پیدا ہوتے ہیں، خواہ کفراً خواہ نفاقاً۔ باقی اگر وہ بلا تکذیب دین ہوں تو مذموم اس وقت بھی ہوں گے، مگر اس درجہ میں نہیں۔ ف۳ (اور دوسروں کو دینے میں بخل کرتے ہیں) الۡمَاعُوۡنَ۔ ماعون روزمرہ کے استعمال کی معمولی معمولی چیزوں کو کہتے ہیں۔ اور ہر اس چیز کو جس سے دوسروں کا کام نکل سکے۔ قال ابو عبیدة کل ما فیه منفعة فهو الماعون (جصاص) قال ابو عبیدة والزجاج والمبرد هو فی الجاهلیة کل ما فیه من منفعة من قلیل او کثیر (روح) مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کے دل مخلوق خدا کی ہمدردی سے اس قدر خالی ہیں کہ کسی کی معمولی سی اعانت بھی انہیں گوارا نہیں ہوتی۔ بلکہ گراں گزرتی ہے ــ شریعت کو ملت کی اصلاح انفرادی و اجتماعی کا جس درجہ اہتمام مطلوب ہے! اس سورت سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے۔ جن لوگوں میں عام انسانی ہمدردی اتنی بھی نہیں، انہیں دین کی تکذیب کرنے والا ٹھہرایا ہے۔ ماعون۔ کے دوسرے معنیٰ زکوٰۃ کے کئے گئے ہیں۔ قال علی وابن عباس روایة وابن عمر وابن المسیب الماعون الزکٰوة (جصاص) ای الزکاة کما جاء عن علی وابنه محمد بن الحنفیة وابن عباس وابن عمر وزید بن اسلم والضحاک وعکرمة (روح) مفہوم اس صورت میں بھی وہی رہتا ہے۔ یعنی زکوٰۃ جیسی واجب چیز کو بھی ان کا دل گوارا نہیں کرتا۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ سورت میں ذمائم اخلاق یعنی فسوق، غفلت، ریاء و بخل کی مذمت مذکور ہے صاحب کشاف نے چھٹی ہجری کے وسط اول میں اس سورت کی تفسیر میں ریاء کار نمازیوں کی تفصیلی حالت کا مرقع کھینچتے ہوئے لکھا ہے کہ بڑے رنج کا مقام ہے کہ ہمارے زمانہ میں اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے، بلکہ طبقۂ علماء تک کے لوگ اسی قسم کی ریائی نمازیں پڑھتے رہتے ہیں۔ وکم تری من المتسمین بالاسلام بل من العلماء منهم من هو علی هذه الصفة فیا مصیبتا (کشاف) آٹھ سو سال بعد چودھویں صدی ہجری کے وسط میں یہ ماتم کن الفاظ میں کیا جائے؟ ف۱ (دنیا و آخرت دونوں میں جو بین دلیل ہے آپ کے کمال مقبولیت کی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آخرت میں خیر کثیر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب قرب و درجات عالیہ کے لحاظ سے ظاہر ہی ہے، اور خیر دنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی کثرت تعداد اور ان کی دنیوی و اخروی فلاح کے لحاظ سے ہوئی ــ آیت کا صیغہ ماضی درانحالیکہ ظہور خیر کثیر کا تعلق مستقبل سے ہے، اس حقیقت کے اظہار کے لئے ہے کہ ایسا ہونا بالکل قطعی اور حتمی ہے۔ الۡكَوۡثَرُ کوثر کے لفظی معنیٰ خیر کثیر کے ہیں۔ اور یہ لفظ دنیا و آخرت دونوں کی ساری بھلائیوں کا جامع ہے۔ وهذا اللفظ یتناول خیرات الدنیا وخیرات الاخرة

(کبیر) لاجرم تناول جمیع خیرات الدنیا والأخرة (کبیر) اور اس کے تحت میں دنیا وعقبیٰ کی ساری نعمتیں سارے انعامات الٰہی آجاتے ہیں، مفسرین نے اس کے ذیل میں کثرت علوم، کثرت معارف، کثرت حسنات، کثرت فتوح، کثرت اتباع کثرت اولاد سب ہی ذکر کیے ہیں، اور سب اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ الْکَوْثَرَ۔ سے مراد جنت کی ایک مشہور نہر بھی ہے۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ۔ کلمۂ اِنَّ اور ضمیر متکلم کی تکرار نے اس ترکیب میں حصر اور تاکید دونوں کے معنی پیدا کردیئے۔ اِنَّآ جس طرح صیغۂ جمع کے لئے آتا ہے۔ اسی طرح اظہار تعظیم کے لئے بھی آتا ہے۔ اور خدائے واحد کے لئے چونکہ جمع کا کوئی امکان نہیں، اس لئے لامحالہ یہاں مراد اظہار عظمت ہی ہے۔ کلمة تارة یراد بها الجمع وتارة یراد بها التعظیم (کبیر) و۲ (اور معاندین کے طنز وتعریض کا خیال ہی نہ کیجئے) فَصَلِّ۔ نماز یہاں قائم مقام ہے ساری بدنی عبادات کے ۔۔۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نماز تمام اقسام شکر کی جامع ہے، اسی لئے بجائے شکر کے اسے لایا گیا۔ فان الصلوٰة جامعة لجمیع اقسام الشکر و لذا قیل فصل دون فاشکر (روح) وَانْحَرْ۔ قربانی یہاں قائم مقام ہے ساری مالی عبادات کے اور پھر اونٹ کی قربانی تو عرب میں اعلیٰ ترین اور اس کا اہل حاجت پر تقسیم کرنا مال کا بہترین صرف۔ والنحر البدن التی هی خیار اموال العرب باسمه تعالیٰ علی الحاویج (روح) لِرَبِّکَ۔ یعنی یہ ساری بدنی ومالی عبادتیں وطاعتیں خالصۃً صرف اللہ ہی کے لئے ہوں۔ نہ کہ خدانخواستہ بتوں کے لئے، یا کسی دنیوی منفعت کے خیال سے۔ مشرک قوموں میں عموماً اور ہر جگہ انسان کا لاولد رہ جانا شدید نحوست سمجھا گیا ہے۔ عرب جاہلی بھی اسی عقیدہ میں شدت کے ساتھ مبتلا تھے۔ چنانچہ جب

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾ ع

یقیناً بے نام ونشان (ہوکر) تو آپ کا دشمن ہی رہے گا و۳

آیاتها ۶ — ۱۰۹ سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ ۱۸ — رکوعها ۱

اس کی چھ آیتیں ہیں — سورۃ الکافرون مکہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱﴾ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَآ

آپ کہہ دیجئے، کہ اے کافرو! نہ تو میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں، اور نہ

اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿۳﴾ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ﴿۴﴾

تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو و۱ اور نہ میں (آیندہ) تمہارے معبودوں کی پرستش کرنے والا ہوں

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿۵﴾ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴿۶﴾ ع

اور نہ تم ہی (آیندہ) میرے معبود کی پرستش کرنے والے ہو و۲ تمہیں تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھے میرا بدلہ و۳

آیاتها ۳ — ۱۱۰ سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۴ — رکوعها ۱

اس کی تین آیتیں ہیں — سورۃ النصر مدینہ میں نازل ہوئی — اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴿۱﴾ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ

جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں

فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴿۲﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

جوق جوق داخل ہوتے دیکھ لیں و۱ تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کیجئے

رسول اللہ ﷺ کے کمسن صاحبزادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوگیا، تو ان لوگوں کو تعریض کا ایک نیا عنوان ہاتھ آگیا، اور خوش ہو ہو کر کہنے لگے کہ "ان کا کوئی نام لیوا تو رہا نہیں، ان کی موت کے بعد میدان صاف ہے، ان کے دین کا کہیں پتہ نشان بھی نہ رہے گا"۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ کو بتایا جارہا ہے کہ آپ ﷺ کو تو بڑی سے بڑی ممکن نعمتیں عطا ہو چکی ہیں، آپ ﷺ کا دین خوب چمکے گا، خوب پھیلے گا۔ آپ ان نعمتوں کے شکر میں نماز وعبادات میں مشغول رہیے، اور معاندوں کے طنز وطعن کی طرف اعتناء ہی نہ کیجئے۔ و۳ چنانچہ یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔ ابوجہل اور ابولہب اور عتبہ کا "ذکر خیر" آج دنیا کے پردہ میں کہیں بھی ہے؟ اور آپ ﷺ کا ذکر خیر ہے کہ سینوں کے اندر اور زبانوں کے اوپر ہر طرح جاری وساری ہی ہے۔ الْاَبْتَرُ۔ ابتر اسے کہتے ہیں جس کا ذکر خیر کرنے والا، نام لینے والا کوئی نہ رہ جائے۔ ای المقطوع الذکر (راغب) قیل رجل ابتر ای انقطع ذکره عن الخیر (راغب) و۱ یعنی دین اسلام اور ملت شرک کے درمیان کی کوئی صورت ممکن نہیں، دونوں راہیں بالکل الگ الگ ہیں۔ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ۔ اے وہ لوگو جو ملت کفر پر قائم ہو۔ یہ خطاب ان کافروں سے ہے، جو کفر وایمان، جاہلیت واسلام کے طریقوں کو ملا جلا کر کوئی نیا دین اپنی تجویز سے قائم کرنا چاہتے تھے ۔۔۔ مثلاً یہ کہ ایک سال تعلیم وتبلیغ خالص توحید کی ہو اور دوسرے سال مورتی پوجا کی۔ یہ کوششیں عرب اور اس دور کے عرب کے ساتھ محدود ومخصوص نہ تھیں۔ بارہا یہ کوششیں ہو چکی ہیں اور اب بھی جاری ہیں کہ کفر واسلام، شرک وتوحید کو ملا کر ایک کردیا جائے ۔۔۔ اکبر کا "دین الٰہی" اسی کوشش کا ایک نمونہ تھا، اور عین اس وقت تو یہ کوششیں کہیں زیادہ زور وقوت واثر کے ساتھ جاری ہیں۔ وَلَآ ...... اَعْبُدُ۔ تمہارا یہ دعویٰ ہی غلط وبے بنیاد ہے کہ تم میرے خدا کی پرستش کرتے ہو۔ خدائے اسلام مشرکین کے معبود اعظم سے بالکل مختلف ہے۔ و۲ یعنی جب تک تم اپنے دین وآئین پر قائم ہو، تمہارا شمار اہل توحید میں نہیں ہوسکتا، اور میں جب تک اپنے مسلک پر مستقیم ہوں، بظاہر ہے کہ میں مشرک نہیں سمجھا جاسکتا۔ کفر واسلام کے درمیان شرک وتوحید کے مابین کوئی نقطہ اشتراک ہے ہی نہیں۔ وهذا غاية فی التبرؤ (بحر) وفائدة هذا التوکید قطع اطماع الکفار (بحر) قرآن، یہ ہمیشہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ زبان عربی میں اور محاورۂ قریش پر ہے۔ اس کی فصاحت وبلاغت کے سمجھنے کے لئے ہمیشہ عرب ہی کے اسلوب بیان کو پیش نظر رکھنا ہوگا نہ کہ اردو یا فارسی یا انگریزی یا کسی اور زبان کے معیار کو ۔۔۔ عربی میں تکرار کلام تاکید کے لئے ہوتی ہے، اور یہ عبارت کی عین خوبی وزینت سمجھی جاتی ہے۔ قال الفراء ان القرآن نزل بلغة العرب ومن عادتهم تکرار الکلام للتاکید والافهام (روح) التوکید فی لسان العرب کثیر جدًا وحکوا من ذلک نظمًا ونثرًا مالایکاد یحصر (بحر) و۳ یعنی توحید پر انعام اور شرک پر عذاب۔ بعض لوگوں نے عجب "خوش فہمی" سے کام لے کر اس آیت کو اسلام کی "رواداری" اور "مرنجان مرنج پالیسی" کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ اسلام نے ہر مذہب والے کو اپنی اپنی جگہ قائم اور باقی رہنے کی اجازت دے دی ہے۔ حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے۔ آیت تو اکبر (فرمانروائے ہند) کے نکالے ہوئے مخلوطی دین اور اسی قبیل کی ساری کوششوں کی لاحاصلی اور ناکامی کا اعلان کررہی ہے۔ دِیْنِ۔ اردو میں بے شک مذہب ہی کا مرادف ہے، لیکن عربی میں اس کے یہ معنی صرف ثانوی اور مجازی ہیں۔ اصلی اور اوّلی معنی جزا یا بدلہ ہی کے ہیں۔ الدین هو الحساب ای لکم حسابکم ولی حسابی (کبیر) جائز ہے کہ یہاں بھی دینکم سے مراد شرک اور دینی سے مراد توحید لی جائے۔ ای لکم شرککم ولی توحیدی (کشاف) آیت کی ترکیب حصر کے معنی دے رہی ہے۔ یعنی تمہاری جزا تمہیں کو ملے گی نہ کہ کسی اور کو۔ اور میری جزا مجھی کو ملے گی نہ کہ کسی اور کو۔ یفید الحصر ومعناه لم دینکم لا لغیرکم ولی دینی لالغیری (کبیر) مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سورت میں اہل ضلال سے تبری ومفارقت کی تصریح ہے، اور اسی کا دوسرا نام بغض فی اللہ ہے۔ و۱ چنانچہ عمان، حضرموت، یمن، سب کہیں سے، عرب کے دور دراز مقامات سے وفد پر وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اظہار اطاعت کے لئے چلے آرہے تھے۔ اور قبیلے پر قبیلے اسلام کی طرف سبقت کرنے لگے تھے۔ جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کی نصرت مشاہدہ میں آنے لگے۔ وَالْفَتْحُ۔ الْفَتْحُ سے مراد فتح مکہ لی گئی ہے۔ جو رمضان ۸ھ میں حاصل ہوئی تھی۔ وعن عائشة ان المراد به فتح مکة وروی ذلک عن مجاهد وغیره وصححه الجمهور (روح) شہر مکہ تسخیر ہوجانے کے بعد کہنا چاہیے کہ سارے ہی حجاز پر اسلام کا تسلط ہوگیا تھا۔ باعتبار ان فتح مکة کان ام الفتوح (روح) نَصْرُ۔ فتح

وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳ ع

اور اس سے استغفار کیجئے بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے ف۲

ایاتها ۵ | ۱۱۱ سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ ۶ | رکوعها ۱

اس کی پانچ آیتیں ہیں | سورۃ اللہب مکہ میں نازل ہوئی | اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ؕ ۝۱ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ

دو ہاتھ ٹوٹ گئے ابولہب کے اور وہ برباد ہو گیا ف۱ نہ اُس کا مال اس کے کام آیا،

وَمَا كَسَبَ ؕ ۝۲ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚۖ ۝۳ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ

اور نہ اس کی کمائی ہی ف۲ ایک شعلہ زن (سخت) آگ میں پڑے گا (خود بھی) اور اس کی بیوی بھی ف۳

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ ۝۴ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝۵ ع

لکڑیاں لاد کر لانے والی، اُس کی گردن میں ایک رسی (پڑی) ہو گی خوب بٹی ہوئی ف۴

ایاتها ۴ | ۱۱۲ سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ ۲۲ | رکوعها ۱

اس کی چار آیتیں ہیں | سورۃ الاخلاص مکہ میں نازل ہوئی | اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے ف۱ اللہ بے نیاز ف۲ نہ اُس کے کوئی اولاد ہے

وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴ ع

نہ وہ کسی کی اولاد ہے، ف۳ اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے ف۴

کے درمیان فرق یہ ہے کہ نَصْرُ تو دشمن پر غلبہ پاجانا ہے اور فتح اس کے ملک کا فتح ہو جانا۔ النصر الاغاثة الاظهار على العدو والفتح فتح البلاد (کشاف) فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ۔ یعنی مذہب اسلام میں۔ دین اللہ اسلام ہی ہے۔ اے ملة الاسلام التى لادين له تعالى يضاف اليه غيرها (روح) اَفْوَاجًا۔ فوج کے معنی جماعت کے ہیں۔ یعنی لوگ خوب جوق درجوق اسلام قبول کرنے لگیں۔ والمراد بدخول الناس فى دينه تعالى افواجا اے جماعات كثيرة (روح) شہر مکہ وشہر طائف اور ملک یمن اور قبیلۂ ہوازن کے لوگ فتح مکہ کے معاً بعد داخل اسلام ہونے لگے۔ ف۲ انتہائی فتحمندیوں، کامیابیوں، کامرانیوں کے وقت ارشاد یہ نہیں ہوتا کہ جشن دھوم دھام سے منانا، جلوس نکالنا، نقارے بجانا، چراغاں کرنا، زندہ باد کے نعرے لگانا (دنیا تو فتحمندیوں کے انہیں جشنوں، جلوسوں سے واقف ہے) بلکہ حکم یہ ملتا ہے کہ اللہ کی یاد کی منزلیں طے کرنے کے بعد حمد وتسبیح واستغفار میں اور زیادہ لگ جایئے! اکابر صحابہ آیت کے نزول ہی سے سمجھ گئے تھے کہ جو رسول ﷺ کا مقصد بعثت تھا وہ پورا ہو چکا اور اب وقت وفات نبوی ﷺ قریب ہے، بلاضرورت اس دنیا میں کسی کو بھی نہیں رکھا جاتا ہے، چہ جائیکہ رسول کو۔ ان کا مشن ختم ہو چکا، اور اب انہیں اپنی اصلی منزل جنت کی طرف واپس ہونا ہے۔ اسغفار۔ جب رسول کے لئے آتا ہے، تو مراد کسی گناہ کے صدور سے نہیں، صرف ترک اولیٰ سے ہوتی ہے۔ مرشد تھانوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اسی طرح سالکین طریق کو بھی چاہیے کہ جب تبلیغ وارشاد سے فارغ ہو جایا کریں، تو مخصوص عبادات تقرب میں مشغول ہو جائیں۔ ف۱ ابولہب۔ لفظی معنی ہیں "شعلہ کا باپ" عرب جاہلی میں کنیت کا رواج عام تھا۔ یہ کنیت ایک سردار قریش عبدالعزّٰی بن عبدالمطلب کی تھی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا چچا تھا، اور چونکہ اس کے چہرے کا رنگ بہت ہی سرخ تھا، اس کی آتشیں رخساری کی بناء پر اسے ابولہب کہنے لگے تھے۔ یہ اتنے قریب کے عزیز ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مشن کا شدید ترین مخالف تھا، اور ریاست مکہ کا ایک ذی اثر رئیس تھا۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ قرآن میں جو ابولہب آیا ہے، یہ بطور کنیت کے نہیں، بلکہ بطور پیش خبری کے ہے کہ اس شخص کا انجام جہنمی ہونا ہے۔ قال بعض المفسرين انه لم يقصد بذٰلك مقصد كنيته التى اشتهر بها وانما قصد الى اثبات النار له وانه من اهلها وسماه بذٰلك كما يسمى المشير للحرب والمباشر لها ابوالحرب واخوالحرب (راغب) تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ۔ یعنی ابولہب کی قوتیں بے کار گئیں، اور اس کی تدبیریں بے اثر رہیں۔ وَّتَبَّ۔ اور وہ خود ناکام ونامراد ہلاک ہو کر رہ گیا۔ خوب خیال رہے کہ سورت جس وقت نازل ہوئی ہے، ابولہب اپنی پوری قوت واقتدار کے ساتھ ایک زندہ شخصیت کا مالک تھا۔ آج واقعہ کے گزر جانے کے چودہ صدیاں بعد محض اس کا ذکر ایک چھپی ہوئی کتاب میں پڑھ لینا اور بات ہے، اور ایک معاصر رئیس اور سردار کے منہ پر اس کے لئے یہ ہولناک پیشگوئی سنا دینا اس سے کتنے مختلف معنی رکھتی تھی! ذرا خیال تو کیجئے کہ اس وقت کیسی کھلبلی مچ گئی ہوگی۔ ف۲ یعنی تباہی، ہلاکت، نامرادی سے اس کا مال ودولت اسے ذرا نہ بچا سکا۔ مَالُهٗ۔ یعنی اس کا مستقل سرمایہ۔ مَا كَسَبَ۔ یعنی اس مستقل سرمایہ پر حاصل ہونے والا نفع۔ اللہ اکبر! قرآن کس جزم وقطعیت کے ساتھ مستقبل کی پیشگوئی کر رہا ہے۔ وہ شخص اچھا خاصا زندہ وسلامت اپنے اثر واقتدار کے ساتھ موجود ہے، اور ایک بیکس وبے یار شخص (ﷺ) پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس کا یہ انجام ہو چکا! صیغۂ ماضی برابر ملحوظ خاطر رہے، جو عربی اسلوب بیان میں مستقبل کے اظہار قطعیت کے لئے آتا ہے۔ ف۳ یعنی اُمّ جمیل بنت حرب ہمشیرۂ ابوسفیان۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے مشن سے مخالفت اس کی بھی حد غلو تک پہنچی ہوئی تھی۔ س وعید کے لئے ہے۔ یعنی یہ انجام ہونا بالکل یقینی ہے۔ والسين للوعيد اے هو كائن لامحالة وان تراخى وقته (کشاف) والسين لتاكيد الوعيد (روح) نَارًا۔ صیغۂ نکرہ کا آنا آگ کی بڑائی اور سختی کے اظہار کے لئے ہے۔ والتنوين للتعظيم اے نارًا عظيمةً (روح) ف۴ یہ بیان تو واقعات آخرت کا ہو رہا ہے کہ وہاں ان دشمنان حق میاں بیوی کا یہ انجام ہوگا۔ لیکن اہل سیر لکھتے ہیں کہ دنیا میں بھی اس عورت کا یہی انجام ہوا، اور وہ گلے میں رسی کا پھندا پڑ جانے سے مری۔ الْحَطَبِ۔ یعنی جنگل کی خاردار لکڑیاں۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ۔ ام جمیل شدت بغض وعداوت سے جنگل کی خاردار لکڑیاں چن کر رات کے وقت ان راستوں میں ڈال دیتی، جن سے رسول اللہ ﷺ گزرنے والے ہوتے۔ كانت تحمل حزمة من الشرك والحسك والسعدان فتنشرها بالليل فى طريق رسول الله ﷺ (کشاف) حَمَّالَةَ الْحَطَبِ۔ محاورۂ عرب میں مفسد اور اِدھر سے اُدھر لگائی بجھائی کرنے والے کو کہتے ہیں، جیسے فارسی میں ہیزم کش۔ يقال للمشاء بالنمائم المفسدبين الناس يحمل الحطب بينهم اے يوقد بينهم النائرة ويورث الشر (کشاف) وقوله تعالى حمالة الحطب كناية عنها بالنميمة (راغب) یعنی النميمة وعنه يقال فلان يحطب علىّ اذا اغرىٰ به والكلام استعارة شبهوا النميمة بالحطب والعداوة والشحناء بالنار (ابن قتیبۃ) ف۱ ذات، صفات، سب کے لحاظ سے واحد ویکتا — نہ عدد میں دو، نہ اس کا کوئی اقنوم، نہ اس کا کوئی مظہر یا اوتار، نہ اس کا کوئی مثل ونمونہ۔ يعنى هو الواحد الاحد الذى لانظير له ولاوزير ولانديد ولاشبيه ولاعديل (ابن کثیر) اَحَدٌ۔ لفظ احد کا استعمال عربی میں مختلف موقعوں پر ہوتا رہتا ہے۔ جب صیغۂ اثبات میں اور صفت مطلق کی طرح پر آتا ہے تو اس کا اطلاق بجز حق تعالیٰ کے اور کسی پر جائز نہیں کہ صرف وہی اپنی ذات وصفات میں بے نظیر وبے ہمتا ہے۔ والثالث ان يستعمل مطلقًا وصفًا وليس ذٰلك الافى وصف الله تعالى (راغب) ولايطلق هذا اللفظ على احد

آیاتھا ۵ ۱۱۳ سُوْرَۃُ الْفَلَقِ مَکِّیَّۃٌ ۲۰ رکوعھا ۱

اس کی پانچ آیتیں ہیں سورۃ الفلق مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے ف۱

وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ

اور اندھیری رات کے شر سے، جب رات آجائے ف۲ اور گرہوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والیوں

فِی الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

کے شر سے ف۳ اور حسد کرنے والے کے شر سے، جب وہ حسد کرنے لگے ف۴

ع ۳۸

آیاتھا ۶ ۱۱۴ سُوْرَۃُ النَّاسِ مَکِّیَّۃٌ ۲۱ رکوعھا ۱

اس کی چھ آیتیں ہیں سورۃ الناس مکہ میں نازل ہوئی اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ مَلِکِ النَّاسِ ﴿۲﴾ اِلٰہِ النَّاسِ ﴿۳﴾

آپ کہیے کہ میں انسانوں کے پروردگار کی، انسانوں کے بادشاہ کی، انسانوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں ف۱

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿۴﴾ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ

پیچھے ہٹ جانے والے وسوسے ڈالنے والے (شیطان) کے شر سے، ف۲ (وہی) جو لوگوں کے

فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾

دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے ف۳

ع ۳۹

فی الاثبات الاعلی اللہ عزوجل لانہ الکامل فی جمیع صفاتہ وافعالہ (ابن کثیر) الاحد۔ اہل لغت کا بیان اس باب میں بالکل واضح وصریح ہے کہ یہ اسم صرف ذات حق کے ساتھ مخصوص ہے اور صفت احدیت صرف اسی کے حق میں آسکتی ہے۔ لایوصف بہ الاحضرۃ جناب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ لخلوص ھذا الاسم الشریف لہ تعالیٰ وھو الفرد الذی لم یزل وحدہٗ ولم یکن معہٗ اٰخر وقیل احدیتہٗ معناھا انہٗ لایقبل التجزی لنزاھتہ عن ذٰلک وقیل الاحد الذی لاثانی لہٗ فی ربوبیتہ ولا فی ذاتہ ولا فی صفاتہ (تاج) قال الازھری لایوصف شیء بالاحدیۃ غیر اللہ (کبیر) قُلْ ھُوَ۔ ھو سے یہاں اشارہ اسم اللہ کی طرف ہے۔ اور آیت میں لفظ اللہُ اسی مبتدا کی خبر ہے۔ ھو کنایۃ عن اسم اللہ فیکون قولہ اللہ مرتفعًا بانہ خبر مبتدا (کبیر) اَحَدٌ۔ اس کا بجائے الاحد کے صیغہ نکرہ میں آنا اظہار عظمت کے لئے ہے۔ المراد ھو التکیر علی سبیل التعظیم (کبیر) ف۲ (اور مقصودیت اسی کے لئے خاص ہے) اَلصَّمَدُ۔ صمد وہ ہے کہ سب اس کے محتاج اور وہ کسی کا بھی محتاج نہیں!۔۔۔ اس اسم صفت کے لانے سے خود اس طرف اشارہ ہوگیا کہ معبود تو بس وہی ہے، نہ کہ تمہارے دیوی دیوتا جو خود دوسروں کے محتاج ہیں۔ الصمد السید الذی یصمد الیہ فی الامر والقصد بقولہ اللہ الصمد تنبیھا انہٗ بخلاف من اثبتوا لہ الالٰھیۃ (راغب) اور یہی معنٰی حدیث میں بھی آئے ہیں۔ قال علیہ السلام ھو السید الذی یصمد الیہ فی الحوائج (کبیر) عن ابن عباسؓ، عن ابی ھریرۃ ھو المستغنی عن کل احد المحتاج الیہ کل احد (روح) اس میں تردید آگئی آریہ سماجی شرک، اور بعض دوسرے جاہلی فرقوں کے اس عقیدہ کی، کہ ’’صانع عالم‘‘ بھی روح اور مادہ کا محتاج رہا ہے۔ ف۳ مسیحیوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ خدا صاحب اولاد ہے۔ اور بہت سے مشرکوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے فلاں فلاں دیوتا خدازادے ہیں۔ قرآن شرک کی ہر ممکن اور چلی ہوئی صورت کی تردید کرتا جارہا ہے۔ مشرک جاہلیوں کے یہی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ خدا بغیر سلسلہ نسب کے کیسے ہوسکتا ہے؟ آیت اسی تخیل پر ضرب لگارہی ہے۔ عن ابی بن کعب ان المشرکین قالوا لرسول اللہ ﷺ انسب لنا ربک فانزل اللہ تعالیٰ ھٰذہ السورۃ (معالم) ف۴ (جیسا کہ مشرکین نے دیوتاؤں کی برادری بنا کر فرض کر رکھا ہے) بابل (کلدانیہ) مصر، ہند، ایران، یونان جملہ ملکوں کے مذاہب شرکی وجاہلی میں یہ پایا جاتا ہے کہ دیوتاؤں کی باہم جیسے ایک برادری ہوتی ہے، اور پھر ان کا رشتہ معبود اعظم کے ساتھ ہوتا ہے۔ آیت اس تخیل ہی پر ضرب لگاتی ہے۔۔۔ غرض یہ کہ سورت شرک کی ہر متعارف بلکہ ہر ممکن صورت کی تردید کرتی ہے۔ اور خوب فرمایا ہے صاحب تفسیر کبیر نے، کہ جس طرح سورۃ الکوثر شان رسالت میں جامع ہے، اسی طرح سورۃ الاخلاص شان توحید میں جامع ہے۔ سورت کا نام سورۃ الاخلاص ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ یہ سورت ایک ثلث قرآن ہے!۔۔۔ اور اس میں کیا شبہ ہے کہ توحید ذاتی، توحید صفاتی وتوحید افعالی کی جامعیت واستقصاء کے لحاظ سے یہ سورت اپنی نظیر بس آپ ہی ہے۔ فخر المتاخرین علامہ محمود آلوسی بغدادی صاحب تفسیر روح المعانی، صاحب تفسیر کبیر فخر الملۃ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے خود بہت معتقد ہیں، اور ان کے کلام سے بکثرت استفادہ واستشہاد کرتے گئے ہیں۔ لیکن اس سورت کی تفسیر میں پہنچ کر خدا معلوم کس بھول میں پڑ گئے کہ تمہید تفسیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی تصریح کے ساتھ ان پر طعن کر گئے۔ اور یہ لکھ گئے کہ وہ مرویات کی تحقیق میں ہرگز امام نہیں ہیں۔ والرجل رحمۃ اللہ علیہ لیس بامام فی معرفۃ احوال المرویات لایمیز غثھا من سمینھا اولا یبالی بذٰلک فیکتب ماظفر بہ وان عرف شدۃ ضعفہ۔ حیرت ہے کہ علامہ کو یہ خیال نہ رہا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ الاخلاص کی تفسیر تک پہنچنے ہی کہاں پائے تھے، اور ابھی ستائیسویں پارہ کے نصف ہی میں تھے کہ رحلت فرماگئے۔ باقی تفسیر کا تکملہ تو ان کے شاگردوں نے کیا ہے۔

ف۱ مَا خَلَقَ کے عموم نے ادھر توجہ دلادی کہ مخلوقات ساری کی ساری، خواہ وہ کسی مرتبہ اور نوعیت کی ہو، محکوم اور عاجز اور بے بس ہے۔ اور ہر ایک کی شروایذاء سے پناہ اللہ ہی سے مانگی جاسکتی ہے۔۔۔ سورت تمام اقسام مضرت سے، جو کسی بھی دنیوی سبب سے پیش آسکتی ہوں، پناہ جوئی وپناہ طلبی کی جامع ہے، اور ختم قرآن پر ایسی ہی جامع دعاء کی ضرورت بھی تھی۔ فلق سے مراد سپیدۂ فجر ہے۔ اور دنیا میں بعض جاہلی قوموں نے خود اس کی بھی پرستش کی ہے۔ قرآن مجید نے یہاں اس طرف بھی اشارہ کردیا کہ سپیدۂ فجر بھی ہر مخلوق کی طرح مخلوق ہی ہے اور اس کا خالق ومالک بھی وہی ہے۔ جو سب کا ہے۔ فلق کے معنٰی مکان جہنم وغیرہ کے بھی سمجھے گئے ہیں لیکن اس کے معنٰی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جابر رضی اللہ عنہ صحابیوں اور بکثرت تابعین سے صبح ہی کے مروی ہیں، اور یہی معنٰی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کئے ہیں۔ عن جابر قال الفلق الصبح وقال العوفی عن ابن عباسؓ الفلق الصبح وروی عن مجاھد وسعید بن جبیر وعبداللہ بن محمد بن عقیل والحسن وقتادۃ ومحمد بن کعب القرظی وابن زید ومالک عن زید بن اسلم مثل ھذا (ابن کثیر) قال ابن جریر الصواب القول الاول انہ فلق الصبح وھٰذا ھو الصحیح وھو اختیار البخاری فی صحیحہ (ابن کثیر) انہ الصبح وھو قول الاکثرین (کبیر) ف۲ (مع اپنے سارے خطرات اور امکانات مضرت کے) غَاسِقٍ۔ یعنی شدت سے اندھیری رات۔ الغاسق اللیل اعظم وغسق اللیل شدۃ ظلمتہ (راغب) الغاسق ھو اللیل اذا عظم ظلامہ (کبیر) شب کی اندھیریوں کے خطرے ایک دو نہیں، بہت سے ہیں۔ چور، ڈاکو، قاتل وغیرہ عموماً رات ہی میں نکلتے ہیں۔ جنگلی جانوروں، شیر، چیتا، تیندوا، بھیڑیا وغیرہ، نیز حشرات الارض، سانپ، بچھو، کھوپڑ، ان سب کے خطرے رات میں بڑھ جاتے ہیں، متعدد بیماریوں کے کیڑے ڈاکٹری تحقیقات کے مطابق

اندھیرے ہی میں پرورش پاتے ہیں، اور آفتاب کی روشنی میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اور تکلیف دہ کیڑے مکوڑوں، مچھر کھٹمل، پسو وغیرہ کے رات ہی میں نکلنے کا تجربہ تو ہر ایک کو ہے۔ غرض سفر، حضر کی ہر صورت میں رات کے خطرے اور امکانات مضرت و تکلیف، بہت بڑھے ہوئے ہیں ــــ اور بہت سی قوموں نے ان پر رات کے جن وہمی خطروں، بھوت، پریت، چڑیل وغیرہ کا اضافہ کر رکھا ہے ان کا تو ذکر ہی نہیں ــــ تو رات کی ممکن شر انگیزیوں سے پناہ جوئی بشری زندگی کا ایک بڑا اہم جزو ہے۔ ف۳ سحر کا رواج دنیا میں ہمیشہ بہت زائد رہا ہے، اب بھی متعدد قوموں میں ہے۔ شان نزول کی روایتوں میں ہے کہ بعض یہودی عورتوں نے رسول اللہ ﷺ پر کچھ منتر پڑھ کر سحر کر دیا تھا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، اور حضرت جبرئیل نے آیتوں کو پڑھ پڑھ کر اس سحر کو باطل کر دیا ــــ رسول ﷺ کا سحر سے (جو مادیات ہی کی ایک سفلی قسم ہے) متاثر ہو جانا بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے ذات الجنب سے، ملیریا سے، درد اعصاب سے متاثر ہو جانا، اور اس میں منافی نبوت ہونے کا کوئی ادنیٰ پہلو بھی نہیں۔ مرشد تھانوی علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اسباب طبعی سے اہل باطل کا اثر اہل حق پر بھی پڑ سکتا ہے، اور ایسی تاثیرات حق و باطل کا معیار ہر گز نہیں بن سکتیں۔ ف۴ دنیوی مخالفتوں اور عداوتوں کی تہ میں عموماً اور اکثر حسد ہی کام کرتا ہوتا ہے۔ حسد کی کارفرمائیوں سے پناہ چاہنا دنیوی تکالیف کے اسباب میں سے ایک بہت بڑے سبب سے پناہ چاہ لینا ہے۔ ف۱ (کہ ان تینوں صفات کا مصداق وہی خدائے واحد ہے) بِرَبِّ النَّاسِ۔ ربوبیت مطلق صرف اسی کے لئے ثابت ہے ــــ اس سے صفت ربوبیت میں ہر قسم کے شریک کی نفی آ گئی۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ حاکمیت و مالکیت مطلقہ بھی صرف اسی کے لئے ثابت ہے ــــ اس سے صفت حاکمیت و مالکیت میں ہر قسم کے شریک کی نفی ہو گئی۔ اِلٰهِ النَّاسِ۔ معبودیت صرف اسی کے لئے ثابت ہے ــــ اس سے صفت معبودیت میں ہر قسم کے شریک کی نفی ہو گئی۔ مشرک جاہلی قوموں نے عموماً حق تعالیٰ کی انہیں تین صفات، ربوبیت، مالکیت و معبودیت میں دوسروں کو شریک ٹھہرایا ہے۔ قرآن مجید نے یہاں تینوں صفات کو یکجا کر کے جامع تعلیم توحید کی دے دی ہے۔ سورۃ الفلق جس طرح دنیوی مضرتوں سے استعاذہ کی جامع تھی، یہ سورت دینی مضرتوں سے استعاذہ کی جامع ہے۔ اور اسی پر قرآن مجید کا خاتمہ نہایت ہی مناسب تھا۔ ف۲ (کہ ان کا ڈالا ہوا وسوسہ کہیں باعث معصیت نہ ہو جائے) ہر شر، ہر معصیت کی ابتداء کسی نہ کسی وسوسہ ہی سے ہوتی ہے۔ وسوسہ دل میں اگر آ کر نکل گیا، تو انسان محفوظ رہ گیا۔ لیکن وہی وسوسہ اگر جم گیا، تو انسان کو کسی نہ کسی درجہ کی مضرت دینی میں پھنسا کر یقیناً رہتا ہے۔ وسوسہ سے پناہ مانگنے کی تعلیم اسی لئے عین حکمت پر مبنی ہے۔ الْخَنَّاسِ۔ شیطان کا ایک صفاتی نام ہے۔ یعنی وہ حق تعالیٰ کا ذکر سن کر سکڑنے لگتا ہے۔ ای الشیطان الذی یخنس ای ینقبض اذا ذکر اللہ تعالیٰ (راغب) ف۳ اس سے معلوم ہوا کہ شیطانی وسوسہ اندازی کا کام جنات بھی کرتے ہیں اور انسان بھی مِنَ الْجِنَّةِ۔ من تبعیض کے لئے ہے۔ یعنی ان وسوسہ اندازوں میں سے کوئی جن ہوتا ہے اور کوئی کوئی انسان ــــ قرآن مجید ہی میں دوسری جگہ شیاطین الانس والجن اسی معنیٰ میں ہے۔ ومن للتبعیض ای کائنا من الجنۃ والناس فھی فی موضع الحال ای ذٰلک الموسوس ھو بعض الجنۃ وبعض الناس (بحر) بیان للذی یوسوس علی انہ ضربان جنی وانسی (روح) اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَاجْعَلْهُ لِيْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَعَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ــــ بحمد اللہ آج یوم دوشنبہ ۲۰ جولائی ۱۹۴۴ء مطابق ۱۸/ رجب ۱۳۶۳ھ قرآن مجید کی اس مختصر تفسیر کا مسوۂ اول ختم ہوا۔ اور اس میں دوسرے مشاغل کے ساتھ ساتھ تقریباً سوا تین سال لگے۔ مسودہ کی نظر ثانی و تکمیل میں بھی کم از کم دو سال کی مدت ابھی اور لگے گی۔ اس نامہ سیاہ کا سن اس وقت بحساب شمسی ۵۱ سال سے کچھ اوپر ہے ــــ آج یوم دوشنبہ ۲۲/ مارچ ۱۹۴۸ء (مطابق ۱۰/ رجمادی الاول ۱۳۶۷ھ بعد ظہر الحمد للہ کہ قرآن مجید کی اس مختصر تفسیر کی نظر ثانی سے فراغت پائی۔ آج زندگی کا شاید خوش نصیب ترین دن ہے۔ نظر ثانی میں وقت اندازہ سے، بہت زیادہ لگ گیا، دوسرے کام بھی ساتھ ساتھ جاری رہے تھے۔ حق تعالیٰ کا شکرِ احسان کس زبان سے ادا ہو کہ ایک بے علم و بے عمل کو کلام پاک کی خدمت کا یہ حوصلہ دے دیا۔ لغزشوں اور کوتاہیوں سے تو شرح کے یہ ہزارہا صفحات لبریز ہی ہوں گے۔ لیکن کوئی ایک آدھ مقام بھی اگر حق تعالیٰ کے ہاں قبول ہو جائے، تو واللہ کہ اس نامۂ سیاہ کے نامۂ سیاہ کی ساری سیاہیوں کو دھو دینے کے لئے کافی ہے ــــ ناکاروں کا اصلی اور بڑا سہارا خود اسی کا کرم بے حساب و لطف بے نہایت ہے!

اے بدر ماندگی پناہ ہمہ کرم تست عذر خواہ ہمہ + قطرۂ ز آبِ رحمت تو بس است شستن نامۂ سیاہ ہمہ + خسرو از تو پناہ می جوید اے الٰہ من و الٰہ ہمہ

(نظر ثالث کی تاریخ۔ ۴ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ مطابق یکشنبہ ۱۶ ستمبر ۱۹۵۰ء، بوقت دو بجے دن)

دُعَاءِ خَتْمِ الْقُرْاٰنِ

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ. اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ. وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا

اے اللہ مجھ سے میری قبر کی وحشت دور فرما اے اللہ مجھ پر عظمت والے قرآن کے ذریعہ رحم فرما اور اس کو میرے لیے مقتدا

وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً. اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَانَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَاجَهِلْتُ

اور نور اور ہدایت اور رحمت بنا اے اللہ اس کے اندر جو میں بھول گیا ہوں وہ مجھے یاد دلا اور جو مجھے نہیں معلوم وہ مجھے سکھا دے

وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَّارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ اٰمِیْنَ

اور دن رات اس کی تلاوت کرنے کی مجھے توفیق عطا فرما اور اے سب جہانوں کے پالنے والے اس کو میرے لیے دلیل بنا (اے اللہ) قبول فرما

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ ○ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ

بڑی شان بلند مرتبہ والے اللہ نے سچ فرمایا اور سچ فرمایا اس کے رسول ﷺ نے جو عزت والا نبی ہے اور ہم اس پر

الشّٰهِدِیْنَ ○ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِكُلِّ حَرْفٍ

گواہوں میں سے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم سے قبول کیجئے بیشک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے اے اللہ ہمیں قرآن پاک

مِّنَ الْقُرْاٰنِ حَلَاوَةً وَّبِكُلِّ جُزْءٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ جَزَآءً. اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِالْاَلِفِ اُلْفَةً وَّبِالْبَآءِ

کے ہر حرف کے بدلے مٹھاس نصیب کر اور قرآن پاک کے ہر جزء کے بدلے اچھا بدلا عطا فرما اے اللہ ہمیں الف کے بدلے اُلفت اور ب کے بدلے

بَرَكَةً وَّبِالتَّآءِ تَوْبَةً وَّبِالثَّآءِ ثَوَابًا وَّبِالْجِیْمِ جَمَالًا وَّبِالْحَآءِ حِكْمَةً وَّبِالْخَآءِ خَیْرًا وَّبِالدَّالِ

برکت اور ت کے بدلے توبہ اور ث کے بدلے ثواب اور ج کے بدلے جمال اور ح کے بدلے دانائی اور خ کے بدلے بھلائی

دَلِیْلًا وَّبِالذَّالِ ذَكَآءً وَّبِالرَّآءِ رَحْمَةً وَّبِالزَّآءِ زَكٰوةً وَّبِالسِّیْنِ سَعَادَةً وَّبِالشِّیْنِ شِفَآءً وَّبِالصَّادِ

اور دال کے بدلے رہنمائی اور ذال کے بدلے ذہانت اور ر کے بدلے رحمت اور ز کے بدلے پاکی اور س کے بدلے نیک بختی اور ش کے بدلے شفاء اور ص کے بدلے

صِدْقًا وَّبِالضَّادِ ضِیَآءً وَّبِالطَّآءِ طَرَاوَةً وَّبِالظَّآءِ ظَفَرًا وَّبِالْعَیْنِ عِلْمًا وَّبِالْغَیْنِ غِنًى وَّبِالْفَآءِ

سچائی اور ض کے بدلے روشنی اور ط کے بدلے تر و تازگی اور ظ کے بدلے کامیابی اور ع کے بدلہ علم اور غ کے بدلہ بے نیازی اور ف کے بدلہ

فَلَاحًا وَّبِالْقَافِ قُرْبَةً وَّبِالْكَافِ كَرَامَةً وَّبِاللَّامِ لُطْفًا وَّبِالْمِیْمِ مَوْعِظَةً وَّبِالنُّوْنِ نُوْرًا وَّبِالْوَاوِ

فلاح اور ق کے بدلہ نزدیکی اور ک کے بدلہ عزت اور ل کے بدلہ مہربانی اور م کے بدلہ نصیحت اور ن کے بدلہ نور اور و کے بدلہ

وُصْلَةً وَّبِالْهَآءِ هِدَایَةً وَّبِالْیَآءِ یَقِیْنًا. اَللّٰهُمَّ انْفَعْنَا بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ ○ وَارْفَعْنَا بِالْاٰیٰتِ

ملاپ اور ھ کے بدلہ رہنمائی اور ی کے بدلہ یقین عطا فرما یا اللہ ہمیں عظمت والے قرآن کے ذریعہ نفع پہنچا اور ہمارا مرتبہ آیات

وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ○ وَتَقَبَّلْ مِنَّا قِرَآءَتَنَا وَتَجَاوَزْ عَنَّا مَا كَانَ فِيْ تِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ مِنْ خَطَاٍ

اور حکمت والے ذکر کے ذریعہ بلند فرما اور ہمارے پڑھنے کو قبول فرما اور ہم سے درگزر فرما وہ کوتاہی جو قرآن پاک کی

اَوْ نِسْيَانٍ اَوْ تَحْرِيْفِ كَلِمَةٍ عَنْ مَّوَاضِعِهَا اَوْ تَقْدِيْمٍ اَوْ تَاْخِيْرٍ اَوْ زِيَادَةٍ اَوْ نُقْصَانٍ اَوْ

تلاوت میں ہوئی ہو یعنی خطا یا بھول یا بدلنا کلمہ کا اپنی جگہ سے یا آگے یا پیچھے یا زیادتی یا کمی یا مراد لیا غیر اس کا

تَاْوِيْلٍ عَلٰى غَيْرِ مَآ اَنْزَلْتَهٗ عَلَيْهِ اَوْ رَيْبٍ اَوْ شَكٍّ اَوْ سَهْوٍ اَوْ سُوْٓءِ الْحَانٍ اَوْ تَعْجِيْلٍ عِنْدَ

جو اتارا تو نے اس پر یاریب یا شک یا غفلت یا فحش غلطی یا جلدی کرنا تلاوت

تِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ اَوْ كَسَلٍ اَوْ سُرْعَةٍ اَوْ زَيْغِ لِسَانٍ اَوْ وَقْفٍ بِغَيْرِ وُقُوْفٍ اَوْ اِدْغَامٍ بِغَيْرِ مُدْغَمٍ

قرآن کے وقت یا سستی یا تیزی یا زبان کی کجی یا غیر وقف کے وقف کرنا یا ملانا غیر مدغم کے

اَوْ اِظْهَارٍ بِغَيْرِ بَيَانٍ اَوْ مَدٍّ اَوْ تَشْدِيْدٍ اَوْ هَمْزَةٍ اَوْ جَزْمٍ اَوْ اِعْرَابٍ بِغَيْرِ مَا كَتَبَهٗ

یا ظاہر کرنا بغیر بیان یا مد یا تشدید یا ہمزہ یا جزم کے یا اعراب دینا علاوہ اس کے جو اس نے لکھا۔

اَوْ قِلَّةِ رَغْبَةٍ وَّ رَهْبَةٍ عِنْدَ اٰيٰتِ الرَّحْمَةِ وَ اٰيٰتِ الْعَذَابِ فَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا وَ اكْتُبْنَا

یا رغبت اور خوف کا کم ہونا رحمت کی آیات اور عذاب کی آیات کے وقت پس بخش ہم کو اے ہمارے پروردگار اور ہمیں

مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِالْقُرْاٰنِ وَ زَيِّنْ اَخْلَاقَنَا بِالْقُرْاٰنِ وَ نَجِّنَا مِنَ النَّارِ

گواہوں کے ساتھ لکھ یااللہ قرآن کے ذریعہ ہمارے دلوں کو منور فرما اور قرآن کے ذریعہ ہمارے اخلاق کو مزین فرما۔ اور قرآن کے ذریعہ ہمیں آگ سے

بِالْقُرْاٰنِ وَ اَدْخِلْنَا فِي الْجَنَّةِ بِالْقُرْاٰنِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلِ الْقُرْاٰنَ لَنَا فِي الدُّنْيَا قَرِيْنًا وَّفِي الْقَبْرِ

نجات عطا فرما اور قرآن کے ذریعہ ہمیں جنت میں داخل فرما یا اللہ قرآن کو ہمارے لیے دنیا میں ساتھی بنا اور قبر میں

مُوْنِسًا وَّعَلَى الصِّرَاطِ نُوْرًا وَّفِي الْجَنَّةِ رَفِيْقًا وَّمِنَ النَّارِ سِتْرًا وَّ حِجَابًا وَّ اِلَى الْخَيْرَاتِ

غمخوار اور پل صراط پر روشنی والا اور جنت میں ساتھی اور آگ سے پردہ اور حائل اور تمام بھلائیوں کی

كُلِّهَا دَلِيْلًا فَاكْتُبْنَا عَلَى التَّمَامِ وَارْزُقْنَا اَدَآءً بِالْقَلْبِ وَ اللِّسَانِ وَ حُبَّ الْخَيْرِ وَ السَّعَادَةِ

طرف رہنما بنا پس ہمارا خاتمہ ایمان پر فرما اور ہمیں ایسا ایمان نصیب فرما جو دل اور زبان سے ادا ہو۔ اور بھلائی کی محبت اور نیک بختی

وَ الْبِشَارَةِ مِنَ الْاِيْمَانِ ○ وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ مَّظْهَرِ لُطْفِهٖ

اور خوشخبری والا ایمان نصیب فرما اور اللہ تعالیٰ رحمت بھیجے اپنے مخلوق میں سے بہتر محمد (ﷺ) پر

وَ نُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ○

اور اس کی آل اور اس کے تمام صحابہؓ پر اور بہت بہت سلام بھیجے

گزارشِ ناشر

پاک کمپنی نے اپنے قیام سے تا ایں روز قرآن پاک کی اشاعت میں بہتر سے بہتر کی طرف سفر جاری رکھا ہے۔ اردو زبان میں موجود اہم تراجم اور تفاسیر چھاپنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے ہماری شب و روز کی محنتوں کا ثمر ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر عطا فرمایا ہے اور بہت کم عرصہ میں پاک کمپنی اپنا ایک مقام بنانے میں کامیاب ہو چکی ہے۔

اب تک ہم مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ، مولانا فتح محمد جالندھری علیہ، مولانا اشرف علی تھانوی علیہ، مولانا شاہ عبدالقادر علیہ، مولانا شاہ رفیع الدین علیہ، مولانا محمود الحسن علیہ تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی علیہ کے اردو تراجم اور تفاسیر کے علاوہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ کا فارسی ترجمہ، تاج محمود امروٹی علیہ کا سندھی ترجمہ، مارماڈیوک پکتھال کا انگریزی ترجمہ اور رومن انگریزی ٹرانسلٹریشن شائع کر چکے ہیں اور مزید علماء کے تراجم پر کام ہو رہا ہے۔

پاک کمپنی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس نے پہلی بار کمپیوٹرائزڈ کتابت والے قرآن مجید شائع کیے۔ قرآن مجید کے اس نسخہ کی کتابت بھی کمپیوٹرائزڈ ہے۔ اور امید ہے کہ قاری حضرات اس کمپیوٹرائزڈ جدید عربی فونٹ کو ضرور پسند فرمائیں گے۔

آپ کے زیر مطالعہ قرآن مجید مولانا عبدالماجد دریابادی علیہ کے ترجمہ اور تفسیر پر مشتمل ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ قدیم اور جدید تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے مغربی علوم کے ماہر تھے۔ فلسفہ ان کا خاص موضوع رہا نیز بائبل کے تمام ادوار ان کی نظر میں رہے۔ ایک عرصہ تک وہ مغربی فلسفہ سے متاثر ہو کر الحاد و تشکیک کے شکار رہے۔ اس کے بعد وہ توبہ کر کے پکے اور سچے مسلمان ہو گئے اور ہمہ وقت فرنگی علوم وفنون اور فلسفہ و نظریات کی فتنہ سامانیوں اور ہمارے معاشرے کے اثراتِ بد کی روک تھام میں مصروف رہے چنانچہ قرآن مجید کا یہ ترجمہ اور تفسیر اس کی بہترین مثال ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف سے ہر قدم پر ہدایات اور مشاورت نے اس ترجمہ و تفسیر کو خاص شان امتیاز بخش دی۔

انگریزی زبان میں ترجمہ و تفسیر کے بعد مولانا نے اردو دان طبقہ کو مغربی فلسفہ کی یلغار سے بچانے کے لیے ایک عظیم کوشش کی ہے۔ یہ مغربی مفکرین اور فلسفیوں اور مبلغین کے پروپیگنڈے کا منہ توڑ جواب بھی ہے اور ان کے اثرات سے پیدا ہونے والے لادینیت الحاد و تشکیک کے امراض کا شافی علاج بھی۔ مغربی فلسفہ زدہ یورپ پلٹ معاشرہ کے لیے اس تفسیر کی اشاعت آب حیات سے کم نہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ مغربی میڈیا سے متاثر افراد خصوصاً نوجوانوں کو یہ ترجمہ اور تفسیر ضرور پڑھائیں۔

اس تفسیر میں آپ کو نہ صرف جا بجا بائبل، تورات، ہندو وید، گیتا، بدھ تعلیمات، مجوسی مفکرین نیز قدیم و جدید یونانی فلسفیوں کے حوالہ جات اور ان کے مدلل جوابات ملیں گے بلکہ عظیم مفسرین کرام کی تفاسیر کے اقتباسات بھی موجود پائیں گے۔ جن کی تفصیل دیباچہ میں ملے گی۔

ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہیں کہ وہ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ ہم اس کا کلام جو اس کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا شائع کر رہے ہیں۔ اے اللہ تیری ذات جمیلہ نے حق اور سچ فرمایا اور تیرے رسول کریم ﷺ نے تیرے پاک کلام کو تیرے بندوں تک پہنچا دیا۔ دعا ہے کہ اے اللہ رب العزت بوسیلہ حضور سرور کائنات، فخر موجودات ﷺ کے ہمارے دلوں کو قرآن کریم کے نور ہدایت سے منور فرما۔ اور اس کے حقائق و رموز کے علم کو ہم پر منکشف فرما بیشک تو ہی ہماری دعاؤں کا سننے والا اور ہر سائل کی حاجت کو پورا کرنے والا ہے۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں اور درود پاک بے حد و بے شمار نبی کریم ﷺ اور ان کی آل اور جمیع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ہو۔ اے اللہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرما بے شک تو ہی ہدایت دینے والا ہے۔ آمین یا رب العالمین

ضروری گزارش

قارئین کرام سے برادرانہ گزارش ہے کہ تلاوتِ قرآن پاک کے بعد جہاں اپنے لیے اور اپنے عزیزوں کے لیے دُعا کریں وہاں ہمارے لیے، ہمارے والد جو کہ اس کمپنی کے بانی تھے، ہمارے جو بزرگ اس دنیا سے جا چکے ہیں اور ہمارے کارکنوں کے لیے جن کی محنت شاقہ سے کمپنی اس مقام تک پہنچی ہے اور کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہے اُن کے حق میں بھی دُعائے خیر فرمائیں۔ جزاک اللہ

مالکان: پاک کمپنی (رجسٹرڈ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

دیباچہ تفسیر

الحمد للہ الذی وحدہ۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو پوری طرح سمجھنا اور پھر اسے دُوسروں کو سمجھانا، اور اس سمجھانے کا حق ادا کر دینا، یہ بڑے عارفوں اور کاملوں کے بھی بس کی چیز نہیں۔ چہ جائیکہ ایک بے علم اور سرتاپا بے بضاعت فرد کے۔ غالبؔ نے شعر کہا جس مقصد سے بھی ہو، بے بہر حال اس موقع کے لیے چسپاں۔

تھک تھک کے ہر مقام پر دو چار رہ گئے　　تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

کہاں رب اور کہاں بندہ۔ نا محدود اور محدود کا بھی کوئی مقابلہ ہے۔ سمندر اور قطرۂ آفتاب اور ذرّہ کی نسبت بھی تو نہیں۔ لیکن بہر حال بندہ مکلف بھی تو محض بقدر اپنی طاقت و ہمت کے ہے۔ جن جن بزرگوں نے تفسیریں لکھی ہیں، سب نے اپنے اپنے مقام علم و معرفت کے لحاظ سے لکھی ہیں۔ اور سب کے مقامات وصول و یافت الگ الگ ہیں۔ کسی کی توجہ مسائل صرف و نحو کی طرف زیادہ رہی، اور اس نے الفاظ کے اشتقاق اور فقروں کی ترکیب کو خوب حل کیا۔ کسی کے پیش نظر احادیثِ نبوی ہیں، اور اس نے نزول آیات کا پس منظر دکھانے میں دادِ تلاش و تحقیق دی۔ کسی نے ادب و بلاغت کے نکتوں کو چن لیا۔ کسی نے احکامِ قرآنی و مسائل فقہی کے استنباط و استخراج کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے رکھا۔ کسی نے علمِ کلام کے مباحث کو دل کھول کر بیان کیا۔ وقس علیٰ ہذا۔

میں کہ ہر علم و فن سے کورا اور حسنِ عمل سے معرّا ہوں، حقیقۃً اس قابل بھی نہیں کہ کلامِ الٰہی کی کسی ایک آیت کی بھی تفسیر و تشریح کی جرأت کر سکوں۔ لیکن ولکن یفعل اللہ ما یرید۔ اللہ جس سے جو کام چاہے لے لیتا ہے۔ وہ تنکے سے چاہے تو ستون کا کام لے لے اور ذرّہ میں چاہے تو چٹان کی قوت بھر دے۔ ع　　دادِ او را قابلیت شرط نیست

وہ بے زبان کو چاہے تو فصیح البیان بنا دے، اور جاہل کو چاہے تو علماء و فضلاء کی اُستادی کے مرتبہ پر پہنچا دے۔

اس احقر کو جب انگریزی کے ترجمہ و تفسیر سے فرصت ہوئی تو اسی انداز اور نمونہ پر اپنی مادری زبان میں بھی ترجمہ و تفسیر کا خیال آیا۔ جا بجا سے اس کے تقاضے بھی آئے۔ رفتہ رفتہ احباب کے حسنِ ظن نے ارادہ کے ضعف و تذبذب کو ہمت و عزم سے بدل دیا۔ چند سال کی محنت میں جو کچھ ہو سکا نذرِ ناظرین ہے۔ پرکھنے والوں کو اگر اس میں کوئی خوبی نظر آ جائے، تو وہ یہ سمجھیں کہ وہ تمام تر اللہ کے فضل و کرم کا ثمرہ ہے۔ اور عیب جتنے بھی نظر آئیں، انہیں راقم کی نااہلی پر محمول کر کے ان سے درگزر فرمائیں، اور ہو سکے تو مصنف کو اس کی زندگی میں ان سے آگاہ کر دیں۔ اور اس کے حق میں دُعائے خیر بہر صورت فرماتے رہیں، ان شاء اللہ خود بھی ماجور ہوں گے۔

مطالعہ فرمانے کے وقت اگر معروضاتِ ذیل کو پیش نظر رکھا جائے تو ان شاء اللہ فہم مطالب میں بڑی سہولت رہے گی۔

(۱) قرآن حکیم ایک نہایت درجہ مرتب و منظم کتاب ہے۔ اس لیے اسی نسبت سے دشوار بھی ہے۔ اسے جو آسان فرمایا گیا ہے وہ صرف موعظہ اور عبرت پذیری کے اعتبار سے ہے۔ اگر اس کے مطالب کو کوئی گرفت میں لانا چاہے تو اس کے لیے سرسری مطالعہ خصوصاً انڈیکس (اشاریہ) کی مدد سے ہرگز کافی نہ ہوگا۔ مدتوں کے مسلسل اور غائر مطالعہ کے بعد کہیں اس سے مناسبت پیدا ہوتی ہے اور دشواریاں مناسبت پیدا ہونے کے بعد ہی حل ہو سکتی ہیں۔ اس لیے قرآن فہمی میں بہت زیادہ عجلت کو دخل دینا ہرگز مناسب نہیں۔

(۲) قرآن مجید ایک زندہ صحیفہ بھی ہے اور ماضی کی کتاب بھی۔ یعنی ایک طرف تو اس کی مخاطب عرب کی وہ قوم تھی جو اس کے نزول کے وقت موجود تھی۔ بلکہ ساری قوم عرب کیوں کہیے زیادہ صحت کے ساتھ یوں کہیے کہ مکہ اور مدینہ اور مضافاتِ مکہ و حوالیٔ مدینہ کے باشندے تھے۔ اور دُوسری طرف اس کے مخاطب روس و جاپان۔ چین۔ ہندوستان اور پاکستان۔ امریکا۔ آسٹریلیا، کل رُوئے زمین کے باشندے قیامت تک کے لیے ہیں۔ اس کی یہ دونوں حیثیتیں نہ صرف موجود ہیں بلکہ برابر ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اور ترتیب زمانی کے لحاظ سے پہلی حیثیت اہم تر اور مقدم ہے۔ جنت کی

نعمتوں، دوزخ کے عذابوں، آسمان کی ساخت، زمین کی حرکت وسکون، ستاروں کی گردش، وغیرہ سے متعلق کوئی ایسی بات اگر وہ بیان کر دیتا جو اس کے مخاطبین اوّل، یعنی چھٹی صدی عیسوی کے اہل حجاز کے مسلمات کے خلاف یا ان کی فہم سے باہر ہوتی تو وہ لوگ خواہ مخواہ ایک نئے الجھاوے میں پڑ جاتے، اور محض اس سے ان کے دماغ وحشت کھا کر قرآن کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، حشر ونشر، وغیرہ کی تکذیب پر آمادہ ہو جاتے۔ اس لیے قرآن نے نہایت حکیمانہ اسلوب یہ اختیار کیا، کہ صراحتیں تو تمامتر مذاق عرب کے مطابق ہی کیں، لیکن ساتھ ہی اشارے ایسے بھی رکھے کہ بعد کی نسلیں اور ہر دَور کے مخاطبین اپنی اپنی فہم واستعداد کے ماتحت اس سے روشنی حاصل کر سکیں ـــــ یہ ایک بنیادی نکتہ اگر مستحضر رہے تو بہت سے اشکالات ان شاءاللہ از خود دور ہو جائیں گے۔

(۳) قرآن حکیم اپنے نفس مضمون، یعنی معانی ومطالب کے لحاظ سے ساری کائناتِ انسانی کو مخاطب کیے ہوئے ہے۔ سب کی عقلوں اور ذہنوں کو سامنے رکھے ہوئے ہے۔ لیکن جہاں تک طرزِ ادا اور اسلوبِ خطاب کا تعلق ہے، وہ عربی کلام ہے، اور اپنی صنعتوں اور لطافتوں، فقروں کی ترکیب، الفاظ کی نشست میں تمامتر عربی ادب وانشا کے لیے خود معیارِ اعلیٰ کا کام دے رہا ہے۔ اس میں روانی، شستگی، سلاست، اردو یا فارسی یا ہندی یا انگریزی یا ترکی یا جرمنی ادب کے معیار سے تلاش کرنا شدید کوتہ فہمی ہے۔ اس کی انشائی خوبیوں سے لطف اُٹھانے کے لیے قدیم خطباتِ عرب سے واقفیت ضروری ہے۔ اور اس کی انشا پردازی وبلاغت کو جب کبھی کسی غیر معمولی معیار سے دیکھا جائے گا تو ہمیشہ غلط فہمی ہی ہوگی۔

(۴) قرآن مجید کی دُنیا، حکمت واخلاق، رُوحانیت وانسانیت کبریٰ کی دُنیا ہے۔ اس کی فضا تحقیق وطلب کی فضا، اور اس کا ماحول تقویٰ و طہارت کا ماحول ہے۔ اس کی گہرائیوں تک رسائی کے لیے تقویٰ کسی درجہ میں تو بہرحال لازمی ہے۔ طہارتِ قلب وطہارتِ جسم کا مطلق اہتمام کیے بغیر محض زبان دانی کے بھروسہ پر قرآن سمجھ لینے کی کوشش ایک سعی لاحاصل ہے ـــــ ابوجہل اور ابولہب سے بڑھ کر زبان داں اور کون تھا؟ کوئی لغوی یا صرفی ونحوی اشکال انہیں کبھی کیوں پیش آنے لگا تھا۔ لیکن اپنی رُوح کو انہوں نے قرآنی روح سے یکسر بیگانہ ونا آشنا رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن اُن پر ذرا بھی نہ کھلا۔ بالکل بند ہی رہا۔ اور وہ فہم قرآنی کے درجۂ ادنیٰ سے بھی سعادت سے محروم ہی رہے۔

کلام بڑے غیور اور غنی عن العلمین کا ہے۔ اس کا ہے جس سے بڑھ کر کوئی نہ غیرت مند ہے نہ بے نیاز۔ اور متکلم کی شانِ غیرت وغنا کا ظہور کلام میں بھی درجہ اتم میں ہے۔ جو بڑا بننے کی آرزو رکھتے ہیں۔ انہیں چھوٹا بن کر اس دروازہ میں داخل ہونا ہوگا۔ قال العارف الرومی ؎

جز کہ اشکستہ نگیرد فضل شاہ　　　فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ

(۵) اُستاد کی ضرورت تو چھوٹے سے چھوٹے علم اور سہل سے سہل فن میں بھی تقریباً ناگزیر ہی ہے۔ پھر قرآن کا علم تو بڑا مہتم بالشان علم ہے۔ اس میں کوئی طالب علم استاد سے بے نیاز کیسے رہ سکتا ہے؟ کوئی زندہ استاد اگر کامل الفن نہ ملے تو اس کی قائم مقامی اکابر مفسرین اور محقق شارحین کی کتابیں کر سکتی ہیں۔

ان حضرات کی تحقیق وتلاش کی داد دل سے دینا چاہیے۔ ان کے فضل وکمال وتبحر علمی کا احساس پورا پورا رکھنا چاہیے۔ ان کی عظمت و احترام کے اعتراف میں تامل ذرا سا نہ کرنا چاہیے۔ لیکن ساتھ ہی دوسری طرف یہ عقیدہ بھی تازہ رکھنا چاہیے، کہ معصوم بجز نبی معصوم کے اور کوئی نہیں۔ اُمت کے بڑے سے بڑے محققین بھی غیر معصوم ہی ہیں۔ کسی ایک کے بھی ہر قول کی تقلید ہر حال میں آنکھ بند کیے کرتے رہنا اور دلیل صریح کے باوجود بھی کیے جانا ہرگز طریق ثواب نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دُوسروں کی عصمت سے انکار کر کے خود اپنی عصمت پر عقیدہ جما لیا جائے، اور اپنی تحقیق پر حزم اور جمود کے ساتھ اعتماد کر لیا جائے۔ حاشا اس کا وہم بھی نہ آنے پائے۔

عربی میں اچھی اچھی تفسیریں ماشاءاللہ کثرت سے موجود ہیں۔ اس نامۂ سیاہ نے جن جن سے استفادہ اور خوشہ چینی کی ہے، ان کی کچھ تفصیل عرض ہے:۔

ا۔ تنویر المقباس یا تفسیر ابن عباسؓ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (متوفی ۶۸ھ) اصحاب رسول میں مشہور ترجمان القرآن ہوئے ہیں۔ یہ

ان کے تفسیری اقوال کا مجموعہ، صاحب قاموس مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (متوفی ۸۱۰ھ) کا مرتب کیا ہوا ہے۔ البتہ سلسلہ مرویات ناقدین کے نزدیک کچھ زیادہ معتبر و مستند نہیں۔

۲۔ جامع البیان۔ یا تفسیر ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) ۳۰ جلدوں میں۔ یہ ایک مبسوط مفصل اور محققانہ تفسیر ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ ہر آیت کی تفسیر میں صحابیوں اور تابعین کے آثار و اقوال کی جامع ہے ساتھ ہی دوسرے پہلوؤں، لغت، ادبیت وغیرہ پر بھی محققانہ کلام ہے۔

۳۔ تفسیر الکشاف۔ ۲ جلدوں میں لغت و ادب کے مشہور امام علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشریؒ (متوفی ۸۱۵ھ) کی مشہور تفسیر ہے۔ زمخشری عقائد میں معتزلی تھے۔ لیکن جہاں تک ادب و بلاغت کے پہلوؤں کا تعلق ہے، اہل سنت بھی ان کی نکتہ سنجیوں کے پوری طرح قائل و معترف ہیں۔

۴۔ مفاتیح الغیب۔ یا تفسیر کبیر۔ ۸ جلدوں میں۔ از امام فخر الدین عمر رازی (متوفی ۶۰۶ھ) رازی معقول و منقول دونوں کے امام تھے۔ ان کی تفسیر حقیقۃً تفسیر کبیر یا تفسیر اعظم ہی کہلانے کی مستحق ہے۔ لسانی، روایتی، کلامی، فقہی کہنا چاہیے کہ سارے ہی پہلو اس میں آ گئے ہیں۔ اور کلامی مباحث کے تو گویا رازی بادشاہ ہیں۔ مفسر کا کمال یہ ہے کہ اپنے زمانہ کے سارے علوم و فنون کو قرآن کے خادم کی حیثیت سے لا کر کھڑا کر دیا ہے۔

۵۔ الجامع الاحکام القرآن۔ یا تفسیر قرطبی۔ امام عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) کی تصنیف ہے۔ نام سے دھوکا ہوتا ہے کہ شاید صرف احکام فقہی پر محدود ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ مکمل تفسیر ہے۔ محققانہ بھی اور جامع بھی۔ پھر عبارت سلیس۔ افسوس ہے کہ مکمل طبع نہیں ہوئی۔ کوئی نصف قرآن تک مصر میں، متعدد جلدوں میں شائع ہوئی، یہاں وہ نسخہ بھی کمیاب ہے۔ میں نے تمام تر نسخہ مملوکہ مولنا حافظ محمد عمران خاں ندوی بھوپالی مہتمم دار العلوم ندوہ سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ موصوف ایک ایک جلد برابر عاریۃً عنایت کرتے رہے۔

۶۔ معالم التنزیل، یا مختصراً تفسیر معالم۔ محی السنۃ حسین بن مسعود ابو محمد نقوی شافعی (متوفی ۵۱۶ھ) کی تصنیف ہے۔ مشہور محدث گزرے ہیں۔ کتاب ۸ جلدوں میں تفسیر ابن کثیر کے حاشیہ کے طور پر مصر میں طبع ہوئی ہے۔

۷۔ تفسیر ابن کثیر۔ از حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل ابن کثیر دمشقی (متوفی ۷۷۴ھ) ۸ جلدوں میں مصر میں چھپی ہے۔ تفسیر بجائے خود اچھی اور مستند ہے۔ لیکن مفسر پر محدثانہ رنگ غالب ہے۔ کتاب عام طلبۂ قرآن کے زیادہ کام کی نہیں۔ گویا صرف ایک مجموعہ تفسیری احادیث کا ہے۔

۸۔ مدارک التنزیل یا تفسیر مدارک۔ حافظ الدین محمود ابو البرکات النسفی الحنفی (متوفی ۷۸۶ھ) صاحب عقائد نفسی۔ اہل سنت کے مسلم امام ہیں۔ ان کی یہ مختصر تفسیر بہت طویل حاشیہ اکلیل کے ساتھ ہندوستان میں ۷ لمبی چوڑی جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ عقاید و احکام کے باب میں اعتماد سب سے زیادہ اسی پر رہا ہے۔

۹۔ انوار التنزیل۔ یا تفسیر بیضاوی۔ از قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی (متوفی ۶۹۱ھ) ۵ جلدوں میں۔ مشہور و متداول تفسیر ہے، لیکن جامع و مستند۔

۱۰۔ البحر المحیط۔ ۸ جلدوں میں۔ از اثیر الدین ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن حیان اندلسی (متوفی ۷۵۴ھ) ابن حیان محدث بھی ہیں اور ادیب اور متکلم بھی۔ تفسیر میں سب پہلوؤں کی رعایت رکھی ہے۔ جو ضعیف بلکہ موضوع روایات بعض مفسرین محض افراط خوش عقیدگی کی بنا پر ایک دوسرے سے نقل کرتے چلے آئے تھے، انہوں نے جرأت کر کے ان میں سے اکثر سے انکار کر دیا ہے۔

۱۱۔ تفسیر ابی سعود۔ یہ ابو سعود عمادی کے حواشی تفسیری ہیں۔ زیادہ قرآن کی ترکیبات نحوی و مباحث سے متعلق۔ تفسیر کبیر مطبوعہ مصر پر بطور تعلیقات کے شائع ہوئی ہے۔

۱۲۔ روح المعانی۔ ۹ جلدوں میں۔ علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی (متوفی ۱۲۹۱ھ) متاخرین میں ایک بے مثل شخص ہوئے ہیں۔ نظر میں وسعت بھی تھی اور عمق بھی۔ ان کی یہ جامع و مفصل تفسیر ایک بڑی حد تک قدیم تفسیروں سے غنی کر دینے والی ہے۔ لغوی، روایتی، کلامی، فقہی حیثیت سے کہنا چاہیے کہ سب ہی کچھ اس میں موجود ہے۔ اور سلوک و تصوف سے متعلق اشارات اُن پر مستزاد۔

اصل استفادہ عربی میں انھیں تفاسیر سے کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ حسب ذیل بھی وقتۃً فوقتۃً پیش نظر رہی ہیں۔ اور کہیں کہیں مددان

سے بھی ملی ہے۔

۱۳۔ تفسیر جلالین۔ مع کمالین

۱۴۔ غرائب القرآن یا تفسیر نیشاپوری

۱۵۔ تفسیر فتح القدیر (شوکانی)

۱۶۔ تفسیر خازن (شرح معالم)

ان عام تفسیروں کے علاوہ فقہی مسائل سے متعلق ذیل کی تفسیروں سے بھی بہت مدد ملی، خصوصاً اول الذکر سے:۔

۱۷۔ احکام القرآن۔ ۲ جلدوں میں۔ از علامہ ابوبکر محمد بن العربی المالکی الاندلسی (المتوفی ۵۴۳ھ) ہر مسئلہ سے متعلق چاروں ائمہ فقہ کے مذہب نقل کر دیئے ہیں۔ بڑے کام کی کتاب ہے۔

۱۸۔ احکام القرآن۔ ۳ جلدوں میں۔ از امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازی حنفیؒ (المتوفی ۳۷۰ھ) حنفیہ میں بڑے پایہ کی کتاب ہے۔ مسائل کے ساتھ ان کے دلائل بھی دیئے گئے ہیں۔

۱۹۔ تفسیر احمدی۔ ملا احمد عرف ملا جیون امیٹھوی کی تالیف۔ سن تالیف ۱۰۷۵ھ۔

لغتِ قرآنی پر کوئی کتاب ابوالقاسم حسین بن الفضل راغب اصفہانی (المتوفی ۵۰۲ھ) کی۔

۲۰۔ المفردات فی غریب القرآن سے بڑھ کر مستند اور مفید میرے علم میں نہیں۔

عام لغات میں

۲۱۔ مجد الدین فیروز آبادی (المتوفی ۸۱۰ھ) کی القاموس (۲ جلدوں میں) ابن المنظور افریقی (المتوفی ۷۱۱ھ) کی ضخیم و مستند۔

۲۲۔ لسان العرب (۲۰ جلدوں میں) اور سب سے بڑھ کر علامہ مرتضی زبیدی بلگرامی (المتوفی ۱۲۰۵ھ) کی بلند پایہ۔

۲۳۔ تاج العروس شرح قاموس (۱۰ جلدوں میں) سے مدد قدم قدم پر ملتی رہی۔

۲۴۔ اِن سب کتابوں کے علاوہ سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) کی اتقان فی علوم القرآن بھی ایک قابلِ قدر کتاب ہے۔ کہنا چاہیے کہ ایک چھوٹی سی قرآنی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اُس زمانہ تک جتنا کام قرآن سے متعلق ہوا تھا اس کی جامع۔

۲۵۔ کلیاتِ ابی البقاء۔ یہ بھی جہاں تک ادب، لغت، نحو و بیان کا تعلق ہے، قرآن مجید سے متعلق بڑے کام کی کتاب ہے۔

فارسی ترجموں میں بجز شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ترجمہ فتح الرحمٰن کے اور کوئی چیز قابل ذکر نہیں ملتی۔ ترجمہ کی راہ ہندوستان میں اگر شاہ دہلوی اور ان کے خاندان والوں نے نہ کھول دی ہوتی، تو آج خدا معلوم کتنی دشواریوں کا سامنا ہوتا۔

اس تفسیر کے اُردو ترجمہ کا جہاں تک تعلق ہے یہ ۷۵ فی صد حکیم الامت مولنا اشرف علی تھانویؒ کی نقل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پرانے ترجموں میں شاہ رفیع الدین دہلوی کا ترجمہ اور نئے ترجموں میں حکیم الامت کا ترجمہ۔ بس یہ دو ترجمے باقی تمام ترجموں سے بے نیاز کر دینے والے ہیں۔ پہلا ترجمہ لفظی ہے، اور دوسرا با محاورہ و مطلب خیز۔

اُردو تفسیروں میں نمبر اول پر۔

۲۶۔ حکیم الامت کی تفسیر بیان القرآن (۱۲ جلدوں میں) ہے۔ علوم و معارف سے لبریز یہ تفسیر اُردو میں اپنی نظیر آپ ہے۔ سب سے زیادہ اخذ و استفادہ اسی سے کیا گیا ہے۔

۲۷۔ خلاصۃ التفاسیر (۵ جلدوں میں معہ مقدمہ) از مولنا فتح محمد تائب لکھنویؒ۔ کتاب اور مصنف نے زیادہ شہرت نہیں پائی۔ لیکن تفسیر متعدد حیثیتوں سے قابل قدر ہے۔ گو اب ذرا پرانی ہوگئی ہے۔

۲۸۔ ترجمہ اُردو تفسیر مظہری۔ اصل تفسیر قاضی ثناء اللہ پانی پتی (صاحب مالا بدمنہ) کی ہے، اور فارسی میں ہے۔ اس کے اُردو ترجمہ کا

صرف قلیل ابتدائی حصہ مطالعہ میں آیا، اور اسے مفید پایا گیا۔ اردو میں تفسیر پر اور بھی بہت کچھ کام ہو چکا ہے، مثلاً

۱۔ تفسیر مواہب الرحمٰن۔ ۳۰ لمبی چوڑی ضخیم جلدوں میں۔ از مولانا امیر علی ملیح آبادی مرحوم۔ بہت جامع و مفصل کتاب ہے۔ عرب کی مشہور و متداول تفسیروں کا عطر اس میں آ گیا ہے۔ زبان پرانی ہوگئی ہے۔

۲۔ تفسیر فتح المنان یا تفسیر حقانی۔ ۷ جلدوں میں۔ از مولانا عبدالحق حقانی دہلوی مرحوم۔ مذاہب غیر سے مناظرہ کرنے والوں کے لیے خاص طور پر مفید ہے۔

۳۔ تفسیر ثنائی۔ ۷ جلدوں میں۔ از مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری۔ ذرا مختصر ہے۔ محدثین کے مذہب پر ہے۔ اور غیر مذاہب سے مناظرہ کرنے والوں کے لیے مفید ہے۔

۴۔ تفسیر بیان القرآن۔ ۳ جلدوں میں۔ از مولوی محمد علی صاحب ایم، اے۔ امیر جماعت احمدیہ (قادیانیہ) لاہور۔ مغربیت سے متاثر گروہ کے لیے اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔ گو ظاہر ہے کہ اس کے متعدد بیانات مسلک اہل سنت والجماعت سے ہٹے ہوئے ہیں۔

۵۔ حواشی تفسیری از مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ دیوبندی۔ شیخ الہند محمود حسن کے ترجمہ قرآن کے اکثر حصہ پر یہ حاشیے ہیں، اور ضروریات وقت کو ملحوظ رکھ کر ایک فاضلانہ قلم سے لکھے گئے ہیں۔

۶۔ تفہیم القرآن۔ از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔ یہ تفسیر جسے تفسیر کہنا مشکل ہی ہے، بہ اقساط نکل رہی ہے۔ ابھی تک آٹھ پاروں کی نکلی ہے۔ بعض نکتے اس میں خوب آ گئے ہیں۔

مفسر تھانوی کی اصل تفسیر کے علاوہ ان کے زبانی افادات اور ان کی ایک اور کتاب مسائل السلوک من کلام ملک الملوک سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ مسائل سلوک و تصوف سے متعلق ایسے موقعوں پر حوالہ "مرشد تھانوی" کا دیا گیا ہے۔

جن کتابوں کے حوالے بار بار اور کثرت سے آئے ہیں، ان کے لیے ذیل کی صرف علامتیں استعمال ہوئی ہیں:۔

نام کتاب	علامت	نام کتاب	علامت	نام کتاب	علامت
۱۔ تفسیر تنویر المقیاس	(ابن عباسؓ)	۸۔ تفسیر مفاتیح الغیب	(کبیر)	۱۵۔ حواشی ابوسعود العمادی	(ابوسعود)
۲۔ تفسیر ابن جریر طبری	(ابن جریر)	۹۔ البحر المحیط لابن حیان	(بحر)	۱۶۔ مفردات غریب القرآن	(راغب)
۳۔ تفسیر الکشاف	(کشاف)	۱۰۔ النہر اللعیط لابن حیان	(نہر)	۱۷۔ لسان العرب	(لسان)
۴۔ تفسیر انوار التنزیل	(بیضاوی)	۱۱۔ تفسیر الجامع الاحکام القرآن	(قرطبی)	۱۸۔ تاج العروس	(تاج)
۵۔ تفسیر مدارک التنزیل	(مدارک)	۱۲۔ روح المعانی	(روح)	۱۹۔ وجوہ اعراب الفرقان المعروف بہ اعراب القرآن	(عکبری)
۶۔ تفسیر معالم التنزیل	(معالم)	۱۳۔ احکام القرآن لابن العربی	(ابن عربی)	۲۰۔ تفسیر بیان القرآن	(تھانوی)
۷۔ تفسیر ابن کثیر	(ابن کثیر)	۱۴۔ احکام القرآن للجصاص رازی	(جصاص)	۲۱۔ القرطین	(ابن قتیبہ)

ان کے علاوہ جن کتابوں کے حوالے آئے ہیں، بجائے علامات اور مرموزات کے، اصل نام کے ساتھ آئے ہیں۔

اسی رب العزت سے دعا ہے کہ اس حقیر و ناچیز کوشش کو حسن قبول عطا فرمائے۔ میری اور میرے والدین اور میرے اعزہ، احباب، متوسلین کی اور ان تمام اشخاص کو جو اس تالیف کی تیاری میں مالی حیثیت سے یا کسی اور حیثیت سے معین ہوئے ہیں مغفرت سے سرفراز فرمائے اور ان پر اور ساری امتِ محمدی پر رحمت کی بارش نازل کرے۔ ناظرین سے صرف اتنی استدعا ہے کہ اس دُعا پر آمین کہہ دیں۔

دریاباد۔ بارہ بنکی

دسمبر ۱۹۴۴ء

ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ

عبدالماجد

رُموزِ اَوقاف ورسم الخط

نمبر شمار	علامات	رُموز
		اَوقاف لازمی اور ضروری
۱	م	وقف لازم
۲	ط	وقف مطلق
۳	سکتہ	علامت سکتہ یہاں اس طرح ٹھہرو کہ سانس نہ ٹوٹے۔
۴	وقفہ	علامت وقف۔ یہاں سکتے کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہئے لیکن سانس نہ توڑے۔
۵	○	ختم آیت کی علامت ہے۔ دائرہ پر اگر کوئی اور علامت نہ ہو تو رُک جاؤ ورنہ علامت کے مطابق عمل کرو۔
۶	۵	آیت غیر کوفی کی علامت ہے۔ اس کا حکم بھی وہی ہے جو دائرہ کا ہے۔
		وصل یعنی وہ مقام جہاں ملا کر پڑھنا ضروری ہے
۱	لا	جب ۵ اور ○ کے بغیر ہو تو ملانا ضروری ہے۔
		ذیل کی علامت میں وصل بہتر ہے
۱	ز	وقف مجوّز
۲	ص	یہاں وقف کی رخصت ہے۔
۳	ق	وقف کا قول ضعیف ہے۔ "ق" قیل علیہ الوقف کا مخفف ہے۔
۴	صلے	الوصل اولیٰ کا مخفف ہے یعنی وصل بہتر ہے۔
۵	صَل	قد یوصَل کا مخفف ہے، بوقتِ ضرورت وقف کر سکتے ہیں۔
		جہاں وقف بہتر ہے
۱	قف	وقف بہتر کی ایک ہی علامت ہے اس کے علاوہ قرآن مجید میں اکثر حاشیہ پر جو وقف النبی ﷺ، وقف جبریل، وقف غفران، وقف منزل لکھا ہوتا ہے تو وہاں بھی وقف بہتر ہے۔
		وقف اور وصل مساوی ہیں
۱	لا ۵ لا ○	ان دونوں کو آیت لا کہتے ہیں، دونوں کے وقف یا وصل میں اختلاف ہے مختصر یہ کہ دونوں جائز ہیں، کسی امر کو ترجیح نہیں دی جا سکتی، پڑھنے والا حسب معانی وقف یا وصل کرلے۔
۲	ج	وقف جائز۔
		علامات متفرقہ
۱	ک	کذٰلک کا مخفف ہے اس سے مراد ہے کہ جو رمز اس سے پہلی آیت میں آچکی ہے اُسی کا حکم اس پر بھی ہے۔
۲	∴ ∴	یہ تین نقاط والے دو وقف قریب قریب آتے ہیں حاشیہ میں معانقۃ یا مع لکھ دیتے ہیں، ان میں سے ایک پر ٹھہرنا چاہیے، دوسرے پر نہیں۔

ضروری ہدایت

قرآن مجید میں بیس مقامات ایسے ہیں کہ ذراسی بے احتیاطی سے نادانستہ کلمۂ کفر کا ارتکاب ہوجاتا ہے۔ زیر، زبر اور پیش میں ردوبدل کردینے سے معنیٰ کچھ کے کچھ ہوجاتے ہیں اور دانستہ پڑھنے سے گناہِ کبیرہ بلکہ کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ ذیل میں وہ تمام مقام درج کردیے جاتے ہیں:۔

نمبر شمار	مقام	صحیح	غلط
۱	سورۃ الفاتحۃ	اِیَّاكَ نَعْبُدُ	اِیَاكَ (بلا تشدید)
۲	سورۃ الفاتحۃ	اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ	اَنْعَمْتُ عَلَیْهِمْ
۳	سورۃ البقرۃ ع ۱۵	وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ	اِبْرٰهٖمُ رَبَّهٗ
۴	سورۃ البقرۃ ع ۳۳	وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ	دَاوٗدَ جَالُوْتُ
۵	سورۃ البقرۃ ع ۳۴ آیۃ الکرسی	اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	اللّٰهُ (بالمد)
۶	سورۃ البقرۃ ع ۳۶	وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ	یُضٰعَفُ
۷	سورۃ النساء ع ۲۳	رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ	مُّبَشَّرِیْنَ وَمُنْذَرِیْنَ
۸	سورۃ التوبۃ ع ۱	مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ	رَسُوْلِهٖ
۹	سورۃ بنی اسرآءیل ع ۲	وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ	مُعَذَّبِیْنَ
۱۰	سورۃ طٰہٰ ع ۷	وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ	اٰدَمَ رَبُّهٗ
۱۱	سورۃ الانبیآء ع ۶	اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ	اِنِّیْ كُنْتَ
۱۲	سورۃ الشعرآء ع ۱۱	لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ	الْمُنْذَرِیْنَ
۱۳	سورۃ فاطر ع ۴	یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا	اَللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤَا
۱۴	سورۃ الصّٰفّٰت ع ۲	فِیْهِمْ مُّنْذِرِیْنَ	مُنْذَرِیْنَ
۱۵	سورۃ الفتح ع ۴	صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ	اللّٰهَ رَسُوْلُهٗ
۱۶	سورۃ الحشر ع ۳	الْمُصَوِّرُ	الْمُصَوَّرُ
۱۷	سورۃ الحاقۃ ع ۱	اِلَّا الْخٰطِـُٔوْنَ	اِلَّا الْخٰطَـُٔوْنَ
۱۸	سورۃ المزمل ع ۱	فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ	فَعَصٰى فِرْعَوْنَ الرَّسُوْلُ
۱۹	سورۃ المرسلٰت ع ۲	فِیْ ظِلٰلٍ	فِیْ ظَلَلٍ
۲۰	سورۃ النّٰزعٰت ع ۲	اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ	مُنْذَرُ

رسم الخط

عربی میں یائے مجہول نہیں ہے۔ لیکن قرآن مجید میں صرف ایک موقع پر آئی ہے۔ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا کو "مجرے ہاومرسٰہا" پڑھیں گے۔
علاوہ ازیں قرآن مجید میں اکثر جگہ الف لکھا جاتا ہے لیکن پڑھا نہیں جاتا۔ مثلاً علامتِ جمع کے لیے جو الف آتا ہے اس کو نہیں پڑھتے جیسے قَالُوْا میں آخری الف نہیں پڑھا جائے گا۔ اَنَا کو ہم اَنَ پڑھتے ہیں، آخری الف نہیں پڑھا جاتا۔ چوبیس مقامات اور ہیں جہاں الف نہیں پڑھا جاتا۔ نقشہ ذیل میں اس الف پر ٥ بنادیا گیا ہے:۔

پارہ	مقام	لفظ	پارہ	مقام	لفظ	پارہ	مقام	لفظ
لن تنالوا ۴	ع ۶ - ایۃ ۱۴۴	اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ	سبحٰن الذی ۱۵	ع ۱۴ - ایۃ ۱۴	لَنْ نَّدْعُوَاۡ	ومالی ۲۳	ع ۶ - ایۃ ۶۸	لَاۡ اِلَى الْجَحِیْمِ
قال الملا ۹	ع ۳ - ایۃ ۱۰۳	مَلَا۠ىِٕهٖ	سبحٰن الذی ۱۵	ع ۱۷ - ایۃ ۳۸	لٰكِنَّا۠	الیہ یرد ۲۵	ع ۱۱ - ایۃ ۴۶	مَلَا۠ىِٕهٖ
واعلموا ۱۰	ع ۱۳ - ایۃ ۴۷	لَاۡ اَوْضَعُوْا	اقترب للناس ۱۷	ع ۳ - ایۃ ۳۴	اَفَاۡىِٕنْ مِّتَّ	حٰمٓ ۲۶	ع ۵ - ایۃ ۴	وَلٰكِنْ لِّیَبْلُوَاۡ
یعتذرون ۱۱	ع ۱۳ - ایۃ ۷۵	مَلَا۠ىِٕهٖ	قد افلح ۱۸	ع ۳ - ایۃ ۴۶	مَلَا۠ىِٕهٖ	حٰمٓ ۲۶	ع ۸ - ایۃ ۳۱	نَبْلُوَاۡ
یعتذرون ۱۱	ع ۱۴ - ایۃ ۸۳	مَلَا۠ىِٕهِمْ	وقال الذین ۱۹	ع ۲ - ایۃ ۳۸	ثَمُوْدَاۡ	قال فما خطبکم ۲۷	ع ۷ - ایۃ ۵۱	ثَمُوْدَاۡ
ومامن دآبۃ ۱۲	ع ۲ - ایۃ ۶۸	ثَمُوْدَاۡ	امن خلق ۲۰	ع ۷ - ایۃ ۳۲	مَلَا۠ىِٕهٖ	تبٰرک الذی ۲۹	ع ۱۹ - ایۃ ۴	سَلٰسِلَاۡ
ومامن دآبۃ ۱۲	ع ۹ - ایۃ ۹۷	مَلَا۠ىِٕهٖ	امن خلق ۲۰	ع ۱۲ - ایۃ ۳۸	ثَمُوْدَاۡ	تبٰرک الذی ۲۹	ع ۱۹ - ایۃ ۱۵	كَانَتْ قَوَارِیْرَاۡ
وما ابرئ ۱۳	ع ۱۰ - ایۃ ۳۰	لِّتَتْلُوَاۡ	اتل مآ اوحی ۲۱	ع ۷ - ایۃ ۳۹	مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاۡ	تبٰرک الذی ۲۹	ع ۱۹ - ایۃ ۱۶	قَوَارِیْرَاۡ مِنْ

رُموزِ اَوقَافِ قرانِ مجِید

ہر ایک زبان کے اہلِ زبان جب گفتگو کرتے ہیں تو کہیں ٹھہر جاتے ہیں کہیں نہیں ٹھہرتے۔ کہیں کم ٹھہرتے ہیں کہیں زیادہ اور اس ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کو بات کے صحیح بیان کرنے اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے میں بہت دخل ہے۔ قرآن مجید کی عبارت بھی گفتگو کے انداز میں واقع ہوئی ہے۔ اسی لئے اہلِ علم نے اس کے ٹھہرنے نہ ٹھہرنے کی علامتیں مقرر کر دی ہیں جن کو رُموزِ اوقافِ قرآنِ مجید کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ قرآنِ مجید کی تلاوت کرنے والے ان رُموز کو ملحوظ رکھیں اور وہ یہ ہیں۔

O جہاں بات پوری ہو جاتی ہے، وہاں چھوٹا سا دائرہ لکھ دیتے ہیں۔ یہ حقیقت میں گول ت ہے جو بہ صورت ۃ لکھی جاتی ہے اور یہ وقف تام کی علامت ہے یعنی اس پر ٹھہرنا چاہئے۔

اب ۃ تو نہیں لکھی جاتی چھوٹا سا حلقہ ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کو آیت کہتے ہیں۔

م یہ علامت وقفِ لازم کی ہے اس پر ضرور ٹھہرنا چاہئے۔ اگر نہ ٹھہرا جائے تو احتمال ہے کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے۔ اس کی مثال اردو میں یوں سمجھنی چاہئے کہ مثلاً کسی کو یہ کہنا ہو کہ۔ اٹھو۔ مت بیٹھو۔ جس میں اٹھنے کا امر اور بیٹھنے کی نہی ہے۔ تو اٹھو پر ٹھہرنا لازم ہے۔ اگر ٹھہرا نہ جائے تو اٹھو مت۔ بیٹھو ہو جائے گا۔ جس میں اٹھنے کی نہی اور بیٹھنے کے امر کا احتمال ہے اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہو جائے گا۔

ط وقفِ مُطلق کی علامت ہے۔ اس پر ٹھہرنا چاہئے۔ مگر یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب تمام نہیں ہوتا اور بات کہنے والا ! بھی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔

ج وقفِ جائز کی علامت ہے۔ یہاں ٹھہرنا بہتر اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

ز علامت وقفِ مجوّز کی ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

ص علامت وقفِ مرخّص کی ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا چاہئے۔ لیکن اگر کوئی تھک کر ٹھہر جائے تو رخصت ہے۔ معلوم رہے کہ ص پر ملا کر پڑھنا ز کی نسبت زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔

صلے الوصل اولیٰ کا اختصار ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

ق قیل علیہ الوقف کا خلاصہ ہے۔ یہاں ٹھہرنا نہیں چاہئے۔

صل قدْ یُوصَل کی علامت ہے یعنی یہاں کبھی ٹھہرا بھی جاتا ہے کبھی نہیں۔ لیکن ٹھہرنا بہتر ہے۔

قف یہ لفظ قف ہے جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ اور یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے جہاں پڑھنے والے کے ملا کر پڑھنے کا احتمام ہو۔

س یا سکتہ سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں کسی قدر ٹھہر جانا چاہئے مگر سانس نہ ٹوٹنے پائے۔

وقفہ لمبے سکتہ کی علامت ہے۔ یہاں سکتہ کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہئے۔ لیکن سانس نہ توڑے۔ سکتہ اور وقفہ میں یہ فرق ہے کہ سکتہ میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے وقفہ میں زیادہ۔

لا لا کے معنی نہیں کے ہیں یہ علامت کہیں آیت کے اوپر استعمال کی جاتی ہے اور کہیں عبارت کے اندر۔ عبارت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہئے۔ آیت کے اوپر ہو تو اختلاف ہے بعض کے نزدیک ٹھہر جانا چاہئے بعض کے نزدیک نہ ٹھہرنا چاہئے۔ لیکن ٹھہرا جائے یا نہ ٹھہرا جائے اس سے مطلب میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ وقف اسی جگہ نہیں چاہئے جہاں عبارت کے اندر لکھا ہو۔

ک کذٰلک کی علامت ہے، یعنی جو رمز پہلے ہے وہی یہاں سمجھی جائے۔

∴ ∴ اگر کوئی عبارت تین تین نقطوں کے درمیان گھری ہوئی ہو تو پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ پہلے تین نقطوں پر وقف کر کے دوسرے تین نقطوں پر وصل کرے یا پہلے تین نقطوں پر وصل کر کے دوسرے تین نقطوں پر وقف کرے اس قسم کی عبارت کو معانقہ یا مراقبہ کہتے ہیں۔

قرآن مجید کی سورتوں کی فہرست

شمار سورت	نام سورت	نمبر صفحہ	نمبر پارہ	شمار سورت	نام سورت	نمبر صفحہ	نمبر پارہ
۷۱	سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ	۱۱۲۹	۲۹	۹۳	سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۶	۳۰
۷۲	سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ	۱۱۳۲	۲۹	۹۴	سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۷	۳۰
۷۳	سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۳۵	۲۹	۹۵	سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۷	۳۰
۷۴	سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۳۸	۲۹	۹۶	سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۸	۳۰
۷۵	سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۴۲	۲۹	۹۷	سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۹	۳۰
۷۶	سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ	۱۱۴۴	۲۹	۹۸	سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ	۱۱۸۰	۳۰
۷۷	سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۴۸	۲۹	۹۹	سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ	۱۱۸۱	۳۰
۷۸	سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۵۱	۳۰	۱۰۰	سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۲	۳۰
۷۹	سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۵۳	۳۰	۱۰۱	سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۳	۳۰
۸۰	سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ	۱۱۵۶	۳۰	۱۰۲	سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۴	۳۰
۸۱	سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۵۸	۳۰	۱۰۳	سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۴	۳۰
۸۲	سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۶۰	۳۰	۱۰۴	سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۵	۳۰
۸۳	سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ	۱۱۶۱	۳۰	۱۰۵	سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۶	۳۰
۸۴	سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۶۳	۳۰	۱۰۶	سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۶	۳۰
۸۵	سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۶۵	۳۰	۱۰۷	سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۷	۳۰
۸۶	سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۶۷	۳۰	۱۰۸	سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۷	۳۰
۸۷	سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ	۱۱۶۸	۳۰	۱۰۹	سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۸	۳۰
۸۸	سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۶۹	۳۰	۱۱۰	سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ	۱۱۸۸	۳۰
۸۹	سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۰	۳۰	۱۱۱	سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۹	۳۰
۹۰	سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۲	۳۰	۱۱۲	سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۸۹	۳۰
۹۱	سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۴	۳۰	۱۱۳	سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۹۰	۳۰
۹۲	سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۷۵	۳۰	۱۱۴	سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ	۱۱۹۰	۳۰

استدعا انسانی طاقت اور بساط میں جو کچھ ہے۔ اس کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پاک کمپنی (رجسٹرڈ) نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ نسخہ ہذا میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ رہ جائے پھر بھی انسان خطا کا پتلا ہے۔ اگر دورانِ طباعت کوئی زیر، زبر، نقطہ یا مد ٹوٹ جائے تو اسے غلطی نہیں کہتے۔ لاکھوں کی تعداد میں چھپنے والی مطبوعات میں باوجود ہر امکانی کوشش کے ایسی خفیف نادانستہ لغزش قابلِ گرفت نہیں ہوتی بلکہ قابلِ معافی ہوتی ہے۔ کوئی مسلمان جان بوجھ کر دیدہ دانستہ تو قرآن پاک کی طباعت میں ذراسی غفلت بھی نہیں کرسکتا پھر بھی آپ سے استدعا ہے کہ اگر دورانِ تلاوت اس قسم کی غلطی کا شبہ ہو تو ہمیں مطلع فرما کر مشکور فرمائیے۔

سرٹیفکیٹ ہم نے اس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے اور ہم تصدیق کرتے ہیں کہ اس کے متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

عربی پروف ریڈنگ

۱۔ قاری محمد یوسف (رجسٹرڈ پروف ریڈر) محکمہ اوقاف حکومت پنجاب۔
۲۔ محمد مستقر خان (رجسٹرڈ پروف ریڈر) محکمہ اوقاف حکومت پنجاب۔
۳۔ حافظ قاری محمد شفیق اللہ اجمل (رجسٹرڈ پروف ریڈر) محکمہ اوقاف حکومت پنجاب۔

اُردو پروف ریڈنگ

۱۔ قاری محمد یوسف
۲۔ قاری محمد رفیق انور
۳۔ حافظ قاری محمد الطاف
۴۔ حافظ قاری محمد رضاء الحق نقشبندی

پاک کمپنی (رجسٹرڈ) ۱۷۔ اردو بازار لاہور
www.only1or3.com
www.onlyoneorthree.com
سن اشاعت: جنوری ۲۰۰۷ء تعداد: ۲۰۰۰
مطبع: احمد عثمان پرنٹرز، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

AUQAF DEPARTMENT

محکمہ مذہبی امور و اوقاف حکومت پنجاب لاہور

رجسٹریشن سرٹیفکیٹ

طباعت قرآن مجید

نمبر ایس او (آئی بی ایم) 6-1/26/اے/ 97

رجسٹریشن نمبر 107

تاریخ اجراء 29-11-2005　　ترتیب نمبر 7

تصدیق کی جاتی ہے کہ فرد/کمپنی/پریس پاک کمپنی 17-اردو بازار لاہور

کو اشاعت قرآن مجید (طباعتی اغلاط سے مبرا) ایکٹ نمبر 54 مجریہ 1973ء کے تحت بطور ناشر قرآن رجسٹر کر لیا گیا ہے۔

سیکشن آفیسر (آئی۔بی۔ایم)

برائے سیکرٹری مذہبی امور و اوقاف پنجاب، لاہور

استدعا

انسانی طاقت اور بساط میں جو کچھ ہے۔ اس کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاک کمپنی (رجسٹرڈ) نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ نسخہ ہذا میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ رہ جائے پھر بھی انسان خطا کا پتلا ہے۔ اگر دوران طباعت کوئی زیر، زبر، نقطہ یا مد ٹوٹ جائے تو اسے غلطی نہیں کہتے۔ لاکھوں کی تعداد میں چھپنے والی مطبوعات میں باوجود ہر امکانی کوشش کے ایسی خفیف نادانستہ لغزش قابل گرفت نہیں ہوتی بلکہ قابل معافی ہوتی ہے۔ کوئی مسلمان جان بوجھ کر دیدہ دانستہ تو قرآن پاک کی طباعت میں ذرا سی غفلت بھی نہیں کر سکتا پھر بھی آپ سے استدعا ہے کہ اگر دوران تلاوت اس قسم کی غلطی کا شبہ ہو تو ہمیں مطلع فرما کر مشکور فرمائیے۔

اپنے کرم فرماؤں کی خدمت میں ایک اہم گزارش

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

اللہ رب العزت کا خاص فضل وکرم ہے جس نے آپ کو اپنے پاکیزہ اور نجات آفریں کلام کی تلاوت کا شرف عطا فرمایا اور ہمیں اپنی مقدس کتاب کی خدمت کی سعادت سے بہرہ اندوز کیا۔

ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑھ کر خوش نصیبی کا اور کون سا مقام ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بابرکت کتاب کی طباعت واشاعت کے ذریعے سے اس کے دین مبین کے پیغام کو عام کرنے میں حصہ لے۔ اس نعمتِ عظمیٰ پر اس بندۂ ناچیز کا سر اپنے رحیم اور کریم پروردگار کے حضور میں اظہار تشکر کے لیے خم ہے۔

ادارہ کے کارکنان کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ قرآن پاک کے صوری حسن میں کسی بھی قسم کی خامی نہ رہ جائے۔ اس وقت جو مبارک نسخہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، میں اس کے بارے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کی صحتِ کتابت کے لیے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ نسخہ ہر قسم کی غلطی سے پاک ہے۔ طباعت اور بائنڈنگ کے معیار کو مکمل طور پر درست رکھنے پر بھرپور توجہ دی گئی ہے۔ لیکن بایں ہمہ کوشش وکاوش کسی بھی قسم کی بشری فروگزاشت کا امکان ہو سکتا ہے۔ اگر خدانخواستہ آپ کی نظر میں ایسی کوئی غلطی گزرے تو براہ کرم آپ ہمیں فوراً مطلع فرمائیں۔ ادارہ اس امر کا پابند ہے کہ بلا تاخیر آپ کی شکایت کا ازالہ کرے اور آپ کو متبادل نسخہ فراہم کرے۔

یہ ضروری نہیں کہ کسی غلطی کی صورت میں ہی آپ ادارہ سے رابطہ کریں آپ اپنی تلاوت میں رہنے والے نسخہ کو امعان نظر سے ملاحظہ فرمائیں۔ اس کی کتابت، حسن ترتیب، کاغذ، جلد بندی، سرورق کی ڈیزائننگ کے بارے میں کسی بھی قسم کا مشورہ خاکسار کے لیے انتہائی فرحت ومسرت کا باعث ہوگا۔ آپ کی جانب سے یہ شراکت میرے اور میرے جملہ رفقاء کے لیے انتہائی فخر کا موجب ہوگی۔

امید ہے کہ آپ اپنی توجہ سے بھی نوازیں گے اور دعاؤں سے بھی مستفید فرماتے رہیں گے۔

والسلام مع الاکرام

سید احسن محمود

پاک کمپنی (رجسٹرڈ)

17- اردو بازار لاہور

فون: 92-42-7230555-7352427

فیکس: 92-42-7120077

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلقُرآنُ الکَرِیم

تفسیر ماجدی

مع ترجمہ و تفسیر

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

پاک کمپنی (رجسٹرڈ)
۱۷-اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھو اللہ جلّ جلالہ	الذی لا الہ جلّ جلالہ	الا ھو جلّ جلالہ	الرحمٰن جلّ جلالہ	الرحیم جلّ جلالہ	الملک جلّ جلالہ
القدوس جلّ جلالہ	السلام جلّ جلالہ	المؤمن جلّ جلالہ	المہیمن جلّ جلالہ	العزیز جلّ جلالہ	الجبار جلّ جلالہ
المتکبر جلّ جلالہ	الخالق جلّ جلالہ	البارئ جلّ جلالہ	المصور جلّ جلالہ	الغفار جلّ جلالہ	القہار جلّ جلالہ
الوہاب جلّ جلالہ	الرزاق جلّ جلالہ	الفتاح جلّ جلالہ	العلیم جلّ جلالہ	القابض جلّ جلالہ	الباسط جلّ جلالہ
الخافض جلّ جلالہ	الرافع جلّ جلالہ	المعز جلّ جلالہ	المذل جلّ جلالہ	السمیع جلّ جلالہ	البصیر جلّ جلالہ
الحکم جلّ جلالہ	العدل جلّ جلالہ	اللطیف جلّ جلالہ	الخبیر جلّ جلالہ	الحلیم جلّ جلالہ	العظیم جلّ جلالہ
الغفور جلّ جلالہ	الشکور جلّ جلالہ	العلی جلّ جلالہ	الکبیر جلّ جلالہ	الحفیظ جلّ جلالہ	المقیت جلّ جلالہ
الحسیب جلّ جلالہ	الجلیل جلّ جلالہ	الکریم جلّ جلالہ	الرقیب جلّ جلالہ	المجیب جلّ جلالہ	الواسع جلّ جلالہ

الحکیم — الودود — المجید — الباعث — الشہید — الحق

الوکیل — القوی — المتین — الولی — الحمید — المحصی

المبدئ — المعید — المحیی — الممیت — الحی — القیوم

الواجد — الماجد — الواحد — الاحد — الصمد — القادر

المقتدر — المقدم — المؤخر — الاول — الاخر — الظاہر

الباطن — الوالی — المتعال — البر — التواب — المنتقم

العفو — الرؤف — مالک الملک — ذوالجلال والاکرام — المقسط — الجامع

الغنی — المغنی — المانع — الضار — النافع — النور

الہادی — البدیع — الباقی — الوارث — الرشید — الصبور

پاک کمپنی ۱۷۔اردو بازار لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مُحَمَّدٌ ﷺ · اَحۡمَدُ ﷺ · حَامِدٌ ﷺ · مَحۡمُوۡدٌ ﷺ · قَاسِمٌ ﷺ · عَاقِبٌ ﷺ

فَاتِحٌ ﷺ · شَاهِدٌ ﷺ · حَاشِرٌ ﷺ · رَشِيۡدٌ ﷺ · مَشۡهُوۡدٌ ﷺ · بَشِيۡرٌ ﷺ

نَذِيۡرٌ ﷺ · دَاعٍ ﷺ · شَافٍ ﷺ · هَادٍ ﷺ · مَهۡدٍ ﷺ · مَاحٍ ﷺ

مُنۡجٍ ﷺ · نَاهٍ ﷺ · رَسُوۡلٌ ﷺ · نَبِيٌّ ﷺ · اُمِّيٌّ ﷺ · تِهَامِيٌّ ﷺ

هَاشِمِيٌّ ﷺ · اَبۡطَحِيٌّ ﷺ · عَزِيۡزٌ ﷺ · حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ ﷺ · رَءُوۡفٌ ﷺ · رَحِيۡمٌ ﷺ

طٰهٰ ﷺ · مُجۡتَبٰى ﷺ · طٰسٓ ﷺ · مُرۡتَضٰى ﷺ · حٰمٓ ﷺ · مُصۡطَفٰى ﷺ

يٰسٓ ﷺ · اَوۡلٰى ﷺ · مُزَّمِّلٌ ﷺ · وَلِيٌّ ﷺ · مُدَّثِّرٌ ﷺ · مَتِيۡنٌ ﷺ

مُصَدِّقٌ ﷺ · طَيِّبٌ ﷺ · نَاصِرٌ ﷺ · مَنۡصُوۡرٌ ﷺ · مِصۡبَاحٌ ﷺ · اٰمِرٌ ﷺ

پاک کمپنی ۱۷۔ اردو بازار لاہور

حجازی صلی اللہ علیہ وسلم	نزاری صلی اللہ علیہ وسلم	قرشی صلی اللہ علیہ وسلم	مضری صلی اللہ علیہ وسلم	نبی التوبۃ صلی اللہ علیہ وسلم	حافظ صلی اللہ علیہ وسلم
کامل صلی اللہ علیہ وسلم	صادق صلی اللہ علیہ وسلم	امین صلی اللہ علیہ وسلم	عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کلیم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نجی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صفی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم	حسیب صلی اللہ علیہ وسلم	مجیب صلی اللہ علیہ وسلم	شکور صلی اللہ علیہ وسلم
مقتصد صلی اللہ علیہ وسلم	رسول الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم	قوی صلی اللہ علیہ وسلم	حفی صلی اللہ علیہ وسلم	مامون صلی اللہ علیہ وسلم	معلوم صلی اللہ علیہ وسلم
حق صلی اللہ علیہ وسلم	مبین صلی اللہ علیہ وسلم	مطیع صلی اللہ علیہ وسلم	رسول الراحۃ صلی اللہ علیہ وسلم	اول صلی اللہ علیہ وسلم	اٰخر صلی اللہ علیہ وسلم
ظاہر صلی اللہ علیہ وسلم	باطن صلی اللہ علیہ وسلم	نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم	یتیم صلی اللہ علیہ وسلم	کریم صلی اللہ علیہ وسلم	حکیم صلی اللہ علیہ وسلم
خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم	سید صلی اللہ علیہ وسلم	سراج صلی اللہ علیہ وسلم	منیر صلی اللہ علیہ وسلم	محرم صلی اللہ علیہ وسلم	مکرم صلی اللہ علیہ وسلم
مبشر صلی اللہ علیہ وسلم	مذکر صلی اللہ علیہ وسلم	مطہر صلی اللہ علیہ وسلم	قریب صلی اللہ علیہ وسلم	خلیل صلی اللہ علیہ وسلم	مدعو صلی اللہ علیہ وسلم
جواد صلی اللہ علیہ وسلم	خاتم صلی اللہ علیہ وسلم	عادل صلی اللہ علیہ وسلم	شہیر صلی اللہ علیہ وسلم	شہید صلی اللہ علیہ وسلم	رسول الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم

پاک کمپنی ۱۷-اردو بازار لاہور